سلسلہ تبلیغ
۴۵

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

بار اوّل
۳۰۰۰

وعظ

# ترک المعاصی

(گناہوں کو چھوڑنا)

ازافادات

حکیم الامّۃ مجدد الملّۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی
مولانا خلیل احمد تھانوی


شعبہ نشرواشاعت جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ
کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

جمادی الثانی
۱۴۱۸ھ

فون کامران بلاک : ۴۴۸۰۶۰ — ۵۲۲۲۳۱۳
فون پرانی انارکلی : — ۷۳۵۲۷۲۸ —

اکتوبر
۱۹۹۷ء

# ترک المعاصی

حضرت والاؒ نے یہ وعظ، ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑنے کے موضوع پر ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ کو بندر مسجد گاڑی احاطہ کراچی میں ایک گھنٹہ تک کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۴۰۰ تھی۔ مولانا سعید احمد صاحبؒ نے وعظ قلم بند فرمایا۔

# ترک المعاصی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و اصحابہ وبارک وسلم. اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قال اللہ تبارک و تعالی وذروا ظاھرالاثم وباطنہ. ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون[1] .

(اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی)۔

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں خدا تعالی نے اپنے ایمان والے بندوں کو ایک نہایت عظیم الشان اور بڑے ضرر[2] کی چیز سے بچایا ہے جس سے خدا تعالی کی رحمت کاملہ اپنے بندوں پر معلوم ہوتی ہے یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالی محتاج نہیں ہیں۔ خدا تعالی کا کوئی کام بندوں کی اصلاح پر موقوف نہیں ہے ان کی سلطنت[3] مثل سلاطین[4] دنیا کے نہیں ہے کہ اگر رعایا مطیع[5] اور فرمانبردار ہے تو وہ بادشاہ ہیں اور اگر نافرمان باغی ہوجائے تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کے سلاطین کی سلطنت کا مدار ہی اطاعت رعایا پر ہے۔ اس لیے اگر کوئی بادشاہ دنیا کا رعایا[6] کو کچھ مصلحت کی بات بتلائے تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اپنی مصلحت کے لیے بتلارہا ہے تاکہ بغاوت نہ ہو اور ہمارے ملک میں ضعف نہ آئے لیکن خدا تعالی کی وہ سلطنت ہے اگر سب کے سب مل کر بھی بغاوت کریں تو اس میں ذرہ برابر کمی نہیں آسکتی اس لیے کہ اس کی تمام صفات قدیم[7] ہیں جن پر

(۱) الانعام آیت: ۱۲۰ (۲) نقصان (۳) بادشاہت (۴) دنیاوی بادشاہوں (۵) فرمانبردار (۶) ہمیشہ سے ہیں

زوال ممتنع[1] ہے۔ مسئلہ مسلمہ ہے[2] ماثبت قدمہ امتنع عدمہ یعنی جو چیز قدیم ہوگی اس کا عدم ممتنع[3] ہوگا تو چونکہ خدا تعالیٰ کی صفت سلطنت اور ملک و حکومت کی قدیم ہے اس لیے اس کو زوال ہو ہی نہیں سکتا نہ اس میں کوئی تغیر آسکتا ہے۔ تو اس حالت میں اگر خدا تعالیٰ کوئی بات مصلحت کی بتلائیں گے تو وہ سراسر ہماری مصلحت کے لیے ہوگی اس میں یہ احتمال[4] ہی نہیں کہ اپنی منفعت[5] کے لیے بتلایا ہوگا۔ بس اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی کہ بلا غرض نفع رسانی[6] ہو دنیا میں اگر کوئی نفع پہنچتا ہے تو اس میں اپنا بھی نفع ملحوظ رکھتا ہے جیسا مثال مذکور سے معلوم ہوا اور بعض کی نفع رسانی میں اگرچہ کوئی ظاہری مصلحت اس شخص کی معلوم نہ ہو جیسے طبیب کا نسخہ تجویز کرنا لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس میں بھی اپنی کوئی غرض مخفی[7] ضرور ہوتی ہے مثلاً یہ کہ اس شخص سے ہم کو مال حاصل ہوگا یا اس کے ذریعہ سے ہماری شہرت ہوگی یا کم از کم اگر کچھ بھی توقع نہ ہو اور کوئی بہت ہی بڑا دیندار ہو تو اس کو ثواب کی توقع تو ضرور ہی ہوگی اور یہ بہت ہی بڑی غرض ہے کہ دوسری تمام اغراض اس کے سامنے گرد[8] ہیں اگرچہ یہ غرض مذموم[9] نہیں بلکہ محمود[10] و مطلوب ہے لیکن غرض تو ضرور ہے اور غرض بھی بہت بڑی ہے طالب ثواب کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بے غرض نفع رسانی کی اور اگر کوئی شخص ایسا رحم دل ہے کہ اس کی نیت حصول ثواب کی بھی نہ ہو جیسے ماں باپ کی پرورش کہ بلا نیت ثواب ہوتی ہے گو اس پر ثواب بھی مرتب ہو جائے۔ یا مثلاً طبیب کا اپنے بچے کو دوا پلانا کہ بلا قصد ثواب ہوتا ہے وہ بھی غرض سے خالی نہیں، کم سے کم اپنے نفس کی راحت رسانی تو ضرور مقصود ہے یعنی بچے کی حکایت دیکھ کر جو اپنے کو تکلیف ہوتی ہے اس علاج

---

(۱) ناممکن ہے (۲) مانا ہوا ہے (۳) مطلب یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ سے ہوگی وہ ہمیشہ رہیگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اللہ پاک کی تمام صفات ایسی ہی ہیں کہ ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہینگی۔ (۴) امکان (۵) اپنے نفع کے لیے (٦) بغیر کسی غرض کے فائدہ پہنچانا (۷) پوشیدہ (۸) ہیچ (۹) ناپسندیدہ (۱۰) پسندیدہ

اور تجویز نسخہ سے اپنی اس تکلیف کا دفع کرنا اور اپنے کو راحت پہنچانا ہی مقصود ہے۔ اسی طرح اگر اجنبی کے ساتھ ہمدردی کی تو وہاں بھی ازالہ رقت جنسیت[۱] کا مقصود ہے غرض کوئی عاقل صدہا[۲] برس تک بھی سوچے تو وہ ایسی مثال نہیں بتلا سکتا جس میں کسی شخص نے دوسرے کو بلا اپنی کسی غرض کے نفع پہنچایا ہو۔ یہ خلاف خدا تعالیٰ کے کہ ان کو کسی کی احتیاج نہیں نہ مال کی ضرورت نہ جاہ کی طلب نہ جوش طبیعت مثل مادر و پدر[۳] کے کیونکہ انفعال[۴] سے خدا تعالیٰ بالکل پاک ہیں ان پر کوئی چیز موثر نہیں اور اس کی رحمت اختیاری ہے اس کا غصہ بھی مثل غصہ اہل دنیا کے نہیں کہ وہ بے چین ہو جاتے ہوں بلکہ انتقام عین ارادہ اس کے غصے کا حاصل ہے اور انفعال کے امتناع[۵] کی وجہ یہ ہے کہ اس پر کوئی حاکم نہیں نہ اس پر کوئی قادر اور موثر[۶] متاثر[۷] سے زور دار ہوتا ہے تو اگر خدا تعالیٰ پر کوئی چیز نہ موثر ہو سکے تو خدا خدا نہ رہے گا۔ غرض یہ اہل اسلام کا عقیدہ اور مسلمہ[۸] مسئلہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی چیز قادر و موثر نہیں تو رحمت کے بھی یہ معنیٰ نہیں کہ اس کو جوش ہوتا ہے جیسے مادر شفیق[۹] کو۔ بلکہ وہ صرف ارادے سے کرتے ہیں اور جب ایسا ہے تو وہاں یہ نفع بھی مطلوب نہیں کہ ہم کو راحت ہوگی۔ پس وہ جو شفقت کریں گے تو بالکل بے غرض شفقت ہوگی۔ وہ ہر طرح بے نیاز اور ہم ہر طرح محتاج ہیں۔ اب دیکھیے کہ اگر دنیا میں دو شخصوں میں ایسا علاقہ[۱۰] ہو کہ زید کو عمرو کی کوئی حاجت نہ ہو اور عمر کو زید کی حاجت ہو تو حالت یہ ہوتی ہے کہ محتاج الیہ[۱۱] منہ بھی نہیں لگایا کرتا اور محتاج[۱۲] اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا ہے تو اگر خدا تعالیٰ بھی اپنے استغناء[۱۳] اور مخلوق کی احتیاج[۱۴] کے اس مقتضائے[۱۵] مذکور پر عمل کرتے تو وہ بھی توجہ نہ کرتے اللہ اکبر اتنی مستغنی ذات اور پھر اتنی بڑھی

---

(۱) اپنے ہم جنس کی رعایت (۲) سینکڑوں سال (۳) ماں باپ (۴) کسی فعل سے متاثر ہونے سے (۵) اور کسی فعل سے متاثر نہ ہونے کے ناممکن ہونے کی وجہ یہ ہے (۶) اثر ڈالنے والا (۷) اثر قبول کرنے والے (۸) طے شدہ مسئلہ (۹) شفیق ماں کو (۱۰) تعلق و واسطہ (۱۱) جس سے کام ہوا کرتا ہے (۱۲) جس کو کام ہوا کرتا ہے (۱۳) بے نیازی (۱۴) ضرورت مندی (۱۵) اس تقاضے پر

رحمت کہ ہم کو ہمارے ضرر[1] سے مطلع فرماتے ہیں اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی اسی رحمت کے مقتضاء پر اس آیت میں ہم کو ہماری ایک ضرورت پر مطلع کیا ہے جس سے ہم کو اس کی رحمت کا ممنون[2] ہونا چاہیے کیونکہ قاعدہ شریف طبائع کا یہ ہوتا ہے کہ جس قدر کسی کی عنایت دیکھتے ہیں اسی قدر اس کے سامنے پگھل جاتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے الانسان عبدالاحسان (انسان غلام ہے احسان کرنے والے کا) مگر عجب بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کو سن کر ہماری اور زیادہ سرکشی بڑھتی ہے اور لوگ اور زیادہ جری[3] ہوجاتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ رحمت اور مغفرت کی آیتوں کو سن کر اور زیادہ اطاعت کرتے اور معاصی[4] پر جرأت نہ کرتے کیونکہ یہ آیات اس لیے نہیں فرمائی گئیں کہ سب بے فکر ہوجائیں۔

## اللہ کے غفور رحیم ہونے کا مطلب

بلکہ سبب اس کا یہ ہے کہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو تمام عالم جہل سے پر تھا جب حضور ﷺ نے طریقۂ نجات ارشاد فرمایا تو سلیم الطبع لوگوں نے اس کو سمجھا اور مانا لیکن ان کو یہ شبہ ہوا جس کو بعض نے خود آکر عرض بھی کیا کہ تمام عمر تو نافرمانی میں گذری ہے اب توبہ کرلینے سے اور اطاعت کرنے سے وہ نافرمانی کیونکر دھل جائے گی اور اس کا اثر کیسے جاتا رہے گا تو پھر اپنے آبائی[5] مذہب کو بھی کیوں چھوڑا ان حضرات نے خدا تعالیٰ کے معاملے کو دنیا کے لوگوں کے معاملے پر قیاس کیا کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا علم ان کو نہ تھا وہ خدا کو پورا پہچانتے نہ تھے اور یہی وجہ تھی ان کے شرک میں مبتلا ہونے کی کہ وہ یوں سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ مثل شاہان[6] دنیا کے ہوں گے کہ جس طرح شاہانِ دنیا تنِ تنہا سلطنت کے کام کو نہیں سنبھال سکتے بلکہ ہر کام کا عملہ الگ ہوتا ہے اور ہر کام

---

(۱) نقصان سے (۲) احسان مند (۳) دلیر (۴) گناہوں (۵) باپ دادا کے مذہب۔
(۶) دنیاوی بادشاہوں کی طرح

کے لیے کار کن جدا مقرر ہوتے ہیں ایسے ہی وہ سمجھے کہ خدا تو ایک ہے وہ سارے کام کیسے کرے گا تو ایک عملہ گھڑا اور نائب مقرر کر لیے کہ چھوٹے چھوٹے کام ان سے نکال لیں گے اور بڑے بڑے کام خدا تعالیٰ سے چنانچہ ان کے اس خیال کو قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے فاذا رکبوا فی الفلک دعوا الله مخلصین له الدین الخ [1] (جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں خلوص دل کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں) نیز حضور ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا کہ سات ہیں ایک آسمان میں اور چھ زمین میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا بڑے کاموں کے لیے کس کو تجویز کیا ہے، کہا آسمان والے کو غرض وہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ ایسے ہی ہیں جیسے شاہان دنیا اس قیاس فاسد [2] سے ان کو یہ بھی شبہ ہوا کہ اسلام لانے پر بھی شاید پچھلے جرائم باقی رہیں جیسے مثلاً فرض کرو اگر کوئی کسی کے باپ کو قتل کردے اور پھر بیٹے سے معاف کرائے تو گو وہ معاف بھی کردے مگر دل کا میل نہیں جاسکتا تو انہوں نے بھی یہی سمجھا کہ جب معاف یا خوش ہونے کی امید نہیں پھر ماں باپ اور قدیم مذہب کو بھی کیوں چھوڑا اور یہ شبہ آکر پیش کیا کہ اگر ہم مسلمان ہوں تو ہمارے گناہ کیسے معاف ہوں گے اور اگر نہ معاف ہوئے تو مسلمان ہونے سے فائدہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله [3]۔ یعنی اے محمد ﷺ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو وہ سب معاف کردے گا تم توبہ کرلو اس میں خاصیت یہ ہے کہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں گو ہر گناہ کی معافی کے قوانین الگ الگ ہیں جس کی تفصیل کتب شرعیہ میں ہے۔ تو آیات رحمت سے مقصود یہ ہوا کہ شکستہ دل [4] لوگوں کو تسکین [5] ہو نہ یہ کہ عام لوگوں کو اور جری [6] کردیا جائے۔ غرض رحمت کے ذکر سے زیادہ متاثر

---

(۱) العنکبوت آیت ۶۵ (۲) غلط استدلال (۳) الزمر آیت ۵۳ (۴) ٹوٹے ہوئے دل والوں کے لیے۔
(۵) سکون حاصل ہو (۶) دلیر

اور مطیع ہونا چاہیے۔

اس آیت سے یہ بھی ایک بڑی رحمت ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو مضرت [۱] سے بچنے کی تعلیم دی ہے پس ہم کو چاہیے کہ اور زیادہ مطیع [۲] ہوجائیں اور اس مضرت سے بچنے کی کوشش کریں۔

## نقصان عظیم کیا ہے

اب سمجھیے کہ وہ مضرت [۳] کیا ہے۔ سو اس کی تعیین آیت کے ترجمہ ہی سے ہوجائے گی۔ ترجمہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! چھوڑ دو ظاہر گناہ کو اور باطن گناہ کو تو وہ مضرت گناہ ہے۔ اور ظاہر اور باطن فرمانا اشارہ ہے تعمیم [۴] کی طرف یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ امر کا صیغہ [۵] وجوب کے لیے ہوتا ہے اور یہاں خدا تعالیٰ نے بصیغۂ امر فرمایا ہے تو ہر قسم کے گناہ کا ترک واجب ہوا پھر لفظ "اثم" فرما کر اس وجوب کو اور بھی موکد کردیا ہے یعنی اگر کسی فعل کے ترک کو واجب کہا جائے پس واجب کہنا اس فعل کے گناہ ہونے پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے اور جو اس کے ساتھ اس فعل کو گناہ بھی کہا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے اور زیادہ تاکید ہوجائے گی۔ غرض معلوم ہوا ہوگا کہ وہ مضرت گناہ کرنا ہے۔

## گناہ کا نقصان ہونا کیسے معلوم ہو؟

رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں معلوم ہوتی نہ کبھی کوئی سزا ہوتی ہے تو سمجھیے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جن کا وجدان [۶] صحیح نہیں ہے اور ان کو کسی قسم کی مضرت محسوس نہیں ہوتی ان

---

(۱) نقصان (۲) فرمانبردار (۳) نقصان (۴) اس کے عام ہونے کی طرف (۵) قرآن پاک میں جب کسی کام کا حکم دیا جائے امر کے صیغہ سے تو وہ کام کرنا ضروری ہوتا ہے (۶) نفس اور اس کی باطنی قوتیں اسی لیے وجدانی وہ چیزیں کہلاتی ہیں کہ جس کو انسان اپنے نفس سے محسوس کرے

کے لیے تو جواب یہ ہے کہ نصوص[1] میں دیکھ لو گناہ میں آخرت کی کیا کیا سزائیں مقرر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں سیجزون بما کانوا یقترفون[2] یعنی ان کو آخرت میں بہت جلد سزا ہوگی تو کیا یہ سزا کوئی چھوٹی مضرت ہے ہرگز نہیں۔ دیکھیے دنیا کی مضرت اگر آپ کی سمجھ میں آجاتی تو اس کو آپ بھی مضرت سمجھتے تو آخرت کی سزا تو اس سے زیادہ ہی ہے۔

## دنیا اور آخرت کے نقصان میں فرق

چنانچہ دنیا کی مضرت[3] میں اور آخرت کی مضرت میں فرق یہ ہے کہ دنیا کی کیسی ہی مضرت ہو اس میں منفعت[4] کا شائبہ ضرور ہوتا ہے اگر سر میں درد ہے تو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ پیٹ میں نہیں اگر مال جاتا رہا تو یہ کتنی بڑی منفعت ہے کہ آبرو[5] نہیں گئی۔ نیز ایک درد کے ساتھ دس دردمند[6] ہیں۔ باپ، بیٹے اور احباب وغیرہ تو کیا اس سے تسلی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے اور دکھ درد میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے۔ پس دنیا میں مضرت کے ساتھ ایک منفعت ضرور ہوتی ہے اور ایک بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں اسی تکلیف کے بہت سے مبتلا بھی نظر آتے ہیں اور مشہور ہے البلیۃ اذا عمت خفت (جو مصیبت عام ہو جاتی ہے ہلکی معلوم ہوتی ہے) اور طبعی امر[7] بھی ہے کہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بعض اوقات درد اور تکلیف میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے خوب کہا ہے۔

پای در زنجیر پیش دوستاں — بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

(دوستوں کے ساتھ قید میں رہنا بھی غیروں کے ساتھ باغ میں رہنے سے بہتر ہے)

پھر بعض اوقات اس کے ازالے کے اسباب بھی اختیار میں ہوتے ہیں اور اگر ان سے زوال نہیں ہوتا تو بعض اوقات کچھ سکون ہی ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر شدت ہوتی ہے تو اتنی کہ سہار ہو سکے چنانچہ شدت تکلیف میں نیند کا آجانا اس کی

---

(۱) قرآن و حدیث (۲) (۳) تکلیف (۴) کچھ نہ کچھ فائدہ (۵) عزت (۶) ہمدرد (۷) طبعی تقاضا

دلیل ہے کہ تکلیف قابل برداشت ہے اکثر اوقات دل بھی بٹ جاتا ہے غرض دنیا کی تکلیف کی تو یہ کیفیت ہے۔ اب آخرت کے عذاب کو دیکھیے کہ اس میں راحت کا نام بھی نہیں ہے سر سے پاؤں تک تکلیف ہی میں غرق ہوگا کہ نہ سر کو چین نہ پیر کو نہ ہاتھ کو۔ ایک شخص[1] جس کو سب سے کم عذاب ہوگا اس کی بابت حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کو آگ کی جوتیاں پیر میں پہنادی جائیں گی مگر شدت کی یہ حالت ہوگی کہ اس کا سر مثل دیگ کے پکتا ہوگا اور وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کوئی عذاب میں نہیں۔ صاحبو! کیا یہ کچھ کم مضرت ہے اور اگر اب بھی اس کا احساس نہیں ہوا تو امتحان کے لیے اپنی انگلی آگ کے اندر رکھ کر دیکھ لیجیے اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ اس عذاب کی کیا کیفیت ہوگی جو دنیا کی آگ سے ستر درجے زیادہ ہے کیونکہ جب اس آگ میں ایک منٹ بھی انگلی نہیں رکھی جاتی تو اس آگ کا برسوں تحمل[2] کیسے ہوگا بلکہ اگر بہت ہی کم مثلاً ایک ہی دن کی اس میں قید ہوگئی تو اس کا بھی تحمل کیسے کیا جاوے گا بالخصوص جبکہ وہ دن بھی ہزار برس کے برابر ہو۔ چنانچہ خود ارشاد ہے۔ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون[3]۔ (تحقیق وہ دن تیرے رب کے نزدیک تمہاری شمار کے لحاظ سے ہزار برس کے برابر ہوگا) اس پر شاید لوگوں کو تعجب ہو بلکہ عجب نہیں کہ ہمارے نوجوان جدید تعلیم یافتہ جماعت کو اس پر ہنسی آئے کہ ایک دن ہزار برس کا کیسا ہوگا۔ لیکن واقع میں یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں ہے دیکھو دنیا میں بھی عرض تسعین میں چھ ماہ کا ایک دن ہوتا ہے جیسا دنیا میں اتنا بڑا دن موجود ہے تو اگر اس عالم کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہو تو کیا تعجب ہے کیونکہ معمورہ اور ارض تسعین تو پھر بھی اس عالم کے اجزاء ہیں جب ایک ایک عالم کے اجزاء ہو کے خواص میں اس قدر تفاوت ہے تو جہاں عالم ہی بدل گیا وہاں اگر اس سے

---

(۱) اس شخص سے مراد ابو طالب ہیں (۲) سالوں کیسے برداشت کرو گے (۳) الحج آیت ۴۷ (۴) ذق ہے

زیادہ تفاوت ہو جائے تو تعجب کیا ہے۔ تو اگر وہاں ایک دن کی سزا بھی ہو گئی تو کمیتہً[۱] یہاں کے ہزار برس کی سزا کے برابر ہے۔ اور کیفاً[۲] اس سے بھی زیادہ۔ دوسرے دنیا میں یہ راحت تھی کہ ہمدرد غمخوار موجود تھے وہاں یہ حالت ہو گی کہ کوئی بھی نہ پوچھے گا پھر یہ کہ یہاں تو اپنے سے زیادہ تکلیف میں دوسرے کو مبتلا دیکھ کر تسلی بھی کر لیتا ہے اور وہاں ہر شخص کو یہ خیال ہو گا کہ مجھ سے زیادہ کوئی تکلیف میں مبتلا نہیں ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ عذاب ابدی ہوا تو غضب ہی ہے کیونکہ وہاں کبھی موت بھی نہ آئے گی بلکہ یہ حالت ہو گی کہ كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غيرها ليذوقوا العذاب[۳]۔ (جب ان کی کھال جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو ہم ان کی دوسری کھال بدل دیتے ہیں۔ تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں)۔

تو تعجب ہے مسلمان پر کہ دنیا کی اتنی ہلکی تکلیف کو تو تکلیف سمجھے۔ اور اتنی بڑی مضرت پر نظر نہ کرے یہ تو جواب ان لوگوں کے لیے تھا کہ ان کا وجدان صحیح نہیں ہے کہ ان کو گناہ کی مضرت عاجلہ[۴] محسوس نہیں ہوتی اور وجدان کے بطلان[۵] کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ گناہ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ انسان کی عقل اور سلامت فطرت اس سے بالکل برباد ہو جاتی ہے لیکن جن لوگوں کا ادراک صحیح ہے ان کے لیے اس سوال کا کہ گناہ میں کیا مضرت ہے علاوہ جواب مضرت آخرت کے یہ بھی جواب ہے کہ گناہ میں مضرت عاجلہ[۶] بھی ہے لیکن ہم اپنی بے تمیزی سے اس مضرت کو لذت سمجھتے ہیں۔ میں ابھی اس کو عرض کروں گا۔

## خرابی وجدان کی مثال

لیکن اول ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ مشہور ہے کہ ایک غیر ملکی وحشی

---

(۱) مقدار کے اعتبار سے (۲) کیفیت یعنی شدت کے اعتبار سے (۳) النساء، آیت ۶۵۔
(۴) فوری نقصان یا تکلیف (۵) احساس کے غلط ہونے کی (۶) فوری تکلیف

ہندوستان میں آیا اتفاق سے آپ ایک حلوائی کی دکان سے گذرے وہاں گرم گرم حلوا رکھا ہوا تھا خوشبو سونگھ کر طبیعت للچائی۔ درم و دوام کچھ پاس نہ تھے۔ آپ نے اس میں سے ایک لپ[1] بھر کر حلوا اٹھایا اور کھا گئے۔ حلوائی نے رپٹ لکھوائی افسر نے جاالان کو خلجان[2] سمجھ کر تنبیہ کے لیے حکم دیا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے اس کے پیچھے لڑکے ڈھلی خنجری بجاتے ہوئے تشہیر کرتے ہوئے شہر بدر[3] کردیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جب یہ اپنے ملک واپس ہوا لوگوں نے ہندوستان کا حال پوچھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ ہندوستان خوب ملک ست، حلوا خوردن مفت ست، سواری خر مفت ست، فوج طفلان مفت ست، ڈم ڈم مفت ست، ہندوستان خوب ملک ست[4]۔ تو جیسا اس وحشی نے غایت غباوت سے اس سامان ذلت کو سامان عزت قرار دیا[5] تھا ایسا ہی ہم بھی اپنے سامان کلفت کو سامان لذت سمجھتے ہیں۔

## وجدان صحیح کرنے کی ترکیب

یہ تو مثال تھی مگر میں مثال پر اکتفا نہ کروں گا بلکہ اس کی حقیقت بتلاتا ہوں غور کیجیے اور غور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو آپ نے سامان لذت سمجھ رکھا ہے کبھی اس سے گذر کر اس کے متضاد[6] حالت پر بھی نظر کیجیے تب آپ کو اس لذت ظاہری کے کلفت[7] حقیقیہ ہونے کا احساس ہو کیونکہ ادراک کے غلط ہوجانے کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اس سامان کے مقابل کو نہیں دیکھا قاعدہ مقررہ ہے کہ الاشیاء تعرف باضدادہا (ہر قسم کی چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) دیکھو

---

(۱) مٹھی بھر (۲) پریشانی کا باعث (۳) شہر سے باہر نکال دیں (۴) ہندوستان بہت اچھا ملک ہے، حلوا مفت کھانے کو ملتا ہے، گدھے کی سواری مفت ہے، بچوں کی فوج مفت ہے، ڈھول باجہ مفت ہے، ہندوستان بہت اچھا ملک ہے۔ (۵) انتہائی بے وقوفی سے اس رسوائی کو عزت سمجھ رہا تھا (۶) خلاف (۷) اس ظاہری لذت کے حقیقی پریشانی ہونے کا احساس ہو گا

جو مینڈک کیچڑ میں رہتا ہو اور اسی میں پیدا ہوا ہو وہ چونکہ شفاف پانی سے واقف نہیں اس لیے اس کے نزدیک وہ سڑا ہوا کیچڑ ہی شفاف پانی ہے لیکن اگر کسی شفاف شیریں خوش ذائقہ رنگ چشمہ پر اس کا گذر ہو تو اس کو حقیقت اس کیچڑ کی معلوم ہو سکتی ہے۔ تو ہم نے چونکہ ہوش کدورات ہی میں سنبھالا ہے اس لیے ہم کو اس کی برائی یا اچھائی کی اطلاع نہیں۔ امتحان کے لیے یہ کیجیے کہ ایک ہفتہ بھر کے لیے گناہ کو چھوڑ دیجیے اور اپنے دنیوی کاموں کا کوئی بندوبست کر کے اور ان میں تلاوت اور ذکر اللہ میں مشغول رہیے اور کسی قسم کی نافرمانی اس زمانے میں نہ کیجیے صرف ایک ہفتہ بھر ایسا کر لیجیے اس کے بعد اپنے قلب[1] کو دیکھیے کہ کیا حالت ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے قلب میں ایک بہار شگفتگی پائیں گے اور اس کے بعد پہلی حالت معصیت پر تو آپ خود بہ خود آ ہی جائیں گے اس کے بعد جب ایک دو دن معصیت میں گذر چکیں پھر دیکھیے قلب کو کہ کیا حالت ہے اور پہلی حالت سے موازنہ کیجیے۔ واللہ آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ جمعیت[2] تھی اور یہ تشویش[3] ہے وہ راحت تھی یہ کلفت ہے وہ لذت تھی یہ معصیت ہے اس وقت آپ کو گناہ کر کے ایسی تکلیف ہوگی جیسے کسی کانٹے کے لگ جانے سے ہوتی ہے۔ بخدا جو لوگ گناہ سے بچتے ہیں ان کو گناہ کا ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے بلکہ اگر بلا ضرورت نافرمان کے پاس بھی بیٹھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی کم ہمتی سے یہ امتحان بھی نہ کرنا چاہے کہ اس میں چند سے فارغ للطاعات[4] ہونا پڑتا ہے تو میں اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں بحالت موجودہ ہی غور کر لیجیے کہ آپ کو کبھی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے یا ہر وقت تکلیف اور پریشانی ہی گذرتی ہے اگر اس کا بھی اندازہ نہ ہو تو اور آسان بتلاتا ہوں کہ اہل اللہ کے پاس جائیے اور اہل اللہ سے مراد وہ لوگ نہیں کہ ان کے بیوی بچے کچھ بھی نہ ہوں بلکہ وہ لوگ مراد

---

(۱) دل (۲) دلی جمعی سکون (۳) پریشانی (۴) کچھ دنوں کے لیے اپنے آپ کو نیکیوں کے لیے فارغ کرنا پڑتا ہے

ہیں جن کو اصلی محبت صرف خدا سے ہے اگرچہ بیوی بچے بھی ان کے ہیں تو ان کے پاس جائیے اور دیکھیے کہ مصیبت میں ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور راحت میں کیا حالت ہوتی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ مصیبت و راحت دونوں میں ان کی یہ حالت ہے کہ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست[1]۔ ایک بزرگ کی خدمت میں کسی نے ایک نہایت قیمتی موتی بھیجا جب ان کے پاس پہنچا تو فرمایا الحمدللہ اس کے بعد وہ موتی گم ہو گیا آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا الحمدللہ۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ اجتماع الضدین[2] کیسا کہ آنے پر بھی خوشی اور گم ہونے پر بھی خوشی۔ فرمایا اصل خوشی آنے جانے پر نہیں ہوئی بلکہ ایک دوسری بات پر ہوئی وہ یہ کہ جب موتی آیا تھا تو میں نے اپنے قلب[3] کو ٹٹول کر دیکھا تھا کہ اس کے ساتھ قلب کو زیادہ تعلق تو نہیں ہوا مگر معلوم ہوا کہ نہیں میں نے خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد جب یہ گم ہو گیا تو میں نے قلب کو دیکھا کہ اس میں غم کا اثر تو نہیں ہوا معلوم ہوا کہ نہیں۔ اس پر میں نے پھر خدا کا شکر کیا تو یہ الحمدللہ اس پر تھا کہ نہ آنے سے خوشی ہوئی اور نہ جانے سے غم ہوا۔

اسی طرح حضرت غوث الاعظمؒ کے پاس ایک آئینہ چینی لایا گیا آپ نے خادم کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ جب ہم طلب کیا کریں تو لایا کرو۔ اتفاق سے ایک مرتبہ وہ آئینہ خادم سے ٹوٹ گیا۔ وہ نہایت خوف زدہ ہوا اور سہم[4] گیا اور عرض کیا کہ از قضا آئینہ چینی شکست[5]۔ آپ نے فرمایا کہ خوب شد اسباب خود بینی شکست[6] گویا محض مزاح میں اس کو اڑا دیا اور کچھ بھی [illegible] ثیر مزاج مبارک پر نہ ہوا۔

---

(۱) جو حالت بھی ہے دوست کی طرف سے پیش آئے اچھی ہی ہے (۲) ایک دوسرے کی ضد کو کیسے جمع کر دیا (۳) دل (۴) ڈر گیا (۵) قضائے الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا (۶) آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا ہوا کہ اپنی اچھائیوں پر نظر پڑنے کے اسباب ختم ہو گئے (کیونکہ اپنی خوبیوں پر نظر پڑنے سے تکبر پیدا ہوتا

## اسباب پریشانی

سبب اس کا یہ ہے کہ جتنی پریشانی ہوتی ہے تعلق ماسوی اللہ[1]۔ سے ہوتی ہے اور جن لوگوں کو خدا سے تعلق نہیں ہے وہ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور وجہ ان کی اس پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر امر کے متعلق ایک خاص تجویز اپنے ذہنوں میں تراش لیتے ہیں جیسے شیخ چلی کا تجویز کردہ خاندان تھا۔ تو ہم سب اس بلا میں مبتلا ہیں کہ ہر وقت بیٹھ کر یہ دھن لگایا کرتے ہیں کہ یوں تجارت ہوگی، اتنا نفع اس میں ہوگا، یوں ہم بنک میں روپیہ داخل کریں گے۔ اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ ہر تمنا پوری ہوتی نہیں تو سارے رنج کی بات یہ ہے کہ آرزو کرتا ہے اور وہ پوری ہوتی نہیں۔ کوئی دنیادار کسی وقت آرزو سے خالی نہیں ہے تو ہر وقت کسی نہ کسی تمنا میں رہتا ہے اور تمنا ہونا ضروری نہیں اس سے پریشانی ہوتی ہے تو کوئی دنیا دار پریشانی سے خالی نہیں۔ اور اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ ہر کام انہوں نے مفوض[2] بحق کردیا ہے۔ اپنی کچھ تجویز نہیں کرتے تو جو کچھ ہوتا ہے ان کے لیے ایذا[3] وہ نہیں ہوتا۔

## اہل اللہ کو رنج نہ ہونے کی حقیقت

حضرت بہلول[4] نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیسا مزاج ہے کہنے لگے کہ اس شخص کے مزاج کی کیا کیفیت پوچھتے ہو کہ دنیا کا ہر کام اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو۔ حضرت بہلول نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ کہنے لگے کہ یہ تو عقیدہ ہی ہے کہ کوئی کام خدا کی خواہش کے خلاف نہیں ہوتا تو جس نے اپنی خواہش کو بالکل خدا تعالیٰ کی خواہش میں فنا کردیا ہو تو جس طرح ہر کام خدا کی

---

(۱) غیر اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے ہوتی ہے (۲) ہر کام اللہ کے سپرد کردیا ہے (۳) تکلیف دہ
(۴) ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں بہلول دانا کے نام سے مشہور تھے

خواہش کے موافق ہوگا اس طرح اس شخص کی خواہش کے موافق بھی ہوگا کوئی بات اس کی خواہش کے خلاف نہ ہوگی اور جب یہ نہیں تو اس کو رنج کیوں ہوگا۔ یہ راز ہے اس کا کہ اہل دنیا کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی اور اہل اللہ کو کبھی رنج نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اہل اللہ کو مریض ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے ان پر مختلف انواع[1] کے صدمات بھی پڑتے ہیں تو صاحبو میں نے الم یعنی دکھ کی نفی نہیں کی ان کو الم ہوتا ہے لیکن پریشانی و کوفت نہیں ہوتی اس الم کی ایسی مثال ہے جیسے فرض کرو کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہے اور ایک مدت کے بعد محبوب کی زیارت اس کو نصیب ہوئی اور اس کو دیکھ کر بالکل از خود رفتہ[2] ہوگیا اسی حالت میں محبوب کو سلام کیا اس نے بجائے جواب دینے کے دوڑ کر اس کو گلے سے لگالیا اور خوب زور سے دبایا کہ اس کا ارمان پورا ہوجائے۔ عاشق چونکہ فراق کی تکلیف میں بالکل تحمل[3] چکا تھا اس کے دبانے پر لگیں ہڈیاں پسلیاں ٹوٹنے عین اس دبانے کی حالت میں اتفاقاً ایک رقیب آگیا اس کو دیکھ کر محبوب نے کہا کہ اگر میرے دبانے سے تم کو تکلیف ہوتی ہو تو تم کو چھوڑ کر اس کو دبالوں۔ اب غور کیجیے کہ وہ عاشق اس کا کیا جواب دے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہی کہے گا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا نصیبہ ایسا نہ ہو کہ وہ تیری تلوار کا مقتول ہو خدا کرے یہ سعادت تیرے عشاق کی قسمت میں ہی آئے اور دوستوں کا سر سلامت چاہیے کہ اپنے خنجر کو آزماتا رہے)۔

اور یہ کہے گا۔

اسیرت نخواہد رہائی ز بند

شکارت نجوید خلاص از کمند

---

(۱) مختلف قسم کے (۲) بے قابو (۳) الگ دور ہوچکا تھا

(تیرا قیدی تیری قید سے رہائی کی خواہش نہ کرے گا تیرا شکار پھندے سے نکلنا پسند نہ کرے گا)

اور یہ کہنے لگا کہ۔

گر دو صد زنجیر آری بگسلم

غیر زلف آں نگار دلبرم

(اگر تو دو سو زنجیریں بھی لگائے گا تو میں ان کو توڑ دوں گا سوائے اس معشوق کی زلف کے جو میرے دل کو لے جانے والا ہے)۔

کیا اس قید کو وہ گراں[1] سمجھے گا ہر گز نہیں ہاں تکلیف جسمانی ضرور ہوگی مگر قلب کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس میں راحت بھری ہوئی ہوگی بلکہ زبان سے یہ نکلتا ہوگا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے

یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اسی طرح اہل اللہ کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو جسمی مگر قلب ان کا ہر وقت راحت میں ہے[2]۔

## گناہ مصیبت کا سبب ہیں

اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ گناہ کرنے والے کیسی تکلیف میں ہیں کہ کسی وقت راحت نصیب نہیں تو گناہ سے یہ فوری مضرت ہوتی ہے نیز اس کے سوا ایک اور بھی تکلیف ہوتی ہے اور ہے وہ بھی عاجل[3] مگر فعل کے بعد ہوتی ہے اور

---

(۱) بھاری (۲) اسکی ایک دوسری مثال جو عام ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی کی بیٹی کی شادی ہو کر رخصت ہو رہی ہوتی ہے تو اگرچہ اس کی جدائی کیوجہ سے ماں، باپ رو رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے دل خوش ہوتے ہیں اور اگر اس وقت میں کوئی کہے کہ اگر آپ کو اس کی جدائی کی تکلیف ہے تو ہم چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ہر گز برداشت نہ کریں گے یہ ہے اجتماع ضدین کہ رو بھی رہے ہیں اور خوش بھی بہت ہیں۔ خلیل

(۳) فوری

یہ مذکور بالا[1] فعل کے ساتھ تھی وہ یہ ہے کہ جتنے گناہ کرنے والے ہیں وہ ہمیشہ کسی نہ کسی آفاقی مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں جیسے یہ مذکورہ کلفت مصیبت انفسی تھی ارشاد خداوندی ہے۔ اولایرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولاھم یذکرون[2]۔ (اور کیاان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ کچھ سمجھتے ہیں مگر لوگ اس قسم کے مصائب کو یہ نہیں سمجھتے کہ فلاں گناہ کی سزا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسے وقت کہا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کونسا گناہ ہوا تھا جس کے سبب یہ تکلیف جھیلنی پڑی اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ تکلیف گناہ کے سبب ہوا کرتی ہے مگر تعجب صرف اس پر ہے کہ کونسا گناہ ہم سے ہوگیا تھا۔ مجھے لوگوں کے اس تعجب ہی پر تعجب ہے کیونکہ ہم میں وہ ایسا کون ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں رہتا اور جب ہر وقت گناہ میں مبتلا رہیں تو تعجب تو آفات میں مبتلا نہ ہونے پر کرنا چاہیئے تھا۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ گناہ کرنے سے دنیا کی بھی پریشانی ہوتی ہے اور آخرت کی الگ رہی۔ اب خدا تعالیٰ کی رحمت کو دیکھیئے کہ فرماتے ہیں کہ اس مضرت سے بچو۔ وذروا ظاہر الاثم وباطنہ[3] (ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو) آپ نے دیکھا کہ کتنی بڑی مضرت سے خدا تعالیٰ نے بچایا ہے۔

## قرب قیامت کا مطلب

اور میں نے اس کے بیان کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس کے متعلق ہم میں چند طرح کی کوتاہیاں ہیں ایک تو یہ کہ ہم میں اکثر کو تو دین ہی کی خبر نہیں ان کا تو یہ مذہب ہے کہ۔

---

(۱) اور یہ جو پہلے ذکر کی گئی ہے (۲) التوبہ آیت ۱۲۶ (۳) الانعام آیت ۱۲۰

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

کیوں صاحبو اگر کوئی شخص آپ کو زہر بھرا لڈو لا کر دے تو کیا اسی اپنے قول کے موافق وہاں بھی عمل کرو گے کہ کل کے دن کیا خبر گذرے اب تو لڈو کھانے کو ملتا ہے یا کہ اس کے انجام بد پر نظر کر کے اس کو ترک کردو گے۔ تو کیا قیامت آپ کے نزدیک کل سے کچھ زیادہ دور ہے۔ صاحبو! کل کے چار بجے تو ۲۴ گھنٹے یقینی ہیں اور قیامت کے متعلق ۲۴ منٹ کی بھی خبر نہیں اس لیے کہ شاید ہمیں نفس نفس واپسین بود (شاید یہ ہی سانس آخری سانس ہو) موت کا کوئی مقرر اور معین وقت نہیں۔ لوگ اس دھوکے میں ہیں کہ ابھی تو ہم جوان ہیں۔ صاحبو! لوگوں کو اس طرح موت آگئی ہے کہ خود ان کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ اب ہم مرجائیں گے۔

کانپور میں ایک صاحب گھر میں آئے کھانا مانگا۔ ماما کھانا اتار کر لائی دیکھا تو آقا صاحب ختم ہو چکے۔ غرض موت کا کوئی قاعدہ اور وقت مقرر نہیں ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض آپ سو برس کے بھی ہوگئے تو کیا ہوگا۔ وہ سو برس بھی جب گذر جائیں گے تو ایک دن کے برابر بھی نہیں معلوم ہوں گے حضرت نوح علیہ السلام سے جن کی عمر قریب ڈیڑھ ہزار برس کے ہوئی حضرت عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا، فرمایا جیسا دو دروازے والا ایک گھر ہو کہ ایک دروازے سے داخل ہوا اور گذرتا ہوا دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھ کہ آپ کی عمر کے مثلاً چالیس چالیس پچاس پچاس برس گذر گئے ہیں مگر غور کر کے دیکھو کہ یہ اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسے آیندہ کل کا دن تو موت کو مدید اور بعید[1] سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہے جب وہ آئے گی تو یہ حالت ہوگی جیسے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قال کم لبثتم فی الارض عدد سنین.

---

[1] موت کو لمبا اور دور سمجھنا

قالوا لبثنا یوماً او بعض یوم فسئل العادین[1]۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا یہ بتلاؤ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہوگے وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔ اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے) خیال تو کیجئے اتنی بڑی بڑی عمریں اور جب پوچھا جائے گا تو ایک دن سے بھی کم معلوم ہوں گی تو جب یہ حالت ہے تو پھر کاہے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو۔ صاحبو جس وقت ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے تو جیل خانہ کو بہت بعید سمجھتا ہے لیکن جب سزا کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریب تھا۔ تو یہ کہنا کہ اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے کتنی بڑی غلطی کی بات ہے۔ حضرت خدا تعالیٰ تو جانتا ہی ہے عاقبت کی خبر لیکن جس کو خدا بتلادے وہ بھی جانتا ہے۔ اگر کوئی مریض کہے کہ طبیب جانے کہ اس غذا میں کیا نقصان ہے تو اس سے کیا کہو گے یہی کہ بھائی طبیب تو بے شک جانتا ہے لیکن جب اس نے تمہیں بتلادیا تو اب تو تم بھی جانتے ہو اسی طرح عاقبت کی حالت جب خدا تعالیٰ نے تم کو بتلادی تو تم بھی تو جان گئے پھر غفلت اور جرأت کیسی اور بہت لوگ جو دنیا کے پیچھے پڑے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ موت اور عاقبت کو بھول گئے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے۔ اکثروا ذکرھاذم اللذات الموت (دنیا کی لذتوں اور مزوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھو) ہر مسلمان کو چاہئیے کہ اس مراقبہ کا دوام کرے اور سوتے وقت اس طرح غور کرے کہ مرنے کے بعد یہ خدم و حشم[2] سب چھوٹ جائے گا اور میں اکیلا رہ جاؤں گا اور صرف باز پرس رہ جائے گی اور سوچے کہ حضرت سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہزار تلوار لگیں تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی جان کے نکلنے میں ہوتی ہے اور ظاہر بھی ہے کہ ذرا بدن کا ایک رواں توڑ کر دیکھئے تو کس قدر تکلیف ہوتی ہے تو جب فرشتہ پوری جان نکالے گا اس وقت کیا عالم ہوگا اسی طرح سوچو کہ حشر و نشر

---

(۱) المومنون آیت ۱۱۲، ۱۱۳ (۲) نوکر چاکر، رعب دبدبہ

کے وقت کیا حالت ہوگی جب اس طرح سوچو گے تو دنیا سے دل سرد ہوجائے گا میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم تجارت زراعت کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کسی کام میں دل نہ لگاؤ۔ ایک قطعہ مجھے اس مضمون کے مناسب ایک ناصح کا یاد آیا فرماتے ہیں۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک روس اور کیا سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرف آواز طبل اودھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہوئے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے

یہ تو ہوس کا فتویٰ تھا آگے کہتے ہیں کہ۔

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قید آواز کا محبوس ہے

اور کیا تماشا دکھلایا کہ۔

لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا اور یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے[1]

خیال فرمایئے بڑے بڑے ملوک اور سلاطین گذر گئے مگر ان کا کہیں نشان بھی

---

(۱) حضرت تھانوی کے خلیفہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب غوری کے اشعار ہیں کشکول مجذوب اور کلام مجذوب ان کے

باقی نہیں ہے، اور عجیب بات یہ ہے کہ بادشاہوں کا تو کہیں تاج بھی باقی نہیں لیکن بزرگوں کی جوتیاں تک بھی تبرکاً باقی ہیں اس سے موازنہ کرنا چاہیے طلب دنیا اور طلب حق کے اثر ہیں۔

## دین کی طرف توجہ کرنے کی ترکیب

غرض ایک کوتاہی تو ہم میں یہ تھی کہ دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور دوسری کوتاہی یہ ہے کہ اگر توجہ کرتے ہیں تو بے ترتیبی سے کرتے ہیں ترتیب موافق عقل اور شرح کے یہ ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اہم[۱] ہے چنانچہ اطبا کا اتفاق ہے کہ علاج سے زیادہ ضروری پرہیز ہے تو اس وقت اگر توجہ بھی ہوتی ہے تو وظائف کی طرف اوراد[۲] کی طرف جو کہ جالب منفعت ثواب[۳] ہے اور آج کل اسی کا نام لوگوں نے بزرگی رکھا ہے کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا دین دار ہے کہ ایک قرآن شریف روز پڑھتا ہے۔ رات بھر جاگتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ دین نہیں اپنے مرتبہ میں یہ بھی دین ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ ضروری کوئی چیز ہے اور وہ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ گناہ کی چیزوں سے بچے جو کہ دفع مضرت[۴] ہے اس وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک تسبیح بھی نہ پڑھے مگر گناہ چھوڑ دے غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے اور غیر خدا کی محبت سے دل کو خالی کردے اور ایک نفل بھی نہ پڑھے ایک تو ایسا ہو اور دوسرا ایسا ہو کہ ساری رات جاگے عبادت کرے قرآن شریف پڑھے لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حقیر سمجھے ان کو تکلیف پہنچانے اور بھی گناہ کرے تو خوب سمجھ لو کہ پہلا ناجی[۵] ہے اور دوسرا ناری[۶] ہے خدا تعالی

---

(۱) نفع حاصل کرنے کی نسبت نقصان سے بچنا زیادہ ضروری ہے (۲) وظیفوں اور مختلف اذکار کے ورد کرنے کا خیال آتا ہے (۳) جو کہ ثواب کے نفع کا باعث ہیں (۴) نقصان دہ چیز کا دور کرنا ہے (۵) نجات پانے والا (۶) آگ میں جانے والا ہے

نفلوں کو نہیں دیکھتے۔ حدیث میں ہے لاتعدل بالرعة. یعنی ورع کی برابر کسی عمل کو نہ سمجھو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں عورت بہت روزے رکھتی ہے لکن تؤذی جیرانھا (لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے) فرمایا ھی فی النار (وہ دوزخی ہے) پھر ایک دوسری عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ بہت زیادہ عبادت (یعنی نفل وغیرہ) نہیں کرتی لکن لا تؤذی جیرانھا (لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی) فرمایا ھی فی الجنۃ (وہ جنت میں ہے) آج کل ہمارے دین دار بھی دین کی وہ چیزیں لیتے ہیں جن کی کوئی صورت محسوس ہے یعنی وجودی عبادت اور جس کی کوئی صورت محسوس نہ ہو۔

جیسے ترک معصیت[1] کا اس کا اہتمام کم کرتے ہیں حالانکہ اس میں نفس کا کید ہے کہ وجودی[2] عبادت میں لوگوں کی نظروں میں عزت و وقعت ہوتی ہے اور ترک[3] میں کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا مثلاً اگر ایک شخص ساری عمر کسیکی غیبت نہ کرے تو دوسروں کو پتہ بھی نہیں چل سکتا کیونکہ وہ تو ترک ہے اور ترک فعل[4] نظر میں نہیں آیا کرتا نظر میں تو کسی فعل کا ارتکاب[5] واخذ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجودی عبادت تو کرتے ہیں مگر گناہ کو نہیں چھوڑتے اور اگر چھوڑا بھی تو بعض کو اور یہ بعض کا چھوڑنا بعض کا نہ چھوڑنا تو نہ چھوڑنے ہی کے حکم میں ہے۔ مثلاً اگر ہم نے غیبت کو نہ چھوڑا اور گالی کو چھوڑ دیا تو من وجہ نہ چھوڑنا ہی ہے۔ کیونکہ گالی وغیرہ کو ہم نے اس لیے چھوڑا ہے کہ اس میں بد نامی کا اندیشہ ہے۔ تو راز اس میں بھی وہی ہے کہ ایک گناہ مضر جاہ[6] ہے اور دوسرا نہیں ورنہ اگر خدا کے خوف سے چھوڑا جاتا تو سب گناہ چھوڑ دینے چاہئیں تھے۔

تیسری کوتاہی یہ ہے کہ اگر گناہ کو چھوڑتے ہیں تو بعض کو اور بعض کو نہیں جیسا پہلے ضمناً عرض کیا اور اگر کوئی بزعم خود[7] سارے گناہوں کو بھی

---

(۱) گناہ کو چھوڑنا (۲) عبادت کرنے میں (۳) چھوڑنے (۴) کام نہ کرنا (۵) کام کا کرنا (۶) مرتبہ کے لیے نقصان (۷) اپنے خیال میں

چھوڑے تو اس میں کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ ظاہری گناہوں کو جو کہ ہاتھ پیر کے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ گناہ انہی کو سمجھتے ہیں اگر کسی سے پوچھا جائے کہ گناہ کیا کیا ہیں تو وہ انہی کو گنوائے گا۔ کبھی ریا اور کینہ وغیرہ کا نام بھی نہ لے گا وجہ یہی ہے کہ ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ خدا تعالیٰ نے ان سب کوتاہیوں کا علاج اس میں فرمایا ہے کہ وذروا ظاہر الاثم و باطنہ (تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو) پس اس میں یہ بات بھی بتلادی کہ بڑی بات یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑا جائے اور سب کو چھوڑا جائے، اور یہ بھی بتلادیا کہ گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے متعلق بھی اور قلب کے متعلق بھی۔

## گناہوں کی مختصر فہرست

گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصر لکھتا ہوں کہ مثلاً آنکھ کا گناہ ہے، کسی نامحرم کو دیکھنا امرد[1] کا دیکھنا یا اجنبی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے عورت کے سر کے بال[2] اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی بتلانا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں۔ ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لاتمدن عینیک الی ما متعنابہ ازواجاً منہم زہرۃ الحیوۃ الدنیاالخ[3] (ہرگز مت اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو اس چیز کی طرف جو ہم نے کفار کو ان کی آزمائش کے لیے نفع کے واسطے دی ہیں یعنی دنیا کی رونق وغیرہ)

اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و کعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اسی طرح زبان کا

---

(۱) نابالغ بچے کو بری نظر سے دیکھنا (۲) کیونکہ عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرے ہاتھ اور پیروں کے جیسے مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ستر ہے کہ اس کا دوسرے کے سامنے بلاضرورت شرعی کھولنا ناجائز ہے (۳) الحجر آیت ۸۸

گناہ چغلخوری ہے، غیبت ہے جھوٹ بولنا ہے آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں الاماشاء اللہ اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضئ حق [1] تو نہ ہوگی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے گانا سنے۔ ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نا محرم کو چھوئے کوئی ناجائز مضمون لکھے۔ پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے۔ اور ایک پیٹ کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی جب حلال نہیں مل سکتی تو حرام حرام سب برابر پھر کہاں تک بچیں۔ صاحبو! یہ گمان بالکل غلط ہے جس کو فقہ حلال کہدے وہ بلاشبہ حلال ہے۔ لوگ علماء سے پوچھتے نہیں ورنہ بہت سی حلال صورتیں نکل آئیں۔ افسوس ہے معاملات میں وکلاء سے تو مشورہ کیا جاتا ہے مگر اہل علم سے کبھی مشورہ نہ کریں گے اور یہ نہ پوچھیں گے کہ یہ ناجائز ہے یا جائز۔ صاحبو! اگر عمل کی بھی توفیق نہ ہو تب بھی ہر معاملہ کو پوچھ تو ضرور ہی لو۔ اگر آتشک [2] ہو تو اس کا نسخہ تو ضرور ہی یاد کرلو اگرچہ اس کو برا تو نہیں کیونکہ معلوم ہوگا تو کبھی تو توفیق ہی ہو جائے گی۔ اسی طرح تمام بدن کے متعلق ایک گناہ ہے کہ لباس کفار کے مشابہ پہنا جائے۔ صاحبو! اگر تمہارے نزدیک مذہبی حکم کوئی چیز نہیں تو اسلامی غیرت تو ہونی چاہیے۔ کیا یہ غیرت کی بات نہیں آخر قومی امتیاز بھی کوئی چیز ہے اور اگر ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے۔ غضب ہے کہ اکثر ہندو تو ایسی وضع اختیار کرنے لگے ہیں۔ جیسے مسلمان کی ہونی چاہیے۔ اور مسلمان ہندوؤں کی وضع اختیار کرنے لگے ہیں۔ میرے بھائی کے پاس ایک تحصیل دار اور ایک سب انسپکٹر آئے۔ تحصیل دار ہندو مگر ریش بروت [3] مسلمانوں کا سا۔ اور سب انسپکٹر صاحب مسلمان مگر چہرہ ہندوؤں کا۔ خدمت گار نے پان تحصیل دار کے سامنے رکھدیئے تو سب انسپکٹر ہنسے، تحصیل دار صاحب بھی ہنسے،

---

(۱) اللہ کی مرضی کے خلاف (۲) ایک بیماری (۳) چہرے پر داڑھی

نوکر سمجھ گیا اور پان سب انسپکٹر کے سامنے رکھ دیئے۔ بھائی نے کہا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک نوکر آپ کو ہندو سمجھے۔

صاحبو! غیرت کرنی چاہیے اور ہماری یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس تبدل ہئیت [۱] میں مصلحت کیا ہے۔ بجز اس کے کہ یہ ایک غیر مسلم قوم کا لباس ہے تو گویا نعوذ باللہ یہ مطلب ہوا کہ لاؤ ہم بھی کافر بنیں اگرچہ صورۃً ہی ہوں مجھے ایک ظریف کا قول یاد آیا کہنے لگے کہ اس وقت نوجوانوں کی یہ حالت ہے کہ اگر اہل یورپ کسی مصلحت سے اپنی ناک کٹوانے لگیں تو یہ نوجوان بغیر سوچے سمجھے اپنی ناک بھی کٹوانے لگیں گے اور در اصل وجہ یہ ہے کہ تبدل ہئیت کو باعث شوکت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ وضع اہل حکومت [۲] کی ہے۔ لیکن صاحبو! اگر شوکت بھی ہوئی تو نتیجہ کیا، شوکت تو اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ اغیار کے مقابلے میں اس سے کام لیا جائے نہ اس لیے کہ اپنوں ہی پر رعب جمادیں پھر اوپر سے یہ لوگ ہمدردی قومی کے بھی مدعی ہیں یاد رکھو! ہمدردی اور نفع رسانی اس شخص سے ممکن ہے کہ وہ قوم سے اختلاط [۳] و مناسبت پیدا کرے نہ کہ ان سے نفور [۴] ہو اور ان کو اپنے سے متوحش بنادے بعض لوگ اس مسئلے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم اس لباس سے کافر ہوجائیں گے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اگر آپ عورت کا لباس پہن لیں تو کیا آپ عورت ہوجائیں گے، اور جب نہ ہوجائیں گے تو اس کو بھی کیوں اختیار نہیں کیاجاتا اور بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان کو شوکت سے بھی کوئی تعلق نہیں مثلاً تصویر رکھنا، کتا پالنا، ڈاڑھی منڈانا۔ مجھے ایک اپنی اور ایک دوسرے صاحب کی حکایت یاد آئی۔ اپنی تو یہ کہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا کہ ایک جنٹلمین جو کتا لیے ہوئے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ کتے میں ایسے ایسے

---

(۱) وضع کی تبدیلی (۲) اس زمانے میں تو انگریز کی حکومت تھی جو اہل حکومت تھے۔ آج کل اگرچہ اقتدار مسلمانوں کا ہے لیکن اب تک دلوں میں عظمت دماغوں میں بسی ہوئی ہے انگریزی تعلیم کی وجہ سے (۳) میل جول (۴) دور بھاگے

اوصاف ہیں پھر اس کو پالنا کیوں منع کیا گیا- میں نے کہا کہ صاحب اس کا ایک تو عام جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور یہ جواب ہزاروں شبہات کا ہے- دوسرا جواب خاص جواب ہے جو اس باب کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ کہ اس میں باوجود ان صفات کے ایک ایسا عیب ہے کہ جس نے سب اوصاف کو گرد[1] کردیا اور یہ وہ ہے کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں اس لیے اس کا پالنا منع ہے- پس چپ ہی تو ہوگئے اور خوش ہو کر تسلیم کیا- اور دوسرے کی حکایت یہ ہے کہ ایک صاحب کتا بغل میں دبائے بیٹھے تھے کسی نے کہا کہ اس میں کیا مصلحت ہے کہنے لگے تاکہ فرشتہ موت کا نہ آئے- انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں آخر دنیا میں کتے بھی تو مرتے ہیں جو فرشتہ ان کی جان نکالتا ہے وہی تمہاری بھی نکالے گا- اور پہلی حکایت میں جو میں نے دوسرا جواب دیا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے واقع میں وہ کوئی بڑی بات نہیں بات اصلی تو وہی تھی کہ ہم کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے غرض بعضے گناہ میں تو بالکل ہی ضرورت و مصلحت کا کوئی درجہ نہیں گو جن کو ضروری سمجھا جاتا ہے بایں معنیٰ کہ ان کے نہ کرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے اور ان کے لیے نفس کچھ حیلہ[2] نکال لیتا ہے عقل صحیح کے سامنے وہ بھی لغو[3] ہیں لیکن اس وضع کے بدلنے میں تو کسی درجے کا بھی نفع نہیں اور اس کے چھوڑنے میں کونسی تکلیف ہے تو یہ گناہ بالکل گناہ بے لذت ہوا اور اگر بالفرض کوئی لذت و ضرورت ہو بھی تو خدا کے حکم کے سامنے اپنی مصلحت کیا چیز ہے یہ تو ظاہری گناہ تھے اور باطنی گناہ یہ ہیں کہ مثلاً اہل دنیا تو دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور دیندار اس پیرایہ میں تو نہیں لیکن وہ اپنے کو بزرگ سمجھ کر دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں خوب کہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کہاں کی بزرگی یہ کہا ہے-

---

(۱) تمام خوبیوں پر مٹی ڈال دی (۲) بہانہ (۳) بیکار

غافل مرد کہ مرکب مردان مرد راہ
در سنگلاخ بادیہ بپا بریدہ اند

(غافل مت رہ کہ جو لوگ منزلوں کو طے کرنے والے ہیں ان کے گھوڑے پتھریلے راستوں کو بھی میدان کی طرح طے کر لیتے ہیں)

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(ناامید بھی مت ہو جاؤ کہ شراب عشق سے مست لوگ ایک آواز میں منزل پر پہنچ جاتے ہیں)

یہ گناہوں کی مختصر سی تفصیل ہے۔

## گناہ چھوڑنے کا طریقہ

اب اس کا طریقہ سمجھئے کہ یہ کس طرح چھوٹیں۔ سو طریقہ یہ ہے کہ سوچا کرو کم از کم سونے کے وقت آج ہم نے کیا کیا شرارتیں کی ہیں اس کے بعد سوچو کہ ان پر کیا سزا ہونے والی ہے اس کے بعد سوچو کہ ہم نے اس سزا سے بچنے کی کیا تدبیر کی ہے جب کچھ سمجھ میں نہ آئے تو توبہ کرو اور خوب روؤ اسی طرح روزانہ کیجئے پھر ایک چلہ[1] کے بعد دیکھئے کہ کتنی کایا پلٹ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی بھی کوشش کیجئے کہ آپ کو گناہوں کی مفصل فہرست معلوم ہو جائے۔ آپ نے آج تک شاید سنا بھی نہ ہو کہ اگر ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کرے اور بیس سیر اسباب ہو تو بغیر محصول دیئے لیجانا حرام ہے تو آپ کو ضروری ہے کہ علم دین حاصل کریں خواہ اردو ہی کی کتابیں ہوں مگر ہر رطب[2] ویابس دیکھنے کے قابل نہیں بلکہ محقق علماء سے انتخاب کرا کے کتابیں دیکھو ہر قسم کی کتابیں نہ دیکھو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب دیکھنے میں کیا حرج ہے تو صاحبو! حرج یہ

(۱) چالیس دن بعد (۲) اچھی بری

ہے کہ آدمی ڈانواں ڈول[1] ہوجاتا ہے اور بھی راز ہے تقلید کا کہ اس تذبذب سے محفوظ رہے تو ہر قسم کی کتابیں نہ دیکھو بلکہ جو علماء محقق بے غرض ہیں ان کی کتابیں دیکھو۔ دوسرے یہ کہ ان کو کسی عالم سے پڑھ لو اور اگر پڑھنے کی فرصت نہ ہو تو خود دیکھ لو مگر اس طرح کہ جہاں ذرا بھی شبہ رہے فوراً اس پر نشان بنا دو اور کسی عالم سے اس کو پوچھ کر حل کرلو۔ اور جیسے کھانے کی روزانہ ضرورت ہے اسی طرح اس کو بھی ساری عمر کے لیے ایک ضرورت کی چیز سمجھو اور مطالعہ کرو اور جو پڑھ نہیں سکتے وہ پڑھے ہوؤں سے سن لیا کریں اور اس طریقے سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں تمام امت محمدیہ ﷺ کے افراد باخبر ہوجائیں گے اور اس کے ساتھ وہ مراقبہ مفید ہوگا جو اوپر مذکور ہوا اس ترتیب کے ساتھ اگر کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد سب گناہ چھوٹ جائیں گے خدا تعالیٰ نے تھوڑے سے لفظوں میں ان سب کو بتلادیا ہے کہ۔ وذروا ظاہر الاثم وباطنہ. ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بماکانوا یقترفون[2]

(تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی)۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو وہ توفیق عمل عطا فرمائیں آمین یا رب العالمین[3]۔

## تمت بالخیر

---

(۱) مذبذب کا شکار ہوجاتا ہے (۲) الانعام آیت ۱۲۰ (۳) محشی خلیل احمد تھانوی اور اس کی اولاد کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے کہ اللہ پاک عمل کے ساتھ سب ظاہری باطنی گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

# درود لامتناھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّم مُضعِفاً اَبَداً      عَلَی النَّبِیِّ کَمَا کَانَت لَکَ الکَلِمُ

**ترجمہ:**

یا اللہ حضور ﷺ پر اپنے کلمات کی بمقدار درود و سلام نازل فرما دو گنا در دو گنا ہمیشہ:

معنی اس شعر کے یہ ہیں کہ اے اللہ حضور ﷺ پر اپنے کلمات کے بقدر درود شریف نازل فرما اللہ تعالیٰ اپنے کلمات کے بارے میں قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔

" **قل لوکان البحر مداداً لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمٰت ربی ولوجئنا بمثلہ مدداً** ". الکہف آیت ۱۰۹

**ترجمہ:** کہہ دیجئے اگر ہو سمندر سیاہی باتیں لکھنے کیلئے میرے رب کی تو ختم ہوجائے سمندر پیشتر اسکے کہ ختم ہوں باتیں میرے رب کی اور اگرچہ ہم لے آئیں ایسا ہی اور (سمندر)۔ کیلئے:۔ ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا:۔

" **ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمٰت اللہ ان اللہ عزیز حکیم** "

**ترجمہ:** اور جو کچھ زمین میں ہیں درخت وہ قلمیں ہوجائیں اور سمندر (سیاہی) کر مدد کریں اسکی اسکے ساتھ سات سمندر اور بھی تو بھی نہ ختم ہوں کلمات الٰہی بیشک اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔ لقمن آیت ۲۷

تو مطلب اب یہ ہوا کہ اپنے ان لامتناہی کلمات کی بقدر حضور ﷺ پر درود و سلام نازل فرما اور وہ بھی مضعفاً یعنی دو گنا در دو گنا کہ دو اسکا دو گنا چار اسکا دو گنا آٹھ اور اسکا دو گنا سولہ اور اسکا دو گنا بتیس اس حساب سے اس میں اضافہ کرتے رہیں الی غیر النہایۃ۔ اور پھر وہ بھی ابداً یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ تو گویا اس ایک شعر میں اللہ پاک سے یوں کہا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ پر میری طرف سے لامتناہی درود ہمیشہ بھیجتے رہیے۔

خلیل احمد تھانوی

جدید اضافہ کے ساتھ

# گناہوں کا سمندر

# اور رحمتِ الٰہی کی وُسعت





تقریظ:
حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

پسند فرمودہ:
حضرت مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہید

مؤلف
مولانا ارسلان بن اختر

مکتبہ الارسلان
MAKTABA-E-ARSALAN

# گناہوں کا سمندر اور رحمت الٰہی کی وسعت



تقریظ: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

پسند فرمودہ: حضرت مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہید

مؤلف
مولانا ارسلان بن اختر

شعبہ تحقیق و تصنیف:
مکتبہ ارسلان
بنوری ٹاؤن، کراچی۔
فون: 0333-2103655

مکتبہ ارسلان بنوری ٹاؤن، کراچی۔
فون: 0333-2103655

خط وکتابت کا پتہ: مکتبہ زکریا، سلام مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 4855305

نام کتاب ........................ گناہوں کا سمندر اور رحمت الٰہی کی وسعت

ترتیب وتزئین ........................ مولانا ارسلان بن اختر میمن



نفیس اکیڈمی اُردو بازار، کراچی۔ فون: 0333-2103655, 021-2722080

ملنے کا پتہ: **کراچی**: کتب خانہ مظہری گلشن اقبال نمبر 2۔ فون: 4992176
بیت القرآن اُردو بازار، کراچی۔ اقبال بک ڈپو (اقبال نعمانی صدر)۔ علمی کتاب گھر اُردو بازار، کراچی۔
بیت الکتب گلشن اقبال نمبر 2۔ فون: 4975024 مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن۔ فون: 4856701
مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی۔ فون: 45914144 مکتبہ رحمیہ اُردو بازار، کراچی۔ فون: 2744994
ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 4914596 نور القرآن، اُردو بازار، کراچی۔ فون: 2624609
دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی۔ فون: 2213768
**لاهور**: مکتبہ رحمانیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ ادارہ اسلامیات انارکلی بازار، لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور۔
**راولپنڈی**: مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔

# گناہوں کا سمندر
# اور رحمتِ الٰہی
# کی وسعت

# پسند فرمودہ

## مرشدی ومولائی

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ **حکیم محمد اختر** صاحب دامت برکاتہم

مجھے امید قوی ہے کہ یہ کتاب اور موصوف کی دیگر کتابوں کا مطالعہ امتِ مسلمہ کے لئے معرفت اور محبتِ خداوندی کے حصول میں نہایت مفید ثابت ہوگا.....

دل سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ موصوف کی تصنیف اور تالیف کردہ کتابوں کو امت مسلمہ کے لئے نہایت مفید بنا کر قارئین اور معاونین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے....

(آمین)

**العارض:**

(عارف باللہ حضرت مولانا شاہ) **حکیم محمد اختر** عفا اللہ تعالیٰ عنہ

# تقریظ

## شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو اپنی مکمل بندگی کیلئے پیدا کیا ہے۔ مکمل بندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارے اور جن اقوال وافعال سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے رک جائے۔ بندہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں گناہ کہتے ہیں.....

جب بندہ سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی معافی کا طریقہ بھی بتایا ہے کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو..... جب تم توبہ کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دینگے.....

زیر نظر کتاب میں تفصیل اور مثالوں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب بندہ نافرمانیوں کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اس کی رحمت کی وسعت بندے کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے.....

یہ کتاب مولوی محمد ارسلان میمن کی مرتب کردہ ہے جو مختلف اور مستند دینی کتابوں سے محنت کر کے مرتب کی گئی ہے.....

بندہ مولوی صاحب موصوف کی اس محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب کو اپنے دربار عالی میں قبول فرما کر بندوں کیلئے باعث ہدایت بنادے..... (آمین)

فقط والسلام

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ ۱۴۲۰/۱۲/۲۶ھ

# عرضِ مؤلف

میرے عزیزو! اس وقت امت کا ایک بڑا طبقہ نفس اور شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے رحمت الٰہی سے مایوس ہو چکا ہے..... اسکی وجہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے..... اس کی تو یہ چاہت ہے کہ کوئی بھی انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب نہ بنے..... لہٰذا پہلے پہلے تو وہ کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں لگاتا ہے..... جب وہ شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کر لیتا ہے تو شیطان اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرنے کی کوششیں کرتا ہے..... اسی لئے بہت سے لوگ توبہ کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں..... اور وہ شیطان کے ورغلانے پر دل میں یہ کہتے ہیں کہ یار چالیس (۴۰) سال تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دیئے..... اب جہنم تو طے ہے ہی..... لہٰذا کیوں نہ چند برس اور عیاشی کر لیجائے..... اس طرح کر کے شیطان لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرتا ہے.....

حالانکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت کو بیان فرمایا ہے.....

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**" قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا "**

"اے میرے حبیب ﷺ! آپ کہہ دیجئے جن لوگوں نے میری نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا وہ میری رحمت سے نا امید نہ ہوں..... بیشک تمہارا پروردگار تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا....."

اسی طرح احادیث مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے ذریعے جگہ جگہ اپنی رحمت کو بیان کیا ہے..... چنانچہ ایک حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے

حبیب ﷺ کے ذریعہ رحمت الٰہی کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عِنَانَ سَمَاءِ''

اے میرے بندے! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں.....

یعنی مفہوم یوں بنا کہ اے میرے بندے اگر تیرے گناہ زمین کو بھر دیں..... ساری زمین تیرے گناہوں سے بھر جائے..... حتیٰ کہ یہ خلا جو زمین آسمان کے درمیان ہے یہ بھی تیرے گناہوں سے بھر جائے..... اور پھر تیرے گناہوں کا سمندر بلند ہوتے ہوتے آسمان تک پہنچ جائے..... ''ثم ستغفرتنی'' پھر تو اپنے گناہوں پر استغفار کرلے..... ''غفرت لک'' میں تیرے تمام گناہوں کو معاف کردوں گا..... ''ولا اُبالی'' مجھ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا..... کہ کیوں معاف کیا..... (مشکوٰۃ و ترمذی)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ:

اگر میں دنیا میں عذاب نازل کرنے کا ارادہ کروں تو سب سے پہلے اس کو عذاب دونگا..... جو میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں.....

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر بے انتہا مہربانی اور رحم کرنے والا ہے..... لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اب جتنے چاہو گناہ کرتے رہو..... ساری زندگی گناہوں میں گزار دو..... بس ایک دن پیاسے کتے کو پانی پلا دیں گے تو سب گناہ معاف ہو جائیں گے..... یہ سوچ بالکل غلط ہے..... اس لئے کہ ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون ہے..... اور ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا..... اس کو اس گناہ کا عذاب بھگتنا ہوگا..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور کرم یہ ہے کہ کسی بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہ کو معاف فرما دے..... لیکن اس کرم اور رحمت کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ کس عمل پر کس وقت ہوگی..... اور کس وقت نہیں ہوگی..... لہٰذا اس بھروسے پر آدمی گناہ کرتا رہے کہ اللہ

تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی عمل تو قبول ہو جائیگا..... اور گناہ معاف ہو جائیں گے..... یہ بات نہیں ہے..... بلکہ جتنا ہم اپنی ذات سے گناہ سے بچ سکتے ہیں بچیں..... چاہے وہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا.....

بعض لوگ جان بوجھ کر گناہ کرتے ہیں..... اور پھر رحمت کی امید بھی رکھتے ہیں..... ایسا شخص سخت شیطانی حملے کا شکار ہے..... اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے:

"اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ"

(کیمیائے سعادت)

وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے..... اور پھر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہے.....

اس وقت امت کا ایک بڑا طبقہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہے..... اور حتیٰ کہ لوگ رحمت الٰہی سے مایوسی کو گناہ ہی نہیں سمجھتے..... حالانکہ مفتی شفیع صاحبؒ نے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں رحمت الٰہی سے ناامیدی کو کبیرہ گناہ لکھا ہے..... (گناہ کی لذت)

چنانچہ موجودہ دور میں اس بات کی ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جو رحمت الٰہی سے ناامید ہونے والوں کے لئے سرچشمہ حیات ہو..... لہٰذا اس ضرورت اور خیال کے تحت اس ناکارہ نے مضمون ھٰذا پر مواد جمع کرنا شروع کیا.....

شروع میں تو بندہ کو اس کتاب کو لکھنے میں بڑی دقت پیش آئی کیونکہ بندہ کی نظر میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں گزری..... جس میں رحمت الٰہی سے متعلق مفصل مواد جمع ہو..... اس وجہ سے اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بلا مبالغہ کئی سو کتابوں سے مواد نکال کر کتابی شکل دی گئی.....

مجھے اپنے کریم مالک سے قوی امید ہے کہ گناہوں کے سمندر میں غوطہ لگانے والا شخص بھی اس کتاب کو حضورِ قلب کے ساتھ آداب کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھے گا تو اس سے

انشاء اللہ ایسے شخص کے دل میں سچی توبہ کا داعیہ پیدا ہو جائے گا..... اور وہ تائب ہو کر محبوبِ خدا بن جائے گا..... کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے:

''اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللہ'' توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے..... (احیاء العلوم)

اسی طرح یہ کتاب رحمت الٰہی سے ناامید ہو جانے والوں کے لئے روشن چراغ ثابت ہو گی.....

العارض

محمد ارسلان بن اختر میمن

''کان اللہ لہٗ عوضا عن کل شیٍٔ''

# آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں

یاد رکھئے! مسلمان کی نیت بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے..... لہٰذا پڑھنے سے پہلے یہ نیت کرلیں کہ اس کتاب کو اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے..... اور اس کتاب میں جو دین کی بات میں پڑھوں گا..... انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا..... اس نیت سے آپ پڑھیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو عمل کی توفیق ضرور عطا فرمائیں گے..... جس بات پر عمل کرنا مشکل ہوگا..... آپ کی سچی نیت اور پکے ارادہ کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عمل کرنا آسان فرمادیں گے..... اور جتنا وقت پڑھنے پر لگے گا وہ دین بنتا جائے گا..... اور عبادت میں شمار ہوگا.....



## کچھ گذارشات

1. کتاب پڑھنے سے قبل یہ دعا ضرور کرلیں کہ یا اللہ اس کتاب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنادے.....
2. دوسری اہم گذارش یہ ہے کہ کتاب پڑھنے سے پہلے اپنے دل..... دماغ اور آنکھوں کے پردوں کو کھول لیجئے.....
3. کتاب پڑھنے کے لئے وقت ایسا نکالا جائے..... جو الجھنوں یا پریشانیوں سے گھرا ہوا نہ ہو..... کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ الجھن ذہن پر سوار تھی کسی اور وجہ سے اور چبھن محسوس ہوتی ہے کتاب کے مضمون سے.....
4. کتاب پڑھنے سے پہلے توبہ، استغفار ضرور کرلیں..... تاکہ دل پر جو گناہوں کا غبار چھایا ہوا ہے وہ چھٹ جائے.....

5 مزید یہ کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت ایک قلم ساتھ رکھیں..... اور جن امور میں خود کو کوتاہ محسوس کرتے ہوں اس پر نشان لگا دیں..... اور اس کو بار بار پڑھیں..... اور اس کی اصلاح کے لئے خوب دعائیں بھی مانگیں..... اور کوشش بھی کریں.....

6 اس کتاب کو پڑھنے کی دوسرے مسلمانوں کو بھی دعوت دیں..... اور اس کتاب میں جو ایمانی ترقی اور اخلاقی بہتری اور صفات اولیاء سے متعلق کوئی بات ملے تو ان خوبیوں اور صفات کی طرف دوسرے افراد کی بھی توجہ دلائیں.....

7 آخر میں گذارش ہے کہ مؤلف کتاب اور جن بزرگوں کی کتابوں سے استفادہ کر کے یہ مضامین تیار کئے گئے ہیں..... یا اس کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل میں کسی بھی طرح شریک ہونے والے معاونین کے لئے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام کریں.....

## ایک اہم گذارش

ہر مسلمان سے گزارش ہے کہ دوران مطالعہ اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی یا کوتاہی نظر آئے یا مزید بہتری کی کوئی صورت سامنے آئے تو ناشر کو یا بندے کو اس کی ضرور اطلاع دیں..... یہ آپ کا بندے پر احسان عظیم ہوگا.....

# فہرست

# حصہ اول

## توبہ کیجئے
## اللہ کا محبوب بنئے

## اللہ کی بندوں سے محبت کی علامت

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندوں سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ جس بندے سے اللہ تبارک وتعالیٰ محبت کرتے ہیں..... اول تو وہ گناہ کرتا ہی نہیں..... اور اگر نفس وشیطان کے دباؤ کی وجہ سے وہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس شخص کو اپنے گناہ پر اتنی ندامت ہوتی ہے کہ وہ زار وقطار آنسو بہاتا ہے..... اور سچے دل سے توبہ واستغفار کرتا ہے.....

## توبہ کا لغوی واصطلاحی معنیٰ

لغت میں توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں اصطلاح میں معصیت سے طاعت کی طرف لوٹنے اور رجوع کرنے کا نام توبہ ہے..... اور جب توبہ کا فاعل بندہ ہو تو اس کا معنی ہے کہ بندہ نے معصیت سے اطاعت کی طرف رجوع کیا..... اور جب توبہ کا فاعل اللہ تبارک وتعالیٰ ہو تو اسکا معنی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت کیطرف رجوع کیا..... (ایمان کی شاخیں)

## تعریف توبہ:

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ:

توبہ شریعت کی اصطلاح میں گناہ کو اس کے برا ہونے کے سبب ترک کرنا..... اور اپنی اس کوتاہی اور خطا پر شرمندہ ہونا..... اور آئندہ کے لئے عزم کرنا کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے..... اور اس خطا کی تلافی کرنا.....

شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ اگر وہ گناہ بندوں کے حقوق سے متعلق ہے تو اس ظلم کو معاف کرائے اور حق ادا کرے..... اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے تو نماز روزہ وغیرہ قضاء ادا کرے.....

(مرقاۃ ج ۵ ص ۲۲ بحوالہ روح کی بیماریاں اور اس کا علاج حصہ دوم صفحہ ۲۱)

## باب نمبر 1

# درس توبہ واستغفار قرآن کی روشنی میں

## سچی توبہ کی حقیقت

**1** ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا'' (التحریم:۸)

اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو.....

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے..... اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما التوبۃ النصوح؟..... پیارے آقا توبہ نصوح کسے کہتے ہیں؟..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**''ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللہ تعالی ثم لا یعود الیہ کما لا یعود اللبن الی الفرع''**

''انسان اپنے گناہ پر نادم اور شرمسار ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں معذرت طلب کرے..... (گناہوں کی معافی مانگے) پھر جس طرح دودھ تھنوں سے نکل کر دوبارہ واپس نہیں آسکتا..... یہ بھی اسی طرح اس گناہ کی طرف نہ جائے.....''

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا:

**''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ''**

''یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں.....''

آپ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ: اے اعرابی یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے..... اس نے عرض کی کہ سچوں کی توبہ کیا ہے؟.....

آپ نے فرمایا:

جس توبہ میں چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے.....

1 جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت وشرمساری.....

2 جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا.....

3 کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دے.....

4 جس سے لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی مانگے.....

5 پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا.....

6 جس طرح پہلے اپنے نفس کو بدکاری سے فربہ کیا تھا اب اطاعت الٰہی میں اس کو لگا دے.....

گناہوں اور معصیت پر ندامت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی وجہ سے ہو صحت، جان ومال، عزت وآبرو کے خاک میں ملنے کی وجہ سے نہ ہو.....

(ایمان کی شاخیں)

آیت مبارکہ میں (نصوح مبالغہ کا صیغہ ہے جو نصح اور نصاحت سے مشتق ہے.....
نصاحت کے معنی سینا (پھٹے ہوئے کپڑے کی) مرمت کرنا) یا نصح کے معنی خالص شہد یا خالص توجہ کے ہیں..... پس توبة النصوح سے مقصد یہ ہے کہ مخلص ہوکر دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے جوڑے.....

مغوی نے عمرو کے حوالے سے لکھا ہے کہ توبة النصوح ہے کہ ایسی توبہ کرے کہ پھر گناہ کی طرف نہ لوٹے..... جیسے دودھ دوبارہ لوٹ کر تھنوں میں نہیں جا سکتا.....
حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ توبة النصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیمان ہو..... اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرلے.....

## توبہ کرنا اللہ سے دوستی کی علامت ہے

**2** دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ''

''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں..... پاک صاف رہنے والوں سے.....'' (بقرۃ:)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان شب و روز بارگاہ ایزدی میں توبہ واستغفار کرتا رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دوست رکھتے ہیں..... جیسا کہ حدیث میں ہے:

''اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ'' ''توبہ کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست ہے.....''

''وهو الذی يقبل التوبة عن عباده و يعفو عن السيأت و يعلم ما تفعلون و يستجيب الذين امنوا وعملوا الصلحت ويزيدهم من فضله والكفرون لهم عذاب شديد'' (شوریٰ)

''اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے..... اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے..... اور ان لوگوں کی عبادت قبول فرماتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے..... اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے..... اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے.....''

یہ آیت کریمہ اہل ایمان کے لئے بہت بڑی ڈھارس ہے..... اور اس میں مومنین کو حکم دیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں..... کروڑوں گناہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے.....

## توبہ کا وقت کب تک ہے

**3** اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اس کتاب جس میں کوئی شک نہیں..... اور متقیوں

کے لئے ہدایت ہے..... اور جس میں دلوں کے لئے شفاء ہے..... یعنی قرآن مجید میں فرمایا:

''انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليما حكيماo وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى اذا حضر احدهم الموت قال انى تبت الان'' (نساء)

''توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ہے..... وہ تو ان لوگوں کے لئے ہے..... جو جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں..... پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں..... سو ایسوں پر تو اللہ تبارک وتعالیٰ توجہ فرماتے ہیں..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں..... اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں..... یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں.....''

تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیر نے مندرجہ بالا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں.....

''کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو جہالت سے گناہ کرے..... اور پھر وہ توبہ کر لے..... اگرچہ ملک الموت کے دیکھنے کے بعد ہو..... البتہ غرغرہ کی حالت سے پہلے ہو..... اور ایک نسخہ میں اس طرح ہے کہ ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے ہو.....''

(ابن کثیر ۱/۴۶۴)

مذکورہ آیت 7 مفسرین کی روشنی میں.....

1 ..... حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر کئی مفسرین حضرات نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرے..... غلطی سے ہو یا قصداً..... بہر حال وہ جاہل ہے..... حتی کہ وہ گناہ کو چھوڑ دے.....

2 ......حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضرت ابو العالیہ بیان فرماتے تھے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ مومن بندہ جو بھی گناہ کرتا ہے وہ جہالت سے کرتا ہے..... (رواہ ابن جریر)

3 ......عبدالرزاق نے کہا کہ حضرت معمر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ:

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر نافرمانی جہالت ہے..... چاہے وہ قصداً ہی ہو.....

4 ......عبداللہ بن کثیر نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیان کیا ہے کہ

ہر گناہ کرنے والا گناہ کرتے وقت جاہل ہے.....

5 ......علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان ثم یعوبون من قریب میں قریب سے مراد ملک الموت کے دیکھنے سے پہلے کا وقت ہے.....

6 ......حضرت ضحاک نے فرمایا کہ:

موت سے پہلے پہلے جیسے بھی توبہ ہو.....وہ قریب ہے.....

7 ......حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

جب تک کے حواس درست ہوں..... اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے..... (جبال الذنوب)

**آیت نمبر 4** اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام اللہ میں اہل ایمان کی صفات کا مختلف جگہوں پر تذکرہ کیا ہے..... ایک جگہ اہل ایمان کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"الا الذین تابو و اصلحو و بینو" (بقرۃ)

"مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ اور اصلاح کی....."

تصوف کی قدیم کتاب "قوت القلوب" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

تـــابـــوا کا معنی ہے خواہشات نفسانی سے توبہ کر کے حق کی طرف رجوع کیا.....

واصلحوا جوانہوں نے اپنے نفوس کے ذریعہ فساد برپا کیا تھا.....اس کی اصلاح کی وبینوا

اس کی توضیح دوطرح ہے: (حوالہ: قوت القلوب)

انہوں نے توبہ واضح طور پر کی حتی کہ ان میں توبہ کرنے کے آثار کھل کر نظر آنے لگے.....اورتوبہ کے احکام ان پر واضح ہو گئے..... (قوت القلوب)

آیت نمبر 5 سورۃ الزمر میں ارشاد ربی ہے......

''قـل یـعبـادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاط ان هو الغفور الرحیم''

''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفروشرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا تعالی کی رحمت سے ناامید مت ہو..... بالیقین خدا تعالی تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرمادیگا.....واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے..''(زمر)

آیت نمبر 6 اورایک اور جگہ بندوں پر از راہ شفقت فرمارہے ہیں:

''افلا یتوبون الی الله ویستغفرونه والله غفور رحیم'' (مائدۃ)

''کیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے بخشش طلب نہیں کرتے؟.....اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے.....''

اور ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمایا ہے:

''الم یعلموا ان الله هو یقبل التوبة عن عباده'' (توبہ)

''کیا وہ جانتے نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے.....''

7 اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''وانی الغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اهتدی'' (طہ)

''اور بیشک میں اس شخص کو بہت بخشنے والا ہوں..... جو گناہوں سے توبہ کر کے ایمان لے

آئے..... اور اچھے عمل کرے..... اور پھر سیدھی راہ پر قائم رہے.....''

**8** قرآن مجید کے انیسویں پارہ میں سورہ فرقان کے چھٹے رکوع میں آیت نمبر ۷۰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے.....

''جس نے توبہ کی اور ایمان لائے..... اور اچھے کام کئے..... تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا..... اور خدا تو بخشنے والا بڑا مہربان ہے''

اس آیت کی تفسیر میں حسن بصریؒ فرماتے ہیں.....

گناہ کے بدلے ثواب کے کام کرنے لگے..... شرک کے بدلے توحید پر جم گئے..... بدکاری کے بدلے پاکدامنی حاصل ہوئی..... کفر کے بدلے اسلام ملا..... ایک معنی تو اس آیت کے یہ ہوئے.....

دوسرے معنی یہ ہیں کہ خلوص کے ساتھ ان کی جو توبہ تھی اس سے خوش ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا..... یہ اس لئے کہ توبہ کے بعد جب کبھی انہیں گناہ یاد آتے تھے تو انھیں ندامت ہوتی تھی..... یہ غمگین ہو جاتے تھے..... شرمانے لگتے تھے..... اور استغفار کرتے تھے..... اس وجہ سے ان کے گناہ طاعت سے بدل دیئے گئے..... گو وہ ان کے نامہ اعمال میں گناہ کے طور پر ہوئے تھے..... لیکن قیامت کے دن وہ سب نیکیاں بن گئے.....

(تفسیر ابن کثیر پارہ ۱۹ صفحہ ۲۰ سورہ فرقان کے چھٹے رکوع کی تفسیر میں)

# استغفار اور توبہ میں فرق

**9** استغفار اور توبہ میں توبہ اصل ہے کیونکہ استغفار توبہ کی طرف جانے والا راستہ ہے..... استغفار اور توبہ میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے بندہ کے مرشد حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ:

''استغفروا ربکم ثم توبوا الیه'' (سورہ ہود)

اس آیت کے ذیل میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں.....

استغفار سے مراد ماضی کے گناہوں سے معافی مانگنا ہے..... اور توبہ سے مراد ندامت قلب کے ساتھ تلافی اور آئندہ کے لئے عہد کرنا ہے کہ اس خطاء کو دوبارہ نہ کریں گے....

(روح المعانی پ ۱۱ صفحہ ۲۰۷ بحوالہ روح کی بیماریاں اور اس کا علاج)

اگر استغفار اور توبہ ایک ہی حقیقت رکھتے تو حق تعالیٰ شانہ الگ الگ نہ بیان فرماتے توبہ کی نسبت جب اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم حق تعالیٰ کی عنایات اور توفیقات ہوتی ہیں.....

# استغفار کی شرح حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم کی زبانی

استغفار کے معنی مغفرت طلب کرنے کے ہیں..... اور عفو کے معنی ستر (یعنی چھپانے پردہ ڈالنے کے) ہیں..... اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی جسکے گناہ معاف فرمادیتے ہیں..... اس کے گناہ دنیا اور آخرت میں چھپا دیتے ہیں..... یعنی غفاریت کے ساتھ ساتھ ستاریت کا بھی ظہور ہوتا ہے.....

# مغفرت کا مفہوم

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: مغفرت کا مفہوم حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر یہ ہے کہ اس کے

گناہ کو دنیا میں چھپالیں..... اس طرح سے کہ کسی کو بھی مطلع نہ کریں..... اور آخرت میں اس پر سزا نہ دیں..... (مرقات ج ۵ ص ۱۲۲، بحوالہ روح کی بیماریاں اور اس کا علاج حصہ دوم صفحہ ۲۰)

## حکم استغفار کی شرح

آیت نمبر **10** ارشاد باری تعالیٰ ہے

''استغفرو ربکم'' تم اپنے رب سے بخشش مانگتے رہو۔ کیوں؟.....

''انه کان غفارا'' کیونکہ تمہارا رب بہت بخشنے والا ہے..... غافر نہیں ہے غفار ہے.....

''کثیر المغفرة'' ہے.....

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ہم سے خطائیں ہوں گی..... ورنہ معافی کا حکم کیوں دیتے..... اگر ہم معصوم ہوتے تو استغفروا ربکم نازل نہ ہوتا..... چونکہ صدور خطا کا معاملہ یقینی تھا..... اس لئے استغفار کا حکم نازل ہوا..... لہذا ماضی کے گناہوں سے معافی مانگو..... اور آئندہ کے لئے توبہ اور عزم مصمم کرو کہ آئندہ کبھی یہ گناہ نہ کروں گا..... لاکھ بار خطائیں ہو جائیں..... لیکن جو توبہ کرتا رہتا ہے یہ علامت ہے کہ یہ بندہ حال میں بھی محبوب ہے..... اور مستقبل میں بھی اللہ کا محبوب رہے گا..... جو مستقبل میں بے وفائی کرنے والے ہیں..... ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ محبوب نہیں بناتے..... (مواہب ربانیہ)

## استغفار سے لفظ رب کا ربط

بچہ جب کہتا ہے ابا معاف کردو تو کیا وہ ابا سے قریب نہیں ہو جاتا..... جو صاحب اولاد ہیں ان سے پوچھو کہ اگر اولاد ابا نہ کہے..... خالی یہ کہے کہ معاف کر دیجئے تو ابا کو مزہ نہیں آئے گا..... لیکن جب بچہ یوں کہتا ہے کہ اے ابا! اے میرے ابو! اے میرے بابا! مجھے معاف کر دیجئے! تو کیا ابا کے لفظ سے ابا کے دل پر کیفیت طاری نہیں ہو گی..... تو اللہ

تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت کے دریا میں طوفان اور جوش لانے کے لئے یہاں رب نازل کیا..... اور اپنے بندوں کو سکھایا کہ ہم سے یوں کہو کہ اے میرے پالنے والے مجھ کو معاف کر دیجئے..... مجھ سے نالائقی ہوگئی..... استغروا ربکم اپنے پالنے والے سے معافی مانگو..... (امید مغفرت در حمت)

## مغفرت کا غیر محدود سمندر

اس آیت کے اگلے حصہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

انہ کان غفارا یعنی اللہ تعالی صرف بخشنے والا ہی نہیں ہے..... بہت زیادہ بخشنے والا ہے..... یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ غافر نہیں ہے..... غفار ہے..... مغفرت کا بحر ذخار ہے کہ اگر سارے عالم کو بخش دے تو اس کی مغفرت کے غیر محدود سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوتی..... (ایضا)

## حکم استغفار کے عاشقانہ رموز

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ استغفرو ربکم سے دو مسئلے ثابت ہوئے..... ایک تو یہ کہ ہم سے گناہ سرزد ہوں گے..... جب ہی تو معافی مانگنے کا حکم دے رہے ہیں..... اور دوسرے یہ کہ اگر معاف نہ کرنا ہوتا تو معافی کا حکم نہ دیتے..... جس طرح شفیق باپ جب بیٹے سے کہتا ہے کہ معافی مانگ تو اس کا معاف کرنے کا ارادہ ہوتا ہے..... پس اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مجھ سے معافی مانگو..... یہ دلیل ہے کہ وہ ہم کو معاف کرنا چاہتے ہیں..... لہٰذا معافی مانگنے میں دیر نہ کرو..... (مواہب ربانیہ)

## سحری کے وقت استغفار کی ترغیب

**11** ارشاد باری تعالی ہے:

”کانو ا قلیلا من الیل ما یھجعون ، و بالا سحار ھم یستغفرون“ (الذاریات:۱۸،۱۷)

''یہ حضرات رات کو بہت کم سوتے ہیں..... اور سحر کے اوقات میں مغفرت طلب کرتے ہیں.....''

## عذاب الٰہی سے بچنے کے دو ذرائع

12 ''ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون'' (الانفال:۳۳)

''حق تعالیٰ آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب نہیں دیں گے..... اور (اسی طرح) جب وہ استغفار کررہے ہوں تو بھی ان کو عذاب نہیں ہوگا.....''

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''کان فیھم امنان النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاستغفار فذھب النبی ﷺ و بقی الاستغفار'' (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)

''امت میں عذاب سے بچنے کے لئے دو ذریعے تھے نبی اکرم ﷺ اور استغفار..... نبی اکرام ﷺ تو اس دنیا سے رخصت ہوئے البتہ استغفار اب بھی باقی ہے.....''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''واستغفر لذنبک وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار''

''آپ اپنی غلطی کی معافی مانگتے رہیں..... اور صبح وشام اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں.....''

## استغفار کی کثرت حصول رزق کا ذریعہ

13 ''واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنت'' (محمد)

''اور اپنی غلطی کی معافی مانگتے رہیں..... اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی استغفار کرتے رہیں.....''

روایت ہے کہ حضرت حسن رَحِمَہُ اللهُ تَعَالٰی سے ایک شخص نے خشک سالی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ:

اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی سے استغفار کرو.....

دوسرے شخص نے اپنے فقر کی شکایت کی.....

تیسرے شخص نے اولاد کی کمی کی شکایت کی.....

چوتھے شخص نے اپنی زمین کی پیداوار کی کمی کی شکایت کی.....

تو حضرت حسن رَحِمَہُ اللهُ تَعَالٰی نے سب کو استغفار کرنے کی تلقین فرمائی..... اس پر ان سے سوال کیا گیا کہ آپ سے لوگوں نے مختلف قسم کی شکایتیں کیں..... مگر آپ نے سب کو ایک ہی علاج بتلایا کہ استغفار کرو..... اس سوال کے جواب میں حضرت حسن رَحِمَہُ اللهُ تَعَالٰی نے یہی آیت تلاوت فرمائی.....

مکمل آیت اور اس کی تفسیر یہ ہے:

''فقلت استغفرو اربکم انه کان غفارا o یرسل السماء علیکم مدرارا o ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھرا''

(سورۃ نوح: ۱۰/۱۱/۱۲)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللهُ تَعَالٰی نے تفسیر عثمانی میں ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے.....

''یعنی ایمان اور استغفار کی برکت سے قحط وخشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائے گی..... اور اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دے گا..... جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہوں گے..... غلے، پھل، میووں کی افراط ہوگی..... مواشی وغیر فربہ ہو جائیں گے..... دودھ گھی بڑھ جائے گا..... اور عورت جو کفر اور معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں..... اولاد ذکور جننے لگیں گی..... غرض آخرت کے ساتھ دنیا کے

عیش وبہار سے بھی وافر حصہ دیا جائے گا.....'' (انتہی)

**14** ''انه كان للاوابين غفورا'' (الاسراء:۲۵)

'' بیشک وہ رجوع کرنے والوں کی خطا معاف کردیتا ہے.....''

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو گناہ کر کے توبہ کر لیتا ہے..... اور پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے..... حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ سے پوچھا گیا کہ یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟..... کہنے لگے یہ اہل ایمان ہی کا وصف ہوسکتا ہے..... (تنبیہ الغافلین)

اور استغفار کے بارے میں آیات قرآنیہ بہت کثرت سے ہیں..... اور جو بعض آیات قرآنیہ ہم نے ذکر کی ہیں ان سے انشاء اللہ توبہ واستغفار کے لئے بیداری پیدا ہوگی.....

## باب نمبر2

# درس توبہ کا وقت کب تک ہے

## توبہ کا وقت کب تک ہے

1 حضرت عوف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے نقل کیا ہے کہ:

انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں..... جب تک اس کی غرغرہ کی حالت نہ ہو جائے.....



2 حضرت ابو قلابہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے یہ حدیث بیان کی کہ:

بیشک جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کو ملعون قرار دیا تو ابلیس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مہلت مانگی..... اور کہا کہ:

اے اللہ! تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم..... میں ابن آدم کے دل سے نہیں نکلوں گا..... جب تک اس میں روح ہوگی.....

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ:

میری عزت کی قسم میں ابن آدم کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا..... جب تک اس میں روح ہوگی..... (جبال الذنوب)

## گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے

3 حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ:

میری سب امت عافیت میں ہے (یعنی لائق مغفرت گناہوں کی سزا سے بچ سکتی ہے)..... سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہوں..... اور انسان کی لاپرواہی میں سے یہ بات بھی ہے (جو شرعاً ممنوع اور مبغوض ہے) کہ انسان رات کو کوئی گناہ کرے پھر باوجود یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی..... صبح کو کہتا ہے کہ اے فلاں میں نے رات کو فلاں فلاں کام کیا ہے..... حالانکہ اسنے اس حال میں رات گذاری کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی..... اور وہ صبح ہو جانے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ڈالے ہوئے پردے کو اپنے اوپر سے ہٹاتا ہے..... (بخاری ومسلم)

**4** بخاری شریف کی روایت ہے:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ:

**"واللہ انی لا ستغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ"**

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں..... یہ عمل دن میں ستر مرتبہ سے بھی بڑھ جاتا ہے....." (بخاری)

## اگر ساری مخلوق گناہ کرنا چھوڑ دے تو؟

**5** ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے:

**"عن ابی ایوب انہ قال حین حضرتہ الوفاۃ کنت کتمت عنکم شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقول لو لا انکم تذنبون لخلق اللہ خلقا یذنبون یغفر لھم"** (رواہ مسلم)

"حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی..... اور تم سے اب تک چھپائی تھی..... (اب جب کہ میرا آخری وقت ہے..... وہ میں تم کو بتاتا ہوں..... اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں)..... میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: آپ

ﷺ فرماتے تھے کہ اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ..... اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو..... تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا..... جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے..... پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا..... '' (اور اس طرح اس کی شان غفاریت کا ظہور ہوگا)..... (صحیح مسلم)

**تشریح:** اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ:

اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں..... اور وہ گنہگاروں کو پسند کرتا ہے..... اور رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گنہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے..... بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی..... انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے..... اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جائے.....

دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان غفاریت کو ظاہر کرنا ہے..... اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت خالقیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے..... اور صفت رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو..... جس کو رزق کی ضرورت ہو..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے..... علی ہذا جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو..... جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے.....

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں..... پھر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور استغفار کرے..... اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے..... اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا

فیصلہ فرمائے..... اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے..... ان میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا..... اور اس طرح اس کی صفت مغفرت اور شان غفاریت کا ظہور ہوگا.....

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں..... پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کر دی.....

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے..... (محبت کے اشارے)

## توبہ سابقہ سارے گناہ دھو دیتی ہے

ایک آدمی کہتا ہے میں توبہ کرنے کے لئے تیار ہوں..... اور اگر میں توبہ تائب ہو بھی جاؤں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری مغفرت فرما دیں گے؟..... میں تو چاہتا ہوں کہ سیدھی راہ پر چلوں..... لیکن مجھے اندر سے یہ کھٹکا لگا ہوا ہے..... اگر مجھے یقین ہو جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ضرور معاف کر دیں گے تو میں فوراً توبہ کرلوں..... میں اس آدمی سے کہتا ہوں کہ جو کھٹکا تجھے پریشان کر رہا ہے اس قسم کی پریشانی تجھ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ؓ کو بھی تھی..... لہٰذا اگر تم مندرجہ ذیل دو حدیثوں پر غور کرلو تو تمہارا ڈر ختم ہو جائے گا.....

## رحمت الٰہی کا لامحدود سمندر

**6** ''والذی نفسی بیدہ لو اخطا تم حتی تملا خطایا کم ما بین السماء والارض ثم استغفرتم اللہ لغفرلکم'' (حصن حصین صفحہ ۲۰۴)

''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے..... اگر تم اس قدر خطائیں کرو کہ تمہاری خطائیں آسمان اور زمین کے خلا کو بھر دیں..... اور پھر تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے بخشش مانگو تو بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو بخش دیں گے.....''

## توبہ کرنے کا پھل

7 ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له''

'' گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو.....'' (طبرانی)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

بندہ توبہ کے ذریعہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تو دو شکلوں میں سے ایک ضرور ہوتی ہے..... اول یہ کہ اس کے گناہوں کو بالکل مٹا دیا جاتا ہے..... جیسے اس حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے..... دوم یہ کہ اس کو ثواب ملتا ہے..... مگر گناہ نہیں مٹایا جاتا..... توبہ تو ہر حال میں فائدہ دیتی ہے.....

مولانا محمد منظور نعمانی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

توبہ کرنے سے بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے..... اور اسکے گناہوں کے داغ کو بھی عموماً مٹا دیا جاتا ہے.....

## نیک عمل گناہ کو مٹا دیتا ہے

8 حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ:

میں نے ایک باغ میں ایک عورت کو پایا تو اس سے بوس وکنار وغیرہ سب کچھ کیا..... البتہ مجامعت نہیں کی..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لمحات کے لئے سکوت فرمایا: اس وقت یہ آیت نازل ہوئی.....

''اقم الصلوة طرفی النہار و زلفا من الیل'' (ھود:۱۱۴)

''اور آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں پر.....''

حاصل یہ ہے کہ رضاء خداوندی کے لئے دن کے دونوں جانبوں میں نماز ادا کرو.....

یعنی نماز فجر، ظہر، اور عصر اور رات کے کچھ حصوں میں یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھو.....

''ان الحسنات یذھبن السیئات'' (ھود:۱۱۴)

''بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو''

یعنی پنج گانہ نمازیں ان گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں..... جو ان کے مابین ہوتے ہیں ماسوائے کبائر کے..... (تنبیہ الغافلین)

## توبہ کا دروازہ

**9** حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

جانب مغرب ایک دروازہ ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کے لئے بنایا ہے..... اس کا عرض ستر سال یا چالیس سال کی مسافت کے برابر ہے..... جب سورج مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا یہ دروازہ اس وقت تک کھلا رہے گا..... مراد یہ ہے کہ قیامت تک یہ دروازہ کھلا رہے گا..... (تنبیہ الغافلین)

## وصال پانے کی سب سے بہتر صورت

**10** حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کی کہ اس نے کسی کو دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شریک نہ بنایا ہو..... اور اس پر پہاڑ کے برابر بھی گناہ ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے..... (بیہقی)

## گناہوں پر ندامت علامت مومن ہے

حدیث میں مروی ہے:

11 مومن ابتلاءً میں پڑنے والا اور توبہ کرنے والا ہوتا ہے.....

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

12 مومن واہ (افسوس کناں) اور تلافی کرنے والا ہوتا ہے..... ان میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے راقع (توبہ) پر وفات پائے..... یعنی گناہوں پر افسوس کرنے والا اور توبہ واستغفار کے ساتھ تلافی کرنے والا ہوتا ہے..... (قوت القلوب ج۲)

## پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ اور علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ کی جائے

13 حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خاص نصیحت فرمائیے.....

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم اپنی استطاعت کے بقدر اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے کو لازم پکڑلو..... اور ہر پتھر اور ہر درخت کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرو..... اور جو کوئی گناہ کر بیٹھو تو اس کے لئے نئے سرے سے توبہ کرو..... پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ طور پر اور علانیہ کی توبہ علانیہ طور پر کرو..." (طبرانی)

## گناہ کے بعد نیکی کرو تا کہ گناہ کا کفارہ ہو جائے

14 "عن ابی ذر و معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا وخالق الناس بخلق حسن" (رواہ الترمذی وقال حسن کما فی الترغیب ص۱۰۹ ج۴)

''حضرت ابوذر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈر تو جہاں کہیں بھی ہو..... اور برائی کے بعد نیکی کر..... یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی..... اور تو لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ.....'' (ترمذی)

اس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں..... ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لے..... یہ نیکی گناہ کی مغفرت اور کفارہ کا باعث ہوگی..... قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

**''ان الحسنات يذهبن السيئات''**

''یعنی بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں.....''

یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں..... متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی مومن بندہ وضو کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے اور ہاتھوں سے اور پاؤں سے اور چہرے سے اور سر سے اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں..... (صحیح مسلم، موطا مالک وغیرہ بحوالہ معارف الحدیث)

**''ما اصر من استغفر وان عاد في اليوم سبعين مرة، كلكم خطاء ون و خير الخطائين لتوابون''**

''یعنی جس شخص نے گناہ کے بعد توبہ کر لی..... وہ گناہ پر ہٹ دھرمی کرنے والوں میں سے نہیں..... گناہ گار تو سب ہیں..... مگر ان میں اچھے گناہگار وہ ہیں جو گناہوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں..'' (تفصیل التوبہ صفحہ ۴۰)

## بہترین خطا کار کون

**15** **''كل بني آدم خطاء و خير الخطائين التوابون''**

''تمام بنی آدم خطا کار ہیں..... اور بہترین خطا کار وہی ہیں جو توبہ کرنے والے

ہیں....." (ترمذی)

"خطّاء" مبالغہ کا صیغہ ہے..... معنی بہت زیادہ غلطی کرنے والا..... خطی (س) خطاواخطاء معنی غلطی کرنا "التوابون"..... یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے..... تاب (ن) توباد توبۃ گناہ چھوڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا.....قال تعالی انه کان توابا۔

**تشریح:** حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے سوا خطاء ولغزش تو گویا آدمی کی سرشت میں ہے..... بنی آدم کا کوئی فرد (انبیاء کے سواء) اس سے مستغنی نہیں..... مگر بنی آدم میں سے وہ بندے بہت ہی خوش نصیب ہیں..... جو گناہ ہو جانے کے بعد نادم ہو کر اپنے مالک کی طرف رجوع کرتے ہیں.....

## کاش میں اس سے گناہ ہی نہ کرواتا

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

بندہ بعض اوقات گناہ کرتا ہے مگر اس پر نادم رہتا ہے کے بعد اس کے لئے جب جنت کا فیصلہ ہوگا تو اس وقت شیطان کہے گا کہ کاش کہ میں اس کو گناہ میں مبتلا ہی نہ کرتا.....

بہر حال انسان سے جب گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ سے رجوع کر لینا چاہئے..... اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کو معاف فرما دیتے ہیں..... یہ توبہ اس کے تمام گناہوں کو محو کروا دے گی..... اور یہ ایسا ہو جائے گا گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو..... کبھی اس سے اس کے گناہ کے داغ کو مٹایا تو نہیں جائے گا..... مگر ثواب تو ہر حال میں ملتا ہی ہے..... انسان کو اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا چاہئے..... امیہ بن الصللیت کا شعر

ان تغفر اللھم تغفر جما وای عبد لک لا الما

"اگر بخشے تو اے الٰہی تو ہی بڑے بڑے گناہوں کو بخش دے..... اور کونسا بندہ ایسا ہے جس نے چھوٹے گناہ بھی نہ کئے ہوں....."

عبد اللہ ابن سلام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب بندہ ایک لمحہ بھی نادم ہوتا ہے تو پلک جھپکنے سے جلدی اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے.....

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر          وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

(روضۃ الطالبین)

بندہ کے پیرومرشد نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

خطا کے معنی کثیر الخطاء ہے..... اور حضور ﷺ فرماتے ہیں ہر انسان کثیر الخطاء ہے..... اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو کثیر التوبہ ہیں.....

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....

''عربی میں ''خطّاء'' اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ غلطیاں کرے..... اور جو معمولی غلطی کرے اس کو عربی میں ''خاطی'' کہتے ہیں..... یعنی غلطی کرنے والا..... اور ''خطاء'' کے معنی ہیں بہت زیادہ غلطی کرنے والا.....

لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ

خطا کاروں میں سے سب سے بہتر خطا کار وہ ہے جو توبہ بھی بہت کرتا ہے.

اس حدیث میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ دنیا کے اندر تم سے گناہ بھی ہوں گے داعیے بھی پیدا ہوں گے..... لیکن ان کے آگے ڈٹ جانے کی کوشش کرو..... اور اس کے آگے جلدی سے ہتھیار مت ڈالا کرو..... اور اگر کبھی گناہ ہو جائے تو پھر مایوس ہونے کے بجائے ہمارے حضور حاضر ہو کر توبہ کر لیا کرو..... یہاں بھی ''تواب'' کا صیغہ استعمال کیا..... ''تائب'' نہیں کہا..... اس لئے کہ تائب کے معنی ہیں ''توبہ کرنے والا'' اور ''تواب'' کے معنی ہیں ''بہت توبہ کرنے والا'' مطلب یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ توبہ کر لینا کافی نہیں..... بلکہ ہر مرتبہ جب بھی گناہ ہو جائے تو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کے حضور توبہ کرتے

رہو..... اور جب کثرت سے توبہ کرو گے تو پھر انشاء اللہ شیطان کا داؤ نہیں چلے گا..... اور شیطان سے حفاظت رہے گی..... (اصلاحی خطبات)

## گناہوں کی سیاہی کو مٹانے کا نسخہ

**16** حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے..... پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی..... التجاو استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے..... اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ واستغفار کے بجائے مزید گناہ کئے..... اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے..... یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

**"کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون"** (مطففین)

(مسند، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ بحوالہ معارف الحدیث)

## پروانۂ رحمت

**17** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کے پیدا ہونے سے چار ہزار برس پہلے عرش کے چاروں طرف یہ لکھ دیا گیا ہے.....

**"وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدی"** (طٰہٰ)

"اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں..... جو توبہ کر لیں..... اور ایمان لے آئیں..... اور نیک عمل کریں..... پھر اس پر قائم رہیں..... (تنبیہ الغافلین)

## گناہوں پر استغفار کرنے کا صلہ

**18** جس نے ہر گناہ پر استغفار کیا تو اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا ہے..... اگرچہ اس نے دن میں ستر بار اس گناہ کو کیا ہو..... (ترمذی)

## شیطان کو مایوس کرنے کا نسخہ

**19** کسی شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں گناہ کرتا ہوں..... تو آپ ﷺ نے فرمایا: استغفار کرلو.....

اس نے کہا: میں پھر گناہ کرتا ہوں.....

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر استغفار کرلو.....

اس نے کہا: میں پھر گناہ کرتا ہوں.....

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر استغفار کرتے جاؤ..... حتیٰ کہ شیطان مایوس ہوکر تمہیں چھوڑ دے..... (ایمان کی شاخیں)



## گناہ کب تک نہیں لکھا جاتا

**20** حضرت حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.....

ایک مجلس میں ایک مذاکرہ ہوا..... جس میں حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت ابن ابی زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی موجود تھے..... جسمیں یہ بیان ہوا کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو تین پہر تک اگر استغفار کرلے تو نہیں لکھا جاتا..... ورنہ لکھ دیا جاتا ہے.....

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان صاحب الشمال لیرفع القلم ست ساعات عن العبد المسلم الخطی فان ندم واستغفر اللہ تعالی منھا القاھا عنہ والا کتبھا واحدۃ''

''بائیں ہاتھ والا (فرشتہ) خطا کار مسلمان بندہ سے چھ پہر تک اپنا قلم روکے رکھتا ہے..... اگر تو وہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہو..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کا استغفار کرلے تو (وہ فرشتہ) اسکا گناہ اس سے ہٹا دیتا ہے..... ورنہ صرف ایک گناہ لکھ دیتا ہے.....''

## جوانی کی توبہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

**21** ''ما من شی احب الی اللہ من الشاب التائب''

''اللہ تبارک وتعالیٰ کو نوجوان کی توبہ سے بڑھ کر (کائنات کی) کوئی چیز بھی زیادہ محبوب نہیں ہے.....'' (الدیلمی)

## گناہگار سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

اور بعض کتب منزلہ میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں.....

اے میرے بندے! کب تک تو میری نافرمانی میں ڈٹا رہے گا..... جب کہ میں نے تجھے رزق بھی دیا..... اور احسان بھی کیا.....

کیا میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟.....

کیا میں نے تجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟.....

کیا تو نہیں جانتا جس نے میری اطاعت کی میں نے اس سے کیا معاملہ کیا..... اور جس نے نافرمانی کی اس کو کیسے پکڑا؟.....

تجھے حیا نہیں آتی..... سختیوں میں تو مجھے یاد کرتا ہے..... اور ڈھلے اوقات میں بھلا دیتا ہے..... تیری بصیرت کی آنکھ کو خواہش نفسانی نے اندھا کر دیا..... پھر مصیبت کے وقت میری طرف کیوں للچاتا ہے؟..... یہ تو اس کا حال ہے جس پر نصیحت کوئی اثر نہیں کرتی پس یہ سستی کب تک ہے؟..... اگر تو گناہوں سے توبہ کرلے تو میں تیری سب خواہشات پوری کروں گا..... ایسے گھر کو ترک کر دے جس کا اجلا پن (حقیقت میں) میلا ہے..... اور اس

کی اس میں جھوٹی خواہشات ہیں..... کم درجہ والوں کے ہاتھ تو نے میری ملاقات کو بیچ ڈالا..... جب کہ وجود میں میرا کوئی ثانی نہیں ہے..... اس وقت تیرا کیا جواب ہوگا جب تیرے خلاف تیرے اعضاء گواہی دیں گے..... جس کو تو سنتا اور دیکھتا ہوگا..... (گناہوں کا سمندر)

## گناہگار کے گناہ پر چار گواہ اور ان چاروں گواہوں سے گناہ بھلا دینے کا نسخہ

بندہ کے پیرومرشد نے فرمایا کہ انسان سے زندگی میں جو گناہ ہوتے ہیں اس پر چار گواہ بن جاتے ہیں..... اور چاروں گواہوں کو قرآن پاک کی نص قطعی سے ثابت کر دیا گیا.....

**پہلا گواہ:** ''یومئذ تحدث اخبارھا'' (زلزال)

''ایک گواہ تو زمین ہے جس پر گناہ ہوتے ہیں.....''

**دوسرا گواہ:** ''الیوم نختم علی افواھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون'' (یٰس)

''جن اعضاء سے گناہ صادر ہوتا ہے وہ شاہد بنتے ہیں.....''

**تیسرا گواہ:** ''واذا الصحف نشرت''

**چوتھا گواہ:** ''کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو ایک نسخہ بھی بتا دیا کہ اگر تم گناہ کر چکے..... اور چار چار گواہ اس گناہ پر تمہارے خلاف مقرر ہو چکے تو اب تمہاری بگڑی کیسے بنے گی..... حضور ﷺ نے ہماری بگڑی کے چاروں گواہوں کو ختم کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک کیمیکل عطا فرما دیا..... اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نبی کے ذریعہ بندوں کو ایک ایسا پاؤڈر دے دیا کہ اگر وہ گناہوں پر چھڑک دیا جائے تو گناہوں کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں گئے..... سب گواہ ختم ساری ریل صاف..... وہ کیا ہے؟.....

## توبہ کی برکت سے فرشتوں سے بھی گناہ بھلا دیا جاتا ہے

**22** حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے

''التشرف فی احادیث التصوف''میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

'' اذا تاب العبد انسی اللہ الحفظة ذنوبة وانسی ذالک جوارحه ومعالمه من الارض حتی یلقی اللہ ولیس علیه شاهد من اللہ بذنب''

''جب بندہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ اس کے گناہ ملائکہ ( کراماً کاتبین ) کو بھی بھلا دیتا ہے..... اور جن اعضاء سے گناہ ہوا تھا ان اعضاء سے بھی بھلا دیتا ہے..... اور جہاں جہاں زمین پر گناہ ہوئے تھے زمین کے نشانات بھی مٹا دیتا ہے..... یہاں تک کہ وہ شخص قیامت کے دن اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اسکے گناہ پر کوئی گواہی دینے والا نہ ہوگا.....'' (جامع صغیر ج اص ۲۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے ہمارے گناہوں کو مٹانے کے لئے ملائکہ کو بھی استعمال نہیں کیا..... بلکہ اپنی طرف نسبت فرمائی کہ انسی اللہ یعنی اللہ بھلا دے گا..... اس کا راز کیا ہے؟..... تا کہ فرشتے قیامت کے دن طعنہ نہ دے سکیں کہ تم تھے تو نالائق مگر ہم نے تمہاری خطاؤں کو مٹا دیا تھا..... فرشتوں کے احسان سے اپنے بندوں کو بچا لیا اور اپنے غلاموں کی آبرو رکھ لی.....

(مواعظ حسنہ)

## شیخ سعدیؒ کی عجیب چاہت

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ:

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گنہ ہم کش

''میں نہیں کہتا کہ میری عبادت کو آپ قبول فرمائیں بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دیجئے..... میرے گناہوں کو محو فرما دیجئے..... گناہوں کی فائل غائب فرما دیجئے.....'' (ایضاً)

## شان مغفرت پر ایک عجیب حدیث

**23** آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''یا من لا تضرہ الذنوب''

اے وہ ذات کہ ہمارے گناہوں سے جس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا.....

جو شخص سورج کی طرف تھوکتا ہے تو اس کا تھوک اس کے ہی منہ پر گرتا ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ تو بڑی شان والا ہے اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا..... گناہوں سے ہم کو ہی نقصان پہنچتا ہے.....

لہٰذا سرور عالم ﷺ اپنی امت کو سکھا رہے ہیں کہ یوں کہو یا

''من لا تضرہ الذنوب''

اے وہ ذات کہ ہمارے گناہوں سے جس کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا

''ولا تنقصہ المغفرۃ''

اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کی مغفرت کچھ کم نہیں ہوتی..... اس کے خزانہ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی

''فاغفر لی ما لا یضرک''

تو میرے ان گناہوں کو آپ معاف کر دیجئے جن سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا.....
ہم لوگ تو دوسروں کو معاف کرنے میں اس لئے دیر کرتے ہیں کہ ہم کو نقصان پہنچتا ہے یہ دلیل اس کے اندر پوشیدہ ہے.....

''وھب لی ما لا ینقصک''

جس چیز کے دینے سے آپ کے خزانہ میں کمی نہیں آتی وہ مغفرت کا خزانہ ہم کو دے دیجئے

24 ''التائب حبیب اللہ'' (احیاء العلوم)

توبہ کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست ہے.....

25 ایک حدیث میں آتا ہے کیوم ولدته امه ''توبہ کرنے کی وجہ سے بندہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا کہ اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے.....''

26 ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ توبہ کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کے گناہوں کو بالکل مٹا دیتے ہیں..... یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کے گناہوں پر کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوگا..... (روضۃ الطالبین)

## باب نمبر 3

# درسِ استغفار احادیث کی روشنی میں

**1** ''عن ابی سلمة بن عبد الرحمن قال قال ابو هريرة رضی الله عنه قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم يقول والله انی لا ستغفر الله و اتوب اليه فی اليوم اكثر من سبعين مرة'' (صحیح البخاری باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلۃ)

''ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی قسم میں روزانہ ستر مرتبہ سے بھی زیادہ توبہ استغفار کرتا ہوں.....

## حضرت گنگوہیؒ کی تحقیق کہ حضور ﷺ کا استغفار کن امور سے تھا

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے دریافت کیا کہ:

حضرت! حضور ﷺ کا مغفرت چاہنا کس بات سے تھا کہ آپ کی ذات مبارکہ تو معصوم تھی؟.....

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

بات یہ ہے کہ قرب کے درجات ہوتے ہیں جن کی حد نہیں ہے..... نہ نبوت کے درجات قرب ختم ہوتے ہیں نہ ولایت کے..... پس حضور ﷺ کا استغفار فرمانا کسی معصیت سے نہ تھا..... بلکہ آپ کو جو ترقی درجات قرب میں عطا ہوتی تھی تو ماسبق کے اعتبار سے استغفار فرماتے تھے..... یعنی قرب کا ماسبق کا درجہ مابعد کے درجہ سے کمتر معلوم ہوتا تھا..... اور خیال ہوتا تھا کہ اب تک کونسی چیز قرب کے اس درجہ عالی پر پہنچنے میں مانع تھی..... پس آپ اس چیز کو ذنب تعبیر فرما کر استغفار فرماتے تھے..... یہ حضرات مغزدین جانتے

تھے.... (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج)

## ستر (70) مرتبہ استغفار کرنے کا انعام

**2** حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ:

ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ایک سفر میں تھے..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور استغفار کرو تو ہم نے استغفار کیا..... آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ پورا ستر مرتبہ استغفار کرو تو ہم نے ستر مرتبہ استغفار کیا..... پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کا بندہ مرد ہو یا عورت ایسا نہیں کہ وہ دن میں ستر مرتبہ استغفار کرے..... مگر یہ کہ اللہ اس کے سات سو گناہ معاف فرما دیتے ہیں..... اور نامراد ہو گیا وہ شخص مرد ہو یا عورت جس نے دن میں سات سو سے بھی زیادہ گناہ کر لئے.....

(تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۹۲ واخرجہ البیھقی ص ۶۵۲ واخرجہ ابوداؤد فی السنن رقم الحدیث ۳۸۵۷)

## استغفار ہر غم کا علاج ہے

**3** حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

''مـن لزم الاستغفار جعل الله له من كل ضيق مخرجا و من كل هم فرجاً و رزقه من حيث لا يحتسب''

''یعنی جس شخص نے استغفار کو لازم پکڑ لیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے فراخی اور ہر غم سے چھٹکارے کی شکل پیدا فرما دیں گے..... اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عنایت فرمائیں گے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا..... (رواہ ابوداؤد)

## دن میں ۱۰۰ مرتبہ استغفار کرنے کی ترغیب

**4** حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ:

میں نے نبی ﷺ سے اپنی بدزبانی کی شکایت کی..... تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے استغفار کو بھلا دیا ہے؟..... میں دن رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں.....

(رواہ النسائی عمل الیوم واللیلۃ ،مسند احمد ۳۹۴/۵، ۳۹۶، وابن ماجہ ۳۸۱۷)

## سمندر کے برابر گناہوں کی معافی کا نسخہ

**5** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص استغفار کے یہ کلمات:

''استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ''

کہے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا..... اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں.....

(انظر المستدرک ۵۱۱/۱، ۱۱۸/۲، مجمع الزوائد ۲۱۰/۱۰)

## استغفار کرنے والا صاحب اصرار نہیں ہے

**6** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''وما اصر من استغفر، وإن عاد فی الیوم سبعین مرۃ'' •

''یعنی استغفار کرنے والا مومن بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک گناہ پر اصرار کرنے والا شمار نہیں ہوتا..... اگر چہ وہ دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ کر لے.....''

(جہاں مذکور)

## جان بوجھ کر گناہ کر کے استغفار کرنا یہ شیطانی دھوکہ ہے

**7** اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی.....

اے داؤد بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ تم رات کے وقت گناہ میں پڑ کر میرا مقابلہ کرتے ہو اور دن کو استغفار کر کے مجھے دھوکا دیتے ہو اور گناہ سے بالکل نہیں رکتے..... گویا تمہارا مقابلہ ایسے شخص سے ہے جو تمہارے مکر اور چالاکی سے واقف نہیں..... (اولیاء اللہ کے اخلاق صفحہ ۱۸)

## تائب سے اللہ تعالیٰ کتنی محبت کرتے ہیں؟

میرے عزیزو! اللہ تبارک وتعالیٰ اس انسان سے بے انتہا محبت کرتے ہیں..... اس بات پر کلام اللہ اور احادیث شاہد ہیں..... قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جگہ جگہ بندوں کو اپنا محبوب بنانے کے لئے توبہ کی ترغیب دی کیونکہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے بندے کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایک وحشت سی پیدا ہو جاتی ہے..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت ومحبت گھٹتی چلی جاتی ہے..... اسی وجہ سے قرآن میں کثرت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کو اپنا بنانے کے لئے توبہ کرنے کی ترغیب دی اسی لئے ایک جگہ ارشاد باری ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ''

''بیشک اللہ تعالی توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں.....''

مرشدی حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام اللہ میں ''ان اللہ یحب التوابین''

مضارع سے نازل فرمایا اور مضارع میں دو زمانہ ہوتا ہے..... حال اور مستقبل..... تو ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں..... موجودہ حالت میں بھی اور اگر آئندہ بھی تم سے کوئی خطا ہو جائے گی تو ہم تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں معاف کر دیں گے..... اور صرف معاف ہی نہیں کریں گے محبوب بھی

بنالیں گے..... اور تمہیں اپنے دائرہ محبوبیت سے خارج نہیں ہونے دیں گے.....

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے حال اور مستقبل دونوں کے تحفظ کی ضمانت دے رہے ہیں کہ توبہ کی برکت سے ''حالا و استقبالا'' ہم تم سے پیار کریں گے..... ہم ایک دفعہ جس سے پیار کرتے ہیں ہمیشہ کے لئے پیار کرتے ہیں..... ہم بے وفاؤں سے پیار ہی نہیں کرتے کیونکہ ہمیں مستقبل کا بھی علم ہے کہ کون آئندہ ہم سے بے وفائی کرے گا اور کون باوفا رہے گا..... ہم پیار اسی کو کرتے ہیں جو ہمیشہ باوفا رہتا ہے..... یا اگر کبھی بوجہ بشریت کے اس کی وفاداری میں کوئی کمزوری بھی آئے گی اور اس سے کوئی خطا بھی ہو جائے گی تو وہ پھر توبہ کر کے باوفا ہو جائے گا.....

توبہ کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کے دائرہ محبوبیت سے خارج نہیں ہوتا..... اور یہ بات دنیا کی ہر محبت کے مشاہدات میں بھی موجود ہے جیسے بچہ ماں کی چھاتی پر پاخانہ پھیر دیتا ہے تو کیا ماں اس کو دھو کر پھر پیار نہیں کرتی؟..... اور کیا پھر وہ دوبارہ پاخانہ نہیں پھیرتا؟..... ماں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ پھر پھیرے گا مگر وہ اپنی شفقت سے نہیں پھرتی..... حالانکہ یقین سے جانتی ہے کہ یہ ہنگتا رہے گا مگر محبت کی وجہ سے عزم رکھتی ہے کہ میں دھوتی رہوں گی..... تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ماں کی محبت سے کم ہے..... ماؤں کو محبت کرنا تو انہوں نے ہی سکھایا ہے..... (مواہب ربانیہ)

قوت القلوب کے مؤلف ابو طالب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ شہوات سے ہٹ کر خدا کی طرف جاتے ہیں..... اور اس کی خاطر غلط باتوں سے پاک رہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو محبوب رکھتا ہے..... (قوت القلوب)

ایک حدیث میں آتا ہے:

''اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللہ'' ''توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے.....''

(احیاء علوم)

ایک اور حدیث میں آتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کو جوانی میں توبہ کرنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے..... (خطبات حکیم الامت ج ۳)

## بندوں کی توبہ سے اللہ کتنا خوش ہوتے ہیں؟

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے جس وقت وہ توبہ کرتا ہے اس حالت سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ تم میں سے کسی کی اونٹنی گم ہو جاوے اور وہ جنگل میں ہو اور اس اونٹنی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو اور وہ مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جاوے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس آ گئی اور وہ خوشی سے کہہ پڑے:

''اللھم انت عبدی وانا ربک''

''اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب''

یعنی عقل اس وقت غلبہ مسرت سے مغلوب ہو گئی..... اس سے بھی زیادہ خوشی حق تعالیٰ کو ہوتی ہے جب بندہ نفس و شیطان کے چکر میں گناہوں میں پھنس کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے..... پھر وہ توبہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں آ کھڑا ہوتا ہے.....

تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو کتنی خوشی ہوتی ہے وہ اس حدیث کے مضمون سے اندازہ کیجئے اور یہ بھی ایک سمجھانے کا عنوان ہے ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ وہ خوش ہوتے ہیں..... قربان جایئے ایسے کریم اور رحیم مالک پر کہ اپنے غلاموں کے ساتھ اس قدر تعلق اور محبت رکھتے ہیں..... (معارف الحدیث)

## گناہگار شیطان کی چال سے مایوس نہ ہوں

بندہ کے پیر و مرشد نے اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بعض گناہگاروں کو شیطان بہکاتا ہے..... مایوس کرتا ہے کہ تم سے اللہ تبارک وتعالیٰ

کیسے محبت کرے گا کہ تم نے تو دھندہ بنا رکھا ہے گناہ کا اور دھندہ بھی کیسا جو کبھی مندا نہیں ہوتا..... تو کیسا بندہ ہے تو؟..... اس کا جواب سرور دو عالم ﷺ نے دیا کہ:

''ان اللہ یحب العبد المؤمن المفتن التواب''

''اللہ تبارک وتعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور آئندہ بھی محبوب رکھے گا اس بندہ کو جو مومن ہے اور کیسا مومن ہے ''المفتن'' جس سے بار بار گناہ ہو جاتا ہے فتنہ گناہ میں بار بار مبتلا ہوتا ہے.....''

مگر ایک خوبی اس میں ایسی ہے جو سبب ہے اس کی محبوبیت کا اور وہ اس کی فائنل رپورٹ ہے.....وہ کیا ہے؟..... ''التــواب'' وہ بہت زیادہ توبہ کرنے والا بھی ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتا ہے..... گناہ کر کے خوش نہیں ہوتا پچھتاتا ہے کہ آہ میں نے کیوں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناراض کیا اس لئے نادم ہو کر دل کی گہرائی سے توبہ کرتا ہے..... اور توبہ کی چار شرطوں کے ساتھ توبہ کرتا ہے.....

## توبہ سے محبوبیت کی ایک عجیب تمثیل

محبوبِ خدا گناہ سے فوراً بھاگ جاتا ہے، گناہ سے علیحدہ ہو کر فوراً توبہ کرتا ہے اگرچہ بار بار فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے لیکن توبہ صادقہ کی برکت سے یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب ہے..... یہ بتاؤ اگر ماں کے سینہ پر چھوٹا بچہ پاخانہ پھیر دے تو کیا اماں اسے چاقو سے ذبح کر دیتی ہے یا نہلا دھلا کر پھر پیار کرتی ہے..... نیا کپڑا پہناتی ہے یا نہیں؟..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ایسے بندوں کو تقوی کا نیا نیا لباس پہناتے رہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں لباس کی کمی نہیں ہے..... ماں تو تھک سکتی ہے کہ اب میرے پاس چڈی نہیں ہے پمپر (Pamper) بھی نہیں ہے..... اب تجھے کیا پہناؤں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں تھکتے..... تقوی کے بے شمار لباس ان کے پاس ہیں..... جب بندہ نے توبہ کی کہ اے اللہ مجھ سے

غلطی ہوگئی معاف کر دیجئے..... اس حرام مزہ سے میں سخت نادم وشرمندہ ہو کر معافی چاہتا ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ فوراً معاف فرمادیتے ہیں..... (امید مغفرت)

## ندامت کے آنسوؤں کی کرامت

اللہ تبارک وتعالیٰ تواب ہیں، کثیر التوبہ ہیں اس لئے جو تائب بہت زیادہ روتے ہیں بہت زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں..... ان کے یہ آنسو اللہ تبارک وتعالیٰ کے خزانے میں جمع ہو جاتے ہیں..... ایسا بندہ کبھی رائیگاں نہیں ہوگا ان شاء اللہ..... چاہے شیطان ونفس اس کو گناہوں کے جنگل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے کتنے ہی دور لیجائیں..... لیکن وہ جو پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے رویا تھا کہ اے اللہ میری حفاظت کرنا..... گناہوں سے مجھے ضائع نہ ہونے دینا اس کے وہ سابقہ آنسو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں محفوظ تھے اللہ تبارک وتعالیٰ ندامت کے ان آنسوؤں کو رائیگاں نہیں کرتا..... پھر ان آنسوؤں کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اپنے بندہ کو تلاش کرتی ہے کہ اے فرشتو میرا بندہ مجھ سے بہت دور ہو گیا..... تم جا کے پھر اسکے دل میں توفیق ڈالو کہ توبہ کر کے پھر میرے پاس آجائے.....

لہٰذا جو لوگ روتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھنا..... ہمیں ضائع نہ ہونے دینا خاتمہ ہمارا ایمان پر کرنا اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے..... ایسے رونے والے بندے ضائع نہیں ہوتے..... ان شاء اللہ ان کا خاتمہ خراب نہیں ہوگا جس کا خاتمہ خراب ہوتا ہے اس کو رونے کی توفیق نہیں ملتی! اسی لئے محدثین نے لکھا ہے کہ ابلیس کو کبھی بھی اپنے گناہ پر ندامت نہیں ہوئی..... (امید مغفرت ورحمت)

## باب نمبر4

# توبہ کی اہمیت وحقیقت پر اقوال صوفیاء

ملفوظ نمبر 1 ابوالقاسم القشیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے:

جب مرید سلوک کا ارادہ کرے تو اسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے (اور یہ رجوع کرنا لازم کے درجہ میں ہے) (رسالہ قشیریہ)

# اللہ والا بننے کے لئے پہلا قدم: توبہ

ملفوظ نمبر 2 توبہ کرنا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کروانا مریدوں کا پہلا کام ہے پہلا قدم اور سالک کی راہ کا سرا ہے کسی آدمی کو اس سے مفر نہیں اس لئے کہ پیدائش سے موت تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے..... اور تمام عمر گناہوں میں غرق رہنا شیطان کا..... جب کہ نادم ہوکر توبہ کرنا اور معصیت کی راہ چھوڑ کر شاہراہ عبادت میں قدم دھرنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کی اولاد کا کام ہے..... جس آدمی نے توبہ کر کے پچھلے گناہوں کی تلافی کر لی اس نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے اپنی نسبت درست کر لی..... اور جس نے مرتے دم تک گناہوں پر اصرار کیا اس نے شیطان سے اپنی نسبت مضبوط کر لی..... (کیمیائے سعادت)

# توبہ تمام گناہوں پر واجب ہے

ملفوظ نمبر 3 امام مغربی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ التوبۃ واجبۃ من کل ذنب توبہ واجب ہے تمام گناہوں سے.....

## توبہ کو صبح وشام لازم کرلو

ملفوظ نمبر 4 حضرت طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حبیب فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حقوق کو کما حقہ پورا کرنا بندے کے لیے ممکن نہیں ہے اس لئے صبح وشام توبہ کرلیا کرو.....

## عوام اور خواص کی توبہ

ملفوظ نمبر 5 حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے.....''

یعنی کہ عوام کی پرسش ظاہری اعمال کے متعلق ہوگی اور خواص کی پرسش حقیقت حال پر ہوگی کیونکہ جہاں عوام غفلت میں خوش ہوتے ہیں خواص کے لئے غفلت حجاب بن جاتی ہے.....



## توبہ اللہ کی طرف سے ہے

ملفوظ نمبر 6 حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''لیس للعبد فی التوبة شی لان التوبة الیه لامنه''

''توبہ میں بندے کو کوئی دخل نہیں کیونکہ یہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے نہ کہ بندے کی طرف سے ہے..... (قوت القلوب)

## جھوٹے شخص کی توبہ

ملفوظ نمبر 7 ذوالنون رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گناہ سے باز آئے بغیر توبہ کرنا کذاب لوگوں کی توبہ ہے..... نیز ذوالنون یہ بھی فرماتے ہیں کہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے تمہارے لئے اس قدر تنگ معلوم ہو کہ تجھے قرار حاصل نہ ہو..... بلکہ تمہارا نفس بھی تمہارے لئے تنگ ہو جائے جیسا کہ اللہ

تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اپنی کتاب میں فرماتا ہے.....

''وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجاء من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا''

''ان کے نفس بھی ان کے لئے تنگ ہو گئے..... اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی سے بھاگ کر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کے سوا کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی..... پھر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نے ان کی توبہ قبول کر لی..... تاکہ وہ لوٹ آئیں.....''

## توبہ کی 3 اقسام

ملفوظ نمبر **8** بندہ کے پیر و مرشد نے لکھا ہے کہ توبہ کی تین اقسام ہیں:

1 توبہ کے مختلف درجات ہیں تائبین کے اختلاف مراتب سے..... پس عوام کی توبہ گناہ پر ندامت اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا ارادہ ہے..... اور حقوق عباد میں ان کا حق ادا کرنا ہے..... ممکن صورت میں اور عدم امکان کی صورت میں نیت ادائیگی ہے.....

2 اور خواص کی توبہ باطنی مکروہ اعمال اور عبادات کی کوتاہیوں (کہ کماحقہ نہ کرنے) اور کمال حضور اور کمال خشوع سے نہ ادا کرنے سے توبہ کرنا ہے.....

3 اور خواص الخواص کی توبہ درجات کی بلندی کے لئے ہے..... اور مقامات قرب میں ترقی کے لئے ہے..... اور یہ مقام صرف انبیاء علیہم السلام کا ہے.....

(روح کی بیماریاں اور ان کا علاج)

## حج سے افضل عمل

ملفوظ نمبر **9** ابو عبد اللہ انطاکی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے.....

ایک گناہ کا ترک کرنا خواہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو ہزار حج اور ہزار جنگ اور ہزار غلام آزاد کرنے سے زیادہ رحمت کا امیدوار بناتا ہے.....

## گناہ چھوڑنا کثیر نوافل سے افضل ہے

ملفوظ نمبر 10 ایک روایت میں ہے کہ:

ایک جھوٹ یا وعدہ خلافی یا بری نظر کا چھوڑنا ان کثیر نوافل کی نسبت جن کے ساتھ جھوٹ..... بری نظر یا وعدہ خلافی بھی ہو رحمت و مغفرت کا زیادہ امیدوار بناتا ہے.....

## حضرت داؤدؑ کی ندامت

ملفوظ نمبر 11 ثابت البنانی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ فرماتے تھے کہ

حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام خطا کے بعد کبھی پینے والی شئ (پانی وغیرہ) آنسوؤں کی آمیزش کے بغیر نہیں پیتے تھے..... (ایضاً)



## توبہ کرنا خدا کی معافی کی دلیل ہے

ملفوظ نمبر 12 ایک شخص نے حضرت رابعہ سے کہا:

میں نے بہت گناہ اور معاصی کئے ہیں اب اگر توبہ کروں تو کیا اللہ مجھے معاف کردے گا؟..... فرمایا کہ اصل معاملہ یوں نہیں..... اصل بات یہ ہے کہ خدا تجھے معاف کردے گا تب ہی تو توبہ کرے گا.....

## گناہ کرتے ہوئے استغفار کرنا یہ چھوٹی توبہ ہے

ملفوظ نمبر 13 کسی صوفی کا قول ہے کہ جھوٹوں کی توبہ اس کی زبان کی نوک پر ہوتی ہے..... ان کی مراد استغفر اللہ کہنے سے ہے (یعنی وہ زبان سے توبہ یا استغفار کہتے رہتے ہیں مگر دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس لئے گناہ بھی نہیں چھوڑتے.....)

## توبہ کیا ہے؟

کسی نے ابوحفص رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:

''توبہ میں بندہ کا کچھ دخل نہیں کیونکہ توبہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے نہ کہ بندہ کی طرف.....''

## صدیق کی مناجات سے افضل عمل

ملفوظ نمبر 14 حضرت عبدالقدوس گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''دین المذنبین احب الی اللہ من صناجات الصدیقین''

'' گناہگاروں کی آہ زاری اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کو زیادہ محبوب ہے بہ نسبت صدیقین کے مناجات کے.....''

یہاں ہر صدیق گنہگار ہے اور ہر گنہگار صدیق ہے..... فرشتہ اگرچہ آسمان پر رہتا ہے لیکن اس گریہ اوزاری سے بے بہرہ ہے..... اس لئے اس سے حق تعالی کو کیا کام اور اسے حق تعالی کی کیا خبر یہ درد کا معاملہ ہے.....

درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ
گر تو ہستی اہل درد و مرد راہ

اگر تو اہل درد اور مرد راہ ہے تو درد طلب کر، درد طلب کر درد طلب کر.....

(مکتوبات قدوسیہ)

## صداقت سے توبہ کرنے کا صلہ

ملفوظ نمبر 15 ابوطالب مکی نے لکھا ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں:

''جس نے صداقت کے ساتھ شہوت ترک کی اور اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کی خاطر نفس سے

سات بار مجاہدہ کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دوبارہ اس میں مبتلا نہیں کرتا۔

## تیرے سوا کون رحم کرنے والا ہے

الٰھی عبدک العاصی اتاک مقرأ بالذنوب فقد دعاک
و إن تغفر فأنت لذاک أھل وإن تطرد فمن یرحم سواک

1 اے میرے معبود! تیرا گنہگار بندہ تیرے دربار میں حاضر ہے..... گناہوں کا اقرار کرتا ہوا معافی کا طلبگار ہے.....

2 اگر تو معاف کر دے تو واقعی تو اسی کا اہل ہے اور اگر تو دھتکار دے تو تیرے سوا کون رحم کرنے والا ہے؟.....

## ترغیب توبہ پر چند اشعار کا ترجمہ

ملفوظ نمبر 16 1 تو گناہوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانیوں کے ساتھ خوش ہوتا ہے..... اور وہ دن تو نے بھلا دیا ہے جس دن تجھے پیشانی کے بالوں سے پکڑا جائے گا.....

2 اور تو بڑی بے پرواہی کے ساتھ جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے..... حالانکہ رب العزت تجھے دیکھ رہا ہے.....

اے نفس! تو اپنے معاملہ میں خوب غور وفکر کر..... اور دیکھ کہ تو راہ ہدایت سے بھٹک گیا ہے..... اس لئے ٹھہر جا اور سیدھی راہ معلوم کر لے.....

اے بدبخت! میرے خیال میں تیری بدبختی دور نہیں ہوگی..... اے نفس! تو خواہش کی اتباع کر رہا ہے..... اور خواہشات کی اتباع مفید نہیں بلکہ نقصان دہ ہے.....

اے میرے نفس! جب صبح ہوتی ہے تو تو دن کو اپنی خواہشات کی طلب میں لگا رہتا ہے..... اور جب شام ہوتی ہے تو خواب غفلت کے بستر پر دراز ہو جاتا ہے..... کہاں تو اور کہاں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کو اپنا نصب العین بنالیا..... (مدہش ابن جوزی ص ۵۰ ذم الذنوب)

## ہر خیر کی چابی

ملفوظ نمبر 17 امام سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ توبہ ہر مقام کی اصل اور ہر حال کا سہارا اور ہر خیر کی چابی ہے اور یہ مقامات طریقت میں سے سب سے پہلا مقام ہے..... اور یہ عمارت کیلئے زمین کے قائم مقام ہے.....

ابو یعقوب سوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''مقامات طریقت میں پہلا مقام توبہ ہے.....''

## مایوس مت ہو جاؤ

ملفوظ نمبر 18 حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں..... حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شیخ ہیں..... وہ فرماتے ہیں کہ:

جب تک تمہیں گناہوں سے ڈر لگتا ہو..... اور گناہ کر کے دل میں ندامت پیدا ہوتی ہو..... اس وقت تک مایوسی کا کوئی جواز نہیں..... ہاں یہ بات بڑی خطرناک ہے کہ دل سے گناہ کا ڈر مٹ جائے اور گناہ کرنے کے بعد دل میں کوئی ندامت پیدا نہ ہو اور انسان گناہ پر سینہ زوری کرنے لگے..... اور اس گناہ کو جائز کرنے کے لئے تاویلیں کرنا شروع کر دے..... البتہ جب تک دل میں ندامت پیدا ہوتی ہو اس وقت تک مایوسی کا کوئی راستہ نہیں..... ہمارے حضرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

سوئے نو امیدی مرو کہ امیدھا ست
سوئے تاریکی مرو کہ خورشیدھا ست

''یعنی ناامیدی کی طرف مت جاؤ، کیونکہ امید کے راستے بے شمار ہیں..... تاریکی کی طرف مت جاؤ کیونکہ سورج موجود ہیں..... لہٰذا توبہ کرلو تو گناہ سب ختم ہو جائیں گے.....''

## شیطان مایوسی پیدا کرتا ہے

ملفوظ نمبر 19 اور جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھولا ہوا ہے تو پھر مایوسی کیسی؟ یہ جو بعض اوقات ہمارے دل میں خیال آتا ہے کہ ہم تو بڑے مردود ہو گئے ہیں..... ہم سے عمل وغیرہ ہوتے نہیں ہیں..... گناہوں میں مبتلا ہیں..... اس خیال کے بعد مایوسی دل میں پیدا ہو جاتی ہے..... یاد رکھو یہ مایوسی پیدا کرنا بھی شیطان کا حربہ ہے..... اس لئے کہ شیطان دل میں مایوسی پیدا کر کے انسان کو بے عمل بنانا چاہتا ہے..... ارے تم یہ دیکھو کہ جس بندہ کا مالک استار رحمٰن اور رحیم ہے کہ اس نے مرتے دم تک توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے..... اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو بندہ توبہ کر لے گا..... اس کے گناہ نامہ اعمال سے بھی مٹا دیں گے۔ کیا وہ بندہ پھر بھی مایوس ہو جائے؟ اس کو مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں..... بس اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر استغفار کرے..... اور توبہ کرے..... سب گناہ معاف ہو جائیں گے.....



## ایسی تیسی میرے گناہوں کی

ملفوظ نمبر 20 توبہ کے ذریعے ایک منٹ میں سب گناہ اڑ جاتے ہیں..... چاہے بڑے سے بڑے گناہ کیوں نہ ہوں..... حضرت بابا نجم صاحب قدس اللہ سرہ، بڑے اچھے شاعر بھی تھے..... ان کے اشعار ہم جیسے لوگوں کے لئے بڑی تسلی کے شعر ہوتے تھے..... ان کا ایک شعر ہے.....

دولتیں مل گئیں ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

یعنی جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آہوں کی دولت عطا فرما دی کہ دل ندامت سے سلگ رہا ہے..... اور انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہے..... اور اپنے گناہوں کی معافی

مانگ رہا ہے..... اور ندامت کا اظہار کر رہا ہے تو پھر یہ گناہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ لہذا جب توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے تو اب مایوسی کا یہاں گزر نہیں..... (اصلاحی خطبات)

## توبہ اور شیطانی وسوسہ

ملفوظ نمبر 21 امر واقعہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا ازلی وابدی دشمن ہے..... مقابلہ میں سامنے سے وار کرنے کی بجائے چکر اور چکمہ دے کر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوتا ہے..... اس کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دے.....

لہذا: کبھی تو اسے نیکی کے کاموں سے محروم کرتا ہے اور دوسری چیزوں میں الجھا دیتا ہے.....

کبھی انسان کو چھوٹے چھوٹے گناہوں میں ملوث کرتا ہے اور پھر اس چکر میں رکھتا ہے کہ ایسے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے توبہ کی کیا ضرورت ہے؟

کبھی کہتا ہے کہ توبہ کرنے کے لئے ابھی زندگی رکھی ہے، بعد میں توبہ کر لینا.....

کبھی اس معنی میں وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ اگر آج توبہ کر لی اور کل پھر گناہ ہو گیا تو ایسی توبہ کا کیا فائدہ؟.....

اور جب گناہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں تو انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارے تو گناہ بہت زیادہ ہیں..... آخر اتنے سارے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟.....

اور کبھی ظاہری اور غیر ضروری مجبوریوں کا حوالہ دے کر انسان کو توبہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے.....

## توبہ واجب ہے

ملفوظ نمبر 22 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ:

گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے لیکن گناہ سے بچنا واجب تر ہے..... جوان آدمی کا گناہ کرنا

بھی اگر چہ برا ہے لیکن بوڑھے آدمی کا گناہ کرنا تو بہت ہی برا ہے..... بد بخت ہے وہ شخص جو خود تو مر جائے لیکن اس کا گناہ نہ مرے (یعنی کوئی بری بات جاری کر جائے).....

## توبہ کے چار ستون

**ملفوظ نمبر 23** حضرت خواجہ حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ

توبہ کے چار ستون ہیں:

1. زبان سے معافی کا طالب ہونا.....
2. دل سے پشیمان ہونا.....
3. یہ نیت رکھنا کہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کروں گا اور یہ بھی فرمایا کہ توبۃ النصوح سچی توبہ یہ ہے کہ توبہ کرے..... اور جس گناہ سے توبہ کی ہے اسکی طرف پھر نہ لوٹے.....

## بدترین شخص کون

**ملفوظ نمبر 24** حضرت شفیق بلخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ:

بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے اور زندگی کی امید پر توبہ نہ کرے..... آپ ہی کا قول ہے کہ ایک بوڑھے نے کہا کہ توبہ کرتا ہوں مگر دیر سے آیا ہوں..... فرمایا موت سے پہلے آجانا دیر نہیں ہے.....

## اللہ کی معرفت کا پہلا مقام

**ملفوظ نمبر 25** حضرت سید علی ہجویری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا قول ہے کہ

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی پہچان انسان کے لئے بڑی مشکل ہے اس کی راہ پر چلنے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے..... مزید فرمایا کہ ارادہ گناہ اور اسباب گناہ ہونے کے باوجود اگر گناہ سے پرہیز کیا جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے.....

# تائب کون ہے؟

ملفوظ نمبر 26 حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ تائب کون ہے؟..... آپ نے فرمایا کہ:

جو شخص جوانی میں توبہ کرے پھر اس پر یہاں تک قائم رہے کہ اسے موت آ جائے..... بوڑھوں کی توبہ توبہ نہیں کیونکہ ان کے نفسانی جذبات ٹھنڈے ہو چکے ہوتے ہیں..... مگر بڑھاپے میں بھی جو کوئی توبہ کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قبول کر لیتا ہے.....

# توبہ چھ قسم کی ہے

ملفوظ نمبر 27 حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ توبہ چھ قسم کی ہے:

1. قلب وزبان کی توبہ
2. نظر کی توبہ
3. کان کی توبہ
4. ہاتھ کی توبہ
5. پاؤں کی توبہ
6. نفس کی توبہ

(اسرار الاولیاء)

# حضرت تھانوی ؒ کا قول

ملفوظ نمبر (30) فرمایا کہ اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جاوے تو توبہ سب کو مٹا دیتی ہے..... دیکھے بارود ذرا سی ہوتی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اُڑا دیتی ہے.....

# توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے

ملفوظ نمبر 27 یاد رکھو کہ توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اور گناہ کی مثال آگ کی سی ہے مرہم تو اس لئے ہے کہ کبھی غلطی سے جل جائے تو مرہم لگا دیا جائے اس لئے نہیں ہے کہ مرہم کے بھروسہ پر آگ میں گھس جائے..... جس شخص کے پاس نمک سلیمانی یا چورن ہے

اس کو یہ مناسب ہے کہ جان جان کر بہت سا کھایا کرے چورن تو اس واسطے ہے کہ اگر کبھی غلطی سے بہت کھا جائے تو اوپر سے نمک سلیمانی یا چورن کھا لیا جائے جس سے ہضم ہو جاوے گا..... اور جو اس بھروسہ پر جان جان کر بہت سا کھانے لگے تو ایک دن جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا..... (تسہیل مواعظ ص ۱۳۰)

## جو توبہ کے بھروسہ جان بوجھ کر گناہ کرے تعجب نہیں کہ وہ ایمان بھی کھو بیٹھے

ملفوظ نمبر 28 اس طرح جو شخص توبہ کے بھروسے پر گناہ کرتا رہے گا کچھ تعجب نہیں کہ ایک دن ایمان کھو بیٹھے غرض کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا بڑی بیوقوفی ہے.....

اگر آئندہ گناہ ہو جانے کا اندیشہ بھی ہو تب بھی
توبہ کرنی نہ چھوڑو اور اس کی نہایت عمدہ مثال

## توبہ کے ٹوٹنے کے ڈر سے توبہ نہ چھوڑو

ملفوظ نمبر 29 اگر یہ ڈر ہو کہ توبہ ٹوٹ جائیگی اور گناہوں سے نہ رک سکیں گے تو ہمت نہ ہارو کیونکہ اگر توبہ ٹوٹ بھی گئی تو پھر کر لینا دیکھو اگر ایک کپڑا پھٹ جاتا ہے تو اس کو پھٹا ہوا نہیں چھوڑتے..... بلکہ اسی وقت سی لیتے ہیں اور اس کا کچھ بھی خیال نہیں کیا جاتا کہ یہ سینے کے بعد پھر پھٹ جائے گا..... پھر پھٹے تو پھر سی لینا بس یہی حالت توبہ کی ہے کہ صرف توبہ ٹوٹ جانے کے ڈر سے توبہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ اگر ٹوٹ بھی جائے تو پھر توبہ کر لے ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا..... بلکہ اگر دن میں سو بار بھی توبہ ٹوٹ جاوے تو ناامید مت ہو..... (ایضاً)

## توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے مع ایک مثال کے

ملفوظ نمبر 30 بعضے توبہ کے بھروسے گناہ کرتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ گناہ کی جب عادت ہو جاتی ہے تو پھر توبہ بھی مشکل ہو جاتی ہے..... کیونکہ گناہ سے جن کی ابھی لذت نہیں رچی توبہ کرنا آسان ہے اور عادت والے گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے..... علاوہ اس کے جب چھوٹے گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جاتا ہے تو طبیعت بیباک ہو جاتی ہے اور دل کھل جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ کبیرہ بھی ہونے لگتے ہیں..... جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچایا جاتا ہے اور جب بہت چھینٹیں پڑ جاتی ہیں تو پھر دامن کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ کپڑا بالکل خراب ہو جاتا ہے..... ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جس گناہ کی طبیعت عادی ہو جاتی ہے وہ پرانا ہو جاتا ہے اور چھوٹتا نہیں..... (حکیم الامت کے جواہر پارے)

## حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کا قول

ملفوظ نمبر 31 عام طور سے لوگوں کے ذہن میں توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زبان سے

''استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ''

کا ورد کرلیں..... حالانکہ یہ بڑی سخت غلط فہمی ہے..... توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنے پیچھے گناہوں پر حسرت وندامت ہو..... اور بالفعل ان کو چھوڑ دیا جائے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا مکمل عزم ہو..... (مجالس مفتی اعظم)

## شیطان کا حکم الٰہی پورا نہ کرنے کی وجہ

ملفوظ نمبر 32 اگر شیطان بھی توبہ کر لیتا تو اس کا بھی کام بن جاتا..... حکیم الامت فرماتے ہیں کہ:

''شیطان میں تین عین تھے .... ایک عین نہ تھا..... عابد کا عین اس میں تھا اور عارف کا

عین بھی تھا اور عالم کا عین بھی تھا..... عالم اتنا بڑا کہ تمام نبیوں کی شریعتوں کے جزئیات اس کو یاد ہیں..... کلیات کے ساتھ ساتھ..... اور عابد اتنا بڑا کہ کوئی زمین اس کے سجدہ سے خالی نہیں رہی..... اور عارف اتنا کہ اُخرج فانک رجیم (دفع ہو جا یہاں سے حقیقت میں تو مردود ہے) کے موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے عین غضب کی حالت میں دعا مانگ رہا ہے..... کیونکہ جانتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تاثر اور انفعال سے پاک ہیں مغلوب الغضب نہیں ہوتے..... اس وقت بھی میری دعا قبول کرنے پر قادر ہیں..... اتنی معرفت تھی..... لیکن عاشق کا عین نہیں تھا..... اس کے پاس..... اگر عاشق کا عین ہوتا تو پھر یہ مردود نہ ہوتا..... اگر یہ عاشق ہوتا تو مقابلہ نہ کرتا بلکہ محبوب حقیقی کی ناراضگی سے بے چین ہو کر سجدہ میں گر پڑتا..... اور وہی کہتا جو آدم علیہ السلام نے کہا تھا یعنی ربنا ظلمنا انفسنا ..... اگر یہ ایسا کر لیتا تو اس کی بھی معافی ہو جاتی.....'' (فضائل توبہ)



## گناہوں پر ندامت نہ ہونا مردودیت کی علامت ہے

ملفوظ نمبر 33 ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

جس شخص کو اپنے گناہوں پر پریشانی اور ندامت نہ ہو تو سمجھ لو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہے جیسا کہ ابلیس کو آج تک شرمندگی نہیں ہے..... بتاؤ بھائی ابلیس کو ندامت ہے؟..... اس ظالم کو ندامت کہاں! یہی علامت مردودیت ہے لہٰذا گناہوں پر پریشانی کا ہونا یہ اچھی علامت ہے.....

## گناہوں پر ندامت علامت قبولیت ہے

ملفوظ نمبر 34 بزرگوں نے فرمایا کہ:

جس انسان کے پیٹ میں زہر چلا جائے اور اس کو قے ہو جائے تو سمجھ لو اچھا ہو جائے گا..... اسی طرح جب گناہوں میں پریشانی ہو جائے اور رونے لگے تو سمجھو اس نے قے کر

دی..... دو رکعات توبہ پڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے رونے لگے یہ علامت ہے کہ گناہ اس کو راس نہیں آیا یہ علامت اس کے عنداللہ مقبول ہونے کی ہے..... (فضائل توبہ)

## رحمت الٰہی کا غیر محدود سمندر

ملفوظ نمبر 35 حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پرانے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ کراچی کے ایک کروڑ یعنی سولاکھ انسانوں کا پیشاب پاخانہ سمندر میں جاتا ہے ایک موج آتی ہے..... اور سب پیشاب پاخانہ کو پاک کردیتی ہے..... سمندر ایک مخلوق ہے اور اس کی ایک موج میں یہ طاقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہے کہ لاکھوں انسانوں کے پیشاب پاخانہ کو پاک کردیتی ہے اور وہاں کوئی امام نہا کر نماز پڑھاوے تو اس کی نماز صحیح ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے غیر محدود سمندر کی ایک موج ہمارے گناہوں کو کیسے پاک نہ کردے گی.....

## اللہ کے سامنے ہمارے گناہوں کی کیا حیثیت ہے

ملفوظ نمبر 36 بعض لوگ کہتے ہیں کہ ارے ہم تو بڑے گنہگار ہیں ہماری دعا اللہ تبارک وتعالیٰ کیسے قبول کریگا..... بار بار ہماری توبہ ٹوٹ جاتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو کیسے بخشے گا..... بظاہر تو یہ بڑی تواضع معلوم ہوتی ہے کہ بھائی اس کو تو بڑا اپنی نالائقی کا احساس ہے..... لیکن حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ:

صورتاً یہ شخص متواضع ہے مگر حقیقتاً انتہائی متکبر ہے کہ اپنے گناہوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے عظیم سمجھتا ہے اپنے گناہوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت وعظمت اور وسعت شان سے زیادہ عظمت دے رہا ہے.....

اور اس پر حضرت نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ:

''ایک بیل پر ایک مچھر بیٹھ گیا جب اڑنے لگا تو کہا کہ بیل رے بیل مجھے معاف کر دینا کہ میں تیرے سینگ پر بے اجازت بیٹھ گیا تھا..... اس بیل نے کہا کہ مجھے نہ تیرے بیٹھنے کی خبر نہ تیرے جانے کی خبر..... اگر تو نہ بولتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ تو کب بیٹھا اور کب گیا..... تو فرمایا کہ ہمارے معاصی کے سمندر حق تعالی کی رحمت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے..... (فضائل توبہ)

# باب نمبر 5

## استغفار کی اہمیت وحقیقت پر اقوالِ صوفیاء

### ہمارا استغفار لائق استغفار ہے

**1** رابعہ بصریہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے منقول ہے کہ ہمارا استغفار اس لائق ہے کہ اس پر بکثرت استغفار کیا جائے (معصیت راخندہ مے آید بر استغفار ما) یعنی جب زبان سے توبہ استغفار کرے اور نیت دوبارہ گناہ کرنے کی ہو تو اس کی توبہ کذاب لوگوں والی ہے..... اسے توبہ نہیں کہتے توبہ تو یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں عزم ہو کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا ایسی توبہ کرنے پر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اس کا گناہ معاف فرما دیتے ہیں..... خواہ کتنا ہی بڑا ہو اس لئے کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان اور درگذر کرنے والے ہیں..... (تنبیہ الغافلین)



### سیاہ وسفید اعمالنامہ

**2** حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

انسانوں کے اعمال (آسمانوں پر) اٹھا لئے جاتے ہیں..... جب ایسا کوئی اعمالنامہ اٹھایا جاتا ہے جس میں استغفار بھی شامل ہو تو وہ سفید شکل میں اٹھتا ہے..... اور جب وہ اعمالنامہ اٹھایا جاتا ہے جس میں استغفار موجود نہیں ہوتا تو وہ سیاہ شکل میں اٹھتا ہے..... (عشق مجازی کی تباہ کاریاں)

### استغفار کا ایک عظیم فائدہ اور ایک مجرب وظیفہ

**3** ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ:

جب کبھی میرا دل کسی مسئلہ، کسی حالت یا کسی معاملہ میں رک جاتا ہے اور اس کے حل کی کوئی شکل دکھائی نہیں دیتی تو میں کم وبیش ایک ہزار مرتبہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ سے استغفار کرتا ہوں تو مجھے اس امر میں شرح صدر ہو جاتا ہے.....

اور یہ حالت مجھے کبھی بازار، مسجد اور کبھی مدرسہ میں درپیش ہو جاتی ہے..... اور جہاں کہیں بھی یہ حالت درپیش ہوئی تو مجھے ذکر اللہ اور استغفار سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی یہاں تک کہ میں نے اپنا مطلوب پالیا..... (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی ۷۷)

یعنی کسی بھی دینی یا دنیاوی مشکل کے وقت ایک ہزار مرتبہ استغفر اللہ، استغفر اللہ پڑھ لیا جائے تو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ اسکی برکت سے اس مشکل کو اپنے فضل سے حل کر دیتے ہیں.....

## باب نمبر 5

# توبہ پر اہل اللہ کے واقعات

## ایک نوجوان کی توبہ کا واقعہ

1 ایمن عام نوجوانوں کی طرح لا ابالی تھا اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کا تعلق بالکل منقطع تھا..... اول تو وہ نماز کے قریب نہ جاتا تھا اگر کبھی بڑا معرکہ مارتا تو جمعہ یا عید کی نماز پڑھ لیتا اسے اپنی جوانی پر بڑا ناز تھا..... لیکن پراگندہ ذہنی کا شکار تھا..... تاہم اپنے دوستوں کے ساتھ مگن رہتا..... آخرت کو بھول چکا تھا..... اور ہر وقت گانے سنتا اور گاتا رہتا. میں نے اسے بہت نصیحت کی لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا..... اللہ غفور رحیم ہے.....

میں اس کے بارے میں بڑا متفکر تھا کیونکہ وہ میرا بچپن کا دوست اور عمر بھر کا راز داں تھا..... میری کوشش تھی کہ وہ راہ راست پر آجائے..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ہدایت نصیب کردے..... میں نے اس سلسلے میں بہت غور وفکر کیا آخرکار مجھے ایک حل مل گیا..... شاید اس سے ہی اس کو سمجھ آجائے..... اور وہ اپنی زندگی تبدیل کرلے.....

میں بازار پہنچا..... وہاں سے کیلکو لیٹر اور قلم کاغذ خرید کر اس کے گھر پہنچ گیا میں نے بیل دی..... اندر سے کوئی آواز آئی: کون؟..... میں نے جواب دیا طیب..... اس نے مجھے خوش آمدید کہا: اور وہ مجھے اندر لے گیا..... اسے میری آمد پر بڑی مسرت ہوئی..... کیونکہ وہ میرا زندگی بھر کا دوست تھا..... حال احوال پوچھنے اور رسمی گفتگو کے بعد میں نے کہا: ایمن! آج میں آپ کے ساتھ ایک اہم موضوع پر تفصیل سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں..... اس نے مجھے فوراً ٹوکا اور کہا: میں جانتا ہوں کہ کیا بات ہے؟..... وہی نماز، روزہ اور ویڈیو جرائم وغیرہ.....

ایمن کیا آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟.....

میرا رب غفور رحیم ہے..... وہ ضرور معاف کرے گا.....

ہاں ایمن! لیکن تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ شدید العقاب بھی ہے..... میں نے قلم کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے اور خود کیلکو لیٹر پکڑ لیا اور اس سے پوچھا ایمن! آپ کی عمر کتنی ہے؟.....

پچیس (۲۵) سال.....

۲۵×۱۲ ماہ = ۳۰۰ ماہ

۳۰۰ ماہ × ۳۰ دن = ۹۰۰۰ دن

ایمن! اگر آپ دن میں صرف ایک غلطی کریں تو پچیس سال کی عمر میں ۹۰۰۰ گناہ بنتے ہیں..... ایمن! اگر تم نو ہزار گناہ لے کر تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کیسے پیش ہو گے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کیا عذر پیش کرو گے؟.....



ایمن! اگر دن میں دو گناہ شمار کریں تو (18) اٹھارہ ہزار گناہ بنتے ہیں..... اور اگر دن میں تین غلطیاں ہوں تو پچیس سال کی عمر میں (36) چھتیس ہزار غلطیاں بنتی ہیں..... جب کہ تم سینکڑوں غلطیاں اور جرائم روزانہ کرتے ہو..... ویڈیو فلمیں، گانے، جھوٹ، دھوکہ، شراب زنا وغیرہ وغیرہ..... اپنے کمزور کندھوں پر اتنے جرائم کا بوجھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں کس منہ سے جاؤ گے؟..... اور اگر آپ کو مزید عمر مل جائے آپ کی عمر تیس سال، چالیس سال یا پچاس سال ہو تو کتنے گناہ ہو جائیں گے..... اتنے گناہوں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس کیسے جاؤ گے؟ ایمن بھائی! یاد رکھئے آپ کا ہر قول اور فعل نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے..... اس کا حساب لیا جائے گا..... اور اسے آپ خود پڑھیں گے.....

”کتاب کھول کر رکھ دی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو اس میں لکھا ہو گا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے اس نے کوئی چھوٹی

بڑی چیز نہیں چھوڑی ہر چیز کو لکھ رکھا ہے..... اور وہ سارے اعمال کو حاضر پائیں گے..... تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا.....''

میں اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا..... اور ایمن کا پسینہ چھوٹ رہا تھا..... اور وہ خوف خدا سے لرز رہا تھا..... اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا..... موتیوں کی طرح اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے..... ان آنسوؤں کے طوفان میں بلا کی شدت تھی اور وہ چھوٹے بچوں کی طرح ہچکیاں بھر کر رو رہا تھا..... میں ان لمحات میں قلم کاغذ لے کر ان پر مذکورہ بالا حساب لکھ دیا..... جب اس کے کچھ آنسو تھمے تو میں نے یہ اوراق اس کے ہاتھ میں دے دیئے..... اور کہا ایمن! خیال کرو اگر یہی اوراق تیرا نامہ اعمال ہوں اور تجھے کہا جائے کہ اللہ کے حضور پڑھ تو کیسے پڑھے گا؟.....

اس نے اپنا مفروضی حساب لیا اور پڑھنا شروع کر دیا اور پھر رو پڑا اور اپنے گرم اشکوں سے اوراق بھگو دیئے میں نے موقعہ مناسب سمجھتے ہوئے کہا:

ایمن! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر آپ گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کر لیں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کر لیں..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف کر دیں گے..... اور تمام نافرمانیوں کو دھو دیں گے..... بلکہ اگر آپ سچی توبہ کر لیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا..... ایمن! اپنے رب کا کلام سنئے جو تجھے توبہ کی طرف بلاتا ہے اور تیری توبہ پر خوش ہوتا ہے:

''اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِم حَسَنَات وَکَانَ اللّٰہُ غَفُورًا الرَّحِیْمًا'' (فرقان ۲۵/۷۰)

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر نیک عمل کئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ غفور رحیم ہے.''

سبحان اللہ! تمام برائیوں، نافرمانیوں اور گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا..... سو

ایمن! اٹھ اپنے پروردگار سے توبہ کر اور اس کی طرف رجوع کر..... اٹھو رجوع کر کے توبہ و انابت کے صاف شفاف پانی سے وضو کرو اور گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالو..... اٹھو اور دنیا میں برائیوں کو نیکیوں سے بدل دو..... اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز برائیوں پر سزا دینے کے بجائے انہیں نیکیوں میں بدل کر ثواب عطا کرے گا..... اٹھو اس نعم البدل کو حاصل کرو جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ کیا ہے..... اٹھو اور ان سب برائیوں کو نیکیوں سے بدل دو..... سینما گھر کو مسجد سے، گانوں کو تسبیحات سے.....

وہ خاموشی سے اٹھا اور اس نے وضو کیا اور حدیث کے مطابق معافی کے لئے دو رکعت نماز پڑھی..... اور بارگاہ ایزدی میں ہاتھ بلند کر کے بڑی عاجزی سے یوں پکارا:

''اللھم انی استغفرک واتوب الیک''

''اے میرے اللہ! میں تجھ سے ہی معافی مانگتا ہوں اور تیری طرف ہی توبہ کے لئے رجوع کرتا ہوں.....''

اس کی آنکھوں سے موتیوں جیسے آنسو اتر آئے تھے یوں اسے حیات نو مل گئی.....

(گذرے ہوئے لمحات)

## اللہ تعالیٰ گناہ دیکھتے ہیں مگر غضب ناک نہیں ہوتے

2 کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا اس کے پاس کسی عابد کا تذکرہ ہوا بادشاہ نے اسے بلا بھیجا اور منت سماجت کر کے اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش کی.....

عابد نے کہا:

بادشاہ سلامت بات تو بہت اچھی ہے مگر یہ بتلایئے کہ اگر آپ کسی دن مجھے اپنی باندی کے ساتھ خوش طبعی کرتے ہوئے اپنے حرم سرا میں دیکھ لیں تو کیا ہوگا..... بادشاہ غضب ناک ہو کر بولا..... او بدکار تو میرے گھر میں ایسی جرات کرے گا عابد کہنے لگا کہ میرا رب کتنا کریم ہے کہ

دن میں ستر گناہ بھی دیکھے تو مجھ پر غضب ناک نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنے دروازہ سے دھکیلتا ہے..... اور نہ ہی مجھے اپنے رزق سے محروم کرتا ہے تو میں اس کا دروازہ کیسے چھوڑوں..... اور ایسے شخص کے دروازہ پر آپڑوں جو نافرمانی کرنے سے پہلے ہی غضب ناک ہو رہا ہے..... اگر جرم کرتے ہوئے دیکھ لے تو نامعلوم کیا کرے یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چل دیا..... (تنبیہ الغافلین)

## ایک صحابیؓ کی سچی توبہ کا واقعہ

**3** حضرت عمران بن حصین سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی سچی توبہ کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لقد تاب توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة لو سعتهم''

''اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ستر آدمی جو مدینہ ہی کے رہنے والے ہیں ان میں تقسیم کر دی جائے تو ان کو کافی رہے.....'' (تصوف وسلوک)



عمار بن زاذن کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ کہمس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا:

اے ابوسلمہ میں نے ایک گناہ کیا تھا چالیس سال ہو گئے کہ اس پر رو رہا ہوں

میں نے کہا:

اے ابوعبداللہ وہ کیا گناہ تھا؟.....

انہوں نے فرمایا:

میرا بھائی مجھ سے ملنے آیا تھا میں نے اس کے لئے ایک دانق کی مچھلی خریدی جب ہم کھا چکے تو میں نے اپنی پڑوسی کی دیوار سے ایک چٹکی مٹی لے کر ہاتھ صاف کئے اس پر مجھے روتے ہوئے چالیس سال ہو گئے..... (حلیۃ الاولیاء ج ۶ صفحہ ۲۱۱)

## گناہوں کا نیکیوں سے بدل جانے کا واقعہ

**4** ایک آدمی جب بھی گناہ کرتا تو ایک رجسٹر میں ایک اس کا گناہ لکھ دیا جاتا.....

ایک دن اسنے گناہ کیا، تو رجسٹر کھولا گیا تا کہ اس میں یہ گناہ لکھیں، مگر وہاں یہ عبارت تحریر تھی:

''فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت'' (الفرقان ۷۰)

''پس وہ لوگ ہیں کہ جن کے گناہوں کو بدل کر نیکیاں بنادیا گیا...''

یعنی توبہ کی برکات سے شرک کی جگہ ایمان آ گیا..... گناہوں کی جگہ معافی اور نافرمانی کی جگہ گناہ سے حفاظت، واطاعت مل گئی۔ (مکاشفۃ القلوب)

## ایک شرابی کی توبہ کا واقعہ

**5** حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک نوجوان سامنے آیا..... اس نے کپڑوں کے نیچے ایک بوتل چھپا رکھی تھی..... اس بوتل میں شراب تھی.....

حضرت عمر نے پوچھا: اے نوجوان! یہ کپڑوں کے نیچے کیا اٹھا رکھا ہے؟..... نوجوان نے اسے شراب کہنے میں شرمندگی محسوس کی اس نے دل میں دعا کی..... یا اللہ! مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ فرمانا..... ان کے ہاں میری پردہ پوشی فرمانا..... میں کبھی بھی شراب نہیں پیوں گا..... اس کے بعد نوجوان نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں سرکہ (کی بوتل) اٹھائے ہوئے ہوں''

آپ نے فرمایا:

مجھے دکھاؤ! جب دکھائی اور ان کے سامنے کیا اور حضرت عمر نے اسے دیکھا تو وہ سرکہ تھا..... اب دیکھئے مخلوق نے مخلوق کے ڈر سے توبہ کی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے شراب کو سرکہ بنا دیا..... اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی توبہ میں اخلاص دیکھا..... لیکن اگر گناہگار آدمی جو برے اعمال کی وجہ سے ویران ہو چکا ہو..... خالص توبہ کرے، اپنے کئے پر نادم ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسکے گناہوں کی شراب کو نیکی کے سرکے میں بدل دیگا..... (مکاشفۃ القلوب)

## عتبہ نامی نوجوان کی توبہ کا واقعہ

6 عتبہ نوجوان تھے اور وہ (توبہ سے پہلے) فسق و فجور اور شراب نوشی میں مشہور تھے..... ایک دن حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں آئے..... حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کر رہے تھے:

"الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ" (الحدید،۱٦)

" کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ انکے دل اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں....."

اس قدر مؤثر وعظ فرمایا کہ:

لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا، ایک نوجوان کھڑا ہوا اور یہ کہنے لگا: اے نیک آدمی! کیا اللہ تعالیٰ مجھ جیسے فاسق و فاجر کی توبہ قبول کرے گا.....جب میں توبہ کروں شیخ نے فرمایا ہاں تیرے فسق و فجور کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ تیری توبہ قبول کرے گا..... جب عتبہ نے یہ بات سنی تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور سارا بدن کانپنے لگا..... چلایا اور غش کھا کر گر پڑا اور یہ اشعار پڑھے:

ایا شابا لرب العرش عاصی
اتدری ما جزاء ذوی المعاصی

"اے عرش والے کی نافرمانی کرنے والے جوان تو جانتا ہے کہ گناہگاروں کی کیا سزا ہے.."

سعیر للعصاۃ لھا زفیر
وغیظ یوم یؤخذ بالنواصی

"نافرمانوں کے لئے جہنم ہے جس میں گرج ہوگی اور جس دن پیشانیوں سے پکڑے جائیں گے.....اس دن غضب ہوگا....."

فان تصبر علی النیران فاعصہ
والا کن عن العصیان قاصی

''پس اگر تو آگ پر صبر کر سکے، تو نافرمانی کر، ورنہ نافرمانی سے دور ہو جا.....''

وفیما قد کسبت من الخطایا

رہنت النفس فاجهد فی الخلاصی

''تو نے گناہ کس لئے کئے ہیں، تو نے اپنے آپ کو پھنسا دیا، اب نجات کے لئے کوشش کر.....''

عتبہ کی چیخ نکل گئی اور غش کھا کر گر پڑا، جب افاقہ ہوا تو کہنے لگا:

اے شیخ کیا میرے جیسے کمینے کی توبہ بھی رب رحیم قبول کرے گا.....

شیخ نے فرمایا:

بدنصیب بندے کی توبہ اور معافی رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے..... پھر اس نے سر اٹھایا اور تین دعائیں کیں.....

1 اے میرے اللہ! اگر تو نے میری توبہ قبول کر لی..... اور میرے گناہ معاف فرما دیئے تو مجھے فہم و یادداشت عطا کر..... مجھے عزت عطا فرما کہ علوم دین اور قرآن مجید سے جو سنوں حفظ کر لوں.....

2 اے اللہ! مجھے حسن آواز کا اعزاز عطا فرما جو بھی میری قرأت سنے اگر وہ سنگ دل ہو تو اس کا دل نرم ہو جائے.....

3 اے اللہ! رزق حلال کا اعزاز عطا فرما..... وہاں سے روزی عطا فرما کہ مجھے اس کا گمان بھی نہ ہو.....

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی تمام دعائیں قبول فرمائیں..... اس کا فہم تیز ہو گیا..... جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا، تو ہر سننے والا توبہ کرتا..... (مکاشفۃ القلوب)

## ایک مسئلہ کا دلچسپ حل

7 اللہ رب العزت کو بندے کی توبہ بڑی محبوب ہے..... ایک بزرگ جا رہے

تھے..... انہوں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان آپس میں بحث کر رہے ہیں..... جب قریب سے گذرے تو وہ کہنے لگے: بابا جی! ہم آپس میں ایک مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں اور ہماری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ صحیح جواب کیا ہے آپ ہمیں بتا دیجئے..... پوچھا کون سی بات ہے؟.....

کہنے لگے ہم میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ جو بندہ کبھی گناہ نہ کرے اس کے دل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو بندہ گناہ کر بیٹھے اور بعد میں سچی توبہ کر لے اس کے دل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے۔ اب ہم فیصلہ نہیں کر پا رہے کہ کس کے دل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے.....

حضرت فرمانے لگے کہ:

میں کوئی عالم تو نہیں کہ عالمانہ جواب دوں البتہ ایک بات میرے تجربہ میں آئی ہے کہ میں کپڑا بنتا ہوں..... میرے لمبے لمبے دھاگے ہوتے ہیں..... عام طور پر جو دھاگہ ٹوٹ جائے میں اس کی گرہ لگاتا ہوں..... اور پھر اس پر خاص نظر رکھتا ہوں کہ کہیں یہ دھاگہ پھر نہ ٹوٹ جائے..... ممکن ہے کہ جو بندہ گناہوں میں پڑا رہا..... اور اس کی تار اللہ تبارک وتعالیٰ سے ٹوٹ چکی تھی..... وہ سچی توبہ کر کے اس گرہ کو پھر باندھ لیتا ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس پر خاص نظر رہتی ہو کہ میرا بندہ کہیں پھر مجھ سے ٹوٹ نہ جائے... (مکتوبات فقیر)

## باب نمبر 6

# توبہ نہ کرنے کی وجوہات واسباب

توبہ میں تاخیر کرنا سخت نقصاندہ ہے..... کیونکہ گناہ سے ابتداءً قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے..... یعنی دل سخت ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ انسان کفر و گمراہی کے پھاٹک تک جا پہنچتا ہے..... کیا تمہیں ابلیس اور بلعم باعور کا واقعہ یاد نہیں؟..... ان سے ابتدا میں ایک ہی گناہ صادر ہوا تھا مگر وہ بعد میں کفر و گمراہی تک پہنچ گئے..... اور ہمیشہ کے لئے تباہ حال لوگوں میں شامل ہو گئے..... اس لئے توبہ کے بارے میں تم پر بیداری و کوشش لازم ہے..... اگر تم جلد توبہ کرو گے تو امید ہے کہ عنقریب گناہوں پر اصرار کرنے کے مرض کا تمہارے دل سے قلع قمع ہو جائے اور گناہوں کی نحوست کا بوجھ تمہاری گردن سے اتر جائے.....

## فکر آخرت سے غفلت

وجہ نمبر 1 نفس کہتا ہے کہ آج مزہ کر لو کل کی کل دیکھی جائے گی! بعض لوگ معصیت اس لئے ترک نہیں کرتے کہ نفس و شیطان ان سے کہتا ہے جو حرام لذتیں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو..... مرنے کے بعد جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا فی الحال تو نقد مزہ لے لو!

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

کیوں صاحب! اگر کوئی شخص آپ کو زہر بھرا لڈو لا کر دے تو کیا اپنے قول کے موافق وہاں بھی عمل کرو گے کہ کل کے دن کیا خبر کیا گزرے..... اب تو لڈو کھانے کو ملتا ہے، یا اس کے انجام بد پر نظر کر کے اس کو ترک کر دو گے..... تو کیا قیامت آپ کے نزدیک کل سے کچھ زیادہ دور ہے.....

صاحبو! کل کے ۴ بجے تک تو ۲۴ گھنٹے یقینی ہیں..... اور قیامت کے متعلق تو ۲۴ منٹ کی بھی خبر نہیں..... لہٰذا آج ہی سے بلکہ ابھی سے عزم کرلو کہ آج کے بعد ایک سانس بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناراض نہیں کریں گے.....

## تقدیر کا بہانہ

وجہ نمبر 2 بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا پھر نہ طاعت سے کچھ فائدہ، نہ گناہ سے کچھ ضرر..... مگر تعجب یہ ہے کہ تقدیر دنیا کے کاموں میں کہاں چلی جاتی ہے..... ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے تقدیر کے بھروسہ کمانا چھوڑ دیا ہو..... (تفصیل التوبہ)



## حق تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے پر بھروسہ

وجہ نمبر 3 ایک مانع توبہ یہ ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہیں ان کو ہمارے گناہ بخش دینا کیا مشکل ہے..... مگر ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ خدا کی رحمت کے بھروسہ پر اس نے زہر کھایا ہو.....

## توبہ سے پھر گناہ ہوجانے کا خوف

وجہ نمبر 4 بعض لوگ توبہ اسلئے نہیں کرتے کہ شاید آئندہ توبہ ٹوٹ جائے اور پھر گناہ ہوجائے..... حالانکہ صدق دل سے اگر توبہ کی جائے تو وہ مقبول ہوجاتی ہے..... اور اگر خدا نخواستہ توبہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ کرلے حق سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے..... حدیث میں ہے:

"ما اصر من استغفر وان عاد سبعین مرة"

سبحان اللہ! دن میں ستر مرتبہ توبہ شکنی کو بھی گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں فرمایا.....

## آخر عمر میں توبہ کا عزم

وجہ نمبر 5 بعض لوگ اس لئے توبہ نہیں کرتے کہ ابھی تو ساری عمر پڑی ہے بڑھاپے میں توبہ کرلیں گے..... کیا خبر بڑھاپہ بھی آئے گا غرض اس طرح دن گزرتے رہتے ہیں اور توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی.....

## گناہ کا علم نہ ہونا

وجہ نمبر 6 بعض لوگ اس لئے توبہ نہیں کرتے کہ ان کو خبر بھی نہیں کہ ہم سے کون کون سے گناہ ہورہے ہیں.....

## اپنے گناہوں کو بڑا سمجھنا

وجہ نمبر 7 بعض لوگ اس خیال سے توبہ نہیں کرتے کہ ہم نے پہاڑ جیسے عظیم گناہ کئے ہیں وہ کیسے معاف ہوسکتے ہیں..... حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے.....

## نفسانی خواہشات کا دباؤ

وجہ نمبر 8 آٹھویں یہ ہے کہ نفس کو نفسانی خواہشات میں بڑا مزہ آتا ہے... لہٰذا ان لذتوں کو چھوڑنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے..... اس کو چھوڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت وحکم کو غالب کر کے نفس کی حرام چاہت کو پورا نہ کرے شروع میں تو تھوڑی تکلیف ہوگی..... لیکن روح کو انشاء اللہ بہت مزہ آئے گا جب ایک مرتبہ کوئی شخص نفس کی چاہت کو پورا نہیں کرتا تو اس سے خواہشات کے تقاضے آہستہ آہستہ کم ہوتے چلے جاتے ہیں... اسی طرح دوسری بار نفس کسی حرام فعل کا تقاضا کرے تو دوبارہ اس پر عمل نہ کرے اس طرح کرتے کرتے نفس کا دباؤ کم ہوتا چلا جائے گا.. (مزید تفصیل کے لئے بندہ کی کتاب ''اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کی علامت'' کا مطالعہ فرمائیں)

## برے ساتھی مجھے دھتکارتے ہیں

وجہ نمبر **9** میں توبہ کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پرانے دوست مجھے دھمکیاں دیتے ہیں کہ مجھے لوگوں میں ذلیل کر دیں گے..... سب کے سامنے میرے راز کھول دیں گے..... اس لئے کہ ان کے پاس میرے فوٹو اور دستاویزی ثبوت ہیں.....

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ شیطان کے شاگردوں کے خلاف جہاد کرو..... شیطان کی تدبیریں بہت کمزور ہوا کرتی ہیں اگر شیطان کے تمام چیلوں کی ساری تدبیریں تمہارے خلاف ایک ہی وقت میں اکٹھی ہو جائیں تب بھی مؤمنانہ صبر کے مقابلے میں یہ سب کی سب تدبیریں بہت جلد پاش پاش ہو جائیں گی.....

اس موقع پر یہ بات یاد رکھو کہ اگر تم نے ان کا تھوڑا سا بھی ساتھ دیا یا ان کا ذرا سا بھی دباؤ قبول کیا تو وہ لوگ اور زیادہ تمہارے سر چڑھ جائیں گے..... نتیجۃً سب سے زیادہ خسارہ تمہارا ہوگا..... لہٰذا تم ان کی بات قطعاً نہ مانو اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد مانگو.....

## علامات توبہ

توبہ کی مقبولیت کی علامت یہ ہے اس گناہ کے بعد ندامت پیدا ہو جائے کیونکہ حدیث میں آتا ہے ﴿الندمة توبة﴾ ''توبہ ندامت کا نام ہے'' گناہ کے بعد بعض لوگوں کبھی غم و ندامت کی کیفیت بن جاتی ہے کہ ہم نے ایسے مالک کو ناراض کیا جس کے ہم پر لامحدود احسانات ہیں یہی کیفیت قبولیت توبہ کی علامت ہے..... اور گناہ کے بعد ندامت کا نہ ہونا یہ مردودیت کی علامت ہے جیسا کہ شیطان کو اب تک ندامت نہیں ہوئی! حدیث میں آتا ہے مومن کے قلب پر گناہ مثل پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور منافق کے قلب پر مثل مکھی کے معلوم ہوتا؟.....

بندہ کے پیرومرشد نے قبولیت توبہ کی علامت پر فرمایا گناہ سے دل میں آگ لگتی ہے اور جب (توبہ کرنے سے) رحمت کا نزول ہوگیا تو آگ بجھ جائے گی بلکہ بغیر حروف کے دل میں آوارہ آنے لگے گی اب زیادہ مت رو..... (مواہب ربانیہ ص ۲۴)

# توبہ کے عجیب وغریب فوائد حدیث کی بشارت

1 ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے عام ... پاک میں آتا ہے کہ گناہوں ... الاعتنی ہے.....

... حدیث میں آتا ہے کہ:

''توبہ کرنے والے جب اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کے ... کستوری خوشبو ... ٹے گی اور یہ جنت کے دستر خوان پر آ کے اس سے تناول کریں گے ... کے سایہ میں ... گے..... جب بہت سے لوگ حساب و کتاب کی سختی ... گے.... '' (آنسوؤں کا سمندر)

# محبوبیت کی بشارت

فائدہ نمبر 2 قرآن میں اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فرماتے ہیں:

''اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ''

''اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی توبہ کرنے والے سے محبت کرتے ہیں''

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''التائب حبیب اللہ''

''توبہ کرنے والا اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کا دوست ہے''

# دونوں جہاں میں کامیابی کی بشارت

فائدہ نمبر 3 سورۃ النور آیت ۳۱ میں اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نے توبہ کرنے والوں کو دونوں جہاں میں کائنات کی بشارت دی ہے!

## سکون قلب کی بشارت

فائدہ نمبر 4 انسان جب گناہ کرتا ہے اس وجہ سے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت برستی ہے اس کی وجہ سے قلب پر باوجود دنیا جہاں کے عیش وعشرت کے ایک وحشت سی رہتی ہے چنانچہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کی برکت سے بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اس بندہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت برستی ہے اس کی وجہ سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے.....

سورۃ النور میں اسی بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے! تو یہ کہ اس فائدہ کو ایک اللہ والے نے دوسرے انداز میں لکھتے ہوئے فرمایا کہ:

''توبہ کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ توبہ کرنے سے تائب کو گناہوں کے بوجھ تلے سے رہائی مل جاتی ہے..... اور گناہ کے سبب جو اس پر ایک خوف طاری ہو جاتا ہے..... وہ زائل ہو کر ایک قسم کی اس کو ذہنی آزادی حاصل ہو جاتی ہے.....''



## استغفار کی کثرت حصول رزق کا ذریعہ ہے

فائدہ نمبر 5 توبہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ توبہ کی برکت سے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور توبہ رزق کی وسعت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے..... حضرت نوح رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا''

''پس میں نے کہا اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی طلب کر دے بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (تمہاری توبہ کی برکت سے) آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا..... اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا.....''

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہوں کی معافی کا سوال کرنے کے ذریعے رزق اور بارش طلب کی جاتی ہے.....

حضرت مطرف امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بارش طلب کرنے کے لئے لوگوں کے ساتھ باہر نکلے..... اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے گناہوں کی معافی مانگنے کے سوا انہوں نے کچھ بات نہ کی اور واپس لوٹ آئے..... ان کی خدمت میں عرض کیا گیا:

''ہم نے آپ کو بارش طلب کرتے ہوئے نہیں سنا.....''

فرمانے لگے:

''میں نے اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے آسمان کے ان ستاروں کے ساتھ بارش طلب کی ہے جن کے ذریعے بارش حاصل کی جاتی ہے.....''

پھر قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ پڑھیں:

''استغفرو ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا''

''اپنے پرودگار سے گناہوں کی معافی طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے..... آسمان سے تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا..''

قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابن صبیح سے روایت کی کہ

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے روبرو قحط سالی کی شکایت کی، تو انہوں نے اس سے فرمایا: ''اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو...''

دوسرے شخص نے غربت وافلاس کی شکایت کی، تو اس سے فرمایا:

''اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو.....''

تیسرے شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی:

''اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بیٹا عطا فرمادیں..... آپ نے اس کو جواب

میں تلقین کی: ''اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرو.....''

(تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۳۰۲)

چوتھے شخص نے ان کے سامنے اپنے باغ کی خشک سالی کا شکوہ کیا تو اس سے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کرو.....'' (ابن صبیح کہتے ہیں) میں نے ان سے کہا: اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ربیع بن صبیحؒ نے ان سے کہا: ''آپ کے پاس چار اشخاص الگ الگ شکایات لے کر آئے اور آپ نے ان سب کو ایک ہی بات کا حکم دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا سوال کرو.....''

(تفسیر الخازن ۷/۱۵۴، نیز ملاحظہ ہو روح المعانی ۲۹/۷۳)

امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میں نے انہیں اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں بتلائی (میں نے تو انہیں اس بات کو حکم دیا ہے جو بات رب رحیم وکریم نے سورہ نوح میں بیان فرمائی ہے) سورہ نوح میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

**''استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انهرا''** (تفسیر القرطبی ۱۸/۳۰۲، ۳۰۳)

''اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو..... بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے..... آسمان سے تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا....''

اللہ اکبر! استغفار کے فوائد وثمرات کتنے عالی شان اور زیادہ ہیں..... اے مولائے کریم! ہمیں استغفار کرنے والوں میں شامل فرمائیے اور استغفار کی دنیوی واخروی خیر و برکات سے فیض یاب فرمائیے..... آپ یقیناً فریادوں کے سننے والے اور قبول فرمانے والے..... آمین یارب العالمین.....

استغفار وتوبہ کے رزق کا سبب ہونے کی دوسری دلیل وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ

تبارک وتعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت دینے کا ذکر فرمایا ہے اور وہ آیت کریمہ درج ذیل ہے:

**''ویقوم استغفروا ربکم ثم توبو االیه یرسل السماء علیکم مدراراً و یزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولو امجرمین''**

''اور اے میری قوم! اپنے رب سے (گزشتہ) گناہوں کی معافی طلب کرو..... پھر (آئندہ گناہ کرنے سے) توبہ کرو..... وہ تم پر آسمان سے خوب زور کا مینہ برسائے گا..... اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور گنہگار ہو کر پھر نہ جاؤ.....''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

پھر انہوں (حضرت ہود علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنے کا حکم دیا کہ اس سے سابقہ خطائیں مٹ جاتی ہیں..... نیز اس بات تلقین کی کہ آئندہ گناہوں سے باز رہیں اور جس کسی میں (استغفار و توبہ کی) خوبی پیدا ہو جائے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے رزق کا حصول سہل کر دیتے ہیں..... (تفسیر ابن کثیر)



اسی لئے فرمایا:

**''یرسل السماء علیکم مدرارا''**

استغفار و توبہ کے حصول رزق کی کلید ہونے کی چوتھی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

**''روی الائمة احمد و ابو دائود و النسائی و ابن ماجة والحاکم عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''من اکثر الاستغفار جعل اللہ له من کل هم فرجا و من کل ضیق مخرجا و رزقه من حیث لایحتسب''** (ابی داؤد ج ۲ ص ۲۶۸)

''امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ’’جس نے کثرت سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ہر غم سے نجات دیں گے، ہر مشکل سے نکال دیں گے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا فرمائیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا.....‘‘

اس حدیث پاک میں جناب رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے والے کو تین ثمرات وفوائد حاصل ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور ان تین میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ سب سے بڑی قوت و طاقت کے مالک اللہ الرزاق اس کو وہاں سے رزق مہیا فرمائیں گے جہاں سے اسکا وہم وگمان بھی نہ ہوگا.....

اس خبر کی سچائی اور حقانیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والے وہ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے سچے ہیں اور پھر وہ ایسی خبر اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحی سے دیتے ہیں.....



اے رزق کے متلاشیو! کثرت سے استغفار وتوبہ کرو..... اپنے گناہوں سے دور ہو جاؤ۔ گزشتہ سیاہ کاریوں پر ندامت کے آنسو بہاؤ..... اور اس بات کا عزم کرلو کہ آئندہ ساری زندگی ان گناہوں کے قریب نہیں پھٹکو گے.....

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ

جس نے استغفار پر دوام اختیار کیا حق تعالیٰ اس کو ہر غم اور تکلیف سے خلاصی عطا فرماتے ہیں..... اور اس کو ایسے طور پر رزق دیتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا.....

(ابوداؤد ج ا ص ۲۲۰)

## عذاب خداوندی سے محفوظ ہونے کی بشارت

**فائدہ نمبر 6** حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''العبد آمن من عذاب اللہ ما استغفر اللہ عزوجل'' (ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۱۲)

''بندہ جب تک استغفار کرتا رہتا ہے۔ عذاب خداوندی سے محفوظ رہتا ہے.....''

پس سالک کو چاہئے کہ روزانہ استغفار پڑھنا اور اپنے گناہوں سے توبہ تائب ہونا لازمی سمجھے.....

''اکمال الشیم''

میں لکھا ہے..... اے دوست! تیرا توبہ کی امید پر گناہ کرتے رہنا..... اور زندگی کی امید پر توبہ کو مؤخر کرتے رہنا تیری عقل کا چراغ گل ہونے کی دلیل ہے.....

## اعمال صالحہ کی توفیق

فائدہ نمبر 7 توبہ کی برکت سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوستوں کی صفات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے..... اور اعمال میں برکت حاصل ہوتی ہے..... اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کا جذبہ اور صبر شکر، رضا بلقاء، توکل جیسی صفات حاصل ہوتی ہیں.....

توبہ کا ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں..... ارشاد باری ہے کہ:

''الا من تاب و آمن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات و کان اللہ غفور الرحیما'' (الفرقان:۷۰)

''مگر جو توبہ کرلیں اور ایمان لاکر اچھے عمل کریں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ تبدیل کر دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں.....''

## باب نمبر 8

# شرائط توبہ

شارح مسلم محدث عظیم علامہ نووی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ریاض الصالحین میں شرائط توبہ پر لکھتے ہیں:

**''فان کانت المعصیة بین العبد و بین اللہ تعالی لا تتعلق بحق اٰدمی فلھا ثلٰثة شروط. احدھا ان یقلع عن المعصیة الثانی ان یندم علی فعلھا. و الثالث ان یعزم ان لا یعود الیھا أبداً''**

''پس اگر معصیت کا تعلق بندہ اور اللہ تعالی کے درمیان ہے..... اور حقوق العباد سے تعلق نہیں تو اس کے لئے تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ گناہ فوراً ترک کردے..... دوسرے یہ کہ اپنے فعل پر شرمندہ ہو..... تیسرے یہ کہ دوبارہ اس فعل کو نہ کرنے کا ارادہ کرے.....''

پس اگر ان تین شرطوں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو توبہ صحیح نہیں ہوئی.....

**''وان کانت المعصیة تتعلق باٰدمی فشروطھا اربعة''**

''اور اگر گناہ کا تعلق انسان کے حقوق سے ہے تو اس کیلئے چار شرطیں ہیں.....''

تین تو یہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ:

**''ان یبرأمن حق صاحبھا''**

''اس انسان کے حق سے بری الذمہ ہو.....'' (ریاض الصالحین)

بعض اہل علم نے سچی توبہ کی کچھ دوسری تفصیل بھی بیان کی ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

❶ گناہ کو صرف اللہ تبارَکَ وَتَعَالیٰ کے ڈر سے یا اللہ کی محبت میں چھوڑا ہو کوئی دوسرا

مقصد نہ ہو مثلاً وہ آدمی سچی توبہ کرنے والا نہیں ہے..... جو گناہ کو لوگوں کے ڈر سے یا اپنے جسمانی نقصان کے ڈر سے یا پھر اپنی شہرت کے نقصان کے ڈر سے چھوڑا ہو....

2 جتنی بھی حرام قسم کی چیزیں اس کے پاس موجود ہوں انھیں ضائع کردے مثلاً نشہ آور اشیاء، گانے بجانے کے آلات، تصویریں، فلمیں، فحاش ناول، مجسمے، وغیرہ ان سب چیزوں کو توڑ پھوڑ کر جلادے.....

3 سچی توبہ کی تفصیل میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے چوری سے یا نماز کی غفلت سے توبہ کی ہے تو اس کے ساتھ اس کی توبہ اس وقت کامل ہوگی..... جب وہ تمام حرام کاموں کو چھوڑنے کے ساتھ شرعی ڈاڑھی رکھے اور شلوار کو ٹخنوں تک رکھے اور انگریزی لباس و بال سے اجتناب کرے اور حرام اشیاء سے بچے.....

## کیا ایسا شخص مایوس ہوجائے؟

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

مومن کے لئے اصل راستہ تو یہ ہے کہ وہ توبہ کرے..... اور تینوں شرائط کے ساتھ کرے..... لیکن بعض اوقات ایک شخص بہت سے گناہ چھوڑ دیتا ہے..... اور جن گناہوں میں مبتلا ہے..... ان کو بھی چھوڑنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے..... لیکن ایک گناہ ایسا رہ گیا جس کو چھوڑنے پر کوشش کے باوجود وہ قادر نہیں ہو رہا ہے..... بلکہ حالات یا ماحول کی وجہ سے مغلوب ہے..... اور اس گناہ کو چھوڑ نہیں پا رہا ہے..... اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص توبہ سے مایوس اور ناامید ہو کر بیٹھ جائے کہ میں اس کے چھوڑنے پر قادر نہیں..... اس لئے میں تو تباہ ہوگیا؟.....

## حرام روزگار والا شخص کیا کرے؟

مثلاً ایک شخص بینک میں ملازم ہے..... اور بینک کی ملازمت ناجائز اور حرام ہے.....

لیکن اس لئے کہ سود کی آمدنی ہے..... جب وہ دین کی طرف آیا..... اور آہستہ آہستہ اس نے بہت سے گناہ چھوڑ دیئے..... نماز، روزہ شروع کر دیا..... اور شریعت کے دوسرے احکام پر بھی عمل کرنا شروع کر دیا..... اب وہ دل سے تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس حرام آمدنی سے بھی کسی طرح بچ جاؤں..... اور بینک کی ملازمت چھوڑ دوں..... لیکن اس کے بیوی بچے ہیں..... ان کی معاش اور حقوق کی ذمہ داری بھی اس کے اوپر ہے..... اب اگر وہ ملازمت چھوڑ کر الگ ہو جائے تو خطرہ اس بات کا ہے کہ پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے..... جس کی وجہ سے وہ بینک کی ملازمت چھوڑنے پر قادر نہیں ہو رہا ہے.....

(توبہ گناہوں کا تریاق)

تو اس شخص کے لئے اہل علم نے لکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ بعض اوقات رزق کی تنگی کی وجہ سے آدمی کفر کر بیٹھتا ہے اس لئے ایسا شخص بینک میں کام کرے..... لیکن اس کے کام کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ دوسری نوکری بے روزگار کی طرح تلاش کرے..... اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نوکری اتنے معیار کی نہ ہو اس کے گزارے کے لائق ہو چنانچہ ایسا شخص ان دونوں شرائط کو سامنے رکھ کر دوسری نوکری تلاش کرے گا تو انشاء اللہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ عذر ہو گا.....

## باب نمبر 9

# اقسامِ توبہ

حضرت فرید الدین مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توبہ کی سات قسمیں ہیں:

1. دل کی
2. زبان کی
3. آنکھ کی
4. کان کی
5. ہاتھ کی
6. پاؤں کی
7. نفس کی

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ توبہ کی دو قسمیں ہیں:

1. توبہ اجمالی
2. توبہ تفصیلی۔

# توبہ اجمالی

''توبہ اجمالی'' یہ ہے کہ انسان ایک مرتبہ اطمینان سے بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی کے تمام گناہوں کو اجمالی طور پر یاد کر کے دھیان میں لا کر ان سب سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور توبہ کرے..... ''توبہ اجمالی'' کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے صلاۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے..... اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور عاجزی، انکساری، ندامت اور شرمندگی اور الحاح وزاری کے ساتھ ایک ایک گناہ کو یاد کر کے یہ دعا کرے کہ یا اللہ، اب تک میری پچھلی زندگی میں مجھ سے جو کچھ گناہ ہوئے ہیں چاہے وہ ظاہری گناہ ہوں یا باطنی..... حقوق اللہ سے متعلق ہوئے ہوں، یا بڑے گناہ ہوئے ہوں..... یا اللہ! میں ان سب سے توبہ کرتا ہوں..... یہ توبہ اجمالی ہوئی.....

## توبہ تفصیلی

لیکن توبہ اجمالی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب بالکل پاک صاف ہو گئے..... اب کچھ نہیں کرنا بلکہ اس کے بعد توبہ تفصیلی ضروری ہے..... وہ اس طرح کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن ہے..... ان کی تلافی کرنا شروع کر دے..... جب تک انسان ان کی تلافی نہیں کرے گا..... اس وقت تک اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی..... مثلاً فرض نمازیں چھوٹ گئی تھیں اب جب نمازیں چھوٹ جانے کا خیال آیا تو اب توبہ کر لی..... لیکن زندگی کے اندر موت سے پہلے ان نمازوں کو قضا کرنا واجب ہے..... اور اگر توبہ کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا اور نمازوں کی قضا نہیں کی تو اس صورت میں توبہ کامل نہیں ہوئی..... اس لئے کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن تھی ان کی تلافی نہیں کی..... لہٰذا اصلاح کے اندر سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کی تکمیل کرے..... جب تک یہ نہیں کریگا اس وقت تک اصلاح ممکن نہیں.....

## نماز کا حساب لگائیے

توبہ تفصیلی کے اندر سب سے پہلا معاملہ نماز کا ہے..... بالغ ہونے کے بعد سے اب تک جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کا حساب لگائیے بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اس وقت بالغ ہوتا ہے جب اس کو احتلام ہو اور لڑکی اس وقت بالغ ہوتی ہے، جب اس کو حیض آنا شروع ہو جائے..... لیکن اگر کسی کے اندر یہ علامتیں ظاہر نہ ہوں تو اس صورت میں جس دن پندرہ سال عمر ہو جائے اس وقت وہ بالغ ہو جاتا ہے..... چاہے لڑکا ہو یا لڑکی ہو..... اس دن سے اس کو بالغ سمجھا جائے گا..... اس دن سے اس پر نماز بھی فرض ہے..... روزے بھی فرض ہیں اور دوسرے فرائض دینیہ بھی اس پر لاگو ہو جائیں گے.....

لہٰذا انسان سب سے پہلے یہ حساب لگائے کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں..... اس وقت سے اب تک کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں..... بہت سے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو

دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی سے ماں باپ نے نماز پڑھنے کی عادت ڈال دی جس کی وجہ سے بالغ ہونے کے بعد سے اب تک کوئی نماز قضا ہی نہیں ہوئی..... اگر ایسی صورت ہے تو سبحان اللہ..... اور ایک مسلمان گھرانے میں ایسا ہی ہونا چاہئے..... اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو..... اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس کو مار کر نماز پڑھواؤ.....

لیکن اگر بالفرض بالغ ہونے کے بعد غفلت کی وجہ سے نمازیں چھوٹ گئیں، تو ان کی تلافی کرنا فرض ہے..... تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لے کر یاد کرے کہ میرے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں..... اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن ہو تو ٹھیک ٹھیک حساب لگالے..... لیکن اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ایک محتاط اندازہ کر کے اس طرح حساب لگائے کہ اس میں نمازیں کچھ زیادہ تو ہو جائیں..... لیکن کم نہ ہوں..... اور پھر اس کو ایک کاپی میں لکھ لے کہ

''آج اس تاریخ.......... میں میرے ذمے اتنی نمازیں فرض ہیں اور آج سے میں ان کو ادا کرنا شروع کر رہا ہوں..... اور اگر میں اپنی زندگی میں ان نمازوں کو ادا نہ کر سکا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے ترکے سے ان نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے.....''

## ایک وصیت نامہ لکھ لیجئے

یہ وصیت لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر آپ نے یہ وصیت نہیں لکھی اور قضا نمازوں کو ادا کرنے سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں ورثاء کے ذمے شرعاً یہ ضروری نہیں ہوگا کہ آپ کی نمازوں کا فدیہ ادا کریں..... یہ فدیہ ادا کرنا ان کی مرضی پر موقوف ہو گا..... چاہیں تو دیں اور چاہیں تو نہ دیں..... اگر فدیہ ادا کریں گے تو یہ ان کا احسان ہو گا..... شرعاً ان کے ذمے فرض و واجب نہیں..... لیکن اگر آپ نے فدیہ ادا کرنے کی

وصیت کر دی تو اس صورت میں ورثاء شرعاً اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ کل مال کے ایک تہائی ترکہ کی حد تک اس وصیت کو نافذ کریں..... اور نمازوں کا فدیہ ادا کریں..... حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ہر وہ شخص جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو..... اور اس کے پاس کوئی بات وصیت لکھنے کے لئے موجود ہو تو اس کے لئے دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر گزارنا جائز نہیں..... (جامع ترمذی صفحہ ۳۳ ج ۲)

لہٰذا اگر کسی کے ذمے نمازیں قضا ہیں تو اس حدیث کی روشنی میں اس کو وصیت لکھنا ضروری ہے..... اب ہم لوگوں کو ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ ہم میں سے کتنے لوگوں نے اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھا ہوا ہے..... حالانکہ وصیت نامہ نہ لکھنا ایک مستقل گناہ ہے..... جب تک وصیت نامہ نہیں لکھے گا اس وقت تک یہ گناہ ہوتا رہے گا..... اس لئے فوراً آج ہی ہم لوگوں کو اپنا وصیت نامہ لکھ لینا چاہئے.....

## ''قضاء عمری'' کی ادائیگی

اس کے بعد ان قضا نمازوں کو ادا کرنا شروع کر دے..... ان کو ''قضاء عمری'' بھی کہتے ہیں..... اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک نماز قضاء بھی پڑھ لے..... اور اگر کسی کے پاس وقت زیادہ ہو تو ایک سے زیادہ بھی پڑھ سکتا ہے..... تاکہ جتنی جلدی یہ نمازیں پوری ہو جائیں اتنا ہی بہتر ہے..... بلکہ وقتی نمازوں کے ساتھ جو نوافل ہوتے ہیں..... ان کے بجائے قضا نماز پڑھ لے، اور نماز فجر کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنا تو جائز نہیں..... لیکن قضا نماز پڑھنا جائز ہے..... اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی آسانی فرما دی ہے..... ہمیں چاہئے کہ ہم اس آسانی سے فائدہ اٹھائیں اور جتنی نمازیں ادا کرتے جائیں اس کاپی میں ساتھ ہی ساتھ لکھتے جائیں کہ اتنی ادا کر لیں اتنی باقی ہیں....

# سنتوں کے بجائے قضا نماز پڑھنا درست نہیں

بعض لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے ذمے قضاء نمازیں بہت باقی ہیں تو کیا ہم سنتیں پڑھنے کے بجائے قضا پڑھ سکتے ہیں؟..... تا کہ قضا نمازیں جلد پوری ہو جائیں..... اس کا جواب یہ ہے کہ سنت موکدہ پڑھنی چاہئے..... ان کو چھوڑنا درست نہیں..... البتہ نوافل کے بجائے قضا نمازیں پڑھنا جائز ہے... (توبہ گناہوں کا تریاق)

''یاد رکھیں نماز خالص بدنی عبادت ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا اور یہ بھی یاد رہے کہ زندگی میں نمازوں کا فدیہ نہیں دیا جاسکتا..... لہذا اس صحت کو غنیمت جانتے ہوئے خود ہی فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی شروع کر دیں ہاں موت تک بھی یہ تعداد پوری نہ ہو سکے تو شریعت نے جو مسلمان پر رحم کھاتے ہوئے اس کو حق دیا ہے (بلکہ لازم کیا ہے) کہ وہ وصیت کر جائے..... اور وارثین اس کے تہائی مال سے فدیہ ادا کر دیں..... اور حق سبحانہ و تعالی قبول فرمالیں تو امید ہے کہ یہ شخص عذاب اور پکڑ سے بچ جائے..... لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر نمازیں چھوٹ گئیں ہوں تو ضرور وصیت کر جائے کہ میری موت کے بعد میرے مال میں سے نمازوں کے فدیہ کی رقم نکال کر ادا کر دیں.....

## نقشہ برائے قضائے عمری:

| تاریخ/مہینہ | ۱ | ۲ | ۳ | ۴ | ۵ | ۶ | ۷ | ۸ | ۹ | ۱۰ | ۱۱ | ۱۲ | ۱۳ | ۱۴ | ۱۵ | ۱۶ | ۱۷ | ۱۸ | ۱۹ | ۲۰ | ۲۱ | ۲۲ | ۲۳ | ۲۴ | ۲۵ | ۲۶ | ۲۷ | ۲۸ | ۲۹ | ۳۰ | ۳۱ | ٹوٹل | کیفیت |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| جنوری | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| فروری | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| مارچ | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| اپریل | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| مئی | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| جون | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| جولائی | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| اگست | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| ستمبر | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| اکتوبر | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| نومبر | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |
| دسمبر | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | | |

# قضاء نمازیں ادا کرنے کا طریقہ کار

وہ نماز جو وقت پر نہ پڑھی جائے وہ قضا کہلاتی ہے بلا عذر شرعی نماز فرض اور وتر قضا کرنا سخت گناہ ہے قضا کرنے والے پر فرض ہے کہ اس کی قضا پڑھے اور سچے دل سے توبہ کرے قضاء نماز کے چند ضروری مسائل یہ ہیں.....

مسئلہ: قضاء کے لئے کوئی وقت معین نہیں عمر میں جب بھی پڑھے گا بری الذمہ ہو جائیگا مگر طلوع وغروب آفتاب اور زوال کے وقت جائز نہیں کہ ان اوقاتِ مکروہ میں نماز جائز نہیں.....

مسئلہ: جس کے ذمہ کئی سال کی نماز قضا ہو تو اس کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر روز کی نماز کی قضا بیس رکعتیں ہوتی ہیں ۲ فرض فجر ۴ ظہر ۴ عصر ۳ مغرب ۴ عشاء کے اور ۳ وتر اگر قضاء نماز کی صحیح تعداد معلوم نہیں تو گمان غالب کرے اور اتنی ہی پڑھ لے....

قضا میں یوں نیت کرنی ضروری ہے ''نیت کی میں نے سب میں پہلی یا سب سے پچھلی فجر کی جو مجھ سے قضاء ہوئی یا پچھلی ظہر کی جو مجھ سے قضا ہوئی تھی..... اور میں نے اسے ادا نہ کیا.....

اسی طرح ہر نماز میں یہی نیت کرے.....

جس کی قضاء نمازیں کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے درج ذیل طریقے سے بھی ادا کرے تو جائز ہے.....

ہر رکوع اور سجدے میں تین تین بار

''سبحان ربی العظیم . سبحان ربی الاعلی''

کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے.....

دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط سبحان

اللہ تین بار کہہ کر رکوع کرے..... مگر وتر کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور سورۃ دونوں ضرور پڑھی جائیں.....

تیسری تخفیف یہ کہ پچھلی التحیات کے بعد دونوں درود اور دعا کی جگہ صرف

''اللھم صلی علی محمد و اله''

کہہ کر سلام پھیر دے.....

## قضا روزوں کا حساب اور وصیت

اسی طرح روزوں کا جائزہ لیں..... جب سے بالغ ہوئے ہیں..... اس وقت سے اب تک روزے چھوٹے ہیں یا نہیں؟..... اگر نہیں چھوٹے تو بہت اچھا..... اگر چھوٹ گئے ہیں تو ان کا حساب لگا کر اپنے پاس وصیت نامہ کی کاپی میں لکھ لیں کہ آج فلاں تاریخ کو میرے ذمے اتنے روزے باقی ہیں..... میں ان کی ادائیگی شروع کر رہا ہوں اگر میں اپنی زندگی میں ان کو ادا نہیں کر سکا تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ میں سے ان روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے..... اس کے بعد جتنے روزے ادا کرتے جائیں..... اس وصیت نامہ کی کاپی میں لکھتے جائیں کہ اتنے روزے ادا کر لئے اتنے باقی ہیں تا کہ حساب صاف رہے..

## واجب زکوٰۃ کا حساب اور وصیت

اسی طرح زکوۃ کا جائزہ لیں، بالغ ہونے کے بعد زکوۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے..... لہٰذا بالغ ہونے کے بعد اگر اپنی ملکیت میں قابل زکوۃ اشیاء تھیں..... اور ان کی زکوۃ ادا نہیں کی تھی..... تو اب تک جتنے سال گزرے ہیں..... ہر سال کی علیحدہ علیحدہ زکوۃ نکالیں..... اور اس کا باقاعدہ حساب لگائیں..... اور پھر زکوۃ ادا کریں اور اگر یاد نہ ہو تو پھر احتیاط کر کے اندازہ کریں..... جس میں زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں..... لیکن کم نہ ہو..... اور پھر اس کی ادائیگی کی فکر کریں..... اور اس کو اپنے وصیت نامہ کی کاپی میں لکھ لیں..... اور جتنی

زکوۃ ادا کر دیں..... اس کو کاپی میں لکھتے چلے جائیں ارو جلد از جلد ادا کرنے کی فکر کریں.....

## محاسبہ حج:

اسی طرح حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے..... اگر حج فرض ہے اوراب تک ادا نہیں کیا..... تو جلداز جلد اس سے بھی سبکدوش ہونے کی فکر کریں..... یہ سب حقوق اللہ ہیں..... ان کوادا کرنا بھی ''توبہ تفصیلی'' کا ایک حصہ ہے..... (توبہ گناہوں کا تریاق)

## محاسبہ قربانی:

اسی طرح قربانی کا جائزہ لیں کہ میں نے کبھی لاپرواہی یا کسی مجبوری کی بنا پر باوجود وجوب قربانی کے سال قربانی نہیں کی یا پھر قربانی تو کی..... لیکن ایسا جانور لے آیا جس میں کوئی عیب تھا جس کی وجہ سے قربانی نہیں ہوئی ان سب کا محاسبہ کریں اس کے بعد حساب کتاب کر کے اگر قربانی اپنی ہوتو ان جانوروں کی مجموعی قیمت مساکین پر صدقہ کرے.....

## محاسبہ صدقہ فطر:

اسی طرح عیدالفطر کے صدقات کا جائزہ لیں کہ کسی سال کم علمی کی بنا پر میں نے صدقہ فطر نہیں دیا تو اس کا حساب کرے اتنی رقم مساکین کو صدقہ دیں.....

## محاسبہ کفارہ قسم:

اسی طرح اس بات کا جائزہ لیں کہ میں نے کسی بات پر قسم کھا کر قسم توڑی ہواور اس کا کفارہ ادا نہ کیا ہو یا کسی قسم کا مجھ پر کفارہ تو نہیں ہے اگر ایسا ہے تو بعد میں اس کا حساب کر کے اس کفارہ کو ادا کریں.....

## محاسبہ سجدہ تلاوت:

اسی طرح اس بات کا جائزہ لیں کہ مجھ پر سجدہ تلاوت تو نہیں رہ گیا کیونکہ سجدہ تلاوت کی ادائیگی واجب ہے..... اور اگر سجدہ تلاوت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ادا کرنے کا اہتمام کرے اگر ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھ سکتا ہو تو فی سجدہ تلاوت ایک صدقہ فطر کی قیمت مساکین کو دے دے.....

## حقوق العباد ادا کرے یا معاف کرائے:

اس کے بعد حقوق العباد کا جائزہ لیں، کہ کسی کا کوئی جانی حق یا کسی کا کوئی مالی حق اپنے ذمے واجب ہو، اور اب تک ادا نہ کیا ہو، تو اس کو ادا کریں یا معاف کرائیں، یا کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو، اس سے معاف کرائیں.....

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے باقاعدہ صحابہ کرام کے مجمع میں کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ:

''اگر میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو..... یا کسی کو کوئی صدمہ پہنچایا ہو..... یا کسی کو کائی حق میرے ذمے ہو تو آج میں آپ سب کے سامنے کھڑا ہوں..... وہ شخص آکر مجھ سے بدلہ لے لے..... یا معاف کر دے.....''

لہٰذا جب حضور اقدس ﷺ معافی مانگ رہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار میں ہیں..... لہٰذا زندگی میں اب تک جن جن لوگوں سے تعلقات رہے، یا لین دین کے معاملات رہے..... یا اٹھنا بیٹھنا رہا، یا عزیز و اقارب ہیں، ان سب سے رابطہ کر کے زبانی یا خط لکھ کر ان سے معلوم کریں اور اگر ان کا تمہارے ذمے کوئی مالی حق نکلے تو اس کو ادا کریں..... اور اگر مالی حق نہیں ہے، بلکہ جانی ہے مثلاً کسی کی غیبت کی تھی..... کسی کو برا

بھلا کہہ دیا تھا، یا کسی کو صدمہ پہنچایا تھا..... ان سب سے معافی مانگنا ضروری ہے.....

## آبرو کے حقوق:

حدیث میں مفلس اس شخص کو فرمایا گیا جو قیامت کے روز نیکیاں بہت لائے گا..... لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا، کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیاں اس کو دی جائیں گی جس کو ستایا ہوگا، اور جس کی حق تلفی کی ہوگی اور اگر اس کے نیک اعمال ختم ہو گئے اور مطالبے والے باقی رہے تو ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے.....

لہٰذا بھائیو! اس کا خوب خیال رکھیں! جس کو مارا ہو، ستایا ہو قرض ادا نہ کیا ہو تو آج ہی معافی مانگ لیں، قرضہ چکا دیں..... اگر کسی کی غیبت کی ہے، تو اس صاحب حق سے معافی تلافی کی بطریق شرع کوشش کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے لئے دعا کریں اور ایصال ثواب کریں چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ ہو.....

یہ بات تو اپنی جگہ درست ہے کہ ''حقوق اللہ'' توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں..... لیکن ''حقوق العباد'' اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، یا اس کو ادا نہ کرے..... لیکن حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ

ایک آدمی سے زندگی میں حقوق العباد ضائع ہوئے اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ان حقوق کی ادائیگی کی فکر عطا فرمائی اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں اس نے ان حقوق کی ادائیگی کی فکر شروع کر دی، اور اب لوگوں سے معلوم کر رہا ہے کہ میرے ذمے کس شخص کے کیا حقوق باقی رہ گئے ہیں تاکہ میں ان کو ادا کر دوں..... لیکن ابھی ان حقوق کی ادائیگی کی تکمیل نہیں کر پایا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا..... اب سوال یہ ہے کہ چونکہ اس نے حقوق کی ادائیگی مکمل نہیں کی تھی، اور معاف بھی نہیں کرائے تھے کیا آخرت کے

عذاب سے اس کی نجات اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے؟.....

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ

اس شخص کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے..... اس لئے کہ جب یہ شخص حقوق کی ادائیگی اور توبہ کے راستے پر چل پڑا تھا..... اور کوشش بھی شروع کردی تھی تو انشاء اللہ اس کوشش کی برکت سے آخرت میں اللہ تعالی اس کے اصحاب حقوق کو راضی فرمادیں گے..... اور وہ اصحاب حقوق اپنا حق معاف فرمادیں گے.....

# باب نمبر 10

# صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی حقیقت

## گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تفریق

گناہوں کی دو قسمیں ہیں، صغیرہ گناہ، اور کبیرہ گناہ، صغیرہ گناہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کرلو..... اور کبیرہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرو، بلکہ دونوں گناہ ہیں..... البتہ یہ چھوٹا گناہ ہے، اور وہ بڑا گناہ ہے.....

بعض لوگ اس تحقیق میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟..... ان کی تحقیق کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اگر کبیرہ ہے تو بچنے کا اہتمام کریں، اور اگر صغیرہ ہے تو کر لیں..... اس بارے میں حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے آگ کا بڑا انگارہ اور چھوٹی چنگاری، کہ اگر چھوٹی چنگاری ہے تو اس کو اٹھا کر اپنے کپڑوں کی الماری میں رکھ لو..... اس لئے کہ وہ چھوٹی سی تو ہے..... لیکن یاد رکھو! وہی چھوٹی چنگاری تمہاری الماری کو جلا دے گی، جس طرح انگارہ جلا ڈالتا ہے، یا جیسے چھوٹا سانپ اور بڑا سانپ ڈسنے میں دونوں برابر ہیں اس طرح گناہ صغیرہ ہو، چاہے کبیرہ ہو..... جب وہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کی نافرمانی کا عمل ہے تو پھر کیا صغیرہ اور کیا کبیرہ.....''

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ

اگر کوئی شخص صغیرہ گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کر لے تو وہی صغیرہ پھر کبیرہ بن جاتا ہے..... اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو.....

## گناہ گناہ کو کھینچتا ہے

یادرکھو! جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے..... اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے..... برائی برائی کو کھینچتی ہے..... آج اگر تم نے ایک گناہ کرلیا اور یہ سوچا کہ چھوٹا گناہ ہے، کرلو، یادرکھو وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچے گا..... دوسرا گناہ تیسرے گناہ کو کرائے گا..... اور بات پھر کسی حد پر نہیں رکے گی..... اور گناہ کے معنی ہیں ''اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی'' اگر اللہ تبارک وتعالیٰ صرف ایک نافرمانی پر پکڑ فرمالیں تو صرف ایک نافرمانی بھی جہنم میں پہنچانے کے لئے کافی ہے..... چاہے وہ نافرمانی چھوٹی ہو یا بڑی ہو، پھر بچنے کا کوئی راستہ نہیں..... اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو.....

## صغیرہ اور کبیرہ دونوں گناہوں سے بچو

صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ دو قسم کے ہیں فرق یہ ہے کہ کبیرہ بغیر توبہ وندامت اور بغیر چھوڑنے کا عہد کے معاف نہیں ہوتا پہلے کئے پر ندامت ہو آگے کیلئے عزم کریں..... اور عملاً اس کے پاس آئندہ نہ جائیں' صغیرہ سے بھی اس طرح بچو جیسے کبیرہ سے بچتے ہو جان بوجھ کر کسی چھوٹے گناہ کو کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جرأت ہے اور یہ بڑا گناہ بن جاتا ہے..... یہ بڑا جرم ہے اور صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا بھی کبیرہ ہے..... مثلاً پہلے دائیں کروٹ لیٹ گئے پھر چاہے جس طرح لیٹے مگر جان بوجھ کر دائیں کروٹ نہ لیٹا اور معلوم ہونے کے باوجود ضد یا اصرار سے ایسا کیا تو یہ کبیرہ ہے..... بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا کام ہے..... آج کے مسلمان عمداً اس کے خلاف کرتے ہیں کھاتے وقت بھری انگلیں سے گلاس دائیں سے پکڑنا نفاست کے خلاف ہے مگر بائیں سے گلاس پکڑلو اور پینا شروع کرو، دایاں ہاتھ نیچے رکھ کرتا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا اہتمام اور عظمت ہو.....

## صغائر کی مثالیں

ایک آدمی صبح اٹھتا ہے سلام کرلیا ایک گناہ معاف ہو گیا کسی سے ہنس کر بات کرلی، مسجد کی طرف چل دیئے..... ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی ایک گناہ معاف ہوا وضو سے ہاتھ پاؤں کے گناہ معاف ہو گئے..... مگر یہ سارے صغیرہ گناہوں کے لئے ہیں یہ فرق ہے دونوں میں صغیرہ گناہ بے شمار ہیں سنت کے خلاف سارے عمل صغیرہ ہیں پانی بسم اللہ کہہ کرنہیں پیا یہ صغیرہ ہو گیا..... داہنے کے بجائے بائیں سے کھایا پیا صغیرہ گناہ ہے سینکڑوں گناہ معلوم ہی نہیں تو عمل اس سے بچنے کا کیسے ہوگا..... غرض حضور ﷺ کے طریقوں کے خلاف کرنا سارے صغیرہ ہیں اور بسا اوقات ایسے گناہ ہو جاتے ہیں کہ آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ایسے معاف کر دیتے ہیں کہ انکو خبر بھی نہیں ہوتی جیسے صغیرہ گناہ ہونے کے سینکڑوں راستے ہیں ایسے ہی اس کے معاف ہونے کے بھی سینکڑوں راستے ہیں.....

(اصلاحی خطبات م)

## 83 کبیرہ گناہ کی فہرست

1 زنا (عورت سے بدفعلی) کرنا۔

2 لواطت (لڑکے سے بدفعلی) کرنا۔

3 شراب پینا، اگر چہ ایک قطرہ ہو، اسی طرح تاڑی، گانجھ، بھنگ وغیرہ نشہ کی چیزیں پینا.....

4 چوری کرنا.....

5 پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا.....

6 ناحق کسی کو قتل کرنا.....

7 شہادت کو چھپانا جب کہ اس کے سوا اور کوئی شاہد نہ ہو.....

8 جھوٹی گواہی دینا.....

9 جھوٹی قسم کھانا.....

10 کسی کا مال غصب کرنا.....

11۔ میدان جہاد سے بھاگنا (جب کہ مقابلہ کی قدرت موجود ہو)

12۔ سود کھانا.....

13۔ یتیم کا مال ناحق کھانا.....

14۔ رشوت لینا.....

15۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا.....

16۔ قطع رحمی کرنا۔ (قریبی رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا)

17۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی قول یا فعل کو بالقصد جھوٹ منسوب کرنا.....

18۔ رمضان میں بلا عذر روزہ توڑنا.....

19۔ ناپ تول میں کمی کرنا.....

20۔ کسی فرض نماز کو اپنے وقت سے مقدم یا موخر کرنا.....

21۔ زکوۃ یا روزہ کو اپنے وقت پر نہ ادا کرنا (عذر و مرض کی صورت میں مستثنیٰ)

22۔ حج فرض ادا کئے بغیر مر جانا۔ (اگر موت کے وقت وصیت کر دی، اور حج کا انتظام چھوڑا تو اس گناہ سے نکل گیا)

23۔ کسی مسلمان کو ظلماً نقصان پہنچانا.....

24۔ کسی صحابی کو برا کہنا.....

25۔ علماء اور حفاظ قرآن کو برا بھلا کہنا، ان کو بدنام کرنے کے در پے رہنا.....

26۔ کسی ظالم کے پاس کسی کی چغل خوری کرنا.....

27۔ دیاشت یعنی اپنی بیوی، بیٹی وغیرہ کو باختیار خود حرام میں مبتلا کرنا یا اس پر

راضی ہونا.....

28۔ قیادت یعنی کسی اجنبی عورت کو حرام پر آمادہ کرنا اور اس کے لئے دلالی کرنا.....

29۔ باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا.....

30۔ جادو سیکھنا اور سکھانا یا اس پر عمل کرنا.....

31۔ قرآن یاد کر کے بھلا دینا (یعنی باختیار خود لا پرواہی سے بھلا دیں، کسی مرض و ضعف سے ایسا ہو جائے وہ اس میں داخل نہیں) اور بعض علماء نے فرمایا کہ نسیان قرآن جو گناہ کبیرہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا بھول جائے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے.....

32۔ کسی جاندار کو آگ میں جلانا (سانپ، بچھو، ان کی ایذا سے بچنے کی اگر کوئی اور صورت جلانے کے سوا نہ ہو تو مذائقہ نہیں)

33۔ کسی عورت کو اس کے شوہر کے پاس جانے اور حقوق شوہری ادا کرنے سے روکنا.....

34۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا.....

35۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا.....

36۔ مردار جانور کا گوشت کھانا۔ (حالت اضطرار مستثنیٰ ہے)

37۔ خنزیر کا گوشت کھانا۔ (حالت اضطرار مستثنیٰ ہے)

38۔ چغل خوری کرنا.....

39۔ کسی مسلمان یا غیر مسلم کی غیبت کرنا.....

40۔ جوا کھیلنا.....

41۔ مال میں اسراف (مصلحت وضرورت سے زائد خرچ کرنا)

42۔ زمین میں فساد پھیلانا.....

43۔ کسی حاکم کے حق سے عدول کرنا.....

44۔ اپنی عورت کو ماں بیٹی کے مثل کہنا، جس کو عربی میں ظہار کہا جاتا ہے.....

45۔ ڈاکہ زنی کرنا.....

46۔ کسی صغیرہ گناہ پر مداومت کرنا (ج)

47۔ معاصی پر کسی کی اعانت کرنا یا گناہ پر آمادہ کرنا.....

48۔ لوگوں کو گانا سنانا، اور عورت کا گانا مطلقاً (ھ)

49۔ لوگوں کے سامنے ستر کھولنا.....

50۔ کسی حق واجب کے ادا کرنے میں بخل کرنا.....

51۔ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے افضل کہنا.....

52۔ خودکشی کرنا یا اپنے کسی عضو کو باختیار خود تلف کرنا اور یہ دوسرے کو قتل کرنے سے زیادہ گناہ ہے (ابوداؤد)

53۔ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا.....

54۔ صدقہ (ہدیہ) دے کر احسان جتلانا، اور تکلیف پہنچانا.....

55۔ قضاوقدر (تقدیر) کا انکار کرنا.....

56۔ اپنے امیر سے غداری کرنا.....

57۔ نجومی یا کاہن کی تصدیق کرنا.....

58۔ لوگوں کے نسب پر طعنے دینا.....

59۔ کسی مخلوق کے لئے بطور نذر تقرب جانور کی قربانی کرنا.....

60۔ تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچا لٹکانا.....

61۔ کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو بلانا یا کوئی بری رسم نکالنا.....

62۔ اپنے بھائی مسلمان کی طرف تلوار یا چاقو وغیرہ سے مارنے کا اشارہ کرنا....

63۔ جھگڑے لڑائی کا خوگر ہونا.....

64۔ غلام کو خصی بنوانا اس کے عضو کو کٹوانا یا اس کو سخت تکلیف دینا.....

65۔ احسان کرنے والے کی ناشکری کرنا.....

66۔ ضرورت سے زیادہ پانی میں بخل کرنا.....

67۔ حرم محترم میں الحاد و گمراہی پھیلانا (یہ ہر جگہ گناہ ہے مگر حرم میں اشد ہے)

68۔ لوگوں کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرنا، اور ان کے درپے ہونا.....

69۔ چوسر کھیلنا یا طبلہ سارنگی وغیرہ بجانا (اور ہر ایسا کھیل کھیلنا جس کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے گناہ کبیرہ میں داخل ہے.....

70۔ بھنگ کھانا پینا.....

71۔ مسلمان کا کسی مسلمان کو کافر کہنا.....

72۔ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے حقوق میں برابری نہ کرنا.....

73۔ اپنے ہاتھ سے مشت زنی کر کے شہوت پوری کرنا.....

74۔ حائضہ عورت سے جماع کرنا.....

75۔ مسلمانوں پر اشیاء کی گرانی سے خوش ہونا.....

76۔ کسی گائے بکری وغیرہ سے جماع کرنا.....

77۔ عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا.....

78۔ کسی کھانے کو برا کہنا (بنانے یا پکانے کی خرابی بیان کرنا اس میں داخل نہیں)

79۔ گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا.....

80۔ یعنی دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا۔

81۔ بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے نظر رکھنا.....

82۔ کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا.....

83۔ صغیرہ گناہ کو بار بار کرنا..... (گناہ بے لذت)

## چند کبیرہ گناہ مع تفصیل

کبیرہ گناہوں کی تعداد تو بے شمار ہے جن میں سے اکثر کو بندہ نے لکھ دیا ہے اب یہاں پر چند کبیرہ گناہ مع شرح لکھے جاتے ہیں جن میں امت کا اکثر طبقہ مبتلا ہوا ہے.....

## فرمان رسول ﷺ

''کل امتی معافی الاالمجاهرین'' (صحیح بخاری)

''میری پوری امت کو معاف کیا جا سکتا ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی علانیہ بغاوت کرنے والوں کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا.....''

## اللہ تعالیٰ کی کھلی بغاوتیں

1 داڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا، کٹانا یا منڈانا..... دل میں اللہ کے حبیب ﷺ کی صورت مبارکہ سے نفرت تو ایمان کہاں؟.....

2 شرعی پردہ نہ کرنا.....

## وہ قریبی رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے

1۔ چچازاد 2۔ پھوپھی زاد 3۔ ماموں زاد 4۔ خالہ زاد 5۔ دیور

6۔ جیٹھ 7۔ نندوئی 8۔ بہنوئی 9۔ پھوپھا 10۔ خالو

11۔ شوہر کا بھتیجا 12۔ شوہر کا بھانجا 13۔ شوہر کا چچا

14۔ شوہر کا ماموں 15۔ شوہر کا پھوپھا 16۔ شوہر کا خالو۔

3 مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا.....

4 بلا ضرورت کسی جاندار کی تصویر کھینچنا، کھنچوانا، دیکھنا، رکھنا اور تصویر والی جگہ جانا.....

5 گانا باجا سننا.....

6 ٹی وی دیکھنا.....

7 حرام کھانا جیسے بینک اور انشورنس وغیرہ کی کمائی.....

8 غیبت کرنا اور سننا.....

مندرجہ بالا آٹھ گناہوں کی فہرست مفتی رشید صاحب کی کتاب ارشاد الرشید سے نقل کی گئی ہے.....

# 7 کبیرہ گناہ مع تفصیل

## 1 پہلا گناہ: داڑھی کا نہ رکھنا یا ایک مٹھ سے کم کرنا

میرے دوستوں داڑھی کا رکھنا تمام انبیاء کی سنت ہے اور چاروں اماموں کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے! آپ ﷺ نے فرمایا:

**''خالفو المشر کین اوفو واللحی و اوفو الشوارب''**

(متفق علیہ)

مشرکوں کی مخالفت کرو ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ.....

داڑھی کا منڈوانا تو عورتوں کی طرح اپنے چہرہ کو بنانا ہے مشکوۃ کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

**''لعن اللہ المستشبھین من الرجال بالنساء''**

''اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں.....''

کسریٰ کے دو درباری آپ ﷺ کے پاس آئے ان کے ڈاڑھیاں مونڈیں ہوئی تھیں آپ ﷺ کی نگاہ انور جب ان پر پڑی تو آپ ﷺ نے فوراً منہ پھیرلیا اور ان کو یہ بدعا دی کہ تم پر ہلاکت ہو اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ میرے رب نے مجھے پوری ڈاڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے..... (ڈاڑھی کا وجوب)

## داڑھی منڈانا تغیر خلق اللہ میں داخل ہے

قرآن مجید کی آیت

**''ولا مرنھم فلیغیرن خلق اللہ''**

کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ داڑھی منڈانا بھی تغیر خلق اللہ ہے.....
یعنی اللہ کی بنی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے..... (بیان القرآن ص ۱۵۹، پارہ ۵)

اور بالاتفاق تغیر خلق اللہ حرام ہے..... شیطان لعین نے یہ کہا تھا کہ خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں.....

## داڑھی رکھنے کی ترغیب عاشقانہ ترغیب

مرشدی حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

یہ بتایئے کہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر داڑھی تھی کہ نہیں؟..... تو اگر ہم اپنے نبی کی شکل نہ بنائیں گے اور قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول ﷺ نے پوچھ لیا کہ تم کو میری شفاعت چاہیے؟..... کہے گا کہ جی ہاں آج گنہگاروں کے لئے تو آپ ہی کی شفاعت کا سہارا ہے اور آپ نے سوال کرلیا کہ تو نے میری شکل میں کیا عیب پایا کہ ظالم تو نے ساری دنیا کی شکلیں بنائیں اور میری شکل نہیں بنائی تو کیا جواب دو گے؟.....

بتایئے یہ گال ہمارے ہیں یا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہیں؟..... ہم بھی اللہ کے ہیں، ہمارے گال بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہیں..... جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کا جھنڈا ان گالوں پر لہرا دیجئے..... داڑھی ایک مشت رکھئے اگر داڑھی رکھنے سے چہرہ بدنما لگتا تو داڑھی ہرگز حضور ﷺ کی سنت نہ ہوتی..... اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیاروں کی شکل کو پیارا ہی بناتا ہے..... یہی دلیل ہے کہ داڑھی رکھنے سے شکل بدنما نہیں بلکہ خوبصورت ہوجاتی ہے..... کیا عمدہ شعر ایک نوجوان نے کہا ہے.....

اگر داڑھی کے رکھ لینے سے چہرہ بدنما لگتا
تو پھر داڑھی مرے سرکار کی سنت نہیں ہوتی

## داڑھی نشان شجاعت اور شعار مردانہ ہے

حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

میں نے دنیا کے عجائب خانوں کے شیروں کو دیکھا کہ سب کے داڑھی تھی جس نے نہ دیکھا ہوتو کبھی دیکھ لینا کہ شیر ببر جتنے ہوتے ہیں ان کی پوری داڑھی ہوتی ہے اور شیر کی بی بی یعنی شیرنی کے منہ پر بالکل بال نہیں ہوتے..... ابھی ساؤتھ افریقہ میں ایک شیر اور شیرنی کو دیکھا کہ شیرنی کے چہرے پر ایک بال بھی نہیں اور شیر کے پوری داڑھی..... تو میں اپنے دوستوں سے جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ایک سوال کرتا ہوں کہ آپ شیر بننا چاہتے ہیں یا شیرنی..... جو شیرنی بننا چاہتا ہو ہاتھ اٹھادے..... (اس پر شیرنی بننے کے لئے کسی نے بھی ہاتھ نہ اٹھایا پھر فرمایا کہ) دیکھا آپ نے ایک ہاتھ بھی نہیں اٹھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو مرد بنایا ہے تو ہم بھی مرد بن کر دکھائیں.....

ایک صاحب نے میرے کہنے سے داڑھی رکھ لی تو ایک دن ان کی بیوی نے کہا کہ میاں ہمیں بھی دعا میں یاد رکھنا..... تو انہوں نے پوچھا کہ اس سے پہلے کبھی آپ نے مجھ سے دعا کے لئے نہیں کہا جب میں داڑھی منڈا رہا تھا تو اس نے کہا کہ اس وقت آپ دعا کے اہل نہیں تھے..... آپ اہلیہ لگ رہے تھے داڑھی نہ ہونے سے لافرق بینی و بینک لہذا دوستوں عرض کرتا ہوں کہ داڑھی سے دنیا میں بھی فائدہ ہے..... (مواعظ حسنہ)

سنت کے مطابق داڑھی رکھ کر قیامت کے دن ہر داڑھی والا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ شعر پیش کر سکے گا.....

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

# داڑھی کی شرعی حدود

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

حکیم الامت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بہشتی زیور ج ۱۱ صفحہ ۱۱۵ پر لکھا ہے کہ:

تمام علماء کا یہ اجماع ہے کہ چاروں اماموں کے نزدیک داڑھی کا ایک مٹھی رکھنا واجب اور ایک مٹھی سے کم کرنا بھی حرام ہے..... جتنا منڈانا حرام ایک مٹھی سے کم کرنا اتنا ہی حرام ہے (لافرق بینھما) دونوں میں ذرا بھی فرق نہیں..... اس پر چاروں اماموں کا اجماع ہے..... اگر امام شافعی یا امام احمد ابن حنبل یا امام مالک کے نزدیک کچھ بھی گنجائش ہوتی تو کہہ دیا جاتا کہ چلو گنجائش پر عمل کرلو لیکن دوستو! چاروں اماموں کا اجماع ہے.....

ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ:

داڑھی کے متعلق ایک خاص حکم عرض کئے دیتا ہوں کہ نچلے ہونٹ کے نیچے جو بال ہیں یہ داڑھی کا بچہ کہلاتا ہے..... بعض لوگ اس کو منڈا دیتے ہیں داڑھی کا بچہ بھی داڑھی کے حکم میں ہے..... اس کا منڈانا بھی حرام ہے اور بعض لوگ خط بناتے بناتے نچلے جبڑے کے آخر تک لے آتے ہیں کہ تین چوتھائی (۳/۴) گال فارغ البال ہوجاتا ہے اور داڑھی کی ایک ہلکی سی لکیر رہ جاتی ہے..... اس طرح وہ اپنا ذوق کمسنی پورا کرتے ہیں.....

تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جبڑے کے اوپری حصہ پر جو بال ہیں ان کو صاف کرسکتے ہیں..... لیکن نچلے جبڑے کے بال داڑھی میں شامل ہیں ان کا منڈنا حرام ہے..... اور داڑھی تینوں طرف سے ایک مشت ہونی چاہئے..... ٹھوڑی کے نیچے بھی ایک مشت اور دائیں اور بائیں جانب بھی ایک مشت داڑھی کو حجام کے حوالہ نہ کیجئے..... اپنی مٹھی میں اپنی داڑھی پکڑ لیجئے پھر جو مٹھی سے زیادہ ہو اس کو حجام سے ترشوایئے.....

## دو عبرت انگیز واقعات

حضرت مولانا حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ: میں اپنے خاندان کا ایک قصہ سناتا ہوں..... میرے خاندان میں ایک بڑے میاں تھے..... میں نے کہا کہ داڑھی رکھ لو..... کہنے لگے کہ داڑھی بہت مشکل معلوم ہوتی ہے..... میں نے کہا کہ دیکھو جب قبر میں جنازہ اترے گا تو یہ گال کیڑے کھا جائیں گے..... پھر یہ زمین بھی نہ رہے گی..... جلدی سے سبزہ اگا لو..... جلدی سے باغ محمد ﷺ لگا لو..... لیکن نہیں مانے..... پھر ان کو کینسر ہو گیا..... گال پر ایک دانہ تھا، اسکو گھوڑے کے بال سے انہوں نے باندھ دیا..... وہ زخم سڑ گیا..... گال میں سوراخ ہو گیا اور کینسر ہو گیا اور گال سے ایک ایک چھٹانک مواد نکلنے لگا تو اس وقت داڑھی رکھ لی.....

میں نے بہت دن کے بعد دیکھا تو کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ داڑھی رکھ لی..... کہنے لگے کہ کینسر کی وجہ سے میرے گال میں سوراخ ہو گیا جس سے لوگ گھن کرتے تھے تو میں نے داڑھی سے وہ سوراخ چھپا لیا... میں نے کہا کہ کاش آپ اللہ کیلئے داڑھی رکھتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیار نصیب ہو جاتا.. مسلسل نافرمانی سے عقل بھی معذب ہو جاتی ہے...

دوستو! بس اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے معلوم نہیں کس وقت مالک ناراض ہو جائیں اور کسی عذاب میں ابتلاء ہو جائے..... (مواعظ حسنہ)

## پراسرار بچھو:

یہ بات وہاں کے ایک بہت ہی ذمہ دار آدمی نے بتائی..... دو افغانی پشاور سے افغانستان ٹرک پر جا رہے تھے..... راستہ میں ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ان کا ٹرک تباہ ہو گیا اور یہ دونوں ساتھی وہیں مر گئے..... ان میں سے ایک کی سنت کے مطابق داڑھی تھی اور دوسرا

داڑھی منڈواتا تھا..... ان دونوں کی لاشوں کا کوئی وارث نہ ملا اور نہ ہی پتہ چل سکا کہ یہ دونوں کہاں کے رہنے والے ہیں..... کچھ عرصہ انتظار کے بعد ان دونوں لاشوں کو دفن کر دیا گیا.....

کافی دونوں کے بعد جب ٹرک منزل مقصود تک نہ پہنچا تو متوفیوں کے رشتہ داروں نے چھان بین شروع کی تباہ شدہ ٹرک کے ڈھانچے سے ان کو پتہ چل گیا کہ ان کے دونوں عزیز یہاں ہیں وہاں کے لوگوں نے لاشوں کو لے جانے کے لئے تقاضا کیا..... قبروں کو کھولا گیا..... جس آدمی کی سنت کے مطابق داڑھی تھی وہ تو ویسے ہی قبر میں تر و تازہ موجود تھا۔ کسی کیڑے مکوڑے نے خراب نہ کیا تھا.. دوسرا ساتھی جو بغیر داڑھی کے تھا اس کے ٹھوڑی کو بچھو کھا رہے تھے... نظارہ بہت عبرت ناک تھا.. چنانچہ اس دوسری میت کو وہیں پر چھوڑ دیا گیا اور نکالنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی. (قبر کی زندگی)

قبر کی کر لو کچھ تیاری — رکھ لو بھائی اب تو داڑھی
سامنا جب آقا کا ہو — جھکے نہ گردن شرم کے مارے
شکل نبی ﷺ کی جو اپنائے گا — رب کا پیارا وہ بن جائے گا
برسے گی اس پر رحمت باری — رکھ لو بھائی اب تو داڑھی
جس نے نبی ﷺ کے دل کو دکھایا — اللہ کو گویا اس نے ستایا
حشر میں ہو گی اس کی خواری — رکھ لو بھائی اب تو داڑھی

# 2 دوسرا گناہ: عورت کا شرعی پردہ نہ کرنا

## آیت حجاب:

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پردے کا حکم سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیت میں نازل ہوا اس لئے اس آیت کو آیت حجاب بھی کہا جاتا ہے..... یہ آیت تو تقریباً ۸ لائن کی ہے لیکن اس میں جو مین پوائنٹ ہے وہ یہ ہے:

**''واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب''**

''جب تمہیں (ان ازواج مطہرات سے) کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے باہر (کھڑے ہو کر) مانگا کرو آگے یہ بھی فرمایا کہ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے.....''

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں خطاب صحابہؓ سے ہے اور خطاب گویا کہ پوری امت سے ہے تو صحابہ سے کہا جا رہا ہے کہ نبی کی بیویوں سے پردے کے باہر سے کوئی چیز مانگا کرو حالانکہ صحابہ کے تقوی تک کوئی بڑے سے بڑا ولی نہیں پہنچ سکتا لیکن اس وقت کے کچھ جہلا کہتے ہیں اجی ہماری نیت صاف ہے.....

**''یا ایھا النبی قل لا زواجک وبناتک و نسآء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن''**

''اے نبی! اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ لٹکا لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں.....''

یہ آیت پردہ کے سلسلے میں نازل ہونے والی آیات میں بڑی اہمیت کی حامل ہے.....

چونکہ اس آیت سے بڑے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کے حکم میں چہرے کا چھپانا بھی

شامل ہے، چنانچہ علماء اور مفسرین نے اس آیت کے تحت چہرے کے پردہ پر خاصی بحث کی ہے..... نیز اس آیت میں چونکہ خطاب صرف ازواج مطہرات یا حضور ﷺ کی بیٹیوں ہی کو نہیں ہے، بلکہ واضح طور پر تمام مسلمان عورتوں کو ہے.....

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

جلاب اس چادر کو کہا جاتا ہے جو عورت (اجنبی مردوں کی نظر سے بچنے کیلئے) اوپر سے نیچے تک اوڑھتی ہے..... (حجاب ص ۳۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

چادر اس طریقے سے لپیٹی جائے کہ اس سے سینے اور چہرے کا بڑا حصہ چھپ جائے....

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۹۸ بحوالہ حجاب ص ۴۳)

## امام ابوالمسعود رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان عورتیں جب ضروریات کے لئے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے بدنوں اور چہروں کو چھپا لیا کریں..... تا کہ ان میں اور فاحشہ عورتوں میں امتیاز یت رہ سکے..... (تفسیر ابی السعود۔ ج ۷، ص ۱۱۵)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ تمام مفسرین ومحدثین کے نزدیک شرعی پردہ اس کو کہتے ہیں جس میں تمام بدن کو چادر سے مع چہرے کے ڈھانپا جائے البتہ آنکھیں ہاتھ پیر اس سے مستثنیٰ ہیں.....

## صحابیات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ

احکام حجاب کے نزول کے بعد صحابیات پردہ کا بہت اہتمام کرتی تھیں حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ سے بھی پردہ کرتی تھیں اور بے حجاب آپ ﷺ کے سامنے بھی نہیں آتی

تھیں..... کوئی چیز لینی دینی ہوتی یا کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تب بھی پردہ کے پیچھے ہی سے بات کرتی تھیں.....

چنانچہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

''ایک عورت کے ہاتھ میں پرچہ تھا اس نے پرچہ دینے کے لئے پردہ کے پیچھے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہاتھ بڑھایا..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ نہ معلوم مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس نے کہا یہ عورت کا ہاتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں پر مہندی لگاتی.....'' (ابوداؤد و نسائی)

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ:

''حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ ام المومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ اچانک حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی تشریف لائے تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پردہ کرلو حضرت ام سلمہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا وہ نابینا ہے؟ ہمیں نہیں دیکھتا..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم بھی اندھی ہو اس کو نہیں دیکھ سکتی.... (رواہ احمد و ترمذی وابوداؤد و مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

اس حدیث کی شرح میں محدثین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن کتاب کی طوالت کے خوف سے بندہ نے اس کو نہیں لکھا ہے بس اہل عقیدت کے لئے اسی حدیث میں پردہ کی اہمیت کے لئے بہت کچھ ہے.....

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بدترین عورتیں آزادانہ بے پردہ گھرانے والی عورتیں ہیں وہ نام کی مسلمان (یعنی منافق) ہیں..... (سنن بیہقی)

ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عورتوں کے جہنم میں عذاب بتلائے ان میں سے ایک عورت کے بارے میں ارشاد فرمایا.....

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں کے ساتھ

جہنم میں لٹکی ہوئی ہے اور اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح جوش مار رہا ہے یعنی وہ عورت تین سزاؤں میں مبتلا تھی.....

جہنم کے اندر ہونا، بالوں کے ساتھ باندھ کر الٹا لٹکانا، دماغ کا ایسے جوش مارنا اور پکنا جیسے دیگچی آگ پر رکھی جائے اور اس میں ڈالی گئی چیز جوش مارتی ہے اور پکتی ہے.....

پھر آپ ﷺ نے عورتوں کے عذاب کے بعد فرمایا کہ

اس عورت پر یہ عذاب اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ یہ عورت نامحرم مردوں سے اپنے سر کے بال نہیں چھپاتی تھی اور نہ پردہ کے اہتمام کرتی تھی.....

# 3 تیسرا گناہ: ٹخنوں سے نیچے شلوار کا رکھنا

چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ شلوار کا یا پینٹ کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے احادیث میں اس عمل کرنے والے کے لئے بڑی وعیدیں آئی ہیں..... چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ:

جو ٹخنہ چھپاتا ہے قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بات بھی نہیں کرے گا "یکلمھم اللہ یوم القیامۃ" قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے کلام محبت نہیں فرمائیں گے "ولا ینظر الیھم اللہ" ایسوں کو اپنی نظر رحمت سے محروم کردے گا۔ "ولا یزکیھم" اور انہیں توفیق تزکیہ نہیں دے گا یعنی ایسوں کو توفیق اصلاح بھی نہیں دے گا "ولھم عذاب الیم" اور انہیں دردناک عذاب ہوگا..... (مسلم ج ۱ باب تحریم الاسبال ص ۷۱)

## اسبال ازار کی ممانعت

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح بخاری فتح الباری ص ۲۶۳ ج ع ۱۰ میں تین

روایات اور نقل فرماتے ہیں

جن سے ''اسبال ازار'' کی ممانعت کی تائید ہوتی ہے بندہ نے اس میں سے دو روایات یہاں نقل کیں ہیں.....

1 ایک صحابی نے اجازت مانگی کہ میری پنڈلی سوکھ گئی ہے، ہڈی پر گوشت نہیں ہے

''انی حمش الساقین''

مجھے ٹخنہ چھپانے کی اجازت دے دیجئے..... لیکن اس بیماری کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو ٹخنہ چھپانے کی اجازت نہیں دی.....

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتنا اہم حکم ہے..... ایک دوسرے صحابی کو آپ نے دیکھا کہ ان کا ٹخنہ چھپا ہوا ہے..... آپ ﷺ نے فرمایا کہ

اے میرے صحابی (لاتسبل) اپنا ٹخنہ مت چھپایا کرو ''فان اللہ لا یحب المسبلین''

''اللہ تبارک وتعالیٰ ٹخنہ چھپانے والوں سے محبت نہیں کرتا.....'' (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۴)

2 حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

حق تعالیٰ ٹخنے سے نیچے لباس رکھنے والے سے محبت نہیں فرماتے.. (فتح الباری کتاب اللباس جلد ع ۱۰)

3 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''یعنی ٹخنے کے نیچے جتنا حصہ پائجامہ کا لٹکا ہوگا وہ جہنم میں ہوگا.'' (بخاری شریف)

# 4 چوتھا گناہ: گانا سننا سنانا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرآن میں ارشاد ہے:

''ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هذوا اولئك لهم عذاب مهين'' سورۃ لقمان

''بعض لوگ کھیل کے سامان خریدتے ہیں تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ سے بچلائیں بلا علم اور اسے ہنسی بنائیں ان کیلئے اہانت ناک عذاب ہوگا.....''

اس آیت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک

''لهو الحديث''

سے مراد گانا اور اس کے آلہ جات ہیں..... (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ نیل الاوطار صفحہ ۱۰۳ جلد ۸)

گانا بجانا بھی آج کل معاشرہ کا جزء بن گیا ہے اور اس کو بھی ترقی سمجھا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے.....

''ان الله تعالى بعثنى رحمة للعالمين وهدى للعالمين وامرنى بمحق المعازف والمزامير والاوثان والصليب وامر الجاهلية'' (رواہ احمد کما فی المشکوۃ ص ۳۱۸)

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے سامانوں کو اور بتوں کو اور صلیب کو اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں.....''

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ میں گانے بجانے کے سامان کو مٹانے کے لئے آیا ہوں لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں نے بلکہ محبت کا دعوی رکھنے والوں نے گانے بجانے کو جزو زندگی بنا رکھا ہے اس کو ترقی سمجھتے ہیں.....

## گانا سننا نفاق کو پیدا کرنے کا ذریعہ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”گانا سننا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو.....“ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۱)

## گانا سننے پر اخروی عذاب

ایک حدیث میں ہے:

”من وقد الی قبنة یوتستمع منها صب اللہ فی افرنیه کانک یوم القیامة“ (کنز العمال ج ۱۵)

”جو شخص گانے والی لونڈی سے گانا سنتا ہے قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا گرم سیسہ ڈالیں گے.....“

## گانے کی آواز ملعون ہے

”دو آوازیں دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں خوشی کے وقت باجہ اور ساز استعمال کرنا اور معصیت کے وقت واویلا کرنا.....“ (کنز العمال)

گانا بجانے اور سننے کے بارے میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

”الغناء رقبة الزنا“ ”کہ گانا زنا کا منتر ہے.....“

یہ ایک گناہ نہیں بلکہ کئی گناہوں کا سرچشمہ ہے.....

# 5 پانچواں گناہ: جاندار کی تصویر رکھنا یا بنانا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو صفت خلق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے مشابہ بنتے ہیں..... (یعنی تصویریں بناتے ہیں)

(مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۸۶ بخاری ومسلم وترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ

میں نے (ایک مرتبہ) ایک غالیچہ خرید لیا جس میں تصویریں تھیں جب اس کو رسول اکرم ﷺ نے دیکھا تو آپ دروازے پر کھڑے رہ گئے اور اندر داخل نہ ہوئے میں نے آپ کے چہرہ مبارک پر ناگواری محسوس کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کے حضور میں توبہ کرتی ہوں اور اللہ کے رسول سے معافی چاہتی ہوں مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ غالیچہ کیسا ہے یہاں کیونکر آیا؟ میں نے عرض کیا یہ آپ کے لئے میں نے خریدا ہے، تاکہ اس پر تشریف رکھیں اور اس کو تکیہ کی جگہ (بھی) استعمال فرمائیں.....

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

بلاشبہ قیامت کے دن ان تصویر والوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بنایا تھا اس میں جان ڈالو اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں (رحمت) کے فرشتے داخل نہیں ہوتے..... (مشکوۃ ص ۳۳۵، از بخاری ومسلم)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔''

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے تصویر بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور قیامت کے دن ان

سے کہا جائے گا دنیا میں تم لوگ جو تصویر بناتے تھے ان میں جان ڈال کے دکھاؤ ورنہ جہنم میں جلتے رہو.....'' (بخاری)

ظاہر ہے یہ چیز ان کی دسترس سے باہر ہوگی نہ جان ڈال سکیں گے نہ جہنم سے چھٹکارا پائیں..... دیکھ لیجئے کتنی سخت سزا ہے اس گناہ کی.....

ایک بار حضور اکرم ﷺ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ میں فلاں وقت آپ ﷺ کی خدمت میں آؤں گا وعدہ کر کے چلے گئے وقت مقرر پر حضور اکرم ﷺ نے انتظار شروع کیا مگر جبرئیل علیہ السلام نہ آئے آپ ﷺ کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ جبریل جیسا دوست تو کبھی وعدہ خلاف نہیں ہوتا آخر یہ کیا ماجرا ہے؟.....

جب دوسرے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضور اکرم ﷺ نے اس وعدہ خلافی کی وجہ دریافت فرمائی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ جہاں کتا یا تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اور آپ ﷺ کے حجرہ مبارک میں چارپائی کے نیچے کتا بیٹھا تھا..... نیز پردے پر جاندار کی تصویر تھی اسلئے وعدہ کے باوجود میں حاضر نہ ہو سکا..... (بخاری)

اب سوچئے حضور اکرم ﷺ خود تشریف فرما ہیں فرشتے نے آنے کو وعدہ بھی کر رکھا ہے مگر اس تصویر اور کتے کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتا بلکہ نہیں ہو سکتا جو آپ ﷺ کے حجرہ مبارک میں کسی طرح گھس آئے اور جبریل علیہ السلام کی اس اطلاع کے بعد وہ فوراً نکال دیئے گئے..... تو جس مکان میں خود شوق اہتمام سے تصویریں آویزاں کی جائیں وہاں فرشتہ رحمت کا کیوں کر گذر ہوگا؟.....

# 6 چھٹا گناہ: ٹی وی دیکھنا

ٹی وی کی تباہ کاریوں کی تعداد اتنی ہے کہ جس کو تحریر میں لانا ممکن نہیں احقر کے نزدیک ٹی وی تمام گناہوں کی جڑ ہے ٹی وی کے دیکھنے سے جتنی تعلق مع اللہ میں کمی ہوتی ہے اتنی کسی اور عمل سے نہیں ہوتی کیونکہ ٹی وی کو دیکھنے والا ایک ہی وقت میں تقریباً دس بڑے گناہ کبیرہ کرتا ہے:

1۔تصویر کا دیکھنا 2۔ گانا سننا 3۔ نامحرم کی آواز سننا 4۔آلات لہو ولعب کا استعمال 5۔ وقت کا ضائع کرنا 6۔ذریعہ جرائم 7۔نیم برہنہ اعضاء کو دیکھنا

8۔نامحرم عورتوں کو دیکھنا 9۔کفار سے مشابہت 10۔عورتوں کا نامحرم مردوں کا دیکھنا۔

تصویر کا دیکھنا یا رکھنا کتنا بڑا گناہ ہے اس عمل پر بے شمار وعیدیں آپ ﷺ نے امت کو بتلائی ہیں اور جن میں سے کچھ آپ پچھلے اوراق میں پڑھ ہی چکے ہوں گے اسی طرح گانا سننا اور سنانا یہ عمل بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت کا ذریعہ ہے..... اس کی وعیدیں بھی قارئین پڑھ چکے ہوں گے..... اسی طرح تقویٰ کے باب میں نامحرم کو دیکھنا اس سے گفتگو کرنا اس کی وعیدیں بھی قارئین پڑھ چکے ہوں گے تو اب قارئین خود اندازہ لگالیں کہ ٹی وی کا دیکھنا کتنا بڑا گناہ ہے.....

## سید رضی الدین ؒ کا عجیب ملفوظ

ٹی وی کا ایک پروگرام دیکھنا یہ اتنا خطرناک ہے کہ ایک عابد ۴۰ دن کسی کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا رہے اس کے بعد وہ عابد صرف ایک پروگرام ٹی وی کا دیکھ لے تو اس کی ۴۰ دن کے اعمال کی ساری نورانیت ختم ہو جائے گی.....

اب آپ حضرات خود اندازہ لگالیں کہ یہ گناہ کتنا مضر ہے اور رونا تو اس بات کا ہے کہ

بہت سے عابد اس گناہ کو بہت چھوٹا گناہ سمجھتے ہیں بندہ کا خود مشاہدہ ہے.....

بندہ کے پرانے محلے میں ایک شخص کا نماز کا ایسا اہتمام تھا کہ اذان ہوتے ہی مسجد میں آ جاتا تھا اور صف اول میں نماز پڑھا کرتا تھا اس اللہ کے بندہ نے ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی نیز قرآن کی تلاوت کا اہتمام ذکر اللہ کا اہتمام اور بڑی بات تو یہ کے تہجد کے لئے مستقل 4 بجے اٹھنے کا اہتمام تھا لیکن تمام عبادت کے باوجود ٹی وی دیکھنے کا بھی بڑا اہتمام تھا.....

اب آپ اندازہ لگائیں ظاہراً یہ شخص بڑی عبادت کر رہا ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہے لیکن افسوس تو اس پر ہے کہ اس کے باوجود ایسے گناہ میں ملوث ہے جو کہ تمام گناہوں کی ماں ہے۔ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی ہم سب کی حفاظت فرمائے اب آیئے ٹی وی دیکھنے والوں کے چند عبرت ناک واقعات پڑھتے ہیں.....

## ٹی وی اور عذاب قبر پر تین واقعات

واقعہ نمبر 1 رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا:

''آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو۔'' بیٹی نے جواب دیا: ''امی مجھے تو ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کروں گی.....''

یہ کہہ کر اوپر چھت پر چلی گئی کمرے میں ٹی وی رکھا تھا..... اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہ کہیں مجھے زبردستی کام کیلئے اٹھا کر نہ لے جائے دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا.....

ادھر ماں بیٹی کو آوازیں دیتی رہی، بیٹی نے ایک نہ سنی کافی وقت گذر گیا، گھر میں سب مرد بھی آ گئے، افطاری ہوگئی لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نکلی نہیں نکلی..... ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز نہ آئی، دل ڈر گیا..... اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا، انھوں نے دروازہ توڑا اور اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اوندھے منہ پڑی

ہے..... اس کو دیکھا تو وہ مر چکی تھی.....

اب حالت یہ ہوئی کی لڑکی زمین کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی، اٹھانے سے اٹھتی نہیں تھی، سب اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گئے..... اب حیران کہ کیا کریں، کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی..... اس نے جو اٹھ کر ٹی وی کو اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی..... اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا..... آخر انھوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا اور اس کے نیچے لائے اور غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چارپائی تو ٹس سے مس نہیں ہوتی.....

بالآخر انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے..... اب انھوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھا کر گھر لانے لگے..... جونہی انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا تو میت قبر سے باہر آپڑی..... انھوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آپڑی اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی..... انھوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کر دیا.....

اب اس کا جو حشر ہوا ہو وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے..... (بحوالہ ٹی وی کی تباہ کاریاں، رسالہ ختم نبوت جلد ۷ شمارہ ۱۸)

**واقعہ نمبر 2** دو دوست تھے ایک جدہ میں رہتا تھا دوسرا ریاض میں..... دونوں میں گہری دوستی تھی..... دونوں ہی دیندار و پرہیزگار تھے۔ ریاض والے دوست کے گھر والوں نے بہت ضد کی کہ وہ گھر میں ٹی وی لے آئے..... اپنے بچوں اور بیوی کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا..... کچھ دنوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا.....

جدہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس جدہ والے دوست سے کہا:

''خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی نکال دیں..... کیونکہ جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے، کیونکہ میں نے خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مزے لے رہے ہیں اور میں عذاب میں

گرفتار ہوں.....''

جدہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا..... گھر والے سن کر رونے لگے..... اس کا بڑا بیٹا اٹھا اور غصہ میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا..... اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے..... اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا.....

• جدہ والا دوست جب واپس پہنچا تو اس نے پھر دوست کو خواب میں دیکھا اس بار وہ اچھی حالت میں تھا..... اس کے چہرے پر ایک رونق تھی، اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعا دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے بھی مصیبتوں سے نجات دلائے جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی..... (رسالہ ختم نبوت)

## آگ سے مزین ٹی وی سے مجھے داغا جاتا ہے

واقعہ نمبر 3 فیصل آباد میں ایک شخص نے بچوں کے لئے ٹی وی خریدا..... یہ شخص مر گیا تو اس نے خواب میں اپنے پڑوسی سے کہا:

''ہر روز ٹی وی کے پرزے آگ میں گرم کر کے ان سے مجھے عذاب دیا جا رہا ہے، خدا کے لئے میرے حال پر رحم کرو، اس ٹی وی کو گھر سے نکالو...''

ایک شخص اپنی روسیاہی کا قصہ لکھ کر بغرض استفتاء خود دار الافتاء میں آیا..... جس کا خلاصہ یہ ہے:

''وہ اس کی بیوی اور بیٹی وی سی آر دیکھ رہے تھے..... کچھ دیر بعد بیوی بستر پر جا کر سو گئی تو اس نے اپنی بیٹی سے منہ کالا کیا اور مکمل طور پر کیا.....''

بیوی کو علم ہو گیا ہو گا..... اس نے استفتاء پر مجبور کیا ہو گا، ورنہ ٹی وی..... وی سی آر کے سامنے یہ بہت معمولی بات ہے..... واللہ اعلم روزانہ کتنے ایسے واقعات ہو رہے ہیں.....

ایسی قوم طرح طرح کے عذابوں میں نہ پسے تو اور کیا ہو؟......

آفرین ہے ان سنگ دل والدین پر جو سب کچھ سننے دیکھنے کے باوجود بچوں کی تفریح اور ذہنی نشونما کے لئے گھر میں ٹی وی رکھنا ضروری سمجھتے ہیں......

## 7 ساتواں گناہ: انگریزی لباس پہننا

انگریزی لباس سے مراد یہاں پر شرٹ اور پینٹ کا پہننا ہے...... بہت سے لوگ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ گناہ ہی کئی گناہوں کا مجموعہ ہے البتہ کچھ شرائط کے ساتھ پینٹ کا پہننا بھی جائز ہے لیکن یہ شرائط بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں...... پینٹ پہننے کی مذمت کیوں کی گئی ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں جس میں سے کچھ وجوہات یہاں لکھی جاتی ہیں:

## غیر مذہب والوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا

**1** ایک حدیث میں ہے کہ:

**''من تشبه بقوم فهو منهم''**

''یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے......'' (ابوداؤد)

نیز فرمایا کہ:

'' کافروں کا لباس مت پہنو......'' (ابوداؤد)

بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وضع قطع میں یہود و نصاری کی مخالفت کرو......''

اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

**''یا ایها الذین آمنو لا تکونو کالذین کفروا''** (آل عمران)

''اے ایمان والوں تم ان لوگوں کی مانند نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا......''

مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آپ ﷺ نے اپنے خون کو بہا کر اس دین کو سرسبز کیا ہے اس محبوب کے طریقے پر چلنے میں ہمیں مزہ نہیں آتا جنہوں نے آپ ﷺ کو تکالیف پہنچائی ان کے طریقوں پر چلنے میں ہمیں مزہ آتا ہے.....

ایک وہ دور تھا جس میں غیر قوم مسلمانوں کی تہذیب، مسلمانوں کا تمدن، مسلمانوں کا لباس اپنانا چاہتی تھی اور آج ہم دوسری قوموں کے اثرات اور انکی تہذیب وتمدن کو اپنا رہے ہیں..... (خطبات احتشام ص ۸۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عیسائیوں نے کہا:

امیر المومنین! ہمیں مسلمانوں کا لباس اچھا لگتا ہے اسے استعمال کرنے کی اجازت دیجیے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں..... کیوں؟ تاکہ مسلم قوم اور غیر قوم میں واضح امتیاز رہے..... بہر حال فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اس کی اجازت نہیں دی..

میرے دوستو! ایک وہ دور تھا کہ غیر قوم ہماری نقل اتارتی تھی پر آج افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم غیروں کی نقل اتار کر فخر محسوس کرتے ہیں.....

## دوسری وجہ اعضاء کا ظاہر ہونا

2 پینٹ پہننے میں دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے بدن کے وہ اعضاء جو شرعی ستر میں داخل ہیں ان کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے! کیونکہ چست پینٹ کے پہنے سے سارے اعضاء کی جسامت کا پتہ چل جاتا ہے ایسا کرنا جائز نہیں ہے..... کیونکہ ناف سے لے کر گھٹنے تک ستر ہے اور ستر کا واضع کرنا یہ جائز نہیں ہے.....

## تیسری وجہ! ظلمت کثیر کا ہونا

3 اہل علم جو پینٹ پہنے سے منع کرتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس دور میں یہ لباس غیر مسلموں کے لباس کے علاوہ دور کے فیشن ایبل لباس ہے اور اس حقیقت

سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس لباس میں ظلمات بہت زیادہ ہیں بندہ کا خود مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ آفس جانے کے لئے یہ لباس پہنتے ہیں حالانکہ شرعی داڑھی بھی رکھی ہوتی ہے لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس لباس کی نحوست کی وجہ سے داڑھی تک کٹ جاتی ہے..... اب قارئین کے لئے دو استفتاء لکھے گئے ہیں جن کو پڑھ کر اس عمل کی اور وضاحت ہو جائے گی.....

## استفتاء بنوری ٹاؤن

محترم جناب مفتی انعام الحق صاحب

السلام علیکم!

جناب عالی!

”گذارش ہے کہ مجھے ایک مسئلے کے بارے میں فتوی درکار ہے۔ میرا مسئلہ درج ذیل ہے:

سوال: شرٹ یا پتلون یا سفاری سوٹ آیا کہ یہ لباس مسلمانوں کے ہیں یا یہود ونصاری کے؟ اس کے بارے میں علمائے وقت کا متفقہ فتوی کیا ہے.....

## الجواب ومنہ الصدق والصواب

واضح رہے کہ شرٹ پتلون یا سفاری سوٹ فساق و فجار اور غیر مسلم کفار کا لباس ہے اور شلوار قمیض (کرتہ) مسلمان دیندار سلف صالحین اور اکابر کا لباس ہے..... اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ صالحین دیندار اور نیک کاروں کے لباس کو اختیار کریں..... اور فساق و فجار کفار کے لباس اور طور طریق سے حتی المقدور پرہیز اور اجتناب کریں کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

**”من تشبہ بقوم فھو منھم“**

”جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی اس کا حشر بھی ان کے ساتھ ہوگا..“

اور غیر مسلموں کا لباس اور شعار اختیار کرنا ان کے ساتھ محبت کی علامت ہے جو شرعاً ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

**''یا ایھا الذین آمنو لا تتخذو ا الیھود و النصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین''**

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاری کو دوست مت بناؤ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں..... وہ تمہارے دوست نہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا..... تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو.....''

کیونکہ یہود و نصاری اور کافروں کو دوست بنانے یا ان کی مشابہت اور مماثلت اختیار کرنے سے مسلمانوں کے دل بھی ان کی طرح سخت ہو جاتے ہیں اور احکام شریعت کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے..... جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۱ج میں مالک بن دینار محدث کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے وہ یہ ہے:

''مالک بن دینار کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں یعنی ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدا رہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں....'' (کتاب الزواجر ج ۱ ص ۱۰)

## انگریزوں کی مشابہت کے مفاسد

واضح رہے کہ غیروں کی سی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں:

1 پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان اور کافر میں ظاہراً کوئی امتیاز نہیں رہے گا..... حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالکفار کی دہلیز اور اس کا دروازہ ہے.....

2 غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے خلاف بھی ہے.....

3 کافروں کا لباس اختیار کرنا درپردہ انکی برتری کو تسلیم کرنا ہے.....

4 اپنی کمتری اور غلامی کا اقرار اور اعلان کرنا ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا..... کیونکہ اسلام غالب ہوتا ہے، تابع اور مغلوب نہیں ہوتا.....

5 نیز اس تشبہ بالکفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحۃ ممنوع ہے..... جیسا کہ قرآن میں ہے:

**"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون"**

"ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں مبادا ان کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے تم کو آگ نہ لگے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے....."

## کفار کی مشابہت سے بچو! فرمان محمدؐ

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں تھے کہ ہمارے امیر لشکر عتبہ بن فرقد کے نام فاروق اعظم کا یہ فرمان پہنچا:

**"یا عتبہ بن فرقد ایاکم والتنعم وزی اھل الشرک ولبوس الجریر"**

(صراط مستقیم ص ۶۰)

"اے عتبہ بن فرقد! تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور مشرکوں کی لباس اور ہیئت اور وضع وقطع سے اپنے کو دور اور محفوظ رکھیں اور ریشمی لباس کے استعمال سے پرہیز کریں....."

غرض کہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ فاسق وفاجر غیر مسلم اور کافروں کے لباس کو ہرگز ہرگز اختیار نہ کریں ورنہ قیامت کے دن ان کے ساتھ حشر ہوگا.....

واللہ اعلم

| | |
|---|---|
| الجواب الصحیح | کتبہ |
| محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ | محمد انعام الحق |

دارالافتاء جامع علوم السلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ (ماہنامہ بینات)

# حصہ دوم

# رحمت الٰہی کی وسعت

## باب نمبر 11

# اسماءِ حسنیٰ اور رحمت الٰہی

قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیسیوں اوصافی نام ہیں احادیث میں اسماء الہیہ ۹۹ گنائے گئے ہیں ان ناموں میں بڑی تعداد انہی ناموں کی ہے جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لطف وکرم، مہربانی ومحبت کا اظہار ہے.....

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بہت سے ناموں سے عذاب وشدت جھلکتی ہے اس کے بارے میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے فرمایا:

## اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی نام عذاب پر دلالت نہیں کرتا

بلکہ باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسماء گرامی یا رحمت پر دلالت کرتے ہیں، یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں، یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو، اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے وہ رحمٰن ہے وہ کریم ہے ہاں! جب بندے حد سے گذر جائیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے اس کا عذاب بھی برحق ہے جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جو اسماء حسنیٰ سے موسوم ہیں ان میں عذاب کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہے.....

(اصلاحی خطبات ج ا ص ۲۰۳)

بعض لوگ ''جبار'' اور ''قہار'' کے معنی بہت ظلم کرنے والا اور بہت قہر کرنیوالے کے لیتے ہیں حالانکہ قہار اور جبار کے یہ معنی نہیں ہیں.....

# جابر اور جبار کے معنی

ایک انصاری صحابی کا نام جابر ہے بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ جابر تو ظالم آدمی کو کہتے ہیں تو پھر ان صحابی کا نام ''جابر'' کیسے رکھ دیا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام گرامی ''جبار'' کے بارے میں بھی یہ شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ننانوے اسماحسنی میں سے ایک نام ''جبار'' بھی ہے اور اردو میں ''جبار'' کے معنی ہیں بہت ظلم کرنے والا' اس لئے عام طور پر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے ''جبار'' کا لفظ کیسے استعمال کیا گیا؟...

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں ''جابر'' کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں اردو میں جابر کے معنی ظالم کے آتے ہیں لیکن عربی میں ''جابر'' کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا' ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنے کو ''جبر'' کہتے ہیں' اور جو شخص ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑے اس کو ''جابر'' کہتے ہیں تو ''جابر'' کے معنی ہوئے ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا' اور یہ کوئی غلط معنی نہیں ہیں' بلکہ بہت اچھے معنی ہیں..... اسی طرح ''جبار'' کے معنی ہوئے بہت زیادہ ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والا' تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو نام ''جبار'' ہے' اس کے معنی معاذ اللہ ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو' اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ جوڑنے والے ہیں.....

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بہت سے دعائیں تلقین فرمائی ہیں ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے پکارا گیا ہے کہ:

''یاجابر العظم الکسیر''

اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے..... (الحزب الاعظم ملا علی قاری' ص ۲۲۳)

ہڈیوں کو جوڑنے والی ذات صرف ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے اس معنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ''جبار'' کہا جاتا ہے نہ کہ اُس معنی میں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں.....

## لفظ ''جبار'' کی تعریف

1 ''هو الذی یصلح احوال خلقه بقدرته القاهرة''

یعنی جبار وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے بگڑے ہوئے احوال کو اپنی قدرتِ غالبہ سے درست فرمادے بس وہ ارادہ کرلیں امت کے بڑے گناہ گار کو ولی (دوست) بنانے کا تو وہ اللہ والا بن جائے گا.....

## لفظ ''قہار'' کی تعریف

2 اسی طرح باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک نام ''قہار'' ہے اردو کی اصطلاح میں ''قہار'' اس کو کہتے ہیں جو لوگوں پر بہت قہر کرے' غصہ کرے اور لوگوں کو بہت تکلیف پہنچائے' لیکن باری تعالیٰ کے اسماء گرامی میں جو لفظ ''قہار'' ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے' اردو زبان کا نہیں..... اور عربی زبان میں ''قہار'' کے معنی ہیں غلبہ پانے والا' غالب جو ہر چیز پر غالب ہو' اس کو قہار کہتے ہیں یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے اور وہ غالب ہے..... (ایضاً)

## قہار کی تعریف

قہار کی تعریف مفسرین نے یہ کی ہے:

''الذی یکون له کل شئ مسخراً تحت قدره وقضائه وقدرته''

قہار وہ ذات ہے کہ ساری کائنات جس کی قدرت کے تحت ہے کائنات کی ہر ہر شئ اس کی طاقت کے تحت مسخر ہے ہر چیز اس کی قدرت میں ہے.....

## اسم رحمٰن ورحیم کی عاشقانہ شرح

3 قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ رحمٰن ورحیم ہیں ان دولفظوں کے تقریباً ایک ہی معنے ہیں یعنی رحم والا، مہربان، لطف و کرم والا، پھریہی اوصاف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (محبوب مہربان رحم والا) قرآن مجید کی ہر سورہ کے آغاز میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے..... کیا اس سے بڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کیلئے کوئی دلیل مطلوب ہے؟.....

لفظ ''اللہ'' کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا اسم بھی لفظ ''رحمٰن'' ہے جو رحم وکرم اور لطف ومہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا صیغہ ہے.....

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى''

اس کو محبوب کہو مہربان کہو جو کہہ کر پکارو اس کے سب ہی نام اچھے ہیں.....

لفظ ''رحمان'' قرآن میں ۱۹۹ مرتبہ آیا ہے یہ ''رحیم'' کی طرح رحمت سے بنا ہے

## رحمت کے چار معانی

حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے رحمت کی چار تفسیر کی ہے کہ اے اللہ! اب جب ہم نے آپ سے معافی مانگ لی تو چار قسم کی رحمت عطا فرمائیے:

1 توفیق طاعت، عبادت وفرمانبرداری کی توفیق دے دیجئے.....

2 فراخی معیشت، میری روزی بڑھا دیجئے گناہ کی وجہ سے جو روزی میں برکت نہیں تھی اب روزی میں برکت ڈال دیجئے.....

3 بے حساب مغفرت کا فیصلہ فرما دیجئے.....

4 دخول جنت، جنت میں داخلہ دیجئے، یہ چار معنی ہیں رحمت کے..... (امید مغفرت ورحمت)

## رحمت الٰہی پر ایک عجیب واقعہ

ایک عورت بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچہ کو بار بار اٹھا کر سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی..... دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ مامتا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا.....

لَلّٰهُ اَرْحَمُ لِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا (بخاری ومسلم بحوالہ معارف الحدیث)

(خدا) کی قسم! اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں اپنے بچے کے لئے ہے.....

حضرت بہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رحمٰن کے معنی بن مانگے دینے والی ذات کے ہیں اور رحیم کے معنی نہ مانگو تو ناراض ہونے والی ذات کہ ہیں ماں سے زیادہ کوئی مہربان نہیں ہوتا اس سے ایک دفعہ مانگو دے گی دو دفعہ مانگو دے گی تین دفعہ مانگو دے گی بالاخر ناراض ہوجائے گی..... مگر وہ رب رحیم ایسی مہربان ذات ہے اسے بار بار مانگو تو خوش ہونے والی ذات ہے..... اگر نہ مانگو تو ناراض ہونے والی ذات ہے..... (مجالس بہلوی صفحہ ۲۵۴)

## الرحیم کی عاشقانہ شرح

**4** اَلرَّحِیْم رحم سے بنا ہے یہ وہ نام ہے جو رحمٰن کے ساتھ بہت بڑا تعلق رکھتا ہے رحم کا اطلاق عموماً درماندہ، بے کس، عاجز، ناتواں، مصیبت رسیدہ پر کیا جاتا ہے...

ابوداؤد و ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ''

خواجہ حالی مرحوم نے اسی کا ترجمہ اس شعر میں کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

ترمذی میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

''لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمِ یَرْ حَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوْ ءَ قِّرْ کَبِیْرَنَا''

جوکوئی چھوٹے پر رحم نہیں کرتا، جو بڑے کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں.....

رحم کے مواقع استعمال معلوم کرنے کے لئے غور کرو کہ نوح عَلَیْہِ السَّلَام نافرمان بیٹے کو بلاتے ہیں کشتی میں سوار ہوتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور بچ جاؤں گا..... اس کے جواب میں نوح عَلَیْہِ السَّلَام فرماتے ہیں:

''لا عَاصِمَ الیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَحِمَ''

آج کوئی نہیں جو امرالٰہی سے کسی کو بچائے ہاں اللہ ہی رحم فرمائے جس پر وہی بچ سکتا ہے..... (اسماء الحسنی مولانا منصور)

## ''سبقت رحمتی'' کی تفسیر

شاہ عبدالقادر صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی شاہ ولی اللہ محدث رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے بیٹے نے فرمایا کہ عرش اعظم کے سامنے لکھا ہوا ہے:

''سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ''

میری رحمت اور میرے غصہ میں جو دوڑ ہوئی تو میری رحمت آگے بڑھ گئی.....

شاہ عبدالقادر صاحب مصنف تفسیر موضح القرآن اور شاہ صاحب کے بیٹے لکھتے ہیں کہ عرش اعظم پر اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نے یہ کیوں لکھایا ہے؟ فرمایا کہ یہ شاہی رحم کے طور پر لکھایا ہے اس کا نام کیا ہے از قبیل مراحم خسروانہ۔ مراحم جمع ہے رحمت کی..... از قبیل مراحم خسروانہ کے معنی ہیں شاہی رحم کے طور پر۔ اگر میرا کوئی بندہ قانون سے بخشا جاسکتا تو میں اپنے شاہی رحم کو محفوظ رکھتا ہوں اس شاہی رحم سے اس کو معاف کردوں گا۔ جیسے جب کوئی مجرم قانون سے نجات نہیں پاتا اور سپریم کورٹ سے پھانسی کی قطعی سزا ہوتی ہے تو اب آگے

کیونکہ کوئی اور عدالت نہیں ہے لہٰذا سلطان مملکت سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور اخباروں میں آتا ہے کہ مجرم نے سپریم کورٹ میں ہارنے کے بعد پھانسی کی سزا سن کر اب مملکت کے بادشاہ سے رجوع کیا ہے اور شاہی رحم کی بھیک مانگی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے شاہی رحم کی بھیک کو محفوظ کرلیا ہے..... (مواعظ حسنہ)

## اے یحییٰ تو میرے لئے کیا لایا

حکایت یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم گزرے ہیں امام کے درجے کے عالم ہیں..... ان کی وفات ہوئی تو بعض اہل اللہ انہیں خواب میں دیکھا اور خواب بھی کشف جیسا تھا..... یہ دیکھا کہ ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی.....

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اے یحییٰ! کیا چیز لے کر آئے ہو ہمارے لئے؟ جواب دیا کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ میں نے پچپن ۵۵ حج کئے ہیں..... فرمایا، ہمیں ایک بھی قبول نہیں..... انہوں نے کہا کہ اے باری تعالیٰ! میں ایک سو باون ۱۵۲ قرآن ختم کئے ہیں..... فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں..... انہوں نے کہا کہ یا اللہ میں نے اتنی نمازیں پڑھی ہیں..... فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں ہے..... غرض یحییٰ نے پوری زندگی کے اعمال ذکر کئے..... باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک بھی قبول نہیں کیا..... اور بتاؤ کیا لے کر آئے ہو؟ آپ عاجز ہوگئے..... آخر میں کہا اے اللہ! اب تو بس تیری ہی رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ لے کر نہیں آیا فرمایا کہ اب بات تو نے ٹھیک کہی ہے:

''وَجَبَتْ لَکَ رَحْمَتِیْ''

میری رحمت تیرے لئے واجب ہوگئی ہے.....

جا تیرے لئے جنت اور مغفرت ہے..... (خطبات حکیم الاسلام ج نہم صفحہ ۱۱۱ و رسالہ قشیریہ)

## رحمت الٰہی پر شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

مقربین کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص معاملہ ہوتا ہے..... حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے الہام فرمایا:

''اے شبلی! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے عیب لوگوں کے سامنے ظاہر کردوں تو دنیا میں تجھے کوئی منہ لگانے والا نہ رہے؟''

انہوں نے جب یہ الہام سنا تو جواب میں کہا کہ:

''یا اللہ! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیری رحمت کھول کر لوگوں پر ظاہر کردوں تجھے دنیا میں کوئی سجدہ کرنے والا نہ رہے؟''

پھر الہام ہوا کہ:

''اے شبلی نہ تو میری بات کہنا نہ میں تیری بات کہوں گا..''

(اصلاحی بیانات صفحہ ۱۱۰، حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب)

## ساری عمر تو سنتی رہی کہ اللہ دیگا

کہتے ہیں نیشاپور میں ایک بوڑھی رہتی تھی جس کا نام عراقیہ تھا..... وہ گھروں میں جاکر بھیک مانگتی تھی..... جب دنیا سے رخصت ہوگئی تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا، پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا، مجھے انہوں نے کہا ''کیا لائی؟'' میں نے کہا ''آہ'' ساری عمر تو سنتی رہی کہ خدا تعالیٰ دیگا اور اب کہتے ہو کیا لائی؟ فرمایا سچ کہتی ہے فرشتو اس کے پاس سے چلے جاؤ.....

(حیات صوفیہ صفحہ ۵۳ و نفحات الانس صفحہ ۶۵)

## الغفار والغفور

5 اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ صفات بھی گزشتہ صفات کی طرف بندوں سے محبت پر

دلالت کرتی ہے.....

عفور کے معنی چھپانا، ڈھانپ دینا ہے.....

غَفَرَ الْمَتَاعَ فِی الْوِعَاءِ کپڑے صندوق میں رکھ دیئے

غفر الشَّیب بالخضاب سفید بالوں کو خضاب سے چھپادیا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام غفار اسلئے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپادیتا ہے چھپادینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ گندی، قابل نفرت چیز پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری آلودگی کو اپنی بخشش سے دور کردیتا ہے، اسی مصدر سے غفور بھی آتا ہے اور غفار الذنب بھی۔ غَفَّار قرآن میں تین مقامات پر آیا ہے غفور اور غفار دونوں اسماء غفران سے بطور صیغہ مبالغہ مستعمل ہوتے ہیں۔ غفار کا تعلق مغفور بندوں کی تعداد سے ہے یعنی غفار وہ ہے جو لاتعداد گناہوں کو معاف کردے.. غفور وہ ہے جس کی عطاء بخشش لاانتہا ہے...

(ب) غافر وہ ہے جو بروز محشر گناہوں پر پردہ ڈال دے گا..... اور غفار وہ ہے جو بندوں کے گناہوں کو ملائکہ کی بھی آنکھوں سے چھپادے اور غفور وہ ہے جو بندوں کے دل سے بھی گناہوں کی یاد اور ان کا الم اور احساس کھودے.....

قرآن مجید میں یہ اسم:

☆ اِسم رَحِیم کے ساتھ 75 دفعہ

☆ اِسم عَزِیز کے ساتھ 2 دفعہ

☆ اِسم عفو کے ساتھ 5 دفعہ

☆ اِسم حلیم کے ساتھ 1 دفعہ

☆ اِسم ودود کے ساتھ 1 دفعہ

☆ صفت ذوالرحمۃ کے ساتھ 1 دفعہ

☆ مفرد 5 دفعہ (کل 90 دفعہ آیا ہے)

غفور وہ ذات ہے جو بندوں کے دل سے بھی گناہوں کی یاد اسکا احساس بھلا دے.....

اسی طرح قرآن ایک جگہ ارشاد باری ہے" وھو الغفور الودود "غفور کے معنی بخشش کے ہیں اور ودود کے معنی بہت زیادہ محبت کرنے کے ہیں اسمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے غفور کے بعد ودود نازل کر کے یہ بتایا کہ ہم تمہیں جو جلد معاف کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تم سے بے حد محبت کرتے ہیں.....

الغفار سے متعلق آیت غافر الذنب قابل التوب کی تفسیر کرتے ہوئے ایک اللہ والے لکھتے ہیں کہ:

وہ غافر الذنب بطور اکرام کے اور قابل التوب ہے بطور انعام کے شدید العقاب ہے بطور عدل کے ذی الطول ہے بطور احسان کے.....

اور بعض لکھتے ہیں کہ:

ان الفاظ کی تفسیر یوں ہے غافر ذنب المذنبین یعنی گنہگاروں کے گناہ بخشنے والا قابل التوب ای توبة التائبین یعنی رجوع کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرمانے والا شدید العقاب للکافرین یعنی کفار کو سخت عذاب کرنے والا ذی الطول علی المومنین یعنی اہل ایمان کے حق میں احسان و انعام کرنے والا.....

غفور کے معنی چونکہ بخشش کے ہیں لہٰذا اس مناسب سے بندہ نے یہاں دو احادیث لکھی ہیں.....

## مغفرت کا گناہ سے وسیع ہونا

حدیث 1 ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

''رب مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی عندی من عملی''

اے میرے پروردگار تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت وسیع ہے کہاں تک گناہ

کروں ہزار برس بھی کروں گا تو محدود ہوں گے اور تیری رحمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ میرے گناہوں کی تیری رحمت کے سامنے کیا قدر و قیمت ہے نیز میرے عمل محدود ہیں بلکہ کوئی چیز نہیں مگر تیری رحمت ان سے بہت وسیع ہے.....

## تم گناہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے مگر

حدیث 2 ایک حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ایک آدمی نے بہت گناہ کئے اور جب ندامت ہوئی تو کہا یارب ابھی یہ نہیں کہا کہ میری مغفرت کر دیجئے فقط یارب! کہا......

فوراً حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ایعلم انَّ لهٗ رَبًّا یؤاخذه''

اچھا یہ جان گیا کہ اس کا بھی کوئی رب ہے جو اس کی پکڑ کرے گا.....

فرمایا اگر یہ جان گیا تو قبل اس کے کہ مغفرت مانگے اس سے پہلے ہی میں اس کی مغفرت کر دیتا ہوں..... (بخاری و مسلم بحوالہ خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۴۴)

## الکریم:

صفت کریم کرم سے ہے اور اسکے معنیٰ بے مانگے عطا کرنے والا اور قدرت کے باوجود معاف کر کے کرم کرنے والے کے ہیں.....

## کریم کی چار عجیب تعریفات

بندہ کے پیر و مرشد نے صفت کریم سے متعلق فرمایا کہ:

ملا علی قاری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے مشکوۃ کی شرح مرقاہ میں کریم کی چار تعریفیں کی ہیں:

1 ''الذی یُعطی بدُون آلاستحقاق والمنَّة''

کریم وہ ہے جو نالائقوں پر بھی مہربانی کر دے.....

2 ''اَلَّذِیْ یَتفضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ مَسْئَلَۃٍ وَلَا وَسِیْلَۃٍ''

جو ہم پر مہربانی کر دے بدون سوال اور وسیلہ کے.....

3 ''اَلَّذِیْ یَتفضَّلُ عَلَیْنَا وَلَا یَخَافُ نَفَادَ مَاعِنْدَہٗ''

جو ہم پر مہربانی کر دے اور اپنے خزانے کے ختم ہونے کا اس کو اندیشہ ہی نہ ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ غیر محدود خزانے والا ہے.....

4 ''اَلَّذِیْ یَتفضَّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَاتَمَنّٰی بِہٖ''

جو ہم پر اتنی مہربانی کر دے کہ جو ہماری تمناؤں سے بھی زیادہ ہو.....

مانگو ایک بوتل دے دی ایک مشک! ایک بوتل شہد کوئی مانگے اور کریم دے دے ایک مشک اللہ تبارک وتعالیٰ اس طرح سے دیتا ہے..... (مرقات بحوالہ مواعظ حسنہ)

ایک اور اللہ والے نے لکھا ہے کہ کریم وہ ہے جو قدرت رکھتا ہو عذاب دینے کی مگر معاف کر دے..... اور جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے! اور جب دینے لگے تو توقع سے بڑھ کر دے..... یہ نہ دیکھے کتنا دے رہا ہے جب اس کے سامنے حاجت پیش کی جائے تو اسے منظور کرے.....

صفت کریم کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمایا کہ:

''یایھا الانسان ماغرک بربک الکریم''

اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے کریم رب سے غافل کر رکھا ہے.....

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ:

کریم وہ ذات ہے جو بلا اظہار منت احسان کرے.....

حضرت جنید تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

کریم وہ ذات ہے جو بندہ کو کسی وسیلہ کا محتاج نہ رہنے دے

اور بعض لکھتے ہیں کہ:

کریم وہ ذات ہے جو اہل عصیان کو قبول توبہ سے ناامید نہ کرے.....

کریم وہ ذات ہے جو اس امر کی پرواہ نہ کرے کہ کس کو دیتا ہے.....

بعض کہتے ہیں کہ:

کریم وہ ذات ہے جو باوجود عصیان کے احسان کرے.....

## الرؤف:

حضرت مولانا اصغر علی روحی تبارک وتعالیٰ نے لکھا ہے کہ

یہ اسم مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی شدت رحمت کے اور شدت مہربانی کے بھی ہیں یہ اسم قرآن شریف میں دس مقامات پر آیا ہے..... بقول مولانا کے فرمایا کہ رؤف اس ذات کو کہتے ہیں جو شفیق و مہربان اور بے انتہا بے مثل رحم کرنے والی ہو.....

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں اپنی صفت رؤفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ الرَّحِيم''

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں پر بہت زیادہ مہربانی اور بہت زیادہ رحمت کرنے والا ہے.....

## صفت رؤف پر ایک عجیب حدیث

بخاری و مسلم میں ایک حدیث لکھی ہے کہ:

ایک قیدی عورت بچوں سے بے انتہا محبت کرتی تھی جب وہ کسی بچے کو دیکھتی اس کو اٹھا کر پیار کرتی یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا تمہارا کیا خیال یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے صحابہ نے نفی کی.....

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا''

جس قدر یہ عورت اپنے بچے پر رحم وشفقت کر رہی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرنے والے ہیں..... (بخاری ومسلم)

ایسا ہی ایک واقعہ مشکوۃ میں لکھا ہے اسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ ماں سے ۷۰ گنا زیادہ بندے پر مہربان ہیں..... (مشکوۃ)

## المؤمن:

ایک اللہ والے نے فرمایا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا نام مومن اس لئے رکھا ہے کہ اس نے لوگوں کو عذاب سے امان دیا ہے..... (حسن ظن ڈاکٹر حبیب اللہ مختار)

## باب نمبر 12

# درس رحمت قرآن مجید کی روشنی میں

## الرحمٰن الرحیم کی تفسیر

آیت نمبر 1 حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت رحمت ہے اسی لئے یہ ایسے واقعات اور حالات میں پڑھی جاتی ہے جہاں رحمت کا مظاہرہ ہو..... اور جہاں خدا کے قہر کا مظاہر ہو وہاں یہ آیت رحمت نہیں پڑھی جاتی ہے.....

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت رحمت کو نازل فرمایا ہے.....

لیکن سورۃ براۃ یا سورۃ توبہ میں یہ آیت نازل نہیں فرمائی اس لئے کہ سورۃ توبہ میں اللہ کے غضب وقہر کا اظہار ہے اسی لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ

آپ کسی جانور کو ذبح کر رہے ہوں مرغی ہو یا بکری یا وہ جانور جا جائز ہو خبردار! اس موقع پر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' نہ پڑھے اس کا پڑھنا جائز نہیں..... اس لئے کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' آیت رحمت ہے اور آپ کا یہ عمل کہ ہاتھ میں چھری ہے جاندار کی جان لے رہے ہیں اگرچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذبح کی اجازت دی لیکن یہ موقع آیت رحمت کے پڑھنے کا نہیں ہے یہاں صرف ''بسم اللہ اکبر'' پڑھا جائے..... اس لئے کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' آیت رحمت ہے اور آپ کا عمل عمل قہر ہے اور اگر آپ نے اللہ کا نام نہیں لیا اور ''بسم اللہ اللہ اکبر'' نہیں کہا تو وہ ذبیحہ بھی جائز نہ ہوگا..... بہر حال یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیا جائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کی جائے اور اس کی

کبریائی کا اظہار کیا جائے.....

میرے دوستو! یہ آیت، آیتِ رحمت ہے اس کی تاریخ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ رحمت دو پیغمبروں پر نازل فرمائی.....

ایک سرکار دو عالم ﷺ پر اور ایک حضرت سلیمان علیہ السلام پر اسی لئے قرآن مجید میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' دو الگ الگ آیتیں ہیں..... فرمایا:

''اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ''

یہ سورۂ نمل میں ہے اور ایک وہ جسے تلاوت کے شروع میں آپ دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں یہ الگ مستقل آیت ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ تراویح میں قرآن جب ختم کیا جاتا ہے تو ایک سورۃ کے ساتھ شروع میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' زور سے پڑھی جاتی ہے اور اگر کسی نے زور سے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی تلاوت نہیں کہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے تمام آیتوں کی تلاوت تو کی ہے لیکن ایک آیت کی اس نے تلاوت نہیں کی ہے اور وہ ایک آیت رہ گئی ہے.....

حضور ﷺ پر یہ آیت اس طرح نازل ہوئی ہے کہ سب سے پہلے عرب میں ''باسمک اللھم'' کہنے کا رواج تھا اے اللہ تیرے نام سے!

جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

**''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ''**

اے محمد کہہ دیجئے کہ اللہ کو ''اللہ'' کہہ کر پکارو یا اللہ کو ''رحمٰن'' کہہ کر پکارو.....

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے بہتر نام جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور رحمٰن ہیں.....

# ''الرحمٰن الرحیم'' پر ایک واقعہ

امام فخر الدین رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ''الرحمن الرحیم '' کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

قیامت والے دن اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فرمائیں گے کہ فلاں شخص کو لیکر آؤ اس کا مقدمہ پیش کرو چنانچہ فرشتے اس شخص کے پاس جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ آپ کی پیشی ہے وہ کہے گا کہ میں تو اپنا انجام جانتا ہوں میں نے تو ساری عمر میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا میرے تو مقدمے میں ہی جان نہیں ہے جب وہ بندہ اللہ کے دربار میں پیش ہوگا تو (اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی پر قربان جائیں وہ رحیم وکریم ذات باوجود بندے کے کثرتِ گناہوں کے اس پر کتنا مہربان ہے) اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فرمائیں گے..... ''اے فلاں ابن فلاں ہم نے تمہیں تمھاری ایک نیکی کی بدولت بخش دیا.....''

یہ حکم سن کو وہ گناہ گار بڑا حیران ہوگا' کہے گا اے اللہ میں تو بڑا گناہ گار ہوں میں تو بخشش کے قابل بھی نہیں ہوں مجھے وہ نیکی بتلا دیجئے جسکی بدولت یہ فیصلہ کیا گیا ہے.....

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فرمائیں گے ''اما تذکر لیلۃ '' تجھے وہ رات یادنہیں ہے کہ آدھی رات کو تمھاری آنکھ کھلی اور تو نے کروٹ بدلتے ہوئے ''اللہ'' کہا تھا اور اس رات تم نے جس اخلاص سے اللہ کہا تھا وہ ہمیں اتنا پسند آیا کہ اس کی برکت سے ہم نے تمہیں بخش دیا..... (تفسیر کبیر)

# قل یا عبادی الذین اسرفوا.....الخ کی عاشقانہ تفسیر

آیت نمبر 2 ''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''

''کہہ دیں اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی

رحمت سے مایوس نہ ہو..... یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا وہ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان.....''

**تشریح:** حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مجھے اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا (اور اس کی نعمتوں) کا لینا بھی پسند نہیں..

''یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''

''اے میرے بندو! جنھوں نے (گناہ کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے کو تباہ کرلیا ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ سارے گناہوں کی بخشش کر دیتا ہے وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے.....''

ایک شخص نے عرض کیا:

حضرت جن لوگوں نے شرک کیا ہے کیا ان کیلئے بھی یہی ارشاد ہے؟ آپ نے پہلے کچھ سکوت کیا پھر تین دفعہ فرمایا:

''الا ومن اشرک''

''سن لو مشرکوں کیلئے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے سن لو مشرکوں کیلئے بھی یہی ارشاد ہے ہاں مشرکوں کیلئے بھی میرے مالک کا یہی ارشاد ہے.....''

(مسند احمد بحوالہ معارف القرآن ج۵ص۳۳۲)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''یا ایھا العصاۃ'' (اے گنہگارو) نہیں کہا بلکہ ''یاعبادی'' (اے میرے بندو) فرمایا' بجائے اخطئوا (خطا کار) اسرفوا (اسراف کیا) رمایا..... اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

''قُلْ یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ''

''اے محمد ﷺ آپ میرے گنہگار بندوں کو بتادیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کرلیں، ظلم کرلئے، بے شمار گناہ کرلئے

''لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ''

تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو

''اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا''

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا اب مشیت کی بھی قید نہیں ہے اس قید کو بھی ہٹا رہا ہوں تاکہ میرے گناہ گار بندے مایوس نہ ہوں ''ان'' تاکید ہے الذنوب پر الف لام استغراق کا ہے یعنی کوئی گناہ ایسا نہ ہوگا جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نہ بخش دے اور جمیعاً میں تاکید ہے..... تین تاکیدوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم تمام گناہوں کو بخش دیں گے

''اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ''

یہ جملہ تعلیلیہ ہے معرض علت میں ہے یعنی وجہ بھی بتادی کہ ہم کیوں بخش دیں گے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا، بڑی ہی رحمت والا ہے اور اپنے نام پاک غفور کو رحیم پر مقدم فرمایا کہ معلوم بھی ہے ہم بندوں کو کیوں بخش دیتے ہیں؟..... بوجہ رحمت کے اپنی شان رحمت کی وجہ سے ہم تمہاری مغفرت فرماتے ہیں تمہارے گناہ محدود ہیں میری مغفرت محدود نہیں ہے تمہارے گناہ محدود ہیں میری رحمت محدود نہیں ہے جیسے چڑیا سمندر سے ایک قطرہ اٹھالے جو نسبت اس قطرہ کو دریا سے ہے اتنی بھی تمہارے گناہوں کو میری غیر محدود رحمت ومغفرت سے نہیں.....

بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے کراچی کے ایک کروڑ انسانوں کا پیشاب پاخانہ کراچی کے سمندر میں جاتا ہے لیکن ایک لہر آتی ہے اور سب اٹھا کر لے جاتی ہے اور سب پاک کردیتی ہے یہ سمندر تو محدود ہے اللہ کی رحمت ومغفرت کے غیر محدود سمند

رکا کیا عالم ہوگا ایک موج آئے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے سب گناہوں کو بہالے جائے گی..... (مواعظ حسنہ)

اس آیت کی تشریح پر حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

مقصود اس آیت سے لوگوں کی ناامیدی کو دور کرنا ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ پر عذاب تو ہونا ہی ہے پھر توبہ سے کیا فائدہ حالانکہ جو ہم سمجھتے ہیں ایسا نہیں ہے.....

## رحمتی وسعت......الخ کی تفسیر

**3** ''میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''.....

اس کی تشریح پر مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ:

قرآنی تعلیمات کے مطابق کائنات کا کوئی ذرہ سایہ رحمت سے محروم نہیں ہے...

ابواللیث سمرقندی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

یعنی ہر چیز کو میری رحمت کا حصہ ملتا ہے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان لعین بھی اکڑنے لگا کہ میں بھی تو اشیاء میں سے ایک شے ہوں لہٰذا مجھے بھی رحمت سے حصہ ملے گا اور ایسے ہی یہود و نصاریٰ نے اکڑنا شروع کیا..... پھر جب بعد والا حصہ:

''فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ''

(الاعراف ۱۵۶)

''تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور لکھوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں کی تصدیق کرتے ہیں.....''

نازل ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اپنی رحمت ان لوگوں کیلئے مخصوص کروں گا جو شرک سے بچتے، زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ابلیس یہ سن کر مایوس ہو

گیا البتہ یہود ونصاری کہنے لگے کہ ہم شرک سے بچتے ہیں زکوۃ بھی دیتے ہیں اس کی آیات پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو پھر تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک نازل ہوا:

''الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ''

''جولوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں''

یعنی جو لوگ حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں کہ تو یہ سن کر یہود ونصاری بھی مایوس ہو گئے اور رحمت صرف مؤمنین کیلئے باقی رہی..... (تنبیہ الغافلین)

## شیخ محی الدین کا واقعہ

شیخ محی الدین ابن عربی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بہت بڑے اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں بڑے علماء میں بھی ہیں ایک مرتبہ شیطان نے ان سے کہا کہ:

میں بھی تو کوئی چیز ہوں اگر چہ ناچیز ہوں تو رحمت مجھ پر بھی وسیع ہو جائے گی بس میں بھی بخش دیا جاؤں گا.....

شیخ نے فرمایا کہ:

تو جہنمی ہے لیکن تجھ سے بحث نہیں کروں گا اور اپنے مریدین کو حکم فرمایا کہ شیطان سے کبھی بحث نہ کرنا کیونکہ اگر شیطان سے بحث کرنا مفید ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ''**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**'' پڑھنے کا حکم نہ فرماتے بلکہ یہ حکم ہوتا کہ جب شیطان وسوسہ ڈالے تو اس کو لپٹ کر پٹک دینا یعنی تم بھی دلائل کے ساتھ اس سے بحث ومباحثہ ومناظرہ کر کے اس کے وسوسوں کا جواب دینا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ بس تم اعوذ باللہ پڑھو میری پناہ مانگو کہ اے خدا اس شیطان مردود سے مجھے پناہ نصیب فرما.....

اس بات کو محدث عظیم ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں بہت عمدہ سمجھایا ہے کہ:

شیطان کی مثال اس کتے کی سی ہے جو بڑے لوگوں کے بنگلوں پر کھڑا رہتا ہے.....

محدث عظیم ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ:

ابلیس اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتا ہے..... گیٹ آؤٹ کیا ہوا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار سے باہر ہے مردود کیا ہوا..... جب دنیا کے بڑے لوگ بڑے کتے پالتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں ان کا کتا بھی اتنا ہی بڑا ہے..... یہ وسوسے ڈالتا ہے اگر اس سے لڑو گے اور چپ کرانا چاہو گے تو وہ اور بھونکے گا جیسے کتے اور بھونکتے ہیں اگر کوئی ڈانٹنا شروع کرے اور خاموش کرنا چاہے تو یہ شیطان اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتا ہے یہ کسی کے قابو میں نہیں آ سکتا جب تک کہ وہ ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' نہ پڑھے.....

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ پھر شیطان کو حکم دے دیتے ہیں اس کی برکت سے پھر شیطان اس پر قابو نہیں پاتا۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنی ذات پاک سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے شیطان سے لڑنے کا حکم نہیں دیا.....

بہر حال عرض کرنا یہ تھا کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو کسی مصلحت سے شیطان کو جواب نہیں دیا، غالباً اس وقت اپنے مریدین کو ادب سکھانا تھا اور ان کی تربیت کے لئے وہی مناسب تھا...

لیکن فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی برکت سے میری سمجھ میں اس کا جواب آ گیا، یہ نہیں کہا کہ یہ میرا کمال ہے اگر کوئی غیر تربیت یافتہ خشک ملا ہوتا تو کہتا کہ دیکھو شیخ ابن عربی کو جواب نہیں آیا میرا کمال ہے کہ مجھے جواب آ گیا..... لیکن ہمارے بزرگوں کا کمال یہ ہے کہ اپنے کو مٹایا۔ فرمایا کہ شیخ ابن عربی کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے دل میں اس کا جواب ڈال دیا..... اور وہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت شیطان پر بھی وسیع ہے لیکن کیسے؟..... اس کو ایک مثال سے سمجھئے اگر کوئی شخص کسی کو سو

(۱۰۰) جوتے مارنے کی طاقت رکھتا ہے..... لیکن انھانوے مار کر دو چھوڑ دیتا ہے تو اس کا کرم اور مہربانی اور اس کی رحمت ہے یا نہیں؟.....

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ:

خدائے تعالیٰ شیطان کو جہنم میں جتنا عذاب دیں گے اس سے زیادہ عذاب دینے پر اللہ تبارک وتعالیٰ قادر ہے یا نہیں؟..... ظاہر ہے کہ قادر ہے کیونکہ اس کی قدرت وطاقت لامحدود و لامتناہی ہے پس جتنا عذاب شیطان کو دیں گے اس سے زیادہ عذاب دینے پر خدا قدرت رکھتا ہے اگر وہ قدرت اللہ تبارک وتعالیٰ ظاہر کرتے تو اس کو عذاب اس سے بھی زیادہ شدید ہوتا پس جتنی قدرت عذاب دینے کی ہے اتنا عذاب نہ دینا یہ بھی رحمت ہے اس طرح شیطان پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت وسیع ہے..... سبحان اللہ کیا علوم ہیں ہمارے اکابر کے.....

(بدگمانی اور اس کا علاج)

دوران مطالعہ بندہ کو ایک حدیث اس آیت کے مفہوم سے متعلق ملی اس کو بندہ نے قارئین کے لئے لکھا ہے:

حدیث پاک کا مفہوم ہے:

''انَّ رَحْمَتِیْ وُسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ''

میری رحمت ہر چیز پر غالب ہے.....

پس اگر ایک شخص کو ہزار سال کی عمر دی جائے اور وہ ایک لمحہ بھی معصیت و نافرمانی کے بغیر نہ گزارے تو بھی اس کے گناہ تھوڑے ہوں گے اللہ کی رحمت زیادہ ہے..... اگر وہ سچی توبہ کریگا تو قبول ہوگی..... بلکہ فرمایا: اے میرے بندے تیرے گناہ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں سے زیادہ ہیں..... تیرے گناہ آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں..... تیرے گناہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہیں..... تیرے گناہ ساری دنیا کی ریت کے ذرات سے بھی زیادہ ہیں پھر بھی تیرے گناہ تھوڑے ہیں میری رحمت زیادہ ہے..... بلکہ یوں

فرمایا: اے میرے بندے تو نے توبہ کی پھر توڑ بیٹھا..... پھر توبہ کی پھر توڑ بیٹھا صد بار توبہ شکستی باز آ..... اے میرے بندے اگر تو نے سو دفعہ توبہ کی اور سو دفعہ توڑ بیٹھا..... میرا در اب بھی کھلا ہے تو آ جا توبہ کر لے میں تیری توبہ قبول کرونگا..... (مکتوبات فقیر ص ۱۴۸)

آیت نمبر 4 ''وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ''

وہ ایسا مالک ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے.....

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے وہ ارحم الراحمین ہیں اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہوں، برابر توبہ کا اہتمام کرتے رہیں، گناہ ہو جائے تو پھر فوراً توبہ کریں۔ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب یہ شعر پڑھا کرتے تھے.....

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اٹھے اٹھ کر چلے

ایک آیت میں فرمایا:

آیت نمبر 5 '' وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا''

وہ (اللہ تبارک وتعالیٰ) ہے مسلمانوں پر مہربان

اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے:

آیت نمبر 6 ''وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللهُ''

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کون گناہوں کو بخش سکتا ہے.....''

اور ایک آیت یہ ہے:

آیت نمبر 7 ''غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ''

''یعنی (اللہ تبارک وتعالیٰ) گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے.....''

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

آیت نمبر 8 ''وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَاتَفْعَلُوْنَ''

''وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے.....''

ایک دوسری آیت میں فرمایا:

آیت نمبر 9 ''کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ''

''تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو لکھ لیا ہے.....''

آیت نمبر 10 ''وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ''

''اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے پس اسے ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا (واجب کردوں گا) جو متقی ہیں.....''

اسی طرح فرمایا:

آیت نمبر 11 ''اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ الرَّحِیْمُ''

''اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان اور رحمت کرنے والے ہیں.....''

قاصد خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے.....

آیت نمبر 12 ''وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ فَقُلْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'':

''اے پیغمبر! جب تیرے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو ان کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کرلیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے براہ نادانی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک بنے تو بیشک

وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے..... (انعام)

آیت نمبر 13 ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ''

''بلاشبہ! جو تلاوت کرتے ہیں کتاب اللہ کی' اور قائم رکھتے ہیں نماز اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے مخفی اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے (جائز) امیدوار ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہوگی..... تا کہ حق تعالیٰ ان کی اجرتیں ان کو عطا کریں اور مزید عطا کرے ان کو اپنے فضل سے بلاشبہ! وہ نہایت مغفرت والا اور بڑا قدردان ہے''.....

آیت نمبر 14 ''اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الَّیْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُوْلُوْا الْاَلْبَابُ''

''کیا وہ شخص جو نماز میں مصروف ہوتا ہے رات کے اوقات میں درآں حالیکہ وہ (کبھی) سجدہ گذار ہوتا ہے اور (کبھی) قیام کرتا ہے اور ڈرتا ہے (حساب) آخرت سے' اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے' کہو کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے..... واقعہ یہ ہے کہ نصیحت تو دانشمند ہی قبول کرتے ہیں.....

آیت نمبر 15 ''وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ' اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ''

''اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کہ مایوس نہیں ہوتے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مگر کافر لوگ''.....

آیت نمبر 16 ''اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ''

''بے شک آپ تواب بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں''

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تواب کا ذکر رحیم سے پہلے کیا ہے اس میں ایک عجیب نکتہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ رحم نازل کرتے ہیں اسی کو توبہ کی توفیق دیتے ہیں اور توبہ کے ساتھ ہی رحمت نازل ہوتی ہے یہ دونوں پڑوسی کی طرح ہیں یعنی جس نے توبہ کی وہ سایہ رحمت میں آ گیا ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں ہوتی.....

## غفور الرحیم کی حقیقت

آیت نمبر 17 ''ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذَالِکَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ الرَّحِیْمٌ''

''پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے.....''

یہ پوری آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ''غفور الرحیم'' ہونے کو ذکر کیا گیا ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کے لئے دو شرطیں ہیں:

ایک توبہ..... دوسرے عمل کی اصلاح.....

یعنی جن لوگوں نے غلطیاں کی ہیں' گناہ کئے ہیں بدعنوانیاں کی ہیں سب کرنے کے بعد احساس ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے توبہ کر لی..... اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ ہم مغفرت کر دیں گے' معاف کر دیں گے' اور انعامات بھی دیں گے.....

## باب نمبر 13

# درس رحمت احادیث کی روشنی میں

## اگر تیرے گناہ زمین آسمان کو بھی بھر دیں

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

**1** ''یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفر تنی غفرت لک ولا ابالی'' (مشکوٰۃ)

اے میرے بندے (مایوس نہ ہو) اگر تیرے گناہ زمین کی وسعتوں کو بھر دیں اور اوپر اٹھتے چلے جائیں اور پھر خلا کو بھر دیں اور خلا سے نکل کر آسمان کے کناروں تک چلے جائیں حتیٰ کہ ساری کائنات تیرے گناہوں سے بھر کر آسمان کے کنارے تیرے گناہ چھونے لگیں..... پھر تجھے ندامت آجائے اور تیرے آنسو نکل جائیں اور تو، توبہ کے لئے ہاتھ اٹھائے، میں ایسا کریم، میں ایسا سخی، میں ایسا رحیم ہوں کہ:

**"غفرت لک ولا ابالی"**

''میں تیرے سارے گناہوں پر قلم پھیر دوں گا اور مجھے کوئی نہیں پوچھ سکتا''.....

ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں تو تیرے توبہ کا منتظر ہوں کہ تو میری طرف آ تو سہی.....

میرے عزیز! اللہ تبارک وتعالیٰ اس انسان سے ماں سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ رحیم، اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ کریم اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ اس انسان سے محبت کرنیوالا کوئی نہیں ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی چاہت یہ ہے کہ میرا بندہ مجھ سے اس حال میں ملے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ

نے اس حدیث میں بے انتہا رحمت کا اظہار فرمایا ہے.....

# اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم دل ماں سے زیادہ رحم کرتا ہے

2 ''وعن عامر الرام قال بينا نحن عنده يعني عند النبي صلى الله عليه وسلم اذ اقبل رجل عليه كساء وفي يده شئ قد التف عليه فقال يا رسول الله مررت بغيضة شجر فسمعت فيها اصوات فراخ طائر فاخذتهن وضعتهن في كسائي فجاء ت امهن فاستدارت علىٰ رأسي فاكشفت لها عنهن فوقعت عليهن فلففتهن بكسائي فهن اولآء معي قال ضعهن فوضعتهن وابت امهن الا لذومهن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتعجبون لرحم ام الافراخ فراخها فوالذى بعثني بالحق الله ارحم بعباده من ام الافراخ بفراخها ارجع بهن حتى تضعهن من حيث اخذتهن معهن فراجع بهن'' (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

''اور حضرت عامر رامی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ (تیر انداز) کہتے ہیں کہ (ایک دن) جبکہ ہم نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک شخص آیا جس کے جسم پر ایک کملی تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر اس نے اپنی کملی لپیٹ رکھی تھی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس جھنڈ میں سے پرندوں کے بچوں کی آوازیں سنیں' چنانچہ میں نے انہیں پکڑ لیا اور اس اپنی کملی میں رکھ لیا اتنے میں بچوں کی ماں آ گئی اور میرے سر پر پھرنے لگی میں نے اس کی سامنے بچوں کے اوپر سے کملی کھول دی (تا کہ وہ انہیں دیکھ کے) وہ اپنے بچوں کو دیکھتے ہی ان پر آ گری اور میں نے ماں اور بچوں کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور اب وہ سب میرے پاس ہیں''.....

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ان کو یہاں رکھو میں نے ان کو وہاں رکھ دیا اور ان پر سے اپنی کملی ہٹا دی..... ماں سب چیزوں کو چھوڑ کر بچوں سے چمٹ گئی ہم سب اپنے بچوں کے

ساتھ اس ماں کی اس محبت کو نظر تعجب دیکھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ اس پر تعجب کر رہے ہو کہ ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر کس قدر رحم دل واقع ہوئی ہے..... قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا کہ ایک ماں اپنے بچوں پر رحم کرتی ہے.....

اور جاؤ ان بچوں کو وہیں لے جا کر رکھ دو جہاں سے تم نے ان کو پکڑا تھا اور ان کی ماں کو ان کے ساتھ ہی چھوڑ دو' چنانچہ وہ ان سب کو لے گیا' اور جہاں سے پکڑا تھا وہیں چھوڑ آیا..... (ابو داؤد)

## اگر تم نے پیدا کیا ہے تو پکڑ لو

**3** امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

جب کوئی انسان گناہ کرتا ہے تو زمین کی وہ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہتی ہے آپ مجھے اجازت دیں تو میں اسے دھنسا دوں..... آسمان کی وہ چھت اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہتی ہے آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس پر گر پڑوں.....

تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے فرماتے ہیں

ٹھہر جاؤ اسے مہلت دو' ان کان عبدکم فشأنکم به ''اگر تم نے پیدا کیا ہے تو پکڑ لو ''وان کان عبدی ''اگر میرا بندہ ہے'' فمنی والی عبدی ''میرے بندے اور میرے درمیان دخل نہ دو'' ان اتانی نهاراً قبلته'' کسی دن توبہ تو بہ کرے گا ''ان اتانی لیلاً قبلته ''کسی رات جب توبہ کرے گا'' لوجد الله تواباً الرحیما '' وہ دیکھے گا کہ اس کا رب معاف کرنے والا ہے..... (مکاشفۃ القلوب)

## کھوٹہ سکہ مغفرت کا سبب بن گیا

**4** بخاری و مسلم کی روایت میں حضرت ابی مسعود البدری کہتے ہیں کہ:

## مغفرت کا گناہوں سے وسیع ہونا

**9** اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

''رب مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجیٰ عندی من عملی''

اے میرے پروردگار! تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت وسیع ہے..... کہاں تک گناہ کروں..... ہزار برس بھی کروں گا تو محدود ہوں گے..... اور تیری رحمت کی کوئی حد ہی نہیں ہے..... میرے گناہوں کی تیری رحمت کے سامنے کیا قدر و قیمت ہے نیز میرے عمل محدود ہیں..... بلکہ کوئی چیز نہیں مگر تیری رحمت ان سے بہت وسیع ہے.....

## تم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہو

## مگر ہم معاف کرتے کرتے تھک نہیں سکتے

**10** حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے بہت بڑا گناہ کیا..... اور ندامت ہوئی تو کہا یا ربی ابھی یہ نہیں کہا کہ ''میری مغفرت کر دیجئے'' فقط ''یا رب'' کہا اور فوراً حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ایعلم ان له ربا یواخذه''

اچھا یہ جان گیا کہ اس کا بھی کوئی رب ہے جو اس کی پکڑ کریگا.....

فرمایا اگر یہ جان گیا تو قبل اس کے کہ مغفرت مانگے، اس سے پہلے ہی مغفرت کر دیتے ہیں..

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اے لوگو! تم گناہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے اللہ بخشتے بخشتے نہیں تھکیں گے..... اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے..... اس لئے آدمی سے جب غلطی ہو تو فوراً توبہ کرلے..... بس معاملہ صاف ہو گیا.....

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے راستے پر لگا ہوا آدمی ٹھوکر لگی، گر پڑا، اٹھا، کپڑے جھاڑ کر پھر چلنا شروع کر دیا..... (بخاری: ۲ / ۹۳۰)

## آپ میرے بندوں کو میری رحمت سے مایوس نہ کریں

**11** حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے..... اور ہم باہم خوش طبعی میں ہنس رہے تھے تو ارشاد فرمایا:

تمہیں ہنسی سوجھتی ہے، حالانکہ دوزخ تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے..... بخدا میں تمہیں پھر ہنستا ہوا نہ دیکھوں.....

یہ فرما کر واپس تشریف لے گئے..... اور ہم تھے کہ گویا سروں پر پہاڑ گر گیا تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

آپ میرے بندوں کو مری رحمت سے کیوں مایوس کرتے ہیں میرے بندوں کو سنا دیجئے کہ میں بہت ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے.....

ایک تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اپنے اصحاب کے پاس آئے تو انہیں دیکھا کہ وہ ہنس رہے ہیں..... فرمایا: کیا تم ہنس رہے ہو؟..... اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جاتا جن کا مجھے علم ہے تو تم تھوڑا ہنستے اور بہت روتے پھر آپ چلے گئے..... جب واپس لوٹے، فرمایا ابھی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت لائے:

''نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''

''میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور رحیم ہوں.....''

## رحمت الٰہی سے نا امیدی ہلاکت ہے

12 ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر میں دنیا میں عذاب لانے کا ارادہ کردوں تو سب سے پہلے اس کو عذاب دوں گا جو میری رحمت سے نا امید ہو چکے ہیں.....

## گناہوں کے ۹۹ دفاتر والے کی مغفرت

13 حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ میری امت میں سے ایک آدمی منتخب کر کے سب کے سامنے لائے گا..... جس کے گناہوں کے ننانوے دفتر ہوں گے..... ہر دفتر حد نگاہ تک لمبا ہوگا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کیا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟..... کیا نامۂ اعمال لکھنے والے میرے فرشتوں نے تم پر ظلم تو نہیں کیا؟..... کہے گا اے میرے رب بالکل نہیں، پھر ارشاد ہوگا کہ کیا تمہارا کوئی عذر یا نیکی ہے؟..... تو وہ آدمی پریشان ہوگا اور کہے گا اے میرے رب! کوئی نہیں ہے تو ارشاد ہوگا ہاں تیری ایک نیکی ہمارے پاس موجود ہے اور آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا..... پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا اس میں لکھا ہوگا:

"اشهد ان لااله الا الله وان محمداً عبده و رسوله"

تو کہا جائے گا تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا..... پھر وہ سارے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے..... اور اس پرچے کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو فرمایا وہ سب دفتر اوپر اٹھ جائیں گے..... اور پرچہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام نامی سے کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی.....

(منہاج القاصدین ۵۹۶)

## خوشخبری سناؤ

**14** جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

جب لوگوں کے سامنے تم ان کے پروردگار سے کچھ بیان کرو، ایسی چیز بیان نہ کرو جس سے انہیں گھبراہٹ ونفرت ہو.....

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں آسان درگزر کرنے والے (دین) حنفی کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں.....''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں پسند کرتا ہوں کہ اہل کتاب یہ جانے کہ ہمارے دین میں سہولت ہے.....''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

آسانی کرو تنگی نہ کرو، بشارت سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ.....

## اے میرے فرشتوں! مجھے حیا آتی ہے کہ میں اپنے بندے کی خطا بخش نہ دوں

**15** سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

جب کوئی بندہ گنہگار اپنی خطا کا مقر ہو کر خداوند کریم سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے:

**''یا ملائکتی قدا استحییت من عبدی ولیس له غیری''**

''اے میرے فرشتو! مجھے حیا آتی ہے اپنے بندے سے کہ میں اس کی خطا بخش نہ دوں..... کیونکہ اس کے لئے سوائے میرے در کے اور کوئی در ایسا نہیں ہے کہ اس میں جا کر

سوال کرے اور اپنی حاجت پوری کرلے.....''

صاحبو! ایسے کریم اور رحیم پر قربان کیوں نہ ہوں اس لئے کہ گناہ تو ہم کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے گناہوں کو دیکھ کر شرماتا ہے.....

## ایک حصہ رحمت کے اثرات

**16** ''**عن ابی هریرة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: جعل الله الرحمة مائة جزء' فامسک عنده تسعة وتسعین' وانزل فی الارض جزء واحد' فمن ذلک جز یتراحم لخلائق حتی ترفع للابته حافر هاعن ولد هاخشیتة ان تصیبه**' (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو رحمت پیدا فرمائی ہے اس کے سو حصے کئے ہیں، ان سو میں سے صرف ایک حصہ رحمت کا اس دنیا میں اتارا ہے، جس کی وجہ سے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحمت کا ترس کھانے اور شفقت کا معاملہ کرتے ہیں، جیسے باپ اپنے بیٹے پر رحم کررہا ہے یا ماں اپنے بچوں رحم کررہی ہے' بھائی بھائی پر رحم کررہا ہے۔ بھائی بہن پر رحم کررہا ہے، یا ایک دوست دوسرے دوست پر کررہا ہے، گویا دنیا کے جتنے لوگ بھی آپس میں شفقت اور رحم کا معاملہ کررہے ہیں..... وہ ایک حصہ رحم کا نتیجہ اور طفیل ہے..... جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں نازل فرمایا، حتیٰ کہ گھوڑی کا بچہ جب دودھ پینے کے لئے آتا ہے تو وہ گھوڑی اپنا پاؤں اٹھالیتی ہے' تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دودھ پینے کے دوران یہ پاؤں بچے کو نہ لگ جائیں..... یہ اس سو ویں حصے کا ایک جز ہے..... اور ننانویں حصے رحمت کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے ہیں، ان کے ذریعہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت کا مظاہر فرمائیں گے...

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ نے ہمیں یہ بتادیا کہ یا تم لوگ اس ذات کی رحمت سے مایوس ہوتے ہو..... جس ذات نے تمہارے لئے آخرت میں اتنی ساری رحمتیں اکھٹی کرکے رکھی ہوئی ہیں' اس ذات سے مایوسی کا اظہار کرتے ہو؟..... کیا وہ اپنی رحمت سے تم کو دور کردے گا؟.....

یحیی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ:

اے اللہ! تو نے ہمارے لئے ایک رحمت اتاری اور اس سے ہمیں اکرام بخشا یعنی اسلام نصیب ہوا..... تو جب ہم پر سو رحمتیں نازل فرمائے گا تو ہم کیسے تیری مغفرت کے امیدوار ہوں گے.....

## ایمان کے ذرے والا شخص جہنم میں داخل نہ ہو سکے گا

**17** حضرت معاذ بن جبل اور انس بن مالکؓ سے اخبار مشہور میں ہے کہ:

جس نے [illegible]ت میں داخل ہوگیا اور جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا اسے آگ نہیں چھوئے گی اور جو اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اسکے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرتا ہو اس پر آگ حرام کردی گئی اور جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھر بھی ہو وہ آگ میں داخل نہ ہوگا۔

## میری رحمت تمہارے گناہوں پر حاوی ہے

**18** ''وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لما خلق الله الخلق كتب فی كتاب فهو عنده فوق العرش: ان رحمتی تغلب غضبی' وفی رواية غلبت غضبی وفی رواية سبقت غضبی'' (متفق علیہ)

## رحمت اور غضب کی دوڑ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو (اس نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے) لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی..... اور ایک روایت میں ہے میرے غضب پر غالب ہے..... اور ایک روایت میں ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے چکی ہے..... (بخاری، مسلم)

**19** حضرت عطاء بن یسار کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث ہے کہ:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی مگر یہ کہ ایسی چیز بھی بنائی جو اس پر غالب آئے اور اپنی رحمت کو ایسا کیا کہ وہ اس کے غضب پر غالب آتی ہے.....''

مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آپ پر یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آئے گی..... (قوت القلوب ص ۹۸۷)

## اگر کافر کو اللہ کی رحمت کا پتہ چل جائے

**20** ایک دوسری روایت میں ہے:

''لو یعلم الکافر ما عند اللہ من الرحمہ ما قنۃ من جنۃ احد''

''اگر کافر اللہ کی رحمت کی وسعت جان لے تو اس کی رحمت سے کوئی ایک بھی مایوس نہ ہو.....'' (بخاری، مسلم)

بڑے بڑے کبیرہ گناہ پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے معافی کا قلم پھیر دیا، جب کہ آیات الٰہی سامنے آئیں اور لوگوں نے نافرمانی کی (مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے معاف فرما دیا)

چنانچہ فرمایا:

''ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ''

''پھر بنالیا بچھڑا (یعنی معبود) بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس نشانیاں پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا.....''

## رحمت الٰہی سے معمور ایک عجیب حدیث

**21** حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ:

اگر مومن کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سزائیں کیسی کیسی ہیں تو کوئی بھی اس کی جنت کی خواہش نہیں کر سکتا اور اگر کافر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کو جان لے تو اس کی رحمت سے کوئی بھی ناامید نہ ہوتا.....

یحییٰ بن معاذ کا ذکر ہے کہ فرمایا کرتے:

اے اللہ! اگر تیرا ثواب فرمانبرداروں اور تیری رحمت گنہگاروں کے لئے ہے تو میں گو فرمانبرداروں میں سے نہیں..... مگر تیرے ثواب کا ضرور امیدوار ہوں..... اور میں گنہگاروں میں سے ہوں لہٰذا تیری رحمت کی بھی امید رکھتا ہوں.....

اور انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا کرتے تھے:

اے اللہ! تو نے جنت کو پیدا فرمایا اور اسے اپنے اولیاء کے لئے دعوت قرار دیا..... اور کافروں کو اس سے مایوس کر دیا..... اور تو نے فرشتے ایسے بنائے کہ انہیں اس کی حاجت نہیں اور تو خود اس سے غنی ہے پھر اگر ہم جیسوں کو بھی عطا نہ فرمائی تو آخر یہ کن لوگوں کو ملے گی.....

## بغیر رحمت کے جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں

**22** حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) کوئی شخص بھی اللہ کی

رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا..... آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہَا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے؟..... آپ نے اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ہاں میں بھی نہیں جاؤں گا الا یہ کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں یہ بات بھی آپ نے تین مرتبہ فرمائی.....'' (مشکوۃ ص ۲۰۵)

الغرض انسان کی مغفرت کا اصل سبب تو اللہ کی رحمت ہے لیکن چونکہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نے اعمال کو نجات کا ظاہری سبب بنا دیا ہے..... اور وہ انسان کی مغفرت اس کے کسی ایسے عمل کے سبب فرما دیتے ہیں جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا ذیل میں مغفرتِ خداوندی کے چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں جن سے اصل حقیقت کا اظہار ہوتا ہے.....

لیکن واقعات سے پہلے اس حدیث کی شرح کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر خدا تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی نہ ہم ہدایت پاتے نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی نہ روزہ کی..... ہم ہیں ہی کیا چیز ہماری کیا اوقات کہ ہم کسی عمل کو کر کے اس پر ناز کریں بس یہ تو ہمارے اللہ کی رحمت ہے جو ہمیں اعمال کی توفیق ملتی ہے.....''

# پیاسے کتے کو پانی پلانے کے سبب سے فاحشہ کی مغفرت

**23** حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہُ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ایک کنجری (فاحشہ عورت) کی مغفرت کر دی گئی (سبب یہ ہوا کہ) وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو شدت پیاس کے سبب زبان نکالے کنوئیں کے کنارے پر کھڑا تھا..... عورت کو اس کتے پر ترس آیا، اور اس نے سوچا کہ یہ کتا اللہ

تبارک وتعالیٰ کی مخلوق ہے..... اور پیاس سے بے چین ہے اس کتے کو پانی پلانا چاہتے اس نے ڈول تلاش کیا تو کوئی ڈول وہاں نہیں ملا آخر اس نے اپنے پاؤں سے ایک چمڑے کا موزہ اتارا اور کسی طرح اس کنویں سے پانی بھرا اور اس کتے کو پلا دیا..... اور اس کی پیاس دور کر دی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ صرف اس عمل پر اس کی مغفرت فرما دی..... (مشکوٰۃ ص ۱۶۸ بخاری ج ۱)

بتایئے! اگر وہ عورت یہ سوچتی کہ میں تو ایک فاحشہ عورت ہوں' میں تو جہنم کی مستحق ہوں اگر میں نے کتے کو پانی پلانے کا یہ چھوٹا سا عمل کر بھی لیا تو کونسا انقلاب آ جائے گا..... اگر وہ یہ سوچتی تو اس عمل سے بھی محروم ہو جاتی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اس کی نجات نہ ہوتی بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عمل پر اس کی نجات فرما دی.....

## اللہ کا انسان سے شکوہ

حق تعالیٰ نے اپنے ایک معزز نبی پر وحی بھیجی کہ:

اے میرے نبی تم جو لوگ کہ گنہگار ہیں (مگر مشرک نہیں ہیں) آپ انہیں میری وسیع رحمت کی خبر دیدو اور جو لوگ کہ مجھ سے بھاگتے ہیں اور میری یاد اور میری بندگی نہیں کرتے انہیں میری طرف رجوع کراؤ اور جو لوگ کہ میری طلب میں ہیں انہیں سیدھی راہ کی طرف راہ دکھاؤ اور جو میرے گنہگار بندے ہیں انہیں صاف طور پر کہدو کہ تم توبہ کرو تمہارے لئے قبولیت کا بچھونا بچھا رکھا ہے ان سے کہدو کہ میری بے اندازہ بخشش کے مقابلے میں ان کے گناہ کچھ بھی قابل وقعت نہیں ہیں کہ میرے کرم کی دھواں دھار بارش کا ایک چھوٹا سا قطرہ ان کے گناہوں کے بڑے سے بڑے انبار کو باقی نہ چھوڑے گا.....

اے میرے پیارے نبی! جبکہ یہ میرا برتاؤ گنہگاروں کے ساتھ ہے تو جو کہ نیک لوگ ہیں ان کے ساتھ کیسا خوبی بھرا برتاؤ ہو گا.....

اے میرے مقدس نبی! ان لوگوں کیلئے مبارک بادی ہے کہ جنہوں نے اپنے دل میری محبت سے لبریز کر لئے اور اپنے تمام اوقات میرے لئے خرچ کر دیئے کہ جن کے دن روزے میں گذرتے ہیں اور جن کی راتیں قیام میں بسر ہوتی ہیں میں ان کی ہر ہر بات سے اطلاع رکھتا ہوں اور میرے مقرب فرشتے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں..... اور میری جنت ان کی مشتاق اور میری رحمت سے ان کے دل معمور ہیں وہ میری مناجات کے وقت کبوتروں جیسا نالہ کرتے ہیں اور یتیموں پر رحم کھا کر روتے ہیں انکی آہ و نالہ کی آواز میرے نزدیک فرشتوں کی تسبیح سے افضل ہے..... مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ میں انہیں قسم قسم کی نعمتوں سے بھر پور کر دوں گا.....

اے میرے معصوم نبی! جو گنہگار ہے وہ مجھ سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے بلکہ قیامت آخر کو وہ میری ہی طرف رجوع ہوگا اور میں اس کے کئے کو اس پر ظاہر کروں گا.....

مجھے اپنی عزت کی قسم اگر میں چاہوں تو اس کے منہ کے لعاب کو میں اس کے گلے میں پھنسا دوں جس سے اس کا گلا گھٹ جائے یا اس کے بدن کے کپڑوں میں آگ لگا دوں جس سے وہ جل جائے مگر میں نے اسے قیامت کے دن تک مہلت دے رکھی ہے اور اس دن کسی قسم کا عذر سنا نہ جائے گا.....

## میرے سوا میرے بندے کا کون ہے؟

**24** حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

جب بندہ اپنی جان پر گناہ کر کے ظلم کرتا ہے اور پھر نادم ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اونچے کرتا اور یا رب یا رب کہتا ہے تب فرشتے اس کی آواز کو روک دیتے ہیں اور اوپر کی جانب کو چڑھنے نہیں دیتے..... پھر وہ یا رب یا رب کہتا ہے اور فرشتے روک دیتے ہیں غرضیکہ تین دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر چوتھی دفعہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو تم میرے بندہ کی اس پیاری آواز کو مجھ سے کب تک روکو گے چونکہ میرے بندہ کو اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ میرے

سوا اس کا پروردگار اور میرے سوا اس کے گناہ کا بخشنے والا کوئی نہیں ہے..... لہٰذا میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا..... (انوار العارفین ص ۳۴۴)

## قیامت کا دن اور رحمت الٰہی

**25** حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت موسلا دھار برسے گی قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اتنی برسے گی اور ایسا اللہ تبارک وتعالیٰ رحمت کا معاملہ فرمائیں گے کہ شیطان بھی سر اٹھا کر دیکھے گا.....

(حیرت کے باعث)

## بوڑھے مسلمان پر خصوصی رحمت

**26** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں..... عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟..... ارشاد فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ:

"اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کو عذاب دینے سے شرماتے ہیں جو اسلام میں بوڑھا ہوا تو خود وہ شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے کیوں نہیں شرماتا جو اسلام میں بوڑھا ہو گیا ہے....." (تنبیہ الغافلین ص ۹۳)

## رحمت الٰہی پر عجیب حدیث

**27** "اذا بلغ عبدی خمسین سنة حاسبته حساباً یسیراً"

"جب یہ میرا بندہ پچاس برس کا ہو جائے' میرے نبی کا کلمہ پڑھتا ہو تو میں پھر اس کا حساب آسان کر دیتا ہوں....."

فرمایا میں بھی داخل نہیں ہوسکتا مگر جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے‘‘

(بخاری ومسلم)

## جنت کا ٹکٹ: مہربانی کرنا

**32** جنت میں وہی شخص جائے گا جو رحمدل ہو..... صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یوں تو ہم سب ہی مہربانی کرتے ہیں؟..... ارشاد فرمایا صرف اپنے اوپر رحم کرنا مراد نہیں بلکہ عامۃ الناس پر مہربانی کرنا مراد ہے..... پھر اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان پر مہربانی فرماتے ہیں.....

## خطاونسیان ورحمت الٰہی

**33** ’’عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ‘‘

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

’’اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے لئے امت سے غلطی اور بھول چوک اور جس چیز پر اسے زبردستی مجبور کر دیا گیا ہو درگزر فرمایا.....‘‘ (ابن ماجہ)

## رحمت الٰہی پر ایک صحابیؓ کا سوال

**34** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’’ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! بروز قیامت کون مخلوق کا حساب کرے گا آپ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ تو اس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے رب کعبہ کی! کہ پھر تو ہم نجات پا گئے آپ نے دریافت کیا اے اعرابی یہ کیسے؟..... اس نے جواب دیا اس

لئے کہ کریم جب قابو پالیتا ہے تو معاف کر دیتا ہے.....'' (حیاۃ الصحابہ)

# جان سے زیادہ مہربان اللہ

**35** ایک غزوہ میں رسول مقبول ﷺ تشریف لے جا رہے تھے کہ:

ایک عورت کو آگ سلگاتے ہوئے دیکھا اس کا بچہ بھی پاس بیٹھا ہوا تھا وہ اس کو آگ سے بچاتی تھی حضور ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہارے خیال میں یہ بات آ سکتی ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے صحابہ نے عرض کیا نہیں..... حضور ﷺ نے فرمایا: بخدا اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے بندہ سے ماں سے بھی زیادہ محبت ہے.....

(صبر و شکر ص ۳۹۴)

جو لوگ اطاعت کرنے والے ہیں ان سے تو خدا کو محبت کیوں نہ ہو خدا کی رحمت تو نافرمان کے ساتھ بھی بہت کچھ ہے کیا خدا کو قدرت نہیں کہ بجلی گرا کر سب نافرمانوں کو ایک دم سے ہلاک کر دے مگر ہلاک کرنا تو کیسا اکثر کوئی ظاہری تکلیف بھی تو ظالموں کو نہیں ہوتی.....

شیخ سعدی نے سچ کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ:

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گبر وترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمناں نظر داری

اے بخشش کرنے والے تو اپنے خزانہ غیب سے یہودی اور آتش پرست تک کو روزی دیتا ہے..... پھر تو اپنے دوستوں کو اپنے الطاف سے کیونکر محروم کرے گا جب کہ تو دشمنوں پر بھی نظر رکھتا ہے (خطبات حکیم الامت)

اگر کوئی نوکر ہماری نافرمانی کرے تو ہمارا بس چلے تو بدوں خون پیئے نہ رہیں اور اسی پر اکتفا نہ کریں' بلکہ اس کے ساتھ اس کے خاندان بھر سے انتقام لیں پھر بھی دل ٹھنڈا نہ ہوتو

کیا خدا تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو برباد نہیں کر سکتے؟..... ان کو کون سی چیز مانع ہے مگر باجود اس قدرت وعظمت کے ان کی تو یہ شان ہے.....

## سچے دل سے اللہ کہنے کا انعام

36 عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آدمی پر آگ حرام کر دی جس نے سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا''.....

## اللہ کو ایک ماننے کی فضیلت

37 انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس آدمی نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور جس کے دل میں ایک جو کے برابر بھی بھلائی ہوئی' اسے آگ سے نکالا جائے گا' پھر اس کو نکالا جائے گا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھلائی ہوئی' پھر آگ سے اسے نکالا جائیگا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھلائی ہوئی..... (منہاج القاصدین)

## بارش کے قطروں سے زیادہ گناہ

38 ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ:

ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت گنہگار ہوں۔ بیان ختم کرنے کے بعد مدنی تاجدار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا تیرے گناہ ستاروں سے بھی زائد ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ بارش کے قطروں سے بھی زائد ہیں؟ اس نے جواب دیا، ہاں..... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا درختوں کے پتوں سے بھی زائد ہیں؟ اس نے جواب دیا، ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا تیرے گناہ

اللہ کی رحمت سے بھی زیادہ ہیں؟..... اس سوال پر وہ خاموش ہو کر رونے لگا سرکار ﷺ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ کہو اللہ تبارک وتعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا..... (انیس الواعظین)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ چاہے گناہ جتنے زیادہ ہوں اگر بندہ اسے پکارتا ہے اور اسی سے امید قائم کرتا ہے تو وہ بخش دے گا اور ان گناہوں کو کوئی اہمیت نہیں دیگا.....

بندے کے گناہ چاہے جتنے بڑے ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے عفو و کرم کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں..... اس کی بخشش ان گناہوں سے کہیں زیادہ بڑی ہے.. (گنجینۃ الحکمت)

## اللہ کی رحمت گناہوں سے بڑی ہے

**39** مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور دو یا تین بار ہائے میرے گناہ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہو:

**''اللھم مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک أوجی عندی من عملی''**

اے اللہ! آپ کی بخشش میرے گناہوں سے بڑی ہے اور آپ کی رحمت میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ پُرامید چیز ہے.....

اسنے پڑھ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر دہراؤ وہ دہرا چکا' تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر دہراؤ (یعنی تین بار) وہ دہرا چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں معاف فرما دیا (مستدرک وگنجینۃ الحکمت)

## دعا پر 3 چیزوں کا انعام

**40** مسند احمد وحاکم میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی مسلمان کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ یا قطع

رحمی نہ ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے تین چیزوں میں ایک ضرور عطا فرماتا ہے..... یا تو اس کی دعا جلد قبول کر لیتا ہے یا آخرت کے لئے جمع کر دیتا ہے یا پھر اسی جیسی کوئی برائی اس سے پھیر دیتا ہے لوگوں نے عرض کیا تب تو ہم زیادہ دعا کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے''..... (مسند احمد)

## میرے بندے میں نے تجھے معاف کیا

**41** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

''مومن کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قریب لاکر مخلوق سے آڑ میں کر لے گا پھر اسے اس کا ایک ایک گناہ بتائے گا اور فرماتا جائے گا کہ کیا تم اسے مانتے ہو؟ وہ اثبات میں جواب دیتا جائے گا اور پھر بندہ دائیں بائیں دیکھے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے میں نے تجھے معاف کیا.....''

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

ترجمہ: اے پروردگار! اگر میرے گناہ بہت اور بڑے ہو گئے تو میں جانتا ہوں کہ آپ کی بخشش ان سے زیادہ بڑی ہے.....

اگر صرف نیکی کرنے والا آپ سے آس لگائے تو مجرم کسے پکارے گا اور کس سے آس لگائے گا؟.....

میرا صرف ایک ہی وسیلہ ہے' آپ سے امید اور آپ کی بہترین بخشش پھر یہ کہ میں آپ پر ایمان رکھتا ہوں.....

## میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے

**42** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان اللہ کتب کتابا یوم خلق السموات والارض ان رحمتی تغلب غضبی و فی روایۃ فھو موضوع عندہ فوق العرش'' (ابن ابی الدنیا)

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یہ لکھ دیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ اور ایک روایت میں (یہ اضافہ بھی ہے) کہ (اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ لکھ کر) اپنے پاس عرش پر رکھ دیا ہے.....'' (جنت کے حسین مناظر)

## اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دیں گے مگر؟

**43** جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان الام لاتلقی ولدھا فی النار فاکب رسول اللہ ﷺ یبکی ثم رفع رأسہ الینا فقال ان اللہ عزوجل لا یعذب من عبادہ الاالمار المتمرد الذی یتمرد علی اللہ ویابی ان یقول لا الہ الا اللہ''

''ماں اپنے بچے کو بھی آگ میں نہیں ڈالتی اس کے بعد حضور اکرم ﷺ خوب روتے رہے پھر آپ نے اپنا سر مبارک اٹھا کر ہماری طرف توجہ کی اور ارشاد فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دیں گے (یعنی دوزخ میں نہیں ڈالیں گے) مگر سرکش متکبر کو اور وہ جو کلمہ لا الہٰ الا اللہ پڑھنے سے انکار کرے.....''

یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اگر اس کا مضمون درست ہو تو اس حدیث کو پڑھ کر قارئین رحمت خداوندی کو دیکھ کر گناہوں میں ملوث نہ ہوں ورنہ رحمت کے سہارے پر گناہوں پر سرکشی کرنے والوں میں شریک ہو جائیں گے اور سرکش پر رحمت نہ ہونے اور دوزخ میں جانے کا آپ اسی حدیث میں پڑھ چکے ہیں.... (بخاری ومسلم وطبرانی)

## ابلیس کو بھی رحمت کی امید ہونے لگے گی

**44** حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا:

’’مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے دین کے معاملہ میں گناہ میں ملوث ہونے والا اور احمق حماقت میں مبتلا بھی ضرور جنت میں داخل ہوگا..... اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ شخص بھی جنت میں ضرور داخل ہوگا جس کے کولہوں کو آگ جلا دے گی..... اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اتنا وسیع پیمانہ پر رحمت کا معاملہ فرمائیں گے کہ ابلیس کو بھی رحمت کی امید ہونے لگے گی کہ شاید اس کو بھی رحمت حاصل ہو جائے.....

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۳ بحوالہ طبرانی)

## مؤمن کی بخشش کا بہانہ

**45** حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

’’اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن گنہگار بندے کو اپنے قریب بلائیں گے اور اس پر اپنے بازو کا پردہ ڈالیں گے اور تمام مخلوقات سے اس کو چھپالیں گے اور پردے ہی میں اس کا اعمال نامہ عطا کریں گے اور فرمائیں گے (اے آدم زاد اپنے) نامہ اعمال کو پڑھو۔ تو وہ (اپنے اعمال نامہ کو پڑھتے ہوئے) نیکی کو پڑھے گا تو اسکی وجہ سے اسکا چہرہ روشن ہو جائے گا اور دل خوش ہو جائے گا.....

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے کیا تمہیں اس نیکی کا علم ہے تو وہ عرض کرے گا ہاں اے پروردگار میں (اس کو) جانتا ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے میں نے تم سے اس نیکی کو قبول کیا تو وہ سجدہ میں گر پڑے گا..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے اپنا سر اٹھاؤ اس نیکی کو اپنے اعمال نامہ میں رہنے دو..... پھر وہ شخص (اعمال نامہ پڑھتے ہوئے اپنے) گناہ کے پاس سے گذرے گا تو اس کی وجہ سے شرم کے مارے خود ہی اس کا

چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس سے اس کا دل گھبرا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھیں گے اے میرے بندے اس (گناہ) کو پہچانتے ہو؟..... تو وہ عرض کرے گا ہاں یا رب پہچانتا ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے گے میں اس گناہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں میں نے اس کو تمہاری خوشی کے لئے معاف کیا.....

پس مخلوقات اس کی کسی حالت (شرمندگی اور خوشی) کو نہیں دیکھیں گے سوائے سجدوں کے، حتیٰ کہ مخلوقات سے ایک دوسرے کو ندا کریں گی خوشخبری ہو اس بندے کے لئے جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کی..... کیونکہ ان کو اس صورتحال کا پتہ نہ چلے گا کہ اس مؤمن کا اس کے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان کیا معاملہ گذرا اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے رکا رہا.....

## جنت میں داخلہ صرف رحمت کے سبب ہوگا

**46** علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

جنت میں مسلمانوں کا داخلہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

**''لن یدخل احدکم الجنۃ بعملہ''**

تم میں سے کوئی شخص اپنے اعمال کی بناء پر جنت میں داخل نہیں ہوگا.....

لیکن جنت کے اعلیٰ درجات نیک اعمال کی کثرت کے مطابق عطاء کئے جائیں گے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ:

**''ان اھل الجنۃ اذا دخلوھا نزلوا فیھا بفضل اعمالھم''**

''یعنی جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو اس میں اپنے اعمال صالحہ کے مراتب کے مطابق فائز ہوں گے.....''

## شانِ بخشش کا ظہور

**47** حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ:

میں نے ایک بات رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرماتے تھے کہ ''اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے..... پھر اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا اور اس طرح اس کی شان غفاریت کا ظہور ہوگا..... (صحیح مسلم)

اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گنہگاروں کو پسند کرتا ہے..... اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گنہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے..... بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی..... انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے اور اعمال صالح کی ترغیب دی جائے..... (معارف الحدیث)

## مشرکوں اور کافروں کے لئے پروانہ رحمت

**48** حضرت ثوبان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سنا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرماتے تھے کہ ''مجھے اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا (اور اس کی نعمتوں) کا لینا بھی پسند نہیں.....

''يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ''

''اے میرے بندو جنہوں نے ( گناہ کر کر کے ) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے ) تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ تبارک وتعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے..... ''

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا مشرکوں کے لئے بھی یہی ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے پہلے تو کچھ سکوت فرمایا پھر تین دفعہ فرمایا الا ومن اشرک سن لو مشرکوں کے لئے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہی ارشاد ہے سن لو مشرکوں کیلئے بھی یہی ارشاد ہے ہاں مشرکوں کے لئے بھی میرے مالک کا یہی ارشاد ہے..... (مسند احمد)

## بڑی بشارت

اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ ہے، یہ سورۂ زمر کی آیت ہے..... بلاشبہ اس میں ہر قسم کے گنہگاروں کے لئے بڑی بشارت ہے خود ان کا مالک و پروردگار ان ہی کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ تم بھی میری رحمت سے ناامید نہ ہو آگے اس کا تکملہ یہ ہے:

''وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ''

''اور رخ کر لو اپنے پروردگار کی طرف قبل اس کے کہ تم عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور پھر کوئی تمہاری مدد اور حمایت نہ کر سکے اور جو بہترین ہدایت تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے اسکی پیروی اختیار کر لو اس وقت کے آنے سے پہلے جب اچانک خدا کا عذاب نازل ہو کر تم کو اپنی گرفت میں لے لے اور تمہیں پہلے سے پتہ بھی نہ ہوگا''

اس تکملہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر قسم اور ہر درجہ کے مجرموں اور گنہگاروں کے لئے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے..... کسی کے لئے بھی دروازہ بند نہیں ہے.....

شرط یہ ہے کہ عذاب یا موت کے آنے سے پہلے توبہ کرلیں اور نافرمانی کی راہ چھوڑ کر ہدایت ربانی کی فرمانبرداری اختیار کرلیں.....

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ''رحمت خداوندی'' کا ''منشور عام'' سب کے لئے ہے' کافر اور مشرک بھی اس کے مخاطب ہیں.....

## غضب پر رحمت کا غلبہ

**49** رجاء میں حضور نبی کریم ﷺ سے ایسی بشارتیں مروی ہیں جو کہ عام لوگوں کے سامنے ذکر کرنا مناسب نہیں بلکہ جو ظاہر ہو چکیں ان کا ہم ذکر کرتے ہیں...

ایک حدیث میں ہے:

## جہنم اللہ تعالیٰ کا کوڑا ہے

**50** اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہنم کو اپنے فضل ورحمت سے ایک کوڑا بنا کر پیدا کیا.....
اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو جنت کیطرف ہنکاتا ہے۔ میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ وہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں اور میں نے ان سے فائدہ حاصل کرنے کی خاطر مخلوق کو پیدا نہیں کیا..... (قوت القلوب)

## رحمت الٰہی سے وسیع کوئی چیز نہیں

**51** حضرت عطاء بن یسار کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان کی حضور نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث میں ہے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی مگر یہ کہ ایسی چیز بھی بنائی جو اس پر غالب آئے اور اپنی رحمت کو ایسا کیا کہ وہ اس کے غضب پر غالب آتی ہے.....''

## رحمت غضب پر حاوی ہے

**52** ایک خبر مشہور ہے:

مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آپ پر یہ لکھ دیا کہ میری رحمت، میرے غضب پر غالب آئے گی.....

## لا الٰہ الا اللہ جنت میں داخلے کا پروانہ ہے

**53** حضرت معاذ بن جبل اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اخبار مشہور میں ہے کہ:

جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو اسے آگ نہیں چھوئے گی..... اور جو اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اسکے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرتا ہو اسپر آگ حرام کر دی گئی..... اور جسکے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھر بھی ہو وہ آگ میں داخل نہ ہوگا..... (قوت القلوب)

## ایک دوسری روایت میں ہے

**54** اگر کافر اللہ کی رحمت کی وسعت جان لے تو اس کی رحمت سے کوئی ایک بھی مایوس نہ ہو.....

بڑے بڑے کبیرہ گناہوں پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے معافی کا قلم پھیر دیا، جب کہ آیات الٰہی سامنے آئیں اور لوگوں نے نافرمانی کی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے معاف فرما دیا..... چنانچہ ارشاد فرمایا:

''ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجَلَ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِکَ''

''پھر بنالیا بچھڑا (معبود) بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس نشانیاں، پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا.....''

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

بندہ پیشی کے وقت اپنے پروردگار تعالیٰ کے قریب ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے! کیا تو نے اپنے اعمال شمار کر رکھے ہیں؟..... وہ جواب دے گا: اے میرے خدا! میں انہیں کیسے شمار کر سکتا ہوں، یہ تیرے ہی بس میں ہے اور تو ہی تمام اشیاء کا حافظ ہے..... پھر اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کی گھڑیوں میں کئے ہوئے تمام گناہ یاد کرائے گا اور فرمائے گا تو میرا بندہ ہے..... اس لئے میں نے جو تمہیں بتا دیا اور یاد کرایا اس کا اقرار کرلو'..... وہ عرض کرے گا: ہاں میرے مالک..... پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا:

''میں نے ہی دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور تیرے گناہوں کی بدبو نہیں نکلنے دی اور نہ ہی تیرے چہرہ پر کوئی دھبہ لگایا..... آج کے دن تیرے مجھ پر ایمان اور میرے مرسلین (علیہم السلام) کی تصدیق کے باعث میں تجھے بخش دوں گا.....''

**55** حضرت محمد حنیفہ نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا..... فرمایا:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

''فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ'' ''سو کنارہ پکڑو اچھی طرح کنارا''

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے جبرائیل! یہ اَلصَّفْحَ الْجَمِيْل کیا ہے؟.....

انہوں نے جواب دیا:

اے محمد! جو تجھ پر ظلم کرے جب تو اسے معاف کردے تو پھر اس پر عتاب نہ کرے.....

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے جبرئیل! تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس قدر و کرم کے ساتھ زیادہ لائق ہے کہ جس کو وہ معاف فرمادے اس پر عتاب نہ کرے، بتاتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رو پڑے اور

حضور اکرم ﷺ بھی روئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو دونوں کی طرف بھیجا اور فرمایا:

''تمہارا پروردگار تم کو سلام فرمار ہا ہے اور تم دونوں کو یہ فرمار ہا ہے کہ ''جس کو میں معاف کردوں اس پر میں کیوں کر عتاب کروں؟ یہ وہ بات ہے کہ جو میرے کرم سے مشابہ نہیں ہے..'' (قوت القلوب)

## حقیقی عالم

**56** نبی ﷺ نے فرمایا ہے

''عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور نہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پکڑ کے انداز سے بے خوف ہونے دے..... (منہاج القاصدین ص ۴۴)

## پیغام مغفرت

**57** حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب شیطان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا:

''فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْم''

کہ ہو جا دفع دور ہو جاؤ' تو مردود ہے' نکل جا میرے دربار سے' تو شیطان نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلال اور غصہ کی حالت میں مہلت مانگی..... کہنے لگا:

''رَبِّ اَنْظِرْنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ'' اے اللہ! آپ مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے دیجئے..... فرمایا:

''نَّکَ مِنَ الْمُنْذَرِیْنَ''

تجھے مہلت دے دی تو شیطان نے قسم کھا کر کہا اچھا اس آدم کی وجہ سے مجھے اس دربار سے نکالا گیا..... اے اللہ میں اسے گمراہ کروں گا اور ورغلاوں گا

''وَلَاتجد اَکْثَرَ هُمْ شَاکِرِیْنَ''

اے اللہ! تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر تیرے ناشکرے ہوں گے.....

جب شیطان نے قسم کھا کر کہا تو رب کریم کی رحمت جوش میں آئی اور فرمایا:

شیطان تو قسمیں کھاتا ہے کہ میرے بندوں کو بہلا کر اور ورغلا کر میرا نافرمان بنائے گا تو ذرا میری بات بھی سن لے بہ تقاضائے بشریت گناہ کرتے رہیں گے..... کرتے رہیں گے..... کرتے رہیں گے..... لیکن اگر اپنی موت سے پہلے پہلے میرے در پر آ کر سچی توبہ کرلیں گے فَبِعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مجھے اپنی عزت کی قسم مجھے اپنے جلال کی قسم میں ان کی توبہ کو قبول کرلوں گا.....

شیطان نے بھی قسمیں کھائیں تو رحمان نے بھی قسمیں کھائیں' سبحان اللہ' اللہ تو نے ہمیں بخشنے کی قسمیں کھائی ہوئی ہیں۔ بلکہ فرمایا ''لا اخذیکم '' کہ میں تمہیں کافروں اور غاصبوں کے سامنے بھی ذلیل اور رسوا نہیں کروں گا۔ بلکہ اس پروردگار نے تو یہ پیغام بھی بھیجا کہ اے میرے بندے! تیرے گناہ اگر آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں..... اگر تیرے گناہ ساری دنیا کی ریت کی ذرات کے برابر ہیں..... اگر تیرے گناہ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کے برابر ہیں تو تیرے گناہ پھر بھی تھوڑے ہیں میری رحمت اس سے بھی زیادہ ہے تو توبہ کرلے گا تو میں تیری توبہ کو پھر بھی قبول کرلوں گا.....

## بندہ کو بین الخوف والرجا رہنا چاہیے

**58** ''قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم المؤمن ماعند اللہ من العقوبة ماطمع بجنته احد ولو یعلم الکافر ماعند اللہ من الرحمة ماقنط من جنته احد'' (متفق علیہ)

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر مومن یہ جان لے کہ خدا کے ہاں کس قدر عذاب ہے تو پھر کوئی شخص اس کی جنت کی امید بھی نہ

رکھے (یعنی عذاب کی فراوانی اسے جنت سے مایوس کر دے) اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کی رحمت کس قدر ہے تو پھر کوئی اس کی جنت سے ناامید نہ ہو.....'' (بخاری،مسلم)

اس حدیث کا منشاء درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کی کثرت کو ظاہر کرنا ہے تا کہ مومن تو اس کی رحمت پر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جائے اور اس کے عذاب سے بالکل بے خوف اور نڈر نہ ہو جائے اور کافر اس کی رحمت سے ناامیدی نہ اختیار کر لے اور توبہ کرنا نہ چھوڑے.....

اور حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ **بین الخوف والرجاء** (خوف اور امید کے درمیان) رہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت پر امید بھی رکھے اور اس کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے..... چنانچہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ''اگر قیامت کے دن یہ اعلان کیا جائے کہ ایک شخص جنت میں داخل ہوگا تو میں امید رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہوں اور اسی طرح اگر یہ اعلان کیا جائے کہ ایک شخص دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو میں گمان رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں..... (مظاہر حق)

## میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

**59** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کسی کا عمل اسے (آگ سے) نجات نہیں دے گا (یعنی صرف عمل ہی نافع نہیں ہوگا بلکہ جب حق تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بھی شامل حال ہوگی تب ہی عمل بھی فائدہ دے گا)

صحابہؓ نے عرض کیا:

''کہ کیا آپ کو بھی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل باوجود کامل ہونے کے نجات نہیں دلائے گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے..... لہٰذا تم لوگ اپنے اعمال کو تیر کی طرح راست و درست کرو عمل میں میانہ روی اختیار

کرو (یعنی کسی عمل کو کمی وزیادتی کے ساتھ نہ کرو) دن کی ابتدائی حصہ میں بھی عبادت کرو دن کے آخری حصہ میں عبادت کرو اور رات میں بھی کچھ عبادت کرو (یعنی نماز تہجد پڑھو) اور عبادت میں بھی میانہ روی اختیار کرو.. اپنی منزل کو پالو گے.. (بخاری ومسلم)

## رحمت الٰہی کے بغیر صرف عمل جنت کی سعادت کا ضامن نہیں

**60** ''وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ لا یدخل احد منکم عملہ الجنة ولا یجیرہ من النار ولا انا الابرحمة اللہ'' (رواہ مسلم)

''اور حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کا عمل نہ اسے جنت میں داخل کرے گا..... اور نہ اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے میرا عمل جنت میں داخل کرے گا) ہاں وہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہوگا.....''

(مسلم)

حدیث کے آخری الفاظ الا برحمۃ اللہ ہاں جو اللہ کی رحمت کے ساتھ ہو' کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے اور دوزخ سے نجات کی سعادت کا باعث وہ عمل ہوگا جسکے ساتھ باری تعالیٰ کی رحمت بھی شامل ہو لہٰذا جنت میں داخل ہونا تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی فضل وکرم سے اس کی رحمت ہی کی بنا پر ہوگا البتہ جنت میں جو درجات ملیں گے..... وہ اعمال کے مطابق ملیں گے یعنی جس کا عمل جس درجہ کا ہوگا اسے وہی درجہ ملے گا..... (مظاہر حق)

## جزاء اور سزا میں رحمت الٰہی کا ظہور

**61** حضرت ابوسعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی بندہ اسلام قبول کرتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے (یعنی نفاق سے پاک صاف ہوتا ہے) کہ اس کا ظاہر اور باطن یکساں ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ دور کردیتا ہے..... جو اس نے قبول اسلام سے پہلے کئے تھے اور اس کے بعد اسے بدلہ ملتا

ہے..... جس کا حساب یہ ہے کہ ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے لیکر سات سو تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں (یعنی اسلام لانے کے بعد وہ بھی جو عمل کرتا ہے) بلکہ سات سو سے بھی زیادہ اور برائی کا بدلہ اسی کے مانند ملتا ہے (یعنی جتنی برائی کرتا ہے وہ اتنی ہی لکھی جاتی ہیں) بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بھی درگذر کرتا ہے.....'' (بخاری)

یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے اور اس کے فضل وکرم کا اثر ہے کہ وہ ایک نیکی پر دس گنا سے سات سو گنا تک جزاء سے نوازا جاتا ہے بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کی مشقت وریاضت اور صدق واخلاص کے موافق اس سے بھی زیادہ جزاء سے بہرہ مند فرماتا ہے..... مگر بدی کی سزا اس بدی کے بقدر دیتا ہے چنانچہ جو جتنی برائی کرتا ہے اسے صرف اتنی ہی سزا ملتی ہے بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کی اس برائی کو معاف فرمادیتا ہے اور اُسے اتنی سزا سے بھی بچالیتا ہے.....

## لوح محفوظ میں نیکی اور برائی کے بارے میں کیا لیکھا ہے؟

**62** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھی (یعنی فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ لوح محفوظ میں نیکیوں اور برائیوں کے بارے میں یہ تفصیل لکھ دیں کہ) جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ اس پر عمل نہ کر سکے (یعنی ارادہ کے باوجود وہ کسی عذر کی بناء پر اس نیکی کو کرنے پر قادر نہ ہو سکے) تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں اس ارادہ ہی) کو ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے..... اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس نیکی کو کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے (یعنی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے بحسب اخلاص اور ادائیگی شرائط وآداب اس سے بھی زیادہ ثواب لکھتا ہے) اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ

کرے اور پھر ( خدا کے خوف کی وجہ سے ) اس برائی میں بھی مبتلا نہ ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے..... اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا تو پھر اس برائی میں مبتلا بھی ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کیلئے ایک ہی برائی لکھتا ہے.....''

( بخاری و مسلم )

نیکیوں سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو کرنے سے ثواب ملتا ہے اور برائیوں سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو کرنے سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے.....

جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ نیکی کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس کے لئے بھی ایک نیکی اس لئے لکھی جاتی ہے کہ کسی بھی عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر اور افضل ہوتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ اصل تو نیت ہی ہے عمل کا درجہ اس کے بعد ہے کیونکہ عمل کے بغیر صرف نیت پر ثواب دیا جاتا ہے..... مگر نیت کے بغیر صرف عمل پر ثواب نہیں دیا جاتا ہے اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ بغیر عمل کے نیت پر جو ثواب ملتا ہی وہ مضاعف نہیں ہوتا.....

نیکی پر ثواب کے مضاعف ہونے کی مقدار کو سات سو تک تو بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ ثواب میں کتنا اضافہ کرتا ہے اس کی آخری حد اور مقدار کسی کو معلوم نہیں ہے کیونکہ سات سو کے بعد کے مقدار کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مبہم رکھا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف رغبت دلانے کے لئے اس کو معین کر کے ذکر کرنے کے بجائے مبہم ذکر کرنا اور زیادہ موثر ہوتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

''فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ''

# برائیوں سے تائب ہو کر نیکیاں کرنے والے کی مثال

63 حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص برائیاں کرتا ہے اور پھر نیکیاں کرنے لگے اور اس کی حالت اس شخص کی سی ہے جس کی جسم پر تنگ زرہ ہو اور اس زرہ کے حلقوں نے اس (کے جسم) کو بھینچ رکھا ہو..... پھر وہ نیکی کرے اور اس کی زرہ کا ایک حلقہ کھل جائے پھر وہ دوسری نیکی کرے اور دوسرا حلقہ کھل جائے..... یہاں تک کہ (اسی طرح) اس کے حلقے کھلتے چلے جائیں اور وہ ڈھیلی ہو کر زمین پر گر پڑے..... (شرح السنۃ)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ برائی کرنے سے سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور برائی کرنے والا نہ صرف یہ کہ اپنے تمام امور میں ضمیر کی صحیح رہنمائی سے محروم ہوتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی تمام فکری راہوں پر یقین واعتماد اور سکون استقلال کے نور کے بجائے' تحیر وگھبراہٹ اور اضطراب وعدم استقلال کے تاریک سائے ہوتے ہیں..... بلکہ وہ لوگوں کی نظروں میں بے وقعت اور کمتر ہو جاتا ہے اور تمام ہی نیکی پسند انسان اسے غصہ اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اس کے برعکس نیکی کرنے سے سینہ کشادہ اور فراخ ہوتا ہے..... اور نیکی کرنے والا اپنے ہر کام میں آسانی وسہولت اور یقین واعتماد کے سکون وآمیز اثرات محسوس کرتا ہے نیز یہ کہ وہ لوگوں کی نظروں میں محبوب وپسندیدہ اور باوقعت رہتا ہے.....

حدیث بالا میں اسی بات کو تنگ زرہ سے مشابہت دی گئی ہے کہ تنگ زرہ پہننے سے جسم تنگی اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے..... اور اس زرہ کا بدن پر سے کھلنا فراخی اور خوش دلی کا باعث ہوتا ہے..... (مظاہر حق)

## باب نمبر14

# رجا اور حسن ظن سے متعلق احادیث: امید کی حقیقت

امام غزالی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

مستقبل میں بھلائی کی امید کا نام ''رجا'' ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس امید کو تمنا' غرور یا حماقت کہیں' احمق لوگ ان میں فرق نہیں کرتے اور سبھی کو امید کا نام دیتے ہیں..... حالانکہ ایسا ہے نہیں بلکہ اگر کوئی شخص اچھا بیج ڈھونڈ کر نرم زمین میں بوئے اور اس زمین کو کانٹے گھاس وغیرہ سے صاف رکھے اور وقت پر اس کی سیرابی کا اہتمام کرے اور اس کی امید رکھے کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی حوادث و آفات سے بچائیں گے تو پیداوار حاصل کروں گا تو اس کو امید اور رجا کہتے ہیں..... اور اگر سڑا ہوا بیج بو یا زمین سخت ہو اور اس کو خورد گھاس وغیرہ سے صاف بھی نہ کرے یا اس کی سیرابی کا اہتمام بھی نہ کرے اور پھر پیداوار کی توقع رکھے تو یہ غرور اور حماقت ہے رجا نہیں لیکن اگر اچھا بیج صاف ستھری زمین میں بوئے لیکن اسے سیراب نہ کرے اور مینہ برسنے کی تمنا رکھے اور جگہ ایسی ہو جہاں بالعموم بارشیں نہ ہوتی ہوں لیکن بارش کر برسنا محال بھی نہ ہو تو اس کو آرزو اور تمنا کہتے ہیں..... اسی طرح جو شخص ایمان کا صحیح بیج سینہ کے میدان میں بوئے..... اور سینہ کو برے اخلاق سے صاف رکھے اور عبادت سے ایمان کے پودے کو سینچتا رہے اور اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے آس وابستہ رکھے کہ وہی آفتوں سے بچانے والا ہے..... اور مرتے دم تک یہ شخص محتاط رہے اور ایمان کی سلامتی کا پروانہ لے کر دنیا سے رخصت ہو تو یہ امید رجا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ مستقبل میں جو نیکی ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرے اور احتیاط کا دامن ملحوظ رکھے اس لئے کہ کھیت کی حفاظت سے غافل ہونا نا امیدی کی نشانی ہے امید کی نہیں اور اگر ایمان کا بیج ہی خدانخواستہ سڑا ہوا ہو

یعنی یقین کامل کی دولت سے محروم ہو یا یقین کامل تو ہو لیکن برے اخلاق سے سینے کو پاک نہ کرے اور عبادت سے سیرابی کا اہتمام نہ کیا جائے تو رحمت کی امید حماقت ہے.....

(کیمیائے سعادت)

## شیطانی دھوکہ

اور گناہ کرتے ہوئے رحمت کی امید رکھنا یہ شیطان کا دھوکہ ہے اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**''الاحمق من اتبع نفسه هوا ها و تمنى على الله''**

''وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہے.....''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! مخلوق کے حساب کا کون والی ہے؟ (یعنی کون حساب لے گا) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ اس نے عرض کیا: کیا وہ خود (حساب کتاب) لے گا؟..... آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں.....

راوی بتاتے ہیں..... اس پر اعرابی مسکرادیا حضور اکرم ﷺ نے پوچھا اے اعرابی کس بات سے ہنستے ہو؟..... اسنے عرض کیا:

کریم جب قدرت حاصل کرتا ہے تو معاف کرتا ہے.....

ایک روایت میں ہے کہ:

درگزر کرتا ہے اور جب حساب لیتا ہے تو تسامح کرتا ہے.....

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اس نے سچ کہا یاد رکھو اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر کوئی کرم کرنے والا نہیں وہ سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے.....

## گمان کے مطابق فیصلہ

مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ:

''قیامت کے دن ایک بندہ کو دوزخ کا حکم ہوگا وہ کہے گا میرا گمان اس طرح نہیں تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کہے گا تیرا گمان کیا تھا؟..... وہ کہے گا میرا گمان تو یہ تھا کہ تو مجھے بخش دے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا اس کو چھوڑ دو.....''

معلوم ہونا چاہئے کہ امید کی دوا کے یہ دو آدمی بطور خاص محتاج ہیں:

ایک وہ آدمی جس پر ناامیدی غالب آچکی ہو کہ وہ عبادت چھوڑ دے.....

دوسرا وہ جس پر خوف غالب آچکا ہو یہاں تک کہ نفس اور اہل کو نقصان پہنچائے.....

(منہاج القاصدین)

## ناامیدی کا گناہ

ایک آدمی پر خوف کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اس کے ہوش جاتے رہے اور وہ ناامید ہو بیٹھا..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے فرمایا:

اے آدمی! تیرے گناہ سے زیادہ تیری اپنے رب سے ناامیدی بڑا گناہ ہے.....

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہی میں گناہگار بندے کو چین ملتا ہے اور ناامیدی اختیار کرنا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے اس لئے کہ اس طرح اس نے اپنے جی سے ہی خدا کی صفات مرجوہ (یعنی امید وکرم) کو کاٹ دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس فعل کی مذمت فرمائی چنانچہ (قنوطیت) سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ ہے.....

(قوت القلوب)

''وعن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنهما انه سمع رسول اللہ ﷺ قبل موته بثلاثة ایام یقول لایموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عزوجل''

(رواہ مسلم)

''حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی وفات سے تین روز پہلے سنا آپ ﷺ ارشاد فرمار ہے تھے کہ ''تم میں سے کوئی ہرگز نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو کہ حق تعالیٰ معاف فرمادیں گے اور بخش دیں گے.....''

# حق تعالیٰ سے امید رحمت وعفو رکھنا فرض عین ہے

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں..... (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں ہے کہ:

جو گمان بھی رکھے کوئی گمان رکھنے والا (منہاج القاصدین)

مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کسی آدمی کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ اس کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعلق اچھا گمان ہو..... (مسلم)

# رحمت الٰہی کی حقیقت

بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہمارے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے..... لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اب جتنے چاہو گناہ کرتے رہو ساری زندگی گناہوں میں گزار دو بس ایک دن پیاسے کتے کو پانی پلادیں گے تو سب

گناہ معاف ہو جائیں گے..... یہ سوچ بالکل غلط ہے اس لئے کہ ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون ہے اور ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا اس کو اس گناہ کا عذاب بھگتنا ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور کرم یہ ہے کہ کسی بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرمادے..... لیکن اس کرم اور رحمت کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ کس عمل پر کس وقت ہوگی؟..... اور کس وقت نہیں ہوگی؟..... لہذا اس بھروسے پر آدمی گناہ کرتا رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں کوئی عمل قبول ہو جائے گا اور گناہ معاف ہو جائیں گے یہ بات نہیں ہے.....

بلکہ جتنا ہم اپنی ذات سے گناہ سے بچ سکتے ہیں بچیں چاہے وہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ:

میرے بندے تو چھوٹے گناہ کو چھوٹا نہ سمجھ بلکہ تو یہ سوچ کہ تو کس کے سامنے گناہ کر رہا ہے.....

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ چھوٹے گناہ پر پکڑ کرلے تو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں..

## اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے توبہ نہ کرنا بڑی غلطی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بعضے لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور معافی کے ناز پر توبہ نہیں کرتے حالانکہ رحمت اور معافی کی خبریں اس لئے دی گئیں ہیں کہ توبہ نہ کرنے والے کو ناامیدی نہ ہو اور یہ خبریں اس لئے نہیں ہیں کہ اور دلیر ہو کر گناہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ کا احسان اور رحمت کی خبریں سننے کا اثر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ اور بھی تابعداری زیادہ کرتے نہ کہ اور گستاخی اور نہ نافرمانی کی جائے..... چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت اور تابعداری کرتا ہے نہ گستاخی اور نافرمانی..... (تسہیل المواعظ)

# رحمت الٰہی پر ایک اثر انگیز مضمون

میرے عزیزو! شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اس کی تو یہ چاہت ہے کہ کوئی بھی انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب نہ بنے لہٰذا پہلے تو وہ کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں لگاتا ہے..... جب وہ شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرلیتا ہے تو شیطان اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے بہت سے لوگ توبہ اسی وجہ سے نہیں کرتے کیونکہ وہ شیطان کے کہنے پر یہ سوچتے ہیں کہ ۴۰ سال تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دیئے اب جہنم تو طے ہے لہٰذا کیوں نہ چند برس اور عیاشی کر لی جائے..... اس طرح کر کے شیطان لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرتا ہے..... حالانکہ ایک حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے رحمت الٰہی کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''لو بلغت ذنوبک عنان السماء .........''

''اے میرے بندے اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں''

یعنی مفہوم یوں بنا کہ اے میرے بندے اگر تیرے گناہ زمین کو بھر دیں ساری زمین تیرے گناہوں سے بھر جائے حتیٰ کہ یہ خلا جو زمین آسمان کے درمیان ہے وہ بھی تیرے گناہوں سے بھر جائے اور پھر تیرے گناہوں کا سمندر بلند ہوتے ہوتے آسمان تک پہنچ جائے.....

''ثم استغفرتنی'' ''پھر تو استغفار کرلے اپنے گناہوں پر''

یعنی مفہوم یہ ہوا کہ پھر تجھے اپنے گناہوں پر ندامت پیدا ہوجائے کہ میں نے اس اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کی جس کی مجھ پر لاتعداد نعمتیں ہیں میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا رزق کھایا اس رزق سے جو آنکھوں میں قوت پیدا ہوئی پھر ان ہی آنکھوں کو اللہ

تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی والی جگہوں پر استعمال کیا یہ احساس بندگی پیدا ہوا پھر دو آنسوں بہا کے توبہ کر لے.....

''غفرت لک ولا ابالی''

''میں تیرے تمام گناہ کو معاف کر دوں گا مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے.....''

اس حدیث سے رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے رحیم ہے.....

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں کبیرہ گناہ کی علامات میں ایک علامت یہ بھی لکھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کبیرہ گناہ ہے..

## گناہوں کی کثرت پر رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک وعظ میں ارشاد فرمایا کہ:

بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں' بہت ہیں' بہت ہیں' اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟..... فرمایا: اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا..... گندگی اور نجاست میں اس کا پورا بدن لت پت تھا..... اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں کس منہ سے تجھ میں اتروں میں تو اتنا گندا ہوں..... اتنا گندا ہوں' اگر میں تجھ میں اتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کر دے گی' اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہو جائے گا' ناپاک ہو جائیگا.....

اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں تو آ کر تو دیکھ تیری گندگی بھی صاف ہو جائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا..... ایک

آدمی کے نہانے سے سمندر گندا ہوجاتا ہے؟ دریا گندا ہوجاتا ہے؟.....

## رحمت الٰہی کا ایک قطرہ سمندر کے برابر گناہ دھودیتا ہے

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ:

یہی مثال ہے سمندر تو ایک مخلوق ہے اس میں دنیا بھر کی گندگی ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے تو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟..... اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی رحمت کا چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کیلئے کافی ہے اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائے غرضیکہ ہم لوگ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی مغفرت کے طالب ہیں، اور جولوگ رحمت الٰہی سے مایوس ہیں ان کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

اگر دنیا میں عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا تو ان پر اتارتا جو میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں..

میرے دستو! اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نے انسان کے اندر تعسر کا مادہ رکھا ہے، ماں ناراض ہوجائے تو منانے میں ہفتہ لگ ہی جاتا ہے' باپ ناراض ہوجائے تو زور لگے گا' بیوی ناراض ہوجائے تو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں لیکن اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کے یہاں ایسا نہیں ہے اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی تعسر سے پاک ہے.....

ایک شخص نے ۷۰ سال اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی نافرمانی میں گزار دیئے اب ۷۰ سال کے بعد وہ ندامت سے کہتا ہے کہ:

''اے اللہ تو میرے گناہوں کو معاف کردے''

تو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اس سے یہ نہیں کہتے کہ ''میں نہیں معاف کرتا تو نے ۷۰ سال نافرمانی کی'' بلکہ جب بندہ توبہ کرتا ہے کہ ''اے اللہ معاف کردے'' تو ایک سیکنڈ میں اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں.....

خلاصہ: ساری زندگی بھی اگر کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہے لیکن بس ندامت سے دو آنسو بہالے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے سارے گناہوں کو معاف کردیں گے.....

## اللہ تعالیٰ تو بندے کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں

ایک بندہ جب توبہ کرتا ہے تو آسمانوں پر چراغاں ہوجاتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کے ذریعے ساتوں آسمانوں پر یہ اعلان کراتے ہیں میرے ایک بندے نے صلح کرلی میرا ایک روٹھا ہوا بندہ واپس آ گیا.....

حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات صمد (بے نیاز) ہے اس کو کسی کی ضرورت نہیں، سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اسے خالق اور مالک سے بگاڑ کر زندگی گذارنے والا خود بڑا ہی نادان ہے یہ نادان بھی اگر مانگتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسکو بھی دیتے ہیں:

''ان سألتنی اعطیتک'' ''تو مانگتا ہے تو میں دیتا ہوں''

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی تعسر سے پاک ہے.....

## باب نمبر 15

# رحمت الٰہی پر صوفیاء کے اقوال

**ملفوظ نمبر 1** حضرت وہب بن منبہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ

میں نے تورات میں چار سطریں مسلسل دیکھیں، جن میں پہلی سطر کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی کتاب پڑھتا ہے اور پھر بھی یہ گمان رکھے کہ اس کی بخشش نہ ہوئی ہوگی تو وہ شخص اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی آیات کے ساتھ مذاق کرنے والا ہے..... (تنبیہ الغافلین)

**ملفوظ نمبر 2** حضرت قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ انجیل میں یہ مضمون لکھا ہے کہ:

اے ابن آدم! جیسا تو رحم کریگا ویسا ہی تجھ پر رحم کیا جائیگا تو اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی رحمت کی امید کیسے رکھتا ہے جب کہ تو خود اسکے بندوں پر رحم نہیں کھاتا..... (تنبیہ الغافلین)

**ملفوظ نمبر 3** حضرت ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ وہ بچوں سے چڑیاں خرید کر چھوڑ دیتے اور فرمایا کرتے تھے "جا عیش کر"......

**ملفوظ نمبر 4** شفیق زاہد فرماتے ہیں کہ:

جب تو کسی شخص کا برا تذکرہ کرتا ہے اور اس پر مہربانی کا کوئی قصد نہیں کرتا تو تیرا حال اس سے بھی برا ہے اور جب تو کسی مرد صالح کا ذکر کرتا ہے مگر طاعت خداوندی کی چاشنی اپنے قلب میں محسوس نہیں کرتا تو تو اچھا آدمی نہیں ہے.....

**ملفوظ نمبر 5** رحم کرنا: حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ:

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کسی بے رحم پر رحم نہیں فرماتے اور جو کسی کو معاف نہیں کرتا اس کی بخشش نہیں فرماتے جو کسی کی توبہ کی پرواہ نہیں کرتا اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے.....

ملفوظ نمبر 6 بعض صحابہ سے روایت ہے کہ:

رحمن رحم کرنے والوں پر مہربان ہوتا ہے..... تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا.....

ملفوظ نمبر 7 ایک حدیث پاک میں ہے کہ:

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتے.....

ملفوظ نمبر 8 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں ہے کہ:

''عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے مایوس نہ کرے اور نہ انہیں خدا تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف کرے.....''

**أیا صاحب الذنب لاتقنطن**
**فان الالہ رؤف رؤف**

''اے گنہگار شخص نا امید اور مایوس مت ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ مہربان ہے بڑا ہی مہربان ہے.....''

ملفوظ نمبر 9 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی سبب مایوسی کا شکار ہے فرمایا

''میاں مایوس نہ ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت تیرے گناہوں سے بہت بڑی ہے.....

ملفوظ نمبر 10 ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

''قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی اتنی رحمت برسے گی کہ شیطان بھی یہ خیال کریگا کہ شاید مجھے بھی جنت میں داخل کر دیا جائیگا.....

ملفوظ نمبر 11 ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ:

ایک شخص کو مرتے وقت جب کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ایک کلمہ سے کیا ہوگا؟..... میرے تو اس قدر گناہ ہیں کہ ان کو ہزار کلمے بھی نہیں دھو سکتے یہ

مایوسی ہی تو تھی جس نے اس کو کلمہ سے باز رکھا اور خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے' تو بعض دفعہ کثرت گناہ انسان کو مایوس بنا کر کفر تک پہنچا دیتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے..... (آمین)

## بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکے

ملفوظ نمبر 12 محمد بن المنذر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا کہ:

ہر رات جب تاریکی بڑھ جاتی ہے اور رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عرش سے اعلان کرتا ہے میں جواد ہوں اور کون ہے مجھ جیسا؟..... میں خلق پر رحم کرتا ہوں اور ان کی خواب گاہوں میں ان کی حفاظت کرتا ہوں گویا کہ انہوں نے میری نافرمانی نہیں کی' میں ان کی نگرانی اپنے ذمہ لیتا ہوں گویا انہوں نے میری معصیت نہیں کی' میں جواد ہوں اور میری طرح کون ہے؟..... میں نافرمانوں پر مہربانی کرتا ہوں تا کہ وہ توبہ کریں تو میں انہیں بخشوں تو ہائے بدنصیبی ان کی جو میری رحمت سے مایوس ہیں اور وائے تیرہ بختی ان کی جو میری نافرمانی کریں اور میری حدود سے تجاوز کریں کہاں ہیں امت محمدیہ میں سے توبہ کرنے والے؟ اور ایسا ہر رات ہوتا ہے.....

شاعر ابونواس رحمت الٰہی کے بارے میں کہتا ہے:

**ذنوبی ان فکرت فیها کثیرة ۔۔۔ ورحمة ربی من ذنوبی اوسع**
**وماطمعی فی صالح ان عملته ۔۔۔ ولکننی فی رحمة الله اطمع**
**هو الله مولای الذی هو خالقی ۔۔۔ وانی له عبد الفر واخضع**
**فان یک غفران فذالک رحمة ۔۔۔ وان تکن الاخری فما انا اصنع**

میں سوچتا ہوں کہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور رحمت میرے رب کی میرے گناہوں سے بھی زیادہ وسیع ہے.....

اپنے اعمال سے کوئی امید نہیں ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی زیادہ امید ہے..

وہ خدا ہی ہمارا رب ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا میں اس کا بندہ ہوں اقرار کرنے والا اور برے حال والا.....

پس اگر وہ بخش دے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر نہ بخشے تو میں کیا کر سکتا ہوں....

## احمق کی علامت

ملفوظ نمبر 13 یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ:

اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں کہ آدمی دوزخ کا بیج بوئے اور جنت کی امید رکھے مقام نیکوں کا تلاش کرے لیکن کام گنہگاروں والے کرے اور بغیر نیک کام کے ثواب کی امید رکھے..... (کیمیائے سعادت)

## رحمت الٰہی پر حضرت تھانویؒ کے اقوال

ملفوظ نمبر 14 حضرت مجدد الملت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک طالب علم نے اپنی مایوس کن پریشانیوں کے بارے میں لکھا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ میری دستگیری فرمایئے ورنہ مجھ کو ہر وقت مردودیت ومطرودیت کا سخت اندیشہ ہے بلکہ بعض اوقات تو غالباً گمان وقوع کا ہو جاتا ہے معاذ اللہ منہ''

حضرت مجدد الملت نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا:

بروئے حدیث توبہ ''الندم توبۃ'' یہ استحضار وندامت قلبی توبہ ہے جو ہر نقص کا تدارک ہے اگر کپڑا میلا ہو جائے دھو ڈالنا اس کا تدارک ہے۔ اگر پھر میلا ہو جائے پھر دھو ڈالے یہی سلسلہ جاری رہے تو بھی رحمت ہے..... (تربیت السالک جلد دوم)

## خدا تعالیٰ کی بخشش سے کسی حال میں مایوس نہ ہونا چاہئے

ملفوظ نمبر 15 تم اگر گناہوں کی پوٹ لے کر بھی حاضر ہو گئے تو ادھر کے ایک چھینٹے میں سب دھل جائیں گے اس کی ایسی مثال ہے.....

گر جہاں پر برف گردو سر بسر
تاب خود بگدازدش از یک نظر

یعنی اگر سارا عالم بھی برف سے پٹ جاوے تو عالمتاب آفتاب کے نکلتے ہی سب پانی ہو کر بہہ جاوے گی.....

اسی طرح اگر سارا عالم بھی گناہ سے بھر جاوے تو ادھر کی ایک نگاہ کافی ہے سبحان اللہ..... کیسی پاکیزہ مثال سے کتنے بڑے مسئلے کو آسانی حل کر دیا واقعی بات یہ ہے کہ اہل اللہ پر چونکہ حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اس لئے ان سے زیادہ بہتر کوئی بھی مثال پیش نہیں کر سکتا..... (اسلام اور زندگی)

## خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کے معنی کیا ہیں

ملفوظ نمبر 16 صاحبو! خدا تعالیٰ کا اس خبر دینے سے کہ ہم غفور رحیم ہیں مقصود یہ ہے کہ جو گناہ تم سے ہو گئے ہیں اس کی وجہ سے پریشان خاطر مت ہو اور توبہ کو بے کار نہ سمجھو ہم ان سب کو معاف کر دیں گے.....

چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

جب حضور اکرم ﷺ رسول ہوئے تو آپ نے اول مکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو لوگوں نے عرض کیا ہم آپ پر ایمان تو لے آئیں، لیکن جو گناہ ہم نے اس سے پہلے کئے ہیں ان پر تو ہم کو ضرور سزا ہو گی..... پس جب باپ دادا کا دین چھوڑا بدنامی بھی اٹھائی اور آخرت کا عذاب بھی باقی رہا تو ہم کو فائدہ ہی کیا ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''یا عبادی الّذین اسرفوا علٰی ... الآیہ''

یعنی تم لوگ پچھلے گناہوں کا اندیشہ نہ کرو ہم غفور رحیم ہیں پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے..... (تسہیل مواعظ)

ملفوظ نمبر 17 حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تم حق تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو اور امید ایسی اچھی چیز ہے کہ اس سے نیک کاموں کے لئے دل بڑھتا ہے اور توبہ کی توفیق کرنے کی ہمت ہوتی ہے اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے..... (بہشتی زیور)

ملفوظ نمبر 18 مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب نے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے..... (گناہ بے لذت)

ملفوظ نمبر 19 ایک اللہ والے نے فرمایا:

''لوگ گناہوں میں اس لئے پڑے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا نام غفور رکھا ہے نیز کہا گیا ہے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ یوں فرماتا کہ میں گناہ معاف نہیں کروں گا تو کبھی کوئی مسلمان گناہ نہ کرتا.....''

## رحمت الٰہی پر حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ کے اقوال

ملفوظ نمبر 20 کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا..... جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو.....

ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو یہ ہے کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے بخشیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری بھی بخشش کا دارومدار رحمت خداوندی پر ہے.....

حضرت حکیم الاسلام رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ وہ لفظ فضل کا ہے رحمت کا نہیں.....

آپ نے فرمایا کہ:

''لن ینجی احد کم عملہ'' ''یعنی کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا...''

جب تک خدا کا فضل شامل حال نہ ہو اس پر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے عرض کیا کہ کیا آپ کا عمل آپ کو نجات نہیں دے گا تو آپ نے فرمایا:

**''الا اللہ ان یتغمدنی اللہ برحمتہ''**

''جب تک اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ رحمت اور فضل نہ فرمائے میری نجات بھی نہیں.....''

تو اصل حدیث یہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عمل موجب نہیں یعنی اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ پر واجب نہیں کہ جب اس نے اچھے اعمال کیئے تو اللہ مجبور ہے کہ اسے جنت میں داخل کردیں..... بلکہ اپنے فضل سے داخل کریں گے.....

اب یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نجات کا مدار فضل پر ہے تو عمل کرنے سے فائدہ؟ کیا کسی کو کیا خبر کہ فضل ہوگا یا نہیں؟ بس اتنا عقیدہ کافی ہے کہ فضل ہوگا..... میں کہتا ہوں کہ عمل کرنا خود فضل کی دلیل ہے عمل نہ کرنا یہ دلیل ہے کہ فضل خداوندی اس کے اوپر نہیں ہے تو دنیا ہی سے فضل شروع ہو جاتا ہے فقط آخرت میں فضل نہیں ہوگا' جس کو عمل کی توفیق دیدی گئی' وہ فضل کے تحت آ گیا.....

رہا یہ کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ کسی پر رحمت فرمائیں اور اس کے سارے گناہ مٹا دیں ان کو حق ہے وہ مختار ہیں''**لا یسئل عما یفعل**'' مگر حق تعالیٰ شانہ جب فضل ورحمت فرمائیں گے تو وہ مختار مطلق ہیں جو چاہیں کریں لیکن پھر بھی کوئی وجہ ہوگی خواہ وہ ہماری سمجھ میں آئے یہ نہ آئے.....

مثلاً کسی نے ''**لا الہ الا اللہ**'' اتنے خلوص سے [illegible] ھا کہ ساری بدیاں اس سے مٹتی چلی گئیں' تو وہاں ایمان کا وزن دیکھا جائے گا کہ کس د[illegible]ن ہے مگر اس کو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ

ہی جانتا ہے دوسرے نہیں جان سکتے ہیں..... ہم تو ظاہر میں یہی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص ''لا الٰہ الا اللہ '' کا قائل ہے وہ مسلمان ہے..... لیکن کس درجہ کا ''لا الٰہ الا اللہ '' ہے' ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں بعض کا ''لا الٰہ الا اللہ '' اس درجہ کا ہوگا کہ انبیاء اور ملائکہ بھی نہیں پہچان سکیں گے کہ اس کے اندر ایمان ہے مگر حق تعالیٰ پہچان لیں گے کہ اس کے اندر ایمان کی رمق ہے...

چنانچہ حدیث جس میں آیا ہے کہ اہل جہنم کی شفاعت کر کے ان کو جہنم سے نکالا جائے گا تو لاکھوں اور کروڑوں آدمی جہنم سے نکلیں گے..... اور انبیاء اور ملائکہ دوزخ میں اندر جا جا کر نکالیں گے..... اور حق تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا کہ جس میں ذرہ بھی ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو' پھر فرمائیں گے کہ جس کے اندر معمولی ذرہ برابر بھی ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو.....

### ''ادنیٰ ادنیٰ حب خردل''

پھر فرمائیں گے کہ جس کے اندر رائی کے ادنیٰ برابر ایمان ہو اسے بھی نکالو تو ان کو بھی نکالیں گے..... اب ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام مطمئن ہو جائیں گے کہ اب کوئی اہل جنت میں سے جہنم میں باقی نہیں رہا اس لئے کہ آقا رحیم و کریم ہیں معاف ہی کر دے گا..... ہم کچھ بھی کریں تو جو امید میں غرق ہے وہ کبھی کام نہیں کرے گا.....

اور جو مایوس ہے وہ بھی کام نہیں کرے گا اور کہے گا کہ میں کتنا ہی کرلوں آقا کی جوتیاں ہی پڑیں گیں تو محنت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے کام وہی کرے گا..... جس کو ایک طرف امید لگی ہوئی ہو کہ تنخواہ بھی ملے گی' انعامات بھی ملیں گے..... اور ایک طرف ڈر بھی لگا ہوا ہے کہ اگر میں نہ کروں گا تو میرا انجام کیا ہوگا..... تو وہی آدمی کام کرے گا کیونکہ ایمان چاہتا ہے کہ عمل کرو اس لئے ایمان کا بین بین راستہ رکھا گیا ہے تاکہ عمل کریں اسی لئے شریعت نے ہر چیز میں اعتدال کو پسند کیا ہے زیادہ خوف سے بھی روکا گیا ہے اس میں بھی اعتدال ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اللّٰھم انی اسئلک خشیتک ماتحول به بینی و بین معاصی''

''اے اللہ میں آپ کا خوف چاہتا ہوں مگر اتنا کہ میرے اور میرے گناہ کے درمیان وہ حائل ہو جائے اتنا خوف نہیں چاہتا ہوں کہ مایوس ہو کر بیٹھ جاؤں صرف اتنا خوف چاہتا ہوں کہ گناہوں سے بچ جاؤں.....''

اور اتنی امید بھی نہیں چاہتا کہ بدعمل بن جاؤں اور عمل سے دست کش ہو کر بیٹھ جاؤں..... (مجالس قاری طیب صاحبؒ)

## لا الہٰ الا اللہ پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑ دینا جائز نہیں ہے

**ملفوظ نمبر 21** ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ یہ اعلان کر دو کہ جس نے ''لا الہٰ الا اللہ'' کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلان کرنے گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کی چھاتی پر ہاتھ مارا اور وہ گر گئے' اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ اعلان کیا تو لوگ عمل چھوڑ دیں گے اس کا کیا مطلب ہے؟.....

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

یہ انتظام کی بات تھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اعلان کر دو بلکہ یہ فرمایا کہ جو پہلے ملے اس سے کہہ دو اور پہلے اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے..... ان سے انہوں نے کہہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے ان کی چھاتی پر مکا مارا وہ الٹے گر گئے..... اب وہ روتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عمل پورا ہو گیا کہ جو پہلے ملے اور ممکن ہے حضور کو اعجاز سے یا خدا کی طرف سے اطلاع ہوئی ہو کہ پہلے حضرت عمر ملیں گے اور وہ خود سنبھال لیں گے..... چنانچہ انہوں نے سنبھال لیا اور آ کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر اس طرح سے اعلان ہو گا تو لوگ بھروسہ کر بیٹھیں گے کہ بس ''لا الـہٰ الا اللہ'' پڑھ لینا کافی ہے..... کسی عمل کی ضرورت نہیں تو قوم نئی نئی اسلام لائی ہے اگر

پہلے وہ عمل معطل ہو گیا تو کوئی عمل نہیں کر سکے گا..... اس واسطے آپ ایسے اعلان سے روک دیں یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب لوگ بھروسہ کر بیٹھیں گے تو اعلان مت کرو اعلان تو ہو گیا مگر آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اعلان کردو بلکہ یہ فرمایا تھا کہ جو پہلے ملے اس سے کہدو بھی اپنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ''لا الہ الا اللہ'' پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑ دینا جائز نہیں ہے کہ اب تو میں کلمہ پڑھ چکا ہوں نجات ہی نجات ہے خواہ عمل کریں یا نہ کریں.....

پس معلوم ہوا کہ ''لا الہ الا اللہ'' کے ساتھ عمل کرنا بھی ضروری ہے اور جن روایات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ''

جس نے کلمہ پڑھا وہ جنت میں داخل ہوگا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ:

''وان زنی وان سرق''

اگر چہ اس نے زنا اور چوری کیا ہو آپ نے فرمایا کہ اگر چہ زنا اور چوری کرے پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

''وان زنی وان سرق''

تو حضور نے فرمایا کہ:

''وان زنی وان سرق''

پھر یہی فرمایا تو دوبارہ حضرت ابوذر غفاری نے یہی کہا اور حضور ﷺ نے یہی جواب دیا..... پھر تیسری بار آپ نے فرمایا کہ:

''وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر''

چاہے ابوذر کی ناک مٹی میں مل جائے تو تب بھی وہ نجات پائیگا..... تو یہ نجات کا مدار بتایا گیا ہے عمل کا لغو ہونا نہیں بتایا جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہونگی.....

# رحمت الٰہی پر مرشدی عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے ارشادات

## رحمت کا غیر محدود سمندر:

ملفوظ نمبر 22 ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی کے پرانے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کراچی کے ایک کروڑ یعنی سولاکھ انسانوں کا پیشاب پاخانہ سمندر میں جاتا ہے ایک موج آتی ہے اور سب پیشاب پاخانہ کو پاک کردیتی ہے..... سمندر کی ایک مخلوق ہے اور اس کی ایک موج میں یہ طاقت اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نے دی ہے کہ لاکھوں انسانوں کے پیشاب پاخانہ کو پاک کردیتی ہے اور وہاں کوئی امام نہا کر نماز پڑھادے تو اس کی نماز صحیح ہوتی ہے تو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی رحمت کے غیر محدود سمندر کی ایک موج ہمارے گناہوں کو کیسے پاک نہ کردے گی..... (کمالات اشرفیہ)

## عظیم الشان دروازہ رحمت:

ملفوظ نمبر 23 ارشاد فرمایا کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نے توبہ کا دروازہ عطا فرما کر اپنے دائرہ قرب اور دائرہ مغفرت اور دائرہ محبوبیت کو وسیع فرمادیا..... ورنہ گنہگار بندے کہاں جاتے مایوس ہو جاتے اور

''اِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ '' نازل فرما کر توبہ کا دروازہ بھی وسیع فرمادیا کیونکہ ''یحب'' مضارع ہے یعنی ہم موجودہ حالت میں بھی تمہیں معاف کردیں گے اور آئندہ اگر غلطی کروگے تو آئندہ کے لئے بھی معافی کی امید دلاتے ہیں..... مضارع میں حال واستقبال دونوں زمانہ ہوتا ہے..... اللہ نے صیغہ ماضی نازل نہیں فرمایا مضارع نازل فرمایا جس کے معنی ہوئے کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی محبوب رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو حالاً بھی استقبالاً بھی یعنی

حال میں بھی معاف کر کے اپنا محبوب بنالیں گے..... اور اگر مستقبل میں بھی اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر توبہ کرو گے تو آئندہ بھی معاف کر دیں گے اور آئندہ بھی اپنا محبوب بنالیں گے اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دائرہ قرب ومغفرت ومحبوبیت کو وسیع فرمادیا.....

## توبہ رحمت کی سواری ہے:

ملفوظ نمبر **24** ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے گنہگار بندوں کے لئے ایک ایسی سواری بھیجی ہے جو عجیب وغریب ہے..... بقول مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ایسے گنہگار بندوں کے لئے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے بہت دور جا پڑے ہیں..... اور اس مایوسی کے قریب جا پہنچے ہیں جس کی وجہ سے مساجد میں جانا نیک عمل کرنا بھی چھوڑ دیا ہے..... شیطان نے انہیں مایوس کر کے ایک دم اللہ سے دور غفلت میں پھینک دیا ہے کہ اب وہ یہی سمجھتے ہیں کہ میری مغفرت کیا ہوگی لیکن وہ اگر توبہ کی سواری میں بیٹھ جائیں تو ایک لمحہ میں ان کی دوری حضوری سے تبدیل ہو جائے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے ہو جائیں.....

ملفوظ نمبر **25** ایک بہت بڑے بزرگ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ:

اللہ کا راستہ طے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ سالک سے کوئی خطا نہ ہو فرماتے ہیں.....

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اٹھے اٹھ کر چلے

## اے اللہ مجھے گناہوں سے پاک کر دے

ملفوظ نمبر **26** ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ جب حج کر رہے تھے تو آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کیا:

''اللهم انی اسئلک العصمة''

''اے خدا مجھے عصمت دیدے'' (مجھ سے کبھی کوئی گناہ نہ ہو)

کعبہ سے آواز آئی یا سلطان ابراہیم بن ادھم:

''ان الناس یسئلوننی العصمة''

''سارے انسان مجھ سے عصمت مانگتے ہیں اگر میں سب کو معصوم کردوں کسی سے کبھی کوئی خطانہ ہو.....''

''فعلیٰ من یتکرم و علی من یتفضل''

تو میری مہربانی میرا کرم کس پر ہوگا؟..... (تجلیات جذب)

## حق تعالیٰ کی صفت غفاریت پر اعتماد کا مطلب

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ لوگ گناہ اس نیت سے کریں کہ ہم پر مہربانی ہو..... نہیں اگر کوئی مرہم کی ڈبیہ آپ کو دے دیں کہ جو آگ سے جل جائے اس کے لئے ہمدرد کا یہ مرہم سو فیصد مفید ہے' تو کیا آپ اپنے ہاتھ کو آگ میں جلائیں گے کہ اس مرہم کو دیکھوں کہ مفید ہے یا نہیں جس طرح سے اللہ تبارک وتعالیٰ یقیناً رزاق ہے مگر آپ دکان کھولتے ہیں..... نوکری کرتے ہیں..... لہٰذا صفت غفار پر اتنا ہی بھروسہ کیجئے جتنا رزاق پر کرتے ہیں کیا صفت رزاق پر بھروسہ کر کے آپ نے دوکان بند کی ہے یا نوکی چھوڑی ہے..... جتنا بھروسہ صفت رزاق پر ہے اتنا ہی صفت غفار پر کیجئے..... یہ نہیں کہ صفت غفاریت کے بھروسہ پر گناہوں پر جری ہو جاؤ اور گناہوں سے بچنے کی محنت چھوڑ دو' اللہ تبارک وتعالیٰ رزاق ہے روزی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دیتا ہے مگر محنت کرتے ہو یا نہیں..... اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ غفار ہے مگر گناہوں سے بچنے میں جان کی بازی لگادو.....

''جَاهِدُوْا فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ''

''اتنی محنت کرو کہ مجاہدہ کا حق ادا کردو) پھر بھی اگر کبھی غلطی ہو جائے اس وقت خوب توبہ استغفار کرو.....'' (الیف)

# جس کی مغفرت ہوتی ہے اس کے عیوب چھپادئے جاتے ہیں

مولانا رومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عرض کرتے ہیں کہ:

اے اللہ! معافی دینے میں آپ بے حد کریم ہیں اور جس کو آپ معاف فرمادیتے ہیں اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں.....

علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مغفرت کے معنی لکھے ہیں:

''ستر القبیح واظهار الجمیل''

جس کی اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مغفرت فرمادیتے ہیں اس کے عیوب کو چھپادیتے ہیں..... اور اس کی نیکیوں کو ظاہر فرمادیتے ہیں..... پس اے اللہ! ہمارے عیوب اور گناہوں کو بھی مخلوق کی نظر سے چھپادیجئے کیونکہ آپ کی ہر صفت غیر محدود ہے اس لئے آپ کا پردۂ ستاریت بھی غیر محدود ہے اور ہمارے گناہوں کی تعداد کماً وکیفاً محدود ہے چاہے لاکھوں کروڑوں اور اربوں میں ہو..... تعداد کا استعمال محدود پر ہوتا ہے، غیر محدود کو دائرۂ تعداد میں نہیں لایا جاسکتا اس لئے ہمارے گناہوں کی تعداد کتنی ہی اکثریت میں ہو لیکن آپ کی غیر محدود مغفرت کے سامنے اقلیت میں ہے کیونکہ کثیر محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے..... اسی لئے حدیث پاک کی دعا ہے:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّ رَحْمَتَکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ''

اے اللہ! آپ کی رحمت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے..... پس ہمارے محدود گناہوں کو اپنے غیر محدود پردۂ ستاریت میں چھپادیجئے جیسے کسی چیونٹی پر کوئی مصیبت آرہی ہو..... مثلاً تیز بارش یا کوئی اور بلا آرہی ہو اور وہ کسی کریم سے کہے کہ اپنی دس گز کی چادر

میں مجھ کو چھپا لیجئے..... اس میں کہیں ذرا سی پناہ دے دیجئے کیونکہ آپ کی دس گز کی چادر کا چھوٹا سا گوشہ بھی میرے وجود کو چھپانے کے لئے کافی ہے اور مجھے اس میں چھپانا آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں..... تو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ ستار العیوب ہیں، غیر محدود پردۂ ستاریت کے مالک ہیں، میرے محدود لیکن کثیر گناہوں کو اپنے غیر محدود پردۂ ستاریت میں چھپا دیجئے..... اگلے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں کہ:

انتقام از ما مکش اندر ذنوب

میرے گناہوں کی وجہ سے اے اللہ آپ مجھ سے انتقام نہ لیجئے کیونکہ "**فانک علی قادر**" آپ مجھ پر پوری طرح قادر ہیں اور ایسے قادر ہیں کہ جس طرح چاہیں مجھ پر عذاب نازل کر سکتے ہیں..... اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے چیونٹی کسی ہاتھی سے کہے کہ صاحب مجھے معاف کر دیجئے کیونکہ میں آپ کے انتقام کے قابل نہیں ہوں..... اگر آپ بلا ارادہ ہی مجھ پر اپنا پیر رکھ دیں تو میرا برادہ نکل جائے گا اور میرا وجود ہی ختم ہو جائے گا..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہاتھی کیا چیز ہے، بے شمار ہاتھی بھی اس کے سامنے کچھ نہیں..... اس لئے مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم آپ کے انتقام کے قابل نہیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور ہم سے انتقام نہ لیجئے کیونکہ ہمارے گناہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، ہمارے گناہوں سے ہم کو ہی ضرر پہنچتا ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ:

**"یَامَنْ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ فَاغْفِرْلِیْ مَالَا یَضُرُّکَ وَهَبْ لِیْ مَالَا یَنْقُصُکَ"**

اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور معاف کرنے سے جس کے خزانہ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی پس میرے ان گناہوں کو بخش دیجئے جو آپ کو کچھ مضر نہیں اور مجھے وہ مغفرت عطا فرمائیے جو آپ کے یہاں کم نہیں ہوتی... (درس مثنوی مولانا روم)

## باب نمبر 16

# رجا امید سے متعلق صوفیاء کے اقوال

**ملفوظ نمبر 1** امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

دو بیمار ایسے ہیں جن کے سوا کسی کو اس دوا کی ضرورت نہیں..... ایک تو وہ آدمی جو گناہوں کی کثرت کے سبب مایوسی کا شکار ہو کر توبہ نہ کرتا ہو اور اس کا خیال یہ ہو کہ میری توبہ کیسے قبول ہو..... دوسرا وہ شخص جو ریاضت وعبادت کی کثرت سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے پر تلا ہوا ہو اور اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرتا ہو ان دونوں کو اس دوا کی ضرورت ہے اور جہاں تک غافلوں کا تعلق ہے ان کے حق میں رجا دوا نہیں بلکہ زہر قاتل ہے..... (کیمیائے سعادت)

**ملفوظ نمبر 2** صوفیاء نے رجاء سے بحث کی ہے چنانچہ شاہ کرمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں رجاء کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے..... (رسالہ قشیریہ)

**ملفوظ نمبر 3** ابن خبیق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ رجا تین طرح کی ہوتی ہے:

1. ایک شخص نیک کام کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ وہ کام مقبول ہوگا.....
2. ایک شخص برائی کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے اور اسے مغفرت کی امید ہوتی ہے.....
3. ایک جھوٹا انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے مگر کہتا ہے کہ مجھے مغفرت کی امید ہے...

(رسالہ قشیریہ)

**ملفوظ نمبر 4** جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے برے اعمال کئے ہیں اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ اس کا خوف اس کی امید پر غالب ہو.....

☆ کہتے ہیں کہ سخی (یعنی اللہ) سے سخاوت کی امید کا نام رجاء ہے.....

☆ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے.....

☆ بعض کہتے ہیں کہ دل کے اللہ کی مہربانی کے قریب ہونے کو رجاء کہتے ہیں.....

☆ بعض کہتے ہیں کہ رجاء یہ ہے کہ دل اچھے انجام پر خوش ہو......

☆ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسعت رحمت کی طرف نگاہ رکھنے کا نام رجاء ہے..... (رسالہ قشیریہ)

ملفوظ نمبر 5 ذوالنون رحمہ اللہ تعالیٰ مصری نزع کی حالت میں تھے لوگوں نے ان سے بات کرنا چاہی فرمایا:

میری توجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نہ ہٹاؤ مجھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کثیر التعداد مہربانیوں پر تعجب ہے.....

ملفوظ نمبر 6 یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں خدایا! تمہاری امید (رجاء) میرے دل میں شیریں ترین عطیہ ہے اور میری زبان پر شرین ترین کلام تمہاری تعریف ہے اور سب سے محبوب گھڑی میرے لئے وہ گھڑی ہوگی جس میں میں تمہیں دیکھ لوں گا.....

ملفوظ نمبر 7 ابوعبداللہ بن حنیف فرماتے ہیں کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا، رجاء ہے نیز فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ (جس سے امید رکھی جاتی ہے) کی بخشش کو دیکھ کر دلوں کے خوش ہونے کو رجاء کہتے ہیں..... (رسالہ قشیریہ)

ملفوظ نمبر 8 شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمٰی فرماتے ہیں کہ:

میں نے ابوعثمان مغربی کو فرماتے سنا، جس نے اپنے نفس کو (صرف) رجاء پر رکھا اس نے عمل چھوڑ دیا، اور جس نے (صرف) خوف پر رکھا وہ مایوس ہوگیا، انسان کو کچھ رجاء اور کچھ خوف کے ساتھ ہونا چاہئے.....

**خلاصہ:** یہ ہے کہ خوف عذاب کے باعث معاصی اور خدا کی نافرمانیوں سے رُکنا چاہئے..... اور امید رحمت کے سبب نیکیوں میں رغبت پیدا ہونی چاہئے پس خوف کو اسی وقت معتبر سمجھو جبکہ وہ تم کو معصیت سے روکے اور گناہ کی جرأت نہ ہونے دے' اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو وہ خوف نہیں ہے بلکہ عورتوں جیسی رقت قلبی اور وہم وخیال ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں...

**ملفوظ نمبر 9** امام طوسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک رجاء کی تین قسمیں ہیں:

1. رجاء فی اللہ.....
2. اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسعت رحمت کی امید.....
3. اللہ تبارک وتعالیٰ کے ثواب کی امید.....

اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسعت رحمت اور اس کے ثواب کی امید اس مرید کے لئے ہوتی ہے جو رب قدوس کے احسانات کا ذکر سنتا ہے اور اس کی بارگاہ سے رجاء وابستہ کر لیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جود وسخاوت' فضل واحسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں اس لئے اس کا دل فضل وکرم کے بھروسے سے مرجوع چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے.....

اور رجاء فی اللہ اس بندے کا مقام ہے جو مقام رجاء پر فائز ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی ذات کے علاوہ کسی چیز کی رجاء نہیں کرتا.....

**ملفوظ نمبر 10** امام قشیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

رجاء مستقبل میں حاصل ہونے والی کسی محبوب شے سے دل کا لگاؤ ہے..... رجاء اور تمنا کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں تمنا کسل اور سستی کا باعث ہوتی ہے..... صاحب تمنا محنت اور کوشش کا راستہ اختیار نہیں کرتا بخلاف صاحب رجاء کے اس کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ رجاء محمود ہے اور تمنا مردود..... اس طرح امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے ملتی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جو بغیر عمل کے طلب کرتا ہے وہ مغرور ہے.....

## موت کے وقت امید کا ذکر:

ملفوظ نمبر 11 حضرت سلیمان تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سے کہا:

اے بیٹے! میرے سامنے رخصت کی باتیں کرو اور امید کا تذکرہ کرو حتیٰ کہ میں حسن ظن کے ساتھ اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ سے جاملوں..... (قوت القلوب)

ملفوظ نمبر 12 حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وفات کے وقت ایسے ہی کیا علماء کو اپنے پاس جمع کرلیا اور وہ انہیں امید دلانے لگے.....

ملفوظ نمبر 13 حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے سے کہا:

میرے سامنے وہ اخبار پڑھو جن میں حسن ظن اور امید کا ذکر ہو.....

## مشائخ کا قول:

ملفوظ نمبر 14 اب اگر حسن ظن اور رجاء اعلیٰ ترین مقامات میں سے نہ ہوتے تو بڑے بڑے علماء انتقال کرنے اور اپنے مولائے کریم سے ملاقات کے وقت اس کی خواہش نہ کرتے وہ چاہتے تھے کہ حسن ظن اور امید پر ان کا خاتمہ ہو ورنہ زندگی بھر وہ حسن ظن کی دعائیں کیا کرتے' یہی وجہ ہے کہ مشائخ فرمایا کرتے:

جب تک انسان زندہ رہے اس پر خوف کی حالت بہتر ہے اور جب موت کا وقت آئے تو امید کی حالت افضل ہے.....

ملفوظ نمبر 15 مقامات رجاء کے بارے میں حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

جب ایک گھڑی کی توحید پچاس پچاس برس کے گناہ کو مٹا دیتی ہے تو پچاس سال کی توحید

گناہوں پر کیا کیا اثر کرے گی..... (یہ تو تصور سے باہر ہے)

**ملفوظ نمبر 16** حضرت ابو محمد سہل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

صرف اہل رجاء کا ہی خوف صحیح ہے.....

**ملفوظ نمبر 17** ایک اللہ والے نے فرمایا کہ:

رجاء (امید) کو سامنے رکھ کر گناہوں میں غوطہ لگانے والا شخص شیطانی دھوکہ میں مبتلا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے.....

**ملفوظ نمبر 18** کسی نے حسین بن عاصم کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ ہے تو وہ کہنے لگے کریم سے سوائے کرم کے اور کیا ہوسکتا ہے..... (رسالہ قشیریہ)

**ملفوظ نمبر 19** ابوبکر بن اشکیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے خواب میں ایک اللہ والے کو بڑی اچھی حالت میں دیکھا تو پوچھا آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا کہنے لگے اپنے رب سے حسن ظن کی وجہ سے.....

**ملفوظ نمبر 20** کسی نے بشر حافی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا جواب دیا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے مجھے بخش دیا اور فرمایا اے بشر کیا تمہیں مجھ سے شرم نہیں آتی کہ تو اس قدر مجھ سے ڈرتا ہے..... (رسالہ قشیریہ)

**ملفوظ نمبر 21** شبلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا جب میرا حساب شروع ہوا تو اس قدر سختی ہوئی کہ میں مایوس ہونے لگا جب اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے میری مایوسی دیکھی تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا.....

**ملفوظ نمبر 22** مالک بن دینار کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا گیا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا کہ میں اپنے رب کے پاس بہت زیادہ گناہ لیکر پہنچا۔ جن کو اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کے متعلق میرے حسن ظن نے بالکل مٹا دیا..... (رسالہ قشیریہ)

# باب نمبر 17

## رحمت سے مزین 70 واقعات

## لوگوں کو رحمت الٰہی سے ناامید کرنے کی سزا

**1** حدیث میں ہے کہ:

بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی لوگوں پر سختی کرتا تھا اور انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرتا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اسے فرمائے گا:

آج میں تجھے اپنی رحمت سے مایوس کروں گا جیسے کہ تو میرے بندوں کو اس سے مایوس کرتا تھا..... (قوت القلوب)

## بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا واقعہ

**2** حدیث میں ہے کہ:

بنی اسرائیل میں سے دو آدمیوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر باہم بھائی چارہ قائم کیا..... ایک آدمی عبادت گزار تھا اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرتا تھا..... یہ عابد اس کو اس سے منع کرتا اور جھڑکتا اور وہ جواب دیتا..... چھوڑو مجھے اور رب کو کیا تو مجھ پر نگران بنا کر بھیجا گیا ہے؟..... آخر ایک روز اس نے اسے ایک بہت بڑے گناہ میں مبتلا دیکھا تو وہ غصہ کر کے کہنے لگا:

تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں بخشے گا' فرمایا قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اسے کہے گا..... کیا تجھے اس کی ہمت ہے کہ تو میرے بندوں سے میری رحمت باز رکھے؟..... جا میں نے تجھے بخش دیا..... پھر عابد کو فرمائے گا اور تیری سزا یہ ہے کہ میں نے تیرے لئے

آگ واجب کردی پھر فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسا کلمہ نکالا کہ اس نے اس کی دنیا وآخرت برباد کردی.....

## چالیس سال ڈاکہ زنی کرنے والے کا واقعہ

3 اس مفہوم کی ایک روایت یہ ہے:

بنی اسرائیل میں سے ایک چور نے چالیس برس تک ڈاکے ڈالے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے اور ان کے پیچھے پیچھے بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے آپ علیہ السلام کا ایک حواری عبادت گزار بھی تھا چور نے اپنے دل میں کہا، یہ اللہ کا نبی ہے اور اس کے ساتھ اس کے حواری ہیں..... اگر یہ پڑاؤ کریں تو میں بھی ان کے ساتھ تیسرا ہو جاؤں..... چنانچہ انہوں نے پڑاؤ کیا اور یہ چور حواری کے قریب ہوا مگر حواری کے احترام کی خاطر اپنے آپ کو ملامت کرتا جارہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا میرے جیسا (خطا کار) اس عابد کے ساتھ ساتھ چلتا ہے؟.....

بتایا کہ حواری نے اس کی آمد محسوس کی تو دل میں کہا: یہ (چور) میرے ساتھ چل رہا ہے اس نے اپنا آپ سکیڑ لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بڑھ گیا اور ان کے پہلو کے ساتھ چلنے لگا..... اب چور اس کے پیچھے رہ گیا بتایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں سے کہو۔ اپنے اپنے عمل دوبارہ شروع کریں۔ میں نے دونوں کے سابقہ اعمال مٹادیئے اس حواری کی نیکیاں مٹادیں کہ اس کو اپنے نفس پر عجب پیدا ہوا اور دوسرے کی برائیاں مٹادیں کہ اس نے اپنے آپ کو ملامت کی..... بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کو یہ بات بتائی اور پھر سفر میں اس چور (تائب) کو اپنے ساتھ ملالیا اور اسے اپنے حواریوں میں شامل کرلیا.....

# زندگی بھر اللہ کی نافرمانی کرنے والے شخص کا واقعہ

**4** ایک حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امتوں کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص تھا، جس نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا تھا..... بڑے بڑے گناہ کئے تھے، بڑی خراب زندگی گزاری تھی، اور جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی زندگی گناہوں اور غفلتوں میں گزاردی ہے..... کوئی نیک کام تو کیا نہیں ہے' اس لئے جب میں مرجاؤں تو میری نعش کو جلادینا' اور جو راکھ بن جائے' تو اس کو بالکل باریک پیس لینا' پھر اس راکھ کو مختلف جگہوں پر تیز ہوا میں اڑا دینا تا کہ وہ ذرات دور دور تک چلے جائیں..... یہ وصیت میں اسلئے کر رہا ہوں کہ اللہ کی قسم! اگر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ آ گیا تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب دنیا میں کسی اور شخص کو نہیں دیا ہوگا، اسلئے کہ میں نے گناہ ہی ایسے کئے ہیں کہ اس عذاب کا مستحق ہوں..... جب اس شخص کا انتقال ہوگیا تو اس کے گھر والوں نے اس کی وصیت کے پر عمل کرتے ہوئے اس کی نعش کو جلایا، پھر اس کو پیسا، اور پھر اس کو ہواؤں میں اڑادیا، جس کے نتیجے میں اس کے ذرات دور دور تک بکھر گئے..... یہ تو اس کی حماقت کے بات تھی کہ شاید اللہ تبارک وتعالیٰ میرے ذرات کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے..... چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہوا کہ حکم دیا کہ اس کے سارے ذرات جمع کردو' جب ذرات جمع ہوگئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو دوبارہ مکمل انسان جیسا تھا ویسا بنا دیا جائے..... چنانچہ وہ دوبارہ زندہ ہوکر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے سوال کیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو یہ سب عمل کرنے کی وصیت کیوں کی تھی؟.....

جواب اس نے کہا:

''خشیتک یا رب''

اے اللہ! آپ کے ڈر کی وجہ سے' اس لئے کہ میں نے گناہ بہت کئے تھے' اور ان گناہوں کے نتیجے میں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے عذاب کا مستحق ہو گیا ہوں' اور آپ کا عذاب بڑا سخت ہے' تو میں نے اس عذاب کے ڈر سے یہ وصیت کر دی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا.....

یہ واقعہ خود حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمایا اور صحیح مسلم میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے..... (صحیح مسلم کتاب التوبہ)

اب ذرا سوچئے کہ اس شخص کی یہ وصیت بڑی احمقانہ تھی..... بلکہ غور سے دیکھا جائے تو وہ کافرانہ تھی' اس لئے کہ وہ شخص یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ آ گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بہت عذاب دے گا لیکن اگر تم لوگوں نے مجھے جلا کر راکھ بنا کر اڑا دیا تو پھر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ نہیں آؤں گا..... معاذ اللہ..... یہ عقیدہ رکھنا تو کفر اور شرک ہے گویا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ راکھ کے ذرات جمع کرنے پر قادر نہیں ہے..... لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟..... تو اس نے جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے ڈر کی وجہ سے' اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے اچھا تو جانتا تھا کہ ہم تیرے رب ہیں اور مانتا تھا کہ ہم تیرے رب ہیں..... اور یہ بھی مانتا تھا کہ تو نے ہماری نافرمانی کی ہے' اور اس نافرمانی پر تو شرمسار بھی تھا' اور نادم بھی تھا' اور تو نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے ان گناہوں پر ندامت کا اظہار کر دیا تھا..... اس لئے ہم تیری مغفرت کرتے ہیں' اور تجھے معاف فرماتے ہیں.....

اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضور اکرم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت درحقیقت بندے سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کرتی ہے..... وہ یہ ہے کہ بندہ ایک مرتبہ اپنے کئے پر سچے دل سے شرمسار ہو جائے' نادم ہو جائے' اور نادم ہو کر اس وقت جو کچھ

کر سکتا ہے وہ کر گزرے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرما دیتے ہیں..... اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو صحیح معنی میں اپنے گناہوں پر نادم ہونے اور توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنی رحمت سے ہم سب کی مغفرت فرمائے آمین.....

قابل احترام دوستو اور بزرگو کسی اللہ کے بندے کے گناہ زمین و آسمان کو بھی بھر دیں تو ایسے شخص کے گناہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے خزانے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ایک مچھر ہاتھی پر بیٹھ گیا اور پھر آرام کرنے کے بعد ہاتھی کے کان میں جا کر کہنے لگا میاں ہاتھی تمہیں میرے بیٹھنے سے تکلیف تو نہیں ہوئی تو ہاتھی کہنے لگا مجھے نہ تمہارے آنے کا پتہ چلا نہ جانے کا..... اسی طرح ہمارے گناہوں کے سمندر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ایک ذرہ کی حیثیت نہیں رکھتے.....

## نجات محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگی

**5** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

کوئی شخص اپنے عمل کی بدولت نجات نہیں پا سکے گا.....

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ:

کیا آپ بھی یا رسول اللہ؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی..... مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لیں سو قریب قریب رہو اور دوستی اختیار کرو صبح و شام اور رات کی کچھ تاریکی میں میانہ روی سے محنت میں لگے رہو منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے... (تنبیہ الغافلین)

## ۹۹ آدمیوں کا قاتل اور رحمت الٰہی

**6** ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا..... اس کے بعد اس کو توبہ کی فکر لاحق ہوئی، اب سوچا کہ میں کیا کروں، چنانچہ وہ عیسائی راہب کے پاس گیا اور اس کو جا کر

بتایا کہ میں نے اس طرح ننانوے آدمیوں کا قتل کر دیا ہے..... تو کیا میرے لئے توبہ کا اور نجات کا کوئی راستہ ہے؟ اس راہب نے جواب دیا کہ تو تباہ ہو گیا..... اور اب تیری تباہی و ہلاکت میں کوئی شک نہیں، تیرے لئے نجات اور توبہ کا کوئی راستہ نہیں ہے..... یہ جواب سن کر وہ شخص مایوس ہو گیا اس نے سوچا کہ ننانوے قتل کر دیئے ہیں..... ایک اور سہی: چنانچہ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔ اور سو کا عدد پورا کر دیا لیکن دل میں چونکہ توبہ کی فکر لگی ہوئی تھی..... اس لئے دوبارہ کسی اللہ والے کی تلاش میں نکل گیا..... تلاش کرتے کرتے ایک اللہ والا اس کو مل گیا..... اور اس سے جا کر اپنا سارا قصہ بتایا.....

اس نے کہا کہ اس میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اب تم پہلے توبہ کرو، اور پھر اس علاقہ کو چھوڑ کر فلاں علاقہ میں چلے جاؤ..... اور وہ نیک لوگوں کا علاقہ ہے ان کی صحبت اختیار کرو چونکہ وہ توبہ کرنے میں مخلص تھا..... اس لئے وہ اس علاقہ کی طرف چل پڑا ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کی موت کا وقت آ گیا روایات میں آتا ہے کہ جب وہ مرنے لگا تو مرتے مرتے بھی اپنے آپ کو سینے کے بل گھسیٹ کر اس علاقہ کے قریب کرنے لگا جس علاقہ کی طرف وہ جا رہا تھا..... تاکہ میں اس علاقہ میں زیادہ سے زیادہ قریب ہو جاؤں..... آخر کار جان نکل گئی، اب اس کی روح لے جانے کے لئے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں پہنچ گئے..... اور دونوں میں اختلاف شروع ہو گیا ملائکہ رحمت کہنے لگے کہ چونکہ یہ شخص توبہ کر کے نیک لوگوں کے علاقے میں جا رہا تھا اس لئے اس کی روح کو ہم لے جائیں گے، ملائکہ عذاب کہنے لگے کہ اس نے سو آدمیوں کا قتل کیا ہے اور ابھی اس کی معافی نہیں ہوئی..... لہٰذا اس کی روح ہم لے جائیں گے..... آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ شخص کونسے علاقے کی طرف جا رہا تھا..... جس علاقے سے چلا تھا، اس سے زیادہ قریب ہے، یا جس علاقے کی طرف جا رہا تھا اس سے زیادہ قریب ہے اب دونوں طرف کے فاصلوں کی پیمائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس علاقے

کی طرف جا رہا تھا اس سے تھوڑا قریب ہے' چنانچہ ملائکہ رحمت اس کی روح لے گئے..... اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی کوشش کی برکت سے اس کو معاف فرما دیا.....

(صحیح مسلم' کتاب التوبہ' باب قبول توبۃ القاتل' حدیث نمبر ۷۶۶۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اگر چہ اس کے ذمے حقوق العباد تھے..... لیکن چونکہ اپنی طرف سے کوشش شروع کر دی تھی..... اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی..... اسی طرح جب کسی انسان کے ذمے حقوق العباد ہوں اور وہ ان کی ادیگی کی کوشش شروع کرے..... اور اس فکر میں لگ جائے اور پھر درمیان میں موت آ جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اصحاب حقوق کو قیامت کے دن راضی فرما دیں گے.....

**خلاصہ:** ساری زندگی بھی اگر کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہے لیکن بس ندامت سے دو آنسوں بہالے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے سارے گناہوں کو معاف کر دیں گے.....

''غفرت لک ولا ابالی''

''میں تیرے سارے ہی گناہ معاف کروں گا.....''

اللہ تبارک وتعالیٰ کو کوئی روکنے والا تھوڑی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو بندے کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں.....

**حدیث:** ''جب گناہ گار (ندامت کے ساتھ) توبہ کرتا ہے تو آسمان پر چراغاں ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کے ذریعے آسمانوں پر یہ اعلان کراتے ہیں کہ میرے ایک بندے نے صلح کر لی میرا ایک روٹھا ہوا بندہ واپس آ گیا.....''

حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات صمد (بے نیاز) ہے اس کو کسی کی ضرورت نہیں ہم اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ایسے خالق اور مالک سے بگاڑ کر زندگی گزارنے والا بڑا ہی نادان ہے یہ نادان بھی اگر مانگتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بھی دیتے ہیں

''اِنْ سَأَلَتنِیْ اَعْطَیْتُکَ''

تو مانگتا ہے تو میں دیتا ہوں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی تعسر سے پاک ہے..

لیکن انسان کے اندر تعسر ہے ماں ناراض ہو جائے تو منانے میں ہفتہ تو لگ ہی جاتا ہے باپ ناراض ہو جائے تو زور لگے گا اور بیوی ناراض ہو جائے تو پاپڑ بیلنے پڑیں گے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ایسا نہیں ہے.....

ایک شخص نے ستر سال اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دیئے اب ستر سال کے بعد وہ کہتا ہے ندامت سے اے اللہ تو میرے گناہوں کو معاف کر دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے یہ نہیں کہتے ہیں میں معاف نہیں کرتا تو نے ستر سال نافرمانی کی ہے بلکہ جب بندہ توبہ کرتا ہے اے اللہ تو معاف کر دے تو ایک سیکنڈ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں.....

لیکن شیطان کہتا ہے ہمارے گناہ تو بہت زیادہ ہیں جہنم میں جانا ہی ہے تو کیوں نہ عیاشی اور مزے کر کے اس دنیا سے جائیں..... ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت حکیم الامت ارشاد تھانویؒ فرماتے ہیں:

بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں..... اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں واقعی بہت ہیں' اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا' گندگی اور نجاست میں اس کا پورا بدن لت پت تھا' اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں کس منہ سے تجھ میں اتروں' میں تو اتنا گندا ہوں' اتنا گندا ہوں' اگر میں تجھ میں اتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کر دے گی..... اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہو جائے گا' ناپاک ہو جائے گا..... اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ ارے تیرے جیسی

گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں' تو آ کر تو دیکھو! تیری گندگی بھی صاف ہو جائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا..... ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہو جاتا ہے؟..... دریا گندا ہو جاتا ہے؟..... حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے سمندر تو ایک مخلوق ہے اس میں دنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تو بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کر دیتا ہے..... تو اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟..... اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی رحمت کا چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے..... اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہو جائے غرضیکہ ہم لوگ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی مغفرت کے طالب ہیں.....

اور جو لوگ رحمت الٰہی سے مایوس ہیں ان کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے اگر دنیا میں عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا تو ان پر اتارتا جو رحمت الٰہی سے مایوس ہو چکے ہیں.....

## ایک گناہ گار نوجوان اور رحمت الٰہی

**7** حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ:

یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دروازہ پر ایک نوجوان رو رہا ہے جس نے میرا دل جلا دیا ہے.....

فرمایا عمر اسے اندر لے آؤ وہ نوجوان روتا ہوا اندر حاضر ہوا..... حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی..... کہنے لگا یا رسول اللہ میرے گناہوں کا ڈھیر مجھے رلا رہا ہے اور مجھے جبار سے ڈر آتا ہے کہ وہ مجھ پر غضب ناک ہوگا..... آپ نے فرمایا نوجوان کیا تو نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے عرض کیا نہیں' کیا تو نے کسی جان کو ناحق قتل کیا ہے عرض کیا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی تیرے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اگر وہ

سات آسمانوں سات زمینوں اور تمام پہاڑوں کے برابر ہوں..... نوجوان بولا حضور! میرا گناہ ساتوں آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں سے بھی بڑھا ہوا ہے..... آپ نے ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی؟ کہنے لگا کہ میرا گناہ بڑا ہے، فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے' ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا تیرا اللہ؟ یعنی اس کی عفو کہنے لگا ہاں البتہ میرا اللہ اور اس کی عفو بہت بڑی ہے پس ارشاد فرمایا کہ گناہ عظیم کو خدائے عظیم ہی معاف فرمائے گا جو بہت ہی عفوو درگزر کرنے والا ہے.....

پھر فرمایا اپنا گناہ تو بتا' اس نے عرض کیا

یارسول اللہ! مجھے آپ سے حیا آتی ہے' آپ نے پھر پوچھا کہنے لگا میں کفن چور تھا اور سات سال تک یہی پیشہ کیا ایک دفعہ انصار کی ایک لڑکی فوت ہوئی تو میں نے اس کی قبر کھودی اور کفن اتار کر چل دیا تھوڑی دور گیا تھا کہ شیطان نے مجھ پر غلبہ پایا میں نے لوٹ کر اس سے مجامعت کر لی..... نکل کر تھوڑی دور گیا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکی کھڑی پکار کر کہہ رہی ہے اے جوان! تجھے قیامت کے دن جزا سزا دینے والے سے حیا نہیں آتی جس وقت وہ اپنی کرسی فیصلہ کے لئے رکھیں گے اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ دلوائیں گے؟..... تو مرنے والوں کے مجمع میں مجھے ننگی کر کے چل دیا ہے اور میرے اللہ کے روبرو مجھے بحالت جنابت حاضر ہونے پر مجبور کیا.....

یہ سنتے ہی حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور اس کی گدی میں ایک دھول رسید کی اور فرمایا او فاسق تو تو بس آگ کے لائق ہی ہے' دفع ہو جا یہاں سے' نوجوان وہاں سے نکلا' چالیس راتوں تک اللہ کے حضور توبہ کرتا مارا مارا پھرتا رہا..... چالیس راتوں کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے گا اے محمد ﷺ کے خدا' آدم و حوا کے معبود اگر تجھے میری توبہ منظور ہے تو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کو اس کی خبر دے دے ورنہ پھر آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور آخرت کے عذاب سے نجات دے دے..... اتنے میں جبرائیل عدیہ السلام

تشریف لائے سلام کہا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو سلام پہنچایا..... آپ نے فرمایا وہ خود سلام ہیں سلام کا مبدا اور منتہی بھی وہی ہیں.....

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے؟..... فرمایا مجھے بھی اور تمام مخلوق کو اسی نے پیدا فرمایا ہے عرض کیا وہ پوچھتے ہیں کیا آپ مخلوق کو رزق دیتے ہیں؟..... فرمایا: بلکہ مجھے بھی اور تمام مخلوق کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں عرض کیا وہ پوچھتے ہیں کیا بندوں کی توبہ آپ قبول کرتے ہیں؟..... فرمایا: بلکہ میری بھی اور تمام بندوں کی توبہ وہی قبول فرماتے ہیں..... پھر کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کی توبہ قبول کر لی ہے آپ بھی اس پہ نگاہ شفقت فرمایئے حضور ﷺ نے اس نوجوان کو بلا کر اسے توبہ قبول ہونے کی بشارت سنائی.....

فقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

عقل مند آدمی کو اس سے سبق لینا چاہئے اور جاننا چاہئے کہ زندہ کے ساتھ زنا کرنا مردہ کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ گناہ ہے اس کی معافی کے لئے حقیقی اور سچی توبہ کرنی چاہئے..... دیکھئے نوجوان نے جب سچی توبہ پیش کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا اور جس حیثیت کا گناہ ہو توبہ بھی اسی درجے کی ہونی چاہئے..... (تنبیہ الغافلین)

## مدار نجات فضل خداوندی ہے اس پر ایک واقعہ

قرآن مجید میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

**8** ''ان ینجی احد کم عملہ''

تم میں سے کسی کو بھی تمہارا عمل نجات نہیں دلائے گا..... جب تک اللہ کا فضل نہ ہو.....

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب آخرت کے احوال پر لکھی ہے

اس میں پچھلی امتوں میں سے بنی اسرائیل کا ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک عابد تھا جو رات دن اللہ کی عبادت میں لگا رہتا تھا مگر بہر حال جب آدمی دنیا میں رہتا ہے تو کھانے پکانے کی بھی ضرورت ہے' بیوی بچے ہیں' گھر بھی ہے' رشتہ دار بھی ہیں' کچھ نہ کچھ ان میں بھی مشغولی ہوتی ہے..... اس عابد کو یہ بھی ناگوار تھا کہ اتنی دیر بھی بیوی بچوں میں کیوں لگے؟ یہ وقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی عبادت میں لگنا چاہئے..... تو اس نے یہ کیا کہ بیوی' بچے' رشتہ دار' مال جائداد کو ترک کر کے سمندر کے بیچ میں ایک ٹیلہ تھا وہاں جا کر بیٹھ گیا کہ بس اب میں فارغ ہو گیا اور چوبیس گھنٹے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہوں گا..... اس زمانے میں یہ چیز جائز تھی اسلام نے اس چیز کو ختم کر دیا ہے..... لیکن پچھلی امتوں میں رہبانیت یعنی گوشہ گیری کرنا اور پہاڑوں پر چلا جانا' یہ جائز تھا..... یہ بھی پہنچ گیا اور ایسی جگہ میں پہنچا جہاں کوئی آدمی بھی نہ پہنچ سکے..... سمندر اور اس کے بیچ میں ایک ٹیلہ تھا اس پر جا کے بیٹھ گیا اور ایک چھپر ڈال لیا..... اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضل کیا' اسی پہاڑ کے ٹیلے پر ایک انار کا درخت اگ گیا اور اس پر میٹھے انار لگے اور اسی کڑوے پانی کے اندر اس پہاڑ میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک چشمہ جاری کر دیا.....

اس عابد کا کام یہ تھا کہ ایک انار روز کھا لیا' ایک کٹورہ پانی پی لیا اور چوبیس گھنٹے نماز میں مشغول..... نہ رات کو سونا اور نہ دن کو کہیں جانا..... دن بھر نماز' رات بھر نماز' پانچ سو برس اس نے اسی طرح گزارے.....

اور یہ عبادت بھی خالص اس لئے کہ وہاں دکھلاوا کس کو ہوتا..... وہاں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا..... شہرت اور نام آوری مقصود نہیں تھی..... وہاں کون نام سننے والا تھا..... تن تنہا یہ بندہ اور اس کا خدا تو خالص عبادت اور پانچ سو برس.....

پانچ سو برس گزر کر جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے نماز پڑھتے ہوئے سجدے کی حالت میں موت دیجئے اور میرے اس بدن کو سجدے

کی حالت میں قیامت تک محفوظ رکھئے تا کہ قیامت تک میں تیرا سجدہ گزار بندہ سمجھا جاؤں..... کم سے کم سجدہ کرنے والے صورت ہی بنی رہے تو میری لاش سجدے کی حالت میں قیامت تک محفوظ رہے یہ دعا قبول ہوگئی..... اور حدیث میں ہے کہ اس کو عین سجدے کی حالت میں موت آئی اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آج تک اس کی لاش سجدے میں محفوظ ہے.....

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب اس کی روح نکل گئی اور بارگاہ الٰہی میں اس کی پیشی ہوئی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے بندے میں نے اپنے فضل وکرم سے تجھے بخشا اور تجھے جنت کا مقام رفیع عطاء کیا..... تو ابدالآباد تک کے لئے اب چین میں رہ..... اور ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کو جنت میں لے جاؤ..... یہ میرا مقبول بندہ ہے میں نے اس کو اپنے فضل وکرم سے نجات دی.....

اس عابد کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا کہ پانچ سو برس میں نے عبادت کی بیوی' بچے' رشتہ داروں اور مال و دولت میں نے چھوڑا اور اب بھی اپنے ہی فضل وکرم سے بخشا' کم سے کم میری تسلی کیلئے کہہ دیتے کہ تیری نمازوں کی وجہ سے تجھے نجات دے دی، تو نے گھر بار چھوڑا تھا، تیرے اس عمل کے طفیل نجات دے دی ذرا میرا دل خوش ہو جاتا کہ میرے عمل کی کچھ قدر کی اتنی میں نے محنت کی' ساری دنیا کو میں نے ترک کیا اور اب بھی بخشا تو اپنے ہی فضل وکرم سے بخشا..... گویا میں نے کچھ کیا ہی نہیں..... یہ ایک وسوسہ اس کے دل میں پیدا ہوا اللہ تبارک وتعالیٰ تو دلوں کی کھٹک کو جانتے ہیں.....

''وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ''

''سینوں میں جو خیالات ہیں ان کو بھی جانتے ہیں.....''

اس لئے ملائکہ سے فرمایا: جنت کے بجائے اس عابد کو جہنم کے راستے پر لے جاؤ..... جہنم میں ڈالنا نہیں ہے..... لیکن اتنی دور جہنم سے کھڑا کرو جہاں سے جہنم پانچ سو برس کے

راستہ پر ہو..... اس کو وہاں پہنچایا گیا وہاں تو جہنم کی ایک لو اور لپٹ آئی ہے تو سر سے پیر تک یہ عابد خشک ہو گیا اس کو کانٹے چبھنے لگے اور پیاس پیاس چلانا شروع کر دیا..... جہنم کا ایک جھونکا لگتے ہی اس کی ساری روح خشک ہو گئی..... حدیث میں ہے کہ ایک ہاتھ غیب سے نمایاں ہوا جس میں ٹھنڈے پانی کا کٹورا تھا..... یہ عابد دوڑتا ہوا گیا اے اللہ کے بندے یہ پانی مجھے دے یہ آگے گیا' ہاتھ پیچھے ہٹ گیا' یہ اور آگے ہو گیا ہاتھ اور پیچھے ہٹ گیا یہ اور آگے ہو گیا' ہاتھ اور پیچھے ہٹ گیا اس نے کہا خدا کے لئے مجھے پانی دے جواب یہ ملا آواز آئی کہ پانی تو مل سکتا ہے مگر اس کی قیمت ہے.....

اس عابد نے پوچھا کیا قیمت ہے؟ کہ پانچ سو برس کی عبادت جو خالصۃً کی ہو وہ اگر قیمت میں ادا کر دی جائے تو یہ پانی کا کٹورا مل سکتا ہے ورنہ نہیں..... اس نے کہا میرے پاس پانچ سو برس کی عبادت ہے اور وہ جلدی پیش کر دی کٹورا لے کر پیا تو کچھ دم میں دم آیا.....

حق تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ اس عابد کو لوٹا کے لاؤ اور پھر ہمارے سامنے پیش کرو پھر پیشی ہوئی حق تعالیٰ نے فرمایا:

اے بندے! تو نے پانچ سو برس عبادت کی تھی اس کی قیمت ایک کٹورا پانی تجھے مل گئی اور وہ قیمت تو نے خود تجویز کی ہم نے نہیں کی' تو نے ہی کہا کہ میں پانچ سو برس کی عبادت دیتا ہوں اور کٹورا خریدتا ہوں' اس لئے پانچ سو برس کی عبادت کی قیمت سے ہم ادا ہوئے معاملہ برابر سرابر ہو گیا.....

اب ان لاکھوں کٹوروں پانی کا حساب دے جو دنیا میں تو نے پئے' ان کے بدلے میں کیا کیا عمل لے کر آیا اور وہ جو دنیا میں تو نے لاتعداد اناروں کے دانے کھائے ہیں ایک ایک دانے کا حساب دے ان کے بدلے میں کتنے سجدے' کتنے رکوع کئے' کتنی عبادتیں کیں؟.....

اور دانہ پانی تو الگ ہے وہ جو تیری آنکھوں میں روشنی تھی جس سے تو صورتیں دیکھتا تھا' ایک ایک تار نگاہ کا حساب دے اس کے بدلے کتنی عبادتیں لے کے آیا ہے؟.....

اور نگاہ تو الگ ہے یہ جو تو سانس لیتا تھا جس کے ذریعے زندگی قائم تھی ایک ایک سانس کا حساب دے اس کے بدلے میں کتنی عبادتیں لے کر آیا ہے؟.....

اور وہ جو بدن میں ہم نے جان دی تھی جس نے پانچ سو برس زندگی رکھی اور تو نے عبادت کی اس طاقت کا حساب دے اسکے بدلے میں کیا کیا عبادتیں لے کر آیا ہے؟.....

اور وہ جو چشمہ اور انار کا درخت تیرے لئے رکھا تھا اور ہواؤں کو تیری طرف متوجہ کیا جس سے تو سانس لیتا تھا..... اور جو ہم نے اپنے سورج کو گرمی بخشی جس نے تجھ تک گرمی پہنچائی جس سے تیرا بدن قائم رہا ان سب چیزوں کا حساب دے ہماری دنیا کے ذرے ذرے سے جو فائدہ اٹھایا اب سب کا حساب دے کیا عبادتیں لے کر آیا ہے؟.....

عابد بے چارہ تھرا گیا اور اس نے عرض کیا کہ

اے اللہ! بے شک نجات تیرے فضل ہی سے ہوتی ہے بندے کے عمل سے نہیں ہوتی عمل کی تو کل قیمت یہ ہے کہ پانچ سو برس کے عمل کے بدلے ایک کٹورا پانی مل گیا اور وہ بھی آپ نے فضل ہی سے دے دیا' اگر آپ یوں فرماتے کہ کٹورا اسے ملے گا جس نے ایک لاکھ برس عبادت کی ہے..... تو میں تو اس سے بھی محروم رہ جاتا.....

تو نے قیمت اتنی رکھی جو میں ادا کر سکا یہ بھی تیرا ہی فضل ہے اس لئے نجات فضل سے ہوتی ہے عمل سے نہیں ہوتی..... (خطبات حکیم الاسلام ج سوم)

# دنیا جہان کے گناہ کرنے والے سے رحمت بھرا معاملہ

**9** حضرت ابو طویل شطب الممد ود الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''جاء شیخ کبیر هرم قد سقط حاجباه علی عینیه وهو یدعم علی عصا

حتی قام بین یدی النبی ﷺ فقال : ارأیت رجلاً عمل الذنوب کلھا فلم یترک منھا شیئاً وھو فی ذالک لم یترک حاجة ولاداجة الا اتاھا لو قسمت خطیئته بین اھل الارض لاوبقتھم فھل لذالک من توبة ؟ قال : فھل اسلمت؟ قال امّا انا فاشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ قال تفعل الخیرات وتترک السیئات فیجعلھن اللہ لک خیرات کلھن قال وعذراتی وفجرائی قال نعم قال اللہ اکبر فما زال یکبر حتی تواری" (المعجم الکبیر للطبرانی)

''ایک بہت بوڑا آدمی جس کے آبرو بھی آنکھوں تک ڈھلک چکے تھے اور وہ لاٹھی کا سہارا لے کر چل رہا تھا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جس نے ہر طرح کے گناہ کیے ہوں؟..... ہر شکل میں ہر چھوٹا بڑا پاپ کیا ہو؟ اگر اس کے گناہ زمین پر بسنے والے تمام انسانوں پر تقسیم کردیئے جائیں تو سب کے سب تباہ و برباد ہو جائیں؟ کیا ایسے بد بخت کی توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے؟.....''

''آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم مسلمان ہو چکے ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہوں اور آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہوں آپ نے فرمایا: بس تم نیک کام کرتے رہو اور برائیوں کو چھوڑ دو اللہ تبارک وتعالیٰ سابقہ ساری غلطیوں کو تمہارے لئے نیکیوں میں تبدیل کردیں گے.....''

''اس بوڑھے نے دریافت کیا: کیا میرے ہر طرح کے گناہ اور ہر قسم کی دھوکہ بازیاں بھی معاف ہوکر نیکیوں میں بدل جائیں گی ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں ہاں'' اس نے کہا ''اللہ اکبر'' اور مسلسل یہی جملہ دہراتا ہوا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا.....''

توبہ کرنے والا یہاں ایک سوال کرسکتا ہے کہ جب میں گمراہ تھا' نماز تک نہیں پڑھتا تھا' ملت اسلامیہ سے دور رہتا تھا' البتہ میں نے اس دور میں کچھ نیک کام کئے تھے اب توبہ کرلینے کے بعد کیا یہ نیک کام میرے اعمال صالحہ میں شمار ہوں گے یا یونہی ہوا میں

اڑ جائیں گے؟.....

اس سوال کے جواب میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث میں موجود ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ارأیت اشیاء کنت اتحنث بها فی الجاهلیة من صدقة او عتاقة او صلة رحم فهل فیها من اجر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلمت علی ما سلف من خیرٍ''

''یارسول اللہ! مجھے ان کاموں کے بارے میں بتلائیں جنہیں میں زمانہ جاہلیت میں نیکی سمجھ کر کیا کرتا تھا مثلاً صدقہ کرنا' غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی وغیر کیا ان کا مجھے اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی سابقہ نیکیوں سمیت اسلام میں داخل ہوئے ہو...''

یعنی اسلام قبول کر لینے سے تمہارے سابقہ سارے گناہ دھل گئے ہیں البتہ نیکیاں اسی طرح برقرار رہیں..... (متفق علیہ)

چنانچہ معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد نہ صرف گناہ بخش دیئے جائیں گے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور زمانہ جاہلیت کی نیکیوں کو برقرار رکھا جائے گا..... اب اس کے بعد اور کیا چاہیے؟

ابو فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اس طرح ہے کہ:

''اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک آدمی نے سارے ہی گناہ کیے اور کوئی حاجت اور ضرورت باقی نہیں چھوڑی جس کو پورا نہ کیا ہو آیا اس کیلئے بھی توبہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اسلام لے آیا ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا نیک کام کرتا رہ اور برائیوں کو چھوڑ دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب برائیوں کو بھی تیرے لئے بھلائیوں سے بدل دے گا اس آدمی نے عرض کیا میری غداریاں اور میرے فسق وفجور بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ سن کر وہ آدمی تکبیر پڑھتا ہوا چل دیا یہاں تک کہ غائب ہو گیا.....'' (الطبرانی وتفسیر ابن کثیر بحوالہ حیاۃ الصحابہ)

# گناہ کبیرہ کرنے والے کی توبہ کا واقعہ

**10** حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے.. اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور زنا کر بیٹھا ہوں میری خواہش ہے کہ آپ مجھے پاک کر دیں آپ ﷺ نے انہیں واپس بھیج دیا اگلے دن وہ پھر آ گئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے..... آپ نے انہیں دوبارہ واپس لوٹا دیا..... پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم کو پیغام بھیج کر دریافت کیا کہ تمہارے علم کے مطابق ماعز کی عقل میں کوئی فتور تو نہیں؟..... تم اسے بدلا بدلا سا تو نہیں پاتے ہو؟..... قوم والوں نے جواب دیا کہ: ہماری معلومات کے مطابق وہ کامل عقل کا مالک ہے اور ہمارے خیال کے مطابق وہ نیک آدمی ہے ماعز رضی اللہ عنہ تیسرے دن پھر آ گئے آپ ﷺ نے ان کے بارے میں دوبارہ دریافت فرمایا قوم والوں نے کہا: نہ تو اس کا کردار بدلا ہے اور نہ ہی اسکی عقل میں کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہے چنانچہ چوتھے روز ان کی خاطر ایک گڑھا کھودا گیا پھر آپ ﷺ کے حکم سے انہیں سنگسار کر دیا گیا.....

پھر غامدیہ خاتون بھی آ گئی..... اس نے درخواست کی: یا رسول اللہ! میں زنا کر بیٹھی ہوں مجھے پاک کر دیں آپ نے اسے بھی واپس لوٹا دیا اگلے دن اس نے پھر آ کر کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے کیوں واپس لوٹاتے ہیں؟..... شاید آپ مجھے بھی اس طرح لوٹانا چاہتے ہیں جس طرح ماعز کو واپس لوٹایا تھا اللہ کی قسم میں تو حاملہ ہو چکی ہوں آپ نے یہ بیان سننے کے بعد فرمایا تب تو سزا نافذ نہیں ہو سکتی جاؤ اور ولادت کے بعد آنا' جب غامدیہ نے بچے کو جنم دے لیا تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر لے آئی اور کہا: میں بچے کو جنم دے چکی ہوں آپ نے فرمایا: اسے لے جاؤ اور دودھ پلاؤ یہاں تک کہ تم اس کا دودھ چھڑا دو جب اس نے دودھ چھڑوا دیا تو

بچے کو لے کر آئی اور اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا کہنے لگی: یا رسول اللہ اس کا دودھ میں نے چھڑوا دیا ہے اور اب یہ کھانا کھاتا ہے..... رسول اللہ ﷺ نے بچہ ایک مسلمان کے حوالے کر دیا پھر آپ ﷺ کے حکم سے اس کیلئے سینے تک گڑھا کھودا گیا اور آپ کے حکم سے لوگوں نے اسے سنگسار کر دیا.....

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پتھر غامدیہ کے سر پر مارا تو خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر آ پڑے اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خاتون کو گالی دی نبی کریم ﷺ نے یہ گالی سنی تو فرمایا:

**''مهلاً یا خالد! فوالذی نفسی بیده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له''**

''خالد..... ! ذرا رک کر، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی عظیم توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں سے ناجائز ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کی بخشش ہو جاتی...''

پھر آپ ﷺ کے حکم سے اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور اسے دفن کر دیا گیا.....

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا:

یا رسول اللہ آپ نے اسے رجم کیا ہے اور اس کی نماز جنازہ بھی ادا کرتے ہیں؟.....

آپ ﷺ نے فرمایا:

**''لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة وسعتهم وهل وجدت شيئاً افضل من ان جادت بنفسها لله عز وجل''**

''یقیناً اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی بخشش ہو جائے کیا تم نے اس سے بھی افضل کوئی کام دیکھا ہے کہ اس نے اپنی جان اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر قربان کر دی.....'' (صحیح مسلم ومصنف عبدالرزاق ج ۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں سے بڑی محبت کرتے ہیں..... بندے کو معمولی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کے گناہوں کو معاف کرتے ہیں..... اور درجات بلند کرتے ہیں.....

## حضرت وحشی کا محبت الٰہی سے لبریز واقعہ

11 حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کردیا تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرائیل نے کہا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہم نے عرش پر لکھا ہے حمزہ اسد اللہ (حمزہ اللہ کا شیر ہے) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہچکی بند ہوئی.....

ایسا شخص جس نے ایک نبی کے چچا کو قتل کر کے گناہ عظیم کیا..... یہ وحشی کون ہیں؟ ایک عورت کے غلام تھے اس عورت کے بڑوں کو غزوہ بدر میں قتل کیا گیا تھا اس عورت نے خنجر زہر میں بجھا کر ان حضرت وحشی کو دیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کردو' ان کا جگر نکال کر لاؤ' اور میرے پاس کان ناک کاٹ کر لاؤ۔ یہ گئے احد کے موقع پر ایک پتھر کے پیچھے چھپ گئے.....

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے ان کی فوج میں گھستے چلے گئے لوگ ہٹتے گئے جیسے بھاگتے گئے اس طریقہ پر فوج ہٹتی گئی پھر جب وہاں سے واپس ہورہے تھے دیکھا کوئی غلام بیٹھا ہے پتھر کے پیچھے ان کی عادت نہیں تھی غلام پر حملہ کرنے کی، غلام کمزور ہوتا ہے اس کے اوپر کیا حملہ کریں وہ تو حملہ کے لئے بہادر کو اپنے مقابل کے لئے تلاش کیا کرتے تھے کہ کوئی میرے برابر والا آئے تو اس پر حملہ کروں ، انہوں نے اس غلام کو کچھ نہیں کہا..... ان کے گھوڑے کا پیر پھسلا یہ گرے گھوڑا بھی گرا پس

وہ غلام جلدی سے اٹھ گیا خنجر اس کے پاس ہی تھا..... اس نے حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو خنجر مارا وہ گر گئے اور ایسی بے دردی سے سینہ پر خنجر مارا..... پیٹ کو چاک کر کے پاخانہ کے مقام تک لے گئے لاش کو چاک کیا' دل نکالا' جگر نکالا' کان کاٹے' ہونٹ کاٹے' اور اس عورت کے پاس لے گئے..... (ماہانہ احسان و سلوک شعبان ۱۴۱۳ھ)

اس عورت نے دل' اور جگر کو دانتوں سے چبایا' کان اور ہونٹوں کو دھاگے سے باندھ کر ہار بنا کر گلے میں ڈال کر چھلتی کودتی تھی کہ میں نے آج بدلہ لے لیا..... یہ حضرت وحشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ تھے جنہوں نے حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا.....

لیکن جب رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وحشی کو اپنا محبوب بنانا ہے' تو اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے آپ ﷺ کے دل میں یہ بات پیدا کی کہ وحشی کو اسلام کی دعوت دو..... (ایضاً)

حضور ﷺ نے حضرت وحشی کے پاس قاصد بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دے' پس یہ پیغام حضرت وحشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے کہلا بھیجا کہ مجھے آپ کس طرح دعوت اسلام دے رہے ہیں آپ کے رب نے فرمایا:

**''من قتل او زنی او اشرک یلقی اثاما یضاعف له العذاب و انا قد فعلت هذا کله''**

''جو قتل اور زنا اور شرک کرے گا ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب ہوگا..... اور ہم نے تو یہ سب کیا ہے''

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے وحشی کو دعوتِ اسلام کے لئے دوسری آیت نازل فرمائی.....

دیکھئے یہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کا کرم ہے ایسے مبغوض' ایسے مجرم' رسول خدا کے چچا کے قاتل پر اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ کی رحمت برس رہی ہے..... کیا ٹھکانہ ہے اس کے حلم کا! دو آیات نازل ہو رہی ہیں ان کے اسلام کے لئے:

''اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً''

اے رسول خدا! وحشی کو آپ پیغام دے دیں کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور ایمان لائیں اور صالح عمل کرتے رہیں تو میں انکے ایمان اور اسلام کو قبول کرتا ہوں.....

دنیا میں ہے کوئی ایسا حلم والا جو اپنے محبوب عزیز کے قاتل کو اس طرح بخشے گا..... سرور عالم ﷺ نے آیت کو جب ان کے پاس بھیجا تو اس پر ان کا پیغام سنئے کہتے ہیں:

''ھذا شرط شدید''

یہ تو بڑی سخت شرط ہے..... کیونکہ میں توبہ کرسکتا ہوں' ایمان لاسکتا ہوں..... لیکن وہ

''وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً''

ساری زندگی نیک عمل کرتا رہوں اس میں ذرا مجھے اپنے بارے میں اعتماد نہیں ہے

''لعلی لا اقدر علیه''

میں شاید اس پر قادر نہ ہوسکوں..... اب تیسری آیت نازل ہورہی ہے..... دیکھئے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص کے اسلام کے لئے' بدترین مجرم کے لئے آیت پر آیت نازل فرمارہے ہیں' اور یہ نازنخرے دکھارہے ہیں..... ہے کوئی ایسا دل گردہ والا ہے جو اپنے مجرم کے نازنخرے برداشت کرے؟..... لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت غیر محدود کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ ایمان لانے کے لئے شرطیں لگارہے ہیں' پیغامات کے تبادلے ہورہے ہیں' ان کے لئے قرآن کی آیت لے کر جبرائیل علیہ السلام کی آمد ورفت ہورہی ہے.....

اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے ان کی رحمت کا، تیسری آیت کیا نازل فرمائی:

''اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ''

اللہ تبارک وتعالیٰ شرک کو نہیں معاف کرے گا لیکن اس کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں وہ سب معاف کردے گا جس کیلئے چاہے گا یعنی وحشی اگر ایمان لائیں اور شرک سے توبہ کرلیں تو عمل صالح کی بھی قید اٹھ رہی ہے.....

''وَيَغفِرُ مادُونَ ذالکَ لِمَنْ يَّشاءُ''

''شرک کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ بخش دیگا جس کے لئے چاہے گا.....''

اب ان کا جواب سنئے پھر پیغام کا تبادلہ ہو رہا ہے کہتے ہیں:

''او ابی بعد فی شبھة''

میں ابھی شبہ میں ہوں کیونکہ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت کی آواز نہیں دی بلکہ مغفرت کو اپنی مشیت سے مقید کر دیا کہ جس کو میں چاہوں گا اس کو بخش دونگا..... مجھے کیا پتہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت میرے لئے ہوگی یا نہیں، وہ میرے لئے مغفرت چاہیں گے یا نہیں.....

''فلا ادری یغفر لی ام لا؟''

''پس میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے بخشیں گے یا نہیں.....''

بتائیے، پیغامات کے تبادلے سن رہے ہیں آپ لوگ کیا حق تعالیٰ کا جذب نہیں ہے؟..... یہ انہی کا جذب ہے، حضرت وحشی کو بھی ابھی خبر نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں یہ جذب فرما رہے ہیں.....

کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

اب چوتھی آیت نازل ہو رہی ہے:

''قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ''

یہ آیت اتنی قیمتی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ما أحب ان لی الدنیا بھذہ الایة''..... (مشکوٰۃ)

''یہ آیت مجھے اتنی محبوب ہے کہ اگر اس کے بدلہ میں مجھے پوری کائنات مل جائے تو وہ

عزیز نہیں.....''

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ ''

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے گنہگار بندوں کو بتادیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کرلیں ظلم کرلئے بے شمار گناہ کر لئے

''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ''

تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو

''اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ''

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا..... اب مشیت کی بھی قید نہیں ہے اس قید کو بھی میں ہٹا رہا ہوں تا کہ میرے گنہگار بندے مایوس نہ ہوں

''اِنَّ تاکید ھے الذُّنُوْب''

پر الف لام استغراق کا ہے یعنی کوئی گناہ ایسا نہ ہوگا جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نہ بخش دے اور جَمِیْعًا میں تاکید ہے..... تین تاکیدوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم تمام گناہوں کو بخش دیں گے.....

''اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''

یہ جملہ تعلیلیہ ہے معرض علت میں ہے یعنی وجہ بھی بتادی کہ ہم کیوں بخش دیں گے..... کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے..... اور اپنے نام پاک غفور کو رحیم پر مقدم فرمایا کہ معلوم بھی ہے ہم بندوں کو کیوں بخش دیتے ہیں؟..... بوجہ رحمت کے اپنی شان ورحمت کیوجہ سے ہم تمہاری مغفرت فرماتے ہیں..... تمہارے گناہ محدود ہیں میری مغفرت محدود نہیں ہے..... میری غیر محدود رحمت کے سامنے تمہارے گناہ ایسے ہیں جیسے ایک چڑیا سمندر سے ایک قطرہ اٹھالے جو نسبت اس قطرہ کو سمندر سے ہے

اتنی بھی تمہارے گناہوں کو میری غیر محدود رحمت و مغفرت سے نہیں.....

بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحئی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے کہ کراچی کے ایک کروڑ انسانوں کا پیشاب پاخانہ کراچی کے سمندر میں جاتا ہے..... لیکن ایک لہر آتی ہے اور سب اٹھا کر لے جاتی ہے اور سب پاک کر دیتی ہے..... یہ سمندر تو محدود ہے اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی رحمت و مغفرت کے غیر محدود سمندر کا کیا عالم ہوگا..... ایک موج آئے گی اور انشاء اللہ تعالی ہمارے سب گناہوں کو بہالے جائے گی.....

اس آیت کے نزول کے بعد کیا ہوا اب تبادلہ پیغامات کا نقشہ بدل گیا حضرت وحشی کا کام بن گیا کہا ﴿نعم هذا﴾ یہ بہت اچھی آیت ہے ﴿فجاء واسلم﴾ پھر آئے اور اسلام قبول کرلیا صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿هذا له خاصة ام للمسلمين عامة﴾ کیا یہ آیت وحشی کے لئے خاص ہے یا سارے مسلمانوں کے لئے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ﴿بل للمسلمين عامة﴾ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لئے اللہ کا یہ فضل عام ہے... (تجلیات جذب)

## نادم گنہگار کی رسوائیوں کی تلافی

ابا جب بچہ کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے تو باپ کی ناراضی سے اس کی جو ذلت اور رسوائی ہوتی ہے، ہر طرف چرچا ہوتا ہے کہ بڑا نالائق بیٹا ہے، تو پھر باپ یہی کہتا ہے کہ میرا بیٹا لائق ہے، اس نے معافی مانگ لی ہے اور اس کو کوئی عہدہ دے دیتا ہے، یا کلفٹن کا کوئی بنگلہ دے دیتا ہے، یا کوئی زبردست مرسڈیز کار دے دیتا ہے یا کوئی فیکٹری اس کے نام لکھ دیتا ہے جس سے لوگ سمجھ جائیں کہ باپ نے اس کو پیار کرلیا۔ اب اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی بھی حضرت وحشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نام ایک فیکٹری لکھ رہے ہیں وہ کیا؟..... نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا مسیلمہ کذاب جس سے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جہاد کرنا

پڑا..... اس کو حضرت وحشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے قتل کروایا..... اس وقت بہت سے بڑے بڑے صحابہ جرنیل تھے لیکن یہ نعمت حضرت وحشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قسمت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لکھی، یہ شرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حضرت وحشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو دینا تھا کہ میرا یہ بندہ قاتل حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہے اسی کے ہاتھوں سے اب ایک ذلیل ترین شخصیت کو قتل کرا دیا جائے تاکہ اس کی عزت قیامت تک امت کے اندر قائم رہے..... ہم اپنے اس رسوا اور ذلیل بندہ کی قسمت کو بدلنا چاہتے ہیں ہم اس کی تاریخ بدلنا چاہتے ہیں ہم اس کی تاریخ کو سنہرے حروف سے لکھوانا چاہتے ہیں لہٰذا اس مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھوں سے قتل کرا دیا..... اس کے بعد انہوں نے اعلان کیا:

''قتلت فی جاهليتی خير الناس وفی اسلامی شر الناس''

''میں نے اپنے زمانہ کفر میں زمانے کے سب سے بہترین شخص کو قتل کیا اور زمانہ اسلام میں سب سے بدترین شخص کو قتل کیا.....'' (روح المعانی ص ۲۱ ج ۲)

اس واقعہ کو تفسیر خازن کے بحوالہ تجلیات جذب مصنف علامہ محمود نسفی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جلد ۴ صفحہ ۵۹ پر، تفسیر معالم التنزیل کے ص ۲۰ تا ۲۵ مصنف محمد حسین بن مسعود الفراء النبوی نے جلد ۴ ص ۸۳ اور محدث اعظم ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا.....

## ربیع ابن خضیم کا واقعہ

**12** ربیع ابن خضیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بڑے اللہ والے تھے کچھ حاسدوں نے ایک عورت کو جو حسن میں لاثانی تھی ایک ہزار درہم دیئے ''لبث بأحسن من عندها'' اس کے پاس جو سب سے عمدہ لباس تھا اس نے لباس کو پہنا اعلیٰ خوشبو لگا کر اور زیور سے آراستہ ہو کر جب چہرہ کو کھول کر ربیع ابن خضیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے سامنے آئی تو آپ نے تین بول بولے جس کی وجہ سے اس کی زندگی بدل گئی اور مرنے سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو

عابدہ بنالیا.....

پہلا جملہ: اس سے کہا کہ بہنا آج تجھے جس حسن پر ناز ہے تیرا کیا حال ہوگا جب اللہ تیرے چہرے پر کوئی بیماری ڈال دے اور تیرے چہرے کی رونق چھین لے اور تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے؟.....

دوسرا جملہ: یہ کہا تیرا کیا حال ہوگا اس وقت جب تجھے قبر میں ڈالا جائے گا اور تیرے جسم پر قبر کے کیڑے چلیں گے اور تیرے گالوں کو نوچ لیں گے اور تیری ہڈیوں سے گوشت کو نوچ لیں گے اور تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے؟.....

تیسرا جملہ: وہ دن یاد کر جب قبر میں منکر نکیر آئیں گے اور جب تجھ سے سوال کریں گے..

ایسے طریقے سے اس سے بات کی وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی جب ہوش آیا تو اپنے گناہوں پر توبہ کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بہت بڑی عابدہ بنایا حتیٰ کہ لوگ اس کے پاس دعائیں کرانے آتے تھے..... (نزہۃ البساتین حکایت ۳۵۳ و کرامات اولیاء)

## سارنگی بجانے والے کے ساتھ اللہ کا رحمت بھرا معاملہ

13 حضرت جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مثنوی میں ایک چنگ یعنی سارنگی بجانے والے کا قصہ لکھا ہے کہ

یہ سارنگی بجایا کرتے تھے، بہترین آواز تھی..... ہر وقت گانا گا رہے ہیں، سارنگی بجا رہے ہیں، آواز ایسی کہ بچے اور جوان، مرد اور عورت ہر وقت گھیرے رہتے ہیں..... کوئی حلوہ لا رہا ہے، کوئی بریانی لا رہا ہے، کوئی کباب لا رہا ہے، پیسے برس رہے ہیں.....

لیکن جب بڈھے ہو گئے اور آواز خراب ہو گئی تو ساری دنیا ہٹ گئی، سب لوگ بھاگ گئے کہ اب یہ پھوٹا رباب، کوے کی سی آواز کون سنتا ہے، اب کوئی پوچھتا نہیں یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آ گئی، بھوکوں مرنے لگے..... تب مدینہ پاک کے قبرستان میں جا کر ایک

ٹوٹی ہوئی قبر میں لیٹ گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنا بھجن سنانا شروع کیا..... سارنگی بھی بج رہی ہے اور بھجن بھی سنا رہے ہیں اور کیا سنا رہے ہیں کہ:

اللہ جب میری آواز اچھی تھی تو آپ کے بندے مجھے حلوہ دیتے تھے' مردوزن' بوڑھے بچے سب گھیر لیتے تھے اب میری آواز خراب ہوگئی تو آپ کی مخلوق نے مجھ سے بے وفائی کی میں ساری دنیا سے مایوس ہوکر اب آپ کے دروازہ پر آپڑا ہوں اس قبرستان میں اب میں آپ کو اپنی آواز سناؤں گا..... اگر بچہ پر فالج گر جائے' لنگڑا لولا ہو یا اندھا ہو جائے لیکن ماں باپ اس کو رد نہیں کرتے' ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی ماں باپ نے لنگڑے لولے بچہ کو پھینک دیا ہو..... آپ نے مجھے پیدا کیا ہے میری آواز کے خریدار آپ ہی ہو سکتے ہیں لہٰذا آج آپ ہی کو سناؤں گا' آپ کی مرضی' چاہے تو جلا دیجئے یا قبرستان میں سلا دیجئے' میں تو پہلے ہی لیٹا ہوا ہوں' اگر آپ چاہیں تو بھوک سے روح نکال لیں' میں تو قبرستان ہی میں ہوں میرے لئے تو کسی کو قبر بنانے کی بھی ضرورت نہیں.....

بروایت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ، اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دکھایا کہ:

اے عمر! میرا ایک بندہ قبرستان میں لیٹا ہوا ہے گنہگار زندگی ہے' سارنگی لئے ہوئے ہے اور مجھے رو رو کے یاد کر رہا ہے اس کو جا کر میرا سلام کہیے اور بیت المال سے اس کا ماہانہ مقرر کر دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری خراب آواز کو قبول کر لیا ہے اور آئندہ سے تم کو بھیک مانگنے کی' گانے بجانے کی ضرورت نہیں ہے.....

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر قبر کو جھانکا جس قبر میں یہ لیٹے ہوئے تھے اس میں جھانکا تو یہ کانپنے لگے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رعب بہت تھا..... میرے شیخ نے سنایا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا رہے تھے اور پیچھے صحابہ چل رہے تھے کہ اچانک پیچھے مڑ کر دیکھا تو

سارے صحابی گھٹنوں کے بل گر پڑے ایسی ہیبت تھی..... لہٰذا پیر چنگی کانپنے لگا' حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ تم ڈرومت میں تمہارے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا سلام اور پیغام لایا ہوں تمہیں خدا تعالیٰ نے سلام کہلایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میں تمہارے لئے وظیفہ مقرر کردوں' ہر مہینہ تم کو سرکاری خزانہ سے وظیفہ ملتا رہے گا۔ اب تم کوئی فکر مت کرو.....

پیر چنگی نے فوراً پتھر اٹھالیا اور سب سے پہلے سارنگی توڑی اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور کہا کہ اے عمر! گواہ رہنا میں آج کی تاریخ سے کوئی نافرمانی نہیں کروں گا جو اللہ مجھ جیسے ناپاک' روسیاہ' بدکار اور گانا بجانے والے پر اتنی رحمت کر رہا ہے کہ آپ جیسے خلیفۃ المسلمین کو ایسی مقدس شخصیت کو جس کے اسلام پر فرشتوں نے خوشیاں منائی تھیں مجھ جیسے نالائق کے پاس بھیج رہا ہے اور سلام کہلوا رہا ہے اور بیت المال سے میرے لئے وظیفہ بھی مقرر کرادیا میں ایسے اللہ کو کیسے ناراض کروں.....

(کرامات اولیاء ونزہۃ البساتین واشرف المواعظ وتجلیات جذب)

اس واقعہ کے بعد مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے کیا ہے مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جو اشعار کہے ان کا ترجمہ: ''فرمایا اے خدا یہ سارنگی بجانے والا کب تیرا خاص بندہ بن گیا اے خدا تیرے جذب کی صفت کی کروڑہا کروڑہا تعریف کہ آپ نے پوشیدہ طور پر اس کو جذب کیا (یعنی اپنا بنالیا) اے اللہ قربان جائیں تیری رحمت پر آپ تو جسکو چاہے تو سو برس کے کافر کو ولایت عطا کردیں.....''

## ڈاکوؤں کے سرادر کو اپنا دوست بنالیا

**14** خواجہ فضیل اول ڈاکوؤں کے سرادر تھے سب ڈاکو آپ ہی کے پاس جمع رہتے تھے..... لیکن جماعت کی نماز روزہ اور نوافل کا اہتمام رکھتے تھے..... ایک مرتبہ لوٹ کے

ارادہ سے جا رہے تھے کہ یہ آیت کان میں پڑی:

”اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ“

اس آیت کا کان میں پڑنا تھا کہ نا معلوم کیا اثر کر گئی کہ زار زار رونے لگے..... ﴿وآن وحان واناب﴾ کہنے لگے..... حق تعالیٰ جل شانہ کو جب کوئی کام مقصود ہوتا ہے اس کے مناسب اسباب مہیا فرما دیتے ہیں.....

آپ کی عادت اول ہی سے یہ تھی کہ جب کسی سے مال چھینتے تو اس کی مقدار کیفیت وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے جب آپ نے توبہ کی تو اپنی لکھی ہوئی رقمیں واپس کیں..... ایک یہودی شخص نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میری تھیلی میں سونا بھرا ہوا تھا..... انہوں نے ہر چند قسمیں کھائیں عاجزی کی مگر اس نے ایک نہیں مانی بالآخر اس نے خود ہی یہ فیصلہ کیا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ بدون سونے کی تھیلی کے تیرا قصور معاف نہیں کروں گا..... اس لئے اندر وہ کیسہ جو رکھا ہے وہ لا کر مجھے دیدے تاکہ میں تیرا قصور معاف کروں..... انہوں نے وہ کیسہ لا کر دیدیا یہودی نے اس کو کھولا تو وہ سونا تھا..... دیکھ کر اس نے کہا کہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ تو نے سچی توبہ کر لی ہے اس لئے کہ یہ تھیلی ریت کی تھی، اور میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ جس کی توبہ سچی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں اگر ریت بھی ہو تو سونا ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا.....

ایک مرتبہ آپ چلے جا رہے تھے کہ ایک قافلہ پر گذر ہوا وہ قافلہ والے آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ ان اطراف میں فضیل نام کا ایک رہزن ہے اس کا خوف ہے آپ کے کانوں میں اس کا ذکر پڑا آپ نے فرمایا کہ تجھ کو مبارکباد ہو اس نے توبہ کر لی اور وہ اب تم لوگوں سے ایسا ہی ڈرتا ہے جیسے تم اس سے ڈرتے ہو..... اس کے بعد خواجہ فضیل کوفہ گئے اور امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی خدمت میں چندے مقیم رہے..... وہاں سے خواجہ حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے بیعت کے خیال سے بصرہ آئے مگر خواجہ صاحب کا وصال ہو چکا

تھا اس لئے خواجہ عبدالواحد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے بیعت ہوئے..... (تاریخ مشائخ چشت)

## زندگی بھر شراب پینے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا

**15** حضرت بشر حافی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بہت بڑے اللہ والے تھے زمانہ جاہلیت میں آپ کا یہ حال تھا کہ کثرت سے شراب پیتے تھے..... ایک مرتبہ شراب کے نشہ میں جھومتے جھومتے جارہے تھے تو زمین پر ایک کاغذ کا پرچہ پڑا ہوا تھا..... آپ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی نگاہ جیسے ہی اس کاغذ پر پڑی اس کو اٹھالیا کہ اس میں میرے محبوب کا نام ہے اسے چوما صاف کیا اور خوشبو لگا کر اونچی جگہ پر رکھ دیا.....

بسب رات کو آپ سوئے تو خواب میں کہا گیا:

''اے بشر! تو [illegible] رے نام کو اونچا کیا ہم تمہیں اونچا کر کے دکھائیں گے.....''

بعس لںابوں ىں ىہ ہے لہ یہ خواب کسی اللہ والے نے دیکھا تھا اور پھر آپ کو بتایا تو آ[illegible] یہ سن کر زمین پر لوٹنے لگے اور کہا ہائے افسوس میرے اتنے گناہ پھر بھی یہ انعام.....

پھر آپ نے اسی وقت اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نے آپ کو ولایت عطا کی اور اپنا دوست بنایا جب آپنے ولایت کا مقام پالیا تو ایک دن یہ آیت تلاوت کی:

''اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا''

''کیا زمیں کو ہم نے فرش نہیں بنایا.....''

حضرت بشر نے جوتا اتار دیا کہ اے خدا میں تیرے فرش پر جوتا پہن کر نہیں چلوں گا..... لیکن یہ مسئلہ نہیں ہے خوب سمجھ لیجئے! بس ان پر ایک حال غالب ہو گیا.....

## اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی قدردانی و بندہ نوازی

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نے اس کی یہ قدر کی کہ زمین کو حکم دے دیا کہ اے زمین بشر کی گذرگاہ سے نجاست کو نگل جایا کرتا کہ میرے بشر کے پاؤں میں نجاست نہ لگے..... چنانچہ وہ جہاں

کہیں سے گذرتے اگر نجاست پڑی ہوئی ہوتی تو حضرت بشر کے قدم رکھنے سے پہلے زمین پھٹ جاتی اور اس نجاست کو نگل لیتی ہے..... یہ ہے انعام جو اللہ تبارک وتعالیٰ پر مرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کو عزت دیتا ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ کرامت عطا فرمائی..... (نزہۃ البساتین و دبستان الاولیاء و مراۃ الاسرار)

## پیاسے کتے کو پانی پلانے کے سبب سے فاحشہ کی مغفرت

**16** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فاحشہ عورت کی مغفرت کردی گئی..... (سبب یہ ہوا کہ) وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو شدت پیاس کے سبب زبان نکالے کنوئیں کے کنارے پر کھڑا تھا..... عورت کو اس کتے پر ترس آیا اور اس نے سوچا کہ یہ کتا اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوق ہے اور پیاس سے بے چین ہے اس کتے کو پانی پلانا چاہئے..... اس نے ڈول تلاش کیا تو کوئی ڈول وہاں نہیں ملا آ کر اس نے اپنے پاؤں سے ایک چمڑے کا موزہ اتارا اور کسی طرح اس کنویں سے پانی بھرا اور اس کتے کو پلا دیا..... اور اس کی پیاس دور کردی..... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ صرف اس عمل پر اس کی مغفرت فرمادی.....

بتائیے! اگر وہ عورت یہ سوچتی کہ میں تو ایک فاحشہ عورت ہوں میں تو جہنم کی مستحق ہوں..... اگر میں نے کتے کو پانی پلانے کا یہ چھوٹا سا عمل کر بھی لیا تو کونسا انقلاب آ جائے گا..... اگر وہ یہ سوچتی تو اس عمل سے بھی محروم ہو جاتی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اسکی نجات نہ ہوتی..... بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عمل پر اسکی نجات فرمادی.....

(مشکوۃ و بخاری ج ۱)

## ایک قطرہ سے کم پانی سبب مغفرت بن گیا

**17** ایک بزرگ جو بہت بڑے محدث بھی تھے..... جنہوں نے ساری عمر حدیث

کی خدمت میں گزاری..... جب ان کا انتقال ہوگیا تو کسی شخص نے خواب میں ان کی زیارت کی اور ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسا معاملہ فرمایا؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بڑا عجیب معاملہ ہوا..... وہ یہ کہ ہم نے تو ساری عمر علم کی خدمت میں اور حدیث کی خدمت میں گزاری.....

ایک دن میں حدیث کی کتابت کر رہا تھا کہ ایک مکھی جو شدید پیاسی تھی آ کر قلم پر بیٹھ گئی اور قلم کی نوک پر موجود سیاہی کو پی کر اپنی پیاس بجھانے لگی..... میں نے یہ سوچ کر کہ یہ مکھی اپنی پیاس بجھالے، اپنا قلم تھوڑی دیر کے لئے روک لیا، یہاں تک کہ مکھی اپنی پیاس بجھا کر دوبارہ اڑ گئی..... بس یہ تھوڑی دیر کیلئے قلم کا روکے رکھنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ صرف اسی بات پر میری مغفرت فرمادی..... (مشکوٰۃ ص ۱۶۸)

## چند چھوٹی چھوٹی رکعتیں مغفرت کا سبب بن گئیں

**18** حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۲۹۷ھ) کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا آپ نے کہا:

''فنيت الحقائق والاشارات ونفدت الرموز والعبارات ومانفعنا الا ركيعات في جوف الليل''

''یعنی سارے علوم وحقائق وغیرہ فنا ہوگئے..... یہاں کچھ کام نہ آئے اگر کچھ کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا۔ یعنی تہجد.....''

(الاضافات الیومیہ ج ۷ ل ۲۸۶)

## ایک بلی کے بچے کے ساتھ حسن سلوک کے سبب مغفرت

**19** حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۲۶۱ھ) کو کسی نے بعد وفات کے

خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا..... فرمایا جب میں پیش کیا گیا تو پوچھا گیا کہ اے بایزید کیا لائے؟ میں نے سوچا کہ نماز روزہ وغیرہ سب اعمال تو اس قابل نہیں کہ پیش کروں' البتہ ایمان تو بفضلہٖ تعالیٰ ہے' اس لئے عرض کیا کہ توحید' ارشاد ہوا:

''اما تذکر لیلة اللبن'' ''یعنی دودھ والی رات یاد نہیں؟.....''

قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت بایزید بسطامی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کے پیٹ میں ایک دن درد ہوا تو ان کی زبان سے نکل گیا کہ دودھ پیا تھا اس سے درد ہو گیا' اس پر شکایت ہوئی کہ درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا اور فاعل حقیقی کو بھول گئے حالانکہ.....

درد از یارست درماں نیز ہم

پھر ارشاد ہوا کہ اب بتلاؤ کیا لائے؟ عرض کیا اے اللہ کچھ نہیں' فرمایا کہ ایک عمل تمہارا ہم کو پسند آیا ہے' اس کی وجہ سے بخشتے ہیں..... ایک مرتبہ ایک بلی کا بچہ سردی میں ٹھٹھر رہا تھا تم نے اس کو لے کر اپنے پاس لٹا لیا' رہ گئی ساری کی ساری بزرگی اور تمام حقائق اور دقائق و مصارف سب کالعدم ہو گئے..... (جواہر پارے)

## قبروں کے شکستہ ہو جانے کے سبب مغفرت

**20** حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

''کہ ایک نبی عَلَیْهِ السَّلَام ایک مقبرہ پر گزرے جس میں نئی سی قبریں بنی ہوئی تھیں اور پاس گئے تو معلوم ہوا کہ اکثر معذب ہیں..... دعا کی اور آگے گزر گئے کچھ عرصہ کے بعد پھر وہاں سے گزر ہوا جبکہ قبریں شکستہ ہو گئی تھیں..... وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب کے سب مغفور اور روح وریحان میں ہیں' حیرت ہوئی اور جناب باری میں عرض کیا کہ مرنے کے بعد ان کا کوئی عمل تو ہوا نہیں پھر مغفرت کا سبب کیا ہوا؟..... فرمایا جب ان کی قبریں شکستہ ہو گئیں اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ رہا تو مجھے رحم آیا اور مغفرت کر دی..... (خاتمۃ السوانح)

# ایک وقت کی نماز اہتمام سے پڑھنے کے سبب مغفرت

21 ایک عابد کبیر علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ ایک شرابی اور بڑا ہی پاپی بدکار بصرہ کے اطراف میں رہتا تھا..... اس کا انتقال ہوا تو چونکہ پورا گاؤں اس سے ناراض و بیزار تھا..... کوئی شخص اس کا جنازہ اٹھانے اور نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوا..... مجبوراً اس کی بیوی نے دو مزدوروں سے جنازہ اٹھوا کر قبرستان تک پہنچایا..... اور گاؤں کا ایک آدمی قبرستان تک نہیں آیا..... اس گاؤں کے قریب ایک پہاڑ پر ایک بہت بڑے بزرگ زاہد و عابد عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے اور یہ بزرگ تمام گاؤں والوں کے پیر و مرشد تھے..... اس بزرگ نے پہاڑ کے اوپر سے دیکھا کہ ایک عورت جنازہ کے پاس ہے اور کوئی جنازہ پڑھنے والا نہیں ہے تو یہ بزرگ جو کبھی پہاڑ سے نہیں اترے تھے پہاڑ سے اتر پڑے جب گاؤں والوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے پیر و مرشد اس بدکار کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے پہاڑ سے اتر پڑے ہیں تو سارا گاؤں قبرستان میں پہنچ گیا پھر اس بزرگ اور تمام گاؤں والوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کیا.....

پھر اس بزرگ نے فرمایا کہ:

میں سو رہا تھا..... تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عورت جنازہ لئے بیٹھی ہے اور کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا نہیں ہے' تو خواب ہی میں کسی نے مجھ سے کہا کہ تم پہاڑ سے اتر کر اس کے جنازہ کی نماز پڑھاؤ کیونکہ اس میت کی مغفرت ہو چکی ہے..... اس خواب کو سنکر سب لوگ تعجب سے سر دھننے لگے پھر اس بزرگ نے اس عورت سے اس کے شوہر کا حال پوچھا..... تو اس عورت نے بتایا کہ لوگ سچ کہتے ہیں کہ میرا شوہر بہت بدکار اور بڑا گنہگار تھا واقعی وہ دن بھر شراب خانہ ہی میں رہتا تھا.....

پھر بزرگ نے دریافت کیا کہ تم نے اس کا کوئی نیک عمل بھی دیکھا ہے' تو عورت نے

کہا کہ ہاں وہ گنہگار ہونے کے باوجود تین اچھی باتوں کا بہت پابند تھا..... ایک تو یہ کہ وہ رات بھر شراب خانہ میں شراب پیتا تھا..... مگر صبح کو اس کا نشہ اتر جاتا تھا تو وہ اکیلا زار زار روتا تھا..... اور یہی کہتا تھا کہ اے میرے رب تو جہنم کے کونسے گوشہ میں مجھ خبیث کو ڈالے گا..... یہ سن کر وہ بزرگ اس کی مغفرت کا راز سمجھ گئے..... پھر وہ اس میت کے لئے دعائیں کرتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ گئے..... (احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۱۲)

## بچہ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھانے کے سبب باپ کی مغفرت

22 حضرت امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (م ۶۰۶ ھ) رقمطراز ہیں:

''ایک دفعہ عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک قبر پر سے گزر ہوا آپ نے (بطور کشف) دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں' آپ آگے چلے گئے اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں' آپ کو اس پر تعجب ہوا' آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیجی اے عیسیٰ یہ بندہ گنہگار تھا اور جب سے مرا تھا عذاب میں گرفتار تھا یہ مرتے وقت اپنی بیوی چھوڑ گیا تھا' اس عورت نے ایک فرزند جنا اور اس کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا اور اس کے بعد اس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں بھیجا استاذ نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی' پس مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اور اس کا فرزند میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر.....''

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۷۲)

## تکلیف دینے والی چیز کے ہٹا دینے کے سبب مغفرت:

23 ایک شخص گزر رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک ٹہنی نظر آئی اس نے کہا کہ

میں مسلمانوں کے راستے میں سے اس ٹہنی کو ضرور ہٹادوں گا تا کہ انہیں تکلیف نہ ہو بس اس عمل کے سبب اس کی مغفرت ہوگئی... (مشکوۃ ج ۳ ص ۱۶۸)

## پانچ بول سبب مغفرت بن گئے

**24** خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ فلاں سرزمین میں میرا ایک ولی ہے اس کے پاس جایئے اور اسے غسل دے کر اس کی نماز پڑھئے..... موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے تو دیکھا کہ لوگ اس کی مذمت کر رہے ہیں اور ہر گناہ میں اسے مبتلا بتاتے ہیں..... موسیٰ علیہ السلام کو جو حکم خداوندی ہوا تھا بجالائے پھر عرض کیا:

اے رب! لوگ تو اس اس طرح اس کی نسبت کہہ رہے ہیں؟..... ارشاد ہوا وہ سچ کہتے ہیں لیکن پانچ باتیں کہہ کر اس نے مجھ سے مناجات کی تھی میں نے اسے بخش دیا..... پھر عرض کیا اے رب اس نے کس طرح کہا تھا ارشاد ہوا اس نے کہا تھا:

**''یا رب انت تعلم انی احب الصالحین وان لم اکن صالحاً یارب وانت تعلم انی اکرہ الفاسقین وان کنت فاسقاً یا رب لو اعلم ان دخول الجنۃ یزید فی ملکک شیئاً ماسالتک الجنۃ ولو اعلم ان النجاۃ من النار منقص من ملکک شیئاً ما ماسألتک النجاۃ منھا یارب ان لم ترحمنی انت من یرحمنی''**

اے رب! آپ کو معلوم ہے کہ میں نیکوں سے محبت رکھتا ہوں اگرچہ خود نیک نہیں ہوں.....

اے رب! اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں گنہگاروں کو ناپسند کرتا ہوں اگرچہ خود گنہگار ہوں.....

اے رب! اگر میں جانتا کہ مجھے جنت میں داخل کیا جانا آپ کے ملک میں کچھ اضافہ کر

دے گا تو میں کبھی جنت کی آپ سے درخواست نہ کرتا؛ اور اگر میں جانتا کہ دوزخ سے مجھے رہائی دینا آپ کی ملک میں کچھ کم کر دیگا تو میں کبھی آپ سے اپنی رہائی کی درخواست نہ کرتا. اگر آپ مجھ پر رحم نہ کریں گے تو پھر کون رحم کرے گا..... (نزھۃ المجالس)

# ایک تاجر کی مغفرت کا عجیب واقعہ

25 ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ایک شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا..... اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حساب کتاب ہوگا تو اس وقت وہ پیش ہوگا..... لیکن اس کا کوئی نمونہ ہوسکتا ہے' کہ پہلے بھی کسی وقت دکھایا جاتا ہو..... بہر حال' جب وہ پیش ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کا اعمال نامہ دیکھو کہ اس نے کیا کیا اعمال کئے ہیں..... جب فرشتوں نے دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ اس کا اعمال نامہ نیکیوں سے تقریباً خالی ہے..... نہ نماز نہ روزہ ہے نہ کوئی اور عبادت ہے بس دن رات تجارت کرتا رہتا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام بندوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں لیکن دوسروں کے سامنے ظاہر کرانے کے لئے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اچھی طرح دیکھو کہ کوئی اور نیک عمل اعمال نامے میں ہے یا نہیں؟..... اس وقت فرشتے فرمائیں گے کہ ہاں اس کا ایک نیک عمل ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شخص اگرچہ کوئی خاص نیک عمل تو نہیں کرتا تھا' لیکن یہ تجارت کرتا تھا' اور اپنے غلاموں کو تجارت کا سامان دے کر بھیجتا کہ جا کر یہ سامان بیچ کر اس کے پیسے لا کر دیں..... اس شخص نے اپنے غلاموں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ جب کسی کو کوئی سامان فروخت کرو اور تم یہ دیکھو کہ وہ شخص تنگدست اور مفلس ہے تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا..... اگر اس کو ادھار دیا ہے تو اس سے ادھار وصول کرنے میں بہت سختی سے کام مت لینا..... اور کبھی کسی کو معاف بھی کر دیا کرنا' چنانچہ ساری عمر تجارت کے اندر اس کا یہ معمول

رہا کہ جب کسی تنگدست سے معاملہ کیا تو یہ یا تو اس کو مہلت دیدی..... اگر موقع ہوا تو اس کو معاف ہی کر دیا۔ تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کردوں..... چنانچہ پھر فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے درگزر کا معاملہ کرو..... اور اس کو جنت میں بھیج دو..... بہر حال بندوں کے ساتھ معافی کا معاملہ کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے.....

(نزہۃ المجالس)

## یہ رحمت کا معاملہ تھا' قانون کا نہیں

لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ یہ اوپر کا معاملہ ہے' یہ کوئی قانون نہیں ہے لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ یہ اچھا نسخہ ہاتھ آ گیا کہ نہ نماز پڑھو' نہ روزہ رکھو' نہ زکوٰۃ دو' نہ دوسرے فرائض انجام دو' نہ گناہوں سے بچو' بس میں بھی اسی طرح لوگوں کو معاف کر دیا کروں گا تو قیامت کے روز میری بھی معافی ہو جائے گی۔ یہ درست نہیں' اس لئے کہ یہ معاملہ رحمت کا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کسی قاعدے اور قانون کی پابند نہیں ہوتی..... وہ جس کو چاہیں اپنی رحمت سے بخش دیں..... لیکن قانون یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی ضرور کرنی ہے' گناہوں سے بچنا ضروری ہے' اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی نہیں کرتا' یا گناہوں سے نہیں بچتا' تو محض کسی ایک عمل کی بنیاد پر تکیہ کر کے بیٹھ جائے کہ بس اس ایک عمل کے ذریعہ میری چھٹی ہو جائے گی..... یہ بات درست نہیں..... اس لئے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون نہیں ہے جس شخص کی صرف ایک عمل کی بنیاد پر بخشش ہو گئی..... معلوم نہیں اس نے وہ عمل کس جذبہ کے ساتھ کیا ہوگا..... اور اس کی بنیاد پر اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا..... ہمارے اور آپ کے لئے یہ کوئی ہمیشہ کا دستور العمل نہیں ہے.....

(اصلاحی خطبات)

## ایک بچے کا بادشاہ کو گالی دینا

26 حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس قسم کے واقعات کی صحیح حقیقت کو سمجھانے کے لئے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ:

نظام حیدر آباد دکن کے ایک نواب صاحب تھے' ان کے وزیر نے ایک مرتبہ ان کی دعوت کر دی' اور ان کو اپنے گھر بلایا..... جب نواب صاحب گھر میں داخل ہوئے تو وزیر صاحب کا بچہ وہاں کھیل رہا تھا..... نواب صاحب کو بچوں سے چھیڑ خوانی کرنے کی عادت تھی، انہوں نے وزیر کے بچے کو چھیڑنے کے لئے اس کا کان پکڑ لیا..... وہ بہت تیز طرار تھا' وہ کیا جانے کہ نواب کون ہے' اور بادشاہ کون ہے' بچے نے پلٹ کر نواب صاحب کو گالی دیدی..... جب وزیر صاحب نے بچے کے منہ سے نواب صاحب کے لئے گالی سنی تو ان کی جان نکل گئی کہ میرے بچے نے نواب صاحب کو گالی دیدی..... اور نواب صاحب کی تو زبان قانون ہوتی ہے' اب پتہ نہیں بچے کا کیا حشر کرے گا' اس لئے وزیر نے اپنی وفاداری جتانے کے لئے تلوار نکال لی' اور کہا کہ میں ابھی اس کا سر قلم کرتا ہوں' اس نے نواب صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے..... نواب صاحب نے روکا' نہیں چھوڑ دو یہ بچہ ذہین لگتا ہے اور اس میں اتنی خودداری ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا کان مروڑ دے تو یہ بچہ فوراً اس کے آگے ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہے..... بلکہ بڑا ذہین اور خوددار ہے اپنا بدلہ لینے والا ہے اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والا ہے..... ایسا کرو کہ اس کا ماہانہ وظیفہ جاری کر دو..... چنانچہ اس کا وظیفہ جاری ہوا، اس وظیفہ کا نام تھا'' وظیفہ دشنام'' یعنی گالی دینے کا وظیفہ.....

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

اب تم بھی یہ سوچ کر کہ گالی دینے سے وظیفہ جاری ہوتا ہے لہٰذا تم بھی جا کر نواب صاحب کو گالی دے آؤ..... ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ یہ خاص طور پر اس بچے کے

خاص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بادشاہ کی سخاوت کا ایک مظاہرہ تھا کہ گالی دینے کے باوجود بچے کو نواز دیا لیکن یہ کوئی عام قانون نہیں تھا کہ جو کوئی نواب صاحب کو گالی دے گا تو اس کو وظیفہ ملے گا بلکہ اب کوئی گالی دے گا تو پٹائی ہوگی جیل میں بند کر دیا جائے گا ہو سکتا ہے کہ سر قلم کر دیا جائے.....

یہی معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نکتہ نوازی کا ہے کہ کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا' اور کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا' کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا۔ اور کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا' ان کی رحمت کسی قید کسی شرط اور کسی قانون کی پابند نہیں:

''وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ'' ''میری رحمت تو ہر چیز پر وسیع ہے.....''

اس لئے کسی کے ساتھ ناانصافی کبھی نہیں ہوتی' لیکن بعض اوقات کسی کو کسی عمل پر نواز دیا جاتا ہے۔ جب وہ عمل اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند آجائے..... (اصلاحی خطبات وخطبات حکیم الامت)

## تین سو ساٹھ رحمتیں

**27** ایک شخص نے بیان کیا کہ:

میں آیت الکرسی پڑھا کرتا تھا ایک روز میرے سخت درد ہوا نیند جو آ گئی تو دیکھتا کیا ہوں کہ دو آدمی ہیں ایک دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ یہ ایک آیت پڑھتا ہے جس میں تین سو ساٹھ رحمتیں ہیں لیکن تعجب ہے کہ اس شخص کو ان میں سے ایک رحمت بھی نہ ملی اس کے بعد جب میں بیدار ہوا تو خدا کے فضل سے صحیح وسالم تھا.....

ایک شخص کا جنگل میں گذر ہوا تو بھیڑیئے نے اس کا پیچھا کیا اس نے آیت الکرسی پڑھ دی اس کے پڑھنے سے بھیڑیا بھاگ گیا.....

نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ:

جبرئیل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرکش جن آپ سے مکرو

دعا کرنا چاہتا ہے..... آپ ﷺ آیت الکرسی پڑھ کر اسے بھگا دیجئے.....

حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جس گھر میں شیطان ہو اور آیت الکرسی پڑھی جائے تو وہاں سے شیطان نکل جاتا ہے.....

## غصہ کو دبانے کے سبب مغفرت

28 ایک شخص کی بیوی نے کھانے میں نمک بہت تیز کر دیا اس آدمی کو غصہ تو بہت آیا لیکن پھر سوچا کہ اگر میری لڑکی سے ایسی خطا ہو جاتی تو اپنے داماد سے کیا معاملہ پسند کرتا کہ وہ اسے معاف کر دے اور میں بھی کسی کا داماد ہوں اور وہ حق تعالیٰ کی بندی ہے، پس اس نے معاف کر دیا بیوی کو کچھ نہ کہا۔ جب اس شخص کا انتقال ہوا تو ایک بزرگ نے اس شخص کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کیا معاملہ ہوا تیرے ساتھ؟ تو وہ کہنے لگا کہ حق تعالیٰ شانہ نے باوجود میری تمام نالائقی کے فرمایا کہ تو نے ہماری فلاں بندی پر رحم کیا اور سزا نہ دی اسے معاف کر دیا اس کے بدلے میں، میں بھی تجھے معاف کرتا ہوں.....

## فاحشہ کو عابدہ کی صورت بنانے پر ولایت مل جانے کا واقعہ

29 ایک مرتبہ شہر بستان میں ایک عورت فاجرہ نہات جمیلہ اور حسینہ باہر سے آ گئی اور لوگوں سے برا کام کرانا شروع کیا اور وہ فاحشہ ایک دفعہ کے دوسو درہم لیا کرتی تھی، مگر چونکہ نہات خوبصورت تھی لہٰذ لوگ اس کی خوبصورتی میں مبتلا ہو کر روپیہ کا ہرگز خیال نہیں کرتے تھے.....

ایک مہینہ کے اندر اس برے کام کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگ تباہ حال اور برباد ہونے لگے، آخر لوگ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے جو اس شہر کے کامل درویش تھے اور آپ کو اس عورت کا حال واحوال بتلایا تو آپ نے اس عورت کے پاس جانے کی حامی بھر لی.....

آپ مغرب کی نماز کے بعد دوسو درہم لے کر اس کے مکان کی طرف چلے گئے.....

جب رات کے نو دس بجے تو اس عورت کو خیال ہوا کہ آج لوگوں کی آمد ورفت کیوں بند ہے حالانکہ اس وقت روزانہ حد سے زیادہ ہجوم ہو جاتا تھا اور اپنے نوکر کو باہر دیکھنے کے لئے بھیجا اس نے دیکھا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ دروزاے پر بیٹھے ہیں..... لوگ آتے اور ان کو بیٹھا دیکھ کر چلے جاتے ہیں اور بڑا تعجب کر رہے ہیں کہ آج حضرت بایزید یہاں کیسے تشریف لائے۔ القصہ نوکر نے جا کر اطلاع دی..... یہ سنتے ہی نوکر کو بھیجا کہ دریافت کرو یہاں کیسے آئے ہیں اور ہمارے یہاں تو غریب فقیر کا کام نہیں یہاں کا بھاؤ بہت گراں ہے..... نوکر نے آ کر دریافت کیا کہ آپ کیسے تشریف لائے ہیں؟..... فرمایا کہ میں اس عورت سے ملنے آیا ہوں..... اس نے کہا جناب یہ تو بڑی عورت ہے دوسو درہم سے کم میں کسی سے بات نہیں کرتی آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے.....

الحاصل آپ اندر تشریف لے گئے اور دوسو درہم ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ آج تم ہماری ہوگئی ہو میں جو بات کہوں وہ تمہیں ماننی پڑے گی جواب دیا حضور بالکل درست فرمارہے ہیں..... آپ نے فرمایا کہ تم ان ریشمی کپڑوں کو اتار کر ایک سفید کپڑا پہنو اور وضو کر کے جلد میرے پاس آؤ اور ایک مصلیٰ بھی لیتی آؤ وہ حسب حکم ریشمی کپڑے اتار کر سفید کپڑا پہن کر اور وضو کر کے مصلے لئے ہوئے حاضر ہوئی..... آپ نے فرمایا کہ مصلے پر کھڑی ہو جاؤ ادھر وہ مصلے پر قبلہ رو کھڑی ہوئی ادھر آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے نہایت عاجزی سے مناجات کرنے لگے خدایا تو دانا اور بینا ہے یہاں تک میرا بس تھا یعنی زنا سے نمازی کی صورت بنا کر مصلے پر لانا، میں نے پورا کر دیا اب تیرا کام باقی ہے یعنی قلب کو الٹ دینا تو اس کو پورا کر دے.....

جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ فاحشہ کے کوٹھے پر بھی خدا کو نہیں بھولے بلکہ میری ہدایت کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں مناجات کر رہے ہیں دل میں

خوف خدا طاری ہوا اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر ڈری اور سوچی کہ تو رات دن خود بھی مخلوق خدا کو بھی گناہوں میں مبتلا کرتی رہتی ہے آخر تیرا کیا حال ہوگا؟..... یہ خیال دل میں آتے ہی اس عورت نے اپنے گذشتہ گناہوں سے معافی مانگی اور بزرگ سے حضرت بسطامیؒ سے عرض کی کہ آج سے میں نے اس گناہ سے توبہ کی اور آپ مجھے اپنی خادمہ بنائیے..... المختصر آپ نے توبہ کرائی اور اس نے اسی روز سے سب برے کام چھوڑ دیئے اور اپنے زمانہ میں مثل عابدہ زاہدہ ہوئی.....

## میرے در کے سوا کون سا در ہے

**30** شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

جب کوئی بندہ گنہگار اپنی خطا کا مقر ہو کر خداوند کریم سے معافی کا خوشگار ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے:

''یا ملائکتی قد استحییت من عبدی ولیس له غیری''

''اے میرے فرشتو مجھے شرم آتی ہے اپنے بندے سے کہ میں اس کی خطا بخش نہ دوں کیونکہ اس کے لئے سوائے میرے در کے اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس میں جا کر سوال کرے اور اپنی حاجت پوری کرلے.....''

صاحبو! ایسے کریم اور رحیم پر قربان کیوں نہ ہوں اس لئے کہ گناہ تو ہم کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے گناہوں کو دیکھ کر شرماتا ہے.....

## گناہوں پر ندامت کے سبب توبہ قبول کرنے کا واقعہ

**31** ایک اللہ والے نے مجلس دعوت کے آخر میں اجتماعی دعا کی کہ اے الٰہی ہم میں جس کا قلب زیادہ سیاہ ہے اور جس کی آنکھیں زیادہ خشک ہوں اور جس کی معصیت کا زمانہ زیادہ قریب ہے اس مغفرت کردے.....

اس اللہ والے کے قریب ایک شخص بیٹھا تھا جس نے ساری عمر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی نافرمانی میں گزار دی تھی اس نے کھڑے ہو کر کہا یہ دعا پھر کرو..... کیونکہ تم سب میں میں ہی زیادہ سیاہ قلب اور خشک آنکھ اور قریب المعصیت ہوں' میرے واسطے دعا کرو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی میری توبہ قبول کرے وہ عالم فرماتے ہیں دوسری شب میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں حق تعالٰی کے سامنے کھڑا ہوں اور ارشاد ہوا کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوا کہ تم نے میرے اور میرے بندے کے درمیان صلح کرادی میں نے تجھے اور اس کو اور ساری مجلس والوں کو معاف کیا..... (کرامات اولیاء)

## شہر کے سب سے بدترین آدمی پر رحمت الٰہی کا منظر

**32** فرزدق ایک شاعر گزار ہے..... شاعر آزاد ہی ہوتے ہیں عام طور پر لیکن اُس زمانے کا آزاد سے آزاد آدمی بھی آج کے بڑے قطب غوث سے بھی اونچا درجہ رکھتا تھا....

فرزدق بیوی کی جنازے میں شریک ہے حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی بھی آئے ہوئے ہیں..... حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی نے کہا:

فرزدق لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟..... فرزدق کہنے لگا کہ لوگ آج یوں کہہ رہے ہیں کہ اس جنازے میں ہمارے شہر کا سب سے بدترین انسان آیا ہوا ہے اور میری طرف اشارے کر رہے ہیں اور لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ اس جنازے میں ہمارے شہر کا بہترین انسان آیا ہوا ہے اور آپ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں..... تو حسن بصری نے کہا تو پھر آج کے دن کے لئے تو نے کیا سامان تیار کر رکھا ہے؟..... انہوں نے کہا حسن بصری! میرے پاس کچھ بھی نہیں اتنا ہے کہ میں اسلام میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں..... میرے پاس اسلام کا بڑھاپا ہے اور میرے پاس کچھ نہیں.....

جب انتقال ہوا تو خواب میں ایک آدمی کو ملا تو اس نے پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک

ہوا؟..... کہنے لگا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا ارشاد فرمایا اے فرزدق تونے حسن سے کیا بات کہی تھی، یاد ہے تجھے؟..... میں نے کہا یا اللہ یاد ہے کہا میرے سامنے دہراؤ..... کہنے لگے میں نے کہا میرے پاس اس دن کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کچھ نہیں' سوائے اس کے کہ میں اسلام میں بوڑھا ہوا ہوں..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ بس میں نے تجھے اسی پر معاف کر دیا.....

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ فرزوق اپنی بیوی کی قبر کے پاس جا کر یہ شعر پڑھا کرتا تھا: جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اللہ اگر تو نے مجھے معاف نہ کر دیا تو قبر کے علاوہ قبر سے زیادہ تنگ جگہ اور بھڑ کنے والی آگ کا مجھے خوف ہے....."

اذا جاءَ فی یوم القیامة قائد
عنیف وسواق یسوق الفرزدقا

قیامت کے دن جب ایک بہت ہی سخت مزاج کھینچنے والا اور ہانکنے والا فرزدق کو لے چلے گا.....

لقد خاب من اولاد ادم من مشیٰ
الیٰ النار مغلول القلادة ازرقا

اولاد آدم میں سے جو شخص جہنم کی طرف گردن میں طوق پہنے ہوئے روسیاہ ہو کر جائے گا وہ بہت ہی نامراد ہوگا..... (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۱۳)

## جو خدا سے شرمائے خدا اسے کیوں رسوا کرے

33 ایک شخص نے ایک بزرگ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا..... کہا اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا اس میں مجھے اپنی ایک لغزش نظر آئی..... میں اس کو پڑھنے سے شرمایا

اور کہا الٰہی مجھے رسوا نہ کر ارشاد ہوا کہ جب تو نے یہ فعل کیا تھا اور مجھ سے نہیں شرمایا تھا اس وقت بھی میں نے تجھے رسوا نہ کیا تو آج جب تو مجھ سے شرماتا ہے میں تجھے کیونکر رسوا کرونگا۔ میں نے تیری لغزش معاف کر کے اپنی رحمت سے تجھے جنت میں داخل کیا.....

(کرامات اولیاء)

## اے میرے بندے میں نے ہی تو دنیا میں تیرے گناہوں کی بدبو نکلنے نہیں دی

34 حضرت ضحاک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

''بندہ پیشی کے وقت اپنے پروردگار تعالیٰ کے قریب ہوگا تو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ فرمائے گا.....''

میرے بندے! کیا تو نے اپنے اعمال شمار کر رکھے ہیں؟.....

وہ جواب دیگا:

اے میرے خدا! میں انہیں کیسے شمار کر سکتا ہوں یہ تیرے ہی بس میں ہے اور تو ہی تمام اشیاء کا حافظ ہے' پھر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ دنیا کی گھڑیوں میں کئے ہوئے تمام گناہ یاد کرائے گا اور فرمائے گا:.....

''تو میرا بندہ ہے اس لئے میں نے جو تمہیں بتا دیا اور یاد کرا دیا اس کا اقرار کرلے' وہ عرض کرے گا: ہاں میرے مالک' پھر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ فرمائے گا: میں نے ہی دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور تیرے گناہوں کی بدبو نہیں نکلنے دی اور نہ ہی تیرے چہرہ پر کوئی دھبہ لگایا..... آج کے دن تیرے مجھ پر ایمان اور میرے مرسلین (علیہم السلام) کی تصدیق کے باعث میں تجھے بخش دوں گا''

(رسالہ قشیریہ)

## قیامت کے دن رحمت الٰہی کا منظر

**35** کہتے ہیں کہ ابو العاس بن سریج نے اپنے مرض الموت میں خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں' علماء کہاں ہیں؟ علماء حاضر ہوگئے..... فرمایا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا' ہم سب نے کہا خدایا ہم نے کوتاہی کی..... اور برے اعمال کئے..... اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ جواب پسند نہیں آیا..... اس لئے وہی سوال دہرایا..... اس پر میں نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے میرے نامہ اعمال میں شرک نہیں ہے..... اور تیرا وعدہ ہے کہ اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہوگا معاف کردوں گا..... اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں معاف کردیا..... اس واقعہ سے تین راتوں کے بعد ان کا انتقال ہوگیا..... (رسالہ قشیریہ)

## جو تیرے اختیار میں ہے تو وہ کر

**36** کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا..... اس نے ایک مرتبہ اپنے ہم پیالہ لوگوں کو جمع کیا' اور ایک لڑکے کو چار درہم دیئے کہ ان کے لئے پھل خرید لائے بچے کا گذر منصوبن عمار کی مجلس کے دروازے پر ہوا منصور ایک محتاج کے لئے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے جو کوئی اسے چار درہم دیگا اس کے لئے چار دعائیں کروں گا..... یہ سن کر بچے نے چاروں درہم اسے دے دیئے منصور نے کہا تو کیا کیا دعا کرانا چاہتا ہے؟..... اس نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے جس سے میں نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں..... منصور نے دعا کی اور کہا اور کیا چاہتا ہے؟..... اس نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے دے..... انہوں نے یہ دعا بھی کردی پھر کہا اور کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے آقا کی توبہ قبول کرلے..... انہوں نے یہ دعا بھی کردی اور پھر پوچھا اور کیا؟ اس نے کہا اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے میرے آقا کو اور آپ کو اور جو لوگ

یہاں موجود ہیں ان کو معاف کر دے منصور نے یہ دعا بھی کر دی..... اس کے بعد وہ لڑکا اپنے آقا کے پاس لوٹ گیا.....

آقا نے پوچھا تو نے دیر کیوں لگائی؟ اس نے سارا قصہ بیان کر دیا..... آقا نے کہا انہوں نے کیا دعا کی، اس نے کہا میں نے آزاد ہونے کی درخواست کی تھی..... آقا نے کہا جاؤ تم آزاد ہو۔ دوسری دعا کون سی کی تھی؟..... اس نے کہا یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ان درہموں کے بدلے اور درہم دے دے..... آقا نے کہا یہ لو چار ہزار درہم' پھر کہا' تیسری دعا کون سی کی تھی؟..... اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے..... اس نے کہا' میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ پھر کہا چوتھی دعا کون سی ہے؟..... کہا یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں مجھے قوم اور نصیحت کرنے والے کو معاف کر دے..... آقا نے کہا یہ میرے اختیار کی بات نہیں..... جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے جو کچھ تمہارے اختیار میں تھا تو نے کر دیا..... کیا تیرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے اختیار میں ہے' میں نہیں کرونگا؟..... میں نے تجھے غلام کو اور منصور بن عمار کو اور ان لوگوں کو جو وہاں موجود تھے معاف کر دیا..... (رسالہ قشیریہ)

## پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے زمانہ کا واقعہ

**37** حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا زمانہ ہے..... دو بجے رات کو حکم ہوا کہ بغداد سے موصل جاؤ..... وہاں سے موصل پہنچے ایک ابدال کا انتقال ہو رہا تھا، سارے ابدال جمع تھے..... خواجہ خضر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی.....

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے زمانے کے غوث تھے..... علماء اور محدثین نے لکھا ہے کہ غوث کو روزانہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایک وقت خاص قرب کا عطا ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں ایسا قرب کسی کو نہیں عطا ہوتا۔ جب شیخ عبدالقادر کا وہ وقت آیا جس وقت روئے زمین

پر اتنا مقرب کوئی نہیں تھا، اس وقت انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا کہ یہ جو ابدال انتقال کر گیا..... اب دوسرا ابدال کہاں سے لاؤں، اب کس کو آپ اس کرسی پر بٹھانا چاہتے ہیں؟..... تو پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کو حکم ہوا کہ آپ جایئے ایک بستی ہے اور وہاں ایک عیسائی ایک گرجا گھر میں اپنے عیسائی مذہب پر ذوالنار پہنے ہوئے مشغول عبادت ہے..... آپ جایئے اور اس سے کہئے ذوالنار توڑ ذوالنور بن..... ذوالنار توڑ دے اور کلمہ پڑھ اور اس کو ابدال کی کرسی پر بٹھا دیجئے..... اس بڑے ولی اللہ کے درجہ پر اس کو بٹھا دو جو ابھی حالتِ کفر میں ہے .....

اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کو جب جوش آتا ہے تو سو برس کے کافر کو فخر اولیاء بنا رہے ہیں..... بڑے پیر صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گرجا گھر میں جا کر پکڑا اور فرمایا جلدی توبہ کر عیسائی مذہب سے، اب اسلام کے سوا کوئی مذہب قبول نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی مقبول دین ہے:

''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ''

اسلام کے سوا عیسائیت، یہودیت، ہندویت، یا جو کوئی مذہب اختیار کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی قبولیت کا کوئی درجہ نہیں ہے..... وہ دین مردود ہے جو اسلام کے علاوہ ہو..... جلد عیسائیت سے توبہ کر اور ذوالنار توڑ دے..... اسے نے فوراً توڑ دیا..... یہ اس نے اتنی جلدی ہدایت کیوں قبول کر لی؟..... اللہ میاں نے پہلے ہی اس کا کام بنا دیا تھا اور اس کے دل کو ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت عطا فرما دی تھی..... پھر اس نے کہا کہ اب کیا پڑھوں؟ فرمایا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا فرض ہے..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو پیغمبر ماننا بھی ضروری ہے، ہمارے ذمہ ہر نبی کو نبی ماننا فرض ہے، کسی نبی کی توہین حرام اور کفر ہے، لیکن تعمیل احکام نبوت اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چلے گی..... قیامت تک اب ان کی شریعت

ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آخری نبی نہیں مانے گا وہ کافر اور مردود ہو جائے گا..... لہٰذا اس نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ اب کیا کروں؟ فرمایا اب کیا کرنا ہے چل ایک ابدال کا انتقال ہو گیا ہے اس کی کرسی پہ جا کے بیٹھ جا.....

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

(تجلیات جذب)

## ایک لاکھ انسانوں کا قاتل اور رحمتِ الٰہی

38 ''حجاج بن یوسف'' خلفائے بنو امیہ کا انتہائی سفاک و خونخوار ظالم گورنر تھا..... اس نے ایک لاکھ انسانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا..... اور جو لوگ اسکے حکم سے قتل کیے گئے انکو تو کوئی گن ہی نہیں سکا..... بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ کو اس نے قتل کیا یا قید و بند رکھا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری امتیں اپنے اپنے منافقوں کو قیامت کے دن لے کر آئیں اور ہم اپنے ایک منافق حجاج بن یوسف ثقفی کو پیش کر دیں تو ہمارا پلہ بھاری رہے گا.....

یہ حجاج بن یوسف جب کینسر کی خبیث بیماری میں مرنے لگا تو اس کی زبان پر یہ دعا جاری ہوگئی، یہی دعا مانگتے مانگتے اس کا دم نکل گیا..... دعا یہ تھی:

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ فَاِنَّ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّکَ لَاتَغْفِرُلِیْ''

''اے میرے اللہ! تو مجھے بخش دے کیونکہ سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا''۔

خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو حجاج بن یوسف ثقفی کی زبان سے مرتے وقت کی یہ دعا بہت اچھی لگی..... اور ان کو حجاج کی موت پر رشک ہونے لگا..... اور جب حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں نے حجاج کی اس دعاء کا ذکر کیا تو

آپ نے تعجب سے فرمایا کہ کیا واقعی حجاج نے یہ دعا مانگی تھی؟ تو لوگوں نے کہا جی ہاں اس نے یہ دعا مانگی تھی..... تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ شاید (خدا اس کو بخش دے)....

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۰۱)

## قرآن مجید کا ادب کرنے کے سبب مغفرت

**39** حضرت بابا فرید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ:

''اے درویش! سلطان معز الدین محمد شاہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی وفات کے بعد دیکھ کر پوچھا کہ آپ کی کیا حالت ہے؟ فرمایا مجھے اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ نے بخش دیا..... پوچھا کس عمل کی بدولت؟ جواب دیا کہ ایک رات میں تخت پر بیٹھا پڑا ہوا تھا ہمسائے کے گھر سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز آرہی تھی میں سن کر تخت سے اتر کر دوزانو بیٹھ کر تلاوت سنتا رہا مجھے بہت راحت محسوس ہوئی جب دنیا سے رخصت ہوا تو اس تلاوت سننے کی طفیل بخش دیا گیا...'' (اسرار اولیاء)

## رحمت حق تعالیٰ کا ایک عجیب واقعہ

**40** ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا ذرا دیکھو یہ کیا بھونک رہی ہے مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان کے یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے:

''أن هذين الرجلين يقولان ادخل الجنة''

''یہ دو آدمی یوں کہہ رہے ہیں کہ تو جنت میں داخل ہو جا''

مولوی صاحب حیرت میں رہ گئے..... گھر کے جاہل لوگوں کو بتلایا کہ اس کو تو جنت کی بشارت دی جارہی ہے اس کے اعمال کیا تھے جن کے بدلے میں اس کو یہ نعمت ملی..... لوگوں نے کہا کہ یہ تو بالکل بے عمل بلکہ بدعمل عورت تھی..... مولوی صاحب نے فرمایا غور

کرو اس کا کوئی اچھا عمل اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوگیا ہے وہ کیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ کہ اس کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب اذان ہوتی تو سب کام چھوڑ دیتی اور اذان کی طرف متوجہ ہوکر سنتی تھی دوسروں کو بھی اس وقت بولنے نہیں دیتی تھی..... مولوی صاحب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کی یہ عزت کرنا ہی اس کے کام آ گیا' جس نے دوسری برائیوں پر پانی پھیر دیا.....

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس رحمت عامہ کا یہ واقعہ نقل فرمانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مجھے رحمت الٰہیہ کے متعلق انشاء کا یہ شعر بہت پسند ہے.....

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ مجھ کو آتا ہے پیار انشاء
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے یہ دمبدم عنایت

احقر جامع کہتا ہے کہ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد برزخ میں سب کی زبان خود بخود عربی ہو جائے گی کیونکہ وہ ہی انسان کے اصلی وطن یعنی جنت کی زبان ہے اسی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی سب کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر انبیاء نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کی ترجمے امت کو سنائے ہیں..... (الاتقان للسیوطی)

## بت پرست کو ابدال بنا دیا

**42** ایک زنار دار (بت پرست) اپنے زنار کو آراستہ کر رہا تھا کہ اس پر اس شہنشاہ حقیقی کی نظر عنایت پڑ گئی..... غیب سے ایک بھید ظاہر ہوا جس سے اس زنار کی حقیقت اس پر کھل گئی..... گھر سے چیختا ہوا نکل پڑا' دوڑتا جاتا تھا اور این اللہ این اللہ اللہ کہاں ہے اللہ کہاں ہے کا نعرہ مارتا جاتا تھا.....

اس بھید کے ظاہر ہونے کے باعث ایسا سوز دروں پیدا ہوا کہ کوہ لبنان پر جہاں قطب ابدال رہا کرتے ہیں قسمت نے پہنچا دیا..... دیکھتا کیا ہے کہ چھ آدمی کھڑے ہیں اور ایک

جنازہ سامنے رکھا ہے..... یہ پریشان حال ان سے پوچھنا لگا کہ واقعہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ واقعہ بعد میں پوچھئے گا پہلے اس جنازہ کی نماز پڑھایئے ہم آپ ہی کے منتظر تھے..... خدا کی شان وہ بے تکلف آگے بڑھا اور جنازہ کی نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو وہ لوگ کہنے لگے ہم لوگ ان سات ابدالوں میں سے ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالم کے کل کاروبار کا مدار رکھا ہے اور جس پر آپ نے ابھی نماز جنازہ پڑھی ہے وہ ہمارے پیر روشن ضمیر تھے اور قطب عالم کے مرتبہ پر فائز تھے وقت انتقال یہ وصیت فرمائی تھی کہ غسل وغیرہ سے جب فراغت ہو جائے تو جنازہ رکھ کر تھوڑا انتظار کرنا ایک صاحب اس طرف آئیں گے ان سے کہنا کہ ہمارے جنازے کی نماز پڑھائیں اور اب ہمارے بعد قطبیت کا مقام بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ہی عطا فرما دیا ہے..... (مکتوبات صدی)

## سیبویہ کی حکایت

**42** سیبویہ نحوی (عربی کے علم 'نحو' کا ماہر) عقیدے کے لحاظ سے معتزلی تھا' مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہا مجھے بخش دیا' پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر' اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے ضمائر کے اندر اعراف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا' اور میں نے لفظ ﴿اللہ﴾ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں' کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذات حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں..... بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آ گئی' اور فرمایا' تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی' جاؤ تم کو بخش دیا..... دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہوگئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا..... (خطبات حکیم الامت)

## اے بوڑھے تو کیا لایا

**44** شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شناخت کی راہ آسان ہے مگر اس کی یافت (پالینے) کی راہ دشوار اور نایاب ہے..... حضرت بایزید قدس سرہ کو ان کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا' پوچھا' آپ کا کیا حال ہے؟ بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو کہا گیا کہ' اے پیر چہ آوردی؟ اے بوڑھے تو کیا لایا؟ میں نے کہا فقیر جب بادشاہ کے دربار پر آجاوے تو اسے یہ نہیں کہا کرتے کہ تو کیا لایا بلکہ اسے کہتے تو کیا مانگتا ہے.....

(اسرار اولیاء)

## ساری عمر تو سنتی رہی کہ اللہ دے گا

**45** کہتے ہیں نیشاپور میں ایک بڑھیا تھی جس کا نام عراقیہ تھا وہ گھروں میں جا کر بھیک مانگتی تھی جب دنیا سے رخصت ہوگئی کسی نے اسے خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا' مجھے انہوں نے کہا' کیا لائی؟ میں نے کہا آہ ساری عمر مجھے اسمیں رکھا کہ خدا تعالیٰ دے گا اور اب کہتے ہو کیا لائی؟ فرمایا سچ کہتی ہے فرشتو اسکے پاس سے چلے جاؤ.....

(حیات صوفیہ ص ۱۵۳ و نفحات الانس)

## رباح قیسی کا واقعہ

**46** کہتے کہ رباح قیسی نے 578 حج کئے ایک دن میزاب کے نیچے کھڑے ہوکر کہنے لگے..... الٰہی! میں نے اپنے حجوں میں سے اتنے حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ھبہ کئے..... دس حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہؓ (عشرہ مبشرہ) کو دو اپنے والدین کو اور باقی مسلمانوں کو بخشے..... اپنے لئے ایک حج بھی نہ رکھا' اس پر غیب سے ندا آئی یہ لو' یہ شخص ہم

پر اپنی سخاوت جتا رہا ہے..... میں تمہیں، تمہارے والدین کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا ضرور بخش دوں گا.... (رسالہ قشیریہ)

## اے یحییٰ تو میرے لئے کیا لایا

47 یحییٰ بن اکثم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بہت بڑے عالم گزرے ہیں امام کے درجے کے عالم ہیں ان کی وفات ہوئی تو بعض اہل اللہ نے انہیں خواب میں دیکھا اور خواب بھی کشف جیسا تھا' یہ دیکھا کہ ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی حق تعالیٰ نے فرمایا اے یحییٰ کیا چیز لے کر آئے ہو ہمارے لئے؟..... جواب دیا کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ میں نے پچپن حج کئے ہیں..... فرمایا' ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے باری تعالیٰ میں نے ایک سو باون قرآن ختم کئے ہیں فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں..... انہوں نے کہا یا اللہ! میں نے اتنی نمازیں پڑھی ہیں' فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں..... پوری زندگی اعمال ذکر کئے' باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک بھی قبول نہیں کیا..... اور بتاؤ کیا لے کر آئے ہو..... آپ عاجز ہو گئے آخر میں کہا اے اللہ! بس تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ لے کر نہیں آیا..... فرمایا کہ اب بات تو نے ٹھیک کی ہے.....

''وجبت لک رحمتی''

''میری رحمت تیرے لئے واجب ہوگئی ہے جا تیرے لئے جنت اور مغفرت ہے...''

(خطبات حکیم الاسلام جلد نہم)

## رحم کر، رحم کیا جائے گا

48 حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی خدمت میں کسی نے ایک پرندہ تحفۃً ارسال کیا' جسے آپ نے قبول فرمالیا' مدت تک وہ جانور آپ کے پاس ایک پنجرہ میں بند رہا۔ ایک روز حضرت نے پنجرے کی کھڑکی کھول کر اسے اڑا دیا لوگوں نے دریافت کیا

کہ جناب عرصہ تک تو اس پرندہ کو پنجرے میں بند رکھا آج یکایک اسے کیوں کھول دیا؟..... فرمایا کہ آج اس پرندے نے مجھ سے کہا' کہ اے جنید تم تو اپنے دوست احباب کی باتوں سے یوں لطف اٹھاؤ اور مجھے بے مونس وغمخوار ایک پنجرے میں یوں بند رکھو؟..... بس میں نے اس کے یہ دردانگیز کلمات سنکر اسے آزاد کر دیا.....

مگر جب وہ پرندہ اڑا تو اس نے کہا کہ اے جنیدؒ! جانور جب تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں کبھی کسی کے جال میں نہیں پھنستے ہیں لیکن جونہی وہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتے ہیں تو فوراً قید میں مبتلا ہو جاتے ہیں..... میں تو ایک ہی مرتبہ ذکر الٰہی سے غافل ہوا تھا کہ اس کی سزا میں برسوں قید رہا' ہائے اے جنیدؒ ان لوگوں کی قید کا زمانہ کتنا طویل ہوگا جو مدتوں اور برسوں ذکر الٰہی سے غافل رہتے ہیں..... اے جنیدؒ! میں آپ کے سامنے وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوں گا..... یہ کہہ کر وہ پرندہ اڑ گیا اور کبھی کبھی حضرت جنید کے پاس آتا تھا اور آپ کے دستر خوان پر بیٹھ کر اپنی چونچ سے کچھ کھاتا تھا اور چلا جاتا تھا...

جب حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا انتقال ہوا تو آپ کے ساتھ وہ پرندہ تڑپ کر زمین پر گر پڑا اور مر گیا..... لوگوں نے یہ عجیب بات دیکھ کر اسے بھی آپ کے ساتھ ہی دفن کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد کسی مرید نے حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا' آپ نے فرمایا کہ رب العزت نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا اور کہا کہ تو نے ایک پرندے پر اس کے ذکر الٰہی کرنے کی وجہ سے رحم کیا ہم تجھ پر رحم فرماتے ہیں..... (بستان اولیاء)

## ناامیدی کا گناہ

**49** ایک آدمی پر خوف کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اس کے ہوش جاتے رہے اور وہ ناامید ہو بیٹھا..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس سے فرمایا:

''اے آدمی! تیرے گناہ سے زیادہ تیری اپنے رب سے ناامیدی بڑا گناہ ہے..... ''

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سچ فرمایا

اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہی میں گنہگار بندے کو چین ملتا ہے اور ناامیدی اختیار کرنا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے..... اس لئے کہ اس طرح اس نے اپنے جی سے خدا کی صفات مرجوہ (یعنی امید وکرم) کو کاٹ دیا..... حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس فعل کی مذمت فرمائی چنانچہ یہ (قنوطیت) سب سے بڑا جرم ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے.....

(قوت القلوب)

مجاہد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: قیامت کے دن ایک بندہ کو دوزخ کا حکم ہوگا وہ کہے گا میرا گمان اس طرح نہیں تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کہے گا تیرا گمان کیا تھا؟..... وہ کہے گا میرا گمان تو یہ تھا کہ تو مجھے بخش دے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا اس کو چھوڑ دو.....

## مخنث پر رحمت الٰہی کا منظر

**50** عبدالوہاب (۵۷۹) بن عبدالمجید ثقفی روایت کرتے ہیں کہ

میں نے ایک جنازہ دیکھا ہے جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے جارہے تھے..... میں نے عورت کی جگہ لے لی ہم سب قبرستان پہنچے اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا' تیرا اس میت سے کیا رشتہ تھا؟..... اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا تھا..... میں نے پھر پوچھا کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں؟..... کہنے لگی ہیں تو مگر انہوں نے اسے حقیر سمجھا میں نے پھر پوچھا یہ کیا تھا؟..... عورت نے جواب دیا یہ مخنث تھا عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر رحم آیا میں اسے اپنے گھر لے گیا..... اور میں نے اسے پیسے' گندم اور کپڑے دیئے..... جب رات کو سویا تو خواب میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا..... اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اس نے میرا شکریہ ادا

کیا..... میں نے پوچھا تو کون ہے جواب دیا میں وہی مخنث ہوں جسے تم نے آج دفن کیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اسلئے بخش دیا ہے کہ لوگ مجھے حقیر جانتے تھے..... (رسالہ قشیریہ)

## بوڑھا آدمی اور رحمت الٰہی

**51** ابوعبداللہ الحسین بن عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں کہ:

یحییٰ بن اکثمؒ قاضی میرے دوست تھے انہیں مجھ سے محبت تھی، اور مجھے ان سے جب یحییٰ نے وفات پائی تو میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے خواب میں دکھائی دیں تو ان سے پوچھوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا چنانچہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا..... جواب دیا کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بخش دیا مگر ساتھ ہی سرزنش بھی کی، سرزنش کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا اے یحییٰ تو نے دنیا میں نیک و بد میں تخلیط کی (یعنی تو نے دنیا میں کچھ کام نیک کیے اور کچھ بد) میں نے عرض کیا، ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ میں نے تو اس حدیث پر بھروسہ کر رکھا تھا جس کی روایت مجھ سے ابومعاویہ ضریر نے اعمش سے انہوں نے صالح اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''خدا تعالیٰ! بوڑھے آدمی کو عذاب دینے سے شرماتا ہے یہ سن کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے یحییٰ میرے نبی نے سچ کہا میں نے تجھ کو معاف کر دیا.....'' (رسالہ قشیریہ)

## بنی اسرائیل کے گناہگار کا واقعہ

**52** بنی اسرائیل کا ایک شخص بڑا گناہ کا عادی تھا..... بال سفید ہو گئے تھے..... ایک دن ندامت ہوئی فکر دامن گیر ہوئی کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی مانگوں گا تو کیا وہ معاف فرما دیں گے؟..... اور اگر بارگاہ رب العزت سے معافی نہ ملی تو پھر کہاں سے ملے گی؟ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا: اے رب العالمین! میری تمام عمر معصیت میں گزر گئی، اب تو

میری عمر کی شام ہے کیا تو ایسے گناہگار کو بھی بخش دے گا؟..... ندا آئی اے میرے بندے! گھبراتا کیوں ہے..... جب تو نے مجھے چھوڑ دیا تو میں نے بھی منہ موڑ لیا..... جب تو نے گناہ کا پیشہ اختیار کیا تو میں نے مہلت دی..... جب تو نے میری طرف منہ کر لیا اور جب تو نے مجھ سے مغفرت چاہی تو میں نے مغفرت عطا کر دی اور جب تو نے مجھے دوست رکھا تو میں نے بھی تجھے دوست رکھا.....

## ایک نوجوان اور رحمت الٰہی

**53** حضرت ابو غالبؒ فرماتے ہیں کہ

میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ملک شام میں آتا جاتا رہتا تھا..... ایک دن میں حضرت ابوامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوسی نوجوان کے پاس گیا جو بیمار ہو رہا تھا، اس کے پاس اس کا چچا بھی موجود تھا، وہ اس جوان سے کہہ رہا تھا اے خدا کے دشمن! میں نے تمہیں یہ کام کرنے کو نہیں کہا تھا، میں نے تجھے اس کام سے نہیں روکا تھا؟..... اس نوجوان لڑکے نے کہا اے چچا جان! اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے میری ماں کے سپرد کر دیں تو وہ میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گی؟ چچا نے کہا وہ تجھے جنت میں داخل کر دی گی..... تو لڑکے نے کہا میرا پروردگار اللہ تبارک وتعالیٰ میری ماں سے زیادہ شفیق اور اس سے زیادہ مجھ پر مہربان ہے بس یہی بات کہتے ہی اس کی جان نکل گئی..... جب اس کے چچا نے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا اور اس پر نماز جنازہ پڑھ لی اور ارادہ کیا کہ اس کو قبر میں اتارے تو میں بھی اس کے چچا کے ساتھ قبر میں اترا جب اس نے لحد کو درست کیا تو اس کی چیخ نکل گئی اور گھبرا گیا..... میں نے اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟..... اس نے بتایا کہ اس کی قبر بہت وسیع ہو گئی اور نور سے بھر گئی ہے میں اس سے دہشت زدہ ہو گیا تھا..... (تذکرۃ القرطبی ج ۲ ۳۵۷)

## ایک طرف رحمت دوسری طرف سختی

54 ایک بزرگ کی جھونپڑی بنی..... دوسرے دن ان کے دروازے پر ایک لاش ملی، پکڑے گئے..... سزائے موت دی گئی..... عرض کی باری تعالیٰ یہ کس جرم کی خطا ہے؟ ندا آئی یاد کر ایک دن دھوپ میں بیٹھا تھا ایک چیونٹا تیرے ٹخنے پر پڑا تو تو نے اُسے مسل دیا..... ہم اس کا قصاص لے رہے ہیں.....

ایک طرف اتنی سختی اور دوسری طرف حضرت بشر حافی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ ہے کہ شراب پیتے تھے ایک دن بسم اللہ ایک کاغذ پر لکھا ہوا کیچڑ میں پڑا ہوا دیکھا..... اٹھا کر گھر لے گئے عطر میں بسا کر اونچے مقام پر رکھا، دوست بن گئے.....

## حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی حکایت

55 حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی بات ہوئی..... حضرت عیسیٰ اکثر مسکرایا کرتے تھے اور حضرت یحییٰ زیادہ رویا کرتے تھے..... حضرت عیسیٰ نے کہا کہ اے یحییٰ! کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا؟..... حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ اے عیسیٰ کیا تم خدا کے قہر سے بالکل بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے.....

آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ: ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ! لوگوں کے سامنے تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو لیکن تنہائی میں یحییٰ کی طرح رویا کرو..... اور اے یحییٰ تنہائی میں تو ایسے رہو جیسے اب ہو، لیکن لوگوں کے سامنے ہنس لیا کرو، تا کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے..... (تسہیل المواعظ)

## رحمت الٰہی کو بیان کرنے کے سبب مغفرت

**56** مرشدی و مولائی عارف باللہ حضرت مولانا حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مرشدی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

ایک عالم نے نوے ۹۰ سال تک بستی بستی، شہر شہر ہر جگہ صرف حق تعالیٰ کی رحمت کا مضمون بیان کرتے اور بدترین گنہگار بندوں کو بھی ناامیدی کے دلدل سے نکال کر حق تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ سے قریب کرتے..... جب انتقال ہوا تو کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا..... دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اس عالم نے کہا حق تعالیٰ شانہٗ نے ہم کو یہ کہہ کر بخش دیا، جاؤ تم کو میں اپنی رحمت سے کیسے محروم کروں جبکہ تم نے نوے ۹۰ سال تک میرے بندوں کو اپنے مواعظ سے میری رحمت کا امیدوار بنایا ہے...

## امام شاذکونی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا واقعہ

**57** حافظ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مشہور محدث امام ابوایوب سلیمان بن داؤد شاذکونی (متوفی ۲۳۴ھ) کو کسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی.... پوچھا، کس عمل کی بنا پر؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: ایک روز میں اصفہان جارہا تھا، راستہ میں زور کی بارش شروع ہوئی، مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ میرے ساتھ کچھ کتابیں ہیں، اگر وہ ضائع ہوگئیں تو میری ساری پونجی لٹ جائے گی..... قریب میں ایسا سائبان یا چھت نہ تھی جس کے نیچے پناہ لی جاسکے..... چنانچہ میں نے اپنے جسم کو دوہرا کر کے کتابوں پر سایہ کردیا تاکہ وہ حتی الامکان بارش سے محفوظ رہیں، بارش ساری رات جاری رہی اور میں ساری رات اسی حالت میں بیٹھا رہا..... صبح کے وقت بارش رکی اور میں سیدھا ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

اس عمل کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی.....

(صفحات من صبر العلماء علی شدائد للشیخ عبدالفتاح غدۃ ص ۷۶، بحوالہ فتح المغیث للسخاوی ص ۲۰۵)

## درود پاک کی برکت سے جان کنی میں آسانی کے دو واقعات

**58** بنی اسرائیل میں ایک شخص جو کہ نہایت گنہگار اور مجرم تھا، اُسنے سو سال یا دوسو سال فسق و فجور میں گزار دیئے..... جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے گھسیٹ کر کوڑا کرکٹ کی جگہ ڈال دیا..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام پر وحی بھیجی، اے پیارے کلیم! ہمارا ایک بندہ فوت ہو گیا ہے اور بنی اسرائیل نے اسے گندگی میں پھینک دیا ہے آپ اُسکا جنازہ پڑھائیں، اور لوگوں کو بھی جنازہ پڑھنے کی ترغیب دلائیں۔

جب کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں پہنچے تو اُس میت کو دیکھ کر پہچان لیا..... تعمیل حکم کے بعد عرض کی یا اللہ! یہ شخص مشہور ترین مجرم تھا تو بجائے سزا کے یہ اس عنایت کا حقدار کیسے ہوا؟ فرمان آیا کہ بیشک یہ بہت بُری سزا و عذاب کا مستحق تھا لیکن اس نے ایک دن تورات مُبارکہ کھولی اور اُس میں میرے حبیب محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا دیکھا، محبت سے اُسے بوسہ دیا اور دُرود پاک پڑھا تو اُس نام پاک کی تعظیم کرنے کی وجہ سے.....

**59** خلاد بن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ پر جب جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو اس کے سر کے نیچے سے ایک ٹکڑا کاغذ ملا جس پر لکھا ہوا تھا:

''هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ لِخَلَّادِ بْنِ كَثِيْر''

یہ خلاد بن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے جہنم سے آزادی کا پروانہ ہے.....

لوگوں نے اس کے گھر والوں سے پوچھا کہ اس کا عمل کیا تھا؟ جواب ملا کہ یہ ہر جمعہ کو ہزار یا دو دُو دفعہ درود پاک پڑھا کرتے تھے..... (آب کوثر)

# عالم کی تعظیم کے باعث مغفرت

60 ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اور ایک شخص ایک نہر پر وضو کر رہے تھے..... امام صاحب نیچے کی طرف تھے وہ مخالف طرف، اس نے خیال کیا کہ یہ بے ادبی ہے کہ میرے وضو کا پانی ان کی طرف جا رہا ہے..... وہ اٹھا اور ان کے نیچے کی طرف جا بیٹھا، بس اتنا عمل اس نے کیا، ایک بزرگ کی تعظیم کی..... انتقال کے بعد اس کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیا گذری؟ کہا اور تو کچھ میرے پاس نہ تھا، صرف حضرت امام کے ایک دن کی تعظیم کرنا کام آ گئی.....

اسی واسطے حدیث میں ہے کہ کسی چھوٹے عمل کو چھوٹا نہ سمجھو نہ معلوم اللہ تبارک وتعالیٰ کو کونسا عمل پسند آ جائے..... ہر نیک عمل میں خاصیت ہے مغفرت کی جیسے طاقت کی بہت سی دوائیں ہیں سب کی خاصیت روح کو تازگی دینا ہے کسی نیک عمل کو حقیر سمجھ کر چھوڑ نہ دو اگر وہ پسند ہو گی تو تمام اعمال جو بڑے سے بڑے ہیں ان سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر گناہ میں خاصیت ہے عذاب کی، اسی لئے چھوٹا گناہ چھوٹا سا سمجھ کر نہ کر ڈالو نہ معلوم اس کا عذاب کبیرہ گناہ سے بھی بڑھ جائے.....

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، مطلب یہ ہے کہ نفس کو اشارہ مل جائے، صغیرہ ہے تو کر ڈالیں..... میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اگر چھوٹے سانپ چھوٹے بچھو سے ڈسوانا تم کو پسند ہے تو اس کو صغیرہ کر ڈالو..... یہ بڑی اہم بات ہے اور چھوٹی نیکی کی مثال ہے جیسے ایک شخص کو ہنس کر سلام کرنا یا بات کرنا یا نرمی سے جواب دینا، کوئی شخص بات پوچھے اس کو توجہ اور بے توجہ سے جواب دینے میں زمین آسمان کا فرق ہے..... ایک صاحب نے کہا نماز تو میں پڑھتا نہیں مگر چاہتا ہوں کہ اذان سن کر دعا ہی کر لیا کروں اب اگر یہ آدمی سمجھے کہ نماز پڑھتا نہیں پھر دعا پڑھنے کا کیا فائدہ؟ مگر میں نے اس کو

دعا بتا دی بس اثر یہ ہوا کہ کچھ دن بعد وہ نماز پڑھنے لگا یہ میرا خود کا تجربہ ہے، ایسے ہی آدمی ایک برائی اختیار کرتا ہے تو دوسری برائی خود آجاتی ہے..... (مجالس مفتی اعظم)

## اسلام کی محبت سے خاتمہ بالخیر

**61** حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے پڑوس میں ایک ہندو بنیا رہتا تھا..... اُس کی دُکان سے مولانا کے یہاں سودا بھی آتا تھا اُس کا انتقال ہوگیا تو مولانا نے اُسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے..... پوچھا لالہ جی تم یہاں کیسے پہنچے تم تو ہندو تھے، بُت کی پوجا کرتے تھے، سُود بٹہ لیا کرتے تھے، جنت تو مسلمان کیلئے ہے؟ کہا: مولوی جی! آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہوگئی پھر جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا ''ان کہتی'' کہہ لے جان آسانی سے جان نکل جائے گی..... اب تک فرشتے سامنے نہیں آئے تھے، میں نے دل میں کلمہ پڑھ لیا پھر وہ قبول ہوگیا اور میں جنت میں پہنچ گیا..... (اشرف البیان فی معجزات القرآن)

## انصاف کرنے کے سبب بادشاہ کی مغفرت

**62** سلطان جلال الدین ابو الفتح ملک شاہ ایک دن ایک ندی کے کنارے شکار کھیلنے کے لئے نکلا اور اس سے فارغ ہوکر ایک باغ میں آرام کرنے کے لئے اُترا، اسی اثناء میں اس کا خاص دربان ایک گاؤں گیا اور ایک گائے جو ندی کے کنارے چر رہی تھی پکڑ کر ذبح کرائی اور کباب بنا کر خوب کھائے..... یہ گائے ایک بیوہ عورت کی تھی جب کے چار یتیم بچے تھے..... یہ بیوہ اسی گائے کا دودھ بیچ کر گزارہ کرتی تھی۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ گائے کو ذبح کر کے کھا جانے والا بادشاہ کا دربان ہے تو وہ ندی کے پل پر جا کر کھڑی ہوئی.....جب جلال الدین ملک شاہ وہاں پہنچا تو اُس نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی وہ دربان کوڑا نکال کر اُسے مارنے لگا تو ملک شاہ نے اُسے روک دیا اور کہا کہ:

بیچاری مظلومہ معلوم ہوتی ہے، اسے اپنی فریاد سنانے دو

عورت نے عرض کیا کہ:

''اے الپ ارسلان کے بیٹے اگر تو آج اس ندی کے پل پر انصاف نہیں کرے گا تو خدا کی قسم کل پر صراط پر تیرا دامن نہ چھوڑوں گی، جب تک کہ انصاف نہ کرالوں۔ اب سوچ لے کہ ان دونوں پلوں میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے.....''

اس بات کی ہیبت سے متاثر ہو کر بادشاہ گھوڑے سے اُتر آیا اور کہا کہ:

اے عورت! مجھے پُل صراط پر جواب دینے کی طاقت نہیں، بتا! تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ تاکہ اس سے بدلا لیا جائے.....

عورت نے دربان کی طرف اشارہ کر کے کہا:

اس دربان نے مجھے چابک سے مارا۔ آہ! یہ ظالم مجھ غریب بیوہ کی گائے ذبح کر کے کھا گیا ہے..... اسی کے دودھ پر میری اور میرے یتیم بچوں کی گذران تھی.....

ملک شاہ نے دربان کو اسی وقت معزول کر کے جیل بھیج دیا اور بیوہ عورت کو ستر گائیں دے دیں.....

جب یہ نیک دل بادشاہ فوت ہوا تو یہ بیوہ عورت اسکی قبر پر پہنچی اور دُعاء کی:

الٰہی! جس طرح اس نے میرے عجز کے وقت میری مدد کی، تو اس کے بدلے اس پر جب کہ وہ عاجز ہے، اس پر بخشش کر......

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور خواب میں اس بادشاہ نے اپنے ایک دُعا گو کو بتایا کہ اس عورت کی فریاد نے میری دستگیری کی ورنہ عذاب سے رہائی مشکل تھی۔

## کلمہ شہادت پڑھنے کے سبب مغفرت

63 کتاب الحقائق میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے عرفات میں وقوف کیا اس کے

ہاتھ میں سات کنکریاں تھیں۔ جب کنکریوں کو پھینکنے لگا تو ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا اے کنکریو گواہ رہو میں بصدق دل کہتا ہوں:

''اشهد ان لا الٰه الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله''

یہ کہہ کر کنکریوں کو پھینک دیا اس شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے خدا تعالیٰ کا تخت انصاف بچھا ہوا ہے حساب و کتاب ہو رہا ہے..... اعمال تل رہے ہیں' اس شخص کی بھی باری آئی اس کے گناہ نیکیوں پر غالب رہے جس کی وجہ سے اس کو دوزخ میں جانے کا حکم ملا..... فرشتے کشاں کشاں دوزخ کی طرف لے آئے..... جب یہ شخص دوزخ کے دروازہ پر پہنچا تو انہیں کنکریوں کو دیکھا کہ دوزخ کے دروازہ پر موجود ہیں اور اسے دوزخ میں جانے سے بچاتی ہیں..... دوزخ کے دربان کنکریوں کو ہٹانے کی کوشش کرنے لگے مگر ناکام رہے..... جب سب عاجز ہو گئے تو اس کو عرش کے نیچے لائے ادھر کنکریاں بھی پیچھے پیچھے سفارشی بن کر پہنچیں چنانچہ ان کی سفارش قبول ہو گئی اور اس شخص کو جنت میں لے جانے کا حکم ہوا.....

## بی بی زبیدہؒ کی مغفرت کا واقعہ

**64** حضرت امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

کسی نے زبیدہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ کہا کہ اے شخص خدا تعالیٰ نے مجھے چار کلموں کے سبب بخش دیا جن کو میں حرز جاں بنائے ہوئے تھی.....

پہلا کلمہ: ''لا الٰه الا الله افنی لها عمری''

دوسرا کلمہ: ''لا الٰه الا الله ادخل بها قبری''

تیسرا کلمہ: ''لا الٰه الا الله اخلو بها وحدی''

چوتھا کلمہ: ''لا الہ الا اللہ القی بھاربی''

## ایک نوجوان کی مغفرت کا واقعہ

65 ابوعمرو بیکندی کا گذر ایک راستہ سے ہوا..... دیکھا کہ کچھ لوگ ایک نوجوان کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے محلّہ سے نکالنا چاہتے ہیں..... اور ایک عورت رو رہی ہے..... دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس کی ماں ہے ابوعمرو کو اس پر رحم آیا اور اس نوجوان کی ان لوگوں سے سفارش کی' اور کہا کہ اب کی بار اسے چھوڑ دو اگر پھر شرارت کرے تو تم جانو اور یہ جانے' لوگوں نے اسے چھوڑ دیا..... اور ابوعمرو چل دیئے..... چند دنوں کے بعد ان کا گذر پھر اسی سڑک پر ہوا اور انہوں نے دروازہ کے پیچھے سے اس بڑھیا کے رونے کی آواز سنی انہوں نے اپنے دل میں کہا ہوسکتا ہے کہ اس نوجوان نے پھر شرارت کی ہو..... اور اسے محلّہ سے نکال دیا گیا ہو..... لہٰذا انہوں نے دستک دی اور اس بڑھیا سے اس نوجوان کا حال پوچھا تو بڑھیا نے بتایا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آ گیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو میری موت کی اطلاع نہ دینا کیونکہ میں انہیں دکھ دیتا رہا ہوں..... اس لئے وہ میرے مرنے پر خوش ہوں گے اور میرے جنازہ کے ساتھ نہ ہوں گے..... جب تو مجھے دفن کرنے لگے تو یہ میری انگوٹھی ہے جس پر ''بسم اللہ'' لکھا ہوا ہے' اسے میرے ساتھ دفن کر دینا' اور دفن سے فارغ ہوکر میرے رب کے پاس میری سفارش کرنا..... وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا جب اس کی قبر سے اٹھ کر چلنے لگی تو میں نے اس کی آواز سنی کہ وہ مجھے کہہ رہا ہے اماں واپس جاؤ میں رب کریم کے پاس پہنچا ہوں..... (رسالہ قیریہ)

## حضرت جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

66 حضرت جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

آپ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی چالیس سال تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کو بیان کرتے رہے ایک دن آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قہر وغضب کو بیان کیا تو اس مجلس میں کئی لوگ خوف الٰہی سے مر گئے پھر رات جب آپ سوئے تو خواب میں ارشاد باری ہوا کہ:

''اے جیلانی لوگ تو ختم ہو سکتے ہیں پر ہماری رحمت ختم نہیں ہو سکتی.....''

(حکیم الامت اور ان کے مواعظ حسنہ مرتب صوفی اقبال قریشی)

## اشعار لکھنے کے سبب مغفرت

67 ایک اللہ والے وفات کا وقت جب قریب آیا تو وصیت کی کہ میرے کفن پر یہ اشعار لکھ دیں..... شاید میری نجات ہو جائے' یہ اشعار کفن پر لکھ دیئے گئے:

یارب تیری رحمت کا امیدوار آیا ہوں
منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بار گناہ نے مجھ کو پیدل
اس لئے کندھوں پر سوار آیا ہوں

کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہے فرمایا فضل ذوالجلال ہے..... ان اشعار کی وجہ سے رحمت رب غفار کو جوش آیا اور مجھے معاف کر دیا گیا اور میری قبر کر جنت کا باغ بنا دیا گیا..... (خطبات دین پوری)

## ایک شرابی اور رحمت الٰہی کا منظر

68 ایک شرابی رئیس زادہ' شہزادہ جیسا خوبصورت جوان دریائے نیل کے کنارے اتنی شراب پی لی کے قے ہو گئی' وہیں زمین پر لیٹ گیا دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر حضرت ذوالنون مصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کپڑے دھو رہے تھے دیکھا کہ ایک کچھوا آیا اور دریا کے کنارے لگ گیا ذوالنون مصری نے دیکھا کہ یہ کچھوا دریائے نیل کے ساحل

پر کیوں آیا ہے' دیکھا کہ ایک بچھو جنگل سے تیزی سے آ رہا ہے' اتنا بڑا بچھو اس کچھوے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور پھر وہ کچھوا واپس چلنے لگا اس پر حضرت ذوالنون مصریؒ نے کپڑا دھونا چھوڑ دیا سوچا کہ عالم غیب سے کوئی عظیم الشان واقعہ رونما ہونے والا ہے.....

آپ بھی کشتی پر بیٹھ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کچھوے صاحب جا رہے ہیں اور بچھو صاحب اس کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بچھو کتنی دور سے آیا ہے عین اس وقت پر اس کے لئے سواری بھیجی گئی..... یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے.....

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

اب جناب دریائے نیل کے اس ساحل پر کچھوا لگ گیا' بچھو صاحب بھی پہنچ گئے..... دیکھا کہ ایک کالا سانپ اس رئیس زادہ کو ڈسنے کے لئے آ رہا ہے جو شراب پی کر بے ہوش لیٹا ہوا تھا تقریباً ایک گز کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اتنے میں بچھو نے کود کر اس کے پھن میں اپنا ڈنک مارا جس سے سانپ وہیں ڈھیر ہو گیا سانپ مرا پڑا ہوا ہے' بچھو اپنے کچھوے پر تھوڑا آرام کر رہا ہے کیونکہ بڑی محنت سے اسنے ڈنک مارا' بہت دور سے آیا تھا.....

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس جوان کو دیکھا اور اس کا نشہ ختم ہو چکا تھا، آنکھ کھولی تو دیکھا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کھڑے ہیں..... کہا کہ:

حضرت آپ اتنے بڑے ولی اللہ ہیں مصر کے اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں' آپ یہاں کہاں آ گئے مجھ جیسے بدکار اور شرابی کے پاس؟ فرمایا صاحبزادے سنو! تم شراب پی کر مست اور بے ہوشی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے لیکن تمہاری جان بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عالم غیب سے کتنے اسباب پیدا کئے ذرا اس کی رحمت کو سن! کہا کیا بات ہے؟.....

حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا کہ:

یہ سانپ جو مرا ہوا ہے' تجھے ڈسنے کے لئے ایک گز کے فاصلے تک آ چکا تھا' یہ بچھو دریائے

نیل کے اس پار سے آیا ہے اور کچھوے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا وہ اپنی پیٹھ لگا کر اس کے لئے کشتی بنا اتنی دور سے یہ بچھو آیا تیرے دشمن کے مقابلہ کے لئے اور تیرے سانپ کو مار دیا اور تیری جان اللہ تبارک وتعالیٰ نے بچالی تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے بے ہوش ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ سے بے ہوش نہیں ہیں..... یہ سب منظر دیکھ کر اس نے اسی وقت توبہ کرلی..... (نزہۃ البساتین)

خلاصہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی بڑی رحیم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ تو بندے کو نوازنے کے بہانے دیکھتے ہیں، جیسے اس شرابی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت الٰہی سے ان تمام حالات کو لا کر اپنے قریب کیا کہ کسی بھی طرح یہ شرابی میرا محبوب بن جائے.....

## قرآن مجید کی تصدیق کرنے کے سبب مغفرت

69 کہتے ہیں کہ ایک ان پڑھ بوڑھا قرآن شریف کو سامنے رکھ کر ہر سطر پر ہاتھ کی انگلی پھیرا کرتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا یہ بھی حق ہے یہ بھی حق ہے یہ بھی حق ہے..... جب وہ مرگیا تو کسی بزرگ نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہو حق نے تیرے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کہنے لگا میرے اس عمل کی وجہ سے بخش دیا.....

# مولانا ارسلان بن اختر کی دیگر تالیفات



سلسلہ اصلاحی مجالس

# گناہوں کے نقصانات

حضرت مولانا عبدالستار صاحب زید مجدہم

سلسلہ اصلاحی مجالس

# گناہوں کے نقصانات

حضرت مولانا عبدالستار صاحب زید مجدہم

بانی: مرکز فہمِ دین، جامع مسجد بیت السلام

ڈیفنس فیز 4، کراچی

مکتبہ فہمِ دین (وقف)

❖ نام کتاب: گناہوں کے نقصانات

❖ وعظ: حضرت مولانا عبدالستار صاحب زید مجدہم

❖ تاریخِ طبع: (طبع ثانی) جمادی الثانیہ/۱۴۲۹ ہجری

❖ تعداد: ۱۱۰۰

❖ ناشر: مکتبہ فہمِ دین (وقف) ڈیفنس فیز۴



ملنے کا پتہ

مکتبہ فہمِ دین (وقف) نزد جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس فیز۴۔ کراچی

فون: 2029184 - 021-4255122

www.fahmedeen.org

# فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ.

اَمَّابَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o ﴿مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ﴾ (سورۃ النساء:۱۲۳)

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی :

﴿مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَھَا﴾ (سورۃ المؤمن:۴۰)

﴿وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ:۳۰)

وَقَالَ تَعَالٰی :﴿وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھۡلِہٖ﴾ (سورۃ فاطر:۴۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

میرے معزز مسلمان بزرگو،عزیز بھائیو اور امت مسلمہ کی مقدس ماؤں اور بہنوں!

انسان کے جسم کے اندر دو قسم کی زندگیاں ہیں۔ایک جسے ہم ظاہری زندگی



کہتے ہیں اور دوسری جسے باطنی زندگی کہا جاتا ہے۔یا یوں کہئے کہ چلتے پھرتے جسم کے اندر دو قسم کے انسان ہیں،ایک باہر کا انسان ہے اور ایک اندر کا انسان ہے۔باہر کے انسان کی اپنی غذا،اپنی صحت،اپنا علاج،اپنی دوائیں اور اپنے انداز سے موت اس پر واقع ہوتی ہے۔اسی طرح ایک اندر کا انسان ہے،اس کی غذائیں بھی الگ ہیں،اس کی صحت بھی الگ ہے،اس کی دوائیں بھی الگ ہیں اور اس کی موت بھی الگ ہوتی ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اندر کے انسان کی مثال شہسوار کی سی ہے اور باہر کے انسان کی مثال سواری کی سی ہے۔زندگی کی گاڑی صحیح رخ پر منزلِ مقصود کی جانب تب ہی چلے گی جب سوار مضبوط ہو،صحت مند ہو،زندہ اور بیدار ہو۔ایسی صورت میں وہ مریل سواری کو بھی کہیں نہ کہیں پہنچا دے گا،ظاہری انسان کتنا ہی کمزور ہو وہ اسے بھی منزل تک پہنچا ہی دے گا۔

اور اللہ نہ کرے شہسوار ہی بیمار ہو،وہی مغلوب ہو چکا ہو یا وہی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہو،اس پر ہی موت واقع ہو چکی ہو تو پھر سواری کسی کام کی نہیں ہوتی،ہاں میرے دوستو!اصل تو اندر کا انسان ہے جب وہ ہی مر گیا تو پھر یہ ظاہری انسان کسی کام کا نہیں ہوتا،یہ ایک حقیقت ہے۔

## اللہ کی نافرمانی سے روحانی موت واقع ہوتی ہے

تو اندر کا انسان مرتا ہے اللہ کی نافرمانی سے،اس پر موت واقع ہوتی ہے اللہ کی نافرمانی سے،اس کے اندر کمزوری آتی ہے اللہ کی نافرمانی کرنے سے،اس پر فالج

جاتا ہے اللہ کی نافرمانی کرنے سے۔ یہ فالج اگر انسانی جسم پر گر جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، یہ ایک ناسور ہے جب تک اسے کاٹا نہیں جاتا تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں سارے جسم کو نہ لے ڈوبے۔ اسی طرح گناہ باطنی زندگی کے ناسور ہیں، ایمانی زندگی کے ناسور ہیں۔

## گناہوں کا واحد علاج

ان کا علاج اور حل یہی ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے، ابتداءً گناہ کی جو شروعات ہوتی ہے، اس کی حیثیت ایک کچے دھاگے کی سی ہوتی ہے کہ کچا دھاگا ایک بچہ بھی توڑ دے گا، لیکن رفتہ رفتہ جب اس کی عادت مضبوط ہوتی ہے تو پھر وہ جہاز کے لنگر کی سی کیفیت اختیار کر لیتا ہے، پھر ہلانے سے بھی نہیں ہلتا۔ عادت ایسی پختہ ہو جاتی ہے کہ آدمی کے اندر گناہ کی لذت محسوس کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے لیکن وہ گناہ چھوٹتا نہیں ہے۔ لذت نہیں رہی، اب اسے گناہ کے اندر مزہ نہیں آ رہا لیکن عادت ایسی پختہ ہوگئی ہے کہ چھوٹ نہیں رہی۔ بسا اوقات یہ سلسلہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اس کے روحانی، اس کے اندر کے انسان پر مکمل موت واقع ہو جاتی ہے۔

آپ نے درختوں پر بیل دیکھی ہوگی، جب وہ درخت پر چڑھتی ہے تو درخت کی نشو ونما رک جاتی ہے، اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اصل درخت اور اصل پودا سوکھنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب یہ گناہ اسے گھیر لیتے ہیں تو پھر اس کی ایمانی زندگی خشک ہونے لگتی ہے، اس کی ترقی رک جاتی ہے، اس کی ہری پتیاں سوکھ جاتی ہیں، اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسے مکمل طور پر کاٹنا پڑتا ہے۔



## انسان کا سب سے بڑا اندرونی مرض

اسی طرح میرے دوستو! اندر کے انسان کا سب سے بڑا مرض اللہ پاک کی نافرمانی ہے، یہ اندر کی زندگی کے لئے ایک زہر ہے، زہر چاہے کتنی ہی عقل مندی سے کھایا جائے یا کتنی ہی نادانی اور جہالت سے کھایا جائے وہ اپنا اثر ضرور بہ ضرور دکھاتا ہے، اس کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

## گناہوں کی سزا زندگی میں بھی ملتی ہے

خدا کی قسم جس طرح سورج نکلنے کے بعد دن کا آنا یقینی ہے، اس سے بھی کہیں زیادہ یقینی بات ہے کہ اگر گناہ کیا جائے تو وہ اپنا اثر زندگی میں ضرور دکھاتا ہے، زندگی میں ضرور اس کی سزا ملتی ہے۔

عدل وانصاف فقط حشر پر موقوف نہیں ہے زندگی بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے، ہاں آدمی دیکھتا ہے کہ اسی زندگی کے اندر اسے گناہوں کی سزا ملنا شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (سورۃ النساء: ۱۲۳)

’’جو کوئی برا کام کرے گا، اس کی سزا پائے گا۔‘‘

گناہ کرو گے تو ان کی سزا ملے گی۔

## اللہ رب العزت کی تنبیہ

اللہ کے اس معاملے میں مختلف انداز ہیں وہ حکیم ہے۔ بسا اوقات بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اللہ اسے تنبیہ کرتا ہے، کوئی سزا ملی کوئی بیماری آئی، کوئی نقصان ہوا تو

فوراً یہ شخص متنبہ ہوگیا کہ مجھ سے کہیں گناہ ہوا ہے۔

## خدائی تنبیہ کا پہلا انداز

تجربہ کر لیں کہ بعض لوگوں کو دین سے اتنا تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ جھوٹ نہیں بولتے، ان سے پوچھا جائے کہ جھوٹ کیوں نہیں بولتے، تو ان کا کہنا ہوتا ہے کہ جب بھی ہم کوئی جھوٹ بولتے ہیں تو ہمیں نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ اسے گناہ کی وجہ سے اللہ تنبیہ کر رہا ہے، سزا کے ذریعے تنبیہ ہوتی ہے تو وہ فوراً متنبہ ہو جاتا ہے۔ بعض خوش نصیب لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں فوراً احساس ہونے لگتا ہے کہ آج مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"جب بھی میں اپنی بیوی میں، اپنے غلام میں، اپنی سواری میں کوئی کوتاہی دیکھتا ہوں، کوئی حکم عدولی دیکھتا ہوں تو فوراً سمجھ لیتا ہوں کہ آج مجھ سے کہیں اللہ کی نافرمانی ہو چکی ہے۔"

یہ تنبیہ کا خدائی انداز ہوتا ہے۔

## خدائی تنبیہ کا دوسرا انداز

دوسرا انداز یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے مہلت ملتی ہے، عذاب میں تاخیر ہوتی ہے۔ اس نے گناہ جوانی میں کیا ہوا ہوتا ہے، سزا اسے بڑھاپے میں ملتی ہے، پھر یہ روتا ہے کہ پتہ نہیں مجھے کیوں ستایا جا رہا ہے، ارے میاں! جوانی کے گناہ آج اپنے نتائج دکھا رہے ہیں۔ جوانی میں اللہ کو ناراض کیا، بڑھاپے میں اسی کا مال، اسی کی بیوی



اسی کی اولاد، سب اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ کم عذاب ہے کہ بڑھاپے کے اندر جس وقت اولاد کی بھی ضرورت ہے، بیوی کی خدمت کی بھی ضرورت ہے، وہ دونوں نافرمان بن جائیں۔ پھر یہ کہتا ہے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ (اللہ کرے احساس پیدا ہو جائے۔)

ارے میاں! جوانی میں گناہ کیا تھا، سزا اب مل رہی ہے، اللہ نے ڈھیل دے رکھی تھی۔ ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ ہاں اللہ کی سنت یہی ہے کہ سزا ملتی ہے۔ چاہے وہ ڈھیل سے ملے۔ کرتا رہتا ہے گناہ، کرتا ہی رہتا ہے، اور ایک وقت اس پر ایسا آتا ہے کہ گناہوں سے توبہ نہیں کرتا لیکن گناہ بھی چھوڑ چکا ہوتا ہے پھر اللہ کی طرف سے پکڑ آتی ہے، اب یہ حیران و پریشان کہ یہ کیوں ہو رہا ہے۔

ارے اپنے ماضی پر نظر تو کرو! تم نے کہاں کہاں اللہ کو ناراض کیا ہے۔ آج اسی کی سزا مل رہی ہے۔

## خدائی تنبیہ کا تیسرا انداز

تیسری صورت اللہ کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے خفیہ تدبیر ہوتی ہے۔ (اللہ اکبر) یہ بہت خطرناک ہے کہ یہ گناہ کر رہا ہے، اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر چلا رہا ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾

(سورۃ الانعام: ۴۴)

"پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔"

یہ خوب اللہ کی نافرمانیاں کر رہا ہے، اور اللہ کی طرف سے نعمتوں کے دروازے کھل چکے ہیں۔ عہدے بھی مل رہے ہیں، عزتیں بھی مل رہی ہیں، اولاد بھی جوان ہے، کاروبار بھی بہت اچھا ہے، آمدنی بھی بہت اچھی ہو رہی ہے، منافع بھی روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ نے نعمتوں کے دروازے کھول دیئے ہیں، اب اسے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے اور پکڑ نہ ہو، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی جانب سے پکڑ ضرور ہوتی ہے، ہاں انداز مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تنبیہ ہوتی ہے، کبھی مہلت ملتی ہے اور کبھی اللہ کی طرف سے یہ خفیہ تدبیر چلتی ہے کہ ٹھیک ہے اسے اور چلنے دو، اسے اور مزے اڑانے دو۔

اس لئے میرے دوستو! یہ معاملہ بہت خطرناک ہے کہ اللہ کی نافرمانی بھی ہو رہی ہے، ناجائز آمدنی کا سلسلہ بھی چل رہا ہے، حرام ذرائع کا استعمال بھی ہو رہا ہے، دوسروں کی دولت کی لوٹ کھسوٹ بھی جاری ہے، بددیانتی بھی کر رہا ہے، غیروں کے حقوق بھی ضائع کر رہا ہے اور پھر بھی نعمتوں کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ تو غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ یہی تو اللہ کی طرف سے خفیہ تدبیر ہے۔

## ایک عام غلط فہمی

اصل میں ہم جیسے بہت سے نادانوں کو تو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ میں اتنا نیک ہوں اور فرمانبردار بننے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں پھر بھی مصائب آ رہے ہیں اور اللہ کا نافرمان اپنی نافرمانی کے باوجود مزے کر رہا ہے۔ ارے وہ مزے نہیں کر رہا بلکہ وہ تو اللہ کی خفیہ تدبیر کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ تو اللہ کا معاملہ بہت خطرناک ہے۔ وہ



قابل رشک نہیں ہے بلکہ وہ تو اور زیادہ افسوس ناک معاملے کے اندر ہے کہ سارے غلط کام کر رہا ہے اور پھر بھی نعمتوں کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے تو یہ اللہ کا خفیہ معاملہ ہے۔ ایسے شخص کی جب موت آتی ہے تو اسے سنبھلنے کا موقعہ بھی نہیں ملتا۔ اور ہم نے جو اللہ کی فرمانبرداری شروع کی ہے، پھر بھی اللہ ہم پر مصائب بھیج رہا ہے تو یہ ہمارے گناہوں کی معافی کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔

## اللہ کی نافرمانی کا سب سے بڑا نقصان

اس لئے میرے عزیزو! اللہ کی نافرمانی کے نتائج اس دنیاوی زندگی میں آدمی ضرور دیکھتا ہے۔ سب سے بڑا نقصان اسے یہ ہوتا ہے کہ ایسا آدمی احسان فراموش بن جاتا ہے، اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتا ہے اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے، اللہ کی دی ہوئی چیزیں استعمال کرتا ہے اور اسکے احکامات سے منہ موڑتا ہے۔

## حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ

ایک نوجوان حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمہ اللہ تعالی کے پاس آیا اور کہا حضرت! اللہ سے ڈر بھی لگتا ہے لیکن گناہ بھی نہیں چھوٹتے، کوئی ایسی تجویز دے دیں یا کوئی ایسی تدبیر بتا دیں کہ گناہ بھی کرتا رہوں اور اللہ کی پکڑ سے بھی بچ جاؤں (اللہ والے بھی بڑے شفیق ہوتے ہیں مخلوق خدا پر) تو حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمہ اللہ نے اس نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے قریب کیا اور اس سے فرمایا: بیٹے! چند تجویزیں دیتا ہوں ان پر عمل کر لو تمہارا مطلوب تمہیں حاصل ہو جائے گا، نوجوان نے کہا: ضرور بتائیں۔

## پہلی تجویز

آپ نے فرمایا: بیٹے پہلی تجویز یہ ہے کہ ایسی جگہ زندگی گزارو جہاں اللہ نہ دیکھ رہا ہو۔ اس نے کہا: حضرت یہ تو نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ ذات ایسی ہے کہ غفلت کے سارے دروازے اس نے پہلے سے ہی بند کردیئے ہیں۔

## اللہ اپنی مخلوق سے غافل نہیں

آدمی اگر غافل ہوجائے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے تو اللہ نے اسے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ رَبَّکَ لَبِا لْمِرْصَادِ ﴾ (سورۃ الفجر:۱۴)

بے شک تیرا رب تو گھات میں لگا ہوا ہے۔

انسان غافل ہوتا ہے کہ میری حرکتوں کو کوئی نہیں جانتا، تو اللہ پاک اسے مخاطب کرکے کہتے ہیں:

﴿یَعْلَمُ خَا ئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ (سورۃ المؤمن:۱۹)

''وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے سینوں میں۔''

ارے! اللہ تیری آنکھوں کی خیانت سے بھی واقف ہے، اور تیرے دل کی تصویروں سے بھی واقف ہے۔

## اللہ ہر ایک کے ساتھ ہے

انسان غافل ہوتا ہے کہ میں اکیلا ہوں کمرے میں، اندھیرے میں اکیلا ہوں، کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا، اللہ نے اسے خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ



﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (سورۃ الحدید:۴)

اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

## اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے

پھر انسان غافل ہوتا ہے کہ میرا کون کیا کرلے گا، مجھے کوئی سزا نہیں دے سکتا، میرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، میں طاقتور ہوں، مجھے تو گناہ پر پوری قدرت حاصل ہے، اللہ نے اسے بھی خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ (سورۃ ھود:۱۰۲)

''بے شک اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔''

پھر مزید خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ (سورۃ الفجر:۱۳)

''سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔''

تو اللہ پاک اپنے عذاب کا کوڑا بھیج دیا کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ تمہیں نظر آرہا ہے، یہ تو اس کا ڈھیل کا معاملہ ہے یہ تو اس کی خفیہ تدبیر ہے۔

## اللہ کی نعمتوں کا درست استعمال کیجیے

میرے دوستو! اب اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا درست استعمال کریں۔ انہیں اللہ کی نافرمانی والے کاموں میں استعمال ہونے سے بچائیں، اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو کیا ہوگا کہ اللہ پاک اپنے عذاب کا کوڑا بھیج دیں گے۔

ارے نافرمانی کرنے والو! جو اللہ دینا جانتا ہے وہ چھیننا بھی جانتا ہے۔ اللہ نے صحت دے رکھی ہے، اسے نافرمانی میں استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ نے آنکھیں دے رکھی ہیں، انہیں اللہ کی نافرمانی میں استعمال کر رہے ہیں۔

ارے! اللہ نے جو صحت دے رکھی ہے وہ اس سے محروم بھی کرسکتا ہے۔

ارے! اللہ نے شباب دے رکھا ہے تو نافرمانی کرنے والو! اللہ اسی شباب کے اندر موذی امراض بھی پیدا کرسکتا ہے۔

ارے! اللہ نے اولاد دے رکھی ہے تو جو اللہ اولاد دے سکتا ہے وہ اسے واپس لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

ارے! جس اللہ رب العزت نے عزت بھری روزی دے رکھی ہے، وہ اللہ اس سے محروم بھی کرسکتا ہے۔ جس اللہ نے معاشرے اور سوسائٹی میں عزت والا رکھا ہوا ہے، وہی اللہ گھر بیٹھے ذلیل بھی کرسکتا ہے۔

## دوسری تجویز

حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: بیٹے پھر دوسری تجویز سن لو۔ ایسا کرو کہ اس اللہ کا کھانا پینا چھوڑ دو، نہ کھاؤ گے نہ اس کی بات ماننا ضروری ہوگی۔ اس نے کہا: حضرت یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اسی کا کھاتے ہیں، اسی کا پیتے ہیں، نہ جانے ایک گھڑی کے اندر اللہ پاک کی عطا کردہ کتنی نعمتیں استعمال کرتے ہیں۔

## تیسری تجویز

آپ نے کہا: بیٹے پھر ایسا کرو کہ موت کا فرشتہ آئے تو اس وقت یہ کہہ دینا



تھوڑی سی مہلت دے دو تاکہ میں توبہ کرلوں۔ اس نے کہا حضرت! یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کے اندر ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔

﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

(سورۃ یونس:۴۹)

”جب ان کا معین وقت آپہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“

آدمی بازار جاتا ہے، پتہ نہیں کتنے منصوبے بنا کر اور وہاں سے اس کی لاش واپس آتی ہے۔ نہ جانے دماغ میں اس نے کیسے کیسے منصوبے سوچ رکھے ہوتے ہیں اور اللہ کا فرشتہ اس پر ہنس رہا ہوتا ہے کہ اس کا کفن تو بازار میں آچکا ہے اور اس کی تدبیریں دیکھو۔

تو اس نوجوان نے کہا کہ حضرت! یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

آپ نے کہا: بیٹے پھر ایسا کرلو کہ جب موت آجائے اور قبر میں چلے جاؤ اور منکر نکیر آئیں تو وہاں انہیں یہ کہہ دینا کہ تم اندر نہیں آسکتے۔ اس نوجوان نے کہا: حضرت! یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ نے کہا: بیٹے! پھر جب تیرے خلاف دفعہ لگ جائے اور تیرے لئے جہنم کی سزا تجویز ہوجائے تو پھر تم کہنا کہ میں جہنم میں نہیں جاتا۔ اس نوجوان نے پھر کہا کہ حضرت! یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

## احسان فراموشی اچھی چیز نہیں

حضرت نے جب یہ دیکھا کہ اب نوجوان کے دل کی زمین سازگار ہے تو فرمایا کہ جس اللہ کے ہم اتنے محتاج ہیں، اس رب کی نافرمانی کرتے ہوئے ہمیں حیا کیوں

نہیں آتی؟ اتنی احسان فراموشی بھی تو اچھی نہیں ہوتی۔ وہ نوجوان فوراً کہنے لگا حضرت میں آج آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ تو میرے دوستو! اللہ کا کھائیں اور اسی کی نافرمانی کریں، یہ بہت بڑی احسان فراموشی ہے، بہت بڑی احسان فراموشی ہے۔

## گناہوں کے سبب برکت اٹھالی جاتی ہے

میرے دوستو! جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ گناہ کرے اور اس کی سزا نہ پائے، اسے اپنے گناہ کی سزا ضرور ملتی ہے۔ فوراً ملے یا کچھ عرصے کے بعد مگر ملتی ضرور ہے۔

اس کے گناہوں کا دوسرا وبال اس پر یہ آتا ہے کہ اس کی احسان فراموشی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے جو نعمتوں کا سلسلہ جاری تھا، اللہ اس کے اندر سے برکت نکال لیتا ہے۔ ایک ہے نعمتوں کا آنا اور ایک ہے اس کے اندر سے برکتوں کا نکالا جانا، یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اللہ پاک نے زندگی دی، برکت نکال لی۔ اللہ پاک نے اولاد دی، برکت نکال لی، اولاد فرمانبردار نہیں رہی۔ دولت جو راحت کی چیز تھی کہ اس سے سکون حاصل ہوسکتا تھا، اس سے اس کی آخرت بھی بن سکتی تھی، اللہ پاک اس کے اندر سے برکت کو نکال لیتے ہیں۔ شوہر جو بیوی کے لئے سکون کا سامان تھا، اللہ پاک اس کے اندر سے برکت کو نکال لیتا ہے۔ گھر جہاں بندہ آرام کرتا ہے، اللہ پاک اس گھر سے برکتیں نکال لیتا ہے۔ کاروبار جس سے اس کے کام بنتے تھے، اسی کاروبار سے اللہ پاک برکتیں نکال لیتا ہے، وہ چیزیں اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے نعمتیں نظر آتی ہیں لیکن اس گناہ کی نحوست اور احسان فراموشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان چیزوں



کے اندر سے، ان نعمتوں کے اندر سے برکتیں نکال لیتا ہے۔

کثرت تو آج بہت ہے، برکت نہیں ہے، گنتی تو بہت ہے لاکھوں آرہے ہیں، کروڑوں آرہے ہیں لیکن اللہ نے اس مال کے اندر سے برکت کو اٹھا دیا ہے۔ جوان بیٹے ہیں برکت نہیں ہے، کسی کام کے نہیں ہیں۔ اب کہتے ہیں کہ نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ یہ کیا ہے؟ یہ اللہ نے گناہ بھری زندگی کی نحوست سے ان کی زندگی سے برکتیں نکال دی ہیں۔

اللہ یہ احساس نصیب فرمادے کہ یہ میری گناہ بھری زندگی کے نتائج ہیں۔ یہ میرے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے۔

## اپنے گناہوں پر نظر کیجئے

اب تو شیطان اس سوچ کی طرف بھی نہیں لے کر جاتا، اب سوچ کیا بنتی ہے؟ کسی کی نظر لگ گئی ہے، کسی کی نظر لگ گئی ہے، یعنی یہ اپنے آپ کو بہت پارسا سمجھتا ہے کہ میرے اندر تو کوئی کمزوری ہے ہی نہیں، جس کی وجہ سے اللہ پاک مجھ سے نعمتیں چھین لے۔ کسی کی نظر لگ گئی ہے، میں بڑا باکمال ہوں یا کبھی یوں کہتا ہے کہ کسی نے بندش کردی ہے یا یوں کہتا ہے کسی نے کچھ کردیا ہے۔ ادھر توجہ نہیں جاتی کہ یہ میرے گناہوں کا وبال ہے، ادھر نظر نہیں جاتی جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾

"جو کوئی برا کام کرے گا، اس کی سزا پائے گا۔"

سزا مل رہی ہے گناہ کی، ادھر نگاہ نہیں جاتی، اُدھر خیال بھی نہیں جاتا۔

## بے سکونی کا سبب اللہ کی نافرمانی ہے

میرے دوستو! گناہ بھری زندگی کے اندر برکتیں نہیں آسکتیں، گناہ والی زندگی کے اندر سکون نہیں آسکتا۔ آپ نے بوفے سسٹم دیکھا ہے۔ کھانے کو گرم رکھنے کے لئے آگ جلائی جاتی ہے، بتی لگائی جاتی ہے، تو جب بندہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے بے چین رکھنے کے لئے اس کے اندر ایک بتی جل جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ اسے گرم رکھتی ہے۔ یہ باہر کتنے ہی سکون کے اسباب پیدا کرلے، صحت کے حالات پیدا کرلے، خوشگوار ماحول بنالے، پرفضا ماحول کے اندر چلا جائے لیکن اندر کی بتی اسے کہاں سکون سے رہنے دیتی ہے جسے اس نے گناہ کی وجہ سے تیل دے رکھا ہے۔ پھر کبھی یہ بتی اس کی بیوی بنتی ہے، کبھی بتی اس کے لئے اس کی اولاد بنتی ہے، کبھی بتی اس کے لئے اس کا کاروبار بنتا ہے، کبھی بتی اس کے لئے اس کے رشتے دار بنتے ہیں، کبھی بتی اس کے لئے اس کا خاندان بنتا ہے، کوئی نہ کوئی اس پر بتی بن کر مسلط رہتا ہے، یہ نہیں بجھتی۔ آپ لاکھ تدبیریں کرلیں لیکن یہ بتی جلتی رہے گی۔

## گناہوں کی بتی بجھانے کا طریقہ

ہاں اسے بجھانا ہے تو اللہ کی نافرمانی سے توبہ کرنا ہوگی، ان گناہوں کو چھوڑنا ہوگا، ایک بھی گناہ کبیرہ موجود رہے گا تو بتی جلتی رہے گی۔ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ کام ہوگیا تو بتی بجھ جائے گی۔ ارے نہیں بجھتی۔ یہ کام ہوگیا تو میری پریشانی ختم نہیں بلکہ جب تک بتی کو تیل ملتا رہتا ہے وہ جلتی رہتی ہے۔



## باطنی بیماریوں کا علاج سچی توبہ ہے

اس لئے حل یہ ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانیوں سے توبہ کریں، اپنا محاسبہ کریں، کہاں کہاں اللہ کی نافرمانی ہورہی ہے، اور اللہ کتنا کریم ہے کہ جیسے ظاہری جسم کی صحت کے لئے اللہ نے کوئی نہ کوئی دوا دنیا میں ضرور بھیجی ہے (یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگوں کی ان تک رسائی نہ ہوئی ہو) اسی طرح اللہ نے باطنی بیماریوں کے لئے بھی تریاق، علاج اور دوا پیدا کی ہے، باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ گناہوں کا تریاق اور ان کا علاج یہ ہے کہ سچی توبہ کی جائے، اس کا علاج سچی توبہ ہے۔ کوئی بندہ سچے دل سے دماغ میں یہ رکھ کر کہ یہ کام دوبارہ نہیں کروں گا توبہ کرلے، تو اسے محسوس ہوگا کہ جیسے بتی بجھ گئی ہے، یقیناً وہ یہ محسوس کرے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پورے عزم کے ساتھ سارے گناہوں سے توبہ کرلے تو وہ فوراً اپنے دل میں ایک ٹھنڈک محسوس کرے گا۔ یہ اس توبہ کا فوری بدلہ ہے۔

## بے سکون زندگی کا سبب

میرے دوستو! یہ گناہ ہی ہماری زندگی کی بے سکونی کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ ہم حالات کا رونا روتے ہیں، اپنی پریشانیوں کے تذکرے کرتے ہیں، ہمیں چاہئے کہ اللہ رب العزت نے پریشانیوں کا جو سب سے بڑا سبب بتایا ہے اس سے جان چھڑائیں، اپنے گھروں سے اس کو نکالیں، اپنی زندگیوں کو اس سے پاک کریں، اپنے کاروبار اور ماحول کے اندر جہاں تک ہم سے بن پڑے کاروبار کو گناہوں سے پاک کریں، جب تک یہ نہیں ہوگا تو کوئی نہ کوئی بتی جلتی رہے گی۔ اس لئے اس کا

علاج یہ ہے کہ بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر سچی توبہ کرے اور عزم کرے کہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

## توبہ کرنے کے انعامات

حدیثِ رسول ﷺ کا مفہوم ہے کہ جب بندہ گناہ بھری زندگی سے توبہ کرتا ہے تو اللہ پاک اسے تین نعمتیں نصیب فرماتے ہیں۔ پہلی نعمت اللہ اسے یہ نصیب فرماتا ہے کہ بغیر خاندان کے، بغیر نسب کے، بغیر قبیلے کے، بغیر کسی عہدے اور منصب کے اللہ پاک اسے عزت نصیب فرماتا ہے، اور فرمایا کہ دوسری نعمت اللہ اسے یہ نصیب فرماتا ہے کہ بغیر کسی ہم نشین کے بغیر کسی ساتھی کے اللہ اسے دل کا سکون نصیب فرماتا ہے اور تیسری نعمت اللہ اسے یہ نصیب فرماتا ہے کہ بغیر مال کے اللہ اسے غنی بنا دیتا ہے، یعنی دل کا غناء عطا فرما دیتا ہے۔ درحقیقت یہی تینوں چیزیں ہی تو سب کچھ ہیں، جن کے لئے ہم دوڑ دھوپ کر رہے ہیں کہ عزت مل جائے، کتنے پاپڑ بیلے جاتے ہیں، اس مصنوعی عزت کو حاصل کرنے کے لئے لیکن ملتی پھر بھی نہیں، اس لئے کہ جو ظاہری چاپلوسی ہوتی ہے وہ عزت نہیں ہوتی۔

## حقیقی عزت کیا ہے؟

عزت تو وہ ہوتی ہے، جو دل سے ہوتی ہے اور وہ صرف اللہ کے نیک بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ دولت کی بنیاد پر جو عزت کی جائے وہ چاپلوسی ہوتی ہے، سامنے مسکراہٹ سے ملیں گے پیچھے آپ کو گالیاں دیں گے، اصل عزت وہ ہوتی ہے جو دل سے ہوتی ہے اور یہ اللہ پاک اپنے نیک بندے کو ہی نصیب فرماتے ہیں۔ تب ہی تو



بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ساری زندگی ایک اللہ والے کو کسی نے نہیں دیکھا ہوتا لیکن اس کا دل اس اللہ والے کی عزت سے بھرا پڑا ہوتا ہے۔

دوسرا انعام یہ ہے کہ اللہ پاک دل کا سکون نصیب عطا فرماتا ہے، قلبی سکون اور چین۔

تیسری نعمت یہ کہ اللہ پاک دل کا غناء عطا فرماتا ہے۔

آج گناہ بھری زندگی میں ان تینوں چیزوں سے ہر انسان محروم ہے۔ ہر وقت اسے ذلت کا خطرہ لگا ہوا ہے، ہر وقت حرص کی بیماری لگی ہوئی ہے، دولت بہت ہے لیکن اندر سے فقیر ہے، اور بے سکونی کا تو کیا کہنا۔ چونکہ گناہ بھری زندگی ہے، اس لئے یہ تینوں چیزیں بھی ہیں، اور اگر گناہوں سے توبہ کریں گے تو اللہ اس دنیا کے اندر یہ ساری نعمتیں نصیب فرمائے گا۔ میرے دوستو! اللہ رب العزت نے تو ہمیں دنیا کے اندر اس لئے بھیجا ہے کہ ہم سکون بھری زندگی گزاریں، اس لئے ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیا کریں۔

## علاج کے ساتھ پرہیز ضروری ہے

میں پھر عرض کر رہا ہوں کہ آج جب کوئی آدمی دین کی طرف متوجہ ہوتا بھی ہے تو وہ کچھ نیکیاں تو ضرور کر لیتا ہے لیکن گناہ نہیں چھوڑتا۔ اب جب گناہ نہیں چھوڑتا تو اس کی زندگی کے حالات نہیں بدلتے، اس کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔ وہ کہتا ہے، بھائی جب میں نیکیاں نہیں کر رہا تھا تب بھی یہی حال تھا، اور اب نیکیاں کر رہا ہوں تب بھی یہی حال ہے۔ کوئی ان سے کہے کہ ارے میاں! تم نے علاج ہی

کہاں کیا ہے؟ تم نے تھوڑی بہت دوا کھائی ہے۔ پرہیز تو بالکل بھی نہیں کر رہے، اور جب تک پرہیز نہیں کرو گے، صحت کہاں سے ملے گی؟

آدمی جب دین کی طرف راغب ہوتا ہے تو چند نیکیاں تو کر لیتا ہے لیکن بد پرہیزی مسلسل جاری رہتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سارے وظیفے کرنے والے کا کام جب بہت زیادہ وظیفے پڑھنے کے بعد بھی نہیں ہوتا تو وہ اللہ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ وہ اس لئے بدگمان ہوتا ہے کہ جب آدمی کا معدہ خراب ہو، اور وہ توانائی کی دوا کھالے تو بسا اوقات آدمی اور زیادہ بیمار ہو جاتا ہے۔ سمجھدار ڈاکٹر کیا کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میاں طاقت کی دوائیاں نہیں کھانی، پہلے اپنے معدے کا علاج کراؤ، جب اس معدے کا علاج ہو جاتا ہے تو پھر اسے طاقت کی دوا دی جاتی ہے۔ اس لئے اصل بیماری کا علاج کیا ہے کہ پہلے گناہ چھوڑو، پھر جب دعا کرو گے تو اللہ پاک رد نہیں کرے گا۔ پھر تھوڑی سی بات بھی بن جائے گی۔

مثلاً باہر ایک پولیس والا کھڑا ہو، اور میں اس سے کہوں کہ آپ برطرف، برطرف، برطرف۔ تو کیا وہ برطرف ہو جائے گا؟ نہیں ہوگا۔ لیکن ایک عہدے اور بڑے منصب والا افسر اس سے کہے کہ میں آپ کو برطرف کرتا ہوں تو وہ سپاہی فوراً برطرف ہو جائے گا۔ میں نے کئی مرتبہ کہا تو برطرف نہیں ہوا، افسر نے ایک مرتبہ کہا تو برطرف ہو گیا۔



## تقویٰ اختیار کیجیے

میرے عزیزو! بات کیا ہے؟ بات اصل میں یہ ہے کہ اس نے محنت کر کے وہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ اس کی ایک بات سے کام بن گیا۔ آپ بھی اپنے اوپر محنت کر کے اور تقویٰ اختیار کر کے اللہ پاک کے ہاں مقام بنا لو، پھر اللہ ایک ہی بات پر کام بنا دے گا، پھر کام بن جائے گا۔

میرے دوستو! گناہ بھری زندگی میں اس بات کی فکر کرنی ہے کہ نیکیاں کریں لیکن ساتھ ساتھ گناہوں کو چھوڑیں، اگر گناہوں کو نہیں چھوڑیں گے، تو پھر اللہ کے یہی تین معاملے ہیں یا تو تنبیہ کے طور پر سزا دے گا یا اللہ اس کے اندر تاخیر کرے گا یا اللہ اپنی خفیہ تدبیر چلائے گا۔ یہ فکر نہ ہو کہ میں تو گناہ کر رہا ہوں لیکن کچھ بھی نہیں ہو رہا۔

## اللہ کی پکڑ کا عجیب انداز

بنی اسرائیل کا ایک بہت نیک آدمی تھا، اس نے ایک مرتبہ اللہ پاک سے عرض کیا کہ ''اے اللہ! تو کتنا کریم ہے، میں گناہ بھی کرتا ہوں اور تو پکڑ بھی نہیں کرتا'' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے اسے خبر دی کہ اللہ کہہ رہا ہے، میں پکڑ بھی کر رہا ہوں لیکن تجھے احساس بھی نہیں ہے۔ اس آدمی نے کہا: کیا پکڑ کر رہا ہے اللہ کہ مجھے پتہ بھی نہیں چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: دیکھ کیا میں نے تجھ سے تیری عبادات کی حلاوت (مٹھاس) چھین نہیں لی؟ کیا یہ کم عذاب ہے کہ تو سجدہ کرتا ہے اور تجھے لذت نہیں ملتی؟ تو سجدوں میں تلاوت کرتا ہے اور تجھے لذت نہیں ملتی۔ تو عبادت کرتا ہے اور تجھے راحت نہیں ملتی۔ کیا عبادات کی لذت سے محروم ہو جانا کم عذاب ہے؟ آج

اس کا احساس ہی نہیں ہے، کہ عبادت کی بھی کوئی لذت ہوتی ہے اور یہ بھی چھن جایا کرتی ہے۔

## عبادت کی لذت کیسے ملتی ہے؟

میرے عزیزو! جس طرح سے مادی جسم کی غذائیں کھائیں، تو اس میں لذت محسوس ہوتی ہے، ایسے ہی ایمانی زندگی کی ترقی کے لئے جب غذائیں کھائی جاتی ہیں تو ان کی بھی لذت ملتی ہے۔ لیکن یہ لذت اسے ملتی ہے جو آدمی جسمانی طور سے صحت مند ہو، اسے قورمے کا اپنا ذائقہ محسوس ہوگا، بریانی کا اپنا ذائقہ محسوس ہوگا، اور آئس کریم کا اپنا ذائقہ محسوس ہوگا۔ لیکن اگر کوئی آدمی بیمار ہو تو اسے ہر چیز ہی کڑوی لگے گی، یا نزلے کا مریض ہو تو اسے مزہ ہی نہیں آئے گا، اسی طرح جب گناہ کا مرض لگ جائے تو ایمانی زندگی کی غذائیں کھاتے وقت بھی ان کی لذت محسوس نہیں ہوتی، پھر محسوس ہی نہیں ہوتا کہ سجدے کے کیا مزے ہیں، تلاوت کے کیا مزے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ان کی لذت نہیں ہے۔ نہیں ان میں لذت تو ہے مگر چونکہ میں بیمار ہوں، اس لئے اس بیماری کی وجہ سے مجھے ان میں لذت محسوس نہیں ہو رہی ہے۔

## نیکی اور گناہ کی پہچان کا طریقہ

میرے عزیزو! جب ایک متقی اور نیک آدمی گناہ کرتا ہے تو اسے گناہ میں لذت نہیں آتی۔ جیسے ایک باحیا بیٹا جب کہ اسے پتہ ہو کہ میرا باپ مجھے دیکھ رہا ہے تو اسے سگریٹ پینے میں مزہ نہیں آئے گا، اس کے اندر ایک بے چینی ہوگی۔ بالکل اسی طرح متقی آدمی اگر اپنے بشری تقاضے کی وجہ سے مغلوب ہو بھی جائے، تو اللہ کے دھیان کی



وجہ سے وہ بے چین رہتا ہے، اسے مزہ نہیں آتا۔ لیکن اگر کوئی آدمی بیمار پڑ جائے تو اسے مزہ آتا ہے، اگرچہ یہ مزہ تھوڑی دیر کا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی خارش کرتا ہے، تو جو آدمی خارش کا مریض نہ ہو، تو اسے خارش کرنے میں مزہ نہیں آتا لیکن جسے خارش کا مرض لاحق ہوا سے خارش کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی باطنی طور پر بیمار رہتا ہے، اسے بھی گناہ میں کچھ لذت تو آتی ہے لیکن جو صحت مند ہوتا ہے اسے گناہ میں لذت کبھی بھی نہیں آتی۔

اب ہم خوب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمیں گناہوں میں لذت آرہی ہے یا نیکیوں میں لذت آرہی ہے۔ یہی پیمانہ ہے اپنی نیکیوں اور گناہوں کے بارے میں معلوم کرنے کا کہ میں گناہوں میں زیادہ ملوث ہوں یا میرا رجحان اور میلان نیکیوں کی جانب زیادہ ہے۔ کس کام میں لذت آرہی ہے۔ نیکی میں یا گناہ میں؟ جس میں لذت آئے تو مطلب یہ ہے کہ اسی کام میں وہ زیادہ منہمک ہے۔ جی ہاں گناہ کرنے میں گناہ گار کو لذت ضرور آتی ہے لیکن وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے، جیسے خارش کرنے والے کو بڑا مزہ آتا ہے خارش کرنے میں، مگر تھوڑی دیر بعد کیا ہوتا ہے؟ اس کے اندر پیپ پڑ جاتی ہے، زخم بن جاتے ہیں تو بعینہ اسی طرح گناہ گار کو تھوڑی دیر بڑی لذت آتی ہے لیکن اس کے بعد پھر بستر پر تڑپتا ہے، پھر اس کی زندگی اور بے چین ہو جاتی ہے۔

## سوچنے کی بات

میرے دوستو! اگر گناہوں کا معاملہ صرف آخرت کا ہوتا تب بھی بچنے کی

ضرورت تھی لیکن یہ معاملہ تو اس دنیا کی بربادی کا بھی ہے کہ گناہ والی زندگی سے آخرت تو بگڑتی ہی بگڑتی ہے، دنیا بھی بگڑتی ہے، یہاں کا سکون بھی لٹتا ہے، یہاں بھی راحت کی زندگی لُٹتی ہے۔

اس لئے میرے دوستو! کوشش یہ کریں کہ اپنی زندگی کا جائزہ لیں، کہاں کہاں گناہ ہورہا ہے، کہاں کہاں اللہ کی نافرمانی ہورہی ہے، اسے ڈھونڈ کر، اس کا کھوج لگا کر اپنے آپ کو اس سے بچانے کی کوشش کریں۔ اگر سمجھ نہیں آرہا تو کسی اللہ والے سے پوچھیں کہ میری زندگی میں کہاں کہاں کمی ہے، آپ میری رہنمائی کریں تا کہ میں سچی توبہ کرسکوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی کہنے، سننے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

# گناہوں سے توبہ کیجئے


مؤلف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل! جامعہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

مدرس! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپورخاص

خطیب جامع مسجد سرورِ کونین میرپورخاص

نظر ثانی

مولانا مفتی کریم داد صاحب

مہتمم جامعہ عبداللہ میرپورخاص



ناشر

دارالانعام کراچی

0321-3310700

# گناہوں سے توبہ کیجئے


مؤلف

**مولانا محمد ہارون معاویہ**

فاضل! جامعہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

مدرس! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میر پور خاص

خطیب جامع مسجد سرورِ کونین میر پور خاص

نظر ثانی

**مولانا مفتی کریم داد صاحب**

مہتمم جامعہ عبداللہ میر پور خاص



پبلشرز......الحاج محمد رضوان گارمینٹس پینٹرز

ناشر

دارالانعام کراچی

0321.3310700

# گناہوں سے توبہ کیجئے


مؤلف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل! جامعہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

مدرس! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپورخاص

خطیب جامع مسجد سرورِ کونین میرپورخاص

نظرثانی

مولانا مفتی کریم داد صاحب

مہتمم جامعہ عبداللہ میرپورخاص



ناشر

دارالانعام کراچی

0321.3310700

نام کتاب.......................گناہوں سے توبہ کیجئے

مؤلف.......................مولانا محمد ہارون معاویہ......0302.3310700

ضخامت.......................568 صفحات

سن اشاعت.......................2010

باہتمام.......................الحاج محمد رضوان قریشی

ناشر.......................دارالانعام کراچی 0321.3310700

تقسیم کنندہ

المکتبۃ العربیہ کراچی......0321.3788955

مکتبہ یوسفیہ میرپورخاص.........0333.2953808

# ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

بیت العلوم پرانی انارکلی لاہور

ادارۃ الانور بنوریؒ ٹاؤن کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ بالمقابل جامعہ فاروقیہ کراچی

المکتبۃ العربیہ جمشید روڈ کراچی

کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی

بیت القلم گلشن اقبال کراچی

حاجی امداداللہ اکیڈمی جیل روڈ حیدرآباد

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

مکتبۃ الحسن اردو بازار لاہور

مکتبۃ السعید مدنی مسجد کراچی

اسلامی کتب خانہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

کتب خانہ مظہری کراچی

بیت الکتب گلشن اقبال کراچی

اسلامیہ کتب خانہ ایبٹ آباد

کتب خانہ مکی میرپورخاص

# اجمالی فہرست

# تفصیلی فہرست



## گناہوں کی اقسام اور ان کے نقصانات اور ان سے بچنے کے طریقے و علاج

## توبہ سے متعلق آیات قرآنی

## توبہ سے متعلق احادیثِ نبوی ﷺ

## توبہ کی حقیقت واقسام اور اسکے فوائد وثمرات

## توبہ واستغفار کے خاص خاص وظائف
## قرآن وحدیث کی روشنی میں

توبہ نہ کرنے کے اسباب



ندامت ہی توبہ کی جان ہے



توبہ کی برقراری کے لئے محاسبہ کی ضرورت ہے



موت سے قبل توبہ میں صلحاء کا عمل

## گناہوں سے توبہ کرنے والوں کے سبق آموز واقعات

# عرض مؤلف

یادرکھیئے گناہوں سے توبہ کرنا راہ نجات کی پہلی سیڑھی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے والوں کے لئے گراں قیمت پونجی ہے، توبہ گم کردہ راہ لوگوں کو راستہ دکھانے کا ذریعہ ہے اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو یہ بات حیرت انگیز باعث تعجب خیز نہیں کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے لیکن اصل انسان اور اس کی کامیاب زندگی تب ہی ہوگی جب وہ اپنے گناہوں پر نادم ہوکر توبہ واستغفار کا اہتمام کرے گا۔

ایک سفید ریش بزرگ سے کسی نے پوچھا! بابا جی آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ کہا کوئی دس بارہ سال ہوگی۔ سائل بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا بابا جی آپ کے بال سفید اور آپ کہتے ہیں کہ بارہ سال کی عمر ہے فرمایا! کہ ہاں بیٹے جب سے میں نے سچی توبہ کی ہے بارہ سال گزرے ہیں۔ یہی میری زندگی ہے اس سے پہلے میری زندگی نہیں شرمندگی تھی۔ حقیقت یہی ہے کہ زندگی وہی ہے جو اللہ کے خوف میں گزرے۔

بہرحال اسلام میں توبہ کا ایک اہم مقام ہے، انسان گناہوں میں ڈوبا ہوا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر توبہ واستغفار کا التزام کرلے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوسکتا ہے کہ جیسے کبھی زندگی میں گناہ کے قریب بھی نہ گیا ہو، قرآن وحدیث میں جابجا توبہ واستغفار کی تلقین کی گئی ہے۔

آج کے اس پرفتن و پرآشوب دور میں جہاں اپنے خالق و مالک کی نافرمانیوں کی بھرمار ہے اور جس انداز میں آج کے اس پرخطر دور میں مسلمان گناہوں کی طرف کھنچتے چلے جارہے ہیں یہ انتہائی نقصان کی بات ہے، اس لئے مسلمانوں سے گزارش ہے کہ اگر اپنی زندگی کو بچانے اور قیمتی بنانے کا جذبہ ہے تو آیئے ہم سب مل کر آج ہی اپنے ماضی کے گناہوں پر نادم ہوکر اپنے رحیم وکریم اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ اپنی زندگی

کے تمام شب وروز منشائے خداوندی کے مطابق گزارنے کا عزم مستحکم کریں۔

آپ کے ہاتھوں میں موجودہ کتاب اسی موضوع سے متعلق ہے، امید ہے کہ اگر اس کتاب کو عمل کی نیت سے پڑھا گیا اور پھر سچے دل کے ساتھ توبہ بھی کی تو انشاء اللہ یہ کتاب دونوں جہانوں کی کامیابی کا ذریعہ بن جائے گی، بیشک میں بھی اس کتاب کا محتاج ہوں اور ہر انسان اس کتاب کا محتاج ہے، اللہ کرے یہ کتاب ہم سب کے لئے سچی توبہ کا ذریعہ بن جائے۔آمین۔

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آخر میں ضروری ہے کہ اپنے پرُخلوص معاونین کا شکریہ ادا کرتا چلوں جن کے خصوصی مشورے میرے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن میں میرے مدرسے ’’مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میر پور خاص‘‘ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب اور نظر ثانی فرمانے والے مولانا مفتی کریم داد صاحب مہتمم جامعہ عبداللہؒ میر پور خاص اور مولانا محمد آصف میمن صاحب استاذ جامعہ عبداللہؒ میر پور خاص اور اسی طرح ہمارے مدرسے کے استاذ الحدیث اور مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب، اسی طرح میرے ہم کلاس، مخلص دوست کئی کتابوں کے مؤلف جناب مولانا محمد سفیان بلندی صاحب بھی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔، میری دل سے ان حضرات کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگران تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً اس کتاب کے ناشر الحاج محمد رضوان قریشی صاحب کا بھی دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو

دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے اور الحاج محمد رضوان قریشی صاحب کے والدین الحاج انعام الدین وبیگم کی قبروں کروڑں رحمتیں نازل فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام اور اس کتاب کے ناشر الحاج محمد رضوان قریشی صاحب اور ان کے والدین کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیر اندیش

محمد ہارون معاویہ......0302.3310700

فاضل جامعہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

ساکن میر پور خاص سندھ

# پہلا باب

# گناہوں کی اقسام اوران کے نقصانات اوران سے بچنے کے طریقے وعلاج

## گناہوں کی ایک تقسیم صغیرہ اور کبیرہ

گناہوں کی ایک تقسیم صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے کی جاتی ہے۔ان کی تعریف کے سلسلے میں زبردست اختلاف ہے۔بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گناہ نہ چھوٹے ہوتے ہیں اور نہ بڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر وہ عمل بڑا گناہ ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہولیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صغیرہ گناہ موجود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**الذین یجتنبون کبائر الا ثم والفواحش الا اللمم** (پ:۲۷،۶ آیت ۳۲)

ترجمہ: ''وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر ہلکے پھلکے گناہ۔''

**ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلاً کریماً.** (پ:۵،۲ آیت ۳۱)

ترجمہ: ''جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم ان میں بڑے بڑے کاموں سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں معاف کردیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کریں گے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة یکفر ومابینھن ان اجتنبت الکبائر. (مسلم ابوھریرہؓ)

ترجمہ ''پانچوں نماز میں اور جمعہ سے دوسرے جمعہ تک وہ گناہ دور کرتے ہیں جوان کے درمیان سرزد ہوئے ہیں سوائے کبائر کے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

کفارات لمابینھن الا الکبائر

''درمیانی گناہوں کو دور کرنے والے سوائے کبائر کے۔''

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کی روایت ہے۔

الکبائر الا شراک باللہ وحقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس. (بحوالہ بخاری)

ترجمہ: ''اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا قتل نفس کرنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں۔'' (بحوالہ جستہ جستہ از احیاء العلوم جلد چہارم)

## کبیرہ گناہوں کی تعداد

صحابہ تابعین کے نزدیک کبائر کی تعداد مختلف فیہ ہے۔ یہ اختلاف چار سے سات، نو اور دس تک بلکہ اس سے زیادہ تک ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کبائر چار ہیں۔ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد سات ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہ سنا کہ ابن عمروؓ نے کبائر کی تعداد سات بتلائی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ سات کے بجائے ستر کہنا زیادہ قرین ثواب ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ جس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس پر عمل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ ایک بزرگ کی رائے یہ ہے کہ جس گناہ پر دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ کبیرہ ہیں، جن کے ارتکاب پر حد واجب ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کبائر مبہم ہیں، ان کی تعداد

متعین نہیں کی جا سکتی۔ جس طرح شب قدر معین نہیں ہے یا جمعہ کی وہ ساعت معلوم ومخصوص نہیں ہے جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کسی نے کبائر کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا سورۂ نساء کے شروع سے تیسویں آیت پڑھو۔ جب سائل نے یہ الفاظ پڑھے:

ان تجتنبو اکبائر ما تنهون عنه .

آپؓ نے فرمایا، اس سورۂ میں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جن امور سے منع فرمایا ہے وہ کبائر ہیں۔

ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں، کبائر ستر ہیں، میں نے یہ تعداد احادیث سے اخذ کی ہے۔ البتہ اگر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کے مختلف اقوال جمع کئے جائیں تو ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ چار کبیرہ گناہ دل میں ہوتے ہیں۔ شریک باللہ، اس کی معصیت پر اصرار، اس کی رحمت سے ناامیدی اور اس کی پکڑ سے بے خوفی۔ چار کا تعلق زبان سے ہے۔ جھوٹی گواہی دینا، پاکباز (عورت یا مرد) پر زنا کی تہمت لگانا اور جھوٹی قسم کھانا۔ جھوٹی کے معنی ہیں کہ اس کے ذریعے باطل کو حق اور حق کو باطل بنا کر پیش کیا جائے اور بعض کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ جس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ناحق قبضے میں لیا جائے، خواہ وہ پیلو کی مسواک ہی کیوں نہ ہو۔ جھوٹی قسم کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے مرتکب کو دوزخ میں ڈال دیتی ہے اور غموس کے معنی ہیں غوطہ دینا۔ زبان سے متعلق چوتھا کبیرہ گناہ سحر ہے۔ اس سے وہ کلام مراد ہے جو انسان کو اس کے اعضاء کو اصل خلقت سے بدل دے۔

تین کبیرہ پیٹ سے متعلق ہیں۔ شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کرنا، یتیم پر ظلم وتشدد کر کے ان کا مال رکھنا، جان بوجھ کر سود کھانا، دو گناہوں کا تعلق شرمگاہ سے ہے، زنا اور لواطت۔ دو ہاتھ سے متعلق ہیں، قتل اور چوری، ایک کا تعلق پاؤں سے ہے، میدان جنگ سے فرار، اس طرح ایک دو کے مقابلے سے اور دس بیس کے مقابلے سے فرار

ہو جائیں۔ایک گناہ پورے جسم سے تعلق رکھتا ہے،والدین کی نافرمانی،والدین کی نافرمانی یہ ہے کہ اگر وہ کسی چیز کی قسم کھائیں تو بیٹا اس کی قسم پوری نہ کرے،یا وہ کوئی اپنی ضرورت سامنے رکھے تو اس کی تکمیل نہ کرے،یا وہ برا بھلا کہیں تو بیٹا مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائے ،اگر وہ بھوکے ہیں تو انہیں کھانے کو نہ دے۔یہ رائے اگرچہ قریب فہم ہے مگر پوری تشفی اس سے بھی نہیں ہوئی کیونکہ اس تعداد میں کمی بیشی کی گنجائش ہے مثلاً اس میں سود اور یتیم کا مال کھانے کو کبیرہ گناہ کہا گیا ہے حالانکہ یہ گناہ اموال سے متعلق ہیں۔اس طرح صرف قتل نفس کو کبیرہ گناہ کہا گیا ہے،آنکھ پھوڑنے ،ہاتھ کاٹنے اور مسلمان کو اسی طرح جسمانی تکلیف پہنچانے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔یتیم کو مارنا،اس کو تکلیف پہنچانا،اس کا ہاتھ وغیرہ کاٹنا ،اس کا مال کھانے سے بھی بڑا گناہ ہے۔حدیث میں ایک گالی کے جواب میں دو گالی دینے کو بھی کبیرہ گناہ کہا گیا ہے اور کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنے کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ (احمد،ابوداؤد،ابن زید)

یہ گناہ پارسا پر زنا کی تہمت سے الگ ایک گناہ ہے۔حضرت ابوسعید الخدریؓ اور بعض دوسرے صحابہ اکرامؓ فرماتے ہیں کہ تم بعض کاموں کو بال سے زیادہ باریک (معمولی) تصور کرتے ہو۔حالانکہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں انہیں کبائر سمجھتے تھے۔

(بحوالہ احمد،بزاز باختلاف یسیر،بخاری انسؓ)

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہر وہ گناہ جو قصداً کیا جائے کبیرہ ہے،اسی طرح ہر وہ گناہ کبیرہ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

## کبیرہ کے معنی

یہ تمام اقوال اپنی جگہ درست ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس تفصیل سے کبیرہ یا صغیرہ گناہ کی تعریف واضح نہیں ہوتی۔ایک شخص چوری کے متعلق دریافت کرتا ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے وہ اس وقت قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک اسے کبیرہ

کے معنیٰ نہ معلوم ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سر کے کے متعلق سوال کرے کہ یہ حرام ہے یا نہیں؟ ظاہر اس کی حرمت یا عدم حرمت کے بارے میں صحیح فیصلہ وہی شخص کر سکتا ہے کہ جسے حرمت کے معنی معلوم ہوں یا معلوم نہ ہو کہ جو گناہ حرام میں ہوتا ہے وہی چوری میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ چوری حرام ہے۔

ہمارے خیال میں تو کبیرہ ایک مبہم لفظ ہے نہ لغت میں اس کے مخصوص معنی ہیں اور نہ شرع میں۔ اس لئے کہ کبیرہ وصغیرہ اضافی امور ہیں۔ ہر گناہ اپنے چھوٹے کی نسبت بڑا اور بڑے کی نسبت چھوٹا ہے مثلاً کسی اجنبی عورت کے ساتھ لیٹنا اس کی طرف دیکھنے کی بہ نسبت بڑا گناہ ہے اور اس کے ساتھ زنا کرنے کی بہ نسبت چھوٹا گناہ ہے البتہ اگر کوئی ان گناہوں کو کبیرہ کہنے لگے جن پر دوزخ کے عذاب کی وعید ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ وہ یہ وجہ بیان کر سکتا ہے کہ دوزخ کا عذاب خوفناک سزا ہے۔ یہ سزا انہی گناہوں پر مل سکتی ہے جو بڑے ہوں یا یہ کہے جن گناہوں پر حدود واجب ہوتی ہیں وہ کبیرہ ہیں کیونکہ دنیا میں ان کے لئے جو سزائیں واجب کی گئی ہیں وہ زبردست ہیں۔ اسی طرح ان گناہوں کو بھی یقین کے ساتھ کبیرہ کہا جا سکتا ہے جن کو کتاب وسنت میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب وسنت میں ان کے ذکر کی تخصیص ان کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، پھر ان کی عظمت میں بھی تفاوت ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں جو گناہ منصوص ہیں ان میں بھی درجات کا تفاوت ہے۔ بہر حال ان اطلاقا میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ سے کبیرہ کی تعریف و تحدید میں جو اقوال وارد ہیں وہ بھی اسی نوع کے ہیں اور ان میں بھی اس طرح کے احتمالات نکل سکتے ہیں۔

کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت ان تجتنبوا کبائر ماتنهون عنه نکفر عنکم سیأتکم.

اور سرکار دوعالم ﷺ کے اس ارشاد الصلوات کفارات لما بینهن الا الکبائر میں کبیرہ کا ذکر ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم کبیرہ کی تحقیق کریں اور اس کے معنی

جاننے کی کوشش کریں ورنہ ہم کبائر سے اجتناب کیسے کرسکیں گے۔اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے گناہوں کی تین قسمیں ہیں۔ایک وہ جن کا بڑا ہونا معلوم ہے ،دوسرے وہ جو صغائر میں شمار کئے جاتے ہیں اور تیسرے وہ جن کے شرعی احکام معلوم نہیں، اس کے صغیرہ یا کبیرہ ہونے میں شک ہے۔اس طرح شکوک اور مبہم گناہوں کی کوئی جامع مانع تعریف ممکن نہیں ہے، یہ بات اس وقت ممکن تھی جب شارع علیہ السلام سے اس سلسلے میں کوئی تفصیلی حکم منقول ہوتا۔یعنی آپ یہ فرمادیتے کہ کبائر سے ہماری مراد فلاں فلاں گناہ ہیں اور وہ دس یا پانچ ہیں لیکن کیونکہ روایات میں یہ تفصیلات مذکور نہیں ہیں بلکہ بعض روایات میں تین گناہوں کو کبائر کہا گیا ہے۔(بخاری و مسلم ۔۔۔۔۔ابوبکرؓ) اور بعض میں سات کو (طبرانی اوسط۔۔۔۔۔ابوسعیدؓ) پھر ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ایک گالی کے جواب میں دو گالی دینا بھی کبیرہ گناہ ہے حالانکہ نہ اسے تین میں شمار کیا گیا ہے اور نہ سات میں۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے کبائر کی ایسی تعداد بیان نہیں فرمائی جس سے حصر کیا گیا ہو جب شارع ہی نے حصر کا قصد نہیں فرمایا تو دوسرے لوگ اس کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔غالباً شارع علیہ السلام نے کبیرہ گناہوں کا عدد اسی لئے مبہم رکھا ہے تاکہ لوگ ڈرتے رہیں جیسے شب قدر کو اس لئے مبہم رکھا گیا ہے تاکہ لوگ اس کی تلاش و جستجو میں محنت کریں۔ (بحوالہ جستہ جستہ از احیاء العلوم جلد چہارم)

## کبیرہ گناہوں کی تقسیم

تاہم ایک اصول کی روشنی میں کبائر کی قسمیں تحقیق کے ساتھ بیان کرسکتے ہیں اور ظن وتخمین سے ان کی جزئیات بھی احاطہ تحریر میں لاسکتے ہیں اور یہ بھی بتلا سکتے ہیں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ لیکن یہ بتلانا بڑا مشکل ہے کہ سب سے چھوٹا گناہ کون سا ہے؟ اس کی تفصیل یہ کہ ہم شرع شواہد اور انوار بصیرت سے یہ بات جانتے ہیں کہ تمام شرائع کا مقصد مخلوق کو اللہ تعالی کے قریب کرنا ہے اور اس کے دیدار کی سعادت سے بہرا ندوز کرنا

ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قربت اور دیدار کی سعادت کے لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کی کتابوں اور رسولوں کی معرفت حاصل کر لے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون. (پ۲۷،۲آیت:۵۶)

ترجمہ: ''میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے''۔

یعنی جن وانس کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ میرے بندے بن جائیں اور بندہ صحیح معنوں میں بندہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے رب کی ربوبیت اور اپنی نفس کی عبودیت کی معرفت حاصل نہ کرلے اور یہ نہ جان لے کہ رب کسے کہتے ہیں اور نفس کیا ہے؟ رسول اعلیٰ اور اصل مقصد کے لئے بھیجے جاتے ہیں لیکن دنیوی زندگی کے بعد اس مقصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث شریف میں دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حفاظت بھی دین کی اتباع میں مقصود ہے۔ اس لئے کہ دنیا دین کا وسیلہ ہے، دنیا میں جو چیز آخرت سے متعلق ہے وہ دو ہیں نفس اور مال۔ اسی طرح یہاں تین درجات ہوئے۔ ایک معرفت الٰہی کا درجہ جس کی حفاظت دلوں میں ہوتی ایک نفس کی حفاظت ہے جس کا تعلق جسموں سے ہے اور ایک مال کی حفاظت ہے جس کا تعلق لوگوں سے ہے۔

اسی اعتبار سے گناہ کی تقسیم بھی ہے یعنی سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو معرفت الٰہی کا دروازہ بند کردے اور اس کے بعد وہ گناہ ہے جو لوگوں پر ان کی زندگی تنگ کردے اور اس کے بعد وہ گناہ ہے جس سے لوگوں پر معاش کے دروازے بند ہوجائیں۔ بہرحال یہ تین درجات ہیں قلوب میں معرفت الٰہی کی حفاظت، جسموں میں زندگی کی حفاظت اور بندگان خدا کے پاس اموال کی حفاظت، یہ تینوں چیزیں تمام شرائع میں مقصود ہیں۔ اور کسی قوم کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس سے اختلاف کرے گی اس لئے کہ یہ بات عقل تسلیم ہی نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو دین ودنیا کے معاملات میں مخلوق کی اصلاح کے

لئے مبعوث کرے، پھر انہیں ایسے کاموں کا حکم دے جو اس کی اور اس کے رسول کی معرفت کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں، لوگوں کی جانوں اور مالوں کو ضائع کریں۔

## کبیرہ گناہوں کے تین مراتب

اس سے معلوم ہوا کہ کبائر کے تین مراتب ہیں۔ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی معرفت کے مانع ہے، کہ کفر ہے اور کفر سے بڑھ کر کوئی کبیرہ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو حجاب ہے وہ جہل ہے اور جس ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے وہ علم معرفت ہے۔آدمی کے پاس جس قدر معرفت ہوتی ہے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور جس قدر جہالت ہوتی ہے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔جہالت سے قریب تر جسے کفر بھی کہتے ہیں یہ بات بھی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اور اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔عذاب الٰہی سے بے خوفی اور اس کی رحمت سے ناامیدی بھی جہل محض ہے۔اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے وہ نہ اس کے عذاب سے بے خوف ہوتا ہے اور نہ اس کی رحمت سے مایوس اور ناامید۔بدعت کی وہ تمام قسمیں جو کبیرہ گناہوں کے اسی مرتبے کے قریب ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اوصاف اور افعال سے متعلق ہیں۔تاہم ان میں بعض بدعتیں بعض بدعتوں سے شدید تر ہیں۔یہ تفاوت اس قدر ہے جس قدر ان سے جہالت ہے یا جس قدر ان کی معرفت ہے۔ان کے مراتب بھی بے شمار ہیں لیکن بحیثیت مجموعی انہیں تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔کچھ وہ ہیں جو قرآن کریم میں مذکورہ کبائر میں داخل ہیں اور کچھ وہ ہیں جو داخل نہیں ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا قرآن کریم میں مذکورہ کبائر میں داخل ہونا مشکوک ہے۔

کبائر کے دوسرے مرتبے کا تعلق نفوس سے ہے، ان کا تحفظ اور بقا سے حیات باقی رہتی ہے اور حیات سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔کسی کو جان سے ماردینا بلاشبہ کبیرہ گناہ ہے لیکن اس کا درجہ کفر سے کم ہے، اس لئے کفر کا براہ راست اصل مقصد (معرفت

الہی ) سے ٹکراؤ ہے اور قتل سے ذریعہ معرفت پر ضرب پڑتی ہے، اس لئے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے لئے مقصود ہے اور آخرت تک پہنچنا معرفت الہی کے بغیر ممکن نہیں ۔ ہاتھ پاؤں کاٹنا یا کوئی ایسا کام کرنا جو ہلاکت کا باعث ہو، خواہ معمولی زدوکوب ہی سے آدمی ہلاک ہو جائے، قتل سے قریب ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں تاہم ہلاکت کا باعث بننے والے افعال متفاوت ہیں ۔ بعض میں شدت زیادہ اور بعض میں شدت کم ہے، اسی مرتبے میں زنا اور لواطت بھی داخل ہے، لواطت کو قتل کے مرتبے سے اس لئے رکھا گیا ہے کہ اگر بالفرض تمام انسان اپنی اہم جنسوں سے شہوت پوری کرنے لگیں تو نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہوجائے ۔ جس طرح وجود کا ختم کرنا گناہ ہے اسی طرح وجود کا سلسلہ منقطع کرنا بھی گناہ ہے ، اگر چہ زنا سے انسانی نسل کا سلسلہ ختم ہوتا لیکن نسب میں انتشار پیدا ہوجاتا اور وراثت کا نظام ختم ہوجاتا ہے ۔ ایک دوسرے کی مدداور تعاون سے چلنے والے امور درہم برہم ہوجاتے ہیں، اگر زنا مباح کردیا جائے تو دنیا کا نظام کس طرح صحیح طور پر قائم رہ سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بہائم میں کوئی نظام نہیں کیوں کہ ان کے نر مخصوص مادہ کے ساتھ علیحدہ نہیں ہوتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک شریعت میں جس سے اصلاح مقصود ہو زنا مباح ہو ہی نہیں سکتا، پھر یقیناً زنا قتل سے رتبے میں کم ہے کیوں کہ زنا سے نہ وجود ختم ہوتا ہے اور نہ دوام وجود کا سلسلا متاثر ہوتا ہے ۔ صرف نسب کا امتیاز ختم ہوتا ہے اور ایسے عوامل کا محرک ہوتا ہے جن سے زندگی کا نظام درہم برہم ہو اور فساد برپا ہو لیکن زنا لواطت سے بڑا گناہ ہے کیوں کہ اس میں جانبین سے شہوت کی دواعی ہوتے ہیں اس لئے زنا لواطت کی بہ نسبت کثیرالوقوع ہے ۔

تیسری مرتبہ میں اموال ہیں ۔ اموال سے انسانی زندگی کے معاشی مسائل حل ہوتے ہیں، اس لئے کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کا مال چوری، غصب یا کسی اور ذریعے سے چھینے بلکہ مال کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ نفوس مال ہی سے باقی رہتے ہیں لیکن کیونکہ مال چھین کر بعینہ واپس کیا جاسکتا ہے اور ضائع ہوجانے کی صورت

میں اس کا معاوضہ دیا جا سکتا ہے اس لئے بظاہر اس کی کوئی اہمیت نہیں معلوم ہوتی تاہم اگر مال اس طرح لیا جائے کہ اس کا تدارک نہ کیا جا سکے تو اس وقت اس عمل کے کبیرہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس طرح لینے کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ ایک کہ چھپا کر لے اسے چوری کہتے ہیں کیونکہ اس میں صاحب مال کو اطلاع نہیں ہوتی اس لئے تدارک نہیں ہو پاتا۔ دوسرے یتیم کا مال کھانا، یہ بھی مخفی رہتا ہے مثلاً کوئی ولی اگر اس کے مال کا نگران ہے اور وہ اسے استعمال کر لے تو دوسرا اس سے باخبر نہیں ہوتا، اس مال کا حقدار صرف یتیم ہے اور وہ اپنی بے خبری یا ناطاقتی کے باعث اپنا حق وصول کرنے پر قادر نہیں ہے یتیم کا مال کھانا غصب اور خیانت سے مختلف ہے۔ غصب تو علی الاعلان ہوتا ہے اور خیانت بھی ظاہر ہو جاتی ہے ان دونوں صورتوں میں مالک مال دعوے کے ذریعہ اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جھوٹی گواہی سے کسی کا مال ضائع کر دیا جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر امانت پر قبضہ کر لیا جائے۔

یہ چاروں صورتیں ایسی ہیں کہ ان کا تدارک ممکن نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں کی حرمت میں شریعتیں مختلف بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض صورتیں بعض کی بہ نسبت سخت ہیں مگر مرتبہ دوئم سے کم ہیں جس کا تعلق نفوس سے ہے۔

یہ چاروں مرتبے کبیرہ کہلانے کے مستحق ہیں اگرچہ شریعت نے ان میں سے بعض کے اندر حد واجب نہیں کی ہے لیکن وعید کی کثرت اور دنیاوی مصالح میں اپنے اثرات کے اعتبار سے انہیں کبائر میں شمار کیا جانا چاہئے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از احیاء العلوم جلد چہارم)

## صغیرہ گناہ چھ اسباب سے کبیرہ گناہ بن جاتے ہیں

### پہلا سبب اصرار و مواظبت

پہلا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار و مداومت کی جائے۔ اس لئے مثل مشہور ہے کہ ''اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیرہ نہیں اور استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔'' اس

مثل کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کر کے باز رہے اور دوسرے گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے تو امید یہ ہے کے اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا۔اس کے برعکس اس گناہ صغیرہ کا معاملہ سخت ہے،جس پر مداومت کی جائے۔اسکی مثال ایسی ہے جیسے پتھر پر پانی قطرہ قطرہ گرتا ہے تو اس لئے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر الامور ادومها وان قل (بخاری و مسلم۔۔۔۔عائشہؓ)

''بہترین امور وہ ہیں جن پر مداومت کی جائے اگرچہ وہ تھوڑی ہوں''

کیونکہ اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں،اس لئے جب اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ وہ تھوڑا عمل جس پر مداومت کی جائے زیادہ مفید ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ بہت سا عمل اگر ایک وقت میں کر لیا جائے تو وہ نفس کی تطہیر اور قلب کی تزکیہ میں اتنا مفید نہیں ہے۔اسی طرح جب چھوٹے چھوٹے گناہوں پر مداومت اختیار کر لی جاتی ہے تو قلب کو تاریک کرنے میں ان کی تاثیر زیادہ ہو جاتی ہے تاہم یہ بات صحیح ہے کہ آدمی اس وقت تک کسی کبیرہ کا مرتکب نہیں ہوتا جب تک سابق میں صغائر نہ ہوں مثلاً زانی اچانک زنا نہیں کرتا بلکہ زنا سے پہلے قصد و ارادہ بھی ہوتا ہے،اسی طرح قاتل ایک دم قتل نہیں کرتا بلکہ پہلے دشمنی اور عداوت ہوتی ہے۔تمام کبائر کا یہی حال ہے کہ ان کی ابتداء اور انتہاء میں صغائر پائے جاتے ہیں۔اگر کوئی ایسا کبیرہ فرض کر لیا جائے جو بغیر کسی سابقے یا لاحقے کے اچانک وجود میں آجائے اور اس کی طرف دوبارہ واپسی کا امکان نہ ہو تو اس کی بخشش کی امید کی جاتی ہے بہ نسبت اس صغیرہ کے جس پر آدمی نے زندگی بھر مداوت کی ہو۔

## دوسرا سبب گناہ کو معمولی سمجھنا

دوسرا سبب جس سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے،یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ کو معمولی سمجھے۔ہر وہ گناہ جسے بندہ اپنے دل میں بڑا تصور کرتا ہے،اللہ تعالیٰ کے نزدیک معمولی ہو جاتا ہے اور جسے معمولی سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا بن جاتا ہے۔اس لئے گناہ کو

عظیم سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب دل سے اپنے فعل کو برا جانتا ہے اور اسے بہ نظر کراہت دیکھتا ہے چنانچہ وہ اپنی نفرت اور کراہت کے باعث گناہ کے زیادہ اثرات قبول نہیں کرتا، اس کے برعکس کسی گناہ کو معمولی سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں اس گناہ سے محبت اور رغبت ہے، اس لئے وہ اپنے دل پر اس گناہ کے زیادہ اثرات قبول کرتا ہے۔ قلب کو اطاعت کے ذریعے روشن کرنا مطلوب ہے اور اسے معصیت سے تاریک کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے غفلت میں آدمی جن برائیوں کا مرتکب ہوجاتا ہے ان پر مواخذہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ آدمی کا دل اس عمل میں متاثر نہیں ہوتا جو بے خبری میں ہوگیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

**المؤمن یریٰ ذنبه کالجبل فوقه یخاف ان یقع علیه والمنافق یریٰ ذنبه کذباب مر علیٰ انفه فاطاره.** (بخاری۔ حرث بن سوید عن ابن مسعودؓ)

''مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے سر پر معلق پہاڑ جس کے گرنے کا خطرہ ہو اور منافق اپنے گناہ کو مکھی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا کہ ناک پر سے گزری اور اس نے اڑا دی۔''

بعض اکابر کا قول ہے کہ آدمی کے جس گناہ کی بخشش نہیں ہوتی وہ یہ ہے کہ کوئی گناہ کرے اور اس کے بعد یہ کہے کاش! جو گناہ ہم نے کئے ہیں وہ اسی گناہ کی طرح (ہلکے پھلکے) ہوتے۔

## مومن گناہ کو بڑا سمجھتا ہے

مومن چھوٹے چھوٹے گناہ کو بڑا تصور کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی جلالت اور سطوت وقدرت کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ ہدیہ کی کمی پر نظر مت کر، بلکہ اس کی عظمت پر نظر رکھ جس نے یہ ہدیہ تمہیں بھیجا ہے۔ اپنے گناہ کو معمولی مت سمجھ بلکہ اس ذات کی عظمت وجلال پیش نظر رکھ جس کا تو نے اس گناہ سے

مقابلہ کیا ہے، بعض عارفین نے اسی لئے صغائر کے وجود سے انکار کیا ہے، ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی مخالفت کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نے تابعین سے فرمایا کہ تم ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم انہیں رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں مہلکات تصور کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے جلال سے پورے طور پر واقف تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی نسبت سے ان کے نزدیک صغائر بھی کبائر سے کم نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہل جس چیز کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے، عالم اسی چیز کو اہمیت دیتا ہے۔ عام آدمی سے بعض باتیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں جبکہ وہی باتیں عارف سے درگزر نہیں کی جاتیں کیونکہ وہ اور گناہ اور مخالفت کا کم یا زیادہ ہونا گنہگار اور مخالفت کرنے والے کی معرفت کی کمی یا زیادتی پر موقوف ہے۔

## تیسرا سبب گناہ سے خوشی

تیسرا سبب جس سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے یہ ہے کہ گناہ کر کے خوش ہو، اس پر فخر کرے اور یہ سمجھے کہ مجھ سے یہ فعل سرزد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے خاص انعام اور فضل سے ہوا ہے نیز اس امر سے بھی غافل ہو کہ یہ عمل کوتاہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور مرتکب کی بدبختی کا سبب ہے۔ آدمی کو جس قدر صغیرہ میں لذت معلوم ہوتی ہے اسی قدر وہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور اسی قدر دل میں اس کی سیاہی اثر انداز ہوتی ہے۔ بعض گنہگاروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہ پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں، اتراتے ہیں اور لاف زنی کرتے ہیں مثلاً اپنے مخاطب سے کہتے ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ میں نے اس کی دھجیاں کس طرح بکھیریں، مناظر کہتا ہے تو نے دیکھا نہیں میں نے اپنے حریف کو کیسے رسوا کیا، اس کے عیوب بیان کر کے اس کو شرمندہ کیا، بھری مجمع میں اس کی ذلت ہوئی، پھر میں نے اس مناظرے میں ایسا فریب دیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تاجر کہتا ہے کہ دیکھا میں

نے اسے کھوٹے سکے دیکر بے وقوف بنادیا اور ایسا دھوکہ دیا، اتنا نقصان پہنچایا، بے چارہ احمق بھی بنا اور گھاٹے میں بھی رہا۔ یہ اور اس طرح کی باتیں ہیں جن سے معمولی گناہ بھی غیر معمولی بن جاتے ہیں گناہ مہلکات ہوتے ہیں اگر آدمی ان میں مبتلا ہوجائے اور نادانی سے شیطان بن جائے اور وہ تمہیں گناہ کے ارتکاب پر مجبور کردے تو یہ رنج وغم کا مقام ہے ،خوشی کا مقام نہیں۔ کیا تم نے کسی شخص کو دیکھا ہے کہ وہ دشمن سے مغلوب ہونے میں بڑائی سمجھتا ہو اور اپنی شکست پر نازاں ہو۔ نیز کیا کوئی ذی ہوش انسان ایسی حرکتیں کر کے خوش رہ سکتا ہے جن سے محبوب ناراض ہو، اس کی مثال ایسے مریض کی سی ہے جو دوا کی بوتل ٹوٹنے پر خوش ہو، کیا یہ مریض دوا کے بغیر شفا کا امیدوار ہے؟

## چوتھا سبب اللہ تعالیٰ کے حکم کا سہارا لینا

ایک اور سبب جس سے صغیر گناہ کبیرہ بن جاتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی حلم اور ڈھیل کا سہارا لے اور یہ نہ جانے کہ ڈھیل ناراضگی کے باعث ہوتی ہے تاکہ مہلت ملنے سے وہ گناہ زیادہ کرے اور زیادہ مبغوض بنے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرا گناہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رحمت کا مظہر ہے تو یہ اس کی جہالت ،غرور کے مواقع سے اس کی ناواقفیت اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے جرأتمندانہ اور بے خوفی کی دلیل ہے۔ ایسے لوگوں کو مزاج کی حکایت ذیل کی آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

**ویقولون فی انفسھم لو لا یعذبنا اللہ بما نقول حسبھم جھنم یصلونھا فبئس المصیر** (پ:۲۸ آیت : ۸)

ترجمہ: ''اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا، ان کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ داخل ہونگے ،سووہ برا ٹھکانہ۔''

## پانچواں سبب گناہ کا اظہار و اعلان

صغیر کے کبیرہ بن جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کرے اور پھر لوگوں کو

بتلائے کہ میں نے فلاں گناہ کیا ہے یا جان بوجھ کر ایسی جگہ کرے جہاں لوگ اسے دیکھ رہے ہوں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کا ڈالا ہوا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے اور ان لوگوں کو گناہ پر اکسانے کا ارادہ رکھتا ہے جنہیں اپنے گناہ کی اطلاع دی ہے یا جن کی موجودگی میں گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک گناہ پہلے سے تھا اس میں دو گناہ مزید شامل ہو گئے اس لئے یہ گناہ غیر معمولی بن جائے گا اور اگر کوئی شخص اپنے گناہ کے اظہار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس گناہ کی ترغیب دے اور ان کے لئے اس گناہ کی راہ ہموار کرے تو یہ چوتھا گناہ ہوگا اور اس سے وہ گناہ انتہائی سنگین بن جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے۔

**کل الناس معافی الا المجاهرين يبيت احدهم علیٰ ذنب قد ستر ہ الله عليه فيصبح فيكشف ستر الله ويتحدث بذنبه .**

(بخاری ومسلم ابو ہریرہ)

ترجمہ: ''تمام لوگ معاف کر دیئے جائیں گے مگر ان کی بخشش نہیں ہوگی جو اپنے گناہ ظاہر کرتے پھرتے ہیں ایک شخص گناہ کر کے بستر پر لیٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ رات کے اندھیروں میں چھپا دیتا ہے لیکن جب صبح ہوتی ہے تو وہ اللہ کا چھپایا ہوا گناہ ظاہر کر دیتا ہے اور لوگوں کو بتلا دیتا ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات وانعامات میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اچھائیوں کو ظاہر کرتا ہے اور برائیوں کو چھپاتا ہے اور کسی کا راز آشکار نہیں کرتا۔ جو شخص اپنے عیب ظاہر کرتا ہے وہ گویا اس نعمت کی ناشکری کرتا ہے اور عملاً اس صفت الٰہی کا انکار کرتا ہے۔ اکابرین میں سے کسی کا قول ہے کہ اول تو بندہ گناہ ہی نہ کرے اور کرے تو دوسروں کو ترغیب نہ دے ورنہ دو گناہوں کا مرتکب ہوگا۔ یہ وصف منافقین کا ہے وہ ایک دوسرے کو برائیوں کی ترغیب دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

**المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يامرون بالمنكر وينهون عن المعروف.** (پ:۱۰،۱۵آیت:۶۷)

ترجمہ: ''منافق مرد اور منافق عورتیں، ان میں سے بعض بعض کو برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں۔''

ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی اس سے بڑھ کر پردہ دری نہیں کرتا کہ پہلے اس کے گناہ پر اعانت کرے اور پھر اسے یہ باور کرادے کہ وہ گناہ کوئی زیادہ سنگین نہیں ہے۔

## چھٹا سبب مقتدیٰ کا گناہ کرنا

بعض گناہ اس لئے بھی کبیرہ بن جاتے ہیں کہ ان کا ارتکاب کسی ایسے شخص نے کیا ہے جس کی لوگ شرعی امور میں اقتداء کرتے ہیں کیونکہ لوگ اسے دیکھ کر اقتداء کریں گے، اس لئے اس کا گناہ بھی بڑا ہے جیسے کسی عالم کا ریشم پہننا یا سونے کی سواریوں پر سوار ہونا یا بادشاہوں کا مشکوک مال لینا یا ان کے پاس آنا جانا ان کے برے اعمال پر انکار نہ کر کے ان کی مدد کرنا، مسلمانوں کی آبرو سے کھیلنا کسی مسلمان کو مناظرہ وغیرہ یہ وہ گناہ ہیں کہ سادہ لوح مسلمان ان کی تقلید کر سکتے ہیں۔ یہ علماء مر جائیں گے لیکن ان کا شر ساری دنیا میں پھیلتا رہے گا۔ ایسا شخص کتنا خوش قسمت ہے جس کے گناہ اس کے ساتھ دفن ہو جائیں۔ حدیث شریف میں ہے:

**من سن سنۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا لا ینقص من اوزارھم شیئاً۔** (بخاری و مسلم ابو حریرہؓ)

ترجمہ...... ''جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس کا وبال جاری کرنے والے پر ہوگا، نیز اس کا وبال بھی اس پر ہے جو اس پر عمل کرے حالانکہ ان کے وبال میں سے ذرا کم نہ کیا جائے گا۔''

**ونکتب ما قدموا و آثارھم** (پ:۲۲، ۱۸آیت:۱۲)

ترجمہ: ''اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان کے وہ اعمال بھی جن کو وہ آگے بھیجتے ہیں، اور وہ

اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔''

آثاران اعمال کو کہتے ہیں جو عمل اور عامل کے فنا ہو جانے کے بعد عامل تک پہنچتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم کی بربادی کا باعث یہ ہے کہ لوگ اس کی اتباع کرتے ہیں۔وہ لغزش کرتا ہے تو توبہ کر لیتا ہے لیکن لوگ اس کی لغزش کو حکم شرعی سمجھ کر دنیا جہاں میں پھیلا دیتے ہیں اور اس کی تقلید کرتے ہیں۔کسی کا مقولہ ہے کہ عالم کے قصور کا حال یہ ہے کہ جیسے سمندر کے بیچ میں کشتی ٹوٹ جائے ،خود بھی ڈوبے اور اپنے سواریوں کو بھی غرق کرے۔اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عالم بدعت میں پڑ کر گمراہ ہوا، پھر اسے اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور اس نے توبہ کی اور ایک عرصے تک مخلوق خدا کی اصلاح کے کام میں مشغول رہا۔اس دور کے نبی پر وحی نازل ہوئی کہ اس سے کہہ دیجئے کہ اگر صرف تو نے میرا قصور کیا ہوتا تو معاملہ میرے اور تیرے درمیان رہتا لیکن تو نے میرے بندوں کو گمراہ کیا ہے اور وہ تیری گمراہی کے باعث دوزخ میں گئے ہیں ،اس لئے میں تجھے کیسے معاف کرسکتا ہوں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علماء کا معاملہ خطرناک ہے ان کی بڑی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اسی طرح اعمال خیر کی وجہ سے ان کے اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوتا ہے اگر کوئی اعمال خیر میں اس کی اتباع کرے۔اگر کسی عالم نے دنیاوی زیب وزینت ترک کی ،اس سے متنفر رہا اور صرف بقدر ضرورت مال پر قناعت کی ،قوت لایموت پر اکتفا کیا اور پرانے کپڑے پسند کئے اور لوگوں نے ان کی عادات صالحہ میں ان کی اقتداء کی تو اسے نہ صرف اپنے عمل کا ثواب ملے گا بلکہ وہ اقتداء کرنے والوں کے برابر ثواب سے بھی نوازا جائے گا اور اگر دنیاوی زیب وزینت کی طرف راغب رہا تو جو اس سے کم درجے کے لوگ ہیں وہ اس کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کریں گے اور وہ اپنے مالی حالات کی بناء پر اس میں کامیاب نہ ہو سکیں گے مجبوراً انہیں بادشاہوں کی خدمت کر کے اور حرام ذرائع سے مال حاصل کر کے اپنی خواہشات پوری کرنی ہوگی۔اس طرح وہ تنہا ان سب کے اعمال کا سبب قرار پائے گا۔دونوں حالتوں میں عالم کی ذات سے جس طرح نفع پہنچتا ہے ،اسی طرح

نقصان بھی پہنچتا ہے اور دونوں ہی آثار مرتب ہوتے ہیں۔

(بحوالہ جستہ جستہ از احیاء العلوم جلد چہارم)

## گناہوں کی بدبو ونجاست اور نیکیوں کی خوشبو

گناہ باطنی اعتبار سے نجاست کی مانند ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم جس عضو سے بھی گناہ کرتے ہیں ہمارا وہ عضا باطنی طور پر ناپاک ہوجاتا ہے۔ گویا:

......آنکھ نے غلط دیکھا تو آنکھ ناپاک ہوگئی۔

......زبان سے جھوٹ بولا تو زبان ناپاک ہوگئی۔

......کان سے غیبت سنی تو کان ناپاک ہوگئی۔

......ہاتھوں سے چوری کی تو ہاتھ ناپاک ہوگئے۔

......پاؤں سے غلط کام کے لئے چل کر گئے تو پاؤں ناپاک ہوگئے۔

......شرمگاہ سے بدکاری کی تو شرمگاہ ناپاک ہوگئی۔

لیکن اگر سراپا گناہ میں مبتلا ہوکر بھی توبہ تائب ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پاک فرمادیں گے۔

نجاست کے اندر بدبو ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا انسان جن اعضا سے گناہ کرتا ہے۔ ان اعضاء سے باطنی طور پر بدبو آتی ہے۔ اور اس کی دلیل حدیث پاک میں ملتی ہے۔ مثال کے طور پر:......

(۱)......حدیث پاک میں آیا ہے کہ: انسان جب جھوٹ بولتا ہے۔ تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ فرشتے اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور اس بندے سے دور ہوجاتے ہیں۔

(۲)......حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جب انسان کی وفات کا وقت قریب آجاتا ہے۔ تو ملک الموت کے ساتھ آنے والے دوسرے فرشتے اس آدمی کے اعضاء کو سونگھتے

ہیں۔ اور جن جن اعضاء سے اس نے گناہ کئے ہوئے ہوتے ہیں، ان اعضاء سے ان کو بدبو محسوس ہوتی ہے...... جیسے بچے ہوئے کھانے کو عورتیں سونگھ سونگھ کر پتہ لگا لیتی ہیں کہ یہ ٹھیک ہے یا خراب۔ ذرا سی مہک محسوس ہو تو وہ کہتی ہیں کہ کھانا خراب ہے...... بالکل اسی طرح فرشتے موت کے وقت انسان کے اعضاء کو سونگھتے ہیں، اگر ان میں گناہوں کی بدبو ہو تو انہیں پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس بندے کی پٹائی شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو توبہ تائب ہونے والا نیکوکار انسان ہوتا ہے۔ اس کے اعضاء گناہوں سے پاک اور صاف ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بدبو محسوس نہیں ہوتی۔

(۳)...... سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب آئے اور آپؓ نے دیکھ کر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ہماری محفلوں میں بے مہابہ چلے آتے ہیں، اور انکی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے...... اس سے پتہ چلا کہ بسا اوقات گناہوں کی بدبو بعض لوگوں کو دنیا میں بھی محسوس ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ گناہوں کی یہ بدبو صرف دنیاوی زندگی میں اور موت کے وقت ہی فرشتوں کو محسوس نہیں ہوتی بلکہ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی ان کے اعضاء سے بدبو محسوس ہوگی۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو انسان زنا کار ہیں جہنم میں ڈالنے کا باوجود ان کی شرمگاہوں سے ایسی بدبودار ہوا نکلے گی کہ سارے جہنمیوں کو پریشان کر دے گی اور وہ بڑے غصے کے ساتھ اس جہنمی کو دیکھ کر کہیں گے کہ تیرے جسم سے کیسی بدبو نکلی جس نے جہنم کے اندر ہماری تکلیف میں اضافہ کر دیا۔

نیکی میں خوشبو ہوتی ہے۔ لہٰذا نیک لوگوں کے اعضاء سے خوشبو آتی ہے۔ اگر ہم نیکوکار بن جائیں گے تو ہمارے جسم سے بھی باطنی طور پر خوشبو آ رہی ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض حضرات کے اندر تو نیکی کی خوشبو اتنی بڑھا دی کہ وہ لوگوں کو ظاہر بھی محسوس ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر:......

(۱)...... خود نبی الصلوٰۃ والسلام کے مبارک پسینہ سے اتنی خوشبو آتی تھی کہ امِ سلیم

رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچوں کو بھیج کر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کے قطروں کو شیشیوں میں جمع کروا دیتی تھیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: امِ سلیم! تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم اس مبارک پسینہ کے قطروں کو جب خوشبو میں ملا لیتی ہیں تو خوشبو کی مہک میں اضافہ ہو جاتا ہے...... مدینہ کی دلہنیں بھی آپ ﷺ کا وہ پسینہ بطور خوشبو استعمال کیا کرتیں تھیں۔

ایک صحابیؓ کی بیٹی کی شادی تھی۔ ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ السلام نے پسینے کے چند قطرے عنایت فرما دیئے۔ جب ان کی بیٹی نے جسم پر لگائے تو اس سے خوشبو آنے لگی۔ بلکہ انہوں نے اس میں سے کچھ قطرے اپنے گھر میں رکھ لئے۔ اس گھر میں بھی خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ میں وہ گھر ''خوشبو والوں کا گھر'' مشہور ہو گیا...... اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام جس راستے سے چل کر جاتے تھے اس راستے سے خوشبو آتی تھی۔

(۲)...... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ کیا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے جسم سے بھی خوشبو آیا کرتی تھی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

﴿کان ریح ابی بکر اطیب من ریح المسک﴾

''ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی جو مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہوا کرتی تھی۔''

(۳)...... امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد نبوی میں جاتے تھے تو وہاں قرآن پاک پڑھاتے تھے۔ انکے منہ سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ کسی نے پوچھا، حضرت! کیا آپ منہ میں الائچی رکھتے ہیں، یا کوئی اور چیز رکھتے ہیں، ہم نے اتنی خوشبو کبھی کہیں نہیں سونگھی۔ وہ کہنے لگے، نہیں، بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی، تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: عاصم! تو اتنی محبت کے ساتھ قرآن مجید

پڑھتا ہے۔ کہ مجھے بہت پسند آتا ہے، آؤ میں تمہارے منہ کو بوسہ دے دوں، جب سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں میرے منہ کا بوسہ لیا ہے اس وقت سے میرے منہ میں خوشبو آتی ہے۔ سبحان اللہ۔

(۴)...... شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل درود شریف میں لکھا ہے کہ: ایک آدمی رات کو سونے سے پہلے روزانہ درود شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں اسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اپنا منہ میرے قریب کرو، جس منہ سے تم مجھ پر درود پڑھتے ہو، میں اس منہ کا بوسہ لینا چاہتا ہوں۔ اس نے اپنا رخسار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب کر دیا۔ چنانچہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے کا بوسہ لے لیا، اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ جیسے ہی آنکھ کھلی پورا گھر مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس کے بعد آٹھ دن تک اس کے رخسار سے مشک کی خوشبو آتی ہی رہی۔

(۵)...... انڈیا میں ایک بزرگ خواجہ مشکی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ ان کے جسم سے مشک کی سی خوشبو آیا کرتی تھی۔ لوگ حیران ہو کر پوچھا کرتے تھے کہ آپ کیسی خوشبو لگاتے ہیں کہ آپ کے کپڑے ہر وقت معطر محسوس ہوتے ہیں۔ کسی نے ایک مرتبہ بہت مجبور کیا تو وہ فرمانے لگے کہ میں تو کوئی خوشبو نہیں لگاتا۔ ان نے کہا کہ پھر آپ کے کپڑوں سے خوشبو کیسے آتی ہے؟......

انہوں نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں کسی گلی میں سے گزر رہا تھا۔ ایک مکان کے دروازے پر ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ گھر میں کوئی بیمار ہے، تم نیک بندے نظر آتے ہو، اس کو کچھ پڑھ کے پھونک دو، ہوسکتا ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ میں نے اس پر اعتماد کیا اور گھر کے اندر چلا گیا۔ جب اندر گیا تو اس نے تالا لگا دیا۔ اس کے بعد گھر کی مالکہ سامنے آئی۔ اس کی نیت میرے بارے میں بری تھی۔ وہ کہنے لگی کہ میں روزانہ تجھے گزرتے ہوئے دیکھتی تھی، میرے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو گیا۔

چنانچہ میں نے آج تجھے اس بوڑھی عورت کے ذریعے گھر بلایا ہے، لہٰذا اب میں گناہ کرنا چاہتی ہیں۔ جب اس نے اپنی نیت کا اظہار کیا تو میں بہت پریشان ہوا۔ میں نے اس کا مطالبہ ماننے سے انکار کردیا اور باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کہنے لگی کہ اب تالا لگ چکا ہے، اگر نہیں مانو گے تو میں شور مچاؤں گی، اور بہتان لگا کر سنگسار کراؤں گی، اب دو باتوں میں ایک بات کا انتخاب کرلو۔ یا تو سنگسار ہونا پسند کرلو یا پھر میرے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرلو۔ اس کی یہ بات سن کر میں بہت پریشان ہوا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں تجویز ڈالی تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے بیت الخلاء میں جانے کی ضرورت ہے، لہٰذا میں فارغ ہوکر تم سے بات کروں گا۔ اس عورت نے سوچا چلو آمادہ تو ہوگیا ہے، تاہم اس نے مجھے بیت الخلاء کی جگہ دکھا دی۔ میں وہاں گیا تو مجھے بیت الخلاء میں جو گندگی اور نجاست نظر آئی میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم پر اور اپنے کپڑوں پر مل لیا۔ جب میں باہر نکلا تو میرے جسم سے سخت بدبو آرہی تھی۔ چنانچہ جب اس عورت نے مجھے دیکھا تو اس کے دل کے اندر میرے خلاف نفرت پیدا ہوگئی، اور وہ کہنے لگی کہ: یہ تو پاگل ہے، نکالو اس کو یہاں سے، یوں میں اپنا ایمان بچا کر اس گھر سے نکل آیا۔ اس کے بعد مجھے پریشانی ہوئی کہ میرے بدن اور کپڑوں سے لوگوں کو بدبو آئے گی۔ لہٰذا میں جلدی سے غسل خانے میں پہنچا اور میں نے اپنے بدن کو اور کپڑوں کا دھویا اور پاک کیا۔ جب گیلے کپڑے پہن کر میں باہر نکلا تو اس وقت میرے جسم سے خوشبو آنے لگی...... اللہ اکبر...... ان کا اصلی نام تو کوئی اور تھا، لیکن چونکہ ان کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی اس لئے لوگ انہیں خواجہ مشکی کہہ کر پکارتے تھے...... تو ایک موٹی سی بات ذہن میں کرلینی چاہئے کہ نیکی سے جسم سے خوشبو آتی ہے اور گناہ سے جسم سے بدبو آتی ہے۔

اب ایک اور بات آپ سمجھ لیجئے...... یہ چیز آپ کو فائدہ دے گی...... وہ یہ کہ کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو گلنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ چاول پکائیں اور گرم گرم چاول کسی برتن میں ڈھانپ کر رکھ دیں تو ان میں بدبو سی پیدا ہوجائے گی۔ اس لئے کہ آپ نے گرم گرم

ڈال دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سفر میں کھانا لے کر جاتے ہیں تو اس میں سے بدبو محسوس ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اوہو، بیوی نے کھانا پکایا تو تھا مگر گرم گرم ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کے اندر بدبو آ گئی۔ یہاں سے بات سمجھنے والی ہے کہ وہ کھانا اس لئے خراب ہوا کہ اس میں خراب ہونے والی چیز موجود تھی...... آپ اپنے پاس چینی یا گڑ کو بند کر لیں اور ایک سال بعد ڈبہ کھولیں تو اس کی مہک ٹھیک ہوگی کیونکہ اس میں خراب ہونے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک سال کے بعد بھی چینی چینی ہی ہوگی اور گڑ گڑ ہی ہوگا...... اب یہ بات بھی آپ کو معلوم ہوگئی کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں خراب ہونے کا مادہ موجود ہوتا ہے اور وہ چند گھنٹوں میں ہی خراب ہو جاتی ہیں اور کچھ چیزوں میں خراب ہونے کا مادہ نہیں ہوتا لہٰذا وہ سالوں پڑی رہیں تو بھی خراب نہیں ہوتیں۔ اب جب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی تو اس عاجز نے آپ کو جو اصل بات بتانی تھی وہ یہ ہے کہ گناہ کے اندر خراب کرنے کا مادہ ہوتا ہے کیونکہ وہ نجاست کی مانند ہوتا ہے اور نجاست بدبو ہی پھیلاتی ہے جس سے چیزیں خراب ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے گناہوں کے اثرات کی وجہ سے قبر کے اندر بدن خراب ہو جاتے ہیں۔ اور کیڑوں کی غذا بنتے ہیں۔ اور نیکی کے اندر خوشبو ہوتی ہے اور خوشبو کو آپ جتنا عرصہ ڈھانپ کر رکھیں وہ خوشبو ہی رہے گی۔ لہٰذا اب ایک بات سامنے آئی کہ جو انسان دنیا میں توبہ تائب ہو کر مرے گا اس کے اوپر گناہوں کے اثرات نہیں ہوں گے۔ یہ بندہ قبر میں بھی چلا گیا تو اس کا جسم قبر میں بھی نہیں گلے سڑے گا۔ کیونکہ اس کے اندر گناہوں کے اثرات ہی نہیں ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے اولیائے کرامؒ کے جسم قبروں میں بالکل سالم دیکھے۔ ایک مرتبہ ہمارے شہر کے قبرستان میں قبر کے لئے زمین کو کھودا گیا تو ایک قبر کھل گئی۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوئے کہ میت کا جسم تو کیا کفن کا کپڑا ابھی بالکل صحیح سالم تھا۔ اس لئے کہ وہ بندہ توبہ تائب ہو کر مرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے گناہوں سے ایسے پاک کیا تھا کہ اس کے بدن پر گناہوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس لئے اس کا جسم زمین کے اندر خراب ہی نہیں ہو رہا تھا۔

پندرہ بیس دن کی بات ہے کہ میں کسی کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک دوست نے مجھے کہا، حضرت اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا، کونسی چیز؟...... وہ کہنے لگا، حضرت! آپ وہ چیز دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے لہٰذا اگر آپ کے پاس وقت ہے تو میں آپ کو لئے چلتا ہوں۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے چلیں۔ اس نے مجھے اپنی گاڑی پر بٹھالیا اور تقریباً دس کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے بریک لگادی۔ وہ خود بھی گاڑی سے نیچے اتر گیا اور مجھے بھی کہا، حضرت! آپ بھی اتر آئیں۔ چنانچہ میں بھی اتر گیا۔

اس نے مجھے وہاں سڑک کے کنارے پر برگد کا ایک ایسا درخت دکھایا جو سخت آندھی سے جڑوں سے اکھڑا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ اس درخت کی کیا خوبی ہے؟...... وہ کہنے لگا کہ: حضرت! آپ ذرا اس کے قریب ہو کر اس کی جڑوں کے اندر تو دیکھیں۔ چنانچہ جب میں نے قریب ہو کر دیکھا تو میں حیران رہ گیا کہ اس درخت کی جڑوں کے درمیان والی مٹی میں نورانی چہرے والے ایک باریش آدمی کی میت دفن تھی۔ اس میت کو درخت کی جڑوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ درخت کے اکھڑنے کی وجہ سے اس کی جڑوں میں سے مٹی گر گئی جس کی وجہ سے اس کی میت نظر آ رہی تھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا جسم اور کفن بالکل صحیح سلامت تھے۔

بعد میں، ہم نے غور کیا کہ یہ درخت تقریباً ایک سو سال پہلے لگایا گیا تھا۔ جوں جوں درخت بڑا ہوتا گیا اس کی جڑیں اس آدمی کی میت کو چاروں طرف سے گھیرتی گئیں۔ معلوم نہیں کہ اس آدمی کو اس درخت کے لگنے سے کتنا پہلے دفن کیا گیا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک مرتبہ جنازہ پڑھانے گئے...... اب ذرا غور کیجئے یہ عاجز جو نکتہ آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہتا ہے وہ فوراً آپ کے ذہن میں آجائے گا...... جنازہ پڑھنے کے بعد قبرستان میں ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا: حضرت! آپ تو اس جنازہ کے سرپرست تھے، آپ پیچھے کیوں

کھڑے ہو گئے؟...... فرمانے لگے کہ مجھے اس قبر میں سے ایسے آواز محسوس ہوئی جیسے یہ میرے ساتھ ہمکلامی کر رہی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ قبر نے آپ کے ساتھ کیا ہمکلامی کی؟...... فرمایا کہ قبر نے مجھ سے یہ ہم کلامی کی کہ اے عمر بن عبدالعزیز! تو مجھ سے کیوں نہیں پوچھتا کہ جو بندہ میرے اندر آتا ہے میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں؟...... میں نے کہا بتادو۔ قبر کہنے لگی کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہوں کہ:......

......اس کے گوشت کو کھا جاتی ہوں۔

......اس کی انگلیوں کے پوروں کو اس کے ہاتھوں سے جدا کر دیتی ہوں۔

......اس کے ہاتھوں کو اس کے بازوؤں سے جدا کر دیتی ہوں۔

......یوں اس کی ہڈیوں کو جدا کر کے ان کو بھی کھا جاتی ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ: جب قبر نے یہ بات کہی تو مجھے رونا آ گیا۔

یہ واقعہ اس عاجز نے ایک مرتبہ ایک ملک میں سنایا۔ اس محفل میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر، ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور سائنسدان قسم کے لوگ بلائے گئے تھے۔ محفل کے اختتام پر ایک سائنسدان صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے، حضرت! کیا آپ نے یہ واقعہ کسی کتاب میں سے پڑھا ہے؟...... میں نے کہا: جی ہاں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل صدقات میں بھی نقل فرمایا ہے۔ جب ایسے مستند بزرگ کوئی واقعہ نقل کریں تو وہ صحیح ہوتا ہے۔

وہ کہنے لگے، حضرت! کیا آپ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیں گے؟...... میں نے کہا: بھئی! کیا مطلب؟...... وہ کہنے لگے، حضرت! یہ چیز یہاں ایک جگہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ میں اس کی بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ وہ کہنے لگے، حضرت! آپ تین گھنٹے فارغ کریں اور میں آپ کو لے جا کر یہ سب منظر آنکھوں سے دکھاؤں گا۔ مجھے اور حیرانی ہوئی میں نے کہا ٹھیک ہے کل چلیں گے۔

اگلے دن وہ ڈاکٹر صاحب وقت پر ہی آ گئے۔ اور ہمیں ایک میوزیم (یعنی عجائب گھر) میں لے گئے۔ اس عجائب گھر کے اندر ان کافروں نے حنوط شدہ لاشیں رکھی ہوئی تھیں...... اس سٹیج پر بیٹھ کر میں یہ بات بڑی ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، میں باوضو ہوں، مسجد میں بیٹھا ہوں، اور سو فیصد صحیح بات کہہ رہا ہوں...... انہوں نے عجائب گھر میں شیشے کے کمرے بنائے ہوئے تھے۔

جب پہلے کمرے میں گئے تو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے۔ جب ہم اندر گئے تو ہمیں ایک لاش نظر آئی جس پر انہوں نے کیمیکل لگا کر اسے ہر چیز سے بچایا ہوا تھا...... اس کو حنوط شدہ لاش کہتے ہیں۔ انگلش میں اس کو ممی کہتے ہیں...... انہوں نے کہا کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے تو وہ اس حالت میں ہوتا ہے۔ ہم نے کیمیکل لگا کر یہاں رکھ دیا ہے۔ ہم اس لاش کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

پھر دوسرے کمرے میں لے کر گیا۔ وہاں ایک پلیٹ پر لکھا ہوا تھا کہ: ''یہ آدمی مر گیا، اور ہم نے اسے قبر میں ڈال دیا اور چند دنوں کے بعد ہم نے قبر کو کھولا اور جس حالت میں اس کی لاش کو ہم نے پایا، ہم نے اسی حالت میں اس پر کیمیکل چھڑک کر یہاں رکھ دیا۔'' ہم نے اس بندے کو دیکھا تو اس کا باقی سارا جسم ٹھیک تھا مگر اس کی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے ڈھلک کر اس کے رخساروں پر آ چکے تھے اور ان میں کیڑے پڑ چکے تھے...... معلوم ہوا کہ قبر کے اندر بندے کے جسم میں جو سب سے پہلی تبدیلی آتی ہے وہ یہ ہے کہ آنکھوں کے ڈھیلے ڈھلک کر رخساروں پر آ جاتے ہیں اور ان میں کیڑے پڑ جاتے ہیں...... جن آنکھوں نے غیر اللہ کو محبت کی نظر سے دیکھا تھا ان پر سب سے پہلے کیڑے چمٹے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تیری آنکھیں قابو میں نہیں تھیں تو غیر اللہ کی چاہتوں اور محبتوں سے دیکھتا تھا۔ مگر یہ حق تیرے پروردگار کا تھا، لیکن تجھے غیر محرموں کے چہرے اچھے لگتے تھے۔ تو جو آنکھیں غیر محرم کو محبت کی نظر سے ہوس کے ساتھ دیکھتی پھرتی ہیں قبر میں سب سے پہلے انہیں آنکھوں کو کیڑے کھائیں گے۔

اس کے بعد ہم تیسرے کمرے میں گئے۔ اس کمرے میں پڑی ہوئی لاش کی آنکھوں کے ڈھیلوں کو بھی کیڑوں نے کھالیا تھا مگر اب اس کے ہونٹوں کو بھی کیڑے کھا چکے تھے۔ صرف دانتوں کی بتیسی نظر آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ باقی لاش ٹھیک تھی...... تو دوسری تبدیلی یہ آئی کہ اس کے منہ میں کیڑے پڑ گئے اور کیڑوں نے اس کے ہونٹوں کو کھا لیا۔ جس کی وجہ سے دور سے اس کے دانت نظر آ رہے تھے...... معلوم ہوا کہ جس زبان سے انسان اللہ کے شکوے کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ غلط محبت بھری باتیں کرتا ہے، اب دوسرے نمبر پر اس زبان کو کیڑوں نے کھالیا۔

پھر ہم چوتھے کمرے میں گئے۔ ہم نے وہاں دیکھا کہ آنکھوں سے ڈھیلے نکلے ہوئے تھے اور ان کو کیڑوں نے کھالیا تھا اس کے علاوہ ہم نے دیکھا کہ اس کا پیٹ پیالے کی طرح بنا پڑا ہے اور اس پیالے کے اندر کیڑے پڑے ہوئے ہیں...... جس پیٹ میں حرام ڈالتا تھا اب اس میں کیڑے پڑ چکے تھے اور اسے کھا رہے تھے۔

پھر اگلے کمرے میں دیکھا کہ کیڑوں نے پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ بالآخر ایک ایسے کمرے میں گئے جہاں کیڑوں نے جسم کا پورا گوشت کھالیا تھا فقط ہڈیاں موجود تھیں...... پھر اگلے کمرے میں ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کی حالت کا مشاہدہ کیا۔ اور جب ہم آخری کمرے میں پہنچے تو وہاں لکھا ہوا تھا کہ جب ہم نے اس قبر کو کھودا تو فقط ریڑھ کی ہڈی کا اتنا سا حصہ باقی تھا، باقی سب ہڈیوں کو بھی مٹی نے کھالیا تھا۔

یہ سب معاملات انسان کو قبر کے اندر پیش آتے ہیں۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا تھا اور اس ملک کے کافروں نے قبر میں جو تبدیلی دیکھی اسے حنوط شدہ لاشوں کی صورت میں لوگوں کے لئے نمائش بنایا ہوا تھا۔ مگر وہ کونسی لاشیں ہوتی ہیں جن کو مٹی اور کیڑے کھاتے ہیں؟...... یہ ان لوگوں کی لاشیں ہوتی ہیں جو گناہ کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے اندر گناہوں کے اثرات ہوتے ہیں اس لئے مٹی اور کیڑے ان کی لاشوں کو کھاتے ہیں۔ اور جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں، چونکہ انہوں نے اپنے علم اور

ارادے سے گناہ نہیں کیا ہوتا اس لئے ان کی لاشیں قبر میں محفوظ رہتی ہیں۔ انبیاء کرام کے بارے میں تو حدیث پاک میں آ گیا کہ اللہ تعالی نے انبیائے کرام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا، اسی طرح جو انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور وہ گناہوں سے اپنے جسموں کو بچاتے ہیں، چونکہ ان کے جسموں میں گناہوں کی نجاست نہیں ہوتی اس لئے جب ان کے جسموں کو قبر میں رکھتے ہیں تو اللہ کی زمین ان کے جسموں کو بھی نہیں گلا سکتی کیڑے بھی ان کے جسموں میں نہیں پڑ سکتے۔ اسی لئے بعض اولیاء اللہ کے جسم قبرستان کی کھدائی کے وقت بالکل صحیح سالم پائے گئے، کیونکہ ان کے جسم میں گناہوں کے اثرات نہیں تھے۔

کئی ایسے نیکوکار بھی ہوتے ہیں کہ قبر کی مٹی نے انکے جسموں میں کیڑے تو کیا ڈالنے، ان کے جسم کی خشبو قبر کی مٹی کو بھی خوشبودار بنا دیتی ہے۔

(۱)...... آپ نے امام بخاریؒ کا وقعہ تو سنا ہوگا کہ جب ان کو قبر میں دفن کیا گیا تو قبر کی مٹی سے خوشبو آتی رہی۔ وہ سمرقند سے تقریباً بائیس میل کے فاصل پر خرتنگ نامی گاؤں میں مدفون ہیں۔ اس عاجز کو وہاں جا کر چند دن گزارنے کا موقع ملا۔ ان کا مزار مہمان خانے اور مسجد کے درمیان تھا۔ لہذا ہم جب بھی مہمان خانے سے مسجد کی طرف جاتے تو ان کے مزار کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک عجیب طرح کی خوشبو محسوس کرتے۔ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیا لوگ یہاں آ کر عطر چھڑکتے ہیں؟...... وہ کہنے لگے کہ کوئی ایک بندہ بھی عطر نہیں چھڑکتا، آپ دیکھیں کہ اردگرد ہر جگہ مربل ہے، یہاں کوئی کچھ نہیں کر سکتا، البتہ میں اتنے سالوں سے امام اور خطیب ہوں، میں جب بھی اس جگہ سے گزرتا ہوں مجھے ہمیشہ اس جگہ سے خوشبو آتی ہے۔ اللہ اکبر۔

وہ کہنے لگے کہ لوگ یہاں خوشبو سونگھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا، حضرت! مجھے تو کوئی حیرانی نہیں ہو رہی۔ کہنے لگے، کیا آپ حیران نہیں ہو رہے کہ وہاں سے گزرتے ہوئے خوشبو آتی ہے؟...... میں نے کہا، نہیں مجھے حیرانی نہیں ہو رہی۔ کہنے لگے کہ آپ اس بات سے کیوں حیران نہیں ہو رہے؟......

میں نے کہا، اس لئے کہ ؎

| | |
|---|---|
| گلے خوشبوئے درحمام رازے | رسید از دست محبوبے بدستم |
| بدو گفتم تو مشکے یا عنبرے | کہ از بوئے دل آویز تو مستم |
| بگفتا من گل ناچیز بودم | ولیکن مدتے با گل نشستم |
| جمال ہمنشیں در من اثر کرد | وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم |

''ایک دن خوشبو دار مٹی مجھے حمام میں اپنے محبوب کے ہاتھ سے ملی میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ میں تیری دل آویز خوشبو سے مست ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں ایک کم قیمت مٹی ہو لیکن کچھ وقت ایک پھول کے ساتھ رہ چکی ہوں۔ اپنے ہمنشین کے جمال نے مجھ پر اثر کیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں۔''

(۲)...... ایک مرتبہ انڈیا میں طاعون کی بیماری پھیلی۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ اسی طاعون میں انہیں شہادت ملے گے...... حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو طاعون کی بیماری میں مرا وہ شہید آخرت میں سے ہے...... جب ان کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر کی مٹی میں سے بھی خوشبو آتی تھی۔

(۳)...... حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور میں میانی شریف کے قبرستان میں دفن کیا گیا، تو ان کی قبر کی مٹی میں سے بھی خوشبو آیا کرتی تھی۔ بعد میں ان کے لواحقین نے دعا مانگی کہ اے اللہ! اس خوشبو کو دور فرما دیجئے، ورنہ لوگ مٹی اٹھا اٹھا کر گھر لے جائیں گے...... عوام الناس کا تو یہی حال ہوتا ہے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی وجہ سے اس خوشبو کو لوگوں پر ظاہر ہونا ختم فرما دیا۔ البتہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ان کی قبر کے اندر اب بھی خوشبو موجود ہوگی...... یہ خوشبو کیوں محسوس ہوتی ہے؟...... یہ حقیقت میں نیکیوں کی خوشبو ہوتی ہے۔

ہم جب بھی گناہ کرتے ہیں ہم سمجھ لیں کہ ہم اس وقت اپنے اوپر نجاست مل رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان نجاستوں کو ہم نے توبہ کیے بغیر اپنے ساتھ لے کر قبر میں چلے گئے تو

وہاں یہ نجاست ضرور بدبو پھیلائے گی اور بدبو سے کیڑے پیدا ہوں گے۔ بلکہ نجاست میں تو ویسے ہی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارے جسم کو کیڑے ہی کھائیں گے اور کیا ہوگا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم گناہوں سے بچیں اور اپنے جسم میں نیکی کی خوشبو پیدا کریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی خوشبو کے اثرات دکھائیں گے اور آخرت میں بھی انشاء اللہ اس کے اثرات ملیں گے۔ تاہم یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ جب تک ہم اپنے دل سے گناہوں کا میل کچیل نہیں اتاریں گے اس وقت تک ہمیں اللہ رب العزت کا وصل نصیب نہیں ہو سکے گا۔ اس کی ایک مثال سن لیجئے......

ایک مرتبہ ہمیں مسکین پور شریف جانے کا موقع ملا۔ وہاں ایک چھوٹی سی دیوار تھی۔ اسے طلباء اونچا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ سیمنٹ کی ایک بوری لے آئے۔ اینٹیں بھی منگوالیں اور خود ہی مسالہ بنا کر ذرا اونچی دیوار بنا دی۔ مگر کچھ عرصے کے بعد اوپر کی بنی ہوئی دیوار خود بخود گر گئی۔ وہ اینٹیں آپس میں تو مضبوطی سے جڑی ہوئیں تھیں مگر پہلے والی دیوار کے ساتھ اس کا جوڑ ٹھیک نہ لگ سکا تھا۔ طلباء پھر پریشان ہوئے۔ پھر انہوں نے کچھ عرصے کے بعد دوبارہ پیسے جمع کیے اور سیمنٹ خرید کر دوبارہ دیوار بنائی۔ مگر وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ یہ عاجز وہاں گیا ہوا تھا تو ان میں سے کچھ طلباء نے کہا کہ سنا ہے آپ انجینئر ہیں لہٰذا آپ بتا دیجئے کہ ہم کہاں غلطی کر رہے ہیں؟......اس عاجز نے ان سے عرض کیا کہ آپ مسالہ بھی ٹھیک بنا رہے ہیں، پانی بھی پورا ڈال رہیں ہیں، اینٹوں کو بھی گیلا کر رہے ہیں، مگر ایک کوتاہی بھی کر رہیں ہیں۔ وہ کوتاہی یہ ہے کہ پرانی دیوار کے اوپر مٹی جمی ہوئی ہے، آپ لوگوں نے موٹی موٹی مٹی اتار دی ہے۔ لیکن اس کو اچھی طرح صاف نہیں کیا لہٰذا آپ لوہے کا برش لے کر اس کو پرانی دیوار کی اینٹوں پر اچھی طرح رگڑیں حتیٰ کہ ان پر مٹی اور میل کچیل ختم ہو جائے۔ چنانچہ طلباء نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اچھی طرح رگڑ رگڑ کر دیوار کے اوپر کی سطح کو بالکل صاف کر دیا اور پھر سیمنٹ کی مدد سے دیوار بنا دی۔ اور وہ دیوار بالکل صحیح دیوار کی طرح مضبوط اور یک جان بن گئی۔ طلباء بڑے حیران ہوئے۔ اس وقت اس عاجز

نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان طلباء کو سمجھایا کہ یہاں سے معرفت کی ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک پرانی اینٹیں میلی رہیں ان کا نئی اینٹوں کے ساتھ جوڑ پکا نہ ہوسکا یہی حالت ہمارے قلب کی ہے، جب تک قلب کے اوپر میل مٹی رہے گی تب تک اس دل کا تعلق اللہ رب العزت کی پاک ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ عزیز طلباء! ہمیں چاہئے کہ ہم گناہوں سے پکی اور سچی توبہ کریں۔ جب تک ہم گناہوں کی جان نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت تک پریشانیاں ہماری جان نہیں چھوڑیں گی۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ خطبات فقیر از حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی مدظلہ)

## توبہ سے پہلے گناہ کا پہچاننا

توبہ گناہ چھوڑنے کو کہتے ہیں، لیکن جب تک ایک چیز معلوم نہ ہو اس کا چھوڑنا یا کرنا ناممکن ہوتا ہے، چنانچہ توبہ سے پہلے گناہ کا پہچاننا ضروری ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی واجب تک پہنچنے کا وسیلہ بھی واجب ہوتا ہے، لہٰذا گناہ کا پہچاننا واجب ہے اور معرفت گناہ اس توبہ کے لئے وسیلہ بنتا ہے، چنانچہ گناہ کو پہچاننا بھی واجب ہے۔ گناہ کہتے ہیں کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنا۔

پھر تمام گناہوں کے لئے جو جڑ اور اصل بنتا ہے وہ چار صفات ہیں (۱) ربانی صفات (۲) شیطانی صفات (۳) حیوانی صفات (۴) درندگی کی صفات۔

ربانی صفات سے مراد وہ صفات ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں اور بندہ کو ان کے اختیار کرنے کی تگ ودو کرنا انسان کے لئے مناسب نہیں۔ جیسے تکبر، فخر، اپنی مدح پسندی، ہمیشہ رہنے کی خواہش اور تمام لوگوں سے اپنے آپ کو برتر سمجھنا، گویا کہ وہ کہہ رہا ہو۔ "انا ربکم الاعلیٰ" تو یہ صفات ہیں جو بے شمار گناہوں کی جڑ ہیں، لیکن لوگ اس سے بے خبر ہیں اور ان کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ حالانکہ ہلاکت خیز گناہ یہی ہیں۔

شیطانی صفات وہ صفات ہیں جو شیطان کے لائق ہیں، لیکن انسان غفلت میں ان

صفات کو اپنا لیتا ہے، جیسے حسد، سرکشی، حیلہ، دھوکہ، برائی کا حکم دینا، ملاوٹ کرنا، نفاق بدعت اور گمراہی کی طرف بلانا اور اسی طرح کے کئی گناہ جو انسان کے روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں، یہ تمام کی تمام شیطانی صفات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لئے ملعون قرار دیا۔

حیوانی صفات وہ صفات ہیں جو جانوروں کی فطرت میں ہوتی ہیں۔ مگر انسان کے لئے وہ گناہ ہیں جیسے پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش پوری کرنے کی حرص کرنا جس سے بدکاری، چوری، ڈاکہ، حرام مال کھانا، سود، سٹہ بازی، جوا، شراب نوشی وغیرہ جیسے گناہ جنم لیتے ہیں۔

درندگی کی صفات وہ صفات ہیں جو عام طور پر درندوں میں پائی جاتی ہیں، جیسے غضب، کینہ، بغض، لوگوں کے ساتھ لڑنا، مارنا، گالی دینا، قتل کرنا، اموال کو ضائع کرنا اور اس جیسے سارے کے سارے گناہ درندہ صفت لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

مذکورہ چاروں صفات گناہوں کی جڑ ہیں اور یہ گناہوں کے سرچشمے کی حیثیت رکھتی ہیں، جس سے یہ گناہ پھوٹتے ہیں۔ ان میں بعض گناہوں کا دل سے تعلق ہوتا ہے جیسے کفر، بدعت، نفاق، لوگوں کے بارے میں برے خیالات اور بعض آنکھ کے متعلق ہوتے ہیں اور بعض کان اور زبان اور پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ، پاؤں اور بعض گناہ پورے جسم سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس تفصیل سے وہ تمام گناہ روز روشن کی طرح واضح ہو چکے ہیں، لہٰذا ہوشیار رہیے۔

## گناہوں کے چودہ بُرے اثرات

یاد رکھنا کہ اگر ہم گناہ کریں گے تو گناہوں کے اثرات سے نہیں بچ سکیں گے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿من يعمل سوء ايجز به﴾ (سورة النساء: ۱۲۳)

''جس نے بھی برائی کی اس کو اس کی سزا ملے گی۔''

یہاں یہ قرآنی اصول سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس نے بھی گناہ کیا اس گناہ کا وبال اس پر ضرور آئے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿ انما بغیکم علیٰ انفسکم ﴾ (سورہ یونس: ۲۳)

''تمہاری بغاوت تمہاری اپنی جانوں پر۔''

گناہوں کا وبال ضرور آتا ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے کہ: طالب علموں کو چھوڑ دیا جائے گا، یا علماء کو چھوڑ دیا جائے گا، یا صوفیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ نہیں، بلکہ ضرور اثرات پڑیں گے۔

......برف ہو اور ٹھنڈی نہ لگے۔

......آگ ہو اور گرم نہ لگے۔

......گناہ ہو اور اس کے برے اثرات نہ ہوں، یہ کیسے ممکن ہے؟......

یاد رکھیں کہ گناہوں کی سزا ضرور ملتی ہے۔ خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تو واقعی ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے کن کن نعمتوں سے محروم ہو رہے ہیں...... گناہوں کے کیا کیا برے اثرات ہوتے ہیں؟...... اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں:......

(۱)...... گناہوں کی وجہ سے انسان کی قوتِ حافظہ کم ہو جاتی ہے۔ اکثر طالب علم یہی شکایت کرتے ہیں کہ حضرت! مجھے باتیں یاد نہیں رہتیں۔ مطالعہ کرتا ہوں تو بھول جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے استاد سے یہی سوال کیا تھا۔ پھر اس کو شعر کی صورت میں یوں لکھا: ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الٰھی
و نور اللہ لا یعطی لعاصی

''میں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظے کی کمی کی شکایت کی، انہوں نے وصیت کی کہ اے طالب علم! گناہوں سے بچ جاؤ کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔''

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے انسان کی قوتِ حافظہ اچھی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو طلباء پوچھتے ہیں کہ: حضرت! قوتِ حافظہ اچھی ہونے کا کوئی وظیفہ بتائیں وہ سن لیں کہ قوتِ حافظہ بڑھانے کا سب سے بڑا وظیفہ یہ ہے کہ: گناہوں سے بچ جائیے۔ قوتِ حافظہ میں خود بخود اضافہ ہوجائے گا۔ یاد رکھیں کہ: جیسے معتکف کو ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے، اسی طرح مدرسے میں رہتے ہوئے طالب علم کو بھی ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے...... کھانے پر بھی ثواب...... سونے پر بھی ثواب...... لیٹنے پر بھی ثواب...... پڑھنے پر بھی ثواب...... حتیٰ کہ ہر ہر عمل پر طالب علم کو ثواب مل رہا ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے۔ اس لئے طالب علموں کو چاہئے کہ وہ گناہوں سے بچیں ورنہ گناہوں کا وبال ضرور آئے گا۔

(۲)...... انسان گناہوں کی وجہ سے جسمانی قوت کی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے۔ مثلاً وہ آ کر کہتا ہے کہ حضرت! میں کمزور ہوگیا ہوں، نظر بھی کمزور ہوگئی ہے، اٹھتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے، ہاضمہ خراب ہوگیا ہے، وضو قائم نہیں رہتا۔ ایسے حضرات کو چاہئے کہ وہ من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی کو اختیار کریں، اور لوہے کا لنگوٹ کس کر باندلیں۔ انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ مہربانی فرمادیں گے، اور اس کی یہ سب پریشانیاں ختم ہوجائیں گی۔

(۳)...... گناہ کا اگر کسی اور کو پتہ چل جائے تو عزت کی بجائے الٹا ذلت ملتی ہے۔ عورتوں کے سروں سے دوپٹے اتر جاتے ہیں، مردوں کے سروں سے پگڑیاں اچھل جاتی ہیں، بلکہ سر میں جوتے بھی پڑتے ہیں اور اگر کامیاب طریقے سے چھپ چھپ کر بھی گناہ کرلیا تو بھی گناہوں کے برے اثرات سے نہیں بچ سکے گا۔

(۴)...... برائی کا اثر لوٹ کر اپنے اہل پر آتا ہے۔قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیا:

﴿ولا یحیق المکر السیی الا باھلہ﴾

''اور برائی کا داؤ الٹے گا انہی برائی والوں پر۔''

جب انسان گناہوں کی تدبیروں کو اپنے دل میں رکھتا ہے، اور اس کی سوچ رکھتا ہے۔تو یہ چیز اس کے اہل پر لوٹتی ہے۔کوئی نوجوان یہ نہ سمجھے کہ صرف ہم ہی غیر محرم کو میلی نظر سے دیکھتے ہیں، جی ہاں یہ نظریں ہمارے اہل کی طرف بھی لوٹ سکتی ہیں۔اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اگر تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیز گاری کا معاملہ کرو گے، تو تمہاری اپنی عورتوں کے ساتھ پرہیز گاری کا معاملہ کیا جائے گا...... اس لئے اصول کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے، کہ: جو بندہ دوسروں کی عزت خراب کرتا ہے۔اس کی خود اپنی عزت بھی خراب ہو جاتی ہے۔

ایک سنار تھا اس کی بیوی نہایت خوب صورت اور خوب سیرت تھی۔ایک دن وہ دوپہر کے وقت کھانا کھانے گھر گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی زار و قطار رو رہی تھی۔اس نے پوچھا: اللہ کی بندی! کیا ہوا؟...... کہنے لگی کہ یہ چھوٹا سا یتیم بچہ جو ہم نے گود میں لے کر پالا تھا اب سترہ سال کا ہو چکا ہے۔آج میں نے اسے سبزی لینے بازار بھیجا۔جب واپس آ کر سبزی دینے لگا تو اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر دبا دیا۔مجھے اس کی نیت میں فتور نظر آیا۔مجھے بہت زیادہ صدمہ ہوا ہے کہ میں اس کے لئے ماں کی حیثیت رکھتی ہوں اور اس کی میرے بارے میں یہ سوچ ہے، میں اسی صدمے کی وجہ سے بیٹھی رو رہی ہوں کہ وفا دنیا سے اٹھ گئی ہے۔یہ بات سن کر سنار کی آنکھوں میں سے بھی آنسو آ گئے۔بیوی کہنے لگی، اب آپ کیوں رو رہے ہیں؟......اس نے کہا کہ یہ اس بچے کی کوتاہی نہیں بلکہ یہ میری کوتاہی ہے۔اس نے پوچھا: وہ کیسے؟...... وہ کہنے لگا کہ آج میرے پاس عورتیں چوڑیاں خریدنے کے لئے آئیں۔ان میں سے ایک عورت چوڑی پہننا چاہتی تھی مگر اس سے پہنی نہیں جا رہی

تھی، اس نے مجھے کہا کہ آپ مجھے چوڑی پہنا دیں۔ جب میں نے اسے چوڑی پہنائی تو مجھے اس کے ہاتھ اچھے لگے اس لئے میں نے چوڑی پہنانے کے دوران اس کے ہاتھوں کو شہوت کے ساتھ دبا دیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری بیوی کا ہاتھ کسی اور نے شہوت کے ساتھ دبا دیا۔

اگر ہم اپنی نظریں ادھر ادھر کرتے پھریں گے تو ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں دوسروں کی ہوس بھری نظروں سے محفوظ نہیں رہیں گی۔ خاوند کیا سمجھتے ہیں کہ ہم جس پر چاہیں نظروں کے تیر پھینکتے رہیں اور ہماری بیویاں بچی رہیں گی۔ نہیں ہماری ان حرکتوں کا وبال لوٹ کر ہمارے اہل پر آئے گا۔

(۵)...... گناہوں کی وجہ سے انسان مناجات کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔...... بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا۔ اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا۔ ایک مرتبہ وہ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگا کہ: اے اللہ! میں نے تو آپ کی نافرمانی کی ہے، مگر آپ نے مجھ پر اپنی نعمتیں برقرار کر رکھیں ہیں، یہ تیرا کتنا بڑا احسان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تمہیں اس کی سزا مل رہی ہے، مگر چونکہ تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس لئے تمہیں وہ سزا نظر نہیں آ رہی۔ اس نے فوراً دعا مانگی کہ اے اللہ! آپ واضح فرما دیجئے کہ مجھے گناہوں کی سزا کیسے مل رہی ہے؟...... اللہ رب العزت نے اس کے دل میں بات ڈالی کہ کیا تم محسوس نہیں کر سکتے کہ جب سے تم نے یہ گناہ شروع کیا ہے، ہم نے اسی دن سے تمہیں اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دیا ہے۔

(٦)...... گناہوں کی وجہ سے تہجد کی پابندی چھین لی جاتی ہے۔...... ایک آدمی دعا مانگتے ہوئے رو رہا تھا۔ کسی دوسرے آدمی نے دیکھ کر سوچا کہ یہ ریا کاری کی وجہ سے رو رہا ہے۔ اس کی اس بدگمانی کی وجہ سے اسے چھ ماہ تک تہجد کی پابندی سے محروم کر دیا گیا۔

(۷)...... اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے انسان کو تکبیرِ اولیٰ کی پابندی سے محروم کر دیتے ہیں۔ ہم سے سنتیں چھوٹ رہی ہوتی ہیں اور ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کتنی بڑی

نعمت سے محروم ہو رہے ہیں۔ ہم سے مختلف اوقات کی مسنون دعائیں دانستہ طور پر چھوٹ رہی ہوتی ہیں اور ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم اپنا کتنا نقصان کر رہے ہوتے ہیں۔

(۸)...... گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دل میں گناہ کا گھناؤنا پن کم ہو جاتا ہے اور انسان گناہ کو ہلکا سمجھ کر کرتا رہتا ہے۔ مؤمن مرد گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے سر پر پہاڑ آ گیا ہو جو ابھی آ کر گرے گا اور فاسق سمجھتا ہے کہ مکھی تھی اڑا دی۔

(۹)...... گناہوں کی وجہ سے علوم و معارف سمجھنے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔

(۱۰)...... گناہوں کی کثرت کی وجہ سے علم پر عمل کرنے کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ اس عاجز کے پاس دورۂ حدیث کے ایک طالب علم کو اس کا والد لے کر آیا اور کہنے لگا، آپ دعا فرما دیں یہ بیٹا دورۂ حدیث کا طالب علم ہے، یہ پابندی سے نماز نہیں پڑھتا۔ آپ دعا فرما دیں کہ یہ پابندی سے پانچ وقت کی نمازیں پڑھنی شروع کر دے۔

(۱۱)...... گناہوں کی وجہ سے علم کا فیض جاری نہیں ہوتا اور انسان ابتر یعنی روحانی طور پر لاولد بن جاتا ہے۔

(۱۲)...... گناہوں کی وجہ سے انسان کی بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وعظِ خوش الحال تو مل جاتے ہیں مگر ان کی باتیں سر سے گزر جاتی ہیں۔

(۱۳)...... اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اس انسان کے ماتحت لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں...... مجاہد بن عوضؒ فرماتے تھے کہ جب کبھی مجھ سے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوتاہی ہوئی میں نے اس کا اثر یا تو اپنی بیوی میں دیکھا، یا باندی میں دیکھا، یا سواری کے جانور میں دیکھا گویا جب انہوں نے اپنے رب کا حکم ماننے میں کوتاہی کی تو ان کی ماتحتوں نے ان کا حکم ماننے میں کوتاہی کی۔

(۱۴)...... گناہوں کی وجہ سے انسان ہر وقت پریشانی کا شکار ہی رہتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان گناہ کا ارتکاب بھی کرتا رہے اور اسے ہمیشہ کا سکون بھی نصیب

ہو جائے۔ آج لوگ گناہ کے راستے سے سکون کے متلاشی نظر آتے ہیں جب کہ یہ ان کی خام خیالی ہوتی ہے۔ سکون اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی رضا والے کام کیے جائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا بڑے بڑے ہوٹلوں میں جب کھانا دیتے ہیں، وہاں ''بوفے سسٹم'' ہوتا ہے ایک ٹرے میں بہت سارا کھانا رکھ دیا جاتا ہے، اور ہر ٹرے کے نیچے ایک بتی جلا دی جاتی ہے، اس بتی کا کام ہوتا ہے کھانا کو گرم رکھنا، جتنی دیر کھانا رہتا ہے وہ گرم ہی رہتا ہے، اسی طرح جو بندہ بھی گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پریشانی کی بتی سلگا دیتے ہیں۔ اس کے دل کو پریشان رکھتے ہیں، جب تک توبہ نہیں کرے گا، اس کا دل پریشان رہے گا، کبھی بیوی کی طرف سے پریشانی، کبھی صحت کی طرف سے پریشانی، کہیں نہ کہیں پریشانی کی بتی جل رہی ہوگی۔ پریشان ہو رہا ہوگا، ڈپریشن میں وقت گزر رہا ہوگا، تو گناہ انسان کو ہمیشہ پریشان رکھتا ہے، بے چین رکھتا ہے۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ خطبات فقیر از حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی مدظلہ)

## ہر کبیرہ گناہ کے اندر دس باتیں ہوتی ہیں

ابوالیث سمرقندی تنبیہ الغافلین، میں فرماتے ہیں کہ ہر کبیرہ گناہ کے اندر دس باتیں ہوتی ہیں۔

۱......اس شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ جو بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے مالک کو ناراض کرتا ہے۔

۲......وہ شیطان کو خوش کرتا ہے۔ کیوں کہ گناہ کے صدور سے دشمن شیطان خوش ہوتا ہے۔

۳......وہ جہنم کے قریب ہو جاتا ہے۔

۴......وہ جنت سے دور ہو جاتا ہے۔

۵......وہ اپنے نفس کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے۔ گویا اس نے اس کو آگ میں

پڑنے کے قابل بنا دیا۔

۶...... وہ اپنے نفس کو ناپاک کر لیتا ہے۔ ہر گناہ باطنی نجاست کی مانند ہوتا ہے۔ اور جس طرح ظاہری نجاست پانی سے دھلتی ہے، اسی طرح گناہوں کی نجاست توبہ سے دھلتی ہے۔

۷...... وہ اپنی نگرانی پر مامور فرشتوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہ نگرانی کرتے ہیں اور یہ تکلیف پہنچاتا ہے۔

۸...... وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر مبارک میں غمگین کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نامۂ اعمال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچائے جاتے ہیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے امتی کے گناہ دیکھتے ہیں تو محبوب علیہ السلام کو غم پہنچتا ہے۔

۹...... وہ باقی مخلوق کے ساتھ بھی خیانت کرتا ہے۔ وہ اس لئے کہ گناہ کے صدور سے اللہ رب العزت کی طرف سے اترنے والی برکتیں بسا اوقات رک جاتی ہیں۔ اس طرح دوسری مخلوق بھی محروم رہ جاتی ہے۔ مثلاً بارشیں رک جاتی ہیں، تو باقی مخلوق بھی اس سے متاثر ہو جاتی ہے۔

۱۰...... انسان جہاں گناہ کرتا ہے، وہ زمین کے اس ٹکڑے کو قیامت کے دن کے لئے اپنے خلاف گواہ بنا لیتا ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

آج کل ویڈیو کیمرے کا زمانہ ہے۔ دکانداروں نے بھی اپنی حفاظت کے لئے ویڈیو کیمرے لگا دیئے ہیں۔ کارخانوں میں بھی ویڈیو کیمرے لگ گئے ہیں تاکہ چوری کا خطرہ نہ رہے۔ اگر کوئی ڈاکہ مار کر چلا جائے تو اس کی پوری فلم آٹومیٹک بن رہی ہوتی ہے، پھر اس سے چور کو پکڑنا آسان ہو جاتا ہے۔ جس طرح یہ ویڈیو کیمرے حفاظت کے لئے لگائے گئے ہیں اور آج چور کو پکڑنا آسان ہو گیا ہے، اسی طرح اللہ رب العزت کی زمین کا ہر ٹکڑا بھی ویڈیو کیمرہ بن کر گناہ کے اس منظر کو محفوظ کر لیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحی لھا﴾

''اس دن کہہ دے گی وہ (زمین) اپنی باتیں، اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اس کو۔''

## گناہ کرنے کی چار وجوہات ہوتی ہیں

عام طور پر گناہ کرنے کی چار وجوہات ہوتی ہیں، اور اللہ رب العزت نے ان چاروں کا جواب قرآن کریم میں سمجھا دیا ہے۔

### پہلی وجہ

گناہ کرتے وقت بندہ سوچتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا جب دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا تو انسان گناہ پر جرأت کرتا ہے، اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اس کا جواب بھی سمجھا دیا۔

فرمایا:

﴿ان ربک لبالمر صاد﴾ (سورۃ فجر: ۱۴)

''بے شک آپ کا رب (نافرمانوں کی) گھات میں ہے۔''

''مرصاد'' کہتے ہیں کہ جب شکاری کو شکار کے اوپر نشانہ لگانا ہوتا ہے تو نشانہ لگانے سے کچھ لمحے پہلے اتنا غور سے وہ شکار کو دیکھتا ہے کہ پلک بھی نہیں جھپکاتا، سانس کو بھی روک لیتا ہے، ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اس کی اس کیفیت کو مرصاد کہتے ہیں۔ ''انَّ ربک لبالمرصاد'' (تیرا رب تیری گھات میں لگا ہوا ہے۔) وہ مجھے اتنی غور سے دیکھ رہا ہے جیسے شکار کرنے والا اپنے شکار کو دیکھتا ہے۔ تم اتنی باریک بینی سے واچ کئے جا رہے ہو تو یہ سمجھا دیا تاکہ دماغ میں یہ نہ رہے کہ کوئی نہیں دیکھنے والا۔

### دوسری وجہ

آدمی گناہ کرتے وقت یہ سمجھتا ہے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں، میں فون پر بات کرتا ہوں کسی کو علم نہیں، میں نے خط لکھا کسی کو پتہ نہیں، میں نے اونچ نیچ کر دی کسی کو پتہ نہیں، تو جب یہ

دل میں احساس ہوتا ہے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں میں کیا کر رہا ہوں تو یہ گناہ کا سبب بنتا ہے، اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں اس کا بھی جواب سمجھا دیا تا کہ ہم یہ ذہن میں رکھیں کہ ہمارے عمل کا کسی کو پتہ نہیں چلتا، فرمایا وہ ایسا پروردگار ہے: ﴿یعلم خائنة الاعین وماتخفی الصدور﴾ (سورۃ المؤمن:۱۹)

''وہ ایسا ہے کہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔''

اب بندہ کیسے یہ سوچ سکتا ہے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں، معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو سب کچھ معلوم ہے۔ جو ہم کرتے ہیں یا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

## تیسری وجہ

آدمی سمجھتا ہے کہ میرے پاس کوئی بھی نہیں گھر کے اندر میں اکیلا تھا، جس کا تھا ڈر وہ نہیں ہے گھر، اب جو چاہے کر۔

تو یہ جو احساس دل میں ہوتا ہے کہ کوئی پاس نہیں ہے یہ بھی سبب گناہ بنتا ہے تو اللہ رب العزت نے اس کا بھی جواب سمجھا دیا۔ فرمایا کہ تم جہاں تین ہوتے ہو وہ چوتھا ہوتا ہے اگر چار ہوتے ہو تو وہ پانچواں ہوتا ہے۔

﴿وھو معکم اینما کنتم﴾ (سورۂ حدید، آیت ۴)

''اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو۔''

## چوتھی وجہ

بندہ جب یہ سمجھتا ہے کہ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، باپ فوت ہو گیا، بچہ جوان ہو کر ماں سے ڈرتا نہیں، اب وہ برے کام کرتا ہے، اور نڈر رہتا ہے، دوسروں کو کہتا ہے کہ: تم میرا کیا بگاڑ لو گے؟...... کوئی میرا کیا بگار سکتا ہے؟...... تو یہ جو الفاظ ہیں کہ کوئی مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا، کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا یہ احساس گناہ کرنے کا سبب بنتا ہے، بندہ ڈھیٹ بن جاتا

ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کا بھی جواب سمجھا دیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، تمہارا معاملہ ایک ایسے پروردگار کے ساتھ ہے۔ ﴿ان اخذہٗ الیمٌ شدید﴾

(سورۃ ھود: ۱۰۲)

''بلاشبہ اس کی داروگیر بڑی الم رساں (اور) سخت ہے۔''

﴿فصب علیھم ربک سوط عذاب﴾ (سورۃ فجر: ۱۳)

''سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔''

﴿ولا یوثق وثاقه احد﴾ (سورۃ فجر: ۲۶)

''اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔''

بنی اسرائیل کو ایک جگہ فرمایا:

﴿فانی اعذبه عذاباً لا اعذبهٗ احد امن العٰلمین﴾ (سورۃ مائدہ: ۱۵۵)

''میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جہانوں میں کسی کو نہیں دیتا۔''

لہٰذا اس کا بھی جواب سمجھا دیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرا کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

## تین گناہوں کے ارتکاب سے موت کے وقت کلمہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے، کہ: ہمارہ مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ کہ: تین گناہوں کے ارتکاب سے موت کے وقت کلمہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے گناہ بہت خطرناک ہیں۔

### (۱) احکامِ شریعت کو بوجھ سمجھنا

احکامِ شریعت کو بوجھ سمجھنا اور ان احکام کو عمل کے قابل نہ سمجھنا موت کے وقت ایمان کے سلب ہونے کا باعث بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر عورت ہے تو وہ پردے کو

بوجھ سمجھے اور اگر مرد ہے تو رشوت اور سود سے بچنے کو بوجھ سمجھے۔ آج کل اکثر یہ سنا جاتا ہے کہ آج کے زمانے میں شریعت پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ میرے دوست! اگر کوتاہی ہوجائے تو اپنے آپ کو گنہگار ضرور سمجھئے، کیونکہ گناہ کرنا اور پھر دلیل سے ثابت کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔

ایک آدمی کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے کی تلقین کی گئی۔ اس نے جواب میں کہا، میں نہیں پڑھتا اور اس وقت اس کی روح نکل گئی۔ اس پر اس کے قریب کے کسی عالم کو تشویش لاحق ہوئی اور اس نے اس کے اہل خانہ سے پوچھا کہ اس کی زندگی کا کوئی ایسا عمل تو بتاؤ کہ جس کا یہ وبال ہوا کہ کلمہ بھی نہ پڑھ سکا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ یہ طبعًا سست تھا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ اس کو جب بھی غسلِ جنابت کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو کہتا ایک نیا حکم آ گیا ہے۔ گویا کہ وہ غسلِ جنابت کو بوجھ سمجھتا تھا۔ اس گناہ کی وجہ سے اس کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے سے محروم کردیا گیا۔

## (۲) سوءِ خاتمہ کا ڈر نہ ہونا

دوسری بات یہ ہے کہ جس بندے کو دل میں موت کے وقت سوءِ خاتمہ کا بھی ڈر نہ رہے، اس کی وجہ سے بھی انسان آخری وقت میں کلمہ سے محروم ہوجاتا ہے۔ بندہ جتنا بھی نیک، متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو، اس کے دل میں یہ ڈر ضرور رہنا چاہئے کہ پتہ نہیں موت سے پہلے میرے ساتھ کیا ہوگا؟...... وہ اس بات سے ڈرتا ہے اور کانپتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فلا یأمنُ مکر اللہ الا القوم الخٰسرون.﴾ (سورۃ الاعراف: ۹۹)

''سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر گھاٹے میں پڑنے والے۔''

تو مؤمن کبھی اللہ رب العزت کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوسکتا۔ وہ ساری عمر ڈرتے کانپتے گزارتا ہے کہ پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔

## (۳) نعمتِ اسلام پر شکرادا نہ کرنا

اگر انسان نعمتِ اسلام پر شکرادا نہ کرے تو اس کی وجہ سے بھی آخری وقت میں کلمہ پڑھنے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ اسی لئے وضو کرتے وقت شروع میں بسم اللہ کے بعد یہ دعا پڑھتے ہیں:

﴿الاسلامُ حقٌّ والکفر باطلٌ﴾

حدیث پاک میں بھی صبح وشام پڑھنے کے لئے ایک دعا سکھائی گئی ہے:

﴿رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا﴾

''میں اللہ کو رب ماننے پر، اسلام کو دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی ہوں۔''

گویا ہم اپنے دل میں یہ سوچا کریں کہ الحمدللہ، ہم اس بات پر خوش ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

## گناہوں کی سزا تین طرح سے ملتی ہے

بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اس پر ضرور پڑتا ہے......توجہ فرمائیے گا......علماء نے لکھا ہے کہ گناہ کی سزا تین طرح سے ملتی ہے۔

(۱)......ایک کو ''نکیر'' کہتے ہیں۔ یعنی گناہ کیا اور ادھر کوئی مصیبت پڑ گئی۔ کئی لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ ایک آدمی میرے پاس آ کر کہنے لگا، حضرت میں نے تجربہ کیا ہے کہ جب میں کسی کا دل دکھاتا تو کوئی نہ کوئی میرا نقصان ہو جاتا ہے۔ اب وہ کسی کا دل کھانے سے بہت گھبراتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کا اثر دنیا میں ضرور دیکھتا ہے۔ کبھی کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس کے ماتحتوں کو اس کا نافرمان بنا دیتے ہیں۔ مثلاً بیوی ہٹ دھرم اور ضدی مل جاتی ہے جو گھر کے سکون کی تباہی کا باعث بنتی ہے یا پھر اولاد میں سے کوئی ایسا بن جاتا ہے جو اسے موٹے موٹے آنسوؤں سے رلاتا ہے۔ یہ

اس گناہ کی نقد سزا مل رہی ہوتی ہے۔ اسے نکیر کہتے ہیں۔

(۲)......کبھی کبھی گناہ کی سزا ملنے میں ''تاخیر'' ہوجاتی ہے۔ تاخیر سے کیا مراد ہے؟......اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فوری طور پر سزا نہیں دیتے بلکہ کچھ دیر کے بعد سزا دیتے ہیں۔ انسان گناہ تو جوانی میں کرتا ہے اور سزا بڑھاپے میں ملتی ہے اور بڑھاپے کی سزا بڑی عبرت ناک ہوتی ہے۔ فرض کریں کہ بڑھاپے میں بیوی نافرمان بن جائے اور اس وقت اولاد جوان ہوچکی ہو اور وہ اولاد ماں کا ساتھ دینے والی ہو تو پھر بوڑھے کا جو بڑھاپا گزرے گا وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکے گا۔ یا بڑھاپے میں کوئی ایسی بیماری لگا دی کہ دوسروں کا محتاج ہوگیا۔ اس صورت میں بھی بندہ سزا بھگت رہا ہوتا ہے۔ ایک صاحب اس عاجز کے پاس آکر کہنے لگے، حضرت! میں گناہ بھی نہیں کرتا لیکن بڑی پریشانی رہتی ہے۔ میں نے کہا: آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے زندگی میں جتنے بھی گناہ کئے، کیا ان سب گناہوں سے سچی توبہ کر لی ہے یا کچھ گناہ ایسے بھی ہیں کہ جن سے ابھی توبہ نہیں کی؟...... کہنے لگے، جی نہیں، کچھ گناہ ایسے ہوں گے کہ جن سے توبہ نہیں کی۔ میں نے کہا، وہ گناہ نامہ اعمال میں تو لکھے ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا آسکتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس نے ایک بے ریش عیسائی لڑکے کو دیکھا تو حضرت سے پوچھنے لگا، حضرت! اللہ ایسے چہروں کو بھی جہنم میں ڈال دے گا۔ اس کی بات سے حضرت سمجھ گئے کہ اس نے شہوت کی نظر سے اس کو دیکھا ہے۔ حضرت نے اسے فرمایا کہ توبہ کرو کیونکہ تم نے اسے بری نظر سے دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگا جی نہیں میں تو ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے توبہ نہ کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حافظِ قرآن تھا، اس گناہ کی نحوست کی وجہ سے بیس سال بعد قرآن پاک کے حفظ کے نور سے محروم ہوگیا۔ یعنی وہ قرآن بھول گیا۔

(۳)......کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خفیہ تدبیر ہوتی ہے۔ خفیہ تدبیر یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے باوجود اس کو نعمت دیتے رہتے ہیں تاکہ یہ اچھی طرح ان نعمتوں کو

استعمال کر کے غافل ہو جائے اور پھر آخرت کی بڑی سزا کا مستحق بن جائے۔ اس لئے یاد رکھئے کہ جب انسان گناہ کر رہا ہو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی دیکھ رہا ہو تو بہت ڈرنے کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فلمّا نسوا ماذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰهم بغتة ﴾ (سورۃالانعام: ۴۴)

''پھر جب وہ بھول گئے جوان کو نصیحت کی گئی تھی، ہم نے ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتیٰ کہ وہ خوش ہو گئے جوان کو نعمتیں ملی تھیں، ہم نے ان کو اچانک اپنی پکڑ میں لے لیا۔''

کئی مرتبہ انسان اس کو سزا سمجھتا ہی نہیں اور یہ سب سے بڑی سزا ہے اور بندے کو محسوس ہی نہیں ہوتا۔

بنی اسرائیل کا ایک عالم کسی گناہ میں ملوث ہو گیا۔ وہ ڈرتا رہا کہ کہیں اس گناہ کا وبال نہ آ پڑے کچھ عرصہ بیت گیا۔ ایک مرتبہ اس نے دعا مانگتے ہوئے یہ دعا مانگی کہ: اے اللہ! تو کتنا بڑا مہربان ہے کہ میں تیری نافرمانی کرتا جا رہا ہوں، اور تو مجھ پر اتنی تمام نعمتیں سلامت رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اے بندے! نعمتیں مجھ سے نہیں بلکہ تجھ سے لی گئی ہیں۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ: اے اللہ! ایسی کون سی نعمت مجھ سے لی گئی ہے؟...... فرمایا گیا کہ: تو غور کر کہ جس دن سے تو گناہ کا مرتکب ہوا ہے، اس دن سے ہم نے تجھے رات کے وقت رونے کی لذت سے محروم کر دیا ہے۔ پھر اسے احساس ہوا کہ واقعی جب سے گناہ کا مرتکب ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے رات کو مناجات کی لذت چھین لی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ ان تینوں میں سے کسی نہ کسی ایک صورت میں گناہوں کی سزا ضرور دیتے ہیں۔ اس لئے کسی نے کہا۔

عدل وانصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

## گناہوں کی ندامت اور شرمندگی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت "من یعمل سوء ایجزبہ" کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو گناہ کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔ وہ فرماتے ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یا تو سزا دنیا میں ملے گی یا آخرت میں ملے گی۔ دنیا کی سزا یہ ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اس پر پریشانیاں ڈال دیں گے اور پھر گناہ کو معاف کر دیں گے اور اگر پریشانیاں نہ ڈالیں تو پھر اگر وہ بندہ خود توبہ تائب ہو جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔ یہ بھی تو ایک قسم کی سزا ہے کہ ایک بندہ اپنے دل میں نادم و شرمندہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے بھی گناہ کیا اس کو دو میں سے ایک آگ میں جلنا پڑے گا۔ یا تو دنیا میں ندامت اور شرمندگی کی آگ میں جلے، اندر ہی اندر کڑھن ہو، ندامت ہو، معافی مانگ رہا ہو اور توبہ کر رہا ہو۔ اگر وہ دنیا میں ندامت کی آگ میں جلے گا تو اللہ تعالیٰ آخرت کی آگ سے محفوظ فرما لیں گے اور اگر دنیا میں نادم شرمندہ نہیں ہو گا تو ان گناہوں کی وجہ سے آخرت کی آگ میں جلنا پڑے گا۔

اب آسان طریقہ کون سا ہے؟...... دنیا میں نادم اور شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا زیادہ آسان ہے کیونکہ ہم آخرت میں جلنے کی متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم تو ناز و نعمت کے پلے ہوئے بندے ہیں، ہم تو دھوپ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے بھلا جہنم کی گرمی کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ اسلئے عزیز طلباء! ہمیں چاہئے کہ ہم اسی وقت اپنے تمام گناہوں سے پکی سچی توبہ کر لیں اور دل میں شرمندگی ہو کہ اے میرے مالک! میں اب تک گناہ کرتا رہا، اب مجھے سمجھ میں آئی ہے کہ یہ گناہ تو نجاست ہیں اور انہوں نے میرے جسم کے اعضاء

کونجس بنادیا ہے...... اور واقعی اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی بدبو کو ظاہر فرمادیتے تو ہمارے پاس تو کوئی بیٹھنا بھی پسند نہ کرتا۔ یہ تو پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے پردے ڈال دیئے ہیں...... اس لئے یہی دعا مانگیں کہ رب کریم! جس طرح آپ نے ہماری ظاہری نجاستوں کے اوپر پردے ڈال دیئے ہیں اسی طرح ہماری باطنی نجاستوں پر بھی پردے ڈال دیجئے۔ یاد رکھیں کہ اگر مکھی کے سر کے برابر بھی بندے کی آنکھوں میں سے آنسو اللہ کے خوف کی وجہ سے نکلے گا تو وہ اس بندے کے لئے کبھی نہ کبھی جہنم سے نکلنے کا سبب بن جائے گا...... جہنم میں ایک جہنمی جل رہا ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ جنتی آئے ہیں اور انہوں نے اپنے واقف لوگوں کی شفارشیں کی ہیں اور جہنمیوں کو نکال دیا گیا ہے۔ اس بندے کا کوئی بھی ایسا واقف نہ ہوگا جو اس کی سفارش کرے۔ وہ اپنی بے بسی دیکھ کر پریشان ہوگا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی بھی اس کی سفارش نہیں دیکھ کر پریشان ہوگا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی بھی اس کی شفارش نہیں کرے گا تو اس بندے کی پلکوں کا ایک بال اللہ رب العزت کے سامنے فریاد کرے گا اور کہے گا کہ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بندہ ایک مرتبہ آپ کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوتے اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا تھا اور اس کی آنکھ سے اتنا چھوٹا سا آنسو نکلا تھا کہ میں اس سے تر ہو گیا تھا، لہٰذا آپ میری گواہی کو قبول کر لیجئے کہ یہ آپ سے ڈرنے والا بندہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرمائیں گے کہ تم اعلان کردو کہ ہم نے اس بال کی گوہی کو قبول کر کے اس بندے کو جہنم سے بری فرمادیا ہے۔ سبحان اللہ۔ اللہ کے حضور دعا مانگا کریں کہ: اے اللہ! ہمیں گناہوں کے موقع سے بھی بچالیجئے۔

غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

یہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں گناہوں سے بچا سکتے ہیں۔

﴿وما ابری نفسی . ان النفس لامارة .بالسوء الامارحم ربی﴾

''اور میں پاک نہیں کہتا اپنے نفس کو بے شک تو سکھاتا برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے۔'' (سورۃ یوسف:۵۳)

رب کا رحم کب ہوتا ہے؟...... جب بندہ خود بچنے کی کوشش کرے، اور معاملہ اس کے سر سے اوپر پہنچ جائے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب گناہ کی دعوت ملی تھی، تو انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گناہ سے بچالیا۔

آپ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کریں کہ اے اللہ! شیطان مردود کو ہم سے دور کر دیجئے۔ چنانچہ اللہ والے دعائیں مانگتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمادیا کرتے ہیں۔ رابعہ بصریہؒ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتی تھیں تو دو عجیب دعائیں مانگتی تھیں۔

(۱)...... اے اللہ! رات آگئی، ستارے چھٹک چکے، دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر لئے، اللہ! تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے، میں تیرے در پر مغفرت کا سوال کرتی ہوں۔

(۲)...... اے اللہ! جس طرح آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اسی طرح شیطان کو میرے اوپر مسلط ہونے سے روک دیجئے۔

جب انسان اس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں۔

## چار باتیں گناہ سے بھی زیادہ بری ہیں

گناہ بہت برا ہوتا ہے لیکن چار باتیں گناہ سے بھی زیادہ بری ہیں۔

## (۱) گناہ کو ہلکا سمجھنا

اگر کوئی بندہ گناہ کا مرتکب ہو جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ گناہ کو گناہ تو سمجھے۔ اس گناہ کو ہلکا سمجھنا، گناہ سے بھی زیادہ برا کام ہے۔

## (۲) گناہ کر کے خوش ہونا

جیسے عوتیں کہتی ہیں، دیکھا میں نے اسے جلانے کے لئے یہ بات کی۔ اب وہ جو یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے جلانے کے لئے یعنی اس کے دل کو دکھ پہنچانے کے لئے یہ بات کی ہے۔ تو یہ گناہ پر خوش ہونے والی بات ہے۔ یا اگر کسی گناہ کا راستہ کھل جائے تو خوش ہو کہ اب میرے لئے گناہ کرنا آسان بن گیا ہے۔ یہ بھی گناہ کرنے سے زیادہ برا ہے۔

## (۳) گناہ پر اصرار کرنا

ایک گناہ کو بار بار کرنا بھی بہت برا کام ہے۔

## (۴) گناہ کرنے پر فخر کرنا

گناہ پر اترانا، اور فخر کرنا بھی گناہ کرنے سے بڑا کام ہے۔

# قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ چار گواہ پیش کئے جائیں گے

علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ چار گواہ پیش کئے جائیں گے۔

## پہلا گواہ: انسان کا نامۂ اعمال

"ووضع الکتب" (جب نامہ اعمال سامنے ہوگا۔)"فتری المجرمین مشفقینَ مما فیہ" (مجرم گناہ گار آدمی اپنے اعمال نامے میں جو کچھ لکھا ہوگا دیکھے گا تو ڈرے گا، کانپے گا۔) پھر کیا کہیں گے؟......"فیقولون یویلتنا مالھٰذا الکتٰب

لایغادِرُ صغیرۃً ولا کبیرۃ الا احصٰھا" (ہائے ہماری بدبختی یہ کیسی کتاب ہے کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس میں درج نہ ہو)"ووجدوا ما عملوا حاضراً ولا یظلم ربک احدًا" (سورۃ کہف:۴۹)(جو اپنا کیا دھرا ہوگا وہی اپنے سامنے پائیں گے، تیرا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔)

## دوسرا گواہ: فرشتے ہوں گے

﴿وانَّ علیکم لحٰفظین کراماً کاتبین یعلمون ماتفعلون﴾

(سورۃ انفطار:۱۰،۱۱،۱۲)

''اور تم پر (تمہارے سب اعمال) یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں۔''

## تیسرا گواہ: انسان کے جسم کے اعضاء

﴿الیوم نختِمُ علٰی أفواھھم وتکلمُنا أیدیھم وتشھَد ارجلُھم بما کانوا یکسبون﴾ ''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے، جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔'' (سورۃ یٰس:۶۵) منہ کو توسیل کردیں گے کہ دنیا میں یہ بیان بدل دیا تھا اب بیان والا سلسلہ ہی نہیں۔ ﴿یوم تبلی السرائر﴾ (الطارق:۹) ''یہ وہ دن ہوگا جب ہم بھید کھولیں گے۔'' اللہ اکبر اس آیت کو پڑھ کر اس امت کے اولیاء بہت رویا کرتے تھے کہ اے اللہ! آپ فرما رہے ہیں: ﴿یوم تبلی السرائر﴾ کہ جس دن بھید کھول دیئے جائیں گے تو پروردگار ہمارا اس دن کیا حال ہوگا۔ اس پر وہ روتے تھے، لہٰذا انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے تو یہ ان سے جھگڑے گا کہے گا ''لِمَ شھدتُّم علینا'' کیوں تم نے میرے خلاف گواہی دی (حم سجدہ:۲۱) ''قالو انطقنا اللہ'' وہ اعضاء کہیں گے اللہ نے ہم کو گویائی دی ''الذی انطق کل شیئ'' جس نے ہر چیز کو گویائی دی۔

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وما کنتم تستترون ان یشهد علیکم سمعُکم ولا أبصارُکم" تم تو کبھی پردہ ہی نہیں کرتے تھے اس بات سے کہ تمہارے کان اور آنکھیں تمہارے خلاف گواہی دینگے۔'' ذرا سوچئے جسم کے دوسرے اعضاء سے ہم کیسے پردہ کر سکتے ہیں انہیں اعضاء کے ذریعہ گناہ کرتے ہیں اور قیامت کے دن یہی سلطانی گواہ بنیں گے۔

## چوتھا گواہ: اللہ کی زمین

چوتھی گواہی قیامت کے دن اللہ رب العزت کی زمین دے گی، جیسے کیمرے ہوتے ہیں، فوٹو لے لیتے ہیں ریز رو کر لیتے ہیں اسی طرح اللہ رب العزت کی زمین بھی منظر کھینچ کر لیتی ہے۔ نیکی کرنے والوں کا بھی اور گناہ کرنے والوں کا بھی اور قیامت کے دن اللہ رب العزت زمین کو حکم دیں گے تو بھی سنا تیری پیٹھ پر کیا گزری۔﴿یومئذ تحدث اخبارها بان ربک اوحی لها﴾ (سورة زلزال:۴/۵)

زمین بھی اس دن خبریں نشر کرے گی اور ٹھیک ٹھیک بتلائے گی کیونکہ اسے رب کا یہی حکم ہوگا۔ اس لئے گناہوں کا ایک ہی حل ہے کہ انسان ان سے سچی توبہ کر کے آئندہ کے لئے نیکی کی زندگی گزارے۔

# گناہوں کے چھبیس نقصانات

## پہلا نقصان: علم سے محرومی

پہلا نقصان یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے انسان علم سے محروم رہتا ہے کیونکہ علم ایک باطنی نور ہے اور معصیت سے نور باطن بجھ جاتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلب میں نور ڈالا ہے سوتم اس کو معصیت کی تاریکی سے بجھا مت دینا۔ اسی طرح امام شافعی کے مشہور

اشعار ہیں کہ۔ ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
لئنّ العلم نور من الٰهی
ونور اللّٰه لا یعطی للعاصی

ترجمہ: میں نے وکیع سے اپنی یادداشت کے کم ہونے کا شکوہ کیا تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کی نصیحت کی کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گناہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔ امام وکیع رحمہ اللہ کا حافظہ بہت زیادہ تھا کسی نے حافظہ کو قوی کرنے کا نسخہ پوچھا تو آپ نے فرمایا حافظہ کو قوی کرنے کا سب سے مجرب نسخہ گناہوں سے بچنا ہے۔

## دوسرا نقصان: رزق کی تنگی

گناہ سے دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ رزق کم ہوجاتا ہے چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے وہب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے تو میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی تو غضبناک ہوتا ہوں، لعنت کرتا ہوں اور لعنت کا اثر سات پشت تک رہتا ہے۔

## تیسرا نقصان: اللہ تعالیٰ سے وحشت

تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ گناہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے ایک وحشت سی رہتی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ذرا بھی ذوق ہو تو سمجھا جاسکتا ہے۔ کسی شخص نے اپنے ایک عارف سے وحشت کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا۔

اذا کنت قد او حشتک الذنوب
فدعها اذا شئت و أستانسه

ترجمہ: جب وحشت میں ڈالے تجھ کو گناہ۔ سو تجھ کو جب وحشت کو دور کرنا منظور ہو تو گناہ کو چھوڑ اور انس حاصل کر۔

## چوتھا نقصان: انسانوں سے وحشت

گناہ کرنے سے انسانوں سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے خصوصاً نیک لوگوں سے کہ ان کے پاس بیٹھ کر دل نہیں لگتا اور جس قدر وحشت بڑھتی جاتی ہے ان سے اسی قدر دوری اور ان کی برکات سے محرومی ہوتی جاتی ہے ایک بزرگ کا قول ہے کہ مجھ سے جب گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو اس کا اثر اپنی بیوی اور جانوروں کے اخلاق پر پاتا ہوں۔ وہ میرے پوری طرح فرمانبردار نہیں رہتے۔

## پانچواں نقصان: کاموں میں دشواری

ایک نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ گار کو اکثر کاموں میں دشواری پیش آتی ہے جیسے تقویٰ کرنے سے کامیابی کی راہیں نکل آتی ہیں ایسے ہی تقویٰ کو ترک کرنے سے (یعنی بدی کے راستے کو اختیار کرنے سے) کامیابی کی راہیں بند ہوجاتی ہیں۔

## چھٹا نقصان: دل میں ظلمت وتاریکی

گناہ کرنے سے قلب میں ایک تاریکی سے پیدا ہوجاتی ہے ذرا بھی دل میں غور کیا جائے تو یہ ظلمت وتاریکی صاف محسوس ہوتی ہے۔ اس ظلمت کی وجہ سے انسان بدعت و ضلالت اور جہالت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوجاتا ہے اور اس ظلمت کا اثر دل سے آنکھ میں آتا ہے اور پھر اس چہرہ پر ہر شخص کو یہ سیاہی نظر آنے لگتی ہے۔ گناہ کرنے والا شخص کیسا ہی حسین وجمیل ہو مگر اس کے چہرہ پر ایک بے رونقی کی کیفیت ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے سے چہرہ پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت اور لوگوں کے قلوب میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بدی کرنے سے چہرہ پر بے رونقی اور قلب اور قبر میں ظلمت، بدن میں سستی، رزق

میں تنگی اور لوگوں کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے۔

## ساتواں نقصان: دل و جسم میں کمزوری

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے دل اور جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ دل کی کمزوری تو ظاہر ہے کہ امور خیر کی ہمت گھٹتے گھٹتے بالکل نایاب ہو جاتی ہے، رہ گئی جسم کی کمزوری سو جسم تو دل کے تابع ہے جب یہ کمزور ہے تو وہ بھی ضعیف ہوگا دیکھیئے کفار فارس اور روم کیسے قوی الجثہ تھے مگر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔

## آٹھواں نقصان: اطاعت سے محرومی

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے انسان اطاعت سے محروم ہو جاتا ہے آج ایک اطاعت گئی کل دوسری چھوٹ گئی۔ پرسوں تیسری چھوڑ دی یونہی سلسلہ در سلسلہ تمام نیک کام بدولت گناہ کے اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ جیسے کسی نے ایک لذیذ لقمہ ایسا کھایا جس سے ایسا مرض پیدا ہو گیا کہ اس نے ہزاروں لذیذ کھانوں سے محروم کر دیا۔

## نواں نقصان: عمر کا گھٹ جانا

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ معصیت سے عمر گھٹتی ہے اور اس کی برکت ٹل جاتی ہے کیونکہ نیکی سے عمر کا بڑھ جانا حدیث صحیح سے ثابت ہے اور فسق و فجور سے عمر کا گھٹ جانا اسی حدیث سے سمجھ میں آ جانا چاہیئے۔ اور شبہ نہایت ضعیف ہے کہ عمر تو مقدر ہے وہ کیسے گھٹ بڑھ سکتی ہے کیونکہ عمر کی کیا تخصیص ہے یہ سب چیزیں مقدر ہی ہیں، امیری اور غریبی، صحت اور مرض سب میں یہی شبہ ہو سکتا ہے مگر پھر بھی ان امور کو اسباب کے ساتھ مربوط سمجھ کر تدبیر کا استعمال کیا جاتا ہے یہی حال عمر کا سمجھ لینا چاہیئے۔

## دسواں نقصان: نشہ کی عادت کا ہو جانا

ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے اور دوسرا

تیسرے گناہ کا سبب بنتا ہے اسی طرح شدہ شدہ گناہوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ شخص گناہوں میں گھر جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کرتے کرتے اس کی عادت ہوجاتی ہے کہ چھوڑنا دشوار ہوجاتا ہے پھر اس کو اسی ضرورت سے کرتا ہے کہ نہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے اور پھر اس کمبخت میں لطف ولذت بھی نہیں رہتی۔

## گیارہواں نقصان۔توبہ کی توفیق کا سلب ہوجانا

ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جب انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور اللہ کی رحمت کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو اس گناہ کی وجہ سے دھیرے دھیرے توبہ کا ارادہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بالکل توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اسی حالت میں موت آجاتی ہے۔ کتنے ہی بے چارے گناہوں کے عادی گناہ کرتے کرتے بغیر توبہ کے دنیا سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

## بارہواں نقصان: گناہ کی برائی دل سے نکل جانا

گناہ کرنے سے ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ چندروز میں اس گناہ کی برائی ہی دل سے نکل جاتی ہے پھر انسان اس منحوس گناہ کو براہی نہیں سمجھتا اور نہ اس بات کی پرواہ ہوتی ہے کہ کوئی دیکھ لے گا بلکہ خود تفاخراً اس کا ذکر کرتا ہے ایسا شخص معافی سے دور ہوتا جاتا ہے چناچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب کے لئے معافی کی امید ہے مگر جو لوگ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کھلم کھلا ہی گناہ کرنا ہے۔

اور کبھی گناہ کی برائی کم ہوتے ہوتے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے اسی لئے ایک بزرگ کا قول ہے کہ تم تو گناہوں سے (صرف) ڈرتے ہو اور مجھے کفر کا خوف ہے۔

## تیرہواں نقصان: دیگر مخلوقات کا لعنت کرنا

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کی نحوست جیسے اس شخص کو پہنچتی ہے اسی طرح اس کا ضرر دوسری مخلوقات کو بھی پہنچتا ہے وہ سب اس پر لعنت کرتے ہیں گناہ کی سزا تو الگ ہوگی یہ

لعنت اس پر طرہ ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہائم نافرمانی کرنے والے آدمیوں پر لعنت کرتے ہین جب قحط سخت ہوتا ہے اور بارش رک جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ابن آدم کے گناہ کی نحوست سے ہے۔

## چودہواں نقصان: عقل میں فتور وفساد

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے عقل میں فتور وفساد آجاتا ہے کیوں کہ عقل ایک نورانی چیز ہے۔ کدورت، معصیت سے اس میں کمی آجاتی ہے بلکہ خود گناہ کرنا دلیل کم عقلی کی ہے اگر اس شخص کی عقل ٹھکانے ہوتی تو ایسی حالت میں کہیں گناہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے ان کے ملک میں رہتا ہے اور وہ دیکھ بھی رہے ہیں ان کے فرشتے گواہ بن رہے ہیں قرآن مجید منع کررہا ہے، ایمان منع کررہا ہے، موت منع کررہی ہے، دوزخ منع کررہی ہے، گناہ کرنے سے اس قدر سرور ولذت نصیب نہ ہوگی جس قدر دنیا اور آخرت کے منافع اس سے فوت ہوگئے بھلا کوئی سلیم عقل والا ان باتوں کے ہوتے ہوئے گناہ کرسکتا ہے۔

## پندرہواں نقصان: حضور ﷺ کی لعنت کا ہونا

ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت میں داخل ہوجاتا ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے بہت سے گناہوں پر لعنت فرمائی ہے اور جو گناہ ان گناہوں سے بڑھ کر ہیں ان پر تو بدرجہ اولیٰ استحقاق لعنت ہے مثلاً لعنت فرمائی ہے آپ ﷺ نے سود لینے والے پر اور دینے والے پر اور اس کے لکھنے اور اس کے گواہ پر اور لعنت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ ہو یعنی جب نکاح میں اس کو شرط ٹھہرایا جاوے اور لعنت فرمائی ہے چور پر اور لعنت فرمائی ہے شراب پینے والے پر اور اس کے پلانے والے اور اس کے نچوڑنے والے پر نچڑوانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اس کے دام کھانے

والے پر اور جو اس کو لادکر لائے اور جس کے لئے لادکر لائی جاوے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو اپنے باپ کو برا کہے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو جاندار چیز کو نشانہ بناوے اور لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں، اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اور لعنت فرمائی ہے تصویر بنانے والے پر اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو قوم لوط کا سا عمل کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو کسی جانور سے صحبت کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو جانور کے چہرہ پر داغ لگائے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے اس کے ساتھ فریب کرے اور لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاویں اور ان لوگوں پر جو وہاں سجدہ کریں یا چراغ رکھیں لعنت فرمائی ہے اور اس شخص پر جو کسی عورت کو اس کے خاوند سے یا کسی غلام کو اس کے آقا سے بہکا کر بھڑکا دے اس شخص پر بھی جو عورت کے پیچھے کے مقام سے صحبت کرے اور ارشاد فرمایا کہ اور جو عورت اپنے خاوند سے خفا ہو کر رات کو الگ رہے صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور سے نسب ملاوے اور فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی طرف لوہے سے اشارہ کرے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو احکام خداوندی کو چھپائے اور لعنت فرمائی ہے ان لوگوں پر جو پارسا بیبیوں کو جن کو ان کے قصور کی خبر تک نہیں اور ایمان دار ہیں زنا کی تہمت لگادے اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ٹھیک راہ پر بتائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اس شخص پر جو رشوت دے اور جو لے اور جو درمیان میں پڑے اور بھی بہت افعال پر لعنت وارد ہوئی ہے اور اگر گناہ میں اور بھی کوئی ضرر نہ ہوتا تو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مورد ہو گیا۔ نعوذ باللہ

## سولہواں نقصان: فرشتوں کی دعا سے محرومی

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے فرشتوں کی دعا سے محروم ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الذین یحملون العرش و من حولہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون بہ و یستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شیئی رحمۃ و علما فاغفر اللزین تابوا و تبعو اسبیلک و قھم عذاب الجحیم۔

خلاصہ یہ ہے کہ جوفرشتے عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرد و پیش ہیں وہ تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں کہ یا اللہ آپ کی رحمت اور علم بہت وسیع ہے ایسے لوگوں کو بخش دیجئے جو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ کی راہ کی پیروی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو عذاب جہنم سے بچالیجیئے۔ دیکھئے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ فرشتے ان مومنوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی راہ پر چلتے ہیں جس شخص نے گناہ کرکے وہ راہ چھوڑی وہ اس دولت کا کہاں مستحق رہا۔

## سترہواں نقصان: زمین میں بگاڑ کا پیدا ہوجانا

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے طرح طرح کی خرابیاں زمین میں پیدا ہوتی ہیں پانی، ہوا، غلہ، پھل ناقص ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ظاہر ہوگیا بگاڑ جنگل میں اور بستی میں بسبب ان اعمال کے جن کو لوگوں کے ہاتھ کررہے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا ہے کہ میں نے بنی امیہ کے کسی خزانہ میں گیہوں کا دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر دیکھا یہ ایک تھیلی میں تھا اور اس پر یہ لکھا تھا کہ یہ زمانہ عدل میں پیدا ہوا تھا اور بعض صحرائی لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے زمانہ کے پھل اس وقت کے پھلوں سے بڑے ہوتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آوے گا چونکہ اس

وقت اطاعت کی کثرت ہوگی اور زمین گناہوں سے پاک ہوجاوے گی پھر اس کی برکتیں عود کر آویں گی۔ یہاں تک کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک انار بڑی جماعت کو کافی ہوگا اور وہ اس کے سایہ میں بیٹھ سکیں گے انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک اونٹ پر بار ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روز روز کی بے برکتی ہماری خطا اور گناہ کا ثمرہ ہے۔

## اٹھارواں نقصان: دل سے اللہ کی عظمت کا نکل جانا

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے دل سے نکل جاتی ہے بھلا اگر عظمت خداوندی اس کے دل میں ہوتی تو مخالفت پر قدرت کیسے ہوسکتی جب اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں رہتی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی عزت نہیں رہتی پھر یہ شخص اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔

## انیسواں نقصان: نعمتوں کا زوال

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے نعمتیں سلب ہوجاتی ہیں اور بلاؤں مصیبتوں کا ہجوم ہوجاتا ہے۔ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم تو گناہ کرنے والوں کو بڑے عیش میں دیکھتے ہیں اس کا اور بھی زیادہ خطرہ ہے جیسے مکتب میں کوئی لڑکا سبق نہ یاد کرتا ہو اور معلم ضداً سزا نہیں دیتا کہ کل کو سبق نہ یاد نکلے اس وقت اکٹھی سزا ہو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ نہیں نازل ہوئی کوئی بلا مگر بسبب گناہ کے اور دور نہیں ہوئی کوئی بلا مگر بسبب توبہ کے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر﴾

یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں اور ارشاد ہے:

ذالک بان اللہ لم یک متغیراً نعمة انعمها علی قوم حتی یغیر واما

بانفسهم

یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی ذاتی حالات کو بدل ڈالیں اس سے معلوم ہوا کہ زوال نعمت گناہ ہی سے ہوتا ہے۔

## بیسواں نقصان: شیاطین کا تسلط

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے شیاطین اس پر مسلط ہو جاتے ہیں کیونکہ اطاعت خداوندی ایک قلعہ ہے جس کے سبب اعداء کے غلبہ سے محفوظ رہتا ہے جب قلعہ سے باہر نکلا دشمنوں نے گھیر لیا پھر شیاطین جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں اور اس کے قلب و زبان دست و پا چشم و گوش سب اعضاء کو معاصی میں غرق کر دیتے ہیں۔

## اکیسواں نقصان: اللہ کی رحمت سے نا امیدی کا پیدا ہو جانا

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی ہو جاتی ہے اس وجہ سے توبہ نہیں کرتا اور بے توبہ مرتا ہے۔ کسی شخص سے مرتے وقت کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ اس نے گانا شروع کیا تا تا تن تنیا۔ اور کہنے لگا جو کلمہ مجھ سے پڑھواتے ہو اس سے مجھ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کوئی گناہ تو میں نے چھوڑا نہیں آخر کلمہ نہ پڑھا اور رخصت ہوا۔ کسی اور شخص سے کلمہ پڑھوانے لگے۔ بولا اس کلمہ سے کیا ہوگا میں نے کبھی نماز تک تو پڑھی نہیں وہ بھی یوں ہی مرا۔ کسی اور شخص سے کلمہ پڑھنے کو کہا کہنے لگا۔ میں اس کلمہ کا منکر ہوں اور چل دیا۔ ایک شخص نے یہ بیان کیا کہ کوئی میری زبان پکڑ لیتا ہے۔

(یہاں تک تمام نقصانات کچھ ترمیم اور تلخیص کے ساتھ ''گناہوں کا بدلہ دنیا میں'' سے لئے گئے ہیں)

## بائیسواں نقصان: احسان فراموشی

گناہ کا ایک نقصان احسان فراموشی بھی ہے اس لئے کہ جس محسن نے انسان کو وجود

بخشا ہے اور ہر وقت انسان اس کی نعمتوں میں غرق ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے اوپر مبذول ہیں۔ جسم کے ایک ایک عضو کو لے کر اندازہ کرو کہ اس کی کتنی قیمت اور کتنی اہمیت ہے۔ چونکہ یہ نعمتیں مفت ملی ہوئی ہیں اس لئے دل میں ان کی کوئی وقعت اور قدر نہیں۔ خدانخواستہ اگر کسی وقت ان اعضاء میں سے کسی ایک عضو کو بھی نقصان پہنچ جائے، تب پتہ چلے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ نقصان کتنا بڑا نقصان ہے۔ یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ صحت کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ رزق جو صبح شام کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ عطا فرمارہے ہیں یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ تو جس عظیم محسن اور منعم کی نعمتوں نے ہمیں ڈھانپ لیا ہے، اس کا صرف یہ کہنا ہے کہ تم لوگ صرف چند باتوں سے پرہیز کرلو اور باز آجاؤ لیکن تم سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں ہوتا چنانچہ گناہ کا یہ نقصان بھی عظیم ہے کہ اس سے انسان احسان فراموش بن جاتا ہے۔

## تئیسواں نقصان: دل پر زنگ کا لگنا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب انسان پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ (اس نقطے کی حقیقت کیا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں) اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگا دیا جاتا ہے، جب تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگا دیا جاتا ہے، اگر اس دوران وہ توبہ کرلے تو یہ نقطے مٹا دیئے جاتے ہیں ،لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے بلکہ مسلسل گناہ کرتا رہے تو آہستہ آہستہ وہ سیاہ نقطے اس کے پورے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ اور پھر وہ نقطے زنگ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اس کے بعد اس کے اندر حق بات ماننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی، پھر اس پر غفلت کا وہ عالم طاری ہوتا ہے کہ پھر گناہ کے گناہ ہونے کا احساس مٹ جاتا ہے اور گناہوں کے مفاسد کا ادراک اور احساس ختم ہو جاتا ہے گویا کہ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

## چوبیسواں نقصان: بارش کا بند ہونا

گناہوں کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ان کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی۔ لیکن دنیا میں بھی ان گناہوں کی نحوست اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب لوگ زکوۃ دینا بند کر دیتے ہیں (جو کہ عظیم گناہ ہے) تو اللہ تعالیٰ بارشیں بند کر دیتے ہیں۔

## پچیسواں نقصان: بیماریوں کا پیدا ہونا

اور پچیسواں نقصان یہ ہے کہ جب لوگوں میں بدکاری، فحاشی، عریانی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ان کے اباء واجداد نے ان بیماریوں کے بارے میں کبھی سنا بھی نہیں تھا کہ ایسی بھی کوئی بیماری ہوتی ہے اور نہ ان کا نام سنا تھا۔ چنانچہ اس حدیث کو سامنے رکھ کر ''ایڈز'' کی بیماری کو دیکھ لیں جس کا ساری دنیا میں آج طوفان برپا ہے۔ نبی کریم ﷺ چودہ سو سال پہلے بتا گئے کہ ایسی ایسی بیماریاں آئیں گی۔

ہر گناہ کے کچھ خاصے ہوتے ہیں اور ان خاصوں کا مظاہرہ اسی دنیا ہی کے اندر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ آنکھوں سے دکھا دیتے ہیں اور ان گناہوں کی شامت اعمال طاری ہو جاتی ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی ص ۳۷۶ ج ۸)

## چھبیسواں نقصان: انسان گناہ کرنے سے اللہ رب العزت کی نگاہوں سے گر جاتا ہے

ایک عجیب بات یہ ہے کہ انسان کئی مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سالک سمجھ رہا ہوتا ہے۔ انسان کی حالت تو یہ ہے کہ اسے دوسروں کے بارے میں گناہ کا شک ہو جائے تو وہ ان سے نفرت کرنی شروع کر دیتا ہے اور اپنے عیبوں کا یقین

ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنے نفس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب معرفت بھری بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: دوسروں کی نظر میں اپنے آپ کو گرا دینا بڑا آسان کام ہے، اور اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرا دینا سب سے مشکل کام ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض دوست جو فرض کی پابندی بھی نہیں کر پاتے، وہ خواب میں کسی بزرگ کی شکل کو دیکھ لیتے ہیں، تو وہ اسی مستی میں پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی حضرت! مجھے خواب بہت اچھے آتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جو خوابوں کے شہزادے بنتے ہیں۔ وہ ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

ہمارے مشائخ نے کہا کہ انسان گناہ کرنے سے اللہ رب العزت کی نگاہوں سے گر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اعمال کی توفیق چھین لیتے ہیں۔ اور سب سے پہلے جو توفیق چھینتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کو رات کے آخری پہر کی مناجات کی لذت سے محروم کر دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ بندہ تہجد میں اٹھتا بھی ہے لیکن اس کی دعاؤں میں کوئی حلاوت نہیں ہوتی۔ بلکہ دعا مانگنے کو اس کا دل ہی نہیں کرتا، دعا میں طبیعت چلتی ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ طبیعت چل نہیں رہی ہوتی بلکہ وہ چلنے ہی نہیں دی جاتی۔ دن کے گناہوں کی وجہ سے بندہ رات کی عبادتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص بصریؒ کے پاس آیا اور عرض کیا، حضرت! مجھے تہجد کی توفیق نہیں ہوتی۔ فرمایا: اے دوست! تو اپنے دن کے اعمال درست کر لے اللہ تعالیٰ تجھے رات کے اعمال کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

(بحوالہ گناہوں کے نقصانات)

## گناہوں سے متعلق سبق آموز باتیں

اللہ رب العزت کے حکم کے خلاف کوئی کام کرنا یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنت کے خلاف کرنا یا دین میں کسی نئی بات کا پیدا کرنا گناہ کہلاتا ہے۔ وہ گناہ انسان جسم کے ظاہری اعضاء سے کرے یا باطن سے مثلاً حسد، لالچ، بغض، کینہ، جھوٹ، غیبت اور بد

خواہی وغیرہ۔ کھلم کھلا کرے یا چھپ کر کرے، سب کچھ گناہوں میں داخل ہے۔ اور اسے چھوڑنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وذروا ظاهر الاثم وباطنه﴾ (سورۃ الانعام:۱۲۰)

''اور چھوڑ دو کھلا ہو گناہ اور چھپا ہوا''۔

گناہ کا آغاز مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہوتا ہے۔ اور انجام جہاز کے لنگر کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔ شروع میں تو انسان سوچتا ہے کہ ایک دو بار گناہ کر کے چھوڑ دوں گا۔ مگر آج اور کل کرتے کرتے انسان کو گناہ کی عادت اتنی پختہ ہو جاتی ہے، کہ بعد میں چھوڑنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ گناہ آکاش بیل کی طرح ہوتا ہے، جو انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے۔ آپ نے بعض درختوں پر پیلی سے بیل دیکھی ہوگی، وہ اس پورے درخت کو اس طرح اپنے قابو میں لے لیتی ہے، کہ درخت کی نشونما رک جاتی ہے۔ اسی طرح گناہ کرتے کرتے انسان کی روحانی نشونما رک جاتی ہے۔ گناہ کی مثال ناسور کی مانند ہے۔ ناسور اگر رہے، تو تکلیف دیتا ہے، اور اگر علاج نہ کریں تو بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ گناہ انسان کے روحانی لباس پر دھبے ہوتے ہیں۔ جیسے انسان کو ظاہری لباس پر دھبہ اچھا نہیں لگتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کو روحانی لباس داغدار اچھا نہیں لگتا۔

ہر چیز کے اندر کوئی نہ کوئی تاثیر ہوتی ہے۔ گناہ کے اندر یہ تاثیر ہے کہ انسان کو اس سے ندامت ملتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ دو باتیں لوہے پر لکیر کی مانند ہیں۔ گناہ سے انسان ندامت پاتا ہے اور نیکی سے انسان سلامت پاتا ہے۔ اگر ایک انسان کتنی ہی کامیابی کے ساتھ گناہ کیوں نہ کرے، اسے کوئی سمجھانے والا یا منع کرنے والا نہ ہو، گویا گناہ کے تمام اسباب مہیا ہوں اور وہ من مرضی سے گناہ کرے، پھر بھی گناہ اس شخص کے لئے دنیا و آخرت کی ندامت کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے ہمارے اکابر نے فرمایا کہ مؤمن گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے کوئی بچھو ہوتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بچھو چھوٹا ہو یا بڑا، ہر کوئی اسے دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی آدمی کو ایسے نہیں دیکھا ہوگا جو اپنے ہاتھ میں بچھو پکڑنے کی کوشش کر

رہا ہو۔ اس لئے کہ بچھو چھوٹا ہو یا بڑا، اس میں زہر ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، بہر حال اس میں ندامت ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ کے نزدیک گناہ انگارے کی مانند ہے۔ انگارہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہاتھ لگانے سے ہاتھ کو جلا دیتا ہے۔ بلکہ اگر چھوٹے انگارے سے غفلت برتی جائے تو بعض اوقات بھڑک اٹھتا ہے اور آگ لگا دیتا ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ:

**﴿کل مانهی عنه فهو کبیرة﴾**

''ہر وہ کام جس سے شریعت نے بچنے کا حکم دیا ہے، وہ کبیرہ گناہ ہے۔''

شیطان انسان کی نگاہوں میں گناہوں کا ہلکا کر کے پیش کرتا ہے۔ یہ اس کا ایک بڑا وار ہے۔ وہ گناہ کے بارے میں دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ:۔

...... یہ گناہ تو اکثر لوگ کرتے ہی رہتے ہیں۔

...... یہ تو ہو ہی جاتا ہے۔

......اس سے بچنا تو بہت مشکل ہے۔

......آج کل تو بے پردگی بہت عام ہے۔ اس لئے نگاہوں کو بچانا تو بہت مشکل ہے۔

شیطان انسان کی نگاہوں میں ان گناہوں کو اس لئے چھوٹا کر کے پیش کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ یہ گناہ کرتا ہی رہے۔ اسی لئے فاسق شخص گناہ کو ایسے سمجھتا ہے، جیسے کوئی مکھی بیٹھی تھی، اور اس نے اس کو اڑا دیا۔ جب کہ مومن بندہ گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے سر کے اوپر کوئی پہاڑ رکھ دیا گیا ہو۔

بلکہ کئی مرتبہ تو شیطان گناہ کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

**﴿وقیضنا لهم قرنآء فزینوا لهم مابین ایدیهم وما خلفهم وحق علیهم القول فی اممٍ قدخلت من قبلهم من الجن والانس اهم کانوا خسرین.﴾**

(سورۃ حم السجدۃ: ۲۵)

''اور لگا دیئے ہم نے ان کے پیچھے ساتھ رہنے والے، پھر انہوں نے ان کی آنکھوں میں خوبصورت بنا دیا اس کو جو ان کے آگے ہے جو ان کے پیچھے ہے۔ اور ٹھیک پڑ چکی ان پر عذاب کی بات ان فرقوں کے ساتھ جو گزر چلے ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے، بے شک وہ تھے خسارہ پانے والے۔''

یہاں پر آ کر سالک کو احتیاط ضروری ہے کہ وہ حکمِ خدا کو حکمِ خدا سمجھے اور وہ اپنے دل میں عظمت الٰہی اتنی بٹھائے کہ حکمِ خدا کے خلاف اس کے ذہن میں خیال ہی پیدا نہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

﴿لاتَحقرنَّ صغيرةً انَّ الجبال من الحِصٰی﴾

''تم چھوٹے گناہ کو ہرگز چھوٹا نہ سمجھو اس لئے کہ بڑے بڑے پہاڑ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے مل کر بنتے ہیں۔''

اس لئے جب انسان گناہِ صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اندر ایک قول بہت مشہور تھا۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گفتگو کے دوران وہ قول ایک دوسرے کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ اس قول کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ:

﴿لا صغيرةَ مع الاصرار ولا كبيرةَ مع الاستغفار﴾

''اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور استغفار سے کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وتحسبونه هيّنا وهو عندالله عظيم.﴾ (سورۃ النور:۱۵)

''اور تم اس کو ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔''

نبی اسرائیل میں ایک راہب تھے۔ ان کا نام داموسؒ تھا۔ ان کے علاقے میں خشک پہاڑ تھے۔ ان پر سبزے کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو ان

کی نظر پہاڑ پر پڑی۔ دل میں خیال آیا کہ اگر یہاں آبشاریں ہوتیں، مرغزاریں ہوتیں، درخت ہوتے تو کتنا اچھا منظر دکھائی دیتا۔ اب اگرچہ انہوں نے اپنے دل ودماغ میں یہ بات سوچی تھی، مگر جو زیادہ مقرب ہوتے ہیں، ان کی چھوٹی باتوں پر بھی پکڑ آجاتی ہے، لہٰذا ان پر اللہ رب العزت کی طرف سے عتاب ہوا دل میں یہ بات القاع ہوئی:

''اب تم نے بندگی چھوڑ دی اور ہمارے مشیر بن گئے، اب تمہیں ہمارے تخلیق میں نقص نظر آتا ہے۔''

بس اس بات کے دل میں القاء ہونے پر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ تو آدابِ بندگی کے خلاف ہے۔ انہوں نے یہ سوچ کر رونا شروع کر دیا کہ میں نے ایسا کیوں سوچا؟...... یہ بھی اللہ رب العزت کی طرف سے توفیق ہوتی ہے...... اچھا، غلطی کا احساس ہونے پر انہوں نے یہ نیت کر لی کہ جب تک مجھے واضح طور پر اللہ کی طرف سے یہ اشارہ نہیں مل جائے گا کہ میری غلطی کو معاف کر دیا گیا ہے۔ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا، نہ ہی پیوں گا یوں اپنے نفس کو سزا دوں گا۔

ایک مرتبہ بستی والوں کے ہاں کوئی تقریب تھی۔ حضرت داموس رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں گئے۔ کسی نے کہا، جی کھانے کے لئے تشریف لائیے۔ انہوں نے فرمایا: میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس نے کہا، جی رات کے وقت تو روزہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے فرمایا: روزے کی بات نہیں، میں نے کھانا نہیں ہے۔ کچھ لوگ لسوڑھے کی مانند ہوتے ہیں اور چمٹ جاتے ہیں۔ وہ اگلے بندے کی مجبوری کو سمجھنے کی بجائے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کچھ بندوں نے کہا نہیں حضرت! آپ ضرور تشریف لائیں۔ اب ادھر سے اصرار اور ادھر سے انکار۔ بالآخر ان میں سے کسی ایک نے کہا، جی! آپ یہ تو بتائیں آپ نے کھانا پینا کیوں بند کیا ہے؟...... اب انہوں نے صاف صاف بات بتا دی اور کہا کہ میں نے اسی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ وہ عوام الناس تھے، وہ اس بات کو کیسے سمجھتے، لہٰذا وہ ہنس کر کہنے لگے، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ حتیٰ کہ ان سب نے مل

کر کہا: جناب! آپ کے اس گناہ پر جو عذاب ہوگا وہ ہم سب مل کر تقسیم کر لیں گے، آپ کھانا کھائیں۔ جیسے ہی انہوں نے یہ الفاظ کہے تو حضرت داموس رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں فوراً الہام ہوا کہ: اے میرے پیارے! یہ لوگ عذاب کو اتنا ہلکا سمجھ رہے ہیں، لہٰذا آپ اس بستی کو فوراً چھوڑ دیجئے۔ ان سب کو ابھی ہلاک کر دیا جائے گا...... اللہ اکبر...... یوں بندہ اپنی اوقات بھول جاتا ہے اور نہیں سمجھ پاتا کہ پروردگار کی پکڑ پھر کیسے ہوتی ہے۔

جب انسان کسی گناہ کو ہلکا سمجھنا شروع کر دے تو یہ بڑی خطرے کی بات ہوتی ہے۔ بلکہ مشائخ نے کہا کہ جس گناہ کو لوگ ہلکا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بڑا ہوتا ہے۔

☆......ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اے دوست! یہ نہ دیکھنا کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا، بلکہ اس ذات کی عظمت کو سامنے رکھنا جس کی تم نافرمانی کر رہے ہو۔

☆......ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اللہ رب العزت نے میرے دل میں القاء فرمایا کہ میرے بندوں سے کہہ دو کہ یہ گناہ کرتے وقت باقی مخلوق سے پردہ کر دیتے ہیں اور ان تمام دروازوں کو بند کر دیتے ہیں جن سے مخلوق دیکھتی ہے۔ لیکن اس دروازے کو بند نہیں کرتے جس سے پروردگار دیکھتا ہو، کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سے یہ سب سے کم درجے کا مجھے سمجھتے ہیں۔

☆......اکمل الشیم میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ اگر اللہ رب العزت کے عدل و انصاف سے مڈبھیڑ ہوئی تو کوئی بھی گناہ صغیرہ نہیں اور اگر اس کے فضل کا سامنا ہوا تو کوئی بھی گناہ کبیرہ نہیں۔ لہٰذا میرے دوستو! اگر اللہ رب العزت فضل فرما دیں تو پھر چاہے جس گناہ کو معاف فرما دے لیکن اگر عدل فرمائیں گے تو پھر معاملہ مشکل بن جائے گا۔

ایک بزرگ اپنے سالکین کو بار بار فرمایا کرتے تھے کہ جفا نہ کرو۔ جفا کہتے ہیں بے وفائی کو۔ کسی سالک نے پوچھا، حضرت! بے وفائی سے کیا مراد ہے؟...... وہ فرمانے لگے، بے وفائی تین طرح کی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت سے بے وفائی، مخلوق سے بے وفائی اور اپنے آپ سے بے وفائی۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں

پیدا کیا، اب وہی ہمیں رزق اور باقی نعمتیں دیتا ہے۔ اگر ہم اسی کا دیا ہوا کھا کر کسی اور کو اس کے ساتھ شریک بنائیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے بے وفائی ہوگی...... پھر فرمایا کہ لوگوں کو ایذا پہنچانا مخلوق کے ساتھ بے وفائی ہے، اس لئے مخلوق کا دل نہیں دکھانا چاہئے...... پھر فرمایا کہ اللہ رب العزت کے حکم کو توڑنا اور گناہ کرنا، یہ اپنے آپ کے ساتھ بے وفائی ہے اس لئے کہ اس طرح انسان اپنے آپ کو جہنم میں جانے کے قابل بنالیتا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر گناہوں کے اندر بدبو ہوتی تو ہم کسی محفل میں بیٹھنے کے قابل نہ ہوتے۔ یہ اللہ رب العزت کی ستاری ہے کہ اس کے صدقے ہم کو عزتوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی لئے بزرگ فرماتے تھے۔ اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی جس نے تجھے چھپایا ہوا ہے...... یقیناً اگر وہ حقیقت کھول دیتا ہے تو ہم چہرہ دکھانے کے قابل بھی نہ ہوتے۔ انسان کی ایک تو ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک شکل عالم مثال میں ہوتی ہے۔ بندہ جس طرح کے اعمال کرتا ہے ویسی ہی اس کی شکل ہوتی ہے۔ اگر جانوروں والے اعمال کرتا ہے تو اس کی شکل جانوروں جیسی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

......جس میں حرص زیادہ ہوتی ہے اس کی شکل عالمِ مثال میں کتے کی مانند ہوتی ہے، اس لئے کہ کتا حریص ہوتا ہے۔

......جس میں بے حیائی زیادہ ہوتی ہے اس کی شکل خنزیر کی مانند ہوتی ہے کیونکہ خنزیر میں بے شرمی اور بے حیائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

......جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذاء پہنچاتا ہو اور دل دکھاتا ہو، اس کی مثال بچھو کی مانند ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور ان کے جانشین تھے۔ وہ خود بھی بڑے محدث تھے اور ان کی شاگرد بھی وقت کے اکابرین میں سے بنے۔ اللہ رب العزت نے ان سے دین کا بہت زیادہ کام لیا۔ ایک وقت تھا جب

پاک و ہند میں ان کا فتویٰ چلا کرتا تھا۔ دہلی کی جامع مسجد سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا مدرسہ اور گھر تھا۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنائی ہوئی تھی جسے ''مسجدِ بیت'' کہتے ہیں۔ تعلیم و تعلم کی مصروفیات کی وجہ سے وہ اکثر نمازیں وہیں پڑھا کرتے تھے البتہ جمعۃ المبارک کی نماز جامع مسجد میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔ ان کے مریدین ان کی زیارت کے لئے تڑپتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا تھا۔ ان کا چہرہ ایسا منور تھا کہ لوگ دیکھنے کو ترسا کرتے تھے۔ عام دنوں میں ان کی تعلیمی مصروفیت کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ ہوسکتی تھی۔ البتہ جب وہ جمعہ کی نماز کے لئے جاتے تو اس وقت لوگ راستوں میں کھڑے ہوکر ان کا دیدار کیا کرتے تھے۔ ان کے خادم کا نام فصیح الدین تھا۔ وہ حضرت کو جمعہ پڑھانے کے لئے لے جایا کرتا تھا۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ جمعہ پڑھانے بازار جاتے تو بازار سے گزرتے ہوئے اپنے چہرے کے اوپر گھونگھٹ کی طرح رومال ڈال لیتے۔ اب دیکھنے والوں کو چہرہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب لوگ ان کے خادم سے کہتے کہ جی ہم تو دیدار سے بھی محروم ہوجاتے ہیں ...... خادم اگر پرانے ہوں تو پھر بعض اوقات بے تکلفی بھی ہوجاتی ہے...... چنانچہ ایک دن فصیح الدین نے موقع پا کر عرض کیا، حضرت! سارا ہفتہ تو لوگ ایسے ہی انتظار میں رہتے ہیں اور آپ جمعہ کے لئے جاتے ہیں تو چہرے پر رومال ڈال کر ان کو دیدار سے محروم کردیتے ہیں۔ حضرت بھی چل رہے تھے اور وہ بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جب اس نے بات کی تو شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا رومال اتار کر فصیح الدین کے سر پر رکھ دیا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد وہ غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو زمین سے اٹھایا اور جب ہوش آیا تو پوچھنے والے نے پوچھا کہ جی آپ کے ساتھ کیا بنا؟ وہ کہنے لگا کہ جیسے ہی شاہ صاحب نے اپنا رومال میرے سر پر ڈالا تو مجھے بھرے بازار کے اندر انسان تو تھوڑے نظر آئے لیکن کتے، بلے اور خنزیر زیادہ چلتے نظر آئے۔ ان کی اندر کی شکلیں اس کو کشف کی صورت میں نظر آگئیں۔ یہ تو اللہ رب العزت کا احسان اور کرم ہے کہ اس پروردگار نے

گناہوں میں بدبو نہیں بنائی جس کی وجہ سے ہم آج آرام سے محفلوں میں بیٹھ کر زندگی گزارتے ہیں۔

دنیا کی معمولی سی لذتوں یا چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی خاطر گناہوں کا مرتکب ہو جانا بہت نقصان کی بات ہے۔ عام طور پر بندہ یا تو لذت کی خاطر گناہ کرتا ہے یا ضرورت کی خاطر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک دفعہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محفل میں بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: بتاؤ، جاہل کسے کہتے ہیں؟...... انہوں نے جواب دیا، حضرت! جو بندہ اپنی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ کر بیٹھے، اسے جاہل کہتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: کیا میں آپ کو بتاؤں کہ اجہل (اس سے بھی بڑا جاہل) کون ہے؟...... انہوں نے کہا: جی حضرت، ضرور بتائیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جو انسان دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر بیٹھتے ہیں اسے اجہل کہتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: عالم شخص وہ ہوتا ہے، جس پر گناہ کے نقصانات اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ گویا جو شخص گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ واقف ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا عالم ہوگا...... یہ بات بہت کام کی ہے...... وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصانات سے واقف ہو جائے تو وہ اس سے بچتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ مثال کے طور پر:......

(۱)...... انسان زہر کے نقصانات سے واقف ہوتے ہے، اس لئے وہ اس سے بچتا ہے۔ اگر اس انسان کو یہ بتا دیا جائے کہ آپ کے سامنے جو ایک ہزار بسکٹ پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے نوسوننانوے بسکٹ بالکل ٹھیک ہیں، لیکن صرف ایک بسکٹ میں زہر ہے، آپ کھا لیجئے تو کیا وہ اسے کھا لے گا؟...... وہ انسان اسے کھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا کہ: کیا پتہ جس کو میں کھا رہا ہوں، اسی میں زہر ہو۔ چونکہ ہمیں پتہ ہے کہ زہر کے کھا لینے سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس لئے نہیں کھاتے، لیکن ایک بچہ ہے،

جو اس سے واقف نہیں ہے، اس بچے کو ایک بسکٹ پکڑائیں اور اس سے کہیں کہ یہ زہر والا ہے، تم کھالو، تو وہ بچہ اسے منہ میں ڈال لے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کے نقصان سے واقف نہیں ہے۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصان سے واقف ہوتا ہے۔ تو وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، اور ہر ممکن طریقے سے بچتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے نقصان ہو جائے گا۔

(۲)...... اسی طرح ہم لوگ سانپ کے نقصان سے واقف ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو یہ پتہ ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو انسان مرجاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پلاسٹک کا بنا ہوا سانپ بھی دکھا دیا جائے تو لوگ ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ بڑا سانپ تو کیا اگر سانپ کا کوئی چھوٹا سا بچہ بھی کسی کے گھر میں نظر آجائے، تو عورتیں شور مچا دیتی ہیں۔ جب تک اس کو مار نہ لیا جائے، تب تک وہ چین سے نہیں بیٹھتیں۔ وہ کہتی ہیں کہ چونکہ گھر میں بچے ہیں، اس لئے اس کو مارنا ضروری ہے۔ چونکہ ہم سانپ سے واقف ہیں اس لئے اس کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتے۔

(۲)...... ہم جانتے ہیں کہ بعض لوگ رات کو ڈاکے ڈالتے ہیں۔ وہ لوگوں کے گھروں کو بھی لوٹ لیتے ہیں، اور بعض اوقات ان کو جان سے بھی مار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کئی درندہ صفت ڈاکو عزتیں بھی خراب کر دیتے ہیں۔ اس لئے بندے کے دماغ میں ڈاکوؤں کا ایک ڈر سا ہی لگا رہتا ہے۔ اگر کوئی بھی ناواقف بندہ رات کے وقت آپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو آپ کبھی کھولنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ آپ اسے کہیں گے کہ پہلے آپ اپنا تعارف کراؤ۔ جب تک آپ اس کا مکمل تعارف نہیں کر لیتے، اس وقت تک اس اجنبی آدمی کے لئے اپنے گھر کا دروازہ نہیں کھول سکتے۔ اگر وہ یہ کہے کہ باہر بہت سردی ہے، دروازہ جلدی کھولو۔ تو آپ کہیں گے کہ: میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔ اگر وہ آپ کی منت سماجت بھی کرے گا، تو آپ اس کے لئے اپنے گھر کا دروازہ نہیں کھولیں گے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ڈاکو ہی ہو۔ چونکہ آپ ڈاکو کے نقصانات سے واقف ہیں۔ اس لئے آپ

ایک اجنبی شخص کے لئے اپنے گھر کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔

جب یہ مثالیں سمجھ میں آ گئیں تو یہ باتیں بھی ذہن میں رکھئے کہ:......

☆...... نفس کی خواہش ہمارے لئے زہر کی مانند ہے۔ نفس ہمارے من میں گناہوں کے جو خیالات پیدا کرتا ہے وہ زہر کی مانند ہے۔ جس طرح انسان زہر سے بچتا ہے اسی طرح وہ نفس کے زہریلے خیالات سے بھی بچتا ہے جو اسے گناہ پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ جس طرح انسان زہریلے بسکٹ کی دعوت قبول نہیں کرتا اسی طرح گناہوں کے جو بسکٹ نفس پیش کرتا ہے کہ یہ بھی کرلو، یہ بھی کرلو، تو انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی بھی وہ بات قبول نہ کرے، وہ یہی سوچے کہ اس خواہش کے پورا کرنے میں بھی زہر ہے۔ لہٰذا اگر میں پوری کروں گا تو روحانی موت مر جاؤں گا۔

☆...... اسی طرح برے دوست کی مثال سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ''یارِ بد'' مارِ بد'' سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ یعنی برا دوست سانپ سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ مارِ بدر (برے سانپ) کاٹ لے تو انسان کی جسمانی موت واقع ہو جاتی ہے اور اگر یار بد کاٹ لے تو انسان کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے...... عاجز تو یہ کہتا ہے کہ برا دوست شیطان سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔ وہ اس لئے کہ شیطان انسان کے دل میں فقط گناہ کا ارادہ یا خیال ڈالتا ہے مجبور نہیں کرتا لیکن برا دوست نہ صرف گناہ کا خیال ہی دل میں ڈالتا ہے بلکہ ہاتھ پکڑ کر انسان سے گناہ بھی کروالیتا ہے۔ تو برا دوست سانپ اور شیطان سے زیادہ برا ہوتا ہے۔

☆...... چونکہ ہم ڈاکو کے نقصان سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے اس کے کہنے پر گھر کا دروازہ نہیں کھولتے۔ شیطان کی مثال ہمارے لئے ایمان کے ڈاکو کی مانند ہے۔ جیسے ڈاکو موقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ میں اس کے گھر میں ایسے وقت میں پہنچوں جب میں گھر کا صفایا کر دوں اور اسے پتہ ہی نہ چلے۔ شیطان بھی اسی انتظار میں ہوتا ہے۔ وہ ابنِ آدم کے قلب کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب وہ بندے کو ذکر کرتا دیکھتا ہے تو وہ پیچھے ہٹا

رہتا ہے اور جیسے ہی وہ اس کو غافل پاتا ہے تو اسی وقت قلب کے اندر اپنے وار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب ہم شیطان کے نقصانات سے واقف ہوں گے تو پھر ہم شیطانی وساوس کے لئے اپنے دل کے دروازے نہیں کھولیں گے۔ بلکہ دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد رکھیں گے تا کہ ہم شیطان کے وساوس سے بچ سکیں۔

پتہ چلا کہ ہم گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ واقف ہوں گے اتنا ان سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ ہم نے ڈاکٹر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اگر ان کی چربی والے کھانے یا پراٹھے دیئے جائیں تو وہ ان کو کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، حالانکہ ان کو کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ کیوں نہیں کھاتے تو وہ کہتے ہیں، جی ہمیں اس کے نقصانات کا پتہ ہے اور جس بندے کو اس کے نقصانات کا پتہ نہیں ہوتا کہ اس سے دل کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں وہ صبح، دوپہر، شام پراٹھے کھاتا ہے۔ وہ خوب چپلی کباب کھاتا ہے خواہ دل کی شریانیں بند ہی ہو جائیں...... اسی طرح ڈاکٹر جب باہر کے علاقے میں جاتے ہیں تو نلکے کا پانی بھی نہیں پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں کئی بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں جن سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم تو بوتل کا صاف پانی پئیں گے...... حتیٰ کہ ڈاکٹر جب ہسپتال میں مریضوں کے پاس جاتے ہیں تو دستانے بھی پہنتے ہیں اور ناک پر ماسک بھی لگاتے ہیں۔ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ بیمار کے قریب رہ رہ کر کونسی بیماری دوسرے کو لگ سکتی ہے لہٰذا وہ احتیاط کرتے ہیں۔

کھمبے سے بجلی کی تار جا رہی ہو اور آپ کسی الیکٹریکل انجینئر سے کہیں کہ جناب! ذرا اس کو ہاتھ تو لگائیں تو وہ کہے گا، جناب! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ اگر کہیں کہ ایک دفعہ ہاتھ لگا دیں تو وہ کہے گا، بجلی ایک دفعہ بھی معاف نہیں کرتی وہ پہلی دفعہ ہی پکڑ لیتی ہے۔ انجینئر تو سمجھتا ہے کہ اس کے اندر وولٹیج ہے اور اس سے جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے لیکن عام آدمی دھوکا کھا جائے گا کیونکہ اسے نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ اسی طرح عام آدمی چونکہ گناہوں کے نقصانات سے واقف نہیں ہوتا اس لئے وہ پرہیز نہیں کرتا۔ لیکن عالم سمجھتا ہے کہ گناہوں

میں ایسی نحوست ہے اور ان کے مرتکب ہونے سے انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے اس لئے وہ گناہوں کے قریب نہیں جاتا۔

جس انسان کے نزدیک نیکی اور گناہ میں فرق ہی نہیں ہوتا وہ ایک طرف گناہ بھی کر رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف تسبیح بھی پھیر رہا ہوتا ہے، اس کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ اور اگر علم ہے تو وہ علمِ نافع سے محروم ہے۔

قرآن عظیم الشان میں ہے: ﴿ افرأیت من اتخذ الٰهہٗ هواہ واضله الله علی علم﴾ ''کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے، اللہ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کردیا۔'' (سورۃ الجاثیہ: ۲۳)

علم کے باوجود گمراہی کا کیا مطلب؟......

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگوں کو سگریٹ پینے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ...... سگریٹ نوشی مضرِ صحت ہے...... حتیٰ کہ سگریٹ بنانے والی کمپنی بھی لکھ دیتی ہے کہ: سگریٹ نوشی مضرِ صحت ہے...... پینے والا بھی لوگوں سے کہتا ہے ہے کہ ہم تو پیتے ہیں تم نہ پینا...... معلوم ہوا کہ اس کے نقصانات کو جانتا ہے، مگر پھر بھی پیتا ہے۔ کھانا کھا کر اس کی طبیعت میں ایسے طلب اٹھتی ہے کہ...... وہ سگریٹ پیتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں کہ: علم ہونے کے باوجود گمراہ ہونا۔

اسی طرح انسان جانتا ہے کہ غیر محرم کو دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے مگر اس کی نگاہیں قابو میں نہیں ہوتیں۔ وہ بیمار ہوتا ہے، اس کا اپنے اوپر بس نہیں چلتا، اس کا نفس اس گھوڑے کی طرح بے قابو ہوتا ہے جو اپنے سوار کی بات نہیں مانتا اور بھاگتا ہی رہتا ہے۔ جس انسان کو علم نافع نصیب ہوجائے اور وہ گناہوں کے نقصانات کو اچھی طرح پہچان لے وہ آدمی پھر گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا اور ہر ممکن اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نیکی اور گناہ کا وہی فرق ہے، جو روشنی اور اندھیرے کا فرق ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ اندھیرا ہو تو وہاں انسان کو سانپ اور بچھو نظر ہی نہیں آتے، اور وہ ان سے بچ نہیں سکتا۔ جیسے

ہی روشنی آتی ہے سانپ بچھو کا پتہ چل جاتا ہے۔ اول تو وہ خود بھاگ جاتے ہیں، ورنہ انسان اس کو مار دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کے پاس علم کا نور ہوتا ہے۔ اس نور کے آتے ہی گناہوں کے سانپ بچھو اس کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ انسان ان سانپ اور بچھوؤں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ ایک موٹی سی بات اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ: عام لوگوں میں اور اولیاء اللہ میں بنیادی فرق گناہوں سے بچنے کا ہے۔ ہم عام لوگ تو کبھی کبھی ایسی نیکیاں کر لیتے ہیں۔ جیسی بڑے بڑے اولیاء اللہ کرتے ہیں...... خوب رجوع الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور دل میں نور آ جاتا ہے۔ مگر جب مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو گھر پہنچنے سے پہلے پہلے جتنا نور آیا تھا سب ختم ہو جاتا ہے...... جیسے کچا گھڑا ہوتا ہے...... اگر اس میں پانی ڈال دیں تو چند گھنٹوں کے بعد وہ خالی ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں سے پانی ایک ایک قطرہ قطرہ کر کے ٹپکتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارا حال ہوتا ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر عبادت کی، تو دل میں نور بھر گیا...... جیسے ہی مسجد سے باہر گئے، اور لوگوں سے ملے، تو دوسروں کی غیبت کرنے کی وجہ سے، اور بدنظری وغیرہ کرنے کی وجہ سے وہ نور ٹپکنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح ہم اس نور کو ضائع کر بیٹھتے ہیں، اس کی حفاظت نہیں کرتے۔

میں نے خود ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بیت الخلاء میں بالٹی پڑی تھی۔ اس کے اوپر والی ٹونٹی بند تو تھی، مگر لیک تھی، اور اس میں سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد پوری بالٹی بھر گئی، وہاں ایک لوٹا بھی رکھا ہوا تھا، اور وہ ٹونٹی کے قریب سے پھٹا ہوا تھا۔ اس کو بھرنے کے لئے ٹونٹی کھولی گئی تو وہ بھرتا ہی نہیں تھا۔ میں دونوں چیزوں کو دیکھ کر حیران ہوا کہ بالٹی کے اندر کوئی سوراخ نہیں ہے اور اوپر سے بند ٹونٹی سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا ہے مگر چونکہ پانی محفوظ ہو رہا ہے اس لئے تھوڑی دیر کے بعد پوری بالٹی بھر گئی۔ اور جس لوٹے میں سوراخ تھا اس کے اوپر ہم نے ٹونٹی پوری کھول دی مگر وہ بھرا ہی نہیں...... یہی مثال ہماری اور ولی کی ہوتی ہے۔ ہم لوگ اس لوٹے کی مانند ہیں جس میں سوراخ تھا۔

اس لئے جتنا نور بھی اندر آتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے، اور اللہ کے ولی کی مثال اس بالٹی کی مانند ہے، ان کے اندر قطرہ قطرہ نور بھی آئے، تو وہ اس نور کو محفوظ کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے دل کی بالٹی نور سے بھری رہتی ہے۔

ہمارے اس سلوک میں لمبی چوڑی نیکیوں اور نفلی عبادتوں کا اتنا مقام نہیں ہے، جتنا مقام کہ گناہوں سے بچنے کا ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ دو بندے ہیں، ان میں سے ایک آدمی تو دن رات تسبیح کا کسبی بنا ہوا ہے، لمبی لمبی عبادتیں اور ذکر و اذکار، اور پتہ نہیں کیا کچھ نیکیاں کر رہا ہے، مگر ساتھ ہی گناہوں کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے۔ نہ آنکھ قابو میں آتی ہے، اور نہ ہی زبان قابو میں۔ گویا اگر نیکیاں زیادہ کر رہا ہے، تو گناہ بھی زیادہ کر رہا ہے۔ اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا سالک ہے، جو لمبے چوڑے ورد و وظیفے تو نہیں کرتا، مگر کم از کم گناہوں سے ضرور بچتا ہے۔ اور وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے، کہ میرے ہاتھ پاؤں، دل و دماغ اور میرے جسم کے کسی بھی عضو سے کوئی بھی گناہ سرزد نہ ہو۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ: گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنے والا اس لمبے چوڑے وظیفے کرنے والے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ لمبے چوڑے درود وظیفے کرنے والا ''اوپر سے لا اللہ، اندر سے کالی بلا'' کا مصداق بن چکا ہوتا ہے۔

شریعت مطہرہ میں اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ:...... انسان لمبی لمبی عبادتیں کرنے کی بجائے گناہوں سے زیادہ بچے۔ مثلاً ایک آدمی تہجد نہیں پڑھتا، لمبے لمبے اذکار نہیں کرتا...... اور نفلی روزے نہیں رکھتا۔ بھلے نفل اعمال کچھ نہ کرے، مگر گناہوں سے بچے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی میں معصیت نہیں ہے...... ہمارے سلسلہ میں بھی گناہوں سے بچنا سکھایا جاتا ہے...... ہمیں اس بات پر نظر رکھنی چاہئے، کہ ہمارے وجود سے کوئی بھی کام شریعت کے خلاف صادر نہ ہو جائے۔ ہم اپنے علم اور ارادہ سے کوئی گناہ نہ کریں۔ اگر یہ بات آپ نے پالی تو سمجھ لیجئے، کہ آپ کو ولایت کا مقام حاصل ہو گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ ولایت کے لئے:......

......ہوا میں اڑنا شرط نہیں،

......پانی پر چلنا شرط نہیں،

......کوئی کرامت کے واقعات کا پیش آجانا شرط نہیں،

بلکہ ولی اس کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچالیتا ہو۔ قرآن مجید نے اس میں کہہ دیا:

﴿ان اولیآءُہٗ الا المتقون﴾ (سورۃ الانفال: ۳۴)

''اس کے ولی وہ ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔''

یہ بھی یاد رکھیں کہ تقویٰ کچھ کرنے کا نام تقویٰ نہیں بلکہ کچھ نہ کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یعنی وہ بات جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان کو نہ کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ موٹے الفاظ میں سمجھ لیجئے کہ تقویٰ یہ ہے کہ آپ ہر اس کام سے بچیں جس کو کرنے سے کل قیامت کے دن کوئی آپ کا گریبان پکڑنے والا ہو۔ لہٰذا اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا لمبی لمبی عبادتیں کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ اب ایک آدمی لمبی لمبی عبادتیں کرتا ہے، مگر ساتھ ساتھ غیبت بھی کرتا ہے اور لوگوں کا دل بھی دکھاتا ہے تو وہ بے چارہ تو فقیر ہے۔ کل قیامت کے دن جب وہ پیش ہوگا تو یہ حق والے اس کی ساری عبادتیں لے کر چلے جائیں گے بلکہ ان کے گناہ الٹا اس کے سر پر رکھ دیئے جائیں گے۔

حدیث پاک میں ہے: ﴿الوقایۃ خیر من العلاج﴾

''پرہیز علاج سے بہتر ہے۔''

ایک آدمی کو نزلہ زکام ہو، اور وہ دوائی بھی کھائے اور ساتھ ساتھ آئس کریم بھی کھائے، تو اس کی بیماری ٹھیک نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر کہیں گے کہ: پہلے پرہیز کرو تب دوائی فائدہ دے گی۔ اور اسی لئے مشائخ کہتے ہیں کہ: گناہوں سے بچائیں اور اللہ رب العزت کی نافرمانی نہ کریں۔ اس بات پر ہماری ہر وقت نظر رہے، کہ ہم کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔ ہم صبح اٹھیں تو دل میں یہ نیت ہو کہ میں نے آج کوئی گناہ نہیں کرنا۔ پھر صبح سے

شام تک اس کوشش میں لگے رہیں کہ:

......آنکھ سے کوئی گناہ نہ ہو،

......زبان سے کوئی گناہ نہ ہو،

......کان سے کوئی گناہ نہ ہو،

......شرمگاہ سے کوئی گناہ نہ ہو،

......ہاتھ پاؤں سے کوئی گناہ نہ ہو،

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ تھے۔انہوں نے ایک بڑی ہی پیاری بات لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے کوئی دن گناہ کے بغیر گزارا ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے وہ دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں گزارا......سبحان اللہ ......اس لئے آپ روزانہ اٹھ کر صبح کو اللہ سے دعائیں مانگا کریں کہ اے مالک! میں آج کا دن ایسا گزارنا چاہتا ہوں کہ تیرے حکم کی نافرمانی نہ ہو۔اس کو تمنا بنا کر مانگیں۔ اگر کوئی ایک دن بھی ہماری زندگی میں ایسا ہوا تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ اس دن کی برکت سے قیامت کے دن ہم پر اللہ کی رحمت ہو جائے گی۔

گناہوں کے ترک کرنے سے اللہ رب العزت کا قرب زیادہ جلدی نصیب ہوتا ہے۔ایک بات یاد رکھئے کہ جو شخص اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اللہ رب العزت اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اسے صدیقین میں شامل فرما دیتے ہیں۔ایسے گناہ جو بے علمی میں ہو جائیں یا بلا ارادہ کے ہو جائیں، وہ بہت جلدی معاف ہو جاتے ہیں۔البتہ نقصان دہ گناہ وہ ہوتا ہے جو سوچ سمجھ کر کیا جائے۔تاہم جیسے ہی گناہ سرزد ہو توبہ میں دیر نہ کی جائے۔اس لئے جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے تو وہ غفلت کی وجہ سے کرتا ہے اور اس وقت اس کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:﴿وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان﴾

(سورۃ الحجرات:۷)

''اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر، گناہ اور نافرمانی کی۔''

تو جتنا زیادہ ایمان بڑھتا جائے گا، اتنی ہی فسق و فجور سے کراہت بڑھتی جائے گی۔ اگر گناہ کر بیٹھے گا، تو اس لئے کہ اس وقت اس کے اوپر غفلت کا پردہ پڑ گیا ہوگا۔ اس لئے مؤمن جب غلبۂ حال کی وجہ سے گناہ کر بیٹھتا ہے، تو گناہ کر گزرنے کے بعد اس کے دل کو بڑا ہی دکھ اور ندامت ہوتی ہے، پھر وہ ہمیشہ اپنے آپ کو کوستا ہی رہتا ہے، کہ او ہو میں کیا کر بیٹھا۔ گناہ کرنے سے پہلے غفلت کا پردہ تھا، اور کرتے ہی اپنی اصلیت سامنے آجاتی ہے، اور وہ افسوس کرتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور یاد رکھیں کہ گناہ کے بعد ندامت محسوس کرنا اور دل کے اندر بوجھ اور بے قراری محسوس کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندے کے اندر ایمان سلامت ہے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ نیکی تو ہر کس و ناکس کر لیتا ہے، جوان مرد تو وہ ہے جو گناہ کرنا چھوڑ دے۔ اور جو آدمی من چاہی چھوڑ کر رب چاہی زندگی اختیار کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کے ایام کو گناہوں سے خالی کر لے۔ اس کے لئے وہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرے۔ وہ اس کوشش کے باوجود گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ پھر جب روزانہ بچنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ تو پہلے کی نسبت دن میں کم گناہ کرے گا۔ پھر اگلے دن اس سے بھی کم گناہ کرے گا۔ پھر ایک ایسا دن بھی آتا ہے کہ اس کا پورا دن گناہوں کے بغیر گزر جاتا ہے۔ پھر اسی طرح اگلا دن گزرتا ہے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ فرما کر ایسی زندگی عطا کر دیتے ہیں کہ انسان گناہوں کی دلدل سے بچ نکلتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا کہ اس امت میں ایسے صدیقین گزرے ہیں کہ جن کے گناہ لکھنے والے فرشتوں کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا۔ ہمارے دل کی بھی ایک تڑپ اور تمنا ہونی چاہئے کہ اے مالک! ہمیں بھی ایسی سچی اور پچی زندگی نصیب فرما دے۔ (آمین)

ترکِ معصیت اعمالِ طاعات پر فضیلت رکھتی ہے۔ یہ ایک بنیادی نقطہ ذہن میں

بٹھاتا تھا۔ کہ ترکِ معصیت پر محنت زیادہ کریں، اس لئے کہ یہ اعمالِ طاعات پر فضیلت رکھتی ہے۔

## گناہوں سے بچنے کے لئے صلحاء کی صحبت ضروری ہے

جب انسان اللہ والوں کی نگاہوں میں آتا ہے تو گناہوں کی دلدل سے نکل جاتا ہے۔ ایک نوجوان سلسلۂ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں پاکستان کے وفاق المدارس میں مسلسل تین سالوں سے فرسٹ آرہا ہوں۔ مگر گناہ کبیرہ سے بچ نہ سکا، بیعت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادی۔...... جی ہاں!......، یہ نسبت کا نور جو سینوں میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ بڑوں بڑوں کی دعائیں ہوتی ہیں، جو انسان کے گرد پہرہ دیتی رہتی ہیں۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

یہ اہل نظر کی دعائیں اور اہل ہمم کی ہمتیں ہوتی ہیں۔ وہ تہجد کے اندر گڑگڑا رہے ہوتے ہیں اور ان کے لئے دعا مانگ رہے ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں کہاں کس کس کی دعاؤں کے صدقے گناہوں سے حفاظت فرمارہے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم گناہوں کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں، ہم ترکیبیں ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں، ہم گناہوں کا موقع تلاش کررہے ہوتے ہیں، مگر ہماری کوشش کے باوجود ہمیں گناہوں کا موقع نہیں ملتا اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے، یہ اللہ والوں کی دعاؤں کا کمال ہوتا ہے جو وہ تہجد کے وقت سالکین کی ترقی کے لئے مانگ رہے ہوتے ہیں۔

آج ہم گناہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمیں گناہ کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اس لئے گناہ نہیں کر پاتے۔ جب کہ ہمارے اسلاف ایسے متقی اور پرہیز گار ہوتے تھے، کہ ان کو اگر گناہ کا موقع بھی ملتا تھا۔ تو بھی وہ خوفِ خدا کی وجہ سے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

مثال کے طور پر:......

ایک تابعی کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو عیسائی بادشاہ نے قید کروایا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کو قتل کروادے مگر اس کے وزیر نے کہا کہ نہیں، اس کے اندر بہادری اتنی ہے کہ اگر یہ کسی طرح ہمارے مذہب پر آجائے تو یہ ہماری فوج کا کمانڈر انچیف بنے گا، ایسے بندہ آپ کو کہاں مل سکے گا۔ اس نے کہا اچھا میں اس کو اپنے مذہب پر لانے کی کوشش کرتا ہوں......اس کا خیال تھا کہ میں اس کو لالچ دوں گا...... چنانچہ اس نے ان کو لالچ دیا کہ تجھے سلطنت دیں گے تم ہمارا مذہب قبول کرلو۔ مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، جب انہوں نے کوئی توجہ ہی نہ دی تو وہ پریشانی کے عالم میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اس دوران اس کی نوجوان بیٹی نے پوچھا: ابا جان! آپ پریشان کیوں بیٹھے ہیں؟......اس نے کہا، بیٹی یہ معاملہ ہے۔ وہ کہنے لگی، ابا جان! آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کو راستہ پر لاتی ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے انہیں ایک کمراہ میں بند کروایا اور اس لڑکی سے کہا کہ تم اسے راستہ پر لے آؤ۔ اب وہ لڑکی اس کے لئے کھانا لاتی اور بن سنور کر سامنے آتی۔ اس کا یہ سب کچھ کرنے کا مقصد انہیں اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ وہ لڑکی اس طرح چالیس دن تک کوشش کرتی رہی مگر انہوں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد وہ ان سے کہنے لگی کہ آپ کیسے انسان ہیں، دنیا کا ہر مرد عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور میں اس قدر خوبصورت ہوں کہ ہزاروں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں۔ اور میں تمہارے لئے روزانہ بن سنور کر آتی رہی، مگر کبھی تم نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟...... تو مرد نہیں ہے یا کیا ہے؟......انہوں نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے غیر عورت کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اس لئے میں نے آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔

اس لڑکی نے کہا کہ جب تمہیں پروردگار کے ساتھ اتنی محبت ہے تو پھر ہمیں بھی کچھ تعلیمات دو۔ چنانچہ انہوں نے اس لڑکی کو دین کی باتیں سکھانی شروع کردیں......شکار کرنے آئے شکار ہوگئے چلے...... بالآخر وہ لڑکی اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی لہٰذا انہوں

نے اس کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیا۔ وہ کلمہ پڑھ کر کہنے لگی کہ اب میں مسلمان ہوں لہٰذا اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ بعد میں اس نے خود ہی ایک ترکیب بتائی جس کی وجہ سے ان تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قید سے نجات مل گئی اور وہ لڑکی خود بھی محلات چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ چلی گئی......اللہ اکبر......

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک جوان لڑکی ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چالیس دن تک تنہائی میں کوشش کرتی رہی مگر انہوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا...... یا اللہ ہمیں تو حیرانی ہوتی ہے......فرشتوں کو بھی تعجب ہوتا ہوگا...... یہ کس لئے تھا؟......اس لئے کہ ان کا تزکیہ ہو چکا تھا اور نفس کے اندر سے گندگی نکل چکی تھی......مگر آج نوجوانوں کی حالت ایسی ہے کہ وہ گناہ اس لئے نہیں کر پاتے کہ کوئی گناہ کے لئے تیار نہیں ہوتا ورنہ اگر کوئی گناہ کا اشارہ کر دے تو گناہ کے لئے ابھی تیار ہو جائیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ اس امت میں ایسی ایسی پاک باز ہستیاں بھی گزری ہیں جن کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا......اللہ اکبر...... جب یہ حضرات ایسے نامہ اعمال کو لے کر اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوں گے اور دوسری طرف ہم ہوں گے کہ گناہ سے کوئی دن خالی نہیں ہوتا۔ حالانکہ سالک کے دل میں تو ہر وقت یہ غم ہونا چاہئے کہ میں نے اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرنی۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم رات کے وقت رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے مالک! میں گناہ سے نہیں بچ سکا آپ چاہیں تو مجھے بچا سکتے ہیں، آپ میری حفاظت فرما لیجئے۔

ہمارے مشائخ کے پاس جب بھی کوئی آتا ہے تو وہ سب سے پہلا کام ہی یہ کرواتے ہیں کہ بھئی! اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔ لہٰذا آج کی اس محفل میں اپنے دل میں پکا ارادہ کر لیں کہ رب کریم! آج ہم اپنے سب گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ ہم نے یہ نیت کر لی تو سمجھ لیجئے کہ ہم نے اپنے دل کو دھو لیا اور ہم نے اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے قریب

کردیا۔ ہم جب گناہوں کو نہیں چھوڑیں گے اس وقت تک اللہ رب العزت کا وصل نصیب نہیں ہوگا...... اچھا بعض اوقات شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تو فلاں گناہ نہیں چھوڑ سکتا، تو بھئی! اپنے آپ کو سمجھائیں کہ اگر ہم گناہ نہیں چھوڑ سکتے تو اللہ تعالیٰ تو ہم سے گناہ چھڑوا سکتے ہیں کیونکہ ہمارے دل ان کی انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔

﴿یقلّبها کیف یشآء﴾

''اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں دلوں کو پھیر دیتے ہیں۔''

اگر اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پھیر دیا تو پھر گناہوں کا چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔ اس لئے توبہ کرنے کی سچی پکی نیت کر لیجئے اور گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیجئے۔ بھلے کوئی بندہ روز گناہ کرتا ہے، پھر وہ توبہ کی نیت کر لے...... اس کے دو فائدے ہوں گے...... ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس وجہ سے آج تک جتنے گناہ کئے وہ تو سب معاف ہو جائیں گے، اور پچھلا حساب بے باق ہو جائے گا۔ یہ تو فائدہ ہے ہی سہی اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت مدد فرما کر آئندہ بھی حفاظت فرما دیں گے۔ اول تو دو فائدے ملیں گے ورنہ ایک فائدہ تو لازمی ملے گا۔ لہٰذا توبہ ایک ایسا عمل ہے جو ہر وقت کرتے رہنا چاہئے تاکہ اس توبہ سے ہمارے سابقہ سب گناہ معاف ہو جائیں۔ ورنہ شیطان کئی دفعہ ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ:...... ''نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی'' ...... شیطان طلباء کے ذہن میں ایسی باتیں ڈال دیتا ہے کہ: میں تو روزانہ گناہ کرتا رہتا ہوں، میں کیسے توبہ کر سکتا ہوں؟...... بھئی! سچی بات یہ ہے کہ نو سو چوہے تو کیا گیارہ ہزار چوہے کھا کر بھی حج کو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہزار کو بھی معاف فرمائیں گے۔ کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ ؎

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

میرے بندے! سو دفعہ توبہ کی سو دفعہ توڑ بیٹھا تو اب بھی میرے در پہ آ جا میرا در کھلا ہے، تو توبہ کرے گا تو میں تیری توبہ قبول کروں گا۔

ہم تو ایسے سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ جیسے ہم نے بخشا ہوتا ہے۔ اگر ہم نے کسی کو

بخشا ہوتا تو پھر واقعی ہم تو اتنی سی غلطی بھی معاف نہ کرتے۔ او خدا کے بندے! اللہ تعالیٰ بخشا ہے اور اللہ رب العزت کی ذات بڑی رحیم وکریم ہے۔ بندے سے معافی مانگنی ہوتی تو یہ بڑا مشکل کام تھا۔ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہوتی ہے۔ جو حقوق بندوں کے تلف کیے ہیں وہ تو بندوں سے ہی بخشوانے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے کسی کا دل دکھایا ہے اور کسی کا حق مارا ہے تو اس بندے سے معافی مانگ لیجئے کیونکہ دنیا کی شرمندگی تھوڑی ہے اور آخرت کی شرمندگی بڑی اور بری ہے۔

ایک آدمی دکان اکاؤنٹ کا کام کرتا ہے۔ اس کو پتہ بھی ہے کہ آڈٹ والوں نے چیک کرنے آنا ہے اور وہ اپنی کتاب کو چیک ہی نہیں کرتا۔ تو جس دن آڈٹ والے آئیں گے تو وہ جوتے ہی کھائے گا۔ لہٰذا اس کو چاہئے وہ وقت سے پہلے ہی اپنا حساب کتاب دیکھ لے کہ ہندسے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے بھی ہیں یا نہیں۔ جس طرح دکاندار وقت سے پہلے اپنے آڈٹ کے لئے تیار ہوتا ہے، اسی طرح ہم بھی اپنے قبر کے آڈٹ سے پہلے اپنے آپ کو تیار کرلیں۔ اور یہ بڑا آسان کام ہے کیونکہ توبہ کرتے وقت کوئی ورزش ورزش تو نہیں کرنی ہوتی...... اگر کوئی ورزش ہوتی کہ تم نے ڈنڈ بیٹھکیں نکالنی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی عذر کرتا کہ میں تو کمزور ہوں لہٰذا نکال نہیں سکتا...... بھئی! توبہ کا تعلق تو دل کی نیت کے ساتھ ہے، اگر کوئی بندہ دل ہی میں نادم ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ "الندم توبة" کے مصداق دل کی ندامت پر ہی اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ خطبات فقیر از حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی مدظلہ)

## گناہوں سے بچنے کی چھ تجاویز

ایک شخص ابراہیم بن ادھمؒ کے پاس آیا۔ نوجوان تھا، کہتا ہے حضرت! گناہ کا مرتکب ہوتا ہوں، چھوڑا بھی نہیں جاسکتا، ڈر بھی لگتا ہے کہ عذاب ہوگا تو کوئی طریقہ بتادیں کہ میں عذاب سے بچ جاؤں اور گناہ بھی کرتا رہوں۔

اللہ والے بڑے دانا بینا ہوتے ہیں، دھکے نہیں دے دیتے، وہ محبت و پیار سے بات سمجھاتے ہیں، دل میں اتارتے ہیں، حضرت نے فرمایا: ہاں میں تجھے طریقہ بتاتا ہوں، وہ بڑا خوش ہوگیا بات سننے کے موڈ میں آگیا، کہنے لگا کہ حضرت! وہ کون سا طریقہ ہے؟ کہ میں گناہ بھی کرتا رہوں اور عذاب وسزا سے بھی بچ جاؤں۔

آپ نے فرمایا کہ۔

## پہلی تجویز

تو یہ ہے کہ اگر گناہ کرنا ہی ہے تو اللہ رب العزت کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر کیا کرو۔ اب وہ سوچتا رہ گیا، کہنے لگا: حضرت! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ رب العزت کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر گناہ کروں یہ تو ممکن ہی نہیں۔

## دوسری تجویز

حضرت نے فرمایا: پھر دوسری تجویز یہ ہے کہ تم رات کھانا چھوڑ دو، اللہ سے کہہ دینا کہ نہ تمہارا کھانا کھاتا تھا اور نہ تمہاری بات مانتا تھا۔ اس نے کہا: حضرت! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کھانا چھوڑ دوں؟ پھر زندہ کیسے رہوں گا؟......

## تیسری تجویز

حضرت نے فرمایا: پھر تیسری تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ کہ زمین وآسمان اللہ رب العزت کا ملک ہے، اسی کا مِلک ہے اور بادشاہ کی نافرمانی اس کے ملک میں رہ کر کرنا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے نکل کر نافرمانی کرنا، اللہ پاک بھی قرآن پاک میں عجیب انداز میں فرماتے ہیں:

**﴿یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لاتنفذون الابسلطٰن﴾** (سورۃ رحمٰن:۳۳)

"اگر تمہارے اندر استطاعت ہے کہ زمین وآسمان کے کروں سے باہر نکل سکتے ہو تو

نکل کر دکھاؤ، نکلو گے تو کسی دلیل سے نکلو گے۔'' (جیسے گھڑے کی مچھلی کدھر جائے گی) کہا کہ حضرت! یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

## چوتھی تجویز

فرمانے لگے کہ: اچھا پھر ایک طریقہ اور بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جب ملک الموت آئیں روح قبض کرنے کے لئے تو انہیں کہہ دینا کہ تھوڑا انتظار کرلو تاکہ میں توبہ کرلوں۔ اس نے کہا، حضرت! وہاں تو انتظار کا تصور ہی نہیں۔

﴿ اذا جاء اجلهم فلا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون ﴾

(سورۃ یونس:۴۹)

''جب موت آتی ہے تو نہ ایک لمحہ آگے ہوتی ہے اور نہ پیچھے۔

## پانچویں تجویز

فرمایا: ایک طریقہ اور بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب قبر میں تم کو دفن کر دیا جائے اور اس وقت منکر نکیر تم سے سوال پوچھنے کے لئے، آج کل لوگ لکھ کر لگا دیتے ہیں تو تم بھی کہہ دینا کہ بغیر اجازت کیوں آئے؟...... اس نے کہا کہ: حضرت! میں ان کو کیسے منع کر سکتا ہوں؟......

## چھٹی تجویز

فرمانے لگے اچھا بھی! ایک اور تدبیر بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب قیامت کے دن تمہارے برے اعمال کو کھولا جائے گا اور پروردگار عالم فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کو گھسیٹ کر تم جہنم میں ڈال دو، تو اس وقت تم ضد کر کے کھڑے ہو جانا کہ میں تو نہیں جاتا۔ اس نے کہا حضرت! میری کیا حیثیت ہے؟...... کہ میں فرشتوں سے سامنے ضد کر کے کھڑا ہو جاؤں، میری تو کوئی حیثیت نہیں...... اب لوہا گرم تھا اور چوٹ لگانے کا وقت تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ: اے بھائی! جب تیری حیثیت ہی کوئی نہیں تو تو اتنے بڑے پروردگار

کی نافرمانی کیوں کرتا ہے؟......

کہنے لگا حضرت آج سے میں گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور آج کے بعد وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا، تو واقعی ہم اپنے پروردگار کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس کے سامنے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ہمارے سامنے سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ زندگی میں جو گناہ ہوں ان سے سچی توبہ کر لیں۔ اللہ رب العزت ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

## ندامت کی شدت کے مطابق گناہ معاف ہوتے ہیں

توبہ دراصل اس ندامت کا نام ہے جو کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کے عزم مصمم کیلئے سبب بنتی ہے اور محبوب سے دوری کے احساس کے وقت دل کو جو دھچکا لگتا ہے اور اس سے جو درد اٹھتا ہے اسی کا نام ندامت ہے۔ جس کی علامت یہ ہے انسان اس پر افسوس کرتا رہتا ہے اور اسی غم اور سوچ میں ہر وقت ڈوبا رہتا ہے اور اس کو یاد کر کے اس پر آنسو بہاتا رہتا ہے جیسے ایک آدمی کا بچہ بیمار ہو اور ایک ڈاکٹر اس سے یہ کہے کہ آپ کا بچہ اس بیماری سے جانبر نہیں ہوسکتا اور یہ مرض اس کے لئے مہلک ہے تو وہ کتنا پریشان ہوگا اور بچے کی تندرستی کی خاطر وہ کیا کچھ نہیں کرے گا۔ اسی طرح انسان کو گناہ کے بعد اس سے بھی زیادہ پریشان ہونا چاہیے، اس لئے کہ بچہ اپنی جان سے زیادہ پیارا نہیں ہے اور گناہ بیماری سے زیادہ مہلک ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ڈاکٹر سے زیادہ سچے ہیں اور بچے کی موت سے زیادہ ہولناک مصیبت جہنم کی آگ ہے۔ چنانچہ اس مصیبت کو رفع کرنے کے لئے اس سے زیادہ غم اور کوشش کرنی چاہیے۔

ندامت کے اس درد اور غم میں جتنی شدت آئے گی وہ اتنی ہی زیادہ گناہوں کو دھونے کا سبب بنے گی، اور ندامت میں اضافہ اس سے معلوم ہوگا کہ دل نرم اور حسرت و غم سے بھرا ہوا اور آنکھیں بہتی رہیں اور گناہوں کی تلخی مسلسل بڑھتی جائے کیونکہ گناہ ظاہری

طور پر تو شہد کی طرح میٹھا ہے لیکن اس کا اثر زہر کی طرح ہوتا ہے، جیسے انسان کے جسم میں جب خارش ہو جائے تو اس کے کھجانے میں مزا بہت آتا ہے مگر یہی کھجانا اس کے لئے اور زیادہ مصیبت کا باعث بنتا چلا جاتا ہے۔

یہی مثال گناہ کی بھی ہے جب گناہ کی تلخی ذہن میں پختہ اور دل میں یہ بات پکی ہو جائے گی کہ یہ گناہ زہر قاتل سے بھی زیادہ خطرناک ہے تو یہی اصل توبہ اور اصل ایمان ہے۔

اگر ایسی توبہ کرنا مشکل ہے تو پھر انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا بھی مشکل ہے۔ وقتی طور پر دل میں گناہ سے دوری کا خیال آئے اور جائے تو ایسی توبہ اس کو گناہ پر اصرار سے بچا نہیں سکتی۔ اصل توبہ دائمی ندامت اور گناہوں کی کڑواہٹ ہے جو موت تک انسان کو محسوس کرنی چاہیے اور یہ تلخی اور ندامت ہر قسم کے گناہ پر ہونی چاہیے۔

پھر اس ندامت سے جو عزم اور ارادہ انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا تعلق حال، ماضی اور مستقبل تینوں زمانوں کے ساتھ مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ زمانہ حال میں عزم یہ ہوتا ہے کہ گناہ کو چھوڑ کر فرائض اور عبادات کی طرف متوجہ ہو جائے اور ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں ان کے تدارک کا پکا ارادہ کرے اور مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا عزم مصمم کرے۔

پھر اگر کسی نے حقوق مالیہ کے متعلق گناہ کیا ہے یعنی کسی کا مال غصب کیا ہے، خیانت کی ہے یا کسی بھی معاملے میں دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ کیا ہے، تو اگر وہی مال اس کے پاس موجود ہے، تو اس کے مالک کو واپس کر دے، اگر مالک موجود نہیں تو اس کے ورثاء کو لوٹا دے۔ اگر مالک معلوم ہی نہیں تو پھر جس کا مال ہے اس کے نام پر صدقہ کر دے اور اگر حرام مال اپنے حلال مال کے ساتھ ملا دیا ہو اور معلوم نہیں کہ کتنا مال حرام کا ہے اور کتنا مال حلال کا، تو پھر اندازے سے حرام مال نکال دے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے اصل مالک کے نام پر صدقہ کر دے اور اگر متعین مال نہیں ہے بلکہ ویسے ہی معاملات میں

لوگوں کے ساتھ ہیر پھیر کی ہے یا پھر مزدور کی مزدوری کم دی ہے یا بالکل نہیں دی تو جس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اس کو تلاش کر کے اس کا حق اس کو واپس کرے یا پھر اس کو راضی کر کے اپنا حق معاف کروالے تاکہ دنیا کا معاملہ دنیا ہی میں ختم ہوجائے، کیونکہ آخرت کا حساب بہت مشکل ہے۔ حدیث میں آتا۔(من حوسب فقد عذب )جس کے ساتھ حساب کتاب کیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوگیا۔ تو آخرت میں حساب کی تاب لانا کسی کے بس کی بات نہیں چنانچہ ہمیں ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے اور جو دنیا میں اپنے اعمال اور احوال کا حساب کرتا رہا تو قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فسوف یحاسب حسابا یسیرا (سورۃ الانشقاق: آیت نمبر ۸)

''ان کے ساتھ آخرت میں آسان حساب ہوگا۔''

حدیث میں آتا ہے کہ آسان حساب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے،''تم نے یہ کیا یہ کیا اور میں نے تم کو معاف کیا جاؤ جنت میں چلے جاؤ۔''

اسی طرح اگر انسان کو ہاتھ زبان یا دل سے تکلیف پہنچائی تھی تو اس کی تلافی کرے اور اس شخص سے معافی مانگے تاکہ خوشی سے معاف کردے اور اگر ہوسکے تو مختلف طریقوں سے اس کے کام آکر اس زیادتی کی تلافی کرے۔ لیکن جس شخص کا مال کھایا ہو یا اس کو تکلیف پہنچائی ہے اگر وہ موجود نہیں اور تدارک کی کوئی صورت نہیں تو پھر ایک ہی راستہ ہے کہ خود ہمہ وقت عبادت اور نیکیوں کی طرف متوجہ ہوجائے اور اس شخص کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا رہے اور اس کے لئے خیر خواہی کی دعائیں کرتا رہے۔ امید قوی ہے کہ کل قیامت کو ان نیکیوں کی وجہ سے وہ مظلوم شخص اس کو معاف کردے گا اور جس آدمی نے توبہ تو کی مگر اس کو ابھی احکام کا پتہ نہیں ہے کہ گناہوں کا تدارک کیسے کرے اور آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا تو اسے چاہیے کہ کسی صاحب بصیرت عالم سے مشورہ کرے اور اس سے سیکھے اور پابندی سے بزرگوں کی مجالس میں آتا جاتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از احیاء العلوم جلد چہارم)

## گناہوں پر اصرار کا علاج

جاننا چاہئے کہ آدمی کی دو قسمیں ہیں ۔ایک وہ جوان جس میں برائی کی رغبت نہ ہو، اس نے خیر پر پرورش پائی ہو اور شر سے اجتناب کرنا اس کی سرشت میں داخل ہو۔ایسے شخص کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**یحجب ربک من الشاب لیست له حبرة .**

(بحواله احمد ،طبرانی عتبه ابن عامرؓ )

ترجمہ: ''تیرا پروردگار ایسے نوجوان پر عجب کرتا ہے جسے میل ورغبت نہ ہو۔''

مگر ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔

دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ۔پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں ،توبہ کرنے والے اور گناہ پر اصرار کرنے والے ۔اس باب میں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ گنہگار پر اصرار کا علاج کیا ہے؟ اور اس مرض کے ازالے میں کونسی دوا مئوثر اور شفا بخش ہوسکتی ہے؟

## گناہ پر اصرار کا سبب غفلت اور شہوت ہے

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ توبہ شفا ہے اور یہ شفا دوا سے حاصل ہوتی ہے اور دوا سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی مرض سے بھی واقف ہو،دواء کے معنی ہیں ان اسباب کے خلاف کرنا جو کسی مرض کے وجود کا باعث بنے ہیں ۔اگر کسی مرض کا علاج کرنا ہے تو اس سبب کا ازالہ کیا جائے جس سے وہ مرض پیدا ہوا ہے۔پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے باطل ہوتی ہے۔اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو گناہ پر اصرار کا سبب غفلت اور شہوت ہے۔غفلت کی ضد علم ہے اور شہوت کی ضد یہ ہے کہ آدمی شہوات میں ہیجان پیدا کرنے والے اسباب پر صبر کرے ۔غفلت گناہوں کی جڑ ہے۔اللہ تعالٰی نے غافلوں کے انجام کی ان الفاظ میں خبر دی ہے۔

لاجرم انهم فی الاٰخرة هم الخاسرون (پ:۱۲،۲ آیت:۲۲)

ترجمہ: ''بلاشبہ وہ آخرت میں سخت خسارے میں ہیں۔''

غفلت کے علاج کے لئے جو معجون تیار کی جائے گی اس میں علم کی حلاوت اور صبر کی تلخی کی آمیزش کی جائے گی۔ جس طرح شکنجبین میں شکر کی حلاوت اور سرکے کا کھٹا پن ہوتا ہے مگر دونوں کا مجموعہ مقصود ہوتا ہے اور صفراوی امراض کے علاج میں اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قلب کے مرض اصرار میں جو معجون استعمال کی جاتی ہے اس میں علم اور صبر کے دونوں فوائد مقصود ہوتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ازالہ غفلت کے لئے ہر علم مفید ہے یا کوئی مخصوص علم ہے جس کے ذریعہ اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام علوم دل کے امراض کا علاج ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک علم ہر مرض میں مفید ہو۔ البتہ ہر مرض کے لئے ایک الگ اور خاص علم ہے۔ یہی صورت گناہوں پر اصرار کے مرض میں ہے۔ ذیل میں وہی مخصوص علم بیان کرتے ہیں جو اس مرض کے لئے مفید ہے اور فہم سے قریب تر کرنے کے لئے بدن کے امراض کی مثال بھی بیان کرتے ہیں۔

مریض کو علاج سے پہلے متعدد امور کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ ان میں سے پہلا امر اس حقیقت کو ماننا ہے کہ مرض و صحت کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ یہ اسباب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھ دیئے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف دراصل طب کی اصل پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ جو شخص اصل طب پر ایمان نہیں رکھتا، وہ علاج نہیں کرتا اور موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زیر بحث مسئلے میں اس کے موازنے کی یہ صورت ہے کہ اصرار کا مریض اصل شریعت پر ایمان لائے یعنی اس حقیقت کا اعتراف کرے کہ آخرت میں سعادت و شقاوت کے کچھ اسباب ہیں۔ سعادت کا سبب اطاعت ہے اور شقاوت کا سبب معصیت ہے۔ اس حقیقت کا ماننا ہی اصل شریعت پر ایمان لانا ہے۔ خواہ یہ علم بطور تحقیق حاصل ہو یا بطور تقلید حاصل ہو۔

دوسرا امر جس کے مریض کو علاج سے پہلے تصدیق کرنی پڑتی ہے، یہ ہے کہ کسی

خاص طبیب کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ فن طب میں ماہر ہے، نبض شناس ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں شفا دی ہے۔ جو دوا وہ تجویز کرتا ہے وہ مفید ہوتی ہے، جو مرض وہ بتلاتا ہے وہی واقع میں ہوتا ہے۔ وہ ہر بات بے لاگ طریقے پر کہہ دیتا ہے۔ نہ کوئی بات چھپاتا ہے اور نہ غلط بیانی کرتا ہے۔ اسی طرح اصرار کرنے والے کو چاہئے کہ وہ صادق وامین سرکار دو عالم ﷺ کی صداقت پر ایمان لائے اور یہ یقین کرے کہ جو کچھ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں وہ حق اور درست ہوتا ہے، اس میں جھوٹ اور غلط بیانی کی آمیزش نہیں ہوتی۔

تیسرا امر جس کی تصدیق مریض کے لئے ضروری ہے، یہ ہے کہ طبیب کی تحقیق وتجویز پر دھیان دے اور جو کچھ وہ کہے غور سے سنے تا کہ مریض کے دل میں مرض کی سنگینی کا خوف سما جائے اور وہ اس کی ہدایت کے مطابق عمل کر سکے۔ اسی طرح روحانی مریض کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آیات و روایات کو غور سے سنے جن میں تقویٰ کی ترغیب دی گئی ہے اور ارتکاب ذنوب اور اتباع ہونے سے ڈرایا گیا ہے۔ جو کچھ اس سلسلے میں سنے بلا چوں و چرا اسے تسلیم کرے کسی طرح کا کوئی شک نہ کرے تا کہ اس سے خوف پیدا ہو۔ اسی خوف سے دوا کی تلخی اور علاج کی شدت پر صبر کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

چوتھا امر یہ ہے کہ مریض ہر اس بات پر دھیان دے جو طبیب اس مرض کے متعلق بتلائے۔ خواہ وہ دوا سے متعلق ہو یا دوا سے تا کہ اسے اپنے احوال، اقوال اکل وشرب کی ہر تفصیل معلوم ہو جائے اور یہ بات بھی جان لے کہ اس کے لئے کون سی مضر ہے؟ کیونکہ دوائیں بے شمار ہے اور ہر دوا ہر مرض میں مفید نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بات معلوم کرلے کہ اس مرض میں کون کون سی غذائیں مفید ہیں اور کون کون سی مضر ہیں۔ مریض کے لئے جس طرح ہر دوا مفید نہیں ہے اسی طرح اسے ہر چیز سے پرہیز بھی ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح ہر انسان کے بیک وقت تمام معاصی اور شہوات میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ ہر مومن کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ گناہ مخصوص ہوتے ہیں۔ اس لئے اصرار کرنے والوں کے لئے

یہ ضروری ہے کہ وہ گناہوں کو جان لے، پھر ان کی آفات کا علم حاصل کرے اور یہ دیکھے کہ دین میں ان سے کس قدر نقصان ہوسکتا ہے، پھر ان پر صبر کرنے کا طریقہ دریافت کرے اور یہ جانے کہ جو گناہ مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں ان کا ازالہ کیسے ہو؟ یہ وہ علوم ہیں جن سے اطبائے دین یعنی انبیاءؑ کے وارث علماء ہی واقف ہیں۔

جب عاصی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے فلاں گناہ سرزد ہوا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی طبیب (عالم) سے اپنا علاج کرائے اور اگر اسے مرض کی پہچان نہ ہو تو عالم کو چاہئے کہ وہ اس کے مرض کی نشاندہی کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر عالم کسی ایک ملک شہر، محلے مسجد یا مجموع کا کفیل ہو جائے اور انہیں دین کی تعلیم دے۔ جو چیزیں ان کے لئے مضر ہیں وہ بتلائے، جو مفید ہے ان کی خبر دے۔ سعادت اور شقاوت کے تمام اسباب پوری وضاحت سے بیان کر دے۔ عالم کو انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ لوگ مجھ سے دریافت کریں تو میں انہیں بتلاؤں بلکہ خود لوگوں کو اپنے پاس بلائے یا ان کے پاس جائے اور انہیں صحیح راستہ بتلائے کیونکہ وہ انبیاءؑ کے وارث ہیں اور دعوت وتبلیغ میں انبیاءؑ اکرام کا اصول یہ رہا ہے کہ خود ہی لوگوں کو پکارتے پھرتے تھے، گھر گھر جاتے تھے اور راہ حق کی دعوت دیتے تھے۔ ایک ایک کو تلاش کر کے اسے دین کی تلقین کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ اپنے دلوں کے امراض سے واقف نہیں ہوتے، اس لئے علماء کو از خود ان کی رہنمائی کرنی چاہئے۔ ظاہری امراض میں تو آدمی خود بھی طبیب کی طرف رجوع کرسکتا ہے مثلاً کوئی شخص برص میں مبتلا ہو یا اس کے چہرے پر داغ ہوں تو وہ آئینہ دیکھ کر اپنے مرض کا حال جان سکتا ہے مگر آئینہ ہر شخص کے پاس نہیں ہوتا۔ جس کے پاس آئینہ نہیں اسے اپنا مرض اس وقت تک معلوم نہ ہوگا جب تک کوئی دوسرا اسے نہ بتلا دے۔ یہ تمام علماء کا فرض عین ہے، سلاطین کو چاہئے کہ وہ ہر بستی اور ہر محلے میں ایک دیندار فقیہ مقرر کرے جو لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دے سکے۔ لوگ جاہل پیدا ہوتے ہیں اس لئے اصول وفروع میں دین کی دعوت ان تک پہنچانا ضروری ہے، دنیا ایک بیمار خانہ ہے، جو زیر زمین ہے وہ مردہ ہے اور جو

بالائے زمین ہے وہ بیمار ہیں۔ دل کی بیماریاں جسم کی بیماریوں سے زیادہ ہیں اس لئے دنیا کے ہسپتال میں جسمانی مریضوں کی بہ نسبت روحانی مریضوں کو کثرت ہے۔ علماء اس ہسپتال کے ڈاکٹر ہیں اور سلاطین اس کے منتظم ہیں۔ اگر کوئی مریض اپنے طبیب کا مشورہ قبول نہ کرے اور اس کی تجویز کردہ دوا نہ لے تو اسے سلاطین کے سپرد کر دینا چاہئے تا کہ وہ لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھ سکے۔ جس طرح کوئی مریض پرہیز نہیں کرتا یا دیوانہ ہو جاتا ہے تو اسے داروغہ زنداں کے حوالے کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ اسے زنجیروں میں قید کر سکے اور لوگوں کو اور خود کو اس کے شر سے بچا سکے۔

## دل کے امراض زیادہ ہونے کی تین وجہیں

دل کے امراض جسم کے امراض کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مریض یہ نہیں جان پاتا کہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مرض کا انجام دنیا میں مشاہد نہیں ہے جب کہ جسمانی امراض کا انجام دنیا ہی میں سامنے آجاتا ہے، یعنی موت آجاتی ہے۔ اسی لئے لوگ جسمانی امراض سے ڈرتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اگر ہم نے علاج نہیں کیا تو موت ہمیں صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔ دل کے گناہوں کا انجام دل کی موت ہے لیکن دنیا میں اس کا پتہ نہیں چلتا اسی لئے گناہوں سے نفرت کم ہوتی ہے اگر چہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ میں گنہگار ہوں لیکن وہ اپنے گناہوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا اور عفو و بخشش کے معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے جب کہ جسمانی امراض میں توکل نہیں کرتا بلکہ ایک طبیب سے دوسرے طبیب تک بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔

تیسری وجہ سب سے اہم اور بنیادی ہے بلکہ بجائے خود ایک سنگین اور نا قابل علاج مرض ہے۔ وہ یہ ہے کہ اطباءِ قلب مفقود ہیں۔ ان امراض میں جن لوگوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے وہ علماء لیکن آج کے دوَر میں وہ خود سخت ترین امراض کا شکار ہیں، وہ

دوسروں کا علاج کیا کریں گے خود اپنے علاج سے عاجز ہیں کیونکہ یہ امراض عام ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی شخص ان سے بچا ہوا ہے۔ اس لئے علماء کا عیب ظاہر نہیں ہو پاتا اور وہ مخلوق کو بہکاتے رہتے ہیں اور انہیں ایسی ایسی باتیں بتلاتے ہیں جن سے ان کے مرض میں اضافہ ہو۔ سب سے زیادہ ہلاکت آفرین مرض دنیا کی محبت اور اطبائے دین پر اسی کا غلبہ ہے، وجہ یہ ہے کہ تم دوسروں کے لئے علاج کی تجویز کرتے ہو اور خود اسی مرض میں مبتلا ہو، اسی جگہ سے یہ مرض عام ہو گیا بلکہ ایک وبا بن گیا ہر شخص اس نا قابل علاج مرض میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اطباء کے فقدان کی وجہ سے مخلوق خدا ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہو رہی ہیں۔ جنہیں طبیب بننا چاہئے تھا وہ اللہ تعالیٰ کے سادہ لوح بندوں کو لوٹنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں اور مختلف طریقے سے گمراہ کرتے ہیں، اگر ان کے لئے بھلائی نہیں کر سکتے تو بددیانتی بھی نہ کریں، اصلاح نہیں کر سکتے تو انہیں بگاڑیں بھی نہیں بلکہ اگر چپ رہیں تو یہی بہتر ہے کیونکہ جب بھی یہ زبان کھولتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں اور یہ مقصد صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ انہیں مغفرت کی جھوٹی امیدیں دلائیں، رجاء کے اسباب کو ترجیح دیں۔ رحمت کے دلائل ذکر کریں اور جان بوجھ کر ایسی روایات و آثار سے گریز کریں جن میں عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لوگوں کو ان کے مواعظ میں بڑا سکون ملتا ہے، ان کی باتیں کانوں میں رس گھولتی ہیں اور دلوں کو سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ چنانچہ جب وہ ان نام و نہاد عالموں کی محفلوں سے لوٹتے ہیں تو گناہ پر ان کے جرأت کچھ اور بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر طبیب جاہل یا بددیانت ہو تو وہ اپنے مریض کو مہلک دوا دے دیتا ہے اور بجائے تندرست کرنے کے موت کے منہ میں دھکا دے دیتا ہے کیونکہ اسے وہ دوا نہیں دی جاتی جس کی اسے ضرورت ہے اور اس طریقے سے نہیں دی جاتی جس طریقے سے دینی چاہئے۔

رجاء اور خوف دو الگ الگ دوائیں ہیں اور دونوں دوائیں ایسے مریضوں کے لئے مفید ہیں جن کا مرض ایک دوسرے سے مختلف ہو، جس شخص پر خوف کا غلبہ ہو یہاں تک کہ اس نے دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی ہو اور اپنے نفس کو ایسے امور کا مکلّف بنالیا ہو جو اس کی حد و استطاعت سے باہر ہیں یہاں تک کہ زندگی کا پیرھن اس کے وجود پر تنگ ہو گیا ہو تو اس کے علاج کے لئے رجاء کی ضرورت ہے۔ اسے رجاء کے مضامین سنائے جائیں گے تاکہ خوف میں اس کی انتہا پسندی کا خاتمہ ہو اور اس کی طبیعت اعتدال پر آجائے۔ اسی طرح وہ شخص جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اگرچہ اس کے دل میں توبہ کی خواہش ہے لیکن وہ اپنے گناہوں کی کثرت اور سنگینی کے پیش نظر قبولیت سے مایوس ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں گناہوں کی دلدل میں اس قدر ڈوب چکا ہوں کہ اب باہر نکلنا ممکن نہیں رہا۔ میں اتنا سیاہ کار ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھ پر پڑ ہی نہیں سکتی، ایسے شخص کے لئے دوائے رجاء کی ضرورت ہے تاکہ وہ قبولیت خدا کی امید رکھے اور بارگاہ خداوندی میں اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ اس کے برعکس جو شخص فریب خوردہ ہو اور آزادی کے ساتھ گناہوں میں مبتلا ہو، اس کا علاج اسباب رجاء کے ذکر سے کرنا ایسا ہے جیسے کسی گرم مزاج انسان کو شہد کھانے کے لئے دیا جائے اور یہ امید رکھی جائے کہ وہ شہد کے استعمال سے تندرست ہو جائے گا۔ یہ جاہلوں اور غبیوں کا شیوہ ہے، عقل مند طبیب ایسا نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ طبیبوں کے فساد سے عوام الناس کی بیماری ناقابل علاج ہو چکی ہے۔

## گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لئے وعظ کا صحیح طریقہ

اب ہم وعظ کا صحیح طریقہ بیان کرتے ہیں، گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لئے یہی طریقہ نفع بخش ہو سکتا ہے اگرچہ اس کا بیان بڑا تفصیلی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کا استقصاء نہایت دشوار ہے لیکن ہم وہ اقسام ضرور بیان کریں گے جن سے لوگوں کو ترک گناہ پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ چار انواع ہیں ان میں سے ہر نوع کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو آیات گنہگاروں اور بدکاروں کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لئے مذکور ہیں انہیں بیان کرے، اسی طرح اس موضوع کی روایات بھی ذکر کرے مثلاً اس طرح بیان کرے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

**مامن یوم طلع فجره ولا لیلة غاب شفقها الا وملکان یتجاوبان باربعة اصواتٍ یقول احدهما یا لیت هذا الخلق لم یخلقو اویقولو الآخر یالیتهم اذخلقوا علموا لماذا خلقوا فیقول الآخر یا لیتم اذلم یعلمو الماذا خلقوا عملوا بما علموا۔**

ترجمہ ......''ہر روز جب فجر طلوع ہوتی ہے اور ہر رات جب شفق ڈوبتی ہے، دو فرشتے چار آوازوں میں سے ایک دوسرے کا جواب دیتے ہیں۔ ان میں ایک کہتا ہے کاش یہ لوگ پیدا ہی نہ ہوتے، دوسرا کہتا ہے کیا اچھا ہوتا اگر یہ پیدا ہونے کے بعد یہ جان لیتے کہ کس لئے پیدا ہوئے ہیں۔ پہلا کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جب انہیں اپنے پیدا ہونے کی وجہ معلوم نہیں تو جوابات معلوم ہے اس کے مطابق عمل کرتے''۔

ایک روایت میں یہ مکالمہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک فرشتہ کہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ آپس میں بیٹھتے اور جو کچھ جانتے ہیں ایک دوسرے کو بتلاتے، دوسرا کہتا ہے کہ کیا خوب ہوتا اگر یہ لوگ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرتے تو اپنے اعمال سے توبہ ہی کر لیتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو دائیں طرف کا فرشتہ بائیں طرف کے فرشتے سے (پہلا دوسرے کا حاکم ہے) کہ ابھی چھ ساعت یہ گناہ درج نہ کرنا، چنانچہ اگر وہ اس عرصے میں توبہ واستغفار کر لیتا ہے تو نہیں لکھتا ورنہ لکھ دیتا ہے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس جگہ کی زمین جہاں گناہ سرزد ہوا ہوتا ہے جناب باری میں عرض کرتی ہے کہ اگر حکم ہو تو میں شق ہو جاؤں اور اس گنہگار کو دھنسا دوں نیز اس کے اوپر کا آسمان عرض کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو میں اس پر ٹوٹ پڑوں مگر

اللہ تعالیٰ دونوں کی درخواست مسترد کردیتا اور فرماتا ہے میرے بندے سے باز رہو، تم نے اسے پیدا نہیں کیا ہے اگر تم اسے پیدا کرتے شاید اس کے حال پر رحم کرتے۔ یہ توبہ کرے اور میں اس کی بخشش کروں یا کوئی نیک عمل کرے اور وہ اس کے بدل بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں یہی بات بیان کی گئی ہے فرمایا:

ان اللہ یُمسک السمٰوات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان أمسکھما من احدٍ من بعدہ. (پ:۲۲، ۷، آیت ۴۱)

ترجمہ: ''یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا''۔

حضرت عمرؓ سے حدیث مروی ہے کہ مہر لگانے والا عرش الٰہی سے متعلق ہے۔ جب بے حرمتیاں ہوتی ہیں اور حرام چیزوں کو حلال سمجھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مہر لگانے والے کو بھیج دیتے ہیں۔ وہ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے چنانچہ جو چیزیں دلوں کے اندر ہوتیں ہیں وہ دلوں میں رہ جاتی ہیں۔ (بحوالہ ابن عدی ابن حبان، ابن عمرؓ)

حضرت مجاہد سے ایک حدیث منقول ہے کہ دل کھلی ہتھیلی کی طرح ہوتا ہے، جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی ایک انگلی بند ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہوجاتی ہیں، پھر دل بند ہوجاتا ہے اور یہی اس کی مہر ہے۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندے اور اس کے رب کے درمیان معاصی کی ایک معلوم حد ہے۔ جب بندہ اس حد پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ پھر اسے عمل خیر کی توفیق نہیں ہوتی۔ معاصی کی مذمت اور تائبین کی مدحت میں بے شمار آثار واخبار ی مروی ہیں، اگر واعظ وارث رسول ﷺ ہے تو اسے یہ اخبار وہ آثار بکثرت ذکر کرنے چاہئیں۔ اس لئے کہ یہی روایات سرکار دوعالم ﷺ کا ورثہ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے درہم ودینار نہیں چھوڑے بلکہ علم وحکمت کا ورثہ چھوڑا ہے۔ ہر عالم کو اس ورثے

میں اس قدر رلاہے جس قدر اس نے لینا چاہا ہے۔ (بحوالہ بخاری عمرو الحرث)

دوسری قسم یہ ہے کہ انبیاء اور سلف صالحین کے قصے ذکر کرے اور یہ بتلائے کہ اگر ان سے گناہ سرزد ہوا ہو تو اس کی سزا میں انہیں کتنے زبردست مصائب برداشت کرنے پڑیں گے۔ اسی طرح کے واقعات قلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کا نفع محسوس ہوتا ہے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ انہیں ایک نافرمانی پر جنت سے نکلنا پڑا۔ روایت میں یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو ان کے جسم کی تمام گرہیں کھل گئیں، ستر ظاہر ہو گیا۔ صرف تاج سر پر اور اکلیل چہرے پر باقی رہ گیا۔ حضرت جبرئیل نے آکر تاج اور اکلیل سر اور چہرے سے جدا کیا۔ آسمان سے آواز آئی تم دونوں مجھ سے دور ہو جاؤ، نافرمانوں کے لئے یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے روتے ہوئے حضرت حوا علیہ السلام سے کہا کہ معصیت کی پہلی نحوست یہ ہے کہ محبوب کے قربت سے محروم ہو گئے۔

حضرت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ انہیں اس بت کی وجہ سے سزا دی گئی تھی جو چالیس روز تک ان کے محل میں پوجا گیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میرے باپ کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنا مگر آپ نے ایسا نہ کیا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے ایک عورت کے باپ کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا کیونکہ اس عورت کے لئے آپ علیہ السلام کے دل میں کوئی جگہ تھی۔ وجہ جو بھی ہو بہرحال آپؑ سے جو غلطی سرزد ہوئی اور اس کی سزا یہ دی گئی کہ چالیس روز کے لئے سلطنت سے محروم کر دیئے گئے، سلطنت سے ہی نہیں بلکہ کھانے پینے سے بھی محروم کر دیئے گئے اِدھر اُدھر بھاگے بھاگے پھرتے اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ میں داؤد کا بیٹا سلیمان ہوں، مجھے کھانا دو مگر لوگ انہیں ڈانٹ کر بھگا دیتے۔ ایک بڑھیا سے آپؑ نے کھانا مانگا تو اس نے منہ پر تھوک دیا، ایک بڑھیا نے پیشاب سے لبریز برتن آپؑ کے سر پر الٹ دیا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کی انگوٹھی ایک مچھلی کے پیٹ سے نکلی اور آپ نے چالیس

روز بعد یہ انگوٹھی پہنی تو پرندے آپؑ کے سر پر بیٹھ گئے۔ شیاطین، جنات اور درندوں نے آپؑ کے اردگرد اجتماع کیا۔ ان میں سے بعض نے اپنی بدسلوکی کی معذرت کی تو آپؑ نے فرمایا میں نے آج سے پہلے تمہیں اس بدسلوکی کے لئے ملامت نہیں کی اور نہ آج میں معذرت پر تمہاری تعریف کروں گا۔ یہ ایک آسمانی حکم تھا جسے ہر حال میں ظاہر ہونا تھا۔

اسرائیلی روایات میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کسی دوسرے شہر میں نکاح کیا تھا، خود کسی وجہ سے اس عورت کو ساتھ نہ لا سکا، اپنے غلام کو لینے کے لئے بھیجا۔ راستے میں نفسانی خواہشات نے سر ابھارا اور اس کا دل چاہا کہ میں اس سے اپنا قصد پورا کرلوں لیکن اس نے اپنے نفس پر مجاہدہ کیا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجاہدے کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ اسے پیغمبر بنادیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب کس بناء پر عطا فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا اس وجہ سے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے تمام گناہ ترک کردیئے ہیں۔ روایات میں ہے کہ ہوا بھی حضرت سلیمانؑ کے حکم کی تابع تھی۔ ایک مرتبہ آپؑ کو اپنی نئی قمیض اچھی معلوم ہوئی، آپ نے نظر بھر کر اسے دیکھا، ہوا نے اسے نیچے گرادیا۔ آپؑ نے ہوا سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تجھے گرانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ ہوا نے عرض کیا کہ ہم آپؑ کی اطاعت اسی وقت کرتے ہیں جب آپؑ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں یوسف سے جدا کیوں کیا، انہوں نے عرض کیا نہیں جواب ملا کہ تم نے ایک مرتبہ یوسف کے بھائیوں سے کہا تھا۔

واخاف ان یأکلهُ الذئب وانتم عنه غافلون۔ (پ:۱۲،۱۲، آیت:۱۳)

ترجمہ: ''اور میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو۔''

تم نے بھیڑیئے کا خوف کیا، مگر مجھ سے امید نہ رکھی۔ تم نے یوسف کے بھائیوں کی

غفلت پر نظر کی، میری حفاظت پر نظر نہ ڈالی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ کیا تم جانتے ہو میں نے یوسف کو تمہارے پاس واپس کیوں بھیجا، عرض کیا نہیں۔ جواب ملا، اس لئے کہ تم نے ایک مرتبہ یہ کہا تھا۔

عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعاً. (پ:۱۳، ۴، آیت:۸۳)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے گا۔''

نیز یہ بھی کہا تھا: اذھبو افتحسَّسُوا مِن یُوسفَ و أخیهِ ولا تیأسوا من روح اللہ. (۱۳، ۴، آیت:۸۷)

ترجمہ...... ''جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائیوں کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بادشاہ کے مصاحب سے کہا تھا۔

اذکرونی عند ربک

ترجمہ: ''اپنے رب کے پاس ہمارا ذکر کرنا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

فانساهُ الشیطان ذکرَ ربهٖ فلبِثَ فی السّجنِ بضعَ سنین.

(پ:۱۲، ۱۶، آیت:۴۲)

ترجمہ: ''پھر اس کو اپنے آقا سے تذکرہ کرنا شیطان نے بھلا دیا تو قید خانے میں اور بھی چند سال ان کا رہنا ہوا۔''

اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں، قرآن وحدیث میں ان کا ذکر قصہ کہانی کے طور پر نہیں آیا بلکہ عبرت کے لئے آیا ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل اور بصیرت سے نوازا ہے انہیں اس طرح کے واقعات سے عبرت پکڑنی چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں جو محبوب خدا ہوتے ہیں ان کے صغائر معاف نہیں فرمائے تو تم ہم جیسے لوگوں کے کبائر کیسے معاف ہو سکتے ہیں البتہ یہ ان کی سعادت اور نیک بختی تھی کہ دنیا میں

ہی سزا دے دی گئی، ان کا معاملہ آخرت پر نہیں رکھا گیا۔ جب کہ بد بختوں کو چھوٹ دی گئی تا کہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو یا اس لئے کہ آخرت کا عذاب زیادہ بڑا اور زیادہ شدید ہوتا ہے اگر اس طرح کی باتیں گناہ پر اصرار کرنے والوں کے سامنے کی جائیں تو امید ہے کہ انہیں نفع ہوگا اور ان کے دلوں میں توبہ کی تحریک پیدا ہوگی۔

تیسری قسم گناہ پر اصرار کرنے والوں کو بتلایا جائے کہ یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ صرف آخرت ہی میں گناہوں کی سزا ملے گی بلکہ دنیا میں بھی مل سکتی ہے۔ چنانچہ بندوں پر جو مصائب نازل ہوتے ہیں ان کا سبب وہ گناہ ہیں جن کے وہ مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ آخرت کے معاملے تساہل برتتے ہیں اور اخروی عذاب کے مقابلے میں دنیا کے عذاب سے زیادہ خوفزدہ رہتے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی جہالت ہے، انہیں دنیا کے عذاب سے بھی ڈرنا چاہئے۔ ضروری نہیں کہ عذاب کی شکلیں اور نوعیتیں وہی ہوں جو آخرت میں ہوں گی بلکہ دنیا کی مصیبتیں، پریشانیاں اور تفکرات سب گناہوں کا نتیجہ ہیں اور عام طور پر لوگ اس نتیجے کا سامنا کرتے رہتے ہیں۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں گناہوں کی نحوست سامنے آجاتی ہے۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے قصے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ گناہوں کے باعث گنہگاروں پر رزق کا دروازہ تنگ ہوجاتا ہے۔ بعض بد کردار لوگ عزت و وقار کھودیتے ہیں اور دشمن ان پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

ان العبد ليحرم الرزق من الذنب يصيبه. (بحوالہ ابن ماجہ، حاکم ثوبانؓ)

ترجمہ: ''بندہ کبھی گناہ کے سبب رزق سے محروم ہوجاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میرے خیال سے آدمی گناہ کے باعث علم بھول جاتا ہے، اس حدیث شریف میں یہی مراد ہے۔ فرمایا:

من قارف ذنباً فارقه عقل لا يعود اليه ابداً

ترجمہ: ''جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عقل رخصت ہوجاتی

ہے''۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ لعنت یہی نہیں کہ آدمی روسیاہ ہوجائے یا اس کا مال ضائع ہوجائے بلکہ لعنت یہ بھی ہے کہ آدمی ایک گناہ سے نکلے اور اسی جیسے یا اس سے شدید تر گناہ میں ملوث ہوجائے۔ حقیقت بھی یہی ہے اس لئے کہ لعنت کے معنیٰ ہیں دھتکارنا اور دور کرنا۔ جب آدمی کو خیر کی توفیق نہیں ہوتی اور شر کے بعد مہیا ہوجاتے ہیں تو وہ رحمت سے دور ہوجاتا ہے۔ ہر گناہ دوسرے گناہ کا داعی ہے۔ اس طرح گناہ بڑھتے رہتے ہیں اور گناہ کے ساتھ ساتھ رزق سے محرومی بھی بڑھتی رہتی ہے، جو علماء اور صلحاء کی ہم نشینی سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کا مبغوض بننے کی وجہ سے وہ بزرگوں کی نظر سے گرجاتا ہے اور ان کی پاکیزہ مجلسوں میں بیٹھنے کا اہل نہیں رہتا، ایک عارف کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کیچڑ میں اپنے پائینچے اٹھائے چلے جارہے تھے اور قدم احتیاط سے جما جما کے رکھتے تھے تاکہ پھسل نہ جائیں مگر سوءِ اتفاق سے پاؤں پھسل گیا اور موصوف گر پڑے۔ اس کے بعد اُٹھے اور کیچڑ کے درمیان چلنے لگے اس حالت میں روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یہ اس شخص کا حال ہوتا ہے جو گناہوں سے اجتناب کرتا ہے لیکن ایک آدھ بار لغزش کھا کر گناہوں میں دھنس جاتا ہے۔ ان بزرگ نے گویا یہ بھی فرمایا کہ گناہ کے عقوبت میں یہ بھی داخل ہے کہ دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے، عارفین کے نزدیک دنیا کی تمام مصیبتیں گناہوں کی عقوبت ہیں۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ تم پر زمانے کی گردش آئے یا تمہارے دوست تم پر ستم ڈھائیں، ان سب کو اپنے گناہوں کا ورثہ سمجھو۔ ایک بزرگ یہ کہتے ہیں کہ جب میرا گدھا سرکش اور بدخلق ہوجاتا ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ میرے کسی گناہ کی سزا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں گھر کے چوہوں کے روپ میں عقوبت پہچان لیتا ہوں۔ شام کے ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے ایک خوبرو نصرانی غلام دیکھا اور چند لمحے دیکھتا رہا۔ اسی اثناء میں میرے پاس ابن الجلاء دمشقی گزرے اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ سخت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا سبحان اللہ! قربان جایئے اللہ تعالیٰ کے محکم صنعت پر، دوزخ کی آگ میں

جلانے کے لئے کیا حسین صورت بنائی ہے۔ انہوں نے میرا ہاتھ دبایا اور فرمایا، چند روز کے بعد تمہیں اس گناہ کی سزا ملے گی۔ صاحب واقعہ کہتے ہیں کہ تیس برس مجھے اس گناہ کی سزا ملی ابو سلیمان درانی کہتے ہیں کہ احتلام ہونا بھی سزا ہے، نیز کسی کا جماعت سے محروم ہو جانا بھی ایک عقوبت ہے جو اسے کسی گناہ پر دی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

مماانكرتم من زمانكم فيما غيرتم من اعمالكم .

(بحوالہ بیہقی فی الزہد ابوالدرداء)

ترجمہ: ''زمانے کی جو بات تمہیں بری معلوم ہو اسے اپنے اعمال کے تغیر کا نتیجہ سمجھو۔''

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی بندہ اپنی شہوت کو میری اطاعت پر ترجیح دیتا ہے تو میں اسے معمولی سے معمولی سزا یہ دیتا ہوں کہ اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہوں۔ ابو عمران ابن علوان سے ایک طویل قصہ نقل کیا گیا ہے اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ میں ایک روز نماز پڑھ رہا تھا کہ میرے دل میں ایک خواہش نے انگڑائی لی اور میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا، یہاں تک کہ اس سے لواطت کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں فوراً ہی زمین پر گر پڑا اور میرا تمام جسم سیاہ پڑ گیا۔ میں تین دن گھر میں چھپا رہا، اس عرصے میں صابن مل مل کر نہاتا لیکن جسم کی سیاہی دور نہ ہوتی، بڑھتی رہی۔ تین روز کے بعد رنگ صاف ہوا، اس کے بعد حضرت جنید کی خدمت میں ان کی دعوت پر عازم بغداد ہوا، جب ان کے سامنے حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ سے شرم نہ آئی کہ نماز کی حالت میں ایسا غلط خیال آیا۔ اگر میں تمہارے لئے دعا نہ کرتا اور تمہاری طرف سے توبہ نہ کرتا تو تم اسی سیاہ رنگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہاں جاتے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انہیں میرا حال کیسے معلوم ہو گیا جب کہ میں رقہ میں تھا اور وہ بغداد میں تشریف رکھتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی بندہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اس کا چہرہ دل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ خوش بخت ہو تو دل کی سیاہی چہرے پر نمایاں ہو جاتی ہے تا کہ وہ متنبہ ہو جائے اور بد عملی سے رک جائے اور بد بخت ہوتا ہے تو پھر کوئی اثر چہرے پر نہیں آتا تا کہ گناہوں

میں منہمک رہے اور عذاب کا مستحق ہو۔ بہر حال دنیا میں گناہوں کے بے شمار آفات ہیں جیسے فقر اور مرض وغیرہ۔ دنیاں میں یہ گناہوں کی نحوست کیا کم ہے کہ آدمی گناہ کے بعد اس کے اثرات کا شکار رہے، یعنی گناہ کی سزا میں مصیبت کا شکار ہو اور اس مصیبت پر اچھی طرح صبر کرنے سے بھی محروم رہے تاکہ بدبختی اور بڑھ جائے اور اگر مصیبت سے مہلت دے کر کوئی نعمت اسے دی جائے تو پھر شکر کی توفیق نہ ہو اور ناشکری پر الگ سزا ملے۔ مطیع کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، اس کی اطاعت کی یہ برکت ہوتی ہے کہ ہر نعمت اس کے حق میں جزا بن جاتی ہے اور شکر کی توفیق دیئے جانے سے وہ مزید اجر وثواب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ ہر مصیبت اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے درجات کی بلندی کا باعث بن جاتی ہے۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ ان عقوبتوں کا ذکر کرے جو الگ الگ گناہوں کے سلسلے میں مذکور ہیں اور ہر گناہ کی الگ الگ مذمت کرے مثلاً شراب خوری، زنا، چوری، قتل، غیبت، کبر، حدود وغیرہ گناہوں کی الگ الگ برائی بیان کرے اور جو سزائیں شریعت نے ان گناہوں پر مقرر کی ہیں انہیں بتلائے ہر گناہ کے سلسلے میں بے شمار روایات وارد ہیں لیکن اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر شخص کے سامنے وہی روایات بیان کرے جو اس سے متعلق ہوں اور اس کے حال پر منطبق ہوتی ہوں۔ غیر متعلق روایات ذکر کرنا ایسا ہے جیسے کسی کو مرض کچھ اور دوا کچھ دی جائے۔ عالم کو طبیب حاذق کی طرح ہونا چاہئے جو پہلے نبض دیکھتا ہے اور پھر رنگ اور حرکات وسکنات سے باطن کی پوشیدہ بیماریوں کا پتہ چلاتا ہے اور ان کا علاج تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح عالم کو بھی قرائن احوال سے آدمی کی پوشیدہ صفات پر استدلال کرنا چاہئے اور انہیں بیان کرنا چاہئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی پورے طور پر اقتداء ہو سکے ایک صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، مگر لمبی چوڑی نہ ہو۔ فرمایا غصہ مت کیا کرو۔ اسی طرح ایک اور صحابیؓ نے نصیحت کی درخواست کی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علیک بالیاس مما فی ایدی الناس فان ذلک ھو الغنی و ایاک والطمع فانہ الفقر الیٰ ضرو صل صلاۃ مود ع وایاک ماتعتذر۔

ترجمہ: ''لوگوں کے پاس جو مال ومتاع ہے اس سے مایوس رہو، یہی مالداری ہے، لالچ سے بچو یہ فوری مفلسی ہے اور نماز رخصت ہونے کی طرح پڑھنا اور ایسی بات سے اپنے آپ کو بچانا جس سے عذر کرنا پڑے۔''

ایک شخص نے محمد ابن واسع سے عرض کیا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم دنیا وآخرت میں بادشاہ بن کر رہنا۔ اس نے عرض کیا میں یہ منصب کس طرح حاصل کروں گا فرمایا دنیا ں میں زہد اختیار کرنا۔ پہلی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شخص میں غضب کی علامتیں دیکھیں تو اسے یہ ہدایت فرمائی کہ تم غضب سے بچو۔ دوسرے شخص میں حرص اور لالچ کی علامتیں دیکھیں تو اسے ہدایت فرمائی کہ وہ حرص سے بچے۔ ان لوگوں کے مال میں طمع نہ کرے۔ اسی طرح محمد ابن الواسع نے سائل میں حرص دنیا کی علامات پائیں تو اسے زہد فی الدنیا کی وصیت فرمائی۔ ایک شخص نے معاذ بن جبلؓ سے وصیت کی درخواست کی۔ فرمایا تم رحم اختیار کرو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ گویا انہوں نے سوال کرنے والے میں سخت گیری اور سخت مزاجی دیکھی اس لئے اس کو نرم خو بننے کا مشورہ دیا۔ ایک شخص نے حضرت ابراہیم ابن ادھم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے بچو اور لوگوں کے ساتھ رہو۔ لوگوں کی ضرورت اس لئے ہے کہ آدمی بھول چوک کا پتلا ہے۔ ہر آدمی آدمی نہیں ہوتا، آدمی چلے گئے بھوت رہ گئے، انہیں آدمی کیسے سمجھا جائے تو وہ یاس کے سمندر میں غوطہ زن ہیں۔ گویا حضرت ابراہیم ادھمؒ نے اپنی فراست ایمانی سے یہ بات جان لی کہ وہ شخص لوگوں سے اختلاط کے باعث آفات میں مبتلا ہے اس لئے اسے ترک اختلاط کرنے اور اس حد تک مل جل کر رہنے کا مشورہ دیا جس حد تک دنیاوی معاملات میں ان کی ضرورت ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ عالم کو سائل کی طلب اور حالت کا لحاظ رکھ

کر گفتگو کرنی چاہئے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں تحریر کیا کہ مجھے کوئی مختصر وصیت نامہ لکھ کر بھجوا دیجئے۔ آپؓ نے اس خط کے جواب میں لکھا، حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:

**من طلب رضا اللّٰہ فی سخط الناس کفاہ اللہ مؤنۃ الناس و من التمس سخط اللہ برضا الناس و کلہ اللہ الی الناس و السلام علیک**

(بحوالہ ترمذی، حاکم)

ترجمہ..... ''جو شخص لوگوں کو ناراضگی میں اللہ کی رضا چاہتا ہے اللہ اسے لوگوں کی مشقت سے بچا دیتا ہے اور جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضامندی تلاش کرتا ہے اللہ اسے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ فقط والسلام''

غور کیجئے حضرت عائشہؓ کی فہم وفراست پر۔ آپؓ نے اسی آفت پر قلم اٹھایا جس میں حکام وسلاطین مبتلا ہوتے ہیں اور لوگوں کی رضا جوئی اور ان کی پاسداری ہے۔ خواہ معاملہ جائز حدود میں ہو یا ان سے متجاوز ہو۔ ایک مرتبہ انہوں نے یہ لکھا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں لوگوں کی دست برد سے محفوظ رکھے گا اور لوگوں سے ڈرو گے تو تمہیں ذرا فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ غرض یہ ہے کہ ناصح کی تمام تر توجہ اس امر پر ہونی چاہئے کہ وہ جن لوگوں کو نصیحت کرنے میں مصروف ہے ان کے مخفی اوصاف اور باطن احوال کا پتہ لگا لے تا کہ ان ہی کے مطابق نصیحت کی جا سکے۔ ورنہ ایک شخص کو بیک وقت تمام نصیحتیں نہیں کیا جا سکتیں اور نہ وہ اتنی بہت سی نصیحتیں قبول کر سکتا ہے۔ پھر جو بات اہم ہو اسے چھوڑ کر غیر اہم بات میں مشغول ہونا وقت ضائع کرنے کے برابر ہے۔

یہاں ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی واعظ کسی مجمع سے خطاب کر رہا ہو یا کسی ایسے شخص سے مخاطب ہو جس کے باطن کا حال معلوم نہیں، اس صورت میں کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں واعظ کو ایسا وعظ کہنا چاہئے کہ جس سے تمام مخلوق شریک ہو یا ایسی باتیں کرنی چاہئے جن کی عام طور پر لوگوں کو ضرورت رہتی ہے۔ خواہ ہر وقت یا

اکثر اوقات اور شرعی علوم میں اس کی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ علوم شرعیہ غذا بھی ہیں اور دوا بھی۔ غذا سب کے لئے ہیں اور دوا ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اس کی مثال یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو، اس لئے کہ تقوی ہر خیر کی جڑ ہے۔ جہاد کرو اسلام کی رہبانیت جہاد ہے۔ قرآن پڑھو اہل زمین میں قرآن تمہارے لئے نور ہے اور اہل آسمانوں میں ذکر کا باعث ہے۔ سکوت اختیار کرو، مگر حق بات سے نہیں اس طرح تم شیطان پر غالب آجاؤ گے۔ ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے نصیحت کی درخواست کی۔ آپؒ نے اسے یہ نصیحت فرمائی کہ احکام الٰہی کی تعظیم کرو، اللہ تعالیٰ تجھے عزت سے نوازے گا۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے! علماء کے زانو بر زانو رکھ، لیکن ان سے مجادلہ نہ کر وورنہ وہ تجھے برا سمجھیں گے۔ دنیا میں اتنا رکھ لے جتنا تیری بقا کے لئے کافی ہو اور اپنی زائد آمدنی اپنی آخرت کے لئے خرچ کردے۔ دنیا کو بالکل مت ترک کر کہ دوسروں پر اپنا بوجھ ڈال دے اور ان کے لئے وبال بن جائے، روزہ رکھ مگر ایسا جس سے تو اپنی شہوت کا زور توڑ سکے، ایسا نہیں جس سے نماز میں خلل واقع ہو۔ اس لئے کہ نماز روزے سے افضل ہے۔ بیوقوف کے پاس مت بیٹھ اور نہ منافق سے میل جول رکھ۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت فرمائی۔ اے بیٹے! بلا تعجب مت ہنس اور بلا ضرورت مت پھر، اور جس چیز سے تجھے فائدہ نہ ہو اس کے بارے میں دریافت مت کر۔ اپنا مال کھو کر دوسروں کے مال کی حفاظت مت کر، تیرا مال وہ ہے جو تو نے آگے بھیج دیا ہے اور دوسروں کا مال وہ ہے جو باقی بچا ہے! اے بیٹے جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے جو خاموش رہتا ہے وہ سلامتی پاتا ہے، جو کلمہ خیر کہتا ہے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور جو کلمہ شر کہتا ہے وہ گناہ کماتا ہے، جو شخص اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا وہ نادم ہوتا ہے۔ ایک شخص نے ابوحازم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا، اگر کوئی کام ایسا ہو جس پر تجھے موت آجائے اور وہ اچھا معلوم ہو تو وہ کام ضرور کر، اگر کوئی کام ایسا کہ جس پر

تجھے موت آجائے اور وہ برا معلوم ہو تو اس سے اجتناب کر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے وصیت کی درخواست کی انہوں نے فرمایا، خندہ رو رہو، بہت زیادہ غصہ مت کیا کرو۔ ایسے بنو جس سے لوگ نفع اُٹھائیں، ایسے نہ بنو جس سے لوگ نقصان پائیں۔ جھگڑوں سے بچو، بلاضرورت مت پھرو، بلاتعجب مت ہنسو، جن سے قصور ہو گیا ہو انہیں ان کے قصور اور عیب کا طعنہ دے کر شرمندہ مت کرو بلکہ اے عمران کے بیٹے! اپنی خطاؤں پر نادم ہو اور ان پر آنسو بہاؤ۔ ایک شخص نے محمد ابن کرام سے نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا تمہیں اپنے خالق کی رضامندی کے لئے اس قدر کوشش کرنی چاہئے جس قدر تم اپنی نفس کو راضی رکھنے کے لئے کرتے ہو۔ ایک شخص نے حامد لفاف سے نصیحت کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا اپنے دین کے لئے ایک غلافہ بنالو جس طرح قرآن کریم کے لئے ایک غلافہ بنایا جاتا ہے تاکہ وہ گرد آلود نہ ہو، سائل نے عرض کیا دین کے غلاف سے آپ کی کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا دنیا کی طلب ترک کرنا الا یہ کہ جتنی ضرورت ہو، اسی طرح فضول کلام اور بلاضرورت لوگوں سے اختلاط ترک کرنا دین کا غلاف ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو ایک خط لکھا اس کا مضمون یہ تھا۔ ''جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو مال تمہارے پاس اس وقت موجود ہے اس میں سے آگے کے لئے کچھ لے لو، موت کے وقت تمہیں یقینی خبر ملے گی۔'' ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا اور درخواست کی کہ وہ کچھ ناصحانہ کلمات تحریر فرمائیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا۔'' سب سے زیادہ وحشتناک اور ہولناک مناظر عنقریب سامنے آنے والے ہیں، تمہیں انہیں دیکھنا ہوگا خواہ نجات کے ساتھ دیکھو یا بربادی کے ساتھ۔ یہ بات یاد رکھو کہ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ نفع اُٹھاتا ہے اور جو نفس سے غفلت برتتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے، جو انجام پر نظر رکھتا ہے وہ نجات پاتا ہے، جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے۔ جو بردباری اختیار کرتا ہے وہ نفع پاتا ہے جو

ڈرتا ہے وہ بچ جاتا ہے اور جو بچ جاتا ہے وہ عبرت پکڑتا ہے، جو عبرت پکڑتا ہے وہ صاحب بصیرت ہوتا ہے اور جو صاحب بصیرت ہوتا ہے وہ فہم رکھتا ہے اور جو فہم رکھتا ہے وہ علم بھی رکھتا ہے۔ اگر تم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس سے باز رہنے کی کوشش کرو۔ جب ندامت کرو تو اس گناہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دو۔ اگر تمہیں کوئی معلوم نہ ہو تو دریافت کرلو اور غصہ آجائے تو اپنے آپ پر قابو رکھو۔"

مطرف ابن عبداللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ایک خط تحریر کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "دنیا سزا کا گھر ہے اس کے لئے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہیں ہوتی، اس سے وہی فریب کھاتا ہے جو علم سے محروم ہوتا ہے۔ اے امیر المومنین! آپ اس میں اس طرح زندگی بسر کریں جس طرح کوئی زخمی اپنے زخم کا علاج کرتا ہے اور انجام کی خرابی کے خوف سے دوا کی شدت پر صبر کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی ابن ارطاط کو لکھا کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اس کے دشمنوں دونوں کی دشمن ہے، اس کے دوستوں کو رنج پہنچاتی ہے اور اس کے دشمنوں کو فریب دیتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ میں نے تمہیں عامل مقرر کیا ہے اس طرح تمہیں مخلوق خدا پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے لیکن جب تم کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ کرو تو یہ یاد رکھو کہ تم پر کسی کو قدرت حاصل ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ جو زیادتی کرے گا وہ ان سے زائل ہو جائے گی لیکن تم پر باقی رہ جائے گی اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا انتقام ضرور لے گا۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ مجمع عام میں وعظ اسی طرح ہونا چاہئے، جس سائل کا حال معلوم نہ ہو اس کو نصیحت کرنے کا اسلوب بھی یہی ہونا چاہئے۔ یہ مواعظ غذاؤں کی طرح ہیں جن سے فائدہ اُٹھانے میں تمام مخلوق شریک ہیں لیکن کیونکہ اس طرح کے مواعظ موجود نہیں ہیں۔ اس لئے وعظ کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ لوگوں پر معاصی غالب آچکے ہیں فساد پھیل گیا ہے اور مخلوق خدا ایسے واعظوں کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہیں جو مسجع اور مقفی

باتیں کرتے ہیں، وعظ کے دوران مخرب اخلاق اشعار سناتے ہیں اور ایسے علمی موضوعات پر زبان کھولتے ہیں جوان کی علمی پرواز سے بلند ہیں۔ بتکلف وعظ کی کوششیں کی جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عوام کی نظروں میں ان کا وقار گر چکا ہے، ان کا کلام سننے والوں کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود دل سے کلام نہیں کرتے، نہ دل سے نکلتا ہے اور نہ دل تک پہنچتا ہے۔ واعظ کہنے والے لاف وگزاف ہانکتے ہیں اور سننے والے ساف دلی سے نہیں سنتے، دونوں ہی راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

## گناہوں کا صبر سے علاج

ہم نے بتایا تھا کہ گناہ پر اصرار ایک سنگین مرض ہے اور اس کے علاج کے دو رکن ہیں۔ایک علم۔اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور دوسرا رکن صبر ہے۔جس طرح آدمی جسمانی امراض میں پہلے طبیب کو تلاش کرتا ہے اسی طرح روحانی امراض میں عالم کو تلاش کرنا چاہئے۔اس کے بعد علاج کا مرحلہ پیش آتا ہے، علاج کے دوران صبر اس لئے ضروری ہے کہ مضر غذاؤں کے استعمال سے طویل ہوجاتی ہے اور مریض یہ؟ غذائیں دو وجہ سے کھاتا ہے یا تو اس لئے کہ اسے ان غذاؤں کی مضرت کا علم نہیں پاتا یا اس لئے کھانے کی خواہش شدید ہوتی ہے۔اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے غفلت کا علاج کیا جاسکتا ہے اب رہا دوسرا سبب یعنی شدت شہوت تو اس کا علاج ہم نے کتاب ریاضۃ النفس میں بیان کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مریض کو کسی نقصان دہ چیز کی خواہش ہو تو یہ سوچے کہ اس کے کھانے سے کیا نقصان ہوسکتا ہے۔ پہلے اس نقصان کا تصور کرے، پھر وہ چیز اس کی نگاہوں سے دور کردی جائے اور کبھی نہ لائی جائے بلکہ وہ خواہش اس طرح پوری کرے کہ اسی سے ملتی جلتی کوئی چیز جس میں ضرر کم ہو استعمال کرے، پھر اسے ترک کردے اور خوف کی طاقت سے اس تکلیف پر صبر کرے جو من پسند چیز چھوڑنے کی وجہ سے ہونے والی ہے۔ بہر حال صبر کی تلخی ناگریز ہے۔اسی طرح معاصی میں شہوت کا علاج کیا جاسکتا

ہے مثلاً ایک نوجوان ہے جس پر شہوات غالب آچکی ہے اور اب وہ اپنی آنکھوں، اپنے دل اور اعضاء کو شہوت سے محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے اس گناہ کے نقصان کا تصور کرے اس طرح کے کتاب وسنت میں جو آیات روایات اس گناہ سے ڈرانے والی موجود ہیں ان کی تلاوت کرے، جب خوف شدید ہوجائے تو ان اسباب سے راہ فرار اختیار کرے جو شہوت میں ہیجان پیدا کرنے والی ہیں۔

یاد رکھیئے شہوت کے ہیجان کے دو سبب ہیں ایک خارجی دوسرا داخلی۔ خارجی سبب اس شخص کے سامنے موجود ہونا چاہئے جس کی خواہش ہو۔ اس سبب کا علاج یہ ہے کہ اس کے قریب نہ رہے، دور بھاگے اور تنہائی اختیار کرے۔ شہوات کا داخلی سبب لذیذ اور مقوی غذائیں کھانا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ بھوکا رہے یا مسلسل روزے رکھے لیکن یہ دونوں علاج صبر کے محتاج ہیں اور صبر کے لئے خوف ضروری ہے خوف علم کے بغیر نہیں ہوتا، علم زیادہ تر بصیرت وتامل سے ہوتا ہے، یوں سماع اور تقلید سے بھی علم میسر ہوسکتا ہے۔ ان تمام باتوں سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہو اور علماء کے مواعظ اس طرح سنے کہ دل تمام مشاغل سے خالی ہو، جو سنے اسے پوری طرح دل ودماغ میں اتارنے کی کوشش کرے اس تدبیر پر عمل کرنے سے انشاء اللہ خوف پیدا ہوگا اور جس قدر قوی ہوگا اسی قدر صبر پر اعانت ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق وتیسیر شامل ہوگی۔ جو شخص دل لگا کر سنے گا، اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، ثواب کا منتظر ہوگا اور اچھی باتوں کی تصدیق کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے عمل کرنے میں سہولت بخشے گا اور جو شخص سننے میں بخل کرے گا، لاپروائی برتے گا اور سچی باتوں کو جھٹلائے گا اللہ تعالیٰ اسے تنگی میں مبتلا کرے گا۔ اس وقت دنیا کی لذتیں کچھ کام نہ آئیں گی خواہ ہلاک ہو یا برباد ہو۔ انبیاء اکرام صرف ہدایت کا راستہ کھلاتے ہیں، فی الحقیقت دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے دنیا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے آخرت سے نوازتا ہے۔

یہاں ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ تم نے گزشتہ سطور میں جو تقریر کی ہے اس سے

پتہ چلتا ہے کہ ایمان ہی اصل ہے۔ تمہاری تقریر کی ابتدا یہاں سے ہوئی تھی کہ صبر کے بغیر گناہ ترک نہیں کئے جاسکتے اور صبر بغیر خوف کے ممکن نہیں، خوف علم سے پیدا ہوتا ہے اور علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی گناہوں کی ضرر کی تصدیق کرے اور گناہوں کے ضرر کی تصدیق کے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق جسے ایمان کہتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص گناہ پر اصرار کرتا ہے وہ ایمان سے محرومی کی بناء پر کرتا ہے حالانکہ بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی مومن کہتے ہیں۔ گناہ کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے محروم نہیں ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی گناہ پر ایمان سے محرومی کی بناء پر اصرار نہیں کرتا بلکہ ایمان سے کمزوری کی بناء پر کرتا ہے اس لئے ہر صاحب ایمان اس کی تصدیق کرتا ہے کہ معصیت اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے، اس کے باوجود وہ گناہ میں ملوث ہوجاتا ہے اس کی چند وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ گناہ پر جس عذاب کی وعید وارد ہے وہ نگاہوں سے اوجھل ہے، سامنے نہیں اور نفس فطرتاً موجود سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے موعودہ عذاب سے اس کا تاثر موجودہ عذاب کے تاثر کی نسبت ضعیف ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شہوات گناہوں پر آمادہ کرتی ہیں وہ دراصل نفسانی لذات ہیں۔ نقد ہیں اور ہر قدم آدمی کے ساتھ ہیں، عادت اور رجحان کی بناء پر مزید قوت اور غلبہ پاتی ہیں، عادت بجائے خود ایک طبیعت ہے۔ آئندہ کی تکلیف کے خوف سے حال کی لذت چھوڑنا نفس کے لئے نہایت دشوار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**کلابل تحبون العاجلة وتذرون الا خرة.** (پ:۲۹،۱۷،۱آیت:۲۰،۲۱)

ترجمہ: ''ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

**بل تؤ ثرون الحياة الد نيا** (پ:۳۰،۱۲آیت:۱۶)

ترجمہ: ''مگر اے منکرو تم آخرت کا سامان نہیں کرتے (بلکہ) تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے

ہو۔"

بلکہ سرکار دوعالم ﷺ کے ارشاد گرامی سے اس معاملے کی شدت کا احساس ہوتا ہے۔فرمایا:

**خفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات.** (بحوالہ بخاری ومسلم ابوھریرہؓ)

ترجمہ...... "جنت ناپسندیدہ چیزوں (سختیوں) سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ شہوتوں سے۔"

ایک حدیث میں ہے:

**ان الله خلق النار فقال لجبرئيل عليه السلام اذهب فانظر اليها فنظر اليها فقال وعزتک لا يسمع بها احد فلا يد خلها فحفهابالشهوات ثم قال اذهب فانظر اليها فنظر فقال وعزتک لا يسمع بها احد لا دخلها وخلق الجنة فقال جبرئيل عليه السلام اذهب فانظر اليها فنظر فقال وعزتک لا يسمع بها احد الا دخلها فحفها با لمكار ه ثم قال فاذهب فانظر اليها فقال وعزتک لقد خشيت ان لا يد خلها احد .**

(بحوالہ ابوداؤد وترمذی، حاکم ابوھریرہؓ)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے دوزخ پیدا فرمائی اور جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا جاؤ اسے دیکھو انہوں نے دوزخ دیکھی اور عرض کیا قسم ہے تیری عزت کی جو اس کا حال سنے گا وہ کبھی اس میں نہ جائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو شہوات سے گھیر دیا پھر حضرت جبرائیلؑ سے فرمایا جاؤ اسے جا کر دیکھو انہوں نے دیکھا اور عرض کیا قسم ہے تیری عزت کی جو اس بارے میں سنے گا وہ اس میں داخل ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ اس کے بعد جنت پیدا کی اور جبرائیلؑ کو اس کے دیکھنے کا حکم ہوا۔ جبرائیل نے جنت دیکھی اور عرض کیا قسم ہے تیری عزت کی جو اس کا حال سنے گا وہ ضرور اس میں جائے گا، پھر اسے سختیوں سے گھیر دیا اس کے بعد دیکھنے کا حکم ہوا انہوں نے اسے دیکھا اور عرض کیا تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اس

میں کوئی نہ جاسکے گا۔''

بہر حال شہوت کا فی الوقت موجود ہونا اور عذاب کا مؤخر ہونا، گناہوں پر اصرار کے واضح سبب ہیں۔ اگر چہ اصل ایمان اپنی جگہ باقی رہتا ہے لیکن صاحب ایمان گناہ نہیں چھوڑ پاتا۔ گناہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایمان کا منکر ہے یا گناہوں کی مضرت کا یقین نہیں رکھتا مثلاً ایک شخص بحالت مرض پیاس کی شدت سے مغلوب ہوکر برف کا پانی پیتا ہے، کیا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اصل طب کا منکر ہے یا اس کی بات کا یقین نہیں رکھتا ہے کہ برف اس کے حق میں مضر ہے۔ نہ وہ طب کا منکر ہے اور نہ اس کی مضرت سے ناواقف ہے لیکن اس پر شہوت غالب ہے اور صبر کرنے کی جو تکلیف ہوگی وہ سامنے موجود ہے۔ اس لئے آئندہ کی تکلف یا نقصان کا دھیان نہیں ہے یا وہ آسان معلوم ہوتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عام طور پر گنہگار مومن توبہ کا عزم اور حسنات کے ذریعے سیئات کی تکفیر کا عزم رکھتے ہیں کیونکہ اس سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ توبہ اور حسنات سے گناہوں کے نقصان کی تلافی ہوجاتی ہے لیکن طبیعتوں پر طول امل کا غلبہ ہے ہے اس لئے توبہ وتکفیر کے باب میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بندہ مومن ایمان کی موجودگی میں توبہ کی امید پر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہر مومن کو یقین اور اعتقاد ہے کہ گناہوں کی پاداش میں جو عذاب دیا جائے گا وہ ایسا نہیں جو معاف نہ ہوسکے اس لئے وہ گناہ کرتا ہے اور معافی کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر آس لگائے بیٹھا رہتا ہے۔

یہ وہ چار اسباب ہیں جن کی بناء پر گنہگار اصل ایمان کی موجودگی میں اصرار کرتا ہے۔ وہاں ایک وجہ اور ہوسکتی ہے لیکن اس سے اصل ایمان مجروح ہوجاتا ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص انبیاء اکرامؑ کی صداقت میں شکر کرتا ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ عقوب کے بارے میں جو کچھ انبیاء فرماتے ہیں وہ حق ہے۔ یہ شک کفر ہے، یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی مریض سے کہے کہ فلاں چیز مت کھانا کیونکہ یہ مضر ہے اگر مریض اس طبیب کا معتقد

نہیں اور یہ سمجھتا ہے کہ اسے طب کی ابجد بھی نہیں آتی تو وہ اس کی تنبیہ کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کی تکذیب کرتا ہے، اسی کا نام کفر ہے۔

## مذکورہ اسباب کا علاج

بہرحال یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے آدمی گناہ پر اصرار کرتا ہے۔ اب ان تمام اسباب کا علاج بیان کیا جاتا ہے۔

پہلے سبب یعنی ''عذاب نظروں کے سامنے نہیں ہے'' کا علاج یہ سوچنا ہے کہ جو چیز آنے والی ہے، آکر رہے گی اور یہ کہ کل آنے میں زیادہ دور نہیں ہے بلکہ دیکھنے والے کے لئے بہت قریب ہے نیز موت آدمی سے اتنی قریب ہے جس قدر جوتے کا تسمہ، کیا معلوم قیامت قریب ہو اور بس دوچار لمحے میں واقع ہونے والی ہو۔ یہ بھی سوچے کہ آدمی فطرتاً مستقبل کی خوشحالی کے لئے حال میں محنت ومشقت کرتا ہے اور تکلیفیں اٹھاتا ہے مثلاً سمندروں کا سفر کرتا ہے، صحراؤں کی خاک چھانتا ہے اس امید پر کہ ان اسفا کے ذریعہ جو نفع حاصل ہوگا وہ آنے والی زندگی میں کام آئے گا۔ یہی نفع بلکہ اگر بیمار پڑ جائے اور کوئی نصرانی (غیر مسلم) طبیب اسے یہ خبر دے کہ ٹھنڈا پانی تیرے لئے سخت مضرت کا باعث ہے یہ تجھے موت سے ہم کنار کرسکتا ہے۔ حالانکہ ٹھنڈا پانی اس کے لئے انتہائی لذیذ شے ہے لیکن وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتا جب کہ موت کی تکلیف ایک لمحہ کی بشرطیکہ مابعد الموت کی زندگی کا خوف نہ ہو اور دنیا سے جدائی کی تکلیف نہ ہو۔ غور وفکر کا مقام ہے کہ آدمی ایک نصرانی کے کہنے سے لذت ترک کردیتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ طبیب ہو لیکن اس کی مہارت طب پر کوئی معجزہ تو قائم نہیں ہے جب کہ انبیاء کی حقانیت پر معجزات بھی قائم ہیں۔ وہ دل میں یہ سوچے کہ میں ایک غیر مسلم کی بات تو مان سکتا ہوں لیکن پیغمبروں کی خبر کا یقین نہیں کرتا۔ کس قدر عجیب بات ہے۔ کیا میں یہ بات سمجھتا ہوں کہ دوزخ کا عذاب میرے لئے مرض کی تکلیف یا موت کی مشقت سے ہلکا ہوگا جب کہ انبیاء صادقین یہ خبر دیتے ہیں کہ

آخرت کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار دنوں کے برابر ہوگا۔

دوسرے سبب کا علاج بھی اسی طرح ہوسکتا ہے۔ اگر گناہ پر اصرار لذت کا غلبہ ہو تو اسے زبردستی ترک کرے اور یہ سوچے کہ جب میں اس چند روز زندگی میں یہ لذت ترک نہیں کرسکتا تو پھر ابدالاباد کی لذت مجھ سے کیسے چھٹے گی، اگر مجھ سے یہ چند روز کی تکلیف برداشت نہیں ہوسکتی اور میں اس معمولی مشقت پر صبر نہیں کرسکتا تو دوزخ کی تکلیف کس طرح برداشت کروں گا نیز جب میں دنیا کی نعمتوں پر صبر نہیں کرسکتا جو کدورتوں سے لبریز ہوتی ہے میں آخرت کی پاکیزہ اور صاف وشفاف نعمتوں پر کیسے صبر کرسکوں گا۔

تیسرے سبب یعنی قبولیت توبہ کی امید میں توبہ سے ٹال مٹول کرنے کے علاج کے لئے اس طرح سوچے کہ اکثر دوزخیوں کی چیخ وپکار کا سبب یہی تاخیر ہوگی کیونکہ وہ گناہ سے توبہ کرنے میں تاخیر کریں گے اور یہ تاخیر موت پر جاکر منتہی ہوگی، اس کے بعد توبہ کا وقت نہیں رہے گا۔ دراصل ٹالنے والا اپنے کام کی بنیاد ایسے امر پر رکھتا ہے جو اس کو اختیار میں نہیں ہے یعنی آئندہ زندگی پر اور یہ کہتا ہے میں زندہ رہوں گا اور توبہ کرلوں گا لیکن کیا اسے یقین سے معلوم ہے کہ وہ زندہ رہے گا ہوسکتا ہے توبہ سے پہلے مرجائے اور اگر زندہ بھی رہا تو کسے معلوم کہ وہ گناہ ترک کردے گا، جس طرح وہ اس وقت گناہ ترک کرنے پر قادر نہیں ہے، ہوسکتا ہے آئندہ بھی نہ رہے کیونکہ ترک نہ کرنے کا جو سبب آج موجود ہے وہ آئندہ بھی ہوگا یہ بھی ممکن ہے وہ سب مسلسل عمل کرنے اور عادی ہونے کی وجہ سے اور پختہ ہوجائے جسے عادت نہیں ہوتی وہ اگر کوئی کام چھوڑنا چاہے تو چھوڑ سکتا ہے لیکن جسے عادت ہوتی ہے وہ خواہش کے باوجود نہیں چھوڑ پاتا۔ ہم رات دن اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، ٹالنے والوں کی ہلاکت کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ ایک ہی طرح کی دو چیزوں میں فرق سمجھتے ہیں، جیسے آج شب وروز میں آئندہ بھی ہونگے۔ جب وہ آج گناہ کے ترک میں قابو نہیں ہیں تو آئندہ یہ قدرت انہیں کیسے حاصل ہوگی۔ ٹالنے والے کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص درخت اکھاڑ کر پھینکنا چاہے لیکن ہو مضبوط ہو اور آسانی سے اکھاڑا نہ جاسکے تو

یہ سوچ کر چھوڑ دے کہ آئندہ سال کوشش کروں گا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ درخت جتنی دیر زمین میں رہتا ہے اس کی جڑیں اتنی وسیع اور مضبوط ہوتی ہیں اور اس پر جتنے ماہ سال گزرتے ہیں قویٰ میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوسکتی ہے جب وہ اپنی طاقت کے باوجود ایک نسبتاً کمزور درخت اکھاڑنے سے عاجز ہے تو وہ اپنے ضعف کی حالت میں ایک مضبوط درخت کیسے اکھاڑ سکتا ہے۔

چوتھی وجہ یعنی اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم کے منتظر رہنے کا علاج وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنا تمام مال ومتاع خیرات کردے، اپنے اہل عیال کو تنگ دست بنا دے اور منتظر رہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے رزق بھیجے گا اور کسی بنجر زمین کے سینے سے خزانہ ہاتھ لگ جائے گا۔ گناہ کی بخشش کا امکان ایسا ہی ہے جیسے خزانہ پانے کا امکان یا اس شخص کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص اس شہر میں جہاں دن دھاڑے خزانہ لوٹ لیا جاتا ہے اپنا سامان صحن میں ڈال دے اور یہ کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ ہے۔ وہ میرے سامان کی حفاظت کرے گا، حالانکہ خود اسے اپنے سامان کو محفوظ جگہ رکھنے کی قدرت حاصل ہے۔ ان مثالوں میں خزانے کا دستیاب ہوجانا اور مال کا لٹیروں سے بچ جانا ناممکن ہے اور بعض اوقات ایسا ہو بھی گیا ہے لیکن جو شخص محض اسی بھروسے پر کمانا چھوڑ دے یا مال کو لاپرواہی سے ڈال دے وہ بڑا احمق ہے۔ اسی طرح گناہ کی بخشش ممکن ہے لیکن بخشش کی توقع پر گناہ کئے جانا اور توبہ نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ پانچوی وجہ انبیاء کرام نے صداقت میں شک کرنے علاج وہ اسباب ہیں جن سے انباء کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ اسباب اگرچہ طویل ہیں لیکن ان کا ذکر مفید ہے اور عقل سے قریب لوگوں کا ان سے علاج ہوسکتا ہے مثال کے طور پر اس شک رکھنے والے انسان سے یہ کہا جائے کہ انبیاء اکرامؑ نے جن سے معجزات صادر ہوتے ہیں اور جو ان کے حق ہونے کی دلیل ہیں یہ خبر بھی ہے کہ ایک عالم آخرت ہے جو اس عالم سے الگ ہے اور موت کے بعد آدمی اس عالم سے متعلق ہوجاتا ہے کیا تو اس خبر کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے؟ یا تیرے خیال میں یہ اسی

طرح محال ہے جس طرح ایک آدمی کا بیک وقت دوجگہ ہونا محال ہے؟ اگر وہ یہ کہے کہ میں اسے محال سمجھتا ہوں تو اسے بحث کرنا بیکار ہے ایسے شخص کا حال عقل سے محروم دیوانے کا سا ہے، جس طرح ان مسائل میں دیوانے کو مخاطب نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح اسے بھی مخاطب نہ بنانا چاہئے۔ البتہ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے شک ہے تو اس سے یہ پوچھا جائے کہ اگر تجھے ایک اجنبی شخص یہ خبر دے کہ جب تو اپنے گھر میں کھانا چھوڑ کر باہر گیا تھا تو ایک سانپ نے تیرے کھانے میں منہ ڈال دیا تھا اور اپنا زہر ملا دیا تھا، اگر اس کی صداقت کا امکان ہو تو کیا تو یہ کھانا کھائے گا یا چھوڑ دے گا، اگرچہ وہ کھانا لذیذ ترین کھانا ہی کیوں نہ ہو۔ یقیناً وہ اس کے جواب میں کہے گا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس لئے کہ میں یہ کہوں گا اگر وہ شخص جھوٹ بول رہا ہے تب بھی ازارہ احتیاط مجھے یہ کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ اس صورت میں یہ کہہ سکتا ہے کہ لذیذ کھانا ضائع ہو جائے لیکن اگر وہ سچ کہتا ہے تو یہ کھانا میرے لئے ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اب اس سے کہا جائے کہ تو ایک مجہول اجنبی کا کہنا مانتا ہے اور اس کی خبر پر یقین کر کے کھانا ضائع کر دیتا ہے جبکہ اس کے پاس نہ دلیل ہے، نہ ثبوت ہے، پھر یہ گمان موجود ہے کہ اس نے حسد میں کہہ دیا ہو یا پریشان کرنے کے خاطر کہا ہو۔ دوسری طرف انبیاء اکرامؑ کے اقوال ہیں جنہیں معجزات کی تائید حاصل ہے۔ اولیاء، علماء، حکماء اور عقلاء، کا اجتماع ہے مگر تو نہ انبیاء کا قول مانتا ہے اور نہ اان کی خبر تسلیم کرتا ہے، جاہل عوام زیر بحث نہیں ہے، عقل مندوں نے اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو تو بتلاؤ جو یوم آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو اور ثواب وعذاب کا قائل نہ ہو۔ کیفیت میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن وجود پر تمام اہل عقل کا اتفاق ہے۔ اگر ان کی خبر سچ ہے تو ایک ایسے عذاب کے قریب پہنچ چکا ہے جو ہمیشہ ہمشہ رہنے والا ہے اور اگر جھوٹ بول رہے ہیں تب بھی تیرا کوئی خاص نقصان نہیں ہے، صرف اتنا نقصان ہے کہ دنیا کی چند لذتیں تجھے حاصل نہ ہو سکیں گی اگر مخاطب میں تھوڑی سی بھی عقل ہے تو وہ اس تقریر کے بعد توبہ میں ذرا توقف نہ کرے گا اس لئے کہ دنیا کی زندگی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو ابد الاباد کی زندگی کے برابر نہیں ہو

سکتی۔اگر ہم دنیا کو غلے کے دانوں سے بھرا ہوا تصور کریں اور یہ فرض کریں کہ ایک پرندہ دس لاکھ سال بعد ایک دانہ اٹھائے اور ٹھہر جائے، پھر دس لاکھ سال بعد ایک دانہ اٹھائے اور ٹھہر جائے، اس صورت میں دانے ختم ہو جائیں گے لیکن ابدالاباد میں کمی نہ آئے گی، اس لئے عقل رکھنے والا انسان دنیا کی چند روزہ زندگی میں شہوات سے صبر کر کے ابدالاباد کی سعادت حاصل کرنے میں سستی کیسے کرے گا۔ابوالعلاء مصری کہتا ہے:۔

قال المنجم والطبيب كلاهما

لاتبعث الاموات قلت اليكما

ان صح قولكما فلست بخاسرٍ

اوصح قولي فالخسار عليكما

ترجمہ: ''نجومی اور طبیب دونوں نے کہا مردے زندہ نہیں کئے جائیں گے، میں نے کہا کہ اگر تمہارا قول درست ہے تو پھر میں نقصان میں نہیں ہوں اور اگر میرا قول صحیح ہے تو پھر تم سراسر نقصان میں ہو''۔

اسی لئے حضرت علیؓ نے اس شخص سے جس کی عقل اس طرح کے امور کی تحقیق اور فہم سے قاصر تھی فرمایا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو میں اور تو دونوں بچ جائیں گے اور اگر میں سچ کہتا ہوں تو تو ہلاک ہو جائے گا اور میں نجات پاؤں گا بہر حال عقل مند انسان کو تمام حالات میں امن اور احتیاط کی راہ چلنی چاہئے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ امور نہایت واضح اور معمولی غور وفکر سے سمجھ میں آ جاتے ہیں۔لیکن لوگوں کے دلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے اس طرح کے امور میں غور وفکر کرنا چھوڑ دیا اور اسے گراں سمجھنے لگے، اسی قلوب کا علاج کیسے ہو؟ اور انہیں کس طرح فکر کے راستے پر ڈالا جائے؟ خاص طور پر ان لوگوں کو جو اصل شریعت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اس فکر کی مانع دو باتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ آخرت کے عذاب، اس کی ہولناکیوں، سختیوں اور جنات نعیم سے محرومی پر گنہگاروں کے حسرتوں

کا تصور انتہائی تکلیف دہ اور المناک تصور ہے، قلب اس طرح کے تصورات سے نفرت کرتا ہے بلکہ اس کی دل چسپی کا سامان دنیا کی لذتوں میں ہے، یہاں کے عیش و آرام اور راحت وعشرت کے بارے میں فکر کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ فکر دنیاوی لذات کے حصول اور شہوات نفسانی کی تکمیل کے لئے مانع شغل ہیں، کوئی انسان ایسا نہیں جس پر ہر لمحہ کوئی نہ کوئی شہوت مسلط نہ رہتی ہو، اس لئے عموماً آدمی کا تمام تر وقت شہوات کی تکمیل کرنے کی تدبیر میں صرف ہوتا ہے۔ اس کی عقل شہوت کی اسیر ہوتی ہے اور وہ اسی کے تصور یا اس کی تکمیل کے حیلے ہی میں لذت پاتا ہے، آخرت کے عذاب کی فکر کرنا اس لذت کے لئے مانع ہیں۔

ان دونوں مانع امروں کا علاج یہ ہے کہ اپنے دل کو سمجھائے اور اس سے پوچھے کہ جب تو نے موت اور مابعد الموت کے واقعات میں فکر نہیں کر سکتا اور تجھے آخرت کے عذاب کے تصور ہی سے تکلیف ہوتی ہے اس وقت کا عالم کیا ہوگا جب موت اچانک آئے گی اور پھر وہ عذاب جس کے تصور سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے واقع ہوگا، اس وقت تو صبر بھی نہ کر سکے گا۔

دوسری فکر کا علاج اس طرح ہوسکتا ہے کہ دل کو سمجھائے کہ تجھے دنیا کی لذتیں جانے کا افسوس نہ کرنا چاہئے، آخرت کی لذت دنیا کی لذتوں سے زیادہ اہم اور بڑی ہیں اور اتنی ہیں کہ ان کی انتہا نہیں ہے ان میں کسی طرح کی کدورت بھی نہیں ہے جب کہ دنیا کی لذتیں جلد فنا ہو جانے والی ہیں اور ان کی کدورتوں کی آمیزش بھی ہے دنیا کی کوئی لذت ایسی نہیں ہے جو کدورت سے خالی ہوتا ہم گناہوں سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اس کی مناجات میں مشغول ہونے میں جو لذت ہے اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و معرفت میں جو راحت ہے وہ کسی کام میں نہیں۔ اگر مطیع کو اس لذت، حلاوت اور راحت کے علاوہ کوئی اور جزا نہ ملتی تب بھی کافی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ بھی دوسری نعمتیں دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ کس قدر بے وقوف ہیں وہ لوگ جو فانی

لذتوں کے پیچھے دائمی نعمتیں چھوڑتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ لذت وحلاوت توبہ کی ابتداء میں حاصل نہیں ہوتی لیکن جب آدمی توبہ پر کچھ عرصہ صبر کر لیتا ہے اور خیر اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتا ہے تب وہ لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح شر آدمی کا مزاج بن جاتا ہے، اسی طرح خیر کی بھی عادت ہو جاتی ہے اور آدمی کو خیر کے کاموں میں لذت ملنے لگتی ہے۔ یہ افکار خوف کے لئے محرک ہیں اور انسان کے اندر لذت سے صبر کرنے کی قوت پیدا کرتے ہیں لیکن خود افکار کو واعظوں کے مواعظ اور تنبیہی بیانات سے تحریک ملتی ہے جب یہ افکار طبیعت کے موافق کہتے ہیں تو کل ان کی طرف مائل ہوتا ہے اس سبب کو جو طبع اور فکر کے درمیان موافقت پیدا کرتا ہے توفیق کہتے ہیں۔ توفیق اس موافقت کا نام ہے جو ارادے اور اطاعت کے درمیان ہوتی ہے۔

ایک طویل حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ عمار ابن یاسرؓ نے کھڑے ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں عرض کیا۔ اے امیر المومنین! یہ بتلائیں کہ کفر کس چیز پر بنی ہے؟ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کفر کے عمارت چار ستونوں پر قائم ہے۔ جفا، اندھا پن، غفلت، اور شک۔ جو جفا کرے گا وہ حق کو حقیر جانے گا، باطل کا بول بالا کرے گا اور علماء کو برا بھلا کہے گا، جو نابینا ہوگا وہ ذکر بھول جائے گا۔ جو غفلت کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا اور جو شک کرے گا اسے اس کی آرزوئیں فریب دیں گی، حسرت وندامت اس پر چھا جائے گا جس کا اسے گمان بھی نہیں ہے فکر سے غفلت کی یہ چند آفتیں ہیں جو ذکر کی گئیں۔ (بحوالہ جستہ جستہ از احیاء العلوم جلد چہارم)

# گناہوں کے مٹانے والے اذکار اور دعائیں

اس باب میں احادیث طیبہ کے حوالے سے چند ایسے اذکار اور دعاؤں کا انتخاب کیا گیا ہے جو مختلف گناہوں کے لئے کفارہ بنتے ہیں اور ان سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

## فضول باتوں کا کفارہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

**سبحان اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک.**

''یہ دعا جو آدمی بھی مجلس ذکر میں پڑھے گا تو اس کو ذکر کرنے کے لئے یہ دعا مہر کی طرح ہے اور اگر کسی ایسی مجلس میں پڑھے جس میں فضول باتیں کی ہیں تو یہ دعا اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور باعث بخشش ہوگی۔''

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں اسی دعا کے بارے میں ارشاد ہے۔

جو آدمی کسی ایسی مجلس میں شریک ہو جس میں فضول باتیں زیادہ ہوئی ہوں، اگر مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کلمات کہہ لے تو اس کے مجلس میں کئے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ

نبی کریم ﷺ جب بھی کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو یہی کلمات ادا فرماتے۔ ایک صحابی نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پہلے تو یہ کلمات ادا نہیں فرماتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مجلس کا کفارہ ہے۔

## اہل وعیال اور نشست برخاست میں فتنے کا کفارہ

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

انسان سے اہل، مال اور اولاد نفس اور پڑوسی کے بارے میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں ان کے لئے روزہ، نماز، صدقہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کفارہ بنتے ہیں۔

(متفق علیہ)

## سورۃ الملک کی تلاوت

سورۃ الملک اُن اذکار میں سے ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ بنتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

''قرآن کریم میں تیس آیات کی ایک سورت ہے جو پڑھنے والے کے لئے اللہ کے دربار میں شفاعت کرتی ہے، یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے۔اور وہ سورۃ ''تبارک الذی''(سورۃ الملک) ہے۔''

چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مردے نے زندہ ہوکر سورۃ الملک کو اپنا پہرے دار بنایا۔ ایک دوسرے واقعہ میں جو کئی محدثین نے اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ دورِ نبویؐ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کسی سفر کے دوران ایک قبر پر خیمہ لگایا معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے مگر رات بھر انہوں نے جاگ کر گزاری کیونکہ قبر کا مردہ پوری رات سورۃ الملک کی تلاوت کرتا رہا، پھر نبی کریم ﷺ کو یہ واقعہ گوش گزار کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ الملک کا پڑھنا قبر کے عذاب سے نجات دیتا ہے۔ (بحوالہ ترمذی، من عاشق بعد الموت)

## بیماری میں ذکر کرنا

بیماری سے تو خود گناہ معاف ہوتے ہیں، لیکن اس میں ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کو اور زیادہ محبوب ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

جو مومن شخص بیماری میں **لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین**. چالیس دن تک پڑھے اور اس مرض میں انتقال کر جائے تو اس کو شہید کے برابر اجر دیا جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے صحت دے دی تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بحوالہ احمد، حاکم)

## سونے سے پہلے ذکر کرنا

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جو بھی آدمی سونے کے لئے بستر پر آتے ہوئے یہ دعا پڑھے لے۔

**لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الحمد وھوعلی کل شئی قدیر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ.**

ایک اورروایت میں **سبحان اللّٰہ وبحمدہ ولاالٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر.** ہے۔تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔ (بحوالہ سنن نسائی حدیث ۸۱۱)

## جاگنے کے بعد ذکر کرنا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جو شخص رات کو نیند سے بیدار ہو جائے اور یہ دعا پڑھے۔

**لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ،لہ الملک ولہ الحمد وھوعلی کل شئی قدیر. الحمدللّٰہ وسبحان اللّٰہ ولاالٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الاباللّٰہ.**

پھر کہے **اغفرلی** یا جو بھی دعا مانگے وہ قبول ہوگی۔اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہو جائے گی۔ (بحوالہ بخاری شریف)

## نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا

درود شریف کا اذکار میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے اور منجملہ یہ بھی ان اذکار میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتے ہیں۔اور اس کے دس گناہ معاف کرتے ہیں اور دس درجات بلند فرماتے ہیں۔''

(بحوالہ مسند احمد)

ایک روایت میں ہے کہ ''میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور فرمایا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے، دس گناہ معاف فرمائیں گے اور دس درجات بلند کریں گے اور اتنی ہی رحمتیں نازل کریں گے۔'' (بحوالہ مسند احمد)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب چوتھائی رات گزر گئی تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، عنقریب ایک صور پھونکا جائے گا اس کے بعد دوسرا پھونکا جائیگا۔ موت اپنی سختیوں سمیت آنے والی ہے، موت اپنی سختیوں سمیت آنے والی ہے۔ تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں درود شریف زیادہ پڑھتا ہوں، آپ بتائیں میں کتنا درود پڑھا کروں؟

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو، عرض کیا ذکر کا چوتھائی حصہ کافی ہے؟ فرمایا، جتنا تم چاہو لیکن اگر زیادہ پڑھو تو اور بھی اچھا ہے، عرض کیا آدھا حصہ کافی ہے؟ فرمایا، جتنا تم چاہو لیکن اگر زیادہ پڑھو تو اور بھی بہتر ہے، عرض کیا کہ میں پورے ذکر کی جگہ صرف درود پڑھا کروں گا یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تو تمہارے تمام غموں کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا اور تمہارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔'' (بحوالہ مسند امام احمد)

## گناہوں کا کفارہ بننے والے نیک اعمال

ایسے کئی نیک اعمال ہیں جو گناہوں کی معافی کا سبب بنتے ہیں۔ علماء کرام ایسے اعمال کو ''مکفرات الذنوب'' کہا کرتے ہیں، جیسے اس سے پہلے ان عادات اور خصائل کا ذکر ہوا تھا۔ جو ''مکفرات الذنوب'' بنتے ہیں، اب یہاں پر چند نیک اعمال کا تذکرہ کرتے ہیں جو ''مکفرات'' بنتے ہیں۔

## وضو کرنا

احادیث میں وضو کے بہت فضائل ذکر ہوئے ہیں منجملہ ان میں گناہوں کی معافی بھی ہے، جیسے حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''جس نے اچھی طرح وضو کیا، اس کے جسم سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ جھڑتے ہیں۔'' (بحوالہ مسلم صفحہ ۱/۳۱۵)

## مسجد کی طرف نماز کے لئے جانا

صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

''جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں دوگنا اجر رکھتا ہے اور بازار میں پڑھنے کے مقابلے میں پچیس درجے زیادہ اجر رکھتا ہے یہ اس لئے کہ آدمی جب اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد کی طرف نماز کے لئے نکلتا ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے، جب یہ نماز پڑھتا ہے اجر بڑھتا ہے اور جب تک مسجد میں ہوتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ اس پر رحم فرما اور جب تک یہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے نماز پڑھنے کے حکم میں شمار ہوتا ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ فرشتے دعا کرتے ہیں کہ

''اے اللہ اس کی بخشش فرما اور اس کی توبہ قبول فرما۔'' اس طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے ''جو شخص مسجد کی طرف چلنا شروع ہوتا ہے تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ آتے ہوئے اور جاتے ہوئے ایک ہی حکم ہے۔''

(بحوالہ مسند احمد)

## فرض نماز

فرض نماز کی پابندی سے بھی انسان گناہوں سے بالکل پاک ہوجاتا ہے، ایک حدیث میں اس کی ایک عجیب مثال بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو اور وہ اس سے روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو بتلاؤ کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کوئی میل نہیں رہے گی، فرمایا، اسی طرح پانچ نمازیں ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے پر سے گناہ صاف فرما دیتے ہیں۔ (بحوالہ بخاری شریف)

## جمعہ کی نماز

نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ ''پانچ نمازوں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک کے وقت کے گناہوں کے لئے کفارہ بنتا ہے، جب تک کہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کر لے۔''

## امام کے پیچھے آمین کہنا

جماعت کے ساتھ جو بھی نماز پڑھتا ہے تو وہ امام کے پیچھے آمین کہتا ہے اس آمین کے بہت فضائل آئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''جب امام **غیر المغضوب علیھم** کہے تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے اس کے کئے ہوئے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔'' (بحوالہ بخاری، مسلم)

## رکوع اور سجدہ میں اور ان کے بعد دعا کرنا

اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز میں جھکنا زمین پر سر ٹکانا اور دعا کرنا بھی باعثِ مغفرت ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ایک رکوع یا سجدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتے ہیں اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتے ہیں۔'' (بحوالہ مسند احمد)

ایک اور ارشاد ہے۔

''جب امام **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کہے تو تم **اللّٰھم ربنا لک الحمد** کہو

اس لئے کہ جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہوگیا اس کے اگلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

''زیادہ نمازیں پڑھا کرو، تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جو بھی سجدہ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمہارا ایک درجہ بلند کریں گے اور ایک گناہ کم کردیں گے۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

## شب قدر میں عبادت کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے ذمے اجر شمار کرتے ہوئے عبادت کرے اس کے کئے ہوئے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

(بحوالہ بخاری حدیث ٣٥)

## تہجد کی نماز

تہجد کی نماز کے بڑے فضائل آئے ہیں اور یہ بخشش ومغفرت کا ایک بڑا سبب ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''رات کو تہجد کی نماز پڑھا کرو یہ پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ اور رب کی قربت کا ذریعہ ہے اور اسی طرح گناہوں کو معاف کرنے، برائیوں سے روکنے اور جسم سے بیماریوں کو دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

جب کوئی شخص رات کو نیند سے بیدار ہوتا ہے پھر اپنے گھر لوگوں کو جگاتا ہے اور اگر بیوی پر نیند غالب ہو تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے، پھر دونوں اٹھتے ہیں اور رات کے کچھ حصے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

(بحوالہ ابوداؤد شریف)

## چاشت کی نماز

چاشت کی نماز کے بہت سے فضائل منقول ہیں، چنانچہ جب سورج روشن ہو جائے تو اس وقت زوال سے پہلے پہلے چاشت کا وقت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

جو شخص بھی چاشت کی دو رکعت نماز کی پابندی کرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (بحوالہ ترمذی شریف) (مسند عبد بن حمید ۲۶۲)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

جو کوئی شخص فجر کی نماز پڑھنے کے بعد نماز کی جگہ پر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ چاشت کی نماز بھی پڑھی اور بھلائی کے سوا کوئی بات نہ کی۔ اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (بحوالہ مسند احمد، ابوداؤد)

## صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح کے فضائل احادیث میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''چچا جان کیا میں آپ کو دس باتوں کا ایک عطیہ نہ دوں کہ اگر آپ اس پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، نئے پرانے، عمداً، چھوٹے بڑے اور ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہ معاف کر دے، پھر فرمایا وہ یہ ہیں۔

آپ چار رکعت نماز کی نیت باندھ لیں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورت پڑھیں، پھر پہلی رکعت میں جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے ہو کر پندرہ مرتبہ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر پڑھیں، اور رکوع کریں، اس میں دس مرتبہ یہی کلمات پڑھیں، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں دس مرتبہ یہی کلمات پڑھیں، پھر سجدہ کریں اور سجدہ میں دس مرتبہ یہی کلمات پڑھیں، پھر سجدہ سے اٹھ کر

جلسہ میں دس مرتبہ یہی کلمات پڑھیں، پھر سجدہ کریں اور سجدہ میں دس مرتبہ یہی کلمات دہرائیں، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھے بیٹھے دس مرتبہ یہی کلمات دہرائیں۔

یہ مجموعہ ایک رکعت میں کل پچھتر مرتبہ ہوگیا اور اسی طرح چاروں رکعتوں میں کریں، اگر ہوسکے تو یہ نماز روزانہ پڑھیں، ورنہ ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھیں ورنہ مہینے میں ایک مرتبہ پڑھیں ورنہ سال میں ایک مرتبہ پڑھیں ورنہ عمر میں ایک مرتبہ تو ضرور پڑھ لیں۔

(بحوالہ ابوداؤد، حدیث ۱۲۹۷) (ابن ماجہ، حدیث ۱۳۸۷)

## وضو کے بعد دو رکعت پڑھنا

وضو کے بعد دو رکعت ''تحیۃ الوضو'' پڑھنا باعث ثواب و مغفرت ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی اور دل اور چہرے سے رب کی طرف متوجہ رہا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

(بحوالہ سنن نسائی)

## صلوٰۃ التوبہ

جب کوئی شخص گناہ کر بیٹھے پھر اس گناہ پر نادم ہو اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے اس کو صلوٰۃ التوبہ کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جب کوئی گناہ کر بیٹھے پھر اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ اس کی مغفرت کردیتا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

والذین اذا فعلوا فاحشة أوظلموا أنفسهم ذکرو اللّٰه فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الااللّٰه ولم یصِرُّوا علیٰ مافعلُوا وهم یعلمون اولٰئک جزائُهم مغفرةٌ من ربهم وجنّٰت تجری من تحتها الانهٰر خالدین فیها ونعم أجر العاملین. (سورۃ آل عمران)

''جو لوگ بے حیائی کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں، اور اللہ کے علاوہ کون گناہوں کی مغفرت کرسکتا ہے اور اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے اس حال میں کہ وہ جانتے ہوں ان لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔''

## جمعہ کی نماز اور اعمال

جمعہ کے دن مومنین کے جو اعمال و عادات ہیں وہ بھی باعث مغفرت ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس موجود ہو اور صاف ستھرے کپڑے پہنے، پھر گھر سے نکلا حتیٰ کہ مسجد میں داخل ہو گیا اور کچھ نوافل پڑھے اور کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی، پھر خاموش بیٹھا رہا حتیٰ کہ جمعہ کی نماز پڑھ لی تو اس کا یہ عمل آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بنے گا۔ (بحوالہ مسند احمد)

## زکوٰۃ ادا کرنا

فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرتے ہیں۔ قبیلہ بنو تمیم کا آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! میں کھاتا پیتا آدمی ہوں میرے اہل و عیال بھی بہت ہیں اور جانور اور اناج بھی بہت ہے، آپ بتائیں میں کیا کروں اور کیسے خرچ کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، زکوٰۃ ادا کیا کر، یہ تمہیں گناہوں سے پاک صاف کردے گی، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، مسکین، پڑوسی اور سائل کا حق پہچانو۔

(بحوالہ مسند احمد امام احمد)

# گناہوں کے معاف کرانے والے اسباب

## تقویٰ اختیار کرنا

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ جب انسان تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان کے گناہ معاف کر دیتے۔'' (سورۃ المائدہ: آیت ۶۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو وہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور تمہارے گناہ دور کر دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (سورۃ الانفال: آیت ۲۹)

سورۃ تغابن میں ارشادِ گرامی ہے ''جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ اس کے گناہ دور کر دے گا۔'' (آیت نمبر ۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی بات کہو وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔'' (سورۃ احزاب: آیت ۷۱)

اس کے علاوہ مزید کئی آیات اور احادیث ہیں جن میں تقویٰ کو گناہ مٹانے کا سبب بتایا گیا ہے۔

## احکامِ الٰہی کی پیروی کرنا

گناہ کو مٹانے کا تیسرا سبب اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا ہے، جیسے قرآن مجید کی سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتا ہے۔

''جب ہم نے کہا اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور جہاں سے تم چاہو خوب کھاؤ اور دروازے میں سر جھکا کے داخل ہو اور کہو بخش دے ہماری خطائیں، معاف کر دیں گے

تمہارے گناہوں کو اور ہم زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو، تو بدل ڈالا ظالموں نے خلاف اس کے جو ان سے کہا گیا تھا۔'' (آیت ۵۸-۵۹)

یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم لفظ ''حطۃ'' یعنی ہمارے گناہ معاف فرما کہو اور وہ حطہ یا حبۃ یعنی گندم یا اناج مانگنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف مصائب میں گرفتار کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی پیروی کر لیتے تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا اور ان کے گناہ معاف کر دیتا۔

ایک اور مقام پر اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

''کہہ دیجئے، اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کریں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (سورۃ آل عمران: آیت ۳۱)

## گناہ کا اعتراف

گناہ کی مغفرت کا چوتھا سبب گناہ کا اعتراف ہے، اس لئے کہ جب آدمی گناہ کا اعتراف کرتا ہے تو اس کا دل پریشان ہوتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ یہ احساس جب بڑھتا ہے تو گناہ بھی چھوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور دوسرے ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں انہوں نے ملایا اچھے عمل کے ساتھ برا عمل، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لیں گے، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (سورۃ التوبہ: آیت ۱۰۲)

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے ''میرے پاس رات کو دو فرشتے آئے، مجھے اٹھایا اور ایک ایسے شہر میں لے گئے جس کی عمارتیں سونے چاندی کی اینٹوں سے بنی تھیں، تو وہاں کچھ لوگ ملے جن کے جسم کا ایک حصہ انتہائی حسین تھا اور دوسرا انتہائی بدصورت۔ ان

دونوں فرشتوں نے کہا کہ جاؤ اور سامنے والی نہر میں غوطہ لگا کر آؤ، انہوں نے غوطہ لگایا تو ان کی وہ بدصورتی ختم ہوگئی اور انتہائی خوش شکل اور حسین ہوگئے۔ فرشتوں نے کہا یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا ٹھکانہ ہے، پھر کہا، کہ یہ لوگ جن کے جسم کا ایک حصہ بدصورت اور دوسرا خوبصورت تھا وہ تھے جنہوں نے اچھے اعمال کو برے اعمال کے ساتھ ملایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

## اللہ تعالیٰ کا خوف

اللہ تعالیٰ سے خوف بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے، جن سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''ایک آدمی نے زندگی بھر نیکی نہیں کی تھی، مرتے وقت اپنے اہل خانہ سے کہا جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلا دینا پھر آدھی راکھ خشکی میں بکھیر دینا اور آدھی راکھ دریا میں بہادینا، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکڑ لیا تو انتہائی سخت عذاب دیں گے۔ چنانچہ وہ آدمی مرگیا تو ورثاء نے وصیت پر عمل کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا کہ سارے ذرات اکٹھے کرو اور سمندر کو بھی حکم دیا کہ ایک ایک ذرہ کو جمع کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو وہ کہنے لگا آپ کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے یہ صرف آپ کے ڈر سے کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں کفل نامی ایک آدمی تھا وہ کوئی گناہ کرنے سے نہیں چوکتا تھا، ایک دن ایک عورت اس کے پاس آئی تو اس نے اس کو بدکاری کے لئے ساٹھ دینار دیئے۔ چنانچہ جب کفل اس کے قریب ہوا اور بالکل بدکاری پر آمادہ ہوگیا تو عورت پر رعشہ طاری ہوگیا، اور رونے لگی تو کفل حیران ہوا اور اس سے پوچھا کہ کیا ہوا میں نے تجھ سے زبردستی تو نہیں کی؟ وہ کہنے لگی کہ نہیں میں تو اللہ کے خوف سے رو رہی ہوں کہ ایسے کام پر آمادہ ہوگئی، جو میں نے زندگی بھر نہیں کیا اور ایک مجبوری نے مجھے اس پر

آمادہ کردیا، تو کفل کہنے لگا ''تو نے زندگی میں کبھی ایسا برا کام نہیں کیا اور اب تیری یہ حالت ہے جا، اور وہ دینار بھی تیرے ہوئے آج کے بعد میں بھی کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی رات کفل کا انتقال ہوگیا، صبح اس کے دروازے پر لکھا تھا، ''اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کردی۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

اس طرح ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بندے کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو اس وجہ سے گناہ اس طرح گرتے ہیں جیسے درخت سے سوکھے پتے گرتے ہیں۔'' (بحوالہ بیہقی)

## ایمان کی حالت میں جہاد کرنا

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، چنانچہ چند وہ اسباب جو قرآن وحدیث میں ذکر ہوئے ہیں ان سے گناہ ختم ہوجاتے ہیں اور وہ مغفرت کے لئے سبب بنتے ہیں، یہاں ہم ان کو درج کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے پہلا ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، جب انسان اسلحہ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان داؤ پر لگاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی بخشش کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اسی عمل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہترین تجارت فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دلائے؟ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اپنے مال وجان لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو، وہ تمہارے گناہ معاف کردیگا، تم کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور پاک رہائش گاہیں جو جنات عدن میں ہوں گی۔'' (سورۃ الصف: آیت ۱۲)

اسی طرح حدیث قدسی ہے ''میرے بندوں میں سے جو بندہ میرے راستے میں

جہاد کے لئے میری رضا ڈھونڈنے نکلتا ہے، تو میں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ اگر میں اس کو زندہ لوٹاؤں گا تو اس کو ڈھیر سارے اجر اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا اور اگر اس کو اپنی طرف بلاؤں گا تو اس کے سارے گناہ معاف کردوں گا۔" (بحوالہ مسند احمد ونسائی)

ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، مگر جہاد سے اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کو پاک صاف کردیتا ہے۔

## کبیرہ گناہ سے اجتناب

جب کوئی مسلمان کبیرہ گناہ سے اپنے آپ کو بچاتا ہے تو اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"جو لوگ کبیرہ گناہ اور بے حیائی سے بچتے ہیں مگر چھوٹے گناہ، تو تیرا رب کشادہ مغفرت والا ہے۔" (سورۃ النجم: آیت ۳۲)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"اگر تم کبائر سے بچو جن سے تم کو روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغائر معاف کردیں گے۔" (سورۃ النساء: آیت ۳)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جو بندہ پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے اور زکوۃ ادا کرے اور سات بڑے گناہوں سے بچے تو قیامت کے دن اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھلے ہوں گے یہاں تک کہ ان سے اس کو پکارا جائے گا۔" پھر آپ ﷺ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

## ارادے کے بعد گناہ سے رُکنا

جب آدمی کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر وہ گناہ کرنے سے خوفِ خدا کی وجہ سے رُک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد

ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے گناہ اور نیکی لکھ لی اور اس کو خوب واضح کر دیا جو آدمی نیکی کا ارادہ کرے اور نیکی نہ کر سکے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے پاس ایک مکمل نیکی لکھتا ہے۔ اگر ارادہ کیا اور نیکی بھی کر لی تو اللہ تعالیٰ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اس کا اجر اپنے پاس لکھتا ہے اور کبھی تو اس سے بھی زیادہ لکھتا ہے اور جو شخص گناہ کا ارادہ کرے اور پھر وہ گناہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کے لئے ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر گناہ کا ارادہ کیا اور پھر گناہ کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک ہی گناہ لکھتا ہے۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''بھائیو! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عظیم لطف و کرم کی توفیق عطا فرمائے، ان الفاظ پر غور کرو کہ اس حدیث میں نیکی کے لئے ''عندہ'' اور ''کامل'' کے الفاظ آئے ہیں، یہ نیکی کے اہتمام شان کے لئے فرمایا گیا ہے اور ترک گناہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے پوری نیکی کا وعدہ فرمایا ہے اور جبکہ گناہ پر صرف ایک گناہ لکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ کامل کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا یہ محض خداوندِ کریم کا احسان اور کرم ہے۔

## لوگوں سے درگذر کرنا

لوگوں سے درگذر کرنا وہ خصلت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے ''درگذر کیا کرو، نیکی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔''

اسی طرح سورۃ حجر آیت ۸۵ میں ارشاد ہے، درگذر کیجئے اچھا درگذر اور عفو نبوی اخلاق ہیں۔

چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے آئے اور اجازت طلب کی کہ ان لوگوں کو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے اور اس قوم کو ہلاک کر دیں، تو رحمۃ اللعالمین نے ارشاد فرمایا۔

''نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا کریں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔'' (متفق علیہ)

اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ''اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو قرآن مجید میں عفوودرگذر کی ترغیب دی ہے، ارشاد ہے۔

''کہہ دیجئے ایمان والوں کو درگذر کریں ان سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی، تاکہ وہ سزا دے ایک قوم کو بدلہ اس کا جو وہ کماتے تھے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بار بار تلقین فرمائی ہے کہ درگذر کا راستہ اختیار کریں۔

سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد ہوتا ہے ''اور جو لوگ بڑے گناہ اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ آئے تو معاف کردیتے ہیں۔'' تو یہاں معاف کرنا کامل مومن کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ''والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس'' (اور غصہ کو روکنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے) کظم الغیظ یہ ہے کہ کوئی تمہارے ساتھ برائی کرے اور تم غصہ کو روک لو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے، جس کا مفہوم ہے۔

''اگر کوئی میرا حق لے لے یا میرے حق کی ادائیگی اس کے ذمہ ہو تو میں نے اللہ کے لئے اس کو معاف کیا، اللہ تعالیٰ سے احسان کی امید کرتے ہوئے تاکہ میں قیامت کے دن کسی مومن کو عذاب میں مبتلا کروں اور نہ رسول اللہ ﷺ کو امت کے بارے میں تکلیف پہنچاؤں۔''

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے، اور کشائش والے اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگذر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

(سورۃ النور: آیت ۲۲)

سورۃ نور کی اس آیت پر جب ہم غور کرتے ہی تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی تھی اور ان کے بہکاوے میں کچھ سادہ لوح مومن بھی آ گئے، ان میں ایک صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ بھی تھے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی اور انتہائی غریب شخص تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے اخراجات اٹھایا کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برات میں آیات نازل فرمائیں تو جن مومنین نے بہتان طرازی میں حصہ لیا تھا ان کو سزا دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ میں آئندہ مسطح پر خرچ نہیں کروں گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ بھلائی سے رکنے کی قسم نہیں کھانی چاہیے، بلکہ معافی اور درگذر سے کام لینا چاہیے اور آخر میں فرمایا ''کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمادے؟'' ابوبکر صدیق رض اللہ عنہ نے جب سنا تو فرمایا '' کیوں نہیں، اے ہمارے رب ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری مغفرت فرمائیں، پھر آپ مسطح کے پاس گئے اور ان کو دوبارہ خرچہ دینا شروع کر دیا اور ان سے کہا کہ ''خدا کی قسم میں ہمیشہ آپ پر خرچ کرتا رہوں گا۔''

اسی طرح سورۃ تغابن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

''اگر تم معاف کرو گے، درگذر کرو گے اور بخش دو گے تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔'' (آیت ۱۴)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''تم رحم کرو تمہارے اوپر بھی رحم ہوگا، تم معاف

کرو تمہاری بخشش ہوگی۔''

## مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنا

جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے مصافحہ کرتا ہے، اس سے بھی اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے الگ ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔''

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہے ''جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے تیز ہوا سے درخت سوکھے پتے جھڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتا ہے اگرچہ ان کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔''

## گناہوں پر رونا

جب کوئی مسلمان اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کو اپنی زبان پر قابو ہو اور گھر اس کے لئے کشادہ ہو اور وہ اپنے گناہوں پر روتا ہو۔'' (الحدیث)

گھر کشادہ ہونے کا مطلب ہے کہ وہ گھر میں زیادہ تر رہتا ہو فضول لوگوں میں نہ گھومتا پھرتا ہو اس مضمون کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا نجات کسی چیز کا نام ہے؟ فرمایا کہ ''زبان کو قابو میں رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے گناہوں پر روتے رہو۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

## گناہ پر ندامت ہونا

اپنے گناہوں پر ندامت ہونا بھی بہترین خصلت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ بندے کو گناہ پر ندامت کرتے دیکھتے ہیں تو استغفار سے پہلے اس کو معاف فرمادیتے ہیں۔'' (حاکم)

## جانوروں پر ترس کھانا

اسلام نے ہر ذی روح چیز کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے، جانوروں پر ترس کھانے سے بھی اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

''ایک آدمی کسی راستے پر جارہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی چنانچہ ایک جگہ بغیر ڈول کے کنواں دیکھا تو نیچے اتر کر پانی پیا، جب باہر نکلا تو ایک کتے کو دیکھا کہ وہ پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا، اس شخص نے دل میں کہا اس کو بھی میری طرح پیاس لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ کنویں میں اتر کر جوتے میں پانی بھرا اور جوتا منہ میں پکڑ کر اوپر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اس سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوئے اور اس کی مغفرت فرمادی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کیا ہمیں جانوروں سے اچھے سلوک پر بھی اجر ملے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ذی روح کے ساتھ اچھے سلوک پر اجر ملتا ہے۔''

## راستے سے رکاوٹ دُور کرنا

راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا بھی مغفرت کا سبب بنتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''میں نے جنت میں ایک آدمی کو دیکھا جو راستے کا وہ درخت کاٹنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوا تھا جو مسلمانوں کے لئے باعثِ تکلیف تھا۔''

ایک اور ارشاد ہے ''ایک آدمی نے راستے کے بیچ میں درخت کا ایک تنا پڑا دیکھا تو دل میں سوچا کہ اس کو راستہ سے ہٹادوں تاکہ مسلمانوں کو تکلیف نہ دے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کردیا۔''

ایک اور ارشاد ہے کہ ''ایک آدمی راستے پر جارہا تھا تو ایک کانٹے دار ٹہنی دیکھی

چنانچہ اس کو ہٹا دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوئے اور اس کی مغفرت فرمادی۔“

## کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

کھانا کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بہترین عادات میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”جو آدمی کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے ”الحمد لله الذی أطعمنی هذا الطعام ورزقنيه من غير حول منی ولا قوة“ تو اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔“ (رواہ ابوداؤد)

## معاملات صاف رکھنا

جو شخص لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات صاف رکھتا ہے اور خرید و فروخت میں ایمانداری سے کام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حساب کتاب میں آسانی فرماتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ ایک بندے کو لائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہوگا اس سے پوچھے گا تو نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ کہے گا میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا اور چشم پوشی کرتا تھا، مالدار کے ساتھ آسانی کرتا تھا اور غریب کو معاف کرتا تھا۔“

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ”میں معاف کرنے کا زیادہ حقدار ہوں، میرے بندے کے لئے معافی لکھ دو۔“ (بحوالہ مسلم شریف)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص کیساتھ حساب کتاب ہوگا، تو اس کے نامہ اعمال میں اس کے سوا کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ وہ لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کے معاملے میں نرمی برتتا تھا اور وہ شخص خود بھی مالدار تھا اور اپنے نوکروں سے کہا کرتا تھا کہ تنگ دستوں کو چھوٹ دے دیا کرو، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہم درگذر کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، چنانچہ فرشتوں سے کہیں گے کہ اسے چھوڑ دو۔“ (بحوالہ مسلم شریف)

## صلح میں پہل کرنا

مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ لڑنا شرعاً ناجائز ہے، لیکن بہ تقاضائے بشریت اگر کبھی لڑائی ہو بھی جائے تو صلح کرنے میں جلدی کرنی چاہیے اور جو شخص اس میں پہل کرتا ہے اس کو عظیم اجر ملتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ

"کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا جائز نہیں، اگر تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھا تو جب تک قطع تعلق رہے گا، حق سے اعراض کرنے والا شمار کیا جائے گا، اور صلح کے لئے جو بھی پہل کرے گا یہ پہل کرنا اس کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوگا اور جو بھی دو اشخاص قطع تعلقی کی حالت میں مر گئے تو جنت میں نہیں جائیں گے۔"

## علم کے حصول کے لئے نکلنا

جو آدمی علم کے حصول کے لئے اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اس کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتی ہے۔

جو شخص بھی علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے تو اس کا نکلنا گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ بنتا ہے۔

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور فرشتے خوشی کی وجہ سے اس کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، عالم کے لئے آسمان اور زمین کی ساری مخلوق مغفرت کی دعا کرتی ہے حتیٰ کہ پانی میں مچھلی بھی۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہے اور علمائے کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ بے شک انبیاء درہم اور دینار

میراث میں نہیں چھوڑتے ان کی میراث تو علم ہی ہے جس نے اسے حاصل کیا اس نے انبیاء علیہم السلام کی میراث میں سے خوب حصہ وصول کیا۔" (الحدیث)

## اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مجالس قائم کرنا

جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے ان میں کثرت سے جانا کفارے کا باعث ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص فرشتے ہیں جو راستے میں گشت کرتے ہیں، اس کا ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں جب وہ کچھ لوگوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ جسے ڈھونڈ رہے ہو اس کی طرف آجاؤ اور پھر آسمان دنیا تک ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں (پھر جب واپس جاتے ہیں) تو رب العالمین پوچھتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتا ہے ''میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟''

تو فرشتے کہتے ہیں ''آپ کی پاکی، بڑائی، تعریف اور بزرگی بیان کر رہے تھے۔''

اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں ''کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟'' فرشتے جواب دیتے ہیں ''نہیں خدا کی قسم انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔'' اللہ تعالیٰ پھر پوچھتے ہیں کہ ''اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر؟'' جواب دیتے ہیں ''اگر آپ کو دیکھ لیں تو اس سے زیادہ عبادت کریں گے اور پاکی اور بزرگی بیان کریں گے۔''

اللہ تعالیٰ پھر سوال کرتے ہیں ''وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں ''آپ سے جنت مانگ رہے تھے۔''

اللہ تعالیٰ پھر پوچھتے ہیں ''کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں ''نہیں اللہ کی قسم انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا۔''

اللہ تعالیٰ پھر پوچھتے ہیں ''اگر دیکھ لیں تو پھر؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں ''اگر وہ دیکھ لیں تو ان کا شوق ورغبت اور طلب اور بھی بڑھ جائے۔''

پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں ''وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں ''وہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے۔''

اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں ''کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ''نہیں اللہ کی قسم انہوں نے جہنم کو نہیں دیکھا۔''

اللہ تعالیٰ پھر پوچھتے ہیں ''اگر وہ دیکھ لیں تو پھر؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ''اگر دیکھ لیں تو پھر اس سے بھی زیادہ پناہ مانگیں گے اور اس سے دُور بھاگیں گے۔''

پھر رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی ہے۔''

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''ان میں فلاں آدمی تو وہاں اپنے کام سے آیا تھا'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اس کی بھی مغفرت کر دی، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔''

## گناہ کے بعد نیکی کرنا

گناہ ہو جانے کے بعد فوراً نیکی کا کوئی کام کر لینا چاہیے، کیونکہ وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیتی ہے۔

چنانچہ سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**ان الحسنات یذھبن السیئات** ''بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔''

اور حدیث شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں بھی تم ہو اور گناہ کے بعد نیکی کرو، نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے

اورلوگوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آؤ۔" (الحدیث)

## مریض کی عیادت کرنا

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کے لئے جائے اور یہ عمل انتہائی باعث رحمت ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے۔

"اگر کوئی شخص شام کو مریض کی عیادت کے لئے جاتا ہے، تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور اگر صبح کو عیادت کے لئے جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔"

(رواہ ابوداؤد وحاکم)

## جھگڑا ترک کرنا

جھگڑا اور قطع تعلق ختم کرنا ایمان والوں کی بہترین خصلتوں میں سے ایک ہے۔

قرآن مجید اور احادیث طیبہ میں اس کی بہت ترغیب آتی ہیں۔

چنانچہ رسول کرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے۔

"ہفتہ میں دومرتبہ اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں، جمعرات اور پیر کو، ہر مومن بندے کی مغفرت ہوتی ہے، مگر جن دو شخصوں کے درمیان قطع تعلق ہو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔ (یعنی جب تک ان کے درمیان قطع تعلق ہے ان کی مغفرت نہیں ہوگی)

## پڑوسی کا راضی ہونا

اپنے پڑوسی کا خیال رکھنا اور اس کے ساتھ احسان کرنا قابل تعریف افعال میں سے ہے۔ یعنی پڑوسی جب کسی کا تذکرہ اچھے الفاظ سے کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جب کوئی مؤمن بندہ انتقال کرجائے اور اس کے

پڑوسیوں میں سے تین گھر ایسے بھی اسے اچھے الفاظ سے یاد کریں۔''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''میرے بندوں کو جو کچھ معلوم تھا اس کے بارے میں میں نے ان کی گواہی قبول کرلی، اور میں نے وہ بخش دیا جو مجھے معلوم تھا۔'' (بحوالہ مسند احمد)

## دوسرا باب

# توبہ سے متعلق آیات قرآنی

قرآن کریم میں توبہ و استغفار سے متعلق اس قدر تلقین کی گئی ہے کہ اگر مکمل وضاحت کے ساتھ بالتفصیل تذکرہ کیا جائے تو ایک الگ سے کتاب بن جائے زیادہ تفصیل کی چونکہ یہاں گنجائش نہیں اس لئے صرف آیات قرآنی کے مختصر مختصر مفہوم انکی مختصر تشریح بیان کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ قبول فرمانے اور مغفرت فرمانے کا اعلان

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**وهو الذی يقبل التوبة عن عباده ويعفوا عن السيأت ويعلم ماتفعلون. ويستجيب الذين امنوا وعلموا الصّلحت ويزيدهم من فضله والكفرون لهم عذب شديد۔** (سورۃ شوریٰ ۳)

''اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمادیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے اور ان لوگوں کی عبادت قبول فرماتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔''

**قل يٰعبادی الذين اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله. ان الله يغفر الذنوب جميعاً انه هو الغفور الرحيم، وانيبو الیٰ ربكم واسلموا له من قبل أين يّأتيكم العذاب ثم لاتنصرون .**

''آپ میری طرف سے فرمادیجیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہوجاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو

معاف فرما دے گا۔ بیشک وہ غفور الرحیم ہے اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور جھک جاؤ اس کی بارگاہ میں اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آ جائے پھر تمہاری مدد کی جائے گی''۔

یہ آیت کریمہ اہل ایمان کے لئے بہت بڑی ڈھارس ہے اور اس میں مومنین کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کروڑوں گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ سورۂ یوسف میں ارشاد ہے:

**ولاتا یئسوا من روح اللہ انہ لاییئس من روح اللہ الا القوم الکٰفرون.**

''اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔''

اور سورۂ حجر میں ارشاد ہے:

**قال ومن یقنَطُ من رحمة ربه الا الضالون.**

''(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے گفتگو فرماتے ہوئے کہا) کہ گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے؟''

اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے، وہ ارحم الراحمین ہے۔ مشرک اور کافر کے علاہ سب کی مغفرت کر دے گا۔ جس قدر گناہ بھی ہو جائیں اس کی رحمت سے ناامید کبھی نہ ہوں اور برابر توبہ کا اہتمام کرتے رہیں، توبہ بار بار ٹوٹتی رہے پھر بھی برابر توبہ میں لگے رہیں۔ کسی دن انشاء اللہ پکی توبہ بھی ہو جائے گی۔

صغیرہ گناہوں کی مغفرت اور ان کا کفارہ تو اعمال صالحہ سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہوں کی یقینی طور پر مغفرت ہو جانا توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر توبہ نہ کی اور اسی طرح موت آ گئی تو بشرط ایمان مغفرت تو پھر بھی ہو جائے گی لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ بلا عذاب کی مغفرت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ یوں بھی مغفرت فرما سکتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار

ہے کہ گناہوں کی سزا دینے کے لئے دوزخ میں ڈال دے، پھر عذاب کے ذریعے پاک وصاف کر کے جنت میں بھیجے۔ چونکہ عذاب کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے اس لئے ہمیشہ پکی توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مغفرت کی امید رکھیں۔ اس لئے رحمت سے ناامید کبھی نہ ہوں تا کہ اس حال میں موت آئے کہ توبہ کے ذریعے سب کچھ معاف ہو چکا ہو۔

بعض لوگ اپنی نادانی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم عذاب بھگت لیں گے، انہیں نہیں معلوم کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ دوزخ کی آگ کی گرمی اتنی زیادہ ہے کہ دنیا کی آگ کی گرمی کو ستر مرتبہ اکھٹا کرلیا جائے تب دوزخ کی آگ کے برابر ہوگی۔ ہم دنیا کی آگ ایک منٹ بھی ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ پھر اتنی سخت گرمی والی آخرت کی آگ کا عذاب بھگتنے کو کیسے تیار ہو جاتے ہیں؟ کیا گناہ کے ذریعے جو ذراسی لذت محسوس ہوتی ہے، اس کو اتنے بڑے عذاب کے مقابلے میں چھوڑنے کے لئے نفس کو آمادہ نہیں کر سکتے اور توبہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مغفرتوں کی خوشخبری سن کر گناہوں پر جرأت کرنا اور اس گھمنڈ میں گناہ کرتے چلے جانا کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلیں گے۔ بہت بڑی نادانی ہے کیونکہ آئندہ کا حال معلوم نہیں۔ کیا پتہ توبہ سے پہلے موت آجائے۔ پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ موت سے پہلے توبہ واستغفار کی دولت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے کا دھیان رکھتے ہیں اور کبھی کبھار ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ مغفرت کی خوشخبریوں کو سامنے رکھ کر گناہ پر گناہ کرتے جاتے ہیں، ان کو توبہ واستغفار کا خیال تک نہیں آتا۔ وفادار بندوں کا یہ شعار نہیں کہ مغفرت کا وعدہ سن کر بے خوف ہو جائیں، بلکہ مغفرتوں کی بشارت کے بعد زیادہ گناہ سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر کسی کے لئے بشارتیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سب کچھ (چھوٹی موٹی لغزشوں) کی مغفرت فرمادی جس کا اعلان سورۂ الفتح کے

شروع میں فرمایا دیا۔اس کے باوجود آپ راتوں رات نماز پڑھتے تھے ،جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدم مبارک سوج گئے تھے۔جب کسی نے عرض کیا کہ آپ ﷺعبادت میں اتنی محنت فرماتے ہیں حالانکہ اللہ پاک نے ،آپ کا سب کچھ اگلا پچھلا (لغزش والا جو کچھ عمل ہوگا) معاف فرمادیا تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

افلا اکون عبداشکوراً (بحوالہ بخاری ومسلم)

''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''

مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے اتنی بڑی مہربانی فرمائی کہ میرا سب کچھ معاف فرمادیا تو اس کی شکر گزاری کا تقاضہ یہ ہے کہ میں مزید اطاعت اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب ترقی کرتا چلا جاؤں۔کتنے ہی صحابہ ایسے تھے جن کو حضور ﷺ نے اسی دنیا میں خوش خبری دے دی تھی کہ وہ جنتی ہیں۔عشرہ مبشرہ (دس جنتی) تو مشہور ہی ہیں عموماً ان سب کو جانتے ہیں اور غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے حضرات کو اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اقدس ﷺ نے یہ خوشخبری دی تھی کہ:

اعلمو اماشئتم فقد غفرت لکم (بحوالہ مشکوۃ المصابیح ۵۷۷)

''یعنی تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا''

ان حضرات کے علاوہ اور بھی چند صحابہؓ ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے جنت کی بشارت دی لیکن ان حضرات نے اس کا اثر بالکل نہیں لیا کہ گناہ کرتے چلے جائیں اور فرائض کو ضائع کرتے رہیں، بلکہ یہ حضرات برابر گناہوں سے پرہیز کرتے رہتے تھے اور نیکیوں میں ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ہم کو ان ہی حضرات کا اتباع کرنا لازم ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ ایمان خوف اور رجاء (یعنی امید وبیم ) کے درمیان ہے۔اللہ پاک سے خوب زیادہ امید بھی رکھیں اور مواخذہ سے ڈرتے بھی رہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرماتے ہوئے سورۂ قصص میں ارشاد فرمایا ہے:

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغباً ورھباً وکانوا لنا خاشعین ''بیشک یہ حضرات نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور رغبت وخوف کی حالت میں ہم کو پکارتے تھے''۔

اور سورۂ الم سجدہ میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً ومما رزقنھم ینفقون.

''ان کے پہلوان کے لیٹنے کی جگہ سے جدا ہوتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے رب کو خوف اور امید کی حالت میں پکارتے ہیں اور ہم نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

علماء نے بتایا ہے کہ زندگی بھر خوف غالب رہنا چاہئے اور موت کے قریب امید غالب ہونی چاہئے۔

افلایتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور الرحیم . (سورۃ مائدہ ۱۰)

''کیا توبہ نہیں کرتے اللہ کے حضور میں اور اس سے مغفرت طلب نہیں کرتے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

الم یعلمون ان اللہ ھویقبل التوبۃ عن عبادہٖ ویأخذ الصدقٰت وان اللہ ھو التواب الرحیم : (سورۃ توبہ ۱۳)

''کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ اللہ پاک توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بے شک اللہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے اور مہربان ہے۔''

ومن یعمل سوءً أویظلم نفسہٗ ثم یستغفر اللہ یجدِ اللہ غفوراً رحیماً

''اور جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ پاک سے مغفرت چاہے تو وہ اللہ پاک کو غفور الرحیم پائے گا''۔ (سورۃ نساء ۱۶)

وانی لغفار لمن تاب و امن وعمل صالحاثم اهتدی . (سورۃ طہ۴)

''اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کرتے رہیں اور پھر راہ پر قائم رہیں (یعنی ایمان اور عمل صالح پر مداومت کریں)۔''

وان تجتنبو اکبائر ماتنهو ن عنه نکفر عنکم سیاتکم وندخلکم مُدخلاً کریماً. (سورۃ نساء ۵)

''جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں سے جو بھاری بھاری کام ہیں (یعنی بڑے گناہ) اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ) تم سے دور کردیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کردیں گے۔''

تفسیر بیان القرآن میں ہے کہ کبیرہ گناہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں اور جامع تر قول ہے جس کو روح المعانی میں شیخ الاسلام بارزیؒ سے نقل کیا ہے کہ جس گناہ پر کوئی وعید ہو یا اس پر لعنت آئی ہو یا اس میں مفسدہ کسی ایسے گناہ کے مفسدہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا وہ براہ تھاون فی الدین صادر ہو۔ وہ کبیرہ ہے اور حدیثوں میں جو عدد وارد ہوا ہے مقصود حصر نہیں ہے۔

پس صدور صغیرہ کے بعد چند حالتیں ہیں۔

۱: ایک تو یہ ہے کہ کبیرہ سے بچے اور طاعات ضروریہ کا پابند ہو۔ اس حالت میں وعدہ ہے کہ صغائر معاف ہو جائیں گے اور آیت میں یہی مذکورہ ہے۔

۲: دوسری حالت میں یہ ہے کہ (گناہ صغیرہ کے بعد) کبیرہ سے نہ بچے گو طاعات ضروریہ کا پابند ہو۔

۳: تیسری حالت میں یہ ہے کہ طاعات ضروریہ کا پابند نہ ہو اور کبائر سے بچتا ہو۔ ان دونوں حالتوں میں وعدہ نہیں تکفیر صغائر کا۔ اسی واسطے میں حدیث میں اس کی قید لگائی گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی دوسری بات ہے کہ وہ کبیرہ کے ساتھ بھی متعلق ہوسکتا ہے۔ جب

(ان دونوں حالتوں میں) وعدہ (صغائر کی) معافی کا نہیں تو ممکن ہے کہ آخرت میں اس پر سزا ہو اور یہ مذہب اہل سنت کا۔ یعنی صغیرہ پر احتمال عذاب، جیسا کہ کبیرہ پر فضل کا احتمال بھی خاص اہل سنت کا مذہب ہے۔

## توبہ کرنے والوں کے لیے فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذینَ یحملونَ العرشَ وَ مَن حوله یسبحونَ بِحمدِ ربهم وَ یؤمنونَ بهِ وَ یستغفِرونَ لِلذینَ اٰمنوا ،ربّنا وَسعتَ کلَّ شیءٍ رحمةً وَ علماً فاغفِر للذِّینَ تابُوا واتبعوا سَبیلکَ وَ قِهِم عذابَ الجحیمِ. ربنا وَأدخلهُم جنتِ عدنِ نِ الّتی وَعدتهم وَ من صَلح مِن اٰبآئِهم وَازوا جِهِم وَ ذرّیتهِم ط اِنکَ انتَ العزیزُ الحکِیم ۔ وَقهِمُ السیاٰت وَ من تقِ السیاٰتِ یومَئذٍ نقد رحمته' ط وَذٰلکَ هُوَ الفوزُ العظیمُ .

''جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرد اگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے (اس طرح) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر محیط ہے۔ سو ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلنے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا اے ہمارے پروردگا! اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، داخل فرما اور ان کے ماں باپ بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مومن) ہوں ان کو بھی داخل فرما۔ بیشک تو زبردست حکمت والا ہے اور ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچا اور تو جس کو اس دن کی تکالیف سے بچا لے تو اس پر تو نے بہت مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (سورۃ المؤمن: ۷تا۹)

اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقام حاصل ہے اور مومنین کا یہ مرتبہ ہے کہ

حاملین عرش ملائکہ اور اس کے ارد گرد رہنے والے ملائکہ جو اللہ تعالیٰ کے خاص مقربین میں سے ہیں۔ وہ ایمان والوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں کہ اللہ پاک ان کی کوتاہیوں اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دے، گو اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی رحمت اور علم کی بنا پر ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے بندوں کی کمزوریاں، خامیاں اور خطائیں چھپ نہیں سکتیں۔ مگر پھر بھی فرشتے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ یاالٰہی! تو اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے سبب ان کے گناہوں کو بخش دے اور تیرے بخش دینے سے تیرے بندے تیرے عذاب سے بچ جائیں گے اور تیرے عذاب سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو توبہ کریں اور تیرا راستہ اختیار کریں۔ پھر فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ توبہ کرنے والے مومنین کو جنت میں داخل فرما۔ جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے والدین کو، بیوی بچوں میں جو مومنین ہوں نیک اور صالح ہوں اور ان کو بھی ان کے ساتھ داخل کر دے۔

پھر فرشتے عرض کرتے ہیں یاالٰہی! تو اہل ایمان اور توبہ کرنے والوں کو برائیوں سے بچا کیونکہ برائیوں سے بچنا ہی انسانی زندگی کا اہم مقصد ہے کیونکہ برائیاں ہمارے عقائد اور برے اعمال میں پائی جاتی ہیں اور ان بُرے اعمال اور بداخلاقیوں کی بنا پر انسان دنیاوی زندگی میں گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے اور پھر ان برائیوں کی وجہ سے انسان کو مرنے کے بعد جو اذیتیں اور تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی ان کا انسان کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ملائکہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو ان کو برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے برائیوں سے بچا دیا اس پر تو نے بڑا احسان کیا۔

## توبہ کرنے والوں سے اللہ محبت فرماتے ہیں

اللہ کو اپنے بندوں سے خاص پیار ہے اگر وہ غلطی کر کے توبہ کر لیں تو وہ ان سے محبت کرتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

**ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین .**

''بیشک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ بقرہ:۲۲۲)

عموماً یہ روزمرہ کے معمول کی بات ہے کہ اتفاق سے اگر کوئی مالک اپنے ماتحت کے ذمے کسی کام کی انجام دہی لگا دے لیکن وہ اسے کرنے میں کوتاہی یا غلطی کرے تو مالک لازماً ناراض ہوگا مگر فوراً ہی ماتحت کے دل میں اپنی غلطی پر احساس ندامت ہو اور اگر وہ عاجزانہ انداز میں اپنے مالک سے غلطی کی معافی مانگ لے تو وہ ضرور اسے معاف کردے گا اور اگر وہ مالک اہل بصیرت سے ہو تو اسے اس غلطی کرنے والے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا کہ اسے غلطی اور کوتاہی کا احساس ہو گیا ہے اور آئندہ کے لیے اس کو متنبہ کردے گا کہ ایسا نہ کرنا۔ بعینہٖ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے کہ وہ گناہ کے بعد اس سے معافی مانگیں تو وہ معاف کردیتا ہے اور پھر اللہ ایسے لوگوں سے پیار بھی کرنے لگتا ہے کہ انہیوں نے گناہوں کو ترک کر کے میری طرف رجوع کیا ہے۔ دنیا کا دستور ہے کہ اگر ہم کسی کے ساتھ پیار اور محبت سے پیش آئیں تو وہ بھی ایسا ہی پیش آنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اللہ توبہ کرنے والوں کے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے۔

لہٰذا اللہ کی محبت اور پیار کے حصول کے لیے انسانوں کو فوراً توبہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اب ذرا غور کریں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جائے تو وہ کتنا خوش نصیب ہوگا کہ کائنات کی سب سے بڑی طاقت اس سے محبت کرتی ہے۔ دنیاوی نقطہ نظر کے مطابق اگر کوئی انتہائی خوبصورت اور مال دار لڑکی کسی سے محبت کرنے لگے تو وہ اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت خیال کرنے لگتا ہے اور فخر سے اتراتا پھرتا ہے اور دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا ہے مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا مگر وہ جس کو شہنشاہ کائنات کی محبت حاصل ہو جائے تو وہ شخص کتنا عظیم اور بلند ہوگا لیکن یاد رکھیے کہ اللہ کی محبت صرف توبہ کرنے والوں کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''صبر کرنے والے اور سچائی والے اور اللہ کا حکم بجالانے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلے پہر رات کو استغفار کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں''

(سورۃ ال عمران:۱۷)

''وہ اس سے پہلے نیکیاں کرنے والے تھے۔ وہ رات کو تھوڑا سوتے (اور اکثر حصہ رات کا عبادت الٰہی میں گذارتے) تھے اور علی الصبح استغفار کرتے تھے (معافی مانگتے تھے کہ حق عبودیت ادا نہ ہوسکا) (الذاریات:۱۶تا۱۸)

قرآن مجید کی ان آیات سے بھی یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ معافی اور توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس کے حضور گڑ گڑاتے رہتے ہیں، اور اللہ ان پر مہربان رہتا ہے۔

## توبہ کی قبولیت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے

اے اللہ کے بندے! جب تو اس حقیقت کو پا گیا کہ توبہ کیے بغیر چھٹکارا نہیں تو یاد رکھ کہ توبہ صرف اللہ کی بارگاہ میں کر کیونکہ اس کے سوا کوئی توبہ قبول کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔و انا التواب الرحیم. ''اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں''۔ (سورۃ البقرہ:۱۶۰)

الم یعلموا انّ اللّٰہَ ھو یَقبلُ التّوبۃَ عن عبادِہٖ و یا خُذُ الصدقٰتِ و اَنّ اللّٰہَ ھو التواب الرحیم.

کیا انہوں نے یہ نہیں معلوم کیا کہ بیشک اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور خیرات منظور کرتا ہے اور بیشک اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (سورۃ توبہ:۱۰۴)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ تمام کارخانۂ کائنات صرف اللہ ہی کا مرہونِ منت ہے اور وہی ہمارا حقیقی مالک اور حاکم ہے اور اسی نے ہمیں محدود اختیارات دے کر ایک مختصر عرصہ حیات کے لیے

بطور آزمائش اس دنیائے رنگ و بو میں بھیجا ہے اور اس نے انسان کے لیے جنت اور دوزخ، جزا اور سزا مقرر کی ہے۔ پھر انسانی زندگی کا انحصار بھی اسی کی عنایات سے وابستہ ہے جب ہر انسان ہر طرح سے اللہ کا محتاج ہے اور موت کے بعد بھی اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو حقیقی توبہ بھی اسی کو قبول کرنے کا اختیار ہے، اللہ کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو انسان کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف کر دے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوا کہ وہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

**و ھو الذی یَقبلُ التوبۃَ عن عبادہٖ و یعفُوا عن السیئاتِ و یعلمُ ما تفعلُون و یستجِیبُ الذین اٰمنوا و عملُوا ا لصلحاتِ و یزیدُھم من فضلِہٖ ط و الکافِرون لھم عذاب شدید .** (سورۃ الشوریٰ:۲۵)

''اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے اور ان لوگوں کی عبادت قبول فرماتا ہے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

اس آیت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ جب بھی انسان کو اپنے گناہوں پر احساس ندامت ہو جائے اور وہ اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کرے تو وہ اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ جو توبہ کی طرف مائل ہوتے ہیں ان کو اللہ اپنے فضل سے مزید دیتا ہے یعنی ان کی روزی اور نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

## استغفار اور توبہ کا حکم

**وما تقدموا الانفسکم من خیر تجدوہُ عنداللہ ھو خیراً وأعظم اجراًواستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم :** (سورۃ مزمل۲)

''اور جو بھی کچھ تم آگے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لئے تو اس کو پالو گے اللہ پاک

کے پاس، وہ بہتر ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے بہت بڑی چیز ہوگی اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔" استغفرو اربکم ثم تو بو االیه ان ربی رحیم ودود. (سورۂ ھود ۸)

"اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر اس کی بارگاہ میں توبہ طلب کرو، بیشک میرا رب رحم کرنے والا ہے اور محبت کرنے والا ہے۔"

یاَیھا الذین اٰمنو اتوبو االی الله توبة نُصوحاً عسٰی ربکم أن یکفر عنکم سیاتکم ویدخلکم جنٰت تجری من تحتها الا نها ر یوم لا یخزی الله النبی والذین اٰمنو امعه'

"اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا۔"

(سورۂ تحریم ۲)

## توبہ اور عمل صالح والے کامیاب ہوں گے

فامامن تا ب واٰمن وعمل صالحاًفعسٰی ان یکون من المفلحین .

"البتہ جو شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ فلاح پانے والوں میں سے ہونگے۔" (سورۂ قصص ۷)

وتو بو االی الله جمیعاًایها المئو منون لعلکم تفلحون .

(سورۂ نور ۴)

"اور توبہ کرو تم سب اے مومنو! اللہ تعالیٰ کے حضور میں تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

## اصلاح احوال توبہ کی شرائط میں سے ہے

کتب ربکم علیٰ نفسه الرحمة اَنه مَن عمِل منکم سوءً بجها لةٍ ثم

تاب من بعدہٖ و أصلح فأنہٗ غفورٌ رحیم ۔ (سورۃ انعام ۲)

’’تمہارے رب نے مہربانی فرما کر اپنے ذمہ کرلیا ہے کہ جو شخص تم سے کوئی گناہ کا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے، رحم کرنے والے ہیں۔‘‘

ثم ان ربک للذین عملو االسوء بجھا لۃٍ ثم تا ب من بعد ذلک واصلحوا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم ۔ (سورۃ النحل ۱۴)

’’پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں کو جنہوں نے برائی کی جہالت سے پھر توبہ کی اس کے بعد اور اصلاح کرلی تو تیرا رب اس کے بعد ضرور مغفرت والا نہایت رحم والا ہے۔‘‘

فمن تا ب من بعد ظلمہٖ و أصلح فانَّ اللہ یتوبُ علیہ ان اللہ غفورٌ رحیم.

’’پھر جس شخص نے توبہ کی اپنے ظلم کے بعد اور اصلاح کرلی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔‘‘ (سورۃ المائدہ ۶)

ان الذین یکتمون ماأنزلنا من البینٰت والھُدیٰ من بعد ما بینہٗ للناس فی الکتاب اولئک یلعنُھم اللہ ویلعنُھم اللٰعنُون الا الذین تابوا وأصلحُوا وبینوا فأُولئک أتوب علیھم وانا التوابُ الرحیم (سورۃ بقرۃ ۱۹)

’’بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے کھلی کھلی باتیں اور ہدایت، بعد اس کے کہ ہم ان کو واضح طور پر لوگوں کے لئے بیان کرچکے ہیں کتاب میں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت بھیجنے والے لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور ظاہر کردیں تو ایسے لوگوں کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہوں‘‘۔

آیت ۲۳، اور ۱۵ میں توبہ کے ساتھ اصلاح کرنے کا بھی ذکر ہے اور آیت ۱۶ میں اصلحوا کے ساتھ بینوا بھی فرمایا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ توبہ کے لوازم میں سے یہ ہے کہ

آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔ جب پختہ عزم ہوگا تو توبہ کے بعد گناہوں سے ضرور بچے گا اور اگر پھر گناہ ہو جائے گا تو جلدی سے قبول کرلے گا۔ نیز توبہ سے پہلے جو حقوق اللہ یا حقوق العباد ضائع کئے ہیں۔ ان میں جو قابل تلافی ہیں ان کی تلافی کرے اور آئندہ ان کے ضائع کرنے سے پرہیز کرے اور نماز، روزہ کی قضا، حج زکوۃ کی ادیگی اور ظلم خیانت، رشوت، چوری، غبن، وغیرہ سے لئے ہوئے مال کی واپسی، غیبت، و بہتان کے لئے معافی مانگنا وغیرہ، یہ تلافی کی چیزیں ہیں جو بطور مثال لکھ دی ہیں۔

بہت سے لوگ زبانی توبہ کرتے رہتے ہیں اور اپنا حال نہیں سنوارتے۔ گناہوں میں جیسے لگے ہوئے تھے، توبہ کے باوجود ان میں ایسے ہی ملبوث رہتے ہیں، توبہ کا کوئی اثر ان کے احوال واعمال پر ظاہر نہیں ہوتا۔ ہزاروں نمازیں چھوڑ رکھی ہیں، سینکڑوں روزے کھا رکھے ہیں، بھاری تعداد میں لوگوں کے مال مار رکھے ہیں، غیبت منہ کو لگی ہوئی ہے، مسلمان بھائیوں کا گوشت کھا رہے ہیں، ان پر بہتان اور تہمتیں دھر رہے ہیں اور ساتھ ہی توبہ توبہ کی رٹ لگا رکھی ہے، یہ کیسی توبہ ہے؟ پکی اور سچی توبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنا حال درست کیا جائے اور ضائع کردہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کی جائے۔

بہت سے پڑھے لکھے لوگ اپنے منافع یا دنیاوی کے لئے حق کو چھپاتے ہیں اور اپنے ماننے اور جاننے والوں کے لئے قبول حق کے سلسلے میں سدّ راہ بنے ہوئے ہوتے ہیں، نہ حق قبول کرتے ہیں نہ دوسروں کو حق قبول کرنے دیتے ہیں بلکہ اپنی روزی کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے باطل کو حق بتاتے ہیں اور گمراہی کی تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی توبہ یہ ہے کہ حق کو جو چھپایا ہے اس کو ظاہر کریں اور جن لوگوں کو گمراہ کیا ہے ان کو بتادیں کہ ہم گمراہی پر تھے۔ تم کو بھی گمراہی پر ڈالا ہے۔ ہم نے حق قبول کرلیا ہے، توبہ کرلی ہے۔ تم بھی توبہ کرو اور حق قبول کرلو۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گمراہ فرقوں سے متاثر ہوکر ان کے عقائد اور افکار و نظریات کی تبلیغ شروع کردیتے ہیں اور ان میں جو صاحب قلم ہوتے ہیں، ان گمراہوں کی

حمایت میں مضامین بھی شائع کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہداہت اور توبہ نصیب ہوتی ہے تو گھر بیٹھ کر توبہ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ان پر واجب ہے کہ جس جس کو گمراہ کیا ہے اس کو بتادیں کہ یہ گمراہی ہے۔ میں گمراہی میں تھا تم کو بھی گمراہی میں لگایا تھا۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے تم بھی توبہ کرلو۔ نیز اخبارات ورسائل میں یا کتابی صورت میں گمراہی کی جو چیزیں شائع کی ہیں، ایک ایک کر کے ان کی تردید شائع کرے، خاص کر ان پرچوں میں اظہار حق اور اپنی توبہ کی اشاعت کرے جن میں گمراہی کے مضامین شائع کئے گئے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو بگاڑ اور فساد پھیلایا ہے۔ حتی الوسع اور حتی الامکان اس کی پوری تلافی کرے۔ صاحب روح المعانی سورۂ بقرۃ کی آیت الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

**واصلحوا ماافسدوا بالتدارک فیمایتعلق بحقوق الحق والخلق ومن ذلک ان یصلحو اقومهم بالارشاد الی الا سلام بعد الا ضلال وان یزیلواالکلام المحرف یکتبوا مکانه ماکونو ازالوه عند التحریف وبینوا ای اظهر وامابینه الله تعالیٰ للناس معاینة وبهٰذین الا مرین تتم التوبة.**

اللہ جل شانہ نے سورۂ مائدہ میں چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دینے کے بعد جو فرمایا ہے۔

اس کے ذیل میں صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:

**واصلح امره بالتفصی عن التبعاب بان یردمال السرقة ان امکن اویستحل لنفسه من مالکه اوینفقه فی سبیل الله ان جهله وقیل المعنی وفعل الفعل المصالح الجمیل بان استقام علی التوبة کما هو المطلوب:**

توبہ کے ذیل میں جوجگہ جگہ اصلاح کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے اس کی جو تشریح ہم نے اوپر لکھی ہے، صاحب روح المعانی اور تصریح سے بالکل واضح ہے۔

ایک صاحب قلم جو مشہور مؤرخ اور مصنف تھے، ہمارے ایک بزرگ کی طرف رجوع ہوئے اور نفس کی اصلاح کرانے کی درخواست کی۔ موصوف کو علم تھا کہ یہ صاحب اب تک آزادی فکر کے خوگر رہے ہیں اور انہوں نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف بھی باتیں لکھی ہیں۔ اس وجہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے یہ شرط لگائی کہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس سے رجوع کرو اور اس سے رجوع کو شائع کرو اور اپنی کتابوں میں تبدیلی کرو اور ان کے مضامین اہل السنّت کے مطابق کرو۔ وہ صاحب چونکہ سچے دل سے رجوع ہوئے تھے اس لئے انہوں نے شرط منظور کی اور اولاً اجمالاً رجوع شائع کیا، پھر تالیف میں تبدیلی کی۔

درحقیقت جسے انابت الی اللہ کی دولت نصیب ہوجائے وہ دنیا کو نہیں دیکھتا، وہ آخرت پر نظر کرتا ہے اور خوف وخشیت کی صفت اس کو ہر اس بات کے لئے آمادہ کردیتی ہے جس سے آخرت درست ہو۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا والے کیا کہیں گے بلکہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اپنی بات کی پچ کرتا رہا اور آخرت میں میرا کیا بنے گا؟ **جعلنا اللہ من المخلصین۔**

## نادانی میں ہونے والے گناہوں کی توبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**انما التوبةُ علیَ اللّٰہِ للذینَ یعملونَ السوءَ بجھالةٍ ثمَّ یتوبونَ مِن قریبٍ فاولٰٓئکَ یتوبُ اللّٰہُ علیھِم ط وَکانَ اللّٰہُ علیماً حکیمًا ط**

''اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے گناہ کرتے ہیں پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں جن کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے۔ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (سورۃ النساء:۱۷)

**وَاذا جآئکَ الذینَ یؤمنونَ بِایتنا فقل سلامٌ علیکُم کتبَ ربّکُم**

علیٰ نفسہٖ الرحمۃ انہ' من عملَ منکُم سوء 'ا بجھالۃٍ ثمَّ تابَ من بعدِہٖ وَاصلحَ فانہ' غفورٌ رحیم''.

''اے نبیؐ! جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم پر سلامتی ہے۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے اوپر رحمت ٹھہرائی ہے کہ جس نے تم میں سے نادانی سے کوئی برا کام کیا پھر اس نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ انعام:۵۴)

ثـمَّ انَّ ربکَ للذینَ عمِلوا السوءَ بجھالۃٍ ثمَّ تَابو ا مِن بعدِ ذٰلکَ وَاصلحُوا انَّ ربکَ مِن بعدِھا لغفور رحیم.

''بیشک تیرا پروردگار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی سے گناہ کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح پر آ گئے۔ بیشک تیرا پروردگا اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ نحل:۱۱۹)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ہاں توبہ اور معافی صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر گناہ کر جاتے ہیں انسان غفلت کی بنا پر کوئی گناہ کرتا ہے اور اسے اس کے بارے میں قرآنی احکامات معلوم نہ تھے مگر جب اس کو احساس پیدا ہوا اور ضمیر جاگ اٹھا کہ وہ تو بہت بڑا گناہ کرتا ہے۔ اور اللہ کے ہاں شرمندہ ہو جائے اور اپنے قصور کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص برائی کو جانتے ہوئے بھی یہ کہے کہ گناہ کر لو، بعد میں معافی مانگ لینا تو یہ نادانی نہیں بلکہ مکاری ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں بے شمار ایسے اعمال اور افعال سرزد ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں انسان کو پتہ نہیں ہوتا کہ کیا یہ گناہ ہے کہ نہیں، تو یہ لاعلمی اور نادانی ہے۔ لاعلمی کی حالت میں اگر انسان سے گناہ خود بخود سرزد ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے گناہوں سے توبہ کرنے پر انہیں معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

عموماً یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ سن شعور سے عالم شباب تک عمر ایسی جذباتی اور

دل آویز ہوتی ہے کہ انسان بھولے میں کیا کچھ کر جاتا ہے لیکن جونہی احساس بیدار ہوا تو انسان توبہ کی طرف مائل ہوگیا تو اللہ ایسے بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کوئی گناہ کر لیتا ہے پھر کہتا ہے کہ مولیٰ! میں نے گناہ کرلیا، مجھے معافی دیدے۔ رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کو پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر جتنا رب چاہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے۔ پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، کہتا ہے یارب میں نے گناہ کرلیا، بخش دے، رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس کو پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے جتنا رب چاہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے، عرض کرتا ہے یارب! میں نے گناہ کرلیا مجھے معافی دے تو رب فرماتا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، جو چاہے کرے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

اس حدیث پاک میں بخشش کا وعدہ ان لوگوں کے واسطے ہیں جو گناہ پر خود اصرار نہیں کرتے بلکہ گناہ سے بچنے کے باوجود اس سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے یعنی توبہ کے وقت اس کا پختہ عہد تھا کہ اب آئندہ گناہ سے بچتا رہوں گا مگر پھر بھی گناہ ہوگیا گویا وہ قولاً اور فعلاً اپنے گزشتہ گناہوں کی زندگی پر نادم ہوا اور اپنے مقدور بھر اس کے تدارک کی کوشش بھی کی۔ مگر اس کے باوجود گناہ ہوگیا تو اس پر شرمسار ہو کر اگر پھر اللہ تعالیٰ سے معافی کی طلب گار ہے تو ایسے شخص کی توبہ قبول کرنے کے لیے مولا کریم ہر وقت تیار ہے۔

جیسا کہ ایک اور حدیث شریف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معافی مانگ لینے والا گناہ پر اڑتا نہیں اگرچہ دن میں ستر بار گناہ کرے۔ (بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)

لیکن شرط صرف یہی ہے کہ ہر توبہ کے وقت آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو بالآخر ایک مرحلہ ایسا آ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اس کو گناہ سے محفوظ کر دے گا۔

## توبہ ظلم کو مٹا دیتی ہے

اے مسلم! تجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ظلم بہت بڑا گناہ ہے۔اور یہ لفظ قرآن پاک میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔یعنی جو شخص کفروشرک کرتا ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور جو دوسرے انسانوں کے حقوق غصب کرتا ہے تو وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے تو اس طرح ظلم کی تمام صورتوں میں انسان گنہگار ہے۔لیکن توبہ ظلم جیسے گناہ کو بھی مٹا دیتی ہے اس کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔فَمَن تابَ من بعدِ ظلمہٖ وَ أصلحَ فانّ اللّٰہَ یتوبُ علیہِ ان اللّٰہ َ غفورٌ رحیم''۔

''پھر جو شخص ظلم کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔ (سورۃ المائدہ:۳۹)

وَمن یّعمل سوء ًا أویظلِمَ نفسہ' ثمّ یستغفرِ اللّٰہ َیجدِ اللّٰہ َغفوراً رحیمًاط

''اور جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو وہ اللہ پاک کو غفور رحیم پائے گا۔ (سورۃ النساء:۱۱۰)

پہلی آیت چوری کے بعد توبہ کرنے کے بارے میں ہے۔چوری کی اصل سزا تو ہاتھ کاٹنا ہے مگر یہ سزا اس کے جرم کی ہے۔وہ ظلم جو اس نے چوری کر کے اپنے نفس کے اوپر کیا وہ سزا اس کے بعد بھی بدستور قائم رہتا ہے۔جب تک چور اللہ کے حضور اپنے کیے کی معافی طلب نہ کرتا۔لیکن جو شخص توبہ کر لے اور اپنے نفس کو چوری سے پاک کر

لے تو اللہ درگزر کرنے والا ہے مگر جن لوگوں کے نفسوں میں چوری بدستور قائم رہتی ہے وہ ایک مرتبہ سزا پانے کے بعد بھی چوری کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ نفس پر کیا جانے والا ظلم توبہ کے بغیر ختم نہیں ہوتا، لہٰذا اس طرح کا کام جرم کرنے والوں کو اللہ سے معافی مانگنی چاہیے اور اپنے نفس کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔

دوسری آیت میں یہ بتایا گیا کہ اگر کوئی شخص بُرا فعل کر گزرے یا اپنے نفس کے اوپر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کرنے کی التجا کرے تو اللہ درگزر کرنے والا ہے لیکن جو بُرائی کر کے اللہ سے معافی نہ مانگے تو وہ اس کے بُرے اعمال اس کے لیے ایک نہ ایک دن وبال جان بنیں گے۔

## توبہ واستغفار کے دنیاوی منافع

وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یمتعکم متاعاً حسناً الی اجل مسمی ویؤت کل ذی فضل فضله. (سورۂ ھود ۱)

''اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیش زندگی بخشے گا اور زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا۔''

اس آیت میں استغفار اور توبہ کا حکم ہے اور یہ فرمایا ہے کہ توبہ واستغفار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوش عیش رکھے گا اور اچھی عمدہ زندگی نصیب فرمائے گا اور آخرت میں ہر زیادہ عمل کرنے والے کو (جو اچھا عمل کرنے والا ہو) زیادہ ثواب دے گا۔

ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یرسل السمآء علیکم مدراراً ویزدکم قوة الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین . (سورۂ ھود ۵)

''اے میری قوم مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کے حضور میں وہ بھیج دے گا تمہارے اوپر خوب بارشیں اور بڑھا دے گا تمہاری قوت میں اور زیادہ قوت اور منہ مت پھیرو مجرم بنتے ہوئے۔'' یہ حضرت ہود علیہ السلام کی نصیحت ہے جو انہوں نے اپنی

قوم کوفرمائی تھی۔

**فقلت استغفروا ربکم انه کان غفاراً یرسل السمآء علیکم مدراراً ویمدد کم باموال وبنین ویجعل لکم جنتٍ ویجعل لکم انهاراً.**

''پس میں نے کہا کہ تم اپنے رب کی مغفرت طلب کرو بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری فرمادے گا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے جو اپنی قوم کو خطاب فرمایا تھا، آیات بالا میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ سے جہاں گناہوں کی معافی کا عظیم فائدہ ہے جو آخرت کے عذاب سے بچانے والا ہے، وہاں اس کے دنیاوی فائدے بھی ہیں۔

سورۂ ھود کی پہلے رکوع کی آیت میں ارشاد فرمایا کہ استغفار اور توبہ میں لگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ وقت مقرر تک (یعنی اسی دنیا میں موت آنے تک) خوش عیش عمدہ زندگی نصیب فرمائے گا۔ خوش عیش زندگی بہت جامع لفظ ہے۔ یہ متاعاً حسناً کا ترجمہ ہے جو ہر طرح کی خوشی اور مسرت اور شادمانی کو شامل ہے ظاہری باطنی عافیت وصحت اور اطمینان وسکون استغفار توبہ کے ذریعے اسی دنیا میں حاصل ہوتا رہے گا اور اس کی آخرت والے فوائد برکات اس کے علاوہ ہوں گے۔

سورۂ ھود کے پانچوے رکوع کی آیت میں ارشاد فرمایا کہ استغفار اور توبہ میں لگنے سے اللہ جل شانہ خوب بارشیں بھیجے گا اور قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمادے گا۔ بارش کا رحمت عامہ ہونا سب کو معلوم ہے۔ اس سے کھیتی اگتی ہے پھل میوے تیار ہوتے ہیں، دوسری ضرورتوں میں بارش کا پانی کام آتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ اللہ جل شانہ قوت میں اضافہ فرمادے گا۔ یہ الفاظ بھی ہر طرح کی قوت کو شامل ہیں۔ آج لوگ دنیاوی اسباب اختیار کرتے ہیں اور قوت وطاقت بڑھانا چاہتے ہیں لیکن طاقت بڑھنے کا جو اصل سرچشمہ ہے

کہ گناہوں کو چھوڑ دیں اور توبہ واستغفار میں لگیں، اس سے غافل ہیں۔ اسی لئے دشمن پٹتے اور مار کھاتے ہیں۔ اعمال صالحہ کی جو قوت ہے اور توبہ واستغفار سے جو قوت میں اضافہ ہوتا ہے اس سے بالکل بے خبر ہیں اور قوت وطاقت کی تلاش میں گناہوں میں اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ جو سبب ہے ضعف کا اور دشمن کے غلبے کا۔ حالانکہ و لا تتولو امجرمین میں اسی پر تنبیہ فرمائی ہے کہ توبہ واستغفار کرو اور نیکیوں میں لگو اور گناہ گاروں والی زندگی نہ گزارو

سورۂ نوح میں ارشاد فرمایا کہ استغفار کی وجہ سے گناہ معاف ہونگے اور کثرت سے بارش ہوگی اور اولاد میں ترقی ہوگی اور نہریں جاری ہوں گی۔ اس میں دو ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جو مذکورہ دوسری آیات میں بالتصریح مذکور نہیں۔ (گومتاعاً حسناً اور یزیدکم قوۃً الیٰ قوتکم کے عموم میں یہ بھی شامل ہے) اول اولاد میں ترقی، دوسری نہروں کا جاری ہونا۔ یہ دونوں بڑی نعمتیں ہیں جس کو سب جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں خوب واضح طور پر توبہ واستغفار کے لئے دنیاوی فائدے بتائے ہیں۔ عوام وخواص، حاکم اور رعایا سب پر لازم ہے کہ گناہ چھوڑیں اور توبہ واستغفار میں لگیں اور ان کے دنیاوی واخروی فوائد سے مالا مال ہوں۔

## توبہ کرنیوالوں کے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے جاتے ہیں

اسلام سے قبل عربی لوگوں میں بیشمار برائیاں یعنی شرک، قتل، جنسی بے راہروی۔ وغیرہ موجود تھیں۔ آج کل بھی مسلم معاشرہ میں یہ برائیاں عام پائی جاتی ہیں بلکہ جنسی بے راہروی، قتل، جوا، شراب اور سود تو نت نئے طریقوں سے ہمارے معاشرہ میں سرایت کر چکا ہے اور لوگوں کو یہ عمل کرتے ہوئے گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اسلام کے بعد لوگ تائب ہوں گے اور انہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا اور اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اپنے عقائد کو درست کیا تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نے نیکیوں میں تبدیل کر دیا''۔ درحقیقت

معاشرہ کے وہ لوگ جو حد درجہ تک بگڑ جائیں اور طرح طرح کے گناہوں میں گھر جائیں اور ان میں احساسِ برائی اس حد تک بیدار ہو جائے اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اب تو ہماری بخشش نہیں ہو سکتی، مگر اس وقت بھی اگر کوئی گنہگار توبہ کرے تو اللہ کی رحمت اور کرم سے وہ درگاہِ الٰہی سے کبھی خالی نہیں لوٹ سکتا اور ہو سکتا ہے کہ رحمت خداوندی جوش میں آ کر نہ صرف اس کے سابقہ گناہ معاف کر دے بلکہ ان کو نیکیوں میں تبدیل کر دے یہ اللہ کی رضا ہے جو چاہے سو کرے، اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ:

**انَ تَجتنبُوا کبآئرَمَا تُنھونَ عنہُ نکفِّر عنکُم سیاتکُم وَندخلکُم مدخلاً کریمًا.** (سورۃ النساء)

''جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ) تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ تم سے دور کر دیں گیا اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کر دیں گے''۔

بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ گناہ نیکی میں کسی طرح تبدیل ہو سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں میرے خیال میں گناہ نیکیوں میں اس طرح تبدیل ہوتے ہیں کہ جب انسان توبہ کر لیتا ہے تو سابقہ گناہ اس کے معاف ہو گئے اور آئندہ تائب نیکی کی طرف متوجہ ہو گا حتی کہ اس کی نیکیاں اتنی زیادہ ہو جائیں کہ یہ زیادتی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔

## توبہ کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے

اپنے بندوں کو توبہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے بشرطیکہ کوئی اس سے توبہ کی توفیق طلب کرے۔ اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

**لیسَ لکَ منَ الامَر شیءٌ أو یتوبَ علیھِم أویعذ بھُم فانھُم**

ظٰلِمُوْنَ۔

''آپ کا کوئی دخل نہیں (اللہ) انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے۔ کیونکہ وہ ظالم ہیں'' (سورۃ آل عمران:۱۲۸)

یاد رکھیئے کہ توبہ اللہ کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، کوئی کچھ کہے اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی بندہ کچھ بھی کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس لیے اے اللہ! ہر بندہ ہر حال میں تیرے حکم کو محکوم اور تیری توفیق کا محتاج ہے، لیکن تیری توفیق کس وقت ملتی ہے اے الٰہی! تو ہر اس بندے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے جو تجھ سے توفیق طلب کرتا ہے۔ لہٰذا توبہ کی توفیق طلب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور بندہ یہ توفیق اللہ سے اس وقت طلب کرتا ہے جب دنیا سے چار و ناچار مجبور ہو کر اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تین صورتوں میں انسان اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور توبہ کی توفیق طلب کرتا ہے۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ جب بُرائی میں انتہا پر پہنچ جاتا ہے، اور پھر جب اس پر گرفت ہوتی ہے تو اس کے دل میں احساسِ توبہ بیدار پیدا ہوتا ہے اور اس بیداری احساس پر اگر وہ اللہ سے توبہ کی توفیق طلب کرے تو اسے مل جاتی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی وجہ سے بھی دوسروں کو توبہ کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نیک مجلس میں ذکر و فکر سے بھی اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔

## تمام گناہوں سے توبہ کرنا فرض عین ہے

تمام گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ گناہ کس قسم کا ہو۔ کیونکہ انبیاء کرام اور خواصین کے علاوہ کوئی شخص مشکل ہی سے ایسا ہوگا جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اور اس کے جسم کے اعضاء گناہ سے پاک ہوں۔ اگر ایسا ہے تو ہوسکتا ہے کہ دل ہی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو اور اگر انسان ایسا نہیں تو شیطانی وسوسوں سے عام انسان خالی نہیں ہوسکتا۔ جس کی بنا پر انسان اللہ کی یاد سے غافل ہوسکتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو

اللہ کی معرفت کے حصول میں غفلت اور کوتاہیاں عموماً ہو جاتی ہیں۔ان سورتوں میں ہر شخص کی توبہ اس کے حال کی مناسبت سے ہوتی ہے لیکن توبہ ہر ایک کے لیے ضروری ہے البتہ نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔عوام الناس اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں،اللہ کے خاص بندے غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور اہل معرفت کی توبہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے تمام دنیا سے منہ موڑ لیں۔

توبہ جب ہر انسان پر فرض ہے تو ہر انسان کو بیک وقت تمام گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے مگر ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ایک گناہ سے توبہ کرے اور دوسرے گناہوں کو ویسے ہی سرانجام دیتا چلا جائے۔جس گناہ سے انسان توبہ کرے گا وہی گناہ دور ہوگا اور جس سے توبہ نہیں کرے گا وہ گناہ اس کے ذمے رہے گا،کوئی بھی اس زمرے سے مستثنیٰ نہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو ہوش وحواس اور عقل قائم نہ رکھتے ہوں،پھر نہ ہی توبہ کرنے کے لیے کوئی عمر کا خاص وقت مقرر کیا گیا ہے کہ تم فلاں عمر میں توبہ کرو۔ بلکہ جس وقت بھی شیطان انسان کو فریب دے اور انسان غفلت اور نادانی کا شکار ہو کر گناہ کر بیٹھے تو اسی وقت انسان کو توبہ کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔

**توبو آ الیٰ اللّٰہِ جمیعًا ایۃَ الْمؤمنونَ لعلکُم تفلحونَ .**

”اے ایمان والو! تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔(سورۃ نور:۳۱)

انسانی فلاح یہ ہے کہ انسان صاحب ایمان ہو اور اللہ کا اطاعت گزار بندہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کا پوری طرح پابند ہو اور پھر اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ میں اس سے کوئی لغزش،کوتاہی یا نافرمانی سرزد ہو جائے تو اس پر اللہ سے اس کی معافی مانگے،اور اپنی نادانی پر توبہ کرے اور پھر اللہ کے معاف کرنے پر انسان فلاح پا سکے گا مگر انسانی فلاح کے لیے ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق توبہ ہر شخص کی نجات کے لیے لازمی قرار دی گئی ہے اور توبہ کے اس حکم سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

و ان استغفرُوا رَبکُم ثمّ تُوبو آ اِلیہِ یُمتعکُم مناعًا حَسنًا الیٰ أجلِ

مُسمّی وَ یؤتِ کُلَّ ذِی فضلٍ فضله' . وَ ان تولّوا فانی اَخافُ علیکُم عذابَ یومٍ کبیرٍ .

''اورتم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ۔ پھراس کی طرف توبہ کرو۔ وہ تم کو مقرر مدت تک اچھا متاع دیگا اور اپنے فضل سے فضل دیگا اور اگر تم منہ موڑتے رہے تو بیشک مجھے تمہارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

(سورۃ ہود:۳)

دنیاوی متاع کی خاطر انسان لالچ میں آکر گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ عام انسانوں کے سامنے اپنی بہتری اور فلاح کا میعار صرف دنیاوی سہولتوں اور آرائشوں کا حصول ہے لیکن انسانی فلاح اور انجام کار کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے متاع کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، دین اور دنیا دونوں میں اللہ سے اپنی نجات اور فلاح مانگے اور انسانی نجات اسی میں ہے کہ رب العزت سے اپنے گناہوں پر توبہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مجھ سے اپنے گناہوں پر توبہ کرو۔ اور توبہ کرنے سے آخرت تو بن ہی جائے گی، لیکن دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انسان کو اچھا متاع دیں گے۔ توبہ کے اس حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے کہ صرف وہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں بلکہ یہ حکم روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے کہ جن راستوں پر وہ چل رہے ہیں، چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں۔ جو لوگ کفرو شرک، الحاد اور طرح طرح کی توہم پرستی میں مبتلا ہیں، ان کو چاہیے کہ توبہ کرکے صاحب ایمان بنیں۔ اور دین ودنیا میں فلاح پائیں اور اچھا متاع پائیں۔

وَ من یعمَل سوٓءً أو یظلِم نفسه' ثمّ یستغفرِ اللّٰہَ یجدِ اللّٰہَ غفورًا رحیمًا.

''جو کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو غفور اور رحیم پائے گا۔ (سورۃ نساء:۱۱۰)

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ کی طرف جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی اور وسعت رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے، گو وہ گناہ آسمان وزمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔

وَاستغفرُوا رَبکُم ثمّ توبوا اِلیہِ . ان ّربی رحیم وّ دود .

''اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر اس کی بارگاہ میں توبہ کرو بیشک میرا رب رحم کرنے والا بہت محبت کرنے والا ہے''۔ (سورۃ ہود: ۹۰)

## اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوتے ہوئے توبہ کرو

انسان بعض اوقات یہ سوچ کر توبہ نہیں کرتا کہ میں نے تو بے پناہ گناہ کر ڈالے ہیں۔ اتنے زیادہ گناہ اللہ کیونکر معاف کرے گا۔ یا یہ سوچتا ہے کہ اس کی تو معافی ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن ایسی سوچیں شیطانی وساوس کے سوا اور کچھ نہیں۔ بندوں کی اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قُل یعبادیَ الذینَ اسرَ فوا علیٰ انفسھِم لَا تقنطُوا مِن رحمۃِ اللّٰہ . ان اللّٰہ َیغفرُ الذنوبَ جمیعًا انہ' ھو الغفورُ الرحیمُ ٗ وَانیبُوا الیٰ ربکُم وَ اسلمُوا لہ' مِن قبلِ ان یا تیکُمُ الُعذابُ ثمّ لَاتُنصرونَ .

''آپ (میری طرف سے) فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی ہے، لہٰذا اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف فرمادیگا۔ بیشک وہ غفور رحیم ہے اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور جھک جاؤ اس کی بارگاہ میں اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آجائے۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔ (سورۃ الزمر: ۵۳)

اس آیت میں لوگوں کو یہی نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انسان کے ہزاروں لاکھوں گناہ بھی اللہ کی رحمت اور مغفرت کے

سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے سورۂ یوسف میں ارشاد ہے:۔

وَلا تایئسوا مِن روحِ اللّٰہِ ط انہ' لا یایئسُ مِن روحِ اللّٰہِ اِلا القومُ الکفِرونَ .

''اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ، بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں''۔ (سورۃ یوسف:۸۷)

اور سورۂ حجر میں ارشاد ہے: قالَ وَمن یقنطُ من رحمةِ ربہٖ الا الضآلونَ .

''(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے گفتگو فرماتے ہوئے) کہا کہ گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے وہ ارحم الراحمین ہے۔ مشرک اور کافر کے علاوہ سب کی مغفرت فرمادے گا۔ جس قدر بھی گناہ سرزد ہو جائیں اس کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور برابر توبہ کا اہتمام کرتے رہیں، کسی دن انشاء اللہ پکی توبہ بھی ہو جائے گی۔ صغیرہ گناہوں کی مغفرت اور ان کا کفارہ تو اعمال صالحہ سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہوں کی یقینی طور پر مغفرت ہو جانا توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر توبہ نہ کی اور اسی طرح موت آگئی تو بشرط ایمان مغفرت تو پھر بھی ہو جائے گی لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ بلا عذاب کے مغفرت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ یوں بھی مغفرت فرما سکتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ گناہوں کی سزا دینے کے لیے دوزخ میں ڈال دے، پھر عذاب کے ذریعہ پاک وصاف کر کے جنت میں بھیجے۔ چونکہ عذاب کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے اس لیے ہمیشہ پکی توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مغفرت کی امید رکھیں اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہوں، تاکہ اس حال میں موت آئے کہ توبہ کے ذریعہ سب کچھ معاف ہو چکا ہو۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مغفرت کی خوشخبری سن کر گناہوں پر جرأت کرنا اور اس گھمنڈ میں گناہ کرتے چلے جانا کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لیں گے، بہت بڑی نادانی ہے کیونکہ آئندہ کا حال معلوم نہیں، کیا پتہ توبہ سے پہلے موت

آ جائے۔ پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ موت سے پہلے توبہ واستغفار کی دولت ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے کا دھیان رکھتے ہیں اور کبھی کبھار گناہ ہوجاتا ہے تو توبہ کرلیتے ہیں اور جو لوگ مغفرت کی خوشخبریوں کو سامنے رکھ کر گناہ پر گناہ کرتے ہیں، ان کو توبہ واستغفار کا خیال تک نہیں آتا۔ وفادار بندوں کا شعار یہ نہیں کہ مغفرت کا وعدہ سن کر بے خوف ہوجائیں۔ بلکہ مغفرتوں کی بشارتوں کے بعد اور زیادہ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

## توبہ واستغفار کی برکتیں

توبہ واستغفار کے بیشمار دینی ودنیاوی فائدے ہیں اور اس کی بہت سی برکتیں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیا ہے۔

وَ اَنِ استغفرُوا ربکُم ثمّ توبوآ اِلیہِ یُمتّعکُم متاعًا حسنًا الٰی اَجلٍ مسمیً ویؤتِ کلّ ذی فضلٍ فضله'.

''اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھراس کی طرف متوجہ رہو۔ وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیش زندگی بخشے گا اور زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ (سورۃ ہود:۳)

اس آیت میں استغفار اور توبہ کا حکم ہے اور یہ فرمایا ہے کہ توبہ واستغفار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ (دنیا میں خوش عیش رکھے گا اور اچھی عمدہ زندگی نصیب فرمائے گا اور آخرت میں ہر زیادہ عمل کرنے والے کو (جو اچھا عمل کرنے والا ہو) زیادہ ثواب دے گا۔

وَ یقومِ استغفرُوا ربکُم ثمّ توبوآ الیہِ یُرسلِ السمآءَ علیکُم مدرارًا وّیزِدکم قوّۃً الیٰ قوتکُم وَلا تتولوا مُجرمینَ. (سورۃ ہود:۵۲)

''اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کے حضور میں۔ وہ بھیج دے گا تمہارے اوپر خوب بارشیں اور بڑھادے گا تمہاری قوت میں زیادہ

قوت اور منہ مت پھیرو مجرم بنتے ہوئے''۔ یہ حضرت ہود علیٰ نبینا علیہ السلام کی نصیحت ہے جوانہوں نے اپنی قوم کو فرمائی تھی۔

فقلتُ استغفرُوا ربکُم انه' کانَ غفارًا یرسلِ السمآء َعلیکُم مدرارًا. ویُمددکُم باموالِ و بنینَ وَ یجعل لکُم جنّٰتِ و یجعل لّکُم انھارًا

(سورۃ نوح: ۱۰ تا ۱۲)

پس میں نے کہا تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغات بنادے گا۔ اور تمہارے لیے نہریں جاری فرمادے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو اپنی قوم کو خطاب فرمایا تھا، آیت بالا میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔

اَلم یعلموآ اَنّ الله َھو یقبلُ التوبةَ عن عبادهٖ وَیاخذُ الصّدقٰتِ وَ ان الله َھو التوابُ الرّحیمُ . (سورۃ توبہ: ۱۰۴)

''کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ اللہ پاک توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بیشک اللہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے اور مہربان ہے''۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ سے جہاں گناہوں کی معافی کا عظیم فائدہ ہے جو آخرت کے عذاب سے بچانے والا ہے وہاں اس کے دنیاوی فائدے بھی ہیں۔ سورۂ ہود کے پہلے رکوع کی آیت میں ارشاد فرمایا کہ استغفار اور توبہ میں لگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ' وقت مقرر تک (یعنی اس دنیا میں موت آنے تک) خوش عیش عمدہ زندگی نصیب فرمائے گا۔ خوش عیش زندگی بہت جامع لفظ ہے۔ یہ مَتَاعًا حَسَنًا کا ترجمہ ہے جو ہر طرح کی خوشی اور مسرت اور شادمانی کو شامل ہے۔ ظاہری باطنی عافیت وصحت اور اطمینان وسکون استغفار وتوبہ کے ذریعہ اسی دنیا میں حاصل ہوتا رہے گا اور اس کے آخرت والے فوائد وبرکات اس کے علاوہ ہوں گے۔

سورۂ ہود کے پانچویں رکوع کی آیت میں ارشاد فرمایا کہ استغفار اور توبہ میں لگنے سے اللہ جل شانہ خوب بارشیں بھیجے گا اور قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا۔ بارش کا رحمت عامہ ہونا سب کو معلوم ہے۔ اس سے کھیتی اگتی ہے، پھل میوے اگتے ہیں۔ دوسری ضرورتوں میں بارش کا پانی کام آتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ جل شانہ قوت میں اضافہ فرمادے گا یہ الفاظ بھی ہر طرح کی قوت کو شامل ہیں۔ آج لوگ دنیاوی اسباب اختیار کرتے ہیں اور قوت وطاقت بڑھانا چاہتے ہیں لیکن طاقت بڑھنے کا اصل سرچشمہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑیں اور توبہ واستغفار میں لگیں اس سے غافل ہیں اسی لیے دشمن سے پٹتے اور مار کھاتے ہیں۔ اعمال صالحہ کی جو قوت ہے اور توبہ واستغفار سے جو قوت میں اضافہ ہوتا ہے اس سے بالکل بے خبر ہیں اور قوت وطاقت کی تلاش میں گناہوں میں اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں جو سبب ہے ضعف کا اور دشمن کے غلبہ کا، حالانکہ ولا تتولوا مجرمین میں اسی پر تنبیہ فرمائی ہے کہ توبہ واستغفار کرو۔ اور نیکیوں میں لگو اور اور گنہگاروں والی زندگی نہ گزارو۔ (بحوالہ جستہ جستہ از اللہ میری توبہ)

## توبہ کب قبول نہیں ہوتی

لیکن جب بندہ زندگی سے ناامید ہوجائے اور ملک الموت کو دیکھ لے اور روح حلق میں آجائے اور سینہ میں غرغرہ کی وجہ تنگی ہوجائے تو اس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ ہی خلاصی کی کوئی صورت ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

ولیستِ التوبة للذین یعلمون السیتا ت حتی اذا حضر احدَهم الموت قا ل انی تبتُ الأ ن ولا الذین یموتون وهم کفار اُولئکَ أعتدنالهم عذاباًالیما. (سورة النساء : ۱۸)

اوران لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی جو بڑے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آکھڑی ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔''

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فلمارأو بأسنا قالو اآمنا باالله وحدہٗ (سورۃ الغافر:۸۴)

''پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے''۔

اور اسی طرح جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بندہ ہوجائے گا۔ارشاد ربانی ہے:

یوم یات بعض آیات ربکم لاینفع نفسا ایمانها لم تکن آمنت من قبلُ أو کسبت فی ایمانها خیرا . (سورۃ الانعام:۵۸)

''جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی، کام نہ آئے گی کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی۔''

اور ایسے ہی معاذ اللہ اگر کفر وشرک پر موت آجاتی ہے یعنی کافر اگر اپنے کفر یا شرک کی حالت میں ہی مرجائے تو پھر اس کی ندامت اور توبہ قبول ہرگز نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ اپنی بخشش کے لئے بالفرض زمین کے برابر مال کا فدیہ بھی دے تو وہ بھی قبول نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو العالیہ اور حضرت ربیع بن انس ان سب حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور حضرت امام احمدؒ نے حضرت مکحولؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔یا (شاید) فرمایا کہ بندے کی بخشش فرماتے ہیں جب تک کہ حجاب نہ واقع ہوجائے۔آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حجاب کے واقع ہونے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندے کی روح اس حالت میں نکلے کہ وہ مشرک ہو۔اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اولٰئک اعتدنالهم عذابا ألیما.

یعنی ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج:۱)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مغرب سے

سورج طلوع ہونے سے پہلے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔

(رواہ مسلم)

## وقتِ نزع کی توبہ قبول نہیں

موت سے قبل انسان پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے جو دراصل موت کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور اس حال کو عالمِ نزع کہتے ہیں لہٰذا جب انسان پر موت طاری ہوتی ہے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ چونکہ نزع کے وقت مرنے والے کا ایمان واقرار قطعاً غیر اختیاری ہوتا ہے کیونکہ موت سے پہلے وقت میں جب انسان نے نیک کام کرنے تھے اور اللہ کی اطاعت کرنی تھی۔ وہ وقت تو ختم ہوگیا بلکہ اب تو عمل نہ کرنے پر سزا دینے کا وقت آیا ہے لہٰذا اس وقت انسان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اللہ کا دستور یہ نہیں ہے کہ تمام عمر انسان خدا سے بے خوف اور بے پرواہ ہوکر گناہ کرتا چلا جائے اور پھر عین اس وقت جب موت کا فرشتہ ظاہر ہو جائے، تو اس وقت توبہ کرنے لگے تو اس وقت توبہ نہیں ہوگی عیاب زندگی تمام ہو چکی۔ اب امتحان کی مہلت کیسی۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**انـمـا التوبةُ علىَ اللّهِ للذينَ يعملونَ السوٓءَ بجهالةٍثمّ يتوبونَ مِن قـريـبٍ فـاولٓـئكَ يتـوبُ الـلّـهُ عـليهِم ط وَ كانَ اللّهُ عليمًا حكيمًا ، و ليسـتِ التـوبةُ لـلـذينَ يعملونَ السياتِ. حتى اِذَا حضرَ أحدَ هُمُ الموتُ قـالَ انـى تُبـتُ الأنَ وَلا الـذينَ يموتونَ وَ هُم كفار . اولٓئكَ اعتدنَا لهُم عذابًا اليمًا.**

”توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو بے سمجھی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، حکمت والا ہے اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے

رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی (توبہ مقبول ہے) جن کو حالت کفر پر موت آ جاتی ہے ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ النساء)

اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب موت آ کھڑی ہو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے، ایمان بالغیب معتبر ہے اور توبہ بھی اسی وقت مقبول ہوتی ہے جب غیب پر ایمان رکھتے ہوئے توبہ کی جائے۔ جب کسی آدمی کو اپنے حالات کے اعتبار سے یہ یقین ہو گیا کہ اب میں مرنے ہی والا ہوں۔ اور زندگی سے ناامید ہو گیا، لیکن موت کے وقت جو دوسرے عالم کے احوال منکشف ہوتے ہیں ان میں سے ابھی کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تو اس وقت تک گنہگار کی توبہ اور کافر کا ایمان مقبول ہے لیکن جب موت آنے لگی۔ اور دوسرے عالم کے حالات نظر آنے لگے جو موت کے وقت نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں تو اس وقت نہ گنہگار کی توبہ قبول ہے نہ کافر کا ایمان قبول ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک بزرگ و برتر اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک وہ نزع کی حالت کو نہ پہنچا ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ دوسرے نے کہا سچ مچ تم نے حضور سے سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا کہ میں نے یہاں تک سنا ہے کہ اس کے نرخرے میں روح آ جائے تو بھی توبہ کے دروازے اس کے لیے کھلے رہتے ہیں۔

اکثر احادیث کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور

اسے اپنی حیات کی امید ہے تب تک وہ خدا کی طرف جھکے، توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرلیتا ہے۔ ہاں جب زندگی سے مایوس ہوجائے، فرشتوں کو دیکھ لے اور روح جسم سے نکل کر حلق تک آجائے۔ غرغرہ شروع ہوجائے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ جو مرتے دم تک گناہوں پہ اڑا رہے اور موت کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اب تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

## عالم برزخ کے حالات منکشف ہوجائیں تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی

**انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالةٍ ثم يتوبون من قريب فاولٰئک يتوب الله عليهم ،وكان الله عليما حكيما .وليست التوبة للذين يعلمون السيات حتى اذا حضر احدهم الموت قال انى تبت الا ن ولا الذين يموتو ن وهم كفار اولٰئک اعتدنا لهم عذابا اليماً**

(سورۃ نساء۴)

’’توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کرلیتے ہیں سو ان پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جس کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے۔ ان لوگوں (کافروں) کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ (یعنی ایسے وقت میں جب کہ موت کے حالات سامنے آجائیں، کافر کا ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب موت آکھڑی ہو، اس وقت توبہ قبول

نہیں ہوتی۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے ایمان بالغیب معتبر ہے اور توبہ بھی اسی وقت قبول ہوتی ہے جب غیب پر ایمان رکھتے ہوئے توبہ کی جائے۔ جب کسی آدمی کو اپنے حالات کے اعتبار سے یہ یقین ہو گیا کہ اب میں مرنے ہی والا ہوں اور زندگی سے ناامید ہو گیا لیکن موت کے وقت جو دوسرے عالم کے احوال منکشف ہوتے ہیں ان میں سے ابھی کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تو اس وقت تک گناہ گار کی توبہ اور کافر کا ایمان مقبول ہے۔ لیکن جب موت آنے لگے اور دوسے عالم کے حالات نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں تو اس وقت نہ گناہ گار کی توبہ قبول نہ کافر کا ایمان قبول ہے۔

''بیان القرآن'' میں لکھا ہے کہ محققین کا یہی مذہب ہے اور اسی کو حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ **ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔** (مشکوٰۃ عن ابن عمرؓ مرفوعاً) یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک توبہ قبول فرماتے ہیں جب تک کہ اس کی روح حلقوں میں نہ پہنچ جائے۔

جب گلے میں روح آ کر اٹک گئی اور غرغر کی آواز آنے لگی، اس وقت کی توبہ کا اعتبار نہیں ہے۔ صحیح حالت میں ہوش گوش کے ساتھ توبہ کرنا لازم ہے۔

آیت بالا میں **جو یعملون السوء بجھالۃ** فرمایا ہے: اس کا ترجمہ بیان القرآن میں یوں ہے کہ ''جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں''۔ یعنی جہالت سے علمی جہالت مراد نہیں ہے بلکہ عملی جہالت مراد ہے جس کو ترجمے میں حماکت سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس جو شخص گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کرے (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) پھر توبہ کر لے تو اس کی بھی توبہ قبول ہو گی۔ لفظ جہالت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ علم والے کی توبہ قبول نہیں۔

صاحب بیان القرآن تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قید احترازی نہیں واقعی ہے کیونکہ ہمیشہ گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے، جس کو اپنے نفع وضرر کی پرواہ نہیں ہو اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہو گی؟ دوسری آیت میں اس جیسے مواقع پر جو لفظ جہالت آیا ہے اس کی بھی یہی معنی سمجھ لی جائے۔

# تیسرا باب

## توبہ سے متعلق احادیثِ نبوی ﷺ

### توبہ سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں

انسان جب اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے کہ ایک انسان جس کو اس نے پیدا کیا۔ پھر پیدائش سے موت تک پرورش کا ذمہ لیا۔ اس پر طرح طرح کے احسان کیے اور بے شمار لازوال رحمتیں بخشیں۔ مگر یہ نادان اپنے ازلی دشمن شیطان کے فریب میں آ کر اللہ کی اطاعت اور عبادت سے بھٹک گیا لیکن پھر اسی کی توفیق سے توبہ کا طالب بنتا ہے اور دنیا سے منہ موڑ کر اسی کے حضور توبہ کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ سے مسرت ہوتی ہے۔ کہ ایک بھولا ہوا انسان اس کے حضور میں آ کر سجدہ ریز ہو گیا ہے۔ اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حسبِ ذیل ہے۔ کہ جس کا مفہوم ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندہ کے خیال کے ساتھ ہوں یعنی جو میرے بارے میں جو گمان کرے میں ویسا ہی کر دوں گا۔ اور میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! اس میں شک نہیں کہ اپنے بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جب تم میں سے کسی سواری وغیرہ جنگل میں بیابان میں گم ہو جائے اور وہ پھر اس کو پالے (نیز اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ) جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا

ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہوتا ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف متوجہ کو کر پاؤں سے چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتے ہوئے متوجہ ہوتا ہوں۔

اس حدیث میں اہل ایمان کے لیے چند بشارتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں بندہ کے خیال کے ساتھ ہوں کہ جب وہ یہ خیال کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور معاف کر دے گا، دنیاوی مصیبتوں اور آخرت کے عذابوں سے محفوظ فرما دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی امید اور گمان کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ درحقیقت یہ بہت بڑی بشارت ہے، امید باندھنے اور اچھا گمان رکھنے میں تو کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان ہے، امید اور گمان پر کتنی بڑی عنایت اور مہربانی کی خوشخبری دی ہے، کوئی ہوتو سہی اللہ کی طرف بڑھے البتہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ امید رکھ کر نیکیاں کرتے رہنا چاہیے اور گناہوں سے بچتے رہنا چاہیے۔

دوسری بشارت: جو اس حدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں بندہ کے ساتھ ہوں۔ جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے، اللہ کی معیت بہت بڑی دولت ہے اور اس کا کیف وہی بندے محسوس کرتے ہیں جو زبان اور دل سے اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ ہونا کتنی بڑی نعمت ہے۔ ذرا اس کو غور کرو، اللہ کی معیت کا مزہ انہیں لوگوں سے پوچھو جن کو ذکر کی حضوری حاصل ہے اور جو اپنے احوال و اشغال میں اللہ پاک کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

تیسری بشارت: دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ پاک کی طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف اس سے کئی گناہ زیادہ بڑھتا ہے۔

چوتھی بشارت: یوں دی کہ اللہ جل شانہ کی طرف کوئی معمولی رفتار سے چلے تو اللہ

جل شانہ اس کی طرف دوڑ کر پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی بطور مثال ہے، اللہ پاک کی مہربانی اور توجہ اور شانِ کریمی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ بلا مثال اس کو یوں سمجھ لو جیسے کوئی بچہ ہو، اس نے نیا نیا چلنا شروع کیا ہو اور گرتا پڑتا چلتا ہو۔ اس کو کوئی اپنی طرف بلائے وہ دو چار قدم چلے تو بلانے والا جلدی سے دوڑ کر اسے اپنی گود میں لے لیتا ہے اور شاباش دیتا ہے۔

پس اے مؤمنو! اللہ کی بڑھو۔ اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو، توبہ کرتے رہو استغفار میں لگے رہو اور برابر ذکر الٰہ میں لگے رہو۔ حدیث بالا میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ کو بندہ کے توبہ کرنے سے اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو لق و دق جنگل بیابان میں ہو۔ اس کی سواری اور کھانے پینے کا سب سامان گم ہو جائے اور ہر طرف دیکھ بھال کر، ناامید ہو کر یہ سمجھ کر لیٹ جائے کہ اب تو مرنا ہی ہے۔ اور ایسے وقت میں اچانک اس کی سواری سامان کے ساتھ اس کے پاس پہنچ جائے۔ اس شخص کو جو خوشی ہوگی وہ بیان سے باہر ہے۔ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ جل شانہ کو اس شخص کی خوشی سے بڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص شانِ کریمی ہے۔

ایک اور مقام پر اسی حدیث کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جس کے روای حضرت انس بن مالک ہیں، ان سے روایت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ وش ہوتا ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی مسافر کو اپنے اس اونٹ کے مل جانے سے ہوتی ہےجس پر وہ چٹیل بیابان میں سفر کر رہا ہو اور اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بندھا ہوا ہو اور وہ اونٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے اور پھر اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے مایوس ہو جائے اور اسی مایوسی کے عالم میں وہ کسی درخت کے سائے کے نیچے لیٹ جائے اور پھر اسی حالت میں اچانک اونٹ کو اپنے پاس کھڑا ہوا پائے اور اس کی مہار پکڑے اور پھر خوشی کے جوش میں زبان اس کے قابو میں نہ رہے اور خداوند کریم کا شکر یہ ادا کرنے کی غرض سے کہنے لگے

اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، تو جس قدر اس کو اپنا اونٹ پا کر خوشی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو مومن کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی عبادت اور اطاعت سے بے نیاز اور بالاتر ہے اور اس طرح وہ اس کی سرکشی اور نافرمانی سے بھی بے نیاز ہے مگر انسان کو عبادت اور توبہ واستغفار کا فائدہ بھی انسان کو پہنچتا ہے، اور اسی طرح اللہ سے کفر وشرک کرنے کا نقصان بھی انسان ہی کو پہنچتا ہے۔ البتہ جب انسان اس کی اطاعت کی طرف قدم بڑھائے تو اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

## توبہ کی ترغیب اور توبہ کا حاصل

سعید ابن ابی بردہ رحمہ اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ میں دن میں سو بار توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے اے لوگو! اللہ کے سامنے توبہ کرو کہ میں دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ پس جب رسول اللہ ﷺ توبہ واستغفار کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو چکے ہیں۔ تو ایسے لوگ جن کے متعلق کچھ پتہ نہیں کہ ان کے گناہوں کی بخشش ہوئی ہے یا نہیں ان کو لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں اور اپنی زبان کو ہمہ وقت استغفار میں مشغول رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

بلکہ بعض آدمی یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق وفجور کرتا رہے۔

(سورہ قیامہ آیت نمبر ۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ آدمی یہ چاہتا ہے کہ گناہ کئے جائے اور توبہ میں سستی کرتا رہے اور یہ کہہ کر ٹالتا رہے کہ توبہ کرلوں گا حتیٰ کہ اسے گناہ والی حالت میں موت آجاتی ہے اور وہ یونہی مر جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ٹالنے والے ہلاک ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ توبہ کو آج کل پر ٹالتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہر انسان

پر لازم ہے کہ وہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا رہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے!

اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے

(سورہ شوریٰ آیت نمبر ۲۵)

یعنی جب توبہ کرتے اور رجوع کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے درگزر فرما دیتے ہیں اور توبہ کا حاصل یہ ہے کہ اپنے گناہ پر دل سے نادم ہو، زبان سے استغفار کرے آئندہ کے لئے عزم کرے کہ پھر یہ گناہ ہرگز نہ کروں گا۔

(بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## بہترین خطا کار وہ ہیں جو خوب زیادہ توبہ کرنے والے ہیں

تائب ہونے کے بعد اگر انسان سے پھر کوئی لغزش ہو جائے یعنی گناہ سرزد ہو جائے تو انسان کو فوراً اس کے ازالہ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔توبہ اور استغفار کرنا چاہیے اس کے بارے میں ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ ذیل ہے کہ:۔''حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن اور ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے گھوڑا اپنے ٹھکانہ کی جگہ پر بندھا ہوا (اور اس کے پاؤں میں لمبی رسی ہو وہ رسی کی لمبی کی حد تک) گھومتا رہتا ہے پھر اپنے ٹھکانہ پر آجاتا ہے۔ایسے ہی مومن غافل ہو جاتا ہے اور گناہ کر لیتا ہے پھر ایمان (کے مطالبات) کی طرف واپس آجاتا ہے پس تم لوگ اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلایا کرو اور اپنے عطیے مومنین لوگوں کو دیا کرو۔

ایسے ہی زیادہ توبہ اور استغفار کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ توبہ کرنے پر زور دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو خوب زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔

(بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن سے گناہ ہو جانا کوئی تعجب اور اچنبھے کی بات نہیں ہے البتہ گناہ پر اصرار کرنا مؤمن کی شان سے بہت بعید ہے، گناہ ہو جائے تو جلد توبہ کر لینی چاہیے اور ایمانی تقاضوں کے پورا کرنے میں لگ جائے، سرکش نہ بنے اور ضد وعناد پر کمر نہ باندھے کیونکہ یہ بربادی کا سبب ہے۔ لہٰذا لغزش کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے حضور میں دوبارہ توبہ کرے اور اپنے دل میں پختہ ارادہ کرے کہ میں اس گناہ کو دوبارہ نہ کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگے کہ آئندہ اس سے دوبارہ سرزد نہ ہو اور اپنے دل میں اپنے کیے پر شرمندہ اور نادم ہو، اور اس گناہ کے عذاب سے ڈرے اور اللہ سے درگزری اور رحمت کی دعا مانگے۔ کیونکہ انسان کے جرموں کو اللہ کی عفو بندہ نوازی کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

بزرگوں نے کفارے کا ایک طریقہ یہ بھی بتلایا ہے کہ انسان دوبارہ تائب ہونے کی غرض سے اچھی طرح اپنے جسم اور کپڑوں کو پاک صاف کر کے دو رکعت نماز ادا کرے نوافل ادا کرنے کے بعد استغفار کا ورد کرے۔ دل میں خضوع وخشوع اور عاجزی اتنی ہو کہ دل خوف خدا سے کانپ اٹھے۔ اللہ سے اپنے کیے پر توبہ کرے توبہ سے دل کا خاصا تعلق ہے اگر استغفار کا ورد صرف زبان پر ہی دیا جائے اور دل اس سے غافل ہو تو ایسی توبہ بلند درجہ نہیں رکھتی۔ مگر صرف زبان سے ہی توبہ کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں کیونکہ زبان کے ورد میں کثرت سے دل میں حضوری پیدا ہوتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ مصیبت سے بچنے کا عزم کرنے کے بعد انسان توبہ پر قائم رہ سکے۔ اگر توبہ کے بعد پھر فتور آ جائے اور پختہ ارادے کے بعد پھر انسان گناہ میں الجھ جائے تو ثوابِ توبہ ضائع نہیں ہوتا۔ صوفیائے کرام میں کچھ ایسے صوفیا بھی گزرے ہیں جو توبہ کرنے کے بعد لغزش کے مرتکب ہوئے

اور گناہ میں الجھ گئے مگر پھر تنبیہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے مشائخ کرام میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بار توبہ کی اور ہر بار معصیت کا شکار ہوا۔ اکہترویں بار میری توبہ کو استقامت نصیب ہوئی۔ حضرت ابو عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان حیریؒ کے دست مبارک پر میں تائب ہوا اور عرصہ دراز تک آپ کی خدمت میں رہ کر باطنی فیوض و برکات حاصل کیے۔ لیکن کچھ عرصہ اپنی توبہ پر قائم رہنے کے بعد میں لغزش کا مرتکب ہوا۔ اس کے بعد حضرت عثمان حیریؒ کی مجلس سے گریز کرتا رہا، جہاں کہیں بھی دور سے نظر آتے ندامت سے راہِ فرار اختیار کرتا۔ ایک روز سامنا ہو ہی گیا، آپ نے فرمایا بیٹا دشمنوں کی صحبت اختیار کرنے سے کیا حاصل؟ جب تک گناہوں سے دامن بالکل پاک نہ ہو، دشمن تو ہمیشہ عیب ڈھونڈتا ہے اگر تو عیب سے پاک ہوگا تو اسے تکلیف ہوگی اگر گناہوں کا مرتکب ہونا ہی ہے تو ہمارے پاس آ، تیری مصیبت ہم برداشت کرلیں گے دشمن کی خواہش کے مطابق خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت ابو عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے گناہ کی رغبت نہیں ہوئی اور میری توبہ کو استقامت مل گئی۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ کسی شخص نے توبہ کی پھر گناہ کا مرتکب ہوا پھر پشیمان ہوا ایک روز دل میں سوچا اگر اب درگاہ حق میں جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا۔ ہاتف نے کہا تو ہمارا فرمان بردار تھا تو ہم نے تجھے شرفِ قبولیت بخشا تو فرمانبردار ہوا تو ہم نے تجھے مہلت دی۔ اگر اب بھی تو ہماری طرف آئے تو ہم تجھے قبول کرلیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ ہونے کے بعد بھی اگر انسان سے کوئی غلطی ہو جائے تو پھر بھی توبہ کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور اللہ کے حضور جھک جانا چاہیے۔

## توبہ کا دروازہ

شیخ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے توبہ کے دروازے کا ذکر فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھنے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ توبہ کا دروازہ کیا چیز ہے۔ ارشاد فرمایا! توبہ کا

دروازہ مغرب میں ہے جس کے کواڑ سونے کے ہیں، جس پر موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہیں۔ دونوں کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک تیز رفتار سوار چالیس برس میں طے کرسکتا ہے اور یہ دروازہ جب سے مخلوق پیدا ہوئی ہے کھلا ہوا ہے اور جس دن سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا اس دن توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ جو بندہ توبۃ النصوح کرتا ہے وہ اسی دروازہ سے داخل ہوتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ یہ توبۃ النصوح کیا ہے؟ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ گنہگار اپنے کئے ہوئے گناہ پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معذرت کرے اور پھر کبھی اس کا اعادہ نہ کرے۔ پھر جب سورج اور چاند اس دروازہ میں غروب ہوں گے اس کے بعد اس دروازہ کے کواڑیوں مل جائیں گے کہ کسی شگاف وغیرہ کا نام ونشان نہ ہوگا اس وقت کسی بندے کی توبہ قبول نہ ہوگی اور نہ ہی کوئی ایسی نیکی نفع دے گی جو آج سے پہلے اس نے بحالت اسلام نہیں کی تھی ہاں جو شخص پہلے سے نیکو کار تھے ان کی نیکیاں جاری رہیں گی۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## ایک حدیث اور اس کی وضاحت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ: میں نے ایک بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جب کہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتے تھے کہ: اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اس کی شان غفاریت کا ظہور ہوگا)

(بحوالہ صحیح مسلم)

فائدہ!......اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گنہگاروں کو پسند کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعے گناہوں اور گنہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے، بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہ سے بچایا جائے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جائے۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کو ظاہر کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے اور صفت رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔

علی ہذا القیاس جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے، اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے ان میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفتِ مغفرت اور شان غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کر دی۔

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

## مؤمنین ہی توبہ کی طرف مائل ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اوصاف بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر پُر سکون، پُر وقار اور تواضع سے رہتے ہیں اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ تکبر نہیں کرتے اور جب بے علم ان سے باتیں کرتے ہیں تو ان سے بحث میں الجھنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ فضول باتوں سے انسان گنہگار ہو جاتا ہے، ایمان والے ہی اللہ کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہیں، راتیں عبادت میں گزارتے ہیں اور ایسے لوگ ہی ایسی دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کا عذاب پرے رکھ اللہ کے بندے نہ خرچ کرتے وقت بخیلی کرتے ہیں اور نہ اسراف کرتے ہیں بلکہ اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کی یہ خصوصیت بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے کیونکہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور نہ ہی وہ کسی کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔ جو لوگ ان اوصاف کو چھوڑ کر ان کے برعکس کام کریں تو ان کو قیامت کے دن عذاب ہوگا۔ مگر ایسے لوگ جن سے گناہ سرزد ہو جائیں اور وہ اللہ کے حضور توبہ کر لیں اور اللہ پر اپنے ایمان کو پختہ کریں اور آئندہ سے نیک کام کرنے لگیں تو اس طرح وہ مومن بن جائیں گے کیونکہ توبہ ہی سے اللہ کی طرف سچی لگن اور رغبت قائم ہوتی ہے اور اللہ کی طرف یہی رجوع، حقیقت میں گناہوں سے بچاؤ ہے اور رغبت توبہ علامتِ ایمان ہے۔

حضرت ابوفردہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ اگر کسی شخص نے سارے ہی گناہ کیے ہوں، جو جی میں آیا ہو گیا ہو تو اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم مسلمان ہو گئے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا اب نیکیاں کرو اور بُرائیوں سے بچو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی

نیکیوں میں تبدیل کر دے گا اس نے کہا میری غداریاں اور بدکاریاں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، تو وہ اللہ اکبر کہتا ہوا واپس چلا گیا۔ ''اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے جو چاہے کر سکتا ہے''

ایمان، اللہ اور بندے کے درمیان ایک ایسا رابطہ ہے جو انسان کو توبہ کی طرف مائل کر دیتا ہے اس لیے توبہ کی طرف مائل رہنا ہی اہل ایمان کی نشانیوں میں سے ہے۔

## ایک نیکی کی طاقت

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے لکھا نہیں جاتا تا آنکہ وہ دوسرا گناہ کر لے اور پھر اس دوسرے کو نہیں لکھا جاتا جب تک کہ اور گناہ نہ کر لے۔ اسی طرح جب اس کے پانچ گناہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ایک نیکی کر لیتا ہے تو اس کی دس نیکیاں لکھنے کے بجائے پانچ لکھی جاتی ہیں اور باقی پانچ گناہوں کے مقابل ہو جاتی ہیں۔ اس پر ابلیس لعین چیختا ہے اور کہتا ہے کہ میں ابن آدم پر کیسے غلبہ پا سکتا ہوں کہ وہ میری تمام محنت پر ایک نیکی سے پانی پھیر دیتا ہے)

(بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## توبہ کا عظیم انعام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں تو کراماً کاتبین فرشتوں نے جو گناہ اس کے لکھے تھے وہ بھول جاتے ہیں اور اس کے اعضاء بھی ان گناہوں کو بھول جاتے ہیں اور زمین کا وہ ٹکڑا بھی اس کے گناہ بھول جاتا ہے اور اس کے مقابل آسمان کا حصہ بھی اس کو بھول جاتا ہے یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی چیز اس بندے کے خلاف اس کے گناہ کی گواہی نہ دے سکے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق کے پیدا ہونے سے چار ہزار برس پہلے عرش کے چاروں طرف یہ لکھ دیا گیا ہے۔

و انی لغفار المن تاب و امن و عمل صالحا ثم اهتدی

ترجمہ: اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر اس پر قائم رہیں۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## اللہ تعالیٰ بار بار بھی توبہ قبول فرماتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ! اللہ کے ایک بندے سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا اس نے عرض کیا اے میرے رب مجھ سے یہ گناہ ہوگیا مجھے معاف فرمادیجئے اس کے رب نے اس سے فرمایا: بندے کو یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے، لہٰذا اللہ نے اسے معاف فرمادیا، پھر وہ شخص کچھ دنوں تک ٹھیک ٹھاک رہا پھر ایک اور گناہ کر بیٹھا یا اس سے کوئی اور گناہ سرزد ہوگیا اور اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے دوسرا گناہ سرزد ہوگیا ہے لہٰذا اسے بھی معاف فرمادیجئے اس کے رب نے فرمایا: میرے بندے نے یہ یقین کرلیا کہ اس کا ایک ایسا رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور اس پر گرفت بھی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا۔ پھر وہ شخص کچھ دنوں تک گناہوں سے بچا رہا، پھر کوئی اور گناہ کر بیٹھا یا اس سے اور کوئی گناہ ہوگیا تو اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں تو ایک اور گناہ کر بیٹھا لہٰذا آپ میری مغفرت فرمادیجئے تو اس کے رب نے فرمایا: میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک ایسا پروردگار ہے جو گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے فرمایا: میں نے اپنے بندے کی مغفرت کردی لہٰذا وہ جو چاہے کرتا پھرے۔

(بحوالہ بخاری شریف)

فائدہ!...... واضح رہے حدیث مبارک میں ''جو چاہے کرتا پھرے'' کے الفاظ آئے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ اب تو کھلی چھٹی مل گئی جو گناہ چاہو کرتے پھرو، یہ

سوچ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے حدیث بالا میں ان لوگوں کو خوشخبری دی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں اور اس دوران کوئی گناہ ہوجاتا ہے تو بندہ توبہ کرتا ہے، اسکے بعد اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور پھر جانے میں یا انجانے میں کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر اللہ سے توبہ واستغفار کرتا ہے گویا کہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے توبہ واستغفار کو سامنے رکھتا ہے ان کے لئے خوشخبری ہے کہ گناہوں کے سامنے مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ توبہ و استغفار کو لازم پکڑنا چاہئے۔ اور جو توبہ واستغفار کا اہتمام نہیں کرتے اور گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سخت کوڑے سے ڈرنا چاہئے جو نامعلوم کب برس پڑے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

## توبہ کرنیوالوں کے گناہ نیکیوں میں بدل دیے جاتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرمادیئے ہیں تو جو نیکی کا ارادہ کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے میں دس سے سات سو گنا بلکہ بہت زیادہ گُنا تک لکھ لیتا ہے اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں، تو اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے۔ پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے، پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالیٰ ایک گناہ لکھتا ہے ۔

(بحوالہ مسلم شریف)

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اللہ ایک نیکی پر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ مقدار تک جزا عطا فرماتا ہے اور اس کے برعکس ایک گناہ کے بدلے صرف ایک ہی گناہ شمار ہوتا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعض گناہ ایسے بھی ہیں جس سے تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ معافی کی صورت یہی ہے کہ بندہ وتوبہ استغفار کرے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت ابوسعیدؓ ہیں۔ آپ نے

فرمایا کہ جب بندہ مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سارے کیے ہوئے گناہ مٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد قصاص ہوتا رہتا ہے کہ نیکی تو دس گُنے سے لے کر سات سو گُنا بلکہ بہت زیادہ تک ہے اور گناہ اسکے برابر۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ معافی دے دے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

عن وبی ذرٍوَ معاذِ بنِ جبلِ رضی اللّٰہ عنہما رسولِ اللّٰہِ صلیَ اللّٰہ علیہِ وَسلمَ قالَ: اتقِ اللّٰہَ حیثمَا کنتَ وَأتبعِ السیئۃَ الْحسنۃَ تمحھَا وَ خالقِ الناسَ بخلقٍ حسنٍ.

"حضرت ابوذر اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈر تو جہاں کہیں بھی ہے اور برائی کے بعد نیکی کر، یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ اور تو لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔

(بحوالہ ترمذی شریف)

اس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بدلے نیکی کر لے۔ یہ نیکی گناہ کی مغفرت اور کفارہ کا باعث ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ان الحسناتِ یُذھبنَ السیئاتِ "یعنی بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں" یہ بھی اللہ جل شانہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ نیکیوں کے ذریعے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی مومن بندہ وضو کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے اور ہاتھوں سے اور پاؤں سے اور چہرے سے اور سر سے اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ (بحوالہ مؤطا امام مالک)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی مسلمان کو فرض نماز حاضر ہو جائے (یعنی نماز کا وقت ہو جائے) پھر وہ نماز کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور نماز کا رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے کرے تو یہ نماز اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی، جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ

کرے اور یہ کفارہ سیئات اس طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو ان کے درمیان ہو جائیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ (بحوالہ مسلم شریف)

تو یہ تمام روایات ہمیں یہ درس دیتی ہیں کہ ہمیں توبہ کے بعد نیکیوں کی طرف مائل رہنا چاہیے۔

## شیطان کا دعویٰ / اللہ کا وعدہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان مردود کو زمین پر اتارا تو کہنے لگا کہ تیری عزت کی قسم میں ابن آدم کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ اس کی روح جسم سے الگ نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عظمت (عزت) کی قسم کہ میں اپنے بندے سے توبہ کو نہیں روکوں گا یہاں تک کہ مرتے وقت اس کی سانس اکھڑنے لگے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## نیکی کا فرشتہ، بدی کے فرشتے پر افسر ہے

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! دائیں جانب والا فرشتہ (یعنی نیکی کا فرشتہ) بائیں والے فرشتے (بدی کا فرشتہ) کا افسر ہے، بندہ جب کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں والا اس کی دس (نیکیاں) لکھتا ہے اور جب برائی کرتا ہے اور بائیں والا لکھنا چاہتا ہے تو دائیں والا کہتا ہے ذرا ٹھہر جا۔ چنانچہ وہ سات گھڑیاں رکا رہتا ہے اگر توبہ واستغفار کرے تو کچھ نہیں لکھتا۔ اگر توبہ استغفار نہ کرے تو صرف ایک برائی لکھتا ہے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## توبہ انسان کو بے گناہ بنا دیتی ہے

توبہ انسان کو بے گناہ بنا دیتی ہے جیسے انسان نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ اور ایسا

کر دیتی ہے جیسا کہ وہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ بالکل بے گناہ ہوتا ہے اور بے گناہی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کیونکہ بے گناہی اطاعتِ الٰہی کی دلیل ہے اور گناہ نافرمانی کی علامت ہے لہٰذا جو بندے فرمانبردار ہوں اللہ انہیں پسند کرتا ہے اور اپنی قربت سے نوازتا ہے۔ چنانچہ ہر انسان کو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ جس قدر اللہ کے حضور جھک سکتا ہو جھکے۔ چونکہ توبہ بندے کو اللہ کے بہت قریب کر دیتی ہے، اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

**وَعن عبدِ اللّٰہ بن مسعودٍ رضی اللّٰہ عنہ عنِ النّبیّ صلی اللّٰہ علیہِ وَسلمَ قالَ التائبُ منَ الذنبِ کمن لَا ذنبَ لہ'.**

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (بحوالہ طبرانی)

اس حدیث میں بھی اوپر والی بات کہی گئی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ توبہ کرنے والا اور گناہ نہ کرنے والا اس بات میں دونوں برابر ہیں کہ نہ اِس کا مواخذہ ہے اور نہ اس کا، البتہ توبہ سچی توبہ ہو اور لوازم و شرائط کے ساتھ ہو۔ لیکن اہل دنیا کو اپنے کاموں سے فرصت ہی کم ہے کہ وہ توبہ کے بارے میں کچھ خیال کریں اور جب موت آ جائے تو پھر انسان کو توبہ کا موقع کیونکر ملے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

## توبہ کا اعلان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ توبہ فضا میں لٹک رہی ہے، دن رات مسلسل پکارتی رہتی ہے کہ جو شخص مجھے اختیار کرے گا

اسے عذاب نہیں ہوگا وہ ہمیشہ اعلان کرتی رہے گی جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اوپر اٹھالی جائے گی۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## توبہ اطاعت کی طرف مائل کرتی ہے

دین و دنیا میں فلاح اور آخرت میں حصول نجات کا پہلا قدم اور آخری سہارا توبہ ہے۔ کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ انسان اللہ کے حضور اپنی غلطیوں اور گناہوں پر معافی مانگتا رہے۔ چونکہ گناہ اور نافرمانی انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔ جو سراسر خسارے کا سودا ہے۔ اس کے برعکس اطاعت اور ترکِ گناہ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ توبہ اطاعت کی طرف مائل کرتی ہے اور ترکِ گناہ کی طرف ترغیب دیتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ کا حکم ہے کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ہوس کو چھوڑ کر میری طرف لوٹو۔ اور امید رکھو کہ آخرت میں میرے پاس مراد پاؤ گے۔ ہمیشہ رہنے والے گھر میں میری نعمتوں کے اندر رہو گے، فلاح اور نجات سے ہمکنار ہو کر جنت میں رہو گے جو نیک لوگوں کے لیے ہے۔ دین و دنیا میں حصول نجات کے راستے میں انسان کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا اپنا نفس اور شیطان ہے اور یہ دونوں انسان کے ازلی دشمن ہیں، انسان نفس خواہشات کا طالب ہے، لہٰذا یہ انسان کو آخری دم تک طالبِ دنیا بنائے رکھتا ہے اور شیطان انسان کو راہ حق سے گمراہ کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اس لیے یہ دونوں دشمن انسان کو گناہوں میں مبتلا کرنے کے لیے پیش پیش ہیں اور ان دونوں سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ توبہ واستغفار ہے۔

شیطان انسان کو اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ جب انسان کی عمر ابھی پختہ نہیں ہوتی بلکہ اوائل ہوتی ہے تو اس کی عقل ناقص سوچ سے فائدہ اٹھا کر دل میں وسوسے ڈال کر نفس کو مغلوب کر لیتا ہے تو انسان پر جب حیوانیت اور شیطانیت کا غلبہ اچھی طرح ہو جاتا ہے تو اس کے اعضاء و جوارح ذہن کا ساتھ نہیں دیتے۔ چنانچہ وہ بڑی آسانی سے طرح

طرح کی نفسانی خواہشات اور معاصی کا شکار ہو جاتا ہے اس کی سوچ کا انداز ہ بھی بدل جاتا ہے اور پھر وہ اپنے خالق کا ہی باغی بن کر ناپسندیدہ عمل کرنے لگتا ہے یہ دل کی غفلت ،رب کی نافرمانی اور گناہوں پر اصرار ایسے روحانی امراض ہیں ،کہ اگر ان کا بروقت علاج نہ کیا جائے تو انسان کی فطرت ہی مسخ ہو جانے کا خطرہ ہے ۔ایسے غافل انسان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے جو اس کو بہکاتا اور گناہوں پر اکساتا ہے اور اس کو ایسے مغالطہ میں رکھتا ہے کہ اس کو اپنے اعمال بد بھی بھلے اور پسندیدہ معلوم ہونے لگتے ہیں ۔لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان معصیت کی طرف لانے والی خواہشات اور گناہ پر آمادہ کرنے والے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے ۔داخلی دشمن تو خود نفس امارہ ہے جو مارِ آستین کی طرح پہلو میں چھپا ہوا ہے اور خارجی دشمن شیطان ، جنات اور انسان ہیں، جو نیک انسانوں کو گمراہ کرنے کے در پے رہتے ہیں اس لیے انتہائی احتیاط کے باوجود قصداً یا غیر ارادی طور پر کتنے ہی گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں ۔اسی طرح اگر انسان دن رات دنیوی تفکرات اور مال و اولاد کے چکر میں گرفتار رہے اور مال دولت ہی سمیٹتا رہے تو یہ بھی حد درجہ کی ہلاکت کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے غفلت اور دوری اس کی رحمت اور پناہ سے محروم کر دے گی ۔ایک حدیث میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جب تو دیکھے کہ اللہ عزوجل کسی آدمی کو باوجود اس کے کھلم کھلا گناہوں کے دنیا کی نعمتیں اور مال و جاہ دے رہا ہے اور جو وہ چاہتا ہے اس کو مل جاتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ اس کو رفتہ رفتہ گناہوں میں بڑھایا جا رہا ہے ۔تاکہ آخر میں اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے ۔اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی :۔''پس وہ جب ان باتوں کو بھول گئے جو انہیں یاد دلائی گئی تھیں تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ اپنے مال و جاہ پر اتر گئے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے بس ہو کر رہ گئے''۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

لہٰذا جو شخص اللہ عز وجل اور آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اور وہ خواہشات نفسانی اور بدی اور شر میں بھٹک جانے کے بعد خیر و نیکی اور راہ راست پر واپس آنا چاہے اور نیک نیتی اور پورے خلوص کے ساتھ اللہ جل شانہ کی رضامندی حاصل کرنے اور اطاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کریمانہ پیش کش اور مہلت کا پورا فائدہ اٹھائے اور نئی پاکیزہ زندگی کی ابتداء ''توبہ و استغفار'' سے کرے۔ چونکہ حصول نجات اور استقامت ایمان کا یہی پہلا قدم ہے۔

## توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کبھی گناہ کیا ہی نہیں

رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا حال ایسا ہے جیسا کہ انہوں نے کبھی گناہ ہی نہیں کیا ہے (ابن ماجہ)۔ بالفرض اگر گناہ کرتے کرتے اس کا نام جہنمیوں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے تو توبہ کے ذریعے سے وہاں سے اس کا نام کٹوا دیا جاتا ہے اور اہل جنت کی فہرست میں اس کا نام درج کر دیا جاتا ہے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

## توبہ کا دروازہ کب تک کھلا رہے گا

یہ مسئلہ عام انسانوں کے ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ انسان کی توبہ کس وقت تک قبول ہوتی رہے گی اور توبہ کا دروازہ کب بند ہوگا۔ قرب قیامت کے وقت جب قیامت برپا ہونے والی ہوگی تو اس وقت کی جانے والی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ قبولیت توبہ کا وقت قیامت برپا ہونے سے پہلے تک ہے اور توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا اور اس لیے کہا گیا ہے کہ قیامت تک اللہ توبہ قبول کرے گا۔ لہٰذا انسان کو ہرگز یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ جب قیامت آنیوالی ہوگی تو توبہ کرلوں گا بلکہ انسان کو اپنے سامنے اپنی زندگی کا معینہ وقت رکھنا چاہیے۔ کیا معلوم اس کو کب موت آ جائے اور انسان بغیر توبہ کیے ہی اس

دنیا سے کوچ کر جائے اور اس کی زندگی میں قیامت کا وقت ہی نہ آئے اور گناہوں کا بوجھ اٹھائے اللہ کے حضور پیش ہونا پڑے۔ اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ پہلی فرصت ہی میں اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور تائب ہوجائے اور بقیہ زندگی اس کی اطاعت میں گزارے اور موت تک استغفار جاری رکھے۔

توبہ کے دروازے کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ حسبِ ذیل ہیں:

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہ عزوجل رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ گزرے ہوئے دن میں جس نے گناہ کیے ہیں ان کی توبہ قبول فرمائے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ گزری ہوئی رات میں جنہوں نے گناہ کیے ہیں ان کی توبہ قبول فرمائے۔ مغرب سے سورج طلوع ہونے تک (ہر رات دن) ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ (بحوالہ مسلم)

اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ مغرب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے ایسا ہوتا رہے گا۔ یعنی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی رہے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا اس کا مغرب سے نکلنا علامت قیامت میں سے ہے اور اس بات کی بھی نشانی ہوگی کہ اس سے پہلے جنہوں نے گناہ کر رکھے ہیں اور توبہ نہیں کی اب ان کی توبہ نہیں ہوگی۔ اللہ کے نیک بندوں کے نزدیک توبہ کے دروازے سے مراد توبہ قبول ہونے کا عرصہ ہے۔

حضرت صفوانؓ بن عسال سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے لیے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے جس کا عرض ستر سال کی راہ ہے۔ وہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، یہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''جس دن تمہارے رب کی بعض نشانیاں آئیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو''۔ (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سورج کے مغرب سے نکلنے سے پہلے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔ مادہ پرست لوگ سورج کے مشرق کی بجائے مغرب سے نکلنے کو زبانی افسانہ سمجھتے ہیں مگر جب قیامت برپا ہوگی تو یہ کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو اس وقت قیامت کے برحق ہونے اور اللہ تعالیٰ پر یقین اور اقرار کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ انسان کے ایمان واقرار اور اعمال وافعال پر جزا اور سزا اسی وقت مرتب ہوتی ہے جبکہ اس کو ایمان لانے نہ لانے، ماننے یا نہ ماننے دونوں پر اختیار اور قدرت حاصل ہو، تو جب قیامت برپا ہونے کی یہ علامت یعنی سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے نکلنا ظاہر ہو جائے گا تو اس وقت نہ ایمان کا کوئی فائدہ ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کی توبہ اور استغفار قبول ہوگی اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا یعنی توبہ قبول کرنے کی مدت ختم ہو جائے گی۔

## توبہ کے وقت رونے کی فضیلت

یاد رکھیں کہ توبہ کرتے وقت رونے کو معمولی نہ سمجھیں، بلکہ کوشش کریں کہ آنکھوں میں سے آنسو موتیوں کی طرح گرنے شروع ہو جائیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ: ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کا وعظ سن رہے تھے۔ وعظ سنتے ہوئے صحابہ زار وقطار رونے لگ گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ آج اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح روئے ہیں کہ ان کی وجہ سے یہاں پر موجود سب لوگوں کے گناہ کو معاف فرما دیا گیا ہے...... سچی بات عرض کروں کہ اگر نیکوں پر گنہگاروں کی توبہ اس کا اجر واضح ہو جائے، تو وہ بھی گنہگاروں پر رشک کرنے لگ جائیں، کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے گناہ کئے تھے مگر ایسی توبہ کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے گناہوں کو ان کی نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔ بلکہ کئی خوش نصیب لوگ ایسے خلوص سے توبہ کرتے ہیں کہ اگر ان کی توبہ کے ثواب کو پورے شہر کے گنہگاروں پر تقسیم کر دیا جائے، تو اللہ رب العزت سب گنہگاروں کی مغفرت فرما دیں۔

## توبہ کرنے والے افضل ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم میں سے ہر ایک گناہوں کا ارتکاب کر لیتا ہے اور گناہ کرنے والوں میں سب سے افضل اور بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔ (بحوالہ ترمذی شریف)

## ماہ رمضان میں توبہ کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ایک فرشتہ پیدا کیا جو عرش کے پاس کھڑا ہے۔ اس کے سر پر نور کا ایک تاج ہے بائیں ہاتھ میں زبرجد کی تختی ہے اور داہنے ہاتھ میں نور کا ایک قلم ہے جیسا کہ رمضان میں توبہ کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اے فرشتے اس کے ماں باپ کے سب گھر والوں کے نام اس کے پڑوسیوں کا نام بھی لکھ اور میں اس کو ہزار درجہ عطا کردوں گا جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بڑے ہونگے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ زمین میں توبہ کرنے والوں کو جنت میں ہزار قصر نور کے عطا فرمادیں گے اور ہر قصر میں ہزار تخت ہر تخت پر مختلف فرش بچھا ہوگا۔ جس پر ایک ایک حور عین جلوہ افروز ہوگی۔

عبداللہ ابن علی سفیان سے روایت ہے کہ محمد ابن عبدالرحمٰن سلمانی نے ان کے پاس ایک خط لکھا جس میں انہوں نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی کہ میں مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے چند صحابیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ انہی میں سے ایک نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے بیان کرتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنی موت سے خفیف دن پہلے توبہ کی۔ خدا اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

دوسرے نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنی موت سے ایک ساعت قبل توبہ کی خدا اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ تیسرے تے کہا کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حالت نزع میں سانس اکھڑنے سے پہلے توبہ کی اس کی

بھی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما دینگے۔ پس جس شخص نے رمضان میں توبہ کی اور اپنی خواہشات کو زیر کیا اللہ تعالیٰ جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فروکش فرمائیں گے۔

صفوان نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جس نے رمضان میں نماز مغرب سے پہلے توبہ کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے توبہ کا ایک دروازہ کھول دیتے ہیں جس کی وسعت ۷۰ برس کی ہے اور ہمیشہ کھلا رہے گا۔ یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو۔

عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات افضل البشر فخر الانبیاء خاتم المرسلین رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان میں توبہ کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اگر چہ اس کے گناہ، کف دریا اور درختوں کے پتوں سے بھی زیادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اے فرشتو! کیا تم میرے اس بندے کی طرف نہیں دیکھتے ہو جس نے میرے حق کو پہچان لیا ہے اور اپنے گناہوں سے نادم ہوکر اپنی خطا پر رو رہا ہے۔ گواہ رہو کہ میں نے اس کو اپنا دوست بنالیا ہے اور قیامت کے دن اس سے محاسبہ نہ کروں گا اور اس کی نوح، داؤد، ایوب اور موسیٰ اور عیسیٰ کے مثل ثواب عطا کیا اور میں نے اس کو ایسا دیا جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے خیال میں بھی گزرا۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو اور اس کے ساتھ اس کے اہل وعیال کو بھی بخش دیا۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے جو معاصی میں منہمک اور مبتلا رہتا تھا ایک دن رمضان میں اپنے گناہوں پر غور کیا اور نادم ہوکر کہا اللھم اغفرلی غفرانک تین ہی مرتبہ کہا تھا کہ دم نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور اس کو شہید کا مرتبہ عطا فرمایا۔

حسن ؒ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو زمین پر گرادیا اس نے کہا قسم ہے تیری عزت وعظمت کی میں بنی آدم کا پیچھا نہ چھوڑوں گا اور ان کی روح اور ان کے جسم میں داخل رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا قسم ہے اپنے عزت

وجلال کی میں اپنے بندوں پر توبہ کا دروازہ بند نہ کروں گا یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو۔ پس جو شخص رمضان میں توبہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پیٹ کو حرام سے اور اپنی زبان کو کذب وغیبت اور چغل خوری سے محفوظ رکھے اور اپنے اعضاء کو خطا اور گناہوں سے پاک رکھے۔ (بحوالہ تذکرۃ الواعظین)

## حالت غرغرہ سے پہلے پہلے توبہ قبول ہوتی ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک حالت غرغرہ کو نہ پہنچ جائے۔ (بحوالہ ترمذی شریف)

ف...... اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرنے کے لئے ہر وقت منتظر رہتا ہے۔ بس صرف اتنی بات لازم ہے کہ بندے حالت مخمصہ اور حالت غرغرہ سے پہلے پہلے توبہ کرلیا کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایمان بالغیب کا مکلّف بنایا ہے، ایمان بالمشاہدہ کا مکلّف نہیں بنایا اور حالت غرغرہ میں عالم ملکوت اور عالم آخرت کی چیزوں کا مشاہدہ ہوجاتا ہے، اس لئے اس کا اعتبار نہیں۔ اس طرح توبہ کا حال ہے کہ حالت مخمصہ کی توبہ بھی اس لئے قبول نہیں ہوتی ہے کہ عالم ملکوت کی چیزوں کو دیکھ کر مجبور ہوکر توبہ کررہا ہے اپنے طور پر نادم ہوکر توبہ نہیں کررہا۔

# توبہ واستغفار چہل حدیث کی روشنی میں

## حضور نبی کریم ﷺ کا روزانہ ستر بار استغفار فرمانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

## استغفار سے دل کی غفلت دور ہونا

حضرت اغرالمزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے دل پر پردہ آتا رہتا ہے حالانکہ میں دن میں سو بار استغفار پڑھتا ہوں۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہوکر روزانہ سو بار استغفار فرماتے ہیں تاکہ دل پر دنیوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے غفلت کا پردہ نہ آجائے تو ہم گناہ گار ہوکر بھی اگر توبہ استغفار نہ کریں تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ ہر شخص توبہ کا حاجت مند ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم روزانہ بکثرت استغفار پڑھیں۔

بعض علماء کرام کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ اجتہادی خطاؤں سے یا اپنی امت کے گناہوں کو دیکھ کر استغفار فرماتے تھے۔ دونوں اقوال میں کچھ نہ کچھ صداقت ہے۔ لیکن یہ زیادہ قوی قول ہے کہ آپ کو اپنی امت کی برائیوں اور معاصی پر بہت صدمہ ہوتا تھا۔ اس لئے آپ ہم گناہ گاروں کے لئے استغفار فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

**عزیز علیه ماعنتُم .**

''(اے مسلمانوں) تمہاری تکلیفیں ان پر گراں گزرتی ہیں۔''

آنچہ تو کردی کسے باخود نہ کرو
روح پاک مصطفیٰ آمد بدرد

اسی طرح سورۂ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور (اے نبیؐ) ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' (سورۃ التوبہ ۱۰۳)

## اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور مغفرت نہ مانگنے میں خود مخلوق کا نقصان ہے

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان روایتوں میں سے جو آپ اللہ تبارک تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام فرمالیا ہے اور تمہارے آپس میں بھی ظلم کو حرام فرمادیا۔ لہٰذا ظلم نہ کرو۔''

''اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو کر بجز اس کے جسے میں ہدایت دوں۔ لہٰذا مجھ سے ہدایت مانگو۔ ہدایت دوں گا۔''

''اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو بجز اس کے جسے میں روزی دوں۔ لہٰذا مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں دوں گا۔''

''اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو بجز اس کے جسے میں پہناؤں لہٰذا مجھ سے لباس مانگو تمہیں دوں گا۔''

''اے میرے بندو! تم دن رات کے خطا کار ہو اور میں سارے گناہ بخشتا رہتا ہوں مجھ سے مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔''

''اے میرے بندو! تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچاؤ اور نہ میرے نفع تک رسائی ہے کہ مجھے نفع دو۔

''اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان اور جنات اپنے کسی بڑے پرہیز گار کے دل پر متفق ہو جائیں تو تمہارا یہ متفقہ تقویٰ میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کرے گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان وجن اپنے میں سے کسی بڑے بدکار کے دل پر متفق ہو جائیں تو تمہاری یہ متفقہ بدکاری میرے ملک میں کمی نہ کردے گی۔''

''اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان وجن ایک میدان میں کھڑے

ہوکر مجھ سے سوال کریں۔ پھر میں ہر انسان کا سوال پورا کردوں تو یہ میرے خزانوں کے مقابل میں ایسا حقیر ہوگا جیسے سوئی کی تری جب وہ دریا میں ڈبوئی جائے۔"

"اے میرے بندو! میں تمہارے اعمال شمار میں رکھ رہا ہوں۔ پھر ان کا بدلہ تمہیں پورا پورا دوں گا۔لہٰذا جو نیکی پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے کو ہی ملامت کرے۔" (بحوالہ مسلم شریف)

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر ظلم ہرگز نہ کرے۔ کیونکہ یہ حقوق العباد کے ضمن میں آتا ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک کہ مظلوم خود اسے معاف نہ کرے۔ اگر ہمارے گناہوں کے بدلے کوئی تکلیف پہنچے تو اس میں ہمارا اپنا ہی قصور ہوگا اور اگر نیکیوں کے عوض کوئی انعام و اکرام اور خیر و برکت نصیب ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے حاصل ہوگی۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "بیمار میں ہوتا ہوں شفا وہ دیتا ہے"۔

## اقرار گناہ توبہ کی اولین شرط ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بندہ جب اقرار گناہ کر لیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔"

(بحوالہ بخاری و مسلم)

## سچی توبہ کا ارادہ کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ممکن ہے

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا قتل کیا تھا۔ پھر مسئلہ پوچھنے چلا تو ایک راہب (پادری) کے پاس پہنچا۔ اس سے دریافت کیا کہ کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے۔ وہ راہب بولا "نہیں" اس نے اسے بھی مار ڈالا اور اس طرح اس کی تعداد پوری کر دی اور مسئلہ پوچھتا پھرا۔ پھر اسے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں جا (کہ وہاں اللہ کا ایک بندہ رہتا ہے جو صحیح

مسئلہ توبہ کا بتلائے گا) اسی حال میں اسے موت آ گئی۔" اس حدیث میں آگے چل کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسی حال میں اس کی موت ہوگئی تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کردیا۔ اس کے متعلق رحمت وعذاب کے فرشتوں نے جھگڑا کیا۔ اللہ نے اس بستی کی طرف حکم بھیجا کہ قریب آ جا اور اس بستی کی طرف کہ دور ہو جا۔ پھر فرمایا ان د بستیوں کے درمیان ناپو۔ پھر اس بستی کی طرف ایک بالشت قریب پایا گیا۔ چنانچہ اس کی مغفرت فرمادی۔"

یہ بنی اسرائیل شخص مرتے وقت اس طرح گرا کہ اس منہ اور سینہ اس عالم کی ن کی طرف تھا۔ جس سے توبہ کا مسئلہ پوچھنے جارہا تھا۔ اور پیٹھ گناہوں کی بستی کی طرف تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آئی۔ اس لئے کہ اس میں اس کی اخلا یت پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس گنہگار شخص کی توبہ ارادۂ توبہ ہی سے قبول ہوگئی اور اس کی مغفرت فرمادی گئی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالموں کے پاس کوئی مسئلہ دینی پوچھنے جانا عبادت ہے۔ ایک عالم کی بستی کی طرف منہ کرنے میں یہ برکت ہے تو خانہ کعبہ او ینہ منورہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا کس قدر نفع بخش ہوگا۔ اسی لئے یہ سنت ہے کہ مومن کعبہ شریف کی طرف منہ اور سینہ کر کے سوئے۔ میت بھی اسی وجہ سے کعبے کے ر دفن کیا جاتا ہے۔

## اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری زمین میں ہو۔ وہ سواری بھاگ جائے۔ اس پر اس کا کھانا پانی ہو۔ یہ اس سواری سے مایوس ہوکر درخت کے سایہ میں لیٹ رہے۔ وہ اس حال میں ہو کہ اچانک اس کی سواری اس کے پاس آکھڑی ہو۔ وہ اس کی مہار پکڑے۔ پھر انتہا ہیں وہ یہ

کہہ بیٹھے ''الٰہی تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔'' (یعنی بہت خوشی میں بندہ خطا کر جائے

(بحوالہ مسلم شریف)

رب کریم ہم پر خود ہم سے زیادہ کریم ہے۔ جتنی خوشی ایک شخص کو اپنی جان سے بچ جانے سے ہوتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے ایمان سلامت رہنے سے ہوتی ہے۔ بندہ خوشی میں آ کر غلطی سے کلمہ کفر کہہ بیٹھا۔ حالانکہ وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ ''میں تیرا بندہ ہوں تو میرا رب ہے'' لیکن اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے اس قدر راضی ہو جائے گا کہ اس کی ایسی سنگین خطا بھی معاف فرما دی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے اور ایسی قوم لائے جو گناہ کرے۔ پھر معافی مانگیں تو اللہ انہیں بخشے۔ (بحوالہ مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت غفار بھی ہے۔ لیکن اس حدیث شریف کا یہ منشا نہیں کہ لوگ اپنے گناہوں پر دلیر ہو جائیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ گنہگار مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ ہر شخص توبہ کا حاجت مند ہے۔ لہٰذا ان کو توبہ کرنے کی طرف جلد توجہ کرنی چاہئے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں گناہ پر دلیر ہونا کفر سے قریب نہ کر دے۔

## کسی بھی شخص کو دوزخی نہ کہئے

حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایک آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم فلاں کو اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا۔ میں نے فلاں کو تو بخش دیا اور تیرے عمل ضبط کر لئے۔'' یا جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (بحوالہ مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''بنی اسرائیل میں دو دوست تھے جن میں آپس میں محبت تھی۔ ان میں سے ایک

عبادت میں کوشاں تھا دوسرے کے متعلق کہتے ہیں کہ گنہگار تھا۔ عابد کہنے لگا کہ ان کاموں سے باز آ جن میں تو پھنسا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگا مجھے میرے رب پر چھوڑ دے۔ ایک دن عابد نے اسے ایسے گناہ پر پایا جسے اس نے بہت ہی بڑا جانا تو بولا اللہ کی قسم تجھے رب تو کبھی بھی نہ بخشے اور نہ جنت میں ڈالے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیجا۔ جس نے ان دونوں کی روحیں قبض کی۔ یہ دونوں رب کے پاس حاضر ہوئے تو رب نے گنہگار سے فرمایا تو میری جنت میں داخل ہو جا میری رحمت سے اور دوسرے سے فرمایا تو میر بندے پر میری رحمت روک سکتا ہے۔ عرض کیا نہیں فرمایا لے جاؤ اسے آگ میں۔'' (بحوالہ مشکوۃ شریف)

مغفرت اور عذاب اللہ تعالیٰ کے اختیا میں ہے۔ کسی کو اس کے ظاہری گناہ کے بدولت یہ کہہ دینا کہ تو دائمی جہنمی ہے اور تو کبھی نہ بخشا جائے گا۔ ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ ایسے کلام سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی پیدا ہوتی ہے جو کفر ہے۔ عابد اپنے تکبر کے باعث دوزخ میں گیا اور گنہگار اپنی خطاؤں پر نادم ہوکر اور توبہ کر کے جنت میں جا داخل ہوا۔

## بار بار گناہ کی بار بار توبہ اور بخشش

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''بندہ جب کوئی گناہ کر لیتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ مولیٰ میں نے گناہ کرلیا۔ مجھے معافی دے دے۔ رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کو پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا ہے۔ پھر جتنا رب چاہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے۔ پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے۔ کہتا ہے کہ یارب میں نے گناہ کرلیا ہے بخش دے۔ رب فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے۔ جتنا رب چاہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے۔ عرض کرتا ہے یارب میں نے گناہ کرلیا۔ مجھے معافی دے۔ تو رب

فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا ہے اور پکڑ لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ جو چاہے کرے۔''

اس حدیث میں بخشش کا وعدہ ان لوگوں کے واسطے ہے جو گناہ پر خود اصرار نہیں کرتے۔ بلکہ گناہ سے بچنے کے باوجود ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ یعنی توبہ کرنے کے وقت اس کا پختہ عہد تھا کہ اب آئندہ گناہ سے پختہ رہوں گا مگر پھر بھی گناہ ہو گیا۔ گویا وہ قولاً اور فعلاً اپنے گزشتہ معاشی کی زندگی پر نادم ہوا اور کفارہ بھی ادا کرتا رہا۔ اور اپنے مقدور بھر اس کے تدارک کی کوشش بھی کی۔

اگر اس کے باوجود گناہ ہو گیا تو اس پر شرمسار اگر اپنے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہے تو ایسے شخص کی توبہ قبول کرنے کے لئے مولا کریم ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک اور حدیث شریف میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' معافی مانگ لینے والا گناہ پر اڑتا نہیں اگرچہ دن میں ستر بار گناہ کرے۔''

(بحوالہ ترمذی ابوداؤد)

لیکن شرط صرف یہی ہے کہ ہر توبہ کے وقت آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو۔ بالآخر ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا معاملہ سے اس کو گناہ کرنے سے محفوظ فرما دیں گے۔

## شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی بخشش

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''اے اولاد آدم! جب تک تو مجھ سے دعا مانگے اور مجھ سے آس لگائے تو میں تجھے عیوب کے باوجود بخشتا رہوں گا۔ میں بے پرواہ ہوں۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ گار آسمان تک پہنچ جائیں۔ پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ کچھ پرواہ نہ

کروں گا۔اے ابن آدم! اگر تو زمین بھر کر خطاؤں کے ساتھ ملے۔ مگر ایسے ملے کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراتا ہوتو میں زمین بھر بخشش کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایالا تقنطوا من رحمة الله اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشنے پر قادر ہے۔البتہ شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نہ کفر کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ان الله لایغفر ان یشرک به "اس سے یہ واضح ہے کہ کفار کی مغفرت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا گیا۔ایک حدیث شریف میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشتا ہے جب تک کہ آڑ واقع نہ ہو۔"لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آڑ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ" کوئی شخص شرک کرتے ہوئے مر جائے۔" (بحوالہ احمد بیہقی)

## اللہ تعالیٰ کی صفت غفاری پر ایمان مغفرت کا ضامن ہے

حضرت ابن عباسؓ نے روایت ہے کہ آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:"اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا کہ جو یہ جانے کہ میں گناہ بخش دینے پر قادر ہوں تو میں اسے بخش دوں گا۔کچھ پرواہ نہ کروں گا جب تک کہ وہ میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔"(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ گناہوں کو بخش دے بلکہ ہر کام پر قادر ہے ان الله علی کل شئی قدیر تو ایسا شخص مومن ہی ہوسکتا ہے۔پس اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حقوق العباد ادا کرنے میں غفلت ہوجائے تو اس کی معافی کی امید کرنا بھی جائز ہے۔بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔یعنی رب العالمین اس پر بھی قادر ہے کہ وہ بندوں سے خود حقوق العباد ہی معاف کروادے اور اس طرح یہ ہماری بخشش کا سبب بن جائے۔بیشک ہم کمزور ہیں لیکن یہ نہ بھول جائیں کہ بخشنے والا کتنا عظیم ہے۔

مگر اس وسعت مغفرت کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ پر دلیر

ہو جائے اور معاصی پر اصرار کرے کیونکہ متواتر بدکاری اللہ تعالیٰ کے غیض وہ غضب کا باعث بن سکتی ہے۔

## ہرانسان سے خطا ہوتی ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر انسان سے خطا ہوتی ہے۔ بہترین خطاوارتوبہ کرنے والے ہیں۔'' (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

## گناہ سے دل پر زنگ آجاتا ہے، لیکن دل توبہ سے پھر منور ہو جاتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایہ کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل روشن ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے۔ حتی کہ دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دی۔'' (بحوالہ ترمذی، احمد، ابن ماجہ)

ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ صحیح ہے، مسلسل گناہ کرنے سے دل زنگ آلودہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح غسل سے میل صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح توبہ کرنے سے آئینہ دل صیقل ہو جاتا ہے۔ دھندلے شیشے میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھنا عبث ہے۔ اس کو توبہ اور نیکیوں سے منور کرنا ہی ہوگا۔ تاکہ اس میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

## اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

حضرت اسماء بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ:

''اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا اور پرواہ بھی نہ کرے گا۔''

ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں۔ اگر وہ چاہے تو تمام مسلمان گنہگاروں کے گناہ بخش دے۔ گویا کبیرہ گناہ (حقوق العباد کی بھی) بخشش ممکن ہے، لیکن یہ رحمت اس لئے نہیں کہ بندہ جان بوجھ کر گناہ کرتا پھرے اور اللہ تعالیٰ سے بالکل ہی بے خوف ہو جائے۔

## اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ بھی بخشنے پر قادر ہے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے متعلق کہ الا اللهم ارشاد فرمایا:

الٰہی اگر تو بخشے تو بڑے گناہ بخش دے۔ گناہ صغیرہ کس بندے نے نہیں کئے۔''

## خوف خدا مغفرت کا ذریعہ ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائی کہ اهل التقوىٰ واهل المغفرة (یعنی وہ تقویٰ اور بخشش والا ہے) حضور نے فرمایا کہ:

''تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے۔ تو جو مجھ سے ڈرے گا تو میں اس لائق ہوں کہ اس کو بخش دوں۔'' (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

خوف خدا بذات خود ہی ایک بڑی نیکی ہے اس لئے جو جس قدر اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اتنا ہی وہ گناہوں سے اجتناب کرے گا جس سے اس کو قرب خداوندی حاصل ہوگی اور جتنا قرب خداوندی زیادہ ہوگی اس قدر اس کی ہیبت بھی زیادہ ہوگی۔

ایک حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک شخص جس نے نہ کبھی کوئی نیکی کی تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا (اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی جان پر زیادتی کی تھی۔ جب اسے موت آئی تو اس نے اور پنی اولاد کو وصیت کی) کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دو۔ پھر اس کا آدھا جنگل میں اور آدھا دریا میں اُڑا دو۔ اللہ کی قسم اگر اللہ نے اس پر تنگی کی تو اسے وہ عذاب دے گا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیوے گا۔ پھر جب وہ

مر گیا تو جو اس نے کہا تھا وہ ان لوگوں نے کیا اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا اور جنگل کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا۔ پھر اس سے فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی۔ وہ بولا یارب تیرے ڈر سے تجھے تو خود خبر ہے۔ اسے رب نے بخش دیا۔ (بحوالہ مسلم، بخاری شریف)

## مومن کسی گناہ کو بھی معمولی نہیں سمجھتا

حضرت حارث بن سویدؓ سے روایت ہے کہ ہمیں عبداللہ بن مسعود نے دو حدیثیں سنائیں۔ ایک تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے فرمایا کہ:

''مومن اپنے گناہوں کو یوں سمجھتا ہے کہ وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے۔ ڈر رہا ہے کہ اس پر گر جائے گا اور بدکار اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر گزرے تو یوں کر دے۔ یعنی اپنے ہاتھ سے اڑا دے۔''

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی جانوروں والی ہلاکت کی زمین میں اترے۔ اس کے ساتھ سواری ہے جس پر اس کا کھانا پینا ہے۔ اس نے سر رکھا کچھ سو گیا۔ جاگا تو اس کی سواری جا چکی تھی۔ یہ بہت ڈھونڈ رہا تھا حتیٰ کہ جب اس پر دھوپ یا پیاس یا جو اللہ نے چاہا (غالب آ گئی وہ بولا کہ میں اپنی اس جگہ لوٹ جاؤں جہاں تھا۔ وہاں سو جاؤں حتیٰ کہ مر جاؤں۔ اپنے بازؤں پر مرنے کے لئے سر رکھ دیا۔ پھر جاگا تو اس کی سواری اس کے پاس تھی۔ جس پر اس کا توشہ پانی تھا۔ اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جتنا یہ سواری ملنے سے خوش ہوا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ کو بھی معمولی خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ اب چنگاری بھی سارا گھر جلا سکتی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنا ہی کمال ایمان کی نشانی ہے۔ صغیرہ گناہ پر بھی فوراً توبہ کر لینی چاہئے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رب کریم ہر توبہ سے

بہت خوش اور راضی ہوتا ہے۔ خواہ وہ توبہ گناہ صغیرہ سے ہو یا گناہ کبیرہ سے ہو۔ جب توبہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

## ہر انسان سے خطا ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو سورج کے مغرب سے نکلنے سے پہلے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔'' (بحوالہ مسلم)

قیامت سے قبل توبہ کرے تو قبول ہوگی۔ اس توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے۔

## حالت نزع سے پہلے توبہ قبول ہے

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ سے پہلے۔'' (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ)

حالت نزع میں جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں، اسے غرغرہ کہتے ہیں۔ غرغرہ سے پہلے کفر سے توبہ قبول ہو سکتی ہے لیکن اس کے بعد نہیں۔ کیونکہ ایمان کے لئے ایمان بالغیب ضروری ہے۔ البتہ گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہے۔ علماء نے فرمایا ملک الموت ہر مرنے والے کو نظر آتی ہے۔ قبض روح پاؤں کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ اس حالت میں بھی زبان دل چلتے رہیں اور گنہگار توبہ کر لیں۔ حقوق العباد معاف کروالیں اور اگر کوئی وصیت کرنی ہو تو کر لیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی غفاری کی علامت ہے۔

## اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا رہے گا جب تک کہ ہم استغفار کرتے رہیں گے

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''شیطان نے عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک

بھکاؤں گا جب تک کہ ان کی جانیں ان کے جسموں میں ہیں۔ رب عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال اور رافع کی قسم میں انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک کہ وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں۔'' (بحوالہ احمد، مشکوٰۃ)

## توبہ کا دروازہ کب بند ہوگا؟

حضرت صفوانؓ بن عسال سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے توبہ کے لئے مغرب میں ایک دروازہ بنالیا ہے جس کا عرض ستر سال کی راہ ہے۔ وہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، یہی عزوجل کا ارشاد ہے جس دن تمہارے رب کی بعض نشانیاں آئیں گی تو کسی ایسے نفس کو ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو۔'' (بحوالہ احمد، دارمی)

## اولاد کی دعائے مغفرت سے والدین کو مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہے کہ ماں باپ یا دوست کی دعائے خیر کے پہنچنے کی منتظر رہتی ہے۔ پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا ومافیہا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے۔ اور یقیناً زندہ کا مردوں کے لئے تحفہ ان کے لئے دعائے مغفرت ہے۔'' (بحوالہ بیہقی، مشکوٰۃ)

دعائے مغفرت میت کے لئے صدقہ جاریہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ مرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو ایصال ثواب سے قبر میں فائدہ پہنچتا ہے۔ اور میت کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے نیک اولاد ماں باپ کے لئے باعث رحمت ہے۔ اسی طرح دوستوں یا دیگر رشتہ داروں کی دعائے مغفرت سے بھی میت کو ثواب پہنچتا

ہے اور یقیناً یہ مردوں کے لئے ایک نہایت قیمتی تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو تمام مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے یہ یاد رہے کہ بدنی عمل مثلاً: فرض نماز روزہ خود اپنے ہی ادا کرنے سے ہی ادا ہوتا ہے لیکن ثواب مرنے کے بعد بھی میت کو پہنچتا رہتا ہے۔ خواہ یہ صدقہ وخیرات کے ذریعے ہو یا محض دعا یا استغفار کرنے سے۔ مثلاً نماز میں سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

رب اغفر لی والوالدی یارب اغفر لی ولوالو الدیّ ولجمیع المسمین یااللھم اغفر لی وللمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات یاربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب.

موخر الذکر دعا کی حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے۔ روایت ہے کہ جو شخص یہ دعا روزانہ ۲۵ مرتبہ یا ۲۷ مرتبہ مانگے تو وہ مستجاب الدعوات لوگوں میں شامل ہو جائے گا۔ جن کی دعاؤں سے زمین والوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جو کوئی تمام مومن مردوں اور مومن عوتوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مومن مرد عورت کو استغفار کے بدلے ایک نیکی اس کے لئے لکھ دیتے ہیں۔'' (حصن حصین)

## استغفار کی کثرت فائدہ مند ہے

حضرت ابوعبداللہ بن یسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس کے لئے بہت خوبیاں ہیں جو اپنے نامہ اعمال میں بہت استغفار پائے''۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

''جو بھی دو محافظ فرشتے کسی بھی دن (کسی بندے کا) نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں اور وہ نامہ اعمال کے اول وآخر میں استغفار دیکھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے بیشک میں نے معاف کردیئے تمام گناہ جو اس نامہ اعمال کے دونوں طرف (اول آخر) کے درمیان (لکھے ہوئے) ہیں۔'' (بحوالہ حصن حصین)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس آیت کے عوض ساری دنیا مل جاتی ''اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ناامید نہ ہو''۔ایک شخص بولا: تو جس نے شرک کیا (پھر توبہ کی) نبی اکرم ﷺ خاموش رہے۔ پھر فرمایا: جس نے شرک کیا (پھر توبہ کی) تین بار فرمایا (یعنی اس کی توبہ بھی قبول ہوگی)''۔

جو کفر وشرک پر مرگیا اس کی مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ۔البتہ جو کوئی کوئی شرک وکفر سے زندگی ہی میں توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اس کے لئے بخشش کی بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یغفر مادون ذالک لمن یشاء۔

## فتنوں میں گھرے ہوئے مومن کی توبہ

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس مومن کو پسند نہیں فرماتا جو فتنوں میں گھرا ہوا توبہ کرتا ہے''۔

معلوم ہوا کہ گناہ گار اگر توبہ کرلے اور نیکیوں کی طرف لوٹ آئے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہو جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ گنہگار سے نہیں بلکہ گناہوں سے ناراض ہوتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ مانتا ہو پھر اس پر گناہ کے پہاڑ ہوں تو اللہ اسے بخش دے گا''۔ (بحوالہ بیہقی)

## توبہ کی برکت

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں''۔

یہاں توبہ سے سچی توبہ مراد ہے جو تمام شرائط کے ساتھ کی گئی ہو۔ جس میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد بھی شامل ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

''جو بھی مسلمان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے گناہ لکھنے پر مقرر فرشتہ تین گھڑی (کچھ دیر) توقف کرتا ہے۔ اگر اس نے اس تین ساعت کے وقفہ کے کسی بھی حصہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی مغفرت مانگ لی تو وہ فرشتہ اس گناہ کو نہیں لکھتا اور قیامت کے دن اس کو اس گناہ پر واقف نہیں کریگا اور نہ اس پر عذاب دیا جائے گا''

## استغفار کے ذریعے ہر غم اور پریشانی سے نجات ملتی ہے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو استغفار کو اپنے اوپر لازم کرے تو اللہ اس کے لئے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر غم سے نجات دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔''

(بحوالہ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

سورۂ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''اے میری قوم معافی مانگو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کی بارگاہ میں وہ بھیج دے گا بادل تم پر موسلا دھار برسنے والے اور زیادہ کردے گا۔ تمہارے لئے طاقت تمہاری موجود طاقت میں اور نہ انحراف کرو جرموں پر اسرار کرتے ہوئے۔''

اسی طرح سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''پس میں نے (حضرت نوحؑ) سے کہا مغفرت مانگو اپنے رب سے بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارشیں اور مدد کریگا تمہاری مال اور

اولاد سے اور تمہارے باغ اور بنادے گا، تمہارے لئے نہریں، تمہیں کیا ہوگیا تم خیال نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا۔ حالانکہ اس نے پیدا کیا تم کو کئی طرح سے۔''

(بحوالہ نوح: ۱۰ تا ۱۴)

قوت اور روزی کے لفظ میں مال، جسمانی صحت، اورلاد اور عزت سبھی کچھ شامل ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جو استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے عطا فرمائے گا اور ان کی تمام نیک حاجات پوری فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جائے تو اس خوش نصیب بندے کو اس کے کبھی نہ ختم ہونے والے خزانے سے کیا کچھ نصیب نہ ہوگا۔

## اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کوئی شمار نہیں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اگر مومن جان لیتا کہ اللہ پاک کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھتا اور اگر کافر جان لیتا کہ اللہ پاک کے پاس کتنی رحمت ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہوتا۔'' (بحوالہ مسلم و بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رعذاب دونوں کو کوئی انتہا نہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جنت تم سے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی قریب اور آگ بھی اتنی ہی قریب ہے۔'' (بحوالہ بخاری و مسلم)

لیکن ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک تحریر لکھی جو رب کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔'' (بحوالہ بخاری و مسلم)

قرآن پاک میں ارشاد رب العالمین ہے:

''گویا رب کریم کی رحمت کا ظہور، اس کے غضب کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی سو رحمتیں ہیں ۔جن میں سے ایک رحمت ،انسان ،جانور اور کیڑے مکوڑوں کے درمیاں اتاری ۔جس سے یہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی اور رحم کرتے ہیں ۔اس رحمت سے وحشی اپنے بچے پر مہربان ہوتے ہیں اور ننانوے رحمتیں محفوظ رکھ چھوڑی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

(بحوالہ مسلم و بخاری)

مسلم کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ سے اسی قلم کی ایک حدیث روایت ہے جس کے آخر میں فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس رحمت کو اس سے کامل فرمادے گا۔'' (مشکوۃ) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ماں کے دل میں محبت نہ کرتا تو وہ اپنے بچوں پر مہربان نہ ہوتے ۔امیر المومنین حضرت عمرؓ ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم کے پاس کچھ قیدی آئے تو قیدیوں میں ایک عورت کی چھاتیاں دودھ سے چھلک رہی تھیں ۔وہ دوڑ رہی تھی جب قیدیوں میں کوئی بچہ پاتی اسے پکڑتی ۔اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلادیتی ۔تب ہم سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟'' ہم نے عرض کیا کہ ''اگر وہ پھینکنے پر قادر ہو تو کبھی نہ پھینکے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ اپنے بچے پر۔'' (بحوالہ مسلم و بخاری شریف)

ایک صحابی حضرت عامر الرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا ۔اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر کمبل لپیٹا تھا ۔عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک درخت کی جھاڑی کے پاس سے گزرا تو میں نے اس جھاڑی میں چڑیا کی چوزوں کی آواز سنی ۔میں نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں کمبل میں رکھ لیا ۔اتنے میں ان بچوں کی ماں آگئی ۔وہ میرے سر پر چکر لگانے لگی ۔میں نے اس کے سامنے وہ بچے کھول دیئے وہ ان پر گر پڑی میں نے ان سب کو اس کمبل میں لپیٹ لیا ۔وہ میرے ساتھ ہیں ۔آپ نے فرمایا کہ انہیں رکھ دو میں نے انہیں رکھ دیا ۔ان کی ماں انہیں چمٹی رہی ۔تب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان چوزوں کی ماں کی اپنے بچوں سے اتنی مامتا پر تعجب کرتے ہو۔اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی بچوں کی ماں بچوں پر۔انہیں واپس لے جاؤ حتیٰ کہ انہیں واپس وہاں ہی رکھ آؤ جہاں سے پکڑا ہے۔اوران کی ماں ان کے ساتھ رہی۔وہ انہیں واپس لے گیا۔" (بحوالہ ابوداؤد)

اسی طرح ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل ہے آپ نے فرمایا کہ ہم بعض جہادوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ایک قوم پر گزرے اور دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔وہ بولے ہم لوگ مسلمان ہیں۔ایک عورت وہاں ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا۔جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچے کو ہٹا دیتی۔وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔بولی کیا" آپ رسول اللہ" ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا اللہ الرحم الراحمین نہیں۔آپ نے فرمایا ہاں وہ بولی "کیا اللہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچے سے زیادہ مہربان نہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" تو بولی کہ "ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی۔" اس پر آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا۔بہت روئے۔پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں صرف سرکش منکر ہی کو سزا دے گا۔جو اللہ تعالیٰ پر سرکشی کرے اور لاالہ الا اللہ کہنے سے انکار ہو۔" (بحوالہ ابن ماجہ)

## نجات اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے رویت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا۔لوگوں نے عرض کیا" نہ آپ کو یا رسول

اللہ؟'' نہ مجھے مگر یہ کہ اللہ مجھے مہربانی سے اپنی رحمت میں چھپالے۔ لہٰذا ٹھیک رہو۔ میانہ رو رہو اور صبح وشام اور کچھ اندھیری رات میں نیکیاں کرلیا کرو۔ میانہ رو رہو۔ میانہ رو رہو پہنچ جاؤ۔'' (بحوالہ مسلم و بخاری شریف)

اسی طرح ایک حدیث میں جو حضرت جابرؓ سے نقل کی گئی ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ تو جنت میں پہنچا سکے گا نہ آگ سے بچا سکے گا اور نہ مجھے، مگر اللہ کی رحمت سے۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ محض اپنے نیک اعمال پر مطمئن یا مغرور نہ ہو جائیں اور اسی طرح ابلیس کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ فرائض کی ادائیگی پر کفائت نہ کی جائے بلکہ نفل عبادت بھی بکثرت کریں۔ خصوصاً آخری رات کی عبادت یعنی تہجد، دعا، استغفار وغیرہ۔ جنت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور رحمت کا ذریعہ نیک اعمال ہیں۔ جب حضور نبی کریم ﷺ کو نیکیوں کی انتہائی منزلوں پر ہوتے ہوئے بھی، اپنی بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت درکار ہے تو پھر ہم جیسے گنہگاروں کا کیا ٹھکانہ ہے۔

## نیکی اور گناہ پر جزاو سزا کی مقدار

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرمادیئے ہیں تو جو نیکی کا ارادہ کرے مگر کرے نہیں تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے۔ پھر اگر ارادہ کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے ہاں دس سے سات سو گناہ تک بلکہ بہت زیادہ گناہ تک لکھ لیتا ہے اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے۔ پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالیٰ ایک گناہ لکھتا ہے۔'' (بحوالہ مسلم و بخاری شریف)

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ ایک نیکی پر سات سو گناہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مقدار تک جزا عطا فرماتا ہے اور اس کے برعکس ایک گناہ کے بدلے صرف ایک گناہ شمار ہوتا

ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعض گناہ ایسے بھی ہیں جس سے تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ معافی کی صورت یہی ہے کہ بندہ توبہ و استغفار کرے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت ابو سعیدؓ ہیں۔ آپ نے فرمایہ کہ جب بندہ مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد قصاص ہوتا رہتا ہے کہ نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنا بلکہ بہت زیادہ گنا تک ہے اور گناہ اس کے برابر، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ معافی دے دے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

**من جاء بالحسنة فلهٗ عشرُ أمثال**

حدیث گویا اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی رضا سب نعمتوں سے بہتر نعمت ہے

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''بندہ اللہ کی رضا تلاش کرتا رہتا ہے۔ اسی جستجو میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنا چاہتا ہے۔ مطلع رہو کہ اس پر میری رحمت ہے۔ تب حضرت جبرائیل کہتے ہیں کہ فلاں پر اللہ کی رحمت ہے۔ یہی بات حاملین عرش فرشتے کہتے ہیں۔ یہی ان کے اردگرد کے فرشتے کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ساتوں آسمان کے فرشتے یہ کہنے لگتے ہیں۔ پھر یہ رحمت اس کے لئے زمین پر نازل کی جاتی ہے۔''

(بحوالہ مسندِ احمد)

سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور سب نعمتوں سے بڑھ کر خدا کی رضا مندی ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**رضی الله عنهم ورضوا عنه**

''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

ظاہر ہے کہ جس سے رب راضی ہو جائے اس پر تمام مخلوق بھی راضی ہو جاتی ہے۔ اس پر رحمت کامل نازل ہوتی ہے اور وہ محبوب الٰہی بن جاتا ہے۔ مسلم شریف میں بھی اسی طرح ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔ تم بھی ان سے محبت کرو۔ حضرت جبرائیل آسمانوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ فلاں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت پھلا دی جاتی ہے۔''

## اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے دو جنتوں کے مستحق ہیں

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو برسر وعظ فرماتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ:

''اسے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے، دو جنتیں ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر چہ زنا کرے یا چوری کرے۔ حضور ﷺ نے پھر یہی فرمایا کہ اس کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں۔ میں نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ! اگر چہ زنا کرے یا چوری کرے۔ حضور ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا کہ اسے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں۔ تیسری بار عرض کیا اگر چہ زنا و چوری کرے یا رسول اللہ! تو فرمایا کہ اگر چہ ابوالدرداء کی ناک رگڑی جائے (یعنی خلاف مرضی ایسا ہو جائے)

خوف خدا سے اگر کوئی شخص توبہ کرے اور گناہ کرنا چھوڑ دے تو اس کے لئے دو جنتوں کی بشارت ہے۔ ایک خوف خدا کے بدلے اور دوسری گناہ چھوڑ دینے کے عوض۔

بعض نے کہا کہ ایک جنت دنیا میں اور دوسری آخرت میں ۔مطلب یہ کہ مومن کتنے ہی بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا ہو۔مگر اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے ڈر کر توبہ کر لے اور گناہ سے باز آجائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت ہو جائے گی ۔اور اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرمائیں گے ۔ایک اس نے ایمان لانے کی بدولت اور دوسری اللہ تعالیٰ کے اس سے راضی ہونے کے عوض۔

ایک اور حدیث شریف میں حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''بعض لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے ولے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں ۔اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب جنتی ہیں۔''

(بحوالہ بیہقی)

ظالم وہی ہیں جن کے گناہ نیکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں توبہ کے بعد یا کچھ سزا کے بھگتنے کے بعد ان کی مغفرت فرمادی جائے گی اور پھر وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔سابقین بے حساب جنتی ہیں اور میانہ رو کچھ حساب کے بعد جنت کے مستحق ہو جائیں گے۔اس طرح سب مومن جنتی ہیں۔

## توبہ واستغفار کی مقبول دعائیں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اس فرمان کو ایک مجلس میں سو بار شمار کر لیتے تھے۔فرمایا کرتے تھے:

رب اغفرلی وتب عليَّ انک انت التوابُ الغفور

''یارب مجھے بخش دے ۔میری توبہ قبول فرما۔یقیناً تو توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے۔''

ہمیں یہ دعائیں یاد کر لینی چاہئیں ۔شاید اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب کی پیاری زبان سے نکلے ہوئے کلمات کے ذریعہ ہی توبہ کرنا ہماری مغفرت اور بخشش کا سبب بن

جائے۔مصنف ’’حصن حصین‘‘ نے اس استغفار کے یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

**رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم**

یہ کلمات قرآن کریم کی اس آیت سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں **وتب علینا انک انت التواب الرحیم.** (سورۃ البقرہ:۱۲۸)

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ربانی ہے۔**فتلقّٰی آدم من ربہ کلمتٍ فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم.** (سورۂ بقرہ:۳۸)

حضرت ربیع بن خثیمؒ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی شخص کو **استغفر اللہ واتوب الیہ** نہ کہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کہنا جھوٹ اور گناہ ہو جائے بلکہ **اللھم اغفرلی وتب علی** کہنا چاہئے۔

اس قول کا مطلب یہ کہ جب کوئی شخص غافل دل کے ساتھ مغفرت طلب کرے گا اور دل سے مغفرت کرنے کی طرف متوجہ اور مضطرب نہ ہوگا تو بیشک یہ غفلت اور بے پرواہی ایک گناہ ہے جس کی سزا قبولیت سے محرومی ہے۔انسان جب کسی کو پکار کر کوئی سوال کرتا ہے تو اس کی توجہ اس کی طرف ضرور ہوتی ہے۔اس لئے پہلے جملے کی نسبت دوسرے جملے سے توبہ استغفار کرنا بہتر ہے۔

توبہ اور مغفرت کی دعا اگر بے توجہی کے ساتھ بھی کرے تو ہوسکتا ہے کہ وہ دعا کی قبولیت کا وقت ہو اور قبول ہو جائے۔اس لئے کہ مثل مشہور ہے کہ ’’جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا رہتا ہے کبھی نہ کبھی دروازہ کھل ہی جاتا ہے اور وہ اندر داخل ہو جاتا ہے۔‘‘

ایک حدیث شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے کہ:

**اللھم اجعلنی من الذین اذا احسنوا استبشروا واذااساؤا استغفروا** (بحوالہ ابن ماجہ،بیہقی)

’’الٰہی مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو نیکیاں کریں اور خوش ہو جائیں اور گناہ کریں تو

معافی مانگ لیں۔''

شکر کی خوشی عبادت ہے لیکن نیکی پر فخر گناہ ہے۔ اگر گناہ ہو جائے تو بلا تاخیر توبہ کر لیتے ہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صرف ''استغفر اللہ'' ہی پڑھا کرتے تھے۔ یہ بہت ہی مختصر استغفار ہے۔ کم از کم ہمیں یہ پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ''اس کے لئے بہت خوبیاں ہیں جسکے اعمال نامہ میں استغفار کثرت سے درج ہوں

حضرت بلال بن یسار بن زید سے روایت ہے کہ ان کے دادا نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو یہ پڑھا کرے اس کی بخشش کردی جائے گی۔ اگر چہ وہ میدان جنگ سے ہی بھاگا ہو:

استغفر اللہ الذی لا الہ لا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ

(بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)

''میں معافی مانگتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے، قائم رہنے والا ہے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''

جہاد سے بھاگنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ لیکن اس استغفار کی برکت سے اللہ عزوجل ایسے بدترین گناہ کو بھی بخش دے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''جو شخص رات کو سوتے وقت تین مرتبہ ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معافی توبہ واستغفا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادے گا اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر (بے شمار) کیوں نہ ہوں۔''

ایک اور روایت میں تین مرتبہ کے بجائے پانچ مرتبہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

## سید الاستغفار

حضرت شداد ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ استغفار کا سردار یہ ہے کہ تم کہو: اللھم انتَ ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علٰی عھدک ووعدک مااستطعتُ اعوذبک من شر ما صنعتُ ابوء لک بنعمتِک علی وابوء بذنبی فا غفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت.

''الٰہی تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور تیرے عہد و پیمان اور تیرے وعدہ پر اس اپنی استطاعت کے بقدر قائم ہوں۔ میں تجھ سے اپنے کئے کاموں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ تیری نعمتیں مجھ پر ہیں ان کا میں تیرے سامنے اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ پس تو میرے گناہ بخش دے۔ اس لئے کہ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ'' جو یقین کامل کے ساتھ دن میں یہ پڑھ لے۔ پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا۔ اور جو یقین دل کے ساتھ رات میں یہ پڑھ لے، پھر صبح سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا۔'' (بحوالہ بخاری شریف)

یہ ایک بہت جامع استغفار ہے۔ اس استغفار کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالٰی کے فضل وکرم پر صدق دل سے یقین رکھے۔ اپنی بے کسی اور بندگی کا اظہار کرے اور اقرار گناہ کرلے تو یقین ہے کہ وہ مولائے کریم ورحیم کے دروازے سے نامراد نہیں لوٹے گا۔ انشاء اللہ تعالٰی بخشا ہی جائے گا۔ رب کریم ہم جیسے گنہگاروں پر بھی رحم فرما کر ہمارے گناہ معاف فرمادے آمین یا رب العالمین یاارحم الراحمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ واصحابہ واھل طاعتک اجمعین وسلم تسلیما دائما ابدا کثیرا کثیرا. والحمدللہ رب العالمین.

(بحوالہ: فضائل توبہ واستغفار)

# چوتھا باب

## توبہ کی حقیقت واقسام اور اسکے فوائد وثمرات

### توبہ کی تعریف

توبہ عربی میں رجوع یعنی لوٹنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تـاب ای رجع اور یہ ان کاموں سے لوٹنا ہے جو شریعت میں مذموم تصور کئے جاتے ہیں ان کاموں کی طرف جو کہ شریعت میں محمود اور اچھے تصور کئے جاتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے توبہ کی تعریف کے متعلق چند اقوال نقل کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ علم، ندامت اور زمانہ حال واستقبال میں ترک گناہ اور ماضی میں تلافی، مقافات کے قصد وارادے کے مجموعے کا نام توبہ ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ توبہ ایک آگ ہے جو دل میں بھڑکتی ہے اور درد ہے جو جگر سے جدا نہیں ہوتا۔ کسی نے توبہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ توبہ سابقہ غلطی پر باطن کا سوز ہے۔ کسی نے ترک گناہ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ توبہ جفا کا لباس اتار کر وفا کی بساط بچھانے کا نام ہے۔ حضرت سہیل ابن عبداللہ تسریؒ فرماتے ہیں کہ توبہ مذموم اخلاق کو محمود اوصاف سے بدلنے کا نام ہے اور یہ بات گوشہ نشینی، سکوت اور اکل حلال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی بعض علماء نے توبہ کی تعریف یہ کی ہے۔

**تنزيه القلب عن الذنب**

ترجمہ: ''دل کو گناہوں سے پاک کرنا''۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ **انه ترك اختيار ذنب سبق مثله عنه منزلة لا صورةً تعظماً لله تعالیٰ وحذراً من سخطه :**

ترجمہ: ''آئندہ کے لئے ایسے گناہ کو ترک کر دینے کا قصد کرنا جس درجے کا پہلے گناہ ہو چکا ہو اور یہ ترک محض خدا کی تعظیم اور اس کی ناراضگی کے ڈر کے باعث ہو۔''

(بحوالہ منہاج العابدین غزالیؒ)

## توبہ کی اہمیت

توبہ ہر مقام کی اصل بنیاد اور ہر روحانی حال کی کنجی ہے۔ اس کے ذریعے مقامات کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے عمارت کے لئے زمین ہو۔ جس کے پاس زمین نہ ہو وہ عمارت تعمیر نہیں کرسکتا۔ ایمان اور اس کے فرائض وشرائط کی صحت ودرستگی کے بعد ان کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں اور اگر ایمان کو شامل کرلیا جائے تو چار چیزیں ہوجاتی ہیں۔ یہ چار چیزیں روحانی اور حقیقی ولادت کے لئے ایسے ہی ضروری ہیں جس طرح اس کے قانون قدرت کے مطابق چار طبعی عناصر طبعی ولادت کے لئے ضروری ہیں۔ لہٰذا جس نے ان چار چیزوں کے لئے حقائق سے آگاہی حاصل کرلی وہ آسمانوں کے عالم ملکوت میں داخل ہوسکتا ہے۔ اسے قضاء وقدر اور اس کی نشانیوں کا کشف ہوسکتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کے الہامی کلمات کا ذوق وفہم حاصل کرکے تمام روحانی احوال ومقامات سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔

## توبہ کی ضرورت

گناہوں سے تائب ہونا اور عیبوں کے جاننے والے اور عیبوں کو چھپانے والے کی طرف رجوع کرنا راہ سلوک کا پہلا قدم ہے اور منزل تک پہنچنے والوں کی گراں قیمت پونجی ہے۔ سالکین طریقت سب سے پہلے توبہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ توبہ گم کردہ راہ لوگوں کے لئے استقامت کی کنجی ہے، مقربین اسی سے تقرب حاصل کرتے ہیں۔ انبیاء اسی کے ذریعہ سعادت پاتے ہیں۔ خاص طور پر ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے لئے توبہ ہی نجات اور بلندی درجات کا باعث بنی۔ اپنے آباء واجداء کی اقتداء کرنا اولاد ہی کے شایان شان ہے۔ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو یہ بات حیرت انگیز نہیں کیونکہ

خطا کار آدمؑ کی اولاد ہے لیکن کیونکہ باپ نے توبہ کے ذریعہ اپنی خطا کی تلافی کی تھی اس لئے بیٹے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ان دونوں باتوں میں باپ کے مشابہ ہو۔ حضرت آدمؑ نے خطاء کی لیکن وہ طویل مدت تک ندامت کے آنسو بہاتے رہے اگر کوئی شخص صرف خطا میں انہیں اپنا مقتدیٰ سمجھے اور توبہ میں ان کی تقلید نہیں کرے وہ گمراہ ہے، ناخلف ہے، اسے اپنے باپ کی طرف نسبت کرنے اور اقتدیٰ کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ حق بات یہ ہے کہ خیر کا ہو کر رہ جانا ملائکہ مقربین کا شیوہ ہے اور صرف شر میں مشغول ہونا شیطان کا مشغلہ ہے۔ شر میں پڑھ کر خیر کی طرف رجوع کرنا انسان کا کام ہے، اس کی سرشت میں دونوں خصلتیں پائی جاتیں ہیں، خیر کی خصلت بھی اور شر کی خصلت بھی۔ اب یہ خود اس پر موقوف ہے کہ وہ انسان بنے یا شیطان کی طرف منسوب ہو۔ اگر کوئی شخص گناہ کے بعد تائب ہوتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنی انسانیت کے لئے دلیل فراہم کی اور سرکشی پر اصرار کرنے والے کے متعلق کہا جائے گا، وہ اپنے اپ کو شیطان کی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے۔ جہاں تک ملائکہ کی طرف نسبت کرنے کا سوال ہے تو یہ انسان کے دائرہ امکان سے خارج ہے کہ وہ صرف نیک اعمال کرے۔ اس سے گناہ سرزد نہ ہو۔ اس لئے کہ خمیرہ میں شر اور خیر دونوں کی ایسی پختہ آزمیزش ہے کہ صرف ندامت کی حرارت یا دوزخ کی آگ ہی سے ان دونوں میں جدائی ہوسکتی ہے۔ انسان جو ہر کو شیطان خباثت سے پاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں میں سے ایک میں ڈالا جائے۔ اب یہ اس کے اختیار کی چیز ہے کہ وہ کون سی حرارت پسند کرتا ہے، جس حرارت کو ہلکی سمجھے اسی کی طرف سبقت کرے ورنہ موت کے بعد مہلت نہیں ہے۔ وہاں یا جنت میں ٹھکانہ ہوگا یا دوزخ میں۔

## توبہ کی شرطیں

امام غزالیؒ نے توبہ کی چار شرطیں بیان فرمائی ہیں۔

۱...... گناہ ترک کردینے کا عزم:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو اس بات پر پختہ اور مضبوط کر لے کہ آئندہ کبھی گناہوں کی طرف رجوع نہیں کروں گا۔ لیکن اگر کوئی شخص بالفعل گناہ چھوڑ دے مگر دل میں خیال ہو کہ پھر کبھی کروں گا یا ابتداء سے گناہ چھوڑنے کا ارادہ ہی متردد ہو تو ایسا شخص بعض اوقات پھر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر چہ وقتی طور پر گناہوں سے رک جاتا ہے مگر اسے تائب نہیں کہا جا سکتا۔

۲...... دوسری شرط یہ ہے کہ جس گناہ سے توبہ کر رہا ہو اس مرتبے کا گناہ پہلے کہیں اس سے صادر ہو چکا ہو کیونکہ اگر پہلے اس سے ایسا گناہ صادر نہیں ہوا صرف آئندہ کے لئے اس سے بچتا رہے تو ایسے شخص کو تائب نہیں کہیں گے بلکہ متقی کہیں گے۔

۳...... تیسری شرط یہ ہے کہ وہ گناہ رتبہ میں پہلے گناہ کی طرح ہو نہ کہ صورت میں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس پرانے بوڑھے نے جوانی کے زمانے میں زنا کیا ہو یا ڈاکہ زنی کا ارتکاب کیا ہو وہ اب بڑھاپے میں توبہ کر سکتا ہے کیونکہ توبہ کا دروازہ بند نہیں مگر اب اسے زنا یا ڈاکا زنی کے ترک کا اختیا نہیں کیونکہ اب وہ عملی طور پر یہ گناہ نہیں کر سکتا تو چونکہ اب وہ زنا یا ڈاکہ زنی پر قادر نہیں اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے اختیار سے نہیں چھوڑ رہا ہے یا ان سے رک رہا ہے کیونکہ اب وہ عاجز ہو چکا ہے اور اسے اب ان پر قدرت نہیں رہی مگر وہ اس وقت بھی زنا یا ڈاکہ زنی جیسے دوسرے حرام و ممنوع افعال پر قادر ہے جیسے کہ جھوٹ بولنا، کسی پر زنا کی تہمت لگانا، کسی کی غیبت یا چغلی کرنا وغیرہ امور، یہ سب گناہ ہیں۔ اگر چہ ہر ایک میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہے لیکن یہ تمام گناہ ایک رتبہ کی شمار ہوتے ہیں مگر یہ گناہ بدعت کی پیروی سے کم ہیں اور بدعت کی پیروی کفر سے کم ہے۔ تو یہ توبہ جو زنا یا ڈاکہ زنی سے ہوگی صورۃً توبہ ہوگی۔

۴...... چوتھی شرط یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے اور اس کے دردناک عذاب سے ڈر کر ہو۔ کسی دنیوی غرض یا لوگوں کے ڈر یا طلب ثناء کے لئے اپنی مشہوری یا جسمانی لاغری کی وجہ سے یا محتاجی اور کسی اور رکاوٹ کی وجہ سے نہ ہو۔

جب توبہ میں یہ ارکان وشرائط پائی جائیں گی تو توبہ مکمل طور پہ ہوگی اور اسے توبہ صادقہ کہا جائے گا۔ (بحوالہ منہاج العابدین)

## توبہ کے مقدمات

توبہ کے مقدمات تین امر ہیں یعنی جن چیزوں کا توبہ سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

۱: اول یہ کہ اپنے گناہوں کو نہایت قبیح افعال تصور کرے۔

۲: دوئم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت اور اس کے غضب کی سختی کو دل میں حاضر کرے۔

۳: سوئم یہ کہ اپنی کمزوری اور گناہ کے بارے میں اپنی بے حیائی کو محسوس کرے اور اس کا اعتراف کرے۔ (بحوالہ منہاج العابدین)

## توبہ کی علامتیں

۱: بری صحبت سے علیحدگی اور دوری اختیار کرنا۔

۲: تنہائی اختیار کرنا۔

۳: بات چیت کی قلت اور فضولیات سے پرہیز کرنا۔

۴: اپنے اعضاء وجوارح کو حرکات مذمومہ سے بچانا۔

۵: ذکرواذکار کا اہتمام کرنا اور عبادت میں منہمک رہنا۔

۶: اپنے سر کو (حرام چیزوں سے) جھکائے رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا۔

۷: آنکھوں سے آنسو جاری ہونا۔

۸: دل کا غمگین ہونا۔

۹: اپنی بدکاریوں اور لغزشوں اور عمر کے قیمتی جوہر کے ضیاء پر کثرت سے افسوس کرنا۔

۱۰: کثرت کے ساتھ رونا۔

۱۱: عاجزی اور تضرع اختیار کرنا۔

۱۲:　شب و روز اقالہ کی فکر میں منہمک رہنا۔

۱۳:　رجوع اور توبہ کے بعد طہارت اور پاک دامنی کا اظہار کرنا۔

۱۴:　دنیوی لذات اور پر خوش نہ ہونا اور مولیٰ کریم کی اطاعت کی طرف منہ موڑنا۔

۱۵:　گنہگاروں کی ہئیت اور شباہت اپنے دل سے نکال دینا اور تنہائیوں میں اپنے گناہوں پر روتے رہنا۔　(بحوالہ نذہۃ المجالس)

## توبہ کے فائدے

۱:　توبہ کرنے سے بندہ رحمان کا دوست بن جاتا ہے جب کہ پہلے گناہوں کی وجہ سے شیطان کا دوست بن گیا تھا۔

۲:　توبہ کرنے سے آقا کی خوشنودی میں داخل ہوجاتا ہے جبکہ پہلے گناہ کی وجہ سے آقا کے غضب اور غصے میں رہتا تھا۔

۳:　توبہ کرنے کے بعد بندہ ان تمام گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے جن کی وجہ سے عذاب الیم کا مستحق بن گیا تھا۔

۴:　توبہ کرنے سے بندہ نیکیوں کو حاصل کرلیتا ہے جن کے ذریعے ابدی نعمتیں مل جاتی ہیں جبکہ گناہ کی وجہ سے ان سے محروم ہوگیا تھا۔

۵:　توبہ کرنے سے بند مولیٰ کریم کا قرب حاصل کرلیتا ہے جبکہ گناہ کی وجہ سے اس نعمت سے محروم ہوگیا تھا۔

۶:　توبہ کرنے سے بندہ اطاعت کی لذت چکھ لیتا ہے اور مناجات کی مٹھاس پالیتا ہے۔

۷:　توبہ کرنے سے بندے کو اپنے عمل کی مقبولیت کی امید پیدا ہوجاتی ہے جبکہ گناہ کی وجہ سے مردود ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔

الحاصل　توبہ کرنے سے بندہ اگر خبیث ہوتو طیب ہوجاتا ہے۔ اگر وہ دور ہوتو نزدیک ہوجاتا ہے، ناپسندیدہ ہوتو پسندیدہ ہوجاتا ہے اور اگر اس کی دعا پر لبیک نہیں کہی

جاتی تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔اگر اس سے اعراض کیا جاتا ہے تو اس کی طرف التفات شروع ہو جاتا ہے اگر گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ایمان اس کے دل سے سلب کر لیا جاتا ہے تو توبہ کی وجہ سے پھر لوٹا دیا جاتا ہے۔اگر فرشتے اس کے گناہوں کی بدبو کی وجہ سے اس سے الگ ہو جاتے ہیں تو توبہ کی وجہ سے پھر اس کے قریب ہو جاتے ہیں اور اس کی نیکی کی خوشبو سونگتے ہیں۔ (بحوالہ نذہۃ المجالس)

## توبہ کے سات عجیب وغریب فائدے

شیخ عفیف طبارہ نے اپنی کتاب روح الدین الاسلامی صفحہ: ۱۷۵ پر لکھا ہے:

''اے میرے بھائی! تو جان لے کہ توبہ کرنے میں انسان کے لئے بڑے فائدے ہیں۔توبہ کرنے والے کے لئے یہی شرافت کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک عدل وانصاف کی صفت والا شمار ہوتا ہے۔فرمان الٰہی ہے کہ ومن لم یتب فأولئک۔یعنی اپنے گناہوں پر توبہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔جب توبہ نہ کرنے والے ظالم ٹھہرے تو توبہ کرنے والے خود بخود عادل قرار پائیں گے کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

توبہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کا ایک زبردست اخلاق ہتھیار ہے اور ایمانی اصلحہ ہے۔جب آدمی توبہ کا ہتھیار استعمال کرتا ہے یعنی توبہ پر استقامت اختیار کر لیتا ہے تو اس سے آدمی کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔اس بناء پر انسانی اخلاق کی درستگی کے لئے توبہ کو ایک اہم بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس لئے جب بھی مسلمان اس میں تاخیر کریگا تو اس سے مسلمان کی اسلامی حیثیت میں خرابی اور بگاڑ پیدا ہوگا۔اس بناء پر ہالینڈ کے ایک مصنف (فرانز سٹال) نے اپنے اس مکالمہ میں جو مجلّہ اسلامیہ (جاری کردہ جمیعۃ اسلامیہ دوکنج برطانیہ) میں شائع ہوا ہے۔کہاں ہے:

''یہ حقیقت ہے کہ اسلام میں توبہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے افراد کی کایا پلٹ

جاتی ہے اور توبہ انسانی سیرت کا عظیم ہتھیار ہے۔ توبہ میں اصل ندامت ہے کہ جس سے آدمی آئندہ اپنے کردار تبدیلی کر لیتا ہے تو ندامت گویا اصلاح کردار کا ذریعہ ہوئی۔''

توبہ کا دوسرا فائدہ احترام ذات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ توبہ کے بہترین فوائد میں سے ایک یہ فائدہ ہے کہ آدمی کو اپنی ذات قابل احترام نظر آتی ہے جبکہ آدمی گناہوں کی حالت میں اپنے آپ کو گھٹیا اور ناپسندیدہ دیکھتا ہے اور اپنی نگاہوں میں خود ہی گر جاتا ہے اور توبہ کے بعد طبعی صورت حال مختلف ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے تائب آدمی کو اپنی ذات محبوب نظر آتی ہے اور وہ اپنی ذات کا احترام کرتا ہے اور اس کا مزید بیان آگے آرہا ہے۔

توبہ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جب گناہوں کی وجہ سے آدمی کو ایک بے قراری کی حالت لاگو ہو جاتی ہے۔ تو توبہ انسان کی اس بے قراری اور بے چینی کو دور کر دیتی ہے۔ کیونکہ توبہ کے بعد ناامید کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے جس سے آدمی کو طبعی راحت حاصل ہوتی ہے۔

توبہ کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ گناہوں کی حالت میں آدمی اپنے آپ کو گناہوں کی وجہ سے قابل سزا اور حقیر سمجھتا ہے اور توبہ کے بعد آدمی کو اپنی ذات قابل احترام نظر آتی ہے۔

توبہ کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ توبہ کرنے سے تائب کو گناہوں کے بوجھ تلے سے رہائی مل جاتی ہے اور گناہ کے سبب جو اس پر ایک خوف طاری ہو جاتا ہے وہ زائل ہو کر ایک قسم کی اس کو ذہنی آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

توبہ کا چھٹا فائدہ یہ ہے کہ توبہ سے عمل میں برکت اور دل کو رقت حاصل ہوتی ہے۔

میرے توبہ کرنے والے بھائی! توبہ کا ظاہری اعمال میں بھی اثر ہوتا ہے اور دلی کیفیت میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی کا بیان ہے کہ توبہ کرنے والے سے دلی طور پر آدمی کو رقت قلب محبت اور نرمی کی دولت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد وثنا کی توفیق میسر ہوتی ہے اور رضائے الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح اور بھی

بندگی کے دوسرے اوصاف حاصل ہوتے ہیں۔ جب بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو قبولیت توبہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو مختلف انواع کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جن کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے بلکہ توبہ کی برکات مسلسل جاری رہتی ہیں جب تک کہ بندہ خود ہی توبہ کو گناہوں کے ساتھ توڑ نہ دے۔ (بحوالہ مفتاح دار السعادہ لابن الجوزی ج ۱)

توبہ کا ساتواں فائدہ یہ ہے کہ گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

**الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل الله سیئاتهم حسنات وكان الله غفور ارحیما.** (سورۃ الفرقان: ۷۰)

"مگر جو توبہ کر لیں اور ایمان لا کر اچھے عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ تبدیل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرحیم ہیں۔"

یہ توبہ کے فوائدہ میں سے ایک بڑا فائدہ ہے جس کی وجہ سے آدمی کو توبہ کی طرف بہت رغبت ہونی چاہئے اور یہ کوشش ہونی چاہئے کہ آدمی ہر لحظہ اللہ رب العزت کے حضور توبہ کرتا رہے۔ کیونکہ توبہ آدمی کے پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور آدمی ہر وقت یوں ہوتا ہے جیسے آج پیدا ہونے والا معصوم بچہ جو کہ گناہوں سے بالکل پاک وصاف ہے۔

اس بناء پر توبہ سالکین کے لئے راستے کا ابتدائی درجہ بھی ہے اور منتہیٰ کامیاب لوگوں کا اصل سرمایا بھی ہے۔ مریدین کا پہلا فن بھی ہے اور راہ ہدایت سے بھٹکنے کی حفاظت کا سامان بھی ہے اور دین پر استقامت کا ذریعہ بھی، مقربین کے لئے اللہ کا قرب وخصوصیت کا زینہ بھی ہے۔ (موسوعہ اخلاق القرآن)

## توبہ کی قبولیت

توبہ کرنے کے بعد تائب کے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ کیا اسکی توبہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کا صحیح جواب اللہ تعالیٰ خواب یا مراقبہ کی حالت

میں تائب کو دے دیتا ہے اور بعد میں انسان دل میں اس قسم کی نیکی کی طرف مائل کرنے والے جذبات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی یا توبہ کے بعد روحانی فضل کا آغاز سے بھی یہ پتہ چل جاتا ہے کہ بارگاہ ایزدی میں توبہ قبول ہوگئی ہے۔ بہر کیف اگر توبہ سابقہ بیان کردہ شرائط کے مطابق ہوگی اور سچے دل سے ہوگی تو ضرور قبول ہوگی۔

توبہ کا اصل تعلق انسانی دل سے ہے۔ جس کو یہ معرفت حاصل ہو جائے کہ دل کی کیا حقیقت ہے، جس سے اس کا تعلق کیا ہے اور اللہ سے اس کی کیا نسبت ہے، تو ایسا دل توبہ کی طرف مائل ہوتا ہے اور دل ہی توبہ کے ذریعہ عبد اور معبود کے درمیان حجاب کو دور کرتا ہے۔ دل ایک ایسا آئینہ ہے کہ اگر وہ گناہوں اور خطاؤں کے زنگ سے پاک وصاف ہو تو اللہ کے نور کی آماجگاہ ہے لیکن اگر آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو یہ گناہ آئینہ دل کو گندہ کر دیتا ہے۔ مگر انسان کی نیکیاں اور عبادت نور بن کر دل کی ظلمت اور تاریکی کو ختم کر دیتی ہیں اور جب بھی ظلمت کا غلبہ ہونے لگے تو توبہ ایک ایسی عبادت کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے جس سے دل کی ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل از سرِ نو پاک ہو جاتا ہے۔

دل کی پاکی سے دل میں ایک ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ انسان کی باطنی نگاہ کو کھول دیتا ہے اور پھر اس کو توبہ قبول ہونے کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ سے پتہ چل جاتا ہے۔

باقی اللہ کی رحمت ایسی وصیت والی ہے کہ اگر کوئی انسان سچے دل سے توبہ کر جائے تو اس توبہ کو اللہ تعالیٰ ضرور شرف قبولیت بخشتے ہیں مگر قبولیت توبہ کے بارے میں یہ امر بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ توبہ کر کے برائیوں کو عملی طور پر ترک کر دینا چاہئے۔ رزق حلال کمانا اور رزق حلال کھانا بھی لازم ہے۔ اگر توبہ کر کے ساتھ ساتھ برائی بھی جاری رکھی جائے تو توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ خواہ زبان سے انسان لفظ توبہ جتنی مرتبہ چاہے کہتا جائے کہ اللہ! میں نے توبہ کی۔ ناقص توبہ قبول نہ ہوگی۔

## کن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی ؟

توبہ ہر شخص کی قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن بنیادی شرط صاحب ایمان ہونا لازمی ہے لہٰذا جو حضرات اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیروکار رہ کر مر جائیں ، ان کی توبہ قبول نہیں۔ چنانچہ جو شخص ایک مرتبہ ایمان لے آئے اور پھر مرتد ہو جائے اور کفر میں بڑھ جائے تو اس کی توبہ قبول نہیں۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بعد کفر کرنے والوں اور پھر اس کفر پر مرنے والوں کو ڈرایا ہے کہ موت کے وقت تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی لہٰذا جو ایمان سے نکل کر راہ حق سے بھٹک جائیں اور اس حالت میں مر جائیں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ یاد رہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ اسلام کی راہ چھوڑ کر کمیونزم اور الحاد کی راہ اختیار کر لیں تو ایسے لوگوں کی توبہ موت کے وقت ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ البتہ موت سے پہلے پہلے اگر وہ اس راہ کو چھوڑ کر اسلام کے صراط مستقیم پر آ جائیں تو ان کی توبہ قبول ہے کیونکہ الحاد کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

**ان الذین کفرو ابعد ایمانھم ثم ازدادُوا کفراً لن تُقبل تو بتُھم والئک ھم الضالون. ان الذین کفرو اوماتوا وھم کفارٌ فلن یقبل من احدھم ملأ الأرض ذھبا ولو فتدیٰ بہٖ .** (سورۃ ال عمران : ۹)

''بیشک جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں پھر اس کفر میں حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ یہی لوگ گمراہ ہیں بیشک جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں۔ اگر ان میں سے کوئی زمین بھر سونا فدیے میں دے دے تو پھر بھی ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

کفر میں بڑھنے والے سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی عملاً مخالفت اور مزاحمت کرے اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنے کے لئے اپنا پورا زور لگائے۔ لوگوں میں شبہات

پیدا کرے اور بدگمانیاں پھیلائے تاکہ دوسرے لوگ ایمان نہ لے آئیں تو منکرین اسلام کا یہ رویہ اس حد تک بڑھ جائے تو ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔

البتہ شرک کی معافی ہوسکتی ہے کہ شرک کرنے والا شرک کو چھوڑ کر تائب ہو جائے اور سیدھا راستہ اختیار کر لے۔ شرک گناہ عظیم ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اوراس کے سوا جتنے گناہ ہیں، جس کو چاہے بخش دے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوا''۔ (سورۃ النساء:۴۸:۱۱۶)

## توبہ کی حقیقت اور اس کے اقسام

راہ حق پر چلنے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے جس طرح کے طالبان عبادت کے لئے پہلا درجہ طہارت ہے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

**یا ایھا الذین امنوا تُوبو الیَ اللہ تو بۃً نصُوحا** (سورۃالتحریم :۸)

''اے ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرو۔'' نیز فرمایا:

**تو بوا الی اللہ جمیعاً اَیھا المؤ منون لعلّکم تُفلحُون** (سورۃ النور : ۳۱)

''اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**ماشیء احب الی اللہ من شاب تائب** (کنز العمالج ۴)

''اللہ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ جوان آدمی توبہ کرے''۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ**۔ ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (بحوالہ کنز العمال ج ۴ ص ۲۰۷)

پھر فرمایا: '' **اذا احب اللہ عبد الن یضرہ ذنب**

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو گناہ اسے نقصان نہیں دیتا۔''

اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

ان اللہ یحب التوّابین ویحبُّ المتطھّرین ( البقرہ : ۲۲۲)

بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

غرض کہ توبہ کرنے والا بے گناہ ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو دوست رکھتا ہے تو گناہ اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ دریافت کیا گیا ہے کہ توبہ کی علامت کیا ہے؟ فرمایا ندامت لیکن یہ جو فرمایا کہ گناہ دوستوں کے لئے نقصان رساں نہیں اس کا مطلب ہے کہ گناہ گار کافر نہیں ہوتا اور اس کے ایمان میں خلل نہیں آتا۔ جب کہ ایمان کو گناہ ضائع نہیں کرتا۔ تو اس معصیت کا نقصان جس کا انجام کار نجات ہو درحقیقت نقصان و ضیاع نہیں ہے۔ واضح رہے کہ لغت میں توبہ کے معنی رجوع کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ''تاب ای رجع ''لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے باز رہنا اس لئے ہے کہ اسے خدا کے حکم کا خوف ہے، یہی توبہ کی حقیقت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا'' الندم تو بة '' یعنی توبہ ندامت اور شرمندگی ہے۔ یہ ایسا ارشاد ہے جس میں تمام شرائط توبہ پنہاں ہیں۔ اس لئے کہ توبہ کی ایک شرط مخالفت پر افسوس کرنا ہے اور دوسری شرط ترک کی حالت میں ذلت محسوس کرنا ہے۔ تیسری شرط گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کا عزم کرنا ہے۔

یہ تینوں شرطیں ندامت میں موجود ہیں کیونکہ جب ندامت دل میں حاصل ہے تو پہلے دونوں شرطیں اور تیسری شرط اس کے ضمن میں ہوتی ہے۔ ندامت کے بھی تین سبب ہیں جیسا کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ پہلا سبب ندامت یہ ہے کہ جب دل پر سزا کا خوف غلبہ پاتا ہے تب اپنے برے فعلوں پر دل آزردہ ہوتا ہے اور ندامت حاصل ہوتی ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کی توجہ اس امر پر مرکوز ہو کہ یہ فرمان الٰہی ہے کا لحاظ اس قدر غالب آئے گا کہ اس کی مخالفت سے ندامت پیدا ہو۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ جب نعمت کی خواہش

اس کے دل پر غالب آجائے اور وہ جان لے کہ برے فعل اور نافرمانی سے وہ حاصل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا تینوں میں سے پہلا تائب دوسرا منیب اور تیسرا اوآب ہے۔

ایسے ہی توبہ کے بھی تین مقام ہیں۔ توبہ، انابت اور اوابت۔

لہٰذا توبہ عذاب کے خوف سے ہے اور انابت حصول ثواب سے ہے اور اوابت رعایت فرمان سے ہے۔ اس وجہ سے توبہ عام مسلمانوں کا مقام ہے جو گناہ کبیرہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھا الذین امنوا توبو االی اللہ توبۃً نصوحاً. (سورۃ التحریم : ۸)

''اے یمان والو اللہ کے حضور سچی توبہ کرو۔''

اور انابت اولیاء ومقربین بارگاہ کا مقام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

من خشیَ الرحمٰن بالغیب و جاء بقلبٍ مّنیب. (ق : ۳۳)

''جو خدا سے حالت غیب میں ڈرے اور انابت والا دل لائے۔''

اور اوابت انبیاء ومرسلین علیھم السلام کا مقام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**نعم العبد انہ اوّاب** ''یعنی کتنا اچھا بندہ ہے کہ ہر حال میں خوب رجوع کرتا ہے''

لہٰذا اطاعت کے ساتھ کبائر سے رجوع کا نام توبہ ہے اور محبت میں صغائر سے رجوع کا نام انابت ہے اور از خود خدا کی طرف رجوع کا نام اوّابت ہے۔ یہ فرق ہے ان کے درمیان جو فواحش سے اوامر کے ساتھ رجوع کرے اور جو جحت اور فاسد اندیشہ سے محبت کے ساتھ رجوع کرے اور جو اپنی خودی کے ساتھ رجوع کرے۔

توبہ کی اصل یہ ہے کہ انسان کا دل خواب غفلت سے بیدار ہو جائے چنانچہ جب بندہ اپنے برے احوال اور قبیح افعال پر غور وفکر کرتا ہے اور اس سے نجات کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس پر توبہ کے اسباب آسان فرما دیتا ہے اور اسے اس کی معصیت کی برائی سے نکال کر اپنے طاعت کی شیرینی میں پہنچا دیتا ہے۔

# توبہ کی اقسام اور اسکی مختلف تقسیمیں

توبہ کی دو قسمیں ہیں، واجب اور مستحب۔

## (۱) واجب

احکام اور اعمال دو قسم کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض احکام اور اعمال کے بجالانے کا حکم دیا ہے جن کو اوامر کہتے ہیں اور بعض افعال و اعمال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جن کو ''منہیات'' کہتے ہیں۔ تو اوامر بجالانے اور منہیات کے کرنے سے توبہ کرنا واجب ہے اور یہ وجوب ہر بالغ مرد و عورت کے لئے ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان کیا گیا ہے اور دوسری کتب سماویہ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

## (۲) مستحب توبہ

بعض کام اور اعمال وہ ہیں جن کا کرنا ثواب کا کام ہے اور نہ کرنا گناہ نہیں۔ ان کو مستحب کہتے ہیں۔ اس طرح بعض اعمال کا نہ کرنا بہتر ہوتا ہے جن کو مکروہات کہتے ہیں۔ مستحبات کے نہ کرنے اور مکروہات کے کرنے سے توبہ کرنا مستحب ہے۔

اب اگر ایک آدمی صرف واجب توبہ تو کرتا ہے مگر مستحب توبہ نہیں کرتا۔ تو وہ نیک لوگوں میں شمار ہوگا لیکن جو آدمی دونوں طرح توبہ کرتا ہے وہ اونچے مرتبے اور مقربین میں شمار ہوگا، اور اگر کوئی کوئی شخص واجب توبہ بھی نہیں کرتا تو وہ ظالم سرکشوں میں شمار ہوگا۔ پھر ظالمین سرکشوں کی دو قسمیں ہیں، اعلیٰ درجہ کے ظالم کافر ہیں اور ادنیٰ درجے والے فاسق ہیں۔

چنانچہ ان تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے۔

''اور تم ہو جاؤ تین قسم پر پھر داہنے ہاتھ والے کیا خوب ہیں داہنے والے اور بائیں والے کیا برے لوگ ہیں بائیں والے اور آگے نکلنے والے تو آگے والے ہیں۔ وہ مقرب لوگ ہیں نعمت کے باغ میں۔ (سورۃ الواقعہ: آیت نمبر ۷ تا ۱۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لے کر خوبیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔''

(سورۃ الفاطر: آیت نمبر ۳۲)

اللہ تعالیٰ مومنین اور ظالمین کے بارے میں فرماتا ہے۔

''ہرگز نہیں، بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔'' (سورۃ المطففین: آیت نمبر ۷-۸)

پھر اسی سورت میں آگے جا کر مومنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''ہرگز نہیں، بیشک اعمال نامہ نیکوں کا علیین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کہ علیین کیا ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ اس کو دیکھتے ہیں مقرب لوگ، بیشک نیک لوگ آرام میں ہیں۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔ پہچان لے گا تو ان کے چہرے پہ تازگی آرام کی۔ ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی جس کی جمتی ہے مشک پر اور چاہیے کہ آگے بڑھیں اس میں آگے بڑھنے والے اور اس کی ملونی ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں مقرب لوگ۔''

(سورۃ المطففین: آیت نمبر ۱۸ تا ۲۸)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیک لوگوں کو تسنیم کے چشمہ سے ملا کر پانی پلایا جائے گا اور مقرب لوگوں کو خالص تسنیم کا پانی پلایا جائے گا۔ سورۃ الدھر میں اللہ جل شانہٗ ان دو متضاد جماعتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''ہم نے اس (انسان) کو راہ سجھائی یا حق مانتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ ہم نے تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ، البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ جس میں ملاوٹ ہے کافور ملی ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں اللہ کے بندے وہ چلاتے ہیں اس کی نالیاں۔''

# توبہ کی ایک اور تقسیم

## توبہ کی تین قسمیں

حضرت علی ہجویریؒ نے توبہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) توبہ گناہ سے نیکی کی طرف

یعنی جن لوگوں نے کوئی برا فعل کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی۔ (بحوالہ: فضائل توبہ واستغفار)

(۲) توبہ نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف۔

یہ اہل ہمت خصوصاً اولیاء اللہ کے لئے خاص ہے کیونکہ وہ معصیت کرتے ہی نہیں بلکہ معمولی نیکی پر قرار پکڑنے اور راستے میں ٹھہر جانے کو ایک حجاب خیال کرتے ہیں۔ اس لئے وہ زیادہ نیکی کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔ ان کی مثال حضرت موسیٰ کے واقعہ سے ملتی ہے کہ سارا عالم تو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی حسرت میں ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی سے توبہ کی۔ (کیونکہ یہ دیدار الٰہی کی آرزو خود اپنے اختیار سے طلب کی تھی اور پھر اپنی خودی کو ترک کر کے حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گئے جو درجہ محبت میں ہے۔)

(۳) بلند تر مقام پر ٹھہرنے سے توبہ۔

جیسا کہ علماء بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے مقامات ہمیشہ ترقی پر تھے اس لئے آپ جب کسی بلند مقام پر پہنچتے تھے تو اس کے نیچے کے مقام سے استغفار کرتے اور اس مقام کے دیکھنے سے بھی توبہ فرماتے تھے۔

# توبہ کی ایک اور تقسیم

## توبہ کی سات قسمیں

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے فرمایا کہ توبہ سات قسم کی ہے، اول دل کی تو

بہ، دوم زبان کی توبہ، تیسری آنکھ کی توبہ، چوتھی کان کی توبہ، پانچویں ہاتھ کی توبہ، چھٹی پیر کی توبہ، اور ساتویں نفس کی توبہ۔

## (۱) دل کی توبہ

وہ فرماتے ہیں کہ توبہ کو دل سے تسلیم نہیں کرو گے اور زبان سے توبہ کا اقرار نہیں کرو گے تو توبہ درست نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب تک کوئی دل کو دنیا اور اس کی لذتوں اور اس کی دوستی اور حسد وفحش، ریا اور لہولعب کی گندگیوں سے صاف نہ کرے اور سچائی کے ساتھ ان معاملات سے تائب نہیں ہوگا اس کی توبہ توبہ نہیں ہوگی۔ جب تک کوئی کھوٹ کو دل سے باہر نہیں نکالے گا اور تمام خراب معاملات کو پورے طور پر دل سے درست نہیں کرے گا اس کی توبہ درست نہیں ہوگی۔ جیسا کہ کلام پاک میں آیا ہے۔

''اے ایمان والو! توبہ کرنے پر عجلت کرو اور جب توبہ کرلو تو ہمیشہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو یعنی ہمیشہ توبہ نصوح کرو۔''

اور توبہ نصوح سے مراد یہی دل کی توبہ ہے۔ جب دل کو تو نے ان دنیاوی برائیوں سے صاف کر دیا تو یہ توبہ ہوگی اور پھر تم متقی کے برابر ہو جاؤ گے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ آدمی توبہ کرتا ہے تو وہ ایسے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس سے کبھی گناہ سرزد ہوا ہی نہیں تھا۔ اس وجہ سے متقی اور تائب ایک ہی صفت میں آجاتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ اصل توبہ دل کی ہے۔ اگر زبان سے سو ہزار مرتبہ توبہ کرو لیکن جب تک دل سے اس کی تصدیق نہیں ہوگی تو وہ توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ توبہ کے لئے زبان سے اقرار کرنے کے ساتھ دل سے تصدیق کی جائے۔ بعض لوگ ایسے ہی جو زبان سے توبہ کرتے ہیں لیکن دل سے نہیں کرتے، ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بیماری میں مبتلا ہو اور صبح سے شام تک ہائے ہائے اور توبہ استغفار کرتا رہے لیکن جونہی وہ تندرست ہو جائے پھر دنیا کی غفلت اور بدمستی پر اتر آئے اور توبہ کا خیال نہ رکھے، اللہ اور

بندے کے درمیان حجاب ہے جو دل کو دور کرتا ہے تو پھر اللہ اور بندے کے درمیان حجاب نہیں رہتا۔ چنانچہ دل کو تمام گندگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنا چاہئے تاکہ وہ پردہ درمیان سے اٹھ جائے، لذت وشہوت کے بجائے مشاہدہ اور مکاشفہ کے مقام پر پہنچ جائے۔

## (۲) زبان کی توبہ

زبان کی توبہ یہ ہے کہ ہر نامناسب کلمے سے زبان کو دور رکھو۔ اور بے ہودہ گفتگو نہ کرو اور واہیات گفتگو سے توبہ کرو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھو اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاؤ اور التجاء کر کہ الہٰ العالمین! میری اس زبان کو بری بات کہنے سے باز رکھ اور اس کی توبہ قبول کر اور اس کی آئندہ سوائے اپنے ذکر کے کوئی دوسری چیز زبان سے نہ نکلنے دے اور ایسی واہیات باتیں جن میں تیری رضامندی نہ ہو، میری زبان سے نہ نکلیں۔ زبان کی حفاظت سے انسان ہلاکت سے بچ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ والوں میں سے ایک درویش سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ دس سال تک وہ ان کی خدمت میں رہے اور دس سال کے عرصہ میں سوائے ایک بات کے اور کوئی نامناسب بات ان کے منہ سے نہ سنی۔ اور وہ بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنے ایک عزیز کو سمجھایا تھا کہ ہائے درویش! اگر چاہتے ہو کہ سلامتی کے ساتھ عقبیٰ میں جاؤ تو نازیبا بات بولنے سے اپنی زبان کو روکو۔ بس جیسی ہی انہوں نے یہ جملہ کہا کہ فوراً زبان کو ایسا کاٹا کہ خون جاری ہوگیا اور فرمایا کہ تجھ کو یہ بولنے سے کیا سروکار تھا؟ اور اس ایک بات کے کفارہ میں بیس برس تک بات نہیں کی۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ جس دن حق تعالیٰ نے چاہا کہ بنی آدم کے منہ میں زبان ڈالے تو اس نے زبان سے فرمایا کہ اے زبان! خاص کر تیری تخلیق سے یہ غرض ہے کہ

سوائے میرے نام کے تو اور کچھ نہ بولے۔ تیری زبان سے سوائے میرے کلام کے اور کچھ نہ نکلے اور اگر اس کے علاوہ تو کچھ بولی تو خود اپنے ساتھ سارے اعضاء کو بھی مصیبت میں ڈالے گی اور زبان کی تخلیق خاص کر کلام پاک کی تلاوت کے لئے ہوتی ہے۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ آدمی کے اعضاء میں سے ہر ایک عضو میں شہوت اور خواہش ملی ہوئی ہے جو کہ حجاب اور آفت کا باعث ہے۔ جب تک ان شہوتوں اور خواہشوں سے کوئی توبہ نہ کرے گا اور اپنے تمام اعضاء کو ظاہری اور پاک نہ رکھے گا ہرگز وہ اپنی منزل پر نہیں پہنچے گا۔ پھر فرمایا کہ ان اعضاء میں سے جن کا ذکر کیا گیا ہے اول نفس ہے کہ اس میں شہوت یعنی خواہش نفسانی رکھی گئی ہے۔ دوسری آنکھ ہے کہ اس میں دیکھنے کی خواہش پیدا کی گئی ہے۔ تیسرے کان ہیں کہ اس میں سننے کا احساس دیا گیا ہے۔ چوتھے ناک ہے کہ اس میں سونگنے کی رغبت ہے۔ پانچوی تالو ہے کہ اس میں چکھنے کی اشتہاء ہے۔ چھٹے ہاتھ ہیں کہ اس میں پکڑنے کی صلاحیت ہے۔ ساتویں زبان ہے کہ اس میں خوشامد اور سراہنے کی عادت ہے۔ آٹھواں دل ہے کہ اس پر کوشش کرنے اور سوچنے کی طاقت ہے۔ پس حق تعالیٰ کے طلبگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سب چیزوں کے برے استعمال سے توبہ کرے تا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی کا پیغام سنے۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ تمام سعادت اور نیک کا سرچشمہ یہی ہے کہ انسان اپنی نفس کا مالک ہو۔ تا کہ اس کی طبیعت پر شہوت کی حکمرانی نہ ہو اور حق تعالیٰ سے مدد مانگے کہ وہ ان اور صفات سے متصف ہو۔ درویش کا عمل یہی ہے اور جب اس میں حال پیدا ہو جائے تو یہ درویش کا جوہر ہے۔ جب عالم نورانی سے اسرار وانوار تجلی الٰہی کا نزول ہوتا ہے، جب دل زبان سے اور زبان دل سے موافقت رکھتی ہے تو انوار عشق اس جگہ سکون پزیر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر دل اور زبان ایک دوسرے کے موافق نہیں ہوتے تو پھر انوار محبت اسی جگہ سے واپس لوٹ جاتے ہیں اور ایسے دل پر نازل ہوتے ہیں جس کی زبان کے ساتھ موافقت ہو۔

## (۳) آنکھ کی توبہ

آنکھ کی توبہ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ آنکھ کی توبہ یہ ہے کہ انسان نہادھوکر صاف ستھرا ہو جائے، پھر دو رکعت نفل نماز ادا کرے اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر التجاء کرے کہ اللہ تعالیٰ! تمام نادیدنی چیزوں کے دیکھنے سے میں نے توبہ کی۔ جس چیز کو دیکھنے کا تیرا حکم ہوگا، اس کے علاوہ کوئی نامناسب چیز نہیں دیکھوں گا۔

پھر فرمایا کہ بار بار آنکھ کو تمام ممنوعات اور خواہشات سے پاک رکھو تا کہ آنکھ کی توبہ قبول ہو۔ اس لئے کہ یہی آنکھ انسان کو خدا کے حضور تک پہنچاتی ہے اور یہی آنکھ انسان کو مصیبت میں پھنسا دیتی ہے۔ پس اے درویش! عشق کی پہلی منزل آنکھ سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ ایسے مقام کے لئے جہاں دیدارِ الٰہی کی نعمت حاصل ہوتی ہے کوشش کرے اور ہمیشہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھے تا کہ تباہ نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ زیدؓ کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے آپ کی نظر مبارک زیدؓ پر پڑی اور آنکھ لب سے گزری اس وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور فرمایا "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زید کی زبان اور لوگوں سے برتر ہوگی۔"

آنکھ کی توبہ کئی قسم کی ہے ایک تو حرام دیکھنے سے توبہ، دوسرے اگر کسی مسلمان بھائی کے بارے میں کسی کو غیبت کرتے دیکھ لے تو اس سے توبہ کرے کہ کیوں دیکھا اور پھر جو دیکھا ہے اس کو بھی کسی سے کہنا نہیں چاہیے۔ تیسرے جب کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھ لے تو اپنی آنکھ کو ملامت کرے کہ کیوں اس ظلم کو دیکھا اور اس کے بعد توبہ کرے۔

## (۴) کان کی توبہ

کان کی توبہ یہ ہے کہ تمام نامناسب باتوں کے سننے سے توبہ کرے اور بیہودہ بات نہ سنے۔ اس وقت اس کی توبہ توبہ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اے درویش! انسان کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سنے اور جس جگہ اللہ پاک کا کلام سنے اس کو کان میں

محفوظ رکھے کیا حکم باری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو سننے کی طاقت نہیں دی گئی ہے کہ ہر جگہ گالی گلوچ، ہنسی ٹھٹھا، گانا بجانا اور نوحہ وشیون کی آواز سنتا پھرے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا چیزوں کو سنے گا اور کان میں رکھے گا، کل قیامت کے دن اس کے کان میں شیشہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ خفیفؒ کسی راستے سے گزر رہے تھے کہ نوحہ کی آواز ان کے کان میں پڑی۔ فوراً کان میں انگلی ڈال لی۔ جب گھر آئے تو ایک آدمی سے کہا کہ تھوڑا شیشہ پگھلا کر لاؤ۔ ان کے حکم کے مطابق لوگ لے آئے، آپؒ نے فرمایا اس کو میرے کان میں ڈال دو، آج نہ سننے کے لائق آواز میرے کان میں پڑی ہے، آج اس گناہ کا کفارہ ادا کر لیتا ہوں کل قیامت کا عذاب مجھ پر نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ فقراء نے اسی وجہ سے خود کو دنیا اور اس کی صحبت سے دور رکھا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تا کہ کچھ بھی واہیات نہ سنیں اور یہی کان کی توبہ ہے۔

## (۵) ہاتھ کی توبہ

ہاتھ کی توبہ یہ ہے کہ کسی نہ پکڑنے کے لائق چیز کو ہاتھ میں نہ پکڑے اور تمام نامناسب چیزوں کے پکڑنے سے توبہ کر لے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی بدخشاں میں ایک درویش سے ملاقات ہوگئی۔ ان کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور وہ تین سال سے حجرہ میں اعتکاف کئے ہوئے تھے۔ خواجہ قطب الدینؒ نے ان سے پوچھا کہ اے حضرت! آپ کے ساتھ کٹنے کا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ کسی مجلس میں حاضر تھا۔ صاحب مجلس کا ایک دانہ گیہوں ان کی اجازت کے بغیر میں نے اٹھالیا اور اس دانہ کو دو ٹکڑے کر دیا۔ جیسے ہی دانہ میں نے گرایا تو ہاتف کی آواز میرے سر میں گونجی کہ اے درویش! تم نے یہ کیا کہ دوسرے آدمی کے گیہوں کا ایک دانہ اس کی اجازت کے بغیر دو ٹکڑے کر دیا جیسے میں نے یہ بات سنی فوراً اس ہاتھ کو کاٹ کر باہر پھینک

دیا تا کہ دوسری دفعہ کوئی نامناسب چیز نہ اٹھائے۔اس وقت شیخ الاسلام نے آبدیدہ ہوکر کہا اللہ والوں نے ایسا کیا،تب کہیں جا کر وہ مقام پر پہنچے۔

## (٦) پاؤں کی توبہ

پاؤں کی توبہ یہ ہے کہ نامناسب جگہ پر جانے سے توبہ کی جائے۔اوراس کی خواہش پر پیر باہر نہ نکالے،تا کہ اس کی توبہ توبہ ہو۔

خواجہ مصریؒ ایک مرتبہ سفر کررہے تھے،سفر کرتے ہوئے وہ ایک بیابان میں پہنچ گئے۔جہاں ایک غار تھا،اس غار میں ایک بزرگ صاحب نعمت درویش سے ان کی ملاقات ہوگئی،اس درویش کا ایک پیر باہر تھا اور ایک غار کے اندر اور دونوں آنکھیں ہوا میں،غار کے باہر جو پیر تھا وہ کٹا ہوا پڑا تھا،خواجہ ذوالنونؒ ان کے اورنزدیک ہوگئے اور سلام کے بعد انہوں نے پوچھا کیا بات ہے جو اس پیر کو آپ نے کاٹ دیا۔اس بزرگ نے جواب دیا کہ اے ذوالنون!امیر قصہ بڑا طویل ہے لیکں پیر کٹنے کا حال البتہ سن لو۔ایک روز میں غار سے باہر نکلا ہوا تھا،ایک عورت کسی ضرورت سے غار کے سامنے سے گزری، خواہش نفسانی نے تقاضہ کیا،اسی وقت اس عورت کو پکڑنے کے لیے میں نے اس پیر کو میں نے باہر نکالا۔وہ عورت میرے سامنے سے لاپتہ ہوگئی۔فوراً میں نے اس پیر کو کاٹ کر باہر پھینک دیا۔پس اے درویش!تب سے میں ایک پیر پر کھڑا ہوں۔اکرم ندامت سے حیران ہوا کہ قیامت کے دن کیا جواب دوں گا۔

## (٦) نفس کی توبہ

نفس کی توبہ یہ ہے کہ جس میں نفس کو تمام لذیذ غذا،شہوات اور خواہشوں سے دور رکھنا چاہئے اور تمام چیزوں سے توبہ کرنی چاہئے اور نفسانی خواہشات کے مطابق کام نہیں کرنا چاہئے۔کلام اللہ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص خواہش نفس سے اپنے آپ کو روکے گا،وہ بہشتی ہے اس کی جگہ بہشت میں ہے۔کلام اللہ میں آیا ہے کہ جو اپنے پروردگار

سے ڈرتا ہے اور گناہ سرزد ہو جانے کہ بعد اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہے اور توبہ کرتا ہے، وہ یقیناً جنتی ہے اور اس کا ٹھکانہ بیشک بہشت ہے۔

(بحوالہ: اللہ میری توبہ)

# توبہ کی ایک اور تقسیم

## توبہ کے تین اور اقسام

توبہ کی تین اقسام ہیں۔ (۱) ایک خطا سے راہ صواب پر۔ (۲) دوسری درستگی سے مزید درستگی پر۔ (۳) تیسری اپنی خود سے حق تعالیٰ کی طرف۔

خطا سے راہ صواب پر گامزن ہونے پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

**والذین اذا فعلو افاحشة اوظلموا انفسهم ذکرو الله فاستغفروا لِذنو بهم.** (سورۃ آل عمران : ۱۳۵)

''یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے برے کام کئے یا اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور انہوں نے خدا کو یاد کر کے گناہوں کی مغفرت چاہی۔''

۲۔ اور وہ جو درستگی سے مزید درستگی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے کہا ''تبــــتُ الیکَ ''یعنی میں تیری ہی جانب رجوع کرتا ہوں۔''

۳۔ اور جو اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی مثال حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔

**وانه لیغان علی قلبی وانی کنت لا ستغفر الله فی کل یوم سبعین مرة**

بلاشبہ جس وقت میرے دل پر ہلکا سا ابر آ جاتا ہے اس وقت میں روزانہ ستر مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں۔'' (بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل ۴: ۲۱۱)

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ **توبة العوام من الذنوب وتوبة**

الخواص من الغفلة .

''عوام کی توبہ گناہوں سے ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔''

اس لئے کہ عوام سے ظاہر حال پوچھا جائے گا اور خواص سے معاملہ کی تحقیق۔ کیونکہ عوام کے لئے غفلت ہے اور خواص کے لئے حجاب۔

حضرت ابوحفص حرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التوبة اذا ذكرت الذنب ثم لا يجد حلاوة عند ذكره فهو التوبة.

''توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جب تم گناہ کو یاد کرو پھر تم اس کی یاد میں لذت نہ پاؤ تو وہ توبہ ہے''۔

اس لئے کہ گناہ کی یاد تو حسرت سے ہوگی یا ارادہ خواہش سے۔ اگر اس طرح سے یاد کرتا ہے تو گنہگار ہے کیونکہ معصیت کے ارتکاب میں اتنی آفت نہیں ہے جتنی اس کے ارادہ وخواہش میں آفت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتکاب معصیت ایک لحظہ کا ہوتا ہے اور اس کا ارادہ وخواہش دائمی ہمیشہ ہوتا ہے لہٰذا اس کا جسم ایک گھڑی کے لئے معصیت میں رہے وہ ویسا نہیں ہے جس کا دل دن رات اس کی سوچ میں رہتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التوبة توبتان توبة الانابة وتوبة الاستحياء فتوبة الانابة ان يتوب العبد خوفا من عقوبة وتوبة الاسحياء ان يتوب حياء من كرمه .

''یعنی توبہ کی دو صورتیں ہیں، ایک توبہ انابت ہے۔

دوسری توبہ استحیاء ہے۔

توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ عذاب الٰہی کے خوف سے توبہ کرے اور استحیاء یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے کرم سے شرم کر کے توبہ کرے۔ خوف والی توبہ جلال الٰہی کے کشف سے ہے اور شرم والی توبہ جمال الٰہی کے نظارہ سے ہے۔ معلوم ہوا ایک جلال الٰہی میں اس کے خوف کی آگ سے جلتا ہے اور دوسرا جمال الٰہی میں شرم وحیاء کے نور سے روشن ہوتا ہے۔

ان دونوں میں سے ایک سکر میں ہے اور دوسرا ہوش میں ہے۔ اہل حیا اصحاب سکر ہیں اور اہل خوف اصحاب صحو۔

## توبہ کے تین مقام

توبہ کے تین مقام ہیں

(۱) توبہ

یہ عام مومنین کا مقام ہے اور یہ عذاب کے خوف کے لئے ہے اور یہ خواہش اور کبیرہ گناہوں سے ہوتی ہے بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ یعنی توبہ اللہ تعالیٰ کی جھڑکیوں، تنبیہ اور قید سے بچنے اور خواب غفلت سے دل کی بیزاری اور اپنے حال کے عیب کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب بندے کو اپنے برے احوال و افعال پر غور کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے کہ ان سے خلاصی کی دعا کرے تو اللہ اس کے لئے توبہ کرنا آسان فرما دیتا ہے۔ حتیٰ کہ معصیت سے رہائی دیتا ہے اور عبادت کی حلاوت تک پہنچا دیتا ہے۔

(۲) انابت

یہ اولیاء اللہ اور مقربان حق کا مقام ہے یہ صغیرہ گناہ اور فاسد اندیشہ سے اللہ تعالیٰ کی خاص محبت رکھنے کے باعث اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ یہ طلب ثواب کے لئے ہے۔

(۳) اوابت

یہ انبیاء اور مرسلینؑ کا مقام ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ توبہ مجھ پر آسان کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں یہ آپ ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ جب کسی بلند مقام پر پہنچتے تو اس سے نیچے کے مقام پر توبہ کرتے۔ یہ فرمان حق کی رعایت کے لئے ہے۔ (بحوالہ: فضائل توبہ استغفار)

## توبہ میں استقامت کا طریقہ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا ''یا رسول اللہ! میں زبان دراز ہوں اور اپنے اہل عیال پر زبان درازی کرتا رہتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم استغفار کیوں نہیں پڑھتے، میں تو دن میں سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' میرے قلب پر گھٹا چھائی رہتی ہے۔ اس لئے میں روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' اے مومنوں! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو شاید کہ فلاح پاؤ۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے'' اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے سچی خیر خواہی کے ساتھ توبہ کرو۔''

## توبہ و استغفار کے درجات

توبہ و استغفار کے بے شمار درجات ہیں، ان کے ابتدائی درجات بھی فوائد سے لبریز ہیں انتہائی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اسی لئے حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ بندے کو ہر حال میں اپنے پروردگار کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی اس کے حق میں بہتر بھی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے خواہ اچھا ہو یا برا۔ مثلاً گناہ کا مرتکب ہو تو یہ دعا کرے اے اللہ! گناہ سے میری حفاظت کر۔ کوئی اچھا کام کرے تو یہ کہے کہ اے اللہ! میرے اس عمل کو شرف قبولیت سے نواز۔ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ وہ استغفار کون سا ہے، جس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا استغفار کی ابتدا استجابت سے ہے، پھر انابت، اس کے بعد توبہ۔ استجابت سے اعضاء کے اعمال مراد ہیں اور انابت سے قلوب

کے ،توبہ یہ ہے کہ مخلوق سے لاتعلق ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور جس گناہ میں مبتلا ہے اس کی مغفرت طلب کرے ۔ نیز کفران نعمت اور ترک شکر جیسی خطاؤں کی بھی بخشش چاہے ۔امید ہے کہ اس کے بعد مغفرت ہو جائے گی اور رب العالمین کے پاس ٹھکانہ مل جائے گا۔توبہ کے بعد بھی مراحل ہیں ۔ پہلا مرحلہ تنہائی ہے، پھر ثبات ،اس کے بعد بیان ، پھر فکر، پھر مغفرت ، پھر مناجات ،اس کے بعد مصافات ، پھر موالات ، پھر راز کی گفتگو جسے خلت کہتے ہیں لیکن یہ تمام احوال اس بندے کے دل پر گزرتے ہیں جس کی غذا علم ،جس کی اقوام ذکر،جس کا زادراہ رضائے الٰہی ،جس کا رفیق توکل ہو۔ ایسے دل پر اللہ تعالیٰ اپنی خاص توجہ ڈالتے ہیں اور اسے عرش پر اُٹھا لیتے ہیں جہاں اسے حاملین عرش کے درمیان جگہ ملتی ہے۔ان سے کسی نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں دریافت کیا۔

التائب حبیب اللہ ترجمہ: ''توبہ کرنے والا اللہ کا حبیب ہے۔''

آپؒ نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب اسی وقت ہوگا جب اس میں مندرجہ ذیل اوصاف پائے جائیں گے۔

**التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الأمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحفظون لحدود اللہ.**

(پ:۱۱،۳ آیت:۱۲۲)

ترجمہ...... ''وہ ایسے ہیں جوتوبہ کرنے والے ہیں (اور) اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں (اور) حمد کرنے والے ہیں ،روزہ رکھنے والے ہیں رکوع کرنے والے ہیں ،(اور) سجدہ کرنے والے ، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے ہیں۔''

یہ بھی فرمایا کہ حبیب اسے کہتے ہیں جو اپنے محبوب کا اس حد تک اطاعت گزار ہو کہ جو بات اسے بری لگتی ہو،اس کے قریب بھی نہ بھٹکتا ہو۔اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا

مقصود ہے کہ توبہ کے دو ثمر ہیں۔ پہلا ثمر تو یہ ہے کہ گناہ مٹ جائے اور ایسا ہو جائے گویا گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہیں ہے دوسرا ثمر یہ ہے کہ توبہ کے ذریعے قرب کے درجات حاصل کرے یہاں تک کہ اس کا حبیب بن جائے۔ پھر کفارۂ ذنوب کے مختلف درجات ہیں۔ بعض گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں گویا کبھی وجود ہی میں نہیں آئے تھے، بعض گناہوں میں صرف تخفیف ہوتی ہے۔ جیسے توبہ ہوتی ہے ازالہ معصیت میں ویسا ہی اس کا اثر ہوتا ہے

## توبہ کرنا کیوں لازمی ہے؟

ہر مسلمان پر اپنے گناہوں کی وجہ سے توبہ کرنا لازمی ہے اور یہ دو درجہ سے لازم ہے۔

۱ ایک تو اس لئے کہ توبہ کے باعث تمہیں طاعت وعبادت کی توفیق نصیب ہو کیونکہ گناہوں کی نحوست بندے کو طاعات اور عبادات بجالانے سے محروم کر دیتی ہے اور اس پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دیتی ہے۔ یقین جانو کہ گناہ ایک ایسی زنجیر ہے جو بندے کو طاعات اور نیکی کی طرف چلنے سے روک دیتی ہے اور گناہوں کے ہوتے ہوئے امور خیر میں جلدی نہیں ہوسکتی کیونکہ گناہوں کا ثقل اور بوجھ نیکیوں کے سکون کو پیدا نہیں ہونے دیتا اور نہ ہی طاعات میں نشاط وخوشی پیدا ہونے دیتا ہے اور گناہوں پر اصرار کرنا اور اڑ جانا دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان قساوت قلبی اور گناہوں کی تاریکی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نہ اس میں خلوص پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ہی دل کا تزکیہ اور نہ ہی عبادات میں لذت وحلاوت پیدا ہوسکتی ہے۔ جو شخص گناہوں سے تائب نہیں ہوگا اگر خدا تعالیٰ کا فضل اس کے ساتھ شامل نہ ہوا تو رفتہ رفتہ یہ گناہ اسے کفر تک پہنچا دیں گے۔ ایسے شخص پر شقاوت اور بدبختی غالب آجائے گی۔ تو ایسے شخص پر تعجب ہے کہ اس نحوست اور قساوت کے ہوتے ہوئے اسے طاعات الٰہی کی توفیق کس طرح مل سکتی ہے اور گناہوں پر اڑنے والا شخص طاعات خداوندی کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے اور خلاف شرع امور اپناتے ہوئے وہ عبادت

خداوندی کیسے بجالا سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص گناہوں کی گندگی اور پلیدگی سے آلودہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی مناجات کا قرب کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا كذب العبد تنحا اعنه المكان من نتن ما يخرج من فيه

ترجمہ: ''جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو دونوں کراماً کاتبین جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔''

اور جھوٹ وغیبت کے ہوتے ہوئے زبان ذکر الٰہی کے لائق کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے گناہوں پر اصرار کرنے والے آدمی کو نیک کام کی توفیق ملنا بہت مشکل ہے اور نہ ہی عبادت کرتے وقت اس کے اعضا میں چستی اور سکون پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسا شخص اگرچہ ٹوٹی پھوٹی عبادت کرے گا تو وہ بھی مشقت کے ساتھ، پھر ایسی عبادت میں لذت اور صفائی وغیرہ کچھ نہیں ہوگی۔ یہ سب گناہوں کی نحوست اور ترک توبہ سے ہوگا۔ اس شخص نے سچ فرمایا ہے جس نے کہا کہ اگر تو رات کو نماز تہجد پڑھنے کی اور دن کو روزہ رکھنے کی قوت نہیں رکھتا تو سمجھ لے کہ تو منحوس ہو چکا ہے اور معاصی کی نحوست تجھ پر مسلط ہو چکی ہے۔

۲: توبہ کے ضروری ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بغیر توبہ کے عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جس طرح قرض خواہ کا قرض ادا کرنے سے پہلے اس کے سامنے ہدیئے اور تحفے کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور نہ وہ انہیں قبول کرتا ہے۔ اسی طرح پہلے گناہوں سے توبہ لازم ہے اس کے بعد عام عبادات نافلہ اسی طرح جب فرائض کسی کے ذمہ لازم ہوں تو اس کے نوافل وغیرہ کیسے قبول ہو سکتے ہیں۔ یوں اگر کوئی شخص حرام ممنوع کا تو ترک نہ کرے مگر مباح وحلال اشیاء میں پرہیز واحتیاط کرے تو اس کا ایسا پرہیز کیا وقعت رکھ سکتا ہے اور وہ شخص خدا سے مناجات اس کی درگاہ میں پسندیدہ اور اس کی ثنا کرنے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے جس پر خدا تعالیٰ ناراض اور غصے ہو۔ گناہوں پر اصرار کرنے والوں کا اکثر یہی حال ہوتا ہے اس لئے توبہ کو ہر وقت اپنا مشغلہ بنانا چاہئے۔

اگر توبہ نہ کرنے کا یہ بہانہ کرو کہ ہمیں اپنی نفس پر اعتماد نہیں شاید گناہوں کے بعد توبہ سے باز رہے یا نہ رہے اور شاید ہم توبہ پر ثابت و مضبوط رہیں یا نہ رہیں، اس لئے توبہ کرنے سے کیا فائدہ۔ تو یاد رہے یہ خیال شیطان کا سراسر دھوکہ اور فریب ہے کیونکہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ توبہ کے بعد ضرور تم سے گناہ ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ توبہ کے بعد متصل ہی تم پر موت آجائے اور گناہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ باقی یہ وہم کہ شاید گناہ ہو جائے تو ایسے وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تم پر صرف یہ لازم ہے کہ توبہ کے وقت آئندہ گناہوں کو ترک کر دینے کا ارادہ پکا اور سچا ہو، باقی اس ارادے پر تمہیں استقامت دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ پس اگر اس ارادے پر تم خدا کے فضل سے قائم رہے تو یہی مقصود ہے اور اگر تم خدانخواستہ تم اس ارادے پر قائم نہ رہے تو بھی تمہارے گزشتہ گناہ تو معاف ہو جائیں گے، گزشتہ گناہوں کے عذاب سے تمہیں خلاصی مل گئی اور گزشتہ گناہوں کی آلودگی سے تم پاک ہوگئے۔ توبہ کے بعد اگر کوئی گناہ ہوا تو بس وہی تمہارے ذمہ ہیں۔ تو سابقہ گناہوں کا معاف ہو جانا کوئی کم نفع ہے؟ اس لئے وسوسے سے توبہ کرنے سے نہ رکو کہ مبادہ پھر گناہ ہو جائے کیونکہ خاص توبہ کرنے سے تمہیں دو بڑے فائدوں سے ایک فائدہ یقیناً ہوگا کہ یا تو ہمیشہ کے لئے توبۃ النصوح میسر آجائے گی یا سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق و ہدایت کا مالک ہے۔

## توبہ میں تاخیر سخت نقصان دہ ہے

توبہ میں تاخیر کرنا سخت نقصان دہ ہے کیونکہ گناہ سے ابتداء قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ انسان کفر و گمراہی تک جا پہنچتا ہے۔ کیا تمہیں ابلیس اور بلعم باعور کا واقعہ یاد نہیں، ان سے ابتداء میں ایک ہی گناہ صادر ہوا مگر بعد میں کفر و گمراہی تک پہنچ گئے اور ہمیشہ کے لئے تباہ حال لوگوں میں شامل ہوگئے۔ اس لئے توبہ کے معاملہ میں بیداری و کوشش لازم ہے اگر تم جلد توبہ کرو گے تو امید ہے کہ عنقریب گناہوں پر اصرار کا مرض

تمہارے دل سے قلع قمع ہو جائے اور گناہوں کی نحوست کا بوجھ تمہارے دل سے اتر جائے اور گناہوں کی وجہ سے جو قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے اس سے ہرگز بے خوف نہ ہو بلکہ ہر وقت اپنے دل پر نگاہ رکھو کیونکہ بعض صالحین نے فرمایا ہے۔

**ان سواد القلب من الذنوب وعلامة سوادالقلب ان لاتجدمن الذنوب مفزعاً ولا للطاعة موقعا ولا للمو عظة منجعاولا تستحقرن من الذنوب شيئا فتحسب نفسک تائبا وانت مصر علی الکبائر ۔**

ترجمہ: ''گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور دل کی سیاہی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ گناہوں سے گھراہٹ نہیں ہوتی، طاعت کے لئے موقع نہیں ملتا، نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اے عزیز کسی گناہ کو معمولی خیال نہ کرو اور کبیرہ گناہوں پر اصرار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو تائب گمان نہ کر۔''

حضرت کھمس بن الحسینؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا تو میں اس پر چالیس برس تک روتا رہا۔ لوگوں نے پوچھا اے ابوعبیداللہ! وہ کون سا گناہ تھا؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میرا ایک دوست میری ملاقات کو آیا تو میں نے اس کے لئے مچھلی پکائی جب وہ کھانا کھا چکا تو میں نے اٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی لیکر اپنے مہمان کے ہاتھ دھلائے۔

## توبہ فوری طور پر واجب ہے

توبہ واجب ہے اور اس کے تینوں اجزاء علم، ندامت اور ترک بھی واجب ہیں۔ ندامت وجوب میں اس لئے داخل ہے کہ یہ ان افعال الٰہی میں واقع ہے جو بندے کے علم اور ارادے کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ اس لئے ایک طرف بندے کا علم اور دوسری جانب ارادہ ترک، جس فعل کا یہ وصف ہو وہ وجوب کو شامل ہوتا ہے۔

توبہ کے فوری طور پر واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے کہ معاصی کو مہلک

سمجھنا نفس ایمان میں داخل ہے اور یہ علی الفور واجب ہے، یہ واجب وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اس کے وجوب سے واقف ہو۔ اس طرح واقف ہو کہ ان معاصی سے باز رہ سکے۔ یہ معارفت علوم مکاشفہ میں سے نہیں ہے جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق علوم معاملہ سے ہے اور جس علم سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس سے عمل پر تحریک ہو، اس کی ذمہ داری سے آدمی اس وقت تک عہدہ برآ نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی علت غائی ظہور میں نہ آئے۔ گناہوں کے ضرر کی معرفت اس لئے مقصود ہے کہ اس سے گناہوں کے ترک کی ترغیب ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص گناہوں سے اپنا دامن نہ بچائے گا وہ ایمان کے اس حصے سے محروم رہے گا۔ حدیث شریف سے مراد یہی ہے۔

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن . (بحوالہ بخاری و مسلم ابو ھریرۃؓ)

ترجمہ...... ''زنا کرنے والا جب بھی زنا کرتا ہے وہ اس حال میں مومن نہیں رہتا''

اس میں ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جس کا تعلق علوم مکاشفہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت، اس کی صفات، اس کی کتابوں اور پیغمبروں کا علم۔ زنا سے یہ ایمان زائل نہیں ہوتا بلکہ خدا کی قربت کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ زنا سے یہ قربت ختم ہو جاتی ہے اور بندہ خدا تعالیٰ کا مبعوث ٹھہرتا ہے۔ زنا کرنے والا گویا اس گناہ کے مہلک یا مضر ہونے کا معتقد نہیں ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی طبیب نے مریض سے کہا کہ فلاں چیز مت کھاؤ وہ تمہارے لئے زہر ہے۔ وہ شخص کھالیتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ شخص طبیب کا معتقد نہیں ہے اس کا یہ مطب نہیں ہوتا کہ وہ طبیب کے وجود پر یقین نہیں رکھتا یا اس کے معالج ہونے کا معترف نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ طبیب نے جس چیز کو زہر قاتل کہا تھا وہ اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اگر وہ اس کو مہلک سمجھتا تو کبھی نہیں کھاتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ گنہگار کا ایمان ناقص ہوتا ہے۔

ایمان ایک ہی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے ستر سے زائد شعبے ہیں، سب سے اعلیٰ شعبہ توحید باری کی شہادت ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے ایذا دینے والے چیز

ہٹانا ہے۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ دنیا میں انسان ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے بلکہ ان کی ستر سے زیادہ قسمیں ہیں۔ان میں سب سے اعلیٰ قسم ان لوگوں کی ہے جن کے قلب وروح دونوں صاف ہوتے ہیں اور ادنیٰ قسم کے لوگوں میں وہ شامل ہیں جن کی ظاہری جلد میل کچیل سے صاف ہو۔ناخن کٹے ہوئے ہوں ،مونچھیں ترشی ہوئی ہوں تا کہ بہائم سے ممتاز ہو سکے ،جو بے مہار گھومتے پھرتے ہیں۔ان کا جسم خود ان کی نجاست سے آلودہ رہتا ہے،کھر اور ناخن اتنے بڑے رہتے ہیں کہ ان کی صورت بری ہو جاتی ہے۔یہ مثال بالکل ٹھیک ہے،ایمان کی مثال انسان کی سی ہے اگر شہادت سے توحید نکال دی جائے تو ایمان باقی نہیں رہتا ،اسی طرح آدمی کے جسم سے اس کی روح اور قلب نکال دیا جائے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے۔جو شخص توحید ورسالت کا ایمان رکھتا ہے وہ اس انسان کی مانند ہے جس میں روح تو ہو مگر ہاتھ پاؤں ،آنکھ اور دوسرے ظاہری وباطنی اعضاء سے محروم ہو۔یہ شخص بظاہر جیتا جاگتا ہے لیکن مردوں سے بدتر ہے، قریب ہے کہ موت کی گرفت میں آجائے ،اس لئے کہ اعضاء کی قوت سے محرومی کے باعث اس کی روح ضعیف ہے ، وہ مدافعانہ قوت نہیں رکھتی ،اس لئے بہت جلد پرواز کر جائے گی۔اسی طرح جو شخص صرف کلمہ طیبہ کی شہادت پر قانع ہو اور اعمال میں کوتاہ ہو، وہ بھی فنا ہونے کے قریب ہے،ذرا بھی تیز وتند ہوا چلے گی ،اس کے ایمان کا کمزور درخت جڑ سے اکھڑ جائے گا تیز وتند ہوا سے وہ احوال وخطرات مراد ہیں جو ملک الموت کی آمد کے وقت پیش آتے ہیں۔جس ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں اور جس کی شاخیں مضبوط وسیع نہیں ہوتیں ،وہ ملک الموت کی آمد کے وقت پیش آنے والے خطرات کا مقابلہ نہیں کر پاتا بلکہ اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے اور بعض اوقات زمین پر آرہتا ہے،خاتمے کے وقت وہی ایمان سلامت رہتا ہے جس کی بنیاد طاعات پر ہو اور جو اعمال خیر کے چشموں سے سیراب ہوا ہو اور جس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اور شاخیں آسمان کی بلندیوں میں دور تک ہوں۔

بعض گنہگار اہل ایمان نیک مومنین سے کہتے ہیں کہ تم میں اور ہم میں کیا فرق ہے، ہم بھی ایمان کی دولت رکھتے ہیں تم بھی ایمان کی دولت رکھتے ہو۔ان کی مثال ایسی ہے جیسے کدو کے درخت نے صنوبر کے درخت سے کہا تھا کہ ہم دونوں میں فرق ہی کیا ہے، میں بھی درخت ہوں اور تو بھی درخت ہے۔صنوبر نے جواب دیا کہ ہم دونوں کا نام یقیناً مشترک ہے لیکن نام کے اس اشتراک سے تو جس غلط فہمی کا شکار ہے وہ بہت جلد دور ہوجائے گی ،جب موسم خریف کی آندھی چلے گی ،تیری جڑ اکھڑ جائے گی اور پتے بکھر جائیں گے،اس وقت معلوم ہوگا کہ تو نام کی وجہ سے دھوکے میں تھا اور اس وصف میں غافل تھا جس کے باعث درخت مضبوط رہتا ہے۔

**سوف ترى اذا نجلى الغبار. افرس تحتک ام حمار**

ترجمہ......''جب غبار چھٹ جائے گا تو خود دیکھ لے گا کہ تیرے نیچے گدھا ہے یا گھوڑا''

حقیقت خاتمے کے وقت منکشف ہوتی ہے ہیبت،ایمان کی قوت وضعف کا حال اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب فرشتہ اجل قریب آتا ہے۔موت کی مصیبت اور اس کے احوال وخطرات سے عارفین کے جگر پارہ ہوجاتے ہیں،عالم لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔وہ وقت ہی ایسا نازک ہے کہ بہت کم لوگ ثابت قدم رہتے ہیں اور سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچتے ہیں۔اگر کوئی گنہگار اپنے گناہوں کے باعث دوزخ کی آگ میں رہنے سے خائف نہ ہوتو اس کی مثال ایسے تندرست وتوانا شخص کی سی ہے جو یہ سوچ کر شہوات میں ڈوبا رہتا ہے اور موت سے نہیں ڈرتا کہ موت عام طور پر اچانک نہیں آتی۔اس سے کہا جائے گا کہ تندرست کو مرض کا خوف رہنا چاہئے اور مریض ہوتو موت سے ڈرنا چاہئے۔اسی طرح گنہگار کو بھی سوءِ خاتمہ کا خوف ہونا چاہئے،خدانخواستہ خاتمہ اچھا نہ ہوا تو آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا ایمان کے لئے گناہ ایسے ہیں جیسے بدن کے لئے مضر غذائیں کہ معدے میں جاکر اخلاط کی مزاج میں تبدیلی کرتی ہیں اور آدمی اپنی بدلتی ہوئی حالت سے اچھی طرح باخبر بھی

نہیں ہوتا کہ موت اسے اچانک آلیتی ہے، ایمان پر گناہ بالکل اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

جب اس فانی دنیا کا یہ عالم ہے کہ لوگ ہلاکت کے خوف سے زہریلی چیزیں اور مضر غذائیں چھوڑنا واجب سمجھتے ہیں اور اسی وقت عمل کرتے ہیں تو ابدی ہلاکت کے خوف سے مہلک چیزیں استعمال نہ کرنا طریق اولیٰ فوری طور پر واجب ہوگا۔ اسی طرح جب انسان کوئی زہریلی غذا کھالیتا ہے تو اپنے فعل پر نادم ہوتا ہے اور ضروری سمجھتا ہے کہ قے کرکے یا کسی دوسری تدبیر سے اپنا معدہ اس زہریلی چیز سے خالی کرلے تاکہ یہ زہر مؤثر ہوکر اس کے جسم کے ضیاع کا باعث بن جائے جو چند روز بعد فنا ہونے والا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہونا چاہئے جو دین کا زہر کھالے یعنی گناہ کرلے۔ اس کے لئے بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ گناہوں سے رکے اور اگر مرتکب ہوجائے تو فوری طور پر تدراک کرے تاکہ آخرت تباہ نہ ہو جس جس میں دائمی نعمتیں اور پائیدار لذتیں ہیں۔ اگر آخرت تباہ ہوئی تو پھر دوزخ کی آگ اور جہنم کے عذاب کے سوا کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ یہ سزا اتنے طویل عرصے تک بھگتنی ہوگی جس کی کوئی تحدید نہیں کی جاسکتی۔ آخرت کے دنوں کو دنیا کے دنوں سے ذرا بھی مناسب نہیں ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو گنہگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ توبہ ہی کی طرف سبقت کرے، ایسا نہ ہو کہ تاخیر کرنے سے گناہوں کا زہر روح میں سرایت کرجائے اور پھر طبیب بھی اس کا علاج نہ کرسکے، نہ اس کے لئے پرہیز مفید ہو، نہ وعظ نصیحت سے کام بنے اور تباہ حال لوگوں کے زمرے میں اس کا شمار ہوجائے اور اس آیت کا مصداق بنے۔

انا جعلنا فی اعنا قهم اغلالا فهیَ الی الا ذقان فهم مقمحون. و جعلنا من بین أیدیهم سداوًمن خلفهم سدا فاغشینا هم فهم لا یبصرون. وسواءٌ علیهم ء انذر تهم ام لم تنذرهم هم لا یؤمنون .

(پ: ۲۲، ۱۸ آیت ۸ تا ۱۰)

ترجمہ...... ''ہم نے ان کی گردنوں میں توق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں جس سے ان کے سر الل گئے اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی ایک آڑ ان کے پیچھے کردی جس سے ہم نے ان کو (ہر طرف سے) گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔''

یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس آیت میں کافروں کا ذکر ہے کیونکہ ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اور یہ کہ زانی حالت زنا میں مومن نہیں رہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اس ایمان سے دور ہوگا جو شاخ اور فرع کے مانند ہے وہ خاتمے کے وقت اصل ایمان سے بھی محجوب ہوگا۔ جس طرح وہ شخص جو تمام اعضاء سے محروم ہو کر جلد مر جاتا ہے کیونکہ اصل شاخوں کے بغیر قائم نہیں رہتی اور شاخیں اصل کے بغیر باقی نہیں رہتیں۔ اصل اور فرع میں صرف ایک فرق ہے، فرع کا وجود اور اس کی بقاء دونوں اصل کے وجود پر منحصر ہیں جب کہ اصل کا وجود فرع پر منحصر نہیں، البتہ اس کی بقا فرع پر منحصر ہے۔

علوم کاشفہ اور علوم معاملہ دونوں لازم وملزوم ہیں جیسے فرع واصل ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ اگر چہ ایک اصل کے مرتبے میں ہے اور ایک تابع کی حیثیت رکھتا ہے۔ علوم مکاشفہ اصل ہیں اور علوم معاملہ فرع کے قائم مقام ہیں۔ علوم معاملہ سے اگر آدمی کو عمل پر تحریک نہ ہو تو اس کے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے اس لئے کہ ان کا جو اثر جو فائدہ ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا، اس لئے وہ بال جان بنیں گے اور تارک عمل پر حجت قائم کریں گے۔ اسی لئے اگر عالم گناہ کرتا ہے تو اسے جاہل گنہگار کی بہ نسبت زیادہ گناہ ملتا ہے۔

## توبہ ہر حال میں اور ہمیشہ کے لئے واجب ہے

وجوب توبہ کی عمومیت اس آیت سے ثابت ہے اہل ایمان کو خطاب عام ہے۔

توبوا الی اللہ جمیعاً ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون (پ: ۱۸ آیت ۳۱)

ترجمہ...... ''اے مسلمانو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرنا کہ فلاح پاؤ''۔

نور بصیرت سے بھی اسی حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اس لئے کہ توبہ کے معنی ہیں اس راستے پر واپسی جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والا ہے اور شیطان سے قریب کرنے والا ہے اور یہ رجوع صرف عاقل ہی سے ممکن ہے۔

عقل کی اصل اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک شہوت، غضب اور ان تمام صفات مذمومہ کی اصل جو انسان کی گمراہی کے لئے شیطان نے بطور وسیلہ اختیار کر رکھی ہیں، درجہ کمال تک نہیں پہنچتیں۔ جب آدمی چالیس برس کی عمر کو پہنچتا ہے تب اس کی عقل مکمل ہوتی ہے البتہ اصل عقل سن بلوغ تک پہنچنے تک مکمل ہو جاتی ہے اور اس کے مبادی سات سال کی عمر سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، شہوات شیطانی لشکر ہیں اور عقل ملائکہ کی فوج ہے۔ جب یہ دونوں فوجیں کسی ایک مقام پر جمع ہوتی ہیں تو ان میں جنگ برپا ہوتی ہے اس لئے کہ ایک کے سامنے دوسرا نہیں ٹھہر سکتا، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ جس طرح رات اور دن میں، روشنی اور تاریکی میں اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک غالب آ جائے تو دوسرے کا وجود کسی حال میں باقی نہیں رہتا اور کیونکہ شہوات کمال عقل سے پہلے ہی جوانی اور بچپن کے زمانے میں انسان پر غالب آ جاتی ہیں اس لئے شیطان کے قدم فعل سے پہلے ہی راسخ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دل عموماً شہوات کی محبت وانسیت میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی گلوخلاصی مشکل ہو جاتی ہے۔ پھر جب عقل ظاہر ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جماعت اور اس کا لشکر ہے اور اولیاء اللہ کو دشمنان خدا کے ہاتھوں سے بتدریج نجات دلانے والی ہے۔ اس لئے اگر عقل میں قوت وکمال نہ ہوگا تو شیطان اپنا کہا کر دکھائے گا اور میدان اس کے ساتھ رہے گا۔

لاحتنکن ذریتہٗ الا قلیلاً (پ۵، ۷ آیت ۶۲)

ترجمہ: ''جب عقل پختہ اور مکمل ہو جاتی ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ شہوات کا زور توڑ کر، عادات سے کنارہ کش ہو کر اور طبیعت کو زبردستی عبادات کی طرف

مائل کر کے شیطانی فوجوں کو عبرتناک شکست دے۔ یہی توبہ کی معنی ہیں کہ آدمی اس راہ سے انحراف کرے جس کا رہبر شیطان ہے اور جس کی رہنما شہوت ہے اور اس راستے پر چلے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔

ہر انسان میں عقل سے پہلے شہوت ہوتی ہے، شہوت کی عزیزیت عقل کی وزیزیت پر مقدم ہوتی ہے۔ اس لئے شہوات کی اتباع میں جو اعمال سرزد ہوئے ہوں ان سے رجوع کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے خواہ وہ نبی ہو یا غبی۔ یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ رجوع کرنا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیت تھی بلکہ یہ تو حکم ازلی ہے جو جنس انسان کے ہر فرد پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے خلاف فرض کرنا ممکن ہی نہیں ہے جب تک سنت الٰہیہ میں تبدیل نہ ہو۔

اگر کوئی شخص حالت بلوغ میں کفر یا جہل پر ہو اس کے لئے ان سے توبہ کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص اپنے والدین کی اتباع میں مسلمان ہوا ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی اس جہالت اور غفلت سے توبہ کرے اور یہ توبہ اس طرح ہوگی کہ اسلام کی حقیقت سمجھے اور یہ جانے کہ والدین کے اسلام سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک خود مسلمان نہ ہو۔ جب یہ بات جان لے تو شہوات کی الفت اور بے راہ روی کی محبت سے تائب ہونا اور صحیح راستے پر چلنا بھی ضروری ہے یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود کی رعایت اور فرائض کی پابندی کرے خواہ دینے میں ہو لینے میں، عمل میں ہو یا ترک عمل میں اور یہ مرحلہ توبہ کا دشوار ترین مرحلہ ہے۔ اکثر لوگ یہیں پہنچ کر ہلاک ہوئے ہیں کہ خواہش کے باوجود رجوع نہ کر سکے۔

اس تفصیل سے ثابت ہو کہ ہر شخص کے لئے فرض عین ہے کوئی فرد بشر بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر اور انسانی سلسلے کہ پہلے فرد اس سے بے نیاز نہ رہ سکے تو دوسرے لوگ کیسے رہ سکتے ہیں؟

توبہ ہر حال میں اور ہمیشہ کے لئے واجب ہے اس لئے کہ کسی بھی شخص کے اعضاء

گناہ سے خالی نہیں ہیں، اس سے انبیاء کرام تک محفوظ نہ رہ سکے جیسا کہ قرآن کریم میں ان کی خطاؤں کا، ان پر پشیمانی گریہ وزاری کا ذکر ہے اگر بعد اوقات آدمی اعضاء کی معصیت سے محفوظ رہ گیا تو دل کے ارادہ معصیت سے محفوظ نہ رہ پائے گا۔ دل میں ارادہ گناہ نہ ہوتو شیطانی وساوس سے نہ بچ سکے گا کیوں کہ شیطان دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہوتی ہے۔ اگر وساوس سے بھی محفوظ رہ گیا تو اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال سے واقف ہونے میں کوتاہی کرے گا یہ تمام باتیں نقصان کی ہیں اور ہر نقصان کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اس سبب کو ترک کرنا اور اس کی ضد اختیار کرنا ہی رجوع ہے۔ توبہ سے یہی مقصود ہے، آدمی کا اس نقصان سے خالی ہونا بظاہر نا قابل فعم ہے البتہ لوگ مقدار نقصان میں ایک دوسرے سے مختلف اور متفاوت ہو سکتے ہیں۔ اصل نقصان میں تمام لوگ شریک ہیں یہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایہ:

**انہ لیغان علیٰ قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ**

(بحوالہ مسلم......اعزالبھزیؓ)

ترجمہ: ''میرے دل پر زنگ آجاتا ہے یہاں تک کہ میں دن رات میں ستر مرتبہ اللہ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔''

**لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تا خر** (پ: ۲۶، ۹ آیت : ۲)

ترجمہ: جب آپ کا یہ حال ہے کہ مغفرت کی دعا فرماتے اور تمام گناہوں کی بخشش کی بشارت کے باوجود دن میں ستر بار اور ایک روایت کے مطابق سو بار اپنی خطاؤں کی بخشش چاہتے تھے۔

یہاں ایک اعتراض ہوسکتا ہے اس اعتراض کی تمہید یہ ہے کہ قلب پر جو فاسد خیالات یا وساوس وارد ہوتے ہیں وہ نقص ہیں۔ کمال یہ ہے کہ قلب ان سے خالی رہے، اسی طرح اللہ عزوجل کی صفات وافعال سے پوری طرح واقف نہ ہونا بھی ایک نقص ہے۔ اس میں بھی کمال ہے کہ آدمی کی مغفرت زیادہ سے زیادہ ہو، جتنی مغفرت زیادہ ہوگی اتنا ہی

کمال زیادہ ہوگا۔ اس کی معنی یہ ہوئے کہ اسباب نقص سے اسباب کمال تک پہنچنے کے معنی رجوع ہیں، اسے توبہ بھی کہہ سکتے ہیں اور توبہ کے سلسلے میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ توبہ ہر حال اور ہمیشہ واجب ہے۔ ہمارے خیال میں وساوس سے قلب کا خالی ہونا اور صفات الٰہیہ سے کما حقہ واقفیت فضائل ہیں، فرائض نہیں کیونکہ کمال حاصل کرنا واجب نہیں ہے۔ اس صورت میں مذکورہ بالا امور میں توبہ ہر حال میں کیسے واجب ہوسکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے انسان عقل کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے شہوت کی اتباع سے اپنا دامن نہیں بچا پاتا۔ توبہ کے معنی یہ نہیں کہ جن اعمال سے توبہ کی جارہی ہے وہ آئندہ کے لئے ترک کردیئے جائیں بلکہ توبہ کے لئے ضروری ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوچکا ہے اس کا تدارک بھی ہوجائے۔ آدمی جس شہوت میں مبتلا ہوتا ہے اس سے دل پر تاریکی سی چھا جاتی ہے، جیسے منہ کی بھاپ سے آئینے پر تاریکی آجاتی ہے۔ پھر اگر شہوات کی اتباع مسلسل ہوتی رہے تو دل کی تاریکی تہہ بہ تہہ گہری ہوجاتی ہے اور زنگ سا لگ جاتا ہے جس طرح منہ کی بھاپ آئینے پر اگر مسلسل پڑتی رہے تو زنگ لگ جاتا ہے۔ شہوات سے دل پر زنگ لگنے کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ فرمایا:

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانو ایکسبون. (پ: ۳۰، ۸آیت: ۱۴)

ترجمہ...... ''ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔''

اگر زنگ گہرا ہوجاتا ہے تو اسے دل پر مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے اگر آئینے پر زنگ لگ جائے اور اسے دیر تک اسی حالت میں رہنے دیا جائے تو صیقل کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور وہ آئینہ بیکار قرار دے دیا جاتا ہے۔ بہر حال جس طرح آئینے کی صفائی کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ آئندہ اس پر زنگ نہ لگنے دیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جو زنگ ماضی میں اس پر لگ چکا ہے وہ مٹا دیا جائے اسی طرح دل کے لئے بھی یہ کافی نہیں کہ آئندہ کے لئے اتباع شہوات سے توبہ کی جائے بلکہ ماضی میں جو گناہ سرزد ہوچکے ہیں ان سے بھی

رجوع کرنا ضروری ہے تا کہ دل پر پچھلے گناہوں کی جو تاریکی چھائی ہے وہ مٹ جائے، جس طرح گناہ سے دل تاریک ہوتا ہے اسی طرح نیکی سے دل منور اور روشن ہوتا ہے۔اطاعت سے معصیت کا اندھیرا ختم ہوتا ہے اور روشنی پھیلتی ہے۔حدیث شریف میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

اتبع السية بالحسنة تمحها (بحوالہ ترمذی ابوذرؓ)

ترجمہ: ''معصیت کے بعد نیکی کرے، نیکی اس کو مٹا ڈالے گی۔''

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بندے کو ہر حال میں اپنے دل سے گناہوں کا اثر ختم کرنے کے لئے جدو جہد کرنی چاہئے اور یہ جدو جہد اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ نیک عمل کرے کیونکہ نیک اعمال کا آثار گناہوں کے آثار کی ضد ہیں، یہ ہونگے تو پچھلے آثار خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ یہ اس دل کا بیان تھا جسے پہلے صفائی حاصل تھی، پھر عارضی اسباب کی وجہ سے وہ زنگ آلودہ ہوجاتا ہے، ایسے دل کا زنگ دور کرنا زیادہ مشکل نہیں لیکن ابتداء میں قلب کا تزکیہ اور تصفیہ بہت دشوار ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آئینے سے زنگ دور کرنا مشکل نہیں ہے لیکن آئینے کو ابتداء ہی میں چمکدار اور روشن بنانا بڑا مشکل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی پر ہر حال میں توبہ واجب ہے۔ یہ جواب کا ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر حال میں وجوب توبہ کے کیا معنی ہیں؟ یاد رکھئے وجوب دو طرح کے ہیں ایک وہ جس کا تعلق شرعی احکام سے ہے، اس میں تمام مخلوق برابر ہے اور یہ وجوب اس قدر ہے کہ اگر تمام بندگان خدا اسے ادا کریں تو عالم تباہ و برباد نہ ہو جیسے بدنی اور مالی عبادات نماز، روزہ، حج وغیرہ۔کمال کے درجات اس وجوب میں داخل نہیں ہوسکتے کیونکہ اگر ہر شخص پر یہ واجب کر دیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے تو تمام لوگ دنیاوی کاروبار اور معاش ترک کر دیں گے۔اس صورت میں تقویٰ باقی ہی نہیں رہے گا کیونکہ تقویٰ کی فرصت کسی کو بھی نہ ملے گی ہر شخص کاروبار معیشت میں

مصروف رہے گا خود بوئے گا خود کاٹے گا، خود بنے گا خود سیئے گا۔ یہ تمام درجات واجب نہیں ہیں، شریعت میں واجب صرف اس قدر ہے کہ تمام لوگ اس پر عمل کریں تو عالم کے نظام میں خلل نہ ہوگا۔

دوسرا واجب وہ ہے جو صدیقین کے مقام محمود تک پہنچنے اور رب العالمین کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہو۔ جن چیزوں سے ہم نے توبہ کرنے کے لئے لکھا ہے وہ سب اس درجے تک پہنچنے کے لئے واجب ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہئے جیسے یہ کہا جائے کہ نوافل میں طہارت واجب ہے۔ اس کی معنی یہ ہیں کہ نفلی نماز پڑھنے کے لئے طہارت بدن ضروری ہے، اس کے بغیر نفل کا ثواب نہیں ملے گا۔ مگر جو شخص نوافل سے محروم رہے اس پر نفل کی رو سے طہارت واجب نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں انسان کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ یعنی انسان مکمل ہی اس وقت ہوتا ہے جب یہ تمام اعضاء موجود ہوں، اسی صورت میں اس کی انسانیت مفید ہوسکتی ہے اور انہی اعضاء کے ذریعے وہ دنیا میں درجات کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان اعضاء سے محرومی پر قانع ہو اور گوشت پوست کے ایک لوتھڑے کی حیثیت سے زندہ رہنا منظور کرے تو اس کے لئے یہ اعضاء ضروری نہیں ہیں۔ بہر حال ان تمام واجبات سے جن میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں نجات حاصل ہوتی، اس نجات کی مثال زندگی ہے اور اس نجات کے علاوہ جتنی سعادتیں ہیں اور جس قدر بلند درجات ہیں وہ سب اعضاء کے مانند ہیں۔ محض نجات خوبصورتی نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ سعادتیں نہ ہوں۔ اسی طرح محض زندگی خوبصورت نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ اعضاء نہ ہوں۔ انبیاء کرام، اولیاء اللہ اور علمائے ربانی انہی سعادتوں کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں وہ انہیں بلند درجات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے دنیا کی لذتوں سے اپنا تعلق منقطع کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن سر کے نیچے پتھر رکھ کر سو گئے۔ شیطان نے آکر کہا آپؑ نے تو دنیا ترک کردی تھی۔ فرمایا یقیناً تو نے کیا دیکھا جس سے

تجھے لگا کہ میں نے دنیا ترک نہیں کی۔ شیطان نے عرض کیا پتھر کو تکیہ بنانا بھی دنیاوی لذت ہے، زمین پر رکھئے۔ آپ نے سر کے نیچے سے پتھر نکال کر پھینک دیا اور زمین پر سر رکھ کر سو گئے۔ پتھر نکال کر پھینکنا آپؑ کی ایک ایک دنیاوی لذت سے توبہ تھی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس حقیقت سے واقف نہ تھے کہ پتھر پر سر رکھنا عام شریعت میں واجب نہیں ہے، اسی طرح کیا آنحضرت ﷺ اس امر سے لاعلم تھے کہ منقش چادر پر نماز ادا ہو جاتی ہے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منقش چادر کو وجہ خلل سمجھا اور اسے اتار کر نماز پڑھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے جوتے کے نئے تسمے کو قلب کی مشغولیت کا باعث سمجھ کر پرانا تسمہ باقی رکھنا بہتر سمجھا۔ حالانکہ یہ وہ امور ہیں جو عام لوگوں پر مقرر کردہ شریعت میں واجب نہیں ہیں ظاہر ہے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم تھی اور آنحضرت ﷺ بھی جانتے تھے، پھر آپ دونوں حضرات نے وہ اعمال ترک کیوں کئے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ آپ نے ان اعمال کو اپنے قلب میں موثر اور مقام محمود تک پہنچنے کے لئے نافع سمجھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک بار کہیں سے آیا ہوا دودھ نوش فرمایا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی ناجائز ذریعے سے حاصل ہوا تھا۔ آپؓ نے بلا تاخیر حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور اس شدت سے دودھ کا ایک ایک قطرہ جسم سے باہر نکال دیا کہ قریب تھا کہ ساتھ ہی روح بھی نکل جائے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ بھول کر کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں اور پی ہوئی چیز کا نکالنا واجب نہیں ہے؟ پھر آپؓ نے پینے سے رجوع کیوں کیا اور معدے کو اس شدت سے خالی کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کے عوام کے لئے جو احکام ہیں ان کا اطلاق خواص پر نہیں ہوتا۔ اور آخرت کے خطرات سے بچنا بڑا مشکل مرحلہ ہے اور اس سے صرف صدیقین ہی محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بہرحال ان بزرگوں کے حال پر غور کرنا چاہئے جو مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ

تعالیٰ کو جاننے والے اور اس کے طریق اور اس کے عذاب کی معرفت رکھنے والے اور بندوں کے مغالطوں سے واقفیت رکھنے والے۔ دنیوی زندگی کے فریب سے ایک بار، اللہ تعالیٰ پر فریب کھانے سے ہزار بار بچو اور اس کی خوفناک پکڑ سے ڈرو۔ غرضیکہ یہ وہ اسرار ورموز ہیں کہ جس شخص کے دل ودماغ میں ان کی خوشبو بس جاتی ہے وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کی راہ پر چلنے کے لئے ہر لمحہ اور ہر آن توبہ نصوح واجب ہے؛ اگر چہ اسے عمر نوح ہی کیوں نہ مل جائے، اور توبہ بھی فوراً بلا تاخیر واجب ہے، ابوسلیمان دارانیؒ نے کس قدر سچی بات کہی ہے کہ اگر عقل مند انسان اپنی زندگی کے باقی دن اس افسوس میں رہ کر گزار دے کہ اس کا ماضی اطاعت کے بغیر ضائع ہوگیا، تو یہ اس کے شایان شان ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنی باقی زندگی میں بھی نافرمانیوں کے مرتکب رہیں ان کا حال کیا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عقل مند انسان کی ملکیت میں کوئی قیمتی جوہر آتا ہے اور وہ بلا وجہ ضائع ہوجاتا ہے تو وہ اس پر روتا ہے اور اگر جوہر کے ساتھ مالک بھی برباد ہورہا ہو تو اس کا گریہ وبکا قابل دید ہوگا۔ آدمی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اس کا ہر سانس ایک ایسا جوہر ہے جس کا کوئی بدل نہیں، اس لئے کہ اس میں انسان کو ابدی سعادت تک پہنچانے اور دائمی شقاوت سے بچانے کی صلاحیت ہے۔ اس سے زیادہ قیمتی جوہر اور کیا ہوگا؟ اگر انسان اپنی غفلت ولاپرواہی سے یہ جوہر ثمین ضائع کردے تو یہ ایسا خسارہ ہوگا جس کی تلافی نہیں ہوسکتی اور اسے معصیت الٰہی میں ضائع کرنا تو انتہائی درجے کی بربادی وہلاکت ہے۔ اگر آدمی اس عظیم مصیبت پر خون کے آنسو نہ روئے تو یہ اس کی نادانی اور جہالت ہے، جہالت بجائے خود ایک بڑی مصیبت ہے۔ لیکن جاہل کو اپنی مصیبت کا احساس نہیں ہوتا کیونکہ غفلت کی نینداس کے اور مصیبت کی معرفت کے درمیان حائل ہوجاتی ہے۔ افسوس تمام لوگ اسی خواب غفلت میں مبتلا ہیں جب موت ان کے دروازوں پر دستک دے گی تب بیدار ہوں گے، اس وقت ہر مفلس کو اپنے افلاس کا اور ہر مصیبت زدہ کو اپنی مصیبت کا اندازہ ہوگا، لیکن تدارک کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہے گا، جو نقصان ہوچکا ہے اس کی تلافی نہ

ہو سکے گی۔ایک عارف کہتے ہیں کہ جب فرشتہ اجل کسی بندے کے پاس آتا ہے اور اسے یہ بتلا دیتا ہے کہ تیری موت میں ایک لمحہ باقی رہ گیا ہے، جو اپنی جگہ اٹل ہے، نہ اس سے پہلے موت آئے گی اور نہ بعد میں، تو اس وقت اس کی حسرت وندامت کا عالم قابل دیدار ہوتا ہے، اگر اس کے پاس دنیائے جہاں کی دولتیں ہوں تو وہ اپنی زندگی میں تدراک کا ایک لمحہ حاصل کرنے کے لئے یہ تمام دولتیں قربان کردے مگر اس وقت مہلت نفس بھی نہ ملے گی، اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم ہے۔

وحیل بینھم وبین مایشتھون. (پ:۲۲،۱۲آیت۵۴)

اوران میں اوران کی آواز میں ایک آڑ کردی جائے گی۔

ذیل کی آیت کریمہ بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

**من قبل ان یاتی احدکم الموتُ فیقول ربِّ لولا اخَّرتَنی الیٰ اجلٍ قریبٍ فاصدَّق واکُن من الصالحین ولن یؤخر الله نفساً اذا جاء اجلھا.**

(پ : ۲۸،۱۴ آیت : ۹ تا ۱۱)

اس سے پہلے (خرچ کرلو) کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو اور پھر وہ بطور تمنا وحسرت کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کی معیاد آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔

اس میں اجل قریب تک مہلت دینے کی خواہش ہے جیسا کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت بندے پر یہ انکشاف کرتا ہے کہ تیری موت کا وقت قریب آچکا ہے، تو وہ فرشتۂ اجل سے درخواست کرتا ہے کہ اسے ایک دن کی مہلت دی جائے تا کہ وہ اپنے خالق سے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی مغفرت طلب کر سکے اور اپنے لئے اچھے اعمال کا توشہ تیار کر سکے۔فرشتۂ اجل اس سے کہتا ہے کہ تو نے بے شمار شب وروز ضائع کردیئے، تجھے ایک دن کی بھی مہلت نہیں دی جاسکتی ہے۔بندہ کہتا ہے کہ ایک دن نہ سہی ایک

ساعت ہی کی مہلت دے دو۔فرشتہ کہتا ہے کہ تو نے بہت سی ساعتیں ضائع کی ہیں،اب ایک ساعت کی بھی مہلت نہیں ملے گی ،اس کے بعد اس پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔موت آگے بڑھتی ہے۔جس تمام جسم سے نکل کر سینے میں آ جاتی ہے،سانس بے ترتیب ہونے لگتی ہے اور وہ عمر ضائع کرنے کے صدمے اور تلافی مافات سے مایوسی کے ساتھ روح نکلنے کا منظر دیکھتا ہے۔انجام کے خوف، حال کی تکلیف اور ماضی کے صدمے اسے اس قدر مضطرب اور بے چین کر دیتے ہیں کہ اصل ایمان میں اضطراب آ جاتا ہے، جب روح نکلنے لگتی ہے،اگر اس کی تقدیر میں خدا نے خیر لکھا ہے تو ایمان پر خاتمہ ہوتا ہے، یہی حسن خاتمہ ہے،ورنہ شک اور اضطراب پر خاتمہ ہوتا ہے، یہ سوء خاتمہ ہے۔ یہ ان لوگوں کے حصے میں آتا ہے جس کی قسمت میں دائمی شقاوت لکھ دی گئی ہے۔اس خاتمے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**ولیست التوبةُ للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الا ن.** (پ:۴،۱۴ آیت:۱۷)

اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہوتی ہے تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔

توبہ گناہ کے متعلق ہونی چاہئے۔قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

**انما التوبة للذین یعملون السوء بجھالة ثم یتو بون من قریب.**

(پ:۴،۱۴ آیت:۱۷)

توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ سے متصل زمانے میں توبہ ہونی چاہئے،یعنی اگر گناہ سرزد ہوں تو فوراً اس پر نادم ہو اور اس کے معاً بعد کوئی عمل خیر کرے جس سے اس عمل کا تدراک ہو سکے،ایسا نہ ہو کہ زیادہ وقت گزر جانے سے دل پر اس گناہ کے اثرات زیادہ

ہو جائیں اور وہ زائل نہ ہو سکیں۔ اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: السیئۃ الحسنۃ گناہ کے بعد ایسی نیکی کرے کہ جس سے وہ گناہ ختم ہو جائے۔ حضرت لقمان کی اس وصیت کے بھی یہی معنی ہیں جو انہوں نے اپنے صاحب زادے کو فرمائی تھی کہ اے بیٹے! توبہ کرنے میں تاخیر نہ کر، اس لئے کہ موت اچانک آتی ہے۔ جو شخص ٹال مٹول سے کام لیتا ہے اور توبہ کی طرف سبقت نہیں کرتا وہ دو عظیم خطروں کے درمیان ہے، ایک تو یہ کہ معاصی کی ظلمت دل پر چھا جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ زنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے پھر مٹانے کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ بعض اوقات مرض یا موت اچانک نرغے میں لے لیتی ہے اور آدمی کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اپنے دل سے گناہوں کا زنگ دور کر سکے، اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

**ان اکثر اھل النار من التسویف**

اکثر دوزخی ٹال مٹول کے باعث دوزخ میں جائیں گے۔

اکثر لوگوں کی ہلاکت کا سبب یہی ہے کہ وہ نیک کاموں یا گناہوں سے توبہ کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ گناہوں سے دلوں کا سیاہ ہو جانا نقد ہے اور انہیں نیک اعمال یا توبہ کے ذریعے جلاء دینا ادھار ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے اور سیاہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش ہونا پڑتا ہے، حالانکہ نجات کے مستحق وہی لوگ ہیں جن کے دل گناہوں کی سیاہی سے خالی ہوں۔

کسی عارف کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے سے بطور الہام دو باتیں ارشاد فرماتا ہے، ایک اس وقت جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے، اس وقت اس کے کان میں فرماتا ہے کہ اے بندے! میں تجھے دنیا میں پاک وصاف بھیج رہا ہوں، میں نے تجھے تیری عمر بطور امانت دی ہے اور تجھے امین مقرر کیا ہے، اب دیکھتا ہوں کہ تو اس امانت کی حفاظت کیسے کرے گا۔ اور دوسری اس وقت جب اس کے جسم سے روح نکلتی ہے۔ اس وقت ارشاد فرماتا ہے کہ اے بندے! تیرے پاس میری ایک امانت تھی، تو نے اس کی

حفاظت کی ہے یا نہیں؟ اگر کی ہے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں اور نہیں کی تو میں بھی اپنے وعید کی تکمیل کروں۔ قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں میں اسی عہد کی طرف اشارہ ہے:

**واوفوا بعهدی اوف بعهدکم** (پ: ۱، ۴ آیت: ۴۰)

اور پورا کرو تم میرے عہد کو، پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔

**والذین هم لا ماناتهم وعهدهم راعون.** (پ: ۲۹، ۷ آیت: ۳۲)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔

## توبہ کی قبولیت شرائط کی صحت پر منحصر ہے

اگر تم نے قبولیت کے معنی سمجھ لئے ہیں تو تمہیں اس امر میں شک نہیں کرنا چاہئے کہ ہر صحیح توبہ قبول کر لی جاتی ہے، جو لوگ نور بصیرت سے دیکھتے ہیں اور قرآنی انوار سے فیض پاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر قلب سلیم اللہ کے یہاں مقبول ہے وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قریب کی لذت پائے گا اور اپنی غیر فانی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریگا۔ یہ لوگ اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ ہر قلب اپنی اصل کے اعتبار سے سلیم پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ دل کی سلامتی، گناہوں کی تاریکی اور سیئات کے غبار سے ختم ہو جاتی ہے، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ندامت کی آگ اس کے غبار کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، نیکی کا نور دل کے چہرے سے گناہوں کی سیاہی زائل کر دیتا ہے، معاصی کی تاریکی کو یہ تاب ہی نہیں کہ وہ نیکیوں کے نور کے سامنے ٹھہر سکیں، جس طرح رات کی تاریکی دن کی روشنی کے سامنے نہیں ٹھہر پاتی بلکہ جس طرح صابن کے سامنے میل کچیل نہیں ٹھہر پاتی۔ نیز جس طرح بادشاہ میلا کچیلا کپڑا اپنے لباس کے لئے پسند نہیں کرتا، اسی طرح بادشاہ حقیقی بھی گندے دلوں کو اپنے قرب کے لئے منتخب نہیں کرتا۔ پھر جس طرح گندے کاموں میں کپڑوں کا استعمال انہیں اتنا گندہ کر دیتا ہے کہ وہ صابن اور گرم پانی سے دھوئے بغیر صاف نہیں ہوتے، اسی طرح شہوات میں قلوب کا

استعمال انہیں اتنا گندہ کر دیتا ہے کہ وہ آنسوؤں کے پانی اور ندامت کے بغیر پاک وصاف نہیں ہوتے۔ ہر پاک وصاف دل اسی طرح مقبول و پسندیدہ ہے جس طرح صاف کپڑا پسند کیا جاتا ہے، اسی لئے کہ تم پر تزکیہ وتطہیر واجب ہے تا کہ قضائے الٰہی کے بموجب اسے شرف قبولیت حاصل ہو جائے، اسی لئے قبولیت کا نام فلاح ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: قدافلح من زکّٰھا (پ:۳۰،۱۶آیت:۹)

یہ ایک واقع ہے کہ قلب پر معصیت اور اطاعت کے اثرات بڑے مختلف ہیں۔ ان میں سے معصیت کے اثرات کو مجازاً ظلمت کہہ سکتے ہیں اور اطاعت کو نور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جیسے جہالت کو بطور مجاز تاریکی اور علم کو روشنی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نور اور ظلمت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں، جو شخص اس حقیقت سے واقف نہیں وہ گویا صرف پوست اور چھلکے پر قانع ہے مغرب سے جو اصل دین ہے، واقف نہیں ہے بلکہ دین کی طرف سے عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر گور کیا جائے تو ایسا شخص اپنی نفس کی حققت اور اس کی صفات کا علم بھی نہیں رکھتا، جو شخص اپنی نفس سے واقف نہ ہو وہ کسی دوسری چیز سے کیا واقف ہوگا؟ کیونکہ نفس سے ہی دوسری چیز کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ توبہ اگر درست اور صحیح ہو تب قبول نہیں ہوتی وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ وہم کرے کہ آفتاب کی روشنی سے اندھیرا دور نہیں ہوتا یا صابن سے کپڑے کی نجاست زائل نہیں ہوتی، البتہ اگر میل اتنا تہہ بہ تہہ ہو جائے کہ کپڑے میں اور اس میں کوئی فرق نہ رہے تو وہ صابن سے نہیں دھلتا۔ اسی طرح اگر گناہ پے بہ پے ہوں تو دل پر اتنا گہرا زنگ ہو جائے گا کہ وہ آسانی سے دور نہ ہو سکے گا، بلکہ بدبختی کی مہر لگ جائے گی۔ ایسا دل نہ کبھی توبہ کر سکے گا اور نہ رجوع الی اللہ کی طرف مائل ہوگا۔ زبان سے ہزار بار توبہ توبہ کرے تب بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دھوبی زبان سے یہ کہے کہ میں نے کپڑا دھویا۔ کیا زبان کے کہنے سے یہ کپڑا دھل جائے گا؟ ہرگز نہیں جب تک کپڑے کا میل کچیل دور کرنے کے لئے تدبیر نہ کی جائے اور اسے پانی اور صابن کی ذریعے دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے اس وقت تک میل

بدستور باقی رہے گا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اصل توبہ سے باز رہتے ہیں بلکہ اکثر لوگوں کا جو دنیا پر کتوں کی طرح گرے ہوئے ہیں اور باری تعالیٰ سے بالکل منحرف ہیں، یہی حال ہے کہ ان کے دل کا میل دور نہیں ہوتا کیونکہ وہ محض زبان سے توبہ کرتے ہیں دل سے نہیں کرتے۔

## توبہ کی قبولیت کے دلائل

قبولیت کے متعلق اب تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اہل بصیرت کے نزدیک کافی وافی ہے، تاہم عوام الناس اس وقت تک تشنگی محسوس کریں گے جب تک ہم اپنے دعویٰ کو دلائل کا پیرہن نہ پہنادیں گے اس لئے کہ جس دعویٰ کے لئے کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہوتی وہ عام طور پر لائق اعتماد نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

**وهو الذی یقبل التوبة عن عباده ویعفوا عن السیئات .**

(پ:۲۵،۴ آیت ۲۵)

اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

**غافر الذنب وقابل التو ب.** (پ:۲۴،۶ آیت۳)

گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا

ان کے علاوہ بھی قبول توبہ کے باب میں بے شمار آیات ہیں۔اس سے پہلے ایک حدیث لکھی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ خوشی قبولیت کے بعد ہے، اور یہ حدیث بھی قبولیت توبہ پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

**ان الله عزوجل یبسط یده بالتوبة لمسی اللیل الی النهار ولمسیء النهار الی اللیل حتی تطلع الشمس من مغربها .** (بحوالہ مسلم، ابوموسیٰ، بلفظ آخر)

اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ کے لئے ہاتھ پھیلائے رکھتا ہے جو رات سے دن تک اور دن سے رات تک گناہ کرے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ان بندوں سے جو سرتا پا گناہوں میں آلودہ رہتے ہیں، توبہ کا طالب رہتا ہے، طلب درجہ قبول کے بعد ہے، یہ ممکن ہے کہ قبول کرنے والا طالب نہ ہو لیکن طالب قبول کرنے والا ضرور ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے:

**لو علمتم الخطايا حتى تبلغ السماء ثم ندمتم لتاب الله عليكم**

(بحوالہ ابن ماجہ، ابوھریرۃؓ)

اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر ان پر نادم ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ گناہ کرتا ہے اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ایسا کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک شخص گناہ بھی کرے اور جنت میں بھی جائے۔ فرمایا وہ شخص اس گناہ سے توبہ کرتا ہے اور اس سے گریز کرتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(بحوالہ ابن المبارک فی الزہد، عن الحسن مرسلاً)

ایک حدیث کے الفاظ ہیں: **كفارة الذنب الندامة**. (احمد، طبرانی، ابن عباس)
گناہ کا کفارہ ندامت ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ **التائب من الذنب كمن لا ذنب له**
گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اس کا کوئی گناہ ہی نہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی حبشی نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول ﷺ میں برے عمل کرتا تھا، اگر میں ان سے توبہ کرلوں تو کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ وہ شخص چلا گیا، پھر واپس آیا اور کہنے لگا کہ جب میں برے کام کرتا تھا تو کیا میرا اللہ مجھے دیکھتا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً وہ تجھے دیکھتا تھا۔ یہ سن کر اس حبشی نے ولدوز چیخ ماری اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

ایک روایت ہے کہ جب شیطان کو بارگاہ خداوندی سے نکالا گیا تو اس نے مہلت کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے مہلت سے نوازا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے قسم ہے تیری عزت وجلال کی، میں اس وقت تک ابن آدم کے دل سے نہیں نکلوں گا جب تک اس کے جسم میں روح رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک ابن آدم کے جسم میں روح رہے گی اس پر قبولیت توبہ کے دروازے بند نہیں کروں گا۔ (بحوالہ احمد، ابویعلی، حاکم، ابوسعیدؓ)

ایک حدیث میں ہے: **ان الحسنا ت یذھبن السیئات کما یذھب لماء الوسع.** نیکیاں برائیوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح پانی نجاست کو ختم کر دیتا ہے۔

## توبہ کرنے والوں کے چار طبقے ہیں

جاننا چاہئے کہ توبہ کرنے والوں کے چار طبقے ہیں۔ ان میں سے پہلا طبقہ ان گنہگاروں کا ہے جو گناہ سے تائب ہوں اور اخیر عمر تک اپنی توبہ پر قائم رہیں۔ ماضی میں جو قصور ہوا ہے، اس کی تلافی کریں اور دوبارہ اس گناہ کے ارتکاب کا تصور تک نہ کریں۔ سوائے ان لغزشوں کے جن سے نبی کے علاوہ کوئی انسان محفوظ نہیں ہے۔ یہ استقامت علی التوبہ ہے۔ اس طبقے کے تائبین کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ اپنی استقامت اور ثبات قدمی سے نیک کاموں میں آگے نکل گئے اور انہوں نے گناہوں کے عوض نیکیاں حاصل کر لی۔ اس توبہ کا نام توبۃ النصوح ہے اور ایسے تائب کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں جو اپنے رب کی طرف اس حال میں جائے گا کہ رب اس سے خوش ہوگا اور وہ رب سے خوش ہوگا۔ حدیث شریف میں ایسے ہی نیک نفوس کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔

**سبق المفر دون المستھترون بذکر اللہ تعالی وضع الذکر عنھم اوزار ھم فوردو القیامۃ خفافا.** (بحوالہ ترمذی۔۔۔ ابوھریرۃؓ)

ترجمہ: ''مفرد یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے شائق آگے بڑھ گئے ذکر نے ان کے

بوجھ (گناہوں کے) اتار دیئے ہیں چنانچہ وہ لوگ قیامت کے دن ہلکے پھلکے پہنچیں گے"۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ان پر گناہوں کا بوجھ تھا لیکن ذکر کی کثرت اور اس عمل پر استقامت نے ان کا بوجھ ہلکا کر دیا، اب وہ ہلکے پھلکے ہو چکے ہیں اور قیامت کے دن اسی حال میں وارد ہوں گے۔ پھر اس طبقے میں بھی شہوات کی طرف میلان کے اعتبار سے مختلف مراتب ہوں گے۔ بعض لوگ وہ ہوں گے جن کی شہوات معرفت کے قہر میں دب گئیں، اب ان کے دلوں میں شہوات کا کوئی نزاع نہ رہا اور نہ راہ سلوک میں ان سے مزاحمت باقی رہی، بعض وہ ہیں جن کے نفس سے شہوات کا نزاع باقی ہے اور وہ ان کے خلاف مجاہدہ کرنے اور انہیں دور کرنے میں دیر تک کوشاں رہتے ہیں، پھر نزاع کی کیفیات بھی قلت و کثرت مدت اور نوح کے اعتبار سے مختلف ہیں عمر کی کمی بیشی سے بھی درجات مختلف ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو توبہ کرتے ہی موت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں، ان کا حال اس لئے قابل رشک ہوتا ہے کہ انتہائی سلامتی کے ساتھ راستے کے کانٹوں میں الجھے بغیر رخصت ہو گئے اور توبہ میں کوئی رخنہ نہ پڑا۔ بعض لوگ توبہ کے بعد بھی مہلت نفس پاتے ہیں، ان کا جہاد اور صبر طویل ہو جاتا ہے، توبہ پر استقامت سے ان کی حسنات بڑھتی ہیں، ان کی حالت انتہائی اعلیٰ ہے کہ جتنے گناہ تھے نیکیوں سے محو ہو گئے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ کسی گناہ کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک گناہ کرنے والا اس پر دس بار قدرت نہ پائے اور ہر بار اللہ تعالیٰ کے خوف کے بنیاد پر اس کے ارتکاب سے نہ رکے۔ اگر چہ یہ شرط بعید از قیاس ہے لیکن اگر لوگ اس نہج پر مجاہدہ کرنے لگیں تو اس کے اثرات دور رس اور دیر پا ہوں گے۔ پھر بھی کمزور مرید کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ طریقہ اختیار کرے کہ پہلے تصورات کے ذریعے شہوات میں ہیجان برپا کرے، پھر ان پر قابو پائے، ہوسکتا ہے کمزوری کے باعث اس کے قدم ڈگمگا جائیں، معاملہ اس کے اختیار سے باہر نکل جائے اور توبہ توڑ کر گناہ میں مبتلا ہو جائے بلکہ ایسے شخص کو جیسے بہکنے کا خطرہ زیادہ ہو، ابتداء میں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جو اسباب گناہ کی تحریر کرتے

ہوں ان سے گریز کرے اور نفس پر ان کے راستے مسدود کردے، اس کے ساتھ شہوت توڑنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی توبہ ابتداء ہی میں محفوظ ہوجائے۔

دوسری قسم ان توبہ کرنے والوں کی ہے جو اہم ترین اطاعات میں استقامت کا راستہ اپناتے ہیں اور تمام کبیرہ گناہ ترک کردیتے ہیں۔ تاہم ایسے گناہوں سے دامن نہیں بچاتے جو ان قصد وارادوں کے بغیر سرزد ہوتے ہیں، اگرچہ پہلے سے ان کے ارتکاب کا عزم نہیں ہوتا لیکن جب بھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے وہ اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں، شرمندہ ہوتے ہیں اور یہ عزم کرتے ہیں کہ ہم ان اسباب سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں گے جو گناہ پر آمادہ کرتے ہیں ایسے نفس کو نفس لوامہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ احوال زمیمہ پر اپنے نفس کو ہدف ملامت بناتا ہے جو اس پر قصد وارادہ کے بغیر طاری ہوجاتے ہیں۔ پہلے طبقے کے لوگ ہر حیثیت سے اعلیٰ تھے لیکن اس طبقے کے بھی افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اگرچہ پہلے طبقہ سے رتبہ میں کم ہے۔ اکثر تائبین کا حال ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے کہ شر آدمی کی سرشت میں داخل ہے اور اس کے خمیر میں شامل ہے، اس سے بچنا قریب قریب محال ہے تاہم انسان اتنا کرسکتا ہے کہ شر کے مقابلے میں خیر کی زیادہ کام کرے تاکہ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کا پلڑا بھاری تو ہوسکتا ہے لیکن برائی کا پلڑا بالکل خالی ہو جائے، ایسا ہونا مشکل ہے، ایسے لوگوں کے لئے اللہ رب العزت نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

**الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم ان ربک واسع المغفرۃ.** (پ ۲۷،۶ آیت ۳۲)

ترجمہ: ''وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں، بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔''

جو صغائر آدمی سے بلا قصد وارادہ سرزد ہوجاتے ہیں وہ لمم، ہیں جو کبائر سے بچتے ہیں ان کے صغائر معاف کردیئے جاتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

والذین اذافعلوا فاحشةً او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم . (پ۴،۴ آیت ۱۳۵)

ترجمہ: ''اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو، یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔''

انہوں نے گناہ کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ گناہ کے بعد نادم ہوئے اور انہوں نے اپنے نفسوں کو ملامت کیا اور اپنے گناہوں کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔حضرت علیؓ کی اس روایت میں توبہ کرنے والوں کی یہی قسم مراد ہے۔

ارشاد فرمایا: خیار کم کل مفتنٍ تواب (بحوالہ بیہقی)

ترجمہ: ''تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو مصیبت میں مبتلا ہو کر توبہ کرلیں۔''

ایک حدیث میں فرمایا گیا: المؤ من کالسنبلة یفی احیاناً ویمیل احیانا

(ابویعلی ،ابن حبان ........انسؓ)

ترجمہ: ''مومن گیہوں کی بالی کی طرح ہے کبھی گناہ کی طرف جھکتا ہے کبھی نیکی کی طرف لوٹتا ہے۔''

ایک حدیث میں یہ مضمون وارد ہے:

لابد للمو من من ذنبٍ یاتیه بعد الفینت (بحوالہ طبرانی، بیہقی ابن عباسؓ)

ترجمہ ''مومن کے لئے ضروری ہے کہ کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب کر لے۔''

ان تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی اکا دکا گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ ساقط نہیں ہوتی اور نہ اس قسم کا گنہگار ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہوتا ہے جو گناہ پر اصرار کرتے ہیں، جو شخص ایسے لوگوں کو تائبین کے درجہ میں شمار کرتا ہے وہ اس ڈاکٹر کی طرح ہے جو اپنے تندرست مریض کو صحت سے مایوس کر دے اور وجہ یہ بتلائے کہ

کبھی کبھی گرم میوے اور غذائیں کھاتے ہو یا اس فقیہہ کی طرح ہے جو اپنے شاگرد کو فقیہہ بننے سے مایوس کردے اور دلیل یہ دے کہ تم کبھی کبھی اپنا سبق نہیں دہراتے، حالانکہ ایسا محض اتفاقاً ہوتا ہے ورنہ عام طور پر وہ اپنی اوقات کو فقہ کے تکرار و عادی اور حفظ وذکر میں مشغول رکھتا ہے۔ اگر کوئی طبیب یا فقیہہ ایسا کرتا ہے تو یہ اس کے نقص کی علامت ہے۔ فقیہہ فی الدین کے لئے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہ کبھی ان لوگوں کو سعادتوں کے حصول سے مایوس نہ کرے جن سے گاہے بگاہے کوئی گناہ سرزد ہوجائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایہ:

**کل بنی آدم خطائون وخیر الخطائین التوابون المستغفرون.**

(بحوالہ ترمذی، انس)

ترجمہ: ''تمام انسان خطا کار ہیں، بہترین خطا کار وہ لوگ ہیں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی خطاؤں کی مغفرت چاہتے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: **المؤمن وامراقعف خیر هم من مات علیٰ رقعةِ.** (طبرانی، بیهقی، جابرؓ)

ترجمہ: ''مومن پھاڑنے والا اور پیوند لگانے والا ہے بہتر ہے وہ شخص جو پیوند لگا کر مرے۔''

پھاڑنے والے سے مراد گنہگار اور پیوند لگانے سے مراد توبہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**اولئک یؤتون اجرَهم مرَّتین بما صبروا ویدرئُون بالحسنة السیئة**

(پ:۲۰، ۹ آیت ۵۴)

ترجمہ: ''ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کرکے دیتے ہیں''۔

اس میں مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ گناہ کے بعد نیکی کرتے ہیں، یہ نہیں

فرمایا کہ وہ کوئی گناہ نہیں کرتے۔

تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو توبہ کر کے کچھ عرصہ اس پر مستقیم رہتے ہیں، پھر کسی گناہ کی خواہش ان پر غالب ہوجاتی ہے اور وہ اس قصد وارادے کے ساتھ کر بیٹھتے ہیں کیونکہ ان میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ شہوات کو مغلوب کرسکیں، مگر نیک اعمال کی پابندی کرتے ہیں اور اطاعت بجالاتے ہیں، عام طور پر گناہوں سے بھی بچتے ہیں لیکن دوچار خواہشوں سے مجبور ہوتے ہیں۔ جب تحریک ہوتی ہے تو نفس پر ان کا اختیار باقی نہیں رہتا اور وہ خواہشات کے بموجب عمل کر بیٹھتے ہیں، دل میں اسے برا سمجھتے ہیں اور آرزو کرتے ہیں کہ جس طرح ہمیں اطاعت کی توفیق میسر ہے اور جس طرح ہم بے شمار گناہوں سے محفوظ ہیں، اسی طرح اگر ان دوچار گناہوں سے بھی بچے رہیں تو کتنا اچھا ہو۔ معصیت سے پہلے یہ آرزو کرتے ہیں اور معصیت کے بعد اس پر نادم ہوتے ہیں۔ اور یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ہم اس معصیت پر قابو پانے کے لئے نفس کے ساتھ سخت مجاہدہ کریں گے لیکن ان کی نفس ٹال مٹول سے کام لیتی ہیں اور وہ اپنے عہد کی تکمیل نہیں کرپاتے۔ ایسے نفس کو مسومہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

**واخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئا**

(پ:۱۱، ۲، آیت:۱۰۳)

ترجمہ: ''اور کچھ اور لوگوں میں جو اپنی خطا کے مقرر ہوگئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے''

اس قسم کی تائبین چونکہ اپنے عمل کو برا سمجھتے ہیں اور نیک اعمال کی پابندی کرتے ہیں اس لئے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔ البتہ ایسے لوگوں کو اپنی نفس کی ٹال مٹول کی وجہ سے ایک خطرہ لاحق ہے اور وہ یہ ہے کہ موت توبہ سے پہلے بھی آسکتی ہے۔ اس صورت میں انجام خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم کیا اور توبہ کے ذریعے انہیں تدارک کا موقع بخشا تو یقیناً وہ سابقین سے

لاحق ہونگے اور اگر بد قسمتی غالب آئی، شہوت نے اتنا مقہور کیا کہ تلافی کی نوبت ہی نہ آنے دی تو سوء خاتمہ کا خوف ہے۔ یہ بات عام طور پر مشاہدے میں آئی ہے کہ کوئی طالب علم تحصیل علم کے لئے نافع امور سے اجتناب نہ کرے تو اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی قسمت میں علم نہیں ہے اور جو طالب حصول علم کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ کاتب تقدیر نے اس کا نام عالموں میں لکھ دیا ہے۔

مسبب الاسباب نے آخرت کی سعادتوں اور شقاوتوں کو نیکیوں اور گناہوں کے ساتھ اس طرح مربوط کیا ہے جس طرح صحت ومرض، غذا ودواء کے استعمال کے ساتھ مربوط ہیں یا جس طرح دنیا میں فقہ کا اعلیٰ منصب حاصل کرنے کا عمل، کاہلی ترک کرنے اور نفس کو فقہ کا عادی بنانے کے ساتھ مربوط ہے، جس طرح ریاست قضاء اور دوسرے علمی مراتب کے لئے صرف وہ لوگ اہل ہیں جن کی نفوس فقہی علوم میں مسلسل مشغول رہنے کی وجہ سے فقیہہ بن گئے ہوں، اسی طرح آخرت کی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی سعادتوں کے لئے صرف وہ لوگ اہل ہیں جن کے پہلوں میں تزکیہ یا تطہیر کے طویل اور مسلسل عمل سے دھلے دھلائے پاکیزہ اور سلیم قلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ازل سے اپنی تدابیر اسی طرح مقرر فرمائی۔

**ونفس وماسواها فالهمها فجورها وتقواها قد افلح من زكٰها وقد خاب من دسّٰها .** (پ:۳۰،۱۶،آیت:۷،۱۰)

ترجمہ: ''اور قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس کی ذات کی جس نے اسے درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا اس کو القا کیا، یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا۔''

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی انسان سے گناہ سرزد ہوگیا اور وہ توبہ میں تاخیر کرے تو یہ اس کی بدبختی اور رسوائی کی علامت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرنی چاہئے۔ اس میں تاخیر سے ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

ان العبد لیعمل بعمل اهل الجنة سبعین سنة حتی یقول الناس انه من اهلها ولا یبقیٰ بینه وبین الجنة الا شبر فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل النار فید خلها (بحوالہ بخاری ومسلم۔ سہل بن سعدؓ)

ترجمہ: ''بندہ ستر برس تک جنت والوں کے سے عمل کرتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اسے جنتی کہنے لگتے ہیں، اس میں اور جنت میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس پر تقدیر ازلی غالب آتی ہے، پھر وہ دوزخیوں کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سوء خاتمہ کا خوف توبہ سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی اور آدمی کا ہر سانس اپنے سے پہلے سانس کا خاتمہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا سانس آنے سے پہلے ہی موت آجائے، اس لئے ہر سانس کی حفاظت ضروری ہے ورنہ امر ممنوع کا مرتکب ہوسکتا ہے، اس وقت ندامت ہوگی اور ندامت کام نہ آئے گی۔

چوتھی قسم ان تائبین کی ہے جو توبہ کریں، کچھ عرصہ توبہ پر قائم رہیں اور پھر گناہوں کے ارتکاب میں مشغول ہو جائیں۔ ان کے دل میں گناہوں کی قباحت کا خیال آئے، نہ وہ یہ سوچیں کہ ہمیں ان کے اعمال بد سے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ کے لئے اجتناب کرنا چاہئے۔ نہ انہیں اپنے اس فعل پر افسوس ہو، نہ ندامت بلکہ غافلوں کی طرح شہوات میں غرق رہیں۔ ایسے لوگوں کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، ان کا شمار گناہ پر اصرار کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ اس قسم میں شامل لوگوں کا نفس امارہ بالسوء کہلاتا ہے۔ یہ نفس خیر کے کاموں سے دور بھاگتا ہے، ایسی نفس پر سوء خاتمہ کا خوف ہے، اگر برائی پر اس کا خاتمہ ہوا تو اس کے حصے میں ایسی بدبختی آئے گی جس کے بعد کوئی بدبختی نہیں اور بھلائی پر مرا تو یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اسے عذاب دوزخ سے نجات مل جائے گی۔ خواہ تھوڑے عرصے کے بعد ملے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی ایسے سبب کے باعث جس کا ہمیں علم نہیں اسے، اسے دامان رحمت میں لے لیا جائے اور اس کے اعمال نامے کی سیاہی دور کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلی

سے کچھ بعید نہیں جیسے کوئی شخص بے آب وگیا میدان میں یہ آرزو لیکر جائے کہ مجھے وہاں سے خزانہ مل جائے گا تو یہ محال نہیں ہوسکتا ہے اسے خزانہ ہاتھ آہی جائے، جیسے کوئی شخص گھر میں بیٹھ کر حصولِ علم کی توقع رکھے، یہ بھی ممکن ہے، انبیائے اکرام نے کسی معلم کے سامنے زانوئے ادب طے کئے بغیر علوم کے حاصل کئے ہیں۔ طاعات کے ذریعے مغفرت کو طلب کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص تکرار ومطالعے کی جدو جہد سے علم کا طالب ہو یا تجارت اور بحروبر کے اسفار سے مال کا خواہاں ہو اور بلا عمل کے مغفرت چاہنا ایسا ہے جیسے بنجر زمیں سے خزانہ پانے کی خواہش کرنا، یا ملائکہ کے ذریعے تعلیم کے خواب دیکھنا اگرچہ بنجر زمیں سے خزانہ پانا اور فرشتوں کے ذریعے تعلیم حاصل کرنا محال نہیں ہے لیکن بعداز عقل ضرور ہے۔ عجیب بات ہے کہ لوگ عمل کے بغیر اس کے نتائج دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے خیال سے تو یہی غنیمت ہے کہ عمل کے بعد مغفرت تجارت میں جدو جہد کے بعد مال اور تکرار ومطالعہ کی مشقت کے بعد علم حاصل ہوجائے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ آدمی سب محروم ہیں سوائے عالموں کے اور عالم سب محروم ہیں سوائے عاملوں کے اور عامل سب محروم ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلص خطرے میں ہیں۔

کوئی بھی عقل مند انسان اس شخص کی بے وقوفی میں شبہ نہیں کرتا جو اپنا گھر برباد کردے، اپنا مال ضائع کردے، اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو فاقہ کشی پر مجبور کردے محض اس توقع پر اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے زیر زمین مدفون خزانہ عطا کرے گا۔ اگرچہ یہ فضل خداوندی غیر ممکن نہیں ہے لیکن اس کی امید میں بیٹھے رہنا سراسر حماقت ہے۔ اسی طرح اس شخص کی جہالت اور نادانی میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا جو اطاعات میں قصور کرے، مغفرت کے راستے میں گریز کرے، گناہوں پر اصرار کرے اور ان تمام کوتاہیوں کے باوجود بخشش کا امیدوار ہو۔ بڑا تعجب اس نادان کی نادانی پر ہے جو اپنی بے عملی اور بدعملی کو اس خوبصورت پیرائے میں بیان کرے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے، اس کی جنت اس قدر وسیع ہے کہ مجھ جیسے معمولی شخص کے لئے تنگ نہیں ہوسکتی اور نہ میری نافرمانی اسے نقصان پہنچا

سکتی ہے۔ایک طرف وہ اپنے گناہ آلود زندگی کی یہ تاویل کرتا ہے دوسری طرف تم اسے طلب رزق کے لئے سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے اور میدانی خطروں سے الجھتے ہوئے دیکھتے ہو۔اگر اس سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے ،اس کے خزانہ غیب میں زر وجواہر کی کوئی کمی نہیں اور نہ تجھ جیسے شخص کے لئے اس میں تنگی ہے اگر تو تجارت ترک کر کے گھر کے کسی غوشہ میں بیٹھا رہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ تجھے ایسے ذرائع سے رزق پہنچے جس کا تجھے گمان بھی نہ ہو۔اگر اس سے یہ تمام باتیں کہی جائیں تو وہ کہنے والے کا منہ نوچ لے اور اس مشورے پر اس کا مذاق اُڑائے ،اسے بے وقوف سمجھے اور کہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا، یہ چیزیں محنت سے حاصل ہوتی ہیں ،مسبب الاسباب نے رزق کمانے کا یہی طریقہ مقرر فرمایا ہے اور یہی سنت جاری فرمادی ہے ،اللہ تعالیٰ کی سنت میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

انسان کا یہ دوہرا معیار سمجھ میں نہیں آتا اس احمق کو معلوم نہیں دنیا اور آخرت دونوں کا رب ایک ہے اور ان دونوں میں جو سنت جاری کردی ہے وہ نا قابل ترمیم ہے۔اس نے یہ اصول بنادیا ہے۔

وان لیس للانسان الا ماسعیٰ (پ:۲۷،۷،آیت:۳۹)

ترجمہ: ''اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی''

جب دنیا اور آخرت کا ایک رب ہے،ایک اصول اور ایک ذریعہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کو آخرت میں کریم سمجھتا ہے۔دنیا میں میں کریم نہیں سمجھتا۔اگر کرم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آدمی عمل سے رک جائے اور عمل کے بغیر اخروی نعمتوں کا امیدوار ہو تو کرم کا تقاضہ یہ بھی ہونا چاہئے کہ آدمی پیسہ کمانے سے رک جائے اور کمائے بغیر ہی حصول رزق کا خواہاں ہو۔یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بے بہا اور لازوال دولت،آخرت کا اجر وثواب بلا عمل اور بغیر جدوجہد عطا کردیگا اور دنیا کی ناپائیدار اور فانی نعمتیں بغیر عمل کے عطا نہیں کریگا۔کیا قرآن کریم میں یہ آیت موجود نہیں ہے۔

وفی السمآء رزقکم وماتوعدون (پ:۲۶م۱۸،آیت:۲۲)

ترجمہ: ''اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (سب) آسمان میں ہے''۔

ہم اس جہالت وگمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جو شخص اس طرح کے معتقدات کا حامل ہے وہ گویا اپنے آپ کو اوندھے منہ کنوے میں گرا کر ہلاک کرنے کے درپے ہیں اور اس آیت کے تحت داخل ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا۔

ولو تری اذا المجرمون نا کسوا رءُوسھم عند ربھم ربنا أبصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحاً. (پ:۲۱،۱۵،آیت:۱۲)

ترجمہ: ''اور اگر آپ دیکھیں تو عجیب حال دیکھیں جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کریں گے''۔

یعنی یہ کہیں گے کہ ہمیں یقین آ گیا، تیرا یہ قول واقعے سچا تھا وان لیس للانسان ماسعی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانے کا موقع دیا گیا تو ہم تیرے قول کی صداقت پر عملاً ایمان لائیں گے اور کوشش میں کوتاہی نہ کریں گے۔ یہ درخواست اس وقت کی جائے گی جب واپسی کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا اور تقدیر ازلی اپنا عمل مکمل کر چکی ہوگی اور اس کی قسمت پر عذاب کی مہر لگ چکی ہوگی۔

ہم اس جہالت، شک اور شبہے کی دواعی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو انجام کی خرابی کا باعث ہیں۔

## توبہ ہر حال میں مؤثر ہے

آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ واستغفار اگر دل سے ہو تو یہ ہر حال میں مؤثر ہے، اگرچہ تائب گناہ پر اصرار کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے ایسی توبہ کچھ زیادہ مؤثر نہ ہو لیکن جس حد تک مؤثر ہوگی، مفید ثابت ہوگی اور اگر استغفار کے ساتھ گناہ کے تدارک کے لئے حسنات کا

اضافہ کردیا جائے تو یہ سونے پر سہاگہ والی بات ہے۔ جو شخص استغفار اور حسنات کے ساتھ ساتھ گناہ بھی کرتا ہو اس کے بارے میں یہ گمان کرنا مناسب نہیں کہ اس کی استغفار اور نیکیاں سب بے کار ہیں۔ ارباب بصیرت اور اصحاب قلوب کشف و مشاہدے کے ذریعے اس آیت کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر ایرہٗ. (پ:۳۰،۲۴ آیت:۷)

ترجمہ: ''جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا''

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ذرہ خیر میں اثر ہے۔ جیسے ترازو کے ایک پلڑے میں چاول کا ایک دانہ ڈال دیا جائے تو وہ دوسرے پلڑے سے کچھ نہ کچھ ضرور جھک جائے گا۔ اگر یہ دانہ چاول پلڑے کو جھکانے میں مؤثر نہ ہو تو دوسرا دانہ بھی مؤثر نہ ہونا چاہئے بلکہ اس سے تو یہ لازم ہوتا ہے کہ مٹھی بھر چاول بھی اثر انداز نہ ہونگے۔ حالانکہ یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے۔ یہ حال حسنات کے ترازو کا ہے۔ اس کا پلڑا ابھی خیر کے ذرے سے جھک جاتا ہے خواہ تھوڑا ہی جھکے کہ دیکھنے والا محسوس ہی نہ کرسکے۔ اگر خیر کے چند ذرات مل جائیں تو یقیناً پلڑا زیادہ جھکے گا۔ ہوسکے کہ اتنا جھکے کہ سیئات کا پلڑا اوپر اُٹھ جائے۔ ذرات خیر کو حقیر نہ جانو، اگر تم بڑے گناہ چھوڑنے پر قادر نہیں ہو تو چھوٹے موٹے کاموں سے گریز نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ یہی چھوٹے عمل تمہاری بخشش کا سامان کردیں۔ اسی طرح اگر تم بڑے گناہ چھوڑنے پر قادر نہیں ہو تو چھوٹے چھوٹے گناہوں کو معمولی سمجھو بلکہ انہیں بھی ترک کردو۔ ہوسکتا ہے اس طرح تمہارے ترازو کا پلڑا کچھ ہلکا رہ جائے جس میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ تمہارا حال اس احمق عورت جیسا نہ ہو جو سوت کاتنے سے بھاگتی ہے اور دلیل یہ دیتی ہے کہ میں دن بھر میں ایک دو تار کات پاتی ہوں۔ ان سے کون سا مال جمع ہوگا۔ اس بے چاری کو معلوم نہیں کہ دنیا بھر کے کپڑے تاروں سے بنتے ہیں، اگر ہر روز دو تار بھی کاتے گئے ہوں تو کسی مرحلے پر اتنے زیادہ ہوجائیں گے کہ ان سے وسیع عریض کپڑا بنایا جاسکے گا۔ غرض یہ ہے کہ دل سے توبہ واستغفار کرنا ایک ایسی نیکی ہے جو اللہ تعالیٰ

کے یہاں ہرگز ضائع نہ ہوگی۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ استغفار کے لئے زبان کو حرکت دینا بھی ایک نیکی ہے، اس لئے کہ زبان کو کلمات استغفار کے ساتھ بحالت غفلت حرکت دینا کسی مسلمان کے غیب کرنے یا لغو کلام کرنے سے بہرحال افضل ہے بلکہ یہ خاموشی سے بھی بہتر ہے اگرچہ قلب کے عمل سے بہتر نہیں ہے لیکن سکوت اور لغو کلام سے یہ ہر حال میں افضل ہے۔ حضرت ابوعثمان مغربیؒ کی خدمت میں ان کے کسی مرید نے عرض کیا کہ بعض اوقات میرا قلب غافل ہوتا ہے اور زبان کلمات ذکر اور آیات کا ورد کرتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے ایک عضو کو خیر کے کام میں لگا رکھا ہے اور اسے ذکر کی عادت ڈال دی ہے، شر میں استعمال نہیں کیا اور نہ فضولیات کا عادی بنایا۔

ابوعثمان مغربی نے بالکل صحیح بات کہی ہے۔ اعضاء کو اعمال خیر کا اس قدر عادی بنانا کہ وہ ان کی طبع ثانیہ بن جائیں، معاصی کے ازالے میں بھی مفید ہے۔ چنانچہ اگر وہ شخص جس کی زبان استغفار کی عادی ہے کسی سے کوئی جھوٹ بات سنی تو برجستہ یہی کہے گا۔ استغفر اللہ۔ جب کہ فضولیات بکنے والا شخص جھوٹ بولنے والے کے احمق، کاذب اور مفتری کہہ کر جھٹلائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جس کی زبان تعوذ کی عادی ہے کسی فتنہ پرداز کی فتنہ انگیزی دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے گا جب کہ فضول کلام کا عادی کہے گا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ ان میں سے ایک کلمہ خیر کہہ کر ثواب حاصل کرے گا دوسرا کلمہ شر کہہ کر گنہگار ہوگا۔ اس سے معلوم ہو کہ سلامتی زبان کو خیر کا عادی بنانے میں ہے۔ قرآن کریم کی ان آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان الله لا یضیع اجر المحسنین (پ:۱۱، ۴ آیت:۱۲۰)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے''

وان تک حسنة یضاعفها ویئوت من لدنه اجر اعظیما

(پ:۵، ۳ آیت:۴۰)

ترجمہ: ''اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گناہ کر دیں گے اور اپنے پاس سے اجر

عظیم دیں گے۔'' مذکورہ بالا صورت پر غور کرو، کس طرح ایک نیکی کو دوچند کیا ہے۔نیکی یہ تھی کہ زبان کلمہ خیر کی عادی تھی، اس کا ثواب اپنی جگہ۔اس کی نیکی کے نتیجے میں دوسری نیکی یہ ہوئی کہ فضول گوئی اور غیبت کے گناہ سے محفوظ رکھا، نیکی پر نیکی کا اضافہ تو دنیا میں ہے، آخرت میں کس قدر اجر وثواب ملے گا اس کا کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔نیکی کتنی ہی معمولی اور غیر اہم کیوں نہ ہو، اسے معمولی یا غیر اہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دراصل شیطان کے فریب میں مبتلا ہیں شیطان انہیں بتلاتا ہے کہ تم صاحب بصیرت، عقل منداور دانا انسان ہو، مخفی اور پوشیدہ باتوں کا علم رکھتے ہو، تم جیسے لائق اور فاضل وکامل انسان کو مخفی زبان سے ذکر کرنا زیب نہیں دیتا۔تم خود یہ بات جانتے ہو کہ قلب کی غفلت کے ساتھ زبان کو ذکر سے متحرک کرنا مفید ہے۔

اس شیطان مکر کی بنیاد پر مخلوق کی تین قسمیں ہوگئیں۔

۱: وہ جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

۲: میانہ رو۔

۳: خیر میں سبقت کرنے والے۔

خیر میں سبقت کرنے والے شیطان کے جواب میں کہتے ہیں اگر چہ تیرا قول درست ہے لیکن تیرا مقدر درست نہیں ہے۔تو کلمہ حق سے معنی باطل پر استدلال کر رہا ہے۔ہم تجھے دوبارہ ایذاء دیں گے اور دو مرتبہ ذلیل کریں گے۔پھر وہ محض زبان کی حرکت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ دل کا اخلاص بھی شامل کر لیتے ہیں تاکہ شیطان کو زبان کی حرکت سے بھی تکلیف پہنچے اور دل کے خلوص سے بھی ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو شیطان کے زخم دل پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑک دے۔

اپنے نفس پر ظلم کرنے والے وہ لوگ ہیں جو شیطان کی تائید کرتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہوکر کہ اس اسرار الٰہی سے واقف ہیں، زبانی ذکر بھی چھوڑ دیتے ہیں ۔ شیطان کے زخم کا مرہم یہی لوگ بنتے ہیں، ان لوگوں میں اور شیطان میں اس حد تک

موافقت ہوتی ہے کہ باہم شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔

میانہ رو وہ لوگ ہوتے ہیں جو شیطان کی خواہش کے برخلاف دل کو تو ذکر میں شریک نہیں کر پاتے ہیں لیکن زبان کو بھی اس عمل سے نہیں روکتے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ زبانی ذکر اگر چہ قلبی ذکر کے مقابلے میں ناقص ہے لیکن سکوت اور یاوہ گوئی کی بہ نسبت بہرحال افضل ہے۔ یہ لوگ زبانی ذکر نہیں چھوڑتے اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ جس طرح تو نے ہماری زبان کو کلمات خیر کا عادی بنایا ہے اسی طرح ہمارے دل کو بھی عادی بنا۔

ان تینوں میں سابق الخیرات کی مثال اس جولاہے کی سی ہے جو اپنے پیشے کو برا سمجھے اور کاتب بن جائے۔ ظالم نفس کی مثال اس جولاہے کی سی ہے جو اپنے پیشے کو برا سمجھ کر بھنگی بن جائے اور مقتصد کی مثال اس جولاہے کی سی ہے جو یہ کہے اگر چہ کتاب پارچہ بافی سے افضل ہے لیکن کیونکہ میں اپنے عجز اور کم علمی کی بناء پر یہ پیشہ اختیار نہیں کر سکتا اس لئے اپنے پیشے میں رہوں گا جو یقیناً پاخانہ صاف کرنے سے افضل ہے۔

اس کلام کے بعد حضرت رابعہ عدویہ کے قول کی تفسیر سہل ہے۔انہوں نے فرمایا ہمارے استغفار کو بھی استغفار کی ضرورت ہے۔ان کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم استغفار کرتے ہیں تو ہمارا دل غافل رہتا صرف زبان حرکت کرتی ہے، اگر چہ زبان کی حرکت اپنی جگہ مستحسن ہے لیکن دل کی غفلت بھی اپنی جگہ قبیح ہے۔ ہمیں اپنے دل کی قباحت سے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔ حضرت رابعہ بصری نے زبانی استغفار کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ دل کی غفلت کی مذمت فرمائی ہے۔ اب اگر کوئی شخص زبان سے بھی استغفار نہیں کرتا، اسے دو استغفار کی ضرورت ہے ایک زبان سے استغفار کرنے کی، دوسرے قلب کی غفلت پر۔ غرض یہ ہے کہ اس قول میں عمدہ چیز (زبانی استغفار) کی تعریف اور مذموم چیز (دل کی غفلت) کی مذمت کی ہے۔ اگر ہم نے یہ قول اس طرح نہیں سمجھا تو پھر ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔

## حسنات الا برار سیئات المقربین

ترجمہ: ''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں''

یہ امور اضافی ہیں، انہیں اضافت کے ساتھ سمجھنا چاہئے، بہر حال کسی معمولی سی معمولی اطاعت کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے اور نہ کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہئے۔

حضرت جعفر الصادقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار باتیں چار میں مخفی رکھی ہیں۔

رضا کو اطاعت میں، اس لئے کسی چھوٹی سی طاعت کو بھی حقیر مت جانو۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں پوشیدہ ہو۔

غضب کو معصیت میں، اس لئے کسی چھوٹے سے گناہ کو بھی حقیر مت سمجھ۔ ہوسکتا ہے وہی گناہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہو۔ ولادیت کو بندوں میں، اس لئے کسی بندے کو حقیر مت سمجھو۔ ہوسکتا ہے وہی ولی اللہ ہو۔ قبولیت کی دعا میں، اس لئے کس بھی موقع پر دعا نہ چھوڑو۔ ہوسکتا ہے اس میں قبولیت ہو۔

## توبہ کے بارہ فوائد وثمرات

### پہلا فائدہ

سری سقطیؒ نے ایک شخص سے کہا کہ توبہ یہ ہے کہ تو اپنا گناہ نہ بھولے۔ اس شخص نے کہا نہیں بلکہ توبہ یہ ہے کہ اپنا گناہ بھول جائے اور جنید بغدادی کی رائے اسی کے موافق ہے کیونکہ صفائے محبت کی حالت میں جفا کا بیان کرنا جفا ہے اور ظاہر ہے کہ گناہ جفا اور توبہ صفائی ہے۔

نسفی نے بیان کیا ہے کہ جنید کے اصحاب میں سے ایک نے ان سے کہا مجھ سے ایک گناہ ہوگیا ہے۔ آپ خدا سے دعا فرمایئے کہ میری بخشش ہوجائے۔ جنید نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے کہ جب اس نے تیرے سامنے اپنا پردہ فاش کیا تو تو ہی اس کو بخش۔

## دوسرا فائدہ

ابن مسعودؓ سے ایک شخص نے کہا مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے۔ کہا تیرے لئے توبہ ہے پہلے تو اس سے انہوں نے منہ پھیر لیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ان کی دونوں آنکھوں میں آنسوں بھرے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں وہ سب کے سب بند ہوتے ہیں اور کھلتے ہیں سوائے باب توبہ کے کہ اسی دروازے پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور وہ دروازہ قیامت تک بند نہ ہوگا پس رحمت خدا سے ناامید مت ہو بعض کا قول ہے کہ ابلیس اس لئے ہلاک ہوا کہ وہ توبہ کو واجب نہیں سمجھتا تھا اور نہ وہ اپنی خطا کا معترف ہوا اسی لئے اس نے توبہ نہ کی بلکہ غرور کیا اور رحمت خدا سے ناامید ہو گیا اور آدم علیہ السلام کو سعادت نصیب ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا اور توبہ کو ضروری سمجھا چنانچہ خدا کے سامنے توبہ کی تواضع سے پیش آئے اور رحمت خدا سے ناامید نہ ہوئے۔

## تیسرا فائدہ

عبداللہ بن سلام نے بیان کیا ہے کہ میں نبی مرسل یا کتاب منزل کے ساتھ کسی اور کی روایت تم سے نہ بیان کروں گا۔ سنو بندہ جب گناہ کرتا ہے اس کے بعد اگر چشم زدن کے لئے بھی اس پر نادم ہو جاتا ہے تو اس سے چشم زدن سے بھی پہلے گناہ اتر جاتا ہے حضرت نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ گناہ کرتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے آپ نے فرمایا گناہ اس کے پیش نظر ہو جاتا ہے اور اس سے تائب ہو کر گریز کرتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ غزالی نے کہا ہے کہ فوراً توبہ کرنا واجب ہے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ توبہ خدا پھر انہی کے لئے ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھتے ہیں۔ پھر عنقریب ہی توبہ کر لیتے ہیں پس جب توبہ کرنے میں جلدی کرتا ہے تو اس کا گناہ مٹ جاتا ہے جیسے کہ نجاست جب تک تر رہتی ہے آسانی سے

دور ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں پس نیکی کے نور کے سامنے گناہ کی تاریکی کو طاقت نہیں ہے جیسے کہ صابن کی سفیدی کے سامنے میل کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی امام رازی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ثم یتوبو ن من قریب میں قریب سے مراد موت کے آنے کا وقت ہے کیونکہ موت آنے والی ہے اور ہر آنے والی شئے قریب ہے جو شخص گناہ سے زمانہ طویل کے بعد موت سے بہت عرصہ پہلے توبہ کرتا ہے وہ ان لوگوں سے خارج ہے جن کی نسبت توبہ کا قبول کرنا خدا نے اپنے ذمہ خصوصیت کے ساتھ لیا ہے کیونکہ خدا نے ان کی خصوصیت کے بیان کے موقع پر حرف انما استعمال کیا ہے جو حصر کے لئے ہے لیکن ایسا شخص خدا کے اس قول میں داخل ہے جس کا مضمون وہ لوگ ہیں خدا جن کی عنقریب دعا قبول کرلیگا اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے اس موقع پر جہالت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہوا ہے۔ اکثر اس کے قائل ہیں ہر وہ شخص جو گناہ کرتا ہے وہ جاہل اور نادان ہے کیونکہ اگر وہ ثواب اور عقاب کے علم سے جو اسے حاصل تھا کام لیتا تو گناہ پر پیش قدمی نہ کرتا جو پہلے گزر چکا ہے کہ گناہ تاریکی ہے اور اس کا چراغ توبہ ہے حناطی نے کہا ہے کہ موت تین قسم کی ہے ایک نفس کی موت اس کے بعد عفو کے کفن میں لپیٹ کر اور مغفرت کی خوشبو لگا کر اہل جنت کے مقابر میں دفن کیا جاتا ہے اور ایک ترک موت ہے کہ کفن ملامت میں لپیٹ کر اور ندامت کی خوشبو لگا کر مقابر عقوبت میں دفن کیا جاتا ہے پس جس کا نفس مرجاتا ہے جس کی دنیا نابود ہو جاتی ہے اور جس کی روح مرجاتی ہے اس کا مولیٰ اسے نہیں ملتا اور جس کا قلب مرجاتا ہے اس کی آخرت نیست ہو جاتی ہے۔

## چوتھا فائدہ

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک بار میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہی میں ایک انصاری بیمار کے پاس گیا اور وہ سکرات موت میں مبتلا تھا۔ حضرت نبی ﷺ نے ان سے فرمایا توبہ کرلو۔ لیکن اس کی زبان نے یاری نہ دی۔ اس نے آسمان کی طرف اپنی آنکھ

پھیری اس پر حضور اکرم ﷺ مسکرائے آپ سے سبب پوچھا گیا تو فرمانے لگے جب اس کی زبان قابو میں نہ رہی تو آسمان کی طرف اپنے دل سے اشارہ کیا اور نادم ہوا خدا تعالیٰ نے فرمایا اے فرشتو میرا بندہ زبان سے توبہ کرنے سے عاجز ہو گیا تھا لیکن وہ دل میں پشیمان ہوا میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کے گناہ بخش دیئے اگرچہ ریگستان کی ریت کے برابر کیوں نہ ہوں حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ کی وفات کے وقت آپ کے پاس جبرائیل آئے اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے جو اپنی موت سے ایک سال قبل توبہ کر لے گا اس کی توبہ مقبول ہو جائے گی آپ نے کہا اے جبرائیلؑ ایک سال میری امت کے لئے بہت ہے وہ غائب ہو گئے اور پھر واپس آ کر کہنے لگے اے محمد ﷺ خدا نے آپ کو سلام فرمایا اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو اپنی موت سے ایک ماہ پیش تر توبہ کر لے گا اس کی توبہ قبول ہو گی آپ نے فرمایا اے جبرائیل میری امت کے لئے ایک ماہ بہت ہے پھر غائب ہو گئے اور پھر واپس آ کر کہنے لگے اے محمد ﷺ آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے جو اپنی موت سے ایک جمعہ قبل توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہو گی۔ آپ نے فرمایا اے جبرائیل میری امت کے لئے جمعہ بہت ہے اور پھر غائب ہو گئے اور واپس آ کر کہنے لگے اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے جو اپنی موت سے ایک روز قبل توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہو گی آپ نے فرمایا اے جبرائیل میری امت کے لئے ایک دن بھی بہت ہے وہ غائب ہو گئے پھر واپس آ کر کہنے لگے اے محمد ﷺ اللہ نے آپ کو سلام فرمایا ہے جو اپنی موت سے ایک ساعت قبل توبہ کرے اس کی توبہ قبول ہو گی آپ نے فرمایا اے جبرائیل میری امت کے لئے ایک ساعت بہت ہے وہ غائب ہو گئے اور پھر واپس آ کر کہنے لگے آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر ایک سال بہت ہے اور ایک ماہ بہت ہے ایک جمعہ بہت ہے ایک دن بہت ہے ایک ساعت بہت ہے تو جو اپنے موت کے ایک سال ایک ماہ ایک جمعہ ایک روز ایک ساعت پہلے بھی میری طرف رجوع نہ ہو یہاں تک کہ اس کی روح اس کی حلق میں آ پہنچے

اور زبان سے بولنا عذر خواہی کرنا اسے ممکن نہ ہو لیکن وہ دل سے شرمندہ اور پشیمان ہو تو اس کو بخش دوں گا اور پرواہ نہ کروں گا اس کو نسفی نے اپنی کتاب ''ازہر الریاض'' میں ذکر کیا ہے۔

## پانچواں فائدہ

اگر کہا جائے اس میں کیا حکمت ہے امت محمد ﷺ کی توبہ دل سے پشیمان ہونا ہے اور قوم موسیٰ کی توبہ اپنی جانوں کو قتل کرنا تھا؟

جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت نے ایمان کے لئے عیانی معجزہ طلب کیا تھا۔ چنانچہ کہا تھا کھلم کھلا ہمیں خدا کو دکھلا دیجئے۔ بس جب انہوں نے عیانی بات طلب کی تھی تو ان کی توبہ بھی عیانی قرار دی گئی اور وہ اپنی جانوں کو قتل کرنا ہے اور امت محمد ﷺ کی امت غیب پر ایمان لائی ہے اس لئے ان کی توبہ دل سے رکھی گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں جو بندہ اپنے گناہ پر روتا ہے یہاں تک کہ اس کے رخساروں پر اس کے آنسو بہ آتے ہیں تو خدائے تعالیٰ دوزخ کو اس کے رخساروں پر حرام کر دیتا ہے۔

## چھٹا فائدہ

بروایت عبادہ بن صامت حضرت اکرم ﷺ سے مروی ہے جو اپنی موت سے ایک سال قبل توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ پھر ایک سال بہت ہے۔ پھر فرمایا اپنی موت کے ایک ماہ قبل توبہ کرتا ہے۔ خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر فرمایا ایک ماہ بہت ہے جو آدمی اپنی موت سے ایک جمعہ قبل توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر فرمایا جمعہ بھی بہت ہے جو آدمی اپنی موت سے ایک روز قبل توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر فرمایا ایک روز بہت ہے جو اپنی موت کے ایک ساعت قبل توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر فرمایا ایک ساعت بھی بہت ہے جو شخص قبل اس کے کہ اس کو غرغرہ لگ جائے توبہ کرتا ہے اس کی بھی توبہ قبول ہوتی ہے۔

## ساتواں فائدہ

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک بار آدم علیہ السلام کے بابت غور کیا اور عرض کیا اے رب آپ نے انہیں اپنے دوست مبارک سے پیدا فرمایا۔ پھر ایک لغزش سے ان کی معصیت کی منادی کر دی اور جنت سے انہیں باہر نکال دیا حالانکہ آپ نے خود ہی انہیں بلا عمل جنت میں سکونت پذیر بنایا تھا اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی اور فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی اے ابراہیم! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حبیب کے لئے حبیب کی مخالفت ایک سخت بات ہے۔

## آٹھواں فائدہ

جب آدم علیہ السلام سے نافرمانی ہوئی یعنی بھول کر درخت میں سے انہوں نے کچھ کھالیا تو ان پر سوائے سونے چاندی کے جنت میں ہر شئے رونے لگے گی خدا تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں کو کیا ہوا کہ تم دونوں آدمؑ پر نہیں روتے؟ انہوں نے کہا جس نے آپ کے حکم کی مخالفت کی ہو اس پر ہم کیسے روئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی عزت وجلال کی قسم میں تم دونوں کو ہر شئے کی قیمت بناؤں گا اور بنی آدم کو تمہارا خادم بناؤں گا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ درہم اور دینار زمین میں خاکی لہریں ہیں نہ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں اور جہاں چاہتے ہو ان سے تمہاری حاجت پوری ہو جاتی ہے اور کعب الاحبارؒ نے کہا ہے کہ درہم اور دینار پر سب سے پہلے آدمؑ نے سکہ بنایا اور کہا ہے کہ بغیر ان کے گزران ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس کو ثعلبی نے کتاب العرائس میں بیان کیا ہے اور ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ دراہم وارسم یعنی دراہم ہم وغم کا گھر ہے اور دنانیر دار نار یعنی دنانیر آگ کا گھر ہے اور مالک بن دینارؒ نے کہا ہے کہ توریت میں لکھا ہے جس دل میں درہم اور دینار کی محبت ہو اس پر حق کہنا حرام ہوتا ہے۔

علامہ بن زیادہ نے کہا ہے کہ میں نے دنیا کو خواب میں دیکھا وہ ہر طرح کی زینت

سے آراستہ تھی۔ میں نے اس سے کہا خدا مجھے تجھ سے پناہ دے۔ وہ بولی اگر تو نے یہ ارادہ کیا ہے کہ خدا تجھ کو مجھ سے پناہ میں رکھے تو درہم سے عداوت رکھ اور حسن بصری نے کہا ہے جو کوئی درہم کی عزت کرتا ہے خدا اس کو ذلیل کرتا ہے۔ مؤلف کہتا ہے میں نے بہتیرے لوگوں کو دیکھا جو مستحقوں کو درہم اور دینار کے دینے میں بخل کرتے تھے۔ آخر خدا نے ان پر ایسے کو مسلط کیا ہے کہ جس نے بلا استحقاق ان سے لے لیا۔ نزہت النفوس والا فکار میں ہے کہ زمین میں سونا پیدا کرنا خدا کا بھید ہے۔ اسے گھسار کر پینا خفقان کو نافع ہے اور آنکھ میں لگانا مقوی بصر ہے۔ اگر صرع والے گلے میں اسے لٹکائے تو صرع دور ہو جائے۔ اگر سونے کو آگ میں گرم کر کے سرکہ میں بجھائیں اور گندہ دہن کو پلائیں تو حکم خدا سے یہ عارضہ دور ہو جائے۔ سونا اور چاندی سعادت اور شقاوت کے اسباب میں سے ہے۔ حناطیؒ نے کہا ہے جب درہم اور دنانیر مسکوک ہوئے تو شیطان نے انہیں لے کر بوسہ دیا اور کہنے لگا جو تم دونوں سے محبت رکھے گا حقیقت میں وہ میرا غلام ہے۔ یحیٰی بن معاذ رازی نے کہا ہے کہ دراہم عقارب ہیں۔ اگر تو اچھی طرح منتر نہ جانتا ہو تو تجھے قتل کر ڈالیں۔ کہا گیا اس کا منتر کیا ہے؟ حلال سے حاصل کرنا اور وجوہ خیر میں صرف کرنا۔ امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں کہا ہے کہ درہم دال اور ا کے کسرہ اور فتحہ دونوں سے آیا ہے اور درہام بھی ایک لغت ہے۔

## نواں فائدہ

جب آدم علیہ السلام نے درخت میں سے کھالیا تو سوائے درخت عود کے سب درخت آپ سے بھاگنے لگے۔ چنانچہ خدا نے اس پر عقاب کیا۔ اس نے کہا اے رب مجھے معلوم ہوا کہ یہ عتاب ہے۔ ارشاد ہوا کہ اپنی عزت اور جلال کی قسم میں اولاد آدم علیہ السلام کے نزدیک تجھے صامت قیمت بناؤں گا لیکن چونکہ تو نے ایسے کو پناہ دی ہے جو میرا نافرمان تھا اس لئے تجھے بغیر آگ کے خوشبو نہ نکلے گی۔ نزہتہ النفوس والا فکار میں ہے کہ عود ہندی

قسط کو کہتے ہیں اور ند بھی اسی کا نام ہے۔ اگر پانی کے ساتھ پیا جائے تو درد جگر پیچش اور درد پہلو کو نافع ہے اور صداع بارد وشقیقہ کو دھونی لینا ناک میں ٹپکانا پینا ضماد کرنا سب نافع ہے اور دھونی لینے سے اور مقدم سر میں چھڑ کنے سے نزلہ کو نفع ہوتا ہے اور منہ میں رکھ کر چبایا جائے تو تبخیر کا قاطع ہے۔

## دسواں فائدہ

اگر کہا جائے خدا تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بدن کو زمین پر کیسے حرام کر دیا؟

جواب یہ ہے کہ مٹی دو پاک کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ اور وہ نجاست کلبیہ سے پاک کرتی ہے اور گناہ کو سب سے بدتر نجاست ہے۔ اس لئے مٹی سے طہارت حاصل کرنے کی ضرورت پڑی۔ اس لئے زمین نبیوں کے سوا اوروں کے بدن کو کھاتی ہے۔ کیونکہ وہ گناہ سے خواہ عمداً یا سہواً قبل نبوت اور بعد نبوت کے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں۔

## گیارہواں فائدہ

جبرائیلؑ و میکائیلؑ ایک بار مجتمع ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کیا خدا سے آپ کو تعجب آتا ہے کہ اس نے ایک مخلوق پیدا کی ہے۔ ان کو رزق دیا ہے اور وہ اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ لیکن انہیں عذاب نہیں دیتا۔ میکائیلؑ نے کہا کچھ تعجب نہیں کیونکہ ان کے اعمال سے خدا کا کچھ بڑھتا نہیں اور نہ گناہ کرنے سے خدا کا کچھ کم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہ اطاعت سے خدا کو فائدہ پہنچتا ہے نہ معصیت سے کوئی ضرر۔ پھر انہیں کیوں عذاب دے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ ایک بار آسمان سے ایک فرشتہ کسی شخص کو عذاب دینے کے لئے اترا۔ اس نے کہا میں خدائے کریم کی رو سے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے عذاب نہ دے۔ وہ اوپر چڑھ گیا اور دوسرا اترا۔ پھر اس نے کہا میں خدا کریم کی رو سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے عذاب نہ دے۔ لیکن اس نے نہ مانا اور عذاب دیا۔

جب وہ آسمان اور زمین کے درمیان میں پہنچا تو اس کے دونوں باز و جدا ہو گئے وہ متحیر رہ گیا اور کہنے لگا یہ مصیبت مجھے کیوں پہنچی آواز آئی کہ اس نے میرے وجہ کریم کے طفیل سے تجھ سے درخواست کی تھی کہ مجھے عذاب نہ دے اور تو نے اس پر بھی اس کو عذاب دیا۔ اگر میری وجہ کریم کے طفیل سے مجھ سے ساری مخلوق کی بخشش کی درخواست کرتا تو میں سب کو بخش دیتا

## بارہواں فائدہ

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ کیا میں تمہیں ایک دعا نہ سکھا دوں کہ تم اسے پڑھ کر دعا مانگا کرو۔ اگر تمہارے اوپر پتھروں کے برابر تعداد میں گناہ ہوں جب بھی خدا انہیں بخش دے یہ پڑھا کرو:

**اللھم لا الہ الا انت الحلیم الکریم تبارکتَ سبحانک رب العرش العظیم.** (بحوالہ: نزہتہ المجالس جلد دوم)

## اہل ایمان کے مختلف درجات

اگر کوئی شخص دنیا کے مشاغل سے الگ ہو کر عبادت الہٰی میں ہر وقت مشغول رہتا ہے تو اس کے بھی مختلف درجات ہیں اسی طرح ایمان کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کم درجے پر ہے تو یقیناً جو اس سے بلند درجے پر ہے اس کے مقابلے میں اس میں کوئی نقص ہے۔ اور نقص کمزوری کی نشانی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی توبہ ضروری ہے۔

اصل واجبات کے ادا کرنے سے نجات حاصل ہو جاتی ہے لیکن نجات کے علاوہ ہر مومن کو قرب الہٰی کے اعلیٰ منازل کے حصول کی جدوجہد بھی ضروری کرنا چاہئے۔ ایک مرتبہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے انبیاء گزرے ہیں انہوں نے بڑی عبادات کی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میرے دوستوں سے میرا مرتبہ کسی حال میں بھی کم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خاص الخاص لوگ صرف خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ثواب اس کو

ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی نعلین مبارک میں تسمہ لگایا اس سے آپ نے ذرا خوشی محسوس فرمائی تو فوراً نکال دیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ نے ایک بار دودھ پیا اس میں کچھ شبہ معلوم ہوا تو آپ نے انگلی ڈال کر اتنی سخت قے کی کہ آپؓ کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا۔

اسی لئے حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا کہ اگر آدمی صرف اپنے گزشتہ زمانے کو یاد کر کے ہی روئے تو پوری عمر رو سکتا ہے۔ پس اگر کسی شخص کا مستقبل (یعنی آخرت) خطرے میں ہو تو وہ جتنا بھی روئے کم ہے اور اگر ساری زندگی خدانخواستہ گناہ میں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں صرف ہو گئی تو اس کا اندازہ تو قیامت میں ہی ہو سکے گا اس وقت تھوڑے سے وقت کی مہلت چاہے گا تاکہ توبہ کرے لیکن پھر مہلت کہاں ملے گی۔

اسی لئے حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ بندے کو ہر حال میں ضرورت اپنے مالک کی ہوتی ہے، تو اسی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ہر بات میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے۔ مثلاً گناہ میں مبتلا ہو تو التجا کرے کہ الٰہی میرا پردہ فاش نہ کر اور گناہ کر بیٹھے ہیں تو دعا مانگے ہیں الٰہی میری توبہ قبول فرما۔ توبہ کے بعد عرض کرے کہ مجھے عصمت نصیب کر اور جب کوئی اچھا کام کرے تو التماس کرے کہ خداوندا اس عمل کو مجھ سے قبول فرما۔

کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ وہ استغفار کون سا ہے جو گناہوں کو مٹاتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ابتداء تو استجابت ہے۔ پھر انابت، پھر توبہ۔ استجابت سے اعضاء کے اعمال مراد ہیں مثلاً دوگانہ یا دعا۔ انابت سے اعمال قلوب مراد ہیں جیسے صدق ارادت، خلوص نیت وغیرہ اور توبہ سے غرض یہ ہے کہ خلق کو چھوڑ کر مالک کی طرف متوجہ ہو اور نعمت الٰہی کی ناواقفیت اور اس کے شکر گزار نہ ہونے کا جو قصور اس میں ہے، اس سے مغفرت کا خواہاں ہو تا کہ وہ قصور معاف ہو اور مالک کے پاس اس کا ٹھکانہ ہو۔ توبہ کے بعد تنہائی اختیار کرنی پھر توبہ پر قائم رہنا، پھر بیان، اس کے بعد فکر، پھر معرفت پھر مناجات، اس کے بعد مصافات اور پھر موالات اور آخر میں راز کی گفتگو جس کو خلعت کہتے ہیں یہ سب نتائج

استغفار پر بتدریج مرتب ہوتے ہیں۔اور بقول امام غزالیؒ یہ بات اسی بندے کے دل میں ٹھہرتی ہے جس کی غذا علم ہو اور قوام ذکر الٰہی اور توشہ رضا اور اس کا رفیق توکل ہو۔ایسے دل کی طرف خدائے تعالیٰ نظر عنایت سے دیکھ کر اس کو عرش پر اٹھالیتا ہے۔اور پھر اس کا مقام عرش کے اٹھانے والوں (یعنی فرشتوں) کا مقام ایک ہی ہوجاتا ہے۔

(بحوالہ: فضائل توبہ واستغفار)

## توبہ کی پہچان اور علامتیں

کسی دانا کا قول ہے کہ آدمی کی توبہ چار باتوں میں پہچانی جاتی ہے۔

ایک یہ کہ! اپنی زبان کو فضول گوئی، غیبت اور جھوٹ سے روک لے۔

دوسری یہ کہ! اپنے دل میں کسی کے لئے حسد اور عداوت نہ رکھے۔

تیسری یہ کہ! بدکار لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلے۔

چوتھی یہ کہ! موت کی تیاری میں لگا رہے۔گزشتہ پر ندامت کے ساتھ استغفار کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر کمربستہ ہوجائے۔

کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ کون سی علامت ہے کہ جس سے معلوم ہوسکے کہ توبہ قبول ہوگئی ہے فرمایا چار علامتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ! بُرے لوگوں سے ہٹ کر اچھے لوگوں سے میل جول اختیار کرے۔

دوسری یہ کہ! سب گناہ چھوڑ کر تمام اطاعتوں پر کمربستہ ہوجائے۔

تیسری یہ کہ! اس کے دل سے دنیا کی لذتیں اور فرحتیں سب جاتی رہیں اور آخرت کا غم ہمیشہ کے لئے اس کے دل میں گھر کرجائے۔

چوتھی یہ کہ! رزق وغیرہ اشیاء سے جس کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت اور ذمہ داری لے رکھی ہے اپنے آپ کو فارغ کرکے ان کاموں میں لگے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے۔

یہ علامتیں موجود ہوں تو وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ!

یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۲۲۲)

اور لوگوں پر اس کے حق میں چار چیزیں واجب ہو جائیں گی۔

پہلی یہ کہ! اس سے محبت کرنے لگیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

دوسری یہ کہ! اس کے لئے توبہ پر دوام وثابت قدمی کی دعا کرتے رہیں۔

تیسری یہ کہ! گزشتہ گناہوں پر اسے شرمندہ نہ کیا کریں۔

چوتھی یہ کہ! اس کے پاس بیٹھا کریں، اس کے ساتھ بھلائی میں تعاون اور اچھی گفتگو کیا کریں اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو چار کرامات سے نوازیں گے۔

ایک یہ کہ! اسے گناہوں سے یوں پاک کردیں گے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

دوسری یہ کہ! اس سے محبت رکھیں گے۔

تیسری یہ کہ! شیطان لعین کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیں گے۔

چوتھی یہ کہ! دنیا سے جانے سے پہلے اسے خوف سے امن کی نوید عطا فرمائیں گے۔

## توبہ واستغفار میں فرق

توبہ اور استغفار میں فرق یہ ہے کہ استغفار توبہ کی طرف لے جانے والا راستہ ہے اور استغفار توبہ کے مقابلے میں عام ہے استغفار کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگنا، اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنا۔ اور توبہ تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے جب تک یہ تین چیزیں جمع نہ ہوں، اس وقت تک توبہ کامل نہیں ہوتی۔

- ایک یہ کہ! جو غلطی اور گناہ سرزد ہوا ہے اس پر ندامت اور شرمندگی ہو۔
- دوسرا یہ کہ! جو گناہ ہوا اس کو فوراً ترک کردے۔

● تیسرا یہ کہ! آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کامل ہو۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ توبہ اور استغفار میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ استغفار کے اندر یہ تین چیزیں شرط نہیں بلکہ استغفار ہر انسان، ہر حالت میں کرسکتا ہے جب کوئی غلطی ہوجائے یا دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہوجائے، یا عبادت میں کوتاہی ہوجائے یا کسی بھی طرح کی کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو فوراً استغفار کرے۔ استغفار کے مختصر لفظ یہ ہیں۔ استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه.

## توبہ کرنے کا طریقہ

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں اور ایک وہ جو ایک بندہ اور دوسرے بندوں کے درمیان ہیں۔ یعنی ایک قسم کے گناہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے حقوق العباد سے۔

پہلی قسم کے گناہ کی توبہ ہے زبان سے استغفار کرنا اور دلی ندامت کا اظہار کرنا آئندہ کے لئے اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم کرنا۔ اس طرح توبہ کرے کہ اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب گڑگڑا کر ندامت کا اظہار کرے، رورو کر معافی مانگے، اپنے آنسو بہائے اور اپنے رب سے آئندہ گناہ نہ کرنے کا سچا پکا وعدہ کرے۔

اس طرح انشاء اللہ یہ پہلی قسم کے گناہ معاف ہوجائیں گے البتہ اگر فرائض چھوٹے ہوئے ہوں تو اتنی ہی توبہ کافی نہیں جب تک کہ ان کی قضا نہ کرے۔

اور دوسری قسم کے گناہ کی توبہ تب مفید ہے جب صاحب حق کا حق ادا کیا جائے۔ پھر اسے راضی کرلیا جائے کہ وہ اپنے حقوق معاف کردے۔

## نیکی نہ کرنے سے توبہ

توبہ کا معنی ہے ''لوٹنا'' رجوع کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف

لوٹنے کو توبہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جس کام کے عمل کا اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے ان کے کرنے کی طرف لوٹنا۔ ہمارے ہاں عمومی تصور یہ پایا جاتا ہے کہ فقط گناہوں سے رُک جانا اور آئندہ گناہ نہ کرنا ہی توبہ ہے۔ یہ بات تو درست ہے، لیکن اوامر کے ترک کو چھوڑ دینا اور فرائض کی ادائیگی اور حسنات کا اہتمام کرنا بھی توبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ گناہوں سے توبہ تو کر لیتے ہیں لیکن ایسے کئی احکام جن کا اللہ جل شانہٗ نے حکم دیا ہے، ان کا اہتمام نہیں کرتے کبھی تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم مجھ پر واجب ہے۔ چنانچہ عدم علم کی وجہ سے عمل نہیں کرتے اور اس طرح گمراہوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور کبھی حکم کے وجوب کا علم ہوتے ہوئے بھی عمل نہیں کرتے، جس کی وجہ سے وہ ''مغضوب علیھم'' میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ دیدہ دلیری سے اللہ تعالیٰ ''احکم الحاکمین'' کی بات پر عمل نہیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ الفاتحہ میں کیا ہے اور اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ ہر نماز میں اس سورت کو بار بار پڑھا کرو اور ان دونوں قسم کے لوگوں سے پناہ مانگا کرو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا، جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔'' (سورۃ الفاتحہ: آیت نمبر ۵، ۶ اور ۷)

# سچی توبہ کی شرائط

## اقرار گناہ

اقرار گناہ توبہ کی بنیادی شرط ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی گناہ کا اقرار نہیں کرے گا وہ توبہ کیوں کر کرے گا۔ اس اقرار کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث حسب ذیل ہے۔

وعن عاشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان العبدَ اذا عترَفَ ثم تابَ تابَ اللہُ علیہِ .

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک بندہ گناہ کا اقرار کرے پھر توبہ کرے تو اللہ عز وجل شانہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ (بحوالہ بخاری ومسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتراف گناہ بڑی چیز ہے اور درحقیقت اعتراف ہی کے بعد توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ جو لوگ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے یا گناہ کر کے یہ نہیں مانتے کہ ہم نے گناہ کیا ہے وہ توبہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگ جن پر شیطان غالب ہے، گناہ کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ ہم نے گناہ کیا ہے۔ بعض تو ایسی مجبوری کا عذر کرتے ہیں جو شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کے احکام کو ہی خلاف عقل قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ طرح طرح کی علتیں ڈھونڈ کر گناہ کو حد جواز میں لانے کی بیجا کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھلا گناہ کے اسراری کیسے ہو سکتے ہیں۔ جب گناہ کا اقرار نہیں تو توبہ کیسے نصیب ہوگی۔ یہ شیطان کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ گناہ کرائے اور گناہ کا اقرار نہ کرنے دے اور حیلے بہانے بنا کر توبہ سے باز رکھے۔ جب توبہ کے بغیر کسی کو موت آجاتی ہے تو شیطان خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ چلو اس آدمی کی تو عاقبت خراب کر دی۔ بنی آدم کا عذاب میں مبتلا ہونا شیطان کے لئے بہت بڑی خوشی کا ذریعہ ہے

انسان گناہ کرے اور گناہ کا اقرار ہو تو توبہ کی توفیق بھی ہو سکتی ہے لیکن جو منہ زوری کرتا ہو اور گناہ کو حلال سمجھتا ہو اور گناہ سے روکنے والوں پر پھبتیاں کستا ہو، ان کو بے وقوف بناتا ہو، وہ بھلا توبہ کے قریب کیسے بھٹک سکتا ہے۔ سچے مومن وہ ہیں جو گناہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور گناہ ہو جائے تو بارگاہ الٰہی میں گناہ کا اقرار کر لیتے ہیں اور توبہ واستغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہی صالحین کا راستہ ہے۔

## گناہ سے باز آنا

دوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں سے بالکل باز آجائے اور ان کو ترک کر دے اور بالکل

چھوڑ دے۔ پھر ہر گھڑی اور ہر آن گناہوں سے بچے۔

## گناہ نہ کرنے کا ارادہ

تیسری شرط یہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوبارہ گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرے اور توفیق مانگے۔ اور یہ بھی ارادہ کرے کہ گناہ کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں اور گناہوں کو ترک کر کے زمانہ مستقبل میں ہمہ گوش اللہ کی اطاعت میں مشغول ہو جائے۔ نیکی کے کاموں کی طرف سستی کاہلی سے کام نہ لے اور نیکی پر کاربند ہو جائے، خواہ اس کے گناہ کی لذت اس کو بار بار تنگ کرے۔

## گناہوں کا تدراک

توبہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ جو گناہ اس سے سرزد ہو چکے، ان کا تدارک کرے۔ اللہ کے حضور میں ان کے لئے معافی طلب کرے اور اس کے حضور میں اپنے کئے ہوئے پر نادم اور شرمندہ ہو۔ انسان سے گناہ دو طرح کے سرزد ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ گناہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، وہ فرائض میں شمار کئے جاتے ہیں اور وہ فرائض جو اس کے ذمہ تھے ان کا اندازہ کر کے اگر وہ پورے ہو سکتے ہیں تو ان کو پورا کرے، دوسرے وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہوں ان کو ادا کرے۔

❀❀❀❀❀❀

# پانچواں باب

## توبہ واستغفار کے خاص خاص وظائف قرآن وحدیث کی روشنی میں

### توبہ واستغفار کے الفاظ

قرآن مجید اور احادیث طیبہ میں توبہ واستغفار کے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مختصر سا تذکرہ یہاں پیش خدمت ہے تاکہ ہماری توبہ واستغفار اپنے اسلاف انبیاء کرام وصالحین کے طرز پر ہوجائے۔

### حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے الفاظ

۱. وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التوّاب الرحیم.

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۱۲۷)

''اور ہمیں ہمارے حج کے احکام سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، بیشک تو ہی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔''

۲. سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر

''ہم نے سن لیا اور مان لیا ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

۳. ربنا ولا تحملنا مالاطاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنافانصرنا علی القوم الکٰفرین. (سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۲۸۶)

''اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جسے سہنے کی ہم میں طاقت نہیں اور ہم سے

درگزر فرما، اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے، لہٰذا کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔"

۴. ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین (سورۃ آل عمران، رکوع ۵: آیت نمبر ۱۴۷)

"اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمارے حد سے بڑھنے کو ہمارے کاموں میں اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔"

۵. ربنا اننا اٰمنا فاغفرلنا ذنوبنا وقناعذاب النار. (سورۃ آل عمران)

"اے ہمارے رب بیشک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔"

۶. ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار.

(سورۃ آل عمران: آیت نمبر ۱۹۳)

"اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری برائیوں کا کفارہ فرما دے اور ہم کو نیک بندوں میں شامل فرما کر موت دینا۔"

## حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کے الفاظ

۷. ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین

(سورۃ اعراف: آیت نمبر ۲۳)

"اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، اگر تو ہماری مغفرت نہیں کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے۔"

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ

۸. انت ولینا فاغفرلنا وارحمنا وانت خیر الغٰفرین

(سورۃ اعراف، ع۹: آیت نمبر ۱۵۵)

''تو ہی ہمارا کارساز ہے پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے۔''

۹. رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی. (سورۃ القصص: آیت ۱۶)

''اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس تو مجھے بخش دے۔''

## حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ

۱۰. رب اغفر وارحم وانت خیر الرّٰحمین. (سورۃ المومنون: آیت ۱۱۸)

''اے میرے رب مغفرت فرما اور رحم فرما بیشک تو رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔''

۱۱. یغفر اللّٰہ لکم وھوارحم الرّٰحمین. (سورۃ یوسف: آیت ۹۲)

''اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔''

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور الفاظ

۱۲. رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الرّٰحمین. (سورۃ الاعراف: آیت ۱۵۱)

''اے میرے رب میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

## حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

۱۳. رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنٰت ولا تزد الظّٰلمین الا تبارا. (سورۃ نوح: آیت ۲۸)

''اے میرے رب مجھے، میرے والدین اور اس شخص کو جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہو جائے اس کو اور تمام مومنین اور مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے فقط اور زیادہ تباہی بڑھا۔''

**۱۴. رب انی اعوذبک ان اسئلک ما لیس لی به علم والا تغفرلی وترحمنی اکن من الخسرین.** (سورۃ ہود: آیت ۴۷)

''اے میرے رب میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں، اس سے کہ میں وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں خسارہ والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

## حضرت سلیمان علیہ السلام کے الفاظ

**۱۵. رب اغفرلی وهب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوهاب.** (سورۃ ص: آیت ۳۵)

''اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کے سزاوار نہ ہو۔ بیشک تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

**۱۶. واغفر لابی انه کان من الضالین.** (سورۃ الشعراء: آیت ۸۶)

''اور میرے والد کو بخش دے، بیشک وہ گمراہوں میں سے ہے۔''

**۱۷. ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔**

(سورۃ ابراہیم: آیت ۴۱)

''اے میرے رب میری، میرے والدین کی اور جملہ مومنین کی حساب قائم ہونے کے دن مغفرت فرما۔''

**۱۸. ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاللذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم.** (سورۃ حشر: آیت ۱۰)

''اے میرے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف ہمارے دلوں میں کدورت مت کر۔ اے ہمارے

رب بیشک تو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔"

۱۹. ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا. (سورۃ التحریم: آیت ۸)

"اے میرے رب ہمارے لئے ہمارا نور کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما۔"

## احادیث طیبہ میں وارد ہونے والے الفاظ

۱. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر مجلس میں سو بار یہ کلمات پڑھتے تھے۔

رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور.

(بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)

"اے میرے رب میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول کرلے، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا معاف کرنے والا ہے۔"

۲. نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سید الاستغفار یوں ہے۔

اللّٰھم انت ربی لاالہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھد ووعدک ما استطعت.

"اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو نے مجھے پیدا فرمایا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں جہاں تک میری استطاعت ہے۔"

اعوذ بک من شر ماصنعت، ابوءُ لک بنعمتک علی وابوء بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت.

"میں نے جو گناہ کیے ہیں ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں، لہٰذا مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔"

اس استغفار کو سید الاستغفار کہتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ، جس شخص نے سچے دل سے دن میں اس کو پڑھا اور پھر اسی دن شام ہونے سے پہلے مر گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا اور جس نے سچے دل سے رات میں اسے پڑھا اور صبح ہونے سے پہلے مر گیا تو اہلِ جنت میں سے ہوگا۔ (بحوالہ بخاری کتاب الاستغفار)

۳. حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک استغفار نبی کریم ﷺ سے یوں روایت کرتے ہیں۔

**اللّٰھم انی استغفرک لما قدمت وما اخرت وما أعلنت وما أسررت انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شئی قدیر.** (بحوالہ مستدرک حاکم)

''اے اللہ میں تجھ سے ان سب گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں جو میں نے پہلے کیے اور بعد میں کیے جو بظاہر میں کیے اور پوشیدہ طریقے پر کیے، تو ہی آگے بڑھانے والا اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔''

۴. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے (یہ استغفار) یوں کہا۔

**استغفر اللّٰہ الذی لاالٰہ الاھو الحی القیوم واتوب الیہ.**

(بحوالہ ترمذی وابوداؤد)

''میں اللہ (تعالیٰ) سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''

اس شخص کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ میدان جہاد سے ہی کیوں نہ بھاگا ہو۔

۵. مستدرک حاکم) پر ایک اور استغفار یوں مروی ہے۔

**اللّٰھم مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی عندی من عملی.**

''اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت زیادہ وسیع ہے اور تیری رحمت کی میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ امید ہے۔(امید کرنے کے لائق ہے)

مختلف روایات میں یہ استغفار پڑھنے کی فضیلت وارد ہوتی ہے۔ بعض ہر نماز کے بعد تین مرتبہ، سوتے وقت تین مرتبہ، عام اوقات میں تین مرتبہ۔

۶. مستدرک حاکم ص ۵۴۴ پر ایک استغفار یوں مروی ہے۔

**اللّٰھم اغفرلی جدی وھزلی و خطیئتی وعمدی و کل ذلک عندی.**

''اے اللہ جو گناہ مجھ سے میرے ارادے سے جان بوجھ کر ہوئے، جو مذاق اور دل لگی میں ہوئے، جو غلطی سے یا دانستہ ہوئے سب کو بخش دے اور یہ سب گناہ مجھ سے ہی ہوئے ہیں۔

۷. ایک مشہور و معروف دعائے مغفرت جو بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے۔

**اللّٰھم اغسل عنی خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی من الخطایا کمانقیت الثوب الابیض من الانس وبا عدبینی وبین خطایایَ کما باعدت بین المشرق والمغرب.**

''اے اللہ میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو گناہوں سے ایسا صاف کر دے جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے جتنا فاصلہ تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان رکھا ہے۔''

۸. حصن حصین میں ایک استغفار جو ابن ماجہ اور ابوداؤد کے حوالے سے موجود ہے۔

**اللّٰھم اغفرلنا وارحمنا وارض عنا وتقبل منا وادخلنا الجنۃ ونجنا من النار واصلح لنا شأننا کلہ.**

''اے اللہ ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور ہم سے راضی ہو جا۔ ہماری (عبادت وغیرہ) قبول فرما اور ہم کو جنت میں داخل فرما اور آگ سے نجات عطا کر اور ہمارا

سارا حال درست فرما۔

۹. سنن اربعہ میں ایک استغفار یوں مروی ہے۔

**رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی.**

''اے میرے رب میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہوں کو دھو دے اور میری دعا قبول فرما۔''

۱۰. مسلم شریف میں استغفار کی ایک دعا یوں آئی ہے جو عموماً سجدوں کے درمیان جلسہ میں پڑھی جاتی ہے۔

**اللّٰهم اغفرلی وارحمنی وعافنی وارزقنی واهدنی.**

''اے اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، مجھے عافیت عطا کر، مجھے رزق عطا فرما اور ہدایت پر قائم رکھ۔''

بعض دوسری روایت میں اسی دعا میں **واجبرنی** اور **وارفعنی** کے الفاظ کا اضافہ بھی مروی ہے۔

۱۱. عمل الیوم اللیلۃ میں ایک استغفار یوں وارد ہوا ہے۔

**اللّٰهم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی.**

''اے اللہ میرے گناہ بخش دے، میرے گھر (قبر) کو وسیع بنا دے اور میرے رزق میں برکت عطا کر۔''

۱۲. مسند احمد کے حوالے سے حصن حصین میں یہ استغفار ذکر کیا گیا ہے۔

**اللّٰهم رب النبی محمدن اغفرلی ذنبی وأذهب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن ما احییتنا.**

''اے اللہ! اے محمد مصطفیٰ ﷺ کے رب، مجھے بخش دے، میرے دل سے غصہ نکال کر ختم کر دے اور جب تو مجھے زندہ رکھے گمراہ کرنے والوں فتنوں سے محفوظ فرما۔''

## قرآن مجید میں توبہ واستغفار کی دعائیں

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونا من الخسرین

''دونوں (حضرت آدم اور بی بی حوا) نے کہا کہ ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے۔''

وان لاتغفرلی وترحمنی اکن من الخسرین (سورہ ھود ع: ۴)

''اور اگر آپ نہ بخشیں گے مجھ کو اور نہ رحم فرمائیں گے مجھ پر تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

ارنا منا سکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۔(البقرہ: ع۶)

''اے اللہ! ہم کو دکھائیے ہماری عبادت کے طریقے اور ہم کو معاف فرما دیجئے۔ بیشک آپ بڑے معاف فرمانے والے ہیں۔''

ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمومنین یوم یقوم الحساب.

(سورہ ابراھیم: ع۶)

''اے ہمارے پروردگار! مجھ کو بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور سب مومنوں کو جب دن حساب کا قائم ہو۔''

سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر (البقرہ: ع ۴۰)

''ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ ہم آپ سے بخشش مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہٗ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنابہ واعف عنا اغفرلنا وارحمنا انت مولنا. (البقرہ: ع ۴۰)

''اے پروردگار! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے رب

نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ رکھا تو نے ان پر جو ہم سے پہلے ہوئے۔ اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت ہم کو اس کے اٹھانے کی۔ اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم فرما ہم پر۔ تو ہی ہمارا مالک ہے۔"

**رب اغفر وارحم وانت خیر الرّاحمین** (مومنون : ع ٦)

"اے میرے پروردگار! بخش دیجئے اور رحم فرمائیے اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں۔"

**رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی.** (قصص : ع۲)

"اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ آپ مجھ کو بخش دیجئے۔"

**رب اغفرلی ولا خی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین**

(اعراف : ع ١٨)

"اے میرے پروردگار مجھے معاف فرمادیجئے اور میرے بھائی کو بھی۔ اور ہم کو اپنی رحمت میں دخل فرمالیجئے اور آپ سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔"

**لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** (انبیاء : ع ٦)

"نہیں کوئی معبود آپ کے سوا۔ آپ پاک ہیں۔ بیشک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔

**ان تعذبھم فانھم عبادُک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم**

(المائدہ : ع١٦)

"اگر آپ ان کو آواز دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف فرمادیں گے بیشک آپ زبردست حکم والے ہیں۔"

**سبحان ربنا انا کنا ظلمین.** (القلم : ع ١)

"پاک ہیں ہمارے پروردگار! بیشک ہم ہی خطاوار ہیں"۔

**ربنا اغفرلناذنوبنا واسرافنا فی امرنا .** (آل عمران : ع ١٥)

''اے ہمارے پروردگار! معاف فرمایئے ہمارے گناہ اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیاں۔''

ربنا وسعت کل شی رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم . (مومن : ع ۱)

''اے ہمارے پروردگار آپ نے گھیر لیا ہے ہر شے کو آپ کی رحمت اور علم نے۔ پس آپ بخشش دیجئے ان لوگوں کو جو توبہ کریں اور چلیں آپ کی راہ پر اور بچایئے ان کو دوزخ کے عذاب سے۔''

ربنا اغفرلنا ولا خوانن الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاللذین امنوا ربنا انک رء وف رحیم . (الحشر : ع ۱)

''اے ہمارے پروردگار! بخشش دیجئے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور نہ پیدا کیجئے ہمارے دلوں میں کینہ ایمان والوں کی بابت۔ اے ہمارے پروردگار! آپ ہی شفیق مہربان ہیں۔''

ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار .

(آل عمران : ع ۲۰)

''اے ہمارے رب ہم کو ہمارے گناہ معاف فرمایئے اور ہم سے ہمارے گناہوں کا کفارہ کیجئے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کیجئے۔''

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا . (سورہ التحریم : ع ۲)

''آپ پاک ہیں (ہر نقص سے) میں آپ کے جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔''

انا امنابربنالیغفرلنا خطایانا . (طه : ع ۳)

''بیشک ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے۔''

لئن لم یرحمنا ربنا ویغفرلنا لنکونن من الخسرین. (الاعراف : ع ۱۸)

''اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ فرمائے اور نہ بخشے ہم کو تو بیشک ہم تباہ ہو جائیں۔''

انت ولینا فاغفرلنا وارحمنا وانت خیر الغافرین. (الاعراف : ع ۱۹)

''آپ ہی ہمارے مددگار ہیں۔ بخش دیجئے ہم کو اور رحم فرمایئے ہم پر اور آپ سب سے بہتر بخشنے والے ہیں۔'' (بحوالہ فضائل توبہ واستغفار)

# خاص وقتوں کا استغفار

## وضو سے پہلے

اللھم اغفرلی ذنبی ووسّع لی فی داری وبارک لی فی رزقی.

(بحوالہ مشکوٰۃ)

''اے اللہ میرے گناہ بخش دیجئے اور میرے گھر میں وسعت دیجئے اور میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔''

## وضو کے بعد

سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک (بحوالہ مشکوٰۃ)

''اے اللہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں آپ کی حمد کے ساتھ اور آپ سے بخشش چاہتا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں''۔

## نماز تہجد کو اٹھتے وقت

انت ربنا والیک المصیر فاغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وماانت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر انت الٰھی لا الہ الا انت . (مشکوٰۃ)

''اے اللہ! آپ ہمارے پروردگار ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ پس بخش دیجئے میرے پچھلے اور اگلے اور پوشیدہ اور کھلے گناہ اور وہ گناہ جن کا مجھ سے زیادہ آپ کو علم

ہے۔آپ ہی آگے بڑھانے والے ہیں اور آپ ہی پیچھے ہٹانے والے ہیں اور آپ ہی میرے معبود ہیں۔آپ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔''

## بیت الخلاء سے نکلتے وقت

غفرانک

''اے اللہ میں آپ سے آپ کی بخشش مانگتا ہوں۔''

## مسجد میں داخل ہوتے وقت

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک

''اے اللہ بخش دیجئے میرے گناہ اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔''

## مسجد سے باہر نکلتے وقت

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک

''اے اللہ! میرے گناہ بخش دیجئے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے۔''

## ہر نماز کے بعد

استغفر اللہ (تین بار) ''میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں''۔

## کسی مجلس سے اٹھنے پر

سبحنک اللھم وبحمدک اشھدا ن لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک.

''اے اللہ! میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔آپ کی حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود آپ کے سوانہیں ہے۔میں آپ سے بخشش چاہتا ہوں اور آپ کی طرف

رجوع کرتا ہوں۔''

## دیگر اوقات میں استغفار

**استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتو ب الیه**

''میں اللہ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔وہ زندہ ہے۔وہ قائم رہنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

**رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم**

''اے میرے پروردگار بخش دیجئے مجھ کو اور مجھ پر توجہ فرمایئے۔بیشک آپ بہت توبہ قبول کرنے والے رحم والے ہیں۔''

**سبحان الله وبحمدهٖ سبحان الله العظیم وبحمدهٖ استغفر الله**

''اللہ پاک ہے اور وہی حمد کے لائق ہے۔بڑی عظمت والا اللہ پاک ہے اور وہی حمد کے لائق ہے۔میں اللہ سے بخشش کا طلب گار ہوں۔''

**استغفر الله**

''میں اللہ سے بخشش کا طلب گار ہوں ۔'' (بحوالہ فضائل توبہ واستغفار)

## استغفار کی فضیلت واہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

**والـذیـن اذا فعـلـو افـاحشة اوظلمو اانفسهم ذکرو االله فاستغفرو الذنو بهم :** (آل عمران : ۱۳۵)

''اور وہ لوگ جب برے کام کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں پس وہ فوراً اپنے گناہ کی معافی مانگتے ہیں۔

حضرت علقمہ اور اسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا'' قرآن پاک میں دوآیتیں ایسی ہیں کہ جو بندہ گناہ کرے اور ان کو پڑھے تو اللہ تعالی ان کے گناہ

بخش دیتا ہے۔'' ایک آیت جو اوپر گزری ہے اور دوسری حسب ذیل ہے۔

**من یعمل سوء او یظلم نفسه ثم یستغفر الله یجد الله غفورا رحیما.**

(النساء : ۱۱۰)

''اور جو کوئی برا کام کرے یا ظلم کرے اپنی نفس پر، پھر اللہ سے مغفرت مانگے، پائے گا اللہ کو رحم کرنے والا بخشنے والا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

**فسبح بحمده ربک واستغفره انه کان توابا.** (النصر : ۳)

''پس تسبیح بیان کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور اسی سے مغفرت طلب کر۔ بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اور آنحضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

**سبحانک اللهم وبحمدک اللهم اغفر لی انک انت التواب الرحیم۔**

اور رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں ''جو شخص استغفار کی کثرت کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر رنج سے کشادگی اور ہر تنگی سے نکاسی کی صورت کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ اس کو خیال بھی نہ ہو'' اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں اور اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں'' اگرچہ حضور اکرم ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود بھی حضور اکرم ﷺ توبہ استغفار کرتے تھے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

''میرے دل میں میل آ جاتا ہے یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے دن میں سو مرتبہ مغفرت چاہتا ہوں۔''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تین بار یوں کہے استغفر اللہ العظیم الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه'' تو اللہ تعالیٰ اس کے

گناہ معاف فرمادے گا اور وہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں یا عالج کی ریت کے برابر ہوں یا درختوں کے پتوں کے موافق یا دنیا کے دنوں کے عدد کے مطابق ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص یہ کہے گا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ صف جنگ سے بھاگنے والا ہو۔''

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ''میں اپنے گھر والوں پر سخت زبان تھا۔ میں نے آنحضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میری زبان مجھے دوزخ میں نہ داخل کردے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم استغفار سے غافل کیوں ہو؟ دن میں سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قصہ بہتان میں مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر تو کسی گناہ کی مرتکب ہو تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کر و اور توبہ کر کیونکہ گناہ سے توبہ ندامت اور استغفار ہی ہے۔''

حضور اکرم ﷺ استغفار میں یہ فرمایا کرتے تھے۔

**اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری ماانت اعلم به منی اللھم اغفرلی جدی وھزلی وخطائی وعمدی وکل ذالک عندی اللھم اغفرلی ماقدمت وماتاخرت وما اسررت وما اعلمت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المو خر وانت علیٰ کل شیء قدیر .**

( شرح السنه ۵: ۱۷۲ )

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ '' میں ایسا آدمی تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ کو جس قدر اس سے مجھ کو فائدہ دینا ہوتا اس قدر نفع پہنچاتا تھا اور جب کوئی آپ ﷺ کے اصحاب میں سے مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس کو قسم کھلا لیتا تھا، جب وہ قسم کھالیتا تو میں یقین کر لیتا تھا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایماندار جب گناہ کرتا

ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کرے اور اپنی حرکت سے باز آئے اور استغفار پڑھے تب اس کا دل سیاہ نقطہ سے صاف ہو جاتا ہے ورنہ اگر گناہ زیادہ کرے تو وہ نقطہ بڑھتے بڑھتے اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور اسی سیاہی کے چھا جانے کا نام ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

**کلا بل ران علی قلوبھم ماکونو ایکسبون** اور یہ بھی انہی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**اللھم اجعلنی من الذین اذا احسنوا استبشر وا وانا اسائو استغفر و** اور فرمایا کہ "جب کوئی گناہ کرے اور کہے **اللھم اغفرلی** تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے گناہ کیا پھر معلوم ہوا کہ میرا کوئی رب ہے جو گناہ پر مواخذہ کرتا ہے اور خطا کو معاف کرتا ہے۔ اے بندے جو چاہے سو کر میں نے تجھے بخش دیا" ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "جو استغفار کرتا رہتا ہے وہ گناہ پر مصر نہیں کہلاتا اگرچہ ایک دن میں ستر بار اس گناہ کو کرے" اور فرمایا "اے آدمی نے کبھی گناہ کیا تھا آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہا میرا ایک رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اے میرے رب مجھے بخش دے" اللہ نے فرمایا "میں نے بخش دیا اور فرمایا کہ جس شخص نے گناہ کیا پھر جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر مطلع ہے تو اس کا گناہ بخشا جائے گا گو یا وہ مغفرت کی درخواست نہ کرے۔

## استغفار کے منقول کلمات

اور مروی ہے کہ افضل استغفاروں میں سے یہ کلمات ہیں۔

**اللھم انت ربی وانا عبدک خلقتنی وانا علی عھدک وعدک مااستطعت اعوذبک من شرما صنعت ابو ء لک بنعمتک علی ابوء علی نفسی بذنبی فقد ظلمت نفسی واعتر فت بذنبی واغفر لی ذنوبی ماقدمت منھا وما اخرت لا یغفر الذنوب جمیعاً.** (مسند احمد بن حنبل)

آثار خالد بن معداد کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں سے مجھ کو زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو میری محبت کے باعث آپس میں محبت رکھتے ہیں اور ان کے دل مسجدوں سے وابستہ ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جب میں زمین والوں کو سزا دینا چاہتا ہوں تو وہ یاد آجاتے ہیں اس لئے ان کے طفیل میں زمین والوں کو جانے دیتا ہوں اور عذاب کو ان پر سے ہٹا دیتا ہوں۔

اور وقتادہؒ فرماتے ہیں کہ'' قرآن مجید تم کو تمہارا مرض اور دوا دونوں بتا تا ہے تمہارا روگ تو گناہ اور دوا استغفار ہے۔''

اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص تباہ ہوتا ہے تعجب ہے کہ نجات اس کے ساتھ ہے اور پھر وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔'' لوگوں نے پوچھا کہ'' نجات کیا ہے تو آپؓ نے فرمایا کہ استغفار ہے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے دل میں استغفار نہیں ڈالا کہ اس کو عذاب دینا چاہتا ہو یعنی جس کو عذاب دینا منظور نہیں اس کو استغفار کا الہام کر دیتا ہے۔''

اور فضیلؒ کا قول ہے کہ ''بندے کی طرف استغفر اللہ کہنے کا معنی ہے کہ مجھ کو معاف کردے۔''

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ''بندہ گناہ اور نعمت کے درمیان ہے ان دونوں چیزوں کی اصلاح بجز استغفار اور شکر کے نہیں۔''

اور ربیع بن خشیم کہتے ہیں کہ ''تم میں سے کوئی یوں مت کہے'' استغفر الله اتوب اليه '' کہ یہ گناہ اور جھوٹ ہوگا بلکہ یوں کہا کرو ''اللھم اغفرلی وتب علی ''، فضیل فرماتے ہیں کہ ''استغفار بغیر گناہ ترک کرنے کے جھوٹوں کی توبہ ہے۔''

اور رابعہ عدویہؒ نے کہا کہ ''ہم لوگوں کو ستغفار کے لئے بہت سا استغفار چاہئے یعنی دل غافل سے بھی استغفار کرنا ایک گناہ ہے اور ہنسی ہے اس کے لئے اور استغفار کرنا چاہئے۔'' اور بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ ''جو کوئی ندامت سے بیشتر استغفار کرے تو وہ

اللہ تعالیٰ سے ہنسی کرتا ہے اوراس کو اس بات کا علم نہیں۔‘‘

ایک اعرابی کو کسی نے سنا کہ’’ کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا کہ رہا تھا الٰہی گناہ پر اصرار کرنے کے باوجود میرا استغفار کہنا ملامت ہے اور تیرے عفو کی وسعت کو معلوم کر کے میرا استغفار سے چپ رہنا بھی عاجزی ہے۔تجھ کو ہر چند میری پرواہ نہیں مگر تو مجھ پر نعمتیں اور احسان کر کے میرا دوست بنتا ہے اور میری یہ شامت ہے کہ باوجود تیری طرف محتاج ہونے کے گناہ کر کے تیرا دشمن بنتا ہوں۔تو معاف فرمانے والا ہے تو میرے بڑے گناہ کو اپنی بڑی عفو میں داخل کر دے۔‘‘

اورابوعبداللہ وراقؒ کہتے ہیں کہ اگر تیرے سمندروں کے جھاگ کے برابر گناہوں اور جب تو اپنے رب سے یہ دعا اخلاص کے ساتھ مانگے گا انشاءاللہ تعالیٰ وہ گناہ تجھ سے دور ہو جائیں گے۔‘‘ دعا یہ ہے۔

**استغفرک من کل ذنب تبت الیک منه ثم عدت فیه استغفرک لک من کل امرو عدتا مبین نفسه ثم لم افلک به واستغفرک من کل عمل اردت به وجهک فغالطه غیرک استغفر من کل نعمة انعمت بماعلی فاستعنت بها علی معصیتک واستغفرک یاعالم الغیب والشهادة من کل ذنب اتیت فی فیاء النهار رو سوا اللیل فی بلد فلاوسرو علانیة۔**

کہتے ہیں کہ یہ استغفار حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔ (بحوالہ حسن اعمال)

حضرت ابوذرؓ سے وایت ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ نے فرمایا ان روایتوں میں سے جو آپ اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ:

اے میرے بندوں! تم دن رات کے خطا کار ہو اور میں سارے گناہ بخشتا رہتا ہوں ،مجھ سے مغفرت مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔میرے بندوں میں تمہارے اعمال شمار میں رکھ رہا ہوں۔پھر ان کا بدلہ تمہیں پورا پورا دوں گا۔لہٰذا جو نیکی پائے وہ اللہ کی حمد کرے،اور

جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے کو ہی ملامت کرے۔'' (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دل پر چھا جاتی ہے۔ یہ وہی زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دی۔'' (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

## توبہ پر ابھارنے والے کام

سچی توبہ کرنے پر مسلمان کو چند چیزیں ابھارتی اور آمادہ کرتی ہیں جس وجہ سے مسلمان سچی توبہ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ انہی وجوہات کی بناء پر مسلمان توبہ بھی کرتا ہے، چنانچہ وہ چند چیزیں یہ ہیں۔

### ۱......قرآنی آیات پر غور و فکر

سچی توبہ کرنے میں قرآنی آیات کی تلاوت اور ان پر غور و فکر کرنا توبہ کرنے پر سب سے ''پہلا معاون'' ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً

''اے مومنوں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر لو۔'' (سورۃ النور: آیت ۳۱)

اور جہاں توبہ اور رجوع الی اللہ کو، اللہ کے مقرب بندوں کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

''اور وہ آئے رجوع ہونے والے دل کے ساتھ۔'' (سورۃ ق: آیت ۳۳)

''اور جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لائے اور عملِ صالح کرے تو یقیناً وہ کامیاب لوگوں میں سے ہو جائے گا۔'' (سورۃ القصص: آیت ۶۷)

''وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے۔''

(سورۃ الشوریٰ: آیت ۲۵)

اس کے علاوہ بے شمار آیات کتاب کے شروع میں گزر چکی ہیں۔

## ۲......احادیث طیبہ کو پڑھنا اور سننا

کچھ احادیث توبہ کی ترغیب پر ملتی ہیں۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں دن میں ستر مرتبہ توبہ کرتا ہوں، اے لوگو! اللہ سے توبہ واستغفار کرو۔

اللہ تعالیٰ رات میں اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ کوئی توبہ کرلے۔ (الخ)

اسی طرح گناہ گاروں کو توبہ کرنے پر معافی کا یقین دلانے والی یہ حدیث قدسی ملاحظہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

''اے ابن آدم! جب تو مجھ سے مغفرت طلب کرے گا اور میری امید کرے گا، تو میں تجھے معاف کردوں گا اور تیرے گناہوں کی پرواہ نہیں کروں گا۔

اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ تجھے آسمان تک پہنچادیں اور پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے معاف کردوں گا اور تیرے گناہوں کی پرواہ نہیں کروں گا۔

اے ابن آدم! اگر تو زمین سے آسمان تک جتنے مشکیزے میں گناہ بھرلائے، پھر تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ تونے شرک نہ کیا ہو، تو میں اس بڑے مشکیزے کے بدلے مغفرت لے آؤں گا۔ بحوالہ (ترمذی حدیث نمبر ۳۵۴)

## ۳......مصائب وآفات

انسان کسی وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو اسے رب تعالیٰ یاد آجاتے ہیں اور وہ ان سے مغفرت مانگتا اور توبہ کرتا ہے اور کبھی کبھار یہ توبہ سچی توبہ میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

یا کسی دوسرے شخص کو کسی مصیبت میں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں تو وہ اسی وقت توبہ کرلیتا ہے اور یوں سچی توبہ کے راستے پر چل پڑتا ہے۔

## ۴......دل پر چوٹ لگنا

بس کسی وقت کسی بات سے دل پر چوٹ لگنے کی دیر ہوتی ہے اور فوراً مسلمان سچی

توبہ کرتا ہے، کبھی دل ٹوٹ جاتا ہے دنیا والوں سے آس ٹوٹ جاتی ہے۔ یا دنیا کی طرف سے آلام اور پریشانیاں ختم نہیں ہو پاتیں اور جب کوئی پالن ہار نظر نہیں آتا تو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور یوں سچی توبہ کا راستہ کھل جاتا ہے۔

## ۵......توبہ کرنے والوں کے واقعات پڑھنا سننا

اسی طرح زمانہ سابقہ میں یا موجودہ دور میں جب سچی توبہ کرنے والوں کے واقعات سنتا اور پڑھتا ہے تو سچی توبہ کرنے پر بہت ہی زیادہ ترغیب ہوتی ہے۔

# چھٹا باب

# توبہ سے متعلق کچھ مفید مضامین

## مضمون نمبر......۱

## توبہ کے آداب وشرائط

توبہ کے لئے یہی کافی نہیں کہ زبان سے کہہ دیا ''معافی'' تو معافی ہوگئی بلکہ توبہ قبولیت کے لئے درج ذیل آداب وشرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱)......سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنے کئے ہوئے گناہوں پر نادم ہو، پشیمان ہو۔ ''ان یَّندَمَ علیھا'' اسے واقعی شرمندگی ہو کہ میں نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کر کے بہت برا کیا ہے۔ مجھ سے زیادہ نمک حرام اور ناشکرا کون ہے؟...... مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

(۲)......جن گناہوں سے توبہ کر رہا ہے، انہیں فی الفور چھوڑ دے۔ اگر ابھی تک معصیت میں گرفتار ہے تو پھر توبہ کس بات کی؟...... گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۳)......دل میں آئندہ سے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ آئندہ میں اس گناہ کے پاس بھی نہیں پھٹکوں گا۔

توبہ کی شرائط پوری کرنے کی بعد درج ذیل کام کرنے ضروری ہیں۔

## (۱) حقوق العباد کی معافی

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ: جو حقوق العباد ہوتے ہیں، وہ فقط زبان کی توبہ سے معاف نہیں ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرما دیتے ہیں۔ لیکن بندوں کے حقوق بندوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ جس پر ظلم کیا تھا، اس سے معافی مانگے، جو مال چھینا تھا، وہ واپس کر دے۔ کسی کی غیبت کی تھی، اس سے معافی مانگے، یا اگر کوئی بندہ ان میں سے فوت ہو گیا، اور اس نے اس کے ساتھ ظلم کیا تھا، تو اس کی طرف سے صدقہ وخیرات کر دے۔ تاکہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حق والے کو دے دیں۔ اور اسے معاف فرما دیں۔ تو حقوق العباد کی معافی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہیں کہ بس جی ہم حج پر چلے گئے، اور واپسی پر ہر چیز ہو گئی...... چاہے جاتے اور آتے ہم جو مرضی کرتے پھریں۔

## (۲) دل کو منفی جذبات سے خالی کرے

پھر دوسرا کام یہ کرے کہ وہ اپنے دل کو حسد اور کینہ سے خالی کرے، کیونکہ جب گناہ سے توبہ کر رہا ہو اور سینہ کینے سے بھرا ہوا ہو تو وہ توبہ بھلا کیا فائدہ دے گی۔ لہٰذا اس کے دل میں مومن کے بارے میں انتقام، نفرت اور دشمنی نہ رہے، وہ سب کو اللہ کے لئے معاف کر دے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو آتے دیکھا تو فرمایا کہ وہ جنتی آ رہا ہے، سننے والے بہت حیران ہوئے۔ حتیٰ کہ ایک صاحب کے دل میں خیال آیا کہ میں پتہ تو کروں کہ اس کا کون سا خاص عمل ہے کہ اس کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ اسے کہنے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تین دن آپ کے گھر مہمان بنوں۔ انہوں نے کہا: جی ضرور تشریف لائیے۔ وہ ان کے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے تین دن تک اس کو دیکھا، مگر ان کو کوئی خاص عمل نظر نہ آیا۔ جس طرح باقی لوگ تہجد اور دیگر نوافل پڑھتے تھے اسی طرح وہ بھی پڑھتے۔ ان کی کوئی انوکھی بات نظر نہ آئی۔ تین دن کے بعد

انہوں نے پوچھا، بھئی! میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے آپ کے بارے میں یہ الفاظ سنے تھے اور اسی لئے میں آپ کے ہاں مہمان بنا، کہ مجھے آپ کے اندر وہ خاص عمل نظر آئے جس کی وجہ سے آپ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن مجھے تو آپ میں کوئی ایسا عمل نظر نہیں آیا، اگر کوئی ہے تو آپ خود ہی بتا دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا اور تو کوئی خاص عمل نہیں ہے البتہ یہ ہے کہ جب میں رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹتا ہوں تو میں اپنے دل میں ایمان والوں کے بارے میں پائے جانے والے غصہ اور کینہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے ختم کر دیتا ہوں۔

## (۳) فساق وفجار سے علیحدگی اختیار کرے

اس کے بعد تیسرا کام یہ کرے کہ وہ فاسق وفاجر لوگوں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو جائے۔ ہم روزانہ وتر میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں:

﴿ونخلع ونترک من یفجرک﴾

''اور (اے پروردگار) ہم جدا ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں ہر اس بندے کو جو فاسق وفاجر ہے۔''

ہم روزانہ رات کو عشاء کے وقت کھڑے ہو کر نماز میں اللہ تعالیٰ سے ہاتھ باندھ کر وعدہ کرتے ہیں، اور دن پھر انہی لوگوں کے ساتھ گزار رہے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب اس سے کوئی تعلق ہی نہیں رہے گا چاہے رشتہ داری ہی ہو، نہیں، بلکہ اس کے ساتھ دوستی ختم کر دے۔ لین دین کا معاملہ تو ہر ایک کے ساتھ کرنا ہی ہوتا ہے، وہ تو کافروں کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ مگر ایک ہوتا ہے دوستی کا تعلق، قلب کا تعلق، وہ توڑ لے۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اب اس کو سلام بھی کبھی نہیں کرنا، نہیں بلکہ جو اصول شریعت نے بنا دیئے ہیں ان کی حدود میں رہیں اور دل کی محبت کا جو تعلق تھا اس کو ختم کر لیں اور پرہیزگار لوگوں سے دوستی رکھیں۔ اگر پھر بھی بدکار لوگوں کے ساتھ صحبت رہے گی تو پھر توبہ قبول نہیں ہوگی

اور وہ لوگ پھر گناہ میں ملوث کردیں گے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی گندی نالی میں پڑا ہو تو اس کے اوپر وہی پانی ڈالنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کو نالی سے نکال کر پاک پانی میں ڈالیں تو پھر وہ صاف ہوگا۔ اسی طرح سے ہم اگر اپنے دل کو پاک کرنا چاہتے ہیں تو فاسق وفاجر لوگوں کی گندی نالی سے اپنے آپ کو بچانا پڑے گا۔ پھر اس پر اللہ کے ذکر کے چند قطرے پڑ جائیں گے تو یہ دل پاک اور صاف ہو جائے گا۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے قول کا پاس کریں جو ہم روزانہ اپنے پروردگار کے سامنے کہہ رہے ہوتے ہیں۔

## (۴) مکافاتِ عمل

جب انسان گناہوں سے معافی مانگ لے تو ایک کام اور کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ ان گناہوں کی مکافات کرے۔ یعنی جو گناہ کر بیٹھا تھا اب اس کی کمی کو پورا کرے۔ اس کے بدلے نیک اعمال کرے۔ مثال کے طور پر اگر یہ آدمی غیرمحرم پر نظر ڈالتا تھا اور سچی پکی توبہ کر چکا ہے تو اب وہ قرآن پر نظر ڈالے تاکہ وہ نگاہ جو غلط استعمال ہوتی تھی اب وہ نگاہ ٹھیک جگہ پر استعمال ہو رہی ہو۔ ماں باپ کے چہرے کو دیکھے تو محبت وعقیدت کے ساتھ دیکھے تاکہ غیرمحرم کی طرف دیکھنے کی نحوست ختم ہو جائے۔ اسی طرح اگر فرض کریں کہ کسی وقت مسجد میں جب (ناپاکی) کی حالت میں داخل ہو گیا تھا تو اب توبہ بھی کرے اور اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بھی بیٹھے تاکہ وہ جو ناپاکی کی حالت میں داخل ہوا تھا اب اس کمی کو زیادہ عبادت کے ذریعے پورا کرے۔ یا فرض کریں کہ ایک آدمی شراب سے توبہ کر لیتا ہے تو اسے چاہئے کہ اب پیاسوں کو پانی پلایا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیں۔ غرضیکہ جو گناہ کیا کرتا تھا اس کے مناسب کوئی اور کام زیادہ کرے تاکہ اس گناہ کا وبال اور ظلمت بالکل ختم ہو جائے۔ اگر اس نے مسلمانوں کو تنگ کیا تھا اور توبہ کر لی تو اب ان مسلمانوں پر احسان کرے۔ اس صورت میں یہ توبہ توبہ کہلائے گی۔ یہ نہیں کہ زبان سے تو

توبہ کرلی اور عمل میں کوئی تبدیلی بھی نہ آئی۔ اگر نمازیں اور روزے قضا کئے تو ایک تو ان کو ادا کرے اور جب ادا کر لئے اور صاحب ترتیب بن جائے تو پھر نوافل کی کثرت کرے اور دعا کرے کہ یا اللہ وقت پر عبادت نہیں کی اب میں نفلی عبادات بھی کر رہا ہوں کیونکہ میں توبہ تائب ہو چکا ہوں۔ جب انسان ان گناہوں کے مقابلے میں نیکیوں کی کوشش کرتا ہے تو پروردگار پھر اس کی توبہ سے خوش ہو کر اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

جب بندہ توبۂ نصوح کر لیتا ہے، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی چار کام کر دیتے ہیں:......

(۱)......اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

﴿التائب حبیب اللہ﴾

''گناہوں سے توبہ کرنے والا اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔''

(۲)......اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو اس طرح مٹاتے ہیں کہ جیسے اس نے کبھی گناہ کئے ہی نہیں تھے۔

﴿التائب من الذنب کمن لاذنب لهٗ﴾

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے، کہ جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔''

چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کر لیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اس کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو آئندہ شیطان کے فریب اور ہتھکنڈوں سے بچا لیتے ہیں۔

﴿ان عبادی لیس لک علیهم سلطٰنٌ﴾ (سورۃ الحجر: ۴۲)

''اے مردود! جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی بس نہیں چل سکتا۔''

اس کا کیا مطلب؟...... کیا وہ فرشتہ بن گیا؟...... کیا اس سے کوئی گناہ صادر ہی نہیں ہوسکتا؟...... نہیں، نہیں...... اس کا مطلب یہ ہے کہ اب بھی اس سے کوئی ایسا گناہ تو ہوسکتا ہے، کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گر جائے، یا اسے اللہ کے دربار سے دھتکار دیا جائے۔ لیکن اگر اس سے کوئی چھوٹی موٹی خطا ہو بھی گئی، تو وہ فوراً اس سے توبہ کر کے معافی مانگ لے گا۔

(۴)...... ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ اس کی موت سے پہلے فرشتوں کو بھیج کر اس کے اچھے انجام کی خوشخبری سنا دیتے ہیں۔

﴿تتنزل عليهم الملئكة، الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون﴾ (حٰم السجدہ: ۳۰)

''ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا۔''

اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمادے۔

محترم قارئین! توبہ کرتے رہئے کرتے رہئے۔ حتیٰ کہ اتنی بار توبہ کیجئے کہ شیطان تھک جائے اور کہے کہ یہ کیسا بندہ ہے کہ میں بار بار محنت کر کے گناہ کرواتا ہوں اور یہ توبہ کر کے سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ انسان اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرے۔

# مضمون نمبر ......۲

## استغفار کا مطلب اور معنی

استغفار کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا، بخشش مانگنا، اللہ تعالیٰ غفار ہے اور بندہ گناہ گار ہے، اس دنیا میں انبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، انبیاء کرام کے علاوہ ہر کسی سے گناہ ہوسکتا ہے، اس لئے کریم ورحیم رب نے ہر شخص کے لئے موت کی علامات ظاہر ہونے تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے، وہ ایک بات نہیں بلکہ بار بار معاف کرتا ہے، اگر بندہ سو بار بھی توبہ توڑ کر نادم اور شرمندہ ہوکر اس کے دروازے پر آجائے تو بھی وہ معاف کردیتا ہے، اس کی رحمت کا دروازہ صرف مسجد میں نہیں کھلتا بلکہ ہر جگہ کھلتا ہے، صحراء ہو یا آبادی، دن ہو یا رات، جہاں کہیں اور جس وقت بھی مغفرت کا کوئی سچا طلبگار روتے ہوئے اپنے گناہ آلود ہاتھ اٹھاتا ہے وہیں اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہے، اپنی کتابِ مبین میں نہ جانے کتنی بار اس نے مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا ہے، نامعلوم کتنی ہی آیات ہیں جن کا اختتام اس کی صفات میں سے ''غفور رحیم'' پر ہوا ہے، اس نے براہِ راست اپنے گناہ گار بندوں کو خطاب فرما کر یہ یقین دلایا ہے کہ تم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ سہی، تمہیں کسی حال میں بھی میری رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، سورۂ زمر میں ہے:

''آپ فرمادیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر (گناہوں کی صورت میں) زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بے شک اللہ سارے گناہوں کو معاف کردیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔''

ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ سورۂ مائدہ میں بندوں کو توبہ اور استغفار کی اس نے کیسے دعوت دی ہے ''وہ کیوں اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت طلب نہیں کرتے، اور

اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔''

سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے جن کا وعدہ حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کی صورت میں اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ وعدہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کیونکہ اللہ کے نبی اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے، ارشاد ہوتا ہے:

''اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔''

سورۂ نوح کی انہی آیات کی بناء پر بعض حضرات استغفار کو سارے مصائب پریشانیوں مشکلات اور بیماریوں کا علاج بتاتے ہیں خواہ فقر و فاقہ اور اولاد سے محرومی ہی کیوں نہ ہو خود نبی کریم ﷺ نے بھی استغفار کو تمام مشکلات کا حل بتلایا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص استغفار کو لازمی پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا کوئی راستہ اور ہر غم اور پریشانی سے بچاؤ کی صورت نکالتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کے ملنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔''

ایک حدیث میں عجیب انداز میں رسول اللہ ﷺ نے استغفار کی تلقین کی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر دیتا، اور ایسے لوگوں کو لے آتا جو گناہ کرتے، پھر اللہ سے معافی مانگتے چنانچہ انہیں معاف کر دیا جاتا۔''

معاذ اللہ! اس حدیث کا مقصد انسانوں کو گناہ کی ترغیب دینا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس دنیائے رنگ و بو اور جہانِ لذت و شہوت میں ہر کسی سے گناہ ہو سکتا ہے،

جس سے گناہ ہوجائے اسے چاہئے کہ وہ مایوس نہ بیٹھ جائے بلکہ توبہ اور استغفار کے ذریعے اس گناہ کی نجاست سے اپنے آپ کو پاک کرلے۔

یہاں یہ بات بھی یادرکھنے کی ہے کہ: استغفار کے لئے گناہ کا ارتکاب ضروری نہیں ہے، بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ یونہی استغفار کرتا رہے۔ دیکھا جائے تو ہمیں عبادت پر بھی استغفار کرنا چاہئے، کیونکہ ہم سے عبادت کا حق ادانہیں ہوتا، نماز ہی کو لے لیجئے، کتنے لوگ ہیں، جو نماز کے سارے ارکان وواجبات اور خشوع وخضوع کا اہتمام کرتے ہوئے نماز پڑھتے ہیں؟...... بھری مسجد میں کوئی ایک نمازی بھی ایسا نظر آجائے تو غنیمت محسوس ہوتا ہے۔ جبکہ ہمیں اس کے صرف ظاہری ارکان دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے باطن کا حال اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ معصوم اور اللہ کا زیادہ مقرب کون ہوسکتا ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے ایک ہی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سومرتبہ یہ کلمات کہتے ہوئے سنا:

﴿رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم.﴾

''میرے پروردگار! مجھے معاف فرمادے، میری توبہ قبول فرما، یقیناً تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد مہربان ہے۔''

استغفار میں دنیا وآخرت کے بے شمار فوائد پوشیدہ ہیں۔ اگر ہمیں فوائد معلوم ہوجائیں تو ہم میں سے کوئی بھی استغفار سے محروم نہ رہے ہم ذیل کی سطور میں ان میں سے چند فوائد بیان کرتے ہیں:۔

(۱)...... استغفار کرنے والوں پر موسلادھار بارش برستی ہے۔

(۲)...... استغفار کرنے والوں کے اموال اور اولاد میں برکت ہوتی ہے۔

(۳)...... استغفار کرنے سے وہ وحشت ختم ہوجاتی ہے جو بندے اور اللہ کے

درمیان ہوتی ہے۔

(۴)......ایسے شخص سے جن اور انسانی شیاطین دور رہتے ہیں۔

(۵)......اسے ایمان اور عبادت وطاعت کی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

(۶)......صاحبِ استغفار کو اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

(۷)......اس کے دل میں دنیا بہت حقیر اور ذلیل ہو جاتی ہے۔

(۸)......عقل اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۹)......اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔

(۱۰)......جب اس کا انتقال ہوتا ہے فرشتے رب تعالیٰ کی طرف سے اس کا بشارت کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔

(۱۱)......قیامت کے دن جب لوگ گرمی اور پسینے میں ہوں گے، صاحبِ استغفار عرش کے سائے تلے ہوگا۔

(۱۲)......جب لوگ حشر سے واپس پلٹیں گے تو یہ خوش نصیب اللہ کے اولیاء اور متقین کے ساتھ ہوگا۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ از خواتین الاسلام)

## مضمون نمبر......۳

## توبہ کا معنی اوراہمیت

''توبہ'' عربی زبان کا (مونث) لفظ ہے اس کے ایک معنی تو رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان سے جو غلطی سرزد ہوئی ہو وہ اس پر نادم ہو اور جس برائی کا وہ مرتکب ہوا ہے یا ہوتا رہا ہے اس سے باز آجائے اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کا عہد کرے گناہ کا ارتکاب کرنے والے کسی بندے مسلمان کے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی یا سرکشی سے باز آ گیا اور طریق بندگی کی طرف پلٹ گیا جب اللہ جل شانہ اپنے آپ کو توّاب کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شرمسار بندے پر رحمت کی نظر کرنے والا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے توبہ کن لوگوں کی قبول ہوتی ہے اور کن لوگوں کی نہیں ہوتی ؟اس کا جواب **سورۃ النساء** میں یوں دیا گیا ہے:

ترجمہ: یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برافعل کر بیٹھتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور ساری باتوں کی خبر رکھنے والا حکیم ودانا ہے مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے توبہ کی اور اسی طرح توبہ کرنے کے لئے بھی نہیں مرتے دم تک کافر رہیں۔ (آیت ۱۷۔۱۸)

اسی طرح سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا ہے:

جب تمھارے پاس وہ لوگ آئیں جو آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر

سلامتی ہو تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہا اگر تم میں کوئی نادانی سے کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔ (آیت ۵۴)

ان ارشاد ربانی سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ صرف اہل ایمان کی قبول ہوتی ہے اور صرف اُن اہل ایمان کی جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب ان کی آنکھوں سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہوکر توبہ کرلیتے ہیں ایسے بندے جب بھی اپنے قصور پر نادم ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے اس کا دروازہ کھلا پائیں گے مگر ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو اللہ کے خوف سے بے نیاز ہوکر تمام عمر گناہ پر گناہ کئے چلے جائیں اور پھر جب موت سر پر آ کھڑی ہو اس وقت اللہ سے معافی مانگنے لگیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ بندے کی توبہ بد اسی وقت قبول کرتا ہے جب تک آثار موت شروع نہ ہو جائیں اس ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق موت کے وقت انسان کے امتحان یا آزمائش کی مہلت پوری ہوجاتی ہے چونکہ وہ امتحان میں پورا نہیں اترتا اس لئے اس کی توبہ کا وقت بھی گزر گیا اسی طرح جب کوئی شخص دولت ایمان سے محروم رہا اور کفر کی حالت میں مرا موت کے وقت اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ اگر کوئی مسلمان توبہ کرتا ہے تو اس توبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ توبہ کرنے والے سے جو گناہ پہلے سرزد ہو چکے ہوں وہ ان کی تلافی کرنے کی پوری کوشش کرے اور جہاں تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اللہ سے بار بار معافی مانگے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر کے اس داغ کو دھوتا رہے جو اس کے دامن پر لگ چکا ہے لیکن کوئی توبہ اس وقت تک سچی توبہ نہیں ہوتی جب تک کہ یہ اللہ اور صرف اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے نہ ہو کسی دوسری وجہ یا غرض یا مجبوری کی بناء پر کسی برے فعل کو چھوڑ دینا توبہ کی تعریف ہی میں نہیں آتا سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

واستغفرُ وا ربکم ثُم تو بُوا لیه ، انَ ربَی رحیم وَدُ و د :

(آیت:۹۰)

یعنی اپنے رب سے معافی مانگواوراس کی طرف پلٹ آو، بے شک میرا رب رحیم ہےاوراپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اپنے بندوں کا توبہ کرنا بہت محبوب ہے وہ بڑا رحم کرنے والا ہےاوراپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے بے پناہ محبت رکھتا ہے یہی بات رسول اللہ ﷺ نے یہ مثال دے کر واضح فرمائی کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک لق ودق صحرا میں گم ہو گیا ہواوراس کے کھانے پینے کا سامان بھی اونٹ پر لدا ہوا اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے ناامید ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو اور عین اس حالت میں وہ یکا یک دیکھے کہ اس کا اونٹ اس کے سامنے کھڑا ہے تو اس وقت جیسی خوشی اس کو ہوگی اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے توبہ کرنے سے ہوگی ایک اور حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں کچھ قیدی گرفتار ہو کر آئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ بچھڑ گیا تھا وہ ماما کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پا لیتی اسے چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی، نبی ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں سے آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے کہا ہرگز نہیں خود پھینکنا تو کجا اگر بچہ خود گرتا ہو تو وہ اپنی حد تک اسے بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لئے رکھتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی ہے کہ اس کے بندے بار بار گناہ کرتے ہیں اور بار بار توبہ کرتے ہیں لیکن وہ اس کی لغزشوں سے ہر بار درگزر کر کے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اس کو اپنی مخلوق سے بے انتہا محبت ہے اور اس کی رحمت کی بھی کوئی حد نہیں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت

اس قدر وسیع ہے کہ اس کو احاطہ بیاں میں لانا ناممکن ہے اسی لئے اس ذات رحیم وکریم نے ارشاد فرمایا ہے:

لا تقنطوا من رّحمة الله انّ الله يغفرُ الذّنوب جميعاً ، انّهُ هو الغفوُر الرّحيم ، (الزُمر آیت:۵۳)

یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ تو غفورُ الرّحیم ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ صرف اہل ایمان کی توبہ قبول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کفر وشرک سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی عہد رسالت میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں نہایت گھناؤنے جرائم (ڈاکا زنی، دختر کشی، قتل وغارت وغیرہ) کے مرتکب ہوئے تھے انھوں نے جب اسلام قبول کیا رحمت عالم ﷺ نے ان کو کھلے لفظوں میں بشارت دی کہ اسلام سے پہلے کہ ان کے تمام گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے گویا رحمت الٰہی کی وسعت ان لوگوں پر بھی محیط ہے جو کفر وشرک ترک کر کے دین حق قبول کرتے ہیں دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچنے اور ان سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(بحوالہ صالحین کی توبہ)

## مضمون نمبر......۴

## توبہ سے پہلے ایمان کامل کا ہونا از حد ضروری ہے

بزرگان دین میں سے بعض تو بچپن ہی سے تائب ہو گئے جو صالح تربیت کا نتیجہ تھا۔ جوان کے والدین نے کی۔ بعض اولیاء اکرام نے جوانی میں توبہ کی اور بعض نے جوانی کے بعد توبہ کی۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ جو کوئی جتنی جلدی توبہ کرے گا اور گناہ کو ترک کر کے اللہ کی اطاعت کی طرف راغب ہو گا اتنا جلدی ہی منزل کو پائے گا۔ اس کے لئے منزل کا حصول قدر آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مختلف مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ان مقامات کو عبور کرنے کے لئے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔ جسے کیفیت یا حال کہا جاتا ہے اور اس کی اصل بنیاد توبہ ہے اور جس سے حال قائم رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ ہی تو وہ ابتداء ہے جس سے روحانی مقامات کا آغاز ہوتا ہے اور توبہ ہی وہ بنیاد ہے جس کی بناء پر اللہ کے خاص بندے ولایت اور روحانیت کے درجات طے کرتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پاتے ہیں۔

توبہ سے پہلے ایمان کامل کا ہونا از حد ضروری ہے۔ ایمان کامل انسانی ضمیر کو زندہ رکھتا ہے۔ انسان جب برائیوں کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو سب سے پہلے اس کا ضمیر اس کی ملامت کرتا ہے کہ وہ برائی اور گناہ کیوں کرنے لگا ہے اور ایسے ضمیر کو ملامت کرنے والا ضمیر کہتے ہیں۔ ضمیر کی یہ کیفیت کسی نیک بزرگ کی صحبت میں بیٹھنے کے بہت جلد پیدا ہوتی ہے یا نیک والدین یا رزق حلال کھانے والے والدین کی دعاؤں سے فطری طور پر اولاد میں موجود ہوتی ہے یا قدرتی طور پر ایسا ماحول مل جائے جس کے زیر اثر انسان نیکی کی طرف راغب ہو جائے تو جب برائی کرنے پر انسان کا ضمیر انسان کو ملامت کرنے لگتا ہے تو اس کا

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان غمگین رہنے لگتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس سے برائی اور گناہ کیوں سرزد ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو طلب حق کا احساس بیدار ہوتا ہے اور وہ بیداری انسان کو اللہ کی طرف لیجانا چاہتی ہے اور یہی بیداری انسان کو نیکی کے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جب بھی کوئی غافل غفلت کی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو یہی بیداری اسے راہ ہدایت کی تلاش کی طرف ڈال دیتی ہے۔ اور جب تلاش کی طرف آتا ہے تو اللہ کے راستے کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس راستے پر گامزن ہونے کے لئے توبہ کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ کیونکہ توبہ کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ منزل حق کا راستہ نصیب ہو اور بیدار انسان ہی راہ توبہ کے آغاز میں پہنچتا ہے۔

بیداری مرد مومن کے دل میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے جو انسان کو توبہ کا راستہ بتاتی ہے۔ توبہ کر لینے کے بعد توبہ پر قائم رہنا بہت ضرور ہے چنانچہ توبہ کی برقراری کے لئے نفس کا محاسبہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب تک نفس کا محاسبہ نہ کیا جائے گا اس وقت تک استقامت توبہ نصیت نہیں ہوتی۔ انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس دن سے قبل اپنے اعمال کا محاسبہ خود کر لینا چاہئے جس دن اللہ کے حضور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اس وقت انسان بالکل بے بس ہوگا۔

اسلامی عبادات نماز، روزہ حج، زکوٰۃ، کی انجام دہی سے انسانی اعمال کا محاسبہ ہوتا ہے۔ اور جوں جوں انسان عبادت کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اسے استقامت توبہ نصیب ہوتی ہے اور یہ عبادات انسان کو نفسانی خواہشات اور دنیا کی غلامی سے بچانے کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اعمال کے محاسبے کے بعد اعمال کی نگرانی کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ اعمال کی نگرانی توبہ میں استقامت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ بزرگان دین نے فرمایا کہ جو اللہ کا بندہ اپنی نگرانی پر سخت نگاہ رکھتا ہو اس کی ولایت قائم رہتی ہے۔ کیونکہ ظاہری اعمال کے محاسبہ اور مراقبہ کے ذریعہ باطن کی پاکیزگی دو ایسی چیزیں ہیں جن سے توبہ قائم رہتی ہے۔

حضرت شیخ عمر فرماتے ہیں کہ مراقبہ علم قیامت ہے اور اسی کے ذریعے علم حال کی تکمیل ہوئی اور اس کی کمی بیشی کا علم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا معیار معلوم کرے۔ یہ تمام چیزیں صحیح توبہ کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ تصور عزائم کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور عزائم اعمال کا پیشہ خیمہ ہوتے ہیں۔ تصورات سے قلب کے ارادہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ چنانچہ قلب اعضاء وجوارح کا حاکم ہے۔ اس لئے جب تک قلب کوئی ارادہ نہ کرے اس وقت تک اعضاء حرکت میں نہیں آتے۔ لہٰذا مراقبہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ برے تصورات کے مواد کا قلع قمع ہوتا ہے۔ مراقبہ کی تکمیل سے توبہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور جو تصورات کو ضبط کرلے وہ اعضاء وجوارح کی ضروریات کو فراہم کرلیتا ہے۔ بہر حال مراقبہ کذ ذریعے قلب سے برے ارادوں کی جڑوں کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد مراقبہ سے جو بات چھوٹ جائے اس کی تلافی محاسبہ کرلیتا ہے۔

صالحین کو صحیح توبہ کرنے کے بعد اللہ کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ توبہ کے بعد اگر توجہ کو اللہ کی طرف سے ہٹا کر اگر دنیا کی طرف لگایا جائے تو روحانی منازل رک جائیں گی۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ سے توجہ ہٹانے سے وہ مقام جو اسے توبہ کے ذریعے حاصل ہوا ہو وہ بھی ضائع ہوجائے۔ سچی اور صحیح توبہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اعمال کے نقائص کو دور کیا جائے گا اور نقائص کو دور کرنے کے لئے سچے دل سے مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ غربت فقر وفاقہ، تکالیف، رنج والم اور صدمات میں صبر کرنا چاہئے۔ لیکن صبر خدا کے لئے اور اس کے راستے میں ہونا چاہئے۔ حقیقی صبر میں تنگی محسوس نہیں کرنی چاہئے اور حقیقی صبر توبہ پر قائم رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

صبر انسانی نفس کو مطمئن کرتا ہے اور سکون قلب کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے اور تزکیہ نفس توبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ سچی توبہ سے نفس پاک ہوجاتا ہے اور نفس میں نرمی عاجزی اور انکساری پیدا ہوجاتی ہے اور عاجزی انسان کو رضا کے مقام تک لے جاتی ہے اور رضائے الٰہی کا حصول ہی ولایت کی انتہائی ہے۔ اس لئے اللہ کی رضا کا حاصل ہونا

سچی توبہ کا پھل ہے۔

توبہ کرنے والا اپنے اعضاء کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاتا ہے۔ کیونکہ انسان کے جسم کے تمام اعضاء اللہ کی نعمت ہیں۔ انہیں گناہوں سے بچا کر خدا کی اطاعت میں مصروف رکھنا اصل شکر گزاری ہے۔ لہٰذا سچی توبہ سے بڑھ کر اور کونسی شکر گزاری ہو سکتی ہے۔

القصہ خلاصہ یہ نکلا کہ ولایت کے حصول اور پھر ولایت میں مقام بندگی تک پہنچنے کے جتنے بھی مدارج طے کرنے پڑتے ہیں ان سب میں سچی توبہ پر قائم رہنا ضروری ہے۔ اور آخر کار انسان توبہ واستغفار کی معاونت اور مدد سے اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اولین دور کے صوفیا اور بزرگان دین نے توبہ پر قائم رہنے پر بہت زور دیا ہے اور توبہ ہی کو کامیابی کے زینے کی کنجی قرار دیا ہے۔

## مضمون نمبر......۵

# مومنین کو توبۃ النصوح کرنے کا حکم خداوندی

تو بو االی اللہ تو بۃ نصوحا ''اللہ کی طرف سچی توبہ کرو۔''

مومنین کو توبۃ النصوح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نصوح، خلوص اور سچائی کی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ توبۃ النصوح کے بارے میں حضرت کعب سے ایک حدیث مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے توبۃ النصوح کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر استغفار کر اور پھر آئندہ اس فعل کا کبھی ارتکاب نہ کر۔ حضرت عمرؓ نے توبۃ النصوح کے بارے میں بیان کیا کہ توبۃ النصوح کے بعد آدمی گناہ کا اعادہ تو درکنار بلکہ اس کے ارتکاب کا ارادہ بھی نہ کرے۔

سچی توبہ کے بارے میں حضرت علیؓ نے ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ استغفار کے الفاظ دہراتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ جھوٹی توبہ ہے۔ اس نے پوچھا پھر سچی توبہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے چھ چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) جو کچھ ہو چکا اس پر نادم ہو۔

(۲) اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو ان کو ادا کرو۔

(۳) جس کا حق مارا ہو اس کو ادا کرو۔

(۴) جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگو۔

(۵) آئندہ اعادہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلو۔

(۶) اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں اتنا محو کردو جس طرح کہ تم اب تک اسے معصیت کا

خوگر بنائے رکھا ہے اور اس کو اطاعت کی تلخی کا مزا چکھاؤ جس طرح اب تک تم اسے معصیتوں کی حلاوت کا مزا چکھاتے رہے ہو۔

سچی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے گناہوں پر معافی طلب کر کے اپنے روح اور جسم کو گناہوں سے پاک کرے اور سچی توبہ کی اصل بنیاد اپنے کئے پر پشیمانی ہے جو احکامات الٰہیہ کے خلاف عمل کرنے پر ہوتی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پشیمانی اور ندامت توبہ ہے۔ پشیمانی اور ندامت اس وقت دل میں پیدا ہوتی ہے جب انسان کا ضمیر بیدار ہوتا ہے اور احساس پیدا ہوتا ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیاں گناہوں کی بناء پر ایک پردہ حائل ہو گیا ہے اور محبوب حقیقی گناہوں کی بنا پر خفا ہو گیا تو اس وقت دل میں ایک خاص دکھ کی لہر اُٹھتی ہے۔ بندہ غمزدہ ہوتا ہے۔ حزن وملال بڑھتا ہے۔ حسرت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی خوف اور ملال انسان کو گریہ تک لے جاتا ہے۔ گریہ وزاری سے ایسی رقت پیدا ہوتی ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان حجاب کو کھول دیتی ہے اور بندہ پختہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ پھر ایسا فعل نہیں کرے گا جو بندے کو محبوب حقیقی سے جدا کر دے۔

حضرت ابوبکر واسطی توبۃ النصوح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ گنہار پر گناہ کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ جس کی توبہ خالص ہوتی ہے وہ پرواہ نہیں کرتا کہ کس طرح شام ہوتی ہے اور کس طرح صبح ہوتی ہے اور پشیمانی پختہ ارادہ پیدا کر دیتی ہے۔

سچی توبہ کے بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کی بنیاد پشیمانی پر ہوتی ہے اور توبہ کا نتیجہ وہ ارادت ہوتی ہے جو تائب کی طرف سے ظاہر ہوتی ہے۔ پشیمانی یہ ہوتی ہے کہ تائب ہمیشہ پُر درد اور پُر حسرت نظر آتا ہے۔ اس کا کام ہی گریہ وزاری اور آہ وفغاں ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو ہلاکت کے طوفان میں مبتلا پائے اور اسے معلوم ہو کہ اب مرا تو وہ حسرت اور پشیمانی سے کیسے خالی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کا بچہ بیمار پڑا ہو اور طبیب یہ کہہ دے کہ بیماری خطرناک ہے اور جان کو خطرہ ہے تو خیال کیجئے کہ اس کے والدین کے دل پر کیا

گزرے گی۔ رنج وغم کس طرح ان کے لئے ناقابل برداشت ہوجائے گا۔ اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ماں باپ کو اولاد جان سے پیاری ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ باپ کو اپنی جان عزیز تر ہے اور اس کے طبیب خدا ور رسول ﷺ اس دنیاوی طبیب سے بھی زیادہ صادق ہیں جب وہ اسے کہیں کہ آخرت کی ہلاکت موت کے خطرے سے بھی زیادہ زبردست اور عظیم ہے اور زیادہ گناہ حق تعالیٰ کے زیادہ غصے کے باعث ہونگے۔ یہاں تک کہ بیماری سے موت کا خطرہ اتنا یقینی نہیں ہوگا جتنا کہ گناہ سے ہلاکت کا ہوتا ہے اگر یہ حقیقت بھی اس کے دل میں خوف وحسرت نہ پیدا کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گناہ کی آفت اور ہلاکت خیزی پر ابھی وہ دل سے ایمان نہیں لایا۔ اس ندامت اور پشیمانی کی آگ جس قدر تیز ہوگی اتنی ہی قدر تیز گناہوں کو جلا کر خاکستر کردے گی کہ گناہ کے باعث جو زنگ آدمی کے دل کو لگ جاتا ہے اسے حسرت اور ندامت کی آگ کے علاوہ اور کونسی چیز دور کر سکتی ہے اور اس کے سوا اور کونسی حرارت ہے جو دل کو صاف اور رقیق بنا سکے۔ حدیث شریف کی رو سے تو اہل توبہ کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تو اسی لئے کہ ان کا دل رقت سے بھرپور ہوتا ہے اور آئینہ کی طرح صاف دل جس قدر صاف ہو اتنا ہی گناہوں سے پاک ہوتا ہے، ایسے دل کو گناہ میں حلاوت نہیں بلکہ تلخی محسوس ہوتی ہے۔

بنی اسرائیل کے پیغمبر نے ایک دفعہ حق تعالیٰ سے سفارش کی کہ خدایا فلاں شخص کی توبہ قبول فرمالے۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر آسمان کے تمام فرشتے بھی اس کی سفارش کریں تو بھی اس کی توبہ قبول نہ کروں گا کیونکہ اس کے دل میں ابھی تک گناہ کی حلاوت موجود ہے۔

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ گناہ ہر چند کو مرغوب ہوتا ہے۔ لیکن توبہ کرنے والے کے حق میں اس کی مثال زہریلے شہد جیسی ہے جو یہ ایک بار کھائے گا وہ رنج اور صدمہ اٹھائے گا اور جب دوبارہ اس کا نام نہیں لے گا۔ بلکہ اس کے تصور سے ہی سارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔ اور اس سے محفوظ اور لطف اندوز ہونے کا

خیال اس کے خوف کے نیچے دب کر رہ جائے گا جو اس کے نقصان کے تصور سے پیدا ہوتا ہے اور اس تلخی کا احساس کسی ایک گناہ تک محدود نہیں بلکہ ہر گناہ میں یہی تلخی کارفرما رہے گی۔ کیونکہ وہ گناہ جو اس نے کیا کوئی واحد گناہ تو تھا نہیں کہ حق تعالیٰ کی رضامندی سے خالی تھا کہ یہ حالت تو سبھی گناہوں کی ہوتی ہے۔

توبہ دراصل گناہ نہ کرنے کا ایک میثاق ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ اور سابقہ گناہوں کو چھوڑنے کا وعدہ کرتا ہے اور آئندہ گناہ ترک کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ وعدہ انسان اللہ سے کسی وقت بھی کر سکتا ہے۔ عمر کے کسی بھی حصے میں جس وقت انسان کے دل میں گناہ چھوڑنے کا احساس پیدا ہو جائے تو انسان اللہ سے اپنے کئے ہوئے گناہوں پر معافی مانگنے کے لئے توبہ کی طرف متوجہ ہوگا اور گناہوں سے بچنے کے لئے انسان اللہ سے جو وعدہ کرے گا وہ وعدہ توبہ کہلائے گا۔

میرے خیال کے مطابق توبہ یہ ہے کہ انسان اپنی کی ہوئی خطاؤں پر نادم ہو اور جو برائی وہ کر رہا ہے اسے چھوڑ دے اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور جو برائی وہ کر چکا ہو اس کی تلافی کی کوشش کرے اور اگر تلافی کی کوئی صورت نہ ہو تو اللہ سے معافی مانگے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرے تاکہ وہ اپنی برائی کے داغوں کو دھو ڈالے۔ لیکن توبہ اس وقت تک حقیقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اللہ کی رضا کی خاطر نہ ہو۔ کسی دوسری وجہ سے کسی برے فعل کو ترک کر دینا توبہ نہیں کہلاتا۔

توبہ وہ دروازہ ہے جس میں داخل ہونے سے انسان اللہ کی بارگاہ میں مردود کے بجائے محبوب، دشمن کے بجائے جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ توبہ گناہوں کا ایسا تریاق ہے جو انسان کو اس طرح معصوم اور پاک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ماں کے پیٹ سے اس نے ابھی جنم لیا ہے۔ دنیاوی شاہوں کے درباروں میں صدارت اور وزارت کے ایوانوں میں مکتب اور درس گاہوں میں امراء کے دیوان خانوں میں رؤسا کے رنگ برنگ بازاروں میں دفتری اور کاروباری امور میں اس شخص کو دنیا والے اچھا ہی سمجھ لیتے ہیں جو کوئی خطا کرے لیکن

جلدی ہی احساس ندامت کے تحت وہ اپنے شاہ سے، مالک سے، آقا سے دوست سے ، دوشمن سے اپنی خطا کی معافی کا طلبگار بنے تو اس کا قصور اکثر معاف کر دیا جاتا ہے۔ مگر دنیا والے پھر بھی تنگ نظر ہوتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ خطا معاف نہ کریں مگر بارگاہ رب العزت کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہاں بڑے سے بڑے مجرم کو بھی توبہ سے پناہ مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کرم کی یہ کتنی بے نیازی ہے کہ خواہ کتنا ہی کوئی خطا کار، سیاہ کار، بدکار یا گنہگار ہی کیوں نہ ہو اگر اللہ کے حضور میں مل جائے تو معافی ضرور مل جاتی ہے۔ مگر یہ نادان انسان توبہ کی طرف نہیں لوٹتا۔ حتیٰ کہ موت کا بلاوا آ جاتا ہے۔

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور توبہ کرنے کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں توبہ کا یہ مفہوم ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ترک کر کے اطاعت کی طرف لوٹے اور اطاعت یہ ہے کہ انسان اپنی عملی زندگی میں احکامات الٰہیہ جو ہمارے سامنے شریعت اسلامیہ کی صورت میں موجود ہیں کہ تعمیل کرے اور نافرمانی کو ترک کر دے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**الا من تا ب و امن و عمل عملا صالحا فا ولئک یبدل الله سیاتهم حسنٰت و کا ن الله غفورا رحیما و من تا ب و عمل صالحا فانه یتو بُ الی الله متا با.** (فرقان : ۷۰، ۷۱)

”مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔“ (بحوالہ اللہ سے دوستی)

## مضمون نمبر......٦

# توبۃ النصوح کا معنی اور مطلب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحاً

حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ توبہ نصوح دلی ندامت اور زبان سے استغفار اور ہاتھ پیروں سے اس فعل کے ترک کر دینے اور بار دیگر اس فعل کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لینے کا نام ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جتنا پیاسے کو ٹھنڈے پانی کا پی لینا آسان ہے، اس سے بھی زیادہ توبہ کرنے والے کے نزدیک مرجانا آسان ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جب بندہ گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کے محافظ فرشتوں سے اس کے گناہ فراموش کرا دیتا ہے۔ تاکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے وہ اس حالت میں ملے کہ اس کے گناہ کا کوئی شاہد نہ رہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے خدا کو جس بندہ کا گناہ پر نادم ہونا معلوم ہوتا ہے، اس سے کہ مغفرت مانگے بخش دیتا ہے۔ اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ صحیح الاسناد ہے۔ اگر کہا جائے اللہ تعالیٰ نے موت قیامت اور وقت توبہ کو کیوں مخفی رکھا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے قبول ہونے کا بیان کر دیا ہے۔ اگر اس کا بیان بھی کر دیا جاتا تو لوگ اس وقت تک گناہ میں مبتلا رہتے۔ اس طرح گویا ان کو گناہ کرنے کی ترغیب ہوتی اور یہ جائز نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ کے نزدیک بندہ گنہگار کی آواز سے جو اے رب کہتا ہو زیادہ محبوب کوئی آواز نہیں۔ اللہ اس کے جواب میں فرماتا ہے لبیک اے میرے بندے! اے میرے فرشتو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آدمؑ کی پیدائش کے چار برس پہلے عرش کے گرد یہ لکھا

تھا کہ یقیناً میں بہت بڑا بخشنے والا ہوں۔ اس کو جو توبہ کرے ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر ہدایت پر رہے۔

حضرت سہیلؒ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نیکی کر کے کہتا ہے اے رب! آپ ہی نے مجھے توفیق دی اور آپ ہی نے میری مدد کی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں تو فرماں بردار رہے تو نے قرب حاصل کرلیا۔ اور اگر کہتا ہے میں نے فعل کیا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ہی تو قدرت دی ہے۔ پھر اس سے اعراض کر لیتا ہے اور جب کوئی برا کام کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! آپ ہی نے مقدر کیا تھا تو اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے اور فرماتا ہے تو ہی نے نافرمانی کی ہے اور تو ہی نے برا کیا ہے۔ اور اگر کہتا ہے اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا برا کیا قصور کیا تو ارشاد ہوتا ہے میں نے مقدر کیا تھا اور میں نے حکم کیا اور میں نے بخش دیا اور پردہ پوشی کی۔

ابن ملقنؒ نے کتاب الحدائق میں اور زیادہ بیان کیا ہے کہ بندے نے کہا اے اللہ! آپ ہی نے امر فرمایا آپ ہی نے حکم کیا۔ ہاتف نے آواز دی یہ شرط الوہیت ہے۔ عبودیت کے اعتراف کرنے کی شرط کہاں گئی۔ اس نے کہا اے اللہ میں نے نافرمانی کی میں نے گناہ کیا۔ ہاتف نے آواز دی میں نے بخش دیا۔ میں نے پردہ پوشی کی۔ میں صاحب تقویٰ اور صاحب مغفرت ہوں۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے رب! جب آپ کو کوئی فرمانبردار بلاتا ہے تو آپ اس سے کیا کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا میں کہتا ہوں لبیک۔ پھر انہوں نے پوچھا جب زاہد کہتا ہے تب کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا میں لبیک کہتا ہوں انہوں نے پوچھا جب روزہ دار کہتا ہے تب؟ انہوں نے کہا میں لبیک کہتا ہوں۔ ارشاد ہوا جب گنہگار کہتا ہے تب؟ ارشاد ہوا میں کہتا ہوں لبیک لبیک لبیک! اے موسیٰ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل پر بھروسہ کرتا ہے۔ اور گنہگار میری رحمت پر بھروسہ کرتا ہے اور میں اس بندے کو نامراد نہیں رکھتا جو مجھ پر بھروسہ کرتا ہے کیونکہ میں نے کہا ہے جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے کافی ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بیشک اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! آپ پروردگار باعظمت ہیں۔ اگر آپ چاہتے تو آپ کی بخوبی اطاعت ہوتی اور اگر آپ چاہتے کہ آپ کی نافرمانی نہ کی جائے تو نہ کی جاتی۔ اور آپ اس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ کی اطاعت کی جائے اور باوجود اس کے آپ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ اے رب یہ کیا بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ جو کچھ میں کرتا ہوں مجھ سے اس کی نسبت باز پرس نہیں ہو سکتی اور ان سب سے باز پرس ہوگی۔ اس کو قرطبیؒ نے سورۂ انبیاء کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ پھر سورۂ اقتربت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک قوم کے لوگ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اعمال ہمارے سپرد ہیں اور اجلیں دوسرے کے ہاتھ میں ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ نازل فرمایا جس کا مضمون یہ ہے کہ ''یقیناً ہم نے ہر شے کو ایک انداز پر پیدا کیا ہے تب وہ کہنے لگے اے! حضرت محمد ﷺ اس نے خود ہی ہم پر گناہ مقدر کئے ہیں اور ہم کو عذاب بھی دے گا۔ آپ نے فرمایا تم لوگ خدا سے قیامت میں جھگڑنے والے لوگوں میں سے ہوگے

ابن ماجہ کی روایت ہے خدا تعالیٰ کی تقدیرات کو جھٹلانے والے اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار پڑیں ان کی عیادت مت کرو۔ اگر وہ مر جائیں تو مت جاؤ۔ اگر تم ان سے ملو تو انہیں سلام مت کرو۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تقدیر پر ایمان لانا رنج و غم کو دور کر دیتا ہے اور میں نے سورۂ انعام کی تفسیر رازی میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت دیکھی ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ قدریوں پر ستر نبیوں کی زبان سے لعنت پڑی ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ سے جھگڑا کرنے والے معتزلہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کے ذمہ فرماں بردار کو ثواب عنایت کرنا اور نافرمان کو سزا دینا واجب قرار دیتے ہیں۔ پھر ایک حکایت بیان کی کہ ابوالحسن اشعری ابوعلی جبائی معتزلی کے شاگرد تھے۔ اپنے استاد کو ترک کر دیا اور ان کے مذہب کو بھی خیر باد کہہ دیا بلکہ ان کے مذہب پر اعتراض کیا کرتے

تھے۔اس طرح سے باہم نفرت بہت بڑھ گئی۔الحاصل ابوعلی نے ایک روز وعظ کیا اور ابو الحسن اشعری کنارے پر چھپ کر بیٹھ گئے اور ایک عورت کو سکھایا کہ ابوعلی سے یہ سوال کرے کہ ایک شخص کے تین لڑکے تھے۔ایک صالح، دوسرا فاسق اور تیسرا نابالغ۔پھر سب کے سب مر گئے۔اے واعظ! بتلایئے کہ ان کی کیا حالت ہوگی؟ جواب دیا کہ صالح جنت میں اور فاسق دوزخ میں ہوگا اور نابالغ اہل اسلام میں شامل ہوگا۔اشعری نے کہا اس سے پوچھ اگر نابالغ اپنے صالح بھائی کے پاس جانا چاہے تو جا سکے گا؟ چنانچہ اس نے پوچھا ابوعلی نے جواب نہیں دیا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرا بھائی تو اطاعت کر کے جنت میں گیا ہے۔پھر اشعری نے سکھایا کہ اگر وہ نابالغ کہے کہ اے رب میرا کوئی گناہ نہیں مجھے تو آپ نے قبل بلوغت ہی موت دے دی تھی۔اگر آپ مجھے زندہ رکھتے تو میں بھی اپنے بھائی کی طرح اطاعت بجالاتا۔اس عورت نے پوچھا۔ابوعلی نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نابالغ لڑکے سے فرمائے گا کہ اگر میں تیری نسبت ایسا جانتا تو تجھ کو ضرور زندہ رکھتا لیکن مجھے تو یہ معلوم تھا کہ اگر تو زندہ رہتا تو کفر کرتا اور مستحق نار ہو جاتا۔اس لئے میں نے تیری مصلحت کی رعایت کی۔اشعری نے کہا کہ ان سے پوچھ کہ اس کا فاسق بھائی جہنم سے سر اٹھا کر کہہ اٹھے اے رب! آپ نے میرے چھوٹے بھائی کی مصلحت کی تو رعایت فرمائی اور میری مصلحت کی رعایت نہ کی کہ آپ مجھے بھی صغر سنی میں قبل بلوغ کے موت دے دیتے اور میں دوزخ کا مستحق نہ ہوتا۔ابوعلی سے اس کا جواب نہ بن پڑا پھر حاضرین کی طرف گھور کر دیکھا تو اشعری کو پہچان لیا اور معلوم ہو گیا کہ یہ انہی کے سوالات تھے۔پھر اس کے تھوڑی مدت کے بعد وفات پائی۔امام رازی نے بیان کیا ہے کہ اشعری کے سوالات کا معتزلہ کے پاس کچھ جواب نہیں ہے۔لیکن اہل سنت کہہ سکتے ہیں کہ بندے کی مجال نہیں کہ خدا سے یہ پوچھ سکے۔اے رب! آپ نے ایسا کیوں کیا کیونکہ خدا سب کا مالک ہے اور مالک اپنے ملک میں جو کچھ تصرف کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور بندوں سے جو مملوک ہیں باز پرس ہوگی۔

فائدہ...... میں نے تفسیر نیشا پوری میں حضرت عائشہؓ کی روایت دیکھی ہے انہوں نے بیان کیا کہ جب خدا کو منظور ہوا کہ آدمؑ کی توبہ قبول فرمائے تو آدمؑ نے خانہ کعبہ کا سات بار طواف کیا اور اس وقت وہ ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ ہو رہا تھا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی اور کہنے لگے اے اللہ! آپ میری مخفی اور ظاہری باتوں کو جانتے ہیں۔ میری معذرت قبول فرمالیجئے۔ آپ میری حاجت سے واقف ہیں میری درخواست پوری کیجئے اور جو کچھ میری نفس میں ہے اسے آپ جانتے ہیں۔ میرے گناہوں کو بخش دیجئے۔ اے اللہ! میں آپ سے ایسا ایمان جو میرے دل سے جا ملے اور یقیں صادق مانگتا ہوں تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ سوائے اس چیز کے جو آپ نے میرے لئے لکھ دی ہے کچھ اور مجھے نہ پہنچے گا اور جو کچھ آپ نے میری قسمت میں لکھا ہے اس سے مجھے راضی کر دیجئے۔ خدائے تعالیٰ نے ان کہ پاس وحی بھیجی اے آدم! میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے جو کوئی تمہاری اولاد میں سے میرے پاس تمہاری طرح دعا کرتا ہوا آئے گا میں اس کے گناہ بخش دوں گا اور اس کے غم کو دور کر دوں گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے سے فقر کو علیحدہ کر دوں گا اور دنیا اس کے پاس آئے گی اور وہ نہ چاہتا ہوگا۔ نیشا پوری نے بیان کیا ہے کہ اس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ توبہ بعد زمین پر اتر آنے کے قبول ہوئی اور حالانکہ صحیح یہ ہے کہ توبہ پہلے قبول ہوئی ہے چنانچہ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے قول **قلنا اھبطو منھا جمیعا** میں دوبارہ اترنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے کہ آدم و حوا علیھما السلام نے جب درخت میں سے کھالیا تو خدائے تعالیٰ کا دونوں سے ارشاد ہوا **اھبطوا بعضکم لبعض عدو** جب دونوں نے توبہ کی تو ان کے دل میں آیا کہ اتر جانے کا حکم توبہ سے اٹھ گیا ان دونوں کو ارشاد ہوا اتر جاؤ تا کہ وہ جان لیں کہ خدا کا وہ حکم باقی ہے اور نیز اس لئے کہ وہ وعدہ پورا ہو جو خدائے تعالیٰ نے اپنے قول **انی جاعل فی الارض خلیفة** میں کیا ہے۔

فائدہ...... مومن سے گناہ اس لئے سرزد ہوتا ہے کہ اس کی روح کافر کی روح کے قریب پشت آدم علیہ السلام میں رہی ہے۔ اسی طرح کافر سے نیکی ہو جایا کرتی ہے کیوں

کہ اس کی روح بھی مومن کی روح کے پاس رہ چکی ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا خدائے تعالیٰ بساط حکمت بچھائیگا اور اس پر اعمال بنی آدم رکھے گا۔ پھر ہوا چلے گی تو ہر عمل اپنی اپنی جنس کی طرف اڑ جائے گا مومن کا گناہ کافر کے گناہ کی طرف اڑ جائے گا اور کافر کی نیکی مومن کی نیکی کی طرف اڑ جائے گی۔ مومن اور کافر میں ہر ایک دوسرے کے مقام کا مالک ہو جائے گا اور اس لئے کہ مومن اور کافر میں ہر ایک کے لئے جنت میں بھی اور دوزخ میں بھی ایک ایک مقام مقرر ہوتا ہے۔ پس جب مومن مرتا ہے تو جنت میں اپنے اور نیز کافر کے مقام کا وارث ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کو دو مقام مل جاتے ہیں۔ اسی طرح سے جب کافر مرتا ہے تو اپنے اور مومن کے مقام کا وارث ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی دو مقام جہنم میں ملتے ہیں۔ اس کو نسفی نے بیان کیا ہے اور ابن عماد نے ذریعہ میں کہا ہے کہ کافر کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک نیکیوں کا فرشتہ اور دوسرا برائیوں کا فرشتہ پھر کہا ہے کہ اگر کہا جائے کہ کافر کی تو کوئی نیکی ہوتی نہیں۔ اسلئے داہنے فرشتے کے ہونے سے کیا فائدہ ہے جواب یہ ہے کہ شاید وہ مسلماں ہو جائے تو اس کی بھی نیکیاں شمار میں آ جائیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت میں اس کی نیکیاں اس کے سامنے پیش کی جائیں گی۔ لیکن اس کو ان کا ثواب نہ ملے گا اور یہ اس کے لئے حسرت کا باعث ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ محافظ فرشتے اسے بھی جانتے ہیں جو بندہ زمانے میں کرلے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے **یعلمون ماتعلمون** پس بندہ کا ان کے ساتھ رہنے کا کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ گواہ ہیں اور گواہ کے لئے معائنہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ...... گناہ کبیرہ چار قلب کے متعلق ہیں۔ گناہ پر اصرار کرنا۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا خدا کی رحمت سے ناامید ہونا اور خدا کی تدبیر خفی سے بے خوف ہو جانا اور تین پیٹ کے متعلق ہیں شراب پینا، مال یتیم کھانا، سود کھانا اور دو شرم گاہ کے متعلق ہیں زنا کرنا اور لواطت کرنا دو ہاتھ کے متعلق ہیں چوری کرنا اور قتل کرنا اور ایک سارے بدن کے متعلق ہے والدین کو ستانا اور ایک پیر کے متعلق ہے جہاد سے بھاگنا اور چار زبان کے متعلق ہیں

جھوٹی گواہی پارسا عورت پر تہمت لگانا، جادو کرنا جھوٹی قسم کھانا یعنی جس قسم میں قصداً جھوٹ بولا گیا ہو اور جھوٹی قسم کو یمین غموس اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قسم کھانے والے کو دوزخ میں ڈال دیتی ہے۔

روضہ میں امام نووی نے دو گناہ زیادہ کئے ہیں وہ جھوٹ جس سے ضرر پہنچے اور بلا عذر عورت کا اپنے خاوند سے بچتے پھرنا اور نہیں نہیں کرنا۔ یعنی خاوند کو صحبت نہ کرنے دینا ۔پھر کہا ہے کبیرہ کی تعریف میں کئی امور داخل ہیں ۔ایک تو یہ کہ وہ حد کو واجب کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے کرنے والے کی نسبت تصریحاً کتاب میں یا سنت میں وعید آئی ہو اور وہ پہلے کی طرف زیادہ مائل ہے۔ پھر بیان کیا ہے منجملہ صغائر کے نماز میں ہنسنا یا حمام یا تنہائی میں بلاضرورت اپنے چھپانے کے قابل بدن کو کھول دینا یا قبلہ کی طرف منہ کر کے یا مسلمانوں کی راہ میں قضائے حاجت کو بیٹھنا یا کتا رکھنا ہے۔ جس کا رکھنا ممنوع ہے۔

فائدہ......نوح علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ کشتی پر کوئی نر مادہ کے پاس نہ جائے۔ اس کے کتے نے مخالفت کی۔ بلی نے اس کی اطلاع کر دی۔ آپ نے بلایا تو وہ قسم کھا گیا۔ پھر دوبارہ کتے نے یہی حرکت کی بلی نے دعا مانگی کہ کتا اسی حالت میں پھنسا رہے یہاں تک کہ نوح اسے دیکھ لیں۔ چنانچہ یہ سزا قیامت تک کے لئے رہے گی اور وہ مسخ ہو گیا ہے اور اس کے مسخ ہونے کا سبب جھوٹی گواہی دینا ہے۔ مولف کہتا ہے کہ میرے نزدیک کتے کا مسخ ہو جانا محل اعتراض ہے کیوں کہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے اترے تھے تو درندے ان کے درپے ہوئے اور ان کے ساتھ کتا تھا اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ دنبہ کشتی میں داخل ہونے سے بچتا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام اس کے دم پکڑے رہے۔ پس اس کے دم میں گانٹھ پڑ کر رہ گئی اور یہ مخالفت کا باعث ہے۔

فائدہ......کعب احبارؓ نے بیان کیا ہے کہ اگر یہ کلمات نہ ہوتے تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے۔ یعنی اپنے جادو سے **اعوذ بوجہ اللہ الکریم الذی لیس شیی اعظم منہ**

و بکلمات الله التامات التی لایجاوز من برو لا فاجر و باسماء الله الحسنی ما علمت منها وما اعلم من شرما خلق و ذرا بر أ (میں اللہ کی وجہ کریم کی پناہ مانگتا ہوں جس سے بڑی کوئی شی نہیں اور خدا کے کامل کلمات کی پناہ مانگتا ہوں جن سے کوئی نیک و بد نہیں بچ سکتا اور خدا کے اسماء حسنہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ان میں سے میں جانتا ہوں یا نہ جانتا ہوں۔ ہرشی کی برائی سے جواس نے پیدا کی بنائی تیار کی) علائی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ جوسوتے وقت پڑھے قال موسی ما جئتم به السحر ان الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل المفسدین (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ تم لائے ہو سب جادو ہے یقیناً خدا بھی اسے باطل کردے گا اس میں شک نہیں کہ خدا فسادیوں کا کام درست نہیں آنے دیتا) تو اس کو کسی ساحر کا مکر ضرر نہ پہنچائے اور جس کسی کو جادو کیا گیا ہو، اگر لکھ کر دیا جائے تو خدا اس کا جادو دور کردے۔ برمادی نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے جو شخص اپنی اہلیہ کے ساتھ جماع کرنے سے بستہ کردیا گیا ہو اس کے لئے یہ ترکیب نہایت نافع ہے۔ سات عدد بیری کے سبز پتے لے کر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر کچلے اور پانی میں ملا کر اس پر آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر دم کردے۔ بعدہ اس میں سے تین گھونٹ پی کر باقی سے نہا ڈالے۔

مؤلف کا بیان ہے کہ بعض مشائخ سے یہ عمل منقول ہے کہ شیشہ کے گلاس میں جیسے کے دمشق کے حماموں میں ہوتے ہیں شہد سے وتر کنا بعضهم یومئذٍ یموج فی بعض لکھ کر ایسا شخص جو اپنی اہلیہ کے پاس جانے سے بستہ کردیا گیا ہو پی لے تو فضل خدا سے اسے شفا ہو جائے اور سحر کی طرف علم رمل بھی حرام ہے۔ صحیح مسلم میں ہے جو شگون بتانے والے کے پاس جائے اور اس کو سچا جانے تو اس کی چالیس دن کی نماز نہیں مقبول ہوتی ہے اور دوسری کتاب میں ہے جب منکر و نکیر کسی مردہ کے پاس آتے ہیں جو کاہن کے پاس گیا ہو تو آپس میں ایک دوسرے سے کہتا ہے مجھے اس سے کاہن کی بو معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس پر ایسے زور سے ایک پھونک مارتا ہے کہ وہ آگ کی طرح بھڑک اٹھتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو اپنے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ انہوں نے کسی گنہگار کو دیکھا تھا اور اس پر بددعا کی تھی۔ پھر وہ تین بار ایسا ہی پیش آیا اور انہوں نے بددعا کی۔ اس پر خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہوا بس کیجئے میرے بندوں پر بددعا نہ کیجئے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں ان پر سارے مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہوں۔ اگر وہ توبہ کریں گے تو میں ان کی توبہ قبول کرلوں گا یا یہی ہوگا کہ ان کی پشت سے میری عبادت کرنے والے بندے پیدا ہوں گے۔ پس جو میں نے چاہا ہے چاہا ہے۔ آپ جب میرے بندوں کی ہلاکت چاہتے ہیں تو میں بھی آپ سے چاہتا ہوں کہ ایک ایک کر کے آپ بھی اپنے لڑکوں کو ذبح کر ڈالئے۔ اس کو شرح حکم میں ابن عطاء اللہ نے بیان کیا ہے۔

فائدہ...... جب یوسف علیہ السلام چاہ سے نکلے تو ان کا نور کنعان کے پہاڑوں پر تاباں ہوا۔ اس سے ان کے بھائیوں کو ان کا نکل آنا معلوم ہوگیا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس پہنچے اور انہیں لیجا کر فروخت کر ڈالا۔ عکرمہؒ کا قول ہے کہ چالیس درہم میں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بیس درہم میں۔

اسی طرح جب گنہگار پشیمانی سے روتا ہے تو اس کے نور کی تابش عرش کے نیچے تک پہنچتی ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں یہ کیسا نور ہے ان کو جواب ملتا ہے کہ بندہ چاہ معصیت سے فضاء اطاعت کی طرف نکل کر آیا ہے حوا کے آنسو جوہر بن گئے تھے۔ چنانچہ اسی طرح بازار جواہر میں گنہگار کے آنسو بھی جا کر قائم ہوتے ہیں۔ جب وہ خوف خدا سے گریہ کرتا ہے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے اے میرے فرشتو! میرے بندوں کے آنسو کی قیمت لگاؤ۔ وہ عرض کرتے ہیں اس کی قیمت یہ ہے کہ اس کی نیکیاں مقبول ہو جائیں۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر وہ عرض کرتے ہیں کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ آپ اسے جنت عطا فرمائیں۔ پھر ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم اس کی قیمت سے عاجز ہیں۔ اس وقت خدا

ئے تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی قیمت میرے وجہ کریم کا دیدار ہے۔

فائدہ...... جب آدم اترے تو اپنے گناہ پر بہت روئے اور کہنے لگے اے میرے رب اگر میں آپ کے سامنے توبہ کروں اور اصلاح کار بن جاؤں تو کیا قبول کرلیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی اے آدم! میں نے زمین اور آسمان پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنے عرش پر لکھ رکھا ہے کہ یقیناً جو توبہ کرے میں اس کو بہت بخشنے والا ہوں۔ اے آدم! میں توبہ کرنے والوں کو خوش وخرم اور ہنستا ہوا اٹھاؤں گا اور ان کی دعا قبول ہوگی اور امام غزالیؒ نے ذکر کیا ہے جب بندہ گنہگار ہوتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے اے میرے رب! تو تین مرتبہ تک تو فرشتے اس کی آواز کو روک لیتے ہیں چوتھی بار خدا تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی آواز تم کب تک مجھ سے روکتے رہو گے۔ اسے یقین آگیا ہے کہ سوائے میرے اس کا کوئی رب نہیں ہے جو گناہوں کو بخش دے۔ میں تمہیں شاہد بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا۔ حضرت نبی ﷺ نے فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضے قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے یقیناً قیامت میں خدا تعالیٰ اتنی بخششیں فرمائے گا۔ کہ ابلیس لعنۃ اللہ بھی اس امید میں کہ شاید اس کی بخشش ہو جائے فخر کرکے اٹھے گا۔

مسئلہ...... شیطان کے مسلط کر دینے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ علائی نے سورۂ یوسف کی تفسیر میں اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں لطف عظیم ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہمارے گناہوں کو اس پر حوالہ کردے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فاز لهما الشيطان وما انسانيه الا الشيطان :

اور هذا من عمل الشيطن بعد ان نزغ الشيطان بيني وبين اخوتي :

نیشاپوریؒ نے مومن پر شیطان کے مسلط کرنے کی یہ صفت بیان کی ہے کیونکہ جب وہ کسی سے گناہ کرادے گا اور وہ توبہ کرلے گا تو یہ کام شیطان پر زیادہ گراں ہوگا۔ اس لیے کہ گناہ کرنے پر نہ بہکاتا جیسے صیاد کے جال میں کوئی شکار پھنس کر نکل جائے تو زیادہ گراں گزرتا ہے۔ بنسبت اس کے کہ جال میں پھنسا ہی نہ ہو۔ نیز یہ بیان کیا کہ مومن کی حالت

شیطان کے ساتھ ایسی ہے جیسے درخت کی ۔ انسان کا گزر ہواور وہ اس میں سے ایک مسواک لے لے ۔تو اس درخت کا مالک اس سے جھگڑا نہ کرے گا ۔ کیونکہ ہری شاخ پھر نکل آئے گی ۔لیکن اگر کلھاڑا لیکر اسے کاٹنا شروع کر دیگا تو وہ اسے ضرور روکے گا اس سے جھگڑا کرے گا ۔ پس گناہ مسواک کی مانند ہے جس کے بعد اور نیکی آجائے گی اور کفر کلھاڑی کے مانند ہے ۔ پس جب شیطان انسان کو کفر پر امادہ کرنا چاہتا ہے تو خدا اسے روک دیتا ہے

دوسرا مسئلہ...... شیطان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے مختلف جواب ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ خدا نے چاہا کہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور شیطان پر اس کا وبال ڈالے ۔ پھر اس کو دو چند عذاب دے نیز یہ کہ اگر آگ نہ ہوتی تو عود کی خوشبو نہ ظاہر ہوتی ۔ ایسے ہی اگر شیطان نہ ہوتا تو مومن کی فضیلت نہ ظاہر ہوتی یا یہ کہ اس طرح سے کہ سرے سے اس کی مخالفت کی جائے اور یہ توفیق خداوندی سے میسر ہوتا ہے یا یہ کہ شیطانی وسوسہ سے باوجود موافقت تقدیر کے جو کچھ سرزد ہو گیا ہے اسے توبہ کر لینے سے نیز یہ کہ شہر کے لئے کوئی خاکروب بھی ہونا ضروری ہے ۔ جو کوڑا کرکٹ دور کیا کرے حتیٰ کہ جس کے پاس مشک ہوتا ہے وہ بھی اس سے مستغنی نہیں ۔ پس قلب ایک شہر ہے اور نفس بد بودار شے ہے ۔اس لئے خدا تعالیٰ نے ابلیس کو خاکروب بنایا ۔ نیز یہ کہ خدائے تعالیٰ باوجود یہ کہ مسلمانوں کی مدد پر قادر ہے کبھی ان کو شکست دیتا ہے تا کہ انہیں شہادت نصیب ہو اور کبھی فتح عنایت کرتا ہے تا کہ غنیمت ہاتھ آئے ۔ اسی طرح کبھی خدا شیطان پر انہیں غالب کرتا ہے تا کہ انہیں جنت دستیاب ہو ۔ اور کبھی شیطان کو ان پر غالب کرتا ہے ۔ وہ ان کو شہوات میں مبتلا کرتا ہے ۔ پھر جب وہ تائب ہو جاتے ہیں تو اس طرح ان کو دنیا اور آخرت دونوں کی لذت حاصل ہو جاتی ہے ۔

ابن معاذؒ نے کشف الاسرار میں بیان کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ابلیس کو تاریکی سے پیدا کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ لعنت سے ۔ جب لوگوں نے ابلیس کو فرشتوں میں سے شمار کیا ہے ۔ امام رازیؒ نے ان کے رد کرنے کے لئے یہ کہا ہے کہ فرشتے نور سے پیدا

ہوئے ہیں۔اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہےاور امام نووی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔قاضی عیاض کا قول ہے وہ ابوالجن ہے۔جیسے کہ آدم ابو البشر ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب ابلیس کی زوجہ کو پیدا کرنا چاہا تو اس پر غضب ڈال دیا۔اس سے ایک شعلہ نکلا پس خدا تعالیٰ نے اس سے اس کی زوجہ رسل کو پیدا کیا اور ابن عماد کا بیان ہے کہ ابلیس کی داہنی ران میں ذکر اور بائیں میں فرج ہے۔جن کو اس کی اصلی صورت پر دیکھنا ممتنع ہے۔

**تیسرا مسئلہ**......اور اسماء کو چھوڑ کر اعوذ باللہ کہنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ نیشاپوری نے کہا ہے کہ جب عدو سخت ہوتا ہے تو تعداد کثیر کی حاجت پڑتی ہے اور یہ اسم تمام صفات کمال کا جامع ہے۔

**چوتھا مسئلہ**...... اس مسئلے میں کیا حکمت ہے کہ جبرائیل وغیرہ فرشتوں کو چھوڑ کر شیطان سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ مانگی جاتی ہے یا باوجود یہ کہ چھوٹے سے چھوٹا فرشتہ بھی اس کے شر کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے اور وہ اس سے نہایت ذلیل ہے کہ خدائے عظیم کے اسم مبارک کی پناہ نہ مانگی جائے؟

علامہ نیشاپوری نے کہا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ اے بندے! میں نے تیری حفاظت کسی دوسرے کے سپرد نہیں کی بلکہ میں خود اس کا ذمہ دار ہوں۔

**پانچواں مسئلہ**......اعوذ کو بسم اللہ کے ساتھ قرین کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ نیشاپوری نے کہا ہے کہ اس لئے کہ بسم اللہ میں مومن کی شفاء ہے اور استعاذہ میں شیطان کا اسم ہے۔حدیث میں آیا ہے ابواب معاصی کو استعاذہ سے بند کر لیا کرو اور ابواب طاعت کو بسم اللہ سے کھولا کرو۔

**چھٹا مسئلہ**......حضرت حبیب ﷺ کو موت دینے اور دشمن کو زندہ رکھنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب یہ ہے کہ دشمن خصومت کرنے والا ہے اور حبیب ﷺ شافع ہیں اور اللہ تعالیٰ

قاضی ہے۔اس لیے شفیع کو خصومت کرنے والے سے پہلے بھیج دیا تا کہ ہماری طرف سے دفع خصومت میں نائب بن جائیں۔امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں بیان کیا ہے کہ شیطان کو قیامت تک کی مہلت دینے میں اس کی عقوبت کی زیادتی اور اس کی معاصی کی کثرت مدنظر ہے۔

کتاب روضہ میں بیان کیا ہے قاضی کو جن دو آدمیوں میں خصومت ہو ان میں سے ایک سے دوسرے کی سفارش کرنا جائز ہے نیشاپوری نے کہا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعنہ اللہ کو مہلت دی تو کہنے لگا آپ کی عزت کی قسم جب تک بنی آدم کے جسم میں روح رہے گی میں ان کے دل میں سے ہرگز نہ نکلوں گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک ان کے بدن میں روح رہے گی میں ان سے توبہ کو نہ روکوں گا۔وہ بولا میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان کے گناہ دور کرتا رہوں گا۔وہ بولا میں ان کے سامنے سے آؤں گا۔علائی نے کہا ہے یعنی ان کو آخر بھلا دوں گا اور ان کے پیچھے سے آؤں گا یعنی ان کے لئے دنیا کو آراستہ کر دکھاؤں گا اور ان کی داہنی طرف سے آؤں گا یعنی حق سے انہیں باز رکھوں گا اور ان کے بائیں جانب سے آؤں گا یعنی باطل چیزیں ان کو آراستہ کر کے دکھاؤں گا۔امام رازیؒ نے بیان کیا ہے جب اس نے یہ باتیں کہیں تو بنی آدم پر فرشتوں کے دل کڑھنے لگے۔خدا نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ انسان کے لئے اوپر اور نیچے کا سمت باقی ہے۔جب پستی کے ساتھ دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے گا یا عاجزی کے ساتھ اپنا چہرہ زمین پر رکھے گا تو میں اس کے ستر برس کے گناہ بخش دوں گا۔

قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ابن عباسؓ کا قول ہے جب تم میں سے کوئی ایک انگلی کا اشارہ کرتا ہے تو یہ دعا میں اخلاص کہلاتا ہے اور جب اپنے دونوں ہاتھ سینہ کے برابر اٹھاتا ہے تو یہ دعا ہوتی ہے اور جب ان کو بلند کر دیتا ہے یہاں تک کہ سر سے بھی اونچے ہو جاتے ہیں اور ہاتھوں کی پشت اس کے چہرے کی طرف رہتی ہے تو یہ ابتہال یعنی زاری کرنا کہلاتا ہے۔تاتارخانیہ میں بروایت محمد بن حنیفہؒ مذکور ہے رغبت کے ساتھ دعا یہ ہے کہ اپنی

ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف بلند کرے اور خوف کے ساتھ دعا کرنا یہ ہے کہ ہتھیلیوں کی پشت چہرے کی طرف کرے اور تضرع کی دعا یہ ہے کہ خنصر (یعنی چھنگلیا) اور بنصر (یعنی اس کے پاس کی انگلی) کو بند کر لے اور ابہام (یعنی انگوٹھے) اور وسطیٰ (یعنی بیچ کی انگلی) اسے حلقہ بنائے اور سبابہ (یعنی کلمہ کی انگلی) سے اشارہ کرے۔

احیاء العلوم میں ہے اپنے دونوں ہاتھوں کو بائیں جانب مائل رکھے کیونکہ قلب بائیں طرف ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والا اس کو بائیں جانب کر کے طواف کرتا ہے۔ اگر کہا جائے اس ملعون کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ اکثر لوگ ناشکر بے ہوں گے؟ کیونکہ اس نے کہا تھا **لا تجدا کثر ھم شا کرین** جواب یہ ہے کہ اس نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا تھا اور بعض کا قول ہے اس نے ایسا گمان کیا تھا اور وہ اتر آیا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے **ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ** جب اس نے یہ کہا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دوں گا ابلیس لعنۃ اللہ نے کہا میں طول سے اس کو بند رکھوں گا۔ خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا تو میری مغفرت کو ان سے روک سکتا ہے۔ سفیان ثوریؒ نے خدا تعالیٰ کے قول **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تجھے اس کی قدرت نہیں کہ تو ان سے گناہ سرزد کرا دے جس کے معاف کرنے سے میں عاجز ہو جاؤں۔

**ساتواں مسئلہ**...... اس کی کیا وجہ ہے کہ شیطان کی عداوت خاص کر انسان کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ حالانکہ وہ خدا اور فرشتوں اور جنوں کا دشمن ہے جواب یہ ہے کہ اصل میں وہ بنی آدم کا دشمن ہے کیونکہ جب اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا تو سمجھا کہ آدم ہی اس کے ملعون بننے کا سبب واقع ہوئے ہیں اور اس کا گمان یہ ہے کہ وہ خدا سے عداوت نہیں رکھتا اور دلیل اس کی حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے کہ میں نے شیطان کو کمزور دیکھ کر اس سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگا خدا کے فراق کے خوف سے رہا۔ اس کا جنوں سے عداوت کرنا تو صرف اس لئے ہے کہ وہ بنی آدم میں سے جو رسول ہوئے ہیں ان پر ایمان

لائے ہیں۔ سورہ نحل کی تفسیر میں علائی نے بیان کیا ہے شیطان نے کہا اے میرے رب سیدنا محمد ﷺ کی امت کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا سے محبت اور شیطان سے دشمنی رکھتے ہیں لیکن پھر بھی وہ آپ کی نافرمانی کر کے میری اطاعت کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ان کے دعویٰ محبت کے باعث میں انہیں بخش دوں گا۔ اگر چہ میری خدمت کی بجا آوری میں وہ قصوروار ہوں اور ان کے اس دعوے کی وجہ سے کہ وہ تجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ میں انہیں بخش دوں گا۔ چاہے جب تک وہ تیرے حکم پر عمل کرتے رہیں۔

امام رازیؒ نے خدائے تعالیٰ کے قول **قالت الیھود عزیز بن اللہ و قالت النصاری المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم یضاھئون قول اللذین کفرو امن قبل** کے متعلق بیان کیا ہے کہ **الذین کفرو امن قبل** یعنی جو پہلے کافر بنے ان سے مراد کفار عرب ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ کہی نصاریٰ نے بھی ویسی ہی بات جیسے یہود نے کہی تھی۔ کیوں کہ وہ کفر میں ان سے پہلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو خدا کو چھوڑ کر رب بنا رکھا تھا۔ یعنی ان کی بات مانتے تھے اور خدا کے قول کو انہوں نے چھوڑ رکھا تھا۔ عدی بن حاتم طائی نصرانی تھے جب مسلمان ہو گئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ اپنے راہبوں اور عالموں کی عبادت تو نہ کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا جو کچھ خدائے تعالیٰ نے حلال کیا تھا اس کو حرام اور جو حرام کیا تھا اس کو حلال نہ کرتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں ایسا تو کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ احبار سے مراد علماء یہود اور رہبان سے علماء نصاریٰ مراد ہیں۔ پس یہ لوگ اپنے علماء کی اطاعت کر کے کافر ہو گئے تھے اور فاسق شیطان کا مطیع ہوتا ہے۔ پس اس کی تکفیر ازلی تھی۔ لیکن چونکہ فاسق شیطان کی تعظیم نہیں کرتا بلکہ اس پر لعنت کرتا ہے اس لئے اس سے کفر منتفی ہو گیا۔ اگر کہا جاوے یہ کیوں کہا کہ یہ ان کے منہ کی بات ہے حالانکہ سب ہی منہ سے کہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ وہ ایسی بات ہے جس کی تائید کسی دلیل سے نہیں ہوتی بلکہ انہوں نے بے معنیٰ طور پر ایک بات بک دی اور بعض نے

کہا ہے کہ انسان کبھی کسی شئے کو اختیار کرتا ہے اور زبان سے نہیں نکالتا اور یہود نصاری نے اس بات سے اختیار کیا اور زبان سے بھی کہہ ڈالا خدا بی بی اور بچہ سے منزہ اور پاک ہے۔

**موعظت** ...... جب آدم علیہ السلام کو درخت کی ممانعت کی گئی تو انہوں نے اسے اپنے تخت کے قریب ہی پایا۔ انہوں نے تخت کو اڑانے کا حکم دیا چنانچہ ان کا تخت ہزار برس تک جنت میں اڑتا رہا۔ پھر جب اترا تب بھی وہ درخت قریب ہی پایا۔ انہوں نے عرض کیا اے رب آپ نے اس درخت سے مجھے منع فرمایا ہے اور اس کو میرے قریب کر دیا ہے ۔ارشاد ہوا کہ میں گناہ کے قریب رحمت کو نہ رکھتا تو درخت کے نیچے تخت کو بھی نہ رکھتا۔ جب آدم علیہ السلام اتر آئے تو جبرائیلؑ ان کے پاس دو سرخ رنگ کے بیل لائے ۔انہوں نے ان سے کھیتی کی اور ان کو مارا۔ بیلوں نے کہا آپ ہمیں مارتے کیوں ہیں؟ آدمؑ نے فرمایا چونکہ تم نے میری نافرمانی کی ۔انہوں نے کہا آپ کا رب آپ کو کیوں کر سزا نہ دے جب آپ نے درخت میں سے کچھ کھالیا۔ اس پر آدم علیہ السلام رو دئے اور کہنے لگے اے رب میرے مجھے ہر شے شرمندہ کرتی ہے ۔ یہاں تک کہ بیل بھی ۔پس خدائے تعالیٰ نے ان کو قیامت تک کے لئے گونگا بنا دیا۔

**بشارت** ......آدم علیہ السلام نے کہا اے رب! آپ نے مجھے جنت ہی میں کیوں نہ بخش دیا؟ ارشاد ہوا اگر میں آپ کو جنت میں بخش دیتا تو ایک آدمی کے بخشنے سے میرا کرم ظاہر نہ ہوتا۔ میں نے چاہا کہ آپ دنیا میں جائیں اور ہزاروں گنہگار میرے پاس لائیں اور میں سب کو بخش دوں ۔ یہاں تک کہ میرے کرم کا وجود بہ خوبی ظاہر ہو۔

**حکایت** ......دانیالؑ طب سے واقفیت رکھتے تھے ۔انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا ۔بادشاہ کے باورچی کو حکم دیا کہ کھانے میں ایک دانگ نمک زیادہ ڈال دیا کرے۔اس نے ایسا ہی کیا۔ اس بادشاہ کی نظر کمزور ہوگئی ۔بادشاہ نے دانیالؑ سے پوچھا تو اس نے فرمایا شاید باورچی نے کھانے میں نمک کی زیادتی کی ہوگی ۔باورچی سے پوچھا تو اس نے کہا ہاں میں نے ایسا ہی کیا ہے ۔اس سے وجہ پوچھی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ

دانیال نے مجھے حکم دیا تھا۔ بادشاہ نے دانیال علیہ السلام سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ آپ کو میرے علم کی حاجت نہ تھی ۔ میں نے چاہا کہ آپ کو اس کی حاجت ہو چنانچہ اسی طرح مولا سبحان وتعالیٰ کی رحمت کے بہت خزانے ہیں۔ گناہ کو اس لئے مقدر کیا ہے تاکہ مخلوق کو خدا کی رحمت کی حاجت ہو۔

(بحوالہ تہذیب الاسماء واللغات، تفسیر قرطبی، کشف الاسرار، تفسیر نیشاپوریؒ)

## توبہ سے متعلق چند مفید اور معلوماتی لطائف

پہلا لطیفہ...... خدا تعالیٰ نے قصہ ہدہد میں سلیمان علیہ السلام سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ میں یقیناً اسے سخت عذاب دوں گا۔ بعض نے کہا ہے یعنی اس کو اس کے جوڑے سے الگ کردوں گا اور بعض نے کہا ہے اس کے پر نوچ ڈالوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ ورنہ میرے پاس کوئی ظاہر دلیل لائے ۔ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہنے لگے آپ کو خدا تعالیٰ نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ حصے چار ہیں ۔ عذاب کافروں کے لئے، ذبح منافقوں کے لئے ، برہان فرماں برداروں کے لئے اور معافی نافرمانوں کے لیے۔

دوسرا لطیفہ...... خبر میں آیا ہے کہ جب انسانوں کے گناہ بکثرت ہوجاتے ہیں تو حاملین عرش کو اس کا اٹھانا گراں ہوجاتا ہے۔ اس سے وہ جان لیتے ہیں پس پکارتے رہتے ہیں اے کریم العفو یہاں تک کہ پھر عرش انہیں ہلکا معلوم ہونے لگتا ہے اور جب بندہ یا کریم کہتا ہے تو خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تو نے میرا کیا کرم دیکھا حالانکہ تو دنیا کے قید خانے میں ہے ذرا صبر کر جنت میں میرا کرم دیکھنا۔

تیسرا لطیفہ ...... عیون المجالس میں بروایت حضرت انسؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت آئی ہے کہ دنیا ہزار برس کی مسافت ہے۔ چھ سو برس سمندروں کی اور چار سو برس میدانوں کی ۔ مخلوق ہزار طرح کی ہے چھ سو قسمیں سمندروں میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ ہر رات کو سمندر کہتے ہیں اے رب! ہمیں اجازت ہو تو ہم خطا کاروں کو غرق کر دیں

۔خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ذرا ٹھہرو پس ٹھہر جاتے ہیں اور کہتے ہیں ۔سبحان الکریم الحلیم۔

چوتھا لطیفہ...... حناطیؒ نے براویت سہل بن عبداللہ حضور اکرم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ مومن عرش سے بھی زیادہ خدا کے قریب ہے کیونکہ عرش اور خدا کے درمیان ایک حجاب ہے اور خدا اور مومن کے درمیان کوئی حجاب نہیں ۔حضرت شبلی کا قول ہے کہ میرا دل دنیا اور آخرت سے بہتر ہے کیونکہ دنیا تعجب کا مقام ہے اور آخرت میں جنت ہے اور میرا دل مقام معرفت خداوندی ہے نسفی نے بیان کیا ہے کہ سب سے بڑا عطیہ معرفت ہے اور سب سے چھوٹی شئے میں اس کی گنجائش ہے اور وہ قلب ہے اور رحمت سب سے زیادہ وسعت رکھنے والی شئے ہے۔ پھر اس میں نافرمانی کی گنجائش کیسے نہ ہوگی ۔حالانکہ نافرمانی نہایت چھوٹی چیز ہے۔

پانچواں لطیفہ:...... میں نے کتاب الحقائق میں دیکھا ہے کہ یوسفؑ نے مصر میں منادی کر دی تھی کہ مصر میں سوائے ہمارے کوئی غرباء کے ہاتھ گیہوں کی فروخت نہ کرے تا کہ ان کے کرم سے وہ لوگ مالا مال ہو جائیں ۔اسی طرح سے اللہ تعالیٰ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں قیامت میں فرشتوں سے ارشاد فرمائیں گے کہ فرماں برداروں کا حساب کرلو لیکن تقصیر داروں کا حساب سوائے میرے کوئی نہ کرے گا۔ نیز اس میں ہے کہ جب کوئی گنہگار بندہ مرتا ہے اور قیامت میں خدا لوگوں کی صف جمع کرے گا تو گنہگاروں کو عالموں کی صف میں داخل کر دے گا۔ وہ اسے بھگائیں گے پھر نمازیوں کی صف میں داخل کرے گا پھر وہ بھی اسے بھگائیں گے وہ کہے گا وائے رسوائی میرے لئے سوائے دوزخ جانے کے کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ پس وہ خود دوزخ کی طرف چلے گا مالک دیکھ کر اس سے پوچھے گا کہاں چلا وہ کہے گا دوزخ کو۔ وہ پوچھے گا تو کس امت میں سے ہے وہ کہے گا محمد ﷺ کی امت میں سے ۔مالک کہے گا تو اسی امت میں جا مل۔ وہ کہے گا میں اس کا مقام نہیں جانتا وہ کہے گا وہ عرش کے نیچے ہے۔ وہ روتا فریا کرتا ہوا وہاں جائے گا حضور اکرم ﷺ

اپنی امت کی دیکھ بھال میں مشغول ہونگے اس وقت ندا ہوگی اے وہ جس کا کوئی شریک نہ ہو جس کا کوئی شفارشی نہ ہو میں اس پر رحم کروں ۔ پھر وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے جب اس کی امید لوگوں سے منقطع ہوگئی تو میری طرف رجوع ہوا اور اس نے مجھ پر اعتماد کیا میں جواد ہوں جو میرا قصد کرتا ہے مجھے پالیتا ہے۔

چھٹا لطیفہ...... سورۂ سبحان کے متعلق میں نے تفسیر قرطبی میں دیکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے کل قرآن پڑھا لیکن آیت **قل کل یعمل علی شاکلته** سے زیادہ امید دلانے والی اور عمدہ آیت میری نظر سے نہیں گزری کیونکہ بندہ کے مشابہ عصیان کے سوا کچھ نہیں اور مولیٰ کے مشابہ غفران کے سوا کچھ نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے قرآن پڑھا لیکن آیت **حم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب** سے بڑھ کر کوئی زیادہ امید دلانے والی اور عمدہ آیت میں نے نہیں دیکھی ۔ کیونکہ پڑھا گنہگاروں کا بخشنا توبہ سے پہلے بیان کیا ہے ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے تمام قرآن لیکن کوئی آیت خدا تعالیٰ کے قول **نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم** سے زیادہ امید دلانے والی آیت نہیں دیکھی ۔ مولف کہتا ہے کہ میں نے تمام قرآن پڑھا اور کوئی آیت خدائے تعالیٰ کے قول **والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا وانا بو الی اللہ لھم البشری فبشر عبادتی** سے بڑھ کر عمدہ اور امید دلانے والی آیت میں نے نہیں دیکھی اور جس آیت کو قرطبی نے پڑھا ہے اس میں ظلم سے شرک مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضور اکرم ﷺ سے روایت آئی ہے کہ مشرک کو اس کا عمل شرک سے نہیں نکالتا جیسے مومن کو اس کا گناہ ایمان سے نہیں نکالتا۔ اس کو رازی نے سورہ نساء میں نقل کیا ہے۔

ساتوں لطیفہ...... جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی قمیص پر خون دیکھا تو رو دیئے لیکن جب قمیص درست نظر آئی تو ہنسے ۔ کیونکہ اس سے انہیں معلوم ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم ہیں ۔ اسی طرح فرشتے جب مومن کو گناہوں میں آلودہ دیکھتے

ہیں تو رونے لگتے ہیں لیکن جب اس کا دامن توحید اور معرفت کے ساتھ انہیں صحیح نظر آتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ احیاء میں ابن شریح سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا گویا قیامت قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کا علماء سے تین بار ارشاد ہوا کیا تم نے اپنے علم کے موافق عمل کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں بول اٹھا آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ خدا شرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا اور ہمارے نامہ اعمال میں شرک نہیں۔ اس پر ارشاد ہوا اچھا جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ قیامت میں میری امت کا ایک شخص لایا جائے گا جس کے گناہ ریگستان کے ریت کے برابر ہوں گے۔ خدا کے سامنے اس کو کھڑا کر کے اس سے کہا جائے گا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ جب اسے لے چلیں گے تو پھر ادھر ادھر دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے اپنے عزت وجلال کی قسم میرے بندے کا یہ گمان نہ تھا لیکن میرے بندے کا یہ دعویٰ ہے اے فرشتوں میں تمہیں شاہد بناتا ہوں کہ میں نے اس کا دعویٰ قبول کر لیا اور اس کی مغفرت کر دی۔ (بحوالہ تہذیب الاسماء واللغات، تفسیر قرطبی، کشف الاسرار، تفسیر نیشاپوریؒ)

مسئلہ:...... توبہ کے درست ہونے کی یہ شرط ہے کہ آدمی باز آ جائے، پشیمان ہو اور عزم کر لے کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا اور اگر ظلماً کسی کا مال لے لیا ہو تو اسے واپس کر دے۔ اگر ظلماً کسی کا مال لے لیا تھا اور مر گیا تو اس کے وارثوں کو دے دینا واجب ہے کیونکہ آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا حنفیہ کی تاتارخانیہ میں مذکور ہے اور ایسے لوگ بہت ہیں اگر کوئی مر گیا اور دین چھوڑ گیا اور ورثہ لینے والے تک نہ پہنچے تو آخرت میں ان کو ثواب ملے گا اور آخرت میں پہلے شخص کو بھی خصومت کا استحقاق نہ ہوگا۔ اس کو اکثر مشائخ نے ذکر کیا ہے۔ اور صحت توبہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ گناہ پر قادر ہو کیونکہ مثلاً زنا سے اس لئے تائب بن گیا کہ بڑھاپے یا اور کسی وجہ سے قابل ہی نہ رہا تو اعتبار نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ خدا کے واسطے توبہ کی ہو چنانچہ اپنا مال نافرمانی میں اڑاتا تھا۔ پھر نافرمانی کو بخل کی وجہ سے چھوڑ بیٹھا تو توبہ قبول نہیں اس کو اسنوی نے مہمات میں بیان کیا ہے اور صحت توبہ کے لئے یہ شرط نہیں

ہے کہ حاکم کے پاس جا کر اپنے کو رسواہی کرے بلکہ اس پر خدا کی پردہ پوشی سے اپنے کو چھپانا واجب ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ اپنے اوپر حد قائم کرے کیونکہ حقوق اللہ میں توبہ کرنے والوں سے معافی بہت قریب ہے۔ لیکن اگر حاکم تک مقدمہ پہنچایا جیسا ماعزؓ نے کیا تھا کہ حضرت نبی ﷺ کے پاس آکر چار بار اپنی نسبت زنا کی شہادت دی تھی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کو سنگسار کر دیا تھا۔ یہ نہایت کمال کی بات ہے روضہ میں کہا ہے جو شخص زنا کا اقرار کر گزرے اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے لیکن مظالم عباد میں اظہار اور مظلوم کو اپنا حق وصول کرنے دینا واجب ہے۔ اس کے سوا اور گناہوں میں جیسے غیر محرم عورت کو دیکھنا یا حالت جنابت میں مسجد میں بیٹھنا یا بے وضو قرآن چھونا یا شراب پینا یا باجے یا لہو کی باتیں سننا۔ پس مستحب ہے کہ ہر گناہ کے مناسب جو عمل نیک ہو بجالا کر اس کا کفارہ کر دے۔ جس کی طرف نظر کرنا حرام تھا اس کا گناہ قرآن کی طرف نظر کرنے سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح الات لہو کے سننے کا گناہ قرآن کے سننے سے، حالت جنابت میں مسجد میں بیٹھنے کا گناہ اعتکاف کرنے سے شراب خوری کا گناہ حلال پینے کی چیزیں خیرات دینے سے دور ہو سکتا ہے یا مسلمانوں کی ایذا رسانی کا کفارہ ان کے ساتھ احسان اور سلوک کرنے سے کرے۔ قتل کا کفارہ غلام آزاد کرنے سے ادا کرے احیاء میں کہا ہے کہ قتل کا کفارہ غلام آزاد کرنے سے واجب ہے مگر جب عاجز ہو تو دو ماہ تک پے در پے روزہ رکھے اگر مرض کی وجہ سے بھی کوئی روزہ چھوٹ جائے تو از سر نو روزے رکھنا واجب ہے۔ لیکن حیض یا نفاس یا تمام دن بے ہوشی کی وجہ سے افطار کر لینا تتابع کا قاطع نہیں ہے۔

(بحوالہ تہذیب الاسماء واللغات، تفسیر قرطبی، کشف الاسرار، تفسیر نینہ پوریؒ)

## مضمون نمبر......۷

# توبہ نہ کرنے کے اسباب

جولوگ توبہ نہیں کرتے وہ یقیناً کسی روحانی بیماری میں مبتلا ہیں ۔اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیماری کے اسباب کا خود تجزیہ کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچیں کہ آخر وہ گناہوں پر اصرار کیوں کرتے ہیں ۔علماء اکرام نے عام طور پر اس کے پانچ اسباب بیان فرمائے ہیں۔

۱......یوم آخرت میں شک یا پھر عقیدہ آخرت کا مکمل فقدان سب سے مہلک یہی ہے۔جس شخص کو یقین نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ پر مصر ہونے کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا یا نیک کام کرنے اور اطاعت الٰہی کا کوئی اچھا ثمر بھی ملتا ہے،اس سے کسی بھلائی کی توقع رکھنا ہی عبث ہے۔

۲......شہوات کا غلبہ: کچھ لوگ دنیا داری کی رنگ رلیوں میں اس قدر محو اور مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان سے لہو ولعب کو چھوڑنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو جاتی ہے۔چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر غافل ہو جاتے ہیں کہ ان کا توبہ کرنا محال ہو جاتا ہے۔غفلت سب برائیوں کی جڑ ہے۔

۳۔یہ خیال کہ آخرت میں نیک اعمال پر انعام ملنا محض ایک وعدہ فردا ہے۔لیکن دنیوی زندگی میں فوری فائدہ نظر آتا ہے۔لہٰذا وہ اس فوری مفاد کو ترجیح دیتا ہے۔حالانکہ دنیوی فائدہ عارضی اور تھوڑے عرصے کے لئے ہے۔اس کے مقابلہ میں آخرت کا فائدہ زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

۴......توبہ کو کل پر ٹالتے رہنا: آدمی یہ سوچتا ہے کہ ابھی کافی عمر باقی ہے۔آخر عمر میں

توبہ کرے گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔ اس کے آنے کا ہر وقت امکان ہے۔ اگر اسی خام خیالی میں مبتلا رہا تو عین ممکن ہے کہ زندگی اسی طرح تمام ہو جائے گی اور توبہ کرنا نصیب ہی نہ ہوگا۔

۵...... یہ خوش فہمی کہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے، وہ اس کو معاف فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھنا تو بلاشبہ جائز ہے لیکن صرف اس کی رحمت کے بھروسے پر ہر قسم کے گناہوں پر دلیر ہو جانا انتہائی حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ کیونکہ یہ امکان بھی تو موجود ہے کہ گناہوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں وہ جہنم میں پھینک دیا جائے۔

علاوہ ازیں حب جاہ، عداوت، بغض، بخل، طمع، لوگوں کا خوف دنیوی جاہ وجلال پر فخر کرنا، بے سود کاموں میں مشغولیت، دوسروں کے عیب تلاش کرنا لیکن خود اپنی حالت سے بے خبری، اہل دنیا کی خوشامد، اپنی عقل ودانش پر غرور، علم دین سے غافل، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے چشم پوشی اور ناشکری۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر اعتراض، تقدیر پر ناراض، اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے بدگمان، اس کی مقرر کردہ حد سے تجاوز، اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والوں کی مخالفت اور فاسقوں کے ساتھ نشست وبرخاست بھی اہم اسباب ہیں جو توبہ کرنے سے روکتے ہیں اور دنیا وآخرت میں ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔ بدن کے مرض کا انجام سب دیکھتے ہیں کہ موت واقع ہو جاتی ہے لیکن موت کے بعد کا حال کسی کو نہیں سوجھتا۔ گناہوں کا انجام دل کی موت ہے جو دنیا میں معلوم نہیں ہوتی۔ اسی لئے گناہوں سے نفرت کم ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ جب تک خدا کی نگرانی سے ہماری غفلت دور نہ ہو اور محاسبہ کا خوف دل میں پیدا نہ ہو اس وقت تک انسان گناہوں اور خطاؤں کے ارتکاب پر دلیر ہی رہے گا جو اس کے لئے انجام کار ذلت وخواری کا باعث ہوگا۔

بقول حضرت علی ہجویریؒ احکام الٰہی کی تعمیل میں جو چیزیں مانع ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں پہلی قسم ''دینی حجاب'' جو ایک مستقل رکاوٹ ہے۔ یہ حجاب ایسے لوگوں کے اپنے طرز عمل کی وجہ سے پڑتا ہے کیونکہ ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی خود تو صحیح راہ کا متلاشی ہو مگر اللہ تعالیٰ

اسے ہدایت سے محروم کر دیں۔ جب وہ خود ہی کج روی اختیار کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیتا ہے۔ دوسری قسم "غینی حجاب" ہے یہ عارضی رکاوٹ ہے اور تھوڑی سی محنت اور رجوع الی اللہ سے دور ہو سکتی ہے۔ یہ حجاب کم وبیش ہر شخص کو لاحق ہوتا رہتا ہے۔ اگر بندہ سچے دل سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا رویہ ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کرنے لگے تو یہ حجاب دور ہو سکتا ہے۔ ان دونوں حجابوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک تو درحقیقت پتھر ہے اور اس سے آئینہ بن ہی نہیں سکتا اور دوسرا ایک آئینہ ہے جو زنگ آلود ہو گیا ہے اور صقل کرنے سے صاف ہو سکتا ہے۔

## توبہ کی حاجت ہر شخص کو ہے

کوئی شخص گناہ سے خالی نہیں سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ اعضاء کے گناہ سے کوئی محفوظ نہیں۔ اگر کوئی ان سے الگ رہ سکے تو دل سے ضرور گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ مثلاً گناہ کا قصد کرنا اور اس سے بھی بچ نکلے تو شیطانی وسوسہ سے نہیں بچ سکتا۔ شیطان ہر وقت اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور یاد الٰہی میں غفلت ڈالتا رہتا ہے۔ اگر کسی طرح شیطان وسوسوں سے بھی محفوظ رہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال جاننے میں غفلت اور قصور ہو ہی جاتا ہے۔ لہٰذا ان سب سے نقصان کا اندیشہ ہے البتہ نقصان کی مقدار اور حالت میں فرق ہے۔ اس لئے ہر حال کے لئے عبادتیں اور شرائط ہیں۔

مثلاً عام لوگوں کی توبہ گناہ کرنے سے ہوتی ہے یعنی وہ اپنے اختیار کئے ہوئے غلط راستے سے ہٹ کر شریعت کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ رجوع الی اللہ ہی توبہ کی اصل غرض ہے۔ لیکن خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے اور مقربین کی توبہ اس مقصد کے لئے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف ان کا دل مائل نہ ہو۔ اسی لئے پیغمبر بھی توبہ سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا "بیشک میرے دل پر زنگ آجاتا ہے یہاں تک کہ میں ستر بار

استغفار پڑھتا ہوں۔'' حدیث نبوی ﷺ ہے کہ'' آدمی سب خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سے بہتریں وہ ہیں جو توبہ کریں اور عفو کے خواہاں ہوں۔''

## توبہ سب مومنوں پر واجب ہے

واجب سے مراد وہی چیز جو ذریعہ حصول سعادت ابدی کا ہے لہٰذا سب سے پہلے کفر سے توبہ کرنا واجب ہے جیسا کہ آنحضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی گناہ کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔ یعنی وہ گناہ کرتے وقت یہ یقین نہیں رکھتا کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنے گا۔ بعض لوگ مومن اس وجہ سے ہیں کہ وہ مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ لہٰذا ایسے مسلمانوں کی اپنی غفلت سے توبہ ضروری ہے تاکہ وہ اسلام کی اصل حقیقت کو سمجھ کر تجدید ایمان کریں اور اپنے دل میں یقین راسخ پیدا کریں تاکہ پھر گناہ نہ کر بیٹھیں۔ اس کے بعد اگلے مرحلہ میں اپنے گناہوں پر توبہ کریں اس طرح جب ظاہر درست ہو جائے تو باطن کی درستی کی طرف توجہ کریں تاکہ گناہ سرزد نہ ہوں مثلاً حرص، حسد، ریاکاری وغیرہ سے توبہ ضروری ہے کیونکہ یہ سب گناہوں کی جڑ ہیں اسی طرح تمام وہموں سے بھی توبہ ضروری ہے۔

بقول امام غزالیؒ توبہ ہر شخص پر ہر دم واجب ہے خواہ عمر نوح اس کو ملے۔ اگرچہ اصل واجبات ادا کرنے سے نجات مل جاتی ہے لیکن یہ امر بھی واجب ہے کہ مقام محمود صدیقین اور قرب رب العلمین تک پہنچنے کے لئے اگر کوشش کرنا ضروری ہو تو یہ سعی بھی کرنا چاہئے کہ انہیں سعادتوں کے لئے انبیاءؑ، اولیاءؒ، اور علماء اکابر کوشش کرتے رہے اور انہوں نے انہی کے لئے لذائذ دنیا کو چھوڑ دیا۔ مثلاً حضور نبی کریم ﷺ نے چادر مخطط کو نماز میں مخل پا کر اتار ڈالا۔

## توبہ کب تک کی جا سکتی ہے؟

حالت نزع کے وقت انسان کے عمل کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس وقت توبہ بے

سود ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''ان لوگوں کی توبہ معتبر نہیں ہے جو ساری عمر برے کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب موت سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں اب میں توبہ کرتا ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ عزوجل اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک بھی قبول فرمالیتے ہیں جب تک کہ وہ نزع کی حالت کو نہ پہنچا ہو۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج کے (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلنے سے پہلے (یعنی قیامت آنے کی نشانی دیکھنے سے قبل) توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔

## توبہ کرنے میں جلدی کی جائے

اس لئے لازم ہے کہ انسان دنیا کی راحت اور نعمتوں پر متکبر نہ ہو بلکہ قبر کے عذاب اور قیامت کے دن کی سختیوں اور حساب کتاب کا خوف کرے۔ کیونکہ اس دنیائے فانی سے ایک دن ضرور رخصت ہو جانا ہے۔ کیسے کیسے جاہ وجلال والے انسان مثلاً فرعون، قارون، ہامان، نمرود، شداد قیصر وکسریٰ چنگیز، ہٹلر سب فنا ہو گئے۔ دنیا نے ان کو اپنے دام فریب میں پھنسایا اور شیطان نے ان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا۔ پھر ان کی آنکھوں پر ایسا غفلت کا پردہ پڑا کہ حق کے پہچاننے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ان کو اچانک موت نے اپنی آغوش میں لے لیا اور ان کا سب غرور وتکبر خاک میں مل گیا۔ کاش ہم ان سے بروقت نصیحت حاصل کریں اور عبرت پکڑیں اور فانی شہوات اور خواہشات کے مقابلے میں دائمی زندگی اور ابدی آسائش کی فکر کریں اور ہلاکت خیز گناہوں کی آندھیوں سے محفوظ رہنے کے لئے توبہ میں تاخیر نہ کریں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ دوزخ میں ایسے لوگ زیادہ شور مچائیں گے جو توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے میری امت میں قیامت کے دن کون مفلس ہوگا ؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم اسے مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نقدی یا سامان وغیرہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے جواب دیا امت میں قیامت کے دن وہ شخص مفلس ہوگا جو نماز اور روزے کے ساتھ حاضر ہو مگر اس کے باوجود اس نے کسی کو زنا کرانے کی گالی دی ہوگی یا کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون کیا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، ایسے شخص کی نیکیاں دوسرے شخص یعنی مظلوم کو دے دی جائیں گی تو جس قدر مطالبہ باقی ہوگا، اس کے عوض مظلوموں کی بدیاں اس پر اور بڑھا دی جائیں گی پھر اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس لئے گنہگاروں کو توبہ کرنی واجب ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس میں جلدی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو لوگ توبہ میں دیر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی بہت وقت ہے توبہ کرلیں گے، وہ ہلاک ہوں گے۔

حکیم لقمان نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! توبہ میں کل کے دن کی بھی تاخیر نہ کر کیونکہ موت قریب ہے اور اچانک آجائے گی، تو غفلت میں پڑا رہ جائے گا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کے وقت توبہ نہ کرے اور اسے رات آجائے تو وہ شخص ظالم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف جانے کے ارادے سے گھر کی طرف نکلے، پھر اس حالت میں اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بخاری اور مسلم شریف کی ایک متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے ننانوے قتل کئے۔ پھر ایک راہب سے پوچھا کہ کوئی طریقہ بتاؤ کہ میری توبہ قبول ہو جائے۔ اس نے جواب دیا کوئی طریقہ نہیں، اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا سو کی تعداد پوری کر دی۔ پھر ایک عالم کا پتہ معلوم ہونے پر اس کی بستی کی طرف روانہ ہوا کہ راستے میں اس کی موت واقع ہوگئی چنانچہ جب پیمائش کی گئی تو صالح لوگوں کی طرف ایک بالشت زمین قریب نکلی۔ چنانچہ اس کی بخشش ہوگئی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ توبہ کی محض نیت کرنا اور اس ارادہ کو پورا کرنے کے خلوص کے ساتھ کوشش کرنا کس قدر فائدہ مند ہے۔ جب تک نیکیوں کا پلہ بھاری نہ ہو، نجات کا امکان نہیں۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو توبہ کرنے میں جلدی کرے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ زیادہ وقت گزر جانے پر گناہ کا زنگ دل پر اثر کر جائے اور مرض لا علاج ہو جائے۔ پھر نہ پرہیز اثر کرے گا اور نہ وعظ و نصیحت اور پھر تباہ کاروں میں ہو جائے گا۔

## توبہ کرنے والوں کے مختلف گروہ

گناہ اور معاصی سے اجتناب اور توبہ پر استقامت کے اعتبار سے چار طرح کے گروہ پائے جاتے ہیں۔

(۱)......نفس امارہ والا گروہ

یہ ان اشخاص پر مشتمل ہے جو توبہ پر صرف تھوڑا عرصہ قائم رہتے ہیں، مگر پھر گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور غافل ہو کر برے افعال پر بضد ہوتے ہیں اور ماضی میں ہر وقت ڈوبے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو مغفرت والے کام نہ کرے مگر پھر بھی بخشش کی امید رکھے وہ ضرور بے عقل یا کسی شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ یہ نفس امارہ والا گروہ ہے۔ یعنی ان کا نفس ان کو ہمیشہ بدی کا حکم دیتا ہے اور بھلائی سے روکتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام بدبختی پر ہوگا۔ ہاں اگر وہ توحید پر مریں اور ایمان ساتھ لے جائیں تو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے کچھ مدت بعد چھٹکارا نصیب فرمائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی کسی خفیہ نیکی کے سبب ان کی مغفرت فرما دی جائے۔ اگر ایسے اشخاص کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو تو ان کی بدبختی کی کوئی انتہا نہیں۔

(۲) نفس مسولہ والا گروہ

اس گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو توبہ پر کافی عرصہ تک جمے رہے، مگر کبھی کبھی گناہ کی خواہش ان پر غالب آ جاتی ہے اور غلبہ سے عاجز ہو کر قصداً گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مگر اس

معصیت کو کرنے کے بعد نادم ہوتے ہیں اور اطاعت میں لگ جاتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ وہ ان معاصی کے مرتکب نہ ہوں یہ ''نفس مسولہ'' والی جماعت ہے یعنی وہ اپنے گناہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ترک کرنے کے خواہش مند بھی ہیں۔ایسے اشخاص کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ جب ان سے گناہ ومعاصی سرزد ہو جائیں تو ممکن ہے ان کو پھر توبہ کا موقع میسر ہی نہ آئے اور توبہ سے قبل ہی موت آجائے۔اس قسم کے لوگوں کے متعلق یہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ بندہ ستر برس تک عمل، اہل جنت کے سے کیا کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کو جنتی کہتے ہیں اور اس میں اور جنت میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن نوشتہ تقدیر غالب ہوتا ہے، تو وہ شخص پھر دوزخیوں سے کام کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی نفس کی ہر وقت حفاظت کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دائمی بدبختی کا منہ دیکھنا پڑے۔

(۳) نفس لوامہ والا گروہ

یہ وہ اہل ایمان ہیں جو کبیرہ گناہوں سے مکمل اجتناب کرتے ہیں، مگر پھر بھی ان سے جب کچھ گناہ بلا ارادہ ہو جاتے ہیں تو وہ فوراً اپنے نفس پر ملامت کرتے ہیں کہ ان اسباب ہی سے دور رہیں جن کے باعث معصیت میں ملوث ہوئے۔ یہ انسان ''نفس لوامہ'' کے زمرے میں شامل ہیں۔ کیونکہ شر اور خیر انسان کی سرشت میں ہے اس لئے صغیرہ گناہوں سے مکمل محفوظ رہنا کچھ آسان نہیں۔ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ''اور وہ لوگ جب کھلا برائی یا گناہ کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ'' جو بچتے ہیں کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے سوائے چھوٹے گناہوں کے''۔

یہ وہ لوگ ہیں جو گناہوں پر اصرار نہیں کرتے اور نیکیوں پر مداومت کرتے ہیں۔اور جب ان کے ایمان میں کوئی ضعف آجاتا ہے تو فوراً اس کی درستگی کر دیتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ وہ گناہوں کے سبب اپنے ایمان کو پھاڑتا ہے اور توبہ وندامت سے پھر

پیوند لگا تا ہے۔ (طبرانی بیہقی)

لہٰذا جو پیوند لگا کر مرے وہی بہتر ہے۔ یہ لوگ تائبوں میں شامل ہیں بلا ارادہ معمولی قصور ہو جانے سے ان کی توبہ نہیں ٹوٹتی۔ ایسے ہی لوگ درجہ سعادت پر پہنچنے والے ہیں۔

(۴) نفس مطمئنہ والا گروہ

یہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کی توبہ کامل ہے۔ یعنی یہ لوگ گناہوں سے توبہ کر کے زندگی کے آخری دم تک توبہ پر قائم رہتے ہیں اور گزشتہ زندگی میں جو گناہ کئے ان کی بھی پوری طرح تلافی کر تے ہیں۔ اور پھر گناہ کرنے کا دل میں کسی قسم کا خیال تک نہیں لاتے ماسوائے ان معمولی لغزشوں کے جن سے کوئی انسان بھی خالی نہیں، البتہ انبیاء معصوم ہیں۔ یہ نفس مطمئنہ والوں کا گروہ ہے۔

اس آخری گروہ کے لوگوں کی توبہ ہی ''توبۃ النصوح'' ہے۔ جیسا کہ ارشاد سبحان وتعالیٰ ہے۔

توبوا الی اللہ توبۃ النصوحاً توبہ کرو اللہ کی طرف خاص توبہ۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے گناہوں کو نیکیوں میں بدل لیا اور نیکیوں میں آگے نکل گئے۔ ان کا بوجھ اتر گیا اور وہ قیامت میں ہلکے پھلکے پہنچیں گے۔ ان لوگوں کی توبہ سے غرض صرف اللہ جل شانہ کی رضا حاصل کرنا ہوتی ہے وہ گناہوں کی قدرت پا کر بھی ان سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ صرف نیکیوں میں مشغول رہتے ہیں اور نافرمانی اور گناہ کرنے کا انہیں خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ اسی گروہ کے لوگ سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسے جائیں گے کہ یہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی۔

## تائب کی پہچان

توبہ کرنے والوں کی شناخت ان باتوں سے ہوتی ہے۔

(۱) اپنی زبان کو قابو میں رکھتے ہیں۔ یعنی جھوٹ، غیبت اور بے ہودہ گفتگو سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور زبان کو حمد وثناء باری تعالیٰ اور شکر میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) کسی کے متعلق دشمنی یا حسد اپنے دل میں نہیں رکھتے۔

(۳) برے آدمیوں سے الگ رہتے ہیں تا کہ وہ کہیں اس کو نیک ارادہ سے منحرف نہ کر دیں۔

(۴) جن باتوں سے توبہ مستحکم ہوتی ہے انہیں ہمیشہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوتی اور جن امور سے توبہ کامل ہوتی ہے ان کو دل میں زیادہ جگہ دیتے ہیں مثلاً خوف، حیا اور امید، یہ چیزیں نیت کو مضبوط بناتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرتے ہیں۔ نفس امارہ اور خوہشات نفسانی کی پیروی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھتے ہیں۔

(۵) موت کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ گناہ پر نادم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرماں برداری کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

## قبولیت توبہ کی شناخت

اگر کوئی شخص پورے خلوص اور نیک نیتی سے توبہ کرے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں۔ انسان کے گناہ ہی اللہ تعالیٰ سے دوری اور حجاب کا سبب بنتے ہیں لیکن توبہ ان تمام حجابات کو اٹھا دینے والی چیز ہے۔

مندرجہ ذیل باتوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ توبہ قبول ہوگئی۔

(۱) توبہ کے بعد اس کا آئینہ دل صاف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ کر سکون و مسرت محسوس کرتا ہے۔

(۲) فاسق اور فاجر کی صحبت سے الگ رہتا ہے اور ان سے متعلق نہیں ڈرتا اور نیک لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔

(۳) ہر طرح کے گناہوں سے بچتا ہے اور عبادت کرتا ہے۔

(۴) دنیا کی خوشی اس کے دل سے مٹ گئی ہے اور آخرت کا غم دل میں گھر کر گیا ہے۔

(۵) جس گناہ اور برائی سے توبہ کی۔ اس کی تلخی ہمیشہ کے لئے دل میں جم جائے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ گناہ کا مزہ شہد کا ہے لیکن تاثیر اس کی زہر کی ہے۔ اس جیسے انسان کم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے بقول امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ توبہ کا وجود اور توبہ کرنے والے بھی کمیاب ہیں۔

(۶) ترک معصیت کے لئے آئندہ مجاہدہ میں شدت اختیار کرتا ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جس قدر سوزش ندامت زیادہ ہوگی اس قدر گناہوں سے دور ہونے کی توقع بھی زیادہ ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بعض لوگ اپنے گناہ کی وجہ سے بھی جنت میں جائیں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے گناہوں پر عمر بھر شرمندہ رہیں۔ یہاں تک کہ موت آجائے۔ جس کو یہ وہم ہو کہ توبہ درست صحیح ہو کر بھی قبول نہیں ہوتی وہ ایسا ہے جیسے کوئی یہ وہم کرے کہ آفتاب کے نکلنے سے اندھیرا نہیں جاتا۔ البتہ کوئی گناہ پے در پے کرتا ہے تو پھر زبان سے توبہ توبہ کہتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ توبہ کے قبول ہونے میں شک محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جو شرائط توبہ کے لئے ضروری ہیں ان کے متعلق شک ہوتا ہے کہ پوری ہوئیں یا نہیں اور سب شرطیں اکثر پوری نہیں ہوتیں۔ (بحوالہ: فضائل توبہ واستغفار)

## جو چیز گناہ کا باعث بنے، اس سے کنارہ کشی بھی توبہ کی تکمیل میں داخل ہے

حضرت کعب بن مالکؓ کی جب غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی لغزش سے توبہ قبول ہوئی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے تمام اموال واملاک سے دست بردار ہو جاؤں اور اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ

کردوں ( کیونکہ یہی ان کے لئے وبال جان بنی تھی ) چنانچہ کچھ مال اہل عیال کے لئے چھوڑ کر باقی صدقہ فرمادیا جو حضور اکرم ﷺ نے قبول فرمایا۔ اسی طرح محرکات گناہ سے جہاں تک ممکن ہو سکے بچنا توبہ کے قبول ہونے کے لئے ضروری ہے تاکہ آئندہ اس گناہ سے محفوظ رہے۔

## توبہ کرنے کے بعد گناہ کا ارتکاب

کسی گناہ سے پختہ توبہ کرنے کے بعد، اگر توبہ میں فتور آجائے اور پھر گناہ کی طرف رجوع ہو جائے تو اس کی پہلی توبہ کا ثواب ملے گا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں ایک ایسے بزرگ کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے ستر بار توبہ کی اور پھر گناہ کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ اکہترویں بار استقامت نصیب ہوئی۔ ایک اور بزرگ نے توبہ کی اور کچھ مدت تک اپنی توبہ پر قائم رہے پھر دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور خواہش کو پورا کیا۔ لیکن اب ندامت کے مارے اپنے شیخ کے نزدیک نہ جاتے تھے۔ ایک دن ان کے پاس چلے گئے تو انہوں نے نصیحت فرمائی تو پھر توبہ درست ہوگئی۔ کسی شخص نے گناہ سے توبہ کر کے پھر معصیت کی طرف رجوع کیا، پھر پشیمان ہوا تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر بارگاہ الٰہی میں واپس جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ تو نے ہماری فرماں برداری کی تو ہم نے تجھے قبول کیا۔ پھر تم نے ہمارے حکم کو چھوڑا تو ہم نے تجھے مہلت دی پس اگر تو ہماری طرف واپس آجائے تو ہم تجھے قبول کریں گے۔

حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے کہ اگر بندہ خود بخود توبہ کرے تو پھر دوسری توبہ کی حاجت نہ رہے اور خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ بار بار توبہ کرنے سے قربت الٰہی بڑھتی ہے۔

حج بیت اللہ کے موقع پر لوگ ملتزم کے ساتھ چمٹ کر اور رو رو کر گناہوں کی معافیاں مانگتے ہیں۔ لیکن کیا کبھی یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس طرح معافیاں مانگنے والوں سے

پھر ساری عمر گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا ہے ایسی صورت مشکل ہی سے نظر آتی ہے۔ پھر کیا یہ معافیاں مانگنا بہروپ ہی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ انسان کا اصل روپ ہے۔ بھول جانا انسان کی فطرت ہے۔ بھلا صاف ستھرا لباس پہننے والے کے کپڑے دھلنے کے بعد کبھی میلے نہیں ہوئے۔ یقیناً ہوتے ہیں۔ مگر پھر دھلائے جاتے ہیں۔ ہاں یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ صاف ستھرا لباس پہن کر آدمی بڑے شوق سے غلاظت میں چھلانگ لگا دے بلکہ غلاظت سے بچنے کی انتہائی کوشش کے باوجود داغ دھبے نہ سہی گرد و غبار سے تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو جسم کے پسینے اور اندرونی میل کا اثر تو لباس پر ظاہر ہو کے ہی رہتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کی کھلی چھٹی ہے۔ یہ تو خطا کے پتلوں کو مایوسی کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے غفور الرحیم کی عفو و کرم اور بندہ نوازی کے اظہار کا ایک انداز ہے۔

## مضمون نمبر........۸

## ندامت ہی توبہ کی جان ہے

صرف زباں سے توبہ کرنا اور استغفر اللہ عادتاً کہتے رہنا بھی توبہ کے لئے مفید ہے لیکن زبان کے ساتھ دل سے توبہ کرنا تو نہایت ہی فائدہ مند ہے۔ اپنے کیے ہوئے گناہ پر شرمندہ ہونا اور افسوس کرنا، اور صادق نیت سے اللہ کا طالب رہنا ہی سچی توبہ اور استغفار ہے جس کے فضائل کتاب اللہ اور احادیث کی رو سے بیاں کردئے گئے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ یہ دولت بغیر عزت اور خاموشی اور اکل حلال کے میسر نہیں آتی۔ باعتبار فطرت، دل بے روگ پیدا ہوتا ہے اس کی سلامتی گناہوں کی تاریکی سے جاتی رہتی ہے اور آتش ندامت اس کدورت کو جلا دیتی ہے۔

آنحضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''الندم توبة'' نادم ہونا ہی توبہ ہے۔

معلوم ہوا کے حزن وندامت ہی توبہ کی جان ہے، یہ ایک ایسا قول ہے جس میں توبہ کی تمام شرائط موجود ہیں۔ کیونکہ توبہ کی ایک شرط تو مخالفت احکام الٰہی پر افسوس کرنا ہے دوسری شرط لغزش کو فوراً چھوڑ دینا ہے۔ تیسری شرط معصیت کی طرف نہ لوٹنے کا قصد کرنا ہے اور یہ تینوں شرتیں ندامت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کیوں کہ جب دل میں کئے ہوئے افعال بد پر ندامت پیدا ہوتی ہے تو باقی دو شرطیں اس کے ساتھ خود بخود آجاتی ہیں۔

ندامت سے مراد یہ ہے کہ اس بات پر دلی صدمہ ہو کہ گزشتہ عمر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے خلاف اور اس کے احکام کی نافرمانی میں گزاری۔ مثلاً ایک حبشی کا واقعہ ہے کہ جب اسے بتایا گیا کہ جس وقت وہ گناہ کرتا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا تھا تو اس پر ندامت اور خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اس نے ایک نعرہ مارا اور مر گیا۔ الغرض ندامت کی

پہچان یہی ہے کہ دل نرم اور آنسو کثرت سے نکلیں۔حدیث شریف میں ہے کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔

## ندامت کے وجوہات

گناہوں پر پشیمانی کے تین اسباب ہیں۔

(۱)......جب عذاب الٰہی کا خوف دل پر غلبہ پاتا ہے۔اور برے افعال پر دل میں غم پیدا ہوتا ہے۔

(۲)......نعمت الٰہی کی خواہش دل پر غالب آجائے اور پختہ یقین کہ برے فعل اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے وہ نعمت حاصل نہیں ہوسکے گی۔

(۳)......قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کے سامنے اپنی بداعمالیوں کے بےنقاب ہونے کے تصور سے خائف ہو۔

ان میں سے پہلے کو تائب یعنی توبہ کرنے والا دوسرے کو منیب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف انابت یا رجوع کرنے والا اور تیسرے کو تواب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا کہتے ہیں۔جب کوئی شخص حسرت وندامت کی وجہ سے اپنی معصیت کو یاد کرے تو تائب ہوتا ہے اور جب کوئی شخص ارادہ کرکے گناہ کو یاد کرتا ہے تو گنہگار ہوتا ہے کیوں کہ گناہ کے کرنے میں اتنی حیرانی نہیں ہوتی جتنی کہ اس کا ارادہ کرنے میں۔

## ندامت قرب الٰہی اور رحمتوں کی ضامن ہے

انسان کا اپنے تصور پر نادم، ہونے کی بجائے سرکش اور دلیر ہونا اخلاق حسنہ کی بنیادی اصولوں کے منافی ہی نہیں بلکہ کھلی بدیانتی اور دیدہ دلیری ہے۔ایسے روش سے تو منطقی طور پر مفسدانہ نتائج مرتب ہوسکتے ہیں جیسے ابلیس کو اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کرنے پر پیش آئے تھے۔ایسا طرز عمل تو انسان کو بھی راندہ درگاہ کرکے چھوڑے گا۔اس کے برعکس عجز وانکسار اور تذلل ایک دن بندہ کو مقرب بنادے گا۔معلوم ہوا کہ اگر یہ ندامت

اور خشیت الٰہی کی سعادت کسی گنہگار کو نصیب ہو جائے تو اس پر قرب الٰہی کے سب رحمتوں اور برکتوں کی موسلہ دھار بارش کا نزول ہونے لگتا ہے۔ ایسا شخص پھر اپنے رب کا شکر گذار بندہ بن کر صرف اپنے ذاتی اخلاق و محاسن کے حصول کی فکر نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو بھی متاثر کرتا ہے۔ پھولوں کی خوشبو سارے گلستان کو معطر کر دیتی ہے۔ وہ نیکیوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں کو روکتا ہے اور بالآخر یہ عمل صالح اس کو فلاح و کامیابی کے بلند ترین مقام سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

## مصائب کا سبب ہمارے گناہ ہیں

یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہمیں جو تکالیف اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں ان کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہم ضرور اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان کا سبب ہماری ہی کوئی کجروی اور بدعملی ہے۔

قرآن کریم سے بھی اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ سورۃ روم میں ارشاد ربانی ہے کہ:

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ تا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال بد کا مزہ ان کو چکھادے تا کہ وہ باز آ جائیں۔'' (الروم:۴۱)

اس آیت سے یہ بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اگر مصائب و بلیات سے نجات حاصل کرنا ہو تو اس کا علاج بداعمالیوں اور گناہوں سے باز آنا ہے۔ یعنی معصیت سے توبہ واستغفار کا مؤثر اور یقینی علاج ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از اللہ میری توبہ)

# مضمون نمبر......۹

## توبہ کی برقراری کے لئے محاسبہ کی ضرورت ہے

توبہ کی برقراری کے لئے محاسبہ نفس کی ضرورت ہے۔محاسبہ کے ذریعے توبہ کو استقامت نصیب ہوتی ہے۔چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے تم اپنا محاسبہ کرلو اور اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے تم اپنے اعمال کو تو ل لیا کرو تم اللہ تعالی کی بڑی پیشی کے لئے اپنے آپ کو آراستہ کرو جب تم اس دن پیش ہوگے تو کوئی پوشیدہ بات تم سے چھپی ہوئی نہ رہے گی۔

بندہ حق کو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندے غفلت میں مبتلا رہتے ہیں اس لئے اس نے انہیں نفسانی خواہشات اور دنیا کی غلامی سے بچانے کے لئے مختلف اوقات میں نمازیں فرض کی ہیں پانچ وقت نماز ایک ایسا سلسلہ ہے جو بندوں کو حق ربوبیت ادا کرنے کے لئے بندگی اور عبودیت کے مقامات پر جکڑ دیتا ہے اس طرح ہر شخص ایک نماز سے دوسری نماز تک محاسبہ کرتا رہتا ہے اور اپنے عمدہ محاسبہ کی بدولت شیطان کی گذرگاہوں کا انسداد کرتا ہے۔وہ اس وقت نماز شروع کرتا ہے جب کہ وہ اچھی طرح توبہ واستغفار کے ذریعے دل کی گرہیں کھول لے کیونکہ خلاف شرع ہر کلمہ اور ہر حرکت اس کے قلب میں ایک سیاہ داغ ڈال دیتی ہے اور اس میں ایک گرہ لگا دیتی ہے مگر محاسبہ کرنے والا نماز کے لئے اپنے باطن کو ضبط اعضاء وجوارح کے ذریعے آمادہ کرتا ہے اور مقام محاسبہ کو مستحکم کرتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا نور دوسری نماز تک اس کے وقت کے تمام اجزاء کو روشن کرتا ہے،اس طرح اس کی نماز اس کے اوقات سے منور رہتی ہے اور اس کے اوقات نماز کے نور سے روشن اور معمور رہتے ہیں۔

## مضمون نمبر......۱۰

# موت سے قبل توبہ میں صلحاء کا عمل

جو کوئی اپنے محاسن وعیوب کو صدق واخلاص کے ترازو میں نہ تولے وہ کامل مردوں کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا اعمال کی خامیوں کو ملاحظہ کرنا صحیح توبہ کے لئے ضروری ہے اور توبہ اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی جب تک سچے دل سے مجاہدہ نہ کیا جائے سچے دل سے مجاہدہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس میں صبر پایا جائے۔ چنانچہ فضالہ بن عبیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجاہدوہ ہے جو اپنی نفس سے جہاد کرے''۔ یہ مجاہدۂ نفس اسی وقت مکمل ہوسکتا ہے جب کہ صبر کیا جائے۔ بہترین صبر وہ ہے جو خدائی راہ میں اختیار کیا جائے یعنی ہمہ تن اسی کو لگن ہو اور وہ سچے دل سے مراقبہ کر کے برے تصورات کو دل سے نکال دے۔

سلف صالحین کے اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ ہر مرض میں ان کے دل اس خوف سے گھبراتے کہ ان کی اجل کا آخری وقت ہو اور وہ توبہ بھی نہ کرسکیں اور نہ حقوق کی ادائیگی ہوسکے۔ پس وہ آخرت کی طرف نافرمان بن کر جائیں جیسے کہ وہ غلام جس نے اپنے آقا کے حرم میں بدکاری کی ہو اور اسے آقا کی حالت غضب اس کے سامنے پکڑ کر لے آئے۔

ایک مرتبہ حسان بن منانؒ بیمار ہوئے، ان کے دوست عیادت کو آئے اور حال دریافت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا ''اگر جہنم کی آگ سے بچ جاؤں تو اچھا ہوں''۔ پھر انہوں نے دریافت کیا ''آپ کیا چاہتے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''مرنے سے پہلے ایک لمبی رات مل جائے جس کو نماز اور استغفار ہی میں تمام کردوں۔''

## مضمون نمبر......۱۱

### استغفار کی فضیلت اور بارہ فوائد

سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے جن کا وعدہ حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کی صورت میں اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ وعدہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کیونکہ اللہ کے نبی اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے، ارشاد ہوتا ہے''اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔''

سورہ نوح کی انہی آیات کی بناء پر بعض حضرات استغفار کو سارے مصائب، پریشانیوں مشکلات اور بیماریوں کا علاج بتاتے ہیں خواہ فقر وفاقہ اور اولاد سے محرومی ہی کیوں نہ ہو، خود نبی کریم ﷺ نے بھی استغفار کو تمام مشکلات کا حل بتلایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا کوئی راستہ ہر غم اور پریشانی سے بچاؤ کی کوئی صورت نکالتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کے ملنے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا'' ایک حدیث میں عجیب انداز میں رسول اللہ ﷺ نے استغفار کی تلقین کی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تمہیں ختم کر دیتا اور ایسے لوگوں کو لے آتا جو گناہ کرتے پھر اللہ سے معافی مانگتے چنانچہ انہیں معاف کر دیا

جاتا'' معاذ اللہ! اس حدیث کا مقصد انسانوں کو گناہوں کی ترغیب دینا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس دنیائے رنگ و بو اور جہان لذت و شہوت میں ہر کسی سے گناہ ہوسکتا ہے، جس سے گناہ ہوجائے اسے چاہئے کہ وہ مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے بلکہ توبہ اور استغفار کے ذریعے اس گناہ کی نجاست سے اپنے آپ کو پاک کرے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ استغفار کے لئے گناہ کا ارتکاب ضروری نہیں، بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ یونہی استغفار کرتا رہے، دیکھا جائے تو ہمیں عبادت پر بھی استغفار کرنا چاہئے کیونکہ ہم سے عبادت کا حق ادا نہیں ہوتا، نماز ہی کو لے لیجئے کتنے لوگ ہیں جو نماز کے سارے ارکان و واجبات اور خشوع وخضوع کا اہتمام کرتے ہوئے نماز پڑھتے ہیں۔ بھری مسجد میں کوئی ایک نمازی بھی ایسا نظر آجائے تو غنیمت محسوس ہوتا ہے جبکہ ہمیں اس کے صرف ظاہری ارکان دکھائی دیتے ہیں، اس کے باطن کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ سے زیادہ معصوم اور اللہ کا زیادہ مقرب کون ہوسکتا ہے، اس کے باوجود آپ کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے ایک ہی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کو سو مرتبہ یہ کلمات کہتے ہوئے سنا (رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم) ''میرے پرودرگار! مجھے معاف فرمادے، میری توبہ قبول فرما، یقیناً تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد مہربان ہے)

استغفار میں دنیا اور آخرت کے بے شمار فوائد پوشیدہ ہیں، اگر ہمیں وہ فوائد معلوم ہوجائیں تو ہم میں سے کوئی بھی استغفار سے محروم نہ رہے، ہم ذیل کی سطور میں ان میں سے چند فوائد بیان کرتے ہیں۔

۱......استغفار کرنے والوں پر موسلا دھار بارش برستی ہے۔

۲......استغفار کرنے والوں کے اموال اور اولاد میں برکت ہوتی ہے۔

۳......استغفار کرنے سے وہ وحشت ختم ہو جاتی ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتی ہے۔

۴......ایسے شخص سے جن اور انسانی شیاطین دور رہتے ہیں۔

۵......اسے ایمان اور عبادت وطاعت کی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

۶......صاحب استغفار کو اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

۷......اس کے دل میں دنیا بہت حقیر اور ذلیل ہو جاتی ہے۔

۸......عقل اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

۹......اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔

۱۰......جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو فرشتے رب تعالیٰ کی طرف سے اس کا بشارت کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔

۱۱......قیامت کے دن جب لوگ گرمی اور پسینے میں ہوں گے، صاحب استغفار عرش کے سائے تلے ہوگا۔

۱۲......جب لوگ حشر سے واپس پلٹیں گے تو یہ خوش نصیب اللہ کے اولیاء اور متقین کے ساتھ ہوگا۔ (بحوالہ درس قرآن)

## مضمون نمبر......۱۲

# احساسِ گناہ اور توبہ

امام غزالیؒ کی کتاب ''مکاشفہ القلوب'' میں اللہ، شیطان اور آدم کا ایک مکالمہ درج ہے ابلیس نے اللہ کو آواز دی کہ اے رب تو نے آدم کے سبب مجھے جنت سے نکال دیا اب مجھے ان پر مسلط کر، ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ تو مسلط ہے اس کی اولاد پر سوائے انبیاء کے ،ابلیس بولا اور تسلط دیجئے ،فرمایا ان کے ہاں ایک بچہ ہوگا تو تیرے ہاں دو، بولا اور تسلط دیجئے ،فرمایا ان کے سینے میں میرا مسکن ہوگا اور تو خون کی طرح ان کے بدن میں پھرے گا ابلیس بولا مزید دیں اللہ نے فرمایا تو ان پر اپنے پیادوں، چیلوں اور سواروں کے ساتھ مسلط ہو جایا کرے گا اور انہیں ہر غلط کام، حرام اور بدعملی پر آمادہ کرے گا۔اب آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے باری تعالیٰ تو نے ابلیس کو میری اولاد پر مسلط کر دیا اب تیری مدد کے بغیر اس سے کیسے بچا جائے ارشاد ہوا تیرا ہاں جو بھی اولاد ہوگی اس کے ساتھ محافظ فرشتہ بھی ہوگا عرض کیا مزید عطا کیجئے ،ارشاد ہوا جب تک بنی آدم کی ارواح بدن میں ہونگی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوگا ،عرض کیا مزید عطا کیجئے ،ارشاد ہوا میں انہیں معاف کرتا رہوں گا چاہے جس قدر گناہ ہوں۔حضرت آدم نے فرمایا ہاں اب کافی ہے۔

غلطی، کوتاہی اور لرزشیں تو انسانی فطرت کا حصہ ہیں کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس سے کوئی غلطی نہ ہوگئی ہو۔ہم اپنی خطاؤں، گناہوں اور لرزشوں سے واقف ہوتے ہیں گناہ کا ارتکاب ہو جانا بڑی بات نہیں لیکن اس پر فخر کرنا انتہائی قابل مذمت فعل ہے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر توبہ کرنے والے ہیں ۔لیکن ساتھ ہی ساتھ اللہ نے توبہ کرنے کے بعد دوبارہ غلطی کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کا حکم دیا ہے فرمایا کہ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور اللہ کی رسی کو مضبوطی

سے پکڑا اور خالص اللہ کے فرماں بردار ہو گئے تو ایسے لوگ مؤمنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔ (سورۃ نساء)

غلطیوں پر پشیمان ہونا، ماضی سے سبق حاصل کرنا اور خامیوں کی بنا پر اپنا احتساب کرنا ایک انتہائی مثبت خوبی ہے جو ہمارے کردار کی تطہیر کرتی ہے لیکن ہم میں سے اکثر کسی غلطی کی بنا پر خود کو ملامت کا شکار بنا لیتے ہیں اس طرح ہم گناہ پر پشیمان نہیں بلکہ اس کے احساس کو اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں۔ اس احساس میں مبتلا ہونے کے بعد ہم اپنے ماضی کی خطاؤں سے ناطہ جوڑ لیتے ہیں اس طرح احساس گناہ ماضی کے حوالے سے ہمارے موجودہ وقت اور مستقبل کی تباہی ہے یہ ایک مرضیاتی کیفیت ہے جو ہماری زندگی کے ہر پہلو کو متاثر اور ذہنی نشوونما کے عمل کو مفلوج کر دیتی ہے احساس گناہ کا اظہار بے شمار ندامتوں اور معذرتوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو ہمیں شاہراہ حیات پر خوشیوں کی جانب بڑھنے نہیں دیتا۔

احساس گناہ سے نہ تو ہمارا ماضی تبدیل ہوسکتا ہے اور نہ ہی خامیوں کو دور کر کے بہتر انسان بننے کے عمل میں مدد مل سکتی ہے۔ تبدیلی کے لئے تو عملی اقدامات کرنے ہوتے ہیں۔ اللہ کے فرمان کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار معاف کر دے گا وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ اعراف)

ہمارے مذہب میں توبہ کا عمل احساس گناہ کو ختم کرنے کا واحد اعلیٰ ترین طریقہ ہے، یہ تمام شکوک سے بالاتر ہے کہ اللہ ہماری تمام لغزشوں سے واقف ہے آپ اپنی غلطی کو اور کوتاہی کو تسلیم کریں ان پر ندامت کا اظہار کریں آئندہ نہ کرنے کا عہد کریں اور یقین کریں کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی۔ اس کے بعد اس احساس کو خود سے علیحدہ کر لیں۔ قرآن میں اللہ نے خود ہی فرمایا ہے اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اس سے اپنے قصور کی

معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ معاف کرسکتا ہے۔ (سورۂ آل عمران ۱۳۶)

کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا ڈاکو تھا جس نے ایک دو نہیں بلکہ پورے ننانوے قتل کئے تھے۔ مخلوق خدا اس کے نام سے کانپتی تھی حکومت نے اسے زندہ یا مردہ پکڑنے کی صورت میں لاکھوں روپے کے انعامات مقرر کئے تھے۔ ایک روز اس ڈاکو کے دل میں اللہ کا خوف جاگزیں ہوا۔ سوچا کہ مرنے کے بعد میرا کیا حشر ہوگا؟ کانپتا ہوا اپنے زمانے کے ایک عابد و زاہد کے پاس گیا اور اسے اپنے بارے میں ساری تفصیل بتائی۔

''تم نے ننانوے قتل کئے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کردیں گے''

''کیا ایسی کوئی بھی صورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ میری غلطیوں کو معاف کردے؟''

''نہیں ایسی کوئی بھی صورت نہیں۔''

ڈاکو نے اپنی تلوار اٹھائی اور کہا کہ ''جب دوزخ میرا مقدر ہو چکی ہو تو کیوں نہ تمہیں بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کرلوں'' اور یہ کہہ کر اس نے اس عابد و زاہد کو بھی قتل کر دیا۔ کچھ دنوں بعد پھر اس کے دل میں وہی تڑپ پیدا ہوئی ''اے خدا مرنے کے بعد میرا کیا حشر ہوگا؟ میرے گناہوں کو معاف کر دے میں سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔'' آخرت کے خوف و دہشت کے باعث اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہر وقت یہی خیال رہنے لگا کہ مجھ جیسے سو آدمیوں کے قاتل کی بخشش نہیں ہوسکتی میں دنیا کی معمولی سی آگ تو برداشت نہیں کرسکتا آخرت کی آگ کیسے برداشت کروں گا۔ دوبارہ ایک عالم زاہد کے پاس گیا اور اپنا پورا قصہ سنا کر درخواست کی کہ آیا اس کی نجات و بخشش کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں۔

زاہد نے ''کہا بیشک اللہ تعالیٰ سچے دل سے گناہوں کی معافی مانگنے والے کو پسند فرماتے ہیں اور گناہ معاف کر کے ان کے درجات بھی بلند کرتے ہیں، پیغمبروں کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہوتے ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تو

نہیں کہ ہم اپنے کرتوتوں کی بنا پر اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جائیں۔ اگر تمہیں حقیقتاً اپنے کئے پر ندامت ہے تو اس کا ثبوت پیش کرنے کے لئے اس بستی کو چھوڑ کر دوسرے شہر چلے جاؤ اور اپنی زندگی اللہ سے توبہ واستغفار کر کے گزار دو۔''

''بیشک مجھے اپنی غلطیوں اور گناہوں پر بے حد ندامت ہے'' ڈاکو نے کہا'' آپ کے حکم کے مطابق میں اپنے گھر جانے کے بجائے یہیں سے دوسری بستی کی جانب روانہ ہو جاتا ہوں۔ آپ بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دے'' بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ دوسرے شہر کے لئے تھوڑا سا راستہ طے کیا تھا کہ موت آ گئی۔ مرتے ہی عذاب وثواب کے فرشتے اس کی جانب دوڑے۔

عذاب کے فرشتوں کا کہنا تھا کہ اس شخص نے تمام زندگی گناہ کئے۔ خلق خدا کو لوٹا اور قتل کئے۔ اسے دوزخ میں جانا چاہئے ثواب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ اس نے آخری وقت میں توبہ کر لی تھی اور اب تائب ہو کر دوسرے شہر جا رہا تھا۔ اگر اسے مہلت ملتی تو اپنی بقیہ زندگی عبادت گزار بن کر گزار دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ راستہ ناپ لیا جائے۔ اگر یہ شخص اپنی بستی کی حد سے نکل کر دوسرے شہر میں داخل ہو چکا تھا تب تو اسے جنت میں لے جایا جائے گا اور اگر ابھی اپنی بستی کی حد ہی میں تھا تو اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ڈاکو نے بہت تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ توبہ اتنی پسند آئی کہ جوں ہی یہ طے ہوا کہ بستی اور شہر کے درمیان فاصلہ ناپ لیا جائے اللہ تعالیٰ نے زمیں کو حکم دیا کہ بستی کی جانب پھیل جائے اور شہر کی جانب سکڑ جائے۔ فاصلہ ناپا گیا اور ثواب کے فرشتے جیت گئے۔ یہ جیت ثواب کے فرشتوں کی جیت نہیں بلکہ سچی دل سے توبہ کرنے والے ایک گنہگار کی جیت تھی۔

توبہ کی معنی رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں۔ بندے کی طرف سے توبہ کی معنی یہ ہیں کہ وہ سرکشی سے باز آ گیا اور طریقہ بندگی کی طرف لوٹ آیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے شرم سار بندے کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہو گیا اور پھر سے نظر عنایت اس کی طرف

مائل ہوگئی۔توبہ نفس کے اندر عذاب سے نجات اور اللہ کی مغفرت اور رضا سے بہرا ور ہونے کی امید پیدا کرتی ہے صرف توبہ ہی کے ذریعے انسان اپنے احساس گناہ سے رہائی پاتا ہے ۔ جب کوئی شخص گناہ کی زندگی میں مبتلا ہوجائے لیکن اس کے دل میں یہ خیال بھی پوشیدہ ہو کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور ایک دن اسے اپنے مالک کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو یہ احساس ایک دن اس کو اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار کرنے پر مجبور کردے گا۔ وہ اپنی غلطی پر نادم ہوگا اور اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہے گا اللہ غفور الرحیم ہے مومن کا شعار یہ ہے کہ جب اس سے گناہ سرزد ہوجائے تو وہ فوری طور پر اپنے رب سے رجوع کرتا ہے شرمندگی اور ندامت کے آنسو بہا کر غلطیوں کا اقرار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور ہمارا مہربان رب سچی توبہ کرنے سے بہت خوش ہوتا ہے استغفار گناہوں اور غلطیوں کا کامیاب علاج اور بہترین دوا ہے اس لئے اللہ نے ہمیشہ استغفار کا حکم دیا ہے۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ جسمانی طور پر مضبوط، مصائب وآلام اور آفات وآلام حوادث، زمانہ اور آزمائش سے مامون رہیں اور آپ کو ذہنی سکون، شرح صدر، جسمانی راحت، اطمینان قلب اور متاع حسنہ حاصل ہو تو استغفار کو اپنا شعار بنالیجئے۔ جس نے استغفار کی پابندی کی اللہ تعالیٰ اس کو ہر مشکل سے نجات اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ عطا کردیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ جس کا وہ گمان نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ''اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت خاص تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا۔'' (سورہ ھود:۱۱:۳)

ہمیشہ دعا مانگتے رہیں، اے میرے رب میں نے غلطیوں برائیوں اور گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ تیرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور حدود سے تجاوز کیا ہے، اپنے نفس پر ظلم کیا ہے مجھے شیطان نے اپنی چالوں میں جکڑ لیا، خواہشات نے مجھے مغلوب بنالیا اور نفس امارہ نے مجھے دھوکے میں ڈالا میں تیرے حلم، عفوو درگزر، بے پایاں رحمت پر اعتماد کر کے یہ

سب کچھ کرتا رہا ہوں اب میں تیرے حضور نہایت ہی شرمندہ ہوکر معافی کا طلب گار ہوں اے اللہ! مجھے معاف کردے میری غلطیوں کو درگزر فرما اور میرے ساتھ نرمی کا معاملہ کر تیرے سوا میرا کوئی رب نہیں ہے اور میں تیری ہی بندگی کرتا ہوں۔

(بحوالہ کون دل کی زبان سمجھتا ہے)

## سچی توبہ اور معافی

اللہ تعالیٰ ہماری سچی توبہ اور معافی کو قبول فرما لیتے ہیں۔توبہ کیا ہے؟ لوٹ کر جانا۔ کہاں سے؟ برائی کے راستے سے۔کس طرف لوٹنا؟ نیکی کے راستے کی طرف۔

یو۔ٹرن تو آپ کبھی بناتے ہوں گے جب غلط راستہ لے لیتے ہیں۔تو جناب یہ توبہ بھی ایک طرح سے یو۔ٹرن ہی ہے۔زندگی کے اس سفر کی نہ جانے کب شام ہوجائے نہ جانے کب اس کا اختتام ہوجائے ،اس لئے اس سفر کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کی کوشش کیجئے۔اور یہ اسی صورت میں مزید اور خوشگوار ہوگا جب جب آپ صراط مستقیم پر ہوں گے۔دلی سکون دلی راحت اور چین صرف اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے رحمانی راستے کی طرف چلنے سے ملتا ہے ورنہ شیطانی راستے تو دنیا میں بہت ہیں،ان پر خود چل کر دیکھ لیجئے ۔وقتی خوشی تو شاید مل جائے لیکن دلی سکون دلی خوشی نہ مل پائے گی۔یہ صرف صراط مستقیم ،رحمانی راستے پر چلنے سے ملتی ہے۔اس لئے پلیز یو۔ٹرن بنا لیجئے۔جو افراد بھی زندگی کے سفر میں غلط یوٹرن لے چکے ہیں وہ لوٹ جائیں توبہ کرلیں۔سچی توبہ کرکے اپنی زندگی کی گاڑی کو رحمانی راستے پر ڈال لیں اور اس راستے پر رفتار خوب تیز کرلیں چاہے اس راستے پر ایک دوسرے سے ریس بھی لگالیں تو کوئی حرج نہیں۔یہاں کوئی پولیس آپ کو ٹکٹ دینے کی جرات نہ کر پائے گی بلکہ آپ اس نیکی کے راستے پر دوڑنا اور ریس لگانا سیکھئے کہ نیکی کے راستے کی دوڑ اور مسابقت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

جب دنیا کے لئے بندے حرص و ہوس کی دوڑ لگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو سخت نا

پسند ہوتے ہیں لیکن جب نیکیوں کے لئے ،اللہ کی خوشنودی کے لئے دوڑ لگاتے ہیں ،مقابلہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ محبوب بندے بن جاتے ہیں ۔اور ہمارا محبوب ہمارا اللہ کس قدر غفور الرحیم ہے کہ ہماری توبہ کو قبول کر کے ہمارے گناہوں کا نام تک مٹا دیتا ہے ۔ہمارے رجسٹر کو ہمارے گناہوں سے پاک کر کے اس میں نیکیوں کا اندراج کر دیتا ہے جو ابھی ہم نے کی بھی نہیں ہیں ۔ہم نے جن کا ارادہ کیا ہوتا ہے اور صرف توبہ کے صلے میں اللہ تعالیٰ ہماری برائیاں مٹا کر نیکیاں لکھوا دیتا ہے۔

اور ہم بندے کیا کرتے ہیں جب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرتا ہے پھر شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے ۔ہم پہلے تو کسی طرح معاف کرنے پر تیار نہیں ہوتے کہ کیوں بھئی ہم اس بندے کو کیوں معاف کریں اس نے تو ہمارا دل دکھایا ،ہمیں ،ڈپریشن میں مبتلا کیا ،ہمارا B.P. کرایا ہے ،ہمیں اس کی وجہ ایمرجنسی میں جانا پڑ گیا ۔ہسپتالوں کے اتنے لمبے لمبے بل آگئے ،ہم کس طرح اسے معاف کر دیں ۔نہیں ،ہرگز نہیں !ہم اتنی آسانی سے معاف کرنے والے نہیں ،ہم ضرور ناراض رہ کر اسے سزا دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ضرور سزائیں دلوائیں گے۔

پھر خود کو سمجھاتے ہیں ۔آخرت سے اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں کہ دیکھو ہم بھی تو کتنے گناہ کرتے ہیں ۔آخر اللہ تعالیٰ بھی تو ہمیں معاف کر دیتے ہیں پھر ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے پیارے بندوں کو معاف نہ کرنے والے !پھر اس مکالمے کے بعد کچھ شرمندگی ہوتی ہے اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی معاف کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں لیکن فوراً اپنی ڈائری نکال کر سارے واقعات تحریر کر لیتے ہیں کہ شاید وقت آنے پر مجرم کو دکھانے پڑیں کہ اے میرے مجرم !فلاں فلاں وقت تم نے مجھے یہ کہا تھا اور میرے ساتھ یہ زیادتیاں کی تھیں۔

آپ خود اپنے انصاف سے بتایئے کہ آپ ایسا نہیں کرتے ؟ دوسروں کے قصور لکھ کر رکھ لیتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کی طرح اعمال نامے سے مٹاتے نہیں ۔اور جو لوگ لکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے ،وہ اپنے ذہن ،اپنے دل پر سب کی زیادتیاں لکھ لیتے ہیں جو ڈائری

میں لکھ لینے سے زیادہ خطرناک ہے۔

خطائیں ڈائری میں لکھیں یا اپنے دل پر لکھیں؟

میرے خیال میں اگر بغیر لکھے آپ کو تسلی نہیں ہوتی تو بیشک سب کی خطائیں ڈائری میں لکھ ڈالیں لیکن پھر اس ڈائری کو دوبارہ کبھی نہ پڑھیں ورنہ

## یادِ ماضی

یادِ ماضی عذاب بنے گا
سب کی زیادتیوں کا
سب کی جفاؤں کا دہرا عذاب ملے گا
سب کچھ پڑھنے سے ''بہت کچھ'' یاد آجائے گا
حال میں رہ کر آپ
اپنے تلخ ماضی میں جا پہنچیں گے
ماضی کی تکلیف بھلا کر
آپ حال میں گم تھے
خوش تھے اور مگن تھے
دوبارہ افسردہ اور دل شکستہ ہو جائیں گے
اس آبلہ پائی سے نجات پائی تھی
بڑی مشکل سے
پھر کیوں ماضی میں جانا چاہیں گے
یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
پھر یہ دعا مانگنا چاہیں گے

مصیبت تو یہ ہے کہ خواتین کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے۔ ویسے تو اکثر باتیں بھول جاتی

ہیں لیکن دوسروں کی زیادتیاں کبھی نہیں بھولتیں۔ وہ سب خوب یاد رکھتی ہیں چاہے ڈائری میں لکھی ہوں یا نہ لکھی ہوں، دل پر جو لکھ کر رکھ لیتی ہیں۔ اور معصوم انجام اور بے خبر خواتین یہ نہیں جانتی کہ اس طرح وہ اپنے دل کو روگ لگا رہی ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ سب کچھ بھول جائیں۔ سب کو معاف کر دیں اور اپنے دل کو صاف کر لیں۔ ذہن کو پر سکون کر لیں اور خوش باش مطمئن ہو جائیں کہ رات گئی بات گئی۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ از خوشیوں کا سفر ڈپریشن کے بعد)

# ساتواں باب

## توبہ سے متعلق اکابرینِ اسلام کے زرّیں اقوال

اکابر بزگان دین کے پرحکمت اقوال میں بڑی نصیحت اور دانائی کے موتی ہوتے ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر معرفت حق حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ توبہ کے متعلق اکابریں دین کے کچھ اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

### حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ گناہ پر نادم ہونا انہیں مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا انہیں برباد کردیتا ہے۔

### حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے توبہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جب خدا سے ڈروگے تو اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں سے بچادے گا اور جب لوگوں سے ڈروگے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری کچھ پیش نہ جائے گی۔

### حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ جو فاسقوں کے ساتھ نشت و برخاست کرتا ہے، وہ گناہ پر دلیر ہوجاتا ہے اور اسے توبہ کرنے کی توفیق نہیں رہتی۔

### حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ توبہ کے چار ستون ہیں۔

(۱) زبان سے معافی کا طالب ہونا۔

(۲) دل سے پشیمان ہونا۔

(۳) اعضاء کو گناہ سے روکنا۔

(۴) یہ نیت رکھنا کہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کروں گا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ توبۃ النصوح یہ ہے کہ توبہ کرے اور جس گناہ سے توبہ کی ہے اس کی طرف پھر نہ لوٹے۔

## حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا قول

آپ نے فرمایا کہ صرف زبان سے توبہ کرنا جھوٹوں کا شیوہ ہے۔ اگر خود بخود توبہ کریں تو پھر دوسری توبہ کی حاجت نہیں رہتی۔ ایک اور جگہ پر فرماتی ہیں کہ میرے استغفر اللہ کہنے میں جو عدم خلوص پایا جاتا ہے اس سے میں استغفار کرتی ہوں۔

## حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول

عام لوگ گناہ سے اور خواص غفلت سے توبہ کرتے ہیں۔ اور انبیاء کی توبہ اس سے ہوتی ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ جو مرتبہ اوروں نے حاصل کیا ہے یہ اسے حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عوام سے ظاہر کے متعلق سوال ہوگا۔ اور خواص سے اعمال کی حقیقت کے متعلق باز پرس ہوگی، کیونکہ غفلت عوام کے لئے رکاوٹ اور خواص کے لئے حجاب ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ پر آپ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو چھوڑے بغیر توبہ کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین اپنے وسعت کے باوجود تجھ پر تنگ ہو جائے۔ یہاں تک کہ تیرے لئے فرار کی راہ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد تیری جان تجھ پر تنگ ہو جائے۔

## حضرت حبیب بن ابی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

قیامت کے دن آدمی پر اس کے گناہ پیش کئے جائیں گے۔ جو خطا اس کے سامنے

آئے گی۔ اس پر یہی کہے گا کہ میں اسی سے ڈرا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کا قصور اس سے معاف کر دیا جائے گا۔

## حضرت ابوالحسن بوشلجی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

ان کا قول ہے کہ اگر گناہ کی یاد میں لذت نہ رہے تو یہ توبہ ہے۔ گناہ کی یاد یا تو ندامت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یا دلی خواہش کی وجہ سے۔ جب ندامت کی وجہ سے ہو تو انسان تائب ہوتا ہے جب ارادے سے یاد آئے تو گناہ ہے۔ گناہ کا مرتکب ہونے میں وہ آفت نہیں جو اس کے ارادت میں ہے۔ کیونکہ ارتکاب تو ایک بار ہو چکا ہے مگر ارادت مستقل طور پر دل میں جاگزیں رہتی ہے۔ گھڑی بھر جسم سے گناہ کرنا اتنا سنگین نہیں جتنا کہ رات دن ارادت گناہ میں منہمک رہنا سنگین ہے۔

## شیخ سوسی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

آپ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا توبہ ہر اس چیز سے کی جاتی ہے جس کی علم نے مذمت کی ہو۔ اور جس کی چیز کی علم نے تعریف کی ہو اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں میں شامل ہے اور اس کا تعلق اس شخص سے ہے جسے علم کامل عطا کیا گیا ہو۔ چنانچہ علم کے سامنے جہالت اس طرح غائب ہو جاتی ہے جیسے طلوع آفتاب سے رات غائب ہو جاتی ہے۔

## حضرت ابراہیم دقاق رحمتہ اللہ علیہ کا قول

آپ فرماتے ہیں توبہ یہ ہے کہ جس طرح تو پہلے اللہ کی طرف پشت کئے ہوئے تھا اور ادھر توجہ نہیں دیتا تھا۔ اب تو ہمہ تن توجہ بن جائے اور پھر اس کی طرف پشت نہ کرے۔

## حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ کا قول

جو رحم کرتا ہے اس پر رحم ہوتا ہے۔ جو چپ رہتا ہے وہ سلامت رہتا ہے۔ جو اچھی بات کہتا ہے وہ غنیمت پاتا ہے۔ جو بری بات کہتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے اور جو اپنی زبان نہیں

روکتا وہ ندامت اٹھاتا ہے۔

## حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کا قول

اچھے آدمی کی ضرورت اسی لئے ہے کہ بھول چوک آدمی کو ہی کام ہے اور سب انسان انسان نہیں ہوتے۔ انسان گزر گئے اور بھوت رہ گئے۔ ان کو انسان کیسے جانیں جو آدمیوں کی ہتک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تین چیزوں میں مخفی رکھی ہیں۔ اول اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں۔ پس کسی طاعت کو حقیر مت جانو۔ شاید خدا کی رضامندی اسی میں ہو۔ دوم اپنے غضب کو معاصی میں۔ اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو، شاید اس کا غضب اسی میں ہو۔ سوم اپنی ولایت کو بندوں میں مخفی کر رکھا ہے لہٰذا اپنے بندوں میں سے کسی کو حقیر مت سمجھو۔ شاید اللہ کا ولی ہو۔

## شیخ ابوالحسن رضوی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

آپ کا قول ہے کہ توبہ یہ ہے کہ تم خدا کی یاد سے باہر ہر چیز کی یاد سے توبہ کرلو اور اس کے سوا تمہارے دل میں کوئی چیز نہ رہے۔

## حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کا قول

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم اپنی ذات کے خود وصی بنو۔ اور دوسرے لوگوں کو اپنے لئے وصی نہ بناؤ جب کہ خود تم نے اپنی زندگی میں اپنی نفس کی وصیت ضائع کردی تو پھر تم ان دوسروں کو اس بات پر کس طرح برا کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے تمہاری وصیت رائیگاں اور ضائع کردی ہے۔

## حضرت ابوعلی دقاق رحمتہ اللہ علیہ کا قول

آپ نے فرمایا کہ توبہ کے تین درجے ہیں۔

(۱) توبہ (۲) انابت (۳) اوبت

توبہ ابتدائی درجہ ہے۔ درمیانی درجہ انابت اور آخری یا انتہائی درجہ اوبت ہے۔ جس نے عذاب الہیٰ کے خوف سے توبہ کی وہ صاحب توبہ ہے۔ جس نے ثواب کے خاطر یا عذاب سے بچنے کے لئے توبہ کی وہ صاحب انابت ہے اور جس نے محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں توبہ کی، ثواب کی امید اور عذاب سے بچنے کے اندیشہ سے نہیں وہ صاحب اوبت ہے۔ انابت اولیائے مقربین کی صفت ہے، اوبت انبیاء ومرسلینؑ کی صفت ہے۔

## حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

آپ نے فرمایا کہ توبہ تین معانی پر حاوی ہے۔

(۱) گناہ پر پشیمانی۔

(۲) جس چیز کو اللہ نے منع فرمایا اس چیز کو دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ۔

(۳) حقوق انسانی کو ادا کرنے کی کوشش۔

ایک اور مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو میں نے ان کا رنگ پریدہ پایا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک جوان نے مجھ سے توبہ کے بارے میں دریافت کیا میں نے اس کو بتایا کہ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے۔ وہ نوجوان مجھ سے جھگڑنے لگا اور کہا کہ توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو بھلا دے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک تو توبہ کے یہی معنی ہیں جو اس جوان نے بتائیں ہیں۔ حضرت سری سقطی نے پوچھا کیوں، یہ معنی کیوں کر رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں کہتا ہوں کہ جب میں رنج وعلم کے عالم میں ہوتا ہوں تو وہ مجھے آرام وراحت کی حالت میں لے جاتا ہے۔ اور آرام وراحت کی حالت میں رنج والم کو یاد کرنا ظلم ہے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہوگئے۔

## حضرت ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

خواہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہو یا نہ ہو پھر بھی ہمیشہ استغفار کیا کرو۔ مومنوں کی جماعت

کو نہ چھوڑ و گو یا وہ گنہگار اور بدکار ہی کیوں نہ ہوں۔

## حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ابوسعید نے وصیت کی کہ خدا کا خوف اپنے اوپر لازم کر، کہ ہر ایک چیز کی خیر یہی ہے اور جہاد کرنا اپنے اوپر لازم کر کہ اسلام میں رہبانیت اسی کو کہتے ہیں اور قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھا کر، کہ وہ تیرے لئے زمین والوں میں نور ہوگا اور آسمان والوں میں تیری یاد رہے گی اور بہتر بات کے سوا سکوت اختیار کر کہ اس کے باعث شیطان پر غالب آجائے گا۔

## حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

انسان کو چاہئے کہ جس چیز سے توبہ کرے، اسے ہمیشہ اپنا دشمن جانے۔ جب تک بندے کے ساتھ خواہشوں میں سے کوئی خواہش رہے گی۔ وہ ہرگز اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے گا۔

## حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

راہ سلوک میں قدم رکھنے کے لئے ذکر وفکر کی ضرورت ہے اور ذکر وفکر کے لئے پہلی شرط توبہ ہے۔

## حضرت عبداللہ بن محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا تو اپنی لغزشوں سے توبہ کرتا ہے۔ ایک تائب غفلت سے توبہ کرتا ہے، ایک توبہ کرنے والا نیکیوں کے دیکھنے سے توبہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں میں بہت فرق ہے۔

## حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ تائب کے ظاہر و باطن میں معصیت کا شائبہ باقی نہ رہے۔ جس کی توبہ خالص ہوتی ہے وہ پرواہ نہیں کرتا کہ توبہ کے بعد اس کی شام کیسی گزری۔

## حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ نے مناجات میں کہا کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نے توبہ کی ہے، نہ یہ کہتا ہوں کہ اب ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں اپنی سرشت کو پہچانتا ہوں اور نہ میں اس کی ضمانت دے سکتا ہوں کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا کیونکہ میں اپنی کمزوریوں کو جانتا ہوں، پھر بھی میں کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا کیونکہ شاید میں دوبارہ ایسا کرنے سے پہلے مر جاؤں۔ ایک اور جگہ آپ نے فرمایا کہ توبہ کے بعد کا ایک گناہ توبہ سے پہلے کے تہتر گناہوں سے بدتر ہے۔

## حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ابن عطاؒ نے فرمایا کہ توبہ دو طرح کی ہے توبہ انابت اور توبہ استجابت۔ توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے توبہ کرے، توبہ استجابت یہ ہے کہ بندہ اللہ کے لطف و کرم سے حیا کرتے ہوئے توبہ کرلے۔

## حضرت ابو عمر الطائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ نے فرمایا کہ ایک روز ایک وزیر ایک عظیم لشکر کے ساتھ جا رہا تھا۔ عوام پوچھنے لگی کہ یہ کون ہے؟ سرراہ کھڑی ہوئی ایک ضعیفہ نے کہا کہ کیا تم یہ پوچھتے ہو کہ یہ کون ہے یہ ایک بندہ ہے۔ جو خدا کی نظروں سے گر گیا ہے اور خدا نے اس کو دنیا میں مبتلا کر دیا ہے جس میں تم جا رہے ہو۔ ضعیفہ کی یہ بات اس وزیر نے سن لی، گھر واپس جا کر انہوں نے وزارت سے استعفا دے دیا اور مکہ مکرمہ میں پہنچ کر مقیم ہو گئے۔

## شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ فرماتے ہیں کہ توبہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ توبہ سے توبہ کی جائے۔

## شیخ حسن المغازلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ فرماتے ہیں کہ توبہ انابت یہ ہے کہ تم اللہ سے اس لئے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے۔ کسی نے کہا کہ توبہ استجابت کیا ہے؟ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اللہ سے اس لئے شرماؤ کہ وہ تم سے قریب ہے۔ یہی وہ توبہ ہے کہ اگر وہ کسی بندہ حق کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو وہ نماز میں بھی اللہ کے ذکر کے علاوہ ہر تصور اور وسوسہ سے توبہ استغفار کرے۔

## ابوعلی شفیق بن ابراہیم الازمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ کے زمانے میں ایک سال بلخ میں سخت قحط پڑا لوگ ایک دوسرے کو کھا رہے تھے۔ اس عالم مصیبت میں آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان سر باز ناچ رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم کیوں ناچ رہے ہو، تمام خلقت مصیبت میں مبتلا ہے تمہیں اپنی روش پر شرم آنی چاہئے؟ نوجوان نے جواب دیا مجھے کوئی غم نہیں، میرا مالک ایک پورے گاؤں کا مالک ہے اور وہ میری روزی کا کفیل ہے۔ آپ نے چلا کر کہا، خدایا یہ نوجوان اس بات پر مطمئن ہے کہ اس کا مالک پورے گاؤں کا مالک ہے۔ تو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور روزی کا وعدہ کر چکا ہے پھر ہم بدنصیب اپنے آپ کو رنج و مصیبت میں مبتلا سمجھتے ہیں۔ پھر آپ نے توبہ کر کے راہ حق کو اختیار کر لیا۔

## ایک بزرگ کا قول

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے پس جو شخص دوسرے پر ظلم کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں پہل کرے گا۔ ایک اور قول ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کر کے سات برس تک پکا رہے تو پھر کبھی اس سے وہ گناہ نہ ہوگا۔

## حضرت عبدالرحمٰن بن ابی القاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول

مسلمان کا توبہ کرنا ایسا ہے جیسا اسلام کے بعد اسلام لانا۔

ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ میری مغفرت

کب کرتا ہے لوگوں نے پوچھا کب؟ فرمایا جب مجھے توبہ کی توفیق دیتا ہے۔

## حضرت ابوحفص حدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

آپ فرماتے ہیں کہ توبہ میں بندے کا اپنا کچھ اختیار نہیں ہوتا کیونکہ توبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے بندے کی طرف سے نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اپنی کوشش کا نتیجہ نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ کی عطا ہو۔

آپ توبہ کی منزل پر اس طرح پہنچے کہ آپ ایک لڑکی کی محبت میں مبتلا تھے اور اپنے دوستوں کے مشورے کے مطابق نیشاپور کے ایک یہودی سے مدد کے طالب ہوئے۔ یہودی نے کہا کہ چالیس دن تک نماز اور دعا کو ترک کرو، کوئی نیکی کا کام نہ کرو۔ پھر میرے پاس آؤ۔ میں کچھ ایسا انتظام کروں گا کہ محبوب تمہارے قدموں میں آ کر گرے گا۔ ابوحفص نے یہودی کی ہدایت پر عمل کیا اور چالیس دن کے بعد پھر اس کے پاس پہنچے۔ اس نے حسب وعدہ ایک نقش دیا مگر یہ بالکل بے اثر ثابت ہوا، یہودی نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چالیس دنوں میں تم نے ضرور کوئی نیک کام کیا ہے۔

سوچو، ابوحفص نے جواب دیا کوئی ایسا کام نہیں کیا سوائے اس چیز کے کہ راستے میں ایک چھوٹا سا پتھر پڑا ہوا تھا وہ میں نے پرے ہٹا دیا، تا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے، یہودی نے کہا اس خدا کی خلاف ورزی نہ کرو جس نے تمہاری اتنی سی نیکی کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ تم متواتر چالیس روز تک اس کے احکام سے روگرداں رہے ہو، ابوحفص نے توبہ کی اور یہودی مسلمان ہو گیا۔

## حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کا قول

حضرت مالک بن دینار خواجہ حسن بصریؒ کے مصاحب تھے، ان کی توبہ کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک رات کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول

تھے۔ جب سو گئے تو ایک ساز سے آواز آئی، اے مالک! تجھے کیا ہو گیا۔ کیوں توبہ نہیں کرتا؟ مالک بن دینار نے سب کچھ ترک کر دیا اور خواجہ حسن بصریؒ کے پاس آئے اور سچے دل سے توبہ کی اور بلند مقام پایا۔

## حضرت عبداللہ بن مبارک المروزیؒ کا قول

حضرت عبداللہ بن مبارک المروزیؒ بزرگ مشائخ میں گزرے ہیں، انہوں نے توبہ اس طرح کی کہ وہ ایک کنیز پر عاشق ہو گئے، ایک رات وہ رندوں کی صحبت سے اٹھے اور ایک ساتھی کو ہمراہ لیکر معشوقہ کی دیوار کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ وہ چھت پر آ گئی اور دونوں صبح تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ صبح کی اذان ہوئی تو عبداللہ سمجھے کہ شاید عشاء کی آذان ہے۔ جب سورج نکلا ہوا دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام رات دیدار میں غرق رہے۔ طبیعت کو بہت قلق ہوا، دل ہی دل میں کہا کہ اے ابن مبارک! تجھے شرم آنی چاہئے۔ ساری رات خواہش نفسانی میں کھڑا رہا، کرامات کا بھی طالب ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے حضور توبہ کی اور بعد میں علم اور طب میں مشغول ہو کر بلند مقام پایا۔

## حضرت ابو عمرو بن نجید اور ابو عثمان کا قول

کہا جاتا ہے کہ ابو عمرو بن نجید ابتداء میں ابو عثمان کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ ان کے کلام کا ان کے دل پر اثر ہوا اور ابو عمرو نے توبہ کر لی۔ پھر ان سے دوستی ہو گئی۔ اب جب ابو عثمان کو دیکھتے تو دور بھاگتے اور ان کی مجلس میں بھی نہ جاتے۔ ایک بار ابو عثمان سامنے سے آ نکلے۔ ابو عمرو راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستے پر ہو لئے۔ ابو عثمان نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ ان کے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ ان کو پا لیا، کہا بیٹا! جو شخص تجھ سے صرف اس صورت میں محبت کرتا ہے جب تو معصوم ہو تو ان کی صحبت میں نہ رہے۔ ابو عثمان تجھ کو اس حالت میں نفع پہنچا سکتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ابو عمرو بن نجید نے توبہ کی اور ان کے مرید ہو گئے اور اس پر قائم رہے۔ (بحوالہ: اللہ میری توبہ)

## بشر الحافیؒ کا قول

ایمان کے بعد سب سے پہلی چیز توبہ ہے مگر صحیح توبہ کے ابتدائی مرحلوں پر چند روحانی احوال کی ضرورت ہوتی ہے، اگر وہ درست رہیں تو توبہ میں استقامت نصیب ہوتی ہے لہٰذا توبہ سے پہلے ملامت کرنے والے ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ضمیر روحانی حال اور فیض خداوندی کا نتیجہ ہے۔ زجر و ملامت کی حالت توبہ کی کنجی اور اس کا آغاز ہے۔

ایک آدمی نے بشر الحافی سے پوچھا "کیا بات ہے کہ میں تمہیں غمگین دیکھتا ہوں" انہوں نے فرمایا "اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بھٹکا ہوا ہوں۔ راستے میں بھٹک گیا ہوں اور اس کی تلاش میں ہوں اگر یہ معلوم ہوتا کہ منزل مقصود کا راستہ کدھر ہے تو میں اسے تلاش کرتا مگر مجھ پر ایسا خواب غفلت طاری ہے کہ اس سے کوئی چھٹکارا نہیں۔ البتہ اگر مجھے زجز و ملامت کی جاتی تو مجھ پر اس کا اثر ہوتا۔"

کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک بدو کو دیکھا جس کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور ان میں سے پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تم اپنی آنکھیں کیوں نہیں پونچھتے؟" اس نے مجھے کہا "طبیب نے منع کر رکھا ہے اور جو منع کرنے سے باز نہ آئے اس کا بھلا نہیں ہوتا۔"

## شیخ ابو یزیدؒ کا قول

باطن میں برائی سے روکنے والا ایک حال ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور توبہ کرنے والے کے لئے اس کا وجود ضروری ہے۔ اس طرح باز آجانے کے بعد طالب حق پر انتباہ (بیدار ہونا) کا حال طاری ہوتا ہے جس کے بارے میں ایک بزرگ نے فرمایا ہے "جس نے حوادث اور مختلف کیفیات کے مطالعہ کو ضروری قرار دیا وہ بیدار ہے"

شیخ ابو یزیدؒ کا قول ہے کہ انتباہ کی پانچ علامتیں ہیں۔

۱۔ جب اپنے نفس کو یاد کرے تو اپنے آپ کو فقیر سمجھے۔

۲۔ جب اپنے گناہ کو یاد کرے تو استغفار کرے۔

۳۔ جب دنیا کو یاد کرے تو عبرت حاصل کرے۔

۴۔ جب آخرت کو یاد کرے تو خوش رہے۔

۵۔ جب مولیٰ کو یاد کرے تو لرزہ براندام ہو جائے۔

## حضرت سعد بن المسیبؒ کا قول

حضرت سعد بن المسیبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہ کان للاوابین غفورا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو گناہ کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں، پھر گناہ کرتے ہیں، پھر توبہ کرتے ہیں۔

## حضرت فضیلؒ کا قول

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ گناہ گاروں کو خوشخبری سناؤ کہ اگر انہوں نے توبہ کی تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا، اور صدیقین کو تنبیہ کرو کہ اگر میں نے ان پر عدل کیا تو میں انہیں عذاب دوں گا۔

## علق ابن حبیبؒ کا قول

علق ابن حبیبؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ایسے عظیم ہیں کہ لوگ انہیں ادا نہیں کر پاتے بلکہ گناہ گار ہوتے ہیں، اگر وہ صبح وشام توبہ نہ کریں تو معاملہ دشوار ہو جائے۔

## حضرت عبداللہ ابن عمر کا قولؓ

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو بندہ اپنے قصور پر نادم ہوتا ہے اس کا وہ قصور نامہ اعمال سے محو ہو جاتا ہے۔

## ایک بزرگ کا قول

ایک بزرگ کا قول ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے اور زندگی بھر اس پر نادم رہتا ہے یہاں

تک کہ وہ موت کے بعد جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔اس وقت شیطان کہتا ہے کہ کاش میں اسے گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

## حبیب ابن ثابتؒ کا قول

حبیب ابن ثابتؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بندے پر اس کے گناہ پیش ہوں گے۔اس کے سامنے جب بھی کوئی گناہ آئے گا وہ کہے گا کہ میں اسی سے خوفزدہ تھا،اس کے کہنے سے وہ قصور معاف کردیا جائے گا۔

## حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک گناہ کیا ہے اگر میں توبہ کرلوں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے گی یا نہیں؟ پہلے آپؓ نے اس کی طرف سے منہ پھیرلیا، پھر آنسو بہاتے ہوئے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جو کبھی بند ہوتے ہیں اور کبھی کھول دئے جاتے ہیں۔صرف توبہ کا دروازہ ایسا ہے جو بند نہیں ہوتا،تم عمل کرتے رہو اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔

## حضرت عبدالرحمٰنؒ کا قول

عبدالرحمٰن بن ابوقاسم سے روایت ہے کہ ایک بار عبدالرحمٰنؒ کی مجلس میں کافر کی توبہ کا ذکر ہوا اور اس آیت پر بھی گفتگو ہوئی ان ینتھو ایغفر لھم ماقد سلف ........ انہوں نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ مسلمان کا حال اللہ کے نزدیک زیادہ اچھا ہوگا کیونکہ مجھے یہ روایت ملی ہے کہ مسلمان کا توبہ کرنا ایسا ہے جیسے اسلام کے بعد پھر اسلام لانا۔

## حضرت عبداللہ بن اسلامؒ کا قول

حضرت عبداللہ بن اسلامؒ فرماتے ہیں کہ میں تم سے روایت بیان کرتا ہوں وہ یا تو نبی مبعوث آنحضرت ﷺ سے سنی ہوئی یا آسمان سے نازل شدہ کتاب قرآن کریم میں دیکھی

ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ گناہ کرنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے توبہ کر لیتا ہے تو اس سے کم عرصے میں وہ گناہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

## حضرت عمرؓ کا قول

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو، اس لئے کہ وہ نرم خو اور نرم دل ہوتے ہیں۔

## ایک بزرگؒ کا قول

ایک بزرگ نے کہا کہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ میری مغفرت اللہ کب کرے گا، کسی نے پوچھا کہ کب کریگا؟ تو فرمایا کہ جب وہ میری توبہ قبول کرے گا۔

## ایک بزرگ کا قول

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں توبہ سے محروم رہوں اس سے زیادہ خوفناک بات یہ ہے کہ میں مغفرت سے محروم رہوں اس لئے کہ مغفرت توبہ کے لئے لازمی ہے اگر توبہ نہ ہوگی تو مغفرت بھی نہ ہوگی۔

## حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہوں نے گناہوں کے درخت لگائے اور انہیں توبہ کے پانی سے سیراب کیا، پھر ان پر ندامت اور حزن کے پھل لگے، یہاں تک کہ بغیر جنون کے دیوانے ہو گئے اور بغیر عاجزی اور گونگے بن کے غبی بن گئے۔ حالانکہ یہ لوگ بڑے فصیح و بلیغ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی معرفت رکھنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے جام صفا نوش کیا اور طویل مشقت کے باوجود صبر کے خوگر بنے، پھر ان کے دل عالم ملکوت کی سیاحت کے مشتاق ہوئے اور انہوں نے اپنے فکر کی کمندیں پردہ ہائے جبروت کے مخفی اسرار پر پھینکنی شروع کیں۔ ندامت کے شجر سایہ دار کے نیچے بیٹھ کر انہوں نے اپنے گناہوں کا صحیفہ پڑھا اور اپنے نفوس پر خوف طاری کیا، یہاں

تک کہ تقویٰ کی سیڑھی لگا کر بلندیوں تک جا پہنچے، دنیا کی تلخی بھی شیریں ہوگئی اور بستر کی سختی بھی نرمی سے بدل گئی۔ نجات اور سلامتی کے زینے میسر آئے اور ان کی روحیں اتنی بلند ہوئیں کہ جنات نعیم کو ٹھکانہ بنالیا۔ یہ لوگ دریا حیات میں محوسفر ہوئے، انہوں نے مایوسی اور خوف کی خندقوں کو عبور کیا، نفسانی خواہشات کے پلوں سے گزرے، یہاں تک کہ علم کے وسیع میدان میں فروکش ہوئے، حکمت کے چشموں سے سیراب ہوئے، ذہانت کی کشتی کو ذریعہ سفر بنالیا، اس پر نجات کے بادبان تانے اور سلامتی کے سمندروں میں کشتی کو آگے بڑھایا۔ ساحل مراد تک پہنچے، راحت کے خیمے لگائے اور عزت وکرامت کے معدن سے فیض اٹھایا۔

## ایک بزرگ کا قول

ایک بزرگ کا قول ہے کہ انتباہ نیکی کی رہنمائی کا آغاز ہے۔ جب کوئی اپنی غفلت کی نیند سے چونکے تو یہ چیز اسے بیداری کی راہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہ بیداری اسے راہ ہدایت کی تلاش پر لگا دیتی ہے جب وہ اس کی تلاش میں پھرتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ وہ راہ حق پر ہے اس لئے وہ تلاش حق کرتا ہے اور وہ توبہ کی طرف لوٹتا ہے۔ اس حال انتباہ کے بعد اسے بیداری کا حال نصیب ہوتا ہے۔

## شیخ فارسؒ کا قول

شیخ فارسؒ کا قول ہے'' قابل ترین حال بیداری اور عبرت انگیزی ہے کہتے ہیں بیداری وہ نجاست کے مشاہدہ کے بعد راستے کی لکیر کے ظاہر ہونے کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب صحیح بیداری نصیب ہو جائے تو بیدار انسان راہ توبہ کے آغاز میں پہنچ جاتا ہے۔ بیداری پرہیزگاروں کے دلوں کے لئے مولیٰ کی ایک نشانی ہے جو انہیں راستہ بتاتی ہے اور جب بیداری کی تکمیل ہو جائے تو اسے مقام توبہ کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ بہرحال یہ تین حالتیں ہیں جو توبہ سے پہلے رونما ہوتی ہیں۔

## حضرت جنیدؒ کا قول

حضرت جنیدؒ کا قول ہے جس کی نگرانی درست ہو اس کی ولایت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ''کون سا کام افضل ہے'' تو آپ نے فرمایا: افضل کام سر باطن کی نگہداشت ہے جو ظاہر کے محاسبہ اور باطن کے مراقبہ سے ہے، ان میں سے ہر ایک کی دوسرے سے تکمیل ہوتی ہے اور ان دونوں سے توبہ قائم رہتی ہے۔''

مراقبہ اور نگہداشت دو عمدہ روحانی حال ہیں۔ توبہ کے مقام کی درستی کے ساتھ یہ بھی درست رہتے ہیں اور ان کی تکمیل سے توبہ درست رہتی ہے لہٰذا محاسبہ مراقبہ اور نگہداشت مقام توبہ کے لئے ضروری ہیں۔

## شیخ جریریؒ کا قول

شیخ جریریؒ کا قول ہے ہمارا کام ان دو فضیلتوں پر مبنی ہے۔

(۱) مراقبہ کو ضرور سمجھو۔ (۲) علم تمہاری ظاہری حالت کو اچھی حالت میں برقرار رکھے۔

یہ علم قیام ہے اور اسی کے ذریعے علم حال کی تکمیل اور اس کی کمی بیشی کا علم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا معیار معلوم کرے۔ یہ تمام چیزیں صحیح توبہ کے لئے ضروری ہیں۔ صحیح توبہ ان کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ تصور عزائم کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور عزائم اعمال کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ تصورات سے قلب کے ارادہ کی تکمیل ہوتی ہے اور چونکہ قلب اعضاء و جوارح کا حاکم ہے اس لیے جب تک قلب کوئی ارادہ نہ کرے اس وقت تک اعضاء حرکت میں نہیں آتے۔ لہٰذا مراقبہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعے سے بڑے تصورات کے مواد کا قلع قمع ہوتا ہے۔ مراقبہ کی تکمیل سے توبہ کی تکمیل ہوتی ہے اور جو تصورات کو ضبط کرے وہ اعضاء و جوارح کی ضروریات کو پورا کر لیتا ہے۔ اس کے بعد مراقبہ سے جو چیز چھوٹ جائے اس کی تلافی محاسبہ کرتا ہے۔

## مالک بن دینارؒ کا قول

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''میں ایک ہمسایہ کے گھر گیا جو مرض موت میں مبتلا تھا، وہ ایک گنہگار آدمی تھا۔ میں نے اس سے کہا کیا تو اللہ تعالیٰ سے عہد نہیں کرتا کہ تو کبھی گناہ نہیں کرے گا، ممکن ہے کہ تم اسی عہد پر مرجاؤ۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے گھر کے اندر سے ایک آواز سنی کہ اگر اس کا عہد ایسا ہو جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے اور پھر توڑ دیتا ہے تو اس میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ اس کا نقصان اور بڑھتا ہے۔ پس مالکؒ غش کھا کر گر پڑے۔

## ربیع بن خثیمؒ کا قول

ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ جب مرض موت میں گرفتار ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا ''آپ طبیب کیوں نہیں بلواتے؟'' وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمانے لگے:

''کہاں ہیں عاد اور ثمود اور اصحاب الراس اور ان کے درمیان دیگر بہت سی امتیں۔ خدا نے تمام کے سامنے مثالیں بیان کی اور تمام کو ہلاک کر دیا''۔

## سفیان بن عیینہؒ کا قول

سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہم فضیل بن عیاضؒ کی عیادت کو گئے تو فرمانے لگے کہ اگر تم میرے پاس نہ آتے تو مجھے یہ بات تمہارے آنے سے زیادہ پسند تھی، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارے پاس اپنے رب عزوجل کی شکایت نہ کروں۔

## یحیٰ بن معاذؒ کا قول

یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم کسی مریض کی عیادت کو گئے ہم نے اس کا حال دریافت کیا اس نے کہا جناب میں دنیا میں آیا تھا تو ناخوش تھا اس میں ظالمانہ زندگی بسر کی اب میں اس سے علیحدہ ہوتا ہوں تو پشیمان ہوں۔

## عطا سلمیؒ کا قول

حسن بصریؒ عطا سلمیؒ کے پاس ان کی بیماری کی حالت میں گئے ان پر صفرا کا غلبہ تھا۔ حسن بصریؒ نے کہا۔ اے عطا! اگر تم صحن میں لیٹو تو اچھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا میں اپنے رب سے شرماتا ہوں کہ وہ مجھے حظ نفس کے لئے سعی کرتے دیکھے۔

شداد بن حکیمؒ جب بیمار ہوتے تو مرض کے شکرانہ میں سو درہم صدقہ کرتے۔

## حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بیمار ہوئے تو ان کے پاس ایک نصرانی طبیب آیا۔ انہوں نے اسے ہاتھ لگانے سے روک دیا۔ جب وہ اٹھ کر چلا تو انہوں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور فرمایا۔ ''اے اللہ جیسے تو نے مجھے کفر کی تکلیف سے نجات دی ہے ایسے ہی جو تیری مرضی ہو میرے ساتھ کر۔''

## سفیان ثوریؒ کا قول

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اکابر کے سوا بہت کم مریض ان چار خصلتوں سے بچ سکتے ہیں۔ ۱۔ طمع ۔۲۔ جھوٹ ۔۳۔ شکوہ ۔۴۔ ریا۔

## حضرت عمر بن خطابؓ کا قول

حضرت عمر بن خطابؓ جب بیمار ہوتے تو طبیب کے مشورہ کے مطابق عمل نہ کرتے۔ لوگوں نے ایک دفعہ ان سے کہا آپ طبیب کیوں نہیں بلاتے؟ انہوں نے فرمایا بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تندرستی کان کو ہاتھ لگانے میں ہے تو کان کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔

## موت کے بارے میں اللہ والوں کے ارشادات

لوگ یحیٰ بن معاذؒ کے پاس آئے اور ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا'' میں

نے دنیا میں ظالمانہ زندگی بسر کی ہے۔"

امام شافعیؒ سے جب لوگوں نے حال دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "میں دنیا سے رخصت ہونے کو ہوں اور میرے بداعمال میرے سامنے آنے والے ہیں اور میں خدا کے فضل پر بھروسہ کیئے ہوں۔"

داؤد طائیؒ کے پاس ان کی بیماری میں ایک امیر آیا اور اس نے ایک ہزار دینار ان کے پہلوں میں رکھ دیئے اور کہا کہ "انہیں اٹھائیں، اللہ آپ کو آرام دے۔" پھر دریافت کیا "کیا کوئی اور ضرورت ہے؟" انہوں نے فرمایا ہاں آج کے بعد پھر تم میرے پاس نہ آنا"۔ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "یہ میری برائی کی موت سے پہلے اور بھاری بنانا چاہتا ہے۔"

فضیل بن عیاضؒ کے پاس لوگ عیادت کو گئے اور ان سے دریافت کیا۔" آپ کیا چاہتے ہیں؟" انہوں نے فرمایا "موت سے پہلے اپنے دوست یوسف بن اسباطؒ کو ایک نظر دیکھ لوں۔"

حاتم اصمؒ کسی بخیل کو موت میں خیرات کرتے دیکھتے تو فرماتے۔"اللہ اسے ہمیشہ بیمار رکھنا کیونکہ بیماری اس کے گناہ کا کفارہ ہے اور فقراء کے لئے بھی بہتر ہے۔"

محمد بن سیرینؒ سے لوگوں نے مرض موت میں ان کی حالت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا "میں شدید بلا میں گرفتار ہوں اگر بھوکا ہوتا ہوں تو سیر نہیں ہوتا، پیاس لگتی ہے تو بجھتی نہیں اور سونا چاہتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔" کہتے ہیں کہ محمد بن سیرینؒ بیماری کی حالت میں بہت کم شکایت کیا کرتے تھے لیکن یہ مرض ان پر بھاری ہوا اور ان کے جھیلنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اس لئے وہ دوستوں سے کہتے کہ "مہربانی کر کے میرے لئے دعا کرو۔"

ایک مرتبہ فضیل بن عیاضؒ بیمار ہوئے لوگوں نے ان سے حال دریافت کیا تو فرمانے لگے۔" راضی ہوں مگر میرے لئے ہر لمبی بیماری کی دعا کرو تا کہ میں لوگوں کو نہ دیکھوں اور نہ لوگ مجھے دیکھیں۔" ابوبکر بن عبداللہؒ کے پاس لوگ عیادت کے لئے گئے

،ابوبکر دو آدمیوں کے سہارے سے باہر آئے تو لوگوں نے دعا کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے رب کی اطاعت میں مشغول ہو اس سے پہلے کہ اس پر میرے جیسی حالت وارد ہو۔''

مامون کے پاس لوگ آخری وقت میں عیادت کے لئے گئے تو مامون اپنے خادموں کو کہہ رہا تھا۔ ''میرے لئے گھوڑے کی جھول بچھاؤ اور اس پر خاکستر پھلاؤ۔'' چنانچہ انہوں نے تعمیل کی پھر وہ لوٹنے لگا اور کہا ''اے دائمی ملک کے بادشاہ فانی ملک کے بادشاہ پر رحم کر۔''

سلمان فارسیؓ کا وقت وفات قریب آیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت کی تھی کہ تمہارا دنیاوی سامان اتنا ہونا چاہئے جتنا سوار کا توشہ لیکن افسوس کہ میں نے اس قدر مال ومتاع جمع کر لیا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا جب ان کا انتقال ہوا تو تمام اسباب کی قیمت صرف پندرہ درہم لگائی گئی۔

ابراہیم نخعیؒ کا جب وقت موت قریب آیا تو وہ روئے۔ لوگوں نے پوچھا رونے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا ''میں اپنے رب کے قاصد کا منتظر ہوں معلوم نہیں وہ جنت کی خوشخبری سناتا ہے یا دوزخ کی۔''

محمد بن منکدرؒ کی موت کا وقت آیا تو وہ روئے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''میں ان گناہوں پر روتا ہوں جنہیں میں اپنی نظر میں حقیر خیال کرتا تھا مگر وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں۔''

محمد بن سیرینؒ کا انتقال ہونے لگا تو وہ روئے۔ لوگوں نے دریافت کیا آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا ''گزشتہ زندگی میں کوتاہی اور نار جہنم میں جانے پر روتا ہوں۔''

عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات قریب آئی تو فرمانے لگے ''اے اللہ! میں نے گناہ کئے ہیں، اگر معاف کر دے تو مجھ پر احسان ہے اور اگر عذاب دے تو تیرا عدل ہے ظلم نہیں ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر

جان بحق ہو گئے۔

عامر بن قیسؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو روئے اور فرمانے لگے۔ ''میں موت کے ڈر سے نہیں روتا اور نہ مجھے دنیا کی حرص ہے بلکہ میں اپنے رب کی جی بھر کے اطاعت نہ کرنے پر اور سردیوں کی راتوں میں قیام نہ کرنے پر روتا ہوں۔''

عبداللہ بن مبارکؒ جب فوت ہونے لگے تو اپنے غلام سے کہا۔ ''میرا سر مٹی پر رکھ دو''۔ غلام رونے لگا۔ انہوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا'' مجھے آپ کا وہ آرام یاد آتا ہے جس میں آپ تھے اور اب آپ وہی ہیں کہ اس حالت میں جان دیتے ہیں''۔ انہوں نے فرمایا'' میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ میں ایسی حالت میں ہی مروں۔'' پھر فرمانے لگے۔ ''اے دوست! جب حالت بدل جائے تب مجھے لاالہ الا اللہ کی تلقین کرنا اور ایک دفعہ تلقین کر کے دوبارہ نہ کرنا۔ مگر جب میں اس کے بعد کوئی اور کام کروں۔''

عطاء بن یسارؒ فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا'' اے احمد تو دنیا سے اس حالت میں جا رہا ہے کہ مجھ سے مامون ہے۔'' انہوں نے فرمایا'' میں ابھی تیری عداوت سے مامون نہیں ہوں۔''

حضرت حسن بصریؒ ایک آدمی کے پاس گئے جو نزع کی حالت میں تھا تو فرمانے لگے'' جس کام کا انجام ایسا ہو اس سے شروع ہی سے بے رغبتی لازم ہے۔''

ابوذرؓ کا وقت وفات قریب آیا تو فرمانے لگے۔ ''اے موت گلہ گھونٹنے میں جلدی کر کیونکہ میں اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کا وقت آیا تو فرمانے لگے'' اے اللہ! ایک نہایت ہی سخت دل گنہگار بوڑھے پر رحم کر۔ اے اللہ میری لغزش معاف کر دے اور خطائیں بخش دے اور اس جاہل پر نرمی کر جو تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اور نہ کسی سے امید رکھتا ہے۔'' پھر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

ہشام بن عبدالملک رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنی اولاد کو دیکھا جو ان کے پاس رو رہی تھی اور کہنے لگے۔ ''ہشام نے تمہارے لئے دنیا بخش دی اور تم اس پر روتے ہو اور اس نے جو کچھ جمع کیا تمہارے لئے چھوڑ دیا اور تم نے اس پر اس کے کمائے ہوئے گناہ چھوڑے پس اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو ہشام کا انجام کیسا برا ہے۔''

۞۞۞۞۞۞

# آٹھواں باب

## گناہوں سے توبہ کرنے والوں کے سبق آموز واقعات

### واقعہ نمبر......۱

### بنی اسرائیل کے کِفل نامی شخص کی توبہ کا واقعہ

ترمذی شریف کے اندر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا عجیب وغریب واقعہ منقول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک ہی دومرتبہ نہیں سنا بلکہ سات آٹھ مرتبہ سے بھی زیادہ سنا اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان بڑی اہمیت کے ساتھ بار بار بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور اس شخص کا نام کِفل تھا۔ اس نے دنیا کا کوئی ایسا گناہ نہیں چھوڑا جس کا اس نے ارتکاب نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دولت دے رکھی تھی اور اس نے اس دولت کا ہمیشہ غلط استعمال کیا، فاحشات میں، برائیوں میں اس کا پیسہ خرچ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک غریب محتاج عورت اس سے کچھ قرض مانگنے کے لئے آئی تو اس شخص نے اپنے لئے موقع غنیمت سمجھا اور عورت بھی حسین وجمیل تھی عورت سے کہا کہ میں تمہیں ساٹھ دینار اس شرط پر دوں گا کہ تم مجھے اپنے ساتھ منہ کالا کرنے کا موقع دو۔ عورت ضرورت مند تھی مجبور ہو کر اس کی شرط منظور کرلی۔ اور جب یہ شخص اس عورت کے ساتھ منہ کالا کرنے کے لئے بیٹھنے لگا تو عورت کے پورے بدن میں لرزہ طاری ہوگیا اور بے اختیار رونے لگی تو کِفل نے پوچھا کہ میں نے تمہارے ساتھ زور وزبردستی کا معاملہ تو نہیں کیا تو اس عورت نے کہا کہ ٹھیک ہے تم

نے میرے ساتھ زور وز بردستی تو نہیں کی لیکن یہ ایسا کام ہونے جا رہا ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا اور آج ان پیسوں کی ضرورت کی بناء پر مجھے آپ کی شرط ماننی پڑی اور یہ ناجائز کام ہونے جا رہا ہے میں اسی وجہ سے رو رہی ہوں۔ اور اسی وجہ سے میرے بدن میں لرزہ طاری ہو رہا ہے۔ اور میں ایسا کام کبھی کرنا نہیں چاہتی۔ جب عورت کی بات کِفل نے سنی تو اسی وقت کِفل کو ہدایت نصیب ہوگئی اور یہ کہہ کر عین وقت میں عورت کو چھوڑ دیا، کہ میں آئندہ سے کبھی کسی قسم کا گناہ نہیں کروں گا۔ اور عورت سے کہا کہ میں نے تمہیں وہ ساٹھ دیناریوں ہی دیدیئے۔ جاؤ اس سے اپنی ضرورت پوری کرلو۔ اور کِفل نے اللہ سے عہدو پیمان کے ساتھ توبہ کرلی کہ اب کبھی کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ اتفاق سے اسی رات میں کِفل کا انتقال ہوگیا۔ اور بنی اسرائیل میں اللہ کی طرف سے یہ حکم جاری تھا کہ جب کوئی شخص رات میں کوئی گناہ کرے گا تو صبح کو اس کے دروازے کی چوکھٹ پر گناہ لکھا ہوا ہوتا اور اگر کسی نے توبہ کی ہے اور اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمالی ہے تو اس کے دروازے پر صبح کو یہ لکھا ہوا ملتا کہ اس کی مغفرت ہوچکی ہے۔ چنانچہ کِفل کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا کہ جب رات میں اس کا انتقال ہوا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لوگوں کو یہ لکھا ہوا ملا کہ اللہ نے کِفل کی مغفرت فرمادی ہے۔ تمام لوگ حیران اور ششدر ہو کر رہ گئے کہ اس کی کیسے مغفرت ہوگئی جبکہ اس نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عیش پرستی اور زناکاری میں گزاری ہے۔ مگر اللہ کی مغفرت کا سمندر انسان کے گناہ اور معصیت سے کہیں زیادہ وسیع اور بڑھا ہوا ہے انسان اپنے گناہ اور نافرمانی سے اتنا آگے بڑھنے پر قدرت نہیں رکھتا کہ اس کے گناہ کا سمندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سمندر سے بڑھ جائے اور ادھر اللہ نے یہ قانون بنا رکھا ہے کہ اللہ کی رحمت ہمیشہ اللہ کے غصے پر غالب رہا کرے گی۔ (ترمذی شریف)

## واقعہ نمبر.......۲

## بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کے بیٹے کی توبہ کا واقعہ

ابن اقدامہ المقدسیؒ نے اپنی تصنیف ''کتاب التوابین'' میں بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کے بیٹے کا عجیب قصہ بیان کیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے کافی لمبی عمر دی اور مال و اولاد میں بھی بڑا فرحصہ عنایت فرمایا۔ اس کے لڑکوں میں سے جب بھی کوئی لڑکا بڑا ہوتا تو بالوں کا بنا ہوا موٹا لباس پہنتا اور پہاڑوں میں جا کر ٹھر جاتا اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتا۔ زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زندگی گزار دیتا، یہاں تک کہ موت کا وقت آجاتا اور وہ اس دنیا فانی سے رخصت ہو جاتا۔ چنانچہ یکے بعد دیگر اس کے کئے لڑکوں کا یہی حال ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑھاپے میں ایک لڑکا عنایت فرمایا تو اس بادشاہ نے اپنی رعایا کے سرکردہ لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور ادھر میرے بڑھاپے کی حالت ہے اور یہ بھی تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ میرا لڑکا بھی بڑا ہو کر اپنے بھائیوں کی طرز اختیار نہ کر لے۔ مجھے اس بات کا خطرہ لاحق ہے کہ اگر میرے بعد میرا کوئی لڑکا تخت نشین نہ ہوا تو کہیں ملک میں تمہاری تباہی اور بربادی کی حالت پیدا نہ ہو جائے اس لئے تم ابھی اس لڑکے کو سنبھال لو اور اس کے دل میں دنیا کی رغبت و محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ میرے بعد تمہارا بادشاہ بن جائے اور ملک کا نظام درست رہے، تم تباہی سے بچے رہو۔ چنانچہ لوگوں نے بادشاہ کے حکم سے اس کی رہائش کے لئے تین تین میل لمبی چوڑی جگہ کے اردگرد دیوار بنا دی اور وہاں اس کا دل بہلانے کا ہر طرح سے انتظام کیا۔ چنانچہ شہزادہ اس چار دیواری میں عرصہ دراز تک رہا۔

عرصہ دراز کے بعد شہزادے نے ہوش سنبھالا، بڑا ہو تو ایک دفعہ وہ گھوڑے پر سوار

ہوا اور اس نے نظر دوڑائی کہ اس کے چاروں طرف ایک ایسی دیوار ہے جس کا کوئی بھی دروازہ نہیں۔ اس شہزادے نے اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اس دیوار کے پیچھے کوئی دوسرا ایسا جہان ہے جہاں اور لوگ بستے ہیں اس لئے مجھے اس دیوار سے باہر نکالو تا کہ میں اور لوگوں سے بھی ملوں اور میرے علم میں اضافہ ہو۔ اس کی اس خواہش کی بادشاہ کو اطلاع کی گئی۔ بادشاہ اس کی یہ بات سن کر خوف زدہ ہوا کہ کہیں یہ بھی اپنے بھائیوں کی روش نہ اختیار کر لے۔ اس لئے بادشاہ نے خدمگاروں سے کہا کہ اس کو لہولعب اور کھیل تماشوں میں خوب مشغول کر دو تا کہ اس کا یہ خیال دل سے نکل جائے چنانچہ خدمت گاروں نے حکم کی تعمیل کی۔

سال گزر جانے کے بعد وہ لڑکا پھر ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہوا اور تقاضہ کیا کہ اس چار دیواری سے باہر ضرور نکلنا ہے۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع دی گئی بادشاہ نے شہزادے کو چار دیواری سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ جلدی میں تیاری شروع ہوئی اور اس کو سونے، زمرد وغیرہ جواہرات سے جڑا ہوا تاج پہنایا گیا اور لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس دوران کہ شہزادہ جا رہا تھا، اچانک اس کی نظر ایک مصیبت زدہ پر پڑی۔ شہزادے نے خدمت گاروں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس کو کیا ہوا؟ خدمت گاروں نے جواب دیا کہ ایک مصیبت زدہ بیمار آدمی ہے۔ شہزادے نے پوچھا یہ مصیبت اور بیماری کسی کسی کو آتی ہے یا ہر شخص کو مصیبت آسکتی ہے۔ شہزدے نے پوچھا مجھ جیسے شہزادے کو بھی اس کا خطرہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔ شہزادے نے کہا افسوس تمہاری عیش والی زندگی پر جو ایسے خطرات والی ہو۔ اس کے بعد شہزادہ غمگین حالت میں واپس ہوا۔ شہزادے کی یہ صورت حال بادشاہ کو بتلائی گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کو لہو ولعب اور کھیل تماشوں میں خوب مشغول کر دو تا کہ اس کے دل سے غم وحزن نکل جائے۔ چنانچہ شاہی حکم کی تکمیل کی گئی۔

ایک سال گزر جانے کے بعد شہزادے نے پھر اس چار دیواری سے باہر جانے کا تقاضہ کیا چنانچہ خدمت گاروں نے اس کو پہلے کی طرح سونے اور قیمتی جواہرات سے جڑا

ہوا تاج پہنایا اور وہ شہزادہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ چار دیواری سے باہر نکلا۔

اسی دوران جب شہزادہ بڑی شان و شوکت سے جا رہا تھا اچانک اس کی نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جو بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ شہزادے نے خدمت گاروں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے اور اس کو کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی! یہ بوڑھا شخص ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ شہزادے نے پوچھا کہ کیا اسی کی یہ حالت ہوگئی ہے یا ہر بوڑھے، زیادہ عمر والے کو اس کا خطرہ لاحق ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں! بوڑھے شخص کو اس حالت کا خطرہ ہے۔ شہزادے نے کہا افسوس تمہاری اس زندگی پر جس میں کوئی شخص بھی خطرات سے محفوظ نہیں۔

اس دفعہ بھی شہزادے کی صورتحال سے بادشاہ کو مطلع کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کو خوب لہولعب میں مشغول رکھو چنانچہ خدمگاروں نے بادشاہ کے حکم کی تکمیل کی اور شہزادہ ایک سال کا عرصہ چار دیواری میں ہی رہا۔ جب عرصہ ایک سال گزر گیا تو شہزادہ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور چار دیواری سے نکل کر شہر میں چل دیا۔

اب کی مرتبہ بھی شہزادہ بازار سے گزر رہا تھا تو اس نے اچانک ایک جنازہ دیکھا کہ لوگ اس کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ شہزادے نے پوچھا مرنا کیا ہوتا ہے؟ اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ جنازہ شہزادے کے پاس لایا گیا۔ شہزادے نے لوگوں سے کہا اس کو بٹھاؤ، لوگوں نے جواب دیا جی! یہ تو مردہ ہے اب یہ بیٹھ نہیں سکتا۔ شہزادے نے کہا ذرا اس سے بات کرو، انہوں نے جواب دیا اب یہ بات نہیں کرسکتا۔ شہزادے نے پوچھا اب تم اس کو کہاں لے جا رہے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ قبرستان میں تاکہ اس کو قبر میں دفن کریں۔ شہزادے نے پوچھا پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ لوگوں نے جواب دیا اس کو حشر کا سامنا کرنا پڑے گا شہزادے نے پوچھا حشر کیا چیز ہے؟ لوگوں نے جواب دیا **یوم یقوم الناس لرب العالمین** (المطففین ۵) ''جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے پیش ہونگے۔'' ہر شخص کو اسکے اچھے برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ شہزادے نے پوچھا

کیا اس جہاں کے علاوہ بھی کوئی اور دوسرا جہاں ہے جہاں ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ ملے گا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! ضرور ہے۔

شہزادہ یہ سن کر گھوڑے سے نیچے اترا اور اپنے منہ پر مٹی ملنے لگا اور لوگوں سے کہا میں جس بات سے ڈرتا تھا تم نے ظاہر کردی۔ یہ کتنے نقصان کی بات ہوئی کہ حشر کا دن آ پہنچتا اور مجھے اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ قسم ہے اس رب کی جو ہر ایک کا پالنے والا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے اچھے برے کا بدلہ دے گا، یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے، آج کے بعد تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ خدمت گاروں نے کہا ہم تو آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ خدمت گار شہزادے کو بادشاہ کے پاس لے گئے، شہزادے کی حالت ایسی ہوگئی کہ قریب تھا اس کا خون خشک ہو جائے۔ بادشاہ نے شفقت کے ساتھ پوچھا بیٹا! یہ بے قراری اور بے چینی کس وجہ سے ہے؟ شہزادے نے جوادب دیا میری یہ بے قراری اور بے چینی اس دن کے خوف سے ہے جس دن ہر شخص کو اس کے اچھے برے کا ضرور بدلہ ملے گا۔

اس کے بعد شد شہزادے نے شاہی جوڑے اتار دیئے، عام سادہ لباس پہن لیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں رات کو نکل جاؤں۔ چنانچہ جب رات کا آدھا حصہ گزر گیا تو وہ چل دیا۔ ابھی وہ شاہی محل کے دروازے سے نکلا ہی تھا کہ اس نے یہ دعا مانگی ''الٰہی میں تجھ سے صرف ایک ہی سوال کرتا ہوں نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ وہ یہ ہے کہ میں اس فانی دنیا کو اپنی آنکھوں کے ساتھ ایک نظر بھی نہ دیکھوں۔''

❀❀❀❀

**واقعہ نمبر......۳**

## بنی اسرائیل کی ایک عورت کی توبہ کا واقعہ

فقیہہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے یہ حکایت سنی کہ بنی اسرائیل

میں ایک فاحشہ عورت تھی لوگ اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو ہو جاتے تھے۔ اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا اور جو بھی ادھر سے گزرتا اسے دروازے کے سامنے گھر میں چار پائی پر بیٹھے دیکھتا اور جو شخص اسے ایک نظر دیکھ لیتا بس اس پر لٹو ہو جاتا۔ اور اگر اس کے پاس پہنچنے کا ارادہ کرتا تو اسے دس دینار کے قریب پیش کرنے ہوتے۔ تب وہ اپنے پاس آنے کی اجات دیتی۔ ایک دن ایک عابد کا ادھر سے گزر ہوا عورت گھر میں اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہ جو اس پر پڑی فریفتہ ہو گیا۔ دل قابو میں نہ رہا۔ ہزار جتن کئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں مگر اس کے دل سے عورت کی محبت زائل نہ ہوئی اور اس وجہ سے بہت مشقتیں جھیلتا رہا۔ بالآخر اپنا مال واسباب بیچ کر جتنے دینار ضروری تھے جمع کئے اور اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ عورت نے دینار اپنے وکیل کے حوالے کرنے کو کہا اور عابد کو ایک مقررہ وقت کا وعدہ دیا۔ عابد مقررہ وقت پر اس کے پاس آیا عورت زیب و زینت کئے ہوئے اپنے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ عابد بھی اس کے ساتھ پلنگ پر جا بیٹھا اور بے تکلفی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس کی حفاظت فرمائی، سابقہ عبادتوں کی برکتوں کا ظہور ہوا۔ فوراً دل میں یہ خیال آیا کہ عرش والا مجھے اس حالت میں دیکھ رہا ہے۔ میرے اس حرام عمل سے سب کی ہوئی عبادتیں ضائع ہو جائیں گی۔ پس دل پر ایک ایسا رعب چھایا جس سے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا رنگ بدل گیا عورت یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی کہنے لگی کیا ہوا ہے۔ عابد بولا مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے اور ڈر لگتا ہے بس جانے کی اجازت دیجئے عورت کہنے لگی بڑی افسوس ناک بات ہے کتنے لوگ ہیں جو اس فرصت کی تمنا رکھتے ہیں جو تجھے اس وقت میسر ہے تو کس وسوسے میں الجھ گیا ہے۔ عابد کہنے لگا مجھے تو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ میں نے جو مال دیا ہے وہ تجھے حلال ہے بس مجھے جانے دو۔ عورت بولی یوں لگتا ہے کہ تو نے پہلے کبھی یہ عمل نہیں کیا۔ عابد نے کہا نہیں۔ عورت نے پوچھا تو کہاں سے آیا ہے اور کیا نام ہے۔ عابد نے اپنی بستی کا پتہ بتایا اور اپنا نام بھی بتایا۔ عورت نے اسے باہر جانے کی اجازت دے

دی۔ یہ وہاں سے نکلا اور واویلا کرتا ہوا روتا اور سر پر مٹی ڈالتا تھا۔ ادھر عورت کے دل میں بھی اس عابد کی برکت سے خوف طاری ہونے لگا۔ اور وہ اپنے جی میں کہنے لگی کہ اس شخص کا یہ پہلا گناہ تھا اور اس پر یہ اتنا خوف زدہ تھا اور میں برسوں سے گناہوں میں مبتلا ہوں اور جس اللہ سے وہ ڈرتا ہے میرا بھی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے مجھے تو بہت ہی خوف کھانا چاہیئے اس کے بعد توبہ کر لی گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ پھٹے پرانے کپڑے پہن لئے اور عبادت میں مشغول ہوگئی۔ ایک دن اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ اس عابد کے پاس چلی جاؤں ہوسکتا ہے وہ میرے ساتھ نکاح ہی کر لے اور میں اس کے پاس رہ کر کچھ دین کی باتیں سیکھ لوں۔ اور وہ شخص عبادت میں بھی میرا معاون ہوگا۔ چنانچہ اس نے سامان باندھ کر تیاری کر لی حسب ضرورت خادم ساتھ لے کر اس بستی میں پہنچی اور اس عابد کا پتہ پوچھا عابد کو بتایا گیا کہ ایک عورت آئی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے وہ باہر نکلے عورت نے اسے دیکھا تو چہرہ کھول دیا کہ وہ بھی اسے پہچان لے عابد دیکھ کر پہچان گیا اور تمام ماجرا اس کی نگاہوں میں پھر گیا۔ ایک چیخ ماری اور روح پرواز کر گئی۔ عوت کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ کہنے لگی کہ میں تو اسی کے لئے آئی تھی اور یہ فوت ہو چکے ہیں۔ کیا ان کے خاندان میں کوئی ہے جسے رشتہ کی ضرورت ہو۔ لوگوں نے بتایا کہ ان کا ایک بھائی ہے جو کہ بڑا نیک ہے البتہ مالدار نہیں وہ کہنے لگی کہ مال کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس کافی مال ہے چنانچہ اسی کے ساتھ نکاح ہوگیا جس سے سات بچے پیدا ہوئے جو بنی اسرائیل کے نبی بنے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۴

## بنی اسرائیل کے ۹۹ افراد کے قاتل کی توبہ کا واقعہ

بخاری و مسلم میں بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے یہاں توبہ کی قبولیت سے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا نہایت خوبصورت اور ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص چوری ڈکیتی اور قتل میں بہت مشہور تھا اور نہایت معمولی بات پر کسی کو قتل کر دیتا تھا، ہوتے ہوتے اس کے ہاتھ سے ۹۹ افراد کا قتل ہو چکا ۔اس کے بعد اس کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ مجھے بھی تو اللہ کے یہاں جانا ہے۔ چنانچہ یہ فکر بڑھتا رہا اور لوگوں سے معلومات کرتے ہوئے سرگداں پھرنے لگا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کسی عالم شخص سے ملاقات کی فکر ہوئی کہ معلوم کیا جائے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے ایک عابد شخص کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ اس شخص نے اس کے پاس جا کر مسئلہ معلوم کیا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے، اور کیا میری مغفرت ہو سکتی ہے جبکہ میں نے ننانوے انسانوں کی جان ماردی ہے۔ تو اس عابد کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو اس نے اپنی عقل سے قیاس آرائی کہ جو آدمی ننانوے انسانوں کی جان مار سکتا ہے اس کی مغفرت کہاں سے ہوگی۔ چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ تیری توبہ قبول نہیں ہوگی، تو اس شخص نے غصہ اور جلال میں آ کر اس کو بھی قتل کر کے سو (۱۰۰) پورے کر دیئے۔ کہ جب میری توبہ قبول نہیں ہوتی ہے تو لاؤ تجھے بھی ختم کر کے سو (۱۰۰) پورے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سو پورے کر دیئے۔

مگر اس کے دل میں تردد باقی رہا کہ میری مغفرت کی کوئی شکل ضرور ہوگی۔ اس لئے اس نے لوگوں سے پھر معلومات کا سلسلہ جاری کر دیا کہ روئے زمین میں سب سے بڑا عالم کون ہے اس سے جا کر کے معلوم کروں گا، وہی صحیح مسئلہ بتا سکتا ہے۔ آخر لوگوں نے اس کو بتلایا کہ فلاں جگہ ایک عالم رہتا ہے اس سے جا کے معلوم کرو۔ چنانچہ اس نے اس عالم صاحب کے پاس جا کر اپنی زندگی کی کارگذاری سنائی اور سو آدمیوں کو کس طرح سے قتل کیا ہے سارا کارنامہ سنا کر معلوم کیا کہ اب بتلائیے کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کیا اللہ کے یہاں مجھ جیسے گناہ گار کے لئے بھی مغفرت کا کوئی خانہ ہے تو اس عالم

صاحب کو چونکہ علم تھا تو اس نے بتلایا کہ تیرے گناہ معاف کرنے میں اللہ کے یہاں کیا رکاوٹ ہے۔ اللہ کی رحمت کا سمندر تجھ جیسے گناہ گاروں کے گناہوں سے بہت بڑا اور بہت وسیع ہے چنانچہ اس عالم صاحب نے مشورہ دیا کہ تم فلاں جگہ سفر کر کے جاؤ وہاں کچھ اللہ کے بندے رہتے ہیں ان کا مشغلہ صرف اللہ کی عبادت ہے، ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو، اور نادم ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ انشاء اللہ تمہاری مغفرت ہو جائے گی۔ جب اس شخص نے آدھا راستہ طے کر لیا تو ملک الموت آ گئے اور اس کی موت ہو گئی۔ اب اس کی روح لیجانے کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ آسمانوں سے رحمت کے فرشتے بھی آئے اور عذاب کے فرشتے بھی۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی روح لیجانے کا حق ہم کو ہے۔ اس لئے کہ یہ سچے دل سے تائب ہو کر عبادت کے لئے جا رہا ہے اور عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی روح لے جانے کا حق ہم کو ہے اس لئے کہ اس شخص نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا ہے۔ پوری زندگی معصیت میں گنوادی ہے اسی دوران آسمانوں سے آدمی کی شکل میں ایک فرشتہ آیا۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنے والا فرشتہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تھے۔ چنانچہ اس فرشتہ نے تشریف لا کر ان دونوں طرح کے فرشتوں کے درمیان یہ فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی مسافت ناپ کر کے دیکھ لو کہ جہاں سے آ رہا ہے وہاں کی مسافت قریب ہے یا جہاں جا رہا ہے وہاں کی مسافت۔؟

لہٰذا جہاں کی مسافت قریب ہو اس شخص کو وہاں والوں میں شمار کر دیا جائے۔ چنانچہ دونوں طرف کی زمین ناپ کر دیکھی گئی تو جہاں جا رہا تھا وہاں کی مسافت جہاں سے آ رہا تھا اس کے مقابل میں صرف ایک بالشت قریب ہے چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مقام معصیت سے مقام عبادت صرف ایک بالشت قریب ہے، س لئے رحمت کے فرشتوں کو اس کی روح لیجانے کا حق ہوگا۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے اس کی مغفرت کا اعلان ہو گیا۔

ایک روایت میں آتا ہے قتادۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حسن نے فرمایا کہ ہم سے

یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس شخص کے پاس جب ملک الموت آیا تو وہ شخص سینے کے بل اس سرزمین کی طرف گھسیٹتا گیا۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور وہ مجھے جہاں بھی یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوں، بخدا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی ایسے شخص کو ہوتی ہے جس کا جانور بیابان میں گم ہوکر پھر اسے مل جائے، اور جو شخص ایک بالشت میری طرف آتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے میں اس کے ایک باع (پھیلائے ہوئے دونوں ہاتھوں کے درمیان کی مسافت) قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری شریف)

## واقعہ نمبر......۵

## ایک نافرمان شخص کی توبہ کا واقعہ

ایک بار بنی اسرائیل قحط میں گرفتار ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام باران طلب کرنے کے لئے نکلے۔ اس سے سوائے حرارت افتاب کے اور کچھ نہ بڑھا اور آسمان بلکل ابر سے صاف ہوگیا۔ انہوں نے عرض کیا اے رب! اگر آپ کے نزدیک میری جاہ میں کہنگی آگئی ہوتو محمد ﷺ کی جاہ کی بدولت ہمیں باران رحمت عطا فرمایئے۔ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کے جاہ اور مرتبے میں کچھ کہنگی نہیں آئی ہے لیکن آپ کی جماعت میں ایک شخص چالیس برس کا ہے اور وہ میری نافرمانی کیا کرتا ہے۔ اس وجہ سے میں نے بارش روک دی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے نافرمان! جو چالیس برس کا ہوکر بھی اپنے رب کی نافرمانی کئے جاتا ہے میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ہماری جماعت

سے نکل جا۔اس نافرمان نے کہا اگر میں اٹھوں گا تو تمام بنی اسرائیل مجھے پہچان لیں گے ۔اس نے گریبان میں اپنا منہ ڈال لیا اور کہنے لگا الٰہی میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اس کے بعد ایسی بارش ہوئی گویا مشکوں کا منہ کھل گیا۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! آپ نے کس کی بدولت ہمیں باران رحمت سے سیراب کیا ہے؟ ارشاد ہوا اس نافرمان کی بدولت ۔انہوں نے کہا اے رب! میں بھی اسے دیکھوں مجھے بھی دکھا دیجئے۔ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں نے نافرمانی کی حالت میں تو اسے رسوا کیا نہیں پھر بھلا اب کیسے رسوا کروں۔حالانکہ وہ توبہ کر چکا ہے۔

عقائق الحقائق میں لکھا ہے کہ عرش کے پایہ میں ہر بندے کی صورت ہوتی ہے اور اس پر پردہ پڑا رہتا ہے۔جب کوئی فرماں برداری کا کام کرتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے۔فرشتے اسے دیکھتے ہیں اور جب کوئی نافرمانی کرتا ہے تو پردہ گر پڑتا ہے۔پس فرشتے اسے نہیں دیکھ سکتے۔میں نے احیاء العلوم میں دیکھا ہے کہ بندہ جس حالت میں ہوتا ہے اسی حالت کے موافق عرش میں اس کی صورت مثالی بن جاتی ہے۔جب وہ سکرات موت میں ہوتا ہے تو عرش میں اسے اپنی صورت مشکوف ہو کر معلوم ہونے لگتی ہے۔پس کبھی اپنے کو نافرمانی کی حالت میں دیکھتا ہے تو اس پر ایسا خوف طاری ہوتا ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔میں نے خدا تعالیٰ کے قول **مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** کی تفسیر میں دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نیکیوں کے کاتب کو روزانہ بدل دیا کرتا ہے اور برائیوں کا کاتب وہی حاضر رہتا ہے۔اس کو تبدیل نہیں فرماتا چنانچہ اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت میں بندہ کی نیکیوں کے بکثرت گواہ آئیں گے اور برائیوں کا کاتب ایک ہی ہوگا۔خدائے تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں اتنی بڑی جماعت کی چھوڑ کر ایک کی نہیں مانتا۔

**واقعہ نمبر......۶**

## ایک گناہ گار کی توبہ کا واقعہ

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو بیس برس تک نبرہ کاری میں مبتلا رہتا تھا۔ پھر ایک بار اس نے آئینہ دیکھا تو ڈاڑھی میں سفید بال نظر پڑے۔ کہنے لگا الٰہی میں بیس برس تک نافرمان رہا ہوں۔ اگر پھر میں آپ کی طرف رجوع ہو جاؤں تو کیا آپ قبول فرمالیں گے؟ آواز آئی تو ہم سے محبت کرتا تھا۔ ہم تجھ سے محبت کرتے تھے تو نے ہمیں چھوڑ دیا ہم نے تجھے چھوڑ دیا تو ہمارا نافرمان بنا ہم نے تجھے مہلت دی۔ اگر تو ہماری طرف رجوع ہو جائے گا ہم تجھے مقبول بنالیں گے۔ سورہ یوسف کی تفسیر علائی میں میری نظر سے گذرا اللہ تعالیٰ نے صحف ابراہیم علیہ السلام میں نازل فرمایا ہے اللہ عزوجل وحمید کی جانب سے گریز پابندوں کو معلوم ہو کہ یہ تم کو میرا پیغام ہے۔ چونکہ تم کو میں نے نور علم اور تیزی فہم کے ساتھ مخصوص کیا ہے اولاً یہ کہ میں تم کو عدم سے وجود میں لایا میں نے تمہاری انکھیں بنائیں تو تم بینا ہوئے۔ تمہارے کان پیدا کئے تو تم سننے کے قابل ہوئے۔ تم کو زبان دی تو تم گویا کہلائے۔ تمہیں دل عنایت کئے تو تم کو علم ملا۔ عقل دی تو تم سمجھدار بنے۔ تمہاری جانوں کو میں نے وحدانیت کا شاہد بنایا تو تم اس کے شاہد ہوئے۔ آنے کے وقت تم نے پشت پھیر لی۔ اقرار کر کے تم متنفر ہو گئے۔ تم عہد شکنی کر کے غدار بنے۔

الختصر یہ باتیں تمہیں وحشت زدہ نہ بنائیں۔ اگر تم رجوع ہو گئے تو ہم بھی رجوع ہو جائیں گے اور زیادہ کرم کریں گے۔ ہم نے پیدا کیا پس جس سے لغزش ہو گی، ہم درگزر کریں گے، جو الگ ہو گا ہم اس سے ملیں گے جو توبہ کرے گا ہم قبول کریں گے، جو فراموشی اختیار کریگا ہم اس کو یاد رکھیں گے جو تھوڑا عمل کرے گا اس کی ہم قدر دانی کریں گے ہم عطا کریں گے ہم دیں گے ہم بخشش کریں گے، نرمی سے پیش آئیں گے معاف کریں گے درگزر کریں گے ہمارا کرم سب پر مبذول ہے، ہمارا پردہ آویزاں ہے۔ اے میرے

بندے آسمان اور اس کی بلندی کی طرف نظر کر، آفتاب اور اس کی شعاع کو دیکھ زمین اور اس کے اطراف کو اس کے دریاؤں اور موجوں کو، اس کی فصلوں اور مختلف زمانوں کو، جو کچھ ظاہر اور پوشیدہ ہے، جو متحرک اور ساکن ہے جو قریب اور بعید ہے، جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے، جو کچھ تر و خشک ہے، جو ٹھرانے اور بیٹھنے والا ہے، جو متحرک اور جامد ہے، جو بیدار اور خوابیدہ ہے، جو رکوع اور سجدے میں ہے، جو غائب یا حاضر ہے، جو پوشیدہ وعیاں بھی ہے، یہ سب کے سب میرے جلال کے شاہد ہیں۔ میرے کمال کا اقرار کرتے ہیں۔ میرے ذکر کا اعلان کرنے والے ہیں۔ میرے شکر سے غافل نہیں۔ اے میرے بندے! میں تو تیری یاد رکھتا ہوں اور تو مجھے فراموش کئے ہوئے ہے۔ میں تیری پردہ پوشی کرتا ہوں اور تو میرا لحاظ نہیں کرتا۔ اگر میں زمین کو حکم دوں تو اسی دم تجھ کو نگل جائے، اگر دریاؤں کو حکم دوں تو تجھے غرق کر دیں۔ لیکن میں اپنی قدرت سے تیرا حامی ہوں اور اپنی قوت سے تیرا مدد گار۔ ایک زمانہ مقرر اور مدت معین تک میں ٹال رہا ہوں۔ پھر ناچار تجھے میرے پاس آنا پڑے گا اور میرے سامنے تجھے کھڑا ہونا ہوگا۔ میں تیرے اعمال تیرے سامنے ایک ایک کر کے گن دوں گا اور تیرے کل افعال کی تجھے یاد دہانی کروں گا۔ یہاں تک کہ جب تجھے اپنی تباہی کا یقین آ جائے گا اور تو کہے گا اب لامحالہ ہوا تو اپنی مغفرت تجھے عطا کروں گا اور اپنی رضامندی تجھے عنایت کروں گا۔ تیرے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دوں گا اور کہوں گا غمگین نہ ہو۔ چنانچہ تیری وجہ سے میرا نام غفار ہے۔

عظۃ الالباب میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؑ کے پاس وحی بھیجی کہ اے میرے نبی! گنہگاروں کے لئے بساط کرم بچھایئے اور خطا کاروں کے لئے میری رحمت کے وسعت کو پہچانئے اور بھاگنے والوں کو میری طرف واپس لایئے اور طالبوں کو میری راہ بتلایئے اور نافرمانوں کو کہہ دیجئے کہ میں نے ان کے لئے اپنے پاس بساط قبول بچھا رکھی ہے ۔اور آسان تر اعمال سے میں انہیں اپنا مقرب بنالوں گا۔ پھر میری مغفرت کے سامنے ان کے گناہوں کی کیا حیثیت ہے اور ان کی خطائیں میری وسعت رحمت کے قریب ہی نہیں

پہنچ سکتیں۔ اگر گناہ عظیم ہوں یا عیب بہ کثرت ہوں تو کیا ہوا۔ میرے ابرِ کرم کا ایک قطرہ ان کا ایک گناہ بھی باقی نہ رکھے گا اور میری رضامندی کی ایک نگاہ ان کے کسی عیب کو نہ چھوڑے گی۔ اے میرے نبی میرا یہ برتاؤ اس کے ساتھ ہے جو مجھ سے روگردان ہو جائے۔ پھر بلا اس کے ساتھ میرا کیا معاملہ ہوگا جس کو دل مجھ سے پر ہو۔ میری اطاعت نے اس کے تمام اوقات کا احاطہ کرلیا ہو۔ میرے معاملے میں اس کی عمر گزر گئی ہو۔ اے میرے نبی! میری طرف قصد کر کے آنے والوں کو مژدہ ہو۔ میری طرف چل کر آنے والوں کو بشارت ہو۔ ان کے دن روزا اور راتیں شب بیداری ہیں۔ میں گفتگو میں ان کی خبر رکھتا ہوں۔ میرے فرشتے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور میری جنت ان کی مشتاق ہے۔ ان کے دل میری معرفت کے خزانے ہیں۔ وہ مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے ایسے مشتاق ہیں جیسے کبوتر کا اشتیاق ہوا کرتا ہے اور میرے لئے تیمیوں کی طرح روتے ہیں ان کی دردناک آواز میرے نزدیک فرشتوں کی تسبیح سے افضل ہے۔ قسم اپنی عزت اور جلال کی میں ان کو ایسی چیزیں دوں گا جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوگی۔ اے میرے نبی مجھ سے بھاگنے والا بھاگ کر کہاں جائے گا یا گناہ گار مجھ سے کہاں تک بھاگے گا۔ کیا قیامت اس کو یک جان کردے گی اور میرے ہی پاس اسے پھر پھرا کر آنا پڑے گا۔ پھر میں اسے جزا دینے والے کی طرح جو مخفی بھید جانتا ہو محاسبہ کروں گا اور اس سے ایسی باز خواست کروں گا جیسے کوئی واقف کار بعض خواست کرے۔ جس سے دلوں کے بھید بھی پوشیدہ نہ رہ سکیں۔ اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر میں چاہتا تو جو تھوک منہ میں ہوتا ہے اسی سے اس کا دم بند کردیتا اور وہ گھٹ کر ختم ہوجاتا یا جو کپڑے وہ پہنے تھا اسی میں آگ لگا دیتا وہ جل کر خاک سیاہ ہوجاتا لیکن میں ایسے دن پر اس کو ٹال رہا ہوں جس دن اس کی ٹکٹکی بندھ کر رہ جائے گی اور کوئی عذر باقی نہ رہے گا۔

طہارت القلوب میں بروایت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نقل ہے کہ انہوں نے جبل عرفات پر کسی شخص سے کہا بتلاؤ کہ اگر اتنے سب لوگ کسی مالدار سے ایک دانگ مانگیں تو ان کو نہ دے

گا۔اس نے جواب دیا نہیں انہوں نے کہا تمہارے نزدیک ایک دانگ دو تھائی ہے خدا کے نزدیک مغفرت یقیناً۔اس سے بھی کم ہے۔

واقعہ نمبر......۷

## بنی اسرائیل کے ایک شخص کی توبہ کا واقعہ

بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا گنہگار تھا۔آخر عمر میں غفلت سے چونکا اور اپنے گھر والوں سے کہنے لگا کیا کوئی ایسا ہے جو خدا سے میری سفارش کردے۔انہوں نے کہا کوئی نہیں۔وہ جنگل کو نکل گیا اور زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا اے اللہ! آپ ہی میری بیماری اور آپ ہی میری بیماری کا علاج جانتے ہیں میں آپ کے پاس خانہ برباد فقر اور عمل درا ز صلاح کے ساتھ حاضر ہوا ہوں اور مجھے کوئی نہیں ملا جو میری سفارش کرتا اور نہ پناہ گزین ہونے کے قابل کوئی مقام ملا جو مجھے بچالیتا۔میری درخواست ہے کہ جو معاملہ آپ کے کرم کو شایاں ہے میرے ساتھ کیجئے۔ہاتف نے آواز دی کریم مہربان کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے دیکھو اس کے ساتھ وہ کیا معاملہ کرتا ہے۔ہم نے تیرے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا اور تیرے درجے بلند کردیئے۔خبر میں وارد ہے جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے آسمان اور زمین کے درمیان ستر قندیلیں روشن کی جاتی ہیں اور منادی پکارتا ہے۔سن لو کہ بندے نے اپنے مالک سے صلح کرلی ایک بار کا زکر ہے کہ ایک مرد صالح کا ایک چرواہے پر گزر رہوا جو بکریاں چرارہا تھا اور بھیڑیے اس کے ساتھ ساتھ تھے۔وہ بولا بکری اور بھیڑیے میں کیسے صلح ہوگی اس نے جواب دیا جیسے کہ چرواہے نے اپنے خدا سے صلح کرلی۔

واقعہ نمبر......۸

## ایک شخص کی توبہ کا واقعہ

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک بندہ تھا جو توبہ پر جمتا نہ تھا۔ خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کے اس سے کہہ دیجئے کہ اپنی توبہ کو برباد نہ کرے۔ اگر پھر گناہ کیا تو تجھے سزا ملے گی اور تیری توبہ قبول نہ ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیغام اسے پہنچا دیا کچھ دنوں تک تو وہ صبر کئے رہا لیکن ایک پھر گناہ کر بیٹھا۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کہ پاس وحی بھیجی کہ اس سے کہہ دیجئے میں اس پر غضبناک ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیغام بھی اس تک پہنچا دیا۔ وہ جنگل کو نکل گیا اور کہنے لگا یاالٰہی موسیٰ کے پاس آپ کا یہ پیغام پہنچا ہے کیا آپ کے عفو کے خزانے ختم ہو گئے یا میرے گناہ سے آپ کا کچھ نقصان ہوگیا یا آپ نے اپنے بندوں پر اب بخل کرنا اختیار کرلیا ہے۔ اور آپ کے عفو کے سامنے کونسا بڑا گناہ ہوگا یہاں تک کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں تجھے نہ بخشوں گا اور آپ مجھے کیسے نہ بخشیں گے حالانکہ کرم آپ کے صفات میں سے ہے اور جب آپ اپنے بندوں کو ناامید کردیں گے تو آپ کا امیدوار کون بنے گا۔ اگر آپ ہی انہیں بھگا دیں گے تو آپ کی طرف آنے کا قصد کون کریگا۔ اے اللہ اگر آپ کی رحمت ختم ہو چکی ہو اور مجھے عذاب دینا ضروری ہی ہو تو آپ اپنے سارے بندوں کے گناہ مجھ پر ڈال دیجئے۔ میں بیشک ان پر سے اپنی جان قربان کردوں گا۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ اس سے کہہ دیجئے کہ اگر تیرے گناہ آسمان کو چھپا بھی دیتے تو بھی میں تجھے بخش دیتا۔ کیونکہ کہ تو میرے کمال عفو اور رحمت کو پہچانتا ہے۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۹

## امام احمد بن حنبل کے پڑوسی کی توبہ کا واقعہ

جعفر صائغ کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے پڑوسیوں میں ایک شخص تھا جو گناہوں اور فواحش کا ارتکاب کرتا تھا۔ ایک دن امام احمد بن حنبل کی مجلس میں آیا اور سلام کہا۔ امام احمد نے اس کو پورا جواب نہیں دیا اور پیشانی پر شکن ڈال دی۔

اس نے کہا اے ابوعبداللہ! مجھ سے کیوں ناراض ہو میں نے تو اس کام سے توبہ کر لی ہے جب سے میں نے ایک خواب دیکھا ہے، احمد بن حنبل نے کہا: کیا دیکھا ہے۔

اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ اونچی جگہ پر کھڑے تھے اور بہت سے لوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے، وہ لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے تھے اور آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے تھے، آپ ﷺ دعا فرماتے۔ یہاں تک کہ ان میں صرف میں رہ گیا۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن جن بُرے اعمال کا میں ارتکاب کرتا تھا اس کی وجہ سے مجھے شرم آئی (اور نہیں اٹھا)

آپ ﷺ نے مجھ سے کہا اے فلاں! تم کیوں نہیں اٹھتے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! جس برائی پر میں عمل پیرا ہوں اس کی وجہ سے شرم آتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شرم آئے تب بھی اٹھو اور مجھ سے دعا کی درخواست کرو میں تیرے لئے دعا کروں گا۔ کیونکہ تو میرے صحابہ میں سے کسی کو گالیاں نہیں دیتا۔ میں اٹھا اور دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ نے میرے لئے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس افعال بد کو مبغوض بنا دیا۔ امام احمد بن حنبل نے کہا اے جعفر اے فلاں: اس واقعہ کو یاد کرو اور بیان کرو شاید اس سے کسی کو فائدہ ہو۔

(بحوالہ کتاب التوابین)

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۱۰

## ایک شرابی کی بخشش کا واقعہ

ایک مرتبہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سوئے ہوئے تھے۔ ان کو خواب میں کسی بزرگ کی زیارت ہوئی اور فرمایا گیا کہ: تمہارے پڑوسی کا جنازہ تیار ہے، تم جا کر اس کا جنازہ پڑھو۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے، کہ ان کا پڑوسی بڑا شرابی تھا۔ اب وہ اٹھ تو بیٹھے لیکن بڑے حیران تھے کہ اس پڑوسی کے بارے میں مجھے خواب میں فرمایا گیا ہے کہ جاؤ اس کی نماز جنازہ پڑھ کے آؤ۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کے اہل خانہ سے پچھوایا کہ اس کو موت کس حال میں آئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک غافل سا بندہ تھا لیکن موت کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور یہ اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کر رہا تھا:

''اے دنیا و آخرت کے مالک! اس شخص پر رحم فرما، جس کے پاس نہ دنیا ہے، نہ آخرت ہے۔''

اس عاجزی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت اس کے گناہ کو معاف فرما دیا...... سبحان اللہ۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۱۱

## ایک عورت کی لاجواب توبہ کا واقعہ

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں ایک عورت کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھی۔ کسی کو اس کا پتہ بھی نہیں تھا۔ یہ معاملہ اس کے اور اس کے پروردگار کے درمیان تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ احساس ڈالا کہ دنیا کی تکلیف تھوڑی ہے اور آخرت کی زیادہ

ہے اور دنیا کی ذلت تھوڑی ہے اور آخرت کی زیادہ ہے۔

لہٰذا مجھے چاہئے کہ میں اپنے اس گناہ کو دنیا میں ہی پاک صاف کروا جاؤں۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے سے گناہ سرزد ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس نے دوسری طرف سے آکر کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا رخ پھیر لیا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے چار اطراف میں رخ کیا اور اس نے چاروں طرف آکر بتایا کہ مجھ سے گناہِ کبیرہ سرزد ہوا ہے۔...... چار مرتبہ کیوں رخ پھیرا؟...... اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے چار مرتبہ گواہی لینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک حد جاری نہیں ہو سکتی جب تک گواہی نہ ہو۔ اس عورت نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے گناہ کیا ہے اور وہ گناہ میرے پیٹ میں پل رہا ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ آپ ﷺ مجھ پر حد جاری کر کے مجھے اس گناہ سے پاک فرما دیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابھی جاؤ، اور جب وضع حمل ہو جائے تو پھر آنا۔ چنانچہ وہ عورت چلی گئی۔

جب بچے کی پیدائش ہو گئی تو وہ بچے کو لے کر پھر آئی اور پھر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اب آپ مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی اس بچے کو دودھ پلاؤ۔ چنانچہ وہ پھر واپس چلی گئی۔

دو سال دودھ پلانے کے بعد پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ مجھ پر حد جاری کر دیجئے۔ اب کی بار جب وہ آئی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا جسے وہ کھا رہا تھا۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ اب یہ میرے دودھ کا محتاج نہیں رہا...... اب اس پر حد جاری کی گئی۔

غور کیجئے کہ اس نے وضع حمل سے پہلے اپنے گناہ کا اقرار کیا، پھر دو سال دودھ پلانے کے بھی گزرے۔ مگر اس میں ایسی استقامت تھی کہ وہ بار بار آتی رہی۔ اللہ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں دنیا میں ہی اس بوجھ سے پاک ہو جاؤں۔ چنانچہ اس کو

سنگسار کر دیا گیا...... سنگسار کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں کوئی سخت بات کہہ دی مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''عمر! اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کے اجر وثواب کو شہر والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو شہر کے سب گنہگاروں کی مغفرت ہو جائے۔''

واقعہ نمبر......۱۲

## مالک بن دینارؒ کی توبہ کا واقعہ

مالک بن دینار سے اس کی توبہ کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا، میں ایک سپاہی تھا اور شراب کا رسیا تھا۔ میں نے ایک نفیس باندی خریدی اور وہ میرے دل میں خاص مقام کی مالک بن گئی اس سے میری ایک بچی پیدا ہوگئی، میں اس بچی کو حد سے زیادہ پیار کرتا تھا جب وہ زمین پر گھسٹ کر چلنے لگی تو میرے دل میں اس کی محبت اور بڑھ گئی، وہ مجھ سے مانوس ہوگئی اور میں اس کے سامنے جب شراب لا کر رکھتا تو وہ آ کر کھینچا تانی کر کے میرے کپڑوں پر شراب بہا دیتی جب اس کے دو سال ہو گئے تو وہ مر گئی میرے دل کو اس کے غم نے بیمار کر دیا۔

پندرہ رمضان کو جمعہ کی رات میں شراب کے نشے میں مدہوش تھا، میں نے عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی میں نے خواب میں دیکھا کہ صور پھونکا گیا اور قیامت قائم ہوگئی مردے قبروں سے اٹھائے گئے اور تمام مخلوق جمع ہوگئی میں بھی ان میں تھا میں نے اپنے پیچھے سے آہٹ سنی مڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا اژدھا ہے کالے رنگ کا، آنکھیں نیلی ہیں، منہ کھولے میری طرف دوڑ رہا ہے۔

خوف و دہشت کے مارے میں بھاگا راستے میں ایک ستھرے لباس والے شخص کے پاس سے گذر ہوا میں نے سلام کہا اس نے جواب دیا میں نے کہا بابا! مجھے اس

اژدھے سے پناہ دو تجھے اللہ تعالیٰ پناہ دے گا وہ بوڑھا رونے لگا اور کہا میں کمزور اور ضعیف ہوں اور یہ اژدھا زبردست ہے، میرے بس میں نہیں آگے چلو اور بھاگو شاید اللہ تعالیٰ تیری نجات کی کوئی صورت بنادے۔

میں آگے بھاگنے لگا اور ایک بلند جگہ پر چڑھ گیا ادھر سے میں نے جہنم کے طبقات کو جھانک کر دیکھا ان کی ہولناکیاں دیکھیں، قریب تھا کہ اژدھے کے خوف سے میں ان میں گر جاتا۔

مجھے کسی نے آواز دیکر کہا چلو یہاں سے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو، میں اس کی بات سے مطمئن ہو گیا اور وہاں سے واپس لوٹا تو اژدھا میرے پیچھے تھا۔ میں پھر اسی بوڑھے کے پاس آیا اور کہا بابا! میں نے آپ سے درخواست کی کہ اس اژدھے سے میری جان چھڑاؤ آپ نے کچھ نہیں کیا، وہ بوڑھا پھر رونے لگا اور کہا میں ناتواں ہوں البتہ تم اس پہاڑ کے پاس جاؤ جہاں مسلمانوں کی امانتیں ہیں اگر تمہاری کوئی امانت ہو تو وہ تمہاری مدد کرے گی، میں نے دیکھا چاندی کا ایک گول پہاڑ ہے اور اس میں جگہ جگہ سوراخ اور روشندان ہیں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں ہر روشندان پر سونے کے دو پٹے ہیں اور ان کے قبضے یاقوت کے ہیں اور آرائش موتیوں کی، ہر پٹ پر ایک ریشمی پردہ ہے۔

جب میں نے پہاڑ کی طرف نظر دوڑائی تو فوراً اس کی طرف بھاگا اور اژدھا میرے پیچھے تھا جب میں پہاڑ کے قریب پہنچا تو ایک فرشتے نے آواز دی: پردے ہٹاؤ، دروازہ کھول دو، اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ شاید اس حاجت مند کی یہاں کوئی امانت ہو جو اسے اس کے دشمن سے نجات دلائے۔

میں نے دیکھا پردے ہٹ گئے اور دروازے کھل گئے اور ان روشندانوں سے بہت سارے بچے میرے طرف جھانکنے لگے ان کے چہرے چاند کی مانند تھے، اژدھا بھی میرے نزدیک پہنچ چکا تھا میں حیران رہ گیا ان بچوں میں سے ایک نے چلا کر کہا:

اے سب آ ؤ اس کا دشمن اس کے قریب آ گیا ہے، چنانچہ وہ جوق در جوق کھڑے ہو کر جھانکنے لگے اچانک میری وہ بچی جو مرگئی تھی وہ بھی ان کی ساتھ جھانک رہی ہے، جب اس نے مجھے دیکھا تو رونے لگی اور کہا: ہائے یہ تو میرا باپ ہے پھر اس نے نور کے جھرمٹ میں تیر کی تیزی کے ساتھ چھلانگ لگائی اور میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اس نے اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھا کر میرا دایاں ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو اژدھے کی طرف بڑھا دیا تو وہ بھاگ گیا۔

پھر اس نے مجھے بٹھایا اور میری گود میں بیٹھ گئی اور اپنے دائیں ہاتھ سے میری داڑھی پکڑ کر کہا: اے ابا جان:

''کیا مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں۔'' (سورۃ حدید ۱۶)

میں رونے لگا اور کہا اے بیٹی تم لوگ بھی قرآن کو جانتے ہو؟ اس نے کہا ہم تو تم سے بھی زیادہ قرآن کو جانتے ہیں میں نے کہا اژدھے کے بارے میں تو کچھ بتاؤ جو مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا اس نے کہا وہ تیرا بُرا عمل ہے جس کو تو نے طاقتور بنایا ہے اور وہ تجھے جہنم کی آگ میں ڈبونا چاہتا ہے۔

میں نے کہا اس بوڑھے کے بارے میں بتاؤ جو راستے میں ملا اس نے کہا وہ تیرا نیک عمل ہے جسے تو نے اتنا کمزور کردیا کہ اب وہ بُرے عمل کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

میں نے کہا اے بیٹی! تم اس پہاڑی میں کیا کرتی ہو؟ اس نے کہا ہم سب مسلمانوں کے بچے ہیں، ہم یہاں قیامت تک رہیں گے۔ تمہارے انتظار میں ہیں جب تم آ ؤ گے تو ہم تمہاری سفارش کریں گے۔

مالک بن دینار کہتا ہے میں گھبرا کر اٹھا اور صبح کو میں نے شراب چھوڑ دی اور اس کے برتن توڑ ڈالے اور اللہ تعالٰی سے توبہ کی یہ میری توبہ کا سبب ہے۔

واقعہ نمبر......۱۴۳

## ابراہیم بن ادہم کی توبہ کا واقعہ

ابراہیم بن بشار (جو ابراہیم بن ادہم کا خادم تھا) نے کہا میں نے ابراہیم بن ادہم سے پوچھا آپ کا ابتدائی واقعہ کیسا ہوا؟ (یعنی آپ کے اہل اللہ کی جماعت میں آنے کا سبب کیا ہے) اس نے کہا: میرا والد بلخ والوں میں سے تھا اور اس کا تعلق خراسان کے بادشاہوں سے تھا ہمیں شکار کھیلنے کا شوق دلایا گیا ایک دن میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور میرا شکاری کتا بھی میرے ساتھ تھا اچانک سامنے سے ایک لومڑی یا خرگوش بھاگا میں نے اپنے گھوڑے کو حرکت دی تو میں نے پیچھے سے آواز سنی:

"تمہیں اس لئے نہیں پیدا کیا گیا اور نہ تجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔"

میں رک گیا دائیں بائیں دیکھا کچھ نظر نہیں آیا تو میں نے کہا اللہ ابلیس پر لعنت کرے پھر میں نے گھوڑے کو حرکت دی تو پھر ذرا اونچی آواز میں وہی بات سنی۔ پھر میں رک گیا اور دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نہیں نظر آیا میں نے کہا لعنت ہو ابلیس پر پھر تیسری مرتبہ گھوڑے کو حرکت دی تو میں نے وہی آواز اپنے گھوڑے کی زین کے سامنے والے حصّے سے سنی تو میں رک گیا اور میں نے کہا بیدار کیا بیدار کیا یہ ایک ڈرانے والا ہے اللہ کی طرف سے قسم بخدا میں آج کے بعد اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

میں اپنے گھر واپس آیا پھر میں نے اپنے والد کے چرواہوں میں سے کسی کے پاس گیا اور اس سے ایک جبہ اور کمبل لے لیا اور اپنے کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے اور عراق کی طرف روانہ ہوا نشیب و فراز میں سفر کرتا رہا یہاں تک کہ میں عراق پہنچا۔ وہاں میں نے چند دن کام کیا لیکن مجھے حلال کمائی میسر نہیں ہوئی میں نے کسی بزرگ سے مشورہ کیا اس نے کہا اگر آپ حلال کمائی چاہتے ہیں تو ملک شام چلے جائیں، میں ملک شام چلا گیا ایک شہر میں داخل ہوا جس کو منصورہ کہتے تھے وہاں بھی کئی دن میں نے کام کیا لیکن حلال

ہاتھ نہ آیا میں نے پھر کسی شیخ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا اگر تم خالص حلال چاہتے ہو تو طرسوس شہر میں چلے جاؤ، وہاں مباح چیزیں ہیں اور کام بھی زیادہ ہے۔ میں طرسوس چلا گیا وہاں میں نے چند دن کام کیا باغوں کی نگرانی کرتا تھا اور کھیتی کاٹتا تھا ایک دن میں سمندر کے کنارے پر بیٹھا تھا ایک شخص آیا اور مجھے اپنے باغ کی نگرانی کے لئے اجرت پر لے گیا میں اس کے باغ میں بہت عرصہ رہا ایک دن میں نے دیکھا ایک خادم آیا اور اس کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی تھے آ کر بیٹھ گئے پھر اس نے آواز دی اے باغبان میں نے کہا ہاں میں ہوں اس نے کہا جاؤ ایک بڑا دانہ انار کا لے کر آؤ جو میٹھا ہو۔ میں چلا گیا اور ایک بڑا دانہ انار لے کر آیا اس نے لے لیا اور اس کو توڑ دیا تو اس کو کھٹا پایا اس نے کہا اے باغبان تم اتنے عرصے سے ہمارے باغ میں رہتے ہو پھل میوہ انار کھاتے ہو لیکن آج تک تجھے کھٹے اور میٹھے کا پتہ نہیں چلا؟ ابراہیم بن ادھم کہتے ہیں کہ میں نے کہا قسم بخدا میں نے تمہارے پھل میں سے کچھ نہیں کھایا ہے اور واقعتہً میں کھٹے میٹھے کا فرق نہیں کر سکتا اس خادم نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے کہا کہ سنو یہ کیا کہتا ہے اگر ابراہیم بن ادھم بھی ہوتا تب بھی اس سے نہ بڑھتا۔ کل کو اس نے میری تعریف مسجد میں کی تو بعض لوگوں نے مجھے پہچان لیا پھر وہ خادم آیا اور اس کے بہت سارے لوگ تھے جب میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ میرے پاس آ رہا ہے تو میں درخت کے پیچھے چھپ گیا لوگ اندر آ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ مل گیا جب سب لوگ اندر آ گئے تو میں وہاں سے باہر نکل کر بھاگ گیا۔ یہ میرا شروع کا حال ہے اور طرسوس سے اس ریگستان میں آنے کا سبب ہے۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۱۴

## ایک سبق آموز واقعہ

حافظ ابن قیمؒ نے ایک عجیب بات لکھی ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ ایک دروازہ کھلا، میں نے دیکھا کہ کوئی آٹھ نو سال کا بچہ ہے اور اس کی ماں اس سے خفا ہو کر اس کو تھپڑ لگا رہی ہے، اس کو دھکے دے رہی ہے کہہ رہی ہے تو نافرمان بن گیا ہے، میری کوئی بات نہیں سنتا، کوئی کام نہیں کرتا، دفع ہو جا (چلا جا) یہاں سے۔ یہ کہہ کر ماں نے جو دھکا دیا تو وہ بچہ گھر سے باہر آ گیا۔ فرماتے ہیں کہ ماں نے کنڈی لگا لی، اب میں وہیں کھڑا ہو گیا کہ دیکھوں اب ہوتا کیا ہے؟...... فرماتے ہیں کہ بچہ رو رہا تھا، چونکہ مار پڑی تھی، خیر وہ اٹھا اور کچھ سوچتا سوچتا ایک طرف کو چلنے لگا، چلتے چلتے وہ ایک گلی کے موڑ پر پہنچا، وہاں کھڑے ہو کر وہ کچھ سوچتا رہا، اور سوچنے کے بعد اس نے پھر واپس آنا شروع کر دیا اور چلتے چلتے اپنے گھر کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا، تھکا ہوا تھا، رو بھی رہا تھا کافی دیر سے رو رہا تھا، دہلیز پر قدم رکھا نیند آ گئی وہیں پر سو گیا۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد اس کی والدہ نے کسی کام کے لئے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ بیٹا اسی دہلیز پر سر رکھے پڑا ہے۔ والدہ کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا، وہ پھر ناراض ہونے لگی اور کہنے لگی چلا جا یہاں سے دور ہو جا میری نگاہوں سے، جب اس نے پھر اسے ڈانٹا وہ بچہ کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگا، امی! جب آپ نے گھر سے دھتکار دیا تھا میں نے سوچا تھا کہ میں چلا جاؤں گا، میں بازار جا کر بھیک مانگ لوں گا، مجھے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا، امی میں نے سوچا میں کسی کے جوتے صاف کر دیا کروں گا، کچھ کھانے کو مل جائے گا، امی میں کسی کے گھر کا نوکر بن کر رہ جاؤں گا مجھے جگہ بھی مل جائے گی، مجھے کھانا بھی مل جائے گا۔ امی یہ سوچ کر میں گلی کے اس موڑ تک چلا گیا تھا، مجھے دل میں خیال آیا مجھے دنیا کی سب نعمتیں مل جائیں گی لیکن امی جو محبت مجھے آپ دے سکتی ہیں یہ محبت مجھے کہیں نہیں مل سکتی۔ میں یہ سوچ کر میں آ گیا ہوں،

امی میں اسی در پر پڑا ہوں تو مجھے دھکے دے، یا مارے، میں کہیں بھی نہیں جا سکتا، جب اس بچے نے یہ بات کہی، ماں کی مامتا جوش میں آ گئی اس نے بچے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا، میرے بیٹے! اگر تیرے دل میں یہ کیفیت ہے کہ جو محبت تجھے میں دے سکتی ہوں، وہ کوئی نہیں دے سکتا، تو میرے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

فرماتے ہیں، جب گنہگار بندہ اس احساس کے ساتھ رب کے دروازے پر آتا ہے اور کہتا ہے:

**الٰہی عبدک العاصی اتاک**

**مقرا با لذنوب وقد دعاک**

(اللہ تیرا گنہگار بندہ در پر حاضر ہے، اے اللہ! گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے آپ سے فریاد کرتا ہوں)

**فان تغفر فانت لذاک احل**

**فان تطرد فمن یرحم سواک**

(اللہ! اگر آپ معاف کر دیں، تو یہ بات آپ کو سجتی ہے۔ اللہ! اگر آپ ہی دھکا دیں دیں تو کون ہے ہم پر رحم کرنے والا اور کون ہے سینے سے لگانے والا)

توجب انسان اس طرح اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے پھر پروردگار اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، رب کریم! ہم پر احسان فرمائیے، سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیے اور آئندہ زندگی کو گزری ہوئی زندگی کا کفارہ بنا دیجئے اور آنے والے وقت سے بہتر فرما دیجئے۔ (آمین) (بحوالہ گناہوں سے توبہ کیجئے)

واقعہ نمبر......۱۵

## ایک گناہ گار کی توبہ کا واقعہ

ایک روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے بیس برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پھر بیس برس تک اس کی نافرمانی کی۔ ایک دن آئینے میں چہرہ دیکھا تو سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی نظر آئی، یہ دیکھ کر اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ اس نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے تیری بیس برس تک عبادت کی ہے اور بیس برس تک نافرمانی کی ہے۔ اب اگر میں تیری طرف رجوع کروں تو میری توبہ قبول کرلے گا۔ غیب سے آواز آئی کہ اے شخص تو ہم سے محبت کرتا تھا ہم تجھ سے محبت کرتے تھے، تو نے ہمیں چھوڑا ہم نے تجھے چھوڑ دیا، تو نے نافرمانی کی ہم نے تجھے مہلت دی، اب اگر تو ہماری طرف رجوع کرے گا تو ہم تجھے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دیں گے۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۱۶

## ابراہیم بن ادھم کے ہاتھ پر ایک گنہگار نوجوان کی توبہ کا واقعہ

ایک شخص ابراہیم بن ادہم کے پاس آیا اور کہا اے ابواسحٰق میں نے آپ پر بہت زیادتی کی ہے مجھے کوئی راستہ بتا دیجئے جو مجھے باز رکھے اور میرے دل سے فضولیات کو نکال دے۔

ابراہیم نے کہا: پانچ باتیں ایسی ہیں جن پر عمل کرو تو تجھے کوئی گناہ نقصان نہیں دے سکے گا اور کوئی لذت تجھے گمراہ نہیں کر سکے گی۔

اس نے کہا: وہ کیا ہیں؟ ابراہیم نے کہا پہلی بات یہ ہے کہ تم کسی گناہ کا ارادہ کرو تو اللہ کے رزق سے نہیں کھاؤ اس نے کہا پھر کیا کھاؤں ساری چیزیں تو اس کے رزق سے

ہیں۔ابراہیم نے کہا کیا یہ اچھی بات ہے کہ تم اس کے رزق سے کھاؤ اوراس کی نافرمانی کرو؟

نوجوان: نہیں اچھانہیں ہے دوسری بات کیا ہے؟

ابراہیم نے کہا: جب تم اس کی نافرمانی کرنا چاہو تو اس کی زمین پر نہیں رہو۔

نوجوان: واہ یہ تو پہلی بات سے بھی بڑی ہے جب مشرق ومغرب اوران کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی زمین ہے تو میں کہاں رہوں؟

ابراہیم نے کہا: یہ مناسب ہے کہ تم اس کا رزق کھاؤ اس کی زمین پر رہواوراس کی نافرمانی کرو؟

نوجوان: نہیں مناسب نہیں ہے، تیسری بات کیا ہے؟

ابراہیم: جب تم اس کے رزق سے کھاؤ اوراس کی زمین پر رہواور پھر بھی اس کی نافرمانی کرنا چاہو تو ایسی جگہ تلاش کرو جہاں وہ تجھے نہ دیکھے۔

نوجوان: یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ تو تمام پوشیدہ جگہوں کو جانتا ہے؟

ابراہیم: پھر کیا یہ ٹھیک ہے کہ تم اس کا رزق کھاؤ اس کی زمین پر رہواور تم اس کی نافرمانی اس حال میں کرو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہو؟

نوجوان: نہیں ہرگز نہیں، چوتھی بات کیا ہے؟

ابراہیم: جب ملک الموت تیرے پاس آئے تو اس سے کہو مجھے مہلت دوتا کہ میں سچی توبہ کرلوں اوراللہ کے لئے نیک اعمال کروں۔

نوجوان: وہ تو نہیں مانے گا۔

ابراہیم: جب تم موت کو اپنے آپ سے دفع کرنے پر قادر نہیں ہواور جانتے ہو کہ موت جب آئے گی تو نہیں ہٹے گی تو کیسے چھٹکارے اور توبہ کی امید رکھتے ہو:

نوجوان: پانچویں بات کیا ہے؟

ابراہیم: قیامت کے دن جب تیرے پاس دوزخ کے فرشتے آجائیں اور تجھے جہنم

کی طرف لے جانا چاہیں تو تم انکار کرو۔

نوجوان: وہ تو مجھے نہیں چھوڑیں گے اور میری بات نہیں مانیں گے۔

ابراہیم: پھر کیسے نجات کی امید رکھتے ہو؟

نوجوان: بس ابراہیم میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ ابراہیم بن ادہم کے ساتھ عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ موت نے دونوں میں علیحدگی کردی۔ (بحوالہ کتاب التوابین)

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۱۷

## امراءالقیس کندی کی توبہ کا واقعہ

امرءالقیس کندی خواہشات اور لذت کے ساتھ انتہائی شغف رکھتا تھا اور عیش و طرب میں منہمک رہتا تھا۔ ایک دن صحرا میں نکلنے کی خواہش سے یا شکار کھیلنے کی غرض سے باہر نکلا اور وہاں وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اچانک اس نے دیکھا کہ ایک شخص نے مردوں کی بہت ساری ہڈیاں اپنی سامنے جمع کر رکھی ہیں اور ان کو الٹا پلٹا کر رہا ہے۔

اس نے کہا کیا حال ہے تیرا صاحب! اور کیا سبب ہے تیری حالت کی پراگندگی جسم کی لاغری اور اڑے اڑے رنگ ہونے کا اور کیا سبب ہے تیری پراگندہ حالت لاغر جسم اور اڑی اڑی رنگت کا؟ اور اس جنگل میں اکیلے کیسے ہو؟ اس شخص نے کہا بھائی میں ایک لمبے سفر پر ہوں میرے پیچھے دو مؤکل ہیں جو مجھے بے چین کئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے ہنکا کر ایسی جگہ لے جا رہے ہیں جو تنگ، تاریک اور خوفناک ہے اور پھر وہ مجھے منوں مٹی کے نیچے مردوں کے پڑوس میں بوسیدگی کے حوالے کردیں گے۔ پھر بھی میں اگر اس اذیت ناک، تنگ و تاریک، وحشت ناک جگہ میں جس میں میری رگ و پے کو زمین کے حشرات کھا جاتے ہیں چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ میں خاک میں مل جاتا ہوں اور

میری ہڈیاں بوسیدہ ہوکر بکھر جاتی ہیں تو ابتلاوآزمائش ختم ہوسکتی اور بدنصیبی کی انتہا آ جاتی ،لیکن میں اس کے بعد حشر کے لئے اٹھایا جاؤں گا اور پھر مجھے یوم الجزاء کے خوفناک مناظر کا سامنا ہوگا۔اور پھر مجھے نہ معلوم دو گھروں (جنت ودوزخ) میں سے کس میں جانے کا حکم ہوگا،تو جس کا معاملہ اس حد تک خطرناک ہے وہ کس حال میں خوش ہوسکتا ہے۔

جب امرءالقیس نے اس کی بات سن لی تو گھوڑے سے کود کر اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور کہا اے صاحب ! تیرے کلام نے تو میری رنگین زندگی کو گدلا کردیا اور اندیشوں نے میرے دل کو گھیرے میں لے لیا،آپ اپنی تقریر کو ذرا دوبارہ کہہ دیں اور میرے لئے اپنے دین کی تشریح کریں۔

اس شخص نے کہا: کیا تم دیکھ رہے ہو جو میرے سامنے ہیں؟ اس نے کہاں: ہاں اس نے کہا کہ یہ ہڈیاں ان بادشاہوں کی ہیں جن کو دنیا کی خوبصورتی نے دھوکے میں رکھا اور ان کے دلوں کو قابو کرلیا اور ان کو اس افتادگی کی تیاری سے غافل رکھا یہاں تک کہ اچانک ان پر موت آئی اور ان کی آرزوئیں ساتھ چھوڑ گئیں اور سب رونقیں اور نعمتیں لٹ گئیں اور عنقریب یہ ہڈیاں پھر سے جسم بن کر اٹھیں گی اور اپنے اعمال کا بدلہ پاکر یا تو چین وآرام کی جگہ جائیں گی اور یا ہلاکت کی گھاٹ اتر جائیں گی۔اس کے بعد وہ اچانک غائب ہوگیا اور پھر اس کا کوئی سراغ نہیں ملا بادشاہ (امرءالقیس) کے ساتھی جب آ کر مل گئے تو دیکھا کہ بادشاہ کا رنگ اڑا ہوا ہے اور اس کے آنسو لگاتار جاری ہیں۔

بادشاہ اپنی سواری پر خستہ حالت میں سوار ہوا جب رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے اپنے شاہانہ لباس اتار دیئے اور پرانے کپڑے پہن کر رات کی تاریکی میں نکل گیا اور اس کے بعد اس کا کسی کو پتہ نہیں چلا۔

❀❀❀❀

## واقعہ نمبر......۱۸

### حضرت بشر حافیؒ کی توبہ کا واقعہ

حضرت بشر حافیؒ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حالت دیوانگی میں کہیں چلے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک کاغذ پڑا ہوا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔آپ نے اس کاغذ کو عطر سے معتر کر کے کسی بلند مقام پر رکھ دیا اور اسی شب خواب میں دیکھا کہ کسی درویش کو منجانب اللہ یہ حکم ملا کہ بشر حافی کو یہ خوشخبری سنادو کہ ہمارے نام کو معطر کر کے جو تم نے تعظیماً ایک بلند مقام پر رکھا ہے اس کی وجہ سے ہم تمہیں بھی پاکیزہ مراتب عطا کریں گے اور بیداری کے بعد جب ان درویش کو یہ تصور آیا کہ بشر حافی تو فسق وفجور میں مبتلا ہیں۔اس لئے شاید میرا خواب صحیح نہیں۔لیکن دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جب یہی خواب آیا تو وہ آپ کے گھر پہنچے۔وہاں معلوم ہوا کہ آپ میکدے میں ہیں اور جب وہ درویش میکدے میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ بشر حافی نشہ میں چور اور بدمست پڑے ہیں۔انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ سے جا کر کہہ دو کہ میں آپ کے لئے ضروری پیغام لایا ہوں۔چنانچہ جب لوگوں نے آپ سے کہا تو فرمایا کہ نہ معلوم عتاب الٰہی کا پیغام ہے یا سزا کا اور یہ کہہ کر میکدہ سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر کے نکلے جس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے وہ عظیم مراتب عطا فرمائے کہ آپ کا ذکر بھی قلوب کے لئے وجہ سکون بن گیا اور چونکہ آپ اس احساس کی وجہ سے ننگے پاؤں رہا کرتے تھے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش فرمایا ہے اس لیے شاہی فرش پر جوتے پہن کر چلنا آداب کے منافی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو حافی کہا جاتا ہے۔

## واقعہ نمبر......۱۹

## ایک چور کی سچی توبہ

ایک دفعہ حضرت شیخ احمد خضرویہؒ کے گھر میں رات کو ایک چور گھس آیا۔ ادھر اُدھر بہت ٹٹولتا پھرا لیکن ایک بوریہ نشین کے گھر میں کیا رکھا تھا۔ مایوس ہو کر واپس جانے لگا۔ شیخ اس وقت جاگ رہے تھے اور ایک کونے میں مصروف عبادت تھے۔ انہوں نے چور کو اس طرح خالی ہاتھ اور مایوس جاتے دیکھا تو دل میں اس سے ہمدردی پیدا ہوئی۔ اس کو پکار کر کہا اے بھائی! فقیر کے گھر سے اس طرح تہی دست نہ جا۔ میرا کہنا مان یہ ڈول لے کر اس کنوے میں سے پانی نکال اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جا۔ شاید اللہ تعالیٰ تیرے لئے کوئی صورت پیدا کر دے۔ چور نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا اور وضو کر کے نمام میں مشغول ہو گا۔ صبح ہوئی تو ایک شخص شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوسو اشرفیاں نذر کیں۔ آپ نے وہ اشرفیاں چور کے ہاتھ میں رکھ دیں اور فرمایا یہ تیری ایک نماز کا صلہ ہے۔ چور یہ دیکھ کر سکتے میں آ گیا اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ کہنے لگا کہ افسوس میں نے گزشتہ عمر برے کاموں میں صرف کر دی اور محروم رہا۔ صرف آج کی رات میں نے اللہ کا کام کیا اور اس نے مجھ پر اتنا کرم فرمایا۔ اگر میری گزشتہ زندگی بھی اس کی یاد میں بسر ہوتی تو مجھے کیا کچھ نہ ملتا۔ یہ کہہ کر اس نے سچے دل سے توبہ کی اور شیخ احمد خضرویہؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔

❀❀❀❀

## واقعہ نمبر......۲۰

## حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی توبہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بندگی اور ولایت کے بلند درجہ پر پہنچنے سے قبل دنیاوی

عیش وعشرت میں مبتلا تھے۔آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک کنیز پر عاشق ہوگئے اوراس عشق کی آزادی کی وجہ سے ہرلمحہ بیقرار رہنے لگے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک رات جب سردی بلا کی پڑرہے تھی۔آپ اپنی معشوقہ کی دیوار کے نیچے صبح تک کھڑے رہے۔تمام رات برف باری ہوتی رہی اورآپ کا ساراجسم تقریباً شل ہونے لگا تھا۔جب صبح کی آذان ہوئی تو آپ کی خودفراموشی کا یہ عالم تھا کہ یہ خیال ہوا کہ شاید عشاء کی آذان ہوئی ہے۔جب آفتاب طلوع ہوااور کائنات روشنی سے منور ہونے لگی۔تب جاکرآپ کوکہیں خیال گزرا کہ آپ نے ساری رات معشوقہ کے انتظار میں گزاردی۔آپ نے اپنے آپ سے کہا اے مبارک کے فرزند! تجھے شرم آنی چاہئے کہ ایسی مبارک رات تونےنفس کے خاطر کھڑے کھڑے گزاردی۔اس کے بجائے اگرتوامام کے ساتھ نماز میں ہوتااوروہ کوئی لمبی سورت پڑھتا ہوتا تو دیوانہ ہوجاتااورشور برپا کرتا۔یہ خیال آتے ہی آپ کے دل میں ایک اوردرد پیدا ہوا۔چنانچہ اسی دم آپ نے توبہ کی اور عبادت میں مشغول ہوگئے اور بہت ہی مختصر عرصے میں خدا سے آپ کوایسا درجہ عطا ہوا کہ ایک روزآپ کی والدہ ماجدہ باغ میں تشریف لے گئیں تو دیکھا کہ آپ گلاب کے پودے کے نیچے سوئے ہوئے ہیں اورایک سانپ منہ میں شاخ نرگس لئے ہوئے آپ کے اوپر پنکھا کررہاہے۔

❀❀❀❀

## واقعہ نمبر......۲۱

## حبیب عجمیؒ کی توبہ کا واقعہ

حضرت حبیب عجمیؒ ابتداء میں مالدار تھے۔آپ اہل بصرہ کوسود پرروپے دیا کرتے تھے اورجن سے کچھ لینا ہوتا تھا جب تک نہ لے لیتے وہاں سے نہ ٹلتے۔اس سود کی رقم پر گزارہ کرتے تھے۔ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص کے ہاں جب سود کی رقم لینے پہنچے تو وہ

شخص گھر موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی گھر پر موجود تھی۔ اس نے اس نے کہا کہ میرا شوہر تو باہر گیا ہوا ہے۔ میرے پاس کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ ایک بکری ذبح کی تھی لیکن اس کے سر کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اگر آپ اسے لینا پسند کریں تو حاضر کر دوں۔ آپ نے کہا چلو یہی دے دو۔ چنانچہ بکری کا سر لے کر واپس آئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ یہ سود میں ملی ہے۔ اسے پکاؤ اہلیہ محترمہ نے کہا کہ گھر میں لکڑی اور روٹی بھی تو نہیں ہے۔ آپ نے کہا تم فکر نہ کرو میں لکڑی اور روٹی بھی سود میں لے آتا ہوں۔ چنانچہ آپ باہر گئے اور اسی طرح لکڑی اور روٹی بھی سود میں لے آئے اہلیہ نے سالن چولہے پر چڑھایا۔ جب ہانڈی تیار ہوئی اور آپ نے چاہا کہ اسے برتن میں انڈیلیں کہ عین اسی وقت دروازے پر ایک فقیر نے صدا بلند کی اور کھانے کے لئے کچھ طلب کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جا تجھے کوئی چیز نہیں پہنچتی اگر ہم تجھے تھوڑا سا دے بھی دیں اس سے تو کچھ امیر نہ ہو جائے گا۔ بلکہ ہم غریب ہو جائیں گے۔ فقیر ناامید ہو کر واپس چلا گیا۔ آپ کی اہلیہ نے جب ہانڈی سے گوشت نکالنا چاہا تو وہ سب خون ہو گیا تھا۔ انہوں نے شوہر کو آواز دی اور کہا کہ دیکھ سختی اور جبر سے حاصل کیا ہوا مال کیا ہو گیا۔ آپ نے جب آ کر دیکھا تو دل کی حالت متغیر ہو گئی۔ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میں اپنی سب برائیوں سے توبہ کرتا ہوں۔

دوسرے روز آپ گھر سے باہر تشریف لے گئے تاکہ قرضداروں سے جا کر روپیہ واپس لے آئیں اور پھر سود کے لین دین کا خاتمہ کریں۔ اس روز جمعہ کا دن تھا۔ جب آپ سڑک سے گزرے تو لڑکے کھیل رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا حبیب سود خور آ رہا ہے۔ زرا دور ہٹ جاؤ تاکہ اس کے پاؤں کی گرد ہم تک نہ پہنچے مبادا ہم بھی اسی طرح ہو جائیں۔ آپ نے جب یہ سنا تو دل بھر آیا اور حضرت حسن بصریؒ کی مجلس کی طرف چلے۔ حسن بصری نے اپ سے چند کلمات ایسے کہے کہ آپ کے دل کی حالت متغیر ہو گئی اور آپ نے توبہ کر لی۔ جب آپ حسن بصریؒ کی مجلس سے واپس ہوئے تو ایک قرضدار آپ کو دیکھ کر بھاگنے لگا آپ نے اس سے فرمایا بھاگو مت۔ اب تو مجھے تم سے بھاگنا چاہئے۔

لڑکوں نے آپ کو آتے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنا شروع کی حبیب تائب آ رہا ہے۔ دور ہٹ جاؤ تا کہ ہم ہمارے گرد اس پر نہ پڑے اور ہم خدا کے نزدیک گنہگار ہو جائیں۔

## واقعہ نمبر......۲۲

## ایک سنار کا اپنی غلطی سے توبہ کا واقعہ

کسی شہر میں ایک بہشتی رہتا تھا جو ایک سنار کے گھر میں پانی بھرا کرتا تھا اور اسے پانی بھرتے ہوئے تیس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس سونار کی بیوی بڑی خوبصورت تھی اور جس قدر خوب صورت تھی اسی قدر نیک اور پارسا بھی تھی۔

ایک روز بہشتی پانی بھرنے کو آیا تو اس نے سنار کی بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچا۔ اس نے بمشکل ہاتھ چھڑایا اور اندر جا کر دروازہ بند کر لیا تھوڑی دیر کے بعد سنار گھر آیا تو اس کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ آج دکان پر کونسا کام آپ نے خدا کی رضا کے خلاف کیا ہے۔ سنار بولا کہ آج ایک عورت کے ہاتھ میں کنگن پہناتے ہوئے مجھے اس کا بازو بڑا خوبصورت نظر آیا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ بس یہی لغزش مجھ سے واقع ہوئی ہے۔ بیوی بولی۔ تو اب معلوم ہوا کہ تمہارے بہشتی نے آج میرا ہاتھ پکڑ کر کیوں کھینچا تھا۔ سنار سے سارا واقعہ سنا تو کہنے لگا میں اپنی غلطی سے توبہ کرتا ہوں۔ خدا مجھے معاف فرمائے۔ دوسرے روز بہشتی آیا اور کہنے لگا کہ کل والی غلطی سے میں توبہ کرتا ہوں۔ خدا مجھے معاف کرے۔ سنار کی بیوی نے کہا میاں بہشتی جاؤ اس میں تمہارا کوئی قصور نہ تھا یہ تو میرے میاں ہی کا قصور تھا۔ (روح البیان: ص۹۹ ج۲)

## واقعہ نمبر......۲۳

### حضرت ذوالنون مصریؒ کے تائب ہونے کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصریؒ کے تائب ہونے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے آپ کو اطلاع پہنچائی کہ کسی مقام پر ایک نوجوان عبادت گزار رہتا ہے اور جب آپ اس سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے پہنچے تو دیکھا کہ وہ نوجوان ایک درخت سے الٹا لٹکا ہوا ہے اور اپنی نفس سے مسلسل کہہ رہا ہے کہ جب تک تو عبادت الٰہی میں میری ہمنوائی نہیں کرے گا میں تجھے اذیت دیتا رہوں گا۔ حتیٰ کہ تیری موت واقع ہو جائے۔ سارا منظر دیکھ کر آپ کو اس نوجوان پر اس قدر ترس آیا کہ آبدیدہ ہو گئے اور جب نوجوان عابد نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو ایک بے حیا خطا کار پر ترس کھا رہا ہے اور رو رہا ہے تو یہ سنتے ہی آپ نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا۔ تفصیلات جاننے پر نوجوان عبادت گزار نے بتایا کہ چونکہ یہ بدن عبادت الٰہی میں آمادہ نہیں ہے اس لئے میں اسے سزا دے رہا ہوں۔ آپ نے نوجوان سے کہا کہ مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے یا تم سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو گیا ہے۔

اس پر نوجوان نے جواب دیا کہ تمام گناہ مخلوق سے اختلاط کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ اس لئے میں مخلوق کے رسم و راہ کو گناہ عظیم تصور کرتا ہوں۔ آپ نے نوجوان عابد سے فرمایا کہ تم واقعی بہت بڑے زاہد و عابد ہو۔

نوجوان نے جواب دیا کہ اگر تم کسی بڑے زاہد کو دیکھنا چاہتے ہو تو سامنے والے پہاڑ پر جا کر دیکھو۔ چنانچہ جب آپ وہاں پہنچے تو وہاں ایک نوجوان کو دیکھا جس کا ایک پاؤں کٹا ہوا باہر پڑا تھا اور اس کا جسم کیڑوں کی خوراک بن چکا تھا۔ آپ کی درخواست کرنے پر اس ابتر حالت میں پڑے ہوئے نوجوان نے بتایا کہ ایک دن میں اسی جگہ عبادت میں مصروف تھا کہ ایک خوبصورت عورت میرے سامنے سے گزری۔ جس کو دیکھ کر

میں شیطانی خیالات میں مبتلا ہو کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ عین اس وقت ندا آئی کہ اے بے غیرت! تیس سال خدا کی عبادت واطاعت میں گزار کر آج شیطان کی عبادت کرنے چلا ہے۔ لہٰذا میں نے اسی وقت اپنا پہلا پاؤں کاٹ دیا کیونکہ گناہ کی جانب پہلا قدم اس نے اٹھایا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں مجھ جیسے گنہگار کے پاس آپ کس لئے آئے ہیں اور اگر واقعی آپ کو کسی بڑے زاہد کی جستجو ہے تو اس پہاڑ کی چوٹی پر چلے جائیے۔

لیکن جب بلندی کی وجہ سے آپ کے لئے وہاں پہنچنا ناممکن ہو گیا تو اس نوجوان نے خود ہی اس بزرگ کا قصہ شروع کر دیا۔ اس نے بتایا کہ پہاڑی کی چوٹی پر جو بزرگ ہیں ان سے ایک دن کسی نے کہہ دیا کہ روزی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اسی دن سے انہوں نے یہ عہد کر لیا کہ جس روزی میں مخلوق کا ہاتھ ہوگا وہ میں استعمال نہ کروں گا اور جب بغیر کچھ کھائے پیے چند روز گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ ان کے گرد جمع ہو کر انہیں شہد مہیا کرتی رہیں چنانچہ ہمیشہ وہ شہد ہی استعمال کرتے ہیں۔

نوجوان کی زبانی بزرگ کے بارے میں یہ داستان سن کر حضرت ذوالنون نے درس عبرت حاصل کیا اور اسی وقت سے عبادت وریاضت میں مصروف ہو گئے۔ آپ جس وقت پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ ایک اندھا پرندہ درخت سے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت آپ کو خیال آیا کہ نجانے اس پرندے کو کہاں سے رزق میسر آتا ہوگا۔ پھر اگلے ہی لمحے آپ نے دیکھا کہ اس پرندے نے اپنی چونچ سے زمین کرید دی جس میں سے ایک سونے کی پیالی برآمد ہوئی۔ اس پیالی میں تل بھرے ہوئے تھے اور دوسری چاندی کی پیالی گلاب کے عرق سے لبریز تھی۔ چنانچہ وہ پرندہ تل کھا کر اور گلاب کا عرق پی کر درخت پر جا بیٹھا اور پیالیاں غائب ہو گئیں۔

یہ پر اثر منظر دیکھ کر حضرت ذوالنون مصریؒ نے بھی توکل پر کمر باندھ لی اور یقین کر لیا کہ متوکل علی اللہ کو بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ نے جنگل کی راہ لی۔ جہاں آپ کے کچھ پرانے دوست مل گئے اور اتفاق سے وہاں ایک خزانہ برآمد ہو گیا جس میں ایک ایسا

تحفہ تھا جس پر اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارک کندہ تھے۔ جس وقت اس خزانے کو تقسیم کیا جانے لگا تو آپ نے اپنے لئے صرف لکڑی کا وہ تختہ لیا۔ پھر ایک رات آپ نے خواب دیکھا کوئی آپ سے کہہ رہا تھا اے ذوالنون! سب نے دولت کو آپس میں تقسیم کرلیا مگر تو نے ہمارے نام کو پسند کرلیا۔ جس کے عوض ہم نے تیرے اوپر علم وحکمت کے دروزے کھول دیئے ہیں۔ اس کے بعد آپ واپس شہر آ گئے۔

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۲۴

## حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کی توبہ کا واقعہ

حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ سلسلہ چشتیہ کے اکابر متقدمین میں سے ہیں۔ آپ کی ابتدائی زندگی کی حالت میں مذکور ہے کہ آپ اس زمانے میں اپنے علاقے کے چوروں اور ڈاکوؤں کے سرغنہ تھے۔ حضرت فقیرانہ لباس پہنے جنگل میں ڈیرہ ڈالے پڑے رہتے تھے۔ جب کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا تو اسے لوٹ لیا کرتے تھے۔ حضرت کے گروہ کے آدمی جب غارتگری کا مال حضرت کے سامنے پیش کرتے تو حضرت حسب پسند کوئی چیز رکھ کر باقی اپنے دوستوں میں تقسیم کردیتے تھے۔ لیکن اس سرقہ بالجبر اور ڈکیتی کے باوجود حضرت اور حضرت کے ساتھی پکے نمازی تھے۔ وقت پر سب لوگ نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے جو شخص نماز نہ پڑھتا تھا اس کو اپنے گروہ سے خارج کردیتے تھے۔

ایک روز لوٹ مار کے قصد سے حضرت کے ساتھی کسی مسافر قافلے کی جستجو میں گئے ہوئے تھے کہ حضرت کے قریب سے ایک قافلہ گزرا۔ اس قافلے کا ایک شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا جارہا تھا۔ جس وقت وہ شخص حضرت کے سامنے سے گزرا اس کی زبان پر کلام پاک کی یہ آیت تھی **الم یان للذین امنو اان تخشع قلوبھم لذکر الله** یہ آیت سنتے ہی حضرت کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ کہنے لگے فضیل! کب تک

رہزنی کرتا رہے گا۔اب توبہ کا وقت آ گیا ہے۔حضرت نے اسی وقت سچے دل سے توبہ کی ۔ترک وطن کر کے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے اور اولیائے کبار سے فیض حاصل کر کے مسند رشد وہدایت پر فائز ہوئے اور مرجع خلائق وخواص وعوام ہوئے۔

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۲۵

### حضرت ابوحفص حدادؒ کی توبہ کا واقعہ

حضرت ابوحفص حدادؒ کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ آپ اپنی ایک کنیز پر عاشق ہو گئے۔ آپ کا صبر وقرار جاتا رہا۔لوگوں نے آپ سے کہا کہ نیشا پور کے ایک گاؤں میں ایک جادوگر رہتا ہے جو یہودی ہے۔آپ اس کے پاس تشریف لے جائیں۔ممکن ہے کہ وہ آپ کی کوئی صورت پیدا کر سکے۔چنانچہ آپ نیشا پور تشریف لے گئے اور اس یہودی سے ملے اور اپنا حال زار بیان فرمایا۔یہودی نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ چالیس روز تک عبادت وریاضت نہ کریں اور نہ ہی کوئی نیک خیال دل میں لائیں تو پھر میں عمل کروں اور اپنے جادو کے وصف سے آپ کو مقام مقصود تک پہنچاؤں گا۔آپ نے یہودی کی بات پر رضامندی ظاہر کی۔چنانچہ وہاں چلے آئے اور اس کی ہدایت پر قائم رہے۔جب چالیس دن گزر گئے تو اس یہودی کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ تمہارا طلسم تو بالکل غیر موثر ثابت ہوا۔ یہودی نے فرمایا کہ آپ نے ان چالیس دن کے اندر کوئی نہ کوئی ضرور نیک کام کا کیا ہے اور اسی سے میرا طلسم باطل ہو گیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ ان چالیس دنوں میں ظاہری طور پر تو مجھ سے کوئی بھی نیکی عمل میں نہیں آئی البتہ اتنا ضرور ہوا کہ میں ایک دفعہ راستہ میں جا رہا تھا تو میں نے راہ سے ایک پتھر اٹھا کر کنارے پر رکھ دیا تھا تا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔اس پر یہودی نے کہا کہ اس خدا کو آزردہ نہ کر کہ جس کی نافرمانی تو چالیس دن تک کرے اور وہ اپنی مہربانی سے تیرے اس معمولی سے عمل کو بھی ضائع نہ ہونے دے۔اس بات سے آپ

کے دل میں ایک آگ سی لگی اور آپ نے وہیں توبہ کی اور خدا کے راستے پر گامزن ہو گئے۔

## واقعہ نمبر......۲۶

## ایک عورت کی توبہ کا واقعہ

ایک مرید اپنے شیخ سے یہی سوال کیا کرتا تھا کہ پیر کا حق مرید پر کیا ہے؟ شیخ کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ چند روز بعد وہ مرید راسخ الاعتقاد حاضر ہوا تو شیخ نے حکم دیا کہ تم فوراً چلے جاؤ۔ وہ مرید فوراً کسی طرف کو چل دیا۔ ساتویں روز ایک شہر کے قریب پہنچا اس شہر کا حاکم بھی اسی بزرگ کا مرید تھا۔ اس پر اس مسافر مرید کا حال منکشف ہوا۔ اس شخص کو بلا کر حالت دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ حاکم نے کہا کہ تم کو میرے ہی پاس بھیجا گیا ہے۔ چند روز میرے پاس ٹھرو چند روز کے بعد اس شہر کے حاکم نے ایک ہزار روپے دے کر اسے رخصت کیا۔ اثنائے راہ میں وہ شخص ایک شہر میں پہنچا تو وہاں ایک بازاری عورت پر جو حسن و جمال میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ دل و جان سے فریفتہ وشیدا ہو گیا۔ ایک ہزار روپے پر ملاقات طے ہوئی۔ جب خلوت میں جا کر ارادہ فاسد کیا تو غیب سے زوردار تماچہ منہ پر لگا۔ تین بار یہی معاملہ گزرا۔ عورت نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟ اور یہ کیا معاملہ ہے؟ اس شخص نے ساری سرگزشت بیان کی۔ وہ بولی کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا شیخ مرد کامل ہے۔ اس خیال باطل کو چھوڑ دو۔ آؤ ہم تم دونوں ان کی خدمت میں چلیں۔ یہ لو اپنا روپیہ کمر سے باندھو۔ دونوں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عورت نے افعال بد سے توبہ کی۔ شیخ نے اس عورت کا نکاح اسی مرد سے کروا دیا اور وہ ہزار روپے بھی ان کو عطا فرمائے۔ چند روز بعد اس مرید نے پھر اپنے مرشد سے وہی پرانا سوال کیا۔ شیخ نے جواب دیا پیر کا حق وہ تھا جو تو نے بے چوں و چراں ادا کیا اور مرید کا حق وہ تھا جو فلاں شہر میں تجھ پر اس عورت کے ساتھ گزرا تھا۔

## واقعہ نمبر......۲۷

## کچھ لڑکوں کی توبہ کا واقعہ

حضرت معروف کرخیؒ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کے ہمراہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں آپ نے چند لوگوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ جب آپ ان کے پاس سے گزرے اور دجلہ کے کنارے پہنچے تو آپ کے ساتھیوں نے آپ سے عرض کیا کہ شیخ دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ ان سب کو غرق کردے تاکہ ان سب کی بدبختی کا خاتمہ ہو۔ لوگوں کو چین وسکون میسر ہو اور ان کے فساد کا اثر دوسروں تک نہ پہنچے۔

حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا تم سب لوگ دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔ سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آپ نے فرمایا الٰہی! جیسے تو نے ان لوگوں کو دنیا میں عیش وآرام فرمایا ہے اسی طرح آخرت میں بھی ان کو عیش وعشرت سے سرفراز فرما۔

احباب کو اس پر سخت تعجب ہوا اور انہوں نے باادب وآداب عرض کیا کہ اے شیخ! یہ حکمت ہماری سمجھ سے بعید ہے۔ آپ نے فرمایا صبر سے کام لو۔ یہ راز تم پر ابھی منکشف ہوا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب حضرت ان تمام اصحاب اکرام کی معیت میں واپس اس راستے سے آئے اور ان لوگوں کی نگاہ آپ کے روئے مبارک پر پڑی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے۔ انہوں نے اسی وقت اپنی لڑائی بند کردی۔ شراب کے پیالے پھینک دیئے اور آپ کے قدم بابرکت میں آگرے اور گناہوں سے توبہ کی۔ حضرت نے اپنے احباب سے مخاطب ہوکر فرمایا تم نے دیکھا کہ خوف خدا نے انہیں ان کی صحیح منزل پر پہنچایا اور یہ نیکوں کے زمرے میں شامل ہوگئے۔

## واقعہ نمبر......۲۸

### توبہ کا باعث عبرت واقعہ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے۔کبھی کبھی ان آیات وعلامات خداوندی کا جو خدا نے اپنے خاص بندوں اور اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہیں ذکر کرتے تھے۔ایک شخص نابینا ہمارے قریب رہتا تھا جو کچھ ہم کہتے وہ سنتا تھا ایک مرتبہ وہ ہمارے پاس آیا اور کہا مجھ کو تمہاری باتوں سے انس پیدا ہو گیا ہے۔صاحبو! میرے بال بچے تھے میں جانب بقیع لکڑی لینے گیا۔وہاں ایک جوان ملا۔قمیض کتان کا پہنے ہوئے ہاتھ میں موتی لئے ہوئے۔میں نے اپنے جی میں کہا یہ مال مفت ہاتھ سے نہ جانا چاہیے۔اور اس کے کپڑے اتا لینے کا قصد کیا۔میں نے اس سے کہا اپنے کپڑے اتار دے۔اس نے کہا خدا کی حفاظت میں چلا جا۔میں نے اس سے دو مرتبہ بلکہ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔اس نے کہا تو میرے کپڑے ضرور لے گا، میں نے کہا ضرور لوں گا۔پھر اس جوان نے اپنی دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا دونوں آنکھیں نکل کر گر پڑیں۔میں نے کہا خدا کی قسم تم کون ہو۔کہا میں ابرہیم خواص ہوں۔

ابراہیم خواصؒ نے چور کو اندھا ہونے کی بددعا دی اور ابراہیم ادہمؒ نے اپنے مارنے والے کے حق میں جنت کی دعا کی۔وجہ اس کی یہ ہے۔شیخ ابراہیم خواصؒ نے دیکھا کہ چور بغیر اندھا ہوئے توبہ نہ کرے گا یہ دنیا کا عذاب اس کے حق میں مناسب سمجھا اور شیخ ابراہیم ادہمؒ کو اس مارنے والے کو ایذا دینے میں اس کا توبہ کرنا معلوم نہ ہوا لہٰذا ابراہ کرم وجوانمردی اس کے حق میں نیک دعا فرمائی۔ان کی دعا کی برکت سے اس شخص کو برکت و خیر حاصل ہوئی اور توبہ واستغفار وعذر کرتا ہوا ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا وہ سر جو محتاجی اور عذر خواہی کا تھا بلخ میں چھوڑ آیا۔یعنی تکبر ریاست کا اور غرور شرافت کا میرے دماغ میں اس وقت تھا جب کہ میدان تکبر وخود بینی میں حب جاہ زینت

دنیا کے گھوڑے پر سوار ہو کر سلطنت بلخ میں دوڑتا پھرتا تھا اور اب تو میرے سر سے یہ سب نکل گیا اور بعوض تکبر و خودی پسندی کے لذت و عاجزی و تواضع لے لی اور حمقوں کی خلعت جو غرور کے سوت سے بنی گئی تھی میں نے اتار ڈالی۔ کمینوں کا زیور جو کہ نحوست و حیرانی وشادمانی کے تانے بانے سے بنایا گیا ہے اتار پھینکا اور بعوض اس کے مجھ کو وہ خلعت عطا ہوئی ہے جس میں شرافت ابدی ہے اور اہل تحقیق اور صاحبان خضوع کے زہد و پرہیز کے سوت سے جو توفیق کے تکلے پر کتا ہے بنایا گیا ہے۔ مجھ کو وہ زیور مرحمت ہوا ہے جس کو اولیاء اللہ پہنتے ہیں اور وہ زیور معرفت کے جواہر، ادب کے یاقوتوں، نیک عادات کے اہل طریق سے مرصع ہے اور مجھ کو شراب محبت اور مشاہدہ جمال دوست کے فرش پر بیٹھا کر پلائی گئی ہے جبکہ مجھ کو بادشاہ حقیقی کا قرب حاصل ہو گیا اب مجھ کو ایک ادنیٰ خادم کی خطا سے جو میرے لشکر کا سپاہی ہو کیا پرواہ ہے اور جبکہ لیلیٰ اپنے مجنوں کی جانب ملتفت ہو کر اس حالت زار پر متوجہ ہوا اور اپنے دوست کو بلند جگہ عنایت کرے۔ اپنے قیمتی جمال کی خوبی کے مشاہدے میں مشغول رکھے تو اس وقت اگر کتا لیلیٰ کے قبیلے کا بھونکے یا حملہ کرے مجنوں کو کیا غم ہے۔

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۲۹

## ذکر استغفار کی جزاء کا واقعہ

حضرت شبلیؒ سے مروی ہے کہ میں ایک دن گاؤں کے ارادے سے چلا راہ میں ایک کم سن نوجوان ملا جس کا جسم نہایت لاغر و گرد آلود تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور وہ صحرا میں بیٹھے ہوئے دو قبروں کے درمیان کی خاک میں اپنے رخسار مل رہا تھا۔ اور گھڑی گھڑی آسمان کی طرف دیکھتا جاتا تھا اور اپنے ہونٹ ہلاتا جاتا تھا اس کے آنسو رخساروں پر جاری تھے اور ذکر استغفار اور دعا میں ایسا مشغول تھا کہ اور

کوئی مشغلہ اس کو تسبیح و تقدیس اور تمہید و تمجید و تعظیم سے باز نہیں رکھ سکتا تھا جب میں نے اس جوان کو اس حالت میں دیکھا تو میرا قلب اس کی طرف مائل ہوا اور میں اس کی ملاقات کو چلا اور میں اپنا راستہ چھوڑ کر اسکی طرف ہوا، اس نے جب مجھے اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنے جگہ سے اٹھ کر بھاگنے لگا میں بھی اس کے پیچھے بھاگا کہ شاید میں اسے پکڑ لوں لیکن نہ پکڑ سکا میں نے کہا اے ولی اللہ! مجھ پر مہربانی کرو اس نے کہا قسم ہے اللہ کی ہرگز نہ کروں گا میں نے کہا خدا کے واسطے ٹھر جاؤ اس نے انگلی سے اشارہ کیا نہیں اور زبان سے اللہ کہا میں نے کہا اگر تیرا قول سچا ہے تو اپنی سچائی جو اللہ کے ساتھ ہے دکھائے۔ فوراً ہی اس نے چلا چلا کر اللہ اللہ اللہ تین دفعہ کہا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے قریب جا کر اسے ہلایا تو وہ مر گیا تھا ۔ میں متفکر ہوا اور اس حال اور صدق سے متعجب ہوا اور جی میں کہا یختص برحمته من یشاء یعنی اللہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرے پھر لاحول الاقوہ الا باللہ العظیم پڑھتے ہوئے اس کی تجہیز و تکفین کی تیاری کی نیت سے ایک قبیلہ عرب کی طرف گیا جب میں وہاں سے لوٹا تو وہ میری نظر سے غائب ہو گیا۔ میں نے اسے بہت ڈھونڈا لیکن کچھ پتا نہ چلا نہ کوئی خبر ملی میں نے جی میں کہا یہ جوان مجھ سے غائب ہو گیا مجھ سے پہلے اس کا سامان کرنے والا کون آ گیا جو اسے اٹھا کر لے گیا اتنے میں ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا اے شبلی تو اس جوان کی فکر سے بچ گیا اس کا کام فرشتوں نے کیا تو اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور صدقہ زیادہ کیا کر۔ کیونکہ یہ جوان بھی اس مرتبہ تک ایک دن کے صدقے سے پہنچا ہے جو ساری عمر میں ایک بار کیا تھا۔ میں نے کہا میں خدا کے لئے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ کیا صدقہ تھا اس نے کہا اے شبلی یہ شخص اپنے اوائل عمر میں نافرمان گنہگار رفاسق اور زانی تھا اللہ کی جانب سے اسے خواب نظر آیا جس سے وہ گھبرایا کہ اس کا ذکر اژدھا بن گیا اور اس کے منہ کی اطرف گھیرا لگا کر بیٹھ گیا پھر اس اژدھا کے منہ سے شعلے نکل کر اس کے منہ میں جاتے لگے اور وہ شخص جل کر کوئیلہ ہو گیا یہ خواب دیکھ کر گھبرایا ہوا خوف زیادہ اٹھا اور سب تعلقات چھوڑ کر بھاگ نکلا اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اسے

تعلقات منقطع کیئے ہوئے آج بارہ سال ہوئے اور وہ تضرع وازاری اور خضوع وخشوع میں مصروف تھا کل یک سائل نے اس کے پاس آکر ایک دن کی خوراک کا سوال کیا اس نے اپنے کپڑے اسے اتار دیئے وہ سائل بہت خوش ہوا اور ہاتھ اٹھا کر اس کے لئے دعاء مغفرت کی۔ حق تعالیٰ نے اس صدقہ کی برکت سے جس سے فقیر کا جی خوش ہوا اس کی دعا قبول کی چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو سائل صدقہ سے خوش ہو کر دعا کرے اسے غنیمت جانو۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۳۰

## تین ڈاکوؤں کی توبہ کا واقعہ

حضرت ابویزید قرطبی سے مروی ہے کہ ہم نے ایک بار سفر کیا اور ہمارے ہمراہ ایک گاؤں کے ایک نیک آدمی تھے۔ ہم ایک خندق پر پہنچے جس میں بہت سے درخت تھے۔ اس شخص کو آثار قدیمہ کی واقفیت تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس خندق میں آبادی ہے۔ ہم خندق میں اترے اور سرعت سے جھپٹتے ہوئے خندق کے دوسری جانب چلے۔ جب ہم نے دوزخیوں کو قطع کیا اور آگے بڑھے تو ہم نے تین آدمی ہتھیار بند دیکھے جو ہم پر حملہ کرنے کے واسطے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہم جمع ہوئے اور ہم نے کہا کیا تجویز کرنا چاہئے۔ اسی بدوی نے کہا کہ اپنا کام اصل کی طرف راجع کرو کیا تم اللہ کی طرف نہیں نکلے ہو۔ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ کہا پھر اپنا کام اللہ کے سپرد کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ اور تم میں سے کوئی دائیں بائیں نہ دیکھے۔ چنانچہ وہ شخص آگے ہو چلا اور ہم لوگ سب ان کے پیچھے چلے اور چور رستہ سے ہٹے ہوئے ہمارے برابر چلتے تھے۔ ہم چلنے میں ان سے آگے نکل گئے اور وہ لوگ ہمارے محاذ سے پیچھے رہ گئے۔ میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ہم کو اپنے نیزوں کی نوک پر لے لیا ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا

کہ ان لٹیروں نے تو ہمیں پالیا اور وہ شخص بدوی ادھر ادھر نہیں دیکھتا تھا۔ میری بات سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور مڑ کے دیکھا۔ جب وہ لوگ نظر آئے تو کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم اے اللہ ان شیاطین کی شرم ہم سے دور کر دے میں نے کہا دیکھو ہم کیا کریں۔ اس نے کہا ہم کیا کریں۔ میں نے کہا یہ چاشت کا وقت ہے اور نفل نماز میں جماعت جائز ہے۔ میں آگے بڑھ کر تمہیں نماز پڑھاتا ہوں اس وقت وہ لوگ آگے نکل جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ کہا اے ابو یزید! ہمیں حاجت ہے کہ ہم ان سے پوشیدہ ہو جائیں۔ میں نے کہا تم جانو۔ اتنے میں انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دو انگلیوں انگشت شہادت اور وسطی سے ان ڈاکوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا ''کھڑے رہو'' میں نے انہیں دیکھا کہ کھڑے ہو گئے اور کوئی ان میں سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ نہ اپنے ساتھیوں سے مل سکتا تھا۔ جو جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ ہم آگے چلے اور اس شخص نے اس کے بعد کچھ نہ کھایا۔ پھر جب ہم ایک دورہ میں پہنچے اور ایسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں وہ ہمیں پکڑ نہیں سکتے تھے۔ وہ شخص کھڑے ہوئے اور ہم بھی اس کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر کہا کہ دیکھو ان شیاطین کو کہ ابھی تک اس طرح کھڑے ہیں۔ واللہ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو انہیں اسی حالت پر چھوڑ کر چلا جاتا لیکن اے اللہ ہمارا واقعہ ان کے لئے سبب توبہ کا کر دے۔ پھر ان کی طرف اشارہ کیا جاؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب کے سب زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے ساتھیوں باتیں کرنے لگے۔ پھر جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ گئے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی توفیق دی اور وہ تائب ہو گئے۔

❀❀❀❀

واقعہ نمبر......۳۱

## نیک بندوں کے بارے میں بدگمانی پر توبہ کا واقعہ

ایک صالح بزرگ سے روایت ہے کہ میں نے شیخ ابو الفضل ابن جوہری مصری کی

خبر سنی اور آپ کی زیارت کے قصد سے اپنے شہر سے چلا۔ جمعہ کے روز شہر مصر میں داخل ہو کر شیخ کی مجلس وعظ میں حاضر ہو کر سامعین میں شریک ہوا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ نہایت خوبصورت بلیغ آدمی اور لباس فاخرہ اور عمدہ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور عمامہ خوش رنگ اور ایسی ہی ایک چادر بھی تھی۔ ان کی ہمت بڑی ہوئی تھی اور قاب کشادہ تھی یا یوں کہئے کہ دنیا ان کے پاس بہت کشادہ تھی۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ ابن جوہری ہیں جن کی نسبت بہت کچھ کہا جاتا ہے اور ان کی صلاح اور دین اور پرہیز گاری کی شہرت ہے اور ان کے صفات حمیدہ اور قوت ایمانی اور کمال یقین مشہور ہے اور ان کا لباس اور ان کی یہ ہئیت وآرائش ہے۔ میں متعجب رہ گیا اور انہیں اس حال پر چھوڑ کر چلا گیا۔ جب میں مصر کے کوچہ اور بازاروں سے گزر رہا تھا تو میں نے ایک عورت کو چیخ پکار مچاتے ہوئے سنا۔ وہ رو رہی تھی گریہ وزاری کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی وامصیبتاہ وانبتاہ وافضیحتاہ میں اس پر رحم کھا کر اس کے پاس گیا اور پوچھا اے عورت! تجھے کیا ہو گیا ہے اور تیرا کیا قصہ ہے۔ اس نے کہا حضرت میں ایک پردہ نشین عورت ہوں اور میری ایک لڑکی کے سوا کوئی اولاد نہیں ہے اور میں نے بڑی کوشش سے اس لڑکی کی پرورش کی اور دل وجان سے اس کی حفاظت کی۔ حتیٰ کہ وہ جوان ہوئی۔ اس کی ایک نیک بخت صالح مسلمان سے میں نے منگنی کی۔ جب میں سمجھ گئی کہ وہ اس کا ہمسر اور کفو ہے تو اس کے ساتھ میں نے اس لڑکی کا عقد کر دیا۔ آج اسکی رخصت کی رات ہے اور آج ہی اس پر جن کا اثر ہو گیا ہے اور اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ میں نے اس پر شفقت کر کے کہا کچھ مت ڈر اس کا علاج کرنا مجھ پر ہے اور اس کی حالت کی اصلاح کرنا میرے ذمہ ہے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کی برکت سے۔ یہ سن کر اس عورت کی پریشانی کچھ دور ہوئی اور وہ میرے آگے ہوئی اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا حتیٰ کہ وہ عظیم الشان خوبصورت مکان میں مجھے لے گئی اور اندر آنے کی اجازت دی۔ میں مکان میں گیا۔ دیکھا قسم قسم کی چیزیں جو بیاہ شادی میں اور بچوں والے گھروں میں ہوا کرتی ہیں وہاں موجود تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں

بیٹھ گیا اچانک اس کی لڑکی نظر آئی جو کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف دیکھتی تھی ۔اور اس پر خدا کے حکم سے جن کا اثر ہو گیا تھا اور وہ بڑی خوبصورت تھی ۔ میں نے قرآن شریف کی دس آیتیں ساتوں قراتوں کے ساتھ اس پر پڑھ کر دم کیں ۔اس وقت جن فصیح زبان میں جسے نزدیک اور دور کے سب لوگ سنتے تھے کہنے لگا اے شیخ ابوبکر تم سات قراتوں سے قرآن پڑھ کر ہم پر فکر نہ کرو ہم ستر قسم کے جن ہیں جو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیئر ذات العلم کے روز مسلمان ہوئے تھے ۔آج ہم شیخ صالح ابوالفضل ابن جوہری کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنے کی غرض سے آئے تھے جن کی تم نے حقارت کی اور ان کی نسبت بدگمانی کی ۔خدا سے استغفار کرو اور اپنی غفلت کا توبہ سے تدارک کرو ۔ہم اس راستے سے جا رہے تھے کہ اس لڑکی نے ہم پر نجاست پھینکی جب کہ ہم نماز کے لئے اس کے گھر پر سے گزر رہے تھے چنانچہ سب ساتھی بچ گئے اور میرے کپڑے نجس ہو گئے اور حضرت شیخ صالح ابوالفضل کے پیچھے نماز پڑھنے سے محروم رہا میں نے غصہ میں آ کر یہ کیا جو تم نے دیکھا ۔میں نے کہا اس شیخ صالح کی حرمت سے جن کے پیچھے تم نماز ادا کرنے آئے تھے اس پر سے اتر جاؤ ۔کہا بہت اچھا جن نے سن لیا اور مان لیا اور اسی وقت اس پر سے اتر گیا اور وہ لڑکی اسی وقت اچھی ہو گئی اور منہ پر اسی وقت مجھ سے شرما کر برقعہ ڈال لیا ۔گویا اسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا ۔اس کی والدہ بہت خوش ہوئی اور کہا خدا تمہیں نیک جزا دے اور جیسا کہ تم نے ہماری عیب پوشی کی خدا تمہاری عیب پوشی کرے ۔پھر میں اسی وقت نکل کھڑا ہوا اور عزم حضرت شیخ صالح کی زیارت کا کر لیا ۔جب مجھے شیخ نے اپنی طرف آتے دیکھا تو مسکرا کر فرمایا اھلاً وسھلاً شیخ ابوبکر، تمہیں ہماری حالت کا یقین نہ تھا جب تک کہ جن نے یہ خبر نہ دی ۔ان کی یہ بات سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔پھر ایک مدت تک شیخ کے یہاں وعظ سنتا رہا اور ان کی صحبت میں ہی رہ گیا ۔وہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتا تھا اور اللہ سے توبہ کر لی کہ کرامات اولیاء سے کبھی انکار نہ کروں گا۔

## واقعہ نمبر......۳۲

# بار بار توبہ کا ایک واقعہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا جو توبہ کر کے توڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو وہ آئندہ توبہ کر کے نہ توڑے ورنہ میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا اور اسے سخت عذاب دوں گا۔ یہ پیغام سن کر وہ شخص چند روز تو اپنی عادت کے خلاف صبر سے رہا لیکن پھر توبہ سے گیا اور نافرمانی پر اتر آیا ۔اس پر اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے پھر وحی بھیجی کہ اللہ تعالیٰ اس نافرمان بندے سے ناراض ہے۔

موسیٰ علیہ السلام یہ پیغام سن کر وہ اللہ کا عاصی بندہ جنگل کی طرف نکل گیا اور تنہائی میں یوں اللہ عزوجل سے مخاطب ہوا۔ اے اللہ! تو نے موسیٰؑ کی وساطت سے یہ پیغام بھیجا ہے کیا تیرے بخشش کے خزانے ختم ہو گئے یا میری نافرمانی سے تجھے کوئی نقصان پہنچا ہے کیا تو اپنے بندوں پر بخل سے کام لیتا ہے، کیا کوئی گناہ تیرے عفو و کرم سے بڑا ہے۔ جب عفو و کرم تیری صفت ہے پھر تو مجھے نہیں بخشے گا۔ اگر تو اپنے بندوں کو ناامید کر دے گا تو وہ کس دروازے پر جائیں گے۔ تیرے در سے ٹھکرائے ہوئے کس کی پناہ تلاش کریں۔ اے الٰہی! اگر تیری رحمت ختم ہو چکی ہے اور تیرا عذاب مجھ پر لازم ہو گیا ہے تو اپنے تمام بندوں کے گناہ مجھ پر ڈال دے میں ان سب کے لئے اپنی جان قربان کرتا ہوں۔ اس پر اللہ عزوجل کی رحمت جوش میں آئی اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اس آدمی کو پیغام بھیجا کہ ''اے میرے گنہگار بندے! تو میری رحمت سے ناامید نہیں ہے اگر تیری خطاؤں سے زمیں اور آسمان کے درمیان کی فضا بھی بھر جائے تو بھی میں تجھے بخش دوں گا۔ کیونکہ تو میری رحمت کاملہ اور عفو عام کا اعتراف کرتا ہے۔''

## واقعہ نمبر......۳۳

## حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت شفیق بلخی فرماتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کے ارادے سے گھر سے چلا۔ قادسیہ میں پہنچا وہاں میں نے لوگوں کی زینت اور کثرت دیکھی کہ اچانک ایک خوبصورت نوجوان پر نظر پڑی۔ نفیس لباس پہنے ہوئے تھے اور اوپر سے اونی چادر اوڑھے ہوئے پاؤں میں جوتی۔ لوگوں سے الگ بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ جوان صوفی ہے۔ لوگوں پر بار ہوگا میں اس کے پاس ضرور جاؤں اور اسے دھمکاؤں۔ میں اس کے قریب گیا و۔ جب اس نے مجھے متوجہ پایا کہا اے شفیق! گمان کرنے سے بچو۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور مجھے چھوڑ کر چل دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس نے جو میرے جی میں تھا کہہ دیا اور میرا نام لیا۔ یہ تو کوئی مرد صالح معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے ضرور ملوں گا اور میں اس سے بدگمانی صاف کراؤں گا۔ میں اس کے پیچھے چل دیا مگر اسے نہ پایا اور میری نظر سے غائب ہوگیا۔ جب ہم مقام واقصہ میں اترے تو اس کو نماز میں پایا۔ اس کے اعضاء کانپ رہے تھے اور آنسو جاری تھے۔ میں نے کہا یہ تو وہی میرا دوست ہے میں اس سے مل کر اپنا قصور بدگمانی کا معاف کراؤں۔ میں نے کچھ دیر صبر کیا اور وہ فارغ ہوکر بیٹھا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ جب مجھے آتے دیکھا کہا اے شفیق! یہ آیت پڑھ **وانی لغفار لمن تاب الخ**

”جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے اور راہ پائے میں اس کے گناہ بخش دیتا ہوں“ پھر مجھے چھوڑ کر چلتا بنا۔ میں نے کہا یہ جوان ضرور ابدال ہے میرے دل کی بات دو مرتبہ بیان کردی۔ جب ہم منیٰ میں اترے تو میں نے اسی جوان کو دیکھا ہاتھ میں کوزہ لئے پانی کے واسطے کنوے پر کھڑا ہے اس کے ہاتھ سے کوزہ کنوے میں گر پڑا میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس جوان نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا اے خداوندا اے میرے

مالک! تو خوب جانتا ہے میرے پاس سوائے اس کے اور کچھ نہیں مجھ سے یہ گم نہ کر۔ شفیق فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ کنوے کا پانی اوپر تک ابل آیا۔ اس جوان نے اپنا کوزہ لے کر پانی سے بھرا اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوا۔ نماز ادا کرنے کے بعد ریت کے ایک ٹیلے پر گیا اور بالو اٹھا اٹھا کر کوزے میں بھرتا تھا اور ہلا ہلا کر بار بار پیتا تھا میں اس کے پاس گیا اور سلام کیا۔ اس نے جواب دیا میں نے کہا اپنا جھوٹا مجھے عنایت کیجئے۔ کہا اے شفیق خدا کی نعمتیں ظاہری باطنی ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں۔ اپنے پروردگار کے ساتھ نیک گمان رکھو پھر مجھ کو کوزہ دیا۔ میں نے اس میں سے پیا، ستو اور شکر اس میں گھلے ہوئے تھے۔ خدا کی قسم اس سے زیادہ لذیذ اور خوشبودار چیز کبھی کوئی میں نے نہیں پی ہوگی۔ میری بھوک پیاس جاتی رہی اور کئی دن تک وہاں ٹھہرا رہا۔ کھانے پینے کی خواہش نہ ہوئی پھر راہ میں مجھ کو وہ جوان نہ ملا یہاں تک کہ قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ ایک رات متصل پانی کے قبہ کے آدھی رات کے وقت میں نماز پڑھتے دیکھا نہایت عاجزی سے نماز پڑھتا تھا رونے کی آواز سنی جاتی تھی اسی حالت میں تمام رات گزر گئی۔ جب صبح ہوئی اپنے مصلے پر بیٹھا تسبیح پڑھتا رہا پھر کھڑا ہو کر نماز فجر ادا کی اور سلام پھیر کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور حرم سے باہر نکلا۔ میں اس کے ساتھ ہولیا۔ اس کے خادم وغلام نظر آئے۔ راستے میں جس وضع سے تھا یہاں اس کے خلاف پایا۔ لوگ گرد جمع ہوگئے اور سلام کر رہے تھے۔ میں نے ایک شخص سے جو اس کے قریب تھا دریافت کیا یہ جوان کون ہے۔ کہا حضرت امام جعفر صادقؒ ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ بے شک یہ عجیب وغریب اللہ کی عنایات انہیں عطا ہوئی ہیں۔

❀❀❀❀

واقعہ نمبر......۳۴

## ایک عظیم انسان کی توبہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بہت متقی بزرگ تھے۔ ابتداء

میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔ بڑی شان وشوکت سے حکومت کرتے تھے۔ ایک رات جبکہ اپنے محل میں محو خواب تھے۔ آپ کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی چھت کے اوپر ٹہل رہا ہے۔ پوچھا تو کون ہے اور یہاں اس وقت کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا آپ کا دوست ہوں اور یہاں اس وقت اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ شاہی محلات کی چھتوں پر اونٹ آ جائیں۔ اس آدمی نے جواب دیا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جامعہ اطلس پہن کر عیش وعشرت میں خدا مل جائے۔ اس جواب سے آپ پر ایک خوف طاری ہو گیا۔

دوسرے دن آپ دربار عام میں تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک بہت بارعب شخص اندر داخل ہوا۔ دربار میں سے کسی کی جرات نہ ہوئی کہ اس سے اس طرح گستاخانہ طور پر اندر آنے کی وجہ پوچھی۔ وہ آدمی تخت شاہی تک پہنچ گیا۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے پوچھا تو کون ہے اور یہاں کس طرح آیا؟ اس نے کہا میں اس سرائے میں ذرا ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ سرائے نہیں شاہی محل اور دربار ہے۔ اس آدمی نے کہا آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟ فرمایا میرا باپ۔ پھر پوچھا تمہارے باپ سے پہلے کون تھا۔ فرمایا میرا دادا۔ اسی طرح کئی پشتوں تک پہنچ کر اس نے پوچھا آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟ فرمایا میری اولاد۔ پھر آدمی نے کہا ذرا خیال کرو جس مقام پر اتنے آدمی آئیں اور جائیں کسی کا مستقل قیام نہ ہو۔ پھر وہ مقام سرائے نہیں تو کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص باہر آ گیا۔ آپ اس کے پیچھے دوڑے اور پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میں خضر ہوں۔

یہ سنتے ہی آپ کا سکون جاتا رہا آپ باہر ہوا خوری کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ اس وقت آپ نے آواز سنی کہ ابراہیم! اس وقت سے پہلے جاگو جس وقت کہ تم کو موت کے ذریعہ جگایا جائے۔ چنانچہ آپ تخت وتاج سے دست بردار ہو گئے اور سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکل پڑے اور اپنے گناہوں پر روتے جاتے تھے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے جاتے تھے حتیٰ کہ چالیس سال تک آپ گریہ وزاری کرتے رہے۔

نقل ہے کہ آپ نے ایک درویش کو دیکھا جو مفلسی کی شکایت کرتا جاتا تھا۔آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے درویشی مفت میں حاصل کی ہے۔درویش نے پوچھا کیا درویشی کو خریدا بھی جاسکتا ہے۔فرمایا ہاں! میں نے درویشی حکومت بلخ کے عوض خریدی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا دل تین حالتوں میں خدا کی طرف حاضر نہ ہوتو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس پردروازہ بند کیا جاچکا ہے۔اول تلاوت قرآن کے وقت ،دونماز کے وقت،سوم ذکرالٰہی کے وقت۔

روایت ہے کہ آپ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے شیخ میں اپنے آپ پر بہت ظلم کر چکا ہوں مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے۔فرمایا اگر منظور کروتو چھ باتیں بتاتا ہوں۔

اول یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کروتو خدا کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ۔اس نے کہا پھر کہاں سے کھاؤں۔زیب نہیں کہ جس کی روزی کھاؤ اسی کی نافرمانی کرو۔

دوم یہ جب گناہ کرنے کا ارادہ کروتو خدا کی بادشاہت سے باہر ہونکل کر کرو،عرض کیا ساری کائنات اسی کی ہے۔کوئی کہاں جائے۔فرمایا یہ مناسب ہے کہ اس کے ملک میں رہ کر گناہ کیا جائے۔

سوم یہ گناہ ایسی جگہ کیا جائے جہاں وہ دیکھ نہ سکے۔کہا یہ ناممکن ہے۔وہ تو دلوں کے بھید تک سے واقف ہے۔فرمایا جب رزق اس کا کھاؤ اس کے ملک میں رہوتو پھر اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں تک انصاف پرمبنی ہے۔

چوتھے یہ کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہو ذرا توبہ کر لینے کی مہلت دے دو ،عرض کیا یہ بھی ناممکن ہے۔وہ میرا کہنا نہ مانے گا۔فرمایا جب یہ حالت ہے تو اس کے سامنے آنے سے پہلے توبہ کر لینی چاہئے۔

پانچویں یہ کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں تو ان کو باہر نکال دینا۔عرض کیا میں یہ بھی نہیں کرسکتا فرمایا پھر ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے تیار رہو۔

چھٹی یہ کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد گنہگاروں کو دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا۔ تم دوزخ میں جانے سے انکار کر دینا۔ عرض کیا یہ بھی ناممکن ہے۔ تو پھر گناہ مت کرو۔

ایک اور روایت ہے کہ لوگوں نے کہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول نہیں کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم خدا تعالیٰ کو جانتے ہو لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے، قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے ۔ جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لئے ہے مگر اس سے زرا بھی نہیں ڈرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے ۔ موت کو برحق سمجھتے ہو مگر کوئی سامان نہیں کرتے ۔ خویش واقارب کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے ہو لیکن عبرت نہیں پکڑتے ۔ بھلا جو شخص اس طرح کا ہو اس کی دعا کیوں کر قبول ہو سکتی ہے؟

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۳۵

## ابوسلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ

ابوسلیمان دارانیؒ سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا۔ مگر مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا تو میرے دل میں کوئی اثر نہ رہا۔ میں دوبارہ اس کی مجلس میں گیا اور اس کا کلام سنا تو میرے دل پر اس کا اثر راستہ بھر رہا۔ مگر پھر زائل ہو گیا۔ تیسری بار پھر گیا تو اس کا اثر میرے دل پر گھر پہنچنے تک رہا۔

چنانچہ میں نے مخالفت کی سارے آلات توڑ ڈالے اور طریقت اختیار کی راہ پر لگ گیا۔

اس کے بعد انہوں نے یحییٰ بن معاذ کو یہ حکایت سنائی تو فرمایا۔ ایک چڑیا نے کرکی (کونج) کا شکار کرلیا۔ چڑیا اس کی مراد قصہ خواں تھا اور کرکی سے ابوسلیمان دارائیؒ۔

ابوحفص حدادؒ سے حکایت کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی بار اپنا پیشہ چھوڑا مگر پھر وہی پیشہ کرنے لگ جاتا۔ آخر اس پیشہ نے مجھے چھوڑ دیا جس کے بعد پھر میں نے وہ کام نہیں کیا۔

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۳۶

## توبہ کا عبرت ناک واقعہ

زہری رحمہ اللہ ناقل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ یارسول اللہ دروازہ پر ایک نوجوان رو رہا ہے جس نے میرا دل جلا دیا ہے۔ فرمایا عمر! اسے اندر لے آؤ۔ وہ نوجوان روتا ہوا حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگا یارسول اللہ میرے گناہوں کا ڈھیر مجھے رلا رہا ہے اور مجھے جبار سے ڈر آتا ہے کہ وہ مجھ پر غضب ناک ہوگا۔ آپ نے فرمایا نوجوان! کیا تو نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ کیا تو نے کسی جان کو ناحق قتل کیا ہے عرض کیا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اگرچہ وہ سات آسمان سات زمینوں اور تمام پہاڑوں کے برابر ہوں۔ نوجوان بولا حضور! میرا گناہ ساتوں آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں سے بھی بڑھا ہوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی کہنے لگا میرا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش، اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے۔ ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا تیرا اللہ یعنی اس کی عفو۔ کہنے لگا ہاں البتہ میرا اللہ اور اس کی عفو بہت بڑی ہے پس ارشاد فرمایا کہ گناہ عظیم کو خدائے عظیم ہی

معاف فرمائے گا جو بہت ہی عفوو درگزر کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا ذرا اپنا گناہ تو بتا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے آپ سے حیا آتی ہے۔ آپ نے پھر پوچھا تو کہنے لگا میں کفن چور تھا اور سات سال تک یہی پیشہ کیا۔ ایک دفعہ انصار کی ایک لڑکی فوت ہوئی میں نے اس کی قبر کھودی اور کفن اتار کر چل دیا تھوڑی دور گیا تھا کہ شیطان نے مجھ پر غلبہ پایا اور میں نے لوٹ کر اس سے مجامعت کر لی۔ نکل کر تھوڑی دور گیا تھا کیا دیکھتا ہوں وہ لڑکی کھڑی پکار کر کہہ رہی ہے اے جوان تجھے قیامت کے دن جزا و سزا دینے والے سے حیا نہیں آتی جس وقت وہ اپنی کرسی فیصلہ کے لئے رکھیں گے اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ دلوائیں گے۔ تو مرنے والوں کے مجمع میں مجھے ننگی کر کے چل دیا ہے اور میرے اللہ کے روبرو مجھے بحالت جنابت حاضر ہونے پر مجبور کیا۔ یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھل کر کھڑے ہو گئے اور اس کی گدی میں ایک دھول رسید کی اور فرمایا او فاسق تو تو بس آگ کے لائق ہی ہے، دفع ہو یہاں سے۔ نوجوان وہاں سے نکلا، چالیس راتوں تک اللہ کے حضور توبہ کرتا مارا مارا پھرتا رہا۔ چالیس راتوں کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا، آدم و حوا کے معبود اگر تجھے میری توبہ منظور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی خبر دے دے ورنہ پھر آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور آخرت کے عذاب سے نجات دے دے۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے سلام کہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سلام پہنچایا۔ آپؐ نے فرمایا وہ خود سلام ہیں سلام کا مبدا اور منتہیٰ بھی وہی ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے فرمایا مجھے بھی اور تمام مخلوق کو اسی نے پیدا فرمایا ہے عرض کیا وہ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ مخلوق کو رزق دیتے ہیں۔ فرمایا بلکہ مجھے بھی اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں۔ عرض کیا وہ پوچھتے ہیں کیا بندوں کی توبہ آپ قبول کرتے ہیں فرمایا بلکہ میری بھی اور تمام بندوں کی توبہ وہی قبول فرماتے ہیں۔ پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کی توبہ قبول

کر لی ہے آپ بھی اس پر نگاہِ شفقت فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کو بلا کر اسے توبہ قبول ہونے کی بشارت سنائی۔

فقیہہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقل مند آدمی کو اس سے سبق لینا چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ زندہ کے ساتھ زنا کرنا مردہ کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ گناہ ہے اس کی معافی کے لئے حقیقی اور سچی توبہ کرنی چاہیئے۔ دیکھئے نوجوان نے جب سچی توبہ پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس حیثیت کا گناہ ہو توبہ بھی اسی درجے کی ہونی چاہیئے۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

واقعہ نمبر......۴۷

## ایک عورت کی توبہ کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت نقاب اوڑھے راستہ پر کھڑی ہے اور مجھے پوچھ رہی ہے کہ مجھ سے بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے میں نے پوچھا تیرا کیا گناہ ہے کہنے لگی مجھ سے زنا کی حرکت سرزد ہو گئی اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کو بھی قتل کر دیا۔ میں نے کہا تو خود بھی ہلاک ہو گئی اور ایک جان اور بھی ہلاک کی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم تیری توبہ قبول نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ سن کر اس عورت نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اور میں آگے چلا آیا اور اپنے جی سے یوں کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہوتے تجھے فتویٰ دینے کا کیا حق تھا۔ صبح ہوئی تو میں جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ گزشتہ رات ایک عورت نے مجھ سے فلاں مسئلہ پوچھا اور میں نے اس کا یوں جواب دیا۔ آپؐ نے یہ سن کر۔ ان للہ و انا الیہ راجعون ۔

پڑھا اور فرمایا بخدا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود بھی ہلاک ہوا اور اسے بھی ہلاک کیا۔ کیا تجھے یہ آیت معلوم نہیں تھی۔

والذین لا یدعون مع الله الها آخر ولا یقتلون النفس التی حرّما لله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثآما یضعف له العذاب یوم القیمة ویخلدفیه مهانا الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل الله سیئا تهم حسنت ط و کان الله غفورا رحیماO (سورۃ فرقان)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور نہیں قتل کرتے اسے جسے اللہ نے منع فرمادیا ہے مگر جس کا قتل حق پر ہو اور زنا نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے وہ جا پڑا گناہ میں اسے قیامت کے دن دگنا عذاب ہوگا۔ اور خوار ہو کر اس میں پڑا رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین اور کچھ نیک کام کیا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کی جگہ بھلائیاں بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے چلا گیا اور حال یہ تھا کہ مدینہ کی گلیوں میں دوڑتا پھرتا تھا اور پکارتا جاتا تھا کہ کون ہے جو مجھے فلاں عورت کا پتہ بتائے جس نے گزشتہ رات مجھ سے ایسا ایسا مسئلہ پوچھا تھا۔ میرا یہ حال دیکھ کر بچے شور کرتے تھے کہ ابو ہریرہ دیوانہ ہو گیا حتی کہ اسی طرح رات ہوگئی تو وہ عورت کل والی جگہ پر مجھے پھر ملی تو میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سنایا کہ اس کی توبہ قابل قبول ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چیخ مار کر خوشی میں رونے لگی اور کہا کہ میرے پاس فلاں باغ ہے جسے میں گناہ کے کفارہ میں مساکین کے لئے صدقہ کرتی ہوں۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

واقعہ نمبر......۳۸

## حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے، ایک دن تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلی۔ حتیٰ کہ تہجد کا وقت نکل گیا، چونکہ اس سے پہلے کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوٹی تھی۔ پہلی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ تہجد کی نماز چھوٹ گئی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے ان کو اس قدر ندامت اور رنج ہوا کہ سارا دن روتے روتے گزار دیا کہ یا اللہ، مجھ سے آج تہجد کی نماز چھوٹ گئی۔ جب اگلی رات کو سوئے تو تہجد کے وقت ایک بزرگوار نے تشریف لا کر آپ کو تہجد کی نماز کے لئے جگانا شروع کر دیا کہ اٹھ کر تہجد پڑھ لو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ گئے، اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی بدنام زمانہ ابلیس اور شیطان ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہارا کام تو انسان کو غفلت میں مبتلا کرنا ہے۔ نماز کے لئے اٹھانے سے تمہارا کیا کام؟ شیطان نے کہا: اس سے بحث مت کرو، جاؤ، تہجد پڑھو، اور اپنا کام کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، پہلے بتاؤ: کیا وجہ ہے؟ مجھے کیوں اٹھا رہے تھے؟ جب تک نہیں بتاؤ گے، میں نہیں چھوڑوں گا، جب بہت اصرار کیا تو شیطان نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ گزشتہ رات آپ پر میں نے غفلت طاری کر دی تھی، تاکہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہو جائے، چنانچہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہوگئی، لیکن تہجد چھوٹ جانے کے نتیجے میں آپ نے سارا دن روتے روتے گزار دیا۔ اور اس رونے کے نتیجے میں آپ کے اتنے درجات بلند ہوگئے کہ اگر آپ اٹھ کر تہجد پڑھ لیتے تو آپ کے درجات اتنے بلند نہ ہوتے۔ یہ تو بہت خسارے کا سودا ہوا، اس لئے میں نے سوچا کہ آج آپ کو اٹھا دوں، تاکہ اور زیادہ درجات کی بلندی کا راستہ پیدا نہ ہو۔

(بحوالہ اصلاحی خطبات ج)

واقعہ نمبر......۳۹

## زاذان گوّیئے کی توبہ کا واقعہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن کوفہ کی ایک جانب سے گذرے۔ فساق کا مجمع لگا ہوا تھا، شراب کا دور چل رہا تھا اور زاذان نامی گویا سارنگی بجاتا تھا اور گا رہا تھا۔ اس کی آواز بہت سریلی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آواز سن کر فرمایا کس قدر حسین ہے یہ آواز اے کاش کہ یہ تلاوت قرآن کے لئے ہوتی۔ گویّے کے دل میں ایک ہیبت سی پیدا ہوئی اٹھ کھڑا ہوا۔ سارنگی زمین پر مار کر توڑ ڈالی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھاگا پاس پہنچ کر رومال اپنے گلے میں ڈالا اور سامنے جا کر رونا شروع کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے گلے لگالیا اور خود بھی رونے لگے۔ پھر فرمایا میں اس شخص سے کیسے محبت نہ کروں جس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں۔ زاذان نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہنے لگا حتیٰ کہ قرآن سیکھا اور علوم قرآن اور دیگر علوم سے حصہ وافر حاصل کیا اور علوم کا امام بنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بہت سی روایات انہی زاذان رحمہ اللہ کے واسطے سے مروی ہیں۔

(بحوالہ تنبیہ الغافلین)

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۴۰

## توبہ کی برکت کا واقعہ

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی قدس سرہ نے کہا ہے کہ ایک قصائی اپنے پڑوس کی لونڈی پر عاشق تھا، ایک مرتبہ وہ لونڈی کہیں گاؤں کو جا رہی تھی وہ قصائی پیچھے پیچھے جا کر اس سے لپٹ

گیا، لونڈی نے کہا اے جوانمرد جس قدر تجھے مجھ سے محبت ہے اس سے زیادہ مجھے تجھ سے عشق ہے لیکن کیا کروں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہوں، قصائی نے کہا نیک بخت جو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہے تو میں کیونکر نہ ڈروں۔ یہ کہہ کر توبہ کی اور پھر راہ میں اس پر پیاس غالب ہوئی ہلاک ہوجانے کا خوف تھا کہ ایک شخص پیغمبر وقت کا قاصد کہیں جاتا تھا وہ تشریف لائے اور اس قصائی سے پوچھا کہ تجھے کیا آفت پہنچی ہے۔ جواب دیا کہ پیاس کی شدت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو دعا کر کہ حق تعالیٰ ابر بھیج دے اور جب تک ہم شہر کو نہ پہنچیں وہ ہم پر سایہ کئے رہے۔ تو یہ دعا کر اور میں اس دعاء پر آمین کہوں۔ قصائی نے کہا کہ میں تو کچھ عبادت نہیں کرتا ہوں، تم ہی دعا کروں میں اس پر آمین کہوں غرضیکہ ایسا ہی کیا، ابر آیا اور ان کے سر پر چھا گیا حتیٰ کہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے وہ ابر قصائی کے ساتھ چلا، اور وہ قاصد پیغمبر دھوپ میں چلے اور قصائی سے فرمانے لگے اے جوان تو کہتا تھا کہ میں کچھ عبادت نہیں رکھتا ہوں، اب راز کھلا کہ یہ ابر تو تیرے ہی واسطے تھا تو اپنا حال بتا! قصائی نے کہا کہ میں اور تو کچھ نہیں جانتا مگر اس لونڈی کے کہنے سے توبہ کی ہے۔ قاصد پیغمبر نے فرمایا کہ ایسا ہی ہے حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک جو مقبولیت توبہ کرنے والے کے واسطے ہے وہ کسی کے واسطے نہیں۔ (بحوالہ کیمیائے سعادت)

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۴۱

## ایک نوجوان کی توبہ کا واقعہ

ایک دفعہ ایک نوجوان حضرت شیخ سقطی کے حضور حاضر ہو کر رو رو کر کہنے لگا حضرت مجھ سے ایک گناہ عظیم ہو گیا ہے۔ اب کسی پل چین نہیں۔ خدا کے حضور معافی مانگتا ہوں، گڑگڑاتا ہوں لیکن دل مطمئن نہیں نجانے میری توبہ قبول بھی ہوئی ہوگی یا نہیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ مجھے توبہ کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ شیخ سقطی نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا

نوجوان! توبہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو اپنا گناہ ہی بھول جائے۔ یہ سن کر نوجوان بیچارگی سے مزید رونے لگا اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھا کر شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا کہ گویا میں گناہ کر کے ایک دل دل میں اتر گیا ہوں۔ میرا نکلنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا میرا مقدر بن چکا ہے۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگا شیخ سقطیؒ اسے خاموشی سے دیکھتے جا رہے تھے۔ نوجوان نے آنسوؤں بھرا چہرا اٹھا کر دوبارہ لرزتی ہوئی آواز میں شیخ سے پوچھا۔ شیخ! لیکن میں نے تو توبہ کا مطلب یہ سنا ہے کہ آدمی اپنے گناہ بھلا دے۔ کیا یہ درست نہیں؟

حضرت سقطی کے ساتھ نوجوان کے اس بحث کے دوران جنید بغدادی بھی تشریف فرما تھے۔ ان دنوں آپ زیر تربیت تھے۔ آپ بھی مسلسل توجہ سے نوجوان اور شیخ سقطی کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن رہے تھے۔ اس لئے جونہی نوجوان نے یہ پوچھا اور اس سے پہلے کہ شیخ سقطی جواب دیتے آپ بول پڑے نوجوان تو نے سچ ہی سنا ہے۔ توبہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان اپنے گناہوں کو بھلا دے۔

آپ کی یہ بات سن کر حضرت سقطی نے غصے کے عالم میں جنید پر نظر ڈالی جنید بغدادی نے آپ کی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا۔ سو سر جھکا کر ادب سے بولے مرشد! میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بات برحق ہے کہ اگر ایک انسان کے اللہ سے تعلق خراب ہو جائیں اور پھر وہ انسان توبہ واستغفار کے ذریعے اپنے پروردگار کو منا لے اور دل میں مطمئن ہو جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ دوبارہ تعلق خالق سے استوار ہو گیا ہے۔ سو ایسے میں پرانے حالات بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے اور اسی طرح اپنی پہلی حالت کا خیال دل میں لانا اچھا نہ ہوگا۔

شیخ سقطی نے آپ کی وضاحت سنی تو سر جھکا کر اعتراف کر لیا اور کہا کہ جنید میرے بیٹے! تم نے سچ کہا۔ میں واقعی غلط پر تھا۔

## واقعہ نمبر......۴۲

## ایک مرید کی توبہ کا واقعہ

کسی مرید کے قلب میں یہ وسوسہ شیطانی پیدا ہوگیا کہ اب میں کامل بزرگ ہوگیا ہوں اور مجھے صحبت مرشد کی حاجت نہیں اور اس خیال کے تحت جب وہ گوشہ نشین ہوگیا تو رات کو خوابوں میں دیکھا کرتا کہ ملائکہ اونٹ پر سواری کر کے جنت میں سیر کرانے لے جاتے ہیں اور جب یہ بات شہرت کو پہنچ گئی تو ایک دن آپ بھی اس کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا کہ آج رات کو جب تم جنت میں پہنچو تو لاحول پڑھنا۔ چنانچہ جب اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تو دیکھا کہ شیاطین تو فرار ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ مردوں کی ہڈیاں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ تائب ہوگیا اور آپ کی صحبت اختیار کر کے یہ طے کرلیا کہ مرید کے لئے گوشہ نشینی ہی قاتل ہے۔

❀❀❀❀

## واقعہ نمبر......۴۳

## ایک مغنیہ کی توبہ کا واقعہ

حضرت شیخ ابوسعیدؒ کا واقعہ ہے کہ ایک روز بازار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک مغنیہ دیکھائی دی جو شراب میں مست تھی اور چہرے پر غازہ مل رکھا تھا۔ وہ حضرت صاحب کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔ لوگوں نے اسے جھڑکا کہ شرم کرو اور دفعہ ہو جاؤ وہ نزدیک آئی تو آپ نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:

(تم بن سنور کر مست خرام بازار میں آرہے ہو اور دوست تمہیں علم نہیں کہ گرفتار آرہے ہو)

یہ شعر سن کر عورت وجد میں آ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ نزدیک ہی مسجد میں چلی گئی۔ قیمتی لباس اور زیورات اتار کر سادہ لباس پہن لیا اور عرض کی کہ اب میں نے توبہ

کرلی ہے ۔میرے لئے دعا فرمائیں ۔آپ کی دعا کی برکت سے وہ زمانے کی نیک عورتوں میں شامل ہوگئی ۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۴۴

## حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کی توبہ کا واقعہ

آپ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کا سبب یہ ہوا کہ مجھے ایک شخص کے ساتھ محبت تھی ۔میں ایک مرتبہ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور بکمال توجہ اس سے گفتگو کر رہے تھے کہ ایک روز میرے کان میں یہ آواز آئی کہ اے بہاؤالدین ! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سب باز آکر ہماری درگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ ؟

اس آواز سے میرا حال متغیر ہوا اور بے قرار ہو کر میں وہاں سے نکلا ۔موسم گرمی کا تھا اور وہاں ایک نہر تھی ۔میں پانی میں اترا اور غسل انابت کیا اور کپڑے دھوئے اور اس حالت میں دو رکعت نماز ادا کی ۔جب سے اس وقت تک اس آرزو میں ہوں کہ پھر کبھی ویسی نماز میسر ہو جائے مگر سالہا سال گزر گئے پھر ویسی نماز نصیب نہ ہوئی ۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۴۵

## ایک درویش کی توبہ کا واقعہ

حضرت سید جلال الدین شاہ بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اپنے ملفوظات میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ میں مکہ معظّمہ کی زیارت کے بعد بکھر واپس آیا ۔تو وہاں کے لوگوں نے مجھے بتایا کہ قبضہ الور کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعوی کرتا ہے کہ خداوند کریم نے اسے نماز معاف کر دی ہے ۔میں یہ سن کر ایک درویش

کے پاس گیا۔ وہاں دیکھا کہ بڑے بڑے امراء اور اکابر جمع تھے میں ان میں سے گزرتا ہوا اس درویش کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اور سلام میں نے اس کو دانستہ نہیں کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے **الفرق بین المومن والکافر الصلوٰۃ** (یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز ہی فرق کرتی ہے۔)

درویش نے جواب دیا سید صاحب! میرے پاس جبرائیل آتے ہیں۔ بہشت کا کھانا لاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا سلام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کو نماز معاف کر دی گئی ہے اور تم خاصان خدا میں شامل ہو گئے ہو۔

مجھے اس کی بات سن کر بہت غصہ آیا اور میں نے اس سے کہا بیہودہ مت بکو۔ سرور انبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی۔ تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے ہو سکتی ہے۔ تیرے پاس جبرائیل نہیں بلکہ شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جبرائیل ہوں۔ جبرائیلؑ وحی کے فرشتے ہیں۔ وہ انبیاء اور رسل کے سوا کسی کے پاس نہیں آتے۔ اور جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ غلاظت ہے۔ درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت لذیذ ہوتا ہے۔ میں نے کہا اس کی حقیقت تجھے بہت جلد معلوم ہو جائے گی۔ اب جب وہ نام نہاد فرشتہ تیرے پاس آئے تو تم **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنا۔ یہ تاکید کر کے اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ دوسرے دن جب میں اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ جب وہ نام نہاد فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھی۔ وہ اسی وقت وہاں سے غائب ہو گیا اور اس کا لایا ہوا کھانا میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میرے اپنے کپڑے ناپاک ہو گئے۔ یہ سن کر میں نے اس بے نماز درویش سے توبہ کروائی اور جو نمازیں ترک ہو چکی تھیں ان کی قضا پڑھوائی۔

## واقعہ نمبر......۴۶

## ایک ڈاکو کی توبہ کا واقعہ

ایک مرد صالح کا بیان ہے کہ میں سفر کر رہا تھا میں نے دریائے دجلہ کے کنارے پر دو کھجور کے درخت دیکھے ۔ایک سرسبز تھا اس میں تر کھجویں لگی تھیں اور دوسرا خشک تھا۔ پھر میں نے ایک پرندہ دیکھا جو تر کھجوریں خشک کی طرف لا رہا ہے۔ میں درخت پر چڑھ گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک اندھے سانپ کو پرندہ تر کھجوریں لاکر کھلا رہا ہے۔ میں نے کہا اے رب! یہ سانپ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارڈالنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے پرندہ مقرر کر دیا ہے جو اس کی روزی اس کو بہم پہنچاتا ہے۔ میں آپ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں اور آپ نے مجھے راستے کے طے کرنے پر مقرر فرمایا ہے ۔اتنے میں ہاتف نے آواز دی کہ میرا دروازہ قصد کرنے والوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اس پر میں نے اپنی تلوار توڑ ڈالی اور توبہ توبہ کہنے لگا۔ جب میں اس کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی نسبت مجھ سے دریافت کیا میں نے کہا میں مردود تھا لیکن اب صلح ہوگئی۔ وہ بولے تو ہم بھی تجھ سے مصالحت کریں گے۔ پھر ہم نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور مکہ معظمہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جب ہم گاؤں میں داخل ہوئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک عورت کہہ رہی ہے کہ تم میں فلاں کردی تو نہیں ہے۔ میں بول اٹھا کہ ہاں میں ہوں ۔اس نے کپڑے نکالے اور کہنے لگی ۔ یہ میرے لڑکے کے کپڑے ہیں۔ میں نے انہیں خیرات کرنا چاہا تھا تو حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ یہ کپڑے فلاں کردی کو دے دو۔ چنانچہ میں نے وہ سب کپڑے لے لئے اور اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔

❋❋❋❋

واقعہ نمبر......۴۷

## ایک بدکار شخص کی توبہ کا واقعہ

بغداد میں ایک شخص گنہگار تھا اور اس کی ماں صالحہ تھی۔ جب کبھی اس سے کوئی گناہ ہو جاتا تھا تو وہ ایک کتاب میں لکھ دیا کرتا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا وہ نکل کر دیکھتا کیا ہے کہ ایک خوب صورت عورت کھڑی ہے۔ اس نے اسے پوچھا تیری کیا حاجت ہے۔ وہ بولی میرے پاس یتیم بچے ہیں تین دن سے انہوں نے کھایا نہیں ہے اس شخص نے کہا اچھا اندر چلی آ۔ وہ عورت تاڑ گئی کہ اس کے جی میں کوئی برائی ہے کہنے لگی پناہ اس پر اس نے اسے زبردستی کھینچنا شروع کیا وہ کہنے لگی اے مصیبت کے دور کرنے والے! اس سے مجھے بچایئے۔ پھر کہنے لگی اچھا میری ایک بات سنو یہ کہہ کر اشعار پڑھنے لگی جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے اپنی کوچ کے دن کو فراموش کرنے والے تفرقہ انداز موت سے مجھے تو تو غافل نظر آتا ہے۔ کیا ان باتوں نے تجھے کچھ بھی پند آموزی نہیں کی کہ بہتیرے لوگ دیار کہنگی کو سفر کر گئے اور تمام دنیا کو جس حالت میں تھی اس پر خیر باد کہہ کر چل دئے۔ انہیں دنیا سے سوائے تھوڑی سی روٹی اور کپڑے کے کچھ بھی لے جانا نصیب نہ ہوا اور جو منزل انہوں نے آباد کی تھی وہ خالی ہوگئی۔ اور تو بھی کل یا اس کے بعد اسی روز تن تنہا گورستان میں جاگزین ہو کر انہیں کی ہمسائیگی میں جا لگے گا۔''

پھر وہ عورت رونے لگی اور بولی اے میرے رب! میری فریاد کو پہنچ اور اس مرد سے مجھے بچا۔ اس نے جب اس کی یہ بات سنی بہت رویا۔ پھر وہ عورت کہنے لگی تجھے خدا کی قسم! جب تیرے اور تیرے مالک کے مابین صلح ہوگئی تو اب مار کو نہ بھول۔ اس پر اس نے عورت کو کچھ دیا اور بولا جا اپنے بچوں کو کھلا اور ان سے میرے لئے دعا کی درخواست کر کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ مٹ جائے۔ اس نے کہا اچھا چنانچہ جب اس نے اپنے بچوں

ئے لئے کھانا تیار کیا تو ان سے اس کے لئے دعا کی درخواست کی وہ کہنے لگے جب تک اس کے لئے دعا نہ کرلیں گے کھانا نہ کھائیں گے کیونکہ اجیر جب تک کام نہ کرلے اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ پھر وہ شخص اپنی ماں کے پاس گیا اور اس نے کتاب جا کر دیکھی تو اس کو سفید پایا۔ اس میں کوئی گناہ نہ تھا۔ یہ خبر اس نے اپنی ماں کو دی۔ اس نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے اس نے کہا ایک عورت مجھ سے اپنے بچوں کے لیے کھانا مانگنے آئی تھی۔ اسی کے ہاتھ پر میری خدا سے صلح ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے وضو کیا اور کہنے لگا اے اللہ! جیسے آپ نے میرے لکھے ہوئے گناہ مٹا دیئے مجھے اپنے پاس بلا لیجئے پھر سجدہ کیا اس کی ماں نے جو اس کو حرکت دی تو دیکھتا کیا ہے کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۴۸

## ایک سپاہی کی توبہ کا واقعہ

حکایت ہے کہ ایک شب حضرت سید احمد رفاعیؒ ایک دریا کے کنارے پر گئے۔ دیکھا تو ایک کشتی جارہی تھی۔ اس میں بیٹھ گئے۔ لیکن اس میں پہلے سے کوتوال اور دیوان کے ملازمین سوار تھے۔ ان کے ہمراہ بیگاریوں کی ایک جماعت تھی اور ان کے پیچھے ایک سپاہی بھی تھا۔ جب سپاہی نے حضرت کو بیٹھا دیکھا تو کہا اے شیخ چلو ہمارے ساتھ! آپ ساتھ ہوگئے۔ اس نے آپ کو بھی بیگاریوں میں شامل کرلیا۔ حضرت ان کے ہمراہ گئے اور قریہ بذریہ میں صبح کے وقت پہنچے۔ اس وقت آپ کو ایک فقیر نے دیکھ لیا۔ وہ چلایا اور فریاد کرنے لگا۔ اتنے میں بہت سے فقراء ان کے پاس جمع ہوگئے اور شور غل مچانے لگے۔ جب کشتی والوں کو معلوم ہوا کہ وہ سید احمد ہیں تو اپنے کئے پر بہت نادم اور پشیمان ہوئے اور گھبرا گئے اور آپ کے پاس حاضر ہوکر معذرت کرنے لگے۔ کہ جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا تمہاری حاجت پوری ہوئی۔ ہمیں نیکی ملی اور کوئی نقصان بھی نہ ہوا اور میں تو گھر میں بیٹھا رہتا ہوں اور بیٹھا

کچھ کام نہیں کرتا۔تم بیکار ضعیفوں کو پکڑتے ہو یا کاروباریوں کو پکڑتے ہو اوران کے کاموں سے بیچاروں کو روکتے ہو اور گنہگار بنتے ہو۔اس کے بعد اگر تمہیں کبھی ضرورت پڑے تو مجھے خبر کرو میں اپنے تھکنے تک تمہارا کام کروں گا، پھر لوٹ جاؤں گا۔انہوں نے کہا ہم اپنے فعل سے استغفار کرتے ہیں۔آپ بھی ہمیں اللہ کے حضور سے معافی کروا دیجئے اور ہم سے راضی ہو جایئے۔آپ نے انہیں سچی توبہ کی طرف مائل کیا اور کہا خدا تم سے اور ہم سے راضی ہوئے۔پھر ان کے لئے دعا کی اور انہیں رخصت کیا۔اس سپاہی نے جس نے آپ کو پکڑا تھا، کہا حضرت! ان لوگوں سے تو آپ راضی ہو گئے اور جو سب سے بڑا بدبخت ہے اس کا کیا حال ہوگا۔فرمایا خدا تجھ سے بھی راضی ہو۔اس نے کہا حضور مجھے بھی توبہ کرائیں۔آپ نے اسے بھی توبہ کرائی اور عہد لیا اور کہا اے اللہ! تو گواہ ہے کہ ہم دنیا اور آخرت کے بھائی ہیں۔پھر وہ لوگ واسط کو گئے۔اس سپاہی نے دنیاداروں اور بادشاہوں کی خدمت ترک کی اور حضرت سید احمد کے پاس آ کر رہنے لگا۔اور آپ کو اطلاع دی کہ میں نے ملازمت چھوڑ دی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہا اور نیک بن گیا۔

واقعہ نمبر......۴۹

## ہارون الرشید کے زمانے میں توبہ کا ایک واقعہ

ہارون الرشید کے دور خلافت میں ایک بار بغداد میں بارش رک گئی۔حتیٰ کہ لوگ ہلاکت کے قریب پہنچے اور سب لوگ غسل کر کے پاک ہوئے اور جنگل کی طرف نکلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انہیں کسی نہ کسی روز بارش عطا کرے۔لیکن پانی نہ برسا۔اس زمانہ میں کہ وہ لوگ روز روز جا جا کر سوال کرتے تھے۔ایک شخص جنگل کے دمیان سے نکلا گرد آلود بال بکھرے ہوئے، دو چادر اوڑھے ہوئے اوران کے ساتھ تین کنواری لڑکیاں تھیں جو بہت خوبصورت تھیں اور آ کر لوگوں کے ایک جانب کھڑا ہوا۔اور سلام کیا لوگوں

نے جواب دیا۔انہوں نے کہا اے قوم! تمہیں کیا ہوگیا ہے کیوں یہاں جمع ہو۔ کہا اے شیخ ہم نے اللہ سے دعا کی ہم پر بارش برسادے لیکن نہ برسائی۔ کہا اے لوگو کیا وہ شہر سے غائب ہے جو تم جنگل میں آئے ہو۔ کیا اللہ سبحان وتعالیٰ ہر جگہ حاضر نہیں ہے کیا حق تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں یہ نہیں فرمایا ہے۔ **وھو معکم این ما کنتم واللہ بما تعملون بصیر .**

یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھتا ہے۔ ہارون الرشید کو اس کی خبر ہوئی کہا یہ کلام ایسے شخص کا ہے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی راز ہے۔اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب ان کے پاس لایا گیا اور ایک دوسرے کو سلام کیا تو ہارون الرشید نے اس سے مصافحہ کیا اور اپنے آگے بٹھایا اور کہا اے شیخ اللہ سے دعا کرو کہ ہم پر پانی برسائے، شاید تیرا اس کے پاس کچھ رتبہ ہو۔ یہ سن کر وہ مسکرایا اور کہا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے اللہ سے دعا کروں کہا ہاں۔ کہا تو سب لوگ ہمارے ساتھ توبہ کریں۔ لوگوں میں توبہ کی ندا کی گئی اور سب نے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ پھر اس شیخ نے آگے بڑھ کر دو رکعت نماز خفیف پڑھائی اور سلام پھیر کر اپنی لڑکیوں کو دائیں بائیں کھڑا کیا اور ہاتھ پھیلائے اور آنسو جاری کئے اور دعا کی ابھی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ آسمان پر ابر گھر گیا اور بادل گرجنے لگا اور بجلی چمکنے لگی اور بارش خوب ہوئی، اس سے ہارون الرشید بہت خوش ہوئے اور ارکان دولت تہنیت کے واسطے جمع ہوئے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ میرے پاس شیخ صالح کو لے آؤ۔ ڈھونڈا تو وہ اسی مقام پر کیچڑ میں اللہ کے واسطے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ لوگوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے۔ انہوں نے کہا ان کی یہی عادت ہے کہ جب وہ سجدہ کرتے ہیں تو تین دن تک سر نہیں اٹھاتے۔ اس کی ہارون الرشید کو خبر دی گئی۔ یہ سن کر وہ بہت روئے اور کہا اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیرے یہاں صالحین کا وسیلہ پکڑتے ہیں کہ تو انہیں ہم کو عطا کرے اور ان کی بڑی بڑی برکتیں اپنے فضل سے ہم پر برسائے یا ارحم الراحمین **و نفعنا بہ** آمین۔

## واقعہ نمبر......۵۰

# ایک شہزادے کی توبہ کا واقعہ

اہل مکہ کے ایک مرد کامل فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ کے غار میں مجرد رہتا تھا بسااوقات ایک مہینہ یااس سے کم زیادہ مقیم رہتا تھالیکن کوئی آدمی وہاں نظر نہ آتا تھااور مباح چیزوں سے اپنا پیٹ بھرتا تھا۔جب مجھے بھوک لگتی تو غار سے نکل کر پہاڑ پرآتا اور بقدرضرورت کھاتااور غار میں لوٹ جاتاایک دن دستور کے موافق جب میں غار سے نکلاتو جنگل سے ایک سوارکوآتے دیکھادیکھتے ہی میں آنکھ بچا کر غار میں داخل ہوگیاایک ساعت کے بعدمیں کیادیکھتاہوں کہ وہ شخص غار کے دروازے پرکھڑامیرانام لیکرپکارر ہاہے میں سن کرکھڑاہوگیااوراس کی طرف چلااوراس نے مجھے سلام کیامیں نے دریافت کیاکیاتو آدمی ہے کہاہاں میں نے کہا کہاں کا باشندہ ہےاورمیرانام کس نے بتایا؟اور تجھے میرانام کس نے بتایاکہامیں شہزادہ ہوں تین دن ہوئے شکارکو چلاتھا۔اپنے ساتھیوں سے جداہوکر جنگل میں پریشان مارامارا پھرتارہااوراس شدت کی پیاس لگی اورقریب الحلاق ہوگیااچانک میری بےخبری میں ایک شخص چادراوڑھے ہوئے میرے پاس آئےاوراس کے ہاتھ میں کوزہ تھا۔مجھےاس کاپانی پلایااورمٹھی بھرگھاس مجھےدی۔اسے میں نے کھایاوہ اورترکاریوں سے زیادہ مزےدارتھی جب میں کھاچکاتو مجھ سے کہااے محمداس سے پہلے تو نے کبھی توبہ کی ہے میں نے کہامیں حضرت کے ہاتھ پرابھی توبہ کرتاہوں چنانچہ میں نے اس کے ہاتھ چوم کران کے ہاتھ پرتوبہ کی اوراپنے پاؤں پرکھڑاہوااورکہااے حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ مجھے قبول کرلے آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہااے رب محمد اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی نسبت سے ہم پررحم کراوراس کی توبہ قبول فرمالے آنسو جاری تھےاور ان کی اس دعا کی حلاوت میرے اس قلب میں محسوس ہونے لگی اور میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرلیا کہ میں جس سے نکل چکاہوں پھراس میں واپس نہ جاؤں گا پھرانہوں نے مجھ

سے کہا سوار ہو جاؤ میں نے کہا میں سوار نہیں ہونگا انہوں نے مجھے قسم دی اور کہا سوار ہو جاؤ اور وہ میرے آگے آگے چلتے تھے پھر تمہاری جگہ اور نام بتایا، فرمایا ان کے پاس بیٹھ وہ تجھے نیکی کی تعلیم دیں گے۔

میں نے کہا گھوڑے کا کیا کروں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ گھوڑے پر سے اتر کر اسے چھوڑ دیا اور میں اسے ساتھ لے کر غار میں داخل ہوا اور میں نے اپنے کھانے کی چیزیں اس کے سامنے پیش کیں اس نے ان میں سے کھایا اور رات تک ہم دونوں بیٹھے رہے۔ پھر میں نے کہا اے بیٹے! عبادت شرکت کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوتی ہمارے قریب ایک اور غار تھا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تو اس میں جا بیٹھ وہ شخص اس میں جا بیٹھا میں تین دن میں اس سے جا کر ملتا تھا اسے بھی جب بھوک لگتی تو غار سے نکل کر مباح چیزیں کھاتا اور غار میں چلا جاتا ہمارے پاس ایک چشمہ بھی تھا۔ گھوڑا بھی دن بھر چرتا اور شام کے وقت ہمارے پاس آ بیٹھتا ایک دن وہ جوان گھبرایا ہوا میرے پاس آیا میں نے دریافت کیا کہ تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ماں باپ پیچھے تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گشت کر رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں دو چراغ جل رہے ہیں جب میرے قریب آتے ہیں تو ایک شخص جس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہیرا ہے نکالتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ میں تم سے خدا کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تم اپنے لڑکے سے راضی ہو جاؤ اور اسے خدا کے واسطے چھوڑ دو کیوں کہ وہ خدا کی طرف بھاگ نکلا ہے اور مجھ سے یہ ہیرا لے لو وہ شخص یہی کہتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے کہا ہم اس سے راضی ہیں۔ اور مجھ سے کہا کہ یہ ہیرا تیرے لئے بشارت ہے میں اس حالت میں بیدار ہوا۔

میں نے کہا اے بیٹے یہ تمہاری توبہ کا نتیجہ ہے جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے میرا قول سن کر وہ خوش ہوا اور ایک مدت تک ہم اسی حالت پر رہے ایک رات میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ میرے مکان میں داخل ہوئے اور فرمایا تو اور وہ جوان دونوں شہر میں جاؤ تا کہ لوگوں کو تم سے نفع ہو اور تمہیں بھی فائدہ پہنچے صبح ہوتے ہی میں اس جوان کے پاس گیا

اورخواب کی خبر کی اس نے کہا حضرت میں نے بھی رات خواب دیکھا ہے۔ کہ میرے ہاتھ میں ایک رسی ہے اور خوبصورت آدمی میرے دائیں جانب کھڑا ہوا اسے کھول رہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے کہ جو کچھ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو میں نے کہا صاحبزادے اس پر خدا کا شکر ہے چنانچہ میں اور وہ شخص دونوں پہاڑ سے اتر کر بکر کے ایک شہر میں گئے اور گھوڑا بھی ہمارے پیچھے پیچھے چلا اور شہر کی ایک خانقاء میں پہنچے اس کے شیخ کا دو دن پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ جب ان لوگوں کی نظر مجھ پر پڑی تو کہا یہ شخص ہے میں خاموش رہا ان لوگوں نے کہا کیا آپ یہاں رہیں گے۔ پھر ایک خوبصورت شیخ تشریف لائے اور کہنے لگے حضرت خدا کے واسطے ہمارے پاس قیام فرمائیں میں نے کہا اللہ کو اختیار ہے۔ اس روز ایک فقیر ہمارے یہاں آیا تھا تو اس کو ہم نے گھوڑا دے دیا اور اس کا قصہ بھی بیان کر دیا اور وہ جوان ان کے پاس بیس برس تک خانقاء میں رہا کسی کو اس جوان کا قصہ معلوم نہ ہوا۔ نہ یہ خبر ہوئی کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ میں اس کے بعد حج کے ارادے سے چلا اور میری نیت یہ تھی کہ بیت اللہ کی مجاورت کروں۔ راوی کہتے ہیں کہ شیخ تین سال مکہ معظمہ میں رہے۔ اس کے بعد آپ نے وفات پائی اور بطحہ میں دفن ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ و نفعنا بہ۔

❀❀❀❀

## واقعہ نمبر......۵۱

## حضرت مالک بن دینارؒ کے ہاتھ پر ایک نوجوان کی توبہ کا واقعہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس کا چہرہ نورانی سے دعا کی قبولیت کے آثار ظاہر ہیں اور اس کے رخساروں پر انسو بہہ رہے ہیں میں نے اسے پہچانا کہ بصرہ میں اسے مالدار دیکھا تھا مجھے اس کی پریشان حالی پر سخت رنج ہوا اور اس حال میں دیکھ کر رونے لگا اور اس نے بھی مجھے دیکھ کر رو دیا پھر اس نے

مجھے سلام کیا۔ اور کہا مالک! خدا کے واسطے اپنے وقت خاص خلوت میں مجھے ضرور یاد رکھنا اور میرے حق میں توبہ اور مغفرت کی دعا کرنا امید ہے کہ تمہاری دعا کی برکت سے وہ رحیم اور کریم رحم فرمائیں اور گناہ معاف کریں مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ چل دیا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے جب حجا کا زمانہ آیا میں مکہ معظمہ کو روانہ ہوا اور وہاں پہنچا ایک دن مسجد حرام میں تھا کہ لوگوں کے مجمع پر نظر پڑی اور اس مجمع میں ایک نوجوان نظر آیا جو زار و قطار رو رہا تھا اور اس کے رونے کی کثرت سے لوگ طواف سے رکے ہوئے تھے میں بھی لوگوں کے ساتھ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا معلوم ہوا کہ یہ تو میرا دوست ہے میں اسے پاکر بہت خوش ہوا اور اسے سلام کیا کہا شکر خدا کا اللہ تعالیٰ نے تیرے خوف کو امن سے بدل دیا اور جو تیری تمنا تھی تجھے دے دی مالک بن دینارؒ کہتے ہیں۔ میں نے کہا تجھے خدا کی قسم سچ بتا تیرا کیا حال ہے تو اپنے حال سے مجھے متلع کر جواب دیا سب خیریت ہے اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بلایا اور میں آیا جو کچھ مانگا سو پایا مالکؒ فرماتے ہیں میں تواف میں مصروف ہوا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا پھر میں نے اسے نہ دیکھا نہ کچھ خبر پائی۔

❁❁❁❁

### واقعہ نمبر......۵۲

## ایک عورت کی توبہ کا واقعہ

بایزید بسطامیؒ کے زمانے میں ایک آراستہ مکان میں کوئی خوبصورت عورت رہتی تھی اور کسی کو روکتی نہ تھی جس کا جی چاہے چلا آئے۔ ایک روز اس کے دروازے پر بایزید جا بیٹھے۔ کوئی اس کے پاس اس روز نہ آیا اس نے اپنی لونڈی سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا دروازے پر ایک مرد صالح بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بولی تو اسی کو آنے دے۔ جب وہ اندر آئے تو پوچھنے لگی آپ کی کیا حاجت ہے۔ انہوں نے فرمایا میرے ساتھ ایک رات سو رہ۔ وہ بولی میری ایک رات کی دو سو اشرفیاں ہوتی ہیں۔ انہوں نے جیب سے سو اشرفیاں

نکالی اس کے سوا اوران کی جیب میں ایک درہم بھی نہ تھا۔اس عورت نے جب سوا شرفیاں لے لی تو پوچھنے لگی آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے فرمایا میرے کپڑے پہن کر میرے سامنے چند قدم چل اس نے ایسا ہی کیا اس کے بعد انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا اے اللہ آپ نے اس کا ظاہر درست کیا ہے تو آپ ہی اس کا باطن بھی درست کیجئے۔اس کے بعد اس سے کہا میرے کپڑے اتاد ے۔وہ بولی خدا کی پناہ میں خدا سے توبہ کر چکی ہوں۔جفا کے بعد صفائی وحشت کے بعد انس جدائی کے بعد وصال غضب کے بعد رضا میسر ہوئی ہے۔المختصر وہ اس عورت کو چھوڑ کر چل دیئے۔ایک مدت کے بعد بایزید نے اس کو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے دیکھا۔اس نے انہیں بے فصل کے میوے کھلائے۔اس کے بعد غائب ہوگئی۔

❁❁❁❁

واقعہ نمبر......۵۳

## بصرہ کے ایک نوجوان کی توبہ کا واقعہ

بصرہ کا ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا تھا۔اس کی والدہ اسے برے کاموں سے روکتی تھی۔مگر وہ باز نہ آتا تھا۔اس کی والدہ حسن بصریؒ کی مجلس میں وعظ میں حاضر ہوتی تھی اور پھر واپس آکر اپنے لڑکے کو وعظ سنا کر ڈراتی تھی۔جب اس نوجوان کی موت کا وقت قریب ہوا تو اپنی والدہ سے عرض کی کہ تم حضرت حسن بصریؒ کو میرے پاس بلاؤ تا کہ وہ مجھے توبہ کرنے کا طریقہ سمجھا دے۔جب اس کی والدہ حضرت حسن بصری کی خدمت میں پہنچی اور اپنے بچے کی درخواست پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک فاسق فاجر کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھوں گا۔والدہ غمزدہ ہو کر واپس گھر آئی اور سارا قصہ اپنے بچے کو سنا دیا۔بیٹے نے والدہ کو وصیت کی کہ جب میں مر گیا تو میری گردن میں رسی ڈال دینا اور مجھے منہ کے بل گھر میں گھسیٹتے ہوئے کہنا کہ خدا

کے نافرمان بندوں کی یہی سزا ہوتی ہے اور پھر گھر میں ہی میری قبر بنوانا تاکہ دوسروں مردوں کو مجھ سے تکلیف نہ ہو۔ اس کے مرنے کے بعد جب اس کی والدہ نے اس کی گردن میں رسی ڈالی تو آواز آئی کہ نوجوان کی والدہ اللہ کے دوست کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو۔ پھر اسے گھر میں ہی دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت حسن بصریؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ عزوجل نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ اے حسن تو نے میرے بندے کو ناامید کر دیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے بندے کو بخش کر جنت میں مقام عطا فرمایا ہے۔

❀❀❀❀

## واقعہ نمبر......۵۴

## اللہ کی رحمت کی حد کا واقعہ

انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ایک روز اپنی امت کے گناہوں کی وجہ سے متفکر ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک پرندہ یاقوت سے آراستہ نظر پڑا۔ حضور اکرم ﷺ کو اس سے اور اس کی خوش روئی سے تعجب ہوا۔ پھر وہ ایک ریت کے جزیرے کی طرف اڑ لیا اور اپنی چونچ میں اس میں سے کچھ اٹھاتا تھا اور اس کو دریا میں ڈال دیتا تھا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو یہ خبر دی۔ آپ نے پوچھا ریت کو چونچ میں اٹھا اٹھا کر دریا میں ڈالنے سے تو نے کیا ارادہ کیا تھا؟ اس نے کہا کہ میں نے دریا کی موجوں کو پھیرنا چاہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ مسکرا دیئے اور آپ نے فرمایا تیری خوشروئی اور بدعقلی پر مجھے تعجب آتا ہے۔ اس نے کہا خدا نے مجھ کو فرشتہ پیدا کیا تھا۔ آپ کے دل میں جو بات گزری تھی وہ جان کر مجھ کو مثال بنا کر بھیجا ہے۔ اس زات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے آپ کی امت کے گناہ کی خدا کی رحمت کی وسعت کے سامنے اتنی ہستی ہوگی جتنی کہ ایک پرندہ ریت اٹھا اٹھا کر دریا میں ڈالتا ہو۔

## واقعہ نمبر......۵۵

## ایک نوجوان کی توبہ کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک نیک شخص کی ایک مرتبہ دیوار گر پڑی۔ مزدوروں کے اڈے پر گیا کہ کسی مزدور کو لاکر دیوار درست کرواؤں۔ وہاں جاکر دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان کے سوا اور کوئی مزدور نہیں ہے۔ اس سے کہا کہ ہماری دیوار بنادو اور مزدوری اپنی لے لو۔ کہا بہت اچھا مگر جو مزدوری مقرر ہو جائے اس میں فرق نہیں ہونا چاہئے اور ہماری طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور نماز کے واسطے پہلے سے اجازت دے دو۔ مالک نے کہا منظور ہے۔ پھر اسے گھر لاکر کام بتادیا اور خود اپنے روزگار پر چلا گیا۔ شام کو دیکھا تو دو مزدوروں کے برابر کام کیا تھا۔ بہت خوش ہوکر مزدوری دے کر رخصت کردیا۔ پھر صبح کو انتظار کیا۔ جب بہت دیر ہوگئی تو پھر مزدوروں کے اڈے پر گیا مگر اسے دوسروں سے دریافت کرنے پر پتا چلا کہ وہ ہر روز مزدوری نہیں کرتے بلکہ ہفتہ میں ایک روز کرتے ہیں اور سات روز کھاتے ہیں۔ یہ سمجھے کہ کوئی کاملین سے ہیں پھر ان کے مکان پر گئے دیکھا تو بیمار ہیں اور زمین پر پڑے ہیں، ان کا یہ حال دیکھ کر بہت افسوس کیا۔ پھر کہا آپ مسافر اور بیمار ہیں اور زمین پر پڑے ہیں میرے حال پر عنایت فرمایئے اور غریب کھانے پر تشریف لے چلیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ بہتر ہے مجھے کچھ نہ کھلائیں۔ چنانچہ مکان پر آئے تین دن تک نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا نہ کچھ کلام کیا چوتھے روز مجھ کو بلا کر فرمایا کہ میرا وقت قریب ہے۔ چند وصیتیں کرتا ہوں ان کو بخوبی ادا کرنا۔ اول یہ کہ میرے گلے میں رسی باندھ کر زمین پر خوب گھسیٹنا اور کہنا کہ جو کوئی اپنے مالک کی نافرمانی کرے گا اس کا یہی حال ہوگا شاید رحمت الٰہی جوش میں آئے اور میری مغفرت فرمادے اور انہی کپڑوں میں کفنانا۔ بعد اس کے بادشاہ وقت کے پاس جاکر یہ انگھوٹی اور قرآن شریف دے دینا اور کہنا کہ ذرا غفلت سے ہوشیار رہنا اور ثروت دنیا کو خواب وخیال سمجھنا۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک موت آجائے اور سارا سامان

غفلت خاک میں مل جائے اس وقت کوئی تدبیر مفید نہ ہوگی۔اس کے بعد ان کی جان نکل گئی۔پھر وصیت کے مطابق چاہا کہ گلے میں رسی ڈالیں کہ گوشہ مکان سے آواز غیب آئی کہ خبر دار! ایسا نہ کرنا اولیاء اللہ اہل مغفرت ہیں نہ کوئی لائق ذلت۔پھر بہ خوبی دفنا دیا۔اس کے بعد انگھوٹی اور قرآن لے کر بادشاہ کی سواری جہاں سے جاتی تھی جا کر کھڑا ہوا کہ دربار میں کون جانے دے گا۔پھر دور سے عرض ومعروض کی۔کسی نے نہ سنی،ناگاہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی تو بلا کر پوچھا کہ کون ہو کیا کام ہے؟ عرض کیا اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ایک شخص کا پیام اور یہ قرآن شریف اور انگشتری لایا ہوں۔بادشاہ نے وہ دونوں چیزیں لے کر کہا کہ وہ شخص کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔کہا وہ مرگیا اور وہ دیوار بناتا تھا۔سنتے ہی بادشاہ رونے لگا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔حیرانی ہوئی کہ الٰہی یہ کیا معاملہ ہے،بہت دیر کے بعد جب ہوش آیا کہا کچھ وصیت بھی اس نے کی ہے تو اس نے کہا کہ اس نے یہ کلمات آپ کی جناب میں کہے ہیں کہ از خواب غفلت سے بیدار رہنا مبادہ اچانک موت آجائے اور سامان حشمت اور بادشاہت بالائے طاق رہ جائے۔پھر تو بادشاہ کا یہ حال تھا کہ کپڑے پھاڑتا اور سر میں خاک ڈالتا اور کہتا تھا اے میرے ناصح اے میرے شفیق!'' پھر شب کو چادر اوڑھ کر میرے ساتھ اس کی قبر پر گیا پھر قبر سے لپٹ کر بہت روتا رہا۔پھر کہا کہ یہ میرا بیٹا تھا،ہمیشہ شراب وکباب میں گرفتار تھا،اللہ کی رحمت سے اس نے توبہ کر کے ہدایت پائی۔ایک مرتبہ لہوولعب میں مشغول تھا اور سب سامان عشرت مہیا تھا۔کوئی ادھر کوئی ادھر نشہ میں بے ہوش تھا۔ناگاہ مکتب سے کسی لڑکے نے یہ آیت کریمہ ستائیسویں پارہ سورہ حدید کی پڑھی: الم یان للذین امنو ان تخشع قلوبهم لذکر اللہ یعنی کیا وقت نہیں پہنچا،ایمان والوں کو گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔اس کے دل پر جا لگی اور سب عیش وعشرت چھوڑ کر توبہ کی راہ اختیار کی۔پھر اس لڑکے کے پاس آکر کہا کہ ہاں وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ کی یاد سے دل تھرا گئے اور اپنا کام کر گئے۔پھر ترک لباس کیا اور چلا گیا۔بہت تلاش کیا کہیں پتا نہیں چلا۔آج پتہ لگا تو زخم کاری دل پر لگا۔

## واقعہ نمبر......۵۶

### توبہ کا ایک دلچسپ واقعہ

بعضوں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہم گورخر کے شکار کو گئے کہ خود ہی شکار ہو گئے۔ دنیا کی بادشاہی چھوڑ کر عقبیٰ کی کامیابی لے لی۔ یعنی گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور لشکر سے الگ ہو گئے۔ اس نے الٹ کر بزبان فصیح کہا اے ابراہیم بن ادہم! تو اس کام کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ جا اپنا کام کر پس ابراہیم بن ادھم متحرک ہو کر غش کھا کر گھوڑے سے گر پڑے۔ گھوڑا لشکر کو چلا گیا۔ لشکر والوں نے گھوڑا خالی دکھا تو کہا بادشاہ واللہ اعلم کہاں مارا گیا ہے۔ روتے چلاتے سب طرف ڈھونڈ کر بیٹھ رہے کہ کہیں پتہ نہ چلا۔ جب ابراہیم کو ہوش آیا اٹھ کر جنگل کو چلے۔ چرواہوں سے کہا ہمارا لباس اپنے سے تبدیل کرلو۔ انہوں نے کہا ہم تو سب غلام شاہی ہیں۔ ہم ہرگز لائق لباس شاہی کے نہیں۔

القصہ بادشاہ نے سب بکریاں ان کو بخش دیں کہ اللہ تعالیٰ شاید مجھ کو بھی ایسے ہی بخش دے اور ان کا کمبل خود اوڑھ لیا۔ اور بزور اپنا لباس ان کو دے دیا۔ پھر انہوں نے عرض کیا اے بادشاہ تمہارا کیا حال ہوا؟ کس چیز نے تم سے بادشاہت چھڑا دی اور فقیری دلائی کہا گورخر کے شکار کو آیا تھا۔ خود شکاری ہو گیا۔ اور یہ حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا پھر سب جنگل والے روتے چلاتے تھے اور ابراہیم اس مضمون کے اشعار پڑھتے تھے۔ کہ

الٰہی تیرے در یتیم کے لئے اپنی اولاد یتیم کی۔

ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں اگر تیرے جمال کے خیال کے سوا کسی خیال کو دل میں راہ دوں۔

کہ تیرے جمال کی دولت سے تمام جی جان مالا مال ہے۔

اور باقی خواب وخیال بل وبال ہے۔

## واقعہ نمبر......۵۷

### شوہر کی نافرمانی پر احساس توبہ کا واقعہ

ایک پیر طریقت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی پر عاشق تھے۔ایک دن اپنی بیوی کے ہمراہ گھر میں سوئے ہوئے تھے کہ یک دم ان پر ایک خاص حالت طاری ہوگئی۔ انہوں نے اس حالت میں جو کچھ کہا وہ بیوی سنتی رہی۔اور کچھ دیر کے بعد جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو بیوی نے پوچھا۔حضرت آپ کی کیا حالت تھی۔انہوں نے کہا تم نے کیا دیکھا۔ بیوی نے کہا اچھا ہی دیکھا۔اس کے بعد وہ باہر نکلی انہوں نے اسے جانے دیا۔اس نے ایک نوکر سے کہا کہ میری ماں اور بہن کو بلاؤ۔وہ بلا لایا، جب وہ آئے تو اس نے ان سے بیان کیا کہ میرے شوہر کو جنون ہو جاتا ہے لہٰذا میں ہرگز اس کی بیوی بن کے نہ رہوں گی۔ کیونکہ وہ مجنون ہے۔میں اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہوں گی۔اس کے رشتہ داروں نے بہت کچھ نصیحت کی اور واپس لوٹانا چاہا مگر اس نے انکار کیا انہوں نے کہا تم گھر ہی میں رہو تا کہ ہم ان سے ملیں۔جب حضرت کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ سے پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے وہ کہنے لگی جدائی۔ورنہ میں اپنا خون کرلوں گی اور تم ہی اس خون کا سبب بنو گے حضرت نے کہا ایک ہفتہ صبر کرو اور وہ مان گئی شیخ طریقت کو اس کے فراق کا بہت صدمہ تھا اور اسے بہت کچھ دے کر راضی کرنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں مانتی تھی انہوں نے رشتہ داروں کی ایک جماعت سفارش کے لئے روانہ کی اس نے ان کی بھی نہ مانی جب انہیں اس کا عزم معلوم ہوگیا تو انہیں سخت تشویش ہوئی اور پریشانی لاحق ہوئی اور ان کی حالت متغیر ہوگئی مہلت کے دنوں میں سے صرف ایک رات باقی رہ گئی اور ان کی حالت نہ گفتہ بہ ہوگئی تو انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اپنا کام اس کے سپرد کر دیا کہ جو کچھ وہ کرے گی میں اس پر راضی ہوں اور یہ دعا پڑھنے لگے **اللھم یاعالم الخفیات ویا سامع الا صون بیدہ ملکوت الارض والسمٰوات ویا مجیب الدعوات استغیث بک**

واستجرت بک یامجیرا جرنی : تین مرتبہ پڑھنے کے بعد جب آدھی رات گزری اور قلب کی جانب متوجہ ہوکر بیٹھے تھے کہ اچانک وہ گھر میں داخل ہوئی اوران کے پاؤں چومنے لگی اور کہنے لگی کہ میں خدا کے لئے تم سے سوال کرتی ہوں کہ مجھ سے راضی ہو جاؤ اور میں اپنے فعل سے توبہ کرتی ہوں اوراللہ کی طرف رجوع کرتی ہوں اوراسی سے سوال کرتی ہوں کہ وہ میری توبہ قبول کرلے شوہر نے کہا جب تک مجھے اس تبدیلی کی وجہ نہ بتاؤ گی میں راضی نہ ہوں گا اس نے کہا میں رات اپنے ارادے پر چلی تھی ایک شخص میرے خواب میں آیا اس کے ایک ہاتھ میں کوڑا اور دوسرے میں چھری تھی۔اس نے کہا اگر اس بات سے تو رجوع نہ کرے گی تو تجھے اس چھری سے زبح کردوں گا۔اور پھر میری پشت پر تین کوڑے لگائے میں ڈر کر اٹھ بیٹھی ابھی تک ان کوڑوں کی سوزش میرے قلب پر تھی پھر تھوڑی دیر کے بعد سوگئی، پھر اس شخص کو دیکھا اس کے ہاتھ میں کوڑا اور چھری تھی اس نے کہا کیا میں نے تجھے نصیحت نہیں کی تھی میں نے تجھے نہیں ڈرایا تھا اتنے میں میں گھبرا کر چونک اٹھی اور تمہارے پاس دوڑی آئی تاکہ تم میری توبہ قبول کرلو۔راضی ہو جاؤ اوراللہ سے میرے لئے توبہ کرو۔پھر اس نے کپڑا اٹھایا تو تین زخم تھے۔تواس پر خاوند نے کہا خدایا میری اور میری بیوی کی توبہ قبول کرلے میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں راضی ہوگیا بیوی نے کہا میں اپنا مہر اللہ کے شکر میں تمہیں معاف کرتی ہوں اور میرے پاس زیور کے بیس درہم ہیں وہ بھی اور میرا کپڑا ابھی اللہ کے شکر میں فقیروں کا ہے۔جب صبح ہوئی تو اس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور خاوند نے بھی سوچا کہ اللہ نے اپنے لطف وکرم سے جو کچھ مجھ پر عنایت فرمایا یہ اس کے فعل پر راضی رہنے کا نتیجہ ہے اسے یقین ہوگیا کہ سارے کام اللہ سبحان وتعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کچھ عرصے کے بعد وہ خاتون انتقال کرگئیں۔موت کے بعد انہوں نے بیوی کو خواب میں دیکھا۔کہ نہایت خوبصورت اور عمدہ زیور اور لباس جو تعریف سے باہر ہیں پہنے ہوئے نظر آئیں۔انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا اور تو نے کیا پایا کہا تم دیکھ رہے ہواب میں تمہاری ملاقات کی منتظر ہوں جیسا تم مجھ سے راضی ہوئے خدا تم سے

راضی ہو۔

❁❁❁❁

## واقعہ نمبر......۵۸

### اللہ کے حضور مغفرت مانگنے کا واقعہ

ایک فقیر سے مروی ہے کہ میں ایک شیخ کی خدمت میں گیا۔ وہ مجھے خدمت کا حکم کرتے تھے اور میں خوش ہوتا تھا ایک دن مجھے کسائی کے یہاں بھیجا کہ میں وہاں سے فقیروں کے واسطے گوشت اٹھا لاؤں چنانچہ میں بقدر ضرورت گوشت خرید کر لایا اور چلنے کے قصد سے پلٹا ہی تھا کہ سامنے سے ایک آدمی نظر آیا جو ایک لدا ہوا جانور ہانکے لا رہا تھا مجھے اس شخص کا دھکا لگا اور میں قصائی کی دکان کی ایک میخ پر گر پڑا میرا پہلو زخمی ہو گیا دکاندار نے مجھے اس میخ سے اٹھایا اور پٹی بندوا ہی رہا تھا کہ اتنے میں وہ گدھے والا تین آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے آ گیا اور کہا یہاں میرا ایک بٹوا گر پڑا ہے جس میں دس دینار تھے اور وہ مجھے اور کساب کو اور دو آدمیوں کو پکڑ کر کوتوال کے سامنے لے گیا اور کہا انہوں نے میرا بٹوا چرایا ہے چنانچہ میرے سب ساتھیوں کو کوڑے لگے اور مجھے بھی آخر میں پیٹا گیا اور مار میرے زخم پر ہی لگ رہی تھی کہ اتنے میں ایک سپاہی کی نظر اس برتن پر پڑی جس میں گوشت تھا دیکھا تو اس میں بٹوا پڑا ہوا تھا اس نے کہا یہی چور ہے کوتوال نے کہا اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ چنانچہ اس کے حکم سے تیل گرم کیا گیا اور مجھ پر ایک مخلوق جمع ہو گئی۔ کوئی مارتا تھا کوئی گالیاں دیتا تھا اور میں چار آدمیوں کے بیچ میں تھا اتنے میں ایک شخص نے آواز دی تیل گرم ہو چکا چور کو حاضر کرو میں اپنا کام اللہ کے سپرد کر چکا تھا۔ جس کے ہاتھ میں ہر شے کی حکومت ہے ایک شخص نے اس زور سے ایک تماچہ مارا کہ میرے ہوش بالکل جاتے رہے۔ اس وقت بھی میں اس بلا پر صابر تھا اور اپنا کام اللہ ہی کے سپرد کرتا تھا۔ پھر اس نے کہا ''اے چور اے، ڈاکو!'' اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکا دیا جس سے میں منہ کے بل زمیں

پر سجدے کی ہیئت میں گر پڑا۔اس وقت میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسکرار ہے ہیں۔میری طرف دیکھ رہے ہیں، میں ابھی وہاں سیدھا کھڑا ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ ساری مصیبت مجھ سے دفع ہوگئی ایک شخص نے چلا کر کہا یہ شخص جس کو تم نے گرفتار کیا ہے وہ شیخ کا خادم ہے اس وقت لوگوں نے مجھے غور سے دیکھا اور چلا کر کہا **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** اب تو سب لوگ میرے پاؤں پر گرنے لگے کوتوال صاحب بھی دوڑتے ہوئے آئے اور میرے پاؤں چومنے لگے حضرت! خدا کے وسطے عرض کرتا ہوں کہ میری خطا معاف کردیں گریہ وزاری کرنے لگا اور کہا مجھ سے راضی ہوجایئے خدا مجھے اور تجھے معاف کرے یہ ایک آزمائش تھی جس سے میرا پوشیدہ ضبط کی طاقت ظاہر ہوئی پھر بٹوا کھولا گیا۔معلوم ہوا کہ وہ بوجھ اور بٹوا دونوں شیخ ہی کے وسطے بھیجا گیا تھا اتفاقاً اس واقعے کے وقت شیخ اور جملہ فقراء ایک آپس کی نزع کے سبب استغفار میں مشغول تھے اور کوئی باہر نہ نکلا یہاں تک کہ میں دروازے پر آ کھڑا ہوا میرے پاس گوشت اور وہ بٹوا تھا میں نے سارا قصہ بیان کیا۔فرمایا جس نے صبر کیا اس نے جمال وکمال حاصل کیا پھر فرمایا اے بیٹے یہ واقعہ طریقت میں تمہارے کامل ہونے کا سبب بن گیا ہے اب جہاں چاہو سفر کرو۔

❁❁❁❁

**واقعہ نمبر......۵۹**

## ایک مخنث کی توبہ کا واقعہ

حضرت شفیق بلخیؒ سے مروی ہے کہ ہم نے پانچ چیزیں طلب کیں اور انہیں پانچ چیزوں میں پایا۔روزی کی برکت طلب کی وہ نماز چاشت میں ملی۔اور قبر کی روشنی طلب کی اسے تہجد کی نماز میں پایا اور ہم نے منکر وہ نکیر کے سوالوں کا جواب طلب کیا تو اسے قرات قرآن میں پایا۔اور ہم نے پل صراط کا پار ہونا طلب کیا تو اسے روزہ صدقہ میں پایا۔ اور ہم نے عرش کا سایہ طلب کیا تو اسے توبہ میں پایا۔بعض علماء فرماتے ہیں ہم نے مجلس وعظ

کے آخر میں دعا کی اے الٰہی ! ہم میں جس کا قلب زیادہ سیاہ ہے اور جس کی آنکھیں زیادہ خشک ہیں اور جس کی معصیت کا زمانہ زیادہ قریب ہے اس کی مغفرت کر۔ ہمارے نزدیک ایک شخص مخنث گنہگار تھا۔اس نے کھڑے ہوکر کہا یہ دعا پھر کرو۔ کیونکہ تم سب میں میں ہی زیادہ سیاہ قلب اور خشک آنکھ اور قریب المعصیت ہوں ۔میرے واسطے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کرے۔وہ عالم فرماتے ہیں دوسری شب میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں ۔ارشاد ہوا کہ مجھے یہ بہت اچھالگا ہے کہ تم نے میرے اور میرے بندے کے درمیان صلح کرادی۔ میں نے تجھے اور اس مجلس کے سبھی شرکاء کومعاف کیا۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے ایک بزرگ کو بعد وفات خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔کہا اللہ تعالیٰ نے میرا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا۔اس میں مجھے اپنی ایک لغزش نظر آئی ۔میں اس کے پڑھنے سے شرمایا اور کہا الٰہی مجھے رسوا نہ کر۔ارشاد ہوا کہ جب تو نے یہ فعل کیا تھا اور مجھ سے نہیں شرمایا،اس وقت میں نے تجھے رسوا نہ کیا تو آج جب کہ تو مجھ سے شرماتا ہے، میں تجھے کیوں کر رسوا کروں گا۔ میں نے تیری لغزش معاف کر کے اپنی رحمت سے تجھے جنت میں داخل کیا۔وہ عیبوں کا ڈھانکنے والا حلم وکرم والا پاک ہے۔

## واقعہ نمبر......۶۰

## توبہ کا عبرت ناک واقعہ

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصریؒ متفکر ہوکر دریا کے کنارے پر کھڑے تھے۔دیکھا کہ ایک بڑا بچھو دوڑتا ہوا دریا کے کنارے پر آیا اور ایک مینڈک فوراً دریا سے نکل کر اس کو سوار کر کے اس کے دریا کے پرلے کنارے لے چلا۔یہ عجیب معاملہ دیکھ کر

حضرت مصری بھی اس کنارے پر گئے۔ پھر وہ جلدی سے اتر کر ایک درخت کے نیچے گیا۔ وہاں ایک سانپ سوتے مسافر کی چھاتی پر بیٹھا تھا۔ چاہتا تھا کہ اسے کاٹے اس نے جاتے ہی سانپ کو ڈنگ مارا وہ مر گیا۔ مسافر بچ گیا۔ پھر جلدی سے بچھو اپنے مکان کو اسی طرح چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ آدمی کوئی کام کا ہے کہ عنایت الٰہی نے اس قدر اس کی حفاظت فرمائی کہ ایک موذی کو دوسرے موذی سے ختم کر دیا اور اسے بچایا۔ اس کی ملازمت حاصل کرنا چاہئے۔ جب اس کے نزدیک گیا چاہا کہ قدم آگے بڑھاؤں اس نے آنکھ کھول دی۔ دیکھا تو کوئی شرابی سا ہے۔ مجھ کو کمال تعجب ہوا کہ اللہ اللہ اس کا یہ حال ہے اور عنایت خدا کا وہ حال۔ اللہ کی طرف سے غیبی آواز آئی کہ اے ذولنون! حیران کیوں ہوئے ہو کہ یہ بھی ہمارا بندہ ہے اگرچہ گندہ ہے۔ اگر ہم صرف نیکوں ہی کی حفاظت کریں تو بروں کی حفاظت کرنے والا کون ہے۔ پس جو جناب باری میں زاری کرتا ہے فضل باری اس کی دستگیر کرتا ہے۔ جیسا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ **التائب من الذنب کمن لاذنب لہ** یعنی جو گریہ وزاری کے ذریعے گناہ سے بیزاری چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ذالنون پر حالت جذب وجنون کی طاری تھی کہ گھومتے تھے اور کہتے تھے افسوس او پر حال اس غافل کے کہ رحمت الٰہی اس جوش وخروش سے اس کی ہمدوش ہو اور وہ بے ہوش خواب خرگوش میں مدہوش۔ جب شام ہوئی اور ہوا سرد چلی اور غلت زدہ کے حق میں صبح ہوئی۔ نیند سے چونکا اور ذوالنوں کو بیٹھا دیکھا۔ متحیر ونادم ہو کر کہا اے مقتدائے وقت! تم یہاں کہاں۔ فرمایا تو اپنا حال بیاں کر۔ کہا میرا حال آپ پر بخوبی روشن ہے۔ پھر میں نے اس کو وہ سانپ دکھایا۔ دیکھتے ہی تھرا گیا۔ جب سب قصہ سنایا تو رو چلا کر سر میں خاک ڈالنے لگا۔ چیخیں مارتا، مارتا کپڑے پھاڑتا جنگل کو چلا گیا اور نفس کو بہت لعنت ملامت کرتا تھا کہ جب بروں کے حال پر اس قدر رحم ہے تو نیک لوگوں پر کس قدر عنایت ہوگی۔ پھر اللہ کے حضور سچی توبہ کی اور تائب ہو کر عبادت میں مصروف ہو گیا۔ اور کچھ عرصے کے بعد اللہ نے اور کرم کیا تو وہ مستجاب الدعوات ہو گیا۔ جس بیمار کو دم کرتا

تندرست ہو جاتا ہے اور تادم آخر اللہ کا احسان مند رہا۔

۞۞۞۞

واقعہ نمبر......٦١

## عیش پرستی سے توبہ کا واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ منصور بن عاد بصرہ میں جا رہے تھے کہ ایک عظیم الشان مکان دیکھا جو بہت مکلّف اور سونے چاندی کے نقش سے منقش تھا۔ اس کا صحن بہت وسیع ہے اور صدہا دربان دروازے پر ٹہل رہے ہیں اور مکان کے اندر شاہی تخت بچھا ہے اور ایک خوبصورت جوان اس پر جلوہ افروز ہے اور چاروں طرف خدام خوش کلام مؤدب دست بستہ کھڑے تھے۔ منصور کا کہنا ہے کہ یہ دیکھ کر میری عقل دنگ رہ گئی۔ چاہا کہ خود اندر جا کر حقیقت دریافت کروں مگر درباریوں نے جانے نہ دیا اتفاق سے وہ کسی مشغلہ میں مشغول ہوئے تو میں فوراً مکان کے اندر چلا گیا۔ یکا یک امیر نے عورتوں کو بلایا۔ ان کے آتے ہی سارا مکان ایسا روشن ہو گیا جیسے رات کو آفتاب نکل آئے اور صدہا لونڈیاں، باندیاں ان کے ساتھ کوئی خوشبو لگاتی دل الجھاتی زلف سلجھاتی ہوئی سرگرداں وحیران اور آئینہ دکھاتی ،خوشبو لگاتی۔ غرض ہر ایک کسی نہ کسی کام میں مصروف تھی۔ پھر وہاں کوئی مرد ذات نہ رہا ۔صرف میں اپنی جان پر کھیل کر یہ کھیل تماشہ دیکھتا رہا۔ اچانک بادشاہ کی نظر پڑی۔ آتش غضب سے سلگ گیا۔ مانند شعلہ افروختہ ہو کر کہا کہ تیرے سر پر موت کھیلتی ہے جو تجھ کو محل سرا میں کھیل تماشے کے حیلے سے لائی ہے۔ میں خوف سے کانپ گیا۔ خوشامد سے جان کو بچایا کہ آتش غضب کو عاجزی کا پانی بجھاتا ہے۔ جب اس کا غصہ کم ہوا۔ کہا تو کون ہے کہاں سے آیا ہے۔ عرض کیا خطاوار ہر سزا کے سزاوار ہوں طبیب ہوں امراض دل کا معالجہ کرتا ہوں۔ فرمایا ادھر آؤ اور کچھ کلام حق سناؤ۔ تب میں نے نڈر ہو کر صاف صاف حکم حاکم حقیقی کا بیان کرنا شروع کیا۔ اے بادشاہ! تیرے پاس عورتوں کا ایک ہجوم ہے ملک میں

ظالموں کی دھوم ہے کیا نہیں جانتا کہ اس وبا سے تیرا اعمال نامہ مالا مال ہوگا اور سخت گنہگاری میں مبتلا ہوگا۔ ذرا ہوش پکڑ اس قدر مستی حکومت سے نہ اکڑ۔ خدا کو نہ بھول۔ خودی کے نشہ سے اس قدر نہ پھول۔ انصاف کے دن ہر زبردست زیردست ہوگا اور زیردست زبردست سے، دودھ پانی سے اور پانی دودھ سے جدا ہوگا۔ اور دوزخ ایسی زبردست آواز کرے گی کہ پتھر پانی ہو جائے گا نیکوکار سرخرو اور بدکار سزاوار ہوں گے۔ فی الحقیقت دنیا اور معاملات دنیا دل لگانے کے قابل نہیں۔ تو عورتوں کی محبت میں چور ہے۔ حوران بہشتی سے دور ہے۔ اگر جنت کی رحمتوں کا مزہ چکھتا اور حوران جنان کو ایک نظر دیکھتا واللہ لذت دنیا اور محبت زنان میں ہرگز گرفتار نہ ہوتا اور مرنے کے بعد اگر عورتوں کو دیکھے تو بدبو کے سوا کچھ حسن و جمال بھی نہ پائے گا بلکہ نفرت آجائے۔ پس ان کی صحبت سے دور ہو اور حوران بہشتی کو طلب کر کہ خلقت ان کی مشک و کافور و زعفران سے ہے وہ جمال باکمال نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا گویا لعل و یاقوت ہیں یا موتی و مرجان ہیں کہ چمک رہے ہیں پس یہ باتیں سن کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اور کہا اے طبیب! تیری باتیں میرے جی میں کارگر ہوگئیں۔ پھر کہو شاید برائی سے نجات پاؤں اور راہ راست پر آؤں کہ میں بہت بڑا گنہگار ہوں۔ کیا عجب ہے کہ غفور الرحیم اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔ میں نے کہا حقیقت میں وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ پھر زار و زار روتا تھا۔ اور کپڑے بدن کے پھاڑتا تھا اور اللہ کے حضور سچی توبہ کی، آخر محل کو چھوڑ کر چلنے لگا تو عوتوں نے کہا کہ ہر حال میں ہم تمہارے شریک رہیں۔ اب کیا مقتضائے مروت ہے کہ تم جاتے ہو اور ہم کو چھوڑے جاتے ہو۔ پھر سب نے رات کو لباس شاہی دور کیا اور بھیس بدل لیا۔ پھر رات ہی رات سب کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ عرصہ کے بعد جو میں اس محل سرائے کو گیا تو اجاڑ پڑا دیکھا کہ دن میں ڈر معلوم ہوتا تھا۔ پھر تائید الٰہی سے اتفاقاً بیت اللہ کو گیا۔ دیکھا تو عبدالملک موجود ہے اور طواف کعبہ میں مصروف ہیں۔ مجھ سے سلام علیک کی میں حال ان کا دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میں نے کہا عورتیں کہاں ہیں کہا حاضر ہیں۔ پھر وہ سب آئیں اور بندگی میں مستعد پائیں

مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور کہا اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کی مراد پوری کی جو تمہاری زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت ہم جیسے گنہگاروں کو بھی اللہ تعالیٰ بخشے گا کہ جان و مال سب اس کی محبت میں کھودیا۔ فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اپنے تابعداروں کو بخشے گا۔ پھر جوش وخروش میں آکر ایک نعرہ مارا اور جان بحق تسلیم کی۔ عبدالملک یہ حال دیکھ کر بہت غمگین ہوئے۔ کہا افسوس ایسے وقت میں مجھ سے الگ ہوئے۔ پھر بخوبی کفنا دفنا دیا۔ اس کے بعد وہ بھی رحلت کر گیا۔ اس کو بھی کفنا دیا۔ لوگوں نے بہت افسوس کیا۔ میں نے اس کی قبر پر وعظ کیا اور لوگوں کو عذاب قبر سے ڈرایا اور جنت کے آرام کا مژدہ سنایا۔

واقعہ نمبر......۶۲

## ابن ساباط کی توبہ

ابن ساباط بغداد کا نامی چور تھا کوئی شریف آدمی اس کا نام سن کر انتہائی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہتا تھا وہ اپنے پیشہ میں ایسا ماہر تھا کہ بیسیوں چوریاں کرنے کے باو جود قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا لیکن آخر کب تک ایک دن حکام نے اسے گرفتار کر ہی لیا قانون وقت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا گیا اور پھر اس کو ایک نا قابل اصلاح مجرم قرار دے کر مدت العمر کے لئے قید خانہ میں بھیج دیا گیا اہل بغداد اب اسکا ذکر ہتھ کٹے شیطان'' یا ایک ہاتھ کے شیطان کے نام سے کرتے تھے دس برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے ایک دن ابن ساباط کسی طرح بھاگ نکلا اور قید خانے سے باہر آتے ہی اپنے قدیم پیشہ کو از سر نو شروع کرنے کا ارادہ کر لیا ایک ہاتھ کے نقصان اور قید و بند کی طویل پر صعوبت زندگی نے اس کے مزاج اور کردار پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا تھا آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہی چوری کی خواہش نے اسے بے تاب کر دیا اور رات کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ اپنی مہم پر چل کھڑا ہوا

ادھرادھر پھرتے تین پہر رات گزر گئی لیکن اسکو کسی مکان میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا آخر اسے ایک وسیع حویلی نظر آئی جس کے چاروں طرف دور دور تک سناٹا تھا اس حویلی کے وسط میں ایک بہت بڑا پھاٹک تھا ابن ساباط پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے اسی سوچ بچار میں اس کا ہاتھ پھاٹک پر جا پڑا اوہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا اس نے آہستگی سے دروازہ پیچھے کی طرف دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا یہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے اندر چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں ایک بڑا کمرہ تھا ابن ساباط اس بڑے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اسے یقین تھا کہ یہ کسی بڑے امیر یا سوداگر کا مکان ہے جونہی اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا وہ بھی پھاٹک کی طرح فوراً کھل گیا کمرے میں داخل ہو کر اس نے ادھرادھر نظر دوڑائی تو اس کی قیمتی ساز وسامان سے بالکل خالی پایا ایک طرف کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی اس کے قریب چمڑے کا ایک تکیہ اور بھیڑ کے کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے چند تھان بکھرے پڑے تھے ابن ساباط ایسے معمولی سامان کو دیکھ کر جھلا اٹھا اور مکان کے مالک کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا اس احمق نے اتنے بڑے مکان میں کیسا گھٹیا کپڑا اور سامان رکھا ہوا ہے بہرحال مکان سے خالی ہاتھ جانا اسے منظور نہ تھا اس نے پشمینہ کے تھانوں کی ایک گٹھڑی بنائی اور اس کے باندھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ہزار جتن کے باوجود ایک ہاتھ سے صوف کے موٹے کپڑے کو گرہ نہ لگا سکا اور ہانپتا ہوا بیٹھ گیا عین اسوقت دروازہ کھلا اور ایک شخص ہاتھ میں چراغ لئے کمرے میں داخل ہوا خوف اور دہشت سے ابن ساباط کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اس نے داخل ہونے والے آدمی کو دیکھا اس کا قد دراز، کمر خمیدہ اور جسم انتہائی نحیف تھا جس پر ہلکے رنگ کی ایک لمبی قبا تھی اور سر پر بھیڑ کی کھال کی کشادہ سیاہ ٹوپی تھی اس قدر نحیف ونزار ہونے کے باوجود اس شخص کے چہرے پر عجیب طرح کا اطمینان اور نور تھا اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی

جس سے کوئی دوسرا شخص اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اس نے کمرے میں داخل ہوکر چراغ ایک طرف رکھ دیا اور انتہائی شیریں آواز میں ابن ساباط سے مخاطب ہوکر کہا میرے بھائی خدا تم پر رحم کرے یہ کام روشنی اور کسی ساتھی کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتا دیکھو یہ چراغ روشن ہے اور تمہاری مدد کے لئے میں حاضر ہوں اب ہم دونوں یہ کام اطمینان کے ساتھ کر لیں گے ابن ساباط حیرت سے اجنبی کے منہ کی طرف تک رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اتنے میں اجنبی نے تھانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ان کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں پھر اچانک اسے خیال آیا اور اس نے ابن ساباط سے مخاطب ہوکر کہا میرے بھائی مجھے معاف کرنا مجھے خیال ہی نہیں کہ ایسا تھکا دینے والا کام کر کے تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی میں ابھی تمہارے لئے گرم گرم دودھ لاتا ہوں اسے پی کر تم تازہ دم ہو جاؤ گے یہ کہہ کر اجنبی کمرے سے باہر نکل گیا اور ابن ساباط عالم تحیر میں کھو گیا یکا یک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا میں بھی کیسا احمق ہوں اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ یہ کوئی میرا ہی ہم پیشہ ہے اتفاق سے آج ہم دونوں اس مکان میں جمع ہو گئے ہیں یہ گھر کا بھیدی معلوم ہوتا ہے اسے معلوم تھا کہ آج یہ مکان رہنے والوں سے خالی ہے اسی لئے وہ روشنی کا سامان لے کر آیا جب اس نے دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو اس سامان میں سے آدھے کا حق دار بننے کے لئے میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اجنبی ہاتھ میں دودھ کا پیالہ لئے پھر کمرے میں داخل ہوا اور یہ کہہ کر پیالہ ابن ساباط کے ہاتھ میں پکڑا دیا کہ اسے پی لو یہ تمہاری بھوک اور تھکان کو دور کر دے گا۔

ابن ساباط کو فی الواقع سخت بھوک لگ رہی تھی اس نے آناً فاناً دودھ کا پیالہ خالی کر دیا اور پھر کڑک کر اجنبی سے کہا ''دیکھو میں تم سے پہلے پہنچ گیا تھا اس لئے ہمارے پیشہ کے اصول کے مطابق تمہارا اس مال پر مطلق کوئی حق نہیں تاہم تم نے مال سمیٹنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے اس کے پیش نظر میں تمہیں تھوڑا بہت مال دے دوں

گا چلو اب گٹھڑیاں اٹھائیں اور چلیں' ابن ساباط کے جواب میں اجنبی مسکرایا اور پھر شفقت آمیز لہجے میں کہا میرے بھائی تم میرے حصے کا خیال کر کے کیوں اپنا دل میلا کرتے ہو میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا تمہارا ایک ہاتھ ہے یہ چھوٹی گٹھری تم اٹھا لو اور بڑی گٹھری میں اٹھا لیتا ہوں جہاں تم کہہ دو میں پہنچا دوں گا ابن ساباط نے کہا بس ٹھیک ہے تمہیں مجھ سے بہتر سردار سارے ملک میں نہیں مل سکتا میں یہ چھوٹی گٹھری اٹھا لیتا ہوں اور تم بڑی گٹھری اٹھا کر میرے آگے آگے چلو نحیف الجثہ اجنبی نے پورا زور لگا کر بڑی گٹھری کمر پر لادی اس کی خمیدہ کمر اس کے بوجھ سے اور بھی خمیدہ ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ابن ساباط کے آگے آگے چل پڑا لیکن ابن ساباط کو بہت عجلت تھی کیونکہ رات بہت تیزی سے ختم ہو رہی تھی وہ بار بار اجنبی کو ٹوک دیتا کہ تیز چلو اجنبی کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا لیکن پھر اٹھ کر کھڑا ہوا اور ہانپتا کانپتا پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا ایک جگہ چڑھائی تھی اجنبی کو بھاری بوجھ کی وجہ سے سخت مشکل پیش آئی اور وہ ایک جگہ بے اختیار گر پڑا ابن ساباط نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور پھر اس کی کمر پر زور سے ایک لات رسید کی اجنبی جوں توں کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور ابن ساباط سے معذرت کرنے لگا ابن ساباط نے گٹھری پھر اس کی پیٹھ پر رکھ دی اور دونوں چلتے چلتے شہر سے دور ایک پرانے کھنڈر میں جا پہنچے یہاں ابن ساباط کی پناہ گاہ تھی وہ اپنی گٹھری باہر رکھ کر کھنڈر کی دیوار سے اندر کود گیا اور اجنبی نے دونوں گٹھریاں باہر سے اندر پھینک دیں اسوقت چاند کی روشنی میں ابن ساباط نے اطمینان سے اجنبی کے چہرے پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا اس نے محسوس کیا کہ اجنبی کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں یکا یک وہ ملکوتی تبسم کے ساتھ یوں گویا ہوا میرے بھائی یہ مال تمہیں مبارک ہو اس مکان کا مالک میں ہی ہوں اور یہ مال تجھے خوشی سے بخشتا ہوں افسوس کہ میں تمہاری خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکا بلکہ راستے میں اپنی کمزوری اور سستی کی وجہ سے تمہارے لئے پریشانی کا باعث بنا خدا کے لئے مجھے معاف کر دو اچھا اب میں تم سے رخصت چاہتا ہوں، خدا حافظ۔

اجنبی یہ کہہ کر تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہوگیا لیکن اس کے الفاظ خنجر بن کر ابن ساباط کے سینے پر پیوست ہو گئے سیاہ کالی کے اس پتلے کے دل و دماغ کو اجنبی کے محیّر العقول حسن سلوک نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ سوچ رہا تھا کہ دنیا میں ایسے انسان بھی ہوتے ہیں میں نے اسے کیا سمجھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا یہ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہوگیا ضمیر کی خلش نے اسے بے چین کر دیا اور سپیدہ سحر نمودار ہوتے ہی اجنبی کی تلاش کے لئے نکل کھڑا ہوا اب اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں تھا بس یہی آرزو تھی کہ اس اجنبی کے قدموں پر سر رکھ دے رات والا مکان ڈھونڈنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی اس کے باہر کھڑے ہو کر ایک شخص سے پوچھا یہ کس تاجر کا مکان ہے؟ اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا میاں تم مسافر معلوم ہوتے ہو یہاں کسی تاجر کا کیا کام یہ تو شیخ جنید بغدادیؒ کی قیام گاہ ہے ابن ساباط نے یہ نام سن رکھا تھا لیکن شیخ کا صورت آشنا نہ تھا پھاٹک سے اندر داخل ہوا اور دیکھا کے سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور چٹائی پر تکیہ سے سہارا لگائے وہی رات والا اجنبی بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تیس چالیس آدمی مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہیں ابن ساباط ٹھٹک کر وہیں کھڑا ہوگیا اتنے میں مسجد سے آذان کی آواز آئی لوگ اٹھ کر کھڑے ہوئے جب وہ سب چلے گئے تو شیخ بھی اٹھے جونہی انہوں نے دروازے کے باہر قدم رکھا ابن ساباط روتا ہوا ان کے قدموں پر گر گیا انفعال کے آنسوؤں نے اس کے دل کی ساری سیاہی دھو ڈالی تھی شیخ نے نہایت محبت اور شفقت سے اس کو زمین سے اٹھایا اور گلے لگا لیا ابن ساباط کے دل کی دنیا اب بدل چکی تھی دوسروں نے جو راہ برسوں میں نہیں دیکھی تھی ابن ساباط نے دو چند لمحوں میں طے کر لی، وہ شیخ کے حلقے ارادت میں داخل ہوگیا اور ان کے فیض صحت سے ہتھ کٹے شیطان کے بجائے شیخ احمد ابن ساباطؒ بن گیا، اور اہل اللہ میں شمار ہوا جس شخص کو چالیس سال تک دنیا کی ہولناک سزائیں نہ بدل سکیں اس

کوایک مرد خدا کے حسن اخلاق اور قربانی نے چند ساعتوں میں خاصانِ خدا کی صف میں شامل کردیا۔ (بحوالہ حکایاتِ صوفیہ از طالب ہاشمی)

**واقعہ نمبر......۶۳**

## اللہ کی نافرمانی سے توبہ کا واقعہ

حضرت سری سقطیؒ بہت بڑے ولی کامل تھے۔ اور امام الاولیاء ان کا لقب تھا اور بغداد شریف میں اکثر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ہزاروں آدمی ہدایت پاتے۔ ایک مرتبہ احمد بن زید خلیفہ وقت مع اپنے غلام ترکی ورومی بڑے تزک وشان سے آئے اور ایک طرف مجلس وعظ میں بیٹھ گئے۔ حضرت فرمارہے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک آٹھ ہزار برس ہوئے ہوں گے۔ کوئی مخلوقات میں انسان سے ضعیف تر اور نافرمانی جناب باری میں دلیر تر اور رحیلہ گر جملہ کائنات سے معظم تر جناب باری نے پیدانہیں کیا۔ چنانچہ ہزاروں طرح سے رب العزت نے اس کی نجات دارین کے واسطے سمجھایا اور صدہا طریقے سے اللہ والوں نے سمجھایا بجھایا مگر اس کے ایک کارگر نہ ہوا۔ یہ سنتے ہی احمد بن زید کے تیر سا جگر پار ہوگیا۔ روتے روتے بیہوش ہوگیا۔ جب کچھ افاقہ ہوا گرتا پڑتا اپنے گھر گیا۔ وہاں نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ کچھ کلام کیا۔ دوسرے دن پھر تنہا آکر چپکے سے بیٹھ گیا۔ وعظ سنتا رہا، وعظ کے بعد جب سب آدمی چلے گئے تو حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت آپ کا وعظ مجھ پر کارگر ہوگیا۔ اور تیر سا جگر کے پار ہوگیا۔ اور دنیا کی محبت دل سے بالکل نکل گئی اور عظمت حق دل میں سما گئی ہے۔ اب مجھے دنیا اور اہل دنیا کی صورت سے نفرت اور وحشت آتی ہے اور کوسوں جی بھاگتا ہے۔ سچ ہے لذت ایمانی جی جان سے سما جاتی ہے تو سب طرف سے دل مسرور ہوجاتا ہے۔

پھر جنگل کو چلے گئے تھوڑے دن کے بعد ایک عورت روتی چلاتی حضرت کی خدمت میں آئی کہ یا حضرت میرا بیٹا خوش رو، خوبصورت، خوب سیرت، نازک اندام دل آرام

آپ کے وعظ میں اول مرتبہ کروفر سے آیا پھر یہاں سے فقیر ہو کر گیا۔ دوبارہ سب سامان ریاست اور حشمت کا پھینک کر آیا۔ تیسری بار جو آیا تو اس کا پھر پتہ نہ پایا کہ کیا ہوا اور کہاں گیا۔ یہ کہتی تھی اور زار و زار روتی تھی اور کھڑے بیٹھے کو رلاتی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت کو بھی نہایت رقت تھی۔ معلوم ہوا کہ احمد بن زید کی ماں ہے۔ فرمایا اے نیک بخت! صبر کر اور قرار پکڑ۔ جس وقت وہ یہاں آئے گا تجھے فوراً اطلاع ہوگی۔ حضرت کے ارشاد سے اس بے چین کے جی کو کچھ چین ملا اور دل بیقرار نے ذرا قرار پکڑا۔ پھر گھر کو چلے گئے تھوڑے دن کے بعد رات کو حضرت کے دروازے کی کسی نے کنڈی کھٹکھٹائی فرمایا کون؟ کہا احمد بن زید خادم کو ارشاد کیا دروازہ کھول دے۔ اور اس کی ماں کو جلد بلا لے۔ پھر اس نے آ کر حضرت سے السلام علیکم کی۔ آپ نے جواب دیا اور فرمایا تیرا کیا حال ہے جو ایسا حقیر اور خوار زار ہے کہ کمر جھک گئی صورت بدل گئی۔ کہا اے امام! میں بہت خوش ہوں۔ تم نے مجھ کو دنیا سے چھڑایا اور خدا سے ملایا تمہارے احسان کس دل و جان سے بیان کروں اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر دے گا۔ اچانک دیکھا کہ اس کی ماں اور بیوی بچے روتے چلاتے آ گئے۔ اس کا حال دیکھ کر نہایت پریشان ہوئے۔ اس قدر روتے اور چیخیں مارتے تھے کہ در و دیوار کو رلاتے تھے۔ آدمی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پھر مادر مشفقہ نے کہا اے میرے جگر پارے! کیا ان بچوں کے حال پر بھی رحم نہیں آتا؟ تجھے کیا ہو گیا ہے، کیا تیرے جی میں سما گیا ہے۔ پھر ہر طرح سے منت و خوشامد کی کہ کسی طرح سے گھر تک چلے۔ مگر وہ ہرگز نہ مانا۔ تنگ ہو کر حضرت کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ یا حضرت یہ کیا بلا میرے پیچھے لگا دی ہے کہ مجھ کو جان چھڑانا مشکل ہو گیا ہے۔ فرمایا میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ پھر عورت مایوس ہو کر کہنے لگی ہائے میری جوانی کیوں کر کٹے گی۔ کہا تجھ کو اختیار ہے جو تیرا جی چاہے سو کر۔ میرے خیال میں نہ پڑ۔ میں خودی سے گزر گیا اور خدا کی محبت میں گھل مل گیا۔ بولی اپنے بیٹے کو ساتھ لو کہا بہت اچھا۔ احمد بن زید نے لڑکے کے ریشمی کپڑے اتارنے شروع کئے اور اس کے ہاتھ میں زنبیل دینے کا قصد کیا۔ تب ماں نے واویلا کر کے لڑکے کو لے لیا۔ یہ دیکھ کر احمد بن زید نے

کہا آئندہ تم کو اختیار ہے میرے پاس لڑکا رہے گا تو میرے جیسا ہو کر رہے گا یہ حال دیکھ کر ہر کس و ناکس زار و زار روتا تھا۔ گویا حشر برپا تھا۔ پھر جنگل کو چلا گیا اور سب کو روتا چلاتا چھوڑ گیا۔ مگر اپنے راستے سے منہ نہ موڑا۔ دو برس کے بعد حضرت کے پاس ایک آدمی آیا کہ آپ کو احمد بن زید نے بلایا ہے کہ اس کا وقت آخری ہے۔ آپ اسکے ہمراہ گئے دیکھا تو ایک قبرستان میں ایک جانب کو تنگ و تاریک جگہ میں پڑے ہیں اور ایسے کلمات کہتے ہیں کہ بھلائی چاہنے والوں بھلائی کرنا۔ آپ صبح تک وہاں رہے اسی اثناء احمد بن یزید کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت اپنے مکان پر آئے کہ تجہیز و تکفین کا انتظام کریں۔ دیکھا تو ہزاروں آدمی شہر سے آتے ہیں متحرک ہو کر کہا۔ خیر تو ہے؟ بولے خیر ہے۔ رات کو آواز غیب آئی تھی کہ جس کو نماز جنازہ ولی اللہ کی پڑھنی ہو وہ مقبرہ شوتیریہ میں صبح کو جائے۔ اس واسطے تمام شہر وہاں جاتا ہے۔ چنانچہ کثرت ہجوم سے قریب نماز عصر کے کفن دفن کی نوبت پہنچی۔ (بحوالہ کتاب التوابین)

# مراجع ومصادر

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔


تفسیرِ مظہری.................................حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

تفسیرِ عثمانی.................................حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

معارف القرآن.................................حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ

بخاری شریف.................................محمد اسماعیل البخاریؒ

مسلم شریف.................................ابی الحسن بن الحجاج القشیریؒ

ترمذی شریف.................................ابی عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ

ابوداؤد.................................ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ

ابن ماجہ.................................ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ

مشکوٰۃ شریف.................................ابومحمد الحسین بن مسعودؒ

الادب المفرد.................................حضرت امام بخاریؒ

ریاض الصالحین.................................حضرت امام نوویؒ

معارف الحدیث.................................حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ

مظاہرِ حق جدید.................................حضرت نواب محمد قطب الدینؒ

حجۃ اللہ البالغہ.................................حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

تنبیہُ الغافلین.................................حضرت ابولیث سمرقندیؒ

احیاء العلوم.................................حضرت امام غزالیؒ

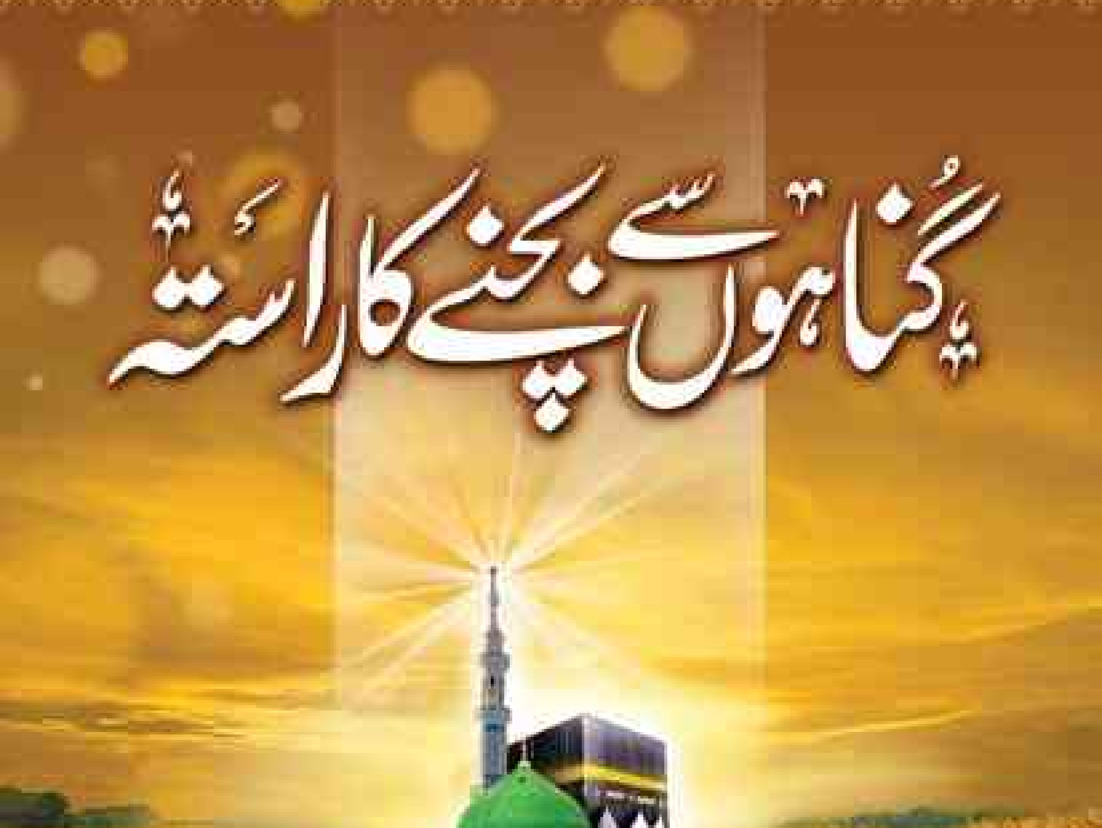
آدابِ انسانیت.................................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

آدابِ زندگی.................................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

احکامِ اسلام عقل کی نظر میں.....................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
بہشتی زیور.....................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
التبلیغ.....................حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مخزن اخلاق.....................حضرت مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ
خطباتِ حکیم الاسلام.....................حضرت قاری طیب صاحبؒ
فضائل صدقات.....................حضرت مولانا زکریا صاحبؒ
فضائل اعمال.....................حضرت مولانا زکریا صاحبؒ
مجالسِ مفتی اعظمؒ.....................حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ
خطبات حکیم الامت.....................مولانا اشرف اعلی تھانویؒ
ملفوظات حکیم الامت.....................مولانا اشرف علی تھانویؒ
خطباتِ اکابر.....................ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
خطباتِ مدنی.....................مولانا حسین احمد مدنیؒ
خطبات حضرت لاہوریؒ.....................حضرت لاہوریؒ
آپ کے مسائل اوران کا حل.....................حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ
اصلاح معاشرہ اوراسلام.....................حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ
اصلاحی مواعظ.....................حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حقوق الوالدین.....................حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ
خطباتِ علی میاں.....................حضرت ابوالحسن علی ندویؒ
خطباتِ مسیح الامم.....................حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ
خطبات جمیل.....................حضرت مولانا طارق جمیل صاحب
رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں.....................حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ
زبان کی حفاظت.....................حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

سلسلہ
مواعظ حسنہ
نمبر ۱۰۰

نقش قدم نبیؐ کے ہیں جنت کے راستے
اللہؐ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے



# گناہوں سے بچنے کا راستہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال کراچی

سلسلۂ مواعظ حسنہ نمبر ۱۰۰

# گناہوں سے بچنے کا راستہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت و ارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ امیدِ نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ترے ہیں تیرے نازوں کے
جو میں نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

# انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

# ضروری تفصیل

وعظ : گناہوں سے بچنے کا راستہ

واعظ : عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ : ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۸۵ء بروز جمعۃ المبارک

مقام : مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

مرتب : حضرت سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت : ۲/ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۱/ مئی ۲۰۱۵ء بروز جمعرات

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر واشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی
پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، +92.316.7771051
ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

## قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

# عنوانات

# گناہوں سے بچنے کا راستہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم)! آپ نصیحت فرمائیں، نصیحت ایمان والوں کو مفید ہوتی ہے۔ بس دوستو! اسی وجہ سے یہ محفل منعقد کی جاتی ہے تاکہ قرآنِ پاک، حدیثِ پاک، فقہائے کرام، علمائے دین، مشائخ اور اپنے بزرگوں کی باتیں سنائی جائیں۔ اس سے نصیحت کرنے والے کو بھی نصیحت ہوتی ہے اور آپ کو بھی نصیحت ملتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

چناں چہ مقرر کو بھی نفع ہوتا ہے کیوں کہ وہ بھی تو مومن ہے، وہ بھی سوچے گا کہ میں کیا بیان کرتا ہوں اور کیا عمل کرتا ہوں، اپنے قول و فعل میں توازن قائم کرے گا، استغفار کرے گا، اللہ تعالیٰ سے روئے گا اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کرے گا۔ اس آیت کے ذیل میں علامہ شعرانی **الیواقیت والجواھر** میں لکھتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ مجھ پر کسی کی نصیحت اثر نہیں کرتی، میں چکنا گھڑا ہوں، مجھ پر کتنا بھی پانی بہاؤ کوئی اثر نہیں ہوتا، مجھے کسی وعظ و نصیحت سے نفع نہیں ہوتا حالاں کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ایمان والوں پر نصیحت اثر کرتی ہے اور تم کہتے ہو کہ مجھ پر نصیحت اثر نہیں کرتی، تو معلوم ہوا کہ تمہارے ایمان میں شبہ

[1] الذّٰریٰت:۵۵

ہے، ایسا شخص اپنے ایمان کی خیر منائے، اللہ کے آگے روئے تاکہ اس پر اللہ کی رحمت ہو اور اللہ دین کی سمجھ عطا فرمائے۔

## فہمِ دین صحبتِ اہل اللہ سے ملتی ہے

ایک من علم کے لیے دس من عقل و فہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے علم کے ساتھ ساتھ اللہ والوں کی صحبتوں سے دین کی سمجھ بھی حاصل کرنی چاہیے، خالی علم سے ذہن میں وہ تیزی، ذکاوت اور نورانیت نہیں آتی جب تک اہل اللہ کی صحبت نہ اختیار کریں۔ دین کی سمجھ کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ میری شادی کے لیے دعا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ استغفار کیا کرو۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! استغفار سے شادی کا کیا تعلق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں وعدہ فرمایا ہے:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝١٢ [۲]

تم اپنے رب سے استغفار کرو، وہ بڑے غفور اور رحیم ہیں۔ آسمان سے بارش نازل ہو گی، قحط دور ہو گا اور مال و اولاد بھی دیں گے۔ باغات بھی دیں گے اور نہریں بھی دیں گے۔ اس نے کہا حضرت! اس میں ایسا تو کوئی ذکر نہیں آیا کہ شادی بھی ہو گی اور بیوی بھی ملے گی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم بڑے عجیب آدمی ہو، کیا اولاد کا وعدہ نہیں ہے؟ تو جب اولاد دیں گے تو بیوی کے بغیر دیں گے؟ جب اولاد کا وعدہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ شادی ہو گی تب ہی تو اولاد ملے گی۔ یہ ہے تفقہ اور علم میں برکت جو اہل اللہ کی صحبتوں سے حاصل ہوتی ہے، لوگ یہ آیتیں پڑھتے رہتے ہیں لیکن کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ استغفار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شادی ہونے اور بیوی ملنے کا بھی اعلان ہے۔ اسی ذکاوت اور تفقہ پر ایک اور واقعہ یاد آگیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن

---

۲؎ نوح: ۱۰-۱۲

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے یا بیٹھ کر تو آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ آیت تلاوت نہیں کی:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا [۳]

کہ میرے نبی کو قائم یعنی کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ نیا نیا اسلام آیا تھا، ابھی صحابہ کی مکمل تربیت نہیں ہوئی تھی، وہ قانون نہیں جانتے تھے، ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ خطبہ چھوڑ کر جانا ناجائز ہے۔ اس وقت شدید قحط تھا، انہوں نے سوچا کہ اگر ہم نہیں جائیں گے تو غلہ ختم ہو جائے گا، لیکن سب نہیں گئے تھے، بارہ صحابہ رہ گئے تھے۔ علامہ آلوسی نے نقل کیا ہے کہ اگر یہ بارہ صحابی بھی نہ رہتے تو اللہ کے غضب کی آگ برس جاتی، [۴] ان کے طفیل سب بچ گئے تو حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت سے ثابت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جب خطبہ دے رہے تھے تو کھڑے تھے جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا قرآن سے ثابت ہے۔ یہ ہے تفقہ، علم کی صحیح سمجھ۔ عام آدمی کا ذہن اس طرف نہیں جاتا۔

## غیر شرعی تقریبات میں شرکت کا حکم

ایک مسئلہ یاد آگیا، اسے بھی بتانا ہے کہ جس مجلس میں کوئی نافرمانی ہو رہی ہو، چاہے وہ ولیمہ کی دعوت ہو یا شادی بیاہ کی یا کوئی جلسہ ہو غرض کسی قسم کی کوئی بھی تقریب ہو اگر وہاں شریعت کے خلاف کوئی کام ہو رہا ہو مثلاً مرد اور بے پردہ عورتیں آپس میں مل جل رہے ہوں، فوٹو کھینچ رہے ہوں یا مووی بن رہی ہو تو ایسی تقریب میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا يَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِيْهِ الْمَحْظُوْرُ [۵]

---

۳۔ الجمعة:۱۱

۴۔ روح المعانی:۲۸/۱۰۷، الجمعة (۱۱)، دار احیاء التراث، بیروت

۵۔ مرقاة المفاتيح:۴/۲۰۷، باب البكاء على الميت، دار الكتب العلمية، بيروت

ایسی مجلس میں جانا جائز نہیں جس میں شریعت کے خلاف کوئی کام ہو رہا ہو۔

اس میں دوسری صورت یہ ہے کہ تقریب تو شریعت کے موافق ہو مثلاً دعوتِ ولیمہ اور شریعت کے مطابق خواتین کے پردے کا بھی اہتمام ہو لیکن جب کھانا کھانے بیٹھے تو بعض لوگوں نے غیبتیں شروع کر دیں، لہٰذا اب ایسی جگہ سے فرار اختیار کرنا چاہیے، غیبت سننا حرام ہے کہ نہیں؟ لہٰذا اب وہاں سے فوراً اٹھ جانا واجب ہے، یہ نہیں کہ مرغی کی ٹانگ پلیٹ میں رکھ چکے ہیں اب چوس ہی لیں تب اٹھیں گے، ایک منٹ بھی دیر کر دی تو گناہ گار ہو گے، یہ کہہ کر فوراً اٹھیں کہ اب غیبت شروع ہو گئی، اگر آپ بند کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں جاتا ہوں۔

## فوٹو گرافی شیطانی عمل ہے

تیسری صورت یہ ہے کہ دعوتِ ولیمہ کھاتے کھاتے اچانک فوٹو گرافر کی جماعت آگئی۔ افسوس! اس زمانے میں تو لوگ ناجائز کو ناجائز ہی نہیں سمجھتے، بیماری کو بیماری نہیں سمجھتے، شیطانی کاموں کو شیطانی کام نہیں سمجھتے، کہتے ہیں کہ یہ سب مولویوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں، ہم کوئی بت تھوڑی بنا رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ بس مٹی کی مورتی اور بت وغیرہ بنانا منع ہے حالاں کہ حدیثوں میں صراحتاً موجود ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر ایک پردہ تھا، اس میں چھوٹی چھوٹی تصویریں بنی ہوئی تھیں، یہ تصویریں پردے پر تھیں، سنگِ مرمر یا مٹی کے بت نہیں تھے، لیکن یہ تصویریں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب مصور کو ہو گا۔ اور جب تک وہ پردہ نہیں ہٹا دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل نہیں ہوئے۔

جہاں تصویر کشی ہو رہی ہوتی تھی وہاں علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ڈنڈا لے کر تصویر بنانے والوں کو دوڑا لیتے تھے۔ یا تو اتنی طاقت ہو کہ ڈانٹ ڈپٹ کر اس کو بھگا دو لیکن اگر ڈانٹ ڈپٹ سے بھی وہ نہیں بیٹھے تو چاہے وہ دوسروں کی تصویر بنا رہا ہو، آپ کی نہ بنا رہا ہو تو بھی چوں کہ اس مجلس میں منکر اور شریعت کے خلاف کام ہو رہا ہے لہٰذا وہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔ غیر مقتدا کسی دوسرے کمرے میں جہاں منکر نہ ہو رہا ہو، خلافِ شرع کام نہ ہو رہا ہو بیٹھ سکتا ہے لیکن مقتدا کو وہاں بھی الگ ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے، جہاں کوئی ناجائز کام ہو رہا ہو

اس کے قریب میں بھی مقتدا کے لیے بیٹھنا صحیح نہیں ہے، ایسے کھانے سے نہ کھانا اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور توفیقِ توبہ نصیب فرمائے، آمین۔

بعض اوقات لوگ دعوت دیتے وقت وعدہ کر لیتے ہیں کہ دعوت میں کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوگا، لیکن تجربہ یہی ہے کہ عموماً ایسے وعدے پورے نہیں ہوتے۔ تقریب کے عین درمیان میں اچانک تصویر کشی شروع ہو جاتی ہے، دعوت دینے والے بھی معذرت کرتے ہیں کہ میرا سالا امریکا سے کیمرا لایا ہے، سمجھانے پر بھی تصویر کھینچنے سے باز نہیں آرہا ہے، سالے نے سارا مصالحہ خراب کر دیا ہے۔ آج کل تو اسی میں خیر معلوم ہوتی ہے کہ ایسی دعوتوں میں شرکت سے باز آؤ، کسی کی کوئی بات نہ سنو، کسی کا کوئی انتظام و نظام نہیں ہوتا۔

## تفاخر کرنے والوں کی دعوت قبول کرنا ممنوع ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفاخر کرنے والوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تفاخر کس چیز کا نام ہے کہ انسان دس ہزار آدمیوں کو جمع کر لے اور دو لاکھ روپے روشنی اور پنڈال پر خرچ کر دے۔ یہ تفاخر نہیں ہے؟ جس کام پر دو لاکھ خرچ کیے ہیں وہ کام بیس ہزار سے بھی ہو سکتا تھا۔ اگر کسی کے پاس دولت کی فراوانی ہے تو اس دولت سے مسجد بنا دے، صدقۂ جاریہ ہو جائے گا، شادی بیاہ میں خرچہ کم سے کم کرو۔ حدیثِ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَؤُنَۃً[۶]

بابرکت نکاح وہ ہے اَیْسَرُہٗ مَؤُنَۃً جس میں خرچ زیادہ نہ ہو۔ جتنا ہو سکے سادگی سے نکاح کرو۔ اس سے غریب لوگوں کو بھی سادگی اختیار کرنے کا راستہ ملے گا۔ غریب لوگ اپنی بیٹیوں کو بٹھائے رکھتے ہیں کہ میرے بھائی نے تو اتنا خرچ کیا میں کہاں سے لاؤں؟ اگر کم خرچہ کرتا ہے تو لوگ اس کو حقیر سمجھتے ہیں کہ دیکھو اس کے بھائی نے تو بڑے ٹھاٹھ سے شادی کی لیکن یہ بھائی پھٹیچر ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ افسوس! ان رسومات نے دنیا کو عذاب بنا دیا ہے، عقل میں ایسا

۶ کنز العمال:۲۹۹/۱۶،باب فی آداب النکاح،مؤسسۃ الرسالۃ

گوبر بھرا ہوا ہے کہ لوگوں کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ معاشرہ عذاب میں مبتلا ہو رہا ہے۔ اگر سب لوگ سادگی اختیار کر لیں تو ان شاء اللہ راستہ بالکل آسان ہے، بڑی آسانی سے شادی بیاہ ہو جائیں گے، مگر آج کل تو سودے طے ہوتے ہیں کہ صاحب میں اپنے لڑکے کی شادی کروں گا آپ کیا کیا دیں گے؟ ذرا اس کی لسٹ تو دِکھا دیں تب میں رشتہ دوں گا اپنے بیٹے کا۔ کیا یہ رشوت نہیں ہے؟ سوال نہیں ہے؟ بھیک مانگنا نہیں ہے؟ یہ حرام نہیں ہے؟ غنی اور مالدار کا سوال کرنا ویسے بھی ٹھیک نہیں ہے، مانگنا حرام ہے۔ جس کے پاس ایک وقت کی روٹی ہو، اس کو مانگنا جائز نہیں ہے۔ لیکن آج کل تو مانگنے والوں کا بینک اکاؤنٹ تک کھلا ہوا ہے۔

ایک آدمی شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے لولا تھا۔ ایک دن میرے یہاں آیا کہ صاحب! میری شادی ہونے والی ہے، کوئی مجرب دوا ہے؟ میں نے کہا کہ ہے تو مگر بہت قیمتی ہے اور تم تو بھیک مانگتے ہو، تم اتنے روپے کہاں سے دوگے؟ کہنے لگا کہ صاحب! جتنی بھی قیمتی دوا ہو، میرا بینک میں اکاؤنٹ ہے، کل ہی رقم لے آؤں گا، مگر راستے میں کسی نے اس کی جیب کاٹ لی، مجھے بتایا تو میں نے کہا کہ جیسے کمایا ویسے گنوایا۔

کوشش کرو کہ مسجد میں نکاح پڑھاؤ تاکہ اطمینان رہے کہ کوئی فوٹو گرافر نہیں آئے گا لیکن بعض اوقات مسجد میں بھی فوٹو گرافر گھس جاتے ہیں، مساجد میں بھی بہت ہوشیاری سے رہنا پڑتا ہے، اس لیے مسجد میں جب نکاح ہو تو تھوڑی تھوڑی دیر میں اعلان کرتے رہو تاکہ کوئی تصویر کھینچنا شروع نہ کردے، جیسے ہوائی جہاز میں اعلان ہوتا ہے کہ ہوا ناموافق ہے، بیلٹ باندھ لو تو ایسے ہی آج کل کیمرے والوں کی ناموافق ہوا سے ہوشیار رہو۔

## دل کی تباہی کی چار علامات

میں نے نصیحت سے متعلق آیت پڑھی تو آپ کو شادی بیاہ کی نصیحت سنا دی۔ اب دوسری نصیحت سن لیں۔ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کے تباہ ہونے کی چار علامات ہیں۔ یہ علامات سن کر فیصلہ کریں کہ ہمارے سینوں میں آباد دل ہیں یا ہم لوگ برباد دل رکھتے ہیں۔

# پہلی علامت

دل کے تباہ ہونے کی پہلی علامت یہ ہے کہ وعظ کر کے دل خوش ہو۔ کون سی خوشی؟ نعمت پر شکر والی نہیں، اکڑفوں بڑھانے والی، کبھی نفس فوں فاں کرتا ہے کہ آج میں نے وعظ کہا ہے اور ایسا عمدہ کہا ہے، لہٰذا وعظ کہہ کر دل میں نشہ آئے کہ واہ میں نے کیا عمدہ وعظ کہا تو یہ علامت دل کی تباہی کی ہے، اور دل کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ خوف پیدا ہو جائے کہ پتا نہیں قبول ہے یا نہیں، ہر عمل جس کے بعد یہ خوف پیدا ہو کہ یا اللہ! میرا یہ عمل آپ کی شان کے قابل نہیں ہے لہٰذا آپ بہ تکلف میری عبادت قبول فرمالیجیے۔ یہ علامت ہے کہ یہ عمل مقبول ہے۔

واعظ کو بھی سوچنا چاہیے کہ کیا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس وعظ کو قبول فرمائیں؟ ہو سکتا ہے کہ اسی پر پکڑ ہو جائے کہ تم نے صحیح وعظ نہیں کہا، صحیح ترجمانی نہیں کی، اس لیے وعظ کے بعد دل میں خوف پیدا ہو کہ معلوم نہیں وعظ قبول بھی ہوا یا نہیں اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ کے حکم سے کعبہ بنایا اور کعبہ بنا کر دعا کی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے ہمارے رب! ہماری عبادت آپ کی شان کے مطابق تو نہیں لیکن آپ بہ تکلف ہماری اس عبادت کو قبول فرمالیجیے، تقبل باب تفعل سے ہے اور باب تفعل کی ایک خاصیت تکلف ہے، جیسے کہتے ہیں کہ مَرِضَ زَیْدٌ زید بیمار ہوا لیکن اگر باب تفعل سے کہیں گے تَمَرَّضَ زَیْدٌ تو اس کا مطلب ہو گا کہ زید بیمار بنا یعنی زید حقیقت میں بیمار نہیں تھا بہ تکلف بیمار بنا پس تقبل میں یہ درخواست ہے کہ اے اللہ! بہ تکلف ہمارے عمل کو قبول فرمالیجیے اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بے شک آپ سمیع اور علیم ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں سمیع اور علیم کی تعریف لکھی ہے سَمِيْعٌ بِدَعْوَاتِنَا وَعَلِيْمٌ بِنِيَّاتِنَا[ے] یعنی آپ ہماری دعاؤں کو سنتے ہیں اور ہماری نیتوں کو جانتے ہیں، ہمارے اس عمل کو قبول فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ ہر عمل کے بعد رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کہنا آدابِ بندگی ہے جو

ے روح المعانی: ۳۸۵/۱، البقرۃ (۱۲۷)، دار احیاء التراث، بیروت

نبیوں نے سکھائے ہیں۔ ہر عمل کے بعد یہ دعا کیجیے۔

حاجی حج کرے تو دعا کرے کہ اے اللہ! اس حج کو قبول فرمالیں، تلاوت کریں تو دعا کریں کہ اے اللہ! اس تلاوت کو قبول فرمالیں، اللہ کے راستے میں خرچ کی توفیق ہوئی، دعا کریں کہ اے اللہ! اسے قبول فرمالیں، کوئی نفل پڑھی رونا آگیا تو دعا کرو کہ اے اللہ! میرے یہ آنسو قبول فرمالیں۔ اکڑو مت کہ اے اللہ! یہ تو قبول کرنا ہی پڑے گا۔ روتے رہو، عاجزی کرتے رہو۔ یہ آدابِ بندگی نبیوں نے سکھائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ[۸]

مقبول بندوں کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں خوب خرچ کرتے ہیں لیکن ڈرتے بھی رہتے ہیں اور کس بات سے ڈرتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں يَخَافُوْنَ اَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ[۹] ڈرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے اعمال قبول ہیں یا نہیں؟ نماز سب سے بہترین عبادت ہے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللہَ پڑھتے تھے۔

## دل کی تباہی کی دوسری علامت

دلِ برباد کی دوسری علامت یہ ہے کہ غیر اللہ سے دل پھنسالیں، کسی کی شکل اچھی لگی اس کو ٹکاٹک دیکھ رہے ہیں، اس سے باتیں کر کے دل بہلا رہے ہیں، غیر اللہ سے دل بہلانا دل کی بربادی کی علامت ہے کیوں کہ یہ شکلیں فانی ہیں، کل کو ان شکلوں کو دیکھ کر روئیں گے، شرمائیں گے، جب ان کے منہ میں دانت اور پیٹ میں آنت نہیں ہوگی، ویسے یہ غلط محاورہ ہے، دانت تو ٹوٹ جاتے ہیں، آنتیں کیسے ٹوٹیں گی، آنتیں نہیں رہیں گی تو مر نہیں جائے گا؟ یہ محاورہ آدھا صحیح ہے، آدھا غلط ہے۔ ایک بات چل پڑے تو آدمی دیکھا دیکھی وہی کہہ دیتا ہے

---

۸ المؤمنون: ۶۰

۹ جامع الترمذی: ۱۵۱/۲، کتاب التفسیر، سورۃ المؤمنون، ایچ ایم سعید

غور نہیں کرتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں آج تو اتنی بھوک لگی ہے صاحب کہ میری آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں، میں کہتا ہوں توبہ کرو، آنتوں میں پاخانہ ہوتا ہے، آنتوں کی نسبت قرآن کی طرف کرتے ہو، سخت بے ادبی ہے۔ یہ محاورہ جس نے بھی جاری کیا نہایت احمق اور نادان تھا۔ اس لیے میں کہتا ہوں یہ ناسمجھی سے نکل گیا ہوگا، اور اگر کوئی بزرگ رہے ہوں تو یہ تاویل کروں گا کہ بھولے بھالے تھے، ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا ہوگا۔ بہرحال توبہ کرنی چاہیے۔ اس محاورے کو ہمیشہ کے لیے دفن کردو۔

## سلام کرنے کا مسنون طریقہ

اسی طرح آج کل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بجائے لوگ سلام علیکم کہتے ہیں۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے بنگلہ دیش میں سب کو توجہ دلائی کہ سلام علیکم کیا ہے؟ ہمزہ ظاہر کرو، جیسے نماز میں امام صاحب کہتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو نماز کے علاوہ بھی سلام کرتے وقت ہمزہ کو خوب واضح کرو۔

ایسے ہی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کی جگہ خدا حافظ چل پڑا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام فرمایا تھا، اس کو چھوڑ دیا، مسنون طریقہ چھوڑ کر، سنت کا طریقہ چھوڑ کر ایران سے خدا حافظ درآمد کرلیا، حالاں کہ نبی کے طریقے پر سلام کرنے میں زیادہ حفاظت ہے۔ السلام علیکم کے معنیٰ ہیں کہ اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی ہو، خدا فارسی لفظ ہے، ایرانی لفظ ہے اور دین عربی میں نازل ہوا ہے، یہی دلیل ہے کہ خدا حافظ کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس دین میں نئی چیز مت نکالا کریں۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز نئی ہونی چاہیے، پرانی چیزوں کو چھوڑنا چاہیے تو میں کہوں گا کہ زمین بھی پرانی ہے، بابا آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے، چھوڑ دو اس کو، آسمان بھی نیا ہونا چاہیے، صدیوں پرانے آسمان کے نیچے کیوں رہتے ہو؟ اور جب بریانی پکواتے ہو تو پرانا چاول کیوں تلاش کرتے ہو، نئے چاول سے کیوں نہیں پکواتے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

پرانے چاولوں کو پا نہیں سکتے نئے چاول
پکالے ان سے خشکہ پک نہیں سکتی ہے بریانی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی چیزوں کو مٹا کر ہم تمہیں کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کرنے دیں گے۔ تو خدا حافظ کارڈ کریں اور السلام علیکم کو پھیلائیں۔

## مسجد کا ایک اہم ادب

اسی طرح بنگلہ دیش کی بعض مسجدوں میں تھوک دان رکھے ہوئے تھے جس میں پان کھا کر تھوکتے ہیں اور بلغم وغیرہ بھی تھوکتے ہیں تو میں نے گزارش کی کہ یہ بتلائیں کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ مالک کے گھر اپنا بلغم چھوڑ جائیں، حکم تو یہ ہے کہ جب کھانسی آئے تو جیب سے رومال نکالو، اس میں بلغم تھوک کر واپس جیب میں رکھ لو، اس طرح کرنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، لیکن مساجد میں بلغم تھوکنا منع ہے اور وہاں تو مساجد میں بلغم کا اسٹاک ہو رہا تھا لہٰذا لوگوں نے فوراً ہٹا دیا، اللہ کا شکر ہے جہاں جہاں یہ چیز بیان کی گئی وہاں سے اگالدان بڑی خوشی خوشی ہٹا دیے گئے اور کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور دعائیں بھی ملیں۔ بعض اوقات اس طرف ذہن نہیں جاتا بس جو چیز چل پڑے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

دلِ برباد کی دوسری علامت تھی غیر اللہ سے دل لگانا۔ ایک تو دل کا میلان ہوتا ہے، میلان ہونا گناہ نہیں ہے، کیسے؟ روزے کی حالت میں دل میں پانی پینے کا میلان ہوتا ہے، دل چاہتا ہے کہ پانی پی لوں تو اس میلان سے کوئی گناہ نہیں ہوا بلکہ روزے کا ثواب اور بڑھ گیا کہ آپ نے اپنے دل کے تقاضوں کو روکا۔ اسی طرح کسی کا عورتوں کی طرف، لڑکوں کی طرف، کسی حسین شکل کی طرف میلان ہو لیکن وہ اس میلان سے دل میلا نہیں ہونے دیتا، نہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے، نہ دل میں گندے خیالات پکاتا ہے بلکہ ان تقاضوں سے بچنے کا غم اٹھاتا ہے تو اس کا ثواب بڑھ گیا، اجر بڑھ گیا۔ دل پھنسانے کے معنٰی یہ ہیں کہ کسی حسین شکل کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا ہے، حرام نظر ڈال رہا ہے۔

## بد نظری عورتوں کے لیے بھی حرام ہے

اور جتنا مردوں کو بد نظری کرنا حرام ہے اتنا ہی عورتوں کے لیے بھی بد نظری کرنا حرام ہے۔ عورتیں سمجھتی ہیں کہ نظر بچانے کا حکم ہمارے لیے نہیں ہے، مردوں کے لیے

ہے، حالاں کہ قرآن میں جہاں مردوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی کرلو وہیں عورتوں کے لیے بھی یہ آیت ہے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ[۱۰]

کہ ایمان والی عورتیں بھی اپنی نظریں بچائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لیے کیا آیت نازل ہوئی:

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ[۱۱]

کہ اے مسلمانو! اگر تمہیں پیغمبر علیہ السلام کی بیبیوں سے کوئی سوال کرنا ہو مثلاً گھر کا کوئی سودا وغیرہ لانا ہو تو اے صحابہ! ان سے پردے کے پیچھے سے بات کرو۔

نبی کی بیویوں سے جو امت کی مائیں ہیں ان سے بھی بے پردہ بات کی اجازت نہیں، جن کے گھر قرآن اُتر رہا تھا، جبرئیل علیہ السلام آرہے تھے تو اس زمانے میں ان کے دل کتنے اچھے تھے، کتنے صاف تھے۔ آج ہم کہتے ہیں کہ مولویوں نے خواہ مخواہ پردہ پردہ کا شور مچا رکھا ہے، ارے ہمارا تو دل صاف ہے، نظر پاک ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ اچھا آپ کی نظر صاف ہے، دل پاک ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر کیسی تھی؟ جن کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ

يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ[۱۲]

اے علی! اچانک نظر تو معاف ہے، پہلی نظر معاف ہے، دوسری جو تم قصداً ڈالو گے، ارادہ کر کے وہ حرام ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی نظر کے بارے میں فیصلہ کرو، اگر تمہاری نظر صاف ہے، دل پاک ہے تو ان کی نظر کیسی تھی، ان کا دل کیسا تھا جن کے لیے یہ حکم ہورہا ہے۔

---

[۱۰] النور:۳۱

[۱۱] الاحزاب:۵۳

[۱۲] جامع الترمذی:۱۰۶/۲،باب ماجاء فی نظرۃ الفجاءۃ،ایچ ایم سعید

معلوم ہوا لوگوں کا یہ کہنا محض شیطانی چکر ہے، غلط دعویٰ ہے۔ کسی غیر عورت کو خالہ اماں کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپا بنانے سے کچھ نہیں ہوتا، لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری آپا ہیں، منہ بولی بہن ہیں، اس طرح کہنے سے کوئی بہن نہیں بن جاتی، بولی سے کچھ نہیں ہوتا ہاں شیطان اپنی گولی مار دیتا ہے۔ یاد رکھو! شریعت میں ممانی، چچی اور سالی سے بھی پردہ ہے اور بھائی کی بیوی یعنی بھاوج سے تو سخت پردہ ہے، دیور کو تو موت قرار دیا ہے۔ ایک عورت نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنے شوہر کے بھائی سے پردہ کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ شوہر کا بھائی تو موت ہے، جتنا موت سے ڈرتی ہو اتنا اس سے ڈرو۔ دیور سے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے کتنے واقعات پیش آرہے ہیں جن سے بے حیائیاں پیدا ہو رہی ہیں، اللہ پناہ میں رکھے! بے پردگی کے نتائج بہت شدید ہوتے ہیں۔

## بے پردگی کا وبال

میں حرم میں تھا کہ میرے شیخ مولانا ابرار الحق صاحب کے پاس ایک خط آیا کہ میری بیوی میرے بھائی سے محبت کرنے لگی ہے اور رو رہی ہے کہ مجھے کوئی تعویذ پلاؤ، اب تم مجھے اچھے نہیں لگتے۔ بتایئے! شوہر سے کہہ رہی ہے کہ تمہارے بھائی پر میرا دل آگیا ہے، مجھے کوئی تعویذ پلاؤ۔ تو حضرت نے لکھا کہ اختر کی لکھی ہوئی کتاب ”روح کی بیماریاں اور ان کا علاج“ روزانہ پڑھ کر سناؤ۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے شیخ نے اپنے غلام کی کتاب کو پڑھنے کے لیے لکھا اور اس کتاب میں میری کیا بات ہے سب میرے بزرگوں کی باتیں ہیں، بزرگوں کے ارشادات اِدھر اُدھر سے جمع کر دیے ہیں۔

## شرعی پردہ نہ کرنا بے حیائی اور بے غیرتی کی علامت ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پردہ مولویوں کی تنگ نظری ہے، زیادہ ضروری نہیں ہے، اس قسم کے خبیث جراثیم جن عورتوں کے اندر گھس گئے ہیں وہ اسمبلیوں میں بکواس کرتی ہیں اور اخباروں میں پردے کے خلاف بیان دیتی ہیں ان کا بیان ناقابلِ بیان ہے کیوں کہ بے حیائی اور بے غیرتی پر مبنی ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ڈھاکہ کی ایک مسجد میں بیان فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ ضروری نہیں ہے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغاوت تو کرتے ہی ہیں، لیکن ان کے اندر عقل کی کوئی کرن موجود نہیں، ان کے اندر حماقت کی بیماری ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق دامت برکاتہم سے پوچھا کہ حضرت! جو لوگ پردے کے مخالف ہیں وہ بے وقوف کیوں ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو قرآن و حدیث کی دلیل سے پردے کا ضروری ہونا ثابت کرتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں! عقل سے ثابت کیجیے، تو حضرت نے فرمایا کہ تعجب ہے! تمہارے اندر قرآن و حدیث کی کوئی عظمت نہیں، جب تک عقل میں نہ آئے مانتے ہی نہیں ہو۔

ایک چھوٹے سے چھ سال کے بچے نے اپنے عقل پرست دہریہ ٹیچر کو ایسا دنداں شکن جواب دیا تھا کہ وہ منہ دیکھتارہ گیا۔ وہ دہریہ ٹیچر کہہ رہا تھا کہ جو چیز نظر نہ آئے ہم اس کا وجود تسلیم نہیں کرسکتے۔ اس لیے بغیر دیکھے ہم خدا کو کیسے مانیں؟ تو وہ بچہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ سر! اجازت ہو تو ایک بات کہوں؟ ٹیچر نے کہا کہ کہو۔ بچے نے کہا کہ آپ نے کبھی عقل کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ عقل کو تو نہیں دیکھا۔ بچے نے کہا کہ بغیر دیکھے آپ کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو میں آپ کو بے عقل کہہ سکتا ہوں۔ استاد شرم سے پانی پانی ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔ ایک بچے نے دماغ ٹھیک کردیا۔

## بے پردگی ... عقل کی نظر میں

تو حضرت نے فرمایا کہ اب عقلی دلیل بھی سن لو۔ یہ بتاؤ کہ دودھ کو بلی سے بچاتے ہو یا کُھلا رکھتے ہو؟ سب نے کہا کہ ہم دودھ کو بلی سے بچا کر نعمت خانے میں رکھتے ہیں جس میں جالی لگی ہوتی ہے تاکہ بلی نہ پی جائے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ روٹیوں کو چوہوں سے بچاتے ہو یا ایسے ہی کھلا رکھ دیتے ہو تاکہ چوہے کھا جائیں؟ انہوں کہا کہ روٹیوں کو چوہوں سے بچا کر رکھتے ہیں۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ گوشت جب خریدتے ہو تو چیلوں کو دِکھاتے پھرتے ہو یا اس کو جھولی میں رکھ کر چھپاتے ہو؟ کہا حضرت! چیلوں سے بہت ڈرتے ہیں اور گوشت کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ نوٹوں کو تم کہاں رکھتے ہو؟ جب ماہانہ تنخواہ ملتی ہے تو چار پانچ ہزار

ایسے ہی کُھلا لیے چلتے ہو یا اندر کی جیب میں رکھتے ہو اور جیب پر بھی ہاتھ رکھے رہتے ہو جیب کتروں کے ڈر سے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ جب تم نوٹوں کو چُھپانا ضروری سمجھتے ہو، دودھ کو بلی سے بچاتے ہو اور گوشت کو چیلوں سے بچاتے ہو تو کیا یہ تمہاری بہو بیٹیاں تمہاری روٹیوں سے کمتر ہیں، دودھ سے کیا ان کی قیمت کم ہے، کیا یہ گوشت سے زیادہ بے قیمت ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ دودھ کو خود طاقت ہے کہ بلی کے پاس پہنچ جائے؟ گوشت کو طاقت ہے کہ چیل کے پاس اُڑ جائے؟ روٹیوں کو طاقت ہے کہ چوہوں کے پاس خود دوڑ کر چلی جائیں؟ نوٹوں کی گڈیوں کو طاقت ہے کہ اُڑ کر جیب کتروں کے پاس پہنچ جائیں؟ لیکن عورتوں کے اندر طاقت اور صلاحیت ہے کہ یہ خود بھی کھنچ کر بھاگ سکتی ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ بلی اگر دودھ پی لے اور ایک کلو میں ایک پاؤ چھوڑ گئی تو بقیہ دودھ کیا آپ پی سکتے ہیں یا نہیں؟ سب نے کہا کہ پی سکتے ہیں۔ پھر حضرت نے پوچھا چوہے اگر روٹی کتر گئے اور آپ کو بھوک شدید ہے تو چوہوں کی کتری ہوئی روٹی آپ کھا سکتے ہیں؟ سب نے کہا کہ جی ہاں۔ پھر حضرت نے پوچھا جیب کترے نوٹ چرا کر لے گئے، لیکن بعد میں ان کو خوف آیا اور دس ہزار کی گڈی واپس کر گئے تو کیا نوٹوں میں کوئی عیب لگا؟ وہ نوٹ آپ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سب نے کہا جی حضرت بالکل کر سکتے ہیں، اس میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ پھر حضرت نے پوچھا اچھا چیل گوشت اڑا کر لے گئی، تھوڑی دیر بعد پھر آئی اور بقیہ گوشت گرا گئی، اس گوشت کو دھو کر آپ پکا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ عیب دار ہو گیا؟ کیا شریعت میں اس کا کھانا ممنوع ہے؟ مفتی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، پوچھ لو، ایسے گوشت کو آپ دھو کر پکا لیں تو بلا کراہت کھا سکتے ہیں، چور اگر نوٹ چرا کر لے جائیں اور پھر واپس کر دیں تو نوٹوں میں کوئی عیب نہیں لگتا، بلی اگر دودھ پی کر چھوڑ دے تو دودھ میں عیب نہیں لگتا، چوہے اگر روٹی کتر لیں تو روٹی عیب دار نہیں ہوتی، لیکن کسی کی بہو بیٹی کو کوئی چور اٹھا کر لے جائے خواہ ایک رات کے لیے یا ایک دن کے لیے تو سارے خاندان کا سر نیچا ہو جاتا ہے، وہ لڑکی عیب دار ہو گئی۔ یہ جو روزانہ آپ اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ فلانے کی بیٹی اغوا ہو گئی، تھانے میں رپورٹ کراؤ، مگر خاندان کا سر تو نیچا ہو جاتا ہے، اس کا رشتہ بھی نہیں لگتا کہ بھئی اس خاندان کی بیٹی دو دن کے لیے غائب ہو گئی تھی یا کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

پھر یہ ظالم کس منہ سے کہتے ہیں کہ پردہ غیر ضروری ہے، کس منہ سے کہتے ہیں کہ یہ اولڈ فیشن اور پرانے طریقے چھوڑنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ عقل کی ایک کرن بھی ان کے دماغ میں نہیں ہے، ان کے اسکروڈھیلے ہوچکے ہیں، شیطان ان کے اسکروؤں کو لوز کرچکا ہے، اصل میں یہ خباثت اور نفسانیت میں مبتلا ہیں، ورنہ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جاپان، لندن، برطانیہ، امریکا، تھائی لینڈ، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، پولینڈ جتنے بھی لینڈ ہیں جہاں بین الاقوامی اور انٹرنیشنل طور پر آج تم نے عورتوں کو دولتِ مشترکہ بنارکھا ہے وہاں بے پردگی اور بے حیائی کے جدید فیشن سے کیا فائدہ پہنچا ہے؟ سوائے اس کے کہ ان کا نسب ثابت کرنا مشکل ہے، آج کسی انگریز کا حلالی ثابت کرنا مشکل ہے، چناں چہ برطانیہ کے بعض دوستوں نے بتایا کہ کسی انگریز سے اگر باپ کا نام پوچھ لو تو بُرا مان جاتا ہے، چناں چہ پاسپورٹ وغیرہ میں ولدیت میں ان کی ماں کا نام لکھا جاتا ہے۔ غلامانہ ذہنیت رکھنے والے ان فیشن پرستوں سے کہتا ہوں کہ اب بتاؤ! پردے پر تمہیں کیا اِشکال ہے۔ اس کے علاوہ نسب کی حفاظت نہ ہونے سے انگریزوں کو اپنے ماں باپ کی محبت نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کی رگوں میں ماں باپ کا خون نہیں ہے، مشترکہ خون ہے، اس لیے ان کے ماں باپ جب بڈھے ہوجاتے ہیں تو شہر سے باہر پولٹری فارم کی طرح ایک جگہ بنائی ہوئی ہوتی ہے جس کا نام اولڈ ہاؤس ہے اس میں ان کو رکھتے ہیں اور سال میں ایک دفعہ جاکر مل آتے ہیں اور ایک بسکٹ، ایک ڈبل روٹی دے دیا اور سمجھے کہ حق ادا کردیا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دوستو! دردِ دل سے کہتا ہوں کہ ان دشمنوں، ان بے وقوفوں کے پیچھے مت چلو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلو، ان کی سنتوں کو زندہ کرو، ساری دنیا آپ کو بُرا کہے آپ برداشت کریں اور کسی کی پروانہ کریں ؎

سارا جہاں خلاف ہو پروانہ چاہیے
پیشِ نظر تو مرضئ جانانہ چاہیے

پھر اس نظر سے جانچ کے تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہیے کیا کیانہ چاہیے

# غیر اللہ سے دل لگانے کے نقصانات

دل کی بربادی کی علامت غیر اللہ کے ساتھ دل لگانا ہے۔ غیر اللہ سے دل پھنسانے والے چین سے نہیں رہتے، زندگی ضایع ہو جاتی ہے، نہ دنیا کا رہتا ہے نہ آخرت کا، صحت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ دل میں اختلاج، ہائی بلڈ پریشر، اعصابی تناؤ، نسیان کی بیماری اور نہ جانے کیا کیا امراض ہو جاتے ہیں کہ میں کہہ نہیں سکتا اور جو لوگ اپنے دل کو بچائے ہوئے ہیں کیسے آرام سے سو رہے ہیں، سکون سے کھا رہے ہیں، کیسے مزے میں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہی دولت نصیب فرمائیں اور غیر اللہ سے بچائیں، لیکن ماں باپ غیر اللہ نہیں ہیں، بیوی بچے غیر اللہ نہیں ہیں، جس بات سے اللہ ناراض ہوتے ہیں وہ ہے غیر اللہ۔ ماں باپ کا حق ادا کرنا، بیوی بچوں کا حق ادا کرنا، حلال روزی کمانا یہ غیر اللہ نہیں ہے، یہ عین حقوق العباد میں داخل ہے، ان کو ادا کرنا عین رضائے الٰہی ہے۔

## دل کی تباہی کی تیسری علامت

آگے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل برباد ہونے کی تیسری علامت یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں اسے مزہ نہ آتا ہو، یعنی نماز کو بڑی مشکل سے بڑی کسل مندی کے ساتھ پڑھتا ہے، نماز پڑھنا بڑی مصیبت سمجھتا ہے، لہٰذا اس کو اپنے شیخ سے مشورہ لینا چاہیے کہ اس کے دل کی سختی کیسے دور ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک خاتون آئیں کہنے لگیں کہ میرا دل سخت ہو گیا ہے، نماز میں مزہ نہیں آتا، لہٰذا کیا کروں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جاؤ تین دن تک موت کو یاد کرو کہ ایک دن قبر میں اترنا ہے، جنازہ تیار ہے۔ بس تین دن کے بعد وہ خاتون آئیں اور انہوں نے کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے، موت کو یاد کیا، دل نرم ہو گیا اور میری غفلت دور ہو گئی۔ ہم بھی آج اس مراقبۂ موت سے اپنے دل کو نرم کر لیں۔ جب دل میں سختی آجائے فوراً موت کو یاد کرو کہ موت آگئی ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

روح رگ رگ سے نکالی جائے گی
تجھ پہ اک دن خاک ڈالی جائے گی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

پھر سوچے کہ روح نکل گئی، قینچی سے کپڑے کاٹ کر اتارے جارہے ہیں، پھر تختے پر ڈال کر مجھ کو نہلایا جارہا ہے، کفنایا جارہا ہے، قبر میں اتارا گیا، پھر تختے لگائے گئے اور مٹی ڈال کر سب آگئے۔ اب اللہ تعالیٰ پوچھ رہے ہیں کہ زندگی میں کیا کیا مزے اُڑائے؟ کیا کیا کام کرکے لائے ہو؟ کیا بتاؤ گے کہ میں نے فلاں جگہ سینما بنایا تھا!

آج پتا چل جائے گا کہ قیامت تک جتنے لوگوں نے بھی سینما دیکھا ہے سب کا سارا گناہ تیری گردن پر ہے اور تیری دوکان پر ٹی وی بھی تھا، جتنے لوگ جب تک ٹی وی دیکھتے رہے ان سب کا گناہ بھی تیری گردن پر ہے، لہٰذا جب تک وہ گناہ جاری رہے گا اس کا وبال تیری گردن پر ہوگا ذرا عقل کو درست کرلو، قبر میں جنازہ اترنا ہے ۔

مٹنے والی شادمانی ہیچ ہے
چند روزہ زندگانی ہیچ ہے

پس اگر نماز میں دل نہیں لگتا تو دل لگنا ضروری نہیں، دل لگانا ضروری ہے، بہ تکلف دل لگائیں۔ جو شخص نماز تو بے دلی سے پڑھے لیکن لمبے لمبے وعظ کہتا ہے، وعظ میں مزہ آتا ہے اور نماز میں دل نہیں لگاتا یہ علامت ہے دل کے برباد ہونے کی اور یہ دلیل ہے کہ اس کے دل میں اخلاص نہیں ہے، مخلوق کی تعریف سے مزہ آرہا ہے، اس لیے اس میں دل لگ رہا ہے۔ لمبے وعظ اللہ والوں نے بھی کہے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین تین گھنٹے وعظ کیا ہے۔ اللہ والے وعظ کہہ کر اکڑتے نہیں، بلکہ ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں قبول بھی ہے یا نہیں۔ اللہ والوں کا وعظ خالص اللہ کے لیے ہوتا ہے اور دنیادار واعظین وعظ کہہ کر اُجرت لیتے ہیں۔

## دل کی تباہی کی چوتھی علامت

دل کے برباد ہونے کی چوتھی علامت یہ ہے کہ جس کسی کی بھی اس کو دعوت مل جائے فوراً تیار ہو جائے۔ یہ نہ پوچھے کہ وہاں پر بے پردہ عورتیں ہوں گی، وہاں فوٹو گرافر تو نہیں آئے گا، یعنی خلافِ شرع کام تو نہیں ہوں گے۔ میں نے عرض کر دیا کہ جس مجلس میں خلافِ شرع کام ہو رہا ہو وہاں سے اُٹھ جانا واجب ہے، مثلاً دعوت کھا رہے ہیں اور میزبان نے قطعی اطمینان دلایا تھا کہ وہاں فوٹو گرافر نہیں آئے گا، لیکن اگر کھانے کے دوران اچانک آ گیا اور فوٹو کھینچنے لگا تو کھانا چھوڑ کر فوراً وہاں سے اُٹھ جانا چاہیے، خواہ ایک ہی لقمہ کھایا ہو۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ اس وقت فرار واجب ہے، قرار نہیں، سن لو! اس وقت وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ کیا دلیل ہے؟ ملّا علی قاری فرماتے ہیں:

لَا یَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِیْهِ الْمَحْظُوْرُ[۱۳]

جس مجلس میں منکر ہو رہا ہو، مثلاً وہاں فوٹو کھینچا جا رہا ہو، آپ کا نہیں خواہ دوسروں کا کھینچا جا رہا ہو وہاں بھی بیٹھنا جائز نہیں ہے، منکر تو ہو رہا ہے، اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے، وہاں قرار جرم ہے، مثلاً کسی مجلس میں حکومت کی بغاوت ہو رہی ہے اور کوئی وہاں کھڑا رہے، چاہے خود باغی نہیں ہے، مگر حکومت کی نظر میں وہ باغی شمار ہو گا، کیوں کہ باغیوں کے ساتھ کھڑا ہے، اس لیے ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں، جہاں جہاں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے، اللہ ہم سب کو معاف فرمائیں، توفیقِ توبہ نصیب فرمائیں اور اے اللہ! تیرے بھروسے پر عزم کرتے ہیں کہ کسی کو خوش کرنے کے لیے اے اللہ! آپ کو ناخوش نہیں کریں گے۔

خواجہ صاحب کا شعر یاد آیا بڑا پیارا شعر ہے؂

حال میں اپنے مست ہوں غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہوں میں جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

## قانونِ الٰہی میں دخل اندازی کرنا بغاوت ہے

میں نے ایک بات عرض کی تھی کہ بے پردگی کے خلاف جب علماء احتجاج کرتے

---

[۱۳] مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۰۷، باب البکاء علی المیت، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ہیں تو اسمبلی میں بھی چند فیشن ایبل قسم کی خواتین جو شریعت اور قرآن و حدیث سے ناواقف ہیں وہ اپنا بیان دے دیتی ہیں کہ ملّاؤں کا بیان ہم نہیں سننا چاہتیں، ہم پردے میں نہیں رہنا چاہتیں۔ ارے! خدا کے قانون میں کیوں دخل دیتی ہو؟ تمہارا جو جی چاہتا ہے تم وہ کرو، خود بھگتو گی، لیکن یہ بیان دے کر اپنا شمار باغیوں میں نہ کرو، اس لیے تمہارا یہ بیان ناقابلِ بیان ہے، یعنی یہ بیان مردود ہے مبغوض ہے، سو تم اپنی قبروں میں آگ کے انگارے مت بھرو۔ اگر کوئی کہے کہ ان کا بیان ناقابلِ بیان کیوں ہے تو جواب یہ ہے کہ جو بیان مردود ہوتے ہیں وہ ناقابلِ بیان ہوتے ہیں، مطرود ہوتے ہیں۔

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم جمعہ کے دن ایک حدیث سناتے ہیں، وہی حدیث سنا کر میں مجلس کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس کو ہدایت کا ذریعہ بنادیں۔ ہم کہاں تک بیان کریں گے، اللہ کے دین کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟ ارے! ان کی رحمت کا کچھ بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں کہ اللہ اپنی رحمت کو بہانہ بنادیں۔ ہماری اس گزارش کو میری زبان اور آپ کے کان کو اللہ قبول کرلیں اور اپنی ہدایت کا بہانہ بنادیں۔ میں سارا دین کیسے ایک گھنٹے میں بیان کرسکتا ہوں، لیکن جب اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیصلہ کریں گے تو ہمیں سارا دین اللہ عطا فرمادیں گے، ہمیں خود فکر ہوجائے گی، خود بخود توفیق ہوجائے گی بہشتی زیور پڑھنے کی، تعلیمِ اسلام پڑھنے کی اور علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کی، مثلاً علماء سے پوچھنا چاہیے کہ نماز سنت کے مطابق کیسے پڑھی جاتی ہے؟ میں بھی اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ آکر پوچھو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کو سنت کے مطابق پوری نماز سِکھادوں گا۔

## سنت کے مطابق نماز پڑھنا سیکھو

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ میں نے مفتی محمود الحسن صاحب صدر مفتی دیوبند سے پوری نماز سیکھی کہ کیسے رکوع کیا جاتا ہے، کیسے سجدہ کیا جاتا ہے، قیام کی کیا سنت ہے، قعدہ کی کیا سنت ہے؟ بڑے بڑے علماء تو سیکھ رہے ہیں، مگر ہم جیسے کہ کوئی پروفیسر ہے، کوئی تاجر ہے، ہم کو فکر نہیں کہ ہم سنت کے مطابق نماز سیکھیں۔ آپ کسی دن خانقاہ میں آیئے، ہم سے کہیے کہ ہم کو سنت کے مطابق نماز سکھایئے، ہم آپ کو ان شاء اللہ تعالیٰ نیت

باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک کی تمام سنتیں پیش کریں گے۔ اس ایک مجلس میں تمام کام نہیں ہوسکتے، لہٰذا اس کے لیے کوئی اور وقت نکالیے۔ اگر فی الحال وقت نہیں ہے تو ”آئینۂ نماز“ ایک کتاب ہے مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم سہارن پور رحمۃ اللہ علیہ کی۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے مجھ کو لکھا کہ یہاں لوگ اس کتاب سے نماز پڑھتے ہیں، لہٰذا اس کو خرید لیا جائے۔ اور میرا ایک رسالہ ہے ”پیارے نبی کی پیاری سنتیں“ وہ یہاں خانقاہ سے مفت میں مل جائے گا۔

## جمعہ کے دن کے سات اعمال

اب میں جمعہ کے سات اعمال والی حدیث سنائے دیتا ہوں۔ جمعہ کے دن کے سات عمل کو صحاحِ ستہ کے چار محدثین نے روایت کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے، امام ابنِ ماجہ نے، امام ترمذی نے اور امام نسائی نے یہ روایت بیان کی کہ جمعہ کے دن جو یہ سات عمل کرلے تو مسجد تک جتنے قدم چلے گا ہر ایک قدم پر ایک سال نفلی نماز کا اور ایک سال کے نفلی روزوں کا ثواب ملے گا مثلاً اگر سو قدم پر مسجد ہے تو سو برس کی نماز کا ثواب اور سو برس کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحاحِ ستہ میں کسی عمل پر اتنی فضیلت وارد نہیں ہے جتنا کہ اس عمل پر ہے اور عمل بھی اتنا آسان کہ یہ ڈر بھی نہیں کہ بھائی جب اتنا ثواب ہے تو بڑا مشکل عمل ہوگا، بہت آسان عمل ہے سن لیجیے:

۱)...... غسل کرنا۔

۲)...... اچھے کپڑے پہننا۔

۳)...... مسجد جلدی جانے کی کوشش کرنا۔

۴)...... پیدل جانا مَشٰی وَلَمْ یَرْکَبْ سواری پر نہ جائے، لیکن جو ضعیف، کمزور اور بیمار ہو وہ مستثنیٰ ہے، اس کو سواری پر جانے سے بھی ان شاء اللہ پیدل جانے ہی کی فضیلت حاصل ہوگی۔

۵)...... امام کے قریب بیٹھنا۔

۶)...... خطبہ غور سے سننا۔

۷)...... کوئی لغو کام نہ کرنا، یعنی فضول و بے ہودہ حرکت نہ کرے۔[۱۴]

یہ سات عمل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جو یہ سات اعمال کرے گا اس کو مسجد تک ہر قدم پر ایک سال کے روزوں کا اور ایک سال کی نفلی نمازوں کا ثواب ملے گا[۱۵] اور سید الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عشاق کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف زیادہ پڑھو۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بعد بھی ہم درود نہ پڑھیں تو کتنی نالائقی اور محرومی کی بات ہے۔

اس کے بعد ان شاء اللہ! کھانے پینے کی سنتیں بھی سناؤں گا۔ مذاکرہ کا سلسلہ رہنا چاہیے۔ سنتوں کی کتاب خرید لیجیے۔ اس میں سنت دیکھیے، مثلاً کھانا ہاتھ دھو کر، دستر خوان بچھا کر کھانا چاہیے اور بِسۡمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ پڑھ کر کھانا چاہیے۔

یہ سب سنتیں ہیں، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ کوئی کھڑے ہو کر کھاتا ہے، کوئی میز کرسی پر کھا رہا ہے، یہ سب حال دیکھ کر دل روتا ہے۔ ارے میاں! قالین دری بچھاؤ، کچھ نہیں ہے تو بوریا بچھالو، چٹائی بچھالو، ورنہ ایسے ہی فرش پر بیٹھ جاؤ، دستر خوان بچھا کر کھاؤ، دیکھو دل میں کتنا نور پیدا ہوتا ہے۔

اللہ سے دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

## دعا کا مسنون طریقہ

دعا کا اصل حکم تو یہی ہے چپکے چپکے مانگنا اور گڑگڑا کر مانگنا، لیکن اجتماع میں صحابہ سے جہراً مانگنا بھی ثابت ہے، لہٰذا تعلیم بھی ہو جاتی ہے کہ اس طرح سے دعا مانگنا چاہیے، لیکن میں ان شاء اللہ پہلے دو ایک منٹ خاموشی سے دعا کروں گا، پھر زور سے کروں گا۔ پہلے اپنے اپنے مقاصد کا خیال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس مجلس کو قبول فرمائے، پہلے درود شریف پڑھ لیا جائے

[۱۴] مرقاۃ المفاتیح: ۳/۳۳۶، باب التنظیف والتکبیر للجمعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

[۱۵] سنن النسائی: ۱/۲۰۷، باب الفضل فی الدنو من الامام، المکتبۃ القدیمیۃ

اور آخر میں بھی درود شریف پڑھ لیا جائے، اوّل آخر درود شریف پڑھنے سے دعا جلد قبول ہو جاتی ہے، ورنہ دعا معلق رہتی ہے، آسمان کے اوپر نہیں جاتی۔

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کی اصلاح فرمادے، ہم میں سے ہر ایک کو اپنا بنالے، جتنا بڑا مجمع ہے سب کی دعا سب کو مل جائے، سب کی دعا ہر شخص کے حق میں قبول ہو جائے۔ اور دعا کی سنت کیا ہے؟ دیکھو! بعض لوگوں کے ہاتھ کی انگلیاں اٹھی ہوئی ہیں منہ کی طرف ہیں، کوئی مٹھی باندھے ہوئے ہے جیسے حقہ پی رہا ہے، کوئی انگلیوں کو انگلیوں میں کیے ہوئے ہے، لیکن دعا کی سنت یہ ہے کہ دعا میں ہتھیلیوں کو سینے کے سامنے پھیلائیں اور ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہو۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِاَنَّ السَّمَاءَ قِبْلَةُ الدُّعَاءِ[۱۶]

دعا کا قبلہ آسمان ہے۔ ہتھیلیوں کا رُخ آسمان کی طرف ہو، انگلیاں پھیلی ہوئی ہوں، سب آسمان کی طرف رخ رکھتی ہوں اور تھوڑا سا دونوں ہاتھوں میں فاصلہ ہو اور درود شریف پڑھ کر کہ دعا کی جائے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

یا اللہ! ہم میں سے ہر ایک کی اصلاح فرمادے، یا اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اللہ والی زندگی اور تقویٰ والی زندگی نصیب فرمادے، یا اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد فرما کر اپنی غلامی کی اور فرماں برداری کی نعمت نصیب فرمادیجیے، یا اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو صحتِ جسمانی اور صحتِ روحانی نصیب فرمایئے، ہم میں سے ہر ایک کو ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا محبوب اور اپنا مقبول بندہ بنالیجیے، ہم میں سے ہر ایک کے بچوں کو نیک بنادیجیے، ہم میں سے ہر ایک کی تجارت کو حلال رزق نصیب فرمایئے، دنیا میں بھی عافیت سے رکھیے اور آخرت میں بھی عافیت سے رکھیے، جو لوگ یہاں آئے ہمارے عزیز،

[۱۶] الدر المختار: ۲/۲۱۰، فروع قرأ بالفارسية، باب صفة الصلوٰة، دار عالم الكتب، رياض

دوست، احباب سب مسلمانوں کے لیے دعا قبول فرمایئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَدَوَامَ الْعَافِیَۃِ وَالشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَۃِ[۱۷]
اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ
الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اے اللہ! جتنی بھلائیاں آپ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگیں وہ بھلائیاں ہم سب کو نصیب فرمایئے اور جتنی بُرائیوں سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ان سب سے پناہ نصیب فرمایئے، آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

# ٹی وِی کے نقصانات

دیکھ کر ٹی وِی کو اب ہیں لوگ ٹی بی کا شکار
جُرمِ ڈاکہ جُرمِ چوری جُرمِ عشقِ زُلفِ یار

دوستو ٹی وِی کو ویٹو کر کے دیکھو پھر بہار
دل میں اپنے چین و راحت کی فضائے ساز گار

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

---

[۱۷] مرقاۃ المفاتیح: ۲۴/۵، ذکر بلفظ سلوا اللہ العفو والعافیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

# ولی اللہ بنانے والے چار اعمال

## تعلیم فرمودہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

چار اعمال ایسے ہیں کہ جو ان پر عمل کرے گا مرنے سے پہلے ان شاء اللہ تعالیٰ ولی اللہ بن کر دنیا سے جائے گا، نفس پر جبر کر کے اللہ کو خوش کرنے کے لیے جو مندرجہ ذیل اعمال کرے گا اس کو پورے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا اور وہ اللہ کا ولی ہو جائے گا۔

## ۱) ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا

بخاری شریف کی حدیث ہے:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللُّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ اَوِاعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهٗ

ترجمہ: مشرکین کی مخالفت کرو ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ اور حضرت ابنِ عمر جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی ڈاڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ لیتے تھے پس جو مٹھی سے زائد ہوتی تھی اس کو کاٹ دیتے تھے۔

بخاری شریف کی دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنْهَكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى

ترجمہ: مونچھوں کو خوب باریک کتراؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔

پس ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے۔ جس طرح وتر کی نماز واجب ہے، عید الفطر کی نماز واجب ہے، بقرہ عید کی نماز واجب ہے، اسی طرح ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور چاروں اماموں کا اس پر اجماع ہے، کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

اَمَّا اَخْذُ اللِّحْيَةِ وَهِيَ مَا دُوْنَ الْقَبْضَةِ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ اَحَدٌ

ترجمہ: ڈاڑھی کا کترانا جبکہ وہ ایک مٹھی سے کم ہو جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے لوگ کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی کا منڈانا یا ایک مٹھی سے کم پر کترانا دونوں حرام ہیں اور ڈاڑھی ڈاڑھ سے ہے اس لیے ٹھوڑی کے نیچے سے بھی ایک مٹھی ہونی چاہیے اور چہرہ کے دائیں اور بائیں طرف سے بھی ایک مٹھی ہونا چاہیے یعنی تینوں طرف سے ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے۔ بعض لوگ سامنے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے تو ایک مٹھی رکھ لیتے ہیں لیکن چہرہ کے دائیں اور بائیں طرف سے کترا دیتے ہیں خوب سمجھ لیں کہ ڈاڑھی تینوں طرف سے ایک مٹھی رکھنا واجب ہے اگر ایک طرف سے بھی ایک مٹھی سے چاول برابر کم یعنی ذرا سی بھی کم ہو گی تو ایسا کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

## ۲) ٹخنے کھلے رکھنا

پاجامہ، شلوار، لنگی، جبہ اور اوپر سے آنے والے ہر لباس سے ٹخنوں کو ڈھانپنا مردوں کے لیے حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِي النَّارِ

ترجمہ: ازار (پاجامہ، لنگی، شلوار، کرتہ، عمامہ، چادر وغیرہ) سے ٹخنوں کا جو حصہ چھپے گا دوزخ میں جائے گا۔

معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ٹخنے چھپانا کبیرہ گناہ ہے کیوں کہ صغیرہ گناہ پر دوزخ کی وعید نہیں آتی۔

## ۳) نگاہوں کی حفاظت کرنا

اس معاملہ میں آج کل عام غفلت ہے۔ بد نظری کو لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے حالاں کہ

نگاہوں کی حفاظت کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

ترجمہ: اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی بعض نگاہوں کی حفاظت کریں۔

یعنی نا محرم لڑکیوں اور عورتوں کو نہ دیکھیں۔ اسی طرح بے ڈاڑھی مونچھ والے لڑکوں کو نہ دیکھیں یا اگر ڈاڑھی مونچھ آ بھی گئی ہے لیکن ان کی طرف میلان ہوتا ہے تو ان کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے۔ غرض اس کا معیار یہ ہے کہ جن شکلوں کی طرف دیکھنے سے نفس کو حرام مزہ آئے ایسی شکلوں کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ حفاظتِ نظر اتنی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عورتوں کو الگ حکم دیا يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، جب کہ نماز روزہ اور دوسرے احکام میں عورتوں کو الگ سے حکم نہیں دیا گیا بلکہ مردوں کو حکم دیا گیا اور عورتیں تابع ہونے کی حیثیت سے ان احکام میں شامل ہیں۔

اور بخاری شریف کی حدیث ہے:

زِنَى الْعَيْنِ النَّظَرُ

ترجمہ: آنکھوں کا زنا ہے نظر بازی۔

نظر باز اور زناکار اللہ کی ولایت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ اس فعل سے سچی توبہ نہ کرے اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے بد نظری کرنے والے پر
اور جو خود کو بد نظری کے لیے پیش کرے۔

پس ناظر اور منظور دونوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی بد دُعا فرمائی ہے۔ بزرگوں کی بد دعا سے ڈرنے والے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے ڈریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے صدقے ہی میں بزرگی ملتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی حسین پر نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹا لو ایک لمحہ کو اس پر نہ رُکنے دو۔ پس قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات مبارکہ اور

احادیث مبارکہ کی روشنی میں بد نظری کرنے والے کو تین بُرے القاب ملتے ہیں:

۱)... اللہ و رسول کا نافرمان ۲)... آنکھوں کا زناکار ۳)... ملعون

## ۴) قلب کی حفاظت کرنا

نظر کی حفاظت کے ساتھ دل کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ بعض لوگ نگاہِ چشمی کی تو حفاظت کر لیتے ہیں لیکن نگاہِ قلبی کی حفاظت نہیں کرتے یعنی آنکھوں کی تو حفاظت کر لیتے ہیں لیکن دل کی نگاہ کی حفاظت نہیں کرتے اور دل میں حسین شکلوں کا خیال لا کر حرام مزہ لیتے ہیں خوب سمجھ لیں کہ یہ بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کی چوری کو
اور تمہارے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

ماضی کے گناہوں کے خیالات کا آنا بُرا نہیں لانا بُرا ہے۔ اگر گندا خیال آجائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن خیال آنے کے بعد اس میں مشغول ہو جانا یا پرانے گناہوں کو یاد کر کے اس سے مزہ لینا یا آیندہ گناہوں کی اسکیمیں بنانا یا حسینوں کا خیال دل میں لانا یہ سب حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں اور ان حرام کاموں سے بچائیں جس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ تمام گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

## مذکورہ بالا اعمال پر توفیق کے لیے چار تسبیحات

مذکورہ بالا چار حرام کاموں سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل چار وظائف ہیں جن کے پڑھنے سے روح میں طاقت آئے گی اور جب روح طاقت ور ہو جائے گی تو گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ ایک تسبیح (۱۰۰ بار) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیں۔ ایک تسبیح (۱۰۰ بار) اَللّٰه اَللّٰه پڑھیں۔ ایک تسبیح (۱۰۰ بار) استغفار کی پڑھیں۔ ایک تسبیح دُرود شریف کی (۱۰۰ بار)۔

❁❁❁❁

## اس وعظ سے کامل نفع حاصل کرنے کے لیے یہ دستور العمل کیمیا اثر رکھتا ہے

# دستور العمل

### حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ دستور العمل جو دل پر سے پردے اٹھاتا ہے، جس کے چند اجزاء ہیں، ایک تو کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمد و رفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو اور اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا کرو تو یہ اصلاحِ قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لیے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ:

"اے نفس! ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ موت بھی آنے والی ہے۔ اُس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لیے کچھ سامان کر۔ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر۔ مرنے کے بعد تو اُس کی تمنا کرے گا کہ کاش! میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے۔ مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔"

❁❁❁❁

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی آپ نصیحت فرمائیں، نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔ علماء کرام اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو دین کی بات یا وعظ و نصیحت سے نفع نہیں ہوتا تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ اگر نصیحت نفع نہیں دے رہی تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے دل میں نہایت کمزور درجے کا ایمان ہے جو اس کے دل کی تباہی کی واضح علامت ہے۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ "گناہوں سے بچنے کا راستہ" میں دل کی تباہی کی وجوہات اور علامات قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت مفصل انداز میں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت اقدس نے دل کی تباہی کو گناہوں سے نہ بچنے کی ایک بڑی وجہ فرمایا ہے۔ اسی لیے اس وعظ میں مختلف گناہوں کی خرابیوں اور ان سے بچنے کا راستہ ایسے پیارے اور دل نشین انداز میں بیان فرمایا ہے جو دلوں پر اثر کیے بغیر نہیں رہتا اور جس کی برکت سے لاکھوں لوگوں کی زندگیاں گناہوں کی دلدل سے نجات پاکر حیات طیبہ کی حامل ہوئی ہیں۔

www.khanqah.org


ناشر

کتب خانہ مظہری

# گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بریلویوں کی گستاخانہ عبارتوں کے خلاف خاموش احتجاج

مُرتّبہ: حافظ محمد اقبال



شائع کردہ
اسلامک اکیڈمی
۱۹- چارٹن ٹیرس آف اپر بروک سٹریٹ۔ مانچسٹر

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذاب الیم (پ۲۲)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو
ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت

# گستاخِ رسول کون؟

علمائے دیوبند کے لئے ایک لمحۂ فکریہ

خاکپائے سرکار اجمیر شریف
حافظ محمد اقبال چشتی صابری

انجمن خدام الحرمین — مانچسٹر، یو، کے
41-UPPER LLOYED STREET MANCHESTER-14

# انتساب

امیر المباہلین قامع المشرکین والمبتدعین حضرۃ الشیخ امیر علی قریشی مدظلہ کے نام جن کی غیرتِ روحانی نے راس المبتدعین نورانی میاں کو میدانِ مباہلہ میں عالمی سطح پر چت کر دیا اور اُسے مدینہ منورہ سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (محمد اقبال)

## ملنے کے پتے

۱. حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب، غلام محمد آباد کالونی، فیصل آباد
۲. جناب انوار احمد صاحب، ۶ بی، شاداب کالونی، لاہور
۳. حافظ نور محمد انور، مکتبہ الفاروق، ۱۹، سلطان پورہ روڈ، لاہور
۴. ادارہ دعوت و ارشاد، چنیوٹ
۵. ۱۵، روڈ سٹاک روڈ، بالسل ہیتھ، برمنگھم ۱۲
۶. اسلامک اکیڈیمی آف مانچسٹر ۱۹، چارلٹن ٹیرس آف اپربروک اسٹریٹ مانچسٹر ۱۳
۷. مسجد خضرا، ۸۵، والسلے روڈ، بری لنکاشائر

شائع کردہ

انجمن خدام الحرمین ——— مانچسٹر، یو. کے

41 - UPPER LLOYAD STREET

MANCHESTER 14

# فہرست

# مقدمہ

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اللہ خیر اما یشرکون، اما بعد:

تقریباً ایک صدی سے آپ کے دل و دماغ میں چند شرپسند عناصر نے تفرقے کا یہ بیج بویا ہے کہ علماء دیوبند (معاذ اللہ) گستاخِ رسولؐ ہیں۔ رسولؐ کی تعظیم و توقیر نہیں کرتے۔ رسول کی عزت و احترام کو کفر و شرک کہتے ہیں۔

آیئے آج اس موضوع کی کچھ تحقیق کریں کہ ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط الزام لگانے والوں نے خود اپنے عقائد پر پردہ ڈالنے کے لئے کافر سازی کی مہم اٹھائی اور اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹ رہا ہے۔ آیئے آج فیصلہ کریں کہ گستاخِ رسول کون ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے اس بات کی طرف توجہ کرنی ضروری ہے کہ یہ شرپسند عناصر زیادہ تر کن شخصیتوں کو اپنا تختۂ عشق بناتے ہیں، ان کا تختۂ عشق سب سے پہلے رئیس المجاہدین حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ بنتے ہیں۔ پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کو باری باری موردِ الزام بنایا جاتا ہے۔ تفرقہ اندازی کی اس شرک پران مفسدین کا توشہ راہ یہ ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کی بعض عبارتوں کو توڑ پھوڑ کر یا نامکمل لے کر اس انداز میں سامنے لائیں کہ یہ بات پوری طرح کھلنے نہ پائے اور کم علم لوگ بلا تامل تڑپ اٹھیں۔ ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

ہم ان الزامات میں اُلجھے بغیر محض مثبت پیرائے میں ان حضرات کے عقائد پیش کئے دیتے ہیں۔ اس سے ان الزام لگانے والوں کے عقائد سے پردہ اُٹھایا جائیگا اور اُن کی کچھ عبارات آپ کے سامنے پیش کی جائیں گی اور اُن پر سب قارئین کو غور کرنے کی دعوت ہو گی۔ پھر آپ خود ہی فیصلہ کریں گے کہ گستاخِ رسول کون ہے؟

## حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید کا عقیدہ

رئیس المجاہدین حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، میرا عقیدہ یہ ہے:

"سب انبیاء و اولیاء کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے، انہی سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی۔" [1]

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں۔" [2]

ایک مقام پر شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں اُن کے محتاج ہیں۔" [3]

غور کریں! ان واضح عبارات کے بعد بھی کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کا سمجھتے تھے یا حضورؐ کی تعظیم کو کفر بتلاتے تھے۔

---

[1] تقویۃ الایمان ص ۲۱ ۔ [2] تقویۃ الایمان ص ۵۳ ۔ [3] تقویۃ الایمان ص ۵۵۔

## حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عقیدہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بارے میں یہ افواہ ہے کہ آپ ختم نبوت کے قائل نہ تھے، آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کا عقیدہ کیا ہی ہے؟ آپ نے فرمایا:

"اپنا دین وایمان ہے۔ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے، اس کو کافر سمجھتا ہوں۔"[1]

انبیاء کرام میں آپ کا ظہور آخر ہی ہے۔ اس پر آپ تحذیر الناس میں لکھتے ہیں:

"منجملہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی۔ سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔"[2]

حضرت نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں بناء خاتمیت آپ کا سب سے اعلیٰ وافضل ہونا بیان فرمایا ہے اور فرمایا کہ اُسے تاخر زمانی لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے سب سے آخر میں تشریف لائے کہ آپ وصف نبوت سے موصوف بالذات تھے اور اس میں افضلیت کا اقرار بھی ہے، آپ لکھتے ہیں:

"بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے۔ جس میں تاخر زمانی اور سدباب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔"[3]

---

[1] مناظرہ عجیبہ ص ۱۰۳ [2] تحذیر الناس ص ۳۶ [3] تحذیر الناس ص ۵

یہ عبارت تحذیر الناس کی ہے۔ اس میں صریح طور پر حضورؐ کے تاخر زمانی کا اقرار ہے۔ اس میں نبوت کے جھوٹے دعوے کرنیوالوں کا سدباب بھی مذکور ہے۔ حضور کو خاتم النبیین قرار رہنے میں یہ بات بھی لپٹی ہے کہ آئندہ کوئی شخص نبوت کا دعویٰ نہ کر سکے۔

حضرت مولانا مرحوم کی ان روشن اور کھلی عبارات کے بعد بھی کوئی کہے کہ معاذاللہ آپ ختم نبوت کے قائل نہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء والمرسلین نہ تسلیم کرتے تھے تو وہ آخرت میں جوابدہی کے لئے تیار رہے، یہ وہی کہہ سکتا ہے جو اُمت میں تفرقے کا بیج بونا چاہتا ہو یا جس کے دل کی آنکھیں بینائی سے بالکل محروم ہو چکی ہوں۔

کیا یہ عبارت اسی تحذیر میں نہیں۔ جس کی عبارات تین مختلف مقامات سے لیکر مولانا احمد رضا خاں نے ایک نئی عبارت بنائی اور اسے مولانا محمد قاسم کی انکار ختم نبوت کی تحریر ٹھہرایا۔ جب انسان آخرت سے بے خوف ہو جائے تو اپنی امانت اور دیانت سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔

سدباب مذکور سے مراد جھوٹے نبوت کے دعووں کا دروازہ بند کرنا ہے۔ چنانچہ مولانا مرحوم لکھتے ہیں!

یہ احتمال کہ یہ دین آخری ہے۔ اس لئے سدباب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے۔ جو کل جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔[1]

یہ عبارت بھی تحذیر الناس کی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ حضورؐ کا دین آخری ہے اور آپ کے بعد کے مدعیان نبوت سب جھوٹے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا کہ تحذیر الناس میں ختم نبوت زمانی کا انکار لپٹا ہے۔

---

[1] تحذیر الناس ص ۵

## حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا عقیدہ

عمدۃ الصالحین فخر العلماء المتقین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اپنے وقت کے قطب الارشاد تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی محبت و عقیدت، عزت و عظمت سے ان کا دل معمور تھا۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم رابے خلوت صرف ببرکت فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فتوحات می‌شدند و بیک جلسہ چنداں معارف و غرائب علوم حاصل می شدند کہ دیگراں رابخلوت سالہا سال میسر نہ باید۔"[1]

ترجمہ: حضرات صحابہ کو خانقاہی خلوت کے بغیر فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے روحانی فتوحات حاصل ہو جاتی تھیں اور آپ کے پاس ایک ہی دفعہ بیٹھنے سے وہ معارف اور عجیب و غریب علوم حاصل ہوتے تھے کہ دوسروں کو سالہا سال کی خلوت نشینی سے میسر نہ آسکیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت قطب الارشاد کا دل حضور اور صحابہ کی عظمت سے کس قدر معمور تھا۔ کھلی صبح میں آنکھیں بند کرنا اور کہنا کہ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے، کسی بینا کا کام نہیں۔

آپ ایک مقام پر یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] امداد السلوک ص ۱۱ مصنفہ حضرت گنگوہیؒ۔

"واز اینجا گفتہ کہ چار چیز رکن اصول اند۔ غیرت در دین حق و علو ہمتی وقت مشاہدات و مکاشفات و تجلیات وحفظ عصمت و حرمت شیخ و شفقت بریاران طریق کہ عبارت از توقیر کبار و ترحم صغار وا ینہمہ کامل ایمانان را نصیب بود نہ ناقص ایمان را۔"[1]

ترجمہ:۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ چار چیزیں اصولی درجے میں رکن ہیں۔ (۱) دین حق کے بارے میں غیرت۔ (۲) مشاہدات و مکاشفات و تجلیات کے وقت علو ہمتی (۳) شیخ کی حرمت وعزت کی حفاظت اور (۴) یاران طریقت پر شفقت کی نظر۔ ان سب کا حاصل بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم چاہتا ہے اور یہ باتیں کامل ایمان لوگوں کو ہی نصیب ہوتی ہیں نہ ناقص ایمان کو۔

حضرت گنگوہیؒ کی ایک ایک سطر علم وعرفان اور عشق وایمان میں معمور دکھائی دیتی ہیں۔ اکابر دیوبند ہمیشہ اکابر کی تعظیم، اصاغر پر شفقت اور اہل طریقت کی محبت کا سبق دیتے آئے ہیں۔ ان کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ وہ رسول کی توقیر نہیں کرتے اور بزرگوں کو نہیں مانتے۔ کس قدر کھلا جھوٹ بہتان تراشی اور آخرت میں روسیاہی ہے۔

اللہ رب العزت کی ہر بات سچی ہے۔ اس میں آپ کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ جو شخص اللہ رب العزت کی طرف کذب کی نسبت کرے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ وہ کافر اور ملعون ہے۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

---

۱۔ امداد السلوک ص ۸

وہ ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے۔ اس سے کہ متصف بصفت کذب کی جاوے۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ بھی کذب کا نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ وہ قطعاً کافر ملعون ہے اور قرآن وحدیث کا اور اجماع امت کا مخالف ہے۔ وہ ہرگز مومن نہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون علواً کبیراً۔[1]

اس صراحت کے باوجود آپ کے خلاف خدا اور رسول کی گستاخی کا الزام لگانا کس قدر بے شرمی اور آخرت سے بے خوفی ہے۔

## حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کا عقیدہ

شیخ المحدثین قدوۃ الاولیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری پر یہ الزام تراشا گیا کہ آپ کے عقیدہ میں شیطان کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے معاذ اللہ جب آپ کو اسکی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ یہ مجھ پر الزام ہے اور بے اصل و لغو ہے۔ یہ میرا عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

---

[1] مکتوبات اکابر دیوبند ص ۱۰۵ و فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۸۹۔

رو میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر اور مرتد اور ملعون کہتے ہیں جو کہ شیطان علیہ اللعن کو کیا بلکہ کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں زیادہ کہے (الیٰ قولہ) غرض خان صاحب بریلوی نے محض اتہام[1] اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مجھ کو تو مدت العمر اسکا وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ شیطان لعین کیا کوئی ولی اور فرشتہ بھی آپکے علوم کی برابری کر سکے۔ چہ جائے کہ علم میں زیادہ ہو۔[2]

حضرت مولاناؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کی سُنت کے خلاف کوئی بات گوارا نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر حج کے دوران مطوف نے آپ کو ایک مقام سے جلد روانہ ہونے کو کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"اونٹ چلے جائیں گے تو ہم پیدل بھی انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ مگر تم یہ چاہو کہ سُنت چھوڑ کر تمہارا کہنا مانیں، سو اس کی ہرگز ہم سے توقع مت رکھو"[3]

آپ کا عشق رسول اس درجہ میں تھا کہ آپ کی تمنا تھی کہ میری وفات مدینہ منورہ

---

[1] جس طرح مولانا احمد رضا خاں صاحب نے حضرت سہارنپوری پر الزام لگایا تھا۔ اسی طرح حضرت گنگوہیؒ پر بھی الزام لگایا تھا کہ ان کے عقیدے میں خدا (معاذ اللہ) جھوٹ بولتا ہے۔ اُسے وہ مولانا گنگوہیؒ کا فتوئی بتلاتے تھے مگر آج تک وہ فتوئی نہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دکھا سکے نہ ان کے اتباع۔ اب بھی ہمارا چیلنج ہے کہ کوئی بریلوی ان کا وہ فتوئی دکھا دے جس سے حضرت گنگوہیؒ پر کفر ثابت کیا گیا۔ [2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ ص ۴۸

[3] تذکرۃ الخلیل ص ۵۸

میں ہی ہو، چنانچہ آپ جب آخری بار مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

"جب کبھی حاضرِ آستانہ ہوا ہوں۔ یہی تمنا ساتھ لیکر گیا ہوں کہ وہاں کی پاک زمین مجھے نصیب ہو جائے۔۔۔۔۔۔ اب بھی اس توقع پر جا رہا ہوں کہ شاید اب میرا وقت آگیا ہو اور مدینہ طیبہ کی خاکِ پا مجھے نصیب ہو جائے اور جوارِ نبوی میں مجھ کو بھی جگہ مل جائے"۔[۱]

کیا ان واضح عبارات کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ حضرت مولانا عاشق رسول نہ تھے اور حضرت مولانا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت نہ تھی؟ اگر نہیں تو حدیثِ نبویؐ کے اتنے بڑے بزرگ اور شیخ کے بارے میں گستاخیوں پر اترنے والے خود ہی بتائیں کہ اپنی آخرت کو کیوں برباد کر رہے ہیں ان لوگوں کو پہچانیں جو خود تو گستاخِ رسول ہیں۔ مگر لوگوں میں پراپیگنڈا اس کے خلاف کر رہے ہیں ۔

اس میں حیران ہوں کہ کس کس کا گلہ تجھ سے کروں
بدگمانی کا تغافل کا۔۔ یا کہ تیرے کہنے کا

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص۴۲۰ اور خواص و عام نے دیکھا کہ اس عاشقِ رسول کی تمنا بر آئی اور مدینہ منورہ کی خاکِ پاک نصیب ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ علمائے دیوبند میں کتنے عاشقانِ رسول گزرے۔ جنہوں نے اس ارادے سے وہاں رہائش اختیار کی کہ شاید مدینہ منورہ کی خاک پاک انہیں قبول کرلے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم میرٹھی نے اس لئے وہاں ہجرت کی اور اب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا وہاں اس انتظار میں گھڑیاں گزار رہے ہیں۔

## حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا عقیدہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ ان یگانہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں، جنکی نظیریں زمانہ کی تاریخ میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ آپ پر بھی ان شر پسند عناصر نے یہ الزام لگایا گیا کہ آپ نے اپنی ایک تصنیف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخانہ مضمون درج کئے ہیں۔ اس غلط پروپیگنڈے کی تحقیق کے لئے رئیس المناظرین حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ نے آپ کو خط لکھا کہ کیا آپ نے اپنی کسی تصنیف میں ایسی بات لکھی ہے۔ نیز آپ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے؟ آپ اس خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> آپ کے خط کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ (۱) یہ خبیث مضمون میں نے کسی کتاب میں نہیں لکھا (۲) اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گزرا (۳) میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم نہیں آتا (۴) جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے۔ میں اس کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں (الی قولہ) میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع العلیہ والطیہ ہونے کے باب میں یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔[1]

---

[1] بسط البنان لکف اللسان عن کاتب حفظ الایمان ص۲ و فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ۲ ص ۲۸

حضرت تھانویؒ نے بہتان تراشوں کی قلعی کھول دی۔ آپ کی اس عبارت میں ان سارے الزامات کا رد موجود ہے۔ جو شر پسند عناصر تفرقہ پیدا کرنے کے لئے ان کے ذمہ لگاتے ہیں۔ آپ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے یہ مضمون کسی تصنیف میں نہیں لکھا۔ تصنیف تو دور کی بات ہے۔ ایسا خبیث مضمون میرے دل پر بھی کبھی نہیں آیا۔ میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم نہیں آتا۔ جو حضرات میری طرف ایسی بات کو منسوب کرتے ہیں۔ میں اس سے بری ہوں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایسا اعتقاد رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

شر پسند عناصر کو حضرت تھانویؒ کی اس عبارت سے بھی دل کی ٹھنڈک نہ پہنچی۔ انہوں نے بہت واویلا کیا اور حضرت تھانویؒ سے مناظرہ کرنے کے اشتہار تقسیم کر دیئے حضرت تھانویؒ نے مناظرہ کرنا منظور فرمالیا اور بلند شہر تشریف لے گئے۔ مگر مفسدین فرار ہو گئے۔ اس کی تفصیل قاصمة الظهر فی بلند شهر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اتمام حجت کے لئے رسالہ بسط البنان تحریر فرمادیا۔ جس سے عبارت اور بھی زیادہ واضح ہوگئی۔ مگر مفسدین اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والوں کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی، پھر حضرت تھانویؒ نے احقاق حق والبطال باطل کی خاطر تغیر العنوان تحریر فرمایا۔ جس کے بعد پھر کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ صرف احقاق حق کی خاطر حضرت تھانویؒ نے تین رسالے تحریر فرمائے، جو ایسے لوگوں کی ہی شان ہوا کرتی ہے۔ ۔۔

کہوں میں مطلع ثالث کہے ہے ہاتف غیب
کہ تیرے تصدق کی شاہد تری ہی ہمت ہے

برطانوی حکومت کے آلۂ کار مفسدین اور ان کے اتباع کا مقصد ہی افتراق بین المسلمین تھا۔ اس لئے وہ مرغے کی ایک ٹانگ والی بات برابر دہراتے رہے اور آج تک ان کے اکابر واصاغر سب ہی اس مرض میں مبتلا ہیں۔

ہم ان چند سطور کے ذریعہ مولانا احمد رضا خاں کے متبعین کو ایک بار پھر دعوت دیتے ہیں کہ اُمت میں افتراق پھیلانا چھوڑ دیں۔ اُمت کو بلا بدعات صراط مستقیم پر چلنے دیں۔ انگریزوں سے مالی امداد لینے کے فتوے نہ دیں اور بدگمانی اور حسد کو دل سے نکال دیں۔

علماء دیوبند کے عقائد آپ کے سامنے ہیں۔ شرپسند عناصر خواہ مخواہ انہیں غلط پیرائے میں پیش کرتے رہتے ہیں اور عبارتوں کو تحریف و تقطیع کے ساتھ عوام کے سامنے لاتے رہتے ہیں اور درحقیقت خود حضورؐ کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور کئی سادہ دل عوام ان کے فریبوں اور دھوکہ دہی سے افتراق کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر عوام ان شرپسند عناصر کے رسائل وکتب کا مطالعہ کریں اور ان کے عقائد کی جانچ پڑتال کریں تو روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ یہ شرپسند عناصر شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینک رہے ہیں اور اُن کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اپنے عقائد کی پردہ پوشی کریں اور عوام کو اپنے عقائد سے بے خبر رکھ کر ان

کے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں اور انہیں اہلِ سُنت کے دائرہ حقہ سے نکال کر اہلِ بدعت بناتے جائیں۔

ان شر پسند عناصر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا درجہ ہے؟ اور ان کا عقیدہ ختم نبوت کے باب میں کیا ہے؟ ان کے عقیدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے یا مقتدا؟ قبل الوفات کیا تھے؟ بعد الوفات کیا کرتے ہیں؟ اسے آگے ملاحظہ کریں اور پھر سوچیں اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں کہ گستاخ رسول کون ہے؟ اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد فیصلہ خود ہو جائے گا کہ گستاخ رسول کون ہے۔

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر ہی نہ ہو

ہم بریلویوں سے پھر بھی گزارش کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنا چھوڑ دیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی تعظیم کریں اور مولانا احمد رضا خان اور اُن کے گستاخ خلفاء سے علیحدگی اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ اُس کے رسول پاک اور اولیاء کبار کی شان میں گستاخیوں کی عالمگیر شہرت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو گستاخوں اور بے ادبوں سے چھڑائے اور انبیاء و اولیاء کا ادب کرنے والے اہلِ سُنت خدام دیوبند کے حلقۂ اعتقاد میں لائے۔ خدا کرے آپ جان سکیں کہ گستاخ رسول کون ہے؟

## گستاخِ رسول کون ہے؟

الحمد للہ العلی الکبیر المتعال والصلوٰۃ والسلام علی النبی الخاتم صاحب خیر المقال و علی الآل ارباب الکمال والاصحاب ذوی المجد والنثال

**امابعد:**

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مقتدا اور رہبر بن کر تشریف لائے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں کُل اولادِ آدم کا سردار ہوں، آپ کسی کے تابع اور مقتدی نہیں تھے، مگر مولانا احمد رضا خان صاحب کا عقیدہ تھا کہ حضور میرے مقتدی تھے۔

### حضورؐ میرے مقتدی تھے اور میں اُنکا امام (مولانا احمد رضا)

مولانا احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں:

جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اُترا۔ مجھے بلامبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضہ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے جاتے ہیں

فرمایا برکات احمد کے جنازہ کی نماز پڑھنے الحمد اللہ یہ جنازہ مبارک میں نے پڑھایا۔ ؎۱

اس کا خلاصہ یہی ہے کہ حضوؐر میرے مقتدی تھے اور میں انکا امام استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

بعض بریلوی کہتے ہیں کہ ہم نے اس گستاخانہ عقیدے سے توبہ کرلی ہے، مگر سوال

یہ ہے کہ یہ توبہ تمہاری تو ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کی تو نہیں، نہ ان کے صاحبزادے

مصطفیٰ رضا خاں کی۔ اس عبارت سے ہم عام بریلویوں کو گستاخ رسول نہیں کہہ رہے ہیں، تنہا

حضرت مولانا احمد رضا خاں اور بریلوی علماء و مشائخ کو گستاخ بتلا رہے ہیں۔ ہاں وہ بریلوی

جو مولانا احمد رضا خاں کو اس دعوے میں سچا سمجھیں۔ وہ بھی بیشک گستاخ رسول شمار

ہوں گے۔ اور حضوؐر کے بے ادب سمجھے جائیں گے۔

مذکورہ خواب اگر صحیح بھی ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برکات احمد کی نمازِ جنازہ

پڑھنا ایک روحانی طور پر تھا۔ یہ اس جنازے میں شرکت تھی۔ جو ظاہری اور حتمی طور پر

مولانا احمد رضا خاں نے پڑھایا اور خواب دیکھنے والے نے جب یہ خواب دیکھا تھا تو اس

وقت برکات احمد کی نمازِ جنازہ ہو چکی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک برکات احمد

کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی تھی وہ تو ابھی جا ہی رہے تھے۔

اس خواب کو اس جنازے سے کس نے جوڑا؟ مولانا احمد رضا خاں نے اور انہوں

نے اس خواب کو اس طرح بیان کیا کہ خواہ مخواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدی ٹھہرایا

---

؎۱ ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ دوم ص ۲۳

غور کیجئے کہ اس گستاخی پر توبہ و استغفار کی بجائے الحمد للہ کہنا کیا یہ ایک اور گستاخی نہیں؟
خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدی دیکھنا بہت ہی زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا میں مقتدا بن کر تشریف لائے تھے تو جس آدمی نے اُن کو مقتدی بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات میں زیادتی کر رہا ہے اور آپ سے آگے بڑھ رہا ہے۔ دین میں بدعات پیدا کر رہا ہے۔ یُوں سمجھیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر اپنا علیحدہ مذہب ایجاد کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے دین و مذہب پر چلو۔

لیجیے اب اس خواب کی تعبیر ہی ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے سُنّت کے بجائے بدعت کو پروان چڑھایا اور اس پر اُن کے کتب و رسائل اور ان کے اتباع کے اخلاق و اقوال شاہد ہیں۔ غالباً اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ یہ لوگ عام مسلمانوں میں اہلِ بدعت کے نام سے معروف ہیں۔

مولوی صاحب کی اس عبارت کو ذرا غور سے دوبارہ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب نے گستاخی کی حد ہی کر دی ہے، کہتے ہیں، بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضہ انور کے قریب پائی تھی۔ دیکھو کس دیدہ دلیری سے جناب برکات احمد صاحب کی قبر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے برابر کر دیا اور اس سے پوری تشبیہ دے دی اور وہ بھی بلا مبالغہ کہہ کر کہ کوئی فرق رہنے نہ پائے (معاذ اللہ)، یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ان عبارتوں کو لکھتے ہوئے

یا مریدان باصفا کو ملفوظات سناتے ہوئے ایمان وادب کو شاید بالکل ہی بالائے طاق رکھدیا تھا۔ اب آپ ہی سمجھیں کہ گستاخ رسول کون تھا؟

حضرت انس رض ( ۹۱ھ ) کہتے ہیں :

ماشممت عنبرًا قط ولا مسکا ولا شیئًا اطیب من ریح

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۱

(ترجمہ) میں نے کبھی عنبر، کستوری اور کسی چیز کو نہیں سونگھا کہ وہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہو۔

اب آپ ہی بتلائیں کہ برکات احمد کی خوشبو کیا حضورؐ کی خوشبو کی برابری کرسکتی ہے۔

## ایک غلط تاویل اور اُسکا جواب

بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ اچھی خوشبو تو بے شک کوئی نہیں ہوسکتی لیکن برکات احمد کی قبر کی خوشبو حضورؐ جیسی تھی، زیادہ نہ تھی۔ آپ جیسی تو ہوسکتی ہے یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بزرگ کی خوشبو بلا مبالغہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم جیسی ہو۔

جواب یہ ہے کہ یہ تو بریلویوں کی بات ہے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی خوشبو مبارک آپ کی ذات سے ہی خاص تھی اور یہ صفت صرف آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ہی تھی ۲ ویسی خوشبو کسی اور کی نہیں ہوسکتی

۱ مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۵۷ ۲ نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۶

افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کی خصوصیت کے قائل نہ تھے بلکہ وہ یہ شان اوروں میں بھی دیکھتے تھے اور وہ بھی اپنے ساتھیوں میں اور وہ بھی بلاشبہ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ ایک برکات احمد کیا کروڑوں برکات احمد بھی ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صفت کے برابر نہیں ہو سکتے۔

واحسن منك لم ترقط عين

واجمل منك لم تلد النساء

بریلویوں کی اس شرمناک گستاخی پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

۲۔ دیکھئے مولوی صاحب اس پر بڑے ٹھنڈے دل سے الحمدللہ کہہ رہے ہیں۔ انھیں اس بات پر بڑا فخر ہو رہا ہے کہ امام الانبیاء والرسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے مقتدی بن گئے اور میں ان کا امام۔ توبہ استغفراللہ گستاخی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر استغفراللہ کے بجائے الحمدللہ کہنا رضا خانی فقہ کے سوا اور کہاں ملے گا؟

اگر واقعہ معراج پر ہی نظر کریں تو پتہ چلے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو امام الانبیاء والرسل ہیں، مسجد اقصیٰ میں تمام نبیوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ کسی نے آپ کے آگے ہونے کی جرأت نہیں کی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے امر سے امام بنے تھے، لیکن جب پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو مصلی امامت

پر رہنا گوارا نہ فرمایا اور پیچھے ہٹ گئے۔ اسی طرح حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو بھی آپ ہی نے امامت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اور وہ بھی اس تصور پر امام بنے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ ہوں گے۔ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے ہوں گے نہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے، ورنہ وہ کبھی امامت نہ کرتے۔ دوسرے صحابہ کرام نے بھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا دعویٰ نہ کیا نہ اس کی کبھی کوشش میں رہے تھے نہ اس کے تصور پر انھوں نے کبھی الحمد للہ کہا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کو معلوم نہیں حکومت برطانیہ کی شہ تھی کہ ہمیشہ سے اس وقت کے منتظر تھے کہ کب موقع ملے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدی بناؤں اور کس طرح بن پڑے۔ آپ کی امامت کرا دوں تاکہ اپنا کام جو آگے چلے پانا ہے۔ اس کی تمہید بن سکے۔ عالم مشاہدہ میں تو انھیں کبھی یہ موقع نہ مل سکتا تھا۔ سوچا کہ عالم رویا میں ہی اس تمنا کو پوری کر دوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امام بن جاؤں نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ کوئی اس دعوے کی دلیل مانگنے والا۔ خواب کی دلیل کون پوچھتا ہے۔

نہ ہونے سے ہونا ہے بہتر جناب
کہ ہو جائیں گے ایک دن کامیاب

صورتِ حال جو بھی ہو، سنی علماء کرام کے نقطہ نگاہ سے یہ سراسر بے ادبی اور

صریح گستاخی ہے کہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا دعویٰ کرے۔ سوچیں فیصلہ کریں بلکہ اب تو فیصلہ ہو ہی چکا ہے کہ گستاخ رسول کون ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مولانا احمد رضا خاں کو جب خطرہ محسوس ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ امتی پیغمبر کا امام کیوں کر بن گیا تو بجائے اس کے کہ مولانا احمد رضا خاں اپنے اس جعلی خواب سے توبہ کرتے الٹا یہ سوچنے لگے کہ نبوت کی طرف کس طرح قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔

## منصب نبوت کی طرف پیش قدمی

مولانا احمد رضا خاں نے جب تفرقے کی کند چھری سے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو ذبح کیا اور عقیدہ جما دیا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کر ڈالی۔ تو کچھ لوگ آپ کے معتقد ہو ہی گئے۔ اب آستانہ رضاخانیت میں طے پایا کہ کسی طرح ختم نبوت کے عقیدے کو ختم کیا جائے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مولانا احمد رضا خاں کو پہلے مجدد بنایا جائے۔ پھر آہستہ آہستہ منصب نبوت کی طرف پیش قدمی کرائی جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے منصوبے کو کامیاب کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے ختم نبوت کے عقیدے کو گھائل کیا اور اس کے لئے کچھ عجیب طور پر سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ الرحمان کی شخصیت کریمہ کو استعمال

کیا تاکہ لوگ اس گستاخ کی جرأت پر برانگیختہ نہ ہو سکیں۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خاں نے پیش گوئی کی۔

انجام وے آغاز رسالت باشد
اینک گو ہم تابع عبدالقادر[1]

(ترجمہ) حضرت شیخ عبدالقادر کے بعد پھر سے رسالت کا آغاز ہو گا اور وہ (نیا) رسول پہلے حضرت شیخ جیلانی کا تابع رہا ہو گا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں ختم نبوت کے عقیدے کو اس طرح برباد کیا کہ عوام کی سمجھ اس معاملہ کی تہہ تک نہ پہنچ سکی۔ اگر کوئی آپ سے دریافت کرتا کہ اسکا مطلب کیا ہے؟ تو آپ فرماتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ تشریف لانے والے ہیں۔ اس واسطے میں نے یہ بات کہہ دی ہے ------ لیکن یہ بات سرے ہی سے غلط تھی، اگر یہ مسئلہ ہوتا تو بات کچھ اور انداز میں ہوتی تاہم یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا آغاز تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل ہو چکا تھا آپ کی قرب قیامت میں تشریف آوری آپ کی آمد ثانی ہو گی۔ اس سے واضح ہے کہ یہ اس پہلی رسالت کا ہی تسلسل ہو گا نہ کہ آپ ایک نئے نبی کے طور پر تشریف لائیں گے اور اس رسالت میں بھی یہ شرط ہو گی کہ ان کے احکام نافذ نہ ہوں کیونکہ یہ دور دورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

---

1. حدائق بخشش حصہ دوم ص ۶۲

ہے۔ بہر حال اس حوالے سے واضح ہوگیا کہ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت صرف ۵۶۱ ھ تک بند رہی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات کے بعد پھر سے رسالت کا آغاز ہوگیا ہے اور اب جو رسول آئے گا۔ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الرحمانی کا پہلے تابع رہا ہوگا۔ اس تصور پر مولانا احمد رضا خاں کھوئے رہے اور اپنے آپ کو قادری کہتے اور لکھتے رہے۔

مولوی صاحب نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے اس دعویٰ پر دلیل یوں بنائی کہ خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ سنانے کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس میں لے آئے۔

## بریلوی عقیدہ کہ حضورؐ کو پیران پیر کا وعظ سننے کی ضرورت تھی توبہ استغفراللہ

مولانا احمد رضا خان صاحب کی گستاخی ذرا ملاحظہ کیجئے کہ امام الانبیاءؑ والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت شیخ جیلانی کی مجلس میں وعظ سننے کے لئے کیسے لا رہے ہیں۔
آپ لکھتے ہیں:۔

ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں
وہ تری وعظ کی مجلس ہے یا غوث [1]

[1] حدائق بخشش حصہ دوم ص ۷

ولی تو ولی رہے، انبیاء تو انبیاء، مرسل تو مرسل، اے غوث تیری مجلس تو وہ ہے کہ امام الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم بھی آتے ہیں اور تیری مجلس وعظ میں وہ حاضری دیتے ہیں۔ (معاذاللہ۔ استغفراللہ۔ توبہ)

اسلامی عقائد میں بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ صحابی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائے کہ نبی اس کے دربار میں حاضری دے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی لکھتے ہیں:

انه لا یبلغ ولی من اولیاء الامة مرتبة صحابی من صحابة تلک الامة فکیف بمرتبة نبیها۔[1]

(ترجمہ) اولیاء اُمت میں سے کوئی ولی کسی صحابی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ اُمت کے نبی کا درجہ حاصل کرلے۔

جب کوئی ولی کسی ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا تو کوئی ولی وہ درجہ کیسے حاصل کرسکتا ہے۔ جس میں انبیاء وعظ سننے کے لئے اس کے پاس حاضر ہوا کریں! کسی بھی مسلمان کا ایسا عقیدہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی صحابی یا ولی کے ہاں وعظ ونصیحت سننے کے لئے جائیں یا اس کی تقریر وتبلیغ موعظت و حکمت سننے کے لئے اس کے پاس تشریف لائیں بلکہ سارے صحابہ کرام آپ کے

---

[1] المنتخبات من المکتوبات الامام الربانی صہ ۲۱۳

غلام تھے۔ وہ سب آپ کے در پر نصیحت سننے کے لئے آتے تھے۔ آپ کو کسی کے ہاں وعظ سننے کے لئے جانے کی ضرورت نہ تھی۔

مولانا احمد رضا خاں پیران پیر کو حضور سے بڑھاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

خوبان چو گل بوعظ عبدالقادر

اعیان رسل بوعظ عبدالقادر[1]

(ترجمہ) یعنی گل (پھول) جیسے محبوب حضرت شیخ کی خدمت میں آتے ہیں، نہیں بلکہ (حضرات انبیاء) حضرت شیخ عبدالقادر کی مجلس میں حاضری دیتے ہیں۔ بڑے بڑے رسول (مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نصیحت کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تاکہ کچھ نصیحت سن پائیں۔

نہایت افسوس ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بڑی چابکدستی کے ساتھ سے اپنے معتقدین کو توہین انبیاء پر لے آئے۔ مولوی صاحب کی اس گستاخی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہی کم ہے۔ اب تو آپ نے غور کر ہی لیا ہوگا اور فیصلہ کر ہی چکے ہونگے کہ گستاخِ رسول کون ہے؟

## منصب نبوت کے لوازمات میرے لئے (مولانا احمد رضا)

مولانا احمد رضا خاں نے پہلے منصب نبوت کی طرف ایک چالاکی کے ساتھ پیشقدمی

[1] حدائق بخشش، حصہ دوم۔ ص ۷۱

اور اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذاتِ کریمہ کو بھی استعمال کیا، جب راستہ ہموار ہوتا نظر آیا اور بریلویوں کی عام جہالت کے پیشِ نظر امیدیں پوری ہوتی نظر آئیں تو بلا تاخیر اس راستہ پر جھپٹ پڑے اور ببانگِ دھل ان باتوں کا اعلان کر دیا جو صرف انبیاء کرام کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں یعنی قوموں کو اپنے دین و مذہب کی دعوت دینا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دی تھی۔ ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون۔ (پ ۲۹ سورہ نوح ع ۱) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ یہ شان صرف انبیاء کرامؑ کی ہی تھی، لیکن مولانا احمد رضا خاں اپنے دین و مذہب کی پیروی کی دعوت ان لفظوں میں فرماتے ہیں کیا یہ نبوت کا دعویٰ اور نبوت کا اعلان عام نہیں؟ کچھ تو سوچیئے آپ اپنی وصیت میں لکھتے ہیں۔

"میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔"[۱]

(۲۵ صفر المظفر ۱۳۲۵ھ دستخط فقیر احمد رضا غفرلہ بقلم خود)

یعنی جو میرا مذہب ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور اس کو قائم رکھنے کی تائید کرنا۔ ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اس طرح کی وصیت صرف انبیاء کرام کی تعلیمات میں ہی ہو سکتی ہے۔

مولانا احمد رضا کے اس حکم کا خلاصہ اس کے سوا کیا ہے کہ منصب نبوت

---

[۱] وصایا شریف ص ۱۲ مطبوعہ نوری کتب خانہ بازار اسلام گنج، لاہور

کے لوازمات میرے لئے ثابت ہیں، بس اب تم میری پیروی کرو۔

مولانا احمد رضا خاں نے اپنے آخری وقت میں جو وصیت کی وہ آپ کے سامنے ہے۔ آخری وقت میں اپنی اتباع کی اس طرح وصیت کرنا یہ تو انبیاء کی شان تھی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه[1]

(ترجمہ) میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان سے تمسک کرتے رہو گے تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور اسکے نبی کی سنت

دیکھا آپ نے انبیاء کرام کی وصیت کیا ہوا کرتی ہے۔ چونکہ مولانا احمد رضا خاں کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا تھا اس لئے آپ کہہ گئے کہ میری پیروی ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ ایسا اعلان سوائے نبی کے اور کون کر سکتا ہے؟ امتی کو ایسا اعلان کرنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی۔ مولانا احمد رضا کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ بریلوی حضرات مولانا احمد رضا خاں کو خدا کی طرف سے مبعوث سمجھنے لگے۔ مولانا احمد رضا خاں کے ایک خلیفہ لکھتے ہیں:

ولاهل السنة من الله احمد رضا خان[2]

(ترجمہ) یعنی اہل سنت (بریلویوں) کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے احمد رضا خاں صاحب ہیں:

---

[1] موطأ امام مالک ص۳۶۳ [2] رماح القهار علی کفر الکفار ص۲۶ مطبوعہ بریلی

کسی کا نام لے کر اُسے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث بتلانا، یہ وہ نص ہے جو صرف پیغمبروں کی نشاندہی کرتی ہے۔ (معاذاللہ ثم معاذاللہ)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب کہاں کیلئے ہے اور آپ کن کن ملکوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس پر غور فرماویں اور اس گستاخِ رسول پر کچھ آنسو بہائیں۔ ممکن ہے اس سے اس کی اہلِ حق سے بغض کی آگ کچھ ٹھنڈی پڑ جائے۔

اہلِ اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے بسنے والے سب انسانوں کے لئے ہے یہ نہیں کہ آپ کی رسالت صرف عرب کے لئے ہو، عجم والوں کے لئے نہ ہو۔ آپ کی نبوت مغرب میں تو ہو مگر مشرق میں نہ ہو (معاذاللہ) ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی رسالت تو ہر خطۂ ارضی کو حاوی ہے۔

## اہلِ عجم کے لئے مولانا احمد رضا خاں کی رسالت کا اعلان

مولانا نورانی میاں کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کا عقیدہ تھا کہ مولانا احمد رضا خاں کی دعوت اہلِ عجم کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ عرب کے لئے تھی۔ حضورؐ کے ساتھ یہ تقابل نبوت کے سوا اور کس باب میں ہو سکتا ہے۔ آپ ہی فیصلہ کریں لیکن یہ شعر سُن کر:

عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جسکی صورت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو[۱]

(ترجمہ) یعنی جب میں عرب گیا تھا اور اس آنکھ سے جس صورت کریمہ کو دیکھا وہ تو صرف عرب تک محدود تھی۔ لیکن یعنی بلاد مشرق کے واسطے اے اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب آپ قبلہ نما ہیں[۲]

مولانا احمد رضا خاں کے اس اعلان پر کہ اب جو رسول آئے گا۔ وہ قادری ہوگا اجرائے نبوت کا چور دروازہ کھل گیا۔ نورانی میاں کے والد مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی نے پوری جماعت بریلویت کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں کو اس دروازے میں دھکیل ہی دیا اور باقی سب بریلوی مولوی بھی ساتھ ہو گئے کہ ہم آپ کے اس ارشاد پر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور آپ کے اس منصب کی قدر کرتے ہیں۔ تمام علماء اپنی طرف سے نذرانہ عقیدت پیش کریں گے۔ مولانا عبد العلیم صدیقی کا وہ اعلان یہ تھا کہ آپ پورے عجم کے لئے ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے لئے تھے۔ دیکھئے رضا خانی حضرات کس گستاخی سے مولانا احمد رضا خاں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل لے آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف عرب کے لئے تھے

---

۱ سوانح اعلیٰحضرت ص ۱۴۸ ۲ قبلہ نما کے معنی "سمت معلوم کرنے کا آلہ (کمپاس)" یعنی اب عجم والے اگر صحیح سمت (صحیح دین و مذہب) معلوم کرنا چاہیں تو وہ مولانا احمد رضا خاں کے پاس آویں۔

اور مولانا احمد رضا خاں عجم کے لئے ہیں ۔ کیا یہ شان اقدس میں گستاخی نہیں، کیا یہ حضورﷺ کی عرب وعجم کی سرداری کا انکار نہیں۔ سوچیں، غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ گستاخ رسول کون ہے ؟ اور پھر یہ بھی سوچیں کہ وہ کیسے پکڑا گیا۔

بریلوی علماء کی عجم سے اس وابستگی کا نتیجہ ہے کہ بریلوی اب تک عربوں کے خلاف ہیں۔ بلادِ عربیہ حجاز (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) جاکر بھی وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے کہ ہمارے پیشوائے اعظم تو عجمی تھا ہم عربی پیغمبر کے علاقہ میں کیوں جماعت سے نمازیں پڑھیں۔ یہاں تو اس پیغمبر کے اُمتی ہی پڑھیں۔ ہم کیوں عربی امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔ ہم نے تو اپنے عجمی پیشوا کی تابعداری کا حلف اٹھایا ہے اور جو بھی ہمارے عجمی قبلہ نما کا قائل ہوگا، ہم اس کی اقتداء کریں گے۔

(توبہ۔ استغفر اللہ گستاخی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے)

باز آجاؤ ظالمو! اب بھی جفا و جور سے
کرلو کچھ اپنی حفاظت آنے والے دور سے

بریلوی اس شعر کے جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ غلطی نورانی میاں کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی ہے ۔ اعلیٰحضرت کی نہیں، لیکن یہ جواب درست نہیں، کیونکہ شاہ عبدالعلیم صدیقی کے ان اشعار سے مولانا احمد رضا خاں اتنے خوش ہو گئے تھے کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی، چنانچہ مولانا احمد رضا خاں نے شاہ عبدالعلیم صدیقی کو ان اشعار پر خلافت مرحمت فرمادی اور ان سے خصوصی محبت ہونے لگی اور

عملاً اس شعر کی پوری تصدیق کر دی کہ واقعی اہلِ عجم کے لئے میں ہی ہوں۔ جس طرح حضورؐ عرب کے لئے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کے سوانح نگار شاہ مانا میاں لکھتے ہیں

مولانا عبدالعلیم صاحب جب اشعار سنا چکے تو اعلٰحضرت (مولانا احمد رضا خاں) نے نہ صرف ان اشعار کو پسند کیا، داد دی اور جوشِ مسرت میں اپنا قیمتی مخملی جبہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔[1]

غالباً جب شاہ عبدالعلیم صدیقی سے جو خصوصی محبت کرتے تھے۔ سنا ہے بہت سے لوگ شاہ احمد نورانی سے بھی ایسی ہی محبت کرتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے شاہ عبدالعلیم صدیقی کے ان اشعار پر خصوصی قیمتی مخملی جبہ کیوں عطا فرمایا، یہ اس وقت کا موضوع نہیں، لیکن اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی حلقوں میں پورے عجم کے لئے قبلہ نما تسلیم کر لئے گئے تھے اور اس طرح آپ کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی تھی کہ قادری سلسلے کا ایک شخص مرتبہ نبوت کو پہنچ جائے گا۔

؎ انجام وے آغاز رسالت باشد
اینک گو ہم تابع عبدالقادر[2]

(حاصل اس کا یہ ہے کہ لو! میں آ گیا ہوں)

بہر حال مولانا احمد رضا خاں یا نورانی میاں کے والد شاہ عبدالعلیم بڑے حضرت

---

[1] سوانح اعلٰحضرت ۱۴۸ [2] حدائق بخشش حصہ ۲ ص ۲۰

ہوں یا چھوٹے حضرت۔ اس گستاخی میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سارے عالم مشرق ومغرب عرب وعجم کے لئے تسلیم نہ کیا۔ بلکہ خود ہی عجم میں مدِ مقابل بن بیٹھے اور اپنے حواریوں سے اس کی تصدیق کرادی۔ (معاذ اللہ)

قارئین کرام پر اب بالکل ہی واضح ہو چکا کہ گستاخِ رسول کون ہے؟

## منصب نبوت کے اعلان کی مزید تائید

جب مولانا احمد رضا خاں نے دعوئ نبوت عام کر دیا اور نورانی میاں کے والد شاہ عبد العلیم صدیقی نے پوری جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے۔ اس منصب کو تسلیم کر لیا تو تقاضا ہوا کہ چونکہ نبی ہمیشہ لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ ہوتے ہیں تو مولانا احمد رضا خاں میں بھی یہ وصف موعود ثابت کیا جائے۔

جب یہ سوال اٹھا تو بریلویوں کے محدث اعظم مولوی محمد اشرف کچھوچھوی نے ایک خطبہ صدارت دیا اور اس میں مولانا احمد رضا خاں کے لغزشوں سے محفوظ ہونے کا عنوان قائم کیا اور اسکو پورے بریلوی سربراہوں کی تصدیق کے بعد محدثِ اعظم کے صاحبزادے مدنی میاں نے اپنے ماہنامہ المیزان کے امام احمد رضا نمبر میں اُسے شائع کیا، چنانچہ اس ماہنامہ میں مولوی محمد اشرف کچھوچھوی کے خطبۂ صدارت پر یہ سرخی لگائی گئی۔

## امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا[1]

اس میں آپ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ بریلویوں کے عقیدے میں مولانا احمد رضا خاں ہر لغزش سے محفوظ رہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ جسے چاہے لغزشوں سے محفوظ رکھے لیکن اس کی حفاظت کا عمومی دعوے سوائے پیغمبر کے اور کس کے لئے ہو سکتا ہے؟ آئمہ اربعہ میں سے کسی نے کسی صحابی کے لئے بھی اس کی حفاظت کا عمومی دعویٰ نہیں کیا؟ سوچیں کہ جو شان صرف انبیاء کرام کی ہو سکتی تھی۔ اسکو بریلویوں نے کس طرح مولانا احمد رضا خاں کے لئے تجویز کر دیا تاکہ عربی پیغمبر (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح لغزشوں سے محفوظ رہے ہیں۔ اسی طرح یہ عجمی پیغمبر (مولانا احمد رضا خاں) بھی لغزشوں سے محفوظ تسلیم کئے جائیں بلکہ مولانا احمد رضا خاں تو خود کہہ چکے تھے کہ "میرے دین و مذہب پر چلنا ضروری ہے۔" کیا یہ مولانا احمد رضا خاں کے منصب نبوت کا عقیدہ نہیں اور کیا یہ گستاخی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کاملہ کو مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تقسیم کرا دیا جائے۔ (معاذ اللہ)

سوچیں غور کریں۔ پھر واضح طور پر بتلائیں کہ گستاخ رسول کون ہے؟ اور یہ بھی سوچیں کہ بچپن میں بازاری عورتوں کو ستر کا دکھانا اور پھر اس پر متنبہ کرنے والا کہ ستر کا مزاج کیسے بگڑتا ہے۔ کس طرح لغزشوں سے محفوظ رہ سکا ہو گا۔

بریلویوں کی جسارت دیکھئے کہ ان لوگوں کو اس پر بھی اطمینان نہ ہوا۔ اس سے بھی

[1] ماہنامہ المیزان امام احمد رضا نمبر ص

آگے بڑھیے اور مولانا احمد رضا خاں کے لئے خدائی صفات اور پیغمبری صفات کا ایہام اِن لفظوں میں ترتیب دیا۔ کوئی اعتراض کرے تو لفظی معنی بتلا کر جواب دے دیا جائے اور کوئی سوال نہ کرے تو اس صفت ایہام سے مولانا احمد رضا خاں کے لئے خدائی صفات اور پیغمبرانہ شان ثابت کر دی جائیں۔ لگے ہاتھوں یہ خطبہ بھی سن لیں۔

الحمد للہ الاحد رضا، سیدنا احمد واصلی واسلم سیدنا احمد رضا للہ الواحد الصمد وعلی جمیع من رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ احمد الرضاء من الازل الی الابد۔

ان آخری لفظوں پر غور کرو۔ احمد الرضاء من الازل الی الابد میں کس طرح مولانا احمد رضا کے لئے ازلی ابدی ہونے کا ایہام پیدا کیا جا رہا ہے۔ سو جو لوگ ایک عام آدمی کے لئے خدائی صفات کا ایہام پیدا کرنا اور اس کیلئے اُسے سرمایہ فخر جانتے ہوں۔ ان کے لئے اب پیغمبر کس صف اور کس شمار میں ہوں گے۔ اسے ذرا آگے مطالعہ کیجئے:

## شیطان حضورؐ کی سی آواز بنا سکتا ہے (استغفر اللہ)

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مفتی احمد یار لکھتے ہیں۔

شیطان اپنی آواز حضورؐ کی آواز سے مشابہ کر سکتا ہے۔[۲]

---

[۱] ماہنامہ المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۲۳۱ [۲] مواعظ نعیمیہ حصہ دوم ص ۱۴۲

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص مفتی احمد یار نے جب یہ عقیدہ پیش کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی خداوندی سنائی اور جب آپ نے اسکو اپنی زبان سے ادا فرمایا تو اس میں شیطان کی آواز بھی شامل ہو گئی کیونکہ شیطان آپ جیسی آواز بنا سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) مگر جب مولانا احمد رضا کی باری آتی ہے تو بریلوی مولوی محمد اشرف کچھوچھوی کا یہ بیان اپنے اس عجمی پیشوا کے بارے میں یوں پیش کرتے ہیں:

اعلیحضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے۔ اسکو ناممکن فرما دیا۔ ؎

مولانا احمد رضا خاں جیسے شخص کو تو گناہوں سے محفوظ کہا جا رہا ہے لیکن دخل شیطانی مانا جا رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک کے ساتھ (معاذ اللہ) حالانکہ گناہ کا ناممکن ہونا تو صرف انبیاء کرام کی شان ہی ہو سکتی تھی جو یہاں مولانا احمد رضا کے لئے ثابت کی جا رہی ہے کیا یہ مولانا احمد رضا خاں کے لئے منصب نبوت کا اقرار نہیں؟ اس سے نورانی میاں کے والد مولانا عبد العلیم صدیقی کے عقیدے کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں واقعی عجمی ممالک کے لئے قبلہ نما تھے۔ جس طرح کہ پیغمبر عربی عرب کے لئے تھے۔ (استغفر اللہ۔ معاذ اللہ۔ توبہ توبہ)

رہی یہ بات کہ مولانا احمد رضا خاں لغزشوں سے پاک تھے یا نہیں؟ یہ اس وقت

---

؎ ماہنامہ المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۲۴۸

کا موضوع نہیں البتہ کبھی ۱۸ رسال کی عمر کی لڑکی پر نظر اور کبھی اس کی ماں کی کھلی چھاتی پر نظر، کبھی نظر کا بہکنا، کبھی دل کا بہکنا اور پھر ستر کا مزاج خراب ہونا ان تمام کو چوسے آشنائی اور پھر ۲۵ ررمضان المبارک کو نماز عصر میں اور قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد (یعنی درود شریف کے وقت) نفس کی حرکت سے اپنے انگرکھے کا بند توڑنا اور طواف کے عام طور و طریقے سے گہری واقفیت کیا مولانا احمد رضا خاں کے اعمال و اخلاق کی یہ کھلی شہادتیں نہیں ہیں، اب آپ ہی سوچیں کہ پھر کچھوچھوی صاحب کا یہ بیان کیسے قبول کیا جاسکتا ہے کہ "امام بریلوی لغزشوں سے محفوظ تھے"۔ ؎

بہر حال صورت حال جو بھی ہو کچھوچھوی صاحب کا دعویٰ اس سلسلے میں بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں (معاذ اللہ) والا معاملہ ہے۔ جہاں تک امر واقع کا تعلق ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی میں خانصاحب، شاہ صاحب اور کچھوچھوی صاحب سب برابر کے شریک ہیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ گستاخ رسول کون ہیں؟

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر عضو بے مثال ہے کوئی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی لئے آپ کے جسم مبارک کے ساتھ کسی حقیر چیز کو تشبیہ دینا اور وہ بھی کفار و مشرکین کے ہاتھوں ایجاد کی ہوئی اشیاء کو۔ ہرگز ہرگز مناسب

---

؎ مزید توضیح درکار ہو تو تحقیق حنیف فی دھماکہ شریف (جدید) کا مطالعہ کیجئے۔ جس نے اس جماعت بریلوی کے تمام اندرونی رازوں کو آشکارا کیا ہے۔

نہیں، ایسا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت گستاخی اور سراسر بے ادبی ہوگی اور یہ راہِ عمل رحمت خداوندی سے محرومی کا سامان ہوگا۔

بے ادب محروم گشت از فضل رب

مرزا غلام احمد قادیانی نے جس طرح پہلے مجددیت کا دعویٰ کیا۔ پھر ظل بروزی نبی کا مسئلہ اٹھایا پھر مستقل نبوت کا دعویٰ کر کے نبی بن بیٹھا مسیلہ پنجاب بننے کے ساتھ ساتھ توہین انبیاء کی طرف بڑھا اور آہستہ آہستہ توہین و تنقیص میں اتنا آگے نکل گیا کہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بھی توہین کرنے سے باز نہ رہا اور اپنے معجزات کو حضور کے معجزات سے زیادہ بتلایا۔

اس طرح بریلی سے مولانا احمد رضا خاں نے منصب نبوت کی طرف پیش قدمی کی۔ پھر قادری اور تابع قادری کا مسئلہ اٹھایا پھر مامور من اللہ ہونے یا دوسرے لفظوں میں یُوں کہیئے کہ منصب نبوت کا اعلان کر دیا۔ پھر آپ کے خلفاء و علماء نے توہین انبیاء و تنقیص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ اب تک جاری ہے اور ان بریلویوں نے انبیاء کرام کی گستاخی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور سنیئے۔

## حضور کا دہن مبارک رائفل کی طرح تھا (استغفر اللہ)

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص مفتی احمد یار گستاخی میں اس قدر آگے نکل گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھن مبارک کے لئے ایک اور توہین آمیز تشبیہ ایجاد کی!

مفتی صاحب لکھتے ہیں :

**قل میں حضوؐر کی زبان شریف کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی اے میرے محبوب دعا ہماری بتائی ہوئی ہو اور زبان تمہاری ہو ۔ کارتوس رائفل سے پوری مار کرتا ہے ۔ لے**

مفتی صاحب نے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو رائفل کہا کیا یہ گستاخی نہیں ؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا درجہ رائفل کا ہی ہے ؟ کیا آپ کی زبان مبارک رائفل تھی ؟ مسلمانو ! سوچو ! رائفل کسے کہا جاتا ہے کچھ تو سوچو وہ زبان جس نے کبھی دشمن کو بھی گالی نہ دی ۔ کبھی کسی کا دل نہ کھایا ہو ، اُسے کسی درجے میں رائفل کہا جا سکتا ہے ۔ کچھ تو غور کر لیا ہوتا اور پھر اسی پر بس نہیں ۔ آگے چلیے :

## خُدا کے حضُور کی گئی دعا کو کارتوس کہنا (استغفراللہ)

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص نے اسی پر بس نہیں کی ۔ بلکہ اسی عبارت میں اللہ کے حضور کی گئی دعا کو کارتوس کہا ۔ دعا خدا کے حضُور جاتی ہے ۔ کارتوس دشمن کی طرف جاتا ہے ۔ بریلویو ! اگر تم خدا کو اپنا دشمن ہی سمجھتے ہو تو کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کہ سوچو کہ تمہارا کوئی کارتوس خدا کو ہرگز بے کار نہیں کر سکتا ۔

---

لے نور العرفان ص ۸۵۵

مسلمانو! گستاخوں کی گستاخیاں ملاحظہ کرو کہ کس طرح ایک ہی عبارت میں اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دعا جیسی متبرک عبادت ہر ایک کو اپنی گستاخیوں میں لپیٹ دیا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ کیا مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص مفتی احمد یار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو رائفل نہیں بتایا کیا اس زبان مبارک کو رائفل سے تشبیہ نہیں دی۔ جس زبان نے کبھی اپنے دشمن کو بھی بددعا نہیں دی تھی۔

مسلمانو! سوچو مفتی صاحب نے دعا کو کارتوس کہا اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ کارتوس تو ہمیشہ دشمن کے رُخ ہی جاتا ہے کیا اس تشبیہ میں اس گستاخ نے اللہ تعالیٰ کو دشمن نہ کہا۔ افسوس کہ ان صاحب کو مفتی صاحب کہلاتے ہوئے بھی کچھ حجاب نہ آیا، کچھ تو خیال کیا ہوتا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ گستاخِ رسول کون ہے؟ اور اب تو فیصلہ ہو ہی چکا۔ مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص مفتی احمد یار نے اس توہین پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص میں اس قدر آگے نکل گئے کہ ابوجہل اور ابولہب نے بھی ایسے ناپاک کلمے حضورؐ کے بارے میں کبھی نہ کہے ہونگے۔ ہمیں مفتی صاحب پر تعجب نہیں۔ وہ تو مولانا احمد رضا خاں کے براہِ راست خلیفہ تھے، تعجب ان بریلویوں پر ہے۔ جنہوں نے مولانا احمد رضا خاں کو دیکھا بھی نہیں، پھر بھی گستاخیاں مولانا احمد رضا

خاں والیاں ہی کرتے ہیں:

آگے چلئے اور بریلویوں کی ان گستاخیوں کا نوٹس لیجئے۔

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ جو چیز بھی مومنین کے لئے حلال ہوئی۔ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوئی ہے اور جو چیز بھی حرام ہوئی۔ وہ بھی اللہ نے ہی حرام فرمائی ہے۔

اب قرآن اس پر شاہد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حلال و حرام کے بیان کرنے والے ہیں۔ تحلیل (حلال کرنا) وتحریم (حرام کرنا) آپ کے اپنے ماتحت نہ تھیں۔

مگر رضا خانی مذہب یہ ہے کہ خنزیر کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اور کتے بلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھ لئے تاکہ وہ اس کو حرام فرما دیں۔

## رب نے حضورؐ کے حرام کرنے کے لئے کتے بلے رکھے (استغفر اللہ)

مفتی احمد یار لکھتے ہیں:

رب کی مرضی یہ تھی کہ سُور کا گوشت میں حرام کروں اور اسکے باقی اجزاء (پوست مغز، گردہ خصیہ[1]) میرے حبیب حرام فرما دیں۔ جیسے اس نے صرف سُور

---

[1] معلوم نہیں مفتی صاحب نے اسکی تخصیص کیوں فرمائی مگر مولوی عنایت اللہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اس جانور کے گردے کھانے سے انسان کو حیوان سے نکاح کرنے کی ضرورت یا گالیاں دینے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان پریشانی میں بعض اوقات

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

کو حرام کیا باقی کتا بلا اس کے حبیب نے ۔

شریعت کے مسائل میں کیا خدا اور رسول ایک دوسرے کے قسیم ہیں؟ جن میں تقسیم کار جاری ہوئی یا اللہ کے رسول اللہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ پھر بریلویوں نے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے بالمقابل ہی رکھا تھا تو آپ کی کارکردگی کے لئے کیا انھوں نے کتے بلے ہی منتخب کرنے تھے۔

بریلویو! کچھ تو سوچ لیتے اتنی بے ادبیوں اور گستاخیوں کے ساتھ حشر کے دن حضور کو کیا منہ دکھاؤگے۔

استغفر اللہ! سبحانک ھذا بہتان عظیم! مفتی صاحب کو کیا ہوگیا۔ کیا انھیں کتے بلے کے علاوہ اور کسی چیز کا نام ہی یاد نہ رہا تھا۔ جس کے لئے وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرما رہے تھے جس انداز میں مفتی صاحب نے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا ہے۔ کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کھلی گستاخی نہیں ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں کتے بلے حرام فرمانے کے لئے ہی آئے تھے؟ (معاذ اللہ) مفتی صاحب تو خیر مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص تھے مگر دوسرے بریلویوں کو جو مولانا احمد رضا خاں کی طرح حضورؐ کے گستاخ نہیں۔ ہم انہیں اس تحریر پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ سوچیں اور گستاخانِ رسول کے ساتھ ان باتوں میں شامل نہ ہوں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اپنے آپ کو کتے کا بچہ بھی سمجھنے لگتا ہے۔ حیوان سے نکاح ہونے کا ذکر مولانا احمد رضا خاں نے ملفوظات ۲ ص ۱۰۰ میں کیا ہے۔ ۱؎ نور العرفان ص ۳۹۔

## حضورؐ شکاری کی طرح تھے جسکا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ (استغفر اللہ)

مفتی احمد یار خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں کی گستاخیوں کو ملاحظہ کرتے جائیں کہ کھلے بندوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شکاری کہا اور مولانا احمد رضا خاں کے اس خلیفہ کو یہ گستاخی کرتے کچھ حیا نہ آئی بلکہ بات یہاں تک بڑھی کہ اس مثال میں خود قرآن کو بھی جانوروں کی بولی کہدیا۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ! اس بے ادبی اور گستاخی پر آسمان کیوں پھٹ نہیں پڑتا اور زمین کیوں شق نہیں ہو جاتی۔ اس جیسی گستاخی شاید اب تک کسی بدبخت کی قسمت میں نہ آئی ہو گی (معاذ اللہ) مسلمانوں کا تو عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ الگ الگ نہیں ہوتا۔ مگر بریلوی عقیدہ ہے کہ نبی کا ظاہر و باطن الگ الگ ہوتا ہے وہ شکاری کی طرح ہوتے ہیں اور دو رنگی چال چلتے ہیں۔ ان کی سیرت کیا ہوتی ہے؟ بریلوی جواب سنیے کہ ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ میں بشر ہوں۔ بریلوی عقیدے میں ایک شکاری کا رول تھا۔ شکاری کا بہروپ واقعی کچھ ہوتا ہے اور حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ کے اس ارشاد کو جو کہ قرآنی حکم تھا۔ شکاری کا جال سمجھا گیا اور ان لوگوں کو یہ گستاخی کرتے ہوئے کچھ باک نہ ہوا۔

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ خاص مفتی احمد یار لکھتے ہیں:

"میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں، شکاری جانوروں کی سی آواز

نکال کر شکار کرتا ہے"۔[1]

معاذاللہ۔ توبہ۔ توبہ۔ جس طرح شکاری کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور باطن کچھ اور۔ بریلویوں کے عقیدہ میں اسی طرح (معاذاللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور تھا۔ اس سے بڑھکر اور کیا گستاخی ہوگی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شکاری کہہ دیا جائے اور اللہ کے اس فرمان کو جال سمجھا جائے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ گستاخِ رسول کون ہے؟

## حضورؐ کو سانپ سے تشبیہہ دینا (خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاند سے تشبیہ دینے کے لئے بھی تیار نہ تھیں مگر افسوس کہ بریلویوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سانپ سے تشبیہہ دینے سے بھی گریز نہ کیا۔ یہ سب کچھ کس لئے تاکہ کسی طرح آپ کی بشریت کا انکار ہو سکے۔ مفتی احمد یار لکھتے ہیں:

عصائے موسوی سانپ کی شکل میں ہو کر سب کچھ نگل گیا تھا۔ ایسے ہی ہمارے حضور نوری بشر ہیں۔ کھانا پینا نکاح اس بشریت کے احکام تھے"۔[2]

ایک حسی وجودِ اطہر کو سانپ سے تشبیہہ دینا کتنی بڑی جسارت ہے۔ مشبہ مشبہ بہ میں سے ایک بھی معنوی ہوتا تو شاید ہم کوئی تاویل کر لیتے، لیکن افسوس کہ بریلوی

---

[1] جاء الحق ص ۱۷۵ [2] مراۃ المناجیح ص ۴۴

سے جب ہم نے اس کی شکایت کی تو انھوں نے کہا کہ چونکہ سانپ ہمارے ساتھ میلاد میں شامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سانپ سے تشبیہ دے دی تو کیا ہوگیا۔ ہم نے پوچھا اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ میلاد میں آتا ہے۔

مجلس میلاد شریف کی تھی۔ جب خوب مجمع ہوگیا۔ ایک سانپ تیزی سے آیا اور منبر کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب تک مجلس شریف ہوتی رہی۔ بیٹھا سنتا رہا بعد ختم چلا گیا۔ نہ آتے کسی کو آزار پہنچایا نہ جاتے لوگوں نے بہت چاہا کہ اُسے مار دیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سب کو باز رکھا کہ یہ سرکاری مہمان کی حیثیت سے ہے۔ میں ہرگز نہ مارنے دوں گا۔[1]

یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شکاری سے تشبیہ دینا یا سانپ سے تشبیہ دینا۔ مفتی صاحبان اور فقہاء کرام کا عمل ہے ہرگز نہیں۔ یہ صرف نام کے مفتی ہیں۔ دینی پیشوا ہرگز نہیں۔ بریلی کے یہ خانزادے گستاخیوں میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ انہیں کسی قیمت پر کوئی شخص پیشوا ماننے کے لئے تیار نہ ہوسکا۔

مفتی نہیں فقیہہ نہیں پیشوا نہیں
یہ خانزادگان بریلی شریف ہیں
گستاخیوں میں ان سے بڑھ کر نہ پاؤ گے
طرّوں کے پیچ وخم کی بنا پر شریف ہیں

---

[1] ملفوظات حصہ چہارم ص ۳۶

## قرآنی آواز جانوروں کی سی جبلی بولی کی طرح ایک چال ہے۔

(خلیفہ مولانا احمد رضا خاں)

اُوپر کی بحث میں آپ دیکھ آئے کہ مفتی احمد نے قرآنی آیت قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی کو کس ڈھٹائی سے جانوروں کی جبلی بولی سے تشبیہ دی۔ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کلام غیر مخلوق ہے۔ اسے مخلوق قرار دینا اور مخلوق میں سے جانوروں کی بولی سے ملانا یہ عقیدہ بریلویوں کے سوا اور کس کی قسمت میں ہو سکتا تھا۔ کچھ تو سوچیئے اور اُوپر کی عبارت میں ایک دفعہ پھر غور کیجیئے۔ کیا یہ اس پہلو سے کیا ایک اور گستاخی نہیں۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)

## انبیاء کرام کا قبروں میں عجیب شغل ہوتا ہے

(مولانا احمد رضا خاں)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں اور عالم برزخ کے مناسب وہاں نمازیں پڑھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ کھانے پینے اور خواہشات نفسانی سے مستغنی ہیں۔ مگر بریلوی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام اپنی قبور میں اپنی بیویوں کے ساتھ عجیب شغل فرماتے ہیں مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں :

"انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج پیش کی جاتی ہیں اور وہ اُن کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں"۔ [1]

---

[1] ملفوظات حصہ سوم صہ ۲۸

معاذاللہ ثم معاذاللہ، استغفراللہ۔ خانصاحب نے ایسے مسائل قرآن میں پڑھے یا حدیث میں ؟ اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کا کوئی نشان نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہ کہہ کر انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ چونکہ بریلویوں کا فرشتوں کے بارے عقیدہ یہ ہے کہ وہ عورتوں سے صحبت بھی کرتے ہیں تو انہوں نے انبیاء کرام کو بھی قبروں میں اسی شغل میں مشغول بتایا۔ مفتی احمد یار فرشتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

" فرشتے شکل انسانی میں آکر کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کرسکتے ہیں۔"[1]

اب تو سب حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑی ہی گستاخی کی جو انبیاء کرام کو اپنی قبروں میں اس شغل میں مصروف بتلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بتلائیں کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں نمازیں پڑھتے ہیں اور مولانا احمد رضا خاں یہ کہیں کہ نہیں وہ تو قبروں میں اپنی بیویوں سے مشغول رہتے ہیں۔ معاذاللہ اس سے بڑھ کر افسوس یہ ہے کہ بریلویوں نے اُسے ملفوظات میں اس مقام پر جگہ دی ہے۔ جہاں انہوں نے یہ بات بیان کی ہے کہ مزاروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا بھی چڑھتا ہے اور وہاں سے آوازیں آتی ہیں کہ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو[2] توبہ۔ استغفراللہ۔ توبہ استغفراللہ۔ بہرحال اس گستاخ کے مذکورہ بالا الفاظ پھر پڑھیں اور ذرا جگر تھام کر پڑھیں خانصاحب نے اس میں پیش کی جاتی ہیں۔ کہہ کر اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ

---

[1] مرآۃ المناجیح ص ۲۴ [2] ملفوظات حصہ سوم ص ۲۸

کی بھی سخت گستاخی کی ہے۔

خانصاحب کہنا تو یہ چاہتے ہیں کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں اس وقت کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی ان کے سامنے بیویوں کو پیش کرے۔ لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ انبیاء کرام پر ان بیویوں کو پیش کرنے والا کون ہے؟ دنیا میں بھی خاوند بیوی کا رشتہ اس طرح نہیں ہوتا کہ کوئی تیسرا شخص بیوی کو خاوند کے سامنے پیش کرے۔

گستاخوں کی یہ گستاخی نہایت ہی قابلِ صد افسوس ہے اور سب مسلمانوں کے لئے باعثِ ندامت ہے۔ خانصاحب نے ایک ہی عبارت میں گستاخی کی وہ حد کی ہے جو کسی بڑے سے بڑے گستاخ کو بھی نہ سوجھی ہوگی۔

سوچیں اور غور کریں۔ اب تو فیصلہ ہو ہی چکا کہ گستاخِ رسول کون ہے؟

بعض بریلوی یہ کہتے سُنے گئے ہیں کہ یہ بات مولانا احمد رضا خاں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی سے لی ہے ہم پوچھتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے اُسے اپنی حمایت کے لئے نقل کیا ہے یا وہ اس عقیدے کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ اگر پہلی صورت متعین ہے تو کیا یہ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ نہ ہوا؟

قارئین کی اطلاع کے لئے ہم بتلائے دیتے ہیں کہ یہ عقیدہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی نے کہیں نہیں لکھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہاں کھلا جھوٹ بولا ہے کہ اپنے عقیدہ فاسدہ کو شیخ زرقانی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ موصوف نے یہ بات ہرگز کہیں نہیں کہی۔

اس قسم کے عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مولانا احمد رضا خاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ازواج مطہرات کے لئے ایسا انداز لباس بتائیں کہ خوامخواہ اس کے مناسب غلط تصوّرات ذہن میں اُبھرنے لگیں، لیکن افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے لباس کا یہ نقشہ کھینچتے ہوئے کچھ شرم و حیا مانع نہ آئی۔ (معاذ اللہ)

## اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں گستاخی

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر[1]

مولانا احمد رضا خاں کہہ رہے ہیں کہ حضرت عائشہ کی قمیض اتنی تنگ و چست تھی کہ جوانی پھٹی پڑتی تھی اور چھاتیاں قمیض سے باہر آ رہی تھیں اور اس طرح میرا دل بھی پھٹ رہا تھا۔ (معاذ اللہ۔ استغفر اللہ۔ توبہ توبہ۔ خدا کی پناہ)

کیا یہ گستاخی کی انتہا نہیں۔ کیا مولانا احمد رضا خاں نے ام المومنین ؓ تمام مسلمانوں کی ماں پر بے حیائی کے یہ فحش شعر نہیں لگائے۔ کیا یہ گستاخی نہیں؟

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم ص ۳۷

کوئی شریف انسان اپنی ماں کے بارے میں اس قسم کی شرمناک گستاخی کر سکتا ہے؟ چہ جائے کہ اس ماں کے بارے میں جو تمام مومنین کے سر کی تاج ہو، جو تمام مومنین کی ماں ہو اور جنکی پاکیزگی کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہو۔ مسلمانو! سوچو، مسلمانو! کچھ تو غور کرو۔ بریلوی کس طرح اپنی گستاخی میں حد سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ کیا ان کو کوئی روکنے والا نہیں؟

## کیا شاہ احمد نورانی کا چہرہ اور حضور کا چہرہ ایک جیسا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا حقیقت میں آپ ہی کی زیارت کرنی ہے اور آپ کی زیارت ہو جانا یہ بڑی باعث برکت اور مقام مرتبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور افراد امت خواہ صحابہ ہوں۔ خواہ تابعی ہوں۔ خواہ ولی ہوں اُن کی زیارت سے وہ مقام نہیں ملتا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ کوئی چہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی برابری نہیں کر سکتا ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مگر بریلوی عقیدہ ہے کہ یہ شان تو مولانا احمد رضا خاں میں بھی تھی۔ تبھی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کرائی اور آج کے دور میں یہ شان شاہ احمد نورانی کی ہے۔ لہٰذا جس آدمی کی یہ خواہش ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی

زیارت کرے گئے بریلوی لوگ برملا کہتے ہیں کہ وہ شاہ احمد نورانی کا چہرہ دیکھ لے۔
(معاذاللہ) بریلویوں کی خفیہ مجالس میں اس عقیدے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

فیصل آباد میں جناب نورانی میاں کے والد شاہ عبدالعلیم صدیقی کی یاد میں ایک جلسہ ہوا۔ نورانی میاں نے بھی اس سے خطاب کیا۔ اس جلسہ کے اسٹیج سیکرٹری جناب غلام رسول بریلوی نے سرِعام نورانی میاں کا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔

"شاہ احمد نورانی اپنے عظیم باپ کے عظیم فرزند ہیں اور میں یہ کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا نورانی چہرہ دیکھنا موجودہ دور میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے برابر ہے"۔ [۱]

جناب نورانی میاں کا چہرہ ہم نے بھی دیکھا ہوا ہے اور جس نے بھی ایک دفعہ دیکھ لیا اسے دوبارہ اسے دیکھنے کی کبھی خواہش نہیں ہوئی۔ یہ کوئی چہرہ ہی ایسا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی چہرہ ایسا تھا کہ کسے چاند سے ملانے پر بھی فیصلہ یہی ہوتا تھا کہ چاند اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

ہم حیران ہیں کہ جناب غلام رسول بریلوی کی زبان کو ایسے الفاظ کہنے کی کیونکر ہمت ہوئی۔ بریلویوں کو اگر پہلے سے اس گستاخی پر پختہ نہ کیا گیا تھا تو وہ اسی جلسہ میں اس گستاخی پر کیوں خاموش رہے۔ استغفراللہ۔ ثم استغفراللہ۔ امام الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کس قدر گستاخانہ کلمات کہے جا رہے تھے اور جملہ بریلوی اس پر عش عش کر رہے تھے۔

---

[۱] ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ، ۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء

مسلمانو! کچھ تو سوچو، بریلوی کس قدر گستاخیوں پر تلے ہوئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نورانی میاں کو لے آئے، کچھ تو شرمائے ہوتے کہ ہم کس کو کس کے مقابلے پر لا رہے ہیں

اگر کوئی شخص انکار کرے کہ غلام رسول بریلوی نے یہ الفاظ نہ کہے تھے تو ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ کے نمائندہ جناب محمد حمید شاہد نے پوری رضا خانی امت کو چیلنج دیا ہے کہ:

اگر کسی کو شک ہے تو میری درخواست ہے کہ وہ آئے اور تحقیق کرے جلسے کا ایک ایک سامع گواہی دے گا، پھر بھی یقین نہ آئے تو ٹیپوں (TAPES) کو چلا کر سن لیجیے جو ان گستاخانہ کلمات کو اپنے اندر محفوظ کر رہی تھیں۔ اگر میرے تحریر کردہ الفاظ غلط ثابت ہوں تو میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے کو تیار ہوں۔ مارشل لاء کے ضابطے مجھ پر لگا دیجیے اور جو من میں آئے سزا دیجیے۔[1]

ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نورانی میاں کو کیوں لایا جا رہا ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب امت کے راہنما نہیں رہے تھے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ کی شان میں کچھ فرق آ گیا تھا کہ اب کسی نئے چہرے کی ضرورت ہو۔

---

[1] ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء

## حضورؐ کے بعد نیا چہرہ تجویز کرنے کی ضرورت

بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حضورؐ کا زوال تھی،
(معاذ اللہ) یہ غلط ہے سُنیوں کے ہاں حضورؐ کی وفات صرف ساترِ حیات تھی۔ اسے
حُضور کا زوال قرار دینا ایک بڑی گستاخی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا
ابوالبرکات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو صریح لفظوں میں زوال کہا ہے
(استغفر اللہ) جب ان کا یہ عقیدہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ حضور کے بعد کسی اور چہرے
کی ہی تلاش میں نکلیں گے۔ غلام رسول بریلوی مذکور نے جو کچھ کہا۔ اس کی داغ بیل
مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ نے ہی ڈالی تھی۔ موصوف لکھتے ہیں:

آقائے مدینہ رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں سے رائحہ انتقال لی تھی۔
اس لئے کہ ہر شئے میں بعد کمال زوال ہوتا ہے۔

جوں آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال
مقرراست کہ روئے نہد بسوئے زوال [۱]

(ترجمہ) آفتاب جب دوپہر کو کمال پر پہنچ جاتا ہے تو طے شدہ بات
ہے کہ اس نے اب زوال کی طرف ہی جانا ہے۔

غور کیجئے اور گستاخوں کو دادِ ستم دیجئے کہ کس دیدہ دلیری سے حضورؐ کے سفر

---

[۱] اوراق غم ص ۹۸

آخرت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زوال کہہ رہے ہیں۔ انصاف کیجیے کہ اللہ تعالے
تو حضور کو یہ بشارت دیں کہ بعد میں آنے والی ہر گھڑی آپ کے لئے پہلی گھڑی
سے بہتر ہوگی اور مولانا احمد رضا خاں کے یہ خلیفہ کہیں کہ نہیں بعد میں زوال
ہی ہوگا وہ اگر قرآن کریم ہی دیکھ لیتے تو یہ آیت مل جاتی۔

وللآخرۃ خیر لک من الاولی

(ترجمہ) اور البتہ ہر بعد کی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہوگی
سو قرآن کریم کی روشنی میں کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو آپ کا
زوال نہیں کہہ سکتا۔ بریلویوں نے ایسا کیوں کہا تو اس کا ----------
جواب صحیح یہ ہے کہ جب کوئی شخص گستاخی اور بے ادبی پر ہی تل جائے
تو پھر وہ ادب قرآن سے بھی سبق نہیں لیتا۔ اپنی بات اس سے بھی آگے
رکھتا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار ---- یہ آخرت کی تباہی کی انتہا ہے۔

# چیلنج

## ایتہا الطائفۃ المبتدعۃ

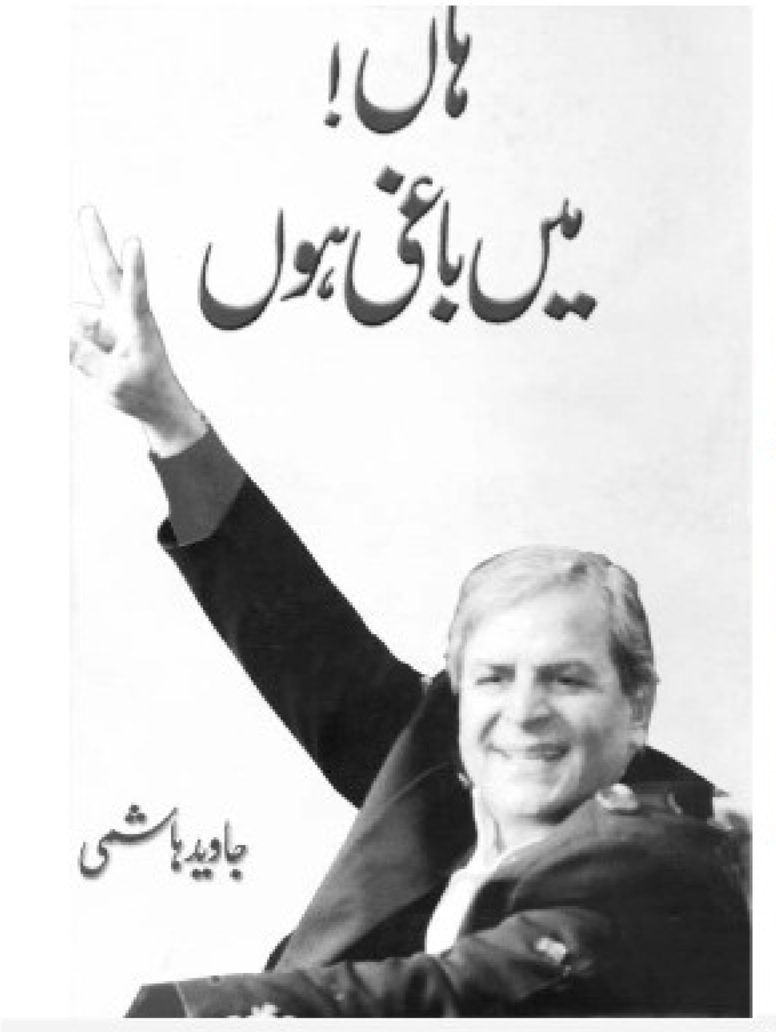
یہ پمفلٹ پاکستان میں مولانا احمد سعید کاظمی۔ پیر کرم شاہ۔ مولانا ازہری کو ہندوستان میں۔ مولانا ارشد القادری کو انگلستان میں۔ پیر معروف شاہ۔ مولوی عبد القادر جیلانی۔ مولوی عبدالوہاب اچھروی کو جنوبی امریکہ میں۔ اشرف القادری کو ہالینڈ میں۔ سعادت علی قادری اور افریقہ میں ابراہیم خوشتر کو بذریعہ ڈاک بھیجا جارہا ہے۔

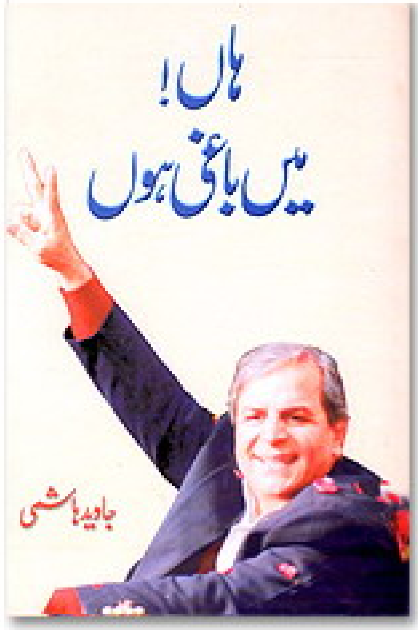
ان دس حضرات میں سے کوئی صاحب ہمارے حوالوں کو ایک مسلم بین الفریقین مجلس انصاف کے سامنے غلط ثابت کر دیں تو ان صاحب کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

اگر ایک سال تک یہ علماء یا پیر کسی مجلس انصاف میں آنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے نہ انہوں نے اپنی گستاخیوں سے توبہ کی تو اُن کی شکست کا عام اعلان کر دیا جائے گا۔ ہمارا روئے سخن انہی حضرات سے ہے۔ کسی ایرے غیرے کے جواب پر کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔

**نوٹ:** شاہ احمد نورانی کا نام اس لئے اس چیلنج میں نہیں لکھا کہ اس میں خود اس کا اپنا چہرہ زیر بحث ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ وہ حضرت امیر علی قریشی کے سامنے آنے سے گریز کر کے اپنی شکست تسلیم کر چکے ہیں۔

۱۰ اگست
۱۹۸۰ء






Manzar Waheed Ch

چھن چھنن کرتی ہے ہاتھوں میں ترے پھر ہتھکڑی
ظلم نے زنجیر پاؤں میں ترے پھر ڈال دی
خون دل سے لکھا تو نے حوصلوں کے باب میں
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

(شورش کاشمیری)

# ہاں!
# میں باغی ہوں

شہیدوں میں سے بہتر حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، پھر ان کے بعد وہ شخص ہے جو کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو کر حاکم کو امر و نہی کی تلقین کرے جس کی پاداش میں حاکم اسے ہلاک کر دے۔ (حدیث نبوی ﷺ)

تم نے کب سے انہیں غلام بنانا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا۔

(حضرت عمر فاروق اعظمؓ)

اچھائی اور برائی کے معرکے میں کوئی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ خیر و شر کی اس معرکہ آرائی میں محض تماشائی کا کردار ادا کرنے والے بزدل ہوتے ہیں یا غدار

(ژاں پال سارتر)

## 20 سال پہلے قومی اسمبلی سے خطاب

The time has come, Mr. Speaker, that we should say, "Mr. Martial Law, attention. about turn quick march, go back to your barracks and never come again."

ترجمہ:۔ جناب سپیکر! وقت آ گیا ہے کہ ہمیں اب کہہ دینا چاہیے کہ جناب مارشل لاء صاحب، ہوشیار!............ پیچھے پھر ............ جلدی چل............ اپنی بیرکوں میں جا اور پھر کبھی واپس نہ آنا!!

جاوید ہاشمی 6 جون 1985ء

# ہاں! میں باغی ہوں

## جاوید ہاشمی

ساگر پبلشرز

7۔اے لوئر مال، داتا دربار، روڈ لاہور

فون:042-7230423

| | |
|---|---|
| نام کتاب | ہاں! میں باغی ہوں |
| مصنف | جاوید ہاشمی |
| تاریخ اشاعت | فروری 2005ء |
| ناشر | ساگر پبلشرز، A-7 لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور |
| | فون:۔ 042-7230423 |
| کمپیوٹر کوڈ | 1S114 |
| قیمت | -/600 روپے |

ملنے کے پتے

# ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-221201-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

# فہرست مضامین

## گیارہواں باب



## بارہواں باب

# عرض ناشر

ساگر پبلشرز کی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ کتاب پیش کرتے ہوئے ہم فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک ایسے سیاستدان کی خودنوشت آپ تک پہنچائی ہے جسے ان کے دوست اور دشمن دونوں کم از کم یہ طعنہ نہیں دے سکتے کہ مخدوم جاوید ہاشمی نے مروجہ سیاست کی پیروی میں منافقانہ مصالحت کو اپنا شعار بنایا۔ جبکہ انہیں یہ مواقع میسر رہے ہیں۔

ہم نے اپنے ادارے کی طرف سے آج تک جو بھی لٹریچر شائع کیا ہے اس میں صرف اپنے تجارتی مقاصد کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اپنی نظریاتی اساس کو اس کی بنیاد بنایا ہے۔

ساگر پبلشرز کی طرف سے جو بھی سیاسی کتابیں، ناول یا حالات حاضرہ سے متعلق تحریریں شائع ہوئی تھیں ان سب نے الحمدللہ ہماری توقعات سے بڑھ کر عوام میں پذیرائی حاصل کی اس کا سبب سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی ہم پر بے پایاں رحمتیں اور پھر ہمارا یہ عزم اور مشن ہے کہ ہم معیاری اور سچا ادب پاکستان کے ہر گھرانے تک پہنچائیں گے۔ ساگر پبلشرز صرف ایک ادارہ ہی نہیں ایک تحریک بھی ہے جس کا بنیادی مقصد اپنے اساسی نظریئے سے ہماری سچی کومٹ منٹ اور پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اپنا مثبت رول ادا کرنے کا عزم ہے۔ مخدوم جاوید ہاشمی کی تازہ تصنیف ”ہاں! میں باغی ہوں“۔ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مخدوم جاوید ہاشمی پاکستان کے ہر اس شخص کے دل میں رہتا ہے جو پاکستان سے محبت کرتا ہے اور اس محبت کی قیمت چکانے کے لئے بھی تیار ہے۔

ناشر

# تنبیہ

جاوید ہاشمی کی مقدمہ بغاوت میں گرفتاری سے ایک دو دن پہلے ملتان میں روزنامہ نوائے وقت کی سالانہ تقریب تھی، مقررین میں ہر سیاسی جماعت کے اہم رہنما شامل تھے۔ مسلم لیگ (ن) کی طرف سے مخدوم جاوید ہاشمی شریکِ محفل تھے۔ اس اجتماع میں جاوید ہاشمی کے ''باغیانہ'' اظہار خیال کا جواب اُن کے ایک سابقہ ساتھی اور موجودہ وزیر اطلاعات نے دیا۔

اسی شام جاوید ہاشمی نے مجھے اپنے گھر میں عشائیہ پر بلایا جس میں مختلف سیاسی رہنما شریک تھے۔ میں نے انہیں متنبہ کیا کہ اب وہ اپنی ضمانت کرالیں، اپنا سامان تیار رکھیں اور اسلام آباد یہ سوچ کر جائیں کہ اُن کی اگلی منزل جیل ہوسکتی ہے۔ جاوید ہاشمی نے اس تقریر سے پہلے وہ خط پارلیمنٹ کے کیفے ٹیریا میں صحافیوں کو پڑھ کر سنایا تھا جو کئی ارکان اسمبلی کو موصول ہوا تھا اور اے آر ڈی میں اُن کے ساتھیوں میں سے کسی نے خط کو اس انداز میں افشا کرنے اور ذمہ داری اپنے سر لینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ جاوید ہاشمی نے ایک لمحے کے لیے یہ نہیں سوچا کہ وہ اب ایک بڑی جماعت کا سربراہ ہے جو پہلے ہی ابتلا سے دوچار ہے اور جس کے قائدین بیرون ملک جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ باقی ماندہ لیڈروں میں سے کوئی بھی نہ تو عوامی رابطے کے لیے موزوں ہے اور نہ وہ فعال کردار ادا کرسکتا ہے، جس کی توقع میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف، جاوید ہاشمی سے کرتے ہیں۔ یہ میرا احساس ہے، ممکن ہے یہ شعلہ جوالہ برصغیر کے اُن سیاسی و مذہبی زعما کے نقش قدم پر چلنے کو ترجیح دیتا جو اس شعر کی عملی تصویر تھے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

جاوید ہاشمی نے سیاست کا آغاز ایک مقبول طالب علم رہنما اور پُر جوش نوجوان کے طور پر کیا، اس کے مزاج میں مصلحت اور مفاہمت کے جراثیم بہت کم دیکھنے میں آئے حالانکہ ملتان کے سیاستدانوں اور پیرزادوں کی عام شہرت یہی ہے کہ وہ اقتدار کے ایوانوں سے بہت کم بگاڑتے ہیں اور مصلحت کیشی کو سیاست و روحانیت کی اعلیٰ قدر گردانتے ہیں مگر جاوید ہاشمی جیل میں اپنے علاقے کے جاگیرداروں، مخدوموں اور وڈیروں کی اقتدار پرستی اور مصلحت پسندی کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔

مقدمہ بغاوت میں گرفتاری کے بعد بھی جاوید ہاشمی کا جنوں خاموش نہیں بیٹھا اور اُس نے ''دامنِ یزداں چاک'' کرنے کے لیے قرطاس و قلم کا سہارا لیا ہے۔ یہ کتاب جاوید ہاشمی کی یادداشتوں، محسوسات، اعلیٰ وارفع

سیاسی تصورات اور ذاتی و خاندانی رجحانات کا مجموعہ ہے۔ انداز بیاں میں بے ساختگی اور سادگی ہے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کی صدارت سے لے کر مسلم لیگ کی سربراہی تک، اپنی جمہوری و سیاسی جدوجہد کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے وطن عزیز کی سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی صورتحال کا اپنے انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ جمہوریت کو درپیش رکاوٹوں اور جمہوری اداروں کی شکست وریخت کے اسباب پر انہوں نے سب سے زیادہ زورِ بیاں صرف کیا اور اس ضمن میں اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کشادہ ظرفی سے کیا ہے۔ میاں نواز شریف سے تعلقات اور سیاسی وابستگی کا ذکر دلچسپ ہے۔ اِن دونوں نے سیاست کا سبق تحریک استقلال اور ائر مارشل اصغر خان کے مکتب سے حاصل کیا۔ اگلا پڑاؤ جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت تھی۔ مگر دونوں ایک فوجی حکومت سے متھا لگانے کا خمیازہ بھگت رہے ہیں: اتفاقات ہیں زمانے کے

اللہ تعالیٰ جاوید ہاشمی کو اپنے دشمنوں کے شر اور دوستوں کی نادانی سے محفوظ رکھے۔ کتاب لائق مطالعہ ہے بشرطیکہ اسے ہاشمی کی فردِ جرم میں ضمیمہ کے طور پر شامل نہ کر لیا جائے۔

اسلام، پاکستان، جمہوریت اور پاک فوج سے یکساں محبت کرنے والے اِس نظریاتی سیاستدان کی یہ سرگزشت ان تمام سیاسی کارکنوں کو توجہ سے پڑھنی چاہیے جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کے پیدا نہیں ہوئے اور نظریہ، لگن، خلوص، محنت اور جماعتی وابستگی کے بل بوتے پر سیاست و اقتدار کی بلند و بالا چوٹیوں کو سر کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

مجید نظامی

چیف ایڈیٹر

روزنامہ نوائے وقت / دی نیشن

# تقریظ

مسلم لیگ (ن) کے قائم مقام صدر مخدوم محمد جاوید ہاشمی ایک سٹوڈنٹ لیڈر کے طور پر ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے قومی مطلع سیاست کے ایک تابندہ ستارے بن گئے۔ انہوں نے ضلع ملتان کے روحانی پیشواؤں کے ایک قدیمی خاندان میں آنکھ کھولی۔ اپنے خاندان کے پیروکاروں اور مداحوں کی عقیدتوں کا مرکز بچپن ہی سے رہے۔ اس ماحول میں پروان چڑھنے والا ایک نوجوان ایک روز حاضر و موجود کا باغی بن کر ابھرے گا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جاوید ہاشمی اپنی 55 سال زندگی میں نظری، فکری، سیاسی اور عملی ارتقا کے بے شمار مراحل طے کر چکے ہیں ان کی طالب علمانہ زندگی ہو یا ایک سیاسی کارکن کا کردار، ارادے کی کمزوری اور ضمیر کی آواز کے خلاف حالات سے سازگاری اختیار کرنا ان کے مزاج کا حصہ کبھی نہیں رہا۔ جھکنا اور سرنڈر کرنا گویا انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ اسلامی جمعیت طلباء، تحریک استقلال اور ضیاء الحق کی کابینہ کی رکنیت سے ہوتے ہوئے وہ مسلم لیگ (ن) میں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ 12 اکتوبر 1999ء کے فوجی انقلاب اور میاں نواز شریف کے دور ابتلا کے آغاز کے بعد ان کے جو ساتھی چٹان کی طرح ان کے ساتھ کھڑے رہے ہیں ان میں مخدوم جاوید ہاشمی ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ میاں صاحب نے بھی ان پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا جب انہوں نے ملک سے اپنی جلاوطنی کے موقع پر اپنی پارٹی کے متعدد سینئر رہنماؤں کی موجودگی میں جاوید ہاشمی کو اپنی پارٹی کا قائم مقام صدر مقرر کیا۔ جاوید ہاشمی نے اپنے آپ کو میاں صاحب کے اہل ثابت کیا ہے لیکن انہیں اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے اور نہ معلوم کب تک کرنی پڑے گی۔ آخری مرتبہ انہیں 29 اکتوبر 2003ء کی شام پارلیمنٹ لاجز اسلام آباد سے گرفتار کیا گیا۔ مشرف حکومت کے دور میں یہ ان کی دسویں گرفتاری تھی۔ ان کا خیال ہے کہ اس گرفتاری کا فیصلہ دو ماہ پہلے ہو چکا تھا انہوں نے جو راہ اختیار کر رکھی تھی اس میں انہوں نے اس قسم کی آزمائشوں کو گویا خود انگیز کیا تھا اور اس گرفتاری سے بہت پہلے ہی وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار تھے چنانچہ انہوں نے اپنی حالیہ اسیری کے دوران اپنی جو خودنوشت لکھی ہے اس میں وہ کہتے ہیں۔

"9/11 کو میں ملتان میں اپنے حلقہ انتخاب کے دور دراز گاؤں میں جا رہا تھا۔ میں نے گاڑی میں لگا ہوا ریڈیو کھولا تو بی بی سی پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حملے کی خبر سنائی جا رہی تھی۔ میں نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے ساتھیوں سے کہا: میں بہت جلد گرفتار کر لیا جاؤں گا اور لمبے عرصے تک جیل میں رہوں گا۔ وہ ہنسنے لگے ان میں سے ایک نے کہا آپ عجیب بات کر رہے ہیں میں نے انہیں کہا: میں آپ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ بہت جلد اسے عملاً ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

''میرے سامنے سارا منظر واضح تھا اتنے بڑے واقعے کے بعد پوری دنیا کی سیاست کو بدل جانا تھا۔ میں نے کہا امریکہ پہلے ہی ہماری حکومت پر اُسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کے لیے دباؤ بڑھا رہا تھا۔ اب اس کا ہدف افغانستان ہوگا۔ افغانستان میں امریکہ کی مداخلت پاکستان کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ ہمارے فوجی حکمرانوں کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع ہے کہ امریکہ کو ان کی ضرورت ہو۔ ہمارے حکمران امریکہ کی پالیسیوں کو عمل درآمد کے لیے دل وجان سے خود پیش کریں گے۔ ظاہری طور پر جمہوری قوتوں کی حمایت کا جو بھرم ہے، امریکہ اس سے دستبردار ہو جائے گا، یوں فوجی حکمران ملک کی جمہوری قوتوں کو کچلنے کا موقع پالیں گے۔ ایوب خان اور ضیاء الحق کی طرح ہندوستان کی دوستی کے حصول کے لیے فوجی شان وشوکت اور جہاد کا نعرہ ترک کر دیا جائے گا۔ اقتدار کے راستے کی یہ رکاوٹیں دور ہو گئیں تو اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کا کام آسان ہو جائے گا اور جب اندرونی دشمنوں پر توجہ دی جائے گی تو گذشتہ دو سال سے میرے بیانات اور سرگرمیاں میری گرفتاری کا جواز پیش کرنے کے لیے کافی ہوں گی''۔

ان کی آخری گرفتاری بغاوت کے ایک مقدمے میں ہوئی یہ مقدمہ کس بنیاد پر قائم کیا گیا اس کی تفصیلات پریس میں شائع ہو چکی ہیں اور معلوم عوام ہیں۔ جاوید ہاشمی اپنی آخری گرفتاری کا احوال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

میں قوم کا منتخب نمائندہ تھا، اسمبلی کا اجلاس جاری تھا اور میں قومی اسمبلی کے دروازے پر ننگے پاؤں ایجنسیوں کی حراست میں ایک جیپ میں بند بیٹھا تھا۔ میرے سامنے ایوان صدر تھا، جس پر دو پرچم لہرا رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے ماتھے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا ''اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں'' مگر اس عمارت سے اوپر ایک بادشاہ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے پاؤں کے نیچے اسمبلی کی عمارت اپنی بے بسی پر نوحہ کناں تھی۔

ایجنسیوں کی جیپ رینگنے لگی۔ انہیں کسی رکاوٹ یا مزاحمت کا خوف نہ تھا۔ جب ہم سپریم کورٹ کی عالی شان عمارت کے سامنے سے گزر رہے تھے تو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، انصاف کا دروازہ بند تھا۔ اس پر بھی وردی والوں کا پہرہ تھا۔

اس کے بعد میں کہاں تھا، مجھے کوئی علم نہیں۔ 14 روز تک میں سورج کی روشنی نہ دیکھ سکا۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جاتیں اور ہاتھوں میں زنجیریں۔ آنکھوں سے پٹیاں کھول کر بٹھا دیا جاتا اور پہروں نہ ختم ہونے والی بے معنی سوالات کی نشست ہوتی۔ اس کے بعد ننگے اور گیلے فرش پر سونے کی اجازت مل جاتی۔ نومبر کا مہینہ میرے جذبوں کو ٹھنڈا نہ کر سکا، میری اعصاب شکنی کے لئے گاہے بگاہے دیواروں کے ساتھ پٹخنے کی مشق بھی جاری تھی۔ 14 دن کے بعد مجھے اڈیالہ جیل میں ایک ایسے سیل میں بند کر دیا گیا جو گوانتانا موبے بھیجے اور واپس آنے والے قیدیوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس سیل کو گوانتانا موبے سے زیادہ تکلیف دہ بنایا گیا ہے۔ تقریباً سوا سال سے

میں اس دشت تنہائی میں ہوں یہ ایک ویران جزیرہ ہے، دور نزدیک کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ صرف سرکاری امور سرانجام دینے والے کارندے میرے سیل کے چاروں طرف موجود ہوتے ہیں۔ بلب لگا دیئے گئے ہیں جو دن رات جلتے ہیں۔ اس سیل کے چاروں طرف اونچی ایک خاردار دیوار ہے۔ اس کے اردگرد مزید پہرے دار ہیں۔ ہر چار گھنٹے بعد پہرے دار تبدیل ہو جاتے ہیں اور تازہ دم اور چوکس پہرے دار وارد ہوتے ہیں۔ داخل ہونے سے پہلے وہ چار دیواری کے آہنی دروازے کو دھماکے سے کھولتے ہیں، میں اگر سو رہا ہوں تو جاگ جاتا ہوں اور جاگ رہا ہوں تو چونک اٹھتا ہوں، مگر اب میں اس شورِ مسلسل کا عادی ہو چکا ہوں، اب اگر وہ دروازہ آہستگی سے کھولیں تو کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

ایسے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

جاوید ہاشمی صاحب نے بغاوت کے مقدمے میں اپنی صفائی میں کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ وہ ایک اقراری مجرم ہیں اور ان کی کتاب کا نام اس کی شہادت ہے لیکن احباب اور وکلاء کے مشورے سے آخر کار وہ ایک تفصیلی تحریری بیان ریکارڈ پر لانے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کا پورا بیان ان کی خودنوشت میں موجود ہے۔ ان کو سزا دینے کے لیے جج نے جو فیصلہ لکھا اس کی تفصیلات بھی زیرِ نظر کتاب میں درج ہیں۔ بدیہی طور پر یہ ایک سیاسی مقدمہ تھا اور اس بات کی تصدیق ایک سے زیادہ عمائدین کے بیانات سے اب ہو چکی ہے۔ حکمران مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل خود سینٹ میں تین سیاسی مقدمے ختم کرنے کے مطالبہ کر چکے ہیں جن میں سے ایک مقدمہ مخدوم جاوید ہاشمی کا ہے۔ موجودہ وزیر اطلاعات بھی ان دنوں یہی مطالبہ کر رہے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ تحریر قارئین کے سامنے آنے تک ہاشمی صاحب رہا بھی ہو چکے ہوں۔ یہ موجودہ حکومت کی طرف سے بھی اس بات کا اعتراف ہوگا کہ ہاشمی صاحب کی گرفتاری اور سزا بے جواز تھیں اور یہ ایک انتقامی کارروائی تھی۔ مسلم لیگ (ن) اور جاوید ہاشمی کی کسی حکمت عملی سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جس ملک میں یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ یہاں حقیقی جمہوریت بحال کر دی گئی ہے اس میں ایک اہم سیاسی جماعت کے قائم مقام صدر کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنانا اور جرم بے گناہی کی سزا دینا ایک ایسی قابل مذمت حرکت ہے جس پر جتنی بھی تنقید کی جائے کم ہوگی لیکن جاوید ہاشمی نے اپنی استقامت اور اپنے آہنی ارادے سے ثابت کر دیا ہے کہ ان میں ایک مثالی سیاسی کارکن اور رہنما کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ جاوید ہاشمی جیسے لوگ ہی پاکستان میں جمہوریت کے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں وہ وقت دور نہیں جب ان کی اور ان جیسے لوگوں کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور پاکستان میں ایک سچے جمہوری اور فلاحی معاشرے کا سورج طلوع ہوگا۔ انشاء اللہ

(ارشاد احمد حقانی)

جنگ لاہور (9-12-2004)

# تعارف

## کتاب اور صاحب کتاب

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے،

مخدوم جاوید ہاشمی نے اپنے اس بیان کی ایک کاپی مجھے بھجوائی تھی جو اُنہوں نے اپنے خلاف بغاوت/غداری کے مقدمے میں عدالت میں دیا (اگر اڈیالہ جیل میں لگنے والی اس عدالت کو، عدالت کہا جا سکے)

اس بیان کے آغاز میں ہی ''ملزم'' نے اعترافِ جرم کرلیا تھا..... ''اگر پاکستان کی مٹی سے وفاداری کا نام بغاوت ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں جنم جنم کا باغی ہوں''۔

50 صفحات پر مشتمل یہ بیان جس میں روئے زمین پر حق و باطل کی تاریخی کشمکش کی داستان سمٹ آئی تھی، بلاشبہ ایک زبردست ادبی شہ پارہ بھی تھا۔

کہا جاتا ہے کہ غداری کے جس قانون کے تحت جاوید ہاشمی پر مقدمہ چلایا گیا (اور 23 سال کی سزا سنائی گئی) 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد علی برادران کے سوا کسی پر لاگو نہ کیا گیا تھا۔ جاوید ہاشمی کو اپنے جرم کا بھی احساس تھا اور یہ علم بھی کہ اس سارے عدالتی عمل کی حقیقت کیا ہے۔ وہ اس کا بائیکاٹ کرنا چاہتا تھا لیکن احباب کے اصرار پر اس نے اس کارروائی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ 50 صفحات پر مشتمل ایک اور ''قولِ فیصل'' تیار ہو گیا۔

جاوید ہاشمی کا وہ بیان میرے لئے خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔

جاوید ہاشمی کئی بار میری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا اور اس بار بھی یہی ہوا۔ اس کی تقریری صلاحیتوں کا تو ایک زمانہ معترف ہے۔

ایک شعلہ بیان مقرر! ایک آتش نوا خطیب!!

قدرت نے اسے تقریری صلاحیتوں کے علاوہ ایسی زبردست تحریری صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے، اس کا احساس مجھے پہلی بار ہوا تھا۔

اس کے بعد مجھے اس کی کتاب کا انتظار تھا، جس کا مسودہ چند دن پہلے ملا۔ اس کا مطالعہ، میری مصروفیات میں سرفہرست تھا۔

میمونہ کا شکریہ، کہ اس کے اصرار نے جاوید ہاشمی کو یہ کتاب لکھنے پر آمادہ کیا اور یوں زنداں میں تخلیق پانے والے ادب میں ایک اور شہ پارے کا اضافہ ہو گیا۔ اس حوالے سے جاوید کی کسرِ نفسی اپنی جگہ لیکن کون ہے جو اس

کتاب کی قدر و قیمت سے انکار کر سکے، جو ایک زبردست ادبی تحریر بھی ہے اور قابلِ اعتماد تاریخی دستاویز بھی۔

لیکن میرا خیال ہے، میمونہ کا اصرار نہ بھی ہوتا، پھر بھی جاوید ہاشمی کے جنوں نے ''محشر'' میں فارغ کہاں بیٹھنا تھا۔ اس نے اظہار کے لیے یہی راستہ اختیار کرنا تھا۔ وہ باہر تھا تو اپنی تقریروں سے قوم کو جگانے کی کوشش کرتا رہا، نوجوانوں کو حوصلہ دیتا تھا، غاصبوں کو للکارتا تھا۔ جیل گیا تو یہی کام اپنی تحریر سے لیا۔

زباں پہ مُہر لگی ہے تو کیا، کہ رکھدی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

پاکستان حضرتِ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زیرِ قیادت مسلم لیگ کی سیاسی و جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں وجود میں آیا لیکن المیہ یہ ہوا کہ قائد کے انتقال کے بعد یہاں سیاسی روایات اور جمہوری اقدار جڑ نہ پکڑ سکیں۔ محلاتی سازشوں کے نتیجہ میں سول وخاکی بیوروکریسی اور فیوڈل لارڈز کو کھل کھیلنے کا موقعہ ملا۔ خدا خدا کرکے نوسال کے طویل انتظار کے بعد ملک کو آئین ملا بھی تو طالع آزماؤں کے ہاتھوں آئین شکنی کا نیا کھیل شروع ہوگیا۔ فردِ واحد کا ہر لفظ ''فرمانِ امروز'' (Order of the day) قرار پایا۔ آئین، قانون، پارلیمنٹ، عدلیہ، بنیادی انسانی حقوق، سیاست اور سیاسی جماعتیں، سیاسی و جمہوری اقدار، سب کچھ بھاری بوٹوں کے زد میں تھا۔

لیکن سخت ناسازگار حالات میں مختلف ادوار میں سیاسی قیادت اور سیاسی کارکنوں نے وطنِ عزیز میں آئین کی بالادستی اور سیاسی و جمہوری حقوق کی بحالی کی جو جدوجہد کی، تھرڈ ورلڈ میں اس کی مثالیں کم کم ہی نظر آتی ہیں۔ جاوید ہاشمی کا نام بلاشبہ اس جمہوری جدوجہد کے قافلہ سالاروں میں سرِفہرست ہے۔

وہ جو اقبالؒ نے کہا تھا، ع

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی

جاوید ہاشمی کا معاملہ بھی یہی تھا۔ بچپن ہی سے شہسواری کا شوق، کئی بار گھوڑے سے گرنا، مگر خطرۂ افتادسے ڈر کر شہسواری ترک نہ کرنا۔

تیسری جماعت میں تھانہ سے پہلا بلاوا، اس پر گھبرانے کی بجائے گھر سے افطاری کا سامان منگوالینا۔

چوتھی جماعت میں آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''نیکی بدی'' میں ہیرو شہزادے کا رول اور پھر پا بہ زنجیر شہزادے کا غاصب سپہ سالار سے مکالمہ۔

جاوید ہاشمی کے بقول یہ ڈرامہ اُس کی زندگی کا سنجیدہ کردار بن گیا۔

جاوید ہاشمی کی 29 اکتوبر 2003ء کی گرفتاری، مشرف دور میں دسویں اور اُس کی سیاسی کیریئر کی تیسویں گرفتاری تھی۔

زنداں کی اُن آزمائشوں میں شاہی قلعہ لاہور کی قید، چونامنڈی اور ملتان سی آئی اے سٹاف میں برف کی سلوں پر لٹانے، ہتھکڑیاں سلاخوں سے باندھ کر ساری ساری رات جگانے کی اذیتیں بھی شامل تھیں۔

اب اُس کے روز و شب اڈیالہ جیل کے اُس سیل میں گزر رہے ہیں جسے گوانتاناموبے بھیجے جانے اور وہاں سے واپس آنے والے قیدیوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہ گوانتاناموبے کی اذیتوں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ لیکن اس کیفیت میں بھی اُس کی حسِ لطافت اسی طرح قائم و دائم ہے۔ اپنی صاحبزادی بشریٰ کے نام 12 جون 2004ء کے خط میں انہوں نے لکھا ہے "ایک لوہے کی پلیٹ اور پلاسٹک کا گلاس مجھے کھانے پینے کے لیے دیا گیا۔ یہ اُس سیل میں میری کل کائنات تھی۔ کوٹ لکھپت جیل میں تو ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی پینا پڑتا تھا یہاں ایک لوٹا بھی تھا۔ سچی بات ہے مجھے یہاں آ کر لوٹے کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔ مجھے لگتا ہے یہی احساس دلانے کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ جس طرح میرے جیسے دیہاتی کا میلے میں کھیس چوری ہو گیا تو اُس نے کہا تھا، میلہ تو میرا کھیس چُرانے کے لیے لگایا گیا تھا۔

جاوید ہاشمی میرے اچھے اور بُرے دنوں کے ساتھی ہیں۔ میں اقتدار میں تھا، تب بھی اور عتاب میں تھا، تب بھی وہ میرے شانہ بشانہ رہے۔

سچی بات یہ ہے کہ میں نے اُسے کبھی اقتدار کے لیے حریص نہ پایا۔ اس حوالے سے وہ اکثر و بیشتر بے رغبتی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتا۔ کابینہ کے اجلاسوں میں وہ ہمیشہ اپنے دل کی بات کہتا۔ کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو برملا اس کا اظہار کرتا۔ جسے درست سمجھتا، اُس کے اظہار میں کبھی لکنت کا شکار نہ ہوتا۔

12 اکتوبر کے بعد کی آزمائشیں اس نے جس خندہ پیشانی سے برداشت کیں...... بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اُس نے ان آزمائشوں کو جس طرح خود دعوت دی اور ہزیمت کی بجائے عزیمت کا راستہ اختیار کیا، اس پر وہ ملک کی تمام جمہوری قوتوں کی طرف سے تشکر اور تحسین کا مستحق ہے۔

مجھے اُس کی رفاقت پر ناز ہے۔

اُس نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"Nawaz Sharif! Pakistan is Proud of you"

میں ان ریمارکس پر اُس کا شکر گزار ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم سب کے لیے فخر اور اعزاز کی علامت بن گیا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں:۔

"Javed Hashmi! Nawaz Sharif is proud of You,"
"Muslim League is Proud of You,"
"Pakistan is Proud of You."

خیر اندیش

نواز شریف

محمد نواز شریف

# مُقدّمہ

## زندہ تاریخ

میں اپنے دفاع میں کوئی عدالتی بیان نہ دینا چاہتا تھا، کیونکہ میں مقدمے کی اندرونی کہانی سے باخبر تھا۔ مجھے عدالتی کارروائی کے انجام کا خوب علم تھا۔ اس کارِلاحاصل میں نہ اپنا وقت ضائع کرنا چاہتا تھا اور نہ عدالت کا۔

جماعت کا فیصلہ برعکس تھا۔ یہ کہ تمام حقائق ریکارڈ پر آنے چاہئیں۔ میں نے عدالتی بائیکاٹ ختم کر دیا۔ جماعت کے نظم وضبط کی میں نے ہمیشہ پابندی کی ہے، حتیٰ کہ رائے کی قربانی سے بھی کبھی گریز نہ کیا۔ حکم ہوا تو میں نے تعمیل کی اور انفرادی فیصلے نے اجتماعی فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔

بیان لکھنے بیٹھا تو ایک دبستان کھل گیا۔ عدالت کا وقت ختم ہو گیا لیکن میرا قصہ طویل ہوتا گیا۔ میں نے اپنی بیٹی میمونہ کے اصرار پر مقدمہ اور اِس سے متعلق واقعات پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ نہ ادبی تحریر ہے، نہ کوئی سوانح عمری اور نہ ہی کوئی تاریخی دستاویز...... یہ بس ایک قلبی واردات ہے۔

حالات نے جس طرح مجھے اپنے سانچے میں ڈھالا، یا حالات کو میں جس سانچے میں ڈھال سکا، اُن کے ذکر سے یہ ضرور ہوا ہے کہ میری زندگی کے چند پنہاں گوشے نمایاں ہو گئے۔

اس کتاب میں جتنے بھی واقعات کا ذکر ہوا ہے، اُن میں کوئی ایسا نہیں، جس کا کوئی نہ کوئی کردار ابھی تک زندہ نہ ہو، اس طرح یہ تحریر شاید ایک زندہ تاریخ کہلا سکتی ہے۔

میں جب تکالیف کا ذکر کرتا ہوں تو تحدیثِ نعمت کے طور پر کرتا ہوں۔ دوسرا مقصد راہِ حق کے مسافروں کو یہ بتانا ہے کہ مشکلات کامیاب سفر کا زادِراہ ہوتی ہیں۔ اِن سے گھبرانا نہ چاہیے۔ یہ آگہی کا سفر ہے، اقوام اِسے حوصلے اور صبر سے طے کریں تو مشکلات پر قابو پالیں اور منزل قریب تر ہو جاتی ہے۔ میں یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ منزل اب قریب ہے۔

تیز ترک گامزن منزل مادور نیست

کہا جاتا ہے دنیا پر اس وقت دہشت گردی کا راج ہے، پوری انسانیت اس کی لپیٹ میں آچکی۔ ہمیں اس دہشت گردی کے اسباب کا کھوج لگانا ہوگا تاکہ پوری دنیا پر امن قائم کیا جا سکے اگر ہر قوم اپنے محدود وسائل میں رہنے کا فیصلہ کر لے اور دوسری قوموں کے وسائل کو چھیننے کی خواہش پر قابو پالے تو کرہِ ارض پر امن کا حصول ممکن ہے۔

تیسری عالمی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے، اِس کی تباہ کاریوں سے بچنے کیلئے فوری طور پر دنیا کو معاشی وسائل کی

مساوی تقسیم کا نیا نظام دینا ہوگا، ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام کرنا ہوگا اور جمہوریت کی بلند و بالا دیوار تعمیر کر کے اسے مضبوط کرنا ہوگا۔

مغرب کی کوکھ سے میگنا کارٹا (Magna Carta) انقلابِ فرانس، بل آف رائٹس (Bill of Rights) اور کمیونزم نے جنم لیا۔ انسانی سوچ کے ارتقائی عمل میں یہ چاروں اہم سنگِ میل ہیں۔ مگر یہ انسانی دکھوں کا مکمل علاج پیش نہیں کر سکے۔ جمہوریت جس پر مغرب اور مشرق دونوں کا دعویٰ ہے، تمام انسانوں کیلئے نقطۂ اتصال بن سکتی ہے، تاہم میں عسکریت کے وجود اور اس کی اہمیت کا قائل بھی ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عصا نہ ہو تو کلیمی کارِ بے بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن میں زندگی کے تمام شعبوں پر عسکریت کی بالادستی کو شرفِ انسانی کی توہین سمجھتا ہوں۔

میں نے چالیس سال (1964ء سے 2004ء تک) سول سوسائٹی اور آئین کی بالادستی کیلئے جدوجہد کی۔ کسی فرد یا جماعت نے جب بھی آمریت کے خلاف جنگ لڑنے کا اعلان کیا میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ جب قافلہ سالاروں کی ترجیحات بدل گئیں میں نے شوق کو اپنا امام بنا لیا۔ میرا ایمان ہے کہ جس دن انسان نے ایک دوسرے کو برابر تسلیم کر لیا وہ انسانی معراج کا دن ہوگا۔ قدرت نے کرۂ ارض میں اتنے معاشی وسائل رکھ دیئے ہیں کہ اگر منصفانہ تقسیم کی جائے تو کوئی شخص بھوکا نہ سوئے گا۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ بیوروکریسی، فیوڈل ازم اور فوجی حکمران پاکستان کی ترقی روکنے میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

مذہبی تنگ نظری اور صنعتی طبقے کی محدود سوچ نے بھی پاکستان کے مثبت تصور کو اجاگر ہونے نہ دیا۔ جب تک ہم قوت برداشت پیدا نہ کریں گے اور دیانتداری کے سنہری اصول پر عمل نہ کریں گے، صحت مند معاشرہ کی تشکیل ممکن نہ ہوگی۔

صرف جمہوریت اور آزاد پارلیمنٹ ہی کسی قوم کی قسمت بدلنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جمہوریت میں بے شمار نقائص ہیں اور جمہوری عمل سست، تھکا دینے والا اور مہنگا ہے، مگر جمہوریت کی خامیاں صرف مزید جمہوریت سے ہی دور کی جا سکتی ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ جمہوریت کے راستے پر چلتے ہوئے انسان اُس مکمل ضابطہ حیات کی منزل تلاش کرلے گا، جس کی خدا کے برگزیدہ بندوں نے بار بار نشاندہی کی۔

اس کتاب کو میں نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ وہ پس منظر ہے جو میری سیاسی سوچ کی پختگی کا باعث بنا اور میرے موقف کو میرا عقیدہ بنا دیا۔ تحریری عدالتی بیان میں یہ سارے واقعات میں نے سمو دیئے تھے لیکن میرے قانونی مشیروں نے کچھ حصے جن کا براہ راست مقدمے سے تعلق نہ تھا، علیحدہ کر دیئے۔ دوسرا حصہ 12 اکتوبر 1999ء سے نومبر 2004ء کے واقعات پر مشتمل ہے جسے میں نے پانچ سالہ جدوجہد کا نام دیا ہے۔ تیسرا حصہ مقدمہ سماعت کے آغاز سے انجام تک کے حالات اور کیفیات پر مشتمل ہے۔ اس میں عدالت میں پیش

کیا جانے والا تحریری بیان بھی شامل ہے۔ جس میں اگلے پچاس سال میں دنیا کے نقشہ پر ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر اجمالاً کیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں بشریٰ کے نام خطوط میں قید خانے کا تذکرہ بھی ہے اور بشریٰ کے حوالے سے پاکستان کی نئی نسل کو اپنا ورثہ منتقل کرنے کی خواہش بھی۔ اِسی حصے میں قومی اسمبلی میں گذشتہ بیس سال میں کی گئی تقاریر کے اقتباسات ہیں۔ یہ تاریخی ریکارڈ بھی ہے اور میرے اندر کے مدوجزر کی کہانی بھی۔ جلسہ عام اور اسمبلی کی تقریر کی زبان میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مجھے جس انداز خطابت پر سراہا گیا وہ اس کتاب میں نہیں ملے گا۔ لیکن یہ بیس سالہ سیاست پر مستقبل بینی کا اہم ریکارڈ ہے۔ میری سیاسی جدوجہد چار عشروں پر محیط ہے۔ تمام اہم واقعات کا ذکر ممکن نہ تھا اس کے لیے ایک اور کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ پانچویں حصے میں مقدمۂ بغاوت، غداری اور جیل کی عدالتی کارروائی کو بطورِ ضمیمہ پیش کردیا گیا ہے کہ عوامی عدالت کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ وہ دیکھ سکیں کہ کون سا قومی راز تھا جو کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے سے افشا ہوجاتا۔ عوام کا فیصلہ میرے لئے زیادہ اہم ہے۔ عوام کا فیصلہ ہی تاریخ کا فیصلہ ہوتا ہے۔

جیل میں پانچ ماہ تک کاغذ اور قلم کی اجازت نہ تھی عدالت نے بعد میں بیان لکھنے کی اجازت دی تو میں نے کتاب لکھنے کی گنجائش نکال لی۔ اس کام کی تکمیل میں تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا کوشش کے باوجود کتابت کی غلطیوں پر پوری طرح قابو نہ پایا جا سکا جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

میں نے کبھی اپنی تصویروں کا ریکارڈ نہیں رکھا۔ کتاب کی اشاعت سے ذرا پہلے مجھے اس کا احساس دلایا گیا۔ کتاب کی اشاعت میں تاخیر کے خوف سے اب ان کی تلاش بے سود ہے۔ آمنہ اور بشریٰ نے چند تصاویر ڈھونڈ نکالیں، انہیں کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

# انتساب

میں اپنی کتاب اُن مجبور ومقہور لوگوں کے نام کر رہا ہوں جن کی نسلیں بے نام ونشان ہیں۔

جن میں ایم گاماں، رمضی مصلّی، رمضان حجام، محمد بخش لوہار، قادر بخش میرزادہ، رمضان ڈنگر یچ، عاشق درکھان، غلام موچی اور عاشق پاولی (جولاہا)، غلام محمد دکاندار یعقوب نائی، نعمت موچی، غلام یاسین، رفیق قصاب، جمعہ مہاجر اور شریف ماڑو شامل ہیں۔

مائی صاباں کے نام...... جس نے میری دادی اور ماں کی خدمت کی اور مجھے پالا پوسا!

ان کے آباؤ اجداد کے نام!!!

اُن دبے ہوئے طبقات کے نام...... جن کی خدمات کا کسی کو اعتراف نہیں حالانکہ انہی کا خون وطن کے چہرے کا غازہ ہے

اُن بے بس انسانوں کے نام...... جو صنعتی ممالک کے پھیلائے ہوئے فُضلے میں سانس لے کر بیماریوں کا مرقع بن چکے

ہسپتالوں کے اُن تڑپتے ہوئے مریضوں کے نام...... جن تک ترقی یافتہ اقوام سستی دوائیں نہیں پہنچنے دیتیں، نہ اُنہیں اپنی ایجاد کی ہوئی سستی دوائیں استعمال کرنے دیتی ہیں۔

اُن طالب علموں کے نام...... جن پر نسل اور رنگ کی بنیاد پر جدید علم کے دروازے بند کر دیئے گئے

اُن مزدوروں کے نام...... جن کی محنت کا صلہ بھوک، افلاس اور بے روزگاری ہے۔

اُن کسانوں کے نام...... جو دوسروں کو اناج مہیا کرتے ہیں مگر اُن کے گھر میں بھوک کی فصل اُگتی ہے!!!

کشمیر، عراق، فلسطین، چیچنیا کے بچوں کی بے گور و کفن لاشوں کے نام...... جن سے فرعونوں کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔

اپنی دھرتی کے اساتذہ کے نام...... جو ہمیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں مگر اپنے بچوں کیلئے فیس ادا نہیں کر سکتے۔

وفا کی تصویر اُن شہیدوں کے نام...... جو 1965ء، 1971ء اور کارگل کے معرکوں میں اپنی قیادت کی غلط منصوبہ بندی کا شکار ہوئے لیکن اپنے خون کی دیوار سے وطن کو محفوظ کر دیا۔

شہید اشرف قریشی کے نام...... جس کی لاش لاہور کینٹ کی سڑک پر پڑی تھی۔ اُس کے سینے پر ایک طرف گولی کا سوراخ تھا اور دوسری طرف میری انتخابی مہم کی تصویر والا بیج۔

اپنے کارکن اندرون لاہور سید مٹھا بازار کے ضمیر بٹ شہید کے نام...... جس نے صابرہ شتیلہ کیمپ میں یاسر عرفات کو بچانے کیلئے اپنا سینہ گولیوں کے آگے کر دیا۔

وحید شہید جیسے کڑیل جوان کے نام...... جس نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں مجھ پر گر کر مجھے تو پولیس کی گولی سے بچالیا لیکن خود لقمہ اجل بن گیا۔

امریکہ اور یورپ کے کروڑوں انسانوں کے نام...... جو عراق پر حملے کے خلاف اور امن کے حق میں بچوں سمیت سڑکوں پر نکل آئے۔

دُخترانِ وطن کے نام...... جو نیلی وردیوں میں سکول جاتی ہوئی میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہیں۔

اپنے ملک کے قانون دانوں کے نام...... جو آئین کی بالا دستی کا ہراوّل دستہ بن گئے

وطن کے سپاہیوں کے نام...... جو ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کے محافظ ہیں۔

ملک کے اہلِ قلم کے نام...... جو تحریص و تخویف کے دور میں اندھیرے میں روشنی کے چراغ جلا رہے ہیں۔

ملک کے سیاسی کارکنوں کے نام...... جو ملک کی شمع پر پروانوں کی طرح قربان ہو رہے ہیں، جنہیں نہ صِلہ کی تمنا ہے، نہ اپنے روشن مستقبل کی اُمید مگر وہ وطن کی محبت کے اسیر ہیں

پاکستان کے سارے صحراؤں، کھیتوں، کھلیانوں، پہاڑوں اور شہروں کے نام...... جن کی حفاظت کا علم میں نے اس عہدِ ستم میں بھی گرنے نہیں دیا۔

شہرِ لاہور کی گلیوں اور اونچے بُرجوں کے نام...... جنہوں نے میری سیاسی جدوجہد کو جلا بخشی۔

اپنے وطن کے ان علماء کے نام...... جنہوں نے اپنے خون سے حریتِ فکر کی قندیلیں روشن کیں اور اسلام کو غریب الوطن ہونے نہیں دیا اور جو عہدِ جدید میں قدامت کا حسن ہیں اور دین کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں۔

ڈھاکہ، چٹاگانگ، سلہٹ کی مساجد کے میناروں کے نام...... جن کی اذان کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔

شیرِ بنگال مولوی فضل الحق، مولوی فرید احمد، خواجہ خیر الدین، غلام اعظم خان، نور الامین، محمود علی اور راجہ تری دی رائے کے نام...... جو پاکستان سے وفا کی علامت بن چکے۔

گلبرگ کے مہنگے ترین ریسٹورنٹ کے سامنے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر رزق تلاش کرنے والے بچے کے نام...... جس کی تقدیر بدلنے کا عہد مجھے بروئے کار رکھتا ہے۔

اپنے سیکرٹری محمد اجمل، پریس سیکرٹری طارق عزیز، ڈیرے دار نواب دین، دائی زینب کھلائی رحمتو، عبدالغفور ڈرائیور، اللہ دتہ ڈرائیور و فیض محمد ذاتی خدمتگار کے نام...... جن میں سے ہر ایک کو اسلام آباد، ملتان اور مخدوم رشید کے تھانوں میں بارہا بند کیا گیا، اُن پر پولیس تشدد کیا گیا مگر انہوں نے مشکل ترین حالات میں بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ کئی نسلوں کا ساتھ ہے، قربانی دینے اور قربانی لینے والوں کا ساتھ...... میں اُن سے شرمندہ ہوں جو میرے سیاسی نظریات کی بھینٹ چڑھ گئے۔

# اظہار تشکر

کتاب کی تیاری اور آپ تک پہنچانے کیلئے محمد اکرم شیخ، قیصر محمود شیخ، امتیاز الدین ڈار، چوہدری محمد امین (منی بھائی) خواجہ سعد رفیق، اسد محمد، میمونہ ہاشمی اور صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ نے اہم کردار ادا کیا۔

کمپوزنگ کیلئے محمد اجمل اور عبدالحفیظ نے رات دن ایک کر دیا۔ تصویروں کی تلاش اور ان کے انتخاب میں آمنہ اور بشریٰ نے میرے کام کو سہل بنایا۔

جب مسودہ تیار ہو گیا تو میں نے اس کی کاپیاں اُن اہل دانش کو بھجوائیں جو طالب علمی کے دور سے میری سیاسی جدوجہد سے واقف ہیں اور واقعات کی تصحیح کر سکتے تھے۔ ان میں جناب میاں نواز شریف، جناب مجید نظامی، جناب ارشاد حقانی، جناب مجیب شامی، جناب سید ارشاد عارف، جناب ہارون الرشید، جناب عرفان صدیقی، جناب سجاد میر، جناب قادر حسن، جناب عطاء الحق قاسمی، جناب حسن نثار، جناب ڈاکٹر اجمل نیازی، جناب سید عباس اطہر، پروفیسر منیر ابن رزمی اور نذیر ناجی شامل ہیں۔

کچھ حضرات نے اپنی آراء سے مجھے نوازا اور میری غلطیوں کی نشاندہی کی۔ کچھ آراء کا ابھی انتظار ہے۔ میں تمام حضرات کا شکر گزار ہوں۔

پہلا باب

# مخدوم رشید

# حالاتِ زندگی

میں ملتان سے 12 کلومیٹر مشرق کی طرف ملتان دہلی روڈ پر واقع قصبہ مخدوم رشید میں جولائی 1949ء میں پیدا ہوا۔ یہ قصبہ تقریباً ایک ہزار سال قبل ہمارے جدِ امجد حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ نے آباد کیا اور انہیں کے نام سے معنون ہو گیا۔ مخدوم رشید پاکستان کے عام قصبوں جیسا ہے یہاں کوئی بڑا جاگیر دار ہے اور نہ کوئی سردار۔ صلاحیت اور قابلیت ہی کی بنیاد پر یہاں کوئی معتبر ٹھہرتا ہے۔ مجھ سمیت وہ کسی کے منصب سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ منہ پر سخت بات کرنے والے کی یہاں زیادہ عزت ہے۔ اس کے باوجود فیوڈل ذہنیت کی چھاپ معاشرتی زندگی میں موجود ہے۔ ہزار سال پہلے قائم ہونے والے اس قصبے میں شاید ہی کبھی کوئی قتل ہوا ہو یا طلاق دی گئی ہو۔

اس کی گلیاں تنگ اور میلی ہیں، مگر لوگ فراخ دل اور اجلے ہیں۔ گھروں تک پیدل چل کر جانا پڑتا ہے۔ میرے آبائی گھر کے دروازے تک نہ پہلے پختہ سڑک تھی اور نہ میں نے بنوائی، چنانچہ میں اب بھی پیدل چل کر گھر جاتا ہوں۔ اس قصبے کے پانچ میل شمال میں بابا فریدالدین شکر گنج کی جائے پیدائش ہے اور ان کے والد کا مدفن بھی۔ نو میل کے فاصلے پر مشرق میں مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے نام پر جہانیاں شہر آباد ہے جو میرا حلقۂ انتخاب ہے۔ جنوب مغرب میں دس میل دور پر حضرت سخی سرورؒ کی جائے پیدائش ہے اور ان کے والد کا مدفن بھی۔ مغرب میں 9 میل کے فاصلے پر ملتان شہر ہے جسے مدینۃ الاولیا کہتے ہیں۔ امیر خسرو نے کہا تھا کہ

ملتان ما بجنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بنہہ کہ ملک سجدہ می کنند
ہمارا ملتان جنت الفردوس کے برابر ہے
پاؤں آہستہ رکھ کہ یہاں فرشتے سجدہ کر رہے ہیں

ملتان قبل از تاریخ کا شہر ہے۔ یہ صدیوں تک موجودہ پاکستان یعنی وادی سندھ کا دارالحکومت رہا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا مقدس مقام بھی۔ مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے، ''میں لاہور میں رہتا ہوں، یہ شہر ملتان کے مضافات میں ہے''۔

اُسی علاقے میں گذشتہ ایک ہزار سال کے دوران ادب اور شاعری اپنے عروج کو پہنچے۔ بابا فریدؒ کے کلام کو تو گورونانک نے سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کا حصہ بنایا ہے۔ حضرت بلّھے شاہ کا تعلق بھی اُچ شریف سے رہا ہے۔ اُچ شریف جو میرے گھر سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ

میرے گاؤں سے پچاس میل شمال میں معرفت کا درس دیتے رہے۔ پیر وارث شاہ نے ہیر وارث شاہ ملکہ ہانس میں بیٹھ کر لکھی، جو میرے گاؤں سے مشرق میں 70 میل دُور ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے خواجہ فریدؒ اسی نواح میں پیدا ہوئے۔

میں متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ ذریعہ آمدنی کا دارومدار فصل کے اچھا ہونے پر منحصر تھا۔ اگر فصل اچھی ہو جاتی تو ہمارے رہن سہن، شادی غمی میں امیرانہ جھلک آ جاتی۔ مزید جائیداد بھی خرید لی جاتی۔ فصل خراب ہو جاتی تو مزاج ٹھکانے آ جاتے۔ 1966ء کے بعد ہماری آٹھ فصلیں لگاتار خراب ہوتی رہیں مگر اس کے باوجود گھر، ڈیرے کا انتظام، میری تعلیم اور کالج یونیورسٹی کی انتخابی سیاست متاثر نہ ہوئی۔ ایسے موقعوں پر جائیداد بیچنے کی بجائے گھر کی اضافی چیزوں کو فروخت کر کے کام چلایا جاتا۔ سب سے پہلی قربانی میری والدہ پیش کرتیں۔ وہ غریبوں، بیواؤں کی مدد روکنے کی بجائے اپنے زیورات کی قربانی دے دیتیں۔ وہ نقد آور فصل کے آنے کا انتظار نہیں کرتی تھیں۔ میرے والد محترم نے مشکل ترین حالات میں میری والدہ کو غریبوں کی مدد سے کبھی نہیں روکا۔ ہمارے اخراجات پر پابندی لگا دیتے۔ ساری زندگی غربت اور امارت کی درمیانی پگڈنڈی پر سفر کرتے گزری۔ جب میں الیکشن لڑتا ہوں تو عموماً زرِ ضمانت کے پیسے نہیں ہوتے اور جیل جاتا ہوں تو قانونی جنگ کا بوجھ سر پہ ہوتا ہے، تاہم وسائل کی کمی نے مجھے کبھی محرومی کا احساس نہیں دلایا۔ میں بہت خوش قسمت ہوں میرے دوستوں اور رشتے داروں کو میری حالت کا علم ہے۔ اسی لئے ہر مشکل وقت میں وہ اپنے وسائل قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اسی بنا پر میں خود کو بڑا سرمایہ دار سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر جہاز خریدنے کی ضرورت ہو تو میرے احباب ایک دن میں سرمایہ فراہم کرنے کیلئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں اگر میں بڑی بڑی ملیں لگاتا، یا جائیدادیں بناتا تو اپنی سوچ کے مطابق سیاست نہ کر سکتا۔ سرمایہ کی کمی میرے لئے سرمایہ کا کام کرتی رہی۔ میں دادا کے بنائے ہوئے وسیع و عریض گھر میں پیدا ہوا۔ جسے گاؤں والے وڈا گھر (بڑے گھر) کے نام سے پکارتے ہیں۔ گاؤں کی زندگی میں، میں خود کو ایک رائل فیملی کا رُکن سمجھتا تھا۔ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی، والد محترم، میرے دادا اور پڑدادا نے جائیدادیں خریدیں۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے صدیوں پہلے خریدی گئی جائیدادیں بیچ کر سیاست کی حتیٰ کہ اپنے دادا کا تاریخی ڈیرہ بھی بیچ دیا اور یہ ایسا واقعہ تھا جس سے بعض دوستوں اور خاندان کے خیر خواہوں کو گہرا صدمہ ہوا۔

ہم نے آسودہ زندگی گزاری۔ میرا، میرے بھائیوں اور کزنز کا لباس منفرد ہوتا تھا۔ بچپن میں پُھندنے والی لال ترکی ٹوپی، گلے میں سفید چکن یا بوسکی کا کرتا ہوتا، جس پر ریشمی ویسٹ کوٹ، سفید شلوار یا ملتانی طلائی لنگی اور پاؤں میں کھسہ یا گرگابی جرابوں کے ساتھ پہنایا جاتا۔ نوجوانی میں ترکی ٹوپی کی جگہ جناح کیپ نے لے لی۔ جو خاندان کے مرد حضرات کے لباس کا لازم جزو تھی۔ میٹرک میں سر پر ہیٹ رکھتا تھا، کالج میں پہنچا تو دستار کی قربانی

دے کر سر بچالیا۔ جدِ اعلیٰ کے عرس کے موقع پر ایک دستار میرے سر پر رکھی جاتی ہے، اِس دستار کے ہر پیچ میں ہزار سال کی روایات ہیں، اب اِس دستار کو بچانے کے لیے سر کی قربانی دینے پر تیار ہو گیا ہوں۔ جب میں کالج میں داخل ہوا تو سائیکل خریدنے کے پیسے نہ تھے۔ میں شروع میں اپنے کزن صفدر عباس کی بائیسائیکل پر کالج جاتا رہا۔ بچپن کے اولین مناظر سے ایک یہ ہے کہ صبح آنکھ کھولتا تو والد محترم کو عبادت میں مصروف پاتا۔ ڈیوڑھی پر اور گھر کے اندر حاجت مندوں کی قطاریں لگی ہوتیں۔ والدہ محترمہ ضرورت مندوں میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کر رہی ہوتیں۔ میری سائیکل کیلئے پیسے نہ تھے، مگر میری والدہ میرے ساتھ پڑھنے والے غریب طالب علموں کی فیس کیلئے اپنا زیور تک بیچ دیتیں۔ آخری سانس تک وہ اس روش کو نبھاتی رہیں۔

رمضان شریف ہمارے تمام افراد کی تربیت کا مہینہ ہوتا۔ گھر کے تمام ملازمین کو چھٹی دے دی جاتی اور کام گھر کی خواتین خود کرتیں۔ سحری کے وقت گاؤں کی مساجد میں مسافروں کا کھانا، مدارس کے طالب علموں کی سحری، بیواؤں اور غریبوں، حتیٰ کہ ضعیف ملازموں اور ملازماؤں کے گھر کھانا پہنچانے کی ذمہ داری بچوں کے سر آ پڑتی۔ میرے بچپن میں رمضان شریف سردیوں میں تھا۔ ایک میل تک پھیلے ہوئے قصبے میں مَیں ٹھٹھرتا ہُوا دروازوں پر دستک دیتا، اپنے سر پر رکھے ہوئے تھال سے اُن کے حصے کا کھانا دے کر اگلے دروازے پر چلا جاتا۔ تقریباً پانچ سال تک میں نے یہ ذمہ داری نبھائی۔ یہ ہمارے تمام بچوں کا پہلا تربیتی کورس تھا۔ میری والدہ فرماتیں: بزرگوں نے کہا تھا ایک زمانہ آئے گا جب دولت کی بارش ہوگی۔ جو چاہیں گے اسے پھاوڑوں کے ذریعے گھر کے اندر لانا، لا سکیں گے مگر ایماندار وہی ہوں گے جو دولت کو گھر سے نکالیں گے، کسی کی مدد کے لئے۔

میری ماں جو لوری مجھے دیا کرتی تھیں اس کے کچھ حصے مجھے آج تک یاد ہیں۔

| | |
|---|---|
| بھاندا ڈاھڈا چانجا | اس دل کو بھا جانے والے کے اندر چاؤ اور رچاؤ بہت۔ |
| بھاندا ہردا سانجھا | اس پر سبھی کا حق ہے۔ |
| بھاندا گوشہ ہاندا | یہ جگر کا گوشہ ہے۔ |
| بھاندا ہر گو بھاندا | یہ ہر ایک کو بھاتا ہے۔ |
| بھاندا لا کچہری باہندا | یہ کچہری لگا کر بیٹھتا اور لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ |
| بھاندا رب رسول گوں بھاندا | یہ رب اور رسول کو بھی پسند ہے۔ |

## میری پہلی شعوری خواہش

ہوش کی آنکھ کھولی تو والد محترم کی کچہری میں جا بیٹھتا۔ ایک آدھ کرسی کے سوا چارپائیاں پڑی ہوتیں اور ان پر خوبصورت تکیے اور چاندنی۔ میں اپنے والد سے چھپتے ہوئے پچھلی طرف کسی چارپائی پر بیٹھ کر ساری کاروائی غور سے سنا کرتا۔ ایک آواز ابھرتی، ایک رائے کا اظہار ہوتا اور پھر ایک طویل خاموشی طاری ہو جاتی۔ پھر دوسری

آواز اس کی حمایت یا مخالفت میں ابھرتی اور پھر خاموشی چھا جاتی اور جب فیصلہ سنایا جاتا تو کسی کے خوش ہونے یا ناراض ہونے کی پرواہ نہ کی جاتی۔ میں سوچتا وہ وقت کب آئے گا جب مجھے بھی رائے دینے کو کہا جائے گا۔ یہ میری پہلی شعوری خواہش تھی۔ یہاں میں نے دوسروں کی رائے کا احترام سیکھا۔ یہی میری پہلی سیاسی تربیت گاہ تھی۔

آج جبکہ میں متنوع زندگی کے ان گنت مناظر دیکھ چکا ہوں، اقتدار کے کھلونے میرا دل بہلا سکتے ہیں نہ ہی جیل کی کال کوٹھڑی کا خوف مجھے حق کی آواز بلند کرنے سے روک سکتا ہے۔ میری رائے اب صرف میرے گاؤں کے چوپال کی رائے نہیں رہی، یہ کروڑوں عوام کی امانت ہے۔ اس اظہار کو آہنی زنجیریں اور دیواریں کیسے روک سکتی ہیں۔

میرا خاندانی نام ہمارے بزرگ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے نام پر مخدوم بہاؤالدین شاہ رکھا گیا، جو مقامی زبان میں ''بھاون شاہ'' ہو جاتا ہے۔ مخدوم اور شاہ کا لاحقہ اور سابقہ ہمارے خاندان کے ہر نام کے ساتھ صدیوں سے لگا آتا ہے۔ درحقیقت برصغیر میں ایک ہزار سال پہلے صرف چار درگاہوں کے ساتھ مخدوم کا لاحقہ استعمال ہوتا تھا۔ مخدوم علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ، مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، مخدوم صابر کلیریؒ اور مخدوم عبدالرشید حقانیؒ۔ باقی اولیاء کرام دوسرے القابات سے جانے جاتے، مثلاً بابا فرید الدین گنج شکرؒ (بابا فرید)، حضرت بہاؤالدین زکریا (غوث بہاؤالحق)، حضرت شاہ رکن عالمؒ، حضرت موسیٰ (پاک شہیدؒ) وغیرہ۔ اسی لیے ہمارے قصبہ کا نام بھی مخدوم رشید ہے۔ میں خاندان کا پہلا فرد ہوں جس نے مخدوم اور شاہ کو اپنے نام کا حصہ بنانے سے انکار کر دیا، جاوید ہاشمی یا صرف جاوید لکھنا اور کہلانا مجھے پسند ہے۔

میری والدہ اور والد مجھے ''بھاندا'' کے نام سے پکارتے۔ مقامی زبان میں اس کے معنی ہیں ''دل کو بھا جانے والا''۔ سکول میں میرے بھائی کے اصرار پر میرا نام محمد جاوید درج کرایا گیا۔ یہ اقبالؒ سے عقیدت کا اظہار بھی تھا۔

## اللہ کے گھر سے پیغام

پہلی جماعت کے استاد کا طریقہ تعلیم مجھے بالکل پسند نہ تھا۔ وہ سارا وقت اپنی کُرسی پر سوئے رہتے اور اُٹھتے تو طلباء کو بید سے مارنے لگتے۔ میں سکول سے بھاگ جاتا۔ میری والدہ نے ہمارے ملازم قادر بخش کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مجھے جہاں دیکھے، پکڑ کر سکول پہنچا آئے۔ قادر بخش لحیم شحیم آدمی تھا۔ وہ مجھے کندھوں پر بٹھا لیتا اور سکول کی طرف چل پڑتا۔ یہ بڑا عجیب منظر ہوتا۔ سارا راستہ میں اُسے مارتا، اُس کی پگڑی گر پڑتی، میں اُس کے بال نوچتا، مگر اس پہ ذرا سا اثر بھی نہ ہوتا۔ وہ مجھے استاد کے حوالے کر کے ہی دم لیتا۔ اللہ نے اُس کا رزق فراخ کر دیا ہے۔ اب وہ بہت بڑا سیٹھ ہے۔ ہم اُس سے بیج اور کھاد اُدھار لیتے ہیں اور اُس کے مقروض رہتے ہیں۔

ایک دفعہ میرے بڑے بھائی نے سکول نہ جانے پر سزا دی۔ ایک گہری اداسی نے مجھے گھیر لیا اور دو دن

تک میں ملال کی گرفت میں رہا۔ تیسرے دن انہوں نے مجھے، اپنے کمرے میں بُلا لیا۔ گھر کے تمام افراد جمع تھے، میرے بھائی روتے جاتے اور میرا ماتھا چومتے جاتے۔ معلوم ہوا میرے والد محترم نے مکہ مکرمہ سے میرے بڑے بھائی کے نام ایک سخت خط لکھا کہ وہ صحنِ کعبہ میں تھے، اور ان پر غنودگی طاری ہوگئی۔ ''میں نے دیکھا کہ تم ''بھاؤن'' کو مار رہے ہو۔ مجھے حکم ہوا ہے تمہیں اِس کام سے روکوں، آئندہ اُسے کچھ نہ کہنا'' پھر میرے بڑے بھائی نے سایہ بن کر پوری زندگی میرے ساتھ گزاری۔ میں نے جیل جانا شروع کیا تو مجھے یقین ہوتا کہ جو پہلا شخص ملاقات کیلئے جیل کے دروازے پر کھڑا ہوگا، وہ میرا بھائی ہوگا۔ وہ ملتے تو ہنس کر کہتے: تو نے ہمیں سارے پاکستان میں دربدر کردیا۔ آخری بار وہ مجھے کیمپ جیل لاہور سے آزادی دلا کر خود مکروہاتِ دنیا سے آزاد ہوگئے۔

مکہ معظمہ سے والد کا خط آنے کے بعد میں ایک دن بھی سکول نہ گیا۔ اب والدہ اور بڑے بھائی مجھے کچھ نہ کہتے۔ گویا میں اپنی مرضی کا مالک تھا۔ میرے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی تعمیل لازم تھی۔ میں آزادی کے لمحات گزار رہا تھا کہ والد صاحب حج اور زیارات سے واپس آ گئے۔ میری ایک سال کی آزادی چھِن گئی۔ والد محترم سخت ناراض ہوئے اور کہا: تم نے میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میں نے سکول جانا شروع کردیا۔ ہمارے نئے استاد ریاض قدیر شاہ نہایت شفیق تھے۔ اس کے بعد میں نے ساری زندگی سکول سے ناغہ نہ کیا۔ آزادی کا سال میں نے بے فکری میں گزار دیا۔ شروع سے ہی مجھے مقدر والا بچہ سمجھا جاتا تھا اور میرے نام کے ساتھ کئی حکایتیں منسوب کردی گئی تھیں۔ گھر یا محلے میں خواتین کوئی گھریلو یا اجتماعی کام شروع کرتیں تو مجھے سامنے کھڑا کر لیتیں۔ اُن کا خیال تھا میرے سامنے کھڑے ہونے سے ہر کام آسان ہو جاتا ہے، اگرچہ میرا اپنا کام تو آج تک کبھی آسانی سے ہوا نہیں بہرحال ...... دودھ بلونا ہو، چرخہ کاتنا ہو، کپاس بیلنی ہو، گندم صاف کرنی ہو یا گھروں کی مرمت کرنی ہو، ہر کام سے پہلے میری تلاش شروع ہو جاتی۔

میں صبح سویرے اپنی زمینوں پر چلا جاتا جو گاؤں کے اردگرد تھیں۔ گویا ہم ''فارم ہاؤس'' میں رہتے تھے۔ زمین گاؤں کے قریب ہو تو پورے گاؤں والوں کو آپ سے واسطہ پڑتا ہے۔ زندگی کی تمام ضرورتوں کا انحصار اور گھر سے نکلنے کے راستے تک زمیندار کے کنٹرول میں ہوتے ہیں جس کا وہ جائز اور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں جب زمینوں پر دوڑتا پھرتا تھا تو گویا اپنی دُنیا اور اپنے عوام میں ہوتا لیکن میرے مشغلے عجیب تھے۔ مجھے بکریاں چَرانا پسند تھا۔ میں بکریاں چَرانے والے کے ساتھ چل پڑتا اور سارا دن گھومتا رہتا۔ اونٹ اور گھوڑے بہت پسند تھے، کبھی سارا دن گھڑسواری میں گزار دیتا۔ میرے والدِ محترم اور چچا کو کلاسیکی موسیقی سے رغبت تھی، خاص طور پر کافی، قوالی اور غزل۔ ہمارے ہاں کجن بائی بمبے والی سے لے کر معروف قوال استاد مبارک علی، لوک موسیقار عنایت حسین بھٹی، ثریا ملتانیکر، غزل کے گائیک مہدی حسن خان، عالم لوہار اور طفیل نیازی حاضری دیتے رہے ہیں۔ پچاس سال کی عمر میں میرے والدِ محترم تارک الدنیا ہوگئے۔ موسیقی سے میرے چچا کی دلچسپی آخری عمر

تک برقرار رہی۔ میں نے بھی عمر بھر سازِ سخن کو بہانہ بنا کر جبہ و دستار سمیت رقصِ بسمل کیا ہے۔

میرے چچا محترم کا فارم ہمارے فارم سے بہتر تھا۔ ہر چیز میں انکے ہاں سلیقہ تھا۔ ان کے گھوڑے ہمارے گھوڑوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ گھوڑوں کو تربیت دینے والے ٹرینر (Trainer) بھی ہم سے بہتر تھے۔ میں نے اپنے چچا جیسا حسین اور خوش لباس شخص آج تک نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ انکے کتے بہت قیمتی ہوتے تھے۔ مجھے ان کے گھوڑوں میں دلچسپی تھی۔ خاص کر ان کے مشکی گھوڑے کی سواری بڑے شوق سے کرتا۔ میں اس گھوڑے سے گرا ہوں، لیکن خطرہ اُفتاد سے ڈر کر شہ سواری ترک نہ کی۔ ہمارے گھوڑوں کے بھاری زیورات سونے اور چاندی کے ہوتے۔ خاص تہواروں پر سواری کے لیے چاندی کی زینیں کسی جاتیں۔ خاص طور سے میرے دادا سلطان ایوب قتالؒ کے عرس پر گھوڑوں کی تیاری، ڈانس اور نیزہ بازی کا منظر دیدنی ہوتا۔ دادی جان کے فارم والے کھنڈر میں جا کر پہروں بیٹھا رہتا، جو انہوں نے اپنی بیوگی کے دنوں میں اپنے مزارعین کے لیے بنوائے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ پیر خانے سے تعلق رکھنے والی خواتین میری دادی اور نانی نے بیوگی کے ایام میں اپنی زمینوں پر کاشت کے معاملات اپنے پاس رکھے۔ وہ دونوں بہت اچھی گھڑ سوار تھیں۔ وہ اپنے بیٹوں کے رحم و کرم پر نہ رہیں۔ میری والدہ بھی بہت اچھی گھڑ سوار تھیں۔ میرے نانا نے بچپن میں انہیں خود تربیت دی تھی۔ ان کے بازو پر، بچپن میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہونے کا نشان موجود تھا۔ میرا بچپن مختلف تھا۔ میں پورا دن نظام آبپاشی تعمیر کرتا، بند بنا کر ''نہریں'' نکالتا، اُن سے چھوٹے چھوٹے ''کھالے'' بنا کر پانی کھیت تک پہنچاتا، لکڑی اور اینٹوں سے کچے گھر بناتا، پھر انہیں چھوٹی چھوٹی کالونیوں میں بدل دیتا۔ ان کاموں میں کئی دن لگ جاتے۔ گائے، بھینسوں کو چرانے والے ملازمین پر گویا میں حکمرانی کرتا۔ پودے لگانا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ تاہم میں جہاں بھی ہوتا مائی صاباں کی آنکھیں میرا پیچھا کرتی رہتیں۔

اُن دنوں کشتی کا شوق بہت تھا، میں کشتی کے مقابلوں کو دیکھنے کیلئے ہر جگہ پہنچ جاتا، ہمارے خاندان میں پیر چراغ شاہ بہت بڑے شہ زور تھے۔ وہ تہجد گزار پہلوان تھے۔ رستمِ زماں گاما پہلوان اور غلام پہلوان کے شاگردوں میں سے تھے۔ اب اُن کی عمر ڈھل گئی تھی، اب پہلوان سے زیادہ وہ منصفِ اعلیٰ کے طور پر ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور کی کشتیوں میں جاتے، ان کی بھاری آواز دور تک سنی جاتی۔ اُنہیں لاؤڈ سپیکر کی ضرورت نہ ہوتی اور وہ عظیم الجثہ انسان تھے۔ بھولو برادران جب ہمارے علاقے میں کشتیاں لڑنے آتے تو اکھاڑے میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے گھٹنوں کو چھو کر اشیر باد لیتے۔ بھولو برادران سے ہمارا یہ تعلق آج بھی قائم ہے۔ ہم جب بھی لاہور جائیں تو نعیم پہلوان، سلیم پہلوان اور یاسین پہلوان کے ہاں ضرور جاتے ہیں۔ اُن کے بیٹے بلال یاسین کی سہرا بندی، جو اب مسلم لیگ (ن) کے ایم پی اے ہیں، مجھ سے کرائی گئی۔ لاہور کی کیمپ جیل میں گزرے ایک سال کے دوران میاں اسد محمد اور انہوں نے میرا بہت خیال رکھا۔

## جدِ اعلیٰ کا مزار

میں اکثر اپنے جدِ اعلیٰ مخدوم عبدالرشید حقانیؒ کے مزار پر چلا جاتا۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کچی رکھی جائے لیکن دو سو سال پہلے وہاں ایک عظیم عمارت بنا دی گئی۔ چھت اور دیواروں پر خوبصورت رنگوں سے پچی کاری کا کام کیا گیا۔ یہ بہت حسین عمارت ہے۔ گنبد کے علاوہ ایک وسیع مجلس خانہ ہے۔ فرش سنگِ مرمر کا ہے اور چھت لکڑی کی۔ چھت پر شیشے کا کام اتنا باریک کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دیکھنے والی نگاہ حیران ہوتی ہے کہ لکڑی کے شہتیر اتنی بلندی تک کیسے پہنچے۔ مجلس خانہ کی دیواروں پر فارسی شعراء کا کلام درج ہے۔ انسانی زندگی کو بامقصد بنانے کی تلقین کرتی شاعری، ایک شعر جو مجھے یاد آ رہا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یعنی بے ادب صرف خود کو خراب نہیں کرتا بلکہ اس کی بے ادبی کی آگ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اندر حجرہ شریف ہے جہاں آپؒ نے 90 سال کی عمر تک ریاضت کی اور وہی اُن کی آخری آرام گاہ ہے۔ میرے والدِ محترم کا مدفن بھی یہیں ہے۔ میں عقیدت مندوں کی لمبی قطار کو دیکھتا رہتا اور سوچتا کہ ایک ہزار سال سے لوگ حاضری دے رہے ہیں۔ سینکڑوں میل کا سفر کر کے آتے ہیں، کوئی انہیں بلانے نہیں جاتا، وہ کیوں آتے ہیں؟ اس لئے کہ اُن کے آباؤ اجداد کے دلوں کو ایک ہزار سال پہلے فتح کر لیا گیا تھا۔ ایک پیغام ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو خود بخود منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِسی مجلس خانہ میں پند و نصائح کی محفلیں ہوتیں اور بزرگ علمی مباحثوں میں شریک ہوتے۔ میں نعت کی روح پرور محفلوں میں شرکت کرتا۔ دربار شریف سے واپس گھر جانے کیلئے چوک بازار سے گزرتا تو ہر دکاندار پیار کرتا اور عزت و تکریم سے پیش آتا۔ گاؤں کے ارد گرد صدیوں پرانا قبرستان ہے۔ لوگ سینکڑوں میلوں دور سے آ کر اپنی میتیں یہاں دفن کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ سرزمین مقدس ہے۔ میں پہروں ان قبروں کے کتبے پڑھتا رہتا۔ اب بھی پڑھتا ہوں۔ گزری ہوئی زندگی کے بعض تیور اب بھی باقی ہیں۔

## دارالندوہ

مزار شریف اور چوک بازار کے درمیان ڈیرہ ہے۔ یہ گاؤں کا ایک چھوٹا سا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ یہاں سارا دن مباحثہ جاری رہتا۔ مجلس خانے کی محفلوں میں مذہبی رنگ زیادہ ہوتا اور پکا ڈیرہ کی محفلوں پر علمی و سیاسی بحث کا رنگ۔ میں ایک خاموش سامع تھا۔ یہ پارلیمنٹ تھی اور ایک چھوٹی سی یونیورسٹی بھی۔ مسجد کے نمازیوں اور دربار شریف کے زائرین کا یہاں جمگھٹا رہتا۔ عمائدین شہر یہاں پر جمع ہوتے۔ گاؤں کی معاشرت پر چار اداروں

کی گرفت کافی مضبوط تھی، اس میں بزرگوں کی کونسل کے علاوہ تمام اداروں کی علمی اور عملی حیثیت یکساں تھی۔

مدبرین اور زعمائے شہر کا ادارہ سب سے اہم اور برتر تھا۔ فیصلوں سے زیادہ ان کے ذمہ صلح جوئی کا کام تھا۔ اسے آپ ایلڈرز کونسل (Elders Council) کہہ سکتے ہیں۔ اس میں میرے نانا ہادی شاہ، اُن کے خالہ زاد مخدوم دولت شاہ ذیلدار، مخدوم فتح شاہ المعروف پھول شاہ، مخدوم مبارک شاہ ولد مخدوم چراغ شاہ، مخدوم غلام شہباز شاہ، مخدوم غلام اویس شاہ، قاضی سردار شاہ، مخدوم سرور شاہ، مخدوم وارث شاہ جمن شاہی، مخدوم حاجی بندو شاہ، مخدوم حاجی عالم شاہ، مخدوم حاجی حسن شاہ مسجد والے، مخدوم خواجہ بخش شاہ، مخدوم سلطان علی شاہ شامل تھے۔

اس کے نیچے کا ادارہ ایک لحاظ سے برطانیہ کا دارالامرا تھا۔ مندرجہ ذیل ''ارکان'' اور ''پروفیسر'' اکثر وہاں موجود ہوتے۔ مخدوم سراج دین شاہ، مخدوم بھاون شاہ ولد مخدوم خدا بخش شاہ، مخدوم بڈھن شاہ ماڑی والا، مخدوم حافظ موج دریا شاہ، مخدوم حاجی رمضان شاہ، مخدوم حاجی امیر شاہ، مخدوم نذیر احمد شاہ نمبردار، مخدوم امیر شاہ ولد غلام اویس شاہ، مخدوم محمد شاہ ولد مخدوم ولایت شاہ، مخدوم ہدایت شاہ، مخدوم حاجی حسن شاہ موج دریائی، مخدوم محمد شاہ ولد مخدوم امیر شاہ، مخدوم حاجی محمد نواز شاہ ولد مخدوم مبارک شاہ، مخدوم قاضی غوث شاہ، مخدوم حاجی نواز شاہ ولد حاجی مبارک شاہ، مخدوم زیادت شاہ، مخدوم سردار شاہ ولد کرم شاہ، مخدوم جیون شاہ جمن شاہی، مخدوم ذوالفقار شاہ ہدایت شاہی، حاجی وارث شاہ ولد مخدوم ہادی شاہ، مخدوم رکن عالم شاہ، مخدوم علی شیر شاہ، مخدوم غوث شاہ موج دریائی، مخدوم حاجی گامن شاہ، مخدوم رحم علی شاہ چیئرمین اور مخدوم حاجی پیر شاہ، میرے بھائی مخدوم بہار شاہ جو اس یونیورسٹی کے نوجوان ''پروفیسر'' تھے۔ یہ قریش مکہ کے دارالندوہ کی طرح ایک منفرد ادارہ تھا۔ اِن میں سے جو دانش مندی کے جوہر دکھاتا مشائخ کونسل (Elders Council) کا رُکن بن جاتا۔ ان بحثوں میں عموماً شیریں سخنی کا رنگ غالب رہتا مگر کبھی کبھی اتنی تلخی ہو جاتی کہ محسوس ہوتا 1400 سال پہلے کے قریش نے دارالندوہ سے دارارقم کے سفر کا ابھی آغاز تک نہیں کیا۔

اِس کے نیچے ایک دارالعوام تھا، اس کے سربراہ مخدوم خدا بخش شاہ ذاکر تھے، یہ ایک طرح کی پنچائیت تھی جس کے پاس اختیارات بھی تھے۔ ان کے ممبران میں مخدوم حسین شاہ ولد واصل شاہ کے علاوہ ملک خیر محمد، ملک فیض بخش ڈنگر بیچ، ملک گل محمد، مولوی فیض احمد، حاجی مکھن، مانک قصاب وغیرہ شامل تھے۔ یہ امر انتہائی دلچسپ ہے کہ گاؤں کے تینوں ٹیکس گزار یعنی میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ، مخدوم حاجی مبارک شاہ اور مخدوم محمد شاہ، جن کے پاس ووٹ کی طاقت بھی تھی، کسی مقامی ادارے کے ممبر نہیں تھے، بلکہ اجتماعی فیصلوں کے پابند تھے۔

گاؤں کے دانشور طبقہ میں مخدوم عبدالمجید شاہ، مخدوم بہاول شاہ، مخدوم غلام رشید شاہ، میرے ماموں حاجی مبارک شاہ، ڈاکٹر مبارک شاہ، حاجی الطاف الرحمٰن، حاجی غلام مرتضیٰ شاہ المعروف حاجی گامن شاہ، صفدر

عباس قریشی، ماسٹر گل محمد، محمد علی شاہ، ملک محمد حسین زرگر، مخدوم حاجی عالم شاہ چیئرمین، راؤ فجر علی، حاجی مصری خان (مرحوم)، حاجی سردار محمد، صوفی اعجاز حسین شاہ، خورشید احمد شاہ ولد مخدوم محمود شاہ، نذر حسین شاہ ٹھیکیدار، مخدوم نذر حسین شاہ ولد مخدوم بڈھن شاہ، چراغ دین، نواب دین، حاجی ملک سیفل، غلام محی الدین شاہ، حاجی محمد شاہ ولد کرم شاہ، مخدوم گامن شاہ ٹرانسپورٹر، ملک حاجی حق نواز، لالہ ذوالفقار، مخدوم مرید حسین شاہ، مخدوم شبیر حسین شاہ، مخدوم منظور حسین شاہ، مخدوم زوار حسین شاہ، مخدوم الطاف حسین شاہ، مخدوم حسن شاہ ولد مخدوم مبارک شاہ، ماسٹر نذر حسین شاہ، ماسٹر اکبر شاہ، حاجی عبدالرحمٰن، ناظم ذوالفقار شاہ، محمد اقبال شاہ ولد مخدوم امام شاہ، مولوی محمد رمضان، حبیب انصاری، ڈاکٹر صدیق اختر، ملک دلدار ولد ملک خدا بخش، ملک غلام حسین بھٹہ، حاجی خواجہ رحیم بخش، حافظ بشیر احمد، ڈاکٹر مشتاق احمد، فدا حسین شاہ، اعجاز حسین شاہ، ضیاء المصطفیٰ شاہ، مخدوم جعفر حسین شاہ، مخدوم ہاشم رضا شاہ، ماسٹر محمد ابوبکر اسدی، ملک محمد نواز، شیخ عبدالعزیز، حاجی عبدالرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں جو گاؤں والوں کی غلطیوں کی تنقید کے ذریعے اصلاح کرتے ہیں۔ مجھ ناچیز پر بھی ان کی تنقید اتنی ہی بے رحمانہ ہوتی ہے۔ اس تنقید کے خوف سے اصلاح کی کوشش کرتا رہتا ہوں اور جب قومی سطح پر فیصلے کرتا ہوں تو ان کے ممکنہ احتساب کو ملحوظ رکھتا ہوں۔ معززین علاقہ جنہوں نے میری زندگی پر اثر کیا ان میں چودھری ابراہیم ڈیلدار، حاجی ملک محمد خان اعوان، چودھری غلام حسین گجر، چودھری محمد شفیع چٹھ، چودھری اللہ دتہ سفید پوش، چوہدری مبارک علی سنگیڑہ، چودھری احمد خان گجر اور حضرت سید نجم الدین شاہ شامل ہیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک نابغہ روزگار محقق مولانا ابوالخیر اسدی تھے۔ انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں ہی میں اپنی تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا، مولانا نور احمد فریدی ہمارے گاؤں کی زندگی کا ایک اور قابل احترام نام ہیں۔ تاہم قاضی نعمت اللہ شاہ سے میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ کسی اور سے نہ کر سکا۔ میں نے سب افراد اور اداروں سے سیکھا ہے۔ لیکن حاجی غلام مرتضیٰ شاہ المعروف حاجی گامن شاہ سے خصوصی قلبی تعلق تھا۔ وہ گاؤں کی محفلوں کی جان، مثالی کاشتکار اور معاملہ فہم تھے۔ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود خوبصورت اور دل پذیر گفتگو کرتے، اُن کی زندگی کے تمام معاملات میں توازن تھا، میری سیاسی جدوجہد کا بنیادی ستون تھے، وہ رشتے میں میرے بھتیجے تھے، لیکن عمر میں میرے بڑے بھائی کے ہم عمر اور دوست تھے۔ انہوں نے آخری سانس تک میرا ساتھ نبھایا۔ میرے گروپ کی طرف سے یونین کونسل کے چیئرمین منتخب ہوئے، رزق حلال کمانے پر ہمیشہ زور دیتے، میرا ڈیرہ نہ رہا تو کئی سال تک میں اُن کے ڈیرے کو سیاست کیلئے استعمال کرتا رہا۔ میں گاؤں کے اِن اداروں میں سے کسی کا ممبر نہیں ہوں۔ مگر ذہنی طور پر خود کو گاؤں کے دارالعوام اور دانشور طبقے کے قریب سمجھتا ہوں۔ خواہش یہ ہے کہ گاؤں کے مدبرین کی کونسل کا ممبر شمار کیا جاؤں۔ جس دن یہ واقعہ ہو گیا شاید ملکی اور بین الاقوامی سیاست کو سمجھ لینا میرے لیے کچھ مشکل نہ ہو گا۔

## میرا پہلا احتجاج

ہمارے استاد کا نام مہر عبدالرحمٰن تھا۔ میں دوسری جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ انتہائی محنتی مگر سخت سزا دینے والے تھے۔ شریف ماڑو کو ہوم ورک نہ کرنے پر اُنہوں نے گالی دی۔ مجھے عجیب لگا، میرے نزدیک جسمانی سزا سے بھی یہ سزا زیادہ سخت تھی۔

ہمارے ہاں گالی کا تصور ہی نہ تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا، آپ استاد ہیں...... آپ ہمیں گالیاں سکھانے تو نہیں آئے۔

مجھے تو وہ کچھ نہ کہہ سکے البتہ شریف ماڑو کو ایک اور گالی دے دی۔ میرے لئے یہ بات نا قابل برداشت تھی۔ میں نے کہا آپ مجھے استاد کم اور تھانیدار زیادہ لگتے ہیں۔

میں اٹھا اور بطور احتجاج کلاس روم سے چلا گیا۔ میرے کزن غلام اکبر شاہ اور عاشق حسین شاہ نے میرا ساتھ دیا۔ یہ میری زندگی کا پہلا احتجاج تھا۔

بیس سال بعد مہر عبدالرحمٰن مجھے ملنے آئے اور کہا، میں پولیس میں چلا گیا تھا اور اب استاد نہیں تھانیدار ہوں۔

وہ ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں اور اکثر جھنگ سے مجھے ملنے آتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ احترام سے پیش آتا ہوں۔

## پہلا سرکاری بُلاوا

میں تیسری جماعت میں تھا۔ بچوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایس ایچ او مخدوم رشید کے بھائی سے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی تو اُس نے تھانے میں اطلاع کر دی۔ کانسٹیبل امام بخش مجھے بلانے کیلئے فوراً سکول پہنچ گیا۔ میں روزے سے تھا، میں نے افطاری کا سامان منگوا لیا اور چل پڑا۔ یہ پہلا ''سرکاری بلاوا'' تھا۔ اِسی دوران میرے استاد جناب مخدوم محمد شاہ صاحب پہنچ گئے اور اُنہوں نے کانسٹیبل کو بھگا دیا۔ میرے یہ ہم جماعت اب بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں۔ اسلام آباد پولیس کے سربراہ رہے ہیں، اور وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے سیکورٹی انچارج تھے۔ آج کل ملتان پولیس کے ایک بڑے عہدے پر متمکن ہیں۔ ہم ہمیشہ کیلئے دوست بن گئے۔ وہ مجھے خاندانی نام بھاون شاہ سے پکارتے ہیں۔ بچپن میں ہم چور سپاہی کھیلتے، کبھی میں اُن کی ٹیم کو تھانہ کی حوالات میں بند کر دیتا اور کبھی وہ ہماری ٹیم کو۔ کیا بچپن کے کھیل میں آنے والے حالات کا کوئی اشارہ مضمر تھا؟

## اپنے قفس کی تیلیاں

چوتھی جماعت میں ہمارے محترم استاد نے آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''نیکی بدی'' کیلئے مجھے ڈرامے کے ہیرو شہزادہ توفیق کا کردار ادا کرنے کا حکم دیا۔ شہزادے کو قید کر لیا جاتا ہے۔ حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے مجھے

زنجیریں پہنائی گئیں۔ اپنے قفس کی تیلیاں میں نے اپنے ہاتھوں سے بُنیں۔ شہزادے کو غاصب سپہ سالار کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ سپہ سالار شہزادے کو زنجیروں میں دیکھ کر پوچھتا ہے "توفیق کس حال میں ہے؟" شہزادہ اپنے طرزِ عمل پہ ڈٹا رہتا اور یہ جواب دیتا ہے۔

"شیر لوہے کے جال میں ہے"

یہ قید اور یہ قید خانہ تو محض ایک ڈرامہ تھا۔ پھر وہ میری زندگی کا ایک جزوِ لاینفک کیونکر بن گیا؟

آج میرے چاروں طرف سلاخیں ہیں اور اُن سلاخوں نے میرے ضمیر کو جکڑنے والی سلاخوں سے مجھے بچالیا ہے۔ میری روح پر ندامت کے چرکے لگانے والی سلاخیں مجھ سے کوسوں دُور کر دی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ قید خانہ کی کال کوٹھری نے مجھے طاقتِ پرواز دی ہے۔

بہار کے ہر موسم میں مرغِ چمن مجھے نغموں پر اُکساتا ہے اور میں آسانی سے اپنے صیاد کا صیدِ زبوں ہو جاتا ہوں۔ میری آشفتہ سری تو اب فصلِ گل و لالہ کی پابند بھی نہیں رہی۔

## میرے اساتذہ

چھٹی جماعت سے میٹرک تک میں اپنی جماعت کو فارسی پڑھاتا۔ استاد صرف نگرانی کرتے۔ ہمارے گھر میں اقبالؒ کے فارسی کلام کا سکہ رواں تھا۔ ماحول کا اثر یہ تھا کہ گاؤں کے ان پڑھ لوگ بھی فارسی اشعار اور محاوروں سے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے اقبال، رومی، سعدی اور حافظ کے حوالے سے بات کرتے۔ شاید اقبالؒ ہی ان میں توانا شاعر ہے۔ دیکھا تو یہی دیکھا کہ جو اقبالؒ کے سحر میں گرفتار ہو جائے، اُسے اپنی منزل چرخِ نیلی فام سے پَرے نظر آتی ہے، اُس کی سوچ کو زنجیریں پہنائی جا سکتی ہیں نہ جسم کو...... قید خانہ اُس کیلئے حجلہ عروسی ہو جاتا ہے۔

میرے استاد محترم راجن شاہ صاحب مجھے کہتے آپ بڑے لوگوں کی اولاد ہیں، آپ کو فکرِ معاش ہے اور نہ ملازمت کی ضرورت۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ دنیاوی تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیں اور دینی تعلیم حاصل کر لیں، تاکہ آپ کی عاقبت سنور جائے۔ ورنہ جونہی آپ سنِ بلوغت کو پہنچیں گے، آسائشوں کی دنیا میں کھو جائیں گے اور آلائشوں سے خود کو بچا نہ سکیں گے۔ تعلیم کیلئے جو محنت درکار ہے آپ کا طبقہ وہ کر نہیں سکتا۔ آپ نے آٹھویں میں سکول چھوڑ دینا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنی آخرت سنوار لیں۔ اپنے استاد سے میں متفق نہ تھا۔ عرض کیا میں انگلستان سے بیرسٹری کرونگا۔ فرسٹ ائیر میں مجھے نئی کار مل جائے گی۔ میرے بڑے بھائی مجھے ایسے ہی خواب دکھاتے رہتے تھے۔ حالانکہ اُس وقت گاؤں میں ایک ہی کار تھی، میرے ماموں مخدوم محمد شاہ کی۔ جس میں بچپن میں مختصر وقت کیلئے ہم سفر کرتے رہے، اُس کار نے بقیہ عمرِ طبعی گاؤں کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر گزاری۔ جسے شروع میں گاؤں کے بچے کھلونے کے طور پر استعمال کرتے رہے، پھر بطخوں نے اِسے

اپنا ڈیرہ بنالیا اور آخر میں گاؤں کے آوارہ کتوں کا مستقل مسکن بن گئی۔ میرے استاد گاؤں میں رہتے ہیں۔ میں گاؤں جاتا ہوں تو جامع مسجد میں اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا تھا کیا اس پر عمل کیا یا نہیں؟ وہ مسکرا کر کہتے ہیں میں تمہیں ذہنی طور پر آنے والے واقعات کیلئے تیار کر رہا تھا۔

جو اساتذہ کرام میرے زندگی سنوارنے کا سبب بنے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ماسٹر محمد بخش مرحوم، چوہدری محمد حسین چٹھہ، چوہدری محمد رمضان سندھو، ملک محمد نواز، چوہدری محمد حسین آرائیں، ملک محمد انور مرحوم اور چوہدری حاکم علی سیرا۔ چوہدری احمد دین سندھو مرحوم نے مجھے آنکھیں کھول کر زمانے کا سامنا کرنے کے قابل بنایا۔ میری زندگی پر ہیڈ ماسٹر چوہدری ظہور احمد صاحب کی شخصیت کا گہرا اثر ہے۔ استاد کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے منتظم بھی تھے۔ اُن کے آتے ہی سکول کی کایا پلٹ گئی۔ خطابت کے شوق کو جلا دینے کے لئے انہوں نے لاؤڈ سپیکر خریدا۔ میرے ادبی ذوق کی وجہ سے مجھے سکول کے رسالہ ''المخدوم'' کا ایڈیٹر بنا دیا گیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کا سامنا کرنے کیلئے ہمارے اندر اعتماد کی طاقت بھر دی۔ میں انگلش سوٹ پہنتا تھا۔ اور ہاس کی ٹائی لگاتا اور گرمیوں میں سر پر ہیٹ رکھتا۔ سکول نئی جگہ پر منتقل ہوا تو اُس کی کچی دیواریں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں۔ وہاں پودے لگائے جو اب اونچے گھنے درخت ہیں۔ میں ہر کلاس کا مانیٹر ہوتا۔ تمام کھیلوں میں حصہ لیتا، اور الحمد اللہ میرا تعلیمی ریکارڈ شاندار تھا، سکول کی ساری لائبریری سکول چھوڑنے سے پہلے میں کھنگال چکا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی کے دو وائس چانسلرز جن سے میں نے فیض حاصل کیا ڈاکٹر اجمل اور علامہ علاء الدین صدیقی ہیں۔ ڈاکٹر اجمل بنیادی طور پر دانشور تھے اور علامہ علاء الدین صدیقی سیاستدان۔ دونوں شخصیات قد آور تھیں۔ دونوں نے مجھے وسیع المشر بی کا درس دیا، خواجہ غلام صادق اور پروفیسر وارث میر جیسی شخصیات سے میں نے کتابی علم کے علاوہ اکتسابی علم بھی حاصل کیا ہے۔ خواجہ غلام صادق نے ایک مرتبہ میری فیس اپنی جیب سے ادا کی۔ وہ سٹوڈنٹس یونین کے ایڈوائزر تھے، میرے پاس سٹوڈنٹس یونین کے 5 لاکھ موجود تھے جو میں ضرورت مند طالب علموں میں تقسیم کر رہا تھا، گھر سے پیسے آنے میں تاخیر ہو گئی، اپنی فیس وقت پر ادا نہ کر سکا۔ پروفیسر وارث میر طلبا میں اتنے مقبول تھے کہ انہیں ہماری درخواست پر یونین کا مشیر مقرر کیا گیا۔ جناب پرویز آفتاب ایڈوکیٹ سے میں نے ملتان میں دو سال تک بنگالی لکھنا اور بولنا سیکھا۔ اور سامری فن بنگالیوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔ آج تک رہائی نہیں ملی۔ شیر خان اور اس کے بچوں سے ضرورت کی پشتو سیکھی۔ اکثر پشتون خاندان افغانستان سے آ کر سردیاں ہمارے ڈیرے میں گزارتے اور اپنا رزق تلاش کرتے، میری پشتو بہتر ہوتی گئی۔ سندھی اور سرائیکی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ سندھی کا استاد نہ ہونے کے باوجود پوری سندھی سمجھ لیتا ہوں۔ مخدوم رشید کے ارد گرد مشرقی پنجاب سے خصوصاً ماجے کے علاقے کے لوگ آباد ہیں۔ مجھے ان سے ٹھیٹھ پنجابی سیکھنے کا موقع ملا۔ ارد گرد کی بستیوں کے نام بھی ضلع امرتسر اور لاہور کی بستیوں کے ناموں کی مناسبت سے رکھے گئے۔ بستی کوٹھے والا بستی

ورنالہ، بستی گھڑیالا، بستی ناگاں یا بستی گل، بستی مانک، بستی جلال آباد، بستی بوٹے والا، بستی مان، بستی چٹھہ، بستی واہلہ، بستی شیر سنگھ، بستی بھوجیاں، بستی سہو، بستی خان پور مڑل اور بستی عاربی پرانی آبادیاں ہیں۔

## سب سے بڑا اُستاد

میں اپنے خالو مخدوم ہدایت شاہ کی شخصیت سے متاثر تھا۔ بچپن ہی میں وہ یتیم ہو گئے، میرے نانا مخدوم ہادی شاہ نے اُن کی تربیت کی، جو اُن کے ماموں تھے۔ میرے بڑے بھائی مخدوم بہار شاہ شہید کی تربیت بھی نانا نے ہی کی تھی۔ مخدوم ہدایت شاہ جرات و شجاعت، سخاوت اور دانائی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، اُن کا رعب و دبدبہ، قوت فیصلہ اور قیافہ شناسی ضرب المثل تھی۔ فارسی ادب، علامہ اقبال اور مولانا روم اُن کی گفتگو کا موضوع ہوتا۔ جب انہیں کسی دستاویز پر دستخط کرنے کو کہا جاتا تو انگوٹھا آگے بڑھاتے ایک لفظ بھی لکھ یا پڑھ نہ سکتے تھے، وہ آج بھی میرے آئیڈیل ہیں۔ اُن کے چچا مخدوم دولت شاہ ذیلدار کو جو رشتے میں میرے نانا تھے انہیں عام لوگ پسند نہ کرتے تھے کیونکہ پہلی جنگِ عظیم میں وہ لوگوں کو جبراً بھرتی کراتے تھے، انگریز سے وہ اتنے مخلص تھے کہ اپنے اکلوتے صاحبزادے مخدوم کرم حسین شاہ کو بھی بھرتی کرا دیا۔ اُن کی وفات پر مخدوم کرم حسین شاہ ذیلدار بنائے گئے۔ انہیں جاگیر سے نوازا گیا، مگر خاندان نے مخدوم دولت شاہ اور پھر اُن کے صاحبزادے مخدوم کرم حسین شاہ کے اس جرم کو کبھی معاف نہ کیا۔ جب مخدوم ہدایت شاہ صاحب نے وفات پائی تو میرے رشتے کے نانا مخدوم خدا بخش شاہ نے طویل مرثیہ لکھا جو ایک لوک داستان بن گیا۔ جس میں کہا گیا کہ ہدایت شاہ مرا نہیں اور ایسے لوگ مر ہی نہیں سکتے، چونکہ فطرت کا تقاضا اور اللہ کا قانون ہے کہ ہر شے کو فنا ہونا ہے، اس لئے ہدایت شاہ کو فنا ہونا پڑا۔ ورنہ دراصل وہ فنا ہونے والی چیز ہی نہیں۔ مجھے اُس کا یہ شعر ابھی تک یاد ہے ؎

ہدایت شاہ مر گیا شیر جوان

کل من علیہا فان

میرے یونیورسٹی کے اساتذہ پروفیسر سید کرامت حسین جعفری، خواجہ محمد صادق، ڈاکٹر عبدالخالق، محترمہ ناہید قطب، پروفیسر سی اے قادر کا مقام بہت بلند ہے۔ ان میں سے بعض بلند تر کتابوں کے مصنف ہیں، جن سے ہزاروں طلباء و طالبات فیضیاب ہو رہے ہیں۔

# میرے والدِ محترم اور تحریک پاکستان

انگریز برصغیر میں پیشوائیت اور خانقاہی نظام کی طاقت سے باخبر تھا، اس لئے خانقاہی نظام پر بھی اس نے اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ ہندو، مسلمانوں اور سکھوں کے اندر اپنے مخبروں اور جاسوسوں کو بطور پیشوا مسلط کر دیا اور انہیں وسیع زمینیں دے کر اتنا طاقتور بنا دیا کہ ان کی نسلیں اب تک حکمرانی کر رہی ہیں۔

ان پیشواؤں کی بنیاد چونکہ متنازعہ تھی اور انہیں اپنی اصلیت کا علم تھا لہٰذا وہ مکمل طور پر انگریزوں کے حامی ہو گئے اور وفاداری ان کے خون میں شامل ہو گئی۔

میں وہاں پیدا ہوا، جہاں خانوادۂ رسولؐ سے تعلق، معاشرت میں تقدیس کا درجہ رکھتا ہے ان کنبوں کا ہر فرد خود بخود اشرافیہ (Aristocracy) کا رکن ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ملتان کی ایک صدی کی بلدیاتی تاریخ میں آج تک ضلعی حکومت کا سربراہ سادات اور قریش کے سوا کوئی نہ بن سکا۔ بڑے سے بڑے جاگیردار کو بھی اس پرچم کے نیچے کھڑا ہونا پڑتا ہے، اگرچہ حالات اب تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔

مشہور انگریز ڈپٹی کمشنر ای پی مون (E-P-Moon) بھی ڈسٹرکٹ بورڈ کی سربراہی کا الیکشن مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی سے ہار گئے۔ گیلانی خاندان کا تعلق متوسط طبقے سے رہا ہے۔ یہ خاندان شروع سے مسلم لیگی تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اِن کی سیاست کا محور اقتدار کا حصول بن گیا۔ قریشی خاندان سیاسی وفاداری بدلنے میں بدنام تھا۔ وہی کام گیلانی خاندان نے شروع کر دیا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انہوں نے جنوبی پنجاب میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور قائداعظم اور تحریک پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا۔ انہوں نے غریب اور نادار مسلمان بچوں کیلئے انجمنِ اسلامیہ کے تحت بے شمار تعلیمی ادارے قائم کئے۔ میرے والدِ محترم اور بڑے بھائی اس انجمن کے عہدیدار رہے، میں بھی اس کا رکن رہا ہوں۔

میری سیاسی کامیابیوں کے عمل میں میرے آباؤ اجداد کی چھتری میرے سر پر سایہ فگن رہی، میرے خاندان نے اس چھتری کا استعمال ہمیشہ مثبت مقاصد کیلئے کیا۔ میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ نے مسلم لیگ قائم ہونے کے فوراً بعد اُس کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ والد محترم ایک روحانی شخصیت تھے۔ عہدوں اور سیاسی آلائشوں سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا۔ 1930ء سے مارچ 1979ء تک اپنے آخری سانس تک وہ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ انہوں نے ماہر تعلیم مولانا محمد رمضان خان کو اپنا سیاسی مشیر مقرر کیا۔ وہ کٹر مسلم لیگی تھے۔ سیاسی نظریات کی وجہ سے پنجاب کے دُور دراز علاقوں میں اُن کا تبادلہ کر دیا جاتا۔ کیونکہ محکمہ تعلیم پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اور برٹش گورنمنٹ بھی اُن کی سرگرمیوں سے نالاں تھی۔ اپنے بیٹے رانا عبدالوحید خان کو انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے

تعلیم دلائی۔ رانا عبدالوحید خان نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ بقید حیات ہیں۔ غربت، بیماری اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں مگر آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ رانا عبدالوحید خان کو 1979ء میں مَیں نے اپنے گروپ کی طرف سے ضلع کونسل کی ممبر شپ کیلئے نامزد کیا۔ منتخب ہونے کے بعد انہوں نے علاقے کیلئے بہترین خدمات سرانجام دیں۔ اپنے والد محترم کی طرح مجھے بھی اپنے مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ انتخابی اخراجات کیلئے اپنے دادا کے ڈیرہ کو فروخت کیا تو میری اس لغزش پر انہوں نے ایک خط کے ذریعے گرفت کی۔ خط پڑھ کر میں دل گرفتہ ہوا۔ مگر......

ہماری درگاہ کے مریدوں کا سلسلہ لاہور، فیصل آباد، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور ڈویژنوں سے لے کر صوبہ سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ میرے محترم والد کے ہر مرید نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ قیام پاکستان کے لئے اُنہوں نے اس روحانی رشتے کو سیاسی رشتے میں تبدیل کر دیا۔

1946ء کے الیکشن میں میرے محترم والد اور مخدوم سجاد حسین قریشی کے درمیان شدید تلخ کلامی ہوئی۔ مخدوم سجاد حسین قریشی نے کہا کہ میں نے اپنے والد کا پرچم اٹھا رکھا ہے اور آپ نے ایک جاٹ کا۔ میرے والد نے فرمایا آپ انگریز کے جھنڈے ''یونین جیک'' کے نیچے کھڑے ہیں، جبکہ میں مصطفیٰؐ کے پرچم تلے کھڑا پاکستان بنانے کی جنگ لڑ رہا ہوں۔ مخدوم سجاد حسین قریشی کے والد مخدوم مرید حسین قریشی اور چچا میجر عاشق حسین 1946ء میں یونینسٹ پارٹی (Unionist Party) کے امیدوار تھے۔

پاکستان بنا تو مخدوم سجاد حسین قریشی کے والد اور ان کے چچا میجر عاشق حسین اقتدار میں تھے اور میرے بابا سائیں الحاج مخدوم محمد شاہ ہاشمیؒ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے تھے۔ 1951ء کے انتخابات میں انہوں نے مخدوم سجاد حسین قریشی کے مقابلے میں، جو آزاد امیدوار تھے، مسلم لیگ کے امیدوار مخدوم ولائیت حسین گیلانی کا ساتھ دیا، جو کامیاب ہوئے۔

اس مردِ خود آگاہ کو ملک سے باہر جانے پر پابندی کا سامنا تھا۔ انہیں حج پر جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ سات سال کی تگ و دو کے بعد دیارِ حبیب کی زیارت کا شرف نصیب ہو سکا۔

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

1976ء میں حضرت پیر جسٹس کرم شاہ صاحب مخدوم رشید میں والد محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ والد محترم ان دنوں علالت کی شدت کی وجہ سے کسی سے نہیں ملتے تھے مگر پیر صاحب کا نام سنتے ہی کہا کہ میں ان سے ضرور ملوں گا۔ وہ اس دور کے ولی کامل ہیں۔ نو سو سال بعد ہمارے خاندان میں ایک ایسا فرد پیدا ہوا ہے، جس نے حضرت بہاؤالدین زکریاؒ اور حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ کے مشن کو زندہ کر دیا۔ پیر جسٹس

کرم شاہ کے صاحبزادے پیر امین الحسنات شاہ بھی ملاقات میں موجود تھے جو طالب علمی کے دور سے میرے قریب رہے ہیں۔ ابتلاء کے دور میں بھی انہوں نے میاں نواز شریف کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اپنے تعلیمی اور اشاعتی اداروں کو جدید خطوط پر استوار کر کے دین کی بے بہا خدمت کی ہے مجھے اپنے خاندان کی اس شاخ پر ہمیشہ فخر رہے گا۔

# رانا عبدالوحید کا خط میرے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

**محترم المقام والاشان عالی جناب مخدوم محمد جاوید ہاشمی صاحب مدظلہ العالی**

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

مجھے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ آپ نے اپنا ڈیرہ چند روپئیں کے عوض فروخت کر دیا ہے جو بلاشبہ ایک قیمتی اثاثہ تھا۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تحریک پاکستان میں اس ڈیرہ پر کئی زعما تشریف آور ہوئے اور متذکرہ ڈیرہ حصول پاکستان کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ میاں ممتاز دولتانہ سے سیاسی اختلافات کے باوجود آپ کے والد ماجد نے ان کی 1946ء میں یہیں پذیرائی کی۔ ہمارے شہر کے تمام اہم فیصلے اسی ڈیرہ پر ہوتے تھے۔ سینکڑوں مریدین عرس مبارک بلکہ سالہا سال آپ کے والد محترم کی قدم بوسی سے مشرف ہونے کے لیے یہاں قیام کیا کرتے تھے۔ خوشی اور غمی کے مواقع پر اہل قصبہ کے لیے یہ مرکزی جگہ تھی۔ اگر بارشوں میں کسی کا گھر گر جاتا تو اپنے مکان کی تعمیر تک وہ یہاں رہائش رکھتا تھا۔ مخدوم سید رحمت حسین گیلانی نے مخدوم رشید میں ہائی سکول کے اجراء کی خوشخبری اسی ڈیرہ پر بیٹھ کر سنائی تھی۔ حضرت سخی سرورؒ کے مجاور خاندان اور حاجی نور محمد سانگی کا کنبہ کئی سال تک اس ڈیرے میں مقیم رہا۔ 1970ء میں جماعت اسلامی کے انتخابات کا مرکزی دفتر یہی ڈیرہ رہا۔ عوامی رابطہ مہم کو زیادہ فعال بنانے کے لیے آپ کے والد ماجدؒ نے مولانا محمد رمضان خان کو سیاسی مشیر مقرر کیا جن کا شمار محکمہ تعلیم کے قابل ترین سینئر اساتذہ میں ہوتا تھا۔ مخدوم رشید کے گردونواح کی بستیوں، چکوک اور مواضعات کے غریب طلبہ یہاں رہائش رکھ کر اپنی تعلیم پوری کرتے جن کے خوردونوش کا انتظام آپکی والدہ ماجدہ مدظلہا العالیہ کرتی تھیں۔ ان ہی طلبا میں چودھری بشیر احمد، یاسین راحت اور مشتاق ملک یونیورسٹیوں تک پہنچے۔ ایک بچے کی اعلیٰ کارکردگی پر ملک کے ایٹمی پروگرام کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے خصوصی طور پر تعریف کی۔ موسم سرما میں افغانستان سے تلاش معاش میں آنے والے پٹھانوں کے لیے یہ ڈیرہ مسافر خانہ کی شکل اختیار کر لیتا۔ **مگر آہ وہ دن کیا ہوئے۔۔۔**

میں مضطرب اور پریشان ہوں، آپ سے شکوہ کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔ ہم صدقہ جاریہ کے عظیم ثواب سے محروم ہو گئے، یہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ غم کا مہیب پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اگرچہ یہ ڈیرہ آپکی ملکیت تھا مگر ہم سب اس ڈیرہ پر اپنا حق فائق سمجھتے تھے۔

# یاد نہ کر دل حزیں گزری ہوئی کہانیاں

خدشہ: مخدومی سیدی اہلیان محلہ خصوصاً اور اس ڈیرہ کے گردونواح میں بسنے والے عموماً ڈر محسوس کرتے ہیں ک
مشتری اس مقدس ڈیرہ پر کوئی تین منزلہ پلازا بنا کر یہاں کے غریب باسیوں کی چادر اور چار دیواری کے بھرم کو
تارتار نہ کر دے۔

دعا گو

رانا عبدالوحید خان (علیگ)

مخدوم رشید ملتان، 8-8-1988


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مگر آہ وہ دن کہاں گئے

یاد نہ کر دل حزیں گزری ہوئی کہانیاں

خدشہ

دعا گو

دوسرا باب

# سیاسی تربیت گاہیں

# پانچ یونیورسٹیاں

سیاست کی تربیت میں نے پانچ یونیورسٹیوں سے حاصل کی ہے۔ پہلی یونیورسٹی میرا گاؤں مخدوم رشید ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے کر چکا۔ ملتان شہر اس کا دوسرا حصہ ہے۔ دوسری یونیورسٹی جامعہ پنجاب، تیسری یونیورسٹی لاہور شہر کی سیاست، چوتھی یونیورسٹی قید خانہ اور پانچویں یونیورسٹی اقوام متحدہ کا ادارہ ہے۔ اگلے ابواب میں ان تربیت گاہوں کا ذکر بالواسطہ اور بلاواسطہ جاری رہے گا۔

میں ایمرسن کالج (گورنمنٹ کالج) ملتان میں اپنی تعلیم کے دوران شہر میں ہونے والے تمام سیاسی جلسوں میں شریک ہوتا۔ مولانا مودودیؒ، ذوالفقار علی بھٹو، نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا بھاشانی، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، ائیر مارشل اصغر خان، ایم حمزہ، شورش کاشمیری، ممتاز دولتانہ، چودھری محمد علی، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ اور ڈاکٹر خان صاحب کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔

1964ء سے 1970ء تک سوچ کے ارتقائی مراحل سے گزر رہا تھا، مولانا بھاشانی کی تانکیل کی جھونپڑی مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کسان کانفرنس میں شریک ہوا۔ مولانا بھاشانی کا قلعہ قاسم باغ ملتان میں جلسہ عام ہوا تو میں پیش پیش تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اسی سال ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نظام مصطفیٰ کانفرنس کی، میں وہاں بھی حاضر تھا۔ اس وقت میری کیفیت بقول شاعر کچھ یوں تھی ۔

کعبہ کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے

گھر میں مسلم لیگ ہی مسلم لیگ تھی۔ اس وقت کی مسلم لیگی قیادت مجھے متاثر نہ کر سکی۔ میرے والد محترم ایک انتہائی نرم دل انسان مگر سخت گیر مسلم لیگی تھے۔ ایک مرتبہ مولانا مودودی کی کتابیں پڑھنے پر گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ بڑے بھائی دِل آویز مسکراہٹ کے ساتھ میری سیاسی سرگرمیوں کو نظرانداز کر دیتے۔ والد محترم کی خشمگیں نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا۔ میں نظریاتی سیاست کا خواہش مند تھا۔ بڑے بھائی کی شہ پا کر میں نے بغاوت جاری رکھی۔

## بھٹو، اُمید کی کرن

1968ء میں کالج کا طالب علم تھا، آمریت کے خلاف جنگ میں دوسری مرتبہ سلاخوں کے پیچھے گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو تحریک شروع کر چکے تھے۔ وہ تیز گام سے ملتان آ رہے تھے۔ ان کے استقبال کے لئے ہم ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ اطلاع ملی کہ انہیں ساہیوال میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ طالب علم بپھر گئے۔ پورے شہر میں ہم نے مظاہرے شروع کر دیئے۔ لاٹھی چارج ہوا اور ہمیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ رہائی کے بعد آمریت کے

خلاف اور بھٹو کے حق میں اور بھی سرگرم ہوگیا۔ پھر جیل کا پھاٹک کھلا اور ہم دیواروں کے اندر تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو درحقیقت اُمید کی نئی کرن تھے اور اعلان تاشقند سے مایوس قوم بھٹو کی صورت میں اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کررہی تھی۔ انہوں نے معاشی مساوات کی بات کی تو پوری قوم ہمہ تن گوش ہوگئی۔ ہم ذوالفقار علی بھٹو کے لئے تن من دھن قربان کرنے پر تیار ہوگئے۔ بھٹو صاحب سیاست کی عملی مجبوریوں سے واقف تھے۔ چنانچہ ملتان کے جاگیرداروں اور وڈیروں کے دروازوں پر جاکر انہوں نے ان لوگوں سے اپنی پارٹی میں شمولیت کی درخواست کی تو ہم نوجوانوں کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ چونکہ ابھی آئیڈیل ازم (Idealism) کی سٹیج پر تھے۔ ملتان کے کھر ہاؤس میں بھٹو صاحب سے میری تلخ کلامی ہوگئی۔ بعد میں بھٹو صاحب نے مجھے منانے کے لئے ملتان کے طالب علم رہنماؤں منتظر مہدی اور ذوالفقار نقوی کو بھیجا، لیکن اس کے بعد میں ان کے کسی قافلے میں شریک نہ ہوسکا۔ دراصل میں فیوڈل ازم، کمیونزم کے جابرانہ پہلو، اور شخصی بالادستی کو انسانی ارتقا کے راستے کی رکاوٹ سمجھتا تھا اور آج تک اسی سوچ پر قائم ہوں۔ میں بھٹو صاحب کے معاشی پروگرام کو بھی سمجھ نہ سکا۔ بھٹو صاحب اقتدار کی جنگ میں سب کچھ روا رکھتے تھے۔ ہمارے راستے جُدا ہوگئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو ہی سیاست کو ڈرائنگ روم سے نکال کر عوام میں لائے۔ اس احسان کو عوام آج تک نہیں بھولے۔

انہوں نے نظریاتی سیاست کی بجائے تاریخ کے پہیئے کو الٹا گھمانا اور قوم کو شخصیت کے سحر میں گرفتار کرنا چاہا تو اُن کے رویئے اپنے سیاسی مخالفوں کے ساتھ ذاتی دشمنیوں میں تبدیل ہوگئے اور آخر میں تو وہ تنہا رہ گئے اور انہی قوتوں کا سہارا لیا جو ہر تبدیلی کی دشمن ہوتی ہیں۔ فیوڈل ازم، سول اور ملٹری بیوروکریسی تینوں نے انہیں دھوکہ دیا اور عین وقت پر ساتھ چھوڑ دیا۔ بھٹو بطور سیاستدان میرے آئیڈیل تھے لیکن بطور حکمران مجھے متاثر نہ کرسکے۔ مخالفین اُن کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ لیکن ماننا چاہیے کہ موت کو شکست دے کر انہوں نے طویل سیاسی زندگی حاصل کرلی۔ اپنی قبر سے وہ دومرتبہ بیٹی کو وزیراعظم بنوا چکے ہیں۔ وہ اُسی طرح جوان ہیں، آج زندہ ہوتے تو اُن کی عمر 80 سال کے قریب ہوتی مگر آج کسی ذہن میں بوڑھے بھٹو کا تصور بھی نہیں۔ نہ وہ بیمار ہوئے نہ ضعیف۔ اُن کے کردار کی برائیاں زمین میں دفن ہوچکیں اور اچھائیوں کا ذکر بار بار ہوتا ہے۔ کیا اُنہیں جان سے مارنے والوں کو بھی تاریخ میں وہ مقام مل سکتا ہے جو ذوالفقار علی بھٹو کو ملا ہے؟ محترمہ بے نظیر بھٹو والد کی عبرتناک موت سے خوفزدہ ہوکر گھر بیٹھ سکتی تھیں، نامساعد حالات میں اُنہوں نے جدوجہد کرنے کا جراُت مندانہ فیصلہ کیا اور وزیراعظم بن کر اپنے والد کی حیثیت کو تاریخ عالم میں اُجاگر کردیا۔ دوبارہ وزیراعظم بن کر اُنہوں نے اپنے تدبر کا سِکہ بھی منوالیا ہے۔ اُن کے دورِ حکمرانی پر عوام میں مختلف آرا ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ اپنے والد کے مقابلے میں زیادہ قابل برداشت حکمراں تھیں۔

میں 1966ء سے 1970ء تک گورنمنٹ کالج ملتان میں تھا۔ مولانا مفتی محمود جمعہ گلگشت کی مسجد جلال

میں پڑھاتے تھے، جو ہمارے کالج سے متصل تھی۔ اس طرح اُن سے نیاز مندی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ کالج کے طلبا پر اُن کی درویشی اور سادگی کا بھی اثر تھا۔ مجھے ایسے اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا جن کا پورے ملک میں اب تک شہرہ ہے۔ ان میں عرش صدیقی، فرخ درانی، سید سجاد حیدر، شمیم حیدر، الطاف سلیانہ، ڈاکٹر عاشق درانی اور جناب صفدر امام کے نام شامل ہیں۔ ان اساتذہ کی کتابیں یونیورسٹیوں کے نصابوں میں شامل ہیں۔ سید سجاد حیدر سول سروسز میں چلے گئے اور آج کل شاید کسی وزارت میں سیکرٹری ہیں۔ اسی طرح جناب شمیم حیدر نے ائیر فورس کا رخ کیا۔ سکواڈرن لیڈر بن جانے تک اُن سے رابطہ قائم تھا، معلوم نہیں اب کہاں ہیں۔

تیسری یونیورسٹی جامعہ پنجاب ہے۔ جہاں 1970 کے آخری مہینے میں مَیں نے داخلہ لیا۔ اس یونیورسٹی نے میری زندگی کو نئی جہت عطا کی اور نظریاتی سیاست کے ساتھ ساتھ ذمہ داریوں کا احساس بھی پیدا کیا۔ قومی افق پر اس وقت اہم فیصلے ہو رہے تھے۔ طلبا سیاست بین الاقوامی سطح پر چھائی ہوئی تھی۔ ویت نام کی جنگ کے اثرات نے 60 کے عشرے میں طلبا سیاست کو نیا رنگ دے دیا تھا۔ امریکہ اور فرانس کی حکومتوں کی تبدیلی میں بھی طلبا نے اہم کردار ادا کیا۔ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن الیکشن جیت چکے تھے۔ دائیں بازو کی جماعتوں نے دونوں کی مخالفت کی تھی اور وہ اب بے اثر ہو چکی تھیں۔ وائس چانسلر کے گھر حملے کی بنا پر اسلامی جمعیت طلباء کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان تھا۔ عام انتخابات کی شکست کے ایک ماہ بعد 27 جنوری کو طلبا یونین کے انتخابات تھے اور کوئی مقبول طالب علم جمعیت کے پلیٹ فارم سے یونیورسٹی یونین کا امیدوار بننے کو تیار نہ تھا۔ بڑی منت سماجت کے بعد حفیظ خان کو صدارتی انتخاب لڑنے پر آمادہ کیا گیا اور اُن کے پینل میں، مَیں سیکرٹری جنرل کا امیدوار تھا۔ حافظ ادریس کی صدارت میں دانشمندانہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ انتخاب اسلامی جمعیت کے نام پر نہ لڑا جائے اور ہمیں تاکید کی گئی کہ انتخابی مہم میں جمعیت کا نام استعمال نہ کیا جائے۔ پس پردہ ساری مہم جمعیت نے چلائی اور حافظ ادریس کی ذہانت اس کی پشت پر تھی۔ ہم واضح اکثریت سے انتخاب جیت گئے اور پورے ملک میں اسلامی سوچ رکھنے والوں کو ایک ولولہ تازہ ملا۔ ہم سیّد مودودی سے ملنے گئے تو انہوں نے آغا شورش کاشمیری کو بلا لیا جو اُن دنوں حالات سے دلبرداشتہ اور مایوس تھے اور پیپلز پارٹی کی جارحانہ سیاست سے خوفزدہ بھی۔

قومی سیاست پر تاریک سائے منڈلا رہے تھے۔ ہم نے مشرقی پاکستان جا کر اپنی آنکھوں سے حالات کی سنگینی کو دیکھا، مگر حکمران اپنی عیاشیوں میں مگن تھے۔ سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ ہوا، ہم خون کے آنسو روئے مگر یہ بیوہ کے آنسو تھے جنہیں کوئی پونچھنے والا نہیں ہوتا۔

# سنہرے بنگال کے آخری ایام

اکتوبر 1971ء میں پنجاب یونیورسٹی یونین کو ایران یا مشرقی پاکستان میں سے کسی ایک جگہ دورہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ کچھ دوستوں کا خیال تھا ایران چلیں جہاں شہنشاہ رضا شاہ پہلوی بادشاہت کا اڑھائی ہزار سالہ جشن منا رہے تھے، اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی بادشاہت اڑھائی دن کی مہمان ہے۔

ہم نے فیصلہ کیا کہ مشرقی پاکستان جا کر اپنے روٹھے ہوئے بھائیوں کو منانے کی کوشش کریں۔ پروفیسر وارث میر کی قیادت میں قافلہ دل روانہ ہوا۔ سری لنکا کا طویل چکر کاٹ کر جب ہم ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اترے تو ایک خوفناک خاموشی نے ہمارا استقبال کیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے حکام اور اساتذہ کرام موجود تھے۔ پژمردہ چہروں نے اپنے مہمانوں کو ڈھاکہ یونیورسٹی پہنچا دیا۔ ایئرپورٹ سے یونیورسٹی کے ہاسٹلز تک راستے میں ایک مہیب خاموشی تھی۔ بعد میں پتہ چلا مکتی باہنی نے اپنے ریڈیو پر ہمیں قتل کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا ہے اور ہر ایک کے سر کی قیمت مقرر کر دی ہے۔ ہم نے ہمت نہ ہاری اور اپنا دورہ شروع کر دیا۔ ہم ان 15 دنوں میں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں سے ملے، اخبارات کو انٹرویو دیے، ٹی وی مکالموں میں حصہ لیا۔ بیت المکرّم میں جمعہ ادا کیا۔ پلٹن میدان میں میزبانوں کے ساتھ چائے پی۔ شیر بنگال اور خواجہ ناظم الدین کے مزاروں پر حاضری دی۔ محمد پور اور میر پور کے بہاری کیمپوں کا دورہ کیا۔ بہاری عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کے کٹے ہوئے اعضاء دیکھے۔ ہماری ملاقات جنرل راؤ فرمان اور جنرل اے کے نیازی سے ہوئی، البدر اور الشمس کے کمانڈروں سے بھی۔ چٹاگانگ کے کمشنر ایس کے جیلانی سے، فوج کے سپاہیوں اور کمانڈروں سے بھی۔ ہمیں بہت جلد احساس ہو گیا کہ ہم مفتوحہ علاقے میں ہیں اور یہ مغربی پاکستان کا آخری وفد ہے جو پاکستان کے پاسپورٹ پر یہاں آیا ہے۔

چار واقعات ایسے ہیں جو ہمیشہ یاد آتے ہیں۔ میں نے گاڑی سے اتر کر سائیکل رکشہ پر سفر شروع کیا اور دیکھا رکشہ ڈرائیور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ میں نے کہا میں رکشا کھینچوں گا اور وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے گا۔ وہ خوف زدہ ہو گیا اور کانپنے لگا، مگر انکار نہ کر سکا۔ میں چاہتا تھا کہ ڈھاکہ کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ہم انہی میں سے ہیں۔ تھوڑی دور جا کر اس نے بلند آواز سے کہا: رکشہ روکو، مجھے روزمرہ کی بنگالی آتی ہے میں نے اس سے پوچھا تم ڈر کیوں رہے ہو؟ اس نے کہا یہ سائیکل رکشہ ہندو مہاجن کی ملکیت ہے، اگر اسے نقصان پہنچا تو میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔ مشرقی پاکستان کی ترقی کے نعرے کھوکھلے تھے بنگالی معیشت پر ہندو کے اثرات کو سمجھنے کے لئے اب مجھے کسی دانشور، کسی کتاب کی ضرورت نہیں تھی۔

ہم ڈھاکہ ٹیلی ویژن پر انٹرویو دینے گئے تو ہمارے لیے ٹی وی سٹیشن پر خصوصی انتظامات کیے گئے،

گویا جیسے شہزادے اپنی رعایا کو دیکھنے آئے ہیں۔ انٹرویو دے کر باہر نکل رہے تھے کہ ڈی ایس پی فیاض شاہ ہمیں دفتر میں لے گئے اور حکم جاری کیا کہ ٹی وی کے معمول کے پروگرام کو روک کر نور جہان کے گانے شروع کر دیئے جائیں ''لاہور توں منڈے آئے نیں''۔ پورا مشرقی پاکستان پنجابی گانے سن رہا تھا۔ کیا آج بھی موسیقی روح کی غذا تھی؟

ہم ڈھاکہ کے نواح میں دریائے شتولاک کو کشتی سے عبور کر کے پٹ سن کے کارخانے پر تعینات ان پولیس اور فوج والوں سے ملنے گئے جن کا تعلق لاہور سے تھا۔ راستے میں ہم نے دیکھا گدھ اور کتے ایک انسانی لاش کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ میں نے ایک آفیسر سے پوچھا تو وہ ہنسا اور اس نے کہا: یہ ایک چالاک بنگالی تھا۔ ہمارے بیٹ مین نے کہا کہ کئی دن ہو گئے ہیں ہم نے کوئی بنگالی نہیں مارا۔ یہ شخص کشتی پر جا رہا تھا، ہم نے پکارا تو اس نے کشتی تیز کر کے بھاگنا چاہا، میں نے نشانہ لے کر گولی چلائی اور اس نے پانی میں غوطہ لگا دیا، بڑی مشکل سے اس کی ٹانگ پر گولی لگی تو یہ قابو آ گیا، خیر آپ اس قصے کو چھوڑیں، ہم کافی دیر سے کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بنگالنیں بہت اچھا کھانا بناتی ہیں اور ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہیں۔

جنرل فرمان علی نے کہا: آپ کو شفیق الاسلام کے ساتھ ان کے عزیزوں کے ہاں افسوس کے لیے جانا ہے کہ ایک المناک واقعہ ہوا ہے۔ شفیق الاسلام مسلم لیگی رہنما تھے۔ واقعہ کی جو تفصیلات انہوں نے ہمیں بتائیں وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھیں۔ فوجی ایکشن کے دوران کچھ جوان ایک گھر میں داخل ہوئے، جہاں خواتین جمع تھیں، خواتین پر حملہ کیا تو وہ قرآن اٹھا لائیں اور کہا: ہم آپکی بہنیں ہیں اور آپ کی کامیابی اور سلامتی کے لیے اکٹھی ہو کر اجتماعی دعا مانگ رہی ہیں۔ حملہ آوروں نے کہا کہ ہم جس گھر میں جاتے ہیں یہی بہانہ بنایا جاتا ہے، ہمیں معلوم ہے آپ کا تعلق مکتی باہنی سے ہے۔ وہ واسطے دیتی رہیں، لیکن حملہ آوروں نے انکی ایک نہ سنی۔ بعد میں جب حقیقت سامنے آئی اور محب وطن بنگالیوں نے شدید احتجاج کیا تو گورنر سمیت سب نے ان سے معذرت کی، صرف معذرت! اپنی ماؤں اور بہنوں کے سامنے ہم شرم سے سر جھکائے کھڑے تھے۔

سفر کے آخری مرحلے میں ہم چٹا گانگ سے آگے کپتائی جھیل کے کنارے پہنچے۔ ہمیں کہا گیا کہ فوراً ڈھاکہ پہنچیں، آپکی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ میں بضد تھا کہ ہمیں حسب پروگرام راجشاہی جانا چاہیے۔ حکام نے پروفیسر وارث میر کو اطلاع دی کہ راجشاہی کے وائس چانسلر راجشاہی سے بھاگ کر ڈھاکہ پہنچے ہیں، خطرہ مول نہ لینا چاہیے۔ میں نے کہا اگر ہماری لاشیں مغربی پاکستان جائیں گی تو انہیں احساس ہوگا کہ مشرقی پاکستان میں آگ اور خون کی ہولی جاری ہے۔ میرے ساتھیوں نے میری تجویز کو رد کر دیا اور واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ ہم چٹا گانگ گیریژن میں کھانا کھانے گئے۔ ایک کرنل نے پنجرے میں بند بلبل کی طرف اشارہ کر کے کہا: میں اس سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ میں نے کہا: کرنل صاحب: کیا آپ اس بلبل کو آزاد کر سکتے ہیں؟

## زندہ لاش

ہم مغربی پاکستان سے آنے والی آخری پروازوں میں سے ایک پر سوار ہوئے۔ سنہرے بنگال کو کالے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں اپنے آپ کو زندہ لاش محسوس کر رہا تھا۔ میری روح سندر بن کے جنگلات شاہ جلال کے مزار اور بیت المکرّم کے میناروں کے گرد بھٹک رہی تھی۔ میں آج بھی بے روح زندگی گزار رہا ہوں۔ مجھے حبیب جالب کی نظم کے شعر یاد آ رہے تھے۔

وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو　　محبت گولیوں سے بو رہے ہو

یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو　　گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے

1999ء میں میاں نواز شریف کی نمائندگی کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سربراہی اجلاس سے خطاب کرنے گیا۔ مختلف ممالک کے وفود کو کارگل کی صورتحال پر پاکستان کے موقف سے آگاہ کرنے کے لیے بنگلہ دیشی وفد کے سربراہ ڈاکٹر عبدالصمد سے ملا وہ شیخ مجیب کے قریبی ساتھی اور پرانے عوامی لیگی تھے، انہوں نے کہا کہ الگ ہو کر ہم دونوں ''لائٹ ویٹ'' ہو گئے، یہی بات مجھے عوامی لیگ کی وزیر ماحولیات ساجدہ سید نے پچھلے سال مالدیپ میں کانفرنس کے موقع پر کہی تھی۔ ڈاکٹر عبدالصمد سوالیہ انداز میں کہنے لگے، ہندوستان بین الاقوامی سیاست میں طاقتور بن کر ابھرا ہے۔ ہمیں نکال کر آپ نے کونسی ترقی کر لی ہے؟ پھر اچانک موضوع بدل کر کہنے لگے: آپ کی کرکٹ ٹیم انڈیا سے اتنی بُری طرح کیوں ہاری؟ میں ساری رات روتا رہا ہوں، پھر ہم دونوں ملکر رو رہے تھے...... انڈیا سے میچ ہارنے پر...... ہمیں نہ اپنے سٹاف کی پرواہ تھی نہ اردگرد کے لوگوں کی......

اسی رات ہم ٹوکیو روانہ ہو گئے۔ میں جہاز میں سو گیا، ٹوکیو پہنچ کر سیدھا ہوٹل گیا اور تیار ہو کر کانفرنس ہال پہنچا۔ ڈاکٹر عبدالصمد اس کانفرنس کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے اجلاس چائے کے لیے ملتوی کیا اور مجھے اپنے کمرے میں بلا لیا، میں جونہی اندر داخل ہوا، انہوں نے سیکرٹری کو ہدایت کی کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ میرے بیٹھتے ہی اخبار میرے سامنے رکھ دیا جس میں لکھا تھا، ہندوستان نے کارگل میں سب سے بڑی اور آخری چوٹی ٹائیگر بھی پاکستان سے واپس چھین لی۔ میں نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا وہ پھر رو رہے تھے...... ایک اور میچ ہارنے پر...... مگر میرے آنسو خشک ہو چکے تھے...... میں جانتا تھا اس میچ کی ناکامی کا طوق کس کے گلے میں پڑے گا۔ میں اِن مقاماتِ آہ و فغاں کے لیے اپنے آنسو بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

# پتھر کا شہر.... اسلام آباد

1969ء میں ہم چند ساتھی جنرل ایوب خان سے ملنے گئے۔ وہ اپنے اسلام آباد والے گھر میں رہتے تھے۔ ایک دراز قد بارعب شخص کو ہم نے لان میں پھولوں کی کیاری کے قریب کھڑے دیکھا۔ اُنہوں نے اوور کوٹ پہنا ہوا تھا جس کے بٹنوں پر ایفل ٹاور بنا ہوا تھا وہ خود کو ایشیاء کا ڈیگال سمجھتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے 1951ء سے 1968ء تک قوم کی قسمت کے فیصلے کئے۔ آخری دس برس تو وہ مختارِ کُل تھے۔

انہوں نے ہمارے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ ہمیں اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر پلائی اور بڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ میں نے یہ سوال اٹھایا کہ آپ نے ایک نیا شہر بنانے کا فیصلہ کیوں کیا؟ کہنے لگے ایک محفوظ دارالحکومت کی ضرورت تھی جو دشمن کے قبضے میں نہ آسکے اور کراچی ویسے بھی شورش پسند شہر ہے اور ملک کے آخری کونے پر واقع ہے۔

میں نے کہا کہ مجیب کہتا ہے ''مجھے اسلام آباد کی سڑکوں سے پٹ سن کی خوشبو آتی ہے'' کہنے لگے: اس سے بڑی غداری کیا ہوسکتی ہے، میں نے توڈھاکہ میں سیکنڈ کیپٹل بنانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ میں نے کہا: بیسویں صدی میں ایک آدھ کے علاوہ کوئی نیا دارالحکومت نہیں بنا۔ کیونکہ غریب ملک تو چھوڑیں کوئی امیر ملک بھی نیا دارالحکومت بنانے کے لئے سرمایہ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ کہنے لگے: برازیل نے بھی برازیلیہ کا نیا شہر بسایا ہے۔ میں نے عرض کی: برازیل رقبہ کے لحاظ سے روس، کنیڈا اور امریکہ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور اس کا دارالحکومت ریوڈی جینریو (Rio-dejanario) ملک کے آخری کونے میں ہے اور برازیل دنیا کی چھٹی بڑی معیشت ہے اور برازیلیہ کا سنگِ بنیاد ابھی رکھا جارہا ہے۔ معلوم نہیں ان کا تجربہ کامیاب بھی ہوتا ہے کہ نہیں اور پھر ان کا صنعتی شہر ساؤپالو پہلے ہی معیشت میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ ایوب خان کہنے لگے: مولوی احتشام الحق تھانوی نے اسلام آباد کے خلاف زیادہ پروپیگنڈا شروع کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ملک میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، اس سے پوچھو جب پاکستان بنا تو اس کی گردن کتنی موٹی تھی اور اب کتنی موٹی ہے۔ پھر کہنے لگے میری دو باتیں یاد رکھنا، ایک تو یہ کہ مشرقی پاکستان ہم سے بہت جلد الگ ہوجائے گا۔ دوسرا کراچی والے کسی حکومت کو چین نہیں لینے دیں گے۔ میں نے کہا: کہ آپ نے اسلام آباد کی بنیاد رکھ کر مشرقی پاکستان کو الگ ہونے کا ٹھوس جواز فراہم کر دیا ہے۔ کہنے لگے: میں نے مشرقی پاکستان کی ترقی کیلئے دن رات کام کیا ہے، قائداعظم نے تو کلکتہ کے بغیر پسماندہ بنگال کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں دارالحکومت کراچی سے تبدیل ہونے سے پاکستان کے استحکام کو نقصان پہنچا ہے۔

کراچی سے دارالحکومت کو اسلام آباد لانے سے مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے ایک ہزار میل کی بجائے 2ہزار میل کے فاصلے پر چلا گیا۔ کراچی شہر میں آج بھی 15 لاکھ بنگالی موجود ہیں۔ کراچی میں بنگالی خوش تھے، یہاں کا موسم ڈھاکہ سے ملتا جلتا ہے، اسلام آباد سردیوں میں سخت سرد ہوتا ہے، بنگالی اسلام آباد میں رہتے ہوئے اکثر بیمار ہو جاتے تھے۔ اگر کراچی دارالحکومت ہوتا تو موسم کی یکسانیت کی وجہ سے یہ بنگالی پچاس لاکھ سے زیادہ ہوتے۔ مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کا ایک اور شہر آباد ہوتا تو پاکستان توڑنے کے منصوبے پر عمل کیسے ہوتا؟ ایوب خان نے غریب ملک میں ایک نیا شہر بسا کر ساری معیشت نچوڑ لی۔ اسلام آباد صرف امیروں کا شہر ہے، البتہ فوجی قیادت اور اقتدار اعلیٰ کی یکجائی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا ہے۔ پچھلے پچاس سال میں دنیا بھر میں سوائے برازیل کے کسی امیر ترین ملک نے بھی نیا شہر بسانے کی حماقت نہیں کی۔ 1969ء میں ایوب خان کی ملاقات سے لے کر آج تک میں اپنی سوچ تبدیل نہیں کر سکا۔ اسلام آباد کے قیام سے راولپنڈی اور اردگرد کے چند علاقوں کو درجہ چہارم کی کچھ نوکریاں ضرور مل گئی ہیں، مگر زیادہ تر غریب پٹھان، جنوبی پنجاب کے لوگ، اندرون سندھ کے سندھی اور بلوچستان کے بلوچ اور پشتون علاقوں کے عوام تلاش روزگار کے لئے کراچی کو ترجیح دیتے ہیں۔ شمالی پنجاب خصوصاً گجرات، جہلم کے لوگ بیرون ملک جاتے ہیں۔ سرحد اور پنجاب کے شمالی اضلاع کے لوگ فوج میں روزگار تلاش کرتے ہیں۔

اسلام آباد کی بنیاد کے پتھر نے پاکستان کے وفاق کو منتشر کر دیا اور جمہوریت کی روح پر بھی قبضہ کر لیا۔ جہاں صدائے احتجاج نہیں پہنچ سکتی۔ یہ شہر کسی غریب ملک کا دارالحکومت نظر نہیں آتا، یورپ کے کسی ملک کا حصہ لگتا ہے، جہاں کی زبان اور کلچر کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ ایوب خان نے کہا تھا محفوظ دارالحکومت کی ضرورت تھی، دارالحکومت تو واقعی محفوظ ہے، مگر ملک محفوظ نہ رہ سکا۔

ہم ایوب خان سے مل کر باہر نکلنے لگے تو انہوں نے میرے کندھے تھپتھپاتے ہوئے کہا: میں آپ کی گفتگو سے متاثر ہوا ہوں۔ میرے ساتھی باہر آ کر مجھے کہنے لگے: تم بلاوجہ ایوب خان کے خلاف باتیں کرتے ہو انہوں نے تمہاری تعریف کی، یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ میں چپ تھا۔ ہم ساری عمر اعزازات سمیٹتے رہتے ہیں، ہماری سوچوں کو خریدنے کے لئے ایک تھپکی کافی ہے۔

میں پہلی مرتبہ 1962ء میں اسلام آباد کی سیر کرنے آیا تھا جب نئے شہر کی بنیادیں اٹھائی جا رہی تھیں۔ 1970ء تک مری جاتے ہوئے سیاحت کی غرض سے یہاں ضرور رکتا۔ 1970ء سے 1977ء تک اسمبلی کی کارروائی دیکھنا بھی میرے اسلام آباد سے تعلق کی وجہ بنا رہا۔ 1978ء میں مَیں بھی اس ملک کے نام نہاد حکمرانوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ اور اسلام آباد کے ساتھ رشتے کی نوعیت تبدیل ہو گئی۔ اب یہ ملتان کے بعد میرا دوسرا گھر بن گیا ہے۔ میں اس کے حسن سے مسحور ہو چکا ہوں۔ اس کے کونے کونے میں تنہا گھومتا ہوں اور کبھی اپنے

ساتھیوں کے جلو میں۔ اس کے حسین قدرتی نظارے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، ہر طرف سبزے کی بہار ہے۔ لیکن کیا یہ سبزہ مشرقی پاکستان کے حسین نظاروں کا متبادل ہو سکتا ہے؟ اس شہر کی معاشی سرگرمیاں کراچی کے برابر ہو سکتی ہیں یا اس شہر میں جمہوریت کراچی کی طرح پھل پھول سکتی ہے؟ کیا اس شہر کا چاروں صوبوں سے وہ تعلق بن سکتا ہے جو کراچی کا تھا؟ اگر مجھ سے یہ سوال پوچھا جائے تو میرا جواب نفی میں ہوگا۔

ایک تقریب میں سوئٹزرلینڈ کے سفیر کی بیوی مجھے کہنے لگیں: اسلام آباد کیسا شہر ہے۔ جہاں کوئی قبرستان نہیں اور اب قبرستان بنایا جا رہا ہے تو قبریں بھی گریڈ کے حساب سے بنتی ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ بہت پرانا شہر ہے اڑھائی ہزار سال پہلے اس جگہ سے کچھ فاصلے پر پہلا تحریری آئین وجود میں آیا تھا۔ اس کی یونیورسٹی میں پوری دنیا کے طالب علم اپنے علم کی پیاس بجھانے آتے تھے۔ جب سکندر اعظم ٹیکسلا میں شان وشوکت سے داخل ہوا تو اس کے راستے میں کوئی مزاحمت نہ تھی۔ اشوکا اپنے استاد چانکیہ کے ساتھ کھڑے ہو کر مستقبل کے خواب دیکھ رہا تھا اور اسی اشوک اعظم کا یہ دارالحکومت بنا اور آج تک اردگرد کی پہاڑیوں پر اشوک کے احکامات کی تختیاں موجود ہیں۔ میں ماضی میں گم ہو گیا، کیونکہ میں حال کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ٹیکسلا کے معنی ہیں تراشیدہ پتھروں کا شہر۔ ہم اسلام آباد کو بھی ناتراشیدہ پتھروں کا شہر نہیں کہہ سکتے ہیں۔

## حکمراں بھٹو سے معاملات

دسمبر 1970ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے جس طرح اقتدار حاصل کیا میں اس طریق کار کے خلاف تھا۔ میں نے مال روڈ لاہور پر انکے خلاف پہلا مظاہرہ کیا۔ 1970ء کے انتخابات دستور ساز اسمبلی کے لیے ہوئے تھے اور آئین نہ بنانے کی صورت میں اسے خود بخود تحلیل ہو جانا تھا۔ اسمبلی تو تحلیل نہ ہوئی ملک تحلیل ہو گیا، یہ ایک عظیم المیہ تھا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو اور انکی پارٹی اسے جشن فتح کے طور پر منا رہے تھے۔

1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور بعد میں وزیر اعظم بنے۔ ان سے بارہا مذاکرات ہوئے، وہ اپنے سیاسی مخالفین کو برداشت نہ کرتے تھے لیکن ہماری سخت باتیں بھی سن لیتے۔ شملہ جانے سے پہلے مری اور گورنر ہاؤس لاہور میں ان سے ہونے والی بات چیت کی تلخ وشیریں یادیں آج تک حافظے میں زندہ ہیں۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار سنبھالنے کے ایک ماہ بعد جامعہ پنجاب کے انتخابات ہونے والے تھے، حکومتی مداخلت نے ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کر دی۔ بھٹو صاحب اُس وقت مقبولیت کے عروج پر تھے، ہمیں طلبا کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ سمن آباد کی طالبات کی بازیابی کے بعد لاہور کے عوام میں بھی ہم نے اثر ورسوخ پیدا کر لیا۔ بنگلہ دیش نامنظور تحریک اور تحریک ختم نبوتؐ میں طلبا کا کردار بنیادی حیثیت اختیار کر گیا۔ لسانی فسادات میں کراچی، حیدرآباد اور اندرون سندھ کے مظلوموں کی دستگیری کا شرف بھی ہمیں نصیب ہوا۔ اتفاق سے ان تمام تحریکوں کی قیادت کا اعزاز میری قسمت میں لکھا ہوا تھا جن میں ذوالفقار علی بھٹو کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ خود بھٹو

صاحب نے 1973ء میں سکھر میں کُل پاکستان طلبا کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر کام کرنا چاہتے ہو تو جاوید ہاشمی کی طرح کام کرنا سیکھو۔ اپنے مخالف کیمپ سے یہ اعتراف میرے لیے میمیز کا کام کر گیا۔ 1989ء میں ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین، لاہور میں میاں نواز شریف کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ میاں صاحب نے اُن سے میرا تعارف کرایا تو وہ کہنے لگے: میاں صاحب یہ تو ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے میں حقیقی قائد حزب اختلاف تھے اور ہم نے اِن کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ اس دور پر ایک الگ کتاب لکھی جا سکتی ہے، میں نے، اگلے صفحات میں، طوالت کے خوف سے، چند ناگزیر واقعات کا مختصر ذکر کر دیا ہے۔

## سمن آباد کی بچیوں کا اغوا

1970ء اور 1971ء کا پورا سال میری زندگی میں مسلسل جدوجہد کا سال تھا۔ ہم نے طلبا کی بھرپور خدمت کی۔ میں کم ہی سوتا شاید ہی کبھی وقت پر کھانا کھاتا۔ جنوری میں طلبا یونین کے انتخابات تھے۔ حکومتی مداخلت زوروں پر تھی۔ بھٹو صاحب یہ قلعہ ہر قیمت پر سر کرنا چاہتے تھے۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ ہم سب کی محنت رنگ لائی اور میں یونین کا صدر منتخب ہو گیا۔ اس دور میں بھی سیکرٹری کا امیدوار جمعیت کے، سوا لانا پڑا۔ بھٹو صاحب کے اقتدار میں ہمیں ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔ ہمیں مختلف مقدموں میں ملوث کیا جاتا رہا۔ اِسی دوران سمن آباد سے دو یتیم سیدزادیوں کو اغوا کر لیا گیا۔ ہم نے گورنر ہاؤس پر دھاوا بول دیا۔ دروازے توڑ کر اندر داخل ہو گئے تو صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو ہمارے گھیرے میں تھے۔ وہ توقع نہ کر رہے تھے کہ اُن کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ایک بگھی میں سوار تھے۔ برطانیہ کے وزیرِ خارجہ لارڈ ہیوم بھی اُن کے ساتھ موجود تھے۔ طالبات کی برآمدگی تک، انہوں نے اپنے وزیر حاجی ممتاز کاہلوں کو بطور یرغمال ہمارے حوالے کر دیا اور طالبات کی برآمدگی کے بعد ہم نے انہیں رہا کر دیا۔ گورنر ہاؤس پر حملے کی وجہ سے قومی سطح پر حزب اختلاف میں جان پڑ گئی۔ دائیں بازو کے صحافیوں اور ادیبوں نے اس پر لکھا کہ ہم نے گرتے ہوئے قلم پھر اُٹھا لئے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی فراخ دلانہ تحسین سے نوازا۔ پیپلز پارٹی کے اقتدار کا خوف پھیکا ہو چکا تھا۔

## پنجاب یونیورسٹی کے انتخابات

27 جنوری 1972ء میں جامع پنجاب کی طلبا یونین کے الیکشن تھے اور 1972ء کے عبوری آئین میں دیئے گئے اختیارات سے لیس ہو کر مصطفیٰ کھر کی سربراہی میں ہمارے انتخابات پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس رات جناب ذوالفقار علی بھٹو بنفس نفیس گورنر ہاؤس لاہور میں موجود تھے۔ ہر صورت میں طلبا کی سیاست پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ خود طلبا کو سیڑھی بنا کر اقتدار کے محل میں پہنچے تھے۔ انہیں یہ منظور نہ تھا کہ طلبا کی قوت پر کسی مخالف کا اثر ہو۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ منصفانہ انتخابات میں ان کے حمایت یافتہ طالب علم

رہنماؤں کا جیتنا ممکن نہیں۔

پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس اور نیو کیمپس کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ اس کا درمیانی فاصلہ بارہ کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ ہیلی کالج، اورینٹل کالج اور لاء کالج بھی یونین کے حلقۂ انتخاب میں شامل تھے۔ تمام بیلٹ باکس اولڈ کیمپس میں واقع سینٹ ہال میں جمع کر دیے جاتے۔ اور اساتذہ کی نگرانی میں گنتی شروع کی جاتی، جونہی گنتی مکمل ہوتی، نتائج کا اعلان کر دیا جاتا۔

وہ خوفناک رات تھی۔ جونہی بیلٹ باکس کھول کر آٹھ ہزار ووٹوں کی ڈھیریاں لگائی گئیں تو گنتی سے پہلے ہی ڈھیریوں کے حجم نے نتائج ظاہر کر دیے اور ہمارے مخالف پولنگ ایجنٹوں نے اپنے حامیوں کو صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے گنتی روکنے کے لیے فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے باوجود اساتذہ نے گنتی شروع کر دی۔ لاء کالج کی بالکونی سے ہمارے ساتھیوں پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی جیالوجی شعبہ کے پروفیسر ڈاکٹر عمر کے سر میں پیوست ہو گئی۔ گنتی رک گئی لیکن پولیس ڈاکٹر عمر کو ہسپتال لے جانے کو تیار نہ تھی۔ کیونکہ چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ تھی۔ ہمارے کارکنوں نے انہیں کندھوں پر اٹھا لیا اور گولیوں کے حصار کو توڑتے ہوئے ہسپتال پہنچایا۔ اللہ نے ان کی جان بچالی۔ ہمارے کارکنوں نے مورچوں میں گھس کر اپنی جان بچائی۔ یہ مورچے چند ماہ پہلے پاک بھارت جنگ کے دوران کھودے گئے تھے۔

یونیورسٹی انتخابات کی ایک روایت چلی آ رہی تھی کہ انتخابات کی رات امیدواروں کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا جاتا۔ میں لاء کالج کے ہوسٹل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔ درمیان میں لاء کالج کی بالکونی پر ہمارے مخالف طلبا حکومتی سربراہی میں موجود تھے اور دوسری طرف ہمارے حامی طلبا بیلٹ بکس کے تحفظ کے لیے سینٹ ہال کے باہر کھڑے تھے۔ میں وہاں پر جانا چاہتا تھا مگر میرے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور اس پر نوجوان پہرہ دے رہے تھے۔ جنہیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ نتائج آنے تک میرے باہر جانے کے لیے وہ میری کسی ہدایت پر عمل نہ کریں۔ میں اندر تلملا رہا تھا۔ گولیاں چلنے کی آوازیں مجھے مضطرب کرتی تھیں۔ مجھے پل پل کی خبر پہنچانے کا نظام بہت مضبوط تھا۔ میں ہدایت دے سکتا تھا مگر عملی طور پر وہاں جانے سے قاصر تھا۔

اخبار نویسوں نے موقع پر موجود دو صوبائی وزراء کو گھیر لیا اور ان سے کہا کہ وہ بچوں پر ظلم کیوں کر رہے ہیں؟ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسی دوران لاء کالج کی بالکونی میں ایک طالب علم برکات احمد ہلاک ہو گئے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بھی یہ بات آ گئی کہ ان کی موت ریوالور کی گولی سے واقع ہوئی ہے۔ لاء کالج کی بالکونی میں صرف ان کے ساتھی موجود تھے۔ برکات احمد سول لائن کالج کے طالب علم تھے اور اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے یونیورسٹی آئے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھی اولڈ کیمپس میں موجود تھے، جہاں سے ریوالور کی گولیوں کا لاء کالج کی دوسری منزل تک پہنچنا ناممکنات میں تھا۔ حفیظ خان، نعمان بٹ، رانا نذر الرحمٰن اور میرے خلاف گورنر ہاؤس میں

بیٹھ کر قتل کا مقدمہ گھڑا گیا۔ ہم میں سے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ انتخابی جنگ کا انجام یہ ہوگا۔

ہماری گرفتاری کے لیے چھاپے مارے گئے لیکن ہم روپوش ہو گئے ۔ بعد میں ہائی کورٹ نے ہماری ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی۔ مقدمہ چلا اور لاہور سیشن کورٹ نے ہمیں باعزت بری کر دیا مگر جس ذہنی کرب سے ہمیں گزارا گیا، جو ناقابل تلافی نقصان برکات احمد کے دنیا سے چلے جانے سے اُن کی بوڑھی والدہ، بہنوں اور پورے خاندان کو ہوا، جس درد وغم سے وہ آج تک دوچار ہیں اس کا مداوا کس طرح ممکن ہے؟

انتخابی دھاندلی کی تحقیقات کے لیے سردار اقبال پر مشتمل ایک رکنی ٹریبونل بنایا گیا۔ میں نے ٹریبونل کا بائیکاٹ کر دیا۔ چیف جسٹس نے اپنے فیصلے میں ہمارے بارے میں لکھا کہ یہ جیتنے والا گروپ تھا اس لیے انہیں گولی چلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے باوجود اگر دوبارہ انتخابات کرا دیے جائیں تو بہتر ہوگا۔ دوبارہ انتخابات کرائے گئے، مگر اب فریق مخالف مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا، کیونکہ اسے طلبا کے فیصلے کا اندازہ تھا۔ انتخابات یکطرفہ تھے۔ میرا پورا پینل بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگیا۔ تمام رکاوٹوں کے باوجود حقداروں کو ان کا حق مل گیا۔ انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو نے 72ء کا عبوری آئین نافذ کر دیا۔ جس میں یحیٰی خان دور کے تمام اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کر دیا گیا اور ملک میں صدارتی نظام نافذ کر دیا گیا۔

## شملہ معاہدہ کے مذاکرات

ذوالفقار علی بھٹو نے ہندوستان جانے کا فیصلہ کیا۔ بھارت جانے سے پہلے انہوں نے تمام طبقات سے مشاورت کا فیصلہ کیا۔ اس پس منظر میں ہمیں بھی مذاکرات کی دعوت دی گئی۔ بھٹو کے طرز حکمرانی سے اختلاف کی بنیاد پر ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ میں ملتان چلا گیا، وہاں مجھے مولانا مودودیؒ کا پیغام ملا کہ مذاکرات سے انکار نہ کریں۔ ملتان میں جماعت اسلامی کے سیکرٹری عقیل صدیقی اور ملک وزیر غازی نے پیغام میرے گاؤں پہنچایا۔ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ ڈپٹی کمشنر ملتان نے جہاز پر سیٹ ریزرو کرا رکھی تھی۔ میں براستہ ڈیرہ اسماعیل خان، پشاور، اسلام آباد پہنچ گیا۔ دوسرے منتخب طالب علم رہنما بھی راولپنڈی پہنچ چکے تھے۔ جب ہم مری پہنچے تو معلوم ہوا بھٹو نے اپنی پارٹی کے ان طالب علموں کو بلا رکھا ہے جن کو ہم پورے ملک میں شکست دے چکے تھے۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ تمام منتخب رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ جب تک ہمیں مشاورت کا ایجنڈا نہ دیا جائے اور شکست خوردہ عناصر کو مشاورت سے الگ نہ کیا جائے ہم مذاکرات میں شامل نہ ہونگے۔ میں نے جا کر بھٹو کو اس فیصلے سے مطلع کیا۔

ہم راولپنڈی لوٹ آئے اور پریس کانفرنس میں بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ شیخ رشید احمد بھی اس پریس کانفرنس میں موجود تھے۔ پریس کانفرنس سے فارغ ہوتے ہی شیخ رشید احمد کسی کو کچھ بتائے بغیر بھٹو سے ملنے چلے گئے۔ اگلی صبح اخبارات میں بھٹو کے ساتھ ان کی تصویر دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے، اگر چہ اگلے دن بھٹو کی طرف سے

ہماری تمام شرائط مان لی گئیں۔ مشروط مذاکرات میں اسلامی جمعیت طلبا کے ناظم اعلیٰ تسنیم عالم منظر بھی شریک ہوئے۔ ہم نے قبرص کے مشترکہ اعلامیہ سے لے کر کشمیر اور نوے ہزار فوجوں کی واپسی تک کے بارے میں کھل کر اپنی رائے دی۔ ان کے پریس سیکرٹری خالد حسن نے بعد میں بتایا کہ انہوں نے تمام وفود کی گفتگو سنی۔ طلبا کے وفد کی گفتگو سب سے زیادہ مدلل تھی۔

## بنگلہ دیش نامنظور تحریک

شملہ مذاکرات سے واپسی پر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے رابطہ عوام مہم شروع کی۔ پاکستان کی دائیں بازو کی جماعتیں اصرار کر رہی تھیں کہ یہ قبل از وقت اقدام ہوگا اور اس کے اثرات دُور رس نتائج کے حامل ہوں گے۔ ہم نوجوان اسے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ ابھی زخم تازہ تھا اور بھٹو صاحب کی جلد بازی نے ان زخموں کو ہرا کر دیا۔

اسلامی جمعیت طلبا نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک چلانے کا اعلان کیا، مجھے اس تحریک کی قیادت کرنے کا اعزاز ملا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اس سلسلے میں راولپنڈی، کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں بڑے جلسوں کا پروگرام بنایا۔ ہم نے اُن کے جلسے ناکام بنانے کا اعلان کر دیا۔ راولپنڈی کے تمام کالجوں میں جمعیت الیکشن جیت چکی تھی۔ اکثر کالجوں کی سٹوڈنٹس یونین کی تقریب حلف وفاداری میں مَیں نے بطور مہمانِ خصوصی شرکت کی اور عہدیداران سے حلف لیا۔ افضل مرزا، مقیم احمد خان، ملک ناظم الدین، وثیق احمد، اکرم چنگیزی، نواز رضا، عبدالودود قریشی، راجہ شاہد ممتاز، پرویز الطاف، فرخ سعید خواجہ، مشاہد اللہ خان اور اُن کے بھائی مجاہد اللہ خان نے منصوبہ بندی کی اور بھٹو کا جلسہ الٹ دیا۔ جب جلسے میں بھگدڑ مچی تو بھٹو کے وزراء بھاگنے والوں میں آگے تھے۔ انتظامیہ بھٹو صاحب کو بچا کر لے گئی۔ میں نے راولپنڈی پہنچ کر کارکنوں کی ہمت افزائی کی اور انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ شیخ رشید احمد بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ شیخ رشید احمد کی سیاست سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر انہوں نے جن مشکل حالات اور محدود وسائل میں انتخابی سیاست کا قلعہ سر کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

اس سے پہلے محمد افضل مرزا، مشاہد اللہ خان نے ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم، سیکرٹری اقوامِ متحدہ کی گاڑی پر بنگلہ دیش نامنظور کا پوسٹر چسپاں کر کے مسئلے کو بین الاقوامی رنگ دے دیا تھا۔ راولپنڈی کے جلسے کے بعد کراچی کے جلسے میں جب نامنظور نامنظور بنگلہ دیش نامنظور کے فلک شگاف نعرے لگے تو بھٹو صاحب کو سٹیج سے کہنا پڑا کہ اگر تمہیں نامنظور ہے تو مجھے بھی نامنظور ہے، تب کہیں جا کر انہیں جلسے میں تقریر کرنے کی اجازت ملی۔

ہم نے عوامی سطح پر بھٹو صاحب کے مقابلے میں جلسے جلوسوں کا پروگرام بنایا، مینار پاکستان پر تجدید عہد کرنے کے لیے مظاہرہ کیا، میں نے گوجرانوالہ کے شیرانوالہ باغ، سرگودھا کے کمپنی باغ، فیصل آباد کے گھنٹہ گھر، ملتان کے قاسم باغ، کراچی کے آرام باغ میں عوام سے خطاب کیا۔ حیدرآباد، کوئٹہ، پشاور کا دورہ کیا۔ جہاں عوام

نے ہمارا والہانہ استقبال کیا۔ بھٹو صاحب گھبرا گئے گیارہ ساتھیوں سمیت مجھے گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ملک کی سیاسی فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور بھٹو صاحب نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے مسئلے کو کچھ عرصہ کے لیے موخر کر دیا، بعد میں بھٹو صاحب اسلامی سربراہی کانفرنس کو آڑ بنا کر بنگلہ دیش منظور کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے کانفرنس کے دوران اپنا احتجاج ریکارڈ کرانے کا پروگرام بنایا۔ میں یونیورسٹی سے فارغ ہو چکا تھا۔ میں نے بنگلہ دیش نامنظور کے مخالف سیاسی گروہوں سے رابطہ کیا۔ مگر کسی نے بھی ہمارا ساتھ دینے کی حامی نہ بھری۔ جس دن کانفرنس شروع ہوئی دو تین افراد کے ساتھ میں نے مال روڈ پر پرانی انارکلی چوک سے پنجاب اسمبلی کی جانب مارچ شروع کر دیا۔ جہاں تمام سربراہ جمع ہو رہے تھے۔ سڑک کے دونوں جانب کھڑے عوام نے ہمارا استقبال کیا اور کچھ لوگ ہمارے جلوس میں شامل ہو گئے۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے جلوس کے شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ انتظامیہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، وہ ہمارا راستہ نہ روک سکے۔ بنگلہ دیش نامنظور کے نعروں سے پورا علاقہ گونج اٹھا۔ ہم پنجاب اسمبلی کے بالکل سامنے پہنچے تو سامنے شاہ فیصل اپنی کار میں نظر آئے۔ اب انتظامیہ کے پاس لاٹھی چارج کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ ہم سڑک پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ہم پر لاٹھیاں برسائیں پھر ہمیں اٹھا کر پولیس کی گاڑیوں میں ڈال کر مختلف تھانوں میں بند کر دیا۔ ہم اپنی آواز جہاں پہنچانا چاہتے تھے پہنچا چکے تھے۔ حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ ہم نے اپنی حکمتِ عملی سے حفاظتی حصار کو توڑ دیا۔ بھٹو صاحب عوامی سطح پر بے بس ہو گئے تھے، اسلامی کانفرنس کے ذریعے انہوں نے اپنا ایجنڈا پورا کر لیا۔

ایک مرتبہ ہمارا وفد بھٹو سے ملنے گیا۔ مذاکرات کے دوران میں نے ان سے کہا آپ نے تحریر اور تقریر پر پابندیاں لگا کر ملک میں فاشزم پھیلا دیا ہے۔ ایک کارنر میٹنگ تک بھی آپ برداشت نہیں کرتے۔ آپ نے اپنے کارکنوں کو قوت برداشت کی تربیت نہیں دی۔ اب آپ حکومتی ایجنسیوں کے ذریعے مخالفین کے جلسے درہم برہم کرتے ہیں۔ کہنے لگے آپ کو فاشزم کی تعریف (Definition) کا بھی پتہ نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا میں فلسفہ کا طالب علم ہوں فاشزم کی بے شمار تعریفیں کی جاسکتی ہیں لیکن اتنا ہی کافی ہے کہ میں ہٹلر اور میسولینی جیسے ایک فاشسٹ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ ہنس کر کہنے لگے: اصل فاشسٹ تو تم ہو۔ میں نے کہا: کہ آپ طلبا کو فاشسٹ کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے: نہیں تم جماعت اسلامی والے ہو جو مذہب کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ہم بھی اس قہقہہ میں شریک تھے۔

خوشگوار ماحول کو دیکھ کر ملک مصطفیٰ کھر بے چین ہو رہے تھے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: آپ نے کل چائنیز لنچ ہوم میں بھٹو صاحب کے بارے میں کیا کہا ہے؟ میں بھونچکا رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی تقریر دہرا دی۔ میں نے کہا تھا اگر ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش تسلیم کیا اور میرے بس میں ہوا تو انہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ بھٹو نے ناراض ہونے کی بجائے کہا: یار تقریر کرتے ہوئے میں بھی جذباتی ہو جاتا ہوں اور تم بھی۔ تم

یہ بتاؤ مجھے یونیورسٹی میں ڈگری دینے کے لیے کب بلا رہے ہو؟ مجھے آکسفورڈ والے اعزازی ڈگری دے رہے ہیں آپ گھر والے مجھے یہ اعزاز کیوں نہیں دیتے؟ میں نے کہا: آپ کو کسی ڈگری کی ضرورت نہیں، آپ کے پاس بے شمار ڈگریاں ہیں۔ البتہ آپ ملک مصطفیٰ کھر کو پنجاب یونیورسٹی بھیج دیں۔ کہنے لگے: اسے تم لوگ میٹرک فیل گورنر کہتے ہو۔ میں نے کہا: اسی لیے تو انہیں ڈگری کی ضرورت ہے۔ کہنے لگے: انہیں بلا کر بے عزت کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: انہیں یونیورسٹی میں اسلحہ کے ذخائر دکھائیں گے۔ ایک دن پہلے ملک مصطفیٰ کھر نے بیان دیا تھا کہ پنجاب یونیورسٹی میں اسلحہ کے ذخائر موجود ہیں۔ حنیف رامے دم بخود بیٹھے تھے۔ اگلے دن اخباروں میں یہ ساری گفتگو چھپ گئی۔ ایک مرتبہ حنیف رامے نے بطور وزیراعلیٰ پنجاب پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ جاوید ہاشمی ہماری حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ میں حنیف رامے، بابائے سوشلزم شیخ محمد رشید، جہانگیر بدر، خورشید حسن میر، معراج محمد خان، سید ناظم حسین شاہ، ملک معراج خالد کی بہت عزت کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں۔ یہ لوگ پیپلز پارٹی میں اپنے نظریات کی وجہ سے شامل تھے اور ان کا رویہ عوام کے حق میں تھا۔ حنیف رامے نے تو پانچ مرلہ سکیم کے ذریعے پیپلز پارٹی کو آب حیات پلا دیا۔ بہت سے غریبوں کو صدیوں میں پہلی مرتبہ سر پر چھت میسر ہوئی اور جاگیردار سے نجات ملی۔ دیہات میں ووٹروں کی نفسیات بدل گئی۔ اس کام پر حکومت کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہوا۔ یہ ایک خاموش انقلاب تھا۔ حنیف رامے بجا طور پر اس کے لیے خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔ بھٹو صاحب کہنے لگے: آپ لوگ میرا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ میری حالت یہ ہے کہ میں روزانہ تیس مرتبہ مصطفیٰ کھر کو فون کر کے سمجھاتا ہوں اور بیس مرتبہ ممتاز بھٹو کو۔ یہ دونوں سامنے بیٹھے تھے۔ حنیف رامے اور وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق بھی موجود تھے۔ کسی میں بھٹو کا جواب دینے کی ہمت نہ تھی۔ ہم نے جب انہیں بتایا کہ کس طرح ہم پر جیلوں میں تشدد کیا گیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور معذرت کی۔ وہ ہمیشہ ہمیں کمرے کے باہر آ کر خدا حافظ کہتے۔ حسبِ معمول وہ باہر آ کر کھڑے ہو گئے اور ہمیں الوداع کہا۔ ان کے اقتدار میں میری ان سے یہ آخری ملاقات تھی۔ بعد میں ایک مرتبہ محمد میاں سومرو، جو موجودہ چیئرمین سینٹ ہیں، کی شادی پر اُن سے صرف علیک سلیک ہوئی۔ وہ مختصر وقت کے لیے ولیمہ میں شریک ہوئے اور کچھ کھائے پیے بغیر چلے گئے۔ محمد میاں سومرو کے دادا حاجی مولا بخش سومرو نے اُن کے آنے جانے پر دلچسپ تبصرہ کیا۔ وہ کہنے لگے: میں نے بھٹو صاحب کے ہمسائے ضلع جیکب آباد میں پیپلز پارٹی کے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے انتخاب جیتا اور قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی نشستوں پر جا بیٹھا۔ بھٹو صاحب کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی، اس کھچاؤ کی وجہ سے میں نے انہیں ولیمہ کا دعوت نامہ نہ بھیجا۔ بھٹو صاحب نے مجھے بلا لیا اور کہنے لگے: آپ نے مجھے نظر انداز کیا ہے، لیکن میں اس شادی میں ضرور آؤں گا۔ حاجی صاحب کہتے ہیں: میں نے بہانہ بنایا کہ ہم نے کارڈ بھیجا تھا شاید کہیں ادھر اُدھر ہو گیا۔ بھٹو صاحب استہزائیہ انداز میں کہنے لگے: اب ملک کے سربراہ کی ڈاک بھی محفوظ نہیں ہے۔ حاجی صاحب اُن کے شادی کو یوں چھوڑ کر جانے پر خدا کا

شکر ادا کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے اگر وہ کچھ کھا لیتے اور بعد میں کہتے مجھے کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی تو میرا خاندان اس کا خمیازہ بھگتتا رہتا۔

بھٹو کے دور اقتدار میں مجھے تقریباً چار سو مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور شائد ہی پنجاب کا کوئی ایسا ضلع ہو جس میں مجھے قید نہ کیا گیا ہو۔ اسلامی کانفرنس کے دوران گرفتاری کے چند روز بعد ہمیں رہا کر دیا گیا۔ میں رہائی کے بعد مخدوم رشید چلا گیا۔ ہمارے ایک عزیز فوت ہو گئے تھے۔ تعزیت ہی کے لیے کوٹ ادو سے ہمارے قریبی رشتہ دار میاں غلام عباس قریشی ایم این اے آئے ہوئے تھے۔ میاں صاحب سینیٹر اور ضلع مظفر گڑھ کے چیئرمین بھی رہے۔ ان کا مقابلہ اکثر ملک مصطفیٰ کھر سے ہوتا اور اکثر وہ انہیں ہرا دیتے۔ ان دنوں وہ پیپلز پارٹی میں تھے اور ملک مصطفیٰ کھر سے انہوں نے مصالحت کر لی تھی۔ دوران ملاقات مصطفیٰ کھر کا ذکر آ گیا۔ اسلامی کانفرنس کی کامیابی پر انہیں بہت داد مل رہی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ عنقریب مصطفیٰ کھر کو صوبے کے سربراہی عہدے سے ہٹا دیا جائے گا۔ ان حالات میں میری بات کا کسی کو یقین نہ آیا لیکن چند روز بعد مصطفیٰ کھر صوبے کے سربراہ نہ رہے۔ میں ایک طالب علم تھا لہٰذا یہ گمان کرنے کی بجائے کہ میں نے سیاسی تجزیے کی بنا پر ایک رائے قائم کی ہے وہ یہ سمجھے حکومتی معاملات کی مجھے پہلے سے خبر ہوتی ہے۔ عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود تمام عمر ان سے گہری دوستی رہی۔ وہ بنیادی طور پر دھیمے مزاج کے آدمی ہیں۔ کوشش کرتے ہیں ہمیشہ حکومت کی دائیں طرف رہیں۔ اس وقت بھی (ق) لیگ میں ہیں اور ان کے صاحب زادے میاں امجد قریشی سینیٹر ہو چکے ہیں۔ محترمہ کلثوم نواز کے چاغی جانے تک ہمارے ساتھ تھے۔ وہ مجھ سے 23 سال تک پوچھتے رہے کہ آپ کو کیسے پتہ تھا کہ بھٹو صاحب مصطفیٰ کھر کو گھر بھیج دیں گے۔ میں نے انہیں کئی مرتبہ بتایا کہ یہ بالکل سادہ سی بات تھی۔ مصطفیٰ کھر کی سیاست میں اپنی کوئی بنیاد نہیں تھی، نہ ہی انہیں سیاسی نظریے کی سوجھ بوجھ تھی۔ بھٹو نے جب دیکھا کہ وہ اپنی حیثیت کو بھول گئے ہیں تو انہوں نے مصطفیٰ کھر کو فارغ کر دیا۔

ملک مصطفیٰ کھر کے والد یا ان کے بزرگ کبھی بی ڈی کونسلر بھی نہ بنے تھے۔ دراصل گورنر پنجاب ملک امیر محمد خان اپنے حریف نواب مشتاق احمد گورمانی اور ان کے خاندان کو سیاست سے باہر کرنا چاہتے تھے۔ ملک امیر محمد کی کابینہ کے وزیر ملک قادر بخش جھکڑ نے مصطفیٰ کھر کو آگے کر دیا۔ گورمانیوں کے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی ان کا مقابلہ کرنے کو تیار نہ تھا۔ مصطفیٰ کھر گورمانیوں کے مقابلے میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان تھا۔ امیر محمد خان بوجوہ اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھے مگر بادل نخواستہ اس کی سرپرستی کرنا پڑی اور اس طرح مصطفیٰ کھر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ مظفر گڑھ کی سیاست میں تین خاندان سیاست پر چھائے ہوئے تھے۔ نواب مشتاق احمد گورمانی کا خاندان، قریشی خاندان اور دستی خاندان۔ نوابزادہ نصر اللہ کا خاندان، جتوئی خاندان اور ابراہیم برق کا خاندان بھی انتخابی سیاست میں اہم تھے۔ مصطفیٰ کھر کی فیملی ان خاندانوں کی برآمدہ سیاست سے آگے نہیں بڑھی

تھی۔ ملک مصطفیٰ کھر کو اس بات کی داد دینی چاہیے کہ اپنے محدود خاندانی پس منظر اور تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود انہوں نے پنجاب کی سیاست میں نام پیدا کیا۔ انہیں کوئی بدنام کہہ سکتا ہے مگر گمنام نہیں۔ اسمبلی میں پہنچ کر مصطفیٰ کھر نے شہرزاد ہوٹل (وزارت خارجہ کا موجودہ دفتر) میں محفلیں سجانا شروع کیں۔ غلام مصطفیٰ کھر کے بارہ بھائی ہیں، بہنیں اس کے علاوہ ہیں۔ ان کے والد نے اپنی زندگی میں ہی بہنوں اور بھائیوں میں جائیداد تقسیم کر دی تھی۔ ملک مصطفیٰ کھر سمیت کوئی بھی میٹرک کی دہلیز عبور نہ کر سکا۔ انہیں اپنے والد سے وراثت میں جو زمین ملی اُس کی آمدن سیاسی اخراجات کے لیے ناکافی تھی اور ویسے بھی اس علاقہ کی زمین تونسہ بیراج سے پہلے ناکارہ تھی۔ مصطفیٰ کھر نے اپنی ساری زمینیں بیچ کر سیاستدانوں کی خدمت پر لگا دی۔ بھٹو صاحب کے مزاج کے مطابق محفلیں سجانے کو مصطفیٰ کھر اپنے لیے اعزاز سمجھتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے دوسری مرتبہ ایوب خان سے مصطفیٰ کھر کو کنونشن لیگ کی ٹکٹ دلوا کر حساب برابر کر دیا۔ انہی دنوں بھٹو کو وزارت سے فارغ کر دیا گیا۔ جب وہ راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر ٹرین میں بیٹھے تو انہیں الوداع کہنے والوں میں مصطفیٰ کھر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ جن دوسرے ارکان اسمبلی نے ایک ساتھ جینے مرنے کے وعدے کیے تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی وہاں موجود نہ تھا۔ مصطفیٰ کھر کو بھٹو کا ساتھ دینے پر حکومتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس نے مشکل حالات میں بھٹو کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بھٹو نے بھی مصطفیٰ کھر کی مالی مشکلات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا خیال رکھا، حتیٰ کی ذوالفقار علی بھٹو اپنے کپڑے بھی مصطفیٰ کھر کو پہننے کے لیے دے دیتے۔

قسمت نے یاوری کی اور ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار آ گئے۔ انہوں نے مصطفیٰ کھر پر اعتماد کیا اور پنجاب ان کے حوالے کر دیا مگر وہ مصطفیٰ کھر کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھے۔ بالآخر انہوں نے اس بے تاب آدمی سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ جب مصطفیٰ کھر کو اقتدار سے الگ کر دیا گیا تو انہوں نے لاہور میں تاج پورہ سے ضمنی انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت غیر مقبول ہو چکی تھی اور عوام بھٹو کی مخالفت کرنے والے ہر شخص کو ہیرو کا درجہ دینے کو تیار تھے۔ بھٹو کے زخم خوردہ دائیں بازو کے دانشور ''رہبر و رہنما مصطفیٰ مصطفیٰ'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ جب ہم اس رائے کا اظہار کرتے کہ مصطفیٰ کھر میدان سے بھاگ جائیں گے تو وہ ناراض ہو جاتے۔ بارہا میں نے انہیں بتایا کہ میں ملک مصطفیٰ کھر کی اصلیت سے واقف ہوں۔ میری ان سے کوئی ذاتی جنگ نہیں۔

تاج پورہ میں ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع پورے اشتیاق سے ان کی تقریر سن رہا تھا۔ حکومتی ایجنسیوں نے جلسے میں سانپ چھوڑ دیے، جس سے بھگدڑ مچ گئی۔ ملک مصطفیٰ کھر نے تقریر درمیان میں چھوڑی، بارہ فٹ اونچی سٹیج کے پیچھے چھلانگ لگائی اور گاڑی میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔ جلسے میں افراتفری کی وجہ سے پندرہ سے بیس افراد پیروں تلے روندے گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں کئی بچے بھی شامل تھے۔ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا کہ حکومتی عہدیدار جلسے جلوسوں میں ہلاک ہوئے کہ بصورت دیگر وہ حفاظتی اقدامات کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ حزب

اختلاف کی حفاظت کا ذمہ عوام کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ سیاست کی تاریخ میں بہت کم مثالیں ملیں گی کہ کسی رہنما کو جلسہ عام میں سٹیج پر گولی ماردی گئی ہو۔ یہ معاملہ صرف صدر یا وزیراعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر حزب اختلاف کا لیڈر عوام کو چھوڑ کر بھاگ جائے تو اسے حکومت کسی جگہ بھی مروا سکتی ہے۔ یہ اعزاز پاکستان میں صرف ملک مصطفیٰ کھر کو حاصل ہوا کہ وہ سٹیج سے کود کر بھاگے۔ وہ گلبرگ لاہور میں سید یوسف رضا گیلانی کے سسر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے جو ہمارے گھر کے بالکل قریب تھا۔ مجیب الرحمٰن شامی اور میں وہاں پہنچے تو میاں ساجد پرویز ایم این اے، محبوب بٹ اور کچھ دوسرے ورکر لاشیں لے کر آگئے تاکہ ماتمی جلوس نکالا جا سکے۔ ملک مصطفیٰ کھر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ کہنے لگے فوراً یہاں سے بھاگ جائیں، آپ مجھے گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد اہلیان لاہور نے کبھی مصطفیٰ کھر کو قریب بھی پھٹکنے نہ دیا۔

جلسے کی ناکامی کے بعد ملک مصطفیٰ کھر کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کے ساتھیوں کو دلائی کیمپ میں ڈال دیا گیا۔ ڈاکٹر غلام حسین، افتخار تاری، محبوب بٹ، چودھری ارشاد، میاں ساجد پرویز، ملک وارث اٹک کے قلعے اور دیگر عقوبت خانوں میں پڑے رہے۔ ملک مصطفیٰ کھر نے بھٹو صاحب سے صلح کرلی اور ان کے مشیر بن گئے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو گرفتار ہوئے تو مصطفیٰ کھر، جنرل چشتی کو غچہ دے کر لندن چلے گئے اور واپسی پر انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان کے بھائی میرے پاس آئے کہ میں مصطفیٰ کھر کی رہائی کے لیے عرض داشت پر دستخط کردوں۔ مجھے مصطفیٰ کھر کے مظالم یاد آئے۔ ڈاکٹر نذیر شہید اور رحمٰن آباد کی بچیوں کے اغوا سمیت علما پر تشدد کی تصاویر میرے ذہن میں ابھرتی رہیں مگر میں مشکل میں پھنسے ہوئے مخالف کی مدد سے خود کو نہ روک سکا اور رہائی کی اپیل پر دستخط کردیے۔ جنرل حمید گل ملتان میں تھے۔ انہوں نے ایک ملاقات میں بتایا مصطفیٰ کھر ''را'' کا ایجنٹ ہے اور میں وردی میں قومی اسمبلی کی کمیٹی کے سامنے یہ بیان دینے کو تیار ہوں۔ میں دل میں اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگا۔ میں نے ایسے شخص کی مدد کیوں کی؟

جب غلام مصطفیٰ جتوئی کو نگران وزیراعظم بنایا گیا۔ مصطفیٰ کھر بغیر الیکشن لڑے ان کی کابینہ میں پانی و بجلی کے وزیر نامزد ہو چکے تھے۔ مجھے جنرل حمید گل کی بات یاد آتی تو پریشان ہو جاتا۔ مصطفیٰ کھر نے شاہانہ سرکاری اخراجات پر ان گنت دیہاتوں میں بجلی دے کر اور مفت میٹر لگوا کر ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود وہ میاں غلام عباس قریشی سے الیکشن ہار گئے۔ لیکن ہمارے ''اصل حکمرانوں'' کے ایک فون سے ہارا ہوا الیکشن فتح میں تبدیل ہو گیا۔ ملک مصطفیٰ کھر نے کہا میں فوجی حکام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے شکست سے بچا لیا۔ میں حیران تھا کہ را کا ایجنٹ وفاقی وزیر بن گیا اور قومی اسمبلی کا ممبر بھی۔ مصلحت کیا تھی؟ کوئی نہیں جانتا، کوئی نہیں بتاتا۔ ملک مصطفیٰ کھر آج تک ڈیرہ غازی خان، ملتان اور بہاولپور ڈویژن میں کہیں دو ہزار آدمیوں کے جلسے سے خطاب نہیں کر سکے مگر انہیں شمالی پنجاب کی اسٹیبلشمنٹ پنجاب کا ہیرو بنا کر پیش کرتی ہے۔ مصطفیٰ کھر کے پاس

لندن میں سردیوں میں اوورکوٹ خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے، اسے فیوڈل لاڈ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے ووٹر جب دیکھتے ہیں کہ وہ خواہ کسی کو منتخب کریں، حکومت اسی کی ہوتی ہے جسے "اصل حکمرانوں" کی حمایت حاصل ہو، تو وہ اپنے ووٹ کو بے وقعتی سے بچانے کے لیے یقینی جیت والے فرد یا پارٹی کی حمایت کرتے ہیں۔ حقائق سے بے بہرہ ہمارے بعض دانشوران کے قصیدے رقم کرتے ہیں۔

مصطفیٰ کھر ہماری سیاست کا ایسا کردار ہے جو ہمیشہ کسی کندھے کی تلاش میں رہتا ہے، جس پر چڑھ کر وہ قد آور نظر آئے۔ سیاست میں ان کی کوئی اپنی بنیاد نہیں۔ انہوں نے جب یہ کہا کہ میں انڈیا کے ٹینکوں پر چڑھ کر آؤں گا تو یہ بات اُن کی سیاست کے عین مطابق تھی۔ پہلے انہوں نے گورنر پنجاب ملک امیر محمد کا کندھا استعمال کیا۔ پھر ذوالفقار علی بھٹو کا۔ جب بھٹو نے اسے اپنے کندھے سے اتار دیا تو وہ یوسفِ بے کارواں تھے۔ بھٹو کو مشکل میں چھوڑ کر وہ ملک سے باہر چلے گئے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کے ذریعے دوبارہ سیاست میں آ گئے۔ جتوئی صاحب خود دوسروں کی بیساکھیوں پر کھڑے تھے، لیکن مصطفیٰ کھر مظفر گڑھ میں یہ تاثر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ قومی سطح پر ان کا وجود ناگزیر ہے۔ اہل مظفر گڑھ ان کے اثر میں آ گئے۔ مصطفیٰ کھر نے جب یہ دیکھا کہ نواز شریف چڑھتا ہوا سورج ہے تو ان کے دروازے پر پہنچ گئے اور مختصر وقت میں وہ سب کچھ پالیا جو وہ کھو چکے تھے۔ اب نواز شریف کی مزید ضرورت نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ محترمہ کے اقتدار میں آنے کا امکان ہے تو سیاسی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا کہ وہ ایک سیٹ پیپلز پارٹی کے امیدوار تھے اور دوسری سیٹ پر آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑ رہے تھے۔ وہ محترمہ کی کابینہ میں وزیر ہو گئے۔ اور جوں ہی ان کی حکومت ختم ہوئی، ملک مصطفیٰ کھر پیپلز پارٹی سے بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھے۔ آج تک یہ راز معلوم نہیں ہو سکا فاقہ کش مصطفیٰ کھر وسیع جائیداد کا مالک کیسے بن جاتا ہے شائد قومی احتساب کے ادارے بھی نہ جانتے ہوں۔ حال ہی میں انہوں نے پرویز مشرف کو تاحیات صدر بنانے کی تجویز پیش کی تاکہ حسب سابق ایجنسیوں کا کندھا استعمال کر سکیں۔

## شاہی قلعہ کی قید

مجھے شاہی قلعہ میں ڈال دیا گیا، کالمسٹ اور صحافی حافظ شفیق الرحمٰن بھی میرے ساتھ تھے۔ مغل بادشاہ اپنے باغیوں کو اسی تہہ خانے میں رکھا کرتے تھے۔ یہ قلعہ انگریز کے دور میں بھی برصغیر پاک و ہند کے مجاہدین آزادی پر ظلم و تشدد کا مرکز رہا۔ انگریز کے جانشینوں نے اپنے سیاسی مخالفین کو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج کرنے کے لئے اس عقوبت خانے سے وہی کام لیا جو استعمار نے لیا تھا۔ ایک ترقی پسند طالب علم رہنما حسن ناصر کو اسی قلعے میں تشدد کر کے شہید کر دیا گیا۔ اب میری باری تھی۔ بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں بھی مجھے ایسی ہی صورتحال کا سامنا تھا۔ میری موت کی افواہ پھیل گئی۔ لاہور سراپا احتجاج تھا، پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ اُس وقت مجھے لاہور کی

چونا منڈی اور فوراً بعد ملتان کے سی آئی اے کے حوالات میں برف کی سلوں پر لٹایا گیا۔ ہتھکڑیاں سلاخوں سے باندھ کر ساری ساری رات جگایا جاتا۔ اِس بہیمانہ تشدد کے خلاف خرابی صحت کے باوجود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے حکومت کو شدید وارننگ دی اور کہا اگر جاوید کو رہا نہ کیا گیا تو میں موچی گیٹ میں احتجاجی کیمپ لگا کر بیٹھ جاؤں گا اور اس وقت تک نہ اُٹھوں گا جب تک اُسے رہا نہیں کر دیا جائے۔ یہ تنبیہ سید صاحب کے طرز سیاست سے مختلف تھی، حکومت خوفزدہ ہوگئی اور مجھے رہا کرنا ہی پڑا۔

# پیرِ روشن ضمیر مولانا سید مودودیؒ

جس کے افکار نے میری زندگی کو مشکل پسند بنا دیا، جس کے فیضانِ نظر نے میرے اندر کے پُرسکون سمندر میں تلاطم برپا کر دیا۔

اُن روشن آنکھوں میں جھانکنے سے ایک دوسری دنیا روشن ہو جاتی۔ اُس کا ظرف خضر جیسا تھا اور میری بے قراری موسیٰ جیسی ...... برسوں پہلے سید صاحب کو سزائے موت سنائی گئی۔ پھانسی کی سزا پر عمل درآمد سے پہلے موقع دیا گیا کہ اگر وہ درخواست کریں تو انہیں رہائی مل سکتی ہے۔ اس مردِ قلندر نے کہا: زندگی اور موت کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں، زمینوں پر نہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہرام برپا تھا، حکومت کو جھکنا پڑا۔ نواب آف کالاباغ کے دورِ اقتدار میں، لاہور میں جماعت اسلامی کے جلسہ عام میں، چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ تھی۔ ایک کارکن اللہ بخش گولی لگنے سے شہید ہو گئے۔ سٹیج سے آوازیں آئیں مولانا بیٹھ جایئے۔ اُس مردِ جری نے کہا کہ اگر آج میں بیٹھ گیا تو پھر کھڑا کون رہے گا؟ تفہیم القرآن تک میں حافظ سعید انور کے ذریعے پہنچا، جن کی بصیرت نے ان کی بصارت کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور تفہیم القرآن کے ذریعے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تک ...... پھر یہ رشتہ زمان و مکان کی قید میں نہ رہا۔ وہ ایسا پیر تھا جس نے مجھے پیری اور مُلّائی کے استحصالی نظام سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔ 1976ء میں، میں نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ دوستوں کی معیت میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں جماعت اسلامی میں شامل نہیں ہو رہا۔ میرے لئے دعا فرمایئے، میں اسلام اور پاکستان کی خدمت کرتا رہوں۔ سید صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے "یا اللہ ان سے ملک اور قوم کی خدمت کا کام لے لے" ہم نے آمین کہا۔ ہر ایک کو مولانا کی وسیع القلبی اور فراخدلی کا اعتراف تھا۔ مولانا نے اپنا فیصلہ کبھی کسی پر مسلط نہ کیا، حتیٰ کہ اپنی اولاد پر بھی نہیں۔ میں جمعیت اور جماعت کا بھرپور حامی رہا۔ پہلی مرتبہ اسلامی جمعیت طلبا کے پینل نے فرید پراچہ کی قیادت میں باقاعدہ الیکشن لڑا۔ میں نے انتخابی مہم چلائی۔ فرید پراچہ پنجاب یونیورسٹی کے صدر منتخب ہو گئے اور عبدالشکور سیکرٹری جنرل۔ اسلامی جمعیت طلبا کے پاؤں یونیورسٹی میں جم چکے تھے اور میں نے ہمیشہ کیلئے طلبا سیاست کو خیرباد کہہ کر قومی سیاست کی طرف رخ کیا۔ جماعت اسلامی نے مجھے شمولیت کی دعوت دی اور اپنی پابندیوں کو نرم کرتے ہوئے مجھے براہ راست رکنیت دے دی۔ جماعت اسلامی کی تاریخ میں یہ انوکھا فیصلہ تھا، ورنہ رکنیت کے حصول میں سالہا سال بیت جاتے ہیں۔ اپنی ذات کی کوتاہیوں کے سبب میں نے جماعت اسلامی میں شمولیت سے معذرت کر لی۔

جماعت اسلامی روایتی مذہبی جماعت نہیں ہے۔ میری رائے میں جماعت اسلامی نے انقلابی سیاست

کو متعارف کرایا ہے۔ کردار کے لحاظ سے آج بھی جماعت اسلامی بہتر افراد پر مشتمل ہے۔ بین الاقوامی سطح پر مذہب کے کردار کو بھی اس جماعت سے زیادہ کسی نے اجاگر نہیں کیا۔ مذہب کی تشریح اور سیاسی حکمت عملی کے سوال پر جماعت اسلامی سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

جنگ میں کامیابی کے حصول کے لیے خود حضور ﷺ نے بارہا جنگی حکمت عملی تبدیل کی۔ جماعت اسلامی میں مولانا مودودیؒ نے اپنی سیاسی حکمت عملی میں کئی بار تبدیلیاں کیں۔ حکمت عملی کو دین کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ سوچ کے اختلاف کو ارتداد کی حد تک لے جانا شدت پسندی کے زمرے میں آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جماعت اسلامی نے اب اپنے دامن کو وسیع کر لیا ہے۔

## امن کی فاختہ......مولانا ظفر احمد انصاری

بنگلہ دیش نامنظور تحریک کے سلسلے میں کوٹ لکھپت جیل حکام کے ناروا سلوک کے خلاف میں نے اور احمد بلال محبوب نے بھوک ہڑتال کر دی۔ احمد بلال محبوب آج کل پلڈیٹ کے سربراہ ہیں، اُس وقت انجینئرنگ یونیورسٹی کے صدر تھے اور لاہور کالجیٹ باڈی کے سیکرٹری تھے اور میں صدر۔ جیل قواعد کے مطابق ہمیں الگ الگ بند کر دیا گیا، بھوک ہڑتال کے چوتھے روز ہماری حالت بہت خراب ہوگئی۔ ہم نے گلوکوز لینے سے بھی انکار کر دیا، پانچویں روز میں اپنے سیل میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے باعزت تصفیے کی دعا مانگ رہا تھا کہ میرے سیل کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ مولانا ظفر احمد انصاری اپنی کھونٹی کے سہارے میری طرف بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے بتایا کہ قاہرہ میں رابطہ عالم اسلامی کی میٹنگ میں تھے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں فوراً پاکستان واپس آنے کے لیے کہا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے عمرہ کے لیے جانا تھا، مجھے کہا گیا ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے آپ فوراً واپس آ جائیں۔ پاکستان پہنچا تو مجھے کہا گیا میں بھوک ہڑتال ختم کرانے کے لیے مولانا مودودی سے مدد کی درخواست کروں۔ میں نے فون پر مولانا کو تفصیلات سے آگاہ کیا اور اُن سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مولانا نے کہا آپ سیدھے جیل چلے جائیں اور میرا پیغام اُن تک پہنچائیں کہ وہ بھوک ہڑتال ختم کر دیں۔ مولانا انصاری کی آمد ہی میرے لیے کافی تھی۔ مولانا مودودی کا پیغام تو حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میں نے احمد بلال محبوب کو بھی وہاں بُلا لیا، مولانا انصاری نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا اِن سے اپنے غلط رویے کی معافی مانگو...... ہمیں اب معافی پر بھی اصرار نہیں تھا۔ مولانا ظفر احمد انصاری 1970ء میں کراچی سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایڈیشنل سیکرٹری جنرل رہے تھے اور قائداعظم کے معتمدین میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد عمر بھر پاکستان کی دستوری گتھیاں سلجھاتے رہے۔ قرارداد مقاصد سے لے کر ضیاء الحق کے دور میں انصاری کمیشن رپورٹ تک، تمام دستوری بحرانوں میں اُن کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا گیا۔

1973ء کے آئین کو متفقہ بنانے میں انہوں نے رات دن کام کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اُن کی خدمات کو سراہا۔ وہ اسلام کو پاکستان کی بنیاد سمجھتے تھے اور پاکستانی قوم کو متحد رکھنے کے لیے ہمہ قسم کی تجاویز اُن کی ''پٹاری'' میں موجود ہوتی تھیں۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ پاکستان کو سرزمینِ بے آئین نہ رہنے دیا جائے، آئین نہ ہونے سے پاکستان کے وجود کو جو خطرات لاحق تھے انہیں اُس کا شدید احساس تھا۔ اسی لیے صدارتی یا پارلیمانی نظام پر بضد ہونے کی بجائے اُن کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی آئینی بنیاد پر اتفاق رائے پیدا کرلیا جائے، بعد میں بہتری خود ہو جائے گی۔ اسی لگن میں انہوں نے ساری عمر بتا دی۔ جب وہ لاہور تشریف لاتے تو مفتی اعظم مفتی محمد شفیع کے صاحبزادے رکی کیفی کے ہاں قیام فرماتے۔ ہم اُن کی ہمسائیگی میں رہتے تھے اور اکثر افطار اُن کے ہاں ہوتی۔ مجیب شامی اور میں اُن دنوں سحری کے لیے میاں مصطفیٰ صادق کے گھر چلے جاتے جو ہم سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ وہ لاہور میں قومی سطح کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کرتے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، نوابزادہ نصر اللہ خان، ایڈیٹر نوائے وقت جناب مجید نظامی اور دیگر اکابرین سے ملانے کیلئے انہیں میں گاڑی میں لے جاتا۔ اُن کی وجہ سے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہا۔

مولانا ظفر احمد انصاری کی شخصیت سحر انگیز تھی۔ میں کراچی جاتا تو اُن کی خدمت میں حاضری ضرور دیتا اور اسلام آباد میں بھی بارہا اُن کی محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ مجھے اُن کے آئینی جدوجہد کے طریقہ کار سے اختلاف تھا، لیکن پاکستان اور عالم اسلام کے اتحاد کے لیے اُن کی تڑپ بہت متاثر کرتی تھی۔ اُن کا اقتدار سے دور کا تعلق بھی نہیں تھا اور نہ ہی ذاتی اہمیت کی کوئی خواہش۔ وہ پیرانہ سالی میں جوانوں سے زیادہ متحرک تھے اور اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر وطن کی محبت کی لگن میں ہر وقت بے چین رہتے، انہیں معلوم تھا کہ اُن کی آواز ایک تنہا فرد کی آواز ہے، لیکن وہ مایوسی کو گناہ سمجھتے تھے۔ اُن کے پاس دلائل کا انبار ہوتا تھا۔ وہ بدترین حالات میں بہترین نتائج حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔ اُن کی کیفیت اُس چڑیا کی تھی جو چونچ میں پانی لاکر نارِ نمرود پر اس امید پر پھینکتی کہ آگ بجھ جائے گی۔ حضرت ابراہیمؑ محفوظ رہیں گے اور آتش کدہ باغ و بہار میں تبدیل ہو جائے گا۔ عقل و دانش رکھنے والے چڑیا کی اس حرکت پر اُس کا مذاق اڑا رہے تھے، لیکن یہ حسین اتفاق تھا جو کچھ چڑیا چاہ رہی تھی وہی خدا لم یزل کا منشا تھا۔ جو کام چڑیا کر رہی تھی وہی خالق کائنات کر رہا تھا۔ آتش نمرود گل و گلزار میں تبدیل ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ آنے والے تمام انبیاء کے جدِ امجد بنے، چڑیا کی بے چینی رنگ لا رہی تھی، مولانا ظفر احمد انصاری نے جیل سے فون پر مولانا مودودی اور ذوالفقار علی بھٹو کو ہماری بھوک ہڑتال کے خاتمے کے بارے میں اطلاع دے کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اُن کی چونچ میں کسی اور جگہ پر لگی ہوئی آگ بجھانے کا پانی موجود تھا۔ اولادِ ابراہیم اپنے امتحان میں کامیاب ہو چکی تھی، مگر نمرود کی خدائی ابھی باقی تھی، شاید قدرت اولادِ ابراہیم کو امتحان کے اگلے مرحلے میں داخل کرنا چاہتی ہے۔ یقینی فتح کے مرحلے میں یا شاید کسی کا صرف امتحان

لیناہی اصل مقصود ہے۔

## ینگ پاکستانیز

میری چوتھی یونیورسٹی شہرلاہور کی گلیاں ہیں، جہاں میں نے عملی سیاست سیکھی۔1970ء سے 1977ء تک سات سال میں ملکی سیاست کا حصہ بن چکا تھا۔ 1974ء میں ایم اے فلسفہ کرنے کے بعد جامعہ پنجاب کو الوداع کہا اور پھر کبھی اُدھر کا رخ نہ کیا۔ میں پیشہ ور طالب علم رہنماؤں کے سخت خلاف تھا جو سالہا سال تک یونیورسٹی کی فضا کو مکدر کرتے تھے۔ میں لاہور میں عملی سیاست کی ردا بُننے لگا۔ ینگ پاکستانیز (Young Pakistanis) کے نام سے پاکستان بھر سے نوجوان قیادت کو اکٹھا کیا۔ طارق چودھری، جمیل احسن گل اور میں نے پورے پاکستان کا دورہ کر کے نوجوان قیادت سے رابطہ کیا اور انہیں لاہور کنونشن میں شرکت کی دعوت دی۔ حکومت نے ہمیں کھلی جگہ پر کنونشن کے انعقاد کی اجازت نہ دی۔ کوئی ہوٹل بھی ہمیں اپنے ہاں اجلاس منعقد کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا۔ رانا نذر الرحمٰن نے اپنے چیمبر کی تیسری منزل کی چھت پر ہمیں شامیانے نصب کر کے میٹنگ کرنے کی فراخدلانہ پیش کش کی۔ جب ہمارا اجلاس شروع ہوا تو پولیس اور حکومتی غنڈوں نے چاروں طرف سے گھیراؤ کر لیا اور خشت باری شروع کر دی۔ ایک گروپ نے ساتھ والی بلڈنگ کی چوتھی منزل سے فائرنگ شروع کر دی اور بوتل بم پھینک کر شامیانوں کو آگ لگا دی۔ ہم نے گولیوں کی بوچھاڑ میں اپنا اجلاس جاری رکھا اور آئندہ لائحہ عمل کے لیے 20 سالہ منصوبہ تیار کر لیا۔ پروگرام کے مطابق 1974ء سے 1995ء تک پاکستان میں پرامن انقلاب کے ذریعے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرنا مقصود تھا جو دوسرے مسلمان ممالک کے لیے مثال بن سکے۔ یہ ہمارا اپنے ملک سے عہد نامہ تھا جسے ہم نے آگ کے شعلوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بیٹھ کر اپنے ملک اور قوم کی بہتری کے لیے لکھا اور جانوں کی پروا کیے بغیر اس پر دستخط کیے۔ اس پر مختلف طریقوں سے آج بھی عمل درآمد جاری ہے۔ شامیانوں کے جلنے، کراکری کے ٹوٹنے اور کرسیوں کے تباہ ہونے کا بل اگلے چار سال تک ادا کرتا رہا۔

میں ینگ پاکستانیز کا صدر چنا گیا اور شفیع نقی جامعی کو سیکرٹری جنرل۔ راولپنڈی کے شیخ رشید احمد، سینیٹر طارق چودھری، بلوچستان سے سردار طارق خان کھیتران، امان اللہ شادیزئی، کراچی سے زاہد حسین، سید حفیظ الدین ملتان سے احسان باری، فیصل آباد سے جمیل احسن گل، رائے سعید احمد، سرحد سے امین جدون مجلس عاملہ کے ممبر تھے۔

## لسانی فسادات

پاکستان کی قومی قیادت سے ہمارے رابطے تھے۔ لسانی فسادات کے موقع پر ایم انور بار ایٹ لا کے گھر میٹنگ ہوئی، جس میں مجلس عمل بنائی گئی۔ اس میں پیر پگاڑو، میاں طفیل محمد، ایئر مارشل اصغر خان، ملک

قاسم، نوابزادہ نصر اللہ خان، ولی خان، مولانا مفتی محمود، جیسے قائدین شامل تھے۔ مجھے اس مجلس عمل کا کونیئر چنا گیا۔ مجلس عمل نے ملک بھر میں جلسے جلوسوں کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے کا پہلا جلسہ موچی گیٹ میں منعقد کیا گیا۔ جس نے ملکی سیاست کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس جلسے کی صدارت میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ شورش کاشمیری نے میری تقریر سن کر فی البدیہہ یہ شعر کہا۔

جاوید ہاشمی کی خطابت کا ہمہمہ
جیسے بہار سنبل و ریحاں کھلا گئی

بعد میں انہوں نے اسی زمین میں پوری نظم لکھی اور اپنے رسالہ چٹان میں شائع کی۔ خان عبدالولی خان قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف تھے۔ انہوں نے میری جدوجہد کو پاکستان کے بہتر مستقبل کی ضمانت کہا۔ ایک ملاقات میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: جاوید صاحب! Keep the Flag Flying یہ پرچم لہراتے رہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے کپتان کے اس پرچم کو اونچا رکھا۔ 1974 میں، میں نے برطانیہ میں بیرسٹری میں داخلہ لے لیا تھا۔ بھائی کی شہادت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔

1975ء اور 1976ء کے دوران میں لاہور اور ملتان کے درمیان بٹ گیا مگر لاہور میرے دل میں بسا ہوا تھا، جونہی موقع ملتا، ملتان کو چھوڑ کر لاہور بھاگ آتا۔

## تحریکِ استقلال میں شمولیت

1976ء کے آخر میں عام انتخابات یقینی دکھائی دینے لگے تو میں نے تحریک استقلال میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ راولپنڈی سے شیخ رشید اور ملتان سے احسان باری نے میرے ساتھ پریس کانفرنس میں شریک ہو کر ایئر مارشل اصغر خان کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ مجھے تحریک استقلال کی مرکزی مجلس عاملہ کا ممبر بنا دیا گیا۔ اس وقت تک چودھری ممتاز تارڑ، سید ظفر علی شاہ، نواب اکبر بگٹی، گوہر ایوب خان، میاں محمود علی قصوری، ان کے صاحب زادے خورشید قصوری، حامد سرفراز، مشیر پیش امام، مہر رفیق جوتہ، خدائے نور خان، انور درانی، چیئرمین سینٹ محمد میاں سومرو کے والد احمد میاں سومرو، زوار حسین شاہ، ملک حیدر عثمان، رحیم بخش سومرو، ملک وزیر علی، نثار کھوڑو، منظور وٹو، اعتزاز احسن، احمد رضا قصوری اور اے بی اعوان بھی شامل تھے۔ مجھے مرکزی رابطہ کمیٹی کا چیئرمین بنا دیا گیا۔

ایئر مارشل اصغر خان اس ملک کی سیاست کا باوقار اور باکردار نام ہے۔ ملکی سیاست میں انہوں نے جرات کی عظیم داستان لکھی ہے۔ وہ مشکلات سے نہیں گھبراتے مگر ان کے سیاسی فیصلوں کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ بھٹو کی رہائی کے مطالبے سے انہوں نے سیاسی سفر کا آغاز کیا پھر بھٹو کے سب سے بڑے مخالف کے طور پر ابھرے۔ قومی اتحاد بنانے والوں میں پیش پیش تھے، اتحاد توڑنے میں بھی پہل کی۔ بھٹو کو کوہالہ کے پل پر پھانسی

دینے کی بات کی اور پھر بھٹو کے گھر افسوس کے لئے سب سے پہلے پہنچے۔شاہ ایران سے ملے تو امریکہ کے حلیف کا تاثر ابھارا۔ساری دنیا سے روس بھاگ رہا تھا تو انہوں نے پارٹی کے جھنڈے پر درانتی کا نشان بنا دیا۔ہم بمشکل چند مہینے ساتھ چل سکے مگر آج بھی مجھے اُن کی اور اُن کی بیگم آمنہ صاحبہ کی شفقتیں اور محبتیں نہیں بھولیں۔

## قومی اتحاد کا قیام

1977ء کے الیکشن میں متحدہ حزب اختلاف نے قومی اتحاد تشکیل دیا۔میں اُس کی 27 رکنی ہائی کمان کا ممبر بن گیا۔1977ء میں، میں لاہور سے صوبائی اسمبلی کا امیدوار تھا۔لاہور کے شفاف علاقوں سے نکل کر جب انتخابی مہم کے سلسلوں میں کچی آبادیوں میں گیا تو غربت کے وہ مناظر دیکھے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔لاہور میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔

الیکشن میں دھاندلی کے بعد تحریک نظامِ مصطفیٰ چلائی گئی،ایم حمزہ قومی اتحاد پنجاب کے صدر تھے،بچپن ہی سے میں ان کی سیاست سے متاثر تھا۔وہ سائیکل پر اسمبلی جایا کرتے۔1968ء میں مَیں نے قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں اُن کی تقریر سنی۔وہ کہہ رہے تھے، پہلے ملتان کے گداگر مشہور تھے اب ایوب خان نے پورے ملک کو گداگر بنا دیا ہے۔ایوب خان نے قرضوں کی معیشت شروع کی ہے،ایک وقت آنے والا ہے جب ان قرضوں کے بدلے پاکستان کا اقتدار اعلیٰ گروی رکھ دیا جائے گا۔دوسرے دن میں نے دیکھا چوک حرم گیٹ کے باہر پولیس اُن کو دھکے دے کر گاڑی کی طرف لے جا رہی ہے۔کالج پہنچ کر میں نے احتجاجی جلوس نکالا اور گرفتار ہو گیا۔

ایم حمزہ، تحریکِ نظام مصطفیٰ میں گرفتار ہوئے تو مجھے قومی اتحاد پنجاب کا صدر بنا دیا گیا۔

قائدین تحریک کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں، جیلیں کارکنوں سے بھر گئیں، تحریک میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔لاہور شہر بھی بپھرا ہوا تھا کوٹ لکھپت جیل میں نواب اکبر بگٹی ہمارے ساتھ تھے۔کراچی، حیدرآباد، ملتان میں فوج نے مظاہرین پر گولی چلا دی۔نواب اکبر بگٹی کہنے لگے فوج ہر جگہ گولی چلاتی ہے بنگال، سندھ، بلوچستان اور جنوبی پنجاب اس سے محفوظ نہیں مگر دیکھ لینا وہ لاہور میں گولی نہیں چلائے گی۔ہمارا مؤقف تھا فوج فوج ہوتی ہے اور وہ لاہور میں بھی گولی چلائے گی اور دوسرے دن فوج نے انار کلی میں تین نوجوانوں کو مار دیا۔ہم نے بگٹی صاحب سے کہا اب بتائیں چونکہ آپ ذہنی طور پر پاکستان کو تسلیم نہیں کرتے اسی لئے فوج کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں وہ کہنے لگے کل تک صبر کریں میں آپ کی بات کا جواب دوں گا۔دوسرے دن اخبارات کی شہ سرخیوں میں تھا کہ لاہور کے تینوں بریگیڈئرز نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا ہے اور کور کمانڈر جنرل اقبال بھی مستعفی ہو گئے ہیں۔نواب اکبر خان نے کہا کاش بلوچستان، بنگال اور سندھ کے شہریوں کی ہلاکتوں پر بھی کسی جنرل کا ضمیر جاگ اٹھتا! میں نے کہا کہ آپ خود بلوچستان کے گورنر تھے انہوں نے کہا میں گورنر بن جاؤں یا وزیراعظم حکم پنجاب کا چلتا ہے۔تحریک کے نتیجے میں بھٹو صاحب کا اقتدار ڈول گیا۔حزب اختلاف نے دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور

مسائل کے حل کیلئے بھٹو صاحب سے مذاکرات شروع کیئے۔ بھٹو صاحب حالات کا اندازہ نہ لگا سکے اور مذاکرات کو طول دیتے رہے اور پھر بیرونی دورے پر چلے گئے۔ واپس آئے تو ''چڑیوں نے کھیت چگ لیا تھا۔''

مذاکرات بظاہر کامیاب ہو گئے مگر نتیجہ خیز نہ ہو سکے اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ قوم تقسیم ہو چکی تھی اور طالع آزماؤں کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں تھا۔ میں نے ملتان جا کر سیاست کرنے کا فیصلہ کیا۔ جاگیرداری کے محفوظ قلعہ پر حملے کرنے کیلئے میں نے اقتدار کی بیساکھی استعمال کی اور ایک سال کیلئے ضیاء الحق کی کابینہ میں وزیر ہو گیا۔

میرے ساتھ جن حضرات نے زندگی میں پہلی مرتبہ وزارت کا حلف اٹھایا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ غلام الحق خان، محمد خان جونیجو، چودھری ظہور الٰہی، خواجہ صفدر، پروفیسر غفور احمد، الٰہی بخش سومرو کے والد اور محمد میاں محمد سومرو کے دادا مولا بخش سومرو، اے کے بروہی، جماعت اسلامی کے محمود اعظم فاروقی، چودھری رحمت الٰہی، میاں زاہد سرفراز، فدا محمد خان، نواب محمد عباس عباسی، نواب محمد علی ہوتی، زمان خان اچکزئی، جنرل چشتی، جنرل حسن، ائیر مارشل انعام الحق، جنرل جمال سید میاں، ایڈمرل فاضل جنجوعہ، بعد میں پروفیسر خورشید بھی شامل ہو گئے۔ جنرل فضل حق، جنرل رحیم الدین، جنرل عباسی اور جنرل سوار خان کابینہ کے اجلاس میں شریک ہوتے۔

## جنرل چشتی کا مشورہ

جنرل ضیاء الحق نے اعلان کر دیا کہ سول کابینہ کو آزادانہ کام کرنے کے مواقع فراہم کرنے کیلئے تمام جنرلوں بحریہ اور فضائیہ کے سربراہوں کو کابینہ سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ ان وزراء کے لئے الوداعی تقریب تھی۔ لیفٹیننٹ جنرل جمال سید میاں مجھ سے پوچھنے لگے: یار بتاؤ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ میں ہنس پڑا، جمال سید میاں سے میری بے تکلفی ہے، میں نے کہا تم کور کمانڈر ہو مجھ سے کیا پوچھتے ہو، کہنے لگے ہمیں کچھ معلوم نہیں، تم کسی سے معلوم کر کے مجھے بتانا۔ کچھ دنوں بعد فارغ ہونے والے ایک اور وزیر لیفٹیننٹ جنرل چشتی نے مجھے فوج میں گولف کی ٹرافی اور انعامات تقسیم کرنے کیلئے بطور مہمان خصوصی بلایا۔ ہم تقسیم انعامات کے بعد چائے پر اکٹھے ہوئے تو چشتی صاحب مجھے ایک طرف لے جا کر کہنے لگے: ضیاء سے کہو کہ وہ ملک میں انتخابات کرا کے اقتدار عوام کے حوالے کر دے۔ میں حیران رہ گیا، میں نے کہا آپ کور کمانڈر ہیں میں ایک جونیئر سیاستدان، آپ مجھے درمیان میں کیوں لا رہے ہیں، اور ویسے بھی الیکشن کا اعلان ہو چکا۔ کہنے لگے میں ضیاء کو جو مشورہ دیتا ہوں اُس کے الٹ کرتا ہے۔ شاید وہ تمہاری بات سنے۔ یہ انتقال اقتدار کا آخری موقع ہے اگر انتخابات نہ ہوئے تو ضیاء الحق کی موت فطری نہیں ہوگی۔ کسی بڑے حادثے سے بچنے کیلئے انتخابات ضروری ہیں، مجھے اسلم کمال کا شعر یاد آیا۔

رہتے ہیں اِک مکاں میں مگر بولتے نہیں　　اسلم ہے میرا نام کمال اس کا نام

## کابینہ میں حزب اختلاف

جنرل ضیاء الحق کابینہ کی لمبی میٹنگز کرنے کے عادی تھے۔ایک دو میٹنگز تو اٹھارہ گھنٹے چلتی رہیں، حالانکہ کابینہ کی میٹنگ سے ایک دن پہلے کور کمانڈرز اور گورنروں کی میٹنگ میں وہ بنیادی فیصلے کر چکے ہوتے۔ میٹنگ کے دوران کبھی کبھی رات کا کھانا بھی ہو جاتا۔ ایک دن میں نے دیکھا جنرل جمال سید میاں اپنی پتلون کی جیب میں پھل ٹھونس رہے تھے، میں نے کہا: جنرل صاحب یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا یہاں تو ضائع ہو جائیں گے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین آیا نہ کانوں پر، کمرے میں باتھ روم نہیں تھا، دوسرے کمرے میں جانا پڑتا، جہاں سیکرٹری حضرات بیزار سے بیٹھے رہتے۔ ایک دن جنرل جیلانی جو امور داخلہ کے سیکرٹری تھے اور بعد میں گورنر پنجاب بن گئے، میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: میری بیوی سخت تکلیف میں ہے، براہ کرم میری وزارت کا معاملہ پہلے زیر بحث لا سکیں تو میں شکر گزار رہوں گا۔ میں نے واپس جا کر ضیاء الحق کو اُن کی مجبوری کے بارے میں بتایا مگر ضیاء الحق نے ایجنڈا کے مطابق کارروائی جاری رکھی۔ اسی کمرے میں آفتاب احمد خان سے برمحل شعر سننے کا موقع ملتا اور روئیداد خان کے سیاسی تجزیے بھی۔ کابینہ کے اندر گُل محمد جوگیزئی، زاہد سرفراز اور مجھے حزب اختلاف سمجھا جاتا اور جنرل ضیاء الحق ہماری طرف اشارہ کر کے کہتے: حضرات اب حزب اختلاف کی رائے بھی سن لی جائے۔ میاں زاہد سرفراز بہت لمبا تجزیہ کرتے اور دُنیا کے ہر مسئلہ کا حل اُن کے پاس موجود ہوتا۔ ضیاء الحق تنگ آ کر کہتے: میاں صاحب اب آسمان سے ذرا زمین پر واپس آ جائیں اور محفل کشت زعفران بن جاتی۔

# ذوالفقار علی بھٹو.................سوئے تختہ دار

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل سپریم کورٹ میں سماعت کیلئے منظور ہوئی تو سرکاری صفوں میں ہلچل مچ گئی۔ جب عدالتِ عظمیٰ نے بھٹو صاحب کو ذاتی طور پر مقدمے کی کارروائی میں شرکت کیلئے طلب کیا تو اقتدار کے ایوانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ سول کابینہ کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ ایک دن اشارے میں جنرل چشتی نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے کہا کہ بھٹو صاحب کی سزا کے سلسلے میں جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس سے پیچیدگیاں بڑھیں گی۔ ہمیں کوئی اور حل تلاش کرنا چاہیے۔ میں نے 5 جولائی 1977ء کو جو راستہ بتایا تھا، وہی اس کا حل تھا۔ جناب ضیاء الحق صاحب نے کہا کہ اگر 5 جولائی دوبارہ میری زندگی میں آئے تو میں اسی طرح معاملہ عدالت میں لے کر جاؤں گا اور عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ مجھے منظور ہوگا۔ دونوں میں سے کوئی بھی صاف بات نہیں کر رہا تھا، لیکن باہر یہ افواہیں زور پکڑ رہی تھیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کی سزا برقرار رکھی جائے گی۔ میں لاہور گیا تو میں نے برادرم مجیب الرحمن شامی سے اس کا تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں اب کابینہ میں رہنا نہیں چاہتا اور میں نے جنرل ضیاء الحق کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیا ہے۔ مجیب صاحب نے کہا کہ بہتر ہے کہ آپ فوری طور پر مستعفی ہو جائیں، تاکہ پورے ملک پہ آپ کی سوچ واضح ہو جائے اور آپ کے مستقبل کے لئے یہ فیصلہ بہتر ثابت ہوگا۔

والدِ محترم سے اپنی ذہنی کیفیت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: اسی لئے میں نے منع کیا تھا کہ اِس دلدل میں نہ پھنسو، اب تم موقع پرست بننا چاہتے ہو، اُن کے دیئے ہوئے عہدے کو اُن کے خلاف استعمال مت کرو۔ اگر تم سے رائے مانگی جائے تو کھُل کر اپنی رائے کا اظہار کرو اور گھر واپسی کی تیاری شروع کر دو۔

اقتدار کے ایوانوں میں یہ بحث جاری تھی کہ بھٹو صاحب کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوگا؟ بین الاقوامی دباؤ بتدریج بڑھنے لگا۔ عظیم اکثریت کی رائے تھی کہ موت کے فیصلے پر عمل کرنا مشکل ہوگا۔ 5 اپریل 1979ء کو میں دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ گرین فون کی گھنٹی بجی۔ یہ جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر عبدالغفور احمد تھے۔ انہوں نے کہا: کہ میری اطلاع کے مطابق آج صبح بھٹو صاحب کو پھانسی دے دی گئی ہے، ایک عام آدمی کی موت بھی افسردہ کرتی ہے یہ تو ذوالفقار علی بھٹو تھے، جس کے ساتھ ہمارا تعلق تھا، ہم ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور کئی بار مل کر روئے تھے اور ہنسے تھے، وہ کبھی میرے آئیڈیل بھی رہے تھے۔ پروفیسر غفور کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ ملول تھے۔ میں ڈرائنگ روم میں آیا تو پیپلز پارٹی کے ایک سابق رکن اسمبلی کو دیکھا: میں نے خبر سنائی تو اُس نے بتایا: میں نے ریڈیو پر خبر سن لی ہے۔ میں نے اُن سے دکھ کا اظہار کیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے، میں نے انہیں بتایا

کہ آج میں دفتر نہیں جانا چاہتا، کہنے لگے آپ دفتر نہ گئے تو میرے کام کا کیا بنے گا۔ میں نے بادل نخواستہ اپنے سیکرٹری کو گھر پر بلا کر اُن کا کام مکمل کر دیا...... سچ ہے کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔

حفیظ اللہ نیازی کے ساتھ اس کی پرائیویٹ کار میں بیٹھ کر میں راولپنڈی شہر چلا گیا۔ سید فاروق گیلانی، جواب ایک سینئر بیوروکریٹ ہیں، ہمارے ساتھ تھے۔ حفیظ اللہ خان نیازی، عمران خان کے بہنوئی ہیں اور سید فاروق گیلانی طالب علمی کے دور سے میرے قریبی دوست۔ ہم نے پورے شہر میں گھوم کر دیکھا ہمیں کوئی شخص احتجاج کرتا نظر نہ آیا۔ لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے یا ہوٹلوں کے اندر بیٹھ کر خوش گپیوں میں محو۔ مجھے ایسے لگا کہ سارا شہر اداس ہے اور اس نے خاموشی کی پراسرار چادر اوڑھ لی ہے۔

ایک مرتبہ ہم فالکن جہاز میں اسلام آباد کی طرف محو پرواز تھے، یہ جہاز بھٹو صاحب نے خریدا تھا۔ اس میں ایک آرام دہ بیڈ روم تھا۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا ڈرائینگ روم۔ باقی عملہ جہاز کے پچھلے حصے میں سفر کرتا تھا۔ مطالعہ کی میز پر مَیں، محمود اے ہارون اور ضیاء الحق اخبار پڑھ رہے تھے۔ وقفے وقفے سے گفتگو جاری تھی، محمود ہارون صاحب کہنے لگے: جاوید جی! بھٹو آپ کو اس جہاز میں دیکھتا ہوگا تو اسے تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں نے کہا ضیاء الحق صاحب نے ان کو پھانسی دی ہے اور آپ نے بطور وزیر داخلہ اس پر عمل درآمد کرایا۔ وہ آپ دونوں کا محسن تھا۔ انہیں کمانڈر انچیف بنایا اور آپ کو چین ساتھ لے جا کر دوبارہ سیاست میں آنے کا موقع دیا۔ اسے سب سے زیادہ تکلیف جناب ضیاء الحق صاحب اور آپ سے ہوتی ہوگی۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے چہرے پر سنجیدگی گہری ہوگئی۔ اگلے دن میں ضیاء الحق صاحب سے ملنے گیا: اُن کے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر محمد ظفر نے کہا سر! میں نے سنا ہے کہ آپ مستعفی ہونا چاہتے ہیں میں نے کہا: آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ بریگیڈیئر ظفر ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ وہ دونوں ایک جیسا لباس پہن کر آتے تھے، اگر ضیاء الحق سفید شیروانی میں ملبوس ہوتے تو بریگیڈیئر صاحب کی شیروانی بھی اُسی رنگ کی ہوتی۔ اگر جنرل صاحب وردی میں ہوتے تو بریگیڈیئر صاحب بھی وردی میں ہوتے۔ اُن کی رنگت سرخ و سفید تھی اور شخصیت دلچسپ کہا: آپ الگ کیوں ہونا چاہتے ہیں؟ میں اپنے حلقہ انتخاب میں جا کر الیکشن کی تیاری کرنا چاہتا تھا۔ کہنے لگے سر! میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے، آپ اطمینان رکھیں الیکشن نہیں ہونگے۔ میں نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے استعفیٰ پر اصرار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پہلے وفاقی وزیر کا حلف اٹھائیں، یہ زندگی بھر آپ کے کام آئے گا۔ میں اُس وقت وزیر مملکت تھا۔ میں نے وفاقی وزیر بنتے ہی ایک مہینے کے اندر وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور گھر واپس آ گیا۔

1979ء میں جب میں دوبارہ استعفیٰ دینے کے لیے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیکرٹریٹ میں ضیاء الحق سے ملنے کا انتظار کر رہا تھا تو پیر پگاڑا شریف بھی انتظار گاہ میں موجود تھے اور اڑھائی گھنٹے سے انتظار کر رہے تھے۔ میں پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہیں پیر صاحب ناراض ہو کر چلے نہ جائیں۔ میرے ذہن میں آرہا تھا پہلے پیر

صاحب کی ملاقات ہوگئی تو شاید مجھے آج وقت نہ ملے اور کل آنا پڑے۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا پیر صاحب بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ ملٹری سیکرٹری نے آ کر کہا: صدر صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں نے ضیاء الحق صاحب کو ملتے ہی کہا: باہر پیر صاحب تشریف رکھتے ہیں، شاید آپ کو سٹاف والوں نے اطلاع نہیں دی۔ میرا خیال تھا ضیاء الحق چونک پڑیں گے۔ مگر انہوں نے میری بات پر توجہ دینے کی بجائے میرے ساتھ لمبی گفتگو کی۔ جس کی چنداں ضرورت نہ تھی، لگتا تھا وہ پیر صاحب سے کسی بات پر ناراض ہیں اور انہیں احساس دلانے کے لیے یہ طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں۔ میں باہر نکلا تو پیر صاحب ابھی تک ملاقات کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

حاکم علی زرداری کے گھر کھانے پر میرے ساتھ کی نشست پر کچیلو صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے اکلوتے بیٹے کو تاوان کے لیے اغوا کر لیا گیا تھا اور اس واقعے کو پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ اُن کے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ وہ لطیفے سنا کر محفل کو گرم کر رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے بیگم زرداری سے کہا: اکلوتے بیٹے کے باپ کا یہ ردِعمل میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ وہ کہنے لگیں تم براہ راست کچیلو صاحب سے کیوں نہیں پوچھتے، کچیلو صاحب نے کہا: میں آپ کو بتاتا ہوں، میں آج ہی اپنے اغوا شدہ بیٹے سے مل کر آیا ہوں وہ خیریت سے ہے۔ اغوا کنندگان نے پانچ کروڑ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ایک پیسہ بھی ادا نہیں کرونگا۔ پیر صاحب کے ایک اشارے سے مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ اُن کی دُعا کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے اخبارات میں آ چکا تھا کچیلو صاحب نے دو گھڑیاں بیس بیس لاکھ روپے کی خریدیں، ایک بیٹے کو دی اور دوسری پیر پگاڑو کو بطور تحفہ پیش کی۔ اس سے زیادہ وہ دینے کو تیار نہیں تھے۔

لندن میں رحیم بخش سومرو نے ہمیں کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا، جام صادق علی بھی موجود تھے۔ رحیم بخش صاحب نے کہا سائیں صادق علی سے پوچھیں، اس نے لندن میں نیا گھر خریدا ہے، اس کے پاس پیسے کہاں سے آئے ہیں، یہ تو کہتا تھا میں بھوکا مر رہا ہوں اور اب یہ پیر صاحب کو حروں کا خون بہا دینے کے لیے بھی تیار ہے، جو چار پانچ کروڑ بنتا ہے۔ جام صادق علی نے کہا: سائیں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا، محمد خان (محمد خان جونیجو وزیراعظم پاکستان) نے مجھے کہا: فوراً پاکستان آ جاؤ، میں نے اسے کہا: جب تک پیر پگاڑو شریف مجھے معافی نہ دیں میں آپ کی یقین دہانی پر پاکستان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ محمد خان جونیجو نے میری مدد کی ہے۔ جام صادق علی کو آخر کار معافی مل گئی۔ پیر صاحب نے اپنے حروں کے خون کا فیصلہ خود کیا۔ میں پیر صاحب کے نیازمندوں میں سے ہوں، ہمارے ملک کی سیاست میں اُن کا بڑا مقام ہے، میں تینوں واقعات میں اُن کے طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر آج تک سمجھ نہیں آئی۔

# سائبان نہ رہا

میرے والد محترم پولی کلینک اسلام آباد میں داخل تھے۔ ان کی صحت کبھی قابل رشک نہیں رہی تھی، مگر یہ ایک معمول کا طبی معائنہ تھا، کوئی خاص پریشانی والی بات نہیں تھی۔ میں نے ہسپتال انتظامیہ کو دیگر مریض بھی ان کے کمرے میں رکھنے کی اجازت دے دی۔ اگلے روز جب میں میٹنگ سے واپس ہسپتال پہنچا تو پوری دنیا بدلی ہوئی تھی، دور تک خوبصورت پھولوں کے گملے رکھے تھے،۔ جب میں کمرے کے قریب پہنچا تو پتہ چلا اندر چودھری ظہور الٰہی آئے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اس وقت وزیر تھے۔ جب میں کمرے کے اندر پہنچا تو وہ میرے والد کی پائنتی پر بیٹھے ان کے پاؤں دبا رہے تھے۔ کمرے کے دوسرے مریض باہر منتقل ہو چکے تھے۔ وہ غصہ سے کہنے لگے تم نے والد صاحب کا خیال نہیں کیا اور کمرے کو لاری اڈا بنا دیا ہے۔ والد صاحب نے کہا: میں نے خود مریضوں کو یہاں رکھنے کی اجازت دی تھی۔

ضمناً عرض کرتا چلوں، چودھری ظہور الٰہی کا جنوبی پنجاب میں صرف ہم سے تعلق تھا۔ 1974ء میں میرے بڑے بھائی کی شہادت پر تعزیت کے لئے وہ سب سے پہلے پہنچے۔ میرے زمانہ طالب علمی میں چودھری ظہور الٰہی جیل میں تھے، میں نے ان کی حمایت میں تحریک چلائی۔ پرویز رشید کہتے ہیں، بھٹو دور میں کوثر نیازی کے گھر قوالی ہو رہی تھی، میر افضل خان، نصر اللہ خٹک اور چودھری ظہور الٰہی موجود تھے، کوثر نیازی نے چودھری ظہور الٰہی سے کہا کہ دو طالب علم رہنما آپ کی مدد کر رہے ہیں، ایک راولپنڈی اور دوسرا ملتان سے۔ چودھری ظہور الٰہی نے برجستہ جواب دیا ملتان والا اپنے خرچ پر ہماری مدد کر رہا ہے اور پنڈی والا ہمارے خرچ پر۔ چودھری ظہور الٰہی جیل میں بیٹھ کر غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں کچھ مستحق لوگوں کی فہرست بناؤں جن کی مدد کے لئے فنڈز مجھے مہیا کیے جائیں اور میں ان میں تقسیم کروں۔ میں نے معذرت کر لی، البتہ چودھری پرویز الٰہی اور میں مل کر ضرورت مندوں کے گھروں میں جا کر مدد کرتے رہے۔ جب چودھری ظہور الٰہی کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا تو گلبرگ کے یو۔سی۔ایچ (U-C-H) ہسپتال میں اُن کی لاش پر میں پرویز الٰہی اور چودھری شجاعت حسین سے پہلے موجود تھا۔

1993ء کے انتخابات میں میں لاہور کے حلقہ این اے 96 میں حصہ لے رہا تھا۔ میری رہائش چودھری ظہور الٰہی کے گھر پر تھی۔ کارکنوں کا تانتا بندھا رہتا۔ چودھری پرویز الٰہی کے والد اور چودھری ظہور الٰہی کے بڑے بھائی چودھری منظور الٰہی نے میرے مہمانوں کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے لی۔ میں ان کی شفقتیں فراموش نہیں کر سکا۔

ایک دن چوہدری پرویز الٰہی اور میں مشہور انقلابی شاعر حبیب جالب کے گھر گئے، ان دنوں وہ کراچی جیل میں تھے۔ جالب کے سکول جانے والے بچوں کے پاؤں میں پھٹے ہوئے جوتے تھے۔ جب ہم گھر میں داخل

ہوئے تو ایک بوسیدہ لحاف میں سارا خاندان سردی سے بچاؤ کی کوشش کر رہا تھا۔ ان دنوں چودھری شجاعت حسین اور چودھری پرویز الٰہی کا سیاست سے دور کا تعلق بھی نہیں تھا۔ چودھری ظہور الٰہی نے میرے بارے میں کہا: یہ میرے بھائی ہیں، میرے دوست اور محسن ہیں۔ آپ پر ان کا احترام لازم ہے، چودھری شجاعت حسین نے ایک دن ماسکو میں یہ ذکر صحافیوں میں بیٹھ کر اس طرح کیا تو وہ حیران رہ گئے۔ میں نے بیٹی کی شادی کا کارڈ چودھری شجاعت حسین اور پرویز الٰہی کو بھیجا تو انہوں نے اخباری بیان جاری کیا کہ ہمیں دعوت نامہ ملا ہے لیکن ہم نے مصروفیت کی بنا پر شادی میں شرکت سے معذرت کر لی ہے۔ اس طرح کا بیان آج تک کسی نے جاری نہیں کیا ہو گا۔ یہ بیان ہمارے سماجی رویوں کی عکاسی کرتا ہے جو حالات کے جبر سے پھوٹے۔ انہی دوستوں کے دور میں میری بیٹی کو ایئرپورٹ سے گرفتار کر کے رات تین بجے تک تھانے میں بٹھایا گیا اور اسی دور میں میری بیمار بیوی کو ہسپتال سے اٹھ کر عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ میرا دو سالہ نواسا بھی عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ نہیں تھا۔

میری والدہ، میرے ماموں مخدوم مبارک شاہ گاؤں سے ایک ملازم نواز اور دیگر دو ملازمین چوبیس گھنٹے والد کے ساتھ رہتے۔ میں بھی رات گئے تک آتا جاتا رہتا۔ چونکہ وہ روبصحت تھے، اس لئے باقی تمام رشتے داروں اور عزیزوں کو گاؤں واپس بھیج دیا گیا۔ ایک شام میں ہسپتال سے کھانا کھانے کے لئے آیا تو ملازم نے کہا بڑی بیگم صاحبہ نے کہا ہے فوراً ہسپتال پہنچیں۔ میں پریشانی میں یولی کلینک پہنچا تو میری والدہ اور ماموں ساتھ والے کمرے میں منتظر تھے۔ میری والدہ نے کہا: میں نے اپنے خاندان کی اکثر اموات کو دیکھا ہے، آپ کے والد کا سفرِ آخرت شروع ہو چکا ہے۔ میں دوڑ کر والد صاحب کے کمرے میں پہنچا تو انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہا جو کچھ تمہاری ماں نے کہا، وہ درست ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ تمہیں فوراً بلا لے۔ سانس لیتے ہوئے جو خرخراہٹ تم سن رہے ہو، یہ میرے دمے کی وجہ سے نہیں ہے۔ میں عالمِ سکرات میں ہوں اور دو دن سے زیادہ زندہ نہ رہوں گا۔ میں یولی کلینک کے سینئر ڈاکٹر شوکت کے گھر پہنچا جو ڈیوٹی سے فراغت کے بعد ابھی ابھی گھر گئے تھے، انہوں نے کہا: پریشانی کی کوئی بات نہیں تمام ٹیسٹ نارمل ہیں۔ میں نے واپس جا کر والدہ کو بتایا، انہوں نے کہا جو کچھ تمہارے والد نے کہا ہے، اس پر عمل کرو۔

میں نے جنرل کے ایم عارف کو فون کیا کہ ان کا رویہ ہمیشہ مثبت ہوتا تھا، انہوں نے اگلے روز ہیلی کاپٹر کا بندوبست کیا۔ میرے والد ملتان تک سارا راستہ فصلوں، مویشیوں اور اپنے ملازم کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ ہیلی کاپٹر مخدوم رشید کے ہیلی پیڈ پر اترا تو ہزاروں لوگ استقبال کے لئے موجود تھے جو ان کی زیارت کرنا چاہتے تھے، بڑی مشکل سے ہم گھر میں داخل ہوئے۔ والد صاحب تمام لوگوں سے اس طرح مل رہے تھے جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہیں، میں نے والدہ سے کہا: انہیں گاؤں کی یاد ستا رہی تھی۔ میری کیفیات عجیب و غریب تھیں، مجھے لگ رہا تھا کہ ہم ایک زندہ و بیدار جسم کو قبر میں رکھنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میرے پھوپھا مخدوم محمد عالم شاہ جو

میرے والد محترم کے گہرے دوست تھے، اپنے دوست کو دیکھتے ہی کہہ رہے تھے، جدائی کا لمحہ قریب آن پہنچا ہے۔

ہم ان کی بیماری بھول گئے تھے۔ احتیاطاً ڈاکٹر محمد حیات ظفر کو جو بین الاقوامی شہرت کے معالج ہیں اور چار نسلوں سے ہمارے خاندان کا علاج کر رہے ہیں، کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ انہوں نے تفصیلی معائنہ کیا اور کہا فکر مندی کی کوئی بات نہیں، بلڈ پریشر کم تھا اب حالت بہتر ہے۔ میرے والد صاحب ڈاکٹر صاحب کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ان کے ساتھ ورزش کرتے اور مسکراتے رہے، جونہی ڈاکٹر صاحب گھر سے باہر نکلے انہوں نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا اور سب لوگوں کو کلمہ کے ورد کا اشارہ کیا اور پھر انہوں نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔ اِنا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ان کی عمر 79 سال تھی۔ انہوں نے زندگی کا طویل عرصہ علالت میں گزارا۔ ان کا وجود ہم سب کی زندگیوں کے لئے محور کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم ہر مرحلے پر ان سے رہنمائی حاصل کرتے۔ زندگی کی کڑی دھوپ میں وہ ہمارا سائبان تھے۔ اب یہ سائبان نہیں تھا۔ ان کے عقیدت مند دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ ملک کے طول و عرض میں محبت کرنے والوں نے ان کا سوگ منایا۔ ذاتی طور پر میرا صدمہ شدید تھا، بچپن سے میں ان کی توجہ کا مرکز تھا۔ میرے، بہن بھائی کوئی مطالبہ کرنا چاہتے تو مجھے آگے بڑھا دیتے وہ جانتے تھے کہ اب انکار نہ ہوگا۔ رات کو سونے سے پہلے کہانی سنانے کا مطالبہ کرتا تو وہ ہمیں بادشاہوں، پریوں اور پرندوں کی سبق آموز کہانیاں سناتے۔ میری بہنوں کو انہوں نے خود تعلیم دی۔ انہیں گھوڑوں سے عشق تھا، وہ گھر میں کفایت شعاری پہ اصرار کرتے، لیکن کسی اچھی نسل کے گھوڑے کے بارے میں بتایا جاتا تو فوراً خریدنے پر آمادہ ہو جاتے۔ میں ان کی اس کمزوری کا خوب فائدہ اٹھاتا تھا اور پیسے نکلوا لیتا تھا۔ وہ بعد میں ہنستے اور کہتے: میں آئندہ کبھی تم پر اعتماد نہ کروں گا، مگر میں پھر بھی داؤ لگا لیتا۔

ان کی جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا، خاندان نے میری دستار بندی کا فیصلہ کیا۔ میں خود کو اس قابل نہ سمجھتا تھا۔ مجھ سے بڑے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ نے مجھ پر دباؤ ڈالا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور مخدوم ناصر الدین شاہ کے سر پر خاندان کی دستار رکھ دی گئی۔

میری والدہ نے کہا: اب مجھے اس دنیا میں نہیں رہنا۔ میں تو اسی دن مر گئی تھی جب میرا بیٹا اس دنیا میں نہ رہا تھا۔ میں تمہارے والد کی دیکھ بھال کے لئے زندہ تھی، اب میری ذمہ داری ختم ہوئی، میرے والد اور والدہ آپس میں کزن تھے۔ میری والدہ میرے والد سے 16 سال چھوٹی تھیں اور ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ 1974 کے بعد وہ کبھی بستر پر نہیں سوئیں، انہیں اپنے بڑے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کی موت کے بعد والدہ نے اپنی بقیہ زندگی سوگ میں گزار دی۔

1979ء میں وزارت سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اپنی زمینوں پر بھرپور توجہ دی اور پانچ مربعے نئی زمین آباد کر ڈالی۔ میں رات گئے تک کام پر جٹا رہتا۔ ایک شام مجھے والدہ کا پیغام ملا کہ جلدی گھر آ جاؤ میں دوڑ کر گھر

پہنچا تو وہ حسب معمول کھانا تقسیم کر رہی تھیں، کہا میری آنکھ میں ناقابل برداشت تکلیف ہے۔ ہم نے ٹیکسی کرایہ پر لی اور نشتر ہسپتال ملتان پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحبان نے کہا کہ اگر آپ دیر کرتے تو آنکھ ضائع ہو جاتی۔ یہ کالا موتیا ہے۔ تاہم فکر کی کوئی بات نہیں۔ اتنی دیر میں میری بہنیں اور سارا خاندان پہنچ گیا۔ میری والدہ نے کہا تم گھر واپس چلے جاؤ اور صبح کو لوٹ آنا۔

مجھے سورج مکھی کی فصل کے پیسے وصول کرنے تھے اور ورکشاپ سے گاڑی نکلوانی تھی، میں صبح سویرے پیسے لے کر چلا، راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تو میں بس میں سوار ہو گیا۔ ملتان لاری اڈے پر اترا تو طلبہ اور ڈرائیوروں میں جنگ ہو رہی تھی۔ معصوم طلبہ ڈرائیوروں کے نرغے میں تھے۔ میں نے ان میں مصالحت کرائی اور رکشہ میں بیٹھ کر ہسپتال پہنچا۔ رکشہ سے اتر رہا تھا کہ میرے بھانجے فیض مصطفیٰ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ بڑی اماں چلی گئیں۔ یقین نہ آیا۔ میں نے کہا: کیا کہہ رہے ہو، اس نے کہا بڑی اماں آپریشن تھیٹر میں تھیں کہ یکا یک فوت ہو گئیں۔ میں آپریشن تھیٹر کی طرف بھاگا، وہ سٹریچر پر بے حس و حرکت پڑی تھیں۔ ڈاکٹروں نے انہیں ضرورت سے زیادہ انستھیزیا دے دیا اور وہ ایسی بے ہوش ہوئیں کہ پھر واپس نہ آئیں۔ ان کی واپسی کا سفر بھی غریبانہ تھا۔ کوئی ایمبولینس موجود نہیں تھی، ہم نے ایک سوزوکی ڈبے میں ان کی جسد خاکی کو رکھا اور گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو کہرام مچا تھا، ایک ایسی شخصیت کا سفر آخرت تھا جس نے ہمیشہ ضرورت مندوں، بیواؤں اور یتیموں کو سہارا دیا۔ سارے خاندان پر نہیں بلکہ ان کی شخصیت کا سایہ سارے گاؤں پہ دراز تھا۔

ڈیرے میں بیٹھے ہم بحث کرتے رہے کہ انہیں دربار شریف میں میرے والد کے پہلو میں دفن کیا جائے یا بیٹے کے ساتھ۔ میں اٹھ کر زنان خانہ کی طرف چل پڑا کہ خود ان سے پوچھ لوں۔ یکا یک یاد آیا کہ وہ تو اس دنیا میں نہیں ہیں، مجھے یہ احساس ہوا کہ اب زندگی کے تمام فیصلے تنہا کرنا ہوں گے۔ میں نے چڑیا کے بچے کو کئی مرتبہ آشیانے سے گرتے دیکھا اور اس کی بے بسی کو بھی! اپنی بے بسی کا تماشہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ میری والدہ میرے بھائی اور میرے والد نے مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑا، وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہیں...... میرے قفس کے پنجرے میں بھی...... والدہ کی وفات پر ذمہ داریوں نے مجھے رونے نہ دیا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ان کے لئے عمرہ کیا، تاہم میں وہاں بھی لوگوں کے سامنے دکھ کا اظہار نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں تنہائی کی تلاش میں تھا۔ سعودی عرب سے امریکہ چلا گیا۔ میں نیاگرا آبشار میں بفلو شہر میں پہنچا، اپنے دوست ناہید رندھاوا کے بھائی کے پاس، وہ پندرہ دن کے لئے پاکستان جا رہے تھے، رونے کے لئے مجھے ایک خالی گھر مل گیا۔ نیاگرا کا پانی پہاڑوں کا دل چیر کر باہر آ رہا تھا۔ میری آنکھیں میرے دل کی ترجمان ہو گئیں، ابھی تک نیاگرا کا پانی بھی رواں دواں ہے اور میری آنکھیں بھی نم آلودہ۔

مائیں تو سب کی مرتی ہیں، مگر میری ماں نے آج تک مجھے بے سہارا نہیں چھوڑا، وہ آج بھی میری

حفاظت اسی طرح کر رہی ہیں، جس طرح کیمپ جیل لاہور میں ایک چڑیا نے آشیانے سے گرنے والے بچے کی حفاظت کی تھی، وہ اپنے بچے کو بچانے کے لئے سر آسمان پر اٹھا لیتی تھی اور بلی کو بھاگنا پڑتا تھا۔ میرے بال و پر اُگ آئے ہیں مگر مامتا کی محبت کا کوئی مداوا نہیں۔ میں ان کے لئے آج بھی وہی بھاندا ہوں جو اِن کے پہلو میں لیٹا رہتا، بے بس گوشت کا لوتھڑا، چڑیا کے بچے کی طرح۔ آنکھیں بند کیے ہوئے، چونچ کھولے ہوئے، مامتا کے پروں کی گرمی سے زندگی کی حرارت محسوس کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے سے اس کی ماں سے 70 گنا زیادہ محبت کرتا ہوں، خدا اپنے بندوں سے محبت کے اظہار کے لیے ماں کے لہجے میں بات کرتا ہے۔ اس نے محبت ماپنے کے لیے مامتا سے بڑا پیمانہ بنایا ہی نہیں۔

# درِ کعبہ وا ہوتا ہے---

اج سانولڑے مکلایا ہر بار برہوں دا چایا
اِتھ عبد عبید سوالی جیں جو منگیا سو پایا
آ پہتم جیندیں مکے ایں شہر مبارک بکے

خواجہ فریدؒ

میں کعبہ کی دیواروں سے لپٹا ہوا تھا، حشر میں جو اعمال نامہ مجھے فرشتوں نے میرے ہاتھوں میں تھمانا تھا، میں نے خود تھاما ہوا تھا، بحرِ عصیاں میں غوطے کھا رہا تھا، لیکن ساحلِ مراد کے قرب نے ڈبکیاں کھاتے ہوئے ''لاتقنطوا'' کی جھلک دکھا کر مجھے بے باک کر دیا۔ موسیٰ کے قصے سے سبق حاصل کرنے کی بجائے میں نے ربِ اَرِنی کا تقاضا کیا، کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ وہ تو جانتا ہے میں ازل کا بھلکّو ہوں مگر میں اس کا اعلان نہیں بھولا تھا۔ میں احسن تقویم ہوں میں اِنِّیْ جَاعِلُوْنَ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ کا مصداق ہوں، نائب خدا ہوں۔ میں نے کعبہ کے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا: میں آج ہی اندر جانا چاہتا ہوں، مولودِ کعبہ کے ساتھ چند لمحے گزارنا چاہتا ہوں، صدیقؓ کے کندھوں پر چڑھ کر ختمی نبوتؐ کے ہاتھوں سے ہبل لات اور عزیٰ کو منہ کے بل گرنے کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں، اپنے اندر کے بتوں کو کرچی کرچی کرنا چاہتا ہوں۔ میں سوچنے لگا ضروری تو نہیں کہ مجھے بھی لَن تَرانی والا جواب ملے۔ مستجابُ الدُّعا ہونے کا زعم نہیں مگر اُس کے سمیع الدُّعا ہونے کا یقین تھا۔ میں نے کعبے کے دروازے پر آخری نگاہ ڈالی اور گھگھیا کر کہا: میرے لیے یہ دروازہ کیوں نہیں کھل سکتا...... اپنی رہائش گاہ پر پہنچا اور مدینہ کی روانگی کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف وزیر مذہبی امور نواب افتخار انصاری بول رہے تھے۔ کہا تمہارے پاس وقت ہو تو حرم شریف آ جاؤ کعبہ شریف کا دروازہ کھل رہا ہے۔ چند لمحوں بعد میں کعبے کے اندر تھا۔ میرے ساتھ میرے خالہ زاد ارشاد علی شاہ، روزنامہ وفاق کے ایڈیٹر میاں مصطفیٰ صادق اور میرے دیگر عزیز و اقارب کو بھی یہ شرف نصیب ہوا۔ مصطفیٰ صادق صاحب نے ایک مخصوص جگہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں حضور ﷺ نے نوافل ادا کیے تھے یہ پتھر کا ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ حدادب نے مجھے وہاں کھڑا ہونے کی اجازت نہ دی، اگر چہ بعد میں کئی مرتبہ وہاں بھی نوافل ادا کیے۔ میاں مصطفیٰ صادق نے بعد میں مجھے بتایا کہ کعبے کے اندر جو ردِ عمل میرا تھا، وہی ذوالفقار علی بھٹو کا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو کو جب بتایا گیا کہ حضور ﷺ نے اس جگہ کھڑے ہو کر نوافل ادا کیے تھے تو وہ فوراً پیچھے ہٹے، جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو اور کہنے لگے: میری کیا مجال میں اس مقام پر اپنے پاؤں رکھوں، یہ واقع سن کر میں نے وہ مَیل دھو ڈالی جو ذوالفقار علی بھٹو کے

لئے میرے دل میں تھی۔

مدینہ منورہ حاضری دی تو ساری رات باب جبرائیل کے سامنے گلی میں بیٹھا رہا۔ اگلے روز معلوم نہیں وزیر حرم نبوی شیخ العقلا کو میرے معاملے کی خبر کیسے ہوگئی۔ مصطفیٰ صادق صاحب اور میں ان کے بیٹے کی فضائی حادثے میں موت پر تعزیت کرنے گئے تو کہنے لگے: آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا آپ ساری رات گلی میں کیوں بیٹھے رہے؟ میں آپ کو روضے کے اندر بھیجنے کا انتظام کر دیتا۔ اب میں انہیں کیسے بتاتا، بیت اللہ میں تو میں مطالبہ کر سکتا تھا، یہاں کیسے کرتا؟ میں نے دررسالت ﷺ پر کبھی کچھ مانگنے کی جسارت نہ کی۔ کہ یہ سوئے ادب ہے۔ یوں بھی بن مانگے اتنا ملا ہے کہ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ شیخ نے دوسری رات حاضری کا بندوبست کر دیا۔ میں تنہا ریاض الجنہ میں نوافل ادا کر رہا تھا مگر روضہ انور کے اندر جانے کا حوصلہ نہ تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا، میری آلودگی مجھے حضور ﷺ کا سامنا کرنے سے روک رہی تھی۔ میں نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔ جوں ہی واپسی کے لئے اٹھا تو روشنی کا ایک کوندا میری آنکھوں کے سامنے لپکا اور وہ منظر سامنے آ گیا جب ایک بدو نے مسجد نبوی کو رفع حاجت سے گندہ کر دیا تھا۔ صحابہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے مسجد کو صاف کر رہے تھے۔ فرمایا: یہ میرے مہمان کی گندگی ہے اور اسے میں خود صاف کروں گا۔ مجھے حوصلہ ہوا میں سر جھکائے، پُرنم آنکھیں لیے سامنے کھڑا تھا، مجرموں کی طرح، خدا، فرشتے اور انسان درودوں کی ڈالیاں بھیج رہے تھے۔ میں اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ اِذن باریابی نے مجھے دونوں جہانوں میں سرفراز کر دیا تھا اور دنیاوی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنے کا نیا حوصلہ ملا۔ اسی گدائی میں مَیں نے شہنشاہی پالی۔

تیسرا باب

# زمینی سیاست کی انگاروادی

# زمینی سیاست کی انگاروادی

جولائی 1979ء کو میں نے وزارت سے استعفیٰ دے کر زمینی سیاست کی انگاروادی میں قدم رکھ دیا۔ فیوڈل ازم کی کچھار ملتان پہنچا تو دو میل لمبے جلوس نے میرا استقبال کیا۔ وزارت سے استعفیٰ پر عوام کی یہ محبت بڑی حوصلہ افزا تھی۔ اس خطے کی روایتی سیاست میں ایک نیا عنصر داخل ہو گیا۔ جولائی میں، میں نے استعفیٰ دیا۔ ستمبر اور اکتوبر میں پورے ملک میں عام انتخابات اور بلدیاتی انتخابات ہونے والے تھے۔ میں نے ایم این اے کا انتخاب لڑنے کیلئے کاغذات نامزدگی جمع کرائے۔ الیکشن ایک بار پھر ملتوی کر دیئے گئے۔ ہم نے بلدیاتی الیکشن کی تیاری شروع کر دی۔ میرے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ ضلع کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے۔ جمہوریت پر یقین کی وجہ سے میرے لئے بلدیاتی پُل صراط سے گزرنا بھی ضروری تھا۔ نہ میرے خاندان کے پاس انگریز کی دی ہوئی جاگیر تھی اور نہ کوئی خطاب۔ میں نے براہ راست ان انتخابات میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ میں، اس طاغوتی شکنجے سے بچنا چاہتا تھا۔

1979ء میں میرے بڑے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ نے انتخاب جیتا۔ علاقے میں ترقیاتی کام ہوئے اور یہ ترقی ہمارے لئے مزید کامیابیوں کا باعث بنی۔ 1983ء میں میرے چھوٹے بھائی مخدوم مختار احمد ہاشمی نے مخدوم شاہ محمود حسین قریشی کو شکست سے دوچار کیا۔ کونسلر کا یہ انتخاب اتنا اہم تھا کہ ملتان تحصیل کے تمام بااثر خاندانوں، گیلانیوں، گردیزیوں، خاکوانیوں اور بوسنوں نے شاہ محمود قریشی کی انتخابی مہم میں شرکت کی۔ دوسری سیٹ پر میرے دوسرے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ نے گیلانی گروپ کے امیدوار کو ہرا دیا۔ اس الیکشن کے نتائج نے میرے اسمبلی میں پہنچنے کی راہ ہموار کی۔

ہم نے جس وقت الیکشن میں حصہ لینا شروع کیا تو قومی اسمبلی کے اس حلقے میں چار ہائی سکول تھے، اِن میں ایک گرلز ہائی سکول تھا۔ اب اِن کی تعداد 84 ہو چکی ہے۔ جن میں سے 24 گرلز ہائی سکول ہیں، کوئی کالج نہیں تھا، اب چار ڈگری کالج ہیں، دو لڑکیوں کے اور 2 لڑکوں کے۔ پورے ایک درجن انٹر کالج ہیں۔ میری ترجیحات میں تعلیم اور صحت سب سے نمایاں تھیں، پھر سڑک، بجلی، سوئی گیس اور ٹیلیفون۔ میرے حلقہ انتخاب میں ساڑھے چار سو دیہات ہیں۔ ان میں ایک بھی پکی سڑک نہ تھی، اب ایک بھی گاؤں ایسا نہیں جہاں سڑک پکی نہ ہو۔ بے شمار ڈسپنسریاں (Basic Health Unit) موجود ہیں۔ اسی فیصد علاقے میں بجلی موجود ہے۔ میٹھے پانی کی بے شمار سکیمیں بروئے کار ہیں۔ بے روزگاری کے خاتمے اور زرعی ترقی کیلئے ابھی بہت کام باقی ہے۔

فیوڈل لارڈ حلقے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ہر اقتدار میں شامل ہوتا ہے، وہ اقتدار خواہ مغلوں کا ہو، سکھوں کا ہو، انگریزوں کا یا کالے انگریز کا۔ حلقے پر گرفت کے لیے وہ سیاسی وفاداریاں تبدیل کرتا ہے، مگر اپنے

اپنے لوگوں میں اس نظریے کا پرچار کرتا ہے کہ دھڑا دین سے بھی پیارا ہونا چاہیے، تھانہ، تحصیل پر کنٹرول اُس کی پہلی اور آخری ترجیح ہوتی ہے۔ قومی مفادات کا تذکرہ حسب ضرورت کرتا ہے۔ لاہور ہو یا ملتان میرے حلقے کے عوام مجھ سے گلہ کرتے ہیں کہ میں ملکی سیاست کو حلقے کی سیاست پر ترجیح دیتا ہوں۔ ان کا یہ گلہ بجا ہے، لیکن میں کیا کروں؟ پورا ملک ہی میرا حلقہ ہے۔ کیا اس طرز فکر کو دیوانگی کہتے ہیں؟ میں اپنا شمار فرزانوں میں نہیں چاہتا، میں ملک اور قوم کو حلقے کی سیاست پر قربان نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنی ذات اور اپنے خاندان کے وجود کو اتنا اہم نہیں سمجھتا، جس کے بغیر تاریخ کا پہیہ جام ہو جائے گا۔

1979ء میں ملتان میں ضلع کی سطح پر ہم نے ایک گروپ تشکیل دیا جس کی سربراہی سید فخر امام، سید خاور علی شاہ، سید ناظم حسن شاہ اور میرے پاس تھی۔ شہر میں ہمارا الحاج شیخ محمد رشید، بابو فیروز الدین انصاری، سعید احمد قریشی، حاجی محمد بوٹا، صلاح الدین ڈوگر اور رانا نور الحسن سے تھا۔ الحاج شیخ محمد رشید اس گروپ کی سربراہی کر رہے تھے۔ میرا ان سے محبت کا رشتہ تھا جو ان کے آخری دم تک قائم رہا۔ انہیں اپنی بات منوانے کا طریقہ اور سلیقہ آتا تھا۔ وہ پیرانہ سالی کے باوجود اپنی وفات تک ملتان شہر کی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ ان کی وفات سے میں ایک دیرینہ ساتھی سے محروم ہو گیا ہوں۔ ضلعی چیئرمین کیلئے ہم نے گیلانی قریشی اتحاد کو چیلنج کر دیا۔ ہماری حالت بہت پتلی تھی۔ 46 ممبران میں سے 39 ممبران ایک طرف تھے۔ ہم نے 7 ممبران کے ساتھ انتخابی مہم کا آغاز کیا۔ مقصد ایک چھوٹی سی حزب اختلاف کا قیام تھا۔ گیلانی قریشی اتحاد پُر اعتماد تھا۔ خصوصی نشستوں والے الیکشن کو انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ ہمیں موقع مل گیا، ہمارے گروپ سے رانا عبدالوحید اور سید فخر امام کے دو حامی بلا مقابلہ جیت گئے۔ ہم نے اجتماعی فیصلہ کر کے سید فخر امام کو امیدوار بنایا۔ جب ہم نے انتخابی مہم شروع کی، ہمیں توقع سے زیادہ پذیرائی ملی۔

نتیجہ آیا تو مخدوم حامد رضا گیلانی اور سید فخر امام کے ووٹ برابر تھے۔ قرعہ اندازی ہوئی اور حامد رضا گیلانی انتخاب جیت گئے مگر ان کے تجویز کنندہ کے خلاف حکم امتناہی موجود تھا۔ ہم نے قانونی جنگ شروع کی۔ مَیں مجیب الرحمٰن شامی اور ایم اے رحمٰن کا شکر گزار ہوں۔ انہوں نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے مخدوم حامد رضا گیلانی کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری نہ ہونے دیا اور ہائی کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کر لیا۔ دوبارہ الیکشن ہوئے تو سید فخر امام کو واک اوور مل چکا تھا۔ گیلانی اور قریشی خاندان کی سو سالہ اجارہ داری ختم ہو چکی تھی۔ ہم سب نے پہلی مرتبہ یہ کامیابی حاصل کی تھی۔ اس اجتماعی قیادت میں ضلع ملتان نے ریکارڈ ترقی کی۔

خانیوال ضلع بنا تو فخر امام اپنی تحصیل میں چلے گئے۔ گیلانی، قریشی اور بوسن خاندانوں کی جڑیں تحصیل ملتان میں تھیں۔ مجھے بھی وہیں سیاست کرنی تھی۔ مجھے تنہا اتنے بڑے اتحاد کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے صدیوں کے اختلافات ختم کر کے جنہوں نے مجھے سیاسی طور پر کچل دینے کا فیصلہ کیا۔ مخدوم حامد رضا گیلانی کے گھر میٹنگ ہوئی۔ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا: قریشی گروپ ہمارا سب سے بڑا حریف ہے مگر ہم ایک دوسرے کے

داؤ پیچ سے آگاہ ہیں، ہمیں نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے سب اختلافات بھلا دینا چاہئیں۔ جاوید ہاشمی اگر ایک مرتبہ کامیاب ہو گیا تو اُن کے قومی اور بین الاقوامی راوبط کا سامنا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ تمام گروپوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ہر قیمت پر میرا راستہ روکا جائے۔ آج تک یہ اتحاد ہر الیکشن میں مجھے شکست دینے کیلئے منظم ہوتا ہے۔ وہ حلقے کی سیاست کرتے ہیں، جس میں ہر چیز جائز سمجھی جاتی ہے۔ میری تربیت چونکہ قومی سیاست کیلئے ہوئی لہٰذا مجھے قوم کو اولیت دینا پڑتی ہے۔ جرائم پیشہ افراد کی دل شکنی کرنا ہوتی ہے، ترقیاتی کاموں اور ملازمتوں کی تقسیم میں ہر قیمت پر میرٹ کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے محدود معاشی وسائل میں مجھے با وسیلہ افراد کے اتحاد کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ میری جدوجہد کا یہ مرحلہ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی مشکل ہے، لیکن میں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ عوام کا شکر گزار ہوں کہ میری سیاست کو انہوں نے زندہ رکھا۔

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ مجھے 28،29 سال کی عمر میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر کارکردگی دکھانے کا موقع ملا اور بین الاقوامی سیاست کے رموز سے آگاہی ہوئی۔ بعد میں یہ موقعہ بار بار ملتا رہا، اس لئے اسے اپنی سیاست کی عملی تربیت گاہ کے طور پر چوتھی یونیورسٹی کا درجہ دیتا ہوں۔ قید خانہ میری تربیت کی پانچویں یونیورسٹی ہے، جہاں مجھے مشکلات کا سامنا کرنے کی تربیت ملی اور نفی ذات کا درس بھی۔ قید خانہ میں انسان بے بسی کے آخری مقام پر ہوتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر پابندیاں ہوتی ہیں انہی پابندیوں میں زندگی گزارنے کی خو پیدا کرنا پڑتی ہے۔ قیدی کو قوت برداشت کا سبق ملتا ہے اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی سوچوں کے حصار میں مورچہ بند ہو کر جبر کی قوتوں کو ملیامیٹ کرنے کا عزم مستحکم ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی چلہ کشی ہے جہاں تزکیہ نفس کا موقع ملتا ہے اور عرفان ذات سے معرفت کی گرہیں کھلنا شروع ہوتی ہیں۔ انسان اور خدا کے درمیان فاصلے مٹنا شروع ہو جاتے ہیں اور خدا کی حقانیت آشکار ہونے لگتی ہے۔ زندگی میں تنظیم اور ترتیب کا عمل دخل بڑھ جاتا ہے۔ اپنی ضرورتیں مختصر کرنے سے خود انحصاری کا سبق ملتا ہے۔ تنہائی میں محفل آرائی کا موقع ملتا ہے۔ رشتوں کی پہچان ہوتی ہے۔ آزادی کا ایک لمحہ قید کی پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔ مگر اس کا شدید احساس صرف قید میں ہوتا ہے۔ اس طرح آزادی کی قدر و قیمت بڑھانے میں قید خانہ کے وجود کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔ خاندان اور دوستوں کی محرومیاں قید کا حصہ ہیں مگر قوم کی محرومی کو سامنے رکھا جائے تو یہ قربانی آسانی سے دی جا سکتی ہے۔

## مقامی سیاست

1980ء میں سید فخر امام اور ان کے خاندان کے تمام افراد مخدوم رشید آئے اور مجھ سے کہا کہ میں جنرل ضیاء الحق سے سید فخر امام کو صوبائی وزیر بنانے کی سفارش کروں۔ میں نے کہا: آپ وفاقی وزیر کیوں نہیں بن جاتے، کہا شاید یہ ممکن نہ ہو اور ویسے بھی مرکزی کابینہ میں آپ ہمارے نمائندہ ہوں گے۔ عرض کیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اب ضیاء الحق حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہ کروں گا۔ وزیر بننے کے بعد وہ ملتان ہوائی اڈے سے سیدھے میرے

گاؤں آئے اور شکریہ ادا کیا۔

1980ء میں مجلس شوریٰ میں شمولیت کے لیے سید فخر امام نے دوبارہ پیغام دیا تو میں نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ سید فخر امام نے کہا: جنرل ضیاء الحق کہتے ہیں اگر وہ ملک سے باہر ہوئے تو بھی میں ان کے نام کا اعلان کردوں گا۔ میں نے کہا: انہیں بتادیجئے کہ میں وہیں رکنیت کی پیشکش رد کرنے کا اعلان کردوں گا۔ میں ایک سال کے لیے ملک سے باہر چلا گیا۔ مدینہ یونیورسٹی سے لے کر نیویارک، کیلیفورنیا، ٹیکساس اور ہارورڈ یونیورسٹی میں لیکچر دینے کیلئے مدعو کیا گیا جن دانشگاہوں میں بطور طالبعلم جانا چاہتا تھا وہاں کے دانشوروں سے تبادلہ خیال کے مواقع ملے۔ میں جنرل ضیاء الحق کے غیر منتخب دور کا حصہ بننے سے محفوظ رہا۔ سید فخر امام سیاست میں ایک قابل احترام نام ہے، اپنے کردار کی پختگی، قابلیت، لیاقت اور محنت سے انہوں نے سیاست میں اپنا مقام بنایا مگر سیاسی فیصلے کرنے میں ان کا ریکارڈ کچھ ایسا قابل رشک نہیں۔ ان کے اکثر دوستوں کی رائے یہی ہے۔ 1983ء میں وہ ضلعی انتخاب ہار گئے۔ ان کے گھر میٹنگ ہوئی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں کیونکہ وہ ضلع کے منتخب چیئرمین ہونے کی بنیاد پر وزیر بنے تھے۔ اب یہ بنیاد ڈھے چکی۔ وہ خاموش تھے ان کا خاندان انہیں مستعفی ہونے سے روک رہا تھا۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ اگر آپ آج مستعفی نہ ہوئے تو کل سے ہماری راہیں جدا ہوں گی۔ سید فخر امام نے اسی شام پریس کانفرنس میں مستعفی ہونے کا اعلان کردیا۔ اسی دوران سیدہ عابدہ حسین جو جھنگ کے ضلعی چیئرمین کا الیکشن جیت چکی تھیں، ملتان پہنچیں۔ انہوں نے سید ناظم حسین شاہ کو اور مجھے بھی بلایا اور کہا کہ سید فخر امام کو وزارت سے مستعفی ہونے کا کہیں، وہ آپ کی بات مان جائیں گے۔ سید ناظم حسین شاہ نے انہیں بتایا کہ وہ تو پہلے ہی مستعفی ہونے کا اعلان کرچکے۔ سیدہ عابدہ حسین خوشگوار حیرت میں ڈوب گئیں۔

## بُلٹ نہیں بیلٹ

ضیاء الحق صاحب 1985ء کے انتخابات کے نتائج کی پیش بندی کررہے تھے۔ ملتان کے ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل حمید گل نے ہمیں بُلایا اور کہا: گجرات میں ہم نے روایتی حریفوں میں معاہدہ کرادیا ہے اور تمام نشستوں پر مقابلے کے بغیر اتفاق رائے سے فیصلہ ہوجائے گا۔ ہم نے نوابزادہ گروپ اور چوہدری شجاعت حسین گروپ میں یہ سیٹیں تقسیم کردی ہیں۔ آپ بھی قومی اسمبلی کی پانچ پانچ نشستیں لے لیں۔

ان کے ملٹری سیکرٹری کرنل ٹیپو نے کہا" اس طرح نہ جیبیں ٹوٹیں گی اور نہ مٹی پھانکنا پڑے گی" ہم نے بلامقابلہ ایم این اے بننے کی اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔

میرا مقابلہ برکلے یونیورسٹی امریکہ کے فارغ التحصیل چوہدری عبدالرحمٰن واہلہ سے تھا۔ ان کا خاندان 35 سال سے یہ نشست جیت رہا تھا۔ ان کے والد مرحوم کے پاس انگریزوں کی دی ہوئی 180 مربع کی جاگیر تھی اور میرے والد محترم کے پاس پانچ ذاتی مربعے۔ صوبائی سیٹ پر شاہ محمود حسین قریشی مدمقابل تھے، ان کے پاس

بھی انگریزوں کی عطا کردہ جاگیریں تھیں۔یہیں پر بس نہیں 'ملتان کے تمام جاگیردار ان کی پشت پر کھڑے تھے۔سابق وفاقی وزیر گیلانی خاندان کے سربراہ مخدوم حامد رضا گیلانی، سابق ایم این اے یوسف رضا گیلانی، قریشی خاندان کے سربراہ مخدوم سجاد حسین قریشی سابق ایم این اے بوسن خاندان کے سربراہ ملک اکرم خان بوسن، کھگہ خاندان کے سربراہ پیر قمر الزمان شاہ کھگہ 'ڈاہا، خاکوانی، گردیزی اور ہراج خاندان' ان کی الیکشن مہم چلا رہے تھے۔میں نے اپنے حلقے کے لوگوں کو جمع کیا اور ساری صورتحال اُن کے سامنے رکھ دی۔سب سے بڑا مسئلہ وسائل کا تھا۔میرے ساتھیوں میں زیادہ تر غریب اور متوسط طبقے کے لوگ شامل تھے۔میری درخواست پر انہوں نے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔سب سے زیادہ مجھے رحیم بخش عرف بڈھو محلہ قصاباں نے متاثر کیا، جس نے مٹی کے دس مٹکے لا کر انتخابی دفتر میں رکھ دیئے۔

مورِ ناتواں کا قافلہ جادہ پیمائی کیلئے تیار تھا، میں نے شیشہ گرانِ فرنگ کے احسان نہ اٹھا کر سفالِ پاک سے مینا و جام پیدا کرنے کا مہنگا شوق پال لیا تھا۔میں خاص طور پر اپنے ان رشتہ داروں اور دوستوں کا احسان مند ہوں۔ایس ایچ ہاشمی، میاں عبدالمالک آرائیں، میاں خادم حسین آرائیں، مہر شاہ محمد سہو، عبدالودود شاہ ہاشمی، عبدالشکور شاہ ہاشمی، چودھری محمد اقبال گجر، چودھری محمد شریف سنگھیڑہ، چودھری محمد اسلم سنگھیڑہ، حاجی اللہ دتہ بلوچ، مہر محمد یوسف ہانسلہ، مخدوم حاجی گامن شاہ، مخدوم غلام محی الدین شاہ، دلباغ ہاشمی، عبدالرب، چودھری نعمت علی، چودھری محمد اصغر سدھو، چودھری گوہر علی آرائیں اور چودھری حبیب احمد نے اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر میری انتخابی مہم کے لیے اخراجات مہیا کیے اور ان میں سے کچھ احباب نے ایک ایک جیپ خریدی۔اُن میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو شاید اس سے پہلے کسی کار یا جیپ میں سوار بھی نہ ہوئے ہوں گے۔جہانیاں میں حکیم احمد سعید سلمانی، حکیم عبدالمجید، شیخ محمد سلیم کا گھر اور مطب اور چودھری محمد اسلم وفا کا قلم مسلسل مجھے کمک پہنچاتے رہے۔میرے لئے انہوں نے سب کچھ کیا، میں اُن کیلئے کچھ نہ کر سکا۔اُن میں سے میاں خادم حسین آرائیں، شیخ عابد علی، حافظ ملک محمد حیات کھوکھر اور میرے دیگر ساتھی میری اسیری کے دوران سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔میں اُن کے جنازوں میں بھی شریک نہ ہو سکا۔لیکن میں نے اُن سے جو عہد کیا تھا اُس پر قائم ہوں۔پاکستان کے پرچم کو پوری دنیا کے پرچموں میں سربلند کرنے کا عہد۔

یہ میری زندگی کا سخت ترین انتخابی معرکہ تھا۔میں بمشکل 1200 ووٹوں کی معمولی برتری سے کامیابی حاصل کر سکا۔میں خوش تھا کہ میں نے خیرات کی سیٹ لینے کی بجائے عوام کا دروازہ کھٹکھٹایا' بھوک برداشت کرنے والوں نے اپنے جیسے ایک شخص کو اپنی نمائندگی کا اعزاز بخش دیا تھا۔بُلٹ (Bullet) کی بجائے میں نے بیلٹ (Ballet) کو ترجیح دی۔کوئی میرے پینل میں صوبائی اسمبلی کا امیدوار بننے کو تیار نہ تھا۔یہ انتخاب بھی مجھے خود لڑنا پڑا۔الیکشن کے آخری دنوں میں جنرل حمید گل نے مجھے بلایا ناصحانہ انداز میں کہا کہ میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات

میں شاہ محمود قریشی کے حق میں دستبردار ہو جاؤں۔ان کے والد مخدوم سجاد حسین قریشی بھی تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا جنرل صاحب دونوں میرے بیٹے ہیں جو بھی ہارے گا، میرا گھر برباد ہوگا۔ میں نے کہا: جنرل صاحب! اپنے محترم والد کے حکم کی وجہ سے میں نے ہمیشہ مخدوم صاحب کا احترام کیا ہے۔ یہ اگر گھر کا معاملہ ہے تو ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفتر تک کیسے پہنچا؟ میں نے وردی والے کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور الیکشن ہار گیا، لیکن اگر الیکشن بار بار ہوتے رہیں تو آخر کار متوسط طبقے کی قیادت ہی اُبھرتی ہے۔ مخدوم شاہ محمود حسین قریشی کی سیاست میں ٹھہراؤ آ گیا ہے اور گذشتہ آٹھ سال سے وہ حزب اختلاف کی سیاست کر رہے ہیں۔

## سپیکر کا انتخاب

ہم اسمبلی میں پہنچے تو پہلا مرحلہ سپیکر کے انتخاب کا تھا۔ خواجہ صفدر کے مقابلے میں جنرل ضیاء الحق کی تائید حاصل تھی ۔ سید فخر امام کو ہم نے امیدوار سپیکر قومی اسمبلی نامزد کیا۔ اسی دوران جنرل صاحب نے اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر بشارت الٰہی اور سینیٹر طارق چودھری صاحب کے ذریعے ایک مصالحتی فارمولا پیش کیا۔ فارمولا یہ تھا کہ سید فخر امام اور خواجہ صفدر انتخابات سے دستبردار ہو جائیں اور مجھ ناچیز کو بلا مقابلہ سپیکر بنا دیا جائے۔ میریٹ ہوٹل میں ملک نور حیات نون کے کمرے میں میٹنگ ہوئی۔ جس میں ملتان سے ہمارے گروپ کے بنیادی رکن سابق وزیر اور موجودہ ایم پی اے سید ناظم حسین شاہ بھی موجود تھے۔ سید فخر امام نے میرے حق میں دستبردار ہونے کا اظہار کر دیا۔ ڈاکٹر بشارت الٰہی سے میرا محبت کا رشتہ ہے، میں نے ان کے اصرار کے باوجود سپیکر بننے سے انکار کر دیا، کیونکہ یہ اصول کا معاملہ تھا۔ جب ہم اسمبلی میں پہنچے تو حزب اختلاف کا کوئی تصور نہ تھا۔ کیونکہ ہم سب آزاد تھے اور ضیاء الحق اس نظام کے خالق تھے۔ جب اس وقت کے دانشوروں نے سوال اٹھایا کہ اس اسمبلی میں حزب اختلاف کا وجود کیسے عمل میں آئے گا تو ہم نے کہا: وزارتوں کی پیش کش کو ٹھکرا کر یہ کام ہم کریں گے۔ ہم نے اسمبلی میں حزب اختلاف قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا نام آزاد پارلیمانی گروپ (IPG) پڑ گیا، مجھے اس کا پہلا سیکرٹری جنرل منتخب کر لیا گیا۔ ہم نے پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا کہ مارشل لاء فوری طور پر اٹھایا جائے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے اعزاز میں ہم نے عصرانوں کا اہتمام کیا۔ تین سال کا یہ دور میری زندگی کا سخت ترین دور ہے۔ نظام کا حصہ ہونے کی وجہ سے سیاسی جماعتیں ہمیں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ جنرل ضیاء الحق اور محمد خان جونیجو کو یہ ننھی منی حزب اختلاف گوارا نہ تھی۔ میرے خاندان پر یہ ابتلا کا دور تھا۔ مظفر گڑھ میں میری زمینوں کی ملکیت کا تنازعہ کھڑا کر دیا گیا۔ مصطفیٰ کھر کے بھائی اس میں پیش پیش تھے۔ بعد میں مرتضیٰ اور ملک غازی کھر تے، جو قومی اسمبلی کے ممبر تھے، مجھ سے معذرت کر لی اور میں نے دل کی گہرائیوں سے انہیں معاف کر دیا۔

1985 کی بجٹ تقریر میں، میں نے مطالبہ کیا کہ دفاعی بجٹ اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ اس جائز مطالبے کو بغاوت سمجھا گیا۔

# آٹھویں ترمیم کی سیاہ رات

مارشل لاء اٹھانے سے پہلے وزیرِاعظم محمد خان جونیجو نے متبادل نظام تجویز کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ میں نے وہاں حزبِ اختلاف کی نمائندگی کی اور اس کمیٹی نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ پارلیمانی نظام ہی ملک کے لئے بہترین ہے۔

جب یہ طے پایا گیا کہ صدارتی کی بجائے پارلیمانی نظام ہی پاکستانی عوام کی امنگوں کا ترجمان ہے تو 1973 کے آئین کا خود بخود بحال ہونا لازم ہوگیا، جس میں صدر کی حیثیت کا تعین پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ضیاء الحق صاحب نے آنے والے حالات کی پہلے ہی پیش بندی، آر سی او کے ذریعہ، کر لی تھی جو انہوں نے اسمبلی کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد جاری کیا تھا۔ اس کے تحت انہوں نے اپنی حیثیت کو آئین سے بالاتر قرار دے دیا تھا۔

وہ اسمبلی سے اپنے اِن اقدامات کی توثیق چاہتے تھے، انہوں نے مارشل لاء کے خاتمے کو ایسی آئینی ترمیم سے مشروط کر دیا جو نہ صرف اُن کے آٹھ سالہ دورِ حکومت کے تمام اقدامات کی توثیق کرے، (حتیٰ کہ ریفرنڈم کے ذریعے صدر بننے کی حمایت بھی) بلکہ ہمیشہ کیلئے صدر کو وسیع اختیارات دے کر (کٹھ پتلی) پارلیمنٹ کے طور پر کام کرے۔

نئی حکومت اُن کی اپنی تخلیق تھی، لہٰذا وہ اُن کے احکامات ماننے کو تیار ہوگئی۔ وزیرِ قانون اقبال احمد خان نے قومی اسمبلی میں 1973ء کے آئین میں آٹھویں ترمیم کا بل متعارف کرایا۔ اِس بل میں ضیاء الحق صاحب کو دوسرے اختیارات کے علاوہ از خود آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی دے دیا گیا۔ یہ ایک خوفناک بل تھا، ہم نے اس کے خلاف بھرپور احتجاج کیا، حتیٰ کہ حکومت کو یہ مسودہ قانون واپس لینا پڑا اور ضیاء الحق صاحب تمام معاملات مذاکرات کے ذریعے طے کرنے پر آمادہ ہوگئے، اُن سے ہمارے طویل مذاکرات ہوئے اور اِس دوران نیا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ آئین میں تبدیلی کے فردِ واحد کا اختیار واپس لے لیا گیا، تاہم صدر کے باقی تمام اختیارات باقی رکھے گئے، اسمبلی توڑنے کا اختیار، فوجی سربراہوں کا تقرر، گورنر اور وزرائے اعلیٰ کا تقرر اور وردی کی بقا۔

ہم نے اسمبلی میں اپنے تقریروں میں تاریخی حوالے دیتے ہوئے کہا کہ اگر اس مسودے کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا تو ملک سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا۔ میں نے طویل تقریر کی جس کو پڑھنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آئین کی بالادستی کی خواہش اور اُس کیلئے جدوجہد کا سفر کتنا کٹھن ہے اور بیس سال بعد بھی ہم اسی جگہ پر کھڑے ہیں اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے۔

(AT THIS STAGE THE CHINESE DELEGATION ARRIVED AND OCCUPIED THEIR SEATS IN THE SPEAKER'S GALLERY

جناب والا! ہمارے ملک کی آئینی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے ماضی کی آئینی جدوجہد کا نتیجہ قابل فخر نہیں ہے...... بدقسمتی یہ ہے کہ اس آئینی اختلاف کے نتیجے کے طور پر ملک کو تقسیم کر دیا گیا، اس وقت بھی یہ کہا گیا کہ جس کے پاس طاقت ہے، بات اسکی مانی جائے گی۔ جناب والا! جب یہ بات چل رہی تھی کہ اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے، اُس وقت ملک متحد تھا۔ یہ اعلان کیا گیا کہ ہمیں ایک صوبے میں اکثریت حاصل ہے اور فوج بھی ان کی پشت پر کھڑی تھی، فوجی حکمرانوں نے اسمبلی کے حقوق سے جب انکار کیا تو ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک طرف فوج کی طاقت تھی، ایک پلڑے کے اندر۔ لیکن کیا فوج اس ملک کو بچا سکی؟ اُس وقت جو فوج تھی وہ بڑی طاقتور فوج تھی۔ وہ شکست خوردہ فوج نہیں تھی، بڑی طاقتور فوج تھی۔ جناب والا! جو لوگ منتخب ہوئے تھے، انہوں نے طوفانی انداز سے طاقت اور اکثریت کا مظاہرہ کیا۔ طاقت تھی، فوج تھی، لیکن نتیجہ کیا نکلا کہ آج ہمارا ایک بازو ہم سے جُدا ہو چکا ہے۔ آج پھر ہم ان معاملات پر بحث کر رہے ہیں، طعن و تشنیع کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں کسی کو کچھ کہہ سکتا ہوں، کوئی مجھے کچھ کہہ سکتا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہمیں کہہ لینی چاہیے ایک دوسرے کو۔ لیکن جب ہم قومی معاملات پر بحث چلا رہے ہوں تو قوم کے ماضی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ دستور میں کونسی تبدیلی لائیں یا کونسی نہ لائیں۔ آٹھویں ترمیم کی بات اگلا مرحلہ ہے۔ جناب والا! ابھی یہ کل کی بات ہے کہ یہاں پر بل لایا گیا اور بل لاتے ہی یہ کہا گیا کہ قاعدہ 91 کو معطل کیا جائے اور اس بل پر بحث شروع کر دی جائے۔ ہم نے عرض کیا جناب! ایسا نہ کیجئے، آئین میں ترمیم کا مسئلہ بڑا حساس مسئلہ ہے۔ 1973ء کا آئین جو اتفاق رائے سے بنا تھا اور اس میں تبدیلیاں لانے کا مسئلہ ہے۔ فوج نے اگر اس کے اندر تبدیلیاں کی ہیں تو اس کی جسٹیفکیشن ہم تمام صوبوں کو دے سکتے ہیں کہ جناب! 1973 کے آئین میں فوج نے اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں، ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟ لیکن جناب وزیر برائے انصاف و پارلیمانی امور نے فرمایا تھا کہ یہ بل اس وقت آیا جب مذاکرات کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ اچھی بات ہوئی، مذاکرات ہوئے، ایک دوسرے کے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کی گئی کہ کون کہاں پر کھڑا ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اختلافات سامنے آ گئے۔

اس کے بعد دوبارہ بل لایا گیا ہے تو اس میں بھی بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور آئین بہرحال آئین ہے۔ اس آئین پر بڑی مشکل سے اجماع ہوا ہے۔ بلوچستان کے لوگوں نے اس کیلئے ووٹ دیا ہے، سندھ کے لوگوں نے اس کیلئے ووٹ دیا، سرحد کے لوگوں نے اس کیلئے ووٹ دیا، پنجاب کے

لوگوں نے ملکر ایک consensus ڈویلپ کر کے ایک آئین بنایا۔ اگر اس میں ہم نے تبدیلیاں لانا ہیں تو اس اسمبلی کو اختیار ہے، یہ ایک خودمختار ادارہ ہے۔ جو یہ اختیارات چھیننا چاہتے ہیں۔ ہم اُن کے خلاف جنگ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن آج دستور میں تبدیلیاں لانے سے پہلے سوچ بچار کیلئے ٹھنڈے دل سے بات کرنے کو کہا جائے تو کسی کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے، نہ اس وقت کوئی گروپنگ ہے۔ ہم آزادانہ طور پر منتخب ہو کر آئے تھے، ہم اپنے آپ کو آزاد کہہ رہے ہیں۔ جناب والا! ہمیں صدر اور وزیراعظم کے اختیارات کے مسئلے پر اختلاف ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صدر کو زیادہ اختیارات دیئے گئے ..... تو وہ ہمارا ماضی جو 56ء کا ہے جس کے اندر سکندر مرزا اور غلام محمد نے بیٹھ کر اسمبلی کا مذاق اڑایا تھا، دستور کا مذاق اڑایا تھا، وہ صورتحال پیدا نہ ہو اِن خدشات کی وجوہات بھی موجود ہیں کہ صدر محترم جو ہیڈ آف دی سٹیٹ ہیں۔ قانون اور آئین کے مطابق اسمبلی کا فیصلہ سننے کی بجائے پہلے چاہتے ہیں کہ گروپنگ کریں ابھی سے جو ہیڈ آف دی سٹیٹ ہے، جو چیف ایگزیکٹو نہیں ہے، اگر اس طریقے سے بات کا آغاز کرے گا تو شکوک وشبہات کی لہریں پھیلتی جائیں گی اور ہمیں احساس ہوگا کہ خدانخواستہ ہماری وہ ہسٹری جو ہمارے لئے باعثِ شرم ہے، کیا ہم اس کو دہرانے پر تو نہیں آ گئے؟ اور اگر اس تاریخ کو دہرائیں گے تو نتائج، وفاق کے مزید منتشر ہونے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں صدر کو صدر رہنے دینا چاہیے۔ ان کی عزت، احترام، ان کے تقدس، ان کے معاملات پر ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایوان صدر کی دیواروں پر یہ لکھا ہوا ہو کہ صدر کو رہا کرو۔

جناب والا! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ہماری نظروں کے سامنے ملک چھوٹا ہوا ہے، ملک کی تنزلی ہوئی ہے، لیکن کسی جرنیل کی، کسی افسر کی، کسی بیوروکریٹ کی کوئی تنزلی ہوئی؟ اس جدوجہد میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ ہمارے او پی جی کے دوست بڑی ہمت کے ساتھ، بڑے حوصلے کے ساتھ اس مرحلہ وار جدوجہد میں شانہ بشانہ چلے۔ ان کی اپنی دشواریاں تھیں لیکن ایک سوچ، ایک فکر اور ایک احساس نظر آیا اور consensus ڈویلپ ہو گیا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ 22 رکنی صفدر کمیٹی او پی جی کی تھی، صدر اور وزیراعظم کے اختیارات جو انہوں نے پروپوز کئے تھے اور جو او پی جی کے نمائندوں نے تجویز کئے تھے۔ ہمیں اس بات پر کوئی تکلیف نہیں ہے کہ اس کا کریڈٹ کس کو جاتا ہے۔ یہ کریڈٹ اور ڈسکریڈٹ کی بات نہیں ہے۔ جناب والا! ہم کھلے دل سے کہتے ہیں کہ جو فیصلہ آپ نے کیا وہی فیصلہ ہاؤس کے باہر کمیٹی نے کیا تھا۔ جناب والا! ایوان میں باتیں اس طریقے سے کہی گئیں کہ آپ جو تھوڑے سے لوگ ہیں، آپ جو ایک مختصر گروپ ہیں، آپ کو پتہ ہے کہ اس ہاؤس میں سے لوگوں کو اٹھا کر باہر......

جناب ڈپٹی چیئرمین: ایک منٹ We have them send off

(اس مرحلے پر چینی وفد سپیکرز گیلری سے اٹھ کر باہر چلا گیا) (تالیاں)

جناب والا! گزارش یہ ہے کہ میں کوئی چوتھی یا پانچویں مرتبہ بول رہا ہوں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ ہمارے سپیکر فخر امام صاحب جب تشریف رکھتے ہیں تو مجھے کبھی موقعہ ملا نہیں ہے اور جب آپ تشریف رکھتے ہیں تو آپ پہلے ابتداء میں کہہ دیا کرتے تھے کہ بھئی! آپ نے اختصار سے بولنا ہے، شکر ہے آج آپ نے درمیان میں کہا ہے، ابھی میں نے آدھ گھنٹہ اور بات کرنی ہے۔

جناب والا! میں اپنے بھائیوں سے، یہ کہتا ہوں کہ یہ ہاؤس بڑی مشکلوں سے بنا ہے اس ہاؤس کو یہ الزام دیا جائے گا کہ وہ باتیں جن پر قوم 1973ء میں متفق تھی، آپ نے 1985ء میں اس پر سمجھوتہ کر لیا، ہماری غلطیوں کی وجہ سے، سیاستدانوں کی غلطیوں کی وجہ سے کچھ لوگ برسر اقتدار آئے اور ان کے اقتدار کو آٹھ نو سال ہو گئے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب! ہم نے غلطی کی تھی، آپکو سیاستدان اقتدار میں لے آئے تھے۔ آپ نے مارشل لاء کے ذریعے جو غلطیاں کیں ہم اس کو قانونی تحفظ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن جناب والا! ہم اپنی غلطیوں کی سزا پا چکے، آپ کی غلطیوں کو غلطی کہنے کی بجائے ویلڈیٹ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہمارا آئین جو 1973ء کا آئین تھا، متفقہ دستاویز تھی، پوری قوم کا ڈاکومنٹ تھا، آپ ہماری دستاویز ہمیں واپس کر دیجئے۔ اپنے ماضی کا ویلڈیشن آپ لینا چاہتے ہیں، آپ لے لیجئے، اس ایوان کو فیصلہ کرنے دیجئے۔ اگر منتخب نمائندے صدارتی نظام چاہتے ہیں تو وہ بھی بسر و چشم قبول کرنے کو تیار ہوں گے، اگر یہ ایوان میجارٹی کی بنیاد پر پارلیمانی نظام چاہے گا تو وہ بھی بسر و چشم قبول کرنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ ایوان دباؤ میں اگر وحدانی طرز حکومت لائے گا جو اس ترمیم کے اندر پیش کیا جا رہا ہے تو اس تبدیلی سے صوبوں کی خودمختاری چھن رہی ہے اور ہم وحدانی طرز حکومت کا ذائقہ پہلے ہی چکھ چکے ہیں۔

ایک معزز رکن: پوائنٹ آف آرڈر، سر! آپ نے فرمایا تھا کہ اختصار سے کام لیں، یہ اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: انہوں نے فرمایا کہ 1973ء کا آئین ہمیں دے دیا جائے، اگر آپ وعدہ کریں کہ یہ ہماری جان جلدی جلدی چھوڑ دیں گے تو میرے پاس بک موجود ہے، انہیں دے دی جائے۔

جناب جاوید ہاشمی: مجھے ویسے شاہ تراب الحق صاحب کی عقل اور دانش سے یہی توقع تھی کہ کتاب دینے سے کام چل جائے گا، کیونکہ یہ وہاں درس میں بچوں کو کتابیں دے کر ہی خوش کرتے ہیں ......

جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ صوبائی خودمختاری کا مسئلہ اہم ترین مسئلہ ہے جو اس آئین کے ذریعے تبدیل کیا جائے گا، پہلے الزام پنجاب پر رہا ہے کہ پنجاب نے بندوق دکھا کر وحدانی طرز حکومت قبول کروائی تھی، سندھ کے ممبران سے اور وہاں کی اسمبلیوں سے، ہم آج وہ الزام دوبارہ اپنے دامن پر نہیں لینا چاہتے۔ ہم ان صوبوں کی خودمختاری کیلئے کوئی سودے بازی کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ہم صوبوں کی آزادی، ان کی سربلندی چاہتے

ہیں۔ میرے بلوچستان کو اگر زیادہ اختیارات حاصل ہوں تو میرے وقار کی بات ہے۔ میرے سندھ کے لوگوں کو زیادہ آزادی حاصل ہو تو وہ پاکستان کی آزادی ہے۔ اگر سرحد کے جیالوں اور پنجاب کے بہادروں کو جرات اور آزادی کے ساتھ بات کرنے کا حق حاصل ہو تو وہ پاکستان کی سربلندی ہے۔ ہم صوبوں کے سر قلم ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے، نہ ہم کرنے والوں کا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔

National Assembly of Pakistan

THE CONSTITUTION EIGHTH AMENDMEND BILL 1985

جناب والا! عرض کرر ہا تھا ہماری آئینی جدوجہد کے سفر کا آغاز ہوا۔ نو سال تک 1956 تک بہت سارے مراحل میں سے ہم گزرے۔ اس سرزمین کو سرزمین بے آئین کہا گیا، 1956ء تک قرارداد مقاصد کے مراحل آئے۔ 1954ء کا آئین بننے سے پہلے ہی مار دیا گیا۔ 1956ء کا آئین جب بنایا گیا تو اس میں بھی ہماری تاریخ کا ایک عجیب پہلو ہے، ہمارے جتنے آئین بنے ہیں یا قبول ہوئے ہیں، ان کے نہ چل سکنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پیچھے ایک فرد بیٹھا تھا، اس نے کہا میرے تحفظات ہیں اور میں 1956ء کے آئین کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ جناب والا! اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ 1956ء کے آئین میں سکندر مرزا کیلئے اختیارات بڑھائے گئے اور پھر اس نے منظوری دی لیکن ایک فرد کی خواہشات کے مطابق بننے والا آئین کتنے عرصے تک اس ملک پر لاگو رہا۔ وہ دو سال تک نہ چل سکا۔ 1958ء میں ہمارے ملک کی عظیم عسکری حقیقتوں نے realize کیا کہ ہم صرف اقتدار کے آلہ کار کیوں بنیں۔ انہوں نے بندوق کے بل بوتے پر، انہوں نے گولی کے زور پر 1956ء کا آئین، جس طریقے سے بھی بنا تھا، اس کے پرخچے اڑا دیئے اور وہ آئین مقدس نہ رہا۔ مارشل لاء ہمارے ملک میں نافذ ہوا اور مارشل لاء کو کہا گیا کہ یہ سپریم لاء ہے، مارشل لاء قوم کو نجات دینے والا قانون ہے۔

جناب والا! ان سارے دلائل میں سے کسی میں بھی جان نہیں رہی، مارشل لاء بھی قوم کو زندگی نہ دے سکا، ملک کی نجات کا واسطہ نہ بن سکا۔ 1958ء میں آنے والا مارشل لاء چار سال کے بعد ایک اور آئین لے کر میدان میں آ گیا اور فرد واحد نے کوشش کی کہ پوری قوم کو اپنی مرضی کے مطابق آئین دے، اگر وہ آئین قوم کو منظور نہیں ہے تو اس نے کہا کہ پھر مارشل لاء موجود ہے۔ تمہارے پاس Choice کیا ہے یا مارشل لاء قبول کر و یا 62ء کا آئین قبول کرو، ہم نے اس وقت بھی مصلحت کوشی کی، جیسا کہ آج سوچ رہے ہیں۔ ہماری مصلحت کوشی یہ تھی کہ یہ آئین ابھی تسلیم کر لو، کچھ نہ ملنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ حقوق تو ملنے چاہئیں، مارشل لاء نہیں جائے گا تو ظلم کی رات لمبی ہو جائے گی۔ اس لئے اس مارشل لاء کے دیئے ہوئے 62ء کے آئین کو وقتی طور پر قبول کر لو، چند مصلحت کرنے والے لوگوں نے جو سمجھتے تھے کہ ہم ملک کی بڑی ہمدردی کر رہے ہیں، وقتی تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو جھکا دیا۔ 62ء کا آئین کچھ قوتوں نے تسلیم کر لیا لیکن قوم نے تسلیم نہیں کیا تھا اور اس 62ء کے آئین کا ردعمل ہماری قوم

کے اندر نظر آیا، مشرقی اور مغربی پاکستان میں اس کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری رہی، پی ڈی ایم نے اور مشرقی پاکستانی بھائیوں نے کہا کہ ہم مارشل لاء کو نہیں مانتے۔ اس جبر کے آئین کو نہیں مانتے۔ آئین تو انسانوں کا آپس میں ایک مقدس معاہدہ ہوتا ہے کہ وہ کونسا آئین ہے اور کونسی سوچ ہے جس کے سانچے میں ہم اپنے آپ کو ڈھال کر رہنا چاہتے ہیں۔ یہ معاہدہ جو ہم سے ایک بندوق والا کرانا چاہتا ہے، یہ معاہدہ تو نہیں ہے یہ تو surrender ہے، ایک ڈکٹیٹر کے سامنے اور مارشل لاء دینے والے کے سامنے، ایک طرف وہ بندوق دکھار ہا ہے اور دوسری طرف ہم دستخط کر رہے ہیں۔ نو کروڑ مسلمانوں نے 46ء میں عہد کیا تھا اس عہد کو بندوقوں کے زور سے ان کی مرضی کے خلاف توڑنے کیلئے مارشل لاء لیکر کھڑے تھے اور کہتے تھے کہ معاہدہ کرو۔ اب اس معاہدہ کی کیا حیثیت ہے؟ دنیا میں جہاں بھی جبر نے معاہدہ کرایا ہے، جہاں بھی گولی اور بندوق نے معاہدہ کرایا ہے، آپ یورپ کی دونوں عظیم جنگوں کو دیکھ لیں، انسانیت کی پوری بھری ہوئی تاریخ کے اندر دیکھ لیں، مجبوروں نے وقتی طور پر تو سر جھکایا ہے لیکن جب بھی انہیں موقع ملا ہے ان کی آزادی کی جبلت عود کر آئی ہے۔ انسان نے سر اٹھا کر چلنا سیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم اپنا سر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا سکتے ہیں لیکن گولیوں اور بندوقوں کے آگے زبردستی ہمارے سر جھکاؤ گے تو اس کے اثرات منفی ہوں گے۔ 62ء کا آئین دینے والے فرد نے خود اس کو منسوخ کیا اور اسے اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور پھر ایک نیا مارشل لاء دیکر گوشہ نشین ہو گیا اور اسکے بعد جو آنے والا تھا تو اس نے آتے ہی کہا کہ دیکھو! اگر تم پاکستانی زندہ رہنا چاہتے ہو اور شرافت کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ ایک ضابطہ اخلاق بناؤ۔ ایل ایف او (L.F.O) کے آگے جھکو گے تو تم سویلین لوگوں کو اقتدار دے دونگا اگر تم نے معاہدہ نہ کیا تو فیصلہ پھر بندوقوں کی گولیوں سے ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو مجبور ہیں، ہم کچھ بھی نہیں ہیں، لیکن ہم ایک بات کر سکتے ہیں کہ ہم الگ رہیں گے، ہم بُرے سہی ہم بُروں کو الگ بیٹھنے دو، ہم فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں ہیں، ہمارے قد چھوٹے ہیں، تم بڑے قد والے لوگ ہو تم الگ رہو، ہم چھوٹے قد والے الگ رہیں گے، ہمیں کھانے کا طریقہ نہیں آتا تم انگریز کی اگر معنوی اولاد ہو زیادہ اچھی انگریزی بول کر ہم پر مسلط ہونا چاہتے ہو تو تم اپنا گھر بسالو۔ ہم تمہارے ساتھ نہیں بسیں گے اور اس وقت بنگالیوں نے سرحدوں سے باہر دیکھنا شروع کیا کہ کوئی نجات دہندہ آئے اور انہیں اس جبر سے نجات دلائے، کوئی گولی والا آئے، کوئی بندوق والا آئے۔ جگجیت سنگھ اروڑا ایسے ڈھاکہ کے اندر نہیں گیا تھا۔ اس کو ڈھاکہ تک پہنچانے کیلئے ہماری بندوق کا اثر تھا۔ آج سیاستدان کو گالی دی جا سکتی ہے، لیکن یہ ایک sequence ہے، تاریخ ہے، تاریخ کا ایک مسلسل بہاؤ تھا کہ یحییٰ خان نے کہا کہ میں اکثریت کی بات نہیں مانتا، میں اکثریت کی امیدوں اور آدرشوں کو کسی قیمت پر قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں، اس مجبوری میں قومیں پھر یہ سوچتی ہیں پھر وہ باہر کی طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں، جناب پھر 72ء آ گیا، یحییٰ خان صاحب چلے گئے اور جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب آ گئے۔ انہوں نے پہلے 72ء کا

آئین دیا اب اگر جبر کے تحت مانا ہوا آئین زیادہ مقدس ہوتا تو 72ء کا آئین تین دن کے اندر بنا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ تین دن کے اندر validity ہوئی تھی اور indemnity دی گئی تھی، لیکن جناب ساتھ یہ تھا کہ اگر یہ نہیں مانو گے تو پھر میں مارشل لاء کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ جناب بھٹو صاحب نے اپنے آپ کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کہا اور اس ایوان کے اندر جہاں آج ہم بیٹھے ہیں، کل کو پتہ نہیں کہ ہم کہاں ہوں گے، لیکن جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے، جو اس وقت نمائندگی کرنے آئے تھے، یہی خامی اور غلطی ان سے ہوئی تھی، جس کی طرف آج میرے ان بھائیوں کی توجہ نہیں جا رہی، انہوں نے کہا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو اگر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہے تو کیا ہوا۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے، یہ عوامی قوتوں کا نمائندہ ہے۔ جب یہ بیٹھا ہے تو یہ صدر ہو یا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہو یا وزیراعظم ہو، کچھ بھی ہو یہ جو قانون لانا چاہتا ہے، ہم اس کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں اور بہت بڑی اکثریت نے اس وقت کے مارشل لاء کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا سر! آج ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم کبھی تو باعزت ہو کر اس دروازے سے باہر جائیں، ہماری پانچ سال کی کارکردگی ایسی ہو کہ ہم عزت سے باہر نکل سکیں، یہ نہ ہو کہ ہمیشہ قومی اسمبلیوں کو توڑا جاتا رہے اور انہیں دھکیل کر باہر پھینک دیا جاتا رہے۔ ہمیں اپنے ماضی سے سبق سیکھنا ہوگا۔ جناب بھٹو صاحب نے 73ء کا آئین دیا ہم اسے آسمانی صحیفہ نہیں کہتے، ہم نہیں کہتے کہ قوم کی نجات صرف 73ء کے آئین ہی میں موجود ہے، لیکن ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس 73ء کے آئین کو جو چار سال چلا اور یہ زمین بے آئین جس میں 37 سال میں سے صرف گیارہ سال تک آئین نافذ رہا اور وہ بارہ سال بھی سازشوں کا دور رہا اور آئین کو توڑنے کا دور رہا، جناب والا! 73ء کا آئین چلتا رہتا تو جناب ذوالفقار علی بھٹو جو ہم میں موجود نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، انکے بارے میں جو میرے جذبات ہیں وہ میرے ذاتی جذبات ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے 1975ء میں آئینی ترمیم کر کے اپنے آپ کو عدالتوں اور مقننہ سے بالاتر کرنے کی کوشش کی، عدلیہ کو اپنے پاؤں کے نیچے روندنے کی کوشش کی اور...... قوم نے کہا آپ طاقت کی بنیاد پر ملک کو چلائیں گے اور آئین کے پرخچے اڑائیں گے؟ تو ultimately بھٹو صاحب کو کیا ملا۔ وہ 1973ء کا آئین نہ رہا، نہ اس 73ء کے آئین نے 77ء میں بھٹو صاحب کی حفاظت کی، نہ جناب والا! 1969ء کے ضابطہ اخلاق نے یحییٰ خان کی حفاظت کی، نہ 1962ء کے آئین نے ایوب خان کی حفاظت کی، نہ 1956ء کے آئین نے سکندر مرزا کی حفاظت کی۔ اس لیے جن لوگوں نے یہ سوچا تھا کہ آئین اپنی مرضی سے بنا رہے ہیں، تمام ضابطے ہمارے پاؤں کے نیچے ہیں، نہ وہ رہے اور نہ آئین۔

جناب سپیکر! میں عرض کر رہا تھا کہ یہاں پر ہماری تاریخ میں بڑی مثالیں پڑھی ہیں کہ افراد نے اپنے تحفظ کیلئے آئین کو ثانوی حیثیت دی اور نہ وہ آئین انہیں محفوظ رکھ سکا، نہ آئین کو ان سے تحفظ مل سکا۔ ہماری افسوسناک تاریخ کے بعد اب جس مرحلے پر ہم کھڑے ہیں اور آٹھویں ترمیم کا بل ہمارے سامنے ہے موجودہ

آئین میں جو ترامیم پیش کی گئی ہیں جناب والا، یہ ترمیمیں آئین میں نہیں کی جارہی ہیں، آرسی او میں کی جارہی ہیں اور آرسی او ایک فرد واحد کا دیا ہوا ہے اور آئین کا بقول ان کے حصہ ہے، وہ آئین ہے اور ہم سب آرسی او کے پابند ہو چکے ہیں، بقول ان کے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آرسی او یا ترامیم جو ایک فرد واحد نے کی تھیں، اس وقت کی جب اسمبلی معرض وجود میں آچکی تھی، اسمبلی بن چکی تھی، ان 237 معزز اراکین کی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے نفی کی اور دنیا کو یہ بتانا چاہا کہ پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ اس آئین اور ادارے سے بالاتر ہیں۔ انہوں نے یہ آئینی ترمیمات آرسی او کی صورت میں پیش کر دیں حالانکہ اس وقت اسمبلی بھی وجود میں آچکی تھی پھر وہی فرد واحد کی خواہش...... اب جو آئین فرد واحد کی خواہش پر بنائے گئے یا ان میں ترامیم کی گئیں، ہمیں دیکھنا ہوگا کہ اس ترمیمی بل کی ضرورت کیا پاکستان کے 9 کروڑ عوام نے محسوس کی ہے، کیا یہ ان کا مطالبہ ہے اور کیا یہ ان کا تقاضا ہے کہ 1973ء کے آئین میں ترمیمات ہونی ضروری ہیں، کیا عوام کی طرف سے یہ مطالبہ ہے، ارکان اسمبلی کی طرف سے یہ مطالبہ ہے، یہ مطالبہ کس طرف سے ہے؟ یہ مطالبہ نہ پاکستان کے 9 کروڑ عوام کی طرف سے ہے کہ اس آئین کے اندر ترمیمات لائی جائیں نہ یہ مطالبہ اس فلور پر اسمبلی کے ممبران نے کیا ہے، یہ مطالبہ نہیں آرسی او کی صورت میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا ایک حکم ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ اگر مجھے تسلیم کرتے ہو تو مارشل لاء کو ہٹایا جا سکتا ہے اگر مجھے تسلیم نہیں کرتے ہو، آئین کو تبدیل کرنے کی میری حیثیت کو چیلنج کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت سے تجاوز کر رہے ہو، ایاز قدر خود بشناس والی بات ہے، تم کیسے بیٹھے ہوتے اس ایوان میں، جب تک ہم آپ کے انتخابات نہ کرواتے، آپ کی حیثیت صرف اس لیے ہے کہ مارشل لاء نے آپ کو اذن باریابی بخشا اور ان کے حکم کی تعمیل میں ان ایوانوں کے دروازے آپ پر کھولے گئے، اگر آپ اب اندر آئے ہیں تو اب آپ پر ایک Moral Obligation ہے اور Obligation یہ ہے کہ آپ پر جن لوگوں نے یہ دروازے کھولے ہیں ان کی حیثیت کو تسلیم کرو، ان کے اقتدار کو دوام بخشو، ان کی حیثیتوں کو بالاتر سمجھو اور ان آداب سے اپنے آپ کو واقف کرو، اگر آداب شہنشاہی سے واقف نہیں ہو تو پھر اپنی حیثیتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

جناب والا! یہ ہم پر حکم ہے، دربار شاہی سے ہم پر احکامات کا نزول ہو رہا ہے۔ جناب والا! ہم مسلمان، جن کا ذہن، جمہوری قدروں پر آگے بڑھنے والا ذہن ہے اور ہم مسلمان جو اپنے نبی آخر الزماں کو مانتے ہیں جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں سکھاتے ہیں کہ عمر ابن خطاب کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ جناب والا یہ آپ فیصلہ کر رہے ہیں، مجھے اس کی Justification دیں۔ اگر نبی کی ذات، اس طریقے کی تربیت دیتی ہے کہ نبی کی ذات اپنے آپ کو سوال کا جواب دینے سے بالاتر قرار نہیں دیتی تو جناب، اس خدا کی سرزمین پر ہم خدا کے بندوں کی شہنشاہیت قبول کرنے پر تیار نہیں، ہم یہ چاہتے ہیں اگر قوم کا مطالبہ ہو، ہماری ضرورتیں ہوں، اسمبلی کے ممبران جو کہ عوام کے ترجمان ہیں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے اندر تبدیلیاں لائی چاہئیں تو پھر 1973ء کے آئین

کے اندر جو ہم جیسے لوگوں نے بنایا تھا، ہم خرابیاں دور کر سکتے ہیں، ہم کب ضد کرتے ہیں کہ 1973ء کا آئین آسمانی صحیفہ ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ،نعوذ باللہ، ہے، ہم کب کہتے ہیں؟ ہم کب کہتے ہیں کہ وہ معاہدہ عمرانیات کی ایک document ہے، ہم کہتے ہیں کہ 1973ء کا آئین، اس ملک کے نمائندوں کو اس ہاؤس کو ہر طریقے سے تبدیل کرنے کا اس کے اندر ترمیمیں لانے کا پوری طرح حق حاصل ہے، لیکن جناب والا! ہم سے کہا جا رہا ہے کہ ہم آرسی او کے اندر امنڈمنٹس لائیں اور آرسی او کو ہی آئین سمجھیں، اگر آرسی او کو ہم آئین نہیں سمجھتے تو پھر یہ کہتے ہیں کہ تمہاری سمجھ پر پردہ پڑا ہوا ہے، تمہاری سوچیں مفلوج ہو چکی ہیں، تم ایم آر ڈی کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو، تم باہر کی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو، تم اس ایوان کے وقار کو Delaying tactics سے مجروح کر رہے ہو، اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس آرسی او کو ملک کے نمائندوں نے بنایا تھا تو جناب والا، یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو ہیں ان کا کام یہی ہے، انہوں نے فلاں کام کیا تھا، ان کے باپ نے، ان کے دادا نے، ان کے پڑدادا نے اور ہمارا شجرہ نسب اٹھا کر بتاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کن Lines پر جا رہے ہیں، ہم کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں۔ ایسا کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ اس لیے میں عرض کروں گا کہ اب بھی 1956ء، 1962ء اور 1973 کے آئین کی طرح عوامی امنگیں کسی آئین کے اندر ترمیم کا مطالبہ نہیں کر رہی ہیں، آج بھی پاکستان کی intelligentia، پاکستان کے کروڑوں عوام، پاکستان کے محنت کش، پاکستان کے دانش ور، یہ مطالبہ لے کر سڑکوں پر نہیں کھڑے کہ یہ 1973ء کا آئین ہمیں منظور نہیں ہے اور اے ہمارے نمائندو! تمہیں ہم نے اس لیے ووٹ دیا تھا کہ تم ہاؤس میں جا کر 1973ء کے آئین کو بدل دینا، ہم یہ mandate لے کر نہیں آئے، ہمیں 1973ء کے آئین میں تبدیلیوں کے لیے نہیں بھیجا گیا...... ہم پر دباؤ ہے اگر تم لوگوں نے یہ نہ کیا تو پھر وہ نہیں ہوگا، لیکن مجھے بتائیے کہ میرا ذہن جو کہ اتنا اونچا نہیں ہے، میں اپنی سوچوں کی پرواز کو اتنا نہیں پاتا، مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ جب ہم نے پہلے ہر منوانے والے کی بات مان لی، ہم نے سکندر مرزا کی بات مان لی، ہم نے جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی بات مان لی، ہم نے جنرل آغا محمد یحیٰ خان کی بات مان لی، ہم نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی بات مان لی، ہم نے ان کی باتیں تو مانیں، لیکن نتیجہ کیا نکلا، کیا مارشل لاء ہمیشہ کیلئے دفن ہوا، نہیں ہوا، جناب والا! کیا پاکستان کا وجود مستحکم ہوا، نہیں ہوا جناب والا، کیا قوم کے اندر یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوئی، ایسا نہیں ہوا، جناب والا! ہمیں آج بھی یہ ڈر ہے، ہم جس بات سے خوفزدہ ہیں، وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ کل کو اکائیاں جو یونٹ مل کر ایک فیڈریشن بنا رہی ہیں، یہ کہیں وہ 1973ء کے اندر کچھ مجبوریوں کے ساتھ اکٹھے ہوئے تھے کہ شاید 1973ء کا آئین، آنے والے دور کے لیے معاہدہ عمرانی ہوگا، ایک مقدس دستاویز ہوگی، مگر اس پر عمل نہیں ہوا۔ آج جب یہ نمائندے جمع ہوئے ہیں، ہمیں ہمارا علیحدگی کا حق واپس مل جائے، جناب والا! ہم یہ سوچ کر آئے تھے کہ ہمیں ہمارا civil rule واپس کر دیا جائے گا اور جو ساڑھے آٹھ

سال کے اندر انہیں کرنا پڑا، ان کے ماضی کا تحفظ ہم فراہم کریں گے اور ہمارے سیاسی عمل کا تحفظ وہ فراہم کریں گے۔ لیکن اگر آج ہم سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ دستاویز جس پر ایک دفعہ قوم مجتمع ہوتی تھی۔ اس دستاویز کو ہم بدل کر رکھ دیں اور اپنی مرضی سے نہیں...... ممبران بیٹھے ہوئے ہیں انہیں معلوم ہے 237 ممبروں میں سے کتنے سوچ کر آئے تھے کہ ہم نے جاتے ہی آئین میں ترمیم کرنی ہے اور ہمیں 1973ء کا آئین قبول نہیں ہے، ہمیں اس کو بدلنا ہے، یہ کوئی سوچ کر نہیں آیا تھا۔ ہاں ضرورت ہوئی، ہمیں محسوس ہوا کہ ہماری فیڈریشن 1973ء کے آئین کے اندر نہیں چل رہی تو ہم اس میں ترمیم کر سکتے ہیں بلکہ اس کے اندر صوبوں کا اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ فیڈرل یونٹس کو ہم نے جو حقوق دیے اگر وہ آج ایک مارشل لاء کے خوف کی وجہ سے چھین لیے جائیں تو جناب والا! محرومیاں ضرور جنم لیں گی اور ہر صوبے کے اندر سوچنے کے انداز ضرور مختلف ہوں گے، اسی طریقے سے اگر ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ 1973ء کے آئین اسلام کے نفاذ کے اندر رکاوٹ بن گیا ہے۔ 1973ء کا آئین مسلمانوں کی امنگوں کے اندر دیوار بن کر کھڑا ہے، ہمیں 1973ء کا آئین عزیز نہیں ہوگا۔ اس کے لیے ہم گردنیں کٹوانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، اسلام کے راستے میں 73ء کا آئین دیوار ہے نہ فیڈریشن کے راستے میں رکاوٹ ہے، نہ وزیراعظم اور صدر کے اختیارات کے اندر۔ ہمیں شکوہ ہے نہ گلہ ہے کہ وزیراعظم کے پاس اختیارات کیوں تھے، تو پھر کس لیے ہم اس میں ترمیمیں لا رہے ہیں۔ کس لیے یہ ترمیمی بل یہاں پر لائے ہیں۔ سیدھی بات تھی یہ ترمیمی بل لانے کی بجائے validation کی بات ہوتی۔ انڈیمنٹی کی بات ہوتی، ہم وہ دیتے۔ validation دیتے، وہ ہماری مجبوری تھی، وہ کوئی خوشی سے نہ دیتے، ہم انڈیمنٹی کو اس کی روح سے اس کے لفظ سے پہچانتے ہیں، اس لیے اگر ہم انڈیمنٹی دیتے تو وہ ایک معافی اور تلافی کا قانون تھا کہ جو آپ سے ہوا اس کی آپ کو معافی اور جو حاضرہ دور ہے اس کے اندر ان عوام کے ان نمائندوں کو ان کا حق ملنا چاہیے کہ وہ اس ملک کی رہنمائی کر سکیں لیکن اگر صرف آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس طریقے سے چند ووٹرز جن کو اس لیے اپنے ساتھ ملا لیا جائے کہ وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس ایوان کا سودا اس اقتدار اعلیٰ کا سودا صرف اس لیے کر دیں کہ ہمیں مارشل لاء کی بجائے سول مارشل لاء مل جائے وہ آج نہیں تو کل جانا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ مارشل لاء جب بھی گیا چھوٹے یونٹوں کو یہی دھڑکا رہا ہے کہ مارشل لاء واپس آ جائے گا اور جناب والا میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس ترمیمی بل کے اندر اگر اس کی تشریحات یا تفصیلات پر جائیں تو جتنی کلاز انہوں نے دی ہیں اس میں سے ایک کلاز بھی ایسی نہیں جسے قوم کے مطالبے پر ترمیم کیا جا رہا ہو، جسے عوام کی خواہشات کے مطابق ترمیم کیا جا رہا ہو یہ صرف اور صرف ہم اپنے وجود کو محفوظ کرنے کیلئے اپنی کرسیوں کو مضبوط کرنے کے لیے اور اپنے آپ کو مستحکم کرنے کیلئے کر رہے ہیں۔ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی سازش کا حصہ ہمیں نہیں بننا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم قوم کے نمائندے ہیں اور یہ بل قوم کی آواز کو صرف فرد واحد کی وجہ سے

دبانے کی ایک کوشش ہے، ان کوششوں کا حصہ ہمیں کسی لمحے پر نہیں بننا چاہیے اور اس وقت ہمیں یہ سوچنا ہے کہ قوم ہم سے امیدیں اور نظریں لگا کر بیٹھی ہے، کسی کے ذاتی کردار پر یہاں پر بہت کچھ ڈسکس کیا گیا۔ میں آپ کے سامنے پوری قوم کا دکھ رکھنا چاہتا ہوں کہ اس آئین کو جس پر بڑی مشکلوں سے اتفاق رائے پیدا ہوا تھا یہ پہلے ہی متنازعہ فیہ چیز بن گئی ہے، اگر ہم بھی اس کو controversial issue بنائیں، اس کو خود اپنے ہاتھ سے توڑیں خود اپنے ہاتھ سے اس میں ایسی تبدیلیاں لے آئیں تو پھر جناب والا وہ لوگ جو بقول آپ کے اس ملک کے اندر پہلے ہی تخریب کاری چاہتے ہیں، انتشار چاہتے ہیں، ملک کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، جو وطن پر مختلف نئے نئے نعروں کے ساتھ میدان میں آرہے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ہم نے مقابلہ کرنا ہے ان کا سامنا کرنا ہے، تو پھر ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ قوم کے نمائندوں نے 1973ء کے آئین پر دوبارہ 1985ء میں بھی اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ پوری قوم کو اجتماعی سوچوں کو اپنا مطمع نظر بنایا گیا ہے اور اسی کو اپنا جزو ایمان بنایا ہے۔

یہی ہماری سوچ ہے، یہی ہماری فکر ہے پاکستان زندہ باد۔

The constitution (Eighth Amendment) Bill- 31 Oct 1985

اب میں ریفرنڈم کی طرف آتا ہوں۔ جناب والا! ریفرنڈم میں قوم صدر محترم کے خیال سے اتفاق نہ کرے اگر ریفرنڈم کے نتائج صدر محترم کے خلاف ہیں اور عوام یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری اسمبلی کو چلنا چاہیے تو کیا اس میں کوئی ایسی کلاز بھی رکھی گئی ہے کہ صدر محترم کو پھر اس صورت میں استعفیٰ دینا پڑے، ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ صرف اگر اہتمام کیا گیا ہے تو صدر کو پروٹیکشن دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ پرائم منسٹر کو غیر محفوظ رکھا گیا ہے، اسمبلی کو توڑنے کا اہتمام کیا گیا ہے، لیکن کسی لمحے پر بھی صدر محترم کو ہٹانے کیلئے کوئی اہتمام نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر صدر محترم کے ریفرنڈم کے مطابق مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے تو اس صورت میں لکھا جانا چاہیے کہ پھر صدر محترم استعفیٰ دیں گے، کہ قوم کو ان کی سوچ سے اتفاق نہیں، میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس پوری کلاز کے بعد ہماری صورت حال یہ ہوگی کہ ہم اسمبلی کے اختیار withdraw کریں گے اور اپنی پاورز سے بھی جو ہمیں عوام نے دی ہے، جو 1973ء کے آئین نے ہمیں دی ہے۔ یہ بل لانے کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ اسمبلی کو قائم کرانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم اگر آگئے ہو الیکٹ ہو کر ایوان میں تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ تم اپنے اختیارات سے withdraw کرنے کا اعلان کرو۔ اگر تم اپنے اختیارات سے withdraw نہیں کرتے تو پھر تم سوچ لو مارشل لاء کا...... مارشل لاء کے تسلسل کا......''

اسمبلی بحث کے ساتھ جناب ضیاء الحق سے مذاکرات کا سلسلہ بھی جاری تھا، وہ ہمیں کبھی ترکی کے آئین کی مثالیں دیتے اور کبھی کہتے آپ مجھے بھارت کے صدر سردار ذیل سنگھ جیسے اختیارات دینے کو بھی تیار نہیں ہیں، چالیس روزہ بحث کے دوران وہ ہمارے کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے، جس پر اسمبلی

کے اندر تلخی ہوگئی۔ انہوں نے کہا آپ لوگ اپنی حالت پر غور کریں، آپ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے، میں نے عرض کی کہ یہ دنیا کی ہر پارلیمنٹ کے اندر ہوتا ہے لیکن انہوں نے اسی بات کو بہانہ بنا کر کہا: اب آپ لوگوں کو تربیت کی ضرورت ہے، پھر انہوں نے کہا اگر میری تجاویز مان لی جائیں اور مجھے اسمبلی سے خطاب کرنے دیا جائے تو میں وردی اتارنے کا اعلان اپنی تقریر کے دوران کرونگا۔ میرے ساتھی اُن کے جھانسے میں آ گئے، اگرچہ میں نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔

آٹھویں ترمیم پر رات ایک بجے تک بحث جاری رہی، دوسری طرف سپیکر کے کمرے میں سمجھوتے کی کوششیں بھی جاری تھیں۔ رات کے بارہ بجے شیخ رشید کمرے میں داخل ہوئے اور کہا: اسمبلی کی عمارت کو ٹینکوں نے گھیر رکھا ہے اور اگر ہم نے آٹھویں ترمیم منظور نہ کی تو تباہی آ جائے گی۔ حاجی سیف اللہ خان جو آٹھویں ترمیم کے راستے میں دیوار بنے ہوئے تھے مجھے کہنے لگے: ضیاء الحق اپنے وعدے پر عمل کرتے ہوئے وردی اتارنے پر بالکل تیار ہیں، سیدہ عابدہ حسین بھی خاموش تھیں، ڈاکٹر شیر افگن جو کہتے تھے 73ء کے آئین میں تبدیلی لائی گئی تو میں زندہ نہ رہونگا، رام ہو چکے تھے۔ میرے تمام ساتھی اپنی رائے میں تبدیلی لا چکے تھے، میں بطور احتجاج کمرے سے نکل گیا۔ آٹھویں ترمیم دو تہائی اکثریت سے منظور ہوگئی۔ صرف چند سرپھروں نے اس کے حق میں ووٹ نہ دیا، مجھے آخرِ شب کے ہمسفروں سے راہ بدلنے کا کوئی گلہ نہ تھا۔ لیلیٰ شب اپنی زلفیں دراز کر چکی تھی۔ جمہوریت کے محمل پر شب خون پڑ چکا تھا۔

اگلے دن جناب ضیاء الحق صاحب پارلیمنٹ سے خطاب کر رہے تھے، وہ شیروانی میں تھے، انہوں نے ایک طویل تقریر کی۔ حاجی سیف اللہ اور ہمارے دوسرے ساتھی اس انتظار میں تھے کہ صدر ابھی وردی اتارنے کا اعلان کریں گے لیکن انتظار کے لمحے طویل ہوئے، آخر تنگ آ کر ایک چٹ صدر کو بھیجی گئی اور انہیں وردی اتارنے کا وعدہ یاد دلایا۔ صدر صاحب نے عینک لگا کر چٹ کو پڑھا اور اسے اپنی شیروانی کی جیب میں ڈال لیا اور تقریر جاری رکھی۔ وردی کے بغیر فوجی حکمران اور پانی کے بغیر مچھلی کیسے زندہ رہ سکتے ہیں، قوم سے وعدہ کرنا تو جنگی حکمت عملی کا حصہ ہے اور ویسے بھی جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہے۔

جب سید فخر امام نے محمد خان جونیجو کے خلاف رولنگ دی تو میں نے اس سے اختلاف کیا۔ خواجہ طارق رحیم، محمود اے ہارون، سردار آصف احمد علی، الٰہی بخش سومرو، سید نصرت علی شاہ، ظفر اللہ خان جمالی اور مخدوم حامد رضا گیلانی رولنگ کے حق میں تھے، حالانکہ میں جونیجو صاحب کے زیرِ عتاب تھا۔ وہ میری حق گوئی کو تلخ گوئی سمجھتے تھے مگر میں سمجھتا تھا، اگر وزیر اعظم کو پارلیمنٹ کی حمایت نہ ملی تو وہ جنرل ضیاء الحق پر انحصار کریں گے اور ضیاء الحق انہیں بچانے کے بعد سپیکر کے خلاف سرگرم ہو جائیں گے۔ ہمارے کچھ ساتھیوں کا خیال تھا کہ ضیاء الحق محمد خان جونیجو کے بعد بہتر آدمی کا انتخاب چاہیں گے اور وزیر اعظم کے لیے فخر امام سے بہتر اور قابل قبول شخص پورے

ہاؤس میں موجود نہیں ہے۔ ضیاء الحق سے یہ توقع نہ کی جاسکتی تھی، وہ ایک دھیمے وزیر اعظم کو نکال کر ایسے وزیر اعظم کو لے آئیں جو ان کے کنٹرول میں نہ ہو۔

ان دنوں میں سیدہ عابدہ حسین کا گھر آزاد گروپ کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ گروپ کے تمام ممبران ان کے گھر کے جمع ہوتے اور پارلیمنٹ میں اپنی کارکردگی کے بارے میں اگلے دن کا لائحہ عمل تیار کرتے۔ 1985ء سے 1990ء تک وہاں ممبران کا جمگھٹا رہتا اگر کوئی ممبر غیر حاضر ہوتا تو سیدہ عابدہ حسین اس سے خود رابطہ کرتیں اور اس کی حاضری کو یقینی بناتیں۔ ڈاکٹر شیر افگن کی اسمبلی کی رکنیت کا مقدمہ لڑنے کے لیے بھاری فیس کی ادائیگی کے لیے انہوں نے ہماری جیبوں سے پیسے نکلوائے اور انہیں ساتھ لے کر امام بری کے مزار سے لے کر ہر اللہ والے کے پاس گئیں۔ منتیں مانی گئیں اور جب ڈاکٹر شیر افگن کی رکنیت بحال نہ ہو سکی تو وہ رو رو کر بے حال ہو گئیں۔ ایک دن ہم پارلیمنٹ میں داخل ہو رہے تھے کہ ڈاکٹر شیر افگن کے سیاسی حریف سینئر امیر عبداللہ خان روکھڑی سامنے کھڑے تھے، انہوں نے سیدہ عابدہ حسین کے سر پر ہاتھ رکھا اور زار و قطار رونے لگے۔ انہوں نے کہا بیٹا میں تمہارا چچا ہوں۔ میں نے تمہارے باپ کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا ہے۔ تم ایک پولیس کانسٹیبل کے بیٹے کو میرے بیٹے پر ترجیح دے رہی ہو۔ سیدہ عابدہ حسین نے کہا: چچا اسمبلی میں ایک غریب باپ کا بیٹا اگر آ ہی گیا ہے تو آپ کو برداشت کیوں نہیں ہوتا۔ امیر عبداللہ خان خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر شیر افگن جب دوسری مرتبہ مولانا عبدالستار خان نیازی کی مدد سے منتخب ہو کر آئے تو مولانا کو چھوڑ کر پیپلز پارٹی کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ مولانا اور سیدہ عابدہ حسین کو اسمبلی کے اندر بار بار بے عزت کر کے پیپلز پارٹی والوں سے داد بھی وصول کی اور وزارت بھی۔

سیدہ عابدہ حسین کی عالمی سیاست پر گہری نظر ہے۔ ان کے پاس علم اور معلومات کا بے بہا خزانہ ہے۔ ان کے تعلقات گاؤں سے لے کر بین الاقوامی سطح تک وسیع ہیں۔ وہ اپنے وطن کے دکھوں پر بے اختیار ہو کر آنسو بہاتی ہیں۔ انہیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ انہوں نے شفاف سیاست کی مگر قوم نے ان کے مقابلہ پر غلط کار سیاستدانوں کو زیادہ اہمیت دی اور ان کی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھایا۔ میں نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ بطور فرد وہ خوبیوں کا مرقع ہیں مگر سیاست میں فوری نتائج کے حصول کی خواہش نے ان سے کئی غلط فیصلے کرائے ہیں جس کی وجہ سے ابھی تک سیاست میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکیں جو ان کا استحقاق تھا۔

1999ء میں سیاسی بحران کے دنوں میں وزیر اعظم ہاؤس میں تقریب تھی۔ راجہ ظفر الحق، راجہ نادر پرویز، صدیق خان کانجو اور میں ایک کونے میں کھڑے گفتگو میں محو تھے کہ ہمارے ملک کے کمانڈر انچیف جنرل پرویز مشرف بھی وہاں آ گئے، علیک سلیک کے بعد شکایت کے لہجے میں کہنے لگے کہ سیدہ عابدہ حسین نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے اور پھر خود ہی واقعہ کی تفصیل بتانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک ملک کے یوم آزادی کی تقریب میں گئے تو سفیر کی اہلیہ نے سیدہ عابدہ حسین سے تعارف کرانے کی کوشش کی تو میں نے کہا کہ یہ

ہماری وفاقی وزیر ہیں ، میں تو ان کے والدِ محترم کا بھی مداح ہوں، مگر انہوں نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے کہا: جنرل! میں بجلی چور ہوں اور مجھے پتہ تھا یہ میرے ساتھ ہونا ہے۔ کیونکہ میں جنرل علی قلی خان کے حق میں تھی، میں نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ ہم نے جنرل صاحب کو سمجھا بجھا دیا۔

## ضیاء الحق کی ناراضگی

جنرل ضیاء الحق ہم سے ناراض ہو گئے۔ ہماری سرگرمیاں ان کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ ایک سفارت خانہ کی تقریب میں مجھے غصہ سے کہا اب آپ سے ملتان میں ملاقات ہوگی۔ میں ان کی بات اس وقت سمجھ نہ سکا۔

سپیکر کے الیکشن میں شکست کے بعد ضیاء الحق نے سید یوسف رضا گیلانی کو ریلوے کا وفاقی وزیر بنا دیا۔ سید یوسف رضا گیلانی گذشتہ سولہ سال سے پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر سیاست کر رہے ہیں۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور سخت مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنی پارٹی کا ساتھ دیا۔

1986ء میں جنرل ضیاء الحق قومی اسمبلی سے سالانہ خطاب کرنے آئے تو جماعت اسلامی کے مولانا گوہر الرحمان نے اٹھ کر کسی بات پر اعتراض کیا۔ جنرل صاحب نے انہیں جھڑک دیا۔ ڈاکٹر شفیق، جو اس وقت ہمارے گروپ میں تھے، کھڑے ہوئے تو انہیں بھی یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا کہ جب صدر مملکت خطاب کر رہے ہوں تو ڈیکورم (آداب) کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا لازم ہے۔ جس ہتک آمیز انداز سے وہ ممبران اسمبلی سے مخاطب تھے میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا: کہ آپ یہاں بندوق کے زور پر کھڑے ہو کر اسمبلی کے آداب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ آپ اس ہاؤس میں اجنبی ہیں، یہ کاروائی براہ راست دکھائی جا رہی تھی۔ ہماری مداخلت نے زور پکڑا تو کیمروں کا رخ سٹیج کی طرف کر دیا گیا۔ ہمارے مائک بند کر دیے اور خطاب مکمل ہو گیا۔ اس سے اگلے روز برطانیہ کے سفارت خانے کی تقریب میں سید مشاہد حسین انکے بھائی سید مواحد حسین اور میں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ ضیاء الحق صاحب کی آمد کا اعلان ہوا۔ جب وہ سٹیج پر نمودار ہوئے تو دور سے میری ان سے آنکھیں چار ہوئیں۔ میں فوراً سمجھ گیا وہ میرے پاس چل کر آئیں گے۔ میں نے سید مشاہد حسین اور انکے بھائی سے کہا کہ میں یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا درمیان میں لوگوں کا سمندر ہے وہ یہاں کیسے پہنچیں گے، چند لمحوں بعد وہ ہمارے سر پر پہنچ گئے۔ ہمارے پیچھے سوئمنگ پول تھا واپسی کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ ہم گھیرے میں آ چکے تھے ضیاء الحق نے بانہیں میرے گلے میں حائل کر دیں۔ میں بھی ہنس پڑا۔ دوسرے دن کے اخبارات کے صفحہ اول پر خوشگوار لمحات تاریخ کا حصہ بن چکے تھے۔ ہماری آپس کی ناراضگی کا تاثر زائل ہو چکا تھا مگر ضیاء الحق جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو اس کا اظہار اپنے عمل سے کرتے۔

انہوں نے میرا قافیہ تنگ کرنے کے لیے ملتان کی سیاست کا راستہ اختیار کیا۔ مخدوم سجاد حسین قریشی کیلئے پنجاب کے گورنر ہاؤس کا دروازہ کھل گیا اور مجھ پر میرے خاندان اور مقامی گروپ پر ظلم و ستم کا۔ ہمارے تھانہ مخدوم رشید میں ایک جلاد صفت تھانیدار لگا دیا گیا۔ جس نے کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے بیالیس مزدوروں کو قتل کیا تھا۔ گورنر نے تھانیدار کو پگڑی بدل بھائی بنانے کا اعلان کیا۔ ضیاء الحق اور گورنر پنجاب کی طاقت ایک خونخوار تھانیدار میں ڈھل گئی تھی۔ پاکستان بنانے کی سزا ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہو چکی تھی۔ میرے ماموں زاد اور بہنوئی مخدوم نذیر احمد شاہ کسی خطا کے بغیر تھانے میں بند کر دیئے گئے تھے، کوئی مجسٹریٹ ان کی ضمانت لینے کو تیار نہ تھا، یہ مصائب کی ابتدا تھی۔

محمد اکرم شیخ جو پاکستان کے ممتاز قانون دان ہیں، مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوئے، کچہری کے چاروں طرف عوام کا جمِ غفیر تھا۔ رات کو گیارہ بجے مخدوم نذیر احمد شاہ کو رہا کرنا پڑا۔ میرے لئے اکرم شیخ صرف قانون دان ہی نہیں میرے بچپن کے ساتھی اور ہم جماعت بھی ہیں۔ انہوں نے میرے سیاسی کیریئر کی اہم عدالتی جنگیں لڑی ہیں۔ ملتان میں اُن کا گھر میرا سیاسی ڈیرہ بنا ہوا تھا اُن کی بیگم جنہوں نے مجھے اپنے بھائی کا درجہ دیا ہوا ہے، تپتی دوپہر میں میرے مہمانوں کی خدمت کرتیں۔

مجھے نہ اپنے مقدر سے گِلہ تھا، نہ مخدوم سجاد حسین قریشی سے اور نہ مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق سے۔ میری دونوں سے نیازمندی تھی۔ ایک گلے سڑے نظام کو میں نے تبدیل کرنے کا عزم کیا تھا، میں نے سیاستدانوں کو حویلیوں سے نکال کر عوام کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ یہی میرا صِلہ تھا اور یہی میرا اطمینان قلب! صعوبتوں نے مجھے رنج کا خوگر کر دیا۔ لوگ بلاوجہ اسے میری بہادری سمجھتے ہیں، میں کوئی بہادر آدمی نہیں، بس ایک مجنوں ہوں اور دشتِ لیلیٰ میں ہوں۔ مجھے ناقدری عالم کا گِلہ کبھی نہیں رہا۔ میری قوم نے مجھے ہمیشہ اعتماد سے نوازا ہے۔ بہادر تو وہ گمنام سیاسی کارکن ہیں جو صلہ کی تمنا و ستائش کے بغیر رات دن جدوجہد کرتے اور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ جن کی قربانیوں کے بغیر نہ پاکستان معرضِ وجود میں آ سکتا تھا اور نہ آج جمہوریت کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو سکتی۔

چوتھا باب

# مسلم لیگ کے نشیب و فراز

# مسلم لیگ کے نشیب و فراز

میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے گھرانے میں پیدا ہوا۔ جواب بھی وضع داری نبھا رہا تھا، مگر مسلم لیگ کی سیاست مجھے متاثر نہ کرسکی۔ یہ ایک ڈرائنگ روم پارٹی تھی۔ میں ابھی ساتویں جماعت کا طالب علم تھا جب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی کاپیاں ہمارے ڈیرے پر پُر ہو رہی تھیں، لگتا تھا پورے پاکستان کی آبادی کو مسلم لیگ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ میرے بڑے بھائی کے حکم پر مجھے بھی مسلم لیگ کا ممبر بنا دیا گیا۔

70ء کے عشرے میں جب میں طلباء سیاست میں متحرک تھا، پیر آف پگاڑو شریف، چودھری محمد حسین چٹھہ اور محمد خان جونیجو ملتان تشریف لائے۔ بنیادی مقصد مجھے مسلم لیگ میں شمولیت کیلئے قائل کرنا تھا۔ مجھے کہا گیا کہ خواجہ صفدر صاحب کی جگہ پر مجھے پنجاب مسلم لیگ کا صدر بنایا جائے گا۔ میں نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ جس جماعت کا سنیئر نائب صدر ملک غلام مصطفیٰ کھر ہو، جس نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں طلباء اور علماء پر تشدد کی نئی تاریخ رقم کی ہے، اُس جماعت میں کیسے شامل ہو سکتا ہوں۔ مسلم لیگ کے اکابرین کے ساتھ نیاز مندی کے باوجود میں اُن کی جوڑ توڑ کی عادتوں سے خوفزدہ تھا، اگرچہ میرا دل قائداعظم کی مسلم لیگ کے مقاصد میں اٹکا ہوا تھا۔ چودھری ظہور الٰہی نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ جب تک آپ کو پنجاب کا صدر بنانے کا اعلان نہ ہو آپ شمولیت نہ کریں۔ لیکن مجھے عہدہ سے دلچسپی ہی نہیں تھی، اصل مسئلہ یہ تھا کہ میں ذہنی طور پر اُس وقت کی قیادت کے ساتھ کام کرنے کو تیار نہیں تھا۔

مسلم لیگ شروع سے سازشوں کا شکار رہی ہے۔ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے خلاف بھی سازشوں کے جال بچھائے گئے۔ مسلم لیگ میں نہ جانے کی دوسری وجہ مسلم لیگ کی قیادت میں اپنے مقصد کے حصول کیلئے قربانیاں دینے کا فقدان تھا۔ یہ ایک بے رنگ، بے ذائقہ اور بے بو جماعت تھی۔

یہ جماعت شروع سے اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ ٹکراؤ سے بچتی رہی۔ جو مسلمان تحریک آزادی میں سرگرم تھے، ان میں سے بھی بعض کانگریس کو فوقیت دیتے تھے۔ قائداعظمؒ نے سیاست کا آغاز ہی کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا اور علامہ اقبالؒ بھی ہندوستان میں ابتدا میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر جدوجہد کے خلاف نہ تھے۔

بہت سے مسلمان علماء کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ تحریک خلافت اور احرار کے علاوہ خدائی خدمتگار، ریشمی رومال اور تحریک خاکسار عزیمت کی داستان لکھ رہے تھے۔ ان میں سے اکثر کانگریس کا دامن اپنی قربانیوں سے مالا مال کر رہے تھے۔

کانگریس مضبوط ہوگئی تو ہندو قیادت کو اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی اور مسلمانوں سے انہوں نے

آنکھیں پھیرنا شروع کیں۔جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی وہ اپنے مستقبل کے عزائم نہ چھپا سکے۔اب بتدریج مسلم اقلیت کو آنے والے حالات کے ادراک نے بے چین کردیا۔مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں عدم تحفظ کا احساس نہ تھا۔البتہ ان علاقوں کے دور میں نگاہ رکھنے والے شاہ دماغ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں ضرور فکر مند تھے۔1930ء میں ہندو مسلم مفادات کا ٹکراؤ بھی کھل کر سامنے آنے لگا۔علامہ اقبالؒ نے خطبہ الہ آباد میں مسلمانوں کی سوچ کو ایک نیا رخ عطا کیا۔جب انہوں نے برصغیر میں آزاد مسلمان ریاست کا تصور پیش کیا۔

1937ء میں انتخاب ہوئے تو ہندو کو ایک ہزار سال بعد حکمرانی کا موقع ملا۔یہ حکمرانی مسلمانوں کیلئے ایک بھیانک خواب سے کم نہ تھی۔یہی حکمرانی پاکستان کے قیام کا دیباچہ بن گئی۔مسلمان خوفزدہ ہوگئے۔نیشنلسٹ علماء کرام اور کانگریس کے مسلمان رہنما، مسلمانوں کے انداز وفکر میں تبدیلی کو سمجھ نہ سکے اور ہندوستانی قوم میں اختلاف کو جنگِ آزادی کی صفوں میں اختلاف سمجھتے رہے۔مسلم لیگ کی اس سوچ میں انہیں انگریز سے آزادی کی منزل کو دُور کرنے والی سازش کی بو آرہی تھی۔انہیں تحریک آزادی کی ساری قربانیاں رائیگاں ہوتی نظر آتی تھیں، اس لئے مسلمانوں کی اس سوچ پر بند باندھنے کیلئے اُن کی زبانیں تلخ تر ہوتی گئیں۔درحقیقت زمینی حقائق بدل چکے تھے اور یہ رہنما زمینی حقائق سے بچھڑ چکے تھے۔مسلم لیگ کے قافلے میں کانگریس کی طرح تجربہ کار اور آزمودہ قائدین نہ ہونے کے برابر تھے۔اگرچہ نوابزادہ لیاقت علی خان، مولوی فضل حق، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، نواب بہادر یار جنگ، مولانا حسرت موہانی جیسے تجربہ کار اور آزمودہ قائدین اُن کے ساتھ تھے، لیکن کانگریس کی تربیت یافتہ قیادت کے سامنے یہ تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔

مسلم لیگ کی تنظیمی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔قائداعظم نے ساری ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی اور بتدریج مسلم لیگ کو ایک عوامی تحریک بنا دیا۔جس میں ہر طرح کے لوگ جمع ہوگئے۔قائداعظمؒ نے طوفانی دورے کئے، نوجوانوں کو متحرک کیا اور قافلے کو منزل مراد تک پہنچا کر دم لیا۔اُنہوں نے ہندو رہنماؤں اور انگریزوں کو خوفزدہ کردیا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو نہ ہندو آرام سے رہ سکیں گے اور نہ عالمی نقشہ پر انگریزوں کو مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو سکے گی۔چرچل، ڈیگال، روز ویلٹ اور سٹالن دنیا کا نیا نقشہ بنا رہے تھے۔قائداعظم کی عالمی سیاست پر نظر تھی۔وہ چابکدستی سے بین الاقوامی حالات کو اپنے مشن کے حق میں استعمال کر رہے تھے۔انہوں نے ٹکراؤ کی دھمکی دی، مختصر وقت کے لیے مسلم لیگی جیلوں میں بھی گئے۔اُن کو اپنی قوت اور اس کے استعمال کا طریقہ آتا تھا۔اپنی کمزوریوں پر نظر تھی، اُسی کے مطابق حکمت عملی تیار کی اور مقاصد کے حصول کو، جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا، ممکن بنا دیا۔قائداعظم کی قیادت کے جوہر آشکار ہو چکے تھے اور پاکستان دنیا کے نقشے پر اُبھر چکا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران قائداعظم اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اتحادی خواہ جنگ جیتیں یا ہاریں اُن کیلئے نوآبادیات پر گرفت رکھنا ممکن نہ رہے گا۔ہندوستان کی آزادی نوشتہ دیوار بن چکی تھی۔آج کی دولت

مشترکہ میں برطانیہ سے آزاد شدہ ملکوں کی تعداد 60 سے زیادہ ہے۔ ان میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جنہیں برطانیہ نے خود ہی آزاد کر دیا۔ حالانکہ ان میں آزادی کی تحریکیں بھی نہ اٹھیں۔ جنگ عظیم دوئم کے بعد برطانیہ اس قابل نہ تھا کہ ان ملکوں پر کنٹرول برقرار رکھ سکے۔ پورا نوآبادیاتی نظام ڈھیر ہو رہا تھا، حتیٰ کہ نصف صدی، بعد آخر کار، روس بھی سنٹرل ایشیا کی نوآبادیات کو چھوڑنے پر مجبور ہوگیا، حالانکہ ابھی وہ روس کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ قائداعظمؒ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ کی آئینی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہندو قیادت برصغیر کی آزادی کے نام پر مسلمان قائدین کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کو آئینی تحفظ دینے کو تیار نہ تھی۔ اُن کی عاقبت نااندیش پالیسیوں کی وجہ سے قائداعظم کے پاس پاکستان کے مطالبے کے علاوہ کوئی متبادل نہ رہ گیا تھا۔

1940ء میں قرارداد لاہور منظور ہونے کے بعد مسلمانوں کی تحریک میں تیزی آ گئی۔ اُن کا قافلہ اپنی منزل کا تعین کر چکا تھا۔ راستے کا تعین بھی ہوگیا اور رہنما بھی مل گیا۔ مسلمانوں کے تنِ مُردہ میں جان پڑ چکی تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبا قائداعظم کا ہراول دستہ تھے۔ حمید نظامی مرحوم، جناب مولانا عبدالستار خان نیازی مرحوم نے دیگر نوجوانوں سے ملکر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ذریعے قائداعظم کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کی زندگی سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ 1966ء سے میں نے ان کی تقریریں سننا شروع کیں۔ اس مردِ مجاہد نے ایک منفرد انداز سے زندگی گزاری۔ انہیں جب پھانسی کی سزا سنائی گئی تو انہوں نے اونچی آواز سے الحمدللہ کہہ کر اس صدا کو اپنی آخرت کا توشہ قرار دیا۔ ان کی ساری زندگی عزیمت کی داستان ہے۔ میں ان کے جنازے میں شرکت کے لیے میانوالی پہنچا تو ہزاروں لوگ ماتم کناں تھے۔ لیکن اس مردِ حق کے جنازے میں ملکی سطح کی کسی شخصیت نے شرکت نہ کی۔ جس کا مجھے ملال ہے۔

دوسری شخصیت حمید نظامی کی ہے جنہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں عملی طور پر حصہ لیا اور پھر پاکستان کی نظری اساس اسلام اور جمہوریت کی جنگ کے لیے اپنے قلم کو تلوار بنا لیا۔ ہمارے گھر نوائے وقت کے علاوہ دیگر اخبارات بھی آتے تھے مگر نوائے وقت کے بغیر دن گزارنا مشکل ہوتا۔ میں جب کیمپ جیل میں سوا سال گزار کر 2002ء میں رہا ہوا تو محترم مجید نظامی کے پاس ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے گھر گیا۔ اور ان کی شفقتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں۔ میں نے کہا میں نے آپ سے کبھی باقاعدہ رابطہ نہیں رکھا (اگرچہ ذہنی طور پر ایک دن بھی ان سے دور نہیں رہا)۔ اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ مہربانی کی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے ضروری تو نہیں آپ اپنی کارکردگی اپنی زبانی بتائیں کیا ہم آنکھیں نہیں رکھتے۔

1938ء سے 1945ء کی جنگِ عظیم اور اس سے ہونے والی صورت حال کا قائداعظمؒ نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ہندو قیادت اور وائسرائے ہند چمسفورڈ سے لیکر ماؤنٹ بیٹن تک انگریز قیادت بھی قائداعظمؒ کے داؤ پیچ پر تلملا اٹھی، لیکن قائداعظم کے سامنے اُن کی ساری چالیں ناکام تھیں۔ وہ مسلمانوں کے اس سخت گیر اور اصول پسند

رہنما کو سخت ناپسند کرتے تھے، مگر اُن پر کوئی الزام نہ لگا سکتے تھے۔ تمام انگریز وائسراؤں نے اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں اور قائد اعظم کو جی بھر کر کوسا ہے۔ کہتے ہیں قائد اعظم سے مذاکرات کرنا مشکل ترین کام تھا۔ گاندھی کے بارے میں ان کا تاثر یہ ہے کہ اُن کے ضدی ہونے کے باوجود انہیں رام کرنا آسان تھا اور نہرو کو تو وہ اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔

قائد اعظمؒ کی دُوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ انگریز کا جانا ٹھہر گیا ہے۔ جنگِ عظیم میں اتحادی قوتوں کی فتح کے باوجود نوآبادیاتی نظام پر کاری ضرب لگ چکی تھی۔ اس لئے اب مسلمانوں کے مطالبات پر توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ قائد اعظمؒ کو علیحدگی پر بہت زیادہ اصرار نہ تھا۔ کیبنٹ مشن پلان تک وہ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے آبرومندانہ مستقبل کا تحفظ مانگ رہے تھے۔ اِس تحفظ کی تازہ ترین مثال عراق میں کُردوں کی ہے۔ اُنہیں بنیادی فیصلوں میں ویٹو (Veto) کا حق مل چکا ہے، اسی طرح جمہوریت کے اندر بھی برابری کی سطح کیلئے سینٹ اور ایوانِ بالا کا تصور موجود ہے۔ سچ تو یہ ہے ہندو قوم بہت آگے تھی مگر اس کے قائد گاندھی اور نہرو پیش بینی کی ایسی صلاحیت سے محروم تھے، جو قائد اعظم کو حاصل تھی۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ اُنہیں قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے قائدین ملے جو آنے والے عشروں کے حالات کو دیکھ سکتے تھے۔ ہندو قیادت برابری کی بات سننے کو تیار نہ تھی، اُن کا تصورِ جمہوریت محض یہ تھا کہ اکثریت کو حکومت کا حق ہو۔ چونکہ ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کر لینی چاہیے۔ جمہوری عمل خود بخود اُن کا محافظ بن جائے گا۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ تصور مسلمانوں کی دائمی غلامی پر مُنتج ہوتا۔

قائد اعظمؒ اپنی جماعت اور اُس کی قیادت کی کمزوریوں سے واقف تھے۔ مگر انہیں انگریزوں اور ہندوؤں کی کمزوریوں کا بھی علم تھا۔ کانگریس کے اندر کی مسلمان قیادت کو اپنی صلاحیت اور اپنی قربانیوں پر گھمنڈ تھا اور چند مسلمان رہنما اپنے علاقے میں مسلمان اکثریت پر حکومت کیلئے مرکز میں کانگریس کی طاقت کو ہمیشہ کیلئے اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ وہ بدلی ہوئی زمینی حقیقتوں کا ادراک نہ کر سکے۔ کانگریس کی ہندو قیادت نے اپنے مفادات پر انہیں قربان کر دیا۔

## قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی رہنمائی

حضرت قائد اعظم اور علامہ اقبال کی اقتدا میں بار یٹ لاء کی ڈگری حاصل کرنے کیلئے میں نے لنکن اِن، لندن میں داخلہ لیا۔ قائد اعظم کا استقلال ہمیشہ میری رہنمائی کرتا ہے اور علامہ اقبال میرے مرشد ہیں، میں نے ایم اے فلسفہ علامہ اقبال سے متاثر ہو کر کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کو بچپن سے میرا استاد اور رہنما بنا دیا گیا تھا۔ میرا مرشد وہ تب بنا جب میں شعور کے مرحلے میں داخل ہوا اور عقل و خرد سے گزر کر مکتب عشق کی راہ دیکھی۔

قائد اعظمؒ کا تصور میرے نزدیک ایک میکانکی انسان کا تھا یا ایک ٹیکنیشن کا...... جس نے اپنی دیانت اور

اصول پسندی کے ہتھیاروں سے اپنی ورکشاپ میں پاکستان تیار کرلیا۔ ایسی شخصیت یقیناً قابل احترام ہوتی ہے اور وہ تو بابائے قوم تھے، ایک ملک کے بانی۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجھے زمانے کے اسرار و رموز سمجھنے کا موقع ملا۔ اب اگر میں ایک طرف دنیا کے نقشے کو رکھ دوں اور دوسری طرف محمد علی جناح کھڑے ہوں تو وہ مجھے پورے گلوب پر حاوی نظر آتے ہیں۔ یہ بات اس کے باوجود کہہ رہا ہوں کہ میں نے قائداعظمؒ کے مخالفین انگریزوں، ہندوؤں اور مسلمان رہنماؤں اور علماء کی تحریروں کو بہت توجہ سے پڑھا ہے۔ قائداعظم کے مخالفین کو پڑھ لیا جائے اور آج اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہو کر گزرنے والی اور آنے والی صدیوں پر نظر رکھی جائے تو دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کا بانی اور جمہوریت کو اُس کی بنیاد قرار دینے والا قائداعظم، صرف بانیِ پاکستان نہیں، عالم اسلام کا محسن نظر آئے گا۔ وہ کیا کھاتا تھا، کیا پیتا تھا، کیسے رہتا تھا، اُس کے عقائد کیا تھے، اُس کے جذبات و احساسات کیا تھے، وہ کیا سوچتا تھا۔ یہ سمجھنا اب مشکل نہیں۔ اُن کی ایک ہی بیٹی تھی جو آج بھی زندہ ہے۔ اُس کا پاکستان اور قائداعظم کی جائیداد پر اتنا حق بھی نہیں، جتنا ایک جوتی گانٹھنے والے کا، یا سر پر اینٹیں ڈھونے والے کا۔ قائداعظم کی بمبئی کی کوٹھی پر بھی اب تک پاکستان کا دعویٰ ہے، نہ کہ اُن کی بیٹی کا۔ وہ کسی ایک کا باپ نہیں بنا، ہم سب کا باپ تھا۔ ہمارے دین میں اسی طرزِ عمل کو پیغمبروں کی سنت کہا جاتا ہے۔

میں گاندھی اور نہرو کی جدوجہد آزادی کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ مگر اُن کے ہاں تضادات کار فرما تھے۔ میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا حسرت موہانی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، آغا شورش کاشمیری، خان عبدالصمد اچکزئی شہید کی جدوجہد آزادی سے متاثر ہوں۔ انہیں مسلمانوں کا سرمایہ افتخار سمجھتا ہوں۔ بلاشبہ یہ مجاہدینِ آزادی تھے۔ اُن کی بے مثال قربانیاں آزادی کی منزل کو قریب لے آئیں۔ ان میں سے سوائے مولانا حسرت موہانی کے کسی کا تعلق بھی مسلم لیگ سے نہیں تھا۔ مسلم لیگ کا دامن ایسی قربانیوں سے خالی تھا۔ میرے گھر میں بھی میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ اور نانا مخدوم ہادی شاہ جو تحریک پاکستان کے پُر جوش حامی تھے۔ مسلم لیگ کو ووٹ دیئے، مسلم لیگ کیلئے جلسے کرنے، مسلم لیگ کیلئے ووٹ اکٹھے کرنے، پاکستان آنے والے لٹے پٹے قافلوں کو آباد کرنے، اُن کے خورد و نوش کے انتظام کرنے کے علاوہ قربانیوں کی کوئی داستان اپنے ورثے میں نہیں چھوڑ کر گئے۔

قیام پاکستان کے بعد باچا خان نے، بطور رکن اسمبلی، پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا اور پاکستان کے وجود کو تسلیم کیا۔ انہوں نے قائداعظمؒ کے استقبال کی تیاری کی۔ جنگ آزادی کے اس ہیرو کو جس نے زندگی کے 36 سال برطانوی سامراج کو بھگانے کے لیے جیلوں میں گزار دیے، اس کے شایان شان مقام نہ دیا گیا بلکہ ایسا توہین آمیز رویہ اختیار کیا گیا جو کوئی بھی خوددار انسان برداشت نہ کرسکتا۔

حالات جو بھی رہے، مسلم لیگ کا عوامی تاثر نہ اُبھر سکا۔ قیام پاکستان کے بعد طالع آزماؤں نے اس

مقدس پلیٹ فارم کو اپنے گھناؤنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چند لوگ تھے جنہوں نے جمہوریت کی شمع جلائے رکھی۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود فوجی آمر کو للکارا۔ اس پر مشرقی پاکستان کے لوگوں میں مسّرت کی لہر دوڑ گئی۔ تحریک پاکستان کا منظر سامنے آ گیا۔ مشرق اور مغرب ایک ہو گئے، دوریاں قربتوں میں بدلنے لگیں۔ عوام کی فتح کو اسٹیبلشمنٹ نے شکست میں بدل دیا۔ پاکستان کے اتحاد کا آخری موقع بھی چھن گیا۔ مادرِ ملت کی وفات سے وفاقِ پاکستان کی علامت مِٹ گئی اور پاکستان 1971ء میں دولخت ہو گیا۔ بچی کھچی مسلم لیگ نحیف ہو چکی تھی۔ 1985ء میں ضیاء الحق نے اپنی سیاسی بقاء کیلئے مسلم لیگ کے نام پر ارکان پارلیمنٹ کو جمع کیا۔ محمد خان جونیجو صدر بنا دیئے گئے۔ مجھے مسلم لیگ ''بنانے کا'' یہ انداز کیونکر پسند آتا؟ اسی دوران جناب اقبال احمد خان جو بعد میں مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بن گئے، مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے توسط سے مجھے ملنے آئے۔ یہ ملاقات مجیب الرحمٰن شامی صاحب کی موجودگی میں اسلام آباد ہوٹل کے کمرے میں ہوئی۔ انہوں نے مجھے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کا پیغام پہنچایا کہ اگر میں مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤں تو مجھے حکومتی پارٹی کا سیکرٹری جنرل بنا دیا جائے گا۔ اقبال احمد خان نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عملی طور پر میں نائب وزیر اعظم بن جاؤں گا۔ میں نے ان کی پیشکش قبول نہ کی۔ ایک جرنیل کی سرپرستی میں بننے والی مسلم لیگ میں شامل ہونا مجھے قبول نہ تھا۔

مجیب الرحمٰن شامی نے میرے فیصلے کو پسند نہ کیا۔ الطاف حسن قریشی، مجیب الرحمٰن شامی اور سجاد میر سے میرا تعارف اس وقت ہوا جب میں جامعہ پنجاب کا سیکرٹری جنرل منتخب ہوا۔ شامی صاحب ہفت روزہ زندگی کے ایڈیٹر تھے جب انہیں آزادی اظہار کے جرم میں سزا سنائی گئی تو ہم نے جلسے اور مظاہرے کر کے شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔ ان کی رہائی کے بعد یہ تعارف دوستی میں تبدیل ہو گیا اور پھر دوستی بھائی چارے میں۔ میرے بڑے بھائی نے ان کے اخلاص سے متاثر ہو کر انہیں لاہور میں میرا سرپرست مقرر کر دیا۔ اب وہ لاہور میں پڑھنے والے میرے بچوں کے قانونی سرپرست ہیں۔ ان کے والدین، بھائیوں اور بہنوں نے مجھے اتنا ہی پیار دیا ہے جتنا ان کو۔ انکے بچے مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنے اپنے۔ انہوں نے زندگی میں بارہا مجھے اپنے مشوروں سے نوازا ہے اور میری سیاسی زندگی میں میری معاونت کی ہے۔ میں عملیت پسند ہونے کے ساتھ آئیڈیلسٹ بھی ہوں۔ اس لیے وہ اکثر میرے سیاسی فیصلوں سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ سوچ میں فرق کے باوجود ہمارے باہمی احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اپنی دنیا کا بڑا نام ہیں اور میں اپنی محدود سی دیوانگی میں مگن۔

1988ء میں اسٹیبلشمنٹ کے لئے جونیجو کا وجود بھی ناقابلِ برداشت ہو گیا اور پھر ضیاء الحق بھی نہ رہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مجھ پر ہمیشہ مہربان رہے، مجھے بار بار کہا کہ اِس ملک کی سیاست اسٹیبلشمنٹ کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کو اقتدار میں رہنا چاہیے، انہوں نے مجھے وزیر اعلیٰ پنجاب بنانے کیلئے بھی کوشش کی۔ مگر میں نے کبھی

ان عہدوں میں دلچسپی ظاہر نہ کی، کیونکہ میرا ذہن "بھٹکا" ہوا تھا۔ اُن کے برادر نسبتی اور اعجاز الحق کے ماموں جناب ڈاکٹر بشارت الٰہی اور سینیٹر طارق چودھری کے ذریعے کی گئی پیشکش، بعد میں، میرے لئے مشکلات کا باعث بنی۔

جب ضیاء الحق اِس دنیا میں نہ رہے، تو مبر 1988ء میں، میں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اِس وقت محمد خان جونیجو کی شخصیت کے شریفانہ تاثر اور میاں نواز شریف کی متحرک شخصیت سے اِس میں جان پڑ چکی تھی، اگرچہ دونوں شخصیات میں دوریاں موجود تھیں۔ 1988ء سے 1992ء تک میں مسلم لیگ میں تھا۔ میرے تعلقات میاں نواز شریف کی نسبت محمد خان جونیجو سے زیادہ تھے۔ محمد خان جونیجو میرے گھر تشریف لائے اور اپنے دورِ اقتدار کے روّیے پر معذرت کی، مجھے بھی اپنی تلخ باتوں کا شدید احساس تھا۔ 1988ء میں میرا مسلم لیگ میں شمولیت کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ 1988ء کے عام انتخابات میں مَیں نے اسلامی جمہوری اتحاد کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا اور اڑھائی سو ووٹوں سے ہار گیا۔ میں نہ صرف پیپلز پارٹی سے مقابلہ کر رہا تھا بلکہ صوبائی اسمبلی کے دونوں مسلم لیگی امیدوار بھی پیپلز پارٹی کی اعلانیہ حمایت کر رہے تھے۔ میرے مدِمقابل کامیاب امیدوار اچانک فوت ہو گئے۔ میرے حلقے میں ضمنی انتخاب کے لیے سیاسی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ مسلم لیگ کی قیادت نے مطالبہ کیا کہ میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کروں تو ٹکٹ ملے گا، میں نے اِس سودے بازی سے انکار کر دیا۔ میرا موقف تھا کہ مجھے اسلامی جمہوری اتحاد میں شامل آزاد گروپ کے کوٹے سے ٹکٹ دیا جائے۔ میں مسلم لیگ میں شامل نہ ہوں گا۔ مرحوم غلام حیدر وائیں کی خاص طور پر شدید خواہش تھی کہ میں مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤں۔ میاں نواز شریف کے گھر میں طویل میٹنگ ہوئی اور آخر کار مجھے اسلامی جمہوری اتحاد کا ٹکٹ دے دیا گیا۔ جونہی وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلے، میں نے چودھری شجاعت حسین سے کہا کہ غلام حیدر وائیں صاحب کو بلائیں میں مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میاں نواز شریف نے کہا: اگر آپ کو یہی فیصلہ کرنا تھا تو ہمیں کئی ہفتوں تک اُلجھائے کیوں رکھا؟ میں نے کہا میں ساری عمر خود کو کوستا رہتا کہ میں نے ٹکٹ لینے کیلئے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اب یہ میرے ضمیر کا فیصلہ ہے۔ مرحوم غلام حیدر وائیں نے مجھ سے دستخط کروائے اور میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔ پہنچی وہیں پہ خاک......

1990ء میں میاں نواز شریف وزیر اعظم ہو گئے۔ میں اُن کا وزیر ہوتے ہوئے بھی اپنی دنیا میں مگن تھا۔ میں نواز شریف کی اس بات کا مداح تھا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو ڈرائنگ روم سے نکال کر عام آدمی کی پارٹی بنا دیا۔ اسٹیبلشمنٹ خوفزدہ ہو گئی اور صدر اسحاق کی سرپرستی میں وزیر اعظم کا گھیراؤ کر دیا گیا۔ نواز شریف نے جب ڈکٹیشن نہ لینے کا فیصلہ کیا تو میں نے اپنا وزن میاں نواز شریف کے پلڑے میں ڈال دیا۔

میاں نواز شریف کے طرزِ سیاست سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، مگر انہوں نے پارلیمنٹ کی بالادستی کی جو جنگ لڑی ہے، اُس کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ 1990ء کے انتخابات میں اسلم بیگ اور غلام اسحٰق خان، جناب غلام مصطفےٰ جتوئی کو وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے۔ نواز شریف نے اپنا راستہ خود بنایا، جو دونوں کو

ناپسند تھا۔ نواز شریف سے ناپسندیدگی کا اظہار اعلانیہ طور پر ہونے لگا۔ اسلم بیگ نے خلیجی جنگ پر حکومت سے الگ موقف اختیار کر کے بیانات دینا شروع کر دیے۔ غلام اسحٰق خان پارلیمانی نظام میں صدارتی نظام داخل کرنا چاہتے تھے۔ وہ نواز شریف پر دباؤ بڑھا کر اپنی ملازمت کی توسیع کے لیے کوشاں تھے۔ نواز شریف نے آصف نواز کو نیا چیف آف آرمی سٹاف بنوایا۔ جنرل آصف نواز کو اتاترک بننے کا شوق لاحق ہو گیا۔ انہوں نے نواز شریف حکومت کو کمزور کرنے کیلئے اُس کی حلیف ایم کیو ایم پر دباؤ بڑھایا اور وہ حکومت سے الگ ہو گئے۔ نواز شریف حکومت میں دراڑ پڑ چکی تھی کہ آصف نواز کا انتقال ہو گیا۔ سپہ سالار وحید کاکڑ صاحب بھی صدر اور وزیر اعظم کے اختلافات میں غلام اسحٰق کا ساتھ دے کر نواز شریف کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے اور آخر کار غلام اسحٰق اور میاں نواز شریف دونوں کو جانا پڑا۔

1996ء میں نواز شریف دوبارہ برسر اقتدار آئے تو چیف آف آرمی سٹاف جہانگیر کرامت نے اقتدار میں فوج کا حصہ مانگنے کیلئے نیشنل سیکورٹی کونسل کی تشکیل کا مطالبہ کر دیا۔ نواز شریف نے اُن سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ اُن کے بعد پرویز مشرف چیف آف آرمی سٹاف بنائے گئے۔ اُنہوں نے سیاسی حکومت کے اقدامات کے خلاف اعلانیہ بغاوت کرتے ہوئے ہندوستان سے امن مذاکرات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ہندوستان کے وزیر اعظم کو پروٹوکول دینے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنے ملک کے وزیر اعظم کو ملنے جاتے ہیں تو ٹوپی اتار لیتے، اِس طرح انہیں سلیوٹ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، مگر ضرورت پڑنے پر نیپال میں ہندوستان کے وزیر اعظم کو سلیوٹ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ضیاء الدین بٹ بھی 1999ء میں فوج کے سربراہ بن جاتے تو نواز شریف سے یہی کچھ کرتے جو پرویز مشرف نے کیا۔ جنرل آصف نواز کراچی کے کور کمانڈر تھے۔ میری اُن سے ایک شادی میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر پر چائے کی دعوت دی۔ دوسرے دن میں اُن کے ہاں گیا تو مجھے کہنے لگے: آپ وزارت عظمیٰ کیلئے میاں نواز شریف کا ساتھ دیں، میں نے کہا کہ مسلم لیگ میں ہوں، اگرچہ ہمارے درمیاں کچھ دوریاں ہیں لیکن اُن کی ذات کے بارے میں اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا: میاں صاحب کو میرے خیالات کے بارے میں بتا دیجئے گا۔ میں میاں صاحب کو کیوں بتاتا؟ آصف نواز چیف آف آرمی سٹاف بن گئے تو اُن سے اکثر سرراہ ملاقات ہوتی۔ انہوں نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور چہرے پر غصے کا خول چڑھا لیا۔ ایک تقریب میں ایوانِ صدر میں ایک ہی میز پر کھانا کھا رہے تھے، مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے تمہارا آدمی ٹھیک نہیں جا رہا اور یہ ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔ میں ششدر رہ گیا۔ میں نے بات کو مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا: میری جان بخشی تو ہو جائے گی، اُنہوں نے غصے سے کہا: میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ اب مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے کہا: کیا آپ کو کراچی کی ملاقات بھول گئی ہے، اُس وقت نواز شریف آپ کا آدمی تھا آج صرف میرا ہو گیا۔ کہا میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کب آ سکتے ہیں۔ پھر وہ میرے ہمسائے کمانڈر خلیل الرحمٰن کے گھر آتے رہے لیکن میں نے اُن سے ملاقات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُن کے

کمانڈر انچیف بنتے ہی اُن کی بہنوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا بھائی بادشاہ بن گیا۔

جہانگیر کرامت کو میں ملتان سے جانتا تھا۔اُن کا شمار پڑھے لکھے جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ جنرل فرینکس، جنرل گریسی اور جنرل گُل حسن کے سوا مجھے پاکستان آرمی کے تمام سربراہوں سے مجھے ملنے کا، گفتگو کرنے کا اور ان میں سے کچھ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔اُن کی تربیت میں شامل ہے کہ وہ فوج کو برتر اور عام شہری کو کمتر سمجھیں۔اِس کے بارے میں جنرل گریسی، جنرل فرینکس اور جنرل گُل حسن کے کیا خیالات تھے۔یہ میں نہیں جانتا،قوم جانتی ہے۔

تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا وزیراعظم ہو جسے اپنے ملک کے پانچ فوجی سربراہوں سے پارلیمانی بالادستی کی جنگ لڑنا پڑی ہو۔غلام اسحٰق خان اور فاروق لغاری بھی اُن جنرلوں کے کندھوں پر سوار ہو کر اسمبلیاں توڑ رہے تھے۔ اب تو جنرل زینی اور جنرل ٹامی فرینکس نے اپنی کتابوں میں تحریری طور پر شہادت دے دی ہے کہ نواز شریف ایٹمی دھماکوں کے وقت ہماری بات نہیں سننا چاہتا تھا، جہانگیر کرامت ان کے حامی تھے۔اِس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ وزیراعظم کو بعض اوقات ملک کے دفاع میں مثبت کردار ادا کرتے ہوئے بھی جرنیلوں کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ایسے میں فوجی قیادت کی طرف سے بھرپور حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔نواز شریف کی یہ جدوجہد تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

1992ء سے 2004ء تک بارہ سالہ دور ایک نئی مسلم لیگ کا دور ہے۔میاں نواز شریف نے 1993 سے 1996ء تک عوامی جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ میں ہر قدم پر ان کے ساتھ تھا۔انہوں نے دوبارہ اقتدار میں آ کر فوج کی بالادستی قبول نہ کرنے کا اعلان کیا اور پارلیمنٹ کی بالادستی کا نعرہ بلند کیا۔ہم ان کے ساتھ کھڑے تھے، پھر نواز شریف نے امریکہ کی مرضی کے خلاف ایٹمی دھماکے کر کے اپنی قیادت کا سکہ منوالیا۔نواز شریف نے اسٹیبلشمنٹ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور ہندوستان سے امن کے عمل (Peace Process) کا آغاز کیا۔ جنرل ایوب، جنرل ضیاءالحق اور جنرل پرویز مشرف سر کے بل چل کر انڈیا سے امن کی بھیک مانگنے گئے۔ یحیٰی خان نے آخری وقت میں بھارت سے تعلقات بہتر بنانے کی کوششیں شروع کر دیں، لیکن وہ زیادہ تر رچرڈ نکسن کی ڈپلومیسی پر انحصار کرتے رہے۔

نواز شریف نے باوقار طریقہ اختیار کیا اور ہندوستان کے وزیراعظم کو بس پر بیٹھ کر لاہور آنا پڑا اور مینار پاکستان کو سلامی دینا پڑی۔ دراصل جنرل ہندوستان کے ساتھ جنگ نہ کرنے کی پیشکش اس لئے کرتے ہیں کہ ہندوستان سے خطرہ ٹل جانے کے بعد وہ پاکستان پر لمبی مدت کیلئے راج کر سکیں۔ اگر کوئی سویلین وزیراعظم یہ ''حرکت'' کر بیٹھے تو اُس کو غدار اور ہندوستان کا ایجنٹ قرار دیا جاتا ہے۔نواز شریف چونکہ پنجاب سے تھا، اُس پر ہندوستان سے مل جانے اور غداری کا الزام لگانا مشکل تھا، اس لئے کارگل آپریشن کے ذریعے بحالیٔ امن کے عمل کو

سبوتاژ کیا گیا۔ جس کی بعد میں بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی۔ غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ہم ہندوستان کا مقابلہ نہ کر سکے، اپنی شکست جرنیلوں نے نواز شریف کے نام کردی۔

## مسلم لیگ کا نیا جنم

12 اکتوبر کے بعد اسمبلیوں کو توڑنے کی بجائے معطل رکھا گیا اور ارکان اسمبلی سے کہا گیا کہ وہ نواز شریف صاحب کا ساتھ چھوڑ کر نیا قائد ایوان منتخب کرلیں تو اسمبلیاں نہ صرف بحال ہونگی بلکہ اپنی مدت پوری کریں گی۔ سیاستدان کو اس سے بڑھ کر کوئی لالچ نہیں دیا جاسکتا کہ اُس کی رکنیت بحال رہے اور اُسے نئے انتخابات کا سامنا نہ کرنا پڑے، ظاہر ہے کہ نئے انتخابات میں کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔ اخراجات اس کے علاوہ، پھر رات دن کے دھکے، گویا یہ زندگی اور موت کی جنگ ہوتی ہے۔ غلام حیدر وائیں جیسا بے ضرر انسان بھی انتخابی مہم میں قتل ہوسکتا ہے۔ اس لئے جرنلوں کو یقین تھا کہ اراکین اسمبلی نیا لیڈر منتخب کرلیں گے اور پھر مسلم لیگیوں سے خاص طور پر یہی توقع تھی۔ لیکن اس نئی مسلم لیگ نے اسمبلیوں کی رکنیت اور وزارتوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ چند افراد جن میں سے ہر ایک وزیر اعظم بننا چاہتا تھا، نے بے چینی کا اظہار کیا، مگر وہ بھی نواز شریف کو چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اب اسٹیبلشمنٹ نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔ نواز شریف کو جلاوطن کر کے مسلم لیگ میں توڑ پھوڑ کا عمل شروع کر دیا۔ اس میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اِس وقت تک مسلم لیگ (ن) کا صدر، جنرل سیکرٹری، تمام صوبوں کے صدور اور جنرل سیکرٹری وہی ہیں جو 12 اکتوبر سے پہلے تھے۔ چند ایک عہدیدار ساتھ چھوڑ گئے۔ ابھی تک سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے زیادہ تر ممبران بھی وہی ہیں۔ اراکین اسمبلی اپنی جگہ پر قائم رہے تو اسمبلیوں کو توڑ دیا گیا۔ اسمبلیاں ٹوٹ گئیں، ارکان کی اکثریت کو نہ توڑا جاسکا۔

اب نئی بساط بچھائی گئی لیکن نئے انتخابات کیلئے ٹکٹوں کا لالچ، نیب کا خوف، مسلم لیگیوں کو نہ توڑ سکا۔ جب نئے انتخابات کرائے گئے تو (ق) لیگ کے 380 میں سے 37 افراد بہ مشکل جیت سکے۔ باقی وفاداریاں بدلنے والوں کو عوام نے سخت سزا دی۔ انتخابات کے نتائج روک دیئے گئے۔ وقفہ کے بعد اپنی برتری کے نتائج کا اعلان کرنا شروع کیا گیا، پھر بھی ق لیگ کے 70 سے زیادہ افراد نہ جیت سکے۔ اس مرتبہ دھاندلی کا نیا طریقہ ایجاد کیا گیا، ہمارے جیتنے والے امیدواروں کو آخری مرحلے میں یرغمال بنایا گیا۔ ہمارے پاس ووٹ تھے، امیدوار کوئی نہ رہنے دیا گیا۔ نیب کا خوف بڑے بڑوں کا پتہ پانی کرنے کو کافی تھا۔ ایسی قید جس میں ضمانت کا کوئی قانون نہ ہو، ایسا ہی تھا جیسے پرانے وقتوں کے بادشاہ اپنے مخالفین کو اندھے کنویں میں پھینک کر بھول جاتے تھے۔ پھر بددیانتی کا تمغہ۔ کون بھلا آدمی عمر بھر کی صفائی دیتا پھرے۔

ہم نے حکمتِ عملی اختیار کی کہ جہاں ہمارا اُمیدوار نہیں، ق لیگ کو منتخب کرنے سے بہتر ہے کہ پیپلز پارٹی یا مجلس عمل کے امیدوار کو ووٹ دے کر وفاداریاں بدلنے والے لوٹوں کو سزا دی جائے۔ اس مرتبہ یہی کافی ہے کہ

لوٹے اسمبلیوں میں نہ آسکیں۔ دوسرا مقصد اس حکمتِ عملی کا یہ تھا کہ وفاداریاں تبدیل کرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ عوام اُن پر سیاست کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند کردیں گے۔ ہم نے اِن انتخابات میں دونوں مقاصد حاصل کرلئے۔ مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر یہ پیغام جاچکا ہے کہ موجودہ اسمبلیاں عوام کی ترجمان نہیں اور مسلم لیگ کا ووٹ بنک اُسی طرح قائم ہے۔ تقریباً 70 فیصد لوٹوں کو عوام نے سزا دی۔ 30 فیصد لوٹوں کو دھاندلی کے ذریعے بچالیا گیا۔ مگر انتخابی عمل اُن کا پیچھا کررہا ہے۔ راولپنڈی کا ضمنی الیکشن اس کا بیّن ثبوت ہے۔ جس میں ق لیگ کے ایک وزیر کی خالی نشست پر ان کا بھتیجا 15 ہزار ووٹوں سے ہار گیا۔ مجموعی طور پر مسلم لیگ کے یرغمالی اور آزاد ووٹوں کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ جب بھی آزاد انتخابات ہونگے یہ ووٹرز اپنا فیصلہ دیں گے اور مسلم لیگ ایک بار پھر بھرپور اکثریت حاصل کرے گی۔

جن ایجنسیوں نے پاکستان کی اس نظریاتی دفاعی لائن کو توڑا ہے، انہیں احساس ہوگیا ہوگا کہ مصنوعی طور پر قیادت پیدا کرنے کا عمل ناکام ہوچکا۔ عوام باشعور ہیں اور وہ اپنی توہین کا بدلہ انتخابات میں اپنے ووٹ کے ذریعے لے لیتے ہیں اور اب یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ انتخابات کے بغیر کوئی نظام نہیں چل سکتا اور یہ حقیقت بھی واضح ہوچکی کہ گملوں میں پیدا کی ہوئی قیادت ملک کو بحران کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ عوام کے سیلاب کے سامنے ریت کے بند نہیں باندھے جاسکتے۔

مسلم لیگ نے ایک صدی سے جدوجہد کے جن پہلوؤں سے کوتاہی کی تھی وہ قرض ہم ادا کررہے ہیں۔ اب ایک ایسی مسلم لیگ وجود میں آچکی ہے جو ملکی اور بین الاقوامی دباؤ کی مزاحمت کرسکتی ہے۔ قید اور صعوبتیں ہمارا زادِ راہ بن گئی ہیں۔ ہمارے سینوں میں ملک کی تقدیر بدلنے کا عزم ہے۔ خواص کی بجائے عوام مسلم لیگ کی ترجیح بن چکے ہیں۔ مثبت سوچ رکھنے والی متوسط طبقے کی پڑھی لکھی قیادت نظریاتی سیاست کیلئے تیار ہے۔ اقتدار اب مقصدِ حیات نہیں بلکہ اقتدار کا حصول پاکستان کے مستقبل کو بہتر بنانے کیلئے درکار ہے۔

میرا خمیر مسلم لیگ سے اٹھا تھا مگر میں اس جماعت سے گریزاں رہا۔ میرے خاندان کے لوگ میرے مسلم لیگ میں شامل نہ ہونے کے فیصلے سے مطمئن نہ تھے۔ لیکن میں ہر آمر کو خوش آمدید کہنے والی جماعت کے قریب بھی نہ جانا چاہتا تھا۔ وقت نے ناممکن کو ممکن بنادیا۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت آمریت کو جس جرأت اور بے باکی سے مسلم لیگ نے للکارا ہے کوئی اور جماعت ایسا نہیں کرسکی۔ ہماری جماعت پر عملی طور پر پابندی ہے، ہمیں غیر اعلانیہ طور پر خلاف قانون قرار دیا جاچکا ہے۔ قیادت جلاوطن ہے، قائم مقام صدر جیل میں ہے، ہر رکن اسمبلی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے، اکثر کارکن جیل یاترا کرچکے۔ ہمارے گھروں، بھائیوں اور بہنوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں میں رات دن کی تمیز کے بغیر پولیس گھس جاتی ہے۔ جیلوں میں بھی ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، لیکن مسلم لیگ اِس امتحان میں سرخرو رہی۔ مستقبل مسلم لیگ کا ہے اور مسلم لیگ ہی پاکستان کے تابناک مستقبل کی

ضامن ہے۔ مجھے اِسی مسلم لیگ کی تلاش تھی، جس کا دامن قربانیوں سے بھرا ہوا ہو، جو اصول کی سیاست پر پابند ہو، جو فیوڈلز کے بجائے متوسط طبقے کی جماعت ہو۔ ساتویں جماعت میں مسلم لیگ کا ممبر بننے پر شرمندگی تھی اس پودے کی آبیاری اب خون جگر سے ہوئی ہے۔

مسلم لیگ نے مصلحت پسندی اور قدامت پسندی کا چولہ اُتار دیا ہے۔ اِس جماعت پر اب کسی خاندان یا جاگیردار طبقہ کی چھاپ نہیں ہے۔ نظریاتی سرحدوں کا تحفظ اور جمہوریت ہماری منزل ٹھہری ہے۔ معیشت کو ہمارے منشور میں اولیت دے دی گئی ہے۔ نوجوانوں اور متوسط طبقے کی قیادت کیلئے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ آئین کی حکمرانی میں یقین رکھنے والے دانشوروں کیلئے مسلم لیگ اب تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ تحریک پاکستان کی کامیابی کو دیکھ کر جاگیرداروں نے مسلم لیگ پر قبضہ کر کے اسے گھر کی باندی بنا لیا تھا۔ پھر اسٹیبلشمنٹ نے اِس کی نیک نامی کو اپنے مذموم عزائم کیلئے استعمال کرنے کا جو ڈرامہ کھیلا تھا اب اس کا ڈراپ سین ہو چکا۔ دوبارہ مسلم لیگ میں نظریاتی سیاست کی بنیاد پڑ چکی ہے۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

پانچواں باب

# میاں نواز شریف سے میرے تعلقات

# نواز شریف سے میری پہلی ملاقات

1976ء میں میاں نواز شریف سے میری ملاقات ہمارے مشترکہ مہربان اور جناب مجید نظامی کے قریبی دوست موج دین خان صاحب کے گھر پر ہوئی۔ ملاقات کے وقت برادرِ محترم مجیب الرحمٰن شامی بھی موجود تھے۔ جنہوں نے زندگی کے ہر اہم موڑ پر میری معاونت کی ہے۔ میاں نواز شریف نے میرے ساتھ مل کر سیاست میں حصہ لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں تو حزب اختلاف کی سیاست کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس سیاست کیلئے تیار ہوں۔ مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ ایک صنعت کار نوجوان حکومت وقت سے ٹکر لینا چاہتا ہے۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو کا طوطی بول رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اجارہ داریوں کی سیاست میں ایک تازہ ہَوا کے جھونکے کا اضافہ ہوگا اور وسائل کی سیاست میں فیوڈل اِزم کا زور وسائل سے ٹوٹے گا۔ ان دنوں ائیر مارشل اصغر خان آمریت کو للکار رہے تھے، میں بھی اُن کے ساتھ شمولیت کا سوچ رہا تھا۔

1977ء کے انتخابات میں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف نے میری انتخابی مہم میں شرکت کی۔ ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 1978ء میں مَیں وفاقی وزیر بن گیا۔ ہمارے روابط میں مزید اضافہ ہوگیا۔ انہی دنوں میں مجھے میاں صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میاں صاحب میں برداشت کا مادہ بہت ہے اور مشکل ترین حالات میں بھی وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وہ تیز مشاہدے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک خوبی جو بہت کم سیاستدانوں میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بہت اچھے سامع ہیں۔ ایک مرتبہ گجرات سے چودھری ظہور الٰہی کی صاحبزادی کی شادی میں شرکت کے بعد لاہور جا رہے تھے۔ گاڑی میاں نواز شریف چلا رہے تھے، میں اُن کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر مجیب الرحمٰن شامی اور مصطفیٰ صادق تھے۔ ہم تینوں آپس میں محوِ گفتگو تھے، دنیا جہاں کے موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ میاں نواز شریف بڑی توجہ سے سنتے رہے۔ لاہور پہنچنے تک انہوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے اُس گفتگو کی جزئیات تک بتا دیں۔

کچھ دوسرے دوستوں کی طرح میری خواہش تھی کہ میاں صاحب صوبے میں وزیر بن جائیں۔ یہ کوشش کامیاب رہی۔ میاں نواز شریف، شہباز شریف اور مجیب الرحمٰن شامی مجھے لاہور ائرپورٹ پر لینے کے لئے آئے، میں نے انہیں مبارک باد دی۔ لیکن اسی اثنا میں مَیں اقتدار سے الگ ہوگیا۔

1985ء میں میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ ہوگئے، ظاہر ہے کہ مجھے مسرت ہوئی۔ میرے کچھ ساتھیوں نے 1985ء کی اسمبلی میں حزب اختلاف قائم کرنے کا اعلان کیا۔ میاں نواز شریف اور ہمارے سیاسی راستے الگ الگ ہوگئے، مگر ذاتی احترام کا رشتہ قائم رہا۔ میرے ساتھی ان کے وزیر اعلیٰ بننے پر ناک بھوں چڑھاتے۔ میں نے

ان سے کہا جو نواز شریف کو کم تر سمجھتے یعنی Under Estimate کرتے ہیں، ان کی سیاسی بصیرت کا ماتم کرنا چاہیے۔

## اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام

میں ابھی مسلم لیگ میں شامل نہ ہوا تھا۔ چودھری شجاعت حسین کے گھر سیاسی جماعتوں کی میٹنگ ہوئی، جس میں اسلامی جمہوری اتحاد (I.J.I) بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مصطفیٰ جتوئی اس کے صدر نامزد ہوئے، پروفیسر غفور احمد سیکرٹری جنرل۔ ایڈیشنل سیکرٹری جنرل کیلئے میرا نام تجویز کیا گیا۔ میاں نواز شریف نے کہا اگر آصف وردگ کو ایڈیشنل سیکرٹری بنا دیا جائے تو وہ زیادہ وقت دے سکیں گے۔ کیونکہ وہ قومی اسمبلی کا الیکشن نہیں لڑ رہے، میں نے فوراً اپنا نام واپس لے لیا۔

پھر مجھے پنجاب آئی جے آئی کا صدر بنانے کی پیشکش کی گئی۔ میاں نواز شریف نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر وہ صدر بنا دیئے جائیں تو انہیں سیاسی معاملات طے کرنے میں آسانی ہوگی۔ (چونکہ وہ وزیر اعلیٰ بھی ہیں) میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور وہ اس منصب پر فائز ہو گئے اصرار کے ساتھ مجھے سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں، 1988ء میں جب مسلم لیگ حزب اختلاف میں تھی ملک پر محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت تھی میں نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا، اور میاں نواز شریف کے ساتھ پھر سے رابطے بحال ہوئے۔ جن جاگیرداروں نے میاں نواز شریف کے وزیر اعلیٰ بننے کو اپنی توہین سمجھا تھا۔ اب اپنی چرب زبانی سے ان کے اقتدار کو اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کرنے لگے۔ ہم جیسے تُرش رو، سخت گو مگر صاف دل رکھنے والے اس اقتدار کی زد میں آ گئے۔ 1991ء میں نواز شریف نے مجھے وزیر بننے کی دعوت دی تو میں نے انکار کر دیا۔ شہباز شریف میرے گھر چودھری نثار علی خان کے ہمراہ آئے، وہ مجھے مجبور کر کے میاں صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے میاں صاحب سے عرض کی، میں وزیر بنوں گا تو کابینہ میں بیٹھ کر تنقید کرونگا۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایسے افراد کابینہ میں ہوں اور میں آپ کی تنقید کو خوش آمدید کہوں گا۔ دوسری مرتبہ 1997ء میں میاں نواز شریف نے ملتان ائیر پورٹ پر کہا کہ آپ حلف اٹھانے کیلئے تیار رہیں۔ میں نے عرض کی، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں وزیر نہیں بنوں گا۔ میاں صاحب نے کہا اس فیصلے کا حق آپ نے مجھے دیا ہوا ہے۔ میں نے کہا، میں نے وہ حق واپس لے لیا ہے۔ میں نے ملتان سے ایک اور ایم این اے کا نام وزارت کے لیے تجویز کر دیا۔ اسی اثنا میں میاں شہباز شریف ملتان میرے گھر تشریف لائے۔ میرے پاس انکار کی مزید گنجائش نہ تھی۔

آئین کی 13 ویں ترمیم توہین رسالت اور شریعت بل پر میرا اپنا موقف تھا اور میں نے وزیر اعظم کے سامنے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ میاں صاحب نے ایک مرتبہ کابینہ کا اجلاس بلانے میں تین مہینے کی تاخیر کر دی۔ سب وزیر ایک دوسرے سے ملتے تو احتجاج کرتے، سامنے کوئی بات نہ کرتا۔ جب کابینہ کی میٹنگ ہوئی تو

میں نے وزیراعظم سے کہا کہ اگر آپ کو ہم پر اعتماد نہیں تو آپ نئی کابینہ بنالیں۔ لیکن قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ کابینہ کا اجلاس بروقت بلایا جائے۔ میں میاں نواز شریف کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ خندہ پیشانی سے میری تنقید کو برداشت کرتے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے وزارتی فیصلوں میں انہوں نے کبھی مداخلت نہ کی اور ہمیں آزادانہ فیصلے کرنے کا اختیار تھا۔ ہمارے غلط فیصلوں کی ذمہ داری بھی وزیراعظم اپنے سر لے لیتے۔ انہی میں سے ایک فیصلہ زرمبادلہ کے ذخائر سے متعلق تھا۔

سردار یعقوب خان ناصر کو وزارت سے فارغ کرنے کا طریق کار ٹھیک نہیں تھا۔ میں استعفیٰ لکھ کر میاں صاحب کے پاس گیا اور انہیں پیش کر دیا۔ انہوں نے استعفیٰ پھاڑ کر میری جیکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا آپ کا اور میرا زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ سردار صاحب سے زیادتی کا ازالہ بہت جلد ہو جائے گا، اور یہ بات آپ سردار صاحب کو بتا دیں۔ میں نے سردار یعقوب خان کی رہائش گاہ پر انہیں میاں صاحب کا پیغام پہنچایا۔ میں سردار صاحب کے الفاظ کبھی بھول نہیں سکتا۔ انہوں نے کہا میاں صاحب میرے کپتان ہیں، وہ جس پوزیشن پر کھیلنے کو کہیں گے، میں اُن کا فیصلہ قبول کرونگا۔ سردار صاحب پنجاب کے علاوہ پورے پاکستان سے واحد ممبر قومی اسمبلی ہیں جو مسلم لیگ ن کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔

## جرأت اور انکساری

1993ء میں میاں نواز شریف نے انتظامیہ (Establishment) سے بغاوت کی تو وہ ایک بالغ نظر سیاستدان کے طور پر قومی منظر پر اُبھرے۔ میں اُن کے ہراول دستے میں شامل تھا۔

ہم ان کے ساتھ محو سفر تھے اور مشکلات کا لق و دق صحرا عبور کر رہے تھے۔ کراچی ایئرپورٹ پر اترے تو ایک بہت بڑا جلوس استقبال کے لیے موجود تھا۔ ہم قائداعظم کے مزار پر حاضری دینے کے لیے روانہ ہو گئے۔ فوجی حکام نے ہمیں راستہ تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ میاں نواز شریف آگے بڑھتے رہے۔ فوجی جوانوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں اور بندوقوں کا رخ ہماری طرف پھیر دیا۔ شیخ رشید نے شدید اصرار کے ساتھ میاں صاحب سے کہا: ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔ اعجاز الحق نے کہا: میں فوجی پس منظر رکھتا ہوں، جب فوجی اس طرح پوزیشنیں سنبھال لیں تو انہیں قتل Shoot to Kill کا آرڈر مل چکا ہوتا ہے۔ ہمیں ان کی ہدایت کے مطابق راستہ تبدیل کر لینا چاہیے۔ جب انہوں نے بار بار اپنے موقف پر اصرار کیا تو میں نے اور میجر راجہ نادر پرویز نے، دونوں کو کہا کہ وہ ٹرک کی بنی ہوئی سٹیج سے نیچے اتر جائیں۔ میاں نواز شریف ایک لمحے کے لیے نہیں گھبرائے، وہ ہر طرح کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے میگا فون مجھے تھما دیا اور کہا: جلوس کو پرجوش طریقے سے آگے بڑھائیں۔ مجھے گولی یا لاٹھی کی پرواہ نہیں۔ شیخ رشید نے کہا میاں صاحب آپ نے پشاور میں جا کر جلسہ کرنا ہے، وہ کیسے ہوگا؟ میں نے کہا: اگر آج یہاں سے واپس چلے گئے تو کوئی ماڈل ٹاؤن سے باہر نہ نکلنے دے گا۔ جب جلوس

آگے بڑھا تو فوجی حکام نے سید غوث علی شاہ کو بلا کر کہا کہ آپ کا جلوس اگر تیز تیز چلے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ یہ آہستہ ہی چلے گا اور ہم ہنستے ہوئے اسی رفتار سے چلتے رہے۔ میاں صاحب بعد میں اکثر مجھ سے پوچھتے تھے، شیخ رشید کو کیا ہو گیا تھا؟

ع ہم چپ رہے ہم ہنس دیے مقصود تھا پردہ تیرا

اسی مہم کے دوران جب ہم جنوبی پنجاب میں تھے، میاں نواز شریف نے مجھ سے کہا: جاوید صاحب میری وجہ سے آپ کو سیاسی طور پر بہت نقصان پہنچا، اگر آپ سیاسی طور پر تربیت یافتہ نہ ہوتے تو شاید آج سیاست میں موجود نہ ہوتے۔ میں نے کہا کہ جس دن آپ نے اعلان کیا تھا کہ آپ ڈکٹیشن (Dictation) نہیں لیں گے۔ اسی دن میں نے آپ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپ نے اپنے خاندان کی سیٹ پر مجھے منتخب کرا کے سب چیزوں کی تلافی کر دی ہے۔ وہ بضد رہے کہ میں ان کی معذرت قبول کروں۔ صدیق خان کانجو اور دوسرے مقامی سیاسی رہنما گاڑی میں موجود تھے۔ میاں صاحب نے ان سے کہا کہ وہ بھی مجھے معذرت قبول کرنے کو کہیں۔ میں نے لاکھ انکار کیا، مگر آخرِ کار مجھے کہنا پڑا کہ مجھے آپ کی معذرت قبول ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ اب مجھے اطمینان ہوا۔

## ایٹمی دھماکے کا فیصلہ

ایٹمی دھماکہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کیلئے کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ میں سوئٹزر لینڈ میں تھا۔ جنیوا سے بھاگم بھاگ اسلام آباد پہنچا، اس کیلئے مجھے جنیوا سے زیورچ، زیورچ سے لندن اور لندن سے لاہور کا طویل سفر کرنا پڑا۔ لاہور پہنچا تو اسلام آباد کیلئے کوئی فلائیٹ نہ تھی۔ کار سے سفر کر کے سیدھا کیبنٹ روم (Cabnet room) پہنچ گیا۔ میری شیو بڑھی ہوئی تھی اور ظاہری حالت طویل سفر کی کہانی کہہ رہی تھی۔ طویل بحث میں ''داناؤں'' کا پلہ بھاری ہو گیا۔ انہوں نے کہا اگر آپ نے ایٹمی دھماکہ کیا تو چند روز خوشی کے شادیانے بجیں گے، قوم بھنگڑے ڈالے گی۔ جب معاشی پابندیوں کا اطلاق ہو گا، تو عوام بلبلا اٹھیں گے، ایٹمی دھماکہ کی حمایت کرنے والے دانشور ساتھ چھوڑ جائیں گے اور آپ تنہا کھڑے ہوں گے۔ بے شک ان کے دلائل بہت وزنی تھے۔ میں نے ایٹمی دھماکے کے حق میں طویل گفتگو کی۔ ہر چند سفر نے نڈھال کر رکھا تھا جب میں نے بات مکمل کر لی تو میاں نواز شریف نے چٹ پر لکھ بھیجا، "Javed Hashmi I am proud of you" ''جاوید ہاشمی مجھے آپ پر فخر ہے''۔ بالآخر کابینہ نے ایٹمی دھماکے کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

آج کی تصویر یہ ہے کہ ملک کی مذہبی قوتیں اور فوج جو ایٹمی پروگرام کے حق میں ہیں، وہ بھی یوم تکبیر منانے سے احتراز کرتی ہیں۔ وہ دن جب دھماکہ کیا گیا۔

ایٹمی پروگرام ذوالفقار علی بھٹو نے شروع کیا تھا۔ مجھے ان کے پیروکاروں سے توقع تھی کہ وہ اس

پروگرام کو اپنائیں گے، خواہ بین الاقوامی قوتوں کا کوئی اور موقف کیوں نہ ہو۔ یہ پروگرام یتیم ہے کہ بھٹو اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اس کارنامے کو صرف مسلم لیگ (ن) ہی نے اپنا رکھا ہے۔

جنرل زینی Zinni نے اپنی کتاب Battle Ready میں لکھا ہے کہ کس طرح کارگل کے موقع پر اور ایٹمی دھماکے کے مرحلے میں نواز شریف ثابت قدم رہے اور دونوں موقعوں پر جنرل مشرف اور جنرل جہانگیر کرامت کا کردار کیا تھا۔ یہ حقائق قوم کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہیں۔ سیاستدان قوم کی بقاء کی جنگ لڑ رہا تھا اور جرنیل اپنی ملازمت کی۔

میں جیل کی کال کوٹھڑی سے پوری آواز کے ساتھ نواز شریف سے کہنا چاہتا ہوں: نواز شریف پاکستان کو آپ پر فخر ہے۔ "Nawaz Sharif Pakistan is Proud of You"

# صنعت کار جاوید ہاشمی یا گڈریا

میں 1978ء میں وفاقی وزیر تھا۔ رانا نذرالرحمٰن کے دوست اقبال اظہر مجھے ملنے آئے۔ وہ حکومت پنجاب سے جاپان کے بلڈوزروں کا سودا کر رہے تھے۔ کہا: محمود ہارون کی کمپنی میرا حق چھیننا چاہتی ہے۔ وہ وزیر داخلہ ہیں میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک کروڑ بیس لاکھ کمیشن ملے گا، مجھے صرف بیس لاکھ مل جائیں تو میری زندگی میں انقلاب آ جائے گا، باقی آپ رکھ لیں۔ اندرون اور بیرون ملک، آپ جہاں چاہیں گے، اس کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا: میں آپ کے حق کے لیے لڑوں گا مگر کسی منافع کا حصہ دار نہیں ہوں گا۔ انہیں یقین نہ آیا۔ میں نے محمود ہارون سے کہا کہ آپ کو کچھ فرق نہ پڑے گا مگر اس ''غریب آدمی'' کی حالت سنور جائے گی۔ اقبال اظہر کو عدالت نے اس کا حق دے دیا۔ میں وزارت سے استعفیٰ دے کر عمرے پر گیا تو وہاں ان سے ملاقات ہوگئی۔ میرے گاؤں کے لوگ بھی ساتھ تھے۔ اقبال اظہر نے پورا واقعہ ان کے سامنے دہرایا اور کہنے لگے: انہیں سمجھایئے، اللہ کا گھر میرے سامنے ہے، میں اِس دولت میں اِن کا حق تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے کہا: میں بھی اللہ کے گھر کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، میرا آپ کے نفع میں کوئی حصہ نہیں۔

1985ء میں جنرل ضیاء الحق صاحب نے منتخب ارکان اسمبلی کو عشائیہ دیا۔ پاکستان بھر سے اہل دانش اور اہل ہنر جمع کیے گئے۔ ضیاء الحق ہر ایم این اے سے فرداً فرداً مل رہے تھے۔ جب میں اُن سے مل رہا تھا تو پوچھنے لگے: آپ کی فارمنگ کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا: میری 10 سالہ خود کاشت کا یہ بدترین سال ہے۔ ساری توجہ سیاست پر مرکوز رہی ہے اس لیے کپاس چار ہزار من سے چھ سو من پر آ گئی۔ گندم کی فصل کا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ ہم خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ سیٹھ داؤد نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا۔ ضیاء الحق صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ سے ملایا اور کہا سیٹھ! تم پاکستان کے مستقبل سے ہاتھ ملا رہے ہو۔ اس کے بعد ساری شام سیٹھ داؤد نے میرا پیچھا کیا۔ اگلے دن پھر ان کا فون آیا۔ وہ کہنے لگے میں نے نور حیات نون کو شوگر مل لگوا کر دی ہے۔ آپ کو شوگر مل لگانی چاہیے ''آپ سرمایہ اور تکنیکی مدد کی پرواہ مت کرو''۔ سیٹھ داؤد کا بیٹا رزاق جو بعد میں پرویز مشرف کی پہلی کابینہ میں وزیر بنا طالب علمی کے دور سے میرا دوست ہے۔ دوسرا بیٹا حسین بھی میرا پرانا واقف ہے۔ پاکستان کے لیے سیٹھ داؤد اور ان کے خاندان کی خدمات قابل قدر ہیں مگر میں جانتا تھا اگر میں نے سیاست اور صنعت کو ایک ساتھ چلایا تو صنعت تباہ ہوگی اور سیاست بھی۔

1992ء کے آخر میں کابینہ کی میٹنگ سے فارغ ہو کر نکلے تو میاں نواز شریف نے بلا لیا۔ انہوں نے مجھے کہا: کہ آپ کے وسائل محدود ہیں آپ سیاست کو کیسے چلا رہے ہیں؟۔ میں نے کہا میں اپنے اخراجات کو محدود

کر لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: آپ لمبے عرصے تک جاگیرداروں کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ آپ تھک جائیں گے۔ ان کی بات میں وزن تھا، وہ کہنے لگے کاروبار کوئی گناہ نہیں۔ آپ کے پاس زمینیں ہیں، آپ شوگر مل لگا لیں۔ صنعت لگانے کے لیے قرض لینا آپ کا حق ہے۔

انہوں نے اپنے سیکرٹری چودھری عبدالروف کو بلایا، جو بعد میں لاہور کے کمشنر رہے اور اب وزیراعظم کے ایڈیشنل سیکرٹری ہیں۔ حکم دیا گیا کہ کاغذات مکمل کریں۔ قرضے کی پروگریس وزیراعظم کو پیش کی جائے۔ روف چودھری اپنی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ میرا پیچھا کرتے رہے۔ روف چودھری اور میں یونیورسٹی میں اکٹھے تھے اور بطور طالب علم ہم انہیں ولی سمجھتے تھے۔ مجھے کہا: شوگر مل کے حصہ داران کے نام آپ کو دیتے ہیں، باقی سارا کام ہمارے ذمہ۔ میں نے کہا میں آپ کو صنعتکار جاوید ہاشمی کے طور پر اچھا لگوں گا؟ کہنے لگے وزیراعظم صاحب کا حکم یہی ہے، میں کل آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوں گا۔ دوسرے دن وہ صاحب میرے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ میں نے کہا آپ مجھے طالب علمی کے دور سے جانتے ہیں۔ کیا میں فیکٹری چلا سکتا ہوں؟ ہنس کر کہنے لگے: وزیراعظم کی خواہش کے علاوہ اب یہ میری نوکری کا سوال ہے۔ میں نے کہا: میں میاں صاحب کی یہ محبت ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ میں گنے کے جوس کی ریڑھی نہیں چلا سکتا، شوگر مل کیسے چلاؤں گا؟ جہاں تک آپ کی نوکری کا تعلق ہے آپ جیسے باصلاحیت اور باکردار افسر کو کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا۔

میری والدہ کہا کرتی تھیں، ایک مولوی صاحب وعظ فرماتے کہ اگر آپ بسم اللہ پڑھ کر دریا میں کود جائیں تو دریا آپ کو رستہ دے گا۔ ایک گڈریا بسم اللہ کا ورد کر کے دریا میں اترا تو دریا نے اسے رستہ دے دیا۔ اب یہ اس کا روز کا معمول ہو گیا۔ مولوی صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی دریا عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ احتیاطاً انہوں نے رسی کا ایک سرا شاگردوں کو پکڑایا، اور دوسرا سرا ٹانگ سے باندھا، پھر بسم اللہ پڑھ کر دریا میں کود گئے۔ ابھی وہ درمیان میں تھے کہ پانی کا بہت بڑا ریلا انہیں بہا لے گیا۔ میں گڈریا رہنا چاہتا ہوں، یقین کی دولت کے ساتھ اور جانتا ہوں بے یقینی خسارے کا سودا ہے۔

# نیوورلڈآرڈریانیاسامراج

1999ء جنیوا میں اقوام متحدہ کی ورلڈ ہیلتھ اسمبلی سے خطاب کے بعد اپنی نشست پر واپس آیا، تالیوں کے شور میں مبارکباد کا سلسلہ جاری تھا۔ خصوصاً جنوبی امریکہ اور افریقہ کے ممالک کے وزراء میری تقریر کو بہت سراہ رہے تھے۔ میں نے جہاں پاکستان کے عوام کی صحت کے مسائل پر گفتگو کی وہاں بین الاقوامی دوا ساز کمپنیوں کی لوٹ کھسوٹ اور امیر ممالک کی طرف سے اُن کی سرپرستی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ میں نے کرہ ارض کے جنوبی حصے کے ممالک کو متفقہ پالیسیاں بنانے کا مشورہ دیا۔ ابھی میں شکریہ ادا کر رہا تھا کہ اعلان کیا گیا کیوبا کے سربراہ فیڈرل کاسترو خطاب کریں گے۔ تمام مندوبین احتراماً کھڑے ہوگئے اور کاسترو کے سٹیج پر پہنچنے تک پورا ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ فیڈرل کاسترو کا شاندار استقبال اس بات کا مظہر تھا کہ دنیا اپنی آزادی کا تحفظ کرنے والوں کو نہ صرف احترام کے قابل سمجھتی ہے بلکہ اُسے ہیرو کا درجہ دیتی ہے۔ اُسی شام امریکہ کی خاتون اول ہیلری کلنٹن نے بھی خطاب کرنا تھا۔ کاسترو کی پذیرائی کی وجہ سے اُن کا خطاب دوسرے دن تک ملتوی کر دیا گیا، اگلے دن جب وہ خطاب کرنے آئیں تو اُن کا استقبال بھی گرم جوشی سے کیا گیا۔ مگر ہیلری کلنٹن کا استقبال کاسترو کے استقبال کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ یہ عام لوگوں کا مجمع نہیں تھا، 187 ممالک کی نمائندگی اُن کے سربراہ کر رہے تھے یا دوسرے درجے کی قیادت۔ گویا یہاں سے پوری دنیا کو پیغام دیا جا رہا تھا کہ اگرچہ امریکہ دنیا کی واحد سپر طاقت ہے لیکن اقوام عالم کی سوچ کا دھارا اُس کے خلاف ہے۔ امریکہ کو اس کی ذرا بھر بھی پرواہ نہیں ہے کہ اسرائیل کے مظالم کے خلاف بارہا جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت سے قراردادیں منظور کیں اور سلامتی کونسل نے بھی کارروائی کا فیصلہ کیا۔ مگر امریکہ نے ویٹو کا استعمال کر کے ضمیر عالم کی آواز سننے سے انکار کر دیا۔

ستمبر 1999ء، قاہرہ میں 27 ملکوں کی وزرائے صحت کی کانفرنس میں شرکت کے لیے پہنچا تو قاہرہ کی تمام بڑی بڑی عمارات سوائے اہرام مصر کے صدر حسنی مبارک کی تصویروں والے لباس سے ملبوس تھیں۔ معلوم ہوا مصر کے صدر کو مزید سات سال کے لیے منتخب کرنے کے لیے انتخابات ہو رہے ہیں۔ انتخابات کی گہما گہمی سے اندازہ ہوتا تھا مقابلہ سخت ہے۔ میں نے بیگم حسنی مبارک سے پوچھا (جو ہماری کانفرنس میں بطور مہمانِ خصوصی شریک تھیں) کہ صدر مبارک کے مقابلے میں کون آ رہے ہیں۔ انہوں نے میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگیں، آپ پہلی مرتبہ قاہرہ میں آئے ہیں، میں نے کہا گذشتہ 25 سال میں کئی مرتبہ یہاں آ چکا ہوں لیکن انتخابات کا یہ منظر پہلے نہیں دیکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ پارٹی نے کسی اور کو ٹکٹ جاری نہیں کیا، اس لیے دوسرا کوئی امیدوار سامنے نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود پولنگ کے دن تک انتخابی مہم اسی سنجیدگی سے جاری رہے

گی۔ میں وطن واپس آ گیا، کچھ دنوں بعد معلوم ہوا عوام نے صدر حسنی مبارک کو بھاری اکثریت سے منتخب کرلیا ہے۔

مجھے نوجوان عرب قیادت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں نوجوانوں کا وزیر تھا، سعودی عرب میں ملک فہد کے صاحبزادے میرے ہم عہدہ تھے۔ اُس وقت شاہ خالد سعودی عرب کے فرمانروا تھے۔ ایک ملاقات میں مُیں نے کہا آپ کے پاس وسائل ہیں مگر چوکیدار نہیں ہیں، آپ اپنے ملک کے دفاع کے لیے فوج کیوں نہیں بناتے۔ انہوں نے کہا ہماری پاس اتنی بڑی فوج ہونی چاہیے جو امریکہ کو شکست دے سکے، عملی طور پر یہ ناممکن ہے اس لیے ہمیں بڑی فوج بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا اسرائیل تو ہم اُسے شکست دے سکتے ہیں۔ اگر امریکہ اس کی پشت پناہی نہ کرے۔ آپ کی بڑی فوج ہے آپ ہمیں بھی اُسی انجام سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح 1978ء میں اردن کے ولی عہد سے بیونس آئرلیس اور برازیل میں ملنے کا اتفاق، شاہ فیصل کے صاحبزادے اور سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل سے بے تکلفی کے کئی مواقع ملے ہیں۔ حافظ الاسد کے بڑے صاحبزادے کے خیالات سننے کا موقع ملا۔ مراکش کے موجودہ بادشاہ سے بھی علیک سلیک ہوئی۔ میں عالم اسلام میں ایک ایسا منظر ابھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جہاں روایتی معاشرے انقلابات کی زد میں ہیں۔ نام نہاد جمہوریتیں اور بادشاہتیں نئے حالات کے خوف سے لرزہ براندام ہیں۔

1999ء میں بیرون ملک لمبے دورے کے بعد پاکستان پہنچا، کراچی سے ملتان والی فلائیٹ کا انتظار کر رہا تھا کہ وزیر اعظم کا حکم ملا آپ فوراً لاہور پہنچیں، آپ کے لئے وزیر اعلیٰ پنجاب کا جہاز کراچی پہنچ رہا ہے۔ آپ نے انقرہ جانا ہے۔ میں نے اپنے بچوں اور حلقے کے لوگوں سے ملنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا، پہلے ہی میری غیر حاضری کافی طویل ہو چکی تھی۔ اب میں پروگرام کے مطابق بچوں سے ملنے کی حسرت دل میں لئے لاہور روانہ ہو گیا۔ لاہور میں وزیر اعظم کا جہاز انقرہ جانے کے لئے تیار کھڑا تھا، مجھے وزیر اعظم کی نمائندگی کرتے ہوئے ترکی کے سفیر کی اہلیہ کی میت انقرہ پہنچانی تھی، جو موٹروے پر حادثے میں فوت ہو گئی تھی، میں جہاز میں جا کر بیڈ روم میں گھس گیا اور عملے کو ہدایت دی کہ مجھے پرواز کی لینڈنگ سے ایک گھنٹہ پہلے جگا دیا جائے۔ انقرہ پہنچنے سے ایک گھنٹہ پہلے میں نے نہا کر کپڑے تبدیل کئے اور تیار ہو گیا، میں جب جہاز سے باہر آیا تو ترکی کے وزیر خارجہ اور وزیر صحت نے مجھے خوش آمدید کہا۔ ائرپورٹ کا ماحول سوگوار تھا، مرحومہ کے خاندان کے علاوہ عمائدین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

مجھے پاکستان کے سفیر نے ایک طرف جا کر کارگل کی تازہ ترین صورتحال کے بارے میں بتایا اور اطلاع دی کہ پاکستان نے ہندوستان کے دو مِگ طیارے مار گرائے ہیں۔ جہاز کے عملے اور سفیر نے کہا: اگر آپ مناسب سمجھیں تو کچھ وقت کے لئے رُک جائیں تا کہ عملہ کو کچھ آرام مل جائے۔ میں نے اجازت دے دی اور سفیر پاکستان سے کہا: میں نے جہاز میں کافی آرام کر لیا ہے میں اتاترک کے مزار پر جانا چاہتا ہوں۔ تمام انتظامات مکمل ہو گئے اور میں اتاترک کے مزار پر فاتحہ خوانی کرنے کے لئے پہنچ گیا۔

اتاترک کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد عصمت اونو کی قبر پر چلا گیا۔ جدید ترکی کی نوے سالہ تاریخ میرے سامنے تھی۔ اتاترک نے یونان اور برطانیہ کی فوجوں کو اس وقت شکست سے دوچار کیا جس وقت محوری شکست کھا کر ذلت آمیز معاہدوں پر دستخط کر رہے تھے اور اتحادی دنیا پر چھا چکے تھے۔ جس طرح آج امریکہ کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا، اتحادیوں کے سامنے کھڑا ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اتاترک نے نہ صرف ترکی کی شکست کو فتح میں بدل دیا بلکہ ترکی جو یورپ کا مرد بیمار کہلاتا تھا اسے باوقار قوموں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ آج کا ترکی اپنی فوج کی بے بہا قربانیوں کے صلے میں قائم ودائم ہے۔

اتاترک نے کبھی عالم اسلام کا رہنما ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، اس کے نظریات سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے اور ترک قوم اپنے ان اختلافات کا اظہار کئی مرتبہ انتخاب کے ذریعے کر چکی ہے۔ پاکستان کے وجود کی بنیاد ہی اسلامی تشخص میں مضمر ہے۔ اس لئے اتاترک کی تمام تر عظمت کے باوجود ان کے خیالات پاکستان میں نافذ کرنے سے پاکستان کے قیام کا جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ اتاترک کو عربوں سے جائز شکوہ تھا اور وہ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے کوئی مزید بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں تھا، عرب بھی آزادی چاہتے تھے۔ استعماری قوتیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پورے علاقے کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتی تھیں تاکہ اپنی مرضی کی کٹھ پتلی حکومتیں مسلط کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں، انہی چالبازوں کا ثمر ہے کہ مسلمان بطور ایک قوت کے نہیں ابھر سکے اور نہ اپنے وسائل سے فائدہ اٹھا کر اپنے عوام کی قسمت بدل سکے ہیں۔ دنیا کے ساٹھ فیصد سے زیادہ تیل کے ذخائر رکھنے والی قومیں غربت، جہالت اور ذلت کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔ اتاترک نے مشکل حالات میں باوقار طریقے سے زندہ رہنے کے لئے جنگ کی اور عالمی استعمار کی دھمکیوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔

میں اتاترک کے مزار سے نکل رہا تھا کہ پیغام ملا ترکی کے وزیر اعظم بلند ایجوت مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم وہاں سے سیدھا وزیر اعظم ہاؤس پہنچے، راستے میں سینکڑوں کیمروں کی چکا چوند روشنی حائل تھی۔ میں نے وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بطور سیاستدان مجھے احساس ہے کہ آپ کا آج کا دن بہت مصروف ہے، اسی دن چار ماہ کی انتھک کوششوں کے بعد ان کی مخلوط حکومت کی کابینہ حلف اٹھا رہی تھی۔ میں نے کہا: یہ آپ کی میرے ملک کے لئے محبت ہے کہ آپ نے شیڈول تبدیل کر کے مجھے ملاقات کا اعزاز بخشا ہے۔ وہ سنجیدہ ہو کر کہنے لگے، میں نے ایک دو ضروری باتیں آپ سے کرنی تھیں، واپسی تک آپ کی حکومت بھی ہو گی یا نہیں، میں کارگل کے حالات دیکھ رہا ہوں، ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم ابھی تک اپنے ملکوں کو مستحکم حکومتیں نہیں دے سکے، جس کی وجہ سے ہم معاشی طور پر ترقی نہیں کر سکے۔ کہنے لگے: مجھے بیس سال پہلے نااہل قرار دے دیا گیا تھا، اب پھر مجبور ہو کر اقتدار میرے حوالے کیا گیا ہے۔ ہم نے جلال بایار اور عدنان مندریس کو پھانسی دی، اب اپنی ائیر پورٹس ان کے نام سے منسوب کرنی پڑی ہیں۔ آپ کو بھی انہی حالات کا سامنا ہے۔ کارگل سے کچھ اور نہ نمودار ہو جائے، جہاں تک پاکستان کی مدد کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہمیں

ایک دوسرے کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان ہمیشہ ترکی پر اعتماد کر سکتا ہے۔ ہم دو سیاستدان ایسے مل رہے تھے جیسے انتخابی مہم میں محلے کے کھوکھے پر بیٹھ کر گپ شپ کر رہے ہوں۔ ہم چائے بھی شڑاپ شڑاپ کر کے پی رہے تھے اور کسی قسم کے تکلف کو روا نہیں رکھ رہے تھے۔ میں نے شکریہ ادا کر کے اجازت چاہی اور وزیر خارجہ سے بھی خدا حافظ کہا۔ اس نے کہا کہ میں ائیر پورٹ تک چلوں گا، میں ائیر پورٹ پہنچا تو وزیر صحت اور وزیر خارجہ نے مجھے خدا حافظ کہا۔

کارگل کے سانحے کے بعد ہماری حکومت ختم ہوگئی۔ پرویز مشرف جو اتاترک کے پیروکار ہیں کی حکومت قائم ہوگئی۔

بلند ایجوت نے ملائشیا اور ہندوستان کا دورہ کیا، ہماری حکومت کی کوشش کے باوجود پاکستان میں رکنے سے انکار کر دیا۔ پرویز مشرف ترکی کے دورے پر گئے تو ایک نائب وزیر خارجہ نے ان کا نیم دلی سے استقبال کیا۔ بلند ایجوت اپنے جرنیلوں کی حکومت پسند نہیں کرتا تھا، ہمارے جرنیلوں کا استقبال کیسے کرتا۔

جب فوجی حکومتیں آتی ہیں تو ملک کی حیثیت بین الاقوامی برادری میں ایسی ہو جاتی ہے جیسے اغوا شدہ عورت، خواہ اپنی مرضی سے گئی ہو یا اسے زبردستی اغوا کیا جائے۔ ضیاء الحق صاحب کے دور میں کوئی سربراہ مملکت پاکستان آنے کو تیار نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے مالدیپ کے سربراہ مامون عبدالقیوم تیار ہوئے، مالدیپ کی آبادی اڑھائی لاکھ ہے، اس کی کرنسی کا نام بھی روپیہ ہے اور اس کا وقت پاکستان کے وقت مطابق ہے، اس کی ساری آبادی مسلمان ہے۔ قرب کے باوجود ہم نے ایک جہاز چاولوں کا بھر کر اپنے کرایہ پر وہاں پہنچایا اور ان کے آنے پر مالدیپ کی پارلیمنٹ کی بلڈنگ بنا کر دینے کا تحفہ دیا۔ اگرچہ اپنے ملک کی پارلیمنٹ کا کوئی وجود نہیں تھا، مامون عبدالقیوم کا پاکستان میں اس قدر شاندار استقبال کیا گیا جیسے بغداد سے مامون الرشید عباسی خود آ کر ہمیں سند حکومت عطا کر رہے ہوں۔ میں 1992 میں مالدیپ میں صدر مامون عبدالقیوم کو ملنے گیا تو انہیں اس دورے کی خوشگوار یادیں ابھی تک نہیں بھولی تھیں، پاکستان ٹی وی اور ریڈیو اس دورے کو ایسے پیش کر رہا تھا جیسے امریکہ کا صدر چل کر پاکستان آ گیا ہو۔

پرویز مشرف کے برسر اقتدار آنے پر صدر کلنٹن کو پاکستان میں پانچ گھنٹے رکنے کے لئے وردی نہ پہننے کا وعدہ کرنا پڑا اور مذاکرات کی میز پر طے شدہ معاہدے کے مطابق ایک فاصلے پر بٹھایا گیا۔ صدر بش اس وقت امیدوار صدارت تھے۔ ان سے جب سوال کیا گیا کہ پرویز مشرف کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں تو انہوں نے فرمایا یہ کون ہیں، جو ہندوستان کے نئے وزیر اعظم منتخب ہوئے ہیں۔ میں نے سنا ہے (He is a good guy) وہ اچھا آدمی ہے۔ جب امریکہ کو اپنی پالیسیوں کی حمایت امریکی توقعات سے بڑھ کر ملی تو یوں محسوس ہوتا ہے بش صاحب جنرل پرویز مشرف کے مشورے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چلتے، اب وہ عراق میں جمہوریت چاہتے ہیں اور پاکستان میں پرویز مشرف۔ مجھے سادات کے کیمپ ڈیوڈ سے پرویز مشرف کے کیمپ ڈیوڈ تک خود کو امریکہ کی جمہوریت کے لئے تیار کرنا ہے۔ یہی نیو ورلڈ آرڈر ہے۔ اگر نیو ورلڈ آرڈر یہی ہے تو

جولیس سیزر سے پہلے رومن بادشاہوں کی جمہوریت کیا بری تھی؟

## تِلک الایامُ نداولہا

1978ء میں لیاقت باغ میموریل ہال میں روسی طائفہ کرتب دکھا رہا تھا میں وزیر ثقافت ہونے کی وجہ سے وہاں موجود تھا، بیگم ضیاء الحق بھی وہاں موجود تھیں۔ روس کے سفیر سرور عظیموف میرے پاس تشریف لائے اور غصے سے کہا: مسٹر پریذیڈنٹ کیوں نہیں آئے؟ میں نے انتہائی مودبانہ انداز میں کہا کہ وہ مصروف ہیں، اُن کی بیگم صاحبہ تشریف لا چکی ہیں۔ کہنے لگے: انہیں یہاں آنا چاہیے تھا، اُن کی آواز میں تحکم تھا، میں خاموش ہو گیا۔ روس دنیا کی دوسری بڑی سپر پاور تھا۔ پاکستان میں روسی سفارت خانہ سیاسی سرگرمیوں میں پوری طرح سرگرمِ عمل تھا۔ روسی سفیر جس محفل میں جاتے جانِ محفل بن جاتے۔ نہ صرف پاکستانی بلکہ دنیا بھر کے سفیر اُن کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

1986ء میں روس کے قومی دن کے موقع پر اہم سیاستدان ممبران پارلیمنٹ، صحافی، سفارت کار بڑی تعداد میں موجود تھے اور اپنی حاضری کو اپنے لیے اعزاز تصور کر رہے تھے۔ اُن دنوں محترمہ بےنظیر بھٹو تشریف لا چکی تھیں اور لاہور ائیر پورٹ پر اُن کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ وہ بھی روسی سفارت خانے کی تقریب میں مدعو تھیں، جب وہ تشریف لائیں تو کیمروں کی روشنی میں نہائی ہوئی تھیں۔ ہر آدمی اُن سے متعارف ہونے کی کوشش کر رہا تھا، میرے قریب سے گزریں تو مشاہد حسین سید نے (جو اُن دنوں روزنامہ دی مسلم کے ایڈیٹر تھے اور محترمہ بےنظیر بھٹو کے بے تکلف دوست بھی) میرا اُن سے تعارف کرایا وہ کہنے لگیں ان کے تعارف کی کوئی ضرورت نہیں، میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ہمارے درمیان چند سخت جملوں کا تبادلہ ہوا اور پھر محترمہ نے کہا آپ 1968ء میں میرے والد کے ساتھ تھے اب 1986ء ہے۔ کیا اعداد کے پھیر میں 86 کو 68 میں تبدیل کر کے ہم دوبارہ اکٹھے مل کر کام نہیں کر سکتے؟ میں نے کہا اگر آپ نے جمہوریت کی جنگ جاری رکھی تو ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب ہم ملکر جدوجہد کریں گے۔ اُس وقت روسی سفارت خانہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ فوجی حکمران بھی حاضری کی سعادت حاصل کر رہے تھے اور روسی سفیر اپنے مربیانہ انداز سے حاضرین کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

1999ء میں نواز شریف نے روس کا دورہ کیا۔ وہ ایک طاقتور وفد لے کر ماسکو پہنچے۔ میں بھی اس وفد میں شامل تھا۔ عظیم طاقت افغانستان پر حملے کے سانحے سے گزر چکی تھی اور گورباچوف کا گلاسناسٹ روس کو سنٹرل ایشیاء کی مسلمان ریاستوں اور روس کے مغربی افق پر مشرقی یورپ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر چکا تھا۔ روس کی سرحدیں سمٹ چکی تھیں اور روس ہمارے ساتھ تعلقات کو نئی جہت دینا چاہتا تھا، مجھے افغانستان کی جنگ کے اثرات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے جس نے روس کی معیشت کی چولیں ہلا کر رکھ دیں اور کمیونزم خود ماسکو میں اجنبی بن گیا، لیکن میں اپنی آنکھوں پر اُس وقت یقین نہ کر سکا جب ماسکو اور پیٹرز برگ کے چوراہوں پر روسی فوج کی

وردی پہنے اور سینے پر بہادری دکھانے والے میڈل لگائے ہوئے افراد بھیک مانگ رہے تھے۔میں نے اپنے روسی ترجمان کی طرف دیکھا تو اُس نے بتایا یہ وہ فوجی ہیں جنہوں نے افغانستان کی جنگ میں حصہ لیا اور معذور ہوگئے۔کسی کی ٹانگ نہیں تھی، کسی کی آنکھ اور کوئی بازو سے محروم تھا۔ترجمان نے بتایا یہ صرف سپاہی نہیں تھے،فوج کے سنیئر ترین عہدوں پر فائز افراد تھے۔میں جب واپس آیا تو مجھ سے ایک طاقتور ملک کے سفیر ملنے آئے اُن کی گفتگو کے انداز سے مجھے سرور عظیموف یاد آگئے،آج کسی کو معلوم نہیں پاکستان میں روس کا سفیر کون ہے۔

اللہ نے فرمادیا کہ ہم انسانوں اور قوموں کے دن پھیرتے رہتے ہیں،اس دائمی حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

# 12 اکتوبر 99ء مشکل وقت کے ساتھی اور آگ کا دریا

میں 12 اکتوبر 1999ء کو اسلام آباد کی پرواز میں واحد وزیر تھا جو میاں نواز شریف کے ساتھ تھا۔ ہم نے اکٹھے کھانا کھایا اور سیاسی معاملات پر گفتگو کی۔ میں 12 اکتوبر کے پس منظر سے پوری طرح باخبر نہ تھا۔ مگر پیش منظر سے غافل بھی نہ تھا۔ میاں صاحب سے میں نے کہا کہ وہ مجھے کابینہ سے سبکدوش کر دیں۔ میاں صاحب نے چونک کر کہا: کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ میں نے کہا: میاں صاحب آپ کی کابینہ میں سندھ، بلوچستان اور سرحد کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ 15 میں سے 13 وزراء کا تعلق پنجاب سے ہے۔ آپ کابینہ کی تعداد بڑھانا نہیں چاہتے، بہتر ہوگا میری جگہ بلوچستان کے کسی رکن پارلیمنٹ کو وزیر بنا دیا جائے۔ یہ بات میں ناراضگی سے نہیں کہہ رہا، وزارت سے کبھی مجھے زیادہ دلچسپی نہیں رہی۔ میں نے کہا ہم مشکل وقت کے ساتھی ہیں۔ خدانخواستہ بُرا وقت آیا تو پیچھے مڑ کر دیکھیئے گا، کوئی اور کھڑا ہو یا نہ ہو جاوید ہاشمی ضرور کھڑا ہوگا۔ ہم اسلام آباد ائیر پورٹ پر اُترے تو...... بُرا وقت ہمارا منتظر تھا۔

رائے ونڈ...... جہاں وزارتیں ملتی تھیں، انتخابات کیلئے ٹکٹوں کے فیصلے ہوتے تھے، ضلعی حکومتیں عطا کی جاتیں یا چھینی جاتی تھیں، جہاں پر پرویز مشرف حاضری دیتے تھے۔ میں نے میاں نواز شریف کا وہ گھر نہیں دیکھا ہوا تھا۔ میں اقتدار کے دنوں میں کبھی ماڈل ٹاؤن بھی نہ گیا۔ وزیراعظم ہاؤس میں وزراء بغیر اجازت کے جا سکتے ہیں اور کچھ وزراء صبح کا ناشتہ بھی وہیں کرتے تھے۔ میں وہاں بھی بن بلائے کبھی نہ گیا۔ لیکن اب میں نے خود درخواست کی اور جا کر اُن کے والدین سے رائے ونڈ کے گھر میں ملاقات کی۔ ماڈل ٹاؤن میں ہر ہفتے حاضری کو اپنے اوپر لازمی قرار دیا۔ جو نواز شریف کی تصویر کو نہ بیچنے کا دعویٰ کرتے تھے، زمانہ اُن کی تلاش میں ہے۔

جو لوگ 12 اکتوبر 1999ء تک میاں نواز شریف کے ساتھ شریکِ اقتدار رہے۔ ہمیشہ ہاں میں ہاں ملاتے رہے، 12 اکتوبر کی شام کو انہیں میاں نواز شریف میں یکدم خامیاں نظر آنے لگیں اور انہوں نے ساتھ چھوڑ دینے کا "اصولی فیصلہ" کر لیا۔ میاں صاحب کی خامیوں میں ایک اور خامی کا اضافہ ہو چکا تھا کہ اب وہ اقتدار میں نہ تھے اور جناب پرویز مشرف میں ایک خوبی کا اضافہ کہ وہ حاکم وقت تھے۔ میاں نواز شریف کے دور اقتدار میں مجھے اُن سے کئی شکوے تھے۔ کیا 12 اکتوبر کے بعد اِس بنیاد پر ان کا ساتھ چھوڑا جا سکتا تھا؟ ہرگز نہیں، میں آج بھی کہتا ہوں کہ اُن کے طرز سیاست میں مشاورت کی کمی تھی، مگر اس کے باوجود 12 اکتوبر کی شام تک میں اُن کے ساتھ تھا، تو 13 اکتوبر کو کس بنیاد پر علیحدگی اختیار کرتا؟

حزب اختلاف سے بدمعاملگی مجھے اچھی نہ لگتی تھی۔ آصف زرداری اور محترمہ بے نظیر کے یکطرفہ

احتساب کا میں سخت مخالف تھا۔ اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے بمشکل 18 ممبران رہ گئے تھے، میں چاہتا تھا کہ محترمہ کو قائد حزب اختلاف کے طور پر پورا پروٹوکول دینا چاہیے۔ قائد حزب اختلاف کی سیٹ جو وزیراعظم کے برابر ہوتی ہے، اٹھا کر ایک کونے میں کر دی گئی۔ میں نے سپیکر قومی اسمبلی الٰہی بخش سومرو سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا: آپ نثار علی خان سے بات کریں۔ میں نے چودھری نثار علی خان کو جا کر کہا کہ ہم ٹھیک نہیں کر رہے۔ ہمیں اتنی سی اپوزیشن سے گھبرا کر اُن پر زمین تنگ کرنے کی بجائے انہیں برابری کی سطح پر ملکی معاملات میں شریک کرنا چاہیے۔ میں محترمہ کے طرز سیاست کا کل بھی مخالف تھا، آج بھی ہوں شاید کل بھی رہوں۔

نثار علی خان حیرانی سے میرا منہ تکنے لگے، کیونکہ مجھے پیپلز پارٹی کے سخت ترین ناقدوں میں سمجھا جاتا تھا۔ میں نے اُن سے کہا: ہمیں ذوالفقار علی بھٹو کے طرز عمل پہ اعتراض تھا جو وہ اپنی حزب اختلاف سے روا رکھتے تھے۔ اسٹیبلشمنٹ سیاست دانوں کے اختلافات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے اور اپنا کندھا حزب اقتدار کو پیش کر کے اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتی ہے۔ ہمارے رہنما اکثر اس جال میں پھنس کر تنہا رہ جاتے ہیں اور سیاسی عمل کا راستہ روکنے کے جرم میں شریک ہو کر اپنی بقاء اسٹیبلشمنٹ کے ہاں تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ شکار کو تنہا پا کر اُس پہ حملہ کر دیتی ہے۔ ہر وزیراعظم کی بیس سال حکومت کرنے کی خواہش حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔ وہی وزیراعظم ہاؤس قید خانہ میں بدل جاتا ہے اور کبھی کبھی مقتل میں بھی۔

ہماری تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ ہمیں سبق سکھانے کیلئے۔ مگر ہم بچے تو ہیں نہیں کہ تاریخ ہمیں بار بار ایک ہی سبق پڑھاتی رہے۔ ہم میں سے تو ہر ایک باون گزا ہے۔

وفاداریوں کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ ذات کی وفاداری کا رشتہ مضبوط نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں سوچ کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے، خون کے رشتوں سے بھی زیادہ۔ جب تک نواز شریف اپنے موقف پر قائم ہیں، اس راستے میں مجھے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں، بلکہ میں اس قربانی کو نواز شریف کی ذات پر کوئی احسان بھی نہ سمجھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اِس رشتے کی اہمیت اب پوری طرح میاں نواز شریف پر واضح ہو چکی ہوگی اور یہ بھی واضح ہو چکا ہوگا کہ ہر تنقید دشمنی نہیں ہوتی اور ہر قصیدہ گو دوست نہیں ہوتا۔ اقتدار کے دنوں میں اپنی اور اپنے بچوں کی جان کو نواز شریف پر قربان کر دینے کا دعویٰ کرنے والے مشکل کے پہلے دن ہی سایہ تلاش کر رہے تھے۔

مجھے معلوم تھا کہ اس راہ پر چلنے کی کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ میرے اہل خانہ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، میری کردار کشی کیلئے تمام حکومتی ذرائع استعمال کئے جائیں گے۔ جب میری بیٹیوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، پولیس میرے گھر میں گھس جاتی ہے یا میری بیوی اور بیٹیوں کو عدالتوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ میرے بھائیوں، بھتیجوں، بہنوں اور بھانجوں، بھانجیوں کو توہین آمیز رویوں سے واسطہ پڑتا ہے تو میرے لئے کچھ بھی نیا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ میں نے فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لیا تھا بلکہ چشم تصور سے آنے والے حالات کو دیکھ

لیا تھا۔ میں اِس سے زیادہ سنگین حالات کا سامنا کرنے کیلئے آگ کے اس دریا میں کودا ہوں۔

میاں صاحب جیل جا چکے تھے، 14 کروڑ عوام کا نمائندہ اغوا کر لیا گیا۔ یہ بھی معلوم نہ تھا، وہ زندہ ہیں یا اُنہیں ختم کر دیا گیا۔ میں نظر بندی ختم ہونے پر ملتان پہنچا، ساری رات بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح کی اذان ہوئی تو میں فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے خاندان کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ میرے بچوں نے کہا کہ اب تک جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں، ان پر بے پناہ تشدد ہوا ہے۔ میں نے اُن سے کہا: صرف ایک بات کا جواب دیں کہ 12 اکتوبر کا اقدام صحیح ہے یا غلط؟ انہوں نے کہا: غلط ہے۔ میں نے پھر سوال کیا: اس اقدام کو غلط کون کہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کسی اور کا ابو اسے غلط کہہ کر تشدد کا سامنا کرے اور آپ کا والد محفوظ رہے؟ انہوں نے میرے فیصلے کے سامنے سر جُھکا دیا۔

چھٹا باب

# فوجی قیادت کا کردار
# میری نظر میں

# جنرل ضیاء الحق سے پہلی اور آخری ملاقات

تین اور چار جولائی 1978ء کی درمیانی شب اڑھائی بجے کے قریب مجھے گھر والوں نے اطلاع دی کہ ڈیرے پر پولیس کی گاڑیاں آئی ہوئی ہیں اور وہ آپ کو ضیاء الحق صاحب کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ مجھے اپنے اخبار نویس دوستوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ ضیاء الحق صاحب دو تین ملاقاتوں میں میرا ذکر کر چکے ہیں۔ میں بڑے گھر چلا گیا اور اپنے والد محترم کو اطلاع بھجوائی۔ جب وہ جاگ گئے تو میں نے اُنہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ میں نے اپنی اِس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ قومی سطح پر سیاسی کردار ادا کروں۔ اُنہوں نے بادل نخواستہ اسلام آباد جانے کی اجازت دی۔ ساتھ ہی یہ شرط عائد کر دی کہ اگر کسی عہدے کی پیشکش کی جائے تو پہلے اپنے دوستوں سے مشورہ کریں۔

مجھے سرکاری گاڑیوں میں ملتان ائیر پورٹ پہنچایا گیا اور اسلام آباد ائیر پورٹ پر بھی سرکاری گاڑی مجھے لینے کیلئے موجود تھی۔ میں وہاں سے سیدھا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عام لباس پہنا ہوا تھا۔ بوسٹرڈ کی سفید پتلون کے اوپر آدھی آستینوں والی قمیض اور پاؤں میں پشاوری چپل۔ ضیاء الحق نے مجھے دیکھتے ہی جنرل عارف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: عارف تم نے ٹھیک کہا تھا: یہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے کم عمر وزیر ہونگے۔ ہوسکتا ہے جنرل کے ایم عارف نے مجھے ویٹنگ روم میں دیکھ کر انہیں وزارت کے منصب کے لیے میری کم عمری کا ذکر کیا ہو، اُس وقت میں ساڑھے اٹھائیس سال کا تھا۔ مجھ سے پہلے نواب اکبر خان بگٹی پاکستان کے کم عمر ترین وزیر تھے۔ وہ تیس سال کی عمر میں ری پبلکن پارٹی کی حکومت میں دفاع کے وزیر مملکت بنے تھے۔ دوسرے نمبر پر ذوالفقار علی بھٹو تھے جو بتیس سال کی عمر میں سکندر مرزا کی حکومت میں بطور وزیر شامل ہوئے۔ ضیاء الحق نے مجھے وزیر بنانے کی پیشکش کی۔ میں نے پوچھا میرے ذمے کیا کام ہوگا؟ ضیاء الحق صاحب نے کہا: آزادانہ انتخابات کرانے کے لیے میری مدد کیجیے۔ میں نے مشاورت کے لیے ایک ماہ کا وقت مانگا۔ میرے والد محترم کا حکم یہی تھا۔ ضیاء الحق صاحب نے کہا: میں آپ سے متفق ہوں آپ سوچ کر بتا دیں۔ میں جونہی باہر جانے کے لیے کرسی سے اٹھا ضیاء الحق صاحب نے انتہائی مشفقانہ انداز میں کہا: پلیز ڈو می اے فیور (Please do me a favour) میں نے کہا: آپ حکم فرمائیں، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ کہنے لگے: کل کابینہ حلف اٹھا رہی ہے، آپ کو پورے ملک کے دوستوں سے رابطہ کی سہولت مہیا کر دی جائے گی۔ انہوں نے اپنے بیڈ روم کا ٹیلی فون نمبر دیا اور کہا میں رات 3 بجے تک آپکے فیصلے کا انتظار کروں گا۔ براہِ مہربانی فیصلہ قوم اور ملک کے حق میں کیجیے گا۔ پھر انہوں نے جنرل کے ایم عارف کو تمام سہولتیں فراہم کرنے کی ہدایات دیں۔ میں ان سے

رخصت ہو کر انٹر کانٹیننٹل ہوٹل میں آ گیا۔ راولپنڈی کے دوست سعود ساحر، مختار حسن اور شیخ رشید احمد وہیں پہنچ گئے۔ پورے ملک کے دوستوں کی رائے یہی تھی کہ ہمیں ملک کو دلدل سے نکالنے کے لیے معاملات پر کنٹرول حاصل کرنا چاہیے۔ والد محترم سے بڑی مشکل سے رابطہ ہوا میں، نے ساری صورتحال بیان کی۔ انہوں نے میری خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجازت دے دی۔ میں نے رات 2 بجے ضیاء الحق صاحب کو فون کر کے کہا کہ میں نے آپکی ٹیم کا ممبر بننے کا فیصلہ کرلیا ہے، ضیاء الحق صاحب نے کہا: یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ ملک کے لیے، میرے لیے اور آپ کے لیے بھی۔ میں ایک جوڑا کپڑوں میں اسلام آباد آیا تھا، میرا خیال تھا کہ شام کی فلائٹ سے واپس ملتان پہنچ جاؤں گا۔ دوسرے دن حلف اٹھانے کے لیے ہمیں ہدایت کی گئی کہ قومی لباس یا فارمل ڈریس میں ایوان صدر پہنچیں، میرے پاس نہ شیروانی تھی، نہ واسکٹ اور نہ کوئی سوٹ۔ شیخ رشید جو میرے وزیر بننے کے زبردست حامی تھے، اپنا سوٹ خود استری کر کے انٹر کانٹیننٹل ہوٹل میں لے آئے اور میں نے اسے پہن کر وزارت کا حلف اٹھایا، اگرچہ بعد میں وہ ناراض ہو گئے کہ میں انہیں ان کی شدید خواہش کے باوجود صوبائی مشیر نہ بنوا سکا۔ حلف اٹھانے کے بعد سید سعود ساحر کی رہائش گاہ پر پہنچا محفل میں دوست جمع تھے، چائے کی پیالی میں طوفان آچکا تھا مستقبل کے خاکوں میں رنگ بھرنے کے خواب دیکھنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔

کابینہ میں شمولیت کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے فوجی قیادت کے عزائم کو سمجھنے اور اندرونی حالات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میری نظر میں پاکستان کی فوجی قیادت کسی صورت میں اقتدار سے الگ نہیں رہنا چاہتی۔ لیکن بین الاقوامی حالات اور پاکستان کی اندرونی صورتحال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فوج پیشہ وارانہ ذمہ داریوں پر زیادہ توجہ دے۔

یہ میری زندگی کی واحد سیاسی غلطی تھی جس کا آج تک پچھتاوا ہے۔ حالانکہ ضیاء الحق نے کابینہ کی حلف برداری کے بعد پریس کانفرنس میں وزراء کا تعارف کراتے ہوئے میرے متعلق کہا کہ میں ایک ایسے وزیر کا تعارف کرانے لگا ہوں جس کے لیے وزارت کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ انہوں نے وزیر بن کر وزارت کو باوقار بنا دیا ہے۔ یہ کارروائی براہ راست ٹیلی ویژن پر دکھائی جارہی تھی۔

مجھے ضیاء الحق صاحب ذاتی حیثیت میں کبھی ناپسند نہیں رہے، انہوں نے نہ صرف ہمیشہ میرا خیال رکھا بلکہ ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی۔ 1985ء میں جب ہم منتخب ہو کر اسلام آباد پہنچے تو سینیٹر طارق چودھری، ان کے بھائی میاں یاسین، ڈاکٹر بشارت الٰہی اور موجودہ وزیر صحت نصیر خان کے والد اسلم خان مرحوم، رات کو ضیاء الحق اور ان کی بیگم صاحبہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ڈاکٹر بشارت الٰہی نے کہا: کہ آپ کے امیدوار خواجہ صفدر سپیکر کا الیکشن ہار جائیں گے، ضیاء الحق صاحب نے کہا: بلوچستان سے ظفر اللہ خان جمالی، سندھ سے الٰہی بخش سومرو، پنجاب سے جاوید ہاشمی اور سینیٹر طارق چودھری صاحب ان کی مہم چلائیں گے تو وہ جیت جائیں گے۔ ڈاکٹر بشارت

الٰہی نے کہا: کہ جاوید صاحب آپ سے جونیجو کے وزیراعظم بنانے کے غلط طریقہ کار کی وجہ سے ناراض ہیں اسی لیے یہ کھانا بھی نہیں کھا رہے۔ ضیاء الحق صاحب نے کہا: ان کو انکی مرضی کی وزارت ملے گی، انہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ بیگم صاحبہ نے کہا: میں نے مِسّی روٹی بنوائی ہے آپ ضرور کھائیں۔ ان کے گھر پر میری یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ میں خواجہ صفدر کا دل سے احترام کرتا تھا اور ان کی سیاسی جدوجہد سے بھی متاثر تھا، انہیں کسی صورت میں فخر امام سے کمتر نہیں سمجھتا تھا لیکن فخر امام کو سپیکر بنا کر پارلیمنٹ کی آزادی کے عمل کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ دوستوں نے مشورہ دیا، وزیر بن جاؤ تو ملتان کی سیاست کا قلعہ تمہارے قبضہ میں آجائے گا، تمہارے بھائی بلا مقابلہ ضلع کے چیئرمین بن جائیں گے، ضلعی حکومت کا حصول سالہا سال تک سیاسی کامیابیوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ میں نے قومی سیاست کو علاقائی سیاست پر ترجیح دی، نتیجہ صاف ظاہر تھا۔ 1987ء کے بلدیاتی انتخابات میں ضیاء الحق صاحب کی مداخلت (بذریعہ ڈاکٹر بشارت الٰہی)، جناب شاہ محمود حسین قریشی کے ممبر ضلع کونسل بنانے کے حق میں تھی اور ہم ضلعی سیاست سے آؤٹ ہوگئے۔ شاخ پر جمہوریت کی کونپل پھوٹ رہی تھی، میں نے اسے دستِ گل چیں سے بچانے کے لیے آشیانے کی قربانی دے دی۔

# غلط حکمت عملی کے نتائج، پاکستان کی سکڑتی سرحدیں

14 اگست 1947ء کو سیاچین اور رن آف کچھ پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا تھا۔ مشرقی بنگال کے علاوہ آسام کے اضلاع سلہٹ اور چٹاگانگ بھی پاکستان کے نقشہ پر موجود تھے۔ کارگل بھی 1972ء تک ہمارے کنٹرول میں تھا۔ ہماری دھرتی پر راوی، بیاس اور ستلج بہہ رہے تھے اور ہر سال زرخیز مٹی کی نئی تہہ ہماری خوشحالی اور ہریالی کا پیغام لے آتی۔

1958ء میں ہماری سرحدوں میں اضافہ ہوا۔ سیاسی حکومت نے مسقط سے گوادر کا علاقہ اڑھائی لاکھ پونڈ میں خرید کرا سے پاکستان کا حصہ بنالیا اور نئے علاقے پر پاکستان کا پرچم لہرادیا گیا۔

قیامِ پاکستان سے پہلے کوئی ایک بھی مسلمان جنرل تو کجا بریگیڈیئر تک نہ تھا۔ کرنل ایوب اور چند دیگر کرنلوں کو قائداعظم نے ترقی دے کر بریگیڈیئر بنایا۔ یہ الگ بات کہ بعد میں ایوب خان فیلڈ مارشل ایوب خان بن گئے۔ فیلڈ مارشل فاتح کو کہتے ہیں، انہوں نے اپنے ہی ملک کو فتح کرلیا تھا۔ قائداعظم کی زندگی میں ہی اُن کے خلاف شکایات آنے لگیں اور قائداعظم نے ان کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔

ہم نے ملک بنایا، فوج نہیں تھی۔ آج بھی اُس وقت کے سیاستدانوں کو ناتجربہ کاری کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اُن کمزور سیاستدانوں نے دفاعِ وطن کیلئے مضبوط فوج بنائی اور کمزور معیشت میں سے سب سے زیادہ وسائل اپنے گھر کے تحفظ کیلئے خرچ کرڈالے۔

جنرلوں نے پَر پرزے نکالے اور دفاعِ وطن کی بجائے اقتدار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ انگریز جنرل فرینک اور گریسی نے قائداعظمؒ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ یہ بات کسی حد تک قابلِ فہم ہے راولپنڈی سازش کیس اور 1954ء میں کمانڈر انچیف ایوب خان کا وزیر بن جانا کس بات کی غمازی کرتا ہے؟ ایوب خان کے مارشل لاء نے ملک تباہی کے راستے پر ڈال دیا۔

اڑتالیس سال پہلے میں نویں جماعت میں تھا ایوب خان نے تاریخی تقریر کی، وزیرآباد کے قریب، ہندوستان کے جہازوں نے ٹرین پر بمباری کی تھی اور بے گناہ لوگ شہید ہوگئے تھے۔ اس تقریر نے پوری قوم میں جذبہ حریت بیدار کردیا۔ ہمارے ملک کی مایوس کن تاریخ میں یہ زندہ لمحہ تھا پوری قوم جسدِ واحد کی طرح کھڑی ہوگئی بچے، بوڑھے، جوان مرد عورتیں پاک فوج کی پشت پر تھے۔ دفاعی فنڈ میں ہر فرد اپنا حصہ ڈالنا چاہتا تھا، خون دینے والوں کی بھی قطاریں تھیں۔ 17 دن کی جنگ نے ہمیں اوجِ ثریا پر پہنچا دیا، ہمارے جوانوں نے لاہور کھیم کرن حسینی والا، چونڈا، چھمب، جوڑیاں، صحرائے سندھ، موناباؤ پر اپنی جراتوں کی دھاک بٹھادی۔ پاک فضائیہ نے

ایم ایم عالم، نور خان اور اصغر خان کی قیادت میں نئی تاریخ رقم کی۔ ہماری بحریہ کی آبدوز غازی نے دوارکا کا محاصرہ کیا۔ عزیز بھٹی نے عسکری تاریخ میں نئی بلندیوں کو چھولیا۔

شاعروں، ادیبوں، دانشوروں، فنکاروں، مغنیوں نے سوئے ہوئے جذبوں کو بیدار کر دیا، ہر آواز شعلہ، ہر سپاہی صف شکن اور ہر جسم اپنے وطن پر نثار ہونے کو تیار تھا۔ ہر محاذ سے فتوحات کی خبریں آ رہی تھیں، لوگ چھتوں پر چڑھ کر اپنے شاہینوں کو جھپٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے، موت کو شکست ہو چکی تھی، زندگی کی کسی کو پرواہ نہیں تھی۔ یہ منظر قوموں کو ناقابل شکست بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا، یہ آج تک ایک سربستہ راز ہے کہ سرحدوں پر یکا یک موت کی خاموشی کیوں طاری ہوگئی؟۔

میرے خیال میں گوہر ایوب سے زیادہ پاکستان کے اندر کے حالات سے کوئی آگاہ نہیں، ایوب خان پاکستان بنتے ہی جنرل بن کر اہم ہو گئے، وہ پہلے پاکستانی کمانڈر انچیف تھے۔ گوہر ایوب سے کیا چھپا ہوگا، ایوب خان صدر بنے تو گوہر ایوب ان کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ 1965ء کی جنگ میں وہ لاہور کے قریب محاذ جنگ پر تھے، میری ان سے ملاقات تحریک استقلال کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں ہوئی اور پھر سیاسی سفر میں 27 سال تک ہم نے ملکر اور جدا ہو کر بھی کام کیا۔

میں نے 6 ستمبر 1999ء کو گوہر ایوب کے سامنے اپنا یہی سوال رکھا۔ انہوں نے جو تفصیلات بتائیں ان کو سن کر میری شریانوں میں خون منجمد ہو گیا تھا، وہ کہنے لگے: ہم 65ء کی جنگ ایک ٹینک ڈرائیور کی غلطی کی وجہ سے ہار گئے، میں نے یہی تفصیلات مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں بطور قائم مقام صدر بیان کیں، گوہر ایوب خان بھی موجود تھے، گوہر ایوب کہتے ہیں: 1965ء میں وزارت خارجہ سے ملکر آپریشن جبرالٹر تیار ہو گیا تھا، یہ دو مفروضوں پر مبنی تھا جو بعد میں غلط ثابت ہوئے۔ پہلا مفروضہ یہ تھا کہ کشمیری ہماری مدد کے منتظر ہیں، ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے، مگر وہاں بقول گوہر ایوب ایسی کوئی تیاری نہیں تھی، ہمارے آدمی وہاں جا کر پھنس گئے۔ ہمیں انہیں وہاں سے نکالنے کے لیے آپریشن گرینڈ سلام کرنا پڑا تو دوسرا مفروضہ یہ کہ ہندوستان بین الاقوامی سرحد پر حملہ نہیں کرے گا اس وقت غلط ثابت ہو گیا جب ہندوستان نے رات کی تاریکی میں پاکستان پر حملہ کر دیا۔ گوہر ایوب نے مزید بتایا کہ کھیم کرن کے محاذ پر ہم ایک ٹینک ڈرائیور کی وجہ سے 65ء کی جنگ ہار گئے، وہ کہتے ہیں ہم پیش قدمی کر رہے تھے، ایک نہر کے پل سے گزرتے ہوئے ٹینک ڈرائیور نے کلچ دبا دیا اور ٹینک وہیں پھنس گیا۔ پل مزید بوجھ برداشت نہ کر سکا اور ٹوٹ گیا۔ ہمیں پل مرمت کرتے ہوئے 36 گھنٹے لگ گئے، فیلڈ مارشل بار بار پل کی مرمت کے بارے میں پوچھتے، مگر اس دوران ہندوستان والوں نے اپنی دریا جتنی بڑی نہروں کو توڑ کر پورے علاقہ میں سیلاب کی کیفیت پیدا کر دی اور ہم وہاں بُری طرح پھنس گئے اور جنگ 11 ستمبر کو ہی ختم ہو گئی۔ دوسرا باخبر آدمی الطاف گوہر ہے اس نے ان واقعات کو اپنی کتاب "فوجی راج کے پہلے دس سال" میں تفصیل سے بیان کیا ہے،

اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں، پاکستان پر بھارتی حملے نے ایوب خان کو ششدر کردیا۔ پاکستان کے لیے 11 ستمبر فیصلے کا دن ثابت ہوا، صبح نو بجے ایوب خان نے قائداعظم کے یوم وفات پر اپنا پیغام ریکارڈ کروایا، ریکارڈنگ کے بعد وہ سیکرٹری اطلاعات الطاف گوہر کو اپنے کمرے میں لے گئے، جہاں انہوں نے نقشے کے ذریعے کھیم کرن کے محاذ پر پاکستان کے جوابی حملے کی تازہ ترین صورتحال بتائی۔ اس منصوبے کی منظوری خود ایوب خان نے دی تھی اور وہ اس کی کامیابی کے بارے میں بڑے پُر امید تھے، ابھی وہ تفصیلات بتا رہے تھے کہ ان کے ملٹری سیکرٹری جنرل رفیع غصے کی حالت میں کمرے میں داخل ہوئے اور تقریباً چلاتے ہوئے بولے بھارت نے مادھو پور تہر کا پشتہ توڑ دیا ہے۔ ایوب خان سب کچھ بھول گئے، وہ فوری طور پر یہ جاننا چاہتے تھے کہ علاقے کو زیر آب آنے میں کتنا وقت لگے گا۔ جی ایچ کیو کو کچھ اندازہ نہیں تھا --- ایوب خان کو یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ آپریشن کے کمانڈر جنرل نصیر نے پرانے نقشوں پر انحصار کیا تھا اور ہمارے ٹینک دلدل کے اندر پھنس کر بڑی تعداد میں ناکارہ ہوگئے تھے۔ کھیم کرن کی طرف سے جوابی حملہ 11 ستمبر کو ٹھپ ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کی تمام جنگی حکمت عملی خاک میں مل گئی۔ عملی طور پر ہماری طرف سے جنگ ختم ہوچکی تھی۔ تاشقند میں مذاکرات کے معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے جب ایوب خان نے مسودہ میں معمولی سی تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا تو الیکسی کوسیجن نے کہا: جناب صدر، جو جنگ آپ میدان میں ہار چکے ہیں اسے مذاکرات کی میز پر کیسے جیت سکتے ہیں؟ 1971ء کی فوجی حکمت عملی کے نتیجے میں ہم مسلمانوں کی تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار ہوئے، پہلے کہا گیا مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جائے گا، بعد میں بغیر کسی فضائی تحفظ کے مشرقی پاکستان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، ہندوستان کی پیش قدمی سے پہلے ہمیں وہاں سے جان چھڑا کر بھاگنے کی جلدی تھی۔ سیاچن پر بھارت نے کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کرلیا۔ کارگل پر ہماری فوجی حکمت عملی نے ہمیں کہیں کا نہ رہنے دیا۔ ہمارے نوجوان بغیر فضائی تحفظ کے مشکلات کا سامنا کرتے رہے، سپلائی کا انتظام انتہائی ناقص تھا، نتیجہ صاف ظاہر تھا، پوری دنیا میں ہماری جگ ہنسائی ہوئی، فوجی قیادت کو اپنی پیشہ وارانہ مہارت کے لیے جس خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود ہے۔ جب تک کوئی کمیشن بنا کر اپنی غلطیوں کی اصلاح نہ کی گئی، مستقبل میں کسی بڑے حادثے کو روکنا ناممکن ہوجائیگا۔

پوری دنیا میں فوج یا جرنیل کسی نہ کسی شکل میں اقتدار پر قابض رہے ہیں لیکن آہستہ آہستہ دنیا نے یہ حقیقت تسلیم کرلی کہ بالادستی کا حق صرف عوام کا ہے۔ برما اور پاکستان کے علاوہ دُنیا میں کہیں بھی اس وقت جرنیل کی حکومت نہیں ہے۔ اگر پاکستان کی فوجی قیادت نے ضد جاری رکھی تو مشرقی پاکستان کی طرح کوئی اور بڑا حادثہ ہوسکتا ہے۔ مستقبل کے اس تاریک سائے کو پاکستان پر پڑنے سے روکنے کیلئے پوری قوم کو کردار ادا کرنا ہوگا۔

# فوجی حکومتیں اور انتظامیہ بریک ڈاؤن

بریگیڈیئر (ر) شمس الحق قاضی نے نوائے وقت میں 27 ستمبر 2004ء کو اپنے مضمون بعنوان "فوجی حکومتیں اور انتظامیہ بریک ڈاؤن" میں لکھا ہے، پہلے مرحلے میں تمام دعویداروں کو ٹھکانے لگانے کے بعد فوجی حکمران اپنے آپ کو محفوظ بنانے کیلئے اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دیتے ہیں کہ اپنے اردگرد اور کمان کے اہم مقامات پر اپنے خاص تابعدار افراد کو مامور کرتے ہیں۔ چاہے اس اکھاڑ پچھاڑ میں آرمی اور ملک کا بیڑہ غرق ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ایوب خان کو خوف تھا کہ ہماری طرح کے سیاسی سطح پر غیر مستحکم ملکوں میں فوجی بغاوتیں ٹینک دستوں کی شمولیت سے ہی کامیاب ہوتی ہیں، اس لئے انہوں نے ہمارے اکلوتے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کا سربراہ GOC آرمرڈ افسر کی بجائے اپنا ذاتی وفادار انفنٹری افسر جنرل حق نواز کو مقرر کر دیا۔ یہ تو امن کا زمانہ تھا، اس لئے خیریت گزری۔ لیکن ستم یہ کیا کہ بعد میں آرمرڈ ڈویژن ایک اور GOC جنرل موسیٰ کا ذاتی تابعدار انفنٹری افسر جنرل نصیر کو مقرر کر دیا۔ راقم ان کے ماتحت کھاریاں چھاؤنی میں لیفٹیننٹ کرنل رجمنٹ کمانڈر تھا۔ اس دوران ڈویژن میں مشہور تھا کہ جنرل نصیر صاحب کو واٹر ٹینک اور لڑاکا ٹینک کا فرق بھی معلوم نہیں اور شومئی قسمت سے انہی کی کمان کے دوران جنگ ستمبر شروع ہوگئی۔ اسلامی دنیا میں چوٹی کے لڑاکا فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کی بھارت نے کھیم کرن کے محاذ پر جو دھنائی کی اس کی یاد میں بھارت نے میدان جنگ کا نام پاکستانی ٹینکوں کے نام پر PATTON ''آباد'' رکھ دیا اور پھر ہم نے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کو کھیم کرن سے پسپائی پر سیالکوٹ محاذ پر منتقل کر دیا تو گویا جناب ایوب خان نے آرمرڈ ڈویژن کیلئے اپنا ذاتی وفادار مگر حربی صلاحیتوں سے عاری GOC لگا کر جنگ ستمبر میں جیتی ہوئی بازی ہار دی۔

بہرحال دوسرے PHASE میں اکھاڑ پچھاڑ کے ذریعے اپنے گرد حساس وفادار افراد کا حصار باندھنے کے بعد اب "سیاں موے کوتوال اب ڈر کاہے کا" کا دور یعنی فوجی حکومت کا تیسرا PHASE شروع ہوتا ہے اور اگر بدقسمتی سے جنگ نہ چھڑ جائے تو یہ عیش و آرام اور داد و دہش کا مقام ہوتا ہے اور اگر ابھی تک CNC آرمی چیف ہی رہتا ہے تو جس حکومت نے چیف کو پہلے دو PHASE آسانی سے مکمل کرنے کی آزادی دی کوئی اعتراض یا مزاحمت نہیں کی، تو آرمی چیف کو حکومت کے بوداپن اور کم طاقتی کا بخوبی ادراک ہو جاتا ہے اور اب دل ہی دل میں بادشاہ بننے کی آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں اور اگر خود بادشاہ بننے پر آمادہ نہ بھی ہوں تو حواری درباری اس کیلئے اکساتے ہیں۔ جیسا کہ یحییٰ خان کے ساتھ ہوا۔ ان کے ایک سٹاف افسر کرنل نے لاہور کلب میں نعرہ لگایا کہ ''اب وقت آ گیا ہے کہ یحییٰ خان حکومت سنبھال لے''۔ یہ بات ایجنسیوں نے اوپر رپورٹ کر دی تو جناب ایوب خان خاصے فکرمند ہوئے۔ دوسری طرف ان کرنل صاحب کو اب اپنی فارغ خطی کا قطعی یقین ہو گیا تو انہوں نے از خود ہی وردی اتار دی اور الوداعی ملاقاتیں شروع کر دیں۔ راقم کے پاس بھی آئے اور بتایا کہ اب ان

کا ٹائم ختم ہوگیا ہے۔ جناب ایوب خان نے انکوائری ISI کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر اکبر خان کو دی۔ انہوں نے لاہور میں مجھے بتایا کہ لاہور روانگی سے قبل یحیٰی خان نے ان کو بلا کر کہا کہ "یہ کرنل میرا آدمی ہے اس کا خیال رکھنا"۔ بریگیڈیئر اکبر نے کہا کہ اب میں کیا خاک انکوائری کرونگا۔ چنانچہ اکبر خان نے کرنل کو CLEAR کر دیا اور بالآخر پروگرام کے مطابق یحیٰی خان نے TAKE OVER کر لیا اور دھیرے دھیرے ان کرنل صاحب کو بغیر بورڈ کے پیش کرنے کے میجر جنرل بنا دیا اور پھر بدقسمتی سے لڑائی چھڑ گئی اور دونوں کا تختہ ہوگیا۔

اس تیسرے دور میں اگر لڑائی نہ چھڑ جائے تو فوجی حکمران اپنے آپ کو مامور من اللہ اور عقل کل سمجھتے اور بیان کرتے ہیں اور ان کے اردگرد "آمنا وصدقنا" کہہ کر تائید کرنے والے حواری درباری لوگوں کی کمی نہیں ہوتی۔ جناب ایوب خان کو انہی حواری درباری لوگوں نے ملک کا THE SAVIOUR یعنی نجات دہندہ بنا کر LIFE PRESIDENT بننے کا مشورہ دیا تھا۔ ڈان کے سابق ایڈیٹر اور ایوبی دور میں انڈسٹری منسٹر جناب الطاف حسین نے راقم کو بتایا کہ ایک کیبنٹ میٹنگ میں ایوب خان نے بیان کیا کہ برصغیر میں گذشتہ پچاس برسوں میں پہلی بار مسلمانوں کو میری صورت میں صحیح لیڈر میسر ہوا ہے۔ اس پر ساتھ کے وزیر نے ٹھونکا لگا کر سرگوشی میں کہا "لو اب قائداعظم بھی گئے"۔ انہی حواری درباری لوگوں نے ایوب خان صاحب کو یقین دلایا تھا ملک کی غالب اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے وہ بےفکر اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے "سکہ وخطبہ اپنے نام کر دیں" لیکن جب ان کے خلاف طوفان برپا ہوا تو اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی ایک فرد بھی ان کا حمایتی نہ تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ تخت پر بیٹھنے والے خود اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں اور لوگ ان کو کیا سمجھتے ہیں۔ جس روز ایوب خان صاحب کو معزول کیا گیا میں انقرہ میں کرنل تجمل حسین کے پاس ٹھہرا تھا بعد میں جنرل بنے اور حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، نیک اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ بہرحال دوسرے روز ہی دمشق آیا اور سفارتخانہ کے گودام سے اپنا سامان اٹھانے لگا تو وہاں ایوب خان کی تصویروں کا ڈھیر لگا تھا۔ مجھے انتہائی دکھ ہوا۔ میں نے چوکیدار سے پوچھا۔ یہ راتوں رات کیا ہوگیا ہے۔

دمشق میں پاکستانی سفارتخانے کا یہ چوکیدار اسماعیل، اگر زندہ ہے تو اسے سونے سے تولنا چاہیے۔ اس نے ایسی سچائی بیان کی ہے جو پاکستان کے ہر لیڈر کو لاحق ہوجاتی ہے۔

ہمدرد شوریٰ کے ایک حالیہ اجلاس میں راقم نے اپنے کلیدی لیکچر میں محسوس کیا کہ تحریک پاکستان کے آخری دنوں میں راقم دلی میں نوجوان فوجی افسر تھا تو یہ سوچ کر خوفزدہ ہوجاتا کہ پاکستان میں مؤثر اور خوشحال صوبہ پنجاب ہی ہوگا لیکن پنجاب کو کانگریسی لوگ ULSTER OF INDIA کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پنجاب نے تاریخی طور پر ہمیشہ زبردستیوں کا ساتھ دیا ہے تو اگر سارا پاکستان پنجاب کی ڈگر پر چل نکلا تو ہمارے پیارے ملک پاکستان کا کیا بنے گا۔ (نوائے وقت 27 ستمبر 2004ء)

## پرویز مشرف کی حمایت

میں نے شہباز شریف کی رائے طلب کرنے پر پرویز مشرف کی بطور کمانڈر انچیف تقرری کی حمایت کی تھی۔ دوسرے امیدوار جنرل علی قلی خان تھے۔ جنرل پرویز مشرف کو میں نہیں جانتا تھا مگر جنرل علی قلی سے میری میل ملاقات تھی۔ اُن کے والدِ محترم جنرل حبیب اللہ سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اُن کی ہمشیرہ زیب گوہر ایوب ممبر قومی اسمبلی اُس مدد کو آج تک نہیں بھولیں جو مشکل حالات میں اُن کے والد کی حمایت میں بیانات دے کر میں نے کی تھی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل علی قلی خان کے والد جنرل حبیب اللہ کو ہتھکڑیاں پہنا کر ٹیلیویژن پر دکھایا تو میں یہ تضحیک برداشت نہ کر سکا اور بھٹو کے اس اقدام کی شدید مذمت کی۔ جنرل علی قلی خان کے کزن انور سیف اللہ خان اور سلیم سیف اللہ خان سے میری بے تکلفی ہے۔ اُن کے بہنوئی گوہر ایوب خان سے دیرینہ تعلق ہے۔ زیب گوہر کی نند اور ایوب خان کی بیٹی بیگم نسیم اورنگزیب نے مجھے ہمیشہ بڑی بہن کا پیار دیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود مجھے جنرل علی قلی خان کا انداز پسند نہ آیا۔ انہوں نے کمانڈر انچیف بننے سے پہلے ہی سیاسی صورتحال پر تنقیدی گفتگو شروع کر دی جو اُن کے مرتبے کے خلاف تھی۔ یہ صحیح ہے جنرل پرویز مشرف کے حق میں یہ بات بھی جاتی تھی کہ وہ سیاسی حکومت کے لیے خطرہ نہیں بن سکیں گے۔ پاکستان کی ہر سیاسی حکومت فوجی مداخلت سے خوفزدہ ہوتی ہے اور کمزور جرنیل کو کمانڈر انچیف بناتی ہے، لیکن وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر گرے نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے۔ تجربہ نے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ سینارٹی کے استحقاق کو مجروح کر کے بننے والے کمانڈر انچیف آخری عہدہ کو بھی بغیر استحقاق کے اپنا حق سمجھتے ہیں اور موقع کی تاک میں ہوتے ہیں اور نیچے والوں سے عدم تحفظ کا شکار رہتے ہیں۔

## یحییٰ خان... صدر نکسن کا استاد

چاروں فوجی صدور کی جنگی حکمت عملی کے نتائج نے پاکستان کو اندرونی اور بیرونی طور پر کمزور کیا، چاروں نے امریکہ سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کیں اور چاروں کو آخر میں مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ ملک بچا سکے اور نہ اپنا اقتدار۔ چاروں اپنے آپ کو فلاسفر سمجھتے تھے، ہندوستان سے محبت کی زبان میں بات کرتے تھے اور اپنے ملک کے عوام اور ان کے نمائندوں سے ہتھیاروں اور وردی کی زبان میں۔ صرف ایوب خان نے وردی اتاری مگر فیلڈ مارشل کی وردی پہن لی، انہوں نے مارشل لا اٹھالیا لیکن لفظ، مارشل کو خود سے جدا نہ کیا۔ ان کی مایوسیوں کی جھلک ان کی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے، جس میں وہ کہتے ہیں ہم آقا نہیں چاہتے دوست چاہتے ہیں۔ یحییٰ خان کے دور کے گورنر جنرل عتیق الرحمٰن کی نامور بیٹی شاہین عتیق الرحمٰن یونیورسٹی میں ہمارے ساتھ تھیں، وہ ہر وقت بتاتی رہتی تھیں کہ یحییٰ خان جسے وہ اولڈ مین (Old Man) کہتی تھیں، امریکیوں کے کتنے قریب ہیں۔ ان کی باتوں سے لگتا تھا،

صدر نکسن یحییٰ خان کی دانشمندی سے مسحور ہو چکا ہے اور جنرل صاحب سے ہر وقت رہنمائی کا طلب گار رہتا ہے۔

## آغا شاہی کا دورہ امریکہ

روس انقلاب کی پشت پناہی کے لیے افغانستان میں داخل ہو چکا تھا، انہی دنوں ہماری کابینہ کا اجلاس ہوا۔ آغا شاہی امریکہ کے دورے سے واپس آئے اور براہ راست کابینہ کے اجلاس میں پہنچے۔ انہوں نے کہا: امریکہ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ پاکستان کو صبر سے کام لینا چاہیے، اگر روس نے پاکستان کے اندر مداخلت کی تو ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ پاکستان، روس اور افغانستان سے اپنے معاملات خود طے کرے۔ ضیاء الحق نے کہا: امریکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان اور افغانستان کی زمینی اور نظریاتی سرحدیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہیں، اگر افغانستان کے لوگوں نے روس کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو پاکستان کو اپنے تحفظ کے لیے ان کی مدد کرنا ہوگی۔

## تنہا مسافر

انہیں دنوں ضیاء الحق صاحب بلوچستان کے دورے پر چلے گئے، کوئٹہ سے ان کے ملٹری سیکرٹری کا فون آیا کہ صدر صاحب چاہتے ہیں، آپ ان کے دورے میں شریک ہوں۔ میں نے کہا: اگلے دو روز تک کوئٹہ کے لیے کوئی فلائٹ نہیں ہے، انہوں نے دوبارہ رابطہ کر کے کہا کہ صدر صاحب آپ کے لیے اپنا جہاز بھیج رہے ہیں۔ تنہا مسافر کوئٹہ کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں پائلٹ نے بتایا، میں فیملی کے ساتھ مری میں تھا کہ میری چھٹی منسوخ کر کے آپ کو کوئٹہ پہنچانے کے لیے کہا گیا ہے۔ کوئٹہ پہنچا تو بلوچستان کے گورنر، جسٹس مری نے پر تپاک استقبال کیا۔ میں سیدھا میٹنگ میں پہنچا، جنرل صاحب نے ہائی کمان کو طلب کیا ہوا تھا اور پاکستان کے گرم پانیوں کو بچانے کے لیے اہم فیصلے کر لیے گئے۔

## گرم پانی کی سیاست

کوئٹہ سے ہم گوادر پہنچ گئے، ضیاء الحق صاحب نے سمندر کے پانی کو چلّو میں بھر کر ہماری طرف دیکھا اور کہا: روس ان گرم پانیوں تک پہنچنے کا خواب صدیوں سے دیکھ رہا ہے، محمود ہارون صاحب، جاوید صاحب گواہ رہنا، وہ اس پانی تک کبھی نہ پہنچ سکے گا۔

امریکہ افغان مجاہدین کی تحریک مزاحمت کو توجہ سے دیکھ رہا تھا، اس نے محسوس کیا کہ افغان اپنی سرزمین پر روس کو شکست دے سکتے ہیں، تب وہ آگے بڑھا، ہماری فوجی قیادت نے امریکیوں کی مدد کو خوش آمدید کہا، تاہم امریکہ کی چالوں سے وہ خود کو بچا سکے نہ افغان مجاہدین کو۔ افغان مجاہدین کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا گیا۔ امریکہ نے اس جنگ کو اپنی فتح میں تبدیل کر دیا، اس کا مدمقابل روس چاروں شانے چت ہو چکا تھا، ضیاء الحق بدلے ہوئے

حالات کا اندازہ نہ کر سکے، وہ امریکہ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتے مگر گلی کے باہر کا منظر بدل چکا تھا۔

## کعبہ میں حلف

1992ء میں میاں نواز شریف روس کی واپسی کے بعد پیدا ہونے والے حالات کی پیش بندی کر رہے تھے، ہم تمام مجاہدین رہنماؤں استاد جلال الدین ربانی، صبغت اللہ مجددی اور حکمت یار کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے، سب نے بیت اللہ شریف کے اندر نوافل ادا کیے اور سعودی عرب کے فرمارواشاہ فہد سے طویل مذاکرات ہوئے، سب نے مل کر کام کرنے کا عہد کیا، مذاکرات کی میز پر میرے دائیں طرف گورنر مکہ اور سعودی فرمارواؤں کے سب سے چھوٹے بھائی ملک عبدالمجید اور بائیں طرف شاہ فیصل کے صاحبزادے اور سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل تھے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آیا یہ معاہدہ قائم رہ سکے گا، میں افغانستان پر اپنی فوجی حکمت عملی سے آگاہ تھا، میں نے شبہات کا اظہار کیا۔ ہم ابھی سعودی عرب میں تھے کہ مجاہدین نے ایران پہنچ کر ایک دوسرے کے خلاف بیانات داغنا شروع کر دیے۔ جو فوجی حل روس افغانستان پر مسلط نہ کر سکا، وہ حل ہم مسلط کرنے کی کوششیں کر رہے تھے، جس کا بھیانک انجام جلال آباد پر حملے کی صورت میں سامنے آیا۔ میرا ایمان ہے کہ ایوب خان، یحییٰ خان، ضیاء الحق، پرویز مشرف پاکستان کی جنگ لڑتے رہے ہیں۔ لیکن اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے امریکہ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ امریکہ اپنے ملک کی خارجہ پالیسی بناتا ہے۔ جس طرح ہم نہیں چاہتے امریکہ ہماری پالیسیاں بنائے، اسی طرح امریکہ بھی نہیں چاہتا کہ پاکستان اس کی پالیسیاں بنائے۔ جب پاکستان اور امریکہ کے مفادات متصادم ہوتے ہیں تو وہ فوجی حکمرانوں کی عوام سے دوری کا فائدہ اٹھاتا ہے، یہی پاکستان کی فوجی حکمت عملی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جب ہمارے فوجی حکمران مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو کبھی تاشقند کی طرف بھاگتے ہیں، کبھی چین کی طرف دیکھتے ہیں، اور کبھی کبھی تو مایوسی میں دہلی کیطرف دیکھنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے عوام سے خوفزدہ رہتے ہیں، ان کا سامنا نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے لوگوں سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دشمن کے سامنے ہتھیار پھینکتے ہوئے شرماتے نہیں، اگر کوئی اسے سمجھانے اور راہ دکھانے کی کوشش کرے تو اسے غدار سمجھتے ہیں۔

## فوج کی حکمرانی کیوں؟

اپنے اندرونی حالات پر نظر ڈالیں تو ظاہر ہوگا کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک اصل اقتدار فوج اور بیوروکریسی کے پاس رہا ہے۔ انتقال اقتدار انگریز سے فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار کو ہوا، عوام کو نہیں ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی قومی سطح کے فیصلے کرنے کی تربیت ہوتی ہے اور نہ صلاحیت۔ اس کے باوجود فوجی اور سول بیوروکریسی کے فیصلے اور ان پر عملدرآمد کرانے میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ زمینی حقائق کے مطابق فیصلے کر سکتے

اور اگر اُن کے پاس عوام کی بہبود کا کوئی پروگرام ہوتا تو پاکستان اِس حالت کو نہ پہنچتا۔ کہ پانچ کروڑ لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم دنیا کی جاہل ترین قوموں میں سے ایک ہیں۔ کرپشن میں اضافہ انہی اداروں کی سرپرستی میں ہوا، معاشی منصوبہ بندی کیلئے تمام فوجی حکمران باہر سے وزیرِ خزانہ درآمد کرتے رہے۔ اب تو انہوں نے امریکہ سے دوسرا وزیراعظم بھی درآمد کر لیا ہے۔ کیونکہ اپنے ملک میں سول اور ملٹری بیوروکریسی میں معیشت کو سمجھنے والا کوئی وزیر میسر نہیں ہوتا۔ متوسط طبقے کے سیاستدان زمینی حقائق سمجھتے ہیں مگر اُن پر اعتبار نہیں۔ جاگیردار سیاستدان اپنے خول میں بند ہوتا ہے۔ دفاعِ وطن کا مقدس فریضہ ادا کرنے کی بجائے، فوج کھالوں کی صفائی اور کرکٹ کی بہتری کیلئے زیادہ سنجیدہ ہے۔ گملوں میں وہ سیاسی قیادت اور پارٹیاں اگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواجہ ناظم الدین اور لیاقت علی خان کو سیاست سے بے دخل کر کے تنخواہ دار طبقہ نے اقتدار پر براہ راست قبضہ کر لیا۔ ملک غلام محمد، سکندر مرزا، چودھری محمد علی، آئی آئی چندریگر، محمد علی بوگرہ، تمام بیوروکریٹ تھے۔ فیروز خان نون، ڈاکٹر خان کو اقتدار میں لانے والے اور گھر بھیجنے والے کون تھے؟ پھر فوج کے کمانڈر انچیف نے، جو 1954ء کی کابینہ میں وزیرِ دفاع تھا، 1958ء میں براہ راست اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

انہوں نے ہمیشہ نوآموز سیاستدانوں کو اقتدار کا حصہ بنایا تاکہ کمزور سیاستدان اُن کی زیرِ سرپرستی کام کرتے رہیں، جب یہ سیاستدان تجربہ کار ہوئے تو اُن سے خوفزدہ ہو کر انہیں سیاست سے باہر نکال گیا اور سیاستدانوں کی نئی نرسری لگادی گئی اور وہ بھی جونہی تناور درخت بننے لگے، انہیں کاٹ دیا گیا۔ قوم ہر سایہ دار شجر سے محروم ہو گئی، کڑی دھوپ کے اِس سفر میں ہر نئے موڑ پر ایک نیا داروغہ ہاتھ میں کوڑا لیے کھڑا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کو سیاست میں کون لایا، اور کس نے نکالا؟ محمد خان جونیجو کے آنے پر ضیاءالحق نے کہا: ان سے زیادہ صاحب کردار سیاستدان اِس ملک میں نہیں ہے، تین سال بعد ارشاد ہوا کہ اس سے زیادہ کرپٹ حکومت کی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے ملک کی شہرہ آفاق ایجنسیاں اور اُن کے افراد کو جانچنے کے ڈھانچے ایک نئے سفر پر روانہ تھے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپنی شرائط پر اقتدار میں لایا گیا، چند مہینوں میں انہیں سیکورٹی رسک قرار دے دیا گیا، پھر میاں نواز شریف سریرآرائے اقتدار ہوئے۔ وزیرِ خزانہ پنجاب سے وزیرِ اعلیٰ پنجاب تک وہ آنکھوں کا تارہ تھے۔ وزیراعظم بنتے ہی یکایک تمام خامیاں ان میں پیدا ہو گئیں اور انہیں گھر بھیج دیا گیا۔

نئی شیرازہ بندی ہونے لگی، میر بلخ شیر مزاری جیسے بھلے مانس کو عشووں اور غمزوں سے لبھایا گیا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ میاں نواز شریف بحال ہو گئے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بخیے اُدھیڑ دیئے گئے، مگر انتخاب کرانا مجبوری بن گیا۔ نواز شریف کا راستہ روکنا مشکل تھا۔ دوبارہ محترمہ بے نظیر کے آستانے پر جبہ سائی کی گئی اور آصف زرداری سے وزارت کا حلف لیا گیا۔ نواز شریف کا راستہ روک لیا گیا مگر

محترمہ بھی ناقابل برداشت ٹھہریں۔ دونوں رہنماؤں کو اصل قوت کے غیر پسندیدہ (Un Popular) فیصلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ محترمہ کو پھر حکومت سے نکال دیا گیا۔

ٹیکنو کریٹس کے ذریعے لمبی مدت کی منصوبہ بندی کر لی گئی۔ بین الاقوامی دباؤ بڑھ گیا، معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی، اب پھر انتخابات کے سوا چارہ نہ تھا۔

سیاسی جماعتوں کی تقسیم کے فارمولے پر عمل کے ذریعے من چاہے نتائج کی پیش بندی کر لی گئی، نتائج ہمیشہ کی طرح ایجنسیوں کی توقع کے خلاف تھے۔ 1996ء کے انتخابات کے آخری مرحلے میں ایجنسیوں کے مقامی افراد نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا، جب وہ آئے تو میں نے انہیں کہا کہ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی ایجنسی کے افراد سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ کہنے لگے: آپ انتخابات کے نتائج کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور قائم ہونے والی اسمبلیاں کتنا عرصہ نکالیں گی۔ میں نے عرض کی کہ مسلم لیگ کو دو تہائی اکثریت ملے گی اور پورے پنجاب میں پیپلز پارٹی کو کوئی سیٹ ملنے کا امکان نہیں ہے، مگر دو تہائی اکثریت کے باوجود اِن اسمبلیوں کی مدت چھ مہینے سے چودہ مہینے تک ہوگی، کیونکہ اصل انتظامیہ نواز شریف کو برداشت نہیں کرے گی، وہی ہوا۔ نواز شریف کو دو تہائی اکثریت مل چکی تھی۔ خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں۔ 6 مہینے کے اندر سپریم کورٹ کے ذریعے عوامی مینڈیٹ کا گلا دبانے کا نیا طریقہ نکالا گیا اور اس کا نام جوڈیشل ایکٹوازم رکھا گیا۔ دو تہائی اکثریت سید سجاد علی شاہ، فاروق لغاری اور جہانگیر کرامت کے آہنی ہاتھوں میں آخری دموں پر تھی۔ ایٹمی دھماکے کرنے والے وزیر اعظم کو گھر بھیجنا مشکل ہوا تو کارگل کی مہم کا نقشہ تراشا گیا۔ جیتنے کی صورت میں بھی جمہوریت کا گلا کاٹنا آسان ہو جاتا اور ہارنے کی صورت میں 71ء کی طرح ذمہ داری نواز شریف پر ڈالنا مقصود تھی۔ نتائج حسبِ توقع نکلے، فوج اور ملک کو بچانے والا نہ خود کو بچا سکا اور نہ اپنا اقتدار۔

30 سال کے فوجی اقتدار نے پاکستان کو تو کچھ نہ دیا۔ حکمران جنرل ابھی تک حکمرانی کے طور طریقے سیکھ سکے اور نہ فوجی قرینے، اور نہ ہی ان میں مردم شناسی پیدا ہو سکی۔ ظفر اللہ جمالی کو ڈیڑھ سال پہلے تمام ایجنسیاں پاکباز [illegible] سے نکلے ہوئے باکردار اُجلے انسان کے طور پر پیش کر کے پرویزی نظام کا ستون قرار دے رہی

[redacted]

پناہ نہ تھی۔ جنرل نے خود اپنی بنائی ہوئی اسمبلی کا گلا گھونٹ دیا۔

☆1989ء میں بے نظیر بھٹو نواز شریف کے گھر چلی گئیں۔ نوآموز سیاستدانوں میں رابطے بڑھنے لگے تو بے نظیر کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

☆1992ء میں نواز شریف نے محترمہ بینظیر کو خارجہ امور کی کمیٹی کا چیئرمین بنایا۔ میں بھی اس کمیٹی کا ممبر تھا۔ اور محترمہ کو چیئرمین بنانے میں میرا مشورہ بھی شامل تھا۔ محترمہ نے چیئرمین بننا قبول کرلیا تو نواز شریف کے اقتدار کے دن گن لئے گئے۔ نواز شریف حکومت کی بنیادیں ہلانے کیلئے جنرل آصف نواز نے کراچی میں فوجی ایکشن (Action) کیا۔ ایم کیو ایم نے بطور احتجاج اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ اُن کی گرفتاری کے لیے جگہ جگہ چھاپے مارے جارہے تھے، ایم کیو ایم کے موجودہ پارلیمانی لیڈر فاروق ستار میرے گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ میں نواز شریف کابینہ کا مرکزی وزیر تھا، صلاح الدین صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ تکبیر، جو ایم کیو ایم کے سخت مخالفین میں سے تھے، اسلام آباد میں آتے تو حفاظتی تدبیر اختیار کرتے ہوئے میرے گھر پر ٹھہرتے۔ اُن کے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا، اتفاق سے وہ بھی اُنہی دنوں میں تشریف لے آئے، ملازمین نے اُن کا کمرہ کھول دیا۔ جب میں گھر آیا تو سخت پریشانی میں تھا، اسی اثناء میں سید حفیظ الدین اور مشاہد اللہ خان، جو میرے دیرینہ ساتھی ہیں، آفاق احمد کو لے کر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ صرف دس منٹ کی ملاقات چاہتے ہیں، میں نے اپنے ملازم کو کہا کہ انہیں لائبریری میں بٹھائے۔ ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے میرے گھر میں موجود تھے اور انہیں یقین تھا کہ وہ محفوظ جگہ پر قیام پذیر ہیں۔ تینوں ایک دوسرے سے اپنی جان بچاتے پھرتے تھے۔ تینوں ایک دوسرے کی ایک ہی گھر میں موجودگی سے بے خبر تھے۔ یہ مرحلہ بخیر وخوبی طے ہونے پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

☆1996ء کی قومی اسمبلی میں نواز شریف نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں بے نظیر صاحبہ کی حکومت کے گرانے کے حق میں نہیں، اگر چہ ہمیں سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جارہا ہے، لیکن ملک کی ترقی کیلئے بے نظیر کے اٹھنے والے اقدامات کی ہم تائید کریں گے۔ یہ اتفاق رائے اصل حکومت کو خوفزدہ کرنے کیلئے کافی تھا بے نظیر کو اب جانا ہی تھا۔

☆1999ء میں بے نظیر نے آٹھویں ترمیم کے خاتمے کیلئے نواز شریف حکومت کا ساتھ دیا، پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ اب دونوں کو ملکی سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔

☆2002ء میں اے آر ڈی کا وجود عمل میں آیا تو سیاستدانوں کو ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا طعنہ دینے والے سکتے میں آگئے اور قومی اتفاق رائے پیدا کرنے والوں کو منافقت کا طعنہ دیا گیا۔ قومی اتفاق رائے پیدا ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ خفیہ ایجنسیاں ہیں۔ وہ سیاسی جماعتوں کو تقسیم کرتی ہیں، علاقائی اور مذہبی مناقشوں کی سرپرستی کرتی ہیں تاکہ کوئی بڑی قیادت پیدا ہو کر اُن کے اقتدار کیلئے چیلنج نہ بن سکے۔ خواہ مملکت کے بنیادی ستون ہل جائیں، اس کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔

ساتواں باب

# جدوجہد کے پانچ سال

## 12 اکتوبر 1999ء سے 12 اکتوبر 2004ء

# 12 اکتوبر کا چشم دید گواہ

12 اکتوبر کو ایئرپورٹ پر وزیراعظم نواز شریف سے رخصت ہو کر وزرا کالونی میں پہنچا اور آتے ہی سو گیا۔ ہمارا سارا دن جلسوں، جلوسوں اور سیلاب زدہ علاقوں کے دورے میں گزرا تھا۔ سٹاف نے ٹیلی کام پر مجھے اطلاع دی کہ جنرل پرویز مشرف کو ہٹا دیا گیا ہے۔ میں نے پوچھا: انکی جگہ پر کسے تعینات کیا گیا ہے؟ میرے پرائیویٹ سیکرٹری نے کہا: جنرل ضیاء الدین بٹ کو۔ ان سے میں نے کہا کہ وہ میرا ذاتی سامان باندھ لیں۔ وہ حیران تھے۔ میں نے کہا: جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ اس پر عمل کریں۔ میرے سامنے مستقبل کا نقشہ واضح تھا۔ تھوڑی دیر میں خبریں آنے لگیں وزیراعظم ہاؤس کے ارد گرد فوج نے پوزیشنیں سنبھال لی ہیں اور میاں نواز شریف گھیرے میں ہیں۔ میں گاڑی پر بیٹھ کر وزیراعظم ہاؤس پہنچا۔ وزیراعظم ہاؤس کے دروازے سے ایوان صدر تک فوجی ٹرکوں کی لمبی قطاریں تھیں۔ ہمیں راستے میں کسی نے روکا نہیں۔ جونہی ہم وزیراعظم ہاؤس کے دروازے کے قریب پہنچے فوجی جوانوں نے اپنی بندوقوں کا رخ ہماری طرف پھیر دیا۔ میرے سرکاری گن مین نے انہیں بتایا کہ یہ وفاقی وزیر ہیں۔ فوجی جوان نے کہا: آپ جو بھی ہیں آگے نہیں جا سکتے، آپ فوراً واپس چلے جائیں۔ ہم نے کافی تکرار کی تمام راستے مسدود تھے۔

جب ہم ٹی وی سٹیشن کے دروازے پر پہنچے تو دیکھائی دی سٹیشن بھی فوج کے گھیرے میں ہے۔ فوجی جوان ٹی وی سٹیشن کا دروازہ پھلانگتے ہوئے اندر داخل ہو چکے تھے۔ ہم چند قدموں کے فاصلے پر وزرا کالونی کے دروازے پر پہنچے تو فوج وہاں بھی آ چکی تھی۔ میرے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ میں اسلام آباد میں کسی دوست کے گھر منتقل ہو جاؤں۔ ایک دو دن تک صورتحال واضح ہو جائے گی۔ میں نے ان کا مشورہ نہ مانا۔ مشکل حالات کا سامنا کرنے کے لیے میں خود کو تیار کر چکا تھا۔

وزرا کالونی کے بیریئر پر کھڑے فوجی جوانوں نے مجھے اندر داخل ہونے سے روکا۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ کو ہماری ہی تلاش ہے۔ انہوں نے ہمیں اندر جانے دیا۔ جوں ہی میں وزرا کالونی میں داخل ہوا، میں نے ایک دراز قد بھاری بھر کم تہہ بند باندھے ہوئے دیہاتی کو دیکھا۔ وہ اس دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا، جہاں ابھی فوجی جوان نہیں پہنچے تھے۔ اس کے سر پر کپڑوں کا گٹھڑ تھا۔ میری گاڑی کے آگے سے گزرا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ بعد میں وہ جنرل مشرف کی حکومت میں بھی وفاقی وزیر بنا۔

ہمارے گھروں کو فوجی جوانوں نے گھیر لیا اور ہماری نقل و حرکت پر پابندی لگا دی۔ پرویز مشرف دور میں یہ میری پہلی باقاعدہ گرفتاری تھی۔

میں بہت افسردہ تھا، مجھے اندازہ تھا کہ ملک ایک مرتبہ پھر ایسی دلدل میں پھنس گیا ہے جس سے نکلنے میں کئی سال لگ سکتے ہیں۔ رات کو حلیم صدیقی نے بتایا، اس کی میاں نواز شریف سے اتفاقاً گفتگو ہوگئی ہے اور وہ خیریت سے ہیں۔ میں ساری رات سوچتا رہا کہ ہم ساری دنیا کے تمسخر کا موضوع بن گئے ہیں۔ اس اقدام سے اندرونی طور پر قوم مزید ذہنی انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ یہ امتحان کا وقت تھا، مجھے میاں نواز شریف کے طرز حکمرانی سے کلی طور پر اتفاق نہ تھا لیکن ان کے حق حکمرانی کو چیلنج کرنے والوں کو یہ حق کس نے دیا تھا؟۔ سیاسی جماعتوں اور سیاسی قیادتوں کی کمزوریاں بجا، مگر ان کے وجود کو مٹا کر نئی بساط بچھانے والوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ آئین کی بے حرمتی، قومی سوچ کے وجود پر ایسے چرکے لگاتی ہے کہ قوم کا وجود ہی بے معنی ہونے لگتا ہے۔ مجھے فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ صرف میاں نواز شریف کی توہین نہیں ہے، ملک اور قوم کی بہتری اسی میں ہوگی کہ فوجی حکمرانوں کو احساس دلایا جائے کہ ان کا فیصلہ غلط تھا، اس لیے ضروری تھا اور آج بھی کہ میاں نواز شریف کو سیاست میں باوقار طریقے سے واپس لایا جائے اور 12 اکتوبر کے فوجی حکمرانوں کے فیصلے کو غلط ثابت کیا جائے۔ مجھے اس راہ کی مشکلات کا اندازہ تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی نے ملک کو انتشار کی دلدل میں پھنسایا تھا، ابھی تک ہم اس دلدل سے نکل نہ سکے تھے۔ بھٹو کے طرز سیاست سے اختلاف کے باوجود میں دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ اگر محترمہ بے نظیر بھٹو وفاق کی سیاست نہ کرتیں تو پاکستان کی مشکلات میں بہت اضافہ ہو چکا ہوتا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میاں نواز شریف اور مسلم لیگ (ن) کو مٹا دیا گیا تو فوجی حکمران اسے اپنی ایک اور بڑی کامیابی سمجھ کر خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے حکمرانی کو اپنا حق سمجھیں گے۔ جو اکیسویں صدی میں عالمی سطح پر نا قابل قبول ایجنڈا ہوگا اور پاکستان کو تحلیل کرنے کا ایسا جال جس میں پھنسنے کے بعد فوجی حکمرانوں کو ایسی پشیمانی کا سامنا ہوگا، جس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکے گا اور قوم تہہ خاک یہ کہہ رہی ہوگی

کی اُس نے میرے قتل کے بعد جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

دوسرے روز ہم چوری چھپے تہمینہ دولتانہ کے گھر جمع ہوئے۔ وزرا کے گھر چونکہ ایک دوسرے سے جڑے ہیں، لہٰذا یہ قدرے آسان تھا۔ اس میٹنگ میں تہمینہ اور اس کے خاوند زاہد اتور رواہلہ کے علاوہ حلیم صدیقی اور میاں یاسین وٹو مرحوم نے شرکت کی۔ آئندہ کے لائحہ عمل پر غور شروع ہوا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کو متحد رکھا جائے اور فوجی آمریت کے خلاف جدوجہد کی منصوبہ بندی کی جائے۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک خفیہ ہتھیار موجود ہے۔ ہمیں بیگم کلثوم نواز کو میدان میں لانا ہوگا۔ سب نے مجھ سے اتفاق کیا۔ تہمینہ دولتانہ کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ بیگم صاحبہ کو قیادت کے لیے تیار کریں۔ یہ بہت مشکل ٹاسک تھا مگر تہمینہ نے یہ کارنامہ کر دکھایا۔

جب ہمیں رہا کیا گیا تو یاسین وٹو مرحوم اور میں سیدھے جعفر اقبال کے گھر پہنچے۔ وہاں سے ہم راجہ

ظفرالحق صاحب کے گھر آئے۔ اعجاز الحق بھی آ گئے۔ طے پایا کہ ہم اپنے گھروں سے ہو کر ایک ہفتہ بعد اسلام آباد واپس آ جائیں اور آئندہ کا لائحہ عمل تیار کریں۔ میرا سارا سامان میری گاڑی میں آ گیا تھا۔ اسی شام میں ملتان میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تھا۔

ایک ہفتہ بعد چودھری شجاعت حسین کے گھر پر راجہ ظفرالحق کی قیادت میں 29 ممبران کی رابطہ کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ راجہ ظفرالحق اس کمیٹی کے سربراہ چُنے گئے اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کا اعلان کر دیا گیا۔ پوری قوم کی نظریں اس کمیٹی پر لگی تھیں۔ ہم ہر دوسرے ہفتے کمیٹی کا اجلاس کرتے اور قراردادوں کے ذریعے سیاسی فیصلوں کا اعلان کرتے۔

ہمارے اجلاسوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ اب ہم نے یہ اجلاس مسلم لیگ ہاؤس میں منعقد کرنا شروع کیے، جہاں کھل کر بحث ہوتی اور ہم اپنی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیتے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کی حکومت کی پیشکش کے باوجود ممبران اسمبلی اور سینٹ نے نواز شریف کو علیحدہ کر کے نئی قیادت منتخب کرنے سے انکار کر دیا اور حکومت کا منصوبہ ناکام بنا دیا، چنانچہ اسمبلیوں کی بحالی کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اِس دوران کراچی میں میاں نواز شریف کے خلاف طیارہ ہائی جیک کرنے کا مقدمہ شروع ہو گیا اور پابندیوں کے باوجود نواز شریف سے کسی حد تک پارٹی کے رابطے بحال ہو گئے۔

# محترمہ کلثوم نواز کی جدوجہد

محترمہ کلثوم نواز متحرک ہوگئیں۔ان کی وجہ سے مسلم لیگ کو نئی زندگی ملی۔راجہ ظفرالحق نے پہلے مرحلے کو بخیروخوبی کامیابی سے ہمکنار کیا۔کلثوم نواز مسلم لیگ کو ڈرائنگ روم سے نکال کر دوبارہ میدان میں لے آئیں۔ انہوں نے ملک کے طوفانی دورے شروع کیے،سب سے پہلے سرحد کی جماعت نے ان کا شاندار استقبال کیا، راولپنڈی میں ان کا پروگرام کرنے کو کوئی تیار نہیں تھا،کارکنوں نے مسلم لیگ کو زندہ رکھا ہوا تھا۔سابق ایم پی اے چودھری تنویر نے اپنا گھر پیش کردیا جہاں محترمہ نے کارکنوں سے خطاب کیا۔چودھری تنویر کو اس کی قیمت ادا کرنا پڑی اور وہ دوسال نیب کے شکنجے میں قید کاٹتے رہے،بعد میں عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا۔چودھری تنویر نے قربانی دے کر پوٹھوہار کے خطے کو سرفراز کردیا۔

بیگم کلثوم نواز صاحبہ نے لاہور سے چاغی جانے کیلئے ایسے راستے کا انتخاب کیا جس پر پاکستان کی سیاست کے کسی رہنما نے آج تک جانے کی ہمت نہیں کی۔لاہور سے قصور،پاکپتن،عارف والا،وہاڑی،مخدوم رشید،ملتان،مظفرگڑھ،کوٹ ادو،ڈیرہ غازی خان،فورٹ منرو،لورالائی،زیارت،مسلم باغ،قلعہ سیف اللہ،کوئٹہ، نوشکی،چاغی،دالبندین۔یہ راستہ ویران بھی تھا اور دشوار گزار بھی۔سخت گرمی کا موسم تھا،کوئٹہ سے چاغی کے صحرائی اور پہاڑی علاقے میں آگ برس رہی تھی،اس کے باوجود لوگوں نے ہر جگہ پر ان کا والہانہ استقبال کیا،حکومت نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کیں،جلوس کو پنجاب کے کسی شہر میں داخل نہ ہونے دیا گیا،عوام نے ساری رکاوٹیں توڑ کر منصوبے کو ناکام بنادیا۔

وہ نظریۂ تحفظِ پاکستان کے نام پر ماڈل ٹاؤن میں جلسہ عام کرتیں جس سے پارٹی کے رہنما خطاب کرتے،پریس کانفرنسیں کرتیں اور ریلیاں نکالتیں۔حکومت ان کے سامنے بے بس نظر آتی۔انہوں نے چاغی کا طویل سفر کیا اور پھر لاہور سے پشاور تک لانگ مارچ کا اعلان کردیا۔حکومت نے چاروں طرف سے ان کے گھر کا گھیراؤ کرلیا۔وہ تمام پابندیاں توڑ کر باہر نکلیں۔چودھری صفدر الرحمٰن سابق ایم این اے ان کی گاڑی چلا رہے تھے۔تہمینہ دولتانہ اور میں ان کے ساتھ تھے۔پولیس جب ان کی گاڑی کو نہ روک سکی تو ٹریفک روک کر گاڑی کو کرین کے ذریعے پولیس لائن میں لے گئے۔بیگم کلثوم نواز نے ہتھیار نہ ڈالے اور کرین کے ذریعے اٹھائی ہوئی گاڑی کی تصویریں بین الاقوامی اخبارات میں چھپ گئیں۔

حکومت نے مجبور ہوکر ہمیں واپس ماڈل ٹاؤن جانے کی اجازت دے دی اور ہم میاں نواز شریف کے گھر میں مورچہ بند ہوگئے۔کسی کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔جو بھی گھر سے باہر نکلتا اسے گرفتار کرلیا

جا تا۔ دو دن تک ہم تہہ خانوں میں سوتے رہے، تیسرے دن ہم نے گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا۔ جونہی صفدر الرحمن اور میں گھر سے باہر نکلے، ہمیں گرفتار کرنے کے لیے پولیس آگے بڑھی۔ میں نے پولیس وین پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور حکومتی جبر کی مذمت کی۔ ہمیں کوٹ لکھپت جیل میں بند کر دیا گیا۔ اس دوران تہمینہ دولتانہ ان کے شوہر زاہد انور واہلہ، میاں اسد محمد، خواجہ سعد رفیق، خواجہ حسان اور دیگر رہنما بھی گرفتار ہو کر جیل پہنچ چکے تھے۔ اس دور میں یہ میری دوسری گرفتاری تھی۔ ہم نے اپنی ضمانت کے لیے سیشن کورٹ میں درخواست دی جو مسترد ہو گئی۔ ہائی کورٹ نے ہماری رہائی کا حکم دے دیا۔ ہم جیل سے نکلے تو ہمیں دوبارہ گرفتار کر کے ہمارا جسمانی ریمانڈ لے لیا گیا اور پھر ہمیں زندگی کے شدید ترین جسمانی تشدد کا سامنا تھا۔ بعد میں خواجہ حسان نے بتایا کہ جب تشدد کی انتہا کر دی گئی تو میرے دل سے ان کے لئے بددعا نکلی تھی۔ میں نے کہا، میں نے اس وقت خدا سے ان کی معافی کی دعا مانگی تھی، آپ بھی اپنی بددعا کو دعا میں بدل دیں۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے ہم نے آمین کہا۔ ریمانڈ ختم ہوا، جیل پہنچے تو کچھ دن تک چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔ اس دوران خواجہ سعد رفیق کی والدہ سخت علیل ہو گئیں۔ مجھے اور خواجہ سعد رفیق کو کوٹ لکھپت جیل کی الگ الگ بیرکوں میں رکھا گیا تھا۔ خواجہ سعد رفیق کسی طرح میرے پاس پہنچے اور والدہ کی علالت کے بارے میں بتایا۔ میں نے انہیں ہدایت کی کہ وہ فوراً پیرول پر والدہ کے پاس پہنچیں، ورنہ وہ زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہ کر سکیں گے۔ وہ پیرول پر رہا ہو کر ہسپتال پہنچے، ان کی والدہ کی قوت گویائی ختم ہو چکی تھی، انہوں نے اپنے بیٹے کے چہرے پر نگاہ واپسیں ڈالی اور اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئیں۔ ہم نے پھر ہائی کورٹ میں ضمانت کی درخواست دی تو یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ یہ اس دور میں تیسری رہائی تھی۔ میرے باقی ساتھی رہا ہو گئے، مجھے جیل کے دروازے پر ہی چوتھی مرتبہ گرفتار کر کے دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ جب گرفتاری کے لئے حکومت کے پاس کوئی جواز نہ ہو تو نظر بندی کا اختیار بہر حال موجود ہوتا ہے۔

مجھے اس مرتبہ ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ رکھا گیا جن پر پاکستان کی جاسوسی کرنے اور دہشت گردی کا الزام تھا۔ اس بیرک کا نام بھی انڈین بیرک تھا، وہاں رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ میرا رابطہ باہر کی دنیا سے نہ ہو سکے۔ سکھوں نے ایک گوردوارہ بنایا ہوا تھا اور ہندوؤں نے مندر۔ میں مندر اور گوردوارہ میں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتا اور مندر میں ہی خدا کی عبادت کرتا۔ جیل حکام پر فوج کی مانیٹرنگ ٹیموں کا پہرہ تھا، وہ مجھے معمولی سے معمولی چیز بھی نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ میں اپنے ملک میں رہ کر سکھوں اور ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے ستر سے زیادہ ملکوں کا دورہ کیا مگر ہندوستان جانے سے ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ مجھے ہندو معاشرت کا علم پہلی مرتبہ جیل کے مندر میں بیٹھ کر ہوا۔ حالانکہ ہماری درگاہ کے بے شمار ہندو مریدین تھے۔ وہ ہندوستان سے 1965ء تک خط و کتابت کرتے رہتے تھے اور اپنی تکلیفوں اور خوشیوں کیلئے ہمارے بزرگوں سے دعا کی اپیل کرتے اور تعویز منگواتے رہتے۔

ایک سکھ جس کا نام سردار مکھن سنگھ تھا 20 سال سے جیل میں تھا، اسے سمگلنگ کے الزام میں قید ہوئی

تھی۔ اس کے بقول اس نے افسروں کی چپقلش میں دوسرے کو پھنسانے کے لیے آلہ کار بننے سے انکار کر دیا، اسے اس وفاداری کی سزا دلوائی گئی۔ شروع شروع میں تو اس کے دوست پاکستانی افسر نے مکھن سنگھ کو جیل میں کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں۔ دو سال بعد انہوں نے مکھن سنگھ کو بھلا دیا مگر مکھن سنگھ ابھی تک وفاداری نبھا رہا تھا، رفتہ رفتہ وہ جیل کے نظام کا حصہ بن گیا۔ ایک دن مکھن سنگھ میرے قریب آ کر بیٹھ گیا اور رو کر کہنے لگا، حکومت والے آپ کو معمولی سی شرط پر، کہ آپ رہائی کے بعد ماڈل ٹاؤن نہ جائیں، رہا کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ آگ کے تندور میں جل رہے ہیں۔ آپ اپنے گھر جائیں آپ کے بچے آپ کا انتظار کرتے ہوں گے۔ میں نے مکھن سنگھ سے ناراض ہو کر کہا کہ تم نے اپنے دوست کے لیے بیس سال جیل میں گزار دیے ہیں، تمہارے بچے بھی تمہارا انتظار کرتے ہوں گے، مجھے الٹا سبق کیوں پڑھاتے ہو۔ اتنی دیر میں دوسرا سکھ ہیرا سنگھ بھی وہاں آ گیا۔ اس نے بھی جیل حکام سے میری باتیں سنی تھیں، کہنے لگا: آپ کیوں نہیں گھر چلے جاتے؟ مکھن سنگھ نے اسے پیچھے سے آواز دے کر کہا: ہیرے آ تو واپس آ جا۔ ہاشمی ساہن دی طرح ویریا بیٹھا اے۔ تم واپس آ جاؤ یہ سانڈ کیطرح بپھرا ہوا ہے اور میں ہنس دیا۔

نیب کے ادارے کی نیک نامی باقی تھی۔ مجھے جیل میں اطلاعات مل رہی تھیں کہ مجھے نیب کے مقدمے میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں خوفزدہ ہو گیا۔ سزا سے زیادہ بدنامی کا ڈر تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میرا ریکارڈ صاف ہے اور یہ جتنی بھی کوشش کریں میرے خلاف نیب کا کیس نہیں بنا سکیں گے۔ مجھ سے رابطہ کر کے کہا گیا کہ اگر میں رہائی کے بعد ماڈل ٹاؤن نہ جاؤں تو گھر جا سکتا ہوں میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میں جیل سے نکلتے ہی ماڈل ٹاؤن جاؤں گا۔

چار ماہ کے بعد مجبوراً مجھے رہا کرنا پڑا۔ میں نے باہر نکلتے ہی ماڈل ٹاؤن جا کر بیگم کلثوم نواز سے ملاقات کر کے پریس کانفرنس کی اور اس میں اپنا موقف دہرایا کہ جرنیلوں نے آئین سے غداری کی ہے اور ان پر غداری کا مقدمہ چلایا جائیگا۔ اس دوران اے آر ڈی کے قیام کے سلسلے میں سیاسی جماعتوں کے مذاکرات جاری تھے۔ راجہ ظفر الحق ان مذاکرات میں ہماری جماعت کی نمائندگی کر رہے تھے۔ تہمینہ دولتانہ اور سید ظفر علی شاہ اس سلسلے میں سرگرم تھے۔ میاں نواز شریف نے مجھے مذاکراتی کمیٹی کا ممبر نامزد کر دیا۔

## مسلم لیگ کی بقا کی جنگ اور اے آر ڈی کا قیام

سید ظفر علی شاہ کے گھر میں تمام سیاسی جماعتوں کا اجلاس ہوا، اے آر ڈی کا قیام عمل میں لایا گیا اور اعلان اسلام آباد جاری کیا گیا۔ اس اعلان میں تمام سیاسی جماعتوں نے قوم سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کا اعلان کیا اور 1973ء کے آئین کی بحالی تک ایک نکاتی ایجنڈے پر متحدہ کوششوں کا اعلان کیا۔ اے آر ڈی کے قیام سے حکومتی ایوانوں میں بھونچال آ گیا۔ ہماری جماعت کے ایک دھڑے نے کھل کر کہنا شروع کیا کہ ہم

پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر سیاست نہیں کر سکتے۔ جلد ہی انہیں حکومتی سرپرستی حاصل ہوگئی۔

دسمبر میں میاں نواز شریف نے سعودی عرب جلاوطن ہونے سے پہلے مجھے پاکستان مسلم لیگ کا قائم مقام صدر مقرر کر دیا۔ سعودی عرب روانگی سے دو روز قبل محترمہ کلثوم نواز سے میری ملاقات ہوئی، ان کے گھر کا سامان باندھا جا رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے کہا: بھائی دعا کریں ہم جلد وطن واپس آ سکیں۔ انہوں نے مجھے بتایا: میاں نواز شریف کی خواہش ہے کہ میں مسلم لیگ کے صدر کی ذمہ داریاں سنبھالوں۔ میں نے کہا کہ بہتر ہوتا کہ آپ یہ گھر چھوڑتے اور نہ ملک۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے کوئی اور راستہ نہ چھوڑا گیا، ورنہ جلاوطنی کسے قبول ہوتی ہے۔ میں نے عزم و ہمت کی داستان لکھنے والی خاتون کو بکھرتے دیکھا۔ میں اس منظر کو برداشت نہ کر سکا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں ملتان چلا گیا، مجھے عجلت میں اسلام آباد بلایا گیا۔ محترمہ کلثوم نواز نے میاں نواز شریف کا تحریری فیصلہ پڑھ کر سنایا: جس میں راجہ ظفر الحق کو پارٹی کا چیئرمین اور مجھے قائم مقام صدر بنا دیا گیا تھا۔ صدر کو قائم مقام صدر بنانے کا آئینی اختیار ہے۔ چیئرمین کے لیے بعد میں ہم نے اپنی پارٹی کے آئین میں ترمیم کر لی۔ راجہ ظفر الحق ملک کے سینئر سیاستدان ہیں اور انہوں نے 14 ماہ میں پارٹی کے لیے بے مثال خدمت سرانجام دی۔ یہ ان کا بڑا پن تھا کہ انہوں نے پارٹی کی آئینی سربراہی قبول کر لی۔ بہت سارے دوستوں نے کہا کہ قائمقام صدر کا عہدہ راجہ ظفر الحق کو ملنا چاہیے لیکن انہوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

جنرل مجید ملک، چودھری شجاعت حسین، سرتاج عزیز، الٰہی بخش سومرو، وسیم سجاد اور گوہر ایوب نے کہا کہ اگر راجہ صاحب کو قائم مقام صدر بنایا جائے تو مسلم لیگ متحد رہ سکتی ہے۔ میں نے فوراً راجہ صاحب کے حق میں دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ہم سب جنرل مجید ملک کے گھر میں چودھری شجاعت کا گھنٹوں انتظار کرتے رہے۔ وہ ایک ایسی جگہ جا کر پھنس گئے جہاں سے آج تک واپس نہیں آ سکے۔ باقی حضرات کچھ عرصہ تو ہمارے ساتھ رہے پھر ایک ایک کر کے وہیں پہنچ گئے جہاں ان کا دل اٹکا ہوا تھا، تاہم سرتاج عزیز صاحب آخر دم تک ہمارے ساتھ رہے۔ صوبہ سرحد کے سوا ہمارے تمام دفاتر پہ حکومتی سرپرستی میں قبضہ کر لیا گیا۔

شریف خاندان کے سعودی عرب چلے جانے سے پارٹی میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک سال تک میاں صاحب سے ہمارا براہ راست کوئی رابطہ نہ تھا۔ حکومت ہر قیمت پر نواز شریف کا نام اور انکی سیاست کو مٹانے پر تلی تھی۔ اسی صورت میں نئی مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی جا سکتی تھی جب مسلم لیگ (ن) کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔ اس مرحلے پر اے آر ڈی کی جماعتوں کو بھی ہم سے گلہ تھا کہ نواز شریف نے جانے سے پہلے انہیں اعتماد میں کیوں نہ لیا۔ میں نے پارٹی رہنماؤں کی مشاورت سے اقبال ظفر جھگڑا کو اے آر ڈی کا سیکرٹری جنرل مقرر کیا۔ بیگم تہمینہ دولتانہ کو نائب صدر اور سید ظفر علی شاہ کو سیکرٹری اطلاعات۔ بعد میں میاں نواز شریف نے ان ناموں کی توثیق کر دی۔

راجہ ظفر الحق کو شروع میں اے آر ڈی کی سیاست کے بارے میں کچھ تحفظات تھے۔ میں نے اے آر ڈی کی سیاست میں بھرپور کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور کراچی میں بلاول ہاؤس میں اے آر ڈی کے اجلاس میں میاں نواز شریف کے فیصلے کا دفاع کیا۔ اے آر ڈی کی جماعتوں کے خدشات کو رفع کیا اور آئندہ کا مشترکہ لائحہ عمل طے کرایا۔

اس دوران حکومت نے ہماری پارٹی کے لوگوں پر دباؤ بڑھا دیا۔ ہماری مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کرنے والوں کو گرفتار کر لیا جاتا۔ جہازوں پر ان کی سیٹیں کینسل کر دی جاتیں۔ ہم نے ہمت نہ ہاری اور پہلا اجلاس کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہماری بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے مرکزی دفتر میں کوئی ٹیلی فون نہ تھا اور نہ ہی ہمیں ٹیلی فون کا محکمہ کنکشن دینے کو تیار تھا۔ میں نے ملک کے طوفانی دورے شروع کئے۔

سندھ پارٹی کے صدر سید غوث علی شاہ جیل میں تھے، جنرل سیکرٹری حلیم صدیقی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ میں نے ممنون حسین سابق گورنر سندھ کو سندھ مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا اور بعد میں میاں نواز شریف نے اس فیصلے کی توثیق کر دی۔ بلوچستان میں پارٹی بری حالت میں تھی۔ ہم نے کوئٹہ میں پارٹی کنونشن کیا اور اس میں سردار یعقوب خان ناصر کو صدر منتخب کیا گیا۔ پنجاب میں بھی صورتحال خراب تھی۔ سینٹرل ورکنگ کمیٹی نے سردار ذوالفقار کھوسہ کی گورنر پنجاب بننے سے پہلے والی پوزیشن بحال رکھی اور انہوں نے فوری طور پر پنجاب مسلم لیگ کی صدارت سنبھال لی۔ سیکرٹری جنرل جیل میں تھے۔ خواجہ سعد رفیق جو پنجاب کے ایڈیشنل سیکرٹری تھے، بطور سیکرٹری کام کرتے رہے۔ بعد میں میاں نواز شریف نے انہیں پنجاب مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل بنا دیا اور سید زعیم حسین قادری صوبے کے سیکرٹری اطلاعات نامزد کر دیئے گئے۔ انہوں نے دن رات محنت کر کے جماعت کے پیغام کو آگے بڑھایا۔ تہمینہ دولتانہ آمریت کے خلاف چٹان ثابت ہوئیں۔ غلام دستگیر خان پہلا بیان دے کر اور مشاہد اللہ خان نے کراچی میں پہلی گرفتاری دے کر جرات کی روشن مثال قائم کی۔ رانا ثناء اللہ اور بلال یاسین کو نشان عبرت بنا دیا گیا۔ سردار مہتاب عباسی، صدیق الفاروق، میاں فاروق، چودھری شیر علی اور ان کے بیٹے، چودھری ذوالفقار، شاہد خاقان عباسی، سیف الرحمٰن اور مجیب الرحمٰن نیب کی جیلوں میں سڑتے رہے، ملتان سے طاہر رشید اور انکے بھائی نے جلاوطنی اختیار کر لی۔ حاجی بوٹا نے بوٹا بن کر وقت گزارا، چودھری نثار علی دو سال تک گھر میں نظر بند رہے۔

صوبہ سرحد کی جماعت سب سے مضبوط قلعہ ثابت ہوئی۔ سید پیر صابر شاہ اور اقبال ظفر جھگڑا نے پارٹی کا پرچم گرنے نہ دیا۔ سرانجام خان کا عہدہ سب سے اہم تھا۔ انہوں نے عزم و ہمت کی نئی تاریخ لکھی اور ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا۔ عبدالسبحان خان اور انور کمال بھی پیچھے نہ رہے۔ چودھری جعفر اقبال بھی ڈٹے رہے۔ میاں صاحب نے احسن اقبال کو انکی شاندار کارکردگی پر پارٹی کا چیف کوآرڈینیٹر بنا دیا۔

ہمیں دو بڑے مسائل کا سامنا تھا۔ ایک یہ کہ مایوسی کی جو لہر میاں صاحب کے جانے سے پیدا ہو گئی تھی، اسے ختم کر کے پارٹی کے اندر اعتماد بحال کیا جائے۔ دوسرے پارٹی کو چلانے کے لیے فنڈز کی فراہمی۔ ہمارے پارٹی فنڈز کچھ افراد کے ذاتی بنک اکاؤنٹس میں جمع کرا دیے گئے تھے تاکہ ناگہانی صورت حال میں کوئی قبضہ نہ کر لے، مگر یہاں نتائج الٹ نکلے۔ جس کے پاس پارٹی فنڈ تھا اس نے جماعت ہی چھوڑ دی۔ اب ہم امانت کا مطالبہ کس سے کرتے۔

اسی تہی دامنی میں کچھ مقامی حضرات اور پاکستان اور سینر پارٹی کے سربراہ قیصر محمود شیخ نے پارٹی کی بھرپور مدد کی اور ہم ٹیلی فون بل اور عملے کی تنخواہ ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ ایک لحاظ سے فنڈز کی عدم دستیابی ہمارے لیے باعث رحمت بن گئی، ورنہ ہو سکتا تھا کہ رقوم کے استعمال پر شکوک و شبہات جنم لیتے جو عموماً پارٹیوں میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔

پارٹی میں نئی روح پھونکنے کے لیے دوروں کا آغاز ہم نے اندرون سندھ سے کیا۔ حیدر آباد، نواب شاہ اور سکھر ڈویژن میں لوگوں نے ہمارا شاندار استقبال کیا۔ ہالہ کے قریب بھانوٹ میں ایک بہت بڑا کنونشن ہوا۔ ہالہ میں بھی بڑے استقبالیے کا اہتمام تھا۔ رابطہ عوام کی مہم کا پہلا مرحلہ مکمل کر کے لوٹ رہے تھے کہ ہمارے قافلے کو کراچی اور حیدر آباد کے درمیان سپر ہائی وے پر پولیس نے روک لیا اور ہمیں گرفتار کر کے تھانے میں لے گئے۔ ممنون حسین، سید جمیل بخاری، شاہ محمد شاہ، مخدوم شاہنواز آف ہالہ، میاں عبدالمنان ایم این اے، میاں اسد محمد اور دیگر ساتھی میرے ساتھ تھے۔ پولیس نے ہمارے خلاف بھانوٹ کی تقریروں کی بنیاد پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا۔ ہم نیشنل ہائی وے پر کراچی جا رہے تھے، پولیس نے رکاوٹیں کھڑی کر کے ہمارے قافلے کو روک لیا اور ہمیں گرفتار کر کے تھانہ بولا خاں میں بند کر دیا۔ ہم نے پولیس کو جُل دے کر میاں اسد کو اُس کے چنگل سے رہا کرا کے کراچی روانہ کر دیا تاکہ وہ کراچی کے پریس سے رابطہ کر کے اُنہیں ہماری گرفتاری سے مطلع کریں کہ اسی شام مجھے کراچی کے پریس کلب میں خطاب کرنا تھا اور اخبار نویس منتظر تھے۔ بعد میں ہمیں رہا کر دیا گیا، اِس دَور میں یہ میری پانچویں گرفتاری تھی۔ میں نے ملک بھر کی بار ایسوسی ایشنوں اور سیمناروں سے خطاب کر کے پارٹی کے موقف کی وضاحت کی اور ملک میں فوجی حکومت کے خاتمے کے لیے سرگرمیاں تیز کر دیں۔

راولپنڈی کے ایک رہنما نے پیغام بھیجا کہ آپ ہر ایک سے مل رہے ہیں مجھے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سمیت ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے کہا: میں آپ کی قیادت تسلیم کرنے کو تیار ہوں لیکن آپ دیکھیں گے کہ ایک وقت آئے گا آپ تنہا کھڑے ہوں گے۔ آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پارٹی کا فوٹوگرافر ذوالفقار بلتی ہوگا لیکن عوام میاں نواز شریف کو بھول چکے ہونگے۔

ہم ان کے گھر کی سیڑھیوں سے اتر کر اپنی گاڑی تک پہنچے۔ بازار میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ ایک موٹر سائیکل

سوار نے ہمارے قریب آ کر موٹر سائیکل کھڑی کر لی اس کے پیچھے اس کی بیوی اور بچہ تھے۔ اس نے کہا: میں موٹر سائیکل واپس کر کے آپ کو یہ بتانے آیا ہوں پوری قوم آپ کے ساتھ ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے کہا: میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک عام آدمی ہوں، شکریے کے مستحق آپ ہیں جو آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس شخص کی گفتگو آج بھی تقویت کا باعث ہے۔ میری سرگرمیوں میں تیزی آ گئی اور مسلم لیگ (ن) دوبارہ ملک کے سیاسی منظر پر چھا گئی۔ حکومت ہماری پارٹی کے نام و نشان مٹانے پر تلی ہوئی تھی تا کہ وہ سیاست کی نئی بساط بچھا سکے۔

ہماری کوشش یہ تھی کہ میاں نواز شریف کا ووٹ بنک اپنی جگہ پر قائم رہے۔ میں نے تمام اخبارات کے ایڈیٹر حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مدیران جرائد نے ہمیں بتایا: فوجی قیادت کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ آپ کی جماعت کا وجود ختم کر دیا جائے۔ آپ کیسے راستہ نکالیں گے؟ ہم نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہم سے زیادہ باخبر تھے۔ انہیں ہمارا مستقبل تاریک نظر آتا۔ اسی دوران ہم نے اپنی پارٹی کی جنرل کونسل کا اجلاس طلب کر لیا۔ حکومت کی طرف سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اگر کسی گاؤں میں بھی جنرل کونسل کا کوئی ممبر تھا، اسے کونسل کے اجلاس میں شرکت سے روکنے کے لیے خفیہ اداروں نے اپنے آپ کو خفیہ رہنے نہ دیا اور منظر عام پر آ گئے۔ خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی گئی لیکن یہ اجلاس ہماری جدوجہد کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ ہم نے انتہائی رازداری سے ایجنڈا تیار کیا اور دوسرے دن میاں نواز شریف کو اگلے تین سال کے لیے پارٹی کا دوبارہ صدر منتخب کر لیا۔ خفیہ ادارے ششدر رہ گئے۔ چودھری اصغر علی نے ایسے موقعوں پر پارٹی کو مالی تعاون پیش کیا اور صوبیدار مندوخیل نے کنونشن کیلئے اپنا زرعی فارم۔ اسی دوران میرا میاں نواز شریف سے رابطہ بحال ہو گیا اور ہمارے لیے ان سے ہدایات لینے میں کچھ آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ میاں صاحب ہماری جدوجہد کو سعودی عرب میں بیٹھ کر مانیٹر کر رہے تھے۔ مگر ہم سے ٹیلی فون پر رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ حکومت کا رویہ زخمی چیتے جیسا تھا۔ وہ ہر قیمت پر ہماری سرگرمیاں کچلنا چاہتی تھی۔

## ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ

9/11 کو میں ملتان میں اپنے حلقہ انتخاب کے دور دراز گاؤں میں جا رہا تھا۔ میں نے گاڑی میں لگا ہوا ریڈیو کھولا تو بی بی سی پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی خبر سنائی جا رہی تھی۔ میں نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے ساتھیوں سے کہا: میں بہت جلد گرفتار کر لیا جاؤں گا اور لمبے عرصے تک جیل میں رہوں گا۔ وہ ہنسنے لگے، ان میں سے ایک نے کہا: آپ عجیب بات کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں کہا: میں آپ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ بہت جلد اسے عملاً ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

میرے سامنے سارا منظر واضح تھا، اتنے بڑے واقعہ کے بعد پوری دنیا کی سیاست کو بدل جانا تھا۔ میں

نے کہا: امریکہ پہلے ہی ہماری حکومت پر اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کے لیے دباؤ بڑھا رہا تھا۔ اب اس کا ہدف افغانستان ہوگا۔ افغانستان میں امریکہ کی مداخلت پاکستان کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ ہمارے فوجی حکمرانوں کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع ہے کہ امریکہ کو ان کی ضرورت ہو۔ ہمارے حکمران امریکہ کی پالیسیوں کو عمل درآمد کے لیے دل وجان سے خود کو پیش کریں گے۔ ظاہری طور پر جمہوری قوتوں کی حمایت کا جو بھرم ہے، امریکہ اس سے دستبردار ہو جائے گا، یوں فوجی حکمران کو ملک کی جمہوری قوتوں کو کچلنے کا موقع پالیں گے۔ ایوب خان اور ضیاء الحق کی طرح ہندوستان کی دوستی کے حصول کے لیے فوجی شان وشوکت اور جہاد کا نعرہ ترک کر دیا جائیگا۔ اقتدار کے راستے کی یہ رکاوٹیں دور ہو گئیں تو اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کا کام آسان ہو جائے گا اور جب اندرونی دشمنوں پر توجہ دی جائے گی تو گزشتہ دوسال سے میرے بیانات اور سرگرمیاں میری گرفتاری کا جواز پیش کرنے کے لیے کافی ہوں گی۔

یہ واضح تھا کہ ہم امریکہ کے اقدامات پر شدید ردعمل کا اظہار کریں گے۔ میں افغانستان میں ہونے والے ہولناک واقعات کو چشم تصور سے دیکھ رہا تھا۔ افغانستان پر حملوں کے دوران امریکی سفیر نے ہمیں ملاقات کے لیے بلایا۔ نوابزادہ نصراللہ خان نے کہا: میں لاہور سے اسلام آباد کا سفر کرنے کے قابل نہیں۔ میں نے کہا کہ میں ان حالات میں امریکی سفارتخانے میں جانے کو تیار نہیں۔ امریکی سفیر اگر ضروری سمجھتے ہیں تو مسلم لیگ کے دفتر تشریف لا سکتے ہیں۔ انہوں نے آنے کا وقت طے کیا مگر سیکیورٹی کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اسی دوران مولانا سمیع الحق نے دفاع افغانستان کونسل کا اجلاس طلب کیا، جس میں ملک کی تمام سیاسی جماعتیں مدعو تھیں۔ میں بھی حاضر تھا۔ میں نے کونسل کا نام تبدیل کر کے ''دفاع برائے افغانستان و پاکستان'' رکھنے کی تجویز پیش کی، جسے منظور کر لیا گیا۔

جماعت اسلامی نے منصورہ میں کل جماعتی کانفرنس طلب کی۔ کانفرنس کے دوران ہی پرویز مشرف صاحب کی طرف سے مذاکرات کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ میں نے علماء سے درخواست کی کہ حکومت تو پہلے ہی امریکہ کے ایک فون پر ہتھیار ڈال چکی۔ آپ کو اس کی اس مشاورت میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ میری یہ استدعا نہ مانی گئی اور علماء کرام کانفرنس مختصر کر کے اسلام آباد چل پڑے۔ وہاں پرویز مشرف نے امریکہ کی حمایت میں دلائل دیے اور اپنے فیصلے کا دفاع کیا۔

پشاور میں ہماری جماعت کی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا۔ وہاں ہم نے امریکی پالیسیوں کی شدید مذمت اور حکومت پاکستان پر شدید نکتہ چینی کی۔ ہم نے مجلس عمل کی اپیل پر 9 نومبر کو ہونے والی ہڑتال کی حمایت کا اعلان کیا۔ حکومت کا پیمانہ صبر لبریز تھا۔ ہم اسلام آباد واپس آئے تو رات کو تین بجے مجھے نیب کے وارنٹ پر گرفتار کر لیا گیا اور لاہور میں نیب کے تھانہ چمبہ ہاؤس میں ڈال دیا گیا، یہ میری چھٹی گرفتاری تھی۔

# نیب کا آخری ملزم

قومی ادارہ برائے احتساب National Accountability Bureau کا مخفف NAB ہے جس کا مطلب ہے پکڑ لینا۔

مدنیت کے ساتھ ہی احتساب کے عمل کو لازمی قرار دیا گیا۔ کوئی معاشرہ پنپ ہی نہیں سکتا جب تک احتساب کا ادارہ موجود نہ ہو۔ ہمارے مذہب نے بھی احتساب کا حکم دیا ہے۔ جہاں حکام کے پاس بے لگام طاقت ہو، وہاں کرپشن اور رشوت خوری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ پاکستان میں طاقت تین گروہوں کے پاس رہی ہے۔ جاگیردار، جرنیل اور افسر شاہی۔ کاروباری طبقہ بھی عوام کو لوٹنے کے لیے رشوت اور کرپشن کا ایک بڑا عامل ہے۔ تیسری دنیا کے بے بس عوام ان طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جمہوری معاشروں میں احتساب ووٹ کے ذریعے بھی ہو جاتا ہے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی۔ بعض اوقات کسی اخبار میں ایک ناقابل تردید بیان کسی بھی سیاستدان، جنرل یا افسر کو ہمیشہ کے لیے پبلک آفس سے باہر نکال پھینکنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ احتساب کے اس عمل سے معاشرتی قدریں اجاگر ہوتی ہیں، ہر غلط کار کا انجام دوسروں کے لیے سبق آموز ہوتا ہے۔

پاکستان میں بھی دوسرے معاشروں کی طرح احتساب کا نعرہ بہت مقبول ہے، لیکن ہر حکومت اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ معاشرے کو کرپشن اور رشوت خوری سے پاک کرنا اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ خاص طور پر فوجی حکومتیں اس نعرے کے بل پر اقتدار کا جواز تراشتی ہیں۔ ایبڈو ایسے قانون بنا کر اور فوجی عدالتیں لگا کر اپنے مخالفین کو خوفزدہ کر دیتی ہیں۔ ایوب خان نے سینکڑوں سیاستدانوں کو ''ایبڈو'' قانون کے تحت سیاست بدر کر دیا۔ کچھ سر پھروں نے ایبڈو کے خلاف مقدمے لڑے مگر سیاسی طور پر کمزور ہو کر مٹ گئے۔ جب ایوب خان کو سیاسی حمایت کی ضرورت تھی تو انہی ایبڈو زدہ سیاستدانوں کے دروازوں پر انہوں نے دستک دی۔ ان میں سے ایک مثال مخدوم زادہ حسن محمود کی ہے، ایوب خان مادر ملت کے خلاف حمایت حاصل کرنے کے لیے جمال دین والی (رحیم یار خان) جیسے دور اُفتادہ گاؤں میں سر کے بل گئے۔

یحیٰی خان، ضیاء الحق اور موجودہ فوجی حکومت کی کہانی بھی وہی ہے، بلکہ موجودہ حکومت نے تو انتہا کر دی ہے۔ نیب کے نام پر انہوں نے ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم کر دی ہے۔ جنت شداد بھی موجود ہے اور نار نمرود بھی۔ پاکستان کے قانون کا نیب پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا اپنا تھانہ ہے، اپنے ٹارچر سیل ہیں، اپنے جج ہیں، جو خطیر تنخواہوں پر جج بنتے ہیں۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار نیب کے معاملے میں محدود ہو جاتا ہے۔ ان کا اپنا چیئرمین ہے، جو فوجی وردی میں ملبوس ایک لیفٹیننٹ جنرل ہوتا ہے، لیکن وہ کسی فوجی کا احتساب

نہیں کرسکتا۔ عملی طور پر جاگیردار بھی اس احتساب سے باہر ہیں۔ متوسط طبقے کے سیاستدان ان کا پسندیدہ ہدف ہیں۔ دنیا کو دکھانے کے لیے شروع میں چند صنعتکار اور بیوروکریٹ بھی پکڑے گئے۔ دنیا کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ ایک آدھ ریٹائرڈ فوجی افسر پر بھی مقدمہ بنایا گیا اور انہیں اتنی آسائشیں پہنچائیں جو کسی والیِ ریاست کو تخت پر حاصل ہوتی ہیں۔

انتہا تو یہ ہے جن سیاستدانوں کے خلاف اسی حکومت نے فردِ جرم عائد کی، انہیں سالہا سال جیلوں میں رکھا، بعد میں انہی کو وزارتیں دی گئیں۔ اگر کوئی تنقید کرے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں عوام نے منتخب کیا ہے۔ اب ان سے کون پوچھے کہ چلیئے عوام نے کم علمی کی بنیاد پر منتخب کرلیا، آپ تو ان کے اعمال سے باخبر تھے، آپ کے نزدیک تو وہ چور ہیں، آپ نے چوروں کو خزانہ کیوں سونپ دیا؟ لیکن جو سوال اٹھائے، وہ غدار ہے یا باغی۔ نیب کی اصلیت عوام پر آشکار ہو چکی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ عوام کا ہر طرح کے احتساب سے اعتماد اُٹھ گیا ہے، وہ کسے چور سمجھیں اور کسے چوکیدار۔

میرے لیے نیب کی گرفتاری ناقابل یقین تھی، میں نے پورے سیاسی کیریئر کو اس انداز سے ڈھال رکھا تھا کہ اس میں دولت جمع کرنے یا اختیارات کے ناجائز استعمال کا سوال تک نہ تھا۔ میں نے ساری زندگی کبھی بجلی یا ٹیلی فون کے بل ادا کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی۔ پوری زندگی میں نے کبھی ٹریفک کے اشارے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اپنے خاندان میں کسی کو ملازمت نہیں دلائی گئی۔ میرا بھانجا تسنیم عالم ملازمت کے شوق میں، بی اے ایل ایل بی کرنے کے بعد عمر زیادہ ہونے سے بچنے کیلئے پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہوگیا۔ دوسرا بھانجا فیض مصطفیٰ شاہ بی اے پی ٹی سی کر کے پرائمری سکول کا ٹیچر ہے۔ میرے خاندان کے اکثر افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ شاہد بہار ہاشمی جو میرا بھتیجا اور داماد ہے، ایم اے ایل ایل بی ہے۔ ایک بھتیجا علمدار حسین شاہ ایم بی اے ہے، کاشت کاری کررہا ہے اور ایک بھتیجا تنویر عالم ایل ایل بی ہے۔ کسی کو ملازمت دلانے کیلئے میں نے اپنا کبھی اثر ورسوخ استعمال نہیں کیا۔ میری دو بھانجیوں اور دو بھتیجیوں نے ایم اے کر رکھا ہے، باقی بھانجیوں، بھتیجیوں کا بھی یہی حال ہے۔ میری ایک بیٹی ایم اے اکنامکس ہے دوسری نے ایم بی اے کیا ہے اور تیسری نے ماس کمیونیکیشن میں ایم اے کیا۔ میری چوتھی بیٹی سعدیہ نے کینئرڈ کالج لاہور سے گریجوایشن کیا ہے لیکن کوئی بھی دور ونزدیک کا رشتہ دار سرکاری ملازمت میں نہیں۔

میری جائیداد وہی ہے جو میرے آباؤ اجداد کے پاس انگریزوں کے آنے سے پہلے تھی یا میرے دادا اور والد نے خریدی۔ میں خاندان کا پہلا شخص ہوں جس نے دوسو سال پہلے کی جائیداد فروخت کر کے سیاست کی۔

میری بیوی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ اس کے والد محترم مخدوم مہر حسین شاہ ولد مخدوم ہادی شاہ کی ساری زرعی جائیداد اس کو ورثے میں ملی اور یہ جائیداد بھی انگریزوں کے دور سے پہلے کی ہے۔ ہماری ساری

جائیداد 1846ء کے بندوبست اراضی میں موجود تھی۔ اس کا ریکارڈ نیب کو فراہم کر دیا گیا ہے اور ملتان کے ضلعی سرکاری دفاتر میں موجود ہے۔

کچھ جائیدادیں فروخت کر کے میں نے اسلام آباد میں پلاٹ خریدا، جہاں کوئی بیوقوف ہی پلاٹ خریدتا ہے۔ بااثر لوگوں کیلئے یہ مفت کا شہر ہے۔ گھر بنانے کے لیے تمام سرکاری ملازم اور ایم این ایز کو زمین تقریباً مفت ملتی ہے بلکہ کمرشل پلازے اور ان پر عمارتیں تعمیر کرنے کے لیے کروڑوں روپوں کے قرضے بھی دیے جاتے ہیں۔ میں نے اپنے پیسے سے گھر تعمیر کرایا۔ اسمبلی توڑی گئی تو میں واپس ملتان چلا گیا۔ اسلام آباد کا گھر فروخت کر کے ملتان میں گھر کی تعمیر شروع کی جو آج دس سال بعد بھی مکمل نہیں۔ اسلام آباد کے گھر کی فروخت سے ایک گاڑی بھی خریدی جو ملتان کے گھر کی قسط ادا کرنے کے کام آئی ہے۔ طارق رضا جو میرے دوستوں میں سے ہیں، 1992 سے لے کر تقریباً 10 سال تک مجھے اپنی گاڑی سوزوکی آلٹو ماڈل 85ء پر اسلام آباد ائیر پورٹ سے لے آتے رہے ہیں۔ اسفندیار ولی سے قربتوں کی داستان طویل ہے۔ اُس کی مالی مشکلات کے باوجود اسلام آباد میں اُس کی گاڑی اور ڈرائیور رحمان گُل کی خدمات مجھے سالہا سال تک میسر رہیں۔

اب میرے پاس صرف 1985 ماڈل کی ایک گاڑی ہے۔ انیس سال پرانی یہ گاڑی اکثر بیچ سڑک کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ نامکمل گھر اور چلنے سے زیادہ تھر کنے والی یہ گاڑی میری زندگی بھر کی کمائی ہے۔ وراثتی زرعی جائیداد کی آمدن نیب کے سرکاری گواہوں کے مطابق کروڑوں میں بنتی ہے اور میری بیوی کی زرعی زمینیں بھی اب سرکار کی تحویل میں ہیں۔

مجھے اگلے دن نیب کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ میں نے عدالت کو فیض احمد فیضؔ کے چند اشعار سنائے:

ہم خستہ تنوں سے محتسبو کیا مال و منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں
دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر، ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مئے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا لو جام الٹائے دیتے ہیں

جب ضرورت پڑی، میری بیوی نے اپنے زیورات میرے آگے ڈھیر کر دیئے، نیب کی قید میں وکیل کی فیس اور دوسری ضروریات کیلئے میری بیٹیوں نے اپنے سارے زیور بیچ دیئے۔ رہائی کے بعد اُن کی والدہ نے جب مجھے بتایا تو میرے اعصاب چیخ گئے۔ میں سوچ رہا تھا وہ کون عورتیں ہوتی ہیں جنہیں زیورات سے پیار ہوتا ہے۔ تین نسلیں تو میرے سامنے ہیں، میری والدہ، میری بیوی اور میری بیٹیاں۔ سارا گاؤں جانتا ہے، میرے دادا محترم کی وفات پر وراثت کی تقسیم کیلئے ترازو استعمال کیا گیا کیونکہ چاندی والے بے شمار روپوں کی گنتی خاصا مشکل کام

تھا۔ میرے سسرال والوں نے اپنی بیٹی کو چاندی کے برتن جہیز میں دیئے تھے، اب اُن کا بوجھ بھی اتر چکا۔

رام موری گاگر ٹوٹی

میں پانی بھرن سے چھوٹی

57 دن تک مجھے شدید ذہنی اور جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ انہی دنوں نیب کے عقوبت خانے میں جہانگیر بدر کے ایک ساتھی نے جان ہار دی تھی۔ مجھے اس سے بھی زیادہ تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک دن تفتیشی ریٹائرڈ کرنل چیمہ نے جو ایک پراپرٹی ڈیلر کا کارندہ تھا، مگر فوجی حکومت آنے سے دوبارہ برسرروزگار ہو گیا تھا، مجھے کہا: آپ کو اس لیے نیب کیس میں گرفتار کیا گیا ہے کہ اب آپ قوم کو منہ نہ دکھا سکیں، اور آپ کا سیاسی کیریئر ختم ہو جائے۔ بہتر ہے آپ بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو دوسرے سیاسی رہنما کر رہے ہیں۔ آپ جتنا بڑا عہدہ مانگیں، آپ کو کوئی انکار نہ کرے گا۔ میرا تفتیشی افسر بھی، جس کا نام مفتی عبدالحق ہے، موجود تھا۔ میں نے کرنل صاحب سے کہا: اس حکومت کو برسر اقتدار آئے دو سال ہو گئے۔ میں کئی مرتبہ گرفتار اور رہا ہوا ہوں۔ نیب کا کوئی مقدمہ میرے خلاف نہ تھا۔ یہ مفتی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے ملتان جا کر مجھے کہا: ہم نے بہت تحقیقات کی ہیں، آپ کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بن سکا۔ میں نیب پر سخت تنقید کرتا تھا کیونکہ میں دیانتداری سے سمجھتا ہوں کہ یہ صرف مسلم لیگ کو توڑنے کا شکنجہ یکطرفہ احتساب کا ادارہ ہے۔ قوم کی معیشت کو تباہ کر کے لوگوں کی وفاداریاں تبدیل کی جا رہی ہیں۔ یہ جبری بھرتی کا پروگرام ہے۔ میں نے جہاد سمجھ کر نیب کی مخالفت کی ہے۔ وقت بتائے گا میرا سیاسی مستقبل تاریک ہوتا ہے یا نیب کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے آتا ہے۔ میں انشاء اللہ یہاں سے سرخرو ہو کر نکلوں گا۔

کرنل صاحب سے میں نے کہا: میں نے نیب کو عیب کہا ہے اور فاروق آدم کو آدم خور۔ میں نے عدالت اور پریس کانفرنس میں کہا کہ پاکستان میں کرپشن کا اڈا چیمبر ہاؤس ہے۔ لوگ یہاں دفتر میں خالی آتے ہیں اور شام کو بریف کیس بھر کے لے جاتے ہیں۔ آپ نے ہر شریف آدمی کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ تاجر حضرات خوف سے سرمایہ ملک سے باہر لے جا رہے ہیں۔ دفتروں میں کام ٹھپ ہو گیا ہے اور ملک میں ترقی کی رفتار رک گئی ہے۔ میں نیب کا اصل چہرہ قوم کو دکھا رہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں یہاں سے سرخرو ہو کر باہر جاؤں گا اور میرا سیاسی مستقبل پہلے سے زیادہ شاندار ہو گا۔

میری گرفتاری پر جو فردِ جرم عدالت میں پیش کی گئی وہ خوفناک تھی۔ مجھ پر سینکڑوں سکول کھول کر کروڑوں روپے سرکاری خزانے سے لینے کا الزام تھا۔ یہ الزام بھی تھا کہ غریبوں کے نام پر پچاس ہزار کے صوابدیدی فنڈز مَیں نے اپنی ذات پر خرچ کیے ہیں، بیرون ملک اکاؤنٹس میں کروڑوں جمع کرانے کا الزام بھی لگایا گیا۔ ان الزامات کی ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات میں تشہیر کی گئی۔ میرے زیر تعمیر گھر کی ایسی تصاویر شائع کی گئیں کہ مجھے بھی وہ تاج محل نظر آنے لگا۔ میں سوچنے لگا اگر میں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو بہت بُرا کیا ہے۔ مگر عدالت میں نیب نے یہ

سارے الزامات واپس لے لیے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی ہونے نہ دی۔ قوم کے سامنے میرا مسخ شدہ چہرہ پیش کرنے والوں کا اپنا چہرہ مسخ ہو گیا۔

درحقیقت یہ نیب کی حکمتِ عملی کا حصہ ہے کہ وہ عوام کے سامنے سیاستدانوں کی بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں۔ ہر آدمی متعلقہ شخص سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد نیب کے لیے آسانی ہو جاتی ہے کہ وہ اُسے جتنا عرصہ چاہے جیل میں رکھے یا اُس کے خاندان پر ظلم کرے۔ میں نے اِس ظالمانہ شکنجے کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا تاکہ آئندہ بلیک میلنگ کا کوئی ہتھیار فوجی حکمرانوں کے پاس نہ رہے۔ فوجی قیادت نے یہ شکنجہ بہت سوچ سمجھ کر بنایا تھا، جس سے ملٹری کورٹس والا کام لینا تھا۔ احتساب کے نام پر تمام عدالتوں کی آزادی سلب کر لی گئی، ذرائع ابلاغ کو صرف تصویر کا ایک رُخ دکھانے کی اجازت دی گئی۔ اخبارات کے بلیک میلرز کو جس نے چندہ دینے سے انکار کیا، انہیں نیب کے ذریعے چُن چُن کر انتقام کا نشانہ بنایا گیا۔ متوسط طبقہ کی قیادت کی کردار کشی کچھ اخبارات کا محبوب مشغلہ ہے۔ جو بھی اُن کی بلیک میلنگ میں نہ آتا، اُس کے خلاف فیچر چھاپ دیتے اور نیب والے اُن لوگوں کے پیچھے پڑ جاتے، چونکہ نیب کے پاس بنیادی مواد جمع کرنے کا کوئی نظام نہیں تھا اور نہ ہی وہ احتساب کے عمل کو سنجیدگی سے لے رہے تھے۔ وہ اس طرح کے اخبارات کے جھوٹے پروپیگنڈے کو خوشدلی سے قبول کر کے اسے اپنی کامیابیوں کی فہرست میں شامل کر لیتے بلیک میلرز کو لوگوں کو مزید لوٹنے کا اور اُن کی جائیدادوں پر ناجائز قبضے کا کھلا لائسنس مل جاتا۔ ایک بلیک میلر نے مجھ سے بھی بیس لاکھ کا مطالبہ کیا، میں اُس کی اِس جسارت پر حیران رہ گیا۔ میں نے اُس کے ساتھی کو کہا: کسی ناخوشگوار حادثے سے بچنے کے لیے اِسے یہاں سے لے جائیں، وہ کئی سال تک میرے خلاف مسلسل جھوٹی خبریں چھاپتے رہے، میں نے اِس کی پرواہ نہیں کی۔

مجھ پر اپنی آمدن سے چالیس لاکھ کے زائد اثاثے کا الزام لگایا گیا ہے۔ میری تین لاکھ کی انیس سالہ بوڑھی گاڑی کی قیمت بیس لاکھ لگائی گئی۔ میں نے نیب حکام سے کہا: آپ اسے دو لاکھ میں مجھ سے خرید لیں۔ دوسری گاڑی جو میں نے بیچ کر بیس لاکھ کے مکان کی قسط ادا کر دی، وہ قسط کے بیس لاکھ میرے مکان کی مالیت میں شمار کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں، وہ گاڑی ابھی تک اضافی جائیداد کے طور پر گنی جائے گی۔ انہوں نے گوجرانوالہ میں گاڑی کے نئے مالکوں کو جا پکڑا۔ دو سال قبل میں اپنے دوست اور ساتھی رانا تنویر سے جیل میں ملاقات کیلئے گیا۔ کہنے لگے: نیب نے گذشتہ نو ماہ سے کسی سیاستدان کو گرفتار کیا اور نہ ہی کسی کے خلاف نیا مقدمہ بنایا ہے۔ دو مہینے بعد میں اُن کے ساتھ جیل میں تھا۔ میں نے اُن سے کہا مقدمہ بھی موجود ہے اور ملزم بھی حاضر ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ میں نیب کا آخری شکار تھا۔ پونے چار سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا ہے، نیب کو سیاستدانوں کے خلاف کرپشن کا کوئی کیس نہیں ملا، میری گرفتاری کے ساتھ ہی پاکستان کرپشن سے

پاک ہو چکا اور احتساب کا عمل مکمل ہوا۔

میں نے ایک سال دو مہینے لاہور کیمپ جیل میں گزارے۔ میری تمام جائیداد، میرے بھائیوں اور عزیزوں کی تمام جائیداد، قانونی طور پر نیب کے کنٹرول میں ہے۔ یہ جائیداد اب زرعی نہیں رہی۔ شہر کے اندر آ جانے کی وجہ سے بہت قیمتی ہوگئی ہے۔ آج کروڑوں میں ہے کل شاید اربوں کی ہو جائے۔ تھوڑی سی جائیداد بیچنے سے مجھے خاصی آمدن ہو جاتی ہے اور زندگی کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔ اب نہ ہم اسے فروخت کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو منتقل کر سکتے ہیں۔ اس طرح معاشی طور پر مجھے مفلوج کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔

## جیل سے انتخاب

جب مجھے گرفتار کیا گیا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حکومت الیکشن کی تیاری کر رہی ہے، بلکہ خود ہم نے بھی الیکشن کی تیاری شروع کر دی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ الیکشن ہمیں میاں نواز شریف کی قیادت کے بغیر لڑنا ہوں گے۔ ہمیں یہ بھی یقین تھا کہ پیپلز پارٹی کی قیادت بھی پاکستان میں موجود نہ ہوگی۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہماری ٹیم دوسری پارٹیوں کی ٹیم سے زیادہ متحرک ہے۔ ہمارا موقف واضح ہے۔ ہم صرف پرویز مشرف کی وردی اتارنے کی بات نہیں کرتے بلکہ ملک میں سول سوسائٹی کو بالا دست کرنے کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دوسری جماعتوں کے بارے میں پرویز مشرف نرم گوشہ رکھتے تھے۔ عوام کے سامنے جانے کے لیے ہمارے پاس واضح پروگرام تھا اور لوگوں کی ہمدردیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ ہم یکساں طور پر پنجاب، سرحد اور سندھ کے شہروں اور دیہی علاقوں میں قابل قبول تھے۔ بلوچستان میں فوجی حکومت کے مخالفین ہمیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

میری گرفتاری کا مقصد ہماری جماعت کو بے دست و پا کرنا تھا۔ میں جیل میں تھا تو جیل حکام نے ہمارے دیگر ساتھیوں کے ذریعے مجھ سے کہا کہ اگر میں ریفرنڈم میں حکومت کی مدد کروں تو ابھی اٹھ کر گھر جا سکتا ہوں۔ آنے والے انتخابات میں اپنے گروپ کو بھی کامیاب کرا سکتا ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا: آپ یہ پیش کش کسی اور کو کریں۔ انہوں نے کہا کہ پیش کش ہو چکی اور آپ کے کئی دوست اسے قبول بھی کر چکے۔

میں جیل میں تھا کہ انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ میں نے الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ حکومت نیب کے شکار کئی لوگوں کو کامیاب کرانا چاہتی تھی، اس لئے ان کے لئے قانونی رکاوٹیں دور کر دی گئیں۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لاہور اور ملتان سے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیئے۔ اب ہمارے لئے مشکلات کا نیا باب کھول دیا گیا۔ ناجائز طریقوں سے مجھ پر نادہندگی کے 18 لاکھ کے واجبات نکالے گئے۔ میرے لئے اتنی بڑی رقم اکٹھی کرنا ممکن نہ تھا اور ویسے بھی یہ سراسر غیر قانونی اقدامات تھے، جنہیں ہم نے ہائی کورٹ ملتان میں چیلنج کر دیا۔ عدالت نے حکم امتناہی جاری کر کے مجھے الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔

اس دوران میری انتخابی مہم پر شکوک و شبہات کا سایہ پھیلا رہا۔ میرے ملتان کے انتخابی حلقے کو جہاں

میں نے بیس سال محنت کی تھی، چار حصوں میں تقسیم کردیا گیا اور ایسے علاقے شامل کردیئے گئے، جہاں میں زندگی بھر نہ گیا تھا اور اب جیل میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو اپنی شکل بھی نہ دکھا سکتا تھا۔ مجھے ملتان میں 47 ہزار ووٹ ملے اور میں الیکشن ہار گیا۔ لاہور میں 31 ہزار ووٹ ملے اور میں انتخاب جیت گیا۔ مخدوم سید تنویر الحسن گیلانی میرے سمدھی ہیں، وہ 90ء کی اسمبلی میں ہمارے ساتھ ایم این اے تھے، پھر وفاقی وزیر بن گئے، وہ میرے بچپن کے دوست بھی ہیں۔ ہر انتخاب میں اُن کی ہمدردیاں میرے ساتھ رہی ہیں۔ اُن کا مقابلہ ہماری جماعت کے امیدوار رانا محمود الحسن سے تھا، میں نے جیل میں بیٹھ کر منصوبہ بندی کر کے اپنی جماعت کی سیٹ جیتی۔ مخدوم سید تنویر الحسن مجھے جتوانے کیلئے محنت کر رہے تھے اور میں انہیں ہروا کر اپنی پارٹی کو جتوانے کی۔ وہ بہت کم ووٹوں سے ہارے لیکن یہ اُن کا بڑا پن ہے کہ اُن کے ماتھے پر آج تک بل نہیں آیا۔ میں ملتان اور لاہور کے لوگوں کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا۔ خاص طور پر شمالی لاہور کے شہریوں نے میرا ایک پیسہ خرچ ہونے دیا اور نہ پارٹی کا۔ وہاں کے ورکروں نے بے سروسامانی کے عالم میں، کہ دیواروں پر نعرے لکھنے کے لئے محدود سی رقم بھی نہ تھی، معجزہ کر دکھایا۔

میری ضمانت کی درخواست ہائی کورٹ میں موجود تھی، اس کے منظور ہوتے ہی میں رہا ہو گیا۔ ایک بڑے جلوس کی صورت میں مجھے مسلم لیگ پنجاب کے دفتر میں لایا گیا۔ میں نے اعلان کیا کہ ہم فرد واحد کی حکمرانی نہیں مانتے اور اسمبلی میں ایل ایف او کی مزاحمت کریں گے۔ ابھی میں جیل میں تھا کہ میاں نواز شریف نے مجھے پارلیمانی پارٹی کا سربراہ مقرر کردیا۔ نوابزادہ نصر اللہ کا حکم ملا کہ اسلام آباد میں میری سخت ضرورت ہے۔ میاں اسد محمد میرے سر پر سوار تھے، میں اپنے بچوں سے ملاقات کے لئے ملتان جانے کی بجائے اسلام آباد حاضر ہو گیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے میرا ماتھا چوم کر خوش آمدید کہا۔ میں نے اگلے روز پارلیمانی پارٹی کا اجلاس طلب کرلیا، جس میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا۔ جب میں اسمبلی کے اجلاس میں پہنچا تو میرا والہانہ استقبال کیا گیا۔ حکومتی نشستوں کے بے شمار افراد نے بھی مجھ سے ملاقات کی اور رہائی پر مبارکباد پیش کی۔ ظفر اللہ خان جمالی اور چودھری شجاعت حسین بھی ان حضرات میں شامل تھے۔

## ایل ایف او کے خلاف جدوجہد

میں نے مولانا فضل الرحمٰن، قاضی حسین احمد اور مخدوم امین فہیم سے ملاقاتیں کیں اور مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے پر زور دیا۔ ان تمام اقدامات میں مجھے نوابزادہ نصر اللہ خان کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ وزیر اعظم کے انتخاب کے بعد اسمبلی میں بطور پارلیمانی لیڈر تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: اگر ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنایا گیا تو ہم اسے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ میں نے کہا:

"شکریہ جناب سپیکر! آج اس لئے یہ پوائنٹ آف آرڈر اٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اخبارات

میں کل آپ سے منسوب ایک بیان چھپا ہے۔ جس میں آپ سے منسوب (Attribute) کیا گیا ہے کہ ایل ایف او آئین کا حصہ ہے اور اسی کے تحت حلف اٹھایا گیا ہے۔ جناب سپیکر! اگر یہ بیان صحیح ہے، کیونکہ اس وقت تک آپ کی طرف سے کوئی تردید نہیں آئی، تو میں حق بجانب ہوں کہ اس بیان کو، جو آپ سے منسوب ہے، صحیح سمجھوں۔ اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے ذمہ دار فرد جو آج کسٹوڈین آف دی ہاؤس ہیں، جن کا وسیع تجربہ ہے، آپ اور ہم اسی ہاؤس میں سترہ سال سے آ رہے ہیں اور ایک ایک واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپیکر کی حیثیت ایک جج کی ہو جاتی ہے اور وہ رولنگ کے ذریعے فیصلے صادر فرما سکتے ہیں۔ آپ کی رولنگ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور اس کا احترام کرنا ہر رکن اسمبلی پر ہی فرض نہیں ہوتا بلکہ قوم کے باقی معاملات میں بھی، حتیٰ کہ قانون سازی کے اندر بھی آپ کے ہر بولے ہوئے لفظ کی اہمیت ہے۔ میں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایک جج جو سپریم کورٹ سے بڑی عدالت کا جج ہے، جو ایک سپریم پارلیمنٹ کے مفادات کا امین ہے، Custodian ہے، وہ دوسرے فریق مقدمہ کی گفتگو سنے، بغیر نقطہ نظر سنے بغیر، وہ جج کسی کی رائے پوچھے بغیر، اس ہاؤس میں کوئی فیصلہ صادر فرما دے گا۔ اس جج کے بارے میں تاریخ ضرور فیصلہ دے گی، لیکن آج کا حال بھی یہ کہہ رہا ہے کہ ہم شاید اپنے مقام سے بہت نیچے آ رہے ہیں۔ جناب سپیکر! آپ گواہ ہیں اس بات کے جب ہم 1985ء کی اسمبلی میں آئے تھے، آر سی او کے تحت وہ اسمبلی بنی تھی اور آج یہ ان کا دعویٰ ہے کہ ایل ایف او کے ذریعے یہ اسمبلی بنی ہے۔ تسلیم، مان بھی لیا جائے، ہم اس کو بحث میں نہیں لانا چاہتے، پھر بھی 1971ء کے اندر بھی جب یحییٰ صاحب گئے تھے، جو ان کے اقدامات تھے، وہ اسمبلی میں لانے پڑے تھے اور آخری فیصلہ جو سپریم ادارہ ہے پارلیمنٹ کا، چودہ کروڑ عوام نے جن کو منتخب کیا ہے، انہوں نے فیصلہ دیا تھا کہ اس کے کس حصے کو ہم آئین کا حصہ تسلیم کرتے ہیں اور کس حصے کو ہم حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ جناب والا! 1985ء میں آپ اسی ہاؤس کے اندر تشریف فرما تھے، ہم نے اڑتیس دن تک بحث کی تھی اور مذاکرات کئے تھے۔ ضیاء الحق صاحب ہمارے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے، اُن سے مذاکرات بھی چلے تھے، لیکن آر سی او کا فیصلہ اسی عدالت کے سامنے آیا اور اس عدالت نے اڑتیس دن کے بعد آٹھویں ترمیم کی صورت میں ایک فیصلہ صادر کیا۔ اس سے بھی قوم نے اختلاف کیا، لیکن وہ فیصلہ پھر اسمبلی نے ہی اگر بدلنا چاہا تھا تو پھر آ کے اس کی پارلیمنٹ میں مزید Amendments لائے۔ تو میری گزارش یہ ہے، آپ کا احترام مجھے ملحوظ خاطر ہے۔ مجھے موقع نہیں ملا تھا مبارکباد دینے کا۔ لیکن میں نے آپ کے کولیگ کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کو بہت نفیس آدمی پایا ہے۔ آپ نے اصولوں کی پاسداری کی ہے، لیکن آپ کے بیان سے آپ کے اس مداح کو بہت روحانی تکلیف پہنچی ہے۔ میں آپ سے یہی عرض کرنا چاہتا ہوں۔

It is very sensitive issue. Now when we have come here and we have come with certain commitments to the Nation, to the people of Pakistan. We

are committed, we told them that we are going there, we will not accept LFO. We will work for the restoration of 1973 Constitution. when we came here, we raised this question before the Presiding Officer Elahi Bux Soomro Sahib and he said this is Constitution, he showed us the Book, every body was here, he said this is a Book and you are taking Oath under the 1973 Constitution and LFO is not part of it. It was very clear statement made by the Presiding Officer of the Assembly at that time. But I am really surprised, I am really not only surprised, I was shocked, when I went through the statement of the Custodian of the House, elected by this Assembly. First statement, Sir, I am sorry, I can't hold that respect, which I had about yourself sir, that is changed now why? Please you are a Custodian of the House, you are here to protect the rights of the House. And my request to you is that this issue is very sensitive issue. None of us will accept the LFO as a part of the Constitution. We will not accept, we will throw it away if that will become part of the Constitution. We will throw away that Constitution out of this House. We are not going to accept it. Please keep it in your mind and you do'nt become partial, you should be impartial Speaker, If you not eclear this, you have given this statement, in my view, in my eyes, in eyes of every Pakistani. You are partial Speaker, you are no more Custodian of this House. Please keep this in your mind, we will not accept it. Thank you.

اے آر ڈی کے پلیٹ فارم سے ہم نے ایل ایف او کے خلاف مہم چلائی۔ لاہور میں تہمینہ دولتانہ کے گھر اے آر ڈی کی میٹنگ تھی۔ میں اسلام آباد سے لاہور پہنچا تو پولیس نے اس گھر کو گھیر رکھا تھا۔ وہ کسی کو اندر جانے اور نہ ہی باہر آنے دے رہے تھے۔ گرفتاریاں جاری تھیں۔ میرے ساتھیوں نے کہا: آپ باہر رہ کر زیادہ موثر کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن میں پولیس کا گھیرا توڑ کر اندر چلا گیا، تمام شرکاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے، نوابزادہ نصراللہ خان اور مخدوم امین فہیم کو تھانہ سرور روڈ میں لے جا کر بند کر دیا گیا اور پولیس اوپر سے ہدایت کا انتظار کرنے لگی۔ ہمیں اپنے دیگر ساتھیوں کا علم نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس نے ہمیں رہا کر دیا۔ ہم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کو بھی رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ میری ساتویں گرفتاری اور رہائی تھی۔

نوابزادہ صاحب نے اگلا اجلاس کراچی میں طلب کیا۔ میں ان کے ساتھ ملتان سے کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ کراچی ایئرپورٹ پر نوابزادہ اور مجھے بارہ گھنٹے کے لئے زیر حراست رکھا گیا، پھر ڈیرہ غازی خان کی فلائٹ پر بٹھا کر واپس روانہ کر دیا۔ ہم نے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا عزم کیا اور کوئٹہ میں اے آر ڈی کا اجلاس

طلب کر لیا۔ میں نے ملتان سے کراچی اور کراچی سے کوئٹہ کی سیٹیں بک کرائیں مگر آخری دن سیٹیں منسوخ کر دی گئیں۔ میں اپنی گاڑی پر کوئٹہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرے آگے پیچھے پولیس تھی۔ بہاولپور روڈ پر انہوں نے میری گاڑی کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر کے مجھے گرفتار کر لیا۔ یہ میری گرفتاری کا آٹھواں واقعہ تھا۔ بعد میں مجھے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ 23 مارچ 2002ء کو اے آر ڈی کے تحت موچی گیٹ لاہور میں جلسے کا اعلان کیا گیا۔ ہم سب لوگ لاہور پہنچ گئے۔ میں پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پولیس آفیسر وہاں پہنچے اور کہا: اگر آپ کمرے سے باہر نہ نکلیں تو آپ کو چوبیس گھنٹے کے لئے یہیں نظر بند کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ہوٹل سے باہر نکلے تو پھر آپ کو تھانے میں بند کرنا پڑے گا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں پرل کانٹی نینٹل کی بجائے حوالات میں رات گذارنے کو ترجیح دوں گا۔ ہم نے عوام سے موچی گیٹ پہنچنے کا وعدہ کیا ہے اور اسے نبھائیں گے۔ ہم جب ہوٹل سے باہر نکلے تو انہوں نے ہمیں گرفتار کر کے پہلے گلبرگ تھانے میں بند کر دیا اور پھر ماڈل ٹاؤن کی اسی حوالات میں بند کر دیا، جس میں ایک سال پہلے ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے تھے۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں یہ میری نویں گرفتاری تھی۔

## آشیاں بجلی کی زد میں

یہ قیامت کی رات تھی، جس میں میری بیٹی کا گھر لوٹ لیا گیا اور سارے خاندان نے تمام رات ڈاکوؤں کی سنگینوں تلے گزاری۔ اگلے دن ملتان کی پولیس نے ڈاکے کے خلاف پر امن احتجاج کرتے والوں پر تشدد اور بربریت کی تاریخ رقم کی۔ ہمارے خاندان کے 45 افراد پر دہشت گردی کا مقدمہ قائم کر دیا گیا اور ابھی تک یہ 45 افراد عدالتوں کے دھکے کھا رہے ہیں۔ بعد میں ڈکیتی کا مال پولیس والوں سے برآمد ہوا، جو ابھی تک ہمیں واپس نہیں مل سکا۔ پولیس کی تحقیقاتی رپورٹ نے خود اپنے پولیس والوں کو مجرم قرار دیا ہے اور وہ بھی اس دور میں، مگر انہیں صرف معطلی کی سزا ملی اور بعد میں وہ بحال بھی ہو گئے۔

23 مارچ 2002ء کو جلسے سے پہلے میرے بھتیجے زاہد بہار ہاشمی کو ملتان میں اور مجھے لاہور میں گرفتار کر لیا گیا۔ میں ڈکیتی کے واقعہ سے بالکل بے خبر تھا۔ 24 مارچ کی صبح پولیس اہلکار نے حوالات میں آ کر کہا: جناب آپ کے لئے بہت بُری خبر ہے۔ تو مجھے غالب کا شعر یاد آیا

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

پولیس نے بتایا گزشتہ رات آپ کے گاؤں مخدوم رشید میں آپ کی بیٹی کے گھر پہ ڈاکہ پڑا ہے، یہ میرا آبائی گھر تھا۔ ایک ہزار سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ جو گھر جائے امن تھا، جس گھر کی طرف لوگوں کی نظریں عقیدت اور تحفظ کیلئے اُٹھتی تھیں،...... لٹ چکا تھا۔ ہزار برس میں ہم نے یہاں کبھی کوئی پہرہ دار نہیں رکھا اور اب تو پہرہ دار کی ضرورت بھی نہ رہی تھی۔ ہمارے گھر میں کوئی ہتھیار نہیں، ہم نے اپنی جانوں کو اتنا اہم کبھی نہ

جانا کہ انہیں بچاتے پھریں۔ میرے دادا کا اسلحہ میرے چچا کو منتقل ہو گیا، کتب خانہ میرے والد محترم نے لے لیا۔ انہوں نے ہمیں درویشی کا درس دیا۔ اسلحہ تو دور کی بات ہے ہم میں سے کسی بھائی کے پاس اسلحہ کا لائسنس بھی نہیں۔

ایس ایچ او نے کہا کہ لوگوں نے پولیس کے خلاف جلوس نکالے ہیں اور آپ کے بھائیوں اور رشتہ داروں سمیت پچاس افراد کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ آپ انہیں پُرامن رہنے کی تلقین کریں۔ میں نے گھر فون کیا، معلوم ہوا تمام بچے اور بڑے اپنی اپنی ذمہ داریوں کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ بڑی بیٹی کے ادارے میں تقریب تھی، وہ وہاں جا چکی تھیں۔ دوسرے بچے سکول جا چکے تھے، بڑے جیل جا چکے تھے، کسی بحرانی کیفیت کے آثار نہ تھے۔

میں نے آمنہ سے فون پر بات کی۔ اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان نہ ہونا، میں تمہیں زیورات دوبارہ بنوا دونگا۔ 2 ماہ قبل اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اسے بچپن سے زیورات پہننے کا شوق تھا۔ اس نے کہا: ابو! میں نے تمام رات موت کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھا ہے۔ میرا حوصلہ پست نہیں ہوا، مگر آپ کی بات سے مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ نے کیسے تصور کرلیا کہ مجھے جہیز عزیز تھا، آپ رہا ہو گئے، میری خوشی کیلئے یہی کافی ہے۔ میں آج تک اسے کوئی زیور بنوا کر نہیں دے سکا۔ شادی سے پہلے بھی میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اگر اچھے نمبروں میں ایم اے کرے گی تو میں اُسے زیور بنوا کر دونگا۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، مگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔

میری بیٹی میمونہ نے قرآن حکیم حفظ کیا تو میں نے اس کی ماں سے کہا: اسے سونے کا تاج پہنانا چاہیے۔ میری بیوی نے کہا: بچوں کی خواہشات کو محدود رہنے دیں۔ جب میمونہ نے معاشیات میں ایم اے کیا، تو بھی میرے جذبات یہی تھے، لیکن میں نے انہیں دل کے اندر دفن کر دیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بچوں نے کبھی مجھ سے کوئی تقاضا نہ کیا، مجھے ہمیشہ حسرت ہی رہی کہ وہ کوئی مطالبہ اپنی زبان پر لائیں۔ شاید انہوں نے جان لیا تھا کہ میں ان کے معاملے میں داد و ستد کا اتنا کھرا نہیں ہوں۔

تمام خاندان آج تک دہشت گردی کا جھوٹا مقدمہ بھگت رہا ہے، ڈاکو گرفتار ہو کر رہا ہو چکے۔ پولیس نے اپنی تفتیش میں تحریری طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ پولیس ہی ڈاکے میں ملوث تھی۔ ڈاکوؤں سے برآمد ہونے والا آدھا سامان پولیس کے پاس ہے جو ہمیں واپس کرنے کو تیار نہیں۔ گویا ہماری پاکستانی شہریت ہی ختم ہو چکی کہ ہم 12 اکتوبر کے غیر آئینی اقدام کے خلاف ہیں۔

24 مارچ کی صبح مجھے رہا کر دیا گیا۔ مگر میرے بھتیجے زاہد بہار ہاشمی کو رہا نہ کیا گیا۔ میں نے ملتان جا کر حوالات میں بند اپنے چھوٹے بھائی مخدوم مختار احمد شاہ، کزن صفدر عباس شاہ، کوثر جمیل شاہ، بہنوئی مبارک شاہ، بھتیجے ظفر محمود شاہ، عمیر ناصر شاہ، بھانجے فاروق احمد شاہ، ضیاء المصطفیٰ شاہ، حشمت حسین شاہ، اشفاق حسین

شاہ، سجاد حسین شاہ، ملک اکرم، اختر حسین، اپنے عزیز فیاض حسین شاہ ایڈووکیٹ، اپنے پریس سیکرٹری کے بھائی محمد طاہر نواز اور دوسرے افراد سے ملاقات کی۔ پولیس کے بے رحمانہ تشدد کی وجہ سے وہ زخمی تھے۔ ان کے بدن نیلے ہو چکے تھے۔ مرہم پٹی کے بغیر ان سب کو دوسرے دن جیل بھیج دیا گیا۔ گرفتار ہونے والوں میں میرا ڈرائیور عبدالغفور بھی شامل تھا۔ پولیس کو فوجی حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی، وہ بے خوف ہو کر میری گاڑی پر قابض ہو گئے اور ایک ہفتہ کے بے رحمانہ استعمال سے اِسے تباہ کر دیا۔ میں یہ تضحیک بھی برداشت کر گیا لیکن الحمد اللہ اپنے نصب العین سے غافل نہ ہوا۔

ملتان کے گھر کے اندرونی حصوں کو فوجی حکام نے مسمار کرادیا۔ میں نے اس کا ملبہ وہاں سے اٹھایا نہیں کہ یہ ملبہ جمہوری جدوجہد کی ایک یادگار رہے۔ میرے بچے روزانہ اس ملبے سے گزرتے ہیں، ان کے ذہنوں میں رہے گا کہ وطن کے لئے سب سے پہلے اپنے گھر کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ 12 اکتوبر کے بعد دسویں مرتبہ چودہ مہینوں سے جیل میں ہوں، موجودہ حکومت کے دور میں تقریباً پونے تین سال جیل میں گزار چکا ہوں۔

## کل جماعتی کانفرنس

میں نے پریس کانفرنس کر کے اپنے موقف کا اعادہ کیا اور ایل ایف او کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے اے آر ڈی کا اجلاس لاہور میں طلب کیا اور رابطہ عوام کی مہم تیز کرنے کا فیصلہ کیا۔ فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ پارلیمنٹ کے اندر بھی ایل ایف او کے فیصلے تک اجلاس کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔

وزیر اعظم ظفر اللہ جمالی نے پارلیمنٹ میں موجود تمام جماعتوں کا اجلاس طلب کر لیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں تمام جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ میں نے چودھری نثار علی خان کو جماعت کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا۔ مذاکرات طویل ہوتے گئے۔ دونوں فریق اپنے اپنے موقف پر قائم رہے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

وزیر اعظم ظفر اللہ خان جمالی نے تمام پارٹیوں کے سربراہوں سے ملنے کا اعلان کیا۔ مجھ سے انہوں نے میری رہائش گاہ پر ملاقات کی اور سربراہ میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی، لیکن میں نے پارٹی کے فیصلے کے مطابق بے معنی مذاکرات میں شرکت سے معذرت کر لی۔ اس دوران ہماری مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام جماعتوں کو دعوت دے کر ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہالی ڈے ان اسلام آباد میں کل جماعتی کانفرنس طلب کی گئی، جس کی میزبانی کا اعزاز پاکستان مسلم لیگ (ن) کو ملا۔ اس میٹنگ میں مجلس عمل نے مزید مذاکرات میں شرکت کا اعلان کیا، جبکہ اے آر ڈی اور دیگر پارلیمانی پارٹیوں نے مذاکرات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

پارلیمنٹ کے اندر مجلس عمل بھی بائیکاٹ میں ہمارے ساتھ شریک رہی۔نوابزادہ نے کل جماعتی کانفرنس میں اے آر ڈی کے متفقہ لائحہ عمل کے لئے سخت محنت کی۔انہوں نے مخدوم امین فہیم اور محترمہ بے نظیر بھٹو سے بار بار رابطہ کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ مذاکرات کا بائیکاٹ قوم کے مفاد میں ہے۔میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر سارے عمل کو نتیجہ خیز بنایا۔میاں نواز شریف کا موقف کافی سخت تھا۔وہ تنہا بھی بائیکاٹ کے حق میں تھے۔نوابزادہ نصر اللہ، جو ہمیشہ مذاکرات کی حمایت کرتے رہے، میری درخواست پر مذاکرات کے خلاف متحرک ہو گئے اور اے آر ڈی ایک مضبوط چٹان کی طرح ایل ایف او کے خلاف سینہ سپر ہوگئی۔نوابزادہ صاحب نے دوسرے دن اپنے گھر پر راجہ ظفر الحق، تہمینہ دولتانہ اور مجھے ملاقات کے لئے بلایا وہاں پہ طے پایا کہ مخدوم امین فہیم ہماری طرف سے حزب اختلاف کے قائد ہوں گے۔ مجھے اے آر ڈی کی جماعتوں کا پارلیمانی لیڈر مقرر کیا گیا اور محترمہ تہمینہ دولتانہ کو پارلیمانی پارٹی کا سیکرٹری۔

# عبقری کی موت اور اُس کے بعد

رابطہ عوام کے سلسلے میں اے آر ڈی نے فیصل آباد کے بعد موچی گیٹ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا۔ اس کے بعد کوئٹہ، ڈیرہ اسماعیل خان، پشاور، حیدر آباد، ملتان اور کراچی میں عام جلسے کرنے کا اعلان کر دیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے بیرون ملک جا کر تحریک بحالی جمہوریت کے لئے انتھک کام کیا۔ لندن میں انہوں نے محترمہ بے نظیر اور جدہ میں میاں نواز شریف سے ملاقات کی اور تحریک کو مضبوط بنیادوں پر چلانے کا اہتمام کیا۔ واپس آ کر انہوں نے اسلام آباد میں اے آر ڈی کا اجلاس طلب کیا۔ مجھے ایک رات پہلے ملاقات کے لئے بلاوا بھیجا، میں میاں اسد محمد کے ہمراہ ان سے ملاقات کے لیے پہنچا۔ ہم کافی دیر ان سے مستقبل کے لائحہ عمل پر گفتگو کرتے رہے۔ ان کے دورے کا تذکرہ بھی ہوا۔ انہوں نے میاں نواز شریف سے اپنی ملاقات کی پوری تفصیل بتائی۔ میاں صاحب اور ان کے خاندان کے طرز عمل سے وہ بہت خوش تھے اور محترمہ کے ساتھ اپنی ملاقات سے بھی مطمئن تھے۔ وہ بحالی جمہوریت کی جدوجہد کو تیز کرنا چاہتے تھے۔ میں ان سے اجازت لے کر واپسی پر میریٹ ہوٹل میں کافی پینے کے لئے رک گیا۔ وہاں پر صحافی بہزاد سلیمی نے بتایا کہ ان کی نوابزادہ کے سیکرٹری جمشید سے ابھی بات ہوئی ہے اور یہ کہ ان کی طبیعت خراب ہے مگر انہوں نے حکم دیا ہے کہ ان کی بیماری کا کسی کو بتایا نہ جائے۔ مجھے یقین نہ آیا۔ میں نے کہا، میں سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں اور وہ بالکل تر و تازہ لگ رہے تھے، بلکہ میں نے نوابزادہ سے کہا کہ آپ کا چہرہ آج بہت روشن لگ رہا ہے اور واقعتاً ان کے چہرے سے اطمینان پھوٹ رہا تھا۔

میں گھر پہنچا اور سو گیا۔ صبح سویرے جمشید کا فون آیا کہ نوابزادہ صاحب کو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے۔ انہیں دل کا شدید دورہ پڑا ہے۔ میں اور اسد محمد بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹروں نے بتایا ان کی حالت خطرے سے باہر ہے اور آپ ان سے مل سکتے ہیں۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو ان کے منہ پر آکسیجن کا ماسک چڑھا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں اٹھنے نہ دیا۔ قدرے کوشش کے بعد انہوں نے کہا: رات جب آپ میرے ہاں بیٹھے تھے، تو میری طبیعت خراب تھی مگر میں آپ کو بتانا نہ چاہتا تھا۔ تیسرے دن ڈاکٹروں نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔ مخدوم امین فہیم اور میں ان سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا کہ اے آر ڈی کی میٹنگ کا اعلان کیا جائے۔ ہم اپنی رہائش گاہوں کی طرف چلے گئے۔ 27 ستمبر ایک بجے رات ٹیلی فون کی گھنٹی بجی میں نے ریسیور اٹھایا تو مجھے بتایا گیا کہ نوابزادہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ سیاسی افق پر دہکتا ہوا ماہتاب ڈوب چکا تھا۔ میں ہسپتال پہنچا۔ ان کا پورا خاندان موجود تھا۔ میت کو خان گڑھ پہنچانے کے انتظامات کیے گئے اگلے روز وہیں تدفین ہونا تھی۔ ملک کے طول و عرض سے قومی شخصیات ان کے جنازہ میں جمع

تھیں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے جنازہ پڑھایا اور انہیں ان کے والد کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قومی سیاست کا ایک طویل دور اختتام کو پہنچا۔

1970ء سے لے کر 1977ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ تک میں اُن کی محفل میں شریک ہوتا رہا۔ لاہور شہر کے ریلوے اسٹیشن کے قریب نکلسن روڈ پر کرایے کی عمارت میں اُن کی پارٹی کا مرکزی دفتر تھا اور وہ دفتر کے ایک کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ یہی کمرہ اُن کی تمام سرگرمیوں کا مرکز تھا، ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، بیڈ روم سب کچھ یہی کمرہ تھا۔ اِسی کمرے میں مہمانوں سے ملاقات ہوتی اور اسی کمرے میں پریس والوں سے خطاب کرتے۔ پورے لاہور میں یہ سب سے بڑا سیاسی ڈیرہ تھا۔ پورے ملک سے سیاسی رہنما اور سیاسی کارکنان بلا روک ٹوک یہاں آ سکتے تھے۔ شام کو لاہور کے دانشور، اہلِ قلم اور زندگی کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے چیدہ افراد اس کمرے میں حاضری دیتے، اِس محفل کو "شام غریباں" کا نام دیا گیا۔ اِس محفل میں علمی، ادبی اور سیاسی مباحثے ہوتے، اختلافِ رائے بلند آہنگ سے بھی کیا جاتا اور شائستہ اور شستہ انداز میں بھی۔ نوابزادہ صاحب پر تنقید کے تیر بھی برسائے جاتے اور اُن کی سیاست پر بے لاگ تبصرے بھی کئے جاتے۔ نوابزادہ صاحب زیادہ تر مسکراتے رہتے اور دوستوں کے تیر و تفنگ پر بھی کوئی تبصرہ نہ کرتے۔ حسبِ ضرورت واقعات کی تصحیح کر دیتے، کیونکہ وہ برصغیر کی تاریخ اور سیاست کا انسائیکلوپیڈیا تھے اور ہم جیسے مبتدیوں کے لیے عظیم درسگاہ۔ شورش کاشمیری، علامہ احسان الٰہی ظہیر، مجیب الرحمٰن شامی، مشہور کالمسٹ عبدالقادر حسن، رانا نذر الرحمٰن، جماعت اسلامی کے چودھری غلام جیلانی، خواجہ رفیق، مصطفیٰ صادق، مسعود پوسوال باقاعدگی سے حاضری دیتے۔ پاکستان کے اکثر قومی رہنماؤں سے میری ملاقات اِسی کمرے میں ہوئی۔

نوابزادہ نصر اللہ خان کی وفات جمہوری قوتوں کے لئے ایک عظیم صدمہ تھا لیکن حکمرانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ کیونکہ نوابزادہ جونہی اسلام آباد میں داخل ہوتے سیاسی سرگرمیاں تیز ہو جاتیں اور وہی ان سرگرمیوں کا محور ہوتے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا، ان کے ایک ایک لفظ کو اہمیت دیتا، سفارتی حلقے ان کی گفتگو غور سے سنتے، وہ یورپی برادری اور یورپین پارلیمنٹ کے نمائندوں سے ملتے ...... تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہ ان کا احترام کرتے تھے۔ جماعتی وابستگیوں سے بالاتر وہ اِن سے ملنے آتے۔ اِن کے اردگرد سیاسی کارکنوں کا جمگھٹا ہوتا۔ رعب داب ڈگمگانے لگتا اور دلائل کے سامنے حکومت زچ ہو جاتی۔ اُن کی موت کے بعد جمہوری قوتوں اور خاص کر اے آر ڈی کو بڑا چیلنج درپیش تھا ان کی حیثیت شجر سایہ دار کی تھی اور وہ ہر بحران پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتے تھے محترمہ بے نظیر اور نواز شریف کے لئے ان کا ہر فیصلہ حرف آخر تھا۔

اتنے بڑے خلا کو پر کرنا ممکن نہ تھا، لیکن ہمیں ان کے مشن کو آگے بڑھانا تھا۔ مخدوم امین فہیم ملنے آئے تو میں نے انہیں بطور قائمقام صدر اے آر ڈی اپنا اور اپنی پارٹی کا تعاون پیش کیا۔ دریں اثناء میاں نواز شریف سے

مشاورت جاری رہی، نوابزادہ کے انتقال سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے۔ انہوں نے کہا: میری رائے میں تو صرف آپ کسی حد تک ان کے خلا کو پر کر سکتے ہیں اور تمام جماعتوں کو ساتھ لے کر چل سکتے ہیں، لیکن ہمارا پہلا مقصد اے آر ڈی کو متحد رکھنا ہے اس لئے فیصلے متفقہ طور پر کئے جائیں۔ ہم نے اپنی پارٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں راجہ ظفر الحق کا نام صدارت کے لئے پیش کرنا چاہئے۔ راجہ صاحب نے اے آر ڈی میں کوئی عہدہ قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ میں نے کہا: نوابزادہ کی موجودگی میں اختلافات بحران میں تبدیل نہ ہوتے تھے۔ اب ہمیں ہر قدم احتیاط سے اٹھانا ہوگا۔ میں نے تجویز دی کہ اے آر ڈی میں ایک چیئرمین اور ایک صدر منتخب کر لیا جائے۔ خود پیپلز پارٹی نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلا کو پر کرنے کے لئے محترمہ نصرت بھٹو کو چیئرپرسن کا عہدہ دیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے لئے شریک چیئرپرسن (Co-Chair Person) کا منصب تراشا گیا۔ ہماری پارٹی میں بھی میاں نواز شریف کا خلا پر کرنے کیلئے قائمقام صدر کے ساتھ چیئرمین کا عہدہ قائم کیا گیا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ تمام جماعتوں میں ہر مہینے صدارت کا عہدہ گھمایا جائے۔ چودھری نثار علی خان نے کہا کہ اگر اے آر ڈی چیئرمین کا عہدہ دینے کے لئے تیار ہو تو راجہ ظفر الحق کو چیئرمین بنایا جائے اور اگر صدارت پر رضامند ہوں تو انہوں نے میرا نام تجویز کیا۔ چودھری نثار علی خان، خواجہ آصف اور تہمینہ دولتانہ نے پیپلز پارٹی سے مذاکرات کئے۔ اے آر ڈی کی جماعتوں سے مشاورت کے بعد یہ مسئلہ بخیر وخوبی طے کر لیا۔ مخدوم امین فہیم کو چیئرمین اور مجھے اے آر ڈی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

اے آر ڈی میں چونکہ تمام جماعتوں کی حیثیت برابر ہے اس لئے تمام عہدے عملاً علامتی ہوتے ہیں۔ نوابزادہ صاحب، عہدے نہیں، اپنی شخصیت کی وجہ سے فیصلے کرنے میں بااختیار تھے۔ اب ہر فیصلے کے لئے ہر جماعت کی اہمیت پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ اے آر ڈی میں اتفاق رائے سے عہدیداروں کا انتخاب جمہوری قوتوں کے لئے جہاں اطمینان کا باعث تھا وہیں حکومت کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے اے آر ڈی کے اندر جماعتوں میں بعد المشرقین ہے۔ نوابزادہ کا سایہ ہٹتے ہی یہ ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو جائیں گی۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ اتحاد اصولوں کی بنیاد پر تھا اور اپنی منزل حاصل کر کے دم لے گا۔

پارلیمنٹ کے اندر ہر اجلاس سے پہلے ہماری پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ ہوتی، جس میں اس دن کے ایجنڈے پر لائحہ عمل طے کیا جاتا۔ ہم نے ایل ایف او پر حکومت اور مجلس عمل کے مذاکرات سے لاتعلقی کا اعلان کر رکھا تھا، لیکن روزانہ پارلیمنٹ میں مل کر احتجاج کرتے اور پھر مشترکہ پریس کانفرنس میں اپنا موقف پیش کرتے۔ ایک دن کیفے ٹیریا میں، پریس کانفرنس کے بعد، ایک خط کا میں نے تذکرہ کیا، جو قومی قیادت کو مخاطب کر کے تمام ممبران قومی اسمبلی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس خط میں قومی قیادت سے یک جہتی کا اظہار کیا گیا تھا اور کارگل کے معاملات پر کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ تھا۔ یہ خط جی ایچ کیو کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا تھا لیکن اس پر کسی کے دستخط نہیں

تھے۔ ہم نے کہا متعلقہ اداروں کو معلوم کرنا چاہیے کہ یہ خطوط کہاں سے آ رہے ہیں اور انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ خط کی زبان قابل اعتراض نہ تھی۔

ملتان میں نوائے وقت کا یوم تاسیس تھا، وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد بھی وہاں پہنچے اور انہوں نے مجھے ''سمجھانے'' کی کوشش کی۔ نوابزادہ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے رابطہ عوام کے سلسلے میں پشاور میں پہلا جلسہ کیا۔ حکومت اس جلسے کی کامیابی سے بوکھلا گئی۔ حد نظر تک انسانوں کا ہجوم تھا۔ اس سے پہلے کراچی میں مسلم لیگ (ن) کے زیر اہتمام بھی ایک بڑا جلسہ ہوا تھا۔ بہت بڑی تعداد نے انہماک سے میری تقریر کو سنا۔ حکومت ہر حالت میں ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنانے پر تلی تھی مگر ہم ان کے راستے کی دیوار بن گئے۔ خاص طور پر مجلس عمل سے میرے تعلقات پہ حکمران ناخوش تھے۔ میری نیازمندی کی وجہ سے دینی جماعتوں کے رہنما میری بات سن لیتے۔ مجھے ہٹانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ آئی ایس آئی کو میری گرفتاری کا ٹاسک دیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف میری تقریروں پر پیچ و تاب کھاتے تھے کیونکہ میں اُن کی کارکردگی پر سخت تنقید کرتا اور میرے سوالوں کا ان کے پاس کوئی جواب بھی نہ تھا۔ میری زبان بند کرنے اور مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے سب قوانین اور تمام ضابطوں کا مذاق اڑاتے ہوئے مجھے گرفتار کر لیا گیا۔

میری گرفتاری کے بعد ایل ایف او کو بل کی صورت میں پارلیمنٹ سے منظور کرایا گیا۔ یہ 12 اکتوبر کے بعد پاکستان کی تاریخ کا دوسرا تاریک ترین دن تھا۔ میں قفس کے پنجرے میں پھڑ پھڑاتا رہا اور اپنی قوم کی بد نصیبی پر آنسو بہاتا رہا۔ میری گرفتاری پر مجلس عمل نے اے آر ڈی سے بھی زیادہ احتجاج کیا، چودہ روز تک مجھے تہہ خانوں میں چھپایا گیا۔ میرے خاندان پر یہ چودہ دن چودہ سال سے بھی زیادہ بھاری تھے۔ غاصب حکمران، میرے بچوں کی بے بسی کا تماشا دیکھتے رہے۔ مجھے اس کا غم تو تھا لیکن جب ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنایا گیا تو میرا غم سوا ہو گیا اور مجلس عمل سے بھی دل مضطرب کو شکوہ کی صورت پیدا ہوئی۔

آٹھواں باب

# برصغیر کی تاریخ میں غداری کا پہلا مجرم

# برصغیر کی تاریخ میں غداری کا پہلا مجرم

29 اکتوبر 2003ء کی شام مجھے پارلیمنٹ لاجز اسلام آباد سے گرفتار کیا گیا۔ میری گرفتاری کا فیصلہ دو ماہ پہلے ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے بیانات میں بھی یہ بات کہہ دی تھی۔ یہ اس حکومت کے دور میں میری دسویں گرفتاری تھی۔ دارالحکومت میں بھی ہر باخبر فرد پر واضح ہو چکا تھا کہ آج نہیں تو کل مجھے گرفتار کر لیا جائے گا۔ آخری مرتبہ میں نے گرفتاری کی پیشینگوئی چار گھنٹے پہلے پریس کانفرنس میں کر دی تھی۔ مگر جس بیہودہ طریقے سے کمانڈو ایکشن کر کے مجھے گرفتار کیا گیا اس کا اندازہ مجھے تھا، نہ کسی اور کو۔

میں قوم کا منتخب نمائندہ تھا، اسمبلی کا اجلاس جاری تھا اور میں قومی اسمبلی کے دروازے پر ننگے پاؤں ایجنسیوں کی حراست میں ایک جیپ میں بند بیٹھا تھا۔ میرے سامنے ایوان صدر تھا، جس پر دو پرچم لہر رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے ماتھے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا "اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں" مگر اس عمارت سے اوپر ایک بادشاہ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے پاؤں کے نیچے اسمبلی کی عمارت اپنی بے بسی پر نوحہ کناں تھی۔

ایجنسیوں کی جیپ رینگنے لگی۔ انہیں کسی رکاوٹ یا مزاحمت کا خوف نہ تھا۔ جب ہم سپریم کورٹ کی عالی شان عمارت کے سامنے سے گزر رہے تھے تو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، انصاف کا دروازہ بند تھا۔ اس پر بھی وردی والوں کا پہرہ تھا۔

اس کے بعد میں کہاں تھا، مجھے کوئی علم نہیں۔ 14 روز تک میں سورج کی روشنی نہ دیکھ سکا۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جاتیں اور ہاتھوں میں زنجیریں۔ آنکھوں سے پٹیاں کھول کر بٹھا دیا جاتا اور پہروں نہ ختم ہونے والی بے معنی سوالات کی نشست ہوتی۔ اس کے بعد ننگے اور گیلے فرش پر سونے کی اجازت مل جاتی۔ نومبر کا مہینہ میرے جذبوں کو ٹھنڈا نہ کر سکا، میری اعصاب شکنی کے لئے گاہے بگاہے دیواروں کے ساتھ پٹخنے کی مشق بھی جاری تھی۔ 14 دن کے بعد مجھے اڈیالہ جیل میں ایک ایسے سیل میں بند کر دیا گیا جو گوانتانا موبے بھیجنے اور واپس آنے والے قیدیوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس سیل کو گوانتانا موبے سے زیادہ تکلیف دہ بنایا گیا ہے۔ تقریباً سوا سال سے میں اس دشت تنہائی میں ہوں یہ ایک ویران جزیرہ ہے، دور نزدیک کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ صرف سرکاری امور سرانجام دینے والے کارندے میرے سیل کے چاروں طرف موجود ہوتے ہیں۔ بلب لگا دیئے گئے ہیں جو دن رات جلتے ہیں۔ اس سیل کے چاروں طرف اونچی ایک خاردار دیوار ہے۔ اس کے اردگرد مزید پہرے دار ہیں۔ ہر چار گھنٹے بعد پہرے دار تبدیل ہو جاتے ہیں اور تازہ دم اور چوکس پہرے دار وارد ہوتے ہیں۔ داخل ہونے سے پہلے وہ چاردیواری کے آہنی دروازے کو دھماکے سے کھولتے ہیں، میں اگر سو رہا ہوں تو جاگ جاتا ہوں اور

جاگ رہا ہوں تو چونک اٹھتا ہوں، مگر اب میں اس شورِ مسلسل کا عادی ہو چکا ہوں، اب اگر وہ دروازہ آہستگی سے کھولیں تو کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

ایسے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

علی برادران پر جب دفعہ 131 کے تحت مقدمہ چلایا گیا تو مہاتما گاندھی نے علی برادران کے موقف کی حمایت میں کانگریس کی مجلس عاملہ میں قرارداد منظور کرائی۔ اپنی مشہور کتاب قولِ فیصل میں مولانا عبدالکلام آزاد بار بار اس خواہش اظہار کرتے ہیں کہ انہیں مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ اس مقدمے میں شریک کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں انہوں نے سب سے پہلے جمعیت علمائے ہند کے اجلاس میں وہی موقف اختیار کیا تھا جو بعد میں علی برادران نے اختیار کیا۔ وہ تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ علی برادران کو اس مقدمے سے جو بلند مرتبہ ملا ہے، حالانکہ ابتدا تو انہوں نے کی تھی مگر ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ داروسن کا اعزاز علی برادران کے نام لکھا تھا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ 85 سال بعد تاریخ کی نظرِ التفات اس خاکسار پر پڑی ہے۔ مولانا آزاد رقم طراز ہیں "اسی کانفرنس میں فوج کے متعلق ریزولیشن منظور ہوا تھا، جس میں اسلامی قانون کے بموجب مسلمانوں کے لئے فوجی نوکری ناجائز بتلائی گئی، کیونکہ گورنمنٹ، اسلامی خلافت اور اسلامی ملکوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ علی برادران کے خلاف کراچی کا مقدمہ اسی ریزولیشن کی بنیاد پر چلایا گیا۔ میں بار بار اخبارات اور تقریروں میں اعلان کر چکا ہوں کہ یہ ریزولیشن سب سے پہلے میں نے ہی تیار کیا تھا اور میری ہی صدارت میں تین مرتبہ منظور ہوا۔ سب سے پہلے کلکتہ پھر بریلی اور لاہور میں اس "جرم" کا بھی پہلا حق دار میں ہوں۔ میں نے ایڈریس کو مزید اضافہ کے بعد کتاب کی شکل میں مرتب کیا، جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے۔ گویا "میرے جرائم" کا ایک تحریری ریکارڈ موجود ہے"۔

"علاوہ بریں رسالہ "خلافت" میں ایک باب اس موضوع پر لکھ چکا ہوں، پھر کلکتہ، دہلی، کراچی، بمبئی وغیرہ میں بھی ایسا ہی بیان کیا ہے، اگر یہ "سازش" اور "اغوا" ہے تو مجھے اس کے ارتکاب کا ہزار مرتبہ اقرار ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیے تھا کہ علی برادران سے پہلے (جنہوں نے صرف نقل واعادہ کیا ہے) مجھے پر مقدمہ چلاتی"۔

# گرفتاری پر ملکی اور بین الاقوامی ردعمل

میری گرفتاری پر اندرون اور بیرون ملک شدید ردعمل ہوا، پارلیمنٹ کے اندر شدید ہنگامہ ہفتوں تک چلتا رہا۔ اے آر ڈی کے ساتھ مجلس عمل نے ملکر موثر احتجاج کیا۔ ملک بھر کی بار ایسوی ایشنوں نے گرفتاری کی مذمت کی۔ اندرون سندھ لاڑکانہ، گھوٹکی، حیدرآباد، شہدادکوٹ، میرپورخاص کے چھوٹے چھوٹے تعلقوں میں بھی لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد، پشاور، کوئٹہ، ملتان، سبی، گوجرانوالہ، ڈیرہ اسماعیل خان، شیخوپورہ، بہاولپور، راولپنڈی ڈویژن سے سینکڑوں مرد و خواتین احتجاج کرتے ہوئے گرفتار کر لیے گئے۔ احتجاجی کیمپوں میں اے آر ڈی اور مجلس عمل کے رہنماؤں نے شرکت کی، دستگیر خان، چودھری شیر علی، عابد شیر علی، میاں عبدالمنان کو مہینوں جیلوں میں رہنا پڑا۔ پیپلز پارٹی کے کارکن بھی احتجاج میں پیش پیش تھے۔

ملک بھر کے دانشوروں، صحافیوں اور اہل قلم نے اپنے کالموں اور اداریوں میں حکومتی فیصلے کی شدید مذمت کی۔ بیرون ملک کے اشاعتی اداروں نے بھی حکومتی رویے کو جمہوریت کے خلاف معاندانہ عزائم کے طور پر دیکھا۔ یورپی یونین نے اپنا احتجاج مسلسل جاری رکھا، دولت مشترکہ نے اس اقدام کو جمہوریت کش کہا۔ انٹرنیشنل پارلیمنٹیرین یونین (IPU) نے گرفتاری کی شدید مذمت کی۔ امریکہ میں وائٹ ہاؤس (White House) کے ترجمان نے بھی اس اقدام کے خلاف اپنا نقطہ نظر بیان کیا اور گرفتاری کے خلاف اپنا بیان جاری کیا۔ مقدمہ کے فیصلے کے موقعہ پر یورپی یونین پاکستان کے ساتھ تجارتی معاہدے پر دستخط کرنے کے فیصلہ کن مرحلے میں پہنچی ہوئی تھی، ایک بہت بڑی لابی یہ سوال اٹھا رہی تھی کہ دیگر معاملات کے ساتھ میرے ساتھ ناانصافی نے پاکستان کی جمہوریت کا پول کھول دیا ہے، اس لیے پاکستان کے ساتھ تجارتی معاملات کو ملتوی کر دیا جائے۔

میں نے جیل سے بیان جاری کیا کہ میرے ساتھ ناانصافی کو معاہدہ پر دستخط ملتوی کرنے کی وجہ نہ بنایا جائے۔ یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے، میری اپیل ہے کہ معاہدہ پر دستخط کر کے پاکستان کے عوام پر یورپی یونین کے ساتھ تجارتی دروازے کھول دیے جائیں تاکہ عام آدمی کو اس سے فائدہ ہو سکے۔

میں جانتا تھا کہ یورپی یونین کی موجودہ پارلیمنٹ کی میعاد ختم ہو رہی ہے۔ اگر اب تجارتی معاہدہ نہ ہوا تو نئے انتخابات تک معاملہ لٹک جائے گا اور نہیں معلوم کہ نئی پارلیمنٹ کونسا رخ اختیار کرتی ہے؟ اس طرح تجارتی معاہدہ پر دستخط کے لیے قرارداد پر ووٹ پڑے اور ایک ووٹ کی برتری سے قرارداد پاکستان کے حق میں منظور ہو گئی۔ میں نے سجدہ شکر ادا کیا کہ میری وجہ سے ملک کو معاشی نقصان نہ پہنچا۔

اسی طرح دولت مشترکہ نے 12 اکتوبر 1999ء کے بعد پاکستان کی رکنیت ختم کر دی تھی، جس کی وجہ

سے پاکستان کو تقریباً ساٹھ ممالک کی برادری سے معاملات طے کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ میں نے نوابزادہ نصر اللہ خان، مخدوم امین فہیم، اقبال ظفر جھگڑا اور تہمینہ دولتانہ کے ساتھ بارہا دولت مشترکہ کے سربراہ ڈان میکائن سے ملاقاتیں کیں اور انہیں پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کو کہا، مگر ہماری جماعت کی پالیسی یہ رہی ہے کہ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر تنہا نہ ہونے دیا جائے۔

جب پاکستان کی رکنیت کا مسئلہ اپریل 2004ء میں دوبارہ اٹھایا گیا تو دولت مشترکہ کے اکثر ممبران کا خیال تھا کہ پاکستان میں جمہوریت بحال نہیں ہوئی، انہیں خاص طور پر اس بات کا بھی رنج تھا کہ میری گرفتاری کے خلاف دولت مشترکہ کی اپیل کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

میں نے جیل سے دولت مشترکہ سے اپیل کی کہ وہ میری وجہ سے پاکستان کی رکنیت کا راستہ نہ روکیں، میرے کچھ دوستوں کو میرے اس موقف پر حیرانی ہوئی۔ قائداعظم نے دولت مشرکہ کی رکنیت کے حق میں فیصلہ کیا تھا اور کانگریس نے مخالفت کی تھی۔ بعد میں کانگریس کی قیادت کو بھی قائداعظم کے موقف کو تسلیم کرنا پڑا۔ اے آر ڈی کے کچھ ساتھی میرے موقف کو سمجھ نہ پائے، بعد میں محترمہ بے نظیر نے ایک انٹرویو میں میرے موقف جیسا بیان دیا اور نیشنل کانگریس کے موقف کو دہرا کر دولت مشترکہ کی رکنیت کی حمایت کی۔ اسی طرح میں نے امریکہ کا شکریہ ادا کیا کہ اسی نے میرے مقدمے کی سماعت میں بے انصافی پر احتجاج کیا۔ مگر میں نے امریکی قیادت کو یاد دلایا کہ اگر مجھے انصاف مل بھی جائے تو پندرہ کروڑ انسانوں کو حقوق نہیں ملیں گے۔ امریکہ کو پاکستان میں فرد واحد کی حمایت کرنے کی بجائے جمہوری اداروں کے حق میں اپنا وزن ڈالنا چاہیے۔

نواں باب

# مقدمے کی سماعت

# مقدمے کی سماعت

**پہلی پیشی:** مجھے سیشن جج کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ وکلاء نے میرے طبی معائنے اور قیدِ تنہائی کے بارے میں درخواست پیش کی، جسے قبول نہ کیا گیا۔ میرے وکلاء نے ضمانت کی درخواست کی، جس پر فیصلہ محفوظ کر لیا گیا، بعد میں جج صاحب نے درخواست مسترد کرتے ہوئے فیصلہ دیا، کہ ظاہری طور پر، مقدمے میں حقائق موجود ہیں اور ضمانت کی درخواست مسترد کی جاتی ہے۔

## جج پر عدم اعتماد

**دوسری پیشی:** جج نے فردِ جرم عائد کرنے کیلئے تاریخ دی اور فیصلہ دیا کہ آئندہ سماعت جیل کی چار دیواری کے اندر ہو گی۔ ہمارے وکلاء نے جیل کے اندر سماعت پر اعتراض کیا، جو جج نے مسترد کر دیا۔ میرے وکلاء نے جج پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے جج سے درخواست کی کہ ہمیں اُن پر اعتماد نہیں۔ لہٰذا وہ مقدمہ کسی اور عدالت میں بھیج دیں۔ جج نے یہ درخواست بھی مسترد کر دی۔

## توہینِ عدالت

**تیسری پیشی:** سیشن جج نے جیل میں آ کر مقدمہ کی سماعت شروع کی۔ وہ سخت پہرے میں جیل سپرنٹنڈنٹ کی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے اور مجھے چارج شیٹ پر دستخط کرنے کو کہا۔ میرے علاوہ کمرے میں میری بیٹی میمونہ، حکومت کے وکیل اور اُن کے معاونین موجود تھے۔ میں نے فردِ جرم پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا: آپ نے اپنے ابتدائی فیصلوں میں ہی اپنا ذہن ظاہر کر دیا ہے، آپ ایک جانبدار جج ہیں۔ مجھے آپ سے انصاف کی کوئی توقع نہیں۔

جج صاحب سے میں نے کہا: آپ جیل کے اندر اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ میں بھی یہاں اپنی مرضی سے نہیں ہوں۔

میں یہاں قیدی ہوں اور آپ بھی قیدی ہیں...... فرق صرف یہ ہے کہ میں اپنے ضمیر کا قیدی ہوں اور آپ حالات کے۔ اپنی آزادی سے زیادہ مجھے عدالت کی آزادی عزیز ہے۔ آپ کی ذات میرے لئے اتنی اہم نہیں، لیکن عدالت کا احترام ہر حالت میں برقرار رہنا چاہیے۔ آپ مجھے سماعت سے پہلے ہی قیدِ تنہائی کی سزا سنا چکے ہیں۔ مگر میں آپکی آزادی کیلئے کوشاں ہوں۔ میں نے جج صاحب سے کہا: آپ جیلر کی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میں آپ کو جج کی کرسی پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کا جیلر کی کرسی پر بیٹھنا مرے لئے اذیت ناک ہے۔ جتنی جلدی

ہو سکے، آپ سزا کا فیصلہ سنا کر، اپنی عدالت کی کرسی پر جا بیٹھیں۔ جتنی دیر تک آپ جیلر کی کرسی پر بیٹھے رہیں گے، عدالتی نظام کا مذاق اُڑتا رہے گا۔ عدالتی نظام کے احترام کی بحالی کیلئے بہتر ہے مجھے قربان کر دیا جائے، میں یہ فیصلہ خوشدلی سے قبول کرلوں گا۔

جج صاحب نے تھوڑی دیر کیلئے عدالتی کارروائی معطل کر دی اور جیل حکام کو چائے کا آرڈر دیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا: ماحول کی تلخی کو کم کیا جائے۔

پھر انہوں نے اپنے تلخابۂ حسرت کے چند جرعے گردشِ ایام کے جام میں انڈیل دیے...... میں اُن کی محرومیوں کی داستان سنتا رہا، کچھ وقت کیلئے میں اپنے آپ کو بھول گیا اور اُن کے بچوں کے روشن مستقبل کیلئے فکر مند ہو گیا۔

میری بیٹی، حکومت کے وکیل، جج اور ملزم نے مل کر چائے پی اور پھر ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔

## عدالت میں سزا کی پیشین گوئی

**چوتھی پیشی:** جج صاحب نے کہا: اگر آپ نے سماعت میں شرکت نہ کی تو میں یک طرفہ ٹرائل کروں گا۔ میں نے کہا: جج صاحب! مجھے علم ہے، فیصلہ آپ کو نہیں لکھنا، فیصلہ اُوپر ہو چکا۔ مجھے 25 سال قیدِ بامشقت سنائی جا چکی، آپ اِس میں کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ آپ وقت ضائع نہ کریں اور آج ہی فیصلہ سنا دیں۔ وکیلِ استغاثہ نے کہا: عدالتی نظام میں اس طرح نہیں ہوتا۔ اس کے لئے ہمیں تمام گواہوں کو طلب کرنا ہوگا۔ میں نے کہا: وکیل صاحب! آپ کو اپنے پورے کیریئر میں ایسا مقدمہ نہیں ملا ہوگا جس میں ملزم مُصِر ہو کہ اسے فوراً سزا سنائی جائے اور اُسے اپنی سزا کا بھی پہلے سے علم بھی ہو۔

وکیل استغاثہ نے کہا کہ میں آپ کے خیر خواہ کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ آپ ٹرائل میں شریک ہوں۔ میں نے انکار کر دیا اور جج صاحب نے اگلی پیشی پر گواہ طلب کر لئے۔

## عدالت کا بائیکاٹ

**پانچویں پیشی:** جج نے حسبِ دستور مقدمہ کی کارروائی شروع کی۔ میں نے جج سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں جیلر کے کمرے سے باہر چلا جاؤں، کیونکہ میں اس غیر قانونی کارروائی کا حصہ بننا نہیں چاہتا۔ جج صاحب نے حکم دیا کہ میں باہر نہیں جا سکتا۔ میں نے کہا: پھر میں ریکارڈ پر لانا چاہوں گا کہ مجھے اس کارروائی کا حصہ نہ سمجھا جائے۔ وکیلِ استغاثہ نے کہا کہ میں گواہوں پر جرح کروں، میں نے انکار کر دیا۔ تمام گواہوں کے بیانات قلمبند ہو گئے۔

مجھے ایک گواہ پر بہت ترس آیا۔ وہ پاک فوج کا نوجوان کپتان تھا۔ میں نے اپنی خاموشی توڑ دی...... اور کہا: اس بیچارے پر رحم کریں، ملازمت کے آغاز پر ہی اس سے حلف اٹھوا کر غلط بیانی کرائی جا رہی ہے۔ ابھی

کمرے کے باہر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ وکیل استغاثہ سے جھگڑ رہا تھا کہ ہم نے جھوٹ بولنے کیلئے ملازمت نہیں کی۔ یہ اگر ملک کے اعلیٰ فوجی عہدے تک پہنچ گیا تو اسے اپنی یہ غلط بیانی یاد رہے گی۔ پھر میں یہ سوچ کر چپ ہو گیا، اس سے پہلے والے کون سا اپنے حلف کی پاسداری کر رہے ہیں۔

اگلے گواہ ایک پولیس افسر نے میرے کمرے سے خط کی نقلیں برآمد کرنے کا گھڑا ہوا واقعہ سنایا۔ میری بیٹی نے کہا ابو! اس ڈھٹائی سے بھی جھوٹ بولا جاتا ہے۔ وکیل استغاثہ نے کہا: یہ کیا فرما رہی ہیں؟ جج صاحب نے بھی استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

میں نے کہا: میں نے بیٹی کو سمجھا دیا ہے۔ جب مدعی، جج، وکیل اور گواہ ایک ہی سانچے میں ڈھل جائیں تو ملزم کو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہیے۔ اس لئے اب یہ نہ کوئی سوال کرے گی، نہ تعجب کا اظہار۔

آخری گواہ باقی تھا کہ چائے کا وقفہ کر دیا گیا۔ ہمیں دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا۔ ٹیلیفون پر رابطوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چائے کا وقفہ طویل ہو گیا تو مجھے یقین ہو گیا، مزید مشوروں کیلئے سماعت اگلی پیشی تک ملتوی ہو جائے گی، چنانچہ یہی ہوا۔ ہمیں بتائے بغیر، اپنی کار پر سوار، جج صاحب جا چکے تھے۔

بُش کے ایک ٹیلیفون کی بڑی شہرت ہے۔ یہاں ایک دوسرے ٹیلیفون کا اثر چشمِ گناہگار نے دیکھا۔

استغاثہ نے تقریباً چودہ گواہ پیش کیے۔ سب کے سب سرکاری ملازم تھے۔ صرف دو صحافی حضرات تھے، اُن میں سے ایک ''اعزاز حسین سید''، ایک نیم سرکاری ادارے سے متعلق تھے۔ انہوں نے اپنی ملازمت کو داؤ پر لگا کر میرے خلاف بیان دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے سید ہونے کا اعزاز برقرار رکھا۔ دوسرے صحافی عدالت تک تو پہنچے مگر میرے خلاف لب کشائی نہ کی۔ میں دونوں کا ممنون ہوں۔

پورے ملک میں ایجنسیوں کو ایک فرد نہ ملا، جو میرے خلاف گواہی دے۔ جس کیفے ٹیریا کا وقوعہ بتایا گیا، وہاں میرے سیاسی مخالفین، صحافی حضرات، کیفے ٹیریا کے ملازمین کے علاوہ دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ سب جانتے تھے کہ پریس بریفنگ روزانہ کا معمول ہے۔ یہ پریس کانفرنس افواج پاکستان کیخلاف چارج شیٹ کیلئے نہیں بُلائی گئی تھی۔ خط اے آر ڈی کی میٹنگ میں پیش کیا گیا اور مجھے کہا گیا کہ شام کی پریس بریفنگ میں اس کا تذکرہ کر دیا جائے، تاکہ فوج اور قوم آگاہ ہو کہ اُن کے خلاف اس طرح کے جذبات جنم لے رہے ہیں۔ بعد کے واقعات نے ہمارے خدشات کی تصدیق کر دی۔

کراچی میں کور کمانڈر پر حملہ ہو چکا ہے، اس سے پہلے پرویز مشرف پر حملہ ہوا اور خود انہوں نے فرمایا کہ ان کے خلاف حملے میں فوج کے افراد ملوث ہیں۔ میں نے خط پڑھ کر آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنی قوم کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے استغاثہ کی جھوٹی کہانی کو پرِ کاہ برابر حیثیت نہ دی۔

# پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چند مجبور ملازمین کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں بطور گواہ پیش کیا گیا۔ مدعی تلاش کرتے ہوئے احتیاط کی گئی۔ وہ ایک سابق میجر ہے جو مشہور قبضہ گروپ کا سربراہ ہے۔ اسی سیشن جج نے، جو میرے مقدمے کی سماعت کر رہے ہیں، نے بیلف کے ذریعے اُن صاحب کا سامان گھر سے باہر پھینک کر مالک مکان کو گھر واپس دلایا ہے، جس پر ان کا قبضہ ہے۔ ایسے آدمی کو فوج کی ''عزت'' کا محافظ بنا دیا گیا۔ اُس نے بیان میں کہا: میں فوج کی توہین برداشت نہیں کر سکا، اس لئے جاوید ہاشمی کو سخت ترین سزا دی جائے۔ اس کا صدمہ دور کرنے کے لئے مجھے 23 سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔

مدعی خورشید احمد کے خلاف، جس کی شکایت کو سچ سمجھتے ہوئے مجھے **23** سال قید بامشقت سنائی گئی، اُسی جج نے **10** جون **2004**ء کو خورشید احمد کی اپیل خارج کرتے ہوئے فیصلہ سنایا کہ ''ریکارڈ سے صاف ظاہر ہے کہ فریقین کے درمیان کرایہ داری سے انکار نہیں کیا گیا۔ ریکارڈ میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ثابت ہو کہ اپیل کنندہ نے کرایہ ادا کیا۔ اپیل کنندہ کی طرف سے کرایہ اور یوٹیلیٹی بل جمع نہ کرانے کا کوئی سبب بیان نہیں کیا گیا۔ چونکہ اپیل کنندہ اپنے زیر استعمال قیمتی جائیداد کا کرایہ ادا نہ کرنے کا مجرم ہے اور واجبات ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا بلکہ ادائیگی کے لیے عدالتی حکم کی بھی اس نے خلاف ورزی کی اس لیے فاضل عدالت اپیل کنندہ کا دعویٰ مسترد کرنے میں حق بجانب تھی۔ متعلقہ حکم چونکہ قانون کے مطابق جاری کیا گیا ہے اس لیے اس میں مداخلت کا کوئی جواز نہیں اور اس کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر اپیل بوجہ عدم پیروی اور میرٹ کے مطابق خارج کی جاتی ہے''۔

پلاٹ الاٹ کیے گئے۔ ان کی موجودہ قیمت 70 لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے۔ جبکہ اس سے پہلے یہ تمام اپنے حصے کے رہائشی اور کمرشل پلاٹس لے چکے تھے۔

پارلیمنٹ اپنی خودمختاری کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک قومی عدالتی کمشن مقرر کرے۔ جو سپریم کورٹ اور چاروں ہائی کورٹس کے ان چیف جسٹس صاحبان پر مشتمل ہو جو 12 اکتوبر کو عدالتی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

افواجِ پاکستان کے محبِ وطن عناصر اِن قومی رازوں کو بطور ایک امانت کے اُس قومی کمیشن کے سامنے پیش کریں گے۔ تا کہ آئین کے آرٹیکل 6 کے مجرموں کو آئین کے مطابق سزا دی جائے۔

ہمارا مقصد　　　　آزاد فوج　　　　خودمختار پاکستان

(نیا)

## قومی قیادت کے نام

ہم افواج پاکستان کی طرف سے قوم کو اِس بات کا یقین دلاتے ہیں
کہ یہ آپ کی فوج ہے۔ اسلام کی فوج ہے اور پاکستان کی فوج ہے
اسمبلی/پارلیمنٹ کے ہر ممبر سے خواہ اُس کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو
یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ پارٹی سیاست سے بالاتر ہو کر پارلیمنٹ کی
خودمختاری کیلئے کام کرے۔

پرویز مشرف اور اُس کا ٹولہ اِس قوم پر مسلط کیا گیا ہے
ان قومی مجرموں نے نہ صرف فوج بلکہ پوری قوم کو یرغمال بنایا ہوا ہے
یہ جرنیلوں اور سیاستدانوں کا ٹولہ ہے جس نے بزدلی اور بے رحمی سے اپنی قوم کو بیچا
بلکہ بے دردی سے انسانی مجاہدوں کا خون بہانے میں امریکی صلیبیوں
اور یہودیوں کا ساتھ دیا۔ اب پرویز مشرف نے اسلام کا قلعہ
پاکستان کو مسلمانوں کا مقتل بنا دیا۔ اگر یہ پارلیمنٹ نہ ہوتی تو
کیا ہماری فوج امریکیوں کے شانہ بشانہ مظلوم عراقیوں کا خون
بہا رہی ہوتی۔ اور قوم روزانہ ان بہادروں کی لاشیں وصول کرتی۔

ہم پاک فوج کے افسران قومی قیادت سے درخواست کرتے ہیں
کہ وہ مندرجہ ذیل امور پارلیمنٹ کے سامنے لائے

(1) کارگل میں ہمارے کیا مقاصد تھے اور ہمیں کیوں نقصان
اٹھانا پڑا۔ ہندوستان نے کارگل کی جنگ کے بعد ایک انکوائری
کمیشن قائم کیا۔ جس کی سفارشات پر تین جرنیلوں اور بریگیڈیئروں
کو برطرف [illegible] کیا۔ جبکہ اتنے بڑے حادثے پر
جس میں ہمارے نقصانات 1965 اور 1971 کی جنگ سے بھی زیادہ تھے
کوئی انکوائری تک نہ کروائی گئی۔

شاید قوم جانتی نہیں کہ کارگل کی جنگ کا کمانڈر میجر جنرل جاوید الحسن
تھا۔ اس سے پہلے چار سال تک امریکہ میں یہ شخص سی آئی اے
کی [illegible] دیا۔ یہ جنگ امریکی اشارے سے شروع کی
گئی۔ افسروں اور جوانوں نے دوران جنگ اس کی غیر ذمہ دارانہ [illegible] اور
غلط احکامات کی وجہ سے اس کو دوران جنگ ختم کر دیا۔ [illegible]
[illegible] کے کسی کے اشارے پر اس کو لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی

(2) لال مسجد میں کیا ہوا۔ کون کون سی یونٹ کو اسلام آباد
کو کیوں بھیجا گیا [illegible] احکامات دیے گئے۔ کس کو وارننگ کے
مشہور زمانہ III کمانڈو بریگیڈ کا کمانڈر بنا دیا گیا [illegible]

(3) افغانستان میں بھیجے گئے فوج کے تمام بریگیڈیئروں اور جرنیلوں کو
[illegible] LUMS کے قریب [illegible] الاٹ کئے گئے
ان کی موجودہ قیمت 70 لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے۔ جبکہ اس
سے پہلے یہ تمام اپنے عہدے کے رہائشی اور کمرشل پلاٹ لے چکے تھے۔

پارلیمنٹ اپنی خودمختاری کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک قومی عدالتی
کمیشن مقرر کرے۔ جو سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ ججوں کے ان عظیم ججوں
پر مشتمل ہو جو 12 اکتوبر کو عدالتی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

افواج پاکستان کے محب وطن غیرت مند افسران قومی مجرموں کو ایک
ایک کر کے اس قومی عدالتی کمیشن کے سامنے پیش کریں گے۔
تاکہ آئین کے آرٹیکل 6 کے مطابق ان مجرموں کو آئین کے مطابق سزا دی جائے۔

جمہوریت — آزاد فوج — خودمختار پاکستان

2 3/11

3/11

# اصل حقیقت کیا ہے؟

''قومی قیادت کے نام والا خط'' پیش کرنے کیلئے کوئی پریس کانفرنس منعقد نہ کی گئی۔ 20 اکتوبر 2003ء کو حسب دستور اے آر ڈی کی پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ ہوئی۔ جس کی میں نے صدارت کی۔ اس دن کے قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی میں حصہ لینے کی حکمت عملی طے ہوئی۔ بر سبیل تذکرہ پیپلز پارٹی کی ایک خاتون رکن اسمبلی نے ایک خط'' قومی قیادت کے نام'' کے عنوان سے پڑھ کر سنایا۔ دوسرے ارکان نے بھی اس خط کے موصول ہونے کی تصدیق کی۔ میٹنگ میں یہ طے پایا کہ اس خط کا تذکرہ معمول کی پریس بریفنگ میں کر دیا جائے، جو روزانہ اجلاس کے بعد کیفے ٹیریا میں منعقد ہوتی تھی۔

پریس بریفنگ میں حزب اختلاف کی تمام پارٹیاں شرکت کرتی ہیں۔ اس روز بھی ہر ایک نے اسمبلی کیفے ٹیریا کے اندر ایل ایف او پر اپنا موقف بیان کیا اور پریس بریفنگ ختم ہوگئی۔ اخبار نویس اور اکابرین حزب اختلاف ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ قومی اسمبلی کے چند ارکان اُس خط کی کاپیاں لے کر آ گئے۔ اخبار نویس اُن کاپیوں کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

میں نے کہا: آپ آرام سے بیٹھ جائیں، میں یہ خط آپ کے سامنے پڑھ دیتا ہوں۔ میں نے خط پڑھا اور صحافی حضرات سے کہا کہ اس خط پر کسی کے دستخط نہیں۔ اس میں درج سارے واقعات صحیح بھی ہوں تو آپ اسے شائع نہیں کر سکتے۔ مجھے اور آپ کو علم ہے کہ اسے مصدقہ تحریر نہیں سمجھا جا سکتا۔ انہوں نے میری تائید کی۔

ابھی ہم کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے کہ دو صحافی حضرات بھاگتے ہوئے آئے اور کہا کہ اب ہمارے لئے اس خط کا چھاپنا ممکن ہو گیا ہے۔ ہم نے وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد سے خط کے بارے میں سوال کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ خط جعلی ہے۔ وزیر اطلاعات کا بیان چھاپنے سے آپ کے خط پڑھنے کا تذکرہ بھی ہوگا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ یہ خط اصلی ہے یا جعلی؟

میں نے اُن سے کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو پہلے بھی بتا دیا تھا کہ میں اس خط کو اصلی یا جعلی ہونے کی تصدیق نہیں کر سکتا بلکہ اے آر ڈی کا موقف تھا کہ آپ کے ذریعے متعلقہ لوگوں کو یہ بات بتائی جائے کہ وہ حالات کی سنگینی کو سمجھیں اور دیکھیں لوگ اُن کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ اس خط کے مندرجات صحیح ہیں یا نہیں، اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ میرا موقف شائع کرنا چاہتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ حالات اس خط کے مندرجات سے کہیں زیادہ سنگین ہیں۔ جب تک پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم نہ کی جائے گی، پاکستان مستحکم نہ ہو سکے گا۔ فوج اور عوام میں ٹکراؤ کا اندیشہ بڑھتا جائے گا۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ حکمرانی کرنے والی عسکری

قوتیں زیادہ عرصہ منظم نہیں رہ سکتیں اور اندرونی خلفشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اگر حکمرانوں نے اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا تو اِن کا انجام مختلف نہ ہوگا۔ ہم اس روز بد سے قوم کو بچانے کی کوشش میں لگے ہیں۔ صحافی حضرات نے کہا کہ ہم یہ خبریں شائع کر چکے ہیں کہ اسمبلی سے جنرل مشرف کے خطاب سے پہلے آپ اور چند دوسرے ارکان قومی اسمبلی کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں نے کہا: میں اپنے موقف کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن کیا اس سے سیاسی بحران ٹل جائے گا؟

## مجید نظامی ......قوم کا ضمیر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانو! عمر کی موت سے امت میں کوئی ٹوکنے والا نہ رہا۔ میں سمجھتا ہوں مجید نظامی قوم کا ضمیر ہے اور وہ ٹوکنے والا ہے۔

28 اکتوبر کو جناب مجید نظامی ملتان میں میرے گھر کھانے پر تشریف لائے جو میں نے اُن کے اعزاز میں دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ مشکل حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور اسلام آباد یہ سوچ کر جائیں کہ آپ کی اگلی منزل جیل ہو سکتی ہے۔ وہ میری اُس تقریر سے مطمئن نہ تھے جو میں نے اُس دن نوائے وقت کے یوم تاسیس پر کی تھی، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے آبیل مجھے مار والا کام کیا ہے۔ مجید نظامی صاحب نے طالب علمی کے دور سے لے کر عملی سیاست کے تمام ادوار میں بغیر بتائے میری سرپرستی کی ہے۔ مجھے بعد میں پتہ چلتا تھا کہ میری سیاسی نشوونما میں انہوں نے خاموشی سے اہم کردار سرانجام دیا ہے۔ اُس دن میں نے اُن کے جواب میں کہا کہ میں اپنے سیاسی طرز عمل کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے لیے آخری موقع ہے کہ جمہوریت کی بالادستی کے لیے قربانی دینے کیلئے خود کو تیار کریں، میں نے انہیں یہ بھی بتایا، مجھے معلوم ہے کہ مجھے بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ مگر میری گرفتاری سے مسلم لیگ کا موقف مزید واضح ہوگا۔ میں نے اُن سے عرض کی میرا فیصلہ جذباتی نہیں ہے، اگر جبر کے سامنے کمزور موقف پیش کیا جائے تو قوم کے مقدرے کا فیصلہ اس قوم کے حق میں نہیں ہوتا۔ وہ چاہ رہے تھے کہ اس آگ سے بچ جاؤں۔ میں اپنے اندر کے الاؤ کی روشنی میں منزل کو سامنے دیکھ رہا تھا، میری گرفتاری کے بعد میری آواز کو قوم تک پہنچانے میں نوائے وقت سب سے آگے تھا۔ میں جب نیب کی قید میں تھا اس وقت بھی مجید نظامی صاحب کی بزرگانہ شفقت نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ مجھے قید میں ملنے آئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی، کہنے لگے میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اس شفقت سے میری روح آج تک سرشار ہے۔

## ملاقات کا کمرہ

ہفتے میں ایک دن مجھے اہلِ خانہ سے ملاقات کی اجازت ہے۔ میں ایک ایک لمحہ شمار کرتا ہوں، مجھے اپنی بیمار بیوی کی صحت کے بارے میں تشویش رہتی ہے۔ میری بیوی، جو صرف میرے غم بانٹنے کیلئے پیدا ہوئی ہے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ میں اپنے بچوں کی نگہداشت کر سکا نہ اس کی۔ اُس نے اپنی اور میری ذمہ داریاں خوب نبھائیں۔ درحقیقت وہ میری شریکِ حیات نہیں، شریکِ غم ہے۔ پانچ تالوں کے کھلنے کے بعد کمرہ ملاقات میں جب اُسے موجود پاتا ہوں تو تمام کلفتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ بچوں کے علاوہ صرف میرے بھائی اور بہنیں مجھ سے مل سکتے ہیں۔ ملاقات کے دن میری بہنیں ملتان سے آتی ہیں۔ میں اپنے بھتیجوں، بھتیجیوں اور بھانجوں اور بھانجیوں، اپنے بہنوئی فقیر حسین شاہ، نذیر احمد شاہ، مبارک شاہ اور اقبال حسین شاہ سے نہیں مل سکتا جو میرے فرسٹ کزن بھی ہیں۔ دوسرے کزنز بھی جیل کے باہر کھڑے رہتے ہیں، ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اِن میں سے مبارک شاہ صاحب سابق فوجی ہیں۔ گھر والے اُن کے بیٹی بند بھائیوں کا ذکر چھیڑ کر انہیں تنگ کرتے رہتے ہیں۔ میرے خاندان، گاؤں اور میرے حلقے کے لوگ بارہا میری قومی سیاست کی نذر ہوئے اور جیلوں کی ہَوا کھائی۔ میں نے اُن کی زندگی کو دشوار بنا دیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر میری مہنگی سیاست کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ وہ میرے ہر دُکھ میں شریک رہے۔ میں اُن کا کوئی دُکھ نہ بانٹ سکا۔ اُن کے تعلیم یافتہ بچے واپس جا کر اپنی زمینوں پر کام کرتے ہیں کہ میں ان میں سے کسی کو ملازمت نہ دلا سکا، میری اصول پسندی آڑے آتی رہی۔ میں اُن کیلئے شجرِ سایہ دار نہ بن سکا۔ قوم کے بچوں کا تاریک مستقبل منور کرنے کا جنون مجھے اُن کی طرف دیکھنے نہیں دیتا۔ میرا ایمان ہے جب پورا پاکستان روشنی میں نہائے گا تو میرے خاندان والے بھی محروم نہ رہیں گے۔ میرے گاؤں اور حلقے کے غریب لوگ میرے خاندان سے بھی زیادہ قربانی پیش کرتے رہے۔ پولیس اُن کے گھروں میں گھستی رہی، انہیں سڑکوں پر گھسیٹا، تھانوں میں بند کر کے ان پر تشدد کیا۔ انہیں کس جرم کی سزا ملتی رہی؟۔ ہاں! میں جانتا ہوں یہ جرمِ محبت ہے۔ میں اُن کی محبت کا صلہ نہیں دے سکتا۔ لیکن ہاں! اُن کی محبت کو وطن کی محبت میں بدل دیتا ہوں۔

# ضمیر کی عدالت

میرے وکیل نے عدالتی بیان کی تیاری کو کہا تو میری سمجھ میں نہ آیا کہ اپنی صفائی میں کیا کہوں؟ میرے پاس کہنے کیلئے کچھ بھی تو نہیں تھا۔لیکن پھر میں نے سوچا، اگر میں خاموش ہو گیا تو کیا میری بیٹیاں اور میری آنے والی نسلیں اس داغ کو دھو سکیں گی؟ کیونکہ اب وہ ایک ایسے مجرم کی اولاد ہیں، جس کی وطن دشمنی جریدہ عالم پر رقم ہو چکی۔ چار سُو میری رسوائیوں کے چرچے ہیں۔ امیر شہر نے ہر شخص کے ہاتھ میں پتھر تھما دیا ہے اور ہر سنگ اٹھانے والے کے لیے مَیں مردودِ چمن ہوں۔ مجھے سرنگوں کرنے کے لئے تمام پرویزی حیلے استعمال کئے گئے کہ میں نے سر اٹھا کر چلنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔

جب پہاڑوں اور سمندروں، زمینوں اور آسمانوں نے ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے انکار کیا تھا تو میرے جدِ اوّل نے آگے بڑھ کر یہ چیلنج قبول کر لیا۔ آسمان سے آواز آئی اس نے جلد بازی میں ایسا کیا، اسے علم نہیں کہ وہ کتنا بڑا چیلنج قبول کر بیٹھا ہے۔ میری خلقت میں ہی چیلنج قبول کرنے کا وصف تھا۔ میری آدمیت نے مجھے سر مقتل لا کھڑا کیا ہے۔ مجھے اپنی بے ہنری اور کم مائیگی کا احساس ہے۔ تہی دامنی نے ناتوانی کو اور بھی عریاں کر دیا ہے۔ اس کے باوجود میرے اندر کے شخص نے مجھے مرنے نہیں دیا...... میں نے اپنی صفائی میں وطن کے ہر ذرے کو گواہی کیلئے پکارنا شروع کیا۔

میں نے کہا، میں گواہی چاہتا ہوں بادِ صبح گاہی کی کہ اس نے میرے چہرے کو وطن کی محبت کے آنسوؤں سے تر دیکھا ہے یا نہیں؟ مجھے گواہی کی ضرورت ہے میرے سونے کے وقت کی...... اُس نے مجھے کبھی اپنے ذاتی دکھوں اور ذاتی محبتوں کے لئے بھی اشکبار دیکھا ہے؟۔

مجھے گواہی چاہیے وطن کے ہر ذرے کی جس سے میں نے ٹوٹ کر محبت کی ہے۔

میرا بچپن، میری جوانی اور پوری زندگی کی محبت کا محور میرے وطن کی گلیاں ہیں۔ میری عمر رائیگاں کو رائیگاں کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ میں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور انہوں نے وطن سے میری محبت کو ایک کال کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔ یہ کال کوٹھری میرا دار الحزن ہے۔ میں جادۂ حق کا مسافر ہوں اور حق کا قافلہ کبھی رکا نہیں ہے۔ وقت کا فیصلہ آخری ہوتا ہے اور وہ وقت قریب آ رہا ہے، جس کی صلیب پر حق و باطل کا فیصلہ ہو گا۔ اپنے نفس کی غلامی کرنے والے پٹ جائیں گے اور ناحق مصلوب ہونے والے امر ہو کر مسند حق کے سزاوار ہوں گے۔

میں یہ سوال لے کر چار دانگ عالم میں جاؤں گا کہ کیا میں غدار ہوں؟ میں مینار پاکستان سے یہ سوال

گرونگا، شاہی مسجد کے میناروں سے پوچھوں گا، داتا کی نگری کے کوچہ و بازار سے پوچھوں گا، جہاں کے ہر ذرے پر میں نے خون جگر سے وطن سے محبت کی داستان لکھی ہے، میں مرقد اقبالؒ پر آنسو بہاؤں گا، مزار قائداعظم کو اپنی بپتا سناؤں گا، میں اپنے جد امجد مخدوم عبدالرشید حقانیؒ کے دربار میں حاضر ہو کر پوچھوں گا کہ تیرے خون کو غداری کا مجرم کیوں ٹھہرایا گیا؟

میں اپنے والد محترم کے مرقد پر کھڑے ہو کر پوچھوں گا کہ مجھے رسوائی کی یہ جاگیر کیوں عطا ہوئی؟

مجھے غدار ہونے کی گالی کیوں دی گئی؟ کیا میں نے کشمیریوں کے خون سے غداری کی ہے؟ کیا میں نے افغانستان کے نہتے عوام پر بم برسانے میں مدد کی ہے؟ کیا میں نے ملک کو ایٹمی طاقت بنانے والے سائنس دانوں کی تذلیل کی ہے؟ کیا میں نے اپنے ملک کے آئین کو توڑا ہے؟ کیا میں نے ملک کو توڑا ہے؟ کیا میں سیاچین میں سرحد کی حفاظت نہیں کر سکا؟ کیا میں نے کارگل کے شہیدوں کی لاشیں قبول کرنے سے انکار کیا ہے؟ کیا میں نے قوم پر باہر سے وزیراعظم مسلط کیے ہیں؟ کیا میں نے وانا میں اپنے شہریوں پر بمباری کی ہے؟ کیا میں نے جیکب آباد کے اڈے کو امریکہ کے حوالے کیا ہے؟ کیا میں نے پلٹن میدان میں ہتھیار ڈالے ہیں؟ کیا میں نے پاکستان کے دریاؤں کا سودا کیا ہے؟ کیا میں نے واجپائی کو سیلوٹ کیا ہے؟ میرے سینے میں ہوک اٹھی کہ کیا میں غدار ہوں؟ اگر میں غدار ہوں تو محب وطن کون ہے؟

میں اپنا فیصلہ عوام کی عدالت میں لے کر جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں ہر داعی حق کو ان مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں سوچتے سوچتے عالم استغراق میں چلا گیا، عالم استعجاب میں اندر کی آنکھ کھلی تو میں نے امام حسینؓ کے نیزے پر چڑھے ہوئے سر کو دیکھا خواجہ اجمیر کی آواز بلند ہوئی۔

سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسین

میں نے خواتین کے خیموں کو جلتا ہوا دیکھا، میں نے امام علیؓ کو اپنے قاتل کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے طائف میں رسالت مآب ﷺ کے زخموں سے چور جسم کو دیکھا۔ میں نے بلالؓ کو دہکتے انگاروں پر لیٹے ہوئے دیکھا، میں نے تاریخ میں انسانیت کی تذلیل کرنے والے فرعون کے دربار کو دیکھا۔ میں نے یزید کے دربار میں سادات کی کسمپرسی دیکھی، میں جد امجد ابراہیمؑ کو نار نمرود میں گرتا ہوا دیکھتا ہوں اور اسماعیل کے گلے پر رکھی ہوئی چھری کی چبھن محسوس کرتا ہوں۔

میری بے صبری اور میری بے کلی کو دیکھ کر حسین ابن علیؓ میری ڈھارس بندھاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میری طرف دیکھو، میں کربلا میں تنہا کھڑا ہوں۔ لیکن انسان کی عظمت اور حق کی بالادستی کو حقیقت میں بدل کر رکھ دوں گا۔ میں دشت کربلا میں خیموں کی ٹوٹی ہوئی طنابیں دیکھتا ہوں پھر اداس ہو جاتا ہوں امام حسینؓ کی آواز صحرا

کے سکوت کو توڑتی ہے، ابھی تو یزید کے دربار میں زینب کو پیش کیا جائے گا، میں صبر کے عظیم مظہر کے سامنے سر جھکا دیتا ہوں۔ میں عالمِ بیداری میں واپس آیا تو تمام سوالات کا جواب مل چکا تھا۔

مجھے غدار کہنے والوں کو شائد معلوم نہیں کہ بیت المکرّم سے شاہی مسجد تک اور چترال سے گوادر تک ہر ذرہ میری حب الوطنی کا گواہ ہے۔ میرے وجود کے ہر عضو کو مادرِ وطن کی مٹی کے خمیر سے اُٹھانے کے لیے اس میں وطن کی وادیوں اور صحراؤں کے ذرات جمع کئے گئے۔ اس کی شیرینی کے لئے دریائے کابل، سندھ، جہلم، چناب، راوی، ستلج اور بیاس کا پانی اور نمکینی کے لئے بحیرہ بنگال کے پانی کو جزوِ بدن بنایا گیا۔ سربلند رکھنے کے لئے یہ سرکوہ ہمالیہ کی چٹانوں سے تراشا گیا اور سندربن کے ساگوان کی خوشبو سے اس کی مشاطگی کی گئی۔

روحانی بالیدگی کے لئے اسے رحمان بابا، شاہ حسین، بلھے شاہ، حضرت باہو، خواجہ فرید، سچل سرمست، خوشحال خان خٹک، لطیف بھٹائی اور اقبال کی لوریاں دی گئیں۔

اسے دشتِ وفا کے سفر میں ہیر رانجھا، سسی پنوں، میمونیں اور ماروی کی داستانیں سنا کر، اپنے آپ کو مٹاتے ہوئے، محبوبِ حقیقی تک پہنچنے کا راستہ بتایا گیا ہے۔ اسے ابدی زندگی کے حصول کے لئے دریا سے سمندر بننے کا راز بتا دیا۔

آغازِ سفر میں چھوٹی چھوٹی ندیوں کو اپنے ساتھ ملا کر، دریائے سندھ جس طرح پہاڑوں کے دل چیر کر راستہ بناتا ہے اور راستہ روکنے والے ہر پتھر کو غرا کر دیکھتا ہے اور پھر اسے ریت کے ذرات میں بدل دیتا ہے، میدانوں میں شادابی اور بربادی کے قصے پیچھے چھوڑ کر منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ جو لہریں کناروں سے نکل کر الگ راستہ بناتی ہیں، زمین انہیں اپنے اندر جذب کر لیتی ہے یا وہ جوہڑ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ صرف وہی لہریں دریا سے سمندر بنتی ہیں جو دریا کے مرکزی دھارے میں سفر کرتی ہیں، دریا بھی صوفی بن جاتا ہے، ندیاں فنافی الذات ہو کر لہر بنتی ہیں، پھر لہر فنافی الشیخ ہوتی ہے اور سمندر میں جا کر فنافی اللہ، ایسا مقام آتا ہے، یہی ابدیت ہے۔

دنیا کے ہر دریا کی یہی کہانی ہے، جو دریا لمبے سفر سے تھک جاتا ہے وہ دوسرے دریا کا عکس بن جاتا ہے یا کسی صحرا میں گم ہو جاتا ہے۔

میں کسی صحرا میں گم ہونے کے لیے پیدا نہیں ہوا، نہ ہی میں گم گشتہ راہ ہوں، نہ ہی ظالم کے خوف سے سراب زندگی کو ابدیت کا درجہ دینے کو تیار ہوں۔

یکا یک میرے سیل میں روشنی پھیل گئی، میں نے دیکھا گوشۂ قفس میں عدالت لگائی جا رہی ہے اور مجھے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ میں نے بنظرِ غائر عدالت کا جائزہ لیا۔ روشن چہرے کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ سب سے پہلے میری نظر قائداعظم اور علامہ اقبال پر پڑی۔ ہندوستان سے آنے والے لٹے پٹے قافلوں کی آہیں اور سسکیاں سنائی دیں۔ مولانا محمد علی جوہر، نواب لیاقت علی خان، سید جمال الدین افغانی، مولانا مودودیؒ، حمید

نظامی، نوابزادہ نصر اللہ خان، مفتی محمود، ڈاکٹر نذیر شہید، خواجہ رفیق شہید موجود تھے۔ میری نظر اپنے بھائی بہار شاہ ہاشمی شہید، اپنے والد محترم، اپنے دادا محترم مخدوم نور چراغ شاہ اور اپنے جد امجد مخدوم عبدالرشید حقانی پر پڑی، مجھے سقراط اور منصور حلاج کی موجودگی کا احساس ہوا۔ مجھے بتایا گیا، سید الشہداء بھی موجود ہیں۔ ہوا کے معطر جھونکے نے فضا کو پاکیزگی عطا کی تو میں نے اپنی مراد پالی۔ نسیم حجاز نے میرے تنِ مردہ کو زندگی کا پیغام دیا۔

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا عدالت کی کرسی پر میرا ضمیر براجمان تھا اور اُس کے ارد گرد کروڑوں پاکستانی بطور جیوری ممبر موجود تھے۔ مجھے فردِ جرم پڑھ کر سنائی گئی۔

تم پر الزام ہے کہ تم نے عوام کی بالادستی کا دعویٰ کیا۔

تم کارگل کے مسئلہ پر کمشن قائم کرنے کا مطالبہ کرتے ہو۔

تم پر الزام ہے کہ تم ایل ایف او کو آئین کا حصہ نہیں سمجھتے۔

تم پر الزام ہے کہ تم 73ء کے آئین کی بحالی چاہتے ہو۔

تم پر صوبائی خودمختاری کی حمایت کرنے کا الزام ہے۔

تم پر فوجی جرنیلوں پر تنقید کا الزام ہے۔

تم پر غریب عوام کو حکمرانوں کے خلاف اُکسانے کا الزام ہے۔

تم پر امریکہ کی دوستی کو امریکہ کی غلامی کہنے کا الزام ہے۔

تم کشمیر، فلسطین، چیچنیا، عراق اور افغانستان میں لڑنے والوں کو دہشت گرد نہیں سمجھتے۔

تم اسلام کو جمہوریت کی بنیاد کہتے ہو۔

تم پر نواز شریف کو آئینی وزیر اعظم کہنے کا الزام ہے۔

تم ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو محسن پاکستان کہتے ہو۔

کیا تم یہ الزامات تسلیم کرتے ہو؟ اگر تم الزامات کی تردید کردو تو تمہیں رہا کیا جا سکتا ہے۔ میں نے تاریخ کے ماضی، حال اور مستقبل پر نظر ڈالی تو میں لرز گیا۔

چوں گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

میں نے عدالت میں موجود حضرات کی طرف دیکھا، اُن کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے اعتراف جرم کیا اُن کے چہرے پر رونق آ گئی۔ عدالت اور جیوری ممبران کی طرف سے آواز آئی، تمہارے اعتراف کے بعد، نہ مزید سماعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی وکیل کی۔ تمہیں عمر قید کی سزا سنائی جاتی ہے، میں نے عدالت کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ عدالت میں موجود سعید روحوں نے آگے بڑھ کر مجھے ضمیر کا قیدی بننے پر مبارکباد دی۔

اب میں اپنے ضمیر اور کروڑوں پاکستانیوں کا قیدی ہوں۔ اب مجھے نہ زندگی کی پرواہ ہے اور نہ موت کی۔ مجھے نہ اولاد کی فکر ہے اور نہ ذاتی خواہشات کی تکمیل کا جذبہ۔

اُنہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنا نقطہ نظر واضح کروں، میں نے اُن کے فیصلے کی تعمیل کرتے ہوئے وکیلِ صفائی کو اپنا عدالتی بیان لکھ کر دے دیا ہے، میرا فیصلہ تو ضمیر کی عدالت میں ہو چکا، اب مجھے جیل کی عدالت کے فیصلے کی فکر نہیں اور نہ ہی تاریخ کے فیصلے کا انتظار!!!

# آدھے منٹ کی عدالت

**آخری پیشی:** 12 اپریل 2004ء کو آخری پیشی تھی۔ آج فیصلہ سنانے کا دن تھا۔ صبح سے جیل کے اندر اور باہر سیکورٹی سخت کر دی گئی۔ کمانڈوز اور ایلیٹ پولیس کے دستوں نے جیل کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا۔

مجھے سپرینٹنڈنٹ کے ملحقہ کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ میرے چھوٹے بھائی، میری بیٹیوں، ایک بھتیجے اور دو بھانجوں کو اس کمرے میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ میری بیٹیوں نے بتایا کہ باہر مسلم لیگ کی قیادت اور کارکن بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ میں سیکورٹی کے انتظامات سے بھانپ گیا کہ سزا سنائی جائے گی۔ میں اپنی بیٹیوں کو سزا سننے کیلئے ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا، میں نے انہیں کہا: آپ بتائیں کہ کتنی سزا ہوگی؟ اور پھر ہم مختلف قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ دس سال، پندرہ سال یا عمر قید۔

جج صاحب تین بجے تک جیل نہ پہنچے، نہ وہ اپنی عدالت میں تھے، نہ گھر پر۔ وہ کہاں تھے؟ ہر ایک کو معلوم تھا!!! تین بجے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے مجھے آ کر چٹ دی، جس پر لکھا ہوا تھا "ابھی ابھی ٹی وی پر خبر آئی ہے کہ آپ کو 23 سال قیدِ با مشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔" جج صاحب تین بجکر دس منٹ پر سخت سیکورٹی میں جیل میں پہنچے۔ وہ ہمارے پاس سے گزر کر جیلر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ آج پہلی مرتبہ انہوں نے خوبصورت سوٹ پہنا ہوا تھا، اس پر میچنگ ٹائی لگائی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا یا تو وہ کسی شادی کی تقریب سے اٹھ کر سیدھے یہاں پہنچے ہیں یا کہیں سے تمغۂ جرأت وصول کر کے۔

مجھ اکیلے کو پیش ہونے کے لیے بلایا گیا، میں کمرے میں داخل ہوا۔ جج صاحب جیلر کی کرسی پر براجمان تھے۔ کمرے کے اندر اور کرسی کے اردگرد کمانڈوز، یوں کھڑے تھے جیسے انہوں نے جج صاحب کو گرفتار کر رکھا ہو۔ جج صاحب نے آج بیٹھنے کی دعوت دینے کی جسارت بھی نہ کی، میں کھڑا رہا۔ انہوں نے آنکھیں اٹھائے بغیر صرف ایک فقرہ بولا کہ استغاثہ کے الزامات ثابت ہو گئے ہیں۔ یہ کہہ کر تحریری فیصلے کی کاپی مجھے تھما دی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ "آدھے منٹ میں کارروائی مکمل ہو گئی۔ میں ملحقہ کمرے میں اپنی بیٹیوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور انہیں حوصلے کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کی تلقین کی۔ انہیں ضروری ہدایات دیں اور اپنی پارٹی اور اس کی قیادت کیلئے پیغام دیا کہ 23 سالہ سزا کے بعد میرا مسلم لیگ کا قائمقام صدر رہنا مناسب نہیں۔ میں جتنے دن عہدہ سنبھالے رکھوں گا میرے ضمیر پر بوجھ رہے گا اور ویسے بھی میں ہمیشہ اس فلسفہ پر یقین رکھتا ہوں کہ نظامِ ہستی چلانے والا کوئی اور ہے، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی حدود میں رہ کر اپنا کردار ادا کرنا ہے اور بس۔

مجھے یقین ہے کہ میرے بعد جو دوسرا آئے گا وہ مجھ سے بہتر ہوگا۔ رخصت ہونے سے ذرا پہلے میری سب سے چھوٹی بیٹی جویریہ، جو خاموش بیٹھی تھی، آگے بڑھی اور کہا ابو! آپ کو مبارک ہو۔ میں نے سب کو گلے لگایا وہ مجھ سے لپٹ گئیں، میں بیٹیوں کی حوصلہ مندی پر خوش تھا۔ انہیں اگلی ملاقات پر پھول لانے کو کہا۔ میرے لئے اندر کی دنیا کا دروازہ کھلا اور اُن کیلیے باہر کی دنیا کا۔ میں محفوظ دنیا اور وہ حوادث کی دنیا کے حوالے ہو گئیں۔

میری بیوی بیماری کی شدت کی وجہ سے آج نہیں پہنچ سکی تھیں، اُس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اگلی ملاقات پر میری بیٹی مومنہ نے ڈھیر سارے پھول لا کر مجھے دیے، میرا سیل ان کی خوشبو سے مہک گیا۔

"دارالحزن" یہ وہ سیل ہے جسے جیل کے "کیوبا سیل" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ افغانستان اور پاکستان سے گرفتار کئے جانے والے افراد پہلے اس سیل میں بند کئے جاتے اور پھر کیوبا کے گوانتانا موبے سیل میں بھیجا جاتا۔ وہاں سے امریکہ جن لوگوں کو تفتیش کے بعد رہا کرتا ہے ان کو مزید تفتیش کے لیے اڈیالہ جیل کے اسی سیل میں بند کیا جاتا۔ اب میں اس سیل کا مستقل رہائشی ہوں۔

# سیل ٹکٹ

## سینٹرل جیل ، اڈیالہ ، راولپنڈی

۱۔ نام اور ولدیت: جاوید ہاشمی ولد محمد شاہ ہاشمی

۲۔ تاریخ آمد سیل: 15-11-03

۳۔ سزائے موت / قیدی / حوالاتی: قیدی

۴۔ جرم مقدمہ نمبر: [illegible] 131/109 ، 124A/468 ، 469/471 ، 505 (P) تھانہ سیکرٹریٹ [illegible]

۵۔ عدالت جناب: [illegible]

۶۔ سیل میں رکھنے کی وجہ: حفاظتی

اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ　　　　ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

7 سال قید + جرمانہ 4000/- [illegible]

# قیدی ہسٹری ٹکٹ

| | |
|---|---|
| نمبر 6490 | بعدالت [illegible] سیشن جج |
| نام ولدیت: مخدوم جاوید ہاشمی ولد مخدوم شاہ<br>سکونت: [illegible] | تاریخ سزا: 09-04-2004 |
| جرم: [illegible] | سزا: 7-0-0 |
| سزا: 7 سال و جرمانہ [illegible] | تاریخ رہائی: 11-11-2010 |

صحت　وزن　قد

ڈاکٹر کے دستخط

[illegible]

اپیل

Good [illegible]

# تمغۂ جمہوریت

## جیل سے وزیراعظم کا انتخاب

وزیراعظم کے منصب کو بے توقیر کرنے کی ستاون سالہ سازش اس وقت عروج پر پہنچ گئی جب اپنی مرضی کے مطابق منتخب کرائی ہوئی اسمبلی میں فوجی حکمرانوں کو ایک فرد پر بھی اعتبار نہ رہا اور اپنے بنائے ہوئے وزیراعظم ظفراللہ خان جمالی کو بے وقعت کر کے گھر بھیج دیا گیا۔ انہیں مزید چالیس دن اس عہدے پر برداشت کر کے شوکت عزیز صاحب کے ممبر قومی اسمبلی بننے کا انتظار کیا جا سکتا تھا، مگر انہوں نے پارلیمانی تاریخ کے اندر ایک عجیب و غریب داستان لکھنے کے لیے ایسا وزیراعظم بنایا جس کا عہد حکومت چالیس دنوں پر مشتمل تھا۔ پارلیمانی حکومتیں پانچ سال کی بھی ہو سکتی ہیں اور پانچ گھنٹے کی بھی۔ قومی اسمبلی وزیراعظم بنانے کے اپنے فیصلے پر کسی وقت بھی نظرثانی کر سکتی ہے۔ لیکن اگر وزیراعظم کو منتخب کرنے سے پہلے بتا دیا جائے کہ وہ چالیس یا پچاس دن کا وزیراعظم ہے؟ پوری دنیا میں چودھری شجاعت حسین واحد شخص ہوں گے، جنہوں نے اس مدت کے لیے وزیراعظم بننا قبول کیا۔

شوکت عزیز صاحب پر انتخابی مہم کے دوران قاتلانہ حملہ ہوا جس کی ہم سب نے مذمت کی۔ حملے کے بعد وہ کسی حلقہ انتخاب میں نہ جا سکے، ووٹرز وفود کی صورت میں آ کر انہیں حمایت کا یقین دلاتے رہے۔ یہ بھی دنیا بھر میں اپنے طرز کی منفرد انتخابی مہم تھی۔ جب نتائج سامنے آئے تو وہ سندھ کے حلقہ سے مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ کر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ پنجاب کی صورتحال بھی مختلف نہیں تھی۔ جب مجھے ان کے مقابلے پر وزیراعظم کا انتخاب لڑانے کا فیصلہ کیا گیا تو جمعیت علماء اسلام کے رہنما حافظ حسین احمد نے ہمیشہ کی طرح دلچسپ تبصرہ کیا۔ یہ دو قیدیوں کا مقابلہ ہے۔ ایک ضمیر کا قیدی ہے اور دوسرا پروٹوکول کا قیدی۔ میں سیاسی زندگی میں عہدوں کے پیچھے بھاگنے والوں کو کبھی پسند نہ کر سکا مگر انتخابی سیاست کو انقلابی سیاست کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔ مجھے پاکستان کے ہر سیاسی عہدے کے لیے تجویز کیا گیا یا اس کی پیش کش کی گئی۔ نواز شریف کابینہ صدراتی عہدے کے لیے مشاورت کر رہی تھی، مجھے صدارت کے متبادل امیدوار کے طور پر کاغذات جمع کرانے کو کہا گیا۔ میں نے انکار کر دیا، بعد میں محترمہ بے نظیر نے میرے صدر ہونے کی موزونیت کے حق میں تقریر کی اور جمہوریت کیلئے میری خدمات کو سراہا۔ 1977ء کے انتخابات میں مجھے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کو کہا گیا، قومی اتحاد میں شامل تمام جماعتوں نے، چودھری ظہور الٰہی کی تجویز پر، کامیابی کی صورت میں مجھے وزیراعلیٰ بنانے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں جناب ضیاء الحق نے بھی اسی عہدہ کی پیشکش کی، انہوں نے سپیکر بنانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے سفارت کی پیش کش کی اور گورنر پنجاب بنانے کا اشارہ بھی دیا۔

میں شائد ممبر قومی اسمبلی بننے کے علاوہ کبھی کوئی عہدہ قبول نہ کر سکوں۔ مجھے اپنے خیالات کو موثر بنانے کے لیے اور انہیں عوام اور حکام تک پہنچانے کے لیے پارلیمنٹ سے زیادہ موثر کوئی اور ادارہ نظر نہیں آتا۔ 27 اگست 2004ء کو وزیر اعظم کے طور پر تمام سیاسی جماعتوں کی طرف سے امیدوار بنائے جانے کو، میں اپنے لیے سب سے بڑا اعزاز سمجھتا ہوں، میں نے اسے تمغۂ جمہوریت کے طور پر قبول کیا۔

یہ عجیب انتخاب تھا، جس شخص کو عدالت نے غدار، باغی اور جعلساز قرار دیا گیا، اسے پاکستان کی ساری قومی جماعتیں ملک کے اعلیٰ ترین اعزاز سے نواز رہی تھیں اور ملک کے تمام معاملات کو چلانے کے لیے اس کی نمائندگی پر متفق تھیں۔ سپیکر کا یہ فیصلہ بھی تاریخ کا حصہ بن گیا ہے کہ میں ملک کا وزیر اعظم تو بن سکتا ہوں مگر اسمبلی میں نہیں جا سکتا۔ مجھے ان انتخابات میں حصہ لینے کے لیے 150 قومی اسمبلی کے ممبران پر مشتمل جماعتوں نے تجویز کیا تھا اور جناب شوکت عزیز کو فرد واحد نے۔ اگر شوکت عزیز صاحب کے اکیس ممبران مجھے ووٹ دے دیتے تو میں وزیر اعظم منتخب ہو جاتا، ایسی صورت میں سپیکر صاحب کی رولنگ کا کیا بنتا؟ کیا میں اڈیالہ جیل کے گوانتانامو بے سیل میں بیٹھ کر ملک چلاتا یا مجھے اس انجام کا سامنا ہوتا جو سابقہ وزرائے اعظم کا ہوا ہے۔ انتخاب کے نام پر یہ ایک ایسا مذاق تھا جس میں ایک فریق کو اپنا ذاتی ووٹ استعمال کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ میں جیل میں ہونے کی وجہ سے ان جماعتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان ممبران قومی اسمبلی کا، جنھوں نے اس ملک کی سیاسی تاریخ کو اپنے فیصلے سے نیا رنگ دے دیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان تمام ممبران کا یہاں ذکر کروں۔ مگر طوالت کے خوف سے ان جماعتوں اور سربراہوں کے ذکر تک خود کو محدود کرتا ہوں، تا کہ یہ تاریخ کا ریکارڈ بن جائے اور آنے والی نسلوں کو اندازہ ہو سکے کہ ہر حکومت کے سامنے سجدہ ریز ہونے والے کون تھے اور آمریت کے بت کو پاش پاش کرنے کی کوشش میں کون لوگ برسرِ عمل تھے۔ اے آر ڈی اور مجلس عمل کے علاوہ جن جماعتوں نے اس فیصلے کی توثیق کی، ان میں پشتونخواہ ملی عوامی پارٹی، جمہوری وطن پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، مینگل گروپ اور تحریک انصاف، شامل ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو، قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن، مخدوم امین فہیم، میرے جیل کے ساتھی نواب اکبر بگٹی، عطاء اللہ خان مینگل، جناب محمود خان اچکزئی، مولانا سمیع الحق اور جناب عمران خان نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ میں جناب آصف علی زرداری، جناب لیاقت بلوچ، جناب حافظ حسین احمد اور جناب اعتزاز احسن کی کاوشوں کو بھی خراج تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میاں نواز شریف، راجہ محمد ظفر الحق، سرانجام خان، پیر صابر شاہ، احسن اقبال، سردار یعقوب خان ناصر، اقبال ظفر جھگڑا اور ہماری پارلیمانی پارٹی کے کچھ ممبران کا خیال ہے کہ ہمیں انتخاب کے عمل کو منطقی نتائج تک پہنچانا چاہیے تھا۔ میرا مشورہ مانگا گیا تو میں نے اسے پارلیمانی پارٹی کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور یہ بھی کہا کہ اگر کوئی ناگزیر صورتحال پیدا ہو جائے تو بائیکاٹ کا آپشن بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر ووٹ ڈال دیے جاتے تو ذاتی طور پر میرے اور میری

پارٹی کے لیے بہتر ہوتا۔ بائیکاٹ کی صورت میں وزیراعظم کے انتخاب کا عمل قومی اور بین الاقوامی سطح پر زیر بحث آیا اور جنرل مشرف کی اصل جمہوریت کا حال بھی دنیا پہ کھل گیا۔

میں سمجھتا ہوں یہ سارا جمہوری عمل ایک کیموفلاج ہے۔ اس کا تانا بانا فرد واحد کو تقویت پہنچانے کے لیے بنا گیا ہے اور یونیفارم پر شیروانی پہنا دی گئی ہے۔ جس طرح 12 اکتوبر 1999ء کو اقتدار پر قبضہ کیا گیا، جس طرح ریفرنڈم کرایا گیا، قومی جماعتوں اور بطور خاص مسلم لیگ (ن) کو اعلانیہ تعصب کا نشانہ بنا کر مٹانے کی کوشش کی گئی، جس طرح انتخاب کے نتائج کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے نیب کا استعمال کیا گیا اور خفیہ اداروں کے ذریعے سیاسی وفاداریاں تبدیل کی گئیں، پھر انتخابات کے نتائج دیکھ کر ایل ایف او جاری کیا گیا، وزیراعظم کے انتخاب میں ''پیٹریاٹ'' کا سہارا لیا گیا، ظفر اللہ جمالی کو جس طرح گھر بھیجا گیا، پھر چودھری شجاعت حسین کو چالیس دن کا وزیراعظم بنا کر اس منصب کی بے توقیری کی گئی اور آخر میں ایک اجنبی کو پاکستان کا وزیراعظم بنا کر بالواسطہ طور پر اقتدار پر اپنا شکنجہ مضبوط کیا گیا۔ کیا یہ ایک مزاحیہ فلم نہیں لگتی۔ 27 اگست 2004ء کے وزیراعظم کا انتخاب بھی ایک ایکٹ کا مزاحیہ کھیل تھا۔ ہم سارے کھیل کو جزئیات سمیت پاکستانی قوم کے سامنے اور بین الاقوامی سطح پر بے نقاب (Expose) کر رہے تھے۔ اس پورے ڈرامے میں صرف ہمارا کردار سنجیدگی کا تاثر پیدا کرتا ہے۔ جب تک ملک میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے قوم کو اپنی مرضی کی قیادت منتخب کرنے کا حق واپس نہیں ملتا مزید بحران پیدا ہوتا جائے گا اور قوم آکسیجن کے ٹینٹ میں رہے گی، یہ شب گزیدہ سحر صبح کے اجالے کا متبادل نہیں بن سکتی۔

اس وقت ملک کی قیادت ملک سے باہر ہے، خود فوجی حکمران تسلیم کرتے ہیں کہ اسمبلیوں کے منتخب افراد اسی قیادت سے ہدایات لیتے ہیں۔ یہ بات خلاف واقعہ بھی نہیں۔ ہم ملک سے باہر بیٹھے ہوئے قائدین کے بغیر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کر سکتے، جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ باہر بیٹھی ہوئی قیادت ملک کے اندرونی معاملات میں موثر ہے اور اسمبلیوں میں بیٹھنے والے ارکان بھی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت اور اپنی قیادت کے بغیر اسمبلیوں تک نہیں پہنچ سکتے تو پھر ایسی قیادت جس پر پاکستان کے عوام ان کی عدم موجودگی میں اعتماد کا اظہار کرتے ہیں، ملکی معاملات سے کیسے الگ کی جا سکتی ہے۔

یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ حکومت کی خفیہ ایجنسیوں نے اپنا نقاب اتار کر گلی محلے کی سطح پر انتخابات میں مداخلت کا ڈھانچہ ترتیب دیا۔ اس کے باوجود تاریخ کی سب سے بڑی حزب اختلاف وجود میں آ گئی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان ایجنسیوں کو آخر کار اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے مہروں کے چہرے بے نقاب کرنا پڑے، تب کہیں جا کر ایک ووٹ کی اکثریت سے ظفر اللہ خان جمالی وزیراعظم منتخب ہو سکے۔

27 اگست 2004ء کو وزیراعظم کے انتخاب میں تمام سیاسی قوتوں کے اتحاد نے مستقبل کے سیاسی

حالات کا واضح اشارہ دے دیا اور جمہوریت کی مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔ مجھ پر یہ اعتماد، درحقیقت، فوجی حکمرانوں کے لیے نوشتہ دیوار ہے اور ملک کے روشن مستقبل کی نوید بھی۔

یہ عہدہ نہ میری منزل ہے اور نہ اس انتخاب سے پاکستان کے مسائل حل ہو سکتے تھے۔ میری منزل اس ملک میں سول سوسائٹی کا قیام اور منتخب اداروں کی بالادستی ہے۔ میں پارلیمنٹ کے ذریعے منتخب ہونیوالے وزیر اعظم کو بھی پارلیمنٹ کے تابع سمجھتا ہوں نہ کہ تنہا اختیارات کا مالک...... جب تک انصاف غریب کی دہلیز تک نہیں پہنچے گا یا معاشی ثمرات صرف چند طبقات تک محدود ہونگے، یہ نہ پاکستان کی خدمت ہوگی اور نہ ہی اسلام کی۔ ان مقاصد کے حصول تک میری جدوجہد جاری ہے۔ جب تک یہ رات ڈھل نہیں جاتی، صبح آزادی کے نور کا اجالا غریب کی جھونپڑی کو روشن نہیں کر دیتا، میں سحر کا انتظار کرتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ عوام کی صبح نمودار ہونے والی ہے اور اندھیرے چھٹنے والے ہیں۔ ہم فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس آخری معرکہ کو فتح سے ہمکنار کرنے کے لیے سیاسی قوتوں کو حوصلے، جرأت، اتحاد اور دانشمندانہ انداز سے طے کرنا ہوگا۔ میں روزن دیوار سے جمہوریت کی کامیابی کا منظر صاف دیکھ رہا ہوں۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

دسواں باب

# تحریری عدالتی بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تحریری عدالتی بیان

## اعترافِ جرم

اگر پاکستان کی مٹی سے وفاداری کا نام بغاوت ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں جنم جنم کا باغی ہوں، اگر چہ مجھ پر غداری اور جعل سازی کا الزام پہلی بار لگا، مگر جہاں 1857ء کی جنگ آزادی کو غدر کا نام دیدیا گیا ہو اور جہاں آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو غدار قرار دیا جاتا رہا، وہاں مجھے تسلیم ہے کہ میں بھی غدار ہوں۔ میں ان غدار بزرگوں کی اولاد ہوں، جنہوں نے انگریز کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی۔ میری رگوں میں ''ان باغی بزرگوں'' کا خون ہے۔ جنہوں نے انگریزی سامراج سے لڑتے ہوئے اپنی جانیں قربان کردیں۔

زمانہ بدلنے کے ساتھ نئی اصطلاحات وجود میں آرہی ہیں۔ آزادی کی جنگ لڑنے والے مجاہد دہشت گرد بن گئے، بیرونی حملہ آوروں کو پسپا کرنے والے شرپسند کہلائے۔ آج اظہار رائے سب سے بڑا جرم اور جعلسازی ہے۔

واقعاتی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ میں پیدائشی غدار بھی ہوسکتا ہوں۔

## پہلا خودکش حملہ

جناب والا! بائبل مقدس کے مطابق اڑھائی ہزار سال پہلے سیمسن نے خودکش حملہ کیا۔ اس نے اپنی کرشماتی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے موجودہ غزہ کی پٹی "یروشلم" میں رومن بادشاہ کے محل میں ستونوں کو اپنی طرف کھینچا۔ عمارت گر پڑی۔ بادشاہ، اس کے تمام ارکان، حکومت اور تماشائی عمارت کے ملبے کے نیچے دب کر مر گئے۔ مرنے والوں میں سیمسن بھی تھا۔ سیمسن اسرائیلی تھا۔ وہ آج تک مغربی قوموں کا ہیرو ہے۔ اس کی تعریف میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، فلم، ڈرامہ اور ادب، رطب اللسان ہے۔ آج کی اصطلاح میں کل کے اس ہیرو کو کیا نام دیا جائے؟

## غدر کا قانون

میوٹنی (Mutiny) کا قانون آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے 1857ء جنگ آزادی کے ہیروز کو سزا دینے کیلئے تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا۔ اس کالے قانون کے تحت آزادی کے متوالوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی گئی۔ میں ان کا ایک فرد ہوں جو انگریزوں کے ٹوڈیوں کی صف میں ہرگز شامل

نہ تھے، انہوں نے اپنا لہو دے کر حرمت، فکر اور عظمت آدم کا چراغ روشن رکھا۔ وطن سے محبت کا یہ جرم مجھے وراثت میں ملا ہے۔

ڈیڑھ سو سال بعد میں، اسی جرم کی صلیب کندھے پر اٹھائے، آپ کی عدالت میں کھڑا ہوں، 1857 کے باغی جس کے مرتکب تھے۔ میرے آباؤ اجداد نے مادیت کو خود پر سوار ہونے نہ دیا اور آنے والی نسلوں کو بھی انگریز کی نوازشات سے بچائے رکھا۔ انہوں نے ہمیں داغدار ہونے سے بچالیا۔ میں آج اپنے اجداد اور ان کی عدالت میں سرخرو ہوں۔ پانچ مرتبہ قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہونے اور تین مرتبہ وزارت کا حلف اُٹھانے کے باوجود میں نے کسی حکومت سے ہرگز کسی قسم کی مراعات نہ لیں۔ پلاٹ نہ پرمٹ، لائسنس نہ قرضے، حتیٰ کہ اپنے حامیوں یا عزیزوں کے لئے پرکشش ملازمتیں بھی نہیں، جسے قانون کا احترام نہ کرنے والے اس معاشرے میں عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔

## صدیوں کا قرض

جناب والا! دفعہ 131 تعزیرات ہند میں شامل کرنے والوں کے لئے بھی باعثِ شرم تھی۔ اس لئے انہوں نے جنگ آزادی کے بعد یہ قانون علی برادران کے سوا کسی پر لاگو نہ کیا۔ 1921ء میں جب علی برادران کے خلاف کراچی میں مقدمہ چلایا گیا تو قائداعظم بطور وکیل صفائی پیش ہوئے۔ علی برادران کی گرفتاری پر مہاتما گاندھی نے ہندو مسلمان قیادت کو بمبئی میں اکٹھا کیا اور ایک منشور جاری کیا گیا، جس میں کراچی ریزولیشن کی تائید کی گئی۔ قراردادِ کراچی میں کہا گیا تھا کہ موجودہ حالات میں سرکار کی سول اور فوجی ملازمت کرنا قومی غیرت کے خلاف ہے۔

قائداعظم نے یہ موقف اختیار کیا کہ زبانی یا تحریری طور پر قرارداد منظور کرنے سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا۔ اگر، عملاً، فوجیوں کو ملازمت پر جانے سے روکا جائے تو جرم یا سازش قرار دیا جا سکتا ہے۔ عدالت نے قائداعظم کے اس موقف کو تسلیم کیا اور انگریز کی عدالت نے انہیں باعزت بری کر دیا۔ یہ اس قانون کے تحت آخری مقدمہ تھا۔ گذشتہ 85 برس میں مذکورہ دفعہ کے تحت کسی دوسرے مقدمے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

آج میں آپکی عدالت میں کھڑا صدیوں کا قرض ادا کر رہا ہوں اور الزام اعزاز سمجھتا ہوں۔ میرا شجرہ نسب آج ایک عظیم قافلے سے جا ملا ہے۔

## رات کی تاریکی میں مقدمہ

جناب والا! حضرت عیسیٰ پر بھی بغاوت (Mutiny) میوٹنی کا مقدمہ چلایا گیا۔ رومن سپریم کورٹ رات کی تاریکی میں لگائی گئی۔ حضرت عیسیٰ پر الزام تھا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ کہتا ہے۔ اس طرح رومن

شہنشاہیت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی میں عدالت لگانے کی وجہ میری سمجھ سے بالاتر تھی، ایک تنہا آدمی جس کے اپنے حواریوں میں بھی مخبر چھپے تھے، روما کی عظیم سلطنت کو کتنا نقصان پہنچا سکتا تھا؟ اس خوف کی وجہ اب سمجھ آنے لگی ہے۔

## زنداں میں عدالت

جناب والا! تین ہزار سال پہلے سقراط پر الزام تھا کہ وہ نوجوانوں کو اکسا رہا ہے، بدعنوان بنا رہا ہے، عدالت لگی، اس نے سقراط کو زہر کا پیالہ پینے کا حکم دیا۔ یہ کھلی عدالت تھی، جبکہ میں دیواروں میں چُن دیا گیا ہوں۔ میری عدالت اور میرا انصاف، خود چل کر زنداں میں آ گیا ہے۔

میں پا بجولاں ہوں، میرا جسم سلاخوں کے پیچھے ہے، میرے ہاتھوں میں زنجیریں پڑی ہیں۔ میری آنکھوں پر پٹیاں باندھنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ حرکت زلیخا نے بھی کی تھی۔ اس نے اپنے مٹی کے خداؤں پر دوپٹہ ڈالا تھا۔ تاکہ وہ اس کے جرم کو دیکھ نہ سکیں۔ میں مٹی کا بت نہیں ہوں، بلکہ انسان ہوں، وہ انسان جس نے حضرت سلیمان کے دربار میں کہا تھا کہ آپ آنکھ جھپکیں، ملکہ (بلقیس) اور اس کا تخت آپ کے قدموں میں ہوگا۔ میرے اللہ نے زمین و آسمان میرے تصرف میں دے دیا ہے۔

اِن پٹیوں نے میری آنکھوں پر وہی اثر کیا ہے جو یوسف کے پیرہن نے دیدہ یعقوب پر کیا تھا۔ میں اپنے دارالحزن میں بیٹھ کر وہ کچھ دیکھ سکتا ہوں جو کبھی پہلے سوچ بھی نہ سکتا۔ حضرت باہو کی طرح چودہ طبق میرے اندر روشن ہیں اور تنبو کی طرح تنے ہوئے ہیں، مگر میں خواجہ فرید کی زبان میں ابھی کچھ اور طلب کر رہا ہوں۔

فرید کہتا ہے۔

اوتاں خوش وسدا وچ ملک عرب
میں مٹھڑی اتھے جان بلب
آ ڈیکھ فرید وا دارالحزن
ہم روز ازل دی تانگھ طلب

## روشن مستقبل کا جلترنگ

میرے کنج قفس میں روزن دیوار تک نہیں۔ میں روزانہ طلوع اور غروب ہونے والے سورج کو دیکھ نہیں سکتا، لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میری روح بیدار ہے۔ میں چشم تصور سے یوسف کنعاں کے زنداں اور یعقوب کے دارالحزن سے امید کی پھوٹتی ہوئی کرن کو یقین میں بدلتا ہوا دیکھ سکتا ہوں، محسوس کر سکتا ہوں، اور یوں شب گزیدہ سحر کو صبح تاباں بنانے کا عزم میرے سینے میں راسخ ہوتا ہے۔ یوسف کی قید، یوسف کی غلامی، اہل

مصر کی خوش بختی، خوشحالی اور قحط سے نجات کا باعث بنی تھی۔ اس سعادت پہ میرا سر جھکا جاتا ہے کہ مجھے بھی سنتِ یوسفی ادا کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ میں پشیمان ہونے کی بجائے اپنے مقدر پہ ناز کیوں نہ کروں۔

اس ملک کے پسے ہوئے لوگوں کیلئے روشن مستقبل کا جل ترنگ میرے نہاں خانہ دل میں، دل افروز موسیقی کی دھنیں بکھیرتا ہے تو میں اس مستی میں جھوم کر انا الحق کا نعرہ حق بلند کرنے کا سزاوار ہو جاتا ہوں۔ میں منصور نہیں ہوں، میں اس کی خاکِ پا بھی نہیں۔ منصور نے جلاد میں بھی خدا کا جلوہ دیکھا اور جب جلاد تلوار لے کر منصور کی طرف بڑھا تو اُس نے کہا

فدائے تو شوم بیابیا کہ تو بہر صورتے کہ آئی من ترا خوب می شناسم

میں تجھ پر قربان جلدی آجا
تو جس صورت میں بھی ہو
میں تمہیں پہچان لیتا ہوں

## مسلمانوں کی عظیم طاقت

میں پاکستان کی فوج کو مسلمانوں کی عظیم طاقت سمجھتا ہوں اور اسے مزید مضبوط بنانے کے حق میں ہوں۔ 35 سال سے مسلمانوں کی جنگی قوت تباہ کرنے پر مرحلہ وار عمل کیا جا رہا ہے۔ اس تباہی میں فرد واحد کی بالادستی نے کام آسان کر دیا ہے۔ عرب اور اسرائیل جنگ میں شاہ حسین آف اردن اور جمال عبدالناصر کی متنازعہ شخصیات کی وجہ سے بیت المقدس اور نہر سویز پر اسرائیل کا قبضہ ہوا۔ جمال عبدالناصر کے دور میں مصر پر جابر حکومت تھی۔ حالانکہ جمال عبدالناصر برطانیہ کو نہر سویز سے نکالنے کے بعد ایک افسانوی (Legend) کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ بلاشبہ نہ وہ صرف عربوں کے بلکہ عالم اسلام کے ہیرو بن چکے تھے۔ اسی طرح اُردن کے بادشاہ اور فلسطینی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے نتیجہ یہ ہوا کہ قبلہء اوّل گیا۔ عرب ازم کا رومانس ختم ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مصر کی وار مشین تباہ کر دی گئی۔ بعد میں انور السادات کے ذریعے اسرائیل کو تسلیم کرانے کے لئے جنگ رمضان کا نقشہ بنا، مگر مصر کی افواج قاہرہ۔ قاہرہ تک محدود ہو گئیں۔

جناب والا! شاہ ایران اپنی قوم سے برسرِپیکار تھے، لیکن ایران میں ایک منظم وار مشین موجود تھی۔ اُنہوں نے یہ وار مشین اپنی قوم کے خلاف استعمال کی، وہ خود بچ سکے اور نہ ان کی جنگی قوت۔ اگلے منظر میں ایران، عراق کی جنگ مسلط ہوئی۔ فرد واحد صدام حسین مغرب کی آنکھ کا تارا تھے۔ ایک طاقتور فوج منظر پر آ چکی تھی۔ ایران کے انقلاب کو اس کے ذریعے محدود کر دیا گیا پھر عراق کی فوج کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی کیونکہ اب اس وار مشین کی ضرورت نہ رہی تھی۔ ترکی کی اہم افواج کو مختلف دفاعی معاہدوں کے ذریعے کنٹرول کر لیا گیا۔ اب صرف ایک وار مشین موجود تھی، یعنی پاکستان کی فوج۔

## پانچ سو سال کا خزانہ اور ہماری ذمہ داری

جدید تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ صحرائے گوبی سے کاسابلانکا تک اور انڈونیشیا سے افریقہ تک، مسلم دنیا میں قدرتی وسائل کے اتنے وسیع ذخائر موجود ہیں، جو پانچ صدیوں تک دنیا کو قدرتی گیس اور تیل فراہم کرتے رہیں گے، لیکن اس قدر حساس علاقوں میں آخری رکاوٹ پاکستان کی فوج رہ گئی ہے جو نیوکلیئر ٹیکنالوجی سے بھی لیس ہے۔ اسی لئے مخالفینِ پاکستان نے اس کے ایٹم بم کو اسلامی بم کا نام دیا ہے اور وہ اس کی تباہی کے درپے ہیں۔

آخری معرکہ جاری ہے پاکستان پر فرد واحد کی حکومت ہے جو اپنے عوام سے برسرپیکار ہے اور صدام حسین کی طرح امریکہ پر انحصار کئے ہے۔ مجھے فرد واحد کی حکومت ہٹانے سے بھی زیادہ فکر اپنی فوج اور اس کے نیوکلیئر پروگرام کو بچانے کی ہے جو محاصرے کی حالت میں ہے۔ عراق، ایران، مصر اور ترکی کی فوجوں کا انجام سامنے ہے۔ نہ فرد واحد کا اقتدار رہا اور نہ وار مشین۔ اس ملک میں نیوکلیئر ٹیکنالوجی جیسا معجزہ برپا کرنے والے معتوب ہو چکے۔ وہ پابند سلاسل ہیں، مجھے اس کی فکر نہیں کہ ابن علقمی کا انجام کیا ہوگا، میں اس پر فکر مند ہوں کہ سقوط بغداد کے بعد مسلمانوں پر سیاہ رات چھا گئی تھی۔

ایک عظیم قوم نے غلامی کے طویل دور سے نجات حاصل کی لیکن اسے پھر غلامی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ ملک دولخت ہو چکا اور اس پر سامراج کا سایہ دراز ہے۔ اب وہ مزید سانحہ برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پاکستان سے لے کر مراکش تک، سارے عالم اسلام میں صرف پاکستان کی فوج بچ گئی ہے۔ یہ آخری وار مشین ہے، جو منظم ہے، جدید ہتھیاروں سے لیس ہے، میزائل ٹیکنالوجی اور ایٹمی قوت سے مسلح ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ 14 کروڑ عوام اس کی پشت پر ہیں۔

## تیری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

میں جب فوج کے بارے میں رائے کا اظہار کرتا ہوں تو مقصد اُسے مضبوط بنانا ہوتا ہے۔ فوجی اور سیاسی حلقوں میں میں جرنیلوں کی غلط حکمت عملی کا سخت ناقد ہوں۔ میں وطن کی حفاظت کیلئے سپاہیوں کے اٹھنے والے قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں فرش راہ کرنے کو تیار ہوں۔ فوج میں بغاوت پھیلانے کو جرم ہی نہیں، گناہ سمجھتا ہوں۔ اگر ایران، مصر اور عراق کی طرح پاکستان پر اُفتاد آ پڑے تو مقابلے کی تیاری ہونی چاہئے، کیونکہ پوری دُنیا کے ذرائع ابلاغ کہہ رہے ہیں کہ اب پاکستان کی باری ہے۔ اس اُفتاد سے بچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حکومت اختیار کئے ہوئے ہے یعنی ہر معاملے میں ممکنہ حد تک امریکی مفادات کا تحفظ، اس کے مظاہر ہم نے افغانستان کی جنگ میں دیکھے ہیں۔ صرف ایک ٹیلی فون پر امریکہ کے سات نکاتی ایجنڈا پر عمل شروع کر دیا گیا۔ تازہ ترین واقعہ وانا پر لشکر کشی ہے۔ اس طرح فوج متنازعہ ہو رہی ہے۔ پہلے ہی سیاست میں مداخلت کا ردعمل عوام

میں موجود ہے۔ امریکہ کی سرپرستی پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ایران، مصر اور عراق کی فوجوں کی تباہی کو سامنے رکھنا ہوگا۔ نہ وہ افواج محفوظ رہ سکیں نہ شہنشاہ ایران۔ نہ انور السادات اور نہ صدام حسین۔

## دفاع پاکستان اور عوامی قوت

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فوج پر ضرورت سے زیادہ ذمہ داری نہ ڈالی جائے، اُسے اپنے پیشہ وارانہ معاملات تک محدود کر دیا جائے۔ کیونکہ ماضی میں سیاست میں ملوث ہونے کی وجہ سے دفاع پاکستان کا فریضہ صحیح طور پر ادا نہ کیا جا سکا۔ مشرقی پاکستان کے عوام اپنی فوج کی پشت پر ہوتے تو ہمیں شرمناک شکست نہ ہوتی۔ اسی طرح سیاچین، کارگل اور 1965 کی جنگ میں غلط منصوبہ بندی کا خمیازہ قوم کو بھگتنا پڑا۔

اب 14 کروڑ عوام کے فیصلوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔ پارلیمنٹ کو بے توقیر کرنے کی بجائے اُسے اہمیت دینا ہوگی اور اس کی بالادستی کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔ اگر عوام اور فوج میں خلیج وسیع ہوتی گئی تو اس کے نتائج نہ صرف پاکستان کے لئے بھیانک ہوں گے بلکہ اس کے اثرات پورے عالم اسلام پر پڑیں گے۔ میں افواجِ پاکستان کو اُمید کی کرن سمجھتا ہوں۔ اسی لئے کروڑوں اہل وطن کی طرح فوجوں کو واپس بیرکوں میں بھیجنا چاہتا ہوں اور یہی بات خود فوج کے حق میں ہے، کہ وہ دشمن کی بجائے اپنے عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔

## فیوڈل اِزم... ترقی کا دشمن

جناب والا! میں پاکستان کے اس خطے میں پیدا ہوا ہوں، جہاں جاگیردارانہ نظام پرانے وقتوں (Middle Ages) کی بات نہیں، بلکہ زندہ حقیقت ہے۔ یہ ایسا نظام زندگی ہے، جس نے عام فرد سے لے کر پورے ملک کے نظام کو جکڑ رکھا ہے۔ میں اس فیوڈل ڈھانچے کو مسمار کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ برصغیر میں فیوڈل بالادستی کی داستان صدیوں پرانی ہے۔

انگریزوں سے پہلے، بادشاہ یہ جاگیریں عطا کرتے تھے۔ جاگیرداروں کے مرنے پر جاگیر واپس لے لی جاتی۔ اس طرح جاگیردار کی تبدیلی کے ساتھ کوئی نہ کوئی تبدیلی رونما ہو جاتی۔ اور مقامی لوگ کبھی کبھار سکھ کا سانس لیتے۔ انگریز چونکہ دور سے آئے تھے، انہیں اپنے وفاداروں کے مستقل طبقے کی ضرورت تھی انہوں نے اس نظام کو سائنٹفک بنا دیا۔

برصغیر سونے کی چڑیا کہلاتا تھا اور خاص طور پر سندھ طاس کا علاقہ اناج گاہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ دریاؤں کا مستقل بہاؤ تھا۔ علم الارض (Geology) کی زبان میں ہمالیہ دنیا کا نوجوان پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ واحد پہاڑ ہے، جس پر گلیشیئرز کا لامتناہی سلسلہ موجود ہے۔ سالہا سال تک بارشیں ہوں نہ ہوں، یہاں کے دریا نہیں سوکھتے، اور پانی ہی یہاں کی طاقت ہے، جس پر یہاں کی مضبوط معیشت کا انحصار ہے۔ جب ساری دنیا میں

بھوک اور افلاس کا راج تھا، فاتحین برصغیر پر چڑھائی کرتے تھے اور لوٹ مار کرتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں کے مکین کوئی بڑی مزاحمت نہیں کرتے تھے۔ انہیں معلوم تھا یہ ہماری زمین اور ہمارے پانی کو تو اٹھا کر نہیں لے جا سکتے اور مہینوں کے اندر ان کی معاشی حالت بحال ہو جاتی تھی۔ (دریاؤں کے رستے بدلنے سے موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے عظیم شہر تباہ ہو جاتے تھے۔ پانی ہی یہاں کی معیشت تھا) اسی وجہ سے برصغیر کے رہنے والوں کے اندر ایک (Passive Approach) غیر فعالی مزاج نے جنم لیا۔ جس کا جی چاہتا تھا ہندوستان پر حملہ کر دیتا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مشہور مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی کے بقول

"احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملے کا ارادہ کیا اور اپنے وزیر کو حملے کی وجوہات تیار کرنے کو کہا: وزیر نے لکھا: ایک تو ہندوستان کے اندر امن و امان کی حالت ٹھیک نہیں اور دوسری یہ کہ ویسے بھی کافی عرصے سے ہندوستان پر کسی نے حملہ نہیں کیا۔

انگریزوں نے زمین اور پانی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ایک جاگیردارانہ نظام قائم کیا۔ جس کی باقیات اب بھی پاکستان پر اسی طرح حکمراں ہے اور وہ اصلاحات کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ سیاسی اور معاشی نظام پر ان کے کنٹرول کی وجہ سے پاکستان میں غربت میں اضافہ ہوا ہے۔ ان کالے انگریزوں نے جاگیرداروں کے ذریعے پورے نظام کو جکڑ رکھا ہے۔

## خون چوسنے کے شکنجے اور میری بغاوت

جناب والا! پاکستان کے جاگردارانہ معاشرہ نے غریبوں کا خون چوسنے کے ہزار قرینے ایجاد کر رکھے ہیں۔ یہ اپنے اصل فرائض کو بھولے ہوئے فوجی جرنلز، ظالم جاگیردار اور کرپٹ نوکر شاہی کا اتحاد ہے۔ اس اتحاد کا خمیر برطانوی عہد سے اٹھا ہے۔ اس ناپاک اتحاد نے پاکستان کی آزادی، معیشت، معاشرت، سیاست حتیٰ کہ غیرت اور انصاف کو بھی اپنا دست نگر بنا لیا ہے۔ یہ اتحاد درحقیقت ایک برادری ہے جو ایک دوسرے سے رشتوں میں جڑی ہوئی ہے۔ صنعت کار بھی اس برادری میں شامل ہیں۔ اس برادری نے غریب آدمی کو آزادی کے ثمرات سے محروم کر رکھا ہے۔ غریب آدمی کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں، اسلئے وہ قومی دھارے سے کٹ چکا ہے۔ وقت کے خدا، اس کے جسم اور روح پر قابض ہیں۔ تعلیم، قانون اور انصاف کے دروازے اس پر بند ہیں۔ وہ ایک آجر سے دوسرے آجر کے ہاتھوں بک رہا ہے۔ اس سفاک نظام نے کروڑوں انسانوں کو ہلاکت کے حوالے کر کے سمندر میں دھکیل دیا ہے۔

کوڑا کرکٹ سے اپنا رزق تلاش کرنے والا بچہ، جب یاس اور ناامیدی کی نظر سے اپنے اردگرد کو دیکھتا ہے تو اسے چمکیلی اور لمبی کاروں میں بیٹھے ہوئے بچوں کی مسکراہٹ زہر لگتی ہے، کوئی مسیحا نہیں ہے جو اسے کوڑا کے ڈھیر سے اٹھا کر عزت نفس سے ہمکنار کرے۔ آنسو اس کے گالوں پر سوکھ جاتے ہیں۔ سوکھی ہوئی یہ ندیاں، ہزاروں

سمندروں سے بھی سیراب نہیں ہوسکتیں۔ہاں! میں نے اس بے رحم معاشرے میں اُس معصوم بچے کے آنسو کو پونچھنے کی جسارت کی ہے، یہی میری بغاوت ہے۔اس کی جو بھی سزا ملے، مجھے بخوشی قبول ہے، ہاں! میں باغی ہوں۔

## حکومت کے اندر حکومت

یہ جاگیر صرف زمین کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا تھا بلکہ حکومت کے اندر ایک اور حکومت کی اجازت تھی۔اس حکومت میں وہاں کا مالک، سلطنت روما کے بادشاہ سے بھی زیادہ اختیارات کا مالک تھا اور ان اختیارات کو قانونی تحفظ حاصل تھا اور اب تک ہے۔

زرعی نظام میں تین قسم کی زمینیں موجود ہیں۔ایک انگریز کی دی ہوئی جاگیریں، دوسری وہ بڑی زمین داریاں جو انگریز کے آنے سے پہلے موجود تھیں۔انگریزوں کا رویہ پہلے والے زمیندار سے مخاصمانہ تھا۔وہ صرف اپنے کاشتہ پودے کو پروان چڑھانا چاہتا تھا۔اس لئے اس نے فیوڈلز کے بچوں کی تعلیم کے لئے ادارے بنائے۔ انہیں حکمرانی کی تربیت دی۔اور انہیں فوج اور سول بیوروکریسی کا حصہ بنایا۔

تیسری قسم کی زمین اُن لوگوں کے پاس تھی جو خود کاشت کرتے تھے۔زراعت کی خوشحالی کا سارا دارومدار انہی چھوٹے کسانوں اور زمینداروں پر تھا۔بڑے زمیندار اب بھی اپنی زمینوں پر کام کرنے والوں کو اپنی رعایا کہتے ہیں اور ذہنی طور پر انہیں اتنا دبا دیا گیا ہے کہ ان کی عزت محفوظ ہے نہ گھر، نہ جان۔اگر کوئی ان میں سے قتل ہو جائے تو ایف آئی آر درج کرانے کے لئے اس علاقے کے زمیندار کا تعاون ضروری ہے، ورنہ انکوائریوں اور تفتیشوں میں یہ قتل اندھا قتل بن جاتا ہے اور قاتل دندناتے پھرتے ہیں،

جناب والا!

تفصیل میں جانے کی معافی چاہتا ہوں جناب! میں خود اس زمیندار طبقے کا حصہ ہوں۔لیکن میرے بزرگوں نے انگریزوں، سکھوں اور مغلوں سے جاگیریں نہ لیں۔ہوسکتا ہے نو سو سال قبل ایبکوں یا خلجیوں سے زمین حاصل کی ہو۔بہرحال میرے آباؤ اجداد سکھوں اور انگریزوں کے مرہون منت ہرگز نہ تھے۔

## زمینوں کی لوٹ کھسوٹ اور صوبوں کا احساسِ محرومی

میں اندر کا آدمی ہوں۔میں اس نظام میں پیدا ہوا مگر اس کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔جب میں غریبوں پر ظلم ہوتے دیکھتا تو میرا خون کھول اُٹھتا تھا۔جاگیرداری نظام اب تک اتنا موثر ہے کہ یہاں کھلاڑی، گلوکار، افسر شاہی اور افواج پاکستان کے جنرل، سب زمینیں الاٹ کراتے ہیں۔جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہ ایک حکومت کے اندر دوسری حکومت ہے۔

آپ اسمبلی کے انتخابات کرائیں تو یہ زمینیں ووٹ کنٹرول کرنے کا ذریعہ ہیں۔پاکستان کی 70 فیصد

آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے، قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں کوئی شخص زمیندارانہ پس منظر کے بغیر کامیاب ہو نہیں سکتا۔ کامیاب ہونا تو دور کی بات ہے، اپنی صلاحیت، علم اور کردار کی بنیاد پر اُمیدوار بھی نہیں بن سکتا۔ زمینوں کے حصول کی اس خواہش نے صوبائی منافرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اہل سندھ، بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ سکھر بیراج کے قیام سے اب تک ان کی زمینوں پر قبضے کا سلسلہ شروع ہے۔

## غلام پیدا کرنے کی نرسری اور جمہوریت

فیوڈل ڈھانچہ غلام پیدا کرنے کی نرسری ہے اس کی وجہ سے پارلیمنٹ، دوسرے ادارے اور بیرونی ممالک سے حاصل کردہ تعلیم، سب بے معنی ہو جاتے ہیں۔

فیوڈل اِزم ایک ذہنیت ہے، اس کا خاتمہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ بہتر طریقہ زرعی اصلاحات ہیں جو کہ ناکام ہو چکی ہیں۔ فیوڈل اِزم نے ان اصلاحات سے تحفظ کے راستے نکال لئے۔ بیورو کریسی خود اس میں شامل ہو گئی اور اب اکثر جنرل حضرات بھی زمیندار ہیں۔ دولتانہ، ایوب اور بھٹو کی زرعی اصلاحات ناکام ہو گئیں۔ کیونکہ اصلاحات لانے والے خود مخلص نہ تھے۔ غیر جمہوری دَور میں یہ ڈھانچہ زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، کیونکہ غیر نمائندہ حکومتوں کا انحصار جاگیرداروں پر ہوتا ہے۔ مختصر وقت کے لئے اگر جمہوریت آ بھی جائے تو جاگیردار کی جڑیں مزید مضبوط ہو جاتی ہیں۔ ایک آدھ الیکشن جیتنا اُس کیلئے مشکل نہیں ہوتا۔ دوسرے الیکشن تک کوئی اور غیر جمہوری حکومت ہوتی ہے اور فیوڈل کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اب اُس کا وجود اور اہم ہو جاتا ہے اور جمہوریت بھی اُس کی باندی بن جاتی ہے۔ اِس نظام کے خاتمے کیلئے جمہوری اداروں کا تسلسل بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ فیوڈل اِزم کے خاتمے کا دوسرا طریقہ مکمل جمہوریت کا قیام ہے، جی ہاں مکمل جمہوریت۔

اگر انتخابات ہوتے رہیں تو فیوڈلز کو ووٹرز کے دروازے پر بار بار جانا پڑتا ہے۔ اسے جوابدہ ہونا پڑتا ہے، تنقید کا نشانہ بننا پڑتا ہے، اپنی بداعمالیوں کا حساب دینا پڑتا ہے۔ مدِ مقابل کا کردار بہتر ہو تو شکست سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ حکومت کے اندر اس کی حکومت، بلکہ ملک کے اندر اس کا ملک، زد میں آ جاتا ہے، اور اسے دھچکا لگتا ہے۔

## طویل سفر کی ابتداء

میں نے پچیس سال فیوڈل اِزم کے خلاف انتخابات اور جمہوریت کی جنگ لڑی ہے۔ ملتان کے تمام معروف فیوڈلز، تمام معروف زمیندار، تمام معروف سیاسی خاندان ہر الیکشن میں میرے خلاف اتحاد بناتے رہے۔ اس جنگ میں میرے خاندان کو بے بہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے بھائی، بھتیجے، بھانجے، رشتے کے بھائی، بہنوئی پولیس تشدد کا شکار ہوئے، ہمارے معاشی وسائل نہری پانی، زرعی جائیداد، کاٹن فیکٹری، آئل ملز،

معاشی مقاطعہ کی زد میں رہے۔ بنکوں کو قرض دینے سے منع کردیا گیا، ہماری فیکٹریوں پر کمرتوڑ ٹیکس لگائے گئے۔ پولیس کے ذریعے گھر لوٹ لئے گئے۔ ڈاکوؤں کی سرپرستی کی گئی۔ اب بھی میری اور میرے رشتہ داروں کی تمام جائیداد حکومت کے کنٹرول میں ہے۔ مجھ پر قاتلانہ حملے ہوئے لیکن آخرکار یہ جنگ میں نے جیت لی۔

آغاز سفر میں ان واقعات کو مقامی پریس چھاپنے پر تیار نہ تھا۔ کچہری میں کوئی وکیل بننے کو تیار نہ تھا۔ کیونکہ میں فیوڈل ازم کا باغی تھا۔ ایک مرتبہ 1983ء میں ریٹائرڈ جنرل شمیم عالم صاحب نے (جن کی بیگم صاحبہ سینیٹ میں موجود ہیں) مجھے بلا کر میرے گاؤں پر فوج کشی کی دھمکی دی کیونکہ میرے مخالف فریق سید یوسف رضا گیلانی اور مخدوم سجاد حسین قریشی میری بنائی ہوئی سڑک کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لا رہے تھے اور علاقہ کے لوگوں نے ان کے بائیکاٹ کی دھمکی دی تھی۔ چونکہ وہ دونوں مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، جنرل شمیم عالم نے اُن کے استقبال کو کامیاب کرانا اپنی ڈیوٹی کا حصہ سمجھا۔ میں حیران تھا، ایک حاضر سروس جنرل کو اس حد تک جانے کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن فیوڈل ڈھانچہ کی جڑیں گہری ہیں، جس کا سامنا کرنے سے پتا پانی ہو جاتا ہے۔ میں فخر سے سر بلند کر کے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہ قلعہ جمہوری عمل کے ذریعے سر کر لیا ہے۔ انتخابات میں آزادانہ رائے دہی کا مطلب غلامی سے آزادی ہے، لیکن ابھی یہ طویل سفر کی ابتدا ہے۔

## طالع آزماؤں سے جنگ

اب میری جنگ ان طالع آزماؤں سے ہے، جنہوں نے فوج کی پاکیزہ وردی کو ہوس اقتدار کا ذریعہ اور آئین کی توہین کو شعار بنالیا ہے۔ مگر مجھ سے یحییٰ خان جیسے جرنیل کے احترام کی توقع نہ رکھی جائے۔

جناب والا!

میں نے جنرل ایوب خان سے ایک ملاقات میں پوچھا: 65ء کی جنگ میں ہماری حکمت عملی ناقص کیوں تھی؟ انہوں نے تفصیل سے بات کی۔ لب لباب یہ تھا کہ دفتر خارجہ نے انہیں غلط اطلاعات فراہم کیں اور ہم بین الاقوامی سرحد پر بھارت کے حملے کی توقع نہ کر رہے تھے۔

میں بی اے کا طالب علم تھا، مجھے ان کی وضاحت مطمئن نہ کر سکی۔ ایک اور سوال کیا کہ آپ نے انتقال اقتدار کا جمہوری راستہ کیوں اختیار نہ کیا؟ اور پارلیمنٹ یا سیاست دانوں میں سے آپ نے اپنا جانشین تیار کیوں نہ کیا؟ جبکہ متبادل قیادت کسی بھی عظیم رہنما کی ذمہ داری ہوتی ہے؟ میں نے کہا: مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھنے والی کونسی شخصیت موجود ہے، کیونکہ قد آور شخصیات قوم کو متحد رکھ سکتی ہیں اور شائد انہیں میرا سوال پسند نہ آیا۔ کہا: میرے پاس وقت ہی کتنا تھا۔ اس موضوع پر اب میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا مگر وقت ہی کتنا تھا؟

شائد اسی لئے کہتے ہیں کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، ہاں، مگر دس سال تک تو انتظار کیا تھا اور پھر وقت نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

ایک مرتبہ میں نے ایوب خان سے پوچھا کہ اخبارات میں آ رہا ہے کہ آپ اپنے اردگرد کے لوگوں کو گالیاں دیتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حرام توپ جھوٹ بولتے ہیں، میں نے کسی ...... کے بچے کو آج تک گالی نہیں دی۔

## عملی جدوجہد کا آغاز

جناب والا! میں آج 29ویں مرتبہ پس دیوارِ زنداں ہوں، یہ سفر 4 عشروں پر محیط ہے۔ 1964ء سے 2004ء تک۔ پہلی مرتبہ میں 1964 میں گرفتار ہوا، جب میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا اور میری عمر 14 سال کے قریب ہوگی۔ ملک بھر میں یونیورسٹی آرڈیننس کیخلاف تحریک جاری تھی۔ اس آرڈیننس کے تحت گورنر یا چانسلر کسی بھی طالب علم کی سند منسوخ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ اُس کے کہنے پر سند یافتہ وکیل، وکیل نہیں اور ڈاکٹر، ڈاکٹر نہ رہتا، انجینئر بننے والے کو کسی وقت کہا جا سکتا ہے کہ آج سے تم انجینئر نہیں ہو۔ میں گرفتار ہو کر اس تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس وقت میں اتنا چھوٹا تھا کہ ہتھکڑی میرے ہاتھ سے نکل جاتی تھی۔ میرے گھر والوں نے اس حرکت کو سخت ناپسند کیا۔ لیکن مجھے اطمینان تھا کہ میں نے فردِ واحد کے جابرانہ قوانین کو چیلنج کیا ہے۔ اس تحریک میں میرا ساتھی طالب علم جودت کامران شہید ہو گیا اور میں نے موت کے سایہ تلے جینے کا سلیقہ سیکھ لیا۔ آٹھویں جماعت میں مجھے ٹیلنٹ سکالرشپ ملا۔ 1965 کی جنگ شروع تھی۔ میں نے اپنے وظیفے کے اڑھائی ہزار روپے دفاعی فنڈز میں جمع کرا دیئے۔ سکوٹر کی بجائے ٹینک خریدنے کا جنون مجھ پر سوار تھا۔ تین مرتبہ فوجی بھائیوں کیلئے میں نے خون دیا۔ گلی گلی محلّہ محلّہ جا کر دفاعی فنڈز جمع کئے اور نوجوانوں کو منظم کیا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر سڑکوں اور نہروں پر پہرے دیئے تاکہ دشمن ہمارے مواصلاتی اور نہری نظام کو تباہ نہ کر سکے۔ ایوب خان اور نواب آف کالاباغ سے مجھے سخت نفرت تھی، لیکن دشمن کے مقابلے میں، میں ان کا ادنیٰ رضا کار تھا۔ اعلان تاشقند ہوا۔ پورا ملک تحریک کی لپیٹ میں تھا۔ آخرِ شب کے ہیرو زیرو ہو چکے تھے۔ سرحدوں پر بہنے والا خون رزقِ خاک ہوا، شہریاروں نے میز سجا کر مذاکرات کی آڑ میں اپنی برہنگی کو چھپا لیا مگر قوم کے زخموں کی نمائش لگا دی گئی۔ ہر آنکھ اشکبار ہوئی۔ آسمان لہو رویا، مشرقی بازو کے لوگ عدم تحفظ کی وجہ سے تلملاتے رہے۔

## راستے کا انتخاب

میں نے اپنے راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ پاکستان میں "اسلام اور جمہوریت کا راستہ۔" میں اسلام اور جمہوریت کو ایک دوسرے کی ضد نہیں سمجھتا۔ دونوں انسان کے بنیادی حقوق پر یقین رکھتے ہیں اور دونوں میں فردِ واحد کو لامحدود اختیارات حاصل نہیں۔

اسلام کو جمہوریت پر بالادستی حاصل ہے کہ اس کے پاس منصفانہ معاشی نظام بھی موجود ہے جبکہ جمہوریت کے پاس سرمایہ دارانہ نظام کو روکنے کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ اس کے باوجود اسلام اور جمہوریت ایک

دوسرے کے مددگار رہی ہیں۔

## سقوطِ ڈھاکہ

جنابِ والا! منظر بدلا اور ایک نیا طالع آزما قوم پر مسلط ہو گیا۔ قوم فریبِ تبسم میں آ گئی۔ نئے آمر نے اپنی ہی قوم پر شب خون مارا اور اس کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کے عزم کا اظہار کیا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ قوم کو نیا محافظ مل چکا تھا۔ جس سے اختلاف کرنا غداری اور ملک دشمنی کے مترادف تھا۔ چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا اُسی محافظ کے دور میں نہ ملک محفوظ رہ سکا اور نہ فوج۔ ہمیں تاریخ کی بدترین رسوائی کا سامنا تھا۔

جنابِ والا!

اپنی گناہ گار آنکھوں سے میں نے مشرقی پاکستان میں کتوں اور گِدھوں کو بنگالی بھائیوں کی لاشوں کو نوچتے دیکھا ہے۔ لاشیں پانی پر تیر رہی تھیں۔ اور سڑاند سے دماغ پھٹا جا رہا تھا، بنگال کے سبزے کی بہار داغدار تھی اور داغ کو شاید صدیوں تک نہ دھویا جا سکے۔ کاش یہ منظر دیکھنے کیلئے میں زندہ نہ ہوتا۔ ع

مرا اے کاش مادر نہ زادے

پلٹن میدان سج چکا، جنرل امیر عبداللہ خان نیازی ہتھیار پھینکنے کی تقریب کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ اُن کی وردی کو بار بار استری کیا گیا، کہ کوئی سلوٹ باقی نہ رہے۔ اُن کے کراؤنز کو چمکایا گیا، یہ کراؤنز اصلی تھے۔

جنرل تیار ہو کر شان و شوکت سے تقریب میں پہنچے۔ انہوں نے فاتح جرنیل جگجیت سنگھ اروڑہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، جنرل بتاؤ میں کیسا لڑا؟ ۔How Did I Fight۔

جنرل جگجیت سنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جنرل نیازی نے اپنا پستول اپنی وردی سے الگ کر کے فاتح جرنیل کو پیش کر دیا۔ تماشائیوں کا رویہ غیر مہذبانہ تھا۔ غالب کو گلہ تھا کہ فرہاد نے مرنے کیلئے تیشہ کا سہارا لیا۔ اُس کا عشق سچا ہوتا تو وہ ویسے ہی مر جاتا، تیشہ والی رسم کی کیا ضرورت تھی۔

بے شمار لوگوں نے کہا: اس رسوائی سے بہتر تھا جنرل نیازی اس ریوالور سے خود کو گولی مار لیتا۔ وہ فرہاد کی طرح امر ہو جاتا۔ قوم کی خواہشات کتنی غیر منطقی ہیں، اگر جنرل شہید ہو جاتا تو لاہور کینٹ میں اتنا بڑا محل کیسے بنتا: اور بن بھی جاتا تو اُس میں کوئی اور رہ رہا ہوتا۔ اگرچہ اب بھی وہاں کوئی اور ہی رہ رہا ہے۔ اسد اللہ خان اسد کا مطالبہ، فرہاد جیسا عاشق پورا نہ کر سکا، امیر عبداللہ خان تو عملیت پسند جرنیل تھا۔

ایک طرف پوری قوم سقوطِ ڈھاکہ کے صدمہ سے دوچار تھی اور دوسری طرف یحییٰ اور اس کے حواری جرنیل اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے سیاستدانوں کو اس سانحہ کا ذمہ دار ٹھہرانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

جرنیلوں کو ملک ٹوٹنے کا احساس تھا نہ شرمندگی اور نہ ہی وہ اس سانحہ کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار تھے۔

"سقوط غرناطہ" کے بعد آخری حکمران ابوعبداللہ نے شہر سے باہر نکل کر اپنے محل الحمرا پر نگاہِ واپسیں ڈالی تو رو پڑا۔ جب اس کی ماں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ "ابوعبداللہ تم جس ملک کی مرد بن کر حفاظت نہ کر سکے، اب اس پر عورتوں کی طرح رونے کا کیا فائدہ؟" افسوس ہمارے جرنیلوں نے سقوط ڈھاکہ پر ابوعبداللہ کی طرح آنسو بہانے کی رسم تک ادا نہ کی، حکمرانوں کے محلوں میں شکست کا کوئی تاثر تھا اور نہ ہی کوئی پشیمانی۔ جی ہاں، میں اس دور کا بھی باغی اور مجرم تھا۔

## حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ

حقائق جاننے کیلئے حمود الرحمٰن کمیشن قائم کیا گیا، تاکہ غلطیوں کی نشاندہی اور کوتاہیوں کو دور کیا جا سکے۔ حقائق منظر عام پر لائے جا سکیں۔ یہ رپورٹ 30 سال تک شائع نہ ہو سکی اور زخم ناسور بن کر لاعلاج ہو گئے۔ تیس سال بعد مذکورہ رپورٹ کا کچھ حصہ مئی 2001ء میں دشمن ملک کے ٹیلی ویژن چینل نے نشر کر دیا۔ مجھے اس کا علم کوٹ لکھپت جیل لاہور کی چکی میں ہوا۔ جہاں میں جرم بیگناہی میں سزا کاٹ رہا تھا۔ یہ 5x9 فٹ کا ایک سیل تھا۔ شدید ترین گرمیوں میں اس قبر نما چکی میں تپتے فرش پر بستر کے بغیر پڑا رہتا تھا۔ سونے، بیٹھنے اور رفع حاجت سمیت تمام ضروریات اس اندھیری قبر میں پوری ہوتی تھیں۔ رفع حاجت والی جگہ پر جو ٹونٹی نصب تھی اسی سے منہ لگا کر پانی پیتا۔ جیل کی رقیق دال میرا من وسلویٰ تھا۔

اس سیل میں لانے سے قبل میرے علاوہ خواجہ سعد رفیق، خواجہ حسان اور آفتاب اصغر ڈار مرحوم کو پانچ دن تک وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ ہم سب کی آنکھوں پر سارا دن پٹی بندھی رہتی، نہ معلوم اس عمل سے حکمرانوں کو کیا حاصل ہوا؟ تشدد سے ہمارے جسم نیلے پڑ گئے۔ چمڑی ادھڑ گئی اور بڑے بڑے زخم بن چکے تھے۔ میں نے جیل سے اخبارات کیلئے ایک پیغام بھیجا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ اگر کسی نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ پڑھنی ہے تو ہمارے جسموں پر لکھی پڑھ لے۔

## ناقابل فراموش

1971ء کی جنگ میں، میں نے لاہور کی گلی کوچوں میں کشکول گدائی لے کر دفاعی فنڈز اکٹھا کیا۔ زخمی فوجی بھائیوں کو خون دیا۔ میں زندگی میں دو واقعات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہم دفاعی فنڈز کے سلسلہ میں انارکلی گئے۔ جب ہم شاعرِ مزدور احسان دانش کے پاس پہنچے تو انہوں نے گھر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر کہا کہ یہاں سے ہر چیز اٹھا لو، کیونکہ مجھے وطن نے پکارا ہے، میں حاضر ہوں۔ دوسرا واقعہ "اس بازار" میں پیش آیا۔ جب ایک ضعیف ونحیف اور بیمار بڑھیا نے اپنے تمام زیورات ہمارے سامنے ڈھیر کر دیئے اور آخر میں اپنے ہاتھوں کی انگوٹھیاں

کشکول میں پھینکتے ہوئے کہا کہ وطن ہے تو سب کچھ ہے۔ ''میں اس بڑھیا کو طوائف کا نام نہیں دے سکتا''۔

ایک سوال ہمیشہ میرے دماغ پر ہتھوڑے برساتا رہا کہ وطن کے محافظوں نے قوم کی قربانیوں کا کیا صلہ دیا؟ مجھے آج تک اس کا جواب نہیں مل سکا۔ قافلہ لٹ چکا تھا، شام الم برپا تھی، در و دیوار پر مایوسی کے سائے تھے۔ ہر دل ندامت کے زخموں سے چور تھا۔ اہل دانش کے قلم سکتے میں اور مغنی کی آواز پر لرزہ طاری تھا۔ آسمانوں سے شب زندہ داروں کی دعائیں ناکام لوٹ آئیں۔ رندان بادہ خوار ہوش میں آ چکے تھے۔ سقوط ڈھاکہ پر کیسا کیسا مرثیہ لکھا گیا۔ لیکن قائداعظم کا پاکستان تو واپس نہ مل سکا۔

## بھائی کی شہادت...... ایک اور دریا کا سامنا

بھٹو دور میں میرے ملک سے باہر جانے پر پابندی تھی۔ سعودی عرب کے حکمران شاہ فیصل نے کمال شفقت سے مجھے پندرہ دن کے سرکاری دورہ کی دعوت دی۔ میرے لئے باہر جانے کی سبیل نکل آئی۔ اسی دوران مجھے تحریک ختم نبوتؐ کے سلسلہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ رہائی ملی تو جیل کے دروازے پر میرے بڑے بھائی موجود تھے۔ انہوں نے والدین کی زیارت کیلئے گاؤں جانے کا حکم دیا۔ 28 جولائی 1974ء کو محترم مجیب الرحمٰن شامی، ان کی اہلیہ، میرے بڑے بھائی اور میں کار میں سوار ملتان آ رہے تھے کہ ہماری کار ساہیوال کے نزدیک یوسف والا میں حادثے کا شکار ہو گئی۔ میرا مربی، میرا اتالیق، میرا سرپرست، میرا دوست، میرا بھائی شہید ہو گیا۔ میں اگر اپنے بھائی کی موت پر مرثیہ کہہ سکتا تو چٹانیں چیخ جاتیں اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے۔ اس کے اثر سے سمندروں کے دل میں چھپا ہوا درد کسی طوفان کی شکل میں پھوٹ پڑتا اور زمین اپنا محور تبدیل کر لیتی۔

راتیں دیدہ یعقوب کی مانند سفید ہو جاتیں اور دن ظالم حکمرانوں کے نامہ اعمال کی طرح سیاہ۔

میں اپنے بھائی کے لئے قصیدہ لکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ مرثیہ کی بجائے قصیدہ کے لائق تھے۔ میں یہ بھی نہ کر سکا، قصیدہ گوئی کے فن سے میری آشنائی نہ تھی۔

میں بچپن میں گیلی ریت سے گھروندے بناتا، دھوپ نکلتی تو یہ پیوند زمین ہو جاتے۔

جانتا ہوں میرا مرثیہ صور اسرافیل ہے۔

درد کی آنچ میں پکی ہوئی دیوار گرے گی تو نہاں خانہ دل کے شور سے قیامت بپا ہو گی۔

میرا فیصلہ ہے کہ میں کوئی مرثیہ یا قصیدہ نہ لکھوں مگر چشم گریاں نے آج تک میرے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا۔ اس حادثہ پر ابھی تک اسرار کی دبیز تہیں پڑی ہیں۔ مشکوک ٹرک کا مشکوک ڈرائیور 30 سال گزرنے کے بعد بھی لاپتہ ہے۔ اس حادثہ نے مجھے غموں اور دکھوں کے ایک نئے چوراہے پر لا کھڑا کیا۔

منیر مجھ کو ایک اور دریا کا سامنا تھا
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

تعلیم کیلئے باہر نہ جاسکا، بلکہ خاندان کی ذمہ داریاں بھی میرے کندھوں پر آن پڑیں۔ میری زندگی بدل گئی، لیکن میں نے جمہوریت کی جدوجہد ترک نہ کی۔ چند دنوں کے بعد میں دوبارہ جیل میں تھا۔

گرچہ رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

تحریک نظام مصطفیٰ میں متحرک ہو گیا، قید و بند کی صعوبتیں میری منتظر تھیں۔ مجھے گرفتار کر کے شاہی قلعہ کے بدنام زمانہ عقوبت خانہ میں ڈال دیا گیا۔

## کانوں پہ زباں

میں جیل میں تھا، خوشخبری ملی کہ بھٹو صاحب اور پی این اے میں سمجھوتہ ہو گیا۔ رہا ہو کر والدین کو ملنے کیلئے گاؤں پہنچا تو ٹی وی پر خبر نشر ہوئی کہ ملک کا نظام فوج نے سنبھال لیا ہے۔ ضیاء الحق نے 90 دنوں میں انتخاب کرانے کا اعلان کیا۔ بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی سمیت تمام جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ میں لاہور سے پی این اے کی طرف سے صوبائی نشست سے امیدوار تھا۔ بھٹو صاحب ضمانت پر رہا ہو چکے تھے۔ انتخابی مہم زور و شور سے جاری تھی، اس دوران غیر معینہ مدت کیلئے انتخابات ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ملک میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔ بھٹو صاحب کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ ضیاء الحق نے سیاستدانوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ملاقاتوں کا مقصد سیاسی جماعتوں کو انتخابات کے انعقاد کیلئے تعاون پر قائل کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے بھی ملاقات کیلئے ضیاء الحق نے بلایا اور انتخابات کے انعقاد کیلئے تعاون مانگا۔

جنرل ضیاء الحق سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔ اُن کے چیف آف سٹاف جنرل عارف بھی موجود تھے۔ ضیاء الحق مرحوم نے کہا کہ ہم فوجی ہیں۔ سیاست کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اگر آپ نے تعاون نہ کیا تو جمہوری عمل کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پھر ہمیں ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے۔ ایک آدھ کے سوا قومی اتحاد کی تمام جماعتوں نے کابینہ میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ مجھے بھی کابینہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ میں نے مشاورت کیلئے وقت مانگا۔ دوسرے دن میں نے اس شرط پر کابینہ میں شمولیت کا وعدہ کیا کہ اگر الیکشن ملتوی ہوئے تو میں کابینہ سے استعفیٰ دے دوں گا۔ ایک سال میں انتخابات کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

## بحالی جمہوریت کی مہم

وزارت کا حلف اٹھانے کے بعد میں نے بحالی جمہوریت کی مہم تیز کر دی۔ جہاں جاتا تقریروں میں انتخابات کے انعقاد کا ذکر کرتا، پورا سال میں نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی مہم جاری رکھی۔ پریس کانفرنسوں، جلسوں اور بار ایسوسی ایشنوں کے فورم پر جمہوریت کی بحالی کا مشن جاری رہا۔

1978ء میں فیصل آباد بار ایسوسی ایشن کی دعوت پر خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا کہ اگر جنرل ضیاء الحق نے انتخابات کا اعلان نہ کیا تو ضیاء الحق کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ...... میری تقریر کے بعد میرے دوست افتخار فیروز نے کہا کہ ضیاء الحق اپنے وزیر کے اس لہجے کو برداشت نہیں کریں گے۔ میں نے عرض کیا۔ میں نا قابل برداشت ہو جانا چاہتا ہوں۔

اسی سال وزرا سے کہہ دیا گیا کہ ان میں سے جو چاہے اس شرط پر وزارت رکھ سکتا ہے کہ الیکشن میں حصہ نہ لیں گے۔ میں نے یہ کہتے ہوئے وزارت سے استعفیٰ دے دیا کہ میں الیکشن کے انعقاد کی شرط پر کابینہ میں شامل ہوا تھا، چونکہ اب الیکشن ہو رہے ہیں، لہٰذا میں اپنے حلقہ انتخاب میں جا رہا ہوں۔ ضیاء الحق کے ملٹری سیکرٹری ظفر صاحب نے مجھ سے کہا کہ الیکشن نہیں ہونگے، آپ استعفیٰ نہ دیں لیکن میں استعفیٰ دینے کا اصولی فیصلہ کر چکا تھا۔ بحالی جمہوریت کی منزل خواب وخیال ہو چکی تھی۔ ضیاء الحق کے باقی 9 سالوں میں کوئی عہدہ قبول کیا اور نہ ہی کسی مسئلہ پر ان کی حمایت کی۔

## غیر جماعتی انتخابات

85ء کے غیر جماعتی انتخابات میں، میں ملتان سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوا۔ لاہور گورنر ہاؤس میں جنرل ضیاء الحق سے ملتان ڈویژن کے اراکین قومی اسمبلی کی میٹنگ تھی، گورنر غلام جیلانی خان بھی موجود تھے۔ مخدوم حامد رضا گیلانی، سید فخر امام، صدیق خان کانجو، سید یوسف رضا گیلانی اور دیگر ممبران بھی موجود تھے۔ اکثر ممبران نے الیکشن کرانے پر ضیاء الحق صاحب کی تعریف کی، کچھ نے کہا: آپ نے تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کچھ نے کہا: یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے کہ ایک جنرل قوم کو جمہوریت دے رہا ہے۔ میری باری آئی تو مجھے بھی اپنی رائے دینے کا حکم ہوا۔

میں نے عرض کیا: جنرل صاحب میں تمام ساتھیوں کی تائید کرتا ہوں یہ شائد آٹھویں عجوبے سے بھی بڑھ کر ہے، لیکن میری ایک چھوٹی سی پریشانی ہے۔ وہ پریشانی یہ ہے کہ اسمبلی کے معرض وجود میں آنے کے باوجود تمام اختیارات ابھی تک آپ کی ذات میں جمع ہیں، آپ اچھے انسان ہیں۔ اللہ اور موت پر یقین رکھتے ہیں، اگر آپ خدانخواستہ ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ابھی وفات پا جائیں تو کیا ہوگا؟ میں نے پھر اپنا سوال دہرایا، اگر آپ ابھی فوت ہو جائیں تو ملک میں بحران پیدا ہوگا، اس کا کیا حل ہے؟ محفل پر سناٹا چھا گیا، میں نے پھر کہا کہ ہم فانی ہیں، میں بھی یہاں بیٹھے ہوئے مر سکتا ہوں۔ آپ براہ کرم یہ اختیارات اداروں کو واپس لوٹا دیں۔ یقیناً یہ نا قابل فراموش واقعہ ہوگا کیونکہ ادارے نہیں مرتے۔

ایک فرد کی حکومت سے، ادارے کی حکومت کا سفر ملک کو مضبوط کر دے گا۔ استحکام کی بنیاد قائم ہوگی اور تمام صوبوں کو شراکت اقتدار کا احساس پیدا ہوگا۔ یہ صرف میری خواہش تھی مگر اس کا اظہار شاید گستاخانہ تھا، شائد

میں آتشِ گل اور خارِ مغیلاں میں تمیز نہ کر سکا تھا۔

جنرل جیلانی نے ایک فائل جنرل ضیاء الحق کے سامنے کر دی۔ انہوں نے میرے نامہ اعمال پر نظر ڈالی اور جنرل جیلانی سے تحسین آمیز مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ میرے نامہ اعمال کی سیاہی، میری سیاہ بختی کا واضح اشارہ تھی۔ میری سادگی دیکھئے، میں ان قہر آلود نگاہوں اور پیشانی پر پڑنے والے بل کو بھی اپنی خوش بختی سمجھ رہا تھا کہ میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا تھا۔ اسمبلی کے تمام ممبران کی فائلیں ایجنسیوں نے تیار کر رکھی تھیں۔ پارلیمنٹ میں افراد کی بجائے یہی فائلیں پہنچی تھیں۔

شفاف فائلیں...... جن پر عہدِ غلامی سے لے کر اب تک کی انتظامیہ کی مہریں ثبت تھیں۔ یہ شفاف فائلیں قوم کی نمائندگی کر رہی تھیں، ہم جیسے چند اجنبی لوگ حریم ناز میں داخل ہو کر شور و غوغا برپا کر رہے تھے۔

## پارلیمنٹ میں اجنبی

جب ضیاء الحق اسمبلی سے خطاب کرنے کیلئے آئے تو میں نے فلور پر کھڑے ہو کر کہا کہ آپ پارلیمنٹ کیلئے اجنبی ہیں۔ "You are Stranger in the House" آپ کو خطاب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ بندوق کی نوک پر پارلیمنٹ میں کھڑے ہیں۔ براہ راست (Live) کوریج ہو رہی تھی، کیمروں کا رخ موڑ دیا گیا۔ بعد میں ضیاء الحق نے چند دوستوں کی موجودگی میں وزارت کی پیشکش کی۔ وہ میرے موقف کو سمجھ ہی نہ سکے۔ پارلیمنٹ کے قیام کے بعد انہوں نے باعزت واپسی کا راستہ کھو دیا۔ ضیاء الحق صاحب آٹھویں ترمیم کے ذریعے تمام اختیارات اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے اس ترمیم کی بھرپور مخالفت کی۔ میں اُن چند ممبران میں شامل تھا۔ جنہوں نے آٹھویں ترمیم کے حق میں ووٹ دینے سے انکار کر دیا۔

## تاریخ کا فیصلہ

میں تاریخ کے مطالعہ اور عملی تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ 5000 سالہ معلوم تاریخ میں فردِ واحد کی بالادستی نے قوموں کو عروج سے زوال تک پہنچایا ہے۔

انسانی معاشرے کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ عسکری قیادت کی بالادستی انسانی شعور کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور ایسے معاشرے زیادہ دیر تک ترقی کے سفر میں دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہی معاشرے انسانی تہذیب کے ارتقاء کی وجہ بنتے ہیں جن میں برابری کی سطح پر ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ بادشاہت ہو، جمہوریت یا آمریت۔ حکومتیں اس صورت میں کامیاب رہتی ہیں جب عسکریت کو تابع رکھا جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہی فاتحین کامیاب رہے ہیں، جنہوں نے عسکریت کو انتظامی معاملات سے الگ رکھا، اس سے دفاعی طاقت میں بھی اضافہ ہوا اور حکومت کے معاملات چلانے میں

آسانیاں پیدا ہوئیں۔

جن فاتحین نے عسکریت کی بالادستی کو مطمع نظر بنایا وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ کہاں ہیں ہُن اور اٹیلا جنہوں نے یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ چنگیز خان اور ہلاکو کہاں ہیں، جنہوں نے انسانیت کا قتل عام کیا۔ آخر کاران کے جانشین، اسلام کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ قیصر وکسریٰ کی تباہی اور بربادی ہوس اقتدار اور خود کو خدا سمجھنے کا نتیجہ تھی۔

روم اور یورپ کی قدیم وجدید تاریخ گواہ ہے کہ جب فیصلے عسکریت کے سائے میں ہونے لگے تو دنیا کو ہولناک جنگوں کا سامنا کرنا پڑا اور جب فیصلے مشاورت سے کئے گئے تو ملکوں کو سیاسی استحکام ملا۔ جس قوم کے فیصلے پارلیمنٹ میں ہوئے انہوں نے عروج دیکھا۔ روم کی عظیم سلطنت عسکریت کے سہارے کھڑی نہ رہ سکی۔

اسلام کی 14 سو برسوں کی تاریخ گواہ ہے، خلافت راشدہ ہو یا اموی وعباسی ادوار، حکومت میں فیصلوں کا اختیار ہمیشہ سول اتھارٹی کے پاس رہا۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے خالدؓ بن ولید کو، جنہیں رسالت مآبؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا، سپہ سالاری سے الگ کر دیا، گویا یہ خلیفہ کا تسلیم شدہ حق تھا، جس کی حیثیت حاکم کی نہیں نائب کی تھی۔ جمہور نے ان فیصلوں کو درست قرار دیا۔ ولید بن عبدالمالک نے دنیا کے عظیم جرنیلوں موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور انکے والد نے محمد بن قاسم کو برطرف کیا۔ چین سے لے کر اندلس تک جنہوں نے دنیا کو فتح کیا۔ ان کی تذلیل بھی کی گئی جو کسی طور مناسب نہیں تھی، لیکن یہ بات واضح ہے کہ فیصلوں کا اختیار خلیفہ وقت کے پاس تھا، اسی طرح عوام نے قتیبہ بن مسلم کے خروج کو پسند نہ کیا۔ اموی دور حکومت میں جرنیلوں نے امور مملکت میں مداخلت شروع کی تو حکومت ختم ہوگئی۔ عباسیوں کے دور میں جب فیصلے ترک جرنیلوں کے ہاتھ میں آئے تو ''سقوط بغداد'' کا سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ جب فیصلے مشاورت کی بجائے جرنیلوں کے ذریعے ہونے لگیں اور عسکریت کو بالادستی حاصل ہو تو پھر ملک وقوم کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔

''کرامویل'' نے فوجی حکومت قائم کی اور پھر تاریخ نے جلد ہی وہ وقت دیکھا جب کرامویل کی لاش چوک میں لٹک رہی تھی۔ یورپ نے تاریخ سے سبق سیکھا اور ان کے فیصلے پارلیمنٹ میں ہونے لگے۔ چنانچہ وہ دیگر اقوام سے بہت آگے نکل گئے اور دنیا پر غالب آگئے۔

چرچل نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا کہ جنگ لڑنا اتنا اہم معاملہ ہے، جسے صرف جرنیلوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

**(War is too serious a business to be left to the Generals alone)**

## دورِ حاضر کی عسکریت

''افلاطون'' نے تین ہزار سال قبل کہا تھا کہ سیاسی استحکام کے بغیر معیشت اور معاشرت ترقی نہیں کرسکتی۔ سیاسی استحکام کسی بھی قوم کی رائے کے احترام کا نام ہے۔

''کمیونزم'' نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ اس نظام میں غریبوں کیلئے پیغام موجود ہے۔ کمیونسٹوں نے 1918ء میں انقلاب کے ذریعے دبے اور کچلے ہوئے طبقات کی سربلندی کیلئے پوری دنیا کو تہہ وبالا کر ڈالا۔ انسانی زندگی پر مثبت اور منفی اثرات چھوڑے اور یہ اثرات انمٹ ہیں، ارتکاز دولت کے خلاف جنگ میں کمیونزم اور اسلام میں بعض اعتبار سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ صرف 60 سے 70 سالوں میں کمیونزم کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ ماضی قریب کی بات ہے کہ ماسکو سے کیوبا تک اور عراق کے صدر صدام حسین تک، کرنل ناصر، کرنل قذافی وردی میں خوبصورت نظر آتے تھے، وہ کمیونزم کا چغہ بھی پہنے ہوتے تھے۔ اگر وہ عسکریت کی بجائے بنیادی انسانی حقوق کو اہمیت دیتے اور پارلیمنٹ کو بالادست ادارہ تسلیم کرتے تو کمیونزم شائد ناکامی سے دوچار نہ ہوتا۔

اب ہم ایک نئے دور میں ہیں۔ امریکہ نے کرہ ارض کے پولیس مین کا کردار منتخب کر لیا ہے۔ کوئی اسکا سامنا نہیں کر سکتا۔ ویتنام میں وہ اپنی فوج کو آزما چکا، اس وقت سویت یونین دوسری عالمی طاقت تھی، لیکن اب وہ واحد سپر طاقت ہے۔ مگر آسانی سے پیشگوئی کی جاسکتی ہے کہ افغانستان اور عراق میں عسکریت کو ایک بار پھر منہ کی کھانا پڑے گی اور امریکہ کو عسکری بالادستی کی خواہش لے ڈوبے گی۔ اس کے آثار نمودار ہیں، ابتدا سپین کے الیکشن سے ہو چکی۔ پوری دنیا میں لاکھوں نہیں کروڑوں انسان امریکہ کے خلاف سڑکوں پر نکلے ہیں۔

## جمہوریت...... میرا دوسرا مذہب

جنرل محمد ایوب خان، جنرل یحیٰ خان اور جنرل محمد ضیاء الحق کا میں ذاتی مخالف نہ تھا۔ جنرل پرویز مشرف سے بھی میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا ذاتی کردار مجھ سے ہزار گنا بہتر ہو، وہ مجھ سے زیادہ قابل ہوں، مجھے ان سے ذاتی طور پر کوئی پرخاش نہیں ہے، میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ مجھے اسلام نے دیا ہے کہ فرد واحد کی حیثیت پورے معاشرے سے بالاتر نہیں ہوتی۔ پیغمبرِ اسلام، جنہیں وحی کی رہنمائی حاصل تھی، جنگوں کیلئے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کرتے تھے۔ اور احد میں تو انہوں نے اصحاب کی رائے قبول کر کے اپنی رائے واپس لے لی تھی۔ انسانی معاشرہ کے ارتقا کی بنیاد مشاورت ہے۔ دور جدید میں مشاورت کیلئے پارلیمنٹ بہترین فورم ہے۔ پارلیمنٹ پر ایک فرد کو فوقیت نہیں دی جاسکتی۔

جمہوریت میرا دوسرا مذہب بن چکا ہے، پاکستان کی فوج کو میں نے خون دیا ہے۔ میں تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر فوج کمزور ہو گئی تو ملک خانہ جنگی اور غلامی کا شکار ہو جائے گا۔ خدانخواستہ فوج ختم کر دی گئی تو پھر پاکستان پر کسی دوسرے ملک کی فوج قبضہ کر لے گی اور کسی بھی دوسرے پاکستانی کی طرح میں کبھی نہ چاہوں گا۔ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پاکستانی فوج میری بیٹی کی محافظ ہے، فوج کی وردی میرے وطن کے دفاع اور غیرت کی علامت ہے۔

آج اگر قوم سے سوال کیا جائے کہ اس کی نظر میں فوج کی عزت 12 اکتوبر 99ء کو زیادہ تھی یا آج۔ تو

یقیناً جواب یہی ہوگا کہ فوج کی عزت میں بہت کمی ہوئی ہے، فوج کی عزت میں کمی کی وجہ میری تقریریں نہیں بلکہ جرنیلوں کی ہوس اقتدار ہے۔

## سقراط......میرا امام

جناب والا! میں صدق دل سے آپکی عدالت پر اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔ ہر چند کہ 56 سال پاکستان کے غریب عوام انصاف سے محروم ہیں، رائج عدالتی نظام انہیں عدل فراہم نہ کر سکا۔ اس لئے عوام کی اکثریت عدالتی نظام پر اعتماد نہیں رکھتی۔ اسی لئے یہ نظام کھوکھلا ہی نہیں، بے معنی بھی ہو چکا۔ بدقسمتی سے ہماری اعلیٰ عدلیہ نے ہر آمر کو نظریہ ضرورت کے تحت قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں جمہوری نظام پروان نہ چڑھ سکا۔

دوسری جنگ عظیم میں جب برمنگھم پیلس پر گولے برس رہے تھے اور سارا لنڈن سرنگوں میں سوتا تھا، وزیراعظم چرچل سے اخبار نویسوں نے پوچھا جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چرچل نے اخبار نویسوں سے پوچھا کہ کیا برطانیہ کی عدالتوں میں عوام کو انصاف مل رہا ہے؟ صحافیوں نے اثبات میں جواب دیا، اس پر چرچل نے کہا: جب تک عدالتیں انصاف فراہم کرتی رہیں گی برطانیہ کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اگر ہم آج یہ سوال اپنے آپ سے کریں تو شاید ہم سب کے سر ندامت سے جھک جائیں۔

میں نے صدق دل سے عدالت پر اعتماد کا اظہار اس لئے کیا کہ میں سقراط کو اس سلسلہ میں اپنا امام مانتا ہوں۔ جب جیلر نے سقراط سے کہا کہ آپ کو موت کی سزا دینے کا فیصلہ غلط ہے۔ آپ فرار ہونا چاہیں تو میں آپ کی مدد کروں گا، آپ کسی دوسرے ملک چلے جائیں۔ سقراط نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ فیصلہ غلط ہے لیکن جس معاشرہ نے مجھے پالا پوسا، مجھے سقراط بنایا، اس کے وہ فیصلے جو میرے حق میں تھے، میں نے قبول کئے، اگر ایک فیصلہ میرے خلاف ہو گیا ہے تو میں راہ فرار اختیار نہ کروں گا۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پیا اور امر ہو گیا۔

جناب والا! جیل ٹرائل پر مجھے شدید اعتراض تھا، پھر میں نے اس پر سمجھوتہ کر لیا، قید تنہائی اذیت ناک سزا ہے۔ اس پر مجھے عدالت سے تحفظ کی توقع تھی مگر یہ توقع پوری نہ ہو سکی۔ میں اس پر بھی صابر و شاکر ہوں۔ یہ جیل میرے ملک کی جیل ہے۔ میں ان جیلوں کی مٹی کو اسلئے بوسہ دیتا ہوں کہ میرے وطن کی مٹی ہے۔ یہاں کی قید ایک آزاد ملک کی قید ہے۔ اس کی آزادی کی حفاظت کرنے کیلئے اپنی ذاتی آزادی کی قربانی دینے کا حوصلہ رکھتا ہوں مگر ملک کی آزادی گروی رکھ کر اقتدار کی بھیک مانگنے والوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔

## رنجِ سفر

جیل کے دروازے پر میری بیمار بیوی اور بیٹیاں ہڈیوں کا گودا جما دینے والی ٹھنڈ اور چلچلاتی دھوپ میں گھنٹوں کھڑی رہتی ہیں۔ جب تک خفیہ ایجنسیوں کے افراد نہ پہنچیں، انہیں انتظار کرنا ہوتا ہے، ان اہلکاروں کی

موجودگی میں باپ بیٹی سے اور بیٹی باپ سے کیا کہہ سکتی ہے۔ میں نے بیٹیوں کو بتا دیا ہے کہ یہ تکالیف آپ کی تربیت کا حصہ ہیں تا کہ آپ کو اندازہ ہو، پوری قوم کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ میری بیٹیاں سر جھکائے سنتی رہتی ہیں اور خاموش رہتی ہیں مگران کی آنکھوں سے رواں آنسو مجھے سوگوار کرتے ہیں یہ آنسو اگلی ملاقات تک مجھے یاد رہتے ہیں۔ پھر سوچتا ہوں کہ کسی نہ کسی کو تو اس مٹی کا قرض ادا کرنا ہے۔ جب شاعر نے یہ کہا تو ایسی ہی ملاقاتوں کو یاد کیا ہوگا

اپنی تنہائی سے گویا ہوئی پھر رات میری
ہو نہ ہو آج پھر آئی ہے ملاقات میری

## جنون...... میرا رہبر ہے

جناب والا! میری جنگ اقتدار کی جنگ نہیں۔ میں تین مرتبہ وفاقی وزیر رہا، جب میں نے پہلی مرتبہ وزارت کا حلف اٹھایا تو میری عمر صرف 28 سال تھی۔ اقتدار میں ایک سال سے زیادہ نبھا نہ کر سکا۔ ایک پریس کانفرنس میں وزارت سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا، گھر چلا گیا اور جمہوری عمل کا حصہ بن گیا۔ میں ہر دور میں معتوب رہا۔ زندگی میں کبھی شخصی بالادستی کو قبول نہ کیا۔ میں صحرا میں پیدا ہوا تھا، لہٰذا میں سرابوں کو خوب پہچانتا ہوں، اوران کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ زمینی حقائق اور معروضی حالات میں رہتے ہوئے ملک کے مسائل کا حل چاہتا ہوں۔ میں اس دشت کا مجنوں ہوں اور جنون ہی میرا رہبر ہے، شوق میرا ہمسفر ہے، عشق میری منزل ہے، اس راستے پر چلنے والا کبھی نہیں مرتا۔ سکندر نے دنیا فتح کر لی، مگر چشمہء آبِ حیواں تک نہ پہنچ سکا۔ میں نے ققنس کی طرح اپنی راکھ سے جینا سیکھ لیا ہے

بلھے شاہ اسیں مرنا نئیں گور پیا کوئی ہور

# میرا خواب

جناب والا! میں اپنے دارالحزن میں بیٹھ کر عالم بیداری میں خواب دیکھنے کا عادی ہو گیا ہوں، ان خوابوں کی لہریں میرے اندر کے پر سکون سمندر میں ہل چل مچاتی رہتی ہیں اور ایک عالم اضطراب برپا رہتا ہے۔ خواب حقیقت میں ڈھلنا چاہتے ہیں، میں غم ذات کو غم دوراں میں تبدیل کرنے میں لگا دیتا ہوں۔

میں دیکھتا ہوں تیسری دنیا کے مسلمانوں کے خطے وسائل سے مالا مال ہیں۔ مگر عوام کی زبوں حالی ناقابل بیان ہے۔

سنٹرل ایشیاء، ایشیاء کوچک، صحرائے گوبی اور مشرق وسطیٰ میں موجود قدرتی وسائل اگلے پانچ سو سال تک دنیا کے ایندھن کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ اس لئے استعماری قوتیں یہاں اپنے پنجے گاڑنا چاہتی ہیں اور ہر قسم کی مزاحمت کے امکان کو مٹانا چاہتی ہیں۔ نیوکلیئر پروگرام ان کا پہلا ہدف ہے۔

ان سب خطوں میں ایسے حکمران مسلط ہیں، جن سے عوام نفرت کرتے ہیں۔ بندوق کی نوک اور مغربی طاقتوں سے عوام کو دبا کر رکھتے ہیں کوئی ایک بھی ایسا ملک نہیں جہاں پر عوام کی حکمرانی ہو۔

جناب والا! میں دیکھتا ہوں،

ان علاقوں میں جو قیادتیں ہیں، برطانوی بادشاہت اور روسی کمیونزم کی عنائت ہیں۔

میں دیکھتا ہوں ان قیادتوں نے عوام سے اظہار رائے کی آزادی چھین کر انہیں تابع مہمل بنا دیا ہے، انسان ترقی کا پہیہ رکا ہوا ہے۔ ان کے وسائل عیاشیوں پر برباد ہو رہے ہیں، حکمرانوں کی لوٹی ہوئی دولت سے مغرب کے بینک بھر گئے۔ میکدے آباد ہو گئے مگر ان کے عوام نانِ جویں کو ترس گئے۔ غربت، جہالت اور بیماری ان کا مقدر ٹھہری ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ قیادتیں اب لرزہ براندام ہیں۔

میں دیکھتا ہوں، بیت المقدس سے بیت المکرم تک افغانستان سے عراق تک، عوام پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، اور کوتاہ بین حکمران اپنے لوگوں کی جان و مال کا تحفظ نہ کر سکے۔ ان کوتاہ قد حکمرانوں نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ یہاں اداروں کو پنپنے نہ دیا۔ جارح قوموں کا سامنا کرنے کے لئے وہ نہتے ہیں، ان کی رہبری کرنے والا کوئی نہیں۔

میں دیکھتا ہوں، حالات کا رخ بدل چکا ہے۔ اپنی مشینی طاقت پر نازاں جارح قومیں فلسطین، افغانستان، کشمیر، عراق اور چیچنیا میں اب مدافعانہ جنگ لڑنے پر مجبور ہیں اور اس دلدل میں دھنستی جا رہی ہیں۔ اتحادیوں نے ان کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ پوری دنیا کے امن پسند عوام سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ خود اپنی

قوم کے سامنے امریکہ کا رہنما احتساب کا سامنا کر رہا ہے اور عراق پر قبضے کا جواز پیش نہیں کر سکا۔ بہت بڑی روشن مثال چین کے عوام نے قائم کی ہے۔

میں دیکھ سکتا ہوں، ملت اسلامیہ پانچ سو سال تک جہالت اور انتشار کی دبیز تہوں تلے دبے رہنے کے بعد خود آگاہی کے پہلے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ مسلمان اب کسی معجزے کے منتظر نہیں وہ خود اپنے رہبر بن گئے ہیں، وہ شمع آزادی پر پروانوں کی طرح جل رہے ہیں، وہ خود معجزہ برپا کرنا چاہتے ہیں، خود آگاہی نے انہیں ناقابل شکست بنا دیا ہے وہ شعلہ بداماں ہیں۔ انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ۔

ہر کہ کشتہ نشود از قبیلہ ءما نیست

اسلام انقلابی مذہب ہے، آمریت اور ملوکیت اسلام کی ضد ہیں۔ آغازِ اسلام میں پوری دنیا پر بادشاہت کا رواج تھا۔ جب کہ اسلامی معاشرے کی سیاسی تشکیل جمہوری خطہ پر ہوئی۔ بالواسطہ طور پر اسلام کے انقلابی فلسفے نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ یورپ تاریک ادوار سے نکل آیا اور اسلامی تہذیب کے اثرات مشرق و مغرب کی تہذیبوں کو اپنے حلقہ اثر میں لے آئے۔

عالم اسلام کے آمروں کے لئے پابندیاں برداشت کرنا مشکل تھا۔ انہوں نے مجبور ہو کر یہ پابندیاں قبول کیں مگر وہ اپنی انسانی کمزوریوں کی وجہ سے طاقت کا منبع بننے کے لئے اسلام کے نظام جمہوریت کی تشریح اپنی مرضی سے کرتے رہے۔ علماء دین کا ایک طبقہ بھی ان کا ہمنوا تھا۔ جمہور کی ترجمانی کرنے کے لئے بھی علماء حق موجود تھے۔ ملوکیت کے ناجائز قبضے کے باوجود اسلام کی روح برقرار رہی۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیل ایسی ہے کہ ملوکیت اسلام کے ترقی پسند افکار کو فنا نہ کر سکی۔ آمروں کو ہر دور میں حق پرستوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

میں دیکھتا ہوں، کرہ ارض پر تمدنی ارتقاء کے باوجود نہ قوموں میں دولت کی تقسیم منصفانہ طریقے سے ہو سکی ہے اور نہ انسان خیر کثیر حاصل کر سکا۔ اس وقت کرہ ارض تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی زد میں ہے اور انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہے۔ کمزور قوموں کی حیثیت پرانے دور کے غلاموں سے بدتر ہے۔ ان کے وسائل پر قبضہ کر لیا جاتا ہے، لیکن امید کا ایک چراغ بھی روشن ہے کہ علم و حکمت کے فروغ اور صوا اصلاتی نظام کی آسائشوں نے انسان کو آگہی عطا کی ہے۔ اس آگہی سے خود شناسی پھوٹ سکتی ہے۔

میں دیکھتا ہوں، جن حکمرانوں نے انہیں دوسرے درجے کا شہری قرار دیا ہوا تھا خود امریکہ اور برطانیہ کی یلغار کی زد میں ہیں۔

میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ ان حکمرانوں کے خاتمے کے ساتھ ہی عالم اسلام کا روشن چہرہ ابھر رہا ہے، اب وہ نحیف و نزار انسانوں کے ہجوم نہیں ہیں جو پہلے روس برطانیہ اور امریکہ سے اپنے ملکوں میں اقتدار کی بھیک مانگنے اور اپنی قوم کو قرضے کے بوجھ تلے دبا کر استعماری قوتوں کی معاشی غلامی میں دے دیتے تھے۔ اب انہیں آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر اپنے دفاع کرنے والے مسلمانوں کا سامنا ہے، جنہوں نے اپنے نظریات کے ساتھ ساتھ اپنے وسائل کا بھی دفاع کرنا ہے اور اپنے نظریات اور وسائل کی برکات سے پوری دنیا کو بہرہ مند کرنا ہے۔ صدیوں کا سفر اب لمحوں میں طے ہو رہا ہے۔ انہیں اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ جہاں جمہوریت ہے، ووٹ دینے کی آزادی ہے، وہاں کے لاکھوں لوگ ان مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں اپنی حکومتوں کی پالیسیوں کی مزاحمت کر رہے ہیں جبکہ خود مسلمان جمہور بے کسی اور مجبوری کی تصویر بنے ہیں۔ اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکتے، نہ رائے عامہ کو منظم کرنے کے لئے ان کے پاس ذرائع ہیں۔ اس لئے جمہوریت اور آزادی اظہار کی اہمیت آشکار ہو رہی ہے۔

میں دیکھتا ہوں، نئی دنیا کا سورج اُبھر رہا ہے۔ یہ انقلاب مرحلہ وار آئے گا۔ پہلے مرحلے کے اس تغیر و تبدل کے دور میں چین اور مسلمان ممالک جنوبی امریکہ کے ممالک اور افریقہ اتحادی بن کر سامنے آرہے ہیں۔ جنوب مغربی یورپ اس اتحاد سے قربت کو ترجیح دے گا۔ روس اور مشرقی یورپ بھی زیادہ عرصہ تک اپنے آپ کو لاتعلق نہ رکھ سکے گا۔ اسرائیل، امریکہ، برطانیہ ایک کشتی کے سوار ہوں گے۔ دنیا کی پسی ہوئی قومیں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوں گی۔ امریکہ کی جکڑ بندیاں خود اس کے عوام کے لئے سوہانِ روح بن جائیں گی اور امریکہ کے اندر آزادی کی لہر اٹھے گی۔

جب میں آزادی کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میری مراد ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ انسان پر انسان کی بالادستی کا خاتمہ، استحصالی نظام کی تباہی، وسائل کی مساوی تقسیم کے نظام کا احیاء، انسان کی آزادی فکر کو جس طرح فرد واحد کی بالادستی قبول نہیں اسی طرح ملکِ واحد کی بالادستی بھی قابل قبول نہیں ہے۔ میں مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو دیکھتا ہوں۔

اُس کی شعاعیں میرے دارالحزن کو ضوفشاں کر دیتی ہیں

میں دیکھتا ہوں، نئے نظام میں عسکریت اقتدارِ اعلیٰ کے ماتحت ہوگی اور اقتدارِ اعلیٰ عوام کی رائے کے ترجمانوں کے پاس ہوگا۔ نیا معاشی نظام قائم ہوگا جو استحصال سے پاک ہوگا۔ نئے نظام کا آغاز ہو چکا ہے اور اس کی زمامِ کار یقیناً انہی ہاتھوں میں ہوگی جن کا نقد جاں ہی ان کا سامان سفر ہے۔ روپ بہروپ بھرنے والی بہت سی قیادتیں صفحہ ہستی سے مٹ رہی ہیں۔ انکے جُبّہ و دستار پر برے وقت کی پرچھائیں پڑ چکی۔ یہ "بے داغ" عبائیں اتریں گی تو آستینوں سے خونِ ناحق ٹپک پڑے گا، کمین گاہوں میں چھپے دوستوں کے تیر ترکش سمیت باہر نکل آئیں گے۔

## دنیا کا نیا نقشہ اور جنوبی امریکہ

دنیا اب مشرق اور مغرب کی بجائے شمال اور جنوب میں تقسیم ہوگئی ہے۔ امریکہ، کینیڈا، شمالی یورپ اور روس کے تمام شمالی علاقے یکجا ہوتے نظر آتے ہیں، جب کہ جنوبی یورپ، جنوبی امریکہ، افریقہ اور ایشیا، چند ایک

مشتبہات کے علاوہ دوسری طرف ! شمال سے شمال (South to south) اور جنوب سے جنوب تک (North to North)۔ کا نیا نقشہ ابھر رہا ہے۔

اس تقسیم کی بنیاد ثقافت اور مذہب نہیں۔ معیشت اس میں بہت بڑا عنصر ہے لیکن بڑی وجہ شمالی دنیا کا استحصالی نظام، عالمی سطح پر محکومی کا احساس اور اپنے حکمرانوں سے بے زاری ہے۔

ان علاقوں کے عوام سمجھتے ہیں کہ دنیا کے شمال میں سینکڑوں سال سے جمہوریت کی وجہ سے انتقال اقتدار کا پُر امن راستہ موجود ہونے کی وجہ سے ان کی معیشت مضبوط رہی ہے، اس لیے وہ جمہوریت اور اداروں کی مضبوطی کے ثمرات سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں۔ شمالی دنیا اس سوچ سے خوف زدہ ہے انہیں یہ راز معلوم ہے کہ ان علاقوں میں ادارے مضبوط ہو گئے تو جنوبی دنیا پر ان کی گرفت کمزور ہو جائے گی۔ فردِ واحد کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا اور اس علاقہ کے وسائل پر قابض ہونا آسان ہے۔

اس مرحلے پر پہنچ کر شمالی قومیں بے نقاب ہو جاتی ہیں، نہ وہ اقوام متحدہ کا بھرم قائم رہنے دیتے ہیں اور نہ ترقی یافتہ قوم ہونے کا، بلکہ ان کا وجود ایک ظالم سامراج میں ڈھل جاتا ہے۔ اپنے مفادات پر وہ تمام انسانی قدروں کو قربان کر دیتے ہیں۔

انسان کی ترقی یافتہ اور مہذب تصویر ایک کالی بھجنگ دیوی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ان کی جمہوریت کے دعوے، یونیورسٹیوں کی تعلیم، چاند اور مریخ کی تسخیر، سب کچھ مذاق سا بن جاتا ہے۔ اپنے لئے جمہوری حکومت پسند کرنے والے دوسروں پر آمرانہ حکومتیں مسلط کرتے ہیں۔ وہ جمہوری حکومت کو کچلنے والوں کے محافظ اور سرپرست بن جاتے ہیں۔ اس بنیادی تضاد کی وجہ سے شمالی دنیا کی مالی امداد ہتھیاروں کی فراہمی، دفاعی معاہدے، سب دجل و فریب بن جاتے ہیں اور دو دنیاؤں میں خلیج بڑھ جاتی ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں، شمالی دنیا پر عدم اعتماد بڑھتا جا رہا ہے جب شمالی دنیا کبھی تہذیبوں کے تصادم Clash (of Civilizations) کا نعرہ لگاتی ہے اور جمہوریت کے فروغ کی بات کرتی ہے یا صلیبی جنگ کی بات بے اختیار منہ سے نکل جاتی ہے۔ جب اعتماد اٹھ جاتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت شکوک و شبہات کی خلیج کو پاٹ نہیں کر سکتی۔ یہ بداعتمادی ایک دن کی نہیں ہے، صدیوں کے عمل سے وجود میں آئی ہے۔ پہلے صرف مسلمان اس کا شکار تھے لیکن اب دنیا کی تمام کچلی ہوئی قومیں ان کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑی ہیں۔ شمالی دنیا کو سب سے بڑا دھچکا یہ لگا ہے کہ محکوم قومیں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگی ہیں، علاقائی فورم وجود میں آنے لگے ہیں۔

نئی پہل (New Begning) جنوبی امریکہ نے کی۔ انہوں نے بتدریج علاقائی ترقی، علاقائی بینکاری، علاقائی دفاعی معاہدوں کے ذریعے یک جہتی کا اعلان کیا۔ امریکہ نے خوفزدہ ہو کر وہاں مختلف حیلوں سے سیاسی انتشار پھیلایا۔ کرپٹ قیادتوں کو مسلط کیا اور ان کی سرپرستی کی مگر تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ الٹا ان

27 ملکوں میں امریکہ سے نفرت گہری ہوتی گئی اور مقامی تنظیموں نے جنوبی امریکہ کے تمام ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا، جہاں امریکہ کے لئے مڈل ایسٹ سے بڑا بحران جنم لے چکا ہے۔ یہ خطہ بھی قدرتی وسائل اور تیل کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود غربت کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ جنوبی ایشیاء میں امریکہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے چین کے گرد حصار باندھنے کی کوشش کر رہا ہے مگر حالات بتا رہے ہیں کہ یہ ایک سعی لا حاصل ہے جنوبی ایشیا میں ایک دوسرے کے قریب ہونے کی خواہش شدید ہو چکی۔

# شخصیت پرستی کی بجائے نظریہ کی فتح

اقوام متحدہ کے ادارے میں نئی روح پھونکنے کیلئے اس کی تنظیم میں بنیادی تبدیلیاں ضروری ہیں۔ ویٹو کا حق ختم کرنا ہوگا۔ فیصلوں کو پذیرائی اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب وہ سادہ اکثریت سے کیے جائیں۔ میں اقوام متحدہ کے ادارے پر جمہوریت کے غلبے اور اکثریت کی بالادستی کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا میں جتنی تہذیبیں مٹی ہیں وہ اپنے اندرونی کھوکھلے پن کی وجہ سے مٹی ہیں۔ بیرونی حملہ آوروں کا بھی اس میں حصہ رہا ہے لیکن، درحقیقت، وہ باطنی کمزوری سے فنا ہوئیں۔ موجودہ تہذیب لوٹ کھسوٹ کی تہذیب بن گئی ہے۔ اس کا مٹ جانا مقدر ہے، یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ کسی معاشرے نے استعماری اور سامراج کو قبول نہیں کیا۔ صدیوں سے قابض رہنے والی قومیں، جن کے مقاصد مال غنیمت اور کشور کشائی تھے، قوموں کے ضمیر کو بدل نہیں سکیں۔ کیونکہ عوام اور حکمرانوں کا رشتہ غلامی کا رشتہ تھا۔ آج کی مغربی تہذیب نے غلام بنانے کے جدید اور مختلف طریقے اپنائے ہیں۔ پانچ سو سال تک پوری دنیا کو تاراج کیا، مگر اب اثرات سمٹ رہے ہیں اور سامراجیت کے چہرے سے نقاب اٹھ چکا۔

صرف اسلام ایک استثنا ہے کہ جہاں بھی پہنچا غلام اور آقا ایک ہوگئے۔ ان کی دنیا بھی ایک ہوگئی اور آخرت بھی۔ سوائے ہسپانیہ کے، اسلام کا رابطہ دنیا کے جس حصے سے ہوا، اسلام کی تعلیمات ان کی روح تک چلی گئیں۔ دوسرے فاتحین جہاں بھی گئے سینکڑوں سال تک قبضہ اور حکمرانی کے باوجود لوگوں کے دلوں کو فتح نہ کرسکے مقامی نسلوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا پڑا اور جو بچ گئیں انہوں نے اپنے حکمرانوں کے نظریہ حیات کو قبول نہ کیا۔

اسلام مستقبل کا نظریہ ہے۔ اسلام واحد نظریہ حیات ہے جہاں اس کا رابطہ ہوا، وہ دیس اسی کا ہوگیا۔ بہت سارے ملک تجارتی رابطوں کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ دنیا نے چنگیز و ہلاکو کی یورش کا سامنا کیا۔ کیمونزم مسلط ہوا، ہندوازم نے وار کئے، مگر بداعمال مسلمان حاکموں نے زیادہ نقصان پہنچایا، لیکن، چونکہ نظریہ مضبوط تھا اس کی سخت جانی نے دیئے کو بجھنے نہ دیا۔

جہاں مقصد صرف حکمرانی اور لوٹ کھسوٹ ہو اور خواہش، انسان پر انسان کی بالادستی ہو، وہ تہذیبیں مٹ جاتی ہیں، منگولوں نے پوری دنیا کو تاراج کیا، آج ان کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ ان سے ڈرنے والی چینی قوم نے منگولوں کے خوف سے ہزاروں میل لمبی دیوار بنائی، وہ دیوار ان کی حفاظت نہ کرسکی مگر آج ایک نظریہ رکھنے کی وجہ سے پوری دنیا چین سے خوف زدہ ہے۔ فرعون انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کرتا تھا۔ اس نے اپنے جادوگروں سے کہا: تم نے موسیٰ اور اس کے خدا پر ایمان لانے سے پہلے میرے حکم کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ اُن کے

بازو اُکھاڑ دیئے اور بعد میں انہیں قتل کر دیا۔ اہرام مصر دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ابدی زیست کی آرزو میں اپنی لاشوں کو حنوط کر کے اپنے آپ کو "زندہ" رکھنے والے فرعون، دنیا کے لئے عبرت کا نشان بن گئے، لاکھوں غلام اہرامِ مصر کی تعمیر میں پتھروں کے نیچے دفن ہو گئے۔ ظالم اور مظلوم ایک ہی مٹی تلے سوئے ہوئے ہیں، مگر غلاموں سے ہمدردی کی لہر سینوں میں تڑپتی ہے اور فرعونوں کے خلاف نفرت کی۔

بابل و نینوا کی تہذیبوں کے آثار موجود ہیں۔ مدائن میں آج بھی پہاڑوں کو چیر کر بننے والے محلات موجود ہیں، جن کو دیکھ کر دل پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ ایران سے اردن تک پورے بلادِ شام میں انسان کی طاقت کے مظاہر موجود ہیں، مگر کوئی نظریہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ سب لہو ولعب تھا جو مٹ چکا۔ دنیا کو آنے والی نسلوں کا محفوظ مقام بنانے کیلئے دوسروں پر بالادستی کی خواہش کو کچلنا ہوگا۔ اس جہالت نے دنیا کو وحشت اور غیر محفوظ بنا رکھا ہے۔

عرب کے ریگ زار میں چار ہزار سال قبل ایک کوٹھے کی تعمیر ہوئی۔ ایک باپ بیٹے نے مٹی اور پتھر سے ایک چوکور کمرہ بنا ڈالا۔ قربانی، تسلیم اور عبادت کا مظہر۔ اپنے رب کے حکم پر بننے والا یہ گھر ہزاروں برس سے مرجع خلائق ہے، جس کی روشنی سے پوری دنیا منور ہے۔

جنوبی امریکہ کے لوگوں نے گھوڑا نہیں دیکھا تھا۔ یورپی فاتحین کے گھوڑوں کو دیکھ کر وہ سربسجود ہو گئے انہیں دیوتا سمجھ لیا۔ ایک لاکھ کے لشکر کو شکست دینے کے لئے دس گھڑ سوار کافی تھے، وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ گئی جس کے پاس کوئی نظریہ نہیں ہے۔

میں "فرقہ ملامتیہ" سے تعلق نہیں رکھتا لیکن حقیقت کو چھپانا بھی بزدلی ہے ہسپانیہ میں عرب اور بربر کا فرق نہ صرف نسل پرستی کا عروج تھا بلکہ مسلمانوں کے زوال کو کافی ہو گیا کیونکہ یہ سوچ خطبہ عرفات کے منافی تھی۔ سرکارِ دو جہاںؐ نے کالے اور گورے کی تفریق کو مٹا دیا تھا۔ اسلام، انقلابی مذہب اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ حضور ﷺ نے شخصیت پرستی کی بجائے انسانوں کو ایک بلند تر مقصد کی طرف پکارا تھا، حتیٰ کہ اپنی ذات ستودہ صفات کو پیچھے کر دیا۔ یہ ایسا مذہب ہے، جس کی تاریخ کا آغاز بھی آپ کی ولادت باسعادت کی بجائے ہجرت سے ہوتا ہے۔ مذہب کا نام بھی محمدیت کی بجائے اسلام رکھا۔

انسان کی تعظیم اور تکریم کے لئے فرمایا "کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے"۔ ایک انسان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کو بچانا ہے۔

عیسائیت، حضرت عیسیٰؑ کے نام سے معنون ہے۔ یہودیت ایک نسل یعنی حضرت یعقوب کی اولاد کا نام ہے۔ زرتشت مذہب اس کے بانی زرتشت کے نام پر ہے۔ ہندومت یعنی ہندوستان کا علاقائی مذہب اور بدھ مت گوتم بدھ کے نام پر ہے۔ اسی طرح عبادت گاہوں میں بلانے کے لئے دنیا کے دیگر مذاہب موسیقی پہ انحصار کرتے

ہیں، جب کہ اسلام بامعنی انسانی آواز میں عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اذان کے ذریعے۔ ایک مہذب اور فکری معاشرے کی تشکیل، جہاں پر کوئی الٰہ نہیں یعنی کوئی بادشاہ نہیں، یہاں سب برابر ہیں۔ الٰہ صرف اللہ ہے، محمدؐ اس کے فرستادہ ہیں، رسول ہیں، اس سے بڑا انقلابی نظام اس روئے زمین پر کوئی نہیں اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔

مشہور" مستشرق گبن نے کہا ہے کہ پیغمبر اسلام اور اس کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی۔ اسلام نے بادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے، صرف خلیفہ یعنی نائب کا وجود گوارا تھا، جس کے معنی نیابت کے ہیں۔ اسلام میں اقتدار محض نیابت ہے۔ حکمران اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ قرآن میں شورائیت کی تلقین ہے، یعنی جو کام کیا جائے جماعت کے مشورے سے کیا جائے، شخصی رائے پر نہیں۔ اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے نہیں ہو سکتا"۔

## سرچشمہ ہدایت

اسلام کے پیغمبر عظیم حضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو اور آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ قیامت تک پوری دنیا کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو کچھ ارشاد فرمایا وہ صرف اہل اسلام ہی کے لئے مینارہ نور نہیں، پوری انسانیت کے لئے نجات کا منشور ہے۔ آپ نے جبل رحمت پر کھڑے ہو پوری انسانیت سے کہا۔

"اے لوگو! میری بات غور سے سنو! کیوں کہ اس سال کے بعد شاید اس جگہ تم سے مل نہ سکوں۔ بے شک تمہارا رب ایک ہے اور جد اعلیٰ ایک ہے۔ سب انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صرف وہی معزز ترین ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ برتری صرف تقویٰ کے سبب ہے۔

اے لوگو! قیامت تک کے لئے تمہاری جانیں اور تمہارا مال ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہے، جس طرح یہ دن اور یہ مہینہ محترم ہے۔ کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں، جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔ جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو وہ اس کے مالک کے حوالے کر دے۔

عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کی جواب وہی کرے گا۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔ باپ کے جرم کا ذمہ بیٹے پر یا بیٹے کے جرم کا ذمہ باپ پر عائد نہیں ہوگا۔ آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے۔ تم صرف اصل رقم کے حق دار ہو۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو اور نہ تم

پر ظلم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود کو ختم کر دیا جائے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب کے جو سود دوسروں کے ذمہ واجب ہے وہ سب سے پہلے ختم کیا جاتا ہے۔

سنو! جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے سب ختم کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔

یاد رکھو: اپنی ماں کا حق ادا کرو، باپ کا حق ادا کرو، بھائی کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد درجہ بہ درجہ رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ میں تمہیں پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں۔

اے لوگو! تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔

اپنے غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔

لوگو۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو ناحق نہ مارو، زنا نہ کرو اور چوری سے باز رہو۔

اگر تم پر سیاہ فام نک کٹا غلام بھی امیر بنایا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔

اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اور تم لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت"۔

آپؐ کے صحابہ بھی اس نظام فکر کے پروردہ تھے اور اُن کے قلب و نظر میں وہی روشنی رہی تھی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وہ الفاظ جو آپ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلے خطبے میں کہے۔ اب تک کے حکمرانوں کے لئے تاریکی کے چراغ ہیں فرمایا:۔

"میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستہ پر قائم کر دو۔ راستی و راست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ جب تک کہ میں اُس کا حق نہ دلوا دوں۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، جب تک کہ میں اُس سے حق نہ لے لوں۔ جب تک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم میرا ساتھ چھوڑ دو۔ کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔"

حضرت علیؓ نے مختلف ولایتوں میں جو عامل مقرر کیے ان کی رہنمائی کے لئے فرمان بھی جاری کیے۔ وہ

پوری دنیا کو رہنمائی کا پیغام دیتے ہیں۔ حاکم مصر مالک بن اشتر کے نام ان کا خط تاریخ میں دائم تک زندہ رہے گا۔

"رعایا کے لئے اپنے دل کے اندر رحم و رافت اور لطف و محبت کو جگہ دو۔ ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ۔ کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھو۔ اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوق خدا۔ ان کی لغزشیں بھی ہوں گی۔ خطاؤں کا ارتکاب بھی وہ کریں گے اور ان کے ہاتھوں جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ تم عفو و درگزر سے کام لینا۔

خبردار! اللہ سے مقابلہ کے لئے نہ اترنا۔ اس لئے کہ اس کے غضب کے سامنے تم بے بس ہو اور اس کے عفو و رحمت سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر اترانا نہ چاہیے۔ غصہ میں جلد بازی سے کام نہ لو جبکہ اس کے ٹال دینے کی گنجائش ہو،

خبردار! کبھی اللہ کے ساتھ اس کی عظمت میں نہ ٹکراؤ اور اس کی شان و جبروت سے ملنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ ہر جبار اور سرکش کو نیچا دکھاتا ہے اور ہر مغرور کے سر کو جھکا دیتا ہے۔

اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کے متعلق بھی انصاف کرنا کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ٹھہرو گے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا حریف و دشمن بن جاتا ہے۔

تمہیں سب طریقوں سے زیادہ وہ طریقہ پسند ہونا چاہیے، جو حق کے اعتبار سے بہترین انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضامندی کے ہوتے ہوئے نظر انداز کی جا سکتی ہے اور یہ یاد رکھو! کہ رعیت میں خواص سے زیادہ کوئی ایسا نہیں کہ جو خوشحالی کے وقت حاکم پر بوجھ بننے والا، مصیبت کے وقت امداد سے کترا جانے والا، انصاف پر ناک بھوں چڑھانے والا، طلب و سوال کے موقع پر پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جانے والا، بخشش پر کم شکر گزار ہونے والا، محروم کر دیئے جانے پر بمشکل عذر سننے والا اور زمانہ کی ابتلاؤں پر بے صبری دکھانے والا ہو۔

دین کا مضبوط سہارا، مسلمانوں کی قوت اور دشمن کے مقابلہ میں سامان دفاع امت کے عوام ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمہاری پوری توجہ اور تمہارا پورا رخ انہی کی جانب ہونا چاہیے۔

## خاموش انقلاب

جناب والا! میں سمجھتا ہوں فاران کی چوٹیوں سے اُبھرنے والی روشنی نے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور وہ لوگ بھی اس روشنی سے فیض یاب ہو رہے ہیں جنہوں نے خواہ اسلام کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ مدینہ کی ریاست میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ یہ بہت بڑا خاموش انقلاب تھا۔ حکمران کو چیلنج کرنے

کا ہر فرد کو اختیار تھا اور یہ اختیار غلام آقا، دونوں کو حاصل تھا۔ غلام کی رائے اور آقا کی رائے ایک جیسی اہمیت کی حامل تھی۔ صرف سچا ہونا ضروری تھا۔ نائب یا خلیفہ عوام کے سامنے جوابدہ تھا۔ 29 سال تک خلیفہ کا بیٹا خلیفہ نہیں بنا اور موروثیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بعد میں جو کچھ تھا کوئی مسلمان اسے خلافت راشدہ نہیں کہتا۔ اسلام کی روح کے منافی تھا۔ شروع میں مدینہ ایک سٹی سٹیٹ تھا۔ شہر کے اندر فیصلے ہوتے تھے، ووٹ کا حق ہر فرد کو حاصل تھا۔

اس نظریے نے بادشاہوں کی مطلق العنانیت کو غاصبانہ قرار دے دیا اور شہنشاہیت کے خاتمے کے بیج بوئے۔ صدیوں کے سفر میں شہنشائیت کو پہلی مرتبہ اپنا جواز پیش کرنے کی ضرورت درپیش تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے آپ کو ادھورا سمجھنا شروع کیا۔ شورائیت کا نظام رائج کیا۔ ملت اسلامیہ نے ہر ایک کو خلاف راشدہ کے معیار پر پرکھا اور رد کر دیا، سوائے چند مستثنیات کے۔ اس انقلاب کے اثرات مغرب پر بھی پڑے۔ مسلمان فلسفیوں نے یورپ کے تاریک دور کے معاشرے کو اسلامی کے زریں اصولوں سے روشناس کروایا، جس کا اعتراف یورپ کے بہت سے قابل مفکرین نے کیا ہے۔ اصولوں کی روشنی میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، اس سے اہل یورپ پر ترقی اور تحقیق کے دروازے کھل گئے۔ مسلمان فلسفیوں کے علم کی روشنی کی وہاں دھاک پہنچی، جہاں اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ مسلمان معاشرہ قبائلیت اور بدویت سے اُٹھا تھا، اسے اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی تھی۔ لیکن بتدریج اس کے رہنماء چند کلیوں پر قناعت کر گئے۔ انہوں نے ابتدائی مراحل کو منزل سمجھ لیا۔ رفتہ رفتہ ساری توجہ نئی فتوحات، وسائل کی ریل پیل اور دوسری اقوام پر بالادستی حاصل کرنے پر مرکوز ہو گئی اور ان کامیابیوں کو زیر اطاعت لوگوں کی آزادی کو سلب کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ عام لوگوں نے بھی کسی حد تک حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جہالت کی منزل سے گزر کر وہ حاملین کتاب ہو گئے۔ یہ کیا کم ہے کہ چند صدیوں کے بعد تحقیق کا دائرہ مذہبی مباحث پر آ کر رک گیا۔ اب درباروں میں ژولیدہ فکری کا راج تھا اور اسلام کو عبادات کا دین سمجھ لیا گیا۔

اسلام کے عزائم توسیع پسندانہ ہرگز نہیں تھے، بلکہ اس کا مقصد انسان کو انسان کی خدائی سے نجات دلا کر نئے معاشرے کی تشکیل تھا۔ حضرت عمرؓ نے ابتدائی فتوحات کے بعد کہا تھا کہ کاش کوئی ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کی دیوار کھڑی کر دے۔ اُنہوں نے مال غنیمت کے ڈھیر دیکھ کر کہا تھا: یہ زوال کی نشانیاں ہیں۔

اسلامی غلبہ کا مقصد دنیا پر مسلمانوں کی حکمرانی ہرگز نہ تھا۔ اسلام کا یہ محدود بلکہ مسخ شدہ تصور ہے۔ مسلمان مفکرین نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ امام غزالیؒ، ابن تیمیہ، الکندی، رازی، بوعلی سینا، ابو اسحاق، ابن خلدون، ابن رشد، ابو الہیثم اور مولانا روم نے مختلف زاویوں سے دانش گاہ افرنگ کو منور کیا۔

## مغرب کی ناکامی کا سبب

گذشتہ پانچ سو سالوں میں اہل کلیسا نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان کی ایجادات نے انسان کو ورطہ

حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے معاشرتی رویّوں میں تبدیلی کی۔ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ پرامن انتقال اقتدار کا طریقہ تلاش کرلیا۔ برطانیہ میں چار سو سال پہلے پارلیمنٹ نے عوام کو یہ اختیار دیا۔ "No Taxation without Representation" اگر عوام کو نمائندگی نہ ملی تو وہ ٹیکس ادا نہیں کریں گے۔ اظہار رائے کی آزادی پر قدغنیں ختم ہوئیں، عوام کی فلاح حکومت کا بنیادی مقصد ٹھہرا۔ مساوات کا دور شروع ہو گیا مگر جیسا کہ سب جانتے ہیں، محکوم قومیں اس انقلاب کے ثمرات سے بہرہ مند نہ ہوسکیں۔

غلام سرزمینیں آقاؤں کی لوٹ کھسوٹ کی آماج گاہ تھیں۔ طاقتور قومیں نوآبادیاتی نظام پر یقین رکھتی تھیں، یعنی کوئی واضح نظریہ حیات ان کے پیش نظر نہ تھا۔ جلب زر اُن کی منزل تھا۔ دنیا کے وسائل کو اپنے کنٹرول میں لینے کی دوڑ نے بالآخر دنیا کو ہولناک جنگوں سے دوچار کر دیا۔

یہ جنگیں نہ مذہبی تھیں، نہ صلیبی، نہ رنگ و نسل کی برتری، نہ علاقائیت کی برتری کے لئے۔ یہ توسیع پسندانہ عزائم، انسان پر انسان کی بالادستی اور دوسروں کو غلام بنا کر اُنکے معاشی مسائل پر قبضے کی لیے لڑی گئیں ورنہ ان جنگوں میں زیادہ تر یورپی اقوام تباہ ہوئیں، جو سفید نسل سے تعلق رکھتی تھیں، سب کا مذہب عیسائیت تھا اور ایک ہی براعظم سے ان سب کا تعلق تھا۔

آج یہ تمام اقوام یورپی برادری کے طور پر متحد ہو چکی ہیں۔ یورپی پارلیمنٹ موجود ہے اور ایک کرنسی اُنکی معیشت کی بنیاد ہے۔ صرف پچاس ساٹھ سال پہلے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ان اقوام سے کوئی پوچھے کہ لاکھوں انسانوں کے خاتمے اور املاک کی تباہی کا کیا جواز تھا تو شاید وہ اس کے سوا جواب نہ دے سکیں، کہ ان کے حکمران عظیم الشان حماقتوں کے مرتکب ہوئے۔

ان قوموں کا وحشیانہ پن کھل کر سامنے آ گیا۔ ان کے مہذب ظاہری رویّے وحشیانہ تصنع کی چادر تھے۔ یہ چادر پھٹ گئی اور ان کی تہذیبی اصلیت آشکار ہوتی گئی۔ اس ٹکراؤ سے غلام قوموں پر ان کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ دنیا میں جب بھی جبر کی گرفت ڈھیلی ہوئی، آمریت کا خاتمہ ہوا، چنگیزیت دفن ہوئی تو اسلام نئی آب و تاب کے ساتھ روشن ہو جاتا ہے۔ جہالت کا خاتمہ ہو تو اسلام کی سچائی آشکار ہونے لگتی ہے۔ پانچ سو سال بعد سپین میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور گذشتہ ایک عشرے کے دوران ان کے لگ بھگ 80 ہزار شہری مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ بہت سخت جان نظریہ حیات ہے۔

## اس صدی کا معجزہ، مضبوط نظریہ، بے مثل جغرافیہ

جناب والا: میں یوٹوپیا (Utopia) میں نہیں بلکہ حقائق کی دنیا میں رہتا ہوں، اپنے ماضی کو نہیں بھولتا اپنے حال سے باخبر ہوں اور نوع انسانی کے مستقبل کو بہتر بنانے کی جدوجہد کا حصہ ہوں۔ دنیا کا جو نقشہ ابھر رہا ہے اس میں نظریاتی اور جغرافیائی طور پر پاکستان کا قائدانہ کردار Leading Role ہے۔ ہم نئی دنیا کے معمار

(Archetects) میں سے ہیں۔ دنیا میں یہ واحد ملک ہے، جس کی بنیاد نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ اسرائیل دوسرا ملک ہے مگر وہ نسلی بنیاد پر بنایا گیا۔ اس میں یہودی نسل کے سوا کسی کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ دنیا کے دوسرے ممالک بھی زیادہ تر نسلی یا جغرافیائی وحدتیں ہیں۔ صرف پاکستان ایک ایسا ملک ہے، جس کی بنیاد ایک سچے اور کھرے نظریے نے فراہم کی ہے۔

پاکستان اس صدی کا معجزہ ہے، قائداعظمؒ نے جس قائدانہ صلاحیت سے مسلمانان پاک و ہند کا مقدمہ لڑا ہے تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بے سروسامانی کی حالت میں معاشی طور پر مفلوک الحال مسلمانوں کو دوہری غلامی سے نجات دلانے کا تصور آسان نہ تھا، اس لئے اکثر مذہبی رہنما کہتے تھے کہ پہلے ہندو کے ساتھ مل کر انگریز سے آزادی حاصل کریں گے اور اس کے بعد مستقبل کے امکانات دیکھیں گے۔ مجھے ان رہنماؤں کی نیت پر شک نہیں۔ وہ مسلمان رہنما جنہوں نے ساری زندگی جیلوں میں کاٹی، مگر برطانوی سامراج کے سامنے سر نہ جھکایا، لائق تحسین ہیں، لیکن قائداعظمؒ کی مستقبل بینی اور جرأت نے دوہری غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کو ملت اسلامیہ کی سب سے بڑی قوم بنا دیا۔ اقبال نے کہا ہے۔

لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

آج یہ ملک 60 مسلمان ملکوں کا نظریاتی امام ہے۔ اس کا جغرافیہ بے مثل ہے۔ مشرقی بازو، جنوبی مشرقی ایشیا پر اثر انداز ہوتا تھا۔ یہ بازو الگ ہو گیا۔ مگر اسکے نظریاتی اثرات نہ مٹ سکے۔ مغربی پاکستان یا موجودہ پاکستان کا جغرافیہ اس کی اصل طاقت ہے۔ پاکستان کے شمال میں ایشیا کو چک اور صحرائے گوبی میں دنیا کے 38 فیصد انرجی کے وسائل ہیں۔ دنیا کے بہترین گیس کے وسائل 500 سال تک دنیا کی ضرورتیں پوری کریں گے۔ ان کا قدرتی راستہ اور دروازہ گوادر کی بندرگاہ ہے۔ سنٹرل ایشیا کے تمام ممالک کا دروازہ بھی یہی ہے۔

پاکستان کے جنوب میں خلیج فارس کے اردگرد کے ملکوں میں دنیا کے 19 فیصد وسائل موجود ہیں، سعودی عرب، عراق، ایران، کویت، عرب امارت کا تیل بھی گوادر کی راہداری سے گزر کر صنعتی دنیا تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح دنیا کے ساتھ چین اور بھارت کا زمینی رابطہ صرف پاکستان کے توسط سے قائم ہوتا ہے۔ ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ، مشرق میں دیوار چین اور جنوب میں سمندر ہے۔ اس کی 30 فیصد تجارت سنٹرل ایشیا اور روس سے ہے۔ پاکستان اگر اپنی موٹرویز بنالے اور ذرائع رسل و رسائل کو ٹھیک کر لے تو دنیا کی تجارت کا مرکز بن جاتا ہے۔ مڈل ایسٹ، افریقہ، یورپ تک سامان پہنچانے کیلئے یہ سب سے بڑا زمینی رابطہ ہے۔ افرادی قوت پاکستانی معیشت کے بنیادی ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ جاپان اور دیگر مشرقی ممالک اس خطے میں اپنی صنعتیں لگانا چاہتے ہیں۔ سستی لیبر اور فاصلوں کی کمی کے مقابلے کے دور میں انہیں برتری مل سکتی ہے۔ وہ اپنی پیداوار بہت کم قیمت پر یورپی ممالک تک پہنچا سکتے ہیں۔ پاکستان واحد اسلامی ملک ہے، جو اعلانیہ طور پر ایٹمی

ملک ہے۔ پاکستان کے پاس بہترین فوج ہے جو پاکستان کی سالمیت کی ضامن ہے۔

## مقدس سرزمین

جناب والا! پاکستان کا یہ تصور میرے ذہن میں ہے۔ میرا جنون مجھے حکم دیتا ہے کہ اس کی آبیاری خون جگر سے کروں۔ میں اپنی شکستہ پائی کے باوجود بگولوں اور سرابوں کے پیچھے بھاگتا ہوں، مجھے ان سرابوں کی حقیقت معلوم ہے۔ پھر بھی امید کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ مجھے اس دشت میں اُگے ہوئے ببول بھی لالہ صحرا لگتے ہیں۔ میرا عزم ہے کہ اس دشت کو گلستان میں تبدیل کرنا ہے۔ میں ریت کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بناتا ہوں، جو ہوا کے جھونکے سے بکھر جاتے ہیں، میں رات کے سناٹوں میں بھی محو سفر رہتا ہوں۔ میں لب اظہار پر تالے لگالیتا ہوں، میری خامشی جب گلستان کی خامشی بننے لگتی ہے تو پھر میرے سینے سے ہوک اٹھتی ہے۔ بے بسی میں نکلی ہوئی یہ آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک چیخ بن جاتی ہے، بابا فرید کی چیخ ۔

کوک فریدا کوک جیویں راکھا وانگ جوار

میری پکی ہوئی فصل پرندے اجاڑنے لگتے ہیں تو اپنے فرض سے مجبور ہو کر آواز بلند کرتا ہوں۔ واللہ!! میری ان پرندوں سے کوئی دشمنی نہیں، مگر وہ نہیں جانتے کیسی بربادی لاتے ہیں۔ وہ تو پرندے ہیں۔ پکی ہوئی فصل پر آنے والے پرندے...... جو کھاتے کم اور اُجاڑتے زیادہ ہیں۔ مجھے دانہ دنکا چگنے پر اعتراض نہیں، ٹڈی دل کی طرح فصل تباہ کرنے پر اعتراض ہے۔

## ایک بات کا اقرار

جناب والا! مجھ پر مقدمے میں غلط الزام لگائے گئے۔ میں بغاوت کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ میری تو اس وطن کے علاوہ کوئی جائے پناہ ہی نہیں۔

جی ایچ کیو کے پیڈ کا مونوگرام میرے لئے تقدیس کا حامل ہے۔ میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے، جب مجھ پر اس مونوگرام کو فورج (Forge) کرنے کی تہمت لگتی ہے۔ میں فوج کو اب بھی مقدس ادارہ کہتا ہوں، لیکن اس طرح سوچنے والوں کی تعداد اب کتنی ہے؟

ہاں ایک بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں فوج کو سیاسی کردار دینے کے حق میں نہیں۔ کہ اس سے فوج متنازع ہو رہی ہے اور یہ نقصان ناقابل برداشت ہے۔ یہی نتیجہ حمود الرحمٰن کمیشن نے اخذ کیا تھا۔

## سیاستدانوں کی غلطیاں

جناب والا! اس عظیم مملکت کی ذمہ داریاں سیاستدانوں نے بھی ٹھیک طرح سے ادا نہ کیں۔ ہماری غلطیوں کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے، لیکن پوری دنیا میں عوام کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ انکی منتخب حکومت کو کوئی

جبر سے مٹا دے۔ یہ فیصلہ، اصل حاکم، یعنی عوام ہی کر سکتے ہیں۔

30، 35 سالہ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو حیران کن حقائق سامنے آتے ہیں۔ امریکہ میں کینیڈی کو گولی لگی، اسے ہٹایا گیا تو لوگ ان کے بھائیوں پہ فدا ہونے لگے۔ انہیں بار بار سینیٹر منتخب کیا گیا۔ یہیں پر بس نہیں ہوا، جمی کارٹر کو اس لئے منتخب کیا گیا کہ اس کی آنکھیں کینیڈی سے ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ کلنٹن میں کینیڈی کا عکس تلاش کر کے اسے صدر منتخب کر لیا۔ ارجنٹائن میں پیرون کے خاتمے کے بعد اس کی بیوی ایوا پیرون کو منتخب کر لیا گیا۔ پھر اس کے بعد ملک میں جو صدر جیت رہا ہے وہ پرونسٹ ہے۔ کہاں گئے جنرل وڈیلا اور اسکا فوجی جتا، چلی میں بھی یہی ہوا۔ ابھی چیکوسلواکیہ میں اس شہزادے کو وزیراعظم بنایا گیا جو دو سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ جلاوطن ہوا تھا۔ فلپائن میں خاوند قتل ہوا تو اس کی بیوی کوری اکینو آ گئی۔ سوئیکارنو کو ہٹایا، اس کی بیٹی سوئیکارنو پتری 34 سال بعد انڈونیشیا کی سربراہ بنی۔ سری لنکا میں خاوند کے قتل کے بعد اس کی بیوی بندرانائیکے سربراہ بنی۔ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا راجیو گاندھی اور اب اس کی یورپین بیوی سونیا گاندھی ہندوستانی سیاست کا محور و مرکز ہے۔ بنگلہ دیش میں شیخ مجیب کی بیٹی حسینہ واجد اپنے والد کے قتل کے بعد بنگلہ دیش کی قیادت سنبھالے ہوئے ہے۔ اسی طرح جنرل ضیاء کے قتل کے بعد خالدہ ضیاء دو مرتبہ بنگلہ دیش کی وزیراعظم بن چکی ہیں۔ دور کیوں جائیں، ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی تو اس کی بیٹی دو دفعہ پاکستان کی وزیراعظم بنی۔ میاں نواز شریف کو اقتدار سے ہٹایا گیا تو نتیجہ ہے کہ اس وقت وہ پاکستانی سیاست کا مقبول ترین رہنما ہے۔

ان تمام واقعات میں ان ملکوں اور قوموں کو شدید بدامنی کا سامنا کرنا پڑا۔ معیشت عدم استحکام کا شکار ہوئی، لیکن عوام حکومت ہٹانے کا حق اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لیڈران کے پاس ووٹ مانگنے آئیں اور وہ انہیں منتخب یا مسترد کرنے کا فیصلہ کریں۔ ہوسکتا ہے کہ عام انتخابات ہوتے رہتے تو یہ متذکرہ قیادتیں سیاسی منظر سے ہٹ چکی ہوتیں، لیکن عوام یہ حق کسی طالع آزما کو دینے کو تیار نہیں۔

جناب والا: ترقی یافتہ اقوام نے یہ راز پا لیا ہے کہ انتقال اقتدار کا راستہ پرامن ہونا چاہیے، ان کے سیاستدانوں سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں۔ کیا آج بش غلطیاں نہیں کر رہا؟ کیا ٹونی بلیئر غلطیاں نہیں کر رہا؟ ملائیشیا کے وزیراعظم نے غلطیاں نہیں کیں؟ جمہوریت کا حسن یہی ہے کہ چار پانچ سال کے اندر رہنما عوامی کٹہرے میں کھڑے ہوں اور اگر عوام مسترد کر دیں تو وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر کے دوبارہ خود کو عوام کی عدالت میں پیش کریں۔ غلطیاں پاکستانی سیاستدانوں سے بھی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے ہماری غلطیاں بڑی ہوں، لیکن ان غلطیوں کی سزا دینے کا حق عوام کے پاس ہے۔ بندوق والے کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا۔

جنابِ والا: پاکستان قائم ہی ووٹ کے ذریعے ہوا تھا۔ اسے ووٹ کی طاقت سے ہی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جاگیردار، سرمایہ دار اور افسر شاہی الیکشن پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے، لیکن میں خود سیاسی

عمل کی پیداوار ہوں۔ میرے والد اور دادا تو کبھی اسمبلی کے ممبر منتخب نہ ہوئے تھے، بار بار انتخابات ہوں تو متوسط طبقے کی قیادت کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

## ہزاروں سکندر محوِ خواب ہیں

جناب والا! میرا ذاتی معاملہ ووٹ کے استعمال کے سلسلے میں دلچسپ ہے۔ میں آٹھویں جماعت سے الیکشن لڑ رہا ہوں۔ پہلی مرتبہ اپنے گاؤں مخدوم رشید کے سکول کا سیکرٹری منتخب ہوا۔ نویں جماعت میں نائب صدر اور میٹرک میں صدر بنایا گیا۔ کالج میں فرسٹ ایئر میں الیکشن لڑا اور ہار گیا۔ میرے بڑے بھائی اور دوست پھول لے کر آئے ہوئے تھے، انہیں میرے الیکشن جیتنے کا یقین تھا، فاتحانہ جلوس کیلئے انہوں نے گاڑیوں کو پھولوں سے سجا رکھا تھا، میں نے تمام پھول جیتنے والے حریف منظور خان کو پہنائے اور انہی گاڑیوں میں اُن کے گھر تک چھوڑ آئے۔ دو ووٹوں کی برتری فیصلہ کن تھی اور قابلِ تکریم بھی۔

سیکنڈ ایئر میں منتخب ہو گیا تھرڈ ایئر میں پھر منتخب ہو گیا اور فورتھ ایئر میں ایمرسن کالج ملتان کا سیکرٹری جنرل منتخب ہوا۔ میں پنجاب یونیورسٹی میں فلسفہ پڑھنے آیا، ایم اے کے سال اول میں یونیورسٹی انتخابات میں سیکرٹری جنرل چنا گیا اور ایم اے فائنل میں جامعہ پنجاب کا صدر بن گیا۔ پنجاب کی کالجیٹ باڈی پنجاب سٹوڈنٹس کونسل کا صدر منتخب ہوا۔ میں نے اپنے تعلیمی کیریئر میں وظیفہ لیا۔ فرسٹ ڈویژن لی اور سیکنڈ ڈویژن بھی، لیکن کوئی سال ضائع نہیں کیا۔ یونیورسٹی کے آئین میں ترمیم کر کے پابندی لگا دی کہ ایک مرتبہ صدر منتخب ہونے والا دوبارہ انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا۔ یہ پابندی میں نے خود اپنے آپ پر لگائی۔ میری تنظیم مجھے دوبارہ الیکشن لڑانا چاہتی تھی۔

میری والدہ نے بچپن میں ایک کہانی بار بار سنائی تھی اور وہ میں نے اپنے پلے باندھ لی۔ کہا: بیٹا دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے، کوئی فرد اپنے بارے میں یہ نہ سمجھے کہ کارخانہ قدرت اس کے بغیر بند ہو جائے گا۔ کہانی کچھ یوں تھی کہ سکندر اعظم جب مرنے لگا، اس کی ماں بہت دلگیر ہوئی۔ سکندر اعظم نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ مرے پاس طاقت ہے کہ آپ میری قبر پر آنا، ایک مرتبہ میں آپ سے ہم کلام ہوں گا۔ کچھ عرصہ بعد جب ماں سے صبر نہ ہو سکا تو قبرستان میں جا کر آواز دی، "سلطان سکندر" تین مرتبہ کوئی جواب نہ آیا، چوتھی مرتبہ ایک قبر سے آواز آئی کہ مائی تو کس سلطان سکندر کا پوچھتی ہے، یہاں ہزاروں سلطان اور ہزاروں سکندر محوِ خواب ہیں "ایک مغربی دانشور کا یہ جملہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک فائل پر لکھا "ناگزیر لوگوں سے قبرستان بھرے پڑے ہیں"۔

## ابھی تک طالب علم ہوں

1974ء میں میں نے یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر لی۔ عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ میں نے پہلا

انتخاب 1977ء، دوسرا 1979ء، تیسرا 1985ء، چوتھا 1988ء، پانچواں 1989ء، چھٹا 1990ء، ساتواں 1993ء، آٹھواں پھر 1993ء، نواں 1996ء اور دسواں جیل سے 2002ء میں لڑا۔ میں کئی الیکشن ہارا اور کئی جیتا، لیکن بدقسمتی سے کوئی ایک اسمبلی بھی اپنی مدت پوری نہ کر سکی۔ میں نے تقریباً 88 ممالک کو دیکھا ہے، 57 سربراہانِ مملکت سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ تین مرتبہ وفاقی وزیر رہا ہوں۔ اپنی سیاسی فکر کی وجہ سے 29 ویں مرتبہ جیل میں ہوں۔ ملک کے بیشتر ٹارچر سیلوں میں ڈالا گیا، اس مرتبہ بھی جسمانی ٹارچر کی پل صراط پر سے گزر رہا ہوں۔ ان تمام تجربات سے گزرنے کے باوجود میں اپنے آپ کو صف اول کا سیاستدان نہیں سمجھتا۔ ورلڈ ڈپلومیسی کو سمجھنے کیلئے اور اپنے عوام کی توقعات پر پورا اترنے کیلئے ابھی مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ راتوں رات اقتدار کے سنگھاسن پر بیٹھنے والے، جن کی تربیت مختلف مقاصد کیلئے ہوتی ہے، قوم کے نجات دہندہ کیسے بن جاتے ہیں؟ ان کے ہاتھ کی چھڑی جادو کی چھڑی کیسے بن جاتی ہے، جسے گھمانے سے وہ ایک سیاسی جماعت بنا لیتے ہیں، ریفرنڈم جیت جاتے ہیں، قوم کے ہر دکھ کا علاج انہیں معلوم ہوتا ہے، اگر معلوم نہیں ہوتا تو ان کا اصل کام!!

مجھے جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کہا کہ آپ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں، میں نے کہا کہ میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہؒ نے مسلم لیگ کے قیام کے وقت سے اس کا ساتھ دیا۔ میرے والد مخدوم محمد شاہؒ آخری سانس تک مسلم لیگ میں رہے، میرے بڑے بھائی مخدوم بہار شاہ نے شہادت اسی راہ میں پائی، ساری عمر وہ مسلم لیگ کے عہدیدار رہے، میں بھی مسلم لیگ میں جاؤں گا، مگر آپ مجھے یہ مشورہ دیتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد 1988ء میں، میں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

## ووٹ پر کامل ایمان

جنابِ والا! ووٹ کی طاقت پر میرا کامل ایمان ہے، میرے والد محترم مردِ درویش تھے، زندگی کا قرینہ میں نے انہی سے سیکھا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ عاشق اگر کمر ہمت باندھ لے تو دلی اڑھائی کوس کا سفر ہوتی ہے۔

"عاشقاں بنیاں کمراں تے دلی تھئی اڈھائی کوہ"

جب میں نے وزارت کا حلف اٹھانے کیلئے اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ میری والدہ نے میری خواہش کو بھانپتے ہوئے میری سفارش کی۔ وہ ان سے ناخوش ہوئے اور کہا: اجازت مجھے دینی ہے یا آپ کو؟۔ میری والدہ خاموش ہو گئیں، میرے ماموں مخدوم مبارک شاہ اور خاندان کے دوسرے افراد کے اصرار پر مشروط اجازت دے دی گئی اور میں نے وقت مقررہ پر ان کے حکم کے مطابق وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ فرماتے تھے کہ تمہارے دادا کو انگریز کے دورِ غلامی میں بھی ووٹ کا حق حاصل تھا، تم کیسے پوتے ہو، ووٹ کا حق

چھیننے والوں کے ساتھ بیٹھے ہو۔

برطانوی سامراج نے برصغیر کو 1884ء میں بلدیاتی انتخابات میں ووٹ کا حق دیا، پھر 20ویں صدی کے دوسرے عشرے میں صرف ان افراد کو اسمبلی کیلئے ووٹ دینے کا حق حاصل تھا، جو اپنی جائیداد پر ٹیکس ادا کرتے تھے۔ ہمارے خاندان کے تین افراد کو یہ حق حاصل تھا اور یہ تینوں ووٹ ہمیشہ مسلم لیگ کو ملے، ان میں سے ایک ووٹ میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ کا، دوسرا مخدوم محمد شاہ کا اور تیسرا مخدوم مبارک شاہ کا تھا۔

## جوابدہی کی ثقافت سے گریز

پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی سیاستدانوں نے انتخابات سے پہلوتہی کرنا شروع کردی اور جوابدہی کا کلچر نہ بن سکا۔ جب انتخابات ہوئے وہ بھی منصفانہ ہرگز نہ تھے، دھاندلی کے الزام لگے اور جھرلو کی اصطلاح ایجاد ہوئی۔ آغازِ سفر ہی میں رہنماؤں کا بھرم کھل گیا۔ لوگوں کے دلوں سے سیاستدانوں کا احترام جاتا رہا، سیاستدانوں نے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کیلئے بیوروکریسی کا سہارا لیا۔ افسر شاہی شریک اقتدار ہوگئی، گورنر جنرل، ملک غلام محمد، وزیراعظم چوہدری محمد علی، صدر سکندر مرزا، وزیراعظم محمد علی بوگرا، وزیراعظم آئی آئی چندریگر، سب بیوروکریٹ تھے، پھر سول سروس اور فوجی بیوروکریسی نے گٹھ جوڑ کرلیا۔ آخر کار زورآوروں نے کمزور بیوروکریسی کو دبوچ لیا۔ 1956ء کا آئین معطل اور پھر منسوخ کردیا گیا۔ عام آدمی سے ووٹ کا حق چھین لیا گیا تو وہ لاتعلق ہوگیا۔ مشرقی پاکستان میں احساس محرومی کا بیج برگ و بار ہونے لگا۔

آخری مرتبہ ووٹ کا حق 1999ء میں چھینا گیا۔ میاں نواز شریف کی آئینی حکومت کو برطرف کردیا گیا، پارلیمنٹ کو معلق اور بعد میں کالعدم قرار دے دیا گیا۔ میاں نواز شریف نے کوئی کام خلاف آئین نہ کیا تھا۔ پاکستان کے بنیادی مسائل نیوکلیئر ٹیکنالوجی، ہندوستان سے پرامن تعلقات، ملک کی معاشی آزادی پر انہوں نے کوئی سمجھوتہ نہ کیا تھا، ان میں سے ہر چیز پہ ان کا موقف اور راستہ واضح تھا۔

12 اکتوبر 99ء کی کارروائی بلاجواز تھی۔ ملک کے منتخب وزیراعظم کو پابند سلاسل کردیا گیا۔ ان کے عمر رسیدہ والد، تمام بھائیوں اور بیٹوں کو سختیوں کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ خواتین اور معصوم بچوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہ کرسکا اور میں نے موجودہ حکومت کے خلاف بیانات دینا شروع کئے، مجھے آج بھی نواز شریف کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے پر فخر ہے۔

اگر ہمیں پاکستان کو آزاد اور باوقار ملک کے طور پر پیش کرنا ہے تو پھر ہمیں 14 کروڑ عوام پر اعتماد کرنا ہوگا۔ ان کے فیصلے تسلیم کرنا ہوں گے۔ یہ وقت گائیڈڈ ڈیموکریسی کا نہیں۔ انگریز نے اتنی جمہوریت 120 سال پہلے 1884ء میں دے دی تھی۔ آج پارلیمنٹ کی بالادستی کا زمانہ ہے۔

## جمہوریت اور اجتماعی قیادت

جناب والا! جمہوریت کے تسلسل سے جمہوریت کی خامیاں دور ہوتی ہیں، اگر بار بار اس عمل پر شب خون مارا جائے تو جمہوریت کا پودا کمزور ہو جاتا ہے۔ پارلیمنٹ حقیقی قیادت کو جنم دے سکتی ہے۔ عوام کی نظر اپنی پارلیمنٹ پر ہوتی ہے، جو کہ ہر نمائندے کی کسوٹی ہے، آسمانوں سے قیادت کا ظہور 1400 سال پہلے ختم ہو چکا ہے۔ پارلیمنٹ کی بیس، تیس سال کی کارکردگی پر عوام کسی کو اپنے اعتماد کے قابل سمجھتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ذریعے ہی عام آدمی کے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور قومی زندگی کی گرہیں کھولی جا سکتی ہیں۔

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے مسائل کا حل کسی ایک فرد کے پاس نہیں، اس کیلئے اجتماعی قیادت کے تسلسل کو اجاگر کرنا ہوگا اور یہ اجتماعی قیادت آزاد پارلیمنٹ ہی سے جنم لے سکتی ہے۔ اجتماعی قیادت اور اجتماعی ذمہ داری کے تصور سے ہر صوبے اور ہر علاقے کو شراکت اقتدار کا احساس ملے گا۔

## اس صدی کا نعرہ احتساب اور جمہوریت

جناب والا! دنیا میں کوئی قوم اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی، اگر اس میں احتساب کا عمل جاری نہ ہو۔ احتساب کے نام پر انتقامی کارروائیوں سے احتساب کے ادارے کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ احتساب کے عمل سے لوگوں کا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ پارلیمنٹ کی بالادستی اور جمہوری تسلسل سے الیکشن کا عمل ہی احتساب کا عمل بن جاتا ہے۔ تمام خفیہ گوشے منظر عام پر آ جاتے ہیں۔ اور ہر قیادت عوام کے سامنے آشکار ہوتی ہے۔ احتساب کے عمل میں تمام اداروں کو لانا ہوگا۔ یک طرفہ احتساب پر عوام کی بدگمانی فطری ہے۔

جناب والا! اگر ہمیں قوموں کی امامت کرنی ہے تو اس کیلئے تیاری کرنا ہوگی اور جمہوری عمل کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہوگا۔ کیونکہ جمہوریت ہی اس عہد کا دستور العمل ہے۔

## 12 اکتوبر 99ء کا غیر آئینی اقدام

جناب والا! میری ان تمام گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ میں 12 اکتوبر 99ء کے اقدام کو غیر آئینی سمجھتا ہوں، ریفرنڈم کے نتائج کو تسلیم نہیں کرتا، ایل ایف او کے خلاف میں متحرک تھا اور رہوں گا۔ میں نے حکومت کی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کو قومی مفادات کے خلاف پایا ہے۔ فوج کے سیاسی کردار کو غیر آئینی سمجھتا ہوں، گرفتاری سے ایک ماہ پہلے اے آر ڈی کی 17 نمائندہ جماعتوں نے مجھے صدر منتخب کیا۔ حکومت اس سے خوفزدہ ہو گئی۔ میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کا قائمقام صدر رہوں۔ اے آر ڈی اور مسلم لیگ (ن) دونوں کی پارلیمانی پارٹیوں کا منتخب لیڈر رہوں، مجھے ایل ایف او کی منظوری کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا گیا۔ اس سے پہلے بھی اسی حکومت کے دور میں 9 مرتبہ گرفتار کیا گیا۔

جناب والا! مجھ پر جتنے الزامات ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن اپنے موقف کی وجہ سے میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ موجودہ حکمران مجھے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور اب وہ مجھے برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ تصور بھی نہ تھا کہ مجھے بغاوت، غداری، سازش اور جعل سازی جیسے بے بنیاد الزامات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جناب والا! میں آخر میں اس خط کو اپنے بیان کا حصہ بنانا چاہتا ہوں جو میں نے جیل سے اپنی بیٹی کے نام لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڈیالہ جیل، راولپنڈی 20 جنوری 2004ء ایک بجے رات

میمونہ بی بی، السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہونگے۔

آج میں نے ایک خط کے ذریعے زندگی میں پہلی مرتبہ آپ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمام عمر میری ایک شخص سے جنگ رہی ہے، اس کا نام جاوید ہاشمی ہے، اس کے علاوہ میں نے پوری انسانیت سے محبت کی ہے۔ انسان تو انسان، میں ایک چیونٹی کے مرنے پر افسردہ ہو جاتا ہوں اور کٹے ہوئے درخت دیکھ کر تو میری آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے۔

مجھے تمام مذاہب خوبصورت لگتے ہیں، اسلام، عیسائیت، یہودیت، بدھ مت، ہندومت، میں سمجھتا ہوں کہ سبھی خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں اور انسان کے ذہنی ارتقا میں مجموعی طور پر ان مذاہب نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ان مذاہب کے پیروکاروں کے ایک طبقے نے انسانی ترقی کے راستے میں بڑی رکاوٹیں بھی کھڑی کی ہیں اور یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ مذہب کے نام پر جتنا خون بہایا گیا، شاید روئے زمین پر کسی اور تنازعہ پر نہ بہایا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مذاہب نے معاشروں کو حیوانیت سے نکال کر اعلیٰ و ارفع مقاصد کیلئے (Refine) اور (Define) کیا۔ اور اسے حدود و قیود کے اندر رہ کر آزادی، جرأت اور بے باکی کے اوصاف سے مزین کر کے منظم کیا۔

دنیا کی تمام تہذیبیں میری وراثت ہیں۔ میں نے بالواسطہ اور بلاواسطہ ان تہذیبوں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ انسان کی معلوم تاریخ تو صرف چار ہزار سال تک محدود ہے، اس سے پہلے نامعلوم معاشروں کے آثار بھی میری رہنمائی کرتے ہیں۔ میں ان تہذیبوں کی اہمیت اور افادیت کا قائل ہوں۔ کسی ایک تہذیب کی بالادستی کا نہیں۔ رنگ و نسل اور علاقے پر تفاخر بڑی جہالت کی بات ہے۔ ہر تہذیب نے دوسری تہذیب اور ہر رنگ و نسل نے دوسرے رنگ و نسل حتیٰ کہ انسان نے جانوروں، پرندوں اور چرندوں کے طرز معاشرت سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ رنگوں کے امتزاج، نباتات کی بوقلمونی، سمندروں کی وسعت اور گہرائی، پہاڑوں اور دریاؤں نے انسانی مزاج کو ڈھالنے اور تراشنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے میں کرہ ارض کے ہر ذرے سے محبت کرتا ہوں اور اس کا مقروض ہوں۔

میری زندگی کے تجربات اور مطالعہ نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اسلام معراج انسانیت، انسانی

مساوات، انصاف، امن اور معاشی و معاشرتی بہبود کا سب سے بڑا ضابطہ حیات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کمزور ترین لمحات میں بھی میرے لیے قوت اور طاقت کا منبع ہے۔ اس جنون نے مجھے ہمیشہ منزلوں سے ہمکنار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا عرفان (VISION) اور امام حسینؓ کی استقامت میرا سرمایہ حیات ہے۔

پاکستان نہ صرف میری محبت ہے بلکہ کمزوری بن گیا ہے۔ میں اس سرزمین کو نئے دور کے انسانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل کا مرکز سمجھتا ہوں۔ غریب اور مظلوم طبقات کی سربلندی کیلئے جدوجہد ہی میرے ایمان کو مکمل کرتی ہے۔ میں جہدِ مسلسل کو زندگی سمجھتا ہوں، جب میں ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ میں کم کوشی، کم نظری اور کوتاہی پاتا ہوں تو اس شخص سے جنگ میں شدت آجاتی ہے، اور احتساب کے اس عمل میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسرے انسان کی غلطی میں فوراً معاف کر دیتا ہوں، لیکن صرف ایک شخص ناقابل معافی ہے جو تمہارا باپ ہے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

جناب والا!

استغاثہ نے مجھ پر بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگائے ہیں اور ان الزامات کا مقصد مجھے راستے سے ہٹانا اور دوسرے پارلیمنٹیرینز (Parliament-arians) کو ڈرانا ہے مگر مجھے اپنے اللہ پر کامل یقین ہے کہ وہ میری مدد اور رہنمائی کرے گا۔ استغاثہ کے تمام گواہان جھوٹے ہیں۔

مجھے اُمید واثق ہے کہ معزز عدالت مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت صرف اور صرف اپنے ضمیر کی آواز سنے گی۔

مخدوم محمد جاوید ہاشمی

سینٹرل جیل راولپنڈی، 3 اپریل 2004

گیارہواں باب

# بشریٰ کے نام

# فیوڈل ازم اور بلدیاتی نظام، ایک چہرہ دو رُخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

25 اپریل 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بشریٰ بی بی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

فیوڈل ڈھانچے میں بلدیاتی نظام کو اہم مقام حاصل ہے۔ غیر نمائندہ حکومتوں کیلئے یہ نظام نعمتِ غیر مترقبہ بن جاتا ہے۔ میں بلدیاتی نظام کا حامی ہوں لیکن جو (Decenteralization) ڈی سنٹرلائیزیشن کا فارمولا موجودہ حکومت نے دیا ہے اُس سے متفق نہیں ہوں۔ موجودہ نظام اختیارات کو صوبے میں رہنے دیتا ہے نہ مرکز میں۔ یہ صرف ایک شخص کو مضبوط کرتا ہے، اِس طریقہ کار سے بلدیاتی نظام کی افادیت ختم ہو گئی ہے اور اقتدار پر فیوڈل لارڈ اور فوجی حکمرانوں کی گرفت مضبوط۔

میں اختیارات کو نچلی سطح پر لے جانے کا پُر زور حامی ہوں۔ میں نے ستمبر 1986ء میں تقریباً 18 سال پہلے عدم مرکزیت کا جو فارمولا پیش کیا تھا وہ اسمبلی کے ریکارڈ پر موجود ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''تیسرا فارمولا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر ضلع پر مقامی حکومت قائم ہونی چاہیے اور اِس کا براہ راست منتخب (Directly Elected) نمائندہ ہونا چاہیے۔ جس میں ڈی سی اور ایس پی کو اس کا ماتحت کیا جائے تاکہ ذمہ داری براہ راست عوامی نمائندہ پر آسکے۔ ہر ضلع کے اندر اگر ہم اس طریقے سے انتخابات کروائیں گے تو جو نمائندگی ملے گی اِس کے حوالے سے مقامی سطح پر لاء اینڈ آرڈر سچوایشن کو کنٹرول کیا جاسکے گا''۔

یہ اٹھارہ سال پہلے کا فارمولا ہے۔ چودہ سال پہلے 90ء کی اسمبلی میں وزیراعظم نے مقامی حکومتوں کو اختیارات کی منتقلی کیلئے میری سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی۔ ہم نے اپنی سفارشات میں لکھا کہ ضلع حکومت میں ضلعی گورنر کا براہ راست انتخاب کیا جائے اور ضلع اسمبلی قائم کی جائے۔

موجودہ حکومتی نظام برٹش راج کا تسلسل ہے، عوام کو اختیار منتقل نہیں کیا گیا۔ ہمارے فوجی حکمران ہمیں 2 ہزار سال پہلے والی یونان اور روم کی جمہوریت دینا چاہتے ہیں، اگر ضلع گورنر کو اختیار مل جائیں تو فیوڈل مضبوط ہونے کی بجائے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی زرعی ترقی پر توجہ دے گا اور متوسط طبقے کی قیادت جنم لے گی۔ فیوڈل اِزم کے خاتمے سے زرعی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ جیسے امریکہ اور دوسرے ملکوں کے بڑے فارم

موجود ہیں، مگر اب انہیں لوگوں کو غلام بنانے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

بد قسمتی سے شہری آبادی اور دانش وروں کا طبقہ فیوڈلز اور ان کی طرز زندگی سے نفرت کی وجہ سے پورے زرعی نظام کو مسترد کر دیتا ہے۔ ہمارے دانشوروں، کالم نگاروں، شاعروں، ادیبوں اور اخبار نویسوں کی بھاری تعداد کا تعلق دیہی معاشرے سے ہے۔ شہروں کی چکاچوند انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، وہ اپنی محرومیوں اور ناراضگیوں کی وجہ سے اپنے دیہی ماضی کو بھول جانا چاہتے ہیں اور پورے دیہی معاشرے سے لاتعلق ہو جاتے ہیں اور یہ لاتعلقی دیہات کے رہنے والوں کو بے یارومددگار چھوڑ دیتی ہے۔ ان کے علاقے کا کوئی فیوڈل ان کے ساتھ عزت سے پیش آئے تو وہ انہیں فرشتہ لگتا ہے۔ متوسط طبقے کی قیادت دانشوروں کی تنقید کی زد میں ہوتی ہے، اس کی کسی غلطی کی معافی نہیں ہوتی۔

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلا نہ زاہد نہ حکیم

چھوٹا زمیندار اور کسان زراعت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اس کی محنت پر پورا ملک چل رہا ہے اور وہ خود قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اپنے بچوں کو سکول نہیں بھیج سکتا۔ اس کا تمام خاندان عورتوں اور بچوں سمیت صبح و شام کھیتوں میں کام کرتا ہے مگر وہ پھر بھی خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ انگریزوں اور اس کے بعد آنے والے آمروں نے بلدیاتی نظام اور جاگیرداری کے ذریعے غلامی کی زنجیریں مضبوط کیں۔ حالانکہ یہی نظام کاؤنٹی سسٹم کے نام پر برطانیہ میں جمہوریت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ نئی قیادت پیدا کرتا ہے، جمہوری عمل کی بالیدگی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے ذریعے تمام اختیارات نچلی سطح پر پہنچ جاتے ہیں اور " ڈی سنٹرالائیزیشن (Decenterali-zation) " کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

امریکہ میں بھی اس نظام کی برکت سے خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا اور امن وامان قائم ہوا۔ اس سے ذمہ دار شہری (Responsible Citizen) کا تصور اجاگر ہوا۔ تمام پاکستانی آمروں نے بلدیاتی انتخابات کرائے اور جمہوری حکومت نے حتی الوسع اس سے احتراز کیا۔ انگریزوں اور آمروں نے اس نظام آمریت کو مضبوط کرنے کیلئے بلدیاتی اداروں کو سیڑھی کے طور پر استعمال کیا اور تابعدار قیادت پیدا کی۔ دیسی حکمرانوں نے انگریزوں کے اس نسخہ کو کامیابی سے استعمال کیا۔ ضلعی سطح کی قیادت کو ڈپٹی کمشنر کے ذریعے کنٹرول کرنا آسان تھا اور یہ ضلعی قیادتیں اپنے مخالفین کو کنٹرول کرنے کیلئے۔ ڈپٹی کمشنر، علاقائی کور کمانڈر اور کمشنر کی سرپرستی کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔ کمشنر ان اداروں کو توڑنے کا قانونی حق رکھتے تھے۔ اس جکڑ بندی میں کوئی قومی قیادت جنم نہیں لے سکتی تھی۔

120 سال سے ہر ضلع میں ایک یا دو خاندان سیاسی منظر پر چھائے ہوئے ہیں، جن کے پاس انگریز کی دی

ہوئی جاگیر اور خطاب ہیں اور جنگ عظیم اول اور دوئم میں جبری بھرتی کے ذریعے فوجی فراہم کرنے کا سرٹیفکیٹ اور اس بھرتی کی وجہ سے ان کے پاس کرنل یا میجر کا اعزازی عہدہ ہو تو یہ نجیب الطرفین ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

پاکستان کے قیام نے بھی اس غلامی کی جکڑ بندی کو برقرار رکھا ہے، بلکہ اسے اور مضبوط بنا دیا ہے۔ انگریز چونکہ یہاں کا رہنے والا نہیں تھا، ایک حد تک اپنے آپ کو سپیریئر (Superior) اور حاکم رہنے کا بھرم قائم رکھتا تھا۔ آزادی کے بعد دیسی افسر شاہی، دیسی فوج اور دیسی فیوڈلز کے اتحاد نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ عام آدمی کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کے روح پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ انہوں نے دیہی اور شہری ترقی کا نرکہ لگا کر انگریزوں کی دی ہوئی ترقی کی بھونڈی نقل اتارنے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ بلدیاتی انتخابات کا اصل مقصد ضلعی سطح کی قیادت کے ذریعے قومی قیادت کے ابھرنے کا راستہ روکنا تھا۔

فوجی حکمران سیاسی پارٹیوں سے خوفزدہ ہو کر ان پر پابندی لگاتے ہیں اور سیاسی عمل کو روک دیتے ہیں، لیکن بلدیاتی انتخاب اور بلدیاتی قیادت کو حقیقی جمہوریت کا نام دے کر قومی سوچ پیدا ہونے کا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ فوجی حکمرانوں کے پاس ذہنی غلام پیدا کرنے کا یہ مجرب نسخہ انگریزوں کا دیا ہوا ہے۔ اسے استعمال کر کے وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

ترقی یافتہ دنیا میں قومی اور بلدیاتی انتخابات ایک دوسرے کے متبادل نہیں سمجھے جاتے بلکہ ایک دوسرے کے معاون سمجھے جاتے ہیں۔ بلدیاتی انتخاب کو نئی قیادت پیدا کرنے کی نرسری کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ناتجربہ کار جمہوری قیادتیں بلدیاتی انتخابات سے خوفزدہ ہو کر انہیں اختیارات نہیں سونپنا چاہتیں اور تجربہ کار ڈکٹیٹران اداروں کو اپنی آمریت کی مضبوطی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ انہیں ہر غیر آئینی اقدام کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ریفرنڈم کرانا ہو، اپنی حکومت کا جواز فراہم کرنا ہو، ان اداروں کی قیادت اور مالی وسائل بے دریغ استعمال کیے جاتے ہیں اور انہی وفاداروں کو اسمبلیوں کی سیٹیں اور وزارتیں دے دی جاتی ہیں اور ان کی کامیابی کیلئے تمام حکومتی مشینری سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان تینوں یعنی فوجی حکمران، افسر شاہی اور فیوڈل ازم کا بانی انگریز ہے۔ یہ تینوں اس کے ممنونِ احسان ہیں اور ذہنی طور پر نوآبادیاتی نظام کے جانشین! نوآبادیاتی نظام کا کل پرزہ ہونے کی وجہ سے انہیں صرف کنٹرول کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ معاشرتی اصلاحات اور معیشت کے جدید تقاضے اُن کے ذہن کے کمپیوٹر میں فیڈ نہیں کیے جاتے، نہ ہی یہ اسے اپنی ذمہ داری کا حصہ سمجھتے ہیں۔ تم نے اپنے تھیسز (Thesis) کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا۔ مجھے تفصیلاً تمام امور کے بارے میں آگاہ کرو۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

# افسر شاہی......نوکر شاہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 مئی 2004ء

گوانتانا موبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بشریٰ بی بی! السلام علیکم! مزاج بخیر!

لارڈ میکالے نے ہندوستان پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کیلئے تعلیمی نظام کا سلیبس تیار کیا تھا، جس کے مقاصد میں لارڈ میکالے نے کہا" برٹش راج کی مضبوطی کیلئے مقامی لوگوں کو ایک حد تک شامل کرنا ہماری مجبوری ہے۔اس لئے انہیں ایک محدود سوچ کی تعلیم دے کر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے"اس مقصد کیلئے ایک غلام ذہن کی بیوروکریسی تیار کی گئی جو اپنے لوگوں سے اپنے آپ کو الگ کر کے خود کو بالادست سمجھتی تھی۔انگریزوں نے تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے اس سول اور ملٹری بیوروکریسی کو خوب استعمال کیا۔یہ صرف اپنے آپ کو انگریزوں کے سامنے جوابدہ سمجھتی تھی۔آزادی کے بعد بیوروکریسی اپنے آپ کو کسی کالے وزیراعظم ،وزیراعلیٰ یا ضلعی قیادت کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتی ، بلکہ اپنے آپ کو اُن سے بڑھیا (Superior) سمجھتی ہے۔

چند مستثنیات کو چھوڑ کر فوج اور افسر شاہی عموماً لوئر مڈل کلاس سے آتی ہے۔اس لئے اقتدار پر اس کی نگاہیں حریصانہ ہوتی ہیں۔اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو انگریزی ثقافت میں رنگ کر حکمران نظر آئیں،اعلیٰ طبقے میں شمولیت کیلئے زمین اور جاگیر کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ چونکہ بلدیاتی سطح کے فیوڈلز سے بالادست ہوتے ہیں۔فیوڈلز روایتی چاپلوسی سے اُنہیں اپنی کلاس کا حصہ تسلیم کر لیتے ہیں۔یہ گلی ڈنڈا کھیلتے کھیلتے ایک دَم لانگ ٹینس اور گالف کے گراؤنڈ میں پہنچ جاتے ہیں۔قوم کے خزانے کو لوٹنے کے قواعد بناتے ہیں،آرام دہ بنگلوں میں مغل شہزادوں کی طرح رہتے ہیں، پلاٹ اور زمینیں الاٹ کراتے ہیں،حتیٰ کہ آغا شاہی جیسا دانشور بھی فیوڈل لارڈ بن جاتا ہے۔

تمام بیوروکریٹس چند مستثنیات کو چھوڑ کر اپنے بچوں کو باہر کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دلواتے ہیں۔اُن پر اٹھنے والے اخراجات کہاں سے آتے ہیں۔اس کے لیے وہ اپنے آپ کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتے۔اِن میں سے اکثر بچے وہیں رہ جاتے ہیں۔کالونیلزم ان کے ذہن سے نہیں نکل سکا۔لندن ابھی تک اِن سب کا محور و مرکز ہے۔سال میں گرمیوں کی چھٹیاں سرکاری خرچ پر مغرب میں منانے کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ اِس طرح فیملی کو اکٹھے مل بیٹھنے کا (Reunification) موقع بھی مل جاتا ہے۔

اسلام آباد کے سیکرٹریٹ میں بیٹھ کر کام کرنے کی بجائے بیوروکریٹ اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل بنانے پر زیادہ وقت صَرف کرتے ہیں۔ باقی وقت اپنی پروموشن اور بہتر سیٹ پر تبادلے کیلئے پبلک ریلیشنگ پر خرچ کرتے ہیں۔ پھر بھی وقت بچ جائے تو اسے ملکی سیاست میں کیڑے نکالنے پر لگاتے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سادھو اور اللہ لوگ بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مافوق الفطرت ثابت کرنے کیلئے مضامین اور کتابیں لکھواتے ہیں۔ قوم کی بدقسمتی ہے کہ اتنے "ماہرین" کی موجودگی میں خزانہ کا ماہر باہر سے درآمد کیا جاتا ہے۔ ہرفن مولا کا محاورہ انہی کیلئے گھڑا گیا ہے۔ ایک دن سائنس اور ٹیکنالوجی کے مسائل حل کر رہے ہوتے ہیں، دوسرے دن اُمورِ حج اور زراعت کے انچارج ہوتے ہیں، تیسرے دن ملکی تجارت چلا رہے ہوتے ہیں، چوتھے دن قوم کی صحت کے نباض ہوتے ہیں، پانچویں دن اُمورِ داخلہ میں سریرآرائے حکومت ہوتے ہیں اور چھٹے دن کھیلوں اور ثقافت کا قبلہ درست کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر اتوار نہ ہو تو ایٹم بم بنانے کا نیا فارمولا تیار کر کے دے سکتے ہیں۔ ایٹم بم بنانے والے بھی ان کے زیرِ دست ہوتے ہیں۔ آئین میں ترمیم ہو سکتی ہے یا اُسے توڑا جا سکتا ہے مگر انگریز کے دیئے ہوئے سول سرونٹس کے ڈھانچے میں تبدیلی ناممکن ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور اساتذہ کی ان کی سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

جمہوری نظام میں اسمبلیوں کے بعد یونیورسٹیوں کا پالیسی ساز اداروں میں کنٹرول ہوتا ہے۔ پاکستان میں عملاً بیوروکریسی ہی پالیسی ساز بن گئی ہے۔ سول سرونٹس کا اُردو ترجمہ عوام کا نوکر یا عوام کا خادم ہے۔ انگریز قوم اور اُن کے افسروں کو اپنی حیثیت کا یہ لفظ منہ سے نکالتے ہی احساس ہو جاتا ہے۔ مگر غلاموں کی دنیا میں عوام غلام ہیں اور دفتر میں بیٹھا ہوا "صاحب بہادر" ہے۔ یہ ٹیڑھے منہ سے انگریزی بول کر منہ میں سگار دبا کر اور مہنگے ترین لباس اور جوتے پہن کر اپنے آپ کو اصل حکمران یعنی انگریز سمجھتے ہیں۔

بیوروکریٹس سیکرٹریٹ میں بیٹھ کر 100 سال پرانی بنائی گئی سمری پر انگریزی میں مکھی پر مکھی مارتے رہتے ہیں اور اسی کو صلاحیت اور قابلیت کی معراج سمجھتے ہیں، جدید خیالات، جدید معاشی اصلاحات اور جدید معاشروں کی تشکیل سے اِن کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

تینوں اپنی بقائے باہمی کے اصول پر کاربند رہتے ہیں، ملک اور عوام ان کی آماجگاہ ہوتے ہیں، ملک آزاد رہے یا غلام، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں، انہیں معلوم ہے کہ ہر فاتح کو ان کی ضرورت ہوگی، عراق میں صدام چلا گیا، اس کی فوج، پولیس اور بعث پارٹی امریکہ کی ضروریات پوری کر رہی ہیں۔ بیوروکریسی کا رویہ بدلنے کیلئے بھی جمہوریت کا مضبوط ہونا نہایت ضروری ہے۔ تمہاری والدہ کیسی ہیں، مجھ سے اُن کا کوئی رابطہ نہیں۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

# فیوڈل مسٹر کلین (Mr Clean) ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

25 مئی 2004ء

گوانتانامو بے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشی جی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

تم کہتی ہو متوسط طبقے کے سیاستدانوں پر الزامات کیوں لگتے ہیں؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ متوسط طبقے کے لیڈر عوام کے اندر سے آتے ہیں، اس لیے اُن کی کوئی چیز بھی عام آدمی سے چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ وہ اگر سائیکل سے پجارو پر اور چھوٹے سے بڑے مکان میں آ جائے تو تنقید کی زد میں ہوتا ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے، اُسے اپنے طرزِ زندگی کی جوابدہی کرنا پڑتی ہے اور وہی قیادت اُبھرتی ہے جو عوام کو اپنے اعمال کے بارے میں مطمئن کرتی ہے۔ متوسط طبقے کی قیادت ہی ملک کو دلدل سے نکال سکتی ہے، اُسے معاشرے کے تحت احتسابی شکنجے کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرنا چاہیے۔

سول اور ملٹری بیوروکریسی اور فیوڈل کی زندگی سینکڑوں پردوں کے اندر ہوتی ہے، ملک کے تمام قوانین اُن کی معاشی بداعمالیوں کی پردہ پوشی کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، اس لیے ملک کو صحیح قیادت نصیب نہیں ہوسکی۔ فیوڈل تو پیدائشی طور پر ہی مسٹر کلین (Mr Clean) ہوتا ہے۔ اُس کے آباؤاجداد نے قوم کو بیچ کر جو جاگیریں حاصل کی ہوتی ہیں، وہ اس کے گناہوں میں شمار نہیں کی جاتیں۔ متوسط طبقہ کے لوگ، یا وہ نسلیں، جنہوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی تھی، ہر سال اپنی محدود زمینوں سے بھوک کی فصل اٹھاتے ہیں، انگریزوں کی غلامی کا صلہ پانے والے ہر سال پہلے سے زیادہ سونے اور جواہرات سے اپنی تجوریوں کو بھرتے ہیں، اُنہیں بھلا کون موردِ الزام ٹھہرا سکتا ہے۔

فیوڈل کے تمام جرائم ضلعی انتظامیہ کی سرپرستی میں پروان چڑھتے ہیں۔ ضلعی انتظامیہ اُسے مضبوط اور محفوظ کرنے کیلئے رات دن کام کرتی ہے۔ اُس کا ٹکراؤ مقامی انتظامیہ سے نہیں ہوسکتا۔ اپنے لوگوں پر جبر کیلئے وہ ضلعی انتظامیہ کی تابعداری کرتا ہے۔ فیوڈل زرعی اصلاحات کی زد میں آئی ہوئی غریب کسانوں کی زمینیں اپنے اگلے بیس سال میں پیدا ہونے والے بچوں کے نام کراتا ہے۔ اس میں وہ کوئی شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتا۔ قانون اس طرح بنایا جاتا ہے، جو فیوڈل ازم کا مددگار ہو۔ اپنی زمینوں کو سرکاری مشینری سے آباد کرتا ہے، یہ

مشینری، بظاہر غریب کسانوں کیلئے، قومی خزانے سے خریدی جاتی ہے۔ خزانے میں رقم بیرونی قرضوں کے ذریعے آتی ہے، قرضوں کا بوجھ غریب پر آ جاتا ہے۔ اپنی فصلوں کی دگنی قیمت سرکار سے وصول کرتا ہے۔ منڈی کا ریٹ اپنی بنائی ہوئی مارکیٹ کمیٹی کے مطابق طے کراتا ہے، جس دن اُس نے سرکار کو فصل بیچنی ہو، منڈی کا ریٹ مصنوعی طور پر بے تحاشا بڑھا دیا جاتا ہے۔ عام کسان بیچارہ یہ ریٹ خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ سیاسی اثر و رسوخ سے نہری پانی ناجائز ذرائع سے حاصل کر کے بے آباد زمینوں کو کوڑیوں کے مول خرید کر کروڑوں کی ملکیت میں بدل لیتا ہے۔ سرکاری ناجائز پانی سے باغات پیدا کرتا ہے اور ناجائز ذرائع سے اُسے سونے کی کان میں بدل دیتا ہے۔ سرکاری سرپرستی میں ٹیل والے کسانوں تک پانی نہیں پہنچتا۔ سڑکیں اپنی زمینوں پر بنواتا ہے، ہسپتال اپنی زمین پر بنوا کر جانوروں کے باندھنے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ اپنے حلقے پر گرفت رکھنے کیلئے تھانہ، کچہری اور عدالت میں چوروں، ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرنا اُس کی مجبوری ہوتی ہے۔ اختلاف رائے رکھنے والے مظلوموں کو اتنا خوفزدہ کر دیتا ہے کہ اُن کی نسلیں بھی اس کے مخالف کو ووٹ دینے کی جرأت نہیں کر سکتیں۔

جب حکومت میں ہوتا ہے تو سرکار کے تمام وسائل اپنے ذاتی مقاصد کیلئے استعمال کرتا ہے۔ سرکاری نوکریاں بغیر میرٹ کے تقسیم کرتا ہے اور اس طرح کی بھرتی سے مقامی انتظامیہ کا محسن بن جاتا ہے، اُن کی ترقی اور تبادلہ اُسی کی سفارش پر ہوتا ہے۔ ان تمام مفادات کے تحفظ اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کیلئے اقتدار میں رہنا اُس کی مجبوری ہوتی ہے۔ اپنی معاشی حیثیت کو مستحکم کرنے کیلئے فیوڈل اب سیڈ مافیا (Seed Mafia) کا حصہ بن گیا ہے۔ سرکاری محکمے اپنی تحقیق کی تکمیل کے آخری مراحل میں کسانوں کی یہ امانت بڑے زمینداروں کو دے دیتے ہیں۔ بازار میں نایاب ہو جانے کی وجہ سے فیوڈل اس کا خوب فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ سو روپے کی لاگت سے چار ہزار روپیہ منافع کماتا ہے اور کروڑ پتی بن جاتا ہے۔ جب تک لوگوں کو حقائق کا علم نہ ہو وہ اپنی شیریں گفتاری اور وضعداری آداب کی تربیت کی وجہ سے فرشتہ نظر آتا ہے اور اُس کی مخالفت کرنے والا شرپسند کہلاتا ہے۔ اسی لئے فیوڈل روشنی کا دشمن ہوتا ہے۔ اپنے علاقے میں تعلیم کو نہیں آنے دیتا، ترقی نہیں ہونے دیتا۔ اُس کے حریف فیوڈل بھی اُسی طرح کے فیوڈل ہوتے ہیں، وہ اُس کی اِن خامیوں پر انگلی نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ یہی کارِ خیر وہ بھی اپنے علاقوں میں سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ باہر کی دنیا میں وہ مسٹر کلین ہوتا ہے اور اُس کا حریف بھی مسٹر کلین! فیوڈل اوّل و آخر فیوڈل ہوتا ہے۔ سیاستدان بننا اُس کی مجبوری ہے۔ سیاست میں اُس کا کوئی نظریہ ہوتا ہے نہ مقصد۔ وہ صرف اور صرف فرد کی بالادستی چاہتا ہے۔ اوپر والے بالادست کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ وہ اقتدار کے بغیر اسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا، جس طرح پانی کے بغیر مچھلی۔ لوٹے کا لفظ اُس کی توہین نہیں بلکہ توقیر کا باعث بنتا ہے۔

ایک فیوڈل نے ہی کہا تھا کہ ہم نے کبھی پارٹی نہیں بدلی، ہماری پارٹی حکومتی پارٹی ہے۔ اگر کوئی ہماری

پارٹی سے نکل جائے لوٹا وہ ہے یا ہم؟۔

چونکہ دانشور طبقہ اتنی باریکیوں میں نہیں جاسکتا۔ فیوڈل اِس کی کمزوریوں کا خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔ قوم کے سامنے اُس کا چہرہ اور ہوتا ہے اور محکوموں کے درمیان اور...... فیوڈل اِزم کا سب سے زیادہ نقصان یہ ہوتا ہے کہ فیوڈلز کی باہمی چپقلش سے ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں، مگر اِس دشمنی کا کمزور طبقات کو ایک فائدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ عام آدمی کو فیوڈلز کے اختلافات کی وجہ سے زندہ رہنے کا موقع مل جاتا ہے۔ فیوڈل کے جرائم پر گرفت نہ ہونے کی وجہ سے دیہاتی معاشرے میں جرائم سے نفرت ختم ہو جاتی ہے، عام آدمی سمجھتا ہے کہ زور آور کو قانون توڑنے سے روکنے والا کوئی نہیں اور قانون کی بے وقعتی جرائم کی دنیا کو آباد کر دیتی ہے۔ تھانے جرائم کا اڈا بن جاتے ہیں، انتظامیہ کھلے عام رشوت لیتی ہے، لوگ قومی سوچ سے لاتعلق ہو کر ذاتی انتقام، لُوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت میں ملوث ہو کر قومی دھارے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ فیوڈل اِن کے جھگڑوں کو بڑھاتا ہے، صحت مند معاشرہ قائم ہونے کی بجائے لوگ ایک دوسرے سے دشمنیاں پالتے ہیں۔

چونکہ اسی فیصد آبادی دیہاتوں میں آباد ہے، یہ کلچر شہروں کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ عدالتیں سفارش اور رشوت کی زد میں آجاتی ہیں، ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کا اصول پورے ملک میں زندگی کا طریقہ (Way of life) بن جاتا ہے۔ تم خود فیوڈل ازم کی بالادستی والے معاشرے میں پیدا ہوئی ہو، مجھے یقین ہے میری بات سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں آئی ہوگی۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

# کیا میں غدار ہوں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 جون 2004ء

گوانتانا موبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی بُشی جی! السلام علیکم! کیسی ہو!

جیل حکام نے میری چارپائی کو زنجیر سے باندھ کر دروازوں کی سلاخوں سے تالا بند کر دیا۔ جیل کے اعلیٰ حکام کا دورہ تھا اور مجھے بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنا کر پیش کرنا مقصود تھا۔ طبیعت پر اس کا کافی اثر رہا، شاید یہی وہ چاہتے تھے۔

آج صبح تین بجے اٹھا تو سلاخوں کے سامنے حسبِ معمول پہرے دار کھڑا تھا۔ شروع میں مَیں اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ یہ ساری رات میری کروٹوں کا حساب کیوں رکھتے ہیں، اب عادی ہو گیا ہوں۔ کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ پچھلی ملاقات پر تمہارے اٹھائے ہوئے سوالات کے جواب لکھوں، لیکن شدید گرمی اور حبس نے بے چین کئے رکھا۔ اب آہستہ آہستہ طبیعت اس کی بھی عادی ہو گئی ہے، آج خود کو تازہ دم محسوس کر رہا ہوں۔

انسان میں اللہ تعالیٰ نے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں۔ مگر اس کے باوجود انسان ماحول کے مطابق ڈھلنے کی بجائے ماحول کو اپنے مطابق ڈھالتا رہتا ہے اور اپنی مرضی کے ماحول کیلئے بہشت کے قیام کو بھی اپنی آزادی پر قدغن سمجھتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر میں عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہوں۔ قید کے اِس دوزخ میں ضمیر کی آزادی کی نعمت کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ مجھے اِس بے پناہ مسرت کی منطق سمجھ نہیں آتی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے، تنہائی کا زہر بھی میرے لئے کارِ تریاقی بن جائے تو پھر اسے دماغ کے خلل کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔

میں نے تمہیں بتایا تھا، میری ذہنی ساخت و پرداخت میں میرے گھریلو ماحول کا بہت اثر ہے۔ گھر کی چار دیواری میں مَیں نے سعدی، رومی، حافظ شیرازی، نظامی، گنجوی، اقبال لاہوری، ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط جیسے نام اپنی والدہ اور والد سے سنے۔ بڑے بھائی نے فارسی سے اردو کی طرف سفر کرایا۔ نسیم حجازی، مقدمہ ابنِ خلدون، ابنِ جریر طبری کی مل ملا کر پچاس کے قریب جلدیں پڑھنے کے بعد نہج البلاغہ، بخاری، موطا، قدوری، مشکوٰۃ، ماجہ، ترمذی سے گزر کر ابنِ تیمیہ، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک، امام ابو یوسف کی شُدبُدھ ہونے لگی۔

میٹرک کرنے سے پہلے تفاسیر اور فتاوی کو سمجھنے کیلئے کوشاں ہو گیا۔ تفسیر ابنِ کثیر سے، مجدد الف ثانی شاہ

ولی اللہ، مولانا احمد رضا خان، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ عالمگیری زیر مطالعہ تھے۔ اِن ہی دنوں میں تاریخ بنوامیہ، بنوعباس، تاریخ انگلستان، تاریخ فرشتہ اور مغلوں کی تزکیں پڑھنے کا موقع ملا۔ عصر حاضر کے لکھنے والوں میں مولانا مودودیؒ کی خلافت وملوکیت سے مقدمہ تفہیم القرآن تک اور تفسیر تفہیم القرآن سے صاحب تفہیم القرآن تک پہنچا۔ اردو، فارسی اور انگریزی ادب کے صحنِ چمن کے چند گوشوں کی سیاحت کرسکا۔ ذہن میں ایک ملغوبہ تیار ہوگیا۔ اب نہ اردو آتی ہے، نہ فارسی اور نہ انگریزی۔ بس کام چل رہا ہے.........

اردو میں اساتذہ کے کلام کے بعد اقبال اور فیض اچھے لگے۔ انگریزی میں بھی ورڈزورتھ، کیٹس اور شیلے کالرج، بیرن سے آگے نہ بڑھ سکا۔ البتہ فارسی میں رومی، حافظ شیرازی، عمر خیام، فردوسی سے پروین، اعتصامی تک گرتا پڑتا پہنچ ہی گیا۔

سادہ عربی سمجھ لیتا ہوں، لیکن عربی ادب سے بالکل کورا ہوں۔

ابھی میٹرک کے امتحان میں دو مہینے باقی تھے کہ 17 مارچ 1966ء میں میری شادی ہوگئی۔ تمہاری والدہ مجھ سے بھی ایک سال چھوٹی تھی۔ میں نے اشاروں کنایوں میں بزرگوں تک پیغام پہنچایا کہ دو مئی کو میرا پہلا پرچہ ہے۔ مگر آزادی نسواں کے اس دور میں مردوں کی کون سنتا ہے، میری خالہ اور والدہ یعنی آپ کی دادی اور نانی کا فیصلہ تقدیر مُبرم کی طرح صادر ہو چکا تھا۔

میں چھوٹی عمر کی شادی کے سخت خلاف ہوں، لیکن میری ذات کے حوالے سے نتائج مختلف ہیں۔ مجھے چھوٹی عمر کی شادی راس آ گئی۔ تمہاری والدہ مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ سے پوری زندگی میری ذمہ داری نہیں رہی۔ اب تو مشترکہ خاندان کی ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پر ہیں۔

گھر کی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے کالج اور یونیورسٹی کی تعلیمی اور غیر تعلیمی سرگرمیوں کیلئے میرے پاس کافی وقت تھا۔ جب میں یونیورسٹی پہنچا تو تمہاری بہن میمونہ پیدا ہوئیں۔ وہ سارے خاندان کی آنکھ کا تارا تھیں۔ خاص کر دادا، دادی اور نانا، نانی کی محبتیں اُس پر نچھاور تھیں۔

ہر مرحلے پر مجھے خاندان کی مدد مل رہی تھی اور میرے لئے حق اور سچائی کے راستے پر چلنا اتنا دشوار گزار نہیں لگتا تھا۔

ذہنی پختگی کیلئے پنجاب یونیورسٹی نے مجھے اپنی باہوں میں لے لیا۔ میں کالج سے فلسفہ کا طالب علم تھا۔ یونیورسٹی میں فلسفہ کی وسیع دنیا آباد تھی۔ اِس دنیا میں نہ خود کو تلاش کرسکا ہوں اور نہ حق اور سچائی کو بالادست کرسکا ہوں۔ لیکن سچائی کے پرچم کو سرنگوں بھی نہیں ہونے دیا۔ جو میرے خیالات کو پابند سلاسل نہ کرسکے، وہ میری چارپائی کو زنجیروں سے باندھ کر تسکین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اقبال نے "فلسفہ زدہ سید" کو مطعون کیا تھا۔ جو دُنیاری برگساں ہو گیا تھا۔ اُسے ہیگل کا صدف بھی گوہر سے خالی نظر آتا ہے۔ وہ ہابز' روسو' لاک اور کانٹ کا پیچھا کرتا ہے۔ راستے میں اُسے انقلابِ فرانس اور نیست پیغمبر ولے دارد کتاب والا کارل مارکس بھی ملتا ہے۔ وہ دانتے کی Devine Comedy تک حکیم نطشے کو ذہن میں رکھ کر پہنچتا ہے۔ آخر میں کہتا ہے

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ میں کارل مارکس کو کوئی برگزیدہ شخص تو نہیں مانتا، نہ ہی ماؤزے تنگ جیسے عظیم مصلح کو صرف رد کنفیوشس اور لوزے Loatse کا پیروکار کہہ کر آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں تمام پیغمبر غریبوں، مظلوموں اور روندے ہوئے طبقات کے محافظ تھے۔ تمام پیغمبروں نے ظالموں کا مقابلہ کیا ہے۔ فرعون، نمرود، شدّاد، اہلِ مدین جبر کے نمائندے تھے۔ پیغمبران حضرت عیسیٰ کو درکھان کا بیٹا، حضرت ادریس کو جولاہے کا بیٹا، حضرت موسیٰ کو غلام ابنِ غلام کہا گیا۔

پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں بھی کہا گیا کہ اگر نبوت نے آنا تھا تو وہ قریش کے سرداروں کے گھر آتی۔ ایک ایسے شخص کے پاس کیوں آئی جو ایک خاتون کے ہاں روزگار کیلئے کام کر رہے تھے۔ اسی طرح اپنے دور میں کارل مارکس اور ماؤزے تنگ نے غریب طبقات کی بات کی ہے۔ میں اُن کا پیروکار اس لئے نہیں بن سکا کہ ان کے فلسفہ میں جبر کو کچھ مقامات پر بالادستی حاصل ہو جاتی ہے۔

جہاں انسان کی آزادی پر قدغنیں زیادہ ہوں، وہ نظام خود اپنے بوجھ کے نیچے دب کر ختم ہو جاتا ہے اور یہی کمیونزم کے ساتھ ہوا ہے۔ ورنہ کارل مارکس اور ماؤزے تنگ کی ادائیں تو پیغمبرانہ تھیں۔

برطانیہ کا میگنا کارٹا، فرانس میں روسو کا معاہدہ عمرانی اور امریکہ کا حقوق کا بل Bill of Rights انسانی تہذیب کے ارتقاء میں اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔

انقلابِ فرانس نے انسانی آزادیوں کی جدوجہد کو نیا رخ دیا ہے۔

روسو نے کہا انسان آزاد پیدا ہوا تھا اب وہ زنجیروں میں پابند ہے۔

گوئٹے نطشے نے انقلابِ فرانس کو عالم انسانی پر ایک قوس قزاح کی طرح دیکھا اور والٹیئر کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ آدھا انقلابِ فرانس ہے۔

یہ سارے انکشافات یورپ پر اڑھائی تین سو سال پہلے ہوئے سوائے میگنا کارٹا کے، جو تقریباً آٹھ سو سال پہلے ہوا تھا۔ وہ صرف بادشاہ اور برطانیہ کے زمینداروں کے حقوق کا تعین کرتا تھا۔

14 سو سال پہلے حضرت عمرؓ نے کہا تھا "تم نے کب سے انہیں غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ اِن کی ماؤں نے اِنہیں آزاد جنا تھا۔"

میں نے حضرت عمرؓ کا قول تمہارے دادا کے ڈیرے کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا۔ مجھے روسو کی آواز میں انسانیت کی بالادستی کی وہی روح جلوہ گر نظر آتی ہے جس کا درس اسلام نے دیا ہے۔

میں سب سے زیادہ ژاں پال سارتر کے فلسفہء وجودیت سے متاثر ہوا ہوں۔ وہ کہتا ہے

I am Commited Therefore I am

ویت نام اور الجزائز کے مسئلہ پر سارتر کے علاوہ برٹرینڈ رسل نے بھی مجھے متاثر کیا ہے اور مشرق کے دوبارہ بیدار ہونے کی اُس کی پیشگوئی سو فیصد صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ لیکن ژاں پال سارتر کی اپنے عقائد کے ساتھ عملی وابستگی نے اُسے میرا ہیرو بنا دیا ہے۔ وہ کہتا ہے" اچھائی اور برائی کے معرکے میں کوئی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ خیر وشر کی معرکہ آرائی میں محض تماشائی کا کردار ادا کرنے والے یا تو بزدل ہوتے ہیں یا غدار"۔

میں ایسے فلسفہ کا پیروکار ہوں جس میں سب کا خلاّق اور سب سے طاقت ور کہتا ہے کہ میں اپنے حقوق معاف کر سکتا ہوں لیکن بندوں کے حقوق معاف نہیں کر سکتا، یا نہیں کرونگا۔ یہ وہ مقام بندگی ہے۔ جسے دیگر انسان شان خداوندی نہیں لینا چاہتا۔

محسنِ انسانیت کا دیا ہوا یہ درس تا قیامت ہمارے لئے مشعل راہ ہے، شہیدوں میں سے بہتر حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، پھر ان کے بعد وہ شخص ہے جو کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور حاکم کو اَمر و نہی کی تلقین کرے، جس کی پاداش میں وہ حاکم اُسے ہلاک کردے۔ ہمیں لیڈر سے زیادہ ریفارمر (مصلح) کی ضرورت ہے۔ ایسا مصلح جو آج کی نا قابل علاج معاشرتی بیماریوں کا دارو بن سکے اور اپنے کردار کے نشتر سے فاسد مادوں کو قومی وجود سے پاک کردے۔

میری سوچ، عمل اور قول وفعل میں تضاد ہے۔ سوچتا کچھ ہوں، کہتا کچھ ہوں اور کرتا کچھ اور ہوں۔ یہی قول وفعل کا تضاد ہی ہماری سب سے بڑی بیماری ہے۔ دعا کرو کہ تمہارا والد اور پوری قوم اس بیماری سے شفایاب ہوجائے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# متوسط طبقے کی قیادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

15 جون 2004ء
گوانتانامو بے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بشریٰ بی بی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

میرا سیل تندور کی طرح تپ رہا ہے، راتیں بھی کروٹیں لیتے گزرتی ہیں۔ کیمپ جیل لاہور میں ہمیں ائرکولر کی سہولت حاصل تھی، یہاں وہ بھی حاصل نہیں ہے۔ گوانتانامو بے کو بھیجنے اور وہاں سے آزاد ہو کر آنے والے قیدیوں کو الگ رکھنے کیلئے جیل میں ایک ویران گوشہ تلاش کیا گیا تھا، جسے جیل میں گوانتانامو بے سیل یا کیوبا سیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے حفاظتی انتظامات کیے گیے، دیواروں کو اور بلند کیا گیا، بجلی کی تاریں لگا کر اسے محفوظ کیا گیا۔ اس کے اردگرد کے علاقے بھی خالی کرا دیے گئے، گویا میں ایک ویران جزیرے پہ رہتا ہوں، جہاں خودرو پودوں اور پرندوں کی آوازوں، جنگلی چوہوں اور بلیوں کا بسیرا ہے۔ انسانی شکلیں دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں اور انسانی آوازیں سننے کو کان۔

جب مجھے اس سیل میں بھیجا گیا تو میں نے احتجاج کیا، مگر ''باغی اور غدار'' کی بات پر کون توجہ دیتا ہے۔ ایک لوہے کی پلیٹ اور ایک پلاسٹک کا گلاس مجھے کھانے پینے کیلئے دیا گیا۔ یہ اس سیل میں میری کُل کائنات تھی۔ کوٹ لکھپت جیل میں تو ٹُونٹی سے منہ لگا کر پانی پینا پڑتا تھا، ہاں! یہاں ایک عدد لوٹا بھی تھا، سچی بات ہے، مجھے یہاں آ کر لوٹے کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔ مجھے لگتا ہے یہی احساس دلانے کیلئے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ جس طرح میرے جیسے دیہاتی کا میلے میں کھیس چوری ہو گیا تو اُس نے کہا: میلہ تو میرے کھیس کو چُرانے کے لیے لگایا گیا تھا۔

اب رہا تمہارا سوال کہ متوسط طبقے کی قیادت کیوں نہیں اُبھری، میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے متوسط طبقے کی قیادت متوسط اور جمہوریت کی تین علامتیں تھیں۔ موچی گیٹ لاہور، لالوکھیت کراچی اور پلٹن میدان ڈھاکہ۔ ہمارے حکمران پنجابی بیوروکریسی، فوجی جرنیل اور فیوڈل لارڈ، اِن تینوں علامتوں کو مٹانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

مشرقی پاکستان کی قیادت متوسط طبقے سے آتی تھی، وہاں کی 80 فیصد زمینوں پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اور

ووٹ پر مسلمانوں کا۔ ہندو وہاں اپنی بقا کی جنگ لڑنے کیلئے مسلمان قیادت کو استعمال کرتا تھا، لیکن براہ راست اسمبلیوں تک پہنچنا اس کیلئے ناممکن ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی قیادت پر ہندو مارواڑیوں کی گرفت کمزور ہو رہی تھی، کیونکہ وہ اپنی دولت کلکتہ منتقل کر رہے تھے اور مقامی آبادی کے غیض و غضب کا نشانہ بن رہے تھے۔

مغربی پاکستان کے حکمرانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو مستحکم کرنے کی بجائے بے توقیر کر دیا۔ اُن کی 200 سال کی جدوجہد کو انگریزوں کے کاسہ لیس مذاق کا نشانہ بناتے تو اُن کے زخم ہرے ہو جاتے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ملک میں ''جمہوریت کا ایک جزیرہ'' رہ گیا تھا، جس سے متوسط طبقے کی قیادت جنم لیتی تھی۔ پورے ملک کی امیدوں کا مرکز کراچی اور حیدر آباد کو سمجھا جاتا تھا، اُسے ختم کرنے کیلئے پھر نئی منصوبہ بندی کی گئی، وہاں سے متوسط قیادت تو آتی ہے مگر اُس کی سوچ کا دھارا بلدیاتی حدود سے آگے نہیں نکل سکا۔

دُنیا میں بے شمار ملک ہیں جن کی ترقی کا دروازہ متوسط طبقے کی قیادت نے کھولا ہے۔ مجھے یقین ہے اگر بار بار انتخابات ہوں اور اداروں کو مستحکم ہونے کا موقع ملے تو صرف پاکستان ہی نہیں پوری ترقی پذیر دنیا میں سیاسی استحکام کی وجہ سے معاشی انقلاب آ جائے گا۔ متوسط اور غریب طبقات کی قیادت کا دروازہ اسمبلی میں کھلتا ہے، جب اسمبلی کا دروازہ سالہا سال تک بند کر دیا جائے یا اسمبلیوں کو کٹھ پُتلیاں سمجھ لیا جائے تو عوام قومی دھارے سے کٹ جاتے ہیں۔ اسمبلیاں صرف مراعات یافتہ طبقے کے کلب بن جاتی ہیں اور عوام کی نفرت کا مرکز۔

تمہیں بتانا تھا، سعدیہ اور عمران ملنے آئے تھے، محمد اور نور فاطمہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ جیل والوں نے ایک سالہ محمد اور دو سالہ نور فاطمہ کے ہاتھوں پر بھی مہریں لگائی ہوئی تھیں۔ اپنے نانا سے ملنے کیلئے اِن بچوں کو جن پابندیوں کا سامنا ہے وہ تاریخ کا حصہ ہیں اور میرے لیے زادِ سفر!

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# قوتِ برداشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

20 جون 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی          بُشو بی بی!          السلام علیکم!          مزاج!

برداشت کی طاقت زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ سیاست میں تو خاص طور پر اس کی بہت اہمیت ہے۔ ممونہ میں حوصلہ اور برداشت مجھ سے کہیں زیادہ ہے، وہ حادثاتی طور پر سیاست میں نہیں آئی بلکہ حادثہ اُسکی ذات کی تکمیل کے لیے انتظار کر رہا تھا۔

برداشت کی دوسری انتہا میں نے جیل میں دیکھی ہے۔ میں صبح و شام پرندوں اور بلیوں کے سامنے اُن کی خوراک ڈال دیتا ہوں۔ ہم سارے ایک دوسرے سے ایسے مانوس ہو گئے ہیں جیسے ایک ہی خاندان کے فرد۔ نہ میں پرندوں کو شکار کرنے کا سوچتا ہوں اور نہ بلیاں اُن پر جھپٹتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی سوچ سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ رزق کی بہم رسانی اور قید نے جبلتوں پر کنٹرول کر لیا ہے۔ اسی طرح گلوبل ویلج کے چودھری ہمیں بھوکا مار کر اپنے کنٹرول میں لے آتے ہیں اور ہماری قوت برداشت کا امتحان لیتے ہیں۔ جب ہم بھوک سے بلبلاتے ہیں تو قرضوں کی صورت میں ہمیں قوت لایموت فراہم کر دیتے ہیں تا کہ اُن کی معیشت کا پہیہ چلتا رہے۔

میں نے زندگی بھر کوشش کی ہے کہ ذاتی دشمنیاں نہ پالوں۔ اس میں کس حد تک کامیاب ہوا، یہ وقت فیصلہ کرے گا۔ سکول کی زندگی سے لے کر اب تک جب بھی کوئی انتخاب ہارا ہوں، میں نے فریقِ مخالف کو مبارک باد ضرور دی۔ ذاتی طور پر جا کر بھی اور اخبار کے ذریعے بھی۔ میں قبائلی دیہاتی ماحول میں پلا ہوں۔ میری یہ حرکت میرے حامیوں نے کبھی پسند نہیں کی، مگر میں نے یہ سب والدِ محترم سے سیکھا وہ کہا کرتے تھے دوسرے کو مٹانے کی خواہش کو اپنے دِل سے مٹا دو اور اس خواہش کو معاشرے سے برائی مٹانے کی خواہش میں بدل دو۔ وہ کہا کرتے تھے ہر انسان ایک شخصیت لے کر پیدا ہوتا ہے، قدرت کا منشا بھی یہی ہے کہ ہر انسان اپنے آپ کو اہم سمجھے۔ وہ فرماتے تھے کہ انسان دو دعائیں کبھی نہیں مانگتا، ایک مزید عقل کے لیے اور دوسری شکل کو بہتر بنانے کے لیے۔ وہ اپنے آپ کو خوبصورت بھی سمجھتا ہے اور عقل مند بھی۔

میں سکول میں پہلی مرتبہ تقریری مقابلے میں صدارت کا عہدہ دو نمبر سے ہار گیا۔ منصفین نے کہا تقریر تو ٹھیک ہے مگر اس نے وردی نہیں پہنی ہوئی۔ پتہ نہیں میں شروع سے ہی وردی سے کیوں الرجک تھا۔ آخر کار پہنانے والوں نے مجھے وردی پہنا کر ہی دم لیا، خواہ وہ قیدی نمبر 6496 کی وردی ہی کیوں نہ ہو۔ خیر میں بات کر رہا تھا

برداشت کی، میں نے پھول صدر بننے والے اور بنانے والوں کو پہنا دیئے مگر سکول والے انہیں دو نمبر صدر کہہ کر پکارتے۔ حالانکہ وہ وردی والے صدر تھے۔ فرسٹ ائیر میں الیکشن ہارا تو سارے پھول جیتنے والے کو پہنا دیے۔

عملی زندگی کے انتخاب میں جب ہارا تو حریفوں کو گھر جا کر مبارکباد دی۔ ایک مرتبہ عجیب واقعہ ہوا، میں اپنا ووٹ کاسٹ کرنے کے لیے جلدی میں کمرے میں داخل ہوا تو پیر وارث شاہ مخالف کی صندوق میں ووٹ ڈال رہا تھا، اُس کے ہاتھ سے پرچی گر پڑی اور وہ یہ کہتے ہوئے باہر بھاگ گیا کہ میں نے آپ کو ووٹ دے دیا ہے۔ میں نے وہ پرچی اٹھا کر اپنے مخالف کی صندوق میں ڈال دی، یہ اُسی کا حق تھا میرے اور اللہ کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا، میں نے جس کی امانت تھی اُس تک پہنچا دی۔ شیطان کو پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی جس نے مجھے احساس دلانے کی کوشش کی کہ تم ایک ووٹ سے بھی الیکشن ہار سکتے ہو، میرا ضمیر اپنا کام کر چکا تھا۔ یونیورسٹی میں خونِ جواں تھا لیکن میری اپنے حریفوں سے دوستیاں تھیں۔ ہم ایک دوسرے کے خلاف زور شور سے تقریریں کرتے لیکن نظریات کی سیاست کبھی ذاتی دشمنیوں میں نہیں بدلی۔ جہانگیر بدر، راجہ انور، انور چودھری، راشد بٹ، حسام الدین قریشی سے اب تک بھائی چارہ قائم ہے۔ راجہ انور کے بال بہت لمبے ہوتے تھے، کمرے میں بیٹھ کر ہم اکٹھے چائے پیتے اور اُس کے سر اور داڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے اور خوب ہنستے۔

1993ء کا واقعہ ہے کہ محترمہ بے نظیر نے لانگ مارچ کا اعلان کیا اور ہماری حکومت نے غلط حکمتِ عملی سے پورے شہر کو فورٹریس میں تبدیل کر دیا۔ سرحد، سندھ، بلوچستان اور پنجاب کا راستہ پورے ملک سے کاٹ دیا گیا، اٹک کے پُل پر مورچے بنا دیے اور اسلام آباد میں جگہ جگہ پر چوکیاں بنا دی گئیں۔ اِس دوران پیپلز پارٹی کے سابق وزیر سید ناظم حسین شاہ ہماری حکومت کو گرانے کے لیے میرے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لانگ مارچ میں شریک ہونے کے لیے اس سے محفوظ راستہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے سید ناظم حسین شاہ میرے قریبی دوست ہیں، ہر الیکشن میں اپنی پارٹی کی حمایت میں اور میری مخالفت میں انتخابی مہم چلاتے ہیں۔ 2002ء کے انتخابات میں بھی میری مخالفت میں پیش پیش تھے۔ میں نے انہیں دوستی کے آغاز میں ہی کہہ دیا تھا کہ سب سے پہلے آپ کو اپنی جماعت سے وفادار رہنا چاہیے اور بعد میں ذاتی دوستوں سے۔ وہ میرے اس مشورے پر بھرپور طریقے سے عمل کرتے ہیں، جب میں جیل میں ہوتا ہوں تو تیتر بٹیر، سوہن حلوہ اور شربتِ بادام کی فراہمی وہ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود جب بھی اللہ کے گھر جانا ہوتا ہے پہلی نظر پڑتے ہی قوتِ برداشت کی دُعا مانگتا ہوں۔ مجھے احساس ہے میری دعا ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔ آؤ تم بھی میری اس دعا میں شامل ہو جاؤ کہ اے سب کی سننے والے رب، ہمیں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی طاقت عطا فرما، آمین۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# آٹھ ارب کا فائدہ
# اقتدار اور اختلاف کی سیاست

25 جون 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشی جی!

السلام علیکم! کیسی ہو!

امید ہے تم خیریت سے ہوگی۔ تم سے ملے ہوئے تین مہینے ہو گئے ہیں۔ امتحانات کی تیاری کیسی ہے؟ صاف ظاہر ہے تم ان دنوں بہت مصروف ہوگی۔ جونہی امتحانات ختم ہوں مجھے آ کے مل جانا۔ بہتر یہی ہوگا کہ پہلے ملتان جا کر ماں کی خیریت دریافت کرو اور پھر زیادہ وقت اسلام آباد میں رہ کر اپنا تھیسز (Thesis) مکمل کرو۔ یہاں تمہیں تربیت حاصل کرنا آسان ہوگا اور مجھ سے ملنے میں بھی سہولت ہوگی۔ تم نے پوچھا تھا: میرے وزیر بننے کا قوم کو کیا فائدہ ہوا؟ حزب اختلاف میں رہنے سے میں نے کونسی قومی خدمت سرانجام دی اور جیل جانے سے کونسی بہتری آ گئی ہے؟

میں مختصراً تمہاری دونوں باتوں کا جواب دیتا ہوں۔ کیونکہ یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

میں میاں نواز شریف کی دونوں حکومتوں میں کابینہ میں شامل تھا۔ پہلی کابینہ میں میرے پاس سپیشل ایجوکیشن، سوشل ویلفیئر، ہاؤسنگ و تعمیرات اور کچھ وقت کیلئے ماحولیات کی وزارت تھی۔

ہاؤسنگ و تعمیرات کی وزارت کی دنیا بہت وسیع ہے۔ پوری قوم کے سر پر چھت فراہم کرنے کی پالیسی پر مبنی نئی تعمیرات سے لے کر ملازمین کو تمام حکومتی گھروں کی الاٹمنٹ اور اُن کی درجہ بندی کا آخری فیصلہ متعلقہ وزیر کے پاس ہوتا ہے۔ میں نے بطور وزیر کوئی ایک فیصلہ بھی میرٹ سے ہٹ کر نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اختیارات ایک کمیٹی کے حوالے کر دیئے۔ جس میں عوامی نمائندے موجود تھے۔ (آج تمہیں خط لکھ رہا تھا۔ اخبار میں خبر چھپی ہے کہ یہ اختیارات دوبارہ ہاؤسنگ کے وزیر کو واپس کر دیئے گئے)۔ میں فقط اِن کے فیصلوں پر عملدرآمد کراتا تھا۔ ایک بہت بڑی جائیداد جس کی قیمت اربوں روپے ہے، محتسب اعلیٰ نے ایک کاروباری گروپ کے حوالے کرنے کو کہا۔ مجھے اس گروپ کے کچھ نمائندے ملے اور کہنے لگے کہ اگر آپ محتسب اعلیٰ کے حکم پر عمل درآمد کرائیں گے تو اس سے آپ کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا اور آپ کے دوست یا عزیز ہمارے پارٹنر بھی بن سکتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ کا حق بنتا ہے تو اس حق کی حفاظت کا میں نے حلف اٹھایا ہے۔ اگر آپکا حق نہیں بنتا تو میں آپ کی کوئی خدمت

نہیں کر سکوں گا۔

میں نے فائل منگوائی محتسب اعلیٰ کا فیصلہ یکطرفہ تھا۔ میری وزارت نے اس فیصلے کو چیلنج کر دیا اور حکومتی خزانے کو اربوں کے نقصان سے بچالیا گیا۔

محترمہ بے نظیر کے دور میں پھر اس گروپ نے یہ زمین اپنے نام کرانے کی کوشش کی، میں اس وقت قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ مجھے خواجہ طارق رحیم وی آئی پی لاؤنج اسلام آباد میں ملے۔ میں ممبران قومی اسمبلی کے ساتھ بیٹھا گپ شپ کر رہا تھا۔ وہ حسب عادت اونچی آواز میں کہنے لگے کہ اس بیوقوف سے پوچھو، اس نے کروڑوں روپے کی آفر کو ٹھکرا دیا تھا۔ وہ جائیداد اب انہی لوگوں کو الاٹ ہو گئی ہے، جن کے خلاف یہ رکاوٹ بنا تھا (اُس وقت خواجہ طارق رحیم محترمہ بے نظیر کی کابینہ میں وزیر تھے)۔ میں نے اور دوسرے حزب اختلاف کے ممبران نے یہ معاملہ پہلے ہی اسمبلی میں اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حزب اختلاف باصلاحیت ہو تو حکومت سے زیادہ عوام کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم اتنا احتجاج کریں گے کہ حکومت کو فیصلہ بدلنا پڑے گا اور بعد میں یہی ہوا۔ یہ جائیداد میری معلومات کے مطابق ابھی تک قوم کی ملکیت میں ہے۔

دوسری مرتبہ میں وزیر صحت تھا۔ جب حلف اٹھانے کے بعد اپنے دفتر میں گیا تو سیکرٹری ہیلتھ ظہیر سجاد، جو ہمارے سابق چیئرمین سینٹ وسیم سجاد کے بھائی ہیں، نے کہا سر! ہم نے پولیو کی مہم چلانی ہے، کوئی ملک ہمیں مدد دینے کو تیار نہیں، بجٹ میں اس کیلئے پیسے نہیں ہیں، اب کیا ہوگا؟۔ میں نے اعانت کرنے والے ملکوں کی میٹنگ بلائی۔ اُن سے سیاستدان کی زبان میں گفتگو کی۔ خطوط کے ذریعے اُن کے ملکوں سے رابطہ کیا، ہمیں کروڑوں روپے کی مطلوبہ ویکسین (Vacien) بروقت مل چکی تھی اور قومی خزانہ سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا۔ اس سے پچھلی حکومت کا پولیو کا 35 لاکھ کا ویکسین کا سکینڈل بھی ہمارا راستہ نہ روک سکا۔

تمہیں سیاسی اقتدار کے ان پہلوں سے روشناس کرا رہا ہوں، جو قومی خزانے پر بوجھ بننے کے پروپیگنڈے کا حصہ ہیں۔

صحت کے محکمے کو ایک ٹیکنیکل وزارت سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں نہ میرا علم تھا اور نہ تجربہ۔ لیکن عوامی تعلق کسی بھی سیاستدان کو کامیاب کر سکتا ہے۔ اسی لئے برطانوی پارلیمانی نظام میں کہا جاتا ہے کہ "وزیر کو سپیشلسٹ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ جرنلسٹ ہونا چاہیے"۔ یہاں پر تو سیکرٹری بھی سپیشلسٹ نہیں ہوتا، نہ ہی ٹیکنوکریٹ اور نہ ہی جرنلسٹ۔

میں نے صرف ایک فیصلے سے قومی خزانے کو ہر سال ایک ارب بیس کروڑ کے زرمبادلہ کا فائدہ پہنچایا ہے۔ اب تک یہ بچت آٹھ ارب ہو چکی ہے اور ہر سال ہوتی رہے گی۔ میری طرف سے قوم کے اعتماد پر پورا

اترنے کی یہ ایک ادنیٰ سی کوشش تھی۔

ہوا یوں کہ مجھے اپنے عوامی رابطوں سے پتہ چلا۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں خام مال چین، بنگلہ دیش، سنگاپور سے خرید کر باہر کہیں Dump کرتی ہیں اور پھر اسے سوئٹزرلینڈ، امریکہ یا فرانس یا کسی مغربی ملک کا مال قرار دے کر ہمیں مہنگا فروخت کرتی ہیں۔

اس کا فرق تمہیں یوں سمجھ آئے گا کہ ایک کلو خام مال جو سنگاپور یا تائیوان سے پانچ سو ڈالرفی کلوگرام خریدا جاتا وہ ہمیں 35 ہزار ڈالر فی کلوگرام فروخت کیا جاتا۔ ہم یہ مال ٹنوں میں درآمد کر رہے تھے اور جہاز بھر بھر کر قیام پاکستان سے لے کر اب تک آ رہے تھے۔ کسی نے چیک کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔ اس خام مال کو امریکہ اور یورپی ممالک خود چین، ہندوستان، سنگاپور اور بنگلہ دیش سے خریدتے ہیں اور وہ اپنے لئے دوائیں بناتے ہیں۔ چونکہ خام مال کی خاصیت ایک ہوتی ہے، اس لئے ترقی یافتہ اقوام اب خام مال تیار کرنے کی بجائے درآمد کرتی ہیں اور ہم جیسے ناسمجھوں کو برآمد کرتی ہیں۔

میرا ٹارگٹ فی سال پانچ ارب روپے بچانے کا تھا، کیونکہ قومی خزانہ کو صرف خام مال کی مد میں ہر سال پانچ ارب روپے کے زرمبادلہ کا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔

تم پوچھو گی کہ میں نے یہ کارنامہ سرانجام کیسے دیا جو گذشتہ پچاس سال میں نہ دیا جا سکا؟ ہوا یوں کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیڈروں کی مفادات کے ٹکراؤ پر جنگ ہو گئی۔ اُن میں سے ایک کمپنی کے سربراہ نے مجھے کہا: اگر آپ مجھے یقین دلائیں کہ آپ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے دباؤ میں نہیں آئیں گے تو میں خام مال کی اصل قیمتوں کی تمام فہرستیں آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے اسے کہا: میں اپنے عوام کا چوکیدار ہوں، تم مجھ پر اعتماد کرو۔

جب میں نے تمام فہرستیں ملٹی نیشنل کمپنیز کے سربراہوں کے سامنے رکھیں تو اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اسی دوران میں جنیوا گیا تو ان سربراہوں نے مجھے وہاں ملنے کی کوشش کی۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں محدود ایجنڈا لے کر آیا ہوں۔ یہ معاملات پاکستان کی سرزمین پر میرے دفتر میں میٹنگ میں طے ہو سکتے ہیں۔ میں اکیلا فیصلہ نہیں کر سکتا، وہ مایوس ہو گئے۔ میں نے ایک کمیٹی بنا دی۔ اس کمیٹی سے طویل مذاکرات ہوئے اور آخرکار یہ کمپنیاں رضاکارانہ طور پر خام مال کی قیمتوں میں کمی کرنے پر آمادہ ہو گئیں۔ اُن سے طے پایا کہ پہلے مرحلے میں وہ ایک ارب تیس کروڑ روپے کا زرمبادلہ کم کریں گے۔

ہمارا ٹارگٹ 5 ارب روپے سالانہ کم کرنے کا تھا۔ اس دوران ہماری حکومت ختم ہو گئی۔ اب اس واقعہ کو 6 سال ہو گئے ہیں اور اس طرح قومی خزانے کو 8 ارب کے زرمبادلہ کا فائدہ ہوا ہے اور ہر سال یہ عمل جاری رہے گا۔ خط طویل ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے تین مرتبہ دواؤں کی قیمتیں کم کیں، یہ کیسے ہوا..... میرے جیل میں آنے کا

قوم کو کیا فائدہ۔ یہ ساری باتیں پھر کسی وقت......بس امتحانات سے فارغ ہو آ کر مجھے مل جاؤ، مگر پہلے ملتان میں اپنی والدہ سے ملنے کے بعد......ملتان جا کر سعدیہ سے کہنا، وہ محمد اور ماہ نور فاطمہ کو مجھ سے مِلا جائے، میں اُن کے بغیر اداس ہوں۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# عہدے کی سیاست اور نیلسن منڈیلا سے ملاقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 جولائی 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی بشی جی!
السلام علیکم! کیسی ہو تم، پڑھائی کیسی جارہی ہے۔

میں آج بہت اُداس ہوں، تمہاری ماں اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ گذشتہ ایک ماہ سے جیل تک بھی نہیں آ سکی۔ بچوں کی خبر گیری کیسے کرے گی، مومنہ ماں کی تیمارداری بھی کرتی ہے اور میرا خیال بھی رکھتی ہے اور صبح وشام اکیڈمی میں تعلیم کیلئے بھی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ بوجھ میمونہ کے کندھوں پر آپڑا ہے۔ میرے مقدمات کی پیروی، اسمبلی کی حاضری، مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں شمولیت اور حلقہ انتخاب سے رابطہ۔ اُس نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا، مگر جس ہمت اور حوصلے سے اُس نے حالات کا مقابلہ کیا ہے، میرے لئے باعث مسرت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کردار اُس کا انتظار کررہا تھا۔ احباب اُس کی تقاریر کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں، اسمبلی میں وہ ایک کہنہ مشق پارلیمنٹرین کے طور پر اُبھری ہے مگر اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتی۔

اس ہجوم یاس میں سوچا، میں تم سے کچھ باتیں کروں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ سیاست میں عہدے کو کیا اہمیت دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ بھٹو صاحب کے یاد کرنے پر ہمارا وفد جو سات افراد پر مشتمل تھا، اُن سے ملنے گیا۔ اُس میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے صدر احمد بلال محبوب بھی تھے جو آج کل پلڈاٹ کے ذریعے ممبران اسمبلی کی تربیت کررہے ہیں۔

میں نے بھٹو صاحب سے مل کر چھٹتے ہی سوال داغ دیا کہ آپ نے ہمیں کیسے یاد فرمایا ہے؟ یہ میٹنگ گورنر ہاؤس لاہور میں ہورہی تھی، ہنس کر کہنے لگے: آپ کو آپ کا گھر دکھانے کیلئے بلایا ہے۔ جہاں آپ نے آنا ہے۔ میں نے شرارتاً کہا: میری نظریں تو اسلام آباد پر ہیں۔ سنجیدہ ہوکر کہنے لگے: میں تمہیں لندن میں دولتانہ کی جگہ سفیر بنا کر بھیج دیتا ہوں۔ میں نے عرض کی، مجھے اپنی صلاحیتوں کی کمی کا احساس ہے اور عمر کی کمی کا بھی۔ کہنے لگے: یہ دنیا بھر میں ایک ریکارڈ ہوگا کہ اتنی کم عمر کا سفیر اتنے اہم ملک میں تعینات کیا گیا ہے۔

بچپن سے اب تک ایک عجیب بات میرے ذہن پر چھائی ہوئی ہے کہ اگر حالات مجھے موچی بنادیں تو جوتے گانٹھتے ہوئے مجھے خون پسینہ ایک کردینا چاہیے یا اگر حالات مجھے بس کنڈیکٹر بنادیں تو میرا رویہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے ساتھ مؤدبانہ اور خادمانہ ہونا چاہیے۔ میں نے کبھی عہدے کی تمنا نہیں کی۔ ہاں استاد بننے کی خواہش دل میں اب تک جواں ہے۔

ساتویں جماعت سے ذہن میں تھا کہ چاہوں یا نہ چاہوں میں نے ایم این اے بننا ہے اور عوام کی ترجمانی کرنی ہے۔ وزارتیں تو راستے میں خود بخود آتی گئیں، البتہ میں بچپن سے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ (U-Thant) کا ذکر سنتا تو سوچتا کہ ساری دنیا کی تنظیم کو ایک فرد کیسے چلاتا ہے۔ پھر خود سے سوال کرتا کہ کیا میں یہ کرسکتا ہوں؟

صدر اور وزیراعظم کے عہدے میں مُیں نے کبھی کشش محسوس نہیں کی۔ میں نے عملی زندگی میں ہر وزیراعظم کا جو انجام دیکھا ہے، اس کے بعد وزیراعظم پر ویسے بھی ترس آنے لگا ہے۔ میں ہمیشہ نظام بدلنے کا خواہشمند رہا ہوں۔ لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، ذوالفقار علی بھٹو، دوتہائی اکثریت والا میاں نواز شریف...... ایک لمبی قطار ہے۔ قوم نے انہیں اپنی نمائندگی کا اعزاز دیا۔ اُن کی بے وقعتی اور دربدری خون کے آنسو رُلاتی ہے۔

صدر مملکت بھی عجیب ادوار سے گزرے۔ ایوب کا ماتم کرنے والا گوہر ایوب رہ گیا ہے اور ضیاء الحق کا اعجاز الحق۔ جاہ و جلال کے مظہر یحییٰ خان کے تابوت کو اکیس توپوں کی سلامی باوقار نہ کرسکی۔ غلام اسحٰق خان کا نام میں بُھول گیا تھا، شاید قوم نے یاد رکھا ہو۔ ہاں! ایک سکندر مرزا بھی ہوا کرتا تھا، جب یہ دُنیا سے گیا تو اس کے بھی دونوں ہاتھ خالی تھے۔ مگر یہ وہ والا سکندر نہیں تھا۔ مجھے اُن کی بیگم سے ملک کے اندر اور باہر ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُن کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ آخری دنوں میں کتنا دکھی شخص تھا...... باقی رہے نام اللہ کا۔

میرے دوست مجھ پر گاندھی یا نوابزادہ نصر اللہ خان کی پھبتی کستے ہیں۔ جہاں تک نوابزادہ نصر اللہ خان کا تعلق ہے، میں اُن سے متاثر ہوں۔ آگ اور پانی کو اکٹھا کرنے کے اُن کے جادو کا بھی قائل ہوں۔ میں جب اڈیالہ جیل میں آیا، اُن کی وفات کا زخم تازہ تھا۔ میں مہینوں افسردہ رہا، پہروں اُن کی یاد میں آنسو بہاتا تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو آخری سانس تک جمہوریت کی بحالی کی جستجو کر رہا تھا، بستر مرگ پر ذرا حالت سنبھلی تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ مجھ سے اور مخدوم امین فہیم سے رابطہ کرے اور اے آر ڈی کی میٹنگ کی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ وہ اس بات پر سخت ناراض تھے کہ ہم نے اُن کی بیماری کی وجہ سے اے آر ڈی کی میٹنگ ملتوی کرتے ہوئے نئی تاریخ کا اعلان کیوں نہیں کیا۔ یہ اُن کی اپنے بیٹے نوابزادہ منصور خان سے آخری گفتگو تھی، وہ ہسپتال سے سیدھا میٹنگ میں آنا چاہتے تھے۔

مریضِ محبت اُنہی کا فسانہ
سناتا رہا دم نکلتے نکلتے

قیادت کے بارے میں مَیں نے ایک اصول طے کیا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے مردم آزاری سے نجات مل گئی ہے۔ میں نظریئے اور فکر کی سیاست کرنے والوں کو ولی سمجھتا ہوں، خواہ وہ بائیں بازو کی سیاست کر رہے ہوں یا دائیں بازو کی۔

تیسری دنیا کے سیاست دانوں کو قطب کا مقام دینے کو تیار ہوں، لیکن میں انہیں پیغمبر نہیں سمجھتا کہ اُن سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکتا ہو۔ البتہ ذات کو قوم اور ملک پر ترجیح دینے والی سیاست کے خلاف جہاد کو اپنا ایمان سمجھتا ہوں۔

میرے بزرگوں نے اڑھائی سو سال تک دریائے راوی اور دریائے سندھ کے اندر بھکر سے دیپالپور تک حکومت کی، مگر ہمارے جدِ اعلیٰ نے حکومت کو خیر باد کہہ کر دین کے فریضے کو ترجیح دی۔ میں نے اپنے گھر کی لائبریری میں جب ایک کتاب میں عنوان پڑھا "چھوڑ دی شاہی شاہِ دیندار نے" تو اقتدار سے بے رغبتی کا پورا فلسفہ سمجھ میں آ گیا۔ میرے بزرگ آج بھی میرے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ میں تازہ ترین مثال نیلسن منڈیلا کی ہے جو اقتدار سے علیحدہ ہو کر امر ہو گیا ہے۔ عہدہ کی ہوس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

نیلسن منڈیلا رہائی کے بعد پاکستان آئے تو میں نے دو دن ان کے ساتھ گزارے۔ یہ ایک یادگار موقع تھا۔ کراچی سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں رات ہم نے اکٹھی گزاری اور پھر اسلام آباد کی سولو فلائیٹ (Solo flight) کے سفر میں بھی طویل گفتگو ہوئی، وہ اس وقت تک جنوبی افریقہ کے صدر نہیں بنے تھے، نہ انہیں عہدہ سنبھالنے کی جلدی تھی۔ وہ جنوبی افریقہ کی معیشت، اندرونی استحکام اور امن کے رول کے بارے میں منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ انہوں نے 27 سال قید و بند کی صعوبتیں اور مشقتیں کیسے برداشت کیں۔

انہوں نے ہنس کر کہا کہ

جاوید! قید میں ایک ایک لمحہ گن گن کر گزرتا ہے۔ باہر آ کر یوں محسوس ہو رہا ہے کہ بس ایک لمحہ تھا جو گزر گیا۔

"بس اپنے مقصد کا تعین ہونا چاہیے"۔

نیلسن صدر بننے کے بعد دوبارہ پاکستان کی مدد کا شکریہ ادا کرنے آیا۔

اس مرتبہ انہیں صدارتی پروٹوکول حاصل تھا، مجھے ان کی خدمت کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس مرتبہ کسی اور کو یہ اعزاز ملا۔

ہم تو سفرِ محبت کے ساتھی تھے، حکمرانوں کے سفر کے ساتھی کوئی اور ہوتے ہیں۔

الوداعی تقریب میں وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے میرا تعارف کرایا۔ نیلسن نے کہا کہ ان کے تعارف کی کوئی ضرورت نہیں، یہ خوشبو میرے اندر بسی ہوئی ہے۔

میں نے اس خوشگوار لمحے کو اپنے دماغ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیا۔ جب نیلسن منڈیلا جیل میں تھا، برطانیہ کی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے انہیں دہشت گرد قرار دیا تھا۔ وہ اپنی ذات کی بجائے جنوبی افریقہ کے عوام کی آزادی کی بات کر رہا تھا۔ آج وہ امن کا سمبل کہلاتا ہے۔ اُس نے غربت، بیماری اور جہالت کے خلاف 85 سال کی عمر میں بھی جنگ جاری رکھی ہوئی ہے۔ مغرب کا حُسن کرشمہ ساز جب چاہے کسی کو دہشت گرد بنا دے یا امن کا پیغامبر!

تم سے باتیں کر کے ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد ملاقات ہوگی۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# قیادت کا تصور اور چرچل کا گاؤں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

20 جولائی 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

نجمی جی!

السلام علیکم! کیسی ہو!

میں آج بہت خوش ہوں۔ رات کے تین بجے ہیں، باہر زوردار بارش ہو رہی ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہے۔ میں اپنے روزنِ دیوار سے باہر جھانک کر محظوظ ہو رہا ہوں۔

میں نے پھولوں کی جو قلمیں اپنے سیل کی دیواروں کے ساتھ لگائی تھیں، اُن پر موتیا، چنبیلی اور گلاب مہک رہے ہیں۔ تیز روشنی کے بلب جو مجھے اذیت دینے کیلئے رات کو جلائے جاتے ہیں، راحت کا باعث بن گئے ہیں۔ ساری رات پھولوں کو دیکھ سکتا ہوں، اُن کی خوشبو سے اپنے دماغ کو معطر کر سکتا ہوں۔

حاکموں نے مجھے تنہا کرنے کی کوشش کی ہے مگر میں نے اُن کی سازش کو ناکام بنا دیا ہے۔ میں ہر شام محفل جماتا ہوں، دنیا کی عظیم ہستیاں مجھے میزبانی کا شرف بخشتی ہیں اور میری رہنمائی کرتی ہیں۔ میں خدا اور اس کے رسول کی مصاحبت میں رہ رہا ہوں۔ میں تنہا کیسے ہو سکتا ہوں!!

ملک کے کروڑوں لوگوں کی دعائیں، اُن کے دکھ درد، اُن کی امیدیں میرے ساتھ رہتی ہیں۔ یہ ہیبت ناک سلاخیں جذبوں اور محبتوں کو اندر آنے سے نہیں روک سکتیں، جب چاہتا ہوں کتابوں میں گم ہو جاتا ہے، جب چاہتا ہوں منزل کو اپنے پاس بُلا لیتا ہوں۔ سالک تو بیٹھا ہوا بھی حالتِ سفر میں ہوتا ہے میں بھی سلوک کی منزل طے کر رہا ہوں۔ رہائی کے بعد جنگل میں بسرام کرنے کا تقاضا کردوں تو پریشان نہ ہونا۔

خیر اب مقصد کی طرف آتے ہیں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ قیادت کا تصور میرے نزدیک کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ رسالت مآبؐ کی زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر میں مسلمان گھر میں پیدا نہ ہوتا اور دیانتداری سے انسان کی بہتری کا راستہ تلاش کرتا تو ایک ہی راستہ مجھے منزل مقصود پر پہنچاتا اور وہ راستہ خواجہ یثربؐ کی چوکھٹ سے ہو کر گزرتا ہے۔

اقبال تو کہتا ہے کہ تیرے وقت کا امام وہ ہے جو تجھے حاضر اور غائب سے بیزار کر کے نئی دنیا بسانے کیلئے تمہاری زندگی دشوار تر بنا دے، اُس میں خوئے دلنوازی ہونی چاہیے ورنہ لوگ کارواں سے ٹوٹتے جائیں گے اور حرم سے بھی بدگماں ہو جائیں گے۔ عوام کو ساتھ لے کر چلنا اُس کی پہلی ذمہ داری ہے، جیسے ایک گڈریا اپنی

بھیڑوں اور بکریوں کو بحفاظت اپنی منزل مقصود پر پہنچانے کیلئے اُن کے پیچھے چلتا ہے اور ہر ہمسفر پر اُس کی نظر ہوتی ہے۔ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں مگر کئی رہنما انسانوں کو ہی بھیڑ بکریاں سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ رہنما وہی ہوتا ہے جو عوام کا احترام کرتا ہے اور اُن کے اعتماد کے حصول کیلئے اُن سے محبت اور تعاون کرتا ہے اور زمینی حقائق پر نظر رکھتا ہے۔

قومی شعوری سطح بلند کرنے کیلئے اُسے خود کو قربانی کیلئے پیش کرنا چاہیے۔ ذات کی نفی سے اجتماعی شعور بلند ہوتا ہے۔ رہنما کو مشکل ترین حالات میں جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خطرات کا سامنا کرنا چاہیے۔ جب رسالت مآبؐ اکیلے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کا پتہ لگانے نکلے تھے تو اہلِ مدینہ نے سکون سے سونا شروع کر دیا تھا۔

اعلیٰ نصب العین کے حصول کیلئے قیادت کو خود نمونہ کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔ اچھے رہنما کو سیاسی عمل سے سیکھتے رہنا چاہیے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا، تمہاری دادی ہمیں سکندرِ اعظم کا قصہ سنا کر بتاتی رہتی تھیں ناگزیر لوگوں سے قبرستان بھرے پڑے ہیں، ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ آنے والے ہم سے بہتر ہونگے۔ اچھا رہنما تاریخ بناتا ہے، اپنے ملک اور قوم کو بلندیوں تک پہنچاتا ہے، تاریخ اُسے نہیں بھول سکتی۔

میں افراد کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو رسالت مآبؐ حضرت عمرؓ کیلئے کیوں دعا مانگتے۔ افراد اپنی قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں اور اگر جذبے اور صحیح حکمتِ عملی سے کام کیا جائے تو قوم کو منزلِ مقصود تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

چرچل کی سیاست عملیت پسندی کی تصویر ہے۔ اُس کو عالمی سیاست کا ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ لیکن اُس کی سیاست کی بنیاد انسانی فلاح یا ترقی کی بجائے برطانیہ کے مفادات کے تحفظ پر ہے۔ وہ میرا آئیڈیل نہیں ہے لیکن اُس کے کردار کی ایک خوبی سے میں نے بہت زیادہ اثر لیا۔

1986ء میں چند دوستوں نے پروگرام بنایا کہ چرچل کے گاؤں جا کر اُس کا گھر دیکھیں۔ وہاں اُن کے پوتے چرچل جونیئر جو اِس علاقے سے ایم پی منتخب ہوئے تھے ہمارے استقبال کیلئے موجود تھے۔ پھولوں کی روشوں سے گزر کر ہم چرچل کے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی تھی، جیسے چرچل نے ابھی استعمال کی ہو۔ بیڈ روم میں داخل ہوا تو محسوس ہوا چرچل محوِ خواب ہے۔ غسل خانے میں جا کر دیکھا ادھ جلا سگار اُسی طرح موجود تھا۔ کموڈ کے ساتھ لکھنے کی سہولت موجود تھی اور کتابوں کا ایک شیلف بھی۔ چرچل کی کئی شاہکار تحریریں زیادہ تر یہیں لکھی گئیں۔ میں نے اُس کے پوتے سے پوچھا اِس گھر کو قومی ورثہ قرار دینے کا آپ کو کیا معاوضہ دیا گیا۔ ہنس کر کہنے لگا کچھ نہیں ملا اور بہت کچھ ملا۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ میرا دادا بہت خرچیلا تھا اور اکثر مقروض رہتا تھا۔ ایک مرتبہ دیوالیہ ہو گیا تو اِس گاؤں کے زمیندار نے یہ گھر میرے دادا کو اِس شرط پر ہوا کر

دیا کہ وہ اِسے بیچ نہیں سکے گا اور اُس کے مرنے کے بعد یہ قومی ملکیت ہوگا۔ ہمیں یہ معاوضہ ضرور ملا ہے کہ قوم ہماری عزت کرتی ہے اور اِس حلقے سے ہمیں منتخب کرتی ہے۔

میں اگرچہ تمہارے لئے کوئی بہت بڑا اثاثہ تو نہیں بنا سکا لیکن اگر تم ملکی معاملات میں آگے بڑھ کر اصلاحی کام کرنا چاہو تو کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ہونگے جو یہ کہہ کر اپنا تعاون پیش کریں کہ تمہارے والد نے اپنی مٹی سے محبت کا رشتہ بہ سرِ دار بھی نبھایا تھا۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# گلوبل ویلیج اور بین الاقوامی سیاست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

2 اگست 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بشی جی! السلام علیکم! مزاج بخیر!

صبح صادق ہونے سے پہلے کوئل میرے سیل کے سامنے والے درخت پر بیٹھ کر اپنی سریلی آواز میرے کانوں تک پہنچاتی ہے، پھر چڑیاں چہچہانا شروع کرتی ہیں، بلبل کی آہ وزاریاں مجھے نغموں پر اُکساتی ہیں، کوے بھی پیچھے نہیں رہتے۔ مجھے اُن کی آواز بھی زندگی اور آزادی کا احساس دلاتی ہے۔ مالدیپ کے جزیروں میں پرندے نہیں ہوتے، وہاں کوے کی آواز سے بھی اُنس ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی ہماری ثقافت میں کوا مہمان کے آنے کا سندیسہ لے کر آتا ہے۔ کہتے ہیں کوے نے انسان کو آدم کے بیٹے ہابیل کو اپنے بھائی کی لاش دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اب ابنِ آدم دوبارہ لاشوں کو دفنانا بھول گیا ہے۔ کوؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پھر ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلائیں۔

فاختائیں میرے قریب آکر میرے قفس کے پنجرے کے باہر بیٹھ جاتی ہیں۔ انسان جسے علّمہ البیان کے تاج سے نوازا گیا تھا، ایک دوسرے کی بات سمجھنے سے قاصر ہے اور حیوانِ ناطق ہونے کا حوالہ بھی مشکوک ہونے لگا۔ میں پرندوں کی زبان سیکھ گیا ہوں، جمالِ ہمنشین نے میرے اندر اثر کر لیا ہے۔ معلوم نہیں رہا ہو کر میں فاختہ کی زبان میں بات کروں گا یا کوے کی زبان میں یا حضرت سلیمانؑ کی طرح چڑے میاں کو دربار میں طلب کرتا ہوں کہ وہ وضاحت کرے کہ اُس نے اپنی چڑیا کے سامنے اپنے پَر سے میرے تخت کو گرانے کا دعویٰ کیوں کیا تھا۔ اُس نے بھی اگر وہی جواب دیا کہ آپ کا تخت کہاں اور میرے پَر کہاں، ہمیں اپنے گھر والوں پر رعب ڈالنے سے تو منع نہ کریں تو میرا ردِعمل کیا ہو گا۔

میرے خیال میں میرا ردِعمل امریکہ جیسا ہو گا جو توپ سے چڑیا کا شکار کرتا ہے، ناگاساکی، ہیروشیما، ویت نام، افغانستان اور عراق اُس کا تازہ شکار ہیں۔ میں نے بات کوئی اور کرنی تھی وہ بات تقریباً اِس سے ملتی جلتی ہے اور میری پرندوں والی گفتگو کو اُس بات کی تمہید سمجھ لیں جو میں کر رہا ہوں۔ دُنیا پر آج بھی جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا فارمولا کام کر رہا ہے، یہی فارمولا ہماری دیہاتی زندگی میں رائج ہے۔

دنیا جہاں ایک گلوبل ویلیج بن گئی ہے وہاں وہ تیزی سے پھیل بھی رہی ہے۔ اگست 1978ء میں اقوام متحدہ میں خطاب کرنے گیا۔ اس وقت اقوام متحدہ 127 ملکوں پر مشتمل تھی۔ آج اقوام متحدہ میں 202 کے قریب ممالک شامل ہیں۔ یعنی 26 سال میں 75 مزید ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔ دنیا کی ان تمام قوموں میں کامن فیکٹر جمہوریت ہے، جمہوری رویوں کی بنیاد کو معیشت کی ترقی کا معیار بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے پاس جمہوریت

کے قیام کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ ہمیں خوشدلی سے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ بین الاقوامی سطح پر ملاقاتوں اور مذاکروں میں شرکت اور امریکی یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کے موقع پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انسانی ذہن ابھی پختگی کے ابتدائی مراحل طے کر رہا ہے اور فطرت کے سربستہ رازوں سے ناآشنا ہے۔ اس کیلئے اِسے ابھی کافی مراحل سے گزرنا ہوگا۔

دنیا میں طاقت کے تین مراکز تسلیم کیئے جاتے ہیں۔ واشنگٹن، ماسکو اور بیجنگ۔ اتفاق سے مجھے تینوں مراکز میں سربراہ سطح کے مذاکرات میں شرکت کا موقع ملا۔ روس کے وزیراعظم پریماکوف کمر کے درد کا سامنا کر رہے تھے۔ مذاکرات کے بعد ہلکی پھلکی گپ شپ چل رہی تھی، انہوں نے کہا کہ آپ وزیر صحت ہیں۔ پاکستان میں اوکاڑہ کے قریب کسی کے پاس کمر کے درد کی دوا ہے۔ میں حیران رہ گیا۔ روس کا وزیراعظم خلاء میں انسان بھیج سکتا ہے مگر اپنی کمر کیلئے دیپالپور کے حکیم سے مسیحائی کا طالب ہے۔ میاں نواز شریف نے ہنستے ہوئے کہا۔ لگتا ہے اس کی کمر یلسن نے توڑی ہوئی ہے اور واقعتاً ایک ہفتے کے اندر روس کے صدر یلسن نے جو خود ہسپتال میں مہینوں موت و حیات کی کشمکش میں رہا، اُسے وزارت عظمیٰ سے چلتا کیا۔

امریکہ کے مرکز میں ایک مرتبہ ہمیں سمجھایا جا رہا تھا کہ محترمہ بے نظیر اور ضیاء الحق کو مل جل کر کام کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے لئے یہ ناقابل یقین تھا۔ بعد میں سردار شیر باز مزاری نے کہا ہاں ایسا ہو رہا تھا اور میں اس کا گواہ ہوں۔

بیجنگ والے تو بالکل سادہ لوگ ہیں مگر زمینی حقائق کو نظر انداز نہیں کرتے۔ اس لئے ہمیں سپر پاورز کو خلائی مخلوق نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہم بالکل اُن جیسے ہیں یا وہ ہمارے جیسے۔

ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم اقوام متحدہ کے پہلے سیکرٹری جنرل تھے۔ جن سے میری طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم کا جھکاؤ یہودیوں کی بجائے فلسطینیوں کی طرف تھا۔ اس پر الزام لگا دیا گیا کہ وہ نازی ازم میں یقین رکھتا ہے۔ مگر قوم نے اُسے اپنا صدر منتخب کر لیا۔ بطرس بطرس غالی دوسرے اور کوفی عنان تیسرے سیکرٹری جنرل ہیں۔ جن کے ساتھ مل بیٹھنے کا مجھے موقع ملا۔ بطرس بطرس غالی نے فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ امریکا کی قیادت کو یہ پسند نہ آیا اور انہیں گھر کا راستہ دکھا دیا گیا۔ یہ اوسط درجے کی ذہانت رکھنے والے افراد ہیں۔ کوفی عنان چلتی پھرتی بے بسی کی تصویر ہیں، ہمارے وزیراعظم کی طرح۔ ادارے کی وجہ سے پوری دنیا ان کی طرف رہنمائی کیلئے دیکھتی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی بڑا عبقری نہیں جو جریدہ عالم پر اپنا نقش ثبت کر سکے۔

مجھے دو بین الاقوامی انتخابی مہمات میں حصہ لینا پڑا تو اندازہ ہوا کہ بین الاقوامی سوچ ابھی میرے گاؤں کی سیاسی سوچ سے بلند نہیں ہو سکی، بلکہ کئی معاملات میں میرے گاؤں کی سوچ بین الاقوامی سوچ سے بہتر ہے۔

گوہر ایوب خان انٹرنیشنل پارلیمنٹرین یونین کا انتخاب لڑ رہے تھے۔ میری سربراہی میں ایک وفد

وزیراعظم کا پیغام لے کر یورپی ممالک کے سربراہوں سے مل رہا تھا۔ میر بلخ شیر مزاری میرے وفد میں شامل تھے۔ ہم جہاں جاتے وہ جمہوریت کیلئے ہماری خدمات کا پوچھتے۔ ہم جھینپ جاتے، مگر پھر انہیں کہتے کہ آپ ہمیں موقع دیں گے تو ہم جمہوریت کی خدمت کریں گے۔ وہ یورپی امیدوار پر ہمیں ترجیح دینے کو تیار نہیں تھے۔ رہی سہی کسر ہمارے امیدوار نے سٹراسبرگ کی کانفرنس میں تقریر کر کے پوری کر دی۔ اپنی تقریر میں وہ ایوب کے مارشل لاء کا دفاع کرتے رہے۔ حالانکہ ساری رات اکرم ذکی اور میں اُن کی منتیں کرتے رہے کہ آپ جمہوریت کے فورم پر یہ تقریر نہ کریں۔ نتیجہ صاف ظاہر تھا، وہ جو محاورتاً کہتے ہیں ہم اپنی ضمانت بھی ضبط کرا بیٹھے اور زرمبادلہ الگ ضائع ہوا۔

دوسرا انتخاب محترمہ نفیس صادق کا تھا جو اقوام متحدہ کی این ایف پی اے (N-F-P-A) بہبود آبادی کی سربراہ تھیں۔ وہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W-H-O) کی سربراہ بننا چاہتی تھیں۔ مقابلے میں ناروے کی تین مرتبہ وزیراعظم منتخب ہونے والی مس لن (Ms Lin) تھیں۔ جنہوں نے تیسری مرتبہ وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا اور بین الاقوامی سماجی بہبود کے کاموں میں حصہ لینے کیلئے افریقی ممالک میں سرگرم عمل ہو گئیں۔

مجھے وزیر صحت ہونے کی وجہ سے وزیراعظم نے کہا کہ محترمہ نفیس صادق کی انتخابی مہم کے سلسلے میں مختلف ممالک کا دورہ کروں۔ ہمیں شروع سے ہی اندازہ ہو گیا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ لیکن امیدوار کی خوش فہمی وہی تھی جو گاؤں یا محلے میں الیکشن لڑنے والے کونسلر کی ہوتی ہے۔ مجھے اس مہم میں بین الاقوامی ذہن میں جھانکنے کا موقع ملا۔ پوری دنیا گاؤں کی طرح تقسیم تھی۔ برادریوں کی بات کی اہمیت تھی، علاقائی حقائق فوقیت رکھتے تھے۔ امیدوار کے الیکشن میں اخراجات فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے تھے۔

عربوں سے ووٹ مانگتے تو وہ کہتے ہمارا اپنا علاقائی امیدوار ہے۔ یورپ والوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے کہ یورپی برادری کے فیصلے کا انتظار ہے۔ افریقی ممالک میں مس لن نے زیادہ سماجی کام کرا دیئے۔ ہندوستان سے انڈونیشیا تک کوئی صاف انکار بھی نہ کرتا۔ ہمارے ہاں اسے منافقت کہتے ہیں، بین الاقوامی سطح پر یہ ڈپلومیسی (Diplomacy) کہلاتی ہے۔ یہ باتیں اگر کونسلر کے انتخاب میں بھی کی جا رہی ہوں تو بھی قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

دنیا میں کئی ملک ترقی یافتہ ہو گئے ہیں، مگر انسان ترقی کے مراحل طے کر کے بھی ترقی یافتہ نہیں ہو سکا۔

ابھی انسانی ترقی کے مدارج کی رفتار انتہائی سست نظر آتی ہے، جو قوم انصاف، مساوات اور سچائی کا پرچم لے کر چل پڑے گی زمانہ اس کی یلغار کا ساتھ دے گا۔ وسائل کی عدم دستیابی انسانی شعور کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ قاضیِ تقدیر کا اٹل فیصلہ ہے کہ زیادہ وسائل والی بے انصاف قوموں کی جگہ بے وسیلہ، مگر عدل و انصاف کی حامل قوموں کو برتری نصیب ہوتی ہے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# پارلیمنٹ کی بالادستی واحد علاج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

10 اگست 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بخشی جی!

السلام علیکم!  مزاج بخیر!

پچھلی ملاقات میں ابوالقاسم اپنی توتلی زبان میں کہہ رہا تھا "بابا سائیں گھر چلو" اُسے کہنا میں اُس کی ہر ضد پوری کر سکتا ہوں، مگر میری بھی ایک ضد ہے۔ میں اپنی آزادی پر عوام کی آزادی کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ ضد اُس کے خون میں بھی ہے۔ بڑا ہو کر میری مجبوریوں کو سمجھ جائے گا۔ دو سال پہلے جب وہ پیدا ہوا تو میں کیمپ جیل لاہور میں قید تھا۔ اُس کی ماں آمنہ 1977ء میں پیدا ہوئی تو یہ عجیب اتفاق ہے میں اُس وقت بھی کیمپ جیل لاہور میں تحریک نظام مصطفیٰ کے سلسلے میں قید تھا۔ اتنا شاندار ماضی رکھتے ہوئے اُس کی سمجھ میں سب کچھ آجائے گا۔

جب کوئی مفلس نادار اپنے منتخب نمائندے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے کہ آپ نے دوبارہ میرے دروازے پر آنا ہے جو برتاؤ آج میرے ساتھ کریں گے، کل اُسی برتاؤ کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو اُس کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ اُسے ووٹ کی پرچی "برچھی" نظر آنے لگتی ہے۔ اگر عوام سے پرچی کی طاقت چھین کر فردِ واحد کی حکومت قائم ہو جائے تو وہ بے زبان ہو کر بے بسی کی تصویر بن جاتے ہیں۔ وڈیرے، جاگیردار اور بااثر افراد اِس موقع کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فردِ واحد کا عوام سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں ہوتا، اُسے بیساکھیوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ ازلی تابعدار اُس کی تابعداری کر کے کمزور طبقات سے تابعداری کراتے کا لائسنس حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کی آزادی کا مطلب ہے پارلیمنٹ کی بالادستی اور سیاسی عمل کا تسلسل۔ سیاسی جماعتیں جب بار بار عوام کے دروازے پر جاتی ہیں تو سیاسی عمل کی وجہ سے معاشرے کے تمام طبقات اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو اپنی پارٹی کے دانشوروں، مزدوروں، کسانوں اور قانون دانوں کو ٹکٹ جاری کرنا پڑتا ہے۔ جس پارلیمنٹ میں تمام طبقات کی متوازن نمائندگی ہو جائے وہ ملک خوش قسمتی کی معراج پر پہنچ جاتا ہے۔

جب کسی قبیلے کا سردار اُس قبیلے کے محروم اور مقہور شخص کی کٹیا کے باہر کشکول گدائی لے کر اپنے لئے عزت و وقار کی بھیک مانگ رہا ہوتا ہے۔

جب کوئی نواب اپنی ریاست کے سرسوں کے کھیت کے کنارے اپنی سابقہ رعایا کے سامنے تاج شاہی اُتار کر دستارِ فضیلت کیلئے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوتا ہے۔

جب کوئی مُرشد یا مخدوم شہروں اور بستیوں کی خاک چھان رہا ہوتا ہے اور عزت سادات بھی داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ جس مرید کے گھر میں مٹی کا دِیا بھی نہ ہو، پیر وہاں سے روشنی تلاش کرتا ہے۔

جب کوئی وڈیرا، کوئی چودھری، کوئی خان صاحب 14 کروڑ عوام کو پہاڑی چوٹیوں پر غاروں میں، صحراؤں میں، کوچوں اور گلیوں میں تلاش کرنے کیلئے دربدر ہو رہا ہوتا ہے۔

جب علماء کرام انسانوں کے دروازے پر اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے انتظار کرتے ہیں، نہ عورت کے ووٹ کو آدھا ہونے دیتے ہیں اور نہ کسی کو عامی کہتے ہیں۔

جب کوئی کارخانہ دار اپنے مزدور سے بھیک مانگ رہا ہوتا ہے تو سلطانی جمہور کا یہ منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔

پارلیمنٹ کے قیام کے ساتھ ہی حکومت بنتی ہے۔ یہ حکومت عوام کی دی ہوئی ہوتی ہے، حزب اختلاف اُس کے احتساب کا عمل شروع کرتی ہے۔ یہ احتساب کا حق بھی عوام کا دیا ہوا ہوتا ہے۔

اگر حکومت عوام کا خیال رکھے تو عوام بھی پانچ سال بعد اُس حکومت کا خیال رکھتے ہیں، ورنہ احتساب کرنے والوں کو موقع عطا کرتے ہیں کہ وہ اپنے وعدوں کو عمل میں بدل کر دکھائیں۔

ملک کا ہر فرد سمجھتا ہے، پارلیمنٹ میں اُس کی آواز موجود ہے۔ وہ تمام ملکی معاملات میں اپنے آپ کو شریک سمجھتا ہے اور اجتماعی سوچ پیدا ہونے لگتی ہے، قوم کا وجود عمل میں آجاتا ہے۔

فیوڈل فوجی اور سول بیوروکریسی کا احتساب شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ پارلیمنٹ کے ممبران کو ملک میں ہونے والے تمام واقعات اور فیصلوں کے بارے میں پوچھنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اگر پارلیمنٹ میں دسواں حصہ ممبران بھی سوالات پوچھنا شروع کر دیں اور اپنی تقاریر میں حکومت کی بے اعتدالیوں کو قوم کے سامنے لائیں تو پارلیمنٹ کی بالادستی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اگر حزب اختلاف احتساب صحیح طریقے سے نہ کر سکے تو قوم اگلے انتخابات میں اُس کا احتساب کر لیتی ہے۔

پارلیمنٹ بنانے کے عمل میں اگر مداخلت نہ ہو تو اس کی کارکردگی میں پختگی آجاتی ہے اور پارلیمنٹ کے فورم سے نئی قیادت جنم لیتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم نہ کی جائے تو پھر افراتفری کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کے سامنے اپنے آپ کو جوابدہ نہیں سمجھتا اور جس معاشرہ میں جوابدہی کا عمل نہ ہو وہ معاشرہ بانجھ ہو جاتا ہے۔

پارلیمنٹ کی بالادستی سے دنیا میں معاشی ترقی ہوئی یا معاشی ترقی سے جمہوریت نے جنم لیا ہے۔ یہ ایک لمبی بحث ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشی ثمرات کے بغیر ایک کھوکھلی جمہوریت جنم لیتی ہے جو اڑھائی ہزار سال پہلے

''جولیس سیزر'' سے بھی پہلے موجود تھی۔ جولیس سیزر نے اسے ختم کر دیا۔ کمزور پارلیمنٹ کا تحفظ کا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا نہ ہی اس جمہوری عمل کیلئے کوئی جان دینے کو تیار ہوتا ہے۔

انسان شروع دن سے اپنی زندگی کے تحفظ اور معاشی مفادات کی جنگ لڑ رہا ہے جو پارلیمنٹ بے روزگاری اور بھوک کا علاج دریافت کر لیتی ہے، عوام اُس کی پشت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تمام حکمران طبقے جب جوابدہی کے عمل سے گزرتے ہیں تو اُن کا وجود نا قابل برداشت نہیں رہتا بلکہ سوال صرف اچھے اور بُرے حکمران کا رہ جاتا ہے۔ بُرے حکمران کو پانچ سال کے اندر نکالنے اور اچھے حکمران کو مزید پانچ سال کیلئے کام کرنے کا موقع دینے کا فیصلہ عوام کے ہاتھوں میں آ جائے تو ایک متوازن معاشرہ جنم لیتا ہے۔

اگلی صدی جمہوریت کی صدی ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگلی صدی کا مذہب ہی جمہوریت ہے۔ یہ بات اسلام کے پھیلنے کا باعث بنے گی، چونکہ اسلام سچائی کا مذہب ہے، آزاد فضا اسے راس آتی ہے، پابندیاں اسلام کیلئے زہر قاتل ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت میں تبلیغی جماعت کو اجتماع کی اجازت نہیں تھی۔ اسی طرح سعودی عرب میں تبلیغی جماعت کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا میں جمہوریت کی وجہ سے یہ اجتماع ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ اور برطانیہ میں اس قسم کے اجتماعات پر کوئی پابندی نہیں۔

جب پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم کر لی جاتی ہے تو طاقتور ملکوں کی مداخلت سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فردِ واحد دباؤ میں آ سکتا ہے لیکن پارلیمنٹ چونکہ اپنے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے، اس لئے پارلیمنٹ کسی بھی ملک کا دفاع اُس کی فوج سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ کر سکتی ہے۔

جمہوریت میں عوام کی بالادستی کا حق تسلیم شدہ اصول ہے۔ اکثریت کا فیصلہ قانونی شکل اختیار کرلے تو پُرامن معاشرہ جنم لیتا ہے۔ فیصلوں میں عوام کی شرکت قوم کو متحد کرنے کا باعث بنتی ہے۔ عوام کے نمائندوں کے ذریعے زمینی حقائق اور عوام کے مسائل پارلیمنٹ کے ذریعے قومی بحث کا حصہ بن جاتے ہیں۔

سول یا فوجی بیوروکریسی زمینی حقائق حاصل کرنے اور لوگوں کے مسائل سمجھنے میں پٹواری سے اسسٹنٹ کمشنر اور وہاں سے ڈی سی او اور ڈی پی او سے صوبائی سطح اور وہاں سے مرکز سے کئی مراحل سے گزرتی ہے۔ یہ مراحل زمینی حقائق اور مسائل کو قومی سطح پر پہنچانے میں کافی وقت لگاتے ہیں۔ اُس وقت تک مسئلہ بحرانی شکل اختیار کر چکا ہوتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ مسئلہ کا انتظامی حل عوام کی سوچ کے مطابق ہو۔ حل کی تلاش میں دیر کی وجہ سے عوام اور بیوروکریسی میں غلط فہمیاں بڑھ جاتی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کی وجہ سے بیوروکریسی اور عوام میں دوری پیدا ہو جاتی ہے، یہ دوری محرومی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ملک کے وجود پر عوام کا یقین متزلزل ہونے لگتا ہے۔ امن و امان کی صورتحال بحران میں تبدیل ہو جاتی ہے اور معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

پارلیمنٹ کی بالادستی کی سب سے بڑی خوبی جو کسی دوسرے نظام حکومت میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ ایک نمائندہ اگر صبح کے وقت کسی محلے یا دُور دراز دیہات میں لوگوں کے مسائل سے آگاہ ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کے شام کے اجلاس میں وہ مسائل ملکی سطح پر اُجاگر ہو کر حل طلب بن جاتے ہیں۔ اِسی طرح نمائندوں کے سوال کرنے سے حکومت اور افسر شاہی کو ہر وقت جوابدہی اور احتساب کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

# صبحِ آزادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

14 اگست 2004ء
گوانتانا موبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشی جی!

السلام علیکم! اُمید ہے تم خیریت سے ہو گی!

آج چودہ اگست ہے۔ صبح جلدی جاگ گیا، میرے سیل اور اُس کے باہر گھٹاٹوپ اندھیرا تھا۔ بجلی جا چکی تھی اور سخت حبس کی کیفیت تھی۔ آہستہ آہستہ سامنے کے درخت پر پرندوں نے چہچہانا شروع کیا، پھر تیز ہوا چلنے لگی، مگر ابھی تک صبح کے ماتھے کا رنگ کالا تھا۔

مؤذن کی اذان نے شبستان وجود میں قندیل روشن کر دی، سکوتِ شب کو سپیدہ سحر نے زندگی کا پیغام دیا۔ میں اپنے سیل کی سلاخوں کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ صبح آزادی آیت کی طرح آسمان سے اُتر رہی تھی، آزادی کی پہلی کرن زندان کی سلاخوں پر پڑی تو میں نے کھڑے ہو کر اُس کا استقبال کیا۔ روشنی پھیلنے لگی تو موتیا، چنبیلی اور گلاب عجب رنگ بکھیرتے نظر آئے۔ میں انہیں روزنِ دیوار سے دیکھ سکتا تھا، اُن تک رسائی ناممکن تھی۔ اگرچہ یہ پھول میں نے خود لگائے ہیں اور انہیں اپنے ہاتھوں سے سینچا ہے۔ مگر جب تک صیاد مجھے اجازت نہ دے میں قریب ہوتے ہوئے بھی اِن پھولوں کی خوشبو تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر آج آزادی کی خوشبو سے میرا دماغ معطر ہے۔

میں اپنے حصے کے آسمان کو دیکھ سکتا ہوں اور اپنے حصے کی زمین پر پاؤں جمائے بیٹھا ہوں۔ زمین کے رشتے کتنے مضبوط اور کتنے حقیقی ہوتے ہیں۔ فضا میں محوِ پرواز طیارے کو دیکھ کر میں سوچ رہا ہوں وہ جتنا زمین سے دُور ہوتا ہے اِس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو عظیم عمارات، دریا اور پہاڑ ریت کے ذرے کے برابر نظر آتے ہیں اور زمین پر انسان ایک رینگنے والے کیڑے کی طرح۔ جونہی زمین سے دوبارہ رشتہ قائم ہوتا ہے زندگی کے آثار لوٹ آتے ہیں اور انسان پھر انسان نظر آنے لگتا ہے۔

بشریٰ بی بی کبھی زمین سے رشتہ نہ توڑنا۔ تمہارے آباؤ اجداد نے صدیوں تک اسے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ اُن کی ہڈیاں اسی مٹی کا حصہ بن چکی ہیں۔ میں جو پھول دیکھ رہا ہوں، جو خوشبو سونگھ رہا ہوں، ان میں رنگ بھرنے کیلئے لاکھوں انسانوں نے اپنے جگر کو لہو کیا ہے۔ کروڑوں انسانوں نے اِس زمین سے اپنا رشتہ جوڑنے کے لیے آباؤ اجداد کے گھروں کو چھوڑا ہے، لاکھوں اِس خوشبو کو سونگھنے کی حسرت کو دل میں لیے دنیا سے چل بسے۔

زندان میں مَیں نے اپنی شاموں کو کبھی اُداس نہیں ہونے دیا، جب پرندے گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اُن پر عجیب سرشاری کا جذبہ ہوتا ہے وہ تلاش رزق کے سفر سے واپسی پر چہچہا رہے ہوتے ہیں۔ اپنے بچوں سے ملنے اور اپنے آشیانے تک پہنچنے کی ترنگ میں ہوتے ہیں۔ جونہی بچوں تک پہنچتے ہیں اپنے دن بھر کی جمع پونجی اُن پر نثار کر دیتے ہیں۔ میں یہ سارا منظر اپنی آنکھوں میں جذب کر لیتا ہوں۔ یہ منظر خوش کن بھی ہے اور دل گداز بھی۔ ہم نے بھی آج کے دن اپنا آشیانہ بنایا تھا، میں اِس خوشی کے موقع پر اس کی تزئین و آرائش کے بارے میں سوچتا رہا۔

پرندوں کو اپنے بچوں سے پیار کرتے دیکھ کر میری آنکھیں نم ہوئی تھیں، یہ ایک کمزوری کا لمحہ تھا جو بہت جلد گزر گیا۔ میری آنکھیں ڈھاکہ کے سیلاب پر مرکوز ہو گئیں اور پھر ایک اور سیلاب میری آنکھوں سے بہنے لگا۔ ہمارے خاندان میں کسی کی موت کے بعد آنیوالی پہلی عید پر پورا خاندان اکٹھا ہو کر کچھ وقت کیلئے سوگ مناتا ہے۔ میری والدہ کی وفات پر ہر رمضان شریف کا پہلا ہفتہ سوگ میں گزارا جاتا۔ یہ سلسلہ کچھ سالوں تک چلتا رہا پھر حالات معمول پر آ گئے۔ میں مادر وطن کے حصہ مشرقی پاکستان کو بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ آزادی کی خوشیوں کو اپنی خود غرضی تک محدود کر لوں۔

14 اگست 1947ء جب پاکستان بنا تو برصغیر کے اُن حصوں پر مشتمل تھا جو انتہائی پسماندہ تھے۔ مشرقی پاکستان کی نوے فیصد زمین ہندو مارواڑیوں کے پاس تھی۔ صنعتی لحاظ سے انگریز نے اس علاقے کو بانجھ کر دیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کو اس بات کا شدید احساس تھا اسی لیے وہ ہر سیاسی عمل میں پیش پیش رہے۔ قیام پاکستان کے وقت متحدہ بنگال اور آسام میں مسلم لیگ کی حکومت تھی، مولوی فضل الحق، شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین یکے بعد دیگرے بنگال کے وزیراعلیٰ رہے۔ اس سے پہلے مولوی فضل الحق کلکتہ کے میئر بھی منتخب ہوئے۔ ان سیاستدانوں کی اکثریت متوسط طبقے سے تھی۔ جب تک مشرقی پاکستان ہمارا رہا، وہاں سے متوسط طبقہ ہی اسمبلیوں میں آتا رہا، جو مغربی پاکستان کی فیوڈل قیادت اور افسر شاہی کیلئے ناقابل قبول تھے، وہ پاکستان سے چمٹے رہنا چاہتے تھے، کیونکہ انہیں پاکستان کے قیام نے ہندو کی معاشی، سماجی اور مذہبی بالادستی سے نجات دلائی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر علاقہ میں ہندوستان کی دوبارہ بالادستی قائم ہو گئی تو وہ صدیوں تک دوبارہ نہ اُٹھ سکیں گے۔ قیام پاکستان کے بعد بہاری اور پنجابی بیورو کریسی نے ہر قدم پر انہیں احساس کمتری میں مبتلا کیا۔ جس قوم نے انگریز کے خلاف جنگیں لڑی تھیں اور ہندو کو صوبے کی سیاست میں مات دے دی تھی۔ اپنوں سے مات کھا گئے۔

مغربی پاکستان میں سیاسی قیادت فیوڈلز کے پاس تھی اور انہیں قیام پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پنجاب، سندھ اور سرحد میں کہیں بھی مسلم لیگ کو واضح اکثریت حاصل نہیں تھی۔ پنجاب میں مسلمان فیوڈلز نے ہندوؤں اور سکھوں سے مل کر یونینسٹ وزارت قائم کر لی تھی۔ قیام پاکستان کے وقت تجارت پر قابض ہندو طبقہ

ہندوستان چلا گیا، صنعت کا وجود نہیں تھا، پنجاب فیوڈل اور افسر شاہی نے مل کر غریب عوام اور چھوٹے صوبوں کا ناک میں دم کر دیا۔ مسلم لیگ کے سیاستدان نوآموز تھے، افسر شاہی کے گھاگ بیوروکریٹس نے اُن کی طفلانہ حرکتوں سے فائدہ اٹھا کر اقتدارِ اعلیٰ پر قبضہ کر لیا، وہ کوئی ایسا آئین نہیں بننے دیتے تھے جس سے اقتدارِ اعلیٰ عوام کو منتقل ہو سکے۔ انہوں نے سیاستدانوں کو پیچھے دھکیل کر اقتدار پر براہ راست قبضہ کر لیا۔ ملک غلام محمد گورنر جنرل بن گئے، جن کی حیثیت ایک بیوروکریٹ سے زیادہ نہ تھی۔

سیاستدانوں نے جمہوریت کی جدوجہد جاری رکھی۔ جب وہ طاقتور ہونے لگے تو بیوروکریسی نے فوج کو اپنے ساتھ ملا لیا اور 1954ء میں کمانڈر انچیف ایوب خان کو وزیر دفاع بنا دیا گیا، جو بعد میں پہلے وزیر اعظم بنائے گئے اور پھر صدر بن گئے۔ قائد ملت لیاقت علی خان کی شہادت اور خواجہ ناظم الدین کی سبکدوشی کے بعد ہر ڈپٹی کمشنر ملک کا گورنر جنرل اور وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ فوجی قیادت کو جب اپنی اہمیت کا احساس ہوا تو انہوں نے براہ راست اقتدار پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں فاصلے بڑھنے لگے۔ مشرقی پاکستان کی معیشت پر نئے صنعت کاروں نے قبضہ کر لیا، وہ نوآموز ہونے کی وجہ سے تجارت کی بجائے لوٹ کھسوٹ میں شامل ہو گئے۔ پاکستان میں فیوڈل بیوروکریٹ اور نئے صنعت کاروں کا طبقہ مستحکم ہو گیا، جرنیل اور اُن کی اولادوں نے بھی اپنی صدیوں کی محرومیوں کا علاج دریافت کر لیا۔ اب اگر فیوڈل ازم کو ختم کرنا چاہیں تو فیوڈل اور جرنیل کا اتحاد ہے۔ صنعت اور تجارت پر جرنیلوں کی اولاد قابض ہے، متوسط اور غریب طبقہ پس رہا ہے، ملک کے دانشور اہلِ قلم بے بس ہیں، علماء کا ایک طبقہ بھی پاکستان کے حکمرانوں کی صفوں میں شامل ہو گیا ہے۔ راستے میں مشکلات ضرور ہیں لیکن ناامیدی گناہ ہے۔ ہمیں ہر حالت میں اداروں کو مستحکم کرنا ہوگا ورنہ بچے کھچے پاکستان کو بھی قائم رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ آج یوم تجدید عہد ہے۔ میں صبح آزادی کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں قیدی ہوں مگر غلام نہیں ہوں، میرا اس دھرتی کے ذرے ذرے پر حق ہے اور میں آج کو قربان کر کے کل کو محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔ آئین کی بالادستی میری آشیاں بندی کی بنیاد ہے اور میں اس بنیاد کو مضبوط کرنے کا عہد نبھانے کیلئے آخری سانس تک لڑوں گا، اس دھرتی نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے، جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تمہیں آزادی مبارک ہو اور مجھے بھی۔ یہ نگار وطن کی سلامتی کیلئے دست بدعا ہونے کا دن ہے۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

بارھواں باب

# چہ قلندرانہ گفتم

## قومی اسمبلی کی تقاریر کے اقتباسات

(1985ء تا 2002ء)

# چہ قلندرانہ گفتم

بجٹ تقریر (قومی اسمبلی یکم جون 1985ء)

جناب والا! اس بجٹ کو ایک نظر دیکھنے سے جو صورتحال سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ بجٹ درحقیقت افراط زر کا بجٹ ہے اور اس کے سارے ذرائع جو مہیا کیے گئے ہیں adjustment کے، ان کی تہہ میں اتریں گے تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہر اٹھنے والا اگلا قدم ہمیں افراط زر کے گڑھے میں دفن کرنے کیلئے بڑھا ہے۔

جناب والا! اس ملک میں پہلی مرتبہ یہ کیا گیا ہے کہ پلانرز کے حوالے فنانس کر دیا گیا ہے۔ قوم کی خواہشات، امکانات لامحدود ہوتے ہیں اور اس کو اگر ہم فنانس کے حوالے کریں گے تو ہم دیکھیں گے کہ افراط زر کی شرح بڑھے گی۔ زیادہ نوٹ چھاپے جائیں گے، جیسا کہ پچھلے بجٹ میں غلام اسحٰق خان نے کہا تھا کہ میں کوئی ڈیفیسٹ فنانسنگ نہیں کروں گا۔ منی بجٹ پیش نہیں کرونگا، لیکن آٹھ مہینے بعد یہ صورتحال پیش آئی کہ ساڑھے تین ارب روپے کے نوٹ چھاپے گئے اور پھر آخری چار پانچ مہینے کے اندر ساڑھے تیرہ ارب روپے کی ڈیفیسٹ فنانسنگ کی گئی۔

جناب والا! میں پیش گوئی کرتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں، آپ نوٹ فرما لیجئے۔ اس بجٹ کی اٹھان ہی ایسی ہے کہ سات آٹھ مہینے کے بعد ڈیفیسٹ فنانسنگ کیلئے منی بجٹ پیش کیا جائے گا۔ اس سے پھر ہمارے تمام معاملات دگرگوں ہو جائیں گے۔

1965ء میں ایک پی آئی ڈی سی قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جونہی وہ قائم ہوگی وہ اچھے ادارے قائم کرے گی، صنعتیں ہینڈاوور کرے گی، پرائیویٹ سیکٹر کے اندر۔ لیکن اب سو سے زیادہ پبلک کارپوریشنیں موجود ہیں، ان پر جو خرچ کیا جا رہا ہے اسے ترقیاتی بجٹ کہا جاتا ہے، درحقیقت، وہ غیر ترقیاتی بجٹ ہوتا ہے، اس سے یہ صورت بنتی ہے کہ پہلے کاریں خریدی جاتی ہیں، بلڈنگیں بنائی جاتی ہیں، کرائے پر گھر لئے جاتے ہیں یا وہاں پر ملازمین بھرتی کئے جاتے ہیں۔ چار پانچ سال کے بعد اس کارپوریشن کا بجٹ جب سامنے آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ خسارے میں جا رہی ہے۔ اس کیلئے اور زیادہ پیسے لائے جائیں۔ جناب والا! جس ملک کا ایک ایک بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، ہم اپنی معیشت قرضوں کی بیساکھیوں پر چلا رہے ہیں۔ سیاست کو مارشل لاء کی بیساکھیوں پر چلا رہے ہیں، اپنے اداروں کو ایڈہاک ازم پر چلا رہے ہیں، نظام زندگی کے اندر، ہم کوئی منصوبہ بندی نہیں کر رہے مزید یہ صورتحال پیدا کر دینا کہ مزید ادارے قائم کئے جائیں، مزید کارپوریشنیں قائم کی جائیں۔ یہ بڑی منفی سوچ ہے اور اس منفی سوچ کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔

جناب والا! موجودہ بجٹ میں آپ دیکھیں گے کہ تنخواہوں میں جو اضافہ کیا ہے، آپ ایک فرق محروم لوگوں کے اندر، پیدا کر رہے ہیں کہ ایک گریڈ سے چھ گریڈ تک انچاس روپے سے چھیاسی روپے کا اضافہ ہوا ہے اور جو لوگ اوپر کے گریڈوں میں ہیں ان کیلئے چار سو پچاس روپے سے چھ سو پچاس روپے ماہانہ اضافہ ہوا ہے۔ ان لوگوں کیلئے ہم یہ فاصلے کیوں قائم کر رہے ہیں؟ کیا ان کی ضروریات پچاس ساٹھ روپے کی ہیں؟ اور بڑے آفیسرز کی ضروریات سات آٹھ سو روپے ہیں؟ اس طریقے کی یہاں پر جو کلاسفیکیشن کی جاری ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس ملک کے ساتھ انتہائی زیادتی کی بات ہے۔

سپیکر! آپ کے صرف دو منٹ باقی رہ گئے ہیں۔

جناب والا! دو منٹ میں جو میں گزارش کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ انڈیکسیشن کا جو نظام پیش کیا گیا ہے اس میں دو تین چیزیں ہلکی سی پیدا کی گئی ہیں، جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ شاید اس بجٹ کو آپ ترقیاتی بجٹ کہہ سکیں۔ ایک انڈیکیسشن ہے اور دوسرا تعلیم پر ایک ٹیکس لگایا ہے، اقراء کا۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن جناب والا! وہ بھی غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ انفلیشن ریٹ سو فیصد ہے تو ہم 80 فیصد ایڈجسٹ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اگلے دو سال کے اندر جو نیچے والے ہیں ان کو ہم 80 فیصد دے رہے ہیں اور اوپر والوں کو 60 فیصد۔ ظاہر ہے کہ دو سال کے بعد پھر وہ 100 فیصد انفلیشن کی زد میں ہوں گے، اس لئے یہ غیر حقیقت پسندانہ انڈیکسیشن ہے۔ اس کو بھی تبدیل کیا جائے۔

جناب والا! جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری جو اکانومی ہے

Our economy is an economy of leakages, leakages in taxation, leakages in customs, Leakages in revenue, leakages in exports and imports.

یہ تمام جو لیکجز ہیں یہاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسٹم آفیسر ہے وہ رشوت لیتا ہے، اس سے بڑا آفیسر اس سے رشوت لیتا ہے، آخر کار جو ٹیکس ہم لگاتے ہیں وہ پورا نہیں ہوتا۔ واپس نہیں ہوتا، ہم اس کو استعمال میں نہیں لا سکتے، ہم اس کو realise نہیں کرتے واپس آئے ہوئے ٹیکس پر ہم مزید ٹیکس لگاتے ہیں اور مزید ٹیکس لگانے سے ہم مزید افراط زر کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں ایسا سسٹم کیوں نہیں لایا جاتا جس سے یہ لیکجز ختم ہوں؟ یہ اکانومی کا جو vicious سرکل ہے اس vicious سرکل میں لیکجز کو کنٹرول کرنے کی بجائے نئی ٹیکسیشن کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ان برائیوں کے سامنے، ان غلط راستوں کے سامنے، ان برے معاملات کے سامنے، ہمیں چاہیے کہ اکانومی کی ان لیکجز کو بند کر دیں۔ ان میں سے وہی ٹیکس ہم realise کر لیں، جمع کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اکانومی ترقی کر سکتی ہے، اس طریقے سے ہم آگے چل کر بے شمار منصوبے چلا سکیں گے۔

ہمارے ٹیکسوں کی بڑھوتری سے معیشت میں ترقی کی تحریک کے جو آثار پیدا ہوتے ہیں ایک چھلنی ہے جس کے سوراخ اس تمام ترقی کو نیچے ڈال دیتے ہیں۔ پھر عوام اور حکومت کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہو جاتی ہے کہ عوام ایک طرف کھڑے ہوتے ہیں اور خلیج کی دوسری طرف حکومت ہوتی ہے۔ درمیان میں خرابیوں اور چھلنی کی اکانومی ہے اور آپ کے ملک کا پورا بجٹ اور پوری معیشت تباہی کی طرف چلی جاتی ہے۔

جناب والا! جو قوم تباہی کے کنارے پر کھڑی ہو، اس کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ہم نے اپنے اندر قربانیوں کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ جناب والا! اگر ہم نے وہ راستہ اختیار کرنا ہے تو ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم اپنی معیشت کو مضبوط کرنے کیلئے بیرونی قرضے نہیں لیں گے، جھولی نہیں پھیلائیں گے، ہم بھیک نہیں مانگیں گے، ہم در در کی ٹھوکریں نہیں کھائیں گے، لیکن جب تک معاشی زندگی میں کوئی سکون نہیں آتا، غربت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں، جب تک ترقی کے یکساں مواقع نہیں پہنچ سکتے، اس وقت تک، جناب والا! میری یہ تجویز ہے کہ اس ملک کو یکساں کرنے کے لئے یہ طے کر لیا جائے کہ پورے ملک میں لوگ ایک قسم کا کپڑا پہنیں گے۔ اس کے دو تین رنگ ہو سکتے ہیں، لیکن ایک کپڑا مزدور سے لے کر پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم تک پہنے گا۔

جناب والا! میں ایک اور گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو حضرات اعلیٰ عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ان کو عوام کے دکھوں کا علم نہیں ہوتا لیکن ہمیں لوگوں کی تکلیفوں، دکھ درد کا علم ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ عوام معیشت کی آزادی چاہتے ہیں، اداروں کی آزادی چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کی معیشت غریبوں کیلئے ہو، اگر اس ادارے سے کوئی نظام چلے تو وہ بھی آٹھ کروڑ عوام کیلئے ہو۔ آٹھ کروڑ کے نمائندے یہاں موجود ہیں۔ ملک کا ہر باشندہ یہ سوچ رہا ہے کہ اس ملک کے اندر اقتدار اعلیٰ اداروں کا ہونا چاہیے۔ ہم جیسے کہتے رہے ہیں کہ مارشل لاء اور یہ قومی اسمبلی ایک ساتھ نہیں چل سکتے اور اگر ہمیں ذمہ دار بنایا جائے، ہم راستے تلاش کریں گے، ہم جائیں گے، لوگوں کو دیکھیں گے ان کے مسائل کو سمجھیں گے اور ہمیں کام کرنے کی اجازت ہو تو ہم اور طریقے سے آگے بڑھیں گے۔

میں یہ کہوں گا کہ جب تک سیاسی اور معاشرتی آزادی نہیں ہوگی، اس وقت تک نہ یہ بجٹ صحیح طریقے سے چل سکے گا، نہ ہمارے معاشی مسائل حل ہوں گے، نہ معیشت کی راہیں متوازن ہو سکیں گی۔ اسلئے میں آخر میں کہنا چاہتا ہوں اس ادارے کی ساورنٹی کیلئے۔

**The time has come, Mr. Speaker, that we should say, "Mr. Martial Law, attention. about turn quick march, go back to your barracks and never come again."**

## پاکستان کے سفارتخانے اور معیشت (قومی اسمبلی 6 جون 1985ء)

میرے سامنے ترجیحی بنیاد وزارت خارجہ کے محکمے کے اخراجات کے سلسلے میں ہے۔ ہمارا وزارت خارجہ

کا محکمہ اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں کے ساتھ ہمیشہ جلوہ افروز ہوتا رہتا ہے۔ میں ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے بھی اپنے بیرون ملک کے تقریباً ۵۰، ۶۰ سفارتخانوں میں گیا ہوں اور وہاں پاکستان کی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے، ایک وفاقی وزیر کی حیثیت سے بھی مجھے جانا پڑا ہے۔ میں نے وہاں اپنے سفارتخانوں کا دونوں طرح سے جائزہ لیا اور مجھے ان کے ازسرنو تجزیے اور ان کی ترجیحات مقرر کرنے کی کچھ ضرورتیں، میں نے وہاں پر محسوس کیں، وہ یہ تھیں کہ ہمارے مقابلے میں باقی دنیا کی خارجہ وزارتوں نے وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنی ترجیحات کو بدل لیا ہے جب کہ ہمارا محکمہ خارجہ اسی پرانے طریقے سے لکیر کا فقیر بنا ہوا ہے، پرانی ڈگر پر چلا ہوا ہے۔

دوسرے ممالک کے جو امور خارجہ کے دفاتر ہیں، سفارتخانے ہیں۔ وہ امریکہ ہو، برطانیہ ہو، انڈیا ہو یا دوسرے ممالک، انہوں نے اپنے محکموں کی ازسرنو تشکیل کر کے ان محکموں کو نہ صرف اپنے خارجی معاملات پر بات کرنے والا بنا دیا ہے بلکہ وہ تجارتی معاملات ایکسپورٹ امپورٹ کے سنٹرز بن گئے ہیں۔ مثلاً ہماری وزارت خارجہ کی ایک ایمبیسی ارجنٹینا میں ہے۔ ارجنٹینا میں ہمارے روزانہ سیاسی معاملات پر نہ کوئی ہمارے اختلافات ہیں، نہ ہمارے اتفاقات ہیں، وہ ایک ملک ہے۔ ہم ایک ملک ہیں، اس حیثیت سے ہمارے رابطے اور تعلقات دوستوں کی طرح موجود ہیں لیکن اتنی دور انڈیا کی جو ایمبیسی ہے، یا دوسروں کی جو ایمبیسیاں ہیں، وہ لیبیا کے اندر بھی، باقی جگہوں پر بھی، وہ منڈیوں میں جاتے ہیں، منڈیاں تلاش کرتے ہیں، وہاں سے آرڈرز لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے وزارت خارجہ کے دفاتر کو تبدیل کر دیا ہے۔ جبکہ ہماری لنڈن میں اخراجات کے لحاظ سے اول درجے کی ایمبیسی ہے، لیکن اُس کی کارکردگی دیکھی جائے تو صفر ہے۔ وہاں پر ہم ریٹائرڈ لوگوں کو بھیجتے ہیں، جن سے قوم ناراض ہو چکی ہوتی ہے یا قوم نے انکو اپنا ووٹ نہیں دیا ہوتا یا مزید ایکسٹنشن نہیں دی۔ سفارتخانے ہسپتالوں میں بدل جاتے ہیں۔ وہاں پر بیمار ذہن ہوتے ہیں، بیمار سوچ ہوتی ہے، بیمار فکر ہوتی ہے، جنکی وجہ سے ہمارا ملک ان فوائد سے اپنے آپ کو بہرہ ور نہیں کر سکتا، جن فوائد سے دوسرے ملک بہرہ مند ہوتے ہیں۔

جناب والا! ہمیں اپنے سفارتخانوں کو اور سفارتکاروں کو اس کام پر آمادہ کرنا چاہیے، ان کے اخراجات کم کرنے یا بڑھانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن اصل چیز کارکردگی ہے، سفارتخانہ ہو، پوسٹ آفس ہو، ٹیلی گراف آفس ہو، ٹیلیفون کا محکمہ ہو یا کسی طریقے سے باقی ادارے ہوں۔

مجھے جن باتوں پر بنیادی اعتراض ہے، وہ یہ ہے کہ یہ تمام اخراجات ہونے کے باوجود پاکستان اور پاکستانی قوم کی جو تصویر بنتی ہے۔ وہ کوئی زیادہ خوش کن نہیں ہے۔ جناب والا! بیرونی قرض لینا کوئی برا نہیں ہے، بیرونی قرضوں پر سود ادا کرنا بھی آج کے دور کا رواج بن چکا ہے، اس دور کا آرڈر آف دی ڈے بن چکا ہے، تو اس سے ہم بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان قرضوں کے ساتھ ہماری ملکی کارکردگی کہاں پر پہنچی ہے؟ ہمیں تمام اداروں کی کارکردگی کو بڑھانا چاہیے، ورنہ یہ تمام اخراجات، جن سے پہلے ہی ہماری

معیشت کی قبر کھودی جارہی ہے، اس مردے کو گہرا دفن کردیں گے۔ ہماری مشکلات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اخراجات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ کوئی ایسا نظام ہونا چاہیے، کوئی عمل ہونا چاہیے، کوئی ایسا یارڈ سٹک ہونا چاہیے کہ ہم ان تمام اداروں کی کارکردگی کو بہتر کارکردگی دینے والے، ملک میں اگر کنورٹ کرسکیں تو ہمیں ان فگرز پر اعتراض نہیں ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر یہ سب کہانیاں ہیں۔

## عملی تعلیم کا نظام (قومی اسمبلی 6 جون 1985ء)

جناب سپیکر! دو منٹ میں تو بات کا آغاز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال میرا تعلق اس ملک کے تعلیمی معاملات کے ساتھ کافی زیادہ رہا ہے اور میری طالب علمی کے زمانے میں بھی بہت ساری رپورٹس اور کمشنوں کے اندر مجھے نمائندگی کا موقع ملا ہے۔ اس لیے میں کوشش کرونگا کہ دو، تین منٹ کے اندر اس کا نچوڑ آپ کے سامنے پیش کروں۔

جناب والا! ہمارے پورے کے پورے نظام تعلیم کی نوآبادیاتی طرز پر تشکیل دی گئی ہے۔ آڑتیس سال کے اندر، اس نظریاتی ملک کو ہم نے یہ کہا تھا کہ دُنیا پر اس لیے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا تشخص دنیا کے دوسرے ملکوں سے جدا ہوگا۔ ہمارے نظریاتی معاملات کو کبھی بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نظام تعلیم اسی طریقے سے ہم چلاتے گئے تو کسی طور پر بھی نہ ہماری علمی قابلیت میں اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ یہ نظام تعلیم ترقیاتی معاملہ کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

جناب والا! میں عرض کروں گا کہ ہمیں اپنے نظام تعلیم کو اور تمام معاملات کو ملک کے تقاضوں کے ساتھ منسلک کرنا چاہیے اور ان کو انقلابی طرز پر لانا چاہیے۔ اپنے طالب علموں کو عملی تعلیم دینے کے لیے جو ایم اے کی ڈگری لیتا ہے یا بی اے کی ڈگری لیتا ہے، تین سال کے لیے نوکری سے پہلے ایک خاص الاؤنس دے کر اُسے دیہاتی علاقوں کے اندر کام کرنے کیلئے بھیجا جائے تا کہ وہ تین سال میں اپنے دیہاتی علاقوں کے اندر کام کرتے ہوئے تکالیف اور مشکلات کی منہ بولتی تصویر کو دیکھ سکیں۔

## لمبی کاروں، لمبے بنگلوں پر لمبا ٹیکس

جناب والا! جو ٹیکس نہ دینے والے لوگ امیر سے امیر تر ہورہے ہیں، وہ اس ملک کے انسان کا خون نچوڑ رہے ہیں۔ جناب والا! اور جو لوگ یہاں پر بے سہارا ہیں، ان سے ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ جو وسائل رکھتے ہیں، تعلقات کی وجہ سے زیادہ موثر ہیں، وہ بلیک منی جمع کرتے ہیں اور پھر اس بلیک منی کو ہم اس فلور پر کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ اس کو ہم رزق حلال کے طور پر تسلیم کرلیں۔ اسکو زیادہ چھوٹ دینے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لُوٹیں، ملک کی تجوریوں کو خالی کریں اور اپنے گھروں کی تجوریوں کو بھریں، ہم

انہیں موقع دے رہے ہیں کہ وہ اس ملک کے جسم کے ایک ایک خون کے قطرے کو پی لیں۔ وہ اس دھرتی کی جونکیں بن کر غریبوں کے خون کو اپنی توندوں کے اندر بھر لیں۔ ہم اس بات کو encourage کر رہے ہیں کہ یہاں پر طبقاتی کشمکش ہو، ہم encourage کر رہے ہیں کہ مظلوم اور غریب طبقات اپنی ضروریات کے لیے در در کی پھٹکاریں کھاتے پھریں۔ یہ بجٹ پالیسیوں کے بڑے تضادات ہیں۔ ان تضادات کا قلع قمع نہ کیا گیا تو جناب والا! محروم اور پسماندہ طبقات جن کی تعلیم کے راستے مسدود ہیں۔ جن کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی، جن کو اس ملک کا قانون تحفظ نہیں دیتا۔ وہ مظلوم طبقات اٹھیں گے اور پھر یہ خلیج نہیں پاٹی جا سکے گی۔

اس لئے میں عرض کروں گا کہ ہمیں طے کرنا ہوگا، ایسے ملک میں جہاں بیرونی یورشوں کا خطرہ ہے، ہمیں اندرونی خطرات کا سامنا ہے۔ جہاں پر رہتے ہوئے ہماری معیشت جان کنی کے عالم میں ہے۔ ایسے وقت میں متوازن طریقے سے ٹیکسوں کا رخ پیسے والے لوگوں کی طرف موڑ اجائے۔ ٹیکسوں کا رخ اشیائے تعیش کی طرف موڑا جائے، ٹیکسوں کا رخ لمبی کاروں اور بڑے بنگلوں کے اوپر موڑا جائے جو ایک کنال سے بڑے بنگلے ہیں۔ ان پر بھرپور ٹیکسیشن کی جائے۔ جو 5 مرلے کے گھر میں ان کیلئے زندہ رہنے اور آسودگی کا سامان پیدا کیا جائے۔

## مارشل لاء قائم رکھنے کے بہانے، آئینی کمیٹی کی رپورٹ (قومی اسمبلی اگست 1985ء)

جناب سپیکر! میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس رپورٹ کے سلسلہ میں بات کرنے کا موقع دیا ہے۔ میں ان 29 ممبرز میں سے ایک ہوں، جنہوں نے یہ رپورٹ اس ہاؤس کے سامنے پیش کی ہے۔ میں تھوڑی سی اندرونی کہانی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رپورٹ اس صورت میں کیسے آج ایوان کے سامنے موجود ہے۔

جناب والا! حاجی سیف اللہ خان صاحب جو ہمارے اس ایوان کے معزز رکن ہیں، ان کی اور مولانا گوہر رحمن اور ممتاز تارڑ صاحب کی تحاریک استحقاق کے بعد پہلے 9 ممبران کی کمیٹی تشکیل دی گئی اور پھر اس کے بعد یہاں ایوان میں لیڈر آف دی ہاؤس، جناب محمد خان جونیجو صاحب نے آ کر بیان دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایک 29 رکنی کمیٹی بنائی جائے، جو ہمیں مارشل لاء اٹھانے کے راستہ کی طرف چلا سکے اور وہ کمیٹی جولائی کے پہلے ہفتہ کے اندر پندرہ دنوں میں اپنی رپورٹ مکمل کر کے ایوان کے سامنے پیش کر دے۔

جناب والا! ایوان نے یہ کمیٹی بنائی اور اسکے بعد ہماری میٹنگوں کا آغاز ہو گیا۔ ہمارے چیئرمین جناب وزیر داخلہ اسلم خٹک صاحب تھے، ہم جب ان کی چیئرمین شپ میں جا کر بیٹھے، تو ہمیں اندازہ ہوا کہ یہ کمیٹی شروع ہی سے کام آگے بڑھانے کی بجائے ملتوی کرنے کیلئے (Delaying tactics) استعمال کی جا رہی ہے، تا کہ مارشل لاء کے دور کو آگے بڑھایا جا سکے۔

اگر ہماری کمیٹی کی کاروائی اٹھا کر دیکھی جائے تو ہمیں جو پہلے پندرہ دن ملے تھے، ہم نے چھ دن کام کیا اور نو دن چھٹیاں کیں۔ تو دن تک مختلف حیلوں بہانوں سے اس کمیٹی نے کام Delay کیا۔ اس پر ہم نے برملا اس

بات کا اظہار کیا کہ کام کو اس طریقہ سے روکا گیا تو ہم اس کمیٹی سے استعفیٰ دے دیں گے۔ اس پر ہمیں اعتماد میں لیا گیا کہ ہمیں تھوڑا سا وقت اور لینے دیں۔ اس کے بعد ہم کمیٹی کی رپورٹ ایوان کے سامنے پیش کر دیں گے۔

کمیٹی کی جو رپورٹ پیش ہوئی ہے اگر چار دن تک اس پر توجہ دی جاتی تو یہ کام تین یا چار دن کا تھا، جو یہاں پیش کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے وہاں دیکھا جو رویہ تھا، کام کو مسلسل Delay اور لیٹ کیا جا تا رہا۔ ہم احتجاج کرتے رہے۔ میں نے دوستوں سے کہا کہ میں اس کمیٹی سے Resign کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں نے اس کمیٹی کی رپورٹ پر اب تک دستخط بھی نہیں کئے۔ ہمیں مارشل لاء اٹھانے کیلئے اس کمیٹی میں رکھا گیا۔ اب اس میں Delay ہو رہی ہے، جو بھی رپورٹ تیار ہوئی ہے، ہمیں جلدی سے پیش کر دینی چاہیے تا کہ ہم ہاؤس کو بتا سکیں کہ اندر یہ معاملات طے ہوئے ہیں اور اس طریقے سے کام کیا گیا ہے۔

جناب والا! اب اس رپورٹ کے بارے میں کہا گیا کہ ہم نے پولیٹیکل سٹرکچر دینا ہے۔ چیئرمین صاحب نے ہمیں بتایا کہ مارشل لاء اٹھانے کا اس رپورٹ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ چیئرمین صاحب کہتے ہیں، کمیٹی میں مارشل لاء کی بات نہیں کی جا سکتی تھی، تو پھر جناب والا! رپورٹ کی وجہ سے مارشل لاء کو Delay کرنے کیلئے اسے بہانہ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ یہ واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ کمیٹیاں کس لئے تشکیل دی گئیں۔

اس کے بعد سینٹ کی کمیٹی تشکیل دے دی گئی تو خواجہ صفدر صاحب نے اس پر یہ بات کی کہ یہ Unconstitutional Committee ہے، لیکن ہم نے کہا کہ اگر اب کمیٹیز کے اندر لڑائی شروع کر دی جائے کہ ایک کمیٹی کہتی ہے وہ Unconstitutional ہے، وہ ہمیں تسلیم نہ کریں، تو حکومت کہے گی کہ جناب! ہم تو مارشل لاء اٹھانے میں کوئی Delay نہیں چاہتے، لیکن کیا کریں، جو کمیٹی بناتے ہیں، اس میں قومی اسمبلی والے سینٹ سے لڑتے ہیں، سینٹ والے قومی اسمبلی سے لڑتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ جناب! ہم سینٹ کے ممبران کے ساتھ بیٹھ کر تبادلہ خیال کرتے ہیں، جو ہم نے تیار کیا ہے ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قومی اسمبلی کا استحقاق تھا کہ وہ رپورٹ سب سے پہلے اس ہاؤس کے سامنے پیش کی جاتی، لیکن اس کے بجائے وہ رپورٹ سینٹ کے ممبران اور اس کی کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی، اس چیز کو avoid کیا، یہ الزام نہ آئے کہ ہم Delaying tactics استعمال کر رہے ہیں یا اختلافات کو ہوا دے رہے ہیں۔

جناب والا! اس رپورٹ کے ذریعے جو چیزیں یہاں آئی ہیں اور جس انداز سے ممبران نے یہاں ذکر کیا ہے، مقصد اس میں یہی رکھا گیا کہ پارٹی کے اندر یہ شرائط ہوں گی کہ وہ فلور کراس نہیں کر سکتا، مخالفت میں ووٹ نہیں دے سکتا، شامل ہو جائے تو اسے ممبر consider کیا جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شرائط دنیا کے کسی بھی اچھے سیاسی عمل کی تجاویز تھیں۔

## مستقبل کا سیاسی ڈھانچہ اور مارشل لاء (قومی اسمبلی 18 اگست 1985ء)

Report of the special committee on Future Political Structure in the Country

جناب والا! 53 سے 57 تک ہر بیوروکریٹ کی آخری پروموشن پرائم منسٹر آف پاکستان کے طور پر ہوئی یا گورنر جنرل آف پاکستان کے طور پر۔ جس کی وجہ سے ملک کے مختلف خطوں کے اندر بسنے والے لوگوں نے محسوس کیا کہ افسروں کیلئے پاکستان بنایا گیا تھا، شاید اس لیے انہوں نے ردعمل کا اظہار کیا۔ لوگ خاموش نہیں بیٹھے، انہوں نے موومنٹس چلائیں۔ مشرقی پاکستان کے اندر شیر بنگال کی سرکردگی میں چلیں، مغربی پاکستان کے اندر یہاں کے عظیم لوگوں نے موومنٹس چلائیں۔ وہ موومنٹ فار ڈیموکریسی تھی۔ وہ revival of democracy کیلئے جنگ لڑ رہے تھے، لیکن جنگ کس سے تھی؟ بیوروکریٹس سے تھی، سیکرٹریٹ سے تھی۔ کچھ علاقوں یا کچھ صوبوں کے بیوروکریٹ چھائے ہوئے تھے اور سیاستدانوں کو کام کرنے کے مواقع نہیں دے رہے تھے۔ اس لئے پاکستان ٹوٹا، آج جس دوراہے پر ہم کھڑے ہیں، اس سے پیچھے دیکھئے، ہم اکتیس سال تک اپنے آپ کو ایک قوم کی حیثیت سے برقرار نہ رکھ سکے۔

بیوروکریٹس 57ء تک آئے۔ بیوروکریٹس جب گورنر جنرل بنتے تھے، انہوں نے دیکھا کہ اب سیاستدان پھر طاقت پکڑ رہے ہیں، پھر ان کے جلوس آ رہے ہیں، لوگ ان کی حمایت کر رہے ہیں تو انہوں نے ملٹری کو اپنے ساتھ ملایا۔ وہ ڈیفنس منسٹر بنے، ہمارے سب کچھ بنے Ultimately ملٹری نے سوچا کہ جناب! چوکیدار یہاں ہم، ان کے اقتدار کو بچانے والے ہم، اور حکومت کریں، یہ افسر! تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنا حصہ مانگتے ہیں۔ اور Lion`s Share لیا، بڑا حصہ لیا انہوں نے اور وہ بڑا حصہ برقرار رہا۔ اس وقت سے لے کر آج تک بیوروکریٹس، سول بیوروکریٹس اور ملٹری بیوروکریٹس مل کر اس ملک کے اندر حکومت کر رہے ہیں۔

جو طرز حکومت انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے، اس میں Sense of Participation اس ملک کے پسماندہ علاقوں کو نہیں ملتی، چھوٹے صوبوں کو نہیں ملتی، اور وہ لوگ جو فوج میں نہیں ہیں، بیوروکریسی میں نہیں ہیں، ان کو یہاں پر پاور میں نہیں آنے دیا جاتا۔ بیوروکریٹس بیٹھ کر ہماری قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں، وہ ہمارے مستقبل کا ڈھانچہ بناتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں آئین بنا دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں، ہماری قسمتوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔

اس لئے جناب والا! آج کے دور میں جو ایک یہاں پر موومنٹ ہے، اندر سے Moves چل رہی ہیں، ہمارے خدشات وہی ہیں، ہمارا خوف وہی ہے کہ وہی تسلسل جاری ہے۔ اسی طریقے سے پارٹیاں بنائی جا رہی ہیں، اسی طریقے سے لوگوں کی مجبوریوں سے کھیلا جا رہا ہے۔ میں برسر عام کہتا ہوں کہ کوئی ایم این اے میں ان کے استحقاق کو مجروح کئے بغیر کہتا ہوں ...... کہ یہاں ہر تھانیدار کا، ڈی سی کا، پٹواری کا اتنا ہولڈ ہے، اس ملک میں ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا، ایس ایم ایل اے کا کہ کوئی ایم این اے، جو یہاں آ کر بیٹھا ہے، وہ اپنے حلقہ

انتخاب سے لوگوں کے اعتماد پر پورا نہیں اتر سکتا۔

جناب والا! یہ رپورٹ جو نیک نیتی سے تیار کی گئی تھی، یہ سوچ کر تیار کی گئی تھی کہ اس ملک کے انتشار کے اندر ایک ایسا راستہ دیں کہ مجتمع ہو سکیں، متحد ہو سکیں، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑا ہے، جناب والا! نیت صاف نہیں تھی۔ ہم سمجھ رہے تھے۔ اگر ہم سے وقت مانگا جا رہا ہے، ہم ان کو ایکسپوز نہ کریں۔ اس کمیٹی کیلئے کام کریں۔ پرائم منسٹر صاحب نے لاہور میں مینار پاکستان پر جو بیان دیا، مارشل لاء اٹھانے کا۔ ہمیں اس بیان سے خوشی ہوئی، ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے اس بیان سے۔ لیکن ساری دنیا کی پارلیمانی روایات ہیں کہ جب پارلیمنٹ جاری ہو تو، لیڈر آف دی ہاؤس، پالیسی سٹیٹمنٹ فلور آف دی ہاؤس پر دیا کرتا ہے۔ لیکن جناب والا! اس ہاؤس کو آج بھی اسی طریقے سے سمجھا جا رہا ہے اور کل بھی اسی طریقے سے سمجھا جائے گا۔

جناب والا! ہمیں دیکھنا ہو گا، سوچنا ہو گا، سمجھنا ہو گا کہ سازشیں اس ہاؤس کے خلاف ہو رہی ہیں۔ اگر ہم نے زندہ ہونے کی بجائے خود اپنے آپ کو مردہ تسلیم کر لیا، اپنا وجود برقرار رکھنے کیلئے جنگ نہ لڑی...... اور یہ وجود میرا نہیں ہے، کسی اور ممبر کا نہیں ہے، بلکہ یہ پوری قوم کی آواز ہے...... اس آواز کو بیچنے کی، اور اس آواز کو دبانے کی کسی سازش کو برداشت نہیں کریں گے۔

مارشل لاء یہاں سے اٹھنا چاہیے۔ اس رپورٹ سے یہ حصے حذف ہونے چاہئیں۔ ہم نے وہاں بھی کہا تھا کہ رجسٹریشن کے قوانین کو اس طرح ہونے کی بجائے زیادہ نرم ہونا چاہیے۔ سیاسی عمل کا آغاز آج سے کرنا چاہیے اور اس ہاؤس کو اس پر زور لگانا چاہیے۔

## رشوت کے خاتمے کی چند تجاویز (قومی اسمبلی 17 ستمبر 1985ء)

(جناب بات کرتے دیں گے تو مختصر بھی ہو جائے گی۔ میں تجاویز دینا چاہتا ہوں، آپ کے سامنے تجاویز ہی رکھوں گا۔)

جناب والا! یہ قرارداد جو آج پیش کی گئی ہے اس نقطہ نظر سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ ہمارے معاشرے کو رشوت نے گھن کی طرح چاٹ لیا ہے۔ ہم ایک نمائشی معاشرہ تو تشکیل دے رہے ہیں، لیکن آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ معاشرے کی تشکیل میں رشوت سب سے بڑی رکاوٹ بن کے کھڑی ہو گئی ہے۔ اس کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر مجھ سے پہلے آنے والے حضرات نے بڑی تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ تمام احادیث، تمام آئتیں ہاؤس کے سامنے رکھی جا چکی ہیں۔ میں آج کے دور کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رشوت کس طریقے سے ہماری رگوں کے اندر سرائت کر چکی ہے، یہ تمام لوگوں پر اظہر من الشمس ہے۔ میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا علاج کیا ہے؟

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں پر دولت کی نمائش اتنی شدت سے کی گئی ہے کہ ہر آدمی سمجھتا ہے

کہ عزت کا معیار صرف دولت ہے۔ یہاں پر علم کو، سوچ کو، فکر کو، سائنسی ترقی کو، تمام چیزوں کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے، دیانتداری کو، کردار کی پختگی کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے، دولت سیاست میں اہم رول ادا کر رہی ہے۔ آپ افسر بننا چاہتے ہیں تو اس کیلئے بھی دولت اہم ہے۔ آپ کوئی جائز کام بھی کروانا چاہتے ہیں تو اس کیلئے بھی دولت کی نمائش ضروری ہے۔ یہ اس لئے ہوا ہے کہ ہم نے ایک نمائشی معاشرہ تشکیل دیا ہے۔ اس کا علاج کرنے کیلئے ہمیں یہ اقدامات کرنا ہوں گے۔

پہلی بات تو جناب والا! یہ ہے کہ پوری قوم کو ہم نے فیشن شو بنایا ہوا ہے، ہمارے ایوان، ہمارے مختلف مراحل، ہماری سوشل گیدرنگز تمام کو فیشن شو بنا کے رکھ دیا گیا ہے۔ ہم اگر اس مقابلے کو، جو رشوت کا باعث بنتا ہے، ختم کرنا چاہتے ہیں تو پورے پاکستان کے اندر عورتوں کے لئے اور مردوں کیلئے الگ یونیفارم کا حکم دیا جائے۔ ایک طرح کا کپڑا سب پہنیں۔ روٴسا بھی، غریب بھی، افسر بھی، طالب علم بھی، پوری قوم کو اگر آپ ایک کپڑے میں ملبوس کریں تو یہ فیشن شو کی پریڈ ختم ہو جائے گی اور دولت کا مقابلہ ختم ہوگا۔ اخراجات میں کمی آئے گی۔

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو مکانات کی الاٹمنٹ ہے، بڑے افسر کو چالیس چالیس کنال کے پلاٹ الاٹ کئے جاتے ہیں اور جو چھوٹا ہوتا ہے۔ چپڑاسی ہوتا ہے، اسے ایک کمرہ دیا جاتا ہے، جہاں وہ سانس بھی نہیں لے سکتا۔ اس سے معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں، دولت کا مقابلہ جنم لیتا ہے۔ مکانات کی الاٹمنٹ افراد خانہ کے طور پر ہونی چاہیے۔ گریڈنگ کے ذریعے سے نہیں ہونی چاہیے، وزراء ہوں، سیکرٹری ہوں، چپڑاسی ہوں، ان سب کو افراد خانہ کی ضرورت کے مطابق مکانات دیئے جائیں، نہ کہ ایک طبقے کو آسائشیں فراہم کی جائیں اور دوسرے طبقے کو محروم کیا جائے۔

اس سلسلے میں تیسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تنخواہوں کے اندر بے پناہ تضاد ہے۔ اتنا تضاد ہے کہ ایک طرف انسان جی بھی نہیں سکتا، وہ پھر رشوت کی طرف جاتا ہے، بددیانتی کی طرف جاتا ہے، دوسرے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ اس لئے درجہ چہارم کی تنخواہوں میں اضافے کئے جائیں اور اوپر والوں کی تنخواہوں کے اندر کمی کی جائے تاکہ یہ نمائشی مقابلہ ختم کیا جاسکے۔

جناب والا! یہاں پر دولت کی نمود و نمائش کے جزیرے بنائے گئے ہیں، بڑے بڑے محلات تعمیر کئے جا رہے ہیں، جو دوسرے طبقات میں احساس محرومی پیدا کرتے ہیں۔ وہ احساسِ محرومی والے لوگ پھر رشوت کی طرف جاتے ہیں اور ایک مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس ملک میں دس مرلے سے زیادہ مکانات کے بنانے پر پابندی لگائی جائے، بلکہ دس مرلے سے بڑی کوٹھیاں قومی ملکیت میں لی جائے اور ان میں قومی دفاتر قائم کئے جائیں۔

اس کے علاوہ جناب والا! انگریزوں کے دور کی ایک جڑ یہاں پر بنی ہوئی ہے انگریزوں نے اپنے وقت

میں قوم کے ساتھ غداری کرنے والوں کو، بڑی بڑی جاگیریں دی تھیں، مربعے دیئے تھے، بڑا طاقتور بنا دیا تھا وہی جاگیرداروں کا طبقہ سیاست میں دولت خرچ کر کے اس ملک کے اقتدار پر قابض ہے۔ وہ دولت کے حوالے سے سیاست کو خرید رہا ہے۔ عدالت کو خرید رہا ہے۔ جناب والا! وہ انصاف کو خرید رہا ہے۔ اس لئے انگریزوں نے جو جاگیریں عطا کی تھیں، وہ تمام جاگیریں ضبط کی جائیں تاکہ سیاست کے اندر جاگیرداروں کو باہر نکال پھینکا جائے۔

جناب والا! ہمارا ٹیلی ویژن روزانہ اشیائے تعیش کی نمائش کر رہا ہے۔ اس سے معاشرے کی جڑیں روز بروز کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔ ہماری حکومت کی جو پالیسی ہے اور یہ اس حکومت کی نہیں تمام حکومتوں کی پالیسی ہے، اس کی میں تھوڑی سی وضاحت کر کے آپ سے اجازت چاہوں گا۔ یہاں پر ممبران نے مطالبہ کیا تھا کہ ڈیزل کی قیمتیں کم کی جائیں، ممبران نے مطالبہ کیا کہ فلاں اخراجات ہیں اس کا کچھ کیا جائے۔ تو آپ کو پتہ ہے کہ اکانومی کٹ کس چیز پر لگایا گیا؟ اکانومی کٹ کوکا کولا پر نہیں لگایا گیا بلکہ ہمارے وزیر خزانہ نے کہا کہ ہم اپنے ترقیاتی پروگرام میں اپنی سڑکیں کم کر دیتے ہیں، جو قوم اپنی سڑکیں ختم کرتی ہے اور کوکا کولا پینے سے احتراز نہیں کر سکتی، اس ذہنیت کے ساتھ چلیں گے تو رشوت بھی بڑھے گی، جڑیں بھی کھوکھلی ہوں گی اور ہم دوسری قوموں کے ساتھ مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہندوستان کی معیشت کے ساتھ ہم مقابلہ کر سکیں گے نہ ہم صداقت پر مبنی معاشرہ بنا سکیں گے۔

رشوت بڑھ چکی ہے۔ اب سیکرٹری لیول پر اور سیاست کے اندر اربوں روپے میں اس ملک کو بیچا جا رہا ہے۔ اس ملک کے اندر چھوٹے رشوت خوروں کو سزا دی جاتی ہے اور جو بڑے لوگ رشوت لیتے ہیں ان کو انعام دیا جاتا ہے یا باعزت ریٹائرڈ کیا جاتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ جتنا بڑا کوئی اہل کار اس میں Involved ہو اتنی بڑی سزا ہو تو سزاؤں کے ذریعے، ترغیب کے ذریعے ہر طریقے سے کوشش کریں کہ ایسا مثالی معاشرہ قائم ہو جائے جس میں ہر ایک کو اپنے بچے کی تعلیم کا تحفظ ہو، اپنی بیٹی کے جہیز کا تحفظ ہو اور معاشرے کے اندر عزت کا تحفظ ہو تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ ہم محفوظ ہو جائیں گے، عزت مل جائے گی تو کوئی آدمی رشوت کی طرف نہیں جائے گا، شکریہ۔

## 1986 کا بجٹ، دفاعی اخراجات اور بے روزگاری (قومی اسمبلی جون 1986ء)

جناب والا! آج ہم اپنے ملک کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس بجٹ کو اٹھاتے ہیں یہ ایک کھرب اور 52 ارب کا بجٹ ہے، اس میں 47 ارب ترقیاتی کاموں کیلئے رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس 47 ارب میں سے بھی ڈیفنس پر 10 فیصد کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ دفاع جس پر ہم 10 فیصد زیادہ رکھنا چاہ رہے ہیں، وہ کشمیر کو کیا واپس لیتا، سیاچن کو بھی اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھا۔ اس دفاع پر ہم مسلسل اپنے خون کا آخری قطرہ لگا رہے ہیں، ہم اپنے جسم پر ایک دھجی بھی نہیں رکھ رہے، لیکن ہم پال رہے ہیں ایک بہت بڑی فوج کو۔ ان دفاعی اخراجات سے ہم

اپنی معیشت کی کمر کو توڑ رہے ہیں۔ لیکن کیا حاصل کیا ہے ہم نے، ان دفاعی معاملات میں؟ مشرقی پاکستان ہم سے گیا، دفاعی اخراجات اور بڑھ گئے۔ مغربی پاکستان میں ہمارے علاقے ہم سے چھینے گئے، ہمارے دفاعی اخراجات اور بڑھ گئے۔ آج سیاچن پر منہ کھولتے ہوئے ان کے منہ پر مہر لگ جاتی ہے۔ لیکن ہمارے دفاعی اخراجات بڑھتے گئے اور وہ فوج جس نے 28 سال تک میری دھرتی کے بیٹوں پر، آٹھ کروڑ انسانوں پر انہی بندوقوں کے ساتھ، انہی تلواروں کے ساتھ، اسی ظلم و استبداد کے ساتھ حکومت کی، انہی بندوقوں کے سائے آج بھی 8 کروڑ عوام کے سروں پر ہیں تو ایک مرتبہ یہ عوام باہر نکلیں گے اور وہ نکلی ہوئی بندوق ختم ہوگی اور لوگ ان بندوقوں کو اپنے سینوں پر سے اٹھالیں گے۔ وقت آنے والا ہے کہ ہم دفاعی اخراجات کا جائزہ لیں کہ دفاعی اخراجات سے ہم نے کس کیلئے کیا حاصل کیا ہے۔

آج بجٹ میں فرمایا گیا ہے کہ 4 فیصد بے روزگاری یہاں پر موجود ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے نوجوان جو اس ملک کا 30 فیصد حصہ ہیں وہ بے روزگار ہیں۔ ان پر عدالتوں کے دروازے بند ہیں، یونیورسٹیوں کے دروازے بند ہیں، کارخانوں میں ملازمتوں کے دروازے بند ہیں، بینکوں کے دروازے بند ہیں، ان کو بے روزگار کر کے ہم آفیسرز کے لشکر کو فیڈ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کو خون پلا رہے ہیں، معاشرے میں ناانصافی ہے، اس ناانصافی کے نالوں کا جواب آخر خدائے بزرگ و برتر سے آئے گا اور یہ جو ہم ایک مصنوعی فضا میں، ایک آکسیجن ٹینٹ میں سانس لے رہے ہیں، اس آکسیجن ٹینٹ سے ہم نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ وقت آنے والا ہے کہ یہ سجے سجائے ایوان اور یہ سجی سجائی تقریریں، یہ الفاظ کا انتخاب۔ یہ جذبات کا تلاطم، ایک طرف رکھتے ہوئے نہ آپ کی بات پر کوئی یقین کرے گا، نہ آپ کے اس بجٹ پر کوئی یقین کرے گا۔ کیوں کہ بھٹو صاحب کے ساتھ بھی وزیر تھے، ان کو پتہ ہے کہ وہ ایوب خان صاحب کے ساتھ بھی وزیر تھے، وہ وزیر ہیں اور وہ وزیر رہیں گے۔ ان کی وزارت قائم ہے لیکن ملک کے عوام کی قسمت نہیں بدلی۔ ملک کے عوام اپنی قسمت بدلنے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ بجٹ، جو ان پر تلوار کی طرح لٹکا رہتا ہے، کبھی ان کے لفافوں کی قیمتیں بڑھاتا ہے، کبھی ان کے ٹیلیفون کی قیمتیں بڑھاتا ہے، پاکستان کے 8 کروڑ عوام دیکھ رہے ہیں۔ تیل کی قیمتیں دنیا میں آج 35، 28 ڈالر فی بیرل سے نیچے آ کر 10 ڈالر فی بیرل تک آ گئی ہیں، تو وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اس کا کیا اثر ہوا۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں حکمرانوں نے ان کیلئے کیا سہولتیں فراہم کی ہیں۔ مگر وہ بجٹ کو آج صرف الفاظ کے گورکھ دھندے کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔

جب بجٹ پیش کرنا ہوتا ہے، سمجھا یہ جاتا ہے کسی طریقے سے اس وقت کو پھلانگ کر آگے چل سکیں۔ مجھے یاد ہے، 20 تاریخ کو وزیر خزانہ صاحب نے ہمیں بلایا اور کہا کہ بجٹ پر اپنے کوئی خیالات دینا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے خیالات سننا چاہیں گے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جناب! میں نے بھی وفاقی وزیر کی حیثیت سے

بجٹ کو اپنی آنکھوں سے گزرتے دیکھا ہے، ان کے سیکرٹری صاحب بھی وہاں پر موجود تھے، بہت خوش اخلاق سیکرٹری ہیں، ایچ یو بیگ صاحب، وہ وزیر خزانہ سے زیادہ سائل دے رہے تھے۔ افسر شاہی کا صرف کام یہ ہے کہ جو پالیسی حکومت دیتی ہے اس پالیسی پر عمل کرنے کیلئے اس کی پلاننگ کریں، اس کے لیے بیٹھ کر پروگرام چاک آؤٹ کریں اور مختلف طریقوں کے ذریعے گورنمنٹ کو بتائیں، اپنے وزیروں کو بتائیں کہ ہم یہ فارمولا دیتے ہیں، آپ کو کونسا فارمولا قبول ہے؟ کیونکہ ہم اسی لیے ان کو پیسے دیتے ہیں، اسی لیے ان کو ملازمتیں دیتے ہیں کہ جب ان کو پالیسی دی جائے، اس پر عمل درآمد کرنے کیلئے اعداد و شمار اور ساری چیزیں وہ لیکر آئیں، تکنیکی طور پر اس کا جائزہ لیں اور وہ آ کر ہمیں دیں۔

لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں پالیسی دینے والا ذہن کوئی نہیں ہے۔ یہ حکومت جس نے ایک سال پہلے کہا کرپشن ختم کریں گے، کرپشن بڑھائی۔ کہا: جمہوریت قائم کریں گے، آرڈیننسوں پر سانس لے رہے ہیں۔ کہا: ہم ہاؤس میں سچائی کی آواز کو نہیں روکیں گے، جب دیکھا کہ سچائی کی آواز ہے، اس کو بند کر دیا۔ کہا جناب! ہم مل کر ایک دوسرے کے ساتھ چلیں گے، لیکن اب جو حق کی بات کرتا ہے اس کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ آپ کی حیثیت نہیں ہے، آپ اقلیت ہیں، ہم اکثریت ہیں۔ یہ میجارٹی اور مینارٹی کی بات نہیں۔ حق بات جہاں سے بھی ملے سنیں، سننا چاہیے، توجہ سے، اس پر اگر آپ عمل کر سکتے ہیں تو کریں، اگر نہیں کر سکتے تو یہ پالیسیز آپ کی ہیں اور پھر آپ کو جا کر عوام کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں مَیں عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ بجٹ جو یہاں پر پیش کیا گیا ہے اور اس میں جو ترجیحات ہمارے سامنے رکھی گئیں اور کہا کہ پسماندہ طبقات کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے یہ بجٹ بنایا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ پسماندہ طبقات کو مزید پسماندہ کرنے کا بجٹ ہے۔ ان کیلئے اس میں کوئی پیغام نہیں، کوئی خوشخبری نہیں ہے، اس بجٹ کو سن کر یا پڑھ کر ان کے چہروں پر کوئی خوشی کی لہر نہیں آئی، ان کے دکھوں کی اس اندھیری رات کے سفر کی منزلوں میں اضافہ ہوا ہے، کوئی سپیدہ سحر نمودار نہیں ہوا، سورج کی کوئی کرن نہیں پھوٹی، ان کو محسوس نہیں ہوا کہ یہ بجٹ ان کیلئے بنایا گیا ہے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ بجٹ صرف حقائق سے انحراف کرنے کیلئے، حقائق سے آنکھیں بند کرنے کیلئے وقتی تقاضوں سے جان بچانے کیلئے اور راہ فرار اختیار کرنے کیلئے ہے، کیونکہ 30 جون ہے، بجٹ آنا ہے، راہ فرار نہیں ہے۔ یہ راہ فرار کا بجٹ ہے، یہ حالات کا سامنا کرنے کا بجٹ نہیں ہے، اس بجٹ میں ٹیکنالوجی کیلئے کیا پیغام موجود ہے؟ ہم ٹیکنالوجی کے بحران میں مبتلا ہیں۔ کونسا پیغام ہے کہ ہم آنے والے وقت میں ٹیکنالوجی کیلئے کیا خرچ کریں گے؟ تعلیم پر کیا خرچ کریں گے؟

جناب والا! میں یہ عرض کروں گا کہ دفاعی اخراجات اس میں سے کم کیے جائیں اور نوجوانوں کیلئے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کیلئے راستے کھولے جائیں، ہمارے پاس وسائل موجود ہیں لیکن ان کا استعمال غلط

کیا جا رہا ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ ہمیں ایسی قوم کا بجٹ بنانا چاہیے، یہ سوچ کر آگے بڑھنا چاہیے کہ بحیثیت پوری قوم ہم مشکل حالات کا مقابلہ کریں گے۔ ہم میں سے ہر آدمی کو اس طریقے سے انوالو کیا جائے۔ اپنے ملک کی ترقی کیلئے، اپنے ملک کی صلاحیتوں کو آگے بڑھانے کیلئے اور آنے والی نسلوں، اپنے بچوں کیلئے ایسا متمدن معاشرہ قائم کرنے کیلئے، جس کے اندر رہ کر وہ دنیا کی دوسری نسلوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اگر ہم ایسا چاہتے ہیں تو وہ یہ راستہ نہیں ہے جو اختیار کیا گیا ہے۔ یہ انحراف کا راستہ ہے، یہ دوڑ جانے کا راستہ ہے، اس سیاسی بے بصارتی کے باوجود اس مرحلہ پر بھی ہمیں سوچنا چاہیے کہ آپ کی بے بصیرتی پوری قوم کی بے بصارتی میں نہ بدل جائے۔ آپ کی بے بصیرتی پوری قوم کو اندھیروں کے اندر ڈالنے پر مجبور نہ کر دے۔ آگے بڑھیے، سوچ کے چراغ روشن کیجئے۔ آپ ملئے، لوگوں سے ملئے، آپ اس طریقے سے سوچیے، جیسے قومیں سادگی اپناتی ہیں، قربانیوں کا جذبہ لے کر بڑھتی ہیں۔

یہ قوم قربانی دینے کا جذبہ جانتی ہے۔ اس نے 65ء میں قربانی دی، لیکن اس وقت کی فوجی جنتا نے قربانی نہیں دی تھی۔ 70ء کے اندر بھی اس قوم نے قربانی دی لیکن اس وقت کی فوجی جنتا نے بھی قربانی نہیں دی تھی، آج بھی یہ قوم قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ جمہوریت کیلئے انصاف کیلئے، سچائی کیلئے، ترقی کیلئے۔

میں آخر میں عرض کروں گا کہ ہمیں آدرشوں، امنگوں کو اس طریقے سے منظم کرنا چاہیے کہ ہم ایسے لگیں کہ ہم بیسویں صدی کی قوم ہیں، جو اپنی ترقی کے راستے خود نکال رہی ہے، جو باہر کے قرضوں سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے، جو اپنے اندر کے ذرائع کو ری جنریٹ کر رہی ہے۔ اگر آپ نے چند افراد کو ترقی کے مواقع فراہم کر دیے تو یہ 8 کروڑ انسانوں سے ناانصافی ہوگی اور جب بھی کسی نے ملک کے عوام سے ناانصافی کی ہے تو اسے خود انصاف کے کٹہروں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ ہمیں ان آٹھ کروڑ مسلمان پاکستانیوں کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا، جن کیلئے تعلیم کے مواقع نہیں، انہیں فراہم کرنے ہوں گے۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔ کھانے کو ان کے پاس نان جویں نہیں ہے، ان کو مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔ ان کو ہم ساتھ لے کر نہ چلے تو جو مصنوعی شاہراہ ترقی ہے، اس شاہراہ ترقی کا راستہ 8 کروڑ عوام روک دیں گے اور اس سیلاب کے اندر یہ شاہراہ بھی بہہ جائے گی اور آپ کا اقتدار بھی اور 8 کروڑ پاکستانیوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائیگا۔

دفاعی معاملات پر بے تحاشا رقوم حکومت نے اس وقت مانگی ہیں جو وہ دفاع پر خرچ کرنا چاہتی ہے۔ کسی ملک کا کوئی با غیرت شہری یہ نہیں سوچ سکتا کہ اس ملک کا دفاع کمزور ہو، ہر آدمی اپنے ملک کا دفاع مضبوط دیکھنا چاہتا ہے لیکن دفاع کی مضبوطی سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ملک کی سرحدیں محفوظ ہوں۔ وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں بیٹھا ہوا اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرے۔ باعزت محسوس کرے، باوقار محسوس کرے، لیکن جناب والا! اس دفاع کے نام پر اس کے گھر پر ڈاکہ ڈالا جائے، اس کی سوچ پر ڈاکہ ڈالا جائے، اس کی فکر پر ڈاکہ ڈالا جائے اور اس کا گھر غیر محفوظ

ہو جائے، وہ بندوق جس نے رخ دوسری طرف کرنا تھا اس کی طرف ہو جائے تو پھر پاکستان کی پوری قوم یہ سوچنے پہ ضرور مجبور ہو گی کہ ہم اس دفاع پر اتنے اخراجات کر کے اس میں سے کیا نکال رہے ہیں، کیا حاصل کر رہے ہیں؟

## سیاسی بحران کا حل، ذمہ دار قیادت (قومی اسمبلی 18 ستمبر 1986ء)

جناب سپیکر! امن وامان کی صورتحال پر وقیع قسم کی تقاریر ہو چکی ہیں اور اخبارات، میڈیا اور سارے ذرائع روزانہ پاکستان کے شہریوں کو حالات کی سنگینی سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری تلخ نوائی اب گوارا نہیں کی جا رہی۔ میں نے سوچا تھا کہ اس مرتبہ کوشش کرونگا کہ ادب سے، احترام سے حکومت کی کچھ تعریف کر دوں، شاید اس طریقہ سے مجھے تقریر کرنے کے مواقع فراہم ہوتے رہیں۔ میں نے بہت کوشش کی، بہت سوچا، خواہش تھی کہ میں کہوں کہ پاکستان میں امن وامان کی صورتحال پوری دنیا کی امن وامان کی صورتحال سے بہتر ہے، میں چاہتا تھا کہ میں یہ کہوں کہ پی ایم کا طیارہ بھی پاکستان کے کمانڈوز کا یا سیکورٹی فورسز کا معاملہ نہیں تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی منشا سے ہوا اور اللہ جو چاہے کر سکتا ہے، میں نے یہ سوچا تھا کہ میں روسی سفارت کار کی موت پر بھی یہی کہوں گا کہ دن مقرر ہے، نہ اس میں لمحہ بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کم ہو سکتا ہے۔ اس میں بے چارے محمد خان جونیجو کا کیا قصور ہے، میں یہ سوچ کر اور یہ خواہش لے کر اس دفعہ آیا تھا کہ اگر میں اپنا رویہ بدل لوں تو اس سے ملک کا امن و امان تو شاید ٹھیک نہ ہو سکے لیکن میرے تعلقات اچھے ہو جائیں اور خوش ہو جائے لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میری بد قسمتی ہے کہ جب میں چاہتا ہوں ان کو خراج تحسین پیش کروں اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کروں، اپنے سربراہ پر، میں پھول چننا چاہتا تھا لیکن جب میں نے دیکھا چارسُو ملک میں پھولوں کی بجائے حسرتوں کی فصل تیار ہو چکی ہے۔ میں دیکھتا ہوں ہر گھر میں بے سکونی ہے، لوگوں کی راتوں کی نیندیں غائب ہو چکی ہیں۔ میں جب سندھ کی بستیوں کو اجڑتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرا دل نہیں چاہتا۔ ضمیر کو مارنا بھی چاہوں تو نہیں مرتا۔ ہم جتنی تقریریں کرتے جائیں گے حالات کی narration ہو گی، کس کو بتائیں گے؟ ہم اس کا سبب کس کو بتائیں گے؟ وہ تو جانتے ہیں کہ اندھے کے آگے رونا اپنی آنکھوں کا زیاں ہوتا ہے۔ اس لئے آنکھیں ہی بند کر لیں۔ پھر خود کو کہتا ہوں آنکھیں تو کھول، شہر کو سیلاب لے گیا، نتیجہ کیا ہے کہ اسمبلی کے ممبران اپنے آپ کو مضبوط محسوس نہیں کرتے، وزراء اپنے آپ کو Secure محسوس نہیں کرتے۔ وزیر اعظم ایک دن کہتے ہیں، میں نے مارشل لاء اٹھایا اور دوسری طرف سے بیان آتا ہے، میں نے اس کو بچایا اور اس کی سیٹ بچائی۔ یہ دوعملی لے ڈوبے گی۔ اس دوعملی سے بچنے کا اب وقت آ گیا ہے کہ ہم تبدیلیوں کی طرف اپنا سفر شروع کریں۔

## ضیاء الحق کی بندوق کی حکومت ختم ہو، وہ استعفیٰ دیں

پہلی بات یہ ہے کہ ان اسمبلیوں کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ وزیر اعظم اپنی مرضی کا چنیں، وہ صدر مملکت اپنی مرضی کا چنیں، جنرل محمد ضیاء الحق فوج کے حوالے سے، بندوقوں کے حوالے سے حکومت کرتے ہیں، کرتے رہیں گے، شاید مجھے نہیں معلوم، لیکن اگر انہیں ملک کی سالمیت عزیز ہے، وہ اس ملک سے محبت کرنا چاہتے ہیں اور واقعی کوئی رمق ان کے دل کے اندر اس بدنصیب ملک کیلئے موجود ہے تو کوئی حق نہیں ہے، ان کو وہ استعفیٰ دیں، کیونکہ نہ وہ جنرل ووٹ کے ذریعے آئے ہیں، نہ ان کو اسمبلیوں نے چنا ہے نہ ان کو پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں صدارت پیش کی گئی۔ اس لئے اگر پاکستان کا صدر بننا ہے، وہ بھی لڑنا چاہیں تو آئین کے مطابق تمام اسمبلیوں کو یہ حق دے دیا جائے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب مستعفی ہوں اور 73ء کے آئین کے مطابق نئے صدر کو چننے کا حق اس اسمبلی کو دے دیا جائے۔

## اقلیتیں محفوظ نہیں، مندروں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں

اس وقت بھی لاہور کے کئی علاقوں میں کرفیو نافذ ہے، جب میں بات کر رہا ہوں، ہر گھر کو جیل خانہ بنا دیا گیا ہے، پاکستان کے ہر گھر کو قید خانہ بنا دیا گیا، اقلیتیں محفوظ نہیں، ان کے مندروں پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں، یہاں پر جو غریب لوگ نان جویں کو ترس رہے ہیں، ان کے معاشی وسائل پر بڑے بڑے سیاستدان اور بڑے بڑے بیوروکریٹ پل رہے ہیں جوان کو لوٹ رہے ہیں، لوٹ کھسوٹ کا دور جاری ہے، اس دور میں جناب اسپیکر! میں یہ عرض کروں گا کہ اس مرحلے پر اگر ہم نے آگے چلنا ہے اور جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے اور ان حضرات نے اپنے آپ کو چلانے کی کوشش کرنی ہے تو انہیں فوری طور پر اپنے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دینا چاہیے۔

## انتظامی کی بجائے سیاسی حل

جناب سپیکر! اس وقت ملک کے حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ باہر کی سیاسی قوتیں اور اندر کی سیاسی قوتیں باہمی طور پر قربانی کے جذبے سے آگے بڑھیں۔ یہ ملک اب سیاسی کشمکش کا متحمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ سیاسی کشمکش نے ہمیں بہت ہی داغدار ماضی دیا ہے۔ سندھ کا مسئلہ ہو، پنجاب کا مسئلہ ہو، فرنٹیئر کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے، جگہ جگہ پر بم پھٹ رہے ہیں، آپ پاؤں رکھتے ہیں تو بم پھٹنے کی آواز آتی ہے۔ یہ سارے مسائل صرف انتظامی مسائل نہیں ہیں، ان کو انتظامی حوالوں سے حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یہ کہنا کہ چند ڈاکو ہیں اور وہ ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سیاست کا مطلب کیا ہے؟ پولیٹیکل پارٹیز کا مطلب کیا ہے، پولیٹیکل پارٹیز سوسائٹی کو آرگنائز کرتی ہیں، وہاں اس کا ورکر جاتا ہے، ڈاکو کہاں پر بیٹھا ہے، اس کو سزا کیسے ملنی چاہیے؟ آج صرف تھانیدار کے ذریعے آپ کنٹرول کرنا چاہتے ہیں، ڈاکو کو کنٹرول تھانیدار اپنی جان پر نہیں کرے گا۔ تھانیدار

نے پیسے لے کر ڈا کو چھوڑ دینا ہے، اس کیلئے پولیٹیکل کیڈر کی ضرورت ہے۔ اس کے ڈر کو آپ اسی وقت لا سکتے ہیں جب ملک کے اندر سیاسی حالات پہلے سے بہتر کریں۔ سیاست دان بیٹھے ہیں، ان سے سیاسی مذاکرات کرنے چاہئیں۔ اس کو ضد کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ اس ضد میں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ Stability لائیں گے یا اپنی گورنمنٹ کو مستحکم کرلیں گے، جناب والا! یہ بالکل خام خیالی کی باتیں ہیں۔ اس طریقے سے حالات دگرگوں ہوتے ہیں، ہوتے رہیں گے۔

## نئے انتخابات

تین چیزیں ہوسکتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام سیاسی حضرات کے ساتھ Time Frame طے کیا جائے، صدرِ مملکت اپنے عہدے کی قربانی دیں، اسمبلی کے ارکان وقت کی قربانی دیں اور سیاستدان اس بات کو سوچیں کہ ہم اپنے اس موقف سے ہٹ کر اس مرحلے پر Compromising Attitude کے ساتھ ملک کو اس بحران سے نکالیں۔ ملک بڑے بحران سے گزر رہا ہے اور یہ فارمولا اس طریقے سے ہوسکتا ہے، صدر مملکت کے اختیارات 73ء کے کانسٹی ٹیوشن تک لے جائیں، اگر دوسرے اس کو قبول کریں، اسمبلی مڈ ٹرم کا الیکشن قبول کرے جو اس کے مفاد میں ہے، اسی طریقے سے سیاستدان آنے والے الیکشن کیلئے Compromising Attitude کے ساتھ اپنے امیدوار نامزد کریں اور جو حکومت بنتی ہے وہ ہم سب کو قبول ہونی چاہیے۔ ایک فارمولا میں یہ عرض کر رہا ہوں۔

دوسرا فارمولا میں نے عرض کیا ہے کہ ہم تمام اسمبلیوں میں انتخابات کروائیں، اپنے نمائندے خود چنیں، اپنے وزرائے اعلیٰ، اپنے وزرائے اعظم خود چنیں، اس سے اعتماد کی فضا بحال ہوسکتی ہے۔

## بااختیار ضلعی حکومت

تیسرا فارمولا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر ضلع پر مقامی حکومت قائم ہونی چاہیے اور اس کا Directly elected براہ راست منتخب نمائندہ ہونا چاہیے جس میں ڈی سی اور ایس پی کو اس کے ماتحت کیا جائے تاکہ ذمہ داری براہ راست عوامی نمائندوں پر آسکے۔ ہر ضلع کے اندر اگر ہم اس طریقے سے انتخابات کروائیں گے تو وہ نمائندگی جو ملے گی، اس کے حوالے سے مقامی سطح پر لاء اینڈ آرڈر سچوایشن کو کنٹرول کیا جاسکے گا۔

## امن وامان پر میرے خدشات (قومی اسمبلی 4 نومبر 1986ء)

ADJOURNMENT MOTIONS 4th 1986

جناب سپیکر! عام آدمی نے دعائیں مانگی تھیں، خواہش کی تھی کہ مارشل لاء جائے اور ایک ایسی حکومت آئے جو ان کی اپنی ہو، جس میں ان کے نمائندے موجود ہوں، جو ان کی ترجمانی کرسکیں، جو ان کے قریب تر لوگ

ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ اس حکومت کے آتے ہی ہمارے دکھوں کا مداوا ہو سکے گا اور ہماری مشکلات کو سمجھنے والے مسیحا آ جائیں گے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی جو کہ سول حکومت کے کندھوں پر آن پڑی تھی۔ پونے دو سال میں جناب وزیر اعظم پر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کر سکیں، ان کی عزت کا تحفظ کر سکیں۔ لوگ یہ چاہ رہے تھے، ان کی یہ خواہش تھی کہ پونے دو سال میں شائد ان کی زندگی پہلے سے بہتر ہوگی۔ بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ پونے دو سال کے اندر زیادہ فسادات ہوئے۔ اختلافات بڑھے، خلفشار بڑھ چکا، انتشار کی چادر نے ملک کو اپنی لپیٹ میں رکھا۔ ان حالات میں ہم الزام باہر کی سیاسی جماعتوں کو دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ آج جناب قائد ایوان نے ایوان میں کہا کہ جو دھماکے لاہور میں، کوئٹہ میں، پشاور اور کراچی میں ہو رہے ہیں، یہ کسی ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ آنکھیں کھولنی پڑیں گی، آج جو کچھ کراچی کی شاہراہوں پر ہو رہا ہے، آج جو کچھ حیدرآباد کے لوگوں کے دلوں پر بیت رہی ہے اور آج جو کچھ سندھ میں لوگوں کی عزت اور جان و مال کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آج لاہور کے اندر قوم کے نوجوان بیٹوں کو شاہین فورس کی گولیوں سے ابدی نیند سلایا جا رہا ہے۔ آج پشاور کے ہر گھر میں بموں کے دھماکوں سے صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے اور آج کوئٹہ کے اندر بلوچ اور پٹھان کو لڑا کر ملک کے مزید ٹکڑے کرنے کی کوششیں اور سازشیں کی جا رہی ہیں، اگر اس کا درماں نہیں ہے اور اگر اس کا علاج سوچنے والے ذہنوں کو زنگ لگ چکا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مایوس کن حالات ان کیلئے کوئی اچھی خبر لانے والے نہیں ہیں، ان حالات کا ہم ذکر اس لئے کرتے ہیں۔ اس لئے آواز اٹھاتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، آخرکار یہ ملک کے استحکام کو لے ڈوبے گا۔ یہ نہ صرف ان اسمبلیوں کے خلاف جائے گا بلکہ کسی اور Opportunist کو کسی اور Adventurist کو موقع ملے گا کہ وہ آگے بڑھے اور آرام سے ان اسمبلیوں کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دے۔ حیدرآباد میں لوگوں کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، یہاں پر کرسیوں کی جنگ جاری ہے۔ پنجاب میں کرسیوں کی جنگ جاری ہے، اس سے لوگوں کو احساس ہو رہا ہے کہ یہ ہمارے مسیحا نہیں ہیں۔ یہ ہمارے درد کا درماں تلاش کرنے والے نہیں ہیں۔ جناب والا! ہمیں ان مسائل کو تندہی سے حل کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ ان مشکلات کا حل کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھدار ہوتا ہے، جو رہنما ہوتا ہے، وہ وقت سے پہلے سوچتا ہے، آج مجھے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، مجھے بہار اور بنگال کے وہ فسادات یاد آ رہے ہیں جن پر ایک کمیشن قائم کیا گیا تھا، وہ کمیشن وہاں پر گیا۔ جب لوگوں کو انصاف نہیں ملا، وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتے تھے تو انہوں نے آزادی کا نعرہ لگایا، علیحدگی کا نعرہ لگایا اور اس سے پہلے بھی یہی فسادات تھے۔ جنہوں نے 1905ء میں تقسیم بنگال کی آواز کو اٹھایا اور وہی تقسیم بنگال، آخرکار، تقسیم برصغیر کا پیغام بن کر آئی۔ میں آج یہ کہتا ہوں کہ ان چیزوں کو ہمیں سنجیدگی سے لینا چاہیے، سندھ کے اندر ظلم کے پھیلتے ہوئے سائے جو کہ چار سو پھیلے ہوئے ہیں، پٹھان اور مہاجر، لڑ رہا ہے۔ کل پنجابی اور مہاجر لڑ رہا تھا اور اس سے پہلے سندھی اور مہاجر، لڑ رہا تھا۔ کچھ لوگ اس کو یوں محسوس کرتے ہیں

کہ یہ فسادات اس لئے کرائے جا رہے ہیں، لوگ تقسیم ہو جائیں، ٹکڑوں میں بٹ جائیں، ایسی صورت میں وہ سوچیں گے کہ کوئی اور بندوق والا آئے اور وردی والا آئے اور ان کو تحفظ فراہم کر سکے۔ اس لئے حکومت میں اس وقت جو کارکنانِ قضاء قدر بیٹھے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی محلاتی سازشوں سے باہر نکلیں، وہ اپنے ان تقاضوں سے باز آئیں کہ کس کو کیا مل رہا ہے اور کس کو کیا نہیں مل رہا، حالات کا جائزہ لیں، اور آنے والے وقت کیلئے لائحہ عمل تیار کریں، آج حیدر آباد اور کراچی کے فسادات کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے اور اس کمیشن میں اس ملک کے مقتدر لوگوں کو، Judges کو، دانشوروں کو، صحافیوں کو، مزدور تنظیموں کے نمائندوں کو، ہر طبقہ فکر کے نمائندوں کو شامل کیا جائے، جو جا کر دیکھے کہ فسادات کی کیا وجوہات ہیں اور اگر باہر کا ہاتھ نظر آتا ہے تو اس کا سدِ باب کرنا چاہیے۔ اگر اس کے بجائے اندر کا ہاتھ کارفرما ہے اور مسلم لیگ کے انتشار کا ہاتھ نظر آتا ہے تو پھر ان کے خلاف بھی ایکشن لینا چاہیے۔ وہ بھی اسی طرح سزا بھگتیں face کریں۔ ہم ایسے ملک کے نمائندہ ہیں جس کی ہر گلی میں آج دکھ اور درد کی آواز ہے، جس کے اندر غربت نے آج لوگوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔

## سندھ میں پنجابی افسر شاہی اور مسلم لیگ سے اپیل

جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ بیورو کریٹس سندھ کے بھی موجود ہیں، صرف پنجاب ہی کے نہیں ہیں۔ سندھ کے اندر چیف سیکرٹری پنجابی ہے۔ وہاں کا چیف سیکرٹری فوری طور پر سندھ کے بیورو کریٹس میں سے لگایا جائے۔ وہاں کا آئی جی پنجابی ہے، اس کو فوری طور پر تبدیل کر کے سندھ کے لوگوں کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق دیا جائے، کیونکہ جب کہتے ہیں کہ Government of People by the Peopleand For the people تو سندھ میں بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے اوپر حکومت کر سکیں اور اپنے گھر میں اپنا راج قائم کر سکیں، اس لئے وہاں کے ہوم سیکرٹری کو، چیف سیکرٹری کو، آئی جی کو اور جناب گورنر جہانداد صاحب کو پنجاب میں واپس آ جانا چاہیے۔ ہم ان کو آنکھوں پر بٹھالیں گے۔ جناب والا گورنر جہانداد کو فوری طور پر علیحدہ کیا جائے۔ گورنر راج کی بات کرنے والوں سے میرا اختلاف ہے، گورنر راج قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، گورنر راج کا آپ نے کام شروع کیا تو پھر ملک میں کل کو صدر راج ہوگا۔ اسمبلیاں چلی جائیں گی، وزیر اعظم چلا جائے گا، یہ دروازے مت کھولیں، وہاں گورنر راج کی مخالفت کرتا ہوں اور یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ سندھ کے اندر سندھ کے لوگوں کو لایا جائے، انتظامیہ میں تبدیلی لائی جائے اور اندرونی سازشوں کو ختم کیا جائے اور مسلم لیگ سے میری اپیل ہے کہ اس مرحلے پر جب پوری قوم خاک و خون میں غلطیدہ ہے، خدا کے لئے اپنی کرسیوں کی لڑائی ختم کر دیں اور توجہ دیں مسائل کی طرف تو مسائل حل ہو جائیں گے، ورنہ یہ لڑائی آپ کو بھی لے ڈوبے گی اور پھر آپ کہیں گے۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم ............ تم کو بھی لے ڈوبیں گے

ہمیں نہ لے ڈوبئے اور اس ملک کو نہ لے ڈوبئے، میری درخواست ہے کہ اگر نہیں چلا سکتے ملک کو تو کوئی بات نہیں بہادروں کی طرح کہہ دیجئے کہ اسے چلانا ہمارے بس میں نہیں ہے، نئی لیڈرشپ کو آنے دیجئے۔ راستہ مت بند کیجئے

## قانون کیسا ہو (قومی اسمبلی 3 دسمبر 1986ء)

جناب والا! میری سمجھ سے یہ بالاتر ہے کہ اس مرحلہ پر سینیٹ کے قوانین انتخابات کو ترمیم کے ذریعہ مشکل بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جناب وزیر انصاف نے اس سلسلہ میں یہ فرمایا تھا کہ اس ترمیم میں ان کی بدنیتی نہیں ہے اور وہ صرف اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ قانون کو آئین کے تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے۔ ان کی بات صحیح ہوگی اور ان کی نیت پر شبہ کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، البتہ ان کے اس عمل کو جب دیکھا جائے تو اس میں ہم صرف یہ کہہ کر خاموش نہیں ہو سکتے کہ "انما الاعمال بالنیات قانون نیت پر نہیں بنتا، قانون ایک عامل عنصر کے طور پر قوم کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے اور اگر اس خون کی گردش میں کہیں کوئی clot آجائے یا کہیں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو قومی زندگی کی شریانیں سکڑنے لگتی ہیں اور اس سے وہ قوم جو کہ صحت مند ہوتی ہے، قانونی پیچیدگیوں کے اندر دب کر اس کا دم گھٹ جاتا ہے اور اس کا سانس ٹوٹ جاتا ہے۔

جناب والا! قانون کا احترام کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ احترام اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب قانون فرد واحد کی منشاء کے مطابق نہ بن رہا ہو بلکہ قانون آٹھ کروڑ انسانوں اور قوم کی آدرشوں کی ترجمانی کر رہا ہو۔ بولتا ہوا قانون، سادہ قانون، سمجھ آنے والا قانون، مساوات فراہم کرنے والا قانون ہی زندہ رہتا ہے۔ جو ادارے اپنے راستہ میں قانونی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں تو قوم کو نقصان پہنچتا ہے اور قوم کی توقعات اداروں کی بجائے افراد کی طرف چلی آتی ہے۔ افراد فانی ہوتے ہیں اور ادارے لافانی، فرد کی حیثیت عارضی ہوتی ہے، اس لئے اس مرحلہ پر ہم افراد کو قوت لایموت دے رہے ہیں اور اداروں کی زندگی اور ان کی صلاحیتوں کے اجاگر ہونے کے مواقع کو محدود کر رہے ہیں، یہ انتہائی سنجیدہ مسئلہ ہے کہ ہم ایک چھوٹے سے قانون کے ذریعے اپنے بہت بڑے وجود کو ختم کرنے کا آغاز کر رہے ہیں۔

## کھاد کا بحران (قومی اسمبلی 14 دسمبر 1986ء)

ADJOURNMENT MOTIONS 14th Dec 1986

جناب سپیکر! شکریہ، گندم کی بوائی کے وقت کھاد جس طریقے سے غائب ہوئی ہے اس سے ایک بہت بڑا نقصان ہماری گندم کی کاشت کو پہنچ چکا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، پچھلے چار پانچ سال تک گندم کی کمی ہوئی تھی

اور ہمیں درآمد کرنا پڑتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس جنس پر اور اس کاشت پر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور ہم اس سلسلہ میں خود کفیل ہوئے۔ لیکن ایک دو سال سے ایک سازش نظر آتی ہے کہ اس گندم کی پیداوار کو کم کیا جائے تاکہ باہر سے گندم منگوانے پر جو کمیشن لینے والے ادارے تھے، ان کو جو کمی ہوئی ہے اس کو کسی طریقے سے پورا کیا جائے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے اس ملک کے 8 کروڑ عوام کے ساتھ کہ گندم کی کاشت کے وقت کھاد نایاب ہے۔ اس کی وجوہ کچھ بھی ہوں لیکن آج ہمارے پاس فاسفورس کھادیں جو ہم نے درآمد کرنی تھیں، پہنچی ہوئی ہیں۔ نائٹروجنی کھادیں جن کو ہم ایکسپورٹ کرتے ہیں، وہ ہمارے گوداموں میں گل سڑ رہی ہیں۔ جناب والا! کوٹے کے ذریعے یہاں پر لکھ کر دیتے ہیں، منسٹر صاحب کہ فلاں کو اتنی بوریاں دے دی جائیں اور اس طرح بلیک مارکٹنگ کے اندر اضافہ کیا گیا ہے۔ ایم این ایز کے ذریعے، ایم پی ایز کے ذریعے یا اپنے آفیسرز کے یا اپنے سیاسی کارکنوں کے ذریعے، ایک مصنوعی بحران پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس وقت گندم کی کاشت میں ہم بحرانی کیفیت سے دوچار ہیں اور یہ چھوٹا مسئلہ نہیں ہے۔ میں جو الزامات لگا رہا ہوں، میرا اس سے مقصد نہ تو کسی فرد واحد کی توہین ہے، نہ ایوان کی اور نہ کسی وزیر محترم کی۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اتنا بڑا نقصان ہے اور اگر اس کی منصوبہ بندی یہ نہیں کر سکے، چھ مہینے پہلے کہ کل کو کس طریقے سے ہم نے کھاد فراہم کرنی ہے اور کسان کس حد تک intensive کاشت میں آگے بڑھ رہے ہیں تو میرے خیال میں اب بھی وقت ہے کہ اتنے بڑے جرم پر ایک کمیٹی بنائی جائے جو تفصیل میں جائے۔ اتنا بڑا قومی بحران پیدا کیا گیا ہے اور اس کو پیدا کرنے کے جو لوگ ذمہ دار ہیں ان کو سزا دی جائے، ان کو ان کے عہدوں سے الگ کیا جائے اور جو سٹور رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں ڈیکلیئر نہیں کیا، ان کو سزا دی جائے۔ دیر سے امپورٹ کرنے پر جن اداروں نے تساہل برتا ہے ان کو سزا دی جائے، اگر ہاؤس کی ایک کمیٹی ہوگی، وہ محاسبہ کمیٹی ہوگی جو احتساب کرے گی، انہی ایم این ایز پر مشتمل ہو، میں نہیں کہتا کہ ہماری طرف سے ہو، وہ مسلم لیگ کے ارکان ہوں، وزراء ہوں، پانچ چھ افراد پر کمیٹی بنا لیں جو کم از کم ایوان کی کمیٹی ہو، جو جائے اور اتنے بڑے قومی بحران کو دیکھے۔

پچھلی مرتبہ جب میں نے یہ تحریک التواء پیش کی تو زراعت کے پارلیمانی سیکرٹری صدیق کانجو صاحب سے میں نے کہا کہ جناب! آپ ان اعداد و شمار کو، جو آپ نے طوطے کی طرح رٹے ہوئے ہیں، پڑھ دیں گے لیکن کل کو آپ نے اپنے حلقے میں جانا ہے، ان کسانوں کا سامنا کرنا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم مزید تساہل کا شکار ہوں، ایک کمیٹی بنائیں جو اس کی تہہ تک پہنچے، اور جن لوگوں کی وجہ سے یہ بحران پیدا ہوا ہے، انہیں قرار واقعی سزا دی جائے اور جن کو سفارشوں کی بنیاد پر کھاد فراہم کی گئی ہے یا بلیک مارکیٹنگ کا طریقہ نکالا گیا ہے، ان وزراء کا بھی محاسبہ ہونا چاہیے اور ان پارلیمانی سیکرٹریوں اور ممبرز کا بھی محاسبہ ہونا چاہیے جن کے ذریعے کھاد تقسیم کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔

## کراچی اور حیدرآباد کے فسادات (قومی اسمبلی 14 جنوری 1987ء)

ADJOURNMENT MOTION RE: RIOTS IN KARACHI AND HYDERABAD 14TH JUN 1987

کراچی اور حیدرآباد کے سانحہ پر بہت تفصیل سے باتیں آ چکی ہیں۔ مجھے کراچی، کرفیو کے دنوں میں جا کر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جس وقت پورا شہر جزیروں میں بٹا ہوا تھا اور ہر گھر جیل خانہ بنا ہوا تھا تو اس وقت 16 دسمبر کو یہاں سے سید فخر امام کی قیادت میں قومی اسمبلی کے ارکان اور سینیٹرز حضرات وہاں پر گئے۔ ہم نے وہاں جا کر اورنگی میں، ملیر میں، سہراب گوٹھ، میں کرفیو کے دوران دیکھا کہ لوگ کس طریقے سے حالات کی قید کے اندر پھنس چکے ہیں۔ ہم نے، جناب سپیکر، اپنی آنکھوں کے سامنے لوگوں کو دم توڑتے دیکھا، ہسپتال میں نوے سال کے بوڑھوں کے جسموں کو گولیوں سے چھلنی دیکھا، زندہ ادھ جلے ہوئے لوگ اپنے گھروں کے اندر مقید تھے، ان کو دیکھا اور ان کی آہ و فغاں جاری تھی اور ان کے لبوں پر جو شکایت تھی، وہ یہی تھی کہ آٹھ گھنٹے تک ان پر گولیاں برستی رہیں۔ ان کے گھروں کو آگ لگائی جاتی رہی، لیکن کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا۔ اور جناب سپیکر، ہم نے اپنے کانوں سے سنا، انہی راتوں کو کہ حکومت یہ اعلان کر رہی تھی کہ ہر آدمی اپنی جان اور مال کا تحفظ خود کرے۔ جس شہر بلا میں یہ اعلان کیا جا رہا ہو کہ ہم کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ نہیں کر سکتے تو اس شہر کی بے بسی کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں۔

جناب سپیکر! اس پس منظر میں جب ہم یہاں پر آواز اٹھاتے ہیں تو ہمیں اپنے پچھلے دو سال کا سویلین دور کا جائزہ لینا ہے۔ اچھی بات ہے، جناب وزیر اعظم صاحب نے آج فرمایا کہ انہوں نے مارشل لاء اٹھایا اور انہوں نے ایک نظام دیا جس میں بنیادی حقوق کا تحفظ ہے، جس میں ایمرجنسی موجود نہیں ہے، جمہوریت کا بول بالا ہے۔ جناب سپیکر، یہ بڑے اچھے اقدامات تھے اور ان اقدامات کی وجہ سے ان کو خراج تحسین ہم دو سال تک پیش کرتے رہے ہیں لیکن وہ ذرا خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لیں کہ ان دو سالوں کے اندر جو چیلنج قبول کیا تھا انہوں نے، مارشل لاء کی حکومت کے بعد وہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ جناب سپیکر! یہ چیلنج تھا سویلین حضرات، کا کہ فوجی حضرات حکومت کو صحیح طور پر نہ چلا سکے اور اب ہم سویلین حکومت چلا کر دکھائیں گے اور ملک کو چلانے کا ماڈل پیش کریں گے۔ جناب سپیکر! دو سال کے اندر آج اس ایوان میں کھڑے ہوئے میرا دل چاہتا ہے کہ میں کہوں کہ ہمارے وزیر اعظم نے امن و امان کو ہر گھر کے اندر پہنچا دیا ہے، لیکن میں یہ کہنا بھی چاہوں تو میں جھوٹ بول رہا ہوں گا۔ جناب سپیکر! میں خوشامد کر رہا ہوں گا یا میں کوئی مقصد برآری کی بات کر رہا ہوں گا، کیونکہ اس ملک کے آٹھ کروڑ لوگ میری اس بات کی تصدیق کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، ہم انہی کے ترجمان ہیں، اگر ہماری زبان، ان کے مقاصد کی ترجمان نہ رہے، اور صرف ہم وزیر اعظم کو خوش کرنے کیلئے بات کرنا چاہیں اور جو دوست کہنا چاہ رہے ہیں، انہیں بھی کہتے ہوئے ضرور دیکھنا چاہیے کہ لوگ کراچی اور حیدرآباد کے اندر کس قسم کی زندگی بسر کر رہے ہیں،

کرفیو موجود ہے، اس وقت جب میں بات کر رہا ہوں، حیدرآباد کے اندر فائرنگ جاری ہے، چار اور تھانوں کے اوپر کرفیو لگا دیا گیا ہے اور اسی مرحلے پر جناب سپیکر! ہمارے شہر کراچی کے اندر لوگ غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں، کیا ان دو سالوں کے اندر ہم نے کسی مرحلے پر کوئی کامیابی حاصل کی ہے۔ پانچ سال کل ملے ہیں دو سال ختم ہو چکے ہیں۔ آیئے، ہم دوسروں کا احتساب کرتے رہتے ہیں، اپنا احتساب کریں، کیا ہم صنعتی انقلاب برپا کر سکتے ہیں، کیا ملک میں زرعی انقلاب آ چکا ہے، کیا ملک میں رشوت کی بیخ کنی کر دی گئی ہے، کیا ملک کے اندر سمگلنگ کو ہمیشہ کیلئے ملیامیٹ کر دیا گیا ہے، نہیں جناب سپیکر! آج مجھے دکھ ہے۔ وزیراعظم صاحب نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر کوئی چاہے خراج تحسین پیش کرے، میں نہیں کر سکوں گا۔ عرض کرنا چاہوں گا کہ کراچی اور حیدرآباد کے حالات کی جڑیں گہری ہیں۔ جو حکومتیں بنی ہیں، لوگ ان پر اعتماد نہیں کر رہے، وہ انہیں کرپٹ سمجھتے ہیں۔ جناب والا، کیا کرپشن رک گئی ہے، سندھ کی کابینہ کو تبدیل کیا گیا، وزراء نکالے گئے، اچھا ہوا تھوڑا سا احساس ہوا، جس حکومت کا یہ تاثر بن جائے کہ وہ کرپشن کا شکار ہے، وہ سہراب گوٹھ بیچ رہے ہیں، وہ فیصل آباد کے اس پلاٹ کی انکوائری کمیٹی کیلئے اس آدمی کو لگاتے ہیں جو پچیس ہزار کرپشن کے طور پر مہینے کے لیتا ہے۔ اسی کو کہا جاتا ہے کہ تم فیصل آباد میں 124 کنال اور سات مرلے کی جا کر انکوائری کرو۔ جناب والا، میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی صورتحال اگر اس سویلین گورنمنٹ نے پیدا کی اور کرپشن کو فروغ دیا تو اس سے جناب والا، ہم قوم کی خدمت نہیں کریں گے۔ جناب محمد خان جونیجو نے کہا تھا کہ ہم باہر کی اپوزیشن کا بھی سامنا کریں گے، ہم تو نہیں کہتے، غیر ملکی ہاتھ ان کے پیچھے ہیں یا وہ غیر محب وطن ہیں، روس ان کے پیچھے ہے، امریکہ ان کے پیچھے ہے، انڈیا ان کے پیچھے ہے، میں کہتا ہوں۔ آپ کی ساری باتیں صحیح ہوں گی۔ مگر جب تک آپ اپنی کرپشن ختم نہیں کریں گے، استحکام نہیں آ سکتا۔

## ہندوستان کی فوجیں پاکستانی سرحدوں پر، ضیاء الحق کویت میں

(قومی اسمبلی 25 جنوری 1987ء)

MOTION REGARDING MASSING OF INDIAN TROOPS ON PAKISTAN BORDER

جناب سپیکر! ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلانے کا دعویدار ہے، ہندوستان کے 80 کروڑ عوام غربت، افلاس، جہالت کے سیلاب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے کروڑوں لوگ امن چاہتے ہیں، جمہوریت چاہتے ہیں، انسانیت کی فلاح چاہتے ہیں، لیکن تین مہینے سے مسلسل یہ خبریں اخباروں کی شہ سرخیاں بن رہی ہیں کہ ہندوستان اپنی تاریخ کی سب سے بڑی دفاعی مشقیں پاکستان کے مشرقی بارڈر پر شروع کر چکا ہے اور جیسے کہ کہا گیا ہے، شاید یہ جنوبی ایشیاء کی تاریخ کی سب سے بڑی دفاعی مشقیں ہیں۔

جناب سپیکر! آج صبح پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وزیراعظم پاکستان نے مختصر طور پر حالات سے

اپنی قوم کو آگاہ کیا، جس کی وجہ سے تشویش کی لہر پوری قوم کے جسم میں دوڑ چکی ہے اور آج پورے پاکستان میں یہ سمجھا جا رہا تھا کہ شاید ان حقائق سے پردہ اٹھا دیا جائے گا کہ آخر ہندوستان کی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر اس وقت کیوں براجمان ہیں۔ ہر آدمی اس کی دلیل اپنے نقطہ نظر سے لا سکتا ہے اور اسی حوالے سے وہ اپنی گفتگو کر سکتا ہے، لیکن جناب والا ہم ہندوستان کی چالیس سالہ تاریخ سے آگاہ ہیں اور یہ محسوس کرتے آئے ہیں کہ ہندوستان نے کبھی بھی کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جب پاکستان کمزور ہو اور وہ اس پر حملہ نہ کرے۔ سب سے پہلے پاکستان کے قیام کے ایک سال بعد کشمیر کے بارڈر پر اس نوزائیدہ مملکت کو جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ 1965ء میں پھر جنگ وجدل کا سامنا ان دو غریب قوموں کو کرنا پڑا جس کی وجہ سے ہم کئی سال اتک ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے اور پھر جناب والا! آخری جنگ جو لڑی گئی، پاکستان کا سب سے بڑا حصہ جدا ہوا، سقوط ڈھاکہ کی صورت میں۔ جناب سپیکر! ڈھاکہ کی سرزمین پر ہمارے 90 ہزار بہادر فوجیوں نے سرنڈر کیا۔ ہتھیار ڈالے، وہاں کے بنگالیوں کے سامنے نہیں، جگجیت سنگھ اروڑا جو ہندوستان کی فوج کا جرنیل تھا، ایسٹرن کمانڈ کا جرنیل تھا وہ ڈھاکہ کے اندر داخل ہوا۔ ہماری فوجوں کو اسی کے ہاتھوں رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ آج جب ہندوستانی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر موجود ہیں تو ان باتوں کو مذاق کی صورت میں نہیں لیا جا سکتا، جناب والا! ہمارا اور ہندوستان کا مشترکہ ماضی ہے، ہندوستان تو اپنی تاریخ کے مطابق حملہ آور ہونے کا شاید ارادہ کر چکا ہے۔ چالیس سالہ ناکامیوں، ناکامیابیوں اور شکست اور اعتراف شکست کی ذلت میں گرنے کے باوجود کیا ہم نے کوئی نیا راستہ اختیار کیا ہے؟۔

جناب والا! ہماری فوج یقیناً سرحدوں پر اپنی جنگ لڑنا چاہے گی، ہر فوج کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ہمیں اپنی فوج سے توقع ہے کہ وہ یقیناً، اگر خدانخواستہ یہ جنگ مسلط کی گئی تو وہ اس کا سامنا کرے گی لیکن دنیا کے جدید دفاعی نظریات کے مطابق کوئی فوج اپنی قوم کی مدد کے بغیر، اپنی قوم کی سپورٹ کے بغیر نہ دفاعی جنگ لڑ سکتی ہے اور نہ ملک کے چپے چپے کی حفاظت کر سکتی ہے۔ جناب والا! مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے کیا دفاعی اقدامات اس وقت تک سوچے ہیں، ہماری حکومت نے کس طریقے سے اس جارحانہ انداز کا مقابلہ کرنا ہے۔ مجھے دکھ سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج جب یہ مشترکہ اجلاس آج صبح کے اُجالے میں ہوا تو اس میں کہا گیا کہ ہماری فوجوں کی واپسی شروع ہو چکی ہے، ایک مدافعانہ انداز سے ہندوستان کو خوش کرنے کا اشارہ دیا گیا اور پھر یہ کہا گیا کہ شاید ہندوستان ہم سے نہ لڑے۔ جناب والا! یہ کسمپرسی کا عالم ہے۔ ہمیں ہندوستان سے ہر لمحے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ کسی مرحلے پر بھی حملہ کر سکتا ہے، لیکن ہم دفاعی معاملات میں اپنی طرف سے کوئی راستہ اختیار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ جناب والا! آج جب ہندوستان کی فوجیں موجود ہیں۔ افغانستان کے مسئلے پر ہم روس کے فارمولے کو reconciliation تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں، ہندوستان کا بھی مقابلہ کریں گے، روس کا مقابلہ کریں گے، افغانستان کا

بھی مقابلہ کریں گے اور ایران کا بھی مقابلہ کریں گے۔ ہم ساری دنیا سے لڑنے کی تو بات کرتے ہیں لیکن اپنی قوم کو متحد نہیں کر سکے، اپنی قوم کو یکتائی نہیں بخش سکے اور اس کیلئے کوئی پالیسی نہیں دے سکے۔ جناب والا! یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا 1970ء کی نسبت آج پاکستانی قوم زیادہ متحد ہے، سیاسی رہنما اکٹھے ہیں، مذہبی رہنما متحد ہیں، سیاسی حکومت زیادہ مستحکم ہے، فوج پہلے کی نسبت زیادہ پروفیشنل ہے یا آج پہلے کی نسبت زیادہ سیاست میں الجھی ہوئی ہے! ہمیں اپنے اندر کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کے حوالے سے آج یہ اٹھنے والی لہریں جو ہماری سرحدوں پر اس وقت چار سو پھیلی ہوئی ہیں، ان کو دیکھنا ہوگا اور اس کے حوالے سے میں عرض کروں گا کہ اگر ہم ہندوستان کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں یا ہم روس کے مسئلے پر کوئی سیاسی حل تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ تو جناب والا! یہ مرحلہ ہے کہ ایک کانفرنس طلب کی جائے، سیاسی راہنماؤں کی، قومی راہنماؤں کی، قومی اتحاد پیدا کیا جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے کا جواب صرف یہ اسمبلی یا صرف اس اسمبلی کا قائد یا صرف فوج کے قائد جو چیف آف آرمی سٹاف ہیں، پریذیڈنٹ ہیں، نہیں دے سکتے، وہ سب کچھ۔ لیکن اس وقت اتفاق سے کویت میں بیٹھے ہوئے ہیں، کویت میں ان کو فارن پالیسی پر فیصلے کرنے ہیں، ان کو دفاعی پالیسی پر بھی فیصلے کرنے ہیں، ان کو سیاسی معاملات پر بھی فیصلے کرنے ہیں۔ کیا ہم اپنے چیف آف سٹاف سے اس وقت توقع کر سکتے ہیں۔ جس وقت میں بات کر رہا ہوں کہ اگر انڈیا اس وقت اٹیک کرے تو ہمارا چیف آف سٹاف کوئی فیصلہ کر سکے گا، کیونکہ وہ تو پریذیڈنٹ کی حیثیت سے اور فارن افیئر کے منسٹر ہونے کی حیثیت سے کویت میں پاکستان کی نمائندگی کر رہا ہے۔ میں یہ عرض کرنے والا ہوں کہ اندرون ملک کی تصویر بہت بھیانک ہے، بیرون ملک کی تصویر سے۔ ہمیں بھارت سے توقیر کی توقع نہیں ہونی چاہیے اور اس کا علاج بھی ہم نہیں کر سکتے، ہم ہندوستان سے امن کی بھیک نہیں مانگ سکتے، ہم دنیا سے امن کیلئے جھولی نہیں پھیلا سکتے، کیونکہ ہم اپنے گھر میں امن قائم نہیں رکھ سکے، ہم اپنے گھر کے اندر یکجہتی قائم نہیں رکھ سکے، اگر ہم اپنی قوم کو اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو ہندوستان کے راجیو گاندھی کو اپنے ساتھ کیسے بٹھا سکتے ہیں۔ جی میں اپنی بات اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ پوری قوم کو اعتماد میں لیا جائے۔ ضیاء الحق صاحب اس مسئلے کا حل تلاش نو سال میں کر سکے ہیں اور نہ کبھی کر سکیں گے۔ اس کیلئے پوری قوم کے اختلافات کو ختم کیا جائے۔ ان روٹھے ہوؤں کو منانا چاہیے، سیاسی مراعات دینی چاہئیں، کرسیاں آتی جاتی رہی ہیں، ملک قائم رہنا چاہیے۔ ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ یہ سیٹیں بہت عارضی ہیں۔ بہت لوگ ان کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور آج ان کا نام و نشان تک موجود نہیں ہے۔

## بجلی کی قیمت بڑھانے پر (قومی اسمبلی 4 فروری 1987ء)

شکریہ محترمہ سپیکر صاحبہ! یہ تحریک التواء جس پر کافی دلائل آ چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں Self-reliance کیلئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی اور ہم اپنی خرابیوں کو ختم

کرنے کی بجائے ہم مسلسل بالواسطہ طور پر عام آدمی پر اپنی نا اہلی کا بوجھ ڈالنے کا طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔ واپڈا کے اندر قومی سرمائے کا ضیاع تقریباً 1964ء سے جب سے واپڈا معرض وجود میں آیا ہے، سب سے بڑا موضوع ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ چالیس فیصد بجلی چوری ہو رہی ہے، اس میں صنعت کار ملوث ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ عوام ملوث ہیں۔ لیکن درحقیقت واپڈا کا ادارہ ہمارے ملک میں بدقسمتی سے روشنی پھیلانے کی بجائے اندھیرے پھیلانے کا پیغام بن چکا ہے۔ جب واپڈا کا نام آتا ہے تو ملک کا عام شہری نفرت اور ناپسندیدگی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ریٹس کے اندر اضافہ واپڈا کا وطیرہ رہا ہے۔ اپنے وسائل کے اندر رہنے کا طریقہ چونکہ ہم نے سیکھا نہیں ہے۔ ایک طرف ہم تعیشات کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور اس ملک پر حاکم طبقہ اپنی عیاشیوں کا خمیازہ بھگتنے کی بجائے پوری قوم پر اپنی عیاشیوں کے چارجز کبھی فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز کے نام سے اور کبھی کسی حوالے سے وصول کر رہا ہے۔ محترمہ سپیکر صاحب! اسی وجہ سے چالیس سال کے اندر کسی پہلو میں مزید ترقی کرنے کی بجائے ہم اس ملک میں دو قسم کے طبقات پیدا کر رہے ہیں اور وہ ندی کے دو کنارے بن چکے ہیں۔ ایک طرف لٹنے والا طبقہ ہے، دوسری طرف لوٹنے والا طبقہ ہے۔ یہاں پر وہی مراعات یافتہ طبقہ حکومت کے اندر کسی نہ کسی طریقے سے موجود ہے۔ مختلف طریقوں سے قوم کا خون نچوڑ رہا ہے، جس کا خون نچوڑا جا رہا ہے، ایک کنارے پر وہ طبقہ بیٹھا ہے اور ایک طرف خون پینے والوں کا طبقہ بیٹھا ہوا ہے، اس Corruption کی ندی میں خون، سرمایہ اور دولت پوری قوم کی بہتی چلی جا رہی ہے۔ آج ہم فیول کے حوالے سے یہاں بات کر رہے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم Self-reliance کی طرف نہیں گئے، ہم اپنے وسائل کو regenerate نہیں کرنا چاہتے، ہم ہر مرحلے پر جھولی پھیلا کر باہر کی دُنیا سے بھیک مانگنا چاہتے ہیں۔ Beggars کبھی Choosers نہیں ہو سکتے۔ جب ہم بھیک مانگنے والے ہیں تو پھر ہمیں قوانین بھی اوپر والے دیں گے، اُن کو Follow کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں کہا گیا کہ انرجی بچانے کے لئے، ایک سٹیشن پر گاڑی کا سٹاپ چاہیے تو اس کے لیے ورلڈ بینک سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ یہ کوئی آزاد قوموں کا چلن نہیں ہے، یہ وزارتیں، کس لئے ہوتی ہیں، حکومتیں کس لئے ہوتی ہیں؟ یہ سجے ہوئے ایوان قوم کے درد کا مداوا سوچنے کی بجائے، ہم اپنے وسائل کو لٹتا ہوا دیکھتے ہیں، ایک خاص طبقے کو جونکوں کی طرح پلتا ہوا دیکھتے رہتے ہیں۔ ہم کرپشن ختم کرنے کے بجائے، چوری ختم کرنے کی بجائے، پھیلا رہے ہیں اور مزید کرپٹ لوگ، بلیک میلرز، سمگلرز، چور، ہیروئن بیچنے والے طبقات پیدا کر رہے ہیں۔

میں عرض کروں گا کہ اس مرحلے پر، بجائے اس کے کہ چارجز میں اضافہ کیا جائے، اس ایوان کو دو تین دن کا وقت دیا جائے کہ یہ دیکھے کہ گذشتہ سالوں میں واپڈا کی کارکردگی کتنی بڑھی ہے اور چارجز کتنے بڑھے ہیں۔ وہاں چوری کتنی ہو رہی ہے اور لوگوں کی جیب کتنی لوٹی جا رہی ہے، جو جونکوں کی طرح ہمارا خون چوس رہے ہیں، ان کو سزا دینے کیلئے، اس ایوان کو اپنے پاس اختیارات لینے چاہئیں۔ ان کیلئے تختہ دار لایا جائے، انہیں سزا

ملے گی تو پھر کرپشن ختم ہوگی اور پھر یہ چارجز نہیں بڑھانے پڑیں گے۔ بلکہ واپڈا کی کارکردگی بڑھے گی، روشنی بڑھے گی اور اسی روشنی کے حوالے سے ہم اپنی قوم کو سچائی کا پیغام دے سکیں گے، شکریہ۔

## افغانستان کی جنگ میں روس کی شکست کا فائدہ امریکہ کو ہوگا

(قومی اسمبلی 20 اپریل 1987ء) DISCUSSION OF FOREIGN POLICY

جناب سپیکر! آج کے دور میں خارجہ پالیسی کا جائزہ لیتے ہوئے ہر قوم باہمی تجارت، بین الاقوامی مفادات، دفاع، علاقائی تعاون، سیاسی تعاون ذہن میں رکھتی ہے، آج پاکستان کی خارجہ پالیسی ہے کیا؟ اس کو سمجھنے کیلئے بڑی مشکل پیش آتی ہے، اگر ہم اپنی بین الاقوامی تجارت کا جائزہ لیں تو اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جس ملک سے اربوں روپے کا اسلحہ لینے پر مجبور رہتے ہیں اور کوکا کولا بطور ٹیکنالوجی امپورٹ کرنے کے پابند ہوتے ہیں، وہاں جو دنیا کا Rejected Weapon ہوتا ہے، اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اُس ملک میں ہمیں کا تولیہ اور کاٹن کے کپڑے بیچنے کا حق نہیں ہوتا، تجارتی خسارہ موجود ہے، اس سلسلے میں ہماری خارجہ پالیسی کیا کامیابیاں حاصل کرسکی ہے، فنی تعاون میں اقتصادی تعاون میں اور اسی طریقے سے دفاعی معاملات میں جو کچھ ہندوستان کو آفر کرتی ہیں، پوری دنیا کی سپر پاورز، اس کے مقابلے میں، پاکستان کو کیا آفر کیا جاتا ہے اور کن شرائط پر آفر کیا جاتا ہے، اس میں بھی پاکستان کو قابلِ فخر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اٹامک انرجی پر جو سہولتیں ہندوستان کو حاصل ہوتی ہیں اور وہ سپر پاورز فراہم کرتی ہیں، جو ہماری ان داتا کہی جاتی ہیں، وہی سہولتیں پاکستان کو فراہم کرنے کی بجائے، پاکستان کے اپنی جوہری توانائی کے پروگرام کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جناب والا! افغانستان کا مسئلہ سب معاملات پر حاوی ہو چکا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ کیلئے یہ دنیا کی سستی ترین جنگ ہے جو اس کے مفادات کو تحفظ دینے کیلئے لڑی گئی اور اُس کو بالادستی حاصل ہوئی ہے۔ افغان مجاہدین کے مفادات کیلئے پاکستان کو قربانی دینا پڑے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ افغانستان کے مجاہدین کے مفادات کیلئے ہم کسی حد تک قربانی دے سکتے ہیں۔ وہ ہمارا ہمسایہ ملک ہے، ہم مسلمان ہیں، ان پر روس نے تسلط جمایا ہے، ان کی جدوجہد میں اخلاقی طور پر مدد دینے کیلئے ہمیں پابند ہونا چاہیے لیکن وہ جنگ اس طریقے سے لڑی جائے کہ مجاہدین کے مفادات حاصل ہونے کی بجائے امریکہ اس سے مفادات حاصل کررہا ہو اور امریکی مفادات پر پاکستان کے مفادات کو بھی قربان کر دیا جائے اور مجاہدین کے مفادات کو بھی امریکی پالیسی کیلئے لقمہ اجل بنا دیا جائے، یہ تصویر خوش کن نہیں ہے۔ خارجہ پالیسی میں اس حد تک ہم ڈیپنڈنٹ ہو چکے ہیں، امریکہ پر۔ کہ رشیا اس وقت گارنٹیز ہم سے نہیں مانگ رہا، رشیا وہاں پر Withdrawal of forces کے لئے Withdrawal of troops کیلئے گارنٹیز مانگ رہا ہے امریکہ سے، فیلڈ کے اندر جنگ ان کی ہم لڑ رہے ہیں اور اس کے بدلے میں پاکستان کی پوری معیشت، معاشرتی زندگی اور سیاسی زندگی تلپٹ ہو کر رہ گئی ہے، ہمارے شہر

اس وقت ناجائز ہتھیاروں کی فراوانی کا سامنا کر رہے ہیں، سمگلنگ کی وجہ سے ہماری معیشت تباہ ہو چکی ہے۔ اسی طریقے سے منشیات بڑھی ہے، ہم بہت بڑی قیمت ادا کر رہے ہیں، لیکن اس کا فائدہ نہ مجاہدین کو پہنچ رہا ہے نہ پاکستان کو پہنچ رہا ہے، اس جنگ کا فائدہ امریکہ کو پہنچ رہا ہے اور امریکہ اس جنگ کی بنیاد پر سودے بازی کرنا چاہتا ہے۔ میزائل کے Withdraw کیلئے، نکاراگوا کے اندر اور دنیا کے دوسرے مقامات پر، جہاں روس کا سامنا اسے کرنا ہے، ہماری حکومت مارشل لاء کی ہو، جمہوری روایات کی حامل ہو، ہمارے جمہوریت کے عظیم علمبردار وزیراعظم ہوں، وہ سب اس بات کیلئے تیار ہیں کہ امریکہ جہاں انہیں استعمال کرنا چاہے، وہ آلہ کار بن رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری آنے والی نسلوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جناب سپیکر! وہ Aggression ہے، روس کا افغانستان پر حملہ کرنا، وہاں پر ان کا آنا، دنیا کے کسی اخلاقی معیار کے مطابق جارحیت سے کم نہیں، جارحیت موجود ہے اور دوسری طرف Resistence بھی موجود ہے۔ مجاہدین لڑ رہے ہیں۔ وہ ان کی آزادی کی جنگ ہے صرف پاکستان ہی نہیں، دنیا کے ایک سو بائیس ممالک اخلاقی طور پر، ان سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ پاکستان چونکہ قریب تر ہے اس لئے ہم پر ذمہ داریاں بھی زیادہ عائد ہوتی ہیں، لیکن جناب والا! موجودہ پالیسی کی تفصیل پر ہمیں اختلاف ہے۔ آج جنیوا مذاکرات کے اندر معاملات آٹھ مہینے اور اٹھارہ مہینے پر رُک گئے ہیں اور یہ کہا جا رہا ہے کہ رسل ورسائل کا نقل وحمل کا پرابلم ہے، ورنہ روس فوجیں اس خطہ سے نکالنا چاہتا ہے تو پھر کیا ہم امریکہ کے مفادات کیلئے روس کا منہ کالا کر کے اسے نکالنا چاہیں گے، اس کو منوانا چاہیں گے کہ تم شکست تسلیم کرو اور دنیا کے سامنے مانو کہ میں ہارا ہوا ملک ہوں، اس ہارے ہوئے ملک کا فائدہ ہمیں نہیں ہوگا، امریکہ کو ہوگا۔

دس منٹ میں اور پہلوؤں پر جانے کی بجائے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کافی ہو گیا، 80ء سے 87ء تک آپ نے اس بیرونی حملے کا بہانہ بنا کر داخلی طور اپنی قوم پر حکومت کی، اپنی قوم کو خوف کے سایوں تلے رکھا۔ اپنے مقاصد کیلئے انہیں استعمال کیا، ان کی سیاسی زندگی کا کچومر نکال کر رکھ دیا، لیکن اب یہ ڈرامہ ختم ہونا چاہیے، اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جانا چاہیے اور روس کو Withdrawal کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔ اگر وہ کہتے ہیں ہم نے غلطی کی اور واپس جانا چاہتے ہیں تو ہمیں پوائنٹ آف ریٹریٹ (Point of Retreat) فراہم کرنا ہوگا؟ ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ باعزت طریقے سے اسے واپسی کا راستہ دیا جائے۔ ہم اس مرحلے پر اگر اور آگے بڑھیں گے تو یقیناً یہ جنگ پھیلے گی۔ اس جنگ کے پھیلنے کے نتائج پشاور کو بھی سامنا کرنے ہوں گے، کراچی کو بھی سامنا کرنے ہوں گے اور یہاں بھی کرنے ہوں گے۔ اسی لئے عقلمندی کا تقاضا ہے، ہماری خارجہ پالیسی کی کامیابی اور ان کی ڈپلومیسی پر اب یہ منحصر ہے کہ آیا اس مرحلے پر وہ آگے بڑھ کر امریکہ کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جاؤ امریکہ! ہم آپکے مفادات کے محافظ نہیں ہیں، ہم اپنے ملک کے عوام کے مفادات کے محافظ ہیں۔ مجاہدین کو بھی

اس حالت میں تمہیں پھنسانا چاہیے اور اگر وہ پھنسے تو ہماری وجہ سے پھنسیں گے، اگر ان کو بھی اس طریقے سے پھنسا لیں کہ وہ بھی امریکہ کے ہاتھوں تقسیم ہوں۔ امریکہ کی خواہش ہوگی، ہے اور ہونی چاہیے، ایک سپر پاور کی حیثیت سے، کہ یہ جنگ میں جھونکے جاتے رہیں۔ روس کی اکانومی تباہ ہو، روس کے لئے مسائل پیدا ہوں۔

یہ دو سپر پاورز کا اپنا مسئلہ ہے، ہمیں اس مرحلے پر واضح کر دینا چاہیے۔ جناب سپیکر! کہ ہم آزاد قوم کی حیثیت سے افغان مجاہدین کی جدوجہد کو صحیح سمجھتے ہوئے، اپنے دامن کو بچا کر، اس خطے کے اندر ہندوستان، ایران، عراق، افغانستان اور چین کے اندر ہمیں ثابت کرنا پڑے گا کہ ہم افغانستان کو غیر جانبدار ملک کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں، اگر آج ہم کہیں کہ پاکستان غیر جانبدار ملک ہے تو لوگ ہنس پڑیں گے۔ ہم اپنے آپ کو جو کہتے رہیں، ہم اگر پوری طرح امریکہ کی جھولی میں پڑ کر یہ کہیں کہ ہم افغانستان کو غیر جانبدار قرار دلوانا چاہتے ہیں تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے، پوری دنیا کی رائے عامہ سمجھے گی کہ یہ خود تو اپنے آپ کو سنبھالا دے نہیں سکے۔ اپنے راستے کا تعین کر نہیں سکتے، خود اپنی فضا کو امریکہ کے ہاتھ بیچنے کو تیار ہیں۔

چالیس سال سے اٹھائیس سال مارشل لاء کی حکومت رہی، جرنیلوں کی حکومت رہی، کیا یہ قوم نے کہا تھا کہ ہم پر حکومت کرو؟ ہم اپنے گھر کو نہیں سدھاریں گے، ہم اپنے گھر کے اندر سیاسی طور پر اتحاد کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ہم اپنی تمام قوتوں کو مجتمع نہیں کریں گے اور 9 کروڑ قوم کے طور پر اپنے لئے کوئی نظام زندگی طے نہیں کریں گے۔ اس خطے کے اندر ایران نے سامنا کیا امریکہ کا، ہندوستان آج بھی سہولتیں لیتا ہے اور آنکھیں بھی دکھاتا ہے، چائنا نے وہ Yoke اتار کر پھینک دیا اپنے کندھوں سے، اور آج افغانستان کے مجاہدین بھی روس کے خلاف جنگ میں آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن پاکستان اس ترقی یافتہ دور میں جب تمام قومیں سپر پاورز کو اپنے سروں پر مسلط نہیں کرتیں۔ تاریخ میں آئے گا یہ ملک ایسا تھا جس نے تاریخ کے دھارے کا ساتھ دینے کی بجائے رجعت پسندی کا مظاہرہ کیا اور دوسروں کا آلہ کار بنا اور اس خطے کے امن کو تہ و بالا کرنے کی کوشش کی۔

جناب اسپیکر! آج یہ فیصلہ کا وقت ہے، یہ تاریخ بنانے کا وقت ہے۔ اس وقت اگر ایک جرات مندانہ قوم کے طور پر عزت اور احترام کے ساتھ ہم یہ کر سکے کہ اس Withdrawal of troops کو اس کے نظام الاوقات کے جھگڑے میں ہم نے تباہ نہ کر دیا، اس کو آگے بڑھا سکے تو تاریخ میں یہ لکھا جائے گا کہ افغانستان سے روسی فوجیں واپس گئی تھیں اور پاکستان نے افغان مجاہدوں کا ساتھ بھی دیا تھا، پاکستان نے اس جنگ کے اندر اخلاقی، مالی امداد کی تھی اپنے ساتھیوں کی۔ لیکن اگر اس سے ہم ایک قدم آگے بڑھتے تو پھر امریکہ کی جنگ ہم لڑ رہے ہوں گے اور امریکہ کے مفادات کیلئے اپنے وطن کے بیٹوں کو، اپنے وطن کے امن کو، اپنے وطن کی معیشت کو، اپنے وطن کے غریب لوگوں کی ان کوششوں اور کاوشوں کو، جو وہ چالیس سال سے کر رہے ہیں کہ کسی طریقے سے یہاں جینے کا سامان پیدا کریں، آپ تحفظ فراہم نہیں کر سکیں گے، بہتر معیشت بھی ان کو فراہم نہیں کر سکیں گے اور یہ سب سے بڑا

ظلم ہوگا، جرم ہوگا اور آنے والے وقت کا سورج اس جرم پر کبھی حکمرانوں کو معاف نہیں کرے گا۔ جنہوں نے آج امریکہ کے ہاتھ ہمارے مفادات کا سودا کیا اور پاکستان کی سالمیت کو قربان کر دیا شکریہ جناب سپیکر!

## جنیوا مذاکرات (قومی اسمبلی 14 ستمبر 1987ء)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہماری سرحدوں پر ہندوستان ہمارا دوست ملک نہیں ہے کہ وہاں سے ہمارے لئے پھولوں کی ٹوکریاں آتی ہوں، جناب والا! افغانستان کی صورتحال ہم سب کے سامنے موجود ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روس نے افغانستان میں مداخلت کی اور اس کے بعد ایک روعمل ہوا، اسی مداخلت کا احساس روس کو بھی ہوا، گورباچوف نے ولاڈی واسٹک میں یہ کہا کہ افغانستان کے اندر مداخلت ہماری غلطی تھی۔ اسی طریقے سے ایران کے بارڈر پر امن نہیں۔ دوسری بات ہے کہ وہ ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے یا ہم اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں، اس کے لوگ بلوچستان اور کراچی میں آ کر اپنی جنگیں لڑیں یا ہمارے لوگ سمگلنگ کر کے اس کی سرحد کے اندر انبار لگانے کیلئے پیسے کی ریل پیل کریں۔ میں اس کی تفصیلات میں جائے بغیر یہ کہنا چاہتا ہوں، وہ بارڈر بھی ہمارے ملک کے ساتھ محفوظ بارڈر نہیں ہے، جب کوریا کی جنگ ہوئی تھی تو پاکستان کی معیشت کو سنبھالا ملا تھا لیکن آج عراق، ایران کے اندر یہ صورتحال ہے، سپر پاور نے ایران کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور گندم یا گیتو کے جو ٹرک جایا کرتے تھے ان پر بھی پابندی لگا دی گئی اور کہا گیا کہ 480 پی ایل کے ذریعے ہم آئندہ کیلئے پاکستان کی امداد کے اندر تخفیف کر دیں گے، افغانستان کے لوگ اپنی جنگ لڑ رہے ہیں جو جدوجہد کر رہے ہیں، وہ آزادی کی جدوجہد ہے وہ اپنے کلچر اپنے سماج اپنی معیشت اپنی سرزمین کو آزاد رکھنے کیلئے جدوجہد ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ امریکہ کے اس میں کیا مفادات ہیں، روس کے مفادات کیا ہیں اور پاکستان کے مسلم ہمسایہ کے ہوتے ہوئے بھی کیا ذمہ داریاں ہیں، ہم افغانستان کے لوگوں کی آزادی کی حمایت کر سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں کے جو تخریب کار ہیں وہ مہاجرین کی صورت میں آئیں، کسی صورت میں آئیں، اگر ہم ان کا راستہ نہ روک سکے، حکومتیں کہتی رہتی ہیں، تخریب کار مہاجرین میں جاتے ہیں، چلئے ان میں تخریب کار آ جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے نظام کے اندر کہیں خرابی رکھی ہے۔ مہاجرین کی مدد کرنے کی بجائے تخریب کاروں کے تحفے قبول کر رہے ہیں اور انہوں نے ہماری دھرتی کو تشویشناک حد تک خراب کر رکھا ہے۔

جناب سپیکر! پاکستان کی خارجہ پالیسی جنیوا مذاکرات کے ذریعے اپنا راستہ اختیار کر سکتی تھی، اس اسمبلی کے اندر مئی میں جب اپنی خارجہ پالیسی کو زیر بحث لا رہے تھے، اس وقت میں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ جنیوا کے مذاکرات کے اندر کوئی نہ کوئی منفی صورت حالات پیدا کی جائیگی۔ روس اس وقت دباؤ کے نیچے ہے۔ امریکہ یورپین میزائل کے Withdrawal کے حوالے سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ افغان کارڈ کو استعمال کر کے وہ امریکہ کی معیشت کا مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں، ویسٹ جرمنی اور ایسٹ جرمنی کو ایک جگہ پر لانا چاہتے ہیں، نکاراگوا کی

صورت حال کو افغان کارڈ کے ذریعے امریکہ اپنی مٹھی میں لانا چاہتا ہے، اس وقت ان کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں اور پینٹاگان میں بھی اختلاف رہا، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ والے کہتے تھے کہ ہمیں وہ گارنٹی Provide کر دینی چاہیے، جو روس مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن اس اختلاف کا بھی جو امریکہ کا اندرونی اختلاف تھا، اس خارجہ آفس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ انہوں نے اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ ہم آگے بڑھ کر امریکہ کو بتائیں کہ اگر اس علاقے کے اندر آپ امن وامان چاہتے ہیں تو پاکستان کے استحکام کیلئے افغانستان کے مسئلے کو حل ہونے دیجئے چونکہ پاکستان کی حیثیت اس پورے ریجن کے اندر اور خاص طور پر مسلمان ریاستوں کے اندر سب سے اہم حیثیت ہے، آپ جانتے ہیں سعودی عرب کے پاس 40 ہزار فوج ہے۔ آپ جانتے ہیں ابوظہبی اور دوسری نمائشی ریاستیں ہیں۔ ان کے اندر نہ لڑنے کی سکت ہے، نہ ان کے اندر سیاسی معاملات پر اثر انداز ہونے کی سکت ہے۔ ہم نے اس مرحلے پر پاکستان کی اس طاقت کو استعمال کرنے کی بجائے جنیوا مذاکرات کے اندر ناکامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ روس اور افغانستان ہماری بات نہیں ماننا چاہتے، یہ جانتے ہوئے بھی ڈپلومیسی کا تقاضا ہے کہ فریق مخالف کو Diplomatic attitude سے قابو کریں۔

## تیل کی جنگ اور مسلم عسکریت (قومی اسمبلی 10 فروری 1991ء)

جناب سپیکر! خلیج کی جنگ گھنٹوں، دنوں اور ہفتوں سے گزر کر مہینوں کے ہندسوں میں داخل ہو چکی ہے اور اس جنگ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی جانیں متاثر ہوئی ہیں۔ پوری دنیا کی معیشت پر اس کے اثرات پڑے ہیں اور خلیج کے اردگرد رہنے والے ممالک خصوصاً ایران، پاکستان، ترکی اور عرب ممالک پر اس کے دوررس نتائج مرتب ہوں گے۔ جناب سپیکر! میں دیہات کا رہنے والا ہوں۔ اور ایک دیہاتی کی حیثیت سے میں دیکھتا ہوں کہ جو پالیسیز ایک گاؤں کے اندر دو بڑے چودھری یا دو بڑے سردار گاؤں میں چلاتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر بھی آج تک اصول، قواعد وضوابط صرف کتابی باتیں ہیں۔ عملی اقدامات کا اس سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ میں نے 1965ء سے سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کا نام سننا شروع کیا۔ لیکن اقوام متحدہ نے یا سلامتی کونسل نے اپنے احکامات کے ذریعے قواعد کے ذریعے ریزولیوشن کے ذریعے، طاقتور کا ہاتھ روکا ہو اور چھوٹے ملک کو کبھی انصاف مہیا کیا ہو۔ میں نے نہیں سنا۔ میں سب سے پہلے جائزہ لینا چاہتا ہوں کہ اس خلیجی جنگ کے اثرات ہماری معیشت پر اور ہماری سماجی زندگی پر کیا ہوں گے تاکہ ہم آنے والے وقت کیلئے منصوبہ بندی کریں۔

جناب سپیکر! میں اپنے دوستوں سے سوالات کرنا چاہتا ہوں، جو ہماری خارجہ پالیسی بنانے کے ذمہ دار ہیں کہ یہ بتائیں، سب کہہ رہے ہیں کہ یہ Uneven War ہے۔ اس کے اندر عراق کا امریکہ سے ہتھیاروں کی زبان میں جیتنا ناممکن ہے۔ لیکن امریکہ کے راستے میں اور اس کے عزائم کے راستے میں موجودہ جنگ اور اسکے نتیجے میں تاخیر امریکہ کو Frustrate بھی کرے گی۔ امریکہ کے جارحانہ عزائم کے راستے میں رکاوٹ بھی بنے

گی۔ جناب سپیکر! فرض کیجئے امریکہ یہ جنگ جیت جاتا ہے، ہماری فوجیں بھی سعودی عرب میں بیٹھی ہوئی ہیں اور ہم اس فتح کے شادیانے بجانے کیلئے اپنا حصہ بانٹنا چاہتے ہیں تو امریکہ کے استحکام سے، کیا پاکستان کو پہلے سے زیادہ معاشی استحکام ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہوگا، کیا امریکہ کے مستحکم ہونے سے ہماری نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے اندر کوئی پیش رفت ہوگی؟ میں سمجھتا ہوں نہیں ہوگی؟

اب مسلم امہ سے ہٹ کر صرف ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ اس جنگ کے اثرات ہمارے اوپر کیا مرتب ہونگے۔ جنگ ہورہی ہے، ہم نے نہیں کروائی، نہ ہم اس جنگ میں براہ راست حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ جنگ ہماری ہمسائیگی میں ہورہی ہے، اور اس کے اثرات یقیناً جب پوری دنیا پر پڑتے ہیں تو پاکستان پر بھی پڑیں گے۔ جناب سپیکر! اگر امریکہ جیتتا ہے۔ اس جنگ کو آرام سے سکون سے وہ عراق کے اندر واک تھرو کرتا ہے۔ تو میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ پریسلر امنڈمنٹ ہوں، سمنگٹن امنڈمنٹس ہوں، یا آج کے دور کی او کلے امنڈمنٹس ہوں۔ یہ منظر عام پر آچکی ہیں۔ او کلے امنڈمنٹس کے اندر جناب والا! مجموعی طور پر یہ تھا، کہ پہلے تین سال کیلئے پھر چھ مہینوں کیلئے، یہ مختلف اوقات کی بات ہے۔ امریکہ کا صدر تصدیق کرتا تھا کہ پاکستان نیوکلیئر ٹیکنالوجی میں آگے نہیں بڑھا اور اس کو امداد دے دی جائے یا اس کی امداد مسترد کی جائے، جناب والا! یہ پریسلر امنڈمنٹس اور سمنگٹن امنڈمنٹس اور آج او کلے کا یہ رول، یہ سب کیا ہے؟ اس کے پیچھے کون ہے؟ اس کے پیچھے امریکہ کے رہنے والی یہودی لابی ہے، مارک سیگل ہے۔

سپیکر! جناب جاوید ہاشمی صاحب! فارن ڈپلومیٹس جو ہیں، یہاں پاکستان میں، By name نہ کہیں۔

مخدوم جاوید ہاشمی! سر اس کا نام او کلے امنڈمنٹس ہے، اس لئے میں کہہ رہا ہوں۔

اب ان کا نام کتاب کے صفحے پر آجائے تو میں کیسے چھوڑ دوں۔ سر میں اس میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں، مصیبت یہ ہے کہ وہ اب براہ راست کھل کر آتے ہیں، پھر نام تو لینا پڑتا ہے ناں جی۔

تو میں اس سلسلے میں عرض کر رہا ہوں کہ ان امنڈمنٹس کے پیچھے ایک لابی تھی، امنڈمنٹس کا یہ سلسلہ شروع کیسے ہوا۔ امریکہ میں ایک لابی متحد ہوئی اور انہوں نے پوری لابی کے اخبارات، سینیٹرز سے لے کر کانگریس تک، وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان پر یہ پابندیاں لاگو کی جانی چاہئیں۔ جو پابندیاں نہ انڈیا پر ہیں اور نہ کسی اور پر ہیں۔ اب وہ لابی کونسی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس میں مارک سیگل تھے۔ سٹیفن سولا ز تھے، اور سٹیفن سولا ز کون تھے؟ جناب والا! شائد آپ کو یاد ہو کہ کل کی بات ہے کہ انہیں یہاں نشان پاکستان دینے کا اعلان کیا گیا۔

جناب والا! امریکہ اگر جیت جاتا ہے، وہ ہماری نیوکلیئر ٹیکنالوجی کو آگے نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ وہ ہماری معاشی حیثیت پر پہلے ہی کٹ لگا چکا ہے۔ وزیر اعظم بھی کہہ چکے ہیں کہ ہمیں امداد

نہیں چاہیے۔ تیسری بات! اگر وہ یہ جنگ جیت جاتا ہے تو جناب والا! اس نے عراق کی فوج کو جس طریقے سے تہس نہس کرنے کی کوشش کی ہے اور کر رہا ہے۔ امریکہ اس لیے کر رہا ہے کیونکہ عراق کی 10 لاکھ فوج اگر اسرائیل کے دروازے پر کھڑی رہتی تو یقیناً اسرائیلی آرام کی نیند نہیں سو سکتے تھے۔

اس طریقے سے جناب سپیکر! اگر پاکستان کی آرمی مستحکم ہوتی ہے۔ ان کے پاس جدید ہتھیار ہوتے ہیں یا اپنی خود انحصاری کی طرف بڑھتی ہے تو یہ دو ایسے مسلمان ممالک ہیں، جن کے پاس فوجیں موجود ہیں، یہ فوجیں کسی نہ کسی طریقے سے مستحکم ہو گئیں۔ پاکستان کی فوج اللہ کے فضل سے بہت پرانی اور روایتی فوج ہے۔ لیکن عراق اور پاکستان کی فوجوں کو جو موقع ملا ہے۔ وہ یہ ہے کہ افغانستان کی جنگ کے اندر پاکستان کی افواج کا ایک رول تھا۔ امریکہ اس وقت مجبور تھا، کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے یہاں پر سٹنگر میزائل اور دوسرے میزائل سے روس کو شکست دے۔ وہ پاکستان کی جنگ تھی۔ پاکستان کے استحکام کی جنگ تھی، افغان مجاہدین کی عزت اور عظمت کو میں سلام کرتا ہوں کہ ان کی جنگ پاکستان کو زیادہ محفوظ کرنے کی جنگ تھی۔ اسلام کی جنگ تھی۔ لیکن Co-Incidentally اس جنگ کا فائدہ امریکہ کو بھی پہنچتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ مجاہدین کیلئے آیا، یہ نہیں تھا کہ وہ پاکستان کے لئے آیا، بلکہ وہ اپنے حریف روس کو وہاں پر شکست فاش دینا چاہتا تھا۔ اور اسی سستی جنگ سے، جس میں ایک امریکی کی جان نہ جائے، ایک خون کا قطرہ نہ گرے اور امریکہ فاتح نظر آئے اور روس جو اس کا حریف ہے۔ وہ گرا ہوا نظر آئے۔ اس لئے ایک تو اس فوج کو اور اس کے اداروں کو مستحکم ہوتا دیکھ کر امریکہ کو تشویش ضرور تھی۔ جناب والا! ایران پر جب عراق نے حملہ کیا تو یہ صدام حسین کی زیادتی تھی۔ پاکستان کے لوگ ایران کے ساتھ اس وقت بھی ذہنی طور پر، جسمانی طور پر تھے۔ امریکہ نے پاکستان کو کہا کہ وہ ایران کے بارڈر پر فوج لے جائے، تاکہ ایران پر Pressure build کیا جائے اور ایران عراق کی سرحدوں سے اپنی فوجوں کا Withdrawal کرے۔ لیکن پاکستان نے انکار کیا کہ ایران ہمارا ہمسایہ ملک ہے۔ انڈیا سے بھی ہمارے تعلقات ٹھیک نہیں، روس کے ساتھ بھی ٹھیک نہیں، افغانستان کے ساتھ بھی ٹھیک نہیں، یہ ایک ایسا ملک ہے، جہاں سے ہمیں ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ ہم آپ کا کہنا نہیں مانیں گے، پاکستان کو اس کی سزا ملی۔

دوسری طرف جب عراق ایران پر حملے کر رہا تھا۔ ایسے مراحل آئے، جب وہ ایران سے شکست فاش کھا چکا تھا، اس وقت یہ امریکہ۔ جو آج کہتا ہے کہ کویت پر حملے کا اسے بڑا دکھ ہے۔ کویت کے حملے پر اسے بڑی تکلیف ہے، وہ۔ جس کو غنڈہ صدام کہہ رہا ہے، اس وقت صدام اس کا ہیرو تھا۔ اس کیلئے حکمت یار بھی ہیرو تھا، صدام حسین جس وقت ایران پر حملے کر رہا تھا تو ایرانی لوگوں نے اسے شکست فاش سے دوچار کر دیا تھا۔ امریکہ آگے بڑھا، بندوق دی، کیمیکلز دیئے، ایران کے لوگوں کا قتل عام کروایا اور اس جنگ میں اُس وقت بھی صدام حسین کے اپنے مفادات ہونگے لیکن امریکہ کی خواہش تھی کہ خمینی کا لایا ہوا جو اسلامی انقلاب ہے اس کو تباہ کیا جائے، کیونکہ

اس اسلامی انقلاب کی وجہ سے پوری روئے زمین پر پہلی مرتبہ امریکہ کے غرور کا سر نیچا ہوا اور میں ایرانیوں کو سلام پیش کرتا ہوں، جنہوں نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کیا۔ جنگ میں اپنا سب کچھ گنوایا، لیکن اپنی غیرت اور حمیت کا سودا امریکہ سے نہیں کیا۔

جب عراق اور ایران میں صلح ہونے لگی۔ اس وقت امریکہ کو تکلیف ہوئی، امریکہ کو تکلیف تھی کہ عراق نے ایران سے صلح کیوں کی؟ اس لئے اس کو سزا ملنی چاہیے اور جناب والا! وہ سزا کیسے دی جا سکتی تھی۔ وہ سزا ایسے دی گئی کہ 1985ء میں دنیا میں تیل 37 ڈالر فی بیرل ہو گیا۔ ایک بیرل کا 37 ڈالر۔ امریکہ نے کہا کہ سعودی عرب اور کویت زیادہ سے زیادہ تیل پمپ آؤٹ کریں، زیادہ سے زیادہ تیل نکالیں اور امریکہ بہادر کے حکم پر زیادہ تیل کا Glut ہونے سے مارکیٹ میں قیمت آج 12 ڈالر فی بیرل ہے۔ ساری چیزوں کی قیمتیں بڑھی ہیں، لیکن تیل کی قیمت کو نیچے لایا گیا۔ اس طریقے سے کویت اور سعودی عرب جتنا زیادہ تیل نکالتے تھے۔ عراق کیلئے معاشی طور پر زندہ رہنا مشکل ہوتا تھا۔

عراق اور پاکستان نے اپنے مفادات کی جنگ لڑی ہو، لیکن درحقیقت امریکہ کیلئے یہ سستی جنگ تھی، یقین کیجئے کہ کل وہ آگے بڑھ کر پاکستان کی فوج کو بھی سزا دے گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ان کے پاس Skill ہے۔ ان کے پاس طاقت ہے۔ ان کے پاس تنظیم ہے۔ ان کے پاس قیادت ہے اور یہ مسلمانوں کے بازوئے شمشیر زن ہیں۔

## تاریخ کا عارضی لمحہ، خلیج کی جنگ اور مستقبل کی عظیم قوت

اگر مسلمانوں کے پاس کچھ فوج بھی مستحکم رہی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ جناب والا! اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس دنیا کا 80 فیصد جو آئل ہے۔ ہمارا جو تیل ہے، مسلمانوں کے پاس ہے اور ابھی پرسوں آپ نے شاید یہ خبر پڑھی ہو، اخبار میں آیا تھا کہ ازبکستان میں بھی اور آذروں نے یہ ریزولیشن اپنی پارلیمنٹ میں پاس کی ہے کہ اب ہمارا پرچم تبدیل ہوگا اور اس پہ درانتی ہتھوڑا نہیں ہوگا، بلکہ اس میں چاند اور ستارہ ہوگا۔ جو اسلام کا سمبل سمجھا جاتا ہے، اگر آزادی اس طریقے سے آگے بڑھتی ہے اور جناب والا! اس طریقے سے قازقستان اور آذربائیجان کے علاوہ روس کے وہ تمام مسلم خطے اگر اس طرح بڑھتے ہیں تو تیل روس کا کہاں سے نکلتا ہے؟ قازقستان سے نکلتا ہے۔ انہیں ایریاز میں سے نکلتا ہے، کاٹن روس کی کہاں ہوتی ہے؟ وہیں پہ ہوتی ہے۔

تو صورتحال یہ ہے کہ ایک ارب مسلمانوں کے پاس کوئی اجتماعی قوت ہو، وہ فوج پاکستان کی ہو یا عراق کی ہو، بہر حال مسلمانوں کی آ رہی ہے۔ آج تک وہ غلطیاں کرتے رہے ہیں، اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں، یونائیٹڈ فرنٹ بھی یہاں پہ بن سکتا ہے، چونکہ روس امریکہ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ روس اپنے انقلابی دعوؤں کے نیچے دفن ہو چکا ہے۔ وہ اب سر اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ بیلنس آف پاور اس وقت امریکہ کے پاس ہے اور وہ ایک

سپریم طاقت بن چکا ہے، کوئی اس کو چیلنج کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن جناب سپیکر! یہ ایک عارضی لمحہ ہے۔ یہ ایک مختصر لمحہ ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسہ کشی میں جب بیلنس ٹوٹتا ہے تو نقصان دونوں فریقوں کا ہوتا ہے۔ فرض کریں ایک ٹیم رسے کو چھوڑ دے، ہار بھی جاتے ہیں لیکن دوسری ٹیم بھی نیچے گرتی ہے۔ اس وقت روس گر چکا ہے اور امریکہ اس بیلنس کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے، جو بینکوں سے کئی بلین ڈالرز کے قرضے لے کر اپنی معیشت کو چلا رہا ہے، اس کی یہ جھوٹی معیشت اسی طرح سے ہے جیسے علامہ اقبال نے کہا کہ:

جو شاخ نازک پہ آشیاں بنے گا ناپائیدار ہوگا

یورپ کی تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کر رہی ہے اور شاخ نازک کا آشیانہ ناپائیدار ثابت ہو رہا ہے۔ امریکہ کی معیشت نیچے آ رہی ہے۔ امریکہ کے اندر معاشرتی مسائل نے جنم لیا ہے، وہاں 80 ملین مسلمان سوال اٹھا رہے ہیں، وہاں کے کالے مسلمان اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں، امریکہ کو ان مسائل کا سامنا ہے، اسلئے وہ کوشش کر رہا ہے کہ پوری دنیا کی معیشت کو اپنے کنٹرول میں لے اور دنیا کے اندر ایٹم بم سے بھی بڑا اگر کوئی ہتھیار ڈسکور کیا ہو تو شاہ فیصل شہید نے کیا تھا۔ جنہوں نے تیل کا ہتھیار استعمال کیا اور وائٹ ہاؤس میں ان کو موم بتیاں جلانا پڑیں۔ وہ تیل کا ہتھیار بہت موثر ہتھیار تھا، امریکہ نے اس کے بعد کوششیں کیں کہ کوئی اور ٹیکنالوجی حاصل کرے، کوئی اور انرجی کا راستہ تلاش کرے، سولر انرجی کو لے کر آئے۔ ہوا سے انرجی پیدا کرے، زمین سے انرجی پیدا کرے۔ جناب والا! اس کے لئے انہوں نے کئی ملین، بلین بلکہ ٹریلیز ڈالرز لگائے، ریسرچ کی، لیکن تیل کا متبادل پیدا نہیں ہو سکا۔ تیل کا جب متبادل پیدا نہیں ہوا تو اب اس کیلئے کیا راستہ تھا؟ تیل کا متبادل نہیں ہے، انرجی موجود نہیں ہے، انرجی مسلمانوں کے پاس ہے، مسلمان بکھرے ہوئے ہیں، وہ آپس میں لڑ رہے ہیں، ان میں سازشیں پیدا کی جا سکتی ہیں تو انہوں نے پھر ایک بڑی سازش کا آغاز کیا۔ انہوں نے اس کو باقاعدہ پلان کیا، سب سے بڑا ٹارگٹ ایران تھا، ایران کے بعد عراق کو نہیں چھوڑیں گے۔ پاکستان اور ایران کی اکٹھی باری آئے گی، کیونکہ ایران نے اس سپر پاور کے آگے سرنگوں نہیں کیا اور اسی لئے اب امریکہ کی پالیسی یہ ہے کہ اسرائیل کو تحفظ دینے کیلئے، تیل کو تحفظ دینے کیلئے، یہاں پہ یہودیوں اور امریکیوں کے مفادات جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے ایک منصوبہ سوچا اور وہ یہ تھا کہ تیل کی قیمتیں اتنی گرا دو کہ عراق اپنی معیشت کو لے کر کھڑا نہ ہو سکے اور عراق کے ساتھ یہی ہوا۔ عراق سے سعودی عرب اور کویت نے اپنے پیسے واپس مانگنا شروع کئے کہ ہمارے قرضے واپس کرو۔ اس نے کہا کہ بھئی! میں تمہاری جنگ لڑ رہا ہوں، میں نے دس لاکھ فوج کھڑی کی ہے، پونے دو کروڑ کی میری آبادی ہے۔ پاکستان کی آبادی دس گیارہ کروڑ ہے، وہ پانچ لاکھ کی فوج رکھ کے چیخ رہے ہیں کہ ہماری فوج کے اخراجات زیادہ ہو رہے ہیں۔ لیکن میں پونے دو کروڑ کا ملک ہوں اور دس لاکھ کی فوج رکھ کر بیٹھا ہوں۔ آپ لوگوں کی جنگ ایران کے ساتھ میں نے لڑی ہے، یہ فوج تو مجھے کھا جائے گی۔ اس لئے تم میرا ساتھ دو، تم اس تیل کو

زیادہ پمپ آؤٹ کر کے امریکہ کے بنکوں کو نہ پہنچاؤ۔ اپنے مال کو سستا اتنا نہ بیچو، ورہم برہم نہ کرو مارکیٹ کو، تو اس پر کویت اور سعودی عرب پر امریکہ کا پریشر تھا کہ زیادہ سے زیادہ پمپ آؤٹ کرو۔ صدام حسین نے تو غلط بات کی ہے، تاریخ کے مطابق جارح ثابت ہوا ہے۔ کویت جانے پر معیشت تباہ ہو گئی، فوج تباہ ہو گئی۔ فوج تباہ ہو گئی تو صدام تباہ ہو گا۔ فوج تباہ ہو گی تو ملک تباہ ہو گا۔ فوج تباہ ہو گی تو عراقی صفحہ ہستی سے مٹیں گے، جارحیت تیل کے ہتھیار پر ہو چکی ہے۔

اگر وہ سمجھتا، حالات کو تو اس کا ردعمل یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ اس کا ردعمل فوجیں لے جانے کے طور پر نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ وہ اس کا انتظار کرتا، لیکن وہ اس سے زیادہ شاید انتظار نہ کر سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

دیکھنا یہ ہے کہ اگر آج امریکہ کامیاب ہو جاتا ہے وہاں پہ، تو آیا، وہ سعودی عرب جو آج پنجہ یہود میں بھی ہے اور پنجہ صدام میں بھی ہے۔ ہماری معاشی طور پر کوئی مدد کر سکے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ امریکہ آج ہمیں بھی امداد نہیں دینا چاہتا اور سعودی عرب کو اور دوسروں کو بھی کہتا ہے کہ ان کو مت کچھ دو۔ لئے ہمیں اب سوچنا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی کے خدوخال کیا ہونے چاہئیں۔ ہمارا کنسرن یہ ہے، امت مسلمہ سر آنکھوں پہ۔ مجھے صدام حسین کے سنگ کیوں دلچسپی ہے۔ میں کیوں دیکھ رہا ہوں، میں کیوں چاہتا ہوں کہ وہ مقابلہ کرے، مزاحمت کرے اور امریکہ کو کامیابی بہت جلدی نہ ہو۔ امریکہ ہماری معیشت پہ ڈنڈا لے کر بیٹھا ہوا ہے اور یہ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے اندر بھی رکاوٹ ہے۔ جتنی Resistance ملے گی۔ امریکہ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہو گی کہ وہ کسی اور مسلمان ملک پر دھاڑتا ہوا چلا جائے۔ اس کے اندر جرات نہیں ہو گی، اس کے اپنے ملک کی رائے عامہ بھی اسے کہے گی کہ خبردار! تم کیا جھوٹ بولتے ہو، آدھ گھنٹے کی تم نے جنگ کہی تھی اور یہ مہینے ہو گئے، سال ہو گئے۔ امریکہ نے کب کسی کی مدد کی؟ امریکہ جس ملک میں گیا جارح بن کے گیا، ہیروشیما، ناگاساگی پہ بم گرایا۔ کوریا کی جنگ میں جارح، ویت نام کی جنگ میں جارح، نہر سویز کے اندر برٹش حکومت کا ساتھ دے کر جارح، ایران کے اندر جارح، یہ جارح ایک دم اہنسا کا پجاری کیسے ہو گیا؟ وہ امن پھیلانا کیوں چاہتا ہے؟ اس کے اندر امن کی خواہشات نے کیسے جنم لیا؟ انہوں نے سعودی عرب سے محبت کرنا کیسے سیکھ لی؟ عربوں کے ساتھ اس کا پیار کیسے بڑھ گیا؟۔ ہم امریکہ کی خواہشات کے دام کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ امریکہ نے اپنے مسائل کے حوالے سے ایک جنگ مسلط کی۔ عراق، ایران جنگ میں عراق کے ساتھ ہو گیا۔ افغانستان کے مجاہدوں کی حمایت میں اس نے سوچا میرا دشمن مرتا ہے اور آج جناب سعودی عرب اور کویت کا درد اُسے ستا رہا ہے۔

بھئی! بات یہ ہے کہ جارح کوئی ہو وہ جارح ہے۔ صدام حسین کی میں کوئی Justification نہیں مانتا کہ وہ کویت میں صحیح آیا، اسے نہیں آنا چاہیے تھا، لیکن اپنی گلوبل پچویشن کو سامنے رکھیے۔ بات سیدھی سی ہے کہ

امریکہ اپنے مفادات کیلئے اس بلاک میں جہاں خزانے ہیں، جہاں یہ کالا سونا ہے، برتری چاہتا ہے، اس کے راستے میں اگر کوئی آ سکتا ہے تو وہ پاکستان ہے، جو اس کے عزائم کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے اور ہماری خارجہ پالیسی کے جو بزرجمہر ہیں، ان کی خدمت میں یہ کہتا ہوں کہ بھئی بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ صدام ٹوٹ جائے گا اور ہر چیز ختم ہو جائے گی، نہیں، ختم نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے، اقبال نے تو پہلے کہہ دیا تھا کہ ۔

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عراق سے تعاون ہمیں کرنا چاہیے، معاشی طور پر نہ سہی لیکن آج جو اس کے اوپر ہو رہا ہے وہاں کے پونے دو کروڑ مسلمان جن پر کارپٹ بمبنگ ہو رہی ہے، کوئی گھر نہیں بچا، کوئی ہسپتال نہیں بچا۔ چھوٹے چھوٹے بچے تڑپ کر جانیں دے رہے ہیں، آج شاید ہمارے چہروں پر مسکراہٹیں ہوں لیکن آپ خود اپنے دل کو ٹٹولیے، اپنے ضمیر کو ٹٹولیے۔ پونے دو کروڑ عوام جنہوں نے، میں سمجھتا ہوں کوئی غلطی نہیں کی، امریکہ آج کہتا ہے عراق اگر کویت سے چلا بھی جائے تو پھر بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا تو مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ یہ وہاں وار مشین توڑنا چاہتے ہیں، عراق کی فوج تباہ کرنا چاہتے ہیں، چلیے عراق کی فوج بھی تباہ کر لیجیے، آپ طاقتور ہیں، آپ کو طاقت کا خمار چڑھا ہوا ہے۔ آپ وہ بھی کر ڈالیے، فوج توڑ ڈالیے، وہاں کے لوگوں کو سزا نہ دیجیے، بچوں کو خوراک نہ ملنے سے ان کی چیخیں آسمان پر عرش کے کنارے ہلا رہی ہیں تو پاکستان کے لوگ ان کی چیخوں پر ان کی آہوں پر ان کی سسکیوں پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا درد مشترکہ درد ہے، ہمارا دکھ مشترکہ دکھ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جب عراق نے کویت پر حملہ کیا تھا، پاکستانی فوجوں کا سعودی عرب جانا بالکل جائز تھا۔ سعودی عرب نے ہمارا ساتھ دیا ہے، ہم سعودی عرب کی سرزمین کیلئے اپنی جانیں اور گردنیں کٹوانے کیلئے تیار ہیں۔ سرزمین حجاز کیلئے ہمارے دل تڑپتے رہتے ہیں، یہ ہماری عزتوں اور حرمتوں سے زیادہ حرمت والی زمین ہے، جو ہماری سوچوں سے بلند پاکیزہ اور مقدس زمین ہے۔ اس زمین کیلئے ہمیں فوج بھیجنی چاہیے تھی، ہمیں جانا چاہیے تھا، لیکن جناب والا! یہ کیسے ہو گیا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس سرزمین کا تحفظ پاکستان کی فوج بھی کر رہی ہے اور امریکہ کی یہودی فوجیں بھی کر رہی ہیں، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، میری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم مشترکہ دشمن کو مار رہے ہیں، کس کا دشمن؟ صدام دشمن ہو سکتا ہے؟ ہم سے لڑ سکتا ہے، ہم سے اختلاف کر سکتا ہے لیکن دیکھیں، امریکہ جو خواب دیکھ رہا ہے، وہ چکنا چور ہونے والے خواب ہیں اور اس کی سپر پاور کی حیثیت کے دن گنے جا چکے ہیں، اس کی معیشت تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے، اس کا کھوکھلا نظام معاشرت تباہی کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔

اس مرحلے پر پاکستان کی قوم کو، عالم اسلام کو، امت مسلمہ کو، ایک پالیسی، بنانا ہوگی۔ بیدار لوگوں کی

پالیسی زندہ رہنے والے لوگوں کی پالیسی۔ وسائل ہمارے پاس ہیں، زرعی طاقت ہمارے پاس ہے، دنیا کی سب سے زیادہ اہم سمندری، بحری اور بری شاہراہوں، گزرگاہوں پر عالم اسلام کا کنٹرول ہے۔ اس لئے اگر آج بھی ہم اکٹھے ہو جائیں تو انشاء اللہ العزیز ہم بڑی طاقت بن سکتے ہیں اور بنیں گے۔

امریکہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ روس ختم ہو گیا، مر گیا، مٹ گیا، فنا ہو گیا، اب اس نے نظر ادھر ادھر دوڑائی تو کوئی اور نہیں ہے تو اس کو ایک ارب مسلمان نظر آئے۔ ایک ارب مسلمان جن کے پاس تیل ہے اور جن کا معاشی مستقبل ہے۔ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ امریکہ کو امیر، امیر کہہ کر نفسیاتی طور پر ہم نے اپنے آپکو نیچے گرایا ہے۔ امریکہ جواب اپنی جھولی پھیلا رہا ہے جنگ لڑنے کیلئے۔ کبھی جاپان کو کہتا ہے، کبھی جرمنی کو کہتا ہے۔ ہماری حالت دیکھیے جو خود مانگتا پھر رہا ہے، ہم اس کی طرف جھولی پھیلائے کھڑے ہیں۔ وہ ہمارے ملک میں بیٹھ کر یہ بیانات دیتے ہیں، پاکستان کے عوام نے یہ غلط فیصلہ کیا ہے۔ ختم کر دو یہ تماشا۔ پاکستان کی قوم نے کسی صورت میں امریکی برتری اور بالادستی کو نہ کبھی پہلے برداشت کیا تھا، نہ پھر کرے گی۔

جناب سپیکر! پاکستان کی قوم نے کبھی امریکہ کا ساتھ نہیں دیا۔ پاکستان کے خواص نے ہمیشہ امریکہ کا ساتھ دیا کیونکہ وہ خریدے ہوئے لوگ ہوتے ہیں، وہ امریکہ کے مفادات پر یہاں پر ملازمتیں کرتے ہیں۔ یہاں پر وزارتیں لیتے ہیں، یہاں پر وزیر اعظم بنتے ہیں۔ جناب والا! پاکستان کی قوم نے کوریا کی جنگ میں امریکہ کے موقف کی مخالفت کی۔ پاکستان کی قوم نے ویت نام کے موقف پر امریکہ کی مخالفت کی۔ پاکستان کی قوم نے ایران عراق جنگ میں امریکہ کے موقف کی مخالفت کی۔ ایران کے ساتھ ہمدردی کی۔ بھٹو نے کہا کہ میں امریکہ کے خلاف ہوں تو عوام نے اس کو ووٹ دے دیئے۔ نواز شریف نے کہا کہ میں امریکہ کے خلاف ہوں تو عوام نے اس کو ووٹ دے دیئے، قوم ووٹ دیتی ہے، قوم اپنی آرزوؤں کا اظہار کرتی ہے، اپنے قائدین کو لاتی ہے اور جب وہ آتے ہیں جب قوم نظر ڈالتی ہے تو وہ قیادت گم ہو چکی ہوتی ہے، وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا اور اہل قافلہ کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔

ہمارے ہاں جب تک یہ سوچ جنم نہیں لے گی کہ ہم نے ایک بلاک کھڑا کرنا ہے، ہم نے ایک سپر پاور کے طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ کشمیر ہندوستان میں کھڑا ہے۔ افغانستان کے مجاہدوں کے سروں پر آج بھی نجیب اللہ بیٹھا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت آ گیا ہے کہ حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے۔ اپنے اس ریجن کی سیاست کو اور اس علاقے کی فوجی برتریوں کو دیکھا جائے، آج یہاں سے مراکش تک تیونس تک بلکہ پیرس تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کے علاقے میں کوئی فوج اگر مستحکم ہے، عراق کی تھی، یا پاکستان کی ہے، شاید یہ بھی کل کو نہ رہے، لیکن ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے زندہ رہنا ہے، زندہ رہنے کیلئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

سیٹو بھی گیا، سینٹو بھی گیا، بغداد بھی گیا، ڈھاکہ کے اندر جگجیت سنگھ اروڑا آیا، وہاں بھی کوئی امریکہ مدد کو نہ

آیا۔ پاکستان کی سرزمین پر جارحیت ہوتی رہی، کوئی امریکہ نہ آیا، کوئی نہیں آئے گا، کوئی بڑی قوت نہیں آئے گی، کوئی بہت بڑی پاور نہیں آئے گی۔ ہم گریٹر پاور ہیں، ہم گریٹیسٹ پاور ہیں۔ ہمیں ہی اکٹھا ہونا ہوگا، ہمیں متحد ہونا ہوگا، ہمیں دنیا کے اندر امن وسلامتی کا پیغام لانا ہوگا، اسلام سلامتی ہے اور اسلام امن ہے اور اسلام قیادت ہے اور اسلام روشنی ہے۔ اسلام کے سایہ تلے جمع ہوں گے، قدم بڑھا کر چلیں گے۔ اقبال نے کہا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اور اسی اقبال نے کہا تھا اور اس کو دہرایا جارہا ہے کہ:

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تاتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

جناب سپیکر! اس شعر پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں کہ:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

## پلاٹوں کی سیاست (قومی اسمبلی 6 مارچ 1991ء)

یہاں پہ حالت بڑی ہی عجیب وغریب ہے۔ جناب سپیکر! میں جو گفتگو ابھی سن رہا تھا، بہت سارے ساتھیوں کی، میں کئی دفعہ یہاں پہ آیا ہوں، پہلی مرتبہ نہیں آیا۔ بطور قومی اسمبلی کے ممبر کے آج سے 13 سال پہلے فیڈرل منسٹر تھا، لیکن میں نے آج تک پلاٹ لیا بھی نہیں ہے اور اگلی بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے اسلام آباد میں میرا اپنا گھر ہے۔ میں نے اپنے نام سے لیا ہے، تاکہ مجھے اور پلاٹ قانوناً مل بھی نہ سکے۔ لیکن اب کیوں میں کہہ رہا ہوں یا اس طریقے سے کیوں سوچتا ہوں یا کہتا ہوں کیونکہ یہاں پہ پلاٹ لینے والے کے بارے میں فوری طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے یا یہ ممبران پلاٹوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

## فنانس کمپنیوں کے بحران کا حل (قومی اسمبلی 3 اپریل 1991ء؛ 17 اکتوبر 1991ء)

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN 3rd April 1991(Motion Under Rule262)

جناب والا! میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ حکومت فوری طور پر ایک آرڈیننس کے ذریعے ان کمپنیوں کے مالکان یا جنہوں نے جعلی ناموں پر یا اپنے رشتہ داروں کے ناموں پر جو پراپرٹی خرید کی ہے اسے ضبط کریں اور حکومت کا ایک کمیشن بنا کر پیسے انکے پاس جمع کرائے جائیں۔ ان پراپرٹیز کو فروخت کیا جائے اور پیسے جمع کنندگان کو دیئے جائیں۔ جناب والا! میں لیاقت بلوچ صاحب کی اس تجویز کی بھی حمایت کرتا ہوں کہ اس ہاؤس

کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو اس بات کی نشاندہی کرے کہ تمام فراڈ کے اندر سٹیٹ بنک، کوآپریٹو ڈیپارٹمنٹ اور وزارت خزانہ کس حد تک ملوث ہے اور یہ جو ایک وسیع پیمانے پر اور منظم کوتاہی ہوئی ہے اس کیلئے کون کون سے لوگ اور کون کون سے افسران مجرم ہیں ان کی نشاندہی کر کے ان کے خلاف مناسب کارروائی ہونی چاہیے۔

جناب سپیکر! میں اس مسئلے کی طرف جاتے ہوئے عرض کروں گا کہ صنعت کاری پر قرضے لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جرم یہ ہے کہ اگر کوئی قرضے لیتا ہے اور ان قرضوں میں سے Defaulter کا دھندہ ہے وہ قرضے واپس نہیں کرتا، اس کی ضرور نشاندہی ہونی چاہیے۔ بالکل as defaulter expose ہونا چاہیے اور قوم کے سامنے یہ آنے چاہئیں۔ میں دردمندی سے عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہمیں مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اس وقت قوم کا یہ پیسہ لٹا ہے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ اگر ان فنانس کارپوریشنوں کا پیسہ لوگوں تک پہنچا ہوتا تو آج ہم یہ بحث نہ کر رہے ہوتے۔ لیکن میں یہی عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سیاسی لوگ اپنے سیاسی مخالفوں کی مخالفت کرتے ہوئے کہ سیاستدان تو لڑتے رہتے ہیں، جنہوں نے لوٹا ہے وہ پیسہ لے کر چلے نہ جائیں، اس طرف ہماری نظر ہونی چاہیے۔

اس کے علاوہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بینکنگ ایکٹ موجود ہے، قوانین میں لمبی چوڑی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے، تمام اثاثے اونرز کے منجمد کئے جائیں، فوری طور پر منجمد کئے جائیں اور چھوٹے کھاتہ داروں کو پہلے پیسہ دیا جائے، بڑے کھاتہ دار اگر اس سے فائدہ اٹھا چاہیں اور کوئی فنانس کمپنی ان کو پیسے لوٹا رہی ہو تو اس کی بھی انکوائری ہونی چاہیے اور اس کیلئے بھی ان کو الگ سزا دی جائے۔ پہلے چھوٹے کھاتہ داروں کو ان کے پیسے دیئے جائیں اور اسی طریقے سے حکومت ایک ادارہ قائم کرے اور اس کے ذریعے پورے Cases سامنے آئیں اور ان Cases کی Case to case hearing کر کے ان پہ فوری طور پر فیصلے کئے جائیں۔

اس سے بڑھ کر بھی میری یہ تجویز ہے کہ جوڈیشل کمیشن بنایا جائے جس میں سپریم کورٹ کے جج ہوں اور دو ہائی کورٹ کے ججز ہوں، وہ فیصلہ کریں اور اس میں سرمایہ لوٹنے والوں کو سزا بھی دی جائے اور باقی لوگوں کو پیسے بھی واپس کئے جائیں۔ میری یہ چند ایک تجاویز ہیں، لیکن میں پھر بھی یہی عرض کروں گا کہ اس کو ذاتی طور پر گالی گلوچ کے ذریعے ایک دوسرے کے اوپر Counter-Allegations لگا کر ہم مسئلے کا حل تلاش نہیں کر سکیں گے۔ اس کو ٹھنڈے دل سے سوچنا ہو گا کیونکہ یہ بداعتمادی صرف کسی ایک پارٹی پر نہیں ہو گی۔ یہ بداعتمادی سیاسی نظام پر ہو گی۔

## بجٹ تقریر 92-1991

**GENERAL DISCUSSION ON THE BUDGET FOR THE YEAR 1991-92, 11th Jun, 1991**

جناب سپیکر! جہاں تک خود انحصاری کا تعلق ہے، اس سلسلے میں علامہ اقبال کا ایک شعر عرض کروں گا کہ۔

اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینہ و جام پیدا کر
میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ہماری بہت ساری ٹیمیں امریکہ میں بیٹھی مذاکرات کر رہی ہیں، اپنی امداد کی بندش پر، گلف کی جنگ کے اثرات بھی ہماری معیشت پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ اس مرحلے پر خود انحصاری کا نعرہ مستانہ لگانا بڑی ہمت کی بات ہے، یہ جرات رندانہ ہے۔ ہمیں خواب دکھایا گیا۔ اس کی تعبیر کل کو کیا ہوگی، ایک عام شہری کے طور پر محسوس کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پاکستان کے بارہ کروڑ عوام اس بات کا تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ وہ امریکہ ہو یا دنیا کی کوئی اور سپر پاور وہ اپنی غربت، اپنے مسائل، اپنی مشکلات کے باوجود نیوکلیئر ٹیکنالوجی پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

## زرعی خود انحصاری اور ایٹمی قوت

جناب والا! معیشت تلپٹ ہو چکی تھی، آج کا ڈی ریگولیشن کا عمل میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کی صحت کیلئے ضروری ہے، لیکن ساتھ ساتھ ہمارے زراعت کے سیکٹر کو نظر انداز کیا گیا، صرف ان صنعتکاروں کی وجہ سے جو اپنا ٹیکس دینے کو تیار نہیں ہیں، ان صنعتکاروں کی وجہ سے جن کی اجارہ داریاں ہیں اور ان کے لوگ تنخواہوں کے اوپر بیٹھے ہوئے حکومت کے اندر اور باہر بھی۔ اگر ان لا بیز نے ان زراعت والے لوگوں سے، ان کسانوں سے اپنے وعدے ایفا نہ کئے، بیوفائی کی تو اس سے پاکستان کے غریب کسان میدان عمل میں آئیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر چھ فیصد سود پر ہم قرض دیتے ہیں جو یہاں چھوٹی سی صنعت لگاتا ہے تو پاکستان کے کسانوں کو 18 فیصد پر قرضہ دیتے ہیں۔ پاکستان کے کسانوں کو چھ فیصد پر قرضہ کیوں نہیں دیا جا سکتا؟ ایگریکلچر بینک کو اور ایکسپورٹ، برآمد کنندگان کو اکٹھا کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جناب! ہمیں اپنے معاشی تشخص کی تلاش کرنی ہوگی، امریکہ کا اس لئے وجود ہے کہ اس کا ایگریکلچر مضبوط ہے۔ روس لئے گر چکا ہے کہ اس کا ایگریکلچر میں ہل چکا تھا۔ پاکستان کو دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ یہ پاکستان کیلئے اس کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی بھی ہے اور اس کی غیرت کا سب سے بڑا سمبل بھی۔ وہ پاکستان کی معیشت کا ارتقا ہے۔ کسانوں کو اس فیضان سے اور چشمہ فیضان تک پہنچنے کے موقع فراہم کئے جائیں اور اسی طریقے سے پاکستان کے اندر نیوکلیئر ٹیکنالوجی پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ یہی پاکستان کیلئے آگے بڑھنے کا عمل ہوگا۔ ڈینیشنلائزیشن اچھی، غریبوں کو فائدے پہنچانے اچھے لیکن جناب سپیکر! اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ ہماری خود انحصاری کے عمل میں آگے بڑھنے کے دو پہیے ہیں۔ جو اقتدار میں ہوتا ہے اسے ہر چیز اچھی نظر آتی ہے، اختلاف میں ہوتا ہے تو اسے ہر چیز بُری نظر آتی ہے، اس سے نکل جایئے۔ ان تعصبات کو مٹائیں گے، ہل کے تنکا تنکا جمع کریں گے پھر آشیانہ بنے گا اور اسی میں ہم آسودگی کے ساتھ رہ سکیں گے۔

## اثاثوں کا اعلان (قومی اسمبلی 5 جولائی 1993ء)

DISCUSSION ON POLITICAL SITUATION IN THE COUNTRY

خدا کیلئے اس مقننہ کے مقام کے حوالے سے آپ پورے غور و خوض کے ساتھ سوچیں کہ اگر اس مقننہ کو ہم نے ختم کیا اپنے ہاتھوں سے تو پھر پاکستان کے عوام کا اعتماد سیاستدانوں سے اٹھ جائے گا۔ ان سے مایوس ہو جائیں گے۔ قوم کو مایوسیوں کی عمیق گہرائیوں میں ڈالنے کی بجائے آیئے ان کیلئے کوئی راستہ تلاش کریں۔ یہاں یہ ہمیشہ کرپشن کے الزامات لگتے رہتے ہیں، آیئے قانون سازی مل کے کریں کہ جو بھی ممبر منتخب ہوں گے اپنے اثاثوں کا اعلان کریں گے۔ وزراء اثاثوں کا اعلان کریں گے۔ صدر مملکت اثاثوں کا اعلان کریں گے، اپنے رشتہ داروں کے، دامادوں کے، سب کے اثاثوں کا اعلان کریں گے اور پھر اس کیلئے قانون سازی کریں، کہتے ہیں سیاستدان اصولوں میں Belive نہیں کرتے۔ ہمیں خودکشی نہیں کرنی چاہیے۔ قانون سازی کریں، آئینی طریقوں سے نواز شریف کو ہٹانے کا راستہ ہو۔ اس ہاؤس میں میجارٹی میں بیٹھے ہوئے جس وقت چاہیں ہٹا دیں تو سر تسلیم خم کر لیں ہم۔ اس ملک کے اندر کوئی پیدائشی ہو یا کوئی بناوٹی ہو، خود کو بادشاہ سمجھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ پارلیمنٹ کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل دے گا، یہ خواب کی بات ہے اور یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

## پاکستان کی ترقی اور زراعت کا ایٹم بم

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN 13th may 1997(Resolution)

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای

بعد گوئی دامن ترمکن ہشیار باش

جناب سپیکر! زراعت کا شعبہ بالکل ایک روایتی انداز کی صورت میں زیر بحث لایا جاتا ہے اور اس کو قطعاً اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن آج کے حالات جس طرف جا رہے ہیں کہ اگر اس شعبے کو مزید نظر انداز کیا گیا تو پاکستان کی معیشت تو تباہ ہو ہی چکی ہے، آنے والے وقتوں میں پاکستان کے اندر قحط کے جو آثار پیدا ہوئے ہیں وہ طوفان کی شکل اختیار کر لیں گے۔

جناب سپیکر! میں بنیادی چار پانچ چیزیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عرب ممالک نے آئل کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اسرائیل کے خلاف اور اس وقت سے فلسطین کے مسئلے کو اہمیت حاصل ہوئی۔ پھر روس کے خلاف فوڈ ہتھیار کے طور پر استعمال ہوا، اور روس جو پوری دنیا کی طاقتور ترین قوت سمجھی جاتی تھی وہ پارہ پارہ ہو گئی۔ آج اگر ہم اس فوڈ ویپن کو اپنے خلاف استعمال کریں گے۔ اپنے آپ خودکشی کریں تو راستے کھلے ہیں اور اس کی طرف ہم جا رہے ہیں۔

اگر ہم اسی فوڈ ویپن گندم کے ہتھیار کو مثبت طریقے سے استعمال کریں گے تو اس وقت کیفیت یہ ہے کہ

پاکستان ایک ایسا خوبصورت جزیرہ ہے۔ جس کے اردگرد انڈیا میں بھی گندم، آٹا مہنگا ہے، افغانستان، ازبکستان، تاجکستان، چیچنیا، ماسکو تک غذائی بحران ہے۔ ہماری مغربی سرحدوں پر ایران کو بھی غذائی بحران کا سامنا ہے اور پاکستان کا کسان ایک کروڑ انہتر لاکھ ٹن گندم سال میں پیدا کر رہا ہے۔ ان حالات میں جب آپ ان کو پیسے کم دے رہے ہیں۔ جب آپ کے پورے حالات گندم پیدا کرنے کے خلاف ہیں۔ ایک کروڑ انہتر لاکھ ٹن اور خرچہ کیا آتا ہے، سال کا فی آدمی تو اس لحاظ سے ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ ٹن گندم کی ضرورت ہے اور ایک کروڑ انہتر لاکھ ٹن ان حالات میں بھی کسان بے چارہ پیدا کر کے ملک کو دے رہا ہے۔ یہ جو بقیہ گندم چالیس ارب روپے کی ہم منگوا رہے ہیں۔ یہ سمگلنگ کرنے کیلئے منگوا رہے ہیں۔ ہم نے خود کفالت حاصل کی ہوئی ہے۔ گندم خریدتے پر کمیشن، گندم کی بار برداری پر کمیشن، گندم کی کشتیاں آنے پر کمیشن، گندم اس ملک کے اندر لے جانے پر کمیشن اور پھر اس کو ازبکستان، انڈیا، ایران کے اندر بیچنے کے اوپر کمیشن۔ ایک مافیا پیدا ہو گیا ہے جو خون چوس رہا ہے قوم کی معیشت کا۔ عرض کرنا چاہتا ہوں، صنعتی ترقی سر آنکھوں پر لیکن اس کے اندر آپ کو کم از کم دس سال لگیں گے۔ اگر میں ایک نسخہ یہ بتا دوں کہ چھ مہینے کے اندر پاکستان ترقی پذیر ملک نہیں، اپنے قرضے اتارنے والا ملک بن سکتا ہے تو شاید کوئی یقین نہ کرے۔ لیکن جناب والا! جس ملک کی One crop economy ہے، ہم مانتے ہیں کہ یہ one crop economy ہے۔ ایک کپاس کی فصل پر یہ ملک کھڑا ہے۔ جس سال کپاس کی فصل تباہ ہو جائے، ملک کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے، جس سال ملک کی کپاس کی فصل اچھی ہو جائے، ملک کی معیشت اوپر آ جاتی ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فرض کریں یہی فارمر آپ کا، آپ کو ڈیڑھ کروڑ گانٹھ کاٹن دے دے۔ ڈیڑھ کروڑ گانٹھ کاٹن تو اسی سال آپ کے آدھے قرضے اتر سکتے ہیں، چھ ماہ میں اور ملک کی معیشت کا میں مہیا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں وہ طبقات جنہوں نے اپنی زراعت کو دیکھنے پر تعصبات کی عینک چڑھا رکھی ہے، وہ دیکھنا نہیں چاہتے، جہاں سے ملک آج کھڑا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ آج فوڈ ویپن کے طور پر ہم استعمال کر سکتے ہیں۔ کسان کی آپ نے حالت کیا کر رکھی ہے، ڈیڑھ لاکھ کا ٹریکٹر ملتا ہے، ایران کے کسان کو، ترکی کے کسان کو، انڈیا کے کسان کو اور ہمارے بارڈر کے اوپر لاکھوں کی تعداد میں وہ وہ ٹریکٹر اندر آنے کو تیار کھڑے ہیں لیکن ہم نے اپنے کسان کو کہا ہے کہ نہیں تم چھ لاکھ میں خریدو، اس کو باندھ دیا ہے، اس کے پاؤں کو زنجیریں ڈال کر جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلے کہ

درمیاں قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
بعدمی گوئی دامن ترمکن ہشیار باش

اس کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں آپ نے، جو لڑنے والا ہے، آپ کے ملک کی معیشت کی جنگ، وہ کسان ہے، وہ کبھی خوشحال نہیں ہوتا۔ دیگر ملک کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ یہ مشکل کام کر رہا ہے، اسے اپنا لاڈلا بیٹا کہتے

ہیں۔اس کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دیتے ہیں۔ یورپین کمیونٹی نہ صرف ان کو فرٹیلائزر مفت دیتی ہے بلکہ ٹرانسپورٹیشن کے پیسے بھی دیتی ہے کہ کھاد کی بوری بھی لو اور پہنچنے کے پیسے بھی لو۔اس کسان سے ہمارا مقابلہ ہے۔ امریکہ کے کسان کو ڈیزل اور پاور جنریشن کے تمام مواقع فراہم کر کے اس کے کھیت تک پہنچائے جاتے ہیں۔اس سے مقابلہ ہے، ہمارے کسان ،کا ہمارے کسان کا انڈیا کے اس کسان سے مقابلہ ہے، جس کو گندم زیادہ پیدا کرنے پر بجلی مفت فراہم کی جارہی ہے، ان کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے اور جہاں پر چھ پرسنٹ مارک اپ کے ساتھ وہاں ان کو پیسے ملتے ہیں بلکہ ایکسٹرا Money دے کر ان کو آگے فلوٹ کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ مقابلہ ہے ہمارا۔ آج پیسٹیسائیڈ پر جناب والا! جو پولیسٹرن۔سی انڈیا کے کسان کو دو سو روپے کی ملتی ہے وہ پاکستان کے کسان کو پلانٹ پروٹیکشن کیلئے کاٹن کیلئے آٹھ سو روپے کی ملتی ہے۔ مجھے بتایئے آج اگر پاکستان کی معیشت کو کھڑا کرنا چاہتے ہیں، تعصبات کی عینک کو آپ اتارنا چاہتے ہیں، یہ امپورٹ ٹیکس ختم کر دیں، آپ زرعی ادویات پر، پلانٹ پروٹیکشن کے اوپر۔ اسی سال لوگ چھ چھ سپرے آٹھ آٹھ سپرے کریں گے اور آپ کی کاٹن ڈیڑھ کروڑ ٹن گانٹھ ہو جائے گی اور اسی سال پاکستان ترقی پذیر نہیں ہوگا، طاقتور ہوگا، دنیا کو فوڈ دینے والا ہوگا، گندم دینے والا ہوگا۔ خوراک دینے والا ہوگا۔ جھولی پھیلانے کی بجائے، آپ کی جھولی جس میں چھید پڑے ہوئے ہیں، جو ڈالتے ہیں وہ نکلتا جاتا ہے۔اس میں یہ کسان آپ کو عزت والا ملک واپس دے سکتا ہے۔ غیرت کا ملک واپس دے سکتا ہے، معیشت کو بحال کر سکتا ہے۔آپ نے اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔اس کی آنکھوں میں خون کے آنسو ہیں وہ دھکے کھا رہا ہے۔ بنکوں کے باہر جاتا ہے، دھکے ملتے ہیں، بیس فیصد انٹرسٹ دیتا ہے۔ وہ لوگوں سے ذاتی پیسے مانگ کر اپنے کھیتوں کو چلانا چاہتا ہے۔ انفراسٹرکچر آپ کے پاس موجود ہے۔ دنیا کا اہم ترین اریگیشن سسٹم آپ کے پاس موجود ہے۔ایک آرگنائزڈ لیبر آپ کے پاس فارمر کی صورت میں موجود ہے۔ بطور رانوسٹر وہ کام کرنا چاہتا ہے۔ جو سٹیٹ لینڈ پڑی ہوئی ہے، اگر دس مربع دے دیں اس کو کہیں کہ دو سال کے اندر اتنی گندم دینی ہے، وہ زمین کا سینہ چیر کر پانی بھی خود نکالے گا، انویسٹ بھی خود کرے گا، گندم آپ کو Provide کرے گا۔ہم نے اپنی معیشت کے اندر زراعت کی ترجیح آخر میں کر دی ہے۔ تعصبات کی وجہ سے مفادات کی وجہ سے۔ نقصانات ملک کو ہو رہے ہیں، قوم کو ہو رہے ہیں، ملک ڈوب رہا ہے، چند افراد وہ تیر رہے ہیں۔ وہ مفادات سے دامن بھر رہے ہیں، اس وقت ہمیں ایک new look سے، نئی سوچ سے، نئے اینگل سے، نئے زاویے سے دیکھنا پڑے گا زراعت کو۔اب آپ نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ اسمبلیاں جب تک اپنے کسان کی طرف اپنی زراعت کی طرف اپنی زمین کی طرف، زمینوں کے خزانوں کی طرف نظر نہیں ڈالیں گی تو پھر دنیا کی نظریں بھی ہم سے بدل جائیں گی۔ ہم بھیک مانگتے پھرتے ہونگے اور ہمیں کوئی بھیک ڈالنے کو تیار نہیں ہوگا، شکریہ۔

## سپریم کورٹ پر حملہ

## RESOLUTION EXPRESSING ESTEEM AND REGARDS FOR THE DIGNITY AND HONOUR OF THE SUPREME COURT OF PAKISTAN

جناب سپیکر! میں عرض کر رہا تھا کہ آج سپریم کورٹ کے اردگرد جو واقعات ہوئے ہیں کوئی بھی صحیح سوچ رکھنے والا شہری ان کی تائید نہیں کر سکتا اور سپریم کورٹ کے مقام اور اس کے تقدس کا ہم سب نے حلف اٹھایا ہوا ہے اور اداروں کے تحفظ کی ذمہ داری سب سے زیادہ ایگزیکٹو پر عائد ہوتی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری سے انحراف نہیں کر سکتے اور صرف نظر بھی نہیں کر سکتے۔ جناب سپیکر! آج حکومت کے علم میں جب یہ واقعات آئے ہیں، آپ کے علم میں ہوگا کہ فوری طور پر اس کیلئے چیف کمشنر کو انکوائری ہولڈ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس واقعات میں ملوث ایک شخص کو گرفتار کیا گیا ہے اور مزید بھی ان اداروں کے تحفظ کیلئے جو اقدامات کرنے پڑے حکومت وہ اقدامات کرے گی...... اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ان پر عملدرآمد بھی کرائے گی۔ جناب سپیکر! جوڈیشری کے اختیارات کی باتیں اور اس سے دوسرے معاملات کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، ایوانوں کے اندر بھی ہوتی رہتی ہیں اور عدلیہ کے فیصلوں کا احترام ذمہ داری بھی ہوتی ہے ہم سب کی، قانون بنانے کا ہمیں حق حاصل ہے اور قانون کی تشریح کا حق عدلیہ کا ہے اور وہ ایک اہم ستون ہے۔ مملکت کا اگر وہ ستون کمزور کرنے کی کوشش کی گئی یا کی جائے تو پورے نظام کو دھکا لگتا ہے، اس لئے مسلم لیگ بحیثیت جماعت اور ان کی ساتھی جماعت نے، حلیفوں نے بھی ہر موقع پر عدلیہ کا احترام کیا ہے، عدلیہ کی سربلندی کے آگے سر جھکایا ہے اور ملک کے قوانین کو منضبط کرتے ہوئے اپنے ملک کے تمام ستونوں کی وقعت اور ان کی عزت کا احترام کیا ہے۔ کوئی حرکت جس نے بھی کی ہے، اس کا تعلق مسلم لیگ سے ہو، اس کا تعلق کسی اور پارٹی سے ہو، جس نے بھی کوئی نازیبا حرکت کی ہے، کوئی آدمی ان کو ڈیفنڈ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا ہے۔ آج نواز شریف تو یہ کہہ رہا ہے اور پوری اسمبلی کہہ رہی ہے کہ ہم Disown کرتے ہیں۔ جو ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ اس کی نہ صرف تردید کرتے ہیں بلکہ ہم اس بات کی مذمت کرتے ہیں۔

## کشمیر کا مسئلہ KASHMIR ISSUE

میں کوشش کروں گا اور نارملی میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔ گزارش یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ کشمیر کا جو ایشو دوبارہ زندہ ہوا ہے وہ ہوا ہے Post-Afghan ear ہے۔ اس کے بعد کشمیر کے اندر یہ جسے resurgence کہہ رہے ہیں، ہم اسے فریڈم موومنٹ سمجھتے ہیں۔ وہ ابھرا ہے عالمی ایجنڈا پر.....

گزارش یہ ہے کہ یہ عالمی ایجنڈا پر آیا ہے، کشمیریوں کے خون سے اس کا کریڈٹ کبھی ہم لیتے ہیں، کبھی کریڈٹ موجودہ حکومت لیتی ہے، کبھی کوئی لیتا ہے، پہلی بات طے شدہ ہے کہ کشمیریوں نے خون دے کر کشمیر کے

مسئلے کو عالمی ایجنڈے کا موضوع بنادیا ہے، یہ کوشش ان کی اچھی ہے۔

جناب سپیکر! آپ کے متعلق کوئی سازش نہیں ہورہی۔ میں گزارش یہی کررہا ہوں کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومتیں اپنے طرز عمل سے کیا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ موجودہ حکومت پر الزام یا کسی اور حکومت پر یہ الزام کوئی نہیں لگا سکتا کہ کوئی کشمیر کے مسئلے کو نظر انداز کرے گا کیونکہ کشمیر کا مسئلہ خون کی طرح ہمارے جسم میں دوڑتا ہے اور اسے نظر انداز کرنے والے اپنی موت پر دستخط کریں گے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس کو مس ہینڈل کیا جارہا ہے، ہماری گورنمنٹ کے دور میں ہمیں کہا گیا کہ Pakistan is going to be declared to be declared terrorist country اور Terrorism الزام تھا کہ ہم کشمیر کے اندر Infiltrators مداخلت کار بھیج رہے ہیں اور کشمیر کے اندر جنگ ہم لڑرہے ہیں، پاکستان اور پاکستانی حکومت اور اس حکومت کا سربراہ نواز شریف۔ سردار آصف احمد علی صاحب میرے بہت قریبی دوست رہے ہیں، آج بھی میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا

Yes, Mian Nawaz Sharif's Government had been sending people, Infiltrators, to go and create problems in the valley of Kashmir.

اب جناب سپیکر! وہ وزیر خارجہ بیٹھے ہیں، میری مجبوری ہے کہ میں ان کی حب الوطنی پر شبہ کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا لیکن ایک طرف ایک حکومت چلی گئی Off the hook کرانے کیلئے کشمیر کو اور کشمیری مداخلت کار (Infiltrators) کو، نواز شریف کی گورنمنٹ Off the hook نہیں کراسکی تھی۔ دوسری حکومت لائی گئی، جنہوں نے Off the hook کرایا، کشمیریوں کی اس دہشت گردی کے مسئلے کو۔ لیکن اس گورنمنٹ نے چار پانچ موقع پر Let Down کیا ہے۔ جنرل اسمبلی سے اس قرارداد کو واپس لے کر Let Down کیا۔ انہوں نے جنیوا میں بیٹھ کر پھر Let Down کیا کہ پچاس سال کے بعد کشمیر کے مسئلے کو Dead wood کہا گیا اور اس پر اپوزیشن نے پورا پریشر Mount کیا۔ ہم نے کہا کہ خدا کیلئے آپ کب تک سوئے رہیں گے۔ جھنجوڑا ان کو اور اس کے بعد جو بات سامنے آئی کہ وہ ہمارا جنرل اسمبلی میں بیٹھا ہوا احمد کمال ہو یا کوئی اور ہو، ہماری جو وہاں پر ایک قسم کی Negligence تھی احمد کمال کی وجہ سے، وہ Dead wood ہوگیا۔ پوری قوم اس کے اوپر تلملا اٹھی چیخ اٹھی۔ پکارا سب نے کہ یہ کیا ہورہا ہے، پھر جاکر وہ اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر گیا۔ اب یہ جو Lapses ہیں اور گورنمنٹ کی اپنی غفلتیں ہیں۔ ان کی وجہ سے کشمیریوں نے جسے خون کے ساتھ زندہ کیا تھا اس کے اندر دراڑیں ڈالنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ آج انڈیا وہاں پر انتخابات کرا رہا ہے، انڈیا کے وہاں پر سات لاکھ فوجی موجود ہیں، اور ہر فیملی پر ایک پولیس والا یا فوجی کھڑا ہے۔ اتنی زیادہ فوج ہونے کے بعد بھی انتخابات کے انعقاد کیلئے انہیں چوبیس ہزار عملہ انتخابات کرانے والا انڈیا سے منگوانا پڑا ہے۔ کشمیریوں نے بائیکاٹ کا اعلان کردیا

ہے۔ سٹاف نے کہا ہم یہ الیکشن ہولڈ نہیں کرائیں گے۔ اس لئے انڈیا اس وقت دھول جھونکنا چاہتا ہے دنیا کی آنکھوں میں۔ ان نام نہاد انتخابات کے ذریعے۔ اور بدقسمتی یہ ہوئی کہ انہی دنوں میں جو یہاں انتخابات ہوئے وہ بھی Controversial ہوئے۔ وہاں پر Abortive ہو گئے۔ ان کا انشاء اللہ رزلٹ بالکل نہیں نکلے گا اور Plebiscite کے مقابلے میں انتخابات کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اور اس کیلئے ہمیں اس مسئلے کو اجاگر کرنا ہے۔ کشمیری خون دے رہے ہیں، کشمیری جنگ لڑ رہے ہیں، لیکن کشمیری ضرور دیکھتے ہیں اس بات کیلئے کہ پاکستان کی طرف جو کشمیر کو اپنی شہ رگ قرار دیتا ہے۔ جناب سپیکر، شکریہ۔

مخدوم جاوید ہاشمی، سر میں کوئی Repetition بھی نہیں کر رہا۔

سپیکر! کافی لوگوں نے بولنا ہے۔ ایڈ جرنمنٹ موشن دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا۔

جناب محمد جاوید ہاشمی، پھر ہم ان سے انصاف نہیں کر رہے ہوں گے۔

سپیکر، ہاشمی صاحب! ایڈ جرنمنٹ موشن دو گھنٹے کا ہوتا ہے۔

محمد جاوید ہاشمی، سر اس اسمبلی کے اندر اگر ہم کشمیر کے بارے میں اسی غفلت کا شکار ہوئے۔ ان رولز کے اندر ہم نے دفن کر دیا اپنے اہم ترین معاملات کو بھی قواعد، کی یہ قبر پرانی ہو جائے گی۔ لیکن مسئلہ زندہ رہے گا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان پوری دنیا کے سامنے بے نقاب ہو چکا ہے۔ ہماری حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا یہ نقاب جو اس نے انتخابات کے ذریعے پہنا ہے، یہ نقاب نوچ ڈالا جائے۔ مجاہد قربانیاں دے رہے ہیں، جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ کشمیر کے استصواب کی بات کو آگے بڑھائیں۔ جس وقت تمام دنیا میں غلامی کی زنجیریں ٹوٹ رہی ہیں، مملکتیں آزاد ہو رہی ہیں، چیچنیا جیسے ملک نے اپنے آپ کو منوایا ہے۔ پوری دنیا آج حریت اور آزادی کی تمام تحریکوں کو مان رہی ہے۔ صرف ایک حریت کی تحریک اس وقت لاوارث بنی ہوئی ہے، کوئی اس کی بات کرنے والا نہیں ہے۔ پوری دنیا کی آزادی کی تحریکوں کے اندر اگر کوئی تحریک ناکام بنائی جا رہی ہے تو وہ کشمیر کی ہے۔ آپ فلپائن کے مسلمانوں کو دیکھیں، انہیں بھی آزادی کے اختیارات دے دیئے گئے۔ انہیں بھی اپنی Determination کیلئے کہ وہ پانچ سال کے بعد کیا کرتے ہیں، فلپائن نے بھی مراعات دے دیں۔ چیچنیا کے اندر روس نے بھی دے دیں، لیکن ہم ناکام ہو رہے ہیں، اس لئے قوم پوچھنا چاہتی ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر ناکامیاں ہی ناکامیاں کیوں اس حکومت کے مقدر میں ہیں، شکریہ۔

## ہر قیمت پر احتساب (قومی اسمبلی 11 جون 1996ء)

شکریہ جناب سپیکر! ایشو یہ ہے کہ یہاں پر کرپشن کے چارجز گذشتہ دو دن سے دونوں طرف سے آئے ہیں۔ اب Established Fact یہ ہے کہ ہمارے ایجنڈا پر دونوں طرف سے کرپشن اور اس کو ختم کرنے کے

اقدامات سرفہرست ہیں، دونوں طرف سے آراء موجود ہیں۔ وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ کرپشن ہے اور ہم بھی کہہ رہے ہیں کہ کرپشن ہے۔ اس کیلئے صرف کھڑے ہو کر لفظی جنگوں کی بجائے ہم کوئی راستہ اختیار کریں، کیونکہ یہ بات صحیح ہے کہ اس ملک میں کرپشن تقریباً تمام WaLk of life میں موجود ہے۔ مگر سیاستدان چونکہ Public representatives ہیں اور انہوں نے قوم کیلئے مثال قائم کرنی ہوتی ہے، اسی لئے کرپشن کا ایشو پوری دنیا میں سیاستدانوں کو بنایا جاتا ہے۔ خواہ وہ انڈیا ہو، برطانیہ ہو یا جاپان ہو، وہاں پارلیمنٹیرینز کی کرپشن کو روکنے کیلئے بہت سارے راستے اختیار کئے جاتے ہیں۔ سخت اقدامات کئے جاتے ہیں، تا کہ یہ نمائندہ ادارے جنہوں نے قوم کی رہنمائی کرنی ہے صاف اور شفاف ہوں، اس ملک میں، اسی اسلام آباد میں 80 فیصد گھر اور کوٹھیاں بیوروکریسی کی ہیں۔ انہوں نے لوٹ مچائی ہوئی ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ پولیس کتنی کرپٹ ہے، حتیٰ کہ جب ہم بزنس کمیونٹی کی بات کرتے ہیں، وہاں پہ بھی کرپشن کی کمی نہیں ہے، تمام اداروں میں کرپشن کا زہر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ پریس بھی اور دوسرے لوگ بھی پوری دنیا کے سیاستدانوں کو ٹارگٹ بناتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ صحیح کرتے ہیں، کیونکہ ذمہ داری ہمارے اوپر ہوتی ہے کہ ہم بطور چوکیدار آتے ہیں۔ دنیا کے اندر جہاں بھی سیاستدان ہیں وہ یہ تصور لے کر آتے ہیں کہ ہم نے اس خزانے کا اپنے آپ کو چوکیدار بنانا ہے۔ اگر چوکیدار بھی لوٹ میں شامل ہو جائیں تو پھر اس ملک کا کچھ نہیں بچتا۔

اسی لئے جب آج بات شروع ہوئی ہے اور کل محترمہ کے بارے میں بات ہوئی۔ اگر آج جنرل بابر صاحب تشریف فرما ہیں اور مجھے ان کے لئے بڑا احترام ہے، وہ سچے دل سے اس ملک میں چاہ رہے ہوں گے کہ کرپشن کا خاتمہ ہو لیکن جو اقدامات ہیں، میں اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہم نے تجویز پیش کی اور پھر دہراتے ہیں کہ آپ اس پر اکاؤنٹیبلٹی کیلئے احتساب کے لیے ایک آئینی ادارہ بنائیں۔ ادارہ بنائیں اور اگر اس میں Individuals کے کیس آتے ہیں تو آنے چاہئیں۔ میں واقعتاً اس سلسلے میں اسفندیار ولی سے متفق ہوں کہ یہاں پر یہ کہنا کہ جاوید ہاشمی کے بارے میں یہ بات نہ آئے، Individual کے بارے میں، میاں نواز شریف کے بارے میں نہیں آنی چاہئیں۔ Becasue he is a Public representative, No یا محترمہ بے نظیر صاحبہ کے بارے میں نہیں آنی چاہئیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے بڑے ذمہ دار ہیں۔ سیاستدانوں کی حکومت کو ترجیح اس لئے دی جاتی ہے کہ سیاستدانوں کا احتساب ان کی accountability ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے حلقہ انتخاب میں جا کے جوابدہ ہوتے ہیں۔ ایک عام آدمی سے لے کر سب سے بڑے اداروں کے سامنے accountability ان کی ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ صاف ستھرے بن کر آئیں گے تو پھر قوم کو ایک اچھی گورنمنٹ ملے گی۔ Good Government میرٹ بھی آئے گا، جب ایک آدمی صاف ستھرا ہو کے ایک پروسیس سے نکلے گا۔

اسی لئے سیاستدانوں کو ٹھیک رکھنے کیلئے اس کے مختلف پراسس ہیں۔ الیکشن بھی ایک پراسس ہے۔ آپ پبلک کے سامنے جاتے ہیں تو جوابدہ ہوتے ہیں۔ پھر پراسس ہی ہے کہ ہم نے گوشواروں کی بات کی۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ گوشوارے کیوں نہیں شائع کئے گئے۔ کیوں؟ ان پر کیا پابندی ہے۔ ہم سب اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کرتے ہیں کہ کم از کم اپوزیشن کے گوشوارے چھاپ دیئے جائیں۔ اگر ادھر کوئی مقدس مشین (Sacred cows) ہیں جو اپنے آپ کو چھپانا چاہتی ہیں تو چھپائیں۔ بابر صاحب کو چاہیے کہ وہ کم از کم انھیں اور ہماری جائیدادوں کے گوشواروں کو جاری کردیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پورے قومی پریس کو دے دیں، جو وہاں پہ ہم نے دیئے ہوئے ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لیڈرز کو صاف اور شفاف طریقے سے اپنی قوم کے سامنے کھڑا کرنا چاہیے۔ چلیئے ہم نے نمبر سکور کرنے کیلئے کہہ دیا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں آپ ایک accountability commission بنائیں۔ اس میں ججوں کو بٹھائیں۔ اگر مزید چاہتے ہیں تو چار آدمی ادھر سے ایم این اے بٹھا دیں، چار آدمی ادھر سے، وہ ایک دوسرے کے خلاف stories لائیں گے اور اپوزیشن کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ اپوزیشن کا کام ہے کہ وہ ان کی خرابیاں بتائیں اور گورنمنٹ کا کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو صفائی کے طور پر اس ہاؤس کے سامنے پیش کریں۔

جناب والا! جنرل بابر صاحب کی خدمت میں میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ناراض نہ ہوں۔ انہوں نے دو سال پہلے یہاں اسی ہاؤس میں آپ سے اجازت لے کے مہران سکینڈل کے اندر کیسٹ سنوایا۔ ذاتی طور پر مجھ پر الزامات لگائے اور ٹی وی پر ہائی لائٹ کیا۔ پوری قوم کے سامنے ہائی لائٹ کیا۔ میں کئی مرتبہ چل کے جنرل بابر صاحب کے پاس گیا ہوں کہ خدا کیلئے وہ الزامات جو آپ نے لگائے تھے، اس میں مجھے تو سزا دیں۔ پرسنلی جا کے میں نے درخواست کی ہے۔ اب ان کو ایک ہی لفظ آتا ہے، یہ مٹھو طوطے کی طرح کہ آ جائے گا، ہو جائے گا، دو سال گزر گئے، لیکن شروعات نہیں ہوئیں۔ نوٹس تک مجھے نہیں آیا۔ ایک نوٹس تک نہیں آیا۔ اور دو سال کے بعد یہ کہاں ہوں گے یا کہاں نہیں ہوں گے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اندر غیرت ہوتی۔ آج مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ شاید آپ کا نام مہران بینک میں نہیں ہے، جس کے کیسز لے کر آئے تھے، اس کو انہوں نے سندھ میں مشیر اطلاعات بنایا ہوا ہے۔ وہ اطلاعات سندھ کا، ان کی پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ کا غیر منتخب آدمی ہے۔ اس کو آفس دے دیا ہے، اس کو اہمیت دی ہے، لیکن اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ افسوسناک بات یہ ہے آپ کو تو آ کے کہنا چاہیے تھا کہ ہم نے اس کو مشیر اطلاعات بنانے کی غلطی کی ہے، میری بات کی اگر تردید کردیں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔ سوائے اس کے اٹھ کر انہوں نے کچھ نہیں کہنا کہ ہاں ہم کریں گے۔ ہم آ رہے ہیں، حبیب بنک کی طرف۔ میں یہ پرسنل بات نہ کرتا، میں اس لئے کر رہا ہوں جناب سپیکر! جب Allegations کا حال یہ ہو، آ کر لگا کر کاغذ پھینک کر پھر بغل میں ایک ڈنڈا لے کر اور یہاں فائل لے کر آ جاتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں جنرل

بابر صاحب سے خدا کیلئے ہم آپ کے بڑھاپے کا احترام کرتے ہیں، آپ بھی اپنے بڑھاپے کا احترام کیجئے، آپ allegations لگائیے جن کے اندر کوئی بات ہو، ورنہ آج وہی ہمارا مطالبہ ہے کہ احتسابی کمیشن آئے۔

## قرضے معاف کرانے والے

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN (20August 1996)

میری گزارش سن لیں۔ میں کوئی اور بات نہیں کرتا۔ خواہ اس میں کسی کا نام ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر نواز شریف صاحب نے معاف کرائے ہیں قرضے، ان کو بھی آپ بالکل نااہل قرار دیں الیکشن لڑنے سے۔ اس وقت جو لسٹ ہے اس میں محترمہ کا نام ہے، نصرت بھٹو صاحبہ کا نام ہے، آصف علی زرداری کا نام ہے یا جن کے نام ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کیا حق پہنچتا ہے پبلک نمائندے کو کہ وہ ایم این اے اور سینیٹر بننے کے بعد۔ سر ہم بھی یہاں آ رہے ہیں پندرہ بیس سال سے۔ میں کہتا ہوں کہ جس نے بھی معاف کروائے ہیں، سب سے بڑے اس ملک کے ڈاکو اور لٹیرے ہیں، جنہوں نے بینکوں کو قانون سازی کی طاقت کا استعمال کر کے لوٹا ہے، وہ کلاشنکوف اٹھا کر جو ڈاکو جاتا ہے وہ بھی قابل مذمت ہے۔ لیکن جو اس سے زیادہ بڑے قابل مذمت وہ ایم این ایز، سینیٹرز، سیاستدان ہیں جنہوں نے اس ہاؤس کا ایڈوانٹیج لیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنے قرضے معاف کروائے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں، کیا آپ سب اس قانون کو بنانے کیلئے منظوری دیتے ہیں؟ حکومت بیٹھی ہوئی ہے، کوئی ہے جو اس کی حمایت کرے، آج ہی میں اس کی قرارداد پیش کرتا ہوں، آپ پاس کرنے کیلئے ساتھ دیتے ہیں، آپ تیار ہیں، میں ریزولیوشن پیش کروں۔ آپ معطل کرواتے ہیں اس کے اوپر رولز کو۔

## چار ارب قرض معاف کرانے والے فقیر (قومی اسمبلی 13 ستمبر 1996ء)

ADMTTED ADJOURNMENT MOTION,

جناب محمد جاوید ہاشمی:۔ یہاں پر تذکرہ ہوا ہے لوگوں کا کس نے کتنے پیسے لے لئے اور یہاں پر تذکرہ یہ بھی ہوا کہ چار ارب روپے کا ٹیکس معاف کرانے والے کوئی فقیر بھی ہیں اس ملک میں۔ سیلز ٹیکس کے ایک پراجیکٹ میں ان کو معاف کر دیا جاتا ہے اور اس دور میں جب کہ قوم ایک بحران سے گزر رہی ہے، معاشی بحران سے اور اس میں یہ جو لکی سیمنٹ کی بات آئی کسی طرف سے تردید نہیں آ رہی، اس لئے لوگوں کا اس عمل سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے کہ وہی لکی سیمنٹ والے ہماری حکومت میں بھی لکی ہوتے ہیں۔ اس سے پچھلی حکومت میں بھی لکی ہوتے ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چند لٹیرے ہیں۔ انہوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ کو تحفظ دینے کیلئے ایک یونین بنائی ہے اور قوم کے جسم سے خون کا آخری قطرہ نچوڑ رہے ہیں اور اگر قوم اس نتیجے پر پہنچی ہے تو قوم کسی غلط نتیجے پر نہیں پہنچی، بلکہ اس کے اندر ہم سب لوگ اپنے آپ کو ملوث کئے ہوئے ہیں، جناب والا! حکومت وقت کی ذمہ داری اس لئے زیادہ ہو جاتی ہے کہ احتسابی عمل بھی ان کے پاس ہوتا ہے۔ دینے والے بھی وہی ہوتے ہیں اور آج یہاں

تک ہوا کہ یہ لکی کے علاقے کے اندر چار ارب روپے کا سیلز ٹیکس کا جو ریبیٹ دیا ہے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ لکی سیمنٹ والوں نے کہا کہ ہم آپ کو لکی ڈیم بنا کر دے دیں گے۔ اس لئے اس ایک Assumption پر ایک مفروضے پر چار ارب روپیہ خسروان وقت نے شاہان وقت نے اپنی خسروانہ عنایات کے مطابق ان کو معاف کر دیا۔ اب یہ چار ارب روپیہ جو آنا تھا اس ملک میں وہ غریبوں کا چار ارب روپیہ تھا۔ اس غریب آدمی کا بھی جو ایک موچی بیچارہ جوتی گانٹھ رہا ہے وہ بھی شام کو حکومت کے خزانے میں پیسے جمع کراتا ہے۔ وہ اگر چائے کی پتی لیتا ہے تو اس میں بھی ٹیکس جمع کراتا ہے۔ چینی لیتا ہے تو قومی خزانے میں ٹیکس جمع کراتا ہے اور اپنی جوتی گانٹھنے کیلئے جو وہ دھاگہ لے کر آتا ہے اس کے اوپر جو ٹیکس لگا ہوا ہے وہ جمع کراتا ہے۔ اس ملک کا غریب لکڑ ہارا، بیچارا تو خزانے میں جمع کرا رہا ہے، شام کو اپنا خون بیچ کر اور ایک طرف چار چار ارب روپے معاف کئے جا رہے ہیں۔ صرف یہ نہیں بلکہ اس کیساتھ میں یہاں پر تذکرہ کروں گا، ہمارے وزیر تجارت اتفاق سے موجود ہیں تشریف رکھتے ہیں، ان کے اس وقت تقریباً پانچ کنسرنز کام کر رہے ہیں اور ان کے اوپر ایک ارب روپیہ تقریباً ایک ارب روپیہ قرضہ لے چکے ہیں اور صرف قرضہ نہیں انہوں نے ڈیفنس کے اعتماد کو نقصان پہنچاتے ہوئے یہ کیا ہے کہ وہ جو اپنی امپورٹ کر رہے ہیں ان کو ڈیفنس concern کے ذریعے لاہور سے کلیئر کرا رہے ہیں۔ میں ایک خط کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں جو آرمی کے قریب General نے منسٹری آف ڈیفنس کو لکھا ہے کہ

"Pakistan Army ordinance 51,138 envisages the elearence of Defence sores from Lahore elsewhere without explicit Permission of General Headquarters is, there fore, a violation of orders on the subject. Moreover, all the contracts,onesided have a separate clause which clearly binds the clearance of Defence Stores through Embarkation Headquarters Karachi. Service Industry Limited , under the cover of SRO 501,194 is clearing all the Defence stores from Lahore Dry Port, as per final Certificate issued by CBR, without involvement of Embarkation Headquarters. A request foramendment in the SR,being against the spirit of the Pakistan Army orders, was forwarded vide our letter number so and so dt. March 96.According to Ministry of Defence.Defence Production Division asked for incorporation if amendment vide their letter number so and so, 124/EC,dated 1st April 1996, However, inspite of passage of two months, no action has so far been taken on hte above mentioned letter at your end. This has serious implications for clearance of Defence Stores."

یہ لمبا لیٹر جو انہوں نے لکھا ہے سروس والوں کو وہ لاہور سے کلیئر کرا رہے ہیں۔ حالانکہ سارا ڈیفنس کا مال

اور کنسلٹنٹ کراچی میں ہے، وہاں ایک پورا سسٹم موجود ہے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ڈیفنس کی بجائے کیا کیا چیزیں وہ لا رہے ہیں اور وزیر تجارت کی وہ کمپنیاں، جنہوں نے ایک ارب روپے کے قرضے لیے ہوئے ہیں۔ میں آخر میں پڑھوں گا

"The rules on the subject are being violated for the last one year. Please hold a Court of Enquiry and find out the racket through Embarkation Headquarters' Logistics Directorate being treated as Defence Service Store and cleared custom fee as per procedure in vogue Embarkation Headquarters Logistic Directorate will not be responsible for untoward incident arising from such activities. SRO 401,dated 9/94 may please be get amended accordingly and CBR,b e approached not to issue such exemption certificated to any agency without involvement of General Headquarters Logistics Directorates.

سر! یہ عرض کر رہا ہوں جہاں پر آپ کی ڈیفنس منسٹری بھی بے بس ہو گئی کہ سروس کے ذریعے ڈیفنس کے نام پر پتہ نہیں کیا کیا لایا جا رہا ہے اور ابھی تک اس کو روکا نہیں گیا۔ ابھی تک یہ اسی طریقے سے چل رہا ہے۔ میں صرف دو باتیں عرض کر رہا تھا کہ یہاں ایک ایک منسٹر بدقسمتی یہ ہے کیا accountability کریں گے۔ آپ جس کے اوپر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لٹیرا ہے، دوسرے دن اس کے سر پر وزارت کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ نواز کھوکھر کو ہم نے نہیں کہا تھا لٹیرا۔ یہ لٹیرا کہاں تھا، بابر کی زبان سے جو بلنڈر ہوا تھا۔ پاکستان کے پیسے کا ان کو لٹیرا ہم نے نہیں کہا تھا۔ ڈاکو ہم نے نہیں کہا تھا۔ انور سیف اللہ کو انہوں نے کہا تھا۔ اسی طریقے سے اگر شاید یہ کہا گیا ہو خالد کھرل کے ذمے یہ ہو، کھر کو چور لٹیرا، ڈاکو انہوں نے کہا تھا۔ اب ان کی rescheduling کی ہے، ان کی ٹیکسٹائل ملوں کے اوپر تیس تیس کروڑ روپے کی rescheduling کر دی گئی ہے اور جناب سپیکر! مجھے پتہ ہے کہ اس مرحلے پہ اگر میں نام لیتا جاؤں، اس کا جواب بھی نہیں آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ اپوزیشن کو نواز شریف نے قرضے فراہم کئے، میں کہتا ہوں کہ نواز شریف ہو، چودھری شجاعت ہو وہ کوئی ہو، جس نے قرضے معاف کرائے ہیں، قرضے معاف کرانا دوسری بات ہے قرضے لے کر کام کرنا دوسری بات ہے، جس نے قرضے معاف کرائے ہیں، اس کو اس ہاؤس کا ممبر بننے پر پابندی لگائیں، یہی ہاؤس اپنے آپ کو convert کرے ایک احتسابی عمل میں......

میں یہ کہتا ہوں کہ جنہوں نے لوٹا ہے ان کو نکالیں گے۔ یہ ہاؤس پھر پوتر ہوگا۔ مقدس بھی ہوگا، دنیا کی آنکھیں اس راہنما پر لگیں گی، ورنہ اس ہاؤس سے اگر رہنما کی بجائے رہزن پیدا ہوتے رہے، دولت لوٹنے والے پیدا ہوتے رہے، اسی دولت کی بنیاد پر غریبوں کے احساس کو تباہ کر کے ان کو محرومیاں دے کر ان پر مسلط رہے تو پوری بارہ کروڑ عوام اٹھ کھڑی ہوگی اور اس سیلاب کے اندر تمام کرپٹ لوگ اور جمہوریت کی نفی کر

والے لوگ جو اس نظام کو تباہ کرنے والے ہیں۔ سیلاب انہیں بہالے جائے گا، ان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

## انصاف کی بالادستی

میں کہتا ہوں آیئے ہم اس insanity کو ختم کر کے sober elements کی بات کریں۔ ایڈمنسٹریٹو مجسٹریٹ کو تین سال کی سزا کا رائیٹ دے کر کیا آپ کسی کو کنٹرول کرلیں گے۔ نہیں، میں یہاں کہتا ہوں کہ اس طرح پابند سلاسل کوئی نہ کر سکا۔ جناب سپیکر! یہ پراسیس چلتا رہا ہے اور یہ چل رہا ہے اور چلتے ہوئے اپنا راستہ بناتا جائے گا۔ اس کے اندر جو لوگ آمریت کے ساتھ دیں گے، آمرانہ اندازوں سے چلیں گے، حکومتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں لیکن آیئے آپ کو دعوت دیتا ہوں، منت کرتا ہوں کہ یہ موقع آپ کو بھی ملا ہے ہمیں بھی ملا ہے کہ ہم قوم کے سامنے یہ ثابت کر سکیں کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے اندر انصاف کیلئے تڑپ موجود ہے۔ ہم جوڈیشری کا احترام کرنے والی سویلائزڈ قوم ہیں۔ جو قومیں اپنی عدالتوں کا احترام کرتی ہیں، انہی کو سویلائزڈ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ چرچل نے کہا تھا کہ اگر عدالتیں ٹھیک چل رہی ہیں تو پھر برطانیہ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی طریقے سے حضرت عمر بن ابن خطاب نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر جب پہاڑ ہل رہا تھا اس کو ٹھوکر مار کر کہا کہ رک جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے اوپر ہم انصاف کرنے والے کھڑے ہیں۔ ہم نے ناانصافی نہیں کی۔ انصاف کرنے والے جب پاؤں رکھتے ہیں تو ہلتے ہوئے پہاڑ رک جاتے ہیں۔ پاکستان کی سالمیت اگر ہم چاہتے ہیں، ہم اس ملک کی سربلندی چاہتے ہیں، تو آیئے ہم اس عہد کو لے کر چلیں کہ انصاف کا پرچم بلند کریں گے۔

## جاوید اشرف کی شہادت (قومی اسمبلی 17 اپریل 1996ء)

جناب والا! گزارش یہ ہے کہ جاوید اشرف جو شہید ہوئے ہیں لاہور کے اندر۔ گورنمنٹ نے کہا کہ وہ ایک دہشت گرد تھا۔ یہ شخص جو لاہور میں حلقہ 96 کا جس سے میں منتخب ہو کر آیا ہوں اس کا overall انچارج تھا۔ اس نے شہباز شریف صاحب کے ساتھ، میرے ساتھ اور میاں نواز شریف صاحب کے ساتھ کام کیا۔ وہ مجسٹریٹ تھا۔ اس نے مجسٹریسی سے استعفیٰ دے کر آ کر سیاست کے لیے۔ اس کے گھر کو میں جانتا ہوں، اس کے گھر کے تمام افراد کو جانتا ہوں، اس شخص کے پاس اپنے نئے جوتوں کے خریدنے کیلئے پیسے تک موجود نہیں تھے۔ اس کو دہشت گرد کہہ کر اور بنکوں پر ڈاکے ڈالنے والا بنا کر توہین کی گئی، سیاستدانوں کی اور سیاسی کارکنوں کی۔ مجھے افسوس ہے کہ جب بھی سیاسی قتل ہوتے ہیں وہ کس نتیجے پر پہنچتے ہیں وہ خود اس پر غور کریں۔ جناب والا! اس ملک میں جتنے سیاسی قتل ہوئے بدقسمتی سے نام نہاد جمہوری دور میں ہوئے۔ کیا ڈاکٹر نذیر شہید بدمعاش تھا؟ کیا خواجہ رفیق شہید بدمعاش تھا؟ کیا جاوید نذیر شہید لاہور کا بیٹا بدمعاش تھا؟ کیا مولوی شمس الدین ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی بدمعاش تھا؟

جناب سپیکر! مجھے افسوس ہے، خدا کی قسم مجھے احترام ہے، ان کے کارکنوں کا میں دل کی گہرائیوں سے ہمیشہ انہیں سلام کیا ہے۔ جب میں وہاں بیٹھا ہوتا تھا، وہاں سے بھی اٹھ کر کہتا تھا کہ اپوزیشن کے اندر جو بیٹھے ہوئے مار کھا رہے ہیں، میں ان کو سلام پیش کرتا ہوں کیونکہ اس ملک میں ہم اظہار رائے کی آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔

جاوید اشرف کی بات ہم کر رہے ہیں، مجھے افسوس ہے کہ کس منہ سے بات کرتے ہیں میرے بھائی، میرے دوست، خدا کیلئے یہ سول سر جنگ ہونی چاہیے۔ جناب والا! یہ جاوید اشرف کا معاملہ نہیں ہے معاملہ یہ ہے کہ جاوید اشرف نے تو اس دھرتی کیلئے خون دیا ہے۔ اس کے خون کا ہر قطرہ ہمارے لئے ہماری پارٹی کیلئے ہماری سوچ کیلئے ایک نئے منشور کا باب ثابت ہوگا۔ ہم انہی قطروں پر چلیں گے۔ اس خون کو چمکا کر اپنے ماتھوں پر ملیں گے اور وطن میں آزادیوں کی جنگ لڑیں گے۔ ہم اس ملک کے جابروں کی گردنیں اور ان کی سوچوں کی ٹیڑھ، میڑھ کو نکال کر راستہ بنائیں گے۔ لیکن جناب سپیکر! مجھے یہ بتائیے کس منہ سے یہ قوم کو بتائیں گے اگر یہ سیاستدانوں کو اس طریقے سے گولیوں کا نشانہ بنائیں گے وہ کس منہ سے جا کر یہ کہہ سکیں گے کہ ہم جمہوریت کے چیمپئن ہیں۔ یہ اندھیروں میں ڈال کر چلے جائیں گے پھر ماتم کناں ہوں گے۔ یہ مرثیہ خوان ہوں گے۔ ہم نے مثبت سوچ کا رخ اختیار کیا تھا آپ کس طرف لے جانا چاہتے ہیں ملک کو۔ آج میں پھر کہنا چاہتا ہوں خون کی ندیاں بہا کر آپ بھی ہم بھی چلے ہیں اداروں کی جنگ لڑنے۔ لیکن جو آپ سے اختلاف کرے اس کو اختلاف کا حق کیوں نہیں ہے۔ اس ملک کے اندر دفعہ 144 اس ملک کے اندر لاٹھی جو کچھ ہوا لاہور کے اندر وہ کل آپ پڑھیں گے اخبارات میں لیکن جناب والا! جب جبر کا دور آتا ہے تو وہاں پر بیٹھا ہوا کارکن سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر ہے۔ پھر کوئی اور آجائے، ہم اس سوچ تک نہیں پہنچنے دے رہے اپنے آپ کو۔ صبر کی تلقین کر رہے ہیں، ہم گولیاں اور لاٹھیاں کھانے کیلئے درمیان میں جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، ہم ان کو روک رہے ہیں، ہم اس طریقے سے جیسے کسی نے کہا کہ ؎

جی تو چاہتا ہے لگادوں آگ کوہ طور کو
پھر خیال آتا ہے موسیٰ بے وطن ہوجائے گا

یہ میرا ملک ہے، یہ میری دھرتی ہے، اس دھرتی کو ہم کیسے خاک و خون کے حوالے کریں۔ ہم کیسے بحرانوں کے حوالے کریں۔ اس کی معیشت ٹوٹ چکی، اس کے عوام بے سمت سمتوں کی طرف دیکھتے ہیں ان کو رہنمائی نہیں ملتی۔ قافلہ سالاروں کو دیکھتے ہیں تو قافلہ سالار ڈاکو بن چکے ہیں۔ وہ لوٹ رہے ہیں۔ ان کے خون کے سودے کر رہے ہیں، ان کی جانوں کے سودے کر رہے ہیں، اس قوم کو بیچا جا رہا ہے، ہماری آوازوں کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں یہ آوازیں نہیں دبیں گی، تم گولیاں پہلے بھی آزما چکے ہو، تم گولیاں پھر آزماؤ،

تمہاری گولیاں ختم ہو جائیں گی اور آج میں کہتا ہوں ۔

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

آج ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

ہم اپنی آرزوؤں کو اس طریقے سے خاک میں نہیں ملنے دیں گے۔ ہم اس ملک کی سوچوں کو جو توانا ہو چکی ہیں اس کو اندھیروں کے حوالے نہیں کریں گے۔ جو قومی مجرم ہیں، ان کے ظلم اور ان کے جبر پر مقدمے چلیں گے۔

جناب سپیکر! آج یہ کہا جاتا ہے کہ وقت کم ہے۔ وقت کس چیز کا کم ہے، وقت کم ہے ان کے اقتدار کا۔ وقت کم ہے ان کی غلط کاریوں کا، وقت کم ہے ان کے جھوٹ کا، وقت کم ہے ان کے جبر کا، وقت کم ہے ان کی آمریت کا، وقت کم ہے ان کے ظلم کا، جس طریقے سے یہ چل رہے ہیں، وہ وقت آن پہنچا ہے جب تاج اچھالے جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دیوار پر لکھا ہوا نہیں پڑھتے، یہ پڑھیں دیوار کے اوپر لکھا ہوا کہ جو اداروں کا دشمن ہوگا، اب ادارے بڑھ رہے ہیں، ہم اداروں کے محافظ ہیں، فوج اپنی جگہ پر موجود ہے، عدالتوں کو اپنی جگہ پر کام کرنے دیا جائے، ہم تو کچھ نہیں مانگتے بجز اذن کلام، ہم تو آدمی کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں ان سے، ہم ان سے کیا مانگ رہے ہیں، ہم نے اپنی باتوں کو ان ایوانوں تک پہنچانے کی اجازت مانگی کہ حضور ہمیں اجازت دو۔ نہیں، ہم اپنی بات کہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ ہم اپنی باتوں کو کہنے کا انداز جانتے ہیں، ہماری روش کو بدلنے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے چلن کو بدلنے کی کوشش کرو، اگر آج پھر آپ عدالتوں کو پیچھے لگا کر یہ سمجھتے ہیں ملک کو زنجیریں پہنا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پاکستان کی بربادی پر خاموش رہ جائیں گے، نہیں رہیں گے، ہم اٹھیں گے، ہم میں سے ہر ایک جاوید اشرف ہے، ہم میں سے ہر ایک کی بیٹی بیگم گورایہ کی طرح ہے، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں اور یہ سن لیں، نہ سننا چاہیں پھر سن لیں، کان بند کرنا چاہیں تو سنانے کا طریقہ آتا ہے، ہم ان کے حواس پر چھا کر ان کے تمام اعصاب کو توڑ کر بات کرنا چاہیں تو سنانے کا طریقہ جانتے ہیں، یہ روک دیں اس ظلم کو۔ روک دیں اس جرم کو، ورنہ ان کے ہاتھوں کو اس ظلم و جبر کے ہاتھ کی ہم کلائی مروڑ دیں گے۔

## برداشت کی روایت (قومی اسمبلی 6 مئی 1996ء)

جناب والا! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک طرف کانسٹی ٹیوشن کو تڑوانے والے دہشت گرد ہیں۔ اس ملک کے اندر تباہی لائی ہمیشہ انہوں نے۔ اور کبھی بھی انہوں نے جمہوریت پر believe نہیں کیا۔ دوسری طرف جب

ہمیں موقع ملا ہے۔ قائد حزب اختلاف ہوں، ان کے والد کو جیل میں ڈالا تو کون سا ہم نے توڑ پھوڑ کی۔ ان کے بھائی آج بھی جیلوں کے اندر ہیں، پہلے کہا گیا کہ ان کے اوپر کرپشن کے چارجز ہیں، ان کے اوپر موٹر وے کے اندر پیسہ بنانے کے چارجز ہیں۔ جب اڑھائی پونے تین سال وزیر داخلہ صاحب کو جرات نہ ہو سکی کہ اس کے اوپر کوئی ایک بیان بھی دے سکیں، تو آج پھر دوسری طرف جاتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس میں تو ہم ثابت نہیں کر سکے لیکن یہ دہشت گرد ہیں۔ لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم سب یہ فیصلہ کر کے چلے ہوئے ہیں کہ اس ملک کے اندر آئین کی بالادستی، عدالتوں کے احترام کیلئے جاوید اشرف نے جان دی اس نے ایک ہی پلے کارڈ اٹھایا ہوا تھا کہ سپریم کورٹ زندہ باد، وہ بھی دہشت گرد ہو گیا، اگر میاں نواز شریف کہتا ہے کہ اس ملک کے اندر سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کرو۔ اگر اسفند یار ولی کہتا ہے کہ اس کی Implementation ہونی چاہیے۔ اس کو بھی آپ دہشت گرد declare کر دیتے ہیں، جناب والا! اس لئے یہ بہت اہمیت کا حامل ہے، اس کے اثرات آنے والے مستقبل پر پڑیں گے۔

جناب محمد جاوید ہاشمی: جو دہشت گردی کا پودا ہے اس کو انشاء اللہ نیچے سے کاٹ کر اس کی دہشت گردی کی جڑیں نکال کر باہر پھینک دیں گے اور انشاء اللہ ہم ہی اس ملک کے محافظ ہیں۔ اس ملک کے آئین کے محافظ ہیں اور جن کو یہ دہشت گرد کہہ رہے ہیں، تاریخ فیصلہ کرے گی کہ یہی وطن کے بیٹے تھے، یہی وطن کو تحفظ دینے والے تھے، یہی امن کے پیامبر تھے، یہی خوشحالی کے لانے والے رہنما تھے اور انہی رہنماؤں کو تاریخ سلام کرے گی، اس لئے میں اس بنیاد پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کو admit کیا جائے۔

## متفقہ چیف الیکشن کمشنر، متفقہ سیاسی فیصلے (قومی اسمبلی 6 مئی 1996ء)

جناب سپیکر! پہلی بات تو یہ ہے کہ چھ سال سے محمود خان اچکزئی صاحب اس ہاؤس میں آ رہے ہیں، انہوں نے آج تک اپنا کوئی مسئلہ نہیں اٹھایا اور آج بھی انہوں نے اس کو اپنا استحقاق سمجھتے ہوئے مسئلہ نہیں بنایا۔ اگر یہ پریولج کی بات ہوتی تو وزیر صاحب جواب دے دیتے، جیسے نوابزادہ صاحب فرما رہے ہیں اور بات ختم ہو جاتی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے جس میں صرف محمود خان اچکزئی کی ذاتی زندگی کی بات نہیں ہے۔ بات یہ ہوئی کہ پورے ملک کے اندر Law and Order situation اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ملک کے معاملات کو مزید خراب کرنے کیلئے اہم ترین شخصیات بھی ہٹ لسٹ پر آ چکی ہیں اور اس کا تذکرہ اخبارات میں مسلسل آتا رہا ہے۔ آج یہ بات محمود خان اچکزئی کے ساتھ ہوئی ہے، کل کس کے ساتھ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ لیکن اس لحاظ سے یہ بڑا اہمیت کا حامل واقعہ ہے کہ اس پر خیالات کا اظہار کیا جانا از بس ضروری تھا۔

اس سلسلے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، محمود خان اچکزئی صاحب نے بڑی تفصیلی گفتگو کر دی ہے، اس کا پس منظر بھی بیان کر دیا ہے، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک میں جب حالات یہ رخ اختیار کر رہے

ہیں تو بیٹھ کر اس کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ جہاں تک محمود خان اچکزئی کا مسئلہ ہے تو انہوں نے ہمیشہ کھل کر بات کی ہے، ان کی باتوں سے ہمیں بھی اختلافات رہتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ وہ ہماری لائن پر چلیں، ان کی باتوں سے حزبِ اقتدار والوں کو بھی اختلاف رہتا ہے، وہ اپنے ضمیر کی بات یہاں بڑے ڈنکے کی چوٹ پہ کہتے ہیں، ببانگ دہل کہتے ہیں، اور اس پر کبھی انہوں نے کسی سے کوئی کمپرومائز نہیں کیا؛ ان کی بہت ساری باتیں ہمیں اچھی نہیں لگتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی بات کرنے کے حق کو سلب کرنے کیلئے یہاں پر کوئی بھی ایسا واقعہ ظہور پذیر ہو جس میں ان کی زبان بندی کے ساتھ ساتھ ان کے وجود کو بھی اس ملک میں برداشت نہ کیا جائے۔ اس رائے کے اظہار کی آزادی کیلئے یہاں پر ایک ماحول پیدا کرنا ہے۔ بہت سے سیاسی قتل اس ملک کے اندر ہوئے ہیں، جیسے انہوں نے کہا، عبدالصمد خان اچکزئی شہید کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ روشندان سے بم نیچے گیا اور آج تک نہیں پتہ کہ کیا ہوا اور کون تھا، اسی طریقے سے یہاں مختلف حکومتوں کے ادوار میں لوگوں کی جانیں ضائع ہوتی رہی ہیں۔

جنابِ سپیکر! میں عرض کرنا چاہوں گا کہ بہت ساری باتیں یہاں پہ کی گئی ہیں سیاستدانوں کے بارے میں اور ان کے معاملات کے بارے میں ہر پاکستانی یہ کہتا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی ووٹ کی طاقت ہوگی یا نہیں ہوگی، ان کو لانے کے عوامل اور ہیں، ان کو لے جانے کے عوام اور تھے۔ نواز شریف صاحب کو لانے کے عوامل بھی تھے، لے جانے کے عوامل بھی اور تھے، محمد خان جونیجو کو لانے کی قوتیں بھی اور تھیں، لے جانے کی قوتیں بھی اور تھیں۔ 1988ء میں رچرڈ مرفی یہاں پہ جہاز بھر کے آ گیا، اس نے کہا کہ بھائی بچاؤ بے نظیر کو اور صدر صاحب کو بناؤ، صاحبزادہ صاحب کو وزیر خارجہ بناؤ۔ اور ہم سب نے آمنا وصدقنا کہہ دیا۔ بات آج چونکہ کھل کے ہو رہی ہے اور اصل ایشو کی طرف ہو رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں بھٹو صاحب کو لانے والی طاقتیں بھی وہی تھیں اور لے جانیوالی طاقتیں بھی وہی تھیں۔ اب واقعات اس ملک کے اندر ہوتے رہے ہیں۔ جتنے انتخابات ہوئے سب کے نتائج متنازعہ سمجھے گئے، 1993ء کے نتائج کو ہم متنازعہ کہہ رہے ہیں، 1990ء کے نتائج کو انہوں نے متنازعہ کہا۔ 1988ء کے نتائج کے عملدرآمد پر ہمیں اعتراض تھا۔ 1985ء کے انتخابات کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ انتخابات صحیح نہیں ہیں۔ اسی طریقے سے 1977ء کے انتخابات کے بارے میں نوابزادہ نصر اللہ صاحب نے کہا کہ دھاندلی ہوئی ہے، 1970ء کے انتخابات کے بارے میں بھٹو صاحب نے کہا کہ میں عوامی لیگ کی اکثریت نہیں مانتا۔ 1964ء اور 1962ء اور 1966ء کے انتخابات بیسک ڈیموکریسی کے انتخابات تھے، وہ بھی قوم نے نہ مانے۔ 1951ء میں نوابزادہ صاحب ہماری مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے ماشاء اللہ، اس پر بھی لوگوں نے کہا کہ جھرلو ہو گیا ہے۔ اس کو جھرلو کے طور پر تسلیم کر لیا گیا اور اس سے ایک ملک بھی بن گیا اور محاذ آرائی ختم ہوگئی۔ اب جب متنازعہ انتخابات کے نتائج متنازعہ ہوں گے تو محاذ آرائی بڑھے گی۔ محاذ آرائی سے فیصلے

نہیں ہوتے۔ اس لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج ہم یہ فیصلہ کریں، فیصلہ کرنے کا حق یہ ایوان اپنے پاس لے، یہاں سے بنائیں ٹریبونل، اس ٹریبونل کے سامنے یہ بات رکھ دی جائے اور اس میں حزب اقتدار کے لوگ بھی ہوں اور حزب اختلاف کے لوگ بھی ہونگے۔ اس کے اندر کوئی بھی ملوث ہے، سب کو اس کے نیچے لے آئیں، وہ آئی ایس آئی ہے، وہ پیپلز پارٹی ہے، وہ ذاتی جھگڑا ہے، وہ کچھ بھی ہے، یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ غریب آدمی کو بھی انصاف ملے گا۔ محمد خان اچکزئی کو بھی اطمینان حاصل ہونا چاہیے کہ، جو بھی culprits تھے، اس کو قوم کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اسی طریقے سے میں انتخابات کے بارے میں بھی کہتا ہوں۔ ہم اس محاذ آرائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اسی ایوان سے محترمہ بے نظیر کے منشور کے مطابق متفقہ چیف الیکشن کمشنر ہو، وہ اگر کل کو دھاندلی کے نام پر چھ آدمی نکال دیتا ہے، وہ کہتا ہے جاوید ہاشمی نے دھاندلی کی تھی تو اس کو پوری قوم مانے گی، کیونکہ وہ دونوں طرف کا بنا ہوا آدمی ہوگا، تو انتخابات کے نتائج متنازعہ نہیں ہوں گے۔

## سپریم کورٹ کا فیصلہ اور پارلیمنٹ کی بالادستی (قومی اسمبلی 25 مارچ 1996ء)

## DISCUSSION ON THE JUDGEMENT OF THE SUPREME COURT

جناب سپیکر! آج کے دن جس وقت ہم یہ بحث کر رہے ہیں کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ it is a sad day اور یہ ہمارے ملک کی آئینی جدوجہد کے حوالے سے واقعی تاریک ترین دن ہے کہ ایک حکومت جو جمہوری حوالوں سے اپنی پہچان کراتی ہے، ایک پارٹی جو جمہوری جدوجہد سے اپنے آپ کو سرفراز گردانتی ہے وہ پارٹی اور اس پارٹی کی حکومت آج سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرنے کی وجوہات بتا رہی ہے۔

سر! بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ دیا ہے۔ اب وہ فیصلہ بنیادی طور پر جب دیا گیا ہے تو اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس فیصلے کو غلط قرار دینے کا یا اس کی تشریح کرنے کا اختیار کس کو ہے؟

یہاں پر سپریمیسی آف دی پارلیمنٹ کا شاید انہوں نے مطلب ہی نہیں سمجھا۔ سپریمیسی آف دی پارلیمنٹ یہ ہے کہ آئین بنانے کا حق پارلیمنٹ کو ہے۔ آئین کو بناتی ہے پارلیمنٹ مجلس شوریٰ۔ جب وہ بن جاتا ہے تو اس کی تشریح کا حق حاصل ہے جوڈیشری کو۔ یہ ہمارا آئین جو کہہ رہا ہے، میں وہ کہہ رہا ہوں۔ عدلیہ جو تشریح کرے، اس پر پابند ہے عملدرآمد کرنے کیلئے انتظامیہ، اور انتظامیہ کا چیف ایگزیکٹو جو ملک کا وزیراعظم ہوتا ہے یا ہوتی ہے۔

جناب والا! ان تمام چیزوں کی تشریحات پھر آئین کرتا ہے۔ اگر کسی مرحلے پر پارلیمنٹ یہ سمجھتی ہے کہ سپریم کورٹ کے پاس یہ فیصلے نہیں ہونے چاہئیں یا ان کے پاس یہ پاورز نہیں ہونی چاہئیں تو پھر حق حاصل ہے اس پارلیمنٹ کو، اس کی سپریمیسی ہے کہ they should change the law' not only ordinary law

but we can amend the Constitution. That Power lies with us, that supremacy lies with us کہ ہم جب چاہیں، ہم محسوس کریں کہ سپریم کورٹ کے پاس یہ پاورز زیادہ چلی گئی ہیں تو Through an amendment we can withdraw those powers. ماضی میں، 1976ء میں ایک آخری ترمیم ہوئی تھی آئین میں، جس کو ہم ساتویں ترمیم کہتے ہیں، آئین کی، پیپلز پارٹی کی اس وقت کی گورنمنٹ نے جوڈیشری کی پاورز کو واپس کیا تھا۔

جناب سپیکر! کیا نتیجہ نکلا، اس ترمیم کا، جس میں یہ پہلی دفعہ طے کیا گیا کہ آپ ججوں کے تبادلے کر سکتے ہیں، ججوں کو آپ ہائی کورٹ سے اٹھا کر سپریم کورٹ میں لا سکتے ہیں۔ اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جوڈیشری کو اس وقت آپ نے چھیڑا؟ اس کا رزلٹ مارشل لاء آیا۔ مارشل لاء کا رزلٹ ذوالفقار علی بھٹو کی hanging ہوئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد جو پولورائزیشن نے جنم لیا۔ ملک کے اندر ادارے تباہ ہوئے۔ کس کو آپ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کہتے ہیں؟ کیا یہ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ ہے کہ پارلیمنٹ کا ایک حصہ تو سونے کا ہے اور ایک حصہ کوئلے کا ہے؟ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کا یہ مطلب ہے کہ آپ ممبران کو عدالتوں کے سامنے پیش نہ ہونے دیں؟ ان کو جیلوں میں ڈال دیں، ان کو سڑکوں پر بے عزت کریں۔ آپ ان کو لاٹھیاں ماریں۔ ان کے والدین کو جو سیاست میں بھی نہیں، ان کو گھسیٹیں، ان کے گھروں سے گریبانوں سے پکڑ کر Is that the supremacy of the Parliamnet? افسوس ہونا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ کس سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کی بات کرتے ہیں؟ آج یہاں مصطفی کھر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ حنیف رامے صاحب پنجاب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے بات چل رہی تھی، میں نے کہا جناب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب! آپ فاشسٹ ہیں، فاشسٹ۔ انہوں نے کہا تمہیں فاشزم کی تعریف بھی آتی ہے یا نہیں آتی؟ میں نے کہا جناب I am student of philosophy میں نے فلاسفی پڑھی ہے۔ میں ڈیفینیشن جانتا ہوں کہ جو فاشسٹ ہوتا ہے وہ اینٹی انسٹیٹیوشن ہوتا ہے، وہ اینٹی ٹریڈیشن ہوتا ہے، انٹی پریسیڈنٹ ہوتا ہے۔ اپنے ماضی سے غداری کر کے وہ ایک فرد کے اندر پاور جمع کرتا ہے، اس فاشزم میں سے ہٹلر نکلتا ہے۔ مسولینی نکلتا ہے اور ہٹلر اور مسولینی کے پیچھے تباہی آتی ہے۔ ملک ٹوٹتے ہیں۔ اسمبلی ٹوٹتی ہیں، ایوانوں کو آگ لگائی جاتی ہے، آپ کے پیچھے یہی ہوگا، جب آپ حزب اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے، جب آپ اختلاف کرنے والوں کو برف کی سلوں پر لٹانا چاہتے ہیں تو آپ کس کے حوالے سے حکومت چلانا چاہتے ہیں؟

اس وقت مصطفی کھر نے کہا تھا کہ جی جاوید ہاشمی نے تقریر میں کہا ہے کہ میں ذوالفقار علی بھٹو کو گلے میں رسہ ڈال کے کھینچوں گا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا، یار کہہ دیا ہوگا۔ لیکن آئیے بیٹھ کے بات کریں کہ ملک کیسے چلانا ہے۔ میں نے کہا جناب! میں یہ کہنا چاہتا ہوں، آئیے، آئین کی بالادستی تسلیم کریں، اس میں آپ کی پارلیمنٹ کی

بالادستی آئے مگر آپ اس وقت آئین کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے، آئینی بحران آپ خود کھڑے کرتے ہیں۔

آج آئینی بحران ہے، آیئے کتاب کھول کر دیکھیں۔ پوری سپریم کورٹ نے اجتماعی طور پر فیصلہ دیا ہے اور سپریم کورٹ کی ججمنٹ کی تشریح کرنے کا اختیار صرف ایک غضنفر گل کو نہیں مل گیا، اس کی تشریح کرنے کا اختیار بھی سپریم کورٹ کے پاس ہے۔ کوئی ریویو میں جانا چاہتا ہے، کانسٹی ٹیوشن کے اندر Those remedies are available.According to those remedies you go to the Supreme Court and they will decide, they will review ہمارے خلاف فیصلے ہوئے۔ میری الیکشن پٹیشن میں ہوا فیصلہ۔ میں گیا سپریم کورٹ کے پاس۔ شیر افگن بیٹھا ہوا ہے، اس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ یہ گیا ریویو کے اندر اسی سپریم کورٹ کے پاس there is a channel اس چینل کو توڑ کے، آپ جب چینل توڑتے ہیں، ٹریڈیشن کو توڑتے ہیں اس کا رزلٹ کیا نکلتا ہے؟ جناب سپیکر! میں آج یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایشو یہ نہیں ہے کہ فیصلہ کیسے ہونا چاہیے تھا یا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ بات کرنے کی نہیں ہے، بات کرنے کی یہ ہے کہ اگر اس ملک کے اندر سپریم کورٹ کی ججمنٹ بھی متنازعہ ہو جاتی ہے، وہ متنازعہ کر کے ہم اس میں سے بھی اپنے راستے نکالتے ہیں تو پھر کیا نکلے گا؟ اس میں سے ہم کون سا راستہ نکالیں گے؟ میں آپ سے عرض یہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان سے درخواست کروں گا۔ ہماری پارٹی کا یہ موقف نہیں ہے، پوری قوم اس وقت تذبذب میں آئی ہوئی ہے۔ پوری قوم، آپ جناب! جایئے آج اداروں کے اندر، وکلاء کو دیکھیے، ان ججوں کو دیکھیں جن کے حق میں یا خلاف فیصلہ آیا ہے۔ ان ججز نے بھی کہا کہ ہم متنازعہ ہو گئے ہیں، ہم عدالتوں میں جا کے نہیں بیٹھیں گے۔ لیکن ان کو گورنر آف پنجاب فون کرتا ہے، یہاں سے فون جاتے ہیں کہ اگر آپ جا کے نہیں بیٹھے، ہم آپ کو نکال دیں گے۔ ہم دوبارہ جج نہیں بننے دیں گے۔

جناب والا! یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے جو آیا تھا، میں سمجھتا ہوں یہ اس ملک کی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جانے والا فیصلہ ہے۔ اس فیصلہ سے قوم کی قسمت بدلی ہے۔ اس فیصلے سے نئی راہیں روشن ہوئی ہیں۔ اس فیصلے سے کنٹرول ہوا ہے، کون گورنمنٹ اس کو resist کر رہی ہے؟ جو رول آف لاء میں believe کرتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت کے راستے سے آئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ repeat ہو جائے گا۔ اور خدا نہ کرے کہ وہ repeat ہو جو یہ کرتے ہیں۔ لوگوں کی سوچوں پر پردے ڈالتے ہیں، جب یہ جوڈیشری کے اوپر قدغنیں لگاتے ہیں، جب یہ اداروں کو اپنے پاؤں میں روندنا چاہتے ہیں، جب یہ خاندان کی حکومت قائم کر کے پاکستان کے بارہ کروڑ عوام کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں، یہ اپنے سے inferior سمجھتے ہیں، اپنے آپ کو اکاؤنٹ ایبل نہیں سمجھنا چاہتے Before the Assembly, Before the Parliament اگر یہاں کھڑے ہو کے ہم ان کی اکاؤنٹ ایبلٹی کرتے ہیں تو ہمارے تمام ساتھیوں کو، یہ حاجی بوٹا بیٹھا ہوا ہے، کیا قصور تھا حاجی بوٹا کا۔ احتساب کی

بات کررہے تھے، ہم کہہ رہے تھے کہ تم لوٹ رہے ہو، تم لوگوں پر ظلم کررہے ہو۔ تم زیادتیوں کے ذریعے ایک فاشسٹ حکومت بن کے اس ملک کو بدنام کررہے ہو، تم آئین کی دھجیاں اڑا رہے ہو، اس پر کیا ہوا؟ یہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج بھی ہر آدمی سامنا کررہا ہے اکاؤنٹ ابیلٹی کا۔ ہر ایک کے خلاف کیس ہیں؟ ہر ایک کے خلاف ہمارے خلاف جو بھی ہورہا ہے، ہم اس کیلئے کبھی نہیں چلائیں گے۔ ہم اس فیصلے کا ڈیفنس کررہے ہیں، ہم فیس کررہے ہیں اس تشدد کو۔ ہم فیس کررہے ہیں اس فاشزم کو، ہمارے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں، برداشت کریں گے، لیکن آج یہ آئین کے ساتھ زیادتی کریں، یہ ملک کے وجود کو پھر بکھیر کے قوم کو بحرانوں کے حوالے کریں، قوم کے وہ فیصلے جو عدالتوں میں طے ہوئے تھے ان کو گلیوں میں لے کے جائیں اور ملک کو خانہ جنگی کے حوالے کردیں، لوگوں کی جانوں کو گولی کے اوپر فیصلہ کرنے کا یہ حق حاصل کرلیں، نہیں ہم لڑیں گے، اس کے خلاف ہم جنگ لڑیں گے، اس کے خلاف ہم ایوان میں لڑیں گے، ایوان سے باہر لڑیں گے، گلیوں میں لڑیں گے، وہ جنگ جاری رہے گی اور اس جنگ کے ذریعے انشاء اللہ ہم عدلیہ کا وقار بھی بحال کریں گے، اس پارلیمنٹ کا وقار بھی بحال کریں گے اور پاکستان کے پرچم کو سرنگوں، فاشزم کے آگے نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے پہلے ملک توڑا تھا، انہوں نے پہلے ملک کو دو ٹکڑے کیا تھا، اب وہ ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے، ہم لڑرہے ہیں۔ ہم بیٹے ہیں اس وطن کے، ہم محافظ ہیں اداروں کے، ہم محافظ ہیں جوڈیشری کے، ہم محافظ ہیں فوج کے، ہم محافظ ہیں ہر ایک شہری کے۔

عرض کررہا ہوں کہ انسٹی ٹیوشنز، اداروں کی بحالی کیلئے یہ فیصلہ متنازعہ نہیں ہونا چاہیے تھا نہ متنازعہ ہوگا۔

جناب سپیکر! میری گزارش کرنے کا مقصد اور کچھ نہیں ہے، میری گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ٹھنڈے دل سے، میں پہلے کہہ رہا ہوں کہ بڑے ٹھنڈے دل سے، بڑے دھیمے طریقے سے، جذباتی ہم نہ ہوں، جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں اگر آپ جذباتی ہوسکتے ہیں، ہمیں بھی جذباتی ہونا آتا ہے۔ میں اس لئے جذباتی ہوکر بات کررہا تھا کہ آپ کو بتایا جائے، میں آرام سے بات کررہا تھا، کوئی مداخلت کرے تو میں اپنے حق کا تحفظ کرنا جانتا ہوں۔ جناب سپیکر! میں اپنے رائیٹ کو پروٹیکٹ کرنا جانتا ہوں۔ تو میں آپ سے یہ عرض کررہا تھا کہ جو ہماری اعلیٰ عدالتیں ہیں ان کو آئین کے مطابق آئین کے پیچھے لے کر آئیں۔

جناب سپیکر! کوئی بات نہیں، جو جائز بات میرے بھائی کی ہوگی میں اس کو بھی تسلیم کرلوں گا، ہمارے بھائی ہیں، ہمارے ساتھی ہیں، ہمیں ان کا احترام ہے۔ انکا تنقید کرنے کا حق بھی ہمیں تسلیم ہے۔

جناب والا! میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان دوستوں کا بے چاروں کا قصور ہی نہیں ہے، جناب ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی اس وقت کابینہ کے اندر وزیر داخلہ تھے۔ محمود ہارون صاحب۔ جب آصف علی زرداری کے خلاف ریفرنسز تیار کیے گئے ریکارڈ اٹھا کے دیکھیں، کیس اس کا بنایا کمال اظفر نے، فیس بھی لی اس نے، نواز شریف نے نہیں بنایا وہ کیس، کیسز بنائے غلام اسحٰق خان نے، بنانے والا کمال اظفر، وہ تو خوش تھیں۔ جب وہ گورنر بنا ہے

باجائی کی تو شوگر مل بھی لگی ہے وہ بھی ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ بے چارے کو، مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ بڑی ہمدردی ہے اس سے۔ ان کو کیا ملا؟ ملائی کھانے والے کہاں گئے ہیں؟ جس نے فینسیں لیس آصف علی زرداری کو جیل میں رکھتے، اس کو گورنر بنایا۔ اس کو انعام ملا۔

## شہباز شریف کی آمد (قومی اسمبلی 6 نومبر 1995ء)

مخدوم محمد جاوید ہاشمی: جناب والا! بات یہ ہے کہ شہباز شریف صاحب کے آنے پر جو رویہ اختیار کیا گیا وہ قابل مذمت ہے۔ وہ پنجاب کے لیڈر آف دی اپوزیشن ہیں۔ ان کے آنے پر لوگ ان کو receive کرنے گئے۔ 1986ء میں محترمہ پرائم منسٹر صاحبہ تشریف لائیں تھیں، اس وقت وہ اپوزیشن میں تھیں۔ ایم این اے بھی نہیں تھیں اور الیکشن کے پراسیس سے بھی نہیں گزری تھیں۔ آسمان نے اس وقت بھی دیکھا تھا، پیپلز پارٹی کے ورکرز جہاز میں گئے وہ تمام سیکورٹی کے انتظامات کو درہم برہم کر کے جہاز میں گھسے، کسی نے نہیں روکا تھا۔ اس وقت پنجاب کے چیف منسٹر میاں نواز شریف صاحب تھے۔ وہ اس وقت لاہور کو کنٹرول کر رہے تھے۔ میاں نواز شریف طاقتور چیف منسٹر تھے، ہر آدمی جانتا ہے اس ملک کا۔ اس وقت جلوس اس شہر سے گزرا، ان کے دفتر کے آگے سے گزرا، گورنر ہاؤس کے آگے سے گزرا اور جیسے کہا ہے بھائی افتخار گیلانی نے سولہ گھنٹے تک وہ جلوس گزرتا رہا۔ اب آسمان نے دوسرا منظر دیکھا ہے، وہ آمریت کا دور تھا۔ ضیاء الحق اس وقت صدر بیٹھے تھے۔ اب جو دور آیا ہے یہ جمہوریت کا دور ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی جمہوریت کا۔ میں تو سیدھی سی بات کرنا چاہتا ہوں، ان کے فائدے کی بھی، اپنی بھی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس جمہوریت کو کیا نام دیا جائے اور اس آمریت کو کیا نام دیا جائے۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے باعزت طور پر منڈی بہاؤالدین اور وزیر آباد تک آ کر لیاقت آباد میں جلسہ کیا اور دوسری طرف جو جمہوریت کا دور ہے۔ اس میں لاہور کی گلیاں لہولہان ہو جائیں۔ دیکھیں تصویریں آپ پریس کے اندر، عورتیں نیچے پھینکی ہوئی ہیں، پولیس والے ان پر ڈنڈے لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ عورتوں کو پیٹا جا رہا ہے، بچوں پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ ذاتی طور پر جناب سپیکر! میں جب شیر پاؤ پل کے پاس آیا، میرے ساتھ اقبال خاکوانی تھے، ملتان کے ایم پی اے ہیں، ہمیں کہا گیا کہ آپ نہیں جا سکتے، گاڑی سے اتر کر جانا ہوگا۔ بڑی مشکل سے وہاں سے نکلے، آگے جا کر انہوں نے ہمیں اتار دیا۔ تین فرلانگ کے قریب میں اور اقبال خاکوانی پیدل چلے ہمارے اوپر آنسو گیس کی شیلنگ کی گئی۔ سیدھے انہوں نے گولے پھینکے اور پھر ہم اپنی آنکھوں پر کپڑے بھگو کر رکھ کر وہاں پر پہنچے۔ وی آئی پی لاؤنج میں ہم گئے تو ہمیں داخلے سے انہوں نے روک دیا۔ جناب سپیکر! وی آئی پی لاؤنج کوئی ضروری نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ان وی آئی پی لاؤنجوں کی کیا ضرورت ہے۔ عوام کے نمائندے ہیں تو یہ وی آئی پی لاؤنج ختم کر دیں ہم اس کا اٹھ کے خیر مقدم کریں گے۔ لیکن کیا ہوا کہ وہاں جب اندر داخل ہوئے تو دو سو پولیس والے پہلے ہی ائیرپورٹ کے اندر تھے، جہاں اجازت نہیں ہوتی، وہاں ڈی ایس پی، مجسٹریٹ دو سو

آدمی ہیں آدمیوں پر لاٹھی چارج کر رہے تھے۔ ایک ایم پی اے کو نیچے پھینک کر مقصود بٹ کی، انہوں نے ویسٹ کوٹ پھاڑ دی، اس کی قمیض پھاڑ دی، بے شمار لوگوں کو مارا۔ باہر کا منظر میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، مسلم لیگ کے آفس پہ حملہ کیا گیا، پنجاب کے آفس پر، فاشزم میں جناب یہ ہوتا تھا۔ مسولینی یہ کرتا تھا، ہٹلر کرتا تھا کہ اپنے مخالفین کی پارٹی کے دفتروں پر وہ حملے کرواتے تھے۔ اب کیا ہوا ہے کہ مسلم لیگ پنجاب کا دفتر جس کے اندر نوابزادہ نصر اللہ صاحب بھی بیٹھتے رہے ہیں، جمہوریت کی تحریکوں کا مرکز رہا ہے۔ اس کے اوپر حملہ بولا، وہاں پہ کیا نکلا۔ کلاشنکوف چھوڑیں، کوئی چاقو نکلا، کوئی پمفلٹ نکلا، ایک اتنی بڑی پارٹی کے دفتر کو کیوں اس طریقے سے ریڈ کیا۔ چھوٹی سی پارٹی کے دفتر کو ریڈ کرنا فاشزم ہے۔ آپ قوم کو کیا دینا چاہتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں ان سے، سچی بات یہ ہے کہ اگر لڑائی کی بات ہوگی، تو اس سے نتیجہ کوئی نہیں نکلے گا۔ کوئی فائدہ آپ کو بھی نہیں ہوگا۔ ان کو بھی نہیں ہوگا۔ قوم نے ہمیں منتخب کیا ہے۔ وہ نظریں اٹھا کے بیٹھی دیکھ رہی ہے کہ ہمارے نمائندے ہمارے ترجمان ہمارے وزرائے اعظم، ہمارے ایم این ایز، ایم پی ایز، ہمارے مسئلوں کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ قوم نے ہمیں سہولتیں فراہم کیں۔ ہمیں لاڈ پیار دیا۔ جہازوں کے اوپر سفر دیا، بیرون ملک دورے کرتے ہیں، چھینک آتی ہے تو علاج کیلئے امریکہ چلے جاتے ہیں، پیسہ امریکہ چلا جاتا ہے، پیسہ قوم کی جیب سے جاتا ہے، اتنے اللے تللے، اتنے لاڈ ناز ہم کر رہے ہیں، قوم دیکھ رہی ہے کہ یہ ہمارے شہزادے ہمارے مسئلوں کا حل سوچیں گے۔ وہ یہ نہیں سوچ رہے کہ اس نظام سے بادشاہ نکلیں گے جو اپنے مخالفوں سے کہیں گے کہ ان کی زبان گدی سے کھینچ لو۔ شہباز شریف کو جیل میں ڈال دو یا جو اس کے اوپر احتجاج کرتا ہے، لاٹھیوں کے ساتھ اس کا سر توڑ دو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جناب! ایم پی ایز کے کندھوں پہ گولیاں لگی ہیں، ایم این ایز کے سر کے اوپر پتھر مارے ہیں اور زخم آیا ہوا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قوم ان حرکتوں سے تنگ آ چکی ہے، وہ ہماری ہوں یا آپ کی ہوں، ہم اگر اس کا حل تلاش نہیں کرنا چاہتے، تماشا دکھانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے تماشہ دکھائیں۔ لیکن ذمہ داری ہم سب کے اوپر ہوتی ہے، ہم پہ بھی ذمہ داری ہے، آپ پہ بھی ذمہ داری ہے۔ کوئی اگر سمجھتا ہے کہ اس طریقے سے شہباز شریف جھک جائے گا، یہ غلط فہمی ہے، خوش فہمی ہے۔ اس طریقے سے کون جھکتا ہے اور پھر شہباز شریف اور نواز شریف۔ جن کے پچھتر سالہ والد کو انہوں نے جیل میں ڈالا۔ انہوں نے اف تک نہیں کی۔ ان کی تین نسلیں جیل میں گئی ہیں۔ وہ عباس شریف بیٹھا ہوا ہے، ایم این اے، ان کو جیل میں ڈالا، جائیدادیں چھینیں۔ تو اس سے کیا فرق پڑا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر قوم کا ساتھ دیا۔ آج کھڑے ہیں قوم کے ساتھ اور قوم بھی، وقت آ رہا ہے، ان کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ جناب سپیکر! میری طرف آپ ضرور دیکھ رہے ہیں، مجھے کوئی شوق لمبی بات کرنے کا نہیں ہے، میں اپنا درد آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنی ذاتی بات اس لئے نہیں کی، جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا سو ہوا۔ میں اپنے درد کی بجائے ان کا درد آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ اس پراسیس سے ہم

ناامیدی پیدا کر رہے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ سیاست میں اس طریقے سے دبا لیا جائے گا، کوئی نہیں دبتا۔ یہ وقت بتائے گا کہ قوم کس کے ساتھ کھڑی ہے۔

## بے نظیر حکومت سے تعاون کا اعلان (قومی اسمبلی 4 ستمبر 1996ء)

شکریہ جناب چیئرمین! جناب چیئرمین اصدارتی خطاب پر ووٹ آف تھینکس کیلئے ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی جگہ پہ ہے، دوسری طرف حقائق ہیں قوم کے سامنے۔ بدقسمتی سے صدر محترم نے قوم کی ترجمانی نہیں کی۔ حکومت وقت کی ترجمانی کی ہے۔ اس تقریر کے ذریعے جناب والا! آج پاکستان کی جو شکل وصورت ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔

جناب چیئرمین! اس تقریر میں بھی صدر محترم کا ایک فقرہ بولتا ہوں، "آج جب کہ ہمیں آزادی و استقلال حاصل کیے ہوئے تقریباً نصف صدی گزر چکی ہے ہم من حیث القوم بہت سی مشکلات سے دوچار ہیں۔ بھارتی حکومت اور اس کی افواج نے کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی کی بدترین مثال قائم کرکے کشمیریوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنا رکھا ہے اور اپنی ظالمانہ بربریت سے ان کو یو این او کے فیصلے کے خلاف استصواب کا حق استعمال کرنے سے محروم رکھا ہوا ہے۔ کراچی میں امن وامان کی صورت حال بدستور باعث تشویش ہے جس کی وجہ سے معاشی ترقی میں رکاوٹیں حائل ہوگئی ہیں۔ افراط زر کی شرح ابھی بھی ناقابل قبول ہے اور گرانی کی وجہ سے خواتین خانہ اور عام لوگ نالاں ہیں۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان ہم آہنگی مفقود ہے۔ اور اختلافات کی خلیج بدستور حائل ہے۔" میں اس تصور کی طرف جو صدر محترم نے بیان کیا ہے یہ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں گذشتہ دو سال کے رویوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اپنے رویوں کے اندر دیکھنا ہوگا کہ ہم نے جمہوریت کی کتنی خدمت کی ہے کتنی ہمیں کرنی چاہیے تھی۔ ہم نے ملک کی کتنی خدمت کی، کتنی کرنی چاہیے تھی۔ ہم نے ملک کی معیشت کی کتنی خدمت کی ہے، کتنی کرنی چاہیے۔ جب یہاں اداروں کی گفتگو ہوتی ہے یا یہاں پہ اسمبلی کے وجود کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس کیلئے قوم کو ایک Justification بھی Provide کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ انفرادی طور پر بھی اجتماعی طور پر بھی، سیاسی جماعتوں کے حوالے سے بھی اور جمہوریت کے تقاضوں کیلئے اپنی جدوجہد کرتے ہوئے بھی۔

جناب چیئرمین! بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ آج جب میں یہاں کھڑا گفتگو کر رہا ہوں پاکستان کے اندر جیلیں سیاسی قیدیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ آپ ملتان کی جیل میں جائیں وہاں آپ کو مسلم لیگ کی خواتین جیلوں میں نظر آئیں گی۔ آپ لاہور میں جائیں اس وقت بھی وہاں پہ سیاسی قیدی موجود ہیں۔ آپ راولپنڈی میں جائیں وہاں پر بھی آپ کو ایم پی ایز اور ایم این ایز پابہ جولان نظر آئیں گے۔ ہم معیشت کی طرف جاتے ہیں تو صبح جب اخبارات ہم اٹھاتے ہیں۔ ملک تشویش کے اندر مبتلا پاتے ہیں۔

جناب چیئرمین! بات یہ ہے کہ سیاست چلتی رہتی ہے۔ میں اٹھائیس سال سے سیاسی کارکن ہوں اور یہ

عجیب اتفاق ہے کہ اٹھائیس سال میں اپنے یا ادھر کے جو بھی حکمران آئے ہیں، مجھ پر ہر حکومت میں پرچے درج کئے گئے ہیں۔ جیلوں میں بھی ڈالا گیا ہے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں بھی ہم جیلوں میں گئے ہیں۔ یحییٰ خان کے دور میں میں جیلوں میں گیا ہوں۔ بھٹو صاحب کا دور آیا تو جیلوں میں گئے ہیں۔ پھر جناب ضیاء الحق صاحب آئے، ان کے دور کے پرچے میرے پاس آج بھی موجود ہیں۔ جو نجو صاحب کے دور کے پرچے بھی موجود ہیں پھر محترمہ صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ Politically آپ لوگ سیاست کے اندر یہ اگر (مداخلت)

مخدوم محمد جاوید ہاشمی: جی ہاں شاید یہی ہے میرے ذہن کی سیاست کہ میں نے آج تک کوئی پلاٹ نہیں لیا ہے بڑا بیوقوف ہوں۔ نہ کسی بینک سے قرضہ لیا ہے۔ اپنے اٹھائیس سالہ سیاسی اس ورکرشپ میں۔ لیکن accountability politicians کی ہی ہوتی ہے اور کسی ادارے کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہوتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو برداشت کرنے کیلئے جب تیار نہیں ہوتے تو پھر جو غیر جمہوری قوتیں، آخر کار کامیاب ہوتی ہیں۔ ایک پوری صف لپیٹ لی جاتی ہے۔ ہمارا جو میڈیا ٹرائل ہوتا ہے، میں کہتا ہوں وہ بھی ہماری favour میں ہے۔ اگر پریس ہمارے خلاف لکھتا ہے اچھی بات ہے۔ اس سسٹم کے اندر میرے خلاف لکھے، مجھے وضاحت کا موقعہ ملتا ہے۔ اخبارات کے اندر۔ اگر ایک دن ایک اخبار نے لکھا کہ دو ہزار روپے جاوید ہاشمی نے ایک کمرے کے جمع نہیں کروائے تو اچھی بات ہے، اگر وہ غلط تھا تو مجھے دوسرے دن clarify وضاحت کرنے کا موقع ملا۔ میں سمجھتا ہوں اگر سسٹم چلتا رہے تو سیاستدانوں کی accountability روزانہ ہوتی ہے۔ یہاں ہاؤس میں ہوتی ہے۔ آصف علی زرداری کے بارے میں ہم بات کرتے ہیں تو اُن کو بھی clarification کا موقع ملتا ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ دو ہزار روپے اگر میں نہیں جمع کرواتا تو دوسرے دن وہ ایک اخبار کی ہیڈ لائن بنتا ہے مگر اس ملک کے اندر کسی بیورو کریٹ کی کرپشن کے بارے میں کبھی نہیں چھپتا ہے۔ کبھی اسٹیبلشمنٹ کے کسی اور ادارے کے کسی فرد کے بارے میں نہیں چھپتا۔ کسی اور کے بارے میں نہیں چھپتا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہمارے یہاں exposure ہے politicians کا۔ اس exposure کے حوالے سے جو کچھ قوم کے سامنے آ رہا ہے، سیاستدان کو وہ موقع بھی مل رہا ہے clarify کرنے کا، through democratic system لیکن victimization سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ آج صدر محترم آئے تقریر کر کے چلے گئے۔ زرمبادلہ کہاں پہنچا ہوا ہے، اکانومی کی پوزیشن کیا ہے، ہم دنیا کے اندر ان قوموں میں آ گئے ہیں جو ترقی پذیر نہیں پسماندہ قومیں ہیں۔ ہمارے تعلیمی معاملات کہاں پہ پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم صرف یہ چاہ رہے ہیں کہ ہم مخالفین پر زیادہ سے زیادہ تشدد کریں، اس سے راستہ نہیں بنے گا۔ میں ہو کے آیا ہوں پندرہ دن۔ آپ جائیں لاڑکانہ میں لوگ سڑکوں پہ کھڑے رو رہے ہیں۔ اپنے مطالبات کیلئے۔ ان کی قسمت نہیں بدلی۔ جو انہوں نے خواب سجائے

تھے اپنی آنکھوں میں جو انہوں نے اپنے ذہن کے اندر سوچا تھا، شہدادکوٹ میں ہم جلسے میں گئے محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کا علقہ ہے، شہدادکوٹ۔ شہدادکوٹ کے لوگ ان کی حسرتیں پوری قوم کی حسرتیں بن چکی ہیں اور حکومت کیا ہے۔ اس ملک کے اندر ہم آلو امپورٹ کررہے ہیں، یہ ہمارا حال ہورہا ہے۔ کسان کو ٹریکٹر پانچ مہینے سے نہیں مل رہا، پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ اے ڈی بی پی میں ایک ٹریکٹر کا ڈرافٹ دینے کیلئے پانچ مہینے لگ گئے۔ آپ کی زراعت تباہ ہورہی ہے۔ آپ ڈیزل کا حساب دیکھیں، آج جا کر پاور کا بل دیکھیں۔ بے روزگاری چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، میں ماضی کی طرف نہیں جانا چاہتا، ہوسکتا ہے ماضی میں مجھ سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں، ادھر سے بھی ہوئی ہوں، اس پارٹی سے بھی ہوئی ہوں، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں نتیجہ کیا ہوا کہ ملک مارشل لاء کی طرف چلا گیا۔ برداشت نہیں کریں گے ایک دوسرے کو تو نتیجتاً پوری قوم خمیازہ بھگتی ہے اس کا۔ آج پھر اس intolerance کی وجہ سے۔ قوم پھر اس طرف چلی جارہی ہے۔ میرے دوست بیٹھے ہوئے ہیں، میں ماتلی سے ہو کے آیا ہوں۔ میں شاہ پور جہانیاں سے ہو کے آیا ہوں۔ میں قاضی احمد سے ہو کے آیا ہوں، ایک ایک جگہ۔ آپ پہنچ کر دیکھیں، ٹھاروشاہ میں جا کے بیٹھیں، نواب شاہ میں دیکھیں، نوشہرو فیروز میں دیکھیں، کہیں جا کے دیکھیں۔ ٹنڈو آدم جا کے دیکھیں، ٹنڈو محمد خان میں دیکھیں، پورے سندھ میں جا کے دیکھیں۔ جو ابل رہا ہے، لاوا کس کے خلاف ابل رہا ہے، لاوہ ابل رہا ہے ان حکومتوں کے خلاف جو ان کے نام پہ اقتدار حاصل کرتی ہیں، لیکن پھر ان کو انکا حق نہیں دیتیں۔ میں نے یہاں بات کی دوسرے دن اڑھائی ہزار پولیس بٹھادی۔ انہوں نے میری زمین پہ، ہائی کورٹ نے مجھے Stay دیا اور ان سے میری جان چھوٹی لیکن بات کیا تھی، فاروق لغاری صاحب کا، میں نے کہا کہ آپ کی بائیس مربع زمین جو آپ نے بیچ دی۔ میرا سوال یہ ہے کہ آج اس بائیس مربع زمین کی پچاس لاکھ کی کپاس کس کے گھر جارہی ہے، اس زمین کا تیس لاکھ کا گنا کس کے گھر جارہا ہے، وہاں کی گندم کس کے گھر جارہی ہے، وہاں کاشت کون کررہا ہے؟ میرا سوال یہ تھا۔ اس کا جواب انہوں نے ملتان میں جا کے دیا۔ پریذیڈنٹ آف دی کنٹری نے آرڈرز کیے۔ گورنر سے کہا، چیف منسٹر کو کہا کہ جاؤ اس کی زمین چھین لو، کیسے چھین سکتے ہیں آپ کسی کی زمین۔ ہم اتنے مرے ہوئے نہیں ہیں، ہم اپنا دفاع کرنا جانتے ہیں لیکن یہ میرے اور آپ کے جھگڑے کی بات نہیں ہے۔

پریذیڈنٹ کرلیں جتنا victimize کرنا ہے۔ ایک منسٹر گیا، اس نے پریذیڈنٹ کو کہا پریذیڈنٹ نے وہیں کھڑے کھڑے آرڈر کیے کہ میں آج آرہا ہوں، شام کو ملتان اور میرے آنے سے پہلے زمین ٹھیک اوور کرو۔ ہوتی رہیں، ہم اس کا گلا بھی نہیں کریں گے۔ ہمیں کوئی رونا دھونا نہیں آتا، ہم face کرلیں گے، اس کے لئے میں نہیں جھولی پھیلاؤں گا، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں یہ سوال اٹھاتا ہوں کہ اس بائیس مربع زمین کو انہوں نے کہا تھا یہ رضی فارم ہے۔ یہ اچھی زمین ہے۔ اس کا مجھے تین کروڑ ملا ہے، میں یہ سوال کرتا رہوں گا، بار بار

کرتا رہوں گا کہ اس کی پیداوار کس کے گھر میں جا رہی ہے، ہمارے ملک میں تماشا لگا ہوا ہے، کرپشن کی بات ہم کرتے ہیں تو ذاتی طور پر victimize ہوتے ہیں۔ آیئے آج بھی ہوش کے ناخن لیں، ہم بھی اس کیلئے تیار ہیں، وہ کہتے ہیں ایم کیو ایم کے مسئلے پر افہام و تفہیم ہونی چاہیے، نواز شریف نے کہا کہ میں کراچی کے مسئلے کیلئے حاضر ہوں، میں ملک کے معاشی مسائل کے لئے حاضر ہوں۔ آپ سسٹم کو چلائیں۔ بلیک میل نہ ہوں، چھوٹی پارٹیوں سے بھی نہ ہوں، غیر جمہوری اداروں سے بھی نہ ہوں، میں ساتھ دینے کیلئے تیار ہوں، سندھ کے موقع پر اس نے کہا، میں ساتھ ہوں۔ جواب آیا کہ آپ کی حیثیت کیا ہے، آج نواز شریف پھر کہہ رہا ہے کہ ہم نے اس سسٹم کو بچانے کیلئے آگے بڑھنا ہے، ہم کسی غاصب کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، کسی تھرڈ قوت کو ہم برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ فیصلے ہوں گے ایوان میں ہونگے، لوگوں کی سوچوں کے مطابق ہوں گے ورنہ اگر کوئی اور غلط طریقہ اختیار کیا گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے اس ملک میں۔

## وقت سن رہا ہے، وقت تھم چکا ہے، بے نظیر حکومت میں آخری تقریر

(قومی اسمبلی 5 ستمبر 1996ء)

جناب والا! میری گزارش ہے کہ اس پرویلج موشن میں آپ نواز شریف کے جرائم کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ جناب آپ بالکل Uneasy feel نہ کریں۔ ہم بڑے smooth طریقے سے بات کرنا چاہتے ہیں، لیجئے میں کسی کی طرف اشارہ نہیں کرتا، میں کسی کی کوئی بات نہیں کرتا، مجھے یہ بتائیں دو سال کے اندر ہم نے قوم کے سامنے کیا منظر پیش کیا ہے۔ اس حکومت کی معاشی پالیسی خود وہ تسلیم کر رہے ہیں کہ آخری دھکا ہم نے خود لگایا ہے، وہ نواز شریف کے بارے میں کہتے ہیں، جس نواز شریف نے اپنے سوا دو سال کے دور حکومت میں ایک مقدمہ نہ قائد حزب اختلاف پر، نہ آصف علی زرداری پر چلایا۔ کسی کو تنگ نہیں کیا۔ ایک نیا chapter start کرنا چاہتا تھا، Political victimisation کو جو شخص روکنا چاہتا تھا۔ جس نے جیلوں میں نہیں ڈالا کسی کو، جس نے آپ کو victimise نہیں کیا۔ پنجاب کے اندر pure مسلم لیگ کی گورنمنٹ تھی، سرحد میں بھی گورنمنٹ جو تھی وہ کولیشن گورنمنٹ کا حصہ تھی، جمالی کی کولیشن گورنمنٹ کا حصہ تھی، سندھ کی کولیشن گورنمنٹ کا حصہ تھی۔ ایک آدمی اٹھ کر بتائے کہ کسی پر کوئی تشدد ہوا۔ کسی پر کوئی کیس درج ہوا۔ ایک نیا چیپٹر سٹارٹ کرنا چاہتا تھا نواز شریف اپنے دور حکومت میں۔ کیا اس نے اختلافی بات سنی، اسی آن دی فلور آف دی ہاؤس، کیا کیا نہیں ہوا۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا، اس نے ایک نئی بات شروع کی Jail manual کی باتیں پڑھ رہے تھے، کل وزیر داخلہ صاحب، اور لاء منسٹر صاحب، جناب والا، یہ پرویلج موشن اس لئے آئی ہے کہ اس شخص نے جب وہ پرائم منسٹر تھا، وہ اپنی حزب اختلاف کے ساتھ کرٹیس تھا۔ پرائم منسٹر جو آج بیٹھی ہیں اس وقت ان کے ساتھ کرٹیس تھا۔ لندن میں ان کی بیماری کے اخراجات حکومت پاکستان ادا کر رہی تھی۔ محترم آصف علی زرداری کو یہ پرویلج

provide کردی گئی۔ جیل مینول کے باوجود کہ وہ اپنے اہل خاندان سے مل سکتے ہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب آپ مہذب طریقے کی حزب اختلاف کرنا چاہتے ہوں یا حکومت کرنا چاہتے ہوں اس کے نتائج اور ہوتے ہیں، ہم چلے گئے۔

مخدوم جاوید ہاشمی: نہیں میں نہیں کہتا، میں کہتا ہوں کہ اتنا بوجھ انہوں نے اٹھایا ہوا ہے اپنے نحیف کندھوں پر لیکن بات یہ ہے کہ ان کی وجہ سے معیشت تباہ ہو رہی ہے۔ ان کی وجہ سے ملک کے لاء اینڈ آرڈر کا حال یہ ہے کہ اسلام آباد میں آج اخبار اٹھا کر دیکھیں کہ ڈاکوؤں کی جنت بن گیا ہے اسلام آباد۔ راولپنڈی کے اندر ڈاکے پڑے ہیں، بینک لوٹا گیا ہے، کس لئے بیٹھے ہیں ہم یہاں پر، صرف نواز شریف کو سزا دینے کیلئے، صرف شہباز شریف کو سزا دینے کیلئے، اس لئے لگاتے ہیں ہم عدالتیں کہ شیخ رشید کو جیل میں ڈالنے کیلئے، تہمینہ پر لاٹھیاں برسانے کیلئے، ڈاکو نہیں پکڑے جاتے لیکن ایم این اے ز کے اوپر لاٹھیاں برسانے کیلئے، کیوں وکٹامائزیشن ہو رہا ہے، چلو کر لیں، ہم وہ بھی برداشت کر لیں گے، چلو ہمارے ساتھ جو victimisation کرنی ہے، کوئی معیشت قوم کو دے دو، نہیں دے سکتے ہو، تم وکٹامائزیشن کرنا چاہتے ہو، جوڈیشری کو کوئی اچھا رخ دے دو۔ نہیں دے سکتے، کیونکہ یہ غلام بنانا چاہتے ہیں۔ پورے سسٹم کو اپنا اور غلام بنانے والے جتنے ہوتے ہیں ان کو کبھی بھی تاریخ نے معاف نہیں کیا، تاریخ معاف نہیں کرے گی ان کو۔ آج نوٹ کر لیں میں کہہ رہا ہوں یہ وقت سن رہا ہے، یہ وقت تھم چکا ہے، اس بات کا گواہ بن چکا ہے، کہ وقت آنے والا ہے کہ جب عوام ان سے انتقام لیں گے، ہم شاید کچھ نہ کہیں، ہم معاف بھی کرنا چاہیں، لوگ معاف نہیں کریں گے، نواز شریف معاف کرنا چاہے گا، عدالتیں معاف کرنا چاہیں، شاید، لوگ معاف نہ کریں۔

تیرہواں باب

# ضمیمہ

## i- مقدمے کی کہانی استغاثہ کی زبانی

## ii۔ مقدمے کا فیصلہ

## iii۔ ہائی کورٹ میں فیصلے کے خلاف اپیل

# مقدمے کی کہانی استغاثہ کی زبانی

استغاثہ کی کہانی کا تانا بانا چار افراد کے گرد گھومتا ہے۔ ایک ڈی ایس پی اسحٰق وڑائچ جس کے زیر نگرانی تفتیش مکمل کی گئی، دوسرا ریٹائرڈ میجر خورشید جو مقدمے کا مدعی ہے، جسے جج نے موثر گواہ کا درجہ دیا ہے۔ تیسرا سید غلام احمد شاہ جو قومی اسمبلی کا اسسٹنٹ سیکرٹری ہے اسے بھی موثر گواہ قرار دیا گیا۔ چوتھا کیپٹن جہانزیب ظہور جس کی گواہی کو جج صاحب نے مجھے سزا دینے کے لئے کافی قرار دیا۔

ڈی ایس پی اسحٰق وڑائچ کے غیر ذمہ دارانہ رویے کے بارے میں جج صاحب نے اپنی رائے ریکارڈ پر ظاہر کی ہے۔ مدعی خورشید احمد نے کسی کے گھر پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا۔ انہی جج صاحب نے اس گھر سے ان صاحب کے سامان کو قبضے میں لے کر مکان خالی کرنے کے لئے بیلف کو بھیجا۔ تفصیل قومی پریس میں آ چکی ہے۔ اس کے چند تراشے اس کتاب میں شامل ہیں۔ عدالتی بیلف کے جسمانی طور پر زدوکوب کرنے کا جج صاحب نے سخت نوٹس لیا تو ان تبادلہ اسلام آباد سے راولپنڈی کر دیا گیا۔ سید غلام احمد شاہ نے بیان میں کہا کہ اسمبلی میں داخلے کا کارڈ کسی وزیر یا کسی ممبر قومی اسمبلی کے دستخطوں کے بغیر جاری نہیں کیا جا سکتا۔ پھر کہا میں تسلیم کرتا ہوں کیپٹن جہانزیب ظہور اور خورشید احمد ریٹائرڈ میجر کو جو کارڈ جاری کیے گئے ان پر ممبر قومی اسمبلی کے کسی میجر کی مہر نہ کسی وزیر کے دستخط۔ اسمبلی کے کارڈ کی فوٹو کاپی بھی کتاب میں شامل ہے، تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے۔ اب اگر کارڈ قانونی تقاضوں کو پورا کیے بغیر بنایا گیا ہے تو جعلی ہے۔ یہ ایک بات کہ اس جعلی کارڈ پر اسمبلی میں داخل ہونے والے کی گواہی سچی ہے۔

**گواہ نمبر ۱۰**

## بشیر احمد نون انسپکٹر کا حلفیہ بیان

میں ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو تفتیشی ٹیم کا ممبر بنا۔ یہ بات درست ہے کہ تمام تفتیش میرے ذریعے محمد اسحاق وڑائچ ڈی ایس پی کی سرپرستی اور ہدایت پر انجام پائی۔ اس کیس کی فائل کا میں نے ۳ نومبر ۲۰۰۳ء سے پہلے مطالعہ کیا۔ یہ بات غلط ہے کہ خط "قومی قیادت کے نام" ۳ نومبر ۲۰۰۳ء سے پہلے موجود تھا، جب بازیابی موثر ہو گئی۔ یہ بات درست ہے کہ خط "قومی قیادت کے نام" کی کاپیاں جو فائل میں ۳ نومبر ۲۰۰۳ء سے پہلے اور اس تاریخ کے بعد منسلک کی گئی ان میں کوئی فرق نہیں۔ اسلام آباد میں سینکڑوں فوٹو سٹیٹس مشینیں ہیں خط کی فوٹو کاپی جو فائل میں موجود ہے کسی بھی فوٹو کاپی مشین سے بنائی جا سکتی ہے اور یہ بات نادرست ہے کہ ملزم کے کہنے پر جو خط

بازیاب ہو گئے تھے دراصل ہمارے اس خط کے نمونے سے جو فائل میں موجود تھا بنوائی گئی کاپیوں پر مشتمل ہیں۔

مجھے پارلیمنٹ لاجز کے رقبے کے بارے میں معلومات نہیں اور لاجز کی تعداد کے بارے میں بھی علم نہیں۔ میں اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ پارلیمنٹ لاجز کی کتنی منزلیں ہیں۔ پارلیمنٹ لاجز حکومت کی ملکیت ہیں اور حکومت ممبران اسمبلی کو الاٹ کرتی ہے۔ میرے پاس کوئی زبانی اور کتابی سند نہیں تھیں کہ لاج F-106 مخدوم جاوید ہاشمی کو الاٹ کیا گیا ہے۔ لاج F-106 کے مشرقی حصے میں کمرہ نمبر 105 ہے۔ مگر وہاں پر ایک گیلری بھی موجود ہے۔ مذکورہ فلیٹ کے شمالی حصے میں کچھ فلیٹ ہیں جو F-106 کے ساتھ ہیں۔ F-106 کے جنوب میں گیلری اور اس کے بعد لاج ہے مگر لاج کا نمبر نہیں معلوم۔ مذکوہ لاج جہاں سے سامان برآمد ہوا کے رقبے کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں نے اس کی پیمائش نہیں کی۔ ہم صبح گیارہ بجے مذکورہ لاج پہنچے اور ملزم کے کارندے محمد اجمل نے دروازہ کھولا۔ میرے اور اجمل کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ ہم نے محمد اجمل کو شامل تفتیش نہیں کیا کیونکہ وہ ملزم کا ملازم تھا اور ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا۔ پارلیمنٹ لاجز میں داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ ہے اور اصلی دروازے کے پاس استقبالیہ ہے جہاں پولیس حفاظت کے لیے تعینات ہوتی ہے۔ استقبالیہ میں ایک کلرک ہوتا ہے۔ استقبالیہ میں ہم نے اپنے کوائف نہ لکھوائے۔ ہمیں مذکورہ گارڈ اور پارلیمنٹ لاجز کے انچارج سے تلاشی لینے کی اجازت نہیں ملی۔ چونکہ ہم وردی میں تھے اور ہم جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں، ہمیں پارلیمنٹ لاجز میں داخلے کے لیے کوئی امر مانع نہ تھا۔ یہ بات نادرست ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے کوائف استقبالیے میں درج کرائے بغیر ہی پارلیمنٹ لاجز میں داخل ہو سکتا ہے۔ استقبالیہ میں کچھ لوگ موجود تھے مگر ہم نے تلاشی کے لیے ان سے مدد نہیں مانگی چونکہ ملزم ایک ایم این اے تھا۔ ممکن ہے اس دن اسمبلی کے ممبران لاجز میں موجود ہوں مگر وہ ملزم کی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہم نے کسی ممبر کو نہیں بلایا کہ تلاشی کے عمل کو دیکھیں۔ بازیابی کی یادداشت Ex. PEE کو محمد بشیر ایس آئی نے ڈی ایس پی صاحب کی ہدایت پر بنایا۔ یہ بات نادرست ہے کہ ملزم کی نشاندہی پر ۳ نومبر ۲۰۰۳ء کو تلاشی موثر نہ ہو سکی۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ بازیابی کا عمل جھوٹ پر مبنی ہے اور یہ کہ پولیس نے حکومت کی ہدایت اور دباؤ میں آکر یہ سامان از خود رکھوایا ہے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ ۳ نومبر ۲۰۰۳ء کو کون سا دن تھا۔

تاریخ ۷ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد، راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

## گواہ نمبر ۱۲

## محمد اسحٰق وڑائچ ڈی ایس پی انچارج تفتیشی ٹیم، دوسری آمد پر حلفیہ بیان

میں آج تک اپنے عہدہ پر کام کر رہا ہوں کسی نے مجھے وردی استعمال کرنے سے نہیں روکا ہے یہ میرے

علم میں ہے کہ گواہ کے طور پر عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج میں وردی میں نہیں ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ تفتیشی ونگ میں تعینات اہلکار وردی میں رہیں۔

## محمد اسحٰق وڑائچ ڈی ایس پی انچارج تفتیشی ٹیم کے بارے میں جج کی رائے

"عدالت میں گواہ کا رویہ درست نہیں ہے چونکہ وہ سوچتا ہے کہ تفتیشی ونگ کے سربراہ کی حیثیت سے اس کی مرضی ہے کہ وہ وردی میں رہے یا نہ رہے اور یہ میری نظر میں اچھی روایت نہیں ہے۔ گواہ جس لباس میں آیا ہے اس میں وہ پراپرٹی ڈیلر لگتا ہے اور اس شخص کی مانند ہے جو کسی کی شادی میں آیا ہوا ہے۔ ممکن ہے تفتیشی ونگ میں کام کرنے والے اہلکاروں پر لازم نہ ہو کہ وردی میں ہوں۔ مگر گواہ یہاں تفتیش کے لیے نہیں آیا ہے اور عدالت میں حاضری کے لیے اسے وردی میں ہونا چاہئے۔ میں نے اس کے اس نامناسب رویہ برتو کا اور خبردار کیا کہ ایک منظم فورس میں رہتے ہوئے عدالت کا احترام کرنا چاہئے جبکہ اس کا رویہ الٹ تھا۔ اس سے کہا گیا عدالت سے نکل جائے اور اسلام آباد جا کر وردی پہن کر آجائے۔ اس دوران عدالت برخاست کی جاتی ہے۔ وقت دن ۲۰:۱۰ بجے۔

تاریخ ۷ ۲ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

یاد رہے کہ اسی ڈی ایس پی کی تفتیش پر مجھے 23 سال کی سزا سنائی اور اسی جج نے جو اسی شخص کے بارے میں مذکورہ رائے کے حامل ہیں۔

### گواہ نمبر ۱۲

## گواہ وردی پہننے کے بعد محمد اسحٰق وڑائچ کا حلفیہ بیان

میں 24-02-1973 کو فیڈرل سیکورٹی فورس (F-S-F) میں اور اس کے بعد میں 1977 کو سندھ پولیس میں بھرتی ہوا اور سندھ پولیس سے 19-3-1984 سے اسلام آباد میں ڈیپوٹیشن پر ہوں میری 6-2-1995 کو بطور ڈی ایس پی ترقی ہوئی اور اب میں اسلام آباد پولیس میں ضم ہو چکا ہوں۔ اب تک میں نے مختلف نوعیت کے ہزاروں کیسوں میں تفتیش انجام دی ہے۔ یہ میری سرکاری نوکری میں پہلا کیس ہے جس میں قانونی شق 124-A اور 131PPC لاگو ہو چکا ہے۔ میں نے 1959 میں مرے کالج سیالکوٹ سے ایف ایس سی کیا۔

ایس ایس پی اسلام آباد نے کیس درج ہونے کے بعد تفتیشی افسر مقرر کیا۔ یہ درست ہے کہ بشیر احمد نون ایس آئی اور محمد بشیر ایس آئی نے میری نگرانی اور ہدایات پر تفتیش کی۔ کسی اور نے بجز میں بذات خود، مسرت خان انسپکٹر، بشیر احمد نون ایس آئی اور محمد بشیر نے اس کیس کے بارے میں تفتیش نہیں کی۔ چالان Ex.P.Q.Q کو زیر

شیخ ایس ایچ او سیکریٹریٹ پولیس سٹیشن نے تیار کیا چونکہ چالان ہمیشہ ایس ایچ او ہی تیار کرتا ہے میں نے مذکورہ ایس ایچ او کے بیانات قلمبند نہیں کئے۔ یہ درست ہے کہ چالان Ex. P.QQ ایک نامکمل چالان ہے۔ میں نے اس کیس میں کوئی مکمل چالان پیش نہیں کیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ متعلقہ پولیس سٹیشن کے ایس ایچ او نے مکمل چالان دیا ہے یا نہیں۔ میں نے چالان Ex. P.QQ پر دستخط نہیں کئے اور چالان Ex. P.QQ میری نظر سے نہیں گزرا ہے اور یہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے یہ درست ہے کہ رپورٹ کے آخر میں جو چالان .Ex. P.QQ پر بھی ہے آخری چالان خانہ پری کے بعد پیش کیا جائے۔ میری تفتیش نامکمل نہ تھی۔

یہ درست ہے کہ وہ سند اور مواد جس کو تفتیشی افسر اپنے قبضہ میں لیتا ہے اس پر ایک بازیابی یادداشت تیار کی جاتی ہے۔ خط نمبر Ex. P.1 کو کرنل خالد نے میرے حوالہ کیا اور میں نے اس خط کا بازیابی یادداشت تیار نہیں کی۔ اس طرح کاغذات .Ex. P.W, Ex. P.X اور Ex. P.Y مجھے کرنل خالد نے دیے اور اس کی جانب سے بازیابی یادداشت تیار نہیں کی چونکہ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ یہ نادرست ہے کہ مذکورہ اسناد کو کرنل خالد نے میرے حوالے نہیں کیا۔ کاغذات Ex. P.AA اور Ex. P.BB کسی نے میرے حوالہ نہیں کیا۔ ان کاغذوں کو کسی شخص نے محمد بشیر ایس آئی کو دیا۔ میں نے 13-11-2003 کو مذکورہ ایس آئی کو تفتیش کی ہدایت کر دی جبکہ یہ کاغذات بشیر ایس آئی کو 22-11-2003 کو ملا۔ مذکورہ بالا تاریخ کے بعد میں تفتیش میں شامل حال نہیں رہا چونکہ اس تاریخ کے بعد سے محمد بشیر ایس آئی تفتیش کرتا رہا ہے۔ سند A(Ex. PAAA) اور (Ex. P.BBB)B Ex. P.TT اور Ex.P.ZZ کسی نے میرے سپرد نہیں کئے اور ان کاغذوں کو کسی فرد نے محمد بشیر ایس آئی کے حوالے کیے جس کا نام میں نہیں جانتا۔ چونکہ میں نے تفتیش ایس آئی کے سپرد کی تھی۔ تفتیش 13-11-2003 کو مکمل ہوئی اور ضروری کاغذات کے دریافت پر چالان مکمل کیا گیا۔ میں نے ایس ایس پی اسلام آباد کا اس کیس میں بیان نہیں لیا۔

مجھے پارلیمنٹ لاجز کے رقبہ کے بارے میں معلومات نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں اس میں کتنے لاجز ہیں اور یہ کتنی منزلوں پر بنا ہے۔ پارلیمنٹ لاجز حکومت کی ملکیت ہے نہ کہ ملزم کی۔ میرے پاس کوئی زبانی یا تحریری شواہد نہیں تھے کہ پارلیمنٹ لاج نمبر F-106 ملزم کو الاٹ کیا گیا ہے، چونکہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بے شک (سی ڈی اے) کے افسران پارلیمنٹ لاجز کے انچارج ہیں، مجھے ان کے نام اور عہدہ نہیں معلوم۔ میں نے اس بارے میں بھی معلوم نہیں کیا کہ پارلیمنٹ لاجز کس کی سرپرستی میں ہے چونکہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

پارلیمنٹ لاجز میں داخلہ کے لیے ایک دروازہ ہے اور اس کے اردگرد دیوار ہے۔ داخلی دروازے میں استقبالیہ اور حفاظتی عملہ وہاں ہوتے ہیں جو محکمہ پولیس تعینات کرتی ہے۔ اس بات سے ناواقف ہوں کہ استقبالیہ میں پارلیمنٹ لاجز کے سرپرست کی طرف سے تعینات ہیں یا نہ۔ مجھے کوئی تحریری اجازت نامہ نہ سیکورٹی اور نہ

سرپرستوں کی طرف سے ملا کہ اس میں داخل ہو جاؤں اور میں نے اس کام کے لیے کسی کی مدد طلب نہیں کی تا کہ بازیابی کے عمل کو مشاہدہ کریں۔ میں پارلیمنٹ لاجز کے لاج نمبر F-106 کے رقبہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں کہ یہ 50 مرلہ پر بنا ہے یا نہیں۔ پارلیمنٹ لاجز میں بہت سارے گھر ہیں اور میں نے کسی سے درخواست نہیں کی کہ بازیابی کے عمل میں شریک ہو جائیں۔ میں نے کاغذات Ex. P.BD/1 سے لے کر Ex. PDD/9 کو (جی ایچ کیو) یا اور کسی ماہر کو نہیں بھیجا کہ بتایا جائے کہ آیا یہ اصلی ہیں یا جعلی ہیں۔ مطالعہ کے بعد یہ بات سامنے آ گئی کہ ریکارڈ میں 9 کاغذ ہیں نہ کہ 10، یہ بات نادرست ہے۔ ملزم کے کہنے پر کوئی چیز بازیاب نہیں ہوئی۔ یہ بات بھی نادرست ہے کہ یہ سارے کاغذات میں نے خود حکومت کے دباؤ پر رکھے تھے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ بازیابی کے عمل جھوٹ پر مبنی تھی۔

ملزم ہمارے پاس تیرہ دن جسمانی ریمانڈ پر رہا۔ یہ بات درست ہے کہ خط ''قومی قیادت کے نام'' جو فائل میں موجود ہیں سب فوٹو کاپی پر مشتمل ہیں۔ میرے پاس کوئی زبانی یا تحریری حکم نہیں ہے کہ اصل کاغذات کو کہاں تلاش کروں۔ چونکہ یہ ملزم پر منحصر تھا کہ وہ ہمیں بتائے جبکہ اس نے اس بارے میں کوئی بات نہیں بتائی۔ تفتیش کے دوران میں نے ملزم سے کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں لکھائی کا نمونہ نہیں لیا۔ میں نے ملزم سے کہا، اپنی لکھائی کا نمونہ دیں مگر ملزم نے انکار کر دیا۔ میں نے کسی مجسٹریٹ کو اس مقصد کے لیے کوئی درخواست نہیں دی۔ مجھے ماہرانہ رائے اس بارے میں نہیں ملا کہ کس نے خط Ex. P.C قومی قیادت کے نام کو تحریر کیا اور کسی شخص نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ خط Ex. P.C اس کی موجودگی میں ملزم نے تیار کیے۔ میں نے خط ''قومی قیادت کے نام'' کا مطالعہ کیا ہے اور شق 161 Cr. Pc کے تحت کسی اس شخص کا بیان قلمبند نہیں کیا جس کا نام خط قومی قیادت کے نام میں درج تھا اور ان کو شامل تفتیش بھی نہیں کیا۔ میں اپنی تفتیش کے دوران اس بارے میں بھی معلومات حاصل نہ کیں کہ کارگل جنگ میں پاکستانی فوج کا کون کمانڈر تھا۔ جبکہ بشیر ایس آئی نے اس کو انجام دیا اور میں نے اس بات کے بارے میں بھی تحقیقات انجام نہیں دیں کہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن اپنی سروس کے دوران باہر ملک خدمات انجام دیتا رہا ہے مگر یہ کام بشیر سب انسپکٹر نے انجام دیا۔ تفتیش کے دوران میں 1965, 1971 اور کارگل جنگ میں پاکستانی فوج کے جانی نقصان کے بارے میں اعداد و شمار جمع نہیں کئے اور اس بارے میں بھی تفتیش نہیں کی کہ آیا ہندوستانی حکومت نے کارگل جنگ کے بارے میں تحقیقات کے لیے کمیشن ترتیب دیا ہے۔'' قومی قیادت کے نام'' میں Lums درج ہے جو لاہور میں موجود ہے مگر مجھے اس کے محل وقوع کے بارے میں علم نہیں اور ''خط قومی قیادت کے نام'' کے بارے میں کوئی زبانی یا تحریری مواد جمع نہیں کیا کہ عائد کردہ الزامات کی تردید کی جا سکے۔ آرمی افسروں کو پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے بارے میں الزامات کے بارے میں میں نے کوئی تفتیش نہیں کی کہ حقائق کو سامنے لایا جا سکے۔

میں نے کیفے ٹیریا کا نقشہ تیار کروایا اور عدالت میں پیش کیا۔ ریکارڈ کے مطالعہ کے بعد مجھے پتہ چلا کوئی ایسا نقشہ موجود نہیں ہے۔ جس کو میں نے خود تیار کیا تھا اور اس بات سے بھی ناواقف تھا کہ اس وقت کیفے ٹیریا کا کون انچارج تھا۔ کیفے ٹیریا میں کام کرنے والے تین ویٹرز سے میں نے تفتیش کی اور مجھے ان کے نام یاد نہیں اور ان کے بیانات زیر دفعہ 161 Cr. Pc کے تحت ریکارڈ نہیں۔ میری تفتیش کے مطابق ملزم کے علاوہ چوہدری اعتزاز احسن ایم این اے، حافظ حسین احمد ایم این اے، لیاقت بلوچ، شاہ محمود قریشی ایم این اے، چوہدری عابد شیر علی، راجہ پرویز اشرف ایم این اے، میاں محمد اسلم ایم این اے، سید نیر حسین بخاری ایم این اے اور حنیف عباسی ایم این اے موقع پر کیفے ٹیریا میں موجود تھے اور زیر دفعہ 161 Cr. Pc کے تحت ان اشخاص میں سے کسی کا بیان ریکارڈ نہیں کیا کیونکہ میں اسے ضروری نہیں سمجھ رہا تھا۔ ان ایم این اے حضرات کے سیاسی وابستگی کے بارے میں کوئی شواہد اکٹھا نہیں کیے اور یہ مجھے یاد نہیں کہ میری تفتیش کی رو سے شیر افگن ایم این اے موجود تھے یا نہیں۔ میں نے مذکورہ بالا ایم این اے حضرات سے پوچھ گچھ نہیں کی۔

یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ مختلف اخبارات کے خبری تراشے جو فائل میں ہیں وہ فوٹوسٹیٹ پر مشتمل ہیں مگر تراشے فائل پر موجود تھے، جب تفتیش میرے سپرد کی گئی۔ ضیاء شاہد روزنامہ خبریں کے مالک ہیں۔ مگر اس بات سے لاعلم ہوں کہ اس اخبار کا کون پرنٹر، پبلشر اور رپورٹر ہے۔ میں اس رپورٹر کا نام نہیں جانتا جس کی رپورٹ خبر نمبر Ex. P.L میں نشر ہوئی۔ میں روزنامہ خبریں کے مالک پرنٹر، پبلشر اور رپورٹر سے دوران تفتیش پوچھ گچھ نہیں کی۔ روزنامہ اوصاف کے بارے میں جس کا حوالہ نمبر Ex.P.M اخبار دی نیوز حوالہ Ex. P.K روزنامہ نوائے وقت حوالہ Ex. P.N روزنامہ پاکستان حوالہ Ex. P.PP کے بارے میں جواب وہی ہے جو روزنامہ خبریں کے بارے میں بتایا۔ میں نے ان اخبارات کے مالکان پرنٹرز، پبلشرز اور رپورٹرز سے تفتیش نہیں کی۔ اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ روزنامہ اسلام کا کون مالک، پرنٹر، پبلشر ہے اور دوران تفتیش ان میں سے کسی شخص سے پوچھ گچھ نہیں کی ہاں البتہ میں روزنامہ اسلام کے رپورٹر مظہر اقبال کو جانتا ہوں مگر مجھے اخبارات خبریں، اوصاف، پاکستان، دی نیوز اور اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ کوئی زبانی یا تحریری بیان خبر کے مصدقہ ہونے کے بارے میں جمع نہیں کیا۔ خصوصاً ان اخبارات سے جو فائل پر موجود ہیں۔ میں نے ان اخبارات کو خط لکھا، مگر مجھے نہیں معلوم کس نے اس خط کو ارسال کیا۔ یہ بھی نادرست ہے کہ میں نے ان کو خط نہیں لکھا۔ فائل کی جانچ پڑتال پر معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کا خط عدالت کی فائل میں موجود نہیں ہے۔ ملزم جاوید ہاشمی ممبر قومی اسمبلی تھا، جب اس کے خلاف کیس رجسٹر ہوا اور وہ پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ سے تعلق رکھتا ہے اور موجودہ حکومت میں حزب مخالف ہے۔ یہ درست ہے کہ مخدوم جاوید ہاشمی قومی اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی کے لیڈر تھے اور یہ بات درست ہے کہ پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ اے آر ڈی میں شامل پارٹیوں میں سے ایک ہے۔ یہ

بات درست ہے کہ جاوید ہاشمی اے آر ڈی کے صدر تھے۔ یہ بات درست ہے کہ وہ اپنی پارٹی کے قائم مقام صدر ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ مخدوم جاوید ہاشمی، کیس رجسٹر کرنے سے پہلے حکومت کی مخالفت کرتے تھے۔ مجھے ایل ایف او کے بارے میں معلومات ہیں اور یہ درست ہے کہ ملزم کے خلاف کیس رجسٹر کرنے اور اس کی گرفتاری پر پارلیمنٹ نے ایل ایف او کو منظور کیا۔

یہ بات درست ہے کہ خط قومی قیادت کے نام پر مونوگرام چھپا ہوا ہے۔ مجھے کوئی زبانی یا تحریری حکم نہیں ملا کہ اس بارے میں تفتیش کروں کہ مذکورہ مونوگرام کہاں پر چھاپا گیا ہے۔ میں تفتیش کے دوران میں کبھی (جی ایچ کیو) نہیں گیا بلکہ خط ارسال کیا تھا۔ یہ بات درست ہے کہ میں نے (جی ایچ کیو) کوئی خط ارسال نہیں کیا بلکہ ایس ایس پی اسلام آباد نے یہ خط ارسال کیا۔ تفتیش کے دوران میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ (جی ایچ کیو) میں مونوگرام والے لیٹر پیڈ کون استعمال کرتا ہے اور اس بارے میں معلومات حاصل نہیں کیں کہ یہ کہاں چھپتے اور تقسیم ہوتے ہیں اور اس بارے میں میں نے صرف کرنل خالد کا بیان قلمبند کیا۔ یہ بات نادرست ہے کہ میں نے صحیح طور پر تفتیش انجام نہیں دی اور یہ بھی نادرست کہ میں نے ملزم کو حکومت کے بے پناہ دباؤ پر چالان کیا۔ یہ بات نادرست ہے کہ مذکورہ کیس حکومت کی ایماء پر پولیس نے از خود بنایا اور اس کو جامۂ عمل پہنایا۔ یہ بات بھی نادرست ہے کہ ملزم کے کہنے پر ہم نے کسی چیز کی بازیابی نہیں کی اور یہ کہ میرے یہ سب بیانات جھوٹ پر مبنی ہیں۔ میں اس بات کی تردید کرتا ہوں کہ استغاثہ اور حکومت کے دباؤ پر غلط بیانی کی ہے۔

تاریخ ۷ ۲ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

گواہ نمبر ۱۴

## عامر سلیم رانا جوڈیشل مجسٹریٹ اسلام آباد کا حلفیہ بیان

میں نے بحیثیت سول جج اور جوڈیشل مجسٹریٹ کے طور پر سال 1998 سے کام شروع کر دیا اور پسرور اور راولپنڈی میں بحیثیت رجسٹرار احتساب عدالت اور اس وقت سول جج جوڈیشل مجسٹریٹ اسلام آباد میں تعینات ہوں۔ اپنی پوری سرکاری نوکری میں شق 164 Cr. Pc کے تحت ۵ یا ۶ بیان قلمبند کیے ہیں۔ میرے علم کے مطابق شق 164 اور 364 Cr. Pc بیان قلمبند کرنے کے لیے شق 164 Cr. Pc لاگو ہوتا ہے۔ یہ میرے علم میں ہے کہ معزز لاہور ہائی کورٹ لاہور، شق 164 Cr. Pc کے تحت بیان قلمبند کرنے کے لیے قانونی شق بنائے ہیں اور گواہوں سے بیان ریکارڈ کرنے سے قبل متعلقہ قوانین کا مطالعہ کیا ہے۔

میں ذاتی طور پر مظہر اقبال اور سید اعزاز حسین کو جن کے میں نے شق 64 Cr. Pc کے تحت بیان لئے۔ وہ نہیں جانتا اور اس بات کا علم نہیں کہ کس کیس کے بارے میں مذکورہ افراد کے بیانات لیے جا رہے ہیں۔

متعلقہ ریکارڈ جو بیان کے متعلق ہیں، ریکارڈ کرنے کے بعد سیل کر کے اس عدالت میں پیش کیا۔ یہ درست ہے کہ ہر درخواست Ex. PCCC اور Ex. PFFF کے ساتھ ایف آئی آر منسلک تھی۔ ایف آئی آر کی کاپی ریکارڈ پر موجود نہیں ہے جو اس عدالت میں پیش کی گئی ہے اور اس کی کاپی میرے پاس نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ درخواست Ex. P.CCC اور Ex. P.FFF کے ساتھ ایف آئی آر نہیں تھا اور اس بارے میں بیان قلمبند کرتے وقت کوئی نوٹس نہیں لیا اور ساتھ ہی کیس کے تفتیشی افسر کو نہیں بلایا جس کے تحت گواہوں کے بیانات لیے جا رہے تھے اور اس کیس کے متعلق ریکارڈ میں نے چیک نہیں کیا۔ اور شق 164 Cr. Pc کے تحت ملزم کو بیان قلمبند کرتے وقت عدالت میں طلب نہیں کیا جب کہ یہ میرے علم میں ہے کہ جوڈیشل مجسٹریٹ پر لازم ہوتا ہے شق 164 Cr. Pc کے تحت بیان قلمبند کرتے وقت ملزم کو عدالت میں طلب کرے۔ میرے علم کے مطابق حلفیہ بیان اور حلف ایک ہی چیز ہے۔ میں عام کیسوں میں گواہوں کے بیانات حلف پر قلمبند کرتا ہوں۔ یہ میرے علم میں نہیں تھا کہ کچھ سالوں سے حلفیہ بیان پر بیانات ریکارڈ نہیں کیا جاتا مگر میں دونوں گواہوں سے حلفیہ طور پر بیان لیا۔ یہ دو افراد اپنے جرم کے اقرار کے لیے میرے پاس نہیں آئے تھے اور میں نے ان دو افراد کو مطلع کیا کہ ان کی غلط بیانی پر ان کو سزا بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے ان دو افراد سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ شق 164 Cr. Pc کے تحت کس وجہ سے بیان دے رہے ہیں۔ میں نے گواہوں کو یہ بھی نہیں بتایا کہ ان پر لازم نہیں ہے کہ شق 164 Cr. Pc کے تحت بیان دیں۔ میں نے ان سے جواب طلب کیا کہ آیا اپنی مرضی سے بیان دے رہے ہیں، البتہ ان سے یہ نہیں پوچھا کہ آیا ان پر بیان دینے کے لیے کسی جانب سے دباؤ ہے۔ میں نے گواہوں کو بتایا کہ ان کے بیانات ان کے خلاف بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ دونوں بیانات کے آخر میں میرا سرٹیفکیٹ شق 164 Cr. Pc کے تحت ہے۔ میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ دونوں بیانات کے آخر میں شق 164 Cr. Pc کے تحت ہیں یہ درست ہے کہ دونوں بیانات کے آخر میں میرے سرٹیفکیٹ قانونی شق 164 Cr. Pc کے تحت نہیں ہیں۔ یہ بھی نادرست ہے، دونوں بیانات کے آخر میں دیے گئے سرٹیفکیٹ شق 164 Cr. Pc اور شق 364 Cr. Pc کے تحت نہیں ہیں۔

یہ بات غلط ہے کہ گواہوں سے لیا گیا بیان قانون کے مطابق نہیں ہے اور یہ بات نادرست ہے کہ میں نے استغاثہ کے دباؤ پر ایک مشینی انداز میں بیان ریکارڈ کیا۔

تاریخ ۲۰ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

## گواہ نمبر ۵

# سید غلام احمد شاہ کا حلفیہ بیان

میں نے سیکشن Cr. P.C. 161 کے تحت ۸ نومبر ۲۰۰۳ء میں پولیس کو قومی اسمبلی سیکریٹریٹ میں اپنا بیان قلمبند کرایا۔ میں نے پولیس کو Cr. PC 161 کے تحت بتایا تھا کہ سیکریٹری قومی اسمبلی کی تائید سے میں نے ۳ ووٹر کارڈ حوالہ نمبر Ex. P.B. کے تحت بنایا تھا۔ ممکن ہے میں نے حوالہ D.B. Ex. کے تحت کہا ہو کہ اصل درخواست منجانب جہان زیب، ظہور اعوان بنام سیکریٹری قومی اسمبلی کو پیش کی ہے۔ میں نے حوالہ نمبر Ex. DB کے تحت اپنے بیان میں کہا کہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو نادر خان نے سیکریٹری قومی اسمبلی کو ووٹر کارڈ کے حصول کے لیے درخواست دی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنے بیان میں کہا ہو کہ اصل درخواست منجانب خورشید احمد بنام سیکریٹری قومی اسمبلی کو اپنے ریکارڈ سے پیش کر سکتا ہوں۔ پبلک پراسیکیوٹر کے نکتہ اعتراض پر کہ ایک حقیقت جس کو مثبت دعویٰ نہیں کیا جا سکتا میں نے کہا کہ خورشید احمد، جہان زیب، ظہور اور نادر خان کی درخواستوں بنام سیکریٹری قومی اسمبلی کے بارے میں، Ex. DB میں ان درخواستوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں نے مذکورہ درخواستیں اور اس کی کاپیاں دوران تفتیش پولیس کے حوالہ نہیں کیں۔ چونکہ میں اصل ریکارڈ ساتھ لایا ہوں۔ میں عدالت میں اصل درخواست پیش کرتا ہوں۔ یہ سراسر نادرست ہے کہ مجھے پراسیکیوشن نے ہدایت دی کہ اپنی درخواست بیان دیتے وقت عدالت میں پیش کر دوں۔ میں ضلع مانسہرہ کا رہنے والا ہوں اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ میں نے ۱۹۷۳ء سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور اسمبلی میں UDC تعینات ہوا۔ اس وقت قومی اسمبلی موجودہ سٹیٹ بنک بلڈنگ اسلام آباد کے G-5 سیکٹر میں تھا۔ ۱۹۷۵ء میں میں اسسٹنٹ کے طور پر پروموٹ ہوا۔ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ میں سپرنٹنڈنٹ اور ۱۹۹۶ء میں سیکشن آفیسر اور مارچ ۲۰۰۳ء کو اسسٹنٹ سیکرٹری کے طور پر تعیناتی ہوئی۔ یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میری عمر بھر کی نوکری قومی اسمبلی کی سیکریٹریٹ میں گزری ہے۔ قومی اسمبلی سیکریٹریٹ ۱۹۸۶ء میں موجود بلڈنگ میں منتقل ہوئی جو کہ پارلیمنٹ ہاؤس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ ہاؤس قومی اسمبلی اور سینٹ پر مشتمل ہے اور اس میں سینٹ اور قومی اسمبلی کے سیکرٹری کام کر رہے ہیں۔ مجھے پارلیمنٹ ہاؤس کے رقبہ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں مگر یہ بلڈنگ ۵ منزلہ ہے جس میں بیسمنٹ شامل ہے۔ قومی اسمبلی سیکریٹریٹ دوسری تیسری اور چوتھی منزلوں پر موجود ہے اور سیکریٹری کا دفتر دوسری منزل پر اور میرا دفتر چوتھی منزل پر ہے۔ قومی اسمبلی کا ہال دوسری منزل اور کیفے ٹیریا پہلی منزل پر ہے۔ کیفے ٹیریا قومی اسمبلی ہال سے ۲۰۰ فٹ کے فاصلے پر ہے۔ یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی بھی شخص بغیر اجازت کے پارلیمنٹ ہاؤس میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ بیرونی دروازے سے ریسپشن تک بغیر پاس کے داخل نہیں ہو سکتا ہے اور اس سے آگے کوئی شخص بغیر پاس کے اندر نہیں

آسکتا ہے۔ ریسپشن بلڈنگ سے ۳۰۰ فٹ کے فاصلہ پر ہے اور قومی اسمبلی ہال میں سپیکر، سینیٹرز اور سفارتکاروں کے لئے علیحدہ باکس ہیں اور ساتھ ہی معزز شہریوں، خواتین اور سرکاری اہل کاروں، صدر اور وزیر اعظم کیلئے مخصوص جگہیں ہیں۔ یہ تمام گیلری وار باکس اصل ہال میں جبکہ اوپر والی منزل میں عام Visitors کی گیلری اور پریس گیلری ہے۔ معزز شہریوں کی گیلری میں 66/63 لوگوں کی بیٹھنے کی جگہ جبکہ عام گیلری میں 300 اور 400 لوگوں کے بیٹھنے کیلئے جگہ موجود ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہر گیلری اور باکس کیلئے جو قومی اسمبلی ہال میں موجود ہے، پاس کے رنگ مختلف ہیں۔

حوالہ نمبر .Ex. P.S خورشید احمد کی درخواست میرے پاس ہے اس پر سیکریٹری صاحب کا حکم کالی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ اور اس پر درج ہے مہربانی کر کے پاس جاری کر دیں یہ بات درست ہے کہ سیکریٹری نے (DVG) معزز شہریوں کیلئے درخواست گزاروں کو پاس جاری کرنے کی ہدایت نہیں دی تھی۔ یہ بھی درست ہے کہ حوالہ نمبر Ex P.S کے تحت درخواست گزاروں نے (ڈی وی جی) کارڈ حاصل کرنے کیلئے درخواست نہیں دی۔ رضا کارانہ طور پر ہم (ڈی وی جی) کارڈ ان افراد کو جاری کرتے ہیں جن کو سیکریٹری صاحب سفارش کرتے ہیں مگر کوئی قانونی شق موجود نہیں کہ کس درخواست دہندہ کو (ڈی وی جی) پاس کا اجرا کیا جائے۔ یہ بات درست ہے کہ خورشید احمد حوالہ نمبر Ex P.S کے تحت نہ اپنی ولدیت اور نہ اپنا گھر کا پتہ لکھا ہے۔ سلیم محمود سلیم قومی اسمبلی کے سیکریٹری ہیں وہ حیات ہیں اور اسی منصب پر کام کر رہے ہیں۔

درخواست حوالہ نمبر Ex P.T پر بھی سیکریٹری کے دستخط ہیں مگر اس پر ان کا حکم درج نہیں ہے اور عام طور پر ان کے دستخط کو حکم مانا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ جہاں زیب ظہور اعوان کو (ڈی وی جی) پاس جاری کرنے کیلئے سیکریٹری صاحب نے کوئی احکامات جاری نہیں کیے جو کہ حوالہ نمبر Ex P.T پر موجود ہے۔ اور سیکریٹری صاحب کے حکم (ڈی وی جی) کارڈ جاری کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے مگر اس بارے میں کوئی قانونی شق موجود نہیں ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ جہاں زیب ظہور نے (ڈی وی جی) پاس حاصل کرنے کیلئے حوالہ نمبر Ex P.T کے تحت اپنی ولدیت اور گھر کا پتہ درج نہیں کیا۔ اور اس مقصد کیلئے شناختی کارڈ نمبر کافی ہوتا ہے یہ بھی درست ہے کہ میں نے خورشید احمد، جہانزیب اعوان اور نادر خان کے شناختی کارڈوں کی فوٹو کاپیاں تفتیشی افسر اور معزز عدالت کو پیش نہیں کیں۔

اسی طرح نادر خان کی درخواست حوالہ نمبر Ex P.U پر بھی (ڈی وی جی) کارڈ جاری کرنے کیلئے سیکرٹری صاحب کے احکامات نہیں اور یہ کہ درخواست گزار نے (ڈی وی جی) حاصل کرنے کیلئے درخواست دی اور اس کی درخواست بمعہ ولدیت اور گھر کا پتہ درج نہیں تھا۔ میرے جوابات اس بارے وہی ہیں جو حوالہ نمبر Ex P.S/1 اور Ex P.U/1 کے بارے میں بیان دیا۔ حوالہ نمبر Ex P.S، حوالہ نمبر Ex P.U، حوالہ نمبر Ex P.T کے تحت جاری کیے ہوئے کارڈ صرف اس گیلری کیلئے تھا جس کیلئے جاری ہوا۔ یہ درست ہے کہ کارڈ حوالہ

نمبر Ex P.S/1، Ex P.U/1، اور Ex P.T/1 صرف ممبر قومی اسمبلی اور وزیر کی سفارش پر جاری ہوتا ہے۔ اور تسلیم کرتا ہوں درخواست Ex P.S، Ex P.T اور Ex P.U جو کہ خورشید احمد، جہانزیب اعوان، اور نادر سلیم کی طرف سے پیش ہوا اس پر کسی ممبر قومی اسمبلی اور وزیر کی سفارش نہیں تھی دیگر سرکاری ریکارڈ کارڈوں اور درخواستوں کی بابت ہے جو کہ میں نے پیش کیا ہے۔ یہ نادرست ہے کہ یہ تمام درخواستیں اس کیس کے سامنے آنے کے بعد سے ترتیب دی گئی ہیں تا کہ شکایت کنندگان کی موجودگی کو باور کرایا جائے۔ یہ تمام ریکارڈ میرے پاس موجود ہے یہ بات غلط ہے کہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو خورشید احمد، جہانزیب اور نادر سلیم نے کوئی درخواست سیکریٹری کو پیش نہیں کی۔ یہ بھی نادرست ہے کہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو میں نے کارڈ جاری نہیں کیا۔ اور یہ بھی سراسر نادرست ہے کہ یہ کارڈ کیس بننے کے بعد جاری ہوئے تا کہ گواہوں کی موجودگی کی تائید ہو۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ میں نے پراسیکیوٹر کے بے پناہ دباؤ میں آ کر غلط بیانی کی ہے۔ یہ پراسیکیوشن کے وکیل PW سے پوچھا تھا کہ آیا (ڈی وی جی) کارڈ سیکریٹری کے احکامات سے جاری ہو سکتا ہے یا کہ نہیں۔ اس بارے میں متعدد سوال جواب ہوئے اور اب پراسیکیوشن کو اجازت نہیں دی جاتی ہے کہ شکایت کنندگان کی طرف سے پیدا شدہ خلا کو پر کر سکیں۔ اور بعد کے مرحلوں میں ان کو محتاط رہنا ہوگا

تاریخ ۱۳ مارچ ۲۰۰۴ء　　دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی سنٹرل جیل　　کیمپ

گواہ نمبر ۷

## خورشید احمد نے حلف اٹھا کر وکیل منجانب ملزم کے سوالات کے جوابات دیے

میرا آبائی گاؤں گودواں تحصیل ٹیکسلا ضلع راولپنڈی ہے اور یہ واہ کینٹ میں واقع ہے۔ میں وہیں پیدا ہوا اور واہ کینٹ، کیڈٹ کالج حسن ابدال میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد ملٹری اکیڈمی کاکول میں تعلیم ختم کی۔ میں ۱۹۸۰ء میں ملٹری اکیڈمی کاکول میں کیڈٹ تھا اور اسی سے گریجویشن کیا۔ میں نے اور کسی اور سبق میں ڈگری اور ڈپلومہ نہیں لیا۔ میں ۱۹۸۵ء میں پاس آؤٹ ہوا چونکہ میں جونیئر کیڈٹ کے طور پر میٹرک کے بعد گیا تھا۔ پاس آؤٹ کے بعد میری بلوچ رجمنٹ میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے طور پر ضلع مرالہ سیالکوٹ میں تعیناتی ہوئی۔ ۱۹۸۷ء میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر ترقی پا کر اپنے یونٹ کیساتھ مالاکنڈ میں تعیناتی ہوئی۔ سال ۱۹۸۸ء میں کیپٹن کے عہدہ پر ترقی پائی اور اسی یونٹ میں رہا۔ ۱۹۹۳ء یا ۱۹۹۴ء کو میں پاکستان آرمی میں میجر کے عہدہ پر ترقی پائی اور ۱۹۹۷ء میں میں نے آرمی سے استعفیٰ دیا اس وقت میں ۱۹۹۸ء سے حیدرآباد سندھ میں تعینات تھا۔ ۱۹۹۸ء سے قبل میں (پی او ایف) ہسپتال واہ کینٹ میں کوارٹر ماسٹر تھا۔ میں کبھی جی ایچ کیو میں تعینات نہیں ہوا۔ عمومی طور پر فوج کے ریٹائرڈ افسر اپنے نام کے ساتھ عہدہ بھی لکھتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ میں نے IBEX نامی کمپنی بنائی اور اس کا دفتر

مکان نمبر ۷، ۹ گلی نمبر ۹۶، آئی۔ ایٹ/فور، اسلام آباد میں ہے۔ میں اسی گھر میں رہتا ہوں اور یہ گھر میں نے کرایہ پر حاصل کیا ہے اور اصل مالک حاجی محمد شفیق ہیں اور میں ۲۰۰۱ء سے بطور کرایہ دار رہتا ہوں اور ماہانہ کرایہ ۲۵۰۰۰ روپے ہیں اور میں باقاعدہ کرایہ ادا کرتا ہوں۔ یہ درست ہے کہ گھر کے مالک نے رینٹ کنٹرولر اسلام آباد میں گھر خالی کروانے کے لیے نوٹس جاری کروایا ہے مگر مجھے رینٹ کنٹرولر کا نام یاد نہیں ہے۔ اس کیس کا جواب ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء تک مجھے دینا ہے میں نے ڈاک کے ذریعہ نوٹس وصول کیا اور اس وقت میرے پاس اس کی کاپی نہیں ہے اور اس کیس کے لیے کسی وکیل کی خدمات حاصل نہیں کیں اور نہ ہی عدالت سے رجوع کیا ہے۔ مجھے بے دخلی نوٹس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ بھی نادرست ہے کہ اس بارے میں صحیح جوابات نہیں دے رہا ہوں۔ میں نے ۵/۴ دن پہلے بے دخلی کا نوٹس وصول کیا اور اس سے پہلے میں عام زندگی گزار رہا تھا اور میں جسمانی لحاظ سے کسی مشکل میں نہیں ہوں۔ یہ نادرست ہے کہ میں نے پنشن کے ساتھ کمیشن بھی وصول کیا ہے۔ میں واہ کینٹ میں رجسٹرڈ ووٹر ہوں اور واہ کے علاوہ کسی بھی جگہ ووٹرز لسٹ میں نام کا اندراج نہیں کرایا۔ ملزم جاوید ہاشمی کبھی میری حراست میں نہیں رہا اور نہ ہی کبھی میرا تجارتی شریک رہا ہے اور میری کوئی رشتہ داری ملزم کے ساتھ نہیں ہے اور ملزم میرے حلقہ سے کبھی بھی انتخاب نہیں لڑا اور میں کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں تھا۔

میں فوجی افسر کی حیثیت سے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء اور کارگل میں شریک نہیں تھا اور میرے پاس ان جنگوں میں جانی نقصان کے اعداد و شمار نہیں ہیں اور کبھی بھی کارگل کے بارے میں تحقیقات انجام نہیں دی مجھے جنرلوں کی تعیناتی اور ٹرانسفر سے کوئی غرض نہیں ہے اور لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن کی پوسٹنگ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتا ہوں اور مجھے (جی ایچ کیو) کے مونوگرام والے لیٹر کے تقسیم اور چھپائی سے کوئی غرض نہیں ہے۔

میں خود کسی اخبار دی نیوز، خبریں، اوصاف اور نوائے وقت اور روزنامہ پاکستان کا پرنٹر، پبلشر، مالک، ایڈیٹر اور نمائندہ نہیں ہوں میں ان پریس رپورٹروں کا نام نہیں دے سکتا جنہوں نے ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو پریس کانفرنس میں شرکت کی جو کہ قومی اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں انجام پذیر ہوا۔ اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کس اخبار کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ جو اخبارات میں نے دیئے ہیں وہ بازار سے خریدے ہوئے ہیں۔

میرے درخواست Ex. P.2 پر میری موجودگی میں ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو دن ۱۰ اور ۱۱ بجے کے درمیانی وقت میں جناب ایس ایس پی صاحب نے احکامات صادر کیے اور اسی دن درخواست میں پولیس سٹیشن لے گیا۔ یہ درست ہے کہ میں نے یہ بات ظاہر نہیں کی کہ میں ایک ریٹائرڈ فوجی افسر ہوں نہ اپنے پولیس کو بیانات میں حوالہ Ex. P.Z. اور اپنے ڈرافٹ Ex. P.S/1 اور کسی کاغذ میں یہ بات میں نے ظاہر ہونے دی۔ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء سے ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء تک میں اسلام آباد میں رہا اور حالات ٹھیک تھے۔ یہ غلط ہے کہ میری درخواست Ex. P.Z. ۲۹ اکتوبر کو میں نے دریافت کیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ میں نے سہواً ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۳ء لکھا

اور یہ کہ میں ایس ایس پی صاحب کے دفتر جاتا رہا ہوں مگر ان سے ملاقات کا وقت نہ لے سکا چونکہ وہ اپنے دیگر سرکاری کاموں میں مصروف تھے۔ یہ بھی غلط ہے کہ میں نے اس بار غلط بیانی کی ہے۔ یہ بھی نادرست ہے کہ ایس ایس پی صاحب اسلام آباد ۲۰ تا ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء تک ملاقات کا وقت دینے پر تیار تھے اور اس دعویٰ کے برخلاف جھوٹ ہے۔

میں حوالہ نمبر .Ex. P.S کے تحت اپنی درخواست گیٹ نمبر ۵ پر سیکریٹری دفتر سے آنے والے شخص کو دی اور گیٹ نمبر ۵ قومی اسمبلی کے اندرونی حصہ میں ہے۔ میں اس بات سے ناواقف تھا کہ قومی اسمبلی کے گیٹ ۵ کے پاس ریسپشن ہے۔ میں کارڈ حاصل کرنے کے لیے بیرونی دروازہ اور بلڈنگ کے اندر نہیں گیا۔ یہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بغیر پاس کے بیرونی دروازہ تک جایا جا سکتا ہے۔ یہ نادرست ہے کہ حوالہ .Ex. P.S کے تحت میں نے ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء کے بعد استغاثہ کے دباؤ پر بنایا تاکہ میں اپنی موجودگی کا جواز بنا لوں۔ میں نے اپنی درخواست Ex .P.S اپنی شکایت Ex P.P کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے پاس پر اپنا نام دیکھا اور اسمبلی میں کام کرنے والے کسی اہل کار سے کیفے ٹیریا میں جانے کے لیے اجازت طلب نہیں کی۔ اسمبلی کا ہال پارلیمنٹ ہاؤس کی دوسری اور کیفے ٹیریا پہلی منزل پر ہے، البتہ میں دونوں کے درمیانی فاصلہ نہیں بتا سکتا۔ میں نے اس دن کے اجلاس کی کارروائی نہیں دیکھی چونکہ DVG میں جگہ خالی نہیں ملی۔ مجھے DVG میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی جبکہ میرے پاس وزٹر کارڈ تھا چونکہ وہاں کرسی خالی نہیں تھی مجھے قومی اسمبلی کے اجلاس مورخہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ میں نے دن ۲:۳۰ بجے کارڈ وصول کیا اور شام ۵ بجے اجلاس دیکھنے گیا۔ مجھے کوئی اخباری اطلاع نہیں تھی کہ جاوید ہاشمی اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں کانفرنس میں خطاب کرنے جا رہے ہیں۔ جب میں نے ۲۹ اکتوبر کو ایس ایس پی اسلام آباد کو اپنی درخواست پیش کی میں اکیلا تھا اور اکیلے ہی پولیس سٹیشن گیا۔ یہ بھی مجھے معلوم نہیں ہے کہ جناب اعتزاز احسن، حافظ حسین احمد، لیاقت بلوچ، شاہ محمود قریشی، عابد شیر علی، راجہ پرویز اشرف، میاں محمد اسلم، سید نیر حسین بخاری اور محمد حنیف کس حلقہ سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی سیاسی وابستگیوں کے بارے بھی علم نہیں تھا اور میری اوپر دیے گئے افراد سے دوستی نہیں ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ملزم مخدوم جاوید ہاشمی 20 اکتوبر 2003ء مسلم لیگ نواز گروپ کے قائم مقام صدر تھے اور یہ کہ مخدوم جاوید ہاشمی صاحب 20 اکتوبر 2003ء کو (PML (N کے پارلیمانی لیڈر ہیں، اور اس بات سے ناواقف تھا کہ (ARD PML (N کا جزو ہے اور یہ بات مجھ پر عیاں نہ تھی کہ وہ قومی اسمبلی میں ARD کے پارلیمانی پارٹی کے لیڈر ہیں اور یہ کہ وہ ARD کے صدر ہیں۔

میں 1963ء کو پیدا ہوا میری معلومات کے مطابق پاکستان میں عام انتخابات 1988, 1992, 1973 اور 1993 اور اس کے بعد بہت سے انتخابات ہوئے۔ میں کبھی سیاسیات کا طالبعلم نہیں رہا اور سیاست

سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں کبھی کسی انتخابات میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی فرد کی انتخابات میں حمایت کی اور اس بات سے واقف نہیں تھا کہ کیفے ٹیریا میں کیا رونما ہونے والا ہے۔ یہ بات نادرست ہے کہ ایک سابق فوجی کی حیثیت سے میں نے ایک بے بنیاد اور نادرست درخواست استغاثہ کے دباؤ پر پیش کی۔ یہ نادرست ہے کہ میں 20 اکتوبر 2003ء کو پارلیمنٹ ہاؤس نہیں گیا اور یہ بات غلط ہے کہ درخواست Ex P.S، 20 اکتوبر 2003 کو پیش نہیں کی گئی۔ یہ نادرست ہے کہ کارڈ Ex P.S/1 مجھے 20 اکتوبر 2003ء کو جاری نہیں ہوا اور یہ بات بھی غلط ہے کہ اس وقت میں کیفے ٹیریا میں موجود نہیں تھا اور یہ بات نادرست ہے کہ میں نے استغاثہ کی دباؤ میں غلط بیانی کی ہے۔

تاریخ ۱۳ مارچ ۲۰۰۳ء          دستخط سیشن جج، راولپنڈی جیل کیمپ

## گواہ نمبر ۸

### کیپٹن جہانزیب ظہور نے حلف اٹھانے کے بعد ملزم کے وکیل کو یہ بیان دیا

میرا آبائی گاؤں چک مصریال ضلع چکوال ہے۔ میں نے H-8 کالج اسلام آباد میں تعلیم حاصل کی۔ میں سائنس کا ایک طالبعلم تھا۔ میرے والد پاک فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر تھے۔ میرے دادا پولیس میں تھے اور میرا کوئی اور رشتہ دار فوج میں نہیں ہے میں نے 1992ء میں فوج میں شمولیت اختیار اور اپنی سروس کے دوران کھاریاں، سیالکوٹ، کراچی، سیاچن اور اب راولپنڈی میں تعینات ہوا اور 2002ء سے جی ایچ کیو راولپنڈی کے ڈائریکٹوریٹ میں کام کر رہا ہوں۔ جی ایچ کیو میں میرا کام آرٹلری سے متعلق ہے۔ کرنل شہزاد G-1، جی ایچ کیو میں میرے سرپرست ہیں۔ مجھے جی ایچ کیو نے قومی اسمبلی کی کاروائی دیکھنے کیلئے مامور نہیں کیا تھا۔ میں رضاکارانہ طور پر خود گیا تھا اور اپنے افسران بالا سے اسمبلی کی کاروائی دیکھنے کیلئے پیشگی اجازت نہیں لی تھی کہ اپنے افسران بالا اور جی ایچ کیو میں کسی اور کو تحریری طور اطلاع نہیں دی کہ میں کاروائی دیکھنے جا رہا ہوں یہ درست ہے کہ کیپٹن میرے نام کا جزو ہے چونکہ میں حاضر سروس آرمی افسر ہوں۔

یہ درست ہے کہ میں نے اپنی درخواست جس کا حوالہ نمبر Ex P.T میں یہ ظاہر نہیں کہ میں آرمی میں کیپٹن ہوں اور یہ کہ میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں کہاں کام کر رہا ہوں اور نہ والد اور گھر کا پتہ لکھا، چونکہ میں نے اپنے شناختی کارڈ نمبر لکھا تھا میں نے اپنے شناختی کارڈ کی کاپی پولیس اور اسمبلی سیکریٹریٹ کو دی ہے۔ یہ بھی سراسر غلط ہے کہ اسمبلی اور پولیس کو اپنی شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی نہیں دی۔ یہ درست ہے کہ میرا عہدہ جو کیپٹن ہے شناختی کارڈ پر درج نہیں ہے جو حوالہ نمبر Ex P.T/1 پر ہے۔ یہ درست ہے کہ درخواست Ex P.T پر تاریخ نہیں لکھی۔ ایک شخص مجھے گیٹ سے سیکریٹری آفس لے گیا تا کہ میں اپنی درخواست دے دوں۔ سیکریٹری نے میری موجودگی میں کوئی احکامات نہیں دیئے۔ مجھے اسمبلی بلڈنگ میں جانے سے کسی نے نہیں روکا۔ میں فوجی وردی میں نہیں تھا،

جب میں اسمبلی کی حدود میں گیا۔ پارلیمنٹ بلڈنگ اور کیفے ٹیریا میں موجودگی کے وقت میں فوجی وردی میں نہیں تھا۔ میں نے 20 اکتوبر 2003ء کو اسمبلی کی کاروائی نہیں دیکھی اور مجھے اسمبلی ہال سے کیفے ٹیریا پہنچنے میں 5 منٹ لگ گئے مگر میں ہال اور کیفے ٹیریا کے فاصلے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں اخباری نمائندوں کے نام سے ناواقف ہوں اور ان اخباری رپورٹرز کو نہیں جانتا ہوں جو 20 اکتوبر 2003ء کو کیفے ٹیریا میں تھے۔ میں نے ملزم مخدوم جاوید ہاشمی سے کوئی پیغام وصول نہیں کیا کہ وہ پریس کانفرنس سے خطاب کرنے جارہے ہیں۔ میں کسی اخبار میں رپورٹر نہیں ہوں اور کسی اخبار سے میرا واسطہ نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ مخدوم جاوید ہاشمی لاہور سے بطور ایم این اے منتخب ہوئے ہوں۔ چوہدری اعتزاز احسن بھی لاہور سے ایم این اے منتخب ہوئے مگر مجھے یقین نہیں ہے۔ میں ان حلقوں کا نام نہیں جانتا جہاں سے حافظ حسین احمد، لیاقت بلوچ، شیر افگن، شاہ محمود، عابد شیر علی، میاں محمد اسلم اور محمد حنیف عباسی منتخب ہوئے، ہاں میں پارٹی وابستگی بتا سکتا ہوں۔ اعتزاز احسن پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کے ایم این اے شیر افگن پیپلز پارٹی پیٹریاٹ، میاں محمد اسلم ایم ایم اے۔ میں شاہ محمود قریشی اور میاں محمد اسلم کی سیاسی وابستگی سے بے خبر ہوں۔ میں اسلام آباد سے رجسٹرڈ ووٹر ہوں۔ جاوید ہاشمی میرے حلقہ سے کبھی انتخابات میں شریک نہیں ہوئے۔ 20 اکتوبر 2003ء تک میں اسلام آباد میں روزمرہ کی زندگی گزار رہا تھا اور کوئی مشکل نہیں تھی۔ میں نے 20 اکتوبر 2003ء کے واقعہ کے بارے میں پولیس میں رپورٹ درج نہیں کرائی اور ساتھ ہی جی ایچ کیو میں اس بارے میں کوئی تحریری شکایت نہیں دی۔

مجھے جی ایچ کیو کے اصل مونوگرام والے پیڈ کی چھپوائی اور تقسیم سے کوئی غرض نہیں ہے اور مجھے چھپے پیڈ ملتے ہیں اور جی ایچ کیو کی اکثر خط و کتابت اسی پیڈ پر ہوتی ہے۔ جی ایچ کیو میں مختلف عہدوں پر ہزاروں کارندے ہیں اور سرکاری خط و کتابت میں جی ایچ کیو کے اصل مونوگرام پیڈ استعمال کرتے ہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ جی ایچ کیو کے افسران بالا غیر سرکاری اداروں سے اس پیڈ پر خط و کتابت کرتے ہیں یا نہیں۔

میں 1965، 1971 اور کارگل جنگوں میں شریک نہیں تھا اور اس انکوائری کمیٹی کا ممبر نہیں تھا جو کارگل کے بارے میں تحقیقات سرانجام دے رہی تھی اور اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ اس بارے میں کوئی انکوائری ہو رہی ہے۔ میں نے پاکستان آرمی کے 1965، 1971 اور کارگل کے جنگوں میں جانی نقصان کے اعداد و شمار جمع نہیں کیے اور مجھے جنرلوں کے تعیناتی کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور اس سے بھی ناواقف ہوں کہ اب لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن کہاں تعینات ہیں۔

محمد بشیر ایس آئی نے 29 اکتوبر 2003ء کو مجھے سیکرٹریٹ پولیس سٹیشن شام 6:30 بجے بلایا۔ میں نے ٹیلی فون کے ذریعہ پیغام وصول کیا۔ میری پولیس افسر محمد بشیر سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔

29 اکتوبر 2003ء کو میرے بیانات قلمبند کیے گئے اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے بتایا ہو کہ میں نے ویڈیو

کارڈ حاصل کرنے کیلئے سیکریٹری قومی اسمبلی کو درخواست پیش کی تھی تا کہ 20 تا 24 اکتوبر تک کی کاروائی دیکھ سکوں۔

مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور صرف اخباری خبروں تک محدود ہے۔ یہ نادرست ہے کہ میں 20 اکتوبر پارلیمنٹ ہاؤس کے کیفے ٹیریا میں نہیں گیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ درخواست Ex P.T کیس رجسٹر ہونے کے بعد میں نے دستخط کر دیئے۔ یہ سراسر غلط ہے کہ حوالہ نمبر Ex P.T/1 20 اکتوبر 2003 کو مجھے جاری نہیں ہوا تھا۔ یہ بھی نادرست ہے کہ یہ تمام کاروائی بعد میں عمل میں لائی گئی تا کہ 20 اکتوبر 2003ء کو میری قومی اسمبلی اور کیفے ٹیریا میں موجودگی کو قانونی رنگ دیا جائے۔ درخواست Ex P.T میں نے نہیں لکھی اور اسے ایک عام شہری شہزاد بشیر جو میریٹ ہوٹل میں کام کرتا ہے نے لکھا ہے۔ یہ غلط ہے کہ میں نے غلط بیانی کی ہے چونکہ میں جی ایچ کیو میں کام کرتا ہوں۔ یہ بھی نادرست ہے کہ استغاثہ کے دباؤ پر جھوٹا بیان دینے پر مجبور کیا گیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ مجھے 20 اکتوبر 2003ء کے اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں علم نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم پارلیمنٹ ہاؤس میں کتنے کیفے ٹیریا ہیں اور یہ بھی غلط ہے کہ میں نے پولیس کو کوئی چیز پیش نہیں کی اور یہ کہ بازیابی کا عمل جھوٹ پر مبنی ہے۔

تاریخ ۱۳ مارچ ۲۰۰۴ دستخط سیشن جج، راولپنڈی جیل کیمپ

# مخدوم جاوید ہاشمی کے خلاف بغاوت کیس کے فیصلہ کے اہم اقتباسات

## بعدالت سیشن جج' اسلام آباد

## کیمپ بمقام سینٹرل جیل' راولپنڈی

سیشن مقدمہ نمبر 52 سال 2003ء

سیشن ٹرائل نمبر 52 اے سال 2004ء

سرکار بنام.......... مخدوم جاوید ہاشمی ولد مخدوم محمد شاہ ہاشمی

ساکن 50 قاسم روڈ' ملتان چھاؤنی

حال مقیم ایف 106' پارلیمنٹ لاجز' اسلام آباد

مقدمہ ایف آئی آر نمبر 326 بتاریخ 29-10-2003 جرم زیر دفعات 124 اے

131 /468 /469 /471 /500 /505 اے اور 109 تعزیرات پاکستان

تھانہ سیکرٹریٹ' اسلام آباد۔

## فیصلہ

1- تھانہ سیکرٹریٹ اسلام آباد نے زیر دفعات تعزیرات پاکستان 124۔اے /500 /505 131 /468 /469 /471اے اور 109 ملزم مخدوم جاوید ہاشمی ولد محمد شاہ ہاشمی کے خلاف چالان پیش کیا۔ ملزم کے ارتکاب جرم مبینہ طور پر 20-10-2003 کو تسلیم کرنے پر۔

2- استغاثہ کی طرف سے مقدمہ کے دوران سماعت معلوم ہوا کہ شکایت کنندہ خورشید احمد نے اپنی شکایت (Ex.P.Z) سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اسلام آباد سے بیان کی کہ وہ 20-10-2003 کو قومی اسمبلی کی کارروائی دیکھنے گیا۔ وہ ''تقریباً چھ بجے شام گواہان استغاثہ نادر اور جہانزیب سے کیفے ٹیریا میں ملا۔ ملزم مخدوم جاوید ہاشمی' رکن قومی اسمبلی جس کو وہ پہلے سے جانتا ہے نے تقریباً سوا چھ بجے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے اور پریس کانفرنس سے قبل مخدوم جاوید ہاشمی نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ پریس کانفرنس کے دوران ملزم نے ''قومی قیادت کے نام'' کے عنوان سے ایک خط کی فوٹو کاپیاں شرکاء میں' جن میں چند اخبار نویس شامل تھے تقسیم کیں۔ مذکورہ خط کے مندرجات صدر

پاکستان، جنرل پرویز مشرف اور پاکستانی فوج کے بھی خلاف لکھے گئے تھے۔ ان میں انہیں بدنام اور رسوا کیا گیا تھا۔ ملزم جاوید ہاشمی نے اس خط کے ذریعے فوج اور حکومت کے مابین بددلی پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں بغاوت پر اکسایا اور اس طرح ملزم نے کرگل کے واقعے میں حکومت اور ملک کے نقصانات کے متعلق یہ مبالغہ آمیز اور غلط تاثر دیا کہ یہ نقصانات 1965ء اور 1971ء کی جنگوں سے بھی زیادہ تھے۔ ملزم نے پریس کانفرنس میں بیان دیا کہ بھارت نے کرگل کے واقعے کے بعد مکمل تحقیقات کا اہتمام کیا جس کے بعد متعدد بریگیڈئر اور جنرل ریٹائرڈ کر دیئے گئے۔ یوں ملزم نے مسلح افواج کے مابین بے چینی کو ابھارنے اور اس کے اداروں کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شکایت کے مطابق ملزم نے پریس کانفرنس میں مزید یہ غلط بیانی بھی کی کہ جنرل جاوید حسن جو اس وقت میجر جنرل، کرگل میں فوج کی کمان کر رہے تھے، چار برس تک جب امریکہ میں فوجی اتاشی متعین کئے گئے تھے، اس وقت سی آئی اے کے ایجنٹ رہ چکے تھے۔ جاوید ہاشمی اور اس کے ساتھیوں نے جو خط تقسیم کیا وہ بادی النظر میں جعلی دکھائی دیتا تھا۔ کیونکہ اس پر کسی کے دستخط نہ تھے۔ جی ایچ کیو کا بتایا جانے والا لیٹر پیڈ بھی بادی النظر میں جعلی تھا، کوالگ سے جعلی بنا کر جس پر جی ایچ کیو کا مونوگرام بھی جعلی لگایا گیا لگتا تھا۔ ملزم نے روزنامہ ''نیوز'' کو یہ بیان دیا کہ چونکہ مذکورہ خط اس نے تقسیم کیا لہٰذا بقول اس کے یہ کہنا کافی ہے کہ خط مصدقہ اور اصلی ہے۔ شکایت کنندہ کے مطابق ملزم نے یہ خط جی ایچ کیو کے کسی جعلی لیٹر پیڈ پر خود ہی تیار کیا اور اس طرح بالارادہ اور بالقصد افواج پاکستان میں بددلی پھیلانے کا مرتکب ہوا۔ اور لوگوں کو صدر پاکستان اور فوج کے خلاف بغاوت کی ترغیب دی۔ مذکورہ تقریر اور خط کی تقسیم کے ذریعے ملزم اور اس کے ساتھی ملک میں فساد برپا کر کے ملک اور حکومت کی یک جہتی کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پاک فوج کو تقسیم کر کے ملک کو توڑنے کی جسارت کی۔ جاوید ہاشمی کی اس پریس کانفرنس کی خبر ''نیوز، خبریں، اوصاف، نوائے وقت اور روزنامہ پاکستان'' سمیت ملک بھر کے اخبارات میں 12 اکتوبر 2003ء کو شائع ہوئی۔ شکایت کنندہ کے مطابق اس طرح وفاق پاکستان کی یک جہتی، بہبود اور اتحاد کو نقصان پہنچا اور مسلح افواج میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر کے گویا ملک کو توڑنا مقصود تھا۔ چنانچہ استدعا کی گئی کہ مذکورہ بالا حقائق اور حالات کے پیش نظر ملزم کا قانونی احتساب کیا جائے۔ یہ شکایت درحقیقت ایس ایس پی اسلام آباد کو دی گئی تھی جس نے ایس ایچ او تھانہ سیکرٹریٹ کو بھجوا دی۔ چنانچہ اس شکایت کی بنا پر فوری ایف آئی آر درج کی گئی۔ ملزم کو گرفتار کیا گیا اور دوران تفتیش اسے قصوروار پایا گیا اور آخرکار مقدمہ چلانے کے لئے اس کا چالان کیا گیا۔

3- عدالت ہذا میں چالان پیش کئے جانے کے نتیجے میں دستاویزات کی نقول ضابطہ فوجداری کی دفعہ

265۔ سی کے تحت 16 دسمبر 2003ء کو ملزم کے حوالے کی گئیں۔ ریکارڈ پر موجود مواد کے مطالعہ کے بعد محسوس کیا گیا کہ ملزم کے خلاف کارروائی کے لئے مواد موجود ہے چنانچہ سات عنوانات کی ایک فرد جرم تیار کر کے ملزم کو پڑھ کر سنائی اور سمجھائی گئی مگر اس نے سوالات کا جواب دینے سے انکار کیا اور فرد جرم پر دستخط کرنے سے بھی انکار کیا اور بس اتنا کہا کہ وہ ان الزامات سے انکار کرتا ہے۔

9- سید غلام احمد شاہ، اسسٹنٹ سیکرٹری قومی اسمبلی سیکرٹریٹ استغاثہ کے پانچویں گواہ کی حیثیت سے پیش ہوا۔ وہ موثر گواہ ہے۔ اس نے بتایا کہ 20 اکتوبر 2003ء کو وہ قومی اسمبلی سیکرٹریٹ اسلام آباد میں اسسٹنٹ سیکرٹری تعینات تھا، جواب بھی وہیں ہے۔ اس نے اس تاریخ کو سیکرٹری قومی اسمبلی کی منظوری سے تین وزیٹر کارڈ جاری کئے تھے۔ گواہ نے سیکرٹری قومی اسمبلی کے نام خورشید احمد کی اصل درخواست دفتری ریکارڈ پیش کی جو دستاویز استغاثہ نمبر پی ایس منسلک ہے۔ مذکورہ درخواست اس کے نام بھجوائی گئی تھی اور اسی بنا پر اس نے "نمائندین کی گیلری" (DVG) کا کارڈ جاری کیا جس پر بحوالہ (EX.P.S/1) اس کے دستخط موجود ہیں۔

10- اس نے سیکرٹری قومی اسمبلی کے نام جہانزیب ظہور اعوان کی اصل درخواست (EX.P.T) بھی بطور گواہی پیش کی جو گواہ کو بھجوائی گئی تھی۔ گواہ نے جہانزیب ظہور اعوان کو اس کی درخواست کی بنا پر "نمائندین کی گیلری" کا کارڈ جاری کیا، جس پر اس کے دستخط (EX.P.T/1) موجود ہیں۔

11- 20 اکتوبر 2003ء کو گواہ استغاثہ نادر خان نے سیکرٹری قومی اسمبلی کو وزیٹر کارڈ کے لئے درخواست دی جو گواہ کے نام بھجوائی گئی۔ اس نے اصل درخواست 'Ex.P.U' پیش کی۔ اسی درخواست کی بنا پر اسے (DVG) نمائندین کی گیلری کا کارڈ جاری کیا گیا۔ (EX.P.E) جس پر گواہ کے دستخط 'EX.P.U/1' موجود ہیں۔ تفتیشی افسر نے اس کا بیان 8 نومبر 2003ء کو ریکارڈ کیا تھا۔

12- لیفٹیننٹ کرنل خالد محمود راجہ، جنرل منیجر، آرمی پریس، جی ایچ کیو، راولپنڈی بطور گواہ استغاثہ نمبر 6 پیش ہوا۔ اس نے گواہی دی کہ 3 نومبر 2003ء کو اسے ایس ایس پی اسلام آباد کا ایک خط بحوالہ 7077/C موصول ہوا، جس کا موضوع تھا "ایف آئی آر نمبر 326 بتاریخ 29 اکتوبر 2003ء سے متعلق ایک خط بسلسلہ مونوگرام جی ایچ کیو کی فوٹو کاپی کی تصدیق" یہ خط اسے بوساطت مجاز سی جی ایس سیکرٹریٹ جی ایچ کیو مذکورہ بالا مقصد کے لئے بھیجا گیا۔ اس نے بتایا کہ موازنہ کے لئے بھیجا گیا خط اس نے دیکھا تھا۔ موازنہ کے لئے "قومی قیادت کے نام" کے عنوان سے بھیجے گئے اس خط پر اس نے مہر لگائی اور اپنے مختصر دستخط کئے۔ مذکورہ خط (EX.P.W) اور اس پر کئے گئے مختصر دستخط پر موجود ہیں 'Ex.P.X' گواہ نے جی ایچ کیو کا اصل پیڈ بھی ساتھ لگایا جس پر اس کی مہر اور مختصر دستخط تھے۔ جی ایچ کیو کا اصل پیڈ EX.P.X پر

موجود ہے۔ گواہ نے (EX.P.W) پر موجود مونوگرام کا EX.P.X کے مونوگرام کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد 8 نومبر 2003ء کو مفصل رپورٹ ٹائپ کر کے اس پر دستخط کئے۔ مذکورہ رپورٹ EX.P.Y پر ہے۔ اس کے دستخط EX.P.Y/1 پر موجود ہیں۔

13- مقدمے کا شکایت کنندہ خورشید احمد بطور گواہ استغاثہ نمبر 7 پیش ہوا۔ وہ ایک مؤثر گواہ ہے۔ اس نے شکایت کے مندرجات EX.P.Z' کی مکمل تائید کی جس کی تفصیلات پیرا نمبر 2 میں اوپر ہیں لہذا انہیں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس نے بیان کیا کہ اس نے ایف آئی آر درج کرانے کے لئے دستخط شدہ ایک تحریری درخواست EX.P.Z' دی تھی جس کے ساتھ قومی شناختی کارڈ لگایا EX.P.Z/1' اس نے مزید بتایا کہ اس نے "قومی قیادت کے نام" کے عنوان کے خط کی فوٹو کاپی درخواست کے ساتھ منسلک کی جو اسے جاوید ہاشمی نے دی تھی' EX.P.J' اس نے اخبار' دی نیوز' بھی پیش کیا۔ جو اس نے اندراج مقدمہ کی درخواست سے منسلک کیا تھا۔ اخبار روزنامہ دی نیوز' پہلے ہی EX.P.K پر' روزنامہ "خبریں" EX.P.L پر' روزنامہ "اوصاف" EX.P.M پر' روزنامہ "نوائے وقت" EX.P.N' روزنامہ "پاکستان" EX.P.P پر منسلکہ ہیں۔

16- اس نے بتایا کہ اس نے 29-10-03 کو اپنا ضمنی بیان ریکارڈ کرایا اور اس ضمنی <u>بیان میں ایف آئی آر میں درج اپنے دیئے گئے بیان کو تسلیم کیا اور استفسار پر دیگر شرکاء کے نام بتائے جو چودھری اعتزاز احسن' ایم این اے' حافظ حسین احمد' ایم این اے' لیاقت بلوچ' ایم این اے' شاہ محمود قریشی' ایم این اے' چودھری عابد شیر علی' ایم این اے' راجہ پرویز اشرف' ایم این اے' میاں محمد اسلم' ایم این اے' سید نیر حسین بخاری' ایم این اے اور محمد حنیف' ایم این اے تھے جنہوں نے پریس کانفرنس میں شرکت کی اور اس کی حمایت کی۔</u>

47- استغاثہ کا دعویٰ ہے کہ ملزم کے الفاظ' تقریر' خط کی تقسیم اور ظاہری اقدامات ایسے ہیں کہ اس نے وفاقی حکومت' جو قانون کے تحت کام کر رہی ہے' کے خلاف نفرت پھیلانے یا توہین آمیزی کی کوشش کی۔ اور مزید یہ کہ فوج کے جوانوں عسکری ملازمین کو بغاوت پر اکسایا لہٰذا یہ تمام جرائم تعزیرات پاکستان کی دفعات 109/ 124 /131 کو دفعہ 505 اے' کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے اس کے تحت آتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا پیراجات میں بتایا گیا ہے' زیر دفعات 505/124 اے' سی پی سی کے تحت قائم مقدمے' کے اندراج' چالان اور عدالت کے دائرہ اختیار پر وکیل صفائی کے اعتراضات کو رد کرتا ہے۔ یہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ 2004ء کی نظر ثانی قانون فوجداری 24 کو بھی ملزم کی طرف سے عدالت کے حکم مجریہ 24-01-2004 کے خلاف دائر کیا گیا تھا۔ جبکہ ملزم پر دفعہ تعزیرات پاکستان کی 124 اے لاگو ہوتی ہے۔ مگر اسے بھی معزز عدالت عالیہ نے 08-04-2004 کو اپنے ایک حکم کے تحت خارج کر دیا۔ چنانچہ یہ معاملہ اپنے انجام کو

پہنچ گیا۔ استغاثہ زبانی اور تحریری دستاویزی شواہد سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے کہ ملزم نے دفعہ 124۔اے تعزیرات پاکستان کے تحت جرم سرزد کیا ہے۔

48- اب دیکھنا یہ ہے کہ استغاثہ دیگر الزامات کے تحت جرم کا ارتکاب ثابت کرنے میں کامیاب ہوتا ہے کہ نہیں۔ دفعہ 131 کے الفاظ کے مطابق ''ہر وہ شخص جو بحری' بری اور فضائی فوج کے افسر' سپاہی' سیلر یا ائرمین کو بغاوت پر اکسائے یا ایسے افسر' سپاہی' سیلر یا ائرمین کی ذمہ داری یا فرائض سے بغاوت پر اکسانے کی ترغیب کا مرتکب ہوتو اسے عمرقید کی سزا یا دس سال تک قید کی سزا ہو سکتی ہے۔ جس کے ساتھ جرمانہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس مرحلے میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا ملزم کے بغاوت کے زمرے میں آنے کا کوئی ثبوت ہے؟ اس بارے میں استغاثہ کا گواہ نمبر 8 کیپٹن جہانزیب ظہور اعوان کی گواہی اس سے متعلق اور کافی ہے۔ گواہ کے یہ غیر مبہم الفاظ کہ ملزم کے پریس کانفرنس میں خط قومی قیادت کے نام کے مندرجات کو پڑھنے سے ایک دفعہ تو اس کے اندر اپنے افسران بالا' فوج اور صدر پاکستان کے خلاف بغاوت کا احساس جاگ اٹھا، مگر وہ جلد ہی اپنے جذبات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ کافی ہے کسی صورت یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ استغاثہ کا گواہ نمبر 8 ایک حاضر سروس فوجی افسر ہے۔ اس کے فوجی افسر ہونے کی تردید کسی صورت نہیں کی جاسکتی۔ وکیل صفائی کی طرف سے جرح میں اس نے بتایا کہ پریس کانفرنس سننے اور مذکورہ خط پڑھنے سے پہلے اس کے اندر اپنے افسران بالا، ملک اور صدر کے خلاف باغیانہ خیالات نہیں تھے۔ لہٰذا اس بارے میں اس کے بیان کا حصہ نا قابل تردید اور نا قابل چیلنج ہے۔ چنانچہ ریکارڈ پر دستیاب ثبوت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملزم نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا اور فوجیوں کو اپنے فرائض منصبی سے منحرف کرنے کی کوشش کی، یوں وکیل استغاثہ ملزم کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 131 کو ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

48۔ دل آزار خط کی تقسیم، جیسا کہ او پر پیش کیا گیا ریکارڈ پر ہے، مذکورہ خط کے ذریعے ملزم نے فوج کے اندر بغاوت پیدا کرنے کی جسارت کی۔ ایک حاضر سروس جنرل جاوید حسن اور اس پر عائد کردہ الزامات کا اظہار کیا کہ وہ جب امریکہ میں پاکستانی ہائی کمیشن میں فوجی اتاشی تھا، تو چار سال کے لئے سی آئی اے کا ایجنٹ رہا ہے۔ پاکستانی فوج کی اعلیٰ قیادت کے بارے میں بھی کسی ثبوت کے بغیر ریمارکس دے دیئے۔ ملزم کا دشمن فوج کو فوقیت دینا کہ وہ پاک فوج سے زیادہ منظم ہے۔ یہ آراء اور الزامات کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہیں۔ ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ جنرل جاوید حسن کے خلاف لگائے گئے الزام کو وزارت دفاع (حوالہ خط ES.P.BB) نے یکسر رد کر دیا۔ منیر احمد، ڈپٹی سیکرٹری، وزارت دفاع، عدالت میں استغاثہ کی طرف سے گواہ نمبر 9 کے طور پر پیش ہوا اور خط (حوالہ نمبر EX.P.BB) کے مندرجات کو درست قرار دیا، جس

سے یہ واضح ہوا کہ چیف آف آرمی سٹاف، افسر مجاز، کی حمایت پر لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن کی ترقی ہوئی حالانکہ اس نے رولز آف بزنس 1973 کے شیڈول 5۔اے کے سیریل نمبر کی شرائط پر بتاریخ 5 اگست 2000ء کو دیگر عمومی افسران کے ساتھ ترقی پائی۔ مزید یہ واضح کیا گیا کہ مسلح فوج کا کوئی افسر سی آئی اے میں تعینات نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ زبانی مگر دستاویزی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ فوجی افسر پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد تھے، جو فوجی افسر کو بالخصوص اور فوج کو بالعموم بدنام کرنے کی کوشش تھے۔ اس طرح پاکستانی فوج کی نہ صرف بدنظمی کا شکار بلکہ بدنام بھی ہوئی اور ملزم کی اس حرکت سے فوج کی ساکھ بھی متاثر ہوئی۔ پس مذکورہ خط مندرجات سے یہ نہایت واضح ثابت ہوا کہ ملزم نے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ سیاسی فوائد کے لئے اس جرم کو سرزد کیا اور ملزم کی یہ حرکت زیر دفعات 469/500، 505 (اے) کے تحت قابل سزا جرم ہے۔

49۔ استغاثہ کا مقدمہ یہ ہے کہ خط "قومی قیادت کے نام" ملزم نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پریس کانفرنس میں تقسیم کیا، وہ اپنی ہیئت میں ایک چوری شدہ جعلی کاغذ دکھائی دے رہا تھا، جس پر پاک فوج کا مونو گرام خود ساختہ اور جعلی تھا۔ استغاثہ کی طرف سے اظہار کیا گیا کہ جعلی خط پاک فوج کے جعلی مونو گرام والے خط کے ذریعے ملزم نے پاک فوج کی ساکھ، اس کے ملازمین اور سرکاری ملازمین کی ساکھ کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ استغاثہ کے گواہ نمبر 2 رشید احمد نے گواہی دی کہ اس کی موجودگی میں استغاثہ کے گواہ جہانزیب ظہور نے وزیٹر گیلری کارڈ، EXHPB، اور "قومی قیادت کے نام" والے خط کی فوٹو کاپی EXHPO، تفتیشی افسر کو دی۔ اس طرح استغاثہ کے گواہ نمبر 3 ثبوت کے طور پر افتخار احمد نے وہ خط قومی قیادت کے نام "EX.P.J" کو شکایت کنندہ نے تفتیشی افسر کو پیش کیا۔ اسی طرح استغاثہ کے گواہان نمبر 11، 12 اور 13 نے بالاتفاق اس بات کی گواہی دی کہ 03-11-2003 کو تفتیش کے دوران ملزم سے خط "قومی قیادت کے نام" سے سادے کاغذ اور جی ایچ کیو کے مونو گرام کے ساتھ برآمد ہونے کا انکشاف ہوا۔ گواہوں کے بقول اس کے کہنے پر ملزم کی رہائش گاہ پارلیمنٹ لاجز F-106 سے مذکورہ خط کی 9 نقول برآمد ہوئیں۔

استغاثہ کے گواہ نمبر 6 لیفٹیننٹ کرنل خالد محمد راجہ نے جو سینٹرل آرمی پریس، جی ایچ کیو، راولپنڈی میں جنرل منیجر ہیں، عدالت میں حاضر ہو کر بتایا کہ خط پر موجود جی ایچ کیو کے مونو گرام کو جی ایچ کیو کے اصل مونو گرام کے ساتھ موازنہ کیا گیا اور اس کی رپورٹ کے مطابق "EX.P.Y" پر موجود مونو گرام والا جعلی اور خود ساختہ پایا گیا۔ رپورٹ EX.P.Y ایک مفصل رپورٹ ہے، جو زیر بحث کے اصل اور نقل ہونے کو واضح کرنے والے 8 نکات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح استغاثہ کے گواہ نمبر 13 شوکت علی، ایف آئی اے

کے ٹیکنیکل ونگ میں انسپکٹر، نے عدالت میں پیش ہو کر حلفیہ تصدیق کی کہ زیر بحث خط اور مونوگرام کے اصل کے ساتھ نہایت محتاط جانچ پڑتال کے ساتھ موازنہ کیا گیا۔ لہذا گواہ کا نقطۂ نظر ہے کہ مذکورہ خط اور مونوگرام جعلی ہیں۔ دو ماہرین کی اگرچہ گواہی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ وہ خط جو ملزم نے پریس کانفرنس میں تقسیم کیا اور وہ خطوط جو دورانِ تفتیش بازیاب ہوئے، وہ سب جعلی اور خودساختہ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ خط کو ملزم نے نہیں لکھا یا وہ اس کی تیاری کا ذمہ دار نہیں ہے تو اس خط کی مزید 9 نقول اس کے قبضے سے کیسے برآمد ہوگیں۔

معزز وکیل صفائی نے ملزم کے قبضہ سے لیٹر پیڈ، سادہ کاغذ زمین سے بازیاب کرانے کی کارروائی پر اعتراض اٹھایا ہے جو کہ اس کی رہائش سے بھی برآمد کیے گئے، حالانکہ اس کے ہمسائے تک اس بات کے گواہ نہیں تھے۔ لہذا اسے سچ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ وکیل صفائی نے مزید اعتراض اٹھایا کہ سردست کوئی شواہد نہیں تھے کہ ملزم لاج F106 میں رہ رہا تھا مگر اس کی عدم موجودگی سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکا کہ مذکورہ ملزم لاج میں مقیم تھا اور بازیابی کا عمل نادرست ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل صفائی کی طرف سے اٹھایا گیا اعتراض کی دو ملفوف وجود کی بنا پر کوئی قانونی حیثیت نہیں رہ جاتی۔

اول یہ کہ بازیابی ملازم کے کہنے پر عمل میں آئی ہے، اس بنا پر ہمسایوں کا بازیابی کے عمل میں ہونے کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوتی اور دوسرے یہ کہ ملزم نے خود انکشاف کیا کہ وہ پارلیمنٹ لاجز کے لاج F106 میں رہتا ہے، اس بنا پر کسی شہادت کے اکٹھا کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔

50۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مقدمہ میں درج جرم 03-10-20 کو سرزد ہوا، جبکہ مقدمہ 03-10-29 کو رجسٹر ہوا اور مقدمہ درج کرنے میں 9 دنوں کی تاخیر ہوئی۔ معزز وکیل صفائی مقدمہ کی تاخیر سے رجسٹر کرنے پر اعتراض اٹھایا کہ من گھڑت کہانی بنانے کے لئے وقت درکار تھا۔ وکیل استغاثہ کے بقول ایف آئی آر میں لفظ "بلاتوقف" کسی تاخیر کے بغیر لکھا گیا جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ شکایت اسی دن لکھی اور جمع کروائی گئی۔ اگر اعتراض میں قانونی وزن ہے، مگر اس مقدمے میں اسے ہو بہو نہیں لیا جا سکتا۔ اگرچہ ایف آئی آر میں ایک حوالہ موجود ہے کہ یہ "بلا کسی تاخیر" درج کرائی گئی، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ شکایت تاخیر کے ساتھ لکھی گئی بلکہ "بلا تاخیر" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے ہی شکایت ہوئی، ایس ایس پی نے تھانے بھجوادی، تفتیشی افسر نے اسے پرکھا، لہذا "بلا تاخیر" کے الفاظ کو کسی اور ضمن میں نہیں لینا چاہیے۔ مزید یہ کہ شکایت کنندہ نے بصراحت یہ تفصیل بتائی کہ وہ ایس ایس پی اسلام آباد کے دفتر جاتا رہا ہے، مگر وہ اپنے دیگر سرکاری امور میں مصروف ہونے کے باعث نہ مل پاتے رہے۔ شکایت کنندہ نے اس بات کا انکار کیا کہ

ایس ایس پی اسلام آباد ہمہ وقت 20 تا 29 اکتوبر 2003ء کو اپنے دفتر میں موجود ہوتے تھے۔ اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس طرح شکایت کنندہ تاخیر کو واضح کر چکا ہے۔ اگر شکایت پولیس سٹیشن کے ایس ایچ او کو کی جاتی تو یہ صورتحال مختلف ہوتی، مگر شکایت ایس ایس پی کے نام لکھی گئی تھی اور ایک بڑے عہدہ کے حامل افسر ہونے کے ناتے وہ دوسری مصروفیت بھی رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کچھ دنوں تک شکایت کنندہ کو ملاقات کا وقت نہ دے سکا ہو۔ مزید یہ کہ کسی الزام کے فقدان پر ایف آئی آر درج کروانا کہ جس میں استغاثہ کے مقدمات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جیسے 2000#P.Cr.L J1481 NLR1998 Criminal545 اور 1987 P.Cr.L.J1445 میں ہوا چنانچہ اس بنا پر ایف آئی آر کے تاخیر سے درج ہونے کی یہ دلیل مقدمہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، کیونکہ اسے بوضاحت بیان کر دیا گیا ہے۔

52۔ چنانچہ مندرجہ بالا الزام کے سلسلے میں دستیاب ریکارڈ بحث اور حقائق کو مدنظر رکھ کر میں اس اٹل نتیجے پر پہنچا ہوں کہ استغاثہ ملزم کے خلاف کسی بلاشک وتردید اپنا مقدمہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چنانچہ ملزم جاوید ہاشمی کو دفعہ 124۔اے تعزیرات پاکستان کے تحت تین سال قید بامشقت مع دس ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید دو مہینے قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ملزم پر دفعات 131/109 تعزیرات پاکستان بھی ثابت ہوتی ہیں لہٰذا سات سال قید بامشقت اور دس ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید دو ماہ قید کی سزا دی جاتی ہے۔

ملزم کو دفعہ 505 (اے) تعزیرات پاکستان کے تحت دو سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید ایک ماہ قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ملزم کو زیر دفعات 468/471 تعزیرات پاکستان کے تحت چار سال قید بامشقت ہر ایک دفعہ پر ایک ماہ پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں دو ماہ قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ملزم زیر دفعہ 500 تعزیرات پاکستان کے تحت بھی مجرم ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ایک سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ مزید ایک ماہ قید بھگتنا ہوگی۔ ملزم زیر دفعہ 469 تعزیرات پاکستان کے تحت دو سال قید اور دو ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید پندرہ دن قید کی سزا دی جاتی ہے۔ تمام سزائیں ایک ساتھ نافذ العمل ہوں گی۔ دفعہ 382۔بی تعزیرات پاکستان کے تحت ملزم کو شک کا فائدہ دیا جاتا ہے۔ ملزم کو جیل کے احاطے میں گرفتاری کی حالت میں پیش کیا گیا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ واپس جیل لے جایا جائے، تاکہ سزا پر عملدرآمد شروع کیا جا سکے۔ قید خانے میں بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا ہے۔ مقدمے سے متعلق مواد قانون کے مطابق محفوظ کیا جائے۔ ملزم کو عدالت کے حکم کی نقل دی جا چکی ہے۔ مسل ضروری تکمیل اور

ترتیب کے بعد ریکارڈ روم میں بھجوائی جائے۔

فیصلہ کا اعلان 12-04-2004 کو کھلی عدالت میں کیا گیا۔

دستخط سیشن جج، اسلام آباد کیمپ بمقام سنٹرل جیل، راولپنڈی

تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ فیصلہ کل چھپن صفحات پر مبنی ہے، ہر صفحہ لکھوایا گیا ہے، جہاں ضرورت پڑی میں نے درست کیا اور دستخط ثبت کیے۔

دستخط سیشن جج، اسلام آباد کیمپ بمقام سنٹرل جیل، راولپنڈی

# ہائی کورٹ میں فیصلے کے خلاف اپیل

اسلام آباد کے سیشن جج نے اڈیالہ جیل راولپنڈی کے بند کمرے میں سماعت کے بعد مخدوم جاوید ہاشمی کو تعزیرات پاکستان کی چھ مختلف دفعات کے تحت سزا سنائی۔

(۱) زیر دفعہ 124۔الف تین سال قید با مشقت مع دس ہزار روپے جرمانہ بصورت عدم ادائیگی مزید دو ماہ قید بے مشقت۔

(۲) زیر دفعہ 131/109 سات سال قید با مشقت مع پانچ ہزار روپے جرمانہ بصورت عدم ادائیگی مزید ایک ماہ قید بے مشقت۔

(۳) زیر دفعہ 505۔الف دو سال قید با مشقت مع پانچ ہزار روپے بصورت عدم ادائیگی مزید ایک ماہ قید بے مشقت۔

(۴) زیر دفعات 468/471 چار سال قید با مشقت فی جرم مع پانچ ہزار روپے جرمانہ فی جرم، بصورت عدم ادائیگی ایک ماہ قید بے مشقت فی جرم۔

(۵) زیر دفعہ 500 دو سال قید با مشقت مع پانچ ہزار روپے جرمانہ۔

(۶) زیر دفعہ 469 دو سال قید با مشقت مع دو ہزار روپے جرمانہ، بصورت عدم ادائیگی 15 دن قید بے مشقت۔

اس سزا کو کالعدم قرار دینے اور سائل کو رہا کرنے کی درخواست کے ساتھ، لاہور ہائی کورٹ کے راولپنڈی بنچ کے روبرو سنیئر ایڈووکیٹ محمد اکرم شیخ کی وساطت سے اپیل دائر کی گئی۔ اپیل کیلئے مندرجہ ذیل وجوہ پیش کئے گئے:۔

۱۔ فاضل سیشن جج کا فیصلہ صریحاً خلاف قانون ہے اور ریکارڈ میں قانوناً موجود کسی بھی شہادت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

۲۔ فاضل سیشن جج کے اخذ کردہ نتائج کسی ٹھوس قانونی دلیل یا ریکارڈ میں موجود کسی شہادت کی بجائے سراسر قیاس وگمان پر مبنی ہیں۔ مودبانہ گزارش ہے کہ فاضل سیشن جج نے شہادت کو پڑھے بغیر یا اس کی غلط تعبیر سے نتائج اخذ کئے ہیں۔ شہادت کو اس کے اصل پس منظر میں دیکھا ہی نہیں گیا۔ چنانچہ سزا کا فیصلہ اس فاضل عدالت کی جانب سے کالعدم قرار دیے جانے کا مستحق ہے۔

۳۔ سائل قطعی بے قصور ہے۔ اس کو سرکاری ایجنسیوں نے ایک ایسے شخص کے ایماء پر اس من گھڑت اور بے سروپا مقدمے میں ملوث کیا ہے جس نے ہیرا پھیری کر کے حکومت پاکستان کے تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں

لے لئے ہیں۔ فاضل سیشن جج نے استغاثہ کی گواہی کو غیر قانونی طور پر صحیفہ آسمانی کی حیثیت دی اور استغاثہ کو خوش کرنے کی خاطر سائل کو کسی بھی مبینہ جرم کے ارتکاب کے ثبوت کے بغیر سزا دینے کیلئے قانون اور انصاف کے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیئے۔

۴۔ استغاثہ سائل کو مجرم ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہا، چنانچہ اسلام آباد کے سیشن جج (بہ اجلاس اڈیالہ سنٹر جیل راولپنڈی) نے سائل کو جو سزا دی ہے وہ بالکل قابل نفاذ نہیں۔ اس فیصلے کی ریکارڈ پر موجود قانونی شہادت سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔ استغاثہ پر لازم ہوتا ہے کہ وہ مبینہ الزامات کا مکمل ثبوت پیش کرے۔ لیکن وہ سائل کی طرف سے کسی بھی جرم کا ارتکاب ثابت کرنے میں قطعی ناکام رہا ہے۔

۵۔ سائل کے خلاف یہ مقدمہ قومی اسمبلی کیفے ٹیریا (پارلیمنٹ ہاؤس) میں مبینہ ارتکاب جرم کے نو دن بعد سرکاری کارندوں کی فرمائش پر تھانہ سیکرٹریٹ اسلام آباد میں زیر دفعات ۔124 الف ۔ 505, 500, 131, 468, 469, 471 اور 109 درج کیا گیا۔ اس جھوٹے اور بد نیتی پر مبنی مقدمے کے اندارج میں نو دن کی یہ تاخیر بالکل واضح ہے، تاہم ایف آئی آر میں اس کی وضاحت کرنے کی بجائے کالم 5 میں ''بلا تاخیر'' کے الفاظ لکھ دیئے گئے۔

۶۔ سائل کی دیگر گزارشات کو خطرے میں ڈالے بغیر گزارش ہے کہ قومی اسمبلی کے حدود میں واقع ہونے والے کسی واقعے کے متعلق مقدمہ اسپیکر کے سوا کوئی نہیں درج کرا سکتا، کیونکہ ضوابط کے تحت اسی کو ''نگران ایوان'' قرار دیا گیا ہے۔ گویا اسپیکر کے سوا کسی شخص کو بھی اس بات کا نوٹس لینے یا کارروائی شروع کرنے کا اختیار نہیں۔ یعنی مقدمے کے اندراج سے لے کر سائل کی گرفتاری، حراست، عقوبت اور سماعت مقدمہ تک پورا عمل پارلیمنٹ اور اسپیکر کے دائرہ کار میں سنگین مداخلت ہے۔

۷۔ استغاثہ کے تمام گواہ جانبدار ہیں اور سکھائے پڑھائے ہیں۔ وہ محض سرکاری کٹھ پتلیاں ہیں اور سائل کو بد نیتی سے ایک جعلی مقدمے میں ملوث کرنے کی غرض سے ان کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ نام نہاد مدعی ایک ریٹائرڈ فوجی افسر ہے، لیکن اس حقیقت کو نہ صرف ایف آئی آر میں درج کراتے وقت، بلکہ تفتیش کے دوران اور فاضل عدالت سماعت کے روبرو بھی بد نیتی سے چھپایا گیا، اور صرف جرح کے دوران انکشاف ہوا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی افسر ہے۔ بتایا گیا کہ وہ میجر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوا۔ استغاثہ کا ایک اور گواہ جہانزیب ظہور اعوان (گواہ استغاثہ نمبر 8) پاک فوج کا حاضر سروس کپتان ہے اور جی ایچ کیو میں تعینات ہے۔ فاضل عدالت سماعت نے اسے بھی موثر گواہ گردانا ہے۔

۸۔ استغاثہ کا بنایا ہوا مقدمہ جو ایف آئی آر میں درج کرایا گیا، سراسر جھوٹا اور من گھڑت ہے اور صریح بدگمانی پر مبنی ہے۔ یہ ایک طے شدہ قانونی پوزیشن ہے کہ قومی اسمبلی (ایوان پارلیمنٹ) کا کیفے ٹیریا ایوان کا اٹوٹ

حصہ ہے۔ ایوان محض قومی اسمبلی کی نشستوں اور اجلاس کی جگہ تک محدود نہیں بلکہ اس کا پورا گردو نواح ایوان کا حصہ ہے، چنانچہ ایوان کے کیفے ٹیریا میں جو کچھ کہا اور کیا جاتا ہے وہ آئین کے آرٹیکل 66 کے معنوں میں مراعات یافتہ ہے۔

الف) مؤدبانہ گزارش ہے کہ قومی اسمبلی کے ایک رکن کو جو تحفظ اور مامونیت حاصل ہے وہ مطلق اور بے قید ہے۔ یہاں قانون مجلس دستور ساز (کارروائی و مراعات) مجریہ 1955 کا حوالہ بے جا نہیں ہوگا۔ ''دیگر معاملات میں'' اسمبلی کے ارکان اور مجالس کو وہی تحفظات و مراعات حاصل ہیں جو اس قانون کے نفاذ کے وقت برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ کے دارالعوام کے ارکان اور مجالس کو حاصل ہیں۔ پارلیمنٹ کے ایوان کو عدالتی مداخلت سے تحفظ کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ دارالعوام جیسی ہی ہے، اور استحقاق آئین میں اسی حد تک دیا گیا ہے کہ جس حد تک دارالعوام اپنے داخلی معاملات اور کارروائی کے معاملے میں عدالتی مداخلت کے خلاف اپنا استحقاق برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔

ب) برطانیہ اور پاکستان کے آئین مختلف ہونے کے باوجود جہاں تک دوسرے ریاستی اداروں کے مقابلے میں مقننہ کی حیثیت کا تعلق ہے، وہ کم و بیش وہی ہے جو برطانیہ میں موجود ہے۔

ج) برطانوی پارلیمنٹ اور اسی نمونے پر قائم شدہ دوسری پارلیمانوں کی کارروائی کے معاملے میں ارسکن مے **(Erskin May)** کی کتاب Parliamentary Practice نہایت قابل اعتماد ہے اور ہر قسم کے نکات میں، خواہ بنیادی ہوں خواہ تفصیلی، قابل قدر رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے مطابق کراؤن کے استحقاق، عام عدالتوں کے اختیارات اور دارالامراء کے خصوصی حقوق کے مقابلے میں دارالعوام اور اسکے ارکان کے حقوق مجموعی طور پر بالاتر ہیں۔

د) دارالعوام اپنی داخلی کارروائی کے معاملے میں قانون کے نفاذ کی حد تک عدالتوں کے ماتحت نہیں ہے، چنانچہ پارلیمنٹ کے ایوان کو عدالتی مداخلت سے آزادی کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ دارالعوام جیسی ہی ہے اور یہ استحقاق ہمارے آئین میں اسی حد تک دیا گیا ہے جس حد تک، دارالعوام، اپنے داخلی معاملات اور کارروائی کے معاملے میں، عدالتی دائرہ اختیار سے باہر، اپنا استحقاق برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔

۹)۔ یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ تعزیرات پاکستان کی فعہ 124 الف۔ کے تحت جرم نہ صرف یہ کہ نا قابل دست اندازی ہے، بلکہ ایسا بھی کوئی تصور موجود نہیں کہ پولیس اس دفعہ کے تحت مقدمہ درج کر سکتی ہے۔ دفعہ 124۔الف کے تحت مقدمہ کا ادراک صرف وفاقی حکومت کی شکایت پر کیا جا سکتا ہے۔ زیر نظر معاملے میں نہ تو وفاقی حکومت نے اس مقدمے پر غور کیا اور نہ ہی مبینہ واقعہ کے متعلق شکایت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کی

بجائے پولیس نے اس کا ادراک کیا، تفتیش کی اور چالان پیش کر دیا، چنانچہ مقدمے کے اندراج سے لے کر تفتیش، چالان کی عدالت میں پیشی، سماعت اور سزا کے فیصلے تک پوری کارروائی سرے ہی سے باطل ہے، جس کا نہ کوئی قانونی اختیار تھا اور نہ قانونی اثر۔

۱۰۔ مزید برآں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 196 کی استثنا منفی زبان میں درج کی گئی ہے، جس کا درجہ حکم کا ہے نہ کہ محض ہدایت کا۔ یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ اگر اختیار کے استعمال میں حکمی شرائط پوری نہ کی جائیں تو پوری کارروائی عدم انصاف، غیر قانونی اور بلا اختیار قرار پاتی ہے۔ چنانچہ دفعہ 196 کی عدم پابندی سے تمام کارروائی ناقص ہو گئی، یعنی دفعہ 196 کے مطابق حکومت کے کسی حکم کی عدم موجودگی، فاضل عدالت سماعت کو اس مقدمے میں تفتیش کا کوئی اختیار نہ تھا۔ گویا وفاقی حکومت کی طرف سے شکایت نہ ہونے کے باوجود دفعہ 124۔ الف کے تحت مقدمے کا اندراج ہی غیر قانونی تھا اور یوں فاضل سیشن جج نے اڈیالہ سنٹرل جیل راولپنڈی میں بیٹھ کر جو سزا سنائی وہ باطل ہے۔ قانون کی نظر میں عدالت سماعت کی پوری کارروائی بے کار ہے اور کالعدم قرار دیئے جانے کی مستحق ہے۔

۱۱۔ علاوہ ازیں جرائم زیر دفعات 471,469,468 بلا خوف تردید نا قابل دست اندازی ہیں۔ ان جرائم کے بارے میں عدالت کے واضح حکم کے بغیر، پولیس نہ مقدمہ درج کر سکتی ہے، نہ تفتیش کر سکتی ہے، نہ چالان پیش کر سکتی ہے، چنانچہ ان دفعات کے معاملے میں بھی تمام کارروائی سرے سے باطل ہے۔

۱۲۔ ضابطہ فوجداری کی حکمی شرائط کی خلاف ورزی دربارہ اندراج مقدمہ، تفتیش، تحریر بیانات زیر دفعہ 164 اور دفعہ 196 کی شرائط کے عدم اطلاق نے پوری کارروائی کو سرے سے باطل کر دیا ہے۔ فوجداری مقدمات میں ضابطے کی مطلوبہ شرائط کی پابندی محض رسمی بات نہیں ہے۔ ضوابط کار کا مقصد ہی یہ ہے کہ ملزم کے حق آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے انصاف مہیا کیا جائے۔ ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ تعزیری قوانین کی تشریح بہت محتاط ہونی چاہیے تاکہ ملزم اپنے قانونی حقوق سے محروم نہ ہو اور یہ بھی مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی کام کسی خاص انداز میں کرنا مطلوب نہ ہو تو وہ بالکل اسی طرح کیا جانا چاہیے یا پھر کرنا ہی نہ چاہیے۔

۱۳۔ استغاثہ ملزم پر کسی بھی جرم کا ارتکاب ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ مؤدبانہ گزارش ہے کہ فاضل سیشن جج نے سائل کے خلاف فیصلے میں جرائم کا تذکرہ کرتے وقت ان کو حد سے زیادہ پھیلا دیا حالانکہ سائل کے خلاف کوئی بھی معقول اور غیر جانبدار شہادت موجود نہ تھی۔ یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ فوجداری اور تعزیری قوانین کی تشریح بہت محتاط ہونی چاہیے اور اس معاملے میں ارادۃً کوئی کھینچا تانی کر کے ان کا غیر منصفانہ اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

۱۴۔ زیر بحث فیصلہ ان وجوہ کے بارے میں خاموش ہے، جو تعزیرات پاکستان کی دفعات 124،

الف، 131، 468، 469، 471، 500، 505 اور 109 کے مبینہ الزامات پر اطلاق کیلئے ضروری ہیں۔ فاضل جج نے فوجداری الزامات ثابت کرنے کیلئے ان عناصر اور مجرمانہ نیت کی تفصیل بیان نہیں کی جن کے بغیر کسی جرم کا ارتکاب ہو ہی نہیں سکتا۔ دفعہ 131 تعزیرات پاکستان کے مطابق بغاوت کی حوصلہ افزائی اور سپاہی کو فرائض سے انحراف پر مائل کرنے کا بنیادی عنصر استغاثہ کی شہادت سے کہیں اخذ نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں دفعات 468، 464، 471، 500 اور 505 الف کا اطلاق صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب نیت و ارادہ کی بے شک و شبہ شہادت موجود ہو۔ تاہم فاضل عدالت سماعت نیا لزامات کو غلطی سے ارتکاب جرم کا امکان قرار دے دیا اور نیت مجرمانہ کے ثبوت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

۱۵۔ فاضل سیشن جج نے قانون شہادت کی شرائط اور فوجداری مقدمات میں عدل کے بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھنے کی بجائے ناقابل قبول، داغدار اور جانبدارانہ شہادت کو اپنے فیصلے کی بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ فاضل سیشن کا فیصلہ اور تعزیر برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔

۱۶۔ سائل کے مقدمے کی اڈیالہ سنٹرل جیل کے ایک علیحدہ بند کمرے میں سماعت انصاف طلبی اور منصفانہ کھلے عام سماعت کی ان ضمانتوں کے خلاف ورزی ہے جو ملکی آئین اور اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی مجریہ 1948 میں دی گئی ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ عالمگیر منشور حقوق انسانی کے آرٹیکل 10 کے تحت ہر شخص کا یہ مساوی حق ہے کہ اس کے خلاف کوئی الزام ہو تو اس کی تحقیق کیلئے آزاد اور غیر جانبدار عدالت میں منصفانہ اور کھلے عام سماعت کی جائے۔ جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948 کو منشور کی منظوری دے کر اس کے نفاذ کا اعلان کیا تھا۔ اس کے آرٹیکل 11 میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جس پر کوئی قابل تعزیر الزام ہو اس وقت تک معصوم تصور کیا جائے گا، جب تک کھلی عام سماعت میں، جہاں اسے صفائی پیش کرنے کی ضروری ضمانت حاصل ہو، وہ قانون کے مطابق قصوروار ثابت نہ ہو جائے

۱۷۔ مودبانہ گزارش ہے کہ سائل پر کسی آزاد اور غیر جانبدار عدالت میں عوام اور اخبارات کے روبرو مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ مقدمہ خفیہ طور پر اڈیالہ جیل میں منتقل کر دیا گیا، جہاں عوام اور اخبارات کی آزادانہ رسائی نہ تھی۔ سائل نے اس معاملے کو اس فاضل عدالت میں رٹ پٹیشن کے ذریعے چیلنج کیا تھا، مگر اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا، اس دوران مقدمے کی سماعت مکمل ہو گئی اور پٹیشن بار آور نہ ہوئی۔ لہٰذا یہ فاضل عدالت سائل پر مہربانی کرے اور سماعت کو اس بنا پر ناقص و باطل قرار دے کہ سائل کو صفائی پیش کرنے کیلئے مناسب، منصفانہ، آزاد اور غیر جانبدار ماحول مہیا کرنے کی بجائے مقدمے کی سماعت اڈیالہ جیل کی دیواروں میں چھپا دی گئی جہاں "مستغیث ایجنسیاں" نگرانی کر رہی تھیں۔

۱۸۔ سماعت تمام تر حکومتی مفادات کی طرف داری کے انداز میں ہوئی اور فیصلہ ایک ایسے وقت سنانا طے کیا گیا

جب پاکستان اور اس کے جمہوری اداروں کی شہرت اور اعتماد کو متاثر کرنے والے اہم بین الاقوامی واقعات ظہور میں آ رہے تھے۔ یہ ادارے پہلے ہی اپنی بقاء کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور اس فیصلے نے اس عام تاثر کو تقویت پہنچائی کہ پارلیمانی ادارہ محض قید خانہ ہے ان لوگوں کے ہاتھوں میں جو اکتوبر 99ء میں منتخب پارلیمنٹ اور حکومت کو برطرف کر کے اقتدار پر قابض ہو گئے تھے۔ مقدمے کے فیصلے کا اعلان ایسے موقع پر کیا گیا جب بین الاقوامی پارلیمانی یونین کا اجلاس میکسیکو سٹی میں 18 تا 25 اپریل 2004ء منعقد ہونے والا تھا۔ دو ہفتے بعد یورپی پارلیمنٹ کا اجلاس مقرر تھا اور اس کے قریب ہی دولت مشترکہ میں پاکستان کی رکنیت کی بحالی کے سلسلے میں اجلاس متوقع تھا۔ لگتا ہے یہ سب کچھ کسی ایسے بدخواہ ذہن کا منصوبہ تھا جو پاکستان کو سزا دینے کیلئے منفی پروپیگنڈے کی زد پر رکھنا چاہتا تھا۔ اتنے اہم واقعات کے قریب (سائل کے خلاف) فیصلے کا اعلان درحقیقت ''انتہائی غداری'' کا فعل ہے جس کے ذریعے قومی مفاد کو دھوکا دیا گیا۔ پاکستان سے بے وفائی کی گئی اور عالمی برادری میں اس کی ساکھ کو نقصان پہنچایا گیا۔ سائل پر لگائے گئے الزام کے تحت سزا پانے کے مستحق تو دراصل وہ افراد ہیں جنہوں نے اس جعلی مقدمے کے ذریعے وطن عزیز کی توہین و تذلیل کی ہے اور اسے بدنام کیا ہے۔

۱۹۔ فاضل سیشن جج اسلام آباد نے اڈیالہ سنٹرل جیل راولپنڈی میں بیٹھ کر 12 اپریل 2004ء کو جو فیصلہ سنایا وہ صریحاً خلاف قانون ہے، ریکارڈ میں موجود کسی قانونی شہادت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اس کو قطعاً برقرار نہیں رکھا جا سکتا، چنانچہ یہ فیصلہ اس بات کا مستحق ہے کہ یہ فاضل عدالت اپنے مرافعانہ اختیار سماعت کے تحت اس کو کالعدم قرار دے۔

۲۰۔ سائل بالکل بے قصور ہے اور حکومتی ایجنسیوں نے اس کو اس من گھڑت، جعلی مقدمے میں بدنیتی سے اور انتقام کیلئے ریاستی طاقت استعمال کرنے کی غرض سے ملوث کیا ہے۔ کیونکہ سائل پاکستان مسلم لیگ (ن) کا قائمقام صدر، اے آر ڈی کا لیڈر اور قومی اسمبلی کا ایک سرگرم رکن ہے۔ جس نے حکومتی دباؤ میں آنے سے انکار کیا ہے اور پاکستانی آئین کی حکمرانی بحال کرانے کیلئے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے۔ جس سے ملک کے موجودہ حکمراں نے عوام کو محروم کر رکھا ہے۔ سائل کو ہر لحاظ سے معاندانہ مقدمے کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ واقعی ایک المیہ ہے کہ ہمارے ملک میں تقریر و تبصرے کی آزادی اور دوسرے بنیادی حقوق مسلسل پامال کئے جا رہے ہیں۔

۲۱۔ سائل اس جھوٹے، بے بنیاد اور بدنیت الزام سے بری قرار دیئے جانے کا مستحق ہے جس کے تحت فاضل سیشن جج اسلام آباد نے راولپنڈی کے اڈیالہ سنٹرل جیل میں بیٹھ کر غیر قانونی طور پر سزا سنائی ہے۔

۲۲۔ فاضل سیشن جج اسلام آباد کا فیصلہ نہ صرف خلاف قانون ہے، بلکہ گزارش ہے کہ یہ بلا اختیار بھی ہے اور کھلی بے انصافی بھی ہے۔

# حدائق الصالحین

شرح اردو

# زاد الطالبین

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وشرح

مولانا محمد اسلم زاہد

مکتبہ خلیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حدائق الصالحین اردو شرح زاد الطالبین

# حدائق الصالحین

اردو شرح

# زاد الطالبین

- صرفی تحقیق
- لغوی تحقیق
- نحوی تراکیب
- ترجمہ بمطابق ترکیب
- مختصر مگر جامع تشریح
- ہر نوع کے شروع میں نحوی فوائد
- مطالب احادیث سے مأخوذ عنوانات
- وفاق المدارس کے دس سالہ سوالات


تالیف مولانا محمد عاشق الٰہی البرنیؒ

ترجمہ مولانا حافظ محمد اسلم زاہد



مکتبہ خلیل

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور فون: 37321118

یہ کتاب عبدالوحید اشرفی مالک ملہ کتاب گھر
کی خصوصی اجازت سے شائع کی

نام کتاب ........ حدائق الصالحین اُردو شرح زادالطالبین

تالیف ........ مولانا حافظ محمد اسلم

باہتمام ........ معاذ حسن

اشاعت ........ اکتوبر 2011ء

طابع ........ گنج شکر پرنٹرز۔ لاہور

## ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دینی و دیگر علمی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کر دی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

## ملنے کے پتے

اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید، راولپنڈی
مکتبہ رشیدیہ، کمیٹی چوک راولپنڈی
عثمان دینی کتب خانہ، تبلیغی مرکز مانسہرہ
مکتبہ المعارف، قصہ خوانی بازار پشاور
اسلامیہ کتب خانہ، گامی اڈہ ایبٹ آباد
مکتبہ رحیمیہ اُردو بازار کراچی

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی
مدنی کتب خانہ، تبلیغی مرکز مانسہرہ
مکتبہ امینیہ، حسن ابدال
مکتبہ علمیہ، اکوڑہ خٹک
مکتبہ عثمانیہ، ہری پور
ادارۃ الرشید کراچی

# فہرست



## الباب الاوّل



## اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ

# نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهَا

## نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهَا



## اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ الَّتِيْ دَخَلَتْ عَلَيْهَا حَرْفُ اِنَّ

## اِنَّمَا



## اَلْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّة ❶



## اَلْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّة ❷

## نَوْعٌ اٰخَرٌ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ وَهُوَ مَافِي اَوَّلِه لَاالنَّافِيَةُ



# صِيَغُ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ

# لَيسَ النَّاقِصَة



# الشَرط وَالجَزاءُ

## نَوْعٌ اٰخَرُ مِنْهُ

## ذِكْرُ بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ

## الباب الثانی
## فِی الْوَاقِعَاتِ وَالْقَصَصِ وَفِیهِ اَرْبَعُوْنَ قِصَّةً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# افتتاحیہ

رب کریم کا شکر ہے کہ ہم آپ کے ہاتھوں تک ایسی کتاب کی با مقصد (اور ضروریاتِ تدریس کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دی گئی) شرح پہنچانے کا شرف حاصل کررہے ہیں۔ جس کا تعلق حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال سے ہے۔

**"زاد الطالبین"** جیسی بنیادی کتاب کی شرح کے لیے ہم نے اپنے مخلص دوست مولانا محمد اسلم زاہد (مدرس بیت العلوم لاہور) کی خدمات حاصل کیں جنہیں سال ہا سال سے اس مجموعہ احادیث کی تدریس کا تجربہ حاصل ہے اور تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ موصوف نے تعلیمی وانتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جس پر ادارہ اظہار تشکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ

فخر المدرسین مولانا احسان الٰہی صاحب مدظلہ نے مسودہ ملاحظہ فرما کر نحوی فوائد کی تصحیح کی۔ مولانا محمد ریاض صاحب مدظلہ نے نہایت عرق ریزی سے نظر ثانی کا کام سرانجام دیا۔ باری تعالیٰ جملہ معاونین کو اپنے شایانِ شان اجر عطا کرے۔ آمین

**"حدائق الصالحین"** کی صورت میں ماہرین تعلیم کی محنت کا نچوڑ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ طلبا عظام اور اہل ذوق کو یہ کاوش پسند آئے گی ہم اس کتاب سے متعلق ان کی حقائق پر مبنی علمی آراء کے منتظر رہیں گے تاکہ اگلی اشاعت میں ان آراء کی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ اس محنت کو شرف قبولیت بخشے۔ **آمین بجاه النبی الکریم علیه الصلوٰة والتسلیم۔**

والسلام

**میاں عبدالوحید اشرفی**

مدیر: دارالھدیٰ پبلشرز، اردو بازار، لاہور

# ایک نئی شرح کی ضرورت کیوں؟

جس طرح درس نظامی میں اساتذہ کرام نے بڑے غور وفکر کے بعد علمی ضروریات کے لحاظ سے کتابوں کو شامل نصاب کیا ہے۔

اسی طرح ''ثانویہ عامہ'' کے طلباء وطالبات کے لیے زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین کو خاص مقاصد کے لیے منتخب کیا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں وجوہات یہ ہیں۔

① عربی سے اردو ترجمہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے پہلے چھوٹے چھوٹے جملوں والی احادیث لکھی ہیں۔

② عربی جملوں کی ترکیب کا طریقہ جو نحو کی کتابوں میں سکھایا جاتا ہے اس کی مشق ہو جائے۔ چنانچہ اس سے پہلے ''شرح مائۃ عامل'' میں کچھ تراکیب کرائی جاتیں تھیں، پھر دیگر کتب میں یاددہانی کے لیے کہیں کہیں اجراء کرا دیا جاتا تھا۔ اس کتاب کو خاص طور پر اجراء کی غرض سے شامل کیا گیا۔

③ ترکیب اور ترجمہ میں مطابقت۔

مدارس میں صرف ونحو کے مسائل حل کرنے کے لیے بڑی محنت کروائی جاتی ہے لیکن اردو ترجمہ کی صلاحیت نہ ہو سکے تو سب کچھ لا حاصل ہے۔ اسی غرض کے لیے تعریف وترکیب کے ساتھ ساتھ ترجمہ کی مشق بہت ضروری تھی جس کے لیے اس مختصر مگر جامع کتاب کو چُنا گیا۔

④ چوتھا اور اہم مقصد یہ ہے کہ احادیث طیبہ یاد کرنے کا ذوق پیدا ہو۔

ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے طویل بحثوں سے بچتے ہوئے ایک مختصر با مقصد شرح آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس میں مطلوبہ اہداف کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(ترجمہ کی صلاحیت)

عربی ترجمہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے تحت اللفظ کو ترجیح دی ہے، کیونکہ با محاورہ ترجمہ میں یہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ پھر کوشش کی ہے کہ تمام مرکبات اضافی، توصیفی وغیرہ الگ الگ رہیں، جہاں مفہوم تک پہنچنے کے لیے کچھ ضرورت پڑی، وہاں زائد الفاظ قوسین میں دے دیے گئے ہیں۔

اساتذہ اسی انداز سے ترجمہ کی مشق کروائیں جب خوب صلاحیت پیدا ہو جائے تو با محاورہ بھی کروا دیا جائے۔

ترکیب: یہ خاص مقصد ہے اس کتاب کا۔ اس کے حصول کے لیے ہر عنوان کے تحت احادیث سے پہلے ایک نوٹ لکھ دیا گیا ہے۔ جس میں نحوی قواعد کی مختصر وضاحت کر دی گئی ہے۔

لیکن یہ قواعد کی چند سطور محترم اساتذہ کرام کی توجہ کے لیے ہیں خاطر خواہ فائدہ اسی میں ہے کہ زیر درس نحوی کتب کے حوالے سے بات کی جائے اور ان قواعد کا اجراء ان احادیث طیبہ میں کرایا جائے۔

(ترجمہ و ترکیب میں مطابقت)

مثلاً جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ اس کے معانی میں ہے، ہوں، ہو وغیرہ الفاظ استعمال ہوں گے۔ جملہ شرطیہ میں جزاء کے معنی میں ''تو'' یا ''پس'' کا لفظ استعمال ہوگا۔ بعض جگہ الف لام بمعنی الـــذی اسم موصول ہے۔ اسی طرح مرکب توصیفی، اضافی، عطفی وغیرہ کے خاص معنی ہیں جن کی جھلکیاں آپ اس کتاب میں محسوس کریں گے۔

④ ہر حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق عام فہم عنوان لکھ دیا گیا ہے جس سے پیغام رسالت ﷺ کو سمجھنے اور بیان کرنے میں آسانی ہو۔ اساتذہ کرام چند اسباق عنوانات کے ساتھ پڑھا دیں تو ذہین طلبہ جلد اور عام طلبہ بدیر خود عنوانات تیار کرنا شروع کر دیں گے۔ تقریر و تحریر میں عنوان بنانے کی صلاحیت بہت کام آتی ہے۔

خصوصاً امتحانی پرچوں میں ایک خاص کام یہی ہے کہ سوالنامے میں مطلوبہ جوابات کو مناسب عناوین کے تحت لکھا جائے۔

⑤ مختصر ''حل لغات'' طلبہ کی استعداد کے مطابق جتنی یاد کرواسکیں بہتر ہیں۔ لیکن ایک بار جو الفاظ حل ہو جاتے ہیں دوبارہ کتاب میں ان کی ''لغوی تحقیق'' نہیں دی گئی بلکہ نئے الفاظ کو جگہ دی گئی ہے۔

⑥ یہ دعویٰ تو نہیں ہے کہ عربی سے اردو کا حق ادا کر دیا گیا ہے تاہم کوشش رہی ہے۔عربی کا ترجمہ عربی الفاظ کے بجائے اردو ہی سے ہو۔

مثلاً چند الفاظ لکھے جاتے ہیں۔

| عربی الفاظ | عربی میں ترجمہ | خالص اردو |
|---|---|---|
| طَلَبَ | طلب کرنا | حاصل کرنا |
| اَفْضَلُ | افضل | بہترین یا بہتر |
| اَقْرَبُ | سب سے قریب | سب سے نزدیک |
| فَرِیْضَةٌ | فرض | ضروری |
| مَنْ جَاهَدَ | جومجاہدہ کرے | محنت/کوشش کرے |
| طَاعَةٌ | اطاعت | فرمانبرداری/بات ماننا |
| تَقْوٰی | تقویٰ | ڈرنا/بچنا |
| دَعَا | دعوت دی | بلایا |

اسی اسلوب کو حضرات اساتذہ کرام اپنائیں گے تو ان کے انداز تدریس کی ایک خاصیت ہوگی۔

محترم اساتذہ کرام! آج ہم میڈیا کے دورِ حکومت میں سانس لے رہے ہیں۔ ہمارے طلبہ میں تحریر وتقریر کا ذوق پیدا نہ ہوا تو اس پُرفتن سیلاب کا منہ بند کرنا بہت مشکل ہے۔اس لیے اگر آپ نے کچھ توجہ دلا دی تو یہ پوری امت کے لیے مفید ہوگی

طلبہ کو اس کتاب سے ایک ہی موضوع پر احادیث کی نشان دہی کا دلچسپ کام دے دیا جائے اور پھر امتحان بھی لیا جائے تو بڑا مفید سلسلہ ہوگا۔ مضمون کا عنوان دے کر طلبہ سے احادیث اور ان کے مطالب لکھوا لیے جائیں تو بہت ہی مفید ہوگا، جس سے آپ کو امتحانات کی تیاری اور ''بزمِ ادب'' کی تیاری میں بھی اعانت ہو جائے گی اور پوری کتاب پر طائرانہ نظر ڈال کر کچھ حاصل کر لینے کی صلاحیت پیدا ہوگی مکمل کتاب پر نظر تب ہی رکھی جا سکتی ہے جب کہ اسے بار بار پڑھنے کا موقعہ مل گیا ہو۔

اگر معاملہ یہ ہو کہ شروع سال میں طویل بحثیں اور اسباق کے ناغے کیے جائیں اور سال کے آخر میں طلبہ واساتذہ دونوں ہی پریشان ہوں تو پھر ہمارے دیے ہوئے مشوروں سے ہی کیا، کسی بھی طریقہ سے پوری طرح مستفید ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اس کتاب کو حل کروانے کے لیے مجرب انداز تدریس (جو مختلف کامیاب مدرسین کا دیکھا گیا) لکھا جا رہا ہے جس سے بڑے فائدے کی امید ہے۔

(۱) پہلے پوری کتاب کا صرف ترجمہ یاد کروایا جائے۔ اس دوران صرفی تحقیق اور لغوی حقائق واضح کر کے یاد کروا دیے جائیں۔ (۲) بعد ازاں دوہرائی کے ساتھ روزانہ ایک حصہ میں سے مکمل ترکیب کی بجائے صرف جار، مجرور، مرکب اضافی وتوصیفی وغیرہ کی الگ الگ پہچان کرا دی جائے۔ (۳) تیسری مرتبہ تشریح اور عنوانات کے ساتھ ساتھ مکمل ترکیب کروا دی جائے۔ (۴) ترکیبوں کے دوران عبارت پڑھا کر یہ سوالات ضرور کیے جائیں۔ فلاں لفظ مجرور کیوں۔ منصوب ومرفوع کیوں ہے؟ اس طرح یا اسی سے ملتے جلتے طریقہ تدریس سے کتاب کے مقاصد پورے ہوں گے اور طلباء بڑی سہولت کے ساتھ کتاب حل کر سکیں گے، فن حدیث میں دلچسپی پیدا ہوگی اور ترقی علم وعمل کی راہیں کھلیں گی اور یہ مدرس کے سبق کی ایک خاصیت بھی ہوگی۔

**ملاحظات:** حواشی کیونکہ پہلے سے اصل کتاب میں موجود ہیں اس لیے بے ضرورت کتاب بڑی کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ جس سے کتاب کی قیمت بھی کم رہے گی۔ قصص کی طوالت کے پیش نظر ان کی تراکیب نہیں لکھی گئیں اس کی تین وجوہ

ہیں۔(۱) کتاب ضخیم نہ ہو۔(۲) کتاب کے اکثر حصے کی ترکیبیں ہو جانے کے بعد خود طلبہ میں ترکیبوں کی صلاحیت پیدا ہو جانی چاہیے جس سے آگے آنے والے ''واقعات وقصص'' کی تراکیب خود کر سکیں۔(۳) اکثر و بیشتر مدارس میں صرف ''قصص'' تک تراکیب کرائی جاتی ہیں۔

(۶) تشریح مختصر رکھی گئی ہے۔تاکہ طلبہ ''حل عبارت'' ہی میں اپنی صلاحیتیں صرف کریں جس مقصد کے لیے یہ کتاب شامل نصاب کی گئی ہے۔

محترم اساتذہ! ان معروضات کے ساتھ ساتھ اپنی کم علمی و بے مائیگی کا احساس بھی کچھ کم نہیں ہے اقوال رسول اللہ ﷺ پر کام کرنے میں بڑی احتیاط ہونی چاہیے۔ تاہم اپنی بچت کے لیے اکابر کی تشریحات کا دامن آخر تک تھامے رکھا۔

آخر میں اپنے محترم مدرسین ومستفدین سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ کہ وہ جہاں اپنے لیے رب العزت سے دعا مانگیں ساتھ ایک بےعلم وعمل ناچیز اور اس کے اساتذہ ووالدین اور ناشرین ومعاونینِ کتاب کو یاد رکھیں۔

مین بازار راجگڑھ۔لاہور

۱۰ شعبان ۱۴۲۴ھ

والسلام

محمد اسلم زاہد (مرتب)

مدرس بیت العلوم۔۔۔۔لاہور

# مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام: عاشق الٰہی البرنی بلندشہری، مہاجر مدنی

بلندشہری۔ مصنف کے پیدائشی ضلع کی طرف نسبت ہے ''البرنی'' مصنف کے پیدائشی ضلع کا پرانا نام ہے۔ اس لیے عربی تالیفات میں ''البرنی'' اور اردو تالیفات میں بلندشہری تحریر فرمایا۔

بعد میں حضرت نے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مہاجرت کی سعادت حاصل کی اس لیے فرمایا کرتے تھے: ''مدینہ منورہ میں تمر برنی ہوتا ہے اس لیے البرنی بمعنی المدنی محلول کرلیا ہے''۔

اسی مہاجرت کی نسبت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ''مہاجر مدنی'' بھی لکھ دیا گیا ہے۔

والد صاحب: کا نام محمد صدیق اور دادا کا نام اسد اللہ تھا۔

مولد: موضع ''بسی'' ڈاکخانہ بگرا سی ضلع بلندشہر یوپی (انڈیا)

سن پیدائش: ۱۳۴۳ھ ہے جو خود ہی اندازے سے مقرر فرمائی۔

ابتدائی تعلیم: بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم مختلف اساتذہ سے پڑھتے ہوئے مولانا قاری محمد صادق صاحب سے مکمل کیا۔ اور ان ہی سے فارسی اور ابتدائی صرف ونحو کی تکمیل کی۔

ثانوی تعلیم: ۱۳۵۶ھ میں علم کی پیاس حضرت کو مدرسہ قادریہ حسن پور ضلع مرادآباد (انڈیا) لے گئی۔ جہاں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا ولی محمد اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص مولانا عبدالعزیز جیسے جبال علم کی زیر نگرانی علم دین حاصل کیا۔

اسی مرادآباد میں علم وعرفان کا ایک اور چشمہ مدرسہ امدادیہ کے نام سے بہتا نظر آیا تو حضرت نے نورالانوار تک کتب کی تعلیم مذکورہ مدرسہ میں حاصل کی۔

پھر شوال ۱۳۶۵ھ میں مدرسہ خلافت علی گڑھ میں دو سال رہ کر مولانا فیض الدین بلخی ﷫ کی سرپرستی میں میبذی اور ہدایہ اولین تک تعلیم کا ذوق پورا کیا۔

**اعلیٰ تعلیم:** ۱۳۷۰ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور کا رخ فرمایا۔ اور ہدایہ اخیرین توضیح تلویح وغیرہ اہم کتابیں مولانا محمد زکریا قدوسی ﷫، مولانا اسعد اللہ کشمیری جیسے ماہرین علوم عقلیہ ونقلیہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے پڑھیں۔

یہاں آپ کو مولانا محمد زکریا کاندھلوی ﷫، مولانا عبد الرحمٰن ﷫ کاملپوری جیسے اساطین علم میسر آئے، اس لیے دورۂ حدیث تک یہیں مقیم رہ کر علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کی۔

**بیعت:** دوران درس حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے صوفیاء اور تصوف کے متعلق گفتگو سنی تو ان ہی سے بیعت کی درخواست کی، قبولیت کے بعد ان ہی کے زیر سایہ سلوک کی منازل طے کیں۔

گویا شریعت اور طریقت کے دونوں چشموں سے سیرابی اسی ادارے میں مل گئی۔

**تدریس:** دہلی۔ بستی نظام الدین۔ اور میوات کے مختلف مدارس میں طلبہ علم دین کو مستفید کرنے کے بعد مفتی اعظم ﷫ پاکستان کی طلب پر دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے اور بارہ سال طلبہ کو میراث نبوت تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے حکم پر ان کی نیابت میں افتاء کا کام بڑے احسن انداز میں کیا۔

## دارالعلوم کراچی کے شب وروز

مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ نے مولانا عاشق الٰہی ﷫ کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ﷫ کی خدمت میں عرض کیا کہ:

''حضرت آپ کو دارالعلوم کے لیے قابل اساتذہ کی ضرورت ہے۔ میرے علم میں ہے کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب ہندوستان سے پاکستان منتقل ہونا چاہتے

ہیں، کیوں نا آپ انہیں دارالعلوم کے لیے منتخب فرما کر تدریسی خدمات سپرد فرما دیں۔'' منظوری کے بعد ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم سے منسلک ہوگئے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کے اخلاص، للّٰہیت اور کام کی دھن کی بڑی قدر کی اور اہل پاکستان کو ان کی شخصیت سے بھرپور استفادے کا موقعہ دیا۔

راقم (عالم تصور میں) وہ منظر کیسے بھلا سکتا ہے: کہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب کے دارالافتاء میں داخل ہوئے تو دیکھا دو طرف کتابیں سلیقہ سے رکھی ہیں، سلام ودعا کے بعد کمرے کا جائزہ لینے کا موقعہ ملا تو کہیں افتاء کی فائل پڑی ہے تو کہیں مضمون میں فرق باطلہ کے رد کی تحریر شروع ہے۔ کہیں کتابوں کے مسودات کا انبار ہے اور رات گئے تک افتاء کی تربیت کے لیے علماء اکرام کی ایک جماعت ہے جو اپنے وقت پر خوب استفادہ کر رہی ہے۔ ادھر صبح ہی سے اہل کراچی نے فتاویٰ کے لیے آنا شروع کر دیا، کسی کو زبانی کسی کو تحریری جواب سے مطمئن کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نحیف ونزار، خوبصورت، چھدری ڈاڑھی، آنکھوں میں بلا کی ذھانت والا یہ شخص نہ تھکنے کا نام لیتا ہے، نہ کسی کو ڈانٹتا ہے، نہ اپنی عدیم الفرصتی اور آرام کا عذر ہے اور بیک وقت کامیاب مدرس، مفتی اعظم پاکستان کا نائب، مدرس، مشکل ومفید علمی کتابوں کا مصنف، اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دارالعلوم کے انتظامی امور میں بھی پوری معاونت کر رہا ہے اور خواص وعوام کو اپنے مخصوص وموثر لہجے میں مسند دعوت وارشاد پر بھی نظر آتا ہے۔ بارہ سال تک اہل پاکستان کو اپنی زبان وقلم سے علمی سیرابی کے بعد مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کرلیا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست کردی۔

**ہجرت مدینہ منورہ:** ۱۳۹۶ھ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی یہاں ان کے استاذ مکرم مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے ہی مقیم تھے ان کی تصانیف میں ہاتھ بٹایا اور ان کی سرپرستی اور ارشادات کی روشنی میں ''انعام الباری فی شرح اشعار البخاری'' اور دیگر مفید کتابیں ترتیب دیں۔

کراچی سے حجاز چلے جانے کے بعد معاشی لحاظ سے تنگی کا دور تھا، لیکن عشقِ

رسالت ﷺ میں انہوں نے سب کچھ برداشت کیا۔ اہل و عیال ابھی دارالعلوم کراچی میں تھے اور وہ جوار رسول ﷺ میں حاضر تھے اور دونوں جگہ بظاہر کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اس شہر میں دنیاوی دولت کے حصول کے لیے جاتے ہیں۔ انہیں تو حرمین کی برکات تڑپا کر لے گئی تھی۔

## قیام مدینہ طیبہ

ان کے مدینہ طیبہ جانے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ برصغیر پاک و ہند کے زائرینِ حرمین اور مقیمینِ حرمین کو ایک ''حنفی مشرب'' مل گیا جہاں سے وہ اپنی علمی پیاس بجھاسکیں۔

چنانچہ حضرت ان پیاسوں سے پوری شفقت سے پیش آتے اور ان کے دینی سوالات کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرماتے۔ حجاز مقدس سے یہ زائرین جب لوٹتے تو ایک ہندی عالم باعمل کی محبتوں کے چراغ ان کے دلوں میں روشن ہوتے، اہل عرب علماء میں بھی بہت سے خوش نصیب تھے جو اس عجمی محدث، مفسر اور فقیہہ کی مجلس میں آ کر مستفید ہوتے۔

۱۴۲۰ھ میں راقم الحروف کا مدینہ طیبہ جانا ہوا تو حضرت کے مشاغل کچھ اس طرح تھے۔ وہ حرمین میں رہتے ہوئے پاکستان کے ہر فتنے کے رد کے لیے لکھ رہے ہیں قارئین اہل وطن کو ان کے جانے کا احساس نہیں ہو رہا کچھ وقت تصنیف و تالیف کے لیے مختص ہے۔ اکثر اوقات تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے عاشق کے دروازے پر علم دین کے حصول کے لیے عرب و عجم سے طلبہ حاضر ہوتے اور علم و عمل کا درس لیتے ہیں، احقر کو کئی مسائل کی ضرورت محسوس ہوئی ڈاکٹر محمد الیاس فیصل اور دیگر اہل علم سے معلوم ہوا کہ پاک و ہند کے زائرین ہوں یا مدینہ طیبہ کے مقیم سب ہی کو حضرت مفتی عاشق الٰہی صاحب کے فتاوی پر اعتماد ہے۔

کبھی سلوک و معرفت کی مجلس جمتی تو کبھی دعوت وارشاد کے ذریعہ عشق الٰہی کا

درس دیا جاتا۔ غرض شب و روز مخلوق خدا کی آمد اور ان کی اصلاح کا سلسلہ جاری تھا۔

## عام حالات

حضرت پائے کے عالم، مشفق استاذ و مربی اور انتہائی زاہدانہ زندگی گزارنے والے تھے۔ گیارہ ہزار ریال ہدیہ میں آئے ہاتھ بھی نہ لگایا دینے والے کے اصرار پر تفسیر قرآن کی تقسیم کے لیے بھیج دیے۔ ایک آنکھ کا آپریشن کروایا۔ لوگوں کے اصرار کے باوجود دوسری آنکھ نہ بنوائی۔ کہ کام تو ایک سے بھی چل رہا ہے۔ دوسری بنوائی تو تعلیم و تصنیف کا ہرج ہوگا۔ عارضہ قلب کا علاج نہ کروایا اور فرمایا کہ ایک خاصہ وقت بیکار پڑے رہنا ہوگا۔

ع یارب یہ ہستیاں کس دیس بستیاں ہیں

## حالات وفات، تجہیز و تکفین

ان کا گھر جبل احد کے قریب تھا یہ جگہ حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کافی دور ہے۔ لیکن ان کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں وہ حرم شریف کے قریب ''رباط بخارا'' میں آکر مقیم ہوجایا کرتے۔ اس ماہ مبارک میں بھی انہوں نے اپنا یہ معمول پورا کیا۔ بدھ کے روز انہوں نے روزہ بھی رکھا، اور فجر کی نماز حرم جاکر پڑھی۔ فجر کے بعد قیام گاہ پر تلاوت وغیرہ معمولات پورے کیے، اس کے بعد آرام کے لیے لیٹ گئے۔ اہل خانہ سہ پہر تک اس تاثر میں رہے کہ سو رہے ہیں۔

ادھر ان کے صاحبزادے عمرے پر روانگی سے قبل اجازت وسلام کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ جسم ٹٹول کر دیکھا تو جلد معلوم ہوگیا کہ علم و عمل کا یہ سورج ۷۰ سال اپنی پوری شعائیں دنیائے رنگ و بو پر ڈال کر ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا ہے۔ چہرہ چمک رہا تھا۔ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، معلوم ہو رہا تھا کہ ان کی بے قرار جان کو اللہ سے مل کر قرار آہی گیا ہے۔

پاسپورٹ پاکستانی تھا۔ خطرہ تھا، حکام کی طرف سے تدفین کی اجازت دیر سے

ملے گی، لیکن جلد دفن ہونے کی مسنون خواہش برآئی اور غیر معمولی طور پر مغرب سے قبل کاغذی کارروائی مکمل ہوگئی۔

نمازِ عشاء کے بعد جنت البقیع میں تدفین کا اجازت نامہ حاصل ہوا۔

لیجیے! ان کی زندگی کی آخری تمنا پوری ہوگئی دوران تراویح مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ نائب مفتی دارالعلوم کراچی کی نگرانی میں غسل دیا گیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں وتر سے پہلے جنازہ لایا گیا۔ امام حرم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لاکھوں مسلمانوں نے اس جنازے میں شرکت کی۔ بعدازاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قریب قبر مبارک بنی۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

**تالیفات:** دوران تدریس اور مدارس سے تعطیلات کے دوران ہمیشہ ہی تصنیفات کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑی مفید علمی کتابیں ان کے قلم کا شاہکار ہیں اور بحمد اللہ تقریباً سب ہی طبع ہوچکی ہیں اور عوام وخواص میں بے حد مقبول ہیں۔

① تفسیر انوار البیان: بڑی جامع اور نو جلدوں میں مفصل تفسیر ہے۔ اس کی اردو بہت سلیس ہے۔ انگریزی ترجمہ بھی منظرعام پر آچکا ہے۔ بنگلہ اور دوسری زبانوں میں ان کے تراجم جلد چھپ جائیں گے۔

② علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "تلبیض الصحیفہ" اور علامہ ابن حجر مکی کی "الخیرات الحسان" کے حواشی بھی لکھے۔

③ مقدمہ بذل المجہود کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔

④ مجانی الاثمار فی شرح معانی الآثار: بڑا علمی کارنامہ ہے۔

⑤ زادالطالبین: مدارس میں عرصہ دراز سے زیر تعلیم ہے۔

⑥ مسنون دعائیں اور تحفہ خواتین ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چھپتی ہیں۔

⑦ آخر میں سیرت النبی ﷺ پر کتاب لکھ رہے تھے چار پانچ سو صفحات ہی لکھے تھے کہ اجل موعود آپہنچی۔ الحمدللہ طبع ہوچکی ہے۔

⑧ ان کے علاوہ ۸۰ کے قریب کتابیں ہیں جو حضرت کا علمی فیضان ہے۔ الغرض خواتین بچوں، بڑوں کے اعمال میں ترقی عقائد کی اصلاح اور سنت نبوی ﷺ کی اشاعت کے لیے ''البلاغ''، ''بینات''، ''الخیر''، ''ضرب مومن''، ''الاسلام'' و دیگر رسائل و جرائد میں بہت ہی مفید مضامین لکھے اور تحقیقی، علمی کتابیں تحریر فرمائیں۔ قارئین سے مولانا کے علو درجات کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

○○○○○○○○○

# چند بنیادی باتیں

## حدیث کے لغوی معنیٰ:

حدیث کا لغوی معنیٰ، بات، گفتگو، وغیرہ ہے۔

## حدیث کا اصطلاحی معنیٰ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یا تقریر کو کہتے ہیں۔ نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول وفعل اور تقریر کو اور تابعی کے قول وفعل کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ (۱) تقریر سے مراد کسی واقعہ کا سامنے ہونے یا علم میں آنے کے بعد خاموش رہنا۔ خاموشی بھی تائید ہے۔

## موضوع:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہی بحث کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، وغیرہ کیسے تھا؟

## غرض وغایت:

یہ اگر چہ دو لفظ ہیں مگر عقلاء کے نزدیک مصداق میں ایک ہی ہیں وہ یہ ہے وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا، جو پڑھنے، پڑھانے پر وارد ہوتی ہیں۔ مثلاً نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدٌ اسَمِعَ مَقَالَتِی فَوَعٰهَا وَاَدَّاهَا وَکَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (۲) اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْ خُلَفَائِی قِیْلَ وَمَنْ خُلَفَائُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِی اَوَکَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

## فضیلت:

جہاں تک علم حدیث کے شرف وفضل کا تعلق ہے وہ لا تعداد آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (۴) مثلاً قرآن میں آتا ہے۔ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا ایمان

والوں کونفع دے گا۔حدیث میں آتا ہے۔نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِی فَوَعٰھَا وَاَدَّاھَا ۔اللہ تعالیٰ سرسبز وشاداب رکھے ایسے شخص کوجس نے میری بات سنی پھراس کی حفاظت کی اوراسے ایسے شخص تک پہنچادیا جس نے اسے نہیں سنا تھا۔دوسری حدیث میں آتا ہے اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ قِیْلَ وَمَنْ خُلَفَائُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِی ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا''اللہ میرے خلفاء پررحم فرمائے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''وہ لوگ ہیں جو میری احادیث کوروایت کرتے ہیں اور لوگوں کوان کی تعلیم دیتے ہیں۔''

(۱) تدریب الراوی ۱/۴۳،منہج النقد ص ۲۷۔۲۸۔فتح الباقی فی شرح الفیہ العراقی۔
(۲) تقریر بخاری۔ (۳) مشکوٰۃ۔ (۴) کرمانی شرح بخاری۔تفصیل کے لیے علامہ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) کی کتاب''جامع البیان العلم وفضلہ''کودیکھا جاسکتا ہے۔

[بحوالہ: روضۃ الطالبین]

☆☆......۞۞۞......☆☆

# درسِ حدیث کے آداب
## (طلبہ کے لیے)

① دورانِ سبق باوضو رہیے اور دوزانو بیٹھیے۔
② جناب رسالت مآب ﷺ کے نام نامی پر ﷺ پڑھنا اپنی عادت بنالیجیے۔
③ دورانِ سبق توجہ استاذ صاحب کی تقریر یا کتاب پر رکھیے۔
④ سبق سے پہلے ممکن ہو اور اساتذہ کی اجازت بھی ہو تو خوشبو ضرور لگائیے۔
⑤ سلسلہ تعلیم میں یہ آپ کی پہلی کتاب ہے جو فن حدیث سے متعلق ہے اور آپ کو پڑھنے کی سعادت مل رہی ہے اس پر اللہ کا شکر بار بار ادا کیجیے۔ جو شکر کرتا ہے اللہ کی طرف سے اس کی اس نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کے شکر کی بدولت آپ کو حدیث شریف کی دیگر کتب پڑھنے کا موقعہ ملے گا۔
⑥ حدیث نبوی ﷺ کی کتابیں پورے آداب سے ہاتھ میں رکھیے یا تپائی پر رکھیے، انہیں پیٹھ نہ کیجیے۔
⑦ قرآن کریم کے علاوہ کوئی کتاب ان پر نہ رکھیئے۔
⑧ مسواک کا التزام رکھیے، اس تصور کے ساتھ کہ جس مبارک منہ سے یہ الفاظ نکلے ہیں وہاں مسواک کا اہتمام بہت تھا۔

☆☆......❀❀❀......☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# زَادُ الطَّالِبِیْنَ

## علم حاصل کرنے والوں کا توشہ

تشریح: توشہ اس ضروری سامان کو کہتے ہیں جو مسافر اپنے ساتھ رکھتا ہے یہ کتاب علم اور آخرت کے طالبین کے لیے زندگی کے سفر میں ایک ضروری دستاویز ہے جس پر عمل کر کے اس سفرِ حیات کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے اس لیے اس کا نام **زاد الطالبین** رکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

| | |
|---|---|
| اَلْحَمْدُ | لِلّٰهِ |
| تمام تعریفیں | (خاص) اللہ کے لیے ہیں |

تشریح: خطبہ میں اللہ کی تعریف اور بِسْمِ اللّٰه شروع میں لا کر مصنفؒ نے قرآن پاک کے طرز کی تقلید کی ہے کیونکہ قرآن بھی بِسْمِ اللّٰه اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوتا ہے۔

لغات: اَلْحَمْدُ. حَمَدَ (س) حَمْدًا بمعنی تعریف، تعریف کیا ہوا، فضیلت کی بناء پر تعریف کرنا۔ قرآن کریم میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . لِلّٰهِ .(س) اِلٰهًا بمعنی متحیر ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔

(( ............❀❀❀ ............ ))

اَلَّذِیْ شَرَّفَنَا عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ بِرِسَالَةٍ مَّنِ اخْتَصَّهٗ مِنْ بَيْنِ الْاَنَامِ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَجَوَاهِرِ الْحِكَمِ .

| | | |
|---|---|---|
| اَلَّذِیْ | شَرَّفَنَا | عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ |
| جس نے | ہمیں عزت بخشی | ساری امتوں پر |
| بِرِسَالَةٍ | مَّنِ اخْتَصَّهٗ | مِنْ بَيْنِ الْاَنَامِ |
| ایسی رسالت کے ساتھ | جس کو خاص کر دیا (اللہ نے) | تمام مخلوق کے درمیان میں سے |
| بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ | وَجَوَاهِرِ الْحِكَمِ | |
| جامع کلمات کے ساتھ | اور حکمت کے موتیوں کے ساتھ | |

تشریح: شَرَّفَنَا

خطبہ کی اس عبارت میں امتِ محمدیہ ﷺ پر خصوصی انعام کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے نبی ﷺ کے ساتھ وابستہ فرما دیا جو اللہ کے مخصوص بندے ہیں اور ایسی

باتیں بیان فرماتے ہیں، جن میں جملوں کے الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کا ہر قول حکمت اور دانائی کا موتی ہے۔

**لغات:** شَرَّفَنَا: (تفصیل) بمعنی تعظیم کرنا۔ شَرَّفَ بزرگی (ک) شرافۃ صاحب عزت ہونا۔ شرف (س) شرفاً بلند ہونا۔ سَائِرِ: سَرَّ (س) سارا باقی رہنا۔ (ف) کچھ باقی چھوڑنا۔ اَلْاُمَمِ: جمع امت کی ہے۔ بمعنی جماعت۔ قَالَ تَعَالٰی مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ. رِسَالَةَ: بمعنی خط، پیغام۔ جمع رسائل اور رسالات آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ اِخْتَصَّهٗ: (افتعال) اِخْتِصَاصًا خاص کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ خص (ن) خَصًّا. خاص کرنا۔ اَلْاَنَامِ: بالقصر وبالمد بمعنی مخلوق۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ۔ جَوَامِعُ: جمع ہے جَامِعٌ اسم فاعل کی وہ کلام جو لفظ کے اعتبار سے کم اور معنی کے اعتبار سے بہت ہوں۔ جمع (ف) جَمْعًا بمعنی جمع کرنا۔ اَلْكَلِمِ جمع ہے اَلْكَلِمَةُ کی، وہ بامعنی لفظ جو انسان بولے كَلِمُ (ن۔ض) كَلِمًا بمعنی زخمی کرنا۔ لغوی معنی ہے زخمی کرنا اور اصطلاحی معنی ہے کلام کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ جَوَاهِرِ: جمع ہے جوہرۃ بمعنی قیمتی پتھر۔ اَلْحِكَمِ: جمع ہے حکمۃ کی بمعنی عدل، بُردباری علم حکم (ک) حکمۃ بمعنی دانا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ۔

**ترکیب:** اَلْحَمْدُ، مبتدا، ل جار، اَللّٰه موصوف، اَلَّذِیْ اسم موصول، شَرَّفَ فعل ماضی، اس میں ھو ضمیر فاعل، نَا مفعول، عَلٰی جار، سَائِرِ، مضاف اَلْاُمَمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول فعل شَرَّفَ کے، بَا جار، رِسَالَةَ مضاف، مَنْ اسم موصول، اِخْتَصَّ فعل ماضی، اس میں ھُوَ ضمیر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول، مِنْ جار بَيْن مضاف، اَلْاَنَامِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول فعل اِخْتَصَّ کا، با جار، جَوَامِعِ مضاف صفت مقدم، اَلْكَلِمِ مضاف الیہ موصوف مؤخر، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، جواھر مضاف، اَلْحِكَمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی فعل اِخْتَصَّ کا، اِخْتَصَّ فعل اپنے فاعل، مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر صلہ، موصول

صلہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی فعل شَرَّفَ کا، شَرَّفَ فعل اپنے فاعل مفعول اور اپنے دونوں متعلقوں سے مل کر صلہ، اَلَّذِیْ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَاصّ محذوف کے، خَاصّ اسم فاعل، اس میں ھُوَ ضمیر فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

| | | |
|---|---|---|
| صَلَّى | اللّٰهُ تَعَالٰى | عَلَيْهِ |
| رحمت بھیجے | اللہ تعالیٰ | آپ ﷺ پر |
| وَعَلٰى اٰلِهٖ | وَصَحْبِهٖ | |
| اور آپ ﷺ کی آل پر | اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ پر | |
| وَبَارَكَ | وَسَلَّمَ | |
| اور برکت نازل کرے | اور سلام بھیجے | |

**تشریح:** حمد کے بعد صلوۃ وسلام کا تذکرہ ہے۔ اس میں آل سے مراد آپ ﷺ کے اہل وعیال اور صَحْبِهٖ سے مراد آپ ﷺ کے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

**لغات:** صَلَّى: اچھی تعریف کرنا۔ مرادی معنی رحمت بھیجنا، درود بھیجنا۔ صلی صلوۃ نماز پڑھنا۔ صلی (س) صلی آگ میں جلنا۔ تَعَالٰى: بلند ہونا۔ علا (ن) علوا کہا جاتا ہے علا النهار دن چڑھنا۔ علی (س) علاء بلند ہونا۔ علی فلان فی المکارم درجہ میں بلند ہونا۔ اٰلِهٖ: اہل وعیال اس کا استعمال صرف اشراف میں ہوتا ہے۔ خواہ شرافت دینی ہو یا دنیوی۔ قَالَ تَعَالٰى اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا۔ وَصَحْبِهٖ: صاحب کی جمع ہے بمعنی ساتھی۔ ایک ساتھ زندگی گزارنے والے۔ صَحِبَ (ف) صَحَابَةً: ساتھ ہونا دوستی کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ۔ بَارَكَ: برکت کی دعا کرنا۔ بارك الله لك فيك برکت دینا۔ برك (ن) بروکا اونٹ کا بیٹھنا۔ وَسَلَّمَ: سلم عليه السلام عليكم کہنا۔ سَلِمَ (س) سلامة بمعنی نجات پانا، بچالینا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ۔ السلام اللہ کا نام ہے۔

(ترکیب) صَلّٰی فعل، لفظ اَللّٰہ ذوالحال، تَعَالٰی فعل اس میں ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، عَلٰی جار، ہ ضمیر مجرور معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، عَلٰی اعادت جار برائے عطف، آل مضاف ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ضمیر مجرور کا معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق صَلّٰی کا، صَلّٰی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، بَارَکَ فعل، اس میں ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، سَلَّمَ فعل ھُوَ مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مظروف۔

((............❀❀❀............))

مَا نَطَقَ بِمَدْحِهِ اللِّسَانُ وَنَسَخَ الْقَلَمُ

| | | |
|---|---|---|
| مَا | نَطَقَ | اللِّسَانُ |
| جب تک | بولے | زبان |
| بِمَدْحِهٖ | وَنَسَخَ | الْقَلَمُ |
| آپ کی تعریف میں | اور لکھیں | قلم |

تشریح: مَانَطَقَ: کا مقصد یہ ہے کہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد بھی آپ کی تعریف ہوتی رہے گی۔ اس انداز کلام کا مقصد دعا ہے کہ ہماری طرف سے آپ ﷺ پر اس وقت یعنی قیامت تک صلوۃ وسلام ہوتا رہے گا۔

لغات: نَطَقَ: نطق (ض) نطقا. نطوقًا. ومنطقًا. بولنا قَالَ تَعَالٰی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اَللِّسَانُ: جمع السنة، لسانات، لسن وغیرہ آتی ہے۔ بمعنی زبان۔ مذکر ومونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ قَالَ تَعَالٰی هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔ بِمَدْحِهٖ: مدح (ف) تعریف کرنا۔ مَدَحْتُ اللُّؤْلُؤَ: میں نے موتی کی تعریف کی۔ نَسَخَ: جس سے لکھا جائے، قلم کا اطلاق تراشنے کے بعد ہوتا ہے۔ تراشنے سے پہلے اس کو برعنه قصبه کہا جاتا ہے۔ اقلام، قلام۔ قَالَ تَعَالٰی وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔

(ترکیب) مَا ظرفیہ بمعنی مادام (جب تک) نَطَقَ فعل، اَللِّسَانُ فاعل، بَا جار، مَدْحِ مضاف، ضمیرہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل متعلق سے مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، نَسَخَ فعل، اَلْقَلَمُ فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔ حرف ظرف اپنے بعد والے جملہ سے مل کر ظرف ہوا تینوں افعال معطوفہ مظروفہ کا، تینوں افعال اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## تمہید

اَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا كِتَابٌ وَجِيْزٌ مُنْتَخَبٌ مِنْ كَلَامِ الشَّفِيْعِ الْعَزِيْزِ

| | | |
|---|---|---|
| اَمَّا بَعْد | فَهٰذَا | كِتَابٌ |
| بہر حال | پس یہ | کتاب |
| وَجِيْزٌ | مُنْتَخَبٌ | مِنْ كَلَامِ الشَّفِيْعِ الْعَزِيْزِ |
| مختصر ہے | چنی ہوئی ہے | عزت والے سفارش کرنے والے کے کلام سے |

تشریح: اَمَّا بَعْدُ (حمد وصلوۃ کے بعد) العزیز اس سے مراد حضرت رسول اکرم ﷺ ہیں کیونکہ دنیا میں اور آخرت میں سب سے بڑی عزت آپ کی ہے اور سفارش بھی آپ کی قبول ہوگی۔

لغات: بَعْدُ ظرف زمان ہے اضافت لازمی ہے۔ قَالَ تعالی لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ وَجِيْزٌ: بروزن قتیل مختصر کلام۔ وجز (ض ک) وجزا الکلام مختصر کرنا۔ کم سخن ہونا۔ مُنْتَخَبٌ: چنا ہوا، انتخب الشیء چننا، نخب (ن) نخبا فلان الشیء کھینچنا، عمدہ حصہ لینا۔ اَلشَّفِيْعِ: سفارش کرنے والا شفع (ف) شفاعۃ مشفع له منه اليه سفارش کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى مَنْ ذَالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ ۔ اَلْعَزِيْزُ: عزت والا، شریف، قوی، بادشاہ اللہ کے ناموں میں سے ہے جمع اعزاز۔ واعزاء آتی ہے عزا. عزا. عزۃ غالب ہونا (ن) عزا قوی کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ لَعَزِيْزٌ۔

(ترکیب) اَمَّا کلمہ شرط بمعنی مھما، بَعْدُ مضاف، اَلْحَمْدُ محذوف معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، الصلٰوۃ محذوف معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف مل کر ظرف یکن فعل محذوف کا، یکن فعل تام اس میں ھو ضمیر فاعل، فعل فاعل ظرف مل کر شرط، فاجزائیہ، ھٰذَا اسم اشارہ مبتدا، کِتَابٌ موصوف، وَجِیْزٌ صفت اول، مُنْتَخَبٌ اسم مفعول اس میں ھُوَ ضمیر نائب فاعل، مِنْ جار، کَلَامِ مضاف، اَلشَّفِیْعِ موصوف، محذوف اَلرَّسُوْلُ کی صفت اول، اَلْعَزِیْزُ صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اسم مفعول کے، اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ثانی، کِتَابٌ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مشار الیہ، خبر، مبتدا خبر مل کر جزاء، شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

اِقْتَبَسْتُهٗ مِنَ الْكِتَابِ اللَّامِعِ الصَّبِيْحِ الْمَعْرُوْفِ بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ.

| | |
|---|---|
| اِقْتَبَسْتُهٗ | مِنَ الْكِتَابِ اللَّامِعِ |
| چُنا ہے اس کو میں نے | روشن کتاب سے |
| الصَّبِيْحِ الْمَعْرُوْفِ | بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ |
| جو خوبصورت مشہور ہے | مشکوۃ المصابیح کے نام سے |

تشریح: اِقْتَبَسْتُهٗ اس جملے میں مصنفؒ نے اس کتاب کا ماخذ بتایا ہے کہ اس کتاب میں ساری احادیث مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

لغات: اِقْتَبَسْتُهٗ: حاصل کرنا، سیکھنا قبس (ض) قبسا منه النار شعلہ حاصل کرنا۔ اَللَّامِعِ: روشن چمک دار ہونا۔ لمع (ف) لمعا ولمعانا ولموعا. البرق بجلی کا چمکنا، روشن ہونا۔ اَلصَّبِيْحِ: خوبصورت، جمع صباح صبح (س) صحبا چمک دار ہونا۔ صبح (ک) صباحته الوجه چہرے کا روشن اور خوبصورت ہونا۔ اَلْمَعْرُوْفِ: اسم مفعول مشہور۔ خیر۔

احسان۔ رزق ہر وہ چیز جو شریعت میں بہتر ہو،عرف (ض) عرفته عرفانا پہچاننا،عرف (ن) عرافته علی القوم. چودھری ہونا۔قَالَ تعَالٰی فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اَلْمِشْکٰوۃ: طاق۔ چراغ دان۔قَالَ تعَالٰی کَمِشْکٰوۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ۔اَلْمَصَابِیْح: مصباح کی جمع ہے،بمعنی چراغ۔

(ترکیب) اِقْتَبَسْتُ فعل اس میں اَنَا ضمیر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول،مِنْ جار اَلْکِتَابِ موصوف،اَلْ بمعنی اَلَّذِیْ اسم موصول،لَامِع اسم فاعل اس میں ھُوَ فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ،موصول صلہ مل کر صفت اول،اَلصَّبِیْح صفت ثانی، اَلْ بمعنی اَلَّذِیْ اسم موصول،معروف اسم مفعول،اس میں ھُوَ ضمیر نائب فاعل،بَا جار مِشْکٰوۃِ مضاف،اَلْمَصَابِیْح مضاف الیہ،مضاف مصاف الیہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق اسم مفعول کے،اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ثالث،اَلْکِتاب کی ،موصوف اپنی تینوں صفتوں سے مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

وَسَمَّیْتُهٗ زَادَ الطَّالِبِیْنَ مِنْ کَلَامِ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَلْفَاظُهٗ قَصِیْرَۃٌ وَمَعَانِیْهِ کَثِیْرَۃٌ.

| | |
|---|---|
| وَسَمَّیْتُهٗ | زَادَ الطَّالِبِیْنَ مِنْ کَلَامِ |
| اور رکھا ہے اس کا نام میں نے | زادالطالبین من کلام |
| رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ | اَلْفَاظُهٗ قَصِیْرَۃٌ |
| رسول رب العٰلمین | اس کے الفاظ تھوڑے ہیں |
| وَمَعَانِیْهِ کَثِیْرَۃٌ | |
| اور اس کے مطالب زیادہ ہیں | |

تشریح: وَسَمَّیْتُهٗ اس جملے میں کتاب کا نام اور تعریف بیان کی ہے مقصد یہ ہے

کہ اس میں جامع کلمات والی احادیث لی گئی ہیں۔

لغات: سَمَّیۡتُہٗ: سما(ن) سموا بلند ہونا۔ سموت الیه بصری اس کی طرف میں نے نگاہ اٹھائی۔ اگر مصدر سموا ہو تو بمعنی نام رکھا۔ قَالَ تَعَالٰی سَمَّیۡتُمُوۡهَا اَنۡتُمۡ وَاٰبَآءُکُمۡ۔ زَادُ: سفر کے لیے تیار کیا ہوا کھانا جمع ازود ۔ وازواد آتی ہے۔ زاد(ن) زودا توشہ لینا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی. اَلطَّالِبِیۡنَ: طالب کی جمع ہے۔ بمعنی شاگرد جمع طلباء طلب (ن) طلبا۔ الشیء ڈھونڈھنا علم حاصل کرنے والا۔ قَالَ تَعَالٰی ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ .رَسُوۡلِ: بھیجا ہوا۔ جمع رسل ۔ قَالَ تَعَالٰی مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ۔رَبِّ: سردار مالک، پرورش کرنے والا۔ اللہ کے ناموں میں سے ہے جمع ارباب۔ ربوب۔ رب (ن) ربا۔ القوم سردار ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ۔اَلۡعَالَمِیۡنَ: جمع عالم، ساری مخلوق ماسوی اللہ۔ قَالَ تَعَالٰی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ۔اَلۡفَاظُهٗ :احد لفظ۔ لفظ (ض۔س) لفظ الشیء وبا الشیء من فمه منه سے پھینکنا۔ قَالَ تَعَالٰی مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ۔ قَصِیۡرَةٌ۔ چھوٹا چھوٹے قد کا ہونا۔ جمع قصار .قصرات. قصائر آتی ہے۔ قصر (ک) قصرا وقصاره چھوٹا ہونا۔ مَعَانِیۡهِ: کلام کا مضمون۔ معنی الکلمه جمع معان اس سے انسان کے صفاتِ محمودہ بھی مراد لیے جاتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے۔ فلان حسن المعانی۔ کَثِیۡرَةٌ : بہت۔ کثر (ک) کثرة .وکثارة بہت ہونا(ن) کثر الرجل کثرت میں غالب آنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَکُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ کَثِیۡرَةٌ .

ترکیب: واو مستانفه سَمَّیۡتُ فعل بافاعل، ضمیرہ مفعول اول، زَادُ مضاف اَلطَّالِبِیۡنَ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، مِنۡ جار، کَلَامِ مضاف، لفظ رَسُوۡلِ مضاف الیہ مضاف، لفظ رَبِّ مضاف الیہ مضاف، اَلۡعٰلَمِیۡنَ مضاف الیہ، سب مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق الماخوذ محذوف کے جو صفت ہے، موصوف صفت مل کر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اَلۡفَاظُ مضاف، ضمیرہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، قَصِیۡرَةٌ

خبر، مبتدا خبر مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَعَانِیْ مضاف، ضمیرہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، کَثِیْرَۃٌ خبر، مبتدا خبر مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

يَتَنَضَّرُ بِهٖ مَنْ قَرَأَهٗ وَحَفِظَهٗ وَيَبْتَهِجُ بِهٖ مَنْ دَرَسَهٗ وَسَمِعَهٗ.

| | | |
|---|---|---|
| يَتَنَظَّرُ | بِهٖ | مَنْ |
| تروتازہ رہے | اس کے ذریعے سے | جو |
| قَرَأَهٗ | وَحَفِظَهٗ | وَيَبْتَهِجُ |
| پڑھے اس کو | اور جو یاد کرے اس کو | اور خوش رہے |
| بِهٖ | مَنْ دَرَاسَهٗ | وَسَمِعَهٗ |
| اس کے ذریعے سے | جو سیکھے اس کو | اور (جو) سنے اس کو |

تشریح: يَتَنَضَّرُ اس جملے میں لطیف اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کو تروتازگی کی دعا دی ہے۔

لغات: يَتَنَضَّرُ: تروتازہ ہونا۔ نضر (ن۔س۔ک) نضرۃ۔نضورا، تروتازہ ہونا۔قَالَ تَعَالٰی وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ۔قَرَأَہٗ: (ف۔ن) قرء وقراءۃ پڑھنا۔قَالَ تَعَالٰی فقرء ہ علیھم۔حَفِظَهٗ: (س) حفاظت کرنا، زبانی یاد کرنا، اسی سے حفیظ بھی ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ہے۔قَالَ تَعَالٰی حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَهُ اللّٰهُ۔ يَبْتَهِجُ خوش ہوتا ہے۔بھج (ف) بَهْجًا خوش کرنا (س) بھجًا خوش ہونا (ک) بھاجته وبھجانا خوبصورت ہونا۔قَالَ تَعَالٰی حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۔دَرَسَهٗ: درس (ن) دروسا مٹنا۔ ودراسا باہم پڑھنا مدرسہ طلبہ کے تعلیم حاصل کرنے کی جگہ۔قَالَ تَعَالٰی وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۔

ترکیب: يَتَنَضَّرُ فعل، بِ جار، ضمیرہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، مَنْ

اسم موصول، قَرَأَ فعل اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ضمیر هٗ مفعول، فعل اپنے فاعل ومفعول سے مل کر معطوف علیہ، وَ عاطفہ، حَفِظَ فعل اس میں هُوَ فاعل، ضمیر هٗ مفعول، فعل فاعل اور مفعول مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف علیہ، وَ عاطفہ، يَبْتَهِجُ فعل، بَا جار، ضمیر هٖ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، مَنْ اسم موصول، دَرَسَ فعل اس میں هُوَ ضمیر فاعل، هٗ ضمیر مفعول، فعل فاعل مفعول مل کر معطوف علیہ، وَ عاطفہ، سَمِعَ فعل اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ضمیر هٗ مفعول، فعل فاعل مفعول مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

وَرَتَّبْتُهٗ عَلَى الْبَابَيْنِ يَعُمُّ نَفْعُهُمَا فِي الدَّارَيْنِ وَاللّٰهَ اَسْئَلُ اَنْ يَّجْعَلَهٗ خَالِصًا لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسَبَبًا لِدُخُوْلِ دَارِ النَّعِيْمِ فَاِنَّهٗ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ.

| | | |
|---|---|---|
| وَرَتَّبْتُهٗ | عَلَى الْبَابَيْنِ | يَعُمُّ |
| اور جوڑا ہے اس کو میں نے | دو بابوں پر | عام ہو |
| نَفْعُهُمَا | فِي الدَّارَيْنِ | وَاللّٰهَ |
| ان دونوں (بابوں) کا فائدہ | دونوں گھروں (دنیا اور آخرت) میں | اور اللہ ہی سے |
| اَسْئَلُ | اَنْ يَّجْعَلَهٗ | خَالِصًا |
| سوال کرتا ہوں میں | یہ کہ کردے اس کو | خالص |
| لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ | وَسَبَبًا | لِدُخُوْلِ دَارِ النَّعِيْمِ |
| اپنی عزت والی ذات کے لیے | اور (بنادے) ذریعہ | نعمت کے گھر (جنت) میں داخل ہونے کا |
| فَاِنَّهٗ | وَاسِعُ | الْمَغْفِرَةِ |
| پس بے شک وہ | کشادہ | بخشش والا ہے |

لغات: وَرَتَّبتُهٗ: رتب (ن) رتباورتوبا قائم وثابت ہونا رتب فی الصلوۃ۔ وہ نماز میں سیدھا کھڑا ہوا۔ اَلْبَابَیْنِ: یہ تثنیہ ہے باب کا معنی دروازہ۔ مراد کتاب کا باب ہے۔ جمع ابواب ہے۔ قَالَ تَعَالٰی فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَاءِ۔ یَعُمُّ: عم (ن) عموماً عام ہونا العائم سب کو شامل ہونے والے اسی سے ہے عام لوگ جمع عوام۔ نَفْعُهَا: نفع

(ف) نفع دینا اسی سے النافع ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ قَالَ تَعَالٰی اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا۔ اَلدَّارَیْنِ: دار کی تثنیہ ہے گھر۔ رہنے کی جگہ جمع دُوْر دِیَار۔ اَدْوُر۔ دَوْرَات۔ دُوْرَان۔ قَالَ تَعَالٰی اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔ اَسَاُلُ: سال (ف) سوالا. وسالة طلب کرنا۔ درخواست کرنا۔ سائل، مانگنے والا جمع سائلون آتی ہے۔ یَجْعَلَهٗ: جعل جعلا بنانا، پیدا کرنا جعله حاکما اس نے حاکم مقرر کیا۔ قَالَ تَعَالٰی اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ خَالِصًا: بے کھوٹ۔ صاف رنگ۔ جمع خلص ہے۔ خلص (ن) خلوصا خالص ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا۔ اَلْوَجْهُ: چہرہ۔ سامنے کا حصہ۔ جمع اوجه. ووجوه. اجوه آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاظِرَةٌ۔ اَلْكَرِیْمُ: صاحب کرم درگزر کرنے والا۔ اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ کرم (ن) کرما کرم میں غالب ہونا تکریما تعظیم کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ۔ سَبَبًا: راستہ۔ ذریعہ۔ رسی، جمع سبائب۔ دخول: دخل (ن) دخول اندر آنا۔ داخل ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ۔ اَلنَّعِیْمِ: آرام۔ نعم (ف۔ س) نعمته خوش حال ہونا۔ دار النعیم سے مراد جنت ہے۔ قَالَ تَعَالٰی یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔ وَاسِعُ: کشادہ ہونا۔ وسع (ف۔ س۔ ک) واسعة .ووسعا کشادہ ہونا، کشادہ کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔ اَلْمَغْفِرَةِ: معافی۔ بخشش غفر (ض) غفرا وغفرانا معاف کرنا۔ چھپانا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔

ترکیب: رَتَّبْتُ فعل با فاعل، ضمیر ہ مفعول، عَلٰی جار، اَلْبَابَیْنِ مجرور، جار

مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یَعُمُّ فعل، نَفْعُ مضاف، هُمَا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فِيْ جار، اَلدَّارَيْنِ مجرور، جار مجرور متعلق ہوا یَعُمُّ فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ وَاؤ استنافیہ، لفظ اللّٰہ مفعول اول مقدم، اَسْئَلُ فعل، اس میں اَنَا ضمیر فاعل، ان مصدریہ ناصب، یَجْعَلُ فعل کے اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ضمیرہٗ مفعول اول، خَالِصًا صیغہ صفت، لَامْ جار، وَجْهِ مضاف، ضمیر ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، اَلْكَرِيْمِ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق صیغہ صفت کے، صیغہ صفت اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، سَبَبًا موصوف، لَامْ جار، دُخُوْلِ مضاف، دَارِ مضاف الیہ مضاف، اَلنَّعِيْمِ مضاف الیہ، سب مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، جو صفت ہے موصوف صفت مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول ثانی یَجْعَلُ کا، یَجْعَلُ فعل اپنے فاعل، اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر مفعول ثانی ہوا اَسْئَلُ کا، اَسْئَلُ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

وَاِنَّهٗ ذُوْالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

اور بے شک وہ بڑے فضل والا ہے۔

تشریح: وَرَتَّبْتُهٗ۔ اس آخری جملے میں مصنفؒ نے اس عظیم عمل کو خالصۃً رضائے الٰہی اور جنت میں داخلے کا ذریعہ بننے کی دعاء کی ہے آخری جملہ۔

وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وَاِنَّهٗ ذُوْالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

قرآن کریم کے انداز کلام سے مناسبت رکھتا ہے اسی طرح کے جملوں سے قرآن مجید میں بھی اکثر و بیشتر آیت کے آخر میں اللہ کی تعریف ہے۔

لغات: اَلْفَضْلِ: فضل (ن۔س) فضلا باقی رہنا۔زائد ہونا۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ۔اَلْعَظِيْمِ: زیادتی۔احسان۔بڑا ہونا صفتِ عظیم ہے۔العظم ہڈی کو کہتے ہیں ذو الفضل العظیم بڑے فضل والا۔

ترکیب :فَا تعلیلہ ،اِنَّ حرف تحقیق مشبہ بالفعل ضمیرۂ اسم، وَاسِعُ مضاف، اَلْمَغْفِرَۃِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کرخبر،اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،اِنَّ حرف تحقیق ،ضمیرۂ اسم،ذُوْ مضاف،اَلْفَضْلِ موصوف،اَلْعَظِیْمِ صفت،موصوف صفت مل کر مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کرخبر،اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر معطوف،معطوف علیہ معطوف سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

# اَلْبَابُ الْاَوَّلُ

[پہلا باب]

## فِیْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَۃِ

جامع کلمات، حکمت کے سرچشموں اور اچھی نصیحتوں میں

ملاحظہ: اس باب میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جن کے الفاظ کے بہت کم اور معانی ومطالب زیادہ ہیں۔ یہ آنحضرت کی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت تھی کہ آپ بعض اوقات اس طرح کلام فرماتے تھے کہ جیسے کوزے میں دریا ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

# اَلْبَابُ الْاَوَّلُ

[پہلا باب]

## فِیْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَةِ

(( ..........۞۞۞ .......... ))

| | | |
|---|---|---|
| فِیْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ | وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ | وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَةِ |
| جامع کلمات میں | اور حکمت کے سرچشموں میں | اور اچھی نصیحتوں میں |

**لغات:** مَنَابِعِ: جمع منبع کی، نبع (س۔ک) نبعا و نبوعا و نبعانا چشمہ سے پانی نکلنا۔ اَلْمَوَاعِظِ: جمع ہے موعظة کی، بمعنی وعظ، نصیحت، وعظ (ض) وعظا و عظة نصیحت کرنا، ایسی بات کہنا جس سے دل نرم ہوجائے۔ قَالَ تَعَالٰی قُلْ اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَةٍ۔ اَلْحَسَنَةِ: نیکی، بھلائی حسن کا مؤنث ہے، جمع، حسان، حسنات اور حسن، مذکر کی جمع حسان آتی ہے، حسن (ک۔ن) حسنا خوب صورت۔ اچھا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةِ۔

**ترکیب:** اَلْبَابُ موصوف، اَلْاَوَّلُ صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، فِیْ جار، جَوَامِعِ مضاف، اَلْکَلِمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنَابِعِ مضاف، اَلْحِکَمِ مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، اَلْمَوَاعِظِ موصوف، اَلْحَسَنَةِ صفت، موصوف مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ محذوف کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہوکر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## (۱) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

قَالَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| قَالَ | النَّبِیُّ | صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ |
| فرمایا | نبی (کریم) | صلی اللہ علیہ وسلم نے |
| اِنَّمَا | الْاَعْمَالُ | بِالنِّیَّاتِ |
| بے شک | تمام کاموں کا دارومدار | نیتوں پر ہے |

**شانِ وُرود:**

قرآن مجید کی آیتوں کے پس منظر کو شان نزول اور احادیث کے بیان کی اصل وجہ (پس منظر) کو شان ورود کہتے ہیں، مَوَاہِبُ اللَّدُنیہ میں ہے کہ ایک صاحب نے ایک عورت سے نکاح کے لیے ہجرت کی، پھر اس عورت سے نکاح کرلیا، جس کا نام قیلہ بنت ام قیس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ اس حدیث میں ہے۔

**فضیلت:**

امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ''ثلثِ علم'' ہے۔ کیونکہ اعمال کا تعلق۔

1. دل سے
2. زبان سے
3. اعضاء سے ہے۔

اور اس حدیث کا تعلق تینوں قسم کے اعمال کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس حدیث کو ''ثُلُثِ اعمال'' کہا جاتا ہے یہ حدیث کتاب کے شروع میں اس لیے لائی گئی تاکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں (دونوں) کی نیت درست ہو۔ مقصود یہ ہے کہ قابلِ قبول عمل وہ ہے جس میں نیت صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو ورنہ بڑے سے بڑا عمل مردود ہے۔

اَلْاَعْمَالُ:

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں عمل وہ ہے جس میں مشقت ہو اور فعل وہ ہے جس میں مشقت نہ ہو۔

**لغات: اَعْمَالُ**

عمل کی جمع ہے۔ بمعنی کام (س) کام کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ. اَلنِّيَاتِ: نیت کی جمع ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

❶ نیت کے ذریعے عبادت کو عادت سے جدا کرنا جیسے کہ نماز کی حالت میں کھڑا ہے یا سجدہ کر رہا ہے۔ اگر اس کی نیت ہے تو نماز، ورنہ کچھ نہیں۔

❷ نیت کے ذریعے ایک عبادت کو دوسری عبادت سے جدا کرنا جیسا کہ ظہر اور عصر کی نماز میں فرق کرنا۔

❸ نیت کے ذریعے ایک معبود کی عبادت سے دوسرے معبود کی عبادت کو جدا کرنا جیسے کوئی نماز پڑھے نیت کو مستحضر رکھے، اللہ کے لیے پڑھ رہا ہے یا لوگوں کے لیے پڑھ رہا ہے۔

## حدیث کا مطلب

قابل قبول عمل صحیح نیت والا ہے۔ ورنہ عمل فاسد اور مردود ہوگا۔

**لغات:** اَلنِّيَاتِ: نیۃ کی جمع ہے دل کا ارادہ نَوٰی، یَنْوِی، نِیَّۃً بتشدید الیاء و تخفیف الیاء معنی قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔

ترکیب: قَالَ فعل، اَلنَّبِیُّ فاعل، صَلَّی فعل، لفظ اَللّٰہ فاعل، عَلٰی جار، ضمیر ہٖ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے صَلّٰی کے. صَلّٰی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ معطوف علیہا ہوا، واؤ عاطفہ، سَلَّمَ فعل، ھُوَ ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ معطوفہ، معطوف علیہا اپنے معطوفہ جملہ سے مل کر جملہ دعائیہ انشائیہ معترضہ ہوا۔ اِنَّمَا کلمہ حصر، اَلْاَعْمَالُ مبتدا، بَا جار، اَلنِّيَاتِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مُعْتَبَرَۃٌ محذوف کے، مُعْتَبَرَۃٌ صیغہ اسم مفعول، ھِیَ ضمیر نائب فاعل صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور

متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا۔

(( ............۞۞۞............ ))

وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّانَوٰی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُه اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْاِمْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَاِنَّمَا | لِامْرِئٍ مَّانَوٰی | فَمَنْ كَانَتْ |
| اور بے شک | ہر آدمی کے لیے ہے جو وہ نیت کرے | جو ہو |
| هِجْرَتُه | اِلَى اللّٰهِ | وَرَسُوْلِهٖ |
| اس کی ہجرت | اللہ کے لیے | اور اس کے رسول کے لیے |
| فَهِجْرَتُهٗ | اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ | وَمَنْ كَانَتْ |
| پس اس کی ہجرت | اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے | اور جو شخص کہ ہو |
| هِجْرَتُهٗ | اِلٰى دُنْيَا | يُصِيْبُهَا |
| اس کی ہجرت | دنیا کی طرف | کہ اسے پالے |
| اَوْاِمْرَاَةٍ | يَتَزَوَّجُهَا | فَهِجْرَتُهٗ |
| یا عورت کی طرف | کہ اس سے نکاح کرے | پس اس کی ہجرت ہے |
| اِلٰى | مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ | |
| اسی طرف | جس طرف وہ ہجرت کرے | [بخاری و مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں عورت کا تذکرہ کیوں ہے جب کہ اعمال میں رضائے الٰہی کے علاوہ کسی بھی چیز کی نیت درست نہیں ہے اس کے کئی جوابات ہیں۔

① اس حدیث پاک میں عورت کا تذکرہ شانِ ورود کی وجہ سے ہے۔

② مہاجرین مدینہ کو مواخات کی وجہ سے مدینہ میں مال اور عورت ملنے کے دو

مواقع تھے اس لیے خاص طور پر تذکرہ کیا گیا۔

③ عورت کا فتنہ بہت بڑا ہے اس لیے خاص تنبیہ کی گئی۔

لغات: اِمْرِئٍ :معنی مرد، اس کی ضد امرأۃ آتی ہے بمعنی عورت۔ هِجْرَتُ: ترک وطن (ن) ہجر اور ہجرانا، اصطلاح میں ہجرت کے دو معنی آتے ہیں، ترکِ وطن، دوسرا ترکِ معصیت، یہاں پر اول معنی مراد ہے۔ قَالَ تَعَالٰى مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ دُنْيَا: موجودہ زندگی، دَنَا، يَدْنُو دُنُوًّا، (ن) کسی چیز کا قریب ہونا۔
قَالَ تَعَالٰى خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ يُصِيْبُهَا: اصاب يصيب اصابته (باب افعال) الشيء، لینا، حاصل کرنا، پالینا، پہنچنا صاب (ض) يصيب صيبا، نشانہ پر لگنا، درست ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ يَتَزَوَّجُهَا: نکاح کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ۔

ترکیب: واؤ حرف عطف، اِنَّمَا کلمہ حصر، ل حرف جار، اِمْرِئٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل، صیغہ اسم فاعلؐ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَا موصولہ، نَوٰی فعل، هُوَ ضمیر راجع بسوئے اِمْرِئٍ فاعل، نَوٰی فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصولؐ صلہ مل کر مبتدا موخر، مبتدا موخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر اجمال، ف تفصیلیہ، مَن موصولہ، كَانَتْ فعل از افعال ناقصہ، هِجْرَتُ مضاف، ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر اسم ہوا كَانَتْ کا، اِلٰى حرف جار، لفظ اَللّٰهِ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رَسُوْلِ مضاف، ہٖ ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار اپنے مجرور سے مل کر مقصودۃٌ مقدر کے متعلق ہوا، مقصودۃٌ صیغہ اسم مفعول، اپنے نائب فاعل ھی اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی کانت کی، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا متضمن معنی شرط، ف جزائیہ، هِجْرَتُ مضاف، ہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اِلٰى جار، لفظ اللّٰہ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رسول مضاف، ہٖ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل

کر معطوف ،معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَقْبُوْلَةٌ مقدر کے ،مَقْبُوْلَةٌ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی ،مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر خبر قائم مقام جزا ،شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف اول۔

واوْ حرف عطف ،مَنْ موصولہ، كَانَتْ فعل ناقص ،هِجْرَتُ مضاف ،ہٗ ضمیر مضاف الیہ ،مضاف مضاف الیہ مل کر اسم ہوا كَانَتْ کا ،اِلٰی حرف جار دُنیا موصوف ،يُصِيْبُ فعل ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ،ھَا ضمیر مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف علیہ ،اَوْ حرف عطف ،اِمْرَأَةٍ موصوف ،يَتَزَوَّجُ فعل ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ھَا مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف ،معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَقْصُوْدَةً مقدر کے ،مَقْصُوْدَة صیغہ اسم مفعول ،ھِیَ ضمیر نائب فاعل ،اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی كَانَتْ کی ، كَانَت اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ،موصول صلہ مل کر مبتدا متضمن معنی شرط ۔فَ جزائیہ ،هِجْرَتُ مضاف ،ہٗ ضمیر مضاف الیہ ،مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا ، اِلٰی حرف جار ،مَا موصولہ ،هَاجَرَ فعل ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل اِلٰی حرف جار ،ہٖ ضمیر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے هَاجَرَ کے ،هَاجَرَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ،موصول صلہ مل کر مجرور ہوئے ، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كائِنَةٌ کے ، كَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل ،ھِیَ ضمیر فاعل ،اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی ،مبتدا اپنی خبر سے مل کر جمہ اسمیہ خبر یہ بن کر خبر قائم مقام جزا ،شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ،معطوف اپنے مطوف علیہ سے مل کر تفصیل ،اجمال تفصیل مل کر معطوف ثانی ،معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مقولہ (مفعول بہ) ہوا قَالَ فعل کا ،قَالَ فعل اپنے فاعل اور مقولہ سے مل کر جمہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

# اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ
## (جملہ اسمیہ)

اس باب میں وہ احادیث مذکور ہیں جو جملہ اسمیہ بنتی ہیں۔ اس جملے کا پہلا حصہ اسم ہوتا ہے اس لیے اسے جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔ اس میں دو ٹکڑے ہوتے ہیں، پہلے کا نام مبتدا اور دوسرے کا نام خبر۔ دونوں مرفوع ہوتے ہیں۔ اس جملہ کے معنی میں (ہے، ہیں، ہو یا ہوں) آتا ہے ان الفاظ کی عربی نہیں ہوتی۔ جملہ کی خاصیت کی وجہ سے اس میں یہ معنی پائے جاتے ہیں۔

**فائدہ:** رفع ایک نوع ہے اس کے تین افراد ہیں۔ ① رفع ضمہ کے ساتھ جیسے جَاءَنِیْ رَجُلٌ ② رفع الف کے ساتھ جیسے جَاءَنِیْ رَجُلَانِ ③ رفع واو کے ساتھ جیسے جَاءَنِیْ اَخُوْكَ

## ۲۔دین ہی میں انسانیت کی خیر خواہی ہے

اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَةُ ۔

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلدِّیْنُ | اَلنَّصِیْحَةُ |
| دین (سراسر) | خیر خواہی ہے۔ [مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں دین کے سارے اعمال خواہ اپنی ذات کے متعلق ہوں جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا دوسرے کے متعلق جیسے سلام، عیادت، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت، غرض تمام امور دنیاو آخرت میں دین پر چلنے میں پوری انسانیت کے لیے بھلائی ہے۔

لغات: اَلدِّیْنُ: بمعنی ملت ومذہب جمع ادیان آتی ہے۔اَلنَّصِیْحَةُ: اسم مصدر ہے، خیر خواہی کرنا جمع نصائح آتی ہے۔خالص کے معنی میں بھی آتا ہے،توبته نصوحا خالص توبہ۔قَالَ تَعَالٰی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔

ترکیب: اَلْجُمْلَةُ موصوف، اَلْاِسْمِیَّةُ صفت، موصوف صفت مل کر خبر هٰذِهٖ مبتداء محذوف کی، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اَلدِّیْنُ مبتدا، اَلنَّصِیْحَةُ خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۳۔مجلس کی باتیں راز ہیں

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْمَجَالِسُ | بِالْاَمَانَةِ |
| مجلسیں | امانت کے ساتھ ہیں [ابوداؤد] |

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں مجلس کا ایک ادب بتایا ہے کہ جس مجلس میں کوئی بات ہو وہ

مجلس سے باہر نہ کی جائے۔ اگر کسی کو نقصان پہنچانے کا مشورہ ہو تو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔

لغات: اَلْمَجَالِسُ: جمع مجلس کی ہے، بیٹھنے کی جگہ جلس (ض) جلوسا و مجلسا، بیٹھنا۔ قَالَ النَّبِیُّ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ. اَلْاَمَانَةِ: جمع امانات آتی ہے، بمعنی محفوظ کرنا، فریضہ خداوندی، امن (س۔ض) محفوظ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ .

ترکیب: اَلْمَجَالِسُ مبتدا، بِ حرف جار، اَلْاَمَانَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے قَائِمَةٌ اسم فاعل کے، قَائِمَةٌ اسم فاعل اپنے فاعل هِیَ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۴۔ ہر عبادت کے بعد دعا کرنا نہ بھولیے!

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلدُّعَاءُ | مُخُّ الْعِبَادَةِ |
| دعاء | عبادت کا مغز ہے [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث میں ترغیب ہے کہ ہر عبادت خواہ وہ مالی ہو یا بدنی ہو یا قولی اس کے بعد دعاء ضرور کرنی چاہیے۔

لغات: اَلدُّعَاءُ: یہ دعاء کا مصدر ہے، دعا، یدعو (ن) دعاء و دعوی پکارنا، مدد طلب کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔ مُخٌّ: ہڈی کا گودا، جمع مخاخ مخمه آتی ہے۔

ترکیب: اَلدُّعَاءُ مبتدا، مُخُّ مضاف، اَلْعِبَادَةِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملیہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۵۔حیاء ایمان کا حصہ ہے

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْحَیَاءُ | شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ |
| شرمیلا پن | ایمان کا حصہ ہے |

[بخاری ومسلم]

**تشریح:** اس خاص صفت کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں جیسے بد نظری، چوری، گالی گلوچ اور بُری بات کرنے سے بچ جاتا ہے۔

**لغات:** اَلْحَیَاءُ: شرم وحیا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً ۔ شُعْبَۃٌ: فرقہ، شاخ، پانی بہنے کی جگہ، مراد فرقہ وشاخ ہے، جمع شعب وشعاب آتی ہے۔

**ترکیب:** اَلْحَیَاءُ مبتدا، شُعْبَۃٌ موصوف، مِنْ حرف جار، اَلْاِیْمَانِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَۃٌ مقدر کے، کَائِنَۃٌ اسم فاعل اپنے فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۶۔روزِ قیامت نیکوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو۔۔۔۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اَلْمَرْءُ | مَعَ | مَنْ |
| آدمی | (اس کے) ساتھ ہوگا | جس سے |
| اَحَبَّ | | |
| محبت کرتا ہوگا | | |

[اخرجه البخاری فی کتاب الادب]

تشریح: شان ورود۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ایک آدمی کسی سے محبت رکھتا ہے مگر اس جیسے اعمال نہیں کرتا (جنت میں وہ دونوں کہاں ہوں گے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: انسان ''قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا۔''

لغات: اَلْمَرْءُ: مرد، ضد اِمْرَأَةٌ ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ۔احب: باب افعال سے بمعنی محبت کرنا۔قَالَ تَعَالٰی اِنِّی لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔

ترکیب: اَلْمَرْءُ مبتدا، مَعَ مضاف، مَنْ موصولہ، اَحَبَّ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا کَائِنٌ محذوف کا، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل ھو ضمیر مستتر اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۷۔ہر نشہ گناہوں کی جڑ ہے

### اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْخَمْرُ | جُمَّاعُ الْاِثْمِ |
| شراب | بہت سے گناہوں کی جڑ ہے |

[مشکوۃ]

تشریح: آپ ﷺ کے اس ارشاد پاک میں خاص پیغام یہ ہے کہ شراب اور ہر نشے میں بے حیائی ہے اور بے حیائی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پرواہ ختم ہو جاتی ہے۔اس لیے ہر گناہ کا راستہ کھل جاتا ہے۔

لغات: اَلْخَمْرُ: انگوری شراب اور ہر نشہ آور چیز جو عقل کو ڈھانپ لے، خمر (ن) خمرا، چھپانا، دوپٹہ کو بھی خمار کہتے ہیں اس سے سر کو چھپایا جاتا ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمِرِ۔جُمَّاعُ: مبالغہ ہے بہت جمع کرنے والا، جمع (ف) جمعا، اکٹھا کرنا۔قَالَ تَعَالٰی وَجَمَعَ فَاَوْعٰی۔اَلْاِثْمِ: بمعنی گناہ، اثم (س) اثما، اثما و اثاما، گناہ کرنا۔

ترکیب: اَلْخَمْرُ مبتداء، جُمَّاعُ مضاف، اَلْاِثْمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۸۔ ہر دینی و دنیاوی کام پورے وقار اور ستھرائی سے کیا جائے!

اَلاِنَاۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ -

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلاِنَاۃُ | مِنَ اللّٰہِ |
| بُردباری | اللہ کی طرف سے ہے |
| وَالعُجْلَۃُ | مِنَ الشَّیْطَانِ |
| اور جلد بازی | شیطان کی طرف سے ہے [ترمذی] |

تشریح: حضور ﷺ کی اس حدیث سے دنیاوی اور دینی کاموں کو مشورہ کے ساتھ اور غور و فکر سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور جلدی (یعنی مُباح کاموں کے انجام کو سوچے بغیر کرنا) شیطان کا حصہ ہے۔

لغات: اَلْاِنَاۃُ: بردباری، وقار، انتظار، انی، یانی (س۔ض) انیا بمعنی دیر کرنا۔ اَلْعُجْلَۃُ: جلدی کرنا عجل (س) عجلا جلدی کرنا۔قَالَ تَعَالٰی لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ۔شَیْطَانَ: جمع شیاطین بمعنی سرکش ہونا، دیو، شطن (ن) مخالفت کرنا۔قَالَ تَعَالٰی اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ۔

ترکیب: اَلْاِنَاۃُ مبتدا، مِنْ حرف جار، لفظ اَللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنَۃٌ مقدر کے، کَائِنَۃٌ صیغہ اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا، واوَ عاطفہ، اَلْعُجْلَۃُ مبتدا، مِنْ جار، اَلشَّیْطٰنِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنَۃٌ کے، کَائِنَۃٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل ھِیَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۹۔ مؤمن کی یہ شان ہے کہ وہ شریف ہوتا ہے

## اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ

++++++++++

| اَلْمُؤْمِنُ | غِرٌّ | کَرِیْمٌ |
|---|---|---|
| مومن | بھولا بھالا | شریف ہوتا ہے |

[احمد و ترمذی]

تشریح: ارشاد پاک میں غِرٌّ کے معنی ''بھولا بھالا'' یعنی مومن کی نرم مزاجی کی وجہ سے یا اس کے حسنِ ظن کی وجہ سے لوگ اسے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور مومن کے سامنے آخرت کے فضائل ہوتے ہیں اس لیے معاف رکھتا ہے اور بدلا نہیں لیتا تو لوگ سمجھتے ہیں یہ ہمارے دھوکے میں آ گیا حالانکہ مؤمن اپنی شرافت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا اور صبر کرتا ہے۔

لغات: غو: ناتجربہ کار جوان، بھولا بھالا، جمع اغرار آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَغَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغُرُوْرِ۔ کَرِیْمٌ: صاحب کرم، اللہ کے ناموں میں سے ہے، کرم(ك) کرما وکرامۃ۔ قَالَ تَعَالٰی فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ۔

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُ مبتدا، غِرٌّ خبر اول، کَرِیْمٌ خبر ثانی، مبتدا اپنی دونوں خبروں

سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۰۔ کمینگی اور مکاری فساق کی عادت ہے

وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيْمٌ۔

++++++++++

| لَئِيْمٌ | خَبٌّ | وَالْفَاجِرُ |
|---|---|---|
| کمینہ ہوتا ہے | چال باز | اور گناہ کرنے والا |

[احمد وترمذی]

تشریح: خَبٌّ مکار اور دھوکہ باز کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فاسق وفاجر دھوکہ دینے والا ہوتا ہے، آخرت کی فکر سے غافل ہوتا ہے، ایسا آدمی کمینہ شمار کیا جاتا ہے۔ جس کی ہر بات میں دھوکے کا گمان ہوتا ہے۔

لغات: فَاجِرٌ: حد سے تجاوز کرنے والا اور خوب گناہ کرنے والا۔ جمع فجار آتی ہے، فجر (ن) تجاوز کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كُفَّارًا۔ خَبٌّ: بالفتح بمعنی مکار، دغا باز، دھوکہ دینے والا، جمع خبوب، خب (س) خبا وخبا مکار ہونا۔ لَئِيْمٌ: کمینہ، ذلیل، جمع لئام لوما، لوم (ک) کمینہ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

ترکیب: واؤ حرف عطف اَلْفَاجِرُ مبتدا، خَبٌّ خبر اول، لَئِيْمٌ خبر ثانی، مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف عایہ مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۱۔ظلم نہ کیجئے! قیامت کے دن ذلت نہ ہو

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّوْمِ الْقِيَامَةِ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اَلظُّلْمُ | ظُلُمَاتٌ | يَّوْمِ الْقِيَامَةِ |
| بے انصافی | تاریکیوں کی شکل میں ہوگی | قیامت کے دن |

[متفق علیہ]

تشریح: اس حدیث میں دوسروں پر زیادتی کرنے والوں کا انجام ہے کہ ظالم قیامت کے دن کی مشکلات میں پھنس کر بے یارو مددگار اندھیروں میں بھٹک رہا ہوگا اور پریشان ہوگا۔اور ظلم سے حاصل کی ہوئی چیز اس کے کام نہ آئے گی۔

لغات: اَلظُّلْمُ: بے موقع رکھنا، بے انصافی، جمع ظلمات (ض) بے موقع رکھنا(س) رات کا تاریک ہونا۔قَالَ تَعَالٰی فَنَادٰی فِی الظُّلُمَاتِ ۔يَوْمِ: دن جمع ایام جمع الجمع ایاویم۔قَالَ تَعَالٰی مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنَ۔اَلْقِيَامَةِ: موت کے بعد اٹھنا ،قام یقوم (ن)قوما وقیاما، کھڑاہونا۔قَالَ تَعَالٰی لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔

ترکیب: اَلظُّلْمُ مبتدا،ظُلُمَاتٌ موصوف،يَّوْمَ مضاف ،اَلْقِيَامَةِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا كَائِنَةٌ مقدر کا،كَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، هِيَ ضمیر مستتر فاعل ،كَائِنَةٌ اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی ،موصوف صفت مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۲۔تکبر کا علاج سلام میں پہل کرنا

اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیٌٔ مِنَ الْکِبَرِ ۔

++++++++++

| اَلْبَادِئُ | بِالسَّلَامِ | بَرِیٌٔ | مِنَ الْکِبَرِ |
|---|---|---|---|
| پہل کرنے والا | سلام میں | دور ہے | تکبر سے |

[بیہقی]

تشریح: ❶ اس فرمانِ رسول ﷺ میں سلام میں پہل کرنے کی ترغیب ہے۔

❷ تکبر سے نجات کا پروانہ پہلے سلام کرنا ہے کیونکہ تکبر بہت سی روحانی وجسمانی بیماریوں کا مجموعہ ہے۔

لغات: اَلْبَادِئُ: اسم فاعل، پہلے کرنے والا، بدا (ف) بدء، شروع کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَوْ اَنَّھُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ۔ بَرِیٌٔ: (ک۔س۔ف) بروا، براء بری کرنا، نجات پانا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اَلْکِبَرُ: غرور، بڑا گناہ کبر (ن۔س۔ک) کبرا و کبرا، کبرا عمر میں بڑا ہونا، مرتبہ میں بڑا ہونا، دشوار ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ۔

ترکیب: اَلْبَادِئُ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، بِ حرف جار، اَلسَّلَامِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم فاعل کے، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، بَرِیٌٔ صیغہ صفت مشبہ، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، اَلْکِبَرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے صیغہ صفت کے، صیغہ صفت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۳۔ دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے

### اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اَلدُّنْیَا | سِجْنُ الْمُؤمِنِ | وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ |
| دنیا | مؤمن کا قید خانہ ہے | اور کافر کی جنت ہے [مسلم] |

تشریح: مؤمن کیونکہ ہر قول اور فعل سے پہلے سوچتا ہے کہ یہ کام نیکی ہے یا برائی؟ کروں یا نہ کروں؟ اس وجہ سے مؤمن کے لیے جنت کی نعمتوں کے لحاظ سے دنیا قید خانہ ہی ہے۔ اور کافر اپنے کو جسم کے تمام اعضاء استعمال کرنے میں آزاد سمجھتا ہے۔ اس لیے آخرت کی تکالیف کے لحاظ سے یہ دنیا اس کی جنت ہے۔

لغات: سِجْنُ: قید خانہ جمع سجون ہے، سجن(ن) سجنا قید کرنا۔ قَالَ تعَالٰی اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ۔ جَنَّۃٌ: باغ جمع جنات، جنان ہے علماء اہل لغت نے لکھا ہے کہ جس کلمہ میں ج۔ن کا مادہ ہو اس میں چھپنے کا معنی ہو گا۔ مثلاً جنین ماں کے پیٹ کا بچہ۔ جنون: دیوانہ، جن۔ جن کو بھی جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چھپے ہوئے ہیں۔ قَالَ تعَالٰی فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ۔ کافر: اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا، جمع کافرون ہے کفار، کفر(ن) کفرا چھپانا۔ قَالَ تعَالٰی وَلَا تکُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ.

ترکیب: اَلدُّنْیَا مبتدا، سِجْنُ مضاف، اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر اول معطوف علیہ، واؤ حرف عطف، جَنَّۃُ مضاف، اَلْکَافِرِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر ثانی معطوف، مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۴۔ مسواک کے دنیاوی واخروی فوائد

اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلسِّوَاكُ | مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ |
| مسواک | منہ کو پاک کرنے والی ہے |

وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ

اور خوشی کا ذریعہ ہے پروردگار کی [النسائی]

تشریح: اس فرمانِ رسول ﷺ میں مسواک کے دو فائدے بتائے ہیں۔

❶ ایک ظاہری: یعنی منہ صاف ہوتا ہے اور منہ کی صفائی کے طبی وروحانی فوائد بے شمار ہیں۔ یہ ایک ظاہری فائدہ ہے سنت رسول کا۔

❷ دوسرا باطنی: یعنی مسواک کی سنت ادا کرنے سے اللہ خوش ہوتے ہیں اور رب راضی ہو تو سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا اسلام پر عمل سے دنیاوی، دینی تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

لغات: اَلسِّوَاكُ، دانت صاف کرنے کی لکڑی، جمع مساويك ہے، ساك (ن) سوكا بمعنی ملنا، رگڑنا۔ مَطْهَرَةٌ: صفائی کا آلہ یا صفائی حاصل کرنے کی جگہ، جمع مطاهر ہے، طهر (ف) طهر او طهر، پاک کرنا (ن۔ف) طهر وطهارة پاک کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ اَلْفَمِ: منہ، اصل میں فوه ہے جمع افواه آتی ہے، فاه (ن) فوها بمعنی منہ سے بولنا۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ۔ مَرْضَاةٌ: خوشنودی حاصل کرنے کی جگہ، رضی (س) رضی، راضی ہونا، خوش ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ .

ترکیب: اَلسِّوَاكُ مبتدا، مَطْهَرَةٌ مصدر میمی بمعنی اسم فاعل، ضمیر مستتر اس کا فاعل، لَ جار، اَلْفَمِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق مَطْهَرَةٌ کے، مَطْهَرَةٌ اپنے فاعل اور

متعلق سے مل کر خبر اول معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَرْضَاۃٌ مصدر میمی بمعنی اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، لِ حرف جار، اَلرَّبِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق مَرْضَاۃٌ کے، مَرْضَاۃ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ثانی معطوف، مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

## ۱۵۔ دوسروں کو دینے والا، لینے والوں سے بہتر ہے

اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْيَدُ الْعُلْيَا | خَيْرٌ |
| اوپر والا (دینے والا) ہاتھ | بہتر ہے |
| مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى | |
| نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے | [بخاری] |

تشریح: شریعتِ مطہرہ میں سوال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن صرف جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت جائز ہے اس لیے کوشش ہونی چاہیے کہ ہر مسلمان دینے والا بنے اور دوسروں سے لینے کی نیت نہ رکھے۔

لغات: اَلْيَدُ: ہاتھ، اصل میں یدی ہے جمع ایادی اور ایدی ہے، قَالَ تَعَالٰى يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ اَلْعُلْيَا: ہر بلند جگہ، یہ الاعلی اسم تفضیل کی مونث ہے علیَ (ن) علوا علی (س) علاء بلند ہونا، قَالَ تَعَالٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، السفلٰی: یہ اسفل کی مونث ہے بمعنی پست تر، سَفَلَ (ن۔س۔ک) سفولا، پست ہونا، قَالَ تَعَالٰى وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا السُّفْلٰى.

ترکیب: اَلْيَدُ موصوف، اَلْعُلْيَا صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِّنْ حرف جار، اَلْيَدِ موصوف، السُّفْلٰى صفت،

موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَیْرٌ کے، خَیْرٌ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۶۔ زنا سے بھی بدتر ایک عام گناہ!

اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا ۔

++++++++++

| اَلْغِیْبَۃُ | اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا |
|---|---|
| پیٹھ پیچھے برائی کرنا | زنا سے (بھی) زیادہ بھاری ہے |

(بیھقی)

تشریح: اس گناہ کے اتنا بھاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں ندامت اور توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور غیبت میں جب تک صاحب معاملہ سے معافی نہ مانگے یہ گناہ معاف نہیں ہوتا کیونکہ حقوق العباد سے متعلق ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اور لوگ اس گناہ کو ہلکا سمجھتے ہیں۔

لغات: اَلْغِیْبَۃُ: پیٹھ پیچھے برائی کرنا، غاب(ض) غیبۃ واغتابہ غیبت کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا. اَشَدُّ: شد(ض) شدۃ، سخت ہونا. قَالَ تَعَالٰی وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. اَلزِّنَا: زنی(ض) زنی، وزناء زنا کرنا، قال تعالی ولا تقربوا الزنا.

ترکیب: اَلْغِیْبَۃُ مبتدا، اَشَدُّ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِن حرف جار، اَلزِّنَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَشَدُّ کے، اَشَدُّ صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۷۔ظاہری و باطنی پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے

اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلطُّهُورُ | شَطْرُ الْإِيمَانِ |
| پاکیزگی | ایمان کا حصہ ہے [مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں طہارت سے نجاست حکمی اور حقیقی سے پاک ہونا مراد ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو ظاہری پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کے ذریعے سے نماز، حج اور تلاوت وغیرہ دوسرے اعمال جائز ہوتے ہیں اس لیے ایمان کا حصہ ہے۔ پھر باطنی پاکیزگی یعنی گناہوں سے سچی توبہ کا اہتمام بھی ہو جائے تو زہے قسمت۔

لغات: شَطْرُ: جزء، نصف، جانب، دوری سب معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جمع اشطر، شطور، شطر(ن) شطورا دو برابر حصہ میں کرنا۔قَالَ تعالٰی فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.

ترکیب: اَلطُّهُورُ مبتدا، شَطْرُ مضاف، اَلْإِيمَانِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۸۔ہر مسلمان کے لیے قرآن کریم کی دو حیثیتیں

اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْقُرْآنُ | حُجَّةٌ |
| قرآن | دلیل ہے |
| لَّكَ | اَوْ عَلَيْكَ |
| تیرے (فائدے کے) لیے | یا تیرے خلاف [مسلم] |

تشریح: ارشاد نبوی علیہ السلام کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں اور آگے پہنچانے والوں کے حق میں گواہی دے گا، انہوں نے میری قدر کی اور پیٹھ پیچھے ڈالنے والوں کے خلاف گواہی دے گا۔ کہ انہوں نے مجھے چھوڑے رکھا اور میری قدر نہیں کی۔

| |
|---|
| لغات: اَلْقُرْآنُ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہوئی کتاب، قرن (ض) باندھنا، ملانا، جمع کرنا، قَالَ تَعَالٰی اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ حُجَّةٌ، بمعنی دلیل، جمع براہان جمع الجمع حجج، حجاج، حج (ن) حجا،ہ، دلیل میں غالب ہونا۔ |

ترکیب: اَلْقُرْآنُ مبتدا، حُجَّةٌ مصدر بمعنی اسم فاعل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، ل جار، كَ مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، اَوْ حرف عطف، عَلٰی حرف جار، كَ مجرور، جار مجرور مل کر معطوف ہوا، معطوف، معطوف علیہ مل کر متعلق ہوا حُجَّةٌ کے، حُجَّةٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۱۹۔ ہر گانے، بجانے کا آلہ شیطان کی طرف منسوب ہے

اَلْجَرْسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطٰنِ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْجَرْسُ | مَزَامِيْرُ الشَّيْطٰنِ |
| تمام گھنٹیاں | شیطان کی بانسریاں ہیں |

[مسلم]

ترجمہ: اس ارشاد عالی میں ایک گناہ کبیرہ ہر بجنے والی چیز جو دل کو اپنی طرف مائل کر کے ذکر و عبادت سے روک دے اسے شیطان کی بانسری قرار دیا گیا ہے۔ اس ارشاد گرامی کے ضمن میں سارے گانے اور ساز آ گئے ان سے بچنا چاہیے۔

لغات: اَلْجَرْسُ: گھنٹہ، جمع اجراس، مزامیر، مزمار کی جمع ہے بمعنی بانسری، ذمر (ض. ن) ذمر، زمیرا بانسری بجانا۔

ترکیب: اَلْجَرْسُ مبتدا، مَزَامِیْرُ مضاف، اَلشَّیْطَانِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۰۔ فاسقہ عورتیں شیطان کا جال ہیں

اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطٰنِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلنِّسَاءُ | حَبَائِلُ الشَّیْطٰنِ |
| عورتیں | شیطان کے جال ہیں |

[مشکوۃ]

تشریح: تجربہ شاہد ہے کہ فاسقہ عورت بے پردگی، آواز کے غلط استعمال اور غیر محرموں کے سامنے اپنے ناز وادا کے ذریعہ بہت سے مردوں کو راہ راست سے ہٹا دیتی ہے۔ اس وجہ سے اسے شیطان کا جال قرار دیا گیا ہے۔

لغات: حَبَائِلُ: یہ جمع ہے حبالۃ کی بمعنی جال، پھندا، حبل (ن) حبلا رسی سے باندھنا، قَالَ تَعَالٰی حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ۔

ترکیب: اَلنِّسَاءُ مبتدا، حَبَائِلُ مضاف، اَلشَّیْطٰنِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۱۔صبر و شکر کی برکات

اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ کَالصَّائِمِ الصَّابِرِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلطَّاعِمُ | الشَّاکِرُ |
| کھانے والا | شکرگزار |
| کَالصَّائِمِ | الصَّابِرِ |
| برابر ہے اس روزہ دار کے | جو صبر کرنے والا ہو۔ |

[ترمذی]

تشریح: سب مسلمانوں کو اس حدیث پاک میں کھانے پینے کے بعد شکر کی ترغیب دی گئی ہے، کہ اس کے ساتھ صبر اور روزہ والوں میں شمار ہوتا ہے۔ بلا شبہ روزہ اور صبر بڑی اہم عبادات ہیں لیکن کھانا کھا کر شکرادا کرنے کی برکت سے ان کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

لغات: اَلطَّاعِمُ طعم(س) طعما وطعاما، بمعنی کھانا کھانا قَالَ تَعَالٰی فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ، الشاکر شکر(ن) شکرا شکرانا، قدردانی کرنا، احسان کا اعتراف کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ، الصائم صام (ن) صوما روزہ رکھنا۔قَالَ تَعَالٰی وَالصَّائِمِیْنَ وَالصَّائِمَاتِ۔اَلصَّابِرِ صبر(ض) صبرا صبرا اور برداشت کرنا۔قَالَ تَعَالٰی وَالصَّابِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ.

ترکیب: اَلطَّاعِمُ موصوف، اَلشَّاکِرُ صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، كَ حرف جار، لِصَائِمِ موصوف، اَلصَّابِرِ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ کے، کَائِنٌ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، کَائِنٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مبتدا، خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۲۔اخراجات میں میانہ روی،معیشت کا نصف حل

اَلْاِقْتِصَادُ فِیْ النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ .

++++++++++

| اَلْاِقْتِصَادُ | فِیْ اَلنَّفَقَةِ | اَلْمَعِیْشَةِ |
|---|---|---|
| میانہ روی | خرچ کرنے میں | (زندگی کی) گزران ہے |
| نِصْفُ | | |
| آدھی | | |

[بیہقی]

تشریح: اس ارشادِ عالی سے پتا چلا کہ مسلمان نہ مال میں بخل کرے، نہ فضول خرچی بلکہ دونوں کے درمیان رہے۔یہی عمل اللہ کو پسند ہے اس ارشاد مبارک میں زندگی گزارنے کا بہت بڑا ڈھنگ ارشاد فرما دیا۔کہ آمدن کے مطابق گزر اوقات کی جائے۔

لغات: اَلْاِقْتِصَادُ:قصد (ض) قصدا و اقتصد،میانہ روی اختیار کرنا قَالَ تَعَالٰی وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ۔النفقۃ:خرچ جمع نفقات۔قَالَ تَعَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً۔ نِصْفُ:کسی چیز کا آدھا،جمع انصاف،نصف (ن۔ض)نصفا آدھا لینا،قَالَ تَعَالٰی وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ۔المعیشة:زندگی کا ذریعہ عاش،یعیش(ض)عیشا، معاشا، معیشا،زندہ رہنا۔قَالَ تَعَالٰی بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا.

ترکیب: اَلْاِقْتِصَادُ مصدر،فِیْ جار،اَلنَّفَقَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اَلْكَائِنُ محذوف کے،اَلْكَائِنُ صیغہ اسم فاعل،اپنے فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر صفت،موصوف صفت مل کر مبتدا،نِصْفُ مضاف،اَلْمَعِیْشَةِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۳۔مخلوقِ خدا سے محبت، سمجھدار لوگوں کا کام ہے

وَالتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَالتَّوَدُّدُ | اِلَی النَّاسِ |
| اور محبت کرنا | لوگوں سے |
| نِصْفُ | الْعَقْلِ |
| آدھی | عقل مندی ہے |

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن سے بھی جائز تعلقات ہوں ان سے حسنِ سلوک رکھنے سے دنیاوی اور دینی کام درست ہوتے ہیں۔اس لیے یہ بڑی سمجھ داری کا کام ہے تعلقات خراب کر کے اپنے دشمنوں میں اضافہ اور دوستوں میں کمی نہ کرنی چاہیے۔

لغات: اَلتَّوَدُّدُ: دوستی کرنا، و د(س) و دا، وو دا محبت کرنا، قَالَ تَعَالٰی تُوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ. اَلنَّاسِ: اسم ہے واحد انسان ہے تصغیر نویس ہے، ناس، ینوس (ن) نوسا. قَالَ تَعَالٰی یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا ۔اَلْعَقْلِ: وہ نور جس سے غیر حسی چیزیں معلوم کی جاتی ہیں۔جمع عقول، عقل(ض) عقلا، سمجھدار ہونا، قَالَ تَعَالٰی مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ.

ترکیب: واؤ استنافیہ، اَلتَّوَدُّدُ مصدر موصوف، اِلٰی حرف جار، اَلنَّاسِ مجرور، جار مجرور مل کر بترکیب سابق صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، نِصْفُ مضاف، اَلْعَقْلِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۲۴۔ گناہوں سے توبہ معصوم بنا دیتی ہے

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ | كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ |
| گناہ سے توبہ کرنے والا | (اس کے برابر ہے) کہ نہ ہو کوئی گناہ اس کے ذمے |

[ابن ماجہ]

تشریح: اس حدیث میں پکی اور سچی توبہ کی فضیلت بتائی ہے کہ اس طرح تائب ہونے والے کا دل ایسے صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی معصوم پیدا ہوا ہے۔

لغات: اَلتَّائِبُ: اسم فاعل توبہ کرنے والا، تاب(ن) توبا، و توبۃ، متوجہ ہونا، قَالَ تَعَالٰی اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ. اَلذَّنْبِ: گناہ، جمع ذنوب، جمع الجمع ذنوبات، قَالَ تَعَالٰی بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ.

ترکیب: اَلتَّائِبُ: صیغہ اسم فاعل، هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِنْ حرف جار، اَلذَّنْبِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَلتَّائِبُ کے، اَلتَّائِبُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، كَ حرف جار، مَنْ موصولہ، لَا نفی جنس، ذَنْبَ اس کا اسم، لَ جار، هٗ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَوْجُوْدٌ کے، مَوْجُوْدٌ صیغہ اسم مفعول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، مَوْجُوْدٌ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر لائے نفی جنس کی خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا جار مجرور مل کر متعلق ہوا كَائِنٌ کے، كَائِنٌ اپنے فاعل ضمیر مستتر هُوَ اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۵۔کون عقل مند،کون بے وقوف؟

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْكَيِّسُ | مَنْ |
| عقل مند (وہ ہے) | جو |
| دَانَ | نَفْسَهٗ |
| دبا کر رکھے | اپنے نفس (کی خواہش) کو |
| وَعَمِلَ | لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ |
| اور (نیک) کام کرے | مرنے کے بعد کے لیے |
| وَالْعَاجِزُ | مَنِ |
| اور بے وقوف (وہ ہے) | جو |
| اتَّبَعَ | نَفْسَهٗ هَوَاهَا |
| پیچھے لگائے | اپنے نفس کو اس کی خواہش کے |
| وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ | |
| اور (جنت کی) امید رکھے اللہ پر | [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں آخرت ہی کو عقل مندی اور بے وقوفی کا معیار بتایا گیا ہے کیونکہ خواہشات کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ نہ ہی خواہش کے بندے کو حقیقی خوشی مل سکتی ہے۔ ایک خواہش پوری ہوگی تو دوسری تیار ہوگی، اس لیے حقیقی بھلائی اسے نظر انداز کر کے آخرت کی فکر میں ہے۔

(۲) تَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ: اس جملے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب ہم ہر کام دنیا کے لیے کرتے ہیں۔ امید بھی تو ہمیں دنیا کی ہی رکھنی چاہیے اور ہم اس کے نتائج میں اُمید آخرت کی رکھتے ہیں یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ گندم بوئیں اور امید جو کی رکھیں یہ سمجھ داری نہیں ہے۔

لغات: اَلْکَیِّسُ عقل مند، ہوشیار جمع اکیاس ہے کاس (ض) کیسا، وکیاسۃ بمعنی چالاک ہونا، دان: (ض) دینا بمعنی ذلیل ہونا، تابع بنانا۔ نَفْسَہٗ: مصدر بمعنی روح، خون، بدن، مراد دل ہے۔ قَالَ تَعَالٰی یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ. الموت: زندگی کی ضد ہے۔ قَالَ تَعَالٰی اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ. وَالْعَاجِزُ: نہ قدرت رکھنے والا، عجز (ض.س) عجزا، عجوزا، عاجز ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْ اٰیَاتِنَا مُعَاجِزِیْنَ. اِتَّبَعَ تبع (س) تبعا، پیچھے چلنا، ھویٰ: خواہش، عشق خواہ خیر میں ہو یا شر میں، قَالَ تَعَالٰی وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ. تَمَنّٰی: ارادہ کرنا (ن) آزمائش کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی۔

ترکیب: اَلْکَیِّسُ مبتدا، مَنْ موصولہ، دَانَ فعل، ھُوَ ضمیر اس کا فاعل، نَفْسَ مضاف، ضمیر ہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ہوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا، واؤ عطف، عَمِلَ فعل ھُوَ ضمیر فاعل، لِ حرف جار، مَا موصولہ، بَعْدَ مضاف، اَلْمَوْتِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ (ظرف) ہوا فعل مقدر یَکُوْنُ تامہ کا، یَکُوْنُ فعل اپنے فاعل ہوا اور مفعول فیہ سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے عَمِلَ کے، عَمِلَ فعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر اور متعلق سے مل کر جملہ معطوفہ، دونوں جملے مل کر صلہ ہوئے موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، واؤ عاطفہ یا استنافیہ، اَلْعَاجِزُ مبتدا مَنْ موصولہ، اِتَّبَعَ فعل، ھُوَ ضمیر فاعل، نَفْسَ مضاف ضمیر ہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول

اول، ھُوَ مضاف، ھَا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، تَمَنّٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی حرف جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، دونوں جملے مل کر صلہ ہوئے موصول کے، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ یا مستانفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۶۔محبت کے لائق صاحب ایمان ہے

اَلْمُؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْمُؤْمِنُ | مَاْلَفٌ |
| مومن | محبت کی جگہ ہے |
| وَلَا | خَیْرَ |
| اور نہیں ہے | بھلائی |
| فِیْمَنْ | لَا یَاْلَفُ |
| اس میں جو | محبت نہیں کرتا |
| وَلَا یُؤْلَفُ | |
| اور محبت نہیں کیا جاتا | [بیہقی] |

تشریح: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مؤمن کی شان ہے کہ وہ دوسروں سے سچی محبت رکھتا ہے اور ایسا معاملہ رکھتا ہے کہ لوگ اس سے محبت رکھیں اور حقیقی محبت اللہ والوں کو ہی ملتی ہے اس حدیث میں خودغرضی سے منع کیا گیا ہے، محبت سے مراد وہ جائز محبت ہے، جس کی اللہ اور اس کے ﷺ نے اجازت دی ہے۔ یا حکم دیا ہے۔

لغات: مَاْلَفٌ:اسم ظرف ہے،دوستی کی جگہ،جمع مآلف ،الف(س) الفا،مانوس ہونا،محبت کرنا۔

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُ مبتدا،مَاْلَفٌ خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔وَاؤ استنافیہ،لا حرف نفی جنس،خَیْرَ اس کا اسم،فِی حرف جار،مَنْ موصولہ،لَا یَاْلَفُ فعل نفی مضارع معلوم،ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہا،وَاؤ عاطفہ،لَا یُؤْلَفُ فعل نفی مضارع مجہول،ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف،معطوف معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوکر صلہ ہوئے موصول کا،موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی لائے نفی جنس کی،لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

(( ............ ✿✿✿............ ))

## ۲۷۔گانا بجانا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْغِنَاءُ | يُنْبِتُ |
| گانا | اُگاتا ہے |
| اَلنِّفَاقَ | فِي الْقَلْبِ |
| نفاق کو | دل میں |
| كَمَا | يُنْبِتُ الْمَاءُ |
| جیسا کہ | پانی اُگاتا ہے |
| الزَّرْعَ | |
| کھیتی کو | |

[بیہقی]

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک اصول زندگی میں گانے بجانے کا ایک بہت بڑا نقصان

یہ بتایا گیا ہے کہ اس بدعملی کی وجہ سے انسان ایمان خالص کی دولت سے محروم رہتا ہے مثال دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور کھیتی کے الفاظ استعمال کیے، تاکہ ہر آدمی سمجھ جائے۔

لغات: اَلْغِنَاءُ: گانا جمع اغانی، غنی (س) غنی، مال دار ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ. غنی (تفعیل) تغنیۃ، ترنم سے گیت گانا۔ ینبت نبت(ن) نباو نباتا، بمعنی سبزہ زار ہونا، قَالَ تَعَالٰی یُنْبِتُ لَکُمْ بِہِ الزَّرْعَ. النفاق: مصدر ہے مجرد میں باب نصر سے اور مزید میں باب مفاعلہ سے ہے، کہ زبان سے اسلام ظاہر کرنا اور دل میں کفر رکھنا۔ اَلْقَلْبُ دل، جمع قلوب، قلب (ض) قلبا الٹ پلٹ کرنا، قَالَ تَعَالٰی وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ. الزرع: کھیتی، جمع زروع، زرع، (ف) زرعا۔ بیج ڈالنا، قَالَ تَعَالٰی کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ۔

ترکیب: اَلْغِنَاءُ مبتدا، یُنْبِتُ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلنِّفَاقَ مفعول بہ، فِیْ حرف جار، اَلْقَلْبِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول، کَ حرف جار، مَا مصدریہ، یُنْبِتُ فعل، اَلْمَاءُ فاعل، اَلزَّرْعَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل، مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............ ❁❁❁ ............ ))

## ۲۸۔ قیامت کے دن متقی اور سچا تاجر نجات پائے گا

## اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلتُّجَّارُ | یُحْشَرُوْنَ |
| تاجر لوگ | جمع کیے جائیں گے |
| یَوْمَ الْقِیٰمَةِ | فُجَّارًا |
| قیامت کے دن | گناہ گار (ہونے کی حالت میں) |

| | |
|---|---|
| اِلَّا | مَنِ |
| مگر | جو |
| اتَّقٰی | وَبَرَّ |
| ڈرے (اللہ سے) | اور نیکی (کا راستہ) اختیار کرے |

وَصَدَقَ

اور سچ بولے [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں تاجروں کے لیے چند اصول بتائے ہیں۔

1. تقوٰی۔ اللہ سے ڈرے یعنی تجارت میں ملاوٹ، جھوٹی قسم، نمازوں کو چھوڑنا نیز ہر گناہ سے بچے۔
2. نیکی کا راستہ: تجارت میں معاملات کی صفائی، اسلامی اصولوں کے مطابق لین دین کرنا وغیرہ۔
3. سچائی: اپنے مال کی اچھائی برائی واضح بیان کردے، اس میں جھوٹی قسموں سے بچنا بھی آ گیا۔

لغات: اَلتُّجَّارُ: جمع تَاجِرٌ کی، سوداگر، تجر (ن) تجارة، تجارت کرنا، قَالَ تَعَالٰی عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ. يُحْشَرُوْنَ، حشر (ض) حشرا. بمعنی جمع کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ. اِتَّقٰی: پرہیز کرنا، وقی (ض) وقایہ، حفاظت کرنا، قَالَ تَعَالٰی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی. بَرَّ: (س۔ض) سچ بولنا، قَالَ تَعَالٰی كِرَامٍ بَرَرَةٍ. صَدَقَ: (ن) صدقا، صدقا، سچ بولنا، قَالَ تَعَالٰی قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ.

ترکیب: اَلتُّجَّارُ مبتدا، يُحْشَرُوْنَ فعل، وَاؤ ضمیر بارز ذوالحال، يَوْمَ مضاف، اَلْقِيٰمَةِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فُجَّارًا مستثنیٰ منہ، اِلَّا حرف استثناء، مَنْ موصولہ، اتَّقٰی فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، بَرَّ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، دونوں مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، وَاؤ عاطفہ

صَدَقَ فعل ھُوَ ضمیر فاعل، دونوں مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، معطوف علیہا اپنے دونوں معطوف جملوں سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مستثنیٰ، مستثنیٰ مستثنیٰ منہ مل کر حال ہوا ذوالحال کا، حال ذوالحال مل کر نائب فاعل ہوا، یُحْشَرُوْنَ کا، یُحْشَرُوْنَ اپنے نائب فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اَلتُّجَارُ مبتدا، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۹۔ امانت دار تاجر نبیوں اور شہیدوں کے ساتھ

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلتَّاجِرُ | الصَّدُوْقُ |
| تاجر | سچا |
| اَلْاَمِیْنُ | مَعَ النَّبِیِّیْنَ |
| امانت دار (قیامت کے دن) | نبیوں کے ساتھ (ہوگا) |
| وَالصِّدِّیْقِیْنَ | وَالشُّهَدَاءِ |
| اور سچوں کے ساتھ (ہوگا) | اور شہیدوں کے ساتھ (ہوگا) [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث میں اسلامی اصولوں یعنی سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرنے والوں کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان دار تاجر پوری دنیا میں اسلام کی شان کا ذریعہ ہے۔ اور اس کی دیانت کی وجہ سے کفار کے قلوب اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

لغات: اَلشُّهَدَآءِ: شہید شهد (س) شھودا، حاضر ہونا، گواہ ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ .

ترکیب: اَلتَّاجِرُ موصوف، الصَّدُوْقُ صفت اول، اَلْاَمِیْنُ صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مبتدا، مَعَ مضاف، اَلنَّبِیِّیْنَ معطوف علیہ، وَاؤ

عاطفہ، اَلصِّدِّیْقِیْنَ معطوف اول،وَاؤ عاطفہ،اَلشُّھَدَآءِ معطوف ثانی،معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کرمضاف الیہ ہوامَعَ مضاف کا،مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کرمفعول فیہ ہوا کَائِنٌ مقدر کا، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل،ھُوَضمیر اس کا فاعل،اسم فاعل اپنے فاعل اورمفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہوکرخبر ہوئی مبتدا کی،التاجر مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۳۰۔منافق کی تین نشانیاں

آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| آیَۃُ الْمُنَافِقِ | ثَلٰثٌ | اِذَا |
| منافق کی نشانیاں | تین ہیں | جب |
| حَدَّثَ | کَذَبَ | وَاِذَا |
| بات کرے | تو جھوٹ بولے | اور جب |
| وَعَدَ | اَخْلَفَ | وَاِذَا |
| وعدہ کرے | تو خلاف کرے | اور جب |
| اؤْتُمِنَ | خَانَ | |
| امانت رکھوائی جائے | تو خیانت کرے | [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں ہرمسلمان کو اپنا جائزہ لینے کی ہدایت دی گئی ہے۔کہ یہ تین گناہ اس میں نہ ہونے چاہئیں۔کیونکہ یہ (یعنی جھوٹ بولنا،وعدہ خلافی کرنا اورامانتوں میں خیانت کرنا)منافق کی نشانیاں ہیں اور قرآن کریم میں ہے کہ منافق جہنم میں جائیں گے۔

**لغات:** حَدَّثَ بات کی حدث(ن) حدوثا کسی امر کا واقع ہونا، الحدث نئی چیز وضو یا غسل کی حاجت ہونا، بدعت، پائخانہ(ج) احداث احداث الدھر مصیبتیں۔ کَذَبَ: جھوٹ بولا (ض) کَذِبًا، کِذْبًا، کِذبَةً، وَعَدَ:(ض) وعدًا، وَعْدَةً، مَوْعدًا وعدہ کرنا۔ اَخْلَفَ: وعدہ خلافی کی خلف(س) خلفا بائیں ہتھا ہونا، بھینگا ہونا، بے وقوف ہونا۔ خَلُوف فم الصائم روزہ دار کے منہ کی بو خلفہ(ن) جانشین ہونا۔ اُوْتُمِنَ: (افتعال) میں بنایا گیا امن(ک) امانۃ، امانت دار ہونا (ض) اَمْنا اعتبار کرنا (س ہ) اَمْنا اَمَنَا مطمئن ہونا۔ خَانَ: (ن) خونا، خیانۃ امانت میں خیانت کرنا۔

**ترکیب:** آیَۃُ مضاف، اَلْمُنَافِقِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، ثَلٰثٌ مبدل منہ، اِذَا کلمہ شرط، حَدَّثَ فعل، ھُوَ ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، کَذَبَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اِذَا کلمہ شرط، وَعَدَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اَخْلَفَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوفہ، وَاؤ حرف عطف، اِذَا حرف شرط، اُوْتُمِنَ فعل، ضمیر ھُوَ نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، خَانَ فعل، ھُوَ ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ جملہ معطوف علیہا اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر بدل ہوا. مبدل منہ کا، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۳۱۔شرک، والدین کی نافرمانی، قتل ناحق اور جھوٹی قسم کبیرہ گناہ ہیں

اَلْكَبَائِرُ اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغُمُوْسُ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْكَبَائِرُ | اَلْإِشْرَاكُ |
| بڑے گناہ | شرک کرنا |
| بِاللّٰهِ | وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ |
| اللہ کے ساتھ | اور والدین کی نافرمانی کرنا |
| وَقَتْلُ النَّفْسِ | وَالْيَمِيْنُ الْغُمُوْسُ |
| اور کسی جان کو مارڈالنا | اور جھوٹی قسم کھانا ہے |

[ترمذی]

**تشریح:** اس حدیث میں چار بڑے گناہ گنوائے گئے ہیں۔

❶ شرک: قرآن کریم میں اسے ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔

❷ والدین کی نافرمانی: یہ بہت ہی محتاط اور محترم رشتہ ہے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہاتھ اور زبان سے ان کو تکلیف نہ پہنچائیں۔جان و مال سے ان کی مدد کریں۔جب وہ بلائیں تو ہم حاضر ہو جائیں۔

❸ وقتل النفس: کسی کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن قاتل کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ ''یہ اللہ کی رحمت سے دور ہے۔''

❹ یمین الغموس: غموس کے معنی ڈھانپ لینا اس کا مقصود یہ ہے کہ جھوٹی قسم اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان اس کے بوجھ تلے دب جاتا ہے۔اللہ ہمیں ان گناہوں سے

بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

لغات: اَلْاِشْرَاكُ: شریک بنانا،شریک کرنا،قَالَ تعَالٰی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ. عُقُوْقٌ: عق(ن) عقوقا،نافرمانی کرنا،عق الولدوالده۔لڑکے نے اپنے باپ کی نافرمانی کی۔قتل: (ن) قتلا،مارڈالنا،قَالَ تعَالٰی فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ.يَمِيْنٌ: قسم جمع ایمن،ایمان،اَلْغَمُوْسُ: جان بوجھ کرقسم کھانا،جمع غمس ، (ض) غمسا،ڈبونا،اس میں آدمی گناہ میں ڈوب جاتا ہے۔

ترکیب: اَلْكَبَائِرُ مبتدا،اَلْاِشْرَاكُ مصدر موصوف،بَا حرف جار،لفظ اَللّٰه مجرور،جار مجرور مل کر متعلق اَلْكَائِنُ کے ہو کر صفت،موصوف صفت مل کر معطوف علیہ،وَاؤ عاطفہ، عُقُوْقُ مضاف،اَلْوَالِدَيْنِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول وَاؤ عاطفہ،قَتْلُ مضاف،اَلنَّفْسِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی،وَاؤ عاطفہ،اَلْيَمِيْنُ موصوف،اَلْغَمُوْسُ صفت،موصوف صفت مل کر معطوف ثالث،معطوف الیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۳۲۔نیکی اور گناہ کی آسان پہچان

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْبِرُّ | حُسْنُ |
| (بڑی) نیکی | اچھے |
| اَلْخُلُقِ | وَالْاِثْمُ |
| اخلاق ہیں | اور گناہ (وہ ہے) |
| مَا | حَاكَ |
| جو | کھٹکے |

| | |
|---|---|
| فِیْ صَدْرِكَ | وَ كَرِهْتَ |
| تیرے دل میں | اور برا سمجھے تو |
| اَنْ | يَطَّلِعَ |
| یہ کہ | پتا چلے |
| عَلَيْهِ النَّاسُ | |
| لوگوں کو اس بارے میں | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں مختصر الفاظ میں اخلاق حسنہ کو اعلیٰ درجے کی نیکی قرار دیا ہے۔ گناہ کی تعریف کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کے جائز ہونے میں ذرا بھی شک ہو وہ اختیار نہیں کرنا چاہیے وہی کام کریں جو شبہ سے پاک ہو۔ یہی مومن کی شان ہے۔

لغات: اَلْخُلُقِ: بمعنی طبیعت، عادت، سیرت، قَالَ تَعَالٰی اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ حاكَ: (ن) حو کا، حیا کا، شک اور تردد میں ڈالنا۔ صدر: ہر چیز کا سامنے سے اوپر کا حصہ، صدر (ض۔ن) صدرًا آگے بڑھانا۔ قَالَ تَعَالٰی اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. كَرِهْتَ: (س) کرھا، کرھا بھی ناپسند کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. يَطَّلِعَ: جانا، (ف۔ن۔س) طلوعا، جانا پہاڑ پر چڑھنا، اطلع (افتعال) واقف ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ۔

ترکیب: اَلْبِرُّ مبتدا، حُسْنُ مضاف، اَلْخُلُقِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اَلْاِثْمُ مبتدا، مَا موصولہ، حَاكَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فِیْ جار، صَدْرِ مضاف، كَ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، كَرِهْتَ فعل با فاعل، اَنْ حرف ناصبہ مصدریہ، يَطَّلِعَ فعل مضارع، عَلٰی جار، ضمیر ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، اَلنَّاسُ فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ ہوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوفہ، معطوف معطوف علیہا مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی اَلْاِثْمُ مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف، معطوف

عاطفہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............٭٭٭............ ))

## ۳۳۔مخلوق سے حسن سلوک محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ

## اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْخَلْقُ | عَیَالُ اللّٰہِ |
| ساری مخلوق | اللہ کا کنبہ ہے |
| فَاَحَبُّ الْخَلْقِ | اِلَی اللّٰہِ |
| پس مخلوق میں سب سے پسندیدہ | اللہ کو وہ ہے |
| مَنْ | اَحْسَنَ |
| جو | اچھا سلوک کرے |
| اِلٰی عَیَالِہٖ | |
| اس کے کنبے کے ساتھ | |

[بیھقی]

تشریح: یہ حدیث سبق دے رہی ہے کہ پوری دنیا کو ایک خاندان کی طرح رہنا چاہیے اور آپس میں بھرپور محبت والی زندگی گزارنی چاہیے۔

لغات: عَیَالُ: جن کا نان نفقہ آدمی پر واجب ہو۔عال(ن) عولا،وعیالا،اہل وعیال کے معاش کی کفالت کرنا۔

ترکیب: اَلْخَلْقُ مبتدا،عَیَالُ مضاف،لفظ اللّٰہ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا،فا تفریعیہ، اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل مضاف،اَلْخَلْقِ مضاف الیہ،اِلٰی حرف جار،لفظ اللّٰہ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَحَبُّ کے،اَحَبُّ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا،مَنْ موصولہ، اَحْسَنَ فعل،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،اِلٰی حرف جار،عَیَالِ مضاف،ہٖ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے جار کا،جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،فعل اپنے فاعل اور

متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۳۴۔وہ مومن ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْمُسْلِمُ | مَنْ |
| مسلمان وہ ہے | جو (ایسا ہو کہ) |
| سَلِمَ | الْمُسْلِمُوْنَ |
| محفوظ رہیں | مسلمان |
| مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ | |
| اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے | |

تشریح: یہ بہت ہی جامع حدیث ہے اس میں ہاتھ اور زبان کا نام لے کر مسلمان کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ مسلمان ہر انسان کو اپنی ہر تکلیف سے بچائے رکھے۔ یہ اس کی کی شان ہے۔

ترکیب: اَلْمُسْلِمُ مبتدا، مَنْ موصولہ، سَلِمَ فعل، اَلْمُسْلِمُوْنَ فاعل، مِنْ جار، لِسَانِ مضاف، ضمیر ہٖ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، یَدِ مضاف ہٖ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور جار کا، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۳۵۔لوگوں کو اپنی ہر تکلیف سے محفوظ رکھنا ایمان کی نشانی ہے

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَالْمُؤْمِنُ | مَنْ |
| اور مومن وہ ہے | کہ جس سے |
| اٰمِنَهُ | النَّاسُ |
| محفوظ رہیں | لوگ |
| عَلٰى دِمَائِهِمْ | وَاَمْوَالِهِمْ |
| اپنے خونوں پر | اور اپنے مالوں پر [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث میں مؤمن کامل کی علامت ہے کہ وہ اپنے اعمال اور اخلاق میں لوگوں کے ساتھ ایسے رہے کہ لوگوں کو یقین ہو کہ ہماری جان اور مال کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

لغات: دِمَائِهِمْ، دم کی جمع ہے بمعنی خون اصل میں دَمْوٌ ہے، لام کلمہ حذف کر کے دم بنایا گیا، جمع دماء۔ قَالَ تَعَالٰى وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اَمْوَالِهِمْ. مال کی جمع ہے بمعنی دولت، قَالَ تعالٰى وَاَمْدَدْنَا كُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ.

ترکیب: واؤ مستانفہ، اَلْمُؤْمِنُ مبتدا، مَنْ موصولہ، اَمِنَ فعل ضمیرہٗ، مفعول بہ النَّاسُ فاعل، عَلٰى حرف جار، دِمَاءِ مضاف، هِمْ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَمْوَالِ مضاف، هِمْ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا............

(( ............❀❀❀............ ))

## ۳۶۔حقیقی جہاد نفس کی مخالفت ہے

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَالْمُجَاهِدُ | مَنْ |
| اور (حقیقی) مجاہد وہ ہے | جو |
| جَاهَدَ | نَفْسَهُ |
| مجبور کرے | اپنے نفس کو |
| فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ | |
| اللہ کی فرمانبرداری میں | [مشکوٰۃ] |

تشریح: حقیقت میں جہاد اللہ کی راہ میں لڑنے کو کہتے ہیں۔لیکن سب سے پہلے انسان کا واسطہ اپنے نفس سے پڑتا ہے۔جو اس سے جہاد میں کامیاب ہوگیا یعنی اس نے اپنے آپ کو دل نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ کی فرمانبرداری پر مجبور کرلیا۔یہ شخص کامیاب ہے اور حقیقی مجاہد ہے۔

لغات: مُجَاهِدُ: پوری طاقت صرف کرنا۔جهد(ف) جهدا، بہت کوشش کرنا، قَالَ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا .طَاعَةَ. فرمانبردار ہونا، طَاعَ (ن) طَوْعًا، فرمانبردار ہونا۔قَالَ تَعَالٰى طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ.

ترکیب: وَاؤ استنافیہ، اَلْمُجَاهِدُ مبتدا، مَنْ موصولہ، جَاهَدَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، نَفْسَ مضاف، هٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فِيْ حرف جار، طَاعَةِ مضاف، لفظ اَللّٰه مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر جملہ مستانفہ ہوا۔

## ۳۷۔ حقیقی ہجرت گناہوں سے بچنا ہے

وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَالْمُهَاجِرُ | مَنْ |
| اور (حقیقی) مہاجر وہ ہے | جو |
| هَجَرَ | الْخَطَايَا |
| چھوڑ دے | غلطیوں کو |
| وَالذُّنُوبَ | |
| اور گناہوں کو | [مشکوۃ] |

تشریح: اپنے دین کی حفاظت کے لیے کسی دوسری جگہ چلے جانے اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔ اس حدیث پاک میں حقیقی ہجرت گناہوں کو چھوڑنا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ کے حکموں کی پیروی کے لیے گناہوں کو چھوڑنا ضروری ہے جو ہجرت کی طرح نفس کو بہت شاق گزرتا ہے ترکِ گناہ والی ہجرت سے ہمیشہ واسطہ رہتا ہے۔

لغات: اَلْخَطَايَا: یہ جمع ہے، الخطیئۃ کی بمعنی گناہ، خَطِئَ (س) خَطَأً غلطی کرنا، قَالَ تَعَالٰی يَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ.

ترکیب: وَاؤ استینافیہ، اَلْمُهَاجِرُ مبتدا، مَنْ موصولہ، هَجَرَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْخَطَايَا معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلذُّنُوبَ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جملہ مستانفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۳۸۔ایک قانونی ضابطہ

اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْبَیِّنَۃُ | عَلَی الْمُدَّعِیْ |
| گواہ (پیش کرنا) | دعوی کرنے والے پر ہے |
| وَالْیَمِیْنُ | عَلَی الْمُدَّعٰی |
| اور قسم کھانا | دعوی کیے جانے |
| عَلَیْہِ | |
| والے پر ہے | |

[ترمذی]

تشریح: یعنی مدعی اپنے دعوی کے ثبوت کے لیے دو گواہ پیش کرے اور مدعی علیہ اگر انکار کرے تو قسم کھائے۔ یہ حدیث قانونی ضابطہ ہے۔ جس سے معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

لغات: اَلْبَیِّنَۃُ: دلیل، حجت، جمع بَیِّنَاتٌ، بَانَ(ض) بَیَانًا وَتِبْیَانًا ظاہر ہونا۔

ترکیب: اَلْبَیِّنَۃُ مبتدا، عَلٰی حرف جار، اَلْمُدَّعِیْ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اَلْیَمِیْنُ مبتدا، عَلٰی حرف جار، اَلْمُدَّعٰی صیغہ اسم مفعول، ضمیر مستتر ھُوَ نائب فاعل، عَلٰی حرف جار، ہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم مفعول کے، اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ اسم فاعل ھی ضمیر مستتر فاعل، اسم اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

## ۳۹۔ مومن آئینہ بن جائے!

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهٗ وَيَحُوْطُ مِنْ وَّرَائِه.

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْمُؤْمِنُ | مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ |
| مومن | مومن کا آئینہ ہے |
| وَالْمُؤْمِنُ | اَخُو الْمُؤْمِنِ |
| اور مومن | مومن کا بھائی ہے |
| يَكُفُّ | عَنْهُ |
| روکتا ہے | اس سے |
| ضَيْعَتَهٗ | وَيَحُوْطُ |
| اس کے نقصان کو | اور حفاظت کرتا ہے |
| مِنْ وَّرَائِه | |
| (اس کی) اس کے پیچھے سے | [ابوداؤد] |

تشریح: اس حدیث میں مومن کی مثال آئینہ سے اس لیے دی گئی کہ آئینہ دیکھ کر انسان اپنے چہرے کے عیوب کو سمجھتا ہے اور دور کرتا ہے۔ اس لیے مومن کو چاہیے اپنے مسلمان بھائی کے عیوب ظاہر نہ کرے اور اسے آئینہ کی طرح علیحدگی میں بتائے۔

دوسرا مطلب:

① انسان عمل کا آئینہ بن جائے کہ اسے دیکھ کر لوگ اپنے آپ کو ٹھیک کر لیں۔

② دوسری صفت یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے سامنے اور بعد میں بھی اس کے جان، مال اور اس کی عزت کی حفاظت کا ذریعہ بنے۔

لغات: مِرْاٰةٌ: آئینہ،جمع مراء ومریا ہے۔رای (ف) رویة، دیکھنا۔اَخُوْ: جمع اخ، بھائی، ساتھی، دوست ۔قَالَ تعَالٰی فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا. یکف: کف(ن) کفا، کفایة بمعنی روکنا۔ قَالَ تعَالٰی عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَکُفَّ. ضَیْعَتَہٗ: جائیداد ضاع (ض) ضَیْعًا، ضائع ہونا۔تلف ہونا۔قَالَ تعَالٰی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ. یَحُوْطُ بحاط(ن) حوطا ، حفاظت کرنا،نگہبانی کرنا،گھیر لینا۔قَالَ تعَالٰی وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ.

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُ مبتدا،مَرْاٰةُ مضاف،اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہا،وَاؤ عاطفہ،اَلْمُؤْمِنُ مبتدا ،اَخُوْ مضاف ،اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ دونوں مل کر خبر اول، یَکُفُّ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ،عَنْ جار ،ہٗ ضمیر مجرور یہ دونوں مل کر متعلق ہوئے فعل کے ضَیْعَتَہٗ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول،فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہا ،وَاؤ عاطفہ،یَحُوْطُ فعل ھُوَ ضمیر فاعل مِنْ جار وَرَاءِ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ ،مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوا جار کا جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کا فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف جملہ معطوف علیہا اور معطوف مل کر خبر ثانی ،اَلْمُؤْمِنُ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ خبریہ معطوفہ ہوکر معطوف ،معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۴۰۔ مومنین ایک جسم کی طرح ہیں

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْمُؤْمِنُوْنَ | كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ |
| سب مومن | ایک آدمی کی طرح ہیں |
| اِنِ اشْتَكٰى | عَيْنُهٗ |
| اگر بیمار ہو | اس کی آنکھ |
| اِشْتَكٰى | كُلُّهٗ |
| تو بیمار ہو | اس کا پورا (جسم) |
| وَاِنِ | اِشْتَكٰى |
| اور اگر | بیمار ہو |
| رَأْسُهٗ | اِشْتَكٰى |
| اس کا سر | تو بیمار ہو |
| كُلُّهٗ | |
| اس کا پورا (جسم) | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث شریف میں فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا ہے آسان مثال دے کر سمجھا دیا کہ اعضائے جسم کی طرح سارے مومنوں کا ایک دوسرے کے ساتھ دلی تعلق ہونا چاہیے اور ہر خطے کا مؤمن پوری دنیا کے مومنوں کی خوشی کے ساتھ خوشی اور غمی کے ساتھ غمی محسوس کرے۔

لغات: اِشْتَكٰى: بیمار ہونا، اشکی باب افعال، اشکاء، شکایت قبول کرنا، شکوا، الم پہنچانا۔ عینہ: آنکھ جمع عیون ہے۔

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُوْنَ مبتدا ،كَ حرف جار ،رَجُلٍ موصوف ،وَاحِدٍ صفت موصوف صفت مل کر مجرور دونوں مل کر متعلق ہوئے کَائِنُوْن کے ، کَائِنُوْن صیغہ اسم فاعل هُم ضمیر مستتر فاعل ۔ کَائِنُوْنَ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی ، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر مُبَیَّنْ، اِنْ حرف شرط ،اِشْتَكٰى فعل ،عَيْنُ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ ۔ دونوں مل کر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ،اِشْتَكٰى فعل ، كُلُّ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ،شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہا ہوا، وَاؤ عاطفہ ،اِنْ حرف شرط ،اِشْتَكٰى فعل ،رَأسُهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط اِشْتَكٰى فعل كُلُّ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر فاعل فعل فاعل مل کر جزا ،شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہو کر بیان ،مبین اپنے بیان سے مل کر جملہ بیانیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۴۱۔سفر کامیابی اور تکلیف کا سبب

اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ وَّجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلسَّفَرُ | قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ |
| سفر | عذاب کا ایک ٹکڑا ہے |
| يَمْنَعُ | اَحَدَكُمْ |
| روکتا ہے وہ | تم میں سے ہر ایک کو |
| نَوْمَهٗ | وَطَعَامَهٗ |
| اس کے سونے سے | اور کھانے سے |
| وَشَرَابَهٗ | فَاِذَا |
| اور پینے سے | پس جب |

| | |
|---|---|
| قَضٰی | اَحَدُکُمْ |
| پوری کرے | تم میں سے کوئی ایک |
| نَہْمَتَہٗ | مِنْ وَّجْہِہٖ |
| اپنی ضرورت کو | اس (سفر کی) طرف سے |
| فَلْیُعَجِّلْ | اِلٰی اَہْلِہٖ |
| پس چاہیے کہ (آنے میں) جلدی کرے وہ | اپنے گھر والوں کی طرف |

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک انسانی ضرورت یعنی (سفر) کے متعلق ضروری ہدایات ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ اشد ضرورت پر سفر کیا جائے، بے ضرورت نہ کہیں ٹھہرا جائے کیونکہ اس سے عبادات اور جانی، مالی نقصانات ہوتے ہیں۔ مہربان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شفقت پر مبنی ہے۔

لغات: اَلسَّفَرُ: مسافت طے کرنا، جمع اسفار، سفر (ن) سفورا سفر کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ۔ قِطْعَۃٌ: جمع قطع ٹکڑا، قطع ٹکڑا قطع (ف) قطعا، کاٹنا جدا کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ. یَمْنَعُ: منع (ف) منعا روکنا محروم کرنا، قَالَ تَعَالٰی وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۔نَوْمَہٗ: نام، نوما، ونیاما، سونا، قَالَ تَعَالٰی لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ. قَضٰی: (ض) پورا کرنا، فارغ ہونا، قَالَ تَعَالٰی فَاِذَا قَضٰی اَمْرًا. نَہْمَتَہٗ: حاجت ضرورت، نہم (س) نہما ونہامۃ مریض ہونا۔ وجھہ: جمع اوجہ، ووجوہ، اجوہ وجہ، (ض) وجھا منہ پر مارنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ. فَلْیُعَجِّلْ: عجل (باب تفعیل) جلدی کرنا، عجل (س) عجلا وعجلۃ، جلدی کرنا، قَالَ تَعَالٰی فَعَجَّلَ لَکُمْ ھٰذِہٖ۔

ترکیب: اَلسَّفَرُ مبتدا، قِطْعَۃٌ موصوف، مِنْ حرف جار، اَلْعَذَابِ مجرور، دونوں مل کر متعلق کَائِنَۃٌ کے کَائِنَۃٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل ھِیَ ضمیر مستتر اور متعلق

سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی موصوف صفت مل کر خبر اول ، يَمْنَعُ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل ، اَحَدَ مضاف ، كُمْ مضاف الیہ ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول اول ، نَوْمَ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ ، دونوں مل کر معطوف علیہ ، وَاؤ عاطفہ طَعَام مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ ، دونوں مل کر معطوف اول ، وَاؤ عاطفہ شَرَابَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی ، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مفعول ثانی ، يَمْنَعُ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ثانی ، مبتدا اَلسَّفَرُ اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

فاء تفریعیہ ، اِذَا کلمہ شرط ، قَضٰی فعل ، اَحَدُ مضاف ، كُمْ مضاف الیہ ، دونوں مل کر فاعل ، نَهْمَتَ مضاف ، ہٗ ضمیر مضاف الیہ ، دونوں مل کر مفعول ، مِنْ حرف جار ، وَجْهِي مضاف ، ہٖ ضمیر مضاف الیہ ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے جار کے ، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے قَضٰی کے ، قَضٰی فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ، فَاء جزائیہ لِيُعَجِّلْ فعل امر ، هُوَ ضمیر مستتر فاعل ، اِلٰی حرف جار ، اَهْلِ مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ ، دونوں مل کر مجرور ہوئے جار کے ، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

# نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهَا.

اسی (جملہ اسمیہ کی) دوسری قسم

ملاحظہ: اس فصل میں وہ احادیث طیبہ ہیں جن کی ابتداء میں معرف بالام نہیں ہے بلکہ معرفہ کی دوسری اقسام ہیں تاہم وہ جملہ اسمیہ ہیں۔

فائدہ نمبر ①: معرفہ کی سات اقسام ہیں۔ ❶ مضمرات جیسے هُوَ، هِيَ وغیرہ۔ ❷ اسماء اشارات جیسے هٰذَا، ذٰلِكَ. ❸ اسماء موصولات جیسے اَلَّذِيْ وغیرہ۔ ❹ اَعلام جیسے اِبْرَاهِيْمَ ❺ معرف بالام جیسے اَلرَّجُلُ۔ ❻ کوئی اسم جو گزشتہ اقسام میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو تو وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے جیسے مَطْلُ الْغَنِيِّ میں مَطْلُ، الْغَنِيِّ معرف بالام کی طرف مضاف ہے، اس لیے مطل بھی معرفہ بن جائے گا۔ ❼ معرفہ بالنداء جیسے یَا رَجُلُ۔

فائدہ نمبر ②: شارح جامیؒ فرماتے ہیں۔ بعض محققین نے یہ کیا ہے کہ نکرہ کے ساتھ مبتداء کی خبر رہنے کے صحیح ہونے کا دارومدار فائدہ پر رکھا ہے۔ پس افادہ نکرہ سے حاصل ہوگا تو حق یہ ہے کہ وہ بھی مبتدا ہوگا پس اس بناء پر جائز ہے۔

کَوْکَبٌ اِنْقَضَّ السَّاعَةَ (ستارہ ابھی ٹوٹا ہے) کہا جائے گا اس مثال میں کوکبٌ نکرہ ہے اور مبتدا ہے اس لیے کہ اس سے فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی مخاطب کو پہلے سے ستارہ ٹوٹنے کا علم نہیں تھا، متکلم کے کہنے سے اسے علم ہوا۔ رَجُلٌ قَائِمٌ کہا جائے تو یہ جائز نہیں کہ رجل نکرہ مبتداء ہو اس لیے کہ اس سے مخاطب کو فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مخاطب کو قیامِ رجل کا پہلے سے علم حاصل ہے۔

## ۴۲۔گھر لوٹنے تک اللہ کی راہ کا مسافر

قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ .

++++++++++

| کَغَزْوَةٍ | قَفْلَةٌ |
|---|---|
| مثل جہاد کرنے کے ہے۔ [ابو داؤد] | (جہاد سے) واپس لوٹنا |

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد سے بغیر لڑائی کے مزید تیاری کے لیے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ مذکورہ الفاظ بیان فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی نیک کام (مثلاً تعلیم، جہاد ،تبلیغ وغیرہ) سے واپسی ہو اور اسی کام کے لیے واپس جانے کا ارادہ ہو تو یہ واپسی بھی ثواب کا باعث ہے۔

لغات: شانِ ورود قَفَلَ: (ن۔ض) قفلا،وقفولا بمعنی سفر سے لوٹنا۔غَزْوَةٍ: غزا (ن) غزوۃ ، غزوا بمعنی جہاد کے لیے نکلنا ،اس کی جمع غزوات آتی ہے۔

ترکیب: نَوْعٌ موصوف، آخَرُ اسم تفضیل ،هُوَ ضمیر مستتر فاعل ،مِنْ حرف جار، هَا مجرور، دونوں مل کر متعلق ہوئے آخَرُ اسم تفضیل کے، آخَرُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی ،موصوف صفت مل کر خبر ہوئی مبتدا محذوف هٰذَا کی ،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

ترکیب: قَفْلَةٌ نکرہ مخصوصہ مبتدا، كَ حرف جار، غَزْوَةٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنَةٌ کے، كَائِنَةٌ اپنے فاعل ضمیر مستتر هِيَ اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۴۳۔ادائیگی قرض کی فکر کیجیے!

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| مَطْلُ الْغَنِيِّ | ظُلْمٌ |
| مال دار کا ٹالنا | ظلم ہے |

[رواہ الشیخان]

تشریح: اس بات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ہمیں مال دے رکھا ہو تو قرض ادا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جان بوجھ کر قرض خواہ کو پریشان کرنا ظلم قرار دیا گیا ہے۔شریعت میں ایسے آدمی کی گواہی بھی معتبر نہیں۔

لغات: مَطْلُ: (ن) مطلا ٹال مٹول کرنا۔اَلْغَنِيُّ: مال دار

ترکیب: مَطْلُ مضاف، اَلْغَنِيِّ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، ظُلْمٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۴۴۔قوم کی سرداری چاہیے تو خدمت کیجیے

سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| سَيِّدُ الْقَوْمِ | فِي السَّفَرِ |
| قوم کا سردار | سفر میں |
| خَادِمُهُمْ | |
| ان کا خادم ہوتا ہے | |

[بیھقی]

تشریح: اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

① جب کئی آدمی سفر کریں تو ان میں سے ایک کو سردار یعنی امیر بنالیں۔

② لوگوں کے کام آنا (سفر میں یا حضر میں) یہ حقیقی سرداری ہے۔
③ جذبۂ خدمت انسان کو مخلوق میں بلند کر دیتا ہے۔

| |
|---|
| لغات: سَیِّدُ: بمعنی سردار، جمع سادات ہے۔ خَادِمُهُمْ: (ض۔ن) خدمت کرنا، جمع خدام آتی ہے۔ |

ترکیب: سَیِّدُ مضاف، اَلْقَوْمِ مضاف الیہ، دونوں مل کر ذوالحال، فِیْ حرف جار، اَلسَّفَرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل ہو ضمیر مستتر فاعل، کَائِنًا اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر حال، ذوالحال حال مل کر مبتدا، خَادِمُ مضاف، هُمْ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۴۵۔ محبت کی خاصیت

حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| حُبُّكَ | الشَّیْءَ |
| تیرا محبت کرنا | کسی چیز سے |
| یُعْمِیْ | وَیُصِمُّ |
| تجھے اندھا | اور بہرا کر دے گا (ابوداؤد) |

تعریفِ محبت: اپنی پسندیدہ چیز کی طرف طبیعت کا مائل ہونا۔

تشریح: اس حدیث میں انسان کی فطرت بتائی گئی ہے کہ حقیقی محبت یعنی محبوب چیز کی کوئی برائی بتائے تو یہ اسے نہ تو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔ اور اس کی بُرائی کا سننا اسے اچھا نہیں لگتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گی تو ہر محبت میں نفع ہی نفع ہے اور ہر نقصان سے بچاؤ ہے۔ ورنہ نقصان ہی نقصان ہے۔

لغات: یُعْمِیْ (افعال) بمعنی اندھا کرنا، عَمِیَ (س) عَمْیٌ اندھا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاَعْمٰی اَبْصَارُھُمْ. یُصِمّ (افعال) بمعنی بہرا ہونا، صَمَّ (س) صُمًّا بہرا ہونا۔

ترکیب: حُبُّ مصدر مضاف، کَ ضمیر فاعل مضاف الیہ، اَلشَّیْءَ مفعول بہ، مصدر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا، یُعْمِیْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، یُصِمُّ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۴۶۔ علم کی تلاش فرض ہے

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| طَلَبُ الْعِلْمِ | فَرِیْضَةٌ |
| علم (دین) کا حاصل کرنا | ضروری ہے |
| عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ | |
| ہر مسلمان پر | [بیھقی وابن ماجه] |

تشریح: اس حدیث پاک میں ضروری بات یہ ہے کہ ہر مسلمان اتنا علم ضرور حاصل کرے کہ اس کا ہر عقیدہ اور ہر عمل شکوک وشبہات سے پاک ہو۔ اور اس کا نفس بُری عادتوں (حسد اور تکبر وغیرہ) سے بچا رہے۔ نیز فرائض کا علم حاصل کرنا فرض ...... اور واجبات کا علم حاصل کرنا۔ واجب اور مستحبات کا علم حاصل کرنا مستحب ہے۔

لغات: طَلَبُ (ن) تلاش کرنا۔ فَرِیْضَةٌ: (ض) فرض یعنی لازم ہے۔

ترکیب: طَلَبُ مصدر مضاف، اَلْعِلْمِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، فَرِیْضَةٌ بمعنی مَفْرُوْضَةٌ اسم مفعول، ھِیَ ضمیر مستتر نائب فاعل، عَلٰی حرف جار، کُلِّ مضاف،

مُسْلِمٍ مضاف الیہ،دونوں مل کرمجرور، جارمجرورمل کرمتعلق ہوئے مَفْرُوْضَۃٌ کے،مَفْرُوْضَۃٌ اسم مفعول نائب فاعل اورمتعلق سے مل کرخبر،مبتداخبرمل کرجملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۴۷۔تھوڑامال بھی نفع بخش ہے اگر یادِالٰہی میں ہو

مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى .

++++++++++

| | |
|---|---|
| مَا | قَلَّ |
| (دنیا کا سامان)جو | کم ہو |
| وَكَفٰى | خَيْرٌ |
| اور کافی ہو | (وہ)بہتر ہے |
| مِّمَّا | كَثُرَ |
| اس سے جو | زیادہ ہو |
| وَاَلْهٰى | |
| اور(اللہ کے ذکر سے)غافل کردے | |

[رواہ ونعیم]

تشریح: اس حدیث پاک میں مال کی حرص سے بچنے اور تھوڑے مال پر صبر کی تلقین ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ دنیا اور جو اس میں ہے اس وقت تک انسان کے لیے مفید ہے جب تک کہ وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے۔

لغات: قَلَّ:(ض) کم ہونا۔قَالَ تعَالٰی قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ. اَلْهٰى:بمعنی غافل کرنا، قَالَ تَعَالٰى اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ.

ترکیب:مَا موصولہ،قَلَّ فعل،هُوَ ضمیر فاعل،فعل فاعل مل کرمعطوف علیہ،وَاؤ عاطفہ،كَفٰى فعل،هُوَضمیر مستتر فاعل،دونوں مل کرمعطوف،معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ ہوئے موصول کا،موصول صلہ مل کرمبتدا،خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل،هُوَضمیر مستتر

فاعل ،مِنْ حرف جار،مَا موصولہ کَثُرَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،فعل فاعل مل کر معطوف علیہ،وَاؤ عاطفہ،اَلْھٰی فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،فعل فاعل مل کر معطوف،معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ،موصول صلہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَیْرٌ کے،خَیْرٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............ ............ ))

## ۴۸۔ سچے خواب کون سے؟

اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَصْدَقُ | الرُّؤْيَا |
| سب سے سچے | خواب |
| بِالْاَسْحَارِ | |
| سحری کے وقت کے ہیں | [ترمذی] |

خواب کی تین قسمیں ہیں۔

① خیالی ② بشاراتِ الٰہی ③ شیطانی اثرات

تشریح: اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سحری کے وقت خواب دیکھنے کو سچا خواب قرار دیا گیا ہے کیونکہ:

❶ اس وقت دل و دماغ سکون میں ہوتا ہے۔

❷ اس وقت فرشتے اترتے ہیں۔

❸ اللہ کے ہاں قبولیت کا وقت ہے۔

لغات: اَلرُّؤْيَا: یہ جمع رؤی کی ہے بمعنی خواب،قَالَ تَعَالٰی اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْيَایَ.
اسحار: جمع سحر،صبح صادق سے پہلے کا وقت ہے،اگر باب تفعیل سے ہو بمعنی سحری کھانا،حدیث میں ہے۔سَحَّرُوْا فَاِنَّ السُّحُوْرَ بَرَکَۃٌ.

ترکیب: اَصْدَقُ مضاف،اَلرُّؤْيَا مضاف الیہ،دونوں مل کر مبتدا ، بَا حرف

جار، اَلْاَسْحَارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۴۹۔رزقِ حلال کا حصول فرض ہے

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| طَلَبُ | كَسْبِ الْحَلَالِ |
| حاصل کرنا | حلال (روزی) کا |
| فَرِيْضَةٌ | بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ |
| لازم ہے | (دوسرے) فرائض کے بعد [بیھقی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اقرار توحید کے ساتھ ساتھ رزق حلال کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ ایک ایسا فرض ہے جو دوسرے فرائض کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔

لغات: كَسْبِ: بمعنی کمانا، کسب (ض) کسبا قَالَ تَعَالٰی وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ.
الحلال: اس کی ضد حرام آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو.

ترکیب: طَلَبُ مضاف، كَسْبِ مضاف الیہ مضاف، اَلْحَلَالِ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، فَرِيْضَةٌ موصوف، بعد مضاف، اَلْفَرِيْضَةِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا کَائِنَةٌ محذوف کا، کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، ھِيَ ضمیر مستتر فاعل، کَائِنَةٌ اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، فَرِيْضَةٌ موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

## ۵۰۔ تعلیم قرآن بہترین عمل ہے

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| خَیْرُکُمْ | مَنْ |
| تم میں سب سے بہتر | وہ ہے جو |
| تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ | وَعَلَّمَهٗ |
| قرآن سیکھے | اور اسے (دوسروں) کو سکھائے |

[بخاری]

تشریح: اس حدیث میں معلم اور متعلم کی اتنی بڑی فضیلت اس لیے آئی ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن سے خاص تعلق ہے۔

لغات: خَیْرٌ: اصل میں اخیر ہے، ہمزہ کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر دیا۔ تَعَلَّمَ: باب تفعل سے بمعنی سیکھنا، اور باب تفعیل سے علم بمعنی سیکھنا، قَالَ تَعَالٰی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔

ترکیب: خَیْرُ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا مَنْ موصولہ، تَعَلَّمَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْقُرْآنَ مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطف، عَلَّمَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، معطوف معطوف علیہا مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۵۱۔دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| حُبُّ الدُّنْیَا | رَأْسُ |
| دنیا کی محبت | جڑ ہے |
| کُلِّ | خَطِیْئَةٍ |
| ہر | گناہ کی |

[بیھقی]

تشریح: جتنا انسان دنیا کی محبت کو اختیار کرتا ہے۔انسان اتنا ہی اللہ اور اس کے دین سے دور ہوتا ہے،اور جتنی آخرت کی محبت بڑھتی جائے گی انسان اتنا ہی نیکی کی طرف بڑھتا جائے گا۔

لغات:اَلدُّنْیَا:عالم،موجودہ زندگی کو کہتے ہیں۔دنا(ن) دنوا بمعنی،قریب ہونا دنیا بھی آخرت سے قریب ہے۔قَالَ تعَالٰی بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا.

ترکیب:حُبُّ مضاف،اَلدُّنْیَا مضاف الیہ،دونوں مل کر مبتدا،رَأْسُ مضاف کُلِّ مضاف الیہ مضاف،خَطِیْئَةٍ مضاف الیہ،سب مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۵۲۔ہمیشگی کی برکات

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَحَبُّ الْاَعْمَالِ | اِلَی اللّٰہِ |
| کاموں میں سب سے پسندیدہ | اللہ کے نزدیک |
| اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ | |
| ہمیشگی والا ہے اگرچہ کم ہو | |

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں اللہ کے نزدیک چھوٹے بڑے اعمال کی پسندیدگی کا طریقہ بتایا گیا ہے، وہ یہ کہ جو عمل شروع کیا جائے وہ ہمیشہ رہے اور کبھی ناغہ نہ ہو۔

لغات: اَعْمَالِ: عمل کی جمع ہے بمعنی کام، قَالَ تعَالٰی اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ. اَدْوَمُهَا: دام(ن) دوما. دواما ہمیشہ رہنا۔ قَالَ تعَالٰی مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتِ.

ترکیب: اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْاَعْمَالِ مضاف الیہ ،اِلٰی حرف جار، لفظ اَللّٰهِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے، صیغہ اسم تفضیل اَحَبُّ کے، اَحَبُّ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، اَدْوَمُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، هَا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ وَاؤ مبالغہ اِنْ وصلیہ شرطیہ، قَلَّ فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، جزا محذوف ہے (ف) واؤ مبالغہ اور ان وصلیہ کی صورت میں دو ترکیبیں مستعمل ہیں نمبرا۔ اس جملہ شرطیہ کی جزا محذوف ہو اور پہلی کلام قرینہ ہو، تقدیر عبارت یوں ہوگی، وَاِنْ قَلَّ العمل فَهُوَ اَحَبُّ مَا دِيْمَ عليه (مرقاة ص ۱۰۰)۔ نمبر۲۔

جزا لحذف کی ترکیب: فا جزائیہ هُوَ ضمیر مبتدا، اَحَبُّ مضاف ما موصولہ دِيْمَ فعل مجہول هُوَ ضمیر نائب فاعل علی جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا دیم فعل کے ساتھ فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

وَاِنْ قَلَّ اپنے معطوف علیہ سے مل کر شرط ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ احب الاعمال الی الله ادومها ان لم يقل وان قل (البناية شرح هداية بحث تسميه ص ۹۴ طبع جديد مكتبه (امداديه ملتان).

(( ............❁❁❁............ ))

# ۵۳۔ بھوکے کو کھلانا

اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَفْضَلُ | الصَّدَقَةِ |
| بہترین | صدقہ |
| اَنْ | تُشْبِعَ |
| یہ ہے کہ | سیر کرائے تو |
| كَبِدًا جَائِعًا | |
| کسی بھوکے جگر کو | |

[بیھقی]

تشریح: اس حدیثِ پاک میں کسی بھی جاندار کو کھلانے کی ترغیب اس انداز سے دی گئی ہے کہ تمام صدقات میں یہ بہترین صدقہ ہے۔

لغات: صَدَقَة: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے جو مال دیا جائے، جمع صدقات، قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ. تُشْبِعَ شبع (س) شبعا و شبعا، شکم سیر ہونا(باب افعال) کسی کا پیٹ بھرنا۔ كَبِدًا: بمعنی جگر و کلیجہ، جمع اکباد، کبود آتی ہے، یہاں مراد پیٹ ہے، جَائِعًا: جاع(ن) جوعا بمعنی بھوکا ہونا، جمع جیعان آتی ہے۔

ترکیب: اَفْضَلُ اسم تفضیل مضاف، اَلصَّدَقَةِ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدا، اِنْ مصدر یہ، تُشْبِعَ فعل مضارع، اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل، كَبِدًا موصوف، جَائِعًا صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتاویل مصدر ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۵۴۔ دو بڑے لالچی

مَنْهُوْمَانِ لَايَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا .

++++++++++

| | |
|---|---|
| مَنْهُوْمَانِ | لَايَشْبَعَانِ |
| دو حریص | سیر نہیں ہوتے |
| مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ | لَا يَشْبَعُ |
| (ایک) علم کا حریص | نہیں سیر ہوتا ہے |
| مِنْهُ | وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا |
| اس (علم) سے | (اور دوسرا) دنیا کا حریص |
| لَا يَشْبَعُ | مِنْهَا |
| نہیں سیر ہوتا ہے | اس (دنیا) سے |

[بیھقی]

تشریح: علم دین ایک نور ہے، اسے حاصل کرنے کے بعد مزید کی مبارک حرص بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی طلب ایک ظلمت ہے، اور ظلمت کی کوئی انتہا نہیں اس لیے یہ منحوس حرص بھی بڑھتی ہے۔ دنیا میں علم کے حریصوں کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ اور دنیا کے حریصوں کی مثالوں سے بھی تاریخ بھری پڑی ہے۔

لغات: مَنْهُوْمَان نہم (س) نہما۔ بمعنی حریص ہونا۔

ترکیب: مَنْهُوْمَانِ (نکرہ مخصوصہ) مبتدا، لَا يَشْبَعَانِ فعل مضارع، ضمیر بارز اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مفسر مَنْهُوْمٌ صیغہ اسم مفعول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فِيْ حرف جار، الْعِلْمِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَنْهُوْمٌ کے، مَنْهُوْمٌ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، لَا يَشْبَعُ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، ہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے لَا يَشْبَعُ کے، لَا يَشْبَعُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو

کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر خبر ہوا، اَحَدُهَا مبتدا، محذوف کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ (وھکذا الجملة الثانية) معطوف، اپنے معطوف علیہ سے مل کر تفسیر، مفسر تفسیر مل کر جملہ تفسیر یہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۵۵۔ سچی بات حکام کے سامنے

اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَفْضَلُ | الْجِهَادِ |
| سب سے بہتر | جہاد (اس کا ہے) |
| مَنْ | قَالَ |
| جو | کہے |
| كَلِمَةَ حَقٍ | عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ |
| سچی بات | ظالم بادشاہ کے سامنے [ترمذی] |

تشریح: ظالم بادشاہ کو سب سے بُرا وہ محسوس ہوتا ہے جو اسے ظلم سے روکے، اس لیے حق بات کرنے میں اپنی جان کو قربان کر دینے کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔اس ارشاد میں کلمہ حق ظالم کے سامنے کہنے کو سب سے بہترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔

لغات: جَائِرٍ بجار (ن) جورا بمعنی ظلم کرنا۔مَنْ: بمعنی اَلَّذِیْ

ترکیب: اَفْضَلُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْجِهَادُ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، مَنْ موصولہ، قَالَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، كَلِمَةٍ مضاف حَقٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مقولہ، عِنْدَ مضاف، سُلْطَان موصوف، جَائِرٍ صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ فعل اپنے فاعل اور مقولہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر

خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۵۶۔ایک صبح یا ایک شام خدا کے نام

لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا .

++++++++++

| | |
|---|---|
| لَغَدْوَةٌ | فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ |
| البتہ صبح کے وقت جانا | اللہ کی راہ میں |
| اَوْرَوْحَةٌ | خَیْرٌ |
| یا شام کے وقت جانا (اللہ کی راہ میں) | بہتر ہے |
| مِّنَ الدُّنْیَا | وَمَا فِیْهَا |
| دنیا سے | اور اس کی تمام چیزوں سے |

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں غَدْوَةٌ اَوْرَوْحَةٌ پر تنوین یہ بتاتی ہے کہ صبح اور شام کا تھوڑا سا وقت بھی تعلیم، تبلیغ اور جہاد وغیرہ میں صرف کر دینا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

لغات: غَدْوَةٌ غدا (ن) غدوا۔ بمعنی صبح کو جانا رَوْحَةٌ: یہ غدوة کا مقابل ہے راح (ن) رواحا۔ بمعنی شام کے وقت جانا۔

ترکیب: لَ ابتدائیہ، غَدْوَةٌ موصوف، فِیْ حرف جار، سَبِیْلِ مضاف، لفظ اَللّٰه مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ مقدر کے، کَائِنَةٌ اپنے فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ رَوْحَةٌ معطوف، مطعوف معطوف علیہ مل کر مبتدا، خَیْرٌ صیغہ اسم تفضیل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، اَلدُّنْیَا معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، مَا موصولہ، فِیْ حرف جار، ھَا

مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَ مقدر کے، ثَبَتَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم تفضیل خَیْرٌ کے، اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا اَلْغَدْوَۃُ کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

## ۵۷۔ فقیہ کا مقام ومرتبہ

فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| فَقِیْہٌ وَاحِدٌ | اَشَدُّ |
| ایک فقیہ | زیادہ سخت ہے |
| عَلَی الشَّیْطٰانِ | مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ |
| شیطان پر | ہزار (بے علم) عبادت گزاروں سے |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں فقیہ سے وہ عالم مراد ہے جس کا دل اور دماغ علم سے منور ہو۔ وہ خود بھی گناہ سے بچتا ہے اور دوسروں کو بھی شیطان کے وار سے بچاتا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک ہزار عبادت گزار جو شیطان کے داؤ پیچ کو نہیں جانتے ان کا بہکانہ شیطان کے لیے آسان ہوتا ہے۔ لیکن ایک عالم کو راہ حق سے دور کرنا مشکل ہوتا ہے۔

لغات: فَقِیْہٌ: فقه(س.ك) فها و فقاهته بمعنی سمجھ دار ہونا۔ علم فقہ کا جاننے والا جمع فقها آتا ہے۔

ترکیب: فَقِیْہٌ موصوف، وَاحِدٌ صفت، دونوں مل کر مبتدا، اَشَدُّ اسم تفضیل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی حرف جار، اَلشَّیْطٰانِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا،

اَشَدُّ کا، مِنْ حرف جار، اَلْفِ ممیز مضاف، عَابِدٍ تمیز مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر اَشَدُّ کا متعلق ثانی، اَشَدُّ اسم تفضیل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۵۸۔استغفار سے نامۂ اعمال وزنی

طُوْبٰی لِمَنْ وُجِدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا.

++++++++++

| | |
|---|---|
| طُوْبٰی | لِمَنْ |
| خوش خبری ہے | اس (شخص) کے لیے کہ |
| وُجِدَ | فِیْ صَحِیْفَتِہٖ |
| پائی جائے | اس کے نامۂ اعمال میں |
| اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا | |
| معافی کی طلب بہت زیادہ | [ابن ماجہ] |

تشریح: اس حدیث میں استغفار (گناہوں سے معافی مانگنے) والے کے لیے خوش خبری دی گئی ہے۔

قبولیت استغفار کے شرائط:

❶ اس گناہ سے دور ہو جائے۔

❷ گناہوں پر دلی ندامت ہو۔

❸ آئندہ یہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ ہو۔

اس طرح استغفار کرنے والے کو دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں مل جاتی ہیں۔

لغات :طُوْبٰی:طاب(ض) طیبا بمعنی اچھا ہونا۔یہ طوبی اطیب کا مؤنث ہے۔
صَحِیْفَةٌ :لکھا ہوا کاغذ یہاں مراد نامۂ اعمال ہے،جمع صحائف صحف آتی ہے۔
قَالَ تَعَالٰی صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی۔

ترکیب: طُوْبٰی مبتدا،لَ حرف جار،مَنْ موصولہ،وُجِدَ فعل مجہول هُوَ مستتر نائب فاعل،فِیْ حرف جار صَحِیْفَةِ مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،اِسْتِغْفَارًا موصوف ،كَثِیْرًا صفت،دونوں مل کر مفعول بہ،فعل اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوئے جار کے،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنَةٌ مقدر کے،كَائِنَةٌ اپنے فاعل هِیَ اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۵۹۔باپ کی خوشی میں رب کی خوشی

رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسُخْطُ الرَّبِّ فِیْ سُخْطِ الْوَالِدِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| رِضَی الرَّبِّ | فِیْ رِضَی الْوَالِدِ |
| رب کی خوشی | والد کی خوشی میں ہے |
| وَسُخْطُ الرَّبِّ | فِیْ سُخْطِ الْوَالِدِ |
| اور رب کی ناراضگی | والد کی ناراضگی میں ہے [ترمذی] |

تشریح: یہ حدیث ہمیں بتا رہی ہے کہ وہ اعمال جن سے اللہ راضی اور خوش ہوتے ہیں،وہ ہمارے لیے مفید اور مؤثر نہیں ہوتے جب تک والد کی ناراضگی دور نہ ہو۔کیونکہ اللہ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے اور والدہ کا حق تو والد سے بھی زیادہ ہے اس لیے والدین کو خوش رکھنا چاہیے تاکہ رب کی رضا

حاصل ہو جائے۔

لغات: رِضَی رَضِیَ (س) رضی .و رضی بمعنی خوش ہونا۔ سُخْطُ: (س) سخطا ناراض ہونا۔ اکثر بڑوں کی ناراضگی کے وقت بولا جاتا ہے۔

ترکیب: رِضَی مضاف، اَلرَّبِّ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، فِیْ حرف جار، رِضَی مضاف، اَلْوَالِدِ مصاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ مقدر کے کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل هُوَ ضمیر متتر اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، سُخْطُ مضاف، اَلرَّبِّ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدا فِیْ جار، سُخْطُ مضاف، اَلْوَالِدِ مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ مقدر کے کَائِنٌ اپنے فاعل هُوَ ضمیر متتر اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف عایہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ٦٠۔ بڑے بھائی کا ادب

حَقُّ كَبِيْرِ الْإِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| حَقُّ كَبِيْرِ الْإِخْوَةِ | عَلٰى صَغِيْرِهِمْ |
| بڑے بھائی کا حق | چھوٹوں پر (ایسا ہے جیسا کہ) |
| حَقُّ الْوَالِدِ | عَلٰى وَلَدِهٖ |
| باپ کا حق | اس کے بیٹے پر ہے [بیھقی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں بڑے بھائی کو تلقین ہے کہ وہ چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم و تربیت اولاد کی طرح کرے اور چھوٹوں کو یہ تلقین ہے کہ وہ بڑے بھائی کا ادب اپنے باپ کی طرح کرے۔

لغات: اَلْاِخْوَةِ: جمع ہے اخ کی بمعنی بھائی۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

ترکیب: حَقُّ مضاف، کَبِیْرِ مضاف الیہ مضاف، اَلْاِخْوَةِ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف اول کا، دونوں مل کر ذوالحال، عَلٰی حرف جار، صَغِیْرِ مضاف ھم ضمیر مضاف الیہ مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنًا مقدر کے، کَائِنًا اسم فاعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر اور متعلق سے مل کر حال، ذوالحال حال مل کر مبتدا، حَقُّ مضاف اَلْوَالِدِ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال عَلٰی حرف جار، وُلد مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنًا مقدر کے، کَائِنًا اسم فاعل اپنے فاعل ھُوَ اور متعلق سے مل کر حال، ذوالحال حال مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ٦١۔ بہترین گناہ گار

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ | خَطَّاءٌ |
| آدم کا ہر بیٹا | غلطی کرنے والا ہے |
| وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ | التَّوَّابُوْنَ |
| اور بہترین غلطی کرنے والے (وہ ہیں جو) | توبہ کرنے والے ہیں [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث میں گناہ گاروں کے لیے بشارت ہے کہ وہ پکی اور سچی توبہ کر کے بہترین انسان بن سکتے ہیں۔

لغات: خَطَّاءٌ: مبالغہ کا صیغہ ہے، معنی غلطی کرنے والا۔ خطی (س) خطا و اخطاء معنی غلطی کرنا۔ اَلتَّوَّابُوْنَ: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تاب (ن) توبا و توبۃً گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔

ترکیب: کُلُّ مضاف، بَنِیْ مضاف الیہ مضاف، آدَمَ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا، مضاف اول کا، دونوں مل کر مبتدا، خَطَّاءٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، خَیْرُ مضاف اَلْخَطَّائِیْنَ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، اَلتَّوَّابُوْنَ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۶۲۔ گناہوں سے عملِ صالح کی برکت ختم ہو جاتی ہے

**كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهْرُ .**

++++++++++

| | |
|---|---|
| كَمْ مِّنْ صَائِمٍ | لَيْسَ |
| کتنے ہی روزے دار (ایسے ہیں کہ) | نہیں ہے |
| لَهٗ | مِنْ صِيَامِهٖ |
| ان کے لیے (کوئی فائدہ) | ان کے روزے سے |
| اِلَّا الظَّمَاءُ | وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ |
| مگر پیاسا رہنا | اور کتنے ہی (راتوں کو) کھڑے ہونے والے |
| لَيْسَ | لَهٗ |
| نہیں ہے | ان کا (فائدہ) |
| مِنْ قِيَامِهٖ | اِلَّا السَّهْرُ |
| ان کے کھڑے ہونے سے | مگر صرف جاگنا (دارمی) |

تشریح: روزہ کا پورا فائدہ اس وقت ہے کہ جب اس میں ریاکاری اور دیگر گناہوں سے بھی بچتا رہے۔ ورنہ روزے کی برکات سے محرومی کی وجہ سے بس پیاسا ہی رہتا ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح کسی بھی رات میں عبادت کے لیے جاگنے کا فائدہ جب

ہی حاصل ہوگا جب کہ اس رات میں گناہوں سے بھی بچے۔ اور ریا کاری سے بھی بچے۔

لغات: اَلظَّمَاءُ : ظَمِیَ (س) ظَمْاءً سخت پیاسا ہونا۔ اَلسَّهْرُ: سَهِرَ (س) سَهْرًا۔ بمعنی ساری رات جاگنا۔

ترکیب: کَمْ ممیّز مضاف، مِنْ زائدہ، صَائِمٍ تمیز مضاف الیہ، ممیّز تمیز مل کر مبتدا، لَيْسَ فعل از افعال ناقصہ، لَ جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا کَائِنًا مقدر کا، مِنْ حرف جار، صِيَامِ مضاف، ہِ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی کَائِنًا صیغہ اسم فاعل، کائنا اسم فاعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر ہوئی لَيْسَ کی، اِلَّا حرف استثناء لغو، اَلظَّمَاءُ لیس کا اسم، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واوَ حرف عطف، کم ممیّز مضاف، من زائدہ قائم تمیز مضاف الیہ الخ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۶۳۔ اسلامی اعمال کا حسن

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ | تَرْكُهٗ |
| آدمی کے اسلام کی خوبی سے ہے | چھوڑ دینا اس کا |
| مَالَا يَعْنِيْهِ | |
| بے فائدہ چیزوں کو | [ترمذی۔ احمد وغیرھما] |

تشریح: لایعنی کی تعریف

جس چیز کی طرف دینی یا دنیاوی ضرورت نہ ہو۔ اس کام میں لگ جانا اسے لایعنی کہتے ہیں۔ اس فرمان نبی علیہ السلام کا خاص مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنی صلاحیتیں ان

فضول چیزوں میں ضائع نہ کرنی چاہئیں، اس حدیث پاک کے ذریعہ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اسلام کی ہر عبادت میں حسن جب پیدا ہوگا۔ جب مسلمان لا یعنی (فضول گفتگو۔ فضول خرچی۔ وقت کا ضیاع اور) دیگر بے ضرورت چیزوں سے دور رہے۔

لغات: تَرْكُهٗ تَرَكَ(ن) تَرْكًا معنی چھوڑنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ یعنی جو فائدہ نہ دے اور غیر مفید ہو۔ یَعْنِیهِ عَنِیَ یَعْنٰی عَنًی مفید ہونا عَنِیَ یَعْنٰی عَنَاءً تھکنا۔

ترکیب: مِنْ حرف جار، حُسْنِ مضاف، اِسْلَام مضاف الیہ مضاف، اَلْمَرْءِ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا، حُسْنِ مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوا ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل هُوَ ضمیر متتر اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، تَرْكُ مصدر مضاف، ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، مَا موصولہ، لَا یَعْنِیْ مضارع منفی، هُوَ ضمیر متتر فاعل، ہٖ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا مصدر کا، مصدر مضاف اپنے فاعل ضمیر اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۶۴۔ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.

+++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اَلَا | كُلُّكُمْ | رَاعٍ |
| آگاہ رہو | تم سب | نگران ہو |
| وَكُلُّكُمْ | مَسْئُوْلٌ | عَنْ رَعِيَّتِهٖ |
| اور تم سب | پوچھے جاؤ گے | اپنی نگرانی کے متعلق |

[رواہ الشیخان]

تشریح: اس حدیث میں مسلمانوں کو ایک خاص ذمہ داری دی گئی ہے وہ یہ کہ خود بھی اپنے اعمال کی حفاظت کریں اور اللہ کی نافرمانی سے بچیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے متعلقین کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ ہر انسان اپنے درجات کے لحاظ سے نگہبان ہے کوئی ملک کا کوئی گھر کا یا ادارے کا کوئی صرف اپنی جان کا۔

لغات: رَاعٍ: صیغہ اسم فاعل معنی چرواہا، اس کی جمع رعاۃ، رعیان آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ۔

ترکیب: اَلَا حرف تنبیہ، کُلُّ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، رَاعٍ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، کُلُّ مضاف کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، مَسْئُوْلٌ صیغہ اسم مفعول، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل، عَنْ جار، رَعِیَتْ مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَسْئُوْلٌ کے، مَسْئُوْلٌ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۶۵۔ سب سے پسندیدہ جگہ مساجد

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَحَبُّ الْبِلَادِ | اِلَی اللّٰہِ |
| شہروں میں سب سے پسندیدہ (جگہیں) | اللہ کے نزدیک |
| مَسَاجِدُھَا | |
| ان کی مسجدیں ہیں | [مسلم] |

تشریح: مسجدیں دین کے قلعے ہیں۔ مسجد والوں پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے، جو مسجد میں آئے وہ اللہ کا مہمان ہے، مسجدوں کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے، ان ہی وجوہ سے

مساجد بہترین جگہ ہیں۔اس لیے مساجد میں حاضری زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔

| |
|---|
| لغات: اَلْبِلَادِ: یہ جمع ہے بلد کی معنی شہر۔مَسَاجِدُهَا: مسجد اسم ظرف کا صیغہ ہے (ن) بمعنی سجدہ کرنے کی جگہ۔ |

ترکیب: اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْبِلَادِ مضاف الیہ، اِلٰی حرف جار، لفظ اَللّٰهِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل کے، اَحَبُّ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، مَسَاجِدُ مضاف هَا ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۶۔بازار سب سے ناپسندیدہ مقامات ہیں

وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا .

++++++++++

| اِلَى اللّٰهِ | وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ |
|---|---|
| اللہ کے نزدیک | شہروں کی سب سے بدترین (جگہ) |
| | اَسْوَاقُهَا |
| [مسلم] | اس کے بازار ہیں |

تشریح: بازاروں میں شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔حرص، طمع، جھوٹ اور خدا کی یاد سے دور کرنے والی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔اس لیے یہ بدترین جگہ ہے۔صرف بامر مجبوری بازار جانا اور جلد واپس آجانا چاہیے۔اس بُری جگہ کے شر سے بچنے کے لیے عورتوں کے لیے پردہ اور مردوں کے لیے نظر کی حفاظت ضروری ہے۔

| |
|---|
| لغات: اَبْغَضُ: بغض (ن.ك.س) بغاضة بمعنی نفرت کرنا، دشمنی کرنا۔اَسْوَاقُهَا: یہ جمع ہے سوق کی بمعنی بازار۔ |

ترکیب: وَاؤ عاطفہ، اَبْغَضُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْبِلَادِ مضاف الیہ، اِلٰی

حرف جار، لفظ اَللّٰہِ مجرور، دونوں مل کر متعلق ہوئے اَبْغَضُ کے، اَبْغَضُ صیغہ اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، اَسْوَاقُ مضاف ھَا ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ٦٧۔ بُرے ہم نشین سے، اکیلا اچھا

اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَلْوَحْدَةُ | خَيْرٌ |
| اکیلے رہنا | بہتر ہے |
| مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ | |
| بُرے ہم نشین سے | [بیہقی] |

تشریح: اس حدیث میں برے آدمی کی صحبت سے بچنے کی تلقین ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان اکیلا رہے۔ تا کہ کسی کے برے اعمال اور رذیل اخلاق کا اثر اس پر نہ پڑے۔ کسی نیک آدمی کی صحبت میسر آجائے تو بڑی غنیمت ہے۔

لغات: اَلسُّوْءِ بمعنی شر و فساد۔ رجل سوء بدکار آدمی۔

ترکیب: اَلْوَحْدَةُ مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِنْ حرف جار، جَلِيْسِ مضاف، اَلسُّوْءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ اسم تفضیل کے، خیر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوف علیہا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۶۸۔اچھے ہم نشین، اکیلے رہنے سے بہتر

وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ .

| | |
|---|---|
| وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ | خَيْرٌ |
| اور اچھا ہم نشین | بہتر ہے |
| مِنَ الْوَحْدَةِ | |
| اکیلے رہنے سے | [بیھقی] |

تشریح: اکیلے رہنے میں شیطانی خیالات گناہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔اس لیے بہتر ہے کہ ہم کسی اچھے انسان کی صحبت حاصل کریں۔تاکہ اس کی اچھی عادات کے اثرات ہمارے دل و دماغ پر پڑیں۔اور ہم اچھے انسان بن جائیں۔

لغات: اَلصَّالِحُ: صلح، نیک ہونا۔صَلَاحًا و صُلُوْحًا وَصَلَاحِيَةً.قَالَ تَعَالٰى وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔

ترکیب: وَاوْ عاطفہ، اَلْجَلِيْسُ موصوف، اَلصَّالِحُ صفت، دونوں مل کر مبتدا خَيْرٌ اسم تفضیل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، اَلْوَحْدَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَيْرٌ کے، خَيْرٌ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر ماقبل کے لیے معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۶۹۔بات اچھی کریں ورنہ خاموش رہیں!

وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ | خَيْرٌ |
| اور اچھی بات بولنا (لکھوانا) | بہتر ہے |
| مِنَ السُّكُوْتِ | وَالسُّكُوْتُ |

| | |
|---|---|
| خاموش رہنے سے | اور خاموش رہنا |
| خَيْرٌ | مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ |
| بہتر ہے | بُری بات بولنے (لکھوانے) سے |

[بیھقی]

تشریح: اس حدیث پاک میں دو نصیحتیں ہیں۔

ا۔ ہمارے لیے چپ رہنے سے بہتر ہے کہ ہم اچھی بات کریں، جس میں علم وعمل کا فائدہ ہو۔

۲۔ بری بات کرنے سے بہتر ہے کہ ہم خاموش رہیں۔ جس سے ہمارے اور دوسروں کے علم وعمل میں نقصان نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

لغات: اِمْلَا: مصدر بمعنی بول کر لکھوانا۔ اس کی جمع امال اور امالی. اَلشَّرِّ: شر (س.ن) شرا بمعنی شرارت کرنا، برائی، جمع اشرار اور اشر آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

ترکیب: وَاؤ استینافیہ، اِمْلَاءِ مضاف، اَلْخَيْرِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، اَلسُّکُوْتِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ کے، خَيْرٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوف علیہا۔

وَاؤ عاطفہ، اَلسُّکُوْتُ مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ھو ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، اِمْلَاءِ مصاف، اَلشَّرِّ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ کے، خَيْرٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۷۰۔موت مومن کے لیے تحفہ ہے

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ | الْمَوْتُ |
| مؤمن کا تحفہ | موت ہے |

[بیہقی]

تشریح: مؤمن کی موت، جنت میں جانے اور اللہ سے ملاقات کا ذریعہ ہوتی ہے۔اس لیے یہ مومن کے لیے تحفہ ثابت ہوتی ہے۔بخلاف کفار و فجار کے،ان کے لیے موت عذاب الٰہی میں جانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لیے۔ان کے لیے موت مصائب اور مشکلات کا پیغام ہے۔

لغات:تُحْفَةٌ: ہر وہ چیز جو کسی کے سامنے عاجزانہ اور مہربانی کے طور پر پیش کی جائے۔اس کی جمع تُحَفٌ آتی ہے۔

ترکیب:تُحْفَةُ مضاف،اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ،دونوں مل کر مبتدا،اَلْمَوْتُ خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۷۱۔اجتماعیت پر اللہ کی مدد آتی ہے

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| يَدُ اللّٰهِ | عَلَى الْجَمَاعَةِ |
| اللہ کا ہاتھ | جماعت پر ہے |

[ترمذی]

تشریح: اللہ کے ہاتھ سے مراد اللہ کی مدد ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو

کام کئی مسلمان مشورے سے مل کر سنت طریقے کے مطابق کرتے ہیں تو اس میں اللہ کی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

لغات: یَدُ: بمعنی ہاتھ، ہتھیلی، نعمت، مرتبہ، قدرت، مراد، مدد اور رحمت ہے۔ اس کی جمع ایادی اور ایدی آتی ہے۔ قَالَ تعَالٰی یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ. تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ۔

ترکیب: یَدُ مضاف، لفظ اَللّٰهِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، عَلٰی جار اَلْجَمَاعَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ کے، کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، هِیَ ضمیر مستتر فاعل کَائِنَةٌ اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۷۲۔ نیکی کا حکم برائی سے روکنا یا ذکرِ الٰہی

کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَیْهِ لَا لَهٗ اِلَّآ اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْیٌ عَنْ مُّنْکَرٍ اَوْ ذِکْرُ اللّٰهِ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ | عَلَیْهِ |
| آدم کے بیٹے کی ہر بات | اس پر (وبال ہے) |
| لَا | لَهٗ |
| نہیں ہے | اس کے (فائدہ) کے لیے (نفع دینے والی) |
| اِلَّا | اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ |
| مگر | بھلائی کا حکم کرنا |
| اَوْ نَهْیٌ عَنْ مُّنْکَرٍ | اَوْ ذِکْرُ اللّٰهِ |
| یا کسی برائی سے روکنا | یا اللہ کو یاد کرنا |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں زبان کی حفاظت کی ترغیب ہے، ہماری کوشش ہونی چاہیے، کہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات، نیکی کا حکم ہو اور برائی سے روکنا ہو یا اللہ کی یاد ہو اس کے علاوہ جائز کلام بھی بقدر ضرورت ہو۔

لغات: معروف: ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کی اچھائی عقل یا شریعت سے معلوم ہو اس کا مقابل منکر آتا ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

ترکیب: كُلُّ مضاف، كَلَامِ مضاف الیہ مضاف، اِبْنِ مضاف الیہ مضاف، آدَمَ مضاف الیہ، مضاف اپنے تینوں مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، عَلٰی حرف جار، ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا وَاقِعٌ کے، وَاقِعٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل هُوَ ضمیر مستتر اور اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، لَا عاطفہ، لَ جار ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا، ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل هُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مستثنیٰ منہ، اِلَّا حرف استثناء، اَمْرٌ مصدر، بِمَعْرُوْفٍ جار مجرور مل کر متعلق مصدر، اَمْرٌ مصدر اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ، نَهْيٌ مصدر، عَنْ منکر، جار مجرور مل کر متعلق مصدر، نَهْيٌ مصدر اپنے متعلق سے مل کر، معطوف اول، اَوْ عاطفہ ذکر مضاف لفظ، اَللّٰہ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۴۳۔ ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْكُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَثَلُ | الَّذِیْ | یَذْكُرُ |
| مثال اس کی | جو | یاد کرتا ہے |

| | | |
|---|---|---|
| رَبَّهٗ | وَالَّذِیْ | لَا |
| اللہ کو | اور (مثال) اس کی جو | نہیں |
| یَذْکُرُ | مَثَلُ | الْحَیِّ |
| یاد کرتا ہے | مثال ہے | زندہ |
| وَالْمَیِّتِ | | |
| اور مردہ کی | | [بخاری ومسلم] |

تشریح: اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کی کیفیت کا بیان ہے کہ ذکر کرنے والے کا دل زندہ اور ذکر سے غفلت دل کی موت ہے۔ ذکر کرنے والا اپنی زندگی کی وجہ سے دنیا اور آخرت کے منافع حاصل کرتا ہے۔ اور ذکر نہ کرنے والا محروم ہوتا ہے۔

لغات: اَلْحَیِّ: باب افعال سے بمعنی زندہ کرنا، یہ اسم ہے تو معنی ہوا زندہ۔ قَالَ تَعَالٰی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ. اَلْمَیِّت بمَاتَ (ن) مَوْتًا وَمَوَاتًا، یہ اَلْحَیُّ کی ضد ہے معنی موت۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ۔

ترکیب: مِثْلُ مضاف، اَلَّذِیْ موصول، یَذْکُرُ فعل ضمیر مستتر فاعل، رَبَّ مضاف، ہٗ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلَّذِیْ موصول، لَا یَذْکُرُ فعل مضارع منفی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مصاف الیہ ہوا، مِثْلُ مصاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، مِثْلُ مضاف اَلْحَیِّ معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلْمَیِّتِ معطوف، دونوں مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۷۴۔غیر نافع علم کی مثال

مَثَلُ الْعِلْمِ لَا یُنْفَعَ بِهٖ کَمَثَلِ کَنْزٍ لَا یُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| مَثَلُ الْعِلْمِ | لَا یُنْفَعَ بِهٖ |
| ایسے علم کی مثال | جس سے نفع نہ اٹھایا جائے |
| کَمَثَلِ کَنْزٍ | لَا یُنْفَقُ |
| اس خزانے کی طرح ہے | کہ نہ خرچ کیا جائے |
| مِنْهُ | فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ |
| اس سے | اللہ کی راہ میں |

[احمد و دارمی]

تشریح: جب اللہ اپنے بندے کو علم دین نصیب فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ طالبینِ علم میں اس علم کو عام کرے اور ایسے بخیل مالدار کی طرح نہ ہو جائے جو اپنا مال اس فانی دنیا میں ہی لگا دے اور صدقہ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ نہ کرے۔اس حدیث پاک کا خاص سبق یہ ہے کہ عالم اپنے علم پر عمل کر کے خود بھی نفع حاصل کرے اور دوسروں کو بھی علم سکھائے۔

لغات: کَنْزٍ :بمعنی خزانہ،ذخیرہ کی ہوئی چیز،جمع کَنْزٌ وَکُنُوْزٌ آتی ہے،کَنَزَ(ض) کَنْزًا۔قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ ۔

ترکیب: مَثَلُ مضاف،اَلْعِلْمِ موصوف،لَا یُنْتَفَعُ فعل مضارع مجہول،هُوَ ضمیر نائب فاعل،بَا جار،ہ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت،موصوف صفت مل کر مضاف الیہ ہوا مثل مضاف کا،مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، کَ جار،مثل مضاف،کَنْزٍ موصوف،لَا یُنْفَقُ فعل مضارع منفی مجہول هُوَ ضمیر نائب فاعل،مِنْ جار،ہ ضمیر مجرور،جار مجرور مل

کر متعلق اول ہوا فعل کا فِیْ جار، سَبِیْلِ مضاف، لفظ اَللّٰہ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے نائب فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مضاف الیہ ہوا مِثْل مضاف کا، مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنٌ مقدر کا کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۵۷۔ سب سے اچھا ذکر اور بہترین دعاء؟

## اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَفْضَلُ | الذِّکْرِ |
| سب سے بہتر | یاد (الٰہی) |
| لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ | وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ |
| لا الٰہ الا اللہ ہے | اور سب سے بہترین دعا |
| اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ | |
| الحمد للہ ہے۔ | |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں کلمہ توحید کو تمام ذکروں سے بہتر ذکر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (حمد) کو تمام دعاؤں سے بہتر دعا قرار دیا گیا ہے۔ حمد بہترین دعاء اس لیے ہے کہ کسی کریم کی ثناء کا مقصد حقیقت میں سوال ہی ہوتا ہے۔ حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ ہماری زبان ہمیشہ کلمہ توحید کے ذریعے اللہ کو یاد کرتی رہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ذریعے شکر کی وجہ سے اللہ کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے۔

ترکیب: اَفْضَلُ مضاف، اَلذِّکْرِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، لَآ

نفی جنس، اِلٰـہَ نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ موصوف، اِلَّا بمعنی غَیْـرَ مضاف اَللّٰـہُ مضاف الیہ محلاً، مجرور، مضاف مضاف الیہ مل کر صفت، موصوف صفت مل کر اسم ہوا لائے نفی جنس کا اس کی خبر مَـوْجُـوْدٌ محذوف لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ اَفْضَلُ مضاف اَلدُّعَاءِ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدا اَلْحَمْدُ مبتدا، لَ حرف جار، لفظ اَللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ثابِتٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔ اگر اَلْـحَمْدُ لِلّٰہِ کو کلمۃ کی تاویل میں لیا جائے تو یہ مجموعہ جز بن جائے گا۔

((.........۞۞۞.........))

## ۷۶۔ سب سے پہلے جنت میں بلائے جانے والے

اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی اِلَی الْـجَـنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الَّذِیْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اَوَّلُ | مَنْ یُّدْعٰی |
| سب سے پہلے | جو بلائے جائیں گے |
| اِلَی الْجَنَّۃِ | یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ |
| جنت کی طرف | قیامت کے دن (وہ ہوں گے) |
| الَّذِیْنَ | یَحْمَدُوْنَ |
| جو | تعریف کرتے ہیں |
| اللّٰہَ | فِی السَّرَّآءِ |
| اللہ کی | خوشی |

وَالضَّرَّآءِ

اور غمی (ہر حال) میں [بیہقی]

تشریح: یہ حدیث پاک ہمیں سبق دے رہی ہے کہ ہر خوشی اور غمی میں اللہ کی تعریف کرنی چاہیے اور اللہ پر شکوہ نہ کرنا چاہیے۔ غمی میں تعریف اس لیے کہ اللہ نے بڑے غم سے بچا رکھا ہے اور خوشی میں تعریف اس لیے کہ اس ذاتِ عالی کا شکر یہ ادا ہو سکے۔

لغات: یَحْمَدُوْنَ: حَمِد(س) حَمْدًا بمعنی تعریف کرنا۔ اَلسَّرَّآءِ: بمعنی خوشی، سَرَّ (ن) سُرُوْرًا بمعنی خوش کرنا۔ اَلضَّرَّآءِ: بمعنی سختی، قحط جانی و مالی نقصان، ضَرَّ (ن) بمعنی نقصان دینا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالصَّابِرِيْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ۔

ترکیب: اَوَّلُ مضاف، مَنْ موصولہ، یُدْعٰی فعل مضارع مجہول ھُوَ ضمیر مستتر، راجع بسوئے من نائب فاعل، اِلَی جار، اَلْجَنَّۃِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، یَوْمَ مضاف اَلْقِیٰمَۃِ مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا اَوَّل مضاف کا مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اَلَّذِیْنَ موصول، یَحْمَدُوْنَ فعل مضارع وَاؤ ضمیر بارز فاعل، لفظ اَللّٰہ مفعول بہ، فِیْ جار اَلسَّرَّآءِ معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلضَّرَّآءِ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⚙⚙⚙............ ))

# نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهَا

اسی (جملہ اسمیہ کی) ایک اور قسم (وہ جملہ اسمیہ جس پر لائے نفی جنس داخل ہو۔)

ملاحظہ: اس باب میں آپ وہ احادیث پڑھیں گے جو جملہ اسمیہ ہی ہیں۔ لیکن ان پر لائے نفی جنس داخل ہو کر مبتداء کو منصوب بنا رہا ہے۔ اب ہم مبتداء کو لائے نفی جنس کا اسم اور خبر کو لائے نفی جنس کی خبر کہیں گے۔ نتیجتاً یہ بھی جملہ اسمیہ ہوگا اس لا، کے معنی ہیں (کوئی نہیں ہے) یہ لا مختلف قسموں پر مشتمل ہے یہاں کچھ احادیث میں نفی کمال کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور کچھ میں نفی جنس کے لیے۔

فائدہ ①: اسم لاء کے منصوب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ❶ جب اسم لاء کے ساتھ متصل ہو ❷ نکرہ ہو ❸ مضاف ہو یا مشابہہ بالمضاف ہو۔

نکرہ مضاف کی مثال: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا

مشابہہ بالمضاف کی مثال: لَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَّكَ

مشابہہ بالمضاف وہ ہے جو انضمام (ملانے) مابعد مضاف کی طرح ہو۔ یعنی جس طرح مضاف کا معنی بغیر مضاف الیہ کے پورا نہیں ہوتا اسی طرح مشابہہ بالمضاف میں جب تک بعد میں ایک کلمہ ذکر نہ کیا جائے تو اس جملے کا معنی مکمل نہیں ہوتا۔

فائدہ نمبر ②: اگر اسم لاء کے ساتھ متصل بھی ہو، نکرہ بھی ہو، لیکن مضاف یا مشابہہ بالمضاف نہ ہو بلکہ مفرد ہو تو لا کا اسم مبنی بر فتحہ ہوگا جیسے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہاں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان تمام میں لاء کا اسم مبنی بر فتحہ ہے۔

فائدہ نمبر ③: نصب ایک نوع ہے اس کے چار افراد ہیں۔ ❶ نصب فتح کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ سَعِيْدًا ❷ نصب کسرہ کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ مُسْلِمَاتٍ ❸ نصب الف کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ اَخَاكَ ❹ نصب یاء کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ مُسْلِمَيْنِ وَ مُسْلِمِيْنَ۔

## ۷۷۔امانت داری اور وفائے وعدہ

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | اِيْمَانَ | لِمَنْ | |
| کوئی نہیں ہے | (مکمل) ایمان | اس شخص کا | |
| لَا | اَمَانَةَ | لَهٗ | |
| کہ نہ ہو | امانت داری | جس میں | [بیہقی] |
| وَلَا | دِيْنَ | لِمَنْ | |
| اور کوئی نہیں ہے | (مکمل) دین | اس شخص کا | |
| لَّا | عَهْدَ | لَهٗ | |
| کہ نہ ہو | وعدہ (پورا کرنا) | اس میں | [بیہقی] |

تشریح: اس حدیث میں مسلمانوں کے لیے دو ضروری صفات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جن کے بغیر ایمان کی مٹھاس نہیں ملتی۔

۱۔امانت کو اس کے اہل تک پہنچانا۔اس کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔تاجر، ملازم، کاشت کار، طالب علم، علماء سب کو اپنا اپنا کام بروقت صحیح طور پر ادا کرنا امانت داری ہے۔

۲۔وعدہ پورا کرنا۔خواہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان ہو اور خواہ انسان کا وعدہ انسان سے ہو، بہر حال، وعدہ پورا کرنا چاہیے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

لغات: عَهْدَ: بمعنی وعدہ، وصیت وغیرہ جمع عہود آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، اِيْمَانَ نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ، لَا کا اسم، لَ حرف جار، مَنْ موصولہ، لَا حرف نفی، امانة لا کا اسم، ل جار، ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتَةٌ کے ثَابِتَةٌ صیغہ اسم فاعل ہی ضمیر مستتر فاعل، ثَابِتَةٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل

کر لا کی خبر لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر لائے اوّل کی خبر، لَا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا۔

ترکیب: ولا دین لمن لا عهد له ۔حدیث کا یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے ترکیب یکساں ہے۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۷۸۔ تجربہ اور بُردباری

لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْعُثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ -

++++++++++

| | |
|---|---|
| لَا | حَلِيْمَ |
| نہیں ہے | کوئی (کامل) بُردبار |
| اِلَّا | ذُوْعُثْرَةٍ |
| مگر | پھسلنے والا [احمد و ترمذی] |
| وَلَا | حَكِيْمَ |
| اور نہیں ہے | کوئی (کامل) حکیم |
| اِلَّا | ذُوْ تَجْرِبَةٍ |
| مگر | تجربے والا [احمد و ترمذی] |

تشریح: مفہومِ حدیث یہ ہے کہ بردباری کا پتہ جب چلتا ہے جب کہ کوئی انسان غلطی کرے، جس کی وجہ سے نقصان ہو یا لوگ اسے ستائیں تو یہ دونوں چیزوں کو برداشت کرے۔ اور حکیم وہ ہے جو علمِ طب جاننے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار بھی ہو۔

لغات: حَلِيْمَ: معنی بردبار۔ قَالَ تَعَالٰی لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، حلیم لا کا اسم الاحرف استثناء لغو، ذو مضاف عشرة مضاف، الیہ، دونوں مل کر لا کی خبر، لا حرف نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا۔

ترکیب: و لا حکیم الا ذو تجربة ۔ یہ جملہ اپنے سے پہلے جملہ پر معطوف ہے ترکیب ایک سی ہے۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۷۹۔ گناہوں سے پرہیز

لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرْعَ كَالْكَفِّ ۔

++++++++++

| | |
|---|---|
| لَا | عَقْلَ |
| نہیں ہے | عقل (کامل) |
| كَالتَّدْبِيْرِ | وَلَا |
| تدبیر کی طرح | اور نہیں ہے |
| وَرْعَ | كَالْكَفِّ |
| پرہیز گاری (گناہ سے) | رُک جانے کی طرح [بیهقی] |

تشریح: تدبیر کی تعریف:

تدبیر کہتے ہیں ہر کام کے انجام پر نظر رکھنا اور اس کے لیے سامان مہیا کرنا۔ حدیث شریف سے مفہوم ہو رہا ہے کہ عقل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر کام کو انجام کے لحاظ سے سوچے اور پرہیز گاری کا تقاضا ہے کہ سب سے پہلے گناہوں کو چھوڑے تاکہ دوسری عبادات میں حُسن پیدا ہو۔

لغات: كَالتَّدْبِيْرِ: غور کرنا، انتظام کرنا، وَرْعَ ورع (س) ورعا، پرہیز گار ہونا، اَلْكَفِّ: باز رکھنا، مراد شبہات سے باز رہنا۔

ترکیب: لا حرف نفی، عَقلَ لا کا اسم، ك جار، اَلتَّدْبِيْرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔

ترکیب: وَلاوَرْعَ كالْكَفِّ: پہلے جملے پر معطوف ہے ترکیب بھی وہی ہے۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ٨٠۔ اچھا اخلاق ہی عزت کا معیار ہے

## وَلَا حَسْبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ -

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَلَا | حَسْبَ |
| اور کامل نہیں ہے | خاندانی شرافت |
| كَحُسْنِ الْخُلُقِ | |
| برابر اچھے اخلاق کے | [بیهقی] |

تشریح: بعض لوگ برادری پر فخر کرتے ہیں اور باپ دادا کے کارنامے گنواتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی شرافت نہیں۔ عزت کی چیز یہ ہے کہ انسان خود اچھے اخلاق کا مالک ہو۔

لغات: حَسْبُ: مصدر۔ حَسُبَ (ك) حَسْبًا بمعنی خاندانی شرافت، حُسْنِ: (ن.ك) اِحْسَنًا: بمعنی خوب صورت ہونا، صفت حسن اور جمع حِسَانٍ آتی ہے۔ اَلْخُلُقِ: بمعنی عادت، طبیعت۔

ترکیب: وَلَا حَسْبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ ۔ پہلے جملہ پر معطوف ہے ترکیب بھی وہی ہے۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۸۱۔ جہاں خالق ومخلوق کی محبتوں میں تصادم ہو

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ ۔

++++++++++

| | |
|---|---|
| لَا | طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ |
| نہیں ہے (جائز) | مخلوق کی فرماں برداری |
| فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ | |
| خالق کی نافرمانی میں | |

[رواہ فی شرح السنة]

تشریح: زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جہاں ایک طرف حکمِ الٰہی اور دوسری طرف انسانوں کے بنائے ہوئے رسوم ورواج اور ایک طرف دنیا اور ایک طرف آخرت، یہ امتحان ہوتا ہے جس میں کامیابی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کی خاطر خالق کی نافرمانی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی حاکم فرمانِ الٰہی کے خلاف حکم کرے تو اس کی اطاعت بھی نہ کرنی چاہیے۔

لغات: طاعة: طوعا بمعنی فرماں برداری صفت طائع جمع طوع اور طائعون آتی ہے۔ قَالَ تعَالٰی طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، طَاعَةَ لا کا اسم، لِ حرف جار، مَخْلُوْقٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا ثَابِتَةٌ محذوف کا، فِیْ حرف جار، مَعْصِیَةِ مضاف، اَلْخَالِقِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، ثَابِتَةٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هِیَ ضمیر مستتر) اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۸۲۔رہبانیت اوراسلام

لَا صَرُوْرَةَ فِی الْإِسْلَامِ -

++++++++++

| | |
|---|---|
| لَا | صَرُوْرَةَ |
| نہیں ہے | رہبانیت |
| فِی الْإِسْلَامِ | |
| اسلام میں | [ابو داؤد] |

تشریح: رہبانیت کی تعریف:

رہبانیت کے معنی ہیں طاقت کے باوجود نکاح نہ کرنا۔ مذہب عیسائیت میں نکاح اور دیگر معاملات دنیوی کو چھوڑ کر جنگل میں پڑے رہنا اور عبادت کرنا ثواب سمجھا جاتا تھا۔ جس میں نہ حقوق العباد کی پرواہ ہوتی تھی اور نہ ہی انسانیت کے دوسرے تقاضوں کو پورا کیا جاتا تھا۔ اسلام میں اس سے منع کر دیا گیا۔

لغات: صَرُوْرَةَ: نکاح نہ کرنا، حج پر نہ جانا۔ رہبانیت اختیار کرنا۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، صَرُوْرَةَ، نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ لا کا اسم، فِیْ حرف جار، اَلْإِسْلَامِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنَةٌ کے کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هِیَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، لَا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

## ۸۳۔تقویٰ ہوتو دولت نقصان نہیں دیتی

لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ -

++++++++++

| | |
|---|---|
| لَا بَأْسَ | بِالْغِنٰی |
| کوئی حرج نہیں ہے | دولت مند ہونے میں |

لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ
اس شخص کے لیے جو ڈرے اللہ زبردست بزرگ سے (احمد)

تشریح: معلوم ہوا نفسِ مال کوئی بری چیز نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال برا ہے۔ جو شخص اس کے استعمال کرنے میں اللہ سے ڈرے۔ یعنی غلط جگہ استعمال نہ کرے۔ اس شخص کے مال رکھنے میں کوئی حرج اور نقصان نہیں ہے۔

لغات: اَلْغِنٰی: (س) غِنَاءٌ اور اِغْنِیَانًا بمعنی مال دار ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاللّٰهُ غَنِیٌّ. وقاتہ: بمعنی حفاظت کرنا۔ عَزَّ: (ض) عِزًّا وَعِزَّةً بمعنی عزیز ہونا۔ قوی ہونا۔ جَلَّ: (ض) جَلَالًا وَجَلَالَةً بمعنی بڑے مرتبے والا ہونا۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، بَأسَ نکرہ مفرد مبنی برفتحہ، اسم بَا جار، اَلْغِنٰی مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا ثَابِتٌ مقدر کا، لِ جار، مَنْ موصول، اِتَّقَی فعل ماضی ہو ضمیر مستتر فاعل، لفظ اَللّٰہ ذوالحال، عَزّہ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ وَاؤ عاطفہ جَلَّ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر حال، حال ذوالحال مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا جار مجرور مل کر ثَابِتٌ کا متعلق ثانی، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور دونوں متعلقوں سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ الَّتِيْ دَخَلَتْ عَلَيْهَا حَرْفُ اِنَّ

ترجمہ: جملہ اسمیہ کی وہ قسم جس پر حرف انَّ داخل ہو۔

ملاحظہ: اِنَّ حروف مشبہ بفعل میں سے ہے۔ احادیث طیبہ کی ان مثالوں میں اِنَّ مبتدا پر داخل ہو کر اسے منصوب بنا رہا ہے اور خبر بدستور مرفوع رہے گی۔ اب ہم مبتدا کو انَّ کا اسم اور خبر کو انَّ کی خبر کہیں گے۔ نتیجتاً یہ بھی جملہ اسمیہ ہوگا۔ اِنَّ کے معنی ہیں (بے شک، بلاشبہ، یقیناً)۔

فائدہ: جار مجرور کو نحویوں کی اصطلاح میں ظرف بھی کہتے ہیں۔ اب اگر انّ کی خبر ظرف ہو اور اسم نکرہ ہو تو انّ کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے: اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا اگر ان کا اسم معرفہ ہو اور خبر ظرف ہو تو خبر کو اسم پر مقدم کرنا جائز ہے جیسے: اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۔

پہلی مثال میں مِنَ الْبَيَانِ خبر مقدم ہے دوسری مثال میں اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابهم اور تیسری میں اِنَّ عَلَيْنَا۔ حِسَابَهُم۔

# ۸۴۔ بعض جادو اثر بیان

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | مِنَ الْبَیَانِ |
| بلاشبہ | بعض بیان |
| لَسِحْرًا | |
| جادو (کا اثر) رکھتے ہیں | [بخاری] |

تشریح: بیان کے معنی ہیں کھولنا اور ظاہر کرنا۔ اسی وجہ سے یہ لفظ فصیح گفتگو اور تقریر پر بولا جاتا ہے۔ جس طرح جادو انسان کے حالات کو بدل دیتا ہے اسی طرح بعض بیان انسانی حالات کو بدلنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

لغات: اَلْبَیَانِ: وہ گفتگو جو مافی الضمیر کو ظاہر کرے، بَانَ (ض) بَیَانًا وَتِبْیَانًا، ظاہر کرنا۔ لَسِحْرًا: وہ چیز جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو، جادو، دھوکہ، حیلہ، فساد مراد جادو ہے۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ ھٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔

ترکیب: اَلْجُمْلَۃُ موصوف، اَلْاِسْمِیَّۃُ صفت اول، اَلَّتِیْ موصول، دَخَلَتْ فعل عَلٰی حرف جار، ھَا مجرور، دونوں مل کر متعلق فعل دَخَلَتْ کے، حرف مضاف، لفظ اِنَّ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر خبر ہوئی مبتدا محذوف ھٰذِہٖ کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنْ جار، اَلْبَیَان مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، ل تاکید، سحرًا اِنَّ کا اسم مؤخر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

## ۸۵۔ بعض شعر اچھے ہوتے ہیں

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | مِنَ الشِّعْرِ |
| بے شک | بعض شعر |
| حِكْمَةً | |
| پُر حکمت ہوتے ہیں | [بخاری] |

تشریح: قرآن مجید میں شعر گوئی کو مبالغہ آرائی قرار دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر شعر برا نہیں ہوتا۔ بعض شعر حکمت اور دانائی پر مبنی پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض صحابہؓ جیسے حضرت حسانؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نعتیہ اور کفار کی مذمت میں اشعار کہا کرتے تھے۔

لغات: حِكْمَةً: انصاف، بردباری علم اس کی جمع حِكَمٌ آتی ہے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنَ الشِّعْرِ جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر خبر مقدم، حِكْمَةً اسم موخر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۸۶۔ بعض علم نادانی!

اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | مِنَ الْعِلْمِ |
| یقیناً | بعض علم |
| جَهْلًا | |
| جہالت ہیں | [ابو داؤد] |

تشریح: اس حدیث پاک کے دو مطلب ہیں۔

1. پہلا یہ کہ اس سے مراد ایسا علم ہے جو بذاتِ خود فائدہ مند نہ ہو جیسے نجوم کا علم۔
2. دوسرا یہ کہ علم دین حاصل کرے جو فائدہ مند ہو سکتا ہے لیکن سیکھنے والا اس پر عمل نہ کرے اور علم کے مقصد کو نہ پہچانے، بلکہ فخر و نمائش کا ذریعہ بنائے ایسا علم جہالت کی طرح ہے۔

| |
|---|
| لغات: جَهْلًا: (س) ناواقف ہونا، جاہل ہونا۔قَالَ تَعَالٰی بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ |

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنَ الْعِلْمِ جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم، جَهْلًا اسم موخر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۸۷۔ وبالِ جان باتیں

اِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عَيَالًا ۔

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | مِنَ الْقَوْلِ |
| بے شک | بعض باتیں |
| عَيَالًا | |
| وبال ہیں | [ابو داؤد] |

تشریح: جھوٹ، چغلی، دھوکہ بازی کی بات کرنے کا وبال ہوتا ہے۔اس لیے ہر لفظ سوچ، سمجھ کر بولنا چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت میں وبال کا ذریعہ نہ بن رہا ہو۔

| |
|---|
| لغات: عَيَالًا: وہ لوگ جن کا نان نفقہ واجب ہو، عال، یعیل عیلا محتاج ہونا۔ |

ترکیب: اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، مِنَ الْقَوْلِ جار مجرور متعلق ہو کر خبر مقدم، عَيَالًا اسم موخر اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۸۸۔ ریاکاری شرک ہے

اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | يَسِيْرَ |
| بے شک | تھوڑا سا |
| الرِّيَاءِ | شِرْكٌ |
| دکھلاوا (بھی) | شرک ہے [ابن ماجه] |

تشریح: جو کام اللہ کے لیے کرنا چاہیے وہ لوگوں کی رضا (ریاء) کے لیے کرنا شرک ہے۔اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیریں لکھی جاتی ہیں۔

1. ہر عمل کرتے وقت اس کے فضائل پر نگاہ رکھیں تاکہ اخلاص پیدا ہو۔
2. ہر عمل کو اللہ کی توفیق سمجھیں اور اپنا کمال ہرگز تصور نہ کریں۔
3. عمل کے مردود ہونے سے ڈرتے رہیں اور قبول ہونے کی دعاء کرتے رہیں۔

لغات: يَسِيْرًا :تھوڑا،نرم،کم،یسر (ن.ك.ض) یسرا ویسرا کم ہونا۔الرِّيَاءِ: دکھاوا کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُوْنَ .شِرْكٌ :بمعنی شریک،حصہ،اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا،اس جگہ شرک خفی مراد ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل يَسِيْرَ مضاف اَلرِّيَاءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر اِنَّ کا اسم شِرْكٌ خبر اِنَّ حرف تاکید اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۸۹۔اچھے نصیب والے

اِنَّ السَّعِیْدَ لِمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | السَّعِیْدَ |
| بے شک | اچھے نصیب اس کے ہیں |
| لِمَنْ | جُنِّبَ الْفِتَنَ |
| جو | بچالیا گیا فتنوں سے [ابو داؤد] |

تشریح: فتنوں سے مراد آفات اور وہ چیزیں جو دین سے دور کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔یہ فتنوں کا دور ہے، بے پردگی،گانا بجانا اور تصاویر اور تحریروں کے ذریعہ ایسے فتنے جنم لے رہے ہیں جن سے بچاؤ بظاہر بہت ہی مشکل ہے۔علماء حقہ کی سرپرستی میں زندگی گزارنا، ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ فتنوں سے بچ کر ابدی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔

لغات: جُنِّبَ: دور کیا۔جُنِّبَ دور کیا گیا،جُنُبُ الشَّیْءِ کسی سے کوئی چیز دور کرنا۔
الفتن: جمع۔واحد فتنة. آزمائش، گمراہی وکفر، رسوائی، رنج، عذاب، مرض، مال واولاد،
فتن (ضرَب) فتنةً و مَفْتُوْناً فلاناً گمراہ کرنا، آزمائش کرنا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اَلسَّعِیْدَ اس کا اسم، ل برائے تاکید، مَنْ موصولہ جُنِّبَ فعل مجہول، ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل اَلْفِتَنَ مفعول بہ، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۹۰۔ مشورہ دیانت داری سے دیا جائے

اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ الْمُسْتَشَارَ | مُؤْتَمَنٌ |
| بے شک مشورہ کیا جانے والا | امانت دار ہے۔ [ترمذی] |

تشریح: اگر کسی کو مشورہ دیا جائے تو پوری امانت داری سے دیا جائے۔

لغات: اَلْمُسْتَشَارَ: صیغہ اسم مفعول باب استفعال بمعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ، اَلْمُسْتَشَارَ اس کا اسم، مُؤْتَمَنٌ اس کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۹۱۔ بزدلی اور بخیلی کا ایک اہم سبب

اِنَّ الْوَلَدَ مُبْخِلَةٌ مُجْبِنَةٌ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ الْوَلَدَ | مُبْخِلَةٌ | مُجْبِنَةٌ |
| بے شک اولاد | بخل کا ذریعہ ہے | اور بزدلی کا ذریعہ ہے۔ |

[ابن ماجه]

تشریح: یعنی اولاد کی وجہ سے نہ انسان اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر سکتا ہے اور نہ ہی جہاد وغیرہ میں حصہ لے سکتا ہے۔

لغات: مُبْخِلَةٌ: بخیل بنانے والی، بخل (س.ك) بُخْلًا وَبَخْلًا، بمعنی کنجوس ہونا بخیل ہونا۔ مُجْبِنَةٌ: بزدل بنانے والی، جَبُنَ (ك) جُبْنًا، وَجَبَانَةً، بزدل ہونا، صفت جَبَانٌ آتی ہے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْوَلَدَ اس کا اسم، مَبْخَلَةٌ اس کی خبر، مَجْبِنَةٌ اس کی دوسری خبر۔ اِنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۹۲۔ سچ اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہے

اِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيْنَةٌ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ الصِّدْقَ | طَمَانِيْنَةٌ |
| بے شک سچائی | اطمینان ہے |

تشریح: سچ بولنے سے انسان کو حقیقی سکون ملتا ہے۔ [ترمذی]

لغات طَمَانِيْنَةَ اِطْمَئَنَّ، اِطْمِيْنَانًا، وَطَمَانِيْنَةً ۔ مطمئن ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ، اَلصِّدْقَ اس کا اسم، طَمَانِيْنَةٌ اس کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۹۳۔ جھوٹ بے سکونی کا ذریعہ

وَاِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ .

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَاِنَّ الْكِذْبَ | رِيْبَةٌ |
| اور بے شک جھوٹ | بے اطمینانی ہے۔ |

[احمد و ترمذی

تشریح: جھوٹ بول کر انسان کبھی حقیقی اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۹۴۔ اللہ کو کیا پسند ہے؟

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ

++++++++++

| یُحِبُّ الْجَمَالَ | جَمِیْلٌ | اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی |
|---|---|---|
| خوبصورتی کو پسند کرتا ہے | خوبصورت ہے اور | بے شک اللہ |

[مسلم]

تشریح: اللہ تعالیٰ اچھے کام اور ہر نیک عمل میں صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ نیک اعمال اور پاکیزگی رکھی جائے یہ سوچ کر کہ اللہ کو یہ پسند ہے۔

لغات: رِیْبَۃٌ: شک، بے قراری، جمع ریب آتی ہے، راب (ض) ریبا بمعنی شک میں ڈالنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَا رَیْبَ فِیْہِ. جَمِیْلٌ بجمل (ک) بمعنی خوب صورت ہونا یُحِبُّ: (س۔ک) محبوب ہونا (ض) پسند کرنا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بفعل، اَلْکِذْبَ اس کا اسم، رِیْبَۃٌ اس کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَللّٰہُ ذوالحال، تَعَالٰی فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر حال، حال ذوالحال مل کر اِنَّ کا اسم۔ جَمِیْلٌ خبر اول، یُحِبُّ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْجَمَالَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ثانی، اِنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((.........۞۞۞.........))

## ۹۵۔ بردباری ہو، تیزی نہ ہو

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ شِرَّۃً وَلِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ.

++++++++++

| وَلِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ | لِکُلِّ شَیْءٍ شِرَّۃً | اِنَّ |
|---|---|---|

بے شک　　　ہر چیز کے لیے تیزی　　　اور ہر تیزی کے لیے کمزوری ہے

[ترمذی]

تشریح: ہر کام کو سکون اور اطمینان سے کرنا چاہیے۔ جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ حدیثِ معروف گزر چکی ہے کہ: ''جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔''

| |
|---|
| لغات شِرَّةٌ: بمعنی برائی، تیزی، چستی۔ شرة مکروہ۔ فَتْرَةٌ: بمعنی کمزوری، اس کی جمع فترات آتی ہے، فَتَرَ (ن) فَتْرَةً ضعیف ہونا کمزور ہونا۔ |

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لَ جار کُلُ مضاف، شَیْءٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ مقدر کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، شِرَّةً اِنَّ کا اسم، اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، ل جارہ، کُلُ مضاف، شِرَّةٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ مقدر کے، کَائِنَةٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، فَتْرَةٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۹۶۔ روزی موت کی طرح بندے کی تلاش میں

اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ.

++++++++++

اِنَّ الرِّزْقَ　　　لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ　　　كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ

بے شک رزق　　　البتہ تلاش کرتا ہے بندے کو　　　جیسا کہ تلاش کرتی ہے موت اس کو

[ابو نعیم]

تشریح: لکھا ہوا رزق انسان کو مل کر رہتا ہے، ایسے ہی موت بھی اسے مل کر رہتی ہے۔

لغات: لَيَطْلُبُ طَلَبَ(ن) طَلَبًا بمعنی تلاش کرنا، طلب کرنا، اَجَلُهٗ: بمعنی وقت، موت۔ قَالَ تَعَالٰی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ اس کی جمع اٰجَالٌ آتی ہے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، الرِّزْقَ اِنَّ کا اسم، ل تاکید، يَطْلُبُ فعل مضارع، ضمیر مستتر فاعل، اَلْعَبْدَ مفعول بہ، ك جار، ما مصدریہ، يَطْلُبُ فعل مضارع ہ ضمیر مفعول بہ، اَجَلَ مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر فاعل لَيَطْلُبُ ثانی کے لیے، يَطْلُبُ اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَيَطْلُبُ اول کے، لَيَطْلُبُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۹۷۔ شیطان کا انسان میں قبضہ

اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ .

++++++++++

| اِنَّ الشَّيْطَانَ | يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ | مَجْرَى الدَّمِ |
|---|---|---|
| بے شک شیطان | چلتا ہے انسان کے جسم میں | خون کے چلنے کی طرح |

[بخاری و مسلم]

تشریح: جب انسان کو غصہ آتا ہے تو شیطان اس پر پوری طرح قابض ہو جاتا ہے اور اس سے اپنی مرضی سے کام لیتا ہے۔

لغات: يَجْرِىْ جَرٰى(ض) جَرْيًا وَجِرْيَانًا، بمعنی چلنا، اسی سے مجری اسم ظرف بھی ہے بمعنی بہنے کی جگہ۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلشَّيْطٰنَ اسم اِنَّ، يَجْرِىْ فعل مضارع، هُوَ

ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، اَلْاِنْسَانِ مجرور، دونوں مل کر متعلق فعل، مَجْرِیْ صیغہ ظرف مضاف، اَلدَّمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۹۸۔ اس امت کا عظیم فتنہ مال ہے

اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِیْ الْمَالُ .

++++++++++

| اَلْمَالُ | وَفِتْنَةُ اُمَّتِیْ | فِتْنَةً | اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ |
|---|---|---|---|
| مال ہے | اور میری امت کی آزمائش | ایک آزمائش ہے | بے شک ہر امت کی |

[ترمذی]

تشریح: کسی امت کی آزمائش اس کو حکومت دے کر کی جاتی ہے اور کسی سے چھین کر اور ہماری آزمائش مال سے ہے کہ ہم اسے صرف اپنے لیے ہی خرچ کرتے ہیں یا اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

لغات: فِتْنَةٌ: آزمائش، امتحان۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ل جار، كُلِّ مضاف، اُمَّةٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كَائِنَةٌ مقدر کے، كَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هِیَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، فِتْنَةً اسم، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا، واو عاطفہ، فِتْنَةُ مضاف، اُمَّةِ مضاف الیہ، مضاف یٔ ضمیر مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف فِتْنَةُ کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اَلْمَالُ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

## ۹۹۔ جلد قبول ہونے والی دعاء

اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ | اِجَابَةً | دَعْوَةُ غَائِبٍ |
| بے شک سب سے تیز دعا | قبولیت کے لحاظ سے | غائب کی دعا ہے جو |

لِغَائِبٍ
غائب کے لیے ہو [ترمذی]

تشریح: اللہ تعالیٰ دعا تو ضرور قبول کرتے ہیں مگر وہ دعا جلدی قبول ہوتی ہے جو کسی دوسرے کے لیے کی گئی ہو۔ (اس کی عدم موجودگی میں) کیونکہ اس میں اخلاص اور ہمدردی ہے اور دوسروں کی خیر خواہی سے اللہ راضی ہوتے ہیں۔

لغات: اِجَابَةً: جواب دینا، کہا جاتا ہے، اَجَابَ الدُّعَاءَ دعاء قبول کی، جَابَ(ن) جَوْبًا.
قَالَ تَعَالٰی اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَسْرَعَ مضاف، اَلدُّعَاءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر ممیّز، اِجَابَةً تمیز، ممیّز تمیز مل کر اسم، دَعْوَةُ مضاف، غَائِبٍ موصوف، ل جار، غَائِبٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٍ محذوف کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر مضاف الیہ، دَعْوَةُ کا، مضاف، مضاف الیہ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۰۰۔ گناہوں کے سبب رزق کی تنگی

اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ الرَّجُلَ | لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ | بِالذَّنْبِ يُصِيبُهٗ |

بے شک آدمی محروم کر دیا جاتا ہے روزی سے اس گناہ کی وجہ سے جس تک وہ پہنچتا ہے

[ابن ماجه]

تشریح: کثرتِ گناہ کرنے سے ترکِ گناہ کی توفیق نہیں ملتی جس کی وجہ سے اسے حلال روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے استغفار کرنا روزی بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ [ریاض الصالحین]

لغات: اَلرِّزْقَ: بمعنی روزی، اس کی جمع اَرْزَاقْ آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلرَّجُلَ اِنَّ کا اسم، ل تاکید، یُحْرَمُ فعل مضارع مجہول، ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، اَلرِّزْقَ مفعول بہ، بَا جار، اَلذَّنْبِ ذوالحال، یُصِیْبُ فعل مضارع معروف، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، حال ذوالحال مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے یُحْرَمُ کے، یُحْرَمُ اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............ ❀❀❀ ............ ))

## ۱۰۱۔ لکھا ہوا رزق ہر حال میں ملے گا

اِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ نَفْسًا | لَّنْ تَمُوْتَ | حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ |
| بے شک کوئی جاندار | ہر گز نہیں مرے گا | حتیٰ کے پورا کر لے |
| رِزْقَھَا | | |
| اپنی روزی کو | | |

[رواه في شرح السنة]

تشریح: یعنی جس کی قسمت میں جتنا رزق لکھا ہے جب تک اسے وہ مل نہیں جاتا

وہ مر نہیں سکتا۔ اس لیے روزی کی طلب میں آخرت کو نہ بھولنا چاہیے۔

لغات: تَمُوْتَ: مردار، مَاتَ، یَمُوْتُ، مَوْتًا۔ بمعنی مرنا۔ قَالَ تَعَالٰی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ تَسْتَکْمِلَ: پورا کرنا، کَمَلَ (ن.ك.س) کَمَالًا وَکُمُوْلًا، پورا ہونا اور کامل ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، نَفْسًا اِنَّ کا اسم، لَنْ تَمُوْتَ فعل مضارع منفی مؤکد بلن، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، حَتّٰی جار، تَسْتَکْمِلَ فعل مضارع معروف، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، رِزْقَ مضاف، ھَا مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بواسطہ اَنْ مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل لَنْ تَمُوْتَ کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۰۲۔ صدقے کے دو عظیم فائدے

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ الصَّدَقَةَ | لَتُطْفِیءُ | غَضَبَ الرَّبِّ |
| بے شک صدقہ | البتہ ٹھنڈا کرتا ہے | پروردگار کے غصے کو |

وَتَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ

اور دور کرتا ہے بُری موت کو [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں صدقہ کے دو فائدے بتائے، جب انسان اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اللہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور جب کوئی انسان توبہ کے ساتھ صدقہ بھی کرتا ہے تو اللہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اسے اچھی موت عطا فرماتے ہیں اور یہ بہت بڑا انعام ہے کہ مرتے وقت ایمانی حالت اچھی ہو جائے۔

لغات: لَتُطْفِيءُ اِطْفَاءَ النَّارِ آگ بجھانا، طفا(س) طَفُوءُ النَّارِ، آگ کا بجھنا۔
تَدْفَعُ (واحد مذکر حاضر) دُور کرنا

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلصَّدَقَةَ اِنَّ کا اسم، ل تاکید، تُطْفِيءُ فعل مضارع هِیَ ضمیر مستتر فاعل، غَضَبَ مضاف، اَلرَّبِّ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ تَرْفَعُ فعل، هِیَ ضمیر مستتر فاعل، مَيْتَةَ مضاف، اَلسُّوْءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۰۳۔ معیارِ فضیلت

اِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ بِتَقْوٰی .

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّكَ لَسْتَ | بِخَيْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ |
| بے شک نہیں ہے تو | بہتر سرخ ہونے کی وجہ سے اور سیاہ ہونے کی وجہ سے |
| اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ | بِتَقْوٰی |
| مگر یہ کہ بڑھ جائے تو | پرہیزگاری میں [رواہ احمد] |

تشریح: اللہ تعالیٰ کے ہاں حسب ونسب کی وجہ سے کسی بھی انسان کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ سب سے بڑی فضیلت کا معیار تقویٰ کو حاصل ہے، اسی کی وجہ سے اللہ کے ہاں بلند مقام ملتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی سارے دین کی اساس ہے۔

اس حدیث پاک میں

احمر اور اسود سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی بھی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو، وہ اعمال ہی سے اللہ کا محبوب بنتا ہے۔

لغات:اَحْمَرَ: جس کا رنگ سرخ ہو،جمع اَحَامِرُ آتی ہے،مؤنث حَمْرَاءُ آتی ہے۔ اَسْوَدَ:(س) کالا ہونا ،مونث سَوْدَاءُ آتی ہے۔تَفْضُلَهٗ:فضل(س.ن) فَضْلًا،باقی رہنا،بہتر ہونا۔قَالَ تعَالٰی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ.بتَقْوٰی:اللہ کا خوف اوراس کے فرمان کے مطابق عمل،پرہیز گاری۔فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،كَ ضمیر منصوب اسم،لَسْتَ فعل ،اذا فعال ناقصہ ضمیر بارز اس کا اسم،ب جار،خَيْرٍ صیغہ اسم تفضیل،مِنْ جار،اَحْمَرَ معطوف الیہ،وَاوْ عاطفہ، لا زائدہ برائے تاکید،اَسْوَدَ معطوف،معطوف الیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَيْرٍ اسم تفصیل کے،اسم تفضیل اپنے متعلق سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنًا محذوف کے، كَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر،لَسْتَ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مستثنیٰ منہ،اِلَّا حرف استثناء،ان تفضیل فعل مضارع معروف،اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل،ہٗ ضمیر مفعول بہ بَا جار،تَقْوٰی مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مستثنیٰ،مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر خبر ہوئی اِنَّ کی،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۰۴۔اللہ دل کی کیفیت اور عمل دیکھتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ | لَا يَنْظُرُ | اِلٰى صُوَرِكُمْ اِلٰى صُوَرِكُمْ. |
| بے شک اللہ | نہیں دیکھتا | تمہاری شکلوں کو |
| وَاَمْوَالِكُمْ | وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ | وَاَعْمَالِكُمْ |

اور نہ تمہارے مالوں کو بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے کاموں کو

[مسلم]

تشریح: مقام ومرتبہ اور بخشش کے لیے اللہ ہماری شکل وصورت اور مال نہیں دیکھتے بلکہ وہ ہمارے دلوں کے خلوص اور نیک وصالح اعمال کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لغات: صُوَرِ: جمع صُوْرَةٌ بمعنی شکلیں۔ قُلُوْبِكُمْ: الٹ پلٹ کرنا، یہاں مراد دل ہے اس کی مفرد قلب آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اَللّٰهَ اِنَّ کا اسم، لَا یَنْظُرُ فعل مضارع منفی، اِلٰی جار، صُوَرِ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَمْوَالِ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، وَاؤ زائدہ، لٰكِنْ استدراکیہ، یَنْظُرُ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی جار، قُلُوْبِ مضاف، كُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَعْمَالِ مضاف، كُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ہوئے جار کے، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ استدراکیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

## ۱۰۵۔ خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔

اِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | مِنَ الْمَعْرُوْفِ | اَنْ تَلْقٰی |
| بے شک | نیکی سے ہے | یہ کہ ملے تو |
| اَخَاكَ | بِوَجْهٍ طَلْقٍ | |

اپنے بھائی سے کھلے چہرے کے ساتھ [احمد وترمذی]

تشریح: اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے ملنا بھی ایک نیکی ہے۔ اس لیے خندہ پیشانی اور دل کی صفائی کے ساتھ ملنا چاہیے۔

| |
|---|
| لغات: طَلْقٍ وَطَلَقٍ طلق، بتثلیث الطاء، بمعنی کشادہ، خوش خرم، طَلُقَ (ک) ہنس مکھ ہونا۔ |

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنْ جار، اَلْمَعْرُوْفِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، اَنْ ناصبہ مصدریہ، تَلْقٰی فعل مضارع، انت ضمیر فاعل، اخا مضاف، ك مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول بہ، با جار، وجہ موصوف، طلق صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر اسم، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............ ۞۞۞ ............ ))

## ۱۰۶۔ اللہ کا پسندیدہ انسان

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَاَ بِالسَّلَامِ

++++++++++

| | |
|---|---|
| اِنَّ | اَوْلٰی |
| بے شک | سب سے پسندیدہ |
| النَّاسِ | بِاللّٰہِ |
| لوگوں میں | اللہ کو وہ ہے |
| مَنْ | بَدَاَ |
| جو | پہل کرے |
| بِالسَّلَامِ | |

سلام کرنے میں (ترمذی)

تشریح: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو سلام کرنا یہ اللہ کا پسندیدہ عمل ہے۔ پہلے سلام کرنے سے تکبر ختم ہوتا ہے۔اور عاجزی کی دولت ملتی ہے۔

| |
|---|
| لغات:اَوْلٰی:زیادہ حق دار،زیادہ قریب۔قَالَ تَعَالٰی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ |

ترکیب:اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،اَوْلٰی صیغہ اسم تفضیل مضاف، النّاس مضاف الیہ، بَا جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم تفضیل کے،اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر انّ کا اسم، مَنْ موصولہ بَدَأَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، با جار، اسلام مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی۔ اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۰۷۔سود سے مال کم ہوتا ہے

اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تُصِیْرُ اِلٰی قَلٍّ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | الرِّبٰوا | وَاِنْ |
| بے شک | سُود | اگرچہ |
| کَثُرَ | فَاِنَّ | عَاقِبَتَهٗ |
| زیادہ ہو | پس بے شک | اس کا انجام |
| تُصِیْرُ | اِلٰی قَلٍّ | |
| ہوگا | کمی کی طرف | [رواہ ابن ماجہ] |

تشریح: بے شک سُود کا گناہ اس کے ظاہری اور فانی فائدے سے زیادہ ہے، اللہ صدقات کی وجہ سے مال کو بڑھاتا ہے اور سود کی وجہ سے مال کم کردیتا ہے۔سود

دیکھنے میں زیادہ معلوم ہوتا ہے لیکن انجام کے لحاظ سے وہ مال کم ہو جاتا ہے۔اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔

① مصائب کا آنا ② مال سے برکت کا اٹھنا

③ چند اشخاص کے پاس مال کا جمع ہونا اور پورے معاشرے کا پریشان ہونا۔

لغات:اَلرِّبٰو:زیادتی ،سود،رِبَا یَرْبُو،رباء،وربوا،مال زیادہ ہونا۔قَالَ تَعَالٰی لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰو. قَلِّ: (ض) قلا،قلا،قلة،کم ہونا۔عَاقِبَۃٌ:ہر چیز کا آخر،جمع عَوَاقِبُ، عَقَبَ(ن۔ض)ایڑی مارنا،پیچھے آنا۔

ترکیب:اِنَّ حرفُ مشبہ بالفعل،اَلرِّبٰوا اِنَّ کا اسم،قَلِیْلٌ محذوف اس کی خبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا،وَاؤ مبالغہ،اِنْ وصلیہ شرطیہ،کَثُرَ فعل،هُوَ ضمیر مستتر فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط۔اس کی جزا فَهُوَ قَلِیْلٌ محذوف ہے،شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا،فَا، تعلیلیہ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،عاقبت مضاف،ہٗ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر اِنَّ کا اسم،تَصِیْرُ فعل مضارع،هِیَ ضمیر مستتر فاعل،اِلٰی جار،قُلٍّ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معللہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۰۸۔غصہ ایمان کو خراب کر دیتا ہے

اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسْلَ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | الْغَضَبَ | لَیُفْسِدُ |
| بے شک | غصہ | البتہ خراب کرتا ہے |
| الْاِیْمَانَ | کَمَا | یُفْسِدُ |

| | | |
|---|---|---|
| ایمان کو | جیسا کہ | خراب کرتا ہے |
| الصَّبِرُ | الْعَسْلَ | |
| ایلوا | شہد کو | [بیہقی] |

تشریح: غصہ شیطان کی طرف سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصے پر قابو پانا درگذر ہے اور اس سے ہمارے ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو وہ گالی دیتا ہے۔ حد سے بڑھ جاتا ہے۔ رشتہ داری کی پرواہ نہیں کرتا ہے جس سے اس کا ایمان اسی طرح خراب ہو جاتا ہے جیسے ایلوا شہد کو کڑوا کر دیتا ہے۔

لغات: اَلصَّبِرُ: بمعنی ایلوا جمع صبور آتی ہے۔ اَلْعَسْلَ: بمعنی شہد جمع اَعْسَالٌ، عسل عُسُوْل، عَسْلَان آتی ہے، عَسَلَ (ن۔ض) عَسْلًا. قَالَ تعَالٰی وَاَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْغَضَبَ اِنَّ کا اسم، ل تاکید، یُفْسِدُ فعل، ھو ضمیر فاعل، اَلْاِیْمَانَ مفعول بہ، ك جار، ما مصدریہ، یُفْسِدُ فعل مضارع، اَلصَّبِرُ اس کا فاعل، اَلْعَسْلَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے یُفْسِدُ کے، یُفْسِدُ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ کی، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۰۹۔ سچ جنت کی طرف لے جاتا ہے

اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | الصِّدْقَ | بِرٌّ |
| بے شک | سچ بولنا | نیکی ہے |
| وَاِنَّ | الْبِرَّ | یَهْدِیْ |

| | | |
|---|---|---|
| اور بے شک | نیکی | لے جاتی ہے |

اِلَى الْجَنَّةِ

جنت کی طرف [مسلم]

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ''جب آدمی سچا ہوتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے، جب اسے ایمان نصیب ہوتا ہے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرماتے ہیں۔''

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلصِّدْقَ اِنَّ کا اسم، بِرٌّ خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْبِرَّ اِنَّ کا اسم، یَهْدِیْ فعل مضارع معروف، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی حرف جار، اَلْجَنَّةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۱۰۔ جھوٹ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے

وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَى النَّارِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَاِنَّ | الْكِذْبَ | فُجُوْرٌ |
| اور بے شک | جھوٹ بولنا | گناہ ہے |
| وَاِنَّ | الْفُجُوْرَ | یَهْدِیْ |
| اور بے شک | گناہ | لے جاتا ہے |

اِلَى النَّارِ

جہنم کی طرف [مسلم]

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی جھوٹ

بولتا ہے تو گناہ کرتا ہے جس سے اس کے ایمان میں کمی آتی ہے اور جہنم اس کا مقدر ہوتی ہے۔اسی طرح اس حدیث میں بھی جھوٹ بولنے کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

| |
|---|
| لغات: فُجُوْرَ: بمعنی جھوٹ بولنا، فَجَرَ (ن) فَجْراً جھوٹ بولنا۔ |

**ترکیب:** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْکِذْبَ اِنَّ کا اسم، فُجُوْرٌ خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْفُجُوْرَ اِنَّ کا اسم، یَهْدِیْ فعل مضارع معروف، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی حرف جار، اَلنَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر جملہ معطوفہ ہوا۔ (الخ)

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۱۱۔ سات بڑے گناہ

**اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَ وَاْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ .**

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | اللّٰهَ | حَرَّمَ |
| بے شک | اللہ نے | حرام کیا ہے |
| عَلَیْكُمْ | عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ | وَ وَاْدَ الْبَنَاتِ |
| تم پر | ماؤں کی نافرمانی کرنا | اور لڑکیوں کو زندہ قبر میں ڈالنا |
| وَمَنْعَ | وَهَاتِ | وَكَرِهَ |
| اور روک کے رکھنا | اور مانگنا | اور ناپسند کیا ہے |
| لَكُمْ | قِیْلَ وَقَالَ | وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ |
| تمہارے لیے | ٹال مٹول کرنا | اور زیادہ سوال کرنا |
| وَاِضَاعَةَ الْمَالِ | | |

اور مال کو ضائع کرنا [بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیثِ مبارکہ میں چند کبیرہ گناہ گنوائے گئے ہیں۔

① ماں کی نافرمانی کرنا گناہ ہے ماں کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں کیونکہ ماں نرم دل ہوتی ہے اور اولاد نافرمان ہو تو غم بھی زیادہ کرتی ہے۔ قرآن کریم میں والدہ کے احسانات خاص طور پر مذکور ہیں۔

② اسلام سے پہلے عرب والے بیٹیوں کو زندہ قبر میں ڈالتے تھے اس کے وجود کو وہ اپنی توہین کا ذریعہ سمجھتے تھے کہ داماد ہمارے گھر آئے اور ہماری بیٹی اس کے گھر جائے، لیکن ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے اسلام نے عورت کو معاشرے میں بلند مقام عطا کیا ہے۔

③ یہ گناہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روک کے رکھے بلکہ جتنا خرچ کرسکتا ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔

④ اور مانگنے سے بھی منع کیا ہے۔ معروف حدیث ہے کہ: ''اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے۔'' یعنی ہماری اتنی آمدنی ضرور ہونی چاہیے کہ کسی سے مانگنا نہ پڑے، نہ ہو سکے تو صبر کا دامن نہ چھوڑیں۔

⑤ اللہ نے ٹال مٹول کرنے والے کو ناپسند فرمایا ہے یعنی اگر ہم کوئی کام کرنے کا عدہ کریں یا مقروض ہوں اور قرض کا وقت آجائے، جلد ہی بروقت ادا کردیں اس بں ٹال مٹول نہیں کرنا چاہیے۔

⑥ زیادہ سوالات کرنے سے بھی روکا گیا ہے کیونکہ جب کوئی کسی کو لاجواب کرنے کے لیے سوال کرتا ہے تو وہ اللہ کے احکامات سے دور ہو جاتا ہے۔

⑦ مال کو فضول خرچی کے ذریعہ ضائع نہیں کرنا چاہیے دنیا کی عیش وعشرت کے لیے مال ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے اسے ضائع ہونے سے بچا لردنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کرنے چاہئیں۔

لغات: عُقُوْقَ بعق(ن) عُقُوْقًا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ اَلْاُمَّهَاتِ: جمع الاُمْ ہے بمعنی مائیں۔ قَالَ تَعَالٰی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ. وَأْدَ وأد (ض) وَاْدًا، زندہ درگور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِذَ الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْ. مَنْعَ (س) مَنْعًا محروم کرنا، روکنا۔ وَهَاتِ: اسم فعل بمعنی اِعْطِ بمعنی لاؤ۔ قَالَ تَعَالٰی قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔ اِضَاعَةَ: ضائع کرنا، ضَاعَ (ض) ضَيْعًا بمعنی تلف ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اَللّٰهَ اسم، حَرَّمَ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی جار، كُمْ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، عُقُوْقُ مضاف، الامهات مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، وَاد مضاف، البنات مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، مَنْعَ مصدر مضاف، اس کا مضاف الیہ محذوف ما علیکم اعطاء ہ، ما موصولہ، علی جار، كُمْ مجرور، دونوں مل کر متعلق ہوئے واجبٌ محذوف کے، واجب صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، اعطاء مصدر مضاف، ہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا مؤخر، خبر مقدم مبتدا مؤخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا منع کا، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، واو عاطفہ، هَاتَ مضاف الیہ، قول محذوف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثالث، معطوف الیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر مفعول بہ ہوا حَرَّمَ کا، حرّم فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ، واو عاطفہ، کرہٗ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، لَكُمْ جار مجرور، متعلق فعل قیل، بتاویل لفظ مضاف الیہ ہوا، قول محذوف کا، دونوں مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ قال بترکیب سابق معطوف اول واوَ عاطفہ كَثْرَةَ السُّؤَالِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، واوَ عاطفہ اِضَاعَةَ الْمَالِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر مفعول بہ ہوا کرہٗ فعل کا، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ

معطوف مل کر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۱۲۔اللہ کے ہاں ایک پسندیدہ عمل

اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | اَحَبَّ الْاَعْمَالِ | اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی |
| بے شک | اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ | اللہ کو |
| اَلْحُبُّ | فِی اللّٰہِ | وَالْبُغْضُ |
| محبت کرنا | اللہ کے لیے | اور دشمنی رکھنا |
| فِی اللّٰہِ | | |
| اللہ کے لیے | | |

[احمد وابو داؤد:

تشریح: اللہ کو تمام اعمال میں زیادہ پسند یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی محبت کرے تو اللہ کے لیے اور دشمنی رکھے تو وہ بھی اللہ کے لیے کافروں سے دشمنی صرف اللہ کے لئے ہے۔

لغات: اَلْاَعْمَالِ: عمل کی جمع ہے۔ بمعنی کام۔ قَالَ تَعَالٰی لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَحَبَّ اسم تفضیل مضاف، الاعمال مضاف الیہ، الٰی جار، لفظ اللّٰہ ذوالحال، تعالٰی فعل ماضی مثبت بتقدیر قَدْ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اَحَبَّ کے، اَحَبَّ صیغہ اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر ان کا اسم، اَلْحُبُّ مصدر ذوالحال، فِی جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق

سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر معطوف علیہ، وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ بترکیب سابق معطوف، معطوف الیہ معطوف مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۱۳۔ عالم، طالب علم اور ذکرِ الٰہی

اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَافِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اَلَا | اِنَّ | الدُّنْيَا |
| آگاہ رہو | بے شک | دنیا |
| مَلْعُوْنَةٌ | مَلْعُوْنٌ | مَافِيْهَا |
| رحمت سے دور ہے | رحمت سے دور ہے | جو اس میں ہے |
| اِلَّا | ذِكْرَ اللّٰهِ | وَمَا |
| مگر | اللہ کی یاد | اور جو |
| وَالَاهُ | وَعَالِمٌ | اَوْ |
| اس سے قریب ہو | اور علم والا | یا |
| مُتَعَلِّمٌ | | |
| علم حاصل کرنے والا | | [ترمذی] |

تشریح: جب کوئی شخص دنیا ہی میں مصروف رہے تو وہ اللہ کی رحمت سے دور رہتا ہے اور جو اللہ کو یاد رکھے ان پر اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ عالم اور طالب علم ان اشخاص میں سے ہیں کہ تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے ان پر رحمت خداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

لغات: مَلْعُوْنَةٌ: اسم مفعول، لعن (ف) لعنا، لعنت کرنا، رسوا کرنا، گالی دینا، خیر سے دور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی مَلْعُوْنِیْنَ۔ وَالَاهُ موالی، ولاء و مولاۃ، بمعنی آپس میں دوستی کرنا، مدد کرنا۔

ترکیب: اَلَا حرف تنبیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلدُّنْیَا اِنَّ کا اسم، مَلْعُوْنَةٌ صیغہ اسم مفعول ھِیَ ضمیر مستتر نائب فاعل، اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر اول، ملعون صیغہ اسم مفعول، ما موصولہ، فی جار، ھا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثبت فعل محذوف کے، ثبت فعل، ھو ضمیر مستتر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر نائب فاعل ہوا مَلْعُوْنٌ کا، مَلْعُوْنٌ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مستثنیٰ منہ، اِلَّا حرف استثناء، ذکر مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، ما موصولہ وَالٰی فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف اول، واؤ عاطفہ عَالِمٌ معطوف ثانی، اؤ عاطفہ، متعلم معطوف ثالث، معطوف الیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر مستثنیٰ مفرغ، مستثنیٰ منہ مستثنیٰ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۱۴۔ سات قسم کے صدقاتِ جاریہ

اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَّالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيٰوتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | مِمَّا | يَلْحَقُ |
| بے شک | جو | ملے گا |
| الْمُؤْمِنَ | مِنْ عَمَلِهٖ | وَحَسَنَاتِهٖ |
| مومن کو | اس کے کاموں سے | اور اس کی نیکیوں میں سے |
| بَعْدَ مَوْتِهٖ | عِلْمًا | عَلَّمَهٗ |
| اس کے مرنے کے بعد | وہ علم (دین) ہے | جو اس نے سیکھا |
| وَنَشَرَهٗ | وَوَلَدًا صَالِحًا | تَرَكَهٗ |
| اور اس نے آگے پھیلایا | اور نیک اولاد ہے | جس کو اس نے چھوڑا |
| اَوْ | مُصْحَفًا | وَرَّثَهٗ |
| یا | قرآن ہے | جو وارثوں کے لیے چھوڑا |
| اَوْ | مَسْجِدًا | بَنَاهُ |
| یا | مسجد ہے | جو اس نے بنائی |
| اَوْ بَيْتًا | لِابْنِ السَّبِيْلِ | بَنَاهُ |
| یا گھر ہے | جو اس نے مسافروں کے لیے | بنایا |
| اَوْ نَهْرًا | اَجْرَاهُ | اَوْ |
| یا کوئی نہر ہے | جو جاری کی | یا |
| صَدَقَةً | اَخْرَجَهَا | مِنْ مَّالِهٖ |
| صدقہ ہے | جو اس نے نکالا | اپنے مال میں سے |
| فِيْ صِحَّتِهٖ | وَحَيٰوتِهٖ | تَلْحَقُهٗ |
| اپنی تندرستی | اور زندگی کی حالت میں | ملے گا اسے |
| مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ | | |
| اس کے مرنے کے بعد | | |

[ابن ماجه]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایسی سات چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جو

مرنے کے بعد درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہیں۔اس حدیث کا ہر ہر لفظ دعوت دے رہا ہے یہ مذکورہ صدقاتِ جاریہ کے کام ہمیں زیادہ سے زیادہ کرنے چاہیے۔تاکہ مرنے کے بعد محرومی نہ رہے۔اور ہمیں کسی کے ثواب کے پہنچانے کا انتظار کرنا پڑے۔

لغات:یَلْحَقُ لحق(س) لحقا ولحاقا،ملنا،لاحق ہونا،حَسَنَاتِهٖ:واحد حسنةضد سيئة،نَشَرَهٗ: نشر (ض.ن) نشرًا،کھولنا ،پھیلانا ،مُصْحَفًا :بمعنی قرآن مجید،جمع مصاحف ہے،وَرَّثَهٗ، توريثا ، وارث بنانا،ورث(ح)ورثا،وارث ہونا۔بَنَاهُ، بناء وبنيانا،تعمیر کرنا،مکان بنانا۔قَالَ تَعَالٰى وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنٰهَا.نَهْرًا:بمعنی ندی،نہر جمع انہار،انہر،نہر،نہورآتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ۔

ترکیب:اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،مِنْ جار،مَاموصولہ،یَلْحَقُ فعل مضارع ،هُوَ ضمیر مستتر فاعل،اَلْمُؤْمِنَ مفعول بہ،مِنْ جار،عمل مضاف،هٗ مضاف الیہ،دونوں مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،حسنات مضاف،هٗ مضاف الیہ،دونوں مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے یَلْحَقُ کے،بعد مضاف، موت مضاف الیہ مضاف،هٗ مضاف الیہ،مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا بَعْدَ کا،بَعْدَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ،فعل یَلْحَقُ اپنے فاعل(ھو )مفعول بہ (المؤمن )متعلق (من عمله وحسانته)اور مفعول فیہ (بعد موته) سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ،موصول ( ما ) صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنٌ محذوف کے،کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر)اور متعلق سے مل کر خبر مقدم،علمًا موصوف،علم فعل،ھو ضمیر مستتر فاعل،هٗ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا،واؤ عاطفہ نَشَرَ فعل،هُوَ ضمیر مستتر فاعل،هٗ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ معطوفہ،دونوں جملے مل کر صفت ہوئی علمًا موصوف کی،موصوف صفت مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ ولدًا موصوف،صالحًا صفت اول،تَرَكَ فعل ھو ضمیر مستتر راجع بسوئے مومن اس کا فاعل،هٗ ضمیر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ

سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ثانی ،موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر معطوف اول ،اَوْ عاطفہ،مصحفًا موصوف،وَرَّثَ فعل،ھو ضمیر مستتر فاعل،ہٗ مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف ثانی ،او عاطفہ، مسجدا موصوف ،بنا فعل،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ہ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف ثالث ،او عاطفہ،بیتا موصوف ،ل جار ،ابن مضاف ،السبیل مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق مقدم بنا فعل ،ھو ضمیر فاعل ہ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف رابع ،او عاطفہ ،نَهْرًا موصوف ،اَجْرَا فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ہ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف خامس ،او عاطفہ، صدقتہ موصوف ،اخرج فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ھا مفعول بہ ، مِنْ جار ، مال مضاف ،ہ مضاف الیہ ،دونوں مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق اول فعل ،فی جار، صحت مضاف ،ہ مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف علیہ،واو عاطفہ، حیوۃ مضاف ،ہ مضاف الیہ ،دونوں مل کر معطوف ، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر اخرج کا متعلق ثانی ،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف سادس ،معطوف علیہ اپنے تمام معطوفوں سے مل کر اِنَّ کا اسم موخر ،اِنَّ اپنی خبر مقدم اور اسم موخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔تلحق فعل مضارع معروف ، ھی ضمیر مستتر راجع بسوئے اعمال مذکورہ فاعل ،ہ ضمیر مفعول بہ ،من جار ، بعد مضاف ، مَوْتَ مضاف الیہ مضاف ،ہ مضاف الیہ ،مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا بعد کا ،بعد اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق فعل ،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ مستانفہ ہوا۔

## ۱۱۵۔اللہ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیں

اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | اللّٰہَ | لَیُؤَیِّدُ |
| بے شک | اللہ | ضرور قوت دے گا |
| ھٰذَا الدِّیْنَ | بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ | |
| اس دین کو | گنہگار آدمی کے ذریعے سے | [بخاری] |

تشریح: اپنے دین اور شعائر اسلام کی حفاظت اللہ جس سے مرضی کروا سکتے ہیں۔ (وہ جو چاہیں تو پرندوں کے ذریعے اپنے گھر کی حفاظت کروائیں) اسی طرح بعض اوقات بے دین لوگوں سے بھی اللہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے کام کرواتے ہیں۔اس لیے مبلغین اور معلمین کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ

❶ میرا شمار بے دین لوگوں میں تو نہیں۔

❷ اللہ کے دین کی حفاظت میری تعلیم و تبلیغ کی محتاج نہیں ہے۔

لغات: لَیُؤَیِّدُ: ایدہ، تائیدا، قوی کرنا، ثابت کرنا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللّٰہ اِنَّ کا اسم، ل تاکید یؤیّدُ فعل مضارع معروف، ھو ضمیر مستتر فاعل، ھذا اسم اشارہ، الدّیْن مشارٌ الیہ، اسم اشارہ مشارٌ الیہ مل کر مفعول بہ، با جار، الرّجل موصوف، الْفَاجَرَ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۱۶۔مساجد پر فخر قیامت کی نشانی ہے

اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ | اَنْ |
| بے شک | قیامت کے دن کی نشانیوں میں سے ہے | یہ کہ |
| يَّتَبَاهَى | النَّاسُ | فِي الْمَسَاجِدِ |
| فخر کریں گے | لوگ | مسجدوں کے بارے میں |

[ابو داؤد]

تشریح:اس حدیث پاک میں مساجد پر فخر کو قیامت کی نشانی بتایا گیا ہے۔یعنی لوگ اپنی نماز و دیگر عبادات کی درستگی کی طرف نظر نہیں کریں گے۔ بلکہ مساجد کی زیب و زینت کی طرف توجہ ہو گی اور دوسری مسجدوں کو گھٹیا سمجھیں گے۔مسجد نبویؐ حضرت عمرؓ کے دور تک بالکل سادہ رہی اور سادگی ہی مسجدوں میں مقصود ہے۔

لغات:اَشْرَاطِ:جمع شرط کی،علامت،ہر چیز کا اول،اَلسَّاعَةِ:کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے،مثلاً وقت،گھڑی،گھنٹہ مراد یہاں قیامت ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔جمع ساعات آتی ہے۔

ترکیب:اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،مِنْ جار،اَشْرَاطِ مضاف،السَّاعَةِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنٌ محذوف کے، كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم،ان ناصبہ مصدریہ، يَتَبَاهى فعل مضارع معروف،اَلنَّاسُ فاعل، فی جار،المَسَاجِدُ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر ہو کر انَّ کا اسم موخر،اِنَّ اپنی خبر مقدم اور اسم موخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............ ۞۞۞ ............ ))

# اِنَّمَا . (صرف)

یہاں سے وہ احادیث طیبہ شروع ہیں جن کے شروع میں اِنَّ کے بعد ما (کافہ) ہے اس کے معنی ہیں، صرف یا سوائے اس کے نہیں۔
اس صورت میں اِنَّ مبتدا اور خبر میں کوئی عمل نہ کر سکے گا۔ اس وقت اِنَّمَا جملہ پر بھی داخل ہوسکتا ہے۔ جیسے اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْهُ۔ یعنی فضیلت والے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ فارسی میں کہتے ہیں۔
قدر زر زرگر بداند قدر گوہر گوہری
فائدہ: اِنَّمَا. اِنَّ کے آخر میں ما کافہ لاحق ہے۔ کَافّہ، کَفٌّ سے مشتق ہے اور کَفٌّ کا معنی روکنا ہے اور جس وقت یہ ما اِنَّ کے آخر میں ہوتا ہے، اس کو عمل سے روک دیتا ہے۔ (دوسرے الفاظ سے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس وقت یہ مُلْغٰی عَنِ الْعَمَل ہوتا ہے)

## ۱۱۷۔جہالت کا علاج

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَالُ .

++++++++++

| السُّؤَالُ | شِفَاءُ الْعَيِّ | اِنَّمَا |
|---|---|---|
| پوچھنا ہے | نادان کی تسلی | سوائے اس کے نہیں کہ |

[رواہ ابو داؤد]

تشریح: جو دین کی بات آدمی کو سمجھ نہ آئے یا کسی مسئلہ کی تحقیق مقصود ہو تو اسے اپنی تسلی کے لیے اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے گویا نادانی بیماری ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سوال کر لینا اس کی دواء ہے۔

لغات: شِفَاءُ: صحت یابی، شَفَا(ض) شِفَاء صحت دینا۔ قَالَ تَعَالٰی فِيْهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ.
الْعَيِّ: گفتگو میں عاجز تھکنے والا، اس کی جمع اَعْيَاء آتی ہے، عَيِيَ(س) عَيًا۔

ترکیب: اِنَّمَا اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ما کافہ عن العمل شفاء مضاف، العی مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، السؤال خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۱۱۸۔اعمال کا انجام بخیر ہونا چاہیے!

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ .

++++++++++

| بِالْخَوَاتِيْمِ | الْاَعْمَالُ | اِنَّمَا |
|---|---|---|
| انجاموں کے ساتھ ہے | اعمال کا دارومدار | بے شک |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس ارشادِ مبارک کے دو مفہوم ہیں۔

❶ ہم دنیا میں جیسے کام کریں گے ہمیں آخرت میں اس کا ویسا ہی صلہ ملے گا۔ اس لیے خاتمہ زندگی تک نیک اعمال کرنے چاہئیں۔

❷ کوئی فرض عمل یعنی نماز، روزہ، حج، وغیرہ شروع کر دیا جائے تو آخر تک اس کی حدود و قیود کا خیال کر کے اس عمل کو پورا کرنا چاہیے۔ درمیان میں چھوڑ دینے سے تھوڑے عمل کا ثواب بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ اعمال خاتمہ تک ٹھیک ہونے چاہییں۔ آخری لمحات تک نیک کام کی خواہش رکھنی چاہیے۔

| |
|---|
| لغات: خَوَاتِیْم: جمع، خاتمہ کی بمعنی انجام، نتیجہ، خَتَمَ (ض) خَتْمًا، ختم کرنا، مہر لگانا۔ قَالَ تَعَالٰی خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ |

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مَا کافہ عَنِ العمل، الاعمال مبتدا، با جارہ، الْخَوَاتِیْمِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق معبرۃ محذوف کے، معبرۃ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل (ہی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۱۹۔ قبر جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ.

+++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّمَا الْقَبْرُ | رَوْضَةٌ | مِنْ رِیَاضِ |
| قبر صرف | ایک باغیچہ ہے | باغوں میں سے |
| الْجَنَّةِ | اَوْ حُفْرَةٌ | مِّنْ حُفَرِ |
| جنت کے | یا ایک گڑھا ہے | گڑھوں میں سے |
| النَّارِ | | |
| جہنم کے | | |

[ترمذی]

تشریح: اگر انسان دنیا میں نیک کام کرے گا تو اسے مرنے کے بعد قبر میں آرام رہے گا یعنی اس کے لیے قبر کشادہ ہو جائے گی اور وہاں اتنی راحت ملے گی، گویا وہ

جنت کا باغ ہے۔ جو انسان دنیا میں بُرے کام اور گناہ کرے گا تو مرنے کے بعد اس پر قبر تنگ ہو جائے گی اور وہاں اتنی تکلیفیں آئیں گی کہ، گویا قبر جہنم کا گڑھا ہے۔

لغات: اَلْقَبْرُ: جمع قُبُوْرٌ آتی ہے، جس جگہ آدمی کو دفن کیا جائے، قَبَرَ (ن. ض) قَبْرًا. قَالَ تَعَالٰی حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرُ. رَوْضَةٌ: بمعنی باغ جمع رَوْضٌ، رِیَاضٌ، رَوْضَاتٌ آتی ہے۔ حُفْرَةٌ: بمعنی گڑھا جمع حُفَرَ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ما کافه عن العمل، القبر مبتدا، روضته موصوف، مِنْ جار، ریاض مضاف، الجَنَّة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کائنة محذوف کے، کائنَةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ، او حرف عاطفہ، حفرةٌ موصوف، مِنْ جار، حفر مضاف، النّار مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کائنةٌ کے، کائنةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

# الجُملةُ الفعلية

## جملہ فعلیہ

ملاحظہ: یہاں سے وہ احادیثِ طیبہ شروع ہیں جن کے شروع میں فعل ہے۔ ترکیب مکمل ہوکر یہ احادیث جملہ فعلیہ ہوں گی۔
اسی سلسلہ میں آگے فعل مجہول سے شروع ہونے والی احادیث بھی آئیں گی۔ان جملوں میں فاعل مرفوع اور مفعول منصوب ہوگا۔
فائدہ: فعل کی دو قسمیں ہیں۔ا۔فعل معروف اور فعل مجہول، فعل معروف کے بعد جو اسم مرفوع ہوتا ہے اس کو فاعل کہتے ہیں جیسے: کَتَبَ سَعِيْدٌ
اور فعل مجہول کے بعد جو اسم مرفوع ہوتا ہو تو اس کو مفعول مالم یُسَمّٰی فاعلہ یا نائب فاعل کہتے ہیں جیسے: ضُرِبَ سَعِيْدٌ۔

## ۱۱۹۔ فقر وفاقہ کفر تک لے جا سکتا ہے

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| كَادَ | الْفَقْرُ | اَنْ |
| قریب ہے | تنگدستی | یہ کہ |
| يَّكُوْنَ | كُفْرًا | |
| ہو جائے | کفر | [بیہقی] |

تشریح: اس ارشاد گرامی سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں رزق حلال کی کوشش کرنی چاہیے اور اللہ سے یہ دعا بھی مانگنی چاہیے کہ اے اللہ! ''ہمیں تنگدستی یعنی مفلسی سے محفوظ رکھنا'' کیونکہ مفلسی کی وجہ سے ایمانی کمزوری کے بسبب انسان کفر اور بہت سے برے کام کرتا ہے۔اسی لیے مال کا ہونا بھی ایمان کے لیے تقویت کا ذریعہ ہے۔بشرطیکہ دل میں اس کی محبت نہ آئے۔

لغات: كَادَ: یہ افعال مقاربہ میں سے ہے یہ مثل کان فعل ناقص کے عمل کرتے ہیں مگر اس کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى وَمَا كَادُوْ يَفْعَلُوْنَ. اَلْفَقْرُ: محتاجی، مفلسی، فَقُرَ (ك) فَقَارَةً، محتاج ہونا، اس کی جمع فُقَرَاءُ آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ۔

ترکیب: كَادَ فعل از افعال مقاربہ، اَلْفَقْرُ كَادَ کا اسم، اَنْ ناصبہ مصدریہ، یکون فعل ناقص، ھو ضمیر مستتر اس کا اسم، کفرًا خبر، يَكُوْنَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر خبر كَادَ کی، كَادَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۲۰۔ ہر انسان کا آخری اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| يُبْعَثُ | كُلُّ | عَبْدٍ |
| (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا | ہر | آدمی (اسی دین) |
| عَلٰى | مَامَاتَ | عَلَيْهِ |
| پر | کہ وہ مرا ہے | جس پر [مسلم] |

تشریح: اگر آدمی مسلمان ہے اور اس کا ایمان مضبوط ہے تو اسے ایمان کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اگر وہ کافر ہے اور اسے کفر کی حالت میں موت آئی ہے تو حالتِ کفر پر اٹھایا جائے گا۔ اس لیے ہر وقت اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ جب موت کا وقت آئے تو ہم ایمان پر ہوں اور آخرت ٹھیک ہو جائے۔

لغات: يُبْعَثُ، بَعَثَ (ف) بَعْثًا، دوبارہ زندہ کرنا، اسی سے قیامت کو يَوْمُ الْبُعْثِ کہتے ہیں۔ قَالَ تَعَالٰى يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

ترکیب: يُبْعَثُ فعل مضارع مجہول، كُلُّ مضاف، عَبْدٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، عَلٰى جار، ما موصولہ، مات فعل ماضی، هو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰى جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَاتَ کے، مَاتَ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر متعلق ہوئے يُبْعَثُ کے يُبْعَثُ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............***............ ))

# اَلْجُمْلَۃُ الْفِعْلِیَّۃ

## جملہ فعلیہ

ملاحظہ: احادیث کے مطالعہ سے آپ محسوس کریں گے کہ ان جملوں کے شروع میں فعل مجہول ہے اس لیے یہ جملہ فعلیہ ہیں۔ان میں فعل کے ساتھ نائب فاعل ظاہر ہوگا یا ضمیر جو نائب فاعل کا کام دے گی۔

## ۱۲۱۔ سنی سنائی بات نہ کی جائے

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| كَفٰى | بِالْمَرْءِ | كَذِبًا |
| کافی ہے | آدمی کے | جھوٹا ہونے کے لیے |
| اَنْ | يُّحَدِّثَ | بِكُلِّ |
| یہ کہ | بات کرے | ہر وہ |
| مَا | سَمِعَ | |
| جو | سنے | [مسلم] |

تشریح: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بلا سوچے سمجھے (بغیر تحقیق) ہر بات کو دوسروں کے سامنے بیان کردے، یہ بری بات ہے۔ دوسروں سے بات کرنے میں احتیاط لازم ہے کسی نے بے تحقیق بات کی اور جھوٹی ثابت ہوئی تو بات کرنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔

لغات: بِالْمَرْءِ: بمعنی آدمی ضد امْرَاَةٌ آتی ہے بمعنی عورت۔
صیغے: كَفٰى : (واحد مذکر، ماضی) يُحَدِّثُ (واحد مذکر، مضارع)

ترکیب: كَفٰى فعل ماضی معروف، با زائدہ جار، اَلْمَرْءِ ممیز، كَذِبًا تمیز، ممیز تمیز مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَنْ ناصبہ مصدریہ، يُحَدِّثُ فعل مضارع معروف، ھو ضمیر مستتر فاعل، با جار، كُلُّ مضاف، ما موصولہ، سمع فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا، كُلُّ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل يُحَدِّث کے، يُحَدِّثُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر فاعل ہوا، كَفٰى اپنے فاعل اور

متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۲۲۔حقوق العباد کی اہمیت

يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| يُغْفَرُ | لِلشَّهِيْدِ | كُلُّ شَيْءٍ |
| بخش دیے جائیں گے | شہید کے | سب کچھ (گناہ) |
| اِلَّا | الدَّيْنَ | |
| مگر | قرض | [مسلم] |

تشریح: جب آدمی شہید ہوتا ہے تو اللہ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔سوائے قرض کے (کیونکہ قرض حقوق العباد میں سے ہے) اور یہ اس وقت تک معاف نہیں ہوسکتا جب تک اسے ادا نہ کیا جائے یا قرض خواہ اسے معاف نہ کردے یا مرنے والے کے رشتے دار قرض خواہ کا قرض ادا نہ کردیں۔

لغات: اَلدَّيْنَ: بمعنی قرض جمع دُيُوْنٌ، اَدْيُنٌ آتی ہے، دَانَ (ض) دَيْنًا قرض دینا، قرض دینے والے کو دَائِنٌ اور جس کو دیا جائے اس کو مَدْيُوْنٌ کہتے ہیں۔قَالَ تَعَالٰى يُوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٌ۔

ترکیب: يُغْفَرُ فعل مضارع مجہول، ل جار، اَلشَّهِيْدِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، كُلُّ مضاف، شَيْءٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مستثنیٰ منہ، اِلَّا حرف استثناء، اَلدَّيْنَ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

## ۱۲۳۔ مال کا غلام، اللہ کی رحمت سے دُور

لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| لُعِنَ | عَبْدُ الدِّيْنَارِ |
| رحمت سے دور ہے | دینار کا بندہ |
| وَلُعِنَ | عَبْدُ الدِّرْهَمِ |
| اور رحمت سے دور ہے | درہم کا بندہ [ترمذی] |

تشریح: مال کی غلامی کا یہ مطلب ہے کہ اسے حاصل کرنے اور خرچ کرنے میں احکامِ الٰہی کی پرواہ نہ کی جائے، اسی لیے صاحب مال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہیں حالانکہ اللہ ہی مال کی کشادگی اور تنگی کے مختار ہیں۔ عبد کے معنی ہی غلام کے ہیں مال کمانے میں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانے گا اور اس کی پیروی کرے گا وہ اللہ کا بندہ اور غلام ہے اور جو اپنے مال ودولت کے پیچھے اللہ کے حکم توڑے گا وہ اس مال کا غلام بن جائے گا۔ اس طرح مال ودولت اسے لعنت کا مستحق بنا دے گا۔

**لغات:** لُعِنَ بلعن (ف) لَعْنًا، لعنت کرنا، خیر سے دور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. اَلدِّيْنَارِ: سونے کا سکہ، جمع دنانیر آتی ہے۔ اَلدِّرْهَمِ: چاندی کا سکہ جمع دراہم آتی ہے۔

**ترکیب:** لُعِنَ فعل ماضی مجہول، عَبْدُ مضاف، الدِّيْنَار مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لُعِنَ فعل ماضی مجہول، عَبْدُ مضاف، اَلدِّرْهَمِ مضاف الیہ، دونوں مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

معطوف ،معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۱۲۴۔ جنت اور دوزخ کے پردے کیا ہیں

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| حُجِبَتِ | النَّارُ | بِالشَّهَوَاتِ |
| چھپائی گئی ہے | جہنم | خواہشات کے ساتھ |
| وَحُجِبَتِ | الْجَنَّةُ | بِالْمَكَارِهِ |
| اور چھپائی گئی ہے | جنت | مشقتوں کے ساتھ |

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: احکام الٰہی کے خلاف دل کی بات ماننے میں جہنم پوشیدہ ہے یعنی انسان کا دل جو کہے وہی کام کرے تو اس سے جہنم کے پردے اٹھ جائیں گے اور اگر ہم صرف دل کی ہی بات نہ مانیں بلکہ اللہ کے حکم کو مانیں اور اللہ کے حکم کو پورا کرنے میں جو مشقت برداشت کریں گے تو ان مشقتوں کے پردے میں جنت چھپی ہوئی ہے۔

لغات: حُجِبَتْ حجبه(ن) حُجْبًا، وَحِجَابًا، چھپانا، حائل ہونا، اسی سے حَاجِبٌ ہے بمعنی دربان، اس کی جمع حَوَاجِبُ اور حَوَاجِيْبُ آتی ہے، اَلشَّهَوَاتِ شَهْوَةٌ کی جمع ہے، بمعنی خواہش شَهَا(ن.س) شَهْوَةً خواہش کرنا، رغبتِ شدید کرنا۔ قَالَ تعالٰی وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ. اَلْمَكَارِهِ: یہ جمع ہے اَلْمُكْرَه کی، مُكْرَهٌ ناپسندیدہ، كَرِهَ (س) كُرْهًا، كَرَاهَةً ناپسند کرنا۔ قَالَ تعالٰی طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔

ترکیب: حُجِبَتْ فعل ماضی مجہول، اَلنَّارُ نائب فاعل، با جار، اَلشَّهَوَاتِ مجرور، دونوں مل کر متعلق فعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ

خبر یہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، حُجِبَتْ فعل مجہول، اَلْجَنَّۃَ نائب فاعل، با جار، اَلْمَکَارِہِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل مجہول، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف۔ (الخ)

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۲۵۔ دو چیزیں دن بدن جوان ہوتی ہیں

یَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشُبُّ مِنْهُ اِثْنَانِ اَلْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| يَهْرَمُ | ابْنُ آدَمَ | وَيَشُبُّ |
| بوڑھا ہوتا ہے | آدم کا بیٹا | اور جوان ہوتی ہیں |
| مِنْهُ | اِثْنَانِ | اَلْحِرْصُ |
| اس کی | دو چیزیں | حرص |
| عَلَى الْمَالِ | وَالْحِرْصُ | عَلَى الْعُمْرِ |
| مال پر | اور حرص | عمر پر |

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: جیسے آدمی کی عمر بڑھتی ہے اس کی حرص اور آرزو بھی بڑھتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ابن آدم کو اگر دولت سے بھرا ہوا جنگل بھی مل جائے تو یہ چاہے گا اور ہو۔" اسی طرح انسان چاہتا ہے لمبی عمر ہو تاکہ اپنی نفسانی خواہشات پوری کر لے یہ خلا صرف قبر کی مٹی سے ہی پر ہوگا۔ حرص ناشکری اور بے صبری کا نتیجہ ہے اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

لغات: يَهْرَمُ هَرِمَ (س) هَرْمًا، هرما، کمزور ہونا، بہت بوڑھا ہونا۔ يَشُبُّ شَبَّ (ض) شَبَابًا، جوان ہونا، شَابٌ جوان اس کی جمع شُبَّان آتی ہے۔

ترکیب: یَھْرَمُ فعل مضارع معروف، ابن مضاف، آدم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، یَشُبُّ فعل مضارع معروف، مِنْ جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، اثنان مبدل منہ، اَلْحِرْصُ مصدر ذوالحال، عَلٰی جار، الْمَالِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کائناً محذوف، کائناً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَلْحِرْصُ عَلَی الْعمر بترکیب سابق معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل، فعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف۔ (الخ)

((............❁❁❁............))

## ۱۲۶۔ فقہاء طلب کے بغیر علم نہ سکھائیں!

نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِیْہُ فِی الدِّیْنِ اِنْ اُحْتِیْجَ اِلَیْہِ نَفَعَ وَ اِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْہُ اَغْنٰی نَفْسَہٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| نِعْمَ | الرَّجُلُ | الْفَقِیْہُ |
| بہت اچھا ہے | وہ آدمی | جو سمجھ رکھنے والا ہو |
| فِی الدِّیْنِ | اِنْ | اُحْتِیْجَ |
| دین میں | اگر کوئی | (سائل) ضرورت لے جائے |
| اِلَیْہِ | نَفَعَ | وَ |
| اس کی طرف | تو وہ فائدہ دے | اور |
| اِنِ اسْتُغْنِیَ | عَنْہُ | اَغْنٰی |
| اگر لاپروائی کی جائے | اس کی طرف | تو بے پرواہ رکھے |
| نَفْسَہٗ | | |

اپنے آپ کو [رواہ رذین]

تشریح: اس حدیث میں مسئلہ پوچھنے کے دو آداب بتائے گئے ہیں۔

ا۔ اگر کوئی شخص اہلِ علم سے کسی مسئلے کا حل دریافت کرے تو اسے واضح طور پر بیان کرنا چاہیے۔

۲۔ اگر کوئی مسئلے کا حل نہ چاہے تو اہل علم کو بھی خاموش رہنا چاہیے۔ بلا طلب کسی کو کچھ نہ بتائے۔ (البتہ طلب پیدا کرنے کے لیے تبلیغ کرسکتا ہے کیونکہ تعلیم اور تبلیغ کے آداب مختلف ہیں۔)

لغات: اَلْفَقِیْهُ: بہت سمجھ دار اس کی جمع فُقَهَاءٌ اتی ہے۔ اُحْتِیْجَ محتاج ہونا، حَاجَ (ن) حَوْجًا، محتاج ہونا۔ اِسْتَغْنٰی: بے نیاز ہونا، اکتفاء کرنا، غَنِیَ (س) غِنًى۔ اَغْنٰی: اَغْنَاءً (مالدار کر دینا)

## صرفی تحقیق

| | | |
|---|---|---|
| اُحْتِیْجَ: ماضی مجہول واحد مذکر غائب | باب افتعال | ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل |
| اِسْتَغْنٰی: ماضی معروف واحد مذکر غائب | باب استفعال | ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل |
| اَغْنٰی: ماضی معروف واحد مذکر غائب | باب افعال | ثلاثی مزید فیہ بے ہمزہ وصل |
| اَلْمُحْتَكِرُ: اسم فاعل واحد مذکر | باب افتعال | ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل |
| اَرْخَصَ: فعل ماضی واحد مذکر | باب افعال | ثلاثی مزید فیہ بے ہمزہ وصل |
| اَلْاَسْعَارَ: اسم مصدر واحد مذکر | باب فتح یفتح | ثلاثی مجرد |
| اَغْلَاهَا: ماضی معروف واحد مذکر غائب | باب افعال | ثلاثی مزید فیہ بے ہمزہ وصل |

---

ترکیب: نِعْمَ فعل مدح، الرَّجُلُ فاعل، اَلْفَقِیْهُ صفت مشبہ، ھو ضمیر مستتر فاعل، فی جار، الدِّیْنِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے صفت مشبہ کے، صفت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مخصوص بالمدح، فعل مدح اپنے فاعل اور مخصوص بالمدح

سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

اِنْ حرف شرط، احتیج فعل ماضی مجہول، ھو ضمیر مستتر فاعل الی جار ہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل مجہول اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، نفع فعل ماضی ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ معطوف علیہاو او عاطفہ ان شرطیہ، استغنی فعل ماضی مجہول ھو ضمیر غائب فاعل عن جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل مجہول اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اغنی فعل ماضی معروف ھو ضمیر مستتر فاعل، نفس مضاف، ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ معطوفہ، جملہ معطوفہ علیہا اور جملہ معطوفہ مل کر بیان ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۲۷۔صرف نیک عمل قبر میں ساتھ جائے گا

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهٗ وَاحِدٌ يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| يَتْبَعُ | الْمَيِّتَ | ثَلٰثَةٌ |
| پیچھے جاتی ہیں | مرنے والے کے | تین (چیزیں) |
| فَيَرْجِعُ | اِثْنَانِ | وَيَبْقٰى |
| پس لوٹ آتی ہیں | دو (چیزیں) | اور رہتا ہے |
| مَعَهٗ | وَاحِدٌ | يَتْبَعُهٗ |
| اس کے ساتھ | ایک | پیچھے جاتے ہیں |
| اَهْلُهٗ | وَمَالُهٗ | وَعَمَلُهٗ |

| | | |
|---|---|---|
| اس کے گھر والے | اور اس کا مال | اور اس کے کام |
| فَیَرْجِعُ | اَھْلُہٗ | وَمَالُہٗ |
| پس لوٹ آتے ہیں | اس کے گھر والے | اور اس کا مال |
| وَیَبْقٰی | عَمَلُہٗ | |
| اور باقی رہتے ہیں | اس کے کام | [بخاری ومسلم] |

تشریح: مرنے والے کے رشتے دار اور مال یہیں رہ جاتے ہیں صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ساتھ جاتے ہیں یا جو مال ہم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ وہ اجر کی شکل میں آگے جائے گا۔

لغات: یَتْبَعُ (س) تَبْعًا، ساتھ چلنا دوسرے معنی پیچھے چلنا، صفت تَبْعٌ جمع اتباع ہے۔ قَالَ تَعَالٰی صَدَقَۃٌ یَّتْبَعُھَا اَذًی۔

ترکیب: یَتْبَعُ فعل مضارع، اَلْمَیِّتُ مفعول بہ، ثَلٰثَۃٌ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، ف عاطفہ، یَرْجِعُ فعل، اِثْنَانِ فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ معطوف، واؤ عاطفہ، یَبْقٰی فعل مضارع، مَعَ مضاف، ہ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، وَاحِدٌ فاعل، فعل فاعل اور مفعول فیہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ ہوئے، جملہ معطوف علیہا اپنے دونوں معطوف جملوں سے مل کر مبیّن، یَتْبَعُ فعل مضارع، ہ ضمیر مفعول بہ، اَھْلُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ مَالُہٗ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول، واو عاطفہ، عملہ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر فاعل یَتْبَعُ کا، یَتْبَعُ اپنے مفعول اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، ف عاطفہ یَرْجِعُ فعل مضارع اَھْلُہٗ مضاف، مضاف علیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَالُہٗ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف الیہ معطوف مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ، واؤ عاطفہ یَبْقٰی فعل مضارع، عَمَلُہٗ مضاف،

مضاف الیہ ہ ضمیر، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ، جملہ معطوف علیہا اپنے دونوں معطوف جملوں سے مل کر پہلے جملے کا بیان ہوا۔ مبین بیان مل کر جملہ بیانیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۲۸۔ سب سے بڑی خیانت

كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| كَبُرَتْ | خِيَانَةً | اَنْ |
| بہت بڑی ہے | خیانت کے لحاظ سے | یہ بات کہ |
| تُحَدِّثَ | اَخَاكَ | حَدِيْثًا |
| بات کرے تو | اپنے بھائی سے | ایسی بات کہ |
| هُوَ | لَكَ | مُصَدِّقٌ |
| وہ | تجھے | سچا جاننے والا ہو |
| وَاَنْتَ | بِهٖ | كَاذِبٌ |
| اور تو | اس سے | جھوٹ بولنے والا ہو |

[رواہ ابوداؤد]

تشریح: خیانت کی بہت سی قسمیں ہیں مگر سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ کوئی اپنے مسلمان بھائی سے جھوٹی بات کرتا ہے حالانکہ وہ مسلمان اسے سچا سمجھتا ہے اور اس کی باتوں کو بے خطر قبول کر لیتا ہے۔

لغات: كَبُرَتْ: كَبُرَ (ك) كِبَرًا وَ كُبْرًا، مرتبہ میں بڑا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى كَبُرَ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ. خِيَانَةً: خَانَ (ن) خَوْنًا وَّخِيَانَةً، امانت میں خیانت کرنا۔

ترکیب: کَبُرَتْ فعل ماضی معروف، ضمیر ھی مستتر مبہم ممیز، خِیَانَۃً تمیز، ممیّز اور تمیز مل کر مفسر، اَنْ ناصبہ مصدریہ، تُحَدِّثَ فعل مضارع معروف، انت ضمیر مستتر فاعل، اَخَا مضاف، كَ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال، ھو مبتدا، لك جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہوا مُصَدِّقٌ کا، مُصَدِّقٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، اَنْتَ ضمیر منفصل مبتدا، بہ جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہوا کَاذِبٌ کا، کَاذِبٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ، جملہ معطوفہ اور معطوف علیہا مل کر حال، ذوالحال (اخاك ) اور حال مل کر مفعول اول، حَدِیْثًا مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر تفسیر، مفسر اور تفسیر مل کر فاعل، کَبُرَتْ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

## ۱۲۹۔ ذخیرہ اندوز بُرا ہے

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| بِئْسَ | الْعَبْدُ | الْمُحْتَكِرُ |
| برا ہے | ایسا بندہ جو | ذخیرہ جمع کرنے والا ہو |
| اِنْ | اَرْخَصَ | اللّٰهُ |
| اگر | کم کردے | اللہ |
| الْاَسْعَارَ | حَزِنَ | وَاِنْ |
| بھاؤ کو | تو وہ غمگین ہو | اور اگر |

| | | |
|---|---|---|
| اَغْلَاھَا | فَرِحَ | |
| بڑھادے | تو وہ خوش ہو | [بیھقی] |

تشریح: جو لوگ چند دن کے لیے مال جمع کرتے ہیں اس نیت سے کہ ہمیں اس سے نفع ہوگا یہ تجارت ہے جو جائز ہے لیکن ذخیرہ اندوزی کرلے اور اس مال کا بھاؤ بہت زیادہ ہونے کا انتظار کرے، پھر اگر بھاؤ کم ہو جائے اور نفع کم لگے وہ افسردہ ہو جائے اور اگر بھاؤ زیادہ ہو جائے تو وہ خوش ہو، یہ درست نہیں ہے۔

لغات: بِئْسَ: افعال ذم میں سے ہے۔قَالَ تَعَالٰی بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا. اَلْمُحْتَکِرُ باب افتعال سے ہے، مہنگا بیچنے کے لیے روکنے والا۔ارخص: بھاؤ سستا، رَخُصَ (ک) رُخُصًا سستا ہونا، اَلْاَسْعَارُ: جمع ہے سَعْرٌ کی بمعنی بھاؤ نرخ۔ اَغْلَاھَا. غَلَا غَلَاءً . السعرُ بھاؤ بڑھ جانا۔(صفت غالٍ)

ملاحظہ: اس حدیث کی صرفی تحقیق حدیث نمبر ۱۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترکیب: بِئْسَ فعل ذم، اَلْعَبْدُ فاعل، اَلْمُحْتَکِرُ مخصوص بالذم، فعل اپنے فاعل اور مخصوص بالذم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، اِنْ حرف شرط، اَرْخَصَ فعل ماضی، لفظ اَللّٰہ فاعل، اَلْاَسْعَارَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر شرط، حَزِنَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ معطوف علیہا، وان اغلاھا فرح بترکیب سابق جملہ فعلیہ شرطیہ معطوفہ ہوا، جملہ معطوفہ اور معطوف علیہا مل کر جملہ اولیٰ کا بیان ہوا۔

(( ............ ❁❁❁ ............ ))

## نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ وَهُوَ مَافِي اَوَّلِهٖ لَاالنَّافِيَةُ.

جملہ فعلیہ کی ایک اور قسم جس کے شروع میں لائے نافیہ ہے۔
ملاحظہ: آئندہ باب میں مذکورہ احادیث کے ابتداء میں لائے نافیہ ہے جو مضارع معروف پر اور کبھی مجہول پر داخل ہے۔ معنی میں نفی کا فائدہ دے گا، لفظوں میں کوئی عمل نہ کرے گا۔
فائدہ: لا کی چھ قسمیں ہیں: ❶ لا نافیہ ❷ لا نہیہ ❸ لا عاطفہ ❹ لا نفی جنس ❺ لا مشبہ بلیس ❻ لا زائدہ

## ۱۳۰۔چغل خور جنت میں نہ جائے گا

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ .

++++++++++

| لَا | يَدْخُلُ | الْجَنَّةَ | قَتَّاتٌ |
|---|---|---|---|
| نہیں | داخل ہوگا | جنت میں | چغل خور |

[بخاری ومسلم]

تشریح: وہ آدمی جنت میں نہیں جا سکتا جو کسی کی چغلیاں کرے یا ایک دوسرے کے درمیان بدگمانی ڈال کر انہیں لڑائے۔اس لیے ہمیں ایسی بات سے بچنا چاہیے کیونکہ ایک تو اس سے فساد ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اللہ ناراض ہوتے ہیں جس کی وجہ سے جنت سے محرومی ہو سکتی ہے۔

لغات:قَتَّاتٌ: چغل خور،قَتَّ(ن) قَتًّا،جھوٹ بولنا۔

ترکیب:نَوْعٌ موصوف، آخر صیغہ اسم تفضیل ، مِنْ جار،اَلْجُمْلَةُ موصوف، الفعلية صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے آخَرُ اسم تفضیل کے،آخَرُ صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر خبر ہوئی ،مبتدا محذوف ھٰذَا کی ،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

ترکیب:واؤ مستانفہ ھو مبتدا،ماموصولہ،فی جار، اوّل مضاف،ضمیر ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق يَكُوْنُ فعل ناقص محذوف کے اس میں ھو ضمیر اس کا اسم ،لاموصوف النافية صفت ،موصوف صفت مل کر خبر فعل ناقص اپنے اسم وخبر اور متعلق سے مل کر صلہ،موصول صلہ مل کر خبر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

ترکیب:لَا يَدْخُلُ فعل مضارع منفی معروف ،اَلْجَنَّةَ مفعول فیہ،قَتَّاتٌ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

## ۱۳۱۔قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہ جائے گا

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ.

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | يَدْخُلُ | الْجَنَّةَ | قَاطِعٌ |
| نہیں | داخل ہوگا | جنت میں | رشتوں کوتوڑنے والا |

[بخاری ومسلم]

تشریح: ارشادنبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا آدمی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جواپنے رشتے داروں سے قطع تعلق کرے۔صلہ رحمی سے دینی ودنیاوی فوائد وابستہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے احکامات سے ہیں لہٰذا قطع تعلقی ہرگز اچھی عادت نہیں ہے۔

لغات: قَاطِعٌ قطع (ف) قطعا، جدا کرنا، کاٹنا۔قَالَ تَعَالٰی فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا۔

ترکیب: پہلے جملہ کی طرح ہے۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۳۲۔مؤمن باربار دھوکہ نہیں کھاتا

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ.

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | يُلْدَغُ | الْمُؤْمِنُ | مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ |
| نہیں | ڈساجاتا | مومن | ایک سوراخ سے |
| مَرَّتَيْنِ | | | |
| دومرتبہ | | | |

[بخاری ومسلم]

تشریح: جب مومن آدمی کو کسی دوسرے آدمی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو صاحب ایمان اس سے محتاط ہو جاتا ہے اور وہ آدمی اسے دوبارہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔تو گویا مومن دھوکا نہیں دیتا اور نہ ہی دھوکے باز کے چکروں میں پھنستا ہے۔

لغات: یُلْدَغُ لَدَغَ (ف) لَدْغًا، ڈسنا۔ جُحْرٍ: سوراخ، بل جمع اَجْحَار، جُحْرَةٌ، جَحَرَ (ف) جُحْرا بمعنی سوراخ میں داخل ہونا۔

ترکیب: لَا یُلْدَغُ فعل مضارع مجہول، اَلْمُؤْمِنُ نائب فاعل، مِنْ حرف جار، جُحْرٍ موصوف، وَاحِدٍ صفت، موصوف صفت مل کر ممیز مَرَّتَیْنِ تمیز، ممیز تمیز مل کر مجرور ہوا من جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کا، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۱۳۳۔ پڑوسی کو مطمئن رکھیے

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | یَدْخُلُ | الْجَنَّةَ |
| نہیں | داخل ہوگا | جنت میں |
| مَنْ | لَّا یَأْمَنُ | جَارُهٗ |
| وہ جو کہ | نا محفوظ ہو | اس کا پڑوسی |
| بَوَائِقَهٗ | | |
| اس کی شرارتوں سے | | |

[رواہ مسلم]

تشریح: ایسا شخص جس سے اس کے پڑوسی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ وہ کسی بھی وقت ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے یعنی اسے ہر وقت اس شخص سے پریشانی لگتی ہو تو ایسا شخص جنت میں نہ جائے گا۔

لغات: جَارٌ: پڑوسی، پناہ دینے والا، جمع جِیْرَانٌ آتی ہے۔ بَوَائِقُهٗ مصیبت، شر فساد کا۔

ترکیب: لَا یَدْخُلُ فعل مضارع معروف، الجَنَّةَ مفعول فیہ، مَنْ موصولہ لَا

یَأْمَنُ فعل مضارع معروف، جار مضاف، ہ مضاف الیہ، دونوں مل کر فاعل، بَوَائِقَ مضاف، ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر فاعل ہوا لَا یَدْخُلُ کا، لَا یَدْخُلُ فعل اپنے مفعول فیہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۳۴۔ جنت میں جانا ہے تو حرام سے بچیے

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّیَ بِالْحَرَامِ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | یَدْخُلُ | الْجَنَّةَ | جَسَدٌ |
| نہیں | داخل ہوگا | جنت میں | ایسا جسم |
| غُذِّیَ | بِالْحَرَامِ | | |
| جو پرورش پایا گیا ہو | حرام (مال) سے | | [بیہقی] |

تشریح: اس حدیث میں ہمارے لیے رزقِ حلال کی اہمیت پائی گئی ہے کہ ہمیں رزقِ حلال ہی کے لیے محنت کرنی چاہیے اور حرام روزی سے بچنا چاہیے کیونکہ حرام روزی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

لغات: غُذِّیَ بَغَذَیٰ (ن) غُذُوًّا، خوراک دینا، جَسَدٌ: بدن انسانی، جمع اَجْسَادٌ۔

ترکیب: لَا یَدْخُلُ فعل مضارع، اَلْجَنَّةَ مفعول فیہ، جَسَدٌ موصوف، غُذِّیَ فعل مجہول، ھو ضمیر مستتر نائب فاعل، با جار، الحرام مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے مفعول فیہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۳۵۔ ہر خواہش سنتِ رسول ﷺ کے تابع ہو

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | يُؤْمِنُ | اَحَدُكُمْ |
| نہیں | مومن ہوسکتا | تم میں سے کوئی ایک بھی |
| حَتّٰى | يَكُوْنَ | هَوَاهُ |
| یہاں تک کہ | ہوجائے | اس کی خواہش |
| تَبْعًا | لِّمَا | جِئْتُ بِهٖ |
| پیچھے اس کے | جو | میں لے کر آیا ہوں میں |

[النووی فی اربعینه]

تشریح: اس حدیثِ پاک میں ایمان کے مکمل ہونے کی نشانی ہے کہ انسان کو آپ ﷺ کی سنت اتنی محبوب ہو جائے اس کی ہر خواہش سنتِ نبوی ﷺ کے تابع ہو اور جس چیز کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، دل چاہے، نہ چاہے، اس پر عمل کرنے کو ضروری سمجھے، اگر خلافِ سنت اعمال کی خواہش ہی دل سے نکل جائے تو یہ سب سے بڑی سعادت ہے۔

لغات: هَوًا: یہ مصدر ہے بمعنی خواہش اور عشق، خیر کا ہو یا شر کا۔

ترکیب: لَا يُؤْمِنُ فعل مضارع، اَحَدُكُمْ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، حَتّٰى جار، يَكُوْنَ فعل مضارع ناقص منصوب بتقدیر اَنْ، هَوَاهُ مضاف مضاف الیہ مل کر اسم۔ تَبْعًا صیغہ صفت، ل جار، ما موصولہ جِئْتُ فعل با فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا تَبْعًا کے، تَبْعًا صیغہ اسم صفت اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، یکون فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر (بوجہ ان مقدر) ہو کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے لَا

یُؤْمِنُ کے، لَا یُؤْمِنُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۳۶۔ کسی کو خوفزدہ نہ کیجیے!

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا ۔

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | یَحِلُّ | لِمُسْلِمٍ | اَنْ |
| نہیں ہے | حلال | کسی مسلمان کے لیے | یہ کہ |
| یُّرَوِّعَ | مُسْلِمًا | | |
| ڈرائے | کسی مسلمان کو | | [ابو داؤد] |

تشریح: محسنِ کائنات ﷺ کی اس حدیث پاک میں اپنے قول اور اپنے فعل یا ہتھیار وغیرہ سے کسی مسلمان کو خوف زدہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ایک مسلمان کو جب صرف ڈرانا منع ہے تو حقیقت میں تکلیف پہنچانا کس طرح جائز ہو گا؟ بعض لوگ جھوٹ بول کر (اپریل فول کی طرح) لوگوں کو خوف زدہ کرتے ہیں یہ حرام ہے۔

لغات: یُرَوِّعَ: ڈرانا، گھبرا دینا، رَاعَ (ن) رَوْعًا۔

ترکیب: لَا یَحِلُّ فعل مضارع منفی، ل جار، مُسْلِمٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، ان ناصبہ مصدریہ، یُرَوِّعَ فعل مضارع معروف، ھو ضمیر مستتر فاعل، مُسْلِمًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر فاعل ہوا لَا یَحِلُّ کا، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۳۷۔ کتا اور تصویریں گھر میں نہ رکھیے!

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَیْتًا فِیْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِیْرُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | تَدْخُلُ | الْمَلٰئِكَةُ |
| نہیں | جاتے ہیں | (رحمت کے) فرشتے |
| بَیْتًا | فِیْهِ | كَلْبٌ |
| ایسے گھر میں | کہ جس میں | کتا ہو |
| وَلَا | تَصَاوِیْرُ | |
| اور نہ (اس گھر میں کہ جس میں) | تصویریں ہوں | |

[بخاری ومسلم]

تشریح: نبی مکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق گھر میں ہمیں کتا اور تصویر رکھنے سے منع کیا گیا ہے، کتا، مال کی حفاظت کے لیے گھر سے باہر رکھنا جائز ہے اور تصاویر اشد ضروریات (شناختی کارڈ، پاسپورٹ) وغیرہ کے لئے جائز ہیں، بے ضرورت تصاویر بنانا اور بنوانا اور شوقیہ کتا رکھنا حرام ہیں۔

لغات: مَلٰئِكَةُ: جمع ہے مَلَكٌ بمعنی فرشتہ اس کی جمع اَمْلَاك، مَلَائِك بھی آتی ہے۔ كَلْبٌ: کتا جمع كِلَابٌ، اَكْلُبٌ آتی ہے۔ تَصَاوِیْرُ: جمع تصویر، بت، مجسمے صَوْرَةٌ تصویر بنانا، مُصَوِّرٌ تصویر بنانے والا۔

ترکیب: لَا تَدْخُلُ فعل مضارع معروف، الْمَلٰئِكَةُ فاعل، بَیْتًا موصوف، فی جار، ہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثبت فعل محذوف کے، كَلْبٌ معطوف علیہ، واو عاطفہ، لَا زائد برائے تاکید نفی، تَصَاوِیْرُ معطوف، معطوف الیہ معطوف مل کر فاعل ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۳۸۔محبت رسول ﷺ کا معیار

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | يُؤْمِنُ | اَحَدُكُمْ |
| نہیں | (کامل) مومن ہوسکتا | تم میں سے کوئی ایک |
| حَتّٰى | اَكُوْنَ | اَحَبَّ |
| یہاں تک کہ | ہوجاؤں میں | زیادہ پسندیدہ |
| اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ | وَوَلَدِهٖ | وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ |
| اس کو اس کے باپ سے | اور اس کی اولاد سے | اور تمام لوگوں سے |

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ نے ایمان کامل کا معیار بتایا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا طریقہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوجائے تب ایمان مکمل ہوتا ہے اور محبوبیت کا معیار یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت سنتِ رسول ﷺ نہ چھڑا سکے۔

لغات: لَا يُؤْمِنُ: یہاں پر مراد کامل ایمان ہے۔

ترکیب: لَا يُؤْمِنُ فعل مضارع معروف، اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، حَتّٰى جار، اَكُوْنَ فعل مضارع ناقص منصوب بتقدیر اَنْ، اَنَا ضمیر مستتر اس کا اسم، اَحَبَّ صیغہ اسم تفضیل، ھو ضمیر مستتر فاعل، الیہ جار مجرور مل کر متعلق اَحَبَّ، مِنْ جار، وَالِدِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، وَلَدِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوفِ اول، واؤ عاطفہ، اَلنَّاسِ مؤکد، اَجْمَعِيْنَ تاکید، مؤکد تاکید مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی ہوئے اَحَبَّ کے، اَحَبَّ صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل ھو ضمیر مستتر اور دونوں متعلقوں

سے مل کر خبر فعل ناقص اَكُوْنَ کی، اَكُوْنَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتقدیر اَنْ مصدر کی تاویل ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَا يُؤْمِنُ کے، لَا يُؤْمِنُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۳۹۔ کسی مسلمان سے تعلقات نہ توڑیے

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ.

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | يَحِلُّ | لِمُسْلِمٍ | اَنْ |
| نہیں ہے | حلال | کسی مسلمان کے لیے | یہ کہ |
| يَّهْجُرَ | اَخَاهُ | فَوْقَ ثَلٰثٍ | فَمَنْ |
| چھوڑے (بولنا) | اپنے (مسلمان) بھائی سے | تین دن سے اوپر | پس جو شخص |
| هَجَرَ | فَوْقَ ثَلٰثٍ | فَمَاتَ | دَخَلَ النَّارَ |
| چھوڑے (کسی مسلمان سے) | تین دن سے اوپر | پس جب وہ مرجائے | تو داخل ہوگا جہنم میں |

[رواه احمد وابوداؤد]

تشریح: اس حدیث پاک میں صرف اپنی خواہش نفس اور دنیاوی ضرورت سے ترک تعلقات سے منع کیا گیا ہے۔ کسی بھی مسلمان سے گفتگو چھوڑنا بغیر شرعی ضرورت کے جائز نہیں ہے۔ البتہ کہیں دین اسلام کی محبت کے معاملے میں کوئی ٹکرائے تو اہل علم سے دریافت کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں تعلقات برقرار رکھنا درست نہیں ہوتا۔

لغات: يَهْجُرُ هَجَرَ (ن) هَجْرًا قطع تعلق کرنا، چھوڑنا۔ اَخٌ: بمعنی بھائی۔

ترکیب: لَا يَحِلُّ فعل مضارع معروف، ل جار، مُسْلِمٍ مجرور، جار مجرور مل کر

متعلق فعل اَنْ ناصبہ مصدر یہ، یَھْجُرُ فعل مضارع ھو ضمیر مستتر فاعل، اخاہُ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فَوْقَ مضاف، ثَلٰثٍ مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر بتاویل مصدر فاعل ہوا لَا یَحِلُّ کا، لَا یَحِلُّ اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۴۰۔ بغیر اجازت کسی کی چیز استعمال نہ کی جائے

اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِیءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلَا | لَا | یَحِلُّ | مَالُ امْرِیءٍ |
| آگاہ رہو | نہیں ہے | حلال | کسی انسان کا مال |
| اِلَّا | بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ | | |
| مگر | اس کے دل کی خوشی کے ساتھ | | [بیھقی] |

تشریح: یہ شرعی ضابطہ ہے کہ ہر انسان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم کسی کی چیز بغیر پوچھے استعمال تو نہیں کررہے؟ جب صرف استعمال بغیر اجازت نہیں کر سکتے تو کسی کا مال یا استعمال کی چیز بغیر اجازت لینا کب جائز ہوگا۔

لغات: اِمْرِیءٍ: بغیر تاء تانیث کے بمعنی مرد اور تاء تانیث کے ساتھ بمعنی عورت۔ طِیْبِ: طاب (ن) طیبا بمعنی خوش گوار ہونا۔ طیب اس مال کو بھی کہتے ہیں جو بہترین ہو۔

ترکیب: اَلَا حرف تنبیہ، لَا یَحِلُّ فعل مضارع، مَالُ مضاف، اَمْرِیءٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، اِلَّا حرف استثناء لغو، ب جار، طِیْبِ مصدر مضاف، نَفْسٍ مضاف الیہ، مِنْ جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق مصدر، مصدر اپنے متعلق اور مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

## ۱۴۱۔ بد بخت سے نرمی چھن جاتی ہے

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | تُنْزَعُ | الرَّحْمَةُ |
| نہیں | چھینی جاتی | رحمت |
| اِلَّا | مِنْ شَقِيٍّ | |
| مگر | بد بخت کے (دل) سے | (احمد ترمذی) |

تشریح: اس ارشاد مبارک سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور ہمیں چاہیے کہ ہر ایک سے درگزر کا معاملہ کریں کیونکہ جو اللہ کی مخلوق پر رحم کرے گا اللہ اس پر رحم کرے گا۔

لغات: تُنْزَعُ ، نَزَعَ(ض) نَزْعًا ۔نکالنا، اکھڑنا۔ شَقِيٍّ ، شقی(س) شقا و شقاء و شقاوۃ، بد بخت ہونا۔

ترکیب: لَا تُنْزَعُ فعل مضارع مجہول، الرَّحْمَة نائب فاعل، اِلَّا حرف استثناء لغو، مِنْ جار، شَقِيٍّ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۴۲۔ جہاں کتا اور گھنٹی ہو وہاں فرشتے نہیں جاتے

لَا تَصْحَبُ الْمَلٰئِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | تَصْحَبُ | الْمَلٰئِكَةُ | رُفْقَةً |
| نہیں | ساتھ رہتے | فرشتے | ایسی جماعت کے |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| فِیْهَا | كَلْبٌ | وَلَا | | جَرَسٌ |
| جس میں | کتا ہو | اور نہ (اس میں جس میں) | | گھنٹی ہو |

[رواہ مسلم]

تشریح: اس حدیث میں گھنٹی اور کتے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ گھنٹی سے مراد گانے کے آلات بھی ہیں۔ ہمیں ان سے بچنا چاہیے کیونکہ ایسے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ کسی محفل میں یہ چیزیں ہوں اور ہم روک نہ سکیں تو وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ تا کہ شمولیت کے گناہ سے بچت ہو جائے۔

لغات: تَصْحَبُ صحب (س) صحبته ساتھی ہونا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔ رُفْقَةٌ: جمع رفاق، ارفاق، رفق آتی ہے، معنی ساتھیوں کی جماعت، قافلہ۔

ترکیب: لَا تَصْحَبُ فعل مضارع، المَلٰئِكَةُ فاعل، رُفْقَةٌ موصوف، فِی جار هَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل محذوف ثبت کے، كَلْبٌ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ لا زائد برائے تاکید، جَرَسٌ معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر فاعل، ثبت فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موموصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

# صِيَغُ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ
## (امر اور نہی کے صیغے)

ملاحظہ: ان احادیث کا بیان شروع ہے جن کا پہلا صیغہ امر کا ہے یا نہی کا۔ ان صیغوں میں فاعل کی ضمیر ساتھ لگی ہوگی یا اس صیغے میں پوشیدہ ہوگی اس ترکیب میں انہیں فعل با فاعل کہیں گے اور مفعول کو ساتھ ملا کر جملہ فعلیہ انشائیہ مکمل ہو جائے گا۔

فائدہ①: فعل امر اور نہی مجزوم ہوتے ہیں اور جزم کا آنا تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ ❶ جزم بالسکون جیسے: لَا تَضْرِبْ ❷ جزم محذوف حرف علت جیسے لَا تَرْمِ یہ اصل میں تَرْمِیْ ہے لانہیہ کے داخل ہونے سے یا حرف علت کو حذف کر دیا۔ ❸ جزم باسقاط نون اعرابی جیسے لَا تَضْرِبَا۔

فائدہ②: دو صیغوں (ماضی اور مضارع اور ملحقات مضارع میں) ضمیر مستتر جائز الاستتار ہوتی ہے۔ ❶ واحد مذکر غائب۔ ❷ واحدہ مؤنثہ غائبہ یعنی کبھی ان دو صیغوں کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر مستتر ہوگی جیسے زَيْدٌ يَضْرِبُ. هِنْدٌ تَضْرِبُ کبھی ان کا فاعل اسم ظاہر ہوگا اس وقت ان میں ضمیر مستتر نہیں مانی جائے گی جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ. ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔

## ۱۴۳۔ میرا پیغام پہنچادو جہاں تک ہو سکے

بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَوْ اٰیَةً ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| بَلِّغُوْا | عَنِّی | وَلَوْ |
| پہنچاؤ | میری طرف سے | اگرچہ |
| اٰیَةً | | |

ایک آیت ہی ہو [بخاری]

**تشریح:** اس پیغامِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود خاص نصیحت کے مطابق ہمیں چاہیے کہ ہم جو دین کی بات سنیں اسے فوراً آگے پہنچانے کی فکر کریں یہ نہ سوچیں کہ ہم ایک ہی بات جانتے ہیں ہوسکتا ہے سننے والوں میں سے کوئی کسی ایک بات پر عمل کرے اور ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

لغات: بَلِّغُوْا بلغة، تبلیغا، بمعنی تبلیغ کرنا، بَلَغَ (ن) بلوغا بمعنی پہنچنا۔ قَالَ تَعَالٰی یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ. آیَةً : بمعنی علامت، من الکتاب آیت۔

**ترکیب:** بَلِّغُوْا فعل امر حاضر، ضمیر بارز اس کا فاعل، عَنْ جار ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، واؤ مبالغہ، لَوْ شرطیہ وصلیہ، آیَةً خبر، فعل محذوف کانت کی، کانت فعل ناقص ھی ضمیر مستتر اس کا اسم، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرط، اس کی جزا ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے یعنی ولو کانت آیَةً فَبَلِّغُوْا عَنِّی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۴۴۔ ہر شخص کے مقام ومرتبے کا لحاظ رکھا جائے

اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اَنْزِلُوْا | النَّاسَ | مَنَازِلَهُمْ |
| اتارو | لوگوں کو | ان کے مرتبے پر [ابوداؤد] |

تشریح: ہدایت دی جارہی ہے کہ ہر ایک سے ویسا ہی سلوک کرو جیسا اس کا مرتبہ ہو۔ جو شخص اپنی قوم میں بڑا اور عہدہ دار ہو اسے اسی طرح عزت دینی چاہیے۔

لغات: اَنْزِلُوْا اَنْزَلَ (افعال) اِنْزَالًا بمعنی اتارنا، اَنْزَلَ الضَّیْفَ، مہمان کا اتارنا، نَزَلَ (ض) نُزُوْلًا، اترنا، مَنَازِلَهُمْ: جمع منزل اترنے کی جگہ، مکان۔

ترکیب: اَنْزِلُوْا فعل امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلنَّاسُ مفعول بہ، مَنَازِلَ مضاف، هُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۴۵۔ جائز سفارش پر اجر ملتا ہے

اِشْفَعُوْا فَلْتُوْجَرُوْا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِشْفَعُوْا | فَلْتُوْجَرُوْا | |
| سفارش کرو | تاکہ تم بدلہ دیے جاؤ | [بخاری ومسلم] |

تشریح: سفارش کرنا اگر جائز ہو تو اس پر ثواب کی امید بھی کرنی چاہیے کہ ہمیں قیامت کے دن اللہ سے بہت ثواب ملے گا۔ برے اور ناجائز کام میں سفارش اس کام کے گناہ میں شریک ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لغات: اِشْفَعُوْا: شَفَعَ (ف) شَفَاعَةً لِفُعَلانٍ فِيْهِ اِلٰى زَيْدٍ ۔سفارش کرنا، فَلْتُؤْجَرُوْا: اَجَرَ (ن.ض) عَلٰى كَذَا ،بدلہ دینا، مزدوری دینا۔

ترکیب: اِشْفَعُوا فعل امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر امر ف جوابیہ، لِتُوْجَرُوا امر مجہول ضمیر بارز نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب امر، امر اپنے جواب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۴۶۔استقامت ایمان کے لیے ضروری ہے

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| قُلْ | اٰمَنْتُ | بِاللّٰهِ |
| کہہ دے | میں ایمان لایا | اللہ پر |
| ثُمَّ | اسْتَقِمْ | |
| پھر | اس پر جما رہ! | [مسلم] |

تشریح: ہمارے نبی علیہ السلام کی نصیحت ہے کہ جب اللہ پر ایمان لے آؤ تو اللہ کے احکامات کو بھی پورا کرو، اوران کا انکار مت کرو۔کوئی مشکل آ جائے تو ثابت قدم رہو۔ رسوم ورواج تمہیں ڈگمگا نہ دیں۔

لغات: اِسْتَقِمْ: بمعنی سیدھا ہونا، درست ہونا۔قَالَ تَعَالٰى ،اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔

ترکیب: قُلْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، آمَنْتُ فعل، ضمیر بارز فاعل، با جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولہ، قل اپنے فاعل اور مقولہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہا، ثُمَّ عاطفہ، اسْتَقِمْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

## ۱۴۷۔شفاف زندگی سیکھو!

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَایُرِیْبُکَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| دَعْ | مَا | یُرِیْبُکَ |
| چھوڑ دے | جو | تجھے شک میں ڈالے |
| اِلٰی | مَا | لَایُرِیْبُکَ |
| اس کی طرف | جو | تجھے شک میں نہ ڈالے |

[احمد وترمذی]

تشریح: جس میں ذرہ برابر ناجائز ہونے کا شک بھی ہو وہ کام نہ کرو اور وہ کام کرو جس کے جواز میں کوئی شک نہ ہو۔مثلاً حقوق العباد کو لیجئے اور جس چیز کے متعلق دل میں کھٹکا ہو کہ یہ ہماری ہے یا کسی اور کی، اسے چھوڑ یئے، لہٰذا ہمیں مشکوک چیز کو چھوڑ کر مضبوط چیز (جس سے دل میں کھٹکا نہ لگے) اپنانا چاہیے۔اسی طرح حقوق اللہ (عبادات) میں جس کام کے شرعی الثبوت ہونے میں شک ہو چھوڑ دیجئے اور جو یقینی ہو اسے اختیار کر لیجئے۔

لغات:دَعْ یَدَعُ(ف) وَدْعًا ،چھوڑنا۔یُرِیْبُکَ :شک میں ڈالنا،تہمت لگانا۔

ترکیب:دَعْ امر حاضر،انت ضمیر مستتر فاعل، ما موصولہ،یُرِیْبُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل،ك ضمیر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ،موصول صلہ مل کر مفعول بہ،الی جار،ما موصول،لَا یُرِیْبُ فعل مضارع،ھو ضمیر مستتر فاعل،ك ضمیر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ،موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا دَعْ فعل کے،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

## ۱۴۸۔ہم جہاں بھی ہیں ہمیں اللہ دیکھ رہا ہے

اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ .

++++++++++

| حَيْثُ مَا كُنْتَ | اللّٰهَ | اِتَّقِ |
|---|---|---|
| تو جہاں کہیں ہو | اللہ سے | ڈر تو |

[ترمذی]

تشریح: ارشاد نبوی ﷺ میں ہمارے لیے ہدایت ہے کہ ہم جہاں بھی ہوں ہمیں ہر وقت اللہ سے ڈرنا چاہیے اور ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ مجھے میرا اللہ دیکھ رہا ہے، کہیں میں ایسا کام تو نہیں کر رہا جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔

لغات: ان الفاظ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

ترکیب: اِتَّقِ امر حاضر، انت ضمیر فاعل، اللہ مفعول بہ، حَيْثُ مضاف، ما موصولہ، كُنْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا، حَيْثُ مضاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۴۹۔نیکی برائی کے اثر کو زائل کر دیتی ہے

وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا .

++++++++++

| الْحَسَنَةَ | السَّيِّئَةَ | وَاتَّبِعِ |
|---|---|---|
| نیکی کو | برائی کے | اور پیچھے لا |

تَمْحُهَا

وہ اسے (برائی کے اثر کو) مٹا دے گی

[ترمذی وغیرہ]

تشریح: امام الانبیاء علیہ السلام کے اس ارشاد کا خاص پیغام یہ ہے کہ جب ہم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے دل پر دھبہ لگ جاتا ہے، توبہ کے بعد اگر کوئی صدقہ خیرات یا کوئی اچھا کام کریں تو اس سے دل کا دھبہ دور ہو جاتا ہے اور اس گناہ یا بُرے کام کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

| |
|---|
| لغات: تَمْحُهَا مَحَا (ن) مَحْوًا اَلشَّيْءَ مٹانا۔ |

ترکیب: واؤ استینافیہ، اِتَّبِعِ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، اَلسَّيِّئَةَ مفعول اول، الحَسَنَةَ موصوف (الف لام عہد ذہنی حکماً نکرہ)، تمح فعل مضارع، ھی ضمیر مستتر فاعل، ھا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول ثانی فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۵۰۔ اچھے اخلاق کا اہتمام

وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَخَالِقِ | النَّاسَ | بِخُلُقٍ حَسَنٍ |
| اور پیش آؤ | لوگوں سے | اچھے اخلاق کے ساتھ |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیثِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہمیں لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے اور اسے نیکی سمجھنا چاہیے اور حقوق العباد کی ادائیگی کے احکامات ہی اصل اخلاق ہیں۔

| |
|---|
| لغات: خَالِقِ: (ن) پیدا کرنا، مُخَالَقَةٌ: خوش خوئی کے ساتھ زندگی گزارنا۔ |

ترکیب: واؤ استینافیہ، خَالِقِ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، النَّاسَ مفعول بہ، ب جار، خُلُقٍ موصوف، حَسَنٍ صفت، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۵۱۔دوستی ایمان کی ترقی کے لیے ہو

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | تُصَاحِبْ | اِلَّا | مُؤْمِنًا |
| نہ | ساتھی بنا | مگر | ایمان والے کو |

[ترمذی]

تشریح: ارشاد مبارک میں تعلقات اور محبت کا معیار بتایا گیا ہے کہ: ہمیں ایسے دوست بنانے چاہئیں جن کا ایمان مضبوط ہو کیونکہ کامل الایمان کا ساتھی بننے سے ہمارا ایمان بھی مضبوط ہوگا اور اگر ہم کسی ایسے شخص کو (جس کا ایمان مضبوط نہیں ہے) اپنا دوست بنالیں گے تو ہمارا ایمان بھی ناقص ہو جائے گا۔البتہ دعوت دینے کی نیت سے یہ دوستی فائدہ مند ہوسکتی ہے، اس میں ایمانی ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔لیکن علم نہ ہو تو بحث سے بچیں۔

لغات: تُصَاحِبْ بَصَاحَبَ، مُصَاحَبَةً، صَحِبَ(س) صُحْبَةً ،دوستی کرنا، ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

ترکیب: لَا تُصَاحِبْ نہی حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، اِلَّا حرف استثناء لغو، مُؤْمِنًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۵۲۔ نیک لوگوں کو کھانا کھلانے میں بہت بڑا اجر ہے

وَلَا یَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَلَا | یَأْكُلْ | طَعَامَكَ |
| اور نہ | کھائے | تمہارے کھانے کو |
| اِلَّا | تَقِیٌّ | |
| مگر | پرہیزگار | [ترمذی وغیرہ] |

تشریح: سبق ملتا ہے کہ اگر کھلانا چاہیں تو ہمیں نیک اور نمازی، پرہیزگار لوگوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ تاکہ ان کی نیکیوں کے ثواب میں ہم بھی شریک ہو جائیں۔

لغات: تَقِیٌّ: پرہیزگار، مُتَّقِی، جمع اَتْقِیَاء آتی ہے۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لَا یَأْكُلْ نہی غائب، طَعَامَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، اِلَّا حرف استثناء لغو، تَقِیٌّ فاعل، فعل اپنے مفعول بہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۵۳۔ امانتیں باحفاظت واپس کر دیجئے!

اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَكَ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَدِّ | الْاَمَانَةَ | اِلٰی | مَنِ ائْتَمَنَكَ |
| ادا کر | امانت | اسے | جس نے تیرے پاس امانت رکھی |

[ترمذی]

تشریح: ارشاد عالی میں ایک صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ (جس نے تمہارے پاس اپنی کوئی چیز امانت رکھوائی) اسے میلی نظر سے مت دیکھو۔

بلکہ اس کی صحیح حفاظت کرو اور اسے ایسے ہی جس طرح اس نے تیرے پاس اپنی چیز رکھوائی تو اس کو اس کی پوری چیز دو، یعنی امانت میں خیانت نہ کرو۔

لغات: اَدِّ اَدّٰی، تَادِیَةً، اَلشَّیْءَ ادا کرنا، پہنچانا، اِئْتَمَنَكَ، اَمَّنَ، اِئْتَمَنَ فُلَانًا عَلٰی کَذَا۔ کسی کو کسی چیز کا امین بنانا۔

ترکیب: اَدِّ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، اَلْاَمَانَةَ مفعول بہ، اِلٰی جار، مَنْ موصول، ائتَمَنَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، كَ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا۔

(( ............ ............ ))

## ۱۵۴۔ کوئی تجھ سے خیانت کرے اس سے بھی خیانت نہ کر

## وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَلَا | تَخُنْ | مَنْ | خَانَكَ |
| اور نہ | خیانت کر | جو | تجھ سے خیانت کرے |

[ترمذی]

**تشریح، پیغامِ حدیث:** اگر کوئی تمہارے ساتھ برا سلوک کرے، تو اس سے اچھا سلوک کرو تاکہ وہ تجھ سے رہنمائی حاصل کرے اور اچھا ہو جائے۔ اگر تم اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا تو اس میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

لغات: تَخُنْ بَخَانَهُ (ن) خِيَانَةً امانت میں خیانت کرنا۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لَا تَخُنْ نہی حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، مَنْ موصول،

خَانَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، کَ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل (لَاتَـخُـنْ) اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۵۵۔اذان تم میں سے بہتر آدمی پڑھے

لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لِيُؤَذِّنْ | لَكُمْ | خِيَارُكُمْ |
| چاہیے کہ اذان دے | تمہارے لیے | تم میں سب سے بہتر |

[ابو داؤد]

تشریح: اسلام کے اہم ارکان میں نماز بھی ہے۔ اس کے اوقات کی ذمہ داری موذنوں پر ہے اس وجہ سے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ بہترین لوگ اذان دیں تاکہ غلطی نہ کریں۔ اور اذان بروقت پڑھیں۔

لغات: لِيُؤَذِّنْ: اَذَّنَ، تَاْذِيْنًا، اَذَّنَ الصَّلٰوةَ، اذان دینا۔

ترکیب: لِيُؤَذِّنْ امر غائب، لَكُمْ جار مجرور مل کر متعلق فعل، خِيَـارُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۵۶۔سب سے اچھا پڑھنے والا نماز پڑھائے!

وَلِيَؤُمَّكُمْ قُرَّائُكُمْ.

++++++++++

| | |
|---|---|
| وَلِيَؤُمَّكُمْ | قُرَّائُكُمْ |
| اور چاہیے کہ امامت کرائیں | تم میں سب سے بہتر پڑھنے والے |

[ابو داؤد]

تشریح: امام کے بارے میں فرمایا کہ تم میں سے جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو وہ نماز پڑھائے اس سے مراد وہ شخص ہے جو تجوید کے قواعد اور دینی مسائل سے واقف ہو۔

| |
|---|
| لغات: لِیَؤُمَّکُمْ اَمَّ(ن) اَمًّا بِالْقَوْمِ ، امام بنا، امامت کرنا۔ قُرَّائُکُمْ: جمع اَلْقَارِیُٔ پڑھنے والا، عبادت گزار۔ |

ترکیب: واؤ عاطفہ، لِیَؤُمَّ امر غائب، کُمْ ضمیر مفعول بہ، قُرَّائُکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف۔ (الخ)

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۵۷۔ سلام کے بغیر گھر آنے کی اجازت نہ دو!

لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ یَبْدَأْ بِالسَّلَامِ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | تَأْذَنُوْا | لِمَنْ | لَمْ |
| نہ | اجازت دو | اس شخص کو جو | نہ |
| یَبْدَأْ | بِالسَّلَامِ | | |
| پہل کرے | سلام کے ساتھ | | [بیھقی] |

تشریح: اس حدیث کا مطلب ہے جب تمہارے پاس کوئی آئے اور بغیر سلام کے اندر آنے کی کوشش کرے تو اس سے کہو کہ واپس جا کر سلام کرو پھر اندر داخل ہو۔ خصوصاً اپنے سے چھوٹوں کو اسی طرح سمجھاؤ۔ بڑوں کو تعلیم دینے کے لیے اور راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

| |
|---|
| لغات: ان الفاظ کی تحقیق گزر چکی ہے۔ |

ترکیب: لَا تَأْذَنُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز اس کا فاعل، ل جار، مَنْ موصول، لَمْ یَبْدَأْ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، با جار، السَّلَامِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل

کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل (لَا تَــأْ ذَنُوْا) فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۵۸۔سفید بال مسلم کا نور ہے، انہیں نہ اکھاڑو

## لَا تَنْتِفُوْا الشَّيْبَ فَإِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | تَنْتِفُوْا | الشَّيْبَ |
| نہ | اکھاڑو | سفید بالوں کو |
| فَإِنَّهٗ | نُوْرُ الْمُسْلِمِ | |
| پس بے شک وہ | مسلمان کا نور ہیں | [ابو داؤد] |

تشریح: سفید بال بڑھاپے کی نشانی ہیں، بڑھاپا انسان کا وقار ہے، اسی وقار کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے رک جاتا ہے اور بڑھاپے میں انسان توبہ واستغفار کی طرف مائل ہوتا ہے۔

لغات: لَا تَــنْتِفُوْا: نَتَفَ(ض) نَتْفًا وَنَتَّفَ الشَّعْرَ ، بال اکھاڑنا۔ اَلشَّيْبَ: بمعنی سفید بال، شاب(ض) شَيْبًا وَشَيْبَةً (ض) بوڑھا ہونا، سفید بال والا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔

ترکیب: لَا تَــنْتِفُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلشَّيْبَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ فــــ تعلیلیہ ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہ ضمیر اِنَّ کا اسم، نُوْرُ مضاف، اَلْمُسْلِمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معللہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۵۹۔محبتِ الٰہی، دنیا سے بے رغبتی میں ملتی ہے

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ.

++++++++++

| يُحِبَّكَ اللّٰهُ | فِي الدُّنْيَا | اِزْهَدْ |
|---|---|---|
| اللہ تجھ سے محبت کرے گا | دنیا کے بارے میں | بے رغبت ہوجا |

[ترمذی ابن ماجہ]

تشریح: حقیقی زاہد اس شخص کو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا جس کے پاس مال موجود ہی نہ ہو بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو ساری لذتوں کے ہوتے ہوئے اس سے دور ہی رہے اور حقیقی محبت کا محور صرف ذات باری تعالیٰ کو رکھے۔ دنیا سے دل نہ لگائے۔

لغات: اِزْهَد زَهِدَ (س.ف) زُهْدًا، زَهَادَةً فِي الشَّيْءِ وَعَنْهُ، بے رغبتی کرکے چھوڑ دینا۔

ترکیب: اِزْهَد امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، فی جار، اَلدُّنْيَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر امر، يُحِبُّ فعل مضارع، ك ضمیر مفعول بہ، لفظ اللّٰہ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر جوابِ امر، امر اپنے جواب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۶۰۔اپنی ضروریات میں لوگوں کی جیب پر نظر نہ رکھیے!

وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ.

++++++++++

| يُحِبَّكَ النَّاسُ | عِنْدَ النَّاسِ | فِيمَا | وَازْهَدْ |
|---|---|---|---|
| لوگ تجھ سے محبت کریں گے | لوگوں کے پاس ہے | جو | اور بے رغبت ہوجا |

[ترمذی ابن ماجہ]

تشریح: اپنی ضروریات میں صرف ذاتِ الٰہی پر نظر رہنی چاہیے جو شخص اپنے فاقہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا کیونکہ آج ضرورت کے لیے بھیک مانگی، وہ احتیاج ختم ہوگی تو کل اس سے اہم ضرورت پیش آئے گی۔ اگر اللہ سے مانگنے کی عادت ہوگی تو چھوٹی بڑی ہر ضرورت پوری ہوگی۔

لغات: اَلنَّاسُ: بمعنی لوگ، یہ اسم جنس ہے کبھی اس کی جمع انسان بھی آتی ہے۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، اِزْهَدْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، فی جار، ما موصولہ، عِنْدَ مضاف، النَّاسِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا ثبت فعل محذوف کا، ثبت فعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر امر، یُحِبُّ فعل، كَ ضمیر مفعول بہ، النَّاسُ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جواب امر، امر اور جواب امر مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۶۱۔ زندگی ایک سفر ہے۔ مسافروں کی طرح گزاریئے!

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| كُنْ | فِي الدُّنْيَا | كَأَنَّكَ |
| ہو جا | دنیا کے بارے میں | گویا کہ تو |
| غَرِيْبٌ | أَوْ | عَابِرُ سَبِيْلٍ |
| پردیسی ہے | یا | راہ چلنے والا مسافر ہے |

[بخاری]

تشریح: حدیث مبارکہ سے سبق ملتا ہے کہ جس طرح سفر میں مسافر کسی فضول چیز

میں مشغول نہیں ہوتا۔اسی طرح مسلمان کو چاہیے کہ دنیا کی چیزوں کو جمع نہ کرے، بلکہ بقدر ضرورت ساتھ رکھے اور آخرت میں کام دینے والی چیزوں میں لگا رہے۔

لغات: غَرِیْبٌ: بمعنی مسافر، جمع غُرَبَاءُ آتی ہے، غَرَبَ(ن) غُربَۃً وَغُربًا، غُرَابَۃً پردیسی ہونا۔ عَابِرٌ: (اسم فاعل) گزرنے والا، جمع عُبَّارٌ، عَبْرَۃً آتی ہے، عَبَرَ(ن) عَبْرًا، عُبُوْرًا. اَلسَّبِیْلَ: گزرنا، راستہ گزرنا۔

ترکیب: کُنْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر اس کا اسم، فی جار، اَلدُّنْیَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل ناقص کے، کان حرف مشبہ بالفعل، كَ ضمیر اسم، غَرِیْبٌ معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ، عَابِرُ مضاف سَبِیْلٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر خبر ہوئی کَاَنَّ کی، کَاَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی کُنْ کی، کُنْ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۶۲۔جائیداد بنانے میں آخرت نہ بھول جاؤ!

لَا تَتَّخِذُوْا الضَّیْعَۃَ فَتَرْغَبُوْا فِی الدُّنْیَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا تَتَّخِذُوْا | الضَّیْعَۃَ | فَتَرْغَبُوْا |
| نہ بناؤ | جائیداد | پس شوق کرنے لگو گے |
| فِی الدُّنْیَا | | |
| دنیا میں | | [ترمذی] |

تشریح: جائیداد بنانا منع نہیں ہے لیکن اس شخص کے لیے منع ہے جو حصول جائیداد میں اتنا مشغول ہو جائے کہ آخرت کی فکر نظروں سے اوجھل ہو جائے۔لیکن جو مشغولیت آخرت کی تیاری میں معاون ہو وہ بابرکت ہے۔

لغات: اَلضَّیْعَۃَ: بمعنی جائیداد۔

ترکیب: لَا تَتَّخِذُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلضَّیْعَةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر نہی، ف جوابیہ، تَرْغَبُوْا فعل مضارع، ضمیر بارز فاعل، فِی الدُّنْیَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب نہی، نہی جواب نہی مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۶۳۔ مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دے دو!

اُعْطُوْا الْاَجِیْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ یَّجِفَّ عَرَقُهٗ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| اُعْطُوْا | الْاَجِیْرَ | اَجْرَهٗ | قَبْلَ |
| دو | مزدور کو | اس کی مزدوری | پہلے |
| اَنْ | یَّجِفَّ | عَرَقُهٗ | |
| اس کے کہ | خشک ہو جائے | اس کا پسینہ | [رواه ابن ماجه] |

تشریح: ارشادِ عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی ضرورت کے لیے آدمی کسی سے کچھ کام لے تو اس کام کے ختم ہونے پر اس کی مزدوری اس کو دے دے، اور اس کی مزدوری ادا کرنے میں ٹال، مٹول نہ کرے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دینا شریعت کے خلاف ہے۔

لغات: اَجِیْرَ: بمعنی نوکر، مزدور جمع اَجَرَاءُ آتی ہے۔ اِسْتَاجَرُ مزدوری پر کسی کو لینا۔ یَجِفُّ جَفَّ (ض) جَفَافًا وَجُفُوْفًا خشک ہونا صفت جَافٌ آتی ہے۔ عَرَقُهٗ: بمعنی پسینہ عَرِقَ (س) عَرَقًا پسینہ آنا۔

ترکیب: اُعْطُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، الْاَجِیْرَ مفعول اول، اَجْرَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ثانی، قَبْلَ ظرف مضاف، اَنْ ناصبہ مصدریہ، یَجِفَّ فعل مضارع، عَرَقُهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ

خبر یہ بتاویل مصدر ہوکر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۶۴۔ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ

خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوْا اللُّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| خَالِفُوْا | الْمُشْرِكِيْنَ | اَوْفِرُوْا |
| الٹا چلو | شرک کرنے والوں کے | بڑھاؤ |
| اللُّحٰى | وَاحْفُوا | الشَّوَارِبَ |
| ڈاڑھی کو | اور کٹواؤ | مونچھوں کو |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیثِ پاک میں دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔

❶ مشرکین کی مخالفت قرآن کریم اور احادیث میں مسلمانوں کی صفات پیدا کرنے کا حکم ہے تو اس کے ساتھ اللہ کے نافرمانوں کی مخالفت کا بھی حکم ہے یعنی ہمارے سارے کام اللہ کے باغیوں کے خلاف ہونے چاہئیں۔

❷ دوسرا حکم ڈاڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کا ہے کیونکہ ڈاڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا مشرکین کا فعل ہے دیگر احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور مونچھیں کترنا مسنون عمل ہے۔

لغات: اَوْفِرُوْا: زیادہ کرنا، بڑھانا وَفَرَ (ض) وَفْرًا لَهُ الْمَال، زیادہ کرنا۔ اللُّحٰى: جمع اللِّحْيَه، ڈاڑھی۔ قَالَ تَعَالٰی لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ. اِحْفُوْا: اَحْفٰى، اِحْفَاءً، شَارِبَهٗ، مونچھ کترنے میں مبالغہ کرنا حَفِيَ (س) حَفًا زیادہ چلنے سے پاؤں کا تھکنا۔

ترکیب: خَالِفُوا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، الْمُشْرِكِيْن مفعول بہ، فعل اپنے

فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ اَوْفُــوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلــلُّحٰی مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، اِحْــفُــوا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، الشَّــوَارِبَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا، جملہ معطوف علیہا اور جملہ معطوفہ مل کر جملہ معطوفہ ہوکر پہلے جملہ کا بیان ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۶۵۔ مبلغین کے لیے ایک نصیحت

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| بَشِّرُوْا | وَلَا تُنَفِّرُوْا | وَيَسِّرُوْا |
| خوش خبریاں سناؤ (لوگوں کو) | اور نفرت نہ دلاؤ | اور آسانی کا معاملہ کرو |
| وَلَا تُعَسِّرُوْا | | |
| اور تنگی نہ کرو | | [بخاری مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں ہر مسلمان کے لیے ایک خاص پیغام ہے کہ جب وہ لوگوں کو دین کی دعوت دے تو اعمال پر ملنے والے اجر وثواب کی خوش خبریاں سنائے اور نفرت کا ذریعہ نہ بنے، دین کو آسان طریقے سے پیش کرے، مشکل کاموں کو بعد میں بتائے۔ پہلے آسان آسان کام سامنے رکھے۔

لغات: بَشِّرُوْا بَشَّرَهٗ، تَبْشِیْرًا، خوش خبری دینا، خوش کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحَاقَ، بشر (ض. س) اَلْبَشَرُ وَاسْتَبْشَرَ، خوش ہونا، تُنَفِّرُوْا نَفَّرَهٗ، نَفِیْرًا، نفرت دلانا نَفَرَ (ض) نَفْرًا من كذا، نفرت کرنا، ناپسند کرنا، یَسِّرُوْا یَسَّرَهٗ بفلان، آسان کرنا، یَسِرَ (ك. س) یُسْرًا، ویسرا الامر، آسان ہونا، اسی سے یَسِیْرٌ آتا ہے، بمعنی آسان۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا. تُعَسِّرُوْا عسر الامر، دشوار کرنا، تنگ کرنا عسر (س. ك) عُسْرًا دشوار ہونا۔

ترکیب: بَشِّـــرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لَا تُـنَـفِّـرُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔ واؤ استینافیہ، یَسِّرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لَا تُـعَسِّـرُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۶۶۔ بھوکوں کو کھلانا، مریض کی عیادت اور قیدی چھڑوانا

اَطْعِمُوْا الْجَائِعَ وَعُوْدُو الْمَرِيْضَ وَفُكُّو الْعَانِيَ .

++++++++++

| اَطْعِمُوْا | الْجَائِعَ | وَعُوْدُو الْمَرِيْضَ |
|---|---|---|
| کھانا کھلاؤ | بھوکے کو | اور بیمار کی بیمار پرسی کرو |

وَفُكُّو الْعَانِيَ

اور چھڑواؤ قیدی کو [بخاری]

تشریح: اس حدیث میں محسنِ انسانیت ﷺ نے انسانی حقوق بیان کیے۔

❶ بھوکوں کو کھانا کھلانا: اس سے صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

❷ بیمار پرسی کرنا: اس سے بندہ اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

❸ قیدیوں کو چھڑوانا: اس سے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

لغات: اَلْجَـائِعَ: بمعنی بھوکا، جمع جیعان آتی ہے، عُوْدُوْا عَـادَ(ن) عودا، عیدة المریض، بیمار پرسی کرنا۔

ترکیب: اَطْعِمُوا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْجَائِعَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، وَعُـوْدُوا الْـمَـرِيْـضَ وَفُكُّوا

الثانیَ دونوں جملے بترکیب سابق پہلے جملے پر معطوف ہیں۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۱۶۷۔مرغ کو گالی نہ دو!

لَا تَسُبُّوا الدِّيْكَ فَإِنَّه يُوْقِظُ لِلصَّلٰوةِ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | تَسُبُّوا | الدِّيْكَ | فَإِنَّه |
| نہ | بُرا کہو | مرغ کو | پس بے شک وہ |
| يُوْقِظُ | لِلصَّلٰوةِ | | |
| جگاتا ہے | نماز کے لیے | | [رواہ ابوداؤد] |

تشریح: کسی کو برا کہنا تو ویسے ہی درست نہیں لیکن خاص طور پر مرغ کے متعلق اس لیے حکم دیا کہ اس کی صفت ہے کہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔ جب اچھی عادت والے اور اذان دینے والے حیوان کو برا نہیں کہہ سکتے تو انسان کی اہانت کیسے جائز ہوگی اور حقیقی مؤذن کو برا کیسے کہہ سکتے ہیں۔ پھر موذن بھی نماز کے لیے بیدار کرتا ہے اسے برا، بھلا کہنا کیسے درست ہوگا؟

لغات: تَسُبُّوا تَسُبُّ(ن) سَبًّا سخت گالی دینا، اَلدِّيْكَ: مرغ جمع دُيُوْكٌ، اَدْيَاكٌ دِيَكَةٌ آتی ہے، يُوْقِظُ اَيْقَظَ اِيْقَاظًا بمعنی بیدار کرنا۔

ترکیب: لَا تَسُبُّوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، الدِّيْكَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معللہ، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہ ضمیر اِنَّ کا اسم، يُوْقِظُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، لِلصَّلٰوةِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معللہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ١٦٨۔ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کیا جائے

لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | یَقْضِیَنَّ | حَکَمٌ | بَیْنَ اثْنَیْنِ |
| نہ | ہرگز فیصلہ کرے | کوئی فیصلہ کرنے والا | دو کے درمیان |
| وَھُوَ | غَضْبَانُ | | |
| اس حال میں کہ وہ | غصے میں ہو | | [بخاری و مسلم] |

تشریح: آقائے کائنات ﷺ کی اس حدیث پاک میں فیصلہ کرنے والوں کے لیے خاص ہدایت ہے کہ جب ان کا دماغ بھوک، پیاس، بیماری یا غصہ یا کسی بھی وجہ سے حاضر نہ ہو تو وہ فیصلہ نہ کریں، یعنی دلی اطمینان کے ساتھ ،سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔تاکہ کوئی اپنے حق سے محروم نہ رہ جائے ،اور کسی کو ناحق تکلیف نہ ہو۔

لغات:یَقْضِیَنَّ قَضٰی(ض)قَضَاءٌ،و قَضِیَّۃٌ قَضٰی بَیْنَ الْخَصْمَیْنِ ،فیصلہ کرنا،اسی سے قَاضِیْ اسم فاعل ہے،قاضی القضاۃ چیف جسٹس کو کہتے ہیں۔غَضْبَانٌ غصہ ہونے والا،غضب ناک ہونا،غضب (س) غضبا علیہ غصہ ہونا۔

ترکیب:لَا یَقْضِیَنَّ امر نہی غائب مؤکد با نون ثقیلہ،حَکَمٌ ذوالحال،واؤ حالیہ،ھو مبتدا،غَضْبَانٌ خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال،ذوالحال اور حال مل کر فاعل بَیْنَ مضاف،اثنین مضاف الیہ،دونوں مل کر مفعول فیہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۶۹۔مومن عیش پرست نہیں ہوتا

اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمِ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِيَّاكَ | وَالتَّنَعُّمِ | فَإِنَّ | عِبَادَ اللّٰهِ |
| بچوتم | عیش پرستی سے | پس بے شک | اللہ کے (نیک) بندے |

لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ

نہیں ہوتے عیش پرست [رواہ احمد]

تشریح: اس حدیث پاک میں راحت طلبی اور تن آسانی اور فیشن پرستی کی مذمت ہے کیونکہ مسلمان جفاکش، محنتی اور مسافرانہ زندگی بسر کرنے والا ہوتا ہے وہ اپنی خواہشات اور عیش پرستی میں نہیں پڑتا، بلکہ سادگی اور قناعت کے ساتھ آخرت کی تیاری میں مشغول رہتا ہے۔

لغات: اَلتَّنَعُّمُ: نازنعمت کی زندگی بسر کرنا۔ نَعَمَ(ن۔س۔ف) نِعْمَةُ الرَّجُلِ خوش حال ہونا۔

ترکیب: اِیَّاکَ ضمیر منصوب منفصل مفعول بہ، تقدیر عبارت اِتَّقِ نفسك اِتّق امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، نفسك مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَالتَّنَعُّم معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلّل، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، عِبَادَ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کر اِنَّ کا اسم، لَيْسُوْا فعل ناقص ضمیر بارز اس کا اسم، با جارہ زائدہ، الْمُتَنَعِّمِيْنَ خبر، لیسوا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل۔ معلّل تعلیل مل کر جملہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۷۰۔سجدے کے آداب

اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا یَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْهِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِعْتَدِلُوْا | فِی السُّجُوْدِ | وَلَا |
| ٹھہرا کرو | سجدے میں | اور نہ |
| یَبْسُطْ | اَحَدُکُمْ | ذِرَاعَیْهِ |
| پھیلائے | تم میں سے کوئی آدمی | اپنے بازوؤں کو |

اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ

(سجدے میں) کتے کے پھیلانے کی طرح [بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں دو حکم ہیں۔

❶ سجدہ اطمینان سے ادا کرنا، اس میں مرد، عورت برابر ہیں۔

❷ دونوں ہاتھوں کو سجدے میں نہ پھیلانا، یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں، مجموعی طور پر یہ حکم ہے کہ سجدے کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

لغات: یَبْسُطْ بَسَطَ (ن) بَسْطًا بمعنی پھیلانا، بچھانا۔ذِرَاعَیْهِ: تثنیہ ہے ذِرَاعْ کی، بمعنی بازو۔قَالَ تَعَالٰی کَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ، جمع اَذْرُعْ، ذِرْعَانْ آتی ہے، ذَرَعَ (ف) ذَرْعًا الثوبَ ہاتھ سے ناپا۔

ترکیب: اِعْتَدِلُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فِی السُّجُوْدِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واو عاطفہ، لا یَبْسُطْ نہی غائب، اَحَدُکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، ذِرَاعَیْهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، اِنْبِسَاطِ الْکَلْبِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔ جملہ معطوف علیہا اور جملہ معطوفہ مل کر جملہ معطوفہ انشائیہ ہوا۔

## ۱۷۱۔مُردوں کو گالی نہ دو، وہ اپنے انجام تک پہنچ چکے

لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا .

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا | تَسُبُّوا | الْاَمْوَاتَ | فَاِنَّهُمْ |
| نہ | برا کہو | مُردوں کو | پس بے شک انہوں نے |
| قَدْ | اَفْضَوْا | اِلٰى مَا | قَدَّمُوْا |
| تحقیق | پالیا | وہ جو | آگے بھیجا |

[بخاری]

تشریح: خاتم الانبیاء علیہ السلام کے ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ مُردے کی غیبت کرنا بھی حرام ہے کیونکہ مردہ اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ کے ہاں پہنچ چکا ہے۔

جب ہر مردے کا یہ حکم ہے تو پھر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین، عالم دین (جنہوں نے دین پھیلایا) ان کی برائی کیسے جائز ہوگی؟

لغات: اَلْاَمْوَاتَ: مَيْتٌ کی جمع ہے بمعنی مردہ، جمع اَمْوَاتٌ، مَوْتٰى، مَيِّتُوْنَ وغیرہ آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ. مَاتَ(ن) مَوْتًا بمعنی مرنا۔اَفْضَوْا: (افعال) اِفْضَاءٌ بمعنی پہنچنا۔

ترکیب: لَا تَسُبُّوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْاَمْوَاتَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، هُمْ، ضمیر اِنَّ کا اسم، قَدْ اَفْضَوْا ماضی قریب، ضمیر بارز فاعل، اِلٰى جار، مَا موصول، قَدَّمُوْا فعل ماضی، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر۔اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلّل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

## ۱۷۲۔بچوں کو نماز کا حکم اور سلانے کا ایک ادب

مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مُرُوْا | اَوْلَادَكُمْ | بِالصَّلٰوةِ |
| حکم کرو | اپنی اولادوں کو | نماز کا |
| وَهُمْ | اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ | وَاضْرِبُوْهُمْ |
| اس حال میں کہ وہ | سات سال کے بچے ہوں | اور ماروان کو |
| عَلَيْهَا | وَهُمْ | اَبْنَاءُ عَشَرِ سِنِيْنَ |
| اس (نماز چھوڑنے) پر | اس حال میں کہ وہ | دس سال کے بچے ہوں |
| وَفَرِّقُوْا | بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ | |
| اور جدائی کردو | ان کو بستروں میں | [ابو داؤد] |

تشریح: ہمارے نبی محترم ﷺ ہمیں بچوں کے متعلق ہدایات دے رہے ہیں کہ والدین اپنی اولاد کی نماز کا بچپن ہی سے خیال رکھیں۔

❶ جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دیں اس عمر تک ان کو نماز، وضو وغیرہ سکھائیں۔تا کہ دس برس تک مکمل نماز وطریقہ نماز سیکھ لیں۔

❷ دس سال کی عمر میں بھی نماز کے عادی نہ ہوں تو ان کو مارنا بھی جائز ہے۔

❸ جب بچے دس سال کے ہو جائیں تو انہیں اکٹھے سونے کی اجازت نہیں، اس سے برائیاں پھیلتی ہیں اور بچوں میں گندی عادات آ جاتی ہیں۔

لغات: اَبْنَاءُ: ابن کی جمع ہے بمعنی بیٹا، بنون بھی جمع آئی ہے۔ اَلْمَضَاجِعِ: مضجع کی جمع ہے بمعنی خواب گاہ، سونے کی جگہ ضجع (ف) ضجعا و ضجع، پہلو کے بل لیٹنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ۔

ترکیب: مُرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَوْلَادَکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال، واو حالیہ، ھُمْ مبتدا، اَبْنَاءُ سَبْعَ سِنِیْنَ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، ذوالحال حال مل کر مفعول بہ، بِالصَّلٰوۃِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، اَضْرِبُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، ھُمْ ذوالحال، واؤ حالیہ، اَبْنَاءُ عَشَرَ سِنِیْنَ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، ذوالحال حال مل کر مفعول بہ علیہا، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف اول، واؤ عاطفہ، فَرِّقُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، بَیْنَھُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مفول فیہ، فِی الْمَضَاجِعِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۷۳۔ قرآنِ کریم کی حفاظت کرو، یہ جلد بھولنے والا ہے

تَعَاھَدُوْا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنَ الْاِبِلِ عُقُلِھَا.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| تَعَاھَدُوْا | الْقُرْآنَ | فَوَالَّذِیْ |
| حفاظت کرو | قرآن کی | پس قسم ہے اس ذات کی |
| نَفْسِیْ بِیَدِہٖ | لَھُوَ | اَشَدُّ تَفَصِّیًا |
| جس کے قبضے میں میری جان ہے | البتہ وہ (قرآن کریم) | زیادہ جلد نکلنے والا ہے |
| مِنَ الْاِبِلِ | عُقُلِھَا | |
| اونٹ سے | اس کی رسی میں سے | [بخاری و مسلم] |

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس حدیث پاک میں قرآن کریم کی حفاظت کا حکم

ہے کہ (جب) جتنا بھی قرآن پاک یاد ہو جائے اسے یاد رکھنا فرض ہے۔آپ ﷺ نے حدیث مذکور میں سرکش اونٹ کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ قرآن پاک دماغوں سے نکلنے میں سرکش اونٹ سے زیادہ تیز ہے، اس لیے اس کو حفظ کے بعد یاد کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔حفاظ قرآن کے لیے یہ خاص نصیحت ہے۔

| |
|---|
| لغات: تَعَاهَدُ تَعَاهُدَ، تعَهَّدَ، بمعنی حفاظت کرنا، عَهِدَ (س) عَهْداً حفاظت کرنا۔ عُقُلِهَا: عقل (ن.ض) عَقَلَا البَعِيْرَ فانك، ثان ،ملا کر رسی سے باندھنا، عقلہ وہ چیز جس سے باندھا جائے، مراد وہ رسی جس سے اونٹ کی رانوں کو باندھا جائے۔ |

ترکیب: تَعَاهَدُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْقُرْآنَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلّل، ف تعلیلیہ، واؤ قسمیہ جارہ اَلَّذِیْ اسم موصول، نَفْسِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، ب جار، یَدِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثبت فعل محذوف کے، ثبت فعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق اُقْسِمُ فعل محذوف کے، اقسم فعل اپنے فاعل (انا ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر قسم، ل تاکید ھو مبتدا، اشد صیغہ اسم تفضیل، مِنَ الاِبِلِ جار مجرور مل کر اس کے متعلق، ھُوَ ضمیر مستتر ممیّز، تَفَصِّیاً مصدر، عُقُلِهَا مضاف مضاف الیہ مل کر منصوب بنزع الخافض ای من عُقُلِهَا جار مجرور متعلق تَفَصِّیاً کے، مصدر اپنے متعلق سے مل کر تمیز، ممیّز تمیز مل کر اَشَدَّ کا فاعل، صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جواب قسم، قسم اور جواب قسم مل کر جملہ قسمیہ ہو کر تعلیل۔معلّل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............ ❁❁❁............ ))

## ۱۷۴۔قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو!

لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | تَجْلِسُوْا | عَلَى الْقُبُوْرِ |
| نہ | بیٹھو | قبروں پر |
| وَلَا | تُصَلُّوْا | اِلَيْهَا |
| اور نہ | نماز پڑھو | ان کی طرف [مسلم] |

تشریح: ہمارے محبوب نبی ﷺ کی اس حدیث میں قبر کا ادب بتایا ہے کہ اس پر بیٹھنا جائز نہیں اور دوسرا ادب یہ بتایا کہ اس کی طرف نماز پڑھنا بھی جائز نہیں (تا کہ شرک کا شبہ بھی نہ ہو) سجدہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، نہ عبادت کے لیے اور نہ ادب کے لیے۔

لغات: اَلْقُبُوْر: جمع ہے قبر کی جس میں مردے کو رکھا جاتا ہے۔قَالَ تَعَالٰى اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ۔

ترکیب: لَا تَجْلِسُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، عَلَى الْقُبُوْرِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا بترکیب سابق جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف۔معطوف علیہا اپنے معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۱۷۵۔مظلوم کی بددعا سے بچو، جلد قبول ہونے والی ہے

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِتَّقِ | دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ | فَاِنَّهٗ |
| ڈر | مظلوم کی (بد) دعا سے | پس بے شک (بات یہ ہے کہ) |

لَیْسَ بَیْنَهَا وَ
نہیں ہے اس کی (بددعا) کے اور
بَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ
اللہ کے درمیان کوئی پردہ [بخاری ومسلم]

تشریح: (یہ حکم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اس وقت دیا کہ جب ان کو یمن کا گورنر بنایا گیا) اس حدیث سے معلوم ہوا ہمارے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مظلوم آدمی ہمارے حق میں بددعا کرے اور فوراً قبول ہوجائے۔

| |
|---|
| لغات: حِجَابٌ: بمعنی پردہ جمع حُجُب ہے حَجَبَ (ن) حِجَابًا چھپانا، حائل ہونا۔ |

ترکیب: اِتَّقِ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہ ضمیر اِنَّ کا اسم، لَیْسَ فعل ناقص، بَیْنَهَا مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، بَیْنَ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول فیہ ہوا ثابتًا محذوف کا، ثابتًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور مفعول فیہ سے مل کر لَیْسَ کی خبر مقدم حجاب اسم مؤخر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل اور تعلیل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۷۶۔ان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو!

اِتَّقُوا اللّٰـهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِتَّقُوا | اللّٰهَ | فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ |
| ڈروتم | اللہ سے | ان بے زبان جانوروں کے بارے میں |
| فَارْكَبُوْهَا | صَالِحَةً | وَاتْرُكُوْهَا |
| پس سواری کروتم ان پر | اچھی حالت میں | اور چھوڑوان کو |
| صَالِحَةً | | |
| اچھی حالت میں | | [ابوداؤد] |

تشریح: اس حدیث میں آپ ﷺ نے جانوروں کے دوحقوق ارشادفرمائے۔

❶ جانور پرسواری اس وقت کرنا چاہیے جب وہ سواری کے قابل ہو، شکم سیر ہو اور تھکا ہوا نہ ہو۔اس کے آرام کا خیال رکھو!

❷ دوسرا حق یہ ارشادفرمایا کہ جب وہ تھک جائے اور بھوکا ہوتو اسے کھانے اور آرام کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔آزادی اس کا بھی حق ہے۔

ملاحظہ: جب جانوروں کے حقوق کا اتنا لحاظ ہے تو آپ ﷺ کی نگاہ میں انسانیت کے حقوق کا کیاعالم ہوگا۔

لغات: اَلْبَهَائِمُ: جمع اَلْبَهِيْمَةُ بمعنی جانور چوپائے۔اَلْمُعْجَمَةُ مُعْجَمْ کی مؤنث ہے، بمعنی گونگا، کھل کر بیان نہ کرنے والا، عَجُمَ(ك) عُجْمَةً بمعنی لکنت ہونا۔

ترکیب: اِتَّقُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، لفظ اللّٰه مفعول بہ، فی جار، هٰذِهٖ اسم اشارہ، البَهَائِمَ موصوف، المُعْجَمَةِ صفت، موصوف صفت مل کر مشار الیہ، اسم اشارہ اور مشار الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور

متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر مفسر یہ، اُرْکَبُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، ھَا ضمیر ذو الحال، صَالِحَۃً حال، حال ذو الحال مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ اُتْرُکُوْھَا صَالِحَۃً بترکیب سابق جملہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر تفسیر، مفسر اور تفسیر مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تفسیر یہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۷۷۔غیر محرم کے ساتھ ہر طرح کی خلوت اور سفر سے پرہیز کریں

## لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | يَخْلُوَنَّ | رَجُلٌ |
| نہ | الگ بیٹھے | کوئی مرد |
| بِامْرَأَةٍ | وَلَا تُسَافِرَنَّ | اِمْرَأَةٌ |
| کسی (غیر محرمہ) عورت کے ساتھ | اور ہرگز سفر نہ کرے | کوئی عورت |
| اِلَّا | وَمَعَهَا | مَحْرَمٌ |
| مگر | اس حال میں کہ اس کے ساتھ | کوئی محرم ہو |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اللہ کے پیغمبرؐ نے اس حدیث پاک میں دو حکم ارشاد فرمائے۔

❶ مردوں کو حکم ہے کہ کسی بھی غیر محرمہ عورت کے ساتھ الگ نہ بیٹھیں۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح درمیان میں تیسرا شیطان ضرور ہوتا ہے جو انہیں برائی (زنا، غلط خیالوں یا کم از کم بدنظری) میں مشغول کرتا ہے۔

❷ دوسری ہدایت مسلمان خواتین کو ہے کہ وہ بغیر محرم کے سفر نہ کیا کریں۔ آپ ﷺ کی ان دونوں ہدایات پر عمل کرنے سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور عمل نہ کرنے

سے بے شمار دنیاوی اور دینی نقصانات ہوتے ہیں۔ طالبینِ علم سے گزارش ہے کہ ابھی سے ہر غیر محرم رشتہ دار خواتین سے پردے کا اہتمام کریں ورنہ بعد میں پردے پر عمل اور مسائل بتانا مشکل ہوگا۔

| |
|---|
| لغات: یَخْلُوَنَّ بخَلَا(ن) خُلُوًّا و خَلَاءً تنہائی اختیار کرنا۔ مَحْرَمٌ: جمع مَحَارِمٌ، وہ رشتہ دار جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو۔ |

ترکیب: لَا یَخْلُوَنَّ نہی غائب بانون تاکید ثقیلہ، رَجُلٌ فاعل، بِامْرَأَةٍ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ، وَلَا تُسَافِرَنَّ نہی غائب بانون تاکید ثقیلہ، اِمْرَأَةٌ ذوالحال، اِلَّا حرف استثناء لغو، واؤ حالیہ، مَعَهَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ثَابِتٌ محذوف کا، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَحْرَمٌ مبتدا موخر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل لَا تُسَافِرَنَّ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۷۸۔ جانوروں کی پیٹھ کو ممبر نہ بناؤ!

لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ.

++++++++++

| لَا | تَتَّخِذُوْا | ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ | مَنَابِرَ | |
|---|---|---|---|---|
| نہ | بناؤ | اپنے جانوروں کی پشتوں کو | منبر | [ابوداؤد] |

تشریح: اس حدیث پاک میں جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھ کر خطاب کرنے اور سودا سلف لینے کے لیے باتیں کرنے سے منع کیا۔ ہاں سوار ہوکر چلتے چلتے بات کرنے کا اور حکم ہے، کھڑے کر کے باتیں شروع کر دینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے جانوروں کو ناجائز تکلیف ہوتی ہے اگرچہ آپ ﷺ نے اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا لیکن وہ

اونٹنی بجا طور پر آپ ﷺ کے خطاب فرمانے پر خوش ہوگی۔ جیسا کہ ساری مخلوقات آپ ﷺ سے محبت کرتی ہے۔

لغات: ظُهُوْرَ: جمع ہے ظَهْر کی بمعنی پیٹھ، دَوَابٌّ: جمع دابة کی بمعنی رینگنے والے جانور، سواری کے جانور کو بھی کہتے ہیں، دب(ض) دبا و دبیبا ہاتھ پاؤں کے بل چلنا۔ مَنَابِرَ: جمع مِنْبَرٌ بمعنی بلند جگہ۔

ترکیب: لَا تَتَّخِذُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول اول، مَنَابِر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۷۹۔ جاندار کو نشانہ نہ بناؤ!

لَا تَتَّخِذُوْا شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا تَتَّخِذُوْا | شَيْئًا | فِيْهِ |
| نہ بناؤ | کسی چیز کو | جس میں |
| اَلرُّوْحُ | غَرَضًا | |
| جان ہو | نشانہ | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں اس بات سے منع فرمایا گیا کہ کسی بھی جاندار انسان یا حیوان کو محض شوق پورا کرنے کے لیے مارا جائے اور اسے ستانے کے لیے نشانہ بنایا جائے۔

لغات: اَلرُّوْحُ: بمعنی جان، نفس اس کی جمع اَرْوَاحٌ آئی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ غَرَضَ: بمعنی حاجت، مطلوب جمع اَغْرَاضٌ آتی ہے، یہاں نشان بنانا مراد ہے۔

ترکیب: لَا تَتَّخِذُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، شَیْئًا موصوف، فِیْهِ جار مجرور، متعلق کَائِنًا محذوف کے، الرُّوْحُ کائنا کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول اوّل، غَرَضًا مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۸۰۔ بغیر اجازت دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھو!

لَا تَجْلِسْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَا | تَجْلِسْ | بَیْنَ رَجُلَیْنِ |
| مت | بیٹھ | دو آدمیوں کے درمیان |
| اِلَّا | بِاِذْنِهِمَا | |
| مگر | ان کی اجازت کے ساتھ | [ابو داؤد] |

تشریح: اس حدیث پاک کا خاص پیغام یہ ہے کہ جب دو آدمی بیٹھے ہوں تو تیسرے کو درمیان میں بغیر اجازت نہ بیٹھنا چاہیے۔ یہ ممانعت کئی وجوہ سے ہے۔

❶ یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے۔

❷ دو آدمیوں کی باتوں میں دخل اندازی بھی ہے۔

❸ درمیان میں بیٹھنے والے کا اپنا نقصان بھی ہے کہ ان دونوں بیٹھنے والوں کے دلوں میں کدورت آجاتی ہے جس سے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔

لغات: تَجْلِسُ بجلس (ض) بمعنی بیٹھنا۔ رَجُلَیْنِ رَجُلٌ کی تثنیہ ہے بمعنی دو آدمی۔

ترکیب: لَا تَجْلِسْ نہی حاضر، ضمیر مستتر فاعل، بَیْنَ مضاف، رَجُلَیْنِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، اِلَّا حرف استثنا، لغو، با جار، اِذْنِهِمَا مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ ہوا۔

## ۱۸۱۔صدقہ مصائب کے لیے ڈھال ہے

بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| بَادِرُوْا | بِالصَّدَقَةِ | فَإِنَّ |
| جلدی کرو | خیرات کرنے میں | پس بے شک |
| الْبَلَاءَ | لَا يَتَخَطَّاهَا | |
| مصیبت | نہیں بڑھتی ہے اس سے آگے | [مشکوٰۃ] |

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس حدیث پاک میں (توفیق ہونے پر) جلد صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے، اس کے دو فائدے بتائے ہیں کہ صدقہ کی برکت سے آنے والی بیماریاں، مصائب اور مشکلات ٹل جاتی ہیں۔

۲۔صدقہ سے ستر بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ [کنز]

لغات: بَادِرُوْا بَادَرَ، مُبَادَرَةً، دِيْدَارُ اِلَى الشَّيْءِ ،جلدی کرنا۔يَتَخَطَّاهَا: تَخَطَّى، تَخَطِّيًا، بمعنی تجاوز کرنا، پھاندنا۔

ترکیب: بَادِرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، بِالصَّدَقَةِ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، ان حرف مشبہ بالفعل، البَلَاءَ اِنَّ کا اسم، لَا يَتَخَطَّا فعل مضارع، ہو ضمیر مستتر فاعل، هَا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............٭٭٭............ ))

## ۱۸۲۔اپنے بھائی کی تکلیف پر خوش نہ ہوں!

لَا تَظْهَرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ.

++++++++++

| لَا تَظْهَرِ | الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ | فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ |
|---|---|---|
| نہ خوش ہو | اپنے بھائی کی تکلیف پر | پس مہربان ہوگا اللہ اس پر |

وَيَبْتَلِيْكَ

اور تجھے (اس تکلیف میں) مبتلا کردے گا [ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں دوسروں کی تکالیف پر خوش ہونے سے منع فرمایا اور اس کا نقصان یہ بتایا کہ اس طرح یہی تکلیف خوش ہونے والے کو لگ جاتی ہے۔ ہمیں سبق یہ ملا کہ ہم دوسروں کی تکالیف دور کرنے میں ان کے کام آئیں اور مسلمانوں کی پردہ پوشی کریں اور جب کسی کو تکلیف میں دیکھیں تو اپنے لیے اور تکلیف زدہ انسان کے لیے رورو کر دعا مانگیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہم پر اور ان پر مہربان ہو جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کا احترام پیدا ہوگا۔

لغات: اَلشَّمَاتَةَ: شَمِتَ(س) شَمَاتَةً، شَمَاتًا بِفُلَانٍ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ وَيَبْتَلِيْكَ: ابتلی افعال ابتلا، آزمائش کرنا، مصیبت میں ڈالنا، بَلَا(ن) آزمانا، تجربہ کرنا امتحان لینا۔

ترکیب: لَا تَظْهَرِ نہی حاضر، ضمیر مستتر فاعل، الشَّمَاتَةِ مفعول بہ، ل جار، اَخِيْكَ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، يَرْحَم فعل مضارع ہ ضمیر مفعول بہ، لفظ اللہ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، يَبْتَلِي فعل مضارع ہو ضمیر مستتر فاعل، ك ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف

علیہ معطوف مل کر تعلیل معلل اور تعلیل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۸۳۔ایک کھجور بھی ہو سکے تو صدقہ کرو!

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَو بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِتَّقُوا النَّارَ | وَلَو | بِشِقِّ تَمْرَةٍ |
| بچو (جہنم کی) آگ سے | اگر چہ | ایک کھجور کے ٹکڑے کے (صدقہ |
| فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ | فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ | کرنے کے) ساتھ ہو |
| پس جو شخص (ایک کھجور بھی) نہ پائے | پس اچھی بات کے ساتھ | [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں توجہ دلائی گئی ہے کہ صدقہ اتنا ضروری ہے کہ ایک کھجور کا ٹکڑا بھی ہو تو اسے بھی صدقہ کر کے ثواب کی امید رکھو اور آگے بتایا کہ اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو خوش اخلاقی اور اچھی بات کے ذریعے سے جہنم کی آگ سے بچا جا سکتا ہے۔ بلا شبہ یہ بھی بڑی نیکی ہے اگر اخلاص ہو۔

لغات: بِشِقِّ بِكَسْرِ الشِّينِ بمعنی جانب، کنارہ، ہر چیز کا آدھا حصہ، جمع شُقُوقٌ ہے، شَقَّ (ن) شَقًّا توڑنا، پھاڑنا۔

ترکیب: اِتَّقُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلنَّارَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ واؤ مبالغہ، لَوْ وصلیہ شرطیہ، ب جار، بِشِقِّ تَمْرَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کان محذوف کے، کان اپنے عمل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اس کی جزا اِتَّقُوا النَّارَ قرینہ ماقبل کی بنا پر محذوف ہے۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ، ف عاطفہ، من موصولہ، صلہ متضمن معنی شرط، لَمْ يَجِدْ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر شرط، ف جزائیہ، ب جار، كَلِمَةٍ

موصوف، طَيِّبَةٍ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اِتَّقُوا محذوف کے، اِتَّقُوا فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۸۴۔ اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو!

جَاهِدُوْا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| جَاهِدُوْا | الْمُشْرِكِيْنَ | بِاَمْوَالِكُمْ |
| جہاد کرو | مشرکین سے | اپنے مالوں |
| وَاَنْفُسِكُمْ | وَاَلْسِنَتِكُمْ | |
| اور اپنی جانوں | اور اپنی زبانوں کے ساتھ | [ابو داؤد |

تشریح: جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا دین سربلند ہو اور کفر نیچا ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے کوشش کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔

❶ جہاد کی صف میں کھڑے ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

❷ جہاد بہترین اعمال میں سے ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

اس سے معلوم ہوا کہ شرک، بدعت اور رسومات کو مٹانے کی کوشش کرنا اور سنت رسول ﷺ کو خود اپنانا اور لوگوں تک پہنچانا بہترین عمل ہے۔ خواہ تلوار سے ہو، زبان سے ہو، تعلیم سے ہو یا دعوت و تبلیغ سے ہو۔

لغات: اَنْفُسِكُمْ: جمع نفس کی بمعنی جان، اَلْسِنَتِكُمْ: جمع لسان بمعنی زبان۔

ترکیب: جَاهِدُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْمُشْرِكِيْنَ مفعول بہ، با جار اَمْوَالِكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَنْفُسِكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول، واو عاطفہ، السنتکم مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی

معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............ ❀❀❀ ............ ))

## ۱۸۵۔ پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جان لو

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِغْتَنِمْ | خَمْسًا | قَبْلَ خَمْسٍ |
| غنیمت جان لے | پانچ کو | پانچ سے پہلے |
| شَبَابَكَ | قَبْلَ هَرَمِكَ | وَصِحَّتَكَ |
| اپنی جوانی کو | اپنے بڑھاپے سے پہلے | اور اپنی تندرستی کو |
| قَبْلَ سُقْمِكَ | وَغِنَاكَ | قَبْلَ فَقْرِكَ |
| اپنی بیماری سے پہلے | اور اپنی خوش حالی کو | اپنی تنگدستی سے پہلے |
| وَفَرَاغَكَ | قَبْلَ شُغْلِكَ | وَحَيٰوتَكَ |
| اور اپنی فرصت کو | اپنے مصروف ہونے سے پہلے | اور اپنی زندگی کو |
| قَبْلَ مَوْتِكَ | | |
| اپنے مرنے سے پہلے | | |

[رواه الترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں پانچ عظیم نعمتوں کی اہمیت بتائی گئی ہے۔

❶ جوانی: کیونکہ بڑھاپے میں کمزوری کی وجہ سے بہت سے اعمال خیر نہیں ہو سکتے۔

❷ تندرستی: کیونکہ بیماری بہت سی نعمتوں سے محروم کر دیتی ہے۔

❸ تنگدستی: سے انسان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

❹ فراغت: کیونکہ زیادہ مشغولیت کی وجہ سے بہت سے اعمال رہ جاتے ہیں۔

❺ زندگی: بہت بڑی قیمتی چیز ہے موت آنے پر زندگی کے سارے فوائد سے محرومی ہو جاتی ہے۔ان پانچوں نعمتوں کو چند دنوں کا مہمان سمجھ کر خوب قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور آخرت کی تیاری میں لگانا چاہیے۔

لغات: اِغْتَنِمْ: غنیمت سمجھنا غَنِمَ(س) غَنَمًا ، سبقت حاصل کرنا۔قَالَ تَعَالٰی وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَا غَنِمْ مَنْ. شَبَابَ: جوانی، شَبَّ(ض) شَبَابًا ، جوان ہونا، هَرَمَ: بمعنی انتہائی بوڑھا ہونا هَرِمَ(س) هَرَمًا بہت بوڑھا ہونا، کمزور ہونا۔سُقْم سَقِمَ(س.ك) سَقْمًا، سَقَامَةً بمعنی بیمار ہونا اس کی جمع سقام اور سقما آئی ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِنِّی سَقِیْمٌ۔

ترکیب: اِغْتَنِمْ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، خَمْسًا مبدل منہ اول، شَبَابَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، صِحَّتِكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول واؤ عاطفہ، غِنَاكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، فِرَاغَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثالث، واؤ عاطفہ، حَیٰوتَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف رابع، معطوف علیہ اپنے چاروں معطوفات سے مل کر بدل، مبدل منہ اول، اپنے بدل سے مل کر مفعول بہ، قبل مضاف خَمْس مضاف الیہ، دونوں مل کر مبدل منہ ثانی، قبل مضاف، حَرَمَ مضاف الیہ مضاف، كَ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، قبل سُقْمِكَ بترکیب سابق معطوف اول، واؤ عاطفہ، قبل فَقْرِكَ معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، قَبْلَ شُغْلِكَ معطوف ثالث، واؤ عاطفہ، قبل مَوْتِكَ معطوف رابع، معطوف علیہ اپنے چاروں معطوفات سے مل کر بدل، مبدل منہ ثانی اپنے بدل سے مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## لَيْسَ النَّاقِصَة

ملاحظہ: لیس افعال ناقصہ میں سے ہے۔ مبتدا اور خبر پر داخل ہو کر مبتداء کو مرفوع اور خبر کو منصوب کر دیتا ہے۔ آنے والی احادیث میں اس ضابطہ نحو کی مشق ہے۔ اس کے معنی ہیں (نہیں ہے)۔

فائدہ: لَيْسَ یہ اصل میں لَيِسَ تھا تو لَيِسَ کا وزن فَعِلَ ہے اور فَعِلَ میں فَعْلَ پڑھنا جائز ہے جیسے عَلِمَ میں عَلْمَ پڑھنا جائز ہے۔ اس کی صرف ماضی کی گردان کلام عرب میں مستعمل ہے۔

گردان لَيْسَ لَيْسَا لَيْسُوا . لَيْسَتْ لَيْسَتَا لَسْنَ . لَسْتَ لَسْتُمَا لَسْتُمْ . لَسْتِ لَسْتُمَا لَسْتُنَّ . لَسْتُ لَسْنَا .

## ۱۸۶۔ پہلوان اور بہادر وہ جو غصے پہ قابو پائے

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَيْسَ | الشَّدِيْدُ | بِالصُّرْعَةِ |
| نہیں ہے | پہلوان | پچھاڑنے کے ساتھ |
| اِنَّمَا | الشَّدِيْدُ | الَّذِیْ |
| بے شک | پہلوان | وہ ہے جو |
| يَمْلِكُ | نَفْسَهٗ | عِنْدَ الْغَضَبِ |
| قابو میں رکھے | اپنے آپ کو | غصے کے وقت |

[بخاری ومسلم]

تشریح: رہبرِ انسانیت ﷺ کے اس فرمان میں غصہ پی جانے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ بہادر اور پہلوان دوسروں کو پچھاڑنے والا نہیں بلکہ حقیقی بہادر وہ ہے کہ اسے غصہ آئے تو پی جائے، اللہ کے بندوں میں قطع تعلقی، لڑائی، جھگڑا، گالم گلوچ اور فتنہ فساد نہ کرے۔

> لغات: اَلشَّدِيْدُ: بہادر، قوی، بلند۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۔ جمع اَشِدَّاءُ، شُدُوْدٌ آئی ہے، شد (ن. ض) شدا مضبوط کرنا۔ اَلصُّرْعَةِ: جو دوسرے کو پچھاڑ دے، صرع (ف) صَرْعًا، صُرْعًا، بمعنی پچھاڑ دینا۔

ترکیب: لَيْسَ موصوف، اَلنَّاقِصَةُ صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا فعل محذوف اِقْرَا کا۔ اِقْرَا امر حاضر اپنے فاعل ضمیر مستتر اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

ترکیب: لَيْسَ فعل ناقص، اَلشَّدِيْدُ لَيْسَ کا اسم، بَا جار، اَلصُّرْعَةِ مجرور جار

مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے۔ کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اِنَّمَا کلمہ، حَصر۔ اَلشَّدِیْدُ مبتدا، اَلَّذِیْ موصول، یَمْلِکُ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، نَفْسَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، عِنْدَ الْغَضَبِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۸۷۔عورت اور غلام کو بہکا کر خاوند اور آقا سے جدا نہ کر

لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَأَۃً عَلٰی زَوْجِھَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِہٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَیْسَ | مِنَّا | مَنْ |
| نہیں ہے | ہم میں سے | جو |
| خَبَّبَ | اِمْرَأَۃً | عَلٰی زَوْجِھَا |
| ابھارے | کسی عورت کو | اس کے شوہر کے خلاف |
| اَوْ | عَبْدًا | عَلٰی سَیِّدِہٖ |
| یا | کسی غلام کو | اس کے آقا کے خلاف |

[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث شریف میں میاں، بیوی، غلام اور آقا کے درمیان ناچاقی کروانے والے کی بدبختی کا اعلان ہے کہ اس قسم کا فتنہ پرداز آدمی مسلمانوں کی جماعت سے نکل جاتا ہے کیونکہ اسلام تعلقات جوڑنے کے راستے بتاتا ہے یہی مومن کی شان ہے۔

لغات: خَبَّبَ: دھوکا دینا، خراب کرنا، بگاڑنا۔ خَبَّبَ عَلٰی فُلَانٍ صَدِیْقَہٗ اس نے فلاں کے دوست کو بگاڑ دیا۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَنْ موصول، خَبَّبَ فعل ماضی، (ھُوَ ضمیر مستتر فاعل)، اِمْـرَأَۃً معطوف علیہ، او حرف عطف، عبدًا معطوف، دونوں مل کر مفعول بہ، عَلٰی جار، زَوْجِھَا مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، او عطف، عَلٰی جار، سَیِّدِہٖ مضاف مصاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لَیْسَ کا اسم، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۸۸۔ چھوٹوں پہ شفقت اور بڑوں کی عزت کرو

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَیَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَیْسَ | مِنَّا | مَنْ |
| نہیں ہے | ہم میں سے | جو |
| لَمْ یَرْحَمْ | صَغِیْرَنَا | وَلَمْ |
| رحم نہ کرے | ہمارے چھوٹوں پر | اور نہ |
| یُوَقِّرْ | کَبِیْرَنَا | وَیَأْمُرْ |
| عزت کرے | ہمارے بڑوں کی | اور نہ حکم کرے |
| بِالْمَعْرُوْفِ | وَیَنْهَ | عَنِ الْمُنْکَرِ |
| نیکی کا | اور نہ روکے | برائی سے [ترمذی] |

تشریح: ہمارے آقا علیہ السلام نے اس ارشاد میں چار اہم کام بتائے ہیں۔

❶ چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا۔

❷ بڑوں کا احترام کرنا۔اس میں والدین،اساتذہ وغیرہ سب آ گئے۔

❸ لوگوں میں نیکی کی باتیں پھیلانا۔

❹ برائی سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا۔یہ چار کام دنیاوی اور دینی فوائد کی جڑیں ہیں۔پہلے دو سے آپس کے تعلقات درست ہوتے ہیں اور دوسرے دو سے اسلام کے ساتھ انسان کا رشتہ جڑا رہتا ہے۔

لغات:یُوَقِّرْ وقر(ض)وقرا،قارۃ ،صاحب وقار ہونا،فلاں وقر شیخه،فلاں نے اپنے استاد کی تعظیم کی۔

ترکیب:لَیْسَ فعل ناقص،مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے،کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر)اور متعلق سے مل کر خبر مقدم،مَنْ موصول،لَمْ یَرْحَمْ فعل مضارع مجزوم،ہٗ ضمیر مستتر فاعل،صَغِیْرَنَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ،واو عاطفہ،لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا بترکیب سابق معطوف اول،واؤ عاطفہ،یأمُرْ فعل مضارع مجزوم،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،بِالْمَعْرُوْفِ جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ثانی،واؤ عاطفہ،یَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ بترکیب سابق معطوف ثالث،معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صلہ،موصول صلہ مل کر لَیْسَ کا اسم،لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۸۹۔ پڑوسی کا خیال نہ رکھنے والا مومن نہیں ہے

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَيْسَ | الْمُؤْمِنُ | بِالَّذِیْ |
| نہیں ہے | (کامل) مؤمن | وہ جو |
| يَشْبَعُ | وَجَارُهٗ | جَائِعٌ |
| سیر ہو کر کھائے (اس حال میں کہ) | اس کا پڑوسی | بھوکا ہو |
| اِلٰى جَنْبِهٖ | | |
| اس کے پہلو میں | | [بیہقی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کی ہر مومن کو یہ نصیحت ہے کہ اگر وہ کامل ایمان چاہتا ہے تو پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھیں، جب وہ کھائے تو یہ سوچے کہیں میرا پڑوسی بھوکا تو نہیں۔ پڑوسی کا اطلاق اپنے ہم سبق، اپنے دوست و دیگر ساتھیوں اور قریبی مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے۔

لغات: يَشْبَعُ (س) شَبْعًا، شَبْعًا مِنَ الطَّعَامِ. شکم سیر ہونا۔ جنبہ: جانب، پہلو، اس کی جمع اجناب اور جنوب آئی ہے۔ قَالَ تَعَالٰى فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ۔

ترکیب: لَيْسَ فعل ناقص، اَلْمُؤْمِنُ لَيْسَ کا اسم، باء زائدہ، اَلَّذِیْ اسم موصول، يَشْبَعُ فعل مضارع، ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، واؤ حالیہ، جارہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، جَائِعٌ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰى جار، جَنْبِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اسم فاعل کے، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال، دونوں مل کر يَشْبَعُ کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لَيْسَ کی خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

## ۱۹۰۔مومن کی چار صفات

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَيْسَ | الْمُؤْمِنُ | بِالطَّعَّانِ |
| نہیں ہے | (کامل)مؤمن | جوعیب لگائے |
| وَلَا | بِاللَّعَّانِ | وَلَا |
| اور نہ | وہ جولعنت کرے | اور نہ وہ |
| الفَاحِشِ | وَلَا | الْبَذِيِّ |
| جوحد سے گزرنے والا ہو | اور نہ | وہ جو بے ہودہ بات کرے |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں مؤمن کی چار نشانیاں بتائی گئی ہیں۔

❶ مؤمن طعان نہیں ہوتا کہ لعنت ملامت اور دوسروں کی عیب جوئی کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔

❷ مؤمن لعان نہیں ہوتا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت کی امید کرتا ہے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی۔

❸ مؤمن باتیں کرنے والا نہیں ہوتا اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے۔

❹ مؤمن بے ہودہ بات کرنے والا نہیں ہوتا یعنی ہر وہ بات جس میں دینی نفع نہ ہو اس سے بچتا ہے۔اس حدیث پاک میں خاص طور پر زبان کی حفاظت کا حکم ہے کیونکہ یہ چاروں گناہ جن سے بچنے کی ترغیب ہے زبان ہی سے صادر ہوتے ہیں۔

لغات:اَلطَّعَّانَ: مبالغہ کا صیغہ ہے،بہت زیادہ طعنہ دینے والا،طَعَنَ(ن.ف)طعنا نیزہ مارنا،فی الرجل عیب لگانا طَعَنَ عَلَيْهِ طعنہ مارنا۔لَعَّانَ: یہ بھی صیغہ مبالغہ کا ہے،بہت زیادہ لعنت کرنے والا،لَعَنَ (ف) لَعْنًا فُلَانًا لعنت کرنا،گالی دینا۔اَلْفَاحِشَ: حد سے گزرنے والا،فَحُشَ(ك) فُحْشًا ،بڑا ہونا(ضَ)۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ کا اسم، با زائدہ، اَلطَّعَّانَ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لا زائدہ برائے تاکید، با زائدہ برائے تاکید، اَللَّعَّانَ معطوف اول، واؤ عاطفہ، اَلْفَاحِشِ معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، لا زائدہ، اَلْبَذِیِّ معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفات سے مل کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۹۱۔ اصل صلہ رحمی کیا ہے

لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحْمُہٗ وَصَلَھَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَیْسَ | الْوَاصِلُ | بِالْمُکَافِیْ |
| نہیں ہے (با کمال) | رشتہ جوڑنے والا | جو برابری کا معاملہ کرے |
| وَلٰکِنَّ | الْوَاصِلَ الَّذِیْ | اِذَا |
| لیکن | رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ | جب |
| قُطِعَتْ رَحْمُہٗ | وَصَلَھَا | |
| اس سے رشتہ توڑا جائے | تو وہ اسے جوڑے | [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جو تمہارے ساتھ احسان کرے اس کے احسان کا بدلہ دینا یہ کوئی خاص کمال نہیں ہے۔ انسانی عظمت اس میں یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ بُرائی کرے یہ مسلمان ان کے ساتھ اچھائی کرے۔ جو اس سے رشتہ توڑے۔ یہ اس سے رشتہ جوڑے۔

لغات: اَلْوَاصِلُ: جوڑنے والا، وَصَلَ (ض) وَصْلًا، وَصْلَۃً بمعنی جوڑنا، صلہ رحمی کرنا، نرمی کرنا۔ اَلْمُکَافِیْ: کَافَا، مُکَافَۃً، احسان کا بدلہ احسان سے یا اس سے زیادہ اچھی طرح دینا۔ رَحْمُہٗ: قرابت، رشتہ دار، جمع ارحام۔ قَالَ تَعَالٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، اَلْوَاصِلُ لَیْسَ کا اسم، با زائدہ، اَلْمُکَافِئُ خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ واؤ استینافیہ، لٰکِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْوَاصِلُ لٰکِنَّ کا اسم، الَّذِیْ اسم موصول، اذا حرف شرط، قُطِعَتْ فعل ماضی مجہول، رَحِمُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، وَصَلَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ھا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لٰکِنَّ کی خبر، لٰکِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۹۲۔ حقیقی مالداری دل کا غنی ہونا ہے

لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرْضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَيْسَ | الْغِنٰى | عَنْ كَثْرَةِ الْعَرْضِ |
| نہیں ہے (حقیقی) | امیری | سامان کی زیادتی سے |
| وَلٰكِنَّ | الْغِنٰى | غِنَى النَّفْسِ |
| اور لیکن | امیری ہے | دل کی مالداری سے |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث میں دل کا اطمینان، صبر اور قناعت کی فضیلت بتائی ہے کہ مال کم ہو یا زیادہ ہو دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں پر خوش رہنا چاہیے۔ اسے ''غنائے قلب'' کہا جاتا ہے، اور اس حدیث میں اسی کو حقیقی مالداری قرار دیا گیا ہے۔

لغات: عَرْضٌ: متاع، سامان، اسباب جمع عروض آتی ہے۔ اَلنَّفْسُ: روح، دل، جمع نُفُوْس اور اَنْفُسٌ آتی ہے۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، اَلْغِنٰی لَیْسَ کا اسم، عَنْ جار، کَثْرَۃِ الْعَرْضِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کائناً محذوف کے، کائناً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر۔ لَیْسَ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، واؤ استینافیہ۔ لٰکِنَّ حرف مشبہ بالفعل، الغِنٰی لٰکِنَّ کا اسم، غِنَی النَّفْسِ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، لٰکِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۹۳۔ صُلح کے لیے خلافِ واقعہ بات کرنے والا جھوٹا نہیں

لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیُنْمِیْ خَیْرًا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَیْسَ | الْکَذَّابُ | الَّذِیْ |
| نہیں ہے | جھوٹا وہ | جو کہ |
| یُصْلِحُ | بَیْنَ النَّاسِ | وَیَقُوْلُ |
| صلح کرائے | لوگوں کے درمیان | اور کہے |
| خَیْرًا | وَیُنْمِیْ خَیْرًا | |

بھلی بات اور اچھی بات منسوب کرے (دوسروں کی طرف) [بخاری ومسلم]

تشریح: اس ارشاد حبیب ﷺ میں دو آدمیوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے خلافِ واقعہ بات کہنے کی بھی اجازت دی گئی ہے اور حدیث پاک کے دوسرے حصے میں صلح جوئی کے لیے بھلائی کی بات کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یعنی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جھوٹ سے بچے، لیکن بالفرض ''اِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ'' کی غرض سے کوئی خلاف واقعہ بات بھی کرے تو پکڑ سے محفوظ رہے گا۔

لغات: یَنْمِیْ نمی (ض) نمیا، 'الشیٔ' بلند کرنا، منسوب کرنا، مراد دوسرا معنی ہے الحدیث الی فلان، کسی کی طرف منسوب کرنا۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، الکَذَّابُ لَیْسَ کا اسم، الَّذِیْ موصول، یُصْلِحُ فعل مضارع، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، بَیْنَ النَّاسِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، یَقُوْلُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، خَیْرًا مقولہ (مفعول بہ) فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اول، واو عاطفہ، یَنْمِیْ خَیْرًا بترکیب سابق معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لَیْسَ کی خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۹۴۔ دعا ایک پسندیدہ عمل ہے

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَیْسَ | شَیْءٌ | اَکْرَمَ |
| نہیں ہے | کوئی چیز | زیادہ پسندیدہ |
| عَلَی اللّٰہِ | مِنَ الدُّعَاءِ | |
| اللہ کو | دعاء سے | [ترمذی] |

تشریح: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مکرم میں اللہ سے مانگنے کی ترغیب دی ہے کہ جب بھی تمہیں دنیاوی واخروی ضرورت پڑے تو دعا کا دامن کبھی نہ چھوڑیں اللہ کے نزدیک تمام عبادات میں پسندیدہ چیز دعاء ہے۔

---

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، شَیْءٌ لَیْسَ کا اسم، اَکْرَمَ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر

فاعل، عَلَى اللّٰہِ جار مجرور مل کر متعلق اول اسم تفضیل، مِنَ الدُّعَاءِ جار مجرور مل کر متعلق ثانی، اَکْرَمَ اسم تفضیل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

## ۱۹۵۔ میت پر آواز سے رونا اور نوحہ کرنا منع ہے

**لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ .**

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَیْسَ | مِنَّا | مَنْ |
| نہیں ہے | ہم میں سے | جو |
| ضَرَبَ | الْخُدُوْدَ | وَشَقَّ |
| پیٹے (غم میں) | (اپنے) رخساروں کو | اور پھاڑے |
| الْجُیُوْبَ | وَدَعَا | بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ |
| گریبانوں کو | اور پکارے | جاہلیت کی پکار |

[بخاری و مسلم]

تشریح: مصائب اور مشکلات زندگی کا حصہ ہیں۔ ان پر اظہار غم کی بھی اجازت ہے۔ لیکن بے صبری کے ساتھ رخساروں کو پیٹنا، گریبانوں کو پھاڑنا یا فوت شدہ کے لیے جاہلانہ باتیں کرنے سے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے منع فرمایا اور ان چیزوں کو جاہلیت قرار دیا ہے۔

لغات: اَلْخُدُوْدَ: جمع خَدٌّ بمعنی رخسار، اَلْجُیُوْبَ: جمع ہے جَیْبٌ کی بمعنی گریبان، جَابَ (ض) جَیْبًا القَمِیْصَ، گریبان بنانا، شَقَّ: (ن) شَقًّا بمعنی پھاڑنا، جدا جدا کرنا۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کائنًا، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَنْ موصول، ضَرَبَ فعل ماضی، ہُ

ضمیر مستتر فاعل، الـخُدُوْدَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوکر معطوف علیہ، واو عاطفہ، شَـقَّ الْـجُيُـوْبَ بترکیب سابق معطوف اول، و اؤ عاطفہ، دُعَـاءِ فعل ماضی، ضمیر مستتر فاعل، بـا جار، دَعْـوَى الْـجَـاهِلِيَّةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوکر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر لَيْسَ کا اسم، لَيْسَ اپنی خبر مقدم اور اسم سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۱۹۶۔ مشاہدہ اور خبر میں فرق ہے

لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَيْسَ | الْخَبَرُ | كَالْمُعَايَنَةِ |
| نہیں ہے | سنی ہوئی بات | برابر دیکھی ہوئی کے |

[احمد]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک نفسیاتی نقطہ کی طرف اشارہ ہے کہ انسان آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز سے جتنا متاثر ہوتا ہے اتنا سنی ہوئی سے نہیں ہوتا اور دوسرا یہ معلوم ہوا سنی ہوئی بات اور دیکھی ہوئی بات میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے معاملات میں دونوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

لغات: اَلْمُعَايَنَةِ عَايَنَ، مُعَايَنَةً بمعنی خود دیکھنا مشاہدہ کرنا۔

ترکیب: لَيْسَ فعل ناقص، اَلْـخَبَرُ لَيْسَ کا اسم، كَ جار، الْـمُعَايَنَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَـائِنًـا محذوف کے، کَـائِنًـا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

# الشَرط وَالجَزاءُ

ملاحظہ: اب ہم ان احادیث کا مطالعہ کریں گے جن کا پہلا حصہ شرط اور دوسرا حصہ جزاء ہے۔ دوسرے حصے (جزاء) پر کبھی فاء لانا ضروری ہوگا کبھی نہیں اب پہلے ان احادیث کا بیان ہے جن میں جزاء پرف نہیں آتا۔ ان احادیث طیبہ کے شروع میں حرف شرط مَنْ کا استعمال عام ہے۔

دخول فاء علی الجزاء تین قسم پر ہے۔

❶ منع ❷ جائز ❸ واجب

❶ منع: اگر جزاء فعل ماضی متصرف بغیر قد کے ہوتو دخول فاء منع ہے جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ ضَرَبْتُكَ

❷ جائز...... اگر جزاء فعل مضارع مثبت ہو اور بغیر سین اور سوف کے ہو یا مضارع منفی بَلَا ہوتو دخول فاء جائز ہے جیسے: اِنْ تَضْرِبْنِی اَضْرِبْكَ فَاَضْرِبْكَ اِنْ تَضْرِبْنِیْ لَا اَضْرِبْكَ فَلَا اَضْرِبْكَ۔

❸ واجب اگر جزاء فعل ماضی غیر متصرف ہوتو دخول فاء واجب ہے جیسے اِنْ جَاءَ زَیْدٌ فَلَیْسَ یُكْرِمُكَ۔ اگر جزاء فعل ماضی متصرف بِقَدْ ہوتو پھر بھی دخول فاء واجب ہے۔ پھر قد دو قسم پر ہے۔ ا۔ لفظی ۔۲۔ تقدیری۔

مثال لفظی: اِنْ سَرَقَ فَقَدْ سَرَقَ

مثال تقدیری: اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ یہ اصل فَقَدْ صَدَقَتْ تھا۔

اگر جزاء فعل مضارع ہو اور مثبت ہو سین اور سَوْفَ بھی داخل ہوتو اور منفی بَلَمْ یابَلَنْ ہو پھر بھی دخول فاء واجب ہے جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ فَسَیَضْرِبُكَ، فَسَوْفَ یَضْرِبُكَ فَلَنْ یَّضْرِبُكَ۔

## ۱۹۷۔تواضع بلندی کا ذریعہ اور تکبر ذلت کا ذریعہ ہے

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | تَوَاضَعَ لِلّٰهِ | رَفَعَهُ اللّٰهُ |
| جو | اللہ، کے لیے عاجزی اختیار کرے | تو اسے اللہ بلند کر دیتا ہے |
| وَمَنْ | تَكَبَّرَ | وَضَعَهُ اللّٰهُ |
| اور جو | بڑا سمجھے اپنے کو | تو اسے اللہ نیچا کر دیتا ہے |

[رواہ البیہقی]

تشریح: آقائے نامدار ﷺ کے اس فرمان عالی میں عاجزی کا سبق دیا گیا ہے اور یہ خوش خبری سنائی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس عمل پر بلندیاں نصیب فرماتے ہیں اور حدیث شریف کے دوسرے حصہ میں تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے اور یہ وعید ہے کہ تکبر والے کو ذلیل اور رسوا کیا جاتا ہے (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

### تکبر اور صغر

تکبر کی تعریف یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے اوصاف سے زیادہ کا دعویٰ کرے اور صغر یہ ہے کہ اپنے اصل مقام سے بھی اپنے آپ کو نیچے گرادے اور ان دونوں حالتوں کے درمیان رہنے کو تواضع اور عاجزی کہتے ہیں۔

لغات: تَوَاضَعَ: بمعنی ذلیل ہونا، عاجز ہونا، وَضَعَ (ض) وَضْعًا، رکھنا، گھٹانا، تواضع خود سے چھوٹا بننا۔ رَفَعَ: رَفَعَ (ف) رَفْعًا اٹھانا، رَفُعَ (ك) رِفْعَةً، رِفَاعَةً عالی مرتبہ ہونا۔

ترکیب: اَلشَّرْط معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، الْجَزَاء معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ اِقْرَأْ فعل محذوف کا، اِقْرَأْ فعل اپنے فاعل (انت ضمیر مستتر) اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔

ترکیب: مَنْ کلمہ شرط، تَوَاضَعَ فعل ماضی، ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق

ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، رفع فعل ماضی، ہ ضمیر مفعول بہ، لفظ اللّٰہُ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ تَکَبَّر وَضَعَهُ اللّٰهُ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوئے۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۹۸۔ نعمت ملنے پر اللہ کے ساتھ بندوں کا بھی شکریہ ادا کریں!

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

++++++++++

| لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ | لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ | مَنْ |
|---|---|---|
| وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا | لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا | جو |

[احمد وترمذی]

تشریح: اس حدیثِ نبی ﷺ میں یہ ہدایت دی گئی ہے جو ہمارے ساتھ احسان کرے ہم اس کا شکریہ ادا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کی ناشکری کو اللہ کی ناشکری قرار دیا ہے۔ جیسے والدین پالنے کا ذریعہ، استاد علم کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح کوئی بھی جو ذریعۂ نعمت بنے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ترکیب: مَنْ کلمہ شرط، لَمْ يَشْكُر فعل، ضمیر مستتر فاعل، النَّاسَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، لَمْ يَشْكُرِ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، لفظ اَللّٰهَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۱۹۹۔نہ مانگنے والے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں!

مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ | يَغْضَبْ عَلَيْهِ |
| جو | اللہ سے نہ مانگے | اللہ اس پر ناراض ہوں گے |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں دعا کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے دنیا والوں سے ہم مانگتے ہیں تو وہ ناراض ہوتے ہیں لیکن اللہ وہ ہیں جو نہ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔

ترکیب: مَنْ کلمہ شرط، لَمْ يَسْئَلِ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، لفظ اللّٰهَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، يَغْضَبْ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلَيْهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۰۰۔لٹیرے اپنے ایمان کی فکر کریں

مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنِ انْتَهَبَ | نُهْبَةً | فَلَيْسَ |
| جو شخص لوٹے | کسی مال کو | پس نہیں ہے وہ |
| مِنَّا | | |
| ہم میں سے | | |

[ترمذی]

تشریح: اس ارشاد رسالت مآب ﷺ میں دوسروں کا مال لوٹنے کی وعید ہے اور بتایا

گیا ہے کہ یہ جرم اتنا برا ہے کہ اسے کرنے والا مسلمان نہیں رہتا۔

لغات: اِنْتَهَبَ: مالِ غنیمت کو لینا، نَهِبَ (ف. ن. س) نَهْبًا الغَنِيْمَةَ ، مالِ غنیمت لوٹنا، اسی سے نُهْبَةً آ رہا ہے، ہر وہ چیز جو لوٹی جائے۔

ترکیب: مَنِ کلمہ شرط، انْتَهَبَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، نُهْبَةً مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، ف جزائیہ لَيْسَ فعل ناقص، هُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم، مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق كائنًا محذوف کے، كائنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۰۱۔ نیکی کی راہ بتانے والا نیکی میں شریک ہے

مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | دَلَّ | عَلٰى خَيْرٍ |
| جو | رہنمائی کرے | کسی بھلائی پر |
| فَلَهٗ | مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ | |
| پس اس کے لیے | اس کے کرنے والے کی طرح ثواب ہے | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں اس بات کی وضاحت ہے کہ دوسروں کو نیک عمل اور بھلائی کی بات بتانے والا ان کے عمل میں پورا پورا شریک رہتا ہے۔ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھلائی کی بات بتانا صدقہ ہے۔'' ہمیں چاہیے جتنا دین سیکھیں اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ تا کہ فریضہ تبلیغ بھی ادا ہو اور بہت سے اعمال کے اجر کا ایک ذریعہ بھی بن جائے۔ صدقہ جاریہ بھی ہو۔

لغات: دَلَّ يَدُلُّ (ن) دَلَالَةً اِلَى الشَّيْءِ وَعَلَيْهِ ، رہنمائی کرنا راستہ دکھانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم، متضمن معنی شرط، دَلَّ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی خَیْرٍ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط جزائیہ، لَهُ جار مجرور مل کر متعلق ثَابِتٌ محذوف کے، مِثْلُ مضاف، اَجْرِ مضاف الیہ، فَاعِلِ مضاف الیہ مضاف، ہٖ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ثَابِتٌ کا فاعل، ثَابِتٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۰۲۔ جو مسلمان پہ ہتھیار اٹھائے؟

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | حَمَلَ | عَلَيْنَا |
| جو | اٹھائے | ہم پر |
| السِّلَاحَ | فَلَيْسَ | مِنَّا |
| ہتھیار | پس نہیں ہے وہ | ہم میں سے |

[بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان پر اسلحہ اٹھانا (خواہ وہ مذاق ہی کیوں نہ ہو) یہ ناجائز ہے اور وہ شخص جو کسی مسلمان پر اسلحہ اٹھائے وہ اسلامی برادری سے نکل جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے سے دور ہو جاتا ہے۔

لغات: اَلسِّلَاحَ: مذکر و مونث دونوں استعمال ہوتا ہے۔ بمعنی ہتھیار جمع اَسْلِحَةٌ، سلح، سلحان آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم، متضمن معنی شرط، حَمَلَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلَيْنَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَلسِّلَاحَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق

اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط ،ف جزائیہ ،لَیْسَ فعل ناقص ،ھُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم ،مِنّا جار مجرور مل کر متعلق کائناً محذوف کے، کائناً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر لَیْسَ کی خبر ،لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء ،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۰۳۔خاموشی نجات کا ذریعہ ہے

مَنْ صَمَتَ نَجَا

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | صَمَتَ | نَجَا |
| جو | خاموش رہا | اس نے نجات پائی |

[احمد وترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں خاموشی کی فضیلت بتائی گئی ہے۔مقصود حدیث کا یہ ہے کہ جس گفتگو کے ثواب ہونے میں شک ہو۔اس سے خاموشی بہتر ہے۔معلوم ہوا زیادہ باتیں کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

لغات:صَمَتَ یَصْمُتُ(ن) صمتا ،خاموش رہنا،چپ رہنا۔

ترکیب:مَنْ صَمَتَ نَجَا،ترکیب ظاہر ہے۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۰۴۔مجاہد کی مدد جہاد میں شرکت کا ذریعہ ہے

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | جَهَّزَ | غَازِيًا |
| جس نے | سامان دیا | کسی مجاہد کو |
| فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | فَقَدْ | غَزَا |
| اللہ کی راہ میں | پس تحقیق | اس نے جہاد کیا |
| وَمَنْ | خَلَفَ | غَازِيًا |
| اور جو شخص | نگران رہا | کسی مجاہد کا |
| فِيْ اَهْلِهٖ | فَقَدْ | غَزَا |
| اسکے گھر کے بارے میں | پس تحقیق | اس نے جہاد کیا |

[بخاری ومسلم]

**تشریح:** اس حدیث پاک میں ترغیب دی گئی ہے کہ خود جہاد یا کوئی نیک عمل نہ کر سکیں تو نیکی کے کام میں دوسروں کی مدد کر دینا بھی اس نیکی کر لینے کے برابر ہے۔ نیکی پر تعاون بھی اس عمل کے کرنے کا درجہ رکھتا ہے۔

> **لغات:** جَهَّزَ: تیار کرنا، جَهْزَةً، سامان دیا، تیار کیا۔ غَزَا بغَزَا (ن) غَزْوًا طلب کرنا، قصد کرنا، دشمنوں سے جہاد کا ارادہ کرنا۔ خَلَفَ بخَلَفَ (ن) نیابت، خلافۃ جانشین ہونا۔

**ترکیب:** مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، جَهَّزَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، غَازِيًا مفعول بہ، فِيْ جار، سَبِيْلِ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، فا جزائیہ، قَدْ غَزَا فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط

اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا بترکیب سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۰۵۔ جو نرمی سے محروم ہے وہ ہر بھلائی سے محروم ہے

مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | يُحْرَمُ | الرِّفْقَ |
| جو شخص | محروم رہے | نرمی سے |
| يُحْرَمُ | الْخَيْرَ | |
| محروم رہے گا | ہر بھلائی سے | [مسلم] |

تشریح: آقائے مدنی ؐ کے اس قولِ مبارک میں معاملات میں نرمی اور دوسروں پر شفقت اور مہربانی کو بہت بڑی بھلائی اور خیر قرار دیا گیا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سختی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

لغات: رِفْقَ رَفُقَ (ن.س.ك) رِفْقًا بِهٖ، لَهٗ، عَلَيْهِ نرمی کرنا۔

ترکیب: مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ ترکیب حسب سابق واضح ہے۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۰۶۔ دیہات کے رہنے والوں میں سختی ہے

مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | سَكَنَ | الْبَادِيَةَ |

| | | |
|---|---|---|
| جو شخص | رہا | جنگل میں |
| جَفَا | وَمَنِ اتَّبَعَ | الصَّيْدَ |
| وہ سخت دل ہوا | اور جو پیچھے چلا | شکار کے |
| غَفَلَ | وَمَنْ | اَتَی |
| وہ بے خبر ہوا | جو شخص | آیا |
| السُّلْطَانَ | افْتُتِنَ | |
| بادشاہ کے پاس | وہ فتنے میں پڑ گیا | [احمد و ترمذی] |

**تشریح:** اس حدیث میں تین چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۔ دیہات میں رہنا دل کے سخت ہونے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ وہاں علماء اور صلحاء کی صحبت نہ ہونے کی وجہ سے علم و معرفت سے محرومی ہوتی ہے۔

۲۔ شکار کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن دور تک شکار کے پیچھے جانا ذکرِ الٰہی سے غفلت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۳۔ بادشاہ کے پاس آنا جانا دین سے دُور ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اِلَّا یہ کہ بادشاہ: امر بالمعروف و نہی عن المنکر والا ہو تو اس کے پاس حاضری ایمان کی ترقی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

**لغات:** اَلْبَادِیَۃَ: جنگل، صحرا: جمع بادیات بوادآتی ہے۔ جَفَا بجفا (ن) جَفْوًا، وجَفَاءً سختی سے پیش آنا، سخت دل ہونا۔ اَلصَّیْدَ: شکار جمع صُیُوْدٌ، صَادَ (ض) صَیْدًا، شکار کرنا۔ اُفْتُتِنَ: باب افتعال، فتنہ میں مبتلا ہونا یا کرنا، فَتَنَ (ض) فَتَنَہٗ فُلَانًا، گمراہ کرنا۔

**ترکیب:** مَنْ سَکَنَ الْبَادِیَۃَ جَفَا ترکیب واضح ہے۔ واؤ عاطفہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اتَّبَعَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل۔ الصَّیْدَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، غَفَلَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل

مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَتَی فعل، ھُوَ ضمیر فاعل السُّلْطَانَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اُفْتُتِنَ فعل ماضی مجہول، ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۰۷۔ دکھاوے کی ہر عبادت شرک بن جاتی ہے

مَنْ صَلّٰی یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | صَلّٰی | یُرَائِی |
| جس نے | نماز پڑھی | دکھلاوے کے لیے |
| فَقَدْ | اَشْرَکَ | وَمَنْ |
| پس تحقیق | اس نے شرک کیا | اور جس نے |
| صَامَ | یُرَائِیْ | فَقَدْ |
| روزہ رکھا | دکھلاوے کے لیے | پس تحقیق |
| اَشْرَکَ | وَمَنْ | تَصَدَّقَ |
| اس نے شرک کیا | اور جس نے | صدقہ کیا |
| یُرَائِیْ | فَقَدْ | اَشْرَکَ |
| دکھلاوے کے لیے | پس تحقیق | اس نے شرک کیا |

[رواہ احمد]

تشریح: اس حدیثِ رسول ﷺ میں دکھلاوے والی نماز، روزہ اور صدقہ کو شرک قرار دیا ہے، بطور مثال صرف تین اعمال بتائے ہیں ورنہ ہر نیک عمل میں دکھلاوا شرک کا ذریعہ ہے۔

لغات: یُرَائِیْ زیاء، مراءۃ، ریا کاری کرنا، خلاف حقیقت دکھانا، رَای(ف) رُؤْیَۃً بمعنی دیکھنا۔ اَشْرَکَ: باب افعال اِشْرَاکًا، اَشْرَکَ فِیْ اَمْرِہٖ، کام میں شریک بنانا، اسی سے شرک بھی ہے۔ شرک کرنے والا، شَرِکَ(س) شِرْکًا وشِرْکَۃً بمعنی شریک ہونا۔

ترکیب: مَنْ متضمن معنی شرط، صَلّٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، یُرَائِیْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر صَلّٰی کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، قد حرف تحقیق، اَشْرَکَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

## ۲۰۸۔ کسی قوم کی مشابہت ان میں شامل کردے گی

وَمَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَمَنْ | تَشَبَّہَ | بقَوْمٍ |
| اور جس شخص نے | مشابہت اختیار کی | کسی قوم کی |
| فَھُوَ | مِنْھُمْ | |

| | | |
|---|---|---|
| پس وہ | انہیں میں سے ہے | [ابو داؤد] |

تشریح: اس حدیث پاک میں یہ خاص پیغام ہے کہ ہم فاسق اور فاجر لوگوں کی مشابہت اختیار کریں گے تو انہیں کا گناہ ملے گا اور نیک لوگوں جیسی عادات اختیار کریں گے تو انہیں کا اجر ملے گا۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ آدمی ہر کام میں صالح لوگوں کا دامن پکڑے تا کہ اس کا حشر انہیں لوگوں کے ساتھ ہو۔

لغات: تَشَبَّہَ: مشابہ ہونا، مشابہت اختیار کرنا۔

ترکیب: واؤ استینافیہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَشَبَّہَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بـا جار، قَوْمٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فا جزائیہ هو مبتدا، مِنْهُمْ جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ مستانفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۰۹۔سنت رسول ﷺ کی مخالفت سے ایمان کو خطرہ

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | رَغِبَ | عَنْ سُنَّتِيْ |
| جو شخص | منہ موڑے | میرے طریقے سے |
| فَلَيْسَ | مِنِّيْ | |
| پس نہیں ہے | وہ مجھ سے | [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کو مسلمانوں کی برادری سے باہر نکلنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جو سنت کو پسند نہیں

کرتا وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں کرتا جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ کرے اللہ اسے دور کر دیتے ہیں۔

| |
|---|
| لغات: رَغِبَ رَغِبَ(س) رَغْبًا، رَغْبَةً عَنْهُ، اعراض کرنا، فِیْهِ چاہنا۔ سُنَّتِیْ: خصلت، عادت، طبیعت، جمع سُنَنٌ آتی ہے۔ |

ترکیب: مَنْ شرطیہ، رَغِبَ فعل ھُوَ ضمیر فاعل عَنْ جار، سُنَّتِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، لَیْسَ فعل ناقص ضمیر اس کا اسم، مِنِّیْ جار مجرور کَائِنًا کے متعلق ہو کر لَیْسَ کی خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۱۰۔ حج کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے

مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَرَادَ | الْحَجَّ |
| جو شخص | چاہے | حج کرنا |

فَلْيُعَجِّلْ

پس چاہیے کہ جلدی کرے [ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث میں تنبیہ ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض ہو جائے اس کی ادائیگی میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ جان بوجھ کر حج میں ٹال مٹول کرنے والا فاسق، فاجر ہوتا ہے۔

| |
|---|
| لغات: فَلْيُعَجِّلْ: جلدی کرنا، سبقت کرنا۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَرَادَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْحَجَّ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فا جزائیہ، لِیُعَجِّلْ امر غائب، ہو ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۱۱۔دھوکہ باز ایمانی صفات سے محروم ہو جاتا ہے

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا .

++++++++++

| مِنَّا | فَلَیْسَ | غَشَّنَا | مَنْ |
|---|---|---|---|
| ہم میں سے | پس نہیں ہے وہ | دھوکا کرے ہم (مسلمانوں) سے | جو شخص |

[مسلم]

تشریح: اس حدیث میں عام مسلمانوں کو اور خاص کر تاجروں کو ہدایت ہے کہ وہ ملاوٹ کر کے یا گھٹیا مال دے کر یا جھوٹ بول کر معاملات میں دھوکا نہ کریں۔ ورنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مسلمانوں کی برادری سے باہر ہو جائیں گے۔

لغات: غَشَّنَا: غَشَّ (ن) غِشًّا دھوکہ دینا، خلاف مصلحت مزین کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، غَشَّ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، نَا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، لَیْسَ فعل ناقص، ھُوَ ضمیر مستتر لَیْسَ کا اسم، مِنَّا جار، مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر لَیْسَ کی خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۱۲۔مصیبت زدہ کو صرف تسلی دینے پر اتنا بڑا اجر ہے

مَنْ عَزّٰى ثُكْلٰى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | عَزّٰى | ثُكْلٰى |
| جو شخص | تسلی دے | کسی فوت شدہ بچے کی ماں کو |
| كُسِيَ | بُرْدًا | فِي الْجَنَّةِ |
| پہنایا جائے گا اسے | دھاری دار کپڑا | جنت میں [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں جس عورت کا بچہ فوت ہو جائے اسے بالمشافہہ یا ٹیلی فون یا خط، کسی بھی ذریعہ سے تسلی دے دی جائے تو اس پر جنت میں دھاری دار لباس کا وعدہ ہے۔

لغات: عَزّٰى تَعْزِيَةً تعزیت کرنا، تسلی دینا، عَزّٰی(س) عَزَاءً مصیبت پر صبر کرنا۔ ثُكْلٰى: صیغہ مونث کا ہے، وہ عورت جس کا بچہ مرجائے یا گم ہو جائے، جمع ثَوَاكِلُ، ثُكَالٰى آتی ہے، ثَكِلَ(س) ثکلا گم کرنا۔ كُسِيَ: كَسًا(ن) كِسْوًا، کپڑے پہنانا، كَسِيَ (س) كَسًا آتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، عَزّٰى فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ثُكْلٰى مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، كُسِيَ فعل ماضی مجہول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، بُرْدًا مفعول بہ، فِي الْجَنَّةِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............ ۞۞۞ ............ ))

## ۲۱۳۔ایک دفعہ درود پاک،دس رحمتوں کا ثواب

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | صَلّٰی | عَلَیَّ |
| جو شخص | درود بھیجے | مجھ پر |
| وَاحِدَةً | صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ | عَشْرًا |
| ایک مرتبہ | رحمت بھیجیں گے اللہ اس پر | دس مرتبہ [مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں درود پاک کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ ایک دفعہ درود بھیجنے والا اللہ کی دس رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے اور جمعہ والے دن اس عمل کا ثواب اور بڑھ جاتا ہے۔

ترکیب: من اسم جازم متضمن معنی شرط، صَلّٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، علی جار مجرور مل کر متعلق فعل، وَاحِدَةً صفت، صَلٰوةً محذوف کی، صَلٰوةً اپنی صفت سے مل کر مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، صَلَّی فعل ماضی، لفظ اَللّٰهُ فاعل، عَلَیْهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، عَشْرًا صفت، صَلٰوةً محذوف کی، صَلٰوةً موصوف اپنی صفت سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۱۴۔ہمسایہ ملکوں کے معاہدوں کی پابندی

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ یَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | قَتَلَ | مُعَاهِدًا |
| جو شخص | قتل کرے | معاہدہ والے کو |

| | | |
|---|---|---|
| لَمْ | يَرِحْ | رَائِحَةَ الْجَنَّةِ |
| نہیں | سونگھے گا | جنت کی بو [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں بتایا ہے کہ ایک قوم کا دوسری قوم سے آپس میں جنگ نہ کرنے کا عہد کر لینا اور اسے پورا کرنا دینی دنیاوی بے شمار فوائد رکھتا ہے اور اس کی خلاف ورزی سے امیر کی مخالفت، وعدہ کی خلاف ورزی، دوسرے مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چالیس سال کے فاصلہ سے آنی والی جنت کی خوشبو سے محرومی ہو جاتی ہے۔

لغات: مُعَاهِدًا عَاهَدَهُ، مُعَاهَدَةً، مُعَاهَدَةً کرنا، عہد (س) عَهْدَ الشَّيْءُ، حفاظت کرنا۔ يَرِحْ رَاحَ (ض) رِيْحًا الشَّيْءَ بو محسوس کرنا، خوشبو پانا، اسی سے رائحۃ آتا ہے۔ بمعنی بو، جمع رَوَائِحُ اور رَائِحَاتٌ آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، قَتَلَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَعَاهِدًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ يَرِحْ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، رَائِحَةَ الْجَنَّةَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۱۵۔ جس سے بھلائی کا ارادہ ہو اللہ اسے دین کی سمجھ دیتے ہیں

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ | خَيْرًا | يُّفَقِّهْهُ |
| جس شخص کے بارے میں چاہے اللہ | بھلائی کرنا | سمجھ دیتا ہے اللہ اس کو |

فِی الدِّیْنِ

دین میں [بخاری]

تشریح: اس حدیث میں علم دین کا حاصل کرنا، اسے سمجھنا بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے کہ جسے یہ نعمت مل گئی کہ اس کے سامنے احکامِ شریعت اور معرفت کے راستے کھل گئے۔ تو اسے اللہ نے بہت بڑی بھلائی سے نواز دیا۔ اس لیے طلباء اور علماء کو اس نعمت پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

| |
|---|
| لغات: یُفَقِّهْهُ وَ افقَهَهُ، فَقُهَ فُلَانًا سمجھانا، فقیہ بنانا، سمجھ عطا کرنا، فَقِهَ(س) فِقْهًا، وَتَفَقُّهٌ، سمجھنا، علم فقہ حاصل کرنا۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، یُرِدْ فعل مضارع، لفظ اللّٰهُ فاعل، بِهٖ جار مجرور مل کر متعلق فعل، خَیْرًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، یَفْقِهْهُ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، هٗ ضمیر مفعول بہ، فِی الدِّیْنِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

## ۲۱۶۔ مسجد بنانے کا اجر وثواب

مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | بَنٰی لِلّٰهِ | مَسْجِدًا |
| جو شخص | بنائے اللہ کے لیے | چھوٹی سی مسجد |
| بَنَی اللّٰهُ | لَهٗ | بَیْتًا |
| بنائے گا اللہ | اس کے لیے | محل (گھر) |

فِی الْجَنَّةِ

جنت میں [بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں مسجد کی تعمیر و ترقی میں رضائے الٰہی کے لیے کوشش کرنے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ اس کے بدلے اللہ جنت میں محل تعمیر کرادیتے ہیں۔

| |
|---|
| لغات: بَنَـی یبنی (ض) بَنْیًا وبِناءً، بُنْیَانًا ،اَلْبُیْتَ تعمیر کرنا۔ بَیْتًا: گھر جمع بُیُوْتٌ آتی ہے۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، بَـنٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ،لِـلّٰہِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَسْـجِـدً امفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط ،بَـنٰی فعل، لفظ اَلـلّٰـهُ فاعل، لَـهُ جار مجرور مل کر متعلق فعل، بَیْتًا مفعول بہ ،فِـی الْجَنَّـةِ جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............ ❁❁❁ ............ ))

## ۲۱۷۔ شکریہ ادا کرنے کا اسلامی طریقہ

مَنْ صُنِعَ اِلَیْہِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِہٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الثَّنَاءِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | صُنِعَ | اِلَیْہِ |
| جو شخص کہ | کی گئی | اس کی طرف |
| مَعْرُوْفٌ | فَقَالَ | لِفَاعِلِہٖ |
| کوئی نیکی | پس کہا اس نے | اس (نیکی) کرنے والے کو |

| | | |
|---|---|---|
| جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا | فَقَدْ | اَبْلَغَ |
| جزاک اللہ خیرا | پس تحقیق | انتہاء کردی |
| فِي الثَّنَاءِ | | |
| اس نے تعریف کرنے میں | | [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں شکریہ کے طور پر جزاك اللّٰہ کہنے کی فضیلت بتائی گئی ہے اور ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ احسان کرے ہمیں اس کا بدلہ دینے کی فکر رہنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلی فرصت میں جَزَاكَ اللّٰهُ کہہ کر اس احسان کا بدلہ بارگاہ خداوندی سے ملنے کی دعاء کرنی چاہیے۔ اس عمل کی بہت بڑی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس میں بندہ اپنے محسن کے لیے اللہ کے خزانے سے احسان کا بدلہ ملنے کی دعاء کرتا ہے۔

لغات: صُنِعَ صَنَعَ (ف) صُنْعًا الشَّيْءَ بنانا۔ اَبْلَغَ: کامل طور پر پہنچانا، بَلَغَ (ن) بُلُوْغًا پہنچنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صُنِعَ فعل ماضی مجہول، اِلَيْهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَعْرُوْفٌ نائب فاعل، فعل اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مطعوف علیہ، ف عاطفہ، قَالَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ل جار، فَاعِلِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، جَزَا فعل ماضی، كَ ضمیر مفعول اول، لفظ اَللّٰهُ فاعل، خَيْرًا مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مفرد ہو کر مقولہ، قَالَ فعل اپنے فاعل، متعلق اور مقولہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، فَا جزائیہ، قَدْ حرف تحقیق، اَبْلَغَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فِي الثَّنَاءِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............ ❀❀❀ ............ ))

## ۲۱۸۔دوغلی پالیسی پر وعید

مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانٌ مِنْ نَّارٍ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | كَانَ | ذَا وَجْهَيْنِ |
| جو شخص | ہو | دوغلا |
| فِي الدُّنْيَا | كَانَ | لَهٗ |
| دنیا میں | ہوگی | اس کے لیے |
| يَوْمَ الْقِيٰمَةِ | لِسَانٌ | مِنْ نَّارٍ |
| قیامت کے دن | زبان | آگ کی |

[دارمی]

تشریح: اس حدیث پاک کے دو مصداق بتائے گئے ہیں۔

۱۔یہ وعید منافق کے لیے ہے یعنی جو شخص بظاہر اسلام کا دعوی کرے مگر دل میں اسلام کو برا سمجھے۔

۲۔یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دو کے درمیان لڑائی کروانے کے لیے یا غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے مختلف باتیں بناتا ہے، بہر حال اپنی اپنی جگہ پر دونوں عادتیں ہی بری ہیں۔نہ نفاق ہونا چاہیے اور نہ ہی فساد کے لیے ایک دوسرے کی باتیں بتانا چاہئیں۔

لغات: وَجْهَيْنِ وَجْهٌ کا تثنیہ ہے بمعنی منہ مراد یہاں پر دوغلہ آدمی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، كَانَ فعل ناقص، هُوَ ضمیر مستتر كَانَ کا اسم، ذَا وَجْهَيْنِ مضاف مضاف الیہ مل کر كَانَ کی خبر، فِي الدُّنْيَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، كَانَ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، کان فعل ماضی، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل، يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، لِسَانٌ موصوف، مِنْ نَّارٍ جار مجرور مل کر متعلق ہوا كَائِنٌ محذوف کے، كَائِنَانِ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر

کَانَ کا فاعل، کَانَ اپنے فاعل، متعلق مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۱۹۔ دوسروں کے عیب چھپایئے ایک زندگی کا ثواب پایئے

مَنْ رَاٰی عَوْرَۃً فَسَتَرَھَا کَانَ کَمَنْ اَحْیٰی مَوْءُوْدَۃً .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | رَاٰی | عَوْرَۃً |
| جس نے | دیکھا | کسی (مسلمان کے) عیب کو |
| فَسَتَرَھَا | کَانَ | کَمَنْ |
| پس اسے چھپالیا | ہوگا وہ | اس شخص کی طرح |
| اَحْیٰی | مَوْءُوْدَۃً | |
| جو بچالے | زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو | [ترمذی] |

تشریح: اسلام سے پہلے لڑکیوں کو زندہ ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے لڑکی کو دفن ہونے سے بچانے کا بہت بڑا ثواب بتایا ہے تو کسی کے عیب چھپا لینے پر بھی وہی اجر اور انعام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہم کسی کی عیب جوئی نہ کریں اگر کسی کا کوئی عیب معلوم ہو تو اسے چھپائیں۔

تا کہ اس کے بدلہ میں اللہ پاک ہماری غلطیوں کو چھپا کر قیامت کے دن کی ذلت سے بچالیں۔

لغات: عَوْرَۃً: ہر وہ کام جس سے آدمی شرم کرے، شرم گاہ کو بھی کہتے ہیں، جمع عَوْرَاتٌ آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی لَمْ یَظْھَرِ عَلٰی عَوْرَاتِ النِّسَآءِ . سَتَرَ (ن.ض) سَتْرًا بمعنی ڈھانکنا، چھپانا مَوْءُوْدَۃً: وَئَدَ (ض) وَئْدًا بمعنی زندہ درگور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِذَ الْمَوْءُ دَۃُ سُئِلَتْ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، رَأَى فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عورة مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، فَا عاطفہ، سَتَرَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، هَا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، كَانَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، كَ جار، من موصول، اَحْيٰى فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَوْءُوْدَةً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۲۰۔ حفاظت زبان اور عذر قبول کرنے کا انعام

مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبَّلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | خَزَنَ | لِسَانَهٗ |
| جس نے | روک لیا (برائی سے) | اپنی زبان کو |
| سَتَرَ | اَللّٰهُ | عَوْرَتَهٗ |
| چھپائے گا | اللہ | اس کے عیبوں کو |
| وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ | كَفَّ اللّٰهُ عَنْه عَذَابَهٗ | يَوْمَ الْقِيَامَةِ |
| اور جس نے روکا اپنے غصے کو | روکے گا اللہ تعالیٰ اس سے اپنے عذاب کو | قیامت کے دن |
| وَمَنِ اعْتَذَرَ | اِلَى اللّٰهِ | قَبَّلَ |
| اور جس نے معافی مانگی | اللہ سے | قبول کرلیں گے |

| | | |
|---|---|---|
| اللّٰہُ | عُذْرَہٗ | |
| اللہ | اس کی معافی کو | [رواہ البیہقی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں بھی گذشتہ حدیث کی تصدیق ہے کہ جو شخص کسی کا عیب چھپائے اور زبان عیب گوئی سے بچائے تو اس عمل کا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپا لیتے ہیں اور جو شخص اپنا حق معاف کر دے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ اور بعض اوقات خوش ہو کر گناہوں کی جگہ پر نیکیاں لکھوا دیتے ہیں۔

لغات: خَزَنَ یَخْزَنُ(ن) خَزْنًا. اَلِلّسَانَ: زبان کا روکنا، اَلْمَالَ: مال کو جمع کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، خزن فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، لسانه مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، ستر فعل، لفظ اللہ فاعل، عَوْرَته مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ مَنْ شرطیہ کَفَّ فعل ضمیر فاعل غَضَبَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر شرط کَفَّ فعل اَللّٰہَ فاعل عَنْہُ جار مجرور متعلق فعل یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مضاف مضاف الیہ مفعول فیہ فعل فاعل متعلق مفعول فیہ مفعول بہ مل کر جزا شرط اور جزا مل کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اعتذر فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، قبل فعل، لفظ اللّٰہ فاعل، عذرہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

## ۲۲۲۔کوئی مسئلہ پوچھے تو ضرور بتانا چاہیے

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | سُئِلَ | عَنْ عِلْمٍ |
| جو شخص کہ | پوچھا گیا | ایسی (دینی) سمجھ کے متعلق |
| عَلِمَهٗ | ثُمَّ | كَتَمَهٗ |
| جسے وہ جانتا ہے | پھر | اسے چھپایا |
| اُلْجِمَ | يَوْمَ الْقِيٰمَةِ | بِلِجَامٍ |
| (تو) وہ پہنایا جائے گا | قیامت کے دن | لگام |
| مِّنْ نَّارٍ | | |
| آگ کی | | |

[احمد وترمذی]

تشریح: اس ارشاد مبارک میں دو چیزیں قابل توجہ ہیں۔(۱) ایک بڑی وعید ہے۔ان لوگوں کے لیے جنہیں اللہ علم دین کی دولت سے نوازیں اور وہ طالبین کی طلب پر اپنے علم کو چھپائیں یا دنیاوی غرض سے غلط مسائل بتائیں کیونکہ:

"علم کا چھپانا ہلاکت ہے، عمل کا پھیلانا نجات ہے"۔

(۲)۔کیونکہ منہ کے ذریعے اس نے اشاعت اسلام کرنی تھی وہ نہ کی اس لیے منہ کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔اس لیے جو دین سیکھیں آگے سکھائیں۔

> لغات: كَتَمَهٗ: كَتَمَ(ن) كَتْمًا ، كِتْمَانًا ، پوشیدہ رکھنا، چھپانا۔قَالَ تَعَالٰى وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. اُلْجِمَ اِلْجَامًا اَلدَّابَّةَ ، لگام لگانا بِلِجَامٍ بمعنی لگام جمع لُجُمْ آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، سُئِلَ فعل ماضی مجہول هُوَ ضمیر مستتر

نائب فاعل عَنْ جار عِلْمٍ موصوف عَلِمَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ کَتَمَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، اُلْجِمَ فعل مجہول ھُوَ ضمیر نائب فاعل یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ بَا جار لِجَامٍ موصوف مِنْ جار نَارٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنٌ کے کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

## ۲۲۳۔بغیر تحقیق مسائل نہ بتایئے

مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہٗ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْہِ بِاَمْرٍ یَّعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِہٖ فَقَدْ خَانَہٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اُفْتِیَ | بِغَیْرِ |
| جس شخص کو | فتویٰ دیا گیا | بغیر |
| عِلْمٍ | کَانَ | اِثْمُہٗ |
| سمجھ کے | ہوگا | اس کا گناہ |
| عَلٰی | مَنْ اَفْتَاہٗ | وَمَنْ |

| | | |
|---|---|---|
| اس (شخص) پر | جس نے اسے فتوی دیا | اور جس شخص نے |
| اَشَارَ | عَلٰی اَخِیْہِ | بِاَمْرٍ |
| مشورہ دیا | اپنے (مسلمان) بھائی کو | ایسے کام کا |
| یَعْلَمُ | اَنَّ | الرُّشْدَ |
| جو وہ جانتا ہے | یہ کہ | درستگی |
| فِیْ غَیْرِہٖ | فَقَدْ | خَانَہٗ |
| اس کے علاوہ میں ہے | پس تحقیق | اس نے اس کے ساتھ خیانت کی |

[ابو داؤد]

تشریح: یہ حدیث گزشتہ مضمونِ حدیث سے ہی متعلقہ ہے۔یعنی مفتی کو چاہیے مسائل بتانے میں اپنی اٹکل سے کام نہ لے۔تاکہ غلط مسائل بتانے کی وجہ سے اس پر دوسروں کے اعمال کا بوجھ نہ پڑے۔

اس حدیث پاک کے دوسرے حصے میں یہ ہدایت ہے کہ مشورہ درست اور شریعت کے مطابق دینا چاہیے۔اگر اپنے فائدے کو ملحوظ رکھا یا مشورہ طلب کرنے والے کے نقصان کو ملحوظ نہ رکھا تو یہ خیانت شمار ہوگی اس لیے اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

اُفْتِیَ افتاء بمعنی فتوی دینا، فَتِیَ (س) جوان ہونا، اِثْمٌ: گناہ، جرم، جمع اٰثَامٌ آتی ہے، اِثِمَ (س) اِثْمًا، گناہ کرنا، اَلرُّشْدَ: بمعنی ہدایت، بھلائی، رَشَدَ (ن) رُشْدًا ہدایت پانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اُفْتِیَ فعل مجہول، ھُوَ ضمیر اس کا نائب فاعل، بَا جار غَیْرِ عِلْمٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شرط کَانَ تامہ فعل، اِثْمُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، عَلٰی حرف جار مَنْ موصولہ، اَفْتَا فعل، ھُوَ ضمیر فاعل، ہٗ مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور

مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا، واؤ استنافیہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط اَشَارَ فعل، ماضی هُوَ ضمیر اس کا فاعل، عَلٰی جار، اَخِیْهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے بِ جار اَمْرٍ موصوف یَعْلَمُ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، الرُّشْدَ اس کا اسم، فِیْ جار غَیْرِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ بتاویل مفرد ہو کر مفعول بہ یَعْلَمُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ہوئی اَمْرٍ موصوف کی، موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی اَشَارَ کے، اَشَارَ اپنے فاعل متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط فا جزائیہ، قَدْ حرف تحقیق، خَانَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۲۴۔ بدعتی کی تعظیم نہ کیجیے

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | وَقَّرَ | صَاحِبَ بِدْعَةٍ |
| جس شخص نے | عزت کی | کسی بدعت والے کی |
| فَقَدْ | اَعَانَ | عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ |
| پس تحقیق | مدد کی اس نے | اسلام کے گرانے پر |

[رواه البیهقی]

تشریح: اس حدیث پاک میں بدعت کرنے والے کی تعظیم سے روکا گیا ہے،

کیونکہ بدعت سنت کے مخالف چیز ہے جہاں بدعت ہوتی ہے ضرور کوئی نہ کوئی سنت رہ جاتی ہے اور سنت کی محبت اور اس پر عمل کو دین اسلام کی جڑ اور بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اس بناء پر بدعتی کی تعظیم کرنے والا، اسلام کو گرانے والا شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ بدعتی سنت کو چھوڑنے اور بدعت کو رواج دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

| |
|---|
| لغات: وَقَّــرَ: باب تفعیل سے ہے تعظیم کرنا۔ بِــدْعَةٍ: نئی چیز، جمع بِــدَعٌ، بَـدَعَ (ف) بِـدْعًـا، ایجاد کرنا، بغیر نمونہ کے کوئی چیز بنانا۔ هَــدْمِ: هَـدَمَ (ض) هَـدْمًـا بمعنی ڈھانا، توڑنا، گرانا۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، وَقَّرَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، صَاحِبَ بِــدْعَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ قَدْ حرف تحقیق، اَعَانَ فعل هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل عَلٰی جار، هَدْمِ الْاِسْلَامِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۲۵۔ بدعت دربارِ الٰہی میں مردود ہے

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَحْدَثَ | فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا |
| جس شخص نے | نئی بات نکالی | ہمارے اس (دین کے) کام میں |
| مَالَیْسَ مِنْهُ | فَهُوَرَدٌّ | |
| جو اس (دین) میں نہیں ہے | پس وہ دھتکاری ہوئی ہے | [بخاری و مسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں بدعت (دین میں نئی نئی باتیں اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے) ایک حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں

ہے۔ بدعتی آدمی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو عملی طور پر غلط راستے پر سمجھتا ہے۔ اسی لیے سنت کو چھوڑ کر نیا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔

| |
|---|
| لغات: اَحْدَثَ: پیدا کرنا، ایجاد کرنا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ فَلَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ. اَحْدَثَ الرَّجُلُ: پاخانہ کرنا۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَحْدَثَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، فِیْ جار، اَمْرِنَا مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، ھٰذَا اسم اشارہ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَا موصول لَیْسَ فعل ناقص، ھُوَ ضمیر اس کا اسم، مِنْہُ جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ شرط فَا جزائیہ ھُوَ مبتدا، رَدٌّ بمعنی مَرْدُوْدٌ خبر مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

## ۲۲۶۔ لباس سے دھوکا نہ دیجیے!

مَنْ تَحَلّٰی بِمَا لَمْ یُعْطَ کَانَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ .

++++++++++

| مَنْ | تَحَلّٰی | بِمَا |
|---|---|---|
| جس شخص نے | آراستہ کیا (اپنے آپ کو) | ایسی چیز کے ساتھ |
| لَمْ یُعْطَ | کَانَ | کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ |
| جو (اسے) نہیں دی گئی | ہوگا وہ | دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی طرح |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایسے لباس سے منع کیا گیا ہے کہ:

جس سے لوگوں کے سامنے عالم، صالح یا پیر ظاہر ہوتا ہو اور حقیقت میں نہ ہو۔ بعض لوگ صرف دکھلاوے کے لیے تکلف کر کے امراء کے لباس پہنتے ہیں۔اور غیروں کی زبان استعمال کرتے ہیں۔تاکہ ہم وہ محسوس نہ ہوں جو حقیقت میں ہیں۔ایسے لوگ بھی اس وعید میں آجاتے ہیں۔حدیث پاک کا خاص پیغام یہ ہے کہ مشابہت صرف آپ ﷺ سے ہو منافقت نہ ہو۔ظاہر باطن ایک ہو۔

| |
|---|
| لغات: تَحَلّٰی: بمعنی آراستہ ہونا، زیور پہننا، اَلْحِلِيُ جمع حِلْیٌ حُلّٰی آتی ہے۔لَابِسَ: لَبِسَ (س) لُبْسًا بمعنی پہننا۔زُوْرٍ: باطل، جھوٹ۔ |

ترکیب: من اسم جازم متضمن معنی شرط، تَحَلّٰی فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل بَا حرف جار، مَاموصول، لَمْ یُعْطَ فعل مجہول، ھُوَ ضمیر اس کا نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط کَانَ فعل تامہ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، کَ جار، لَابِسِ مضاف، ثَوْبَیْ مضاف الیہ، مضاف، زُوْرٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۲۷۔زبان اور شرم گاہ کی حفاظت

مَنْ یَّضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ فَخِذَیْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.

+++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | یَّضْمَنْ | لِیْ |
| جو شخص | ضمانت دے | مجھے |
| مَا | بَیْنَلِحْیَیْهِ | وَمَا |
| اس کی جو | اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے | اور اس کی جو |

| | | |
|---|---|---|
| بَیْنَ فَخِذَیْہِ | اَضْمَنُ | لَهُ الْجَنَّةَ |
| اس کی دورانوں کے درمیان ہے | ضمانت دیتا ہوں میں | اسے جنت کی |

[بخاری]

تشریح: اس حدیث شریف میں

❶ زبان کو غیبت، چغلی اور لایعنی باتوں سے بچانے کی ترغیب ہے۔

❷ شرم گاہ کو زنا اور حرام کاری سے بچانے کی ترغیب ہے۔

❸ ان دونوں اعمال پر آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں اور یہ ضمانت آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے دی کیونکہ سورۃ نجم میں ارشاد ہے کہ:

''آپ ﷺ وحی کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے''۔ اس مبارک ارشاد میں ان دونوں باتوں کی ترغیب دی گئی ہے۔ کہ زبان غیبت، جھوٹ اور نافرمانی والی بات کرنے سے بچے اور شرم گاہ بے حیائی سے بچے۔ بے پردگی اور نگاہوں کو نامحرم سے نہ بچانا آخر کار فحاشی اور زنا میں مبتلاء کر دیتا ہے۔

لغات: یَضْمَنُ ضَمِنَ (س) ضَمْنًا وَضَمَانًا بمعنی ضامن ہونا، ضَمْنًا بِشَیْءٍ بِہٖ کفیل ہونا، ضامن ہونا۔ لِحْیَیْہِ لِلحْیَةٌ ڈاڑھی لِحْیَانِ، دونوں جبڑے، مراد زبان ہے۔ بَیْنَ رِجْلَیْہِ: مراد شرم گاہ ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، یَضْمَنْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، لِیْ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَا موصول بَیْنَ مضاف لِحْیَیْہِ مضاف مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا ثَبَتَ فعل محذوف کے، ثَبَتَ اپنے فاعل (ضمیر ھُوَ مستتر) اور مفعول فیہ سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَا بَیْنَ فَخِذَیْہِ بترکیب سابق معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، اَضْمَنُ فعل اَنَا ضمیر

مستتر فاعل لَہٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل اَلْجَنَّۃَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۲۸۔ایک سنت پر سو شہیدوں کا ثواب

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | تَمَسَّكَ | بِسُنَّتِیْ |
| جس شخص نے | مضبوطی سے پکڑا | میری سنت کو |
| عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ | فَلَهٗ | اَجْرُ |
| میری امت کے بگاڑ کے وقت | پس اس کے لیے | اجر ہے |
| مِائَةِ | شَهِيْدٍ | |
| سو | شہیدوں کا | [بیہقی] |

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے خاص کر اس دور میں جب کہ دین پر چلنے والوں کو طعنہ زنی اور برادری کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، شہید ایک دفعہ جان دیتا ہے اور سنت پر چلنے والے کا دل مذاق کرکے بار بار زخمی کیا جاتا ہے، اس وجہ سے اسے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

لغات: تَمَسَّكَ تَمَاسَكَ وَاَمْتَسَكَ بِهٖ چمٹنا مَسَكَ (ن۔ض) متعلق ہونا، چمٹنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَمَسَّكَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل بَا جار سُنَّتِیْ مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، عِنْدَ مضاف فَسَادَ مضاف الیہ مضاف، اُمَّتِ مضاف الیہ مضاف، یْ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور متعلق مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو

کرشرط، فَا جزائیہ، لَہٗ جار مجرور مل کرمتعلق ہوئے کَائِنٌ محذوف کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُـوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کرشبہ جملہ ہوکر خبر مقدم، اَجْـرُ مضاف، مِـائَةِ مضاف الیہ مضاف شَهِيْدٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کرمبتداء مؤخر، خبر مقدم اپنے مبتدا سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۲۹۔توحیدورسالت ﷺ کی گواہی

مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاَنَّ مُـحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | شَهِدَ | اَنْ |
| جس نے | گواہی دی | یہ کہ |
| لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ | وَاَنَّ | مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ |
| نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے | اور بے شک | محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں |
| حَرَّمَ اللّٰهُ | عَلَيْهِ النَّارَ | |
| اللہ نے حرام کردی | اس پر (جہنم) کی آگ | [مسلم] |

**تشریح:** اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار اور پھر اس پر استقامت اور فرمانبرداری اگر کسی کو نصیب ہو جائے اور اس حال میں موت آجائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

یہ کلمہ اسے جنت میں لے جائے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی طرح سمجھا ہے کہ کلمے کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ہر حکم کو ماننے اور اس کی ہر روکی ہوئی چیز سے رک جائے۔

لغات: شَهِدَ (س) شَهَادَةً بمعنی گواہی دینا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، شَهِدَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَنَّ مخففہ، من المثقلہ اس کا اسم، ہٗ ضمیر شان محذوف لَا نفی جنس، اِلٰہَ موصوف، اِلَّا بمعنی غیر مضاف، لفظ اللّٰہ محلا مجرور، مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر صفت، موصوف صفت مل کر لَا کا اسم، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف، لَا نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ کی، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، مُحَمَّدًا اَنَّ کا اسم، رَسُوْلُ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف مل کر شَہِدَ کا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، حَرَّمَ فعل، لفظ اَللّٰہُ فاعل عَلَیْہِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَلنَّارَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۳۰۔ چار اعمال ایمان مکمل کرنے والے

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ......

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَحَبَّ | لِلّٰہِ |
| جس نے | دوستی کی | اللہ کے لیے |
| وَاَبْغَضَ | لِلّٰہِ | وَاَعْطٰی |
| اور ناراضگی کی | اللہ کے لیے | اور دیا |
| لِلّٰہِ | وَمَنَعَ | لِلّٰہِ |
| اللہ کے لیے | اور روکا | اللہ کے لیے |

| | | |
|---|---|---|
| فَقَدِ | اسْتَكْمَلَ | الْإِيْمَانَ |
| پس تحقیق | پورا کرلیا اس نے | ایمان |

[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث میں چار اعمال ایمان کی تکمیل کا ذریعہ بتائے گئے ہیں۔

❶. اَلْحُبُّ لِلّٰهِ:

یعنی جس سے بھی دوستی ہو اپنی خواہش اور نام ونمود کے لیے نہ ہو بلکہ دینی ضرورت اور اللہ کے حکم کی وجہ سے ہو۔

❷. اَلْبُغْضُ لِلّٰهِ:

یعنی جس سے غصہ ہو اس کی بنیاد بھی اللہ کا حکم ہو۔

❸. اَعْطٰی لِلّٰهِ:

جو خرچ کرے وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

❹. مَنَعَ لِلّٰهِ:

یعنی کہیں خرچ سے رکے تو اللہ کے حکم کی وجہ سے رکے۔ جیسے گانے بجانے اور رسوم ورواج پر خرچ کرنے سے رکنا اس حدیث میں بار بار لِلّٰهِ اس لیے فرمایا کہ ان چار اعمال میں اپنی خواہش اور نفسانیت کا دخل ضرور آ جاتا ہے اس لیے ان میں اخلاص بہت ضروری ہے۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح بھی ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد اپنا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرے۔

لغات: اِسْتَكْمَلَ ا كْمَلَ، كَمُلَ شَئٌ ۔ بمعنی پورا کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَحَبَّ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَبْغَضَ لِلّٰهِ بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، اَعْطٰی لِلّٰهِ بترکیب سابق معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، مَنَعَ لِلّٰهِ بترکیب سابق

معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، ف جزائیہ قَدْ حرف تحقیق ،اِسْتَكْمَلَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل اَلْاِيْمَانَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۳۱۔روز قیامت سایہ چاہتے ہیں تو مقروض کو مہلت دیں

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَنْظَرَ | مُعْسِرًا |
| جس شخص نے | مہلت دی | کسی تنگ دست کو |
| اَوْ | وَضَعَ | عَنْهُ |
| یا | کم کر دیا | اس سے (قرض کو) |
| اَظَلَّهُ اللّٰهُ | فِيْ ظِلِّهٖ | |
| سایہ (میں جگہ) دے گا اللہ | اپنے سائے میں | |
| (قیامت کے دن) اسے | | [رواہ مسلم] |

تشریح: اس روایت میں مقروض کو مہلت دینے کی یہ فضیلت بتائی گئی ہے کہ اللہ پاک اسے قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے اس حدیث میں انسانی بھلائی کا بہت بڑا پہلو موجود ہے۔

لغات: اَنْظَرَ اِنْظَارُ الدَّيْنِ قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا۔ قَالَ تَعَالٰى اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ. مُعْسِرًا: اسم فاعل بمعنی تنگ دست ہونا۔ وَضَعَ (ف) وَضْعًا بمعنی رکھنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَنْظَرَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مُعْسِرًا مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف

علیہ، اَوْ عاطفہ، وَضَعَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل عَنْہُ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر شرط اَظَلَّ فعل ماضی، ہٗ ضمیر مفعول بہ لفظ اللّٰہُ فاعل فِیْ جار ظِلِّ مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۳۲۔حدیث نبوی ﷺ کے بیان میں احتیاط

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | كَذَبَ | عَلَيَّ |
| جس شخص نے | جھوٹ بولا | مجھ پر |
| مُتَعَمِّدًا | فَلْيَتَبَوَّأْ | مَقْعَدَهُ |
| جان بوجھ کر | پس چاہیے کہ بنالے وہ | اپنا ٹھکانہ |
| مِنَ النَّارِ | | |
| جہنم میں | | |

[بخاری و مسلم]

تشریح: حدیث رسول ﷺ کے بیان میں احتیاط کا حکم ہے کہ جان بوجھ کر کمی بیشی نہیں کرنی چاہیے ایسا کرنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

لغات: تبوّأ: بمعنی ٹھہرنے کی جگہ۔ مَقْعَدَہٗ (ن) مَقْعَدًا بمعنی بیٹھنا، پاخانہ کرنے کا برتن۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، کَذَبَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، مُتَعَمِّدًا حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، عَلَیَّ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ لِیَتَبَوَّأْ امر غائب، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَقْعَدَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، مِنَ النَّارِ جار

مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

## ۲۳۳۔ طالب علم راہ خدا میں ہے جب تک گھر نہ آئے

مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | خَرَجَ | فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ |
| جو | نکلا | علم کی تلاش میں |
| فَهُوَ | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | حَتّٰى يَرْجِعَ |
| پس وہ | اللہ کی راہ میں ہے | واپس لوٹنے تک |

[ترمذی]

تشریح: اس ارشاد عالی میں علم کی تلاش میں گھر سے نکلنے کی فضیلت ہے کہ جب تک وہ گھر واپس نہیں آجاتا وہ اللہ کی راہ میں رہتا ہے بشرطیکہ یہ نیت ہو کہ اس علم کے ذریعے سے میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے کیونکہ مجاہد اور طالب علم دونوں کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور اللہ کا دین پھیل جائے۔

لغات: يَرْجِعُ: (ض) رُجُوْعًا، بمعنی لوٹنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، خَرَجَ فعل، هُوَ ضمیر فاعل فِيْ جار، طَلَبِ الْعِلْمِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، هُوَ مبتدا فِيْ جار، سَبِيْلِ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول كَائِنٌ کے، حَتّٰى جار يَرْجِعُ مضارع منصوب بتقدیر اَنْ، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی كَائِنٌ کے كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے

فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور دونوں متعلقوں سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۳۴۔ موذن کے لیے جہنم سے آزادی کا پروانہ

مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِیْنَ مُحْتَسِبًا کُتِبَ لَهٗ بَرَاۗءَةٌ مِّنَ النَّارِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَذَّنَ | سَبْعَ سِنِیْنَ |
| جس نے | اذان دی | سات سال تک |
| مُحْتَسِبًا | کُتِبَ | لَهٗ |
| ثواب کی امید رکھتے ہوئے | لکھ دی جائے گی | اس کے لیے |
| بَرَاۗءَةٌ | مِّنَ النَّارِ | |
| نجات | آگ سے | [ترمذی] |

تشریح: اس فرمان رسول ﷺ میں اذان دینے والے کی فضیلت ہے کہ سات سال تک اذان دینا جہنم سے آزادی کا ذریعہ بن جاتا ہے کیونکہ موذن اللہ کا منادی ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذان دینے کا حکم فرمایا ہے۔

لغات: اَذَّنَ اَذَّنَ، تَاْذِیْنًا، اذان دینا، تَاَذَّنَ، قسم کھانا۔ قَالَ تَعَالٰی ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ. مُحْتَسِبًا: بمعنی گمان کرنا، شمار کرنا، اللہ سے ثواب کی امید رکھنا، حَسِبَ (س۔ح) حَسْبًا وَحُسْبَانًا گمان کرنا۔ بَرَاءَةٌ: مصدر بری کا ہے فرمان، پروانہ۔ قَالَ تعَالٰی بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَذَّنَ فعل هُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، مُحْتَسِبًا حال، ذوالحال حال مل کر فاعل سَبْعَ سِنِیْنَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، کُتِبَ فعل مجہول، لَهٗ

جار مجرور مل کر متعلق فعل بَرَاءَةٌ مصدر مِنَ النَّارِ جار مجرور مل کر متعلق مصدر کے، مصدر متعلق سے مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۳۵۔تارکِ جمعہ منافق ہے

مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضُرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَّا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | تَرَكَ | الْجُمُعَةَ |
| جس نے | چھوڑا | جمعہ کو |
| مِنْ غَيْرِ ضُرُوْرَةٍ | كُتِبَ | مُنَافِقًا |
| بغیر (شرعی) ضرورت کے | لکھ دیا جائے گا | منافق |
| فِيْ كِتَابٍ | لَّا يُمْحٰى | وَلَا يُبَدَّلُ |
| ایسی کتاب میں | جو نہ مٹائی جائے | اور نہ تبدیل کی جائے |

[رواه الشافعی]

تشریح: اس حدیث میں جمعہ کی فضیلت اور جان بوجھ کر جمعہ چھوڑنے والے کے منافق ہونے کی دلیل ہے کہ اللہ کی کتاب میں یعنی اپنے نامۂ اعمال میں منافق لکھا جاتا ہے۔ جُمُعَہ: اسلام کی آمد سے پہلے ہی بابرکت شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے اور زیادہ فضیلت دی۔ اس کا نام جمعہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس دن لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ بہت سی برکات کا جامع ہے۔

لغات: يُمْحٰى مَحَا (ن.س) مَحْوًا بمعنی مٹانا۔ قَالَ تَعَالٰى يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَرَكَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل

اَلْجُمُعَةَ مفعول بہ مِنْ جار غیر ضُرُوْرَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، کُتِبَ فعل ماضی مجہول ھُوَ ضمیر مستتر ممیز، مُنَافِقًا تمیز، ممیز تمیز مل کر نائب فاعل، فِیْ جار، کِتَابٍ موصوف، لَا یُمْحٰی فعل مضارع مجہول ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَا یُبَدَّلُ بترکیبِ سابق جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............ ))

## ۲۳۶۔ جہاد کا ارادہ بھی نہ رکھنا نفاق کی علامت ہے

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُوْ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | مَاتَ | وَلَمْ |
| جو شخص | مرا | اور نہیں |
| یَغْزُوْ | وَلَمْ | یُحَدِّثْ |
| جہاد کیا اس نے | اور نہ | بات کی |
| بِهٖ | نَفْسَهٗ | مَاتَ |
| اس کے بارے میں | اپنے جی میں | مراوہ |
| عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ | | |
| نفاق کے ایک حصہ پر | | |

[مسلم]

تشریح: نبی آخر الزماں ﷺ کی اس حدیث پاک میں بڑی وعید ہے اس شخص کے لیے کہ جس نے نہ جہاد کیا اور نہ ہی منافقوں کی طرح جہاد میں جانے کا سوچا، تو وہ منافق لکھا جاتا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ ہر مسلمان کے دل میں ''جذبۂ جہاد'' ہونا چاہیے۔

ملاحظہ: اس سے مسئلہ معلوم ہوا کہ کوئی آدمی نیک کام کا پکاّ ارادہ کرے اور موت آنے کی وجہ سے نہ کر سکے تو اس کا پورا ثواب ہی اسے ملتا ہے۔

لغات: شُعْبَۃ: فرقہ، شاخ، کسی چیز کا گروہ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، مَاتَ فعل هُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، وَاؤ حالیہ لَمْ یَغْزُ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل فعل فاعل مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَمْ یُحَدِّثْ فعل هُوَ ضمیر فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، نَفْسَهُ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، مَاتَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل عَلٰی جار، شُعْبَةٍ موصوف، مِنْ نِفَاقٍ جار مجرور مل کر متعلق کائنةً محذوف کے، کائنة صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۳۷۔روزے کا حقیقی مقصد

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | لَّمْ | یَدَعْ |
| جو | نہ | چھوڑے |

| | | |
|---|---|---|
| قَوْلَ الزُّوْرِ | وَالْعَمَلَ بِهٖ | فَلَيْسَ |
| جھوٹ کہنا | اور اس پر عمل کرنا | پس نہیں ہے |
| لِلّٰهِ | حَاجَةٌ | فِيْ اَنْ يَّدَعَ |
| اللہ کو | کوئی ضرورت | اس بارے میں یہ کہ چھوڑے وہ |
| طَعَامَهٗ | وَشَرَابَهٗ | |
| اپنے کھانے کو | اور اپنے پینے کو | [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں روزہ دار کو یہ تنبیہ ہے کہ وہ اگر روزہ تو رکھے اور جھوٹ نہ چھوڑے اور دوسرے گناہ کرنا نہ چھوڑے تو اسے صرف کھانا، پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ روزہ کی ساری برکات کھانا، پینا چھوڑنے کے ساتھ ساتھ گناہوں کو چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہیں اور جو ایسا نہیں کرتا تو وہ تقویٰ جیسی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو روزہ کی اصل غرض و غایت ہے۔

لغات: يَدَعُ وَدَعَ (ف) وَدْعًا الشيء بمعنی چھوڑنا۔ اَلزُّوْرِ: بمعنی جھوٹ، باطل۔

ترکیب: مَنْ اسم جامِ متضمن معنی شرط، لَمْ يَدَعْ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، قَوْلَ الزُّوْرِ مضاف، مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واو عاطفہ العَمَلَ مصدر۔ اس میں هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق مصدر کے، مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لَيْسَ فعل ناقص، لِلّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق كَائِنَةً کے، كَائِنَةً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هِيَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم حَاجَةٌ موصوف، فِيْ جار، اَنْ مصدریہ، يَدَعَ فعل مضارع هُوَ ضمیر مستتر فاعل، طَعَامَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، شَرَابَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كائنة محذوف کے

کائنۃً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت موصوف (حَاجَۃٌ) صفت مل کر لَیْسَ کا اسم، لَیْسَ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۳۸۔ناموری کے لیے لباس پہننا

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | لَبِسَ | ثَوْبَ شُهْرَةٍ |
| جس نے | پہنا | ناموری کا کپڑا |
| فِي الدُّنْيَا | اَلْبَسَهُ | اللّٰهُ |
| دنیا میں | پہنائے گا اُسے | اللہ |
| ثَوْبَ مَذَلَّةٍ | يَوْمَ الْقِيٰمَةِ | |
| ذلت کا کپڑا | قیامت کے دن | [رواہ احمد وغیرہ] |

تشریح: اس حدیث پاک میں اپنی ناموری اور بڑائی کے لیے اور لوگوں میں اپنی تعریف کی غرض سے اچھا لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ باقی رہا صفائی اور جائز ضرورت کے لیے اپنی آرائش کرنا حرام نہیں۔ بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو اور اللہ کے دشمنوں سے مشابہت نہ ہو۔

لغات: شُهْرَةٍ: بمعنی شہرت، ناموری، شَهَرَ (ف) شَهْرًا مشہور کرنا۔ مَذَلَّةٍ: ذَلَّ (ض) ذَلًّا، مَذَلَّةً بمعنی ذلیل ہونا، صفت کے لیے ذَلِیْلٌ آتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، لَبِسَ فعل ھو ضمیر فاعل، ثَوْبَ شُهْرَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فِي الدُّنْيَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، اَلْبَسَ

فعل ہ ضمیر مفعول بہ اول لفظ اللّٰہ فاعل، ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ثانی، یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعولین اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............ ✿✿✿ ............ ))

## ۲۳۹۔ تعلیم دین سے مقصود صرف رضائے الٰہی ہو

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِی بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِی بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يُصَرِّفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | طَلَبَ | الْعِلْمَ |
| جس شخص نے | حاصل کیا | علم |
| لِيُجَارِی | بِهِ | الْعُلَمَاءَ |
| تاکہ مقابلہ کرے | اس کے ذریعے | علماء سے |
| اَوْ | لِيُمَارِی | بِهِ |
| یا | جھگڑا کرے | اس کے ذریعے |
| السُّفَهَاءَ | اَوْ | يُصَرِّفَ |
| بے وقوف لوگوں سے | یا | متوجہ کرے |
| بِهِ | وُجُوْهَ النَّاسِ | اِلَيْهِ |
| اس کے ذریعے | لوگوں کو | اپنی طرف |
| اَدْخَلَهُ | اللّٰهُ | النَّارَ |
| داخل کرے گا اُسے | اللہ | آگ میں |

[ترمذی]

تشریح: اس فرمان رسالت ﷺ میں علم حاصل کرنے کی غلط نیتوں سے بچنے کی تاکید ہے۔

❶ علماء کو لاجواب کرنے کے لیے علم حاصل کرنا جیسا کہ بعض لوگ ایک آدھ حدیث پڑھ کر اہلِ علم سے بحث کرتے ہیں۔

❷ جن لوگوں کو دین کی پوری سمجھ نہ ہو انہیں لاجواب کرنے کے لیے علم حاصل کرنا۔

❸ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کہ میں عالم ہوں میری عزت کی جائے (اس نیت سے علم حاصل کرنا۔) ان نیتوں کی بناء پر حصولِ علم جہنم کا ذریعہ ہے۔

لغات: لِیُجَارِیَ: جَارَاہُ، مُجَارَاۃً، کسی کے ساتھ چلنے میں مقابلہ کرنا، یہاں مراد مطلقا مقابلہ ہے، جَرٰی (ض) جَرْیًا، بمعنی جاری ہونا۔ لِیُجَارِیَ بمُجَارَاۃً بمعنی جھگڑا کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَلَا تُجَارِ فِیْھِمْ. مَرٰی (ض) مَرْیًا حَقَّہٗ، حق کا انکار کرنا: اَلسُّفَھَاءُ سَفِہَ (س) سَفْھًاء جاہل ہونا، بے وقوف ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی سَیَقُوْلُ السُّفَھَاءُ۔ یُصَرِّفُ صَرَفَ (ف) صَرْفًا بمعنی پھرنا۔ قَالَ تَعَالٰی صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، طَلَبَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، العِلْمَ مفعول بہ، ل جار، یُجَارِیَ فعل مضارع منصوب بتقدیر اَنْ ھو ضمیر مستتر فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، العُلَمَاءَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ، ل زائدہ، یُمَارِیَ بہ السفہاء بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف اوّل، اَوْ عاطفہ، یُصَرِّفَ بِہٖ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ معطوفین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق

سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، اَدْخَلَ فعل ہ ضمیر مفعول بہ، لفظ اَللّٰہ فاعل النَّارَ مفعول فیہ، فعل اپنے مفعول بہ فاعل مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

## ۲۴۰۔ دنیاوی اغراض سے حصولِ علم کا انجام

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرْضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | تَعَلَّمَ | عِلْمًا |
| جس شخص نے | سیکھا | ایسا علم |
| مِمَّا | يُبْتَغٰى بِهٖ | وَجْهُ اللّٰهِ |
| جس سے | حاصل کی جاتی ہے | اللہ کی رضا |
| لَا يَتَعَلَّمُهٗ | اِلَّا | لِيُصِيْبَ |
| نہیں سیکھتا ہے اسے | مگر | تاکہ حاصل کرے |
| بِهٖ | عَرْضًا مِّنَ الدُّنْيَا | لَمْ يَجِدْ |
| اس کے ذریعے | دنیا کا سامان | نہیں پائے گا وہ |
| عَرْفَ الْجَنَّةِ | يَوْمَ الْقِيٰمَةِ | |
| جنت کی خوشبو (بھی) | قیامت کے دن | [ابو داؤد] |

تشریح: اس حدیث پاک میں علم دین کے حصول میں نیت کے درست کرنے کا فرمان ہے۔ دینی علوم کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً ڈاکٹری اور انجینئری وغیرہ دنیا کی غرض سے سیکھے جا سکتے ہیں لیکن علم دین کی غرض صرف رضائے الٰہی ہونی چاہیے۔

لغات: يُبْتَغٰى اِبْتَغٰى، تَبَغٰى الشَّيْءَ بمعنی طلب کرنا، يُصِيبُ اصاب من الشی بمعنی لینا۔ اَلْعَرَضَ: متاع، سامان، جمع اَعْرَاضٌ. عَرْفٌ: (س) بمعنی بو۔ مگر اس کا اکثر استعمال خوشبو میں ہوتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَعَلَّمَ فعل هُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، لَا يَتَعَلَّمَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، اِلَّا حرف استثناء لغو، ل تعلیلیہ جارہ يُصِيبَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بہ جار مجرور متعلق فعل، عَرْضًا موصوف، مِنَ الدُّنْيَا جار مجرور مل کر متعلق، كَائِنًا محذوف کے كَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَا يَتَعَلَّمُ کے، لَا يَتَعَلَّمُ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، عِلْمًا موصوف مِنْ جار، مَا موصول، يُبْتَغٰى فعل مضارع مجہول، بہ جار مجرور متعلق فعل، وَجْهُ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كَائِنًا محذوف کے كَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ يَجِدْ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَرَفَ الْجَنَّةَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............ ❁❁❁............ ))

## ۲۴۱۔ نجومیوں کے پاس جانے کی نحوست

مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسْئَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَتٰی | عَرَّافًا |
| جو شخص | آیا | کسی کاہن کے پاس |
| فَسْئَلَهٗ | عَنْ شَیْءٍ | لَمْ یُقْبَلْ |
| پس اس سے پوچھا | کسی چیز کے متعلق | نہیں قبول کی جائیں گی |
| لَهٗ | صَلٰوةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً | |
| اس سے | چالیس (دنوں اور) راتوں کی نمازیں | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں نجومیوں کے ہاں آئندہ حالات کے علم کے لیے جانے سے منع کیا گیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ایسے آدمی کی چالیس دن رات کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ علم غیب صرف اللہ کا خاصہ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس لیئے نجوم کا کاروبار کرنا یا ان کے پاس جانا حرام ہے۔

لغات: عَرَّافًا: بمعنی نجومی، غیب کی خبریں بتانے والا، عرف (ض) عرفة، عرفانا بمعنی پہنچانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَتٰی فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر فاعل عَرَّافًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ سَئَلَ فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ، عَنْ شَیْءٍ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، لَمْ یُقْبَلْ فعل مجہول، لہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، صَلٰوةُ مضاف، اَرْبَعِیْنَ ممیز، لَیْلَةً تمیز، ممیز تمیز مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

## ۲۴۲۔ انسانیت کے حقوق، انسانوں پر

مَنِ اسْتَعَاذَ مِنكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَمَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَاتُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَئْتُمُوْهُ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنِ | اسْتَعَاذَ مِنكُمْ بِاللّٰهِ | فَاَعِيْذُوْهُ |
| جو شخص | اللہ کے لیے تم سے پناہ چاہے | پس تم اسے پناہ دے دو |
| وَمَنْ سَأَلَ | بِاللّٰهِ | فَاَعْطُوْهُ |
| اور جو مانگے | اللہ کے نام سے | پس تم اسے دے دو |
| وَمَنْ | دَعَاكُمْ | فَاَجِيْبُوْهُ |
| اور جو | تمہاری دعوت کرے | پس قبول کرلو |
| وَمَنْ | صَنَعَ | اِلَيْكُمْ |
| اور جو | کرے | تمہاری طرف |
| مَعْرُوْفًا | فَكَافِئُوْهُ | فَاِنْ |
| کوئی نیکی | پس تم اس کا بدلہ دو | پس اگر |
| لَّمْ تَجِدُوْا | مَاتُكَافِئُوْهُ | فَادْعُوْا |
| نہ پاؤ | جس سے تم بدلہ دو | پس دعا کرو |
| لَهٗ | حَتّٰى | تَرَوْا |
| اس کے لیے | یہاں تک کہ | جان لو تم |
| اَنْ | قَدْ | كَافَئْتُمُوْهُ |
| یہ کہ | تحقیق | تم نے بدلہ دے دیا ہے اس کو |

[احمد]

تشریح: اس حدیث پاک میں مسلمانوں کے آپس کے چار حقوق بیان کیے گئے ہیں۔

❶ جو خدا کے لیے پناہ مانگے اسے پناہ دو۔
❷ جو اللہ کے لیے مانگے اسے دے دو بشرطیکہ گدا گر نہ ہو۔
❸ جو کوئی تمہاری دعوت کرے اس کو تم قبول کرو۔
❹ احسان کا بدلہ دو، اگر نہ دے سکو تو دعا کے ذریعے سے بدلہ دو اور اتنی دعا کرو کہ اس کا بدلہ ادا ہو جائے۔ کم از کم ''جزاك الله'' تو ضرور کہہ دینا چاہیے۔ یہ چاروں صفات ایک مومن کامل کی ہیں جو ہر مسلمان میں ہونی چاہیے۔

لغات: اِسْتَعَاذَ: تَعَوَّذَ: بمعنی پناہ لینا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. فَاَعِيْذُوْهُ: اجابه، جواب دینا۔ فَكَافِئُوْهُ: بدلہ دینا، مقابلہ کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اسْتَعَاذَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْكُمْ جار مجرور مل کر متعلق اول فعل کا بِاللّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، اَعِيْذُوْا امر حاضر ضمیر بارز فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ بترکیب سابق جملہ معطوف اوّل، واؤ عاطفہ، مَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ بترکیب سابق جملہ معطوف ثانی، واؤ عاطفہ مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صَنَعَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلَيْكُمْ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَعْرُوْفًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، كَافِئُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ثالث، فَا عاطفہ، اِنْ حرف شرط، لَمْ تَجِدُوْا فعل جحد ضمیر بارز فاعل، مَا موصولہ، تُكَافِئُوْا فعل مضارع ضمیر بارز فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

شرط، فَا جزائیہ اُدْعُوْا امر حاضر ضمیر بارز فاعل، لَہٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل، حَتّٰی جارہ تَـرَوْا فعل معلوم ضمیر بارز فاعل اَنْ مخففہ من المثقلہ اس کا اسم، کُمْ محذوف قَدْ حرف تحقیق کا فَتُمُوْ فعل ماضی ضمیر بارز فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر قائم مقام مفعولین کے، تَـرَوْا اپنے فاعل اور مفعولین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی فعل (اُدْعُــوْ) اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف رابع، معطوف علیہ اپنے چاروں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۴۳۔ نہی عن المنکر ہر مسلمان پر لازم ہے

مَنْ رَای مِنکُمْ مُنکَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | رَاٰی | مِنكُمْ |
| جو | دیکھے | تم میں سے |
| مُنكَرًا | فَلْيُغَيِّرْهُ | بِيَدِهٖ |
| کوئی برائی | پس چاہیے کہ بدل دے اسے (نیکی میں) | اپنے ہاتھ سے |
| فَاِنْ لَّمْ | يَسْتَطِعْ | فَبِلِسَانِهٖ |
| پس اگر نہ | طاقت رکھے | پس اسے اپنی زبان سے (روک دے) |
| فَاِنْ لَّمْ | يَسْتَطِعْ | فَبِقَلْبِهٖ |
| پس اگر نہ | نہ کر سکے | پس برا جانے اسے اپنے دل میں |

وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ

اور یہ سب سے کمزور ایمان (کا درجہ) ہے [مسلم]

تشریح: ہادی عالم ﷺ اس حدیث پاک میں ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد فرماتے ہیں کہ جہاں بھی اللہ کی نافرمانی ہو اگر طاقت ہو تو اسے اپنے ہاتھ سے نیکی میں بدل دے اور اگر طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے غلط کام کی مخالفت کریں اور لوگوں کو نیکی کا راستہ بتائیں اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے اس گناہ کو برا سمجھے اور یہ (صرف دل سے برا سمجھنا) ایمان کا آخری حصہ ہے۔ اسے آسان لفظوں میں یوں سمجھیے کہ بُرائی سامنے ہو اور دل میں بھی بُرا نہ سمجھے تو دل ایمان سے خالی ہے۔

ملاحظہ: برائی کو ہاتھ سے یا زبان سے روکنے میں فتنہ اور فساد کا خوف ہو تو یہ امر مستحب ہو جاتا ہے۔ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا احسن انداز سے ہونا چاہیے۔ یہ کام، جان، مال اور وقت لگا کر سیکھنے کا ہے۔

لغات: فَلْیُغَیِّرْہُ غَیَّرَہٗ، غارہ، بدل دینا، تغیر کر دینا۔ اَضْعَفُ: اسم التفضیل بمعنی کمزور جمع ضیعاف و اضعفاء۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، رَاٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْكُمْ جار مجرور مل کر متعلق فعل مُنْكَرًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، لِیُغَیِّرْ امر غائب، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، بَ جار، یَدِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، فَ عاطفہ، اِنْ حرف شرط، لَمْ یَسْتَطِعْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، بِ جار، لِسَانِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل محذوف لِیُغَیِّرْ کے، فعل اپنے فاعل ھو ضمیر مستتر مفعول بہ (ضمیر محذوف ہ) اور متعلق سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف اول، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ بترکیب سابق جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا، واؤ استنافیہ، ذٰلِكَ مبتدا، اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

## ۲۴۴۔ قرض کی ادائیگی کی نیت ہو تو اللہ مدد فرماتے ہیں

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَخَذَ | اَمْوَالَ النَّاسِ |
| جس نے | لیا | لوگوں کا مال |
| يُرِيْدُ | اَدَاءَ هَا | اَدَّى اللّٰهُ |
| چاہتا ہے | اسے دینا | ادا کر دے گا اللہ |
| عَنْهُ | وَمَنْ | اَخَذَ |
| اس کی طرف سے | اور جس نے | لیا |
| يُرِيْدُ | اِتْلَافَهَا | اَتْلَفَهُ اللّٰهُ |
| چاہتا ہے | اس کا ضائع کر دینا | ضائع کر دے گا اللہ |
| عَلَيْهِ | | |
| اس پر | | |

[بخاری]

تشریح: اس ارشاد نبوی ﷺ میں مقروض کے لیے ہدایات ہیں کہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھو، ادائیگی کی نیت کرنے والے کی اللہ مدد کرتا ہے اور جو قرض ادا نہ کرنا چاہے اس کا مال ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے ایک انسان کو پریشان کرنے کا

ارادہ کیا اس کی بدنیتی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کا مال ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے دو نقصان ہوئے۔ قرض ادا نہ کر سکا اس میں آخرت کا نقصان بھی ہے، دوسرا یہ کہ اس کا مال ضائع ہو گیا۔

| |
|---|
| لغات: اَدّٰی: (ض) اَدَّیَا اَلشَّیْءَ بمعنی ادا کرنا، پہنچانا اَتْلَفَهٗ تَلِفَ (س) تَلَفًا بمعنی ہلاک ہونا، برباد ہونا۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَخَذَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، یُرِیْدُ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَدَاءَھَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، اَمْوَالَ النَّاسِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط اَدّٰی فعل ماضی لفظ اللّٰہ فاعل، عَنْهُ جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، مَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَھَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ بترکیب سابق شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۴۵۔ ایک دن فرض روزہ چھوڑنے کا نقصان

مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلُّهٗ وَاِنْ صَامَهٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ، | اَفْطَرَ | یَوْمًا |
| جس شخص نے | روزہ نہ رکھا | ایک دن کا |
| مِنْ رَمَضَانَ | مِنْ غَیْرِ | رُخْصَةٍ |
| (ماہ) رمضان سے | بغیر (شرعی) | کسی رخصت کے |

| | | |
|---|---|---|
| وَلَا مَرَضٍ | لَمْ يَقْضِ | عَنْهُ |
| اور بغیر کسی مرض کے | نہیں بدل ہو سکتا | اس کا |
| صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ | وَإِنْ صَامَهٗ | |
| پوری عمر روزہ رکھنا | اگرچہ (پوری عمر) رکھ لے | [رواہ احمد] |

تشریح: حبیبِ خدا ﷺ کے اس قول میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے رمضان کا روزہ چھوڑ دینا اتنا بڑا نقصان ہے کہ پوری عمر روزہ رکھنے سے بھی وہ نقصان پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے جان بوجھ کر روزہ نہ چھوڑیں۔ اس میں ہمیں دینی کاموں کو اپنے اوقات پر کرنے کا سبق بھی دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح نماز، زکوٰۃ اور حج کو اپنے اوقات سے مؤخر نہ کرنا چاہیے۔

لغات: اَفْطَرَ: الصَّائم، روزے دار کا کھانا اور پینا، فَطَرَ (ن۔ض) فَطْرُ الشَّئِ، پھاڑنا، فَطَرَ، تَفَطُّرُ وَاِنْفَطَرَ بمعنی پھٹنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَفْطَرَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر فاعل، يَوْمًا موصوف، مِنْ رَمَضَانَ جار مجرور مل کر متعلق كَائِنًا کے، كَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول فیہ، مِنْ جار غَيْرُ رُخْصَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَا زائدہ، مَرَضٍ معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ يَقْضِ فعل معلوم، عَنْهُ جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، صَوْمُ الدَّهْرِ مضاف مضاف الیہ مل کر موکد، كُلِّهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر تاکید، موکد تاکید مل کر فاعل، فعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ، واؤ مبالغہ، اِنْ حرف شرط، صَامَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اس کی جزاء لَمْ يَقْضِ عَنْهُ محذوف ہے، شرط جزاء مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

## ۲۴۶۔مجاہد کو سامان جہاد دینے اور روزہ افطار کرانے کا اجر

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | فَطَّرَ | صَائِمًا |
| جس نے | روزہ کھلوایا | کسی روزہ دار کا |
| اَوْ | جَهَّزَ | غَازِيًا |
| یا | سامان دیا | کسی مجاہد کو |
| فَلَهٗ | مِثْلُ اَجْرِهٖ | |
| پس اس کو | ثواب ہے اس کے برابر | [بیہقی] |

تشریح: ایک خاص اصول اس فرمان سے معلوم ہوا کہ نیکی پر مدد کرنے والے کو اس نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ ایک گھونٹ لسی یا ایک کھجور سے روزہ کھلوادے تو روزہ رکھنے کا ثواب مل جاتا ہے یا کسی مجاہد کو سامان دے تو جہاد کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس لیے جہاں تک ممکن ہو نیکی کے کام میں دوسروں کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ طالب علم کی مدد کرے تو علم کا ثواب ملتا ہے۔

لغات: جَهَّزَ بَجَهَّزَةً ، بمعنی تیار کرنا، مہیا کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط ، فَطَّرَ فعل ماضی ، هُوَ ضمیر مستتر فاعل صَائِمًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرف عطف ، جَهَّزَ غَازِيًا بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط ، فَ جزائیہ لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل محذوف ثَبَتَ کے ، ثَبَتَ فعل مِثْلُ مضاف ، اَجْرِهٖ مضاف الیہ مضاف ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء ، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

## ۲۴۷۔امیر واستاد کی اطاعت میں نجات

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ
وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَعْصِی الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَطَاعَنِیْ | فَقَدْ |
| جس شخص نے | میری بات مانی | پس تحقیق |
| اَطَاعَ اللّٰہَ | وَمَنْ | عَصَانِیْ |
| اس نے اللہ کی بات مانی | اور جس نے | میری نافرمانی کی |
| فَقَدْ | عَصَی اللّٰہَ | وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ |
| پس تحقیق | اس نے اللہ کی نافرمانی کی | اور جو امیر کی بات مانے |
| فَقَدْ | اَطَاعَنِیْ | وَمَنْ |
| پس تحقیق | اس نے میری بات مانی | اور جس نے |
| یَعْصِی الْاَمِیْرَ | فَقَدْ | عَصَانِیْ |
| نافرمانی کی امیر کی | پس تحقیق | اس نے میری نافرمانی کی |

[بخاری ومسلم]

تشریح:اس ارشاد گرامی میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی قرار دیا ہے اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اپنے امیر، استاد یا شرعی مرشد کی اطاعت کرنا اللہ کے نبی کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی اللہ کے نبی ﷺ کی نافرمانی ہے بشرطیکہ یہ حضرات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں حکم دیں ورنہ اطاعت ضروری نہیں ہے۔ بلکہ نافرمانی ضروری ہے۔

لغات:عَصَانِیْ:بمعنی نافرمانی کرنا۔

ترکیب:مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَطَاعَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ن

وقایہ ی متکلم مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، ف جزائیہ، قَدْ حرف تحقیق، اَطَاعَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر، فاعل لفظ اللّٰہ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، وَمَنْ یَّعْصِی الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۴۸۔ناحق زمین دبا لینے کا انجام

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَیْئًا بِغَیْرِ حَقِّہٖ خُسِفَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ ․

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَخَذَ | مِنَ الْاَرْضِ |
| جس شخص نے | لیا | زمین کا |
| شَیْئًا | بِغَیْرِ حَقِّہٖ | خُسِفَ |
| کچھ حصہ | بغیر اپنے حق کے | دھنسا دیا جائے گا |
| بِہٖ | یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ | اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ |
| اس کے بدلے میں | قیامت کے دن | سات زمینوں تک |

[بخاری]

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لیے وعید ہے جو زمین کا کوئی حصہ ناحق لے۔ تو قیامت کے دن سات زمینوں کی مٹی سزا کے طور پر اس کے سر پر رکھی جائے

گی یا طوق بنا کر گلے میں ڈال دی جائے گی۔ اس لیے کسی کی کوئی چیز بھی ناحق نہ لینی چاہیے۔

| |
|---|
| لغات: خَسَفَ (ض) خَسْفٌ فِی الاَرْضِ بمعنی زمین میں دھنسانا۔ اَرْضِیْنَ: اَرْضُوْنَ، اُرُوْضٌ، اراض، جمع الارض بمعنی زمین۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَخَذَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنَ الْاَرْضِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، شَیْئًا موصوف، بِ جار، غَیْرِ مضاف، حَقِّهٖ مضاف الیہ مضاف دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل، متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، خُسِفَ فعل ماضی مجہول، بِ برائے تعدیہ، ہٖ ضمیر نائب فاعل، یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، اِلٰی جار، سَبْعِ اَرْضِیْنَ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۴۹۔ زیارتِ رسول اللہ ﷺ حقیقت ہی ہوتی ہے

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنِ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | رَاٰنِیْ | فِی الْمَنَامِ |
| جس شخص نے | دیکھا مجھے | خواب میں |
| فَقَدْ | رَاٰنِیْ | فَاِنَّ |
| پس تحقیق | دیکھا اس نے مجھ ہی کو | پس بے شک |

| | | |
|---|---|---|
| الشَّيْطٰنِ | لَا | يَتَمَثَّلُ |
| شیطان | نہیں | صورت بنا سکتا |

فِیْ صُوْرَتِیْ

میری صورت جیسی [بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو حقیقی زیارت قرار دیا کیونکہ شیطان اوروں کی شکلیں بنا کر آ سکتا ہے۔ لیکن خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بنا کر نہیں آ سکتا کیونکہ شیطان سراسر گمراہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے ایسے ہی شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت نہیں بنا سکتا۔ اور آپ کی زیارت، درود شریف کثرت سے پڑھنے والوں کو ہوتی ہے۔

لغات: يَتَمَثَّلُ: مَثَّل، تَمْثِيْلًا الشَّيْءَ لِفُلَان، ہو بہو تصویر ہونا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، رَاٰی فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، نِیْ مفعول بہ، فِی الْمَنَامِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزاء قَدْ حرف تحقیق، رَاٰی فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل نی مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل، فَ تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلشَّيْطٰنَ اِنَّ کا اسم، لَا يَتَمَثَّلُ فعل مضارع معروف هُوَ ضمیر مستتر فاعل فِیْ حرف جار، صُوْرَتِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل اور تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۵۰۔جھوٹا دعوٰی گناہ کبیرہ ہے

مَنِ ادَّعٰی مَا لَیْسَ لَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنِ ادَّعٰی | مَا لَیْسَ | لَهٗ |
| جس نے دعوٰی کیا (ایسی چیز کا) | جو نہیں ہے | اس کی |
| فَلَیْسَ | مِنَّا | وَلْیَتَبَوَّاْ |
| پس نہیں ہے وہ | ہم میں سے | پس چاہیے کہ وہ بنالے |
| مَقْعَدَهٗ | مِنَ النَّارِ | |
| اپنا ٹھکانہ | آگ کو | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث شریف میں کسی کی چیز پر جھوٹا دعوٰی کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جھوٹا دعوٰی کرنے والا اپنے آپ کو جہنم میں سمجھ لے۔

اس سے معلوم ہوا عدالتوں میں جھوٹے دعوے سے زمین، مکان اور دیگر اشیاء کا حصول ناجائز ہے۔عدالت کے فیصلے کے باوجود یہ چیز اس کے لیے حرام ہے۔

لغات: وَلْیَتَبَوَّاْ تبوأ المَکان وَبِهٖ، اقامت کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَدَّعٰی فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر فاعل مَاموصولہ، لَیْسَ فعل ناقص هُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، ف جزائیہ، لَیْسَ فعل ناقص هُوَ ضمیر اس کا اسم مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ، و اؤ عاطفہ، لِیَتَبَوَّاْ امر غائب هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَقْعَدَهٗ مضاف مضاف

الیہ مل کر مفعول بہ، من النار جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۵۱۔روزہ اور قیامِ لیل کی فضیلت

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ
وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ
وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | صَامَ | رَمَضَانَ |
| جس نے | روزہ رکھا | رمضان کا |
| اِيْمَانًا | وَّاِحْتِسَابًا | غُفِرَ |
| ایمان کی حالت میں | اور ثواب کی امید سے | معاف کیے جائیں گے |
| لَهٗ | مَا | تَقَدَّمَ |
| اس کے | جو | ہو چکے ہیں |
| مِنْ ذَنْبِهٖ | وَمَنْ | قَامَ |
| اس کے گناہ | اور جو شخص | کھڑا رہا (تراویح کے لیے) |
| رَمَضَانَ | اِيْمَانًا | وَّاِحْتِسَابًا |
| رمضان میں | ایمان کی حالت میں | اور ثواب کی امید سے |
| غُفِرَ | لَهٗ | مَا |
| بخش دیے جائیں گے | اس کے | جو |

| | | |
|---|---|---|
| تَقَدَّمَ | مِنْ ذَنْۢبِهٖ | وَمَنْ |
| ہو چکے | اس (رمضان سے پہلے) اس کے گناہ | اور جو شخص |
| قَامَ | لَيْلَةَ الْقَدْرِ | اِيْمَانًا |
| کھڑا رہا | قدر کی رات میں | ایمان کی حالت میں |
| وَّاحْتِسَابًا | غُفِرَ | لَهٗ |
| اور ثواب کی امید سے | بخش دیے جائیں گے | اس کے |
| مَا | تَقَدَّمَ | مِنْ ذَنْۢبِهٖ |
| جو | ہو چکے (اس عمل سے) پہلے | اس کے گناہ |

[رواه البخاری و مسلم]

تشریح:: اس حدیث پاک میں ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ اور تراویح کے اہتمام کو سارے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

ملاحظہ:

۱۔ اِيْمَانًا: کا مفہوم: ہر عمل کرتے وقت حکم الٰہی کا تصور رہے اور یہ سوچے کہ یہ عمل نہ کروں گا تو اللہ ناراض ہوں گے۔

۲۔ اِحْتِسَابًا: کا مفہوم: نیک کام کرتے وقت اس عمل پر جس اجر کا وعدہ ہے اس کے ملنے کی امید دل میں ہو اور صرف رضائے الٰہی مقصود ہو۔

۳۔ سارے گناہ معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور کبیرہ کی معافی کے لیے آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ اور سچی توبہ کرنا ضروری ہے۔

لغات: قَامَ (ن) قَوْمًا و قیاما بمعنی کھڑا ہونا، یہاں پر مراد تراویح پڑھنا آتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صَام فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، رَمَضَانَ مفعول فیہ، اِيْمَانًا معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِحْتِسَابًا معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول لہ، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور مفعول لہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

شرط، غُفِرَ فعل ماضی مجہول، لَهٗ جار مجرور متعلق فعل، مَا موصول، تَقَدَّمَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، ذَنْبِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۵۲۔ مسجد میں بدبو والی چیز نہ لائیں اور نہ مسجد میں کھائیں!

مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | اَكَلَ | مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ |
| جو شخص | کھائے | اس بدبودار درخت سے |
| فَلَا يَقْرُبَنَّ | مَسْجِدَنَا | فَاِنَّ |
| پس ہرگز نزدیک نہ آئے | ہماری مسجد کے | پس بے شک |
| الْمَلٰئِكَةَ | تَتَاَذّٰى | مِمَّا |
| فرشتے | تکلیف محسوس کرتے ہیں اس سے | جس سے کہ |
| يَتَاَذّٰى مِنْهُ | الْاِنْسُ | |
| تکلیف محسوس کرتے ہیں | انسان | [بخاری ومسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں ہر بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کو منع کیا گیا ہے۔(مثال کے طور پر پیاز یا لہسن) اور دوسرا حکم یہ معلوم ہوا کہ مسجدوں میں اور جہاں اللہ اور پیارے رسول اللہ ﷺ کی بات ہوتی ہو وہاں ہر وقت فرشتے رہتے ہیں۔ ان فرشتوں کا ادب ضروری ہے۔اور آداب کی رعائت رکھ کر مسجد میں رہنے والے کے لیے فرشتے دعائیں کرتے ہیں ان کا ادب ضروری ہے۔

الشجرة المنتنة: سے مراد لہسن اور پیاز ہیں۔ جب کہ یہ حکم ہر بدبودار چیز کو شامل ہے۔ان دو چیزوں کے نام بطور مثال دیئے گئے ہیں۔

لغات: اَلْمُنْتِنَةِ: اسم فاعل عن فعل نَتَنَ (ض۔س) متناوَنَتُنَ (ک) نَتَانَةً بمعنی بدبودار ہونا۔تَتَاَذّٰی: تکلیف پہنچنا،اَذٰی (س) تکلیف پانا۔قَالَ تَعَالٰی قُلْ هُوَ اَذًی.اَلْاِنْسُ: بمعنی آدمی،اَنِسَ (س۔ک۔ض) انسابہ،الیہ بمعنی مانوس ہونا،محبت کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَکَلَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل،مِنْ جار هٰذِهِ اسم اشارہ ،اَلشَّجَرَةِ موصوف ،اَلْمُنْتِنَةِ صفت ،دونوں مل کر مشار الیہ ،اسم اشارہ مشار الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط،فَ جزائیہ،لَا یَقْرُبَنَّ نہی غائب،مؤکد بانون ثقیلہ هُوَ ضمیر مستتر فاعل مَسْجِدَنَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا،شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل ،فَ تعلیلیہ ،اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ،اَلْمَلٰئِكَةَ اِنَّ کا اسم ،تَتَاَذّٰی فعل مضارع هِیَ ضمیر مستتر فاعل مِنْ جار مَا موصول ،یَتَاَذّٰی فعل مضارع ،مِنْهُ جار مجرور مل کر متعلق فعل ،اَلْاِنْسُ فاعل ،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ،موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ،اِنَّ اپنے اسم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل ،معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............٭٭٭............))

## ۲۵۳۔عدالت ایک اہم ذمہ داری

مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | جُعِلَ | قَاضِيًا |
| جو شخص | بنایا گیا | فیصلہ کرنے والا |
| بَيْنَ النَّاسِ | فَقَدْ | ذُبِحَ |
| لوگوں کے درمیان | پس تحقیق | ذبح کردیا گیا وہ |
| بِغَيْرِ | سِكِّيْنٍ | |
| بغیر | چھری کے | [احمد وترمذی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں لوگوں کے درمیان قاضی (جج) بننے کو سخت ترین عمل بتایا ہے کہ روحانی طور پر ایسا شخص فیصلہ کرنے میں اتنا پریشان ہوتا ہے گویا وہ ذبح کر دیا گیا۔علماء صلحاء اسی وجہ سے ہمیشہ اس عہدہ سے دور رہے۔کیونکہ اس میں ناانصافی سے اپنا اور دوسروں کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔بہر حال جہاں شرعی ضرورت ہو اور انسان اپنے میں صلاحیت بھی پاتا ہو تو قاضی بننے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ انصاف کرنے والا بڑے اجروثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

لغات:قَاضِيًا قَضٰى (ض) قَضَاءً فیصلہ کرنا،حاجت پوری کرنا جمع قُضَاة قَاضِيُ الْقُضَاةِ قاضیوں کا رئیس (چیف جسٹس) سِكِّيْنٌ بروزن، يحريف، بمعنی چھری جمع سَكَاكِيْنُ ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، جُعِلَ فعل ماضی مجہول هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، قَاضِيًا مفعول بہ، بَيْنَ النَّاسِ مضاف مضاف مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، قَدْ حرف تحقیق، ذُبِحَ فعل ماضی مجہول هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، بَ جار، غَيْرِ سِكِّيْنٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل

کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۵۴۔ غیر اللہ کی قسم کھانا

مَنْ حَلَفَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | حَلَفَ | لِغَيْرِ اللّٰهِ |
| جس نے | قسم اٹھائی | اللہ کے علاوہ کی |
| فَقَدْ | اَشْرَكَ | |
| پس تحقیق | اس نے شرک کیا | [ترمذی] |

تشریح: اس ارشاد گرامی میں غیر اللہ یعنی ماں، باپ، اولاد یا اور کسی چیز کی قسم کھانا شرک قرار دیا ہے۔ کیونکہ قسم کے لائق، عظمت اور جلالت والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ اگر چہ قرآن پاک میں اللہ نے بعض چیزوں کی قسمیں کھائیں وہ اللہ کا اپنا اختیار ہے کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے جس کی چاہیں قسم کھائیں۔

لغات: حَلَفَ (ض) حَلْفًا و حَلَفًا بمعنی قسم کھانا جمع احلاف۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، حَلَفَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بَا جار غَيْرِ مضاف، لفظ اللّٰهِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط، فَا جزائیہ، قَدْ تحقیقیہ، اَشْرَكَ فعل، هو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جزاء، شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۵۵۔ مہمان اور پڑوسی سے حسنِ سلوک

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَايُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | كَانَ | يُؤْمِنُ |
| جو شخص | کہ | وہ ایمان لائے |
| بِاللّٰهِ | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | فَلْيُكْرِمْ |
| اللہ پر | اور قیامت کے دن پر | پس چاہیے کہ وہ عزت کرے |
| ضَيْفَهٗ | وَمَنْ كَانَ | يُؤْمِنُ |
| اپنے مہمان کی | اور جو شخص کہ | وہ ایمان لائے |
| بِاللّٰهِ | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | فَلَايُؤْذِ |
| اللہ پر | اور قیامت کے دن پر | پس چاہیے کہ وہ تکلیف نہ پہنچائے |
| جَارَهٗ | وَمَنْ كَانَ | يُؤْمِنُ |
| اپنے پڑوسی کو | اور جو | ایمان لائے |
| بِاللّٰهِ | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | فَلْيَقُلْ |
| اللہ پر | اور قیامت کے دن پر | پس چاہیے کہ وہ کہے |
| خَيْرًا | اَوْ | لِيَصْمُتْ |
| بھلی بات | یا | خاموش رہے |

[رواہ البخاری ومسلم]

**تشریح:** اس حدیث پاک میں ہم سے چند امور مطلوب ہیں۔

۱۔ مہمان کے آنے پر خوشی کا اظہار کریں اور اپنی حیثیت کے مطابق تین دن تک کچھ تکلف بھی کریں اس سے زیادہ مہمانی کرنے سے مزید صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

۲۔ پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا یہ عظیم عمل ہے کم از کم یہ کہ اپنے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے انہیں محفوظ رکھے۔ احادیث میں اسے بھی صدقہ قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ بھلی بات کرے، نہ کرسکتا ہو تو خاموش رہے۔ یہ تینوں کام (مہمان نوازی، پڑوسی سے حسن سلوک اور بھلی بات کرنا) حقوق العباد کے متعلقات ہیں۔

| |
|---|
| لغات: فَلْيُكْرِمْ إِكْرَامًا، اَكْرَمَهُ بمعنی عزت کرنا، تعظیم کرنا، تکرّم تکلف، اکرام کرنا۔ لِيَصْمُتْ صَمَتَ (ن) صَمْتًا و صُمُوتًا بمعنی خاموش رہنا، صَمَتَ، اَصْمَتَ خاموش رہنا، خاموش کرنا۔ |

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، كَانَ فعل ناقص ھو ضمیر مستتر اس کا اسم يُؤْمِنُ فعل مضارع ھو ضمیر مستتر فاعل بَا جار لفظ اَللّٰه معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ موصوف صفت مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، كَانَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لِيُكْرِمْ امر غائب، ھو ضمیر مستتر فاعل ضَيْفَهُ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے معطوفین سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۵۶۔ فجر وعشاء با جماعت پڑھنے کی فضیلت

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَانَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَانَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | صَلَّى | الْعِشَاءَ |
| جس نے | پڑھی | عشاء (کی نماز) |
| فِيْ جَمَاعَةٍ | فَكَانَّمَا | قَامَ |
| جماعت میں | پس گویا کہ | وہ کھڑا رہا |
| نِصْفَ اللَّيْلِ | وَمَنْ | صَلَّى الصُّبْحَ |
| آدھی رات | اور جس نے | پڑھی فجر (کی نماز) |
| فِيْ جَمَاعَةٍ | فَكَانَّمَا | صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ |
| جماعت کے ساتھ | پس گویا کہ وہ (کھڑا رہا) | نماز میں پوری رات |

[مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک سے دو سبق مفہوم ہو رہے ہیں۔

۱۔ فجر اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بتائی گئی ہے۔

۲۔ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے رات کے نصف اول کا ثواب ملتا ہے اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے رات کے نصف ثانی کا بھی ثواب مل جاتا ہے۔ گویا فجر اور عشاء جماعت سے ادا کریں تو ساری رات نفل نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

لغات: اَلْعِشَاءَ بکسر العین، عشاء کی نماز، اور عَشَاءَ، بفتح العین رات کا کھانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صَلَّى فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، اَلْعِشَاءَ مفعول بہ، فِيْ جَمَاعَةٍ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق

سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، کَأَنَّمَا (کَأَنَّ حرف مشبہ بالفعل، ما کافہ عن العمل) قَامَ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل نِصْفُ اللَّيْلِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۵۷۔کامیابی نسب پر نہیں اعمال پر ہے

مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | بَطَّأَ | بِهٖ |
| جو شخص کہ | پیچھے رکھا | اس کو |
| عَمَلُهٗ | لَمْ يُسْرِعْ | بِهٖ |
| اس کے عمل نے | نہیں آگے لے جائے گا | اس کو |
| نَسَبُهٗ | | |
| اس کا نسب | | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی حسب و نسب والا ہے مگر عمل میں کوتاہی کرتا ہو تو یہ ناکام ہے، اور جس کے نسب (ذات، برادری) کی وجہ سے لوگ اسے چھوٹا سمجھتے ہوں، لیکن اس کے اعمال مقبول ہوں، تو وہ اللہ کو محبوب ہوگا۔ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن صرف اعمال کی بناء پر کامیابی اور ناکامی کے فیصلے ہوں گے۔ تاریخ اسلام ایسے حقائق سے بھری پڑی ہے کہ کتنے ہی دنیاوی لحاظ سے کم حیثیت لوگ اعمال کی وجہ سے بلند مراتب حاصل کر گئے۔

لغات: بَطَّأَ: بمعنی دیر کرنا، مؤخر کرنا۔ بَطُؤَ: (ک) بَطَاءً، بطاء دیر کرنا۔ یَسْرَعُ: بمعنی جلدی کرنا، فِی الْمَشْيِ، جلدی چلنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، بَطَّأَ فعل ماضی، بَ جار، ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، عملہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ یُسْرِعْ فعل، بِہٖ جار مجرور مل کر متعلق فعل، نَسَبُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۵۸۔ پرہیزگاری سے حج کرنا گناہوں کے دھلنے کا ذریعہ

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | حَجَّ | لِلّٰهِ |
| جس نے | حج کیا | اللہ کی (رضامندی کے لیے) |
| فَلَمْ يَرْفُثْ | وَلَمْ يَفْسُقْ | رَجَعَ |
| پس نہ گیا وہ اپنی بیوی کے پاس | اور نہ اس نے کوئی بُرا کام کیا | لوٹے گا (وہ حج سے) |
| كَيَوْمٍ | وَّلَدَتْهُ | اُمُّهٗ |
| اس دن کی طرح (کہ جس دن گناہوں سے پاک) | جنا اس کو | اس کی ماں نے |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں حج کی یہ فضیلت بتائی گئی ہے کہ جسے یہ عمل نصیب ہو اور وہ اس عمل کی اور خاص طور پر احرام کی پابندیوں کا پورا پورا خیال رکھے

(جماع، بال کٹوانا، خوشبو لگانا، اور کوئی بُرا کام کرنا) ان سے بچے تو اس کا انعام یہ ہے کہ وہ جب حج سے واپس آئے گا تو وہ اس دن کی طرح گناہوں سے پاک، صاف ہو جائے گا جس دن یہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور گناہوں سے بالکل صاف اور پاک تھا۔ یہ انعام ہے حج کی پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے حج کرنے کا۔ اس کے برخلاف جو گناہ کرے اور احتیاط نہ کرے ان بے ادبیوں کا انجام بہت بُرا ہے۔

لغات: رَفَثَ: (ن۔س۔ض) رَفَثًا فِي الْكَلَامِ: گندی بات کرنا۔ اسی سے رفث آتا ہے بمعنی جماع کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ۔ فَسَقَ: (ن۔ض۔ک) فِسْقًا وفُسُوْقًا۔ بمعنی بدکاری کرنا، اسی سے فاسق آتا ہے۔ اس کی جمع فَسَقَةَ فُسَّاقٌ آتی ہے۔ وَلَدَ: (ض) وِلَادَةً بمعنی پیدا کرنا۔ جننا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، حَجَّ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰهِ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، فَ عاطفہ، لَمْ يَرْفُثْ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَمْ يَفْسُقْ بترکیب:: سابق معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اول اپنے معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، رَجَعَ فعل ھو ضمیر مستتر ذوالحال، كَ جار، يَوْمِ موصوف، وَلَدَتْ فعل، ہ ضمیر مفعول بہ، اُمُّهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل فعل مفعول بہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق طَاهِرًا محذوف کے، طَاهِرًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۵۹۔شہادت کی سچی تمنا بھی فائدہ مند ہے

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ | سَأَلَ | اللّٰهَ |
| جس نے | مانگا | اللہ سے |
| الشَّهَادَةَ | بِصِدْقٍ | بَلَّغَهُ |
| شہادت کو | سچے دل سے | پہنچادے گا اسے |
| اللّٰهُ | مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ | وَإِنْ |
| اللہ | شہیدوں کے مرتبے پر | اور اگر چہ |
| مَّاتَ | عَلٰى فِرَاشِهٖ | |
| مرے وہ | اپنے بستر پر | [مسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں صرف شہادت کی نیت اور سچی خواہش کی وجہ سے اللہ پاک ثواب نصیب فرماتے ہیں۔حالانکہ حقیقی شہید وہ ہے جو راہ خدا میں لڑتے لڑتے جان دے دے۔اس سے معلوم ہوا جن نیک اعمال کی طاقت نہ ہو فضائل کے استحضار کے ساتھ ان کی آرزو رکھنا اور کوشش کرنا بھی بڑا کار ثواب ہے۔

لغات: فِرَاشِهٖ: بمعنی بچھونا، بستر، اس کی جمع اَفْرِشَة، فرش وغیرہ آتی ہے۔(ن۔ض) فَرْشًا بچھانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، سَأَلَ فعل ھو ضمیر فاعل، لفظ اللّٰهَ مفعول اول، اَلشَّهَادَةَ مفعول ثانی، بِصِدْقٍ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعولین اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، بَلَّغَ فعل ہ ضمیر مفعول بہ، اللّٰهُ فاعل، مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ

اور فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ واؤ مبالغہ، اِنْ وصلیہ شرطیہ، مَاتَ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی جار، فِرَاشِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اس کی جزا بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، قرینہ ما قبل کی وجہ سے محذوف ہے۔ شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

## ۲۶۰۔ جہاد کی تیاری بھی جہاد کے ثواب میں شمولیت ہے

مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِيْمَانًا ۢ بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبْعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنِ | احْتَبَسَ | فَرَسًا |
| جس شخص نے | (پالنے کے لیے) روکے رکھا | کوئی گھوڑا |
| فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | اِيْمَانًا ۢ بِاللّٰهِ | وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ |
| اللہ کے راستے میں (جانے یا بھیجنے کے لیے | اللہ پر یقین رکھتے ہوئے | اور اس کے وعدے کو سچا جانتے ہوئے |
| فَاِنَّ | شِبْعَهٗ | وَرِيَّهٗ |
| پس بے شک | اس کا سیر کر کے کھلانا | اور اس کا پلانا |
| وَرَوْثَهٗ | وَبَوْلَهٗ | فِيْ مِيْزَانِهٖ |
| اور اس کا لید کرنا | اور اس کا پیشاب کرنا | اس (پالنے والے کے ترازو میں ہوگا) |
| يَوْمَ الْقِيٰمَةِ | | |
| قیامت کے دن | | [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں رضائے الٰہی کے لیے جہاد کی غرض سے گھوڑا

پالنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔حتیٰ کہ اس گھوڑے کا کھانا پینا بھی نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا۔معلوم ہوا کسی نیک کام کے جو متعلقات (تیاری میں جو کام بھی کیے جائیں) وہ بھی ثواب سے خالی نہیں۔جیسے علم کے لیے قلم، کتاب، جاگنا، کھانا، پینا، مدرسہ آنا جانا وغیرہ ایسے ہی نماز، روزہ ودیگر امور شرعیہ کی ادائیگی میں ہر کوشش قابلِ قدر اور باعث اجروثواب ہے۔

لغات:اِحْتَبَسَ: بمعنی قید کرنا، روکنا، لازم اور متعدی دونوں آتا ہے، حَبَسَ (ض) حَبْسًا بمعنی قید کرنا، روکنا۔شِبْعَهٗ: اتنا کھانا جس سے پیٹ بھر جائے۔شَبِعَ (س) شِبْعًا بمعنی آسودہ ہونا وَرِیَّهٗ: رَوِیَ (س) رِیًّا، سیراب ہونا، وَرَوْثَهٗ: بمعنی لید جمع اَرْوَاثٌ. رَاثَ (ن) وَرَثًا الْفَرَسُ گھوڑے کا لید کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اِحْتَبَسَ فعل ماضی، ہو ضمیر مستتر ذوالحال، اِیْمَانًا مصدر بمعنی اسم فاعل، ہو ضمیر مستتر فاعل، با جار، لفظ اللّٰہِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اِیْمَانًا کے، متعلق اور متعلق مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ تَصْدِیْقًا بِوَعْدِہٖ بترکیب:: سابق شبہ جملہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر حال ذوالحال حال مل کر فاعل، فَرَسًا مفعول بہ، فِیْ جار، سَبِیْلِ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، شِبْعَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رِیَّهٗ معطوف اول، واؤ عاطفہ، رَوْثَهٗ معطوف ثانی واؤ عاطفہ بَوْلَهٗ معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر اِنَّ کا اسم، فِیْ جار مِیْزَانِہٖ مضاف مضاف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ محذوف کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل، یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، کائن اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

## ۲۶۱۔ بالوں کی حفاظت کیجیے

مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ كَانَ لَهٗ | شَعْرٌ | فَلْيُكْرِمْهُ |
| جس شخص کے | بال ہوں | پس چاہیے کہ انہیں اچھی طرح رکھے |

[رواہ ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے (بال اور ان کی طرح دوسری آنکھ، کان وغیرہ جتنی نعمتیں) اللہ نے دے رکھی ہیں۔ان کو صاف ستھرا رکھنا، ضائع ہونے سے بچانا اللہ کا حکم ہے، مثلاً جب بال ہوں تو ان کو میلا ہونے سے، جوؤں سے بچانا اور صفائی کے لیے تیل، کنگھی استعمال کرنا ضروری ہے۔

ملاحظہ: اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ان کاموں (یعنی بال وغیرہ سنوارنے) میں وقت کو ضائع کیا جائے۔ بلکہ ہر کام اپنی حدود میں ہی اچھا لگتا ہے۔

لغات: شَعْرٌ: بال، جمع اشعار۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، كَانَ فعل تام، لَهٗ جار مجرور متعلق فعل، شَعْرٌ فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ لِيُكْرِمْ امر غائب ھو ضمیر مستتر فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

# نَوْعٌ اٰخَرٌ مِّنْهُ

## (جملہ شرطیہ) کی دوسری قسم

اس سے پہلے باب کی احادیث طیبہ میں حرف شرط مَنْ کا استعمال تھا۔
اس باب میں حرف شرط اِذَا مستعمل ہے۔
اس کے علاوہ قواعد کی تفصیل جملہ شرطیہ (نوع اول) کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔
ضرورت پر ملاحظہ کر لی جائے۔

## ۲۶۲۔ایمان کی نشانی

اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ

++++++++++

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِذَا | سَرَّتْكَ | حَسَنَتُكَ | وَسَاءَتْكَ |
| جب | بھلی لگے تجھے | تیری نیکی | اور بُری لگے تجھے |
| سَيِّئَتُكَ | فَاَنْتَ | مُؤْمِنٌ | |
| تیری برائی | پس تو | ایمان والا ہے | [رواہ احمدؒ] |

تشریح: صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا جو اس حدیث میں ہے کہ

''تم اپنے دل کی کیفیت دیکھو کہ اگر یہ نیکی کرنے پر خوش ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے'' یہ ایمان کی نشانی ہے اس پر شکر کریں......اسی طرح۔

کوئی گناہ ہو جائے تو دل دکھتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے ان دونوں باتوں کا پیدا ہونا ایمان کی حالت ہے۔ایسا نہیں ہے تو ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

مثال۔ جیسے بیمار آدمی کو بعض اوقات ذائقوں کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے اسی طرح دل بھی بیمار ہوتا ہے تو نیکی پر خوشی نہیں ہوتی اور برائی پر غمی نہیں ہوتی اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لغات: سَرَّتْكَ بمَسَرَّۃ(ن) سُرُوْرًا وَسُرًّا بمعنی خوش کرنا۔حَسَنَتُكَ :بمعنی نیکی۔جمع حَسَنَاتٌ .سَاءَتْكَ بمَسَاءَ(ن) سَوَاء برابر ہونا۔سَيِّئَتُكَ :بمعنی برائی،گناہ۔ جمع سَيِّئَاتٌ۔

ترکیب: نَوْعٌ موصوف، آخِرٌ اسم تفضیل ہو ضمیر مستتر فاعل، اسم تفضیل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت اول، مِنْهُ جار مجرور مل کر متعلق كَائِنٌ محذوف کے، كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ثانی، موصوف

دونوں صفتوں سے مل کر خبر ہذا مبتدا محذوف کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، سَرَّتْ فعل، كَ ضمیر مفعول بہ، حَسَنَتُكَ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، سَاءَ تْكَ سَيِّئَتُكَ بترکیب:: سابق جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اَنْتَ مبتدا، مُؤْمِنٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۶۳۔ جس کا کام، اسی کو ساجھے

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | وُسِّدَ | الْاَمْرُ |
| جب | سپرد کر دیا جائے | (کوئی دین کا) کام |
| اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ | فَانْتَظِرِ | السَّاعَةَ |
| نااہل کو | پس انتظار کر | قیامت کا [بخاری] |

تشریح: اس حدیث پاک میں یہ خاص بات بتائی گئی کہ دین کی اقامت کا کوئی کام جیسے امامت، تدریس، افتاء، یا مسلمانوں کی حکومت نااہل کو دے دی جائیں، یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔

لغات: تُوُسِّدُ الْاَمْرُ: کسی کے ذمہ کوئی کام لگانا۔ اَلسَّاعَةُ: مراد یہاں سے قیامت ہے۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، وُسِّدَ فعل ماضی مجہول، اَلْاَمْرُ نائب فاعل، اِلٰى جار، غَيْرِ مضاف، اَهْلِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِنْتَظِرِ امر حاضر، اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل، اَلسَّاعَةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل

اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۶۴۔ مجلس کا ایک ادب

اِذَا كُنْتُمْ ثَلٰثَةً فَلَا يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخِرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجَلِ اَنْ يَّحْزُنَهٗ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | كُنْتُمْ | ثَلٰثَةً |
| جب | ہو تم | تین |
| فَلَا | يَتَنَاجٰى | اِثْنَانِ |
| پس نہ | کان میں بات کریں | دو |
| دُوْنَ الْاٰخِرِ | حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا | بِالنَّاسِ |
| دوسرے کو چھوڑ کے | یہاں تک کہ مل جاؤ تم | لوگوں کو |
| مِنْ اَجَلِ | اَنْ يَّحْزُنَهٗ | |
| اس ڈر سے (کہ تمہارے اس عمل سے) | وہ غمگین ہوگا | [بخاری ومسلم] |

تشریح: اس حدیث میں مجلس کا ایک ادب بتایا گیا ہے کہ جہاں تین ہوں وہاں دو کو الگ ہو کر کان میں باتیں نہیں کرنی چاہئیں، اس عمل پر تیسرا یہ سمجھے گا کہ میرے خلاف باتیں ہو رہی ہیں اور اس کا دل دکھے گا۔ اگر اس کی طرف سے بات کرنے کی اجازت ہو تو جائز ہے۔

لغات: يَتَنَاجٰى الْقَوْمَ، سرگوشی کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى فَلَا تَتَنَاجَوْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَان. تَخْتَلِطُوْا: ملنا خَلَطَ (ض) خَلْطَةً، خَلَطَ ملانا. يَحْزُنَهٗ بَحَزِنَ (س) حُزْنًا لَهٗ عَلَيْهِ غمگین ہونا، جمع حُزَنَاءُ آتی ہے۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، كُنْتُمْ فعل ناقص ضمیر بارز اس کا اسم، ثَلٰثَةً خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لَا يَتَنَاجٰى فعل

مضارع ،اِثْنَانِ فاعل ،دُوْنَ الْاٰخِرِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، حَتّٰی جار، تَخْتَلِطُوْا فعل مضارع ،ضمیر بارز فاعل ،بِا جار، النَّاسِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ،مِنْ جار ،اَجَلِ مضاف ،اَنْ مصدر یہ،یَّحْزُنَ فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ہ ضمیر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار ،مجرور مل کر متعلق ثانی ،فعل (تَخْتَلِطُوْا) اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ خبر بتقدیر ،اَنْ مفرد ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَا یَتَنَاجٰی کے فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ معنی انشائیہ ہو کر جزا،شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۶۵۔موت کی طرف انسان خود چلتا ہے

اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | قَضٰى | اللّٰهُ |
| جب | فیصلہ کر دے | اللہ |
| لِعَبْدٍ | اَنْ يَّمُوْتَ | بِاَرْضٍ |
| کسی بندے کے متعلق | یہ کہ وہ مرے گا | اس زمین میں |
| جَعَلَ | لَهٗ | اِلَيْهَا |
| بنا دیتے ہیں (اللہ) | اس کے لیے | (اس زمین کی طرف) |
| حَاجَةً | | |
| کوئی ضرورت | | |

[ترمذی]

تشریح: انسان کی موت کا وقت لکھا ہوا ہے جس جگہ مرنا ہے وہ جگہ بھی لکھی ہوئی ہے اللہ کا قانون ہے کہ موت کے مقررہ وقت پر ،مقررہ جگہ میں انسان پہنچ جاتا ہے۔

جس طرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کے ایک دوست بیٹھے تھے عزرائیل علیہ السلام اس کی روح قبض کرنے وہاں آئے اور اس کی طرف غور سے دیکھا وہ دوست کہنے لگا اے سلیمان علیہ السلام! مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے فلاں جگہ پہنچا دو! حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہنچا دیا اور عزرائیل علیہ السلام بھی وہاں پہنچ گئے۔ اس طرح وقت مقررہ پر موت کی مقرر جگہ میں وہ آدمی خود ہی پہنچ گیا۔

''معارف القرآن''

| لغات: بِاَرْضٍ: بمعنی زمین، جمع اَرْضُوْنَ آئی ہے۔ |
| --- |

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، قَضٰی فعل، اللّٰہُ فاعل، لِعَبْدٍ جار مجرور متعلق فعل، اَنْ مصدریہ، یَمُوْتَ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، بِاَرْضٍ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، جَعَلَ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، لَہٗ جار مجرور متعلق اول فعل، اِلَیْھَا جار مجرور مل کر متعلق ثانی، حَاجَۃً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلقین اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

## ۲۶۶۔ پڑوسی کی ضرورت کا احساس

اِذَا طَبَخْتَ مَرِقَۃً فَاَکْثِرْ مَاءَھَا وَتَعَاھَدْ جِیْرَانَکَ.

++++++++++

| | | |
| --- | --- | --- |
| اِذَا | طَبَخْتَ | مَرِقَۃً |
| جب | تو پکائے | کچھ شوربہ |
| فَاَکْثِرْ | مَاءَھَا | وَتَعَاھَدْ |
| پس تو زیادہ کردے | اس کا پانی | اور خیال رکھ تو |

جِيْرَانَكَ

اپنے پڑوسی (کی بھوک کا بھی) [رواه مسلم:

تشریح: آپ ﷺ کے اس قول میں پڑوسی کی اہمیت کئی انداز میں بیان کی گئی ہے۔

۱۔ معلوم رکھنا چاہیے کہ پڑوسی بھوکا تو نہیں؟

۲۔ ضرورت پڑنے پر اپنے کھانے کا کچھ حصہ اس کے گھر پہنچاؤ۔

۳۔ سالن کم ہو تو پڑوسی کی خاطر شوربہ بڑھانے کے لیے پانی ڈالنے سے بھی گریز نہ کرو۔ یہ اس اسلام کی ہدایات ہیں جس نے سب سے زیادہ انسانی حقوق مہیا کیے ہیں۔

لغات: طَبَخَ: (ف۔ن) طَبْخًا پکانا، اسی سے مَطْبَخْ آتا ہے، باروچی خانہ۔ مَرِقَةٌ: شوربا، مَرَقَ (ن۔ض) مَرِقَ الْقِدْرُ، شوربا زیادہ کرنا۔ تَعَاهَدَ: ایک دوسرے سے معاہدہ کرنا، عہد کی تجدید کرنا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، طَبَخْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، مَرِقَةً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اَكْثِرْ امر حاضر ضمیر مستتر فاعل، مَاءَ هَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، تَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ بترکیب:: سابق معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۶۷۔ ہر اچھا کام دائیں طرف سے

اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَؤُا بِمَيَامِنِكُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | لَبِسْتُمْ | وَاِذَا |
| جب | تم پہنو | اور جب |

| | | |
|---|---|---|
| تَوَضَّأْتُمْ | فَابْدَؤُا | بِمَيَامِنِكُمْ |
| تم وضو کرو | پس شروع کرو | اپنے دائیں سے |

(رواہ احمدؒ)

تشریح: اس قول مبارک میں وضو اور لباس کا ایک ادب بتایا ہے کہ ان اعمال میں دائیں طرف کا خیال رہے۔ یاد رکھئے۔

۱۔ جو کام شرافت کے نہیں ہیں یعنی بیت الخلاء جانا، مسجد سے نکلنا، کپڑے اور جوتے اتارنا یہ بائیں طرف سے کیے جائیں۔

۲۔ جو کام شرافت کے ہیں، مثلاً کھانا، پینا، پہننا، وضو اور لباس وغیرہ ان کو دائیں طرف سے شروع کیا جائے۔ یہ مسنون عمل ہے۔ اس میں بے شمار دینی و دنیاوی فوائد چھپے ہوئے ہیں۔

لغات: تَوَضَّأْتُمْ بِالْمَاءِ ، وضو کرنا، وَضُوَ(ك) وَضُوْءً ا ، پاکیزہ ہونا۔ مَيَامِن: جمع ميمنة کی بمعنی داہنی جانب۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، لَبِسْتُمْ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِذَا کلمہ شرط، تَوَضَّأْتُمْ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، ابْدَؤُا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، بِ جار، مَيَامِنِ مضاف كُمْ مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۶۸۔ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال

اِذَا تَوَضَّاتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | تَوَضَّاتَ | فَخَلِّلْ |
| جب | تو وضو کرے | پس خلال کر |
| اَصَابِعَ يَدَيْكَ | وَرِجْلَيْكَ | |
| تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کا | اور اپنے پاؤں (کی انگلیوں) کا | [ترمذی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں وضو کا ایک ادب ہے کہ ہاتھ، پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا جائے۔

ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ:

دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اوپر کی طرف کھینچیں۔

پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ:

بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی کے نیچے کی طرف سے داخل کر کے اوپر کی طرف خلال کرے۔ اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

ملاحظہ: ہاتھ کی انگلیوں کا خلال ہاتھ دھونے کے بعد اور پاؤں کی انگلیوں کا پاؤں دھونے کے بعد کریں۔

لغات: فَخَلِّلْ: امر کا صیغہ ہے۔ خَلَّلَ الْاَسْنَانِ خلال کرنا، خَلَّ(ن) خَلًّا بمعنی سوراخ کرنا۔ اَصَابِعَ: جمع ہے اِصْبَعٌ کی بمعنی انگلی۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، تَوَضَّأْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر شرط، فَ جزائیہ، خَلِّلْ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، اَصَابِعَ مضاف، يَدَيْكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رِجْلَيْكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ

معطوف مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۶۹۔کھانا جوتے اتار کر کھائیں!

اِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَاِنَّهٗ اَرْوَحُ لِاَقْدَامِكُمْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | وُضِعَ الطَّعَامُ | فَاخْلَعُوْا |
| جب | کھانا رکھا جائے | پس اتار لو |
| نِعَالَكُمْ | فَاِنَّهٗ | اَرْوَحُ |
| اپنے جوتے | پس بے شک یہ (جوتے اتارنا) | آرام دینے والا ہے |
| لِاَقْدَامِكُمْ | | |
| تمہارے پاؤں کو | | [دارمی] |

تشریح: اس حدیث پاک میں کھانے کا ادب ارشاد فرمایا کہ جوتے اتار کر کھانا کھانے میں راحت اور آرام ہے۔ اس حکم میں آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ شفقت اور محبت بھی جھلک رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات ہی شفقت پر مبنی ہے۔

لغات: فَاخْلَعُوْا بخَلَعَ (ف) خلعا الشیء، اتارنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ.
نِعَالَ: جمع نَعْلَ کی بمعنی جوتا، چپل۔ اَرْوَحُ رَاحَ (ف) رَاحَةً بمعنی آرام پہنچنا، راحت بخشنا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، وُضِعَ فعل مجہول، اَلطَّعَامُ نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِخْلَعُوْا امر حاضر ضمیر بارز فاعل، نِعَالَكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل، فَ تعلیلیہ، اِنَّ حرف

مشبہ بالفعل، ہٗ ضمیر اس کا اسم، اَرْوَحُ اسم تفضیل، ھو ضمیر مستتر فاعل، لِ جار، اَقْدَامِکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اَرْوَحُ کے، اَرْوَحُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۷۰۔ حیاء برائی سے بچنے کا ذریعہ

اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | لَمْ تَسْتَحِیْ | فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ |
| جب | تو بے شرم ہو جائے | تو کر جو چاہے (بخاری) |

تشریح: اس حدیث کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ آپ کے اس قول میں حیاء کی ترغیب ہے اس طرح کہ بے حیائی بہت سے گناہوں (بدکاری، بدنظری وغیرہ) کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

۲۔ یہ دھمکی ہے کہ اگر حیاء نہیں ہے تو جو مرضی کرو آخر پکڑے جاؤ گے۔

لغات: اِسْتَحْیَا: اِسْتَحْیَا مِنْہُ، شرم کرنا، باز ہونا، حَیَّاکَ اللّٰہُ بمعنی سلام کرنا۔ فَاصْنَعْ: صَنَعَ(ف) صُنْعًا وَصَنْعًا اَلشَّیْءَ بنانا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، لَمْ تَسْتَحِیْ فعل مضارع، ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِصْنَعْ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، مَا موصول شِئْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۱۷۲۔ دائیں ہاتھ سے کھانا اور اسی سے پینا

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | اَكَلَ | اَحَدُكُمْ |
| جب | کھائے | تم میں سے کوئی ایک |
| فَلْيَأْكُلْ | بِيَمِيْنِهٖ | وَاِذَا |
| پس چاہیے کہ کھائے وہ | اپنے دائیں ہاتھ سے | اور جب |
| شَرِبَ | فَلْيَشْرَبْ | بِيَمِيْنِهٖ |
| پیئے (تم میں سے کوئی) | پس چاہیے کہ پیئے | اپنے دائیں ہاتھ سے |

[مسلم]

تشریح: اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی تاکید ہے۔ایک شخص کو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔اس نے جھوٹا عذر کیا اور اس کام سے نہ رکا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔(ریاض الصالحین)

بِيَمِيْنِهٖ اَلْيَمِيْنُ ، داہنا ہاتھ،جمع اَيْمُنَ،اَيْمَانٌ،اَيَامِنُ،اَيَامِيْنُ ۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، اَكَلَ فعل، اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لِيَأْكُلْ امر غائب، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بِ جار، يَمِيْنِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا۔شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ۔ ترکیب:: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۷۲۔ تحیۃ المسجد

اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | دَخَلَ | اَحَدُکُمْ |
| جب | داخل ہو | تم میں سے کوئی |
| الْمَسْجِدَ | فَلْیَرْکَعْ | رَکْعَتَیْنِ |
| مسجد میں | پس چاہیے کہ وہ پڑھے | دو رکعتیں |
| قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ | | |
| بیٹھنے سے پہلے | | [بخاری و مسلم] |

تشریح: اس حدیث میں تحیۃ المسجد کا حکم ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیں، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو اس کی بڑی فضیلت ہے۔

لغات: فَلْیَرْکَعْ: (امر غائب) رَکَعَ (ف) رَکْعًا وَرُکُوْعًا بمعنی سر جھکانا، رکوع کرنا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، دَخَلَ فعل، اَحَدُکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، الْمَسْجِدَ مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، ف جزائیہ، لِیَرْکَعْ امر غائب ضمیر مستتر فاعل، رَکْعَتَیْنِ مفعول بہ، قَبْلَ مضاف، اَنْ ناصبہ مصدریہ، یَّجْلِسَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزاء۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۷۳۔ جب جوتے پہنیں اور اتاریں تو

اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا انْتَعَلَ | اَحَدُكُمْ | فَلْيَبْدَأْ |
| جب جوتا پہنے | تم میں سے کوئی ایک | تو شروع کرے |
| بِالْيُمْنٰى | وَاِذَا | نَزَعَ |
| دائیں طرف سے | اور جب | اتارے |
| فَلْيَبْدَأْ | بِالشِّمَالِ | لِتَكُنِ الْيُمْنٰى |
| پس شروع کرے | بائیں طرف سے | تا کہ ہو جائے دایاں |
| اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ | وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ | |
| پہلا، پہننے کی حالت میں | اور آخری، اتارنے کی حالت میں | |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس فرمان میں حکم ہے کہ جوتا پہنے تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے۔ اتارے تو دائیں کو بعد میں اتارے، اس طرح دایاں اول اور آخر میں ہو جائے گا۔ اور یہ عمل بہت فضیلت والا ہے۔ طب نبوی ﷺ میں ہے کہ یہ عمل تلی کے مرض سے شفاء کا ذریعہ ہے۔

لغات: اِنْتَعَلَ نَعِلَ (س)، نَعْلًا، جوتا پہننا۔ نَزَعَ نَزَعَ (ف) نزعا بمعنی نکالنا۔
بِالشِّمَالِ: بایاں ہاتھ جمع اشمل، شمل۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، اِنْتَعَلَ فعل، اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر شرط، فَ جزائیہ، لِيَبْدَأْ امر غائب ضمیر مستتر، بِ جار، الْيُمْنٰى مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَاءْ بِالشِّمَالِ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ

ہو کر معلل ،لِتَكُنِ امر غائب فعل ناقص ،الیُمْنٰی اس کا اسم ،اَوَّلَهُمَا مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال ،تُنْعَلُ فعل مضارع مجہول ،هِیَ ضمیر مستتر نائب فاعل ،فعل نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، آخِرَهُمَا تُنْزَعُ بترکیب: سابق مطعوف، معطوف علیہ معطوف مل کر خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر تعلیل ،معلل اور تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۷۴۔ سفر سے واپسی کا ادب

اِذَا اَطَالَ اَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ اَهْلَهٗ لَيْلًا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | اَطَالَ | اَحَدُكُمُ |
| جب | لمبی کرے | تم میں سے کوئی |
| الْغَيْبَةَ | فَلَا يَطْرُقْ | اَهْلَهٗ |
| غیر حاضری کو | پس نہ آئے | اپنے گھر والوں کے پاس |
| لَيْلًا | | |
| رات کو | | [بخاری ومسلم] |

تشریح: اس حدیث پاک میں سفر کا ایک ادب بتایا ہے۔کافی دنوں کے بعد گھر آنا ہو تو رات آنے سے پہلے پہلے پہنچنا چاہیے۔اس میں کئی فوائد ہیں۔

۱۔ کسی کی نیند خراب نہ ہو۔

۲۔ اہل خانہ ڈر نہ جائیں۔

لغات: اَلْغَيْبَةَ غَابَ (ض) غَيْبًا غيبةً ،غائب ہونا، جدا ہونا، دور ہونا، يَطْرُقْ: طَرَقَ(ن) طَرْقًا وطُرُوقًا الْقَوْمَ ،رات میں آنا ،طَارِقٌ رات میں آنے والا ،جمع اَطْرَاقٌ آتی ہے۔اَهْلَهٗ: بمعنی کنبہ،خاندان، بیوی۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، اَطَالَ فعل ماضی، اَحَدُکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، الْغَیْبَةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لَا یَطْرُقْ نہی غائب ھو ضمیر مستتر فاعل، اَھْلَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، لَیْلًا مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۷۵۔ تیمارداری کا ادب

اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِيْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَّيَطِيْبُ بِنَفْسِهٖ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا | دَخَلْتُمْ | عَلَى الْمَرِيْضِ |
| جب | جاؤ تم | مریض کے پاس |
| فَنَفِّسُوْا | لَهٗ | فِيْ اَجَلِهٖ |
| پس غم دور کرو | اس کا | اس کی موت کے بارے میں |
| فَاِنَّ | ذٰلِكَ | لَا يَرُدُّ |
| پس بے شک | یہ (عمل) | نہیں ٹال سکے گا (مریض سے) |
| شَيْئًا | وَّيَطِيْبُ | بِنَفْسِهٖ |
| کسی چیز کو | اور خوش ہوگا | مریض اپنے دل میں |

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں عیادت مریض کا ایک خاص ادب بتایا ہے کہ مریض کو تسلی دینی چاہیے کہ اس مرض سے تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اس کا اس طرح کہنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ مریض دل میں خوش ہوگا اور یہ ضابطہ ہے کہ روحانی خوشی یا غمی کا جسمانی صحت پر اثر پڑتا ہے۔ یہ عمل بیماری کے ہلکا ہونے کا ذریعہ بھی

بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ نفسانی علاج تجویز فرما دیا ہے۔

لغات: فَنَفِّسُوْا نفّس، مُتَنَفِّسًا عَنْهُ الْكُرْبَةُ غم دور کرنا، غم سے رہائی دینا، نَفَّسَهُ فِي الْاَمْرِ ترغیب دینا، اَجَلٌ: مدت، وقت، موت جمع اٰجَالٌ آتی ہے۔ يَطِيْبُ طَابَ (ض) طِيْبًا بمعنی اچھا ہونا، طَابَتِ النَّفْسُ، دل خوش ہونا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، دَخَلْتُمْ فعل، ضمیر بارز فاعل، عَلَى الْمَرِيْضِ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، نَفِّسُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق اول، فِيْ جار، اَجَلِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل، فَ تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ذٰلِكَ اِنَّ کا اسم، لَا يَرُدُّ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، شَيْئًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، يَطِيْبُ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، ب جار نَفْسِهٖ مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف معطوف علیہ معطوف مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

(( ............❁❁❁............ ))

# ذِكْرُ بَعْضِ الْمُغِيْبَاتِ

## کچھ پیشین گوئیوں کا بیان

الَّتِیْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ بِهَا وَظَهَرَتْ بَعْدَ وَفَاتِهٖ
جن کے متعلق نبی ﷺ نے خبر دی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں
صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ
اللہ کی رحمتیں آپ ﷺ پر نازل ہوں
اور اس کا سلام آپ ﷺ پر ہو

## ۲۷۶۔ ہر دور میں ایک جماعت دین کی مکمل پابند رہے گی

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَهُوَ سَيِّدُ الصَّادِقِيْنَ لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| قَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | وَهُوَ سَيِّدُ الصَّادِقِيْنَ |
| فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | اس حال میں آپ سارے سچوں کے سردار ہیں |
| لَا يَزَالُ | مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ | قَائِمَةٌ |
| ہمیشہ رہے گی | میری امت میں سے ایک جماعت | جو (لیکر) کھڑی رہنے والی ہوگی |
| بِاَمْرِ اللّٰهِ | لَا يَضُرُّهُمْ | مَنْ |
| اللہ کے حکم کو | نہیں نقصان پہنچائے گا ان کو | جو |
| خَذَلَهُمْ | وَلَا | مَنْ خَالَفَهُمْ |
| ان کی مدد نہ کرے | اور نہ (نقصان پہنچا سکے گا وہ) | جو ان کی مخالفت کرے |
| حَتّٰى | يَاْتِيَ | اَمْرُ اللّٰهِ |
| یہاں تک کہ | آجائے گا | اللہ کا حکم (قیامت) |
| وَهُمْ | عَلٰى ذٰلِكَ | |
| اور وہ | اسی حال میں ہوں گے | [بخاری ومسلم] |

تشریح: قیامت تک روئے زمین پر ایسے لوگ ضرور آباد رہیں گے۔ جو بے خوف ملامت ومخالفت، دین اسلام کی اصل شکل لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ اللہ پاک ان کے خاص مددگار رہوں گے۔ (اللہ ہمیں بھی ان میں سے بنادے) آمین

اس حدیث میں

امر اللّٰہ (اوّل) سے مراد اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے اور

امر اللّٰه ( ثانی ) سے مراد قیامت کا دن ہے۔

لغات: سَیِّد: بمعنی سردار جمع اَسْیَادٌ، سِیَادَۃٌ، سَیَایِدٌ آتی ہے، سَادَ(ن) سِیَادَۃٌ قَوْمَہٗ، سردار ہونا، اَمْرِ: مراد دین کا معاملہ، جمع امور ہے۔ یَضُرُّھُمْ: ضَرَّ(ن) ضَرٌّ نقصان پہنچانا۔ خَذَلَھُمْ: خَذَلَ (ن) خَذْلًا و خُذْلَانًا ، مدد چھوڑنا، مدد نہ کرنا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۷۷۔ لوگ من گھڑت احادیث سے گمراہ کریں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یُفْتِنُوْنَکُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | یَکُوْنُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | ہوں گے |
| فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ | دَجَّالُوْنَ | کَذَّابُوْنَ |
| آخری زمانے میں | دجال | بڑے جھوٹے |
| یَاْتُوْنَکُمْ | مِنَ الْاَحَادِیْثِ | بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ |
| لے کر آئیں گے تمہارے پاس | ایسی حدیثیں | جو تم نے نہیں سنی ہوں گی |
| وَلَا | اٰبَاؤُکُمْ | فَاِیَّاکُمْ |
| اور نہ ہی | تمہارے باپ دادا نے (سنی ہوں گی) | پس تم ان سے بچو |
| وَاِیَّاھُمْ | لَا یُضِلُّوْنَکُمْ | وَلَا یُفْتِنُوْنَکُمْ |
| اور ان کو (اپنے سے) بچاؤ | وہ تمہیں گمراہ نہ کریں | اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں |

[رواہ مسلم]

تشریح: اس پیغام رسالت ﷺ میں دجالون، کی وعید میں ہر وہ شخص شامل ہے۔ جو صرف خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے ایسی باتیں

کریں جو حقیقت میں دین اسلام، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوں لیکن ان جھوٹی باتوں کو دین کا لبادہ پہنا دیا جائے۔ پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے آپ کو ایسے لوگوں کی مجالس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے کہ ہمارا ایمان بچا رہے۔ اس لیے علم دین کا حصول ضروری ہے جس سے سنت اور بدعت کا فرق واضح ہوتا رہے۔

لغات: دَجَّالُوْنَ: جمع ہے دجال کی، بہت زیادہ جھوٹا، دجاجلہ بھی جمع آتی ہے، دَجَلَ (ن) دجلا، جھوٹ بولنا۔ یَضِلُّوْنَکُمْ: گمراہ کرنا۔ یُفْتِنُوْنَکُمْ: فَتَنَ (ض) فتنہ، گمراہ کرنا، آزمائش کرنا، فتنہ میں ڈالنا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۷۸۔ سب سے بہترین زمانہ پھر دوسرے اور تیسرے درجے کا زمانہ

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَجِیْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَیَمِیْنُہٗ شَھَادَتَہٗ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | خَیْرُ النَّاسِ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | بہترین لوگ |
| قَرْنِیْ | ثُمَّ الَّذِیْنَ | یَلُوْنَھُمْ |
| میرے زمانے کے ہیں (صحابہ کرامؓ) | پھر وہ لوگ جو | ان سے ملتے ہیں (تابعینؒ) |
| ثُمَّ الَّذِیْنَ | یَلُوْنَھُمْ | ثُمَّ یَجِیْءُ |
| پھر وہ لوگ جو | ان کے بعد آئیں گے (تبع تابعینؒ) | پھر آئے گی |
| قَوْمٌ | تَسْبِقُ | شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ |
| ایک قوم | بڑھ جائے گی | ان میں سے کسی ایک کی گواہی |
| یَمِیْنَہٗ | وَیَمِیْنُہٗ | شَھَادَتَہٗ |
| اس کی قسم سے آگے | اور اس کی قسم | اس کی گواہی سے آگے |

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس ارشادِ گرامی میں پہلے تین زمانوں یعنی آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ (۲) تابعین (جنہوں نے ایمان کی حالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی) ان کا زمانہ (۳) تبع تابعین (جنہوں نے ایمان کی حالت میں تابعین کو دیکھا) کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں کے لوگوں کو ان کے علم اور عمل کی وجہ سے بہترین قرار دیا۔

پھر بعد میں آنے والے لوگوں میں ایک برائی کا تذکرہ فرمایا۔ وہ یہ کہ جھوٹی گواہی اور قسم میں اتنی زیادتی ہو جائے گی کہ گواہی دینے والا کبھی گواہی پہلے، قسم بعد میں اور کبھی قسم پہلے اور گواہی بعد میں دے گا۔ یہ جھوٹی گواہیوں اور قسموں کا زمانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچوں میں شمار فرمائے۔

لغات: قَرْنِیْ: بمعنی صدی، سو سال، زمانہ کا ایک وقت، چھوٹی پہاڑی، پہاڑ کی چوٹی، جمع قرون ہے، قَرَنَ(ن) قرنا بمعنی ملانا۔ یَلُوْنَهُمْ: وَلِیَ (ض۔حسب) ولیا فُلَانًا قریب ہونا، متصل ہونا۔ تَسْبِقُ: سَبَقَ (ن.ض) سبقاً اِلَیْه، آگے بڑھنا، عَلَیْه، غالب ہونا۔ یَمِیْنٌ: قسم، جمع اَیْمُنٌ، اَیْمَانٌ آئی ہے۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۷۹۔ سود عام ہو جائے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلُ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ | لَیَاْتِیَنَّ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | ضرور آئے گا |
| عَلَی النَّاسِ | زَمَانٌ | لَا یَبْقٰی |
| لوگوں پر | ایسا زمانہ | کہ نہیں باقی رہے گا |

| | | |
|---|---|---|
| اَحَدٌ | اِلَّا | اٰكِلُ الرِّبٰوا |
| (ہر) ایک آدمی | مگر | سود کھانے والا ہوگا |
| فَاِنْ لَّمْ یَاْكُلْهُ | اَصَابَهٗ | مِنْ بُخَارِهٖ |
| پس اگر (کوئی) نہ کھائے اسے | (سود کو تو) پہنچ جائے گا اس تک | (سود) کا بھاپ |

(رواہ احمد وابوداؤد)

**ملاحظہ:** آنے والے زمانے میں سودی لین دین اتنا عام ہوگا کہ بچنے والا دور رہنا چاہے تو بھی اس کا اثر پہنچ جائے گا۔

لغات: اَلرِّبٰوا: بمعنی سود رَبَا (ن) رِبَاءُ الْمَالِ، زیادہ ہونا، بڑھنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ. قَالَ تَعَالٰی لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا. بُخَارِهٖ: بھاپ مگر یہاں مراد اثر ہے جمع اَبْخِرَةٌ ہے۔ بَخَرَ (ف) بَخْرًا بھاپ نکلنا (س) سے بَخَرًا الْفَمِ گندہ دہن ہونا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۸۰۔ دین غریبوں سے زندہ رہے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ الدِّیْنَ بَدَاَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ كَمَا بَدَاَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِیْنَ یُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ | اِنَّ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | بے شک |
| الدِّیْنَ | بَدَاَ | غَرِیْبًا |
| دین (اسلام کی) | ابتداء ہوئی ہے | اجنبیت کی حالت میں |
| وَسَیَعُوْدُ | كَمَا | بَدَاَ |
| اور عنقریب لوٹ آئے گا وہ | جیسا کہ (اس کی) | ابتداء ہوئی |
| فَطُوْبٰی | لِلْغُرَبَاءِ | وَهُمُ الَّذِیْنَ |

| | | |
|---|---|---|
| پس خوش خبری ہے | غریب لوگوں کے لیے | یہ وہ لوگ ہوں گے جو |
| يُصْلِحُوْنَ | مَا | اَفْسَدَ النَّاسُ |
| درست کریں گے | اس (چیز کو) جو | خرابی کرڈالیں گے لوگ (دین میں) |
| مِنْ بَعْدِيْ | مِنْ سُنَّتِيْ | |
| میرے بعد | میری سنت میں | [ترمذی] |

تشریح: واقعی آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں غرباء نے علم سیکھا اور غریب لوگوں نے قربانی دے کر شجر اسلام کو پانی دیا۔ اسی طرح مالدار طبقہ آج بھی کثرت سے دور ہے اس کی نسبت کم مال والے متوسط گھرانے دین اسلام کے قریب آرہے ہیں اور سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے پکڑ کر سو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کر رہے ہیں۔

لغات: غَرِيْبًا: مسافر، وطن سے دور مراد یہاں غیر مانوس ہونا ہے۔ جمع غرباء ہے۔ بَدَأَ: (ف) بَدَأَ بمعنی شروع کرنا۔ فَطُوْبٰى بمعنی رشک، سعادت، یہ مؤنث ہے مذکر اطیب ہے۔

(( ............⚙⚙⚙............ ))

## ۲۸۱۔ دین اسلام پر حملہ آور لوگوں کا مقابلہ ہوتا رہے گا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | يَحْمِلُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | اٹھائیں گے |
| هٰذَا الْعِلْمَ | مِنْ كُلِّ خَلْفٍ | عُدُوْلُهٗ |
| اس علم (دین) کو | ہر بعد میں آنے والے | معتبر لوگ |
| يَنْفُوْنَ | عَنْهُ | تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ |

دور کریں گے وہ | اس (دین) سے | حد سے تجاوز کرنے والوں کی ردو بدل کو

وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ

اور جھوٹ بولنے والوں کے غلط منسوب کرنے کو | اور جاہلوں کے غلط مطلب لینے کو

[رواہ البیھقی]

تشریح: آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر زمانے میں دین اسلام میں ردو بدل کی کوشش ہوئی، اور ہو رہی ہے۔لیکن بوریہ نشینوں کا ایک گروہ ہے، جس نے علم حاصل کر کے اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز دین اسلام کی بقاء اور حفاظت کو سمجھا ہوا ہے۔

لغات: خَلْفٌ: جانشین، بعد کے زمانہ کی چیز خَلَفَ (ف) خِلَافَةً خلیفہ ہونا۔قَالَ تَعَالٰی فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ .عُدُوْلٌ: جمع عادل کی، عدل کرنے والا، معتبر ثقہ، عَدَلَ (ض) عَدْلًا وعَدَالَةً، انصاف کرنا۔يَنْفُوْنَ: نَفٰی (ض) نَفْيًا عَنْهُ، ہٹانا، علیحدہ کرنا۔اَلْغَالِيْنَ: غَلَا (ف) غُلُوًّا، حد سے تجاوز کرنا غلو کرنا مراد وہ مُبْطِلِيْنَ ہیں جو قرآن وحدیث کے غلط مطلب بیان کرتے ہیں۔اِنْتِحَالِ: القول، دوسرے کی بات کو اپنی طرف منسوب کرنا۔اَلْمُبْطِلِيْنَ: (اسم فاعل) ضائع کرنا، باطل کرنا، اَبْطَلَ، اِبْطَالًا، لغو کام کرنا۔قَالَ تَعَالٰی اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۸۲۔ بے مقصد قتل وقتال زیادہ ہو جائے گا

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَاْتِیَ عَلَی النَّاسِ یَوْمٌ لَا یَدْرِیْ الْقَاتِلُ فِیْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُوْلُ فِیْمَ قُتِلَ فَقِیْلَ کَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِکَ؟ قَالَ الْھَرَجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| قَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | وَالَّذِیْ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قسم ہے اس ذات کی |
| نَفْسِیْ بِیَدِہٖ | لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا | حَتّٰی |
| جس کے قبضے میں میری جان ہے | نہیں ختم ہوگی دنیا | یہاں تک کہ |
| یَاْتِیَ | عَلَی النَّاسِ | یَوْمٌ |
| آئے گا | لوگوں پر | ایسا دن کہ |
| لَا یَدْرِیْ | الْقَاتِلُ | فِیْمَ |
| نہیں جانے گا | مارنے والا | کہ کس جرم میں |
| قَتَلَ | وَلَا الْمَقْتُوْلُ | فِیْمَ |
| اس نے مارا | اور نہ ہی مارا جانے والا | کس جرم میں |
| قُتِلَ | فَقِیْلَ | کَیْفَ |
| (اسے) مارا گیا | پس کہا گیا (آپؐ سے سوال کیا گیا کہ) | کیسے |
| یَکُوْنُ ذٰلِکَ؟ | قَالَ | الْھَرَجُ |
| ہو جائے گا یہ (حال)؟ | تو (آپؐ نے) فرمایا | قتل عام کی وجہ سے |
| الْقَاتِلُ | وَالْمَقْتُوْلُ | فِی النَّارِ |
| مارنے والا | اور مارا جانے والا | دونوں جہنم میں ہوں گے |

[مسلم]

تشریح: جو آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ آج ہو رہا ہے کہ معمولی بات پر انسان قتل کر دیا جاتا ہے، کرائے کے قاتل بے شمار لوگوں کو صرف چند ٹکے کی خاطر مار ڈالتے ہیں، مرنے والے کو اپنے مرنے کی وجہ کا علم نہیں اور مارنے والے کو بھی اصل بات کا علم نہیں ہوتا بلکہ دولت کا لالچ اسے یہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنمی اس وجہ سے ہیں کہ قاتل نے تو ناجائز مار کر جرم کر لیا لیکن قتل عام ہونے کی وجہ سے مقتول کا ارادہ بھی اپنے قاتل کو مارنے کا ہوگا لیکن پھر ظاہر ہے جس کا بس چلے گا وہی پہلے مارے گا۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

لغات: يَدْرِیْ: دِرٰی (ض) دِرَايَةً، جاننا۔ اَلْهَرْجُ: فتنہ، فساد، قتل، آشوب۔

(( ............ ❀❀❀ ............ ))

## ۲۸۳۔ اوقات میں برکت نہ ہوگی۔ علم اٹھ جائے گا۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ قَالُوْا وَمَا الْهَرَجُ قَالَ الْقَتْلُ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قریب قریب گزرے کا زمانہ |
| وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ | وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ | وَيُلْقَى الشُّحُّ |
| اور علم اٹھالیا جائے گا | اور فتنے ظاہر ہوں گے | اور بخل ڈال دیا جائے گا |
| وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ | قَالُوْا | وَمَا الْهَرَجُ |
| اور حرج زیادہ ہوگا | سوال کرتے ہوئے کہا ان (صحابہ کرامؓ) نے | اور حرج کیا ہے |
| قَالَ الْقَتْلُ | | |
| تو آپ ﷺ نے فرمایا قتل | | [بخاری ومسلم] |

تشریح: یَتَقَارَبُ الزَّمَانُ کے کئی مفہوم ہیں (۱) عمریں کم ہوں گی (۲) برکت اوقات سے نکل جائے گی۔ (۳) حکومتیں جلد جلد بدلیں گی۔

یقبضُ العلم۔ اہل علم اور جہلاء میں لوگ فرق نہ کریں گے۔ بخل بڑھے گا اور صدقات کم ہوں گے۔

لغات: یَتَقَارَبُ: قریب ہونا قَرُبَ (س،ک) قُرْبًا قریب ہونا۔ یُقْبَضُ قَبَضَ (ض) قَبْضًا بمعنی اٹھا لینا، پکڑنا۔ یُلْقٰی: اَلْقَی الشَّیْءَ ڈال دینا، فِیْہِ الشَّیْءَ رکھنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ. لَقِیَ (س) لِقَاءً ملاقات کرنا۔ اَلشُّحُّ: (ن۔ض) شُحًّا بِہٖ عَلَیْہِ بخل کرنا، شَحِیْحٌ بخیل۔

(( ............ ❁❁❁ ............ ))

## ۲۸۴۔ انسان فتنے سے بچنے کے لیے موت کی تمنا کرے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَی الْقَبْرِ فَیَتَمَرَّغُ عَلَیْہِ وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَکَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَیْسَ بِہِ الدِّیْنُ اِلَّا الْبَلَاءَ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | وَالَّذِیْ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قسم ہے اس ذات کی (کہ) |
| نَفْسِیْ بِیَدِہٖ | لَا تَذْهَبُ الدُّنْیَا | حَتّٰی |
| جس کے قبضے میں میری جان ہے | نہیں (ختم ہو) گی دنیا | یہاں تک کہ |
| یَمُرَّ الرَّجُلُ | عَلَی الْقَبْرِ | فَیَتَمَرَّغُ |
| گزرے گا ایک آدمی | قبر پر | پس لوٹ پوٹ ہو گا وہ |
| عَلَیْہِ | وَیَقُوْلُ | یٰلَیْتَنِیْ |
| اس پر | اور کہے گا | کاش |

| | | |
|---|---|---|
| كُنْتُ | مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ | وَلَيْسَ |
| میں ہوتا | اس قبر والے کی جگہ (پر) | اور نہیں ہوگا یہ |
| بِهِ الدِّيْنُ | اِلَّا الْبَلَاءَ | |
| دین کی وجہ سے | (ہاں) مگر مصیبت کی وجہ سے | [رواہ مسلم] |

ملاحظہ: یعنی اس طرح کی حرکت فتنے سے تنگ آ کر کرے گا حقیقی طور پر مرنا نہیں چاہے گا۔

لغات: فَيَتَمَرَّغُ يَتَمَرَّغُ فِي التُّرَابِ مٹی میں لوٹنا، مَرِغَ (س) مَرْغًا عِرْضَهٗ، عزت پر دھبہ لگنا۔ اَلْبَلَاءُ: غم جو جسم کو گھلا دے، آزمائش خواہ خیر سے ہو یا شر سے ہو، بَلَا (ن) بَلْوًا وَبَلَاءَ الرَّجُلِ آزمانا، تجربہ کرنا، امتحان لینا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۸۵۔اسلام کا نام اور قرآن کے صرف الفاظ رہ جائیں گے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يُوْشَكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مِنْ تَحْتِ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | يُوْشَكُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قریب ہے |
| اَنْ | يَّاْتِيَ | عَلَى النَّاسِ |
| یہ کہ | آئے | لوگوں پر |
| زَمَانٌ | لَا يَبْقٰى | مِنَ الْاِسْلَامِ |
| ایسا زمانہ | نہیں باقی رہے گا | اسلام سے |

| | | |
|---|---|---|
| اِلَّا | اِسْمُهٗ | وَلَا |
| مگر | اس کا نام | اور نہیں |
| یَبْقٰی | مِنَ الْقُرْاٰنِ | اِلَّا |
| باقی رہے گا | قرآن سے | مگر |
| رَسْمُهٗ | مَسَاجِدُهُمْ | عَامِرَةٌ |
| اس کے نقش | ان کی مسجدیں | (آبادی کے لحاظ سے) بلند ہوں گی |
| وَهِيَ خَرَابٌ | مِنَ الْهُدٰی | عُلَمَاؤُهُمْ |
| حالانکہ وہ ویران ہوں گی | (نماز اور) ہدایت کی باتوں سے | ان کے علماء |
| شَرٌّ | مِنْ تَحْتِ اَدِيْمِ السَّمَآءِ | مِنْ عِنْدِهِمْ |
| بدتر ہوں گے | آسمان کے نیچے آباد حصے سے | ان ہی کے پاس سے |
| تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ | وَفِيْهِمْ | تَعُوْدُ |
| نکلے گا فتنہ | اور انہیں میں | لوٹ آئے گا |

[بیہقی]

تشریح: آپ ﷺ کی سچی باتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔

۱۔ اسلام کتب میں موجود ہے لیکن زندگیوں میں بہت کم نظر آرہا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی ادائیگی پر کچھ توجہ ہے لیکن اصل پیغامِ انقلاب سے غفلت ہے۔

۳۔ آج ایسے ہی ہے کہ قالین، قمقمے اور نامعلوم کن کن ذرائع سے مساجد سجی ہوئی ہیں لیکن بہت کم ایسی مساجد ہیں جن میں ہدایت کی بات غالب ہوتی ہو۔

۴۔ علماء سوء مساجد میں امت کو توڑنے کی باتیں کر رہے ہیں اور علماء ظالموں کو روکنے کی بجائے ظالم کا ساتھ دیتے ہیں۔ (صرف اپنی امامت اور عزت کی بقاء کے لیے۔ نعوذ باللہ۔)

لغات:یُوْشَكُ :جلدی چلنا، قریب ہونا، اس کی خبر میں اکثر اَنْ آتا ہے۔رَسْمُہٗ: گھر کے مٹے ہوئے نشانات، جمع رُسُوْم.عَامِرَۃٌ: بمعنی آباد، مراد یہاں پر بلند عالیشان اور مزین ہونا ہے، عَمَرَ(ن) عُمْرًا آباد ہونا جمع عَوَامِر ہے۔قَالَ تَعَالٰی مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰہِ۔خَرَابٌ بخرِبَ(س)خَرْبًا وَخَرَابًا اَلْبَیْتُ ویران ہونا، اجاڑ ہونا۔قَالَ تَعَالٰی وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا.اَدِیْم: پکا ہوا چمڑا۔اَدِیْمٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ،زمین آسمان کا ظاہر حصہ جمع اُدُمٌ،اُدُمٌ، اٰدَامٌ ہے۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۸۶۔منافقت عام ہو جائے گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ اِخْوَانُ الْعَلَانِیَۃِ وَاَعْدَاءُ السَّرِیْرَۃِ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِكَ؟ قَالَ ذٰلِكَ بِرَغْبَۃِ بَعْضِھِمْ اِلٰی بَعْضٍ وَرَھْبَۃِ بَعْضِھِمْ مِنْ بَعْضٍ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | یَکُوْنُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | (پیدا) ہوں گی |
| فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ | اَقْوَامٌ | اِخْوَانُ الْعَلَانِیَۃِ |
| آخری زمانے میں | ایسی قومیں | دوست ہوں گی وہ ظاہری طور پر |
| وَاَعْدَاءُ السَّرِیْرَۃِ | فَقِیْلَ | یَارَسُوْلَ اللّٰہِ |
| اور دشمن ہوں گی وہ باطنی طور پر | پس کہا گیا | اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! |
| وَکَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِكَ؟ | قَالَ | ذٰلِكَ بِرَغْبَۃِ بَعْضِھِمْ اِلٰی بَعْضٍ |
| اور یہ کیسے ہوگا؟ | آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ | یہ بعض کے بعض سے لالچ کی وجہ سے |

وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ

اور بعض کے بعض سے خوف زدہ (ہونے کی وجہ سے) [رواہ احمدؒ]

تشریح: یعنی لالچ اور خوف منافقت کو عام کر دے گا۔ اور اللہ پر توکل اور بھروسہ اٹھ جائیگا۔ دوستی کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ دولت کی غرض پر ہوگی اور دشمنی کی بنیاد اللہ کی نافرمانی نہیں، بلکہ دنیا کے نقصان سے بچنے کے لیے دشمنی ہوگی۔

لغات: اِخْوَانٌ: جمع اَخٌ کی بمعنی بھائی اَخَا (ن) اِخْوَةٌ، دوست بنا، بھائی ہونا۔ اَلْعَلَانِيَةَ: کھلم کھلا، ظاہر، عَلَنَ (ن۔ض۔ک۔س) عَلْنًا وَعَلَانِيَةٌ ظاہر ہونا۔ اَعْدَاءُ: جمع عَدُوٌّ کی بمعنی دشمن، عَدًا (ن) عَدْوًا عَلَيْهِ، ظلم کرنا، دشمنی کرنا۔ اَلسَّرِيْرَةَ: بھید، راز، هُوَ طَيِّبُ السَّرِيْرَةِ وہ باطن کا بہت اچھا ہے۔ جمع سَرَائِرُ. رَهْبَةٌ رَهِبَ (س) رَهْبَةً وَرَهَبًا بمعنی خوف کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى لَاَ اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ ۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۸۷۔ نیک لوگ اٹھ جائیں گے، بے کار رہ جائیں گے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمَرِ لَا يُبَالِيْهُمُ اللّٰهُ بَالَةً.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | يَذْهَبُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | گزر جائیں گے |
| الصَّالِحُوْنَ | اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ | وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ |
| نیک لوگ | ایک ایک ہوکر | اور رہ جائیں گے بھوسے (کی طرح گھٹیا لوگ) |
| كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ | اَوِ التَّمَرِ | لَا يُبَالِيْهُمُ اللّٰهُ |
| جیسے بھوسی گندم کی | یا کھجور کی | نہیں پرواہ کرے گا اللہ ان کی |

بَالَةً

کچھ بھی [بخاری]

ملاحظہ: یعنی نیک لوگ اور ان کی برکات سے محرومی ہو جائے گی تو اللہ پاک کی نگاہ شفقت اٹھ جائے گی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل جاری رکھیں تا کہ برائی ختم ہو اور نیکی ترقی کرے۔

| |
|---|
| لغات: حُفَالَةٌ: گھٹیا چیز، بھوسی، حُفَالَةُ الطَّعَامِ. اَلشَّعِيْرُ: جو، واحد شَعْرَةٌ. يُبَالِيْهِمْ: بالی، بالاة و بَلَاءً وَبَالَةً و بالْاَمْرِ پروا کرنا۔ |

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۸۸۔کمینہ ابن کمینہ سب سے نیک بخت سمجھا جائے گا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعَ ابْنِ لُكَعٍ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | نہیں قیامت قائم ہوگی |
| حَتّٰى | يَكُوْنَ | اَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْيَا |
| یہاں تک کہ | ہوگا | لوگوں میں سب سے نیک بخت |
| لُكَعَ ابْنِ لُكَعٍ | | دنیا کے اعتبار سے |

کمینہ جو بیٹا (بھی) کمینے کا ہوگا [ترمذی]

تشریح: یعنی ایسا آدمی جو خود کمینہ اور گھٹیا ہوگا اور کمینے کا بیٹا ہوگا یعنی خاندانی گھٹیا لوگ، قابل لوگوں کی جگہ لے لیں گے اور لوگ ان کے شر کی وجہ سے انہیں سلام کریں گے۔ اور کہیں گے وہ بڑا خوش قسمت ہے۔

لغات: لُکَعْ: بمعنی حرامی، کمینہ، معرفہ کی صورت میں غیر منصرف ہوتا ہے، لَکِعَ (س) الکعًا ولُکَاعَۃً کمینہ ہونا۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۸۹۔دین پر ثابت قدمی مشکل ہو جائے گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِیْھِمْ عَلٰی دِیْنِہٖ کَالْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | یَأْتِیْ |
| اورفرمایانبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | آئے گا |
| عَلَی النَّاسِ | زَمَانٌ | اَلصَّابِرُ فِیْھِمْ عَلٰی دِیْنِہٖ |
| لوگوں پر | ایسازمانہ | ان میں سے اپنے دین پر پابندی کرنے والا (ایسا ہوگا جیسے) |

کَالْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ
کوئی مٹھی میں لیے ہوئے ہوانگارے [ترمذی]

تشریح: یعنی دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ آج دیکھیں! پردہ کرنا، داڑھی رکھنا، رسوم سے بچنا کس قدر مشکل ہے۔ جو دین پہ چلنا چاہے معاشرہ اور برادری والے، اس کا جینا محال کردیں گے۔ اللہ پاک ایسے لوگوں کی قدر افزائی فرماتے ہیں۔

لغات: اَلْقَابِضُ: قَبَضَ (ض) قَبْضًا بِیَدِہِ الشَّیْءَ وَعَلَی الشَّیْءِ، کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا۔ اَلْجَمْرُ: جمع جَمْرَۃٌ کی بمعنی چنگاری۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۹۰۔کافر متحد اور مسلمان متفرق ہو جائیں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشَكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعٰی الْاٰکِلَۃُ اِلٰی قَصْعَتِھَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّۃٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ و قَالَ بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ وَّلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ وَلَیَنْزَعَنَّ اللّٰہُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمُ الْمَھَابَۃَ مِنْکُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ فِیْ قُلُوْبِکُمُ الْوَھْنَ قَالَ قَائِلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاالْوَھْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | یُوْشَكُ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قریب ہے کہ (دشمنوں کی) |
| اَلْاُمَمُ | اَنْ تَدَاعٰی | عَلَیْکُمْ |
| جماعتیں | بلائیں گی ایک دوسرے کو | تمہارے خلاف |
| کَمَا | تَدَاعٰی | الْاٰکِلَۃُ |
| جیسا کہ | بلاتی ہے | کھانے والی (جماعت) |
| اِلٰی قَصْعَتِھَا | فَقَالَ | قَائِلٌ |
| اپنے پیالے کی طرف | پس کہا | کہنے والے ایک (صحابی) نے (یہ واقعہ) |
| وَمِنْ قِلَّۃٍ نَحْنُ | قَالَ بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ | کَثِیْرٌ |
| ہماری کمی کی وجہ سے ہوگا | فرمایا بلکہ تم اس دن | بہت زیادہ ہوگے |
| وَّلٰکِنَّکُمْ | غُثَاءٌ | کَغُثَاءِ السَّیْلِ |
| اور لیکن تم | جھاگ ہوگے | سیلاب کے (پانی پر) جھاگ کی طرح |
| وَلَیَنْزَعَنَّ اللّٰہُ | مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمْ | الْمَھَابَۃَ مِنْکُمْ |
| اور نکال دے گا اللہ | تمہارے دشمنوں کے دلوں سے | تمہارے رعب کو |

| | | |
|---|---|---|
| وَلَيَقْذِفَنَّ | فِيْ قُلُوْبِكُمْ | الْوَهْنَ |
| اور ڈال دے گا | تمہارے دلوں میں | وہن (کمزوری) کو |
| قَالَ | قَائِلٌ | يَارَسُوْلَ اللّٰهِ |
| کہا | ایک کہنے والے نے | اے اللہ کے رسول ﷺ |
| مَاالْوَهْنُ | قَالَ | حُبُّ الدُّنْيَا |
| وہن کیا ہے؟ | آپ ﷺ نے فرمایا | دنیا کی محبت |

وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

اور موت سے نفرت [رواه ابوداؤد]

تشریح: مسلمانوں کی اعمال میں سستی، جہاد سے غفلت اور دین اسلام سے دوری کی وجہ سے کافروں کو یہ جرأت ہوگی کہ وہ ایک دوسرے ملک اور اس کی حکومت کو بلا بلا کر مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو جائیں گے اور ایسے دعوت دیں گے جس طرح کھانے پر بے تکلف بلایا جاتا ہے۔ آج کفر کی بڑی طاقتیں ہر محاذ (خواہ تہذیب کا ہو جنگ کا ہو۔ یا میڈیا کا ہو) پر مسلمانوں کے خلاف ایک ہیں۔

لغات: تَدَاعٰی: باب تفاعل سے بمعنی ایک دوسرے کو بلانا، تدعو الشیئ، دعوٰی کرنا۔ قَصْعَةٌ: بمعنی پیالہ جمع قُصَعٌ، قِصَاعٌ، قَصْعَاتٌ. غُثَاءٌ: جھاگ، کوڑا، کوڑا کرکٹ، غَثَا (ن) غُثُوًّا. اَلسَّيْلُ: بہنے والا سیلاب، جمع سُيُوْلٌ .لَيَقْذِفَنَّ: قَذَفَ (ض) قَذْفًا بمعنی ڈالنا، پھینکنا۔ قَالَ تَعَالٰى فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ .اَلْوَهْنُ: بمعنی کمزوری سستی، وَهْنٌ (ض۔س۔ک) کمزور ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

صیغے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| يُوْشَكُ | (واحد مذکر غائب) | اٰكِلَةٌ | واحد مؤنث اسم فاعل |
| لَيُنْزِعَنَّ | واحد مذکر غائب | لَيَقْذِفَنَّ | واحد مذکر غائب |

## ۲۹۱۔زبانوں کوذریعۂ معاش بنایا جائے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَخْرُجَ قَوْمٌ یَاْکُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِہِمْ کَمَا تَاْکُلُ الْبَقَرَۃُ بِاَلْسِنَتِہَا۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ |
| اورفرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | نہیں قائم ہوگی قیامت |
| حَتّٰی | یَخْرُجَ | قَوْمٌ |
| حتی کہ | نکلے گی | ایک قوم |
| یَاْکُلُوْنَ | بِاَلْسِنَتِہِمْ | کَمَا |
| جوکھاتے ہوں گے | اپنی زبانوں (کوذریعہ معاش بنانے) کے ساتھ | جیسا کہ |
| تَاْکُلُ | الْبَقَرَۃُ | بِاَلْسِنَتِہَا |
| کھاتی ہے | گائے | اپنی زبانوں کے ساتھ |

[رواہ احمد م]

تشریح: قرب قیامت میں یہ ہورہا ہے۔کہ بغیر کسی محنت کے صرف چرب لسانی سے مالداروں کی تعریف کر کے،یا عدالت میں جھوٹے مقدمات لڑ کر،یا جھوٹی گواہیاں دے کر صرف زبان کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اور گائے اور دوسرے جانوروں کی طرح حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

لغات:اَلْبَقَرَۃُ:بمعنی گائے،جمع اَلْبَقَرَاتُ۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۹۲۔حلال وحرام کی تمیز اٹھ جائے گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْہُ مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | یَاْتِیْ |
| اورفرمایانبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ | آئے گا |
| عَلَی النَّاسِ | زَمَانٌ | لَا یُبَالِی الْمَرْءُ |
| لوگوں پر | ایک ایسازمانہ | نہیں پرواہ کرے گا آدمی |
| مَا | اَخَذَ | مِنْہُ |
| جو | لیا ہے اس نے | اس کے بارے میں (کہ) |
| مِنَ الْحَلَالِ | اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ | |
| حلال (مال) سے ہے | یا حرام (مال) سے ہے | [رواہ البخاری] |

تشریح: یعنی حرص اور بے صبری اور اپنی دنیا بنانے کی فکر اتنی غالب ہو جائے گی کہ بہت لوگ اپنی کمائی میں فکر حلال وحرام چھوڑ دیں گے۔

لغات: یُبَالِیْ بَالٰی مُبَالَاۃً، پرواہ کرنا، بَالٰی، مقابلہ پر فخر کرنا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۹۳۔لائق امامت نمازی نہ ملے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَدَافَعَ اَھْلُ الْمَسْجِدِ لَا یَجِدُوْنَ اِمَامًا یُّصَلِّیْ بِھِمْ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَدَافَعَ |
| اورفرمایانبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قیامت کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ ایک دوسرے کے ذمہ ڈالیں گے |

اَھْلُ الْمَسْجِدِ لَا یَجِدُوْنَ اِمَامًا
مسجد والے(امامت کو کیونکہ) نہیں پائیں گے(اپنے میں سے) کسی امام کو
یُصَلِّیْ بِھِمْ
جوان کو(صحیح) نماز پڑھائے [احمد و ابو داؤد]

تشریح: یعنی دینی علم کی اتنی کمی ہو جائے گی کہ نماز جو اہم ترین عبادت اور اولین فریضہ ہے اس کی طرف بے توجہی کا یہ عالم ہوگا کہ چند آدمی نماز کے وقت میں اکٹھے ہو جائیں گے تو درست نماز پڑھانے کی صلاحیت بھی کسی میں نہ ہوگی۔ اس لیے حصول علم بہت ضروری قرار دیا گیا۔

لغات: اَشْرَاطِ: شرط کی جمع ہے، علامت، ہر چیز کا اول۔ یَتَدَافَعُ: ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنا، یَتَدَافَعُ الْقَوْمُ، ایک دوسرے کو ہٹانا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۹۴۔ کچھ لوگ عشق رسالت ﷺ رکھنے والے بھی ہوں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْرَاٰنِیْ بِاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ۔

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ
اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک
مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ
میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ایسے لوگ ہیں جو ہوں گے
بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ
میری بعد پسند کرے گا ان میں سے ہر ایک

| | | |
|---|---|---|
| لَوْرَاٰنِیْ | بِاَهْلِهٖ | وَمَالِهٖ |
| دیکھ لے مجھے وہ | اپنے اہل | اور اپنے سارے مال کے بدلے میں |

تشریح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کلی فضیلت اور ان کا مرتبہ تو پوری امت میں اعلیٰ و افضل متعین ہے۔ لیکن ان کے بعد آنے والے لوگوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنے ہر عزیز رشتہ دار اور مال و دولت سے زیادہ عزیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقہ کو رکھیں گے اور دین اسلام پر خرچ کرنا تو ہوگا ہی بلکہ صرف آپ کی زیارت کے لیے بھی وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

| |
|---|
| لغات: بِاَهْلِهٖ: یہ لفظ بچے اور کبھی بیوی اور کبھی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ |

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۹۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجر میں شمولیت

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ لَّهُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | اَنَّهٗ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | بے شک یہ (بات) ہے کہ |
| سَيَكُوْنُ | فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ | قَوْمٌ |
| عنقریب ہوگی | اس امت کے آخر میں | ایک ایسی قوم |
| لَّهُمْ | مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ | يَاْمُرُوْنَ |
| کہ ان کے لیے | ان سے پہلے لوگوں کی طرح ثواب ہوگا | اور حکم کرتے ہوں گے |
| بِالْمَعْرُوْفِ | وَيَنْهَوْنَ | عَنِ الْمُنْكَرِ |
| نیکی کا | اور روکتے ہوں گے وہ | برائی سے |

| | |
|---|---|
| اَهْلَ الْفِتَنِ | وَيُقَاتِلُوْنَ |
| دین سے دور کرنے والوں سے [رواه البیهقی] | اور لڑیں گے وہ |

تشریح: جب دین زندگیوں سے نکل رہا ہو۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مسنون اعمال کو رواج دے کر بے دینی کو ختم کرنا ایسا عمل ہے کہ اس امت کے آخری لوگ اپنی اس دینی محنت کی وجہ سے اعمال پر پہلے لوگوں یعنی صحابہ اکرامؓ جیسے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

ملاحظہ: اس سے صحابہ اکرامؓ کی شان میں کمی نہیں آتی اور نہ ہی ان کی برابری ثابت ہوتی ہے بلکہ آج عمل کرنے والے لوگوں کا ثواب بھی پہلے انہیں کو ملے گا۔

لغات: اَلْفِتَنُ: جمع اَلْفِتْنَةُ بمعنی آزمائش گمراہی، رسوائی ۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۹۶۔ مال ہی نفع کا ذریعہ ہوگا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| لَيَأْتِيَنَّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | وَقَالَ النَّبِيُّ |
| ضرور آئے گا | صلی اللہ علیہ وسلم نے | اور فرمایا نبی |
| لَا يَنْفَعُ | زَمَانٌ | عَلَى النَّاسِ |
| نہیں نفع دے گا | ایسا زمانہ کہ | لوگوں پر |
| الدِّيْنَارُ | اِلَّا | فِيْهِ |
| دینار | مگر | اس میں |

وَالدِّرْهَمُ

اور درہم [رواہ احمد]

تشریح: یعنی ایسا وقت آ جائے گا کہ مال جمع کرنے کو ہی ہر پریشانی سے نجات کا ذریعہ سمجھا جائے گا۔ اور لوگ بھی مال والے کی عزت کریں گے۔

حالانکہ حقیقی عزت اور پریشانیوں کا حل اللہ کی نافرمانی سے پکی توبہ میں ہے اور اچھے اعمال میں ہے۔

اس حدیث میں مال کی تاریخ کی وجہ یہ ہے کہ مال اگر موجود ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی کا لحاظ رکھا جائے تو وہ انسان کے لیے دنیا و آخرت میں نفع بخش ہوسکتا ہے۔

| |
|---|
| لغات: اَلدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ: یہ دونوں سکے کا نام ہے، الدینار سونے کا اور درہم چاندی کا ہوتا ہے۔ |

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۹۷۔ عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَّعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُّمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رَءُوْسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | صِنْفَانِ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | دو قسمیں ہیں |
| مِنْ اَهْلِ النَّارِ | لَمْ اَرَهُمَا | قَوْمٌ |
| جہنم والوں کی | میں نے ان کو نہیں دیکھا | ایک قسم ایسی قوم ہے کہ |

| | | |
|---|---|---|
| مَعَهُمْ سِيَاطٌ | كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ | يَضْرِبُوْنَ |
| ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے | گائے کی دم کی طرح | مار رہے ہوں گے |
| بِهَا النَّاسَ | وَنِسَاءٌ | كَاسِيَاتٌ |
| ان سے وہ لوگوں کو | اور (دوسری قسم) ایسی عورتیں | جو (بظاہر) کپڑے پہنے ہوں گی (پھر بھی) |
| عَارِيَاتٌ | مُّمِيْلَاتٌ | مَائِلَاتٌ |
| ننگی ہوں گی (لوگوں کو اپنی طرف) | مائل کرنے والی ہوں گی | (خود لوگوں کی طرف) متوجہ ہوں گی |
| رَءُوْسُهُنَّ | كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ | لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ |
| ان کے سر (کے بال) | بختی اونٹ کے کوہانوں کی طرح جھکے ہوئے ہوں گے | (ایسی عورتیں) نہیں داخل ہوں گی جنت میں |
| وَلَا | يَجِدْنَ | رِيْحَهَا |
| اور نہ ہی | پائیں گی | اس کی خوشبو |
| وَإِنَّ | رِيْحَهَا | لَتُوْجَدُ |
| اور بے شک | اس کی خوشبو | البتہ پائی جاتی ہے |

مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا

اتنی اور اتنی مسافت سے [مسلم]

تشریح: یعنی عورتوں کا لباس اتنا چست یا باریک ہوگا کہ لباس پہننے کی غرض (شرعی ستر) بھی پوری نہ ہوگی۔ اور ان کی ادائیں اور چال، ڈھال ایسی ہوگی کہ لوگ ان کی طرف توجہ کریں۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جنت میں جانا تو کجا، جنت کی خوشبو، جو بہت دور سے آجاتی ہے وہ بھی نہ سونگھ سکیں گی۔

لغات:سِیَاطٌ: جمع سَوْطٌ بمعنی کوڑا، چابک، پانی جمع ہونے کی جگہ، سَاطَ (ن) سوط کوڑے مارنا۔ کَاَذْنَابِ: جمع الذَّنْبُ مِنَ الْحَیَوَانِ ، دم۔ اَذْنَابُ النَّاسِ، معمولی لوگ کَاسِیَاتٌ: جمع کاسیة کَسٰی(س) کَسَا بمعنی پہننا (ن) پہنانا۔ عَارِیَاتٌ : عُرًى(س) عریةٌ مِنْ شَبَابِه ، ننگا ہونا۔ مُمِیْلَاتٌ: امال، اِمَالَةُ الشَّیْءِ، جھکانا۔ قَالَ تَعَالٰی اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا. رَءُ وْسُھُنَّ، جمع راس کی، بمعنی سر، ارؤس رؤس اور آراس بھی جمع آتی ہے۔ اَسْنِمَةٌ: جمع سنام بمعنی کوہان۔ فُلَانٌ سِنَامُ قَوْمِه، فلاں اپنی قوم میں بڑا ہے۔ الْبُخْتِ: بمعنی گردن والا اونٹ، مضبوط، عموماً ایسے اونٹ خراسان میں ہوتے ہیں۔ رِیْحٌ: بومہک، اچھی خبر جمع اَرْیَاحٌ، رِیَاحٌ، رِیْحٌ آتا ہے۔ الْمَسِیْرَةِ: سارَ، مسافت کے لیے آتا ہے۔

(( ............⊛⊛⊛............ ))

## ۲۹۸۔ علم اٹھ جائے گا اور جاہل امام بن جائیں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَّنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُ وْسًا جُھَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | اِنَّ اللّٰہَ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | بے شک اللہ تعالیٰ |
| لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ | اِنْتِزَاعًا | یَّنْتَزِعُہٗ |
| نہیں اٹھائے گا علم کو | اس طرح اٹھانا کہ | چھین لے اس کو |
| مِنَ الْعِبَادِ | وَلٰکِنْ | یَّقْبِضُ الْعِلْمَ |
| بندوں (کے سینوں) سے | اور لیکن | وہ اٹھائے گا علم کو |

| | | |
|---|---|---|
| بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ | حَتّٰی | اِذَا |
| علماء کی روح (نکال) لینے کے ساتھ | یہاں تک کہ | جب |
| لَمْ يَبْقَ | عَالِمًا | اِتَّخَذَ النَّاسُ |
| نہیں باقی رہے گا | کوئی عالم | تو لوگ بنالیں گے |
| رُءُوْسًا | جُهَّالًا | فَسُئِلُوْا |
| اپنا سردار | جاہلوں کو | پس ان سے (مسائل) پوچھے جائیں گے |
| فَافْتَوا | بِغَيْرِ عِلْمٍ | فَضَلُّوا |
| پس وہ فتوی دیں گے | بغیر علم کے | وہ خود بھی گمراہ ہوں گے |
| وَاَضَلُّوا | | |

اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے۔ [بخاری و مسلم]

تشریح: اس دنیا میں اللہ کی سب سے بڑی دولت (علم دین) کے حامل لوگ آہستہ آہستہ اٹھ جائیں گے۔ ان کی جگہ نام کے علماء ہوں گے ان سے عام گمراہی پھیلے گی۔

لغات: يَقْبِضُ قَبَضَ (ض) قَبْضًا بِيَدِهِ الشَّيْءَ، کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا۔ اِنْتِزَاعًا: الشیء، اکھڑنا، نکالنا، کھینچنا، نَزَعَ (ف) نِزَاعًا الشَّيْءَ مِنْ مَكَانِه، اکھڑنا، نکالنا۔ اَلْعِبَادِ: جمع عَبْدٌ کی بمعنی بندہ، عَبَدَ (ن) عِبَادَةً، عبادت کرنا، پرستش کرنا، عَبُدَ (ک) عُبُوْدَةٍ غلام ہونا۔ فَاَفْتَوْا: اَفْتٰی، اِفْتَاءٌ، فتوی دینا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۹۹۔علم اٹھ جائیگا۔شرعی مسئلہ بتانے والابھی نہ ہوگا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَاِنِّيْ اِمْرَءٌ مَّقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيَنْقَبِضُ وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَّا يَجِدَانِ اَحَدًا يَّفْصِلُ بَيْنَهُمَا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | علم سیکھو |
| وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ | تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ | وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ |
| اور اسے لوگوں کو سکھاؤ | فرائض (کا علم) سیکھو | اور اسے لوگوں کو سکھاؤ |
| تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ | وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ | |
| قرآن سیکھو | اور اسے لوگوں کو سکھاؤ | |
| فَاِنِّيْ اِمْرَءٌ | مَّقْبُوْضٌ | وَالْعِلْمُ سَيَنْقَبِضُ |
| پس بے شک میں ایسا آدمی ہوں | جو اٹھالیا جاؤں گا | اور علم عنقریب اٹھالیا جائے گا |
| وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ | حَتّٰى | يَخْتَلِفَ |
| اور فتنے ظاہر ہوں گے | یہاں تک کہ | اختلاف کریں گے |
| اِثْنَانِ | فِيْ فَرِيْضَةٍ | لَّا يَجِدَانِ |
| دو آدمی | کسی ایک فرض کے بارے میں | نہیں پائیں گے وہ |
| اَحَدًا | يَّفْصِلُ | بَيْنَهُمَا |
| کسی ایک (عالم) کو | (جو) فیصلہ کرے | ان دونوں کے درمیان |

**(درامی)**

تشریح: علم دین کے حصول میں سستی اور اس کی اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے

جہالت کا دور دورہ ہوگا۔ عالم نہ ملنے کیوجہ سے لوگ جاہلوں سے مسائل پوچھیں گے۔
غلط مسائل بتانے کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

لغات :تَعَلَّمُوْا۔ سیکھنا ،الامر ،مضبوط کرنا ،اَلْفَرَائِضَ ، جمع ،الفریضَة، بمعنی فرض ،زکوۃ، حصہ،علم ،میراث،اِمْرَا'' بمعنی ،مرد،جمع ،رجال،من غیر لفظه ، مَقْبُوْض'' ، قَبَضَ (ض )قَبْضًا ، پکڑنا ،اٹھالینا،قَبَضَهُ اللّٰهُ ،وفات،دینا ، سَيَنْقَبِضُ ، القبض، الشی ، ملنا،سمیٹنا، اَلْفِتَنُ ،جمع ،الفتنة ،کی بمعنی اختلاف آراء جنگ وجدال،

(( ............❀❀❀............ ))

## ۳۰۰۔فتنہ پرور قاری گانے کی طرز پر قرآن پڑھیں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِقْرَؤُ الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتٰبِيْنَ وَسَيَجِیْئُ بَعْدِیْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَانُهُمْ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَقَالَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | اِقْرَؤُ الْقُرْاٰنَ |
| اور فرمایا نبی | صلی اللہ علیہ وسلم نے | قرآن پڑھو |
| بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ | وَاَصْوَاتِهَا | وَاِيَّاكُمْ |
| عرب کے لہجے میں | اور انکی آوازوں میں | اور بچو تم |
| وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ | وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتٰبِيْنَ | وَسَيَجِیْئُ |
| عشق والوں کے لہجے سے | اور اہل کتاب کے لہجے سے | اور عنقریب آئے گی |
| بَعْدِیْ | قَوْمٌ | يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ |
| میرے بعد | ایسی قوم کہ | طرز سے پڑھیں گے وہ قرآن کو |

| | | |
|---|---|---|
| تَرْجِيْعَ الْغِنَاء | وَالنَّوْحِ | لَا يُجَاوِزُ |
| گانے کی طرح | اورمیت پر رونے والیوں کی طرح | نہیں آگے جائے گا وہ (پڑھنا) |
| حَنَاجِرَهُمْ | مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ | وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ |
| انکے گلوں سے | انکے دل دین سے دور ہوں گے | اوران لوگوں کے دل بھی |
| يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ | | (دین سے دور ہوں گے) |

جن کو اچھا لگے گا ان ( کا پڑھنے کا) حال۔ (بیهقی)

تشریح: اس ارشاد مبارک میں تجوید کا حکم ہے (۱) بلا تکلف عربی لہجہ میں قرآن کریم پڑھا جائے۔ (۲) جس طرح قوالیوں میں بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اس طرح گانے کی طرز نہ لگائی جائے۔

لغات: لُحُوْنٌ:۔ جمع ہے لَحْن" کی بمعنی لہجہ آواز، لِلَّحْنُ مِنَ الْاَصْوَاتِ ، موزوں آواز کو کہتے ہیں جمع اَلْحَان" آتی ہے، لَحَن" فِي الْقُرْاٰن ،خوش آوازی سے پڑھنا۔ اهل الكتٰبين تورات وانجیل والے، یہود اور نصاری يُرَجِّعُوْنَ: تَرْجِيْعًافِيْ صَوْتِه اپنی آواز کو حلق میں گھمانا، رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا ، واپس آنا، لوٹنا، رجع عند المصيبة انا لله وانا اليه راجعون کہنا، الغناء: بمعنی النَغْمَه، گانا، النَّوْحُ: عورتوں کی جماعت جو اکٹھا ہو کر روئے، نسنا نوح، اِسْتَنَاحَتِ الْمَرْاَةُ ،عورت نے نوحہ کیا حنا جر: جمع حَنْجَرَةٌ کی بمعنی حلق۔

(( ............❁❁❁............ ))

# اَلْبَابُ الثَّانِیْ
## دوسرا باب

# فِی الْوَاقِعَاتِ وَالْقَصَصِ
واقعات اور کہانیوں (کے بیان) میں

# وَفِیْهِ اَرْبَعُوْنَ قِصَّةً
اور اس میں چالیس کہانیاں ہیں

الباب الثانی میں مذکور احادیث کی عبارت اور لفظی ترجمہ کے بعد تشریح کا انداز یہ ہوگا کہ (ترجمہ میں) تشریح طلب جملے کے آخر میں نمبر دیا جائے گا پھر نمبر دے کر تشریح کے عنوان کے تحت اس کی وضاحت کی جائے گی۔

(قارئین نوٹ فرمالیں)

## ا۔اسلام۔ایمان،احسان اور علاماتِ قیامت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْطَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَايُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُالسَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُه مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِى فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ (٢) اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ (٣) اَخْبِرْنِىْ (٤) عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ اَلاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِى الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً قَالَ صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لَه يَسْاَلُه وَيُصَدِّقُه قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ اْلاِ يْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّه يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنْ اِمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَالْاَمَةُ رَبَّتَهَا (٥) وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ (٦) الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رُعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِى الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِىْ يَاعُمَرُ اَتَدْرِىْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ | قَالَ | بَيْنَمَا |
| عمر بن خطاب ﷺ | کہتے ہیں | اس دوران کہ |
| نَحْنُ | عِنْدَ رَسُوْلِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ | اِذْطَلَعَ |
| ہم | ایک دن حضور ﷺ کے پاس تھے۔ | اچانک آیا |

| | | |
|---|---|---|
| عَلَیْنَا | رَجُلٌ | شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ |
| ہمارے پاس | ایک آدمی | جو بہت زیادہ سفید کپڑوں والا |
| شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ | لَایُرٰی | عَلَیْهِ |
| بہت زیادہ سیاہ بالوں والا تھا | نہیں نظر آ رہی تھی | اس پر |
| اَثَرُ السَّفَرِ | وَلَا | یَعْرِفُهٗ |
| سفر کی کوئی نشانی | اور نہیں | پہچان رہا تھا اس کو |
| مِنَّا | اَحَدٌ | حَتّٰی |
| ہم میں سے | کوئی ایک (بھی) | یہاں تک کہ |
| جَلَسَ | اِلَی النَّبِیِّ | فَاَسْنَدَ |
| وہ بیٹھ گیا | نبی ﷺ کے پاس | پس ملا دیئے |
| رُکْبَتَیْهِ (۲) | اِلٰی رُکْبَتَیْهِ | وَوَضَعَ |
| اس نے اپنے دونوں گھٹنے | آپ ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ | اور رکھ لیے |
| کَفَّیْهِ | عَلٰی فَخِذَیْهِ | وَقَالَ |
| اپنے دونوں ہاتھ | اپنی رانوں پر | اور کہا |
| یَامُحَمَّدُ (۳) | اَخْبِرْنِیْ (۴) | عَنِ الْاِسْلَامِ |
| اے محمد ﷺ | بتایئے مجھے | اسلام کے بارے میں |
| قَالَ | اَلْاِسْلَامُ | اَنْ تَشْهَدَ |
| آپ ﷺ نے فرمایا | اسلام | یہ ہے کہ گواہی دے تو (اس بات کی) |
| اَنْ لَّا | اِلٰهَ | اِلَّا اللّٰهُ |
| یہ کہ نہیں ہے | کوئی معبود | سوائے اللہ کے |
| وَاَنَّ | مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ | وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ |
| اور بے شک | محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں | اور تو نماز قائم کرے |

| | | |
|---|---|---|
| وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ | وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ | وَتَحُجَّ الْبَیْتَ |
| اور تو زکوٰۃ دے | اور تو رمضان کے روزے رکھے | اور بیت اللہ کا حج کرے |
| اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً | قَالَ | صَدَقْتَ |
| جبکہ طاقت ہو تجھے اس (بیت اللہ) تک پہنچنے کی | (اس مسافر نے) کہا | سچ فرمایا آپ ﷺ نے |
| فَعَجِبْنَا | لَہٗ | یَسْأَلُہٗ |
| تو تعجب ہوا ہمیں | اس پر کہ (یہ شخص) | سوال بھی کرتا ہے |
| وَیُصَدِّقُہٗ | قَالَ | فَاَخْبِرْنِیْ |
| اور آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے | اس (مسافر) نے کہا | مجھے بتایئے |
| عَنِ الْاِیْمَانِ | قَالَ | اَنْ تُؤْمِنَ |
| ایمان کے متعلق | آپ نے فرمایا (ایمان) | یہ ہے کہ یقین کرلے تو |
| بِاللّٰہِ | وَمَلٰئِکَتِہٖ | وَکُتُبِہٖ |
| اللہ پر | اور اس کے فرشتوں پر | اور اس کی کتابوں پر |
| وَرُسُلِہٖ | وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ | وَتُؤْمِنَ |
| اور اس کے رسولوں پر | اور قیامت کے دن پر | اور یقین رکھے تو |
| ـرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ | قَالَ | صَدَقْتَ |
| اچھی اور بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر | اس (مسافر) نے کہا | آپ ﷺ نے سچ فرمایا |
| قَالَ | فَاَخْبِرْنِیْ | عَنِ الْاِحْسَانِ |
| (اس مسافر نے) کہا | پس مجھے بتایئے | احسان کے متعلق |
| قَالَ | اَنْ | تَعْبُدَ اللّٰہَ |
| آپ ﷺ نے فرمایا | یہ کہ | بندگی کرے تو اللہ کی |

كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ

گویا کہ تو اس (اللہ کو) دیکھ رہا ہے پس اگر (ایسا)

لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ

ممکن نہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے (تو یہ خیال کر) پس بے شک وہ (اللہ)

يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ

تجھے دیکھ رہا ہے اس (مسافر) نے کہا مجھے بتایئے

عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ

قیامت کے متعلق آپ نے فرمایا پوچھا جانے والا اس کے متعلق زیادہ
نہیں جانتا ہے

مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ

پوچھنے والے سے (اس مسافر نے) کہا پس بتا دیجئے مجھے

عَنْ اِمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ

(قیامت کی) نشانیوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا (ایک) یہ ہے کہ

تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا (۵) وَاَنْ تَرَى

جنے گی باندی اپنے آقا کو (اور دوسری) یہ کہ دیکھے گا تو

الْحُفَاةَ (٦) الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رُعَاءَ الشَّاءِ

ننگے پیر ننگے بدن فقیر بکریوں کو چرانے والے

يَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ

اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں فخر کریں گے کہا (حضرت عمرؓ نے) کہ پھر وہ (مسافر)

انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا

چلا گیا پس میں (آپ کی خدمت) ٹھہرا رہا تھوڑی دیر

| | | |
|---|---|---|
| ثُمَّ قَالَ لِیْ | یَاعُمَرُ | اَتَدْرِیْ |
| پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا | اے عمر رضی اللہ عنہ! | کیا تو جانتا ہے (اس مسافر) |
| مَنِ السَّائِلُ | قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ | قَالَ |
| سوال کرنے والے کے متعلق | میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں | آپ ﷺ نے فرمایا |
| فَاِنَّہٗ | جِبْرَئِیْلُ | اَتَاکُمْ |
| پس بے شک وہ (مسافر حضرت) | جبرائیل علیہ السلام تھے | آئے تھے تمہارے پاس |
| یُعَلِّمُکُمْ | دِیْنَکُمْ | |
| سکھا رہے تھے تمہیں | تمہارا دین | (رواہ مسلم) |

تشریح:

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی اصل شکل میں اور اکثر حضرت دحیہ کلبی صحابی رسول ﷺ کی شکل میں آتے تھے۔

۲۔ راوی کے اس اندازِ بیان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قریب تر ہونا بتایا جارہا ہے۔

۳۔ یہاں فرشتے نے یا محمد کہا ہے لہٰذا انسانوں کے لیے حجت نہیں ہے قرآن کریم سورہ حجرات میں اس طرح خطاب منع کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے صحابہؓ یا رسول اللہ وغیرہ الفاظ کہتے تھے۔

۴۔ حدیث میں موجود حضرت جبرئیل کے ان تینوں سوالات میں تطبیق یہ ہے کہ

انسان سب سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کرتا ہے اور ظاہری اعمال نماز وغیرہ شروع کر دیتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ایمانیات میں پختہ ہوتا رہتا ہے پھر وقت آتا ہے کہ اس کے قول وعمل سے یہ گواہی ملتی ہے کہ اسے درجہ احسان حاصل ہے۔

ظاہر ہے اسلام سے ایمان پھر احسان تک ترقی ہو جاتی ہے اور ہر ترقی کے بعد زوال شروع ہوتا ہے اس لیے آخر میں قیامت کا تذکرہ کر دیا گیا۔

۵۔ جننے والی ماں سے نوکرانی کا سلوک کیا جائے گا۔

۶۔ گھٹیا لوگ عیش کریں گے، اہل علم وعمل اور قابل لوگوں کی اہانت ہوگی۔

لغات: طَلَعَ: (ن) طُلُوْعًا، مَطْلَعًا، مِطْلَعًا الْکَوْکَبُ، ستارہ وغیرہ کا نکلنا۔ فَاَسْنَدَ اَسْنَدَ اِلَی الشَّیْءِ ٹیک لگانا، سَنَدَ (ن) سُنُوْدًا وَاِسْتَنَدَ وَتَسَانَدَ اِلَیْهِ، بھروسہ کرنا۔ رُکْبَتَیْهِ: بمعنی گھٹنہ جمع رُکَب، رُکُبَات، رُکْبَات آتی ہے۔ کَفَّیْهِ: بمعنی ہتھیلی جمع اَکُفّ، کُفُوْف، کُفّ آتی ہے۔ فَخِذ: بمعنی ران جمع اَفْخَاذ آتی ہے۔ سَبِیْل: اصل معنی راستہ، مراد توشہ اور سواری کا ہونا۔ اِمَارَات: جمع ہے اِمَارَة کی بمعنی علامت نشان۔ وَلَدَتْ: (ض) وِلَادَةً بمعنی جننا۔ اَلْاَمَةُ: بمعنی باندی جمع اِمَاءٌ. رَبَّتَهَا رَبّ کی مونث بمعنی مالکہ اَلْحُفَاةُ: جمع حَافٍ کی بمعنی ننگے پاؤں چلنے والا، حَفِیَ (س) حَفًا ننگے پاؤں چلنا۔ اَلْعُرَاةُ: جمع عَار کی عَرِیَ (س) عُرْیَةً، ننگا ہونا۔ اَلْعَالَةَ: جمع عَائِل کی بمعنی فقیر، محتاج، جمع عُیَّل عِیْل آتی ہے۔ رُعَاءَ: جمع ہے رَاعِی کی، رَاعِی الشَّاةِ، چرواہا۔ اَلشَّاءِ شاة کی جمع بمعنی بکری اس کی جمع شِیَاہ، اَشْوَاہ بھی آتی ہے۔ یَتَطَاوَلُوْنَ: فخر کرنا، تکبر کرنا، ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا۔ اَلْبُنْیَانُ: عمارت۔ قَالَ تَعَالٰی کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ. فَلَبِثْتُ: (س) لَبْثًا وَلُبْثًا بِالْمَکَان ٹھہرنا اقامت کرنا۔ مَلِیًّا: کچھ دیر۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۔ وضو میں اعضاء کو کامل طور پر دھونے کی اہمیت

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو (رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَی الْمَدِيْنَةِ (۱) حَتّٰی اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ (۲) مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ (۳).

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو | (رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) | قَالَ |
| حضرت عبداللہ بن عمر | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | (انہوں نے) کہا |
| رَجَعْنَا | مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ |
| واپس آئے ہم | اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ |
| مِنْ مَّكَّةَ | اِلَی الْمَدِيْنَةِ (۱) | حَتّٰی |
| مکہ سے | مدینہ کی طرف | یہاں تک کہ |
| اِذَا كُنَّا | بِمَاءٍ | بِالطَّرِيْقِ |
| جب (ہم پہنچے) تھے | پانی تک | راستے میں (تو) |
| تَعَجَّلَ | قَوْمٌ | عِنْدَ الْعَصْرِ |
| جلدی کی | کچھ لوگوں نے | عصر کے وقت |
| فَتَوَضَّأُوْا | وَهُمْ | عُجَّالٌ |
| پس انہوں نے وضو کیا | اس حال میں کہ وہ | جلدی جلدی کر رہے تھے |
| فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ | وَاَعْقَابُهُمْ | تَلُوْحُ |
| پس ہم ان کے پاس پہنچے | اور ان کی ایڑیاں | خشک تھیں |
| لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ | فَقَالَ | رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ |
| نہیں چھوا تھا ان کو پانی نے | پس فرمایا | اللہ کے رسول ﷺ نے |

وَیْلٌ لِلْاَعْقَابِ (۲) مِنَ النَّارِ
ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے (جہنم کی) آگ سے
اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ (۳)
پورا کرو وضو (تاکہ آگ سے بچ جاؤ) (رواہ مسلم)

تشریح: ۱۔ کسی غزوہ سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا۔
۲۔ وَیْلٌ سے مراد جہنم کا پہاڑ اور عذاب شدید ہے۔
۳۔ اَسْبِغُوا اس جملے میں وضوء کے فرائض، سنن اور مستحباب سب کچھ آ گیا۔
۴۔ اعقاب کو خاص طور پر اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ یہ جگہ یعنی ایڑیاں جب تک خوب مَل مَل کر نہ دھوئی جائیں صحیح طور پر نہیں دُھل سکتیں۔

لغات: تَعَجَّلَ فِی الْاَمْرِ: جلدی کرنا۔ عُجَّالٌ عَاجِلٌ کی جمع ہے، جلد باز عَجِلَ (س) عَجْلًا جلدی کرنا۔ فَانْتَهَيْنَا اِلٰی مَوْضِعِ كَذَا پہنچنا۔ اَعْقَابُهُمْ عَقَبٌ کی جمع ہے بمعنی ایڑی، بیٹا، پوتا، مراد اول معنی ہے۔ تَلُوْحُ لَاحَ (ن) لَوْحًا اَلشَّیْءُ ظاہر کرنا، اَبْرَقَ چمکنا۔ وَیْلٌ: برائی، شر، ہلاکت، جہنم کی ایک وادی۔ قَالَ تَعَالٰی وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. اَسْبِغُوْا: اَسْبَغَ، اِسْبَاغًا کامل کرنا پورا کرنا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۳۔ نماز کے ذریعے گناہوں کی معافی

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ (۱) وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّی الصَّلٰوةَ يُرِيْدُبِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ (۲) كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ.

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

| | | |
|---|---|---|
| خَرَجَ | زَمَنَ الشِّتَاءِ (١) | وَالْوَرَقُ |
| نکلے | سردی کے موسم میں (جب کہ) | پتے |
| يَتَهَافَتُ | فَاَخَذَ | بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ |
| جھڑ رہے تھے | پس پکڑا | آپ ﷺ نے درخت کی دو ٹہنیوں کو |
| قَالَ | فَجَعَلَ | ذٰلِكَ الْوَرَقُ |
| (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے) کہا | پس شروع ہو گئے | یہ پتے |
| يَتَهَافَتُ قَالَ | فَقَالَ | يَا اَبَا ذَرٍّ |
| جھڑنے (ابوذر رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ | نبی کریم ﷺ نے فرمایا | اے ابوذر رضی اللہ عنہ ! |
| قُلْتُ | لَبَّيْكَ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ |
| میں نے عرض کیا | حاضر ہوں | اے اللہ کے رسول ﷺ |
| قَالَ | اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ | لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ |
| آپ ﷺ نے فرمایا | بے شک مسلمان بندہ | جب وہ نماز پڑھتا ہے (اور) |
| يُرِيْدُبِهَا | وَجْهَ اللّٰهِ | فَتَهَافَتُ |
| چاہتا ہے اس (نماز پڑھنے کے) ذریعے سے | اللہ کی خوشی تو (اس کی برکت سے) | جھڑ جاتے ہیں |
| عَنْهُ | ذُنُوْبُهٗ (٢) | كَمَا |
| اس سے | اس کے گناہ | جیسے کہ |
| تَهَافَتُ | هٰذَا الْوَرَقُ | عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ |
| جھڑ گئے ہیں | یہ پتے | اس درخت سے |

(رواہ احمد)

## تشریح:

ا۔ اس سے راوی کا مقصد ہے کہ یہ بات مجھے خوب یاد ہے حتی کہ جس موسم میں یہ بات بتائی گئی وہ بھی یاد ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں یہ درست ہے۔

۲۔ اس میں صغیرہ گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے۔کبیرہ گناہ تو صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔لیکن کسی پر خاص مہربانی کی وجہ سے کبیرہ کی معافی بھی ہوجائے تو اور بات ہے۔

لغات: اَلشِّتَاءُ: سردی کا موسم، شَتَا (ن) شَتْوًا جاڑے میں قیام کرنا۔قَالَ تَعَالٰی رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. يَتَهَافَتُ :علی الشیء لگاتار گرنا۔(اکثر علامت کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔ غُصْنٌ: شاخ، ڈالی، جمع غُصُوْن، اِغْصَانٌ آتی ہے۔وَجْهٌ: اصلی معنی تو چہرہ ہے مراد خوش نودی ہے۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۴۔جنت میں رفاقتِ رسول ﷺ کا نسخہ

وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَاٰتِيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ (۱) فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ (۲) قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (۳).

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت ربیعہ بن کعب | رضی اللہ عنہ | سے روایت ہے کہ |
| كُنْتُ اَبِيْتُ | مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ |
| میں رات کو رہتا تھا | اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس |
| فَاٰتِيْتُهٗ | بِوَضُوْئِهٖ | وَحَاجَتِهٖ (۱) |
| پس میں پیش کرتا تھا | آپ ﷺ کو وضو کا (پانی) | اور دوسری ضرورت کی چیزیں |
| فَقَالَ لِيْ | سَلْ | فَقُلْتُ |
| پس آپ ﷺ نے مجھے فرمایا | مانگ | پس میں نے عرض کیا |
| اَسْئَلُكَ | مُرَافَقَتَكَ | فِي الْجَنَّةِ (۲) |
| میں مانگتا ہوں | آپ ﷺ کا ساتھ | جنت میں |

| | | |
|---|---|---|
| قَالَ | اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ | قُلْتُ |
| انہوں نے کہا | کچھ اس کے علاوہ بھی (مانگ) | میں نے عرض کیا |
| هُوَ ذَاكَ | قَالَ | |
| وہی ایک خواہش ہے بس | تو آپ ﷺ نے فرمایا | (اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتا ہے) |
| فَاَعِنِّيْ | عَلٰى نَفْسِكَ | بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (۳) |
| تو میری مدد کر | اپنی ذات پر | سجدوں کی کثرت کے ساتھ |

(ترمذی)

## تشریح:

۱۔ اس سے مراد مسواک و مصلّٰی وغیرہ ہے۔

۲۔ واقعی سچے عاشق رسول ﷺ کی یہ سب سے بڑی خواہش ہونی چاہیے۔

۳۔ لیجیے! اس صحابی رضی اللہ عنہ کی برکت سے پوری امت کو یہ نسخہ مل گیا کہ نمازوں کی کثرت رکھیں، آپ ﷺ کی شفاعت ملے گی اور جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوگی۔

لغات: اَبِيْتُ بَاتَ (ض۔س) بَيْتًا وبَيَاتًا وبَيْتُوْتَةً فِي الْمَكَانِ، شب باشی کرنا۔ بِوَضُوْئِهٖ: بفتح الواؤ وضو کا پانی بضم الواؤ، طہارت۔ مُرَافَقَةٌ رفقه، ساتھی ہونا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۵۔نماز کے لیے صف بندی کا اہتمام

وَعَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ لَيُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ (۱) ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا (۲) فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ (۳) .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| نعمان بن بشیر | رضی اللہ عنہ سے | روایت ہے انہوں نے کہا |
| كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | لَيُسَوِّيْ |
| اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم | سیدھا کرتے تھے |
| صُفُوْفَنَا | حَتّٰى | كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ |
| ہماری صفوں کو | گویا کہ | (آپ ﷺ) سیدھا کریں گے |
| بِهَا | الْقِدَاحَ | حَتّٰى |
| اس کے ذریعے | تیروں کو | یہاں تک کہ |
| رَاٰى | اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا | عَنْهُ (۱) |
| دیکھ لیا آپ ﷺ نے | کہ سمجھ گئے ہیں ہم | اس (صفیں درست کرنے) کو |
| ثُمَّ | خَرَجَ يَوْمًا (۲) | فَقَامَ |
| پھر | ایک دن نکلے (حضور ﷺ) | اور (نماز پڑھانے کے لیے) کھڑے ہوئے |
| حَتّٰى | كَادَ | اَنْ يُّكَبِّرَ |
| یہاں تک کہ | قریب تھے | آپ ﷺ تکبیر کہنے کے |
| فَرَاٰى | رَجُلًا | بَادِيًا |
| پس دیکھا | آپ ﷺ نے ایک آدمی کو | آگے نکلا ہوا ہے |

| | | |
|---|---|---|
| صَدْرُہٗ | مِنَ الصَّفِّ | فَقَالَ |
| اس کا سینہ | صف سے | پس آپ ﷺ نے فرمایا |
| عِبَادَ اللّٰہِ | لَتُسَوُّنَّ | صُفُوْفَکُمْ |
| اللہ کے بندو! | تم ضرور سیدھا کرو | اپنی صفوں کو |
| اَوْ | لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ | بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ (۳) |
| یا | مخالفت پیدا کردیں گے اللہ | تمہارے چہروں کے درمیان |
| | (دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی) | (رواہ مسلم) |

تشریح:

۱۔ یعنی ہمیں صفیں سیدھی رکھنے کا مسلسل فرماتے رہے حتی کہ ہماری عادت بن گئی۔

۲۔ نماز پڑھانے کے لیے جب حجرہ شریفہ سے باہر آتے تو صحابہ کرامؓ صفیں درست کرلیتے۔

۳۔ دلوں میں اختلاف ڈل جائے گا اور نمازیوں میں باہمی اُلفت نہ رہے گی۔

لغات: لَیُسَوِّیْ الشیء: درست کرنا، سیدھا کرنا، سَوِیَ (س) سَوِیَ الرَّجُلِ، درست کام والا ہونا۔ اَلْقِدَاحَ: جمع ہے قدح کی اس تیر کو کہتے ہیں جو بغیر پر اور دھار کے ہو اس کی جمع اقدح، اقداح اور قدحان بھی آئی ہے۔ بَادِیًا بَدَا (ن)، بَدَا ظاہر ہونا، صفت کا صیغہ بَادٍ آئی ہے۔ لَیُخَالِفَنَّ بِحَوْلِھَا اِلٰی اَدْبَارِکُمْ اَلْمُرَادِ بِالْوُجُوْہِ الذَّوَاتِ اَوْ قُلُوْب۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ٦۔ چار اعمال پر جنت کی خوش خبری

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْھَہٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْھَہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ فَکَانَ اَوَّلُ مَاقَالَ یَااَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ (١) وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ (٢) وَصِلُوا الْاَرْحَامَ (٣) وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ (٤) تَدْخُلُوْا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ | رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ | قَالَ |
| حضرت عبداللہ بن سلام ﷛ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا |
| لَمَّا | قَدِمَ النَّبِیُّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃِ |
| جس وقت | تشریف لائے | آپ ﷺ مدینے میں |
| جِئْتُ | فَلَمَّا | تَبَیَّنْتُ |
| تو میں (آپ کی زیارت کے لیے آپ کی خدمت میں) آیا | پس جس وقت | خوب دیکھ لیا میں نے |
| وَجْھَہٗ | عَرَفْتُ | اَنَّ |
| آپ ﷺ کے چہرے کو | میں نے پہچان لیا کہ | بے شک |
| وَجْھَہٗ | لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ | فَکَانَ اَوَّلُ |
| آپ ﷺ کا چہرہ | جھوٹا چہرہ نہیں ہے | پس پہلی وہ بات |
| مَاقَالَ | یَااَیُّھَا النَّاسُ | اَفْشُوا السَّلَامَ (١) |
| جو آپ ﷺ نے فرمائی تھی (وہ یہ تھی کہ) | اے لوگو! | سلام کو پھیلاؤ |

| | | |
|---|---|---|
| وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ (۲) | وَصِلُوا الْاَرْحَامَ (۳) | وَصَلُّوا ا بِاللَّيْلِ |
| اور کھانا کھلاؤ | اور رشتہ داری کو جوڑو | اور راتوں کو نماز پڑھو |
| وَالنَّاسُ نِيَامٌ (۴) | تَدْخُلُوا | الْجَنَّةَ |
| (جس وقت) لوگ سو رہے ہوں | داخل ہو جاؤ گے تم | جنت میں |

(ان چار کاموں کے کرنے کے بعد)

بِسَلَامٍ
سلامتی کے ساتھ (رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی)

تشریح:

۱۔ باہمی محبت بڑھانے کا یہ مجرب نسخہ ہے۔

۲۔ صدقہ سے مال میں برکات پیدا ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضاء کا ذریعہ ہے۔

۳۔ رشتہ داری کو توڑ سے بچانا ان سے حسن سلوک کرنا محبوب عمل ہے۔

۴۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانگنے والوں کے لیے عنایات کے اعلان ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور بندگانِ الٰہی راز و نیاز سے اپنی راتوں کو روشن کرنے کے لیے نماز تہجد کا اہتمام کرتے ہیں۔

لغات: تَبَيَّنَتُ تَبَيَّنَ الشَّيْءُ واضح ہونا، ظاہر ہونا، اَفْشُوْا اِفْشَاء، اِفْشَاءُ الشَّيْءِ، پھیلانا، فَشَا (ن) فشو، فَشْوًا، سِرَّةً، ظاہر کر دینا۔ وَصِلُوْا: وَصَلَ (ض) وَصْلًا، جوڑنا، ملانا، جمع کرنا۔ اَلْاَرْحَامَ: اَلرَّحْمُ والرَّحِمُ بچہ دانی، قرابت، رشتہ داری۔ نِيَامٌ: سونے والا، لیٹنے والا، نَامَ، يَنَامُ سونا، مرنا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۷۔ جو رب کے ہاں بھیجا وہی باقی ہے

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعَالٰى عَنْهَا اِنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَابَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَابَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَائِشَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ تعَالٰى عَنْهَا | اِنَّهُمْ |
| (حضرت) عائشہ | رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ | انہوں (آپؐ کے گھر والوں) نے |
| ذَبَحُوْا | شَاةً | فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ |
| ذبح کیا | ایک بکری کو | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا |
| مَابَقِيَ | مِنْهَا | قَالَتْ |
| کچھ باقی ہے؟ | اس (بکری) میں سے | (حضرت عائشہؓ نے) کہا |
| مَابَقِيَ | مِنْهَا | اِلَّا كَتِفُهَا |
| نہیں ہے باقی | اس (بکری) میں سے | مگر اس کا کندھا |
| قَالَ | بَقِيَ | كُلُّهَا |
| آپ ﷺ نے فرمایا | باقی ہے | سب کا سب (اللہ کے پاس) |
| غَيْرَ كَتِفِهَا | | |

سوائے اس کے کندھے کے (کیونکہ وہ خود کھالیا گیا ہے) (رواه الترمذی)

تشریح: فضائل کی کتابیں صدقات کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ پورا پورا گھر رب کی راہ میں خرچ کرنے میں یہی جذبہ کار فرما ہے جو اس حدیث سے مترشح ہو رہا ہے کہ جو رب کی راہ میں دیا یا خیرات کر دیا وہ خزانہ آخرت میں جمع ہو رہا ہے۔

لغات: كَتِفُهَا: شانہ، کندھا، جمع كَتِفَةٌ، اَكْتَافٌ۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۸۔ ہر مرنے والا آرام پا لیتا ہے یا آرام دے دیتا ہے

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهٗ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نُصُبِ الدُّنْيَا (۱) وَاَذَاهَا اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَّابُ (۲) .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | اَنَّهٗ |
| حضرت ابو قتادہ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | بے شک وہ |
| كَانَ يُحَدِّثُ | اَنَّ | رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ |
| بیان کرتے تھے | یہ کہ | اللہ کے رسول ﷺ |
| مُرَّ عَلَيْهِ | بِجَنَازَةٍ | فَقَالَ |
| کے پاس سے گزرا | ایک جنازہ | پس آپ ﷺ نے فرمایا |
| مُسْتَرِيْحٌ | اَوْ | مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ |
| (اس جنازہ والا) آرام پانے والا ہے | یا | اس سے آرام پایا گیا |
| فَقَالُوْا | يَارَسُوْلَ اللّٰهِ | مَاالْمُسْتَرِيْحُ |
| پس انہوں نے کہا | اے اللہ کے رسول ﷺ | مستریح |
| وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ | فَقَالَ | الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ |
| اور مستراح منہ کیا ہے | پس آپ ﷺ نے فرمایا | مومن بندہ |
| يَسْتَرِيْحُ | مِنْ نُصُبِ الدُّنْيَا (۱) | وَاَذَاهَا |
| آرام پاتا ہے | دنیا کی مشکلات سے | اور اس کی تکلیفوں سے |

| | | |
|---|---|---|
| اِلٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ | وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ | يَسْتَرِيْحُ |
| اللہ کی رحمت کی طرف | اور بدکار آدمی | آرام پاتے ہیں |
| مِنْهُ الْعِبَادُ | وَالْبِلَادُ | وَالشَّجَرُ |
| اس سے بندے | اور شہر | اور درخت |
| وَالدَّوَّابُ (۲) | | |
| اور جانور | | |

(رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:

۱۔ مؤمن اعمال کی تکلیف اورلوگوں کی تکالیف سے نجات پاجاتا ہے اور رحمت الٰہی کی آسائشوں میں پہنچ کر جنت کے مزے لوٹتا ہے۔

۲۔ فاسق کی وجہ سے رحمت الٰہی کا نزول رُکا رہتا ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز تکلیف میں ہوتی ہے اس کے مرنے کے بعد ہر چیز اسکے شر اور نحوست سے آرام میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ اس کے برے اعمال رحمت سے دوری کا ذریعہ ہیں۔

لغات: اَلْمُسْتَرِيْحُ اِسْتَرَاحَ، اِسْتِرَاحَةً آرام پانا، اِلَیْهِ سکون پانا، اسم فاعل مُسْتَرِيْحٌ اوراسم مفعول مُسْتَرَاحٌ ہے۔ اَذَاهَا: (س) اَذًی واَذَاةً تکلیف پانا۔ اَلدَّوَّابُ: الدَّابَّةُ کی جمع ہے، بمعنی ہر رینگنے والا جانور۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۹۔روزہ دار کا رزق جنت میں

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَتَغَدّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِدَاءَ يَا بِلَالُ قَالَ اِنِّىْ صَائِمٌ (۱) يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَاْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِى الْجَنَّةِ اَشَعَرْتَ يَا بِلَالُ اِنَّ الصَّائِمَ لَيُسَبِّحُ عِظَامُهُ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهُ (۲)۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ بُرَيْدَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت بریدہ | رضی اللہ عنہ | روایت کرتے ہیں کہ |
| دَخَلَ | بِلَالٌ | عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ |
| حاضر ہوئے | بلال رضی اللہ عنہ | اللہ کے رسول ﷺ کے پاس |
| وَهُوَ | يَتَغَدّٰى | فَقَالَ |
| جب کہ آپ ﷺ | صبح کا کھانا کھا رہے تھے | پس فرمایا |
| رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | الْغِدَاءَ |
| اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم نے | (ہمارے ساتھ) کھانا کھاؤ |
| يَا بِلَالُ | قَالَ اِنِّىْ صَائِمٌ (۱) | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ |
| اے بلال | تو (حضرت بلال) نے عرض کیا میں روزہ دار ہوں | اے اللہ کے رسول ﷺ |
| فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ | نَاْكُلُ رِزْقَنَا | |
| پس آپ ﷺ نے فرمایا | ہم اپنی روزی (اسی دنیا) میں کھا رہے ہیں | |
| وَفَضْلُ | رِزْقُ بِلَالٍ | فِى الْجَنَّةِ |
| اور باقی ہے (روزہ کی وجہ سے) | بلال کی روزی | جنت میں |

| | | |
|---|---|---|
| اَشَعَرْتَ | يَا بِلَالُ | اِنَّ الصَّائِمَ |
| کیاتو جانتا ہے | اے بلال | بے شک روزہ دار کی |
| لِيُسَبِّحُ عِظَامُهٗ | وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ | مَااُكِلَ عِنْدَهٗ (٢) |
| ہڈیاں البتہ تسبیح کرتی ہیں | اوراس کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں فرشتے | جب تک کہ کھانا کھائے کوئی اس کے پاس |

(رواہ البیہقی)

تشریح:

ا۔ ظاہر ہے یہ نفلی روزہ تھا اگر فرض ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکھتے۔

۲۔ روزہ دار افطار تک ایک عبادت میں مصروف رہتا ہے اس لیے اس کے اعضاء کو تسبیح پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے جماعت کی نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے نمازی کو پڑھنے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

لغات: تَغَدّٰى بَغدِىَ(س) غَدًا صبح کا کھانا کھانا، اس کے مقابل میں عشا، آتا ہے شام کا کھانا۔ فَضَلَ: (س۔ک) فَضْلًا، صاحب فضل ہونا، صاحب فضیلت ہونا۔ اَشَعَرْتَ: شَعَرَ(ن۔ک) شَعْرًا و شُعُوْرًا له به۔ جاننا، سمجھنا، محسوس کرنا، عِظَام: جمع عِظَمٌ بمعنی ہڈی۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۰۔ بات کرنے کا ایک ادب

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فِىْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِىْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا (١) فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ جَابِرٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت جابر | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | کہتے ہیں کہ |

اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِیْ دَیْنٍ
میں آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قرض ( کی ادائیگی ) کے بارے میں
کَانَ عَلٰی اَبِیْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ
جو میرے باپ پر تھا پس میں نے دروازہ کھٹکھٹایا پس آپ ﷺ نے فرمایا
مَنْ ذَا (۱) فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا، اَنَا
کون ہے؟ پس میں نے عرض کیا ''میں'' پس آپ ﷺ نے فرمایا میں، میں
کَاَنَّہٗ کَرِھَھَا
گویا کہ آپ نے
اسے ناپسند کیا (۲) **(رواہ البخاری ومسلم)**

تشریح:

۱۔ معلوم ہوا غیب کا علم صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ کیونکہ آپؐ نے دروازے پر آنے والے سے پوچھا کون؟

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخاطب سے بات کرنے کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ وہ متکلم کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لے۔

لغات: فَدَقَقْتُ دَقَّ (ن) دقا، الباب، کھٹکانا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۱۔ طلباء علم کی وجہ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ اَخَوَانِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَکَانَ اَحَدُھُمَا یَاْتِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (۱) وَالْاٰخِرُ یَحْتَرِفُ فَشَکَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاہُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَقَالَ لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہٖ (۲)

++++++++++

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ
حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

| | | |
|---|---|---|
| كَانَ اَخَوَانِ | عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ | فَكَانَ |
| دو بھائی تھے | رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں | پس تھا |
| اَحَدُهُمَا | يَاْتِيَ | النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱) |
| ان میں سے ایک | آتا | نبی ﷺ کے پاس (دین سیکھنے کے لیے) |
| وَالْاٰخِرُ | يَحْتَرِفُ | فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ |
| اور دوسرا (بھائی) | کمائی کرتا تھا | پس شکایت کی اس کمانے والے نے |
| اَخَاهُ | النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | فَقَالَ |
| اپنے بھائی کی | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو | پس آپ ﷺ نے فرمایا |
| لَعَلَّكَ | تُرْزَقُ بِهٖ (۲) | |
| شاید | رزق دیا جاتا ہے تجھے اس کے ذریعے سے | |

(رواه الترمذی)

## تشریح:

۱۔ علم کے حصول کے لیے یہ صاحب دنیاوی کاموں کو چھوڑے ہوئے تھے۔اور یکسوئی سے پڑھتے تھے۔اور دوسرا بھائی کام کرتا تھا۔

۲۔ علم کی برکات میں سے یہ بھی ہے کہ طلب علم میں مصروف لوگوں کی خدمت سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

لغات: يَحْتَرِفُ اِحْتَرَفَ پیشہ اختیار کرنا، تلاش کرنا، حیلہ کرنا، کمائی کرنا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۱۲ا۔ دوسرے مسلمان کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ دے

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (۱) فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا إِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهٗ (۲) ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت واثلہ بن خطاب | رضی اللہ عنہ نے | روایت کرتے ہوئے کہا |
| دَخَلَ | رَجُلٌ | إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ |
| حاضر ہوا | ایک آدمی | رسول اللہ ﷺ کے پاس |
| وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ | قَاعِدٌ | فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (۱) |
| جب کہ آپ ﷺ مسجد میں | بیٹھے ہوئے تھے | پس آپ ﷺ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اس کے (ادب) کے لیے |
| فَقَالَ الرَّجُلُ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ | إِنَّ |
| پس کہا اس آدمی نے | اے اللہ کے رسول ﷺ | بے شک |
| فِي الْمَكَانِ | سَعَةً | فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ |
| جگہ میں | کشادگی ہے | آپ ﷺ نے (جواب میں) فرمایا |
| إِنَّ | لِلْمُسْلِمِ | لَحَقًّا |
| بے شک | ہر مسلمان کے لیے | البتہ یہ ضروری حق ہے کہ |
| إِذَا رَاٰهُ | اَخُوْهُ | اَنْ |
| جب دیکھے اس کو | اس کا (مسلمان) بھائی | یہ کہ |
| يَّتَزَحْزَحَ | لَهٗ (۲) | |
| اپنی جگہ سے ہٹ جائے | اس (کے ادب) کے لیے | (رواہ البیهقی) |

تشریح:

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے بزرگ ہو کر بھی دوسروں کا ادب فرماتے تھے۔ ہمارے لیے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے۔

۲۔ مسلمان کا احترام کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی، بلکہ عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔

| |
|---|
| فَتَزَحْزَحَ: دور ہونا، ہٹنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ. سَعَةً: وَسَعَ (ض۔ ح) سَعَةً وُسْعَةً الْمَكَانِ، کشادہ ہونا، گنجائش ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ۔ |

(( ............۞۞۞............ ))

## ۱۴۳۔ کھانے کے تین آداب

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلْمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ(۱) وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ (۲)

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلْمَةَ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| عمر بن ابی سلمہ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا کہ |
| كُنْتُ غُلَامًا | فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ(۱) | وَكَانَتْ يَدِیْ |
| میں بچہ تھا | اللہ کے رسول کی گود (پرورش) میں | اور میرا ہاتھ |
| تَطِيْشُ | فِی الصَّحْفَةِ | فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ |
| گھوم رہا تھا | پیالے میں | پس مجھ سے کہا اللہ کے پیغمبر ﷺ نے |
| سَمِّ اللّٰهَ | وَكُلْ | بِيَمِيْنِكَ |
| (کھانے کے شروع میں) | اور کھا | اپنے دائیں ہاتھ سے |
| نام لے اللہ کا | | |

وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ (٢)

اور کھا (اس سے) جو تیرے سامنے ہے (رواه البخاری ومسلم)

تشریح:

ا۔ چھوٹے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں بلکہ کھانے میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اور آپؐ انہیں پیار کے ساتھ ساتھ آداب بھی سکھاتے تھے۔

۲۔ تین آداب کا تذکرہ ہے۔ (آ) اللہ کا نام لے کر شروع کرنا (۲) کھانے والے کا اپنے سامنے سے کھانا (۳) دائیں ہاتھ سے کھانا۔

لغات: غُلَامًا: نوجوان، غلام، مزدور، جمع غِلْمَانٌ غِلْمَةٌ ۔ حِجْرِ: الحجر، الحجر گود، عقل، گھوڑی، الحجر، پتھر۔ قَالَ تَعَالٰی حَرْثٌ حِجْرٌ. تَطِيْشُ: طاش (ض) طِيْشَ، گردش کرنا، عقل زائل ہونا۔ صَحْفَةِ: بڑا پیالہ جمع صِحَافٌ. قَالَ تَعَالٰی يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ. سَمِّ: سَمّٰى يُسَمِّيْ، تَسْمِيَتَه، بسم اللہ کہنا۔ يَلِيْكَ: ولی، ولی، وَلْيًا فلانا، قریب ہونا متصل ہونا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۴۔ بسم اللہ نہ پڑھنے والے کے ساتھ شیطان کھاتا ہے

وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ اِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ (١) اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ اسْتَقَاءَ مَا فِيْ بَطْنِهٖ (٢)

++++++++++

وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا

| | | |
|---|---|---|
| كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ | فَلَمْ يُسَمِّ | حَتّٰى |
| ایک آدمی کھا رہا تھا | پس اس نے اللہ کا نام نہیں لیا تھا | یہاں تک کہ |
| لَمْ يَبْقَ | مِنْ طَعَامِهٖ | اِلَّا لُقْمَةٌ |
| باقی نہیں رہا | اس کے کھانے سے | مگر ایک لقمہ |
| فَلَمَّا | رَفَعَهَا | اِلٰى فِيْهِ |
| پس جس وقت | اس نے اپنے (آخری) لقمہ کو اٹھایا | اپنے منہ کی طرف |
| قَالَ | بِسْمِ اللّٰهِ (۱) | اَوَّلَهٗ |
| تو اس نے کہا | نام لیتا ہوں میں اللہ کا | (کھانے کے) شروع میں |
| وَاٰخِرَهٗ | فَضَحِكَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ |
| اور (کھانے کے) آخر میں | پس ہنسے نبی | صلی اللہ علیہ وسلم |
| ثُمَّ | قَالَ | مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ |
| پھر | آپ ﷺ نے فرمایا | برابر کھاتا رہا شیطان |
| مَعَهٗ | فَلَمَّا | ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ |
| اس کے ساتھ | پس جس وقت | اس نے اللہ کے نام کو یاد کیا |
| اسْتَقَاءَ | مَا | فِيْ بَطْنِهٖ (۲) |
| قے کر ڈالا | جو | اس کے پیٹ میں تھا |

(رواہ ابوداؤد)

تشریح:

۱۔ بسم اللہ کھانے کے شروع میں نہ پڑھ سکیں تو ہمیں حدیث میں مذکورہ دعاء جب بھی یاد آئے پڑھنے کی ہدایت ہے۔

۲۔ شیطان کے ساتھ کھانے کی نحوست سے برکات ختم ہو جاتی ہیں لیکن اللہ کا نام شروع میں لینے کی وجہ سے برکات کا نزول ہوتا ہے۔ اور شیطان ساتھ نہیں کھاتا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں شیطان کی قئے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ کھانے کی برکات جو شیطان کی وجہ سے رُکی ہوئیں تھیں وہ اس دعا کے پڑھنے سے لوٹ آئیں۔

لغات: لُقْمَةٌ بالضم لُقْمَة یعنی جتنی چیز ایک بار میں نگل سکے جمع لُقَمٌ، اَلْقَمه لَقْمه، الطعامَ لقمہ بنانا۔ فیه: منہ، جمع افواہ۔ اِسْتَقَاءَ: بہ تکلف قے کرنا، قاء (ض) قَیْئًا اکَلَهٗ قے کرنا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۵۔ ہر مسلمان کو ثواب کا شوق ہونا چاہیے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا یَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلٰثَةٍ عَلٰی بَعِیْرٍ فَكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ ﷛ وَعَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ زَمِیْلَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (۱) قَالَ فَكَانَتْ اِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَا نَحْنُ نَمْشِیْ عَنْكَ (۲) قَالَ مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰی مِنِّیْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰی عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت عبداللہ بن مسعود | رضی اللہ عنہ سے | روایت ہے کہ |
| كُنَّا یَوْمَ بَدْرٍ | كُلُّ ثَلٰثَةٍ | عَلٰی بَعِیْرٍ |
| ہم غزوۂ بدر والے دن تھے | ہر تین آدمی | ایک اونٹ پر |
| فَكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ ﷛ | وَعَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ | زَمِیْلَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (۱) |
| پس ابولبابہ ﷛ | اور علی بن ابو طالب ﷛ | رسول اللہ کے ساتھ سوار تھے |
| قَالَ فَكَانَتْ | اِذَا جَاءَتْ | عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ |
| اس وقت انہوں نے کہا | جب آتی تھی | نبی کریم ﷺ کی باری |

| | | |
|---|---|---|
| قَالَا | نَحْنُ نَمْشِیْ | عَنْكَ (۲) |
| وہ دونوں کہتے | ہم چلتے ہیں | آپ ﷺ کی طرف سے تو |
| قَالَ | مَا اَنْتُمَا | بِاَقْوٰی |
| آپ ؐ نے فرمایا | نہیں ہو تم | زیادہ طاقت ور |
| مِنِّی | وَمَا | اَنَا |
| مجھ سے | اور نہیں ہوں | میں |
| بِاَغْنٰی | عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا | |
| بے پرواہ | تمہاری نسبت ثواب سے | (رواہ فی شرح السنۃ) |

تشریح:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام صحابہؓ سے ملے جلے رہتے تھے، امتیازی شان کی نہ خواہش تھی، نہ پیدا ہونے دیتے تھے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی باری کا کام برابر کرتے تھے۔ تا کہ انصاف برقرار رہے۔

۳۔ یعنی تمہاری طرح میں بھی عمل کی زندگی گزار کر اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے دنیا میں موجود ہوں۔ اور ہر عمل میں آگے بڑھنے کا شوق رکھتا ہوں۔

لغات: یَوْمَ: بمعنی دن، وقت، جمع ایام۔ بَعِیْر: وہ اونٹ جس کی عمر چار سال یا نو سال ہو، جمع بُعْرَانٌ آتی ہے۔ زَمِیْلِیْ: سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، ساتھی، ہم جماعت، جمع زُمَلَاءُ۔ عُقْبَۃُ: باری، جمع عُقَبٌ، عَاقِبٌ آتی ہے۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۱۶۔ گناہوں سے بچاؤ کا نسخہ

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ (۱) فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۲) وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| عقبہ بن عامر | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ | کہا |
| لَقِيْتُ | رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ | فَقُلْتُ |
| میں ملا | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے | میں نے کہا |
| مَا النَّجَاةُ (۱) | فَقَالَ | اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۲) |
| نجات کس چیز میں ہے | تو آپ نے فرمایا | قابو میں رکھ اپنی زبان |
| وَلْيَسَعْكَ | بَيْتُكَ | وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ |
| اور چاہیے کہ کافی ہو جائے | تیرے لیے تیرا گھر | اور اپنے گناہوں پر رویا کر |

(رواہ احمد والترمذی)

### تشریح:

۱۔ بزرگوں سے نصیحت کروانی چاہیے۔ اس سے علم حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ زبان کی حفاظت۔ لایعنی۔ غیبت۔ بدگوئی غرض بے شمار فتنوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

۳۔ گھر میں یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کرے۔ باہر اشد ضرورت کے بغیر نہ نکلے۔

۴۔ گناہوں کو یاد کر کے رونا۔ ندامت کے آنسو بہانا درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

لغات: اَمْلِكْ :(ض) مِلْكًا، مَلْكًا ومُلْكًا الشَّيْءَ ، مالک ہونا۔ اَبْكِ بَكٰى (ض) بکاء، رونا۔ خَطِيْئَتِكَ :بمعنی گناہ جمع خَطَايَا، خَطِيْءَ ، (س) خَطَاءً بمعنی غلطی کرنا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۱۷۔ معوذتین کے ذریعہ دم کی تاثیر

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَّلَا غَيْرَهٗ اَوْ (قَالَ) نَبِيًّا وَّغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَّمَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَلِيٍّ | رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ | قَالَ |
| اور حضرت علی | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ | انہوں نے بیان کیا کہ |
| بَيْنَا | رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ |
| اس دوران کہ ہم | اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے |
| ذَاتَ لَيْلَةٍ | يُصَلِّيْ | فَوَضَعَ |
| ایک رات | آپ نماز پڑھ رہے تھے | پس رکھا |
| يَدَهٗ | عَلَى الْاَرْضِ | فَلَدَغَتْهُ |
| آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ | زمین پر | پس ڈس لیا اس ہاتھ کو |
| عَقْرَبٌ | فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ | بِنَعْلِهٖ |
| ایک بچھو نے | پس لیا اللہ کے پیغمبر ﷺ نے | اپنا جوتا |
| فَقَتَلَهَا | فَلَمَّا انْصَرَفَ | قَالَ |
| اور اسے مار ڈالا | پس جب آپ ﷺ فارغ ہوئے | تو فرمایا |
| لَعَنَ اللّٰهُ | الْعَقْرَبَ | مَا تَدَعُ |
| لعنت کرے اللہ | بچھو پر | کہ نہیں چھوڑتا ہے |

| | | |
|---|---|---|
| مُصَلِّيًا | وَّلَا | غَيْرَهٗ |
| کسی نمازی کو | اور نہ ہی | غیر (نمازی) کو |
| اَوْ (قَالَ) | نَبِيًّا | وَّغَيْرَهٗ |
| یا (یوں فرمایا کہ نہیں چھوڑتا وہ کسی) | نبی کو | اور (نہ) کسی دوسرے کو |
| ثُمَّ دَعَا | بِمِلْحٍ وَّمَاءٍ | فَجَعَلَهٗ |
| پھر آپ ﷺ نے منگوایا | کچھ نمک اور پانی | پس ڈال دیا اسے |
| فِيْ اِنَاءٍ | ثُمَّ جَعَلَ | يَصُبُّهٗ |
| ایک برتن میں | پھر شروع ہوئے | آپ ڈال رہے تھے |
| عَلٰى اِصْبَعِهٖ | حَيْثُ لَدَغَتْهُ | وَيَمْسَحُهَا |
| اسے اپنی انگلی پر | جہاں سے اس (بچھو) نے ڈسا تھا | اور اس جگہ پر ہاتھ پھیر رہے تھے |

وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس) پڑھ رہے تھے (رواه البيهقی)

تشریح: کسی ایذاء و تکلیف دینے والے جانور کو مار ڈالنا جائز ہے۔ یہ عمل آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہو گیا۔ اور دوسری خاص بات یہ کہ قرآن کریم کی آیات سے دم کرنا جائز ہے۔ جس تعویذ کی عبارت میں شرکیہ الفاظ ہوں یا بے معنیٰ الفاظ ہوں ان سے تعویز درست نہیں ہے۔

لغات: فَلَدَغَتْهُ لَدَغَ (ف) لَدْغًا وَتَلْدَاغًا بمعنیٰ ڈسنا۔ عَقْرَبٌ: بچھو جمع عَقَارِبُ، گھڑی کی سوئی کو بھی کہتے ہیں۔ فَنَاوَلَهَا مُنَاوَلَةً بمعنیٰ دینا، مگر یہاں مراد لینا ہے۔ نَعْلٌ: جوتا، ہر وہ چیز جس سے قدم کی حفاظت کی جائے۔ مِلْحٌ: نمک، جمع مِلَاحٌ. قَالَ تَعَالٰى هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ يَصُبُّهٗ: صَبَّ (ن) صَبًّا الماء، پانی بہانا، انڈیلنا۔ يَمْسَحُهَا مسح (ف) مَسْحًا يَدَهٗ، ہاتھ پھیرنا۔ يُعَوِّذُهَا: پناہ میں دینا، تعَوَّذَ، اس نے پناہ لی۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۸۔احکامات ظاہر پر لگتے ہیں

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍؓ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اِلٰی اُنَاسٍ مِّنْ جُهَینَةَ فَاَتَیْتُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهٗ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهٗ فَقَتَلْتُهٗ فَجِئْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَقَتَلْتَهٗ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ.....؟

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍؓ | قَالَ | بَعَثَنَا |
| اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے | انہوں نے کہا کہ | ہمیں بھیجا |
| رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ | اِلٰی اُنَاسٍ مِّنْ جُهَینَةَ |
| اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم نے | (قبیلہ) جہینہ کے لوگوں کی طرف (جہاد کے لیے) |
| فَاَتَیْتُ | عَلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ | فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهٗ |
| پس میں پہنچا | ان میں سے ایک آدمی کے پاس | پس میں اسے نیزہ مارنے ہی لگا |
| فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ | فَطَعَنْتُهٗ | فَقَتَلْتُهٗ |
| کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا | پس میں نے اسے نیزہ مار دیا | اور اسے جان سے مار ڈالا |
| فَجِئْتُ | اِلَی النَّبِیِّ ﷺ | فَاَخْبَرْتُهٗ |
| پس میں آیا | نبی کریم ﷺ کے پاس | اور میں نے وہ واقعہ بیان کیا |
| فَقَالَ | اَقَتَلْتَهٗ | وَقَدْ شَهِدَ |
| پس آپ ﷺ نے فرمایا | آپ نے اسے مار ڈالا؟ | جب کہ اس نے گواہی دی |
| اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ | قُلْتُ | یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ |
| لا الہ الا اللہ کی | میں نے کہا | اے اللہ کے پیغمبر ﷺ |

اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ
بے شک کیا اس نے یہ (قتل سے) بچنے کے لیے تو آپ ﷺ نے فرمایا
فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ....؟
کیوں نہیں چیر ڈالا تو نے اس کا دل؟ (مشکوٰۃ)

تشریح: ملا علی قاریؒ نے امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث پاک سے یہ اصول معلوم ہوا کہ احکامات تو ظاہر کے مطابق لگتے ہیں۔ باقی اس کے دل میں کیا حقیقت ہے؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

لغات: اَطْعَنُهٗ: (ن۔ف) طَعْنًا نیزہ مارنا۔ فَهَلَّا: کلمہ تحضیض وتندیم ہے مرکب ہے (هل اور لا سے) حکم۔ اگر ماضی پر داخل ہو تو ترک فعل پر ملامت کے لیے اور اگر مضارع پر داخل ہو تو برانگیختہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ شَقَقْتَ: شَقًّا (ن) شَقًّا وَمُشَقَّةً، دشوار ہونا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۱۹۔ بردباری اور اخلاقِ عظیم کا ایک واقعہ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَ اِشْتَرُوْا لَهٗ بَعِیْرًا فَاَعْطُوْهُ اِیَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اِشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِیَّاهُ فَاِنَّ خَیْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ
حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا
اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
کہ ایک (یہودی) آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے قرض مانگا
فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ
پس (قرض مانگنے میں) اس نے آپ ﷺ پر سختی کی (یہ دیکھ کر) ارادہ کیا

| | | |
|---|---|---|
| اَصْحَابُہٗ | فَقَالَ | دَعُوْہُ |
| آپ کے صحابہ ؓ نے (اسے مارنے یا دھمکانے کا) | تو آپ ﷺ نے فرمایا | اسے چھوڑے رکھو |
| فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ | مَقَالًا | وَ |
| پس یقیناً حق والے کے لیے | بولنا (جائز) ہوتا ہے | اور |
| اِشْتَرُوْا | لَهٗ | بَعِیْرًا |
| خرید دو | اس (کے قرض کی ادائیگی) کے لیے | ایک اونٹ |
| فَاَعْطُوْہُ | اِیَّاہُ | قَالُوْا |
| پس دے دو وہ | اسے | (صحابہ کرامؓ نے) عرض کیا (اپنے پاس) |
| لَا نَجِدُ | اِلَّا | اَفْضَلَ مِنْ سِنِّہٖ |
| نہیں پاتے ہیں ہم | مگر | اس (کے اونٹ) سے زیادہ عمر کا |
| قَالَ | اِشْتَرُوْہُ | فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ |
| آپ ﷺ نے فرمایا | (کوئی بات نہیں) اسی کو خرید لو | اور دے دو وہ اسے |
| فَاِنَّ | خَیْرَکُمْ | اَحْسَنُکُمْ |
| پس بے شک | تم میں بہتر وہ ہے | (جو) تم میں سے اچھا ہے |
| قَضَاءً | | |
| (حقوق کی) ادائیگی کے لحاظ سے | | (رواھما بخاری) |

تشریح: اس حدیث سے کئی امور مستفاد ہوتے ہیں۔

(۱)۔آپ ﷺ کے عظیم اخلاق ۔(۲) اشد ضرورت میں ادائیگی کی نیت سے ادھار لینا جائز ہے۔(۳) قرض خواہ قرض مانگنے میں قاضی کے ذریعہ سختی بھی کر سکتا ہے۔(۴) قرض بہتر طریقہ سے یعنی بروقت ادا کرنا چاہیے۔ ہو سکے تو قرض کی ادائیگی کے ساتھ کچھ مزید بھی دے دے۔ یہ اعلیٰ اخلاق کی علامت ہے۔اس حدیث

مبارکہ سے غصہ پی جانے اور برداشت کا سبق ملتا ہے۔

لغات: تَقَاضٰی اَلدَّیْنَ، قرض وصول کرنے کی باتیں کرنا، قَضٰی (ض) قَضَاءَ حَاجَۃٍ ضرورت پوری کرنا۔ فَاَغْلَظَ: فِی الْقَوْلِ، سخت کلامی سے پیش آنا، غَلَظَ (ن۔ض۔ک) غَلَظًا وَغِلْظَۃً موٹا، سخت ہونا۔ ھَمَّ: (م) ھَمًّا بِالشَّیْءِ ارادہ کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا. مَقَالًا: قَالَ یَقُوْلُ کہنا، بولنا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۰۔ کیا نابینا سے بھی پردہ ہے؟

وَعَنْ اُمِّ سَلْمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّھَا کَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَمَیْمُوْنَۃُ اِذَا اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَیْہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِحْتَجِبَا مِنْہُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَیْسَ ھُوَ اَعْمٰی ؟ لَا یُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَفَعَمْیَا وَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِہٖ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اُمِّ سَلْمَۃَ | رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا | اَنَّھَا کَانَتْ عِنْدَ |
| حضرت ام سلمہ | رضی اللہ عنہا سے روایت ہے | کہ وہ تھیں |
| رَسُوْلِ اللّٰہِ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | وَمَیْمُوْنَۃُ |
| اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس | اور (ان کے ساتھ حضرت) میمونہؓ (بھی) تھیں |
| اِذَا | اَقْبَلَ | ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ |
| جب | اچانک سامنے آ گئے | ابن ام مکتومؓ |
| فَدَخَلَ عَلَیْہِ | فَقَالَ | رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ |
| پس وہ آئے آپ کے پاس | پس فرمایا | اللہ کے پیغمبر ﷺ نے |

| | | |
|---|---|---|
| اِحْتَجِبَا | مِنْهُ | فَقُلْتُ |
| پردہ کرو تم دونوں | اس سے | پس میں نے کہا |
| يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ | اَلَيْسَ | هُوَ اَعْمٰى ؟ |
| اے اللہ کے رسول | کیا نہیں ہے | وہ نابینا؟ |
| لَا يُبْصِرُنَا | فَقَالَ | رَسُوْلُ اللّٰهِ |
| (جو) ہمیں دیکھتا نہیں | پس فرمایا | اللہ کے پیغمبر |
| صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | اَفَعَمْيَا وَانِ اَنْتُمَا | اَلَسْتُمَا تَبْصِرَانِهِ |
| صلی اللہ علیہ وسلم نے | کیا تم دونوں بھی نابینی ہو؟ | کیا تم دونوں اسے نہیں دیکھ رہیں؟ |

(رواہ احمد والترمذی وابو داؤد)

**تشریح:** اس واقعہ سے کئی اسباق ملے۔ (۱) عہد رسالت ﷺ میں پردہ کی پابندی۔ (۲) عورتوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ غیر محرم مرد کو دیکھیں۔ فتنے کا ڈر ہو یا نہ ہو۔

| |
|---|
| لغات: اَقْبَلَ: متوجہ ہونا، سامنے کرنا۔ اِحْتَجَبَا: چھپنا، پردہ کرنا۔ عَمْيَاوَانِ: عُمْيَاء مفرد ہے عَمِيَ (س) عَمًى، اندھا ہونا۔ |

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فراست

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا اِبْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ وَقَالَتِ الْاُخْرٰى اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ فَتَحَاكَمَتَا اِلٰى دَاؤُدَ فَقَضٰى بِهٖ لِلْكُبْرٰى فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاؤُدَ فَاَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُوْنِىْ بِالسِّكِّيْنِ اَشُقُّهٗ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰى لِلصُّغْرٰى .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | عَنِ النَّبِيِّ ﷺ |
| (حضرت) ابو ہریرۃ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ | (وہ) نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ |
| قَالَ | كَانَتِ امْرَأَتَانِ | مَعَهُمَا |
| آپ ﷺ نے فرمایا | کہ دو عورتیں تھیں | ان دونوں کے ساتھ |
| اِبْنَاهُمَا | جَاءَ | الذِّئْبُ |
| ان کے بیٹے تھے | آیا | بھیڑیا |
| فَذَهَبَ | بِابْنِ اِحْدٰهُمَا | فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا |
| پس لے گیا | ان میں سے کسی ایک کے بیٹے کو | پس کہا اس کی دوسری ساتھی نے |
| اِنَّمَا | ذَهَبَ | بِابْنِكَ |
| بے شک | لے گیا وہ (بھیڑیا) | تیرے بیٹے کو |
| وَقَالَتِ الْاُخْرٰى | اِنَّمَا ذَهَبَ | بِابْنِكَ |
| اور دوسری نے کہا | بے شک لے گیا وہ (بھیڑیا) | تیرے بیٹے کو |
| فَتَحَاكَمَتَا | اِلٰى دَاؤُدَ | فَقَضٰى بِهٖ |
| پس وہ دونوں فیصلہ لے کر گئیں | (حضرت) داؤد علیہما السلام کے پاس | پس فیصلہ کر دیا اس (لڑکے) کا |

| | | |
|---|---|---|
| لِلْكُبْرٰى | فَخَرَجَتَا | عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ |
| بڑی کے حق میں | پس وہ دونوں نکلیں | (اور پہنچیں) سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے پاس |
| فَاَخْبَرَتَاهُ | فَقَالَ | ائْتُوْنِيْ بِالسِّكِّيْنِ |
| پس انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا | پس انہوں نے فرمایا | کہ لاؤ میرے پاس چھری (تا کہ) |
| اَشُقَّهٗ | بَيْنَكُمَا | فَقَالَتِ الصُّغْرٰى |
| کاٹ (کر آدھا آدھا) کردوں اس کو | تمہارے درمیان | پس چھوٹی نے کہا |
| لَا تَفْعَلْ | يَرْحَمُكَ اللّٰهُ | هُوَ ابْنُهَا |
| ایسا نہ کر | اللہ تیرے اوپر رحم کرے | یہ بیٹا تو اسی (بڑی) کا ہے |
| فَقَضٰى | لِلصُّغْرٰى | |
| پس فیصلہ فرمایا آپ نے | اس (لڑکے) کا چھوٹی کے لیے | **(رواہ البخاری ومسلم)** |

**تشریح:** اس واقعے میں کچھ معلومات ہوتی ہیں۔ (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن میں ہی گھریلو ماحول کی وجہ سے دینی سمجھ رکھتے تھے۔ (۲) فیصلہ کرنے والے کو نفسیات کا ماہر بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ بعض فیصلے دلائل سے مشکل ہو جاتے ہیں۔

لغات: اَلذِّئْبُ: بھیڑیا، جمع ذِئَاب، ذُؤْبَان، ذَئِبَ (س) ذَأَبًا۔ خباثت میں بھیڑیے کی طرح ہونا۔ صَاحِبَتُهَا: صاحب کی مونث ہے بمعنی ساتھی، سہیلی جمع صَاحِبَات اور صَوَاحِب آتی ہے۔ فَتَحَاكَمَتَا: الی الحاکم، مقدمہ لے جانا۔ اَلسِّكِّيْن: چھری، جمع سکاکین، السَّكِيَّة اطمینان، وقار۔ قَالَ تَعَالٰى وَاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۲۔مقام ومرتبہ کے لحاظ کا عملی نمونہ

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَمْشِيْ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ مَعَهٗ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِرْكَبْ وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا ! اَنْتَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ اِلَّا اَنْ تَجْعَلَهٗ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهٗ لَكَ فَرَكِبَ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ بُرَيْدَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ | قَالَ |
| (حضرت) بریدہ | رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے | روایت ہے انہوں نے کہا |
| بَيْنَمَا | رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ |
| اس دوران کہ | رسول اللہ | صلی اللہ علیہ وسلم |
| يَمْشِيْ | اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ | مَعَهٗ حِمَارٌ |
| پیدل چل رہے تھے | اچانک ایک آدمی آپ کے پاس آیا | اس کے ساتھ (اس کا) ایک گدھا تھا |
| فَقَالَ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ | اِرْكَبْ |
| اس نے عرض کیا | اے اللہ کے رسول ﷺ | (میرے ساتھ) سوار ہو جائیے |
| وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ | فَقَالَ | رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ |
| اور وہ آدمی پیچھے ہٹ گیا | پس فرمایا | رسول اللہ ﷺ نے |
| لَا ! اَنْتَ | اَحَقُّ | بِصَدْرِ دَابَّتِكَ |
| نہیں! (بلکہ) آپ | زیادہ حق دار ہیں | اپنی سواری کے اگلے حصے کے |
| اِلَّا | اَنْ | تَجْعَلَهٗ |
| مگر | یہ کہ | (آپ) خاص کر دیں اپنے حصے کو |
| لِيْ | قَالَ | جَعَلْتُهٗ لَكَ |
| میرے لیے | اس نے عرض کیا | میں نے اس کو آپ کے لیے خاص کر دیا |

فَرَكِبَ

پھر آپؐ سوار ہو گئے

(رواہ الترمذی)

تشریح: چند اسباق جو اس واقعہ سے ملے۔(۱) حقوق کی رعائت کی اعلیٰ تعلیم۔ (۲) شاگرد ہو یا مرید یا عقیدت مند، بہر حال ان کے حقوق کا لحاظ ضروری ہے۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال انکساری کہ آپ ﷺ نے سواری کے پیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہ فرمائی۔

لغات: تَاَخَّرَ: پیچھے ہونا۔ صَدْرٌ: سینہ، سامنے کا حصہ، جمع صُدُوْرٌ. تَجْعَلُهٗ: جَعَلَ۔ (ف) جَعْلًا بنانا، یہاں مراد صراحت کے ساتھ اجازت دینا۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۳۔ مزاحِ نبوی ﷺ کا ایک عجیب واقعہ

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَ اِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ؟

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَنَسٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | اَنَّ |
| اور (حضرت) انس | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ | بلاشبہ |
| رَجُلًا | اِسْتَحْمَلَ | رَسُوْلَ اللّٰهِ |
| ایک آدمی نے | سواری مانگی | اللہ کے پیغمبر |

| | | |
|---|---|---|
| صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | فَقَالَ | اِنِّیْ |
| صلی اللہ علیہ وسلم سے | تو آپؐ نے فرمایا | یقیناً میں |
| حَامِلُكَ | عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ | فَقَالَ |
| سوار کراؤں گا تجھے | ایک اونٹنی کے بچے پر | پس کہنے لگا وہ آدمی |
| مَا اَصْنَعُ | بِوَلَدِ النَّاقَةِ | فَقَالَ |
| کیا کروں گا میں | اونٹنی کے بچے کا؟ | پس فرمایا |
| رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | وَهَلْ |
| اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم نے | کیا |
| تَلِدُ الْاِبِلَ | اِلَّا النُّوْقُ؟ | |
| جنتی ہے اونٹ کو | سوائے اونٹنی کے؟ | (رواہ الترمذی و ابو داؤد) |

تشریح: واقعہ کے چند اسباق (۱) کسی کی دل شکنی مقصود نہ ہو تو مزاح جائز ہے۔(۲) اہل علم کو بھی اپنی وضع برقرار رکھتے ہوئے لوگوں سے ہنسی، دل لگی کرنی چاہیے۔(۳) ہمیشہ مزاح کی حالت میں رہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے کبھی کبھی مزاح کا عمل ملتا ہے۔

لغات: اِسْتَحْمَلَ: اٹھانے کے لیے درخواست کرنا (مراد سواری مانگنا)۔ حَامِلٌ: حَمَلَ (ض) حَمْلاً اٹھانا، لادنا۔ اَلنُّوْقُ: جمع نَاقَةٌ کی نیز اس کی جمع نَاق، اَنْوُقٌ، نَاقَاتٌ، وغیرہ بھی آتی ہے۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۲۴۔ حقیقی نماز، اندازِ گفتگو اور امیدوں کی وابستگی

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبِ الْاَنْصَارِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاَیَاسَ ! مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبِ الْاَنْصَارِیْ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت ابوایوب انصاری | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا |
| جَاءَ | رَجُلٌ | اِلَی النَّبِیِّ ﷺ |
| (کہ) آیا | ایک آدمی | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس |
| فَقَالَ | عِظْنِیْ | وَاَوْجِزْ |
| اور اس نے کہا | مجھے نصیحت فرمایئے | اور مختصر (نصیحت) فرمایئے |
| فَقَالَ | اِذَا | قُمْتَ |
| پس آپؐ نے فرمایا | جب | تو کھڑا ہو |
| فِیْ صَلٰوتِكَ | فَصَلِّ صَلٰوةَ | مُوَدِّعٍ |
| اپنی نماز میں | تو ایسی نماز پڑھ | (زندگی کو) الوداع کرنے والے کی (یعنی زندگی کی آخری نماز) |
| وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ | تَعْذِرُ | مِنْهُ |
| اور ایسی بات نہ کر کہ | معافی مانگنی پڑے | اس (کی وجہ) سے تجھے |
| غَدًا | وَاَجْمِعِ الْاَیَاسَ ! | مِمَّا |
| کل کو | اور ناامید ہوجا! | اس سے جو |
| فِیْ اَیْدِی النَّاسِ | | |
| لوگوں کے ہاتھوں میں ہے | | |

(رواہ احمد)

تشریح: حدیث پاک کے چند اسباق یہ ہیں۔

۱۔ اپنے لیے نصیحت کروالینا یا وعظ سن کر یا کتاب پڑھ کر نصیحت حاصل کرنا اچھی بات ہے۔

۲۔ نصیحت مختصر مگر جامع ہو کہ سننے والے اکتا نہ جائیں۔

۳۔ ہر نماز زندگی کی آخری نماز سمجھ کر خشوع وخضوع سے پڑھنی چاہیے۔

۴۔ ہر بات سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو بندوں میں یا اللہ کے سامنے معذرت کرنی پڑے۔

۵۔ دوسروں کے مال ومتاع پر نظر رکھنا، دل کی مفلسی ہے اس لیے تقدیر پر راضی رہنا اور محنت کرنا چاہیے۔

لغات: عِظْ وَعَظَ (ض) وَعْظًا، وَعِظَةً، نصیحت کرنا۔ وَدَعَ تَوْدِیْعًا، رخصت کرنا، چھوڑنا، اپنی زندگی سے رخصت ہونا۔ صَلٰوۃَ مُوْدِعٍ: یعنی زندگی کی آخری نماز۔ عَذَرَ: (ض) عُذْرًا، الزام سے بری کرنا، معذرت کرنا۔ اَلْاِیَاسُ: ناامیدی، یَئِسَ (ض) اِیَاسًا مِنْهُ ناامید ہونا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۲۵۔ حکمتِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَامَ یَبُوْلُ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰی بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ بِشَیْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذْرِ وَاِنَّمَا هِیَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ فَشَنَّهٗ عَلَيْهِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَنَسٍ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت انس | رضی اللہ عنہ سے | روایت ہے |
| بَيْنَمَا | نَحْنُ | فِی الْمَسْجِدِ |
| اس دوران کہ | ہم | مسجد میں |
| مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | اِذْ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ |
| اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے | اچانک ایک دیہاتی آیا |
| فَقَامَ | يَبُوْلُ | فِی الْمَسْجِدِ |
| اور کھڑا ہوا | (اس حال میں کہ) پیشاب کر رہا تھا | مسجد میں |
| فَقَالَ اَصْحَابُ | رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ | مَهْ مَهْ |
| پس اللہ کے رسول ﷺ | کے صحابہ ﷺ نے کہا | رک جا! رک جا! |
| فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ | لَا تُزْرِمُوْهُ | دَعُوْهُ |
| پس اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا | اس کو مت روکو | اسے چھوڑے رکھو |
| فَتَرَكُوْهُ | حَتّٰى | بَالَ |
| پس (صحابہ نے) اسے چھوڑ دیا | یہاں تک کہ | اس نے پیشاب کیا |
| ثُمَّ | اِنَّ | رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ |
| پھر | بے شک | اللہ کے رسول ﷺ نے |

| | | |
|---|---|---|
| دَعَاهُ | فَقَالَ لَهٗ | اِنَّ |
| اسے بلایا | پس اسے فرمایا | بے شک |
| هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ | لَا تَصْلُحُ | بِشَیْءٍ مِنْ |
| یہ مسجدیں | نہیں ہیں لائق | ذرا بھی |
| هٰذَا الْبَوْلِ | وَالْقَذْرِ | وَاِنَّمَا هِیَ |
| اس پیشاب کے | اور گندگی کے | بے شک یہ (مسجدیں) |
| لِذِکْرِ اللّٰهِ | وَالصَّلٰوةِ | وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ |
| اللہ کی یاد کے لیے | اور نماز کے لیے | اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں |
| اَوْ | کَمَا | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ |
| یا | جیسا کہ | اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا |
| وَاَمَرَ رَجُلًا | مِنَ الْقَوْمِ | فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَّاءٍ |
| اور (اس کے بعد) آپ ﷺ | نے قوم کے ایک آدمی کو حکم دیا | پس وہ پانی کا ایک ڈول لے کر آیا |

فَشَنَّهٗ عَلَیْهِ

اور اسے اس (پیشاب) پر بہادیا (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح: واقعہ ہذا سے ماخوذ چند مسائل

۱۔ برائی سے روکنے کے لیے حکمت عملی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۲۔ آپ ﷺ کے اس عمل میں کئی حکمتیں ہیں۔ (ا) دیہاتی کو فوراً روکتے وہ بھاگتا، مسجد زیادہ خراب ہوتی۔ (ب) بعد میں اسے سمجھانے کا موقع مل گیا اور وہ مان گئے۔

۳۔ اس واقعہ میں مسجد کے آداب کا علم ہوا کہ اسے پاک وصاف رکھا جائے۔

۴۔ زیادہ پانی بہادینے سے زمین پاک ہوجاتی ہے۔

لغات: اَعْرَابِیٌ: دیہاتی، بدو، اس کی جمع اَعْرَاب آئی ہے۔ بَالَ: (ن) بَوْلًا، پیشاب کرنا۔ مَهْ: اسم فعل رک جا، ٹھہر جا۔ تَزْرِمُوْهُ: (ض) زَرْمًا کَائِنًا مطلب یہ ہے کہ اس کو پیشاب سے نہ روکو۔ اَلْقَذْرِ: میل کچیل، گندگی، پاخانہ، جمع اَقْذَار آئی ہے۔ دَلْوٌ: ڈول مذکر ومونث دونوں استعمال ہوتا ہے۔ جمع دِلَاءٌ، اَدْلٌ، دلی، دلی آئی ہے۔ فَشَنَّهُ: شَنَّ (ن) شَنًّا بہانا۔

(( ............ ❁❁❁ ............ ))

## ۲۶۔ دربارِ نبوت میں ایک نومسلم وفد کی آمد

وَعَنْ طَلَقِ بْنِ عَلِيٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَّنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّاءَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِيْ اَدَاوَةٍ وَاَمَرَنَا فَقَالَ اُخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَيْتُمْ اَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضِحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ وَالْحِرُّ شَدِيْدٌ وَالْمَاءُ يَنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْهُ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا طِيْبًا .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ طَلَقِ بْنِ عَلِيٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت طلق بن علی | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا کہ |
| خَرَجْنَا | وَفْدًا | اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ |
| ہم نکلے | جماعت کی شکل میں | اللہ کے پیغمبر |
| صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | فَبَايَعْنَاهُ | وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ |
| صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف | پس ہم نے آپ سے بیعت کی | اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی |
| وَاَخْبَرْنَاهُ | اَنَّ | بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَّنَا |
| اور ہم نے آپؐ کو یہ خبر دی کہ | بے شک | ہماری زمین میں ہمارا ایک گرجا ہے |

فَاسْتَوْهَبْنَاهُ | مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ | فَدَعَا بِمَاءٍ
پھر ہم نے آپ سے مانگا | آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی | پس آپ نے پانی منگوایا
فَتَوَضَّاءَ | وَتَمَضْمَضَ | ثُمَّ صَبَّهٗ
پھر وضو کیا | اور کلی کی | اور پھر اسے ڈال دیا
لَنَا | فِيْ اِدَاوَةٍ | وَاَمَرَنَا
ہمارے لیے | ایک برتن میں | پھر ہمیں حکم دیا
فَقَالَ | اُخْرُجُوْا | فَاِذَا اَتَيْتُمْ
اور فرمایا | جاؤ! | جب پہنچ جاؤ
اَرْضَكُمْ | فَاكْسِرُوْا | بِيْعَتَكُمْ
اپنی زمین میں | پس توڑ دو! | اپنے گرجا کو
وَانْضِحُوْا | مَكَانَهَا | بِهٰذَا الْمَاءِ
اور چھڑک دو! | اس (گرجا) کی جگہ | اس پانی کو
وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا | قُلْنَا | اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ
اور وہاں مسجد بنالو! | ہم نے کہا | بے شک (ہمارا) شہر بہت دور ہے
وَالْحِرُّ شَدِيْدٌ | وَالْمَاءُ يَنْشَفُ | فَقَالَ
اور گرمی بہت زیادہ ہے | اور (یہ) پانی خشک ہو جائے گا | تو آپؐ نے فرمایا
مُدُّوْهُ | فَاِنَّهٗ | لَا يَزِيْدُهٗ
بڑھاتے رہو اسے (پانی سے) | پس بے شک وہ (مزید پانی ڈالنا) | نہیں زیادہ کرے گا

اِلَّا طِيْبًا

مگر (اس کی) پاکیزگی کو (رواہ النسائی)

**تشریح:** متن حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ جماعت کی شکل میں آنے والے سابقہ عیسائی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد گرجا گرا کر وہاں سے پرانے اثرات ختم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت والا پانی مانگ رہے تھے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ برکت والے (دم کیے ہوئے یا زمزم والے) پانی میں اگر اور ملا دیا جائے تو برکت میں کمی نہیں آتی۔

لغات: وَفْدٌ: جمع وَافد کی، جمع ہو کر چند لوگ کسی کے پاس جائیں اس کی جمع وُفُودٌ اور اَوْفَادٌ بھی آئی ہے، وَفَدَ (ض) وفدا اِلَیْهِ عَلَیْهِ، قاصد بن کر آنا۔ بَایَعْنَاهُ: بیعت کرنا۔ فَضْلِ: زائد، باقی ماندہ۔ بِیْعَةٌ: گرجا گھر یعنی عیسائیوں کا عبادت گھر جمع بِیَعٌ، بِیْعَاة، بیعات آئی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی صَوَامِعُ وَبِیَعٌ. اِسْتَوْهَبْنَاهُ: طلب کرنا، کی درخواست کرنا۔ اَدَوَاةَ: وضو کا جھوٹا برتن، جمع ادوی آئی ہے۔ نَضَحُوْا: نَضَحَ (ف) نَضْحًا چھڑکنا، پانی ڈالنا۔ یَنْشَفُ: نَشَفَ (س۔ف) نَشْفًا خشک ہونا، پانی کا جذب ہونا۔ مَدَّةً: مد (ن) مُدًّا، بڑھانا، زیادہ کرنا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۷۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے توسط سے ایک قیمتی دعا

وَعَنْ جُوَیْرِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِیْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِیَ فِیْ مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِیَ جَالِسَةٌ قَالَ مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِیْ فَارَقْتُكِ عَلَیْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مِرَارٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ الْیَوْمَ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ جُوَیْرِیَةَ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا | اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ |
| حضرت جویریہ | رضی اللہ عنہا سے روایت ہے | کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم |
| خَرَجَ | مِنْ عِنْدِهَا | بُكْرَةً |
| (ایک دن) نکلے | ان کے قریب سے | صبح سویرے |

| | | |
|---|---|---|
| حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ | وَهِيَ | فِيْ مَسْجِدِهَا |
| جب کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھی | اور وہ (حضرت جویریہؓ) | اپنے (گھر کی) مسجد میں تھیں |
| ثُمَّ | رَجَعَ | بَعْدَ اِنْ اَضْحٰى |
| پھر | آپ لوٹے | چاشت کے وقت کے بعد |
| وَهِيَ | جَالِسَةٌ | قَالَ مَازَلْتِ |
| (اس وقت بھی) وہ (حضرت جویریہؓ) | اسی طرح بیٹھی تھیں | آپ نے (دریافت کرتے ہوئے) فرمایا پہلے کی طرح |
| عَلَى الْحَالِ | اَلَّتِىْ | فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا |
| اسی حال پر ہے تو | جس پر | میں نے تجھے صبح چھوڑا تھا؟ |
| قَالَتْ | نَعَمْ | قَالَ النَّبِىُّ ﷺ |
| تو میں نے کہا | جی ہاں (اس وقت سے میں اسی حال میں بیٹھی ہوں) | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا |
| لَقَدْ | قُلْتُ | بَعْدَكِ |
| البتہ تحقیق | میں نے کہے ہیں | تیرے (قریب سے گزرنے کے) بعد |
| اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ | ثَلٰثَ مِرَارٍ | لَوْ وُزِنَتْ |
| چار کلمات | تین مرتبہ | اگر وزن کیا جائے (ان کلمات کا) |
| بِمَا | قُلْتِ الْيَوْمَ | لَوَزَنَتْهُنَّ |
| ان کے ساتھ | (جو) تو نے پڑھے ہیں آج (تو یہ میرے کلمات) | تو ان پر بھاری ہو جائیں گے (وہ کلمات یہ ہیں) |
| سُبْحَانَ اللّٰهِ | وَبِحَمْدِهٖ | عَدَدَ خَلْقِهٖ |
| پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی | اور اس کی تعریف کے ساتھ | برابر اس کی مخلوق |

| | | |
|---|---|---|
| وَرِضَا نَفْسِهٖ | وَزِنَةَ عَرْشِهٖ | وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ |
| اور برابر اس کی خوشی کے | اور اس کے عرش کے وزن کے برابر | اور اس کے کلمات کی تعداد کے برابر |

(النسائی)

تشریح: اس حدیث پاک میں چند کلمات کو پڑھ لینے کا ثواب بہت بڑے وظیفے سے زائد ثواب کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسنون اوراد ہی پڑھنے چاہئیں۔

لغات: بُكْرَةً: بمعنی صبح۔ قَالَ تَعَالٰى بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا. مَسْجِدِهَا: عبادت خانہ، جمع مساجد، سَجَدَ(ن) سُجُوْدٌ، عبادت کے لیے اپنی پیشانی زمین پر رکھنا۔ اَضْحٰى: بمعنی چاشت کا وقت، افعال ناقصہ میں سے ہے لیکن یہاں پر فعل تام استعمال ہوا ہے۔ وُزِنَتْ: (ض) وَزْنًا: بمعنی تولنا۔ مِدَادَ: مثال وطریقہ، یہاں پر تعداد کے مطابق مراد ہے۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۲۸۔ مقام شہادت اور حقوق العباد

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّيْنَ كَذٰلِكَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| اور حضرت ابی قتادہ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | وہ کہتے ہیں |
| قَالَ رَجُلٌ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ | اَرَاَيْتَ |
| ایک آدمی نے کہا | اے اللہ کے رسول ﷺ! | کیا خیال ہے آپ ﷺ کا |
| اِنْ قُتِلْتُ | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | صَابِرًا مُحْتَسِبًا |

| | | |
|---|---|---|
| اگر میں مارا جاؤں | اللہ کی راہ میں (جنگ کرکے) | بہادری میں اور ثواب کی امید کرتے ہوئے |
| مُقْبِلًا | غَيْرَ مُدْبِرٍ | يُكَفِّرُ اللّٰهُ |
| آگے بڑھتے ہوئے | نہ کہ پیچھے ہٹتے ہوئے | (کیا) ختم کردے گا اللہ |
| عَنِّیْ خَطَايَایَ | فَقَالَ | رَسُوْلُ اللّٰهِ |
| (مجھ سے) میرے گناہوں کو | پس فرمایا | اللہ کے رسول |
| صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | نَعَمْ | فَلَمَّا |
| صلی اللہ علیہ وسلم نے | جی ہاں | پس جب |
| اَدْبَرَ | نَادَاهُ | فَقَالَ |
| اس نے پیٹھ پھیری | تو آپ ﷺ نے اسے بلایا | پس آپ ﷺ نے فرمایا |
| نَعَمْ | اِلَّا الدَّيْنَ | كَذٰلِكَ قَالَ |
| جی ہاں (اس طرح شہادت سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں) | مگر قرض (معاف نہیں ہوتا) | اسی طرح کہا ہے |
| جِبْرَئِيْلُ | | |
| جبرئیل علیہ السلام نے | (اللہ کی طرف سے) | (رواہ مسلم) |

**تشریح:** یہ واقعہ بڑی وضاحت کے ساتھ حقوق العباد کی اہمیت بتا رہا ہے۔ کہ شہادت ہر گناہ سے پاک کرنے کے باوجود حقوق العباد میں مؤثر نہیں۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ اللہ پاک صاحب حق کو ہی توفیق دے دیں کہ وہ اپنا حق خود معاف کردے۔

لغات: صَابِرًا: صَبَرَ (ض) صَبْرًا، بہادری، دلیری کرنا۔ مُحْتَسِبًا: ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کام کو کرنا۔ مُقْبِلًا: اَقْبَلَ لَهٗ، متوجہ ہونا، آنا، مُدْبِرًا: اَدْبَرَ عَنْهُ، پشت پھیرنا، دَبَّر وَتَدَبَّرَ الْاَمْرِ، انجام سوچنا۔ قَالَ تَعَالٰی كَاَنَّهَا جَانٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا. يُكَفِّرُ اللّٰهُ: لَهُ الذَّنْبَ، گناہ کا معاف کرنا۔ اَلدَّيْنَ: قرض، جمع دیون، ادین قَالَ تَعَالٰی تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْدَيْنٌ۔

(( ............❁❁❁............ ))

## ۲۹۔کامیاب زندگی کے رہنما اصول

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَذَكَرَالْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اَوْصِنِیْ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِكْرٌ لَّكَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَّكَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مُطَّرِدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَّكَ عَلٰی اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهٗ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِيَحْجِزَكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِكَ ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| اور حضرت ابوذر | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا |
| دَخَلْتُ | عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ |
| کہ میں حاضر ہوا | اللہ کے رسول | ﷺ کے پاس (اس کے بعد) |
| فَذَكَرَالْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ | اِلٰی اَنْ | قَالَ |
| ایک لمبی حدیث ذکر کی | یہاں تک کہ | انہوں نے کہا (کہ) |
| قُلْتُ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ |
| میں نے (سوال کرتے ہوئے حضور سے) کہا | اے اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم |
| اَوْصِنِیْ | قَالَ | اُوْصِيْكَ |
| مجھے وصیت فرمائیے | تو آپ ﷺ نے فرمایا | میں وصیت کرتا ہوں تجھے |

| | | |
|---|---|---|
| بِتَقْوَى اللّٰهِ | فَإِنَّهٗ | اَزْيَنُ |
| اللہ سے ڈرنے کی | پس بے شک وہ (اللہ سے ڈرنا) | خوبصورت کرے گا |
| لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ | قُلْتُ | زِدْنِيْ |
| تیرے ہر عمل کو | میں نے کہا | میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے |
| قَالَ | عَلَيْكَ | بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ |
| آپ نے فرمایا | لازم ہے تجھ پر | قرآن پاک کا پڑھنا |
| وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ | فَإِنَّهٗ | ذِكْرٌ لَّكَ |
| اور اللہ کو یاد کرنا | پس بے شک یہ (عمل) | تیری یاد کا ذریعہ ہوگا |
| فِي السَّمَاءِ | وَنُوْرٌ لَّكَ فِي الْاَرْضِ | قُلْتُ |
| آسمانوں میں | اور تیرے لیے روشنی کا (ذریعہ) ہوگا زمین میں | (پھر) میں نے عرض کیا |
| زِدْنِيْ | قَالَ | عَلَيْكَ |
| میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے | آپؐ نے فرمایا | لازم ہے تیرے اوپر |
| بِطُوْلِ الصَّمْتِ | فَإِنَّهٗ | مُطْرِدَةٌ لِلشَّيْطَانِ |
| لمبی خاموشی | پس بے شک یہ (عمل) | شیطان کو بھگانے والا |
| وَعَوْنٌ | لَّكَ | عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ |
| اور مددگار ہوگا | تیرے لیے | تیرے دین کے معاملات میں |
| قُلْتُ | زِدْنِيْ | قَالَ |
| میں نے عرض کیا | میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے | تو آپؐ نے فرمایا |

| | | |
|---|---|---|
| اِیَّاکَ | وَکَثْرَةَ الضِّحْکِ | فَاِنَّهٗ |
| بچ تو | زیادہ ہنسنے سے | پس بے شک یہ (عمل) |
| یُمِیْتُ | الْقَلْبَ | وَیَذْهَبُ |
| ماردیتا ہے | دل کو | اور لے جاتا ہے |
| بِنُوْرِ الْوَجْهِ | قُلْتُ | زِدْنِیْ |
| چہرے کے نور کو | میں نے عرض کیا | میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمائیے |
| قَالَ | قُلِ الْحَقَّ | وَاِنْ |
| تو آپ نے فرمایا | سچ بات کہو | اگرچہ |
| کَانَ مُرًّا | قُلْتُ | زِدْنِیْ |
| کڑوی ہو | میں نے عرض کیا | میرے لیے اور زیادہ (وصیت فرمائیے) |
| قَالَ | لَا تَخَفْ | فِی اللّٰهِ |
| آپؐ نے فرمایا | نہ ڈر | اللہ کے بارے میں |
| لَوْمَةَ لَائِمٍ | قُلْتُ | زِدْنِیْ |
| کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے | میں نے عرض کیا | میرے لیے اور زیادہ (وصیت فرمائیے) |
| قَالَ | لِيَحْجُزْكَ | عَنِ النَّاسِ |
| تو آپؐ نے فرمایا | چاہیے کہ روکے رکھے تجھے | لوگوں سے |
| مَا تَعْلَمُ | مِنْ نَفْسِكَ | |
| جو تو جانتا ہے | اپنے (عیبوں کے) بارے میں | (مشکوٰۃ) |

تشریح: مذکورہ حدیث میں صحابی رسولؐ نے آپ سے بہت اچھے سوالات کیے ہیں جو ہمارے لیے بھی پوری زندگی کے رہنما اصول ہیں۔

(۱)۔تقویٰ: خوفِ خدا سے ہر نیکی آسان، ہر برائی مشکل ہوجاتی ہے۔

(۲)۔ ذِکْرُ اللّٰهِ: ہر وقت اللہ کی یاد۔اگرچہ ذکر کے ضمن میں

(۳)۔تلاوَتِ قُرآن: بھی آ گئی ہے۔تاہم خاص طور پر اس کا ذکر علیحدہ کر دیا گیا۔کیونکہ یہ سب سے بڑا ذکر ہے۔

(۴)۔طُول الصَّمَتِ: خاموشی وہ نعمت ہے جس سے بندے کو اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر اور اپنے گناہوں کو یاد کرنے کی دولت ملتی ہے۔

(۵)۔اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِّحْكِ: زیادہ ہنسنا بڑی بیماری ہے جس سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔اور فکر آخرت سے غفلت ہوجاتی ہے۔

(۶)۔اپنے عیوب پر نظر رکھنے سے استغفار کی توفیق ملتی رہتی ہے جو بہت سی کامیابیوں اور عنایاتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

لغات:اَوْصِنِيْ: اَوْصٰى ،وصیت کرنا،اَوْصٰى اِلَيْهِ وصیت کرنے والا مقرر کرنا۔اَلصَّمْتُ: صَمَتَ (ن) صُمْتًا وَصَمَاتًا ،خاموش رہنا۔مُطْرِدَةٌ: طَرَدَ (ن) طَرْدًا، ہٹانا،دورکرنا۔قَالَ تَعَالٰى مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ. عَوْنٌ:مدد کرنا، مددگار، خادم جمع اَعْوَانٌ.لَوْمَةَ: لَامَ(ن) لَوْمًا ، ملامت کرنا لَائِم ملامت کرنے والا۔لِيَحْجز بَحَجَزَ(ن.ض) حِجْزًا منع کرنا،حَجزَ عَلَيْهِ الْمَالَ، مال کوروک لینا۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۳۰۔غیبت کی تعریف اور ایک اشکال کا جواب

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاالْغِيْبَةُ ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ

فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ.

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ | رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ | اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ |
| اور (حضرت) ابو ہریرۃ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | کہ رسول اللہ ﷺ نے |
| قَالَ | اَتَدْرُوْنَ | مَا الْغِيْبَةُ ؟ |
| فرمایا | کیا تم جانتے ہو | کہ غیبت کیا ہے؟ |
| قَالُوْا | اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ | اَعْلَمُ |
| (صحابہؓ) نے کہا | اللہ اور اس کے رسولؐ ہی | زیادہ جانتے ہیں |
| قَالَ | ذِكْرُكَ | اَخَاكَ |
| تو آپ نے فرمایا (غیبت ہے) | یادکرنا تیرا | اپنے بھائی کو |
| بِمَا | يَكْرَهُ | قِيْلَ |
| ایسے (الفاظ) کے ساتھ | جو وہ ناپسند سمجھے | کہا گیا (اے اللہ کے رسول) |
| اَفَرَاَيْتَ | اِنْ كَانَ | فِیْ اَخِیْ |
| کیا خیال ہے آپ کا | اگر ہو وہ (ناپسند عمل) | میرے بھائی میں |
| مَا اَقُوْلُ | قَالَ | اِنْ كَانَ |
| جو میں کہہ رہا ہوں؟ | تو آپؐ نے فرمایا | اگر تو ہو وہ (عیب) |
| فِيْهِ | مَا تَقُوْلُ | فَقَدِ |
| اس میں | جو تو کہتا ہے | پس تحقیق |
| اغْتَبْتَهٗ | وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ | فِيْهِ |
| تو نے اس کی غیبت کی | اور اگر نہ ہو وہ | اس میں |
| مَا تَقُوْلُ | فَقَدْ | بَهَتَّهٗ |
| جو تو کہتا ہے | پس تحقیق | تو نے اس پر بہتان باندھا |

(رواہ مسلم)

تشریح: چند فوائد جو حدیث پاک سے معلوم ہوئے۔

(۱)۔ غیبت کی تعریف یہ کہ کسی بھی انسان کے متعلق کوئی بھی ایسا لفظ اس کی پیٹھ پیچھے بولا جائے، جو اسے ناپسند ہو۔

(۲)۔ اگر وہ نقص اس میں نہ ہوتو پھر وہ بہتان ہو جائے گا۔

ایک تیسرا ناپسندیدہ بلکہ حرام عمل جو عام طور پر غیبت کی قباحت سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے وہ ہے کسی کے سامنے اس کی برائی کرنا۔

یہ گذشتہ دونوں گناہوں سے بھی خطرناک ہے۔ کیونکہ اس طرح کسی کے سامنے اس کی برائی کرنا صاف دل شکنی ہے۔ اور ایذاء مسلم ہے۔ جو کہ حرام ہے۔

| |
|---|
| لغات: اَتَدْرُوْنَ: دَرٰی (ض) دِرَایَةً بمعنی جاننا۔ اَلْغِیْبَةُ اِغْتَابَةً، اِغْتِبَابًا، غیبت کرنا۔ بَهَتَّهٗ: بَهَتَّ (ف) بَهْتًا وَبُهْتَانًا تہمت لگانا۔ قَالَ تعَالٰی هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ۔ |

(( ............۞۞۞............ ))

## ۳۱۔ صرف خود نیک ہونا کافی نہیں

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا قَالَ یَا رَبِّ اِنَّ فِیْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِكَ طَرْفَةَ عَیْنٍ قَالَ اِقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ جَابِرٍ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| اور حضرت جابر | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا |
| قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ | اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ | اِلٰی جِبْرَئِیْلَ |
| کہ اللہ کے رسول نے بیان کیا کہ | اللہ نے حکم دیا | جبرائیل علیہ السلام کو |
| اَنِ | اقْلِبْ | مَدِیْنَةَ |
| یہ کہ | الٹ دے | ایک شہر کو |

| | | |
|---|---|---|
| كَذَا | وَكَذَا | بِاَهْلِهَا |
| اس طرح | اور اس طرح | اس میں بسنے والوں کے سمیت |
| قَالَ | يَا رَبِّ | اِنَّ |
| پس (جبرئیل) نے عرض کیا | اے میرے پروردگار | بے شک |
| فِيْهِمْ | عَبْدَكَ فُلَانًا | لَمْ يَعْصِكَ |
| ان (بستی والوں) میں | آپ کا ایک فلاں بندہ ہے | اس نے آپ کی نافرمانی نہیں کی |
| طَرْفَةَ عَيْنٍ | قَالَ | اِقْلِبْهَا |
| آنکھ جھپکنے کے برابر (بھی) | تو (اللہ نے) فرمایا | الٹ دے اس بستی کو |
| عَلَيْهِ | وَعَلَيْهِمْ | فَاِنَّ |
| اس (بندے) کے اوپر | اور ان لوگوں پر | پس بے شک |
| وَجْهَهٗ | لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ | سَاعَةً قَطُّ |
| اس کا چہرہ | نہیں بدلا میرے متعلق | ایک گھڑی بھی |

(رواه البيهقى)

**تشریح:** بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو صرف اپنی عبادت پر اکتفاء کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ حدیث بالا میں ایسے ہی ایک عبادت گذار کا حشر بتایا گیا ہے جس کے دل میں ایک لمحہ بھر بھی مخلوقِ خدا کی اپنے رب سے دوری اور فسق وفجور میں مبتلا ہونے کا ذرا غم نہیں ہوا۔ اور اپنی نجات کے لیے بہت سی عبادت کرتا رہا۔

لغات: اَوْحٰی: ایحاءُ اللّٰهِ اِلَيْه، وحی بھیجنا، اِلٰی فُلَانٍ، اشارہ کرنا، چپکے سے بات کہنا۔ اَقْلِبْ: قَلَبَ (ض) قَلْبًا الشَّیءَ، پب ینًا (س) الٹے ہونٹوں والا۔ يَعْصِكَ: عَصٰی، يَعْصِیْ (ض) عَصْيًا نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا صفت عاص۔ قَالَ تَعَالٰی لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ. طَرْفَةً: آنکھ کا جھپکنا طرفة ملیح بات کرنا۔ لَمْ يَتَمَعَّرْ: وجہ، چہرہ کا رنگ متغیر ہونا، مَعِرَ (س) مِعْرا الشِّعْرِ، بال گر جانا۔

## ۳۲۔زہدِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نَامَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ جَسَدِہٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ | رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ | اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ |
| حضرت ابن مسعود | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | کہ بے شک اللہ کے رسول |
| صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | نَامَ | عَلٰی حَصِیْرٍ |
| صلی اللہ علیہ وسلم | سوئے (ہوئے تھے) | ایک چٹائی پر |
| فَقَامَ | وَقَدْ | اَثَّرَ |
| پس آپ (سوکر) کھڑے ہوئے | اور تحقیق (چٹائی کے) | نشانات تھے |
| فِیْ جَسَدِہٖ | فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ | یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ |
| آپ ﷺ کے جسم پر | پس ابن مسعودؓ نے کہا | اے اللہ کے رسول ﷺ |
| لَوْ | اَمَرْتَنَا | اَنْ نَبْسُطَ |
| اگر | آپ ہمیں حکم کریں | یہ کہ (نرم بستر) بچھادیا کریں ہم |
| لَکَ | وَنَعْمَلَ | فَقَالَ |
| آپ کے لیے | اور (اس کا انتظام) ہم کریں | تو آپؐ نے فرمایا |
| مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا | وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا | اِلَّا کَرَاکِبٍ |
| کیا کام ہے مجھے دنیا سے | اور نہیں ہے میرا اور دنیا کا (تعلق) | مگر اس سوار کی طرح |
| اِسْتَظَلَّ | تَحْتَ شَجَرَۃٍ | ثُمَّ |
| جو سایہ حاصل کرے | ایک درخت کے نیچے | پھر |

| | | |
|---|---|---|
| رَاحَ | وَتَرَكَهَا | |
| شام کے وقت چلا جائے | اور اسے چھوڑ دے | (رواه الترمذی و ابن ماجه) |

لغات: حَصِيْرٌ: چٹائی، بوریا جمع حُصُرَاء حَصْرَةٌ آتی ہے۔ اَثَّرَ: فیه اثر کرنا۔ اِسْتَظَلَّ: سایہ حاصل کرنا، ظَلَّ (س) ظِلَالَةً: سایہ والا ہونا۔ رَاحَ: (ن) رَوَاحًا شام کے وقت جانا یا مطلق جانا، رَوْحَةً۔ ایک شام۔

(( ............❀❀❀............ ))

## ۳۴۳۔ غلاموں اور ماتحتوں پر ظلم کا انجام

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ اَللّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْكَ عَلَیْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِّوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا اِنَّكَ لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ (قَالَ) لَمَسَّتْكَ النَّارُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت ابومسعود | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | وہ کہتے ہیں |
| كُنْتُ اَضْرِبُ | غُلَامًا لِّیْ | فَسَمِعْتُ |
| میں مار رہا تھا | اپنے غلام کو | تو میں نے سنی |
| مِنْ خَلْفِیْ | صَوْتًا | اِعْلَمْ |
| اپنے پیچھے سے | ایک آواز (کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا) | خوب جان لو |
| اَبَا مَسْعُوْدٍ | اَللّٰهُ اَقْدَرُ | عَلَیْكَ |
| اے ابومسعودؓ! | اللہ زیادہ طاقت رکھتا ہے | تجھ پر |
| مِنْكَ | عَلَیْهِ | فَالْتَفَتُّ |
| جتنی تو رکھتا ہے | اس (غلام) پر | پس میں پیچھے متوجہ ہوا |
| فَاِذَا | هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ |

| | | |
|---|---|---|
| تو اچانک (میں نے دیکھا) | وہ اللہ کے رسول | صلی اللہ علیہ وسلم ہیں |
| فَقُلْتُ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ | هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ |
| پس میں نے کہا | اے اللہ کے رسول (میرا یہ غلام) | اللہ کے لیے آزاد ہے |
| فَقَالَ | اَمَا | اِنَّكَ لَوْلَمْ تَفْعَلْ |
| پس آپؐ نے فرمایا | یادرکھو! | اگر تو اسے آزاد نہ کرتا |
| لَلَفَحَتْكَ | النَّارُ | اَوْ |
| تو جھلسا دیتی تجھے | جہنم کی آگ | یا |
| (قَالَ) | لَمَسَّتْكَ النَّارُ | |
| (آپ نے فرمایا) | لگ جاتی تجھے جہنم کی آگ | (رواہ مسلم) |

لغات: اَقْدَرُ: بہت قدرت رکھنے والا، قدر (ن-ض-س) قَدْرًا، و قُدْرًا۔

(( ..........۞۞۞.......... ))

## ۳۴۔ ہر نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ ہے

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِاجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا | قَالَ |
| حضرت ابن عباس | رضی اللہ عنہما سے روایت ہے | انہوں نے کہا |
| كُنْتُ | خَلْفَ | رَسُوْلِ اللّٰهِ |
| کہ میں (سواری پر) | پیچھے تھا | اللہ کے رسول |

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دن پس آپ نے فرمایا
يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ
اے لڑکے اللہ (کے حکموں) کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا
اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ
اللہ کو یاد کر پائے گا تو اسے ہر مشکل میں اپنے سامنے
وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ
اور جب تو مانگے اللہ ہی سے مانگ اور جب تو مدد چاہے
فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ
تو اللہ سے مدد لے اور خوب جان لے کہ بے شک ساری مخلوق
لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ
اگر جمع ہو جائے اس (بات) پر کہ وہ تجھے کچھ نفع پہنچائیں
لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ
نہیں نفع پہنچا سکتے وہ تجھے مگر وہ جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا
وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ
اور اگر جمع ہو جائیں وہ اس پر کہ وہ تجھے نقصان پہنچائیں کچھ
لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
نہیں نقصان پہنچا سکتے وہ تجھے مگر وہ جو تحقیق اللہ نے لکھ دیا ہے تیرے اوپر
رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ
قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے (رواہ احمد والترمذی)

لغات: تُجَاهَكَ: بمعنی سامنے، مقابل عرب کہتے ہیں۔ اَلْاَقْلَامُ: جمع القلم کی، قلم کا اطلاق نب بنانے کے بعد ہوتا ہے، نب بننے سے پہلے اس کو قَصْبَةٌ اور مَرَاعَةٌ کہتے ہیں۔ جُفَّتِ: جَفَّ (ض) جَفَافًا، جُفُوْفًا خشک ہونا۔ اَلصُّحُفِ: جمع ہے اَلصَّحِيْفَة کی، اس کی دوسری جمع الصحائف بھی آتی ہے لکھا ہوا کاغذ، قَالَ تَعَالٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى. يَا غُلَامُ: غلام کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک حقیقی معنی ہیں۔ یعنی غلام، دوسرا چھوٹے بچے کو بھی کہتے ہیں۔ مراد یہاں پر معنی ثانی ہے۔

## ۳۵۔ سُرخ چڑیا اور چیونٹیوں کی بستی

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمْرَةً مَّعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمْرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا رُدُّوْا! وَلَدَهَا اِلَيْهَا وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ | بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ | عَنْ اَبِيْهِ |
| اور عبد الرحمٰن | بن عبد اللہؓ | اپنے باپ سے |
| قَالَ | كُنَّا | مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ |
| (روایت کرتے ہیں) | کہ تھے ہم | اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ |
| فِيْ سَفَرٍ | فَانْطَلَقَ | لِحَاجَتِهٖ |
| ایک سفر میں | پس آپؐ تشریف لے گئے | اپنی ضرورت کے لیے |
| فَرَاَيْنَا | حُمْرَةً | مَّعَهَا |
| پس (آپ کے بعد) دیکھا ہم نے | ایک سرخ چڑیا کو | اس کے ساتھ |
| فَرْخَانِ | فَاَخَذْنَا | فَرْخَيْهَا |
| دو بچے تھے | پس ہم نے پکڑا | چڑیا کے دونوں بچوں کو |
| فَجَاءَتِ | الْحُمْرَةُ | فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ |
| پس آئی وہ | چڑیا | اور اپنے پر پھیلانے شروع کیے |
| فَجَاءَ النَّبِيُّ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | فَقَالَ |
| پس (اس دوران) نبی کریم | صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے | پس آپ ﷺ نے فرمایا |

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ فَجَعَ | هٰذِهٖ | بِوَلَدِهَا |
| کس نے تکلیف پہنچائی ہے | اس (چڑیا) کو؟ | اس کے بچوں کی وجہ سے |
| رُدُّوْا ! | وَلَدَهَا | اِلَيْهَا |
| لوٹادو! | اس کے بچے | اس کی طرف |
| وَرَاٰى | قَرْيَةَ نَمْلٍ | قَدْ حَرَّقْنَاهَا |
| اور دیکھا آپؐ نے | چیونٹیوں کی ایک بستی کو | جسے ہم نے جلا دیا تھا |
| قَالَ | مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ ؟ | فَقُلْنَا |
| آپ نے فرمایا | کس نے جلایا ہے انہیں؟ | پس ہم نے کہا |
| نَحْنُ | قَالَ | اِنَّهٗ |
| ہم نے (جلایا ہے) | آپ نے فرمایا | بے شک بات یہ |
| لَا يَنْبَغِىْ | اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ | اِلَّا رَبُّ النَّارِ |
| مناسب نہیں ہے | تکلیف دے (کوئی) آگ کے ساتھ | مگر آگ والا (اللہ) |

تشریح: یہ فرمان مبارک ہے اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جن وانس سے لے کر جانوروں تک کے حقوق لے کر مبعوث ہوئے۔

عرب جانوروں کو ناجائز تکلیف دیتے تھے اس مبارک فرمان نے مسلمانوں نے جانوروں کے خیال رکھنے کو ضروری سمجھا۔

لغات: حُمْرَةٌ: ایک سرخ رنگ کی چڑیا کا نام ہے جمع حُمَرٌ آتی ہے۔ فَرْخَانِ: تثنیہ ہے فَرْخٌ کا بمعنی پرندہ کا بچہ اس کی جمع فراخ اور افراخ افرختہ اور فروخ آتی ہے۔ تَفْرُشُ: فَرَشَ وَافْرَشَ فُلَانًا بِسَاطًاء، کسی کے لیے بچھونا بچھانا۔ فَجَعَ: (ف) فَجْعًا، مصیبت زدہ بنانا، رنج پہنچانا۔

## صرفی تحقیق

اَنْطَلَقَ (واحد مذکر غائب) باب انفعال۔ ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل

فَرَأَیْتَا (جمع متکلم،مضارع) باب فتح یفتح۔ ثلاثی مجرد۔
فَرْخَانِ تثنیہ ہے(واحد فَرْخٌ) رُدُّوْا (جمع مذکر حاضر) باب نصر ینصر (ثلاثی مجرد)

(( ............✿✿✿............ ))

## ۳۶۔فضیلت علم،ایک دلچسپ واقعہ

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَرَّ بِمَجْلِسَیْنِ فِیْ مَسْجِدِہٖ فَقَالَ کِلَاھُمَا عَلٰی خَیْرٍ وَاَحَدُھُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِہٖ اَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَدْعُوْنَ اللّٰہَ وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاھُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَھُمْ وَاَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْہَ اَوْ (قَالَ) الْعِلْمَ وَیُعَلِّمُوْنَ الْجَاھِلَ فَھُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِیْھِمْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو | رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ | اَنَّ |
| حضرت عبداللہ بن عمرو | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | بے شک |
| رَسُوْلَ اللّٰہِ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | مَرَّ |
| اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم | گزرے |
| بِمَجْلِسَیْنِ | فِیْ مَسْجِدِہٖ | فَقَالَ |
| دومجلسوں کے پاس سے | اپنی مسجد میں | پس آپ ﷺ نے فرمایا |
| کِلَاھُمَا | عَلٰی خَیْرٍ | وَاَحَدُھُمَا |
| دونوں مجلسیں | بھلائی پر ہیں | اوران میں سے ایک |
| اَفْضَلُ | مِنْ صَاحِبِہٖ | اَمَّا ھٰؤُلَاءِ |
| زیادہ بہتر ہے | دوسری سے | بہرحال یہ لوگ (یہ ایک ذکر کرنے والا گروہ) |

| | | |
|---|---|---|
| فَیَدْعُوْنَ اللّٰہَ | وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ | فَاِنْ |
| تو اللہ کو پکار رہے ہیں | اور اس کی طرف رغبت کر رہے ہیں | پس اگر |
| شَاءَ | اَعْطَاھُمْ | وَاِنْ شَاءَ |
| چاہے اللہ | تو انہیں دے دے | اور اگر چاہے |
| مَنَعَھُمْ | وَاَمَّا | ھٰؤُلَاءِ |
| تو نہ دے | اور بہرحال | یہ لوگ |
| فَیَتَعَلَّمُوْنَ | الْفِقْہَ | اَوْ |
| وہ علم حاصل کر رہے تھے | دین کی سمجھ کا | یا |
| (قَالَ) | العِلْمَ | وَیُعَلِّمُوْنَ الْجَاھِلَ |
| (آپ ﷺ نے فرمایا) | کہ وہ علم (حاصل کر رہے تھے) | وہ سکھا رہے تھے بے علم کو |
| فَھُمْ | اَفْضَلُ | وَاِنَّمَا |
| پس وہ ان (پہلی مجلس والوں) سے | زیادہ بہتر ہیں | اور بلاشبہ |
| بُعِثْتُ | مُعَلِّمًا | ثُمَّ |
| میں بھیجا گیا ہوں | استاد بنا کر | پھر |
| جَلَسَ | فِیْھِمْ | |
| آپ ﷺ بیٹھ گئے | انہی (دوسری مجلس والوں) میں | |

**تشریح:** اس مبارک فرمان میں آپ ﷺ نے اپنے عمل اور اپنے قول سے عالم کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلاشبہ علمِ دین کا حصول اور اس کی اشاعت کرنے والا ہزاروں عابدوں سے بہتر ہے۔

لغات: مَجْلِسَیْنِ: تثنیہ ہے مجلس کی بمعنی بیٹھنے کی جگہ، کچہری۔ بُعِثْتُ: (ف) بعثا بمعنی بھیجنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا ۔

(( ............⚙⚙⚙............ ))

## ۳۷۔ ماتحتوں کو سزا دیتے وقت میزانِ قیامت نہ بھولئے

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ جَآءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِیْ وَيَخُوْنُنِیْ وَيَعْصُوْنَنِیْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَّا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَّكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلَ فَتَنَحَّی الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِیْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اَمَا تَقْرَاُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰی بِنَا حٰسِبِيْنَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا اَجِدُ لِیْ وَهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ ۔

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ عَائِشَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا | قَالَتْ |
| اور حضرت عائشہ | رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ | انہوں نے کہا |
| جَآءَ | رَجُلٌ | فَقَعَدَ |
| کہ آیا | ایک آدمی | پس وہ بیٹھ گیا |
| بَيْنَ يَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ | صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | فَقَالَ |
| اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے | پس کہا اس نے |

| | | |
|---|---|---|
| یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ | اِنَّ | لِیْ |
| اے اللہ کے رسول! | بے شک | میرے |
| مَمْلُوْکِیْنَ | یُکَذِّبُوْنَنِیْ | وَیَخُوْنُنِیْ |
| غلام ہیں | وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں | اور مجھ سے خیانت کرتے ہیں |
| وَیَعْصُوْنَنِیْ | وَاَشْتِمُهُمْ | وَاَضْرِبُهُمْ |
| اور میری نافرمانی کرتے ہیں | اور سزا میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں | اور میں ان کو مارتا ہوں |
| فَکَیْفَ | اَنَا | مِنْهُمْ |
| پس کیسے (ہوں آخرت کو) | میں | ان کے متعلق |
| فَقَالَ | رَسُوْلُ اللّٰہِ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ |
| پس فرمایا | اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم نے |
| اِذَا | کَانَ | یَوْمَ الْقِیٰمَةِ |
| جب | ہوگا | قیامت کا دن |
| یُحْسَبُ | مَا | خَانُوْکَ |
| تو حساب لیا جائے گا | جو | تجھ سے انہوں نے خیانت کی |
| وَعَصَوْکَ | وَکَذَّبُوْکَ | وَعِقَابُکَ اِیَّاهُمْ |
| اور جو تیری نافرمانی کی (ہوگی) | اور تجھ سے جو جھوٹ بولے | اور (جو) سزا دی ہوگی تو نے ان کو |
| فَاِنْ کَانَ | عِقَابُکَ اِیَّاهُمْ | بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ |
| پس اگر ہوگا | تیرا سزا دینا ان کو | ان کے گناہوں کے برابر |
| کَانَ کَفَافًا | لَّا لَکَ | وَلَا عَلَیْکَ |
| ہوگی (معاملات میں) برابری | نہ فائدہ ہوگا تیرے لیے | اور نہ نقصان ہوگا تجھے |
| وَاِنْ کَانَ | عِقَابُکَ اِیَّاهُمْ | دُوْنَ ذُنُوْبِهِمْ |
| اور اگر ہوگا | تیرا سزا دینا ان کو | ان کے گناہوں سے کم |

| | | |
|---|---|---|
| كَانَ | فَضْلًا لَّكَ | وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ |
| ہوگی | فضیلت تیرے لیے | اور اگر ہوگا تیرا سزا دینا ان کو |
| فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ | اُقْتُصَّ | لَهُمْ |
| ان کے گناہوں سے زیادہ | تو بدلہ لیا جائے گا | ان کے لیے |
| مِنْكَ الْفَضْلَ | فَتَنَحّٰى الرَّجُلُ | وَجَعَلَ |
| تجھ سے زیادتی کا | پھر وہ آدمی دور چلا گیا | اور شروع ہو گیا وہ |
| يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ | فَقَالَ لَهٗ | رَسُوْلُ اللّٰهِ |
| چیخنا اور رونا | پس فرمایا اس سے | اللہ کے پیغمبر |
| صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ | اَمَا تَقْرَاُ | قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى |
| صلی اللہ علیہ وسلم نے | کیا نہیں پڑھا تم نے | اللہ کا کلام |
| وَنَضَعُ | الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ | لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ |
| اور ہم رکھیں گے | انصاف کا ترازو | قیامت کے دن |
| فَلَا تُظْلَمُ | نَفْسٌ شَيْئًا | وَاِنْ كَانَ |
| پس نہیں ظلم ہوگا | کسی جان پر کچھ بھی | اگر چہ ہوگی |
| مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ | اَتَيْنَا | بِهَا |
| ایک رائی کے دانہ کے برابر نیکی | ہم آئیں گے | اس کے ساتھ |
| وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ | فَقَالَ الرَّجُلُ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ |
| اور کافی ہیں ہم حساب کے لیے | پھر اس آدمی نے کہا | اے اللہ کے رسول ﷺ |
| مَا اَجِدُ | لِيْ وَهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا | مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ |
| نہیں پاتا ہوں میں | اپنے اور ان کے لیے کوئی بھلائی | ان کی جدائی کے (سوا) |
| اُشْهِدُكَ | اَنَّهُمْ | كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ |
| میں آپ کو گواہ بناتا ہوں | بے شک وہ | سارے کے سارے آزاد ہیں |

تشریح: اس ارشاد پاک کے ذریعہ ملازمین اور غلاموں کے حقوق اور آقا کی ذمہ داریوں اور احتیاط کو وضاحت سے بتایا گیا ہے۔کہ ہر ایک حساب کے دن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے معاملات مخلوق خدا سے صاف رکھے۔

لغات: مَمْلُوْكِيْنَ: بمعنی غلام، جمع مَمَالِيْكُ ۔يَخُوْنُوْنَنِيْ: خَانَ (ن) خونا و خيانة و مخانة، امانت میں خیانت کرنا۔يَعْصُوْنَنِيْ عصٰی (ض) عِصْيًا و مَعْصِيَةً، نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا۔اَشْتِمُهُمْ: شَتَمَ (ن۔ض) شَتْمًا، گالی دینا۔كَفَافًا: حاجت کے مطابق گزرنے کے لائق ہونا۔ اُقْتُصَّ: مِنْ فُلَان، قصاص لینا، روایت نقل کرنا۔ فَتَنَحّٰي: تَنَحّٰا، زائل ہونا جھکنا، کنارے ہو جانا۔يَهْتِفُ: هَتَفَ (ض) هَتْفًا و هتافا، چلا کر بلانا، آواز کرنا۔اَلْمَوَازِيْنَ: جمع میزان کی ہے بمعنی ترازو، وَزَنَ (ض) وزنا، وزنة وزن کرنا، تولنا۔اَلْقِسْطَ: عدل، انصاف۔مِثْقَالَ: وزن، مقدار، جمع مثاقیل۔ خَرْدَلٍ: واحد خَرْدَلَةٌ آتی ہے بمعنی رائی۔

(( ............۞۞۞............ ))

## ۳۸۔ ہر کام سنتِ نبوی ﷺ کے تابع ہونا چاہیے

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخِرُ اَمَا اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخِرُ اَمَا اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخِرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِم فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ

وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنْ اَنَسٍ | رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ | قَالَ |
| اور (حضرت) انس | رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے | انہوں نے کہا |
| جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ | | اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ |
| آئے تین آدمی | | نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس |
| یَسْاَلُوْنَ | عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ | عَلَیْہِ وَسَلَّمْ |
| پوچھنے لگے وہ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم | کی بندگی کے بارے میں |
| فَلَمَّا اُخْبِرُوْا | بِهَا | كَاَنَّهُمْ |
| پس جب انہیں خبر دی گئی | اس (عبادت) کے بارے میں | گویا انہوں نے |
| تَقَالُّوْهَا | فَقَالُوْا | اَیْنَ نَحْنُ |
| اسے کم خیال کیا | پھر انہوں نے کہا | کہاں ہیں ہم؟ |
| مِنَ النَّبِیِّ | صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ | وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ |
| نبی | صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر | اور تحقیق بخش دیئے اللہ نے |
| مَا تَقَدَّمَ | مِنْ ذَنْبِہٖ | وَمَا تَاَخَّرَ |
| جو اگلے ہو چکے | ان کے گناہ | اور جو پچھلے ہوں گے |
| فَقَالَ | اَحَدُهُمْ | اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا |
| پھر کہا | ان میں سے ایک نے | بہر حال میں نماز پڑھوں گا ساری رات |
| وَقَالَ الْاٰخِرُ | اَمَا اَنَا اَصُوْمُ | النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ |
| اور کہا (ان میں سے) دوسرے نے | بہر حال میں روزہ رکھوں گا | سارا دن ہمیشہ اور نہیں چھوڑوں گا |
| وَقَالَ الْاٰخِرُ | اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ | فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا |
| اور کہا (ان میں سے) تیسرے نے | میں چھوڑ دوں گا عورتوں کو | پھر نہیں نکاح کروں گا کبھی بھی |

فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِم
پھر (اس دوران) آ گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف
فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا
پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم ہو وہ جنہوں نے کہا ایسے اور ایسے
اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّی لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاکُمْ
قسم ہے خدا کی بے شک میں (تمہاری بنسبت) زیادہ ڈرنے والا ہوں اللہ سے اور زیادہ پرہیز گار ہوں تم سے
لَهٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ
اس (اللہ کی خوشی) کے لیے لیکن میں روزہ (بھی) رکھتا ہوں
وَاُفْطِرَ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ
اور کبھی چھوڑ بھی دیتا ہوں اور (کبھی راتوں کو) نماز پڑھتا ہوں اور (کبھی) سو (بھی) جاتا ہوں
وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ
اور میں نکاح (بھی) کرتا ہوں عورتوں سے پس جو منہ موڑے میری سنت سے
فَلَیْسَ مِنِّیْ
پس نہیں ہے وہ مجھ سے

تشریح: حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تلازم میں یہ فرمان پاک نہایت اہم ہے۔ اس واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمال کا ذکر فرما کر رہبانیت اور آج کل کے جاہل صوفیوں کے باطل خیالات کی تردید کی ہے۔ کہ عبادت وہ ہے جو سنت سے ثابت ہو۔

لغات: رَهْطٌ: آدمی کی قوم اور قبیلہ میں تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو اس لفظ کا کوئی واحد نہیں ہے۔ تَقَالُوْهَا: تَقَالُ الشَّیْءِ، کم سمجھنا، قَلَّ (ض) قَلًّا وقِلًّا قِلَّةً، کم ہونا۔ اِعْتِزَالُ عَنْهُ، الگ ہونا، جدا ہونا، لَاَخْشَاكُمْ: بہت ڈرنے والا، خَشِیَ (س) خَشْيَةً، ڈرنا۔ اَتْقَاكُمْ اَتْقٰی، بہت بچنے والا، وَقٰی (ض) وِقَايَةً، بچانا، حفاظت کرنا۔ اَرْقُدُ: رَقَدَ (ن) رَقْدًا، رُقُوْدًا، رِقَادًا سونا، مَرْقَدٌ، سونے کی جگہ، رَغِبَ: رَغِبَ (س) رَغْبَةً عَنْهُ، اعراض کرنا۔

(( ............✿✿✿............ ))

## ۳۹۔ امام الانبیاء ﷺ کی اثر انگیز وصیتیں

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .

++++++++++

| | | |
|---|---|---|
| وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ | رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ |
| حضرت عرباض بن ساریہ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | کہتے ہیں |
| صَلّٰى بِنَا | رَسُوْلُ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ |
| کہ ہمیں نماز پڑھائی | اللہ کے پیغمبر | صلی اللہ علیہ وسلم نے |

| | | |
|---|---|---|
| ذَاتَ يَوْمٍ | ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا | بِوَجْهِهٖ |
| ایک دن | پھر متوجہ ہوئے ہماری طرف | اپنے چہرے کے ساتھ |
| فَوَعَظَنَا | مَوْعِظَةً | ذَرَفَتْ |
| پھر ہمیں نصیحت کی | ایسی واضح نصیحت | کہ بہہ پڑیں |
| مِنْهَا الْعُيُوْنُ | وَوَجِلَتْ | مِنْهَا الْقُلُوْبُ |
| اس سے (ہماری) آنکھیں | اور خوف زدہ ہو گئے | اس سے دل |
| فَقَالَ رَجُلٌ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ | صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ |
| پھر ایک آدمی نے کہا | اے اللہ کے رسول! | صلی اللہ علیہ وسلم |
| كَأَنَّ هٰذِهٖ | مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ | فَاَوْصِنَا |
| گویا یہ | الوداعی نصیحت ہے | پس ہمیں وصیت فرمائیے |
| فَقَالَ | اُوْصِيْكُمْ | بِتَقْوَى |
| پھر آپ ﷺ نے فرمایا | میں وصیت کرتا ہوں تمہیں | ڈرنے کی |
| اللّٰهِ | وَالسَّمْعِ | وَالطَّاعَةِ |
| اللہ سے | اور سننے کی | اور (امیر کی بات) ماننے کی |
| وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا | فَاِنَّهٗ | مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ |
| اگر چہ ہو وہ (امیر) حبشی غلام | بات یہ ہے کہ | جو زندہ رہے گا تم میں سے میرے بعد |
| فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا | فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ | وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ |
| پس دیکھے گا وہ (آپس میں) زیادہ اختلاف | لازم ہے تم پر میری سنت | اور خلفاء راشدینؓ جو ہدایت والے ہیں ان کی سنت |
| تَمَسَّكُوْا | بِهَا | وَعَضُّوْا |
| پکڑ لو مضبوط | (ان کی) سنت کو | اور دبا لو |
| عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ | وَاِيَّاكُمْ | وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ |

اسے دانتوں کے ساتھ اور بچو تم نئے نئے کاموں سے

فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

پس بے شک ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

تشریح: اس حدیث شریف میں چند امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ا۔ تقویٰ: یہ پورے دین کی بنیاد ہے

۲۔ اطاعتِ امیر: دینی اور دنیاوی امور میں امیر کی اطاعت کامیابی کا ذریعہ ہے۔ استاد کی فرمانبرداری پر امیر کی اطاعت کا ثواب ملتا ہے۔

۳۔ فتنوں کے زمانے میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کے لیے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ہے۔

۴۔ ہر بدعت خواہ حسنہ ہو یا سیئہ بہر حال گمراہی ہے۔

لغات: ذَرَفَتْ: (ض) ذَرْفًا، ذَرِيْفًا الدَّمْعَ، بہنا۔ وَجِلَ: (س) وَجَلًا بمعنی ڈرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ. مُوْدِعٍ: اسم فاعل وَدَّعَ تَوْدِيْعًا، رخصت کرنا۔ تَمَسَّكُوْا: مضبوطی سے پکڑنا۔ عَضُّوا: (س) عَضًّا، دانت سے پکڑنا، دانت سے کاٹنا۔ اَلنَّوَاجِذُ: جمع ہے نَاجِذٌ کی بمعنی داڑھ، نَجَذَ (ض) نَجْذًا ڈاڑھوں سے کاٹنا۔ مُحْدَثَاتٌ: جمع ہے مُحْدَثَةٌ کی بمعنی نئی بات حَدَثَ (ن) حُدُوْثًا، نو پیدا ہونا۔

(( ............ ❀❀❀ ............ ))

## ۴۰۔ اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق اللہ پر

وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ إِلَّا مُؤَخَّرَةَ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ

اَنَّ لَّا یُعَذِّبَ مَنْ لَّا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَیَتَّكِلُوْا .

++++++++++

وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں

كُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ عَلٰی حِمَارٍ

کہ میں بیٹھا تھا (نبی کی سواری) کے پیچھے صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر کہ

لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ اِلَّا مُؤَخَّرَةَ الرَّحْلِ فَقَالَ

نہیں تھی میرے اور ان کے درمیان مگر ایک کجاوے کی لکڑی پس آپ ﷺ نے فرمایا

یَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ

اے معاذ کیا تو جانتا ہے اللہ کے حقوق بندوں پر کیا ہیں اور بندوں کے حقوق اللہ پر کیا ہیں؟

قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ

میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا

فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ

پس بے شک اللہ کے حقوق بندوں پر

اَنْ یَّعْبُدُوْهُ وَلَا یُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا

یہ ہیں کہ بندگی کریں اس کی اور نہ شریک کریں کسی کو اس کے ساتھ

وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ اَنَّ لَّا یُعَذِّبَ

اور بندوں کے حقوق اللہ پر (یہ ہیں) کہ نہ عذاب دے

مَنْ لَّا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا قُلْتُ

جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے میں نے کہا

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهٖ

اے اللہ کے رسول کیا میں نہ خوش خبری دوں اس کی

| | | |
|---|---|---|
| النَّاسَ | قَالَ | لَا تُبَشِّرْهُمْ |
| لوگوں کو | آپ ﷺ نے فرمایا | نہ خوش خبری دو تم انہیں |
| فَيَتَّكِلُوْا | | |

وہ اسی پر بھروسہ کرلیں گے (اور اعمال سے غافل ہو جائیں گے)

تشریح: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انداز بیان ظاہر کررہا ہے کہ آپ ﷺ کے قرب میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔

۱۔ اور انہیں یہ حدیث بہت ہی قریب سے سننے کا شرف حاصل ہے۔ اس حدیث سے یہ اسباق ملے۔

۲۔ شرک بڑی روحانی بیماری ہے۔ اس سے بچنا ہم پر لازم ہے۔

۳۔ توحید کے اقرار اور صرف اللہ کی بندگی پر نجات ہو سکتی ہے۔

لغات: رِدْفٌ: پیچھے سوار ہونے والا۔ مُؤَخَّرَةٌ: الرحل، کجاوہ کا پچھلا حصہ۔ لَا یُشْرِكُوْا: اَشْرَكَهٗ فِیْ اَمْرِهٖ، کام میں شریک ہونا۔ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ شریک ٹھہرانا، شرک کرنا۔ اُبَشِّرُ: بَشَّرَهٗ، خوش کرنا، خوش خبری دینا۔ قَالَ تَعَالٰی فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاقَ. فَيَتَّكِلُوْا: اِتَّكَلَ عَلَى اللّٰهِ، بھروسہ کرنا، مطیع و فرمانبردار ہونا۔ اِتَّكَلَ فِیْ اَمْرِهٖ عَلٰی فُلَانٍ، اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا، وَكَلَ (ض) وَكْلًا، سپرد کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

(( ............۞۞۞............ ))

آج بروز اتوار ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ کو بعد نماز عشاء اس خدمت سے فراغت ملی۔ بارگاہِ خداوندی کے دربار میں قبولیت کی دست بستہ درخواست ہے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

والسلام محمد اسلم زاہد

کتاب "زادالطالبین" سے متعلق

# وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے دس سالہ سوالات

ملاحظہ: اختصار کی غرض سے سوالات میں تکرار ختم کیا گیا ہے۔

## الورقة الثانية فی الحديث ١٤٢٤ھ

السوال الاول (الف) ...... من حسن اسلام المرء ترکه مالا يعنيه. ان السعيد لمن جنب الفتن. ولا ورع كالكف. المؤمن مرآة المؤمن والمؤمن أخو المؤمن يكف عنه ضيعته و يحوطه من ورائه.

(۱) احادیث مذکورہ کا ترجمہ مطلب کے ساتھ تحریر کیجئے (۲) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تشریح کیجئے۔

(ب) الكيس من دان نفسه، وعمل لما بعد الموت. والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله. الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. ان الدين بدأ غريبا وسيعود كما بدأ فطوبى للغرباء، وهم الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي.

(۱) (احادیث کا ترجمہ اور مطلب واضح کر کے لکھئے (۲) اور خط کشیدہ کلمات کے معانی بتائیے۔

السوال الثاني (الف) ...... وقال النبي صلى الله عليه وسلم: يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ: قال: بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفنّ في قلوبكم الوهن. قال قائل: يارسول الله، ماالوهن؟ قال حبّ الدنيا وكراهية الموت:

(حدیث بالا کا ترجمہ کر کے مطلب بیان کریں (۲) اور خط کشیدہ کلمات کے صیغے تحریر کریں۔

(ب) ...... وقال النبي صلى الله عليه وسلم: صنفان من اهل النار لم ارهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كاسنمة البخت المائلة، لايدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا.

(۱) حدیث پر اعراب لگائیں۔ (۲) حدیث شریف کا ترجمہ کر کے واضح تشریح کیجئے۔

## الورقة فی الحديث (ضمنی ١٤٢٤ھ)

السوال الاول (الف) الوحدة خير من جليس السوء، والجليس الصالح خير من الوحدة، واملاء الخير خير من السكوت، والسكوت خير من املاء الشر، اول من يدعى الى الجنة يوم القيمة الذين يحمدون الله في السراء والضراء.

احادیث مذکورہ پر اعراب لگا کر ترجمہ اور مطلب بیان کریں؟

...... (ب) انک لست بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوى، ان الله لا ينظر الى

صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم.

اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجیے اور یہ بتائیے کہ "احمر اور اسود" سے کیا مراد ہے؟

....السؤال الثانی (الف)

السفر قطعة من العذاب یمنع احدکم نومه وطعامه وشرابه فاذا قضٰی احدکم نهمتة من وجهه فلیعجل الی اهله.

حدیث کا ترجمہ اور مطلب بیان کیجئے؟

(ب)قال النبی ﷺ وهو سید الصادقین لایزال من امتی امة قائمة بامر الله لایضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یاتی امر الله وهم علی ذلک.

حدیث کا با محاورہ ترجمہ کر کے امرُ اللّٰہ (اول) اور امرُ اللّٰہ (دوم) کی مراد واضح کیجیے؟

## الورقة الثانیة فی الحدیث ١٤٢٣ھ

... السوال الاول (الف) الاثم ماحاک فی صدرک وکرهت ان یطلع علیه الناس' حبک الشی یعمی ویصم' من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه' لاصرورة فی الاسلام' ان من القول عیالا.

(١) احادیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح کیجئے (٢) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کیجیے۔

.(ب)لاتظهر الشماتة لاخیک فیرحمه الله ویبتلیک' لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی' لیس منامن ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة.

(١) احادیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح ذکر کریں (٢) خط کشیدہ الفاظ کے معانی لکھیں۔

... السوال الثانی (الف) قال النبی صلی الله علیه وسلم لیاتین علی الناس زمان لایبقی احد الااکل الربوا فان لم یاکله اصابه من بخاره ' وقال النبی صلی الله علیه وسلم یتقارب الزمان ویقبض العلم وتظهر الفتن ویلقی الشح ویکثر الهرج قالوا وماالهرج قال القتل.

(١) احادیث پر اعراب لگا کر معنیٰ خیز ترجمہ کیجیے؟ خط کشیدہ عبارات کا مطلب واضح کیجئے۔

ملاحظہ: اس سوال کا (جز ب) ١٤١٩ھ کے سوال ثانی (جز ب) کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔

## الورقة الثانیة فی الحدیث ١٤٢٢ھ

السوال الاول (الف) نوٹ: یہ سوال ١٤٢٤ھ (السوال الثانی جز ب میں) جو گزر چکا۔

..... ب . عن ابی قتادةؓ انه کان یحدث ان رسول الله ﷺ مرعلیه بجنازة فقال مستریح اومستراح منه فقالوا یارسول الله ﷺ ماالمستریح والمستراح منه فقال العبد المؤمن یستریح من نصب الدنیا واذاها الیٰ رحمة الله والعبد الفاجر یستریح منه العباد والبلاد والشجر والدواب. ترجمہ اور مطلب، تلخیص اور پوری حدیث پر اعراب لگائیں۔

السوال الثانی (الف) (١) درج ذیل حدیث پر اعراب لگائیں (٢) اور سلیس ترجمہ (٣) اور تشریح لکھیں۔

عن ام سلمةؓ انها کانت عندرسول الله ﷺ ومیمونةؓ اذاقبل ابن ام مکتومؓ فدخل علیه فقال

رسول اللہ ﷺ احتجبامنه فقلت یارسول اللہ الیس ھو اعمیٰ لایبصرنا فقال رسول اللہ ﷺ افعمیاو ان انتما الستما تبصرانه .

(ب) ذیل کی حدیث میں خط کشیدہ الفاظ کی صرفی تحقیق کریں اور حدیث کا ترجمہ اور مطلب لکھیں؟

عن عبدالرحمن بن عبداللہ عن ابیہٖ قال کنامع رسول اللہ ﷺ فی سفر فانطلق لحاجته فرأینا حمرة معھا فرخان فاخذنا فرخیھا فجاء ت الحمره فجعلت تفرش فجاء النبی ﷺ فقال من فجع ھذه بولدھا ردوا ولدھا الیھاورایٰ قریة نمل قدحرقناھا فقال من حرق ھذه فقلنا نحن قال انه لاینبغی ان یعذب بالنار رالارب النار.

## الورقة الثانية فی الحديث ١٤٢١ھ

السوال الاول (الف) القرآن حجة لک اوعلیک'رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد'لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق'ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال.

(۱) احادیث مبارکہ پر اعراب لگا کر ترجمہ وتشریح کیجیے (۲) آخری حدیث کی نحوی ترکیب کیجیے۔

(ب) مطل الغنی ظلم'السکوت خیر من املاء الشر'لاحسب کحسن الخلق'انزلو الناس منازلھم'لاتنزع الرحمة الامن شقی'ان السعید لمن جنب الفتن.

(۱) احادیث مذکورہ پر اعراب لگا کر سلیس ترجمہ کریں (۲) احادیث کی مختصر تشریح ذکر کریں (۳) آخری حدیث کی ترکیب کریں؟

السوال الثانی (الف) المؤمن غرّ کریم والفاجر خبّ لئیم ' الجرس مزامیر الشیطان'ان المستشار مؤتمن 'ان الولد مبخلة ومجبنة ان لکل شئ شرة ولکل شرة فترة .

(۱) احادیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ اور تشریح کریں (۲) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق ذکر کریں؟

نوٹ: اس سوال کا جزء ب ۱۴۲۳ھ کے سوال ثانی کے جزء الف کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

## الورقة الثانية فی الحديث ١٤٢٠ھ

السوال الاول (الف)لاخیر فیمن لایالف ولایولف'الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه ھواھا وتمنی علی اللہ، لاحلیم الاذوعثرة' ولاورع کالکف.

ترجمہ' مطلب' اور ترکیب لکھیں؟ پوری عبارت پر اعراب لگائیں۔

(ب)لاتتخذوا شیئا فیه الروح غرضا'لاتظھر الشماتة لاخیک فیرحمه اللہ ویبتلیک، لیس المومن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش البذی'من عزی ثکلی کسی بردافی الجنة

ترجمہ' مطلب اور ترکیب لکھیں' پوری عبارت پر اعراب لگائیں۔

السوال الثانی (الف) ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العبادولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذالم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا.

ترجمہ اور مطلب لکھیں اور پوری حدیث پر اعراب لگائیں۔

ملاحظہ: اس سوال کا (جزء ب) ۱۴۲۲ھ کے سوال اوّل کے (جزء ب) کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے۔

## الورقة الثانية فی الحدیث ۱٤۱۹ھ

...... السوال الاول (الف) ان یسیر الریاء شرک، ان المستشا مؤتمن، ان السعید لمن جنب الفتن، ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال،

(۱) احادیث مذکورہ کا سلیس ترجمہ (۲) مختصر تشریح مطلوب ہے (۳) نیز خط کشیدہ الفاظ پر اعراب لگائیں۔

ب جز کے لیے ۱۴۱۷ھ کا (جزء ب) ملاحظہ فرمائیں۔

...... السوال الثانی (الف) قال النبی ﷺ انه سیکون فی اخر هذه الامة قوم لهم مثل أجر أولهم یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکرو یقاتلون أهل الفتن، وقال النبی ﷺ لیاتین علی الناس زمان لاینفع فیه الاالدنیارو الد رهم.

حدیث کا ترجمہ وتشریح کر کے بتائیں کہ حدیث بالا میں مال کی تعریف کیوں کی گئی جبکہ دیگر احادیث میں کثرت سے مال کی مذمت مذکور ہے۔

...... (ب) عن عبدالله بن عمروؓ قال رجعنا مع رسول الله ﷺ من مکة الی المدینة حتی اذا کنا بماء فی الطریق تعجل قوم عندالعصر فتوضاوا وهم عجال فانتهینا الیهم واعقابهم تلوح فقال رسول الله ﷺ ویل للاعقاب من النار أسبغوا الوضوء .

(۱) حدیث کا ترجمہ وتشریح کریں (۲) صرف عقب کے لیے عذاب کا ذکر کیوں ہے (۳) اسباغ وضو سے کیا مراد ہے؟ (۴) نیز خط کشیدہ الفاظ کے ابواب ذکر کریں۔ (۵) حدیث پر اعراب لگائیں۔

## الورقة الثانية فی الحدیث ۱٤۱۸ھ

...... السوال الاول (الف) المجالس بالأمانة، الحیاء شعبة من الایمان، القرآن حجة لک اوعلیک، الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة، مطل الغنی ظلم، من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه ،

(۱) مندرجہ بالا احادیث کا سلیس ترجمہ کریں (۲) مختصر تشریح لکھیں (۳) خط کشیدہ الفاظ کی ترکیب لکھیں۔

...... (ب) لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ، لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین ، لاتسبوا لأموات فانهم قد أفضوا الی ماقدموا ، لاتجلس بین رجلین الا باذنهما، من تواضع لله رفعه الله،

احادیث مندرجہ بالا کا ترجمہ لکھیں اور مختصر تشریح بھی کریں۔

...... السوال الثانی (الف) قال النبی ﷺ یذهب الصالحون الأول فالأول وتبقی حفالة کحفالة الشعیر أوالتمرلایبالیهم الله بالة،قال النبی ﷺ : لاتقوم الساعة حتی یکون أسعد

الناس لکع ابن لکع'

احادیث کا سلیس ترجمہ اور مختصر تشریح کریں کہ مطلب واضح ہو جائے۔

...... (ب)عن عائشة رضی الله عنها أنهم ذبحوا شاة فقال النبی ﷺ مابقی منها؟قالت: مابقی منها الا كتفها 'قال' بقی كلها غير كتفها' عن جابرؓ قال اتیت النبی ﷺ فی دین كان علی ابی فدققت الباب' فقال من ذا؟فقلت: أنا فقال أنا أنا كأنه كرهها.

مندرجہ بالا احادیث کا سلیس ترجمہ مختصر تشریح کے ساتھ لکھیں۔

## الورقة الثانية فی الحديث ١٤١٧ھ

ملاحظہ: اس سوال کا (جزء الف) ۱۴۲۱ھ کے سوال اول کے (جزء الف) کے عنوان کے تحت لکھا جا چکا ہے۔

...... السوال الاول (ب)

ليؤذن لكم خياركم 'لأتاذنوا لمن لم يبدأ بالسلام'لاتنتفوا الشيب فانه نورا لمسلم 'ازهد فی الدنيا يحبک الله وازهد فيما عندالناس يحبک الناس

احادیث مذکورہ کا سلیس ترجمہ کر کے خط کشیدہ الفاظ پر اعراب لگائیں۔

ملاحظہ: سوال ثانی کے (جزء الف) کے لیے ۱۴۲۰ھ کا سوال ثانی (جزء الف) دیکھ لیں۔

(ب)وقال النبی ﷺ خير الناس قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يجيیء قوم تسبق شهادة احدهم يمينه ويمينه شهادته

(۱) حدیث بالا کا مطلب خیز ترجمہ کیجیے (۲) خط کشیدہ عبارت کا مطلب واضح کیجیے۔

## الورقة الثانية فی الحديث ١٤١٦ھ

...... السوال الاول(الف) ان الصدقة لتطفئی غضب الرب وتدفع ميتة السوء'ان اولی الناس بالله من بدأ بالسلام' كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع

(۱) احادیث بالا کا ترجمہ کرنے کے بعد (۲) مقصد واضح کیجیے (۳) خط کشیدہ الفاظ کے صیغے بتائیے۔

(ب)نعم الرجل الفقيه فی الدين ان احتيج اليه نفع وان استغنی عنه اغنی نفسه، بئس العبد المحتكر ان ارخص الله الاسعار حزن وان اغلاها فرح.

(۱) مذکورہ احادیث کا مطلب خیز ترجمہ کیجیے؟ (۲) اعراب لگا کر (۳) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق کیجیے۔

...... السوال الثانی (الف) من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتاذی مما يتأذی منه الانس

(۱) حدیث مبارکہ پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے (۲) ''الشجرة المنتنة '' سے کیا مراد ہے؟

اس سوال کا (جزء ب) ۱۴۱۷ھ کے سوال ثانی (جزء ب) کے ذیل میں لکھا جا چکا ہے۔

☆☆......✿✿✿......☆☆

# حدیثِ دردِ دل

(مجلہ "المآثر" اور ماہنامہ ضیاء الاسلام (والاسلام) کے اداریوں کا مجموعہ)

مؤلف
مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ، یوپی

مرتب
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر
مکتبہ ضیاء الکتب
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
Pin : 276121, Mobile : 9235327676

# حدیثِ دردِ دل

(مجلّہ ''المآثر'' اور ماہنامہ ضیاء الاسلام (والا اسلام) کے اداریوں کا مجموعہ)

مولف

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

(صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ، یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب

مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

پن کوڈ: 276121 (موبائل: 9235327576)

# تفصیلات


نام کتاب............ حدیث درد دل (اداریوں کا مجموعہ)

مولف ............ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

مرتب ............ ضیاء الحق خیرآبادی

باہتمام ............ // // //

صفحات ............ 584

قیمت ............ 300/روپئے

سنہ طباعت............ مارچ ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فہرست مضامین

| فہـــــرست | صفحہ نمبر |
|---|---|
| صدائے دل (از: مرتب) | ۸ |
| تقریب (از: مولف) | ۱۳ |

## مجلّہ ''الماٰثر'' مئو کے اداریئے

## ماہنامہ ’’الاسلام وضیاء الاسلام‘‘ کے اداریئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# صدائے دل

’’میری عین خواہش اور دعا یہی رہی ہے کہ تم لوگ سچے طالب علم بن کر حصول علم میں کوشاں رہو، علم صرف ذہانت وذکاوت ہی سے نہیں ملتا ممکن ہے دنیا کا علم اسی طرح حاصل ہوتا ہو لیکن جس کو میں علم کہتا ہوں اس کا حساب وکتاب اور ہے، یہ ضرور ہے کہ ذہانت ممد ومعاون ہے، اس سے راہِ علم میں سلوک کی سہولت ہوتی ہے، تاہم اس کی حیثیت اَساسی اور بنیادی نہیں ہے، دین کا علم زیادہ تر خلوص نیت، عزم وعمل اور مسلسل محنت وکاوش سے حاصل ہوتا ہے، ہم نے بہت سے ذہین دیکھے ہیں جو درمیان میں گر پڑ کے ختم ہوگئے، وہ نہ تو اپنے علم سے خود فائدہ اٹھا سکے، اور نہ ہی دوسروں کو کچھ دے سکے، اور بہت سے غبی، کند ذہن جن کو حصول علم کے زمانہ میں اساتذہ کے نزدیک بالکل وقعت حاصل نہ تھی، وہ اپنے اپنے دور کے شمس العلماء بنے۔

آج ضرورت بہت زیادہ ذہین علماء کی نہیں، ایسوں کی ضرورت ہے جن کے پاس علم کے ساتھ فراست ایمانی بھی ہو، اور یہ فراست حاصل ہوگی تصحیح نیت سے۔ میرے عزیزو! مجھے اس وقت سخت تکلیف ہوتی ہے جب میں سنتا ہوں کہ عربی پڑھنے والا طالب علم کسی سرکاری ملازمت کے لئے جدوجہد کررہا ہے، یا وہاں چلا گیا ہے، میرے نزدیک یہ چیز غلط نہیں ہے، بلکہ میں اس کو محمود سمجھوں اگر یہ اس نیت سے کیا جائے کہ سرکاری اداروں میں ہمیں دین کی خدمت کے جو مواقع میسر ہوں گے ان سے دریغ نہ کریں گے، بلکہ سچے دین کی سچی خدمت میں مصروفِ کار رہیں گے۔ پھر یہی کام ذخیرۂ آخرت بن جائے گا مگر تم جاننے والوں کے احوال کو پرکھو، جانچو، دیکھو کتنوں کی نیت یہ رہتی ہے اور کتنے اس قسم کا اقدام کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان ذی علم کے سامنے حصولِ زر کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے، کیا وہ اسی لئے علم دین حاصل کررہا ہے کہ اس کے عوض میں معمولی متاع دنیا خریدے گا، اگر یہی ہے تو پھر اس میں اور علمائے یہود میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے، جن کی مذمت قرآن میں تم پڑھ چکے ہو۔ اِشتروا بآیات اللہ ثمناً قلیلاً

درحقیقت یہ اس دور کا ایک بڑا المیہ ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں زمانے کی باگ ڈور ہونی چاہئے تھی وہ مذہب کی قبا تار تار کرکے اس کی دھجیاں فروخت کررہے ہیں۔ فوا أسفاہ دل جلتا ہے، طبیعت سلگتی ہے لیکن کون جانے دل کا حال!

میرے عزیزو! یہ سچ ہے کہ معاش کا بحران انسان کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار رہا ہے، ہر شخص پیٹ کا نعرہ لگا رہا ہے، معاشرہ حصولِ معاش کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان اس طرح پس رہا ہے کہ اس کو اپنے دین وایمان کا ہوش ہی باقی نہ رہا، یہ مسئلہ اگر صرف ان تک محدود ہوتا جو خدا کی لامحدود قوت پر ایمان نہیں رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ ہوتا کہ ان کا دستورفطرت یہی ہے، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس آتش سوزاں میں وہ لوگ بھی دھڑ ادھڑ اپنا خرمن ایمان ویقین پھینک پھینک کر جلا رہے ہیں جن کو خدا کی عظیم قوتوں پر بھروسہ کا دعویٰ ہے۔ اس مصیبت کو کس سے کہوں کہ گھر کا سرمایہ لٹ رہا ہے، تجوریوں پر ڈاکہ پڑ رہا ہے، جائیداد برباد ہو رہی ہے اور ہم برتنوں، سوئی دھاگوں کی حفاظت کی فکر کر رہے ہیں، یہ کس درجہ غم واندوہ کی بات ہے، یہ تو یقین ہے کہ جو اللہ طوفان کے ہیجان خیز تھپیڑوں میں سے ایک شیر خوار بچے کو نکال لے جانے والا ہے وہ اپنے ملت ومذہب کو بچالے گا، مگر سوچو ہمارا تمہارا کیا حشر ہوگا، کس کو ہم منہ دکھاسکیں گے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حصول علم سے نیت وعزم محض خدمت دین ہونی چاہئے یقین کا سرمایہ ساتھ رکھو، حطامِ دنیا تو جوتیوں میں آکر پڑا رہے گا، تم لوگ جس علاقے کے رہنے والے ہو جہاں تک میرا اندازہ ہے اس میں خالص مجاہد قسم کے علماء کی حاجت ہے اور تم لوگ ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہو، اس لئے ہر قسم کی دنیاوی آلائش سے پاک ہوکر تحصیل علم کی ضرورت ہے، میری بڑی تمنا یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کو دین پر قربان ہوتا ہوا دیکھوں، اس سلسلے میں ہر طرح کی مدد وتعاون کے لئے تیار ہوں، انشاء اللہ آخر دم تک تم لوگ مجھے اپنا رفیق پاؤ گے۔

عزیزانِ من! کیا بتاؤں امیدوں کے سہارا آج کے نوجوان طلباء ہی ہیں، لیکن جگر کٹ کر ٹکڑے ہو جاتا ہے جب ان کا رُخ دین مصطفیٰ سے پھرا ہوا دیکھتا ہوں، امید ہے کہ تم لوگ میرے درد کو سمجھو گے۔'' (حدیث دوستاں ص:۲۴۴)

ہر انسان کا عموماً اور ہر مسلمان کا خصوصاً فرضِ اولین ہے کہ وہ اپنے مالک ومعبود اور خالق ومربی کی رضا اور خوشنودی کے لئے کوشاں رہے، عشاق اپنے محبوب کے لئے جان کی بازی لگا دینا آسان سمجھتے ہیں، خدا کی رضا کے لئے اگر جان کی بازی لگائی جائے تو عین مناسب ہے کہ ہر مسلمان نے کلمۂ توحید پڑھ کر خدا سے عہد وفا باندھا ہے کہ خدایا! ہم آپ کی اطاعت کریں گے، اور طالب علم نے تو مدرسہ میں داخل ہوکر اور وراثت نبوی کو حاصل کرنے کی نیت کر کے اس عہد وپیمان کی تجدید کی ہے، اسے تو ہر وقت اپنا یہ عہد وپیمان مستحضر رکھنا چاہئے، اس کی کوتاہی عجب نہیں کہ نا قابل معافی جرم بن جائے، ہر وقت دیکھ

بھال رکھنی ضروری ہے، ہمارے مورثِ اعلیٰ سید الموجودات سرور کائنات فخر بنی آدم سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ فداہ ابی وامی وروحی وقلبی علیہ الف الف تحیۃ وصلوۃ ہیں، آپ ہمارے روحانی باپ ہیں، جن کا ترکہ حاصل کرنا ہے، پھر

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو     پھر پسر قابل میراثِ پدر کیونکر ہو

اگر ان سے ہماری نسبت اور ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا تو یقیناً ہم ترکہ پانے سے محروم رہیں گے۔ دیکھو وارث اور مورث کے دین میں تباین ہو، یا وارث نے مورث کو قتل کر دیا ہو تو وہ اپنے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے، بس یوں ہی سمجھ لو کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کا دین اور طریقہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی کا حصول ہے، اگر ہم نے اپنا مذہب نافرمانی بنالیا یا کم از کم فرمانبرداری کی لگن سے ہم خالی ہو گئے تو طریقہ بدل گیا، یا اگر ہم نے آپ کی سنتوں اور طریقوں کو ترک کرنا اپنا دستور بنالیا یا کم از کم ان کا اہتمام باقی نہیں رکھا تو ہم............معاذ اللہ سو بار اللہ کی پناہ! أعاذنا اللہ منہ وسائر المسلمین ..........آپ کی لائی ہوئی شریعت کے قاتل ثابت ہوں گے، سوچو کیسی محرومی کی بات ہے، کیا اس کے بعد بھی آپ کا ترکہ ہمیں ملے گا۔

دیکھو یہ سطریں لکھتے ہوئے میرا دل کانپ گیا، بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا گئیں، کیا ہم نے اپنے آپ کو اس سطح پر اتار لیا ہے، جہاں ہم کو اس طرح خطاب کیا جائے؟ اللہ سے توفیق مانگو، استعاذہ کرو، اللّٰھم نسألک علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلاً ونعوذبک من علمٍ لا ینفع وقلبٍ لایخشع ومن دعوۃٍ لا یستجاب لھا (اے اللہ! ہم آپ سے سوال کرتے ہیں علم نافع کا، رزق پاکیزہ کا، عمل مقبول کا اور ہم آپ کی پناہ میں آتے ہیں ایسے علم سے جو نافع نہ ہو، ایسے قلب سے جو خشوع سے خالی ہو، اور ایسی دعا سے جو قبولیت سے محروم ہو) (حدیث دوستاں ص: ۳۰۷)

اخلاص وللٰہیت اور درد وسوز میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات وحروف آپ نے ملاحظہ فرمالئے! یہ اس استاذ ومربی کی صدائے دردِ دل ہے، جو اپنے تلامذہ ومتعلقین کے بارے میں چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے مخلص بندے، رسول کے سچے امتی، شریعت الٰہی کے علمبردار اور دین متین کے صحیح حامل وپاسدار بنیں، اسی کے لئے اس نے اپنی زندگی تج دی، اسی محنت وکوشش میں وہ جوانی سے کہولت اور اب بڑھاپے کی سرحد کی داخل ہو رہا ہے۔ جس کے دل میں یہ تڑپ اور تقاضا ہمہ وقت موج زن رہتا ہے کہ ''اہل ایمان اپنے نفس، اپنی طبیعت اور

اپنے گرد وپیش کے مختلف تقاضوں کو فنا کر کے، ان سے منہ موڑ کر محض اللہ ورسول کی اطاعت ووابستگی کے لئے یکسو ہو جائیں۔ زندگی کا مرکز ومحور صرف وہ ہو جس کی دعوت اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، اس کے خلاف جتنی راہیں ہیں، سب سے قطعی اجتناب کیا جائے۔"

یہ ہیں میرے محسن ومشفق اور باکمال استاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی، جنھوں نے انشا وتحریر، وعظ وتقریر اور درس وتدریس کے ذریعہ اللہ ورسول کے پیغام کو عام کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کردی۔ میں تقریباً ۲۰؍ سال سے مسلسل مولانا کے ساتھ..... سفر وحضر میں..... رہا ہوں، اس لئے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں۔ میں نے ہدایۃ النحو سے جلالین شریف تک تمام کتابیں مولانا ہی سے پڑھی ہیں، میں نے دیکھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیتی پہلو پر بھی مولانا کی نظر بہت زیادہ رہتی تھی، اس انداز سے تربیت فرماتے کہ اللہ ورسول اور شعائر دین کی محبت وعظمت قلب ودماغ میں راسخ ہو جائے، کبھی کبھی اسباق میں کسی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام اور بزرگان دین کا ذکر خیر نکل آتا تو اس وقت آپ کی محویت قابل دید ہوتی، پوری گھنٹی تذکیر وموعظت میں تمام ہو جاتی، اس وقت آپ فرماتے کہ میں تم لوگوں کو دین پڑھا رہا ہوں، چنانچہ شوق علم کے ساتھ عملی پہلو بھی اطمینان بخش تھا، دوسروں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے اس سے بے حد نفع پہونچا، ان کے فیض صحبت سے مزاج میں دینداری، عبادات پر استقامت، اللہ کی ذات پر یقین وتوکل کی کیفیت، اخلاق حسنہ کا حصول، گرچہ ناتمام ہی سہی! یک گونہ حاصل ہو گیا، مولانا کے عمل کو دیکھ کر دنیا کی بے حقیقتی ایک بدیہی چیز بن گئی، ان کے نزدیک دنیا کی کوئی وقعت نہیں تھی، چنانچہ بڑے سے بڑا دنیاوی نقصان ہو جائے یا کوئی کام حسب منشاء نہ ہو سکا تو اس کا کوئی اثر طبیعت پر نہیں دیکھا، فرماتے کہ اللہ کی مرضی یہی تھی، اور دنیا اتنی اہم شے نہیں ہے کہ اس کے لئے دل دماغ کو اتنا مشغول کر دیا جائے کہ انسان اسی کا ہو کر رہ جائے، اس اندازِ تربیت کی وجہ سے تعلیم کا عملی پہلو کبھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔

مولانا کی تحریر وتقریر سے مجھے جو دینی نفع ہوا، اس کی وجہ سے زمانۂ طالب علمی ہی سے میرے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ مولانا کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جو بھی ممکنہ کوشش وکاوش مجھ سے ہوسکے گی اس سے دریغ نہ کروں گا، تاکہ متلاشیانِ حق اس کی روشنی میں بآسانی اپنی منزلوں تک رسائی حاصل کریں، اور اپنے افعال وکردار کو سنت وشریعت کے سانچے ڈھال سکیں۔ اگر اس سے کسی ایک شخص کی دینی زندگی سنور گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت وکاوش ٹھکانے لگ گئی۔ چنانچہ میں نے اسی وقت سے آپ کی ایک ایک تحریر کو حرزِ جاں بنا کر رکھا، اور اپنی تمام چیزوں سے زیادہ اس کی حفاظت کی، اور جب بتوفیق الٰہی اس کی اشاعت کے مواقع میسر آئے تو اب یہ تمام تحریریں شائع ہوکر منظر عام پر آگئیں۔

اب تک تقریباً ۲۵؍ کتابیں اور رسائل منظر عام پر آچکے ہیں، اور اس سلسلے کی یہ آخری کڑی ہے، اب میرے پاس قدیم تحریروں کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں، ایک دو کتابیں زیر تالیف ہیں، جب ان کی تکمیل ہوجائے گی تو وہ منظر عام پر آئیں گی، انشاءاللہ

یہ کتاب مولانا کے ان اداریوں کا انتخاب ہے، جو مجلّہ ''المآثر'' مئو، ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج اور ماہنامہ الاسلام وضیاء الاسلام شیخوپور کے لئے لکھے گئے۔ جو اداریے کسی خاص موضوع پر لکھے گئے تھے وہ کتابی شکل میں پہلے شائع ہوگئے ہیں، جیسے مدارس سے متعلق اداریے ''مدارس اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں'' میں۔ وفیات سے متعلق اداریے ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں۔ اس کے علاوہ بعض اداریے الگ سے رسائل کی صورت میں شائع ہوئے، جیسے ''اہل حق واہل باطل کی شناخت'' ''مالی معاملات کی کمزوریاں'' اور ''فتنوں کی طغیانی'' وغیرہ۔

خدا کرے دیگر تحریروں کی طرح اس کا نفع بھی عام اور تام ہو۔

ضیاءالحق خیرآبادی

۲۴؍ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۱۷؍ فروری ۲۰۱۲ء جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقریب

میں طبعاً مدرّس اور معلّم ہوں، مطالعۂ کتب میرا شوق ہے، طلبہ کو پڑھانا میرا ذوق ہے، اطاعت وسپردگی میری طبیعت ہے، ذکرِ الٰہی میری غذا ہے، فکرِ آخرت میری سوچ ہے۔ طبیعت اسی رنگ میں ڈھلی ہوئی ہے، اس دائرے میں قرطاس وقلم کا کوئی خانہ نہیں ہے، سچ پوچھئے تو تحریر وانشاء سے مجھے مناسبت کم ہے، یا شاید نہیں ہے، نہ لکھوں تو لکھنے کا کوئی تقاضا نہیں ہوتا۔ لکھتا ہوں تو طبیعت میں روانی نہیں ہوتی، بس وہ جذبۂ اطاعت ہے جس کے دباؤ میں کچھ لکھ لیتا ہوں، کوئی وقتی شدید تقاضا ہوا، یا دوستوں اور بزرگوں میں سے کسی کا حکم ہوا، یا کسی اپنے طالب علم کی فرمائش ہوئی، تو قلم کو جنبش ہوتی ہے، لیکن ان تقاضوں، ان احکام اور ان فرمائشوں کے نتیجے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی مقدار اتنی ہوگئی ہے کہ جاننے والوں اور پڑھنے والوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ یہ خاکسار بھی شاید مرتب ومصنف اور انشاء پرداز ہے۔ درحقیقت اس غلط فہمی کا بڑا سبب عزیز محترم مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی سلّمہٗ کی محبت اور کوشش وکاوش ہے، کہ میں اپنی تحریروں کو جہاں تہاں چھوڑ کر بے پروا ہو جاتا تھا، جب سے عزیز موصوف کی رفاقت ہوئی ہے، انھوں نے میرے حرف حرف کو جمع اور محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، اور اس طرح مضامین کی اشاعت وطباعت کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس اشاعت وطباعت کا آغاز مجلّہ ''المآثر'' سے شروع ہوا۔ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب علیہ الرحمہ کی وفات (رمضان ۱۴۱۲ھ) کے بعد ان کی یادگار میں ان کے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا رشید احمد الاعظمی مدظلہ کے حکم سے سہ

ماہی ''المآثر'' کا اجرا ہوا، اور اس کی تحریر کا شعبہ اس خاکسار کے سپرد ہوا۔ ہر تین ماہ پر اس کے لئے مضمون کا شدید تقاضا ہوتا اور میں مجبوراً لکھتا، یہ سلسلہ چلتا رہا۔ میرے دوست مولانا عبد الرب صاحب اعظمی مدظلہ نے اپنے مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج سے ایک ماہانہ رسالہ ''انوار العلوم'' کے نام سے جاری کیا، اس کے لئے بھی اداریہ لکھنے کی ذمہ داری اس خاکسار کے سپرد کی، مگر اس کی عمر کم تھی، سال بھر نکلا اور بند ہوگیا۔ اس کے بند ہونے کے بعد میرے بعض احباب کا تقاضا ہوا، خاص طور سے عزیز موصوف مولانا ضیاء الحق صاحب کا، کہ ''انوار العلوم'' کے طرز پر ایک ماہنامہ نکالنا چاہئے، جس میں عام فہم دینی واصلاحی مضامین ہوں، المآثر کا علمی معیار خاصا بلند ہے، اس سے اہل علم ہی استفادہ کر سکتے ہیں، عامۃ الناس کے ذوق اور فہم کی چیزیں اس میں نہیں ہوتیں، اس لئے انوار العلوم کے معیار کے ایک رسالہ کی اشاعت ہونی چاہئے، اس کے لئے نگاہیں مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور پر جمیں۔ یہاں سے ابتداءً ''الاسلام'' کے نام سے پھر گورنمنٹ کی منظوری کے بعد ''ضیاء الاسلام'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ کا اجرا ہوا، اس رسالہ نے اور اس کے مدیر مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی سلّمہٗ نے تحریر کے ایک گونگے کو قلم کی زبان عطا کی۔ ان رسالوں میں میرے مضامین مسلسل نکلتے رہے، جن کے مجموعوں سے مدیر موصوف نے دسیوں کتابیں بنائیں۔

اب خیال ہوا کہ ان جرائد وصحائف کے اداریوں کو اکٹھا کر دیا جائے، تو اچھا خاصا مجموعہ تیار ہو جائے گا، چنانچہ عزیز موصوف اداریوں کے جمع وتدوین میں لگ گئے، اور اس سلسلے کی اب تک کی تحریروں کو انھوں نے یکجا کر دیا، انھوں نے نظر ثانی کے لئے میرے حوالے کیا۔ میں نے ازسرنو انھیں جب مسلسل پڑھا تو ذہن میں یہ خیال جما کہ یہ مضامین اگرچہ مختلف اوقات میں مختلف تقاضوں اور مختلف پس منظر میں لکھے گئے ہیں، مگر روح سب کی ایک ہے۔ اور وہ ہے، اس بات کی تڑپ کہ اہل ایمان اپنے نفس، اپنی طبیعت اور اپنے گرد وپیش کے مختلف تقاضوں کو فنا کر کے، ان سے منہ موڑ کر محض اللہ ورسول کی اطاعت ووابستگی کے لئے یکسو ہو جائیں۔ زندگی کا مرکز ومحور صرف وہ ہو جس کی دعوت اللہ کے آخری

پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، اس کے خلاف جتنی راہیں ہیں، سب سے قطعی اجتناب کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: **لا یومن أحدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئتُ بہ** ۔ آدمی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوگا جب تک اس کے ارادے اور اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے مطابق نہ ہو جائے۔

ان اداریوں کی دعوت اسی حدیث کی تعمیل ہے، مختلف انداز سے، اسی موضوع پر دل کے تاثرات قلم سے ٹپک ٹپک کر کاغذ کے سینے پر ثبت ہوئے۔ میں سوچتا رہا کہ اس مجموعے کا نام ''حدیث دردِ دل'' ہونا مناسب ہے۔ خدا کرے یہ دردِ دل عام ہو، اور اللہ تعالیٰ اس کے واسطے سے قلوب واحوال میں خواش گوار تبدیلی پیدا فرمائیں۔

اعجاز احمد اعظمی

۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۱۰/فروری ۲۰۱۲ء جمعہ

☆☆☆☆☆

# مجلّہ

# ﴿ الماٰثر مئو ﴾

# کے

# اداریئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مجلّہ المآثر کا

# پہلا اداریہ

**الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔**

اب سے تقریباً ایک صدی قبل غیر منقسم ہندوستان کے ایک چھوٹے سے صنعتی قصبہ مئو کے اُفق پر علم وفضل کا ایک ہلال نمودار ہوا، جو باوجود بے سروسانی اور قصبہ کی علمی تنگ دامانی کے چرخِ کمال پر بڑھتا رہا، چڑھتا رہا، یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں وہ آسمانِ علم کا بدرِ کامل بن کر چمکنے لگا۔ کچھ لوگوں نے اسے پہچانا اور بہت سے لوگ اس کے رتبہ سے واقف نہ ہوسکے، لیکن اس کی عظمت سب کے قلوب پر چھائی رہی، سب کو اس کی دستگاہِ علم کی بلندی کا اعتراف رہا۔ اس نے اپنی زندگی کا تقریباً تمامتر حصہ مئو میں گذارا، مگر اس کی شہرت کا آوازہ عرب وعجم میں گونجا، وہ خود نہایت خاموش تھا، مگر اس کا چرچا شہر در شہر تھا، اس نے خود کو ہمیشہ چھپا اور دبا کر رکھا، مگر خدا نے اسے ظاہر کیا اور ابھارا۔ اُسے متعدد علوم میں مہارتِ تامّہ حاصل تھی، مگر خصوصیت سے علم حدیث اور اس کی ذیلی شاخ فن اسماء الرجال میں اسے جو حذاقت ومہارت حاصل تھی اس کی دورِ حاضر میں نظیر نہ تھی، وہ حدیث رسول کا سچا اور مخلص خادم تھا، اسے رسول کی ذات سے عشق تھا، والہانہ لگاؤ تھا، اس لئے حدیثِ رسول اس کے لئے سرمایۂ زندگی اور آبِ حیات تھی، اس کے دن حدیثی ذخائر کی جستجو میں صرف ہوتے، اور اس کی راتیں ان کے مطالعہ وتحقیق میں بسر ہوتیں۔ اس کا حافظہ زبردست تھا، اس نے آبِ

زمزم پیتے وقت فیضانِ الٰہی سے حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ جیسے علم کی درخواست کی تھی، اس کی ذکاوت بے مثال تھی، اس کی دقّتِ نظر عجیب تھی، اس کا مطالعہ وسیع تھا اور عمیق بھی! ان خصوصیات نے اسے علم و تحقیق بالخصوص علومِ حدیث کی ایک زندہ علامت بنادیا تھا، وہ علماء وفضلاء کا مرجع تھا، تحقیق کی الجھی ہوئی گتھیاں اس کے یہاں سلجھتی تھیں، حدیث وقرآن کی مشکلات کا تشفی بخش حل اس کے پاس تھا۔ علم رجال کے مخفی خزانوں پر اس کی دسترس تھی، فقاہت اس کی طبیعت تھی، وہ سراپا علم تھا۔

یہ بدرِ تاباں! نہیں! آسمانِ فضل وکمال کا آفتابِ درخشاں ۹۳ رسال تک مئو کے افق پر چمکتا رہا، اور دنیائے علم کو روشنی اور حرارت بخشتا رہا، آخر میں اس کا جسم انتہائی نحیف ونزار ہوگیا تھا، قُویٰ جواب دے گئے تھے، بینائی نے نظریں چرالی تھیں، مگر دل ودماغ بالکل تازہ دم اور نشیط تھے، حالت یہ ہے کہ بسترِ علالت پر جسمِ بیمار پڑا ہوا ہے، آنکھیں بند ہیں اور حدیث کے ایک مشہور ذخیرہ ''مُصَنَّف اَبِیْ شَیْبَہ'' کی تحقیق جاری ہے، ایک ایک لفظ پر غور ہورہا ہے، غلطیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے، حواشی املا ہورہے ہیں، اسی دوران خالق کائنات کی طرف سے بلاوا آگیا، کتابِ دنیا بند کردی گئی، آخرت کا دروازہ کھول دیا گیا، زندگی بھر کی کاوش وکوشش کا صلہ ملنے کا وقت آگیا۔ کچھ عرصہ تک یہ آفتاب موت وحیات کی کشمکش میں جھلملاتا رہا، بالآخر ۱۰ ؍رمضان المبارک کی شام کو جب دنیا کو روشنی بخشنے والا آفتاب غروب ہورہا تھا اور رمضان المبارک کا مقدس مہینہ عشرۂ مغفرت میں داخل ہورہا تھا، ٹھیک اسی وقت علم وفضل کا یہ آفتاب دنیا کے افق سے غروب ہوکر حق تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں جاپہونچا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون

یہ عظیم ہستی مئو اور اس کے اطراف میں ''**بڑے مولانا**'' کے نام سے معروف تھی اور علماء وفضلاء اسے ''**محدث جلیل، فاضل اَجل، ابوالمآثر حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی**'' کے نام سے جانتے تھے۔

حضرت محدث اعظمیؒ دنیا سے تشریف لے گئے، وہ اپنی بے لوث خدمات کا صلہ

بارگاہِ خداوندی سے اور اپنی محبت و عشق کی داد و تحسین بارگاہِ رسالت سے پا رہے ہوں گے، محدثین کبار کی ارواحِ مقدسہ نے ان کا استقبال کیا ہوگا، جس طرح ان کے جنازے میں لاکھوں روزہ داروں کا ہجوم تھا، کیا عجب کہ عالم ارواح میں بھی لاکھوں ارواحِ طیبہ اور نفوسِ قدسیہ نے ان کو خوش آمدید کہا ہو۔

جانے والا اس دنیا کو...... رنج و محن سے بھری دنیا کو...... خیر باد کہہ کر چلا گیا، لیکن وہ اپنے بعد والوں کو علم کا بے بہا خزانہ دے گیا۔ حضرت محدث اعظمی کے علمی کارناموں کو بہت سے لوگ شاید تفصیلاً نہ جانتے ہوں گے، کیونکہ وہ خاموش اور بے نیاز طبیعت کے مالک تھے، وہ علم و فضل کی نمائش کے فن سے واقف نہ تھے، وہ نام و نمود اور تمنائے ستائش سے ہمیشہ دور رہے، وہ ابتداء ہی سے فقیرانہ زندگی کے عادی تھے اور اخیر تک اسی حالت پر قائم رہے۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ علم کے کیسے ''جبل عظیم'' کے سامنے موجود ہے، لیکن ان کی تحریرات، ان کے مضامین، ان کی حدیثی تحقیقات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ ہماری صدی کے آدمی نہ ہوں، وہ حافظ شمس الدین ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے دور کے آدمی تھے، ان کے حافظے کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت کو دیکھ کر اگلے محدثین یاد آجاتے ہیں۔ وہ اس دور میں اسلام کی حجتِ بالغہ تھے، ۱۱ر رمضان ۱۴۱۲ھ کو روزہ دار مسلمانوں نے محض ایک شخصیت کو نہیں دفن کیا، بلکہ پوری ایک امت کو دفن کیا، اور علم و تحقیق کے مکمل کتب خانہ کو تہِ خاک چھپایا۔

مولانا کے وصال کے بعد دلوں میں یہ بات بہت شدت کے ساتھ آئی کہ انھوں نے جن علمی ذخائر کو اپنی میراث چھوڑا ہے، ان کی حفاظت کی جائے، ان کی اشاعت کی جائے، کیونکہ ان کی اشاعت عین دین کی اشاعت ہے، ان کا تعارف کرایا جائے، گوکہ آج کی دنیا، دنیاداری کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھتی جارہی ہے، کہ خالص اُخروی چیزوں کی قیمت اس کے آگے گرتی جارہی ہے، دنیا کی چمک دمک نے نگاہوں کو خیرہ کررکھا ہے، آخرت فراموش ہوتی جارہی ہے، لیکن غفلت و خدا فراموشی کے اس سنّاٹے میں آج بھی اللہ کے فضل

سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سینے فکر آخرت سے معمور اور جن کی نگاہیں علمی ذخائر کی جستجو میں مشغول ہیں۔ انھیں شوق ہے کہ قرآن وسنت کا علم انھیں حاصل ہو، ایسے لوگوں کے حق میں ناانصافی ہوگی اگر ان علمی خزانوں کو عام نہ کیا جائے۔

اسی جذبے کے تحت قصد ہوا کہ حضرت محدث کبیر کی وہ علمی یادگاریں، جو اَب دستیاب نہیں ہیں، انھیں جدید اُسلوب کے مطابق تحقیقات وتعلیقات کے ساتھ مزیّن کر کے دوبارہ علم وتحقیق کے قدردانوں کے ہاتھوں میں پہونچایا جائے، چنانچہ یہ کام شروع ہو چکا ہے۔

اسی دوران یہ بھی خیال ہوا کہ ایک علمی ودینی مجلّہ حضرت اقدسؒ کی یادگار میں جاری کیا جائے، جس میں مختلف دینی موضوعات پر تحقیقی مقالات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت کی کتابوں کا تعارف بھی پیش کیا جائے، اور ان کے وہ قدیم مطبوعہ مقالات ومضامین جو اَب کہیں نظر نہیں آتے، یا ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، انھیں بھی منظر عام پر لایا جائے، نیز اکابر اور بزرگوں کے احوال وحکایات کی روشنی عام جائے، تاکہ دلوں سے آخرت فراموشی کی سیاہی دور کی جاسکے۔

غرض ایک ایسا دلآویز اور روح پرور علمی وروحانی مرقع تیار کیا جائے، جو اہل علم وتحقیق کے ذوق بلند کو مزید بلندی بخشے، اور اس کی ضمانت حضرت اعظمی کے علمی نوادرات وتحقیقات ہیں، اور محبت ومعرفت کے شیدائیوں کی آسودگی وسیرابی کا سامان مہیا کرے، نیز مسلمانوں میں صحیح علمی ودینی ذوق بیدار کرے، اور اگر کسی طرف سے مسلک حق اور مذہب اہل حق پر آنچ آنے کا اندیشہ ہو تو اسے دور کرنے اور قلوب کو مطمئن کرنے کا فریضہ بھی انجام دے۔

دلوں میں خیالات آئے، احباب سے مشورے ہوئے، اہل علم نے ہمت افزائی کی، گو علم کے اس کساد بازاری کے دور میں بالخصوص ہمارے ملک میں جہاں اردو پڑھنے والوں ہی کی تعداد کتنی ہے؟ پھر ان میں سے دین اور علم دین سے دلچسپی رکھنے والے کتنی محدود

اور مختصر گنتی میں ہیں؟ نیز یہاں وسائل و ذرائع بھی ناپید ہونے کے درجے میں ہیں، آخر مجلّہ چھاپیں کیسے؟ اور جیسے تیسے چھاپ لیا تو پڑھے گا کون؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو ہمت کو پست کر دیں، پاؤں ڈگمگا دیں، حوصلوں کو توڑ کر رکھ دیں، تاہم بنامِ خدا امید و بیم کے ساتھ اس کام کا آغاز کیا جاتا ہے۔

مجلّہ ''المآثر'' کا پہلا شمارہ ہم ناظرین کے ہاتھوں میں پیش کر کے خدا کے حضور دست بدعا ہیں کہ الٰہ العالمین! دلوں کو سچا خلوص، نگاہوں کو صحیح نظر، دماغوں کو متوازن فکر، ہاتھوں کو محتاط قلم اور پاؤں کو جادۂ استقامت عطا فرمانے والے آپ ہیں۔ ہم کمزوروں اور ناتوانوں نے آپ کی قوت و توانائی کے اعتماد پر قلم کا سفر شروع کر دیا ہے، حقیقی منزل تک پہونچانے والے اور جدوجہد کو قبول کرنے والے آپ ہیں، آپ سے امیدوار ہیں، اور آپ سے امید رکھنے والا ناکام نہیں ہوتا۔

(جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱، محرم، صفر، ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ / جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تازیانۂ عبرت

**الحمدللہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علیٰ سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔**

بابری مسجد کی شہادت ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک قیامت صغریٰ تھی، جس کے بعد قتل وخون کا ایک سیلاب اہل اسلام کے سروں سے گزر گیا۔ اس حادثۂ کبریٰ سے مسلمانوں کے دلوں کو جیسی چوٹ لگی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اس سے پہلے باوجودیکہ ہندوستان میں سینکڑوں فسادات ہوچکے تھے، اور باوجودیکہ مسلمانوں کے ساتھ ناروا امتیازی سلوک ہوتے چلے آرہے تھے، لیکن بہرحال آزاد ہندوستان میں یہ احساس باقی تھا کہ جیسا شہری ایک ہندو ہے، ویسا ہی مسلمان بھی ہے۔ اکثریت اور اقلیت کا فرق تو فطری ہے، مگر مسلمان اپنے کو بے بس اور دوسروں کے رحم وکرم پر نہیں سمجھتا تھا، مگر بابری مسجد کیا شہید ہوئی کہ دلوں کی دنیا زیروزبر ہوگئی، اس ایک مسجد کی شہادت نے احساسات تک بدل ڈالے ہیں۔ اب اقلیت واکثریت کا فرق وامتیاز جارحانہ علامتوں کے ساتھ نمایاں ہونے لگا ہے، ہندوستان کی سرزمین روز بروز فرزندانِ توحید پر بظاہر تنگ ہوتی جارہی ہے، حسّاس اور باشعور افراد مسلمانوں کے مستقبل کو سوچ سوچ کر ہراساں ہیں۔ ان حالات میں حکومت کا کیا فرض ہے؟ مسلمان اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کس طرح کریں؟ اس سلسلے میں اخبارات کی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے۔

لیکن یہ بات بار بار دل میں آتی رہی، بہت سے لوگوں کے دلوں میں آتی رہی، اور بجاطور پر لوگ سوچتے رہے کہ حالات کی اس اُلٹ پلٹ میں، اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن اتنا

ضرور ہوگا، کہ مسلم معاشرہ میں، افراد میں، خاندانوں میں، آبادیوں میں، شہروں میں، دیہاتوں میں، دینی احساس بیدار ہوگا۔ باہر فرقہ پرستی اور مذہب کے نام پر جارحیت کا عفریت منہ پھاڑے ہوئے کھڑا ہے، تو کم از کم اندرونی طور پر مسلمان اپنی ذاتی رنجشیں اور عداوتیں بھلا کر محبت واُخُوّت کی فضا بنانے کی کوشش کریں گے۔ بین الاقوامی احوال ایسے ہیں کہ کوئی اسلامی ملک بھی بجز ہمدردی کے چند بول کے کوئی عملی قدم اٹھانے سے مجبور ہے۔ اب تو بجز غیبی نصرتِ الٰہی کے اور کوئی سہارا نہیں ہے۔ اب یہ امید بجا تھی کہ مسلمان خلوصِ قلب کے ساتھ اللہ کے حضور رُجوع کریں گے، اسلام کے بنیادی فرائض واحکام کی بجاآوری میں مستعد ہوں گے، ایک مسجد کھوئی ہے، تو اس کے عوض میں بہت سی وہ مسجدیں جو عین مسلمانوں کی آبادیوں کے درمیان رہ کر نمازیوں کو ترس رہی ہیں، آباد ہوں گی، کسب مال میں حلال وحرام کے درمیان رہ کر امتیازی نشان کھینچ دیا جائے گا، حرام کے دروازے بند کردئے جائیں گے، اور حلال پر اکتفا کیا جائے گا۔ مختلف نجی اور اجتماعی تقریبات میں اسرافِ بے جا سے احتراز کیا جائے گا۔ مسلمان عرصہ سے ٹولیوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے باہم ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں، اب کم از کم ایک دوسرے کا گریبان چھوڑ کر اپنے اپنے گریبان کی فکر کریں گے، چند فروعی عقائد ومسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کو ملت اسلام سے کاٹنے کے بجائے، ایک دوسرے سے گلے ملنے میں پہل کریں گے، اگر دینی علوم میں کمال واستحکام نہیں پیدا کرتے تو محنت وکوشش کر کے دنیوی علوم میں ہی میں مرتبہ بلند حاصل کریں گے۔

مگر کیا ایسا ہوا؟ یا اس کا کوئی حصہ نمایاں ہوا؟ اس سوال کا جواب بڑا دردناک ہے، جی نہیں چاہتا کہ ان مسائل کو چھیڑا جائے، کہ اپنا ہی زخم ہے، اور اپنا ہی درد ہے، لیکن احتساب بھی ایک فریضہ ہے، تکلیف دہ سہی، ناخواشگوار سہی، مگر ہے ضروری۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حوادث وآفات کے بعد ہمارا معاشرہ زوال اور گراوٹ کی طرف کچھ اور تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے، باہمی نزاع اور اختلاف ہی نہیں، دنگے فساد،

آپسی خونریزی، معمولی معمولی باتوں پر جان لینے اور دینے کا مزاج اس میں تیزی سے ترقی کررہا ہے، کہ اس کی زد میں مسلمانوں کی چھوٹی بڑی بیشتر آبادیاں آتی چلی جارہی ہیں، جس جگہ جائیے بجائے اس کے کہ لوگ صلح وآشتی کی باتیں کریں، ہمہ وقت جنگ وجدل اور ایک ودسرے کی ایذارسانی کی بلا میں مبتلا ہیں، سنجیدہ حضرات دم بخود ہیں کہ کسی کو کوئی سمجھائے تو کیونکر سمجھائے؟ نفسانیت کے آگے کوئی کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہے، معاشرہ کی سب سے زیادہ تباہی ان باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے ہے، دو آدمی کسی معمولی بات پر لڑ جاتے ہیں، پھر پارٹیاں سجنے لگتی ہیں، ہر پارٹی خود کو مضبوط اور طاقتور بنانے کے لئے اپنے اور فریق مخالف دونوں کے مشترکہ دشمن کا سہارا لیتی ہے، وہ دشمن کب چاہے گا کہ یہ لوگ باہم صلح وآشتی کے ساتھ رہیں، فتنہ کی آگ بجھتی دیکھتا ہے تو ایک لکڑی پھینک دیتا ہے، جو مال اپنی اور ملت کی فلاح وبہبود میں خرچ ہوتا، وہ مقدمات کی پیروی، ناجائز رشوتوں اور بالکل غلط قسم کی دعوتوں میں خرچ ہوتا ہے۔

اسلام کے بنیادی فرائض کا یہ حال ہے کہ مسجدوں میں چند لوگ نماز ادا کررہے ہیں، اور ٹھیک اسی وقت اسی مسجد کے آس پاس بلکہ سامنے بہت سے لوگ بیٹھے گپیں ہانک رہے ہیں، لڑ رہے ہیں، جھگڑ رہے ہیں بلکہ بعض ستم ظریف تو ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ بھی بجا رہے ہیں، جس آبادی میں آپ جائیں یہ مکروہ منظر دیکھ سکتے ہیں۔ نماز کا ادا کرنا تو ایک طرف رہا، جماعت اور مسجد کا احترام بھی قلوب سے رخصت ہو چکا ہے، خود نہیں پڑھتے تو شرمندہ ہوتے، سرنگوں رہتے، شور وشغب نہ کرتے، مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **کل امتی معافی الا المجاھرین** (بخاری شریف) ساری امت درگذر کی مستحق ہے، سوائے ان کے جو علی الاعلان مبتلائے معصیت ہوتے ہیں۔ غور کیجئے، علانیہ فسق وفجور کا ارتکاب کرنے والے بلکہ اس پر فخر کرنے والے، ہمارے معاشرے میں کس بہتات کے ساتھ ہیں، بلکہ اب تو یوں ہوتا ہے کہ ملک میں کوئی عظیم طوفان کھڑا ہوتا ہے، یا دنیا میں کہیں کوئی ہنگامہ برپا ہوتا ہے جیسا کہ ابھی ماضی قریب میں ہوا تھا، یا کوئی کھیل

کو دہو رہا ہوتا ہے، اوران کی خبریں ریڈیو ایسے وقت میں نشر کررہا ہوتا ہے، جب نماز کا وقت ہوتا ہے، تو ایک بڑی تعداد نماز سے غافل ہوکر ریڈیو پر ٹوٹ پڑتی ہے، جبکہ یہی خبریں وہ دوسرے ذرائع اور دوسرے اوقات میں حاصل کرسکتے ہیں، لیکن دین ودنیا دونوں کو پس پشت ڈال کر ریڈیو کو قبلۂ مقصود بنالیتے ہیں۔

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اسی پر دوسرے معاملات کو بھی قیاس کرلیجئے، ہم کو کہاں ہونا تھا اور ہم کہاں ہیں؟ اب سے پلٹنے کی ضرورت ہے، کتاب وسنت کا علم حاصل کریں، اوراللہ ورسول کوخوشنودی کو قبلۂ توجہ بنائیں، خدا کو راضی کرنے کے لئے ساری دنیا ناراض ہوجائے تو پروانہیں، اور خدا کو ناراض کر کے ساری دنیا راضی رہے تو بجز ضرر کے نفع کچھ نہیں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

(جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۴، شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ / اپریل تا جون ۱۹۹۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ذوقِ انفرادیت کا ضرر

امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (المتوفی: ۲۵۵ھ) اپنی مشہور تصنیف سنن دارمی میں جسے بعض علماء صحاحِ ستہ میں بجائے ابن ماجہ کے شمار کرتے ہیں، اپنی سند سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک اثر نقل کرتے ہیں:

”قال معاذ يفتح القرآن على الناس حتىٰ يقرأ المرأة والصبى والرجل فيقول الرجل: قد قرأت القرآن فلم اتبع ،والله لاقومن به فيهم لعلى اتبع ، فيقوم به فيهم فلايتبع فيقول: قد قرأت القرآن فلم اتبع وقد قمت به فيهم فلم اتبع لاحتظرن فى بيتى مسجداً لعلى اتبع فيحتظر فى بيته مسجداً فلايتبع، فيقول: قد قرأت القرآن فلم اتبع وقد قمت به فيهم فلم اتبع وقد احتظرت فى بيتى مسجداً فلم اتبع والله لاٰتينهم بحديثٍ لايجدونه فى كتاب الله ولم يسمعوه عن رسول الله لعلى اتبع قال معاذ فإياكم وماجاء به فإن ماجاء به ضلالة (سنن دارمی، ج:۱،ص:۶۷، باب تغير الزمان وماحدث فيه)

اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایک زمانے میں قرآن کا پڑھنا اور اس کا علم عام ہوجائے گا، عورت، مرد اور بچے سب اس کو پڑھیں گے۔ ایسے وقت میں آدمی سوچے گا کہ میں نے قرآن کا علم حاصل کیا، مگر میں مقتدا نہ بن سکا، اچھا لاؤ میں لوگوں کے درمیان اس کا نماز وغیرہ میں خوب اہتمام کروں، شاید اس سے لوگ میری مقتدائیت تسلیم کرلیں، پھر وہ خوب اس کا اہتمام کرے گا، مگر تب بھی اس کی پیروی نہ کی جائے گی، تب وہ کہنے لگے گا کہ

میں نے قرآن پڑھا مگر مقتدا نہ بن سکا، اس کا زبردست اہتمام کیا، یعنی نمازوں میں پڑھا، لوگوں میں اس کی اہمیت ظاہر کی، تب بھی لوگوں نے مجھے نہیں مانا، اچھا اب گھر میں مسجد بنا کر بیٹھ رہتا ہوں، شاید اس سے لوگوں کے نزدیک میری اہمیت ہو، پھر وہ گھر میں مسجد بنا کر خلوت نشینی اختیار کرے گا، مگر اس کے باوجود بھی اسے کوئی نہیں پوچھے گا، وہ کہے گا: میں نے قرآن پڑھا، تب کسی نے نہیں پوچھا، میں نے قرآن کا اہتمام کیا، تب بھی لوگ میرے پیچھے نہ چلے، میں اپنے گھر میں مسجد بنا کر بیٹھ گیا، تب بھی کسی نے نہ پوچھا، اچھا اب اللہ کی قسم ایسی باتیں لاؤں گا جن کا پتہ نہ اللہ کی کتاب میں ہوگا، اور نہ انھوں نے اللہ کے رسول سے وہ باتیں سنی ہوں گی، شاید تب لوگ میری پیروی کریں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ خبردار جو بات وہ لایا ہے، اس سے دور ہی رہو، کیونکہ وہ سراسر گمراہی ہے۔

جس دور میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس وقت ایسے لوگ مسلمانوں میں نہ تھے، وہ زمانہ خیر کا تھا، حضراتِ صحابہ کا وجود شمعِ ہدایت بن کر جگمگا رہا تھا، اخلاص وللّٰہیت کی دولت فراواں سے ان کے قلوب مالا مال تھے، اللہ کا خوف طبیعتوں میں راسخ تھا، احکامِ الٰہی کی عظمت کے سامنے نفس کی خواہشات پامال تھیں، مگر جوں جوں زمانہ پیچھے ہٹتا گیا خلوص وللّٰہیت کا سرمایہ کم ہوتا گیا۔ خوفِ خدا کی جگہ ہوائے نفس کا غلبہ ہوتا گیا، پھر ایسے لوگوں کی بتدریج کثرت ہونے لگی جن کی نشاندہی حضرت معاذ بن جبلؓ نے کی ہے، اور پندرہویں صدی کے اس بعید تر دور میں ستم ظریفوں کی یہی ٹولی خود کو اسلام کی محافظ وترجمان قرار دینے پر تلی ہوئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے اس ارشاد میں جس انسانی کمزوری پر انگلی رکھی ہے، وہ بہت اہم ہے۔ بکثرت لوگوں میں بالخصوص وہ لوگ جن کو ذہانت وذکاوت اور ہمت وحوصلہ کی وافر مقدار قدرت کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اور انھوں نے نفس کا تزکیہ نہیں کیا ہے، ایسے افراد میں خودنمائی اور عوام الناس کی مقتدائیت اور اپنی انفرادیت کے اظہار کا زبردست جذبہ ہوتا ہے، لیکن اس کا ظہور اس کے اصلی رنگ وروپ میں نہیں ہوتا، کیونکہ اس

صورت میں ان کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے گی اور مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ یہ کمزوری کبھی علم وفضل کے لباس میں نمایاں ہوتی ہے، کبھی تدین وتقویٰ کے رنگ میں ظہور کرتی ہے، کبھی اصلاح ورہبری کا لباس پہن کر آتی ہے، ایسے لوگ بظاہر نہایت دردمند، قوم کے بہی خواہ، دین وملت کے لئے مضطرب اور اسلام اور اہل اسلام کی ہمدردی میں بے قرار نظر آتے ہیں، اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور نیک نیتی کا راگ الاپتے ہیں، مگر یہ سب کچھ ظاہری نمائش سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا، اندرون طبیعت میں صرف ایک جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح لوگوں کی مقتدائیت حاصل ہو جائے، یا کم از کم لوگوں میں ان کی انفرادیت کا سکہ بیٹھ جائے، عوام وخواص میں شہرت حاصل ہو جائے، تعریفیں ہوں، سب پر چھا جائیں، ہر ایک ان کے پیچھے چلنے پر مجبور ہو، باطن میں یہ نیت شعوری یا غیر شعوری طور پر تہ نشین ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس نیت کا اعلان کر کے میدان میں اترے تو کون اس کی بات پوچھے گا؟ اس لئے وہ دینی رنگ میں تدبیریں اختیار کرتا ہے، پھر اگر ان تدبیروں میں انفرادیت نہیں پاتا تو بالکل اجنبی راہ اختیار کرنے پر تل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن کا علم سب میں عام ہو جائے گا تو اس میں کیا انفرادیت باقی رہ جائے گی۔ پس وہ اسی میں انفرادیت کی ایک راہ نکالے گا، کہ زیادہ سے زیادہ نماز وغیرہ کا اہتمام کرے گا، بار بار اس کا نام لے گا، اس سے اپنا گہرا تعلق ظاہر کرے گا، لوگوں میں قرآن کی دہائی دے گا، دردمندی کا اظہار کرتے ہوئے قرآن کو سب سے زیادہ مظلوم کتاب قرار دے کر اس کی دادرسی کرنا چاہے گا، مگر جب اس کے باوجود لوگوں کا التفات نہیں پاتا تو کچھ اور تدبیر اختیار کرتا ہے، مثلاً یہ کہ اپنے گھر میں عبادت گاہ بنا کر خلوت نشین ہو جاتا ہے کہ شاید اس طرح اس کی بزرگی اور زہد وتقویٰ کا چرچا ہو، مگر محسوس کرتا ہے کہ اس راہ سے بھی خاطر خواہ شہرت نہیں حاصل ہو رہی ہے، تو پھر بالکل نئی راہ نکالنے کو سوچنے لگتا ہے، ایسی راہ جس کا قرآن وسنت میں پتہ نہ ہو۔ اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے، اور بڑی بلند آہنگی سے ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ پیش کر رہا ہے وہی دین ہے، اسلاف نے جو کچھ اس کو نہیں ذکر کیا، تو یہ ان کا قصورِ فہم تھا، ان کی سادگی تھی، ان کی سادہ لوحی

تھی وغیرہ وغیرہ۔

جن لوگوں کو اللہ کی طرف سے دین کی صحیح بصیرت عطا ہوئی ہے، اور انھیں معرفتِ الٰہی کا نور نصیب ہوا ہے وہ اپنی فراستِ ایمانی سے دل کے اس مخفی چور کو بھانپ لیتے ہیں، مگر چور نے جو دینی رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس کو دیکھ کر وہ ہچکچاتے ہیں، عام نگاہیں صرف یہی لبادہ دیکھتی ہیں، اگر ان کی حقیقت واضح کی جائے تو ناواقف لوگ بھڑک اٹھیں گے۔ اسی گومگو میں عرصہ تک وہ پڑے رہتے ہیں اور گمراہی عام ہوتی رہتی ہے۔

انفرادیت کے اس جذبے اور لوگوں سے اپنی پیروی کرانے کی ہوس نے نہ جانے کتنی قیامتیں برپا کی ہیں، ہم کسی فرد یا تحریک کے بارے میں قطعیت اور بالکل یقین کے رنگ میں تو اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے، تاہم زمانہ ’’صیرفیٔ کائنات‘‘ ہے، ایک عرصہ تک تجربہ کرتے رہنے سے، سرد و گرم احوال میں دیکھتے اور پرکھتے رہنے سے، نیز نوائب وحوادث کے الٹ پھیر میں، دلوں کی نیتیں زبان و عمل میں ظہور کرنے لگتی ہیں، اور بالآخر زمانہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ کون سی تحریک اور کون سا فرد کس نیت کو لے کر کھڑا ہوا تھا۔

ہمارا دین عقلی اور قیاسی تیر، تکّوں کی بنیاد پر نہیں ہے، اس کی بنیاد تعامل و توارث اور طبقۃً بعد طبقۃٍ نقل و روایات پر ہے، اور امت کا سوادِ اعظم جس کی تعبیر جمہور علماءِ امت سے کی جاتی ہے، وہ کبھی کسی مسئلہ پر قطعی ضلالت پر مجتمع نہیں ہوسکتا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **إن امتی لاتجتمع علیٰ ضلالة فإذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم** (کتاب الفتن) میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، لہٰذا تم جب باہمی اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کا اتباع کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کے مسلک کی پیروی اور ان کی راہ کو اختیار کرنا فرمانِ رسول کی تعمیل ہے، جو لوگ اپنی انفرادی رائے پر زور دیتے ہیں یا کسی مختلف فیہ مسئلہ میں کسی ایک رائے کو قطعی طور پر حق وصواب قرار دے کر دوسری جانب کو بالکل غلط اور گمراہی قرار دیدیتے ہیں، یہ لوگ جمہور کے طریقے سے انحراف کر کے رسول اللہ ﷺ کے حکم

کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان لوگوں کا سب سے پہلا وار جمہور امت پر پڑتا ہے، کہ ان کی رگ کاٹ دی جائے تو انفرادیت کا راستہ صاف ہو جائے۔

ہم اس دور میں عرصہ سے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں کہ جو کوئی حوصلہ منداور ذہین ہوا، اس کے پیٹ میں پہلے یہی درد اٹھتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کیوں نہیں کرتے، پھر وہ الٹے سیدھے نظریات وضع کرتا ہے، اوران پر ایسا اصرار کرتا ہے کہ جیسے اگر انھیں نہ تسلیم کیا جائے تو اسلام کی عمارت ہی منہدم ہو کر رہ جائے گی، ایسے لوگوں سے ہمیشہ چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے، ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی

اے بسا ابلیسؔ آدم روئے است

مگر عمومی طور پر سطحیت بڑھ گئی ہے، جہاں کوئی نیا نعرہ لگتا ہے، ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔

ابن ماجہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ (آٹے کی طرح) چھن جائیں گے، اور صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے، جو بھوسی کے مانند ہوں گے۔ ان کے عہد اور ان کی امانتیں فاسد ہو کر رہ جائیں گی، اور آپس میں وہ اس طرح گتھ جائیں گے، جیسے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم گتھ جاتی ہیں، فرمایا کہ اس وقت تم لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جب ایسا ہو تو یا رسول اللہ ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

تاخذون ماتعرفون وتدعون ماتنكرون وتقبلون علىٰ خاصتكم وتذرون أمر عوامكم (کتاب الفتن)

جو تمہاری جانی پہچانی چیزیں ہیں، انھیں لے لو اور اجنبی و نامانوس باتوں کو چھوڑ دو، اور اپنے خاص لوگوں پر توجہ دو، اور عوام کے معاملہ کو ترک کردو، یعنی ان کا زیادہ اہتمام نہ کرو۔

دین کی فکر کرنے والوں کے لئے اس حدیث میں بصیرت کا بڑا سامان ہے، دین کا معاملہ بہت اہم ہے، آخرت میں اور دنیا میں مدار کار اسی پر ہے، آج رنگ رنگ کے اہل قلم

پیدا ہوگئے ہیں، الگ الگ ڈفلیاں بج رہی ہیں، جس کے منہ میں اللہ نے زبان دے دی ہے اور الفاظ پر اسے قدرت ہے، ہر ایک نیا نیا جلوہ لے کر آتا ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایسی بات کہو اور لکھو، جو پہلے سے نہ جاتی ہو، تاکہ وہ بات اسی کی طرف منسوب ہو، اور اس کے واسطے سے اس کی شہرت ہو، کچھ لوگ اس کا ساتھ دیں، ایسے حالات میں سلامتی کی راہ وہی ہے جس کی رہنمائی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی کہ دین کے باب میں اسلاف کرام سے جو باتیں معروف اور جانی پہچانی چلی آتی ہیں، بس انھیں پر اکتفا کیا جائے، اور جو نئی نئی چیزیں تحقیقات کے خوشنما نام سے آرہی ہیں، ان کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے، اور ہمیشہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ قدم، جمہور علماء کی راہ سے منحرف نہ ہونے پائے۔ جو لوگ قرآن کی تفسیر وتاویل میں، احادیث کے ردّ وقبول کے معیار میں اور فقہی مسائل میں نئی نئی باتیں کرتے ہیں، ان کی نئی باتیں انھیں کے حوالے کردینی چاہیئے۔ ہمارے سامنے ان نئی باتوں کی ایک طویل فہرست ہے، کبھی موقع ہوا تو انھیں ذکر کریں گے، بعض ایسی چیزوں پر احتساب اس شمارے میں آپ پڑھیں گے۔ ہم نے اس وقت صرف اشارات کئے ہیں، دین کی سمجھ رکھنے والوں کے لئے یہ بات بہت کافی ہے۔

(جلد نمبر۲، شمارہ نمبر۴، شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ/اپریل تا جون ۱۹۹۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# احتسابِ نفس

یہ دنیا جسے آدمی لطف وکیف میں ہوتا ہے، تو عالم رنگ وبو کہتا ہے، اور جب غم واندوہ کے احوال سے دوچار ہوتا ہے، تو عالم فانی وناپائیدار کہتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا کا رنگ ہمہ آن متغیر ہوتا رہتا ہے، یہ تغیر دوطرح کا ہوتا ہے، کبھی خوبی سے خرابی کی جانب اور کبھی خرابی سے خوبی کی جانب، آدمی ان تغیرات کو بالخصوص جب کوئی خرابی رونما ہوتی ہے تو طبعی اسباب وعوامل کی طرف منسوب کرکے مطمئن ہوجاتا ہے، اور خود کو سارے تماشے سے الگ کرلیتا ہے، گویا خود اس کی ذات اور اس کے اعمال وافعال کا ان تغیرات میں کوئی دخل نہیں ہے، سمجھتا ہے کہ حالات کی رفتار یہی ہے اور اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نتائج کچھ اس صورت میں نکلنے لگتے ہیں اور حالات ایسے پیدا ہونے لگتے ہیں کہ منطق منھ دیکھتی رہ جاتی ہے، اسباب طبعی ہکا بکا رہ جاتے ہیں، ذہانتیں گنگ ہوجاتی ہیں۔ عام احوال وحوادث میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور حکومتوں کے عزل ونصب کے خصوصی حالات میں بھی اس کا تماشا ہوتا رہتا ہے، لیکن انسان بڑا خود فراموش ہے، وہ ان باتوں کی بھی ایسی توجیہ کرلیتا ہے، کہ اپنی ذات اور اپنے کردار پر کوئی آنچ نہ آئے، لیکن قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ ان تغیرات وانقلابات میں انسانی نیتوں، ارادوں، اور انسانی افعال واعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے، یہ سب کچھ صرف اتفاقاً نہیں ہوجاتا بلکہ ان کے پیچھے آدمی کے اپنے احوال کی بنیاد پر حق تعالیٰ کے تصرفات کا کرشمہ ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ روم)

لوگوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد پھوٹ پڑا، اس لئے تاکہ کچھ اعمال کا بدلہ انھیں چکھادے، شاید وہ باز آجائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۔ اللہ کسی قوم کی اچھی حالت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک لوگ خود ہی اپنے حالات کو بدل نہ ڈالیں۔ (سورہ رعد)

اس سے معلوم ہوا کہ احوال کے اُلٹ پھیر اور حکومتوں کے عزل ونصب میں انسانوں کے کاموں کا بڑا دخل ہے، مگر کوئی شخص اپنے اوپر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ زبانی طور پر قبول کرنا نہیں بلکہ اس طرح ذمہ داری قبول کرنا کہ اس کے بعد اپنے احوال واعمال کی اصلاح وترمیم کے لئے آدمی مستعد ہوجائے اور بالآخر سدھار پیدا کرلے، اس کے لئے کوئی آمادہ نہیں ہے۔ دیکھا یہی جاتا ہے کہ ایک حکومت آئی، لوگ اس کی شکایت لے کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر دوسری حکومت آئی، اور اس کے ظلم کا ڈنڈا چلنے لگا تو لوگوں کی زبانوں اور تبصروں کا رُخ ادھر پھر گیا، اب جہاں دیکھئے اسی کا چرچا ہے، بالخصوص ہمارے ملک میں تو لوگوں کا یہی مشغلہ بن گیا ہے، گھنٹوں لوگ حکومتوں، پارٹیوں، اور دوسروں کے ظلم وستم اور مکائد ودسائس کا تذکرہ اوران پر تبصرہ کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگ جو خود اپنی نجی زندگی میں انھیں برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں، جن کی وہ دوسروں پر تہمت رکھتے ہیں، لیکن مجال نہیں کہ اک ذرا بھی حرکت اپنی اصلاح کے لئے ہو، یا معمولی سی تنقیدی نظر اپنے اوپر پڑے، اس طرح حالات میں اور بھی بگاڑ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

إن الله تعالىٰ يقول : أنا الله لا إله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك قلوب الملوك في يدي وإن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب الملوك بالرحمة والرافة وإن العباد إذا عصوني حولت قلوبهم بالسخطة والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك

ولکن اشغلوا أنفسکم بالذکر والتضرع کی أکفیکم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں ، میرے سوا کوئی معبود نہیں ، میں ہی بادشاہوں کا مالک ہوں ، میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں ، بادشاہوں کے دل میرے قبضۂ قدرت میں ہیں ، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں میں رحمت وشفقت ڈال دیتا ہوں ، اور جب وہ میری نافرمانی کرتے ہیں ، تو میں ان کے قلوب میں شدید غصہ اور انتقامی کیفیت پیدا کر دیتا ہوں ، تو وہ انھیں مبتلائے عذاب کر دیتے ہیں ، لہٰذا اے لوگو! تم بادشاہوں پر بددعا کرنے میں اپنے آپ کو نہ لگاؤ ، بلکہ مجھ سے دعا وتضرع میں لگ جاؤ ، پھر میں تمہارا بہتر انتظام کردوں گا ۔ (مشکوٰۃ شریف ، کتاب الامارۃ)

اس حدیث کو بار بار پڑھنا چاہئے ، جب بددعا کرنے کی ممانعت ہے ، تو فضول تبصروں اور لغو تنقیدوں کی اجازت بھلا کب ہوسکتی ہے ، جو کام کرنے کا ہے اسے کرنا چاہئے ۔

(جلد نمبر ۴ ، شمارہ نمبر ۱ ، محرم ، صفر ، ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ / جولائی ، اگست ، ستمبر ۱۹۹۵ء)

(ماہنامہ ضیاء الاسلام : جنوری ۲۰۱۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# جماعت اہل حدیث کا تازہ کارنامہ

جماعت اہل حدیث! کیا شے ہے جماعت اہل حدیث؟ سنت وشریعت کی خادم! لیکن چڑ چڑی، ضدی اور بے لگام! خدمت کا انداز نرالا رکھتی ہے، اور لا ریب کہ یہ اندازِ خدمت دوسروں پر بالا ہے۔ یہ پھلجڑیاں چھوڑتی ہے، پٹاخے پھوڑتی ہے، ہوائی فائر کرتی ہے، راہ گیروں کو چونکا دیتی ہے، انھیں اغل بغل سے ہوشیار کر دیتی ہے، تھوڑی دیر کیلئے آتش بازی کی وجہ سے راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر پھر مسافر اپنا راستہ لیتا ہے اور یہ دوسری طرف پٹاخے پھوڑنے میں مشغول ہو جاتی ہے، اور مسافر ہوشیار اور چوکنا رہنے لگتا ہے۔

اس جماعت کا وجود اور تشخص، احناف کے منہ پر پھلجڑیاں چھوڑنے سے ہوا، اس نے ایک شوشہ نکالا، کہ احناف کا طریقۂ عبادت سنت کے مطابق نہیں ہے، نمازوں میں یہ رفع یدین نہیں کرتے، آمین بالجہر کے یہ قائل نہیں ہیں، قرأۃ خلف الامام پر یہ عامل نہیں ہیں، وغیرہ۔ چار فقہی مسالکِ فکر صدیوں سے چلے آرہے تھے، ان میں مسائل و دلائل کا اختلاف تھا مگر کوئی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتا تھا کہ فلاں مکتبِ فکر طریقۂ رسول کے خلاف ہے، یہ پٹاخہ ہندوستان میں چھوڑا گیا کہ احناف کا طرزِ عمل خلافِ سنت ہے، اور اس پر مزید ایک رَدّا یہ رکھا گیا کہ تقلید شرک ہے، اس رَدّے نے چاروں مذاہبِ فقہیہ کو چونکا دیا۔

احناف ایک عرصہ سے اپنے مسلک کو رسول اللہ ﷺ کی عین تابعداری سمجھ کر مطمئن تھے، اس اطمینان سے ان میں ایک طرح کا ٹھہراؤ محسوس ہونے لگا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے ان پر جمود طاری ہو گیا ہو، حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی، تاہم جب سنت کی اس خدمت گزار جماعت نے ہنگامہ بپا کیا تو احناف چونکے، ان میں نئی حرکت پیدا ہوئی۔ انھوں نے دلائل کتاب وسنت کے ذخیروں کو از سر نو کھنگالنا شروع کیا، انھیں محسوس ہوا کہ حنفی مسلک مضبوط بنیادوں

پر کھڑا ہے، البتہ وہ بنیادیں لوگوں پر ظاہر نہ تھیں، ان کے شور و ہنگامہ کے بعد محققین نے ان دلائل و براہین کو نمایاں کیا، جن سے لوگ غافل تھے، اس ضمن میں علوم و معارف کا ایک نیا دبستاں کھل گیا، محدثین کی ایک گراں فوج سامنے آ کھڑی ہوئی، اس سے دنیا کو ایک زبردست علمی فائدہ پہونچا، احناف کو شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ جماعت اہل حدیث کی ایک بے محل چھیڑ اور بے وقت کی چیخ و پکار سے علم و تحقیق اور ہدایت کا ایک نیا باب مفتوح ہوا۔

یہ قافلہ تو آگے نکل گیا، پٹاخوں کی دھائیں دھائیں کم ہونے لگی، قریب تھا کہ اس کا تشخص ختم ہو جائے، کہ اچانک آواز آئی کہ وادی نجد میں دولت و ثروت کا خزانہ زمین کی تہوں سے نکل آیا ہے، یہ ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ وہاں ان کے حریف بھی کچھ کچھ پہونچ رہے ہیں، پھر تو پھلجڑیوں کا طوفان اٹھنے لگا، اتنا دھواں اٹھایا کہ فضا مکدر ہوگئی۔ کبھی عقائد کا مسئلہ، کبھی طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ، کبھی تراویح کا مسئلہ! لیکن اسی دوران نجد کے فرزند اکبر خادم الحرمین الشریفین الملک فہد کے عظیم الشان پریس سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کا ترجمہ قرآن مع فوائد عثمانی کے چھپ کر تقسیم ہونے لگا، اس سے اس ٹولہ کا اضطراب بڑھ گیا، پھر بہت دُند مچائی۔ وہی تفسیر جو آج سے نہیں، عرصۂ دراز سے پڑھی پڑھائی جا رہی ہے، جماعت اہل حدیث کے علماء بھی اس کے مطالعہ سے محروم نہیں ہیں، اور اس میں کوئی خرابی نظر نہ آتی تھی، جب وہ مدینہ منوہ کے شاہی پریس سے چھپ کر نکلی، اور لکھوکھا کی تعداد میں تقسیم ہونے لگی تو اس میں شرک و بدعت کے کیڑے نظر آنے لگے، بلکہ گمراہیوں کے شعلے لپکنے لگے، ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ اس کی تقسیم بند ہو جائے، اعتراضات کی جھڑی لگادی، علماء دیوبند چونکے، جن چیزوں کو کبھی قابل اعتراض نہیں سمجھا گیا تھا، جب انھیں پر تعصب کی چاند ماری ہونے لگی، تو علماء کو تنبہ ہوا، اور سلف کے حوالوں سے ثابت کر دیا کہ جو کچھ اس ترجمۂ و تفسیر میں ہے، وہ عین حق ہے، اس جماعت کی پھلجڑی بجھ گئی، لیکن پرانا قابل اتباع علم زندہ ہو گیا اور ہدایت کی راہ خس و خاشاک سے پاک ہوگئی، جماعت اہل حدیث کا ایک بار اور شکریہ!

ادھر تقریباً تین چوتھائی صدی سے تبلیغی جماعت ایک خاص انداز سے مسلمانوں کی دینی خدمت میں مشغول ہے، اسے خدمت کرتے ہوئے لمبا عرصہ گزر گیا، اس کا دائرۂ کار بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اس کا حلقۂ اثر اب عرب وعجم کو محیط ہونے لگا ہے، عرب علماء وعوام نے اس کی خدمت کو پسند کیا، عرب ممالک کے قافلے سرگرم سفر نظر آنے لگے، ہندوستان میں بھی کثیر تعداد میں ان کی جماعتیں آنے لگیں، یہ خالص عوامی طرز کی خدمت ہے، جو سادگی کے ساتھ انجام پاتی ہے اس کے ذریعہ بے شمار ایسے لوگ جو خدا کے آستانہ سے نہ صرف محروم بلکہ باغی اور مجرم تھے، یکایک اللہ کے دربار میں حاضر ہوکر سجدہ ریز ہونے لگے، جنھیں اسلام کی ابتدائی چیزوں کی خبر نہیں تھی وہ اس میں لگ کر دین وایمان کے نمونے بن گئے، ایمان کی ایک تازہ بہار چمنستان اسلام میں خیمہ زن ہونے لگی، تبلیغی جماعت میں اسلام کے نام لیوا سبھی جماعتوں کے صالح افراد شامل ہونے لگے، حتیٰ کہ اہلحدیث طبقہ کی بھی خاصی تعداد اس قافلہ میں شریک ہوگئی۔ اس کا نتیجہ غیر ارادی طور پر یہ نکلا کہ پٹاخے داغنے والی سب جماعتیں سکڑنے لگیں، کیونکہ تبلیغی جماعت کا طریقۂ کار مثبت اور مفید ہے، اور مفید بھی ایسا کہ لگے ہاتھوں فائدہ دکھائی دینے لگتا ہے، مسجدیں نمازیوں سے بھرنے لگتی ہیں، چہروں پر اسلام کا نور جھلکنے لگتا ہے، پھر تبلیغی جماعت کے بڑے بڑے اجتماعات بھی ہوتے ہیں، جن میں شریک ہونے والے ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں گنے جاتے ہیں، اس کا اثر اس ''خادم سنت'' طبقہ پر پڑا، اس کے پیٹ میں حسب معمول مروڑ اٹھنے لگا اور لوگ اس کے باعث بل کھانے لگے، اور نتیجہ میں جو ''خدمت'' اس کے بطن سے خارج ہوئی، اسے ایک اشتہار کے ذریعے مشتہر کیا، کہنے کو تو وہ ایک عربی کالم کی تحریر کا ترجمہ ہے، لیکن اردو سے عربی میں ترجمہ کرکے ناقص بلکہ غلط معلومات فراہم کرنے والی یہی جماعت ہے، ورنہ بے چارہ عرب عالم اردو تقریروں اور تحریروں کو کیا سمجھے، یہ بالکل وہی کارنامہ ہے جو بریلی کے مولوی احمد رضا خان نے ۱۳۲۴ھ میں عرب جاکر انجام دیا تھا۔ اب تقریباً ایک صدی کے بعد ۱۴۱۶ھ میں طبقۂ اہلحدیث نے اس کی تجدید کی ہے، اشتہار کے تیور ملاحظہ ہوں۔

(۱) تبلیغی جماعت کی دعوت ''شیطانی دعوت''، جی ہاں! فرقۂ اہلحدیث کے نزدیک نماز روزہ اور کلمۂ وایمان کی دعوت شیطانی دعوت ہے، پھر جانے ایمانی دعوت کسے کہیں گے۔

(۲) ''تبلیغی جماعت والوں کو مسجد میں نہ آنے دو'' ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ کا کوئی نیا مصداق ہونا چاہئے، تجدد کا تازہ ترین شوق!

(۳) ''تبلیغی نصاب، منکر وموضوع احادیث سے بھرپور ہے'' جی ہاں! جو حدیث آپ کے مطلب کی نہ ہو، وہ سب بے تکلف منکر وموضوع ہے، تبلیغی نصاب کی حدیثیں شاید آپ کا ساتھ نہیں دیتیں، اس لئے اس میں جو کچھ ہے سب منکر وموضوع ہے۔

(۴) ''تبلیغی جماعت کی توحید مشرکین سے بڑھ کر نہیں ہے، یہ لوگ توحید اُلوہیت وعبادات میں فقیر ومعدوم ومفلس ہیں، بلکہ مشرک ہیں'' چلئے چھٹی ہوئی، تبلیغی جماعت اسلام سے خارج کردی گئی، اب کس کی مجال ہے کہ اس میں داخل کرے۔

(۵) ''تبلیغی جماعت والوں کا کسب وکمال خبیث ہے، اور شرک وبدعت وعقائدِ فاسدہ میں ملوث تبلیغی جماعت کے مشائخ بھی خبیث ہیں''۔

جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(۶) تبلیغی جماعت والوں کا لٹریچر بھی بدعت وضلالت اور شرک کی دعوت پر مشتمل ہے، واقعی سچ ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا　　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

آپ یہ نہ سوچئے کہ یہ دین کی خدمت نہیں ہے، اس سے بڑی خدمت کیا ہوگی، کہ خدمت گاروں کو گھونسہ لگا کر جگاتے رہا جائے، کہیں یہ لوگ سو نہ جائیں۔

شکریہ جماعت اہلحدیث کا! بار بار شکریہ!!

(ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ/ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۵ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ایک بری خصلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود اور منافقین کی ایک بری خصلت کا ذکر فرما کر اس پر عذاب الیم کی وعید سنائی ہے۔ یہ خصلت چونکہ خاص طور پر یہود اور منافقین میں پائی جاتی تھی، اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے، ورنہ درحقیقت یہ خصلت ہی محل وعید ہے، اور مسلمانوں کو بھی بڑے اہتمام سے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ کا یہی حکم ہے، اور اسی کے مطابق ہر مسلمان کی دعا ہے کہ جس قوم پر اللہ کا غضب ہوا ہے، اس راستے سے اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے ہی رکھیں، تو جو آیت یہود اور منافقین کو ان کی کسی عادت بد پر دھمکی سنا رہی ہو، مسلمان یہ کہہ کر مطمئن نہیں ہو سکتے کہ یہ بات ہم کو نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن جو اہل تقویٰ کے لئے نسخۂ ہدایت ہے اس کی کسی آیت سے مسلمان صرف اس لئے کیوں کر صرف نظر کر سکتا ہے کہ اس میں فلاں قوم کا ذکر ہے، وہ آیت ملاحظہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے۔ لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (سورہ آل عمران، ۱۸۱) جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کام پر خوش ہوتے ہیں اور جو کام نہیں کیا ہے اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو، سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے، اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہود غلط مسئلے بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر علیہ السلام کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا، اور امید رکھتے

ہیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دین دار حق پرست ہیں۔ دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا، گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے، اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی، جب حضور جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں، ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں، اول تو ایسے لوگ دنیا میں فضیحت ہوتے ہیں، اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔ (**تنبیہ**) اس آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے، لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں، اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں"

اس اس آیت پر اور اس کے مضمون پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور ہم اسلام کے نام لیواؤں کو دیکھنا چاہئے کہ ہمارے افراد میں اور ہمارے اجتماعی معاشرہ میں یہ مرض پھیلا ہوا تو نہیں ہے؟ انفرادی طور پر ہمارا یہ حال دیکھنے میں آ رہا ہے کہ آدمی گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے، کسی نے کسی کو ستایا، اس کا مال دبایا، کسی کی زمین غصب کی، کاروبار میں کسی کو دھوکہ دیا، قرض لیا اور ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا، یا بالکل ہی ادا نہیں کیا، نماز کو ترک کیا، روزہ سے جان بچائی، زکوٰۃ کا مال ہضم کر لیا، یہ سب وہ گناہ ہیں، جن کے گناہِ کبیرہ ہونے میں کسی مسلمان کو تردد نہیں ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان پر شرمندگی تو کیا ہوتی؟ ان کے کرنے پر آدمی جھینپتا تو کیا؟ الٹے ان پر فخر کیا جاتا ہے، اپنی چالاکی اور عقلمندی کی شہادت انھیں سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات کوئی اکادکا واقعات کی صورت میں نہیں ظاہر ہوتی، بلکہ اس کا عام چلن ہے۔

اور اجتماعیت کا حال دیکھئے تو اور بھی دگرگوں ہے۔ آج کل اجتماعیت نام ہے تنظیموں کا، جماعتوں کا، انجمنوں کا، اداروں کا، مکاتب فکر کا، یہاں سیاسی پارٹیوں اور بے

دینی کے جتھوں کا ذکر نہیں ہے، ان اداروں اور جماعتوں کا ذکر ہے، جو مسلمانوں کی خدمت کیلئے ان کی صحیح رہنمائی کیلئے قائم ہوئی ہیں، ان کی تحریریں پڑھئے، ان کی تقریریں سنئے، کیا ان میں یہ مرض نظر نہیں آتا؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ الٹا سیدھا جو کام ان سے وجود میں آتا ہے چاہے وہ مسلمانوں کے حق میں مضر ہی ہو، خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہی ہوتی ہو، لیکن ان پر تحریراً وتقریراً خوشی بلکہ فخر کا اظہار کیا جاتا ہے اور جو کام نہیں کیا ہے، امیدوار رہتے ہیں کہ ان پر ان کی مدح وستائش ہوگی، بلکہ اب تو اس کا بھی انتظار نہیں ہوتا کہ دوسرے ہمارے کئے کاموں پر ہماری مدح سرائی کریں۔ بھلا اس کا انتظار کون کرے۔ ہمارا اجتماعی معاشرہ اس سے ترقی کر کے خود ہی اپنی مدح وستائش کا راگ الاپتا ہے، اور نام اس خودستائی کا ''تعارف'' رکھا جاتا ہے، اور یہ تاویل کی جاتی ہے زمانہ تشہیر وپروپیگنڈے کا ہے، اس کے بغیر کام اور نام دب جاتا ہے، ممکن ہے یہ تاویل کسی حد تک درست ہو، لیکن غور کرنے والے غور کریں کہ کہیں یہ یہود ومنافقین کی پیروی تو نہیں ہے؟ بالخصوص اس وقت جب کہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے، کہ بہت سے ادارے، بہت سی انجمنیں ان خوبیوں سے خالی ہوتی ہیں، ان کا اندرونی نظام خود ان کے کارکنوں کیلئے باعث مصیبت بنا ہوتا ہے، وہ خود تفرق وانتشار کا شکار ہوتی ہیں۔ ان کی بے عملی اور ناکارگی کی شکایتیں عام ہوتی ہیں، لیکن جب تعارف شائع ہوگا تو اس طرح شائع ہوگا کہ جیسے دین کی اور مسلمانوں کی خدمت ان کے علاوہ کسی اور جانب سے ہوتی ہی نہیں، کتنے مکاتب فکر ہیں، جو اپنی ظاہری وباطنی غلطیوں کے باوجود خود کو معصوم ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں، یہ صورت حال خودستائی اور اپنی مدح سرائی کی بہت تشویشناک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ هُوَ أَعْلَمُ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (النجم، ۳۲) تم کو وہ خوب جانتا ہے جب بنا نکالا تم کو زمین سے، اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں، سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں، وہ خوب جانتا ہے، اس کو جو بچ کر نکلا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو، اور اپنے کو بہت بزرگ نہ

بناؤ وہ سب کی بزرگی اور پاکیزگی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا، آدمی کو چاہیئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے جس کی ابتدا مٹی سے تھی پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا، اس کے بعد کتنی جسمانی وروحانی کمزوریوں سے دوچار رہا، آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہونچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں، جو واقعی متقی ہوتے ہیں، وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہوجانا بشریت کے حد سے باہر ہے، کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہوجاتی ہے الا من عصمہ اللہ (فوائد عثمانی)

یہ بات جس طرح ایک فرد کے حق میں صحیح اور قابل غور ہے، اسی طرح اجتماعی اداروں کے اوپر بھی منطبق اور ان کیلئے لائق توجہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق

(رجب تا رمضان ۱۴۱۶ھ/ جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تصوف ہمارا قیمتی سرمایہ

ادھر چند برسوں میں اہل اسلام کے درمیان سے علم وفضل اور زُہد وتقویٰ کے لحاظ سے ممتاز، اتنی بڑی بڑی شخصیتیں مسلسل اُٹھتی چلی گئی ہیں کہ کم ازکم ہندوستان کے دینی بلکہ انسانی حلقوں میں ایک ناقابل تدارک خلاء محسوس ہونے لگا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کی تاریکی اور دھوئیں میں یہ نورانی ہستیاں گھٹن اور وحشت محسوس کرنے لگی تھیں، اس پر حق تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے ایک بڑی تعداد کو اپنی آغوشِ رحمت میں بلالیا۔

یہ تو حقیقت ہے کہ انسان دنیا میں مسافرانہ وارد ہوا ہے، اس کا سفر برابر طے ہورہا ہے، ہرروز ایک انسانی قافلہ شب وروز کی راہ قطع کرتا ہوا عدم کی منزل میں گم ہوجاتا ہے، تاہم ہرروز ایک نیا قافلہ اس دنیا میں وارد ہوکر جانے والوں کی جگہ پُر کرلیتا ہے، لیکن انھیں جانے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جانا دنیا کو بہت محسوس ہوتا ہے، وہ رحمت وبرکت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ ان کے سائے میں ایک عالم کا عالم راحت پاتا ہے، ان کے وجود سے دلوں میں روشنی محسوس ہوتی ہے، ان کی صحبت میں سکون واطمینان کی چادر سی تنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب چلے جاتے ہیں تو بے شمار انسان بے سایہ اور بے سہارا لگنے لگتے ہیں، پھر دنیا کے ستائے ہوئے لوگ، مصیبت کے مارے ہوئے لوگ، علم وعمل کے پیاسے لوگ، گزر جانے والوں کا بدل تلاش کرتے ہیں اور نہیں پاتے، تو انھیں دہری مصیبت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ہم کئی سال سے جن شخصیتوں کو کھوتے چلے جارہے ہیں، وہ اسی شان کی تھیں جس

کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہر شخصیت ایسی ہی تھی کہ آج ان کا بدل تلاش کرنے سے نہیں ملتا۔ یہاں ان سطروں میں ہم ان بزرگانِ رفتہ کا ماتم نہیں کرنا چاہتے، بلکہ اس پر غور کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے اخوان واحباب کو دعوتِ فکر دینا چاہتے ہیں کہ گزر جانے والی نسل میں وہ کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے وہ ساری انسانیت کے لئے پناہ گاہ بن گئے تھے، اور ان کے سائے میں ہر آنے والا سکون اور خنکی محسوس کرتا تھا، اور موجودہ نسل سے وہ کیا چیز گم گئی ہے کہ اس کے پاس سوزش، تکلیف، پیاس اور بے اطمینانی کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

لوگوں کے رُجحانات بدلے ہوئے ہیں، ہوا کا رُخ کچھ اور ہے، اس سے ہٹ کر گفتگو کرنا اپنے آپ کو موردِ طعن بنانا ہے، لیکن جو بات کہنے کی ہے اسے ''حلقۂ یاراں'' میں لانا ضروری ہے، شاید دلوں کی آنکھ کھلے، شاید کسی کو نفع ہو۔

جب ہم ان بزرگوں کی زندگی اور ان کی سیرت وشمائل پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ جن کمالات کی وجہ سے انھیں دنیا نے اپنے دل میں جگہ دی ان کا اصل منبع اور سرچشمہ وہی چیز ہے جسے آج کل اسلام میں شجرِ ممنوعہ قرار دیا جارہا ہے، وہ کیا ہے؟ وہ تصوف ہے۔ یہ سارے حضراتِ اکابر تصوف کے ذوق آشنا ہی نہیں عملاً اس کوچہ کے رہ نورد اور اس طریق کے سالک تھے، اسی تصوف نے ان کی زندگیوں میں اس درجہ حلاوت، کیف اور چاشنی بھر دی تھی کہ جو بھی ان کی صحبت میں پہونچ گیا وہ ان میں جذب ہوکر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ ان کو جو حکم ہے وہ یہی ہے کہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کریں۔ اور اسی اخلاص میں آدمی ترقی کرتا ہے تو اسے مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے، جو عبادت اور دین کا اصل جوہر ہے، اس کو حاصل ہونے کے بعد آدمی کا رُواں رُواں صدا دینے لگتا ہے کہ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ بے شک میری نماز، میری قربانی بلکہ میری زندگی اور موت محض اللہ کے لئے ہے جو سارے عالم کا پروردگار ہے۔

اسی اخلاص اور احسان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اس تک پہونچنے کا راستہ

تصوف کے نام سے معروف ہے۔ اب خواہ کوئی اس نام سے بھڑکے یا اسے غیر اسلامی چیز قرار دے، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس راہ کو اپنائے بغیر اخلاص اور احسان کے نام اور اس کی علمی تشریحات کی معرفت تو ہو سکتی ہے، لیکن آدمی کا دل و دماغ اور اس کا ریشہ ریشہ اس کی حلاوت سے سرشار ہو جائے، اس کا حصول مشائخ کی صحبت اور تصوف کی عملی مشق کے بغیر بہت دشوار ہے۔ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے آدمی خواہ اس سے صرفِ نظر کرے، مگر اس کے بغیر اسے اپنی زندگی میں خلاء ضرور محسوس ہوتا ہے، بشرطیکہ حس ماؤف نہ ہو چکی ہو۔ آج دنیا میں انسان اپنے کو بہت سی لایعنی مشغولیات میں مبتلا کر کے حقائق سے فرار اختیار کرتا ہے مگر مرض اور بڑھاپا تمام لایعنی مشغلوں کو چھڑا دیتا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو اپنی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے، اور اصحاب توفیق اس پر پہلے ہی متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور و معروف صاحب علم و تدریس حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا اعتراف اور ان کی آپ بیتی ملاحظہ کر لینی چاہئے۔ یہ صرف انھیں کے دل کی آواز نہیں ہے، بلکہ غور کریں گے تو بکثرت اصحاب علم و فضل کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا نکلتی ہوئی محسوس ہوگی، یہ اور بات ہے کہ امام غزالی نے اس صدا پر لبیک کہی اور بہت سے حضرات اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ امام غزالی کی تحریر کا یہ اقتباس ہم حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کی مایہ ناز کتاب ''تاریخ دعوت و عزیمت'' حصہ اول سے نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب علوم و فنون کی کئی بے برگ و گیاہ وادیوں کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''اب صرف تصوف باقی رہ گیا ہے، میں ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوا، تصوف علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ میرے لئے علم کا معاملہ آسان تھا، میں نے ابوطالب مکی کی ''قوت القلوب'' اور حارث محاسبی کی تصنیفات، اور حضرت جنید و شبلی و بایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات پڑھے اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاتا تھا، وہ میں نے حاصل کر لیا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ ذوق و حال اور حالات کی تبدیلی سے پہونچا جا سکتا ہے، جو علوم میرا سرمایہ تھے خواہ شرعی

ہوں یا عقلی، ان سے مجھے وجودِ باری، نبوت اور معاد پر ایمان راسخ حاصل ہو چکا تھا، لیکن یہ بھی کسی دلیل محض سے نہیں بلکہ ان اسباب وقرائن اور تجربوں کی بنا پر جن کی تفصیل مشکل ہے، مجھ پر یہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ سعادتِ اُخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارِ فانی سے بے رغبتی، آخرت کی طرف میلان وکشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعہ قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے، لیکن یہ جاہ ومال سے اعراض اور موانع وعلائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں۔ میں نے اپنے حالات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سرتاپا دُنیوی علائق میں غرق ہوں۔ میرا سب سے افضل عمل تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا، لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم کی طرف ہے جو نہ اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلے میں کچھ فائدہ پہونچانے والے ہیں۔ میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہ تھی، بلکہ اس کا باعث ومحرک بھی محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا، تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوں، اگر میں نے اصلاح حال کے لئے کوشش نہ کی تو میرے لئے سخت خطرہ ہے۔‘‘

اس کے بعد امام غزالیؒ اپنی اندرونی کش مکش، ایمان ونفس کی آویزش، پھر اس کی وجہ سے اپنے مبتلائے امراض ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد بغداد سے نکلنے، تدریس کو چھوڑنے، لوگوں کے افسوس کرنے کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دس سالہ مجاہدات کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد انھوں نے بطور خلاصہ کے تحریر فرمایا ہے کہ:

’’ان تنہائیوں میں مجھے جو کچھ انکشافات ہوئے، اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اس کی تفصیل اور استقصاء تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ

تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ ان کے ظاہری وباطنی حرکات وسکنات مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔'' (المنقذ من الضلال)

یہ عاقل ترین عالم کی شہادت ہے اور بلاشبہہ صحیح اور قابل اعتماد ہے، جو لوگ تصوف کے منکر ہیں ان سے تو کچھ نہیں کہنا ہے، لیکن جو حضرات اس کے قائل ومعترف ہیں انھیں عملاً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، وہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جو صرف دنیا اور دنیاوی متاع واسباب کے لئے بسر ہو، زندگی تو وہی ہے جو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہو اور اس کی رضا جوئی کی عملی مشق کا نام تصوف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے لوگوں نے غیر مخلصانہ طریق پر تصوف میں قدم رکھا، اور انھوں نے اپنے اعمال وکردار سے اس پاک طریقہ کو بدنام کیا، لیکن کیا کچھ غلط افراد کی ناکردنی کے باعث اس ضروری عمل کو چھوڑ دیا جائے، ہرگز نہیں۔ تصوف انسان کو کہاں سے کہاں تک پہونچاتا ہے، اس کا بیان ایک بڑے صاحب علم وعقل اور زبردست دنیوی وجاہت کے مالک نواب صدر یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے! وہ اپنے زمانے کے مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچے تو ان کا کیا تاثر تھا، اسے ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ تصوف آدمی کو کن بلندیوں تک پہونچادیا کرتا ہے، بشرطیکہ اس کو اخلاص وصدق کے ساتھ اختیار کیا جائے۔ فرماتے ہیں:

حضرت کی خدمت میں پہونچ کر دو زبردست خیالات میرے دل میں طاری ہوئے، جن کے سبب یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ میں نے حضرت کا مرتبہ پہچان لیا، لیکن یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں سوائے ظاہری مشابہت کے اور کوئی مشابہت نہیں، ہمارے خیالات سے ان کے خیالات الگ، ہمارے ارادوں سے ان کے ارادے جدا،

ہمارے مشاغل سے ان کے مشاغل علیٰحدہ، ان کی امیدیں اور، خوشیاں اور، خوف اور مقصود اور۔ آگ لکڑی کو جلاتی ہے ہم بھی دیکھتے ہیں اور ان کے بھی پیش نظر ہے، لیکن ہم کیا سمجھتے ہیں، ان کے ذہن میں کیا آتا ہے۔

اول خیال تو یہ تھا کہ مرادآباد دُنیا میں ہے، اور گاؤں نہیں قصبہ ہے، لیکن حضرت کی مسجد میں ایک دوسرا عالم نظر آتا تھا، دنیاوی معاملات کا کوسوں پتہ نہ تھا، خود حضرت کی گفتار و کردار اور وہاں کے اہل قیام کے احوال سے (عام اس سے کہ وہ چند گھنٹوں کے لئے آئے ہوئے ہیں یا دو چار برس سے رہتے ہیں) یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو تعلقاتِ دنیوی سے کنارہ کر آئے ہیں، حیدرآباد کے امیر وکبیر نواب خورشید جاہ بہادر جو ۵۲/لاکھ کے معافی دار ہیں، میرے پہونچنے سے صرف ایک روز پہلے وہاں آئے تھے، مگر ان کا ذکر نہ تھا اور نہ کوئی وقعت ان کی کسی کے ذہن میں معلوم ہوتی تھی، حالانکہ کانپور اور بلہوران کے تذکروں کی صداؤں سے گونج رہے تھے، اور ہر ایک سوسائٹی (خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ) ان کے تذکروں کو اپنے جلسوں کا دلچسپ مبحث بنائے ہوئے تھی، پھر یہ کس کا اثر تھا؟ آیا مرادآباد کے پانی کا؟ ہرگز نہیں، وہاں کی خاک کا؟ ہرگز نہیں۔ وہاں کے درودیوار کا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت کے ہاتھ پاؤں کا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت کے بالوں کا؟ ہرگز نہیں۔ البتہ اس کیفیت کا اثر تھا جو حضرت کے قلب میں تھی۔ وہ کیفیت کیا تھی؟ اس سے کون واقف ہے اور کوئی کیا جانے؟ مریض کا بدن بخار سے جلتا ہے، مگر وہ سوائے اثر کے مؤثر کو نہیں جانتا۔ سبب کو تشخیص کرنا طبیب کا کام ہے، ہم بدن پر ہاتھ رکھ کر گرمی محسوس کر سکتے ہیں، مریض کو اپنا جسم گرم اور منہ کا مزہ تلخ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ جاننا کہ یہ غلبۂ صفراء کا نتیجہ ہے، طبیب کا کام ہے۔

دوسرا خیال یہ تھا کہ خود میرا ذہن مجھ کو ذلیل سمجھتا تھا، اور ہر چند حیرت سے غور کرتا تھا لیکن کوئی وقعت اپنی میرے ذہن میں نہیں آتی تھی، دنیاوی جلسوں میں لفٹنٹ کے دربار دیکھے، رؤسا کے مجمع دیکھے، اہل علم کی مجلسیں دیکھیں، مگر کہیں اپنے نفس کو اتنا بے

☆☆☆☆☆☆☆

حقیقت نہیں پایا، اپنے اعمالِ ذمیمہ پر خود نفس ملامت کرتا تھا اور اپنی بے مائیگی پر خود

نفریں کن تھا، ہر شخص سے خواہ وہ کوئی ہو، اپنے تئیں کم وقعت تصور کرتا تھا، غرض کہ ایک عجیب حال تھا کہ پورا بیان میں آنا مشکل ہے۔ وہاں سے آنے پر یہ خیالات ایسے رہے جیسے کہ کسی دلچسپ خواب کا صبح کو خیال اور لطف ہوتا ہے، رفتہ رفتہ یہ کیفیت زائل ہوگئی اور چند لمحے کے بعد پھر نفس امارہ أنا و لا غیری اور ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کے پھندے میں جا پھنسا، یہ خیال میرے نزدیک محض نئے اور نرالے تھے جو مدت العمر میں کسی اور جگہ کبھی نہیں پیدا ہوئے، اس سے قیاس چاہتا ہے کہ وہ جگہ بھی کچھ اور جگہوں سے نرالی تھی،،، اللہ بس باقی ہوس۔'' (تذکرۂ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی)

غور کیجئے! یہ نرالی جگہ، یہ نرالی کیفیت اور خیال! کس چیز کا اثر ہے، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے قلب پر وہ کیفیت کہاں سے طاری ہوئی، اس کا سرچشمہ بجز تصوف کے اور کیا ہے؟ ان کو تصوف ہی نے مرصع کیا تھا، اور اس چیز کو ان کی زندگی سے نکال دیجئے تو دیکھئے کیا بچتا ہے۔

تصوف ہمارا بہت قیمتی سرمایہ ہے، ایک لازوال دولت ہے، اس راہ سے بندہ اپنے رب سے واصل ہوتا ہے، تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، وہ شریعت کے آدمی میں رچ بس جانے کا ایک بے بدل ذریعہ ہے۔ اس کے بنیادی ارکان پانچ ہیں، (۱) صحبت شیخ، (۲) علم شریعت، (۳) ذکر کی کثرت، (۴) فکر کا التزام، (۵) اور امراضِ نفسانی کا علاج۔ ان میں کون سی چیز قابل اعتراض ہے، اور کون سی بات شریعت کے باہر ہے؟

اس سرمایہ کی حفاظت حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارھما کے اخلاف کی ذمہ داری ہے۔

(رجب تا رمضان ۱۴۱۸ھ/نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء، جنوری ۱۹۹۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تنقید کا دوہرا معیار

کسی شہر میں کوئی رئیس تھے، ان کا تکیۂ کلام تھا ''جو ہے سو ہے'' ہر گفتگو میں یہی مہمل جملہ ان کی زبان سے ادا ہوتا رہتا تھا، ایک مرتبہ انھوں نے کسی سے فرمائش کی، کہ تم بازار جاؤ ''جو ہے سو ہے'' وہاں سے ''جو ہے سو ہے'' فلاں سامان ''جو ہے سو ہے'' لیتے آؤ، ''جو ہے سو ہے''۔ وہ شخص چلا گیا، کچھ دیر کے بعد وہ خالی ہاتھ واپس آیا، رئیس نے خالی ہاتھ دیکھا تو ان کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، انھوں نے وجہ پوچھی تو یہ کہتا ہے، میں بازار گیا ''جو ہے سو ہے''، مگر آج ''جو ہے سو ہے'' بازار ''جو ہے سو ہے'' بند ہے، ''جو ہے سو ہے''۔ یہ سن کر وہ رئیس آگ بگولہ ہوگئے، اسے مارنے کو دوڑے، کہتے جا رہے تھے کہ میں کہوں ''جو ہے سو ہے''، تم مت کہو ''جو ہے سو ہے''۔

یہی حال ہمارے درمیان پائی جانی والی بعض جماعتوں کا ہے، کہ جس کام کو وہ خود نہایت بلند آہنگی اور جرأت کے ساتھ کر رہی ہیں، اگر جواب کے طور پر انھیں کے حق میں وہی کام کوئی دوسرا کر دے، تو ان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ جس طرز عمل کو انھوں نے اپنے لئے اختیار کیا ہے، دوسروں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت دیں۔ مثلاً ایک جماعت ہے جو ''عمل بالحدیث'' کا دعویٰ کرتی ہے، دعویٰ تو بہت اچھا ہے، اور ہر مسلمان اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر عمل کرے۔ کوئی شخص جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہو، اس کے بارے میں یہ سوچا نہیں جا سکتا کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ارشاد آئے اور وہ اسے رد کر دے، لیکن اس جماعت کے تیور ایسے ہیں، جیسے دوسرے لوگ عمل بالحدیث سے تہی مایہ ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ تیور ان کی تحریروں اور تقریروں سے ظاہر

ہوتا ہے، وہ صراحۃً اپنے علاوہ دوسروں کو عمل بالحدیث سے منحرف قرار دیتے ہیں، عمل بالحدیث کے دعویٰ کا سہارا لے کر وہ جس پر چاہتے ہیں تنقید کا تیشہ چلادیتے ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ اپنے زعم میں محسوس کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے ان کی معمول بہ حدیث پر عمل نہیں ہے، تو ان کے حق میں بھی بے تکلف زبان اور قلم کو حرکت دینے لگتے ہیں۔ جرح وتنقید اور تجہیل وتضلیل کا عمل ان کے ہاں خوب رائج ہے، دوسروں کے حق میں یہ سب رَوا ہی نہیں، معمول ودستور ہے، لیکن یہی حق وہ دوسروں کو دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور اگر کسی نے ان کے حق میں ذرا بھی زبانِ تنقید کھولی تو اس جماعت کے چھوٹے بڑے سب بوکھلا جاتے ہیں، پھر جواب بنے یا نہ بنے، بات معقول ہو یا نا معقول، جوابی کاروائی ضروری ہوجاتی ہے، گویا وہ زبانِ حال سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم جس کی گردن پر چاہیں چھری رکھ دیں، لیکن ہمیں چاقو کی نوک بھی برداشت نہیں، اس سلسلے میں یہ جماعت بڑی حساس ہے، یہ جماعت کسی کی تقلید نہیں کرتی، لیکن بعض علماء کو ذہنی طور پر اپنا پیشوا تسلیم کرتی ہے۔ یہ اگر امام ابوحنیفہؒ کو کچھ کہے تو کسی کو مجالِ جواب نہیں، لیکن اگر کسی نے علامہ ابن تیمیہ یا شیخ ناصر الدین البانی کو کچھ کہہ دیا تو پوری مشنری حرکت میں آجاتی ہے، حالانکہ یہ لوگ ان کے مقلد نہیں ہیں، مگر نہ جانے ان کے بارے میں اتنے حساس کیوں ہیں؟ اگر امام ابوحنیفہ کی تغلیط یہ لوگ کرسکتے ہیں، تو دوسروں کو بھی حق دیں کہ وہ ان کے اور ان کے ذہنی مقتداؤں کی تغلیط کرسکیں۔ الماٰثر کے پچھلے دوایک شماروں میں ان کے تنقیدی حملوں کا قدرے جواب چکایا گیا تو انھیں سخت ناگوار گزرا ہے، بہت برہم ہوئے ہیں، اب اُدھر سے حملوں کی شدت بڑھ رہی ہے، لیکن ہم مطمئن ہیں ہمیں اور بھی کام ہیں، ان کے پاس وہی پُرانے حربے ہیں جن کی جھنکار سننے کے ہم عادی ہیں۔ البتہ یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جو طرزِ عمل وہ دوسروں کے حق میں رَوا رکھتے ہیں، اس کی اجازت وہ دوسروں کو نہیں دیتے، یہ بات کیا حدیث کے خلاف نہیں ہے؟

جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان لوگوں کے حملوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے، کیونکہ یہ حملے ان کا تکیۂ کلام ہیں، کہاں تک ان کا تعاقب کیا جائے گا، اسی لئے باوجودیکہ ہمارے حلقوں

میں بھی زبان وقلم کی کمی نہیں ہے، لیکن عموماً لوگ خاموش رہتے ہیں، اور جواب میں الجھنے کو کارِ لایعنی خیال کرتے ہیں، اور واقعی بات یہی ہے۔ تاہم چند باتیں پیش نظر ہوتی ہیں، اس لئے کسی قدر جوابی کارروائی پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

**اوّل**: یہ کہ ان کی بے محابا تنقیدات سے فقہی احکام میں غلو اور تشدد پیدا ہوتا ہے، مثلاً ناواقفوں کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ بہت سے فقہی احکام میں احناف بالکل خلافِ سنت ہیں، حالانکہ وہ مسائل کتاب وسنت کی قوی بنیادوں پر قائم ہیں، اب انھیں قطعی خلافِ سنت قرار دے کر دوسرے کسی طرزِ عمل میں سنت وشریعت کو منحصر کردینا، یہی تشدد اور غلو ہے، جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

**دوسرے**: یہ کہ اگر حملہ آور کو روکا نہ جائے تو بے جا طور پر اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ تشکیک میں مبتلا ہونے لگتے ہیں، چنانچہ ان کے شوروغل کی وجہ سے بسا اوقات دیکھا گیا ہے، جو احناف ان سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اپنے مسلک کی طرف سے شک وشبہ کے شکار ہونے لگتے ہیں، تو اس لئے کہ وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمارا جواب دوسروں کے پاس ہے ہی نہیں، اور اس لئے کہ اپنے لوگ شک وشبہ میں نہ مبتلا ہوں، جواب دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

**تیسرے**: یہ کہ ان کی تنقیدوں کے ضربات سے بہت سے ائمہ متقدمین، مشائخ اور بزرگانِ دین کی آبرو مجروح ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں پچھلوں کا رشتہ اگلوں سے ٹوٹنے لگتا ہے، جو ان کے لئے خسارہ کا باعث ہے، یہ ضرورت بھی مجبور کرتی ہے کہ انھیں سمجھایا جائے، اور ان کی خدمت میں عرض کیا جائے،

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اور اگر اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ تُرکی بہ تُرکی جواب دینے والے موجود ہیں۔ سعدی علیہ الرحمہ کی یہ نصیحت بہت برمحل ہے

ہر بیشہ گماں مبر کی خالی ست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ہر جھاڑی کو یہ نہ سمجھو کہ خالی ہے، ممکن ہے وہاں کوئی چیتا سویا ہوا ہو۔

اور یہ جو عرض کیا گیا کہ ان تنقید کی ضربوں سے مشائخ اور بزرگان دین کی آبرو مجروح ہوتی ہے، تو یہ واقعہ ہے، کچھ عرصہ پہلے تک تو فقہاء کرام ان کی نوازشوں اور عنایات کے مورد تھے، مگر اب دائرہ وسیع ہو گیا ہے، جو لوگ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی آبرو تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی، اور جو اس ملک میں دین کے تحفظ و بقاء کے جلی عنوان تھے۔

اب ان کی عزت و آبرو بھی تار تار ہو رہی ہے۔کون نہیں جانتا کہ ہندوستان میں ایک زمانہ میں حکومت کی سطح پر دین اسلام کے خاتمہ کا اعلان ایک ایسے بادشاہ کی طرف سے کرایا جا رہا تھا، جس کے آباء و اجداد مسلمان تھے، لیکن اسے باور کرا دیا گیا تھا کہ دین محمدی پر ہزار سال بیت چکے ہیں، اس لئے اس کی عمر پوری ہو چکی ہے، اب بادشاہ سلامت ایک دوسرے دین کی داغ بیل ڈالیں، چنانچہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک نئے دین کا ''معجون مرکب'' تیار کیا۔اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہندوستان سے دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو کھڑا کیا، انھوں نے کمالِ عزیمت کے ساتھ اکبری فتنہ کا خاتمہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انھیں جو قوتِ ایمانی، عزیمتِ روحانی اور رسوخِ علم نیز عالی ہمتی عطا فرمائی تھی، اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی جو خاص توفیق شامل تھی، اس کی برکت سے انھوں نے وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کے جگائے ہوئے فتنہ کو موت کی نیند سلا دیا، ان کی دینی خدمات کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے۔ہندوستان کی تاریخ پر جس کی ذرا بھی نگاہ ہوگی، وہ مجدد صاحب کی عظمت کے اعتراف پر مجبور ہوگا، یہ انھیں کی مساعیٔ مشکورہ اور دعا ہائے سحر گاہی کی برکت ہے کہ جس تخت سے دین اسلام کے خاتمہ کا اعلان کیا جا رہا تھا، ایک ہی پشت کے بعد اس پر شاہجہاں جیسا بادشاہ آتا ہے، جس نے ملک کو اسلامی آثار سے جگمگا دیا، اور اس کے معاً بعد اورنگ زیب عالمگیر جیسا دیندار اور خدا ترس بادشاہ اسی

تخت پر آتا ہے جس کے علم اور بزرگی کا شہرہ عام ہے۔

مگر یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ مذکورہ بالا حلقے میں اس جیسے عظیم بزرگ کی کھال بھی محفوظ نہیں رہی، کیا ان کے حصے میں یہی بات رہ گئی ہے کہ جن بزرگوں نے سب کچھ قربان کر کے رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی حفاظت کی ہے، ان کے گوشت اور کھال کو زاغ و زغن کے قبضے میں دے دیا جائے، اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگے۔ ان کا قصور کیا تھا کہ ان کی خدمات پر پانی پھیرنے کی سعی کی جارہی ہے؟ قصور یہ ہے کہ یہ بزرگ اور ان کے سلسلے کے دوسرے بزرگ تصوف کے علمبردار تھے، ان کی زندگی کا سب سے جلی عنوان تصوف تھا، اور تصوف اس حلقہ میں قطعاً گردن زدنی ہے۔ تصوف کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی قابل قبول نہیں اور تصوف نہ ہو تو شاید ہر گناہ قابل عفو ہے۔

تصوف! جس کے بغیر کل تک کسی دینی شخصیت یا دینی خدمت کی تکمیل نہیں ہوتی تھی۔ تصوف! جس کی خانقاہ میں مجاہدین اسلام کی پرورش ہوئی ہے۔ تصوف! جس کو ہندوستان کے خدامِ دین کی زندگی سے نکال لیجئے تو کچھ نہیں بچتا۔ تصوف! جس نے اللہ کے بے شمار بندوں کو دین و ایمان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا حوصلہ بخشا تھا۔ چودہویں صدی ہجری کے وسط تک کسی بزرگ، کسی عالم دین کا نام لیجئے، تصوف اس کی زندگی میں جگمگا رہا ہوگا، حتیٰ کہ جماعت مذکور کے ابتدائی پیشوا میاں نذیر حسین صاحب اور نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی وغیرہ بھی اس میکدہ کے مے گساروں میں تھے۔ ہندوستان کا مشہور خانوادہ جس کو یہ لوگ قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ اس خانوادہ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں، یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید، ان سب حضرات کی تربیت تصوف ہی کے زیر اثر ہوئی تھی، اب وہی تصوف ایک ناقابل معافی جرم بن چکا ہے، نہ جانے اس کے باوجود شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید کو یہ لوگ ابھی تک کیوں اپنا پیشوا تسلیم کئے جارہے ہیں، حالانکہ ان کے پورے وجود پر تصوف چھایا ہوا ہے۔

غلط کار لوگ ہر جگہ داخل ہو جاتے ہیں اور غلطیاں ہر جگہ رہ جاتی ہیں، ان غلطیوں پر روک ٹوک کرنا عین تقاضائے ایمان ہے، اور غلط کاروں کو متنبہ کر دینا، ان کی نشاندہی کرنا بالکل ضروری ہے، لیکن سرے سے تصوف وسلوک کا انکار کر دینا، یہ کیا ہے؟ یہ تو مسلمانوں کو ان تابناک ماضی سے کاٹ کر رکھ دینا ہے، معتمد علماء ومشائخ سے بدگمان کر دینا ہے، آزادروی کی نئی راہ کھول دینی ہے جس پر چل کر آدمی اباحیت اور الحاد ودہریت کے گڈھے میں گر جائے، چنانچہ اس کا تجربہ ہے۔

کاش یہ لوگ بزرگوں کی کھال نہ نوچتے، بلکہ اپنی کھال پر نظر رکھتے کہ کہاں کہاں داغ دھبہ لگا ہوا ہے، اسے صاف کرتے، اپنا احتساب کرتے تو بہتر ہوتا۔

ہندوستان ہی میں نہیں، دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں صوفیہ اور مشائخ کی روشن خدمات ہیں، انھوں نے جان پر کھیل کر دین کی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے، ان کے ذریعے سے جس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی ہے، کوئی دوسرا ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ ابھی چند سال پہلے جب روس کی حکومت پارہ پارہ ہوئی تھی، تو اچانک کئی اسلامی ریاستیں نکل کھڑی ہوئیں، دنیا کو حیرت ہوئی کہ ستّر سال کمیونزم کے آہنی پنجے میں دبے رہنے کے باوجود مسلمان اب بھی اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس وقت دارالمصنفین اعظم گڈھ میں ڈربن یونیورسٹی (افریقہ) کے پروفیسر حبیب الحق صاحب تشریف لائے تھے، انھوں نے خود ان ممالک اور ریاستوں میں جا کر ان کا مشاہدہ کیا تھا، انھوں نے جدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات کے مجمع میں ..... اور ان میں وہ بھی تھے جو کسی طرح تصوف کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ..... بڑی قوت سے کہا کہ ان ممالک میں اسلام کی حفاظت کی خدمت ان لوگوں نے انجام دی، جنھیں آج کچھ لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے، انھوں نے کہا وہاں خطرناک سے خطرناک حالات میں جن لوگوں نے اسلام کو سینوں سے لگائے رکھا، وہ تاریک جنگلوں اور دشوار گزار بیابانوں اور گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر ماؤں کی گود سے شب کے سنّاٹے میں ننھے منے بچوں کو لے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے بچ کر انھیں قرآن کی تعلیم دیتے، یہ صوفیہ

تھے! صرف صوفیہ تھے!!

اب لوگوں کے منہ میں زبان ہے، ہاتھ میں قلم ہے، دولت کی فراوانی ہے، پریس کی بہتات ہے، طباعت کی سہولت ہے، کوئی کسی کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، زبان روکنے والا نہیں، جس کا جو جی چاہے بولے، لکھے، شائع کرائے، لیکن کیا اس کا کوئی حساب کتاب نہیں، ڈرنا چاہیئے کہ کل کہیں ایسا نہ ہو کہ ان خادمانِ دین کا ہاتھ ہو اور خردہ گیروں کا دامن ہو، اور دربارِ خداوندی میں پیشی ہو۔ اس وقت بڑی دشواری ہوگی، اللہ تعالیٰ اسلاف کے حق میں بد گوئی اور الزام تراشی سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ **وباللہ التوفیق**

(محرم، صفر، ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ / جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۶ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# بے لگام سلفیت

ایک زمانے میں ہندوستان کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا اور کھلا ہوا فتنہ ''رافضیت'' کا تھا۔علماء اہل سنت بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت سیّد احمد شہید، مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اس فرقہ پر ضرب لگائی تو مسلمان اس سے چوکنے ہو گئے اور بہت کچھ اپنے آپ کو اس سے بچالیا، ورنہ اس فرقہ نے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی پر کفر و نفاق کی تہمت رکھ کر مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے کی اپنی والی کوشش کر ڈالی تھی، اور اس کے ساتھ بہت سے کفریہ اور شرکیہ کلمات اور عقائد مسلمانوں کے معاشرہ میں رائج کر دیئے تھے۔

اس فرقہ کا زور گھٹ رہا تھا کہ بریلویت اور رضاخانیت کا طوفان اٹھا، اس فرقہ نے کفر کے فتوؤں کی تلوار ہاتھ میں لے لی، اور اپنے خیال ونظریہ سے جس کو بھی علیحدہ پایا، اس پر یہ تلوار چلادی۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت اور کوئی شخصیت بجز رضاخانیت اور رضاخانیوں کے ایسی نہیں بچی جوان کے کفریہ فتوؤں سے گھائل نہ ہوئی ہو، اب بھی یہ فرقہ اپنے اس ''عمل خاص'' میں مصروف ہے، مگر اب تلوار کی کاٹ وہ نہیں رہی، جو پہلے تھی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے ذرا مہلت مل رہی تھی کہ تکفیر و تضلیل کا ایک دوسرا طوفان اٹھنے لگا، اس طوفان کو اٹھانے والے ہیں تو ہندوستانی اور پاکستانی غیر مقلدین! مگر سہارا لینے کی کوشش کی ہے وادئ نجد سے! اس کی اُٹھان بھی ٹھیک اسی شان سے ہوئی ہے جس شان سے رضاخانیت کا فتنہ اٹھا تھا، یعنی جیسے احمد رضا خان بریلوی نے ہندوستان کے

علماء حق کی اردو عبارتوں میں قطع وبرید کی اور جو جی چاہا ترجمہ کیا، اوراسی ترجمہ کو پیش کر کے علماء حرمین سے کفر کا فتویٰ حاصل کیا، ٹھیک اسی کی تقلید اس فتنہ کے بانیوں نے کی۔ انھوں نے بھی علماء حق (علماء دیوبند) کے احوال واقوال اور عبارتوں کو جیسے تیسے پیش کیا، اور سعودی علماء سے فتوے لکھوائے، احمد رضا خان بریلوی نے جو مجموعہ مرتب کیا تھا اس کا نام ''حسام الحرمین'' ہے، اوران بانیان فتنہ نے جو مجموعہ اکٹھا کیا، وہ ''**الديوبندية - تعريفها وعقائدها**'' یہ فتاویٰ کیا ہیں؟ تکفیر کی بے حجابانہ چلتی ہوئی تلواریں ہیں، ان کی زد میں موجودہ فرقۂ غیر مقلدین کے علاوہ بیشتر اگلے پچھلے مسلمانوں کی گردنیں ہیں، یہ اندھی اور بے شعور تلواریں ہیں جن کا عقل وفہم اور ''تاویل الاحادیث'' سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان تلواروں سے اورتو اور خود غیر مقلدین کے صف اول کے ائمہ کی گردنیں کٹی پڑی دکھائی دیتی ہیں، لیکن یہ فرقہ اب بھی ان کی مدح سرائی کرنے سے نہیں شرماتا، مثلاً شیخ الکل فی الکل مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب وحید الزماں حیدرآبادی وغیرہ، کیوں کہ جن بنیادوں پر علماء دیوبند کی تکفیر کی گئی ہے، وہ بنیادیں ان حضرات کے یہاں بھی پائی جاتی ہیں، دیکھئے: **وقفة مع اللامذهبية**'' مصنفہ مولانا ابوبکر غازی پوری۔

(اس کے ضروری حصوں کی تلخیص ''المآثر'' ج:۴، ش:۴ میں شائع ہو چکی ہے، اسے بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

اس کتاب میں فرقۂ غیر مقلدین کے علاوہ تمام مسلمانوں بالخصوص علماء دیوبند اور ان سے تعلق رکھنے والوں کوملت اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ کفریہ عقائد میں مبتلا ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ اہل اللہ اور مشائخ کے حق میں کرامات اور خوارق کے قائل ہیں، اوراس سلسلے میں جو واقعات ان کی طرف منسوب ہیں، انھیں سچ مانتے ہیں، مثلاً یہ کہ ان کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوتی ہے، تھوڑے وقت میں ان سے زیادہ کام ہوجاتا ہے، قلیل مدت میں طویل مسافت طے کر لیتے ہیں، بغیر اسباب ظاہری کے ان سے بعض امور صادر ہو جایا کرتے ہیں، اور بہت علوم جو عام انسانوں پر نہیں کھلتے منجانب اللہ ان پر کھل جاتے ہیں، اور یہ سب ان کے اختیار سے نہیں ہوتا، محض اللہ کے کرم وبخشش

سے ہوتا ہے! لیکن اسی قصور پر وہ ملت اسلام سے خارج ہیں، اور اس لئے ان پر کفر کا فتویٰ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو قبروں میں زندہ سمجھتے ہیں، اور روضۂ اطہر نبوی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو جائز بلکہ باعث اجروثواب سمجھتے ہیں، اور ان کا جرم یہ بھی ہے وہ دلائل الخیرات (درود شریف کی ایک کتاب) اور قصیدہ بردہ (عربی میں ایک مشہور نعت نبوی) پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا ایک گناہ یہ بھی ہے کہ ان کی دعاؤں اور توجہات سے مریضوں کو شفا مل جاتی ہے، نیز ان کا سب سے بڑا گناہ بلکہ کفر یہ ہے کہ وہ تصوف کے قائل، بلکہ اس پر عمل پیرا ہیں، یہ بالکل ناقابل معافی گناہ ہے، اور تصوف خواہ کہیں نظر آئے، اس پر تکفیر کی تلوار چمک کر رہتی ہے، غرض یہی بنیادیں ہیں جن کو بھیانک بنا بنا کر پیش کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کی تکفیر کی گئی ہے۔

صوفیہ اور مشائخ کے اعلیٰ حلقوں میں ایک علمی مسئلہ ’’وحدت الوجود‘‘ کا زیر بحث رہتا ہے، یہ ایک دقیق اور عمیق علمی مسئلہ ہے، اور جتنا دقیق ہے اتنا ہی مختلف فیہ بھی ہے اور نازک بھی، جو لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھتے، وہ اس کے موافق ہوں یا مخالف، بہر حال اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ اس کے قائل ہوئے اور انھوں نے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا، ان سے بہت سی گمراہیاں پھیلیں، لیکن بے سوچے سمجھے جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی وہ بھی کچھ کم بے راہ نہیں ہوئے، اور آج پوچھیے کہ کتنے لوگوں نے اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، اور کتنے اس سے واقف ہیں، اور کتنے لوگ اس کے عوارض ولوازم کو جانتے ہیں، عام طور پر اہل علم بھی اور دوسرے تمام مسلمان بھی ’’وحدت الوجود‘‘ کے مسئلہ سے یکسو ہو کر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، یہ مسئلہ نہ مدارِ ایمان واسلام اور نہ اس کا علم عام ہے، مگر ’’الدیوبندیۃ‘‘ کے غیر مقلد مصنف نے ضروری سمجھا کہ اخص الخواص کے دائرہ کے اس غامض علمی مسئلہ کو عامۃ الناس اور اہل علم کے سر تھوپ کر ان کی تکفیر کر لے، وحدت الوجود کے بارے میں بقول مصنف ’’الدیوبندیۃ‘‘ کبار علماء سنت کا فتویٰ ہے یہ ہے کہ ھٰؤلاء اکفر من النصاریٰ (الدیوبندیۃ، ص: ۴۷) یہ لوگ عیسائیوں سے

بدتر کافر ہیں، اور چونکہ ان کے نزدیک یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تمام علماء دیوبند اوران سے تعلق رکھنے والے، بلکہ ان سے پہلے کے بیشتر صوفیہ ومشائخ وحدت الوجود کے قائل ہیں، اس لئے بیک حملہ یہ سب نصاریٰ سے بڑھ کر کافر ہیں۔

اگر کوئی شخص اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر نظر رکھتا ہو، تو ہمیں شمار کرکے بتائے کہ دنیا میں کتنے مسلمان اس تکفیری فتویٰ سے بچتے ہیں، واللہ! ان کی تکفیر کا دھواں تو رضاخانیت سے غلیظ اور وسیع ہوگیا ہے، اور لطف یہ ہے کہ عقل وفہم کے یہ مساکین سرے سے وحدت الوجود کے مسئلے کو سمجھتے ہی نہیں، اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو وہ لوگ ہیں جنھیں ظواہر الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا، قرآن میں **الرحمن علی العرش استویٰ**، کا لفظ آ گیا، تو فرماتے ہیں کہ **ھل یکون الاستواء إلا الجلوس** (الدیوبندیہ، ص:۲۴۶) لیجئے، استواء جلوس وقعود میں منحصر ہوگیا، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے، گویا وہ آدمیوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ تاویل خواہ کتنی ہی ضروری ہو، لیکن ان کے نزدیک جائز نہیں، خواہ تاویل نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ماننا پڑے، اسے محدود تسلیم کرنا پڑے، جیسا کہ استواء کو جلوس کے معنی میں لینے سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن یہ گوارا ہے مگر تاویل گوارا نہیں، چنانچہ ان کے عقائد میں اس طرح کے خرافات بہت ہیں، خیر یہ ایک الگ موضوع ہے، کہنا یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان تو رضاخانیت ہی کے تکفیری حملوں سے نالاں تھے، اب یہ اس سے بڑا فتنہ پیدا ہوا ہے۔

مصنف الدیوبندیہ نے ہر مسئلہ کے تحت ”**رای کبار علماء السنة فی ھٰذہ المسألة**“ کے تحت کچھ علماء کی رائیں نقل کی ہیں اور انھیں کو کبار علماء السنة قرار دے کر ان کے فتووں کو وحی الٰہی کے طور پر علماء دیوبند کے خلاف پیش کیا گیا ہے، یہ کس قدوقامت کے لوگ ہیں؟ اور ان کا مبلغ علم وفہم کیا ہے؟ اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے:

الدیوبندیہ میں کسی مسعود الدین عثمانی کی کتاب ”توحید خالص“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ مدرسۂ دیوبند کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے رکھی ہے،

اور آپ کبھی کبھی اپنے خلفاء اور اصحاب کے ساتھ مدرسہ کا حساب دیکھنے تشریف لاتے تھے۔(الدیوبندیۃ،ص:۹٦)

مسعود الدین عثمانی خواہ کوئی ہوں، لیکن جو صورت واقعہ انھوں نے بیان کی ہے وہ سفید جھوٹ ہے، بنیاد رکھنے کی بات تو یہ ہے کہ نودرہ کی عمارت کی بنیاد جب رکھی جانی تھی تو ایک بزرگ مولانا رفیع الدین صاحب علیہ الرحمہ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور چھڑی سے نشان بنایا کہ یہاں سے بنیاد کھودیئے۔(تاریخ دار العلوم دیوبند، ج:۱،ص:۱۸۵)اور دوسرا واقعہ خود صاحب الدیوبندیہ نے لکھا ہے کہ حالت ذکر میں ایک بزرگ کو ایک خاص استغراقی حالت طاری ہوئی، اور اس حالت میں مکشوف ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور حضرت نانوتویؒ نے دار العلوم کے حسابات پیش کئے، یہ دونوں واقعے خواب اور کشف کے ہیں، اور یہ دونوں چیزیں از قبیل مبشرات ہیں، جن کے حق ہونے میں کسی طرح اہل حق کو کلام نہیں ہوسکتا، مگر ملاحظہ فرمایئے، اس پر ایک صاحب کس طرح برافروختہ ہوئے ہیں:

> ’’اس خرافاتی حکایت میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء اور اصحاب پر زبردست افتراء ہے، اور حدیث متواتر ہے کہ: من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار (جو بالقصد مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) تو جو لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء واصحاب پر افتراء کرتے ہیں وہ اس سے بچ نہیں سکتے، کہ اس وعید شدید کا بڑا حصہ ان پر صادق آکر رہے، اور ان لوگوں پر بھی، جو اس خرافی واقعہ کو سچ جانیں، وہ بھی اس زبردست جھوٹ کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔‘‘(حمود تو یجری،ص:۹۸)

نہ حقیقت واقعہ کی تحقیق اور نہ خواب ومکاشفہ کی شرعی حیثیت پر نظر! بس بے دلیل افتراء علی الرسول کی تہمت بے جا! اس بہتان طرازی کی بھی کچھ سزا ہوگی یا نہیں؟

ایک صاحب دو قدم اور آگے نظر آتے ہیں، فرماتے ہیں:

> پڑھو اے لوگو اور حیرت کرو! رسول اللہ ﷺ اس مدرسہ کی بنیاد کیسے رکھ سکتے ہیں، جو

آپ کی سنت سے جنگ کرتا ہو اور آپ کی سیرت وطریقے کو پھینک رہا ہو، یہ مدرسہ عقائد میں ماتریدی اور مذہب کے اعتبار سے حنفی ہے، اور اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور دین میں انتشار پر رکھی گئی ہے۔(۱) اس سے یہ رسول اللہ ﷺ راضی ہیں، نہ خلفائے راشدین خوش ہیں، نہ خود امام ابوحنیفہ! (تقی الدین ہلالی) ص:۹۸

اللہ اکبر! دین و مذہب کا فیصلہ ہلالی صاحب کے ہاتھ میں ہے، ماتریدی ہونا کفر ہے، حنفی ہونا شرک ہے، یا اللہ جانے کیا ہے؟ اور ہلالی صاحب یہ تو بتائیں کہ اس مدرسہ سے نہ رسول اللہ ﷺ راضی ہیں، نہ خلفائے راشدین، نہ صحابہ، نہ امام ابوحنیفہ! یہ غیب کا علم اور قطعی علم انھیں کہاں سے حاصل ہوا؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتایا ہے؟ یا ان پر وحی نازل ہوئی ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ پر افتراء ہے؟ بتائیں کہ کیا ہے؟ بلاشبہ یہ افتراء ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور صحابہ اور امام ابوحنیفہ پر باندھا گیا ہے، ولکن لایشعرون۔

نہ جانے علم سنت کی یہ کون سی قسم ہے، کہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل یہ صاحب جو ہانک دیں وہ وحی قطعی! اور کوئی غریب خواب دیکھے یا اسے کشف ہو تو وہ افتراء! یہ تو جنون ہے، پھر بھی یہ صاحب علماء کبار سنت میں شامل ہیں۔

مات کھا گئی رضاخانیت کی گستاخی، غیر مقلدیت کی بے باکی سے! گھٹنے ٹیک دیئے بریلویوں نے غیر مقلدوں کے سامنے! لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ہر چڑھاؤ کے لئے اتار ہے، علماء ومشائخ کی کھال سے الجھنے والے بہت دنوں تک اپنے گریبانوں کو بچائے نہیں رکھ سکتے، کسی زمانہ میں معتزلہ نے حکومت کا سہارا پاکر اہل سنت کو بہت تنگ کیا تھا، لیکن آخر ان کی دھجیاں بکھر گئیں۔ ایک دور میں فیضی اور ابوالفضل وغیرہ نے دربار اکبری کی بیساکھی لے کر مسلمانوں کو رگیدنا شروع کیا تھا، مگر ان کے تمام پُرزے اڑ گئے، اب ان زر پرست مولویوں نے سعودی حکومت اور علماء کو فریب دے کر تمام مسلمانوں پر کفر وشرک کی تلوار برسانی شروع کی ہے، لیکن یہ فریب کی کرسی عارضی چیز ہے، اس کا سہارا ناپائیدار ہے، نہ

جانے کب یہ کرسی نیچے سے کھسک جائے۔

خیر خواہی کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات کو معصوم نہ سمجھیں، اپنی عقل کو عقلِ کل نہ قرار دیں، اور حق کو اپنے ہی محدود حلقے میں منحصر نہ کریں، اپنے حق میں بھی غلطی کا امکان باقی رکھیں، دوسروں کے اقوال واحوال ومقاصد کو سمجھیں، آیاتِ الٰہی اور احادیث نبوی کو کھلونا نہ بنائیں اور بے محابا کفر کے فتوے نہ صادر کریں، اور خدا کی گرفت سے ڈریں۔**واللہ الموفق**

(رجب تا رمضان ۱۴۱۷ھ رجنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆☆

(۱) کاش ہلالی صاحب جانتے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کن حالات میں اور کن جذبات سے رکھی گئی ہے ،تو وہ اتنے بڑے جھوٹ کے گناہ سے بچ جاتے، یا ممکن ہے کہ اس شخص سے سچ بولنے کی قدرت سلب ہوگئی ہو، ان تحریریں جو ''الدیوبندیہ'' میں نقل کی گئی ہیں ان کے پڑھنے سے ایسا ہی احساس ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# أمر بالمعروف ونهی عن المنكر

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درجہ دین اسلام میں ''مدار اعظم'' کا ہے، یہ اتنی اہم چیز ہے کہ اسی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو بھیجا ہے، اگر اس کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جائے، اور اس کے علم وعمل کا رواج بند ہو جائے تو کارِ نبوت معطل ہو کر رہ جائے، دین و دیانت میں اضمحلال پیدا ہو جائے، خرابیاں عام ہو جائیں، گمرہی پھیل جائے، جہل کا غلبہ ہو جائے، فساد کا دائرہ وسیع ہو جائے، بربادی بے انتہا ہو جائے، آبادیوں کا حال ابتر ہو جائے، بندگانِ خدا ہلاکت کے غار میں گر جائیں، اور انھیں بجز روزِ قیامت کے احساس بھی نہ ہو۔

وہ چیز جس کا ہمیں اندیشہ تھا، وہ ہوگئی إنا للہ و إنا إليه راجعون، اس ''مدار اعظم'' کا علم مٹ گیا، اس کی حقیقت فنا ہوگئی، اس کے نشانات تک باقی نہ رہے، قلوب پر مداہنت کا غلبہ ہو گیا ہے، اور خالق کا فکر و خیال دلوں سے محو ہو گیا ہے، لوگ بہائم کی طرح خواہشات و شہوات کے پیچھے چھوٹ پڑے ہیں، اور اب بساط زمین پر ایسے مومن صادق کا وجود نادر ہو گیا ہے، جسے اللہ کی راہ میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہ ہو۔

(احیاء العلوم، ج:۲، ص:۳۰۶)

یہ ماتم امام غزالیؒ نے اپنے دور کا کیا ہے، اگر وہ ہمارے اس دور کو دیکھتے تو نہ جانے کیا فرماتے؟ اب تو رنگ ہی اور ہے، منکرات کا وہ عموم ہے کہ وہی معروف بن گئے ہیں۔ ان منکرات پر نکیر کون کرے؟ کسے یارا ہے کہ انھیں ٹوک سکے؟ حال یہ ہے کہ منکر پر نکیر کرنے والا خود مورد لعن و طعن بن جاتا ہے، امام غزالی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد

نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: یاتی علی الناس زمانٌ لأن تکون جیفة حمار أحب إلیهم من مومن یامرهم وینهاهم (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۳۱۱) ایک ایسا وقت بھی آئے گا، لوگ اس مومن کے مقابلے میں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو، مردار کو پسند کریں گے۔

کون یہ کہہ سکتا ہے کہ آج یہ بات صادق نہیں آرہی ہے، اب منکرات پر نکیر تو درکنار، ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اگر کوئی اتفاق سے ٹوک دے، تو ان لوگوں کی بھی پیشانیوں پر بل آجاتا ہے جو معروف اور منکر کو سمجھتے ہیں، گویا جس کے جو جی میں آئے کرتا جائے، تنظیم بنا کر، یا انفرادی طور پر بس اتنی شرط ہے کہ بظاہر وہ کام مثبت رنگ کا ہو، خواہ قرآن وسنت سے میل نہ کھاتا ہو، خواہ وہ غیروں کی نقالی میں ہو، خواہ اس سے دینی احکام پر زد پڑتی ہو، لیکن اسے کوئی نہ ٹوکے، کیونکہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ٹوکنا تخریب ہے، احتساب کی اجازت کوئی نہیں دیتا، ہر شخص اور ہر جماعت اپنی رائے پر نازاں ہے۔

لیکن یہ کیا کوئی اچھا حال ہے؟ اس کا جواب قرآن کریم میں تلاش کیجئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَتَرٰی کَثِیْراً مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَکْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ، لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَأَکْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (سورہ مائدہ:۶۲/۶۳) اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں، بہت برے کام ہیں جو کررہے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے، ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کے کہنے سے اور حرام کھانے سے، بہت ہی برے عمل ہیں جو کررہے ہیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں کہ:

> ’’جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے، تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہوجاتے ہیں، اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں، بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات وشہوات میں منہمک ہوکر خدا تعالیٰ کی

عظمت وجلال اور اس کے قوانین واحکام کو بھلا بیٹھے، اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا، کیونکہ حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے، مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا، اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔

سورہ مائدہ ہی میں کچھ دور آگے چل کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ، كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورہ مائدہ: ٧٨/٧٩) ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بن مریم کی، یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے، اور حد سے گزر گئے تھے، آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کررہے تھے، کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

''یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے، لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان وتمرد میں حد سے گزر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا، اور نہ غیر مجرم، مجرم کو روکتا تھا، بلکہ سب شیر وشکر ہوکر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے، منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا، تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔''

امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد علیہم الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''بنی اسرائیل جب معاصی میں پڑے، تو اوّلاً ان کے علماء نے منع کیا، مگر وہ نہیں مانے، لیکن اس کے باوجود وہ علماء ان کے ساتھ ان کی مجالس میں بیٹھتے رہے، ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے رہے، پس اللہ نے ایک دوسرے کے قلوب کو باہم ٹکرادیا، اس کے بعد ان

پر حضرت داؤد اور عیسی بن مریم کے واسطے سے لعنت کی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول علیہ السلام جب یہ فرمارہے تھے تو ٹیک لگائے ہوئے تھے، اتنا فرماکر سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہاں تک کہ تم ان کو روکو۔“ (مشکوۃ شریف، تفسیر ابن کثیر)

یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہم اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں، کیا بنی اسرائیل کا حال جو قرآن کریم اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اور کیا قلوب پر مداہنت خلق کا غلبہ نہیں ہے، کہیں اپنی آن اور جاہ کا خیال ہے، کہیں اپنی جماعت اور پارٹی کی حمایت کا مسئلہ ہے، کہیں اپنی قوم اور برادری کا خوف ہے، حد تو یہ ہے کہ اب نہی عن المنکر کو تخریب اور جارحیت سمجھا جانے لگا ہے اور طرح طرح کے بے بنیاد شبہات والزامات کا اسے مورد قرار دیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ پہلے حکام کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، پھر انھوں نے جانا بند کردیا، ان سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے رہتے، تو ان کے دلوں پر اثر ہوتا، تو انھوں نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان سے بات کروں، تو کہیں میرے سلسلے میں وہ نہ سمجھ جائیں، جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں (یعنی میری نیت کچھ اور ہو، وہ اسے کسی اور نیت وغرض پر محمول کرلیں) اور اگر خاموش رہوں تو اندیشہ ہے کہ گنہگار ہو جاؤں گا۔ (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۳۱۱)

اور یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کسی نیت سے انجام دیتا ہے، اور لوگ اسے دوسرے مقاصد پر محمول کرنے لگتے ہیں، اور انھیں اس کا خیال شاید نہیں ہوتا کہ یہ بدگمانی گناہ کے دائرے میں آجاتی ہے۔

پہلے جو بات ”سلطانیٔ افراد“ کے دور میں تھی، اب وہی بات ”سلطانیٔ جمہور“ کے دور میں بھی ہے، تاہم اس دور میں عزلت نشینی اختیار کرکے آدمی اپنی ذمہ داریوں کو کم کرسکتا

تھا، مگر آج نشر واشاعت اور پریس کے بے انتہا پھیلاؤ کی وجہ سے کسی کی عزلت نشینی اس کی ذمہ داریوں کو ہلکا نہیں کرسکتی، وہ برائی کی جگہوں پر حاضر نہیں ہوگا، وہ منکرات کی مجلسوں سے دور رہے گا، مگر یہ جگہیں اور یہ مجلسیں خود اس کے گھر پہونچ جائیں گی، پھر اگر وہ بولے تو ''سطانِ جمہور'' اسے نہ جانے کن مقاصد پر محمول کرلے، اور اگر نہ بولے تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔

بہر کیف! ایک بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اس سے صرف نظر کرنا خطرناک ہے، اور اسے اختیار کرنا لوگوں کے طعن کا نشانہ بننا ہے، لیکن یہاں پر سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ایک ارشاد ضرور یاد رکھنا چاہئے، انھوں نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے منبر پر ارشاد فرمایا کہ: **واعلموا أن الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لايقطع رزقاً ولايقرب أجلاً۔** خوب سمجھ لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ رزق بند ہوگا، اور نہ موت قریب آجائے گی۔

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عصر کے بعد تقریر فرمائی، اور قیامت تک آنے والی بہت سی باتوں کا تذکرہ فرمایا، اس میں یہ بھی فرمایا کہ: **ولا يمنعن أحداً منكم هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه وفي رواية إن رأى منكراً أن يغيره فبكىٰ ابوسعيد وقال قد رأيناه فمنعتناه هيبة الناس أن نتكلم فيه** (مشکوۃ شریف، ج:٢، ص:٤٣٧)

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی ہیبت اور لوگوں کا دباؤ تمہیں حق بات کے کہنے سے رکاوٹ بن جائے، جبکہ وہ اس حق بات کو جانتا ہو، پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے، اور فرمایا کہ ہم نے تو اسے دیکھ لیا، چنانچہ لوگوں کی ہیبت نے ہمیں حق بات کہنے سے روک دیا۔ **اَللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والعمل والفعل والنية والهدىٰ إنك علىٰ كل شئ قدير۔**

(جلد نمبر: ٧، شمارہ نمبر: ١محرم تا ربیع الاول ١٤١٩ھ مئی تا جولائی ١٩٩٨ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ۱۲/ربیع الاوّل کے ہنگامے

ان حروف کا لکھنے والا ایک ضرورت سے ہندوستان کے معروف شہر بمبئی گیا ہوا تھا،۱۲/ربیع الاول کو بمبئی کے مشہور محلّہ مدن پورہ، مولانا آزاد روڈ کے ایک مکان پر ٹھہرا ہوا تھا،اس نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے پیغمبر ﷺ کی ولادت پر عید منا رہا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ۱۲/ربیع الاول کو ہوئی تھی ، اس تاریخ میں آپ کی ولادت کا ہونا کوئی تحقیقی اور قطعی بات نہیں ہے، بہت سے محققین نے اس سے اختلاف کیا ہے،لیکن یہاں ہندوستان میں اسی مشکوک اور غیر یقینی تاریخ کو یقینی اور قطعی بنا کر ایک عجیب وغریب عید منائی جاتی ہے، اور اسے نام ''عید میلا دالنبی'' کا دیا جاتا ہے۔ یہ عید ہندوستان و پاکستان کے کے بیشتر شہروں میں منائی جاتی ہے، اور اسے ایک خاص انتہا پسند اور جارحیت زدہ فرقہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ بہت سی جگہوں پر اس عید میلا دالنبی کے تماشے سڑک پر نظر آئے ،لیکن بمبئی میں جو نقشہ دیکھا، وہ اور کہیں نظر نہ آیا، اس عید میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ تو ہر جگہ ایک ہی ہے،یعنی جھنڈوں کے ساتھ سڑکوں پر جلوس نکالنا، لاؤڈ اسپیکر لگا کر نعت خوانی کرنا،شور وغل کرنا، بلند وبانگ نعرے لگانا،سڑکوں کو جام کرنا، راہ چلتے لوگوں کو پریشانی میں ڈالنا، امن وسکون کے ماحول کو پُرخطر اور مخدوش بنانا وغیرہ،لیکن بمبئی میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔

بمبئی میں عید میلا دالنبی کا جلوس سڑکوں پر نکالا گیا تھا ، اور ٹرک ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں رہے ہوں گے۔ ۳/بجے دن سے مولانا آزاد روڈ پر یہ جلوس شروع ہوا، تو دس بجے رات تک مسلسل یہ جلوس چلتا رہا، یکے بعد دیگرے ٹرک نکلتے

رہے، ہر ٹرک الگ الگ انداز سے سجایا گیا تھا، کوئی پھولوں سے آراستہ تھا، کسی کو پھلوں سے سجایا گیا تھا، کسی پر بڑے بڑے بینر لگے ہوئے تھے، الگ الگ جماعتوں، انجمنوں، برادریوں، پیشہ وروں اور محلوں کے الگ الگ ٹرک تھے، ہر ٹرک پر اوباش اور لاخیرے قسم کے نوجوان اور لڑکے ہڑ بونگ مچارہے تھے، سڑک پر اِترا اِترا کر ناچ رہے تھے، تھرک رہے تھے، ڈھول تاشے بجارہے تھے، نماز کا وقت ہے، مسجدوں میں نمازیں ہو رہی ہیں، اور یہ عاشقان رسول نعرے لگا رہے ہیں، ''علی کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''آدھی روٹی کھائیں گے، اسلام کو بچائیں گے'' ''چوبیس نمبر ہائے ہائے'' انھیں نعروں کے شوروغل میں اسلام کو بچانے والے نمازوں کو برباد کررہے تھے، نمازیوں کو پریشان کررہے تھے، مسجدوں کی بے حرمتی کررہے تھے، ٹریفک جام، راہ رَو پریشان، پولیس کا عملہ دم بخود، عام لوگ سراسیمہ، اور اسلام کے یہ نام لیوا بہادر اچھل اچھل کر ''نہیں چھوڑیں گے، نہیں چھوڑیں گے'' کے نعرے گونجارہے تھے۔

ایک شخص بیٹھا سوچ رہا تھا کہ قرآن سے، احادیث رسول سے، تاریخ کے مطالعہ سے، اور اپنے اساتذہ کے ذریعے واسطہ در واسطہ رسول اللہ ﷺ سے، مذہب اسلام کی جو حقیقت اور صورت سمجھ میں آتی ہے وہ اس موجودہ تصویر سے کتنی مختلف ہے۔

دین اسلام ایک سنجیدہ اور دانشمندانہ مذہب ہے، جس میں اللہ کی عبادت کا وہ عمدہ ترین طریقہ ہے جس سے بہتر تو کیا، اس کے برابر بھی سوچا نہیں جاسکتا، اس میں معاملات کی دیانت اور صفائی ہے، اس میں اخلاق کی بلندی ہے، اس کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کی ذات سے بجز اذن الٰہی کے کسی کو ذرا بھی ایذاء نہ پہونچے، اس مذہب میں لہو ولعب، خرافات، گانے بجانے، ناچنے تھرکنے، اچھلنے کودنے، اور لغویات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر کسی کھیل کی اسلام نے اجازت دی ہے، تو اس میں بھی سنجیدگی اور مقصدیت کے پہلو کو برقرار رکھا ہے، اسلام ہر محل اور ہر زمان میں ایک نافع، بابرکت اور دل آویز دستورِ حیات ہے۔

سوچنے والا سوچے جارہا تھا کہ یہ اسلام جو بمبئی کی سڑکوں پر نظر آرہا ہے، یہ اسلام تو

نہ قرآن کے تیس پاروں میں نظر آتا ہے، نہ حدیث کے ذخیروں میں ملتا ہے، نہ ائمہ کرام کی مدون کردہ فقہ میں ملتا ہے، نہ تاریخ اسلام کے صفحات میں ملتا ہے، یہ کون سا اسلام ہے جس کو یہ جیالے بچانے چلے ہیں، نہ جانے علی کا، غوث کا، اور خواجہ کا کون سا دامن ہے جسے یہ بہادر نہیں چھوڑیں گے۔ علی کا دامن ان کے ہاتھ میں ہوتا، تو یہ دن کو میدان جہاد میں صف آرا ہوتے، اور رات کو مصلوں پر مصروفِ مناجات ہوتے، غوث اور خواجہ کا دامن ہاتھ میں ہوتا، تو یہ مسجدوں اور خانقاہوں میں نظر آتے، لیکن یہ تو سڑک پر اچھل کود رہے ہیں، راستہ بند کئے ہوئے ہیں، عوام الناس کو تنگی میں ڈال رہے ہیں، وہ اسلام جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے، جس کی تکمیل آپ کی حیات مبارکہ میں ہی کردی گئی تھی، جس میں اب کسی اضافہ وترمیم کی گنجائش ہے، اس کے دائرے میں یہ جلوس، جلوس کے یہ نعرے، یہ ہڑبونگ، اور ہڑبونگ کے یہ وحشت ناک تماشے تو قطعاً نہیں ہیں۔

پھر اسے کیا کہا جائے، یہ اسلام تو ہے نہیں، اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ اسلام ہے، تو یقیناً نیا اسلام ہے، وہ اسلام نہیں ہے جس کی تعلیم حضور اکرم ﷺ نے دی ہے، جس کو مان کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم علم وعمل اور تقویٰ وتدین کی بلندیوں سے سرفراز ہوئے تھے، جس کے پیرو تابعین، ائمہ اور تمام علمائے دین تھے، جس پر عمل پیرا ہونے والے حضرت سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھے۔ (علیہم الرحمہ)

☆☆☆☆☆

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کبریائی اور بڑائی اللہ ہی کے لئے ہے، وہی سب کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے، ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے اکیلا مالک ومدبر ہے، وہی خالق ہے، وہی صاحب تصرف ہے، اسی کا حکم پورے نظام عالم میں نافذ ہے، اس کے ساتھ کسی تصرف میں کوئی شریک نہیں ہے، معبود وہی ہے، باقی سب محتاج اور غلام ہیں، وہ موت وحیات کا مالک ہے۔ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کے اذن کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا، اور ہر مسلمان یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل کرنے کا

واحد ذریعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدم بہ قدم پیروی کی جائے، اگر کسی نے ان کا راستہ ذرا بھی چھوڑا، تو وہ جہاں بھی پہونچے، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو نہیں پہونچ سکتا، معیار وہی ہیں، انھیں کی پیروی کرنے سے مرتبہ ملا، جس کو ملا۔ یہ بزرگانِ دین اور مشائخ کبار جن کی ولایت کی دنیا معترف ہے، انھیں یہ ولایت حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر ہی ملی ہے، ان کا اصل کمال اتباع واطاعت ہی میں مضمر ہے۔

لیکن اب دیکھئے کہ رسول اللہ اور اولیاء کرام ہی کا نام لے لے کر امت کن خرافات میں مبتلا ہوگئی ہے، دین کی اصل حقیقت رسوم ومظاہر میں گم ہوگئی ہے، فرائض سے کوئی واسطہ نہیں۔

سنتوں کا نور زندگیوں سے غائب ہے، حرام وحلال کی تمیز باقی نہیں رہی، مگر بزرگوں کا نام بیچ میں لاکر لوگوں نے توحید کی جگہ شرک کو، سنت کی جگہ بدعت کو جاری کر رکھا ہے، عید میلاد النبی ہو، یا گیارہویں شریف، شب معراج ہو یا یوم عاشورا، خواجہ اجمیری کی زیارت ہو یا کچھوچھہ کا مزار، اوراس کے علاوہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے مزارات، ہر موقع اور ہر جگہ پر دیکھ لیجئے کہ انھیں بزرگوں کا نام لے لے کر اور انھیں کی عقیدت ومحبت کا نعرہ لگا لگا کر کن کن خرافات کے مرتکب اسی اسلام کے نام لیوا ہوتے ہیں، جس کو جناب نبی کریم ﷺ لائے تھے، جس اسلام نے شرک کو اور شرک کے آثار کو یکسر ختم کر دیا تھا، اب اسی اسلام کا دم بھرنے والے گلے گلے تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی مسلمان ہیں۔

پھر اتنے ہی پر بس نہیں، اسلام جو ایک نہایت سنجیدہ دین تھا، اس کے ماننے والے اسی کے نام پر خرافات کو ایجاد کر کے سڑک پر لے آئے، بازار میں لے آئے، ڈھول اور طبل کے ساتھ لے آئے، دنیا سمجھتی ہے کہ یہی اسلام ہے، حالانکہ اسے اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے ہی مسلمان ہوتے ہیں، اور مسلمان یہی سب کرتے ہیں، حالانکہ یہ اعمال مسلمانوں کے نہیں ہیں۔

یہ شور یہ ہنگامے شرعی اعتبار سے تو غلط در غلط ہیں ہی، خاص ہندوستان کے ماحول

ومزاج کے اعتبار سے ان کی صورت حال مزید سنگین ہے، ان مجمعوں میں کیسے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں، کبھی کبھی یہ لا خیرے اور اوباش نوجوان وہ حرکتیں کر جاتے ہیں جن کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے، کوئی شرارت کر دی، اور فساد پھوٹ پڑا، پھر جان ومال اور جائداد واملاک کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔

یہ تجربہ بار بار ہوا ہے، اور ہوتا ہے، مگر آنکھیں نہیں کھلتیں، کاش اس پر وہ لوگ بھی غور کرتے، جو خود کو علماء کی صف میں رکھتے ہیں، اور وہ ان خرافات کی سرپرستی کرتے ہیں، انھیں عظمتِ رسول اور عقیدتِ اولیاء کی سند عطا فرماتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں، یہ نہ رسول کی تعظیم ہے اور اولیاء کی عقیدت ہے، بلکہ یہ صرف نفس کی خواہشات کے کرشمے ہیں۔

شرکت وبدعات کی ان خرافات نے امت کو بے حد وحساب مصائب میں مبتلا کر رکھا ہے، ان کا احتساب اخلاص کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ یہ تمام علماء کی ذمہ داری ہے، جس کا جتنا دائرہ ہو، اس میں جدوجہد کرنا اس کا فریضہ ہے۔ أللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والعمل والفعل والنیة والھدیٰ إنک علیٰ کل شئ قدیر۔

(جلد نمبر: ۷، شمارہ نمبر: ۲۔ ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ/ اگست تا اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ماہنامہ ضیاء الاسلام فروری ۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب

امیرالمومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ایک حدیث قدسی نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ تعالیٰ قال: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میری جانب سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

یہ حدیث اور اس کی تعلیم تمام انسانوں کے لئے بالعموم اور اہل اسلام کے لئے بالخصوص بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، اور رہائی کی سینکڑوں تدبیریں کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے، دوسروں سے بھی دعائیں کراتا ہے، مگر مصیبت برقرار رہتی ہے، اسے خبر نہیں ہوتی ہے، کہ یہ بلا اس کے سر پر کیوں مسلط ہوئی ہے، مصائب بتا کر نہیں آتے کہ ان کا تسلط فلاں معصیت اور فلاں جرم کی بنا پر ہے، اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے کسی ولی کی عداوت ہوتی ہے، اس کی غیبت اور آبروریزی کرتا ہے، اسے ستاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ خدا کے اعلانِ جنگ کے خطرہ میں گرفتار ہوتا ہے، اور جس کی لڑائی خدا سے ہو، اس کو کون سی تدبیر بچا سکتی ہے۔ أعاذنا اللہ منه

اگر کوئی فرد کسی ایک ولی سے عداوت میں مبتلا ہوتا ہے، تو خدا کا قہر اس ایک فرد کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی جماعت، کوئی معاشرہ، کوئی گروہ کسی ایک یا چند اولیاء اللہ

سے بغض رکھتا ہے، تو وہ پوری جماعت، پورا معاشرہ اور پورا گروہ اس قہر وحرب کی زَد میں آجاتا ہے۔ مولانا روم نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد　　　تا دلِ صاحبدلے نالد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رُسوا نہیں کرتے، جب تک کسی صاحب دل کا دل اس سے نہیں دکھتا۔

تاریخ کے اَوراق اور انسانی تجربات اس حدیث کی صداقت کی گواہی سے لبریز ہیں، جب اور جہاں کسی اللہ کے ولی کا دل دکھایا گیا ہے، قہر خداوندی کے شرارے وہاں برسے ہیں، جب تک یہ نہیں ہوتا قومیں کفر وشرک کے باوجود ایک مدت تک باقی رہتی ہیں، جو قومیں انبیاء کرام سے ٹکرائیں ان کا حشر کیا ہوا؟ قرآن کریم میں ان کے احوال پڑھ لیجئے، انبیاء کرام یقینی طور اللہ کے ولی ہیں، انبیاء کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ولایت گو اس درجہ کی یقینی نہ ہو، لیکن انبیاء کرام کے بتائے ہوئے علامات سے انھیں پہچانا جاسکتا ہے۔

انسان ہلاکتوں سے بچنے کی حتی الامکان احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے، اپنے جانی اور مالی نقصان سے ہر شخص ڈرتا ہے، کون چاہتا ہے کہ اسے کسی طرح کا ضرر لاحق ہو، پھر جہاں اور تدبیریں کی جاتی ہیں، امراض اور وباؤں کے لئے پیشگی ٹیکے لگواتے ہیں، وہیں اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا کہ اللہ کے ولیوں کی عداوت اور ان کی ایذارسانی سے خود کو لوگ بچائیں، عجیب بدقسمتی ہے کہ ایک شخص اپنی ہستی کو مٹا کر، اپنی شخصیت کو مٹا کر، اللہ ورسول کی تعلیمات پر خود کو قربان کرکے ’’حیاۃ طیبہ‘‘ حاصل کرتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور دوسرے افراد اس کا مذاق اُڑا کر، اس کی تذلیل کرکے، اس سے عداوت کرکے اللہ کے قہر وغضب میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ تباہ ہوجاتے ہیں، عجیب عجیب لاینحل مصیبتوں، ذلتوں اور بلاؤں میں ڈوبے جاتے ہیں، ایک کو دیکھ کر دوسرے کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، مگر جیسے بھیڑوں کا ریوڑ ہو کہ ایک کنوئیں میں گرتی ہے، تو دوسرے کا قدم رکتا نہیں، وہ اسی میں جاپڑتی ہیں۔

ہاں سوال ہے کہ اللہ کا ولی کون ہے؟ تو شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسئلہ کو

ناصاف نہیں چھوڑا ہے، ہر ایک کے حدود وعلامات مقرر فرما دیئے ہیں، آدمی ذرا تامل کرے تو بات بالکل واضح نظر آتی ہے۔

صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح کے ذیل میں ولی کی تعریف یہ ہے کی ہے: المراد بولی اللہ العالم باللہ المواظب علی طاعته المخلص فی عبادته۔ اللہ کا ولی وہ ہے، جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس کی عبادت میں مخلص ہو۔ یہ اللہ کے ولی کی تعریف بھی ہے، اور اس کے علامات کا بیان بھی ہے، جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگی، وہ ہر حال میں اللہ سے راضی ہوگا، اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے گا، اسے دیکھ کر، اس کی صحبت میں بیٹھ کر اللہ یاد آئے گا، اللہ کی اطاعت کا ظاہراً بھی پابند ہوگا اور باطناً بھی، اور یہی اس کا حال اور مزاج ہوگا، اس کا دلی جذبہ اور رُجحان اللہ کی اطاعت ہی کا ہوگا اور پھر اس کی عبادت کا منشاء کوئی غرضِ دنیاوی یا لذتِ نفسانی نہ ہوگا، بلکہ محض اللہ کے لئے وہ عبادت کرتا ہوگا، جس کے یہ احوال ہوں، ظن غالب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہوگا، اس کی عداوت ضرور مہلک ہوگی۔ یہ تعریف تو حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ذکر کی ہے، لیکن آیئے، حدیث کے باقی الفاظ کا بھی مطالعہ کرلیں، کہ زبان رسالتمآب ﷺ کے واسطے سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی کیا شان بتائی ہے۔ فرماتے ہیں: وماتقرب إلی عبدی بشئ أحب إلی مما افترضته علیه ومازال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتیٰ أحببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وإن سألنی لأعطیته ولئن استعاذنی لأعیذنه۔ اور بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں میرے نزدیک محبوب ترین اعمال وہ فرائض ہیں جنھیں میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ اور بندہ نوافل کے واسطے سے برابر درجاتِ قرب میں ترقی کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ (ایک وقت وہ آتا ہے کہ) میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس

سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور دوں گا، اور اگر کسی چیز سے میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

خیال کیجئے! فرائض ونوافل کی پابندی کرنے والا کہاں تک پہونچتا ہے، وہ اللہ کی محبوبیت کے کس مقام پر فائز ہوتا ہے، کہ سننا، دیکھنا، پکڑنا، چلنا بظاہر اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے ہورہا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُن سب کی نسبت اپنی طرف فرمارہے ہیں، ظاہر ہے کہ جہاں شرف ومحبوبیت کی یہ کیفیت ہو، وہاں اگر اس سے کوئی دشمنی کرے گا، تو وہ دشمنی اس بندے سے کاہے کو ہوگی، اللہ ہی سے ہوگی، اور اللہ کا دشمن جسے اللہ تعالیٰ جنگ کی دھمکی دے رہے ہوں، بچ کر کہاں جاسکتا ہے۔

لیکن ابھی معاملہ اسی پر ختم نہیں ہے، اس محبوبیت ومقبولیت کی مزید معراج دیکھئے، فرماتے ہیں: **وما ترددت عن شئ أنا فاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت وأنا أکره مساء ته** ، اور جن کاموں کو مجھے کرنا ہوتا ہے، ان میں سے کسی میں مجھے وہ تردد نہیں ہوتا، جو مومن کی موت کے سلسلے میں ہوتا ہے، مومن موت کو ناگوار سمجھتا ہو اور مجھے اس کی ناگواری، گوارا نہیں ہوتی۔

خیال فرمایئے! ایک بندۂ مومن جو ولایت کے مذکورہ احوال سے متصف ہو، اس کی پسند وناپسند کا اللہ کو کس درجہ لحاظ ہے۔

یہاں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ شیخ ابوالفضل بن عطاء کے حوالے سے ایک ضروری تنبیہ تحریر فرماتے ہیں، اللہ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں، ان میں وہ فرائض ظاہرہ بھی ہیں، جن کا کرنا فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، اور وہ بھی داخل ہیں جن کا ترک فرض ہے، جیسے زنا اور قتل وغیرہ، اسی طرح وہ فرائض بھی اس میں داخل ہیں جن کا تعلق باطن اور قلب سے ہے، فعلاً بھی اور ترکاً بھی، مثلاً اللہ کی معرفت، اس کی محبت، اس پر توکل، اس کا خوف وغیرہ

بہر حال جن کے یہ احوال واوصاف ہوں، ان سے دشمنی کرنا خطرناک ہے،

احتیاط تو اس میں ہے کہ کسی بندۂ مومن کی عداوت اپنے دل میں نہ رکھے، لیکن جن مومنین کے کچھ خصوصی احوال ہوں، ان کی دشمنی اور ایذارسانی سے بہت بچنا چاہئے ورنہ قدرت کا انتقام ایسی راہوں سے آئے گا جس کا وہم وگمان بھی آدمی کو نہ ہوگا۔

**فالحذر الحذر من معاودة اوليائه تعالىٰ. أللّٰهم إنا نسالک حبک وحب من يحبک وحب عمل يقربنا إلىٰ حبک يا أرحم الراحمين۔**

(جلد نمبر: ۷، شمارہ نمبر: ۳۔ رجب تا رمضان ۱۴۱۹ھ/نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء، جنوری ۱۹۹۹ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اللہ کے شعائر کا احترام

محدثِ جلیل حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ اپنی حیاۃ طیبہ کے آخری دور میں ایک مسجد کے سنگ بنیاد کی تنصیب کے سلسلے میں اُترا ری، خیرآباد میں تشریف لائے۔ سنگ بنیاد کے بعد کسی نے نصیحت کی درخواست کی تو حضرت نے ایک مختصر سی بات ارشاد فرمائی، جس وقت ارشاد فرمارہے تھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آپ کے اندرون میں غیر معمولی طاقت بھری ہوئی ہے۔ آواز خاصی زوردار تھی، نہایت قوت سے ارشاد فرمایا کہ:

> ’’پہلے لوگوں میں دین اور دینی شعائر وامور کا بڑا احترام تھا، مسجد میں اذان ہوتی تھی، تو جو لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے وہ مسجد کے قریب سے گزرتے بھی نہ تھے۔ باتیں کرنا اور شور کرنا تو درکنار! نماز کا احترام اتنا تھا ان کے دلوں میں۔ لیکن اب یہ حال ہوگیا ہے کہ مسجد میں اذان ہورہی ہے اور، کوئی اور نہیں مسلمان ہی مسجد کے قریب بیٹھا شور وشغب کرتا ہے۔ نہ احترام ہے، نہ خوف ہے، جرأت بہت بڑھ گئی ہے لوگ ڈھیٹ ہوگئے ہیں۔ یہ چیز مسلمانوں کی دنیا اور آخرت دونوں کیلئے مضر ہے، دنیا میں تو ایک سے بڑھ کر ایک پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی، اور آخرت کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں علماء سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اس جرأت اور ڈھیٹ پنے کو دور کرنے کی کوشش کریں اور دلوں میں جذبۂ احترام پیدا کرنے کا اہتمام کریں‘‘

الفاظ تو پورے یاد نہیں رہے مگر مفہوم یہی تھا جو اوپر لکھا گیا۔ یہ باتیں حضرت نے بڑی دلسوزی سے فرمائی تھیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ بات بالکل صحیح ہے، اور اس کی روک تھام

بہت ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات میں ایک واقعہ مذکور ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانے میں ایک عورت کا جو کچھ پڑھی لکھی نہیں تھی انتقال ہورہا تھا۔ وہ نزع کی حالت میں کچھ بول رہی تھی، جو گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، ایک آدمی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں آیا کہ اور واقعہ بیان کرکے تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب فوراً وہاں گئے، تو عورت کہہ رہی تھی "ھٰذان رجلان یقولان لی ادخلی الجنة" یہ دو آدمی مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ جنت میں چلو، داخل ہوجاؤ۔ حضرت شاہ صاحب نے حیرت سے یہ بشارتی کلمات سنے اور پوچھا کہ یہ کوئی بزرگ خاتون ہیں؟ انھیں تو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل رہی ہے، لوگوں نے کہا کہ نہیں یہ کوئی نیک خاتون کیا ہوتی، یہ تو بہت تیز مزاج اور تندخو عورت تھی، بات بات پر لوگوں سے لڑ جاتی، بالخصوص جب اذان ہوتی تو یہ کسی کو کچھ نہ بولنے دیتی اور نہ کچھ کرنے دیتی اور اگر درمیان اذان کوئی عورت بول پڑتی تو یہ اذان کے ختم ہونے پر اس سے بہت لڑتی کہ تم اذان کے وقت کیوں بولی! حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا شاید یہی اس کا جذبۂ احترام تھا، جس کی وجہ سے خود اس کی زبان پر بشارت کے کلمات جاری ہوئے اور وہ بھی عربی زبان میں جو اہل جنت کی زبان ہے۔

سچ ہے، "وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج) اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی عظمت کرتا ہے، تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کا ثمرہ ہے۔

لیکن اب یہ سارا حال قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ اب عام مسلمانوں کو نہ نماز کا احترام رہا، نہ اذان کا، نہ مسجد کا، نہ علماء ومشائخ کا، بلکہ اللہ ورسول کا احترام بھی دلوں سے رُخصت ہوتا جارہا ہے۔

چند ہفتے پہلے ایک ضرورت سے مسلمانوں کے ایک بڑے گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا، جہاں خدا کے فضل سے عربی اور حفظ کے دو دو مدرسے چلتے ہیں۔ علماء وحفاظ کی بھی ایک معقول تعداد وہاں ہے، دن بھر وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک مسجد کے قریب ایک

صاحب کے یہاں قیام تھا، عصر کی نماز سے پہلے مسجد کے قریب لاؤڈ اسپیکر سے شور وغل سنائی دیا، معلوم ہوا کہ کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے، باہر نکلا تو ایک ٹھٹ کا ٹھٹ اِدھر اُدھر بیٹھا تماشا میں مصروف تھا، اذان ہونے لگی میں نے سمجھا کہ اسلام کے یہ نام لیوا کچھ دیر کے لئے کھیل روک دیں گے، لاؤڈ اسپیکر کا شور بند ہو جائے گا۔ مگر

غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

کھیل بدستور جاری رہا، تماشا دیکھنے والوں کی تعداد بڑھتی رہی، لاؤڈ اسپیکر کا ہنگامہ برقرار رہا۔ اسی شور و ہنگامہ میں نماز ہوئی، ذہن و دماغ مختل ہو گیا، بہت صدمہ ہوا۔ سخت افسوس ہوا کہ اب ہم لوگ اتنے گر گئے ہیں اتنے جری ہو گئے ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ کھیل کے اس ہنگامے میں بعض دیندار شکل وصورت کے لوگ بھی نماز اور اذان سے بے نیاز محو تماشا تھے۔ إنا للہ وانا إليه راجعون

کتنے افسوس کی بات ہے پہلے اگر مسجد کے پاس غیر مسلم باجا بجاتے ہوئے گزرتا، تو مسلمان آمادۂ فساد ہو جاتے کہ اس نے مسجد کا احترام نہیں کیا۔ اور اب حال یہ ہے کہ مسلمان ہی مسجد کی ہر بے حرمتی کا کام کر ڈالتا ہے اور اس کو احساس نہیں ہوتا اور اس پر یہ فریاد ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آخر ہم غور کریں کہ ہم کس چیز میں اپنے آپ کو گھیر رہے ہیں۔

(محرم تا ربیع الاول ۱۴۲۰ھ / مئی تا جولائی ۱۹۹۹ئی / ماہنامہ ضیاء الاسلام اپریل ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# احتساب سے گرانی

مجلّہ ''المآثر'' کا جب آغاز ہوا تھا، تو اس میں کتابوں کے تعارف وتبصرہ کا کوئی باب نہ تھا، اور ارادہ یہی تھا کہ اس عنوان سے یہ مجلّہ خالی رہے گا، اس وقت مصلحت پیش نظر تھی کہ کتابوں کے تعارف وتبصرے کے لئے ضروری ہے کہ زیر تبصرہ کتاب یا رسالہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے، اس پر اپنی رائے قائم کی جائے، اور پھر اس کے کھرے اور کھوٹے کو واضح کیا جائے، اور یہاں مدیر کا یہ حال ہے کہ وہ ایک مدرسہ کا مدرس ہے، تدریس کی مشغولیت تحریر سے کس قدر مانع ہے، وہ اہل تجربہ پر مخفی نہیں ہے، ایسی حالت میں ہر کتاب پڑھنا اور پھر اس پر تبصرہ کرنا ایک مشکل امر تھا، اس لئے خیال ہوا تھا کہ یہ باب سرے سے منعقد ہی نہ ہو تو بہتر ہے، ایک عرصہ تک اس پر عمل رہا، لیکن بعض حضرات، مجلّات وجرائد کے عام دستور کو پیش نظر رکھ کر کتابیں بھیج دیا کرتے تھے، ان سے معذرت کرنی پڑتی تھی، پھر ایسا بھی ہوا کہ بعض اہم کتابوں پر تبصرے شائع بھی ہوئے، اس نظیر کے سامنے آجانے کے بعد معذرت مشکل ہوگئی، لیکن ہمارے لئے یہ ایک دشوار کام ہوگیا، کیونکہ اس کے لئے ہر کتاب پڑھنی ضروری ہے، اور اس کا موقع ملتا نہیں۔ اس لئے تبصرے میں تاخیر ہونے لگی، اور اصحاب تصنیف کو شکایتیں ہونے لگیں، اسی خیال سے زیر نظر شمارہ میں اعلان تحریر کردیا گیا کہ اب یہ باب پھر بند کیا جاتا ہے، یہ اعلان اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ابھی پچھلا شمارہ چھپ کر نہیں آیا تھا، اس کے کچھ دنوں کے بعد پچھلا شمارہ چھپ کر آیا، اس میں ایک کتاب پر تبصرہ مدیر کے قلم سے آیا ہے۔ یہ تبصرہ مدیر نے اپنی دانست میں دیانت داری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر لکھا ہے، لیکن مصنف کی منشاء اور ان کی غرض کے خلاف ہے، تبصرہ نگار

نے پوری کتاب محنت کر کے پڑھی ہے، متعدد بار پڑھی، اس نے کوشش کی کہ تبصرہ مصنف کی منشاء کے مطابق ہو، جس کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہے، اور اس کی تلخیص کی گئی ہے، وہ دوسری جگہ سے حاصل کی، مگر اب اس کو کیا کہئے کہ تبصرہ نگار اس کوشش میں کامیاب نہ ہوا کہ اسے مصنف کی خواہش پر ڈھال سکے، پس جیسا اس نے پایا بغیر کسی مداہنت کے اسے پیش کر دیا، اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ مصنف اپنے اغلاط پر متنبہ ہو کر خوش ہوں گے، اور کھلے دل سے اس کا اعتراف کریں گے، یا اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو سمجھائیں گے، لیکن افسوس ایسا نہ ہوا، اس تبصرہ سے مصنف کو رنج ہوا، اس رنج نے غصہ کی شکل اختیار کی، پھر وہ غصہ کاغذ کے صفحات پر بکھر گیا، ان کا خط آیا، جس میں غصے کے شرارے بہت تیز ہیں، تبصرہ نگار کو اس خط سے کوئی تکلیف اور رنج نہیں ہے، مصنف مجھ سے ہر اعتبار سے بڑے ہیں، انھیں حق ہے کہ وہ اپنے چھوٹے پر خفا ہوں، اسے جھڑکیاں سنائیں اور پلائیں، تاہم جی چاہتا ہے کہ ان سے عرض کروں کہ:

> ”محترم! یہ آپ کی شانِ بلند کے منافی ہے کہ کسی نے آپ کو لقمہ دے دیا، تو آپ اسے برداشت نہ کریں، آخر حافظ سے غلطی ہوتی ہے، پیچھے سے اس کا شاگرد بھی اسے لقمہ دیتا ہے، تو وہ بشاشت سے قبول کرتا ہے، اسے اپنی توہین نہیں سمجھتا، یہاں بھی ایک چھوٹے نے تصحیح کرنی چاہی ہے، تو آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں، یہ تو اس لئے ہوا کہ آپ نے ترجمہ و تلخیص کی ناہمواریوں پر توجہ نہین فرمائی تھی، اب انشاء اللہ آپ خود بھی اس راہ پر ہوشیار ہو کر چلیں گے، اور دوسرے بھی، جو اس میدان میں بے سوچے سمجھے کود پڑتے ہیں، انھیں سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔“

بہرحال تبصرہ نگار تو یہی کرے گا، جو اس نے کیا ہے، لیکن اب جو غصہ کے طوفان کی زد میں وہ آیا ہے تو اس سے یہ رائے مزید پختہ ہوگئی ہے کہ یہ باب ہی بندر ہے تو مناسب ہے۔

قومیں اور افراد جب اقبال مند ہوتے ہیں، تو وہ اپنا احتساب خود کرتے ہیں، وہ اپنے خیالات اور اعمال کو مستند سمجھ کر مطمئن نہیں ہوجاتے، بلکہ ہر وقت جائزہ لیتے رہتے ہیں ،اور جو کچھ اس میں شریعت اور عقل کی میزان پر پورا اترتا ہے، اسے باقی رکھتے ہیں، اور باقی کو حذف کرکے توبہ واستغفار کرتے ہیں، اور اگر ازخود اپنی کوئی خرابی سمجھ میں نہیں آتی، اور دوسرا کوئی اس پر متنبہ کردیتا ہے، تو اسے شکر گزاری کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور احسان مند ہوتے ہیں۔

دار العلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث اور صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ جنھیں ان کے علوم کی وسعت و گہرائی کی وجہ سے شاہ عبد العزیز ثانی کہا جاتا تھا، ان کے تلمیذ ارشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے بار بار بیان کیا ہے، جب کوئی انھیں ان کی کسی غلطی پر تنبیہ کردیتا تھا، تو نہایت شکر گزاری سے بار بار اس کا اعتراف کرتے تھے، اور غالباً اسی کا اثر تھا کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے ......جو کہ نہایت کثیر التصانیف بزرگ ہیں...... اپنے یہاں ایک مستقل سلسلہ ’’ترجیح الراجح‘‘ کا قائم کررکھا تھا، اور کہیں سے کوئی بھی کسی چیز پر گرفت کرتا تھا، تو اسے بغور ملاحظہ فرماتے اور اس کی رائے کو درست پاتے تو بے تکلف اس کا اعتراف کرکے اپنے سابق قول سے رجوع فرمالیتے۔ حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی علیہ الرحمہ نے بھی رجوع واعتراف کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس میں اپنی متعدد رایوں سے برملا رجوع کیا، اہل حق کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے، غلطی کے اعتراف سے آدمی کو بلندی ملتی ہے۔

اور قومیں جب زوال سے دوچار ہوتی ہیں، تو انھیں اپنی غلطی ہی ہنر معلوم ہوتی ہونے لگتی ہے، انھیں بسا اوقات خیال ہی نہیں رہتا کہ ہم سے بھی کوئی غلطی ہوسکتی ہے، جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو قومیں ٹھٹھرتی چلی جاتی ہیں، ترقی کی راہیں یکسر مسدود ہوجاتی ہیں، اور اس کا نقطۂ عروج یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی روک ٹوک اور تنبیہ کو توہین وتذلیل سمجھا جانے لگتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهٗ

جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (سورة البقرة:٢٠٦) اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو، تو اس کا غرور گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، اس کو جہنم کافی ہے، اور بلاشبہ وہ برا ٹھکانہ ہے۔

یہ حال تو ایک فسادی کا ہے، چرب زبان منافق کا ہے، لیکن ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ یہ مذموم صفت، جسے اللہ تعالیٰ نے اتنے اہتمام سے ذکر فرمایا ہے، کہیں وہ میری شخصیت کو داغ دار تو نہیں بنا رہی ہے، اگر آدمی اپنا احتساب خود کرے تو برابر آگے بڑھتا رہے گا، اور دوسروں کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ ہمارے ملک میں مسلمانوں کی یہ نفسیاتی کمزوری عام ہے کہ جب کوئی حادثہ ہم پر گزرتا ہے، جس میں ہم جانی مالی نقصان میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کے اسباب ہم اپنے سے باہر دوسری قوموں اور دوسرے افراد میں تلاش کرتے ہیں، اور اپنے کو ایک طرف الگ رکھ دیتے ہیں، حالانکہ غلطی ہمارے اندر بھی ہوتی ہے، اسی پر نگاہ رکھیں، ہر لحاظ سے ہمارے لئے بہتر ہوگا۔

اس موقع پر مسلمان اخبارات اور جرائد کا رول بھی وہی ہوتا ہے، جو عام لوگوں کا رُجحان ہوتا ہے، یعنی یہ بھی چیخ و پکار کو دوسروں کی ہی غلطیاں دکھاتے رہتے ہیں اور قوم کو معصوم قرار دیتے ہیں، اس طرح کی غلطی کی اصلاح کا خیال ہی نہیں ہوتا، حوصلہ مندی کی بات یہ ہے کہ اپنی غلطی پر نظر رکھی جائے، اور اس سے بلند تر بات یہ ہے کہ دوسروں کے ٹوکنے پر اعترافِ قصور کر لیا جائے۔

(رجب تا رمضان ۱۴۲۰ھ/نومبر، دسمبر ۱۹۹۹ء، جنوری ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# یہ فقہی سیمینار؟

زمانے کے فیشن کے لحاظ سے اور یورپین قوم کی تقلید میں اس دور میں اہل اسلام نے بلکہ اہل علم نے بہت سی وہ چیزیں قبول کرلی ہیں، اور انھیں رواج دے دیا ہے، جنھیں اسلام کی فطرت اور اسلامی تعلیمات سے مناسبت نہیں ہے، لیکن مصلحت، جدید دور کے تقاضے، وقت کی مجبوری اور نہ جانے کیا کیا نام لے کر انھیں اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، انشورنس، بینک کا نظام، لڑکیوں کی اقامتی درسگاہیں وغیرہ، یہ چیزیں اسلام کے مزاج سے میل نہیں کھاتیں، مگر ان کے لئے مصلحتوں کا انبار لگایا جاتا ہے، تاکہ کوئی ٹوک نہ سکے، کچھ یہی حال آج کل کے سیمیناروں اور کانفرنسوں کا معلوم ہوتا ہے، چاہے وہ فقہ پر سیمینار ہو یا حدیث وقرآن پر، یہ ہے تو انگریزوں کی تقلید! مگر اسے جوڑ دیا جاتا ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی مجلس علم کے ساتھ! حالانکہ کہاں ان کی مجلس درس، اور ان کے شاگردوں کی مسلسل ان کی خدمت میں حاضری اور بحث وتحقیق؟ اور کہاں یہ دوتین روز کے لئے چند متفرق لوگوں کا اجتماع؟ جن کے ذوق الگ، اور جن کے مبلغ علم کا کچھ پتہ نہیں، اجتماع سے پہلے اپنی اپنی رائیں لکھ کر لے آئے، مختلف مجلسوں میں باتیں کی، اور بس پھر ختم!

حقیقت یہی ہے کہ یہ سب نئے زمانے کی پیداوار ہیں، ان کے فوائد کم اور نقصان زیادہ ہیں، ہر طرح کے لوگ ان سیمیناروں میں اکٹھا کر لئے جاتے ہیں، ایسے لوگ جن پر مصالح زمانہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہ دلائل سے تعرض کرنے کے بجائے جذبات ومصالح کی رعایت ضروری سمجھتے ہیں، کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں، جو دلائل کی خبر رکھتے ہیں، مگر یہ

کھچڑی جیسا مجمع کس حد تک صحیح نتیجے تک پہونچتا ہے، یہ قطعاً مشکوک ہے، اوراس پر طرہ یہ کہ سوالنامہ اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ اس میں مفروضہ مصائب ومشکلات کو اہتمام سے ذکر کر کے جواب دینے والوں کے لئے ایک راہ متعین کردی جاتی ہے، اس کے بعد اگر دلائل اس کے خلاف بھی ہوں، بہت سی مصلحتیں اس کے منافی بھی ہوں تب بھی جواب دینے والا ادھر متوجہ نہیں ہوتا، یا اس کی الٹی سیدھی تاویلیں کرتا ہے۔

۱۱رتا ۱۴رفروری ۲۰۰۰ء بارہواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، اس میں ایک سوال حالت نشہ میں طلاق کے متعلق تھا، عام طور پر صحابہ کرام اورائمہ عظام علیہم الرضوان والرحمۃ اس بات کے قائل ہیں کہ شراب یا کسی بھی حرام نشہ آور چیز کو اگر کسی نے اپنی خواہش ومرضی سے استعمال کیا، اوراس سے نشہ پیدا ہوا تو اس حالت کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، صحابہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق نہیں پڑتی۔ چاروں ائمہ میں سے ہرایک اس کا قائل ہے کہ پڑجاتی ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد سے ایک ایک قول اس کے خلاف کا بھی ہے، لیکن امام شافعی کا قول راجح طلاق پڑ جانے کا ہے۔ چند دوسرے ائمہ جن کی فقہ مدوّن نہیں ہے، مثلاً امام لیث بن سعد اوراسحاق بن راہو یہ سے منقول ہے کہ نشہ والی طلاق نہیں پڑتی، مگران کے علاوہ تمام صحابہ وائمہ طلاق پڑ جانے ہی کے قائل ہیں، عموماً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، اورقرآن کریم کی آیت جو تحریم شراب سے متعلق ہے، اس کے ساتھ بھی مناسبت اسی کو ہے کہ طلاق پڑجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت شدیدہ کو بیان کرنے کے بعد اس کی حکمت بھی قرآن کریم میں ارشاد فرمائی ہے: إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ۔شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کی وجہ سے عداوت اور کینہ ڈال دے، اوراللہ کی یاد سے اورنماز سے روک دے، تو کیا اس سے تم باز آتے ہو۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ شراب پی کر بھی آدمی مکلّف ہوتا ہے، اس کے تصرفات واعمال کو عداوت وبغض کا سبب قرار

دیا گیا ہے، اور یہ کہ اس سے ذکر الٰہی اور نماز سے رکاوٹ ہوتی ہے، اس سے باز رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ پورے طور پر مکلّف ہے، پھر اس میں طلاق کیوں واقع نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ عداوت وبغضاء کی بہت سی صورتوں میں نمایاں ترین صورت میاں بیوی کے درمیان تفریق ہے، اگر اس حالت میں طلاق واقع نہ ہو تو شراب عداوت وبغضاء کا سبب کہاں ہوئی؟ اس خاص مسئلہ میں تو بے اثر ثابت ہوئی۔

خیر یہ تو ایک علمی بحث ہے، مجھے عرض کرنا ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جس میں عموماً تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہے، اکثر ائمہ متفق ہیں اور اسی فتویٰ دیا جاتا رہا ہے۔ سوالنامہ جب مرتب کیا گیا تو مفتی کا ذہن پوری قوت کے ساتھ بنایا گیا کہ وہ خواہی نخواہی عدم وقوع کا فیصلہ کرے، نشہ کی حالت میں طلاق کا ایسا بھیانک منظر بنایا گیا، جیسے اگر اس حالت کی طلاق کو نافذ مان لیا جائے تو مرد تو کم عورتیں اور اس کے معصوم بچے سخت مصیبتوں کا شکار ہوں گے، پس مسلم معاشرے کو مصائب سے بچانے کے لئے مان لینا چاہیئے کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق نہیں پڑتی۔

سمجھ میں نہین آتا کہ اگر یہ فتویٰ دے بھی دیا جائے، تو عورت اور اس کے معصوم بچے مصائب سے کیوں کر بچ جائیں گے؟ کیا اس فیصلے سے شراب نوشی کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی؟ کہ صاحب پیتے رہو، بکتے رہو، نشہ کی حالت میں عورت کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ تھا، اب وہ بھی نہیں رہا۔ شوہر طلاق طلاق کہتا رہے، اور نشہ کا عذر کر کے بیوی کو نشۂ شراب کا نشانہ بناتا رہے، کیا شراب نوشی کے عادی شخص کے ساتھ بندھے رہنا عورت کے لئے بڑی مصیبت نہیں ہے، ہم تو دیکھتے ہیں کہ شراب کا عادی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے لئے مستقل مصیبت ہوتا ہے، اس کی شکایت تو اتنی عام ہے، نشہ کی حالت کی طلاق اس کے مقابلہ میں کالعدم ہے، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ شراب کی عادت چھڑانے کی تدبیر کی جاتی، لیکن ہوا یہ کہ اس کی جڑ اور راسخ ہوگئی، پھر غور کرنے کی بات ہے کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کو تو آپ نے نہیں مانا، تو اگر وہ اس حالت میں کسی کو گالی دے، کسی کو

تہمت لگائے، کسی سے مار پیٹ کرے، کسی کو قتل کر دے اور شراب کے نشہ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے، طلاق دینے سے زیادہ ہوتا ہے، تو اس فساد کا انسداد کیسے ہوگا؟ کیا یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ نشہ کی حالت میں وہ ہوش وخرد سے محروم تھا، لہٰذا اس کے ان تصرفات کو نافذ قرار نہ دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کا فساد طلاق سے نہیں، شراب نوشی سے ہے، طلاق کی نفی مت کیجئے، شراب نوشی سے نہی کیجئے۔

ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس طرح کی مجلسوں سے اخبار والوں کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے، وہ آدھی بات سنتے ہیں اور لے بھاگتے ہیں، چنانچہ اچانک اخبار میں یہ بات آئی کہ ''نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، علماء کا فیصلہ'' فوراً ہر طرف اس کی گونج پھیل گئی، حالانکہ صورتحال یہ نہیں تھی، بہت سے علماء کو اس سے اختلاف تھا، چنانچہ دوسرے دن اس اختلاف کی بھی خبر آئی، مگر اس کا چرچا مغلوب رہا، اور پہلی خبر خوب گرم رہی، کیونکہ وہ لوگوں کے نفس اور تقاضے کے مطابق تھی، اور حقیقت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ سیمینار کے ذمہ داروں کا رجحان عدم وقوع طلاق ہی کا ہے، اس لئے اس رجحان کو خوب آب وتاب حاصل رہی اور جس مسئلہ پر اب تک فتویٰ رہا ہے، اور جس کے قائل چند حضرات کو چھوڑ کر باقی تمام حضرات صحابہ وائمہ وعلماء کرام رہے ہے، اسے کچھ دھندلا کر دیا گیا۔

پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ علماء کے درمیان مسائل میں علمی طور پر اختلاف تو ہوتا ہی رہتا ہے، بحثیں چلتی ہیں، لیکن عوام کے سامنے ایک صاف ستھرا، منقح فتویٰ لایا جاتا ہے، عوام کو ان اختلافات سے دور رکھنا چاہئے، ورنہ وہ دلائل تو سمجھیں گے نہیں، جو مسئلہ نفس کے مطابق ہوگا، اسے اختیار کر کے دوسرے کو غلط کہنا شروع کہہ دیں، اس طرح کے علمی اختلافات کو عوامی بنانے کا انجام اباحیت اور خواہش پرستی کے سوا کچھ نہیں، یہ معاشرہ کا بگاڑ کیا کچھ کم ہے؟ ابھی چند سال پہلے انشورنس کے مسئلے میں اسی طرح کی بے اعتدالی ہو چکی ہے۔

ان سیمیناروں کا حاصل اس کے علاوہ کیا ہے کہ کچھ علماء کو ایک خاص رجحان کے

تحت کچھ مطالعہ کی توفیق ہو جاتی ہے، عمومی کوئی فائدہ تو سمجھ میں نہیں آتا۔ ان سیمیناروں نے جو فیصلے صادر کئے ہیں، وہ وہی ہیں جن پر پہلے سے علماء فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں، اور جو مسائل مختلف فیہ رہے ہیں، ان میں بس عوام کے سامنے اختلاف آجاتا ہے کہ فلاں فلاں لوگ اس جانب کے قائل ہیں، اور فلاں فلاں لوگ دوسری جانب کے؟ سوال یہ ہے کہ اس اختلاف کو سامنے لانے کا کیا حاصل؟ کوئی فیصلہ تو سیمینار کر نہیں پاتا، ہاں اختلاف کو سامنے لاکر عوام کو اباحیت کا راستہ دکھا دیتا ہے، کہ جو پہلو آسان اور نفس کے مطابق ہو، اسے اختیار کرلیں، خواہ وہ دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہو، خواہ اس کے قائلین اس درجہ کے نہ ہوں جس درجے کے دوسرے لوگ ہیں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ عام مسلمانوں پر سے دین کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے، بلکہ یہ بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ لوگ دین کو خوامخواہ مشکل بنا رہے ہیں، ورنہ اس میں نفس کی خواہشات کی بھی بہت گنجائش ہے، اور یہ کہ علماء نے دین کو مشکل کر دیا ہے، ورنہ وہ تو ہمارے نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کا انجام یہ ہے کہ علماء متقدمین پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے، دین کی عظمت گرتی جا رہی ہے، کاش اس پر بھی غور کیا جاتا مسلمانوں کو مصائب ومشکلات کے نرغے سے بچانے اور معاشرے میں آسانیاں پیدا کرنے کے نتیجہ میں اگر دین اسلام ہی خواہشات نفس اور مسخ وترمیم کے نرغے میں گھر جائے تو فرضِ اولین ہے کہ دین کی حفاظت کی جائے، اور معاشرہ کی اصلاح اس کے مطابق کی جائے، نہ کہ دین کی اصلاح معاشرے کے مطابق، کتنی افسوسناک بات ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اور جو شخص بھی دلائل سے بے اعتنائی کر کے رفتارِ زمانہ کے تقاضوں کی رعایت کا اہتمام کرے گا، وہ ضرور قرآن کے بدلنے کے جرم میں ملوث ہوگا۔ **أعاذنا اللہ منہا**

(شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ / فروری تا مارچ ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقاضائے بندگی

دنیا کے مختلف مذاہب اور نظریات انسانی زندگی پر کس نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں ،اوراس کا کیا محور ومقصد متعین کرتے ہیں،اور پھراس کی بنیاد پر انسانی زندگی کو کن کن راہوں پرگزارتے ہیں،یا گزارنا چاہتے ہیں؟ یہ تلاش وتحقیق کا ایک وسیع میدان ہے۔ہم مسلمانوں کو جو دین ومذہب خالق کائنات جل مجدہ کی جانب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس واسطہ سے ملا ہے، ہمارا مرکز نگاہ وہی ہے، ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کا کیا مقصد وموضوع متعین کیا ہے؟ اوراس نے زندگی کے کن کن مرحلوں میں کیا کیا ہدایات جاری کی ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (سورۃ الانعام:)تم کہہ دو کہ بلاشبہ میری نماز،میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے، جو تمام عالم کا رب ہے۔

اس آیت پر سرسری طور سے بھی گذرنے والا بداہۃً سمجھ لے گا کہ انسان کی زندگی اوراس کی موت،سب کا محور ومقصد اللہ کی ذات ہونی چاہئے۔وہ جو کچھ کرے اللہ ہی کے لئے کرے،کوئی اور غرض اس کے پیش نظر نہ ہو۔یہ مقصد اگر نگاہوں کے سامنے رہے تو گناہوں اور نافرمانیوں کی نجاستیں خود بخود دور ہوجائیں گی، کیونکہ کوئی گناہ اللہ کے لئے کیا جائے ،ممکن ہے ہی نہیں! جس نے اپنی زندگی اللہ کی ذات سے وابستہ کردی، وہ نافرمانیوں کی آلودگی سے صاف بچ نکلا۔اس سے اگر کبھی کوئی قصور ہوگا تو معافی تلافی کے بغیر اسے چین نہ ہوگا۔

یہ وہ مقصد زندگی ہے جو ہر لمحہ انسانیت کو ترقی دیتا رہتا ہے۔ اس کی صرف عبادتیں ہی وجہ خوشنودیٔ پروردگار نہیں رہتیں، بلکہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ سراپا عبادت بن جاتا ہے، اور جب یہی مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے تو اس کا ہر عمل بے روح ہو جاتا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک وہ شخص جس نے اپنی عقیدت ومحبت کو اللہ کی بارگاہ میں اُستوار کیا ہو، وہ اس سے غافل ہو کر دوسری چیزوں میں الجھ جائے۔ انسان اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے فانی ہے، لیکن جب اس کی نسبت ذات، حی وقیوم کے ساتھ درست ہو جاتی ہے تو بقاء ودَوام کی شان اس کے اندر بھی آجاتی ہے، اسی نسبت کو قائم کرنے اور اُستوار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی، اپنے پیغمبر کو بھیجا، کہ وہ کتاب کی تشریح وتبیین کر کے ایک صاف ستھری شریعت پر لوگوں کو چلنا سکھائیں، یہی شریعت صراطِ مستقیم ہے اور اسی پر چل کر انسان نجاتِ ابدی کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ انسان محض اپنی عبادت کو سنوارے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی عادات وحاجات اور ضروریات وتقاضوں کو بھی اسی دائرے میں رکھے جو شریعت نے متعین کیا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے ہر رُخ سے معلوم ہو کہ خود مختار نہیں ہے بلکہ کسی کا غلام ہے، کسی کی بندگی ہی اس کی زندگی اور اس کی روح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (الفرقان) رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ زمین پر تواضع سے چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے! رحمٰن کے خاص بندوں کی جو پہلی قابل تعریف صفت حق تعالیٰ نے ذکر کی ہے وہ از قبیل عادات ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں عبادات میں آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے، وہیں عادات وضروریات میں بھی اسے اسی طریقہ کی پابندی کرنی ہے، جو حق تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ ہم پر ظاہر کیا ہے۔

مسلمان تو اسے سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کہیں بھی، کسی مرحلہ میں بھی آزادانہ چال چل سکتا ہے، اسے تو ہر قدم پر اپنے مالک ومولیٰ کی مرضی دیکھنی ہے، اور حقیقت میں یہی

غلامی و پابندی، اصل آزادی ہے، آدمی اپنے نفس کی خواہشات کا پابند ہو، اپنے معاشرے کے رسوم وقیود میں گرفتار ہو، کسی اپنے ہی جیسے انسان کی غلامی میں مبتلا ہو، شیطان کی گرفت میں جکڑا ہوا ہو، یہ واقعی غلامی ہے، ذلت ہے، انسانیت کی توہین ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی غلامی ہو، شریعت کے احکام کی پابندی ہو، ہر لحظہ اسے اپنے مالک ومولیٰ کے چشم وابرو کا انتظار ہو، یہ حقیقی آزادی ہے۔ آدمی اپنے گمانِ باطل کی بنیاد پر اس حقیقی آزادی سے گھبراتا ہے اور جو سرتا سر قید وبند ہے، اسے پسند کرتا ہے، لیکن اسے جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ غلامی کیا ہے؟ اور آزادی کیا ہے؟

انسانی زندگی کے طبعی حاجات وضروریات کا دائرہ اچھا خاصا وسیع ہے، لیکن کوئی ضرورت وحاجت ایسی نہیں ہے جس کی تکمیل یا اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ورہنمائی موجود نہ ہو، اور اس سے فائدہ اٹھا کر آدمی اسے خوشنودیٔ پروردگار کا سامان نہ بنالے، لیکن اس حاجت وضرورت کو برتنے والا جب اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر اپنی خواہش کے مطابق برتتا ہے تو بسا اوقات اس کے اوپر وبالِ جان ثابت ہوتی ہے۔

انسانی ضروریات میں ایک اہم ضرورت جس کی شاخیں ذیل درذیل ہیں، جس ایک حاجت کی تکمیل سے بہت سی حاجتیں سر اٹھاتی ہیں اور آدمی کو اپنی زندگی ان حاجات کی تکمیل میں جھونک دینی پڑتی ہے، بلکہ ہمارے دور میں تو انسان نے انھیں حاجات وضروریات کی تکمیل کو اپنی زندگی کا موضوع اور مقصد قرار دے لیا ہے۔ یہ وہ حاجت ہے جس کا عنوان ’’نکاح‘‘ ہے، نکاح انسانی زندگی کی ایک بنیادی اور طبعی ضرورت ہے، جس کی تکمیل بہر حال ضروری ہے، بقائے نسل انسانی کا انحصار اسی پر ہے۔ شریعت نے اس ضرورت کی تکمیل کا نہ صرف یہ کہ انتظام کیا ہے بلکہ ایسا انتظام کیا ہے اس کو عبادت بنا دیا ہے، اگر آدمی نکاح کے امور میں اس طریقہ کے مطابق مشغول ہو، جسے شریعت نے متعین کیا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا یہ عمل نفل عبادات نماز اور روزے وغیرہ میں مشغول ہونے سے زیادہ افضل ہے، اور ایسا شخص شاید اس عابد وزاہد سے زیادہ اللہ کی خوشنودی سے

سرفراز ہوگا جو ہمہ دم نوافل میں اپنے آپ کو لگائے رہتا ہے۔

لیکن افراد ہوں یا قومیں، جب زوال کا شکار ہوتی ہیں تو وہی راہیں جو انھیں منزل کی کامیابی تک پہونچاتی ہیں، ان کے لئے منزل سے دوری کا سبب بن جاتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان راہوں کا رُخ بدل گیا ہے، نہیں! ان کا استعمال غلط ہو جاتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے شادی اور نکاح کو ایک ہمہ گیر اور بنیادی ضرورت تسلیم کر کے اس کی تکمیل کا نہایت سادگی کے ساتھ انتظام کیا ہے، جس سے نہ کسی پر کوئی ناروا دباؤ پڑے اور نہ یہ کہ سرے سے اظہار خوشی و مسرت سے ممانعت ہو۔ نکاح کے معاملات بہر حال انسان کی زندگی میں ایک خوش گوار مرحلہ ہے، جس پر خوشی کا اظہار بجا ہے، وہ خود بھی خوش ہو اور دوسروں کو بھی اپنی اس خوشی میں شریک کرے۔ شریعت نے ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی ہے، سادگی تو یہ ہے کہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں نکاح کرتے ہیں اور اس طرح نکاح کرتے ہیں کہ ان کے اور سب کے مرکزِ عقیدت ﷺ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ نہ کوئی دھوم دھام، نہ بارات کا ہنگامہ، نہ کسی طرح کا سوانگ، بس ایک ضرورت تھی اسے پورا کر لیا، اور لطف یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے متعلق کچھ آثار دیکھ کر خود ہی سوال کیا تب بتایا، مگر اللہ کے رسول ﷺ نے معلوم ہونے پر یہ تک نہیں فرمایا کہ کم از کم مجھے تو بتا دیتے، میں نکاح کا خطبہ پڑھتا، ایجاب و قبول کراتا وغیرہ، کچھ نہیں فرمایا۔ آپ کی اس خاموشی نے اس بات کو متعین کر دیا کہ سادگی ہو تو ایسی ہو، مگر ساتھ ہی ساتھ اس پہلو کی رعایت بھی فرمائی، کہ یہ ایک خوشی کا موقعہ تھا، اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہئے تھا، تو فرمایا ولیمہ کر لینا چاہئے تھا، خواہ ایک بکری ذبح کر کے اس پر دعوت کر دیتے۔

اس واقعہ سے نکاح کا سادگی کے ساتھ انجام پانا اور اس کے باوجود قدرے اہتمام کرنا دونوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہی معیار ہے سادگی کا بھی اور اہتمام کا بھی! یعنی ابتداءً سادگی کے ساتھ رشتہ کر لینا، پھر جب بیوی شوہر کے گھر آجائے تو ولیمہ کر لینا۔ اس میں دعوت کا اہتمام کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے، بہتر ہے۔

لیکن اب تقریبِ نکاح کے جو احوال سامنے آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلام کے علاوہ کوئی نئی شریعت وجود میں آ گئی ہے، جس کی پابندی اسی طرح کی جاتی ہے جیسی شریعتِ اسلامی کی پابندی کرنی چاہئے۔ اور یہ سب کچھ اس خدائی ہدایت نامے کے تحت نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، جس پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے، اس کے تحت نہیں بلکہ رسم ورواج کے اور جذبۂ نمود ونمائش کے تحت انجام دیا جاتا ہے۔ اب تو زبانوں پر نکاح کا سادہ اور مقدس لفظ بھی نہیں آتا، اسے شادی سے، بارات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور شادی کا تصور آتے ہی دماغ میں وہ تمام خرافات اور فضولیات گردش کرنے لگتے ہیں جن کو لوگوں نے اس کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ نسبت کے طے کرنے سے شروع ہو کر دولہن کے شوہر کے گھر آنے تک خرافات ولغویات کا ایک طوفان ہوتا ہے، جس میں دونوں خاندان اور ان کے متعلقین زیروزبر ہوتے رہتے ہیں۔ نکاح کے باب میں شریعت نے ایک دعوتِ ولیمہ کی ہدایت کی ہے، مگر اب تو نہ جانے کتنی دعوتیں بطور ایجادِ بندہ کے رائج کر لی گئی ہیں۔ نسبت طے کرنے کا ہنگامہ لڑکی والوں کے یہاں بھی بپا ہوتا ہے اور لڑکے والوں کے وہاں بھی، اِدھر سے ایک فوج چڑھائی کر کے لڑکی والوں کے یہاں آجاتی ہے اور دعوت کا جشن ہوتا ہے، اور لڑکی والوں کے یہاں سے ایک لشکر لڑکے والوں کے گھر پہونچتا ہے، بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ اس میں دعوتِ ولیمہ سے بڑھ کر اخراجات ہوتے ہیں، اس سے ایک دوسرے پر اپنی دھاک جمائی جاتی ہے۔ نسبت طے ہوگئی، پھر بارات کی دھوم دھام ہے، جہیز کی فرمائشیں ہیں، لین دین کا ہنگامہ ہے، دعوت کا طوفان ہے، اور نہ جانے کیا کیا ہے؟ ہم گوشہ نشینوں کو سب کی خبر کہاں؟ مگر یہ سننے میں آتا ہے کہ اتنے لاکھ خرچ ہوئے، اتنے سامان لائے گئے، اتنے لوگوں نے دعوت کھائی، وغیرہ۔ یہ وہ دعوت ہے جس کا شریعت اسلامی کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں، علماء اسلام اسے جانتے ہی نہیں، اسے صرف وہ جانتے ہیں جو علم دین سے مَس نہیں رکھتے۔ لڑکی والوں کے یہاں فوج کی فوج چڑھا کر لے جانا، یا لڑکی والوں کا اپنے جذبۂ نمائش کے لئے بے جا اہتمام کرنا احکامِ شریعت کے کس خانے میں

ڈالا جائے؟ علماء حیران ہیں۔ نمود ونمائش کی تو ہر دعوت ممنوع ہے، اور یہ تو وہ دعوت ہے جس کا ذکر ہی سرے سے نہیں ملتا۔ اتنی بات کافی تھی کہ دولہا کے ساتھ چند لوگ لڑکی والوں کے گھر آجاتے، ان کی ضیافت وہاں ہو جاتی، نکاح ہو جاتا، اس کے بعد دولہن کو رخصت کرا کے لوگ لے آتے، پھر یہاں ولیمہ ہو جاتا، جس کو چاہتے بلا کر شریک کر لیتے، لیکن کس کس بات پر رویا جائے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بارات رنگ رلیوں کے ساتھ ہنگامہ مچاتی چل رہی ہے، لاؤڈ اسپیکر پر نظم خوانی ہو رہی ہے، پٹاخے چھوٹ رہے ہیں، چند قدم کے فاصلے پر بارات جانی ہے، لیکن اس کے لئے گاڑیاں سج رہی ہیں، خاصا چکر کاٹ کر بارات جا رہی ہے، کسی مسجد سے اذان کی آواز آرہی ہے، مگر بارات چل رہی ہے، آیا کرے اذان کی آواز، بارات کی صدا کچھ اور ہوتی ہے، بڑا دردناک منظر ہوتا ہے، مؤذن کی آواز دب جاتی ہے، جس کی آواز تو آواز قد بھی قیامت کے دن بلند ہوگا، اس کی آواز دب جاتی ہے اور نظم خوانیوں کی، آتش بازیوں کی آواز غالب رہتی ہے۔

اور جذبۂ اسلامی کا حال یہ ہے کہ ایک صاحب جو ماشاء اللہ صورت سے دیندار تھے، نماز بھی پڑھتے تھے۔ ان کے یہاں شادی طے پائی اور تمام رسوم وخرافات کے ساتھ ہونی طے پائی۔ ان کے ایک رشتہ دار نے اس لئے کہ شاید کچھ اصلاح ہو جائے، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''اصلاح الرسوم'' انھیں دی کہ اس کا مطالعہ کر لیں، اس کتاب میں شادی بیاہ کی رسموں کا شریعت کی روشنی میں جائزہ لے کر اصلاح کی صورت بتائی گئی ہے، انھوں نے اُلٹ پلٹ کر ایک نظر کتب پر ڈالی اور یہ کہتے ہوئے واپس کر دی کہ ابھی شادی بیاہ کی مشغولیت ہے، بعد میں پڑھوں گا۔ اس طرح لوگوں نے اپنے خود ساختہ رسوم کو پکڑ رکھا ہے، کہ اس کی اصلاح کے سلسلے میں کچھ پڑھنا بھی گوارا نہیں ہے۔

مسلمانوں! ہمارا دین ایک مکمل دین ہے، اس میں نہ اضافہ کی گنجائش ہے اور نہ کمی کرنے کی اجازت ہے، اس کے دائرے میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لئے ہے، اور اس

دائرے سے باہر نکلئے تو محض دنیا ہے، جو ہمارے مقصود و موضوع کے خلاف ہے، اللہ کی خوشنودی اسی دائرے میں ہے جسے شریعت نے متعین کردیا ہے، اس کے باہر کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامَ ، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے نزدیک دین محض اسلام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی دین لائق اعتنا نہیں ہے۔ فرمایا: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (آل عمران: ۸۵) جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا، وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور ایسا شخص آخرت میں خائب و خاسر ہوگا۔ پس اے اللہ پر اور دین اسلام پر ایمان رکھنے والو! اس ایک دین کے علاوہ کسی اور طریقے کی طرف نظر نہ اٹھاؤ، اسی میں عزت ہے، اسی میں بلندی ہے۔ نکاح کی تقریب میں بھی اسی دین کی ہدایات کو سامنے رکھو اور دل کی خوشی اور انشراح کے ساتھ انھیں ہدایات پر کاربند رہو۔ نکاح میں برکت بھی ہوگی اور دنیا و آخرت میں سرخروئی بھی ہوگی۔ انشاء اللہ

(ج:۹، ش:۲، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ/اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ظلم وطغیان کا جواب

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ: وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (یعنی اہل کتاب سے اسی طریقے پر جھگڑو جو بہتر ہو، مگر ان میں جو بے انصاف ہیں) إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پر علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: أي حادوا عن الطريق وعموا عن واضح المحجة وعاندوا و كابروا فحينئذٍ ينتقل من الجدال إلى الجلاد ،(ج:۴،ص:۶۶۲) یعنی وہ لوگ جو جادۂ حق سے انحراف کریں، اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے اندھے بن جائیں، اور عناد و مکابرہ میں گرفتار ہو جائیں، ان کے حق میں جدال احسن سے جلاد (ضرب وقتل) کی طرف منتقل ہوا جا سکتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے، اور اہل کتاب کا دین اصل سے سچا تھا، تو ان سے اس طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ان کی بات کاٹنے لگو، بلکہ نرمی، متانت، خیر خواہی اور صبر وتحمل سے واجبی بات سمجھاؤ، البتہ جو ان میں صریح بے انصافی عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائے، اس کے ساتھ مناسب سختی کا برتاؤ کر سکتے ہو، آگے چل کر ایسوں کو سزا دینی ہے۔ (ص:۵۲۱، العنکبوت)

یہ آیت تمام اہل ایمان کو ہدایت کرتی ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں کے ساتھ، خواہ ان کا اختلاف قطعی طور پر حق وصداقت کے خلاف ہو، بحث ومناظرہ اور گفتگو اور جدال کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو بہتر ہو، جس میں مخاطب کی دل آزاری نہ ہو، لب ولہجہ سخت نہ ہو، بات ایسی ہو جو دل میں اتر جائے، لیکن یہ ہدایت اسی وقت تک ہے جب تک مخاطب کی جانب سے ضد وعناد، ہٹ دھرمی اور بے جا بحث وجدال کا ظہور نہ ہو، وہ خود بھی شرافت کا دامن کسی درجہ میں تھامے ہوئے ہو، لیکن اگر وہ بے انصافی کی راہ اختیار کرتا

ہے، ضد اور تشدد کا معاملہ کرتا ہے، تو پھر اس کے ساتھ نرم رویہ کی ہدایت نہیں ہے، کیونکہ بعض طبیعتیں اس حد تک حق سے منحرف ہوجاتی ہیں کہ ان پر نرم کلام اور نرم معاملہ کا کوئی اثر پڑتا ہی نہیں، تو ایسے لوگوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا، بسا اوقات ضروری ہوجاتا ہے۔ ان سے ترک تعلق، ان کی زجر وتوبیخ اور علانیہ ان کی باصرار تردید، یہ سب سختی کے مظاہر ہیں۔ ایسا دو وجہ سے کرنا ضروری ہوتا ہے، اول اس لئے کہ شاید اس سختی کے خوف کی وجہ سے وہ راہِ حق کی طرف پلٹ جائیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ صحیح راہ پر ہیں، لیکن انھیں علم میں رسوخ نہیں ہے، ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا ہے کہ ان بے انصافوں سے کہیں متاثر نہ ہوجائیں، تو جب ان کے ساتھ سخت لب ولہجہ اختیار کیا جاتا ہے اور ان کی تادیب کی جاتی ہے، تو عوام الناس کو ان کی قباحت وشناعت خوب واضح ہوجاتی ہے، اور وہ ان سے پرہیز کرتے ہیں، ورنہ اگر ان باطل پسندوں سے خوشامدانہ برتاؤ رکھا گیا تو اسی راہ سے وہ حق پرستوں کے طبقات پر حملہ آور ہوں گے، جو لوگ انسانوں کی نفسیات اور حق وباطل کی معرکہ آرائی پر نگاہ رکھتے ہیں انھیں یہ بات بخوبی معلوم ہے۔

قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے) یہاں اللہ تعالیٰ نے جہاد اور سختی کا حکم جیسے کفار کے حق میں دیا ہے، ویسے ہی منافقین کے حق میں بھی دیا ہے، حالانکہ منافقین وہ ہیں جو اپنے متعلق ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کے معاشرہ میں گھلے ملے رہتے ہیں، لیکن ان کے بارے میں جہاد اور سختی کا حکم دیا گیا ہے، تو اگر آج بھی کوئی فرد یا فرقہ جادۂ حق سے انحراف کرتا ہے اور بے انصافی کی راہ چلتا ہے، اور اس کے اندر نفاق کے خصائل وآثار موجود ہیں، تو ان سے بحث وگفتگو میں نرم لہجہ کی پابندی ضروری نہیں، وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کے حکم سے تو ان پر سختی متعین ہوجاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا

أوتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر، (متفق عليه، مشكوٰة شريف، باب الكبائر وعلامات النفاق)

چار باتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان میں کوئی ایک بات ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ ا۔ امانت میں خیانت کرتا ہو۔ ۲۔ بات کرتا ہو تو جھوٹ بولتا ہو۔ ۳۔ معاہدہ کر کے دھوکا دیتا ہو۔ ۴۔ جھگڑے میں راہ حق سے انحراف کر جاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جس فرد میں یا جس فرقہ میں بہ حیثیت مجموعی ان چار باتوں یا ان میں سے چند یا ایک بات کا غلبہ ہو، بلاشبہ وہ سخت برتاؤ کا مستحق ہوگا۔

کافروں کا ذکر نہیں، اہل اسلام میں جتنے فرقے ایسے پیدا ہوئے، جو راہِ حق سے ذرا بھی منحرف ہوئے، ان میں مجموعی حیثیت سے ان چاروں خصلتوں یا ان میں سے کسی ایک کا غلبہ رہا ہے، خواہ وہ پاکدامنی کے کتنے ہی لمبے چوڑے دعوے کرتے ہوں۔

موجودہ دور میں اسلام کے اندر جتنے فرقے سر اٹھا رہے ہیں، اور ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے اسلام کا سر نیچا ہو رہا ہے، ان میں نمایاں ترین نام اس فرقہ کا ہے، جو خود کو ''اہل حدیث'' اور ''سلفی'' کہتا اور کہلواتا ہے، لیکن اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ نہ ''سلفی'' ہے، نہ ''اہل حدیث''! سلفی تو اس لئے نہیں کہ ان کی سیرت و کردار کو سلف صالح سے کوئی نسبت نہیں ہے، جیسے بریلوی اپنے آپ کو ''اہل سنت والجماعت'' کے عنوان سے سجاتے ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت ''بدعت'' کے علمبردار ہیں، ایسے ہی یہ لوگ سلف کے طرز و انداز سے باغی ہیں، مگر خود کو ''سلفی'' کہتے ہیں، اور ''اہل حدیث'' قدیم اصطلاح میں صرف ان حضرات کو کہا جاتا تھا جو علم حدیث کے ماہر ہوا کرتے تھے، اگر ان کی اولاد علم حدیث سے تعلق نہیں رکھتی تو اس کا شمار اہل حدیث میں نہیں ہوتا تھا، لیکن اس دور کے اہل حدیث کو علم حدیث سے خواہ بالکل مس نہ ہو، نہ ان کو نہ ان کی اولاد کو، مگر یہ نسل در نسل ''اہل حدیث'' کا سرنامہ لگائے رہتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ان کی شناخت عدم تقلید ہے، اس لئے یہ غیر مقلد ہیں، اور عدم تقلید

کے لوازم میں ائمہ وعلماء کی بے احترامی اوران کی شان میں گستاخی ہے، چنانچہ اس فرقہ کا یہی امتیاز ہے، اپنے اس امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے انھیں جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے، خیانت بھی کرنی پڑتی ہے، دھوکا بھی دینا پڑتا ہے، اوراپنی زبان وقلم سے نکلی ہوئی بات کو ثابت کرنے کے لئے فجور کا بھی مرتکب ہونا پڑتا ہے۔(ان کی چیزوں کی تفصیل دیکھنی ہوتو رسالہ زمزم (دوماہی) مرتبہ: مولانا محمد ابوبکر غازی پوری، محلّہ سیّدواڑہ، غازی پور کے شمارے اور مولانا کی دوسری کتابیں جو غیر مقلدین کے رد میں لکھی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیں)

مجلہ المآثر نے غیر مقلدوں کے سلسلے میں کبھی مداہنت کا معاملہ روانہیں رکھا ہے، جب جیسی ضرورت ہوئی، ان کا تعاقب کیا گیا ہے، تاہم غیر مقلدوں کی جارحیت اوران کے لب ولہجہ سے اگر ہماری تحریروں کا موازنہ کیا جائے تو ہماری تحریریں پاسنگ کی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کا سا دلخراش لہجہ، ان کی سی دل آزار باتیں اوران کی سی پینترا بازیاں اگر ہم کوشش بھی کریں تو کبھی ہم اس میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ تاہم ہمارے بعض اکابر کو ہمارا اتنا لب ولہجہ بھی پسند نہیں آتا، بعض بزرگوں نے فرمائش بھی کی کہ غیر مقلدوں کے مقابلے میں یہ لب ولہجہ نہ اختیار کیا جائے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس فرقہ کی جارحیت اتنی بڑھی ہوئی ہے، اوراس کی آفات چارسو اتنی پھیل گئی ہیں کہ ہرطرف فریاد مچی ہوئی ہے۔ ہندوستان کے جس گوشے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے ہر جگہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلفی فرقہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا مقدس فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ۱۴۱۷ھ میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت بخشی، تو وہاں فیجی کے لوگوں سے ملاقات ہوئی، وہ بھی فریاد کناں تھے کہ غیر مقلدوں نے بڑا فساد برپا کررکھا ہے، بس وہ شعر یاد آیا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے ہیں زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

جو جہاں ہے وہیں مصیبت میں ہے، کیا عرب کیا عجم، کیا سعودی عرب کیا خلیجی ممالک، کیا ہندوستان کیا پاکستان، کیا نیپال کیا برطانیہ، کیا امریکہ کیا افریقہ، ہر جگہ یہ فتنہ

سرگرم عمل ہے، اب ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ نرم لب ولہجہ اختیار کریں تو ان کے طغیان میں اور اضافہ ہوگا۔

ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی دامت برکاتہم جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ کے عالی مرتبہ فرزند ہیں، اپنے والد گرامی کی حیات میں ایک عرصہ تک ماہنامہ الفرقان کے مدیر رہے ہیں، پھر علاج کے سلسلے میں لندن تشریف لے گئے، اور اب وہاں کے شہری ہیں۔ مولانا کا قلم ابتداء ہی سے نہایت سنجیدہ اور باوقار رہا ہے، الفرقان کی ادارت کے دور میں بھی ان کا شائستہ لب ولہجہ اور باوقار اُسلوب بہت ہی دل آویز اور مؤثر ہوتا تھا۔ میری طالب علمی کا دور تھا، اور میں بہت پابندی سے ان کی تحریریں پڑھتا تھا، ادھر جب سے وہ لندن میں مقیم ہیں، اسلام دشمن تمام طاقتیں اور ان کی ہر قسم کی سازشیں، جو اسلام کے حق میں مسلسل ہوتی رہتی ہیں، ان کے سامنے بے نقاب ہیں، باہر کے ان دشمنوں کے مخالفانہ عزائم اور اقدامات کی وجہ سے اندرونی فتنوں اور فتنہ پردازوں کے حق میں ان کے اسلوب اور لب ولہجہ میں مزید نرمی پیدا ہوگئی ہے، ایسی نرمی جیسی خاندانی جھگڑوں میں بیرونی شماتت کی وجہ سے خاندان کا بزرگ کسی فتنہ پرور، سنگدل آدمی کے سامنے عاجزانہ گفتگو کر لیتا ہے، اس کے پاؤں پر ٹوپی رکھ دیتا ہے، بلکہ اس کے پاؤں پکڑ لیتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنا مخالفانہ رویہ ترک کردے، تاکہ خود بھی عافیت سے رہے، اور خاندان کی عزت بھی برباد نہ ہو، مگر وہ کبھی اتنا سنگدل ہوتا ہے کہ اس سے بھی نہیں پسیجتا، اپنی ترنگ میں رہتا ہے، اور اس بزرگ خاندان کے اس طرز عمل کو اور نرم کلامی کو اپنی خوشامد قرار دے کر اور سرکش ہوجاتا ہے۔

ایسا ہی کچھ حال یہاں بھی محسوس ہوتا ہے، مولانا موصوف کی غیر مقلدین کے متعلق متعدد تحریریں آچکی ہیں، اور سب کا انداز واسلوب وہی دلسوزی سے سمجھانے کا ہے۔ اگر آدمی کا دل پتھر نہ ہو تو ضرور اپنی حرکتوں پر شرمائے گا، مگر کیا ان کی تحریروں سے غیر مقلدوں کو کچھ احساس ہوا، ان میں کچھ نرمی آئی؟ ابھی کچھ دنوں پہلے ایک غیر مقلد سلفی کا ایک خط بعض

رسالوں میں شائع ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانا اتنا اہم نہیں ہے، جتنا ایک سلفی کو اہل حدیث بنانا اہم ہے، اور فقہ کی کتابیں اتنی نجس ہیں کہ اگر ان پر پیشاب کردیا جائے تو وہ پیشاب مزید نجس ہوجائے گا۔ آپ بتایئے، اس ذہنیت کے لوگ کسی نرم کلامی کے مستحق ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ مخالفین اسلام کے آلۂ کار ہیں، انھیں کی گندی ذہنیت مخالفین کو وہ ہتھیار فراہم کرتی ہے، جن سے وہ مذہب اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی بھی ان کی شوریدہ سری کے ہاتھوں بے بسی محسوس کررہے ہیں، ان کا ایک طویل مضمون ''اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کے عنوان سے ترجمان دارالعلوم، شمارہ جون، جولائی ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ لب ولہجہ اس میں بھی ان کا وہی ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے، لیکن ان کا اندرونی درد وکرب اتنا بڑھا ہوا، اور اس کا اظہار اس میں اتنی شدت سے ہے کہ لہجہ کی یہ نرمی، اسلوب کا یہ وقار سراسر تکلف معلوم ہوتا ہے۔ اب وہ بھی فریاد کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پا رہے ہیں، پورا مضمون پڑھنے کے لائق ہے، اس مضمون میں انھوں نے غیر مقلدوں کی طرف سے شائع ہونے والی زہریلی کتاب ''الدیوبندیۃ'' کا احتساب کیا ہے، گو مولانا اپنے مضمون کو احتساب کہنے پر شاید راضی نہ ہوں، اور اسے افہام وتفہیم ہی کہنا پسند کریں، تاہم وہ نقد واحتساب ہی ہے، بلکہ ظلم کے خلاف ایک دل جلی فریاد ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے، اس سے میری بات کی تصدیق ہوجائے گی، کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''کتاب کیا ہے؟ ایک عبرت گاہ ہے، ایک مرقع ہمارے اخلاق وکردار کے فساد وانحطاط کا، ایک تماشہ گروہی بغض وعناد اور جذبات رقابت کا۔'' (ص:۱۸)

مولانا نے اس عبارت میں ہمارے کا لفظ لکھ کر اپنی بات کی شدت کو کم کردیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر یہ لفظ محض تکلف ہے، آپ ابتداء سے اب تک کی تاریخ ملاحظہ فرمالیجئے۔ غیر مقلدین مسلسل نشتر زنی کرتے ہیں، تب علماء دیوبند میں سے کوئی ایک جواب ترکی بہ ترکی کے لئے اٹھتا ہے، اور اپنے ہی لوگوں کی مسلسل روک تھام سے گھبرا اٹھتا

ہے۔ اللہ جزائے خیر دے مولانا ابوبکر غازیپوری کو، ادھر کچھ دنوں سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں، وہ تو غیر مقلدوں نے آج کل اتنا تنگ کررکھا ہے کہ علماء دیوبند کے حلقے میں ان کی مخالفت زیادہ نہیں ہورہی ہے، ورنہ یہی حضرات ان کے قلم کو روک دیتے، اس نرمی اور مداہنت کا اثر یہ ہے کہ اہل تقلید کے عوام پریشانی میں مبتلا ہیں۔

الماٰثر محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کے شمارے میں اداریہ کے اندر غیر مقلدین کے ایک تازہ ستم کا بیان کیا گیا ہے، اس پر مولانا سنبھلی مدظلہ نے مدیر کو ایک خط لکھا ہے، اس کا بھی اقتباس ملاحظہ ہو!

''الماٰثر کا ٹائٹل اب بہت دیدہ زیب ہوگیا ہے، لفافے سے نکال کر نظر پڑتے ہی دل خوش ہوگیا، مگر اداریہ بہت رنج دہ اور المناک تھا، سمجھ میں نہیں آتا خود کو اہل حدیث کہلانے پر یہ اصرار کرکے (۱) یہ ایسی ناکردنیوں کو کیسے روا رکھ رہے ہیں۔ الفرقان میں آپ نے میرا وہ مضمون پڑھا ہوگا، جو ارون شوری کی کتاب ''فتووں کی دنیا'' پر لکھا تھا، اس کے مقدمے میں شوری نے ان سب مسلک والوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے، جن کے فتاویٰ سے اس نے بحث کی ہے، ان سب میں اہل حدیث حضرات کی خصوصیت انگریزی کے الفاظ SELF RIGHTEOUS میں کی ہے، جس کو ہماری زبان میں ''برخود غلط'' کہا جاتا ہے، پس افسوس کہ روز بروز اس کی تصدیق ہر سابق دن سے زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ **فالی اللہ المشتکیٰ**

حقیقتیہ ہے کہ غیر مقلدین کا ایک بڑا طبقہ جو تقریباً اس پورے فرقہ کو محیط ہے، قرآن کی آیت **إلا الذین ظلموا** (ظالموں) کے زمرے میں اور علامات نفاق والی حدیث کے دائرے میں آتا ہے، دینی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے جواب میں مداہنت اور نرمی نہ کی جائے، بلکہ صاف صاف ان کی کجرویوں کو بیان کردیا جائے، تاکہ عامۃ المسلمین کو دھوکا نہ ہو۔ (شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ/فروری تا اپریل ۲۰۰۱ء)

---

(۱) یہ اہل حدیث کہلانے پر اصرار کرنے والے ٹھیک ان رضاخانیوں کے نقش قدم پر ہیں، جو خود کو اہل سنت کہلانے پر اصرار کرتے ہیں۔ (مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پریشانی اور اس کا علاج

ہمارا یہ دور، جس کے لیل ونہار کی گردش میں انسانی زندگی الٹ پلٹ رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ مادی ترقیات کا دور ہے۔ انسان نے اپنی عقل وفکر کو، محنت وکاوش کو اور طلب وجستجو کو جب مادہ میں کھپایا، تو حیرت ناک چیزیں وجود میں آئیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں یہ ترقیات آسمان تک پہونچی چلی جارہی ہیں۔ ہر روز صبح جب آنکھ کھلتی ہے، تو کوئی نئی چیز دنیا کے بازار میں دکھائی دیتی ہے۔ ان سارے اسباب ووسائل کو دنیا اس لیے ایجاد کرتی جارہی ہے کہ انسانی زندگی آسان ہوجائے۔ گھوڑے اور بیل گاڑی پر جب سفر ہوتا تھا، تو منزل تک پہونچنے میں مدت لگ جاتی تھی۔ اب موٹریں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز ہیں۔ سارا عالم گھر آنگن بن گیا ہے۔ پہلے تھوڑے فاصلے پر خبر پہونچانی ہوتی، تو بڑا وقت لگتا تھا۔ اب دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک ایک منٹ میں کوئی بھی خبر پہونچا دیجئے۔ علاج معالجہ کی وہ سہولتیں ہیں کہ پچھلے زمانہ والوں نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انسان کی زندگی آسان سے آسان تر ہوتی، راحتیں اس کے قدموں پر لوٹتیں، سکون کی چادر انسانیت کے سر پر تنی رہتی، جب سہولت وراحت کے یہ اسباب فراواں ہیں، تو اسی حساب سے آرام وآسائش کا پھیلاؤ بھی ہوتا۔ ہر شخص خوش ہوتا، رات کو میٹھی نیند سوتا، دن میں بے محنت ومشقت کے روزی حاصل کرتا، کسی کو کوئی دکھ نہ ہوتا۔ لیکن کیا ایسا ہوا؟ کوئی اللہ کا بندہ جواب دے کہ ہاں ایسا ہوا۔ آپ یہ سوال لکھ کر لاکھوں انسانوں کے پاس بھیجئے، سب جگہ سے ایک ہی جواب آئے گا کہ نہیں ان اسباب نے تو زندگی اور مشکل کردی ہے۔ تیز رفتار سواریاں بہت دوڑ رہی ہیں، مگر ہر روز نہ جانے کتنی انسانی جانیں اس تیز رفتاری کی زد میں

آ کر دم توڑ دیتی ہیں، سڑک پر ہمہ دم خطرہ ہے۔ پھر کثیف اور امراض کو پیدا کرنے والے دھوئیں اور گیس نے وہ قیامت ڈھا رکھی ہے، کہ آدمی اپنا گھر بند کر لے تب بھی چھٹی نہیں ہے، ہر نئی ایجاد نیا خطرہ لاتی ہے، ہر علاج نئی بیماری کو جنم دیتا ہے، اور موت کا ہنگامہ ہمہ وقت گرم ہی رہتا ہے، سڑکوں پر سے لاشیں اٹھائی جا رہی ہیں، ریل کی پٹریوں پر سے کٹے پھٹے مردہ جسم اٹھائے جا رہے ہیں، شفا خانوں سے ماتم کرتے ہوئے لوگ نکلتے ہیں، اور جنگوں میں، خانہ جنگیوں میں اور فسادات میں تو موت کا وہ رقص ہے کہ ہر تماشائی بسمل بنا ہوا ہے، گھر سے باہر نکلئے تو اطمئنان نہیں، گھر کے اندر رہئے تو راحت نہیں، اضطراب صد اضطراب ہے، بے چینی ہی بے چینی۔

آخر اسباب کے یہ الٹے نتائج کیوں نکل رہے ہیں۔ ہر انسان دوسرے انسان سے پوچھتا ہے، میں آسائش کا یہ سامان لایا، تو میرا بچہ اندھا کیوں ہو گیا؟ میرا بیٹا دولت کما کر لایا تو اس کے دوست نے اس کو گولی کیوں مار دی؟ میں نے اپنی بیوی کے علاج میں پیسہ پانی کی طرح بہایا تو اسے کینسر کیوں ہو گیا؟ میں نے اپنا مکان بنایا تو میرے پڑوسی نے مجھ پر مقدمہ کیوں قائم کر دیا؟ ہر طرف سوالات ہیں۔ لوگ جواب بھی دے رہے ہیں، مگر کوئی جواب تسلی نہیں بخشتا، کسی سے گتھی نہیں سلجھتی، ایک سوال کے بعد دوسرا سوال سر ابھارتا ہے، آخر کیوں؟ آخر کیوں؟

انسان جواب دیتا ہے، اپنی اسی عقل سے جواب دیتا ہے، جو مادیت کی سنگین خول میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سوال کا جواب انسان نہیں دے سکتا ہے، وہ دے سکتا ہے جو انسان کا بھی خالق ہے، اور ساری کائنات کا بھی خالق ہے۔ اس سے پوچھئے، وہ بیماری بھی بتائے گا، دوا بھی بتائے گا، اور دوا میں اثر بھی پیدا کرے گا۔

قرآن کریم کا تیرہواں پارہ کھولئے، اس میں ایک سورہ ہے سورۂ رعد، اس کے چوتھے رکوع کی تلاوت کیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ

آمَنُوا وَ تَطمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكرِ اللهِ اَلَا بِذِكرِ اللهِ تَطمَئِنُّ الْقُلُوبُ اَلَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبیٰ لَهُم وَ حُسْنُ مَآب ﴾ یہ انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی، تم کہہ دو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ سے ہٹاتا ہے، اور جو اس کی طرف دل سے متوجہ ہوتا ہے اسے اپنی راہ دکھاتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور ان کے قلوب اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں، خوب سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا ان کے لیے بشارت ہے اور بہترین ٹھکانا ہے۔

ان آیات میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ مادہ نے دنیا والوں کو باور کرایا ہے کہ انسان کی زندگی لے دے کر بس اتنی ہی ہے، جتنے دن اس دنیا میں وہ جی لیتا ہے، ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد سے اس کی زندگی کے دن شروع ہوتے ہیں، اور آخری سانس پر اس کی زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے، انسان کا قلب اس کا انکار کرتا ہے۔ انسان اسی غلط نظریہ کی بنیاد پر اس زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ناکام رہتا ہے۔ پیغمبروں نے اس غلط نظریہ کی تردید کی۔ انسانیت کو انھوں نے خاک کی پستی سے اٹھا کر رب کائنات کے حضور میں پہونچانا چاہا، اور بتایا کہ اس زندگی کے کاموں کی مکافات اور اس کی جزا کے لیے ایک دوسری دنیا ہے، وہ آخرت ہے۔ لیکن چونکہ وہ آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اس لیے انسان تردد میں مبتلا رہتا ہے، وہ پیغمبروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آخرت برحق ہے، اور آپ کی بتائی ہوئی راہ حق ہے تو کوئی نشانی ایسی دکھایئے کہ ہم یقین کرنے پر مجبور ہو جائیں، ارشاد ہوا کہ نشانیاں تو بہت ہیں، مگر اللہ کی توفیق اسی کو ملتی ہے جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی انحراف کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں، یعنی ہدایت وضلالت کا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اگر کوئی اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اسے اللہ تعالیٰ محروم نہیں کرتے، پھر ارشاد فرمایا کہ یہ متوجہ ہونے والے وہ ہیں، جو ایمان لائے، اور ان کے قلوب کو

اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد ایک اصولی بات جو کہ لازوال ہے، بتائی کہ دلوں کا اطمینان تو اللہ کی یاد ہی میں ہے۔

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے، جسے مادیت نے کھو دیا ہے۔ پس اسے راستہ نہیں مل رہا ہے، آدمی اسباب پر اسباب ایجاد کیے چلا جا رہا ہے، مگر اپنے پیدا کرنے والے کو بھول کر، اس کی نافرمانی کر کے، اس کے احکام سے روگردانی کر کے، نتیجہ یہ ہے کہ اسباب راحت سب موجود ہیں۔ مگر راحت نام کی، اطمینان نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یاد وہ ہے، جو انسان کے پورے وجود پر چھا جائے۔ زمان و مکان کے کسی مرحلے میں اس پر فراموشی نہ طاری ہو، زندگی کا ہر عمل اسی یاد کے زیر اثر ہو، زبان اس کے ذکر سے تر و تازہ ہو، قلب اس کے دھیان سے معمور ہو، ہر کام جذبۂ اطاعت کے نور سے منور ہو۔ غرض یہ کہ آدمی کا مرنا جینا سب اسی سے وابستہ ہو۔ تب وہ حال ہوتا ہے کہ اسباب موجود ہوں یا معدوم، ذرائع و وسائل پاس ہوں یا دور، جب وہ خالق اسباب کے قریب اپنے کو دیکھتا ہے تو اطمینان و سکون کی پھوار اس پر مسلسل پڑتی رہتی ہے، پھر تو وہ کیفیت ہوتی ہے، جس کو جگر مرادآبادی نے اپنے شاعرانہ انداز میں کہا ہے، مگر وہ ایک حقیقت ہے محض شاعری نہیں ہے، کہتے ہیں

میرا کمال عشق بس اتنا ہے اے جگر　　　وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

آج انسانیت دکھی ہے، کیونکہ اس کا دل اپنے مرکز سے منحرف ہے، جہاں اطمینان ہے وہاں وہ جانے سے گھبراتی ہے۔ اور جہاں اضطراب ہے، دکھ ہے پریشانی ہے، وہاں کے لیے وہ بھاگتی پھرتی ہے۔ اسباب کی دنیا ایک اندھیری دنیا ہے، اس کا ماضی بھی اندھیرا ہے، اور مستقبل تو بالکل ہی معدوم ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے، اور ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے کہ آدمی ایک مقصد کے لیے اسباب فراہم کرتا ہے، اسباب مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آدمی یقین کر لیتا ہے، کہ اب مقصد ہاتھ میں آیا ہی ہے کہ اچانک نتیجہ اس کے برخلاف نکلتا ہے اور انسان مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے آج کا انسان ہر دم ایک اضطراب میں رہتا ہے، ذہنی ٹینشن اتنا بڑھا ہوا ہے کہ کسی آن اطمینان نہیں۔ اس ٹینشن کا حملہ دل پر ہوتا ہے، دماغ پر ہوتا

ہے۔ اور اس زمانے میں یہ دونوں کمزوری کا شکار ہیں، کب ہارٹ فیل ہو جائے، کب دماغ پر فالج گر جائے، کچھ ٹھکانا نہیں۔ جو کچھ نہیں حاصل ہوا یا جو کچھ کھو دیا، اس پر صدمہ و رنج، اور آئندہ کیا ہوگا اس کی تشویش اور اندیشہ، بس انھیں دونوں تکلیفوں میں انسان الٹتا پلٹتا رہتا ہے، یہی ''ٹینشن'' ہے، جو انسان کو اور اس کی زندگی کو کھائے جا رہا ہے۔

اور جو آدمی اللہ سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ اسے کوئی ''ٹینشن'' نہیں ہے۔ نہ اسے ماضی پر حسرت ہے، نہ مستقبل کا اندیشہ ہے، نہ اسے حال کی پریشانی ہے۔ اس کی نگاہ ماضی و حال و مستقبل سے بلند ہوتی ہے۔ اسے اللہ سے وابستگی ہوتی ہے۔ جو زمان و مکان پر حکمراں ہے، اس کی قدرت لامحدود ہے، پس جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس کی شہادت قرآن کریم میں خود اللہ ہی نے دی ہے۔ فرماتے ہیں ﴿الا اِنّ اولیاءَ اللهِ لا خوفٌ علَیہِم وَلا ھُم یَحزنونَ. الّذِینَ آمنُوا وَ کانُوا یَتّقُونَ. لَھُمُ البُشریٰ فِی الحیاۃِ الدُّنیا وَفِی الآخِرَۃِ لا تبدِیلَ لِکَلِماتِ اللهِ ذٰلِکَ ھُوَ الفوزُ العَظِیم﴾ (سورہ یونس ۶۲ تا ۶۴) سنو! بلاشبہ جو اللہ کے ولی ہیں ان پر نہ کوئی اندیشہ ہے، اور نہ انھیں رنج ہوتا ہے، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں بشارت ہی بشارت ہے، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

بیشک خدا کی بات بدل نہیں سکتی ہے۔ اس نے جہاں سکون و اطمینان رکھا ہے، وہیں ملے گا، دوسری جگہ اس کی تلاش فضول ہے۔ انسان مادی اسباب و وسائل میں مرنا کھپنا چھوڑ دے، وسائل کو بس انھیں کے درجے میں حاصل کرے اور برتے، اور زندگی کا محور و مرکز اور نصب العین رب اسباب کو بنائے، تو انسانی زندگی کی تمام چولیں ٹھیک ٹھیک اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیں گی۔ ورنہ انسان ایک پہلو کو ابھارے گا تو دوسرا دبے گا۔

لیکن یہ بات جو بڑی کامیابی ہے، بغیر قصد و ارادہ کے حاصل ہونے کی نہیں ہے، اور نہ یہ ہوگا کہ آدمی اس کی مخالف سمت دوڑتا رہے، اور یہ کامیابی اسے لپٹ جائے۔ اس

کے لئے تو دل سے متوجہ ہونا پڑے گا۔ اس کے تقاضوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ ہر چیز کو اس کے خزانے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر بھی وہیں سے حاصل ہوگا، جہاں یہ خزانہ موجود ہوگا۔ ذکر کا خزانہ ذاکرین کے قلوب ہیں جو اللہ کے ذکر سے لبریز ہیں۔ جن میں ہر خیال اور ہر ارادہ اللہ کی یاد کے تابع ہو کر آتا ہے، ان کی صحبت میں غفلت کے بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ مادیت کے اس انہماک کے دور میں ایسے لوگ کمیاب ہو گئے ہیں، تاہم نایاب نہیں ہیں۔ آپ تلاش کرتے رہئے، دل میں سچائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کسی خزانے تک رسائی آسان فرمادیں گے، ملاحظہ ہو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس میں ایک آگ کے پجاری کے گھر پیدا ہوتے ہیں۔ اسی عقیدے اور عبادت پر جوان ہوتے ہیں۔ مگر دل میں تڑپ تھی، ہدایت کی، خدا طلبی کی، کیسے پھرتے پھراتے عین اس وقت مدینہ طیبہ پہونچائے گئے، جب کہ وہاں نبی کریم ﷺ کی آمد آمد کا غلغلہ تھا۔ اور بالآخر وہ آستانۂ نبوت پر حاضر ہوکر شرف صحابیت سے اور بے کراں بشارتوں سے نوازے گئے۔ آج بھی اگر کوئی صدق دل کے ساتھ تلاش کرے، تو اسے ذکر کا بھی خزانہ ملے گا، اور سکون قلب اور اطمینان روح کا بھی مرکز ملے گا، مگر مشکل یہ ہے کہ آدمی کو مادی اسباب سے اتنی محبت ہے، اور مستقبل کے اتنے اندیشے ہیں، اور انھیں مادی اسباب سے مستقبل کے بننے اور بگڑنے کا ایسا عقیدہ رچا اور بسا ہوا ہے کہ گھبراتا تو ضرور ہے، مگر نکلنے کی ہمت نہیں پڑتی، ہمتوں کی پستی کا یہ عالم ہے کہ مال و زر کا نقصان تو درکنار، اس کی کمی کے اندیشے سے انسان کا دل لرزتا رہتا ہے۔ اگر اسے دنیا اور اسباب دنیا کا تحفظ دیدیا جائے، تو ذاکرین کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کے تحفظ کے سلسلے میں ذرا بھی شک ہوگا، تو قدم نہیں اٹھائے گا۔ حالانکہ اس دربار کا رنگ یہ ہے کہ:

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

آدھی جان اگر وہ لیتے ہیں، تو سیکڑوں جان عطا فرماتے ہیں۔ جو کچھ تمھارے وہم وخیال میں نہیں ہوتا وہ بھی بخشتے ہیں۔

یہاں گھاٹے کا سودا نہیں ہے، نفع ہی نفع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ﴾ اللہ تعالی نے اہل ایمان سے ان کی جان کو اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے۔ اور اس کا عوض جنت ہے۔

جنت اور اللہ کی رضا و خوشنودی کے مقابلے میں جان و مال کی کیا حقیقت ہے؟ اتنی قربانی دے کر اگر جنت کی دائمی راحت حاصل ہو جائے تو سودا نہایت سستا ہے۔ اور بہت ہی نفع بخش ہے۔

اطمینان و راحت کا خزانہ تو ذکر اللہ ہی میں ہے جس خوش نصیب کی اس تک رسائی ہو جائے۔

(ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ/اگست تا اکتوبر ۲۰۰۱ء/ماہنامہ ضیاء الاسلام مئی ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فتنوں کی ہمہ گیری اور اس سے بچنے کی تدبیر

مشہور محدث امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں جو مسلم شریف کے نام سے معروف ہے، اور صحاح ستہ (حدیث کی چھ صحیح کتابوں) میں ایک ہے، اور بخاری شریف کے بعد اسی کا درجہ کا ہے، ایک مفصل حدیث نقل کی ہے، جو ہمارے موجودہ حالات میں بہت ہی قابل غور ہے، اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا، اور انھیں عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت ہی ضروری ہے، اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ بہت ہی خاص خاص باتیں بتایا کرتے تھے، اور اسی لیے وہ آپ کے "صاحب سر" (رازوں سے باخبر) کہے جاتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے قول وعمل کا بہت لحاظ رکھتے تھے، یہی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے فتنوں کا تذکرہ سنا ہے، کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ شاید تم وہ فتنہ سمجھ رہے ہو، جو آدمی کو اس کے اہل وعیال اور پڑوس کے سلسلے میں پیش آتا ہے، انھوں نے کہا جی! ہم یہی سمجھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے کی لغزشوں اور خطاؤں کا کفارہ تو نماز، روزہ اور صدقہ سے ہو جاتا ہے، لیکن کسی نے آپ سے اس فتنہ کا تذکرہ سنا ہے؟ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا چلے گا۔ اس پر سب لوگ خاموش رہے، میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے، فرمایا: ہاں تم نے سنا ہوگا، اللہ تمھارے باپ کو مبارک کرے! حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فتنے قلوب پر لگاتار اس طرح آئیں گے جیسے چٹائی ایک ایک تنکے سے بنی جاتی ہے، تو جس قلب میں یہ فتنے جذب ہو گئے، اس

میں سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں، اور جس قلب نے انھیں اجنبی سمجھ کر جھٹک دیا، اس میں ایک روشن نقطہ بن جاتا ہے، اس طرح ایک قلب تو بالکل سنگ مرمر کی طرح سفید اور روشن ہو جاتا ہے، جس میں رہتی دنیا تک کوئی فتنہ اثر نہیں کر سکتا، اور دوسرا قلب کالا، راکھ میں اٹا ہوا الٹے پیالے کی طرح ہو جاتا ہے، جو نہ معروف سے مانوس ہوتا، اور نہ منکر سے اسے وحشت ہوتی، وہ صرف اسی چیز کو جانتا ہے، جسے اس کی نفسانیت نے جذب کیا ہے''۔

حدیث میں بعض اجزاء اور بھی ہیں، لیکن ہم نے اپنے موضوع سے متعلق جو حصہ تھا، اسے نقل کیا ہے، یہاں حدیث کے چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ قارئین کے سامنے وہ بات واضح رہے، جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اس میں ایک لفظ ''فتنہ'' ہے، اس کی جمع ''فتن'' ہے، اردو محاورہ میں فتنہ کا معنی لڑائی جھگڑا اور اختلاف و انتشار ہے، لیکن عربی میں ''فتنہ'' کا معنیٰ امتحان اور آزمائش کے ہیں، خواہ وہ امتحان اپنے نتیجہ کے اعتبار سے خیر ہو، یا شر، لیکن زیادہ تر اس کا استعمال اس آزمائش اور امتحان کے لیے ہوتا ہے، جس سے شر کا ظہور ہوتا ہو، چنانچہ فتنہ کا اطلاق کفر پر، دور از کار تاویلات پر، ذلت و رسوائی پر، مصیبت اور عذاب پر، لڑائی جھگڑے پر، اچھائی سے برائی کی طرف پلٹنے پر اور کسی چیز کی محبت میں غلو پر ہوتا ہے۔

اہل و مال کا فتنہ یہ ہے کہ ان کی محبت میں پڑ کر آدمی دینی احکام میں کوتاہی کرنے لگتا ہے، یہی حال پڑوس کا بھی ہوتا ہے، کبھی پڑوس کی محبت میں اور کبھی اس کی عداوت میں آدمی حد سے تجاوز کر جاتا ہے، اور غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، ان غلطیوں کا کفارہ روزمرہ کی عبادات ہو جاتی ہیں، یہ فتنے تو ہمہ دم آدمی کے ساتھ ہیں، ان کی اصلاح و مغفرت کا سامان بھی منجانب اللہ مہیا ہیں، اگر آدمی نماز روزے اور عبادات کا پابند ہے، تو یہ روزمرہ کی خطائیں، خود بخود بجھتی رہتی ہیں۔

لیکن ایک فتنہ وہ ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ **تموجُ موجَ البحرِ**، سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا آئے گا، یعنی جس طرح سمندر کی موجیں باہم ٹکراتی ہیں، ایک

دوسرے کے پیچھے اس طرح سر اٹھاتی ہیں، جیسے ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں ہے، اسی طرح یہ فتنے یکے بعد دیگرے آئیں گے، باہم گتھم گتھا ہوں گے، لڑائی جھگڑے کی کثرت ہوگی، کوئی کسی کی رعایت کو تیار نہ ہوگا، پاس ولحاظ اٹھ جائے گا، لوگ جانوروں سے بدتر ہو جائیں گے، ان فتنوں کی کیفیت کیا ہوگی، فرماتے ہیں کہ تُعْرَضُ الفِتَنُ عَلَى القُلوبِ کالحَصِيرِ عُوداً عُوداً جس طرح چٹائی بنی جاتی ہے، تو ایک تنکے کو دوسرے تنکے سے جوڑتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح قلوب فتنوں کی آماجگاہ بن جائیں گے، ایک فتنہ آئے گا اور معاً اس کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا، اگر قلب ہر فتنہ سے متاثر ہوتا گیا، اور اس میں ملوث ہوتا رہا تو وہ سیاہ ہوتا رہے گا، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ بالکل کالا ہو کر رہ جائے گا، جیسے راکھ میں اٹا ہوا ہو اور اوندھے پیالے کی طرح ہو جائے گا کہ اس میں نہ علم ٹھہرے گا، نہ معرفت۔ خیر کی ہر بات اس سے باہر ٹپک جائے گی، پھر نہ اسے نیکی اور خیر کی کوئی پہچان ہوگی، نہ اس سے مانوس ہوگا، اور نہ برائی سے اسے کوئی وحشت اور تنفر باقی رہے گا، یعنی بھلائی سے دور اور برائی میں ڈوبا ہوا ہوگا، وہ بس اسی بات کو قبول کرے گا، جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو۔

اور اگر قلب ایسا ہے کہ اس نے ان فتنوں کو رد کر دیا، ان سے نہ متاثر ہوا، اور نہ ان میں ملوث ہوا، بلکہ علم ومعرفت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اطاعت الٰہی میں سرگرم رہا، تو وہ قلب ایسا ہوگا، جیسے سنگ مرمر جو چکنا بھی ہوتا ہے، اور سفید بھی کہ اس پر کوئی گندگی اثر نہیں کرتی، اسی طرح یہ دل صاف اور روشن ہوتا ہے، اور پتھر کی طرح مضبوط ہوتا ہے، اس پر کوئی فتنہ اثر نہیں کر سکے گا۔

اس حدیث پر غور کریں، اور جن حالات سے مسلمان گزر رہے ہیں، ان پر غور کریں، تو یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں معلوم ہوتی ہے۔ آج ہمارے سامنے واقعی وہی منظر ہے کہ فتنہ موجیں مار رہا ہے، اس پوری کائنات انسانی میں ہر طرف جو چیز بکھری ہوئی پڑی ہے، بلکہ سب پر گھیرا ڈالے ہوئے ہے، وہ فتنہ ہی ہے، گھر گھر بلکہ ہر ہر فرد کو یہ فتنہ عام ہے، ایک فتنہ تھمتا نہیں کہ دوسرا فتنہ سامنے آجاتا ہے، یہ فتنے باہر سے اٹھتے ہیں اور دلوں کے

اندر جذب ہوتے ہیں، اور دل کے اندر سے اٹھتے ہیں اور باہر پھیلتے جاتے ہیں۔

فتنوں کے عموم وشیوع کا یہ حال ہے کہ ایک بات کہیں سے اٹھتی ہے، اور ذرائع ابلاغ کی قوت و وسعت اس کو چند لمحوں میں ساری دنیا میں پہنچا دیتی ہے، اور جگہ جگہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مثلاً:

ڈیڑھ دو سال پہلے امریکہ کی ایک بلند و بالا عمارت پر حملہ ہوا، کس نے حملہ کیا، اس بات کی آج تک تحقیق نہ ہوسکی، ادھر یہ حملہ ہو رہا ہے، عمارت تباہ ہو رہی ہے، اور ساری دنیا کو یہ بات معلوم ہوگئی، سب تھرا گئے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ سب کی ٹکٹکی ادھر ہی لگ گئی، اور نزلہ گرا ایک غریب، اور بے کس ملک پر، کیونکہ وہ مسلمان تھا، اور مسلمان رہنا چاہتا تھا، مہینوں ساری دنیا کی نگاہیں اسی پر لگی رہیں، قلوب الٹتے پلٹتے رہے، لوگ شور مچاتے رہے کہ غلط ہو رہا ہے، مگر سمندر بن کر جو فتنہ موج مار رہا ہو، وہاں کوئی آواز کب سنائی دے سکتی ہے؟ اس فتنہ کا اثر ساری دنیا پر پڑا، کتنے لوگوں کے ایمان ڈگمگائے، خدا اور رسول پر جنکو یقین تھا، وہ شک میں مبتلا ہونے لگے، مایوسی و شکستگی کی بدلیاں فضائے قلوب پر چھا گئیں، لوگ ایسا محسوس کرنے لگے کہ افغانستان اور طالبان نہیں، خود اسلام ختم ہو جائے گا، یہ فتنہ تھمتا تو کیا؟ فتنہ پرور ہی ذرا تھک گیا، تو دوسرے چند ممالک کو دھمکیاں دے کر ہراساں کرنے لگا، اور اپنے سدھائے ہوئے کتے اسرائیل کی پیٹھ ٹھونک دی، اس نے فلسطینیوں پر ہلہ بول دیا، اور ظلم و درندگی کی وہ خونچکاں داستان مرتب کی کہ اگلے پچھلے سب ظالم شرما جائیں۔

اُدھر یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ ہندوستان میں بابری مسجد کو عنوان بنا کر گودھرا میں فتنہ کی ایک چنگاری پھینکی گئی، اور وہ آن واحد میں شعلہ بن کر احمد آباد اور اس کے مضافات میں مسلم آبادیوں کو تہس نہس کر گئی۔ اللہ جانے اس کی چنگاریاں کہاں کہاں اڑ کر پہنچی ہیں، ان مسلسل فتنوں کی وجہ سے قلوب کی حالت بگڑ گئی ہے، ظلم وستم کی ہر چیرہ دستی کے بعد یہ گمان ہوتا ہے کہ اب قلوب اللہ کی طرف پلٹیں گے، اب لوگ اللہ کو راضی کرنے کی تگ و دو کریں گے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ معاملہ برعکس ہو رہا ہے، قلوب میں اللہ سے بغاوت کا جذبہ کچھ اور بڑھ جاتا ہے،

برائیوں کی طرف جھکاؤ زیادہ ہو جاتا ہے، اصلاحِ حال کے بجائے خرابی کی صورت پھیل جاتی ہے، ایک فتنہ باہر موج مار رہا ہے اور ایک فتنہ قلوب میں گھسا ہوا ہے، قلوب کا فتنہ یہ ہے کہ اس میں خیر کی صلاحیت نہ رہے، اگر اس کے سامنے کوئی خیر کی بات لائی بھی جاتی ہے، تو شر و فساد کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اس قلب کی مثال الٹے پیالہ جیسی ہو جاتی ہے، جس میں کوئی خیر کی بات نہ ٹھہرتی ہے اور نہ جمتی، بس اس کی خواہش نفس کی وجہ سے جو چیز چمٹ جاتی ہے، وہی رہتی ہے اور اس کے مناسب کوئی چیز مل جاتی ہے، تو وہ بھی چمٹ جاتی ہے۔

یہ دونوں طرح کے فتنے اس دور میں موجیں مار رہے ہیں، معاشرہ بھی فاسد ہے، اور قلوب بھی فاسد ہیں، قلب کا صلاح یہ ہے کہ وہ ان فتنوں کو رد کر دے، ان کا کوئی اثر قبول نہ کرے، وہ سنگ مرمر کی طرح سخت مضبوط اور چکنا ہو جائے کہ برائیاں اس سے ٹکرائیں تو، مگر اچٹ کر نا کام واپس ہو جائیں، قلب میں اگر اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے، تو اسے کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ایسے قلوب ہر زمانے میں کم رہے ہیں، اور ہمارے دور میں تو بہت کم ہیں، لیکن اللہ کی زمین خالی نہیں ہے، اچھے لوگ اور اچھے قلوب مل جاتے ہیں، گو مشکل سے ملتے ہیں اور کم ملتے ہیں، یہ قلوب فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور فتنوں سے پناہ انھیں حضرات کے زیر سایہ مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **بَدَأَ الإسلامُ غریباً و سَیعودُ کما بَدَأَ غَریباً فَطُوبیٰ لِلْغُرَباءِ** (مسلم شریف) اسلام کا جب آغاز ہوا تھا تو یہ لوگوں کے درمیان اجنبی تھا، یعنی لوگوں کا ماحول و معاشرہ، ان کے احوال و کوائف بالکل جداگانہ تھے، اسی ماحول میں چند لوگوں نے اسلام قبول کیا، اس کے احکام و تعلیمات کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، تو یہ لوگ سارے ماحول سے کٹے ہوئے اجنبی سے محسوس ہوئے، وہ خود اپنے کو اس ماحول میں اجنبی سمجھ رہے تھے، اور دنیا والے بھی انھیں اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، پھر آہستہ آہستہ اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، لوگوں میں اس کا تعارف بڑھتا گیا، یہاں تک کہ لوگ مانوس ہو گئے، اجنبیت دور ہو گئی، اب یہ ایک معروف و مسلم حقیقت بن کر لوگوں کی نگاہوں

اور دلوں میں جاگزیں ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ مذہب دوبارہ اجنبی بن جائے گا۔ اسلام کے خلاف ایک ایسا ماحول برپا اور ایک ایسی تہذیب مسلط ہوجائے گی کہ اس ماحول میں اسلام پر عمل کرنے والا محض اجنبی بن کر رہ جائے گا۔ اب یہاں اہل اسلام کے سامنے دو راہیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی اجنبیت سے گھبرا کر، اس سے وحشت زدہ ہوکر اپنی مخصوص شناخت اور اپنی خاص وضع کو خیرباد کہہ کر عام ماحول و معاشرہ میں گھل مل جائیں، اسلام کے آثار و اعمال کو اپنے اوپر سے کھرچ کر پھینک دیں، تاکہ دیکھنے والا، برتنے والا جان ہی نہ سکے کہ یہ بھی مسلمان ہیں۔

دوسری راہ یہ ہے کہ اسلام کے تقاضوں پر، اس کی تعلیمات پر، اس کی شناخت اور وضع پر باصرار ڈٹ جائیں، اور اس سلسلے میں کسی دباؤ کی پرواہ نہ کریں، دنیا مخالف سمت دوڑ رہی ہے، مگر یہ اپنی سمت جارہے ہیں، دیکھنے والے دیوانہ اور سنکی کہہ رہے ہیں، ساری خلقت تو اُدھر جارہی ہے، تم ادھر کہاں جارہے ہو؟ یہ طعنے سنتے رہیں، تحمل کرتے رہیں، الجھنے سے گریز کرتے رہیں، مگر اپنی راہ پر لگے رہیں۔

اس آخری دور میں، اور اجنبیت کے اس ماحول میں یہ دو راہیں ہیں۔ پہلی راہ دنیاوی اعتبار سے آسان ہے، اس راہ میں آدمی خود کو چلتی بھیڑ میں گم کردیتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے اس بھیڑ کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، اس میں یہ بھی حصہ دار بنتا ہے، اس میں بظاہر دنیا کا فائدہ ہے، زندگی کی سہولت ہے، جہاں جائے گا، کہیں اجنبیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا، لیکن اس سہولت کے لیے، اس کو ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑتی ہے، اور وہ بھی ناروا، وہ قربانی آخرت کی قربانی ہوتی ہے، جس طریق پر اسلام نے چلنے کی تلقین کی ہے، جب اسے چھوڑا تو آخرت کی راہ چھوڑی، جنت کی راہ چھوڑی،، ایمان میں اضمحلال پیدا ہوا، عبادات میں زوال آیا، طاعات سے برکنار ہوا، کفر و الحاد کی موجودہ طوفانی ہوا میں بھی خطرناک راہ اختیار کرنے والے زیادہ ہیں، دنیا مقصود و معہود بنی ہوئی ہے، اس راہ میں آخرت کی تباہی تو ہے ہی، مسلمانوں کی دنیا بھی کچھ زیادہ بامراد نظر نہیں آتی، کیونکہ جب

کہیں سود وزیاں کا معاملہ پڑتا ہے، تو کفر کی طاقتیں، انھیں مسلمان کہہ کر، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہیں، جو مسلمانوں کے حق میں ان کے منصوبے میں داخل ہوتا ہے، متعدد فسادات میں کمزور ایمان والوں نے اپنی شناخت چھوڑی، کفر کی شناخت اختیار کی، مگر نتیجہ وہی رہا کہ سب کے ساتھ وہ بھی ہلاک کردیے گئے، دنیا بھی گئی، آخرت بھی گئی!! ﴿خَسِرَ الدُّنیا و الآخِرَةَ و ذٰلِكَ هُوَ الْخُسرانُ الْمُبِیْنُ﴾

دوسری راہ دنیاوی اعتبار سے بہت مشکل ہے، لوگوں کے طنز وطعن ہیں، کوئی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اپنے گھر میں بھی آدمی اجنبی بن جاتا ہے، وہ حال ہوجاتا ہے کہ بات کرے تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، رشتہ چاہے تو کوئی رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہو، دین پر عمل کرنے کا جذبہ، اسے اس کے ماحول سے کاٹ کر رکھ دیتا ہے، اس سے سب خفا ہوتے ہیں، اور وہ سب سے علیحدہ ہوجاتا ہے، یہ حالت انسان کے لیے بہت سنگین ہوتی ہے، بڑے مضبوط ارادے اور بلند حوصلہ کا مالک ہوتا ہے وہ آدمی، جو ان سب مشکلات کو برداشت کر کے خالص ایمان واسلام پر باقی رہے، یہ شخص ایسا ہے، جیسے ہاتھ پر انگارہ رکھے ہوئے ہو: ؎

ہم حوادث میں رہے کوہ و بیاباں کی طرح
اور ہوں گے ترے سانچے میں جو ڈھل جاتے ہیں

مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انھیں افراد کی وجہ سے دین کا تحفظ ہوتا ہے، فتنے رفع ہوتے ہیں، اور آخرت میں تو ان کا وہ عالم ہوگا کہ سو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا انھیں حاصل ہوگی، مولانا محمد علی جوہرؒ نے بہت خوب کہا ہے کہ: ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

فتنوں کے اس دور میں ایسے ہی قلوب کامیاب ہیں، انھیں تلاش کر کے ان کی پناہ میں رہنا چاہیے۔

(محرم تا ربیع الاول ۱۴۲۳ھ/ مئی تا جولائی ۲۰۰۲ء/ ماہنامہ ضیاء الاسلام جولائی ۲۰۰۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# احتساب میں مجلّہ المآثر کا رویہ

قلب و دماغ اور قلم و زبان سب اپنے پروردگار، اپنے خالق و مالک، اپنے محسن و داتا کے سامنے سراپا شکر و سپاس بن کر سجدہ ریز ہیں، اور ان کی حمد و ثنا کا نغمہ گنگناتے ہیں کہ آج سے دس سال قبل چند ناتوانوں اور ناتجربہ کار افراد نے محدث الھند علامہ جلیل، فقیہ وقت، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ کی رحلت کے بعد سوچا، باہم مشورے کیئے کہ ایک علمی مجلّہ حضرت اقدس کی یادگاری میں جاری کیا جائے، اس میں حضرت کے علوم و معارف کا تعارف کرایا جائے، علم و تحقیق کے وہ خزانے، جو ابھی اہلِ علم کے ہاتھوں میں نہیں پہنچے ہیں، انھیں پہنچانے کا انتظام کیا جائے، حضرت کے سوانحِ زندگی، نہ جاننے والوں کے لیے علم کی روشنی میں لائے جائیں، وقفہ وقفہ سے تلاش و تحقیق کی یہ وادی طے کی جائے گی، تو ایک طویل اور دشوار گزر راہ منزل بمنزل لپٹتی رہے گی، علم و معرفت کا نور پھیلتا رہے گا، مآثر و معارف کے خزانے بھرتے رہیں گے، اور گوہر نقاب مستوری کو الٹ الٹ کر نکلتے رہیں گے۔

امید و بیم کی کشمکش کے درمیان یہ مشورہ فیصلہ بنا، اور پہلا سہ ماہی مجلّہ ''المآثر'' کے عنوان سے محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۱۳ھ میں طباعت کے مرحلوں سے گزار کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچا دیا گیا، ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ اہلِ علم اور اربابِ تحقیق اسے کس نگاہ سے دیکھیں گے، کس طرح اسے جانچیں اور پرکھیں گے؛ مگر یہ سوچ کر قدرے اطمینان ہوتا تھا کہ اس کی نسبت ایک ایسے صاحبِ علم کے ساتھ ہے، جو علم و تحقیق کا ایک سمندر نہیں بلکہ مجمع البحار تھا، جس کے سامنے معاصر اساطین علم کی گردنیں خم رہی ہیں، اس نسبت کی وجہ سے قبولیت و

پسندیدگی کا ظن غالب تھا، چنانچہ یہ ظن غالب سچا ثابت ہوا، لوگ نوآموز اور گمنام افراد کی اس جرأت پر چونکے تو ضرور! بہت سے حضرات حیرت میں پڑے کہ علمی صحافت کے پردے پر یہ نئی تصویریں دکھائی دے رہی ہیں، لیکن محدث جلیل علیہ الرحمۃ کی برکت تھی کہ یہ نئی تصویریں بھی قبولیت پا گئیں، مجلّہ پسند کیا گیا، چوٹی کے اہلِ علم نے اس سے دلچسپی لی، اور دیکھتے ہی دیکھتے اقلیم علم میں اس نے اپنی شناخت بنالی۔

ادارہ المآثر نے ابتدا میں اس مجلّہ علمیہ کے سلسلے میں جو منصوبہ طے کیا تھا، اور سفر کی جو راہیں اور منزلیں طے کی تھیں، کوشش یہی رہی کہ انھیں راستوں پر یہ علمی سفر طے ہوتا رہے، اور متعین منزلوں کو پالینے کی جدوجہد جاری رہے۔

اس سلسلے میں پہلا منصوبہ تو یہ تھا کہ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے گرانقدر علمی کارناموں کا ذرا تفصیلی تعارف پیش کر دیا جائے، لوگ بلکہ بہت سے اہل علم حضرات بھی بس اتنا جانتے تھے کہ حضرت اس دور کے عظیم محدث، فن اسماء الرجال کے ماہر اور حدیث کے درجات و مراتب کے معتبر نقاد ہیں، لیکن ان کے وہ کارنامے کیا ہیں؟ ان کی تفصیل کیا ہے؟ جس کی بنیاد پر قلوب میں منجانب اللہ یہ بات جمی ہے، اس سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ خود یہ راقم سطور، جس کے کاندھوں پر مجلّہ کی ادارت تحریر کا بار ڈالا گیا، اس کا قدم بھی اجمال سے نکل کر تفصیل کے میدان میں نہیں آیا تھا، مجلّہ کے آغاز کے وقت سے حضرت کی کتابوں کا از سر نو تفصیلی مطالعہ شروع کیا، تو علم و تحقیق اور نقد و نظر کی ایک وسیع جولانگاہ نگاہوں کے سامنے آئی، تلاش علم کا ایک نیا میدان ملا، قلم کو حضرت اقدس کی تحریروں کے سہارے چلنے کا راستہ ملا، چنانچہ یکے بعد دیگرے حضرت کے علمی و تحقیقی معارف کی ایک روشن اور دلآویز جلوہ گاہ یہ مجلّہ بنا، جو کتابیں حضرت کی تحقیق و تعلیق سے پہلی مرتبہ مخطوطات کی الماریوں سے نکل کر مزین ہوئیں، ان کے نوادرات بطور نمونے کے قارئین کے سامنے پیش کیے گئے: مسند حمیدی، کتاب الزہد والرقائق، المطالب العالیہ، کشف الاستار، مصنف عبدالرزاق وغیرہ۔ ان کے علاوہ حضرت کے وہ انتقادات جو اکابر اہلِ علم کی کتابوں پر جستہ جستہ تحریر ہوئے ہیں،

جن سے حضرت کی نگاہ کی وسعت اور گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے کچھ نمونے مرتب کیے، یہ انتقادات ''استدراکات علمیہ'' اور ''استدراکات محدث کبیرؒ'' کے عنوان سے تقریباً چودہ قسطوں میں شائع کیے گئے، عالم عرب کے مشہور عالم شیخ ناصر الدین کی غلطیوں کو حضرت محدث اعظمیؒ نے چار اجزاء میں تحریر فرمایا، اس کی تلخیص چار قسطوں میں پیش کی گئی۔

خود حضرت کی خدمات وکمالات کا تعارف بھی متعدد حضرات کے قلم سے شائع کیا گیا، حضرت اقدس کی نایاب ونادر اور وقیع علمی تحریریں جو کبھی مجلّات وجرائد میں شائع ہوئی تھیں، انھیں از سر نو شائع کیا گیا، ان کی تعداد ۲۰؍ سے کم نہیں ہے، حضرت اقدس کے گراں قدر فتاویٰ پہلے مرتبہ شائع ہوئے، اسی طرح حضرت اقدس کے مواعظ جو گاہے گاہے آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے، انھیں ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے نقل کرکے ناظرین کے استفادے کے لیے پیش کیا گیا۔

وہ حضرات جو اخلاص ودیانت کے پیکر رہے، جن کی زندگیوں کو سامنے رکھ کر تعمیر سیرت کی جاسکتی ہے، جن کے سوانحِ زندگی بعد والوں کے لیے چراغِ راہ ثابت ہوسکتے ہیں، ان کے تذکرے لکھے گئے، دس سال میں ایسے تقریباً پندرہ سولہ حضرات پر مضامین مرتب کیے گئے۔

حضرت محدث کبیر علیہ الرحمۃ کی زندگی کا ایک نمایاں مجاہدانہ کارنامہ یہ رہا ہے کہ غلط افکار ونظریات نے جہاں سر اٹھایا ہے، اور مذہب اسلام پر ان کی وجہ سے دھبہ لگنے کا اندیشہ ہوا ہے، یا دھبہ لگا ہے، تو حضرت نے ان غلط نظریات کا متین علمی احتساب کیا ہے، اور حقائق کی روشنی میں غلط کاروں کی ہر غلطی کو واضح کردیا ہے، اور علم وتحقیق کے نام سے جو گمراہیاں اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی، سب کا قلع قمع کردیا۔ مجلّہ ''المآثر'' نے ابتداء ہی سے اپنے مشن میں یہ بات شامل رکھی ہے کہ کہیں سے کوئی غلطی، غلط نظریہ، غلط تحقیق اسلام کے قلعے میں در اندازی کرنا چاہے گی، تو اس پر بند لگانے کی جد وجہد کی جائے گی، چنانچہ دس سال کے اس عرصہ میں گاہے گاہے، حسب ضرورت یہ خدمت بھی انجام دی

گئی ہے، اس عرصہ میں غیر مقلدیت نے مختلف عنوانوں کو بالخصوص تین طلاق کے مسئلہ کو علم و تحقیق کی درسگاہ سے نکال کر عوامی اسٹیج پر اور اخباروں اچھال دیا تھا، جس سے نہ صرف مذاہب اربعہ (حنفیت، شافعیت، مالکیت اور حنبلیت) پر حرف آتا تھا، بلکہ خود اسلام کی شبیہ بگڑ رہی تھی، مجلّہ المآثر نے اس موضوع پر خود حضرت محدث کبیر علیہ الرحمۃ کی گرانقدر تحریر شائع کر کے اس کا دفاع کیا۔

کچھ عرصہ سے مولانا قاضی مجاہد الاسلام کی سربراہی میں ایک تنظیم فقہ اکیڈمی نے فقہی سیمناروں کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے، بعض اعتبارات سے یہ سلسلہ مفید اور نتیجہ خیز محسوس ہو رہا تھا، لیکن بھانپنے والوں نے شروع ہی میں بھانپ لیا تھا کہ علمی میدانوں میں یورپ سے درآمد کردہ یہ نیا طریقۂ عمل شاید آگے چل کر فتنوں کا باعث بن جائے، چنانچہ پانچویں فقہی سیمنار میں، جو اعظم گڈھ میں ہوا تھا، یہ اندیشہ کھل کر سامنے آگیا، اس میں لائف انشورنس کے متعلق ایک ایسا فیصلہ کیا گیا، جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی روح کے منافی تھا، اور اس کے لیے ایسا طریقۂ کار اختیار کیا گیا، جو خود سیمنار کے دستور کے خلاف تھا۔ اس راہ سے اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں جوا اور سود کی نجاست پھیل جائے گی۔ المآثر نے اس کا احتساب کیا، اور اس موضوع پر اکابر علماء کے مضامین مسلسل شائع کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ فقہی سیمنار کے مذکورہ فیصلہ کی بنیاد پر انشورنس کے ادارے جو تیزی کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرے میں گھسنے لگے تھے، اور مسلمانوں میں یہ ناجائز وباشدت سے پھیلنے لگی تھی، اس کے سامنے ایک مضبوط بند قائم ہو گیا، فللہِ الحمد۔

اس احتساب کے دائرے میں خود سیمنار اور اس کے لیے مرتب کیے جانے سوالات بھی آئے، سیمنار کی کاروائی میں جو نامناسب طرز عمل اختیار کیا جا رہا تھا، اس پر بھی ٹوکا گیا، بعض حضرات جو صلح کل کی طرف رجحان رکھتے ہیں، انھیں المآثر کے اس طرز عمل سے گرانی ہوئی، انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ان کے خیال میں مسلمانوں اور دین کی خدمت کے لیے جو بھی قدم اٹھایا جائے، اسے گوارا کرنا چاہیے، اس میں اگر کچھ غلطیاں

ہورہی ہوں، تو بھی خاموش رہنا چاہیے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر اسے قاعدہ بنالیا جائے، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک بڑا حصہ معطل ہوکر رہ جائے گا، اس لیے ادارہ نے ان ناگواریوں کو دیکھا، سنا اور سہہ لیا، مگر اپنے طرزِ عمل میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جو چیز غلط ہے، اس کی غلطی کو واضح کردینا، اختلاف نہیں ہے، نزاع نہیں ہے، اختلاف اور نزاع کی نسبت حق کی جانب نہیں ہوسکتی، ہاں اگر دلیل سے یہ بات واضح کردی جائے کہ جو کچھ کہا گیا ہے، وہی غلط ہے، تو البتہ اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کی جائے گی، لیکن صرف اتنا کہہ دینا کہ ادارہ جارحیت کے راستے پر جارہا ہے، لوگوں سے نزاع کررہا ہے، کافی نہیں ہے۔ المآثر نے جو آواز اٹھائی، اگر وہ درست ہے، تو اختلاف اور نزاع کی نسبت اس کی طرف نہیں ہوسکتی، جو لوگ غلطی کررہے ہیں، ان کی طرف ہوگی، حق اختلاف نہیں کرتا، وہ ایک سچا راستہ بتاتا ہے، جو لوگ اس سے منحرف ہوتے ہیں، وہ اختلاف کے شکار ہوتے ہیں، اللہ کے پیغمروں نے قوم کی رسمِ عبادت اور رواجِ زندگی کے خلاف حق و صداقت کا راستہ دکھایا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ انھوں نے اپنی قوم سے اختلاف کیا، باہم پھوٹ ڈال دی، خاندانوں میں تفرقہ پیدا کردیا، گو کہ ان کی قومیں یہی راگ الاپتی رہیں، مگر ان کا کہنا غلط تھا، قوموں نے اختلاف کیا، پیغمبروں سے نزاع کیا، کیونکہ انھوں نے حق سے انحراف کیا۔ آج بھی یہی قاعدہ ہے، غلطی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اگر وہ واقعۃً غلطی ہے، تو اس پر ٹوکنے والا نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اس پر اختلاف کا الزام نہیں رکھا جاسکتا، یہ اگر نہ تسلیم کیا جائے تو حق و باطل کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا، اور ''صلح کل'' کا جذبہ رکھنے والے حضرات غیر شعوری طور پر اس غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [سورۃ الحج: ٦٧] (ہر امت کے لیے ہم نے ایک طریقۂ عبادت بنایا تھا، جس کے مطابق وہ عبادت کرتی تھی تو یہ لوگ تم سے اس معاملہ میں نزاع نہ کریں، اور تم اپنے رب کی طرف دعوت دیتے

رہو، بلاشبہ تم یقیناً سیدھی ہدایت پر ہو)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے تحریف شدہ رسوم جاہلیت کے خلاف جو شریعت حقہ کا نظام عبادت پیش کیا وہ اختلاف اور نزاع نہیں ہے، قرآن حکم دیتا ہے کہ تحریف شدہ طریقۂ عبادت کو اختیار کرنے والے رسول سے نزاع نہ کریں، کیونکہ رسول ٹھیک ٹھیک حق وہدایت پر گامزن ہیں، اب جو ان سے منحرف ہوگا، وہی نزاع کا مرتکب ہوگا۔ اہل حق کے بارے میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ انھوں نے نزاع کیا، وہ اختلاف کے مرتکب ہوئے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر کا حق پر ہونا بالیقین ہے، ان سے اختلاف کرنے والا یقیناً نزاع کا مرتکب ہے، لیکن جو لوگ پیغمبر نہیں ہیں، وہ معصوم نہیں ہیں، ان کی رائے کا صحیح ہونا یقینی نہیں ہے، اس لیے ان کی طرف نزاع کی نسبت درست ہوسکتی ہے، کیونکہ ان کے حق کا ہونا قطعی نہیں ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حق کا معیار آج بھی موجود ہے، اگر اس معیار پر کوئی بات اترتی ہے، تو حق کہنا ہی پڑے گا، اجتہادی امور میں بے شک یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید حق دوسری طرف ہو، لیکن جہاں قرآن کی نص قطعی ہو، اس کی دلالت واضح ہو، یا مسئلہ امت کے درمیان متفق علیہ ہو، یا حضرات صحابہؓ وتابعین یا حضرات ائمہ اربعہ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو، تو اس کا حق ہونا بالکل واضح ہے، تین طلاق کا مسئلہ، بیس رکعت تراویح کا مسئلہ ایسا ہے جس کے حق ہونے پر چاروں ائمہ مذاہب متفق ہیں؛ جوا اور سود کی حرمت پر قرآن کی نص قطعی واضح الدلالت ہے۔ المآثر نے جب کسی پر احتساب کیا، دلائل کی روشنی میں کیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ جذبات سے مغلوبیت نہ ہو، لیکن اپنی پاکئ داماں کی حکایت پر اصرار نہیں ہے، بسم اللہ اگر کوئی دلائل کی رہنمائی میں المآثر کی غلطی کو واضح کرے گا، تو اسے قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا، مگر خیال یہ رہے کہ ادارہ المآثر کی اپنی الگ کوئی راہ نہیں ہے، اس نے اکابر علماء کی قدم بہ قدم پیروی کی ہے، حدیث میں حضرات محدثین کی اور فقہ میں علماء احناف کی، ان کی راہ سے انحراف نہیں ہے، اور جن کا احتساب کیا ہے، آپ دیکھیں گے کہ

احتساب اسی وقت ہوا ہے، جب انھوں نے اکابر علماء حق سے ہٹ کر اپنی نئی راہ نکالی ہے، اوراس پر اصرار کیا ہے، ہم تو متبع ہیں۔ بحمد اللہ۔ مبتدع نہیں ہیں۔ الماٰثر نے جو راہ اختیار کی ہے، وہ بصیرت کے ساتھ اختیار کی ہے اوراس دعاء التجاء کے ساتھ کی ہے کہ اَللّٰھُمّ اَرِنا الحَقّ حقاً وّ ارزُقْنا اتّباعَہٗ وَ اَرِنا البَاطِلَ بَاطِلاً وّ ارزُقْنا اجتِنابَہٗ (اے اللہ ہماری نگاہوں میں حق کو حق دکھایئے اوراس کی پیروی کی توفیق عطا فرمایئے، اور باطل کو باطل دکھایئے اوراس سے بچنے کی توفیق دیجئے)۔

ہم اللہ کا شکرادا کرتے ہیں، اس کی حمد وثنا کرتے ہیں کہ دس سال تک اس ذات پاک نے ہمیں دین حق کی خدمت کی توفیق بخشی، اوراس کی مہربان ذات سے امید رکھتے ہیں کہ وہ پروردگار ہمیں مزید خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے گا۔ اے اللہ آپ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں، قدم کو غلط راہ پر چلنے سے اور قلم کو جادۂ حق سے بھٹکنے سے محفوظ رکھئے، آپ کی خوشنودی اور رضا مندی کے جویا اپنے غلاموں پر حق وہدایت کی راہ ہمیشہ کھلی رکھئے، اور اسی پر چلنے کی توفیق اور ہمت وقوت دیجئے آمین۔

رَبّنَا لا تُواخِذْنا اِنْ نَسِینا اَوْ اَخْطَانا رَبّنا و لا تَحْمِلْ عَلَیْنا اِصْراً کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنا رَبّنا و لا تُحَمِّلْنَا ما لا طاقَۃَلنا وَ اعْفُ عَنّاَ وَ اغْفِرْ لَنا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلانَا فَانْصُرْنا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ.

اے اللہ جو کچھ اب تک لکھا گیا، آپ جانتے ہیں کہ اس میں کتنا حصہ لائق اجر ہے، اور کتنا حصہ قابل مواخذہ، قابل مواخذہ حصہ سے درگزر فرمایئے اور جس پر کچھ اجر مرتب ہو سکتا ہو، اس اجر کو ہمارے پیش رو عالم ومقتدا جو ہمارے گمان میں آپ کے مخلص بندے تھے، جن کی یادگار میں یہ تحریریں لکھی جاتی رہی ہیں، ان کے اعمالنامہ میں درج فرمادیں۔

**آمین یا رب العالمین**

(ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ/اگست تا اکتوبر ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فتنوں کی یورش اور مسلمانوں کے لائحۂ عمل

موجودہ دور میں دُنیا جن حالات سے گذر رہی ہے، ہمہ دم ایک آفت کا اسے سامنا ہے، دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی آگ لگے، ساری کائنات اس میں سلگنے لگتی ہے۔ ایک عجیب وغریب بے یقینی اور بے چینی کی فضا مسلّط ہے، ہر طرف خوف ودہشت کا سایہ ہے، ایک انجانا خوف سب کو بے چین کئے ہوئے ہے۔

کوئی الجھن نہیں لیکن کسی الجھن میں رہتا ہے
عجب دھڑکا سا ہر دم دل کی ہر دھڑکن میں رہتا ہے

افراد ہوں یا حکومتیں، سب کا یہی حال ہے، ہر فرد اور ہر ادارہ خائف ولرزاں ہے، اوراسی خوف ودہشت کے ماحول میں وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے جس سے امن وامان مزید تہ وبالا ہوجاتا ہے۔ ایک فرد کسی دوسرے فرد سے کسی وہمی خوف میں مبتلا ہوتا ہے، تو وہ اس خوف کو دور کرنے کے لئے وہ تدبیریں اختیار کرتا ہے جس سے بجائے گھٹنے کے خوف اور بڑھ اور پھیل جائے، حکومتیں، حکومتوں سے ڈرتی ہیں، تو جنگ کا ماحول پیدا کر کے امن عالم کو تباہ کر دیتی ہیں۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ دنیا کی ایک بڑی طاقت، جو قتل وخون اور گستاخی وبدتمیزی کا ''سرخ انقلاب'' لے کر دنیا کو بے گناہوں کے خون سے لالہ زار بناتی ہوئی اٹھی تھی، اس کی مضبوط حکومت چند جھٹکوں کے بعد منہدم ہوگئی، اوراس کے ملبے سے کئی ایسی حکومتیں اٹھ کھڑی ہوئیں جو اسلام کی نام لیوا، اور خدائے واحد کی پرستار ہیں۔ کفر وشرک کے پرستاروں کی نیندیں حرام ہوگئیں، حالانکہ ان سے کسی کو واقعی کوئی خطرہ نہیں تھا، مگر باطل نے

دنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک دہشت پھیلا دی کہ اسلام زندہ ہورہا ہے، مسلمان بیدار ہورہے ہیں، کہیں یہ بیداری کفر کے لئے پیغامِ موت نہ ثابت ہو، ہنگامے شروع ہوگئے، مگران کے عزائم کے برخلاف افغانستان میں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہوگئی، وہ حکومت کیا تھی؟ دنیا کے لئے امن وامان کا ایک پیغام تھی، حیوانیت ودرندگی سے انسانیت وملکوتیت کی طرف ایک سفر تھا، اچھے انسانوں کا ایک مجمع تیار ہوگیا تھا، مگر کفر کو کب گوارا تھا، ایک جھوٹا الزام لگا کر اس چھوٹے سے کمزور ملک پر جس کا جسم پہلے ہی سالہا سال کی لڑائیوں سے زخمی ولہولہان تھا، اتنے بم برسائے کہ وہ حکومت روپوش ہوگئی، لیکن ان بم برسانے والوں کو ابھی تسکین نہیں ہوئی، عراق کے خلاف الزام واتہام کے تیروں کا رخ پھیر دیا، مگر جب وہ سب الزام ناکام ہوگئے، اس کی بے گناہی ثابت ہوگئی تو ارشاد ہوا کہ کچھ ہو ہم تم پر بم برسائیں گے، دنیا ہانکتی پکارتی رہ گئی، اوراس نے بم برسانا شروع کردیا۔ اس وقت سارا عراق دھواں ہورہا ہے، فوج نہیں عام شہری مررہے ہیں، جل رہے ہیں، مگر ایک دیوانہ ہے کہ انھیں بے گناہی کی سزا دئے جارہا ہے۔

قدرتِ الٰہی کا حلم ہے، اس کی طرف سے استدراج ہے، مہلت ہے، کہ ایک کمزور جسم پر ایک طاقت والا اچھل کودرہا ہے اور سارا عالم دم بخود ہے، ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی ہے، کیا ہوگا؟ ہر شخص کی زبان پر یہ سوال ہے، انسانی زندگی تلخ ہورہی ہے، امن وامان کو آگ لگی ہوئی ہے، اور خونخوار دہشت گرد کہہ رہا ہے، کہ میں دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ کررہا ہوں، امن کی بنیادیں مستحکم کررہا ہوں۔ العیاذ باللہ

اسے شاید خود نہیں سمجھ میں آرہا ہے کہ میں کیوں آگ برسارہا ہوں اور جس پر آگ برس رہی ہے، وہ بھی شاید نہیں جانتا کہ کس گناہ کی سزا مجھے دی جارہی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں، حضور کا یہ ارشاد امام مسلم نے اپنی کتاب **الصحیح** میں درج کیا ہے، فرماتے ہیں:

**والذی نفسی بیدہ، لاتذھب الدنیا حتیٰ یاتی علی الناس یوم**

**لایدری القاتل فیم قَتَلَ؟ ولاالمقتول فیم قُتِلَ۔**

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک لوگوں پر وہ دن نہ آجائے کہ قاتل کو پتہ نہ ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا، اور مقتول معلوم نہ ہو کہ وہ کیوں قتل کیا گیا؟

آثار ایسے نظر آرہے ہیں کہ فتنوں کی لہریں دم بدم بڑھتی ہی جائیں گی، وہ وقت قریب سے قریب تر آتا جارہا ہے، جب دنیا کی یہ بساط لپیٹ دی جائے گی، فرشتۂ قیامت منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور کب صور پھونک دی جائے؟ یہ وقت جوں جوں قریب ہوتا جائے گا قتل وخونریزی کے عفریت کا ننگا ناچ بڑھتا جائے گا۔

امام مسلم علیہ الرحمہ ہی نے اپنی کتاب **الجامع الصحیح** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: **لاتقوم الساعة إلا علیٰ شرار الخلق**۔ قیامت جب قائم ہوگی تو بدترین مخلوق پر قائم ہوگی۔

ان ہی امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ: **لاتقوم الساعة حتیٰ لایقال فی الارض اللہ اللہ** ۔قیامت اسی وقت آئے گی، جب زمین پر اللہ اللہ کہا جانا بند ہو جائے گا۔ایک اور روایت میں ہے: **لاتقوم الساعة علیٰ أحدٍ یقول اللہ اللہ**۔قیامت اس شخص پر آ ہی نہیں سکتی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا۔

بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ **شرار الخلق** بڑھتے رہیں گے، اور ان پر قیامت کا قہر ٹوٹے گا، لیکن احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی امید کی کرن ایک بار اور چمکے گی۔

امام مسلم علیہ الرحمہ نے حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

ہم لوگ ایک روز کچھ مذاکرے کررہے تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمایا کہ کس تذکرے میں تم لوگ ہو؟ لوگوں نے کہا کہ ہم قیامت کا ذکر کررہے ہیں، فرمایا کہ جب تک دس نشانیاں نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی، پھر آپ نے (۱) دھویں کا

،(۲) دجال کا، (۳) دابة الارض کا، (۴) سورج کا پچھّم سے طلوع ہونے کا، (۵) عیسیٰ بن مریم کے نزول کا، (۶) اور یاجوج ماجوج کا ذکر کیا، نیز تین خسف (زمین دھنسنے) کا تذکرہ کیا، (۷) ایک مشرق میں، (۸) ایک مغرب میں، (۹) اور ایک جزیرۂ عرب میں ،(۱۰) اور آخر میں ایک آگ کا ذکر کیا جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانکتی چلی جائے گی، اور ایک روایت میں ہوا کا ذکر ہے، جو لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی۔

یہ سب چیزیں اپنے اپنے وقت پر ہوکر رہیں گی، کیا عجب ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جس دھوئیں کو بتارہے ہیں، اس کا ایک حصہ یہ دھواں بھی ہو، جو بمباریوں کے نتیجے میں دنیا میں پھیل رہا ہے، جو کچھ بھی ہو قیامت کی نشانیاں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی جارہی ہیں، لیکن امید کی کرن یہ ہے کہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہونا باقی ہے، ان کے نزول سے پہلے ایک امام عادل کی حکومت قائم ہوچکی ہوگی، جس کا لقب مہدی ہوگا، حضرت مہدی کا ظہور انتہائی ظلم وجور اور جبر وتشدد کے دور میں ہوگا۔

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے کتاب الفتن کے باب أشراط الساعة کی دوسری فصل میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

**ذکر رسول اللہ ﷺ بلاءً یصیب هذه الامة حتیٰ لا یجد الرجل ملجأ إلیه من الظلم فیبعث اللہ رجلاً من عترتی واهل بیتی فیملأ به الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً یرضی عنه ساکن السماء وساکن الارض۔**

رسول اللہ ﷺ نے ایک مصیبت کا تذکرہ فرمایا جو اس امت پر آئے گی، وہ مصیبت اتنی زبردست ہوگی کہ آدمی ظلم وستم سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں پائے گا، تب اللہ تعالیٰ میری اولاد میں اور میرے اہل بیت میں ایک مرد (مجاہد) کو کھڑا کریں گے، جس کے واسطے سے روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھر چکی تھی، اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔

یہی امید کی وہ کرن ہے، جو ابھی باقی ہے، اسی مردِ مجاہد کے دور میں پھر ایک آفت آئے گی، جو دنیا کی آفات میں ایک عظیم ترین بلکہ سب سے بڑی آفت ہوگی، اور وہ ہے دجال کا آنا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: مابين خلق آدم الىٰ قيام الساعة أمر اكبر من الدجال (رواه مسلم)**۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک کوئی واقعہ اور حادثہ دجّال کے فتنہ سے بڑا اور سخت نہ ہوگا۔

اس فتنہ عظیمہ کے قلع قمع کے لئے آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں حضرت مہدی کے دور میں نازل ہوں گے، یہ دَور اگرچہ ایک زبردست فتنے اور مصیبت کا دور ہوگا، مگر اس کی بیخ کنی کے لئے ایک زبردست آسمانی طاقت بھی دنیا میں موجود ہوگی۔ دنیا کے حالات جس تیزروی کے ساتھ الٹ پلٹ رہے ہیں اور ظلم وجور کی حکمرانی جس طرح بڑھتی جارہی ہے، اور اربابِ حکومت کو حوصلہ نہیں ہوتا کہ اس ظلم وجور کے خلاف زبان کھول سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روئے زمین پر ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہ گئی ہے، لحظہ بہ لحظہ انتظار بڑھ رہا ہے، کہ وہ ''مہدیٔ برحق'' نظامِ عدل کو قائم کرے۔

روشنی کی اس کرن کے انتظار میں دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم پیغام ہے، جسے ہر وقت، ہر صاحب ایمان کو مستحضر رکھنا چاہئے۔ وہ پیغام یہ ہے کہ ہر ایمان والا، اپنے ایمان کی اور اعمالِ صالحہ کی بغایت اہتمام حفاظت کرے، اور اسے اگلی نسل تک منتقل کرنے کی اپنے امکان بھر سعی کرے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جن دنوں حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، معلوم ہے حالات کے لحاظ سے ہمارے موجودہ دور سے بہتر نہ ہوگا، بلکہ کچھ بدتر ہی ہوگا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی حق کی آواز بلند کرتا ہے تو عموماً اس کی مخالفت ہی ہوتی ہے، بالخصوص اربابِ حکومت تو کسی آوازۂ حق کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، ابھی چند دنوں پہلے

طالبان کی ایک حق نواز اور حق پرست طاقت ابھری تھی، لیکن کس نے ان کا ساتھ دیا؟ ایک طاغوت نے انھیں جب نشانہ بنایا تو تمام حکومتیں اسے شاباشی دیتی رہیں، یا خاموش تماشائی بنی رہیں، بالآخر وہ بکھر کر رہ گئی۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت مہدی کا جب ظہور ہوگا تو ان کا ساتھ دینے والے بھی کم ہی ہوں گے، بجز ان کے جو خاص ایمانی طاقت اور اعمالِ صالحہ کے جذبے سے سرشار ہوں گے، جو دنیا بھر میں چھائی ہوئی مادی اور دنیاوی تہذیب وے متاثر نہ ہوں گے، جو مغربیت کی آندھیوں سے محفوظ ہوں گے۔ ایسے ہی لوگ اس مردِ مجاہد کے ساتھ ہوں گے، ان کے پاس مادی ساز وسامان کی بہتات نہ ہوگی اور نہ بڑی فوج ہوگی۔ اسی لئے دنیا کی سب سے بڑی روحانی طاقت ان کی مدد کے لئے نزول کرے گی ،کون نہیں جانتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا کی ایک عجیب وغریب ہستی ہیں، جو بغیر باپ کے خاص قدرتِ الٰہی سے پیدا ہوئے اور جب تک زمین پر رہے، جبریل امین ؑ ان کی حفاظت کرتے رہے، پھر آسمان پر اٹھا لئے گئے اور اب تک وہیں ہیں، اتنے عرصے میں ان کی قوت کہاں سے کہاں تک پہونچی ہوگی۔ یہ پیغمبرانہ اور ملکوتی قوت جب زمین پر اترے گی تو ظاہر ہے کہ برائیاں سمٹیں گی۔ تو آج کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنا ایمان اتنا مضبوط کریں، اور اعمالِ صالحہ کا وہ آہنی حصار بنائیں کہ دنیا کا کوئی فتنہ انھیں اور ان کی نسل کو متاثر نہ کر سکے، تاکہ جب وہ مردِ مجاہد اپنے کام کا آغاز کرے، تو یہ نسل بجائے ان کی موافقت کرنے اور بجائے ان کی مدد کرنے کے مخالف کیمپ میں نہ جا بیٹھے۔ اللہ جانے کب وہ دور آجائے، اور کب ہماری یہ ایمانی کاوش درجۂ اعتبار پا کر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوجائے۔

**اللھم انصر الاسلام والمسلمین واجعلھم دُعاۃً الیٰ سبیل الحق والیقین ،**

**آمین یارب العالمین**

(محرم تا ربیع الاول ۱۴۲۴ھ رمئی تا جولائی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مال رحمت بھی ہے اور فتنہ بھی!

امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا تھا کہ وہاں سے جزیہ وصول کر کے لائیں، حضرت ابوعبیدہؓ بڑی مقدار میں مال وہاں سے لے کر مدینہ آئے۔ حضرات انصار نے ان کی آمد کو سنا، فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں ابوعبیدہ کی آمد کی اطلاع ملی ہے، اور یہ کہ وہ کچھ لائے ہیں، اسی لئے تم لوگ آئے ہو، عرض کیا بے شک یہی بات ہے، آپ نے فرمایا: مبارک ہو اور تم کو خوشی حاصل ہو، اس کے لئے پُر امید رہو۔ واللہ میں تمہارے اوپر فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں رکھتا، مگر مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی، تو تم لوگ آپس میں اس میں مسابقت کرو گے، اور وہ تمھیں اسی طرح غافل کر دے گی جس طرح اگلوں کو غافل کر دیا تھا۔ (کتاب الرقاق، باب: ۷)

اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے، اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (کتاب الزہد)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حدیثوں میں اور ان کے علاوہ متعدد مقامات پر مال کی آزمائش اور مال کے فتنے سے اپنی امت کو خبردار کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اور

آخرت سے غافل کرنے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں بغاوت کرنے کا سب سے مؤثر محرّک عموماً مال ہی ہوتا ہے۔ آدمی مال کی تحصیل میں بھی اور مال حاصل ہوجانے کے بعد اس کے استعمال میں بھی غفلت کا شکار ہوجاتا ہے۔ یہ نہیں کہ مال کی تحصیل سے، اور اس کے کمانے سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو۔ نہیں یہ تو ایک امرِ مباح ہے، منع جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ مال کی محبت میں ایسا انہماک ہوجائے کہ آدمی اللہ سے، اللہ کے احکام سے، اللہ تعالیٰ کے دین سے، فکرِ آخرت سے غافل ہوجائے، لیکن مال کی محبت اور اس کی رغبت میں عموماً یہی ہوتا ہے، آپ خود اپنی ذات میں دیکھ لیں، اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں، آپ کو ہر جگہ..... إلا ماشاء الله. ..... یہی دکھائی دے گا کہ مال گھر میں بڑھا اور طبیعتوں کا انداز بدلا، ملنے جلنے والوں کا حلقہ بدلا، زندگی کا معیار بدلا، سوچنے کا پیمانہ بدلا، سب سے اول اس کا حملہ آدمی کے دین ہی پر ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **ما ذئبان جائعان اُرسِلا فی غنمٍ بافسد لها من حرص المرء علی المال والشرف لدینهٖ** (ترمذی ودارمی) دو بھوکے بھیڑیئے، جو بکریوں کے گلّے میں بھیج دیئے گئے ہوں، ان بکریوں کو اتنا نہیں برباد کرسکتے، جتنا کہ آدمی کی حرصِ مال اور حرصِ جاہ اس کے دین کو برباد کرتی ہے۔

تو مال اس وقت سخت برا اور آفت ہے جب وہ دین کو برباد کردے، اور یہی زیادہ تر ہوتا ہے، اس لئے اس سلسلے میں اتنے سخت ارشادات ہیں۔ حُبِّ مال کے لئے حُبِّ جاہ لازم ہے۔ آدمی کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے تو اسے شدید خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس سے مرعوب رہیں، اس کے سامنے خادمانہ طور پر حاضر رہیں، اس کے سامنے جبینِ نیاز ٹیکے رہیں، اور جب یہ بات پیدا ہوتی ہے تو بندہ بنے رہنے پر راضی نہیں ہوتا ہے، اس میں خدائی اور کبریائی کے ناز وانداز آجاتے ہیں، اب وہ خدا کے احکام کا پابند نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں کو اپنے احکام کا پابند بنانے کی کوشش کرتا ہے، بندگی سے یہ بغاوت اور کبریائی حدود میں اس کی سرکشی بالآخر اس کے دین کو کھا جاتی ہے۔

فراوانیٔ مال و دولت کی یہ فتنہ سامانیاں ایسی نہیں ہیں کہ ان کی نشاندہی کی جائے، یہ معاشرہ کا ناسور ہے، جن کے پاس مال کی بہتات ہے، وہ اپنا احتساب خود کرلیں کہ یہ مال انھیں کن وادیوں میں پہونچاتا ہے۔ مال کا اگر صحیح استعمال ہو، صحیح طریقے سے حاصل کیا جائے اور صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے، نیت بھی درست ہو، تو یہ مال جنت تک پہونچنے کا، اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا ایک بہترین راستہ ہے۔ جائز ذرائع سے مال کمایا جائے، حرام کے دروازے اپنے اوپر بند کردئے جائیں، کسب مال میں خیانت نہ کی جائے، جھوٹ اور جھوٹی قسموں سے بچا جائے، جن چیزوں کی خرید و فروخت کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اور جن ذرائع کو غلط قرار دیا ہے، ان سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، پھر کسب مال میں انہماک کی وجہ سے نماز و تلاوت اور ذکرِ الٰہی سے غفلت نہ برتی جائے، تو آدمی کے ہاتھ میں آنے والا مال بابرکت ہوگا، اس سے قلبی اطمینان حاصل ہوگا، اللہ کی طرف سے اس کی مدد ہوگی، دل میں اچھے ارادے اور اچھی نیتیں پیدا ہوں گی، ''عمل صالح'' کا جذبہ بیدار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: يَـٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ () یعنی اے رسولو! حلال اور پاک روزی کھاؤ، اور نیک اعمال کرو، میں تمہارے اعمال سے واقف ہوں۔

اس آیت کریمہ میں ''عمل صالح'' کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے حلال و پاکیزہ روزی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال روزی، اعمالِ صالحہ کا سبب بنتی ہے، بلکہ وہ مدارِ کار ہے، وہ نہ ہو تو ''اعمالِ صالحہ'' بھی گھٹ کر بلکہ مٹ کر رہ جائیں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں، یعنی جو دعا کروں قبول ہو جایا کرے۔ آپؐ نے فرمایا سعد! اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو، مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، بندہ اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو، اس

کے لئے جہنم کی آگ ہی مناسب ہے۔

تو مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح کا مدارِ کار حلال اور جائز آمدنی پر ہے، اس چیز کی بے احتیاطی نے اعمالِ خیر کی صلاحیت برباد کردی ہے، نیکیوں کا حوصلہ چھین لیا ہے، توفیقِ نیک سلب ہوکر رہ گئی ہے۔

پھر اس کے بعد مال کے خرچ کا ایک مسئلہ ہے، جس طرح ایک مسلمان مال کی کمائی میں احکام وہدایات کا پابند ہے، ٹھیک اسی طرح مال کے خرچ کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات کا پابند ہے، اسے اختیار نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اللہ کی دی ہوئی اس امانت میں تصرف کرے۔ اس کے خرچ کے کچھ مواقع تو خالص عبادت ہیں، مثلاً پورے حساب اور اہتمام سے زکوٰۃ نکالی جائے اور مستحقین کو دی جائے، صدقہ فطر ادا کیا جائے، نفلی صدقات وعطیات کا نظام رکھا جائے، فرض ہو تو حج میں مال خرچ کیا جائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کی جائے، صدقہ جاریہ کا انتظام کیا جائے، مال خرچ کرنے کے یہ وہ مواقع ہیں جو انسان کو بلندی کی معراج پر پہونچاتے ہیں، یہ بندہ خدا کا خاص بندہ بن کر رہتا ہے۔

کچھ مواقع مال خرچ کرنے کے وہ ہیں جن کا تعلق انسانی زندگی اور باہمی تعلق اور خاندانی اشتراک کی ضرورت سے ہے، جیسے خود آدمی کا اپنا کھانا پینا، کپڑا پہننا، مکان بنانا، دوا علاج، اپنے اہل وعیال کی خبر گیری وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ضرورت کا درجہ رکھتی ہیں، عبادت نہیں، ان میں نیت درست ہو تو، شریعت کے احکام اور اعتدال ومیانہ روی کا اہتمام ہو تو مال یہاں بھی ثواب کا ذریعہ ہے۔

لیکن ضرورت کے ان مواقع پر خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے کہ: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ O ۔(کھاؤ اور پیو، مگر اسراف مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)

اسراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مقررہ حد سے آگے نکل جائے، مثلاً یہ بھی ہے کہ حلال سے تجاوز کرکے حرام تک پہونچ جائے، یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی ضرورت سے زائد

کھاتا پیتا رہے۔

سلف صالحین نے اس بات کو بھی اسراف میں داخل کیا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے کے دھندے میں مشغول رہے، یا اس کو دوسرے اہم کاموں سے مقدم جانے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا مقصد زندگی یہی کھانا پینا ہے۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو جی چاہے، اس کو ضرور ہی پورا کرے: إن من الاسراف أن تاكل ما اشتهيت۔ (ابن ماجہ) یہ بھی اسراف ہے کہ جس چیز کا جی چاہے، اسے کھا ہی لو۔

امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ دن میں دو مرتبہ انھوں نے کھانا کھایا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہارا شغل صرف کھانا ہی رہ جائے۔ (یہ دونوں حدیثیں معارف القرآن ج:۳،ص:۵۴۶ سے لی گئی ہیں)

اسراف حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ، اسراف کرنے والوں سے اللہ کو محبت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز باعثِ ناپسندیدگیٔ خداوندی ہو، وہ حرام ہی ہوگی۔

اسراف ہی کے قریب قریب ایک اور چیز ہے، جسے ''تبذیر'' کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْراً اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْراً، (بنی اسرائیل:۲۶/۲۷) اور بے جا مت اڑاؤ، بے شک مال کو بے اجا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

''تبذیر'' یہ ہے کہ گناہوں میں اور لغویات میں مال خرچ کیا جائے، یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کردے جو آگے چل کر حقوق واجبہ کو ضائع کردے، یا ارتکاب حرام کا سبب بن جائے۔

ہمارے معاشرے میں اسراف اور تبذیر کا طوفان کھڑا ہے، اللہ نے جن کو دولت

سے نوازا ہے، ان کے مال کا عمومی مصرف وہ خود غور کریں کہ کیا چیز ہے؟ گناہ کی چیزیں اس مال سے خریدی جارہی ہیں، جہاں کوئی موقع خرچ کرنے کا نہیں ہے، یا ہے تو ایک محدود اندازے سے خرچ کرنا کافی ہوتا ہے، وہاں کس طرح بے تحاشا مال خرچ ہورہا ہے، نکاح، ختنہ، عقیقہ، فضول دعوتیں، تفریحات، پکنک، گھروں کی زینت اور اللہ جانے کتنی کتنی بلائیں ہیں، جن میں مال بے تحاشا پھونکا اور بہایا جارہا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی مواقعِ خیر پر خرچ کرنے سے محروم ہوجاتا ہے، شادی بیاہ میں لاکھوں لاکھ خرچ کرنے سے زکوٰۃ دینے کی سعادت سے ہٹا دیا جاتا ہے، فضول تفریحات اور پکنکوں میں پیسے برباد کرنے والے، صدقاتِ نافلہ کا ثواب کیونکر حاصل کرسکتے ہیں؟ غلط مقدمات لڑنے والے، دوسروں کی ہلاکت کی سازشیں کرنے والے حج وزیارت کی سعادت کب پاسکتے ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ ایک برائی دوسری برائی کو جنم دیتی ہے، اور مال سے پھیلنے والی برائیاں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں، جو پورے معاشرے کو خاکستر بنادیتی ہیں، یہ مال اس لئے نہیں ہے کہ اس سے برائیاں پھیلائی جائیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی زکوٰۃ نکال کر اپنے لئے بھی، اپنی آخرت کے لئے بھی اور اپنے معاشرے کے غریب و کمزور افراد کے لئے نفع و بہبودی کا سامان کیا جائے۔ اگر باقاعدہ ہر صاحب ثروت زکوٰۃ ہی نکالتا رہے اور صحیح مصرف میں پر پہونچانے کا اہتمام کرتا رہے، تو مسلمانوں کے درمیان سے کتنے مصائب کا خاتمہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔

(رجب تا رمضان ۱۴۲۲ھ/نومبر، دسمبر ۲۰۰۱ء، جنوری ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سفرِ حج کے برکات اور اس کے تقاضے

زائرینِ حرم کے قافلے لوٹ لوٹ کر اپنے گھروں کو واپس آ چکے ہیں، بڑی خوش نصیب ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے خداوند عالم کی تجلی گاہِ خاص کا جلوہ دیکھا، بہت خوش بخت ہیں وہ قدم جو کعبۃ اللہ شریف کے طواف میں دوڑے، اور صفا و مروہ کے درمیان سعی میں کوشاں رہے، زندگی کا بڑا قیمتی تھا وہ لمحہ جو میدانِ عرفات میں نصیب ہوا، اور ندامت کے چند قطرے وہاں کی خاک میں جذب ہو گئے، بڑی روشن تھی وہ رات جو مزدلفہ میں گزری، کتنی مبارک تھی وہ صبح جس میں وقوف مزدلفہ نصیب ہوا اور دعاؤں کو اذنِ قبول ملا، پھر منیٰ کی وہ سرگرمیاں مبارک صد مبارک! کبھی رمیِ جمرات ہے، کبھی قربانیوں کا اہتمام ہے، ابھی طوافِ زیارت کے لیے حرم کو روانگی ہے، پھر معاً واپسی ہے، کبھی سر منڈانے کی عبادت ہے: غرض اللہ کی راہ میں وہ دیوانگی ہے کہ رحمت الٰہی ٹوٹ ٹوٹ کر برسی، یہ ملتزم ہے جہاں لپٹ لپٹ کر حاجی دعا کر رہا ہے، یہ حجر اسود ہے جس تک پہنچنے کی بیتابی آدمی کو بے قرار رکھتی ہے مگر موقع نہیں مل پاتا، عاشقوں کا ہجوم ہی کچھ اتنا ہے کہ یہ بے تابی حسرت بن کر دل میں رہ جائے، یہ حطیم ہے، اس میں دو رکعت نماز حاصلِ زندگی ہے، یہ مقامِ ابراہیم ہے کاش یہاں دو رکعت پڑھنے کی فرصت میسر آ جائے، یہ آبِ زمزم ہے، خوب پیجیے، پیٹ بھر کر پیجیے، جس مقصد کے لیے پیجیے وہی حاصل ہو، بیمار ہوں تو شفا حاصل ہو، بھوکے ہوں تو آسودگی حاصل ہو، پیاس کی بے قراری ہو تو سیرابی ملے، نیت کر لیجیے کہ آخرت کی پیاس سے سیرابی ہو، انشاء اللہ وہ بھی یہیں حاصل ہو جائے گی۔ پھر یہ طیبہ پاک کی سرزمین ہے، آرامگاہِ رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)، مدینہ پاک کی سرزمین! اسلام کے عہدِ اولین کی یادگاروں کی امین! یہاں وہ خزانہ مدفون ہے،

جس کی قیمت سارا عالم نہیں ہوسکتا، یہاں کا ہر ذرہ آفتاب سے بڑھ کر روشن ہے، یہ مسجدِ نبوی ہے، یہ محراب نبی ہے، یہ منبرِ رسول ہے، یہ روضۂ اطہر ہے، یہ صفہ ہے، یہ بابِ جبرئیل ہے، یہ بابِ رحمت ہے، یہ جنت البقیع ہے، اس میں صدہا لعل و گہر چھپے ہوئے ہیں، یہ احد پہاڑی ہے، جس کو خون شہداء کے طفیل حیات جاوداں ملی، اس کا دل اہلِ ایمان کی محبت میں دھڑکتا ہے، یہ غزوۂ خندق کے آثار و علائم ہیں، جہاں پہونچ کر سورۂ احزاب کی آیات بے ساختہ یاد آجاتی ہیں، یہ مسجدِ قبا ہے، جس نے پہلے پہل رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے شرف تعمیر پایا تھا۔

اور کیا کیا ہے؟ عقیدتوں کی سوغات ہے، محبتوں کے تحفے ہیں، اشکہائے ندامت کی بارش ہے، دل کی بیتابیاں ہیں، ان کے جلوے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں، تنگی داماں کی شکایت رہ جاتی ہے، ورنہ ادھر سے بخشش و عطا میں کوئی کمی نہیں ہے، حجاج کرام یہ ساری تجلیاں، یہ تمام سوغاتیں دامنِ دل میں سمیٹ کر لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسافرانِ حرم کے حج وعمرہ کو قبول فرمائیں، اگر کسی نے حج اس کے شرائط و آداب کے ساتھ کیا، اس کی ظاہری و باطنی پابندیوں کو بجالایا، تو وہ اس طرح لوٹتا ہے، جیسے آج ہی وہ ماں کے شکم سے وجود میں آیا ہو، اس پر کسی گناہ کا اثر باقی نہیں رہتا، کتنے مبارک ہیں وہ بندے جو رحمت و مغفرت کے دریا میں غوطہ زن ہوکر اس طرح نکلے ہیں کہ ان کے اوپر میل کچیل کا کوئی دھبہ موجود نہیں، یہ دعا مانگیں تو ان کی دعا قبول، یہ کسی کی سفارش کریں تو ان کی سفارش منظور!

حجاج بیت اللہ زندگی کا ایک نیا دور لے کر لوٹے ہیں، اللہ نے بڑا احسان کیا کہ پچھلے گناہوں کو دھو کر صاف کر دیا، اب اس صفائی ستھرائی کی حفاظت اور اس کے بقاء کی ضرورت ہے، زندگی میں جو تبدیلی اللہ کی جانب سے آچکی ہے، اسی محور پر باقی زندگی گزارنے کا اہتمام چاہئے۔ ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ جب کوئی حج کا ارادہ کرتا تو اسی وقت سے اس کے اوپر دینداری کی ظاہری علامات طلوع ہونے لگتی تھیں، چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہے تو چھوڑ دی جاتی تھی، نمازوں کا اہتمام شروع ہوجاتا تھا، رشتہ داروں اور تعلق

والوں سے معافی تلافی کا سلسلہ چل پڑتا تھا، اور جب واپسی ہوتی تھی، تو وہ نہیں رہتے تھے جو پہلے تھے، مگر دیکھتے ہی دیکھتے رنگ بدل گیا، اب تو حج سے پہلے اور حج کے بعد کی زندگی میں بسا اوقات کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر یہ ہوتا کہ حج سے پہلے بھی دیندار اور متقی تھے، اور حج کے بعد بھی یہ وصف قائم اور باقی رہا، تو کیا بات تھی! مگر ہوتا یہ ہے کہ نہ حج کے پہلے دینداری اور تقویٰ کا اثر ہے اور نہ حج کے بعد اس کی جھلک!

اے حضرات! یہ دنیا اور دنیا کی زندگی اس لیے نہیں ہے کہ آدمی اپنا دل دماغ اسی دنیا میں کھپا دے، اس کی سوچ کا محور بس یہ ہو کہ دنیاوی تقاضوں کو کیونکر عیش و راحت سے پورا کیا جائے، یہ تو انسان کا بڑا گھٹیا مقصد ہے، بلکہ تنگ نظری ہے گو کہ اس دور میں اسی قسم کے لوگ عقلمند کہے جاتے ہیں، لیکن خالقِ کائنات جل ذکرہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِینَ لَا یَرۡجُونَ لِقَاءَ نَا وَ رَضُوا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوا بِھَا وَ الَّذِینَ ھُمۡ عَنۡ آیَاتِنَا غٰفِلُوۡن۔ اُولٰئِکَ مَاوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ﴾ (سورۂ یونس: ٧،٨)

وہ لوگ جو ہمارے پاس آئے اور ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، اور وہ دنیاوی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو بیٹھتے ہیں، اور نیز وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، بلاشبہ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے افعال کے عوض جہنم ہے۔

یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی، اسی چند روزہ حیات کو مقصود و معبود بنا لیا، سارا کچھ کرنا دھرنا، خوشی و غم اور تگ و دو اسی زندگی کے لیے وقف ہو کر رہ گئی، اس کا آخری انجام یقیناً وہی ہے، جس سے اللہ نے ڈرایا ہے، یہ وصف ہے تو کفار و مشرکین کا، لیکن ہم مسلمانوں کو بھی اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ وصف اور یہ حال ہمارے اندر کتنا پایا جاتا ہے، عقیدے کی حد تک بلاشبہ ہر مسلمان کا دل صاف ہے کہ آخرت کی پیشی ہونی ہے، مگر یہ عقیدہ ہمارے روزمرہ کے حالات و معمولات میں کتنا مؤثر ہے؟ ہمارے طرزِ فکر اور کفار و مشرکین کے طرزِ فکر میں کتنا فرق ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ آخرت ہماری نگاہوں سے اوجھل سی معلوم ہوتی ہے، اور دنیاوی

مقصد پر ہی آدمی ٹوٹا پڑا ہوا ہے، غیروں کی نقالی میں ہم نے اپنی پونجی گنوادی ہے، ایک ایمان والا کسی کافر کی نقالی کرے، اُدھر رجحان رکھے، یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے، اللہ کو ماننے والا دنیوی خرافات کو مطمح نظر بنا لے! ترقیٔ معکوس ہے، یہود ونصاری اور کفار ومشرکین، غضب الٰہی کے شکار ہیں، صحیح راہ سے کوسوں دور ہیں، ان کا طریقہ اختیار کرنے والا، ان کی معاشرت کو پسند کرنے والا، اللہ کو کیونکر راضی کرسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿و لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار و ما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون﴾ (سورۂ ھود:۱۱۳)اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمھارا اس کے علاوہ مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

یعنی جو لوگ ظالم ہیں، اور ظالم کون؟ اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے نکل جانے والا، فرماتے ہیں کہ ظالموں کی طرف تمھارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو، ان کی موالات، مصاحبت، تعظیم وتکریم، مدح وثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل، ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپٹ تم کو لگ نہ جائے، پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا، اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہونچے گی۔

کفار کی طرف دل کا میلان بغایت خطرناک ہے، اس سے اس طرح بچنا چاہئے، جیسے آدمی سانپ بچھو سے بچتا ہے، کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز کھانے سے یقینی طور پر کینسر ہو جاتا ہے، تو اس کے پاس کبھی نہ جائے گا، لیکن ہم ایمان رکھتے ہوئے، انھیں راستوں میں گھستے ہیں، جن کی انتہا جہنم پر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَ اِنْ کادوا لَیَفتِنونَكَ مِنَ الَّذی اَوْحینا اِلَیكَ لِتَفتَرِیَ عَلَینا غَیرَهٗ وَ اِذاً لَاتَّخَذُوكَ خلیلاً۔ وَ لَوْ لا اَنْ ثَبَّتْناكَ لَقَدْ کِدْتَ تَرْکَنُ اِلَیهِمْ شَیئاً قَلیلاً۔ اِذاً لَاَذَقْناكَ ضِعْفَ الْحَیوٰةِ وَ ضِعْفَ الْمَماتِ ثُمَّ لا تَجِدُ لَكَ عَلَینا نَصِیراً﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۷۳-۷۴-۷۵)ان کفار کا مقصد یہ ہے کہ ہم جو کچھ بذریعہ وحی تمھارے پاس علوم واحکام بھیج رہے ہیں، ان سے تمھیں ہٹادیں، اس کے لیے یہ سازشیں کرتے ہیں، ورغلاتے ہیں، دنیا کے سبز باغ دکھاتے ہیں، تا کہ تم اس کا کچھ حصہ ترک کردو، یا بدل

دو، اگر تم ایسا کرلو گے، تو وہ تمھیں اپنا خالص دوست بنالیں گے، لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تمھیں سنبھال رکھا ہے، عصمت کی پختگی تمھیں عطا کر رکھی ہے، پہاڑ جیسا ثبات واستقلال بخش کر رکھا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم ذرا سا ہی سہی ان کی ترغیبات وتحریضات سے متاثر ہو جاؤ گے، اور اگر ایسا ہوتا تو ہم زندگی اور موت کا دوگنا عذاب تم پر مسلط کر دیتے، اور ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔

اندازہ کیجیے، کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی طرف خفیف میلان پر کتنا شدید مؤاخذہ ہورہا ہے، اگر یہ وعید شدید اہلِ ایمان کے سامنے ہو، تو ان کا ہلکے سے ہلکا تشبہ بھی آدمی کو برداشت نہ ہو۔

نظریات وعقائد ہوں، یا ظاہری اعمال واوصاف کسی میں بھی اسلامی طریقہ چھوڑ کر غیروں کی نقالی، سب اس وعید کے دائرے میں آتی ہے، شعائرِ اسلامی کا استخفاف اور ان کی توہین ہو، فرائض وواجبات کا ترک ہو، اسلامی شکل وصورت سے ہٹ کر یہود ونصاریٰ یا کفار کی صورت اختیار کرنی ہو، ڈاڑھی منڈانی، مونچھیں بڑھانی، ننگے سر رہنا، انگریزی معاشرت کو ترجیح دینا، یہ سب اسی وعید کے تحت داخل ہیں، یہ تمام امور اس کی علامت ہیں کہ دل میں اسلامی طور طریقے کی عظمت واہمیت نہیں ہے، اس کے مقابلے میں غیر اسلامی طور طریقوں کی عظمت ومحبت ہے۔

محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ نے اعیان الحجاج میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے، بہت ہی اہم اور قابلِ غور! فرماتے ہیں:

> ”دو شخصوں کی وضع قطع اور لباس وپوشاک میں اس وقت تک مشابہت پیدا نہیں ہوتی، جب تک دونوں کے دل باہم مشابہ نہیں ہوتے“ (ج:۱،ص:۳۹)

ہمارا دین، دین حنیف ہے، دین حنیف کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک طریقہ ومذہب سے جدا، محض اللہ کے حکم پر مبنی، جس میں نفس کی خواہش، ماحول کے رجحان، اور خاندانی روایات کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں منحصر ہے، اس اسوۂ

حسنہ سے خروج، دائرۂ ظلم میں انسان کو پہنچا دے گا۔ زندگی کے ہر مرحلہ میں مومن کو اس کی جستجو ہونی چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا ہے، اپنے آپ کو اسی پر مضبوطی سے ڈال دے، خواہ اس کی وجہ سے دنیا میں اجنبی بن کر رہ جائے، دنیا والے اسے اجنبیت سے دیکھیں گے، لیکن فرشتے اسے پہچانیں گے، رسول اکرم ﷺ کی بشارت اس کے حق میں صادق آئے گی، فرمایا کہ بَدَأَ الإسلامُ غَرِیباً و سَیَعودُ غریباً کما بَدَأَ فَطُوبیٰ لِلْغُرباءِ اسلام کا جب آغاز ہوا تھا تو اس وقت کے ماحول میں اجنبی تھا، اسے پہچاننے والے کم تھے، اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ اجنبی بن کر رہ جائے گا، نہ اسلام کو لوگ پہچانیں گے، نہ اس پر عمل کرنے والوں کو، تو ان اجنبیوں کے لیے خوش خبری ہے۔

گھبراہٹ اور مایوسی کی بات بالکل نہیں ہے کہ اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے آدمی اجنبی سا ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ خوشی اور سعادت کی بات ہے، اس کے لیے بشارت ہے۔

تو جو چیز اللہ نے اور اللہ کے رسول نے ہمارے لیے پسند کی ہے، جو عقیدہ پسند کیا ہے، جو عمل منتخب کیا ہے، جو سیرت تجویز کی ہے، جو صورت ہمیں عطا کی ہے، اس پر ہم رہیں، نہ چہرہ مہرہ بدلیں، نہ لباس غیروں جیسا پہنیں، نہ غیروں کی طرح ترکِ نماز کریں، نہ دنیا اور متاعِ دنیا کو کفار و مشرکین کی طرح اہمیت دیں، نہ مخلوق کو کارساز سمجھیں، بس اللہ سے لو لگائے رکھیں، ہر کام کے بناؤ اور بگاڑ کی جگہ وہی ہے، اللہ پر پختہ ایمان رکھیں، بالیقین توکل کریں، اور اپنی زندگی کو اس آیت کے سانچے میں ڈھال لیں ﴿قُلْ اِنَّ صَلاتِیْ وَ نُسُکِیْ و مَحْیَایَ و مَمَاتِیْ للہ رَبِّ الْعالَمِینَ لا شَرِیکَ لَہٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ انا اَوَّلُ الْمُسْلِمِینَ﴾ تم کہہ دو کہ بے شک میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔

رضائے الٰہی تک پہونچانے والی راہ یہی ہے۔ فَتُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعاً اَیُّھا المومنونَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ۔ (شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ/فروری تا مارچ ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆ (ضیاء الاسلام: جنوری ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# یہود کی گستاخیاں اور شعائر اللہ کا احترام

حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کی پہلی سورہ میں، جو کہ جامع ترین سورہ ہے، یعنی سورۂ فاتحہ میں ایک دعا اپنے بندوں کو تلقین فرمائی ہے اور نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت متعین کر کے حکم دے دیا ہے، کہ اس دعا کو بار بار، دن اور رات میں کئی بار دربارِ الٰہی میں پیش کیا کرو۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کے لئے یہ دعا کتنی اہم اور بیش قیمت ہے۔ گویا زندگی اور موت کی عمدگی کا مدار اسی ایک بات پر ہے، یہ بات حاصل ہے تو زندگی، زندگی ہے، اور موت بھی زندگی ہے، اور اگر نہیں ہے تو زندگی موت سے بدتر ہے۔ وہ دعا یہ ہے: إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت دیجئے، ان لوگوں کے راستے کی، جن پر آپ نے انعام فرمایا، ان لوگوں کی راہ نہیں جن پر غضب کیا گیا، اور نہ ان لوگوں کی راہ جو بھٹک گئے)

''صراطِ مستقیم'' انبیاء وصدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (سورہ نساء: ۶۹) جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کی معیت میں ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔

اور احادیث کریمہ میں صراحت ہے کہ **مغضوب علیھم** (جن پر غضب نازل ہوا) یہود ہیں، اور گمراہوں کا ٹولہ نصاریٰ کا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر یہود کے

اوپر غضب کا تذکرہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (البقرۃ:۹۰) بری ہے وہ چیز، جس کے عوض انھوں نے اپنے آپ کو بیچا، کہ انھوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کا محض اس ضد کی وجہ سے انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کیوں اتارے، پس وہ غضب بالائے غضب حاصل کر لائے، اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

اس آیت میں یہود ہی کا تذکرہ ہے، انھیں ہی غضب بالائے غضب کا مورد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح سورہ مائدہ میں یہود کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ (المائدۃ:۶۰) تم کہو، کیا میں تم کو وہ بات بتلاؤں، جس کی سزا اللہ کے نزدیک سخت ترین ہے، وہی جس پر اللہ نے لعنت کی، اور اس پر غضب نازل کیا، اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعضوں کو سوّر بنا دیا، اور جس نے شیطان کی عبادت کی، یہی درجہ میں بدتر اور سیدھی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی خاص امتیازی بدبختی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے بدعملی اور گستاخی میں مبتلا تھے، اور اسی وجہ سے ان پر خصوصی غضب اترا، ان کی شرارتوں اور بے ادبیوں کا نقطۂ عروج یہ تھا کہ وہ رسولوں کی شان میں سخت گستاخیاں کرتے تھے، چنانچہ قرآن کریم میں ان کی شرارتوں کا ذکر ہے کہ ان کے ہاتھ انبیاء کے قتل میں ملوث ہیں، ان کے دامن پر صالحین کے خون کے دھبے ہیں، اور آخری حد یہ ہے کہ وہ خدا کی بارگاہِ عالی میں بھی زبان درازیاں کیا کرتے تھے۔ ایک وقت وہ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ فلاں قوم سے جنگ کرو اور ''ارضِ مقدسہ'' کو حاصل کرو، تو چند لوگوں کے علاوہ قوم نے جواب دیا: يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا

قَاعِدُوْنَ (سور مائدہ:۲۴) (اے موسیٰ جب تک وہ لوگ اس میں ہیں، ہم ساری عمر ہرگز اس میں نہیں داخل ہوں گے، پس تمہیں جاؤ اور تمہارا رب جائے، اور تم دونوں جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔) یہ بے ادبی اس اولوالعزم نبی کے ساتھ وہ کر رہے ہیں، جو ان کو مصر سے نجات دلا کر بغیر کسی جانی و مالی نقصان کے نکال لایا تھا۔

یہ گستاخانہ کلام نبی کی بھی توہین ہے اور خدا کی بھی۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ:۶۴) یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھ گیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَاءُ سَنَكْتُبُ مَاقَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍ وَ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ (آل عمران:۱۸۱) بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، اب ہم لکھ رکھیں گے ان کی بات، اور وہ خون بھی جو انھوں نے انبیاء کے ناحق کئے تھے، اور کہیں گے کہ جلتی آگ کا عذاب چکھو۔

ان آیات کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی شان میں، رسول کی شان میں، دین کے باب میں، دینی شعائر کے سلسلے میں گستاخی اور بے ادبی کتنی سنگین غلطی ہے، دین سارا کا سارا احترام وادب ہے، اور بے ادبی تمام تر بے دینی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ان امور کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو ملت قرآن کریم پر ایمان رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ کو جان سے زیادہ مانتی ہے، اللہ و رسول کی وفاداری کا دم بھرتی ہے، وہ اپنا دامن ان بے ادبیوں، گستاخیوں سے بچائے رکھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جو غضب یہود پر نازل ہوا تھا، اس کے چھینٹے ادھر بھی آجائیں، اس سے بچانے کا اللہ تعالیٰ نے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں اپنے بندوں کی زبان سے یہ دعا دہرائی ہے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے خصوصی کرم یہ فرمایا کہ قرآن کریم میں ادب واحترام کا سلیقہ خود سکھایا، کہ اللہ و رسول کا احترام کیونکر کیا جائے؟ اس کے حدود کیا ہیں؟ آداب

کیا ہیں؟ اللہ و رسول کا ادب کرنا ہے، ان کے ساتھ اور کیا کیا چیزیں ہیں جن کی تعظیم اور جن کا احترام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ O یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ O (الحجرات: ۱/۲/۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اور ان سے اس طرح تڑک کر نہ بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے تڑک کر بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے، ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے۔

یعنی جس معاملے میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو، اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو، بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو، جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں، خاموشی سے کان لگا کر سنو، ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کرو، اپنی اغراض و آراء اور خواہشات کو ان کے احکام پر مقدم نہ رکھو، اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضورؐ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے، آپ سے خطاب کرنا ہو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لہجے میں ادب و شائستگی کے ساتھ کرو، آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے، مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے، تو حضورؐ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے، ایسی صورت میں تمام اعمال

ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔

جو لوگ نبی کی مجلس میں تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ بولتے اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے، اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے واسطے تیار کردیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ، چار چیزیں اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں: قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز، ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَإِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (سورہ حج:۳۲) جو کوئی اللہ کے نام لگی چیزوں کا ادب رکھے، سو وہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلافِ ادب ہے تو آپ کے ارشادات واحکام سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کی بے ادبی ہوگی، اور کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ (فوائد عثمانی)

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ادب واحترام وہ بنیادی وصف ہے جس پر ایمان واسلام کی عمارت مستحکم ہوتی ہے، بے ادبی کرنے والا اپنے کئے ہوئے اعمال میں آگ لگا دیتا ہے، اس سے وہ غریب نفع کیا اٹھائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں ارشاد فرمایا: وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَإِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (سورہ حج:۳۲) جو کوئی اللہ کے نام لگی چیزوں کا ادب رکھے، سو وہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔

اس پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ تفسیری حاشیہ لکھتے ہیں کہ:

> ”شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں ہے، جس کے دل میں پرہیز گاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا، وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا، یہ ادب کرنا شرک نہیں، بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہوجائے۔“

آج ایک ٹولہ ہے جو اللہ ورسول کے نام لگی چیزوں کی صرف اس لئے بے ادبی کرتا

ہے کہ، کہ اسے ادب کا معاملہ برتنے میں شرک کا وہم ہوتا ہے، حالانکہ وہ شرک نہیں ہے۔

الحذر! الحذر!! کبھی بھی ان چیزوں کے متعلق کوئی نازیبا بات نہیں کرنی چاہئے، اور نہ کوئی نازیبا رویہ اختیار کرنا چاہئے، جن کا خصوصی تعلق اللہ ورسول سے ہے، دین اسلام سے ہے، جو ہمارے دین ومذہب کی علامت ہیں۔ آج داڑھی کا مذاق اڑانا فیشن ہے، علماء وحفاظ کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ کرنا روشن خیالی ہے، فقہی وشرعی مسائل کی توہین تو وہ لوگ بھی کرنے لگ جاتے ہیں جو بظاہر دیندار کہلاتے ہیں، کتنے غیبی حقائق ایسے ہیں کہ ان پر یقین رکھنا مدارِ ایمان ہے، لیکن مسلمانوں میں کتنے ایسے ملیں گے جو تذبذب کے شکار ہیں، اور اس تذبذب کا اظہار زبان سے بصورت بے ادبی کرتے رہتے ہیں۔

ایک جگہ دو آدمی آپس میں الجھے ہوئے تھے، باہم دست وگریبان تھے، گالیاں بک رہے تھے، ایک صاحب نے انھیں اس سے باز رکھنا چاہا، مگر غصہ کا بھوت اتنی جلدی کہاں اترتا ہے، پھر سمجھانے والے نے کہا کہ اللہ کا خوف کرو، لکھنے والا تمہاری گالیوں کو لکھ رہا ہے، تو دونوں اس کے سر ہوگئے کہ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ کوئی لکھ رہا ہے، پھر نوبت غیبی حقائق کے مذاق تک پہونچ گئی۔

اس طرح کے واقعات روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں، آدمی نڈر ہوگیا ہے، جو چاہتا ہے بک دیتا ہے، حالانکہ گستاخیوں کا انجام کبھی کبھی فوری طور پر بھی ظاہر کردیا جاتا ہے، ویسے عام دستورِ الٰہی یہ ہے کہ حق تعالیٰ حلم اور ستاری سے کام لیتے ہیں، تاکہ آدمی کو توبہ کا موقع رہے، مگر کبھی کبھی موقع پر پکڑ آجاتی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (الرعد:۱۳) اور بھیجتا ہے کڑکتی بجلیاں، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں، حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے۔

اس آیت کے سببِ نزول کے تحت علامہ ابن کثیرؒ نے مسند ابویعلیٰ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر

فرعون کے پاس بلانے کے لئے ایک صاحب کو بھیجا، انھوں نے اس سے کہا کہ آپ کو اللہ کے رسول بلارہے ہیں، اس نے کہا کہ اللہ کا رسول کون؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے، آیا چاندی کا ہے؟ یا تانبے کا ہے؟ وہ صاحب لوٹ گئے، آپ نے پھر بھیجا، اس نے اب بھی یہی گستاخانہ جواب دیا، آپ نے تیسری مرتبہ انھیں بھیجا، وہ اب بھی یہی گستاخی کرنے لگا، اتنے میں اس کے سر کے اوپر بادل آیا، اور ایک بجلی کڑکی اور اس کی کھوپڑی اُڑا لے گئی، وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

بہت زیادہ ڈرنے کی بات ہے، اللہ ورسول کے مقابلے میں جرأت بڑا سنگین جرم ہے، کتنے لوگوں نے اللہ کی، رسول کی، قرآن کی، نماز کی، روزے کی، کعبہ کی، علماء کی، داڑھی کی توہین کی، اور ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے، اللہ کے غضب کو دعوت دینا اپنے سے عداوت ہے۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ کھانا کھارہے تھے، آپؐ نے اسے بھی شریک کرلیا، اس نے بایاں ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا، آپؐ نے ٹوکا اور دائیں ہاتھ سے کھانے کی تلقین کی، اس نے تکبر کی راہ اختیار کی اور اپنی بات پر اَڑ گیا، اور کہا میرا دایاں ہاتھ نہیں اٹھتا، اپنی بات کی پچ میں جھوٹ بولا، آپؐ نے فرمایا: **لا رفعھا اللہ**، اللہ کرے نہ اٹھے۔ وہ ہاتھ اس کا وہیں سوکھ گیا۔

مساجد بھی اللہ کے شعائر میں ہیں، ان کا ادب واحترام بھی ضروری ہے۔ مسجد میں شوروشغب کرنا، اسے گھر کی طرح بنالینا سخت توہین کی بات ہے۔ مسجدیں اس لئے نہیں ہیں کہ ان میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کی جائیں، انھیں پنچایت گھر بنالیا جائے، مسجدیں اس لئے ہیں کہ ان میں نماز ادا کی جائے، ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے، تلاوتِ قرآن کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو آدمی مسجد میں داخل ہو وہ اس میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ دو رکعت تحیۃ المسجد مستحب ہے، اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔ مسجد کے اندر تو دور کی بات ہے، مسجد کے قریب بھی شوروشغب نہ کیا جائے، مگر اب جرأت کا یہ عالم ہے کہ مسجد کے قریب مسلمانوں کے گھر ہیں، انھیں نماز پڑھنے

کی توفیق تو ہوتی نہیں ، البتہ اپنے گھروں میں پوری قوت سے ٹیپ ریکارڈ یا ٹی۔ وی چلا دیتے ہیں، جس کے شور سے مسجدیں گونجتی ہیں اور نمازیوں کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے، ٹیپ ریکارڈ بجاتے ہوئے مسجد کے پاس سے بے تکلف اس طرح گزرتے ہیں جیسے انھیں اس کا احساس ہی نہ ہو کہ یہاں کوئی قابل احترام چیز بھی ہے۔ حد تو یہ کہ عین مسجد کے زیر سایہ ہمارے نوجوان کھیل کود کے مقابلے رکھ دیتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرتے رہتے ہیں، اور یہ سلسلہ کئی کئی روز تک چلتا رہتا ہے، مسجد میں اذان ہوتی ہے، مگر کھیل کے متوالوں کے کانوں سے اچٹ کر چلی جاتی ہے، کھیلنے والے کھیل میں محو ہیں، دیکھنے والے لذتِ نفس میں غرق ہیں، اور ع

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

سب کھلاڑی ہو گئے یا تماش بیں ہو گئے ، اور جو نمازی ہیں وہ پریشان ہیں، ابھی چند دنوں پہلے خبر ملی کہ ایک صاحب کے یہاں شادی کی دعوت بڑے دھوم دھام سے تھی۔ یہ دعوتیں کیا ہوتی ہیں، منکرات کا ہجوم ہوتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ عین کھانے کے وقت بارش شروع ہو گئی، لوگ پلیٹیں لے کر مسجد میں بھاگے، پھر مسجد میں دسترخوان لگ گیا اور مسجد، مسجد نہ رہی ڈائننگ ہال بن گئی، إنا لله وإنا إليه راجعون ! جن لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جانے کی توفیق نہیں ہوتی وہ کھانے کے لئے مسجد میں پہونچ گئے۔ ع

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(جلد نمبر: ۱۲، شمارہ نمبر: ۲، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ / اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# جو غلط ہے اسے غلط ہی کہئے

**الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد**

صاحب مشکوٰۃ شریف نے امام ترمذی، امام ابو داؤد، مسند احمد اور ابن ماجہ کے حوالے سے ایک مشہور حدیث نقل کی ہے، اس کے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، اوراس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوکر آپ نے ایک بلیغ اور مؤثر وعظ فرمایا جس سے آنکھیں ابل پڑیں اور قلوب لرز گئے، ایک شخص نے اس کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ وعظ تو ایسا ہے، جیسے رخصت کرنے والا کسی کو رخصت کررہا ہو، آپ ہمیں کچھ ہدایت فرمادیجئے، آپ نے ارشاد فرمایا:

**اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھاوعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔** (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

میں تمھیں اللہ کے تقوی اور سننے اور ماننے کی تاکید کرتا ہوں، اگرچہ تمہارا امیر حبشی غلام ہوا کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، تو تم کو میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو، اور دانتوں سے پکڑ لو، اور نئے نئے ایجاد کردہ امور سے دور رہو کیونکہ یہ نئی چیزیں بدعت ہے اور یہ بدعت گمراہی ہے۔

ہمارا دور رسول اللہ ﷺ کے صدیوں بعد کا دور ہے، اس میں اختلافات کی وسعت اور پھیلاؤ کا کیا کہنا، ایک سے بڑھ کر ایک نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں، کچھ دین کے نام پر دین کا لبادہ اوڑھ کر، بظاہر دین معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین سے ان کا تعلق نہیں ہے، ایسے امور جو بظاہر دین کے رنگ میں ہیں، اور دین ہی کے نام پر انھیں نجام دیا جاتا ہے، مگران کی حیثیت دین میں اضافہ کی ہے، شریعت کی اصطلاح میں انھیں بدعت کہا جاتا ہے، نفس انسانی نے اپنے خواہشات...... کی بنیاد پر ہر زمانے میں بدعات ایجاد کرنے کی جرأت کی ہے، لیکن اس وقت ہم جن نئے امور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں وہ بدعات سے کچھ مختلف رنگ کے ہیں، ان کا تعلق دین میں، دینی احکام میں اور دینی افکار وعقائد میں سستی، اضمحلال، اور علم دین میں رسوخ نہ ہونے سے ہے، دینی احکام اور دینی عقائد نفس پر گراں گزرتے ہیں، اس لئے آدمی ان سے صرف نظر کرتا ہے، پھر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس پر طعن کیا جائے گا کہ یہ دین سے برگشتہ ہورہا ہے، جب کہ وہ چاہتا ہے کہ دین سے اس کا گہرا اور پختہ تعلق تسلیم کیا جائے، اس لئے وہ حیلوں اور بہانوں سے کام لیتا ہے، اور ان حیلوں کو دینی دلائل وشواہد سے دین کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔

اس طرح کے نئے امور میں کچھ تو صریح اور قطعی گناہ ہیں، مثلاً مسلمانوں کا معاشرہ جو رسول اللہ ﷺ نے تیار کیا تھا وہ فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کے نور سے معمور تھا، نمازوں میں خشوع وخضوع کی فراوانی تھی، ہر عبادت میں اس کی اصل روح اخلاص وانابت موجود تھی، پھر نفوس انسانی کی ناپختگی نے کچھ کچھ چیزوں کو گراں سمجھ کر چھوڑنے اور ردوبدل کرنے کا سلسہ شرع کیا، مسلمانوں کے پختہ دیندار طبقہ نے اس ترک اور ردوبدل کا مقابلہ کیا، لیکن آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ عبادت کے اہتمام کی جگہ گناہوں کے رواج نے لے لی، شریعت کے آداب کو چھوڑ کر لوگ مکروہات میں گرنے لگے، نماز، جس کے چھوڑنے کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، ہمارے زمانے تک آتے آتے اس کا ترک، اس کے عمل سے آگے نکل گیا، مالدار طبقے سے زکوٰۃ کا اہتمام نکلا اور نام ونمود اور لہو

لعب اور گناہوں کے مواقع پر خرچ کرنا کا بے محابا جذبہ پیدا ہو گیا، سفر حج پر دوسرے گناہوں کے سفر کو ترجیح دی جانے لگی، روزہ کا نما بھولا، اور کھانے میں لذائذ وتنعّمات کا اتنا اضافہ ہوا کہ اس کا شمار مشکل ہے، جیسے انسان کھانے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے، اور جی رہا ہے، ایثار وہم دردی کی جگہ خودغرضی اور بے مروتی نے لے لی ہے، ان امور میں گناہوں کے کاموں کا بے تحاشا اضافہ ہوا ہے، اور یہ گناہ مسلمانوں کے معاشرہ اور دستور زندگی میں قطعاً نئے امور ہیں، جن میں اسلام کا نام لینے والے مبتلا ہیں۔

اس طرح کے گناہوں میں خیریت یہ ہے کہ انھیں گناہ ہی سمجھا جاتا ہے، انھیں نا جائز ہی قرار دیا جاتا ہے، ان کے جائز سمجھنے کا رجحان نہیں پایا جاتا، بلکہ ٹوکے جانے پر ایک طرح کی ندامت کا احساس ہوتا ہے، لیکن سائنس کی ہمہ گیر ترقی کے اس دور میں بعض ایسی چیزیں آ گئی ہیں اور آتی جا رہی ہیں، جن کا مثبت یا منفی تعلق شریعت اسلامی سے مشتبہ معلوم ہوتا ہے، یا ان کے عموم وشیوع اور کثرت استعمال کی وجہ سے مشتبہ بنا دیا گیا ہے، یہ چیزیں وقتاً فوقتاً زیر بحث آتی رہتی ہیں، اس قسم کی چیزیں ابتدا تو جب سامنے آتی ہیں، تو مخلص اور علم وتحقیق والے اصحاب رسوخ غور وفکر کر کے ان کا ایک حکم متعین کرتے ہیں، پھر ان کی اور نئی نئی شکلیں نکلتی ہیں، اور انکا عموم مزید بڑھتا ہے، تو مزید سوالات اٹھنے لگتے ہیں، مثلاً لاؤڈ اسپیکر ایجاد ہوا، تو سوال پیدا ہوا کہ اسے نماز اور خطبے میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پھر جن چیزوں پر اقتدا صحیح ہونے کا مدار ہے، غور کیا گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے اس میں خلل تو نہیں ہوتا، پھر حضرات علماء اس نتیجہ پر پہونچے کہ نماز میں اس کا استعمال جائز ہے، مقتدی یا امام کی نماز اس سے فاسد نہ ہوگی، تاہم اس کے استعمال کے مقابلہ میں استعمال نہ کرنا ہی مناسب ہے، اسی طرح ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر ایجاد ہوئے، تو ان کے احکام دریافت کئے گئے، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز جاری ہوئے تو ان پر نماز پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہوا، جسے بحمد اللہ حل کر لیا گیا، اس کے بعد ایجادات میں برق رفتاری آ گئی، طرح طرح کی چیزیں ایجاد ہونے لگیں، جن سے بظاہر سمجھا گیا کہ انسان کی زندگی سہولیات سے مالا مال ہو گی، اور کچھ

سہولتیں ہوئیں بھی، مگر نقصانات اور مشکلات کا تناسب بھی اتنا زیادہ رہا کہ بے ساختہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ **و اثمھا اکبر من نفعھما**، ان کا گناہ فائدہ سے بڑھا ہوا ہے۔

ان ایجادات میں کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جن کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے نوع بنوع کی سواریاں، بعض گھریلو سامان جیسے بجلی سے چلنے والے پنکھے، کولر فریج، فون وغیرہ وعلی ہذا القیاس۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے ناجائز اور حرام ہونے میں کلام نہیں، جیسے فلمیں اور گانے بجانے کے آلات۔

کچھ ایجادات ایسی ہیں کہ بذات خود ان کی حرمت وحلت کا فیصلہ مشکل ہے، ان کی حلت وحرمت کا دارو مدار ان کے استعمال پر ہے، اگر وہ صحیح مصرف میں استعمال ہوتے ہیں، تو وہ صحیح ہیں، ورنہ غلط، اس کی مثال میں ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کو پیش کیا جاسکتا ہے، کہ اگر ریڈیو کو صرف خبریں یا مفید پروگرام سننے کے لئے استعمال کیا جائے، تو مضائقہ نہیں، اور گانے بجانے اور لہو ولعب کے پروگراموں کے لئے استعمال کیا جائے تو ناجائز اور حرام۔

ٹیپ ریکارڈ میں اگر قرآن کریم کی تلاوت، دینی مواعظ ومجالس اور مفید چیزیں محفوظ کی جائیں تو درست، اور اگر اس میں گانے بجانے ضبط کئے جائیں، تو غلط۔

اسی طرح کی چیزوں میں بعض ایجادات نے خاصی پیچیدگی پیدا کردی ہے، ان میں استعمال کو مدار حکم بنائیں، تو اس کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، اور اگر سرے سے انھیں ناجائز کہہ دیا جائے تو بہت سے فوائد سے محرومی ہوتی ہے، اس قسم کی مثال میں ٹیلی ویژن، وی سی آر، انٹرنیٹ، اور سی ڈی کو پیش کیا جسکتا ہے، موجودہ احوال میں ان امور کی شرعی حیثیت اور دینی تعلیمات کے لئے ان کے استعمال پر خوب بحثیں ہورہی ہیں، عام لوگ تو ان چیزوں کو دور حاضر کی زندگی کے لئے لازم قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک کسی خوشحال، تعلیم یافتہ اور باعزت گھرانے اور معاشرے کا تصور ہی ٹیلیویژن کے بغیر نہیں ہوسکتا، کوئی جلسہ، کمیٹی، فنکشن، کوئی اجتماعی پروگرام، بغیر ویڈیو کیسٹ اور سی. ڈی. کے مکمل ہوتا ہی نہیں، انٹر

نیٹ، تو ایک ایسی ایجاد ہے کہ موجودہ دور کی انسانی ضرورت کا ایک خاصا حصہ اسی کے متعلق ہوکر رہ گیا ہے، ان چیزوں کا استعمال صرف دنیا دار گھرانوں اور معاشروں میں محدود نہیں رہ گیا ہے، جو گھرانے دیندار کہلاتے ہیں اور جن پروگراموں کو دین و مذہب کے عنوان سے برپا کیا جاتا ہے، ان میں یہ چیزیں داخل ہوچکی ہیں، بھلا جو چیزیں انسان کی ضرورت بن گئی ہیں، انھیں ناجائز اور مکروہ کہنے کی ہمت کیسے کی جاسکتی ہے، اور اگر کوئی اپنی صلاحیت اور رسوخ فی العلم کی وجہ اس سلسلہ میں کچھ کہہ دے، تو اس کو درجنوں مثالیں دے کر خاموش کردیا جائے گا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ معاملہ اتنا ڈھیلا ڈھالا نہیں ہے، کہ جس چیز پر ضرورت کا لیبل چسپاں کردیا جائے، اور آدمی کی ہوسنا کیاں جنھیں ضروریات زندگی میں شامل کردیں، انھیں دین خداوندی قبول کرہی لے، مذہب اسلام کا ایک خاص عقیدہ اور نظریہ ہے، اس کا ایک پاکیزہ طریقۂ کار ہے، جو چیزیں اس کے موافق ہوں گی، انھیں تو قبول کیا جاسکتا ہے، اور جو اموراس کی ضد ہیں، انھیں کسی رنگ میں پیش کیا جائے، وہ رد ہی کی جائیں گی۔

لوگوں میں ایک دستور سا ہوگیا ہے، کہ ضروریات زندگی کا نعرہ لگا کر غلط چیزوں کے حق میں اسلام سے تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں، کبھی یہ غیرت دلائی جاتی ہے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، اسے زندگی کی ہر دور کا ساتھ دینا چاہیئے، پس جو کچھ دنیا میں وجود میں آجائے، دین اسلام اسے جھٹ سند قبولیت دیدے، ورنہ زندگی کی دوڑ میں اسلام پیچھے رہ جائے گا، کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں ملک میں علماء دین نے عملاً اسے گوارکرلیا ہے، دین ملت کے ماہرین کے گھروں میں یہ چیزیں ضرورت بن کر داخل ہوچکی ہے، پس تم کب تک اسے ناجائز کہہ کر زمانہ سے بے خبری کا ثبوت دیتے رہوگے؟

ہاں یہ بھی ایک بڑا عجیب نعرہ ہے کہ دین و مذہب اور احکام شریعت کی خبر رکھنے والے عصر حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، یہ نعرہ لگانے والے شاید بے خبر ہیں کہ علماء عصر حاضر کے کسی تقاضے سے بے خبر نہیں ہیں، مگر وہ اس دین کے اسرار و مزاج سے بھی باخبر ہیں،

جو آخری پیغام الٰہی بن کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے، وہ عصر حاضر کے تقاضوں اور شریعت اسلامی کا موازنہ کرتے ہیں، پھر وہ تقاضے، جو شریعت سے برگشتہ کرنے پر تلے ہوئے ہوتے ہیں، انھیں وہ رد کر کے شریعت کے احکام کی بقاء وتحفظ کو عزیز رکھتے ہیں اور یہ علماء کی بڑی ذمہ داری ہے کہ دین کا علم صحیح پیش کر دیں، اور عصر حاضر کے جو تقاضے اپنی تکمیل میں اس سے ٹکراتے ہوں، انھیں بے تکلف رد کر دیں، اور اس میں کسی لعن وطعن کی پروا نہ کریں، ورنہ یہ تقاضے دین اسلام کی جڑیں اکھاڑ دینے میں کسر نہ چھوڑیں گے۔

درحقیقت عصر حاضر کے جن تقاضوں کی دہائی دی جاتی ہے، وہ عصر حاضر کے تقاضے نہیں، بلکہ نفسانیت، حب مال وجاہ اور شہوت بطن وفرج کی لامحدود ہوسناکیاں ہیں، اور آج پوری دنیا انھیں سفلی اور ردی جذبات ورذائل میں جوجھ رہی ہے، نام چاہے، جتنا خوبصورت دیا جائے، مگر عصر حاضر کے جن تقاضوں سے دین اسلام کو مرعوب کیا جاتا ہے، ان کی تہ میں اصل جذبہ اور محرک یہی گھٹیا جذبے اور داعیئے ملیں گے، اس لئے علماء کو خوب غور کر لینا چاہئے کہ جن چیزوں میں گنجائش نکالنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، ان میں بہتیرے ایسی چیزیں ہیں کہ اگر انھیں سند جواز دیکر یا ہلکی سی گنجائش دے کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے، تو زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ ایک ایسا ماحول ومعاشرہ وجود میں آجائے گا، جس کو اسلام سے کوئی مناسبت نہ ہوگی۔ بس جو گناہ ہے، اسے گناہ ہی قرار دیا جائے، کرنے والا اسے گناہ سمجھ کر کرے، تو خود کو گنہگار سمجھے گا، اور شاید کبھی اسے احساس ہو، تو توبہ کی توفیق اسے ہو جائے گی۔ اور اگر اس گناہ کو سند جواز دے دی گئی، تو آدمی زندگی بھر گناہ گار ہوتا رہے گا۔ اور اسے کبھی توبہ نصیب نہ ہوگی۔

شریعت اسلامی میں جاندار کی تصویریں ناجائز ہیں، یہ اجماعی مسئلہ ہے اب ہر وہ چیز جس میں تصویر کے بغیر چارہ نہ ہو، خواہ وہ ٹیلی ویژن ہو، سی ڈی ہو، وی سی آر ہو، اس کے جواز کے گنجائش نہ نکالی جائے، ورنہ آج کا بنایا ہوا سوراخ کل کو دہانہ بن کر رہے گا۔ لوگ ان امور میں مبتلا ہیں، تو ناجائز سمجھ کر مبتلا ہوں، ناجائز کو جائز نہ سمجھیں، مبتلا تو لوگ ترک نماز میں

بھی ہیں، اور اگر حساب لگائیں گے تو میں مبالغہ نہیں کرتا کم از کم ہمارے ملک میں نوے فی صد سے زائد مسلمان نماز سے محروم ہیں، تو کیا ترک نماز کو جواز کی سند دے دی جائے گی؟

بے شک یہ صحیح ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کی وجہ سے اسلام پر بے تحاشا اعتراض کئے جاتے ہیں، لیکن ان کا جواب دینے کے لئے ان فاسد اور ناجائز ذرائع پر آنا چاہئے، یہ خیال غلط ہے، ہم جواب دینے کے دنیاوی اور دنیا والوں کے اصولوں کے پابند نہیں ہے، ہم کو قرآن وحدیث میں جو طریقہ بتایا گیا ہے، اس کا پابند ہونا چاہئے، غلط طریقوں سے جو جواب دئے جائیں گے، ان سے اسلام کی شبیہ ہرگز درست نہ ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے ٹیلی ویژن پر قرآن کے نام سے ایک چینل آیا ہے، اس وقت سے مسلمانوں میں جہالت اور توہم پرستی اور بڑھتی جارہی ہے ظاہر ہے کہ اس سے اسلام کی شبیہ اور بگڑے گی، کیونکہ اس چینل پر جو کچھ دکھایا جاتا ہے، اسی کو دیکھنے والے دین سمجھتے ہیں۔ بس اللہ جانے کن کن خرافات کو دین کے نام سے تقدس کا لباس عطا کر دیا جائے گا۔ یہی حال انٹرنٹ اور مصور سی ڈیوں کا ہے، ان کا نقصان فائدہ سے بہت زیادہ ہے، بلکہ ریڈیو ٹیپ ریکارڈر اور......تصویری سی ڈیوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان مشاغل میں میرا تجربہ یہی ہے دینی اعمال میں سستی عام ہو جاتی ہے، آدمی ذہن اور نظریہ کے اعتبار سے اسلام سے وابستہ ہوتا ہے مگر عملی زندگی خالی ہو جاتی ہے، خوب تجربہ ہے کہ جو لوگ ٹیپ ریکارڈ سے قرآن کی تلاوت سنتے ہیں، انھیں خود تلاوت کی توفیق نہیں ہوتی ہے، جو لوگ ٹیپ سے تقریریں اور مواعظ سنتے ہیں انھیں علماء اور بزرگوں کی خدمت اور صحبت میں جانے کا موقع نہیں ملتا، اور اگر کبھی گئے تو وہ کچھ فائدہ نہیں حاصل کرتا ہے۔

اسلام ایک عملی اور روحانی مذہب ہے، جس میں بقدر ضرورت دنیاوی اور جسمانی تقاضوں کے پورا کرنے کی اجازت ہے مگر ہوسنا کیوں کی اجازت نہیں ہے، یہاں تو دنیا کی مقصودیت کی نفی ہے، یہاں بڑا اہتمام جسم کا نہیں روح کا ہے، دنیا کا نہیں آخرت کا ہے، زندگی کا نہیں موت کا ہے، اور جن امور کا اوپر تذکرہ ہے، جس کا جی چاہے، ان لوگوں کا جائزہ

لے کے جوان مشاغل میں مبتلا ہیں، دیکھئے کہ ان کی عملی اور روحانی زندگی کیسی ہے؟

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جسمانی، مادی اور دنیاوی تقاضوں کی تکمیل کا مزاج عام ہو چکا ہے؟ اسے تم کتنا روک سکتے ہو؟ میں عرض کروں گا کہ ہم اس کے ذمہ دار نہیں، رکاوٹ کھڑی کرنے کے ذمہ دار ہیں، غلط کو غلط کہہ دینا رکاوٹ کو کھڑا کر دینا ہے۔ اب اگر کوئی اسے گرا کر آگے بڑھ جائے تو وہ ظالم ہے۔ پس یہ نہیں ہوسکتا کہ غلط کو صحیح کہہ کہ ہم رکاوٹ کو منہدم کر دیں۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم اور عمل پیش کر دیں، جس سے دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی ترجیح، روحانی ترقی اور جسم و مادیت کی بے وقعتی سامنے آجائے۔ اس کے بعد جس کا جی چاہے آخرت کی طرف جائے، اور جس کا جی چاہے دنیا میں لت پت رہے **یهلک من هلک عن بينة ويحيى من حي عن بينة** (سورہ انفال) (جو ہلاک ہو، دلیل کے ظاہر ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جو زندہ رہے، دلیل سے زندہ رہے۔)

یہ طریقہ غلط ہے کہ گناہوں کے عموم وشیوع سے متاثر ہو کر، دنیا والوں کے لعن وطعن سے ڈر کر عصر حاضر کے تقاضوں کی دہائی سن کر ہم اسلامی مزاج و خصوصیات سے صرف نظر کر لیں، شریعت کے احکام میں کتر بیونت شروع کر دیں، دین کی محکم اور مستحکم دیواروں میں سوراخ پیدا کرنے لگ جائیں۔

(ماہنامہ ضیاء الاسلام: ستمبر ۲۰۰۵ء) (بشکریہ مجلّہ ''المآثر'')

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تصویر سازی کا ذوق

اللہ تعالی نے انسان کو سادہ اور مفرد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ جذبات اور خواہشوں کا ایک مجمع اسے بنایا ہے، جسم کے تقاضے اور اس کی چاہتیں الگ ہیں، اور بہت ہیں، نفس کی لذتیں اور خواہشیں جداگانہ ہیں، روح اور قلب کی حاجات وضروریات کچھ اور ہیں، پھر انسان کے باہر خاندان، سماج، جگہ، موسم اور زمانے کے تقاضے علٰحدہ ہیں، اور انسان میں صلاحیت رکھی گئی ہے، اور اختیار بھی ملا ہوا ہے کہ اپنی سمجھ اور اپنے ارادے سے ان تقاضوں اور خواہشوں میں کسی کو اختیار کرے، کسی کو ترک کرے۔

تو کیا ان تقاضوں، لذتوں، خواہشوں کے ترک واخذ میں آدمی خود مختار ہے، جسے چاہے پکڑے اور جسے چاہے چھوڑے، یا کسی دستور اور قانون کا پابند ہے، اگر ہر انسان کو اس بات میں خود مختار بنا دیا جائے تو لازم ہے کہ ان تقاضوں اور لذتوں کی تکمیل میں آدمی کا آدمی سے تصادم ہو، اور اس ٹکراؤ میں دنیا کا امن چین غارت ہو، اس لیے بہر حال یہ لازم ہے کہ اس سلسلے میں کوئی قانون اور دستور ہو، ہم اہل اسلام کے لیے بات نہایت واضح ہے کہ اس کام کے لیے شریعت اسلامیہ ایک نہایت واضح اور معتدل دستور العمل ہے، اس کو کما حقہ بجا لایا جائے، تو تمام تقاضے، تمام ضروریات، تمام خواہشیں، اور تمام لذتیں اپنے اپنے جائز مقام پر جائز اور پر امن طریقے پر حاصل ہوں گی، اور انسانی زندگی کا اعتدال وتوازن برقرار رہے گا۔

انسان کے ذوق ووجدان پر جو بہت سی خواہشیں مسلط ہیں، جن میں اسے لذت کا احساس ہوتا ہے، ان میں ایک بڑی طاقتور خواہش اور لذت اپنی ذات، اپنے کام اور اپنے

ماضی کے احوال کی یادگار کو باقی رکھنا ہے پھر اس کے حصول کے لیے جہاں وہ بہت سے طریقوں کو کام میں لاتا ہے، ان طریقوں میں سے ایک طریقہ تصویر سازی کا بھی ہے، تصویروں کے ذریعے آدمی اپنی ذات اپنے کام، اپنے متعلقات اور اپنے ماضی کے حالات کی یادگار محفوظ کرنا چاہتا ہے، ہر آدمی کو اپنی ان چیزوں سے محبت ہوتی ہے، مگر زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے، اس سے تعلق رکھنے والی یہ چیزیں ماضی کے اندھیروں میں گم ہوتی چلی جاتی ہیں، حافظہ کسی قدر یاد رکھتا ہے، مگر اس کے نقوش بھی دھندلا جاتے ہیں، انسان چاہتا ہے کہ یہ چیزیں محفوظ رہیں، تاکہ جب چاہے وہ انھیں دیکھ سکے، دوسروں کو دکھا سکے، خود لذت یاب ہو اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کرے، یہ سوچ کر اس نے ان چیزوں کو مجسمے کی صورت میں، تصویری نقوش کی صورت میں محفوظ کرنے کی کوشش کی، قدیم زمانے سے ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی یادگاروں کو محسوس صورتوں میں باقی رکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔

تو کیا یہ جذبہ اور یہ ذوق جو انسان کے اندر رکھا گیا ہے، علی الاطلاق اس ذوق کی تسکین کا ہر سامان درست ہے، اس باب میں جب شریعت الٰہی سے فتوی لیا گیا، تو معلوم ہوا کہ اس ذوق کی تسکین کی اس حد تک اجازت ہے، جب تک انسان کو دنیا میں جس مقصد سے بھیجا اور پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اور جہاں سے اس مقصد کو نقصان پہنچنا شروع ہو، وہاں سے ممانعت اور حرمت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد خود پیدا کرنے والے نے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (سورہ ذاریات) میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، جب تک اس ذوق تصویر سازی اور جذبۂ یادگاری کا ٹکراؤ عبادت الٰہی سے نہیں ہوتا، اس کی اجازت دی جاسکتی ہے اور جہاں اس نے اس مقصد عبادت میں خلل ڈالا، وہیں اس پر حرمت کا حکم لگے گا، اور اس سے روک دیا جائے گا۔

تاریخ انسانی پر غور کریں گے، تو یہ عجیب وغریب انکشاف ہوگا کہ تصویر سازی کا

ذوق توحید الٰہی اور عبادت الٰہی سے براہ راست متصادم ہے، واقعہ یہ ہے کہ تصویر سازی کا آغاز توحید الٰہی کے ٹھیک برعکس ہوا ہے، اس لیے بے تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ ذوق، اور اس ذوق کی تسکین کا سامان منشاء الٰہی کے عین خلاف ہے، اور آدمی پر فرض ہے کہ مجاہدہ کر کے اس ذوق کا رخ تصویر سازی اور یادگار بازی سے ہٹا کر حق تعالیٰ کے ساتھ وابستگی میں لگائے، اس کی وجہ سے وہ گھاٹے میں نہ رہے گا، کیونکہ تصویریں کچھ دیر قائم رہتی ہیں، پھر وہ بھی فنا ہوجاتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے جو دوام حاصل ہوگا، اور جو بقاء نصیب ہوگا، اس کو کبھی زوال وفنا سے سابقہ نہ پڑے گا۔

اب تاریخ انسانی کا وہ انکشاف ملاحظہ فرمایئے، جسے میں نے عجیب وغریب کہا ہے، اور جو منشاء الٰہی کے ٹھیک برعکس ہے۔

یہ معلوم ہے کہ انسانی وجود کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ہے، نسل انسانی کے پہلے مرکزی بزرگ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، پھر دوسری مرکزی شخصیت حضرت نوح علیہ السلام کی ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں میں عبادت الٰہی کا طریقہ چلا اور وحدانیت کا عقیدہ قائم ہوا، اور عرصہ دراز تک برقرار رہا جب نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا، تو اس طریقہ میں انحراف آچکا تھا، اور توحید کے مقابلے میں شرک پھیل چکا تھا، اللہ کے بجائے غیر اللہ کی عبادت ہونے لگی تھی، نوح علیہ السلام نے اس کے خلاف سخت جدوجہد کی اور ساڑھے نوسو سال تک کی، مگر مشرکین ٹس سے مس نہ ہوئے بالآخر طوفان عظیم میں غرق ہوئے، تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام میں دس قرن کا فاصلہ ہے، یعنی ایک ہزار سال!

توحید سے شرک کی طرف یہ انحراف کیونکر ہوا؟ اس کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم میں سورۂ نوح کی تلاوت کیجئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وقال نوح رب انھم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا. وقالوا لاتذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا وقد اضلوا کثیرا. (سورہ نوح) نوح نے عرض کیا اے میرے

پروردگار، انھوں نے میری بات نہ مانی، اور ایسی چیز کے پیچھے چل پڑے ہیں، جس میں انھیں مال اور اولاد کا گھاٹا ہی گھاٹا ہے، اور انھوں نے کہا کہ تم لوگ ہرگز ود کو نہ چھوڑنا، نہ سواع کو نہ یغوث و یعوق کو اور نہ نسر کو، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

جلیل القدر مفسر قرآن، صحابی رسول، حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نام جو حضرت نوح علیہ السلام نے گنائے ہیں، یہ ان کی قوم کے نیک اور برگزیدہ لوگ تھے، جن سے لوگوں کو بہت محبت و عقیدت تھی، جب ان حضرات کا انتقال ہوگیا، اور قوم ان کی صحبت و مجلس سے محروم ہوگئی، قوم کو ان کی جدائی کا غم تھا، شیطان نے بعض لوگوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جہاں یہ حضرات بیٹھتے تھے، وہاں ان کے مجسمے بنا کر رکھ دئے جائیں، تو ان کی صورت دیکھ کر تسکین رہا کرے گی، چنانچہ ایسا کر دیا گیا، اور ان مجسموں کو انہیں کے نام کے ساتھ موسوم کر دیا گیا، اس وقت وہ صرف سامان تسکین تھے، ان کی پوجا نہیں ہوتی تھی لیکن اس نسل کے بعد جب دوسری نسل آئی، تو اس نے تسکین و تسلی کے حصول سے ترقی کر کے عبادت شروع کر دی، اس طرح خدا پرستی سے انحراف شروع ہو کر بت پرستی کی نوبت آ گئی۔ (بخاری شریف تفسیر سورۂ نوح)

یہ تصویر سازی کی ابتدائی حالت ہے، اب یہ تصویریں خواہ جس مقصد کے لیے استعمال ہوں، اپنے ابتدائی تصور سے الگ نہیں ہوسکتیں، ان میں شرک کی نجاست اور آلودگی کی بدبو ضرور رہے گی، خواہ انھیں کتنا ہی خوبصورت اور پاک بنانے کی سعی کی جائے، اس لیے واقعہ یہ ہے کہ تصویر سازی ایمان کے خلاف ہے، غیرت ایمانی کے خلاف ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والا اس سے دور ہی رہے، کیونکہ اس میں کفر و شرک کی بدبو موجود ہے۔

اس غیرت کا اظہار رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں دیکھئے بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کپڑا پردے کا تھا، جسے انھوں نے حجرے کے ایک کنارے پر لٹکا رکھا تھا، نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اسے ہٹاؤ۔ اس کی تصویریں میرے سامنے نماز میں آتی رہتی

ہیں۔ (بخاری شریف باب التصاویر) اور مسلم شریف میں خود ام المؤمنین سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پردہ تھا، جس میں ایک پرندے کی تصویر تھی، جو کوئی اندر آتا تو سامنے وہی تصویر پڑتی، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ہٹاؤ۔ میں جب گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو یہ نظر کے سامنے پڑتی ہے، اور مجھے دنیا یاد آتی ہے (مسلم شریف کتاب اللباس)

رسول اللہ ﷺ کو دنیا کا یاد آنا بھی گوارا نہ تھا، غیرت ایمانی نے اس تصویر کو ہٹوا دیا۔ اندازہ کیجئے پیغمبر علیہ السلام کے نزدیک تصویر کی کیا حیثیت ہے؟

لوگ کہتے ہیں- تصویروں کی کثرت وشیوع کے دور میں کہتے ہیں- کہ اب تصویریں پرستش کے لیے نہیں ہوتیں، جی! تسلیم لیکن ابتدائی آلودگی اب بھی اس سے لپٹی ہوئی ہے، اسے دیکھ کر کیا بت پرستی یاد نہیں آتی اور کیا اس کی تحریک نہیں ہوتی؟ کیا آج بھی بت پرستی اور تصویر پرستی بڑے پیمانے پر جاری نہیں ہے، کم از کم ہندوستان جیسے ملک میں بجز ہاں کے کوئی جواب ہی نہیں ہوسکتا، ہندوؤں کے ادنی ادنی تیوہاروں پر قسم قسم کی مورتیاں، مجسمے، تصویریں ہر کوچہ وبازار میں دکھائی دیتی ہیں، اور ان کی پوجا ہوتی رہتی ہے، تو غیرت ایمانی کا تقاضا ہے کہ تصویروں کا قصہ سرے سے ختم ہوجائے۔

پھر ہمیں تو حکم ہے **ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا** (سورہ حشر) رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔

قرآن کے اس حکم کی روشنی میں ہم یہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ نے تصویر کے باب میں ہمیں کیا حکم دیا ہے اور کس سے منع کیا ہے، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس کی اجازت دی ہے، وہ لے لیں، اور جس سے منع کیا ہے اس سے ہم باز آجائیں اپنی رائے سے کوئی علت اور مین میخ نہ نکالیں۔

تصویروں کے سلسلے میں محدثین نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بکثرت نقل کیے، حدیث کے تمام مجموعوں میں تصویروں کے متعلق حدیثیں موجود ہیں، اور مختلف صحابہ سے منقول ہیں۔

صحاح ستہ میں ایک سرسری نگاہ میں متعدد صحابہ سے روایتیں منقول ہیں، ۱-حضرت ابوطلحہ انصاری، ۲-حضرت عبداللہ بن عباس، ۳-حضرت علی مرتضی، ۴-ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، ۵-حضرت ابوہریرہ، ۶-حضرت عبداللہ بن عمر، ۷-حضرت عبداللہ بن مسعود، ۸-ام المؤمنین حضرت میمونہ، ۹-حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہم۔

ان سب حضرات کی روایتوں میں تصویر کی ممانعت، تصویر سازی کی حرمت اور اس پر لعنت، اور قیامت کے دن سخت عذاب کا تذکرہ موجود ہے، ہاں غیر ذی روح مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر کی اجازت کا اشارہ ملتا ہے، اس لیے تصویر جو اس وقت زیر بحث ہے، وہ غیر ذی روح کی نہیں، جاندار اور روح والی چیزوں پر گفتگو ہو رہی ہے۔

تمام احادیث کے نقل کرنے کی گنجائش اداریے میں نہیں ہے، لیکن سمجھ لینا چاہیئے کہ ان سب روایتوں کا قدرِ مشترک جو کہ حرمت ہے، ''متواتر'' ہے، اس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس میں تاویل کا دروازہ بھی نہیں کھلتا، کیونکہ حدیثیں مجمل نہیں، متشابہ نہیں، محکم ہیں، اور محکمات میں تاویل وتخصیص کی گنجائش نہیں ہوتی، صرف مجبوری کے حالات میں بقدر ضرورت اختیار واستعمال کی اجازت ملتی ہے۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے، کہ قیامت کے دن اللہ کے دربار میں سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا (بخاری شریف کتاب اللباس باب التفاسیر)

۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن انھیں عذاب ہوگا، اور ان سے کہا جائے گا کہ جس کو تم نے پیدا کیا ہے، اس کو زندہ کرو (حوالہ بالا)

۳- حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تصویر بنانے والے پر لعنت کی ہے (حوالہ بالا)

۴- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو تصویر بناتے دیکھا تو فرمایا کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جو میری تخلیق جیسی تخلیق کرنا چاہتا ہے، اچھا تو وہ ایک دانہ پیدا کرے ایک ذرہ پیدا کرے (بخاری شریف کتاب اللباس باب نقض الصور)

۵- حضرت سعید بن ابی الحسن فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت! میری معیشت کا مدار میرے ہاتھ کی کاری گری پر ہے، میں تصویریں بناتا ہوں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں تم کو بجز اس بات کے اور کچھ نہ بتاؤں گا، جو میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہے آپ فرماتے تھے کہ جس نے کوئی تصویر بنائی، تو اللہ تعالی اسے مبتلائے عذاب کریں گے، جب تک وہ اس میں روح نہ پھونک دے، اور اس کے بس میں نہیں ہے کہ روح پھونک سکے، یہ سن کر اس نے ایک گہری سانس کھینچی، اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ارے بھائی اگر تم بنانا ہی چاہتے ہو تو درخت وغیرہ کی تصویر بناؤ، جس میں روح نہیں ہوتی (بخاری شریف کتاب البیوع باب بیع التصویر)

۶- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا، جو اللہ تعالی کے ساتھ عمل تخلیق میں مشابہت اختیار کرتے ہیں (بخاری شریف کتاب اللباس باب ماوطی في التصاویر)

۷- حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ (بخاری شریف کتاب اللباس باب التصاویر)

تصویر کی تحریم اور ممانعت کے باب میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، سب کا قدر مشترک مضمون وہی ہے، جو مذکورہ بالا احادیث میں گزرا، ان احادیث میں تصویر سازی کی حرمت بھی بیان کی گئی ہے، قیامت میں اس کا کیا انجام ہوگا، وہ بھی بیان کیا گیا، کہ ایسا شخص سخت مبتلائے عذاب ہوگا، اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویر میں روح پھونکے، پھر دنیا میں بھی تصویر رکھنے کی نحوست بیان کی گئی کہ فرشتے تصویروں سے اتنی نفرت

کرتے ہیں کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں داخل نہیں ہوتے، پھر دنیا و آخرت کی اس وعید شدید کی علت بھی بیان کی گئی کہ مصور در حقیقت اللہ تعالی کے ساتھ عمل تخلیق میں مشابہت اختیار کرنا چاہتا ہے، یہ ایک بدترین گستاخی ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ وعیدیں ذی روح کی تصویر کے متعلق ہیں۔ بے روح اشیاء کی تصویر بنائی جاسکتی ہے۔

اتنی صاف وصریح اور واضح وعیدوں کے ساتھ کس کی ہمت ہے کہ وہ بال کی کھال نکالتا پھرے کہ تصویر ہاتھ سے بنائی گئی ہے، یا کیمرے سے کھینچی گئی ہے، یا اسے ویڈیو کی سائنس نے ذروں کی شکل میں تیار کیا ہے، اور وہ اسکرین پر چند لمحوں کے لیے آتی ہے، پھر غائب ہو جاتی ہے، وہ بہر صورت تصویر ہی تو ہے، اس کی کسی شکل کو جواز کا پروانہ تھمانا ساری شکلوں کے جواز کے لیے بہانہ بن جائے گا۔

تصویر جو آنکھوں سے نظر آئی، وہ تصویر ہے، اسے جس صورت میں بھی محفوظ کیا گیا ہو، تصویر سازی ہے خلق الہی کے ساتھ تشبہ کی گستاخی ہے، بت پرستی کی نجاست میں آلودہ ہے، فحاشی، بے حیائی، بے دینی، اور فضول لہولعب کا دروازہ ہے، اس کو کسی تاویل سے جائز نہں کیا جاسکتا ہے۔

تعمق (بال کی کھال نکالنے) کی اجازت تو عبادات میں نہیں ہے، معاصی میں کیونکر ہوگی۔ ہمارے زمانے میں یہود و نصاری کی تقلید و پیروی میں انجمن، کمیٹی، کانفرنس، سیمینار، کی بہت سی بلائیں مسلمانوں کے ماحول و معاشرے میں آئیں تو اپنے لوازم بد کے ساتھ آئیں، اور ان میں ایک بڑا لازمہ تصویر سازی ہے جہاں کوئی فنکشن ہوتا ہے، تصویر ساز لوگ بلا لیے جاتے ہیں اور اب تصویروں کے ایسے ایسے آلات آگئے ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہے، کوئی کیمرے کی آنکھ چمکا رہا ہے، کوئی سانپ کے سر کی طرح ایک خاص قسم کا آلہ مجمع کی طرف جمائے ہوئے ہے کوئی بڑی سی مشین اٹھائے ہوئے دائیں بائیں گھما رہا ہے، اور یہ سب ایک ہی کام کر رہے ہیں، **یضاھئون خلق اللہ** اللہ کے عمل خلق میں شرکت و مشابہت کی گستاخی کر رہے ہیں، لوگ خوش ہیں کہ یادگار قائم ہو رہی ہے، ہم ٹی وی میں جلوہ

گر ہوں گے، اخبار کی زینت بنیں گے۔ اب یہ گناہ نہیں ہے، آرٹ ہے، فن ہے، پہلے ناچنے گانے والوں کی تصویریں آتی تھیں، اب اللہ والے بھی اس دوڑ میں شریک ہو رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گناہ تو گناہ ہی رہے گا، خواہ وہ کتنا ہی پھیل جائے، اللہ کا اور رسول کا کلام بدل نہیں سکتا، خواہ دنیا کی دنیا بدل جائے، گناہ میں ابتلائے عام ہو جائے، تو وہ کارِ ثواب نہیں بن جائے گا، مسلمانوں کی اکثریت نماز نہیں پڑھتی، تو نماز کا نہ پڑھنا معصیت سے خارج نہ ہوگا، یہ کہئے کہ گناہ بہت بڑھ گیا، یہ مت کہیے کہ ؎ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا، یہ شاعری ہے، حقیقت نہیں ہے، کفر کتنا ہی بڑھ جائے، ایمان نہیں ہوگا، قرآن کا یہ ارشاد ہر وقت دھیان میں رہنا چاہیے۔ **قل لایستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقوا اللہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون** (سورہ مائدہ) تم کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت تمھیں خوش نما لگنے لگ جائے، پس اے عقل والو! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح کو پہنچو۔

پھر اس پہلو سے بھی سوچیے کہ یہ تصویر سازی کوئی دینی ضرورت ہے؟ اس کا تو سوال ہی نہیں، جو چیز دین کے لیے تباہی کا باعث ہو، وہ دینی ضرورت کیونکر بن سکتی ہے؟ ہاں جبری واضطراری ضرورت ہو تو بکراہت گوارا کرنے کی گنجائش ہے، جیسے حکومتوں کے قوانین کی ستم رانیوں کی وجہ سے آدمی کو تصویر کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے۔

تو ان تصویروں کی دنیاوی کوئی ضرورت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر یہ تصویریں نہ بنائی گئیں، تو دنیا کی کون سی ضرورت اٹکی رہ جاتی ہے؟ بس خیال ہی خیال ہے، یہ درحقیقت نفس پرستی ہے، دل ودماغ کی عیاشی ہے، بیمار طبیعتوں کی لذت جوئی ہے، اخلاق وانسانیت کے لیے ناسور ہے، اس کا تعلق نہ دین کی ضرورت سے ہے اور نہ دنیا کی معتد بہ ضرورت سے، ہائے! انسان کس لیے آیا تھا اور کیا کرنے لگ گیا۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے کس لیے آئے تھے ہم اور کیا کر چلے

میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس قسم کے اجتماعات اور مجالس میں شرکت سے احتیاط کریں، جن میں تصویر سازی ہوتی ہو، خواہ مجلس نکاح ہو، خواہ وہ سیمینار اور کانفرنس ہوں، دنیا کی شہرت عارضی ہے، اللہ کی ناراضگی اہم ہے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہئے اور رضائے الٰہی ہماری تاویلوں، مصلحتوں، استحسانوں میں نہیں ہے، اللہ ورسول کے ارشادات میں ہے، حلال بھی واضح ہے حرام بھی واضح ہے ان کے درمیان مشتبہات ہیں، دین کی حفاظت اس میں ہے کہ آدمی مشتبہات سے بھی اجتناب کرے، اور جو چیز حرام وناجائز ہیں، ان کی طرف تو رخ بھی نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **الحلال بیّن والحرام بیّن وبینھما امور مشتبھة فمن ترک ماشبه علیه من الاثم کان لما استبان اترک، ومن اجترأ ما یشک فیه من الاثم اوشک ان یواقع ما استبان والمعاصی حمی اللہ، من یرتع حول الحمی یوشک ان یواقعه** (بخاری شریف کتاب البیوع)

حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، (جن میں حرام وحلال دونوں کے پہلو ہیں) تو جو کوئی مشتبہ چیز جس میں گناہ ہونے کا شبہ ہے، چھوڑ دیتا ہے، وہ واضح حرام کو تو ضرور ہی ترک کرے گا، اور جو کوئی اس کام پر جرأت کرے گا جس میں گناہ ہونے کا شک ہے، وہ قریب ہے کہ کھلے ہوئے حرام میں پڑ جائے، معاصی اللہ تعالی کی سرحدیں ہیں، جو سرحد کے آس پاس چکر لگائے گا اندیشہ ہے کہ اس میں پڑ جائے گا۔

تصویر سازی کا حرام ہونا بیّن ہے، اگر اس کا کوئی فرد مشتبہ بھی ہو، تب بھی اس سے بھاگنا چاہیے، ورنہ کھلے حرام میں پڑ کر رہے گا۔

مسئلہ صرف دنیا کا نہیں ہے، اصل مسئلہ آخرت کا ہے، اگر آخرت کی صلاح کے لیے دنیا کا کچھ نقصان بھی اٹھانا پڑے، تو گوارا ہے، چہ جائیکہ یہاں دنیا کا کوئی خاص قابل

ذکر نقصان بھی نہیں ہے، اور یہ رجحان تو بہت ہی پر خطر ہے کہ دنیاوی ناقابل اعتبار مصلحتوں کا سہارا لے کر ان باتوں کو جواز کی سند دی جائے، جنھیں اللہ کے رسول نے صراحت کے ساتھ حرام کہا ہے، اور اس کا حرام ہونا تواتر کے ساتھ ہمیں معلوم ہے۔

لیکن ہمارے دور میں یہ مصیبت بھی عام ہوتی جا رہی ہے کہ نام بدل بدل کر حرام کو بے تکلف حلال کہا جا رہا ہے، **فالی اللہ المشتکی وھو المستعان وھو حسبی ونعم الوکیل**

(بشکریہ مجلّہ المآثر مئو)

☆☆☆☆☆

## نوٹ

کتاب کے فائنل پروف نکل چکے تھے، کہ المآثر کے ایک اہم اداریئے پر نظر پڑی، جو ایک ایسے شمارہ میں تھا جس میں اداریئے کے دو جز تھے، پہلا جز وفیات سے متعلق تھا جو ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں شائع ہو چکا ہے، جب اس دوسرے جز پر نظر پڑی تو اس کی شمولیت ضروری سمجھ میں آئی، اب اس کی جگہ پر دینے میں صفحات کی ترتیب گڑبڑ ہوتی، اس لئے اسے اخیر میں دیا جا رہا ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں صفحہ: ۵۸۳ پر۔ بعنوان (منیٰ کا حادثہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج کا
# پہلا اداریہ

ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج تقریباً ڈیڑھ سال نکلا، اس کے اکثر اداریئے مدارس اور تعلیم کے موضوع پر تھے، جو مؤلف کی کتاب ''مدارس اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ (مرتب)

**الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین. أمابعد!**

تقریباً اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے، میں الہ آباد میں تھا۔ میرے دوست مولانا عبدالرب صاحب اعظمی ناظم مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج بھی وہیں تھے۔ ایک روز مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مسجد میں فجر کی نماز کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ لوگ ایک طرف بڑھ رہے ہیں اور کسی صاحب سے مصافحہ اور معانقہ کر رہے ہیں، لوگوں کے بڑھنے، مصافحہ کرنے اور معانقہ کرنے میں بے انتہا خلوص وعقیدت اور ادب و نیازمندی کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ جن سے مصافحہ ہو رہا تھا وہ ایک مسکین صورت بزرگ تھے، خشوع وخضوع کا نور چہرے سے پھوٹا پڑ رہا تھا، وہ خود جھکے جا رہے تھے، معمر تھے، داڑھی سفید ہو چکی تھی، دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی (وفات: ۲۳؍ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ (۲۸؍اگست ۱۹۹۷ء) ہیں۔ اس

وقت ان کی شہرت عام نہیں ہوئی تھی، ان کے بعض تلامذہ کے واسطے سے ان کا نام سن رکھا تھا، دل نے عقیدت کی حلاوت محسوس کی، ملاقات ہوئی، ہلکا سا تعارف ہوا، ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی پہلے سے کچھ واقف ہیں۔ مسجد سے باہر نکل کر کچھ دور آئے اور اور لوگوں کے ہجوم کے درمیان سے کچھ موقع ملا تو میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے، اور بہت آہستہ آہستہ فرمانے لگے کہ اس دور میں اللہ کے دین کی خدمت کرنے کی بہت ضرورت ہے، اللہ نے جس کو جو صلاحیت دی ہو، دین کی خدمت میں اسے جھونک دے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے تقریر کی، تدریس کی، تحریر کی، اور دوسری بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے، آپ اپنی سب صلاحیتوں کو دین کی خدمت میں لگا دیجئے، اتنا فرما کر فوراً لوگوں کے مجمع میں پہونچ گئے، اور مجھے اتنا بھی موقع نہیں ملا کہ اپنی عدم صلاحیت اور بے لیاقتی کا اظہار کرسکوں۔

حضرت مولانا کی یہ بات دل میں گڑ گئی، صلاحیت ولیاقت تو نہ اس وقت تھی اور نہ اب ہے، لیکن ان کی بات سے حوصلہ پیدا ہوا کہ اگر کوئی کام ہوسکتا ہو، تو اس کا رُخ پھیر کر دین ہی کی طرف لگا دیا جائے، اسی میں اپنی سعادت، خوش بختی ہے۔ تدریس کا ٹوٹا پھوٹا سلسلہ تو جاری ہی تھا، وعظ وتقریر پر طبیعت بمشکل آمادہ ہوتی تھی، اس کے لئے خود کو تیار کیا، لیکن تحریر وتالیف کا تو کوئی تصور نہ تھا، نہ مزاج وطبیعت کو اس سے مناسبت تھی، اور نہ کبھی اس کی طرف التفات ہوا تھا، کبھی کبھار کسی ضرورت یا مجبوری کے تحت قلم سے کام لے لیا ہو تو اس کی حیثیت ایک استثنائی شے کی ہے، تاہم بزرگوں کی بات خالی نہیں جاتی ۱۴۱۲ھ میں محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ کی یادگار میں مجلّہ ''المآثر'' کا آغاز ہوا، تو قلم کے سفر کا باقاعدہ آغاز ہوا، اب جلد جلد کچھ کچھ لکھنے کی نوبت آنے لگی۔ مجلّہ ''المآثر'' کا علمی وتحقیقی معیار ایسا ہے کہ وہ صرف خواص اور اہل حضرات کی دسترس میں آسکتا ہے، بہت سے دوستوں، عزیزوں اور کرم فرماؤں کی خواہش ہوئی، اور یہ خواہش دلوں سے زبانوں پر آئی، کہ کوئی رسالہ ایسا بھی نکلنا چاہئے جو عام فہم ہو، جس سے خاص وعام سب مستفید ہوسکیں، اس میں متنوع موضوعات ہوں۔ غیر معیاری نہ ہو، لیکن معیار بہت بلند نہ ہو۔

آج کل قلم کی بہتات ہے، ذہن وفکر، علم وعمل، دین ودیانت خواہ کچھ ہو اور کیسی ہی ہو، قلم ہاتھ میں آجاتا ہے تو ہر شخص کو اپنے ذہنی وساوس اور خیالات پریشاں کو پیش کرنے کا شوق ہوتا ہے، اس کی وجہ سے صحیح علم معدوم ہوتا جارہا ہے، اب قلم کے راستے سے جہل پھیل رہا ہے، بہت سی کتابیں، بہت سے رسالے صحیح علوم کے حامل بھی شائع ہورہے ہیں، لیکن غلط باتوں کے طوفان میں بس وہ چند دیواریں ہیں جو ان طوفانوں کا راستہ روکنے کے لئے کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس طرح کی کتابیں اور اس طرح کے رسالے کثرت سے شائع کئے جائیں اور انھیں بہت سے ہاتھوں میں پہونچایا جائے، بہت سی نگاہوں سے گزارا جائے، شاید کسی دل میں بات اتر جائے۔ باطل پوری قوت سے اور ناز سے اتراتا ہوا چل رہا ہے، حق کی طاقت کے سامنے باطل کو ٹھہرنے کی تاب نہیں ہے، لیکن اہل حق کی کمزوری اور ان کی قلت سے باطل کو بڑھنے کا حوصلہ مل رہا ہے، اندھیرا گھٹاٹوپ ہے اور چراغ اس میں کم جل رہے ہیں۔ اس لئے وہ بھی کجلا جاتے ہیں۔

مولانا عبدالرب صاحب اعظمی نے اس ضرورت کو محسوس کیا، اللہ تعالیٰ نے انھیں بلند ہمت عطا فرمائی ہے، دورِ ظلمات میں آندھیوں کی زد میں چراغ جلانا بڑے حوصلہ کی بات ہے، اور یہ حوصلہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔ مولانا نے ہمت کی اور اپنے مدرسہ سے اسی کے نام پر ماہنامہ ''انوار العلوم'' جاری کرنے کا فیصلہ کیا، اور مجھے مکلّف بنایا کہ میں ان کا تعاون کروں۔ مولانا عبدالرب صاحب کا حکم میں نے قبول کیا، یہ کام میرے حوصلہ سے بڑھا ہوا ہے، تاہم جب ارادہ کرلیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ مدد فرمائیں گے۔

اس رسالہ کو ملک کے مشہور وممتاز صاحب علم وصاحب قلم حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مدظلہ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، ان کی نگرانی ورہنمائی کے تصور ہی سے حوصلوں میں توانائی آتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سائے کو ہم پر باقی وقائم رکھے۔

رسالہ میں چند عنوانات مستقل ہوں گے، جن کے تحت مضامین شائع کئے جائیں

گے۔ان شاءاللہ

۱----- **ملحوظات:** (اداریہ) جس میں مختلف اور متنوع موضوعات پر ادارہ کی طرف سے اظہار خیال ہوگا۔

۲----- **انوار القرآن یا انوار السنة:** ان دونوں عنوانوں میں سے کسی ایک یا دونوں کے لئے ہر ماہ چند صفحات مخصوص ہوں گے، اہل حضرات سے درخواست ہے کہ ان دونوں موضوعات پر اپنے رشحات قلم ارسال فرمائیں۔

۳----- علمی ودینی واصلاحی مقالات۔

۴----- **گاہے گاہے باز خواں........:** اس موضوع کے تحت اکابر سلف کے اقوال وتحریرات کی تلخیص، ان کے واقعات وحکایات اوران کے مضامین کے ترجمے پیش کئے جائیں گے۔

۵----- **استفسار وجواب:** اس عنوان کے تحت فتاویٰ، قارئین کے علمی ودینی سوالات کے جواب، اشکالات کے حل پیش کئے جائیں گے، ان سارے موضوعات میں اہل علم کو حصہ لینے کی دعوت ہے۔

۶----- جدید مطبوعات پر تبصرے۔

ان کے علاوہ حسب ضرورت دوسرے دینی موضوعات پر بھی مفید مضامین شائع کئے جائیں گے۔رمضان المبارک کے مقدس مہینے سے اس کا اجراء ہورہا ہے، اور اتفاق یہ ہے کہ ۱۹۹۶ء کا پہلا مہینہ جنوری ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اس رسالہ سے مفید دینی خدمت انجام پائے، ہمارے عزائم میں برکت ہو، رسالہ استقلال ودوام کے ساتھ نکلتا رہے، اور خالق کے حضور شرف قبول پائے۔آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

# ماہنامہ

# ﴿الاسلام وضیاء الاسلام﴾

# کے

# اداریئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حق تعالیٰ سے مایوس نہ ہوں!

شبلی کالج اعظم گڈھ میں ''وندے ماترم'' کے نام پر ہنگامہ ہوگیا۔ توڑ پھوڑ، مار پیٹ کا بازار گرم ہوگیا۔ حکام نے کرفیو نافذ کردیا، اعظم گڈھ اور مضافات میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہے کہ کسی راہ چلتے مسافر کو مسلمان دیکھ کر لفنگوں نے حملہ کردیا، سامان چھین لیا۔ ہندوستان آزاد ہونے اور تقسیم کے بعد فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت بن گئے ہیں، اور یہ کوئی اتفاقی اور ناگہانی واقعات نہیں ہیں، بلکہ یہاں اکثریتی طبقہ کی ذہنی تربیت اسی انداز پر کی جارہی ہے، شرک وکفر سے کسی خیر کی توقع نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ادھر سے جو کچھ ہو، نہ باعث حیرت ہے اور نہ کوئی غیر متوقع بات!

اس ملک میں آہستہ آہستہ جن سنگھی اور بی۔ جے۔ پی کی ذہنیت عام ہوتی گئی، اور اب جبکہ مرکز میں بھی اور صوبوں میں بھی اس کی حکومت قائم ہوگئی ہے، تو ایک خاص رفتار کے ساتھ مرحلہ وار، اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے والی چیزیں لائی جارہی ہیں۔ ''وندے ماترم'' ایک شرکیہ ترانہ ہے، جس کا پڑھنا کسی مسلمان کو گوارا نہیں، ایک سیکولر حکومت میں کسی کے مذہب کو دوسروں پر لادنا صریح ظلم ہے، لیکن حکومت وسیاست شاید اب اسی کا نام ہے کہ مذہب واخلاق کی تمام قدریں پامال کردی جائیں۔ خیر یہ تو حکومت وسیاست کی بات ہے، یہ میری گفتگو کا موضوع نہیں، مجھے اس وقت جو کچھ عرض کرنا ہے، اپنے بھائیوں کے متعلق عرض کرنا ہے، جو اسلام کے نام لیوا ہیں، اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، حضرت محمد ﷺ کو اپنا ہادی اور پیشوا مانتے ہیں، اسی کی پاداش میں دوسروں کی نگاہوں میں کانٹا بنے ہوئے ہیں، ان ہنگاموں اور فسادات اور

ناموافق حالات میں جب عام مسلمانوں کے احوال کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو کئی چیزیں ایسی سامنے آتی ہیں جو ایک مسلمان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہوتیں۔ اس سلسلے میں ایک بات عرض کرنی ہے۔

جب کہیں فساد ہوتا ہے یا کوئی مصیبت آتی ہے، تو عام طور پر مسلمانوں میں ایک طرح کی مایوسی اور بزدلی کا احساس پایا جانے لگتا ہے۔ اخبار اور ریڈیو افواہیں پھیلاتے ہیں، عوام کی زبانیں اس میں اضافہ کرتی ہیں، اور پھر ایسی بھیانک صورت حال لوگوں کے پیش نظر ہو جاتی ہے کہ خود بخود ہراس بڑھ جاتا ہے، مایوسی کا سایا گھنا ہو جاتا ہے اور مسلمان بے بس محسوس ہونے لگتا ہے، جیسے اس کا سہارا کوئی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے عموماً بزدلی بڑھ جاتی ہے، کہیں آنے جانے میں اس طرح خوف محسوس ہونے لگتا ہے جیسے موت تعاقب میں ہے، اِکا دُکا ایسے واقعات بھی سننے میں آجاتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ہجوم میں یا محض کسی وہم میں مبتلا ہو کر مسلمان اپنے کو غیر مسلم ظاہر کرنے لگتا ہے۔ شکل وصورت تو مسلمانوں کی بکثرت ہندؤں جیسی دکھائی دیتی ہی ہے، بعض کمزور افراد ہاتھ میں دھاگا باندھ کر خود کو چھپاتے ہیں۔ کوئی نام بدل دیتا ہے، اس طرح کی مثالیں بکثرت تو نہیں، لیکن سننے میں آتی ہی رہتی ہیں۔

یہ سخت بزدلی اور نامردی ہے، مسلمانوں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کے والی و وَلی اللہ تعالیٰ ہیں، مسلمان اگر اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھے، ان کے نبی کی پیروی دل سے کرے تو اس کا کوئی طاقت کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ ہر آن اسے اس کا دھیان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں، تمام طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کی معیّت کے بعد کسی بھی مخلوق کا کچھ ڈر نہیں، مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے غزوہ احد میں مسلمانوں کو ایک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، کیفیت مایوسی ہی کی تھی، کفار کا سالارِ لشکر نعرہ پر نعرہ لگا رہا تھا کہ **لنا العزیٰ و لا عُزیٰ لکم** (ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں) عزیٰ کفار کا ایک بت تھا، شاید عزت وغلبہ کا بت رہا ہو، اس کے جواب میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ کہو: اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا والی وکارساز ہے اور تمہارا کوئی والی وکارساز نہیں)

اللہ تعالیٰ مشکل سے مشکل حالات میں مدد فرماتے ہیں، مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں وعدہ نہیں کیا ہے کہ تم پر کوئی مشکل نہیں پڑے گی، مگر صبر وتقویٰ کے بعد نصرت وفتح کا وعدہ ہے۔ اور یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ ورسول کے نام پر کسی کو دکھ پہونچایا جائے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے نہ جانے کتنے عروج سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس لئے خوف وہراس کو برطرف کر کے مردانہ وار صبر واستقلال سے، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کر کے دل کو مضبوط رکھنا چاہئے، کسی بے گناہ پر ظلم نہ کرے، افواہیں نہ پھیلائے، بے صبری کا کوئی کام نہ کرے، آپس کے انتشار وافتراق کو ختم کرے۔ پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرح بڑھ بڑھ کر آتی ہے، ایسا تو نہ بن جائے جیسے اس کا خدا کوئی ہے ہی نہیں۔ مرحوم آغا حشر کاشمیری نے کہا تھا

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

لیکن اب تو مصیبت کے حالات میں مسلمان اپنے آپ کو خود ایسا سمجھنے لگتا ہے، جیسے اس کا خدا کوئی نہیں، یہ صرف مایوسی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ بدگمانی بھی ہے، جو سخت بے ادبی ہے اور خدا کی جناب میں انجام کے لحاظ سے گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائیں، ہمارے دلوں کو مضبوط بنائیں، اور اپنے اوپر سچا اعتماد وتوکل نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

(ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ، فروری ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مصائب کا اصل سرچشمہ؟

نادرشاہ نے دلی میں قتل عام کا حکم دیدیا تھا، ہر گلی کوچے میں انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں، کسی کو پناہ نہ ملتی تھی، ہر ایک گردن پر خونخوار تلوار کھنچی ہوئی تھی، سب سراسیمہ تھے، سب حیران تھے کہ یہ کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب ملنے سے پہلے گردن پر تلوار چل چکی ہوتی۔ جب نادرشاہ کی خون آشام تلوار آسودہ ہوچکی تو اس نے یہ سلسلہ بند کرایا، اب بچے کھچے لوگوں کے حواس بجا ہونے شروع ہوئے، تو کسی نے کسی بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ سب کیا ہوا؟ انھوں نے ایک جملے میں جواب دیا، وہ جملہ تاریخی جملہ بن گیا، واقعیت اور صداقت پر مبنی! اپنے اندر درس وموعظت کی ایک دنیا لئے ہوئے، انھوں نے کہا:

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

نہ نادر کچھ ہے نہ نادر کا حکم کوئی چیز ہے، نادر کیا ہے؟ جیسے سب انسان ہیں قوانینِ قدرت میں جکڑا ہوا وہ بھی ایک انسان ہے، لیکن ہماری بداعمالیاں ہیں جنھوں نے پروردگار عالم کو ناراض کیا، وہی بداعمالیاں نادر کی صورت میں مجسم ہوکر ہم پر قہر وعذاب کا کوڑا بن کر برس گئی ہیں۔

انسان آفات ومصائب کا سرچشمہ اپنی ذات سے، اپنے احوال واعمال سے باہر تلاش کرتا ہے اور اسے اپنی ذات سے باہر مصائب کا چشمہ ابلتا ہوا دکھائی دے جاتا ہے، وہ اسی خارجی سرچشمہ پر، اس کے روکنے پر، اس کے پاٹنے پر اپنی کوشش صرف کرنے لگتا ہے، لیکن ایک سوراخ بند کرتا ہے تو دوسرے سوراخ سے دھواں نکلنے لگتا ہے، ایک طرف دباتا ہے تو دوسری طرف ابھار پیدا ہوتا ہے۔

یہ ایک طرفہ محنت کامیاب نہیں ہوتی تو وہ مایوس ہونے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے

کہ اس نے جہاں اپنی ذات ومعاشرہ سے باہر آفات ومشکلات کو ڈھونڈھا ہے اس سے زیادہ خود اپنے اندر تلاش کرنا چاہئے، باہر کی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت کچھ اندر کی دنیا کا ایک پرتو اور ظہور ہے۔ ایک شخص جسمانی طور پر تندرست ہو، توانا ہو، بدن میں پہلوانوں جیسی طاقت بھری ہو، چہرہ بارعب ہو، بازو بھرے بھرے ہوں، تو دیکھنے والا خود مرعوب ہو جاتا ہے، اگر اس کی نیت حملہ کرنے کی ہوگی تو وہ سومرتبہ سوچے گا، کہیں یہ مجھے دبا نہ لے، میں اس کے مقابلہ میں ٹھہر سکوں گا؟ وغیرہ۔ لیکن اگر کوئی شخص دبلا پتلا مریل ہو، کھانا اس سے کھایا نہ جاتا ہو، چلنے میں پاؤں لڑکھڑاتے ہوں، ہڈیاں نمایاں ہوں، تو ہر کس وناکس بے خطر اس پر حملہ کر سکتا ہے، کسی پر اس کا رعب قائم نہیں ہوگا۔

اسی طرح آج اس ملک میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً جو گورنمنٹ کا کردار اور طرزِ عمل ظاہر ہو رہا ہے، مسلمانوں پر دینی، اقتصادی اور تعلیمی ہر اعتبار سے حلقہ کیا جا رہا ہے، ہم یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں، دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ بہت بری ہے، اس کے عزائم خطرناک ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ ملک کی اور صوبہ یوپی کی موجودہ حکومت نہایت منحوس اور بے برکت ہے، اس حکومت کے آنے کے بعد سے ملک کو مسلسل زمینی وآسمانی آفات ومصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کبھی قحط ہے، کبھی سیلاب ہے، کبھی زلزلہ ہے، کہیں آگ لگتی ہے، تو کہیں طوفان آتا ہے، پھر اخبارات میں، جلسوں میں، تقریروں میں، کانفرنسوں میں حکومت کے خلاف بہت لکھا جاتا ہے، بہت کچھ اسے برا بھلا کہا جاتا ہے، تجویزیں پاس ہوتی ہیں، نعرے لگتے ہیں، اہل حکومت کو عرضداشتیں پیش کی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اکثر تو ایسا ہی دیکھنے میں آیا کہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے کچھ اور سنگین بن گیا۔

یہاں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ جو لوگ مصائب وآفات کا شکار ہو رہے ہیں وہ اپنی اندرونی طاقت کا بھی جائزہ لیں، کہیں خود ان کی اپنی کمزوریاں تو نہیں ہیں جن کی وجہ سے شکاریوں کو حوصلہ ملا ہے کہ جیسے چاہیں مار لیں، کہیں ایسا تو نہیں، حکومت کے جس ظلم

و بے انصافی کے خلاف لوگ نعرے لگا رہے ہیں اسی طرح کے ظلم اور بے انصافیوں کا جنون خود ان کے اندر بھی پھیلا ہوا ہو، وہ ہمارے دین و مذہب پر باہر سے حملہ انداز ہوں، لیکن ہم خود اپنے اپنے طور پر دین و مذہب کے احکام سے منحرف ہوتے جا رہے ہوں، حکومت ہمارے مدارس اور مساجد کو نشانہ بنا رہی ہے، لیکن دیکھیں تو سہی خود اہل مساجد اور اہل مدارس کا، مساجد کے ساتھ، نمازوں کے ساتھ، مساجد کے انتظام کے ساتھ، مدارس کے ساتھ، تعلیم کے ساتھ، طلبہ کے ساتھ، اساتذہ کے ساتھ، باہم کیسا معاملہ ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں یہیں کمزوری ہو، یہیں بیماری ہو، یہیں پر کوئی مہلک مرض ہو، جس کا سہارا پا کر باہری دشمن حملہ کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

آیئے اس سوال کو ہم اپنے ہادی و رہبر، پیشوائے اعظم، سیّد الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جناب میں پیش کریں اور جو جواب وہاں سے ملے وہ ہمارے حرزِ جان ہونا چاہئے۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

إن الله تعالىٰ يقول: أنا الله لاإله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك، قلوب الملوك في يدي وإن العباد إذا أطاعوني حوّلت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرافة، وإن العباد إذا عصوني حوّلت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فأعذبهم سوء العذاب، فلاتشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع كي أكفيكم ملوككم (رواه ابونعيم في الحلية) [مشکوٰۃ شریف: کتاب الامارۃ والقضاء]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت و مہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں، تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں، تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے کے برا بھلا کہنے اور ان پر

بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکراور دعا کے اندراور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تاکہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت وکفایت کروں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ظلم وجبر کے مقابلے میں ظاہری تدابیر سے جو حد جواز میں ہوں، منع نہیں کرتا۔ دنیا میں اسباب کا سلسلہ مقاصد ونتائج کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن یہ اسباب دوہرے ہیں، انسان کو خارجی اسباب کے مقابلے میں داخلی اسباب پر توجہ زیادہ کرنی چاہئے، ہم حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف دم خم دکھائیں، مظاہرہ کریں، تجویزیں پاس کریں، اپنی یکجہتی اور اتحاد کا منظر پیش کریں، سب بجا، لیکن اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ اہتمام اس بات کا کریں کہ جس کمزوری کو پاکر حکومت ہمارے دین وملت پر حملہ آور ہے، اس کمزوری کو ہم دفع کریں، شریعت کو اور احکام اسلام کو پہلے ہم اپنی ذات پر، اپنے خاندان پر، اپنے معاشرہ پر نافذ کریں، چاہے وہ ہمارے نفس، ہمارے اغراض اور ہمارے ظاہری مفاد کے کتنا ہی خلاف ہو۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں، اور اللہ کی رضا سب جانتے ہیں کہ نفس اور خواہش نفس کی پیروی کرنے میں نہیں ہے، وہ اس خدائی ہدایت کی پیروی کرنے میں ہے جس کو دے کر آخری ہادی (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

یہ دوطرفہ کوشش ومحنت ہی ہم کو کامیاب کرے گی، یک طرفہ محنت، جس میں اپنے نفس کو اور اپنے اغراض ومقاصد کو ہاتھ نہ لگانا پڑے، وہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہے، اس صورت میں فساد کا ایک سوراخ بند ہوگا، تو دوسرے دس سوراخ کھلیں گے، کیونکہ سوراخ پیدا کرنے والا مادہ خود ہمارے اندر موجود ہے۔

یہ معاملہ ہر مسلمان کی ذمہ کا معاملہ ہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، اور انتشار نہ پیدا کریں، تب اللہ کی رحمت وعنایت متوجہ ہوگی۔

**فعل اللہ ذلک وما ھو علیه بعزیز**

(ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/ جون ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلیقہ

امر باالمعروف (اچھی بات کی تلقین) اورنھی عن المنکر (بری بات سے ممانعت) ایک شرعی فریضہ ہے، اور ایسا فریضہ ہے کہ اسی سے دین ودیانت کی زندگی ہے، اگر اسے ترک کردیا جائے تو شیطان پوری انسانیت پر ہلّہ بول دے گا، اور سب کو گمراہی کی دلدل میں پھنسا دے گا۔ اس کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے، لیکن موجودہ دور میں جبکہ دنیا کو قبلۂ مقصود بنالیا گیا ہے، دنیا ہی کے نفع ونقصان کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے اور اسی محور پر انسان کی زندگی گردش کررہی ہے، اس کے نتیجہ میں آخرت فراموش ہوگئی ہے، دینی احکام کی عظمت دل سے نکل گئی ہے، کافر تو کافر ہے، اپنے دل میں ایمان رکھنے والا بھی بڑی حد تک گناہوں پر بے باک اور جری ہوگیا ہے، اسی حالت میں اس کی جتنی ضرورت واہمیت ہے واضح ہے۔ قدم قدم پر متنبہ کرنے اور ٹوکنے کی ضرورت ہے، برائیوں کو اگر سلیقہ سے ٹوکا جائے تو وہ سمٹتی ہے اور اگر اسے ٹوکنا چھوڑ دیا جائے تو پھیلتی چلی جاتی ہے، ہر شخص اپنے دائرۂ اثر میں اس کا ذمہ دار ہے کہ بھلائیوں کو پھیلانے کی کوشش کرے اور برائیوں پر ٹوکے، مگر اس کے لئے خاص طریقہ ہے، خاص سلیقہ ہے، اور خاص شرطیں ہیں۔ شرطیں تو یہ ہیں کہ آدمی کو اچھے برے کا علم ہو، علم کے بغیر اس میدان میں قدم رکھنا خود ایک برائی ہے جس سے منع کرنا واجب ہے، اس لئے ضروری ہے کہ معروف اور منکر کا علم حاصل کرے، پھر جس درجہ کا معروف یا منکر ہو اسی درجہ کے مطابق اس کا حکم کرے یا اس سے منع کرے، نیز جس شخص کو وہ ٹوک رہا ہے اس کے درجے اور مرتبے کا علم بھی اور اس کا لحاظ بھی ضروری ہے، باپ کو فہمائش کرنے کا انداز اور ہوگا اور بیٹے کو ٹوکنے کا انداز اور ہوگا، اسی طرح ہر شخص اور ہر ماحول میں

فرقِ مراتب کا لحاظ شرط ہے۔ سلیقہ یہ ہے کہ تنبیہ اور فہمائش کا انداز ہمدردی اور خیرخواہی کا ہو، خوامخواہ ذلیل کرنے اور زچ کرنے کا انداز نہ ہو، نہ کسی کے پیچھے پڑا جائے۔ آدمی کا کام دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت کرنا ہے، چاہے جتنی مرتبہ کرنی پڑے، اس نصیحت پر عمل کرادینا، اس کا اثر دل میں ڈالنا اللہ کا کام ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ جس بات کا حکم دیتا ہے یا جس بات سے منع کرتا ہے، اس کا عمل اور اس کا حال اس کے قول کی تردید نہ کرتا ہو، آدمی جس چیز پر خود عمل کرتا ہے اس کا حکم کسی کو دے گا تو اس سے نصیحت کے قبول ہونے کی توقع زیادہ ہے اور خود اس کی ذلت نہ ہوگی۔ اسی طرح جس بات سے منع کرتا ہے اس میں اس کا دامن آلودہ نہیں ہونا چاہئے ورنہ ملامت اور رسوائی کا نشانہ بن کر رہے گا۔ آپ جس کو کسی اچھی بات کی تلقین کریں گے یا کسی برائی پر ٹوکیں گے تو اس کی نگاہِ احتساب آپ پر اٹھے گی.....اور یہ فطری بات ہے.....اگر وہ دیکھے گا کہ آپ کی زندگی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جس کی آپ تلقین کررہے ہیں تو وہ مطمئن ہوجائے گا، پھر اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی لانے کا قصد کرے گا، اور اگر اس نے دیکھا کہ آپ تلقین تو ضرور کررہے ہیں مگر آپ کا معیارِ عمل اس کے مطابق نہیں ہے تو وہ لاپروائی سے ٹال دے گا کہ پہلے آپ اپنے کو دیکھئے، یہ طریقہ کہ قول وعمل میں تضاد ہو خود ایک منکر (برائی) ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ٹوکا ہے، فرماتے ہیں کہ: اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یہ خطاب علمائے یہود سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ تم اوروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کردیتے ہو، حالانکہ تم کتاب اللہ کو پڑھتے ہو، کیا اتنا نہیں سمجھتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اور پوری خیرخواہی سے کرتا ہے، لیکن بیٹا دیکھتا ہے کہ باپ کا اس پر عمل نہیں ہے، تو وہ ذرا سا بھی متاثر نہیں ہوتا۔ علماء عوام کو فہمائش کرتے ہیں، وعظوں میں بھی، تحریروں میں بھی، عام گفتگوؤں میں بھی، مگر جب کرنے کا موقع آتا ہے تو بسا اوقات بہت سے علمِ دین رکھنے والے اور اصطلاحاً عالم کہلانے

والے عملی اعتبار سے اسی سطح پر ہوتے ہیں جس پر ایک عام آدمی ہوتا ہے، بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ اس سے بھی نیچے اتر جاتے ہیں، تو ایسے لوگ عوام الناس کی زبانوں کے کھلونا بن جاتے ہیں اور اس کا اثر جب عام ہوتا ہے تو پھر کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ خواص کو اور علماء و مشائخ کو اپنے طریقۂ زندگی کا اور اپنے کلام کا احتساب کرنا چاہئے اور عوام کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے اللہ کا حکم جان کر دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ واللہ الموفق وھو المعین

(جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ / اگست ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# رمضان کا پیغام

روز وشب کی گردش اپنی ہمیشہ کی رفتار کے مطابق چلتے ہوئے پھر رمضان المبارک کے مقدس مہینہ تک آپہونچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو اور اس مہینہ کے دن اور اس کی راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں سے ایک خاص امتیاز بخشا ہے۔ یہ نیکیوں کی سوداگری کا مہینہ ہے، اس ماہ میں ہر نیکی اور طاعت کا بھاؤ بڑھا دیا جاتا ہے، اور بڑھانے والا وہ ہے جس کے یہاں لامحدود خزانہ ہے، جس کے یہاں لیت ولعل نہیں ہے، جس کے یہاں بخل وامساک نہیں ہے، جس سے عہد شکنی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، جس کے یہاں سود وزیاں کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے دربار سے جو وعدہ صادر ہوتا ہے وہ بڑھ چڑھ کر پورا ہوتا ہے، عالم قدس میں اس مہینہ کا خاص اہتمام ہے، اہل ایمان کی دائمی قیام گاہ ’’جنت‘‘ کو اس ماہ میں نیا رنگ وروغن بخشا جاتا ہے، یہ مہینہ ایمان وعمل کی باد بہاری کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں صرف آنے والوں کا ہی اعزاز واکرام نہیں کیا جاتا، بلکہ منہ موڑنے والوں کو بھی پکار پکار کر بلایا جاتا ہے، کہ برائی کی طرف دوڑنے والے ٹھہرو، ذرا دیکھو تمہارے لئے کیا کیا انتظام ہے؟

اللہ اللہ! کیا شانِ کریمی ہے کہ جو آقا ہے، خالق ومالک ہے، قادر مطلق ہے، سب کچھ اختیار رکھتا ہے، سب سے بے نیاز ہے، وہ اپنے بندوں کو، غلاموں کو، بندیوں کو، باندیوں کو پکارتا ہے، بلاتا ہے، ان کو بلاتا ہے جو بے بس اور محتاج ہیں، لیکن مالک کی شانِ رحیمی نے ایک محدود اور مختصر سا اختیار بخش دیا ہے، تو اسی کے بل پر لگتے ہیں سرکشی کرنے، انھیں بھاگنے والے غلاموں کو اپنے لطف وکرم سے بلاتا ہے کہ آؤ میں تمہیں معاف کرنے کے لئے تیار ہوں۔

قربان ہونے اور مرمٹنے کا مقام ہے! کہاں ہیں بوجھ سے دبے ہوئے بندے؟ کہاں ہیں آفت کے مارے ہوئے غلام؟ کہاں ہیں روزی سے پریشان بھوکے؟ کہاں ہیں رحم وکرم کی آس لگائے ہوئے مساکین؟ کہاں ہیں زمانے کے ٹھکرائے ہوئے فقراء؟ آئیں ،آگے بڑھیں ،قریب ہوجائیں، ہاتھ بڑھائیں ، دامن پھیلائیں ، مانگتے جائیں اور پاتے جائیں، بخشش عام ہے، رحمت تمام ہے، محروم وہی ہے جو اس دریائے فیض کو بھی پاکر محروم رہے، بدقسمت وہی ہے جو رب عالی کی پکار پر بھی سوتا رہے اور اس کی آنکھ نہ کھلے۔

اے دنیاوی آفات میں مبتلا انسانو! تم اپنے مصائب کا علاج اور مشکلات کا حل کہاں ڈھونڈھ رہے ہو؟ تمہارے معاملات کا سرا یہاں اس عالم میں نہیں ہے،ان کا سرا عالم غیب میں ہے، عالم غیب ہی کے اشارے پر یہاں سب کچھ ظاہر ہوتا ہے، یہاں کی تدبیریں کچھ نہیں ہیں اگر وہاں کا اشارہ صادر نہ ہو! اپنی جدوجہد کا رخ ادھر ہی پھیر دینے کی ضرورت ہے، عالم غیب تک رسائی اعمال غیب ہی سے ہوتی ہے، خواہ وہ ذکر وعبادت ہو یا حسن سلوک اوراخلاق حسنہ ہوں، یا دعاء ومناجات ہو۔ **إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ** (اسی کی جناب میں کلمۂ طیبہ پہونچتا ہے اور عمل صالح اس کو اوپر اٹھاتا ہے)

کلمۂ خبیثہ (کفر) اور اعمالِ بد تو پستی میں پھینک دئے جاتے ہیں، ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے ہیں۔ **إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ** ، بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے۔

تو ایمان والو! اصول یہی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کلمہ طیبہ اور اعمال صالحہ عالم غیب کے حدود مملکت میں داخلہ پاتے ہیں، ہر الجھاؤ کے سلجھاؤ اور ہر مصیبت سے راحت اور ہر کلفت سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ آدمی کے قلب سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں

سے، آنکھ کان سے اور جسم وجان سے اچھے اعمال کا صدور ہو۔ یہی اعمال آغوشِ رحمت میں پہونچ کر اس دنیا کے حالات کو درست کرائیں گے، اور اس کے لئے رمضان کا مبارک مہینہ بہت ہی سازگار ہے۔

روزہ کا اہتمام کریں، روزے کو مکروہات سے بچانے کا اہتمام کریں، یہ عبادت دن کی ہمہ وقت عبادت ہے، اس کو فضولیات اور گناہ کے کاموں میں مبتلا ہوکر برباد اور بے روح نہ بنائیں، دنیاوی کاموں کو گھٹا کر عبادت کے کاموں کو بڑھادیں، قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اللہ کی کثرت، مساجد میں حاضری اور تراویح کی پابندی کا اہتمام کریں۔ ہوسکتا ہے کہ یہی محنت سال بھر کی برکتوں کو سمیٹ کر آپ کے دامن میں ڈال دے، اور پھر پورے سال اس سے آپ مستفید ہوتے رہیں، یہ تجربہ ہے کہ اعمال خیر کے اعتبار سے جس کا رمضان بخیر وعافیت گزر گیا وہ پورے سال اس خیر وعافیت کا فائدہ پاتا رہتا ہے۔

(شعبان، رمضان ۱۴۲۱ھ/نومبر، دسمبر ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# رمضان شریف اور قرآن شریف کی مناسبت

شب و روز سب اللہ کے ہیں، ماہ و سال سب اللہ کے ہیں، اوقات و لمحات سب اللہ کے ہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ سب اوقات برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے جس طرح فرشتوں میں، آدمیوں میں، زمینوں میں، آسمانوں میں انتخابات فرمائے ہیں، اسی طرح اللہ نے زمانوں میں بھی انتخاب فرمایا ہے۔ قدوسیوں کی سب سے عظیم القدر جماعت انبیاء علیہم السلام میں بھی حق تعالیٰ نے انتخاب کا عمل جاری فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَأَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (سورۃ البقرۃ:۲۵۳) یہ وہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض کے اوپر فوقیت بخشی ہے، بعض ان میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے، اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں سے سرفراز فرمایا، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل عطا کئے، اور ہم نے ان کی مدد روح القدس سے کی۔

ٹھیک اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں، ان میں سے چار کو دین وشریعت کے اجراء وقیام کے لئے منتخب فرمایا، پھر ان چار میں سے تین کو منسوخ فرما کر ایک آخری جامع کلام اپنے آخری پیغمبر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر قیامت تک کے لئے اس کو زندہ جاوید، صحیح اور بلا ریب دستور العمل بنا دیا۔

قرآن مجید کلام اللہ ہے، کلام الٰہی کا تعلق ذاتِ الٰہی کے ساتھ صفت کا ہے، صفات ذات کا آئینہ ہوتی ہیں، وہ ذات سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہوتیں، صفات کے آئینے میں ذات کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، وللہ الاسماء الحسنیٰ، اللہ کے بہتر سے بہتر نام ہیں، یہ اسماء

صفاتِ الٰہی کے ترجمان ہیں، تو کلام الٰہی، اللہ تعالیٰ کے ذاتی اسماء وصفات میں ہے، جو حق تعالیٰ کے تمام ذاتی اور صفاتی کمالات کا جامع ہے، اور ظاہر ہے کہ کمالات خداوندی کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہے، تو جو چیز ان کمالات کا آئینۂ جامع ہے، اس کے بھی کمال وجمال کی کوئی انتہاء نہ ہوگی، پس کلام الٰہی اس کائنات کی عظیم جلوہ گاہ ہے، جس کے واسطے سے حق تعالیٰ کی ذات عالی اور صفات جلالی وجمالی کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

پھر جب اس آئینۂ جمال وجلال کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر نازل کرنے اور بندوں کو اس سے مشرف فرمانے کا ارادہ کیا، تو حق تعالیٰ نے تین انتخابات فرمائے، کس پر اتارا جائے ؟ کون اسے لیکر جائے ؟ اور اس کے لئے مناسب وقت کیا ہوگا ؟ کس پر اتارا جائے ؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس ذات کا انتخاب کیا، جس کو انھوں نے خود سارے عالم کے لئے رحمت بنایا۔ بہترین قلب وطبیعت سے نوازا، خصوصی تہذیب وتربیت سے آراستہ کیا، ہر آلائش طبعی وبشری سے پاک رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ پھر وہ شخصیت ایسی نکھر کر سامنے آئی کہ دنیا بول پڑی: هٰذاهو الصادق الامين، صدق وامانت انسانیت کا وہ عظیم ترین شرف ہے، جس سے بڑھ کر کوئی شرف عام انسانوں کو نہیں حاصل ہوسکتا۔ مکہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا انسان، خانۂ کعبہ کی دیواروں پر نگاہیں ڈالتا انسان، حراء پہاڑی کی کھوہ میں غور وفکر کرتا ہوا بے چین انسان، اس وقت بھی تمام عیوب اخلاقی وانسانی سے پاک تھا۔ جب ابھی اس کا منتخب ہونا خلائق پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ چالیس سال تک یہ انسان بہترین تعلیم وتربیت سے گزرتا ہوا پختہ ہوتا رہا۔ اب اس پر رب عظیم کا کلام عظیم اترنا تھا۔ اسے کون لائے ؟ تو اللہ تعالیٰ نے پاک اور مقدس برگزیدہ جماعت، جس کے بارے میں وہ خود گواہی دے رہے ہیں کہ: لَا يَعْصُوْنَ اللهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ اللہ کے حکم سے ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو حکم پاتے ہیں ٹھیک وہی کرتے ہیں۔ اس مقدس ترین جماعت میں وہ منتخب ہوا جو صاحب امانت بھی تھا، سب سے عظیم طاقت کا مالک بھی، خداوند تعالیٰ کے قریب تر تھا، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ (سورۃ النجم: ۶/۵) اس وحی الٰہی کی تعلیم

ایک فرشتہ کرتا ہے، جو بڑا طاقتور ہے، خلقۃً طاقتور ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (سورۃ التکویر :۱۹تا۲۱) یہ قرآن کلام (الٰہی) ہے، ایک معزز فرستادہ کا لایا ہوا ہے، جو قوت والا ہے، مالک عرش کے نزدیک رتبہ والا ہے، وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ صاحب امانت ہے۔ یہ معزز فرشتہ روح امین ہے، جبرئیل امین ہے۔

کس پر اترے؟ وہ منتخب ہوا، کون اتارے؟ وہ منتخب ہوا۔ اب ماہ وسال کے وہ کون سے اوقات ہیں جن کو اس کلام عظیم سے مناسبت ہے، تاکہ اس کا انتخاب ہو، اللہ ہی پیدا کرتے ہیں، وہی انتخاب فرماتے ہیں، يَخْلُقُ مَايَشَاءُ وَيَخْتَارُ، اللہ نے سال کے بارہ مہینوں پر نظر ڈالی، اور شعبان کے مہینے کو اپنے بندوں سے خاص مناسبت بخشی، بندوں کے سب سے بڑے راز داں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو پایا، اور شعبان کو خصوصی عبادات و معاملات کے لئے مختص فرمایا، چنانچہ بکثرت احادیث میں آیا ہے کہ آپ اس ماہ میں کثرت سے روزہ رکھتے، فرمایا: یہ رجب اور رمضان کے درمیان ایک ایسا مہینہ ہے، جس سے لوگ غافل ہیں، حالانکہ اس ماہ میں رب العالمین کے حضور بندوں کے اعمال پہونچائے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل جب وہاں لیجایا جائے، تو میں روزہ کی حالت میں ہوں (نسائی) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت کو شعبان کا روزہ بہت محبوب تھا (احمد وطبرانی) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا شعبان، رمضان کے اظہارِ عظمت کے لئے۔ اس مضمون کی روایتیں بکثرت ہیں، علامہ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری نے اپنی جامع ترین کتاب ’’الترغیب والترھیب‘‘ کے کتاب الصوم میں ان میں سے اکثر کو جمع کر دیا ہے، ہم نے اس مضمون میں یہ حدیثیں انھیں سے اخذ کی ہیں۔

ماہِ شعبان کی فضیلت کو بندوں سے مناسبت تھی، اس لئے سیّد العباد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام کیا، اس کے بعد جو مہینہ آیا اسے خود رب العباد جل جلالہ نے اپنے لئے انتخاب فرمایا۔

رمضان شریف کے بارے میں امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں مشہور تابعی حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ رمضان اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نام ہے، تو شهر رمضان کا معنیٰ ''اللہ کا مہینہ'' ہے، انھوں نے ایک روایت نقل کی ہے: **روی عن النبی ﷺ أنه قال: لاتقولوا جاء رمضان وذهب رمضان ولكن قولوا جاء شهر رمضان وذهب شهر رمضان فإن رمضان اسم من أسماء الله تعالیٰ** (ج:۳،ص:۹۰) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مت کہو کہ رمضان آیا، رمضان گیا، بلکہ یہ کہو رمضان کا مہینہ آیا، رمضان کا مہینہ گیا، کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شعبان کے آغاز سے زمانہ کی برکتوں نے ترقی کی اور اس کا نقطۂ عروج ماہ رمضان ہوا، سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکاتیب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ماہ مبارک رمضان جامع جمیع خیرات وبرکاتست، وہر خیر وبرکت مفاض از حضرت ذات ست تعالیٰ وتقدس ونتیجۂ شیونات اوسبحانہ، وہر شر ونقص کہ بوجود می آید منشا آن ذات وصفات محدثہ است، **ما أصابک من حسنةٍ فمن الله وأصابک من سيئةٍ فمن نفسک**، خود نص قاطع است، پس جمیع خیرات وبرکات ایں ماہ مبارک نتیجۂ آں کمالات ذاتیہ است کہ شانِ کلام جامع آنہاست، وقرآن مجید حاصل تمام حقیقت آں شان جامع ست، پس ایں ماہ مبارک را با قرآن مجید مناسبت تمام ست کہ قرآن جامع جمیع کمالات ست، وایں ماہ جامع خیرات کہ نتائج وثمرات آں کمالاتند، وہمیں مناسبت باعث نزول قرآن دریں ماہ شد، **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ** وشب قدر دریں ماہ خلاصۂ وزبدۂ ایں ماہ است، آں لب است وایں ماہ در رنگ قشر آں، پس ہر کہ دریں ماہ بجمعیت گزراند واز خیرات وبرکات بہرہ مند شود، تمام سال بجمعیت گزراند وبخیر وبرکت مملو ومحتوی باشد (مکتوب:۱۶۲، دفتر اول)

**ترجمہ**: رمضان کا بابرکت مہینہ تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے، اور جو بھی خیر

وبرکت اس میں ہے، سب کا فیضان حضرت ذات حق تعالیٰ وتقدس سے ہے، اور ذات ہی کے مختلف شیون کا ثمرہ ہے، کیونکہ شر ونقص کا جو کچھ وجود ہے، وہ مخلوق کی ذات سے وابستہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ما أصابک من حسنةٍ فمن الله وأصابک من سيئةٍ فمن نفسک، جو کچھ تمہیں بھلائی پہونچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو کچھ تمہیں برائی پہونچے وہ خود تمہاری ذات کی طرف سے ہے، یہ نص قطعی ہے، پس اس ماہ مبارک کی تمام بھلائیاں اور تمام برکتیں، اللہ تعالیٰ کے کمالات ذاتیہ کے ثمرات ہیں، اوران تمام کمالاتِ ذاتیہ کی جامع اس کے کلام کی شانِ عالی ہے ،اور قرآن مجید اس شان جامع کی تمام حقیقتوں کا جامع ہے، پس اس ماہ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ پوری مناسبت ہے، کیونکہ قرآن کریم تمام کمالات کا جامع ہے، اور یہ ماہ مبارک ان تمام بھلائیوں اور سعادتوں کا جامع ہے، جو ان کمالات کے ثمرات ونتائج ہیں، اور یہی مناسبت ہوئی کہ اس ماہ مقدس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ۔ پھر اس ماہ کا خلاصہ اور حاصل شب قدر ہے، وہ مغز ہے اور یہ مہینہ اس مغز کیلئے گویا چھلکا ہے، پس جو کوئی اس ماہ کو جمعیت اور یکسوئی کے ساتھ گزارے گا اور اس ماہ کی خیرات وبرکات سے بہرہ مند ہوگا، وہ پورا سال جمعیت اور اطمینان کے ساتھ گزارے گا، اور خیر وبرکت سے بھرا پُرا رہے گا۔

(مکتوب:۱۶۲، دفتر اول)

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے قرآن مجید اور رمضان شریف کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، اسے بغور پڑھئے، جو کچھ قرآن وحدیث میں ان دونوں کے بارے میں ذکر آیا ہے، اس کا خلاصہ انھوں نے مختصر الفاظ میں ذکر کردیا ہے۔

(۱) پہلی بات یہ فرمائی کہ رمضان المبارک کا مہینہ انسانوں کے حق میں بلکہ کائنات کے حق میں تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے۔ امام بخاریؒ ومسلمؒ نے اپنی اپنی کتاب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا جاء

رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب النار وصفدت الشیاطین، جب رمضان کا مہینہ آتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، اور سرکش شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہر خیر کا مرکز جنت ہے، اور ہر شر کا مجمع جہنم ہے، اور تمام برائیوں کی بنیاد شیطان ہے، پس ماہ مبارک رمضان بنص حدیث تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی کہ دنیا وآخرت میں جو بھلائی ہے، اور جو بھی برکت ہے، سب کا فیضان ذات الٰہی جل شانہ سے ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات شر ونقص سے پاک ہے، شر اور نقص کا منبع تو وہ ہے، جس میں عدم کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور حق تعالیٰ ہر قسم کے عدم سے منزہ ہیں، پس جو کچھ خیر ہے انھیں کی طرف سے ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما أصابک من حسنةٍ فمن اللہ وما أصابک من سیئةٍ فمن نفسک، جو کچھ تمھیں بھلائی پہونچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو کچھ تمھیں برائی پہونچے وہ خود تمہاری ذات کی طرف سے ہے۔

(۳) تیسری بات یہ فرمائی کہ رمضان شریف کی تمام برکتیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کے ان تمام ذاتی کمالات کے ثمرات ہیں، جن کا جامع اللہ کا کلام ہے، کیونکہ متکلم کی تمام خوبیاں اس کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہیں، پس کلام اللہ ان تمام کمالات ذاتیہ کا جامع اور مظہر ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ کلام الٰہی میں قرآن مجید کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ جمال وکمال کے تمام حقائق کا مرکز اور جامع ہے، کیونکہ یہ آخری کلام ہے، جو دنیا والوں کو دیا گیا ہے، پس ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام شئونات کمالیہ وجمالیہ کا جامع ہو۔ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ، اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر اتارتے، تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی خشیت سے دب جاتے، شق ہوجاتے۔ یہ اس کی شانِ عظمت ہے۔ اور إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ أَقْوَمُ، اور بلاشبہ یہ قرآن اسی راہ کی رہنمائی کرتا ہے، جو بالکل درست ہے۔ یہ اس کی شانِ ہدایت ہے۔ اور ذٰلِکَ

الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِلْمُتَّقِیْن، یہ کتاب اس میں کوئی تردداور شک نہیں، کہ اہل تقویٰ کے لئے دستور العمل ہے۔ یہ اس کی شانِ صداقت وحقانیت ہے۔

(۵) پھر یہ فرمایا کہ جب رمضان شریف برکات الٰہیہ کا مرکز ہے، اور قرآن کریم کی بھی یہی شان جامعیت ہے، تو دونوں میں بغایت مناسبت ہے، اس لئے اس کلام عظیم کو نازل کرنے کیلئے یہی مہینہ منتخب ہوا، اور یہ نزول لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہے، آسمانِ دنیا پر آ گیا تو گویا اس کے انوار سے دنیا جگمگا اٹھی، پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت وہاں سے جبرئیل امین لاتے رہے۔

(٦) پھر پورے رمضان کا خلاصہ اور حاصل شب قدر ہے، لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور نزول قرآن کے لئے یہی رات متعین ہوئی، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ، ہم نے اسے شب قدر میں اتارا ہے۔

اتنی گونا گوں فضیلتوں اور عظمتوں کا تقاضا ہے کہ یہ پورا مہینہ روزے اور قرآن کے لئے وقف کر دیا جائے، روزے کی برکت سے انسان بشری کمزوریوں سے اوپر اٹھ کر ملکوتیت کی پاک صفات سے آراستہ ہونے کی استعداد حاصل کرلے گا، کیونکہ بشری کمزوریوں کی بنیاد کھانے پینے کی بھوک پیاس، اور شہوت کی طرف میلان ہے، روزہ کی حالت میں یہ سب چیزیں اعتدال پر آجاتی ہیں، اور روزہ دار میں بارگاہِ خداوندی کی جانب پرواز کی صلاحیت ہوجاتی ہے، جب یہ صلاحیت پیدا ہوگئی، تو اب قرآن مجید کی تلاوت اسے بارگاہِ خداوندی میں پہونچا دیتی ہے، اس لئے دن میں روزہ اور رات میں تراویح، جس میں قرآن کی تلاوت اس کو بارگاہِ قدس تک بآسانی پہونچا دیتی ہے، اور بندہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

◉◉◉◉◉

قرآن وحدیث کی تصریح اور سیّدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی توضیح سے رمضان شریف اور قرآن شریف کی مناسبت خوب معلوم ہوگئی۔ یہ مناسبت تو نزولِ قرآن کے سلسلے

میں بیان کی گئی، اب سنئے کہ اس مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شریف کے اوقات کو جس طرح روزہ سے معمور رکھنا اور روشن کرنا ضروری ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت سے بھی ان ایام کو پیکرحسن وجمال بنانا ضروری ہے۔

قرآن کریم اور روزہ میں باہم جو تعلق اور مناسبت ہے اسے اس حدیث کی روشنی میں دیکھئے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے، آپ نے فرمایا: **الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیامة** ، روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندے کی شفاعت کریں گے۔ **یقول الصیام : اے رب ! منعته الطعام والشهوة فشفعنی فیه** ، روزہ کہے گا، اے میرے پروردگار! میں نے اسے کھانے اور شہوت سے روک دیا تھا، تو آپ اس کے حق میں میری شفاعت سن لیجئے۔ **ویقول القرآن منعته النوم باللیل فشفعنی فیه** ، اور قرآن کہے گا کہ میں نے رات میں سونے سے روک دیا تھا، تو اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیے۔ **قال : فیشفعان**، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب ان دونوں کی شفاعت مقبول ہوگی۔

گویا روزہ اور قرآن دونوں رفیق وہمدم ہیں، جو کام ایک نے کیا وہی دوسرے نے بھی کیا، پس بندوں کو بھی چاہئے کہ ان دونوں کو ایک ساتھ رکھیں اور اس کا بہترین موقع رمضان کا مہینہ ہے، رمضان المبارک ہر خیر وبرکت کا مرکز ہے، اور روزہ فرشتوں کی صف میں پہونچانے والا، روزِ قیامت کا بہترین شفاعت گزار! اور قرآن کریم کا کیا کہنا، تمام شیونات الٰہیہ اور صفاتِ کمالیہ کا آئینہ! بندہ ظاہر وباطن میں سراپا نور ہو جائے۔

رمضان شریف میں قرآن کریم کی تلاوت میں مشغولیت تین طرح سے ہوسکتی ہے۔ اول تراویح، دوسرے دور، تیسرے عام تلاوت۔ تراویح کی نماز کو تو اللہ تعالیٰ نے نفل قرار دیا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول کریم ﷺ کا ایک بلیغ اور موثر خطبہ نقل کیا ہے، اس میں ایک جملہ یہ ہے: **شهر جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعاً** (رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ) یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے کو اللہ نے فرض کیا ہے، اور

جس کی رات کے قیام (تراویح) کو نفل بنایا ہے۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **من قام رمضان ایمانا و احتسابًا غفرله ماتقدم من ذنبه** (بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی ونسائی) جو کوئی رمضان میں ایمان کے تقاضے سے بہ نیت حصول ثواب عبادت کے لئے کھڑا ہو، اس کے پچھلے گناہ معاف۔

تراویح کی نماز کا موضوع تلاوت کلام الٰہی ہی ہے، چنانچہ قیام کا لفظ خود بتارہا ہے کہ اس میں کھڑا ہونا ہی اصل ہے، اور معلوم ہے کہ قیام کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت ہی متعین ہے، پس مناسب ہے، بلکہ ضروری ہے کہ دن اگر روزہ میں بسر ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے دن کا لمحہ لمحہ کامل عبادت بن گیا ہے، تو رات کے وقت میں جبکہ اس وقت میں روزہ نہیں ہے نماز اور تلاوت سے اسے معمور اور آباد رکھا جائے۔حق تو یہ تھا کہ جس طرح رمضان شریف کے دن کی عبادت فرض ہے اسی طرح رات کی عبادت بھی فرض ہوتی، تاکہ چوبیس گھنٹے کے یہ دونوں حصے برابر ہوتے اور سال کا یہ ایک مہینہ تو ایسا ہوتا کہ نورانیت اور عبادت کی روحانیت میں روز وشب دونوں ایک جیسے ہوتے، مگر حق تعالیٰ نے بندوں کے ضعف پر نظر فرمائی اور رات کی عبادت کو بجائے فرض کے نفل قرار دیا، لیکن نفل کیسی؟

عام دنوں جیسی؟ نہیں، فرماتے ہیں: **من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن ادى فريضة فيما سواه** (حوالہ سابق) اس ماہ میں جو کوئی نفل عمل کیا جاتا ہے، وہ ایسا ہے جیسے اس کے علاوہ کسی ماہ میں فرض ادا کیا ہو۔اور تراویح تو جس شان کی عبادت ہے، قریب تھا کہ فرض ہی ہوجاتی، چنانچہ بخاری شریف کی متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف کی ایک رات مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے نفل نماز پڑھی، آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی نماز میں شامل ہوگئی، جب صبح ہوئی تو اس نماز کا شہرہ ہوا، اب دوسری رات اس سے زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن مزید چرچا عام ہوا، اور رات میں نمازیوں کا زیادہ ہجوم ہوا، جب چوتھی رات ہوئی تو آپ تشریف نہیں لائے، صحابہ صبح تک انتظار کرتے رہے اور ساری مسجد بھری رہی، باہر تک آدمی تھے، آپ فجر کی نماز کے لئے باہر

نکلے، نماز فجر کے بعد آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا:

**أما بعد! فانه لم يخف علي مكانكم ولكني خشيت أن تفرض عليكم فتعجزوا عنها** ،تمہارا رات میں یہاں ہونا مجھ پر مخفی نہ تھا، لیکن میں ڈرا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے ،اور اس کے بعد تم سے اس کی ادائیگی نہ ہوسکے، اس لئے میں باہر نہ آیا۔ (صلوٰۃ التراویح)

جس نماز کی یہ شان ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ درجہ اور رتبہ کے اعتبار سے وہ عند اللہ فرض سے کم ہوگی ،مزید اگر تراویح کی نماز پر نظرِ عمیق ڈالی جائے ،تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سال بھر کی فرض وواجب نماز کی مثنیٰ ہے، یا یہ کہہ لیجئے کہ رمضان شریف کی برکت سے سال بھر کی نماز اس ماہ میں دوگنی کردی گئی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رمضان میں روزہ کی فرضیت کے ساتھ تلاوت کی کثرت بھی مطلوب ہے، اور تلاوت کا اصل محل نماز ہے، تو ضروری ہوا کہ نماز میں بھی اضافہ کیا جائے ،ہم نے غور کیا کہ عام دنوں میں روزانہ کتنی رکعتیں فرض اور واجب ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ شب وروز میں بیس رکعتیں ہیں۔ دو رکعت فجر، چار رکعت ظہر، چار رکعت عصر، یہ دن کی نمازیں ہیں۔ اللہ کو وتر پسند ہیں، اس لئے مغرب میں تین رکعت فرض کرکے ان ساری نماز کو طاق بنادیا گیا، یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں، رات میں عشاء کی چار رکعتیں فرض ہیں، اس کے ساتھ وتر ہونا فوت ہورہا تھا تو اس میں بطور وجوب کے تین رکعت کا اضافہ کردیا گیا، اب رات کی نماز بھی وتر ہوگئی ، اس طرح کل بیس رکعتیں ہوئیں ، پھر مناسب ہوا کہ یہی بیس رکعتیں رمضان شریف کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے دہرادی جائیں ، چنانچہ تراویح کی نماز کا بیس رکعت ہونا غالباً اسی کی طرف اشارہ ہے، عام دنوں میں مسلمان بطور فرض وواجب کے بیس رکعت چوبیس گھنٹے میں پڑھتے ہیں، تو رمضان شریف میں جبکہ عبادت کا ذوق بڑھ جاتا ہے، یہ بیس رکعتیں دوبارہ پڑھ لی جائیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ نماز تراویح کا اصل موضوع قرآن کی تلاوت ہے، پس

امت کے تعامل نے تراویح کی بیس رکعتوں میں ایک قرآن پاک کی تکمیل کا معمول بنایا ،تاکہ ہر مسلمان کے حق میں ایک ختم کا اس ماہِ مبارک میں اہتمام وانتظام ہوجائے۔

سوال! قرآن پاک کی تلاوت تو صرف امام کرتا ہے تو اس کا تو ایک ختم ہوا۔ مقتدیوں کا کیونکر ہوگا؟ جواب! قربان جایئے حق تعالیٰ کی شانِ رحمت وحکمت کے، اور فدا ہویئے نبی کریم ﷺ کی شفقت ومہربانی پر! آپ نے امت کے لئے ہر خیر کا انتظام فرمادیا ہے، آپ جانتے تھے کہ آپ کی امت کا ہر فرد پڑھا لکھا نہ ہوگا اور نہ ہر ایک کا حوصلہ ہوگا کہ وہ کتاب اللہ حفظ کرے اور اسے تراویح کے اندر پورا پڑھے، پس عالم غیب کے رازداں نے حکم الٰہی کا اشارہ پاکر ایک ایسا قانون بنادیا کہ ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ اس سے یکساں مستفید ہو۔

متعدد صحابۂ کرام مثلاً حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ مضمون منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **من كان له امام فقرأة الامام له قرأة** (نصب الرایہ مع الهدایہ، ج:۲،ص:۱۲) جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس مقتدی کی بھی قرأت ہے۔حدیث کا یہ مضمون بالکل صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام جو کچھ پڑھتا ہے وہ مقتدی کا پڑھنا لکھا جاتا ہے، پس نماز تراویح میں جو لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں ان کے نامۂ اعمال میں بھی قرآن کریم کی تلاوت درج کی جاتی ہے، نماز کے اندر قرآن کریم کی تلاوت بہت اہمیت رکھتی ہے، ثواب میں فرض کے برابر ہے، رمضان شریف خود پُرنور ہے، اس کے دن میں روزہ اور رات میں کلام الٰہی کی تلاوت نورٌ علیٰ نور کا سماں ہے۔

تلاوت کا دوسرا طریقہ دور کا ہے، اس طریقے کا آغاز سیّد الملائکۃ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہوا ہے، صاحب تفسیر مظہری نے علامہ بغوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ داؤد بن ابی ہند کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبی سے عرض کیا کہ قرآن کا نزول ماہِ مبارک رمضان میں ہوا ہے، تو کیا سال کے دوسرے اوقات میں اس کا نزول نہیں ہوتا تھا، فرمایا کیوں نہیں،

پورے سال ہوتا رہتا تھا، لیکن رمضان میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پورے سال میں جتنا اتر چکا ہوتا تھا، جبرئیل امین رمضان شریف میں اسے دوبارہ آپ کو سناتے تھے اور آپ انھیں سناتے تھے، پھر جو اللہ کو منظور ہوتا باقی رکھا جاتا، اور جو چاہتے اسے منسوخ کردیا جاتا۔ (ج:۱،ص:۱۹۴)

رمضان شریف میں تلاوت کی ایک بہار یہ بھی ہے کہ دو حافظ اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو سناتا ہے، پھر اپنی اپنی تراویح میں دونوں پڑھتے ہیں، اس کے بعد صاحب توفیق ہوتے ہیں تو تہجد میں بھی تلاوت کرتے ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حفاظ ہوں یا ناظرہ خواں، ترتیب سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہین، اور کئی ختم پڑھتے ہیں، رمضان شریف میں اللہ کا فضل ہے، تلاوت کی خوب بہار ہوتی ہے، مردہ سے مردہ قلب اس ماہِ مبارک میں اچھا خاصا زندہ ہوجاتا ہے، حق تعالیٰ توفیقات سے نوازتے ہیں، دعائیں قبول کرتے ہیں، فرشتوں کو بھیجتے ہیں کہ وہ عبادت گزاروں کی خلوتیں میں پہونچیں، ان سے مصافحہ کریں، ان کے لئے دعائیں کریں۔ خوش نصیبی کا یہ مہینہ ہر مسلمان کے لئے مبارک ہو۔ **وفقنا اللہ سبحانہ للخیرات والبرکات فی ھٰذا الشھر المبارک ورزقنا اللہ سبحانہ النصیب الاعظم۔**

(ستمبر ۲۰۰۸ء)

◉◉◉◉◉

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# بدنیتی کا خمیازہ

۲۶؍جنوری (۲۰۰۱ء) کو حکومت ہند فرضی اور وہمی دہشت گردوں سے لرزاں وترساں تھی، ان سے نمٹنے کے انتظامات چوکس کردیئے گئے تھے، یہ سارا خوف فرضی تھا، لیکن جو واقعی خطرہ تھا اس سے سب کی آنکھیں بند تھیں، قدرتِ الٰہی نے زمین کو جھٹکا دیا اور بے شمار انسان، ہزاروں مکان اور اربوں کھربوں کا مال زمین کے اندر چلا گیا، اب ہمارا وزیر اعظم غل مچارہا ہے کہ قدرتی آفات کا ہم مقابلہ کریں گے۔ اللہ جانے سب کچھ کھوکر کس کا مقابلہ وہ کرے گا۔ بی جے پی حکومت اور بی جے پی پارٹی سخت بدنیت ہے، اس کی بدنیتی اور بداعمالیوں کی سزا تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ملک کو اور ملک کے باشندوں کو مل رہی ہے، یہ پبلک کو تنبیہ ہے کہ ایسی بدنیت اور بدعمل پارٹی کو کیوں اپنے اوپر مسلط کیا۔ اب یہ حکومت باتیں بنارہی ہے، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، سب کچھ کھوکر کوئی پکارے کہ میں مقابلہ کروں گا، لڑوں گا تو اس کی دماغی حالت مشتبہ قرار پائے گی۔ یہ ایک قدتی تنبیہ ہے کہ ملک کی عوام اب سے سنبھل جائے اور بی جے پی اور اس پارٹی کو حلقۂ حکومت سے نکال باہر کرے، ورنہ حکمرانوں کی بدنیتی سارے ملک کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کردیتی ہے۔

خاص طور سے مسلمانوں کے لئے جو اللہ پر اور اس کی قدرت پر سچا ایمان رکھتے ہیں، ایک تازیانۂ عبرت ہے، وہ ریڈیو سن کر، ٹی وی دیکھ کر، اخبارات پڑھ کر چند جملے اظہار تاسف کے بول کر بے پرواہ نہ ہوجائیں بلکہ اپنے مالک ومولیٰ کی جانب رجوع کریں، اور ایک مزاج بنائیں اور ایک دھن پیدا کریں کہ وہ قادر مطلق جس کا ایک ادنیٰ سا اشارہ پاکر زمین جیسی مضبوط ترین مخلوق زیروزبر ہوکر رہ گئی اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، اس سے

ڈریں، اس کی نافرمانی سے بچیں، اس کی شریعت کو اپنا دستور العمل بنائیں، اس کے سامنے گریہ وزاری کریں، اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قہر وجلال گناہوں پر ہی برستا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد قوموں کا اور ان کے انبیاء کا تذکرہ کیا ہے، ہر جگہ ایک ہی مضمون ہے کہ جب لوگوں نے حد سے زیادہ سرکشی اور نافرمانی کی، تو عذاب کا کوڑا دنیا میں لگنے لگا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوْا الصَّخْرَ بِالْوَادِ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا، جو ارم میں تھے، بڑے ستونوں والے کہ ان جیسے لوگ شہروں میں نہیں پیدا ہوئے، اور ثمود کے ساتھ کیا کیا، جنھوں نے پہاڑیوں وادیوں میں چٹانیں تراش کر مکانات بنائے تھے، اور فرعوں کے ساتھ کیا کیا، جو بڑے لاؤلشکر والا تھا، یہ لوگ وہ تھے جنھوں نے اپنے اپنے ملکوں میں سر اٹھایا تھا اور ان میں بڑی خرابی پیدا کر رکھی تھی، پھر تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا، بلاشبہ تمہارا رب گھات میں ہے۔

سرکشوں اور شرپسندوں کے سلسلہ میں یہ ایک دائمی صداقت ہے، جس کو کبھی تاریخ جھٹلا نہیں سکتی، کہ جب شرارت بڑھتی ہے، ظلم کا پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے، قدرت کا قہر وغضب یکایک اترتا ہے اور آدمی تو آدمی ہے زمین کو تہ و بالا کر دیتا ہے، اور اسی پر بس نہیں ہے ہمیشہ کے لئے لعنت ان کے پیچھے لگ جاتی ہے، یہاں ڈوبتے ہیں تو جہنم میں نکلتے ہیں، اور وہاں کے ابدی عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بارے میں فرمایا ہے: مِمَّا خَطِیْئَاتِھِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْ نَاراً فَلَمْ یَجِدُوْا لَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللہِ اَنْصَاراً۔

ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں پانی میں غرق کیا گیا، پھر وہ جہنم میں داخل کئے گئے، پھر

انھوں نے اللہ کے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔

ایک ہی علاج ہے کہ ظلم سے باز آئیں، آپس کی نفرتوں اور عداوتوں کو مٹائیں، ایک دوسرے سے محبت کریں، قدرتی تازیانوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمارا وزیر اعظم کہتا ہے کہ ''ہم عہد کریں کہ آئندہ ایسا حادثہ نہ ہوگا'' اگر اخبار نے وزیر اعظم کی طرف یہ بات صحیح منسوب کی ہے، تو انھیں عہد کرنا چاہئے کہ وہ ملک کے باشندوں میں کسی کو دبانے اور کسی کو ابھارنے کا عمل بند کریں گے، سب کے حقوقِ شہریت یکساں ہیں، انھیں برقرار رکھیں گے۔ عبادت گاہوں کو توڑنا ایک ظالمانہ عمل ہے، ظلم کے ساتھ حکومت کی کشتی نہیں چلا کرتی، لیکن ہم جانتے ہیں کہ نہ وزیر اعظم میں یہ حوصلہ ہے اور نہ ان کی پارٹی میں اتنی وسعت ہے کہ اپنے علاوہ کسی کو برداشت کرلے، قدرتی عذاب ایک طرف اپنی پوری ہولنا کی کے ساتھ عبرت کا کوڑا بن کر برسا ہے، اور دوسری طرف کچھ لوگ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ ابھی تو ایک ہی جگہ ظلم ہوا ہے (اجودھیا اور بابری مسجد) ابھی اور بھی ظلم وتشدد کے نشانے ہیں جن تک انھیں پہونچنا ہے، کاش ظالموں کی آنکھیں کھلتیں، بہر حال یہ حادثہ اکیسویں صدی کا شدید ترین حادثہ ہے، اس سے سب کو سبق حاصل کرنا چاہئے، خواہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو۔

بالخصوص وہ لوگ جنھیں اللہ پر ایمان رکھنے کا شرف حاصل ہے، وہ اجتماعی طور پر اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کریں، وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، اطاعت وعبادت سے اسے راضی کریں، ان کا اشارہ ہوگا تو ہر نقصان کی تلافی ہوگی، اور اس ایمان وانابت اور استغفار واطاعت کی حالت میں موت آئے گی تو آخرت کی زندگی جو اصل زندگی ہے سنور جائے گی، کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہو، نہ بڑے بول بولیں، نہ کسی کی مصیبت پر خوشی محسوس کریں، اللہ کا غضب جہاں اترتا ہے تہس نہس کردیتا ہے۔ رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم إنک أنت الاعز الاکرم أللھم إنا نعوذبک من غضبک وعذابک یاارحم الراحمین۔ (ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ/فروری ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حوادث ومصائب کا سرچشمہ

گجرات میں اس صدی کا عظیم ترین تباہ کُن زلزلہ آیا، ہزاروں عمارتیں زیروزبر ہوگئیں، لاتعداد انسان اور حیوان لقمۂ اجل بن گئے، مال وزر کی بہت بڑی مقدار زیرزمین چلی گئی، ان سب کی گنتی اللہ ہی جانتا ہے، انسانوں کو انسانوں سے ہمدردی ہے، ساری دنیا کے انسان گجرات کی طرف امداد اور راحت کا سامان لیکر دوڑ پڑے، جس سے جو کچھ بن پڑتا ہے مدد کرنے کی کوشش کرتا ہے، انسانیت سے ہمدردی کا یہی تقاضا ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کی جائے، ان کے رنج وغم میں شریک ہوا جائے، اس طرح صدمہ ہلکا ہوجاتا ہے۔

ایک طرف یہ کام ہورہا ہے اور اچھا ہورہا ہے، گو کہ اس میں بدنیت افراد خرابیاں بھی پھیلا رہے ہیں، تاہم راحت رسانی کا کام ہورہا ہے، لیکن دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس زلزلہ کی توجیہات کی تلاش میں سرگرداں ہیں، زلزلہ کیوں آیا؟ کون کون سے علاقے زلزلے کی زد میں ہیں؟ کب کب زلزلہ آیا؟ کہاں کہاں آیا؟ بس یہی تحقیقات ہورہی ہیں اور ان تحقیقات کے نتائج اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔ عجیب بات ہے، عذابِ الٰہی کا ایک جھٹکا ایک بہت بڑے خطے کو زیروزبر کرگیا، اس سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے غافل انسان اس کی حقیقت اور ماہیت کی کھوج لگا رہا ہے، اور یہ کہہ کر مطمئن ہونے کی کوشش کررہا ہے کہ پہلے بھی بہت سے زلزلے آچکے ہیں اور زمین کے اندرونی حصے میں فلاں فلاں حرکتیں ہورہی ہیں، جن کے اثر سے وہ ہل جاتی ہے، پھٹ جاتی ہے، بس تحقیق ہوگئی اور کام ختم ہوگیا۔ انسان ان درمیانی مرحلوں میں کھوجاتا ہے، اور اس طرح کے حادثات سے جو سبق لینا چاہئے اس سے آنکھیں موند لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء کا، ان کی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَاَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے نہ ماننے پر وہاں کے باشندوں کی ہم نے سختی اور تکلیف میں گرفت کی تاکہ روئیں گڑگڑائیں، اور اپنی سرکشی سے باز آئیں، پھر ہم نے اس تکلیف اور عذاب کے بجائے اتنی بھلائی عطا کی، وہ راحت و آرام میں بہت بڑھ گئے اور کہنے کہ یہ دستورِ فطرت ہے، ہمارے باپ دادوں کو بھی مصیبت وراحت کا سامنا کرنا پڑا تھا، پھر ایسا ہوا کہ ہم نے انھیں ناگہانی طور پر پکڑا جس کا انھیں احساس تک نہ تھا۔

جاہلیت ہر زمانے میں یکساں رہی ہے، آج بھی جب ارادۂ الٰہی کوئی عبرت انگیز طمانچہ لگاتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے، غافل اور نادان انسان پچھلی تاریخ کریدنے لگتا ہے، اور یہ کہہ کر مطمئن ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، پہلے بھی ایسا بارہا ہوچکا ہے، یہ تو فطرت کا دستور ہے، اس لئے گویا چونکنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم خواہ کچھ کرتے رہیں ایسا ہی ہونا ہے، اس میں خدا کے قہر وجلال کا دخل نہیں ہے، حالانکہ اگر وہ تلاش کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ پچھلے مصائب وشدائد بھی کسی نہ کسی نافرمانی اور سرکشی پر تازیانۂ عبرت ہی تھے، پھر انسان جب سبق لینے سے انکار کرتا ہے تو قدرت کی طرف سے اچانک کوئی ایسی پکڑ آجاتی ہے کہ پھر زندگی کی ذرا بھی مہلت نہیں ملتی، موجودہ حوادث میں عبرت آموزی کا پورا سامان موجود ہے، مگر انسانوں کا رخ اللہ کی طرف ہونے کے بجائے کسی اور ہی طرف معلوم ہوتا ہے، جو لوگ مصائب کا شکار ہوئے ہیں وہ تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، مال ومتاع کھوچکے، آس پاس کی آبادیوں والے جو بچ گئے وہ سبق نہیں لے رہے ہیں، تبصرے کررہے ہیں، اخبار پڑھ کر، ٹی وی دیکھ کر اپنے معلومات میں اضافہ کررہے ہیں اور جو اصل کام ہے اس سے غافل ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرىٰ أَنْ يَّاتِيَهُمْ بَاسُنَا بَيَاتاً وَّهُمْ نَائِمُونَ o أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرىٰ أَنْ يَّاتِيَهُمْ بَاسُنَا ضُحىً وَّهُمْ يَلْعَبُونَ o أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللهِ فَلا يَامَنُ مَكْرَ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (کیا ان آبادیوں میں بسنے والے اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات میں اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہوں، یا کیا انھیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے، کہ ہمارا عذاب ان پر دن دو پہر آجائے جبکہ وہ کھیل کود میں مصروف ہوں، کیا وہ اللہ کی غیبی تدبیروں سے مطمئن ہو گئے، اللہ کی غیبی تدبیروں سے وہی مطمئن ہوتا ہے جو خسارے میں مبتلا ہو)

انسانو! دیکھو تمہارا مالک وخالق کیا کہہ رہا ہے؟ اس کو سنو! یہی سچی بات ہے، اس کے علاوہ سب سخن سازی ہے، دل کا بہلاوا ہے، اگلی داستانوں کو مت دیکھو، یہ دیکھو کہ داستان بار بار کیوں دہرائی جارہی ہے؟ یہ سبب اپنے سے باہر مت تلاش کرو، اپنے اندر تلاش کرو، مصائب وآفات کا سرچشمہ تمہاری بداعتقادیاں اور بداعمالیاں ہیں، زمینی حادثات کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں اور آسمانی فیصلوں کی بنیاد انسانی اعمال وخیالات بنتے ہیں۔

اور یہ جو کچھ ہورہا ہے، یہ اتفاقات نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادوں کارفرمائیاں ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيْباً مِنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاتِيَ وَعْدُاللهِ إِنَّ اللهَ لَايُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اور ہمیشہ یونہی ہوتا رہتا ہے کہ ان کفار کو ان کی کرتوتوں کی وجہ ایک نہ ایک صدمہ پڑتا رہتا ہے، یا ان کی قریبی آبادیوں میں عذاب اترتا ہے، اور یہ ہوتا ہی رہے گا، یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کا وقت آجائے، یعنی قیامت کا دن آجائے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے)

اللہ کے کلام کی صداقت آج بھی جگمگا رہی ہے، اس ملک نے اور اس کے باشندوں نے اعتدال وانصاف کی کوئی حد ایسی نہیں چھوڑی ہے جس کو پامال نہ کرڈالا ہو، اور کرتے ہی جارہے ہیں، پس اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف عذاب الٰہی کا کوڑا برس ہی جاتا ہے، مگر اس ملک نے اس سے کتنا سبق لیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَايَاتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (بندوں کے حال پر افسوس ہے، جب بھی

ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے، تو اس کے ساتھ مذاق کا معاملہ کرتے ہیں ) رسول آئے تو ان کے ساتھ مذاق کا معاملہ کیا گیا، اب یہ قدرتی طمانچے پڑتے ہیں انسان سنجیدہ نہیں ہوتا، سطحی اور بے مطلب باتیں بناتا ہے۔

أَوْ تَحُلُّ قَرِيباً مِنْ دَارِهِمْ کے سلسلے میں مشہور عالم دین، مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

"آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جس قوم اور جس بستی کے قرب وجوار میں کوئی عذاب یا آفت ومصیبت آتی ہے تو اس میں اللہ جل شانہ کی یہ حکمت بھی مستور ہوتی ہے کہ آس پاس کی بستیوں کو تنبیہ ہو جائے اور وہ دوسروں سے عبرت حاصل کر کے اپنے اعمال درست کر لیں، تو یہ دوسروں کا عذاب ان کے لئے رحمت بن جائے، ورنہ پھر ایک دن ان کا بھی وہی انجام ہونا ہے جو دوسروں کا مشاہدہ میں آیا۔

آج ہمارے ملک میں، ہمارے قرب وجوار میں روز روز کسی جماعت، کسی بستی پر مختلف قسم کی آفتیں آتی رہتی ہیں، کہیں سیلاب کی تباہ کاری، کہیں ہوا کے طوفان، کہیں زلزلہ کا عذاب، کہیں کوئی اور آفت، قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہ صرف انھیں بستیوں اور قوموں کی سزا نہیں ہوتی، بلکہ قرب وجوار کے لوگوں کو بھی تنبیہ ہوتی ہے، پچھلے زمانہ میں اگر چہ علم وفن کی ٹیپ ٹاپ نہ تھی مگر لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف تھا، کسی جگہ اس طرح کا کوئی حادثہ پیش آجاتا تو خود وہ لوگ بھی اور اس کے قرب وجوار والے بھی سہم جاتے، اللہ کی طرف رجوع کرتے، اپنے گناہوں سے تائب ہوتے، استغفار، صدقہ وخیرات کو ذریعۂ نجات سمجھتے، اور آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا تھا کہ ان کی مصیبتیں بڑی آسانی سے ٹل جاتی تھیں، آج ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی یاد نہیں آتا اور سب کچھ یاد آتا ہے، دنیا کے عام غیر مسلموں کی طرح ہماری نظریں بھی صرف مادی اسباب پر جم کر رہ جاتی ہیں، مسبب الاسباب کی طرف توجہ کی اس وقت بھی توفیق کم لوگوں کو ہوتی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس طرح کے مسلسل حوادث ہیں جن سے دنیا ہمیشہ دوچار رہتی ہے۔ (ج:۵،ص:۲۰۶)

بڑی ہی سخت بات ہے کہ اللہ کی طرف سے تنبیہ ہو، اور انسان پھر بھی ہوشیار نہ ہو،

سائنس دانوں نے زمین میں پلیٹیں تو دیکھ لیں جو سرک رہی ہیں، ان کے سرکنے کی مقدار کو بھی ناپ لیا، لیکن جو ذات ان پلیٹوں کو سرکا رہی ہے، پھر انھیں ٹکرا رہی ہے اس کو نہیں جانتے، اس سے آنکھیں بند کئے ہیں، سائنس کے مارے ہوئے لوگ آنکھیں بند کریں یا کھولیں، جن کی آنکھیں اللہ کی طرف کھلی ہوی ہیں، جنھیں ایمان نصیب ہے وہ کیوں زبردستی آنکھیں بند کرتے ہیں؟

ایمان والو! تمہارا ایمان واعتقاد اور تمہارے اعمال واحوال آسمانوں کے فیصلے بن جاتے ہیں، تمہاری درستگی ہو جائے تو دنیا کو عارضی ہی سہی مگر بہت راحت مل جائے گی۔

**فاعتبروا یا اولی الابصار**

(مارچ ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دخل در معقولات

کچھ دنوں پہلے اخبار ''راشٹریہ سہارا'' میں ایک مراسلہ نظر سے گذرا، جس میں کسی صاحب نے چرمِ قربانی کے سلسلہ میں علماء کرام کو للکارا ہے، کہ وہ قربانی کے بارے میں صحیح موقف سے آگاہ نہیں کرتے، سال بھر پہلے اسی اخبار میں سوال اٹھایا گیا تھا مگر علماء نے کوئی جواب نہیں دیا، اور بھی بہت کچھ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ اللہ جانے اخبار میں مراسلہ شائع کر کے لوگ کیا تیر مار لیتے ہیں، یہ تو اپنی بے علمی کی نمائش ہے۔ چرم قربانی کا مسئلہ کوئی پیچیدہ اور لاینحل تو نہیں ہے کہ اس کو اخبارات میں موضوع بحث بنایا جائے۔ سیدھی سادی بات یہ تھی کہ اگر کسی صاحب کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہے تو کسی معتبر عالم کے یہاں سوال لکھ کر بھیج دیں، وہاں سے جواب آجائے گا، اس کا یہ طریقہ سرے سے غلط ہے کہ اخبار میں مراسلہ چھاپ کر انتظار کیا جائے کہ علماء اس کا جواب دیں گے، جو لوگ تدریس وفتاویٰ کے کام میں مشغول ہیں ان کو ان مراسلات کے پڑھنے کا موقع ہی کب ملتا ہے، اور ان کے ذمہ یہ کب ہے کہ وہ اخبار ضرور ہی پڑھیں؟ اور جو کسی نے سوال اٹھایا ہو اس کا جواب ضرور دیں؟ ان سے براہ راست سوال کیجئے، وہ اگر نہ جواب دیں تب البتہ ایک بات ہے، ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اسی طریقہ سے اس کو کرنا چاہئے۔

اور یہ جو عرض کیا گیا کہ چرم قربانی کا مسئلہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ اس کو اخبارات میں موضوع بنایا جائے، تو درحقیقت یہ ایک سیدھی بات ہے کہ چرم قربانی کا مالک وہی ہے جس نے قربانی کی ہے، اس کا صدقہ کرنا اس کے ذمے واجب نہیں ہے، اسے اختیار ہے، خود اپنے استعمال میں لائے یا کسی کو دیدے۔ ہاں اسے بیچ کر اس کی قیمت اپنے

مصرف میں نہیں لاسکتا ہے، قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، بالکل وہی مسئلہ ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے، لیکن اگر اسے بیچے گا تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، دوسرے کو دیدیا تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، دوسرا اسے فروخت کرے یا اپنے پاس رکھے، اس کے حق میں وہ ہدیہ ہوگیا۔ بس اتنی سی بات ہے، مگر شاید یہ بات گراں گذرتی ہو کہ عموماً عربی مدارس والے بطور چندہ کے وصول کر لیتے ہیں اور وہ اسے فروخت کرکے مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرتے ہیں۔ شاید یہ بات کچھ لوگوں کے لئے باعث تکلیف ہو کہ اسے علماء مدارس کے واسطے کیوں لے لیتے ہیں، اگر یہ بات ہے تو انھیں سوچنا چاہئے کہ مدارس قوم کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، دینی تعلیم کا سارا انحصار انھیں مدارس پر ہے، اور انھیں سے مسلم قوم کی شناخت باقی ہے، یہ نہ رہیں تو ''رام دھن'' اور ''عبداللہ'' میں فرق مٹ جائے گا، تو اگر قربانی کی کھال ایک اچھے مصرف میں لگ جاتی ہے تو اس سے مطمئن ہونا چاہئے نہ کہ ناخوش!

ایک صاحب نے رائے دی کہ قربانی کی کھال فروخت کرکے اسے گجرات کے مصیبت زدگان کو بھیج دیا جائے۔ مصیبت زدوں کی مدد بہت اچھا کام ہے، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ جب قربانی کا مالک اسے بیچے گا تو یہ رقم واجب التصدق ہوجائے گی، اسے کسی غیر مسلم کو نہیں دیا جاسکتا، تو چرم قربانی کی رقم بھیج کر کتنی احتیاط کریں گے، دوسرے یہ کہ ان ہنگامی مصیبت زدوں کے لئے تو ساری دنیا سے اتنی امداد آرہی ہے کہ انھیں از سر نو پورے طور سے آباد کیا جاسکتا ہے، حکومت سے کہئے کہ اس آنے والی امداد کا صحیح انتظام کرائے، وہاں تو ایسا سنا جاتا ہے کہ امداد تقسیم کرنے والے مالدار ہوتے جارہے ہیں اور جو مستحق ہیں ان کے آنسو بھی نہیں پُنچھ رہے ہیں۔ مدارس عربیہ کی امداد اوران کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے تو بس یہی محدود رقم زکوٰۃ کی، صدقہ وخیرات کی اور چرم قربانی کی ہوتی ہے، اس کو اُدھر بھیج کر کیا چاہتے ہیں کہ مدارس بند ہوجائیں، اور یہ عبادت والی رقمیں ایسے ہاتھوں میں منجمد ہوجائیں، جن کی غرض زراندوزی کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ایسی

باتیں ظاہر ہوتی ہیں تو افسوس ہوتا ہے، ان مدارس کی مدد کرو، خدانخواستہ اگر اس ملک میں یہ نہ رہے تو نہ آپ کے ایمان کی خیر ہے نہ جان کی!

☆☆☆☆☆

# ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ایک بات سننے میں آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ اخبار ’’آواز ملک‘‘ میں یہ بات اٹھائی گئی ہے کہ حجاج کرام کے لئے ہوائی جہاز کے کرائے میں حکومت جو رعایت دیتی ہے، یعنی ان کے لئے ہوائی جہاز کے اصل کرائے سے بہت کم، غالباً آدھے سے کچھ زیادہ کرایہ متعین کیا جاتا ہے، اور باقی کرایہ کی رقم گورنمنٹ اپنے خزانے سے ادا کرتی ہے، جس کو اصطلاح میں ’’سبسڈی‘‘ کہتے ہیں۔ غالباً سعودیہ عربیہ کے حوالے سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، حاجی پر جو حج فرض ہوتا ہے، اپنی رقم پر فرض ہوتا ہے، اس میں گورنمنٹ کی دی ہوئی رقم کا دخل نہیں ہونا چاہئے، اور حج ایک عبادت کا سفر ہے، گورنمنٹ کا مال نہیں شامل کرنا چاہئے، معلوم نہیں اس کی آمدنی حرام ہے یا حلال؟ اس سوال کو معلوم کرکے بس یہ کیفیت ہے کہ ؎

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

ایک طرف تو یہی سوال اٹھا کر علماء کو للکارنے والے، علماء پر اتہام رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ طرح طرح سے اپنے عوام کی مدد کرتی ہے، ان مولویوں کو خبر ہی نہیں ہوتی ورنہ حکومت کی مدد سے مدارس اور مقابر وغیرہ کے بہت سے کام ہو سکتے ہیں، وہاں انھیں خیال نہیں ہوتا کہ وہ رقم حلال ہے یا حرام، اور دوسری طرف ایک ایسی مدد جس کی عام طور پر بیشتر حجاج کو خبر بھی نہیں ہوتی، اس کے جائز و ناجائز ہونے کو آسمان پر اٹھا رہے ہیں۔

ایک حاجی کو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز کا کرایہ اتنا ہے، اسے عموماً خبر نہیں ہوتی کہ اصل کرایہ کتنا ہے اور اس میں سے کتنا گورنمنٹ ادا کرتی ہے، بات یہ ہے کہ

ہوائی جہاز کی سروس گورنمنٹ کا ایک ادارہ ہے، اور گورنمنٹ اپنے انتظام میں ملک کے اندر اکثر اور ملک کے باہر تو تمامتر وہی سفر کراتی ہے، اسے اختیار ہے کہ جس کے لئے جتنا چاہے مقرر کرے، طلبہ کے لئے ملک کے اندر ریلوے سفر کا کرایہ آدھا ہو جاتا ہے، گورنمنٹ اس متعلقہ ادارہ کی کمی کو اپنے کسی اور خزانے سے پورا کرلے تو اس کا کوئی تعلق سفر کرنے والے سے نہیں، سفر کرنے والے کے ذمہ جتنا کرایہ ہے حج کی فرضیت اس کے حساب سے ہوگی، وہی اس کا اصل کرایہ ہے، باقی دوسروں سے کیا لیا جاتا ہے اس کی کوئی ذمہ داری اس پر نہیں ہے، اس لئے عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی تاجر کا عام ریٹ مثلاً کوئی ہے، لیکن اس نے غرباء ومساکین کے لئے طے کر دیا ہے کہ ان سے نصف قیمت لی جائے، لیکن دکان کا حساب پورا کرنے کے لئے باقی رقم وہ اپنے کسی دوسرے فنڈ سے ادا کر دیتا ہے۔ یہی حال یہاں ہے کہ حجاج سے کرایہ کی ایک خاص رقم جو دوسروں کے کرایہ سے کم ہے، گورنمنٹ نے مقرر کر دی، اس کی وجہ سے جو کمی واقع ہو رہی ہے اس کو گورنمنٹ نے اپنے کسی فنڈ سے ادا کر دیا تو اس میں ہیرا پھیری کا جو بھی مسئلہ ہے اس کا تعلق گورنمنٹ سے ہے حاجی سے نہیں۔ اس طرح کے مسائل کو اخبار میں اچھالنے سے پہلے علماء سے تحقیق کرنی چاہئے، یہ بڑی بے دانشی کی بات ہے کہ تحقیق سے پہلے ہی چیلنج اور ملامت کا انداز اختیار کر لیا جائے، یہ قوم کے اور ملک کے حق میں بھلائی نہیں بلکہ مشکلات پیدا کرنا ہے۔

اخباری اہل قلم کی غیر ذمہ داری ملاحظہ ہو، آواز ملک کے اداریہ نگار نے بلند آہنگی کے ساتھ فتویٰ صادر کیا ہے کہ جن لوگوں نے سرکاری سبسڈی کے ماتحت حج کیا ہے، کسی کا حج گناہ سے خالی نہیں ہوا، غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کا حج ہی نہیں ہوا، اور دلیل کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، اور اللہ کے واسطے لوگوں پر حج فرض ہے، جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس کا مطلب اداریہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ اپنی جائز اور حلال کمائی سے جس کے پاس اتنی رقم جمع ہو کہ وہ جا سکے اور آ سکے، اور اس درمیان اپنے گھر والوں کے خرچ کا انتظام کر سکے، بس اسی کے لئے حج جائز

ہے، قرض لے کر یا کسی حکومت وغیرہ کی مدد سے حج کرنے گیا تو اس کا یہ عمل غیر شرعی اور ناجائز ہے۔

قرآن کریم اور اسلام پر یہ فتویٰ کتنا بڑا ظلم ہے، بس کیا کہا جائے، قلم ہر ایک کے ہاتھ میں ہے، جس کا جو جی چاہے لکھ مارے۔ اس آیت میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، جو شخص مذکورہ بالا استطاعت رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ حج کے لئے جائے، یہ بات نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ قدرت و استطاعت ہو حج میں جانا اسی کے لئے جائز ہو اور اگر نہ ہو تو حج میں جانا جائز ہی نہیں۔ حج کا فرض ہونا دوسرا مسئلہ ہے، اور حج کا جائز ہونا دوسرا مسئلہ ہے، یہ تو اور اندھیر ہے کہ صرف اپنی ہی کمائی سے جانا جائز ہے، تب تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ثروت انسان کسی دوسرے کو اپنے ساتھ اپنے خرچ سے حج میں لے جانا چاہتا ہے یا بھیجتا ہے، تو یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ وہ اپنی کمائی سے نہیں جا رہا ہے، حالانکہ اگر کوئی یہ فتویٰ دے تو بالکل غلط ہے، ہاں جائز آمدنی والی بات معقول ہے۔

اداریہ نگار کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے، اس سے توبہ و معذرت کرنی چاہئے، سبسڈی کی حقیقت واضح کی جا چکی ہے۔ (اپریل ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ماہنامہ ضیاء الاسلام (والاسلام) کے اجراء کی داستان

رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں جامعہ عربیہ انوار العلوم جہانا گنج، ضلع اعظم گڈھ سے ماہنامہ انوار العلوم کا اجرا ہوا تھا، جو سال بھر تک پابندی سے نکلا، علماء و مشائخ نے بھی اور عام قارئین نے بھی بہت پسند کیا، مگر بارہ شمارہ نکلنے کے بعد وہ بند ہو گیا۔ دوبارہ اسے محرم ۱۴۲۰ھ میں شروع کیا گیا، ابھی پانچ شمارے نکلے تھے کہ وہ پھر التوا میں پڑ گیا، اس کے بعد اس کے مدیر محترم مولانا عبد الرب صاحب اعظمی سے اجازت لے کر اس کا نقش ثانی مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڈھ سے بنام ''الاسلام'' جاری کیا گیا، جس کے بحمد اللہ اٹھارہ شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں، الحمد للہ یہ بھی مقبول خاص و عام ہو رہا ہے، اس کے ڈکلیریشن کی درخواست حکومت کے متعلقہ شعبے کو دی گئی، تو بجائے ''الاسلام'' کے ماہنامہ ''ضیاء الاسلام'' شیخوپور کی منظوری ملی۔ قارئین کے ہاتھوں میں ماہنامہ ''ضیاء الاسلام'' کا پہلا شمارہ حاضر ہے، جنوری سے جون تک چھ شمارے ''الاسلام'' کے اور جولائی سے دسمبر تک چھ شمارے ''ضیاء الاسلام'' کے، اس طرح بارہ شماروں کی ایک جلد ہو جائے گی ۲۰۰۲ء کے آغاز سے اس کی دوسری جلد شروع ہو گی جو بارہ شماروں پر مکمل ہو گی۔ اسی طرح انشاء اللہ سال بسال نظام رہے گا، قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو استقامت بخشیں۔ آمین

آئندہ ماہ سے رسالہ میں چند عنوانات مستقل ہوں گے، جن کے تحت مضامین شائع کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ

(۱) آغاز سخن: جس میں مختلف اور متنوع موضوعات پر ادارہ کی جانب سے اظہار خیال ہو گا۔

(۲) ضیاء القرآن اور ضیاء السنۃ: ان دونوں عنوانوں میں سے کسی ایک یا دونوں کے

لئے چند صفحات مختص ہوں گے، اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ ان دونوں موضوعات پر اپنے رشحات قلم سے رسالہ کو نوازیں۔

(۳) علمی ودینی اور اصلاحی مقالات۔

(۴) قندمکرر: اس عنوان کے تحت اکابر سلف کے مضامین یا ان کے ترجمے یا ان کی تلخیص پیش کی جائے گی۔

(۵) ملفوظات: حضرات اکابر کے ملفوظات وحکایات جس سے ایمان میں تازگی پیدا ہو، اعمال کا شوق اوران کی رغبت بیدار ہو، انھیں نقل کیا جائے گا۔

(۶) استفسار وجواب: اس عنوان کے تحت فتاویٰ، قارئین کے علمی ودینی سوالات کے جواب اوراشکالات کے حل پیش کئے جائیں گے۔

(۷) جدید مطبوعات پر تبصرے

یہ ایک خالص دینی رسالہ ہے، جوایک دینی مدرسہ کا ترجمان ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح دینی علم پھیلے، معاشرہ کی اصلاح ہو، باطل نظریات وخیالات کا احتساب ہو، حق کی روشنی عام ہو، قرآن وسنت کا نور غالب ہو۔ ادارہ کے ذمہ دار اللہ کے حضور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جادۂ حق پر استقامت بخشیں، شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، اسے مسلسل جاری رکھیں، تمام مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائیں، اسے دین کا سچا خدمت گار بنائیں، اوراپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرمائیں۔

ایں دعا ازمن از جملہ جہاں آمین باد

حضرات قارئین بھی دعا فرمائیں، اوراس کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش کریں۔

(جولائی ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اقتصادی بدحالی اور اس کا حل

کچھ دنوں پہلے کی بات ہے، ایک صنعتی جگہ میں کوئی غیر مسلم سرکاری عہدیدار آیا، وہ لوگوں کے احوال معلوم کررہا تھا، جن کے درمیان وہ تھا، وہ سب مسلمان تھے، ان لوگوں نے اقتصادی بدحالی کی شکایت کی اور بتایا کہ معاشی کاروبار ٹھپ پڑا ہوا ہے، لوگ مالی مشکلات میں بہت زیادہ مبتلا ہیں، اس پر اس غیر مسلم نے جو کچھ کہا، اس کا خلاصہ یہ تھا:

"آپ لوگوں پر تو اس کاروباری پریشانی کا کوئی اثر نہیں، سنیما کی کھڑکیوں پر آپ لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، کہیں مشاعرہ ہوتا ہے تو لاکھوں لاکھ کی رقمیں آپ لوگوں کے جیب سے نکلتی ہیں، ناچ گانا ہو تو آپ لوگ دور دور سے پہونچ جاتے ہیں، غرض فضول خرچی بلکہ گناہ کے کاموں میں آپ لوگ بہت آگے رہتے ہیں، پھر مالی مشکلات کی کیا شکایت ہے، ہم تو جب جانتے کہ آپ لوگ کاروباری اعتبار سے پریشان ہیں، جب آپ ان جگہوں میں نظر نہ آتے، روپئے احتیاط سے خرچ کرتے، لیکن کیا ایسا ہوتا ہے؟ ہم تو نہیں دیکھتے۔

یہ اس غیر مسلم کا مسلمانوں کے منہ پر غیرت کو للکارنے والا ایک زوردار طمانچہ ہے، لیکن کیا ہماری قوم کو حیا آئی؟ کیا انھیں غیرت آئی، انھوں نے اپنی زندگی کے پروگرام میں کوئی تبدیلی پیدا کی؟

بے شک لوگ کاروباری اعتبار سے پریشان ہیں، معاشی مسائل ایسے غیر یقینی احوال کے شکار ہیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ بڑا تاجر ہو یا معمولی صنعت کار، مستقبل اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ ہر شخص کی زبان شکایت کے کلمات سے آلودہ ہے، کوئی حکومت کو برا بھلا کہہ رہا ہے کہ اس کی غلط پالیسیوں نے کاروبار کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کردیا ہے، بلاشبہہ یہ بھی

صحیح ہے کہ حکومت کی نیت وعمل دونوں غلط ہیں، تاہم کیا ہمارے تبصروں، کچھ لوگوں کے احتجاجوں اور ہڑتالوں سے یہ پالیسیاں صحیح ہوجائیں گی۔

ہر مسلمان جانتا ہے بلکہ کافر بھی جانتا ہے کہ روزی اور مالداری وغربت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے ہے۔ اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَاءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ لَهٗ، اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہیں روزی کشادہ کردیتے ہیں، اور جس کیلئے چاہیں تنگ کردیتے ہیں۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اقتصادی پابندی کی منصوبہ بندی کرنے والوں کے سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ: وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰكِنَّ الۡمُنَافِقِیۡنَ لَا یَفۡقَھُوۡنَ ،اور اللہ ہی کی ملکیت میں زمین وآسمان کے تمام خزانے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے۔

بے شک منافقین اس بات کو نہیں سمجھتے کہ زمین وآسمان کے تمام خزائن اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ان کی حکمت ومصلحت جب تقاضا کرتی ہے، بندوں کے درمیان اسے تقسیم فرماتے ہیں: وَإِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ إِلَّا عِنۡدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ، اور ہر چیز کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں، اور ہمیں انھیں ایک متعین اور معلوم مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ یہ بات منافقین کی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ایمان ویقین کی سعادت رکھتے ہیں وہ بھی انجان بن جاتے ہیں، ان کے احوال وآثار سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے اس موٹی اور بدیہی ایمانی بات کو وہ بھی نہیں جانتے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے، جس کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جس چیز کا جو مالک ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ صاحب قدرت واختیار ہو، اس سے لڑکر، اس کو ناراض کرکے وہ چیز نہیں حاصل کی جاسکتی، اس کا ایک ہی راستہ متعین ہے کہ اسے راضی کیا جائے، کسی ڈھب سے اسے خوش کیا جائے، جبھی وہ چیز مل سکتی ہے، روزی اور کاروبار کو نہ کسی حکومت کی پالیسی نے ٹھپ کیا ہے، اور نہ کسی قوم نے، یہ تمام تر اسی مالک ومولیٰ کی مشیت ہے جس نے اعلان فرمایا ہے اور بار بار

اعلان فرمایا ہے کہ زمین وآسمان اور اس کے تمام خزائن اس کے ہاتھ میں ہیں، اسی مالک نے ارادہ فرمایا اور کاروبار مندا پڑ گیا، پھر جب وہی ارادہ کرے گا تو کاروبار کھلے گا۔

ایسے حالات میں کیا یہی کرنے کے کام ہیں کہ، اللہ کا نام لینے والے مشاعرے کرائیں اور ان پر اپنی جان اور مال خرچ کریں، شاعروں کے پیچھے دوڑیں، وہ شاعر جن کے پیچھے دوڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْن، اور شاعر ان کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جو گمراہ ہیں۔ کیا یہی کام رہ گیا ہے کہ مشاعروں کی راہ میں مسلمان اپنی جیبیں خالی کریں، مسلمانوں کا سرمایہ دار اس میں بھاری چندے دے، اور کیا مسلمان نوجوانوں کے لئے یہ مشغلہ رہ گیا ہے کہ کاروبار مندا ہو گیا ہے، معاشی کام بند پڑا ہے، تو لاؤ کھیل کے میدان کو سجائیں، غول کے غول اچھل کود کریں، کرکٹ یا فٹ بال یا والی وال میں اپنے قیمتی اوقات کو اپنے دل و دماغ کو ضائع کریں، کچھ کھیلنے والے، ان سے زیادہ کھیل کود یکھنے والے، صرف تھوری دیر تفریح کے لئے نہیں، تازگی طبع کے لئے نہیں، مستقل مشغلہ بنا کر کھیل کود میں اپنے معاشرہ کو تباہ کریں، سنیما گھروں کو رونق ان سے ہو، کیا یہی کام رہ گیا ہے، اور اگر یہ نہیں تو آپسی لڑائی جھگڑے، ایذا رسانیاں، بدخواہیاں وغیرہ کریں، کیا یہی وہ کام ہیں جن سے بند پڑا ہوا کاروبار کھل جائے گا، روزی کے بند دروازے وا ہو جائیں گے، تباہ ہوتی ہوئی معیشت آباد ہو جائے گی، کیا انھیں مشغلوں سے خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ کا مالک خوش ہو جائے گا اور وہ خزانوں کو ہم پر انڈیل دے گا، کلاثم کلا، کبھی نہیں! ہرگز نہیں!

تو اے مسلمانو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ کیا سربلندی کا راز اسی میں ہے؟ اگر نہیں تو خدارا بتاؤ کہ ہمارا یہ راستہ کن لوگوں کا راستہ ہے، کیا یہی نبی کا راستہ ہے، کیا اسی پر اللہ کے آخری پیغمبر نے ہم کو چلایا تھا؟ کیا نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں جب آفات کی یلغار ہوتی تھی، تو وہاں بھی یہی طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔

کام یہ نہیں ہیں، کام یہ ہے کہ تباہی کے ان حالات میں آدمی سنجیدہ ہو جائے، اپنی

غلطیوں کا احتساب کرے، کاروبار میں آدمی ایمان داری اور دیانت کو اختیار کرے، حال یہ ہے کہ معاشی مشغلہ اختیار کرنے والا ہر طبقہ بے عنوانیوں کا شکار ہے۔ کوئی بھی تجارت اور کوئی بھی صنعت، کوئی کاروبار ایسا نہیں ہے جس میں مختلف قسم کی بددیانتیوں کا عمل دخل نہ ہو، کیا وہ سرمایہ دار طبقہ ہو، کیا وہ مزدور طبقہ ہو، اور کیا وہ ملازم پیشہ طبقہ ہو، جس کو جتنا اور جہاں موقع ملتا ہے، خوفِ خدا سے بے نیاز ہوکر اپنی ظاہری منفعت کو اختیار کرتا ہے، یہ کاروباری بددیانتی جب اجتماعی شکل اختیار کرلیتی ہے تو اللہ کا فیصلہ بدلتا ہے، گناہ کی کثرت اور اس پر توبہ وندامت کا نہ ہونا کاروبار کو فیل کردیتا ہے، یہ بددیانتی وہ ہے جس کی تلافی نفل نمازوں سے بھی نہیں ہوتی، لیکن آہ! کہ ہم نفل نماز کا نام کیا لیں، یہاں تو فرائض غفلت کی نذر ہیں، یہ اور ایک معصیت ہے، اور بڑی مصیبت ہے کہ اسلام کا نام لینے والا اپنے ہی ہاتھوں اسلام کی بنیاد کھود رہا ہے، مسجدیں شاندار بن گئی ہیں، مگر نمازی نہ رہے، بالخصوص فجر کی نماز سے تو وہ غفلت ہے کہ ہر مسجد روتی ہے، یہی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کی جناب سے روزی کے، صحت کے، مغفرت کے، فیصلے ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں خدا سے چاہنے والا خواب غفلت میں پڑا رہتا ہے، بھلا اس کا بھلا کیسے ہوگا؟

اس اقتصادی بدحالی اور کاروباری پریشانی کا علاج یہ ہے کہ ہر شخص اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلے، بالخصوص وہ گناہ جس کا ضرر بندوں پر پڑتا ہے، جیسے بددیانتی، بے ایمانی، جھوٹ، جھوٹا وعدہ، ناجائز ملاوٹ، لین دین میں دھوکہ، قرض لے کر بے فکر ہوجانا، احسان کرکے جتلانا یا احسان لے کر نمک حرامی کرنا، ان سے سچی توبہ کرے، انھیں ترک کرے، بقدر امکان اس کی تلافی کرے، فرائض کی پابندی کرے، رات کے آخری حصے میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گریۂ وزاری کرے، حساب کرکے پائی پائی کی زکوٰۃ ادا کرے، پھر انشاء اللہ حالات بدلتے دیر نہیں لگے گی، ہاں گناہوں اور فضول خرچی میں مال برباد نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عافیت نصیب فرمائیں۔ (اگست ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# الیکشن کا موسم

ہندوستان میں ایک بار پھر الیکشن کا ہنگامہ گرم ہونے والا ہے۔ یہ ہنگامہ آئے دن گرم ہوتا رہتا ہے، موسم پر بھی اور بے موسم بھی، یہ ہنگامہ جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو حکومتیں بنتی ہیں، ان کے بننے میں بھی بڑی کشمکش، آویزش اور ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، کچھ مدت اس میں صرف ہوتی ہے، پھر کچھ دن حکومت کے در و بست کے درست کرنے میں صرف ہوتے ہیں، ان میں بھی چین کے دن کم ہی ملتے ہیں۔ پھر اچانک معلوم ہوتا ہے کہ الیکشن کا ناچ دوبارہ شروع ہونے والا ہے۔ انھیں طوفانی موجوں میں ہندوستانی عوام کی ناؤ، کاروباری ناؤ، سکون و اطمینان کے انتظار کی ناؤ، آپسی تعلقات کے بناؤ کی ناؤ، تہ و بالا ہوتی رہتی ہے۔ پھر اسی ہنگامہ کی خبر گرم ہے، حکومت و اقتدار کے لئے کچھ نئے کچھ پرانے ہتھیار بنائے اور تیز کئے جا رہے ہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ اس تیز و تند طوفان کی تہ سے کیا چیز باہر آئے گی۔ کاش کوئی معقول، کوئی نیک نیت اور خلوص سے ملک کی اور عوام کی خدمت کرنے والی حکومت آتی، گو کہ آثار ایسے نظر نہیں آتے، نہ ارباب، حکومت کے احوال پُر امید ہیں اور نہ عوام کے حالات درست ہیں۔

حکومت کی بدنیتی کا حال تو سب کو معلوم ہے، اور اس کے آثار بھی ملک بھر میں نمایاں ہیں، حکومت جب خوش نیت ہوتی ہے تو رعایا آسودہ اور خوشحال ہوتی ہے، آسمان اور زمین کی برکتیں کھل جاتی ہیں، اور حکومت بدنیت ہوتی ہے تو عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور بے چینی ہوتی ہے۔ زمینی آفات، آسمانی بلائیں سب گھیرتی ہیں، حکومت کی نیت کا اثر پورے ملک پر پڑتا ہے، زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

''اخلاق محسنی'' فارسی کی ایک کتاب ہے، جو پہلے عام طور سے مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل تھی۔ اس میں مصنف نے ایک سبق آموز واقعہ نقل کیا ہے: کوئی بادشاہ شکار کے لئے نکلا، جنگل میں اپنے ایک وزیر کے ہمراہ شکار کی تلاش میں دور تک نکلتا چلا گیا، پیاس لگی تو پانی کی تلاش میں ایک گاؤں کے کنارے پہونچ گئے، ایک بوڑھا کسان گنے کا رَس کولھو کے ذریعہ نکال رہا تھا، بادشاہ نے پانی مانگا، بوڑھا یہ تو نہ جان سکا کہ یہ کون لوگ ہیں لیکن چہرے بشرے سے تاڑ گیا کہ بڑے لوگ ہیں، اس نے اپنی حیثیت کے مطابق عزت واکرام سے بیٹھایا اور ایک گنّا کولھو میں لگایا، اور ایک بڑے پیالے میں اس کا رَس بھر کر حاضر خدمت کیا، بادشاہ نے دیکھا کہ ایک گنے سے اتنا زیادہ رَس نکلا ہے تو اس نے دل میں خیال کیا کہ میرے ملک میں کسان بہت خوشحال ہیں، خوشحالی کے لحاظ سے ان پر ٹیکس کم لگایا گیا ہے، اسے بڑھانا چاہئے، یہ سوچ رہا ہے اور رس پی رہا ہے۔ اس کے بعد وہ بوڑھا پیالہ لے کر لوٹا کہ اب دوسرے ساتھی کے لئے رَس نکالے، اب کے اس نے کئی گنے کولھو میں لگائے تب پیالہ بھر کر رَس نکلا، اس نے پیالہ حاضر کیا، بادشاہ اسے بھی دیکھ رہا تھا، اسے تعجب ہوا، اس نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ پہلے ایک ہی گنے سے اتنا رس نکلا کہ پیالہ بھر گیا اور اب جانے کتنے گنے تم نے لگا ڈالے تب پیالہ بھرا، کہنے لگا کہ وجہ تو اللہ ہی جانے، کھیت وہی، بیج وہی، گنا وہی، پھر اللہ ہی جانے اتنا فرق کیوں ہوا؟ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کی نیت خراب ہوگئی ہے، بادشاہ کو ایک زوردار طمانچہ لگا، اس نے اپنا ارادہ تبدیل کرلیا، اور پھر اس سے ایک پیالہ رس مانگا، اب کے پھر وہی ایک گنا اور وہی پیالہ رس سے لبالب! بادشاہ نے پھر اپنا سوال دہرایا کہ اب کیا حال ہے؟ بولا حضور معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کی نیت درست ہوگئی ہے۔

یہ محض ایک قصہ نہیں ہے سراپا حقیقت اور پکی صداقت ہے، تمام آسمانی کتابیں، سارے جہاں کی تاریخ اس کی شاہد ہے، یہ واقعہ جیسے کل سچا تھا آج بھی سچا ہے، حکومتوں کے ارادے کہاں کہاں تک اثر انداز ہوتے ہیں، اس کا ایک نمونہ اس مثال میں موجود ہے،

اندازہ کرنے والے اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں۔

اب عام پبلک کی بات سنئے ! ان کے حالات کا مشاہدہ کیجئے تو ہر شخص کا حال عجیب نظر آئے گا۔ خودغرضی، مفاد پرستی، جتنا بس چل سکے دوسروں کو دبانا، طاقت کے بقدر ظلم وغیرہ، ایک عجیب افراتفری کا عالم ہے، اس حالت میں کیا توقع خیر کی ہو سکتی ہے، اور کیا امید کی جا سکتی ہے کہ اس الیکشن کے طوفانِ بلاخیز سے کوئی اچھی حکومت ابھر سکتی ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے ظالم حکمراں نے شکایت کی، تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ دو یار ہم سفر تھے، ایک نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سلطنت عطا فرمائے تو ایسا عدل وانصاف کروں اور جود وکرم کی وہ داد دُوں کہ کبھی کسی نے سنا بھی نہ ہو۔ دوسرا بولا کہ اگر میں بادشاہ ہو جاؤں تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کیا کروں، اور ایسے ایسے ظلم ایجاد کروں کہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ گزرے ہوں ! خدا کی قدرت ! کچھ مدت کے بعد وہ ظلم دوست آدمی صاحب تخت وتاج ہو گیا اور اپنے ارادہ ومنشا کے مطابق اس نے ایسے ایسے ظلم شروع کئے کہ تمام ملک میں شورِ قیامت برپا ہو گیا۔ اتفاقاً وہ عدل پسند یار بھی وہاں آنکلا، لوگوں نے اس کے روبرو واویلا کی کہ صاحب ! بادشاہ آپ کا قدیم دوست ہے، کچھ تم ہی سمجھاؤ کہ جورِ بے حد سے باز آئے ۔اس نے تنہائی میں نصیحت کی کہ یار ! کچھ تو خدا سے ڈر، کیوں خلقت کو تباہ کرتا ہے، اس نے جواب دیا ! اے احمق ! اگر اللہ کو لوگوں پر رحم کرنا منظور ہوتا تو مجھ کو دولت وسلطنت کیوں دیتا، تجھ ہی کو نہ بادشاہ بناتا، کیا تجھ کو یاد نہیں کہ میں نے اس سفر میں کیا کہا تھا؟

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت خود سے نہیں برپا ہوتی، خدا جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطا فرماتا ہے، ارشاد ہے: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَئٍ قَدِیْرٌ o

تم کہہ دو کہ اے اللہ، اے ملک کے مالک آپ جسے چاہتے ہیں غلبہ عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہین ذلت کے گڈھے میں گرادیتے ہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں سب

خیر ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

جب یہ ہے تو اللہ کے بندے اپنے احوال واعمال جیسا بناتے ہیں، اسی طرح کی حکومت مسلط کی جاتی ہے، اگر بندے اس لائق ہوتے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو اچھی حکومت لاتے۔

اگر واقعی اچھی حکومت درکار ہے تو رعایا میں ایمان داری، سچائی، باہمی ہمدردی، خیر خواہی کا چلن عام ہونا چاہیئے، ورنہ بدچلن رعایا بدچلن حاکم ہی کا انتظار کرے، بالخصوص مسلمان جن کو یہاں کی حکومت سے سب سے زیادہ شکایت ہے۔ الیکشن کی تمام زور آزمائیوں کا یہ بارہا تجربہ کر چکے ہیں، نتیجہ ہمیشہ خلاف رہا، ہر اگلا دن پچھلے دن سے مشکل آتا گیا ہے، ان کے پاس تو زندگی کا ایک مکمل اور پاکیزہ دستور العمل ہے، یہ اس دستور العمل کو سیکھتے اور اپنے اوپر اس کو نافذ کرنے کا حوصلہ رکھتے، تو رنگ بدلتے دیر نہ لگتی، مگر ہماری حالت نہایت افسوسناک ہے، ہم دنیا میں دو ہی چیز دیکھتے ہیں، اپنا ہنر اور دوسروں کا عیب! جو کوئی ہنر دیکھتا ہے تو اپنی ذات تک محدود رہتا ہے، اور اگر کوئی عیب تلاش کرنا شروع کرتا ہے تو دوسرے سے اس کی ابتدا کرتا ہے، اپنے کو ہمیشہ مستثنیٰ کر لیتا ہے۔

ہم حکومت کو کیا مخاطب کریں کہ اس کے ایوانِ بلند تک ہماری ضعیف آواز کی رسائی کہاں؟ ہم غیر مسلموں سے کیا کہیں کہ ان کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز تک ہم سے میل نہیں کھاتا، ہم اپنے بھائیوں کو یعنی اسلام کے نام لیواؤں کو پکار سکتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ یہ تو اپنے دستور العمل (قرآن وحدیث) کا پاس ولحاظ رکھیں، علماء ومشائخ اس کے اولین ذمہ دار ہیں، پھر عوام پر لازم ہے کہ ان علماء ومشائخ سے اپنے اعمال وکردار کی اصلاح کرائیں، تاکہ خدا تعالیٰ راضی ہوں اور وہ اپنے اختیار سے حکومت میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا کریں۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز**

(ستمبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حالات کے بحران میں دستور العمل

ہمارے ملک کے حالات رفتہ رفتہ وہ رخ اختیار کرتے جارہے ہیں جس سے علماء کرام، مسلم سیاسی زعماء اور عام مسلمانوں میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت بڑھتی جارہی ہے، ہم نے پہلے انھیں صفحات میں ذکر کیا تھا کہ موجودہ حکومت ملک کے حق میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً بدنیت ہے، اس کی بدنیتی کے مظاہر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں، یہی بدنیتی تھی جس نے اجودھیا کی ایک تاریخی مسجد کو منہدم کرایا، اور اس کے نتیجے میں ملک بھر میں فسادات کی ایک لہر چل پڑی، اور پھر اس کے بعد خدائی قہر کا کوڑا بھی خوب برسا، پھر جب سے مرکز میں موجودہ حکومت بنی ہے اس کی بدنیتی کا ظہور جلد جلد ہونے لگا ہے۔ اس حکومت کو..... حکومت ہی کیا..... اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو دینی استقامت، مذہبی پختگی اور اسلامی تشخص بخشنے کا عمل ان مدارس دینیہ میں انجام پاتا ہے جن کے قیام و بناء کا آغاز اسی وقت ہوا تھا جب ہندوستان میں مسلمانوں کی مغلیہ حکومت کا چراغ جھلملا جھلملا کر ۱۸۵۷ء میں بجھ گیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اس کے بعد مدارس کا سلسلہ چل نکلا، مدارس ہی کے طفیل ہندوستان میں مسلمان بچے رہے، اسلامی تشخص بچا رہا، ان مدارس سے اتنے طاقتور علماء اٹھے جو حکومتوں سے بے تکلف ٹکرا سکتے تھے، وہ انگریزی سامراجیت سے ٹکرائے، اور ایسا ٹکرائے کہ اسے پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوگیا تو ہندوستان کے مسلمان ایک مرتبہ پھر لہولہان ہوگئے، اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ پاکستان بننے کے انتقام میں یہاں کی اکثریت انھیں نگل جائے گی، لیکن یہ علماء ہی تھے جنھوں نے اللہ کی توفیق سے مسلمانوں کو، ان کے دینی وجود کو، ان کے اسلامی قانون و شریعت کو سنبھالا اور بچایا۔

یہ علماء، یہ شاہین کا جگر رکھنے والے علماء، عقاب کی نگاہ رکھنے والے علماء کہاں بنتے اور کہاں ڈھلتے ہیں؟ یہ مدارس ہی ہیں جہاں سے ہر ضرورت کے وقت ایک سے ایک جگردار اور دوراندیش علماء پیدا ہوتے ہیں، دنیا چاہے انھیں کتنا ہی رجعت پسندی اور بنیاد پرستی کا طعنہ دے، مگر دین اسلام کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جب تک یہ مدارس ہیں اور جب تک یہ علماء ہیں، مسلمان کا جسم تو لہولہان ہوسکتا ہے، اس کا مال تہس نہس ہوسکتا ہے مگر اس کی روح فنا نہیں ہوسکتی ہے۔ حکومت نے بھی یہ سمجھا اور اس نے سازشوں کا رُخ ادھر پھیر دیا۔ ایک غُل مچا ہوا ہے کہ مدارس کے اندر صرف دینی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تخریب کی مشق کرائی جاتی ہے، بغاوت کے لاوے پکائے جاتے ہیں، اللہ جانے کن کن تباہ کاریوں کا مرکز انھیں بتایا جاتا ہے، بے بنیاد الزام! بے حقیقت تہمت! لیکن اس زور وشور سے انھیں پھیلایا جاتا ہے جیسے یہی حقیقت ہو، پہلے تو ملک کے سرحدی مدارس کو خطرے کا نشان بتایا گیا، اب آگے بڑھ کر دارالعلوم دیوبند کو..... جو اس ملک میں جدوجہد آزادی کا بڑا مرکز رہ چکا ہے .....نشانہ بنایا جارہا ہے، یوم آزادی کے موقع پر اس سے کچھ دنوں پہلے سے خاص دیوبند میں اس کے خلاف سرگرمیوں کے آثار پائے جارہے تھے، پھر کچھ روز پہلے ٹرین میں ایک بم دھماکہ ہوا، جس میں دارالعلوم دیوبند کا ایک طالب علم شہید ہوگیا اور تین زخمی ہوئے، اور پھر الزام انھیں پر رکھا گیا کہ اس دھماکہ کے مجرم یہی تھے، حالانکہ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی لیکن جو بات آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اس کو محو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان حالات سے مسلمان بہت وحشت زدہ اور کبیدہ خاطر ہیں، اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ قومی پیمانے پر انھیں ہراساں کرنے اور پھر مٹا دینے کا منصوبہ ہر وقت زیر غور رہتا ہے، بلکہ بروئے کار آتا رہتا ہے، لیکن مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست

دشمن اگر مضبوط ہے تو نگہبان اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔

مسلمان وحشت میں مبتلا نہ ہوں، نہ کچھ خوف کریں، مسلمان بزدل نہیں ہوتا، اس

کا مرکز قلب اور مطمحِ نگاہ صرف اور صرف ایک ہے، یہ مشرک نہیں کہ کمزور خداؤں سے مایوس ہوجائے، یہ موحد ہے، اس کا ایمان اللہ پر ہے جس کے اشارے پر ساری کائنات ہے، مشرک تو عذابِ دائمی میں گرفتار ہے، شرک کی ظاہری اور عارضی چمک دمک سے نگاہیں اگر خیرہ ہوگئیں تو توحید اور ایمان کی سخت توہین ہے، مسلمانوں کو صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان ناموافق حالات میں جبکہ بحالت موجودہ طاقت کے مجتمع کرنے اور اسے استعمال کرنے سے یکسر مجبوری ہے، شریعت اسلامی کے احکام معلوم کریں اور بغیر کسی تذبذب کے ان پر جم جائیں اور یقین کی قوت کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہوجائیں، پھر دیکھیں کہ ان کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے اتر آئیں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ اَوْلِیَآءُ كُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَاتَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَاتَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ. (سورہ حم السجدۃ: ۳۰،۳۱،۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اپنے اس قول پر مضبوط رہے، ان پر فرشتے مسلسل اُترتے ہیں کہ نہ کچھ اندیشہ کرو، نہ افسوس میں پڑو اور جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو، یہ سب سامان مہمانی ہے، مغفرت کرنے والے رحم وکرم کرنے والے کی جانب سے۔

یہ اللہ کا فرمان ہے، جو ہر قسم کے شک وشبہے سے پاک ہے، اور اگر مسلمان ہوکر مسلمان ہونے کی وجہ سے، اسلام پر ثابت قدم ہونے کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں، مارے جاتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں، تو کچھ غم نہیں، جس ذات کے نام پر ستائے جارہے ہیں، مارے جارہے ہیں، لوٹے جارہے ہیں، اس کو سب خبر ہے، ہر دشمن اس کی گرفت میں ہے،

اور مسلمان کی تو بڑی سعادت ہے اس کے پروردگار کے نام پر اور اس کی وجہ سے ستایا اور مارا جائے۔ مارے گئے تو شہید ہیں، جن کے بارے میں پروردگار کا حکم ہے کہ انھیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں انھیں روزی ملتی ہے، اور اس دنیا سے کہیں بڑھ کر انھیں بڑے بڑے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں: فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَاباً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران) پھر وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، ان سے ان کی برائیاں دور کردوں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی جناب سے بدلہ ہے، اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے۔

ان آیات میں جو چند چیزیں اللہ نے ذکر فرمائی ہیں، یعنی (۱) ہجرت کرنی (۲) گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا جانا (۳) اللہ کی راہ میں ستایا جانا (۴) جہاد کرنا (۵) اور پھر شہید ہونا۔

مسلمان نہ مرنے سے گھبراتا ہے اور نہ ستائے جانے سے، بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے ہو، کسی اور مقصد سے مارا جانا یا ستایا جانا اس کے لئے باعث ننگ ہے، مگر اللہ کے لئے یہ سب ہو تو صد رشک عبادت ہے۔

پس یہ حالات ایک مسلمان کے لئے مایوسی کا سبب نہیں ہیں، وہ اللہ سے امید کبھی نہیں توڑتا، اس کی قدرت میں ہے جب چاہے حالات کو پلٹ دے۔

پس اے مسلمانو! ☆ اللہ کی اطاعت کرو، ☆ رسول کی سنت پر چلو، ☆ نمازوں کی پابندی کرو، ☆ صرف اللہ سے مدد مانگو کسی اور آستانے پر مت جھکاؤ، ☆ بدعت سے اجتناب کرو، ☆ دل سے کینہ کپٹ کو دور کرو، ☆ حقوق کے ادا کرنے میں سبقت کرو، ☆ کسی کا حق نہ مارو، نہ ستاؤ، ☆ وراثت کو شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرو، ☆ اپنی ظاہری

شکل وصورت کو شریعت کے مطابق رکھو۔ داڑھی بڑھاؤ، مونچھوں کو ترشواؤ، ☆ ہر ناجائز آمدنی سے پرہیز کرو، ☆ غلط خرچ سے خود کو بچاؤ، ☆ جھوٹ سے، تہمت تراشی سے، غیبت سے، آبروریزی سے اپنی مجلسوں کو پاک رکھو، ☆ مال بقدر نصاب ہو اور سال گزر جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کرو، ☆ حج کی استطاعت ہو جائے تو بلا تاخیر حج کرو، ☆ رمضان شریف کے روزے رکھو اور تراویح کا اہتمام کرو۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن سے کوئی نہیں روک سکتا، اتنا کرلو تو دیکھنا کیسا انقلاب آتا ہے، جس کی آج طاقت نہیں ہے، کل وہ کام آسان ہوگا، کوئی حکومت کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، خیر وشر سب خدا کی قدرت میں ہے، ان کی بات مانو اور اطمینان سے ان پر توکل کرو: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ، (سورۃ الطلاق: ۳) جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کو کافی ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔(سورۃ الملک) کہہ دو وہی رحمٰن ہے، اسی پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے توکل کیا، جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی غلطی اور گمراہی پر کون تھا۔

(اکتوبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# طاقت کا نشہ اور اس کا انجام

طاقت کا نشہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ طاقت دی ہوئی خدا کی ہوتی ہے اور اتراتا اٹھلاتا آدمی ہے! کتنا نادان ہے وہ جو خود کو دانا کہتا ہے، کیا جو چیز اپنی ملکیت میں نہیں ہے اس پر بھی اترایا جاتا ہے؟ حکومت مل گئی تو یہ اتراتا ہے، دولت مل گئی تو دماغ نہیں ملتا، اسباب و آلات ہاتھ آ گئے تو خدائی پر اتر آیا، اس سے عقل مند تو وہ ڈاکیہ ہے جس کے تھیلے میں بہت ساری رقم ہے، مگر اسے ذرا بھی غرور نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میری ملکیت نہیں ہے، میرے پاس امانت ہے، اور تھوڑی دیر کے بعد اس کا حساب پیش کرنا ہے، مگر بادشاہ سلامت ہیں کہ ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں، کہ حکومت مل گئی ہے۔ ایک صاحب کو مصر کی بادشاہت ملی تھی، وہ خدا بن بیٹھے۔ ایک صاحب عراق میں تخت و تاج کے مالک ہوئے، ان کے سر میں بھی خدئی کا سودا سمایا، اور اللہ جانے کتنے لوگوں پر طاقت و حکومت کا نشہ چڑھا اور خدائی تک پہونچے، لیکن ان سب خداؤں کا حشر کیا ہوا؟ پنپ سکی ان کی خدائی؟ ایک پانی میں ڈوبا، تو دوسرا کسی اور عذاب میں گرفتار ہوا۔

کسی زمانہ میں سپر پاور کی مالک ایک قوم تھی، اس کو جب خدا سے اور خدا کے عذاب سے ڈرایا گیا، تو اس قوم نے بڑے طنطنے سے جواب دیا: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔ ہم سے زیادہ کس میں زور ہیں۔ اس نے غرور سے سر اونچا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ وہ جو عاد تھے، وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ ”ان کے جسم بہت بڑے بڑے ہوتے تھے، بدن کی قوت پر غرور آیا، غرور کا دم بھرنا اللہ کے وہاں

وبال لاتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللهَ الَّذِى خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً۔ (سورہ حم السجدہ) کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا اللہ جس نے انھیں پیدا کیا ہے، وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔

پھر جب اللہ کی طاقت ظاہر ہوئی، تو جو جہاں تھا وہیں بجھ گیا، ہوا کا ایک طوفان آیا اور درختوں جیسی لاشیں ہر طرف بکھرتی چلی گئیں۔ بعد کی قومیں اگلی قوموں کے حالات سے سبق نہیں لیتیں، طاقت کا نشہ پہلے خدا ہی سے انسان کو کاٹتا ہے، یہ نشہ آدمی کو، اسی آدمی کو جو اپنی پیدائش کے وقت اتنا کمزور تھا کہ ایک ہلکا جھٹکا برداشت نہیں کرسکتا تھا، خدا سے نڈر بنادیتا ہے، وہ اپنی طاقت کے نشے میں مظالم کا ڈھیر لگادیتا ہے۔

ابھی کتنے دنوں کی بات ہے، ایک صدی بھی نہیں بیتی ہے، ایک قوم نے اپنے ملک (روس) سے خدا کو باہر کردیا، بڑی گستاخیاں کی تھیں، مدارس بند کرادیے، مساجد کو ویران کردیا، خانقاہیں تباہ کردیں کہ ان میں خدا کا نام لیا جاتا ہے، مگر جن آنکھوں نے یہ گستاخیاں اور شوخ چشمیاں دیکھی تھیں، انھیں آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ نشہ اتر گیا۔ پھر خدا کا نام لینے والے ایک نہیں متعدد ملک ابھر کر سامنے آ گئے، وہ طاقت زوال کا شکار ہوگئی۔ اب ایک ہی صاحب (امریکہ) رہ گئے، جو مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے) کے نشہ میں چور تھے، جس پر چاہا ہاتھ چلادیا، پاؤں سے روند دیا، کھانا پانی بند کردیا۔ باقی سب مارے خوف کے ''جی حضور'' ''جی حضور'' کا وظیفہ پڑھنا اپنی سعادت سمجھتے رہے۔ یہ صاحب ایک طرف اسرائیلی کتے کو غرانے اور کاٹنے کے لئے غذا مہیا کرتے رہے اور دوسری طرف مقابل والوں کو تھپک کر سلانے کی بھی کوشش کرتے رہے۔ ایک طرف ایک ملک کو اکسایا کہ ہاں شاباش! فلاں ملک کو ہڑپ لو، پھر اس کو ڈانٹا کہ کمبخت تو نے کیوں ایسا کیا، ہم تجھ پر بم ماریں گے، وغیرہ۔

کون جانتا تھا کہ یہ طاقتور ملک سرحد پر نہیں، اپنے عین قلب میں اتنی بڑی مار کھائے گا کہ اس کی کمر دہری ہوجائے گی، جس کی ہوشیاری اور خبرداری کا عالم یہ ہے کہ کوئی

کہیں کان کھجلائے ہم کو خبر ہو جاتی ہے، وہ اتنا بے خبر ہے کہ ٹھوکنے والے عین دل پر ٹھونکتے ہیں، آنکھوں کے سامنے آکر ٹھونکتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا۔ کچھ تو یہ ملک سبق لیتا، دوسرے دیکھنے والے سبق لیتے، کہ یہ انہونی کہاں سے ہوگئی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ کی طرف سے جواب آگیا ہو کہ اَوَلَمْ یَرَوْا أَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَھُمْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْھُمْ قُوَّۃً۔ (سورہ حم السجدہ) کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، ان سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ نہیں دیکھا تھا تو اب دیکھو، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم دنیا میں دیکھنا چاہتی ہی نہیں، اتنا انہونا اور بھیانک واقعہ آنکھوں کی غلیظ ترین پٹی کو کھولنے کے لئے کافی ہے، مگر آہ! غافل انسان نے اور موٹی موٹی پٹیاں آنکھوں پر چڑھالی ہیں، وہ یہ ڈھونڈھ رہا ہے، کہ کس نے یہ ''دہشت گردی'' کی ہے، اور جب کوئی نہیں ملتا تو اتنا بڑا اور اتنا طاقتور ملک ایک ایسے فرد واحد پر الزام لگاتا ہے جو نہ کسی ملک کا بادشاہ ہے، نہ وہ اپنے ملک میں داخل ہوسکتا ہے، سب سے کٹا خانہ نشین کی حیثیت سے روپوش ہے۔ ایک ہاتھی پاگل ہوکر دوڑ رہا تھا، کیا بات ہے؟ مجھے ایک چیونٹی نے کاٹا ہے، اس کو ڈھونڈ رہا ہوں، ارے اسے تم اپنے سے باہر کہاں ڈھونڈ رہے ہو، تباہی کا تمام سامان تو تمہارے اندر بھرا پڑا ہے، کتنے شرم کی بات ہے، مگر وہ بڑا بے شرم ہے، جو ایک آدمی کو بے تحقیق مجرم قرار دے کر اس کی تلاش میں پاگل ہو رہا ہے اور اکیلا نہیں سب کو بلا رہا ہے، کہ آؤ میرے ساتھ مل کر اس اکیلے آدمی کو پکڑو، پھر شاید کسی نے شرم دلائی ہو، کچھ دنوں کے بعد اس نے دنیا بھر کی ''دہشت گردی'' ختم کرنے کا عنوان اختیار کیا ہے، کاش وہ یہ نہ کرتا، اپنے اندر کے فرعون کو ڈھونڈھتا، اسے سزا دیتا تو دنیا کو راحت مل جاتی، کاش اسے معلوم ہوتا کہ یہ انسان کی مار نہیں ہے، تم نے تو اس کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ درحقیقت خدا کی مار ہے، اس سے تم کتنا لڑوگے، اب ایک چھوٹے سے ملک (افغانستان) پر غرانا بے کار ہے، اس سے الجھ کر کہیں تمہاری رہی سہی طاقت بھی نہ ختم ہو جائے، اسی سے وہ ملک بھی الجھا تھا جس کا شیرازہ بکھر گیا، اب تم بھی اسی سے الجھنے چلے ہو، کہیں تمہارے اپنے لالے نہ پڑ جائیں، بچو اس انجام سے جو ظالموں کا مقدر ہے۔

یہ گفتگو تو ان سے تھی جو طاقت کے نشہ میں سوجھ بوجھ سے محروم ہو گئے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی سوجھ بوجھ کا دعویٰ کریں۔ اب کچھ باتیں خود اپنوں سے بھی کر لی جائیں، یعنی اسلام کے نام لیواؤں سے! کاش کہ یہ حروف ونقوش ان لوگوں تک بھی پہونچتے جو مسلم ممالک کی سربراہی کر رہے ہیں، جن کے دلوں میں غیر اللہ کا خوف اتنا گھسا ہوا ہے کہ ان کے اشارے کے بغیر شاید وہ پلک بھی نہیں جھپکا سکتے کیا ہم کو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ دنیا کی حقیر و بے مایہ طاقتوں سے اس درجہ خائف اور مرعوب ہو جاؤ کہ حق کی آواز تمہارے گلے میں پھنس کر رہ جائے؟ یہ تم کس سے ڈر رہے ہو، جو خدا سے بالکل نہیں ڈرتے، تمہارے پاس تو ایک ہی ہستی ہے جس سے ڈرنا برحق ہے، اگر تم اس کے مقابلے میں دوسرے سے ڈر گئے تو کیا یہ شرک نہ ہوگا۔ ایک بڑا ’’دہشت گرد‘‘ ہے، وہ کہتا ہے کہ یا تو تم میرا ساتھ دو، ورنہ تم خود دہشت گرد ہو، تو تم اس اعلان کو سنتے ہو اور جلدی سے سر ہلا دیتے ہو کہ ہاں ہم تمہارے ساتھ ہیں، چاہے اس کے لئے ہم کو اپنے ہی لوگوں کی گردن مروڑنی پڑے۔ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ ۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، حالانکہ ڈرنا تو صرف اللہ سے چاہئے۔

ذرا دیکھو تو سہی، تم میں سے ایک شخص (اسامہ بن لادن) نے ڈرنے سے انکار کر دیا، تو یہ سپر پاور طاقتیں اس سے کس قدر خوف زدہ ہیں، خوف کے مارے اسے تلاش بھی نہیں کر پا رہی ہیں، تم نے ان طاقتوں سے خوف کیا تو اس شخص کو جلاوطن کر دیا، اور وہ نہیں ڈرا تو سب اس سے کانپ رہے ہیں، ایک چھوٹے سے غریب ملک نے بھی ان طاقتوں کا خوف نہیں کیا اور بے دھڑک اسے پناہ دیدی، تو اس سے بھی سب گھبرا رہے ہیں، اور وہ خود مطمئن ہے، خدا سے ڈرو تو سب تم سے ڈریں گے، اور اس کے مقابلے میں دوسروں سے ڈرو گے تو ہر طرح کا خوف تم کو اپنے نرغے میں لئے رہے گا۔

اور عام مسلمانوں سے بھی کہنے کو جی چاہ رہا ہے..... یہ سطریں لکھنے والا بھی عام مسلمانوں کا ایک فرد ہے، خود یہ بھی مخاطب ہے..... کہ تمہارا کوئی نہیں، نہ تم کسی کے ہو، صرف

اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے، اور تمہارا تعلق صرف اللہ سے ہے، تم تو سراپا اطاعت بن جاؤ، آپس کے اختلافات بھول کر ایک دوسرے کے ہمدرد بنو، آپسی دشمنی چھوڑو، غیر اللہ کا ڈر دل سے نکالو، ہر معاملے میں اوّل خدا کی جانب رجوع ہو، پھر اسباب کی طرف جاؤ۔ نماز پنجگانہ، ذکر و تلاوت، زکوٰۃ و صدقات، روزہ و حج کا اہتمام کرو، اللہ کی نافرمانی سے اس طرح دور بھاگو جیسے سانپ بچھو سے بھاگا جاتا ہے، پھر جو بھی دشمن آئے کچھ پرواہ نہیں، تم آپس میں دشمن نہ ہو، تو تمہارا دشمن دور ہی سے تھرائے گا۔ غیر اللہ کا ڈر دل سے نکل جائے گا، تو ہر مخلوق تم کو سلام کرے گی، اور اول خدا کی جانب حاجات میں رجوع کروگے تو اجابت وقبولیت خود بڑھ کر استقبال کرے گی، عبادات میں سرگرم رہوگے تو تمہاری روحانیت طاقتور ہوگی، اور اسباب کی ضرورت کم سے کم ہو جائے گی، مدد الٰہی کا مسلسل نزول ہوگا، اور مسلمان کی کامیابی نصرت الٰہی ہی سے ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی دائمی عیش و راحت سے ہمکنار ہوگی۔

اور یہ طاقتیں جن کا خوف دلوں میں سمایا ہوا ہے، ان کی کل زندگی یہیں تک ہے، ان کا سارا سرمایہ "متاع الغرور" (دھوکے کا سامان) ہی ہے، پھر جہاں آنکھ بند ہوئی اور وہ ایمان خالی رہے، بس ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی (نہ موت آئے گی نہ زندگی) کا منظر ہوگا، اس وقت کوئی ایٹمی توانائی کام نہیں دے گی، نہ میزائلیں، نہ جنگی طیارے، نہ سمندری بیڑے، سب غرق ہو کر رہ جائیں گے، اور طاقت کے نشہ میں غرور سے بھرا ہوا سر "ویل و ثبور" پکارتا رہے گا کہ ہائے موت آجاتی، میں مرجاتا، لیکن سب پکار بےکار ہوگی، کاش یہ بات دلوں میں اتر جاتی اور اسی زندگی میں اثر کر جاتی۔

(نومبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ماہِ رمضان کی برکتیں

ماہِ مبارک رمضان المقدس سایہ فگن ہے، نیکیوں کا موسم بہار! طاعتوں اور عبادتوں کا مرکز انوار! نزول قرآن کا مہینہ، برکت و رحمت اور مغفرت کا خزینہ! دن بھی روشن، رات بھی روشن، دن کے اوقات روزوں سے معمور، رات کی گھڑیاں تراویح وتہجد سے پُرنور! ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برأت!

ماننے والوں کو اللہ نے وہ نعمت عطا فرمائی کہ ایک رات کی محنت وعبادت پر ہزار راتیں قربان! یقین کرنے والا دل چاہیے، کرگزرنے والی دھن چاہیے، رحمت پروردگار آغوشِ کرم کھولے ہوئے ہے، عبادت کرنے والے عبادت کی سوغات لائیں، قرآن پڑھنے والے تلاوت کا تحفہ لائیں، یاد کرنے والے ذکر کا ہدیہ لائیں، گناہگار اشک وندامت اور استغفار کی پونجی لائیں، قبولیت کی گھڑی ہے، یہ سال بھر کا جشن بہاراں ہے، ہر عبادت کی رونق بڑھی ہوئی، ہر طاعت کی قیمت چڑھی ہوئی۔ یَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ! اے طالبِ خیر آگے بڑھ! یَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ! اور اے طالب شر! ٹھہر۔

دیکھنے والے دیکھیں! پیغمبر ﷺ کی آنکھ سے دیکھیں، ان کی دی ہوئی خبر پر ایسا یقین کریں گویا وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پیغمبر صادق ومصدوق کی خبر ہے، نقل کرنے والے امام بخاری اور امام مسلم ہیں، اور ان کے علاوہ محدثین کی ایک بڑی جماعت سے فرماتے ہیں: إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين ۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، آگ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

جنت کے دروازے کھلے تو رحمت کا دروازہ کھلا، اور آسمان سے موسلا دھار رحمتیں زمین پر برسیں، جہنم کے دروازے بند ہوئے تو عذاب کی لپک کم ہوئی، شیاطین جکڑے گئے تو گناہوں کی لپٹ ٹھنڈی ہوئی، ہر طرف فرشتوں کی دھوم دھام ہوئی۔

مبارک ہیں ایمان والے! ایمان کا تقاضا ہے کہ خواہشات اور ضروریات کو مرضی مولیٰ پر قربان کردیا جائے، ایمان والا بے تکلف قربان کرتا ہے، سنو اے ایمان والو! پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد سنو اور خود قربان ہوجاؤ، زندگی کی سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ آدمی اپنی زندگی کو ان کے فرمانِ والاشان پر نچھاور کردے۔

ہمارے پاس کیا ہے؟ جو فدا کریں تجھ پر مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

ہائے! اوّل تو ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو اے پروردگار آپ پر قربان کریں، بس ایک جان ہی تو ہے، لیکن حسرت بالائے حسرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنی نہیں آپ ہی کی دی ہوئی ہے، خیر یہ ہی سہی، قبول ہوجائے تو کرم ہی کرم ہے، وہ فرمانِ والاشان یہ ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں، شعبان کا آخری دن ہے، اللہ کے آخری نبی منبر پر تشریف فرما ہیں، اور ارشاد فرمارہے ہیں:

"اے لوگو! تمہارے سروں پر ایک بابرکت اور عظیم الشان مہینہ سایہ ڈال چکا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ نے اس کا روزہ فرض اور اس کی رات میں نماز کو نفل قرار دیا ہے، اگر کوئی اس میں نفل ادا کرکے اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے اس ماہِ مبارک کے علاوہ میں فرض ادا کرنے والا ہو، اور جو کوئی اس میں فرض ادا کرتا ہے ایسا ہے جیسے اس کے علاوہ کسی ماہ میں ستّر فرض ادا کیا ہو۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ غمخواری کا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے کہ اس میں مومن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے۔ جس نے اس ماہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے گناہوں کی مغفرت ہے، اور اسے جہنم سے رہائی کی بشارت ہے، اور اس کے لئے وہی ثواب ہے جو روزہ دار کو ہے، مگر روزہ دار کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔

پوچھنے والوں نے پوچھ لیا کہ یارسول اللہ! ہر ایک کو اتنی وسعت کہاں کہ روزہ دار کو افطار کرائے؟ (اس سوال پر رحمت کا دامن پھیل گیا) ارشاد ہوا، یہ ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جو ایک کھجور کھلا کر، ایک گھونٹ پانی یا لسّی پلا کر افطار کرا دے۔ یہ مہینہ! اس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے نجات ہے۔ اس ماہ میں جس نے اپنے خادم کے کام میں تخفیف کردی، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کے بوجھ سے ہلکا کردیں گے اور جہنم سے آزاد فرمائیں گے۔

اس مہینہ میں چار کام کثرت سے کرو، دو کام وہ ہیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرلوگے، اور دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز اور بے پرواہ نہیں ہوسکتے، وہ کام جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو، وہ یہ ہیں لاالٰہ إلاالله کی گواہی دو، اور اس سے مغفرت مانگو۔ اور وہ کام جن سے تم کو بے نیازی نہیں ہوسکتی، وہ یہ ہے کہ اللہ سے جنت کا سوال کرو اور جہنم سے اس کی پناہ چاہو۔ جس نے روزہ دار کو پانی پلایا، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا پانی پلائیں گے کہ جنت میں داخل ہونے تک (میدان قیامت کی شدید گرمی میں) پیاس نہیں لگے گی۔ (ابن خزیمہ)

اس ارشاد گرامی میں فضائل بھی ہیں، بشارتیں بھی ہیں اور احکام بھی ہیں، ایمان والے ان فضائل کے لئے، ان بشارتوں کے لئے، اور ان احکام کے لئے سینہ کھول دیں اور شوق ورغبت سے انھیں قبول کریں، رمضان کا مہینہ پورے سال کا مرکزی مہینہ ہے، یہ ماہ مبارک، منبع انوار اور مرکز رحمت پروردگار رہا، تو پورا سال روشن اور تابناک رہے گا۔

مسلمانو! اسی ماہ مبارک میں سستی اور غفلت کو ترک کرو، طاعت وعبادت کے لئے مستعد رہو، شوق اور اہتمام سے تمام حقوق کی ادائیگی کے ساتھ روزے رکھو، تراویح میں شریک رہو، تلاوت قرآن کا التزام کرو، کثرت سے کلمۂ طیبہ کا ذکر اور مسلسل استغفار کرو، اللہ سے جنت مانگو، اور جہنم سے خدا کی پناہ میں آجاؤ، پھر دنیا بھی نور ہے، آخرت نور بھی ہے۔

خوب خیال رہے کہ جہاں یہ مہینہ نیکیوں کی قدر و قیمت کو بڑھاتا ہے، عبادتوں کا ثواب آسمان پر پہونچ جاتا ہے وہیں برائیوں کی قباحت کو بھی بڑھا دیتا ہے، گناہوں کی سزا کو سخت کر دیتا ہے۔ایک فرمان اور ملاحظہ ہو: **ما مر بالمسلمین شهر خیر لهم منه ولا بالمنافقین شهر شر لهم منه** (ابن خزیمہ بحوالہ ترغیب وترہیب) مسلمانوں کے حق میں رمضان سے بہتر کوئی مہینہ نہیں آیا، اومنافقین کے حق میں رمضان کے مہینہ سے بدتر کوئی مہینہ نہیں آیا۔ایمان والا، اس ماہ مبارک میں نیکیوں کا اہتمام کرتا ہے اور اس کی نیکیوں کا ثواب بڑھتا ہے، اس کے برخلاف منافق برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور اس پر گناہ کا بوجھ بڑھ چڑھ کرلدتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مبارک مہینہ میں برائیوں پر اقدام مومن کرتا ہی نہیں، برائی کی طرف وہی بڑھتا ہے جس کے دل میں ایمان کے بجائے نفاق ہو، پس ایمان ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ و نفاقکی تہمت سے بچائے رکھیں۔

روزہ کی برکت اور روزہ کا نور گناہوں سے اجتناب کے ساتھ ہے، اگر آدمی گناہوں میں ملوث رہا تو روزہ کا نور مٹ جائے گا، تراویح کی برکت جاتی رہے گی۔

(دسمبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# طالبان! رحمت یا زحمت؟

افغانستان جیسے کمزور اور بے سروسامان ملک پر دنیا کے سب سے بڑے سرمایہ دار اور اسلحہ بند ملک امریکہ نے ایک بہانہ بنا کر اس صدی کا بدترین حملہ کیا، طالبان نے جو افغانستان میں حکمراں تھے اپنے حوصلوں سے بڑھ کر مقابلہ کیا، اس بڑی طاقت کا اندازہ تھا کہ وہ چند دنوں میں افغانستان پر فتح کا پرچم لہرا دے گی، مگر مہینوں کی شدید بمباری کے بعد بھی اسے حوصلہ نہیں ہوا کہ اپنے کو فاتح کہہ سکے، وہ چار ماہ سے افغانستان پر مسلسل بم برسا رہا ہے، مگر ابھی تک اس کا مقصد حاصل نہیں ہوا، تاہم اس حملے نے، اور طالبان کی حکومت کے خاتمے نے دنیا کے سامنے اور بالخصوص مسلمانوں کے سامنے طالبان پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا ہے کہ کیا طالبان آج کل کی اصطلاح میں ''دہشت گرد'' تھے۔

دنیائے اسلام کے عام مسلمانوں کا تاثر اور خیال تو یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز ''دہشت گرد'' نہ تھے، مسلم حکمرانوں کا جو بھی خیال ان کے متعلق ہو، ان کی ''سیاسی ذہانت'' کو سمجھنا ہم جیسے ملاّنوں کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن دنیا بھر کے مسلمان خواہ وہ علماء ہوں، یا انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا سنجیدہ طبقہ یا اَن پڑھ عوام ہوں، سب کا تقریباً اتفاق ہے کہ اس دور میں طالبان اور ان کی حکومت، ایک بہترین انصاف پرور اور دینی وایمانی قدروں کی محافظ تھی، جس نے صدیوں کے بعد افغانستان میں امن وامان کی عام فضا قائم کی، اور ایک مدت کے بعد دنیا کے سامنے اسلامی حکومت کا ایک بے لوث نمونہ پیش کیا، کفر کی حکومتیں چاہے انھیں کتنا ہی ''دہشت گرد'' اور فسادی کہیں، یہ تو کفر کی پرانی رِیت ہے۔ حضرت نوح

علیہ السلام کے دور سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک تمام قوموں نے ایمان والوں کو اپنی اپنی بولی میں ''دہشت گرد'' ہی کہا ہے، مگر انسانیت نوازی، عدل وانصاف، تقویٰ وللہیت اور پابندیٔ عہد وپیمان کی مثالیں ایمان والوں سے جس قدر وابستہ ہیں انھیں کوئی شمار نہیں کرسکتا، اور جن لوگوں نے انھیں ''دہشت گرد'' کہہ کر انھیں بدنام وذلیل کرنا چاہا، ان کی جھولی میں ظلم وجبر، مکر وفریب، جھوٹ اور خیانت نیز بدعہدی وبے وفائی کی اتنی گندگی ہے کہ اس کے تعفن سے دنیا بھر بھر گئی ہے۔ طالبان نے تقریباً چھ سال نظام حکومت کو اسلامی طرز پر چلایا، پروپیگنڈوں اور جھوٹے ہتھکنڈوں کی بات اور ہے، لیکن کوئی افغانیوں سے پوچھے کہ باوجود غربت کے ان کے دلوں میں کتنا اطمینان وسکون تھا، ان کی نگاہوں میں کتنی پاکیزگی آگئی تھی۔

کفر نے اسلام کو کبھی برداشت نہیں کیا ہے، کیونکہ اسلام کی طاقت کبھی کفر سے نہیں ڈری، اور کفر نے اس کو ہمیشہ ڈرا کر رکھنا چاہا، اسلام کا کفر سے نڈر ہونا ہی کفر کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ طالبان نے اسلام کو زندہ کیا تو کفر کی سب سے بڑی طاقت اپنے سینہ میں کینہ دبائے بیٹھی تھی، اسے ذرا موقع ملا اور اس کے دل کا کینہ آگ برسانے لگا۔

جب یہ حملہ ہوا تو ساری دنیا کے مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق دعاؤں اور تدبیروں میں لگ گئے، ادھر چند صدیوں میں غالباً کسی حکومت کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں نے اتنی دعائیں، اتنی آہ وزاریاں نہیں کی ہوں گی جتنی اب کی گئی ہیں، ہر جگہ نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی گئی، اجتماعاً وانفراداً بہت اہتمام سے دعائیں کی گئیں، وہ لوگ جو عام حالات میں اللہ سے اور دین سے بیگانے معلوم ہوتے ہیں، وہ بھی اللہ سے دعا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

## طالبان کیا اور کون ہیں؟

طالبان کیا اور کون ہیں؟ عام معنوں میں یہ سیاسی نہیں ہیں، وہ پہلے حکومت میں دخیل نہ تھے، وہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ ہیں، پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے، جب روس کے خلاف افغانستان جہاد کررہا تھا تو یہ مجاہدین کی صف میں شامل ہوگئے، یہ لوگ شوقِ

شہادت میں سرشار تھے، جب افغانستان روسیوں کے ناپاک قدموں سے پاک ہوگیا تو وہاں کے قبائلی اور سیاسی لوگ آپس میں خونریزی کرنے لگے، حکومت بنانے کی کشمکش شروع ہوگئی، جہاد کا مقصد پورا ہونے کے بعد طالبان اپنے مدرسوں میں لوٹ گئے تھے اور تعلیم و تعلم کے مشغلے میں لگ گئے تھے، لیکن انھوں نے دیکھا کہ اب خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے، آگ اور خون کی بارش ہو رہی ہے، تو یہ علماء و مشائخ اور طلبہ دوبارہ میدان میں اترے، اور اس مقصد سے اترے کہ متحارب گروپوں کے درمیان صلح کرائیں۔

۱۹۹۷ء میں اللہ تعالیٰ نے اس ظلوم وجہول کو حج وزیارت کی سعادت بخشی، مدینہ طیبہ میں مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر بندہ حاضر تھا، معلوم ہوا کہ طالبان کے ایک اہم رکن حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لا رہے ہیں، وہ تشریف لائے، نہایت متواضع، خاشع وخاضع، ''نرم دمِ گفتگو'' اور ''گرم دمِ جستجو'' کے ہو بہو مصداق! معلوم ہوا کہ طالبان کے مفتی اعظم ہیں، طالبان کے تمام مسائل اور نظام حکومت میں انھیں کا فتویٰ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے، دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ طالبان کے بعض فیصلوں پر فقہی نقطۂ نظر سے حضرت مفتی صاحب نے علیہ الرحمہ نے اشکال کیا، انھوں نے جس ادب اور تواضع کے ساتھ کتابوں کے حوالے سے جواب دے کر مفتی صاحب کو مطمئن کیا، اس سے طبیعت بہت متاثر ہوئی، علم میں انتہائی راسخ اور ادب وتواضع میں بہت کامل! یہ دونوں صفتیں جہاں جمع ہوجائیں، وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں ''کبریت احمر'' ہے۔ ان سے حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ لوگوں کو حکومت میں دخل نہیں دینا چاہئے تھا، انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کا بالکل ارادہ نہ تھا، لیکن ہم نے دیکھا کہ باہمی خونریزی بڑھتی جا رہی ہے، تب ہم لوگ متحارب گروپوں سے ملے، بہت کوشش کی کہ باہم صلح وصفائی ہوکر ایک اچھی حکومت بن جائے، مگر کوئی اپنی جگہ سے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوا، اس سلسلے میں مختلف وقفوں کے درمیان ہم لوگ وفد بنا بنا کر گیارہ مرتبہ لڑنے والوں سے

ملے اور صلح وصفائی کی بہت کوشش کی، مگر جب ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور خونریزی بڑھتی ہی چلی گئی تو مجبوراً ہم نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

طالبان جس جماعت کا نام ہے، وہ اللہ والے برگزیدہ لوگ ہیں، انھوں نے ایک بہترین اسلامی حکومت قائم کی، اور دنیا اسلامی حکومت کے فوائد سے آشنا ہوئی، لیکن موجودہ کفر کی حکومتوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ کوئی اسلامی حکومت قائم ہو، اور ایسے صاحب ایمان برسر اقتدار آئیں جو ان سے مرعوب نہ ہوں، روس کی طاقت تو بکھر چکی تھی، اب امریکہ کی واحد طاقت ہے، جس کا رعب سب پر قائم ہے، ساری دنیا جانتی ہے اور دل سے مانتی ہے، زبان سے کہنے کی ہمت ہو یا نہ ہو، کہ امریکہ نے اپنی بڑائی کی دھونس جمانے کے لئے مکروفریب، جبر وتشدد، ظلم وستم اور زور زبردستی کا کوئی حربہ نہیں چھوڑا ہے، جسے بے دریغ استعمال نہ کیا ہو۔ ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں جو حادثہ ہوا، اس نے طالبان کے خلاف ایک موقع فراہم کردیا اور ساری دنیا کے منع کرنے کے باوجود اس نے جھوٹا الزام لگا کر نہایت بے دردی کے ساتھ افغانستان پر بم برسانا شروع کردیا۔

## مسلمانوں کا ردعمل:

خیر یہ واقعہ تو ہو چکا، مگر مسلمانوں پر اس کا ردعمل یہ ہوا کہ ان میں ایک طرح کی مایوسی اور شکستگی سی طاری ہوگئی ہے، اور دلوں میں ایک خلش سی پیدا ہوگئی ہے کہ اتنی دعائیں ہوئیں لیکن کیا انھیں شرف قبولیت نہیں حاصل ہوا؟ کیا ان دعاؤں میں کوئی کمی تھی جو بارگاہِ الٰہی میں لائق قبول نہ بن سکیں؟ یا طالبان میں کوئی ایسی بڑی کمزوری تھی کہ ان کی طرف منسوب ہوکر دعاؤں کی طاقت گھٹ کر رہ گئی؟ یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے امریکہ اور اس جیسی باطل قوتوں کو نصرت ملی ہوئی ہے؟ کہ ان مقابلے میں کی گئی دعائیں اپنا اثر کھو دیتی ہیں؟ یہ سوالات مسلمانوں کے دلوں میں اٹھتے ہیں، کچھ لوگ زبان وقلم سے انھیں ظاہر کردیتے ہیں اور کچھ لوگ خاموش رہ جاتے ہیں، مگر خلش رہتی ہے۔

## مذکورہ بالا ردعمل کا حل:

اس موضوع پر اس خاکسار نے جہاں تک غور کیا ہے، اپنی نارسائی ذہن وفکر کے باوجود یہ عرض کرسکتا ہے کہ جو کچھ ہوا، وہ ہمارے لئے انہونا اور اجنبی واقعہ نہیں ہے، یہ سب کچھ عین اس کے مطابق ہوا ہے جس کی خبر اجمالاً رسول اللہ ﷺ دے چکے ہیں، اور رہی یہ بات کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، تو یہ خیال عجلت پسندی اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، دعا میں عجلت بازی سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ احادیث میں بکثرت قیامت کی آمد کا اور اس کی علامتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان علامات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ قیامت کی آمد کا پہلا اعلان ہے، کیونکہ تکمیل نبوت کے بعد اب کسی اور نبی کا انتظار نہیں ہے۔ اب دنیا اپنی عمر کے آخری مرحلے میں داخل ہوگئی ہے، نبوت کے انوار وآثار جب تک باقی ہیں قیامت رکی ہوئی ہے، جوں جوں دنیا کی عمر کا کارواں آگے بڑھتا جائے گا اور زمانۂ نبوت سے دوری بڑھتی جائے گی، نورِ نبوت کے آثار مدھم پڑتے جائیں گے، نیکیاں سمٹیں گی، ان کی استعداد کمتر ہوتی جائے گی، برائیوں کا فروغ وشیوع ہمہ گیر ہوتا رہے گا، قیامت انھیں برائیوں پر قائم ہوگی۔ حدیث صحیح میں تذکرہ موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی موجود ہے قیامت نہ آئے گی، تو جوں جوں دنیا کی عمر ڈھلتی جائے گی، برائیوں کا دنیا میں غلبہ ہوتا جائے گا، اب اس دنیا میں عمومی طور پر خیر وبرکت اور نیکی وسعادت کا وجود مشکل ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کی سنت یہ ہے کہ ہر چیز میں تغیر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفاً وَّ شَیْبَۃً یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ** (سورہ روم:۵۴)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو اس حال میں پیدا کیا کہ تم کمزور تھے، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کو مسلط کیا، جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا

ہے اور وہی ہے جاننے والا، قدرت والا۔

یہ قانون قدرت اگر غور کیا جائے تو صرف انسانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ پوری کائنات اور پوری حیات دنیوی اس قدرتی قانون کے دائرۂ اثر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (سورۃ الکہف: ۴۵) ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو، جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا، اس سے زمین کی پیداوار ملی جلی نکلی، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہوگئی، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ پر چیز پر اقتدار رکھتا ہے۔

اسی قانون الٰہی کے مطابق خود مجموعی کائنات کا بھی حال ہے، اس کا بھی ایک بچپن اور ضعف و ناطاقتی کا زمانہ تھا، پھر قوت و شباب کا زمانہ آیا، اور اب جبکہ قیامت قریب ہے، اس کے ضعف اور بڑھاپے کا دور ہے، جس طرح بڑھاپے میں انسان صحت وقوت سے دور طرح طرح کی بیماریوں اور ناطاقتیوں میں گھر جاتا ہے، اسی طرح اس دنیا کا بھی اپنے بڑھاپے میں ہر طرح کی کمزوریوں اور بیماریوں یعنی برائیوں میں گھر جانا فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کمزوری کے دور میں اگر کسی چیز اور طاقت کا ظہور ہوگا تو کسی خاص مصلحت سے ہوگا اور عارضی ہوگا۔ اب دنیا کی بساط لپٹنی والی ہے، جلد ہی وہ وقت آجائے گا کہ بھلائی اور برائی کا حساب ختم کر کے دونوں کو الگ الگ جنت اور جہنم میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اب اگر سعادت کا عام ظہور اور غلبہ ہوگا تو پیغمبرانہ طاقت سے ہوگا، اور وہ بھی ان کی زندگی ہی تک۔ چنانچہ جب دور اخیر میں ظلم اور شر کا انتہائی غلبہ ہوگا تو ایک طاقتور ہستی مہدی کی شکل میں ظاہر ہوگی، ان کے دورِ ظہور میں ہی اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور ملکوتی صفات والے پیغمبر سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اپنی مافوق الفطرت طاقت کے ساتھ تشریف لائیں گے، اور وہ ''دجال اکبر'' کو اپنی ملکوتی طاقت سے ختم کریں گے، اور پھر ایک طویل ہنگامہ کے بعد یاجوج ماجوج کا خاتمہ ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تک خیر و سعادت کا دور رہے گا، ان کی وفات کے

بعد پھر بہت جلد اندھیرا چھا جائے گا، اور قیامت قریب سے قریب تر ہو جائے گی، تو دنیا کے اس ضعف اور بڑھاپے میں نیکی اور طاقت کی جو روشنی چمکے گی، وہ ایسی ہی ہوگی جیسے اندھیری رات میں جگنو چمکے، انفرادی طور پر نیکیاں ہوں گی لیکن اجتماعی اور حکومتی پیمانے پر نیکیوں کا اگر ظہور ہوگا تو بس ایسا کہ دیر تک ان کی بقاء مشکل ہوگی۔

ہمارے ملک کی حد تک اس کی مثال ملاحظہ ہو، تیرہویں صدی ہجری کے نصف اول میں امیر المومنین حضرت سیّد احمد شہید قدس سرہ نے جہاد کی تحریک برپا کی، اور اپنی روحانی تربیت سے ایسے مجاہدین تیار کئے جو قرون اولیٰ کے نمونے تھے، انھوں نے صوبہ سرحد اور افغانستان کے بعض علاقوں پر مشتمل اسلامی حکومت قائم کی، اور اسلامی حکومت کے برکات سے دنیا کو مستفید فرمایا، مگر پانچ چھ برس کے عرصے میں اس حکومت کا باقاعدہ نظام جو قائم ہوا تھا، بکھر گیا۔ اس تحریک کے اثرات دیر تک چلتے رہے، مسلمانوں میں ایک نئی دینی زندگی پیدا ہوئی، شرک و بدعت کے اثراتِ بد سے مسلمانوں کو نجات حاصل ہوئی، پھر اس بکھرے ہوئے نظام کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ نے مرتب کرنا چاہا، اس کی تیاریاں مکمل کر لی گئی تھی، مگر مرتب ہونے سے پہلے ہی ان میں بکھراؤ پیدا ہو گیا، دوسرے ملکوں میں بھی خیر و سعادت کی تحریکیں چلیں۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک چلی، طرابلس میں سنوسی مشائخ اٹھے، مصر میں حسن البنّا نے ایک دینی تحریک کی داغ بیل ڈالی، مگر یہ سب تحریکیں کچھ عرصہ چل کر یا تو ختم ہو گئیں یا بعض کے راستے بدل گئے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کے اثرات باقی نہ رہے ہوں، اس طرح کی ہر تحریک نے عالم اسلام میں ایک نئی بیداری پیدا کی، انھیں تحریکات اور جدوجہد کی برکت سے مسلمانوں میں اسلام اپنی صحیح صورت میں باقی ہے۔ اس دورِ اخیر میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ نے ایک دینی تحریک کا آغاز کیا اور اپنی خاص بصیرت کے تحت انھوں نے اسے حکومت اور سیاست سے دور رکھ کر مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، یہ تحریک بہت کامیاب رہی اور اس کے اثرات بہت دور رَس ثابت ہوئے۔

بہر حال اندھیریوں میں مختلف چراغ جلتے رہے اور جلتے رہیں گے، اس سے یہ امت اپنی عمر کے آخری مرحلے تک صحیح راہ پر قائم رہے گی، اور جب دنیا کی آخری طاقتور ہستی حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، نیز دنیا کے سب سے بڑے گمراہ کن دجال کا غلغلہ ہوگا، اور پھر اس کے ختم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا، تو ان چراغوں سے روشنی حاصل کرنے والے حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) ثابت ہوں گے۔

اللہ کا انعام اس زمانہ میں یہ ہوا کہ افغانستان میں اس نے علماء ومشائخ کو توفیق بخشی اور انھیں اسلامی نظام اور اسلامی طرز حکومت کے احیاء کے لئے کھڑا کیا، انھوں نے تمام دنیا سے بے نیاز ہوکر بے خوفِ لومۃ لائم اس خداوندی نظام کو عملی صورت دی۔ یہ رات کی تاریکی میں جگنو کی روشنی سہی مگر اس نے پورے عالم کو متاثر کیا، دنیا کی طبعی عمر کے لحاظ سے اس طاقت کو ناطاقتی سے بدلنا تھا، بدل گئی، مگر جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ بہر حال کامیاب ہیں، کامیابی کا معیار دنیا کی کامیابی نہیں آخرت کی کامیابی ہے، یہ لوگ غازی بنے یا شہید ہوئے، انشاء اللہ اللہ کی رضا انھیں حاصل ہوئی۔

دنیا نے کامیابی کی جو صورت تجویز کر رکھی تھی وہ حاصل ہوئی یا نہیں ہوئی، اللہ نے جو تجویز کی تھی وہ تو بہر حال پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ آل عمران: ۱۴۰)

اگر تم زخمی ہوئے تو تمہارے مخالفین بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، اور ہم وقت کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، اور اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نظام جہاد وحکومت کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اہل ایمان اور منافقین ممتاز ہو جائیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بعض ایمان والوں کو

شہادت کا درجہ عطا فرمائیں۔ یہ مقصد بحمداللہ طالبان کو حاصل ہوا، اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کون لوگ ایمان میں راسخ ہیں اور کون لوگ کفر کی طاقت سے خوفزدہ اور لرزہ براندام ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر اہل ایمان کو زخم یا شہادت سے دوچار ہونا پڑے تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں یا اللہ تعالیٰ ان سے بے تعلق ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت سے تو ظالم محروم ہیں۔ پس اہل ایمان کو ظاہری اعتبار سے برباد کرنے والے یہ نہ سمجھیں، اور دوسرے تماشا دیکھنے والے بھی یہ خیال دل میں نہ لائیں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت رکھتے ہیں، حاشا و کلا خدا کو ان ظالموں سے قطعاً محبت نہیں ہے، یہ سزا و عذاب کے مستحق ہیں۔

## سزا کہاں ہوگی؟

لیکن اہل ایمان اس عجلت میں نہ پڑیں کہ ظالموں کو اس دنیا میں ہی سزا مل جائے، سزا و جزا کی جگہ اصلاً یہ دنیا ہے ہی نہیں، یہ تو عمل اور امتحان کی جگہ ہے، سزا ملے گی اور ضرور ملے گی۔ شہداء اور مظلومین کو ثواب ملے گا اور ضرور ملے گا، مگر اس کی جگہ یہ دنیا نہیں آخرت ہے، اگر یہ فیصلہ مقدر اور متعین نہ ہو چکا ہوتا تو دنیا دیکھتی کہ سزا کا کوڑا یہیں برس رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ (سورہ شوریٰ:۱۴) اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات متعین نہ ہو چکی ہوتی تو یقیناً ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عقوبت و سزا کا معاملہ قیامت کے اوپر موقوف نہ ہو چکا ہوتا تو یہیں عذاب آ جاتا، اس لئے دنیا میں عذاب نہ آنے سے اہل ایمان کو متاثر نہ ہونا چاہئے، ان کے عذاب کا وقت مقرر ہے، اس وقت کھلی آنکھوں دیکھ لیں گے کہ ظلم کرنے والے کس درجہ عذاب شدید میں مبتلا ہیں۔ بس انتظار چاہئے۔

## کیا دعائیں قبول نہیں ہوئیں؟

امریکہ کے حالیہ حملے کے وقت تمام عالم اسلام کے مسلمانوں نے بہت دعائیں کیں مگر تب بھی طالبان بکھر گئے، دعا رائیگاں گئی؟ یہ سوال بہتوں کو پریشان کئے ہوئے ہے، جواب یہ ہے کہ اہل ایمان کی دعا کبھی رائیگاں نہیں ہوتی، لیکن قبولیت کے لئے جلد بازی نہیں

کرنی چاہئے، انتظار چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول کرتے ہیں، لیکن اس کے ظہور کا وقت مقرر فرمادیتے ہیں، وقت پر اس کا ظہور ہوگا۔ ہندوستان میں بابری مسجد شہید کردی گئی، مسلمانوں نے بہت دعائیں کیں، مگر اسے شہید کردیا گیا، وہ دعائیں کیا رائیگاں ھئیں نہیں، اس کے عوض اسی سرزمین پر کتنی عالیشان مسجدیں وجود میں آگئیں، کتنے لوگ نمازی بن گئے، دین کی طرف متوجہ ہوگئے، اور سزا و عذاب کی کیسی کیسی شکلیں خود اسی حیوٰۃ دنیا میں ظاہر ہوئیں اور اصل ظہور تو بروز قیامت ہوگا۔ طالبان اور امریکہ کے سلسلے میں کی گئی دعائیں اور بددعائیں رائیگاں نہیں گئیں، دیر سویر ان کے اثرات ظاہر ہوں گے، عجلت مت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو خطاب فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ (سورہ احقاف: ۳۵) پس (اے پیغمبر) تم ایسا صبر کرو جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا، اور ان کے حق میں (عذاب کی) جلدی نہ کرو، یہ جس دن اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو انھیں محسوس ہوگا جیسے دن کی ایک گھڑی دنیا میں ٹھہرے، پس بدکاروں کے علاوہ اور کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

پس اے مسلمانو! جلد بازی کر کے اپنے ایمان کو خراب نہ کرو، ہمارے پیغمبر نے صبر کیا، ہم کو بھی صبر سے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ دیکھئے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کے ظلم و ستم اور اس کی عداوت سے مجبور ہو کر جب بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ یونس:) فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوچکی ہے، سو تم ثابت قدم رہو، اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ دعا کی قبولیت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمایا تھا، مگر اس کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوا تو اگر ایک اولوالعزم پیغمبر کی دعا کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوسکتا ہے، تو کسی اور کو اتنی عجلت کیوں ہو کہ آج دعا کی اور آج ہی اس کا ظہور ہوجائے، مایوس تو وہ ہو جس کا ایمان اللہ پر نہ ہو، یوم آخرت پر نہ ہو۔

غرض یہ کہ طالبان کا وجود اور ان کی حکومت ایک رحمت الٰہی تھی، اللہ نے جب تک چاہا اس کو اٹھالیا، ان میں سے جو شہید ہو گئے یا جو آئندہ شہید ہوں گے، زندگی تو دراصل انھیں کی زندگی ہے، اور موت بھی انھیں کی موت ہے، اللہ کے یہاں وہ سرخ رو ہیں، وہ ناکام نہیں ہیں۔

ہم مسلمانوں کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ انھیں ناکام قرار دے کر اور اللہ کے فیصلوں پر معترض ہو کر اپنے ایمان کو خراب وتباہ کریں۔ طالبان تو بہر حال پندرہویں صدی کے انسان ہیں، جو کفر وضلالت اور ظلم وستم کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی صدی ہے، اللہ نے کتنے پیغمبر ایسے بھیجے، جو زندگی بھر لوگوں کو ہدایت کی دعوت دیتے رہے، مگر کوئی ماننے کو تیار نہ ہوا یا بہت کم لوگوں نے مانا، پھر کتنوں کو ظالموں نے شہید کر ڈالا تو یہ بزرگوار ناکام ہو گئے، انھیں ناکام وہی قرار دے سکتا ہے جس کی نگاہ سے آخرت کی زندگی جو اصل زندگی ہے، اوجھل ہو۔

اے لوگو! نیکی اور سعادت کا کام جتنا تم سے ہو سکے کرتے رہو، اور مشیت الٰہی پر اپنی تجویزوں کو بنیاد بنا کر اعتراض نہ نکالو اور نہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو، اس دنیوی ''متاعِ غرور'' (دھوکے کے سامان) کو اپنی زندگی کا حاصل نہ قرار دو، ورنہ دائمی خسارہ میں مبتلا ہو گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (سورہ حج: ۱۱) بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت ایک کنارے پر ہو کر کرتے ہیں، پس اگر انھیں کوئی بھلی بات حاصل ہوتی ہے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر وہ آزمائش میں پڑ گئے تو منہ کے بل پلٹ جاتے ہیں، یہ دنیا وآخرت دونوں کے خسارے میں پڑے۔ دیکھو یہ کھلا ہوا خسارہ ہے۔

تو ایک آزمائش کی وجہ سے اے ایمان والو! کیوں دنیا وآخرت کا خسارہ مول لیتے ہو۔

(جنوری ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اعظم گڈھ کا حادثۂ کبریٰ

اعظم گڈھ شہر کے مشہور ڈاکٹر، امراض قلب کے بہترین معالج ڈاکٹر محمد سلیم صاحب کو ڈاکوؤں نے مع خاندان کے شہید کرڈالا، اس حادثہ پر حضرت مولانا نے ایک تفصیلی اداریہ تحریر فرمایا، جو ماہنامہ ضیاء السلام، اپریل ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا، اس کے دو حصے تھے، ایک ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سے متعلق تھا، وہ مولانا کی کتاب ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں شائع ہو چکا ہے، دوسرا حصہ رضا بالقضاء اعتماد علی اللہ کے مضمون پر مشتمل تھا، اسے اس کتاب کا جز بنایا جا رہا ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

ان حادثوں کی وجہ سے دل میں خوف اور دہشت نہیں ہونی چاہئے، مومن بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتا، نہ مال کا نقصان اسے ڈرا سکتا ہے، نہ جان کی تباہی، جب ایک دن مرنا ضرور ہے اور مرنے کے بعد آدمی ضائع نہیں ہوتا بلکہ خدا کے حضور پہونچ جاتا ہے تو اس سے ڈرنا کمزوری کی بات ہے، اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور اس کے ساتھ اپنے بچاؤ کی تدبیریں مناسب حد تک کرنی چاہئیں، یہ تدبیریں بدرجۂ اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے واسطے سے انسانوں کی اور مالوں کی حفاظت فرماتے ہیں، ظاہری تدبیریں تو یہ حکومتی انتظامات ہیں، جن کی ناکامی یا بدنیتی کا ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، اور اس کے علاوہ ظاہری تدبیریں جو شرعاً محمود ہوں، اختیار کی جائیں، لیکن ان سے پہلے وہ باطنی اور روحانی تدبیریں عمل میں لائی جائیں جن کے ذریعے ہم خود اور ہماری ملکیتیں اللہ کی حفاظت میں آجائیں۔

مال کے سلسلے میں اس کی آمد و خرچ پر نگاہ رکھی جائے، آمدنی پاک ہو، شرعی قانون اور دستور کے مطابق ہو، اور خرچ وہیں کیا جائے جہاں وہ مباح ہو، ناجائز امور سے پرہیز کیا

جائے ، بالخصوص زکوٰۃ جوایک شرعی فریضہ اور دین کی پانچ بنیادوں میں ایک اہم بنیاد ہے، اس کا پورا اہتمام کیا جائے ، جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جاتی ہے، وہ سرکاری طور پر یعنی اللہ کی سرکار میں محفوظ ہوجاتا ہے، اب اس میں نقصان کا اندیشہ بہت کم ہوجاتا ہے، حساب کرکے پائی پائی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے ۔ یہ مال اللہ کی ضمانت اور حفاظت میں آجاتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: جس مال میں زکوٰۃ کا مال غلط طور سے شامل ہوجاتا ہے وہ مال معرض ہلاکت میں آجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صبح وشام قرآن وحدیث میں واردشدہ دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کیا جائے ، کتنی بلائیں ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ دفع فرماتے ہیں، اللہ کا نام بہت بڑا اور بہت بابرکت ہے، اس نام کو ہم بھول جاتے ہیں، تو طرح طرح کی بلائیں اترتی رہتی ہیں۔

(۱) بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ صبح وشام ۳/۳ بار پڑھ لیا جائے ، تو انشاء اللہ ہر بلائے ناگہانی سے حفاظت ہوگی ، یہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت ہے۔

(۲) اوپر والی دعا کے ساتھ ۳ مرتبہ یہ کلمات بھی شامل کرلئے جائیں: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔

(۳) رات میں سونے سے پہلے آیت الکرسی ایک مرتبہ۔ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ سے ختم سورۃ بقرہ تک ، ایک مرتبہ سورہ طارق کی آخری آیتیں اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا سے آخر تک ۲۵/ مرتبہ پڑھ لیا جائے ، تو چوروں ، ڈاکوؤں اور شریر جن وانس سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۴) آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا

اِصْراً کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔

(۵) إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْداً وَّأَكِيْدُ كَيْداً فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْداً

(۶) ذیل کی دعا صبح وشام اہتمام سے پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِيْنِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي۔ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَاٰمِنْ رَوْعَاتِي۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِيْنِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي۔

(۷) کوئی خطرہ پیش آئے تو پڑھیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

ان دعاؤں اور وظائف کو عمل میں لائیں، انشاءاللہ بلاؤں سے حفاظت ہوگی۔

☆☆☆☆☆

# گجرات کا انسانیت سوز فساد

رام مندر کا نام لے کر، رام مندر والوں نے پھر قتل وخوں ریزی کا ایک وحشتناک ہنگامہ برپا کیا۔ احمد آباد، سورت اور گجرات کا ایک بڑا حصہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا، مسلمان قصوروار ہے، اس لئے کہ وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتا، اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہیں مانتا، وہ صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس قصور کی بنا پر اسے ہندوستان میں جینے کا حق نہیں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (سورۃ البروج: ۸/۹) اور وہ ان سے صرف اس بات کا انتقام لے رہے تھے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے جو زبردست ہے، تعریف والا ہے، جس کی حکومت آسمانوں پر ہے اور زمین پر ہے، اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے۔

اخبارات میں تفصیلات آچکی ہیں، ظلم وبربریت کی چکی جو چلی ہے، اس نے انسانیت کو، رحم ومروت کے جذبات کو پیس کررکھ دیا ہے، لیکن کیا ان مظالم کی وجہ سے مسلمان ختم ہوجائے گا، اسلام مٹ جائے گا، واللہ ایسا نہ ہوگا، یہ اہل اسلام کے لئے ایک آزمائشی دور ہے، کاش ان آزمائشوں کے نتیجے میں اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے، اسے راضی کرتے، واقعی وہ سب پر غلبہ رکھتا ہے، اوراس کی ذات لائق حمد ہے، آسمان وزمین سب اس کے حکم وارشاد کے ماتحت ہیں، نہ یہاں کی حکومت، نہ یہاں کے باشندے، یہ یہاں کا قانون، کوئی درد کی دوا نہیں ہے، درد کی دوا خود ان کے پاس ہے، وہ ہے اللہ کی طرف پلٹنا۔ فَفِرُّوْا إِلَى اللهِ، (سورۂ ذاریات:۵۰) اللہ کی طرف بھاگو۔ اس کے احکام وفرامین کا مجموعہ تمہارے پاس موجود ہے، نفسانی خواہشات اور مال وجاہ کی حرص وہوس کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت پر جمع ہوجاؤ، اللہ کو راضی کرو، اسی کے حضور روؤ، گڑگڑاؤ، اور کسی کا خوف دل میں نہ لاؤ، وہی ہر درد کا علاج ہے۔

مسلمان اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ کے علاوہ نہ کسی کا خوف اس کے دل میں ہوتا ہے، اور نہ کسی سے امید رکھتا ہے، مشکل یہ ہے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری تو ہوتی نہیں، اور اپنی مرضی کے موافق اس سے مدد چاہتے ہیں، معاملہ دونوں طرف سے ہوتا ہے، اِدھر سے عبادت واطاعت اور اُدھر سے نصرت واجابت! حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّی فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَان فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

اور جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں، تو میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، تو انھیں چاہئے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ راہ راست پر رہیں۔ (اپریل ۲۰۰۲ء [محرم ۱۴۲۳])

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# کفر کی ایذا رسانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْراً وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اللّٰہَ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (سورہ آل عمران: ۱۸۶)

ترجمہ: ایسا ضرور ہوگا کہ تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں تمہاری آزمائش ہوگی، اور یہ بھی ضرور ہوگا کہ تم اگلی کتاب والوں اور مشرکوں کی طرف سے بہت بدگوئی سنو گے، اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لو تو یہ ہمت کی بات ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

”یہ خطاب مسلمانوں سے ہے کہ آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی، اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی، قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب کا چھوٹنا، اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننا پڑیں گی۔ ان سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے، اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے، تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہوگا، جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ (فوائد عثمانی، ص: ۹۶، مطبوعہ شاہ فہد کمپلیکس، مدینہ منورہ)

کفر نے اسلام کو کبھی برداشت نہیں کیا ہے، شرک کو کبھی گوارا نہیں ہوا ہے کہ توحید کو فروغ ملے، شیطان نے ابتداء ہی سے آدم اور اولادِ آدم کے ساتھ لڑائی چھیڑ رکھی ہے،

کفر اور شرک کے مزاج میں جھوٹ اور منافقت کا خمیر ہے، اسے اسلام اور توحید کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہے، اس کیلئے سچ غریب کیا مدد کر سکے گا، جھوٹ ہی کے کندھے پر پروپیگنڈے کی مشین رکھی جاتی ہے، جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں پروپیگنڈہ ایک عالمگیر فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اسے آج کی اصطلاح میں ''میڈیا'' کہتے ہیں۔ بات چاہے کتنی ہی غلط اور بے بنیاد ہو مگر میڈیا اسے ذہن و دماغ میں اس طرح اتار دیتی ہے جیسے وہی بے بنیاد، دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہو، اور عمل خواہ کتنا ہی مخلصانہ اور عبادت کا ہو، میڈیا کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اسے کائنات کا سب سے زیادہ ڈر اور خطرناک ثابت کر دیتی ہے۔

اہل اسلام کو شروع ہی سے غلط سلط پروپیگنڈے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور آج تو اس پروپیگنڈے نے میڈیا کی شکل اختیار کر کے وہ قیامت بپا کر رکھی ہے کہ ہر جھوٹ سچ اور ہر بھلائی برائی بن کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی مذکرہ بالا آیت میں مسلمانوں کو اسی بات پر متنبہ فرمایا ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا ''تمہیں یہودیوں، عیسائیوں اور کفر و شرک کے دوسرے پیروکاروں سے تکلیف کی بہت سی باتیں سنائی دیں گی۔

آج میڈیا پوری طاقت سے چیخ رہی ہے، اور ہر چہار جانب سے پکار رہی ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں، رجعت پسند ہیں، بنیاد پرست ہیں، اسلام کے اصول و قوانین فرسودہ ہیں، دنیا کی ترقی سے مانع ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ میڈیا وہی ہے جو یہود و نصاریٰ اور ہنود کے قبضے میں ہے، مسلمان گھبرا گھبرا کر کہتا ہے کہ اس تہمت کا جواب دینا چاہئے، لیکن اہل اسلام کے پاس وہ وسائل نہیں ہیں، اور اگر وسائل بھی ہوں تو جھوٹ بولنے کا وہ حوصلہ کہاں سے لائیں، جو ان یہود و نصاریٰ کو حاصل ہے، مسلمان کے دل میں اگر ذرا بھی ایمان کی رمق ہے تو اس کا ضمیر گریبان گیر ہوتا ہے، ہرگز زبان سے یا قلم سے جھوٹی بات صادر نہ ہو، اور واقعہ یہ ہے کہ پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈہ نہیں ہے، جھوٹ کی کاٹ جھوٹ نہیں

ہے، تہمت کا جواب تہمت نہیں ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو حق تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس پروپیگنڈہ، اس تہمت طرازی اور اس جھوٹ کا جواب دو چیزوں کا مجموعہ ہے: ایک **صبر**، دوسری **تقویٰ**۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ پروپیگنڈے کی شدت سے متاثر ہو کر آدمی گھبرا نہ جائے، نہ اپنے عقائد و نظریات سے بدظن ہو جائے، نہ ایمان و عمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے، نہ اپنے اسلام و ایمان سے شرمندگی محسوس کرنے لگ جائے۔ اور تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اعمال و عقائد کے تمام شعبوں میں وہی چیز اہتمام سے اختیار کرے جو اللہ کی پسندیدہ ہو، یعنی ظاہر و باطن ہر اعتبار سے شریعت کے احکام کا پابند ہو، یہ نہیں کہ میڈیا جھوٹ بول رہی ہے، تو ادھر سے بھی جھوٹ کو فروغ دیا جائے۔

صبر و تقویٰ! دونوں چیزیں ہیں بڑے ہمت اور حوصلہ کا کام، مگر مسلمان بڑا حوصلہ مند ہوتا ہے، ہم ہمتی، بے حوصلگی مومن کا کام نہیں، اس مجموعہ پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت کا نزول ہوتا ہے، کاش اسے ہم سمجھتے۔

(جولائی ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عدیم الفرصتی کا بحران

آج کے دور کا انسان بڑا عدیم الفرصت ہے، یعنی اسے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بہت سے ضروری کام وہ کر سکے، عموماً ہر شخص کو آپ اس کا شاکی پائیں گے کہ کیا کریں صاحب! فرصت نہیں۔ ہمارا ادارہ ایک دینی، اصلاحی، تربیتی رسالہ کا اہتمام کرتا ہے، یہ رسالہ بہت ضخیم نہیں ہوتا، کل ۴۸ رصفحات پر مشتمل! مگر بہت سے احباب شکایت کرتے ہیں کہ پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، خیر یہ تو ایک رسالہ ہے، اس کا پڑھنا نہ فرض ہے نہ واجب! فرصت ہو، جب بھی نہ پڑھیں، تو بھی نہ کوئی ملامت، نہ گناہ! لیکن شکایت تو اس کی ہے کہ لوگوں کو پانچ وقت نماز پڑھنے کی فرصت نہیں ملتی، تلاوت قرآن کا موقع نہیں ملتا، ذکر واذکار کا وقت نہیں ملتا، پڑوسیوں کی خبر گیری کی فرصت نہیں ملتی، علماء ومشائخ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے، ان سے کچھ حاصل کرنے کا وقت نہیں ملتا، اور بھی بہت سے وہ کام ہیں جن کی دینی زندگی میں بہت اہمیت ہے، اور جن کی آخرت میں بڑی پوچھ ہے، اور وہاں ان کی قدر وقیمت بہت زیادہ ہے، ان کا موقع نہیں ملتا۔ آخر یہ عدیم الفرصت لوگ کس کام میں اتنا منہمک رہتے ہیں کہ اتنے ضروری اور مفید کاموں کے لئے انھیں وقت نہیں ملتا۔ ہمارے ایک دوست جو ڈاکٹر ہیں، ایک روز ان سے میں نے خیریت دریافت کی، تو فرمانے لگے کہ کیا کریں کام تو کچھ نہیں ہے، مگر مشغولیت بہت زیادہ ہے، میں چونک گیا کہ کام نہیں تو مشغولیت کیسی؟ وہ ہنسنے لگے کہ واقعی ایسا ہی ہے، دن بھر مصروف رہتا ہوں، مگر جب شام کو جائزہ لیتا ہوں تو دن بھر میں کوئی خاص کام ہوا ہو دکھائی نہیں دیتا۔

جی ہاں! کوئی کام نہیں، یا ہے تو بہت کم ہے، مگر مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ کیا مصروفیت ہے؟ آج کا آدمی دنیا کمانے میں، مال حاصل کرنے میں بہت مصروف ہے، مگر جتنے وقت میں مال حاصل کرنے کا کام ہوتا ہے، اگر آدمی اس کا منصفانہ حساب کرے تو وہ ۲۴ر گھنٹے میں بہت زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ تاجروں کی دوکانداری کے، ملازموں کی ملازمت کے، مزدوروں کی مزدوری کے اوقات متعین ہیں، کسی کی ڈیوٹی ۸ر گھنٹے کی ہے، کسی کی ۶ر گھنٹے کی ہے، کسی کو کسی گھنٹے کی پابندی نہیں ہے، مگر پھر بھی سارا وقت مصروف ہے، نماز کا وقت نہیں ملتا، تلاوت کا وقت نہیں ملتا، ذکر کا وقت نہیں ملتا، کسی دینی کتاب یا رسالہ کے مطالعہ کا وقت نہیں ملتا، پھر یہ عدیم الفرصت لوگ کیا کرتے ہیں؟ کوئی کاروبار ۲۴ر گھنٹے کا نہیں، کوئی ملازمت ۲۴ر گھنٹے کی نہیں، مگر حد یہ ہے کہ سونے جاگنے کے اوقات بھی غیر منضبط ہیں، کھانے پینے کے وقت میں گڑبڑ بہت ہے، آخر کیا بات ہے؟

کبھی آپ نے اس تضاد پر غور کیا، وقت بہت ہے، مگر فرصت بالکل نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ دنیا اسی مسلسل مصروفیت کے سہارے چل رہی ہو، اگر اس مصروفیت کو کم کر دیا جائے یا چھین لیا جائے تو دنیا کی طبعی رفتار میں کوئی خلل آجائے گا، ایسا نہیں ہے، مصروف سے مصروف ترین انسان اچانک دنیا سے اٹھ جاتا ہے، اس کی مصروفیت ختم ہو جاتی ہے، وہ پوری فرصت کے ساتھ قبر میں لیٹ جاتا ہے اور دنیا چلتی رہتی ہے، اس کا گھر آباد رہتا ہے، دنیا کا نظام برقرار رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقت سب کے لئے ایک بنایا ہے، سب کے حصے میں دن اور رات کے ۲۴ر گھنٹے آئے ہیں، ہاں عمروں میں فرق رکھا ہے، لیکن یہ فرق موت سے پہلے معلوم نہیں ہوتا، مسئلہ ان ۲۴ر گھنٹوں کے استعمال کا ہے، وقت نہیں ملتا، فرصت نہیں ملتی، وغیرہ یہ شکایتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں، اس کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔

عموماً دیکھا جاتا ہے، آدمی لذت کا جویا ہے، وہ لذتوں کے پیچھے دوڑتا ہے، اسے وقت کے گزرنے کا احساس بہت کم ہوتا ہے، جب اسے نفس کی لذت حاصل ہوتی ہے۔

بہت دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ فرصت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں، وہ اپنے اوقات کو ایسے کاموں، ایسی باتوں اور ایسی جگہوں میں بے تحاشا صرف کرتے ہیں جن میں ''لذت نفس'' کے علاوہ اور کوئی بات حاصل نہیں ہوتی، لایعنی باتیں، بلکہ گناہ کی باتیں، بے مقصد سیر وتفریح، بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں جگہ اچھی چائے ملتی ہے، تو وہاں جارہے ہیں، فلاں جگہ پان اچھا ملتا ہے، تو وہاں چلے جارہے ہیں، گویا لذت نفس کی جستجو میں دوڑے پھرتے ہیں، پھر جن چیزوں میں نفس کی لذت نہیں ہے ان کے لئے فرصت کہاں سے آئے، وقت ملے تو کیسے ملے؟ آپ کہیں گے کہ یہ خصلت بچوں اور نوجوانوں کی ہے؟ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ بچہ اور نوجوان جن لذائذ نفس پر پختہ ہوگا، کیا ادھیڑ عمر میں یا بڑھاپے میں اس سے نجات مل جائے گی، کل کا نوجوان جن عادتوں میں پلا بڑھا ہے، آج کا ادھیڑ اور بوڑھا انھیں عادتوں میں محصور ہے۔ یہ ''لذت نفس'' انسان کے لئے دوست نہیں دشمن ہیں، یہ ہر کمال کے حصول میں رکاوٹ ہیں، ان میں آدمی مال بھی برباد کرتا ہے، اور وقت کو بھی تباہ کرتا ہے، اور نتیجے میں اللہ کو بھی ناراض کرتا ہے۔

ہمارے معاشرے سے تربیت نام کی چیز رخصت ہوگئی ہے، بچہ اگر کچھ کما کر لا رہا ہے تو پھر وہ آزاد ہے، جو چاہے کرے، کسی کو فکر نہیں کہ وہ کس راہ پر جا رہا ہے، اور گھر میں مال کی بہتات ہے تو ناز برداریاں ہیں، کہاں کی تربیت اور کہاں کی روک ٹوک! پھر یہی بچے انھیں آزادیوں اور گناہوں کو لئے عمر کی پختگی کو پہونچتے ہیں تو یہ عادتیں بھی پختہ ہوجاتی ہیں، پھر دنیا کی ضروریات، تقاضے انھیں گھیر لیتے ہیں، تو وہ مجبوراً ''کسب مال'' میں لگتے ہیں، اور کسب مال کے دھندے سے کچھ فراغت ہوتی ہے تو پچھلی عادتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں، ان مشغولیتوں کے درمیان ظاہر ہے کہ طاعات وعبادات یا مطالعہ علم کی کہاں فرصت؟

ان بے معنی بلکہ گناہ کے مشاغل کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ وقت کی برکت ختم ہوجاتی ہے، کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، واقعہ یہی ہے کہ ایمان والے کا کام ظاہری وسعت وگنجائش سے نہیں بنتا، بلکہ اس راس المال (اصل سرمایہ) خدا کی طرف سے برکت ہے،

برکت مال میں بھی ہوتی ہے، وقت میں بھی ہوتی ہے، آل اولاد میں بھی ہوتی ہے، اعمال میں بھی ہوتی ہے، قلوب اور ارادوں میں بھی ہوتی ہے، اور جہاں برکت آتی ہے وہاں آدمی کو کامیابی بھی ملتی ہے، اور دل کا اطمینان وسکون بھی ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دعا اپنی امت کو تعلیم فرمائی ہے، وہ دعا بہت سے مقاصد کو مشتمل ہے، اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ اے اللہ! آپ ہمارے لئے ہمارے کانوں میں، نگاہوں میں، ہمارے دلوں میں، ہماری بیویوں میں اور ہماری اولاد میں برکت عطا فرمایئے، اور آپ ہم پر رحمت ومغفرت والی توجہ فرمایئے، بلاشبہ آپ توجہ فرمانے والے، رحمت والے ہیں۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ برکت کان میں بھی ہوتی ہے، آنکھ میں ہوتی ہے، دل میں بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ یہ اعضاء آخر تک صحیح وسالم اور بعافیت رہیں، اور کام ہی کی باتیں کان میں اور کام ہی کی چیزیں نگاہ میں، اور اچھے صاف ستھرے خیالات اور ارادے دل میں رہیں۔ دل الجھنوں سے، تشویش سے، آج کی اصطلاح میں ''ٹینشن'' سے پاک رہے، یہ دل کی برکت ہے، پھر بیوی بچوں میں بھی برکت ہوتی ہے، وہ یہ کہ انھیں دیکھ کر، ان کے درمیان رہ کر آدمی روح کا سکون پائے، یہ مطیع وفرمانبردار ہوں، باادب اور محبت کرنے والے ہوں، جیسے یہ سب برکتیں ہیں، اسی طرح وقت میں بھی برکت ہوتی ہے، وقت بظاہر تھوڑا ہوتا ہے، مگر کام بہت ہوتا ہے، وقت کی بے برکتی یہ ہے کہ آپ اپنی کسی حاجت میں نکلے، دن بھر متعلقہ جگہوں کا چکر لگایا، مگر کام نہیں ہوا، کبھی وہ آدمی نہیں ملا، جس سے کام ہونا تھا، کبھی ملا تو وہ خود پریشانی میں تھا، کبھی اور کوئی مجبوری سامنے آگئی، اور برکت یہ ہے کہ آپ کو ضرورت پیش آئی اور گھر بیٹھے اس کا انتظام ہوگیا، یا حرکت وعمل کی ضرورت پڑی، مگر مختصر سی کاوش کے بعد وہ کام پورا ہوگیا، پھر سارا وقت دوسرے کاموں کے لئے بچ گیا۔ ایک جگہ ایک نیک آدمی تھا، مٹھائی بنا کر بیچتا تھا، وہی ذریعہ معاش تھا، وہ رات کے حصے میں اپنے گھر والوں کی مدد سے ایک خاص مقدار میں مٹھائی بنالیتا تھا، صبح وقت پر دکان کھولتا تھا، اور اسی

وقت خریدار آکر سب مٹھائی خرید لے جاتے تھے، باقی اس کا دن فارغ ہوتا تھا، جس کو وہ تلاوت وعبادت اور ذکر وفکر سے معمور رکھتا تھا۔

آج سے ۲۵؍سال پہلے کی بات ہے، میں حضرت مولانا قاری سیّد صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر تھا، اس وقت مولانا کے پاس خلقت کا اتنا ہجوم نہ ہوتا تھا، جتنا بعد میں رہنے لگا تھا، ان کا مدرسہ خاصا وسعت اختیار کر چکا تھا، دیہات کا علاقہ، بجلی کا نظم معقول نہ تھا، بعض مدرسین بیٹھے تھے، وہ مولانا سے کہہ رہے تھے کہ ایک چھوٹا ساٹرانسفارمر مدرسے کے لئے لگ جاتا تو بجلی کی سہولت ہوجاتی، مولانا فرمارہے تھے، اس کے لئے کیا کیا کرنا ہوگا، کتنا دوڑنا پڑے گا، پھر بجلی کا محکمہ ہے، اللہ جانے اس کے قانونی اور غیر قانونی ضابطے کیا کیا ہوں؟ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک صاحب جو پتلون پہنے اپنی کسی ضرورت کے لئے حضرت کے پاس بیٹھے تھے، بول پڑے کہ مولانا جی! اس محکمے کا ذمہ دار میں ہی ہوں، ایک درخواست مجھے لکھ کر دیدی جائے، میں ٹرانسفارمر لگوادوں گا، مولانا بہت خوش ہوئے، ان کو دعائیں دیں، کاغذ لایا گیا، درخواست بھی انھیں نے لکھی، مولانا نے دستخط کئے، انھوں نے اسے جیب میں رکھ لیا، کہنے لگا چار پانچ روز میں ٹرانسفارمر لگ جائے گا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ وقت کی برکت یہ ہے؟ ورنہ اللہ جانے اس ایک کام کے لئے کتنا دوڑنا پڑتا اور کتنا وقت اور مال لگانا پڑتا۔

ہمارے یہاں وقت کی برکت کا ایک لمبا سلسلہ ہے، رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوکر انھیں کے طفیل میں ان کے نائبین ووارثین تک ایک طویل تاریخ ہے، تھوڑے وقت میں ان حضرات نے بہت کام کئے، اور وقت کی تنگی یا عدیم الفرصتی کی شکایت نہیں کی۔

رسول اللہ ﷺ نے عالم انسانیت میں جو خوشگوار انقلاب برپا کیا، وہ کتنی مدت میں ہوا، صرف ۲۳؍سال کی مدت میں۔ آپ سیرت کی کتابیں پڑھ جایئے، حدیثوں کا مطالعہ کر لیجئے، کہیں آپ عدیم الفرصتی کی شکایت نہیں پائیں گے، فرصت کا تو یہ عالم ملے گا کہ نوافل میں گھنٹوں آپ کھڑے رہتے تھے، آپ کی سیرت کے تذکرے میں آپ کو ملے گا کہ آپ

سے جب کوئی مصافحہ کرتا تھا تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں چھڑاتے تھے جب تک وہ خود نہ چھوڑتا، عدیم الفرصت آدمی ایسا کرسکتا ہے۔

آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے حالات میں بھی یہی برکت نظر آتی ہے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون عدیم الفرصت ہوسکتا ہے، مگر فرصت کی فراوانی کا حال یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اونٹ بھاگ گیا ہے، تو امیر المومنین خود اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ بدو کے یہاں رات میں ولادت کا مرحلہ ہے، اس کا خیمہ مدینہ سے باہر ہے تو آپ خود اپنی زوجہ مکرمہ کو لے کر اس کے پاس پہونچتے ہیں، اور جب تک بچہ بخیریت تولد نہیں ہوجاتا، وہاں سے ہٹتے نہیں، ایک عورت خالی ہانڈی آگ پر چڑھائے ہوئے ہے، آپ کو معلوم ہوتا ہے تو بیت المال سے کھانے پکانے کا سامان لے کر خود جاتے ہیں، خود آگ جلاتے ہیں، خود پکاتے ہیں، بچوں کو کھلاتے ہیں اور خوش ہوکر آتے ہیں، کس قدر فرصت تھی۔

اب آیئے، تاریخ کے صفحات کو سمیٹتے ہوئے دار العلوم دیوبند تک آیئے! دار العلوم دیوبند میں ایک بڑا جلسہ ہورہا ہے، علماء کرام کا مجمع ہے، عوام کی بھیڑ آرہی ہے، زبردست انتظام ہے، مگر منتظم اعلیٰ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب علیہ الرحمہ کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ دیکھتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح لئے اطمینان سے ٹہل کر وظیفہ پڑھ رہے ہیں، جیسے ان کو اس انتظام سے کوئی تعلق ہی نہیں، حالانکہ تمام تر انتظام انھیں کا تھا، حضرت تھانوی نے عرض کیا، حضرت اتنا بڑا انتظام ہے، اور آپ اس درجہ اطمینان سے مصروف تسبیح وتہلیل ہیں، فرمایا میاں! یہ تو ایک مدرسہ اور ایک جلسہ ہے، ہم کو تو حکومت دیدو تو اسی طرح تسبیح پڑھتے ہوئے کام کرلیں گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت میں برکت ہمہ گیر ہوتی ہے۔

لیکن اس کی طرف کون آتا ہے، بظاہر اس میں لذت نفس نہیں ہے، اس لئے آدمی اس سے گھبراتا اور کتراتا ہے، حالانکہ جس حال اور جس مشغلہ میں وہ ہے، وہ سراسر رنج وکلفت کا حال ہے۔ إن فی ذٰلک لعبرة لاولی الابصار۔ (ستمبر ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# میڈیا اور پروپیگنڈے کی حقیقت

أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لَن يَّضُرُّوكُمْ﴾ ای الیھود یا معشر المسلمین بشئی ﴿اِلَّا اَذًى﴾ باللسان من سب و وعید ﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْاَدْبَارَ﴾ منھزمین ﴿ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ علیکم بل لکم النصر علیھم۔ (سورہ آل عمران:۱۱۱، جلالین شریف)

**ترجمہ**: اے مسلمانوں کی جماعت یہود (تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے) زبان سے (تکلیف پہونچانے کے) کہ کچھ گالی گلوج اور دھمکیاں دے لیں (اور اگر وہ تم سے لڑائی کریں تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی) تمہارے خلاف (مدد نہیں ہوگی) بلکہ تمہاری ہی مدد ان کے خلاف ہوگی۔

مسلمانوں میں تین چیزیں ہوں، جن کا تذکرہ اس رکوع کی پہلی آیت (۱) میں ہوا ہے یعنی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، اگر یہ تینوں باتیں موجود ہوں تو خبر دی گئی ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ تم کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ ہاں اتنا ضرور ہوگا کہ ان کی زبان سے تمہیں تکلیف ہوگی، یہ تہمت تراشیاں کریں گے، برا بھلا کہیں گے، طرح طرح کی دھمکیاں دیں گے، اس سے تمہیں تکلیف ہوگی، ایک خوف کا ماحول بنا رہے گا۔ آج کی زبان میں ''دہشت گردی'' کریں گے۔

چنانچہ یہی بات آج بھی ہے، یہ قوم جھوٹے پروپیگنڈے پھیلانے میں سب سے طاق ہے، میڈیا اس کے ہاتھ میں ہے، ہمہ وقت کچھ نہ کچھ غلط سلط باتیں مسلمانوں کے خلاف ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا میں پھیلتی رہتی ہیں، ہر روز ایک نئی بات، یا روزانہ مکرسہ کرر ایک ہی جھوٹی بات اتنی مرتبہ کہی جاتی ہے کہ وہ جھوٹ سچ بن کر رہے،

مسلمان بے چارہ کبھی صفائی دیتا ہے، کبھی اس جھوٹے پروپیگنڈے کے خلاف احتجاج کرتا ہے، قرار دیں پاس کرتا ہے، مگر بات جوں کی توں رہتی ہے، پھر گھبرا کر علماء پر اور اپنے رہنماؤں پر خفا ہوتا ہے، کہ یہ لوگ کیوں نہیں ہمہ گیر قسم کا جواب دیتے کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے، پھر مزید ناراض ہو کر کہتا ہے کہ ان علماء نے سائنسی ترقی کی اہمیت کو نہیں سمجھا، یہ صرف اپنے مدرسوں میں بند رہتے ہیں، سائنسی طاقت ان کے ہاتھ میں ہوتی تو منہ توڑ جواب دیا جا سکتا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں!

مسلمان اس آیت مبارکہ پر غور کریں اور انصاف سے اپنا، اپنے اعتقاد ویقین کا، اور اپنے کردار وگفتار کا جائزہ لیں، مسلمانوں کی سیاست اور ان کی زندگی کا اور اس کا محور اور ان کا مقصدِ زندگی تو آخرت کی سرخروئی اور کامیابی ہے اور ان کا اعتماد وانحصار اللہ کی ذات پر ہے، مسلمان پابند ہیں، آزاد نہیں ہیں، انھیں ہر عمل اور قول میں اللہ کے احکام کو پیش نظر رکھنا ہے اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے، اس لئے مسلمان کسی بھی گناہ میں اس حد تک نہیں جا سکتا جہاں تک کافر پہونچتا ہے۔

جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تمام دنیاوی تدبیروں کا مکلّف نہیں بنایا ہے، تقویٰ وطہارت کے ساتھ کچھ کچھ تدبیریں ان کے لئے کافی ہیں، تدبیروں میں انہماک اور غلو ان کے حق میں مفید تو کیا مضر ثابت ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے خیر امت ہونے کی تین بنیادیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہیں: ایک امر بالمعروف، دوسرے نہی عن المنکر، تیسرے ایمان باللہ، یہ تینوں چیزیں جس درجے میں مطلوب ہیں، انھیں حاصل کرنے کی مسلمان کوشش کرے، اس کے بعد یہود ونصاریٰ کی مشنری ان کے خلاف زہر اگلتی، ان کی میڈیا فضا میں آگ برساتی رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان وقلم کی ایذا رسانی رہے گی، لیکن مسلمان اپنے طریق کار پر مضبوطی سے ثابت قدم رہیں تو ان باتوں کا کوئی خاص ضرر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی نصرت وطاقت سے ہر ایک کا جواب فراہم کر دیں گے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ مسلمان غلط پروپیگنڈوں سے مرعوب ہو کر ان چیزوں سے

بھاگ کھڑا ہوتا ہے، جو مطلوب اور ضروری ہیں، اور دنیاوی تدبیروں کو اتنی اہمیت دینے لگتا ہے، جیسے وہی کارساز ہوں، ہمارے ملک میں تو مسلمان بہت کچھ بے بس اور کافروں کی زیادتیوں کے شکار ہیں، گوکہ انفراداً اور اجتماعاً یہاں بھی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کے میدان میں بڑی وسعت ہے، لیکن اللہ کو ماننے والا ادھر سے روگردانی کر کے، اپنے نفسانی جذبات کی تکمیل میں منہمک رہتا ہے، اسی میں مال بھی پھونکتا ہے، اسی میں وقت بھی ضائع کرتا ہے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک جگہ یہ راقم موجود تھا، دوسری جگہ جانے کے لئے ایک کرایہ کی گاڑی کی تلاش جارہی تھی مگر مل نہیں رہی تھی۔ اتوار کا دن تھا، مجھے تعجب ہورہا تھا کہ اتنا مالدار شہر ہے، گھر گھر گاڑیاں ہیں پھر بھی نہیں مل پارہی ہے، معلوم ہوا کہ آج اتوار ہے، مسلمانوں کے خوش عیش گھرانے، ان کے بچے اور نوجوان گاڑیاں بک کرالیتے ہیں، اور ان میں بھر بھر کر دور دراز جگہ میں پکنک منانے جاتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ یہ سن کر دل کو بڑا دھکا لگا کہ ہمارے موجودہ حالات اس ملک میں کیا اس طرح کے بے جا اور بے تحاشا فضول بلکہ معصیت کے اخراجات کی اجازت دیتے ہیں؟ کیا انھیں لچھنوں پر اللہ کی نصرت وحمایت کی امید ہے؟

خیر یہ تو اپنے ملک کی بات ہے، جہاں سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمان مغلوب ہیں۔ رونا تو یہ ہے کہ جہاں مسلمان سیاسی اعتبار سے بالا دست ہیں، وہاں بھی خیر امت ہونے کے مذکورہ اوصاف ناپید ہیں، ان کا انتظام حکومتوں کو کرنا چاہئے، مگر دکھ کی بات ہے کہ وہ اللہ کی تعلیم کو نظر انداز کر کے کفار کے سامنے کاسۂ گدائی لئے نظر آتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم کو بڑا نقصان پہونچ جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، ذرا مذکورہ بالا آیت پر غور کریں، راستہ بھی کھلے گا، تسلی بھی ہوگی، اور حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت بھی ہوگی۔

(اکتوبر ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اہل اسلام کی ذمہ داریاں

آخر امریکہ نے عراق پر ہلہ بول ہی دیا۔ ساری دنیا ہاں ہاں کرتی اور پکارتی رہ گئی، ہر صدا بے اثر، ہر درخواست نا قابل اعتناء، ہر دلیل ناکام، بس ؂

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

ظالم کی نیت پہلے ہی سے بگڑی ہوئی تھی، انجام سے بے پرواہ ہوکر، عراق پر نہیں، عالم اسلام پر اس نے وار کر دیا۔ اسے عراق سے دشمنی نہیں، نہ صدام حسین کوئی چیز ہے، اسے دشمنی اسلام سے ہے، عالم اسلام سے ہے، اس نے جب طالبان سے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا تھا، تو بے ساختہ اسے ''صلیبی جنگ'' سے تعبیر کر گیا تھا اور یہ اس کے دل کی آواز تھی، اسی جنگ کی یہ دوسری قسط اس نے چھیڑی ہے، اس کا نشانہ عالمِ اسلام ہے، اس کی نگاہیں حرمین شریفین پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ وہاں تک تو نہیں پہونچ سکے گا کیونکہ وہاں کا دروازہ کفر اور کافروں پر بند ہو چکا ہے۔ اور کفار کو شاید اس کی بہت تکلیف ہے، کہ دنیا کا کوئی گوشہ اور کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں پر ہر مذہب کا ماننے والا نہ جا سکتا ہو، صرف حرمین شریفین کی پاک اور مقدس سرزمین وہ ہے جہاں کفر وشرک سے آلودہ قلب اور ناپاک قدم نہیں جا سکتا، چاہے وہ وقت کا نمرود وفرعون ہی کیوں نہ ہو، سب کو اپنی سواری کا رخ ادھر سے ہٹانا ہی پڑتا ہے، کفر کو اس سے بڑی تکلیف ہے، وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے۔ ''دجال اکبر'' اپنی تمام تر طاقتوں، شعبدوں اور کوششوں کے باوجود ان دونوں جگہوں میں نہیں گھس سکے گا۔

کعبۂ مقدسہ، مرکز جلال الوہیت ہے، مظہر معبودیت ومحبوبیت ہے، حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السّلام کو حکم تھا کہ: ﴿أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ

السُّجُوْدِ﴾ (سورۃ البقرۃ) میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک وصاف رکھو، یعنی کفر وشرک کی آلودگی، اور بتوں کی نجاست سے پاک رکھو، پھر ایک عرصۂ دراز تک اللہ کا یہ گھر ہر قسم کی آلودگی سے پاک رہا، حضور اکرم ﷺ کی ولادت شریفہ سے تقریباً تین سو سال پہلے، ایک سر پھرے گمراہ نے اس میں بت نصب کر دیا تھا، پھر یہ گندگی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت تین سو سے زائد بتوں کو وہاں رکھ دیا گیا، ہجرت کے آٹھ سال بعد جب آپ نے مکہ فتح کیا تو ان بتوں کو، اور بت پرستوں کو حرم مکہ سے نکال باہر کیا، آپؐ کی برکت سے اب یہ علاقہ بشمول مدینہ منورہ بت پرستی اور کفر وشرک کی نحوست سے پاک ہے، طاغوت نے ہر دور میں زور لگایا کہ اس حرم خداوندی میں دخل اندازی کرے مگر جلال الوہیت وغیرتِ محبوبیت نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ (سورۃ الحج) جو اس میں یعنی حرم میں ازروئے سرکشی ظلم کا ارادہ کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ جس نے حرم مکہ کے ساتھ ظلم وزیادتی کا ارادہ کیا، وہ ٹوٹ کر رہا۔ کبھی دنیا میں بھی اس نے سزا بھگتی، کبھی بظاہر دنیا میں بچا رہا، مگر آخرت کے سخت عذاب سے اسے نجات نہ ملی۔ بت پرستی ایک عرصہ تک اس مرکز توحید میں گھسی رہی، مگر بت پرستوں نے کعبۃ اللہ شریف کے ظاہری ادب کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہیں تھا۔ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، اور طواف کرتے وقت اللّٰھم اغفر لي (اے اللہ میری مغفرت کر دیجئے) کی گردان کرتے تھے، وہ حج کے ارکان ادا کرتے تھے، حد یہ ہے کہ جب کعبہ شریف میں ایک بار آگ لگی، اور اس کی عمارت خستہ ہوگئی، تو اس کی تعمیر نو کے لئے حلال مال کا انھیں بت پرستوں نے جن کے پاس زیادہ تر سرمایہ مالِ حرام کا تھا، اتنا اہتمام کیا اور اس میں اتنی شدت برتی کہ کعبہ کی تعمیر کے لئے خالص حلال مال اتنا نہ جمع ہو سکا جس سے اس کی پوری تعمیر ہو سکتی، تو انھوں نے کعبہ کی عمارت کو چھوٹا کرنا گوارہ کیا، مگر اللہ

کے اس پاک گھر میں ناپاک مال لگانا گوارا نہ کیا، چنانچہ حطیم کا حصہ کعبہ مقدسہ کا جز تھا، اب وہ اس کے باہر ہے، غرض یہ ہے کہ کفر وشرک اور بت پرستی نے خانہ کعبہ کا ظاہری ادب برقرار رکھا تو اسے کچھ عرصہ تک مہلت ملی رہی، پھر ابرہہ نے اس مقدس گھر کے ساتھ شوخ چشمی کی، اس کے انہدام کے لئے فوج لیکر چڑھا۔ اہل مکہ باوجودیکہ بت پرست تھے، مگر جانتے تھے کہ یہ گھر ان بتوں کا نہیں ہے، اللہ کا ہے، انھوں نے اللہ کا گھر اللہ کے حوالے کیا، بتوں کے حوالے نہیں کیا، انھیں مقابلے کی طاقت نہیں تھی، تو اپنی جان لیکر پہاڑوں میں چلے گئے۔ پھر اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت کر لی، ابرہہ اپنے لشکر سمیت پرندوں کے مسلسل حملوں کی تاب نہ لا سکا، اور سب کھائے ہوئے بھس کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر رہ گئے۔

اس دور کے طاغوتوں نے پھر اس دیارِ مقدس پر نگاہ جمائی ہے، عالم اسلام ان کے مقابلے میں کمزوری محسوس کر رہا ہے، سامان جنگ کی بھی کمزوری، فوج کی بھی کمزوری، ہمّت وحوصلہ کی بھی کمزوری، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان کی بھی کمزوری! یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام اگرچہ زمین کے ایک بڑے رقبے پر پھیلا ہوا ہے، مسلمانوں کی حکومتیں بہت سی ہیں۔ اور بہت صاحب ثروت بھی ہیں، قدرتی خزانوں سے مالا مال ہیں، مگر سب سہمے ہوئے ہیں، ہر ایک حکمراں کو یہ فکر ہے کہ اس کی حکومت نہ چلی جائے، اس لئے کوئی دم سادھے بیٹھا ہے، کوئی ہم نوائی اور موافقت میں پیش قدمی کرتا ہے، چند ایک ہیں جو اس طاغوت کو للکارتے ہیں، اگر سارا عالم اسلام ایک آواز ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا، تو کسی طاغوت کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ آنکھ دکھاتا۔ اگر یہ حکومتیں مظلوم طالبان کی حمایت پر کمربستہ ہوگئی ہوتیں، جن پر محض ناحق ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، تو آج بغداد پر چڑھ دوڑنے کی ہمت نہ ہوتی۔ مگر ''حبّ دنیا'' اور ''کراہیت موت'' نے ان حکمرانوں کے قلوب کو دیمک کی طرح چاٹ لیا ہے، مشہور حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد نے حضرت ثوبانؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قریب ہے (وہ زمانہ) کہ (دشمن) قومیں تمھارے خلاف (جنگ کرنے اور تم کو مٹا دینے کے لئے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں

گی جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی کھانے کی لگن کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا کیا اس دن ہماری تعداد کی قلت کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہوگے، لیکن سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگے اور اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھاری ہیبت نکال دیں گے، اور تمھارے دلوں میں ''وہن'' ڈال دیں گے، دریافت کیا گیا حضرت! وہن کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

## دنیا کی محبت اور موت کی کراہت

آج یہی دنیا کی محبت اور موت سے ناگواری کی دیمک قلوب کو چاٹ گئی، کیا حکمرانوں کا طبقہ، کیا اصحاب ثروت کا طبقہ، کیا عوام کی بھیڑ اور کیا خواص کا مجمع! ہر ایک کا ایک ہی حال ہے، **الاّ ما شاء اللہ**

حکمراں طبقہ چپ ہے، یا طاغوت کی ہاں میں ہاں ملا رہا ہے، اصحاب ثروت اپنے مال و اسباب کی فکر اور اس کے اہتمام میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ انھیں جہاں مال کا نقصان محسوس ہوتا ہے متحیر اور حیرت زدہ ہوکر کھڑے رہ جاتے ہیں، عوام ضرور شور مچاتے ہیں، مگر ان کا شور وغل صرف زبان کی حد تک رہتا ہے، ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان طریقوں سے الگ کر لیتے جن پر غیروں کی چھاپ لگی ہوئی ہے، اور وہ طریقہ اختیار کرتے، جو اللہ ورسول کا عطا فرمودہ ہے، کافروں کے خلاف شور وغوغا ضرور ہے، مگر ان کو برتا جائے اور دیکھا جائے تو، پورے پورے کافرانہ طور وطریق پر ملتے ہیں، کیا صورت میں۔ کیا سیرت میں، کیا اخلاق و کردار میں، کیا مال و دولت کی محبت میں، کیا منصب وحکومت کی لالچ میں، کسی رخ سے اسلامی طور وطریق کا پتہ نہیں چلتا۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی، جو اوپر نقل کی گئی ہے، وہ صرف پیشن گوئی نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کیلئے ایک انتباہ ہے، ایک درس عمل ہے، ایک ہدایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ سبب جس سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور ہر وہ بات جس کے نتیجے میں موت

ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے، اسے اپنی زندگی سے خارج کریں، اگر ایسا کر لیا گیا، تو دشمنوں کو حوصلہ نہ ہوگا کہ وہ آپس میں مسلمانوں کے خلاف اس طرح دعوت دیں، جیسے وہ کوئی تر نوالہ ہوں۔ بلکہ ان کی ہیبت دلوں میں اس طرح بیٹھ جائے گی، کہ انھیں اٹھنے کا حوصلہ نہ ہوگا۔

کفر وشرک کے طاغوت، بغاوت اور دہشت گردی کے فرعون نے تمام دنیا میں جنگ کا ایک ماحول بنا دیا ہے، یہ جنگ کسی ایک ملک کے خلاف نہیں ہے، پورے عالم اسلام کے خلاف ہے، اس جنگ میں ہر مسلمان کو اپنی بساط کے مطابق عالم اسلام کی مدد کرنی ہے، یہ ایک فریضہ ہے، جسے اہل اسلام نہ فراموش کریں، نہ اس سے غفلت برتیں، نتیجہ خدا کے اختیار میں ہے، لیکن عمل کی ذمہ داری ہماری ہے۔

مسلمان حکمرانوں کا فریضہ ہے کہ اپنے اختلافات اور ذاتی مفادات کو ایک طرف رکھ کر ہر ممکن طاقت سے اس طاغوت کی شکست وریخت کا بندوبست کریں، حکومت دنیا کی کسی طاقت کے ہاتھ میں نہیں ہے، **مالک الملک** کے ہاتھ میں ہے، وہ برملا اعلان کر دیں اور اپنے دل میں یہ یقین جمالیں کہ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (سورہ آل عمران: ۲۶) تم کہہ دو کہ اے اللہ! اے ملک کے مالک! آپ جسے چاہتے ہیں حکومت دیتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین لیتے ہیں، جسے چاہتے ہیں غلبہ عطا فرماتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں کمزور اور بے بس بنا دیتے ہیں، آپ کے ہاتھ میں خیر ہے بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

وہ ہرگز یہ اندیشہ دل میں نہ لائیں کہ یہ طاغوت بکھر گیا یا بپھر گیا تو حکومت خطرے میں پڑ جائیگی، اس کا سرا کہیں اور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ آواز بادشاہوں کے ایوانوں تک نہیں جائیگی، لیکن بات ضروری ہے اسلئے کہی گئی۔

خواص علماء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرے میں پیغام حق کو پوری قوت کے ساتھ پہنچائیں۔ اسلام کو اپنے اوپر نافذ کریں، مخلص مسلمان بنیں، اور قوم وملت کے دل

سے خوف وہراس اور ناامیدی کی کیفیت کو دور کردیں۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات سے محبت پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔ اللہ ورسول کی محبت دلوں میں پیدا ہوگی تو بڑے بڑے خطرات آسان ہوں گے۔ دل کی زندگی اور زندگی کی حرارت اسی محبت سے ہے، یہی محبت نہ ہوتو انسان طرح طرح کی کمزوریوں کا شکار بن جاتا ہے، علامہ اقبالؒ نے ارمغانِ حجاز میں ایک رباعی لکھی ہے، کہتے ہیں:

شبے بگریستم پیش از خدا زار    مسلماناں چرا زارند و خوارند

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم    دلے دارند و محبوبے ندارند

ایک رات میں خدا کے حضور بہت رویا، کہ خداوندا! مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہورہے ہیں۔ ندا آئی کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے، مگر دل کا مرکز یعنی محبوب سے محروم ہے۔

علماء ومشائخ کی اولیں ذمہ داری یہ ہے، کہ مسلمانوں کے قلوب کیلئے محبوب کا اہتمام کریں۔ محبت جاگے گی تو بڑا انقلاب لائے گی، پھر سارا عالم اسلام محبت کے اس زریں دائرے میں آجائے گا، اور سب ایک بدن کے اعضاء کی طرح ہوجائیں گے،

عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے طور طریقوں کی طرف میلان سے اجتناب کریں، ایمان کی مضبوطی اور اعمال صالحہ کی پختگی کا انتظام کریں، تاکہ خدا کی رحمت عمومی طور پر متوجہ ہو، خاص طور سے فرائض کا اہتمام کریں، خواہ ان کا تعلق جسم وجان سے ہو، یا مال سے ہو، یا اخلاق سے ہو، نماز اور روزے کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حقوق مالیہ کے ساتھ انصاف، یہ وہ چیزیں ہیں، جو براہ راست خدا کی رحمت کو متوجہ کرتی ہیں۔

(مئی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عالم کی لغزش

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ کے مشرقی خطے کا ایک مرکزی اور معتبر ادارہ ہے، اس خاکسار نے اپنی ابتدائی عربی تعلیم کے چار سال اس میں گزارے ہیں، شعور کی ابتداء سے اس کی محبت اور اس کی عقیدت رگ وریشے میں رچی بسی ہے، اس وقت اس کے سربراہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب نور اللہ مرقدہٗ تھے، مولانا عبدالباری صاحب صرف اس مدرسے کے ہی سربراہ نہ تھے۔ بلکہ مبارکپور اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کے مسلّم سربراہ تھے۔ کوئی دینی وسماجی کام خواہ انفرادی ہو، یا اجتماعی، ان کے بغیر انجام نہیں پاتا تھا، آجکل اس ادارے کے سربراہ میرے رفیق درس جناب مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی ہیں، جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی قدیم روایت رہی ہے کہ ہر سال اس کے وسیع صحن میں ایک بڑا دینی جلسہ ہوتا ہے، اس میں ملک کے مشہور اور معتبر علماء شرکت فرماتے ہیں، ان کے مواعظ سے مبارکپور اور اس کے اطراف کے لوگ مستفید ہوتے ہیں، اسی دستور کے مطابق اس سال بھی ۶/۷/صفر کو وہ روایتی جلسہ منعقد ہوا، دوسرے روز کے جلسے میں ایک مشہور خطیب مولانا سید سلمان ندوی کی تقریر ہوئی، ندوی صاحب خطیب تو واقعی نمونے کے ہیں، اندازِ بیان بہت خوب ہے، قرآن کریم کی آیات اس طرح پڑھتے ہیں کہ طبیعت وجد میں آجائے، ان کی تقریر نہایت مرصع، اور فصاحت وبلاغت کا ایک دلآویز مرقع ہوتی ہے، کہ سننے والے جھوم جھوم جائیں۔

لیکن کاش وہ کچھ مطالعہ کر کے تقریر کرتے، صرف زور بیان سے کام نہ لیتے، بلکہ علمائے حق کی ترجمانی کرتے، قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی رائے کو نہ داخل کرتے، لیکن واقعہ

یہ ہے کہ ان کی تقریر سن کر بہت افسوس ہوا، ان کی تقریر کا مرکزی موضوع ہی جادۂ حق سے منحرف تھا، پھراس کی تائید میں انھوں نے قرآن کریم کی جن آیات کو پیش کیا، ان سے ان کے مدعا کی تائید نہیں ہورہی تھی، تو انھوں نے ترجمہ میں اضافہ کر کے، اپنے اسی پیش کردہ اضافہ سے استدلال کیا، اس سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ قرآن سے استدلال کر رہے ہیں، حالانکہ اس اضافہ کا تعلق قرآن کریم سے نہ تھا۔

انھوں نے اپنی تقریر کا آغاز اس نکتہ سے کیا کہ یہ مدرسہ ''احیاء العلوم'' ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مدرسہ کو ''العلوم'' کے احیاء کے لئے قائم کیا گیا ہے، ''العلوم'' سے مراد دینی اور انبیائی علوم ہیں، انھیں زندہ کرنا ہے، پھر انھوں نے بتایا کہ ''دین'' کی تشریح مشہور حدیث جبرئیل سے ہوتی ہے، حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے وصال سے کچھ پہلے اجنبی بن کر آپ کی مجلس میں آئے، اور پوچھا ما الاسلام ؟ اسلام کیا ہے؟ ما الایمان ؟ ایمان کیا ہے؟ ما الاحسان ؟ احسان کیا ہے؟ آپ نے تینوں سوالوں کے جواب بہت وضاحت کے ساتھ دئے۔ وہ چلے گئے، تو آپ نے فرمایا کہ پوچھنے والے کو واپس بلاؤ، لوگوں نے تلاش کیا تو نہیں ملے، فرمایا وہ جبرئیل تھے، تم کو تمھارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے کا نام ''الدین'' ہے، اس دین تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی ان آیات میں کی ہے جو بالکل آغاز نبوت میں نازل ہوئی تھیں یعنی: ﴿إقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم﴾ پڑھو اپنے رب کے نام سے لگ لپٹ کر جس نے پیدا کیا انسان کو جونک جیسے جمے ہوئے خون سے، پڑھ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا، اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے کارہائے نبوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿کما أرسلنا فیکم رسولاً منکم یتلو علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا

تعلمون ﴾ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہارے ہی درمیان سے بھیجا، وہ تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے، اور تم کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ سب کچھ تم کو سکھاتا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ جو کچھ انسان نہیں جانتا تھا، اللہ نے اسے وہ سب کچھ سکھا دیا ہے، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ جو کچھ پڑھے، اللہ کے نام سے لگ لپٹ کر پڑھے، جو کچھ بھی اس طرح پڑھا جائے گا، وہ سب ''العلوم'' میں داخل ہوگا۔

دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کا منصب جہاں یہ ہے کہ وہ ''تلاوت آیات'' کریں، ''تزکیۂ نفوس'' کریں، کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، اسی طرح ان کا منصب یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں وہ سب کچھ سکھائیں، جو تم نہیں جانتے، یعنی دنیوی علوم وفنون، جن کا تعلق اسباب دنیا سے ہے، جن کی ضرورت انسانی زندگی میں ہوتی ہے، آلات جنگ وغیرہ بنانے کا علم، جن سے اقوام وممالک کو فتح اور زیر کیا جائے وغیرہ۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ ''علوم دین'' صرف اتنے ہی میں منحصر نہیں ہیں، جو ہمارے مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں، ہم نے ایک عرصہ کی غلامی کے نتیجے میں ''العلوم'' کو تفسیر وحدیث اور فقہ میں محدود کردیا ہے، ورنہ انبیائی علوم کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہم نے اس وسیع دائرہ کے ایک بہت مختصر جز کو لے لیا ہے، اور باقی علوم کو اس دائرے سے خارج کردیا ہے،

موصوف نے مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی ذات گرامی کو پیش کیا کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ ایک ماہر کاریگر تھے، وہ کشتی بنانے کا فن جانتے تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ایک عظیم الشان کشتی بنائی، معلوم ہوا کہ یہ فن بھی انبیائی علوم کے دائرے میں آتا ہے، مگر ہم نے اسے بھی دوسروں کے حوالے کررکھا ہے۔

پھر انھوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا اسم گرامی پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿و ألنا له الحدید﴾ ہم نے ان کیلئے لوہا نرم کر دیا، موصوف نے کہا کہ لوہے کو نرم کرنے کا مطلب شعبداتی ذہن اور کراماتی مزاج رکھنے والوں کے نزدیک یہ ہے کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا، اور وہ اسے جس طرح چاہتے تھے موڑ دیتے تھے، مگر یہ غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے بڑی بڑی بھٹیاں، لوہے کو تپانے اور گلانے کیلئے بنا رکھی تھیں، ان میں لوہا گلا کر زرہیں بنائی جاتی تھیں اور ہتھیار ڈھالے جاتے تھے، یہ فن حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، پس یہ بھی انبیائی علوم میں شامل ہے، جس کا احیاء کرنا ہماری ذمہ داری ہے،

پھر انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر چھیڑا کہ وہ جناتوں سے بڑی بڑی بلڈنگیں، مجسمے، کوہ پیکر دیگیں اور لگن بنوایا کرتے تھے، ان کے پاس ایک زبردست بحری بیڑہ تھا، جس کی رفتار صبح وشام ایک ایک ماہ کی مسافت کے بقدر تھی، ﴿غدوّها شهرٌ ورواحها شهرٌ﴾

بلڈنگوں کی تعمیر، مجسموں کی صنعت، لگن اور دیگیں بنانے کا فن، اور بحری بیڑے بنانے کی تکنیک، یہ سب انبیائی علوم میں شامل ہیں، پھر آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا کہ آپ کے پاس وہ سب ہتھیار تھے، جو دوسرں کے پاس تھے، بلکہ وہ ہتھیار بھی تھے، جو اوروں کے پاس نہ تھے، چنانچہ منجنیق اور دبابہ کو آپ نے غزوۂ طائف میں استعمال کیا تھا، یہ ہتھیار عربوں کے پاس نہ تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلحہ سازی کا فن انبیائی علوم میں داخل ہے، ہم نے غلطی سے اپنا دائرہ محدود کر کے علوم دین کو چند علوم میں منحصر کر دیا ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے، انھیں علوم کے فقدان نے ہم کو دنیا میں ذلیل، اور شکست سے دوچار کر رکھا ہے۔ ہمارے علماء نے غلطی سے علوم دینیہ کو صرف انھیں چیزوں میں محدود کر دیا ہے، جو مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، حالانکہ وہ علوم بھی انبیائی علوم ہیں، جنھیں ہم نے کالجوں، یونیورسٹیوں کے حوالے کر دیا ہے، اور جنھیں ہم دنیاوی علوم کہتے ہیں، ان سب کو ہمارے دائرۂ عمل میں آنا چاہئے، ہماری ذلت کا ایک بڑا سبب یہ علوم دین اور علوم دنیا کی تفریق ہے۔

یہ ہے ندوی صاحب کی تقریر کا حاصل، جس کو انھوں نے تفصیل کے ساتھ خطیبانہ آہنگ میں بیان کیا تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ندوی صاحب کا دعویٰ بھی غلط ہے، اور ان کا استدلال بھی غلط در غلط ہے، اختصار کے ساتھ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) یہ دعویٰ کہ انبیائی علوم اور دینی علوم کا دائرہ اتنا وسیع ہے، کہ اس میں دنیاوی علوم وفنون بھی شامل ہیں، ایک ایسا دعویٰ ہے، جو علمائے امت میں اب تک کسی نے نہیں کیا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ، انبیاء جو علوم اللہ کے پاس سے لائے ہیں، اور جس کی انھوں نے دعوت دی ہے، وہ علوم ہیں، جن سے بندوں کا ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست اور استوار ہو، چنانچہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں سوالات کے جو جوابات دئے ہیں، جن کے مجموعے کو موصوف نے بھی ''الدین'' ہونے کا اعتراف کیا ہے، اس میں کہیں دنیاوی علوم کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں ہے۔

اسلام کیا ہے؟ کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کا روزہ رکھو، اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرو۔ (**الاسلام أن تشهد أن لاإله إلاالله وأن محمداً رسول الله، وتقيم الصلٰوة، وتؤتي الزكوٰة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطاع إليه سبيلاً**)

اور ایمان کیا ہے؟ کے جواب میں آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ، نیز تقدیر پر اس کے خیر وشر پر ایمان لاؤ۔ (**أن تومن بالله وملٰئكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتومن بالقدر خيره وشره**)

اور احسان کیا ہے؟ کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو، تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (**أن تعبد الله**

**كأنك تراه فإن تكن تراه فإنه يراك**)

اس مجموعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ربط صحیح ہو، اس مقصد سے متعلق جو علوم ہوں گے، وہی علوم دین ہوں گے۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے، اب تک امت میں کسی معتبر عالم نے ان علوم دنیا کو جنھیں موصوف نے علوم دین میں داخل کرنا چاہا ہے، اور جن کے اختیار نہ کرنے کو علماء کی غلطی قرار دیا ہے۔ دینی علوم میں شامل نہیں کیا ہے، پس یہ بنیاد اور مقصد ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ گمراہ کن ہے۔

رہی یہ بات کہ **علّم الانسان مالم یعلم**، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا، اور **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون**، تم کو وہ سب کچھ سکھاتے ہیں، جو تم نہیں جانتے، تو یہ قرآن کے ترجمے میں اپنی رائے سے بغیر کسی دلیل کے ایک بے جا اضافہ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، جس کا ترجمہ سب کچھ کیا جائے، اسی سب کچھ سے موصوف نے استدلال کیا ہے، کہ تمام علوم وفنون انبیائی علوم کے دائرے میں آتے ہیں، یہ ''سب کچھ'' قرآن میں نہیں ہے، کیونکہ **ما** اگرچہ عام ہے، مگر وہ اثبات میں استغراق کیلئے نہیں آتا۔ یعنی ''سب کچھ'' اس کے عموم میں شامل نہیں ہوتا، اور موصوف کے استدلال کی بنیاد یہی ''سب کچھ'' ہے، پس یہ استدلال قرآن سے نہیں، ان کی اپنی رائے سے ہے، مگر ان کے بیان سے ایسا تاثر ہوتا ہے، جیسے وہ قرآن ہی سے استدلال کر رہے ہوں۔

علماء جانتے ہیں استدلال کی یہ فن کاری کن لوگوں کا شیوہ ہے۔ ﴿**وان منهم لفريقا يلوٗن السنتهم بالكتاب لتحسبوه من الكتاب وما هو من الكتاب ويقولون هو من عند الله وما هو من عند الله ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون**﴾ اوران میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو کتاب کو پڑھنے میں زبان کو توڑتے مروڑتے ہیں، تا کہ تم یہ سمجھو کہ یہ بات بھی کتاب اللہ ہی کی ہے حالانکہ کتاب سے اس کا تعلق نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اس کی طرف سے نہیں ہے، اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**وما أوتيتم من العلم**

إلا قليلا﴾ علم کا بہت تھوڑا سا حصہ تمہیں دیا گیا ہے، لیکن موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ نے وہ سب کچھ سکھایا، جو انسان نہیں جانتا تھا۔ کتنا فرق ہے کلام الٰہی میں اور دعوئ انسانی میں؟

حضرت نوح علیہ السلام نے بے شک کشتی بنائی تھی، اور اللہ کے حکم سے بنائی تھی، اس کے بنانے کی ضرورت تھی، عذاب آنے والا تھا اس سے حفاظت کیلئے بنائی تھی، لیکن کیا کسی اشارے سے بھی یہ بات ملتی ہے کہ کشتی بنانے کا فن کوئی دینی اور انبیائی علم ہے، کیا حضرت نوح علیہ السلام نے یا ان کے بعد کسی بھی نبی نے اپنی امت میں بطور علم دین کے اس کو رواج دیا، یا اس کی ترغیب دی، حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دین کی دعوت دی تھی، کیا اس دعوت کا کوئی جزیہ بھی تھا کہ فن کشتی سازی سیکھو؟

حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے لوہا نرم کر دیا تھا، یہ ان کا معجزہ تھا، شعبداتی اور کراماتی ذہن والوں سے نہیں متعدد تابعین جن میں حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمش شامل ہیں مروی ہے کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آ کر نرم ہو جاتا تھا (دیکھئے "تفسیر ابن کثیر") اور اگر لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہونے سے یہی مراد ہے کہ وہ لوہے کو بھٹیوں میں پگھلاتے تھے، اور اس مقصد کیلئے انھوں نے بھٹیاں بنوا رکھی تھیں، تو یہ کون سی خاص بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے اہتمام سے بطور احسان کے بیان کیا ہے، اسطرح کی چھوٹی بڑی بھٹی تو ہر لوہار کے پاس ہوتی ہے، اور داؤد علیہ السلام کے زمانے سے پہلے بھی ہوا کرتی تھی، کیونکہ لوہے کے ہتھیاروں کا استعمال بہت پہلے سے عام ہے، قرآن کی شہادت ہے کہ داؤد علیہ السلام سے صدیوں پہلے، یوسف علیہ السلام کے دور میں زنانِ مصر کے پاس چھریاں تھیں، جن سے انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، ظاہر ہے کہ بغیر ان بھٹیوں کے جن میں لوہا تپایا اور گلایا جائے، چھری بنانے کی کوئی اور صورت نہیں ہے، یہ ساری افسانہ طرازی انھوں نے اسلحہ سازی کے فن کو دینی علوم میں شامل کرنے کی غرض سے کی ہے، مگر دونوں باتیں غلط ہیں، اس فن کو علوم دین میں شامل کرنا بھی اور یہ افسانہ طرازی بھی، کہ انھوں نے لوہا گلانے کے لئے بھٹیاں بنا رکھی تھیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلاشبہ جنات سے کام لیا، ان سے بلڈنگیں تعمیر کرائیں، مجسمے بنوائے، لگن اور دیگیں ڈھلوائیں، لیکن کیا اس سے اشارۃً بھی کوئی ثبوت ملتا ہے کہ یہ فن علوم دین میں شامل ہے اور اس کا براہ راست دین سے کوئی تعلق ہے۔ ہاں ان کی اس استدلالی منطق سے اگر کوئی چاہے، تو یہ ثابت کر سکتا ہے کہ جنات کو مسخر کرنے اور ان کو اپنے کاموں میں استعمال کرنے کا فن البتہ دینی اور انبیائی علم ہے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جنات مسخر تھے، اور وہ ان سے کام لیا کرتے تھے، مگر وہ شاید اس کو پسند نہ کریں۔

اور تختِ سلیمانی کے بارے میں مولانا موصوف نے مودودی صاحب اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی تقلید میں ایک نیا انکشاف کیا ہے، جس کا شاید اب تک کسی کو علم نہ رہا ہو کہ وہ ایک زبردست بحری بیڑہ تھا، جو سمندروں میں گشت کرتا پھرتا تھا، کاش اس کیلئے موصوف کوئی دلیل پیش کیے ہوتے۔

رسول اللہ ﷺ نے یقیناً غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا تھا، مگر ہمارے ناقص علم میں اب تک یہ بات نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسلحہ سازی کو علم دین قرار دیا ہو، یا بطور علم دین کے اس کی ترغیب دی ہو، یا کم از کم اس کیلئے کوئی کارخانہ بنایا ہو، ضرورت کے بقدر ہتھیار مہیا کرنا، دشمنوں سے مقابلہ کی تیاری کرنا، اس کے ذرائع و وسائل فراہم کرنا لاریب کہ مطلوب ہے، مگر اسلحہ سازی کو دینی علوم کی حیثیت دے دی جائے، اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے،

ضرورت کی چیزیں ضرورت کیلئے ہوتی ہیں، وہ مقاصد نہیں ہوتیں، کھانا پکانے کا فن، کپڑا سینے اور بننے کا فن ایک انسانی ضرورت ہے، مگر ان فنون کو دینی علم قرار دینا ستم ظریفی ہے،

موصوف غالباً علم دین اور علم دنیا میں تفریق کے قائل نہیں ہیں، وہ شاید علم کو ایک اکائی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ علم دین، جسے علم آخرت کہا جا سکتا ہے، وہ الگ ہے، اور علم دنیا، جسے فن اور ہنر کا نام دینا مناسب ہے، وہ الگ ہے، علم

دنیا میں بعض علوم ناجائز اور حرام ہیں، جیسے علم سحر و طلسمات وغیرہ، اور بعض جائز ہیں۔ اور پھر جائز میں تفصیل ہے کہ کس حد تک جائز ہیں، تفصیل دیکھنی ہو تو امام غزالی کی شہرۂ آفاق کتاب ''إحیاء علوم الدین'' کا مطالعہ کریں۔ اس کی تفصیلات ہمارے موضوع بحث سے علیحدہ ہیں۔ (جون ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

**نوٹ**: اس سلسلہ میں ایک تفصیلی مضمون مجلّہ ''الماٰثر'' مئو میں بہ عنوان ''سبیل المومنین سے انحراف'' شائع ہوا۔ دیکھئے: اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۳ء/ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ، ص: ۵۴ تا ۶۵۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# درسِ قرآن کی ضرورت اور فوائد

صوبۂ بہار کے شہر دربھنگہ سے اس خاکسار کا تعلق زمانۂ طالب علمی ہی سے ہے، میرے محترم ومکرم دوست حضرت قاری شبیر احمد صاحب مدظلہٗ اسی ضلع سے تعلق رکھتے ہیں، پھر میرے مخدوم بزرگ حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ کا مرکز بھی اسی ضلع میں ہے۔ میرے بہت ہی عزیز ومحبوب طالب علم جناب مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب سلمہٗ جنھوں نے میرے تدریس کے ابتدائی زمانہ میں مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اور اب صوبۂ بہار کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا تعلق بھی اسی ضلع سے نکلے ہوئے ضلع مدھوبنی سے ہے، ان تینوں حضرات کی وجہ سے دربھنگہ اور مدھوبنی میرا آنا جانا بکثرت ہوتا رہتا ہے، حضرت ماسٹر صاحب مدظلہٗ اور قاری شبیر احمد صاحب مدظلہٗ کے واسطے سے شہر دربھنگہ کے ایک اور بزرگ حضرت حافظ احسن اللہ صاحب (ریٹائرڈ اے۔ ڈی۔ ایم) سے تعارف وتعلق ہوا۔ ان کے صاحبزادے جناب نوراللہ صاحب (ایل۔ ایل۔ ایم) سے دوستی ہوئی، ان باپ بیٹوں نے اس خاکسار کو اپنی محبت میں اس طرح گرفتار کیا، کہ ان کی ہر فرمائش بلکہ ہر اشارہ میرے لئے حکم بن گیا، حافظ احسن اللہ صاحب کو حفظ قرآن کا بہت ذوق ہے، انھوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں اور پوتیوں کو اہتمام سے قرآن کریم حفظ کرایا، ان کے اشارے پر نوراللہ بھائی نے تعلیم قرآن کا ایک مرکز قائم کیا۔ اور اس میں حفظ وناظرہ کی تعلیم کا بہت معقول نظم کیا۔ ۱۹؍شوال (۲۴ھ) مطابق ۱۴؍دسمبر (۲۰۰۳ء) کو انھوں نے ایک جلسۂ دستار بندی منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ تاکہ حفظ قرآن سے فارغ شدہ طلبہ کو دستار دی جائے۔ اس کے لئے انھوں نے اس احقر کو دعوت دی، اور اتنے ہی پر انھوں نے اکتفا

نہیں کی، بلکہ اپنے دینی ذوق کی بنا پر شہر کے مختلف مقامات اور مساجد میں درس قرآن کا منصوبہ بنایا، اور فرمائش کی کہ اس کے لئے کم ازکم دس دن اس شہر کے واسطے وقف کروں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان کی فرمائش میرے لئے حکم ہے، میں اس کو ٹال نہ سکا، اور ۱۲ر دسمبر کو دربھنگہ حاضر ہوگیا۔ آج ۱۳ر دسمبر کو یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ محلّہ کرم گنج کی مسجد میں کل درس قرآن کا آغاز ہوا۔ سورۂ کہف کی تفسیر وتذکیر تجویز ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو دس گیارہ مجالس میں اس سورہ شریفہ کا درس اپنی استعداد کے مطابق پورا کروں گا۔

جس وقت یہ رسالہ قارئین کے ہاتھوں میں پہونچے گا۔ میں ان مجالس سے فارغ ہوکر واپس مدرسہ آچکا ہوں گا۔ ان شاء اللہ، قارئین کرام حسن قبول کی دعا فرمائیں۔

ان سطروں کی تحریر سے مقصود خودنمائی نہیں ہے، یہ گنہگار اور حقیر بندہ کتنا رُوسیاہ اور بے حیثیت ہے، یہ خوب معلوم ہے، خداوند تعالیٰ کی ستاری اور دوستوں کی نگاہ محبت ہے، کہ بہت سے لوگوں کو حسنِ ظن ہے، اور اس حسن ظن کو میں اپنے لئے سرمایۂ نجات سمجھتا ہوں، ورنہ اگر واقعی حقیقت کھل جائے، تو تمام دوستوں کو شرمندگی ہوگی کہ گندگی کے کس ڈھیر سے ہم دھوکہ کھا گئے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں۔ یہ سطریں اس لئے لکھی جارہی ہیں کہ میرے دوستوں کو اس کا احساس ہے کہ درس قرآن کے اس سلسلے سے عامۃ المسلمین کو بہت نفع ہوتا ہے، شہر اعظم گڈھ میں ہر ہفتہ اتوار کو یہ سلسلہ چودہ سال کے عرصے سے جاری ہے، اس کے اثرات وفوائد اعظم گڈھ کے مسلمانوں پر بہت نمایاں ہیں۔ اگر ہمارے لائق فائق علماء ومشائخ اپنے اپنے ماحول ومعاشرہ کی مناسبت سے قرآن کریم کا درس جاری کریں اور عام مسلمانوں کو اس کے حقائق ومعارف سے آگاہ کریں، اور اس کے ذریعے سے ایمان وعمل کی تخم ریزی کریں، تو امید ہے کہ قلوب میں خاصا انقلاب آجائے۔ برائیاں اگر بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں، تو بھلائیوں کے پھیلانے میں بھی سرگرمی چاہئے، تاکہ برائیاں کچھ سمٹیں اور ان کی تاریکیاں کچھ چھٹیں۔

شیخ الھند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ جب مالٹا کی جیل سے

ہندوستان واپس آئے، تو اپنے تلامذہ کو جو ہندوستان کے بڑے بڑے علماء تھے، تلقین فرمائی تھی کہ قرآن حکیم کے درس کا سلسلہ قائم کرنا چاہئے، نیز مسلمانوں کو باہمی اختلافات سے بچانے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کی ضرورت جیسے حضرت شیخ کے زمانے میں تھی، آج بھی ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ!

بہت سے صاحب ذوق حضرات قرآن کریم کے اردو ترجموں کا مطالعہ کرتے ہیں، مگر بعض اوقات وہ کسی کسی الجھن میں مبتلا ہوجاتے ہیں، کہیں کہیں ناتمام علم کی وجہ سے مطلب سمجھنے میں غلطی کرجاتے ہیں، اور دل میں کوئی غلط مضمون بیٹھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن میں یہی ہے، حالانکہ اس کا تعلق قرآن سے نہیں غلط فہمی سے ہوتا ہے۔ انھیں علماء سے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا، یا ایسا عالم دستیاب نہیں ہوتا، جس سے اپنی الجھن رفع کرسکیں، معتبر علماء اگر درس قرآن کا سلسلہ رکھیں، تو ان الجھنوں اور غلطیوں کا سدباب آسان ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

# اعتذار

پانچ ماہ کے طویل وقفے میں ماہنامہ ضیاء الاسلام کا خصوصی شمارہ **''قاضی اطہر نمبر''** پیش کرنے کے بعد ہم پھر بدستور سابق ماہانہ شماروں کا ہدیہ لے کر حاضر ہیں، خدا کرے خصوصی شمارہ پسند خاطر ہوا ہو، وہ نمبر ہم نے بڑے آزمائشی مرحلوں کے دوران پیش کیا ہے۔ اس وقت ادارہ ضیاء الاسلام بھی اور مدرسہ شیخ الاسلام بھی مالی اعتبار سے آزمائش وامتحان کی سختیوں میں مبتلا تھا۔ بعض وقت ناامیدی سی ہونے لگتی تھی کہ قارئین کرام سے کیا گیا وعدہ شاید پورا نہ ہو، مگر کمر ہمت کس لی گئی تھی حق تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ اور ایسے مخلص حضرات کو کھڑا کردیا جن کے تعاون سے یہ مرحلہ بظاہر آسانی سے طے ہوگیا۔ مگر ادارہ قرضوں سے گراں بار ہوگیا، ارباب انتظام کو فکر ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح اس کا چھپنا آسان فردیا، اسی طرح قرضوں سے سبکدوشی بھی آسان فرمادیں۔ اگر قارئین حضرات جن

میں ماشاءاللہ بہت سے اصحاب خیر بھی ہیں، قدرے توجہ فرمادیتے تو یہ بار اتر جاتا۔

☆☆☆☆☆

مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور۔۔۔بطور تحدیث نعمت کے عرض ہے کہ۔۔۔اس کے آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کا خاص سایہ ہے، مکتب کی شکل میں تو یہ مدرسہ ایک عرصۂ دراز سے دینی تعلیم کی خدمت کررہا ہے، لیکن جب شیخو پور کے حوصلہ منداصحاب کا رادہ ہوا کہ اسے عالمیت اور درجات حفظ وتجوید کا ادارہ بنایا جائے، تو گاؤں کے باہر سے متصل ملک کے باوقار وبابرکت بزرگ علماء کے ہاتھوں اس کی بنیاد رکھوائی۔ محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی قدس سرہٗ، مرشد امت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہٗ، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہٗ اور دوسرے اکابر علماء نے اس کی بنیاد رکھی، ان بزرگ علماء ومشائخ کی برکتیں جلد ہی ظاہر ہوئیں، اور دیر نہیں گزری کہ یہ مدرسہ علماء وطلبہ کا مرجع ومرکز بن گیا۔ اللہ کا فضل ہے اس کی رحمت ہے کہ باوجود قلت وسائل کے یہ ادارہ سال بسال ترقی کرتا گیا۔

اس کے سرپرست اول محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی قدس سرہٗ تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم کی سرپرستی کا شرف اسے حاصل ہے، ان دونوں بزرگوں کی موجودگی میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ اپنی حیات تک اس کے خاص نگراں رہے۔ اس کے اہتمام ونظامت کی ذمہ داری مولانا محمد عارف صاحب عمری رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ کے کاندھوں پر تھی، وہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ادارہ کی خدمت کررہے تھے، اور اسے ترقی دینے کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔ مگر پچھلے سال بعض مصلحتوں کی بناپر وہ بمبئی گئے اور وہاں طویل قیام کا ارادہ کیا۔ انھوں نے نظامت کی ذمہ داری سے معذرت کی، مدرسے کے لئے یہ ایک سخت مرحلہ تھا۔ ان کی نظامت واہتمام کے سائے میں، تمام خدام مدرسہ نہایت اطمینان سے مدرسہ کی خدمت گزاری میں مصروف تھے، ان کی اس

معذرت سے سب کو فکر لاحق ہوئی۔ خصوصیت سے اربابِ شوریٰ نہایت فکر مند ہوئے کہ قرعۂ فال کس کے نام آئے اور کس کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے۔

اللہ کا کرنا ہوا کہ سب کی نگاہ گاؤں ہی کے ایک نوجوان فاضل دیوبند مولانا انتخاب عالم صاحب پر ٹھہری، ان سے فرمائش کی گئی کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کریں۔ اول تو انھوں نے بہت معذرت کی، مگر چونکہ ان کے انتخاب پر سب کا اتفاق تھا۔ اس لئے انھیں مجبوراً قبول کرنا پڑا۔

چنانچہ انھوں نے یہ ذمہ داری سنبھال لی اور ماشاء اللہ نہایت مستعدی اور لگن کے ساتھ، وہ انتظامی امور سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں اور کوششوں میں برکت عطا فرمائیں گے اور مدرسہ حسب سابق ترقی کرتا رہے گا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر!

جس وقت ذمہ داری کا یہ بوجھ ان پر ڈالا گیا، اس وقت مدرسہ قرض کے بار تلے دبا ہوا تھا۔ رمضان شریف کے بعد بحمد اللہ پچھلے قرض تو ادا ہو گئے، لیکن موجودہ تعلیمی سال میں کیا ہوگا؟ اس کا انتظام کیسے ہوگا؟ یہ ایک سوال ہے جو ارباب انتظام کو پریشان کئے ہوئے ہے، جن لوگوں کی نگاہ سے یہ سطریں گزریں، ان سے درخواست ہے کہ مدرسہ کے حق میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کا ہاتھ اٹھائیں کہ حق تعالیٰ خزانۂ غیب سے اس دینی تعلیمی ادارے کی مدد فرمائیں ، تنگی کو فراخی سے اور مشکلات کو آسانیوں سے بدل دیں۔ ان کے فضل و رحمت کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی متوجہ ہو جائے، تو ہر دشواری کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مدرسہ کے مالی بحران کی وجہ سے ارادہ تھا کہ طلبہ کی تعداد محدود اور مختصر رکھی جائے گی، تاکہ اس راہ سے بھی اس بحران کا قدرے ازالہ ہو، لیکن ہوا یہ کہ ابھی شوال المکرّم کی صرف پانچ تاریخ ہوئی تھی۔ کہ طلبۂ علم دین کے قافلے، مدرسہ میں وارد ہونے لگے، مدرسہ کی تعطیل ۱۰؍شوال کو ختم ہونے والی تھی، مگر پانچ چھ دن پہلے ہی سے وہ ہجوم شروع ہوا کہ ۱۰؍شوال آتے آتے ایسا لگا کہ پرانے طلبہ کی تعداد کے برابر نئے طلبہ آ گئے۔ اللہ کا احسان ہے

کہ اس ذوق وشوق سے طالبان علوم دین امنڈ کر آ رہے ہیں، مگر مدرسہ میں رہائش کی گنجائش اتنی نہیں ہے کہ ان سب کو تو کیا معنی؟ ان میں سے قلیل تعداد کو بھی داخل کیا جاسکے، اور اگر واپس کیا جائے تو یہ خوف دامن گیر کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ ہو جائے۔ بڑی کشمکش کی حالت ہوئی۔ لیکن قیام گاہ کی مجبوری ایسی تھی کہ بادل ناخواستہ طلبہ کی بڑی تعداد کو واپس کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے دارالاقامہ میں وسعت عطا فرمائی، تو مجبوری کے اس عمل سے نجات مل جائے گی۔

(جنوری، فروری ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ظالموں کی طرف میلان جرم ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ ہود میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَالَكُم مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ،(۱۱۳) اوران لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں، مبادا تمہیں بھی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے، اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو، ان کی موالات، تعظیم وتکریم، مدح وثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپیٹ تم کو نہ لگ جائے، پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا، اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہونچے گی۔

حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ، ابن جریر طبری کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کرتے ہیں وہ ﴿لَاتَرْكَنُوْا﴾ کی تشریح وتفسیر فرماتے ہیں کہ ولا تمیلوا إلی الذین ظلموا۔ ظالموں کی طرف تمہارا میلان نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ وهٰذا القول حسن ای لا تستعینوا بالظلمة فتکونوا کأنکم قد رضیتم بإعمالهم (ج:۲ص:۷۱۴) یہ قول بہتر ہے، یعنی ظالموں سے تم مدد نہ مانگو ورنہ یہ ہوگا کہ گویا تم ان کے اعمال سے خوش اور راضی ہو۔

قرآن کی تعلیم کو ماننے والے، جو اسے خدا کی آخری کتاب تسلیم کرتے ہیں، اور جو اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو مانتے ہیں کہ اس کا حرف حرف حق وصداقت کا

ترجمان ہے، بلکہ عین حق وصداقت ہے، اوراس کے خلاف جو کچھ ہے، جہل وضلالت ہے، وہ عرب ہوں یا عجم، افراد ہوں یا حکومتیں، کاش ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان واجب الاذعان پر غور کرتے، اپنے دلوں سے ظالموں کی محبت ومرعوبیت نکالتے، اللہ کے ارشاد پر محکم یقین رکھتے اوراپنے ظاہر وباطن کو، اپنے قول وعمل کواپنے حال ومقام کوظالموں کے پنجے سے نکال کراللہ اور رسول کے حوالے کرتے!

ظالم کون ہے؟ وہ جو خدا کا باغی ہے، جس کے پاس نہ اللہ کی کتاب ہے، نہ اللہ کی طرف سے کوئی علم ہے، بس وہ اندھا دھند، اپنے گھڑے ہوئے نظریات اور نفس کی خواہش کی پیروی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ﴾ (سورہ قصص: ۴۹/۵۰) ترجمہ: تم کہو کہ کوئی ایسی کتاب لاؤ اللہ کے پاس سے، جوان دونوں (یعنی قرآن وتوریت) سے بہتر ہو کہ میں اس کی پیروی کروں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تمہارا کہا ہوا نہ کر لائیں، تو سمجھ لو کہ وہ اپنی نری خواہش پر چلتے ہیں، اوراس سے بڑا گمراہ کون ہوگا، جو اپنی خواہش پر، بغیر اللہ کی ہدایت کے چلے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت کی راہ نہیں دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظالم وہ ہے، جو اللہ کی ہدایت سے رُوگردانی کر کے اپنی خواہش اوراپنے نظریہ پر چلتا ہو، اسے ہدایت ربانی کی کوئی پرواہ نہ ہو۔ آج دوفریق بہت نمایاں ہیں۔ ایک جماعت وہ ہے، جس کے پاس صحیفۂ ہدایت ہے۔ اور وہ اس پر ایمان رکھتی ہے۔ اور ایک فرقہ وہ ہے، جس کو اس صحیفۂ ہدایت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اپنی خواہش کو معیارِ علم وعمل قرار دیتا ہے اس فرقے میں بے شمار گروہ ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی بجا رہا ہے۔ لیکن صحیفۂ ہدایت قرآن کریم اوراسلام کے خلاف سب یک زبان ہیں۔ یہ ظالم ہیں انفراداً بھی اوراجتماعاً بھی، حکومت وسیاست کی سطح پر بھی اور تمدن ومعاشرت کے لحاظ

سے بھی۔ یہ سب وہ ہیں، جن کے سامنے صرف دنیا ہے، اور دنیا کی زندگی ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں یہ سب ظلم کے مرتکب ہیں۔ ان سے رُوگردانی کرنا عین فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے، ﴿فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا، ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ (سورہ النجم ۲۹/۳۰) تم اس سے رُوگردانی کرو، جو ہماری یاد سے منھ موڑے اور دنیا کی زندگی کے ماسوا کچھ ارادہ نہ کرے، ان کی سمجھ کی پہونچ یہیں تک ہے۔

انھیں ظالموں کے بارے میں ہدایت کی گئی ہے کہ ان کی طرف تمہارا میلان بالکل نہیں ہونا چاہئے، ورنہ اندیشہ ہے کہ جو آگ ان پر دہک رہی ہے اس کی لپٹ تم کو بھی نہ لگ جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا والی وناصر بجز اللہ کے کوئی نہیں ہے۔ اگر تم ان ظالموں کی طرف میلان رکھوگے تو یقین ہے کہ خدا کی نصرت سے محروم ہوجاؤ گے۔

اس آیت کریمہ کے آئینے میں ہماری صورت کیا نظر آتی ہے؟ انفرادی حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نہیں غالب اکثریت کا ظالموں کی طرف صرف میلان نہیں، بلکہ اچھی خاصی ان کی پیروی میں مبتلا ہیں۔ نہ شکل وصورت سے مسلمان معلوم ہوتے، نہ رہن سہن سے، بس کبھی مسجد میں حاضری ہوتی ہے تو مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ اور مسجد میں حاضری کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی بھری پُری آبادیاں ہیں، اور مسجد میں دیکھئے تو صف دوصف سے زیادہ نہیں ہوتی، یہی لوگ کبھی کبھی کسی داعیے یا موقعے سے جب اکثر مسجد میں پہونچ جاتے ہیں، تو وہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی، نمازیوں کو باہر کھڑا ہونا پڑتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کو جان بوجھ کر چھوڑنے والے شاید نوے فیصد ہوتے ہیں۔ جہاں اتنی زبردست اکثریت ظالموں کی طرف جھکاؤ رکھتی ہو، وہاں اللہ کی نصرت کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ کاش! اہل ایمان اس پر غور کرتے اور ہمت باندھ کر اطاعت الٰہی پر کمر بستہ ہوتے، ریڈیو سننے والے، ٹی وی دیکھنے والے، اخبار پڑھنے والے بہت ملتے ہیں۔ مگر قرآن پڑھنے والے کتنے ملتے ہیں۔ گھر کا گھر خالی، کنبہ کا کنبہ کا محروم!

یہ حال صرف ہمارے ملک ہندوستان ہی کا نہیں ہے، عالم اسلام میں جہاں جہاں

جایئے، ظالموں کی نقالی عام ہے، مسلمانوں کی صورت غائب، انگریزوں کی صورت غالب، اور صرف صورت ہی نہیں تہذیب وتمدن بھی، سوچ وفکر بھی! ارادہ اور عمل بھی! عبادت ہر جگہ بار ہے، قرآن کی تلاوت ہر جگہ مشکل ہے، اسلامی فکر وعمل ہر جگہ مفقود ہے۔ سیاسی ضرورت ہو تو اسلام کا نام لیا جاتا ہے، مگر عمل کا مطالبہ ہو تو سب کو نیند آنے لگتی ہے۔

یہ حال تو عوام وخواص کا انفراداً ہے، اب ذرا حکومتوں پر ایک نظر ڈالئے، تو معاذ اللہ! عالم اسلام کے جتنے حکمراں ہیں، الا ماشاء اللہ سب پر ظلم وطغیان کا ہوّا چھایا ہوا ہے۔ ایک ظالم کچھ بولتا ہے تو سب اس کے پیچھے جی ہاں جی ہاں کرتے ہیں۔ کچھ دن پہلے کچھ جانبازوں اور سرفروشوں نے اسلامی سیاست وحکومت کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی تو ظالموں کا یہ سرغنہ غرانے لگا۔ پھر سب دم سادھ کر بیٹھ گئے۔ اور اس نے اپنی ظالمانہ کارروائیوں سے ایک خطۂ زمین کو جہنم زار بنادیا، پھر اس کی نگاہ گرم ایک جگہ اور پڑی، وہاں بھی سب چپ ہوگئے، اور اس نے ایک ملک کے ملک کو تباہ کر کے رکھدیا، اتنے کے بعد بھی اس کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں امن وامان کا نقیب ہے، اور سب کہہ رہے ہیں کہ جی حضور! کسی کے سینے میں دل اور کسی کے منہ میں زبان نہیں کہ اس کو ٹوک سکے، اور اب شور ہے کہ اس کی جرأت بیجا کے نشانے پر اللہ کی کتاب بھی آرہی ہے۔ قرآن کریم میں جہاد کی آیتیں ہیں۔ قتل وقتال کے احکام ہیں، مخالفین کی سرکوبی کی ہدایات ہیں۔ ان ظالموں کو ان میں دہشت گردی نظر آرہی ہے۔ شاید منشا یہ ہے کہ انھیں قرآن سے نکال دو، ان کی تلاوت نہ کرو، مدارس میں ان کا درس نہ دو مجمع عام میں ان کی تبلیغ نہ کرو۔ اور مسلمانوں کی حکومتیں ہیں کہ انھیں اس کے خلاف بھی کہنے کی جرأت نہیں ہے، اللہ جانے بات کا سلسلہ کہاں تک پہونچے گی، یہ مرعوبیت، ظلم وطغیان کے سامنے سرافگندگی، ظالموں کی طرف یہ جھکاؤ اور میلان اس کا سلسلہ کہاں تک دراز ہوگا۔ جو لوگ توحید کے بڑے دعوے دار ہیں۔ ان کا جذبۂ توحید کہاں گیا؟ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی مصیبتوں میں اسی طاغوت کی دہائی دیتے ہیں، اسے اپنے

ملکوں پر مسلط کر دیتے ہیں، حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہے، ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (سورہ نساء: ٦٠) ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری طرف اترا اور جو کچھ تم سے پہلے اترا، اس پر ہم ایمان لائے، چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس معاملہ لے جائیں، حالانکہ حکم ہو چکا ہے کہ اس کو نہ مانیں، اور شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ انھیں بہکا کر دور پھینک دے،

ان طاغوتوں کا جواب یہ نہیں ہے کہ ان کی خوشامد کی جائے۔ان کی خوشامد سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ان کا جواب یہ ہے کہ ان کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ان سے دوٹوک بات کی جائے اور اگر وہ حملہ آور ہوتے ہیں، تو تمام کلمہ گو ایک ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔اس صورت میں یقین ہے کہ خدا کی نصرت آئے گی اور اگر وہ کہیں غالب بھی نظر آئیں، تو بالآخر مغلوب ہوں گے۔

مگر رنج کی بات یہ ہے کہ ایک عرصہ سے یہی تماشا ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی ہمت والا کھڑا ہوتا ہے، تو جو بے ہمت ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنے اندر ہمت پیدا کرتے، کمزور بنے پڑے رہتے ہیں۔ بلکہ سازشوں اور نفاق وشقاق کے طوفان اٹھانے لگتے ہیں، ٹیپو سلطان کے ساتھ یہی ہوا، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ یہی ہوا، سوڈان میں یہی ہوا، سنوسی مجاہدین کے ساتھ یہی ہوا، خلافت عثمانیہ اسی طرح فنا ہوئی۔اور ادھر دور اخیر میں افغانستان میں یہی ہوا۔لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً

(مارچ ۲۰۰۴)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حفاظت دین وایمان کی حکمت اور مدارس اسلامیہ

ہندوستان میں مدارس اسلامی کی کیا حیثیت ہے؟ یہ بات اہل نظر پر پوشیدہ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت کے زوال کے بعد یہاں کے مسلمانوں کو مدارس اسلامیہ کی شکل میں ایک مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ عطا فرمائی ہے،جس کے حصار میں دین وایمان کی حفاظت ہوتی ہے،

صدیوں پہلے کی بات ہے،کسی خطۂ زمین پر کافرانہ نظامِ حکومت تھا۔وہاں کا حاکم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ دین حق کا کوئی رواج باقی نہ رہے،اس دور کے لحاظ سے جو سیاسی اور مذہبی ہتھکنڈے ہو سکتے تھے، دین حق کے نام ونشان مٹانے میں استعمال کر لئے گئے تھے، اس وقت چند جوان تھے، جو اپنے ایمان پر پختہ تھے،ان کے سامنے دو راہیں تھیں،ایک یہ کہ وہ برملا اعلان حق کر کے اس کافرانہ نظام حکومت کے مدمقابل کھڑے ہو جاتے ، اور اپنے غلبۂ واقتدار کی جدوجہد کرتے ، پھر وہ ظالم بادشاہ کی دستبرد میں آکر جامِ شہادت نوش کر کے زندۂ جاوید ہو جاتے ، یا حالات کی سنگینی میں ایمان بھی کھو دیتے۔ دوسرے یہ کہ اپنے دین وایمان کو بچانے کیلئے کوئی ایسی راہ اختیار کرتے کہ ایمان بھی بچتا،اور اس دنیا کی زندگی بھی محفوظ رہتی ، بجائے سیاسی چھیڑ چھاڑ اور غلبۂ واقتدار کی کشمکش کے یکسوئی کے ساتھ اپنے گرانمایہ ایمان وعمل کی حفاظت میں لگتے ،شاید اللہ تعالیٰ بعد میں اس کی برکت سے حالات پلٹ دیں۔

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں خبر دی کہ ان جوانوں نے دوسری راہ اختیار کی، اور بجائے کافرانہ نظام حکومت کے سامنے ڈٹ جانے اور مقابلہ کرنے کے، ایک مرتبہ اعلانِ حق کیا، اور باہم مشورہ کر کے ایک پہاڑی کہف (کھوہ) میں پناہ لینے چلے گئے وہاں ایمان کی حفاظت تو یقینی تھی، کیونکہ کفر کی نگاہوں سے وہ روپوش ہو چکے تھے، مگر زندگی کا مسئلہ اور ضروریات زندگی کا معاملہ اہم تھا۔ یہاں کیا کمائیں گے؟ اور کیا کھائیں گے؟ پھر زندگی کی دوسری ضروریات سے کیسے عہدہ برآ ہوں گے؟ یہ سوال بہت مشکل تھا، مگر ایمان کے تحفظ وبقاء کے خیال نے اس کی پرواہ نہ ہونے دی، تاہم اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ کھوہ میں پہونچ کر وہی ایمان جو انھیں یہاں تک لے کر آیا تھا، اسی ایمان نے ایک راستہ ان پر کھولا۔ انھوں نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کی کہ ﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴾ سورہ کہف:۱۰) اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے۔ اور ہمارے لئے ہمارے اس معاملہ میں ہدایت کا سامان مہیا فرما دیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ زندگی کے لئے اور ایمان ویقین کے لئے جس جس سامان رحمت کی ضرورت ہے، سب کا انتظام آپ فرما دیجئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انھیں نیند کی آغوش میں سلا دیا، اور بغیر اسباب ظاہر کے ان کی زندگی، صحت اور حفاظت کا مکمل انتظام تین سو سال تک قائم رکھا۔ پھر جب ان کی آنکھ کھلی تو اس خطۂ زمین پر ایک خوشگوار انقلاب آچکا تھا، کافرانہ نظام حکومت فنا ہو چکا تھا۔ باطل کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اہل حق غلبہ پا چکے تھے۔ اس ہدایت میں کیا ان سونے والے اصحابِ کہف کا دخل نہیں تھا؟ اسباب ظاہر کی خوگر نگاہ تو یہی سمجھے گی کہ اس انقلاب میں ان سونے والوں کا دخل نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے جس سیاق میں یہ واقعہ بیان کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ، اس ہدایت کے پھیلنے اور انقلاب کے آنے میں اصحاب کہف کا یہ خاموش عمل ہی اصل عامل ہے، ان کے اس مجاہدانہ اور متوکلانہ اقدام کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ دنیا بدل گئی۔

قرآن میں بیان کردہ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں انقلاب لانے کا ایک ہی ذریعہ نہیں ہے کہ کفر سے راست ٹکر لی جائے۔ حالات کے لحاظ سے ٹکراؤ کا راستہ بدلا بھی جاسکتا ہے، البتہ روح دونوں جگہ ایک ہوگی، وہ یہ کہ اللہ پر کامل ایمان اور مکمل توکل انسان کا شعار ہو، پھر ہجرت بھی سرچشمۂ ہدایت ثابت ہوگی، اور جہاد وقتال بھی!

دنیا طلبی اور اقتدار پسندی ہر دو صورت میں نہ ہو، ورنہ خدا کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

یہ واقعہ جو ہم نے قرآن کریم میں پڑھا، پچھلی تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدگی کی مہر اس پر لگا کر ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کے واسطے ایک لائحۂ عمل متعین کردیا ہے۔

اب آیئے، اس دور میں آیئے، جس کا ایک حصہ ہم اور ہمارے قریبی اسلاف ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ اس وقت انگریزوں سے راست ٹکراؤ کا انتظام، اس ملک والوں نے بالخصوص مسلمانوں نے کیا تھا۔ مگر اس ٹکراؤ کے نتیجے میں جو کچھ رہی سہی برائے نام مسلمانوں کی حکومت تھی وہ بھی ختم ہوگئی، علماء اسلام نے اس ٹکراؤ میں بڑا اہمہ گیر حصہ لیا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے انھیں خاص طور سے اپنے نشانے پر رکھا، اور علماء شہادت سے سرفراز ہوئے، جو بچ گئے تھے، اب ان کے سامنے وہی دوسرا راستہ رہ گیا تھا، جو اصحابِ کہف نے اختیار کیا تھا، چنانچہ موجود علماء نے بھی وہی راہ اختیار کی، اور اپنے کو کافرانہ نظام حکومت کے سامنے سے ہٹالیا۔ ایک خاصی تعداد ہجرت کرکے ارضِ اسلام یعنی حرمین شریفین چلی گئی، حتیٰ کہ اس وقت جو بزرگ امیر المومنین بنائے گئے تھے یعنی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ وہ بھی مکہ شریف پہونچ گئے، لیکن اپنے دو خلفاء کو ہندوستان میں چھوڑ گئے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما

ان دونوں بزرگوں نے اپنے کو حکومت وقت کی نگاہ سے اس طرح ہٹایا کہ ایک

تعلیم گاہ کا حصار بنالیا، اور اس میں روپوش ہوگئے، یہ مدرسہ ان کیلئے بمنزلۂ کہف کے تھا۔ یہاں بھی معاش ومعیشت کا سوال تھا، تو ان لوگوں نے بھی توکل اور دعا سے کام لیا۔ پھر ایک بڑی تعداد اس کہف میں آتی چلی گئی، اس مدرسہ میں اور اس کے زیر اثر دوسرے مدرسوں میں ایسی تعلیم کا انتظام کیا گیا، جس سے کافرانہ حکومت کو نہ کوئی سروکار ہو، نہ بظاہر کوئی خطرہ! حکومت کی نگاہ سے بچ کر دین وایمان کے تحفظ کا مستحکم عمل یہاں ہوتا رہا، دنیا کا قافلہ جس طور پر سفر کررہا تھا، اس کے لحاظ سے مدرسے والے گویا کہ خواب غفلت میں تھے، دنیا جدھر بھاگ رہی ہے، یہ ادھر رخ ہی نہیں کرتے، اس لئے دنیا انھیں سوتا سمجھ کر آگے بڑھتی چلی گئی اور یہ اپنی آخرت اور اپنا دین سنبھالے بیٹھے رہے، دنیاوی نظام کے لحاظ سے ان کی معاش اور دوسری ضروریات زندگی کا مسئلہ قابل غور تھا، مگر انھوں نے اس پر غور کرنے کے بجائے خدا کے حوالے کردیا۔

ان بزرگوں نے ایک نظام بنایا کہ ایمان واسلام یہاں محفوظ رہے، اور بحمد اللہ وہ محفوظ رہا۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک یہ **کہفی نظام** چلتا رہا۔ بہت سے لوگوں نے انھیں طعنہ دیا کہ یہ زمانے سے بے خبر لوگ آخر زمانے کی خبر کیوں نہیں لیتے، کفر بڑھا اور چڑھا چلا جارہا ہے، مگر یہ خاموشی کے ساتھ اپنی بے خبری میں مست رہے۔ پھر جب ۹۰؍ سال کے بعد ایک انقلاب آیا تو زمین کے نقشے پر مسلمانوں کی ایک سیاسی طاقت پاکستان کے نام سے وجود میں آچکی تھی، جو زمین کے دو بڑے حصوں پر مشتمل تھی، پھر تکوینی طور پر وہ دونوں حصے الگ الگ ملک بن گئے۔ یہ دونوں ملک چاہے جیسے ہوں، مگر ان کا مذہب اسلام ہے۔ اور یہ مدارس دونوں جگہ آباد ہیں۔ ہم جس خطۂ زمین پر ہیں، اس کا مذہب اسلام نہیں ہے، لیکن یہاں بھی مدارس کے کہف کی شکل میں ایمان واسلام کے تحفظ کا پورا انتظام موجود ہے۔

تو یہ مدارس درحقیقت دین وایمان کے تحفظ کے بہترین قلعے ہیں۔ ان کا نظام وہی بہتر ہے کہ کفر وسیاست کی نگاہیں ان پر نہ پڑیں۔ اصحابِ کہف نے بیدار ہونے کے بعد اپنے ایک آدمی کو کھانے کیلئے باہر بھیجنے کا جب ارادہ کیا تو اس باہر جانے والے کو ہدایت کی کہ

﴿فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا﴾ مطلب یہ ہے کہ جانے والا پاکیزہ اور حلال کھانے کی جستجو کرے اور اس میں سے کچھ کھانا لے کر آئے، اور اس طرح آہستگی اور خفیہ طریقے پر جائے کہ تمہارے وجود کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ کیونکہ ﴿إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا﴾ اگر وہ تم کو جان لیں گے تو تمہیں پتھروں سے ماریں گے یا تم کو اپنی ملت میں لوٹا لیں گے، اور اگر ایسا ہوا تو تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔

آج بھی ان مدارس کیلئے یہی طریقۂ کار متعین ہے کہ کفر ان کے احوال اور ان کی سرگرمیوں پر مطلع نہ ہو، ورنہ یہ کافر انھیں ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے، تہمتیں لگائیں گے، پریشان کریں گے، یا پھر اپنے طور طریقے پر لانے کی جدوجہد کریں گے۔ ان مدارس کا خاموش عمل ہی مؤثر ہے، اور یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ خاموش عمل بے اثر ہوگا، یا اس سے ان کی معیشت تباہ ہوگی۔ اللہ پر بھروسہ کریں، تو دین وایمان بھی محفوظ رہے گا۔ جان کی بھی حفاظت ہوگی، اور بقدر ضرورت معاش کا بھی انتظام ہوتا رہے گا۔ اور خوشگوار انقلاب کے دروازے پر دستک بھی ہوتی رہے گی۔

کہنے والے جو چاہیں کہتے رہیں، طعنہ دینے والے جو چاہیں طعنہ دیتے رہیں لیکن مدارس کو انھیں خطوط پر عامل رہنا چاہیے جو ابتداءً بزرگوں نے متعین کردئے تھے۔ بانئ دارلعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے چند رہنما اصول دارالعلوم دیوبند کیلئے ابتداءً متعین فرمائے تھے، یہی اصول تمام مدرسوں کے لئے ہیں۔ ان میں سے چند دفعات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(☆)......اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں ہے جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں

میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(☆)......سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

(☆)......تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حُسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے،

(☆)...... یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خودبیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

کاش کہ اب بھی اسی طریقے پر کام ہوتا رہتا۔ اور لوگوں میں پروپیگنڈے کا شوق نہ ہوتا، اور ہر خزانہ سے مال حاصل کرنے کی ہوس نہ ہوتی، بلکہ صرف وہی مال حاصل کیا جاتا جو خوب پاکیزہ ہوتا۔ اور معلوم ہے کہ حکومتوں کا مال کتنا پاکیزہ ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ان سے ربط رکھا جائے، تو وہ ہمارے احوال پر مطلع ہو کر ہمیں جان اور ایمان دونوں طرح کی مشکلات میں ڈال دیں گے اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اب دین وایمان کے ان قلعوں میں ہمارے ہی کچھ لوگوں نے حکومت وقت اور اس کے کافرانہ نظام کو پہونچا دیا ہے۔

بہر حال مدارس کی جو حیثیت روز اول سے چلی آرہی ہے، وہی باقی رہنی چاہئے۔

(جون ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# چراغ تلے اندھیرا

مشرقی یوپی میں ضلع اعظم گڈھ علم کی بہتات، علماء کی کثرت تعداد، اور مدارس کی رونق کیلئے مشہور رہے۔ ہندوستان کے بکثرت عربی مدارس ایسے ہیں، جن میں اعظم گڈھ کے رہنے والے علماء درس وتدریس میں مصروف ہیں، بڑے بڑے مدارس اور علمی اداروں سے یہ ضلع مالا مال ہے، ۱۹۸۸ء میں انتظامی امور کی سہولت کے لئے حکومت نے اسے دوضلعوں میں تقسیم کردیا ہے، مغربی حصہ اعظم گڈھ ضلع میں شامل ہے اور مشرقی علاقہ مئو کے ساتھ موسوم ہوا۔ اب یہ دوضلعے ہیں اور دونوں ہی تعلیم وتعلم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ میری گفتگو ان دونوں ضلعوں کے عربی دینی مدارس کے متعلق ہے۔ انگریزی اسکول وکالج زیر بحث نہیں ہیں۔ ان مدارس میں جایئے، یہاں کے اساتذہ وطلبہ سے ملئے، تو علم کا ایک روشن ماحول ملتا ہے، دینداری کا ایک نمایاں رنگ نظر آتا ہے، طلبہ ہیں، درسگاہیں ہیں، دارالاقامے ہیں، کتب خانے ہیں، جلسے ہیں، علماء کی آمد ورفت ہے، تبلیغی جماعتوں کا گشت ہے، پڑھنے پڑھانے کا ماحول ہے، گاؤں گاؤں میں مکتب ہیں، مسجدیں ہیں۔ یہ حال ضلع اعظم گڈھ کا بھی ہے اور ضلع مئو کا بھی۔

ضلع اعظم گڈھ میں مبارک پور میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم، الجامعۃ الاشرفیہ، مدرسہ دارالتعلیم، جہانا گنج میں جامعہ انوارالعلوم، شہر اعظم گڈھ میں دارالمصنفین، جامعۃ الرشاد، مدرسہ تعلیم الاسلام، شیخوپور میں مدرسہ شیخ الاسلام، جیراج پور میں مدرسہ تعلیم الاسلام، بلریا گنج میں جامعۃ الفلاح، انجان شہید میں دارالعلوم حسین آباد، کوٹلہ میں مدرسہ دینیہ

اشاعت العلوم ، منگراواں میں مدرسہ قاسم العلوم ، مظفر پور میں جامعہ اسلامیہ ، دیوگاؤں میں مدرسہ فیض عام ، سرائے میر میں مدرسہ بیت العلوم ، مدرسۃ الاصلاح ، فیض العلوم شیرواں ، لونیاڈیہہ میں الجامعۃ الشرقیۃ وغیرہ تک ۔

ضلع مئو میں خیرآباد میں مدرسہ منبع العلوم ، مدرسہ ضیاء العلوم اشرفیہ ، ولید پور میں مدرسہ نورالاسلام ، محمدآباد میں ضیاء العلوم سیدواڑہ ، دارالعلوم برئی پور ، پورہ معروف میں مدرسہ معروفیہ ، مدرسہ اشاعت العلوم ، گھوسی میں مدرسہ قاسم العلوم ، مرکزی دارالعلوم محمدیہ ، خیر المدارس ، مدرسہ شمس العلوم ، مئو میں دارالعلوم ، مفتاح العلوم ، مرقاۃ العلوم ، تعلیم الدین ، مدرسہ فیض عام ، جامعہ اثریہ دارالحدیث ، مدرسہ بحرالعلوم ، ادری میں چشمۂ فیض ، مدرسہ دارالسلام ، اور نہ جانے کتنے مدرسے ہیں ، جو بڑے مدارس کے زمرے میں آتے ہیں ، چھوٹے چھوٹے مکاتب کی تعداد تو شمار کرنی مشکل ہے ، ان میں علماء کی خاصی تعداد پڑھانے میں اور طلبہ کی بڑی تعداد پڑھنے میں لگی ہوئی ہے ۔ مدارس وعلماء وطلبہ کی اس تعداد کے بعد یہ کہنا اور سمجھنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی یوپی کے یہ دونوں ضلع علم دین کے نور سے معمور ہیں ۔ دنیاداری کی خرابیاں اپنی جگہ پر ، مسلمانوں کے درمیان اختلافات ونزاعات مسلم ، مگر کیا یہ کم خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس ماحول میں ، جس میں دین اور دینی تعلیم کے خلاف تباہی کی آندھیاں چل رہی ہیں اور چلائی جارہی ہیں ، علم کے یہ جگمگاتے اور روشنی بکھیرتے مینار کھڑے کر رکھے ہیں ۔ ان میں جو علماء ومشائخ پائے جاتے ہیں ان کے انفاس طیبہ سے قلوب میں ایمان کی بہاریں تازہ ہوتی رہتی ہیں ۔ اللہ کا بے پایاں احسان ہے اور زبان اس کے حمد وشکر میں مصروف ہے ۔

لیکن معاملہ کا یہ ایک رُخ ہے ، جو سب کی نظروں کے سامنے ہے ، اس کا ایک رخ اور بھی ہے جس پر عموماً نگاہیں نہیں پڑتیں ۔

یہ خاکسار بچپن سے مدارس ہی کا پروردہ ہے ، بچپن سے جوانی اور جوانی سے کہولت ، اور اب بڑھاپے کے مرحلے تک پہونچنے میں جو وقت گزرا ہے ، مدارس ہی میں

گزرا ہے، پھر تدبیر الٰہی کی حکمت ہے، کہ شروع سے میں عوامی ربط میں رہتا آیا ہوں۔ تدریس کے بالکل ابتدائی دور میں جبکہ میری عمر ۲۲۔۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی، بہار کے ایک کوردہ علاقہ سنتھال پرگنہ میں پہونچادیا گیا، جہاں کئی سال تک پورا رمضان گزارتا رہا، بالکل ناخواندہ لوگوں کے درمیان شرک وبدعت کے طوفان میں گھرا ہوا۔ اس کی ایک دلچسپ داستان ہے، جو ضرورت ہوئی تو کبھی قارئین کو سنائی جائے گی۔ یہ عوامی ربط جو قائم ہوا، تو اب تک اس کا سلسلہ کسی نہ کسی عنوان سے چلا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں عجیب وغریب تجربے ہوئے، لیکن ۱۹۹۰ء تک میری جو بھی مصروفیت رہی ضلع اعظم گڈھ اور ضلع مئو سے باہر رہی، حالانکہ جغرافیائی اعتبار سے میری جائے پیدائش پہلے اعظم گڈھ میں تھی اور اب ضلع مئو میں ہے مگر مدارس میں تدریس کے لحاظ سے بنارس، غازی پور، الہ آباد اور جونپور میں میری مصروفیت رہی، اس لئے ضلع اعظم گڈھ کے احوال سے زیادہ واقفیت نہ ہوسکی ۱۹۹۰ء میں شیخوپور ضلع اعظم گڈھ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حکم سے آیا، تو یہ خوشی تھی کہ علم وفضل کے لہلہاتے گلستاں میں پہونچ گیا ہوں۔ لیکن آہستہ آہستہ جب یہاں عوامی رابطہ بڑھا، اور انجانے گاؤں اور دیہاتوں تک معلومات کا دائرہ پھیلا تو اندازہ ہوا کہ ان روشن چراغوں تلے بڑا گھنا اندھیرا بھی ہے۔

اس وقت مجھے ضلع اعظم گڈھ کا جائزہ لینا منظور نہیں ہے۔ میں ضلع مئو کے ایک مخصوص خطہ کا ایک ہلکا سا جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں، اور اہل علم واصحاب درد حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کی طرف توجہ فرمائیں، کیا عجب کہ یہ صورت حال جو میں ابھی ذکر کروں گا، دوسری جگہوں پر موجود ہو۔

میں عموماً اپنے طالب علموں میں یہ ذہن پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد تلاش معاش میں دور دراز نہ نکلیں، مسلمانوں کا ہر خطہ محتاج خدمت ہے، اللہ پر بھروسہ کرکے، مشکلات وموانع کا مقابلہ کریں، اور اپنے اپنے علاقوں میں دین کی خدمت انجام دیں، حق تعالیٰ روزی کے کفیل ہیں، جہاں بھی آدمی دین کی خدمت کرے گا وہ

ذات کریم روزی پہونچائے گی۔ وَمَامِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا۔ جوکوئی بھی زمین پر چلتا پھرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے اوپر اس کی روزی ہے، وہ اس کے مستقر کو بھی جانتا ہے اور عارضی قیام گاہ کو بھی۔ بندہ جہاں ہوگا روزی وہیں پہونچ جائے گی۔ اسی نقطۂ نظر سے میں اپنے ہر طالب علم کیلئے یہی پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے وطن میں خدمت دین کرے۔

مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کے طالب علموں میں ایک صاحب مولوی ابرار الحق سلّمہٗ ہیں، ابتدائی درجات سے متوسطات تک شیخوپور میں تعلیم حاصل کی، پھر دو سال دار العلوم دیوبند میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ فراغت کے دو سال کے بعد اسی خاکسار کے مشورے سے انھوں نے اپنے گاؤں چھپرا میں جو چریا کوٹ سے تھوڑے فاصلہ پر مشرق میں ہے، ایک تعلیمی ادارہ سراج العلوم کے نام سے قائم کیا ہے، یہ علاقہ ضلع مئو میں واقع ہے، اور کافی طول وعرض میں کثیر تعداد میں چھوٹے بڑے گاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس علاقہ میں غیر مسلم آبادی کی نمایاں اکثریت ہے، مدرسہ سراج العلوم کی مناسبت سے مجھے اس علاقے میں بار بار جانے کا اتفاق ہوا۔ بعض قریبی مواضع میں بھی گیا، جہاں مسلمان قلیل تعداد میں آباد ہیں، ان کی دینی ودنیاوی حالت دیکھی تو طبیعت پر خاص اثر ہوا، غیر مسلموں کے درمیان مسلمانوں کی آبادیاں۔ انھیں دیکھ کر کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ یہ مسلمان ہوں گے، کسی کسی گاؤں میں ایک آدھ مسجد وہ بھی سجدوں سے محروم! کفر وشرک کی رسمیں جاری، بدعات وخرافات عینِ اسلام! مولوی صاحب موصوف کی محنت وکوشش سے اکا دکا بچے ان گاؤں سے نکل کر مدرسہ سراج العلوم میں پہونچنے لگے۔ میں نے مولوی صاحب سلّمہٗ کو مکلّف کیا کہ چھپرا کو مرکز بنا کر اطراف کے گاؤں کا جائزہ لیں کہ کس گاؤں میں مسلم آبادی کتنی ہے؟ وہاں مسجد ہے یا نہیں؟ تعلیم کا نظم ہے یا نہیں؟ مکتب ومدرسہ کی صورت حال کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں مولوی صاحب موصوف نے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا، ہر جگہ کی معلومات بہم پہونچائیں، اور مرتب کر کے مجھے دیا۔ انھوں نے چھپرا کو مرکز قرار دے کر مغرب ومشرق اور شمال وجنوب

میں غالباً دس پندرہ کلومیٹر تک جائزہ لیا، اور ۸۳/ گاؤں کی رپورٹ مرتب کی۔ نام بنام پوری رپورٹ شائع کرنی تو باعث طوالت ہے۔ ایک اجمالی جائزہ ملاحظہ ہو۔

ان میں ۳۶/ گاؤں ایسے ہیں، جن میں مسلمانوں کے گھر دس سے کم ہیں، ۲۷/ گاؤں ایسے ہیں، جن میں ۱۰/ اور ۲۰/ کے درمیان مسلمانوں کے گھر ہیں۔ ۹/ گاؤں وہ ہیں جن میں مسلمانوں کے گھر ۲۰ اور ۳۰/ کے درمیان ہیں، ۶/ ایسے گاؤں ہیں جن میں مسلمانوں کے گھر ۳۰/ اور ۴۰/ کے درمیان ہیں، ۳/ گاؤں میں مسلمانوں کے گھر ۴۰/ اور ۴۵/ کے درمیان ہیں۔ ایک گاؤں میں ۱۰۰/ گھر، ایک گاؤں میں ۲۰۰ گھر، ایک گاؤں میں ۳۰۰ گھر اور بس۔

پھر ان ۸۳/ گاؤں میں ۴۸/ گاؤں ایسے ہیں جن میں ایک یا دو مسجدیں ہیں۔ اور ۲۹/ گاؤں میں معمولی مکتب کا نظم ہے، جو لشتم پشتم چلتے ہیں اور بند ہوتے ہیں۔ بعض گاؤں میں مسجدوں میں تعلیم کا ہلکا پھلکا نظم ہے۔ غرض یہ کہ تعلیم کا دِیا علاقہ کے تقریباً ایک تہائی حصہ میں جلتا تو ہے، مگر ٹمٹماتا اور جھلملاتا ہوا، جہل کے سائے نہایت دبیز ہیں، مسلمان عام طور سے غیر مسلموں کے معاشرے میں دبے ہوئے ہیں، کفر وشرک کی نہ جانے کتنی رسمیں ان میں جاری ہیں، اور بہت سے لوگ بدعات میں گرفتار ہیں، شراب خوری، بدچلنی، آوارگی اور جھگڑے فساد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں، علم کا فقدان، جہالت کا طوفان۔ مرد وعورت سب ایک رنگ میں رنگین، ان لوگوں میں دین کی تعلیم کو جمانا، اور انھیں دینی اعمال پر لانا ایک بڑا مجاہدہ ہے۔

ان کے سامنے صرف کھانا کمانا، شادی بیاہ کرنا، جینا اور مرجانا ہی زندگی کی کل کائنات ہے، ان جگہوں پر نہ علماء پہونچ پاتے ہیں اور نہ تبلیغی جماعتیں پہونچتی ہیں، اور یہ تو اپنی دنیا میں مست ہیں، یہ خود علماء کے پاس کیوں آنے لگیں، اگر کوئی پہونچتا ہے تو وہی نذرانے وصول کرنے والے ہیں۔ وہ انھیں شرکیات وبدعیات میں سلا کر اپنا نذرانہ لے کر چل دیتے ہیں۔

میرا ارادہ تھا کہ ہفتہ دو ہفتے وقت نکال کران گاؤں کا دورہ کروں گا۔ارادہ تھا کہ سردیوں کے ختم ہونے کے بعد ایک پروگرام مرتب کیا جائے گا،مگر اللہ کو منظور نہ تھا،سردیوں کے شباب میں میری طبیعت خراب ہوئی،اور ابھی تک سفر کے لائق نہیں ہوسکا ہوں۔

ماشاء اللہ مولوی ابرار الحق سلّمہٗ لگن سے کام کررہے ہیں ، ان کی آمدورفت ان گاؤں میں رہتی ہے،وہاں سے چھوٹے بچوں کولاتے ہیں۔اور اپنے مدرسہ میں ان کی تعلیم اور قیام وطعام کا مناسب انتظام کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے رفقاء کی نصرت فرمائیں،اور مسلمانوں کے تاریک گھروں کو علم اور دین کے نور سے اجالا کریں۔

میرا اندازہ ہے کہ یہ صورت حال بکثرت علاقوں میں موجود ہوگی ، ضلع اعظم گڈھ میں،خود شہر کے آس پاس نیز گھاگھرا کے ترائی علاقوں میں جنھیں ’’دیوارا‘‘ کہا جاتا ہے،ان جگہوں میں دینی کام کی سخت ضرورت ہے۔مگر افسوس یہ ہے کہ اہل علم کی توجہ ادھر نہیں ہوتی ، اور اہل ثروت حضرات اپنی ثروت کو لہو ولعب اور بیجا سیاسیات میں پھونکتے اور برباد کرتے ہیں۔محض جھوٹی ناموری اور جھوٹی عزت کیلئے دولت بے جگہ بہاتے ہیں۔

علماء کا علم وتدین اور مال داروں کی دولت وثروت مذکورہ جگہوں کی جانب منعطف ہوجائے ،تو ماحول ومعاشرہ میں اچھی خاصی تبدیلی آسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں۔ (اگست ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فتنوں کی طغیانی

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انعام ہے، جو بندوں پر انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے اتارا گیا ہے۔ اور اس کو آخری تکمیلی شکل حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ذریعے عطا کی گئی۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ، آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا، اور تم پر اپنے احسان کی تکمیل کردی، اور تمہارے لئے میری رضامندی دین اسلام کے ساتھ مختص ہوگئی۔

آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے آخری حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں نازل ہوئی۔ انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان انسانیت کی ہدایت اور فلاح کیلئے کیا ہے۔ اولادِ آدم کی کامیابی اور فلاح کا یہی راستہ متعین ہے، اس کے علاوہ نہ کوئی دین معتبر ہے، اور نہ کوئی طریقہ اور نظریہ!

وہ لوگ جنھوں نے اس دین کو تسلیم نہیں کیا، وہ خواہ بظاہر کچھ نظر آتے ہوں۔ دولت وامارت، حکومت وسیاست اور قیادت وعظمت کے جس بلند معیار پر دکھائی دیتے ہوں مگر وہ خسارے میں ہیں، تباہ وبرباد ہیں۔ وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (سورہ آل عمران: ۸۵) جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اور طریقہ اختیار کرے گا، وہ طریقہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں گھاٹے میں پڑے گا۔

قرآن میں متعدد افراد واشخاص، اور کئی ایک اقوام کا متعین طور پر ذکر آیا ہے کہ انھوں نے اسلام کے خلاف قدم جمایا، اور بالآخر تباہ وبرباد ہوئے، اور جہنم ان کا ٹھکانا بنی۔ تاریخ عالم اس بات کی صداقت پر گواہ ہے۔

دین اسلام کا رحمت ہونا، ایک ایسی صداقت ہے، جس کو دنیا کے کسی دور میں چیلنج نہیں کیا جاسکا ہے، اس کے ماننے والے کم ہوں، یا زیادہ، کمزور ہوں یا قوی! اسلامی احکام و تعلیمات، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرہ اور اسلام کے اختصاصات وامتیازات کچھ ڈھکی چھپی چیزیں نہیں ہیں، جن سے دنیا کا پڑھا لکھا طبقہ واقف نہ ہو۔

ہاں! لیکن کبھی کبھی اس کے مخالفین، اس کے خلاف جہالت وتشکیک کی اتنی گرد اُڑاتے ہیں کہ اس کا حسن وجمال بظاہر مخفی ہونے لگتا ہے، اور گرد وغبار کا کرکرا پن نمایاں ہوجاتا ہے، اور ناواقف اسے اسلام کا کرکرا پن سمجھتا ہے۔

دنیا کی زیب وزینت، دنیا کی مقصودیت اور دنیا کی شان وشوکت اسلام کا موضوع نہیں ہے۔ اسلام کا مقصود فکر آخرت رضاء الٰہی اور عدل وانصاف ہے۔ خواہ اس کی وجہ سے بظاہر دنیا کا نقصان نظر آئے۔

لیکن دنیا نے ہمیشہ یہ گناہ کیا ہے کہ دنیا ہی کو مقصود ومعبود بنایا۔ اور آخرت سے غفلت اختیار کی، اور اس کی وجہ سے اسلام سے دوری بڑھتی رہی۔ غیروں سے شکایت نہیں ہے۔ غیروں سے متاثر ہوکر خود اپنوں نے بھی یہ گناہ کیا، دنیا کو اتنی اہمیت دی، جس کی وہ مستحق نہ تھی، اور دنیا کو جتنی جتنی اہمیت دی جاتی رہی، اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا رہا۔ اور اب یہ حالت ہوگئی، کہ اللہ کا یہ احسانِ عظیم اب دل ودماغ پر گراں گزر رہا ہے۔ کچھ لوگ اسلامی تعلیمات کو خیرباد کہہ رہے ہیں انھوں نے اپنے آپ کو بدل ڈالا ہے۔ اور اپنے اندر اور باہر اسلام کی کوئی علامت بجز قومیت کے نہیں رہنے دی ہے۔ قومیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا شمار مسلمانوں میں کرتے ہیں، مسلمانوں جیسا نام رکھتے ہیں، اور کبھی کبھی کسی اسلامی شعار کو عارضی طور پر اختیار کرلیتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کو توڑ پھوڑ

رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ غیر اسلامی چیزوں کا جواز اسلام میں تلاش کرلیں۔

اسلامی تعلیمات واحکام میں غیر اسلامی چیزوں کو داخل کرنا ایک بڑا فتنہ ہے، اس فتنے کے عام ہونے کے بعد یہ معلوم کرنا مشکل ہوگا کہ اسلام کیا ہے؟ اور کفر کیا ہے؟ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں انسانوں نے جب اپنی اپنی رائے اور اپنا اپنا نظریہ داخل کیا، تو ان مذاہب میں حق وباطل کا امتیاز باقی نہیں رہا، کیا اصل تعلیم ہے، اور کیا کیا اس سے خارج ہے؟ آج اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب میں اس پر خط فاصل نہیں کھینچا جاسکتا۔

اس کے برخلاف اسلام کے تمام اصول وفروع، قواعد واحکام واضح ہیں، کسی غیر اسلامی چیز پر اسلامی لیبل چسپاں کرنا ایک مشکل کام ہے۔

یہاں بڑی آسانی سے بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام کیا ہے، اور کفر کیا ہے؟ طاعت کیا ہے اور معصیت کیا ہے؟ عبادت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟ کیونکہ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن کریم ہے اور دوسری بنیادی چیز سنت رسول ہے، یہ دونوں بالکل اپنی اصلی حالت پر آج بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں، مسلمان جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہے گا، گمراہ نہ ہوگا۔

مگر اس زمانے میں قرآن وسنت سے آنکھ بند کرنے کا عام دستور سا ہوتا جارہا ہے نئی نئی چیزیں، نئے نئے نظریات وخیالات، جن کو قرآن وسنت سے کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ ان کی وجہ سے قرآن وسنت سے دوری ہوتی ہے، مسلسل اور پے بہ پے یکے بعد دیگرے آتے چلے جارہے ہیں۔ اور دنیاداری میں جو لوگ مست ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ انھیں اسلام میں داخل کردیا جائے، اور اس سلسلے میں اتنا شوروغل کیا جاتا ہے اور اتنی غوغا مچائی جاتی ہے، کہ وہ چیزیں جو صریحاً اسلام کے خلاف ہیں، وہ عین اسلام کے مطابق باور کرلی جاتی ہیں، ایک خبر بار بار دہرائی جائے، بار بار نظروں کے سامنے لائی جائے، تو طبیعت اسے گوارا کرنے لگتی ہے، پھر نوبت یہاں تک پہونچ جاتی ہے کہ وہی چیز پسندیدہ بن جاتی ہے۔ کسی سلیم الطبع آدمی کے پاس بدبو کی کوئی چیز لائی جائے، تو اسے متلی آنے لگے گی، وہ منہ بگاڑے

گا، لیکن اگر اسے اس کا عادی بنا دیا جائے، تو اس کے بغیر چین نہیں پاتا۔

اسلام کے خلاف گندے سے گندے فتنے کا بھی یہی حال ہے۔ شروع میں طبیعت انکار کرتی ہے، مگر مسلسل وہی چیز سامنے آتی ہے، تو آدمی اسے قبول کر لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

تعرض الفتن على القلوب كالحصير عوداً عوداً فأى قلب أشربها نكتت فيه نكتة سوداء وأى قلب أنكرها نكتت فيه نكتة بيضاء حتىٰ يصير علىٰ قلبين أبيض بمثل الصفاء فلاتضرهٗ فتنة مادامت السمٰوٰت والارض ولآخر أسود مربادا كالكوز مجخيا لايعرف معروفا ولاينكر منكرا الا ماأشرب من هواه (رواه مسلم) قلوب پر فتنوں کی بارش اس طرح ہوگی، جیسے چٹائی کے تنکے یکے بعد دیگرے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہتے ہیں، پھر جو قلب ان سے متاثر ہوتا ہے، اس میں ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، اور جو قلب اسے رد کر دیتا ہے، اس میں ایک روشن نقطہ ظاہر ہوتا ہے، بالآخر یہ دو طرح کے قلب ہو جاتے ہیں، ایک نہایت صاف وشفاف اور روشن! اسے کوئی فتنہ رہتی دنیا تک نقصان نہیں پہونچا سکتا اور ایک سیاہ راکھ جیسا۔ جیسے اُلٹا پیالہ، وہ نہ کسی اچھائی کو پہچانتا اور نہ کسی بری چیز پر انکار کرتا، اسے صرف وہ چیز سمجھ میں آتی ہے، جو اس کے نفس کی خواہش کے مطابق ہو۔

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

قُلْ لَايَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْأَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوْا اللهَ يَا أُوْلِى الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (سور مائدہ: ۱۰۰)

تم کہہ دو کہ گندی چیز اور پاک چیز برابر نہیں ہوسکتی، اگر چہ گندگی کی کثرت تمہیں بھلی معلوم ہو، پس اللہ سے اے عقل والو! ڈرو، شاید تم کامیاب ہو۔

ہمارے اس دور میں اسلامی تعلیمات واحکام اور اسلامی تہذیب کے خلاف گندگی کی وہ کثرت ہوگئی ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں وہ گندی چیزیں بھلی معلوم ہونے لگی ہیں، لیکن قرآن

کا فیصلہ ہے کہ جو چیز گندی ہے، وہ بظاہر کیسی ہی خوشنما اور مفید معلوم ہو، گندی ہی رہے گی۔

آج کل ان فتنوں کی بارش بہت بڑھ گئی ہے، کوئی آنکھ، کوئی کان، کوئی دل ایسا نہ ملے گا، جس پر فتنوں کی برسات نہ ہو رہی ہو، جتنے ذرائع اِبلاغ بڑھتے جارہے ہیں، اتنے ہی فتنے بڑھتے جارہے ہیں۔ اور جتنی تیز رفتار سواریاں بڑھ رہی ہیں، اتنی ہی برق رفتاری سے فتنے ترقی کررہے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ خاص خاص جگہوں میں ناچ گانے کی بزم سجائی جاتی تھی، ان میں خاص خاص لوگ شرکت کرتے تھے، پھر سنیما کی ایجاد نے اس میں عموم پیدا کیا، اب ناچ گانا عام ہوگیا، لیکن پھر بھی ایک مخصوص عمارت تک جانا پڑتا تھا۔ کتنے لوگ معاشرے کی شرم کی وجہ سے نہیں جاسکتے تھے، پھر ایجاد کرنے والوں نے ہاتھ میں ریڈیو تھمادئے کہ جب چاہو گانا سنو! مگر نگاہیں محروم تھیں، پھر ٹی، وی نے باقی کسر پوری کردی۔ اب جہاں چاہئے سنیما ہال بنالیجئے۔ اور اس طرح موجودہ معاشرہ کی بیشتر خرابیوں کا سرچشمہ یہی ٹی، وی ہے۔ گانے بجانے، شراب وکباب، ماردھاڑ، قتل وخونریزی، چوری اور غارت گری کون سا ایسا جذبۂ فساد ہے، جو ٹی، وی کے اسکرین سے دل ودماغ کی شریانوں میں پیوست نہیں ہوتا اور انسان کے رگ وریشہ میں نہیں دوڑتا۔ بچوں سے لیکر جوان اور بوڑھے تک سب ٹی، وی کے اسکرینوں کی نقالی میں تھرکتے، ناچتے، کودتے اور عجیب وغریب حرکات میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے، جس کا انکار بجز ان لوگوں کے اور کوئی نہیں کرسکتا، جنھوں نے حقائق سے آنکھوں کو بند کرنا ہی اپنا شیوہ بنا رکھا ہو، یہ تسلیم کہ ٹی، وی اور ریڈیو پر خبریں نشر ہوتی ہیں، بجا کہ بعض اچھی معلومات بھی فراہم کی جاتی ہیں، مانا کہ اس کے ذریعے تجارت کا فروغ ہوتا ہے۔ مگر پوچھئے کہ یہ خبریں انسانیت کی کون سی خدمت انجام دیتی ہیں، کیا ان خبروں میں سیاسی بازی گری نہیں ہوتی، کیا یہ خبریں جھوٹ کو سچ نہیں بناتیں، کیا یہ خبریں سچائی کی آنکھ میں دھول نہیں جھونکتیں، کیا یہ خبریں سن سن کر انسان ’’ٹینشن‘‘ میں نہیں مبتلا ہوتا، کیا ان خبروں کے نتیجے میں معاشرہ بے تحاشا فسادات وخونریزی میں تہ وبالا نہیں ہوتا؟ پھر یہ بھی دریافت کیجئے کہ یہ اچھی معلومات جو ریڈیو اور ٹی، وی سے

فراہم کی جاتی ہیں ان میں دینی معلومات، فکرِ آخرت اور دنیا کی بے حقیقتی کا کتنا عنصر ہوتا ہے یہ معلومات انسان کو حُبِ دنیا میں مبتلا کرتی ہیں، یا فکرِ آخرت کا تحفہ عطا کرتی ہیں۔ ان معلومات سے سنجیدگی پیدا ہوتی ہے، یا لہو ولعب کی لت پڑتی ہے۔

واقعہ یہ ہے، اور یہ سو فی صد حقیقت کہ موجودہ دور کے یہ ذرائع ابلاغ جن کی دُہائی عام طور سے ترقی کے نام پر دی جاتی ہے، یہ انسانیت کی جانکنی ہیں، ان کا کردار اسلامی عقائد ونظریات کے ٹھیک برعکس ہے۔ یہ فرنگی ایجادات انسانیت کی خدمت تو کیا کرتے، انسانی قدروں کو فنا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان سے کچھ کچھ فوائد ضرور وابستہ ہیں، مگر اول تو وہ صرف دنیاوی فوائد ہیں، اور جو فوائد دینی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں، وہ بھی صرف صورۃً دینی فوائد ہیں، حقیقۃً ان کو دین سے مناسبت بالکل نہیں ہوتی، اور دینی فائدہ وہی معتبر ہے جو دین کی روح سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اس طرح کے فوائد تو ہر بری چیز میں تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

جب شراب خوب پی جاتی تھی، اور اس کی حرمت کا تصور نہ تھا، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

”یہ لوگ شرب اور جوے کے متعلق پوچھتے ہیں، تم کہہ دو کہ ان دونوں میں گناہ بڑا ہے، اور لوگوں کیلئے کچھ فوائد بھی ہیں۔“

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اسی وقت لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب شراب اور جوئے کی خیر نہیں، اور یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ ان دونوں میں خیر نہیں شر ہے۔ پھر بالآخر **منافع للناس** ہوتے ہوئے، شراب اور جوا کو پورے طور پر حرام کر دیا گیا۔

اس سے دین اسلام کی رُوح کا پتہ چلتا ہے، کہ جو چیزیں اپنے اندر مزاج وطبیعت کے لحاظ سے شر کا غلبہ رکھتی ہیں، ان میں اگر کچھ فوائد بھی ہوں، تو بھی انھیں حرام ہی قرار دیا جائے گا۔

ریڈیو ہو یا ٹی، وی۔ انٹرنیٹ ہو یا وی، سی، آر۔ دینی نقطۂ نظر سے کوئی صاحب غور کرلیں کہ ان کے استعمال میں شر کا عنصر کتنا ہے اور خیر کا جز کتنا ہے؟ جن کے نزدیک گانا بجانا، عورتوں کے نغمے سننا، ناچ گانے والی عورتوں سے دلچسپی لینا، عریانیت وفحاشی میں گھسے رہنا، ہر جھوٹ اور لغو کا سننا اور اس میں مشغول رہنا تصویروں کا دیکھنا اور انھیں گھروں میں رکھنا، کوئی عیب نہ ہو، وہ ہمارے اس مضمون کے مخاطب نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام کو ان سے کوئی مطلب ہے۔ بات ان لوگوں کی ہے، جو اسلام کی حرام کردہ چیزوں کو حرام مانتے ہیں، بتایا جائے کہ ان کے نزدیک ان چیزوں کے استعمال میں شر کتنا ہے، اور خیر کتنا ہے؟

لوگ صحیح استعمال کی بات کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج کتنے سلیم الطبع اور تربیت یافتہ لوگ ملتے ہیں، جو ریڈیو اور ٹی، وی میں صرف سنجیدہ پروگرام دیکھتے اور سنتے ہوں اور اگر کوئی اکا دکا آدمی ایسا مل بھی جائے، تو اس کے گھر میں بچوں اور عورتوں کا راستہ کون سا ہوگا؟

میں اور جگہ کی بات نہیں کرتا، مکہ شریف جیسی مقدس سرزمین میں ایک عالم دین جو ماشاء اللہ حدیث شریف کی خدمت میں ممتاز ہیں۔ وہ اس بندے کو اپنے گھر لے گئے۔ اس وقت ان کے اہل وعیال اپنے وطن ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ٹیپ ریکارڈ سے نعت شریف سنواتا ہوں۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے، میں نے معذرت کی، انھوں نے بے تکلفی میں اصرار کیا۔ اور بہت سی کیسٹیں اُٹھا لائے۔ کم از کم تین چار درجن! اور فرمایا کہ ہمارے گھر صرف نعت اور قرأت کی کیسٹیں ہیں اور وہی سنی جاتی ہیں۔ گانے بجانے سے بالکلیہ احتراز ہے، وہ یہ کہتے کہتے ایک کیسٹ ٹیپ میں لگانے لگے، میں نے منع بھی کیا۔ میرے نہیں نہیں کہتے کہتے انھوں نے لگا ہی دی۔ اب جو آواز آئی تو نسوانی آواز تھی اور وہ فلمی گانا گا رہی تھی گھبرا کر انھوں نے دوسری لگائی۔ وہ بھی اسی رنگ میں تھی، پھر وہ کیسٹ بدلتے رہے، مگر رنگ نہیں بدلا۔ میں نے عرض کیا جانے دیجئے۔ نعت وقرأت کی کیسٹ وطن گئی۔ وہاں ان کیسٹوں کی گنجائش نہ تھی، یہاں صرف گانے کی کیسٹیں ہیں۔

یہ ایک گھر کا واقعہ نہیں۔ ہر وہ دیندار گھر جس میں کسی مجبوری کی وجہ سے ٹی، وی، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ استعمال کیا جاتا ہے، ہر گھر کا یہی قصہ ہے۔ اور جہاں اتنی سی بھی دینداری کی فکر نہیں ہے، وہاں تو قرأت ونعت کی گنجائش ہی نہیں!

جن چیزوں کے یہ لچھن ہوں۔ ان کے بارے میں دین اسلام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ان کے جواز کا فتویٰ دے گا، خوش فہمی ہے۔ دین اسلام کا راستہ اور اس کی منزل الگ ہے، اور کفر وشرک کا راستہ اور اس کی منزل علیحدہ ہے۔ دونوں کہیں ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہر وہ چیز، جو مسلمان کو اس کے دین سے، فکر آخرت سے زہد وقناعت سے برگشتہ کرے۔ اس سے اجتناب لازم ہے، خواہ وہ دنیاوی ترقی کیلئے کتنی ہی ضروری اور بھلی معلوم ہو۔

اب فتنے کی طغیانی ملاحظہ ہو۔

روزنامہ سہارا کی ۲۲ر اگست ۲۰۰۴ء بروز اتوار کی اشاعت میں دارالعلوم دیوبند سے جاری شدہ ایک فتویٰ کو مشق ستم بنایا گیا ہے۔ اس کی تمہید میں مذکورہ اخبار نے لکھا ہے کہ:

"دینی پروگرام کی نشر واشاعت کے لئے ٹیلی ویژن کا استعمال شرعی ہے یا غیر شرعی، اس مسئلہ پر دارالعلوم دیوبند نے گزشتہ دنوں ایک سوال کے جواب میں فتویٰ جاری کیا جس میں ٹیلی ویژن کو ایک آلۂ لہو ولعب قرار دیتے ہوئے اس کے استعمال کو انتہائی قبیح بتایا گیا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کا فتویٰ پہلی بار آیا ہے، اس سے قبل دارالافتاء ڈابھیل، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فتوے آچکے ہیں۔

تمہید نگار نے یہ نہیں بتایا کہ اور جگہوں سے کیا کیا فتوے آئے، یہ بتائے بغیر وہ لکھتا ہے کہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر بار بار فتویٰ کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی، کسی حتمی فتویٰ پر اکتفاء کیوں نہیں کیا جاتا۔

اس تمہید نگار سے کوئی پوچھے کہ آخر یہ حتمی فتویٰ ہی تو ہے جو بار بار دیا گیا، اور مختلف جگہوں سے بار بار سوال کئے جائیں گے، تو بار بار جواب بھی دیا ہی جائے گا۔

تمہید نگار کہتا ہے:

اس سے کنفیوژن پیدا نہیں ہوگا، آخر اختلاف کی راہیں کیوں کھل رہی ہیں؟

فتویٰ تو ایک ہی ہے۔ اس سے اختلاف کی راہ نہیں کھل رہی ہے، البتہ اخبار نے اس میں کنفیوژن پیدا کرنے کوشش کی ہے، اور مختلف الخیال اور مختلف العمل لوگوں سے مضمون لکھوا کر اختلاف کی راہ کھول رہا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل جب ہر قسم کی گپ شائع کرنے والے اخباروں میں چھیڑے جاتے ہیں، تو اختلاف کی راہ وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ علماء کے فتاوے اس اختلاف کے ذمہ دار نہیں، اخبارات کے بازاری صفحات اختلاف پیدا کرتے ہیں۔

اب وہ فتویٰ سنئے، جس پر اخبار نے کئی گرم مضامین شائع کئے ہیں اور یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ علماء کے درمیان اس موضوع پر اختلاف ہے، کوئی شبہ نہیں ہے کہ جن لوگوں نے اس فتوے سے اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض حضرات علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، لیکن ان کے مضامین پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ ان حضرات نے پڑھا لکھا سب بھلا دیا، یا بالقصد انحراف کیا۔ ان مضامین کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھنے سے قرآن پاک کی ایک آیت ذہن پر روشن ہوئی، جو حق تعالیٰ نے منافقین کی بے وفائی کے متعلق ایک خاص موقع پر نازل فرمائی ہے:

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ (سورہ آل عمران: ۱۶۷)

اس دن وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کے زیادہ قریب تر تھے۔

میں نہیں کہتا کہ ان حضرات کے حال پر یہ آیت منطبق ہو رہی ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ علماء حقانی کی صف سے یہ حضرات خود کو باہر کرنے کے درپے معلوم ہوتے ہیں۔

## دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ ہو

”اصل یہ ہے کہ ٹی۔ وی اصالۃً آلۂ لہو ولعب ہے۔ دینی پروگرام چلانے کیلئے اس کا استعمال کرنا انتہائی قبیح ہے، اشاعت اسلام اور حفاظت اسلام کے جو طرق بے غبار اسلام میں

مقرر ہیں، شریعت مطہرہ نے ان کی اجازت دی ہے، ان طریقوں کو سختی سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ٹی۔وی کے دینی پروگرام بھی دیکھنے والے لہو ولعب کے انداز سے ہی دیکھنے کے عادی ہیں، امور محرمہ سے اسے پاک صاف کردینا تقریباً ناممکن ہے، اس لئے اس کے استعمال کو دینی پروگرام کیلئے بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

☆☆☆☆☆

یہ فتویٰ بالکل صحیح ہے، مگر اخبار نے اس کا تماشا بنادیا ہے، دینی احکام وتعلیمات کی تبلیغ اور اس کی نشر واشاعت کا ایک خاص مزاج ہے۔سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ دین اور دینی تعلیمات ایک مقدس اور پاکیزہ اور نہایت سنجیدہ امر ہے، لہو ولعب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔اس کی نسبت اللہ اور رسول کے ساتھ ہے، اس کا ایک خاص ادب واحترام ہے۔ ادب واحترام کے اس حصار کو اگر توڑ دیا جائے، تو ظاہری شکل چاہے دین کی رہ جائے مگر اصل روح غائب ہوجائے گی۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (سورہ حج، ۳۲)

جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ قلب کے تقویٰ کا اثر ہے۔

دینی پروگراموں کو خواہ ٹی۔وی پر لائیں، ریڈیو پر لائیں، یا انٹرنیٹ پر لائیں، سب سے پہلے ان کا احترام وتقدس غائب ہوتا ہے، اور یہ بات ایسی نہیں ہے جس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت ہو۔ہاں اگر تقدس واحترام کا مفہوم ہی بدل دیا جائے، یا اس کو لغو وفضول چیز قرار دے دیا جائے تو بات دوسری ہے۔اور دنیا داری کے غلبہ اور آخرت فراموشی کے اس دور میں یہ تماشا بھی بہت عام ہو چکا ہے۔اکبر کے زمانے میں یہ صورت حال رہی ہو یا نہ رہی ہو، مگر اب تو کھلے بندوں یہ تماشا ہو رہا ہے کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

خدا کا نام فیشن کے طور پر تو لیا جاتا ہے، مگر آخرت کا نام لینا، اور دنیا کو بے وقعت

سمجھنا، تو واقعی جرم بن چکا ہے، میں یہ باتیں لکھ رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں کہ بہت سی پیشانیاں شکن آلود ہوں گی، بعض زبانیں یاوہ گوئی کریں گی، بعض قلم حرکت میں آئیں گے۔ لیکن جو حقیقت ہے اسے بیان کیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت ان نامعتبر آلات واسباب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اس کا تعلق افراد ورجال سے ہے، دین، اصحابِ دین سے پھیلتا ہے، علم دین، اربابِ علم سے پرورش پاتا ہے۔

اگر گانے بجانے کے آلات سے تبلیغ کا کوئی تصور ہوتا، تو زمانۂ رسالت مآب ﷺ میں گانے بجانے کے آلات بہت تھے، اور ان سے دلچسپی رکھنے والے بھی بہت تھے، مزامیر پر قرآن پڑھا جاتا، تو لوگ بہت دلچسپی سے سنتے، مگر ان کا استعمال تو کیا ہوتا، انھیں صراحۃً حرام قرار دے دیا گیا، اللہ جانے آج کے ٹی۔ وی کی حمایت کرنے والے ہوتے، تو کیا حکم صادر کرتے۔

دین سیکھنا ہو، تو ٹی، وی کے دینی پروگرام سے نہیں دینداروں سے حاصل کیا جائے گا، ہر چیز اپنے محل پر مناسب ہوتی ہے، کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا ظلم ہے۔ قرآن شریف کو بیت الخلاء میں رکھ دیا جائے، تو بیت الخلاء چاہے جتنا خوبصورت ہو، گناہ ہوگا، سنیما ہال میں قرأتِ قرآن کی مجلس منعقد کی جائے تو اس کو کون جائز کہے گا۔ (بقول ایک ظریف عالم کے کہ اگر زمانہ بہت ترقی کر جائے، اور کوئی آدمی رَس گُلا ہگے، تو اسے کھایا جائے گا؟ یہاں صرف اصل شئے نہیں دیکھی جاتی، حصول کے ذرائع کو بھی پرکھا جاتا ہے۔)

اخبار میں متعدد لوگوں نے ٹی، وی پر اسلامی پروگراموں کی اشاعت کے جواز پر زور دیا ہے۔ لیکن عقلی تک بندیوں، مغرب سے مرعوبیت اور بے معنیٰ جذباتیت کے علاوہ کوئی قابل لحاظ دلیل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش نہیں کی، جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اسلام کے خلاف دنیا میں پروپیگنڈے ہو رہے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے

کہ وہ پروپیگنڈے کی جگہوں پر جا کر اپنا دفاع کریں''، اس ایک بات کے علاوہ جو باتیں کہی گئی ہیں، وہ مغربی تہذیب سے تاثر بلکہ مرعوبیت کے آثار ہیں۔

اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کی جو بات ہے، وہ صحیح ہے، مگر اسلام نے، قرآن وحدیث نے پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈا نہیں بتایا ہے، پروپیگنڈے کی بنیاد سچ کے ساتھ بہت سارے جھوٹ پر ہے۔ آدمی دل کھول کر جھوٹ بولے اور اتنا بولے کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے، ظاہر ہے کہ اسلام اس کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا، اور یہ تصور بھی غلط ہے کہ جس ماحول میں پروپیگنڈا ہو رہا ہے، اسی ماحول میں ہم جا کر تردید کریں۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

لَتُبْلَوُنَّ فِیْ أَمْوَالِکُمْ وَأَنفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ أُوتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ أَشْرَکُوا أَذیً کَثِیْراً ،وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ آل عمران:۱۸۶)

ایمان والوں سے فرمایا گیا ہے کہ تمہارے جان و مال میں تمہاری آزمائش ضرور ہوگی، اور تم اگلے اہل کتاب (یعنی یہودیوں، عیسائیوں) اور مشرکین سے بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ پر جمے رہو گے تو یہ بہت پختہ اور عزیمت کی بات ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پروپیگنڈے کے جواب کا جو طریقہ بتایا ہے، وہ صبر اور تقویٰ ہے،

معترضین اور مشرکین کے ہر اعتراض کا جواب ہی کہاں ضروری ہے، ان سے تو اعراض ہی مناسب ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً (سورہ فرقان:۶۳)

جب جہالت والے ان سے مخاطب ہوتے ہیں، تو یہ سلامتی کی بات کہہ کے ہٹ جاتے ہیں۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً (سورہ فرقان:۷۲)
جب لغو باتوں پر ان کا گزر ہوتا ہے، تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔
ٹی، وی تو گندگی کا خزانہ ہے۔ اخبارات میں جب کوئی غلط بات اُچھالی جاتی ہے، اور پھر بعض اہل قلم اس کا تحقیقی جواب دیتے ہیں تو کیا نتیجہ نکلتا ہے، دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ سوائے اختلاف اور جہالت کی صورت حال بڑھنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وأعرض عن الجاهلين (سورہ اعراف:) جاہلوں سے اعراض کرو۔
حقیقت یہ ہے کہ آپ کس کس جھوٹ کا جواب دیں گے۔ اس پروپیگنڈے کا جواب علمی اور سنجیدہ انداز میں جتنا دے سکیں اس سے زیادہ کا اللہ تعالیٰ نے مکلّف نہیں بنایا ہے، اور نہ ہر ایک بات کا جواب دیا جانا مناسب ہے۔ آگے صبر اور تقویٰ ہی اصل علاج ہے، جو قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے، اور جس پر نصرت الٰہی کا وعدہ ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً اِنَّ اللهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورہ آل عمران:) اور اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے، تو ان کی سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، بے شک یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں ہے۔

اہل اسلام کا معاملہ صرف ظاہری اسباب پر نہیں ہے کہ اس میں اتنا غلو کیا جائے کہ ساری اہمیت اسی کو حاصل ہو جائے۔ جواز کے دائرے میں بقدر ضرورت اسباب اختیار کئے جائیں گے اسباب کے دائرے سے بہت بڑا دائرہ نصرت الٰہی کا ہے جس پر یقین ایک مسلمان ہی کو ہو سکتا ہے۔ کفار دنیا دار اس سے محروم ہیں۔ پھر مسلمانوں کو کفار کے طریقوں پر دوڑانا، ان کے ذرائع ابلاغ کو اختیار کرنے کی تلقین کرنا بالکل غلط اور لغو ہے۔

مسلمانوں کو تو کفار اور یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جن چیزوں کی بنیاد خلاف شرع امور پر ہے، وہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ تو ہو سکتا ہے۔ اہل

اسلام کا نہیں۔ ٹی، وی کی بنیادی چیز تصویریں ہیں اور وہی اسلام میں ناجائز ہیں۔ پھر دینی پروگرام کی گنجائش اس میں کیونکر ہوگی۔

جو لوگ کھینچ تان کر اسے جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی خدمت نہیں، اسلام کو مذاق بنانا چاہتے ہیں۔ وہ خود ٹی، وی دیکھتے ہوں تو دیکھیں، مگر اسے جائز بتا کر ساری امت کو جہنم میں ڈھکیلنے کی کوشش نہ کریں۔

ایک مرتبہ لاہور میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ محدث دیوبند، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ اس وقت کے مشہور صحافی غلام رسول مہرؔ اور عبدالمجید سالکؔ ان حضرات کی خدمت میں آئے۔ یہ صحافی حضرات دنیاوی معلومات سے اتنے متاثر و مغلوب ہوتے ہیں کہ شریعت کی حرام کردہ چیزیں ان کیلئے اجنبی بن جاتی ہیں۔ جیسے آج ٹی، وی کی حرمت اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت سود کی حرمت پر ان دونوں حضرات کو بہت اشکال ہو رہا تھا۔ سالکؔ صاحب سود کے جواز پر بحث کر رہے تھے، علامہ عثمانی جواب دے رہے تھے، بحث کافی طویل ہوگئی۔ سالک صاحب ماننے کے لئے تیار نہ تھے، علامہ کشمیری خاموش سن رہے تھے، جب دیر ہوگئی تو علامہ انور شاہ نے فرمایا:

”میاں سالک! تم تو ہو سالک، میں ہوں مجذوب، میری بات کا برا مت ماننا، خدا کی بنائی ہوئی جہنم بہت وسیع ہے، تم کو اس میں کودنا ہو تو کودو، مگر ہمارے کندھوں پر پاؤں رکھ کر کودو گے تو ہم پکڑ لیں گے۔ (یعنی ہمارے فتوے کے ذریعہ جواز چاہو تو ہم اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیں گے)

یہی بات یہاں بھی ہے کہ کوئی صاحب ٹی، وی سے لطف اندوز ہو کر عاقبت برباد کرنا چاہیں تو کریں، مگر اس کے جواز کا فتویٰ دینا چاہیں گے، تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور جب ٹی، وی کے لئے اسلامی پروگراموں کی اجازت ہوگی، تو ظاہر ہے کہ اس کے گھر گھر رکھنے کے جواز کا فتویٰ بھی دینا پڑے گا۔ اور اس کا جو حشر ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اسلامی پروگرام کا بہانہ ہوگا اور تمام واہیات وخرافات سے گھر بھرے ہوں گے۔

بعض مضمون نگاروں نے علماء پر طعن کیا ہے کہ یہ لوگ ابتداء میں لاؤڈ اسپیکر ریڈیو وغیرہ کو بھی قبول نہیں کرتے تھے، مگر اب وہ پچھلی بات نہ رہی۔ اس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، کل ایک بات کو ناجائز کہتے تھے، جب وہی چیز عام ہوگئی تو وہ جائز ہوگئی۔

لیکن ان کا یہ طعن درست نہیں ہے، دین، علماء اور عوام کا وضع کردہ نہیں ہے، اللہ ورسول کی طرف سے ہے، تو جب بھی کوئی نئی چیز آئے گی، تو دیانت کا تقاضا یہی ہے، کہ اس کی اچھی طرح تحقیق کریں۔ چنانچہ ہر مسئلے میں یہی ہوا ہے، جب تک اچھی طرح وضاحت نہیں ہوگئی ہے۔ اس کے جواز یا عدم جواز دونوں پہلوؤں پر گفتگو رہی۔ پھر جب کوئی ایک رُخ واضح ہوگیا، تو فیصلہ ہوگیا، لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے عدم جواز یا کراہت کا رخ اگر چہ متعین ہے، مگر ان کے رواج کا اتنا غلبہ ہوگیا ہے کہ ان کی برائی ذہنوں سے محو سی ہوگئی ہے، اور بعض چیزوں میں خود اصحاب دین کسی درجہ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ سے نکیر کی شدت میں کمی ہوگئی ہے، تو بعض لوگوں نے اس کے جواز کا فیصلہ سمجھ لیا۔

مثلاً تصویر کشی اصلاً ناجائز ہے، مگر اب اس کی وہ کثرت ہے کہ الامان والحفیظ! شاید ہی کوئی مجلس اور کوئی شخص اس سے بچا ہو، مسجدوں میں نمازیوں کی تصویریں۔ علماء ومشائخ کی تصویریں۔ مجلس وعظ کی تصویریں۔ مجلس نکاح کی تصویریں۔ کتابوں میں تصویریں۔ گھروں میں تصویریں۔ غرض کہاں تصویریں نہیں ہیں۔ اب اگر کوئی تصویر پر نکیر کرتا ہے تو اجنبی سی بات معلوم ہوتی ہے، اس مسئلے میں علماء ومشائخ بھی ڈھیلے نظر آتے ہیں، مگر ہے وہ ناجائز ہی۔

لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے میں جواز وعدم جواز کی جو بنیاد تھی، وہ واضح تھی لیکن اس بنیاد کا اس پر انطباق مختلف فیہ ہوا، اس سے نفس مسئلہ میں اختلاف ہوا، مگر پھر تحقیقات سے یہ بات منقح ہوگئی کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ بولنے والے کی آواز ہی ہوتی ہے۔ دوسری کوئی آواز نہیں ہوتی، تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا۔ گو کہ اب بھی بعض علماء اس میں کراہت تصور کرتے ہیں، اور یہ ان کے احتیاط کا پہلو ہے۔

ٹیلی ویژن بھی اب اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس کی بھی قباحت ذہنوں سے محو ہوتی جاتی ہے۔اب تو بعض علماء بھی ٹی،وی کا جلوہ دیکھتے نظر آتے ہیں۔اور کچھ حضرات تو بہ نفس نفیس ٹیلی ویژن میں جلوہ افروز بھی ہوتے ہیں،اس سے دین کا فائدہ تو ہوتا نہیں، ہاں ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔

نص قرآنی کا قطعی فیصلہ ہے کہ خبیث چیز خبیث ہی رہے گی خواہ وہ کثرت کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگے۔قُلْ لَایَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْأَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ ۔(سور مائدہ:۱۰۰)

دنیا پرستی اور دین اسلام دونوں جمع نہیں ہو سکتے ۔دین اسلام دنیا کو برتنے کی صحیح تعلیم دیتا ہے،مگر اس کو معبود و مقصود بنانے اور اس میں مرنے کھپنے سے منع کرتا ہے۔دنیا کا استعمال آخرت کیلئے ،رضاء الٰہی کیلئے صحیح استعمال ہے۔اور دنیا کو صرف دنیا کے لئے آخرت کو فراموش کر کے استعمال کرنا دنیا پرستی ہے۔اس سے صریح ممانعت قرآن میں موجود ہے۔ دورِ حاضر کے دنیا پرستوں کے سامنے آخرت کا کوئی مسئلہ نہیں،اس سے بے نیاز ہو کر آنکھیں بند کر کے دنیا کی پوجا ہو رہی ہے،ان کی پیروی جب مسلمان کرے گا،تو وہ بھی اسی گناہ میں مبتلا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿و لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ﴾ (سورۂ ھود:۱۱۳)تم ظالموں کی طرف میلان نہ رکھو،ورنہ آگ تمہیں پکڑ کر رہے گی۔ظالموں کی طرف میلان یہی ہے کہ اپنا طریقہ چھوڑ کر کفار و مشرکین کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَیَتَّخِذُھَا ھُزُواً (سورہ لقمان:٦)اور کچھ لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتیں خریدتے ہیں، کہ اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دیں،اور اسے مذاق کی چیز بنائیں۔

یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ

کرناچ رنگ کھیل تماشے یا دوسری خرافات وواہیات میں مستغرق ہیں، چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان مشاغل اور تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کردیں، اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی اُڑائیں، حضرت حسن بصریؒ لهو الحديث کے متعلق فرماتے ہیں: كل ما شغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغنا ونحوها (روح المعانی) یعنی لهو الحديث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو، مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ (تفسیر عثمانی)

ٹیلی ویژن ہو، ریڈیو ہو، انٹرنیٹ ہو، سنیما ہو، ان سب کا بڑا مصرف ''لهو الحديث'' ہے جو شخص ان امور میں دلچسپی رکھتا ہے، وہ اللہ کی عبادت اور ذکر الٰہی، تلاوت قرآن سے ضرور غافل ہوتا ہے، کتنے لوگ ہیں، جو ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سن لیتے ہیں، اور یہ سننا بطور تفریح کے ہوتا ہے، پھر انھیں تلاوت کی توفیق نہیں ہوتی، ٹیلی ویژن پر حرم شریف کی نماز اور تراویح کا منظر دلچسپی سے دیکھتے ہیں، مگر نہ فرض نماز پڑھتے نہ تراویح سے واسطہ رکھتے، یہ کہنے کو تو اسلامی پروگرام ہوتے ہیں، مگر فی الحقیقت اسلامی اعمال واحکام سے روکنے والے ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ اسلامی پروگرام دیکھنے والے کتنے ہوتے ہیں اور جو ہوتے بھی ہیں، تو اس کے معاً بعد ناچ گانے کے پروگرام میں مست ہوجاتے ہیں۔

وحید الدین خاں صاحب جو ٹی، وی کو ''خدا کی دین'' قرار دیتے ہیں، وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ:

> ''تاہم اس کا ایک اور پہلو ہے، اس کا تعلق ان پروگراموں سے ہے، جو آج کل اسلامی پروگرام کے نام سے ٹی، وی پر دکھائے جاتے ہیں ............ دوسرے پروگراموں کی طرح ان اسلامی پروگراموں کو بھی تفریح کے روپ میں ڈھال دیا گیا ہے''

وحید الدین خاں کے نزدیک ہر چیز کا معیار عیسائیوں، یہودیوں اور غیر مسلموں

کے یہاں ملتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مسیحی پروگرام کو بطور معیار اور نمونے کے پیش کیا ہے۔ واقعی رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبرٍ وذراعاً بذراعٍ حتیٰ لو دخلوا جحر ضبٍّ تبعتموھم قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن (بخاری شریف، ص:۱۰۸۸) تم اپنے سے پہلی امتوں کے طریقوں کی موبمو پوری پوری نقلیں ضرور اتار کر رہو گے، یہاں تک کہ اگر بالفرض ان میں کوئی شخص گوہ جیسے ذلیل جانور کے تنگ سوراخ میں گھسا ہوگا ہو تو تم بھی اس میں ضرور گھس کر رہو گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں، آپ نے فرمایا تو پھر اور کون مراد ہوتے؟

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے۔ جن گمراہیوں اور غلط کاریوں میں وہ مبتلا ہوئے ہیں، یہ بھی ان میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی سر پھرے پاگل نے گوہ کی بل میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی، تو میری امت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے، جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے۔ (معارف الحدیث ج:۸،ص:۱۳۰)

رسول اللہ ﷺ نے آئندہ زمانوں میں ظاہر ہونے والے فتنوں کی تفصیل سے خبر دی ہے، تاکہ فتنوں اور فتنہ پردازوں کی شناخت رہے، اور امت اندھیرے میں نہ رہے۔ غیروں کی اندھادھند نقالی اور ان کے طریقوں اور نظریوں کی طرف رجحان ومیلان بھی ایک فتنہ ہے، دیکھ لیجئے کتنے لوگ ہیں کہ ان کو نمونہ اور معیار نہ اسلام میں ملتا، نہ مسلمانوں میں۔ وہ ہر بات میں مغرب کا، یورپ کا، امریکہ کا، برطانیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہی یورپ، وہی برطانیہ وہی امریکہ جس کی نگاہ بھی اُٹھتی ہے تو اسلام کو کوئی زخم لگانے کی کوشش کرتی ہے۔

''سہارا'' کے ایک مضمون نگار (مفتی اعجاز ارشد قاسمی) نے اچھی بات لکھی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

’’ٹیلی ویژن کے ذریعہ اسلامی پروگرام پیش کرنے کے سلسلے میں اپنی رائے میں نرمی پیدا کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لینا ہوگا کہ کیا اس طرح کا فتویٰ صادر کرنے سے گھروں میں ٹی، وی رکھنے کی گنجائش نہیں نکلتی ہے اور جب ہم ہر مسلمان کو اپنے گھروں میں ٹی، وی رکھنے کی عام اجازت دے دیں گے، تو کیا ہر گھر میں ٹی، وی کا استعمال صرف اسلامی پروگراموں کے لئے ہوسکے گا؟ کیا ٹی، وی کے استعمال کی اجازت، تھوڑے منافع کی خاطر بہت سے شرور وفتن کو دعوت دینے کے مترادف نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا اور ۹۹ ؍فی صد گھروں میں ٹی، وی اسلامی پروگراموں تک محدود نہیں رہ سکے گا۔ ٹیلی ویژن اطلاعاتی انقلاب ہے، جس کی طاقت کا ہر کسی کو اعتراف ہے اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا بظاہر غیر دانشمندی ہے، لیکن ان حقائق کے باوجود اس بات سے قطعاً انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج ٹی، وی کے ذریعہ اس طرح کے پروگرام پیش کئے جانے کے باوجود وہ آلۂ لہو ولعب کی علامت بن چکا ہے اور بیشتر ٹی، وی چینلز کا اولیں مقصد ناظرین کو ذہنی عیاشی کا سامان فراہم کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپی ممالک اس بات پر سنجیدگی سے غور کررہے ہیں کہ ٹی، وی پر پیش ہونے والے پروگراموں کی وجہ سے جو جنسی بے راہ روی اور پُر تشدد واقعات رُونما ہورہے ہیں ان پر کیسے کنٹرول کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب یورپی ممالک کو ٹی، وی کلچر کا اتنا تلخ تجربہ ہے، تو پھر ہمارے معاشرہ کا کیا حال ہوگا۔ ایسی حالت میں حدیث نبوی واضح طور پر ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ ’’جس میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں یقین ہو اسے اختیار کرو‘‘۔ (مشکوٰۃ)

بہر کیف اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ٹی، وی ایک مؤثر ترین پیغام رسانی کا ذریعہ ہے، جس کی طاقت مسلم ہے، لیکن جس طاقتور آلہ کے استعمال سے اپنا تشخص مٹ جانے کا خطرہ ہو، جس کے نقصانات یقینی ہوں، جس کے تجربات بہت تلخ ہوں، اس طرح کے ذریعہ ابلاغ کے استعمال کی بھلا کیسے اجازت دی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا کہ ٹی، وی کے سلسلے میں دار العلوم نے جو فتویٰ دیا ہے، اس پر آج کے دور میں عمل کرنا ناممکن ہے، بالکل

غلط ہے۔ پوری دنیا کے مسلمان دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کا احترام کرتے ہیں اور اس کے ہر فتویٰ پر عمل کرنے میں جذباتی حد تک فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل میں عملی کوتاہی ہو جاتی ہے''۔

یورپی ممالک سنجیدگی سے کیا غور کریں گے، ان کی سنجیدگی سے تو کچھ اور مزید فتنے ابلیں گے۔ وہ غور کریں یا نہ کریں، ہمیں تو قرآن وسنت سے وابستہ رہنا ہے۔ ٹی، وی اور انٹرنیٹ کا کوئی اسلامی پروگرام، اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا، اور اگر کچھ علماء، کچھ بظاہر دیندار لوگ ان پروگراموں سے دلچسپی لیتے ہیں، تو وہ اسلام کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ قیامت کے دن اس کے وہ جواب دہ ہوں گے، اسلام اور اسلامی حدود وتعلیمات کا تحفظ ضروری ہے، ان حدود کو توڑ کر اسلام کا نام تو باقی رہ سکتا ہے۔ اسلام باقی نہیں رہے گا، اور وہی بات ہوگی جس کی خبر حدیث میں دی گئی ہے۔ لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ' ولا یبقیٰ من القرآن الا رسمہ'۔ دین کا صرف نام ہی نام باقی رہے گا، اور قرآن کا صرف نقش ہی نقش رہ جائے گا۔

کوئی مانے یا نہ مانے، سنے یا نہ سنے، دینی حدود کا تحفظ ضروری ہے، جو کچھ غلط ہے، اسے غلط کہنا ضروری ہے، خواہ اکثریت اسی غلطی پر ٹوٹی پڑ رہی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحِداً (سورہ کہف:۲۷) تمہارے رب کی جانب سے جس کتاب کو بطور وحی کے نازل کیا گیا ہے، اس کی تلاوت کرو، اس کے کلمات کوئی بدل نہیں سکتا، اور اس کے علاوہ تم کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤ گے۔

ہدایت کل بھی قرآن میں تھی، وحی الٰہی میں تھی اور آج بھی وہیں ہے اس کی تلاوت، اس میں غور وتدبر کو چھوڑ کر لہویات وخرافات کی مشغولیت بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(اکتوبر ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تماشائے عبرت

پچھلے دنوں دو عجیب تماشے دیکھنے میں آئے، حیرت کے تماشے! عبرت کے تماشے! یہ خاکسار راقم الحروف ریڈیو اور اخبارات سے کچھ خاص اشتغال نہیں رکھتا، ریڈیو تو کبھی نہیں سنتا، البتہ اخبار کبھی کبھی نظر سے گزرتا ہے، نہیں ملتا، تو اس کی طلب نہیں ہوتی، مل جاتا ہے، تو سرسری نظر ڈالنے سے انکار نہیں، چند ماہ پہلے ہفتوں اخبار دیکھنے کی نوبت نہیں آئی ، ایک روز ایک دوست نے فون پر خبر دی کہ دارالعلوم دیو بند کا ایک فتویٰ فلاں اخبار میں شائع ہوا ہے کہ اشاعت دین وتبلیغ اسلام کے لئے ٹی۔وی کا استعمال جائز نہیں، اس پر اس اخبار میں کچھ علماء کی طرف سے خوب لے دے ہو رہی ہے، مجھے حیرت ہوئی ٹی۔وی کے استعمال کا عدم جواز تو بدیہی ہے، شریعت مطہرہ کے اصول کا جو معمولی حرف شناس بھی ہوگا وہ بھی جانتا ہے کہ فحاشی، عریانی، بے راہ روی کا یہ ڈبہ اشاعت اسلام تو بڑی مقدس چیز ہے، کسی معمولی مقصد کیلئے بھی اس کا استعمال جائز نہ ہوگا، کوئی گندگی پھیل جائے، تو وہ پاک نہ ہوگی۔ لیکن اللہ جانے اصحابِ علم کہلانے والے ایک طبقہ نے کہاں سے، کون سا نلخہ سونگھ لیا ہے کہ وہ دن کے اُجالے میں اندھیر مچا رہے ہیں۔ خاکسار نے اسی وقت اس موضوع پر ایک تفصیلی مضمون لکھا، جو ماہنامہ ضیاء الاسلام شمارہ اکتوبر میں آغازِ سخن کے ذیل میں شائع ہوا۔

اسی دوران ایک دوسرا تماشا بھی اخبار کے صفحوں میں

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

کا مصداق بنا ہوا چل رہا تھا۔ اس وقت امریکہ میں صدارتی الیکشن کی تیاریاں شروع ہونے والی تھیں، یا شروع ہوگئی تھیں، معلوم ہوا کہ وہاں کے صدر نے ہندوستان سے

اور شاید دنیا بھر کے ممالک سے مسلمان علماء کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے، بعض علماء وہاں پہونچ رہے ہیں، امریکہ کی کچھ تعلیمی میدان میں سرگرمیاں بھی ہیں جو علماء اور اہل مدارس کے ذہنوں میں اُتاری جارہی ہیں۔ ان سرگرمیوں کا مرکز حیدرآباد میں ہے، دہلی میں ہے، ہمارے قریب جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں اس موضوع پر ایک ورکشاپ منعقد ہوا تھا، معلوم ہوا کہ علماء کی کئی کھیپ ہندوستان سے امریکہ پہونچ چکی ہے، اور امریکہ کی ضیافت سے متمتع ہوکر کچھ لوگ واپس بھی آچکے ہیں، کچھ لوگ جانے کی تیاریاں کررہے ہیں، پھر معلوم ہوا کہ گئے بھی، اور آئے بھی۔ پھر صدارتی الیکشن ہوا، اور سابق صدر دوبارہ صدارت کی کرسی پر براجمان ہوگیا۔ اب سناٹا ہے۔

اسی وقت اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ ہوا۔ مگر موقع نہ مل سکا۔ اس تماشے پر بہت حیرت ہوئی، ابھی کتنے دن کی بات ہے، کہ یہی امریکہ ایک معمولی بہانہ بنا کر افغانستان پر بم برسا رہا تھا، اسے تباہ و برباد کرکے رکھ دیا، اس سے پہلے عراق کو نشانہ بنا چکا تھا، افغانستان کے بعد عراق کو دوبارہ تاکا، اور اسے تہس نہس کرکے رکھ دیا، اسرائیل کی پشت پناہی یہ مستقلاً کررہا ہے، عرب ممالک کو کنگال کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے، اور وہاں کے معادن اور ذخائر کو ہر قیمت پر اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے، دنیا بھر کے دینی مدارس کو دہشت گردوں کے مراکز اور علماء کو دہشت گرد قرار دے کر پروپیگنڈے کی ساری طاقت اس پر جھونک رہا ہے، وہی امریکہ جس کے ظلم و بربریت کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، اندھا بھی اس کے ظلم وستم کو دیکھ رہا ہے، بہرا بھی اس کے مظلوموں کی چیخ و پکار سن رہا ہے، جس کے ظلم وستم کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے، وہ امن کا نعرہ لگا کر بدامنی پھیلاتا ہے، وہ حفاظت کا نام لے کر ملکوں کو اُجاڑتا ہے، ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ ہمارے علماء امریکہ کی مصنوعات کو بائیکاٹ کرنے کی تلقین کررہے تھے، ان مصنوعات کی فہرست شائع کررہے تھے، ان کے بجائے ملکی مصنوعات کے استعمال کی ترغیب دے رہے تھے، پیپسی بند، کوکا کولا بند، فلاں سگریٹ بند، فلاں فلاں سامان ناقابل استعمال!

اور پھر چند ہی دنوں میں یہ کیا ہوا کہ امریکہ کے قاصد مدارس میں اور علماء کے پاس دوڑتے پھر رہے ہیں، انھیں دعوتیں دے رہے ہیں، امریکہ آنے کے لئے اصرار کرر ہے ہیں، اور وہی علماء جو امریکہ سے اظہارِ نفرت کرر ہے تھے، اب اس سے محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں، ایسا بھی نہیں ہے کہ امریکہ کا ظلم ختم ہو گیا ہو، یا اسے پچھلے کرتوتوں پر ندامت ہوئی ہو، یا اس نے اسرائیل کی پشت پناہی سے ہاتھ کھینچ لیا ہو، یا افغانیوں اور عراقیوں پر اس نے کچھ مہربانی فرمادی ہو، یا مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ کہنا بند کر دیا ہو، یا علماء وطلباء کو معصوم قرار دے دیا ہو، ایسا کچھ نہیں، وہ اپنی سابقہ روش پر حسب دستور ہے، پھر اچانک یہ کیا ہوا پلٹی! موسم کیونکر بدلا۔ اس کو اتنی گنجائش کیسے مل گئی کہ اس کے فرستادے، اس کے قاصد علماء کے بیچ مدارس کے صحن و دفتر میں کھڑے بیٹھے نظر آرہے ہیں، ان سے باتیں کی جارہی ہیں، ان کا پیغام سنا جارہا ہے، بعض انکار کرر ہے ہیں، بعض ان کا پیغام قبول کرنے اور امریکہ جانے کی تیاریاں کرر ہے ہیں۔

## یا للعجب !یا ویلا ہ ! واأسفاہ !

ایک مرکزی درسگاہ میں امریکی سفیر پہونچا، اپنی دعوت پیش کی، درسگاہ کے ذمہ داروں نے دعوت نہیں قبول کی، کرنے والوں نے ان پر اعتراض کیا، کہ امریکی سفیر وہاں کیوں پہونچا؟ ذمہ داروں نے جواب دیا کہ ہمارا دروازہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے، آنے کو ہم روک نہیں سکتے، یہ جواب دے کر وہ مطمئن ہو گئے کہ اعتراض ختم ہو گیا، حالانکہ ایسا ہوا نہیں، آپ کا دروازہ ان دشمنوں کے لئے کیوں کھلا ہوا ہے، جو آپ کے دین کو، آپ کی پوری ملت کو تباہ کئے جارہے ہیں۔ آپ کے اندران کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، تو کم سے کم اظہارِ نفرت کرتے ہوئے ان کے لئے اپنا دروازہ تو بند کر سکتے ہیں، آپ کی غیرت کو کیا ہوا، کہ ایسا خونخوار دشمن جس کے ہاتھ آپ ہی کی ملت کے خون سے رنگین ہیں آپ کے گھر آئے، اور دروازہ کھول کر آپ اس کا استقبال کریں اور اس کے اسی خونیں اور نجس ہاتھوں سے آپ مصافحہ کریں۔

پھر ان لوگوں کی غیرت وحمیت کو کیا کہا جائے، جو امریکہ کے دسترخوان پر جاپہونچے اور اس خوانِ یغما سے آسودہ ہوکر لوٹے، **ایں چہ بو العجبی ست**، رویہ کی اتنی جلد تبدیلی اور اتنی بڑی تبدیلی حیرت در حیرت ہے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا ہے، جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ **آتیناہ آیاتنا**، اس کو ہم نے اپنی آیات سے نوازا تھا، لیکن اس نے اس عظیم نعمت کی قدر نہیں کی، اس نے اللہ کی آیات کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا، اور ان کے آثار وثمرات اور ان کے برکات وحسنات سے خود کو باہر نکال لیا، جب وہ آیات کے حصار سے نکل گیا تو ظاہر ہے کہ شیطان کا لقمۂ تر بننے میں اسے دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، حالانکہ اس علم اور ان آیات کا مرتبۂ ومقام وہ تھا کہ ان کی وجہ سے اس کو اللہ ہی جانتا ہے کتنی رفعت حاصل ہوتی، مگر وہ ظالم دنیا اور متاعِ دنیا، اور فانی لذتوں کی تلاش میں کھوگیا، اور اس کی خواہشات اس کے لئے قبلۂ مقصود بن گئیں، تو اس کی مثال کتے جیسی ہے، کہ وہ زبان نکال کر ہانپتا ہے، ذلیل وخوار ہوتا ہے، بے سبب بھی مشقت اور تکلیف میں رہتا ہے۔

اندازہ کیجئے، وہ کون سی چیز تھی، جس نے ایک ایسے صاحب علم اور صاحب آیات کو جس کے صاحب علم وآیات ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، کتے کے درجے میں اُتار دیا، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متاعِ دنیوی اور لذاتِ فانیہ کی حرص اور اس کی نفس پروری تھی، وہ ظالم تو اپنی صفت مذمومہ میں آخری حد تک چلا گیا، کہ ایمان بھی اس کا بالکلیہ غارت ہوگیا۔ لیکن جو جس حد تک اس حرص اور نفس پروری میں ملوث ہوگا۔ اس حد تک اس کے ایمان کا چراغ مدھم ہوگا۔ اور کیا عجب کہ مدھم ہوتے ہوتے بجھ جائے۔

بہت ڈرنے کا مقام ہے، علم دین کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، مگر مال ودولت کی حرص نے اس عظیم نعمت کی برکات سے محروم کردیا۔

علماء واصحابِ مدارس وخوانق کا اصحاب ثروت کی ثروت اور امراء وحکام کی دولت

اوران کے مادی وسائل پر للچائی نگاہیں ڈالنا، دنیا وآخرت کا عظیم ترین خسارہ ہے، علماء، انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء کی وراثت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوموں سے برملا فرمادیا:

لا أسالكم عليه أجراً إن أجرى إلا على الله

میں تم سے اپنے دین اور تبلیغ دین پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے،

اللہ کے علاوہ انھوں نے کسی سے کوئی نفع نہیں چاہا۔ تو کیا وہ محروم ہو گئے؟ یہی وراثت اگر علماء بھی مضبوطی سے تھام لیں، تو کیا وہ محروم رہ جائیں۔ کلا دنیا والوں کے پاس دنیا کے علاوہ کیا ملے گا۔ پھر دنیا حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس جانا، اپنے دین وایمان اور غیرت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ قرآن میں جس عالم کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مال کی لالچ میں پھنس گیا تھا، اور عبرت کا تماشا بن گیا۔ عالم وہی ہے بلکہ مومن وہی ہے، جو اس بدحالی سے سبق لے۔

لوگ امراء وحکام کے پاس جاتے ہیں، شاید کچھ دولت حاصل ہو جاتی ہو، مگر دین تو برباد ہو کر رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک دنیا دار پیر سے اس کا ایک مالدار مرید اپنا خواب بیان کررہا تھا کہ آپ کے ہاتھ سے شہد ٹپک رہا ہے اور میرا ہاتھ پاخانہ میں ملوث ہے، پیر صاحب نے فرمایا کہ اور کیا؟ تم نے اپنی اور میری حالت خواب میں دیکھی، مرید کہتا ہے ابھی خواب پورا نہیں ہوا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ میں آپ کا ہاتھ چاٹ رہا ہوں، اور آپ میرا ہاتھ!

دنیا دار امراء واصحاب ثروت کے دربار میں حاضری دینے والوں کی یہی مثال ہے، کاش کہ اصحاب علم، علم اور دین کے مرتبہ اور مقام کو پہچانتے، اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتے، تو اللہ کی رحمتیں ان پر اترتیں۔

(جنوری، فروری ۲۰۰۵ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مسلمانوں کے معاشرہ میں اخلاق کی حالتِ زار

یہ خاکسار راقم الحروف پچھلے دنوں گورکھپور کے قصبہ بڑھل گنج سے شہر غازی پور جارہا تھا، دوہری گھاٹ میں چند پولیس والوں نے گاڑی رُکوائی اور ایک کانسٹبل کو اس پر بیٹھا دیا کہ انھیں مئوشہر میں اتار دیجئے گا، گاڑی چل پڑی، میں نے کانسٹبل سے اس کے تعارف کے متعلق پوچھا، وہ اپنا نام ونسب اور وطن بتاتا رہا، اسے جب بولنے کی گنجائش ملی تو دیر تک بولتا رہا، وہ کہہ رہا تھا کہ میں ڈیوٹی کے لئے مختلف جگہوں میں جاتا رہتا ہوں، لیکن مسلمانوں کی فلاں فلاں آبادی میں جتنے جاہل لوگ ہیں اتنے جاہل میں نے کہیں نہیں پائے، میں یہ سن کر سناٹے میں آگیا، میں نے دل میں سوچا کہ جن جگہوں کا نام لے رہا ہے وہاں پڑھے لکھے لوگ بہت ہیں، مگر یہ پولیس ہے، اس کا سابقہ پڑھے لکھے لوگوں سے کیوں پڑنے لگا، اسے تو معاشرہ کے جاہل افراد ہی ملیں گے، مگر وہ جہالت کی جو باتیں ذکر کررہا تھا، اسے سن کر سر شرم کی وجہ سے جھک گیا، وہ جو کچھ کہہ رہا تھا بالکل سچ کہہ رہا تھا، انداز ذرا تیکھا اور کڑوا تھا، اور ایک پولیس والے سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

وہ کہہ رہا تھا اور اپنی مخصوص زبان میں کہہ رہا تھا، میں اس کا حاصل لکھ رہا ہوں کہ مسلمان نوجوانوں اور عام لوگوں کی خودسری اور آوارگی کا یہ عالم ہے کہ کسی بڑے کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، انھیں سمجھایا جاتا ہے، مگر ذرا بھی اثر نہیں لیتے، کتنے کام اس سرکشی کی وجہ سے بگڑ جاتے ہیں، بات ماننے کا جذبہ سرے سے ہے ہی نہیں، بے وجہ لوگوں کو چھیڑنا، مذاق اڑانا، تکلیف پہونچا کر خوش ہونا جیسے شیوہ بن چکا ہے۔

دوسرے یہ کہ ان نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ بات شروع کریں گے تو گالی سے

شروع کریں گے، فحش گالیاں، گندی گالیاں، جیسے یہ کوئی عیب نہیں ہے، پولیس والے خود سراپا گالیوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، اسی لئے وہ بے تکلف گالی کے ان الفاظ کو نقل کررہا تھا، جن کو سننے کی تاب نہیں ہوئی۔

جو کچھ وہ بول رہا تھا، اس سے دل پر چوٹ لگ رہی تھی، میں خاموش ہوگیا، پھر وہ بھی خاموش ہوگیا، میں سوچتا رہا کہ وہ ذات اقدس جس کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ اور معیار بنا کر بھیجا ہے، اور جن کی امت میں ہونے کی ہمیں سعادت حاصل ہے، اور جن کے نام کی بلندی سے ہمیں عزت وسربلندی حاصل ہوتی ہے، ان کے اخلاق کیا تھے؟ اور انھوں نے ہم کو کس اخلاق کی تلقین کی تھی؟ اور ہمارا معاشرہ کہاں چلا گیا کہ بدخلقی، بدتہذیبی، جہالت ہمارا نشان بنی ہوئی ہے۔ ایک غیر مسلم جو شاید اخلاق کے حروف سے بھی واقف نہ ہو، وہ اتنی جرأت کے ساتھ اخلاقی کمزوریوں کا تذکرہ کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات فداہ ابی وامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں شہادت دی ہے کہ **إنک لعلیٰ خلقٍ عظیم** آپ بلند ترین اخلاق پر فائز ہیں۔ آج ان کی امت کے نوجوانوں کو ایک غیر مسلم اور وہ بھی پولیس کا آدمی ذلیل ترین اخلاق پر بتارہا ہے۔ **فوا أسفاہ**

رسول اللہ ﷺ نے امت کو کن بلندیوں پر پہونچایا تھا، اور اب امت کہاں پہونچی ہوئی ہے، ہمارے نوجونواں کو اس کا احساس نہیں ہے، وہ اپنے نفس کی خرمستیوں میں اس طرح گم ہیں کہ انھیں شاید اللہ ورسول کی یاد بھی نہیں آتی، گھروں میں تربیت کا فقدان ہے، میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اور جانتا ہوں کہ جن لوگوں کے بارے میں لکھ رہا ہوں، ان کی نگاہیں شاید ان سطروں پر کبھی نہ پڑیں، کیونکہ ہمارے معاشرے میں ٹیلی ویژن نے پڑھنے لکھنے کی استعداد کھودی ہے، اس سے فرصت ملتی ہے، تو جن کھیل تماشوں، اور ایمان سوز حرکتوں کا اس میں ان نوجوانوں نے مشاہدہ کیا ہے، ان کی عملی مشق کرتے ہیں۔ انھیں نہ فرصت ہے اور نہ توفیق کہ ان خشک اور بے مزہ سطروں کو پڑھیں، یا ان کی طرف توجہ دیں۔

لیکن میں ایک آواز لگارہا ہوں، جن لوگوں تک یہ حروف پہونچیں وہ اگر ماحول

ومعاشرے کے باثر اور ذمہ دار ہیں، تو خود کوشش کریں، اور اگر نہ ہوں تو باثر لوگوں کو متوجہ کریں کہ امت کا یہ حال بہت ہی قابل غور ہے۔ اخلاق حسنہ کی تعلیم عام کرنی چاہیئے، اور بڑے حضرات اخلاقِ نبوی کو اپنائیں، تلاش کرکر کے اپنائیں تاکہ یہ سرمایہ چھوٹوں تک منتقل ہو، خود پابند ہوں، اپنے ماتحتوں اور زیر سرپرستی نوجوانوں کو اس کا پابند بنائیں، جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیته** تم میں سے ہر ایک ذمہ دار نگراں ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

میں ان لوگوں کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل یا دینی ودنیاوی کسی وجاہت سے نوازا ہے، وہ خود اسلامی اخلاق واعمال پر عمل پیرا ہوں، اور اپنے زیر نگرانی افراد کو اس کی تاکید کریں۔ امت میں اخلاقی کمزوریاں اس طرح سرایت کر گئی ہیں کہ پورا معاشرہ کھوکھلا ہو کر رہ گیا ہے۔

جھوٹ، بدعہدی، گالی گلوج، ایذا رسانی، دوسروں کا مال ہڑپ کر لینا، کسی کی تکلیف کی پروا نہ کرنا، اپنے مفاد کے لئے پورے معاشرے اور ماحول کو فساد اور بگاڑ کی آگ میں جھونک دینا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر معمولی معمولی باتوں پر مخالف کو قتل کر دینا، جیل بھجوا دینا، رشوتیں دے دیکر اپنے مخالف کو پولیس یا بدمعاشوں سے پٹوا دینا، کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخ رُو ہونے کے یہی اعمال واحوال ہیں؟ اور کیا دنیا میں پنپنے کے یہی انداز ہیں؟ اور کیا یہی اسلامی اخلاق ہیں؟

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ بداخلاقیوں اور خودغرضیوں کے ساتھ کوئی قوم پنپ نہیں سکتی بلکہ زندہ ہی نہیں رہ سکتی، سیاسی سازشوں اور ہتھکنڈوں نے طبیعتوں کو اس درجہ برباد کیا ہے کہ اخلاق کا تصور مشکل ہو گیا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے پاس تو ایک عظیم الشان خزانہ ہے، قرآن ہے، حدیث ہے، صحابۂ کرام کی سیرتیں ہیں، علماء سلف کے احوال وواقعات ہیں، اخلاق پر بیش قیمت کتابیں ہیں، اور بحمد اللہ آج بھی عملی نمونے ہیں، مدارس ہیں، خانقاہیں ہیں، علماء ومشائخ ہیں، اگر

مسلمان چاہیں، اور ذرا توجہ کریں تو اخلاق درست کئے جا سکتے ہیں، لیکن پیاسا خود نہ چاہے تو دریا کے کنارے رہ کر بھی پیاس سے مر سکتا ہے۔

اہل ایمان کا دامن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بندھا ہوا ہے، یہ امت اگر ان کے طریقے اور ان کی سیرت سے انحراف کرے گی، تو دنیا میں بھی ذلت سے دوچار ہوگی، اور آخرت میں بھی اپنی شناخت کھوکر محروم ہوگی۔

معاشرہ کا ہر فرد ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی فلاح کی فکر کرے، اخلاق کا بگاڑ گھر سے شروع ہوتا ہے، پھر غلط صحبتیں انھیں برباد کر کے رکھ دیتی ہیں، خاندان اور گھر کے بڑوں کو بچوں کے لئے نیک صحبتوں کا اہتمام کرنا چاہئے، اچھے لوگوں، نیک اور بزرگ حضرات کی خدمت میں بچوں کو نوجوانوں کا پہونچائیں، نیکی اور اخلاق کی اہمیت سے انھیں واقف کرائیں، اور ان حضرات کی خدمت کے آداب سکھائیں۔

اگر دولت، دولت کی منڈیوں میں اور دولت مندوں کے پاس ملتی ہے، تو اخلاق بھی دینداروں، متقیوں اور بزرگوں کے پاس ہی ملے گا، ان سے کٹ کر، ان سے دور رہ کر، ان سے بدگمان ہوکر، ان کی بے ادبی کر کے سوائے خرابی اور فسادِ اخلاق کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت سے قرب خداوندی کی جن بلندیوں تک پہونچ سکتا ہے، اخلاق حسنہ کے ذریعے سے بھی ان بلندیوں تک رسائی ہوسکتی ہے، اور معاشرہ تو بنتا ہی ہے اخلاق حسنہ سے! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ مسلمان تو وہی ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ و مامون رہیں۔ اور فرمایا: وَالْمُؤمِنُ مَنْ أَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ۔ مومن وہ ہے جس کی ایذا رسانیوں سے لوگ مامون رہیں، اور آپ نے ارشاد فرمایا: لَایُؤمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات نہ پسند کرنے لگے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

غور کیجئے، کون پسند کرے گا کہ اس کو گالی دی جائے، اسے ستایا جائے، اس کا مال ہڑپ لیا جائے، قرض مانگے تو نہ دیا جائے، یا قرض دے تو اسے واپس نہ کیا جائے، کون پسند کرے گا کہ اس کا پڑوسی اس سے جھگڑا کرے، اس کا بیٹا اس کی نافرمانی کرے، اس کا باپ اسے گھر سے نکال دے؟ کون پسند کرے گا کہ اس کی اولاد کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرے، اس کے گھر والوں کے ساتھ بدتمیزی کرے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی اسے پسند نہیں کرسکتا، شروع کی سطروں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ پولیس والا گالی دینے والوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے، حالانکہ وہ خود گلے گلے تک گالی میں ڈوبا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان بداخلاقیوں اور بد اعمالیوں کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، تو اے ایمان والو! ایمان کا لحاظ کرو، اور اے عقل والو! عقل کے ناخن لو! جو بات تمہیں پسند نہیں ہے، اسے دوسروں کے حق میں بھی پسند نہ کرو۔

دوسروں کی عیب جوئی سے پہلے اپنے عیبوں کو تلاش کرو، انھیں دور کرو، اپنے آپ دور کرنا مشکل ہے، تو اس کے لئے حکمائے قلوب یعنی بزرگانِ دین اور مشائخ سے رابطہ رکھو، ان کے سامنے اپنی بیماریاں رکھ کر ان سے علاج کراؤ، یا انھیں دیکھ دیکھ کر، ان سے سن سن کر اصلاح اخلاق کا اہتمام کرو۔ تاکہ دنیا بھی سنورے، اور آخرت کا دائمی امن وسکون حاصل ہو، اللہ راضی ہوں، اللہ کے بندے بھی راضی ہوں۔

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اعتـــذار

کئی ماہ کے ناغے کے بعد ماہنامہ ضیاء الاسلام کا مارچ ۲۰۰۶ء کا شمارہ قارئین کی خدمت میں ہم لے کر حاضر ہورہے ہیں۔ شرمندگی کے ساتھ، معذرت کے ساتھ، معذرت پر بھی شرمندگی ہورہی ہے، ماہانہ رسالہ اگر وقت پر ممبروں کے ہاتھ نہ پہونچے تو انھیں کوفت ہوتی ہے، بددلی پیدا ہوتی ہے، یہ خیال گزرتا ہے کہ انتظامیہ کو یا تو انتظام کا سلیقہ نہیں، یا وہ دیانت دار نہیں!

بلاشبہ جن حضرات نے پیشگی رقم رسالے کے لئے جمع کی ہے، انھیں ایسا سوچنے کا حق ہے، لیکن ہم قارئین کی خدمت میں عرض گزار ہیں کہ:

(۱) ادارے نے اپنی جیسی پوری کوشش کی کہ وقت مقرر پر رسالہ پریس سے آجائے، اور ٹھیک وقت پر ڈاک کے حوالے ہوجائے، اس سلسلے میں ہم پریس کے ممنون کرم ہیں کہ اس کے ذمہ داروں نے ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا، وقت پر رسالہ چھاپا، نقد رقم ہم نہ دے سکے تو اسے خوشی سے گوارا کیا۔ پریس کی اسی مہربانی اور تعاون کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اتنے وقت تک رسالہ کو چھاپ کر قارئین کے ہاتھوں پہونچاتے رہے، لیکن یہ گرانباری بڑھتی رہی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ قرض کی گنتی ایک لاکھ سے آگے بڑھ گئی۔ اب ادارے کو شرمندگی لاحق ہوئی، ہچکچاہٹ ہونے لگی کہ اس قرض کو کب تک بڑھنے دیا جائے گا۔ ہاتھ کو دیکھا تو خالی تھا، خریدار حضرات کا رجسٹر دیکھا گیا، پچھلے دنوں کے بقایا کا حساب لگایا گیا تو حضراتِ خریداران کے ذمے اتنی رقم باقی نکلی کہ اگر وہ سب رقم مل جائے تو قرض کا بار یکلخت اتر جائے، مگر وہ رقم ملے تو کیونکر ملے، مختلف وقفوں میں درخواست کی گئی، ایک مرتبہ منی آرڈر فارم اور خطوط بھیجے گئے، لیکن تجربہ کار حضرات مشورہ دیتے رہے کہ ادارہ کی طرف سے آدمی

بھیجا جائے، مگر ہمیں مجبوری رہی کہ اس کا خاطر خواہ انتظام نہ کر سکے، کبھی انتظام ہوا تو ادھورا اور نا تمام! نتیجہ یہ ہوا کہ قرض جوں کا توں باقی رہا، کچھ رقم ہاتھ آئی، اور پریس پہونچایا، تو قرض میں جو کچھ کمی آئی، اگلے پرچے کی اشاعت نے پھر وہیں تک پہونچادیا۔ یہی چکر چلتا رہا، یہاں تک کہ دسمبر ۲۰۰۵ء میں بندہ سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی، اور فروری میں واپسی ہوئی، بڑی مشکل سے نومبر دسمبر کا شمارہ مشترک نکلا تھا، واپسی کے بعد جنوری فروری کا شمارہ شائع کیا گیا، اس کے بعد سے ارادے پر ارادے ہوتے رہے، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کہ قرض کی گرانباری مزید بڑھائی جائے۔ اشاعت کا سلسلہ رک سا گیا، دلوں میں وسوسے آنے لگے کہ رسالہ کو باقی رکھا جائے یا بند کر دیا جائے۔ باقی رکھنے کی جو دشواری ہے وہ سامنے ہے، بند کرنے میں یہ دقت تھی کہ جہاں بیشتر حضرات کے ذمے رقمیں باقی ہیں وہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جن کی رقمیں پیشگی موصول ہو چکی ہیں، ان کو اطلاع دینی، پھر ان کی رقموں کی واپسی ایک دردسر تھا، پھر بہت سے بزرگوں نے تاکید کی کہ رسالہ جاری رکھا جائے، اس راہ سے خدمت دین کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ فتنوں کے دور میں علومِ صحیحہ اور مضامین حقہ کی اشاعت اللہ کے نزدیک ان شاء اللہ بڑے اجر وثواب کی چیز ہے، اور رسالہ جب شروع کیا گیا تھا، اس وقت یہی جذبہ تھا کہ علوم دین کی صحیح تبلیغ کی جائے، اس راہ میں دقتیں آئیں گی، انھیں جھیل لیا جائے گا، مگر شدید مالی تنگی نے ارادہ کو ہرا دیا۔ ہر وقت اس تنگی کی دُہائی دیتے رہنا طبیعت پر گراں بھی ہے، اور قارئین کی ناگواری کا اندیشہ بھی لگا رہتا ہے، تو اربابِ انتظام کشمکش کا شکار ہوئے کہ کریں تو کیا کریں؟

پھر غور وفکر کے بعد اور تمام احوال کو پیش نظر رکھنے کے بعد فیصلہ یہی ہوا کہ انتظام میں تھوڑی وسعت دی جائے، حالانکہ اس میں ہمارے لئے دشواری ہے، تاہم اس دشواری کو جھیلا جائے، اور رسالہ کی اشاعت باقی رکھی جائے۔ اللہ سے دعا کی جائے کہ غیبی نصرت شامل حال رہے۔

اس فیصلے کے بعد کئی ماہ کے وقفے کے بعد یہ شمارہ نکالا جا رہا ہے، اگرچہ خلا خاصا لمبا

ہے، لیکن ترتیب کو بدلا نہیں گیا، جنوری فروری کا شمارہ نکل چکا ہے، اس ترتیب کے لحاظ سے یہ مارچ کا شمارہ ہے، اس شمارے کی اشاعت کے بعد ادارے کی طرف سے ایک صاحب بھیجے جائیں گے، جن کے پاس بقایا کے پچھلے حسابات ہوں گے، آپ حضرات سے گزارش ہے کہ پچھلا حساب بیباق کردیں اور سال رواں کا بھی سالانہ زرخریداری جمع کردیں۔

اپنے معاونین سے ایک درخواست اور بھی ہے کہ بعض حضرات کی خدمت میں ڈاک کی خرابی کی وجہ سے کبھی کبھی رسالہ نہیں پہونچتا۔ اس میں ادارے کی کوتاہی نہیں ہوتی، ادارہ نے تو یہ انتظام کیا ہے کہ بجائے مقامی چھوٹے ڈاک خانے کے جو بلریا گنج میں ہے، جس کو اتنے رسالوں کو بیک وقت بھیجنے کا تحمل نہیں ہوتا، مرکزی ڈاک خانہ سے بھیجا جائے، جو اعظم گڈھ شہر میں ہے، اس میں بعض اہل تعلق بھی ہیں جو بہت اہتمام اور خلوص سے پرچے کی ترسیل کا انتظام کرتے ہیں، اس لئے ہمیں اطمینان ہے کہ رسالہ پورے احتیاط سے روانہ کیا جاتا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارا یہ محکمہ اتنا نیک بخت ہے کہ کبھی کبھی ایک خط سال سال بھر بعد پہونچاتا ہے، اور اکثر تو اس کی زحمت ہی نہیں کرتا، فون کے عموم وشیوع نے اس کی کارکردگی کو اور بھی ناکارہ بنادیا ہے۔

تو قصور ڈاک کے محکمہ کا ہوتا ہے، اور کچھ حضرات غصہ ادارے پر اتارتے ہیں، چلئے یہ بھی گوارا! مگر وقت پر اطلاع ہوجائے، تو رسالہ دوبارہ روانہ کردیا جائے، لیکن ہمیں اطلاع ہوتی ہے، تو بصورت غصہ! اور صاحب معاملہ کو یہ یاد نہیں رہتا کہ کس کس ماہ کا نہیں ملا ہے، پوچھنے پر فرمادیتے ہیں کہ دیکھ کر بتائیں گے، اور پھر بسا اوقات دیکھنے کی نوبت نہیں آتی اور دوبارہ ہم انکے غصے کا شکار ہوجاتے ہیں۔

تو معاونین سے درخواست یہ ہے کہ ان معاملات پر ناراض ہوکر رقم دینے سے انکار کے بجائے خدمت دین کے تعاون کے جذبہ سے رقم دیدیں۔ شکایتوں کی تلافی کرنے کیلئے ہم بقدر امکان حاضر ہیں، اور جو بھی شکایت ہو اسے تحریری طور پر تفصیل کے ساتھ دیں، یا ہمارا آدمی جو آپ کے پاس پہونچے گا، اس سے اپنے سامنے لکھوادیں۔ (مارچ ۲۰۰۶ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی بزرگ کا قول ہے، **عرفت ربی بفسخ العزائم**، عزیمتیں ٹوٹتی رہیں، ارادے شکست وریخت ہوتے رہے، اس سے میں نے اپنے مالک وپروردگار کو پہچانا۔ انسان خواہ کتنا ہی عزم محکم کرے، کتنے ہی پختہ اسباب جمع کرلے، لیکن اگر رب العالمین کو منظور نہیں تو سارا عزم منہدم، سارے اسباب چکنا چور!

ناظرین کرام! انسان ضعیف البنیان نے بہت چاہا، تدبیریں کیں کہ رسالہ ضیاء الاسلام کی گاڑی لائن پر آجائے، مگر اس کے لائن پر آنے کی شرط تھی کہ اہل تعاون کے ہاتھ بڑھیں، اور قرض کا جو بوجھ اس پر لد گیا ہے، اسے اتاریں، لیکن وہ نہیں ہوسکا، اس لئے چل چل کر یہ گاڑی رکتی رہی، الحمد للہ کہ اس کے قدرداں بہت ہیں، انھوں نے مفید مشورے دئے، مگر ہم اپنی کوتاہ دامانی کی وجہ سے ان مفید مشوروں پر عمل نہ کرسکے۔ مشورہ یہ تھا کہ خریداروں کی خدمت میں آدمی بھیجا جائے، اور وہ فرداً فرداً سب سے بقایا کہ رقم وصول کرے، اس میں قدرے پیش رفت ہوئی، اور اس کے نتائج بھی بحمد اللہ اچھے نکلے مگر پورے طور پر عمل نہ ہوسکا۔ بہر حال جو کچھ عمل ہوسکا اس کے نتیجے میں تین چار ماہ کے رسالے ہم قارئین کے ہاتھوں تک پہونچا سکے، مگر قرض جوں کا توں رہا۔ اب ادارے نے ایک انہونا فیصلہ کیا ہے، اور زبانی اس کی اطلاع اس خاکسار نے اپنے دوستوں کو کر بھی دی ہے، اور انھوں نے خوشی سے اسے منظور بھی کرلیا ہے، وہ یہ کہ ۲۰۰۶ء کے تین پرچے شائع ہوئے ہیں، اور ماہانہ رسالہ کی ترتیب بگڑی اور بگڑتی چلی گئی ہے۔ اب دسمبر تک کوئی پرچہ شائع نہیں ہوسکا ہے، تو ۲۰۰۶ء کو اتنے ہی رسالوں پر موقوف کردیا جائے، اور جن حضرات نے ۲۰۰۶ء کی پوری رقم عنایت فرمادی ہے......اور ایسے لوگ شاید سو [۱۰۰] سے زیادہ نہیں ہیں......ان کی خدمت میں معذرت کرلی جائے کہ تین پرچوں سے زائد رقم کو رسالہ کیلئے "تعاون محض" بنا کر ادارے کو اس سے بری کردیں، اور ۲۰۰۷ء کا سالانہ بدل اشتراک عنایت فرماویں۔ میرا سفر بہار دربھنگہ ومدھوبنی کا ہوا تھا، وہاں کے احباب سے میں نے اس کا ذکر کیا

،تو سب نے نہ صرف بشاشت سے اسے قبول کیا، بلکہ جن دوستوں نے اب تک ۲۰۰۶ء کی رقم نہیں دی تھی، انھوں نے وہ بھی دی، اور ۲۰۰۷ء کی رقم بھی عنایت فرمائی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ۲۰۰۶ء کو تین پرچوں کی ناتمام جلد پر مکمل کردیا گیا ہے، اور زیرِ نظر شمارہ سے ۲۰۰۷ء کی جلد شروع ہورہی ہے۔ کوئی دعویٰ نہیں ہے، لیکن کوشش ہے کہ اب سے شمارے بالترتیب پابندیٔ وقت سے شائع ہوں۔

تاہم دو باتیں ملحوظِ خاطر رہیں۔

(۱) ترتیب اور پابندی کے باقی رکھنے کے لئے ہمیں اپنے دوستوں کے تعاون کی شدید ضرورت ہے۔ اس کے لئے کرنا یہ ہے کہ ۲۰۰۷ء کا چندہ پورے اہتمام سے ادا کریں، اور اس کا حلقہ بڑھانے کی جدوجہد کریں، اس مقصد سے ادارے کی طرف سے ایک صاحب ان شاء اللہ بھیجے جائیں گے۔ ان کا ہمارے احباب ساتھ دیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ رسالے پر قرض اور خسارے کا جو بوجھ تھا، وہ قدرے تخفیف کے ساتھ اب بھی باقی ہے، جن کے ذمے پچھلا بقایا ہے، وہ خوش دلی سے ادا کردیں، اس کے ساتھ احباب وسعت کچھ اور بڑھ کر بہ نیت اداءِ قرض مزید حصہ لے لیں تو یکلخت یہ بوجھ اتر جائے۔

یہ اتنی لمبی چوڑی عبارت اس لئے لکھنی پڑی کہ دل بار بار اس وسوسے میں مبتلا ہوا کہ پرچہ ہی بند کردیا جائے، اور اپنے خاص احباب کی مدد سے قرض کی کھڈ پاٹ دی جائے، یہ کام ہے تو مشکل! مگر آگے گرانباری تو نہ آئے گی، مگر جب بھی اس کا تذکرہ کسی سے کیا، بشدت انکار ہوا۔

پرچہ نکلنا چاہئے، قرض ادا ہوتا رہے گا، بالآخر وسوسہ اُڑ گیا، اور عزم یہی رہا کہ پرچہ نکالا جاتا رہے۔ پس فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ کے ارشادِ خداوندی کے مطابق مذکورہ بالا صورت اختیار کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے قارئین اس صورتحال کو گوارا بھی کریں گے اور مزید تعاون سے نوازیں گے۔ واللہ ولی التوفیق

(جنوری، فروری ۲۰۰۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

علماء نے اور دینی مدارس کے ذمہ داروں نے مغرب کی اور انگریزی کالجوں کی نقالی میں بہت سی ایسی چیزیں اختیار کرلی ہیں جو اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، ان پر تنبیہ کی گئی ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل فرمایا ہے: **لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً شبراً وذراعاً بذراعٍ حتیٰ لو دخلوا جحر ضبٍ تبعتموھم**، (بخاری شریف: **کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ**)

تم لوگ اگلے لوگوں کی پیروی بالشت بالشت اور گز گز بھر کروگے، حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کی بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ایسا کروگے۔

اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا یہود و نصاریٰ کی پیروی؟ آپ نے فرمایا کہ اور کس کی؟

یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے، اور اسے امام حاکم نے بھی نقل کیا ہے، حاکم کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ **حتیٰ لو أن أحدھم جامع إمرأتہ بالطریق لفعلتموہ**، اور یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے برسرِ راہ اپنی بیوی سے جماع کیا ہوگا، تو تم بھی ایسا کروگے۔ حاکم کی روایت میں **لتتبعن** کے بجائے **لترکبن** ہے، یعنی تم اگلے لوگوں کی راہ پر ضرور سوار ہوگے۔

اس کی تشریح میں علامہ عبدالرؤوف المناوی **فیض القدیر** ج:۵، ص:۲۶۱ میں لکھتے ہیں کہ: بالشت کے برابر اور ہاتھ کے برابر پیروی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے

بہت سے افراد اگلے لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ اور آتش پرستوں کی تقلید و پیروی کے بہت زیادہ حریص ہوں گے، اور یہ تقلید و اتباع گناہوں اور شریعت کی خلاف ورزی کے باب میں ہوگی، کفر کے متعلق نہیں۔

حدیث کے یہ الفاظ بظاہر خبر ہیں، لیکن مقصود اس سے اتباع اور تقلید سے ممانعت ہے، درحقیقت اس امت کو حکم دیا گیا ہے وہ یہود و نصاریٰ کی تقلید نہ کریں، نہ دین اسلام کے علاوہ کسی اور طریقے کی طرف التفات کریں، کیونکہ نورِ اسلام کے سامنے تمام انوار ماند پڑ چکے ہیں، اور شریعت اسلامی نے دوسری شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی درحقیقت آپ کا معجزہ ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی امت میں بہتیرے لوگوں نے مجوسیوں کا نقش قدم اختیار کیا، ان کی جیسی شکلیں بنائیں، ان کے لباس اختیار کئے، ان کی جیسی سواریاں پسند کیں، جنگوں وغیرہ میں ان کے مخصوص طریقے اختیار کئے، اور بہتوں نے یہود و نصاریٰ کی تقلید میں مسجدوں کو خوب مزین کیا، قبروں کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ عوام تو قبروں کے پجاری ہی بن گئے، سنیچر کے دن مریض کی عیادت نہیں کرتے، نوچندی جمعرات کو خوشیاں مناتے ہیں، وغیرہ۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: ابن بطال نے فرمایا کہ آپ کی امت نئی نئی باتوں اور بدعتوں اور اپنی ذاتی خواہشات و نظریات پر چل پڑے گی، جیسا کہ اگلی امتیں بھی اس حادثہ سے دوچار ہوئی تھیں، اور بہت سی احادیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ دورِ آخر شر ہوگا، اور قیامت اشرار ہی پر قائم ہوگی، اور دین تو بس خاص خاص لوگوں میں باقی رہ جائے گا'' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جن باتوں پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی تھی وہ اکثر ظاہر ہو چکی ہیں، اور بقیہ بھی ظاہر ہو کر رہیں گی۔

یہ بات حافظ ابن حجر آج سے ساڑھے پانچ سو برس پہلے کہہ رہے ہیں، آج ہوتے اور ہم مسلمانوں کے احوال دیکھتے تو معلوم نہیں کیا کہتے، اب تو دوڑ لگی ہوئی ہے کہ کون کتنا بڑھ کر یہود و نصاریٰ کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ علم بھی وہی ہے جو یہود و نصاریٰ

کے دربار سے آئے، اسی کو پڑھ کر آدمی تعلیم یافتہ ہوتا ہے، دانشور ہوتا ہے، روشن خیال ہوتا ہے، محض قرآن وحدیث پڑھا تو کچھ نہیں جب تک وہ علم نہ پڑھے جس پر یہود ونصاریٰ یعنی انگریزوں کی مہر توثیق لگی ہو، اگر ہمارے مدارس میں صرف قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، تو یہ ان مدارس کا نقص ہے، ان میں انگریزوں کی ہنر مندیاں ضرور شامل نصاب ہونی چاہئیں، ورنہ نصاب بیکار ہے، یہ مدارس آثارِ قدیمہ ہیں، ایسی مرعوبیت ومغلوبیت کہ روشنی صرف وہی ہے جو یورپ سے آئے، تنہا اسلام کی روشنی گھپ اندھیاری ہے، یہ بات عوام کہیں تو کہیں، انھیں تو کچھ معلوم نہیں، یہ بات اب وہ لوگ کہتے ہیں، جو اپنے کو علماء کی صف میں شامل کرتے ہیں، اپنے کو دین کا ترجمان سمجھتے ہیں، خود کو اسلام کا مفکر قرار دیتے ہیں، وہ بھی یہود ونصاریٰ ہی کے دامن میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے دنیا کو دین کے لئے برتا تھا، جدید نسل کے بزرگ دین کو دنیا کے لئے برتنا چاہتے ہیں، اور یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے، یہ لوگ دین کا نام ضرور لیتے ہیں، بلکہ دنیا پر دین کا رنگ وروغن چڑھا کر دنیا کو فریب دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پرانے طرز کے مدارس کی وجہ سے اب بھی جو بہت سے پختہ دینداروں پر دین کا اثر راسخ ہے، اسے چھڑا کر دنیا کا رنگ چڑھا دیا جائے۔ آج نصاب بدلنے کی اسکیمیں ہیں، اس میں کامیابی مل جائے گی تو تہذیب وتمدن میں خود بخود تبدیلی آجائے گی، آج مولویوں میں جو مسلمانوں کی شکل وصورت پائی جارہی ہے، کل کو صورت نہیں پہچانی جائے گی، نہ داڑھی سے، نہ لباس سے، نہ وضع قطع سے، یہ چیزیں رخصت ہوجائیں گی، تو پھر نمازوں کو کون پوچھے گا، قرآن سے کیا مطلب ہوگا، حدیث کے مطالعہ کی دردسری کون مول لے گا۔

اور یہ آثار ان حلقوں میں نمایاں ہوچکے ہیں اور ہوتے جارہے ہیں جن حلقوں نے دینی تعلیم کے دائرے میں دنیاوی تعلیم کو داخل کر رکھا ہے، آنکھیں کھلی ہوں تو سب کچھ نظر آرہا ہے۔

اب محض دین کی تعلیم جو خالص دینی علوم پر مشتمل ہو، اجنبی معلوم ہوتی ہے، کچھ

لوگ اس اجنبیت کو دور کرنے کے لئے دنیاوی علوم کو دنیاوی علوم ہی کی حیثیت میں لانا چاہتے ہیں، تاکہ دین کے حاملین دنیا میں اجنبی نہ رہیں، اور بعض لوگ تو اس سے بڑھ کر یہ ستم کرتے ہیں کہ تحریف کر کے دنیاوی علوم کو دینی علم قرار دیتے ہیں، اور دینی علم کی حیثیت سے دنیاوی علوم کو نصابِ تعلیم میں داخل کر کے دین ہی کی اجنبیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ حدیث کے مطابق دورِ آخر میں دین اور دینداروں کو اجنبی ہونا اور رہنا ہی مبارک ہے، چنانچہ مسلم شریف کتاب الایمان میں **باب بیان أن الاسلام بدأ غریباً وسیعود غریباً** کے تحت سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج کیا گیا ہے کہ **بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کما بدأ غریباً فطوبیٰ للغرباء**۔ اسلام اپنی ابتداء میں اجنبی تھا، اور جیسا ابتدا میں تھا بعد میں بھی اجنبی بن جائے گا، پس ان اجنبیوں کے لئے بشارت ہے۔

امام نووی شارح مسلم علیہ الرحمہ نے قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسلام کا جب آغاز ہوا تھا، تو محض چند افراد اس کے ماننے والے تھے (جو زمانے کے رنگ ڈھنگ سے الگ تھے) پھر اس کے عروج وترقی کا دور آیا، اور عام طور پر لوگ اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے اور دین اسلام کا غلبہ ہو گیا (اب اس کی اجنبیت جاتی رہی) پھر آہستہ آہستہ اس میں گھٹاؤ آتا رہے گا، یہاں تک کہ دین اپنی پوری شکل وصورت میں کچھ ہی لوگوں میں رہ جائے گا، جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ "**الغرباء**" کون ہیں؟ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اس کا مصداق سنئے! یہ روایت مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یہ غرباء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا **النزاع من القبائل**، یعنی قبیلے کے وہ افراد جو قبیلے اور خاندان سے الگ ہو کر دور ہو گئے ہوں یعنی انھیں اپنے خاندان اور قبیلے کے طور طریقے سے مناسبت نہیں رہی، اس لئے ان سے الگ تھلگ اجنبی بن جاتے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اجنبی بن کر خاندان سے دور ہو جاتے ہوں۔

آج کے ماحول میں دین اور دین کی تعلیم پر پختگی کے ساتھ عمل کرنے والے، دینی مدارس اور ان کے خالص دینی ماحول، زمانہ کے احوال اور رنگ وروپ سے الگ اجنبی بن چکے ہیں، ان کے لئے یہ اجنبیت ہی بجا ہے، اسی پر وہ بشارت کے مستحق ہورہے ہیں، یہ اجنبیت ختم کردی جائے اور دنیا داروں کے حلقے میں انھیں کے دستور اور طریقے کے مطابق ضم ہوجائیں تو دین کہاں باقی رہا، اس لئے جن کو مدارس اور ان کی خالص دینی تعلیم، ان کے اساتذۂ وطلبہ کی ہیئت اجنبی معلوم ہوتی ہے، تو انھیں اجنبی ہی رہنے دیں، وہ اللہ اور رسول کو محبوب ہیں، چاہے دنیا والوں کو ناپسند ہوں، ان کو دنیا والوں سے کیا لینا دینا ہے۔

☆☆☆☆☆

# غیروں کی نقالی

یہود ونصاریٰ کی نقالی اور ان سے مرعوبیت کا یہ رنگ تو علم کے باب میں ہے، اس میں مزید اور بھی تفصیلات ہیں، لیکن اس کے لئے ہمیں عالم اسلام سعودی عرب، مصر، شام اور خلیجی ممالک اور ان کے تعلق سے امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے تعلیمی احوال ونظریات کا جائزہ لینا ہوگا۔ یہ ایک دردناک جائزہ ہوگا، اور بہت تفصیل چاہتا ہے جس کی گنجائش اس مختصر اداریئے میں نہیں ہے، اس لئے ہم نے صرف ہندوستان کے مدارس اسلامی تک محدود رہ کر گفتگو کی ہے، علم اور تعلیم میں تو آپ یہود ونصاریٰ کی نقالی ملاحظہ فرماچکے۔ اب عمل اور کردار کی طرف آیئے، تو یہاں معاملہ اور بھی بڑھا ہوا ہے، ہمارے معاشرے کا بڑا حصہ عملاً یہود ونصاریٰ اور مجوس کے رنگ میں رنگین ہوچکا ہے، نہ اسلامی شکل وصورت، نہ اسلامی وضع قطع، نہ اسلامی کردار وعمل، ہر عمل کی سند یورپ میں، امریکہ میں، چہروں پر داڑھی نہیں، کیونکہ نصاریٰ داڑھی منڈاتے ہیں، اسلامی تہذیب میں لباس کی جو وضع ہے کہ چھپائے جانے والا حصہ خوب چھپا رہے اس کی وضع ظاہر نہ ہو، وہ ختم، ایسا چست اور اتنا چھوٹا لباس کہ ہر عضو کی ساخت نمایاں رہے، کیونکہ انگریزوں کی تہذیب میں اسی کا چلن ہے، مکانوں کی تعمیر کا وہی

انداز جو یہود ونصاریٰ کے یہاں رائج ہے، جس میں کسی کا کسی سے پردہ نہ ہو، خاندانی نظام اسی طرز کا جو یورپ کے عیسائیوں اور امریکہ کے یہودیوں سے درآمد کیا گیا ہے، ذرائع آمدنی اور کسب معاش کے وہی طریقے جن پر سودخوار قومیں کاربند ہیں، غرض اسلام کا نام لیا تو جاتا ہے، مگر اس لئے کہ اسے یہود ونصاریٰ کی تہذیب کے حق میں گواہ بنا کر لایا جائے۔ جن لوگوں نے انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہے، اور وہاں کے تربیت یافتہ ہیں ان کی غالب اکثریت تو اسی مذکورہ بالا رنگ میں ہے، بعض لوگ بڑھاپے میں کسی بزرگ اور اللہ والے کی صحبت میں کچھ اندر اپنے دینی رنگ کی تبدیلی کر بھی لیتے ہیں، تو زیادہ تر اپنی ذات تک محدود رہ کر! یہ دینی رنگ ان کی اولاد اور خاندان تک نہیں آنے پاتا۔

خیر یہ حضرات تو انگریزی تہذیب کے گھروندوں میں پلے بڑھے ہیں، ان سے اس کے علاوہ کیا امید رکھی جاسکتی ہے، شکایت تو ان حضرات سے ہے جنھوں نے خالص دینی اداروں میں تعلیم پائی ہے، تربیت حاصل کی ہے، جنھیں اس دورِ آخر میں اجنبی بن کر رہنا چاہئے تھا، یہ حضرات بھی انگریزی تہذیب کی نقالی میں انھیں کے طریقے اپنائے جارہے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم کام کررہے ہیں، کارنامے انجام دے رہے ہیں، حالانکہ معاملہ برعکس ہے، کیونکہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ اختیار کرنا خواہ وبظاہر کتنا ہی خوبصورت نظر آئے محمود نہیں ہے، ہمارے یہاں وہی چیزیں لائق تقلید ہیں جن سے ہم پہلے سے دین کے اندر واقف ہیں، چاہے وہ دوسروں کے نزدیک اجنبی ہوں، اور جو طریقے دین کے اندر نئے اختیار کئے جاتے ہیں وہ یہود ونصاریٰ کے یہاں چاہے جتنے معروف ہوں، ہم انھیں منکر سمجھیں گے۔

کوئی نیا طریقہ ہو، خواہ دین میں یا دنیا میں، اسے شریعت کی معروف تعلیمات پر پرکھا جائے گا، اگر شرعی اصولوں سے کوئی دنیاوی معاملہ ٹکرائے گا، تو اسے یا تو ترک کرنا ضروری ہوگا، یا اس کی اصلاح کی جائے گی، اور اگر دینی معاملہ ہوگا تو صرف اس کے مصالح اور فوائد پر نظر نہیں کی جائے گی، بلکہ دیکھا جائے گا کہ سلف میں یہ طریقہ تھا یا نہیں؟ اسلامی مزاج سے اسے مناسبت ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ وہ نیا طریقہ کہاں سے درآمد کیا گیا ہے؟ اگر

سلف میں باوجود ضرورت اور امکان کے اسے اختیار نہیں کیا گیا، یا اسلامی مزاج سے اسے مناسبت نہیں، یا وہ نیا طریقہ یہود ونصاریٰ اور غیر مسلموں سے درآمد کیا گیا ہے، تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا رہے تھے کہ میں نے اللہ کے رسول ابوالقاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ میرے بعد کچھ لوگ تمہارے معاملات کے ذمہ دار ایسے ہوں گے، جو تم کو وہ چیزیں بتائیں گے جو تم نہیں جانتے، اور جن باتوں کو تم جانتے ہو، انھیں وہ نہ جانیں گے اور انکار کریں گے، تو جو کوئی اللہ کی نافرمانی کرے، اس کی اطاعت نہیں ہے، اس لئے اپنے رب کے کے ساتھ حیلہ سازی مت کرو۔ (مسند احمد، ج:۵،ص:۳۲۵)

مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں منکر ہیں، انھیں اگر کوئی صاحب اختیار شخص بھی مسلط کرنا چاہے تو کوئی حیلہ بہانہ کر کے اسے قبول کر لینا درست نہیں ہے، ایسے منکر اور غلط امور میں کسی بھی مخلوق کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

ایک طرف ہم اپنے ہادی ورہبر، اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات پڑھتے ہیں، اور اس کی روشنی میں اسلاف کرام کے تعامل کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی بھی نئی چیز اور نئے طریقۂ کار کا احتساب کر کے شریعت کے دائرے میں ردوقبول کرتے تھے، پھر اپنے زمانے میں عوام کو نہیں خواص کو، عامیوں کو نہیں عالموں کو، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو نہیں دینی مدارس کو دیکھتے ہیں کہ اپنے حلقوں میں یعنی دینی حلقوں میں وہ طریقۂ کار بے تکلف اختیار کرتے ہیں جو یورپ سے یہود ونصاریٰ کی تقلید وپیروی میں درآمد کیا ہوا ہے، ہماری معروف چیز درس وتدریس کے حلقے ہیں اساتذہ وطلبہ کی باوقار مجلسیں ہیں، وعظ وارشاد کے مجامع ہیں، بزرگوں کی صحبتیں ہیں، مشائخ کی خانقاہیں ہیں، ذکر کے حلقے ہیں، علمی مجالس ہیں، افادہ اور استفادہ کے لئے درسگاہیں ہیں۔ طالب علم اپنے استاذ کی خدمت میں اور مرید اپنے شیخ کی صحبت میں عرصۂ دراز تک کسب فیض کرتا ہے، علمی اور دینی مزاج بناتا ہے، پھر اس سے

استفادے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

اب لوگوں نے رنگ بدلے۔ پرانی باتیں قدامت کے الزام میں قابل ترک ہوگئیں، اب جو تحفے یورپ سے آئے، ان میں کانفرنسیں، سیمینار، سمپوزیم، توسیعی خطبات، لکچرز، استاذ زائر (وزیٹنگ پروفیسر) اور اللہ جانے کیا کیا طریقے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ہمارے بعض بزرگوں نے فقہی موضوعات پر سیمینار شروع کئے، تو یہ لفظ نامانوس ہونے کے باوجود قدرے مانوس ہوا، لیکن بار بار کے سمیناروں سے تجربہ ہوا کہ یہ فقہی اور دینی مزاج کے خلاف ہے، کسی فقہی موضوع پر سوالات وضع کئے جاتے ہیں، اور کچھ پکے لوگوں سے ان کے جواب طلب کئے جاتے ہیں، لوگ اپنے اپنے خیالات کا مجموعہ تیار کر کے جواب کے نام پر بھیج دیتے ہیں، پھر وہ لوگ سیمینار کی تہذیب ولوازم کے ساتھ اکٹھا ہوتے ہیں، بیٹھتے ہیں، جہاں اور جس طریقے سے بیٹھتے ہیں، وہ مجلس علماء سے زیادہ اسمبلی یا پارلیمنٹ کا ہاؤس معلوم ہوتا ہے، کچھ مباحثے ہوتے ہیں، کچھ مناقشے ہوتے ہیں، پھر کمیٹیاں بنتی ہیں، پھر تجویزیں لکھی جاتی ہیں، کچھ پر اتفاق رائے ہوتا ہے، زیادہ تر اختلافی تجویزیں ہوتی ہیں، ان کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ علمی مسائل ومعاملات جو علماء کے درمیان رہ کر متوازن ہوتے ہیں، عوام انھیں اپنے نزدیک قابل اعتماد علماء سے فتویٰ لے کر حاصل کرتے ہیں، اور ان پر عمل در آمد کرتے ہیں، اب یہ مختلف المزاج علماء کے مباحث وخیالات، اہل علم کے حلقہ سے عوام الناس اور اخبارات کے عوامی اور طوفانی ماحول میں آجاتے ہیں، اور رنگ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے، خاص اہل علم کے مسائل ومباحث عوام کے درمیان اور اخبارات کے صفحات پر آکر کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سیمیناروں کو خواہ جتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا جائے، لیکن ہے یہ **لتتبعن سنن من كان قبلكم** کا مظہر!

اس طریقے کے جلسے اور مجمعے اب سے پہلے مدارس دینیہ اور علماء کے حلقوں میں متعارف نہ تھے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رہے ہوں تو رہے ہوں، مگر اب وباء کی طرح سیمیناروں کا سیلاب علماء کے دائروں اور مدارس کے حصار میں گھسا جا رہا ہے، اور اس پر

حال یہ ہے ؎ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

سیمینار خاص خاص موضوعات پر ہوتے ہیں، یہ عوامی چیز نہیں ہے، لیکن اربابِ مدارس نے اسے ایک عوامی مجمع بنا دیا ہے، بڑے بڑے اشتہارات چھپنے لگے ہیں، ممبرانِ استقبالیہ، ارکانِ استقبالیہ اور نہ جانے کن کن عنوانات سے درجنوں نام چھاپے جاتے ہیں، سڑکوں پر بڑے بڑے مصنوعی گیٹ بنائے گئے، لمبے لمبے اخراجات کی تفصیل شائع کی گئی، پنڈال کو سجانے کا مسرفانہ اہتمام کیا گیا۔ کیا شریعت میں اس اسرافِ بے جا کی گنجائش ہے؟ اسلام میں جو سادگی ہے، وہ کہاں گئی؟ پھر مزید یہ کہ ان پروگراموں کی بسا اوقات تصویر سازی ہوتی ہے جو حکم شریعت کے قطعاً منافی ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

یہود ونصاریٰ کی نقالی نے عام مسلمانوں کو تو جہاں پہونچایا تھا، پہونچایا، علماء اس پر روک لگاتے، اس کی قباحت وشناعت بیان کرتے، اللہ ورسول کی تعلیمات کو عملاً اور علماً پھیلاتے، مگر یہ کیا ہوا کہ روک لگا سکنے والے خود نقالی کی رَو میں بہنے لگ گئے، سیمیناروں کی کثرت کو دیکھ کر یہ احساس ہونے لگا کہ شاید مدرسوں کا قبلہ ہی بدل جائے گا، دیکھ دیکھ کر ہر ایک کو شوق چرّانے لگتا ہے۔

اور یہ تو مشاہدہ ہے کہ ان تقریبات کی تیاریوں میں تعلیم کا سخت نقصان ہوتا ہے، لیکن جیسے یہ طے ہو چکا ہے کہ تعلیم کا خواہ کتنا ہی کباڑا ہو، یہ نقالیاں ضرور جاری رہیں گی۔ مختلف عنوانوں سے دینی مدارس کی تعلیم، ان کی افادیت مجروح کرنے کا جیسے کوئی منظّم منصوبہ چل رہا ہو، مختلف قسم کے مسابقات، الگ الگ ناموں سے جلسے اور اجتماعات، مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کو متعدد حسین وجمیل ناموں اور پروگراموں کے ذریعے ایسی ترغیبات کہ علمی استعداد کو تو کوئی خاص نفع نہ ہو، لیکن زندگی کا معیار بلند کرنے کی ہوس بڑھ جائے، پھر وہ تنگی ترشی برداشت کر کے دینی خدمت انجام دینے کے اہل نہ رہ جائیں۔

مدارس کے کرنے کا کام یہ ہے کہ جو طلبہ انھیں اللہ کی طرف سے مل جا رہے ہیں،

ان کی علمی استعداد پختہ کریں، اساتذہ ان پر محنت کریں، ان کی صحیح تربیت کریں، زہد وقناعت، توکل وعزیمت، حق تعالیٰ کی رضاجوئی کا جذبہ پیدا کریں، دنیوی مال ومتاع کو موضوعِ زندگی بنانے سے انھیں دور رکھیں۔ شہرت وریاکاری اور نام ونمود کی ہوس سے ان کے قلوب کو پاک رکھنے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے بڑی یکسوئی کی ضرورت ہے، اور اگر یہ طلبہ اور یہ اساتذہ انھیں وقتی اور ہنگامی تقریبات میں مبتلا رہیں گے، آج فلاں مدرسے میں سیمینار ہے، کل فلاں مدرسے میں جلسہ ہے، پرسوں فلاں مدرسے میں کانفرنس ہے، اور ہر جگہ آنے کی، کھانے کی دعوت ہے، بہترین انتظامات ہیں، تو ان مدرسوں اور ان طلبہ واساتذہ کا اللہ ہی حافظ ہے۔

یہود ونصاریٰ کی تقلید کس حد تک مذموم ہے؟ اور اس کی قباحت کس درجہ ہے؟ اس کا اندازہ ایک حدیث سے ہوتا ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' میں حدیث **لتتبعن سنن من کان قبلکم**، کی شرح کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب ترک کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: **إذا ظهر فیکم ماظهر فی بنی اسرائیل إذا ظهر الادهان فی خیارکم والفحش فی شرارکم والملک فی صغارکم والفقه فی رذالکم**، جب تم میں وہ حالات ظاہر ہوجائیں، جو بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئے تھے، جب اچھے لوگوں میں مداہنت ظاہر ہو، اور برے لوگوں میں بے حیائی، اور چھوٹوں میں حکومت اور کم ظرفوں میں فقہ ظاہر ہو۔ (تب امر بالمعروف چھوڑا جاسکتا ہے، اور نہی عن المنکر بھی)

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں جن خاص برائیوں کا ظہور عام ہوگیا تھا، وہ یہ ہیں، کہ اچھے اور نیک لوگ مداہنت برتنے لگیں۔ یعنی بری چیزوں کو دیکھیں تو نہ صرف چشم پوشی کریں، بلکہ باتوں کی صنعت اور بناوٹ سے اور برتاؤ کے طرز سے گویا ان کی حوصلہ افزائی کرنے کا رُجحان ہوجائے، اور جو برے ہیں وہ عام برائیوں سے

آگے بڑھ کر بے حیائی اور فحاشی میں جا پڑیں، اور حکومت کی باگ ڈور ایسے معمولی اور ناکارہ لوگوں کے ہاتھ میں آجائے، جو منصب حکومت کی عصمت وآبرو کو مجروح کردیں، اور دینی علوم ایسے کم ظرفوں کے حصے میں آجائے، جو نہ دین کی قدر جانیں اور نہ علم کی، ان کے لئے دین اور علم ایک دنیوی کاروبار بن کر رہ جائے۔ جب یہ صورت حال ہو، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے میں آدمی معذور ہے۔

صاحب فتح الباری نے ایک اور حدیث نقل کی ہے، اور یہ روایت امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہے، کہ دین کی خرابی اس وقت ہوگی جب علم چھوٹوں کی جانب سے آئے، تو بڑے لوگ اسے تسلیم کرنے سے انکار کریں گے، اور لوگوں کی بھلائی اس وقت ہے جب علم بڑوں کی طرف سے آئے، اور چھوٹے اس کی پیروی کریں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مشہور امام لغت ابوعبید نے فرمایا کہ چھوٹے ہونے سے مراد مرتبے کا چھوٹا ہونا ہے، عمر کا نہیں، مطلب ہے کہ علم اور دین کی عظمت وبلندی سے جن لوگوں کی طبیعتوں کی پستی میل نہیں کھاتی، اور وہ خود علم کی وجہ سے بلند ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے، علم ہی کو نیچے اتار دیتے ہیں۔ یہ چھوٹی طبیعت اور مرتبہ کے لوگ جب علم کی باتیں کریں گے، اور اسے نیچے اتار کر کریں گے، تو بڑے لوگ اسے قبول نہ کریں گے، اور اس میں کشمکش کی صورت پیدا ہوگی۔

آج حقیقت یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ سے درآمد کئے ہوئے سیمیناروں سے بنی اسرائیل کی یہ خرابی خوب پھل پھول رہی ہے، اچھے لوگ مداہنت کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان سیمیناروں میں جو موضوعات چھیڑے جاتے ہیں، اور جس جس طرح اظہارِ خیال ہوتا ہے وہ تو بجائے خود ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ اس کے علاوہ بے تحاشا اسراف، تصویر سازی، ویڈیوگرافی، نام ونمود کی شورشیں اور اللہ جانے کتنے کتنے منکرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ اچھے حضرات منکرات کی ان تجارت گاہوں سے نہ احتراز کرتے، اور نہ وہاں رہ کر مؤثر طریقے پر ٹوکتے۔ اور بروں کی بے حیائی کا اس دور میں جو عالم ہوگیا ہے، وہ تو ایک

طویل داستانِ درد ہے کہ قلم کا جگر اس کے تذکرے سے شق ہوتا ہے۔ انتظام کی اور حکومت کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہے ان کی کمینگی اور پستی کا یہ عالم ہے کہ سوائے دولت بٹورنے اور اپنے خویش واقارب اور اپنی قوم کی جائز وناجائز ترقی وعروج کے ان کا اور کوئی مقصد ہی نہیں معلوم ہوتا۔ اور علم دین کی نسبت سے جو لوگ منسوب ہیں، وہ بھی دنیا و دولت اور شہرت ونمود، نیز خودغرضی وریاکاری کی دوڑ میں کسی دنیادار سے پیچھے نہیں رہ جانا چاہتے الا ماشاء اللہ۔ پس اللہ ہی سے مدد کی طلبگاری ہے۔

یہ باتیں تلخ ضرور معلوم ہوں گی، مگر ان تقریبات کا ضرر کھلی آنکھوں دکھائی دے رہا ہے، اس لئے عرض کردیا۔

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے ۔۔۔ رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

(مئی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تصویر سازی! ایک عام گناہ

پچھلے شمارے میں ہم نے اپنا اور اپنے معاشرے کا ایک احتساب تحریر کیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کی تقلید میں ہمارے معاشرے میں ایسی نئی نئی باتیں گھس آئی ہیں، جن سے ہمارے اسلاف واقف نہ تھے، اسلاف تو کیا واقف ہوتے ہم اخلاف بھی ان سے ناآشنا تھے، اس طرح کی نئی باتیں جب ابتداءً داخل ہوتی ہیں تو لوگ چونکتے ہیں، لیکن جب وہ چیزیں بار بار نگاہوں کے سامنے آتی ہیں تو اذہان وقلوب ان کے دیکھتے رہنے کے عادی ہوجاتے ہیں اور وہ چیزیں مانوس ومالوف بن جاتی ہیں۔

پہلے وعظ کی مجلسیں ہوتی تھیں، ایک سادہ سی مجلس ہوتی، لوگ ادب سے بیٹھ جاتے، کوئی عالم سیدھے سادے انداز میں دین اور اللہ ورسول کی باتیں سنا دیتا، لیکن اب یہ مجلسیں، جلسوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں کی شکل میں تبدیل ہوگئیں۔ شکل کی تبدیلی نے ان کے لوازم اور تقاضوں کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے۔

اجتماعات کی دنیا میں آج کل ایک نئے لازمے کا اضافہ ہوا ہے، اس سے اب مشکل سے کوئی مجلس خالی ہوتی ہے، وہ ہے ''تصویر سازی'' چھوٹا بڑا کوئی اجتماع ہو، کیمرہ لے کر کچھ لوگ پہونچ جاتے ہیں، یا بلائے جاتے ہیں، تاکہ مقرر کی، صاحب صدر کی، اسٹیج والوں کی اور جلسہ میں شریک حضرات کی تصویریں اتاری جاسکیں۔ نکاح کی مجلس ہو، دعوت میں لوگ اکٹھا ہوں، یہ کام ضرور ہوگا۔ تصویر سازی گناہ ہے، حرام ہے، لیکن یہ گناہ اتنا پھیل چکا ہے اور یہ حرام اتنا عام ہوچکا ہے اور اس کی اتنی شکلیں وجود میں آچکی ہیں کہ اس کے حرام وناجائز ہونے کا تصور ذہنوں سے محو ہونے لگا ہے، اس طرح کے عام مجامع میں جہاں صرف

ناخواندہ اور دین سے غافل افراد نہیں ہوتے، علماء اور دیندار حضرات بھی ہوتے ہیں، بر سر عام ہانکے پکارے یہ گناہ ہوتا ہے، اور لوگوں کی پیشانی تک شکن آلود نہیں ہوتی۔

حالانکہ ان تصویروں کے بنانے کی نہ کوئی ضرورت ہوتی، نہ کوئی مجبوری ہوتی، میں دنیا والوں کی دنیادارانہ باتوں سے غرض نہیں رکھتا، دینداروں کا مجمع ہے، دینی وعظ ہو رہا ہے، مدرسوں کے جلسے ہو رہے ہیں، کسی دینی موضوع پر کانفرنس ہو رہی ہے، یا سیمینار ہو رہا ہے، علماء و متدین حضرات تشریف فرما ہیں، اللہ و رسول کے ارشادات نقل کئے جا رہے ہیں، تاکید کی جا رہی ہے کہ دنیا و آخرت کی فلاح اللہ اور رسول کی اطاعت میں ہے، گناہوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، گناہوں سے مصائب کی آگ برستی ہے، یہ سب مضامین بیان ہوتے ہیں، عین اسی بیان کے وقت کیمرے کی آنکھ چمکتی ہے، اور تصویریں بنائی جانے لگتی ہیں، گناہ کی مذمت اور عین اسی وقت دھڑلے سے گناہ کا ارتکاب! کیا غیرتِ الٰہی کو حرکت نہ ہوگی؟

اچھا یہ تصویریں لی گئیں تو اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ان تصویروں سے دین کا کوئی فائدہ ہوا، اگر اخبار میں تصویر چھاپ دی گئی، یا ٹی۔وی کے اسکرین پر یہ تصویریں آ گئیں اور بہت سے لوگوں نے دیکھ لیا، تو کیا ایمان تازہ ہوگیا؟ کیا کوئی ثواب مل گیا؟ کیا علم و عمل کا داعیہ پیدا ہوگیا؟ کچھ بھی نہیں، تو کیا دنیا کا کوئی فائدہ ہوگیا، ایک شہرت کی صورت بن گئی، تو اس سے دنیا کا کیا نفع حاصل ہوگیا؟ اگر کہئے کہ شہرت ہی دنیا کا نفع ہے، تو یہ سخت غلطی ہے، بہرحال یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دینی و دُنیوی کسی اعتبار سے فائدے کے خانے میں نہیں رکھا جا سکتا، ہاں لذت نفس ہے، ذہن و دماغ کی عیاشی ہے۔

فائدے کے اعتبار سے تو اس کا یہ حال ہے، اب ذرا اللہ و رسول کے نزدیک اور شریعت کی نگاہ میں بھی اس کی حیثیت دیکھ لینی چاہئے۔

آپ قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری شریف کھول لیجئے، کتاب اللباس نکالئے، اس میں ایک باب ہے، عذاب المصوّرین یوم القیامۃ، اس میں

مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: **إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون۔**

یہ حدیث صحیح ہے، اس مضمون کی متعدد حدیثیں مختلف صحابہ سے منقول ہیں، اس حد تک کہ تصویر سازی کی حرمت کا ثبوت بطریق تواتر کے ثابت ہوتا ہے، جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

اسی باب میں دوسری روایت حضرت عبد اللہ بن عمر سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **إن الذين يصنعون هٰذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم**، جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انھیں قیامت کے دن مبتلائے عذاب کیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ جس چیز کی تم نے تخلیق کی ہے، اس میں زندگی پیدا کرو۔

گویا جاندار کی تصویر بنانے والا اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں شرکت کی سعی کر رہا ہے، یہ اس کی بڑی گستاخی ہے، اس کی سزا ملنی چاہئے۔

اور ملاحظہ فرمایئے بخاری شریف ہی کی روایت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں ایک گھر میں داخل ہوا، انھوں نے مکان کی بلندی پر دیکھا کہ ایک مصور تصویر بنا رہا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: **ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقي فليخلقوا حبة وليخلقوا ذرة**، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جو اس طرح پیدا کرنا چاہتا ہے جیسے میں پیدا کرتا ہوں، اچھا تو ایک دانہ ہی پیدا کر دے، اور ایک ذرہ ہی پیدا کر دے۔

آدمی صرف صورت بنا سکتا ہے، جس انداز میں اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا، لیکن صرف اس صورت گری کو بھی اللہ تعالیٰ نے گستاخی قرار دیا۔ آدمی بندہ ہے، بندہ کو بندگی اور غلامی کی حد میں ہی رہنا چاہئے، خالقیت و مالکیت کی حدود میں گھسنا

داخل گستاخی ہے۔

جاندار کی تصویر سے فرشتوں کو نفرت ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو نفرت ہے، اور اس درجہ نفرت ہے کہ گھر کے اندر تصویر نظر آجاتی، تو آپ اس میں داخل نہیں ہوتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرۂ شریفہ کے لئے ایک گاؤ تکیہ خریدا.........جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لائے .........تو آپ نے دروازے ہی پر سے وہ تصاویر دیکھ لیں آپ اندر تشریف نہیں لائے، دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے۔ ام المومنین گھبرا گئیں، کہنے لگیں کہ میں نے جو بھی گناہ کیا ہو، اس سے اللہ کے حضور توبہ کرتی ہوں، آپ نے فرمایا یہ گاؤ تکیہ کیا چیز ہے؟ انھوں نے عرض کیا، اسے اس لئے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور ٹیک لگائیں، فرمایا کہ **أن أصحاب هٰذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ماخلقتم إن الملائكة لاتدخل بيتاً فيه الصور** ، ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب ہوگا ، ان سے کہا جائے گا کہ جس کو تم نے پیدا کیا ہے، اسے زندہ کرو، اور فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔ (بخاری شریف)

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے، جسے اجمالاً وتفصیلاً محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ فرشتوں کو تصویروں سے کس درجہ تنفر ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز صبح کے وقت رنجیدہ وافسردہ خاطر تھے، حضرت میمونہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج آپ کی طبیعت متغیر ہے، کیا بات ہے؟ فرمایا آج جبرئیل علیہ السلام نے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ نہیں آئے، بخدا وہ وعدہ خلافی نہیں کرتے، معلوم نہیں کیا بات ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی سلسلے میں فرماتی ہیں کہ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تو آپ کے ہاتھ میں عصا تھا، آپ نے عصا کو زمین پر ڈال دیا، اور فرمایا نہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف کرتے، نہ ان کے بھیجے ہوئے قاصد!

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ اس دن، دن بھر آپ افسردہ و بے چین رہے، پھر آپ کا ذہن اس طرف گیا کہ گھر میں ایک کتے کا پلا (بچہ) ہے، اسے بھگایا، اور اس کی جگہ پر پانی چھڑکا، شام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے وعدہ یاد دلایا، انھوں نے کہا بے شک وعدہ یاد تھا، لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہو، اس میں ہم لوگ نہیں جاتے، یہ روایت مسلم شریف کی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزید تفصیل منقول ہے، اس میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شب گزشتہ آیا تھا، لیکن دیکھا کہ دروازے پر تصویر ہے، گھر میں ایک پردہ تھا اس پر تصویر بنی ہوئی تھی، اور حجرے میں ایک کتا تھا، اس تصویر کے بارے میں جو دروازے پر ہے حکم دیجئے کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے، پس وہ درخت کے مثل ہو جائے، اور جو پردے پر ہے اس کے متعلق حکم دیجئے کہ اسے کاٹ کر دو ٹکڑے کر کے تکیے بنا لئے جائیں، اور کتے کو نکلوا دیجئے۔ (ابوداؤد شریف، کتاب اللباس، باب فی الصور)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کے نزدیک تصویر کتنی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے، کہ اس کی وجہ سے وعدہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، پورا نہ ہو سکا۔ غور کرنے والے اگر واقعۃً غور کریں تو یہ بات واضح ہے کہ ایمانی غیرت کبھی تصویر کو گوارا نہیں کر سکتی۔

اتنی سخت وعید اور اتنی صراحت کے بعد کیا تصویروں کے بارے میں کیا کسی مصلحت، کسی تاویل، کسی استحسان کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ تصویر سازی کا آلہ خواہ کوئی ہو، تصویر بنانے والا خواہ کتنا ہی مختصر عمل کرتا ہو، خواہ ویڈیو کیسٹ میں تصویر دکھائی نہ دیتی ہو، لیکن اس پر برقی شعاع ڈالی جاتی، تو وہ پورے طور پر دکھائی دیتی ہے، خواہ کچھ بھی ہو، مگر ہے، وہ تصویر!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ وعیدیں دیکھئے، اور ہر طرح کی تصویروں کی قیامت خیزیاں دیکھئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیوں اور مجسموں کے بارے میں دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا: **واجنبني وبني أن نعبد الاصنام، رب إنهن أضللن كثيرا من الناس** (سورۂ ابراہیم) اے پروردگار! مجھ کو اور میری اولاد کو اس

بات سے دور رکھئے کہ ہم مورتیوں کی پوجا کریں، اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

واقعی بتوں اور مورتیوں کی گمراہی عام ہے، اور اسی زمرے میں آج کی تصویریں بھی شامل ہیں، اللہ ہی جانتا ہے ان تصویروں کی وجہ سے کتنی برائیاں، بے حیائیاں، فحاشیاں بلکہ چوریاں، ڈکیتیاں پھیلتی جارہی ہیں۔ ٹی۔وی اور انٹرنیٹ کی تصویروں اور سینما کی متحرک اور زندہ نما مورتیوں نے ماحول و معاشرے میں برائیوں کا کتنا طوفان اٹھا رکھا ہے، اس طوفان کے بدترین جھونکوں اور جھکڑوں کو دیکھنے کے بعد بھی بعض لوگ جو علم اور دین سے نسبت رکھتے ہیں، تعجب ہے، کیونکر اس موضوع پر نرمی اختیار کرتے ہیں، اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہیں۔

عام لوگوں سے کیا عرض کروں، علماء وارباب مدارس سے عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں تو کوئی شبہ نہیں، اور علماء و مدارس آپ ہی کے کلام اور آپ ہی کے کام کی نمائندگی کا فریضہ انجام دینے کے لئے مقرر و متعین ہیں، پھر کیا بات ہے کہ وہ آپ ہی کے ارشادات سے آنکھ بند کر کے ایسی مجالس و محافل میں شریک ہوتے ہیں، جن میں کھلم کھلا فسق اور حرمت کا ارتکاب ہوتا ہے، یہ حضرات واقعہ یہ ہے کہ ایسی مجالس میں شریک ہو کر اس معصیت کو بند کرا سکیں، ذرا مشکل ہے، طریقہ یہی ہے کہ ان مجالس سے احتراز ہی کیا جائے، علماء عوام کے لئے نمونہ ہیں، جب یہ اس سے اجتناب کریں گے تو بہت سے لوگوں کو تنبہ ہوگا، ورنہ عوام تو چھوٹے پڑے ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ولی وکارساز ہیں۔

(جون ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# بدعت اور اہل بدعت

نحمدالله ونصلي علىٰ رسوله الكريم وعلىٰ آله وأصحابه الذين هم نصروا الدين القويم، أما بعد!

رسول امین، سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اور جو شریعت آپ کو عطا ہوئی ہے، وہ ایک کامل اور مکمل شریعت ہے، جس میں نہ کسی چیز کے کم کرنے کی اجازت ہے، نہ اس میں کسی حکم کے اضافہ کی گنجائش ہے، اگر کوئی حکم کم کردیا جائے تو اس میں نقص پیدا ہوگا، اور وہ کامل دین نہ ہوگا، اور اگر کسی بات کا اضافہ کردیا جائے، تو وہ درپردہ اللہ و رسول کی تکذیب ہے کہ دین کامل نہ تھا، اس میں فلاں بات کی کمی تھی، لیکن اس کے باوجود اسے اللہ نے کامل کہا، اور رسول نے اسے تسلیم کرکے اپنی امت کو اس سے بے خبر رکھا، یہ تکذیب کتنا سنگین جرم ہے، بیان کی حاجت نہیں ہے، یہ اضافہ شریعت کی اصطلاح میں ''بدعت'' کہلاتا ہے، گویا بدعت کا مرتکب اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور ایک ایسی بات کا انتساب اللہ کی طرف، اور اس کے رسول کی طرف کرتا ہے جس کا دین اور شریعت کا حکم ہونا اللہ و رسول نے ظاہر نہیں کیا، اور اضافہ کو دین سمجھنے والا اسے بطور حکم شریعت پیش کرتا ہے۔

بدعت کی یہ معصیت ایک بدترین معصیت ہے، آدمی شریعت کی نافرمانی کرتا ہے، تو اسے گناہ سمجھتا ہے، لیکن ''بدعت'' کو آدمی دین و شریعت سمجھتا ہے۔ گناہ پر تنبہ ہوجاتا ہے اور پھر توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، مگر جسے گناہ نہیں، شریعت سمجھتا ہو، اس کے گناہ ہونے پر تنبہ مشکل سے ہوتا ہے، اسلئے امت کے اجتماعی مزاج نے ''بدعت'' کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، ورنہ دین و شریعت مسخ ہوکر رہ جائے۔

عام گناہ براہ راست شریعت سے ٹکراتا ہے، وہ حکم شریعت کے بالمقابل سامنے سے آتا ہے، اس کا دین وشریعت کے خلاف ہونا بالکل نمایاں ہوتا ہے، اسے کوئی گناہ کہے، دین سے بغاوت کہے، شریعت سے انحراف کہے تو کسی کو نہ استعجاب ہوگا، نہ اعتراض! لیکن ''بدعت'' کبھی سامنے سے کھلم کھلا نہیں آتی ہے، یہ کوئی ایسا دروازہ تلاش کرتی ہے جس کے خلاف شریعت ہونے کا وہم نہیں ہوتا، بظاہر اس دروازے سے داخل ہونے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی، بلکہ یہ دروازہ اور اس میں داخل ہونا نظر بظاہر مستحسن معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں داخل ہو جانے کے بعد جو صورت حال پیدا ہوتی ہے، اسے ''بدعت'' کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس کی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) رسول اکرم ﷺ کی محبت فرض ہے، اس فرض کی ادائیگی کے لئے جو بھی شرعاً جائز اسباب ہوں گے انھیں اختیار کیا جاسکتا ہے، آپ کی اطاعت، آپ کا تذکرہ، درود شریف کی کثرت، آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ، آپ کی شان میں نعتوں کا پڑھنا اور سننا، یہ وہ اسباب ہیں جن سے آپ کی عظمت ومحبت پیدا بھی ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے! یہ سب امور اگر شریعت کے احکام کے مطابق عمل میں لائے جائیں، تو کسی کو ان پر نکیر کرنے کا حق نہیں ہے، پھر دیکھئے کہ اسی راہ سے ایک چیز داخل ہوئی، جس کا نام ''محفل میلاد'' ہے، یہ محفل حضور اکرم ﷺ کی محبت میں اور آپ کی محبت کی تحصیل واضافہ کے لئے منعقد کی گئی، یہ محفل اپنی سادہ شکل میں بالکل جائز تھی، اس سے ایک افضل بلکہ فرض مقصود ادا ہوتا تھا، اس لئے یہ بالکل قابل اعتراض نہ تھی، مگر آہستہ آہستہ اس محفل کی ایک خاص شکل متعین ہوتی چلی گئی، اس کے کچھ لوازم وآداب مقرر کئے گئے، کچھ خاص خاص مضامین کی پابندی کی گئی، کئی ایک رسمیں اس کے ساتھ التزاماً جوڑی گئیں، اور پھر یہ خاص شکل وہیئت انھیں لوازم وآداب اور مضامین ورسوم کے ساتھ مقصود بن گئی یہاں تک کہ ان کے بغیر محفل میلاد یا ذکر رسول کا خیال ہی کالعدم ہونے لگا، اور اسی کو ایک درجہ میں محبت رسول کا معیار قرار دے دیا گیا، اور شریعت میں اسے مقاصد کے درجہ میں پہونچا دیا گیا، تو علماء حق نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ

دیا، پھر بہت ہنگامہ ہوا، یہاں تک کہ اس قول حق کی پاداش میں علماء حق کو توہین رسالت کا مجرم گردانا گیا، اور ڈیڑھ دوصدی بیت جانے کے بعد بھی اب تک یہ شور وغوغا قائم ہے۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید سے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ تک اور پھر اس کے بعد علماء دیوبند کا پورا طبقہ کفر کے فتاویٰ کی زد میں ہے، لیکن حق یہی ہے کہ محفل میلاد جس ہیئت والتزام کے ساتھ رائج ہے وہ دین میں ایک نئی اختراع ہے، اور بدعت ہے۔

(۲) حضور اکرم ﷺ کی آل واولاد اور آپ کے اقرباء جنھوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کی نصرت کی، ان کی محبت عین ایمان ہے، امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا حضرت حسن وسیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما، اور ان دونوں بزرگوں کی مقدس ماں فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی محبت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ ایک فرقہ نے ان حضرات کی محبت کو محبت کی حد سے نکال کر اتنا غلو کیا کہ اس فرقہ کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار کرنا مشکل ہوگیا، حالانکہ محبت کا یہ مدعی فرقہ اپنے کو مومن ہی کہتا ہے، اور باقی تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے، ابتدائی مرحلہ بہت خوشنما ہے، مگر جب اسے تخصیصات کی قیدوں میں جکڑا گیا تو کتنا بھیانک بن گیا۔ بدعت کی ابتداء اور انتہاء کی عموماً یہی شکل ہوتی ہے۔

(۳) ایک ایسا شہر جہاں احناف کے ساتھ غیر مقلدین کا مقابلہ اور مجادلہ چلتا رہتا ہے، بسلسلہ وعظ میرا وہاں جانا ہوتا رہتا ہے، اور بسا اوقات ہفتہ عشرہ وہاں قیام ہوتا ہے، وہاں میرے طالب علموں کی تعداد بہت ہے، اور ان کے واسطے سے اس شہر کے لوگ ایک تعلق محبت کا رکھتے ہیں، غیر مقلدین بھی میرے وعظ میں شریک ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنی مساجد میں وعظ کے لئے مجھے دعوت نہیں دیتے۔ ایک بار ایک صاحب نے جمعہ میں مجھے دعوت دی کہ چل کر ہماری مسجد میں وعظ کہئے، میں نے یونہی رواروی میں پوچھ لیا کہ کس موضوع پر وعظ کہنا مناسب ہوگا، فرمانے لگے "بدعت" کے موضوع پر، میں نے عرض کیا، آپ کی مسجد میں چونکہ صرف اہل حدیث طبقہ ہوگا، اس لئے میں وہاں اس بدعت پر وعظ کہوں گا، جس میں آپ کا طبقہ مبتلا ہے، تو وہ چونکے اور کہنے لگے، ہم تو بدعت میں بحمد اللہ مبتلا نہیں ہیں، میں

نے عرض کیا، بدعت کہتے ہیں دین میں نئی بات کا اضافہ کرنے کو، اور معلوم ہے کہ شریعت میں فروعی اختلافی مسائل مثلاً قرأۃ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع یدین تحت السرہ، جلسۂ استراحت، رفع یدین کا معاملہ دورِ صحابہ بلکہ دورِ نبوت سے رہا ہے، اور لوگ مختلف طریقوں سے عمل کرتے رہے ہیں، کسی نے کسی کے خلاف اصرار نہیں کیا، نہ کسی مسئلہ کو خلافِ سنت کہا، نہ کسی کی تضلیل وتفسیق کی، اب آپ لوگوں نے دین میں ایک نئی بات نکالی، حدیث کے کسی ایک پہلو کو لے کر اَڑ گئے، اور اس کے علاوہ کو خلافِ سنت کہنے لگے، اور اسی کو آپ نے اپنا دین ومذہب بنالیا، یہی آپ کے نزدیک معیارِ حق وباطل بن گیا، اسی کی روشنی میں عقائد ڈھلنے لگے، جبکہ اس غلو، اصرار اور تنگ نظری کا دین میں...... اس دین میں جس پر رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کو چھوڑ کر گئے تھے...... پتہ اور نشان نہیں ہے، اور آپ کے دین کے لئے یہی مابہ الامتیاز بنا ہوا ہے، پس یہ بدعت ہے، اس پر وعظ کہہ دوں؟ تو وہ ٹھنڈے ہوگئے پھر دوبارہ انھوں نے دعوت نہیں دی، خاموشی سے چلے گئے۔

اس موضوع پر غور کیجئے تو بدعت اور غلو کا وجود خلافِ شریعت کسی معاملہ سے نہیں ہوا ہے، بلکہ ایسے مسائل واحکام کی بنیاد پر ہوا ہے جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے ہے، اور ظاہر ہے کہ جب حدیث صحیح پیش کی جائے گی، جو صحیح ہونے کے ساتھ صریح بھی ہو، تو کس کی جرأت ہے کہ اس پر نکیر کرے، مگر اس کو اتنا بڑھایا گیا کہ بالآخر اس کا انجام بدعت کی حد میں داخل ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا، اور اصل دین کا حلیہ بگڑ گیا۔

(۴) ایک ذی استعداد عالم اور مفتی، جماعت اسلامی کے ایک بڑے ادارے میں استاذ اور صاحب افتاء تھے، جماعت اسلامی کا ایک خاص مزاج اور رنگ ہے، جو انگریزی کی تہذیب اور اسلامی احکام دونوں کو ایک ساتھ آمیز کردینے بلکہ باہم گوندھ دینے سے تیار ہوا ہے، اس لئے اسے **ما أنا علیه وأصحابی** (رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی، جس میں ایک جماعت ناجی (نجات پانے والی) ہوگی، صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ وہ کون سی جماعت ہوگی، فرمایا کہ وہ لوگ اس طریقے پر ہوں گے جس پر میں اور میرے

اصحاب ہیں (ما أنا علیه و أصحابی )اس کی مزید تشریح دیکھنی ہوتو اس خاکسار کا رسالہ ’’اہل حق واہل باطل کی شناخت‘‘ کا مطالعہ کریں۔) سے مناسبت کم ہے، کیونکہ نبی ﷺ ہوں یا اصحاب نبی، کسی کے یہاں بجز خالص اسلامی احکام وتہذیب کے کسی اور چیز کا گزر نہ تھا، حتیٰ کہ ان لوگوں نے اسلامی تہذیب کے اختیار کرنے کے بعد اپنی قدیم آبائی تہذیب کو بھی یکسر ترک کر دیا تھا۔

اسی جماعت اسلامی کے ایک بڑے ادارے میں وہ مفتی صاحب فتویٰ نویسی کا کام کرتے تھے، وہ بذات خود جماعت اسلامی سے منسلک نہ تھے، مگر اسی مجمع میں رہتے تھے، اور وہیں سے ان کی معاش کا ظاہری انتظام تھا، ایک دن کسی دینی موضوع پر بات کرتے ہوئے، انھوں نے فرمایا کہ مجھے بدعتیوں سے سخت نفرت ہے، اور اس بات پر اتنا زور دیا کہ بس حد کردی، میں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ کی یہ بات کلیۃً درست نہیں معلوم ہوتی، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدعتیوں کا ایک طبقہ جسے بریلوی کہا جاتا ہے، اس سے آپ کو نفرت ہے، ورنہ جو بھی بدعتی ہو اس سے آپ نفرت کرتے ہوں، یہ بات مشکوک معلوم ہوتی ہے، انھوں نے اس کی وضاحت چاہی، میں نے عرض کیا، بدعت ہر اس بات کو کہتے ہیں، جو مجموعۂ دین میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہو، انھوں نے تصویب کی، میں نے کہا خواہ وہ بات ازقبیل عقائد ہو یا ازقبیل اعمال ہو، یا ازقبیل اقوال ہو، فرمایا بیشک! میں نے کہا جماعت اسلامی کا دستور دیکھئے، اس میں لکھا ہے کہ ’’رسولِ خدا کے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو‘‘ اس دفعہ کو انھوں نے اپنی دینی جماعت کی اساس بنایا ہے، یہ قول اللہ ورسول کے یہاں کہاں ہے؟ پھر اس قول کا اضافہ بدعت ہے یا نہیں؟ اور یہ لوگ جو اپنے دین ومذہب کی اسے بنیاد بنائے ہوئے ہیں بدعتی ہیں یا نہیں؟ تو کیا ان سے آپ کو اتنی ہی نفرت ہے، جتنی آپ نے ذکر کی ہے؟ پھر مان گئے اور کہنے لگے کہ میرے ذہن میں یہ بات نہ تھی۔

دیکھئے بظاہر یہ ایک معصوم سا جملہ ہے، اگر اس کے پیچھے عقائد وافکار اور تنقید واعتراض کا ایک جلوس نہ چلا ہوتا، تو شاید کسی کو توجہ بھی نہ ہوتی، مگر جب اس معصوم جملے کی

تفصیلات کے برگ وبار نکلنے شروع ہوئے، اور ان میں وسعت اور استحکام پیدا ہوا، تو سب چونکے، مخصوص اہل بصیرت تو ابتداء میں ہی چوکنے ہوگئے تھے، اور انھوں نے تنبیہ بھی کردی تھی، مگر عام لوگوں نے اسے تنگ نظری پر محمول کیا اور سمجھے کہ یہ جملہ معصوم ہے، مگر بعد میں سب کو احساس ہوگیا کہ ؎

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

بدعت اپنی ابتداء میں کیا ہوتی ہے؟ اور بعد والے اس میں کیا الجھن ڈال دیتے ہیں؟ اس کی طرف اشارہ بلکہ قدرے وضاحت حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرمادی ہے، بدعات پر غور کرنے کے لئے وہ آیت رہنما ہے، سورۂ حدید میں عیسائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِیَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَاکَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا فَآتَیْنَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ (سورۃ الحدید:۲۸) اور ہم نے ان کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پیچھے چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی رکھ دی اور رہبانیت بھی رکھی، جس کو انھوں نے خود ہی اختراع کیا، ہم نے ان پر اسے نہیں لکھا تھا، یہ اختراع انھوں نے محض اللہ کی رضامندی کے لئے کیا تھا، لیکن جیسا اسے رہنا چاہئے تھا، نباہ نہ سکے، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان دار تھے، ان کا بدلہ دیا، اور بہت ان میں نافرمان تھے۔

اس آیت پر غور کرنے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اوّل یہ کہ بعض اوقات امت کے علماء وصلحاء محض اللہ کی خوشنودی ورضا جوئی اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر بعض ایسے ذرائع اختیار کرتے ہیں، جن کا انھیں حکم نہیں ہوتا، یعنی وہ شرعی احکام میں داخل نہیں ہوتے، لیکن دینی مصلحت سے انھیں اختیار کرلیتے ہیں، یہ ہوتی تو ایک نئی بات ہے، لیکن بذات خود دین میں مقصود ومطلوب نہیں ہوتی، صرف کسی مقصد دینی کے حصول کے لئے بطور ذریعہ کے ہوتی ہے، اور اسی نسبت سے محمود ہوتی ہے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: اِبْتَدَعُوْهَا انھوں نے نئی بات نکالی ۔مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ، ہم نے اسے مقرر نہیں کیا تھا۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللہِ ،ان کا مقصد محض اللہ کی رضا جوئی تھی ،اس طریقہ پر اللہ نے نکیر نہیں کی ،اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ بدعت نہیں ہے جو شریعت کی اصطلاح ہے، اور حق تعالیٰ نے اسے رد نہیں کیا، یہ ابتدائی حالت ہے،اسی حالت پر یہ اختراع قائم رہے،تو کچھ مضائقہ نہیں۔

عیسائی علماء وصلحاء نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے رہبانیت اختیار کی تھی، رہبانیت کا تعارف اور اس کے اختیار کرنے کی ضرورت تفسیر معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ میں ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

”رہبانیت، رہبان کی طرف منسوب ہے، راہب اور رہبان کے معنی ڈرنے والا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق وفجور عام ہوگیا، خصوصاً ملوک اور رؤسا نے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کردی، تو ان میں کچھ علماء وصلحاء تھے ،انھوں نے اس بدعملی سے روکا تو انھیں قتل کردیا گیا، جو کچھ بچ رہے، انھوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہیں، تو ہمارا دین برباد ہوگا، اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کرلی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کے لئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں ،لوگوں سے دور کسی جنگل، پہاڑ میں بسر کریں، یا پھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی سیاحت میں گزار دیں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کرسکیں، ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا، اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کرکے ان کے طریقہ کو رہبانیت کہا جانے لگا۔

(معارف القرآن، جلد:۸، سورۃ الحدید)

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک کام جو کسی دینی مصلحت کے لئے اختیار کیا گیا،

اس کے حدود کی رعایت کا اہتمام نہیں کیا گیا، حدود کی رعایت یہ تھی کہ وہ جس درجہ کا کام تھا، اسے اسی درجہ میں رکھا جاتا، وہ ایک وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر اختیار کیا گیا، تو وسیلہ اور ذریعہ ہی رہتا، اسے مقصودِ دینی نہ قرار دیا جاتا، اور نہ اس کے ساتھ مقصودِ دینی جیسا طرزِ عمل اختیار کیا جاتا، پھر جس مقصد سے اختیار کیا گیا تھا، وہی مقصود پیش نظر رہتا، اس کو کسی اور مقصد ذریعہ نہ بنایا جاتا، عیسائیوں نے ان دونوں باتوں میں کوتاہی کی، رہبانیت کو مقاصد دینی میں شامل کر دیا، اس کی اہمیت اس درجہ بڑھادی کہ رہبانیت اختیار کرنے والے افراد عیسائی دنیا میں نہ صرف امتیازی اوصاف سے متصف کیے گئے، بلکہ ان میں خدائی اختیارات بھی تسلیم کیے گئے، ایک ایسا عمل جسے اللہ نے مقرر نہیں کیا تھا، ازخود لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس کو بجالانے والا بزرگی اور ولایت کے اتنے بلند منصب پر فائز مان لیا جائے کہ خدائی اور بندگی کی حدیں گڈمڈ ہو جائیں، غلو کا آخری درجہ ہے، انھوں نے رہبانیت کو اس کی حد پر نہیں رہنے دیا، بلکہ عام احکام شرع سے اس کا درجہ بہت بڑھا دیا۔ **فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا** کی ایک صورت یہ ہے۔

دوسری صورت حق رعایت کی یہ تھی کہ جس مقصد کے لئے اسے اختیار کیا، وہی مقصد پیش نظر رہتا، مگر راہبوں نے یہاں بھی حدود کی رعایت توڑی اور رہبانیت کو عزت وجاہ اور دولت وحشمت کا ذریعہ بنالیا، وہ اس کی آڑ میں فواحش ومنکرات کا ارتکاب کرتے تھے، کلیسا کی تاریخ ان دونوں قسموں سے گناہوں سے لبریز ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس طرزِ عمل میں جو لوگ صاحب ایمان ہوں گے، اور حدودِ شرعیہ کی رعایت کے پابند ہوں گے، وہ تو اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، اور جو لوگ اس کے برخلاف غلو اور خلاف مقصد راہیں اختیار کریں گے وہ فاسق قرار پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا ایمان بھی غیر معتبر ہوگا۔

(۴) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس طریقۂ عمل میں جو لوگ غلو اور تعدی حدود اللہ کی وجہ سے فاسق ہوئے ہیں، زیادہ تعداد انھیں کی ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ دین کی حفاظت ہی کے لئے سہی، لیکن دینی رنگ میں کوئی نیا طریقہ اختیار کرنا ایک پُر خطر راستہ ہے، ابتداء میں تو وہ قابل قبول ہوگا، مگر حدود کی رعایت نہ ہوگی، تو اسے غلو اور اس کے نتیجے میں بدعت بنتے دیر نہ لگے گی۔

اس طرح کی بدعات غالباً غیر شرعی قیاسات کی بنا پر وجود میں آتی ہیں، شاید عیسائیوں نے سوچا ہو کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر مجرد رہے، بیوی بچوں کی الجھن سے آزاد رہے، نہ کوئی گھر بنایا نہ کسی دَر کے پابند رہے، حضرت کے یہاں صبح کہیں، شام کہیں کا سماں ہوتا، سیاحت فرماتے، لوگوں کو دینی احکام و مواعظ تلقین فرماتے، اسی طرح ان کی والدہ محترمہ مقدسہ بھی نکاح کی قید سے آزاد رہیں، اللہ نے ایک برگزیدہ نشانِ قدرت انھیں بنایا تھا، وہ ہمہ تن اور ہمہ دم مصروفِ عبادت رہتیں، اور غیب سے ان کے لئے رزق آیا کرتا، شاید اسی خیال سے یہ سوچ کر کہ اپنے پیشوا کے طریقۂ زندگی کی پیروی بھی ہوگی، اور دین کی حفاظت بھی ہوگی، رہبانیت اختیار کی ہوگی، لیکن برا ہو ''غلو'' کا، یہ کسی چیز کو اپنی حد پر نہیں چھوڑتا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر امکانی حد تک بندش لگا دی ہے۔ بدعات کی دنیا میں اس طرح کی مثالیں بہت ملیں گی کہ کسی دینی جذبہ سے کوئی غیر منصوص کام شروع کیا گیا، اور وہ رفتہ رفتہ غلو اور پھر بدعت ہونے تک جا پہونچا۔ ہم نے الگ الگ طبقوں سے ایک ایک عام فہم مثال تحریر کر دی، ورنہ بریلویت اور اہل بدعت کے تصوف کا پورا گلزار اسی طرح کی خوبصورت بدعات سے لہلہا رہا ہے۔ نذر و نیاز، تیجہ فاتحہ، عرس و سماع، قبروں پر اذان اور بہت سی رسوم کی ابتداء کسی دینی جذبہ اور دینی رنگ میں ہوئی، ان میں متعدد دینی مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا تھا، مگر کیا ہوا؟ بدیر یا جلد یہ سب رسمیں بدعت کے چہ بچہ میں جا گریں۔

بدعت کا دستور یہی ہے کہ وہ شریعت کے مدمقابل بن کر نہیں آتی، وہ عموماً دین کی کسی مصلحت اور کسی دینی مسئلے کی حمایت میں ظاہر ہوتی ہے، اور بہت ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسلم بزرگ شخصیت کے ساتھ منسوب ہو جاتی ہے، اس میں دینی مصلحت و حمایت اور اس بزرگ کی نسبت کی وجہ سے تقدس کا رنگ جم جاتا ہے، پھر بدعت ظاہر ہونے تک اس میں ایسا

استحکام ہو جاتا ہے کہ لوگ اسے سنت قائمہ سمجھنے لگ جاتے ہیں، پھر جب اس کی تردید کی جاتی ہے، تو شور ہوتا ہے کہ سنت کی مخالفت ہو رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد مسند دارمی میں نقل کیا گیا ہے کہ ”تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم پر فتنہ چھا جائے گا، ایسا طویل و مدید فتنہ کہ بڑی عمر کا آدمی اس میں انتہائی بوڑھا ہو جائے گا، اور چھوٹی عمر کا بچہ جوان ہو جائے گا، اور لوگ اسی فتنہ کو سنت قرار دے لیں گے، کہ اگر اس میں تبدیلی کی جائے گی، تو لوگ کہیں کہ سنت بدل دی گئی۔“

(مسند دارمی، جلد ا، ص: ۲۷۸، باب تغیر الزمان و مایحدث فیھا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے قلب و دماغ میں بدعت کا ایسا رسوخ اور استحکام ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف وہ سننے اور سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور اگر اس بدعت کا خاتمہ کیا جاتا ہے، تو بدعت نہیں، اسے سنت سمجھ کر واویلا کرتے ہیں کہ سنت بدل دی گئی۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ اہل بدعت کو سنت اور فرض کے سلسلے میں تو نہیں، البتہ بدعت کے سلسلے میں بہت تشدد ہوتا ہے، اہل سنت اور اہل حق کے مزاج میں تشدد نہیں ہوتا، حق کے وسیع دائرے میں اچھی خاصی لچک اور وسعت ہوتی ہے، البتہ فرائض و سنن کو مضبوطی کے ساتھ تھامتے ہیں، مگر اہل بدعت کا شعار یہ ہے کہ چاہے فرائض ترک ہو جائیں، حرام میں مبتلا ہو جائیں، سنتیں سرے سے متروک ہو جائیں، لیکن بدعت والا عمل ترک نہ ہونے پائے۔

اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ماضل قوم بعد ھدی کانوا علیه إلا اوتوا الجدل ثم قرأ رسول اللہ ﷺ مَاضَرَبُوْهُ لَکَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ [احمد، ترمذی، ابن ماجة] (مشکوٰۃ شریف: باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

جب بھی کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ ہوتی ہے، تو عناد اور جھگڑے میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: مَاضَرَبُوْهُ لَکَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْن، (سورة الزخرف: ۸۵) انھوں نے یہ مثال محض جھگڑنے کیلئے بیان کی ہے، بلکہ یہ جھگڑالو قوم ہی ہے۔

جو قوم گمراہی اختیار کرتی ہے، تجربہ ہے، اور خود قرآن شاہد ہے کہ اس کے مزاج میں تشدد اور جھگڑے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، کفار بھی جھگڑالو تھے، ان کی بحث حق کے اثبات کے لئے نہیں جھگڑنے کے لئے ہوتی تھی، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورۃ الانبیاء: ۹۸) تم لوگ اور جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو، جہنم کے ایندھن ہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ مشرکین بھی اور ان کے معبودانِ باطلہ یعنی پتھر کے بت اور شیاطین بھی جہنم میں گرنے والے ہیں، اس پر مشرکین نے حضرت نبی کریم ﷺ سے کٹ حجتی کی کہ اچھا ہمارے بت بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ (علیہ السلام) آخر عبادت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی کی جاتی ہے، تو اگر وہ بھی جہنم میں جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ہم اور ہمارے بت بھی ان کے ساتھ جہنم میں جائیں، اس پر فرمایا: وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ، ان کی اس بات کو حق تعالیٰ نے کٹ حجتی قرار دیا، کیونکہ اس سلسلۂ بیان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے بتوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا ہے، ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے، اسے یہ گول کر گئے، فرمایا کہ: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۱) وہ لوگ جن کے واسطے ہماری جانب سے خیر اور بہتری پہلے سے متعین ہو چکی ہے، وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حق تعالیٰ کی اطلاع اور گواہی ہے کہ وہ ان لوگوں میں ہیں، جن کے حق میں خیر اور بھلائی کا اعلیٰ مرتبہ یعنی نبوت کی برگزیدگی پہلے سے متعین ہے، پھر جہنم کے قریب کیونکر ہوں گے، یہ بات سامنے کی ہے، مگر جھگڑنے والے اپنے خلاف مطلب باتوں کو نظر انداز کر کے کٹ حجتی کرتے ہیں۔

اہل بدعت کا بھی یہی خاصہ ہے، وہ تلاش حق کے لئے نہیں، محض جھگڑنے کے لئے شوشے نکالتے ہیں، پھر اسی شوشے کی بنیاد پر لڑتے ہیں، بدعت اور گمراہی کس طرح رگ وریشے میں سرایت کرتی ہے، پھر وہ پوری طرح اہل بدعت کو اپنی گرفت میں لیتی ہے، اسے بھی رسول اللہ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے سنئے! فرمایا: وإنه سيخرج في امتي اقوام

تتجاری بھم تلک الأھواء کما یتجاری الکلب بصاحبہ لایبقیٰ منہ عرق ولا مفصل إلا دخلہ [احمد وابوداؤد] (مشکوٰۃ شریف: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن میں بدعتیں اس طرح سرایت کریں گی جیسے کتنا کاٹنے کی ہڑک بدن کے اندر سرایت کر جاتی ہے، ہر ہر رگ اور ہر ہر جوڑ میں داخل ہوکر رہتی ہے۔

کتا جب کاٹتا ہے تو اس سے ایک شدید قسم کی بیماری جسم میں پیدا ہو جاتی ہے، جو آدمی کے رگ و ریشے میں پھیل جاتی ہے، پھر آدمی کتے کی طرح بھونکنے لگتا ہے، اور پیاس سے تڑپتا ہے، اور بڑی سخت موت مرتا ہے، یہ مثال رسول اللہ ﷺ نے اہل بدعت کی دی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدعت کتنی سخت معصیت اور بیماری ہے، اور واقعی یہ تجربہ ہے کہ بدعتی کو اپنی بدعت میں اتنا انہماک اور غلو ہوتا ہے کہ اس کے سامنے شریعت کے دوسرے احکام ماند پڑ جاتے ہیں، وہ اسی معیار پر ہر ایک کو جانچتا ہے، اسی کو حق و ناحق کی بنیاد بناتا ہے، پھر اس میں تشدد اور جارحیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ نمازوں کی فکر نہیں ہے، لیکن بدعت کے عمل پر مارا ماری ہے، مالِ حرام کا خوف نہیں ہے، مگر عمل بدعی کے فوت ہو جانے سے دل لرزتا ہے، تلاوت قرآن کا اہتمام نہیں، مگر بدعی وظائف ترک نہ ہوں۔ بدعت کے جس ماحول پر نظر ڈالئے یہ تماشا جابجا ملے گا، اس طرح دین میں تحریف ہوتی ہے، دینی اور شرعی اصطلاحوں کے معانی بدل جاتے ہیں، ہر ایک بدعت اپنی ایک اصطلاح رکھتی ہے، الفاظ اصطلاح کے وہی ہوتے ہیں، جو شریعت میں رائج ہیں، لیکن معانی میں بہت فرق آجاتا ہے، اس سے تحریف راہ پاتی ہے، اس لئے بدعت کی معصیت، دیگر معاصی سے شدید تر ہے، بدعت سے عمل بھی بگڑتا ہے، اور عقیدہ میں بھی خرابی پڑتی ہے، ہمارے اکابر رحمہم اللہ (علماء دیوبند) کو بدعات سے بغایت نفرت تھی۔

مضمون کے خاتمہ پر مناسب سمجھتا ہوں کہ علماء دیوبند کے حلقے کی ایک بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے دو ملفوظ تذکرۃ الخلیل

سے نقل کروں، حضرت رائے پوری پر زُہد وتقویٰ اور بزرگی و مشیخت کا غلبہ تھا، اس لئے علم وفضل کے کمال کے لحاظ سے زیادہ معروف نہیں ہوئے، ورنہ ان کا علمی پایہ بھی بہت بلند تھا، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے اخص خلفاء میں تھے۔

تذکرۃ الخلیل کے مصنف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی علیہ الرحمہ، انھیں حضرت رائے پوری کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

’’ہر چند کہ آپ خلق مجسم تھے، مگر خلافِ سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمالِ نفرت تھی، ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع ........... کے ایک عالم کی صفائی پیش کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت! وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں، اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں، صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ہی سا جزوی اختلاف ہے، جیسا باہم ائمہ میں ہے، وہ صاحب اپنی تقریر ختم نہ کرپائے تھے، کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوگئے، اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا آپ کو خود تسلیم ہے، میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جز تو جزا اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو، مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو، تو وہ بھی برباد اور گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا، پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا بڑی ہی دلیری کی بات ہے، پس چاہئے کہ عمل میں کتنی کمزوری ہو، مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے، یا سنت کے سنت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے بے درماں مہلک اور قاتل ہے(تذکرۃ الخلیل: ۲۵۵)

بدعت کے سلسلے میں ہمارے اکابر کا یہ رویہ رہا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو بدعات کا جتنا پھیلاؤ ہو رہا ہے، سنت کا نور گم ہوجاتا، لیکن ان حضرات کی بصیرت، فہم خداداد، علمی رسوخ، تقویٰ وطہارت، پاکیزگیٔ قلب اور نورانیت روح و وِجدان کی وجہ سے بدعت کا بدعت ہونا نمایاں ہے، اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت اقدس مولانا

رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی مراسلت جو تذکرۃ الرشید میں من وعن درج ہے، قابل مطالعہ ہے۔اس سے بدعت کی حقیقت اور اس کی قباحت وشناعت خوب واضح ہوتی ہے۔

تذکرۃ الخلیل میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کا ایک اور ارشاد مفصل نقل کیا گیا ہے، جس سے حق و باطل اور سنت و بدعت کی شناخت آسان ہوجاتی ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے، اس کا مکمل متن نقل کرتا ہوں، مصنف تذکرۃ الخلیل لکھتے ہیں:

''ایک دن آپ کی مجلس میں بدعت وسنت کے مسائل اختلافیہ کی بحث ہونے لگی، آپ دیر تک سنتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ میرے نزدیک علاوہ دلائل علمیہ کے حق وباطل پہچاننے کا ایک معیار اور بھی ہے، وہ یہ کہ قدرت نے ہر چیز میں اس کے ہم جنس کی طرف کشش کا مادہ رکھا ہے۔

کبوتر با کبوتر باز با باز

اور یہ قدرت کا عطیہ جس کو فطرت کہنا چاہئے، اجسام ہوں یا اعراض، سب ہی میں جاری وساری ہے، پس جس فعل کے متعلق یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم حق ہے یا باطل؟ اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی طرف میلان کن قلوب کا ہوا، اور کشش کس قسم کے لوگوں کی ہے؟ اگر دیکھو کہ بددین فساق وفجار کو ابتداءً اس کی طرف حرکت ہوئی ہو، اور وہی قلوب جوش وخروش کے ساتھ اس کی طرف لپکتے ہیں، تو سمجھ لو کہ اس فعل میں ضرور ظلمت ہے، اگرچہ ظاہری صورت نورانی اور دینی معلوم ہوتی ہو، کیونکہ اس میں نور ہوتا، تو ظلمانی قلوب کو جذب نہ کرتا، بلکہ وہ اس سے بھاگتے اور نورانی قلوب اولیاء وصلحاء کے اس کی جانب کھنچتے، اور اگر کسی فعل کو دیکھو کہ دیندار اہل اللہ اس کی طرف جاتے، اور عوام وبازاری اس سے بھاگتے ہیں، تو سمجھ لو کہ ضرور اس فعل میں نورانیت ہے کہ اہل نور کے قلوب کو اس کی طرف کشش ہوئی،

اور ظلمانی قلوب نے اسی سے وحشت کھائی۔ (تذکرۃ الخلیل: ۲۵۰)

بدعت بھی ایک عجیب تماشا ہے، جب یہ آتی ہے، تو چور دروازہ سے آتی ہے، دینی لبادہ اوڑھ کر آتی ہے، علماء وفقہاء سے ڈرتی ہے، وہ کہیں اسے پہچان کر حلقۂ دین سے باہر نہ کر دیں، لیکن جب یہ استحکام پکڑتی ہے تو، ناواقفوں کے ذہن ودماغ پر قدم جما لیتی ہے اور جو جان اور سمجھ سکتے ہیں، انھیں بھی کسی طرح فریب دینے میں کامیاب ہو جاتی ہے، پھر جب یہ اپنی رگ اور ریشے پھیلا لیتی ہے، تو سینہ تان کر ان علماء کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے، جو اسے بدعت کہتے ہیں، یا کہنا چاہتے ہیں، انھیں مطعون کرتی ہے، علماء کی حقانیت کیلئے معیار بن جاتی ہے، اور معاملہ الٹ جاتا ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ علماء ربانی کے معیار پر کسی عقیدۂ وعمل کو پرکھا جائے، لیکن ہونے یہ لگتا ہے کہ اس عقیدۂ وعمل کے معیار پر اہل حق علماء کو جانچا جانے لگتا ہے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون

(جون ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فکر اور سوچ کی دو راہیں: فکر دنیاوی اور فکر ایمانی

**نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم ،أما بعد!**

ہماری یہ دنیا، جس میں ایک عارضی زندگی دنیا والوں کو بخشی گئی ہے، اور عمل کی ایک عارضی مہلت انھیں ملی ہوئی ہے، اس میں ان کے ساتھ ایسی ضروری بات اور ایسی مجبوریاں لگا دی گئی ہیں کہ انھیں سعی وعمل سے چارہ نہیں، شعوری اور غیر شعوری طور پر ہمہ دم انھیں کد وکاوش کی الجھنیں گردش میں رکھتی ہیں، پیدائش سے موت تک حرکت ہی حرکت ہے، عمل ہی عمل ہے، عمل اور ردعمل کا ایک سلسلہ ہے، جو مسلسل سامنے آتا رہتا ہے، دنیا کی زندگی کا نظام اسی بنیاد پر قائم ہے، تو کیا صرف یہی نظام ہے، جو ہماری نگاہوں میں آتا رہتا ہے، ہماری عقل اس کا ادراک کرتی رہتی ہے، اس کی گتھیاں کبھی سلجھتی ہیں، کبھی الجھتی ہیں۔ کبھی آدمی خوش ہوتا ہے کبھی رنج وتکلیف کے دریا میں ڈوبنے لگتا ہے؟ کیا یہ سب اسی نظام عالم کا کرشمہ ہے؟

اس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے، جسے مادی دنیا دیتی ہے، یہ جواب مادہ پرستوں کے دماغ میں آتا ہے، جن کے نزدیک کائنات از اول تا آخر یہی سامنے کی کائنات ہے، جن کو نہ خدا سے مطلب ہے، نہ عقیدہ آخرت سے اور نہ غیبی حقائق سے! لیکن یہ جواب بہت ناقص، ناقابل تسلی، اور غیر اطمینان بخش ہے، اس جواب سے فطرت انسانی کو اطمینان تو کیا ہوتا، بے شمار سوالات اور سر ابھارنے لگتے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب وہ ہے جو خود خالق کائنات نے دیا ہے، خالق کائنات کے فرستادہ رسولوں نے اسے سمجھایا ہے، یہی جواب عین حق ہے، اسی سے انسانی فطرت تسلی اور سکون پاتی ہے، اس جواب کے بعد کوئی سوال باقی نہیں رہتا بلکہ جہد وعمل اور سعی وکاوش کا صحیح رخ متعین ہو جاتا ہے اور اس پر چل پڑنے کا حوصلہ بھی بیدار ہو جاتا ہے۔

اس سوال کے جواب کے لیے جب ہم قرآن وحدیث کی جانب رجوع کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سارے نظام کا آغاز کار عالم غیب میں ہے، وہیں احکام صادر ہوتے ہیں، وہیں انتظام مرتب ہوتا ہے، اور وہیں سے وقت وقت پر ان انتظامات کا نزول ہوتا ہے، اور ان سارے انتظامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک برگزیدہ مخلوق یعنی فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے، جو منشاء الٰہی سے ایک سرمو انحراف نہیں کرتے: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا أَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤمَرُوْنَ۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ یُؤمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْئٍ رَحْمَةً وَّعِلْماً فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِھِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ. رَبَّنَا وَأَدْخِلْھُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّھُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِھِمْ وَاَزْوَاجِھِمْ وَذُرِّیَّاتِھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وَقِھُمُ السَّیِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّیِّئَاتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَہٗ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورہ مومن ۷-۹) اور جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش، اور جو اس کے گرد ہیں، پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ، اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اور گناہ بخشواتے ہیں، ایمان والوں کے، کہ اے ہمارے رب! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر شئے کو وسیع ہے، پس ان لوگوں کی مغفرت فرما دیجئے، جنھوں نے توبہ کی، اور آپ کی راہ پر چلے اور انھیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، اور داخل کیجئے ان کو بسنے کے باغوں میں، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں، بے شک آپ ہی ہے زبردست، حکمت والے ہیں، اور

بچائیے ان کو برائیوں سے، اور جن کو آپ بچادیں برائیوں سے اس دن، اس پر مہربانی کی آپ نے، اور یہ جو ہے، یہی ہے مراد پانی۔

آیت کریمہ بتارہی ہے کہ زمین میں جو کچھ ہورہا ہے، اس کا تعلق صرف یہیں سے نہیں ہے، بلکہ فرشتوں کی ایک برگزیدہ جماعت ہے، جو عرش الٰہی کو تھامے ہوئے ہے، اور بہت سے فرشتے اس کے اردگرد مصروف طواف ہیں، یہ سب اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ زمینی مخلوقات پر نگاہ جمائے ہوئے ہیں، اور ان میں جو صاحب ایمان ہیں، ان کے لئے مسلسل استغفار، دعائے رحمت اور دفع بلا کی درخواست کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ فرشتے وہی کرتے ہیں، جس کا نھیں حکم ہوتا ہے، پس یہ سب کچھ وہ حکم خداوندی سے کرتے ہیں، ان کی دعاؤں کا اثر زمین پر اترتا رہتا ہے۔

ایسے ہی جو لوگ سرکش اور باغی ہیں، ان پر فرشتوں کی لعنت آتی ہے، فرماتے ہیں: إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (سورۂ بقرہ: ۱۶۱)۔ جو لوگ کافر ہوئے، اور کفر پر ہی مر گئے، ان پر لعنت اللہ کی ہے، فرشتوں کی، اور لوگوں کی، سب کی۔

معلوم ہوا کہ زمین پر جو کچھ ہورہا ہے، اس کا سرا آسمان سے جڑا ہوا ہے، زمین تو ظہور کی جگہ ہے۔ ورنہ حقائق وہاں ہیں، جہاں انسان کی نگاہ نہیں پہونچ پاتی، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (سورۃ الذاریات: ۲۲) اور آسمان میں تمھاری روزی ہے، اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس آیت میں مجاز نہیں ہے، حقیقت ہے، وہ یہ کہ روزی عالم غیب میں ہے، وہیں سے تدبیر اور انتظام سے اترتی رہتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتے ہیں تو عرش کو تھامنے والے فرشتے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، پھر اس آسمان والے فرشتے، جو ان سے متصل ہیں تسبیح پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک آپہنچتی ہے، اور پوری

آسمانی دنیا تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوجاتی ہے، پھر حاملین عرش سے ان کے قریب ترین فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ پروردگار کا کیا حکم ہے؟ تب وہ انھیں بتاتے ہیں، اور اسی طرح آسمان والے فرشتے ایک دوسرے سے معلوم کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۵۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات میں اٹھا اور اللہ نے جس قدر مقدر فرمایا تھا، میں نے نماز پڑھی، پھر مجھے اونگھ سی آگئی، اور نیند کی وجہ سے سر بوجھل ہوگیا، تو میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو ایک اچھی صورت میں دیکھا، مجھ سے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا لبیک اے میرے رب، فرمایا کہ ملأ اعلیٰ کس سلسلے میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے عرض کی: مجھے معلوم نہیں، یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ فرمایا کہ پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھا، اور میں نے انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میرے سامنے ہر چیز روشن ہوگئی، اور میں نے بخوبی پہچان لیا پھر فرمایا اے محمد! میں نے عرض کی لبیک ربی! فرمایا ملأ اعلیٰ کس مسئلے میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات کے مسئلے میں، فرمایا وہ کیا ہیں، میں نے کہا، جماعت کی نماز کے لئے قدموں سے چلنا، نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھے رہنا، اور ناگواری کے اوقات میں پورا وضو کرنا، فرمایا اور کس چیز میں؟ میں نے کہا درجات کے بارے میں، فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا، نرم کلام کرنا، اور رات میں نماز پڑھنی جب کہ لوگ سورہے ہوں۔ (احمد وترمذی تفسیر سورۂ ص)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں، تو جبرئیل کو بلاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، پس تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کی مقبولیت زمین پر اترتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند کرتے ہیں، تو جبرئیل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس سے نفرت کرو، پس وہ لوگ بھی اس سے متنفر ہوجاتے ہیں، پھر یہ نفرت اور یہ بغض زمین پر اترتا ہے، (مسلم شریف: کتاب

البر، باب اذا احب اللہ عبدہ)

ایک حدیث اور ملاحظہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز جب صبح ہوتی ہے، تو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے **اللّٰھم اعط منفقاً خلفاً** ''اے اللہ دینے والے کو عوض عطا فرمائیے، اور دوسرا کہتا ہے **اللّٰھم اعط ممسکاً تلفاً**۔ اے اللہ بخیل کے مال میں بربادی ڈال دیجئے'' (بخاری شریف: **الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالیٰ ما من**)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص کسی صحرائی زمین میں تھا، اس نے اوپر ایک بدلی کے اندر ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغیچہ کو سیراب کرو، پھر وہ بدلی ایک طرف چلی، اور ایک پتھریلی زمین پر برس گئی، وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہوا، اور بہہ پڑا۔ یہ شخص اس پانی کے پیچھے چلا کہ کہاں جاتا ہے؟ دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کھیت میں بیلچے سے پانی پھونچا رہا ہے، اس نے پوچھا کہ بندۂ خدا! آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل کی آواز سے سنا تھا، پھر اس نے پوچھا، اللہ کے بندے میرا نام کیوں پوچھتے ہو؟ کہا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے، ایک آواز سنی تھی کہ فلاں کا باغ سیراب کرو، اس میں آپ کا ہی نام تھا، تمھارا اس کھیتی میں کیا عمل ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے پوچھ ہی دیا ہے، تو سنو! میں اس کی پیداوار کو دیکھتا ہوں، اور ایک تہائی صدقہ کر دیتا ہوں، ایک تہائی اپنے اہل وعیال کے لئے رکھتا ہوں، اور ایک تہائی اس باغ میں واپس کر دیتا ہوں۔ (مسلم شریف **الزھد باب الصدقة علی المساکین**)

قرآن کی آیت کریمہ اور ان تمام حدیثوں سے یہ بات وضاحت سے سمجھ میں آتی ہے کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا ابتدائی سرا یہاں نہیں، عالم غیب میں ہے جس طرح برقی قمقمے جلتے کہیں ہیں، اور بجلی آتی کہیں اور سے ہے، اگر قمقمہ بجھ جائے، تو اس پر کوئی توجہ نہیں کرتا، بجلی کی جانب رخ کیا جاتا ہے، اسی مثال پر سمجھئے، کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ایک وجود ظاہر ہے، اسے ظاہر کرنے والا کوئی اور ہے، اور اس کا مرکز ظہور کہیں اور ہے۔

یہاں سے اہل دنیا، اور اہل ایمان الگ الگ ہوتے ہیں، اہل دنیا صرف ظاہر کو

دیکھتے ہیں، اوراسی میں الجھے رہتے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: يَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْن (سورۃ الروم:۷) یہ لوگ دنیوی زندگی کے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں، اور آخرت سے یکسر غافل ہیں، یعنی یہ لوگ دنیا کو، اس کے کمانے کے طریقوں کو، اس کے حالات کو تو خوب جانتے ہیں، اور اس سلسلے میں مہارت رکھتے ہیں، لیکن دین کے معاملے میں، اور آخرت میں کیا چیز نافع ہے، اس سے بالکلیہ جاہل اور مغفل ہیں، نہ انھیں اس کی ذہانت حاصل ہے، اور نہ کچھ فکر ہے۔

لیکن ایمان والوں کا حال یہ نہیں ہے، وہ اس دنیا کے حجابات ظواہر سے گزر کر عالم غیب پر نگاہ جماتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ دنیا کے ضرر کو اور یہاں کے نقصان کو سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آخرت میں اس کا عوض بہت بڑے نفع کی شکل میں ملنے والا ہے، تو وہ چھوٹے نقصان کو بڑے نفع کے یقین پر بآسانی گوارا کر لیتے ہیں، اسی طرح وہ دنیا کے مصائب، تکالیف، دنیا والوں کے ظلم وستم کو دیکھتے ہیں، قحط سالی، بے روزگاری، کاروبار میں گھاٹا، روزی کی تنگی، اور طرح طرح کے امراض سب دیکھتے ہیں، مگر یہ جانتے ہیں کہ ان سب کے نزول کا سرچشمہ کہیں اور ہے، پھر وہ دنیا کی ان الجھنوں میں گرفتار ہونے کے بجائے اسی مرکز ظہور کا رخ کرتے ہیں، اور اس رخ کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنا ایمان تازہ کرتے ہیں، اپنے اعمال واخلاق کا جائزہ لیتے ہیں، نامناسب چیزیں اپنے سے دور کرتے ہیں، بدن پر مکھی بار بار بیٹھتی ہے، تو عقل مند مکھی کو الزام نہیں دیتا، وہ دیکھتا ہے کہ جہاں مکھی بیٹھ رہی ہے، وہاں کوئی گندگی تو نہیں ہے، پھر اسے گندگی نظر آجاتی ہے، تو اسے صاف کر دیتا ہے، اور مکھی اڑ جاتی ہے، اسی طرح مومن کسی نامناسب چیز کی یلغار دیکھتا ہے، تو اس الجھن میں نہیں پڑتا کہ یہ نامناسب کیا ہے؟ اسے الزام نہیں دیتا، وہ اس چیز کو دیکھتا ہے، جس پر یہ نامناسب چیز ٹوٹی پڑ رہی ہے، پھر وہ اسے دور کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، معافی چاہتا ہے، اپنے احوال کو بدل لیتا ہے۔ پھر اس نامناسب چیز سے نجات بھی پالیتا ہے، اور جتنا جھیل چکا ہے، اس پر بے اندازہ اجر وثواب کا بھی مستحق ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں کہ: الا من تاب وعمل صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات وکان اللہ غفوراً رحیماً (سورۃ الفرقان: ۷۰) مگر جو اللہ کے حضور رجوع کرے، اور اچھا عمل کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

دنیا والوں، اور اہل ایمان کے نظریے اور عمل میں کتنا فرق ہے؟ اس پر غور کیجئے، ظاہر کو پکڑ کر اس کی الجھن میں گرفتار ہونا سرے سے غلط، بلکہ حماقت ہے۔ ایسے لوگوں سے زیادہ سمجھدار تو وہ کتا ہے، جسے لاٹھی، یا پتھر سے مارا گیا، وہ دیکھ رہا ہے کہ بدن پر چوٹ لاٹھی سے یا پتھر سے لگی ہے، لیکن جذبۂ انتقام میں نہ وہ لاٹھی پر حملہ کرتا اور نہ پتھر کو کاٹتا، وہ لاٹھی مارنے والے کی طرف دوڑتا ہے، یا اس سے بھاگتا ہے، ظاہری مصائب کی الجھن میں گرفتار ہونا اور اس کی تحقیقات میں مبتلا ہونا محض لغو ہے، یہ طریقہ کفار کا ہے، اور اہل دنیا کا ہے، کافر ہی مطلق اہل دنیا ہوتا ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند  روز وشب در زق زق و در بق بق اند

کافر مطلق اہل دنیا ہیں، یہ رات دن زق زق اور بق بق میں ہیں۔

اہل ایمان ایسے نہیں ہوتے، ان کی سوچ، ان کا عقیدہ، ان کا عمل اور ان کی نظر، حجابات دنیا سے بلند اور بہت بلند ہوتی ہے، مومن دیکھتا ہے کہ عالم غیب میں ایک مکمل انتظام ہے، حکم الٰہی فرشتوں پر اترتا ہے، پھر اللہ کی یہ فوج اس حکم کی تعمیل ونفاذ میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق لگ جاتی ہے۔ کوئی دعاء واستغفار کرتا ہے، کوئی مجرموں پر لعنت کرتا ہے، کوئی اس کی خبر آسمانوں کو پہنچاتا ہے، کوئی اسے زمین پر لے کر آتا ہے۔

مومن قرآن وحدیث کی خبر کے مطابق اپنے دید ومشاہدہ سے بڑھ کر اس حقیقت کا یقین کرتا ہے، پھر وہ مصائب کی بوچھار میں صبر ورضا کے ساتھ حق تعالیٰ کی جناب میں تضرع وزاری کرتا ہے اور استغفار اور اصلاح اعمال میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ مصائب کی یہ بدلیاں چھٹ جاتی ہیں، اور اس کا دل توبۂ واستغفار کے آب زلال سے غسل کر کے تازہ دم

اور طاقت ور ہو جاتا ہے، پھر وہ دم بدم نعمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اور اس کے قلب وزبان سے حمد وشکر کے زمزمے بلند ہوتے ہیں جب تک حمد وشکر میں وہ اور اس کے اخلاف مشغول رہتے ہیں، نعمتوں کا سلسلہ رکتا نہیں بڑھتا اور پھیلتا رہتا ہے: **لئن شکرتم لازیدنکم** (سوہ ابراہیم: ۷)، اگر تم شکر ادا کروگے تو ہم بڑھاتے رہیں گے، اور اس سے پہلے وہ صبر کر کے اجر بے حساب حاصل کر چکا ہے، **انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب** (سورہ الزمر: ۱۰) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا پورا ادا کیا جاتا ہے۔

غرض مومن کی سوچ الگ ہے، اور اس کی بنیاد پر اس کا عمل اور اس کے دل کا حال الگ ہے، خدا نہ کرے کوئی مومن، اہل دنیا کے طرز پر سوچنے لگے پھر الجھنوں کا کوئی علاج نہیں ہوگا۔ ظاہری دنیا میں الجھنیں ہی الجھنیں ہیں، مسائل ہی مسائل ہیں، مال ہے تو اس کی حفاظت اور اس میں اضافہ کی فکر ایک دردسر ہے، مال نہیں ہے، تو غربت وافلاس کی بے بسی ہے، پھر عزت وذلت کا مسئلہ ہے، صحت ومرض کی الجھن ہے، دوست ودشمن کا چکر ہے، اللہ ہی جانتا ہے کیا کیا مسائل ہیں۔ مگر مومن ان ساری الجھنوں اور فکروں کو سمیٹ کر بلکہ ان سے قطع نظر کر کے ان کے سرچشمہ تک جا پہونچتا ہے، جو ایک ہی بارگاہ ہے، وہاں تمام الجھنیں اسے چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہیں، اور وہ خوش وخرم اور مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر خدانخواستہ وہ کافرانہ اور دنیادارانہ طرز فکر میں مبتلا ہو کر ان الجھنوں میں ہی تہ وبالا ہوتا رہا، تو اس کی زندگی، اور اس کا قلب بلکہ اس کا پورا وجود نہیں بلکہ اس طرز کا پورا معاشرہ کھنکھجورے کے ہزار پاؤں میں پھنسا اضطراب میں لوٹتے لوٹتے، دم توڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ان کا روئے سخن خاص طور پر علماء کی طرف ہے، فرماتے ہیں: **سمعت نبیکم ﷺ یقول من جعل الھموم ھما واحدا ھم آخرته کفاہ اللہ دنیاہ ومن تشعبت به الھموم في احوال الدنیا لم یبال اللہ في اي اودیتھا ھلک** (ابن ماجہ مقدمہ: باب انتفاع بالعلم والعمل به)

کہ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اپنی تمام فکریں سمیٹ کر ایک فکر بنائی یعنی آخرت کی، تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کے لئے کافی ہوتے ہیں، اور جس کے تفکرات نے دنیا کے احوال میں اسے منتشر رکھا، تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس کھڈ میں گر کر ہلاک ہوتا ہے۔

یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل ایمان کو دنیا کی حقیقت سے آگاہ کر کے، ان کی سوچ اور فکر کو اللہ کی طرف، عالم غیب کی طرف اور آخرت کی طرف موڑ دیں تاکہ قلب کو دنیاوی آہ و واویلا سے پناہ ملے، ورنہ نہ جانے ایمان رکھنے والے یہ بندے دوسروں کو دیکھ دیکھ کر کن کن وادیوں میں بھٹکتے پھریں گے۔

(جولائی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اسوۂ نبوی کی جامعیت

مولانا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب پاکستان کے ایک جواں سال صاحب قلم عالم ہیں، انھوں نے ایک کتاب ''درس سیرت'' کے نام سے لکھی ہے، یہ اسوۂ حسنہ کے ایک موضوع اخلاق اور اس کے متعلق امور پر ایک جامع، پُر مغز اور مفید کتاب ہے، اس کتاب کے ہندوستانی ایڈیشن کیلئے یہ سطریں بطور تمہید کے لکھی گئیں، یہ کتاب اسلامک بک فاؤنڈیشن، حوض سوائیوان، دہلی سے شائع ہوگئی ہے۔

خالق کائنات نے انسان کو خلاصۂ کائنات بنایا، احسن تقویم میں اس کی تخلیق کی، دل دیا، دماغ دیا، عقل وشعور کا سرمایہ بخشا، احساسات وجذبات کی قوت عطا فرمائی، کائنات کی چیزوں پر تصرف کا اختیار دیا، پھر حیات وموت کو وجہ امتحان بنایا۔ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً، دیکھیں کردار وعمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے، احسن ہے۔

کردار وعمل کی یہ بہتری، جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مطلوب ہے، اس کا معیار کیا ہے؟ انسانیت کے فضل وشرف کی کسوٹی کیا ہے؟ اس سوال کا اصولی جواب یہ ہے کہ کردار وعمل، بہتر وہ ہے، جو حق تعالیٰ کو پسند آجائے، انسانیت کی معراج یہ ہے کہ بارگاہِ حق میں محبت وقبولیت سے سرفراز ہوجائے۔

پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

پیا کس کو چاہتا ہے؟ اللہ کی کتاب پڑھئے! آپ اوّل تا آخر پاتے چلے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کسے چاہتے ہیں؟ ان کے پسندیدہ اور مقبول بندوں کے اوصاف واحوال، افکار واعمال کیا کیا ہیں؟ بندہ جب بندہ ہے، تو بندگی کے تقاضے کیا کیا ہیں؟ اور انھیں کس طرح بجالائے، اپنے خالق ومالک کے حق میں اس کے قلب کا کیا حال ہو؟ محبت ہو، تو آدابِ

محبت کیا ہوں؟ عبادت ہو، تو حق عبادت کیا ہو؟ اطاعت ہو، تو جذبۂ اطاعت کیا ہو؟ اخلاق ہو، تو حسن اخلاق کیا ہو؟ ان تمام سوالوں کا جواب قرآن کریم میں پانے والے پاتے ہیں، لیکن ان سب جوابوں کی عملی تشکیل کس طرح ہو، تاکہ علم کے ساتھ ڈھونڈھنے والا عملی صورت بھی پالے، پھر اسے ہمت وحوصلہ بھی اور حسن عمل کا راستہ بھی مل جائے، اور نمونہ دیکھ کر کام کرنے کا سلیقہ بھی آجائے۔

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی۔ علم تو اتارا ہی، ساتھ میں عملی تشکیل کا نمونہ بھی بھیجا، اگر یہ نمونہ نہ ہوتا تو علمی احکام ومسائل، عمل کا پیکر جمیل نہ اختیار کر پاتے، یہ نمونہ خود حق تعالیٰ نے بنایا، سنوارا اور سجایا، پھر اسے پسند کیا، اس پر رضامندی کا اظہار فرمایا، پھر سب کو حکم دیا کہ اسی نمونہ پر اپنے کو ڈھالتے چلے جاؤ، انسانیت جس قدر اس نمونے کے قریب ہوگی، بارگاہِ حق میں اتنی ہی پسندیدہ ہوگی، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً ○ (سورۃ الاحزاب:) تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کیلئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے، اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

یعنی جس کسی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی رہیں، آخرت میں کامیاب وسرخ رو ہو، اور زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کو یاد رکھتا ہو، اس کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک بہترین نمونہ ہیں، اسی نمونہ پر اپنی صورت وسیرت، اخلاق وکردار، افکار وخیالات، عقائد ونظریات کو ڈھالتا چلا جائے، حسین سے حسین تر ہوتا چلا جائے گا، اس کے جمال سے دنیا چمک اٹھے گی۔

حق تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ (آل عمران:) اے رسول تم یہ بات لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم لوگ اللہ کی محبت رکھتے ہو، تو میرا اتباع کرو، پھر اللہ تعالیٰ تم

سے محبت فرمائیں گے، اور تمہاری غلطیوں کو معاف کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ تو ہیں ہی مغفرت کرنے والے، رحم فرمانے والے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃً حکم دیا ہے کہ، اس نمونۂ کامل کے قدم بقدم چلے آؤ، اللہ تعالیٰ اپنی محبت وعنایت سے نوازیں گے، اور اس کے بعد اگر کمزوری کی وجہ سے کچھ غلطی ہو جائے گی تو اس سے درگزر فرمائیں گے۔

ان دونوں ارشاداتِ الٰہی سے معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر نشیب وفراز میں اور ہر مرحلے میں رسول اکرم ﷺ انسانیت کے صلاح وفلاح کے لئے نمونۂ کامل ہیں، یہی چیز رضاءِ خداوندی، فلاحِ آخرت، تحصیل محبت الٰہی کیلئے براہ راست یقینی اور قطعی ذریعہ ہے۔

☆☆☆☆☆

کسی نمونہ پر ڈھلنے اور اس کی کامل پیروی کرنے کے لئے ضروری ہے، کہ وہ بتمام وکمال ہمہ وقت آدمی کے پیش نظر رہے۔ اگر ایسا نہ ہو، بلکہ نمونہ کا کچھ جز پیش نظر ہو اور کچھ غائب ہو تو اتباع ہرگز نہ ہو سکے گا، اللہ نے اپنے آخری رسول کو جب نمونۂ کامل بنایا، اور ان کی پیروی اور اتباع کا حکم دیا، تو اس کا انتظام بھی فرمایا، کہ تلاش کرنے والوں کے سامنے نمونے کے تمام اجزاء اپنی اصلی ہیئت میں موجود ہوں، آپ کی حیاتِ طیبہ میں، آپ کے اصحاب کے لئے آپ سے ہمہ وقتی استفادہ علماً بھی اور عملاً بھی بہت آسان تھا، لیکن بعد والوں کے لئے بھی حق تعالیٰ نے آپ کے اُسوۂ حسنہ کو اس جامعیت کے ساتھ محفوظ فرمادیا ہے، کہ زندگی کا کوئی مرحلہ، کردار وعمل کا کوئی موڑ، معاشرہ کی کوئی پیچیدگی، طبیعت انسانی کی کوئی الجھن، امید وبیم کی کوئی کشمکش، دوستی ودشمنی کی کوئی نزاکت اور خاندانی تعلقات کی کوئی گرہ ایسی نہیں ہے، جس کی رہنمائی آپ کے اُسوۂ حسنہ میں نہ ملتی ہو۔

مدرسہ کی تعلیم سے رسمی فراغت کے بعد جب دینی مدارس کے ماحول میں، اور اس کے ساتھ عامۃ الناس کے معاشرہ میں کام کرنے کا اس خاکسار کو موقع ملا، تو شدت سے احساس ہوا کہ زندگی کی ہر راہ اور راستے کے ہر موڑ پر، اسوۂ نبوی کو تلاش کرنا چاہیئے۔ چنانچہ

متواتر تین چار سال تک اسے موضوع بنا کر مطالعہ کرتا رہا، اور کہیں بھی ناکامی کا سامنا نہیں پڑا، ہر راہ روشن تھی، ہر مرحلہ اجالا تھا، قلب ودماغ میں جو الجھن بھی آئی، اسوۂ حسنہ نے اسے بخوبی حل کیا، لکھنے لکھانے کا ذوق نہیں تھا، ورنہ اگر اس وقت حاصل مطالعہ ضبط کئے ہوتا، تو ایک کارآمد چیز وجود میں آجاتی، مگر کیا ہوا؟ لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے، کوئی تلاش کرنے والا اور پڑھنے والا تو ہو۔

کسی کو اللہ کی رضا وخوشنودی کی فکر ہو، آخرت اس کے پیش نظر ہو، اللہ کی یاد اس کے دل میں بسی اور زبان اس سے تروتازہ ہو، اس کے سامنے اسوۂ حسنہ کا جلوہ تمام تفصیلات کے ساتھ موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاحب اسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ کو ایک حکم دیا ہے، اگر غور کیجئے، تو اسوۂ حسنۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روح اسی حکم کی تعمیل ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَاشَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (سورۃ الانعام:) تم کہو کہ بلاشبہہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، اور میں اسے اول تسلیم کرنے والا ہوں۔

عبادت ہو، معاشرت ہو، اخلاق ومعاملات ہوں، ایفائے عہد ہو، صدق مقال ہو، رحمدلی ومہربانی ہو، سخاوت وفیاضی ہو، دوستی ودشمنی ہو، صلح ہو، جنگ ہو، جان لینی ہو، جان دینی ہو، ہتھیار اٹھانا ہو، ہتھیار ڈالنا ہو، محبت ہو، نفرت ہو، عمل ہو، ترکِ عمل ہو، حلم ہو، غضب ہو، غرض زندگی کی کوئی شان ہو، کوئی حرکت وعمل ہو، سب کا داعیہ اور سب کی علت غائیہ اللہ کی رضا کا حصول ہو۔

آدمی کبھی اپنے طبعی مزاج کے زیر اثر کوئی عمل کرتا ہے، اخلاق برتتا ہے، کبھی اپنے

حوصلے کی بلندی کے باعث اوچھی حرکتوں سے اجتناب کرتا ہے، کبھی سوسائٹی میں اپنے وقار وعزت کے لئے کوئی بڑا کام کرتا ہے، یہ سارے کام اپنے ظاہر اور اپنی صورت کے لحاظ سے خوبصورت اور قابل تعریف ہوتے ہیں، مگر روح نہ ہونے کی وجہ سے ان کا درجہ محض مزاج اور عادت کا ہوکر رہ جاتا ہے، بارگاہِ حق میں قبولیت کی لیاقت ان میں نہیں ہوتی، عادت اور طاعت وعبادت میں بہت فرق ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مشہور برگزیدہ صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **عن الرجل يقاتل شجاعةً، ويقاتل حميةً، ويقاتل رياءً أي ذلك في سبيل الله**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی بہادری کے جذبے کی بنا پر لڑتا ہے، ایک آدمی خاندانی غیرت کی بنا پر لڑتا ہے، ایک آدمی دکھاوے کے جذبے سے لڑتا ہے، ان میں کون اللہ کی راہ میں ہے؟ فرمایا: **من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله**، جو اس لئے لڑا کہ اللہ کی بات بلند ہو، وہ اللہ کی راہ میں ہے۔(بخاری شریف: رقم الحدیث ۴۷۵۸، کتاب التوحید۔ مسلم شریف: رقم الحدیث ۱۹۰۴، **باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا**)

جہاد وقتال بڑی عبادت ہے، اور بہت بلند مرتبہ عمل ہے، لیکن اگر رضائے الٰہی مقصد نہیں، تو اس کا ڈھانچہ ایک بے جان ڈھانچہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل، ہر ترک، ہر اخلاق، ہر سختی اور ہر نرمی کی روح یہی حصولِ رضائے الٰہی ہے۔

☆☆☆☆☆

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ، ہر عبادت، ہر قربانی کا مقصد بلند رضائے الٰہی کا حصول ہے، تو جب آپ کی پیروی کا حکم امت کو دیا گیا، تو اس کی بنیاد اور روح بھی یہی مقصد ہے، چنانچہ اللہ کے اس ارشاد میں غور کیجئے کہ: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ**، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت فرمائیں

گے۔اس آیت کریمہ میں اللہ کی محبت کے حوالے سے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، یہ اس باب میں صراحت ہے کہ پیروی کا داعیہ، محبت الٰہی ہے، اور یہی داعیہ خود اسوۂ حسنۂ نبوت کی بھی بنیاد ہے، پس اس داعیہ میں بھی اتباع مطلوب ہے، یعنی آپ کے نقش قدم پر چلیں تو اللہ کی محبت میں اور اس کی رضا کے حصول کیلئے چلیں۔

اسی طرح وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسوۂ حسنہ کا تذکرہ کیا ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً ○ (سورۃ الاحزاب: ) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ کا اسوۂ حسنہ ان لوگوں کیلئے ہے، جو اللہ کی رضا کی اور اس سے ملنے کی امید رکھتے ہیں، اور جنھیں آخرت کی فکر ہے، اور جو لوگ اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہیں۔

یہ ایک بنیادی نکتہ ہے، جسے اسوۂ رسول کا مطالعہ کرنے والے بھی پیش نظر رکھیں، اسے بیان کرنے والے اور اس پر مضامین لکھنے والے بھی فراموش نہ کریں، اور پیروی کرنے والے بھی اس سے غافل نہ ہوں۔

یہی چیز نہ ہوگی، تو خواہ کوئی عمل ہو، نماز ہی کیوں نہ ہو، سخاوت ہی کیوں نہ ہو، اخلاقِ عالیہ ہی کیوں نہ ہوں، ایک عادت ہے، مزاج ہے، طبیعت ہے، رسول کا اسوۂ حسنہ نہیں ہے، اس کی صرف شکل ہے، اس لئے یہ بنیاد ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب کی کتاب ''درس سیرت'' اسوۂ حسنہ کے ایک موضوع اخلاق اور اس کے متعلق امور پر ایک جامع، پُر مغز اور مفید کتاب ہے، اخلاق سے متعلق مختلف عنوانات پر دروس ہیں، جو نہ اتنے مختصر ہیں کہ بات تشنہ رہ جائے، اور نہ اتنے مفصل ہیں کہ پڑھنے والا اکتا جائے، اطناب وایجاز کے درمیان متوسط اور معتدل انداز کے اسباق ہیں، جو جامع بھی ہیں اور سہل بھی، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں زمانہ کے حالات کا تجزیہ بھی ہے، اصلاحی امور کی نشاندہی بھی، اتباع سنت کی دعوت بھی ہے، اس کے مطالعہ سے

جہاں آپ کی تعلیمات کی گہرائی اور گیرائی کا سراغ ملتا ہے، وہیں آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت اور اس کے نتیجے میں آپ کی اطاعت کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر گھر میں ہو، اور ہر روز اس کا ایک ایک درس پڑھا جائے، گھر والوں کو سنایا جائے، اور ہر روز تجدید عزم کی جائے کہ آپ کی ان تعلیمات کو بہ نیت رضاء الٰہی عمل میں لایا جائے گا۔

جو شخص آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق سے جس قدر مشابہت پیدا کرے گا، حق تعالیٰ کے اتنے ہی نزدیک ہوگا، اسے خالق کے یہاں بھی اور مخلوق کے نزدیک بھی محبوبیت حاصل ہوگی۔

کتاب کے اسباق کے مطالعے کے ساتھ ایسی زندہ شخصیتیں بھی تلاش کی جانی چاہئیں، جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد اتباع سنت اور اس کے طفیل رضائے الٰہی کو بنا رکھا ہو، کیونکہ آدمی مطالعۂ کتب سے کم اور عملی نمونوں سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے، ایسے بزرگوں کی صحبت میں اتباع سنت کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے، اس کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور اللہ ورسول کی محبت بھی زندہ ہوتی ہے۔

علامہ سیّد محمد انور شاہ محدث کشمیری کے تلامذہ قرآن وحدیث میں اسوۂ رسول جو کچھ پڑھتے تھے، اپنے استاذ کی زندگی میں ہو بہو ہی پاتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی کے تلامذہ اپنے استاذ وشیخ کے عمل سے احادیث کی شرح اور تفصیل وتشکیل پاتے تھے، پھر ان کے لئے اتباع سنت سہل بھی ہوتا تھا، اور اس کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ توفیق دیں، سہل فرمائیں، اور ان نمونوں کو عام کریں۔ آمین

(اگست ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سیرت طیبہ کے دو اہم پہلو: ذکر اور حلم

**الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین وعلیٰ أصحابہ الطیبین المھتدین أمابعد!**

انسان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے خوب سے خوب تر کی تلاش ہوتی ہے، اسے ایک چیز ملتی ہے، وہ اسے پسند آتی ہے، پھر اسے دوسری چیز ملتی ہے جو پہلی سے بڑھ کر خوبصورت اور مفید ہوتی ہے، تو اسے لے لیتا ہے، اور پہلی چیز کو چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ اس سے خوب تر چیز اسے مل گئی، اسی طرح ترک واختیار کا معاملہ چلتا رہتا ہے، عروج وترقی کی تمام عمارتیں اسی بنیاد پر قائم ہیں، وہ دیکھتا رہتا ہے، سراپا جستجو بنا رہتا ہے، پھر اسے کوئی بہتر چیز مل جاتی ہے، جھونپڑے میں رہنے والا آدمی محل تلاش کرتا ہے، چیتھڑے لپیٹنے والا فقیر لباسِ فاخرہ کی جستجو میں رہتا ہے، غربت، امارت کے پیچھے دوڑتی ہے، جہالت کو علم کی تلاش ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ دنیا اسی طریقۂ عمل سے بامِ عروج پر پہونچتی جارہی ہے، دنیا نے کہاں سے کہاں تک ترقی کرلی، پاؤں سے چلنے والا انسان فضاؤں میں پرواز کررہا ہے، سطحِ دریا پر کشتی چلانے والا ملاح پانی کی تہوں میں اتر کر جہاز چلا رہا ہے، فضا میں منتشر ہوجانے والی آواز ہی کو نہیں دور دراز کی صورتوں کو بھی ایک چھوٹے سے ڈبے میں گرفتار کرکے تماشا دکھاتا ہے، بڑے بڑے کتب خانوں کو چھوٹی چھوٹی پلاسٹک جیسی تھیلیوں میں بھر لیتا ہے، غرض مادی دنیا کے ہر شعبے میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں آدمی نہ جانے کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہے۔

لیکن کیا دنیا صرف وہی ہے، جو انسان اپنے وجود کے باہر دیکھتا ہے، جس میں اس کا مادی وجود یعنی بدن جو گوشت وپوست اور ہڈی اور خون سے مرکب ہے، شامل ہے۔ کیا

دنیا اتنی ہی ہے، یا انسان کا کوئی ذہنی اور روحانی وجود بھی ہے، جس کے تقاضے مادی دنیا سے علیٰحدہ ہیں، اور جس کے نتائج وآثار کچھ دوسری طرح کے ہیں، انسان کا مادی وجود خوراک اور لباس چاہتا ہے، سر چھپانے کے لئے مکان چاہتا ہے، بقائے نسل کیلئے جوڑا چاہتا ہے، پھر اسی دائرے میں خوب سے خوب تر تلاش کرتا ہے، یہاں تک کہ اس دائرے کو وہ اتنا پھیلاتا ہے کہ کائنات اسے تنگ معلوم ہونے لگتی ہے، آج کے دور میں انسان کو جسمانی ضروریات کی تکمیل وتحسین میں اتنا غلو اور انہماک ہوگیا ہے کہ شاید وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ سوچنے کی مہلت نہیں پاتا کہ اس ظاہری اور مادی دنیا کے ماوراء ایک اور دنیا اس کے باطن میں آباد ہے، جس کی وسعت کے سامنے یہ مادی دنیا ہیچ ہے، اس باطنی دنیا میں بھی اسے خوب سے خوب تر تلاش کرنا چاہئے، مگر ادھر سے صرف غافل ہی نہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے اس سے انکار ہے، وہ لوگ جو خدا سے دور ہیں، مشرک ہیں، ان کا کیا ذکر، خود وہ جو اسلام وایمان والے ہیں، انکے احوال بھی بظاہر بصورت انکار ہی ہیں، یا کم ازکم غفلت کا شکار ضرور ہیں۔

دنیا والوں کے سامنے مادی ساز وسامان اور جسمانی تقاضوں کی فراہمی کا مسئلہ ہوتا ہے، تو ان کے مراکز تک پہونچتے ہیں، کسی بازار میں، کسی دکان میں، کسی کمپنی میں، کسی صاحب ثروت ودولت کے پاس، کسی کارخانے اور فیکٹری میں، اور دنیا میں ان چیزوں کی اتنی بہتات ہے کہ قدم قدم پر یہ مراکز ملتے جاتے ہیں، اور آدمی اپنی ضرورت پوری کرلیتا ہے، لیکن جس دنیا کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے، روحانی دنیا، باطنی دنیا، اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کا ساز وسامان کیا ہے؟ اس کا مرکز کہاں ہے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ خود یہ دنیا کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود انسان کیا ہے؟ کیا وہ عام جانداروں کی طرح ایک جاندار مخلوق ہے، جس کو آسودگی شکم، تکمیل شہوت، راحت رسانی جسم کے علاوہ اور کوئی کام نہیں؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے، تو روحانی دنیا اس کے لئے بے معنی چیز ہے؟ باطنی دنیا بغیر مفہوم اور حقیقت کے محض ایک لفظ ہے، لیکن ظاہر ہے انسان خواہ کتنا ہی

گر جائے، اس جواب کو کبھی تسلیم نہ کرے گا، وہ دوسری جاندار مخلوقات سے بالکل الگ ایک ایسی مخلوق ہے جس کو جسمانیت کے علاوہ اور بہت کچھ ملا ہوا ہے، جس کا وہ خوب احساس اور علم رکھتا ہے، اسی ''اور بہت کچھ'' کو ہم نے روحانی دنیا سے تعبیر کیا ہے، اس میں جب خوب سے خوب تر کی تلاش ہوگی، تو انسان کو انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں حاضری دینی ہوگی، اور اب تمام انبیاء کی بارگاہوں کا ایک مرکز آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین کا دربار گہربار متعین ہو چکا ہے، روحانی دنیا کی بہتر سے بہتر چیز اور عمدہ سے عمدہ نمونہ اسی دربار میں ملے گا۔

انسان کیا ہے؟ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے، انسانِ اوّل آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ نامزد کر کے پیدا فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ خلافت کا تعلق جسم وجسمانیت سے نہیں ہے، ورنہ انسانوں سے طاقتور اجسام اور بھی پائے جاتے ہیں، خلافت کا فریضہ عقل وفہم اور اندرونی طاقتوں سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر عجیب وغریب صلاحیتیں رکھی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کے باہر کی دنیا، اندر کی دنیا کے تابع ہے، اگر اندر کی دنیا بگڑی ہوئی ہے تو باہر ہزاروں بناؤ کے باوجود بگاڑ اور سخت بگاڑ ہے، اور اس کے لئے کسی دلیل اور برہان کی حاجت نہیں، جس کا جی چاہے کھلی آنکھوں دیکھ لے کہ آج باہر کی دنیا کتنی روشن، تابناک، پُر بہار، سہولیات سے معمور اور اسباب ووسائل سے لبریز ہے، بظاہر راحت وآسائش کے سامان ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، اور اتنے زیادہ ہیں کہ ہر طرف راحت ہی راحت ہونی چاہئے، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بالکل مطمئن ہے، اسے کوئی غم اور اندیشہ نہیں ہے، نہیں بلکہ جس سے پوچھئے اس کے دل میں اتر کر پوچھئے، تو بے ساختہ اس کے دل سے ایک دلدوز کراہ اور ہونٹ اور زبان سے ایک جاں گداز آہ نکلے گی، جیسے دنیا کا سارا سامانِ راحت اس کے لئے نہیں کسی اور کے لئے ہے۔

اندر کی اس دنیا کے بناؤ کیلئے اس مرکز پر پہونچنا ضروری ہوگا، جہاں بناؤ کا سب سے بڑا نمونہ موجود ہے، اور وہ مرکز ہے اللہ کے آخری نبی ورسول سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی

سیرت طیبہ! یہ سیرت اتنی کامل و مکمل، اتنی حسین، اتنی طاقتور اور خوبیوں کے لحاظ سے اتنی ہمہ جہت ہے کہ اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اوصافِ حمیدہ اور کمالاتِ علمیہ وعملیہ سے آراستہ کر کے بھیجا تھا، کہ اگر ان میں سے کوئی ایک فضیلت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ اعلیٰ درجہ کا انسان کہلائے گا۔

انسان جب زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، تو اس کے لئے دو باتیں لازم ہیں، تا کہ خلافت کی ذمہ داریوں سے وہ عہدہ برآ ہو سکے۔ اوّل یہ کہ وہ جس کا خلیفہ ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق سچا، مخلصانہ اور ہمہ وقتی ہو، تا کہ اس کی منشا کو ہمیشہ پورا کرتا رہے، اگر اسے خلیفہ بنانے والی ہستی سے سچا تعلق نہیں ہے، تو وہ ضرور خیانت کا مرتکب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ خلافت کی اس ذمہ داری میں اس کے ساتھ جو لوگ شریک ہیں، ان کے ساتھ اس کے تعلقات صحیح اور منصفانہ ہو، اگر ایسا نہ ہوا تو وہ اپنے بھائیوں کے حق میں ظلم ڈھاتا رہے گا۔

سیرت انسانی کے یہ دو معیار ہیں، ان معیاروں کے درمیان درجات بہت ہیں، ان میں خوب سے خوب تر کی تلاش، انسان کو بہت بلند کرتی ہے، پھر اس ابتداء کے درمیان میں بہت سے مرتبے ہیں، اور آخر میں احسان کی کیفیت خود بہت بڑی وسعت رکھتی ہے، ان دونوں معیاروں پر جب ہم رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو دیکھتے ہیں، تو ہر معیار اپنے درجۂ کمال پر نظر آتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل بقدر ضرورت یہ ہے کہ روحانی بلکہ کہئے کہ انسانی کمالات کی بنیاد اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ برحق پر سچا ایمان ہے، پھر خیر کے تمام برگ وبار اسی سے نکلتے ہیں، اسی کے واسطے سے حق تعالیٰ سے بندے کا ربط ہوتا ہے، اللہ کی عبادت و نیازمندی، اللہ کی رضا جوئی، اللہ پر توکل و اعتماد، دنیا سے زُہد و استغنا اور عبودیت کے کمالات، یہ سب ایک شجرۂ ایمان کی شاخیں اور برگ وبار ہیں، اور ان سب کو ایک لفظ میں سمیٹا جائے، تو اسے ''ذکرِ الٰہی'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، انسان کے قلب و دماغ میں اللہ کی یاد چھا جائے۔ ذکر اللہ کے دل میں چھا جانے کے بہت سے مراتب ہیں، ایمان سے اس کی ابتدا ہوتی ہے، اور

ترقی کرتے کرتے پھر یہ حال ہوتا ہے کہ زندگی کے کسی حال میں اس سے غفلت نہیں ہوتی، اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے حتیٰ کہ سوتے وقت، غم میں، خوشی میں، تنگی میں، فراخی میں، کہیں بھی لحظہ بھر ذہول نہیں ہوتا، ہمہ وقت اس کے وجود پر اللہ کی یاد چھائی رہتی ہے، شاعر نے اپنی شاعرانہ زبان استعمال کی ہے، مگر ہے بالکل حقیقت!

میرا کمال عشق بس اتنا ہے اے جگر وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانہ پہ چھا گیا

یاد کی یہ کیفیت جب راسخ ہوتی ہے، تو اسے مرتبۂ احسان کہتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب میں فرمایا تھا: **أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك** (مسلم شریف:۱) احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے، تو وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔

آنکھوں کی یہ کیفیت کہ دل کا تصور مشاہدہ میں آجائے، اسی وقت ہوتی ہے جبکہ قلب کسی کی یاد سے اتنا معمور اور آباد ہو گیا ہو کہ اب اس میں دوسرے کی سمائی نہ ہو، بغیر اس مقام کو حاصل کئے دل کا خیال آنکھوں میں پھرنے لگے، اور اس کو بقاء حاصل ہو نہیں ہو سکتا، یادِ الٰہی کی یہ کیفیت اور یہ رسوخ مطلوب ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو جب دیکھتے ہیں، تو اس کا ہر لمحہ اور ہر آن اللہ کے ذکر سے معمور و منور ہے، نبی کی شان یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی حکم آجاتا ہے، تو اسے اہتمام اور کمالِ توجہ سے پورا کرتے ہیں، حق تعالیٰ کا حکم آیا کہ **يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْراً كَثِيْراً**، اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو، اس حکم کے بعد آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکرِ الٰہی سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے، اسی لئے حدیث میں آیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **كان يذكر الله علىٰ كل أحيانه** (مسلم شریف: کتاب الطهارة) رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولوا الاباب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰماً وَّقُعُوْداً وَّعَلیٰ جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار،

(سورۂ آل عمران:۱۹۱) وہ لوگ جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں یاد کرتے ہیں، اور زمین وآسمان کی خلقت میں غور وتدبر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ان کو بیکار نہیں بنایا ہے، آپ کی ذات پاک ہے، پس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیجئے۔

قرآن کریم میں جو کچھ تعلیم ہے، رسول اکرم ﷺ کی ذات میں اس کی ہو بہو تعمیل ہے، کان خلقه القرآن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سچی شہادت ہے، قرآن علم ہے، اور صاحب قرآن عمل ہیں، بس اللہ کی یاد، اللہ کا ذکر، اللہ کا نام، آپ کے وجود پر، آپ کے ماحول میں آپ کے دن میں، آپ کی رات میں چھایا ہوا ہے، زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے، جس میں آپ اللہ کا نام نہ لیتے ہوں، چنانچہ آپ سے ہر ہر موقع کی دعائیں اور اذکار منقول ہیں۔ محدثین کرام نے ان اوراد واذکار اور دعاؤں کو ضخیم ضخیم مجموعوں میں جمع کیا ہے، آپ کا وجودِ مبارک ذکرِ الٰہی کا مجسم نمونہ ہے، آپ نے اللہ کے ذکر میں خود کو اس طرح فنا کیا ہے کہ خود اللہ کے ذکر کا ایک حصہ اور مصداق بن گئے، قرآن کی آیات میں، اذان کے کلمات میں، درود وسلام کے صیغوں میں، دعاؤں کی ابتداء وانتہاء میں، کہاں کہاں اللہ کے ذکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں ہوتا، حق تعالیٰ نے فرمایا: وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ، سیرت طیبہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی یہ وہ خصوصیت ہے، جس سے ہر شخص واقف ہے، ذکرِ الٰہی ایک نور ہے، جس سے نہ صرف ذاکر بلکہ اسکے اِرد گرد کا ماحول بھی نورانی بن جاتا ہے، ذکرِ الٰہی کے سامنے شیطان بھی نہیں ٹھہر سکتا، ذکرِ الٰہی سے حق تعالیٰ کی محبت دل میں راسخ ہوتی ہے، محبت جب راسخ ہوتی ہے، تو آدمی کو ہر ماسوی اللہ سے بے نیاز کردیتی ہے، انسان کی سعادت کی بنیاد ذکرِ الٰہی ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ ذکرِ خداوندی فرض ہے، غفلت حرام ہے، خوب سے خوب تر کی تلاش کرنے والا انسان اس خوبی سے کیوں غافل ہے؟ قلب کا سکون اگر کہیں ہے، تو یادِ الٰہی ہی میں ہے، أَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، دنیا کا کوئی گوشہ رنج وغم سے خالی نہیں، اگر کوئی جگہ اس سے پاک وصاف ہے، تو وہ ذکر الٰہی کی خلوت گاہ میں ہے۔

ہیچ گوشہ بے ددو بے دام نیست　　　جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

جو بندہ ذاکر ہوتا ہے وہ بظاہر اگر پریشانیوں میں گھرا ہوا بھی ہے، تو صرف اس کا ظاہر، اس کا باطن اور اس کا قلب تو اللہ سے لو لگائے مطمئن ہے، ذکر کی حلاوت جب دل میں جاگزیں ہوتی ہے، تو دنیا ہی میں جنت کی لذت وراحت محسوس ہونے لگتی ہے، اس میں آدمی سے جس قدر ہو سکے ترقی کرے، اس کی ترقی کی انتہاء نہیں ہے، ترقی ہوتی ہے، تو مرتبۂ احسان بخشا جاتا ہے، پھر مرتبۂ احسان خود اس درجہ وسیع وبلند ہے کہ اس کی بلندیوں اور وسعتوں تک پہونچنے کا تصور بھی مشکل ہے۔

ذکر الٰہی سے اللہ کی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے، اور جب انسان کو اللہ کی سچی معرفت حاصل ہوتی ہے، تو اس کا............ایک مرکز پر ٹھہر جاتا ہے، اور اللہ کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے، اس وقت انابت، عاجزی، تواضع، توکل، فنائے نفس، تفویض اور زہد وتقویٰ کی بیش قیمت دولتیں حاصل ہوتی ہیں، اور آدمی خاک کی پستی سے نکل کر قرب ورضائے الٰہی کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگتا ہے۔

انسان نے مادی ترقیات بہت کرلیں، مگر اس کی روحانیت پیاس سے کراہ رہی ہے، بیرونی دنیا اپنی چمک دمک سے آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے، لیکن اندرونی دنیا میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، بدن زندہ ہے مگر روح مردہ ہے، بدن کے امراض کا مکمل علاج تلاش کیا جارہا ہے، اور علاج کی سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ عقلیں حیران ہیں، لیکن روحانی امراض کا علاج ناپید ہوتا جارہا ہے، بلکہ فرض کرلیا گیا ہے کہ روح بیمار ہے ہی نہیں، بلکہ شاید یہ کہ روح موجود ہی نہیں ہے، لیکن عالم یہ ہے کہ سکون ناپید ہے، ہر آدمی گھبرایا ہوا ہے، امن عالم کا نظام درہم برہم ہے، اسبابِ راحت بہت ہیں، مگر راحت کا نشان نہیں ملتا، کیونکہ راحت تو ذکرِ الٰہی میں ہے، نسبت مع اللہ میں ہے، توکل علی اللہ میں ہے، اور یہی چیز غائب

ہے، اسبابِ دنیا میں خوب سے خوب تر ڈھونڈھنے والا یہاں غافل اور بے حس پڑا ہوا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو سوغات امتوں میں تقسیم کی تھی، امتوں نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔

اے دنیا! تو پلٹ، اے دنیا والو! تم لوٹو، اے اللہ کے بندو! تم بھاگو! اللہ کی طرف، اللہ کے رسول کی طرف! فَفِرُّوا إِلَى اللهِ، سنو! کون کہہ رہا ہے؟ کون کہلوا رہا ہے؟ اللہ کہلوا رہا ہے، رسول کہہ رہے ہیں، لوگو! تم اللہ کی طرف بھاگو، إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ، میں تمہارے لئے خدا کی جانب سے صاف صاف ڈر کی بات سنانے والا ہوں، تمہیں کہیں پناہ نہ ملے گی، نہ دنیا میں، نہ قبر میں، نہ آخرت میں، سوائے اس عظیم پناگاہ کے جسے اللہ نے تعمیر کیا ہے، اور رسول اس کی جانب تمہیں دعوت دے رہے ہیں، سنو! ایک اور ڈر سنانے والا کہتا ہے، اور سب رسولوں کی اور ان کے نائبوں کی ایک ہی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے اس جوانمرد کی بات قرآن کریم میں تفصیل سے نقل کی ہے، گو کہ وہ نبی نہ تھا، مگر کفر و طغیان کے ہجوم میں اکیلا کھڑا ہو کر پکار رہا تھا، وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ إِلَى النَّارِ (سورۂ قصص) اے قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔

لوگو! یہی ایک حصار ہے، یہی ایک قلعہ ہے، دوسری اور کوئی جگہ نہیں ہے، جہاں پناہ مل سکے، سنو! مزید فرماتے ہیں: وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللهِ إِلٰهاً آخَرَ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ (سورۃ الذاریات:) اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، میں تمہیں اللہ کی جانب سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ جی ہاں! اور کوئی معبود ہے اللہ کے علاوہ، جس کی عبادت کی گئی، وہ اس سے بیزار ہے، وہ اپنے عبادت گزاروں سے بری ہے، جب ادھر سے انکار ہے، تو عبادت کرنے والے اپنی عبادت پر چاہے جتنا اصرار کریں کیا حاصل؟ پس یہ ایمان، یہ ذکرِ الٰہی جس کی پناہ میں خود رسول رہے، اور رب کو اس کی طرف بلایا۔ لوگو! اسی کی جانب پلٹو اور دوڑو! رسول کی سیرت طیبہ کے دائرے میں آجاؤ، کہنے والوں نے کہا، اور وہ بہت عقلمند لوگ

ہیں، حق تعالیٰ نے ان کہنے والوں کی بات ہم تک پہونچائی، اور رضامندی کا اظہار فرمایا:
﴿رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾

اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کی صدا لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور ہم سے ہماری برائیوں کو محو کردیجئے اور نیکوں کی معیت میں ہمیں وفات دیجئے۔

یہ تفصیل تو حیاتِ انسانی کے اس پہلو کی تھی کہ خلافت ارضی کا منصب پانے والا، اپنے خلیفہ بنانے والے سے سچا، اور ہمہ وقتی تعلق رکھے، اور اس کا اونچے سے اونچا جو معیار ہوسکتا تھا، اس کا مشاہدہ حضرت ختم المرسلین ﷺ کی سیرۃ طیبہ میں ہوتا ہے۔

اس صحیح اور سچے تعلق کو اگر ایک لفظ میں سمیٹا جائے تو اسے ''اخلاقِ حسنہ'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اور اخلاق حسنہ کی بنیاد ڈھونڈھی جائے تو وہ حلم ہوگی، حلم کا مطلب یہ ہے کہ غصہ اور انتقام کے اسباب ومحرکات ہوں، انتقام لینے کی قدرت بھی ہو، لیکن اس کے باوجود آدمی نہ طیش میں آئے، نہ غصہ میں تلملائے، بلکہ سکون ووقار کی حالت بنی رہے، یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی کا حوصلہ بہت بلند ہو، قلب میں بہت وسعت ہو، ورنہ عموماً خلافِ طبع اور خلافِ مزاج باتوں پر آدمی از جارفتہ ہوجاتا ہے، اور طیش کی حالت میں خفیف الحرکاتی میں مبتلا ہوجاتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں ''حلم وبُردباری'' ایک ایسا روشن اور تابناک ومنور عنوان ہے کہ بندوں کے باہمی تعلقات وروابط میں اس عنوان کی تابناکی ہر ہر جگہ جلوہ گر نظر آتی ہے، اور نازک سے نازک موقع پر بھی کہیں ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کو طیش آگیا ہو، جوشِ انتقام میں آپ نے کوئی ناروا کلمہ بول دیا ہو، یا غصے میں آپ شعلہ بداماں ہوگئے ہیں، موقع خواہ کتنا ہی نازک ہو، مگر آپ کوہِ وقار رہتے۔

اللہ نے آپ کا مزاج ایسا ہی بنایا تھا، پھر آپ کو اس کی تعلیم دی تھی، اور اسی انداز پر آپ کی تربیت فرمائی تھی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ (الاعراف: ۱۹۹) عفو و درگزر کو اختیار کرو، اور اچھی بات کا حکم کرو۔ صاحب شفاء قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کا موقع اور اس کی تشریح دریافت کی، انھوں نے عرض کیا کہ علیم و خبیر سے پوچھ لوں تو بتاؤں، یہ کہہ کر چلے گئے، پھر آئے تو بتایا یا محمد إن الله يامرک أن تصل من قطعک وتعطی من حرمک وتعفو عمن ظلمک ، اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تمہیں محروم کرے اسے تم بخشش میں حصہ دار بناؤ، اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو۔ (ص:۷۴)

اس مبارک تعلیم کے آثار آپ کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہیں، اور حلم وعفو کا جو بلند سے بلند نمونہ ہوسکتا ہے، وہ آپ کی سیرۃ طیبہ میں موجود ہے، امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت مبارکہ میں عرض کیا..........ان کا یہ کلام حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے کتاب الشفاء میں نقل کیا ہے.......... یارسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم پر بددعا کی، رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح :۲۶) اے میرے پروردگار! زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑیئے۔ اگر اسی طرح کی بددعا آپ ہمارے اوپر فرمادیئے ہوتے، تو ہم بھی تمام تر ہلاک ہوجاتے، آپ کی پشت مبارک کو روندا گیا، آپ کا چہرۂ اقدس لہولہان کیا گیا، آپ کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے، مگر آپ نے خیر کے علاوہ کوئی اور بات کبھی منظور نہیں کی، آپ نے تو یہ کہا: اللهم اغفر لقومی فإنهم لایعلمون، اے اللہ میری قوم کو بخش دیجئے، یہ ناواقف ہیں۔

ملاحظہ ہو! سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کس بلیغ انداز میں رسول اکرم ﷺ کے فضائل ومحامد، درجاتِ احسان، کرم نفس اور انتہائی صبر وحلم کو جمع فرمادیا ہے، کہ آپ نے ستانے والوں کی ایذارسانی پر محض سکوت ہی نہیں فرمایا، یہ بھی ہوتا تو کمالِ اخلاق کا مظہر عظیم ہوتا، مگر

اتنے ہی پر بس نہیں کیا، بلکہ انھیں معاف فرمادیا، پھر مزید شفقت فرمائی کہ رحم وکرم کا برتاؤ فرمایا، ان کے لئے دعا فرمائی، ان کی سفارش کی، اور فرمایا انھیں بخش دیجئے اور ہدایت دیجئے، پھر شفقت وترحم کی وجہ بھی اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لئے ذکر کی، اور فرمایا لقومی، یہ لوگ میری قوم کے ہیں، مجھ سے انھیں قومیت اور قرابت کی نسبت حاصل ہے، پھر ان کی طرف سے معذرت بھی پیش فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ واقف نہیں ہیں، اس لئے ایسی حرکت کررہے ہیں۔

اسی طرح ایک بار فتح مکہ کے دور میں جبکہ آپ کو ہوازن وغیرہ سے کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہوا تھا، آپ مالِ غنیمت تقسیم کررہے تھے، تو ایک بدبخت نے، جو خود کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کئے ہوئے تھا، آپ سے کہا اور بڑی دریدہ دہنی سے کہا، انصاف کرو، یہ تقسیم ایسی ہے کہ اس میں اللہ کی رضامندی کی نیت نہیں کی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ پر یہ ایک شدید قسم کا ناروا حملہ تھا، جس کا تعلق دیانت سے تھا، آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے: لادین لمن لا أمانة له، جس میں امانت کا اہتمام نہیں، اس کے پاس دین نہیں۔ پھر آپ کی امانت ودیانت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس وقت جب آپ کے اوپر وحی کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، تب بھی آپ کی صداقت وامانت مشہور ومعروف تھی، پھر نبوت ملنے کے بعد، وہ بھی زندگی کے آخری دور میں اگر کوئی شخص آپ پر الزام لگائے کہ مال کی تقسیم میں رضاء الٰہی کا ارادہ نہیں نفسانیت کا داغ لگا ہوا ہے، تو آپ کو کس قدر روحانی تکلیف پہونچے گی۔

مگر یہاں آپ کا حلم، آپ کی بردباری، آپ کا حوصلہ برداشت کی کن بلندیوں پر ہے، اسے آپ کے جواب میں ملاحظہ فرمائیے، فرمایا: ويحک فمن يعدل إن لم أعدل؟ خبت وخسرت إن لم أعدل، افسوس، اگر میں عدل نہ کروں گا، تو کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کروں، تو میں خائب وخاسر ہوں۔ اس کے جواب میں آپ نے صرف اتنا ہی کہا جس سے وہ شخص ناواقف تھا، یا ناواقف بن رہا تھا، اسے بتادیا اور اسے

نصیحت فرمائی، اتنا نہیں، اصحاب رسول اللہ ﷺ کو اس کے اس گستاخانہ جملے پر جس قدر غیظ وغضب ہوا ہو، بجا تھا، چنانچہ کچھ حضرات نے اسے اس کی سزا دینی چاہی، تو آپ نے انھیں منع فرما دیا، انسانی اخلاق کی تاریخ میں اس کے نظائر کہاں کوئی پا سکتا ہے؟ بجز آپ کی سیرت اور آپ کے سچے متبعین کے احوال کے!

یہاں تو عالم یہ ہے کہ ایک یہودی عورت جان بوجھ کر آپ کے کھانے میں زہر ملا دیتی ہے، اس نے آپ کی دعوت کی تھی، اور ازراہِ کرم آپ نے قبول فرمالی تھی، لیکن وحی الٰہی نے آپ کو بتایا کہ یہاں زہر قاتل داخل طعام ہے، پھر اس عورت نے اقبالِ جرم بھی کرلیا تھا، مگر آپ کا حلم وعفو دیکھئے کہ اسے بھی معاف کردیا۔ لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کیا، آپ کو معلوم بھی ہوا، مگر آپ نے درگزر فرمادی، عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی طرف سے بار بار ایذا رسانیوں کا چکر چلتا رہتا تھا، جنگ کا موقع ہوا، امن کے اوقات ہوں، سفر ہو، سفر سے واپسی ہو، گھر میں ہو، بازار میں ہو، آپ کی ذات کا مسئلہ ہو، آپ کے حرم (ازواج مطہرات) کا مسئلہ ہو، ہر جگہ یہ شخص تکلیف پہونچانے کا شوشہ تلاش کرلیا کرتا تھا، کہیں کوئی رورعایت نہیں کرتا تھا، حضور اکرم ﷺ اس کی اور اس کے رفقاء کی ایذا رسانیوں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی منافق کے بارے میں آپ سے اجازت چاہی گئی کہ اس کا کام تمام کردیا جائے، تو آپ نے منع فرمایا، اور فرمایا کہ لوگوں میں مشہور ہوگا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرادیتے ہیں۔

اور ملاحظہ فرمایئے! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں تھا، آپ کے جسم مبارک پر ایک چادر تھی، جس کا حاشیہ سخت اور موٹا تھا، ایک بدو آیا اور اس نے زور سے جھٹک کر آپ کی چادر کھینچی، اور اس طرح کھینچی کہ آپ کی گردن اور کندھے پر اس کے نشانات ابھر آئے، اس نے کہا اے محمد! میرے ان دونوں اونٹوں پر اللہ کا وہ مال لاد کردیجئے، جو آپ کے پاس ہے، کیونکہ مجھے آپ نہ اپنا مال دیں گے، اور نہ اپنے باپ کا مال دیں گے (یہ تو اللہ کا مال ہے) نبی ﷺ خاموش رہے، نہ غصہ ہوئے، نہ ڈانٹا جھڑکا

،سکوت کے بعد فرمایا، تو یہ فرمایا کہ **المال مال اللہ و أنا عبدہ** مال تو اللہ کا مال ہے، میں تو اس کا غلام ہوں، پھر فرمایا: **و یقاد منک یا أعرابی مافعلت بی** ، جو کام تم نے میرے ساتھ کیا ہے، کیا اس کا تم سے قصاص لیا جائے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، اس پر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک اونٹ جولاد دو، اور ایک اونٹ پر کھجور!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو خلوت وجلوت کی انیس ورفیق ہیں، فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے ظلم کا بدلہ لیا ہو، ہاں اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی حرمت کسی نے توڑی ہو، تو اس کا بدلہ لیتے تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے آپ نے کسی کو کبھی مارا ہو، الاّ یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں آپ رہے ہوں، اسی طرح آپ نے کبھی نہ اپنے کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو مارا، ایک آدمی آپ کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا، کہ یہ آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہے، آپ نے فرمایا **لن تراع** ،تم پر کچھ خوف نہیں، تم پر کچھ خوف نہیں، اگر تم میرے قتل کا ارادہ کرتے، تب بھی تم کو میرے اوپر قابو نہ ملتا۔

ایک مالدار یہودی تھا زید بن سعنہ، بڑا صاحب ثروت بھی تھا، اور مذہب یہود کا بڑا عالم بھی تھا، اس نے آپ کی خدمت میں پیش کش کی تھی کہ قرض کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیا کیجئے، آپ نے قرض وہاں سے منگوایا، اس نے ایک مرتبہ قرض کا آپ سے نہایت بد خلقی اور گستاخی کے ساتھ تقاضا کیا، اس نے آپ کا کپڑا پکڑ کر کھینچا، اور بڑی سختی سے کہا کہ عبد المطلب کی اولاد! تم لوگ نادہند ہو، قرض لے کر ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہو، سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انھوں نے جھڑکا اور سخت الفاظ اس سے کہے، لیکن نبی کریم ﷺ کے چہرۂ اقدس پر کوئی تغیر نہ تھا، آپ مسکرا رہے تھے، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کہ جو کچھ تم نے کہا میں اور یہ، دونوں اس کے علاوہ دوسری بات کے ضرورت مند تھے، تم کو چاہئے تھا کہ مجھے قرض کی بخوبی ادائیگی کی تلقین کرتے، اور اس کو حسن تقاضا کا حکم دیتے۔

پھر فرمایا کہ ادائیگی کی جو مدت مقرر کی گئی ہے، اس میں تین دن باقی ہیں،

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کردو، اور مزید بیس صاع اور زائد دو، کیونکہ تم نے ایک صاحب حق کے دل کو دکھا دیا ہے، آپ کے اس معاملہ کو دیکھ کر زید بن سعنہ مسلمان ہوگئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبوت کی سب علامتیں میں نے آپ کے اندر دیکھ لی تھیں، صرف دو چیزیں باقی رہ گئی تھیں، ایک یہ کہ ان کا حلم ان کے جہل پر غالب اور سابق ہوگا، دوسری یہ کہ جتنی شدید جہالت کا ان سے برتاؤ کیا جائے گا اتنا ہی ان کا حلم بڑھے گا، میں انھیں دونوں کا امتحان کرنا چاہتا تھا، الحمدللہ بات مکمل ہوگئی۔

اور آخری بات یہ ہے کہ مکی دور میں کفار نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر ظلم وستم کے کتنے پہاڑ توڑے تھے، یہ تو تاریخ کی متواتر شہادت ہے، جس میں کسی دشمن کو بھی شبہ نہیں ہوسکتا، پھر مدنی زندگی میں ان کے حملوں، ناروا کارروائیوں کا سلسلہ چلتا رہا، مگر حلم ومروت کی جلوہ گری دیکھئے کہ فتح مکہ کے موقع پر یہ لوگ آپ کی خدمت میں گرفتارانہ پیش کئے گئے، تو تاریخ کے صفحات سے دریافت کیجئے کہ آپ کا رویہ کیا رہا؟ کیا معافی اور درگزر کے علاوہ کوئی بات آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوئی، آپ نے انھیں سے پوچھا ماتقولون إنی فاعل بکم ؟ تم لوگ کیا سوچتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم خیر کی امید رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی ہیں، شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی: لاتثریب علیکم الیوم (سورۂ یوسف:۹۲) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، سب کچھ معاف! إذھبوا أنتم الطلقاء، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں جب آپ کی آخری ملاقات ہوئی، تو آپ نے ان سے صرف اتنا فرمایا، سنئے! یہ ابوسفیان وہی ہیں، جنھوں نے غزوہ بدر کے بعد فتح مکہ تک آپ کے ساتھ جنگ چھیڑ رکھی تھی، اور آپ کی ایذارسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا، آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں انھیں کا ہاتھ تھا، ان کا مثلہ کیا گیا، شہادت کے بعد ان کا حلیہ بگاڑا گیا، اس میں بھی انھیں کا دخل تھا، غزوہ خندق کی بلائے عظیم

جس سے سارا مدینہ تھرا اٹھا تھا، انھیں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی، لیکن جب آپ سے فتح مکہ کے موقع پر ملاقات ہوئی، تو آپ نے یہ فرمایا: **ویحک یا أبا سفیان ألم یان لک أن تعلم أن لا إله إلا الله**، افسوس تم پر اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم یقین سے جان لو کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے، ابوسفیان نے عرض کیا: **بأبی أنت وأمی ما أحلمک وأوصلک وأکرمک**، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے صاحب حلم ہیں، کتنے قرابت نواز اور کتنے صاحب کرم ہیں

یہ آپ کے سب سے بڑے دشمن کی شہادت ہے، جس کے بعد وہ دشمنی کی آگ سے نجات پا کر دوستی اور محبت کی آرام گاہ میں داخل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرۃ مبارکہ کا یہ وہ جوہر ہے، جو آپ کی پوری زندگی، تمام معاملات اور ہر ایک برتاؤ میں جگمگا رہا ہے، اس جلوے سے اگر کوئی آنکھ بھی بند کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے۔

امت کے لئے یہ ایک ایسا سبق ہے کہ امت کو لازم ہے کہ ہر دور میں، ہر جگہ، ہر معاشرہ میں، ہر برتاؤ میں، انفراداً اور اجتماعاً اسے دہراتی اور یاد کرتی رہے۔ (۱)

حلم وکرم کی یہ تمام روایات ونقول حدیث کے صحیح مجموعوں میں موجود ہیں، ہم نے حضرت علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی ''**کتاب الشفاء بتعریف حقوق سیدنا المصطفی**'' کو پیش نظر رکھا ہے۔

(اپریل ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# انسان کو کیا چاہئے
# دل کا سکون یا طبیعت کا اضطراب؟

ناظرین باتمکین! یہ سوال آپ کو عجیب سا معلوم ہوگا، بھلا کوئی آدمی ایسا بھی ہوگا جسے بے چینی پسند ہو، وہ طبیعت کے اضطراب کو چاہتا ہو، اسے بے اطمینانی اور بے سکونی کی تلاش ہو؟ ہر شخص راحت کی جستجو میں ہے، سب کو اطمینان وسکون کی آرزو ہے۔

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس چیز کی تلاش سب کو ہے، جس کا آرزومند ہر شخص ہے، سب سے زیادہ وہی چیز کمیاب یا یہ کہہ لیجئے کہ نایاب ہے، ہر طرف اضطراب کی فراوانی ہے، بے چینی اور بے اطمینانی کی طغیانی ہے، اگر آپ اخبار پڑھتے ہیں یا ذرائع ابلاغ سے اشتغال رکھتے ہیں، تو ہر خبر ایک بے چینی کی داستان سناتی ہے، ہر سرخی کسی نہ کسی مصیبت کی ترجمانی کرتی ہے، الجھنیں ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔

ماہر القادری مرحوم نے اخباری خبروں کا تجزیہ کتنے اچھے انداز میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

پھر صبح سویرے اخبار پڑھتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا حادثوں کی زد میں ہے ...... موٹر بس الٹ گئی ...... فلاں جگہ ڈاکہ پڑ گیا ...... جیل خانہ میں باغی قیدیوں پر فائرنگ ...... کمپنی کا خزانچی دولاکھ روپیہ لے کر غائب ہوگیا ...... بیوی نے شوہر کی ناک کاٹ لی ...... امریکہ اور روس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے ...... ۱۹۵۶ء میں جنگ ہوکر رہے گی ...... فرانس کے ایک مشہور نجومی کی پیشین گوئی ...... رکشا والوں کا جلوس ...... مردہ باد کے نعرے ...... ہیڈ کلرک رشوت لیتے پکڑا گیا ...... ایک لڑکی کا کالج جاتے ہوئے اغوا ...... میونسپلٹی پر دولاکھ

ہر جانے کا دعویٰ ...... آئندہ ہفتے آٹے میں اور کمی کا امکان ...... اسمبلی میں پریسیڈنٹ اور ایک ممبر میں جھڑپ ...... آسام میں سیلاب کی تباہ کاریاں ...... بندرگاہ پر روئی کی دس ہزار گانٹھیں جل کر تباہ ہوگئیں ...... ایک عورت کے عجیب الخلقت بچہ پیدا ہوا ...... سینما ہاؤس کے ٹکٹ گھر پر تماشائیوں نے ہلہ بول دیا، دس آدمی شدید زخمی، ایک آدمی زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسا ...... فلاں جگہ زلزلہ تین سکنڈ تک رہا ...... بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کرلی ...... حوالات سے قتل کے ملزم کا فرار ......

یہ خبریں اور سرخیاں ایک روز کی نہیں، روزانہ کی ہیں، عنوان بدل بدل کر، پھر اخبار کی دنیا سے نکل کر آبادیوں میں آیئے، گھروں میں جھانکئے، افراد کو ٹٹولئے، ہر طرف پریشانی ہی پریشانی ہے، بے اطمینانی ہی بے اطمینانی ہے، باپ بیٹے میں الجھن ہے، زمین جائداد پر لڑائی ہے، فلاں بیمار ہے، اور پورا گھرانا پریشانی میں ہے، اس کی تفصیل لکھنے والے سے زیادہ پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔

پھر کیا اس پریشانی اور حواس باختگی کا کوئی علاج بھی ہے؟ یا یہ لاعلاج مرض ہے؟ جی نہیں، یہ مرض لاعلاج نہیں ہے، اس کا علاج ہے، اور بہت شفا بخش علاج ہے، لیکن انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ علاج کو مرض سمجھتا ہے، اور اس سے بھاگتا ہے، اور بیماریوں کو علاج گردانتا ہے، اور اس میں گھستا ہے۔

اس بے چینی اور اضطراب کا علاج انسانی افکار و نظریات میں نہیں، انسانوں کا حال یہ ہے کہ بیماری کا علاج بیماری سے کرتے ہیں، اور مرض کو مزید بڑھا لیتے ہیں، خوب تجربہ ہے، کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ڈاکٹر سے شکایت کی کہ پیٹ خراب ہے، ڈاکٹر نے ایک دوا دی کہ کھالو، کہنے لگا کہ اتنی گنجائش ہوتی تو ایک لقمہ اور نہ کھالیتا، عجیب بات ہے کہ کھانے کا علاج کھانے سے کیا جائے۔

یہ کہنے کو ایک لطیفہ ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرہ کی یہ ایک عبرتناک تصویر ہے، نفس انسانی جو لذتوں کا جویا ہے وہ انھیں چیزوں کی طرف دوڑتا ہے، جن میں اسے

لذت ملتی ہے، چاہے اس لذت کا اختتام کسی ہولناک تلخی پر ہو، اب اگر کسی سے کہا جائے کہ لذتوں پر قابو پاؤ، ان کے پیچھے نہ دوڑو، تو زبان سے چاہے اس کی تائید کردے، مگر جب کرنے کا موقع آئے گا تو آدمی آنکھ بند کر کے لذت نفس میں کود پڑتا ہے، طبیعت انسانی عجب پیچیدہ ترکیب رکھتی ہے، بولنے کا فلسفہ اس کا کچھ اور ہے، اور کرنے کا کچھ اور! اسی کچھ اور، کچھ اور میں پوری کائنات انسانی درہم وبرہم ہورہی ہے، ہر آدمی باوجودیکہ وہ سکون واطمینان کو تلاش کرتا ہے، مگر بیشتر اوقات پریشانی میں گھرا ہوا رہتا ہے، اس پریشانی اور بے سکونی کا علاج قرآن کریم میں ہے، مگر کیا کیجئے کہ آج کی دنیا قرآن کی تعلیم اور اس کے موضوع سے اتنی دور ہے کہ محض قرآن کا نام سننے ہی سے پیشانیاں شکن آلود ہونے لگتی ہیں، اور جب اس کی تعلیم کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے اس طرح سنا جاتا ہے جیسے کائنات سے ماوراء کوئی چیز ہو، جس کو صرف خاص خاص لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں، عام لوگ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں، قرآن کی تعلیم سب کے لئے ہے، اور سب استعداد والوں کے لئے ہے جو جتنا اسے اختیار کرے گا، اس کے لئے اتنا ہی راستہ کھلتا جائے گا، حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے، وہی ساری کائنات کی اور خود انسانوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں اور وہی الجھی ہوئی طبیعتوں کو سلجھانے پر قدرت رکھتے ہیں، آدمی اول تو انسانی نفسیات کے تمام پیچ وخم سے واقف نہیں ہوتا، اور اگر واقف بھی ہو تو اس کا صحیح علاج تجویز کرنے کی معلومات نہیں رکھتا، اور اگر قدرے معلومات اسے حاصل بھی ہوں تو بیماریوں کو شفا بخشنے کی قدرت نہیں رکھتا، علم وقدرت کی اتنی الجھنوں کے بعد بھلا انسانی تدبیروں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ ان سے انسانوں کی پریشانیوں کا کوئی مسئلہ حل ہوسکے گا، پس ذہنی وقلبی بیماریوں کا مداوا آدمیوں کی وضع کردہ تدبیروں میں نہیں، اس درد کی ایک ہی دوا ہے کہ اسی ذات کی جانب رجوع کیا جائے جو علیم وخبیر ہے اور قوی وقدیر بھی۔

اس تمہید کے بعد ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں، اطمینان وسکون کا سوال ہم اسی بارگاہ سے کرتے ہیں دیکھئے ادھر سے کیا جواب ملتا ہے؟ غور سے ملاحظہ

فرمایئے، حق تعالیٰ جواب عنایت فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْاُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ النحل:۹۷)

ترجمہ:- جس نے اچھا کام کیا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہے، تو اسے ہم ایک پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی عطا فرماتے ہیں، اور ہم انھیں اچھے اعمال کے عوض میں بہترین اجر عنایت فرمائیں گے۔

مشہور مفسر قرآن حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حیاۃ طیبہ وہ ہے جو راحت وآرام کے وجوہ وطرق پر مشتمل ہو، دنیا میں راحت اور آخرت میں اجر عظیم! معلوم ہوا کہ سکون وراحت کا سرچشمہ نہ مال ہے، نہ دولت، نہ طاقت، نہ شوکت بلکہ اللہ ورسول پر ایمان اوران کی اطاعت وفرمانبرداری میں بہتر سے بہتر اعمال کو بجالانا، ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

دوسری جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ اَوْلِيَاۤءُ كُمْ فِىْ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِىْ الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَدَّعُوْنَ. نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ. (سورہ حم السجدۃ:۳۰،۳۱،۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اپنے اس قول پر مضبوط رہے، ان پر فرشتے مسلسل اُترتے ہیں کہ نہ کچھ اندیشہ کرو، نہ افسوس میں پڑو اور جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو، یہ سب سامان مہمانی ہے، مغفرت کرنے والے رحم وکرم کرنے والے کی جانب سے۔

اللہ کو رب ماننا پھر اس پر جمے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ پھر کسی اور طرف التفات نہ کیا،

بلکہ اخلاص ویکسوئی کے ساتھ حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگے رہے، امام زہری فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ **استقاموا واللّٰہ بطاعتہ ولم یروغوا روغان الثعالب** (تفسیر ابن کثیر) اللہ کے لئے اس کی طاعت پر ثابت قدم رہے اور لومڑی کی طرح حیلہ سازی کے ساتھ ادھر اُدھر انحراف نہیں کیا۔

مومن کا جب یہ حال قائم ہوجاتا ہے تو مرتے دم اس پر فرشتے دمبدم اترتے ہیں، اور اس گھبراہٹ کے وقت اسے تسلی دیتے ہیں، اس وقت جن الفاظ میں وہ دنیا چھوٹنے پر مومن کو اطمینان دلاتے ہیں، ان میں ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ **نحن اولیاء کم فی الحیٰوۃِ الدنیا**۔ ہم تمہارے دوست، ہمدرد اور ہر بگڑی میں ساتھ دینے والے دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی۔

یہ جملہ بہت قابل غور ہے، فرشتوں کا گروہ اہل ایمان کے لئے سرمایۂ تسکین واطمینان ہے، یہ جب مومن کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے زیادہ اطمینان کی بات کیا ہوسکتی ہے، پھر اس مقدس اور پاکیزہ گروہ کے ساتھ ہونے کے بعد آدمی کو کیا گھبراہٹ ہوسکتی ہے، اس سرمایۂ سکون کا حصول کس چیز سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ اللہ کو رب ماننا اور پھر اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جانا۔

یہ اللہ کا فرمان ہے مگر مادیت اور اسباب کی ماری ہوئی دنیا کو یہ بات کب سمجھ میں آئے گی، مگر واقعہ یہی ہے کہ راحت اور اطمینان کا خزانہ ایمان واستقامت ہی میں ہے، اسباب کا جتنا تجربہ ہوتا ہے، نتیجہ برعکس ہی نکلتا ہے، اللہ کا فرمان تو یوں ہی قابل اذعان ہے، لیکن جب اس کے ساتھ صدیوں اور صدہا آدمیوں کے تجربات بھی شامل ہوں تب تو شرح صدر ہوجانا چاہئے۔

ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا

یَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرىٰ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِیْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ. ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (سورہ یونس:۶۲،۶۴)

ترجمہ:- سنو! بے شک جو اللہ کے ولی ہیں ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ افسوس میں مبتلا ہوں گے، ان کے لئے بشارت ہے، دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتوں میں کوئی ردّوبدل نہیں ہے، بڑی کامیابی یہی ہے۔

اس آیت میں غور کیجئے، چند باتیں بوضاحت ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جو اللہ کا ولی ہوگا، اس کا دل خوف اور رنج کے حوادث سے بالاتر ہوگا، وہ سراپا اطمینان وسکون ہوگا۔

(۲) اللہ کا ولی وہی ہے جو اللہ پر سچا ایمان رکھتا ہو، اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہو۔

(۳) ایسا شخص جو اللہ کا ولی ہو، مخلصانہ ایمان اور ظاہر و باطن میں تقویٰ رکھتا ہو، اس کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت اور خوشی کی خبریں ہیں، اور آخرت میں بھی بشارت واطمینان ہے۔

(۴) یہ اللہ کا اٹل اور ناقابل تبدیل قانون اور دستور ہے، اسے کوئی طاقت تبدیل نہیں کرسکتی۔

(۵) اور دراصل یہی بڑی کامیابی ہے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اطمینان وراحت کے حصول کے لئے خالق کائنات نے جو اٹل اور ناقابل تبدیل دستور بنایا ہے، وہ یہی ہے کہ آدمی صاحب ایمان ہو اور صاحب تقویٰ ہو، یہ دونوں باتیں حاصل ہوں تو قلبی راحت اور سچا اطمینان آدمی سے دور نہیں ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ۔(الطلاق:۲،۳)

ترجمہ:- جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ دیتے ہیں، اور ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں، جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

تقویٰ کیا ہے؟ ظاہر و باطن سے، جسم سے اور قلب سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، اور اللہ کی نافرمانی سے بچنا، اس کا اہتمام کرنا، دل میں اسی کی فکر اور دھن کا مسلط ہو جانا، یہی تقویٰ ہے، تقویٰ کی جزئیات بہت ہیں، مگر کلی طور پر جب آدمی کو فکر ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ تقویٰ کی راہ بھی آسان فرما دیتے ہیں، اس سے انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایسا ربط پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو اپنے کو اکیلا اور بے سہارا نہیں محسوس کرتا، اس کے سامنے کہیں اندھیرا نہیں ہوتا، مشکل سے مشکل مرحلہ اس کے لئے روشن اور سہل ہوتا ہے، اور جس قدر وہ تقویٰ میں ترقی کرتا ہے، راستہ آسان ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (سورۃ واللیل: ۷) تو جس کسی نے دیا، اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کلمہ کی تصدیق کی، ہم اسے سہج سہج آسانی میں پہنچا دیں گے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں، دینا یعنی دوسروں کو اپنے مال میں سے دیتے رہنا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ دینے والا اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے، اس لئے اپنا مال دے دینے میں اسے ہچکچاہٹ نہیں ہوتی، دوسری چیز تقویٰ، تیسرے ایمان، جس میں یہ تینوں باتیں موجود ہوں گی، وہ آسانی کی راہ پر لیجایا جا رہا ہے، وہ ہر قدم آسانی اور راحت میں رکھتا ہے، کیوں کہ اللہ نے ان اعمال وصفات میں یہی خاصیت رکھی ہے۔

تقویٰ اور توکل ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، یہی وجہ ہے، جہاں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کی راہ نکالیں گے اور ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائیں گے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا، وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ. (سورۃ الطلاق: ۳) اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ رکھے، تو وہ اس کو کافی ہے۔

اور یہ بالکل سامنے کی بات ہے ہر معاملہ میں اللہ پر جو بھروسہ رکھے گا، اسے

دشواری کا احساس کہیں نہ ہوگا، کیوں جس شخص کے ساتھ کوئی بڑی طاقت ہوتی ہے، اسے کوئی مسئلہ پریشان نہیں کرتا، اور اللہ سے بڑھ کر کون صاحب طاقت وقوت ہے؟

اس تفصیل کے بعد کوئی بتائے کہ دنیا جن راہوں سے اطمینان اور راحت تلاش کررہی ہے، کیا ان راہوں سے یہ دولت حاصل ہوسکتی ہے، جو لوگ سرے سے صاحب ایمان نہیں ہیں، ان کی شکایت کوئی کیا کرے، جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، جنھیں یقین ہے کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، اور ہدایت کی راہ وہی ہے جو قرآن کریم کی روشنی میں دکھائی گئی ہے۔ وہ اپنے گھر کی دولت سے منھ موڑ کر دنیا پرستوں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور پریشان ہورہے ہیں۔

اے ایمان والو! دنیا داروں، دنیا پرستوں، مادیت کے ماروں کی راہ چھوڑو، اور اللہ ورسول کی اطاعت کی راہ پر چلو، اطمینان یہیں ہے، راحت یہیں ہے، فلاح اسی راہ میں ہے، یہ دنیا کی بھی بھلائی ہے، اور آخرت کی بھی بھلائی ہے، اس کے خلاف جو کچھ ہے، گمراہی ہے، ضلالت ہے، سرگشتگی وحیرانی ہے۔ سنو! پکارنے والا صدا لگاتا ہے۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ مِنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ ’’پس اللہ کی طرف بھاگو، میں تمہارے لئے اس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں‘‘۔

(نومبر، دسمبر ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# آدمیوں کا ہجوم معیارِ کامیابی نہیں

دسمبر ۲۰۰۷ء کے اخیر ایام میں سرائمیر، ضلع اعظم گڈھ میں ایک عالمی اجتماع تبلیغی جماعت کا ہوا۔ اس میں بعض امور دینی مزاج کے خلاف سامنے آئے، اس کا احتساب کیا گیا۔

الحمدللہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لو لا أن ھدانا اللہ، لقد جاء ت رسل ربنا بالحق والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمد رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، أمابعد! فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم: لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَۃٍ وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ إِذۡ أَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئاً وَّضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَارَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ (التوبۃ: ۲۵)

اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکے ہیں، اور حنین کے دن بھی، جبکہ تم اپنی کثرت تعداد پر خوش ہوئے تھے، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین تم پر اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوئی۔

یہ بیان کسی آدمی کا نہیں ہے، حق تعالیٰ ایک واقعہ کے ضمن میں ایک خاص تنبیہ فرمارہے ہیں، اور کسی عام آدمی کو نہیں، انبیاء کے بعد اس کائنات کی سب سے برگزیدہ جماعت کو! جس کی خوبی اور جس کے حسن اخلاص اور مرتبۂ کمال کو خود حق تعالیٰ نے بیان کیا ہے، اور اس مقدس ترین جماعت کو ایک بات کی تنبیہ فرمارہے ہیں، اور مہربانی کا انداز یہ ہے کہ اپنے خاص احسان وکرم کے ضمن میں اس تنبیہ کو لارہے ہیں، وہ تنبیہ آپ نے آیت کریمہ میں اور اس کے ترجمے میں پڑھ لی، اب واقعہ کی تھوڑی سی تفصیل بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

مکہ مکرمہ ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے فتح کیا، اور وہاں آپ کا قبضہ مکمل ہوگیا، کعبۂ مطہرہ سے بتوں کی نجاست دور کردی گئی، کفر وشرک کی گندگی سے وہ ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا، اس کے فوراً بعد آپ کو طلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن اور بنی ثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کرکے بڑے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین وانصار کی فوجِ گراں لے کر، جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کردیا، دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے، آپ کے ہمراہ تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہوکر میدانِ جہاد میں نکلی، یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے رہا نہ گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے، اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں، یہ جملہ مردانِ توحید کی زبان سے نکلنا بارگاہِ احدیت میں ناپسند ہوا، ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہوگئے، فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی، جو سر سے کفن باندھ کر نکلی تھی، ابتداء میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا، اور کفار کے قدم اکھڑ گئے، اب لشکر اسلام ان سے بے فکر ہورہا تھا کہ قبیلہ ہوازن جو تیر اندازی میں مشہور تھا، گھات سے نکل آیا، انھوں نے آنِ واحد میں چاروں طرف سے اتنے تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہوگیا، اوّل طلقاء میں بھاگ پڑی، آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ ہوگئی کہ کہیں پناہ نہیں ملتی تھی، بس ایک حضور اکرم ﷺ کا دم تھا، اور آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سو رفقاء تھے، جو اپنی جگہ ثابت قدم تھے، بلکہ دشمنوں کے نرغے میں آگے بڑھ رہے تھے، اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو پکارا، اور آپ کے حکم سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک بلند آواز لگائی، اس پر تمام صحابہ ایک دم پلٹ پڑے، اور از سر نو جنگ شروع ہوئی، اور دم کے دم میں لڑائی کا پانسہ پھر صحابہ کے حق میں پلٹ گیا، اور انھیں بے نظیر کامیابی ہوئی، سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیل پڑھی جا سکتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ کثرت تعداد اور ہجوم افراد پر نازاں ہونا، اور اس کی بنیاد پر کسی طرح کا دعویٰ کرنا حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کام نہیں، رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی موجود ہے، صحابہ خود انتہائی بزرگ اور مقرب بندے ہیں، لیکن کثرت تعداد پر ناز کا ایک جملہ بعض حضرات سے صادر ہوا، تو پوری فوج آزمائش میں پڑ گئی، اور اللہ نے اس پر تنبیہ فرمائی، اب قیامت تک کے لئے اہل اسلام کے لئے یہ واقعہ اور یہ ارشاد اُسوہ ہے کہ یہاں مدارِ کار نصرتِ الٰہی پر ہے، افراد کم ہوں یا زیادہ ہوں۔ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ (البقرة:۲۴۹) بار بار تھوڑی سی جمعیت بڑی جمعیت پر اللہ کے حکم سے غالب آئی ہے۔

لیکن یہ ایک بشری کمزوری ہے جس کی اصلاح ضروری ہے، کہ جب کسی مقصد پر بڑی تعداد جمع ہو جاتی ہے، اور کسی کام کے لئے کافی سرمایہ اکٹھا ہو جاتا ہے، تو لوگوں میں ایک ناز سا ہونے لگتا ہے، لیکن یہ بات سیاسی پارٹیوں کے لئے، دنیاوی مقاصد کے لئے، حکومت اور ریاست کے لئے خوش آئند ہو تو ہو، مگر دینی مقاصد کے لئے، دینی جماعتوں کے لئے، اور دین کے خادموں کے لئے یہ بات نہ طریقۂ کار کے لحاظ سے پسندیدہ ہے اور نہ نتائج کے اعتبار سے! اگر تعداد ہی بڑھانی مقصود ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کفار نے مال کی، عورت کی، حکومت کی پیشکش کی تھی، بشرطیکہ آپ اپنے مقصد میں کچھ نرم ہو جائیں، اگر ان کی اس پیشکش کو آپ کسی درجے میں دنیاوی مصلحت کے لحاظ سے منظور فرما لیتے، اور اس طرح اپنی تعداد بڑھا لیتے، تو ہو سکتا تھا، مگر آپ نے اس پر سرے سے توجہ ہی نہیں دی، آپ نے اپنے لوگوں کی قلیل تعداد پر اکتفا کرتے ہوئے، حکم الٰہی کے مطابق جد وجہد جاری رکھی، تکلیفیں سہیں، شدائد برداشت کئے، لیکن تعداد کی طرف التفات نہ کیا۔

مگر اب دنیا کے غلبے نے کثرت تعداد کے نظریے کو اتنا عام کر دیا ہے کہ دینداروں، دین کے خدمت گاروں اور دینی جماعتوں کی نظر میں نہ صرف یہ کہ کثرت تعداد بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے، بلکہ اس پر فخر و ناز کا ایک مزاج بن گیا ہے۔

کچھ مدت گزری، دار العلوم دیوبند کے اربابِ حل وعقد نے، اس کے سو سال

پورے ہونے پر ایک صد سالہ جشن کا فیصلہ کیا تھا، اس پر بعض اکابر نے ٹوکا تھا، اور وہ کچھ دنوں کے لئے مؤخر ہو گیا تھا، مگر پھر وہ جشن ہوا، بہت بڑا جشن ہوا۔ دار العلوم دیوبند سے مسلمانانِ ہندو پاک اور بنگلہ دیش کو جو جذباتی تعلق ہے، ظاہر ہے کہ بہت بڑا مجمع اکٹھا ہونا ہی تھا، ہوا۔ تین دن جلسہ ہوا۔ زبانوں پر بہت دنوں تک یہی چرچا رہا کہ بہت بڑا مجمع تھا، اتنے لوگ تھے، پھر اس کے جو اثرات پورے ملک میں، اور خود دار العلوم میں ظاہر ہوئے، وہ بڑی سخت آزمائش تھی، أَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ کے نتیجے میں حسد اور عناد کی بڑی سخت نگاہیں امت مسلمہ پر اور خود مدارس پر پڑیں۔ بہت دنوں تک اس آزمائش میں اہل اسلام مبتلا رہے۔ میں ان تفصیلات کو دہرانا نہیں چاہتا، صرف اشارے کر رہا ہوں، ادھر ماضی قریب میں بعض مسلمان خطیبوں نے اپنی ساحرانہ خطابت سے بڑا مجمع اکٹھا کیا، ان کا امتیاز یہی بن گیا کہ اتنا اتنا مجمع ہوا، فلاں جلسے میں اتنی گاڑیاں آئیں، مگر نتیجہ کیا رہا؟ سر پھٹول ہوئی، باہم دشمنیوں کو بڑھاوا ملا، فرقہ پرستوں میں ہیجان ہوا، بابری مسجد شہید ہوئی، کتنے خون خرابے ہوئے، ان مصیبتوں کے جہاں اور اسباب تھے، أَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ کی بھی غلطی تھی۔

ابھی پچھلے دنوں، ضلع اعظم گڈھ کے ایک قصبہ سرائمیر میں تبلیغی اجتماع ہوا، بہت بڑا اجتماع ہوا۔ ایک سال سے اس کا شہرہ چل رہا تھا، ہر طرف یہی چرچا تھا کہ اتنے لاکھ مجمع ہوگا، اتنے لاکھ ہوگا، اجتماع ہوا۔ اس وقت یہ خاکسار بسلسلۂ حج مکہ مکرمہ میں تھا، وہاں بھی ہمارے علاقے کے حاجیوں کی زبان پر یہی تذکرہ تھا کہ اتنے لاکھ مجمع ہوا ہے، کوئی ٹی۔ وی پر دیکھ کر بتا رہا ہے، کوئی سن سن کر کہہ رہا ہے، مگر سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ بہت بڑا مجمع ہے، تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ اس کو خاص فخر کے انداز سے کہتے تھے، اتنی تعداد ہے، ایسے انتظامات ہیں، اتنے رقبے میں اجتماع ہے وغیرہ، اس کے علاوہ اور کوئی ذکر نہیں۔

میری واپسی اجتماع سے تقریباً ایک ماہ بعد ہوئی، تب بھی حاصل اجتماع یہی سننے میں آیا، اور اب تک یہ چرچا ہو رہا ہے کہ اتنے آدمی تھے، اتنے رقبے میں تھا، اتنی بلّیاں تھیں،

اتنی صفیں تھیں، اس کے علاوہ اور کوئی بات سننے کو نہیں ملی۔ یہ وہی أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ والا حال ہے، تین دن کے اجتماع میں جس کے انتظامات ایک سال سے ہو رہے تھے، لاکھوں لاکھ روپئے خرچ ہوئے، اگر اس کا حاصل یہی فخر و ناز ہے، تب کچھ اچھا حاصل نہیں ہے!

واقعہ یہ ہے کہ اتنے بڑے جلسے ہندوستان جیسے ملک میں بالخصوص نہیں ہونے چاہئیں۔ ان کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوتے ہیں، دینی اعتبار سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ بڑے جلسے میلے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، سیر و تفریح، خرید و فروخت، تجارت وغیرہ کے مرکز بن جاتے ہیں، یہی مزاج لے کر لوگ آتے ہیں اور یہی مزاج لے کر واپس ہو جاتے ہیں، بس تعداد کی کثرت، بھیڑ بھاڑ، کھانے پینے کے انتظامات یاد رہ جاتے ہیں، ان اثرات کے ہجوم میں دینی نفع دب جاتا ہے۔ اور دنیاوی نقصان یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کو فرقہ پرست مخالفین دیکھتے ہیں، تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتا ہے، پھر یہ سانپ انھیں زہریلی سازشوں کی طرف لے جاتا ہے، حکومت بھی چونکتی ہے، حکومتوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ بڑے مجامع سے گھبراتی ہیں، انھیں ان مجامع میں اپنا زوال دکھائی دینے لگتا ہے، پھر ان کا تشدد بڑھ جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ایک بڑے خلیفہ حضرت سیّد آدم بنوری علیہ الرحمہ تھے۔ ایک مرتبہ شاہ جہاں جیسے دینی مزاج کے بادشاہ نے ان کے ساتھ بہت بڑا مجمع دیکھا، تو اسے کھٹک پیدا ہوگئی، اس نے لطائف الحیل سے حضرت کو حج کے لئے سرزمین پاک بھجوا دیا۔ اور پھر وہیں مدینہ طیبہ میں ان کا وصال ہوگیا۔ ہمارے ملک کی موجودہ حکومت گو جمہوریت کے طرز کی ہے، مگر مزاج وہی ہے۔ قارئین کو معلوم ہوگا کہ سیاسی بساط پر اگر کوئی شخص تیزی سے ابھرتا ہے، اور اقتدار کو اس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے، تو وہ خواہ گھر ہی کا آدمی ہو، خواہ بیٹا ہی ہو، اسے راہ سے ہٹا دیتا ہے۔ اس ملک میں بغیر نمائش اور پروپیگنڈہ کے کام ہونا چاہئے، تاکہ کام بھی ہو جائے اور کسی کی نگاہ بد بھی نہ پڑے۔ نمائش اور پروپیگنڈا تو اسلام میں کبھی مستحسن نہیں رہا ہے، اپنی اعمال کسی نمائش اور پروپیگنڈے سے بے نیاز بھی

ہیں اور بیزار بھی! ان اعمال کی افادیت، نمائش کے نتیجے میں باطل ہوکر رہ جاتی ہے۔

۱۹۷۰ء میں تبلیغی جماعت میں، میں نے ایک چلہ وقت لگایا، اس جماعت کے جو امیر تھے وہ ایک بزرگ شخص تھے، حضرت منشی اللہ دتا علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور مرکز کے اکابر کے قریب تر! وہ اکثر فرمایا کرتے تھے: اور مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ بڑے اجتماعات کی اجازت نہیں دیتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ چھوٹے اجتماع ایک روز کے کرلیا کرو، اس کا نفع زیادہ ہے، ہندوستان کی حد تک بڑے اجتماع کی اجازت صرف بھوپال کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے، تو مرکز کے موجودہ اکابر کو اس پر غور کرنا چاہئے۔

عوام کا طرزِ عمل تو قابو سے باہر ہے، اکابر اس کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ شریعت وسنت کے مزاج اور حالات کی دینی مصلحتوں کے مطابق فیصلے صادر فرمائیں، یہی درخواست اربابِ مدارس سے بھی ہے کہ خاموش جدوجہد کریں، پروپیگنڈے کی طرف توجہ نہ دیں، لوگوں کا مزاج بھیڑ بھاڑ کا نہیں دینی واخلاقی بنانے کی سعی کریں۔ مسجدیں خالی ہیں، اگر کسی عارض کی وجہ سے کچھ نمازی بڑھتے بھی ہیں تو دیر نہیں لگتی کہ گھٹ جاتے ہیں، جلسوں کی ہنگامی بھیڑ بھاڑ کا کچھ اعتبار نہیں، پائیدار کام کی تدبیر کرنی چاہئے۔

ممکن ہے میری یہ معروضات بعض دلوں پر گراں گزرے، مگر یہ بات ضروری تھی، عرض کردی۔ اللہ تعالیٰ خیر کی توفیق بخشیں۔

(فروری، مارچ ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سیاست کی ساحری

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

موجودہ ہندوستان میں جمہوری تماشا ہے، کبھی یہاں جلالِ پادشاہی تھا، مگر مزاجِ حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، حکومت کا ایک مزاج ہے، جو ملوکیت ہو یا جمہوریت سب میں مشترک ہے، وہ یہ کہ تخت و تاج پر حکمرانی جس کی ہو چکی ہے، ہزار تدبیریں وہ کرتا ہے کہ اس کی حکمرانی باقی رہے، اسے کوئی چیلنج نہ کرے، اگر کسی نے یہ ہمت کر لی تو اس ہمت کو توڑنا ضروری ہے، خواہ اس کے لئے کوئی بھی تدبیر کرنی ہو۔ حکومت کے منہ میں اگر کوئی مضبوط لگام لگائی جا سکتی ہے، تو وہ دین و شریعت ہے، مخلص دیندار شخص حکومت کی کرسی پر بیٹھتا ہے تو وہ خود بھی قانونِ الٰہی کے ساتھ سر جھکاتا ہے، اور رعایا کو بھی اسی پر قائم رکھنا چاہتا ہے، وہ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کی فکر اس لئے کرتا ہے کہ اللہ کا قانون نافذ ہو، اس کی حکومت خدمت دین و اہل دین کے لئے ہوتی ہے، حکومت مقصد نہیں ہوتی، اقامت دین کے لئے سب جتن کرنے پڑتے ہیں، لیکن اگر یہ مقصد نکل جائے، تو سیاست و حکومت چنگیزی ہو کر رہ جاتی ہے، خواہ وہ ملوکیت ہو یا جمہوریت، مطلب یہ ہے کہ پھر وہ ایک من مانی حکومت ہوتی ہے، اور جس شخص اور جس گھرانے اور جس پارٹی میں وہ ہے، سیاست کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسی شخص، اسی گھرانے اور اسی پارٹی میں رہے، باہر نہ نکلے، خواہ اس کے لئے جس ناکردنی کو کردنی بنانا پڑے۔

ساٹھ سال سے ہندوستان میں، ہم جمہوری حکومت کا یہی تماشا دیکھ رہے ہیں، جہاں کسی نے ابھرنے کی کوشش کی اقتدار نے اسے دبا دیا، اگر ان حکمرانوں کا بس چلتا، تو

اپنی ذات، اپنی پارٹی اور اپنے خاندان کے علاوہ کسی اور حلقے میں حکومت کو جانے ہی نہ دیتے، لیکن وہ قدرتِ الٰہی کے سامنے بے بس ہیں، قدرت جسے چاہتی ہے حکومت دیتی ہے، جس سے چاہتی ہے چھین لیتی ہے، اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ (سورۂ آل عمران:) اے اللہ! اے ملک کے مالک ! آپ جسے چاہیں حکومت دیں، اور جس سے چاہیں چھین لیں۔

ایک مدت تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر انگریزوں کو ملی، انگریزوں سے حکومت چھینی گئی، تو ملک دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، اس تقسیم کے بعد جن ہاتھوں میں حکومت پہونچی، ادل بدل کر ابھی تک انھیں ہاتھوں میں ہے، اس حکومت میں مسلمان اقلیت میں ہیں، کسی بھی جمہوریت میں اقلیت ایک جرم ہے، اکثریت جس کے ہاتھ میں حکومت ہوگی، وہ ہر ممکن کوشش کرے گی کہ اقلیت بڑھنے اور پھیلنے نہ پائے، وہ اس حیثیت میں کبھی نہ آئے کہ اقلیت اس کے مدمقابل کھڑی ہو جائے۔

جموری مزاج یہی ہے کہ اقلیت، اقلیت ہی میں رہے، جب جب اقلیت نے اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنی تعداد کی کثرت دکھائی ہے، تو جمہوری حکومت نے اس میں قطع و برید کا عمل جاری کیا ہے، الیکشن میں اس قطع و برید کا تماشا مسلسل دیکھنے میں آتا ہے، جہاں کسی اقلیت کی تعداد کسی حلقے میں بڑھی، وہیں اسے مختلف حلقوں میں تقسیم کر کے اقلیت کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے۔

اور اگر کسی نے اپنی کثرت تعداد کی نمائش کی تو تمام ذہانتیں اس پر مرکوز ہو جاتی ہیں، کہ اس تعداد اور اس اتحاد کو کسی ایسے طریقے سے توڑ دیا جائے کہ الزام اقلیت ہی کے سر جائے، اور اکثریت کا دامن پاک ہی رہے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

تقسیم ملک کے بعد جب ایک ہی ملت کے خلاف جارحانہ فسادات، بلکہ نسل کشی کا سلسلہ شروع ہوا، تو مسلمان قائدین کو ایک جوش پیدا ہوا، ایک نیا ولولہ پیدا ہوا، اور متعدد

بزرگوں نے مل کر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک منتشر اکائیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کی، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر عظیم پیمانے پر اتحاد کی صورت نمایاں ہوئی، اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد بھی میدان میں دکھائی دی، اور ان کے اتحاد کا بھی غلغلہ ملک بھر میں گونجا، مجلس مشاورت وجود میں آئی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ جتنی تیزی سے یہ اتحاد ابھرا تھا، اتنی ہی تیزی سے بیٹھ بھی گیا۔ جمہوری حکومت کو یہ کیونکر گوارا ہوتا کہ یہ اتحاد اس کے سر پر مصیبت بنے، یہ اتحاد بکھرا، مگر اس طور پر بکھرا کہ جمہوریت کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں آیا۔

اس کے بعد جب کوئی صورت مسلمانوں کے اتحاد واجتماع کی ظاہر ہوئی، دیر نہیں گزری کہ اس میں رخنے پڑنے لگے، اور بالآخر وہ صورت پارہ پارہ ہوکر رہ گئی، دارالعلوم دیوبند نے اجلاسِ صدسالہ کیا، سرزمین دیوبند نے نہیں، سرزمین ہند نے مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع اور ہجوم کبھی نہ دیکھا تھا، مگر جب اجلاس صدسالہ سے فراغت ہوئی، تو دارالعلوم کے افتراق کی بنیاد پڑ گئی، اس اجتماع سے مسلمانوں کو جو کچھ فائدہ پہونچ سکتا تھا، تو وہ ہوا ہوگیا، اور نقصان کی متعدد راہیں کھل گئیں، پھر دارالعلوم کے دو ٹکڑے ہوئے، کچھ دنوں کے بعد مظاہر علوم کے دو ٹکڑے ہوئے، جمعیۃ علماء ہند کے دو ٹکڑے ہوئے، نقصان ہی نقصان، افتراق ہی افتراق!

پھر اتنا ہی نہیں، اجلاس صدسالہ کے بعد مرادآباد میں عین عید کے دن فساد عظیم ہوا، پھر میرٹھ، علی گڈھ، الہ آباد، کہاں کہاں نہیں اس کی آگ پھیلی، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان حادثات میں جمہوری حکومت کی سازش نہیں ہے؟ ممکن ہے نہ ہو، مگر ایک ہی قسم کے حادثات کا تسلسل کیا بتا رہا ہے؟

اور آگے بڑھئے، مسلم پرسنل لاء بورڈ نے، مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے اور ان کے تحفظ کے لئے مختلف الخیال علماء وقائدین کو ایک اسٹیج پر جمع کیا، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے، لیکن کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ اس کے بعد مسلسل

مسلمانوں پر مختلف جہتوں سے مسلم پرسنل لاء کے متعلق، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعے بے سروپا اعتراضات اور الٹے پلٹے سوالات اٹھائے جانے لگے، کہ خود مسلمانوں کا اعتماد مسلم عائلی احکام پر باقی نہ رہے، کہیں شاہ بانو کیس، کبھی متبنیٰ بل، کبھی عمرانہ کیس، کبھی کچھ اور، آپ کا کیا خیال ہے کہ اختلاف وافتراق کے یہ پودے خود بخود اُگ آتے ہیں، یا ان کا بیج کہیں اور سے آتا ہے؟

ابھی تازہ واقعہ دسمبر ۲۰۰۷ء کی آخری تاریخوں میں ضلع اعظم گڈھ کے قصبہ سرائمیر میں عظیم الشان تبلیغی اجتماع ہوا، اجتماع کے پہلے سے اس کی تشہیر ہو رہی تھی، کیا اس تشہیر سے جمہوریت کے کان بہرے تھے، پھر ہندوستان کے مختلف خطوں سے آدمیوں کا سیلاب امنڈا، اور بہت بڑا اجتماع ہوا، یہ اجتماع کیا نگاہوں سے اوجھل تھا، پھر نہایت خاموشی سے اجتماع سے پہلے ہی، اس کے ایک فعال نوجوان عالم حکیم محمد طارق کو اٹھالیا گیا، اجتماع ہوا، اور بہت بڑا ہوا، مگر سارا مسلمان اس میں الجھ گیا کہ طارق کو کیوں اٹھایا گیا، اور پھر مختلف علاقوں سے لوگوں کے اٹھانے کا سلسلہ قائم ہوگیا، تاکہ ایک ہی پر نگاہ مرکوز نہ ہو جائے، اور پھر وہی ہوا، جو حکومتیں چاہا کرتی ہیں، کہ اجتماع بے اثر ہوگیا، مسلمان دوسرے مسئلے میں الجھ کر رہ گیا، اور اجتماع پس پشت چلا گیا۔

پھر دار العلوم دیوبند میں ایک نیا کام ہوا، وہ یہ کہ مسلمانوں کو اور خصوصاً علماء اور مدارس کو جو بدنام کیا جارہا ہے کہ ’’دہشت گرد‘‘ ہیں، اور یہ الزام لگا کر نوجوان علماء کو جیل خانوں میں ٹھونسا جارہا ہے، یہ حکومت کی بدنیتی ہے، اور حکومت چونکہ جمہوری ہے، اس لئے کثرت تعداد کا مظاہرہ کر کے اس کو اس مذموم حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، جمہوریت کی نگاہ کرم نے، ملک میں کم ہی تنظیموں کو چھوڑا ہے، جو بڑی تعداد کو جمع کرسکیں، ہاں دار العلوم دیوبند کی آواز پر بہت بڑی تعداد اکٹھا ہوسکتی ہے، چنانچہ ہوئی، اور مختلف مکتب خیال کے لوگ شریک ہوئے، میڈیا نے اسے خوب پھیلایا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب مدارس اور مسلمانوں کو دہشت گردی کے الزام سے نجات مل جائے گی، لیکن ابھی اس اجلاس کی

تجویزوں کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ایک بڑے حادثے نے علماء ومدارس کی بڑی تعداد کو اپنی لپیٹ میں لے کر ان کے ذہن ودماغ اور ان کی قوت کار کو کہیں سے کہیں پہونچادیا۔ وہ یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر کو، جو دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ اجلاس کے روح رواں تھے، معزول کر کے دارالعلوم ہی کے ایک دوسرے استاذ کو جو صدر صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں، عبوری صدر بنادیا گیا، اب یہ تنازعہ نہ صرف جمعیۃ کو بلکہ دارالعلوم جیسے موقر ومحترم ادارے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، اجلاس کی روح تو فنا ہو ہی گئی، خود جمعیۃ اور دارالعلوم کے لالے پڑ گئے ہیں۔

عجیب شے ہیں آپ بھی جہاں بھی سایہ پڑ گیا  کہیں بہار لٹ گئی کہیں چمن اجڑ گیا
جو سینۂ ودماغ پر پڑی نگاہِ فتنہ گر  تو گھٹ گئے دل وجگر خرد سے ہوش لڑ گیا

میں نے اسے نیا کام کہا، وہ اس لئے کہ اس طرح کی تحریکات ......جن کا تصادم براہ راست حکومت سے ہو...... سے دارالعلوم کو ہمیشہ دور رکھا گیا ہے، دارالعلوم دیوبند اپنے روزِ اول سے انگریزی حکومت کے خلاف رہا ہے، دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی، ان کے خاص شاگرد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، پھر ان کے خصوصی تلمیذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی علیہم الرحمہ نے براہ راست انگریزی حکومت سے ٹکر لی تھی، مگر اس ٹکراؤ اور تصادم میں دارالعلوم کو شریک نہ کیا، اس کا میدان دارالعلوم سے باہر بنایا، چنانچہ کوئی تاریخ بتا نہیں سکتی کہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے انگریزی حکومت کے خلاف کوئی تحریک چلائی گئی ہو، یا کوئی جلسہ اس مد میں کیا گیا ہو۔ انگریزوں کے چلے جانے کے دس سال بعد تک حضرت مدنی قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بلکہ روح کل رہے، اور حالات بھی بہت آئے، یہاں تک کہ حکومت نے ایک مرتبہ دارالعلوم کی تلاشی بھی لی، مگر دارالعلوم دیوبند میں حکومت کے اقدامات کے خلاف کوئی عام جلسہ نہیں کیا گیا، اب اللہ جانے انھیں کے اخلاف کو کیا سوجھی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے دہشت گردی کے خلاف اجلاس بلا ڈالا۔ اس اجلاس کی

تحریک سے پہلے ایک اور اسی طرح کے موضوع پر سیمینار یا اجلاس کا پروگرام بنایا گیا تھا، جس کا موضوع تھا ''ملک کی آزادی میں علماء دیوبند کا کردار''۔ مجھے اسی پر اشکال تھا، اور سوچا تھا کہ ادب سے اربابِ انتظام کی خدمت میں عرض کروں گا کہ یہ کام دار العلوم سے باہر دوسری تنظیموں کے کرنے کا ہے، دار العلوم کو اس سے بچائیے، مگر وہ تو معرض التواء میں چلا گیا، اور خدا کرے کہ منسوخ ہی ہوجائے، لیکن اس سے بڑھ کر یہ مذکورہ اجلاس ہوگیا، اور اس کی خطرناکیاں بھی ظاہر ہوگئیں۔ اس تفصیل سے قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں نے اسے نیا کام کیوں کہا؟

اخیر میں، یہ عرض ہے کہ میں بہت چھوٹا ہوں، میری گزارش اگر درخورِ اعتنا نہ ہو تو بجا ہے، تاہم عرض تو کر ہی دوں کہ جمہوری تقاضوں پر دار العلوم دیوبند کو نہ دوڑائیے، دار العلوم اپنے اندر علماء کی تربیت کرتا رہے، انھیں علماء سے دین کی بقاء اور تحفظ کا انتظام ہوگا۔ دار العلوم دیوبند کو میدانِ کارزار نہ بنائیں، تعلیم جتنی پختہ ہوگی، علم میں جتنا رسوخ ہوگا، علوم نبوت سے جتنا تعلق ہوگا، علماء میں اتنی ہی پختگی ہوگی، اور ان کے واسطے سے عام مسلمانوں میں پختگی آئے گی۔ قوم کے ان کچے نونہالوں کو سیاست کی نذر نہ کریں، ورنہ نہ دین رہے گا، اور نہ سیاست! دار العلوم کا موضوع علم اور دین کی پختگی ہی ہے، یہاں سے پختہ ہوکر نکلیں گے، تو جس میدان میں اتریں گے، عزیمت وحوصلہ مندی ان کے ہمراہ ہوگی، اربابِ انتظام کوئی کام اس کے موضوع کے خلاف نہ کریں، اور دنیا والوں کی نقالی تو بالکل نہ کریں، وہ مجوزہ سیمینار جس کے دعوت نامے، اور مقالات کی فرمائشیں ملک بھر میں پھیل چکی ہیں، اچھا یہ ہے کہ انھیں سرے سے ختم کردیں۔ **اقول قولی هٰذا وأستغفر الله لی ولسائر المسلمین، آمین یارب العالمین۔**

(اپریل ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مروجہ جلسے

## بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

**الحمدللہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لو لا أن ھدانااللہ،وصلی اللہ علیٰ سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ، أمابعد!**

کسی معاشرہ میں جب کوئی چیز بے تکلف اور بغیر کسی ردوانکار کے رواج عام پاجاتی ہے،تو وہ بطوراصول مسلمہ کے،سب کے دلوں میں جاگزیں ہوجاتی ہے، بالخصوص جب کہ اس کا تعلق کسی دینی معاملے سے ہو،دین کی نسبت سے اس میں تقدس کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے،اگرکبھی کوئی اس رواج عام میں ترمیم یا اصلاح کرنا چاہتا ہےتو ملامت اورطعن کا نشانہ بن جاتا ہے،اس مجلس میں ایسے ہی ایک رواج عام کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مسلمانوں میں ایک عرصے سے ایک خاص طرح کے دینی جلسوں کا رواج ہے، یہ جلسے مدارس اسلامیہ میں بھی ہوتے ہیں،عوام کے حلقوں میں بھی ہوتے ہیں،کبھی انھیں جلسہ کہا جاتا ہے،کبھی اجلاس لکھا جاتا ہے،کبھی کانفرنس کے نام سے ہوتے ہیں،لیکن نام خواہ کوئی ہو،جلسہ کی ہیئت،اس کا پروگرام یکساں ہی ہوتا ہے،اس ہیئت کے جلسے کب سے رائج ہیں، مجھے تاریخ معلوم نہیں،لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کے ابتدائی رواج پر سو سال کا عرصہ ضرور ہوا ہوگا۔اس رواج سے پہلے جو کچھ ملتا ہے وہ یہ کہ علماء حق مسجدوں میں وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے، یا کسی جگہ مدرسہ میں، خانقاہ میں کوئی عالم،کوئی بزرگ ہفتہ میں کسی ایک دن

تقریر کر دیتے، لوگ وہاں حاضر ہوتے، اور ضرورت اور وقت کے مطابق ان کے وعظ ہوتے، بعض مرتبہ وعظ سے پہلے کوئی قاری قرآن کچھ آیتیں پڑھتا، پھر وہ بزرگ انھیں آیات کا ترجمہ کرتے، تشریح کرتے، عموماً وعظ کا یہی دستور تھا، ان دنوں خانقاہیں آباد اور معمور تھیں، لوگ ان خانقاہوں اور تربیت گاہوں میں حاضری دیتے اور دینی و دنیوی منافع سے مالا مال اور نہال ہو کر لوٹتے۔

پھر جب مسلمانوں کی حکومت یہاں سے گئی، اور انگریزوں نے قدم جمائے، تو پچھلی قدریں آہستہ آہستہ بدلتی گئیں، حقیقت کی جگہ نمائشیں ابھرنے لگیں، ہر چیز کے طور میں تبدیلی آنے لگی، تو وعظوں کا دستور بھی متاثر ہوا، اور اب جو صورت حال عرصہ سے ہمارے سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ ایک رات یا دو رات کا جلسہ ہوتا ہے، ایک ایک جلسہ میں متعدد مقررین کو دعوت دی جاتی ہے، خوش گلو نظم خواں بلائے جاتے ہیں، اشتہار شائع کئے جاتے ہیں، اکثر جگہوں پر جلسہ کے باضابطہ آغاز سے پہلے چھوٹے بڑے متعدد نعت خواں اپنے جوہر آزما چکے ہوتے ہیں، پھر جلسہ کا باضابطہ آغاز ہوتا ہے، لوگ ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں، تحریک صدارت ہوتی ہے، تائید ہوتی ہے، ادھر چند برسوں سے تائید کا سلسلہ کم رہ گیا ہے، اناؤنسر اعلان کے نام پر اچھی خاصی تقریر کر لیتا ہے، بعض اناؤنسر اشعار سے اپنی تقریر سجاتے ہیں، پہلے ایک یا دو قرأت ہوتی ہے، پھر نعت خواں طلب کئے جاتے ہیں، وہ کافی وقت لے لیتے ہیں، کبھی کبھی دو دو تین تین نعت خواں ہوتے ہیں۔ بریلویوں کا جلسہ ہوا، تو اس پر مجلس وعظ سے زیادہ محفل مشاعرہ کا گمان ہوتا ہے، اتنی دیر تک مجمع ادھر ادھر رہتا ہے، اناؤنسر آدابِ مجلس کا حوالہ دے کر لوگوں کو پنڈال میں سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن بکھرا ہوا ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں اس کا مخاطب نہیں ہوں، دوسرے لوگ ہیں، پھر جب تقریر شروع ہوتی ہے، تو تقریر کے انداز اور تقریر کرنے والے وزن کے اعتبار سے لوگ بیٹھنے لگتے ہیں، جلسوں میں دستور ہے کہ پہلے ہلکے پھلکے مقررین بلائے جاتے ہیں، پھر اصل مقرر کو دعوت دی جاتی ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نعت خوانی اور ہلکی پھلکی تقریریں اتنا وقت لے لیتی ہیں کہ مجمع اُکتا

جاتا ہے، سونے لگتا ہے، اور اصل مقرر کے حصے میں بچا کھچا مجمع اور وہ بھی ایک حصہ سوتا ہوا نصیب ہوتا ہے، اب یہ اس کی طاقت کا کرشمہ ہوتا ہے کہ سوتوں کو جگا لے اور بھاگتوں کو بلا لے۔ اس طرح رات کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے، اور سامعین کے پلے زیادہ تر یہی بات پڑتی ہے کہ فلاں صاحب تو بالکل بے مزہ تھے، یا فلاں صاحب غنیمت تھے، البتہ فلاں صاحب کی تقریر اچھی ہوئی، قلوب پر کیا اثرات ہوئے، ایمان کتنا جاگا، عمل کا ذوق ابھرا یا نہیں؟ اللہ کی محبت، رسول کی محبت، شریعت کی عظمت، آخرت کی رغبت، جنت کا شوق، جہنم کا خوف، دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ دل میں کتنا جما، عموماً مجمع ان سب چیزوں سے برکنار رہتا ہے، مقررین کے درمیان موازنہ ہی اصل موضوع کی جگہ لے لیتا ہے، اکثر جلسوں کا یہی حال دیکھنے میں آتا ہے۔

گرمی کا موسم جلسوں کے لئے موسم بہار ہے، اس موسم میں بکثرت جلسے ہوتے ہیں، ان جلسوں میں عوام الناس کی تعداد جتنی بھی ہوتی ہو، آس پاس کے مدارس کے طلبہ بکثرت جاتے ہیں اور اپنی تعلیم کا بڑا نقصان کرتے ہیں۔

میں بہت دنوں سے سوچا کرتا ہوں کہ جلسوں کے اس مروجہ دستور کو بدلنا چاہئے، اس دستور میں فائدے ضرور ہیں، مگر نقصان زیادہ معلوم ہوتا ہے، بعض لوگوں نے کچھ بدلا بھی ہے، مثلاً یہ کہ یہ جلسے بالعموم عشاء کے بعد شروع ہوتے ہیں، لیکن بعض جگہوں میں یہ تبدیلی کی گئی کہ مغرب کے بعد ہی سے جلسے شروع کئے جانے لگے، اور گیارہ بجے کے قریب ختم کئے جاتے ہیں، پھر عشاء کی نماز پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد کھانے پینے کی مشغولیت رہتی ہے۔ اس تبدیلی کا یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ دیر رات تک جلسہ ہوتا ہے اور صبح کو فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، یہ بات تو درست ہے کہ دین کے لئے جاگتے ہیں، اور دین ہی کا اہم فریضہ غائب کر دیتے ہیں، لیکن یہ خرابی مغرب بعد شروع ہونے والے جلسوں میں اتنی ہی ہے، بلکہ اس سے زائد جو عشاء کے بعد جلسوں میں ہے، گیارہ بجے جلسہ ختم ہوا، اچھا خاصا وقت عشاء کی نماز میں لگ جاتا ہے، پھر کھانے پینے کی مشغولیت رہتی ہے، نتیجہ کے اعتبار

سے رات وہیں تک پہونچ جاتی ہے، جہاں تک عشاء کے بعد جلسوں میں پہونچتی ہے، مزید یہ کہ انسانی کلام کی وجہ سے عشاء کی نماز وقت معہود سے موخر کرنی پڑتی ہے، یہ خود ایک نامناسب چیز ہے، پھر جلسوں میں لوگ آخر تک بیٹھنے کے عادی نہیں ہوتے، کتنے لوگ درمیان میں اٹھتے رہتے ہیں، کتنے لوگ واپس چلے جاتے ہیں، ان کی یا تو جماعت چھوٹتی ہے، یا سرے سے نماز ہی ترک ہو جاتی ہے، کیونکہ سستی اس وقت تک خوب غلبہ پا لیتی ہے، اس سلسلے میں مناسب یہی ہے کہ جلسہ عشاء کے بعد ہی ہو، دیر رات ہونے کا دوسرا علاج کرنا چاہئے۔

اس کی اصلاح کا طریقہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلسے کے آغاز کی بے ضابطہ کارروائیاں بالکل بند کردی جائیں، جلسہ عشاء کی نماز کے بعد فوراً شروع کر دیا جائے، اور اس میں نعت کا خانہ بند کر دیا جائے، نظم میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے سے بہتر نثر میں ہے، اور وعظ میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، وہ اللہ کی کبریائی اور نبی ﷺ کی محبت وعظمت اور عقیدت کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے، پس یہی نعت کافی ہے اور اصل ہے، باقی نعت خوانیاں گلے کا زور اور حظ نفس ہے۔ بس ابتداء میں قرآن کی تلاوت کرادی جائے، اس کے بعد اصل وعظ شروع ہو جائے، نہ مجمع کو پکارا جائے، نہ اس کا انتظار کیا جائے۔ تجربہ یہ ہے کہ تقریر شروع ہوتے ہیں مجمع آجاتا ہے، ایک گاؤں میں ہلکا پھلکا ایک جلسہ تھا، اناؤنسر صاحب مسلسل پکار رہے تھے کہ جہاں تک میری آواز جاتی ہو، لوگ جلسہ گاہ میں حاضر ہوں، میں سنتے سنتے اکتا گیا، میں جلسہ گاہ سے کچھ دور منتظمین کے ہجومِ ضیافت میں محصور تھا، میں عجلت میں اسٹیج پر پہونچ گیا، دیکھا تو مجمع نام کی کوئی چیز نہ تھی، اناؤنسر اکیلا گھگھیا رہا تھا، میں نے کہا کہ یہ گزارش بند کیجئے، اور جلسہ شروع کیجئے، قرأت ہوئی، ایک نعت ہوئی، اور میں نے تقریر شروع کر دی، دم کے دم میں مجمع جم گیا۔

اناؤنسر صاحب، اناؤنسری کے مد میں جو تقریر کرتے ہیں، وہ بھی موقوف کریں، اس طرح وقت بہت سا بچ جائے گا۔ اب وہ بات کہنا چاہتا ہوں جو اصل ہے، وہ یہ کہ ایک

رات میں کئی مقرر جمع نہ کیے جائیں، ایک ہی مقرر کو جو صاحب علم ہوں، دعوت دی جائے، وہ وعظ فرمائیں، اور اسی پر جلسہ ختم کر دیا جائے، مناسب وقت پر جلسہ ختم ہو جائے گا، واعظ کو بھی آسانی ہوگی، یہ کھٹکا نہ ہوگا کہ میرے بعد ایک اور صاحب آنے والے ہیں، مجھے جلدی کرنی چاہئے، کہیں ختم کرنے کا پرچہ نہ آجائے، کہیں سامعین کو شکایت نہ ہو، وغیرہ۔

سامعین کو بھی آسانی ہوگی کہ موازنہ کے مخمصے سے نجات پا جائیں گے، ایک ہی شخص کی طرف سے وعظ و نصیحت کی باتیں ہوئیں، وہ دل میں اتر گئیں، کئی تقریریں ہوتی ہیں تو کسی کا نقش نہیں جمتا، یہ جلسہ آسان بھی ہے، مفید بھی ہے، اور شب و روز کے نظام الاوقات میں خلل بھی نہیں ڈالے گا، اس طریقۂ کار میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید ''مقرر واحد'' تشریف نہ لائیں تب کیا ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ موعود مقرر کے نہ آنے کی صورت میں جلسہ موقوف کر دیا جائے، یا مقامی کسی واعظ و مقرر کی خدمت حاصل کر لی جائے، کام جب اللہ کے لئے ہوگا، تو کوئی اچھی شکل نکل آئے گی، اول تو انشاء اللہ ایسی نوبت نہ آئے گی، اور اگر خدانخواستہ ایک جلسہ موقوف کر دیا جائے تو آئندہ احتیاط ہوگی۔

بہرحال وعظ کا سلسلہ تو باقی رہنا چاہئے، اس سے مسلمانوں میں ایمان واخلاص کی روح دوڑتی ہے، مگر یہ کام اللہ کے لئے ہے، اس کو اسی طریقہ پر انجام دینا چاہئے، جیسا کہ اللہ کے واسطے ہونا چاہئے، نمود و نمائش، شہرت طلبی و ریاکاری، خلاف عقل و شرع کوئی کام نہ ہو۔

یہ گزارشیں تو جلسے کے منتظمین سے ہیں، کچھ باتیں حضرات مقررین سے بھی عرض کرنی ہیں، میری یہ حیثیت تو نہیں ہے کہ ان اصحاب ذی شان کی خدمت میں کچھ گزارش کر سکوں، تاہم چھوٹا ہی سہی، چھوٹے کی بات بڑے حضرات سن لیں، تو چھوٹے کی سعادت ہوگی۔ (مئی ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

## مقررین سے گزارش:

اوپر کی سطروں میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ میں چھوٹا آدمی ہوں اور جو بات کہنا

چاہتا ہوں وہ بڑی ہے، پس ’’چھوٹا منہ بڑی بات‘‘ کی مثل کہی جاسکتی ہے، لیکن بڑے لوگوں سے توقع ہوتی ہے کہ وہ چھوٹوں کی بات بھی سن لیتے ہیں، خدا کرے اچھی بات، اچھے انداز میں کہنے کی توفیق ہو۔

ہمارے یہ دینی جلسے وعظ نصیحت اور تذکیر واحتساب کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں، یہی چیزیں ان جلسوں کا موضوع ہیں، عقائد کا بگاڑ ہو، رسوم بد کا رواج ہو، فرائض سے غفلت ہو، حقوق اللہ سے لاپروائی ہو، حقوق العباد کی پامالی ہو، یا گناہوں میں ابتلاء ہو، ان سب پر روک ٹوک، شریعت پر عمل کرنے کی تلقین، اللہ ورسول کی محبت وعظمت، عبادات کی ترغیب، صحیح اسلامی زندگی گزارنے کی فہمائش، آخرت، قیامت، جنت ودوزخ کی تذکیر! یہی وہ عناصر ہیں جن سے ہمارے یہ جلسے ترکیب پاتے ہیں، یہ سب کام اللہ کے حکم سے انبیاء کرام علیہم السلام نے کئے ہیں، ان کے جانے کے بعد ان کے وارثین یعنی علماء ربانیین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ یہ خدمت انجام دیں۔ اسی لئے جلسوں میں حضرات علماء کرام کو مدعو کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات اللہ ورسول کے حوالے سے عوام الناس کو دین کی باتیں سمجھائیں، ان وعظوں کے اثر سے قلوب متاثر ہوتے ہیں، عبادت کی رغبت بڑھتی ہے، گناہوں سے خوف ہوتا ہے، جنت کا شوق اور جہنم سے ڈر پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔

پچھلے دور میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید اور حضرت مولانا عبد الحی صاحب نمونہ کے واعظین میں تھے، ان کے وعظوں سے قلوب کی کایا پلٹ ہوجاتی تھی، یہ حضرات بہت بڑے عالم، صاحب نسبت اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے، اور بڑے بڑے بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے، ان دونوں حضرات کے وعظ نمونے کے ہوتے تھے، ان کے وصال کے بعد بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ انھیں کے نمونے کے واعظ تھے، مولانا بہت کم وعظ کہتے تھے، اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا، تو کہہ دیتے۔ ایک مرتبہ کسی کے اصرار پر فرمایا:

’’وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں، اور نہ ہمارا وعظ کچھ موثر ہوسکتا ہے، وعظ کام تھا،

مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کا، اور انھیں کا وعظ موثر ہوسکتا تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت نہ حاصل کرلے، اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے، یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے، تو اس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے، اور طبیعت اس کی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کے لئے جاؤں، سو واعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم ازکم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اگر اتنا بھی نہ ہو تو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے، اور نہ اس کا وعظ موثر ہوسکتا ہے، ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا ہی نہیں، جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اس لئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں، اور نہ ہمارا وعظ موثر ہوسکتا، ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور سے موجود تھا، اور جب تک وہ ہدایت نہ کرلیتے ان کو چین نہ آتا تھا۔‘‘

واقعہ یہ ہے کہ وعظ کا موضوع ہدایت خلق اور تذکیر اہل ایمان ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ، اور یاددہانی کراتے رہو، یہ یاددہانی اہل ایمان کے لئے نافع ہے، تو جب وعظ کا موضوع ومقصود یہ ٹھہرا، تو واعظ کو اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے، کہ

(۱) وعظ محض اللہ کے لئے ہو، اس سے کوئی دنیاوی غرض، خواہ مال ہو یا جاہ ومرتبہ ، وابستہ نہ ہو۔

(۲) وعظ کے لئے صحیح معلومات اور صحیح علوم کا انتخاب کیا گیا ہو، واعظ درحقیقت اللہ ورسول کا ترجمان ہوتا ہے، اور ترجمان کے لئے ضروری ہے کہ جس کی ترجمانی کرنی ہے، اس کی منشا معلوم ہو، پھر اسے پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرتا ہو، بے علمی یا کم فہمی یا بدفہمی کے ساتھ جو وعظ ہوگا، وہ گمراہی کا ذریعہ بنے گا۔ جو لوگ ناقص علم اور غلط معلومات لے کر

کرسیٔ وعظ پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر الٹی سیدھی باتیں، اللہ ورسول کا نام لے لے کر بیان کرنے لگتے ہیں، وہ سخت خطرناک راہ پر چل رہے ہیں، بعض تو بالکل ہی بے علم ہوتے ہیں، مگر بے دھڑک بیان کرتے ہیں، اور اگر اس پر ٹوکا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم وعظ وتقریر نہیں کرتے، ہم تو بات چیت کرتے ہیں، اللہ جانے مجمع عام کے سامنے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر کچھ کہتے رہنے کو دو خانوں میں کیسے تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ بات چیت ہے، یہ سب کے لئے روا ہے، اور جو کچھ کہیں سب جائز ہے، اور کب وہی وعظ وتقریر ہو جاتی ہے، کہ اس کے لئے صاحب علم ہونا ضروری ہے۔

یہ محض فریب نفس ہے، ایسے لوگوں کو بیان کرنا جائز ہی نہیں ہے، جو صحیح اور قدرے معتد بہ معلومات نہ رکھتے ہوں۔ وعظ وبیان ایک عبادت ہے، اور بہت سی عبادات کے زندہ ہونے کا ذریعہ ہے، لیکن بے علمی اور جہل کے ساتھ یہ عبادت فاسد ہو جاتی ہے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے: لایقص إلا أمیر أو مامور أو مختال (رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم)

وعظ وبیان تین ہی آدمی کرتے ہیں، امیر، یا مامور، یا متکبر۔

مشہور تابعی حضرت شریح سے منقول ہے کہ یہ حدیث وعظ وتقریر سے متعلق ہے، یعنی امراء وسلاطین خطبہ وتقریر کے ذمہ دار ہوتے تھے، لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، اور انھیں تنبیہ وتذکیر کیا کرتے تھے۔ اور مامور، وہ ہے جسے امام وعظ وتقریر کے لئے متعین کرے، پس وہ لوگوں کو نصیحت کرے اور ان کے سامنے بیان کرے۔ اور مختال وہ ہے جو از خود اپنے آپ کو واعظ ومذکر بنا کر پیش کرے، اور جاہ ومرتبہ کے حصول کے لئے اسٹیج پر بیان کرے، وہ نمائش اور کبر کے اندر مبتلا ہو۔ (بذل المجھود، ج:۱۱ص:۳۹۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وعظ اسے کہنا چاہئے جو مامور وماذون ہو، یہ امر اور اجازت اصلاً تو حکومت اسلامی کی طرف سے ہونی چاہئے، لیکن ہمیں اسلامی حکومت کہاں نصیب؟ تو کم از کم معتبر علماء ومشائخ کی طرف سے اجازت ہو، بلکہ حکم ہو، ورنہ یہ کام نمود

ونمائش اور کسب معاش کا ایک ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے۔

علماء اور واعظین کی ذمہ داریاں بہت بڑی ہیں، ان کے اقوال وارشادات کی طرح ان کے اعمال واحوال بھی لوگوں پر اثر کرتے ہیں، بات تو بہت اچھی ہو، لیکن حال اچھا نہ ہو، یا عمل کچا ہو، تو بات کی تاثیر تو جاتی ہی ہے، عالم کا وقار بھی ختم ہوتا ہے، اور جب عالم کا وقار اور واعظ کی عظمت قلب میں نہ ہو تو نہ وعظ موثر ہوتا، اور نہ دین کی محبت ہی دل میں پیدا ہوتی، اور عوام کے دلوں میں سب سے زیادہ بے وقعتی جس چیز سے پیدا ہوتی ہے وہ مال کی حرص اور اس کا سوال ہے، بلکہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں عالم کے قلب میں مال کی عظمت ہے، تو صرف اتنے سے وہ نگاہوں سے گر جاتا ہے، حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مشہور اہل کتاب تابعی حضرت کعب احبار علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ: اصحاب علم کون لوگ ہیں؟ عرض کیا کہ وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، فرمایا کہ وہ کیا چیز ہے جو علماء کے قلوب سے علم کو نکال باہر کرتی ہے؟ عرض کیا کہ: طمع، یعنی حرص اور لالچ۔ (رواہ الدارمی)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ اعلان ان کی قوموں میں یہ ہوتا تھا کہ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى اللهِ، میں اپنی اس خدمت پر جو ہدایت وارشاد کے متعلق کر رہا ہوں، تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو محض اللہ پر ہے۔ اس اعلان نے تمام اقوام کو اس طرف سے مطمئن کر دیا کہ یہ جو کچھ ہم سے کہا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں مال وجاہ کا کوئی سوال نہ ہوگا، اگر قوموں کو اس کا ذرا بھی خطرہ گزرتا، تو وہ سب سے زیادہ اسی پر شور مچاتیں، اور اگر کسی کا مقصد کسی درجہ میں حصول زر ہو، تو وہ اپنی مخاطب قوم کی مخالفت کبھی مول نہ لے گا، بلکہ وہ ان کی من پسند باتیں کرے گا، تاکہ اس کی جیب گرم ہوتی رہے۔

ایک عالم اور واعظ کی یہ بڑی تذلیل ہے کہ اسے حرص مال کی طرف منسوب کیا

جائے، اوراس کا وقار صد گونہ بڑھ جاتا ہے، اوراس کی عظمت ومحبوبیت المضاعف (کئی گنا) ہوجاتی ہے، جب اس کا قلب مال وجاہ کی حرص سے بے نیاز ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی: **یا رسول اللہ ! دلنی علیٰ عمل إذا عملته أحبنی اللہ وأحبنی الناس** ۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے، کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی، آپ نے فرمایا: **إزهد فی الدنیا یحبک اللہ**، دنیا سے بے رغبت ہوکر رہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، **اور إزهد فی ما أیدی الناس یحبک الناس**، (ابن ماجہ) اور جو کچھ دوسروں کے ہاتھ میں ہے، اس سے بے رغبت ہوجاؤ، تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ اُسوہ اور رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی عام علماء کرام اور بالخصوص واعظین ذوی الاحترام کیلئے ایک بہترین رہبر ہے، لوگوں کو نفع پہونچایئے، مگران سے کسی حصول نفع کی آس مت رکھئے، حق تعالیٰ کی ذات اور خزانۂ غیب پر یقین اور اطمینان کیجئے۔

خالق تعالیٰ کے حضور نیازمندی اور مخلوق سے بے نیازی، علماء اور واعظین کی بہترین پناہ گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نیک توفیق بخشیں۔ آمین (جون ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

میں نے گزشتہ صفحات میں مروجہ جلسوں اور حضراتِ مقررین کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنے کی ہمت کی تھی، چند اور گزارشیں کرنی تھیں، انھیں اب پیش کررہا ہوں، خدا کرے ان سے نفع ہو۔

(۱) پہلی گزارش آج کی مجلس میں یہ ہے کہ جلسوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، دوردور تک اس کی اطلاعات پھیلائی جاتی ہیں، لوگ مقرر اور واعظ کی شخصیت اوراس کی تقریر کی کشش میں دور ونزدیک سے آتے ہیں، جس قدر مقرر سے تعلق ہوتا ہے، عقیدت ومحبت ہوتی

ہے، اسی کے بقدر دلچسپی سے لوگ پہونچنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس لئے مقرر حضرات کو چاہیئے کہ جب کہیں پہونچنے کا وعدہ کریں، تو ہر ممکن جدوجہد کر کے وہاں پہونچیں۔ وعدہ کا پورا کرنا ایمان کے لوازم میں سے ہے، اور وعدہ کی پروانہ کرنا، معمولی اعذار کی وجہ سے اس کو ٹال جانا، نفاق کی علامت ہے، پس جب وعدہ کرلیا، تو شدید مجبوری ہو تو الگ بات ہے، ورنہ ضرور پہونچ جانا چاہیئے، اور جب شدید مجبوری ہو، تو اس کی اطلاع منتظمین جلسہ کو ضرور کر دیں، چاہے اس کے لئے آدمی بھیجنا پڑے، اور اس اطلاع میں غلط بیانی ہرگز نہ کی جائے، ورنہ بات کھل کر رہتی ہے پھر علماء اور دینداروں کا بھرم جاتا ہے، اور عوام میں بدگمانی پھیل جاتی ہے۔

کافی عرصہ کی بات ہے! ایک شہر میں جلسہ تھا، یہ جلسہ کسی ایک شخص نے اپنی ذمہ داری پر منعقد کیا تھا، ایک ہی مقرر کو مدعو کیا تھا، وہ صاحب ناموری کے اسٹیج پر ابھر رہے تھے، جلسے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے، اشتہارات چھپ گئے، عین جلسے کے دن عصر کے وقت ایک صاحب میرے پاس آئے کہ فلاں صاحب ایک جلسہ کرا رہے ہیں، سب انتظامات ہو گئے ہیں، کچھ دیر پہلے مقرر صاحب کو فون کیا گیا، تو وہ بہت بیمار ہیں، صاحب فراش ہیں، انھوں نے معذرت کی ہے، اب منتظمین کے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں، آپ چل کر جلسہ میں وعظ کہہ دیں۔ اس وقت مجھے جلسوں سے اور جلسے کی تقریروں سے بغایت وحشت تھی، میں نے بہت معذرت کی، مگر وہ نہ مانے، مجھے زبردستی کھینچ کر لے گئے، دوروز کے بعد معلوم ہوا کہ وہی مقرر، اسی دن، اسی وقت دوسری کسی جگہ جلسہ میں شریک تھے۔

اسی کے ساتھ اہل انتظام کو بھی لازم ہے کہ جب تک حضراتِ مقررین کی جانب سے وعدہ نہ ہو، اشتہار میں نام نہ شائع کریں، اس سلسلے میں اہل انتظام کی طرف سے بہت کمزوری دیکھنے میں آتی ہے، مقرر اور واعظ کو معلوم نہیں، اور شہرہ ہے کہ وہ فلاں جگہ جا رہے ہیں۔ دیانت داری، راست بازی، ایفائے وعدہ دین کے بنیادی لوازم میں ہیں، پس جو لوگ دین کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں، انھیں ان باتوں کا خصوصی التزام ضروری ہے۔

(۲) حضراتِ مقررین وواعظین، کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان کا مقصود محفل پر اپنا رنگ جمانا اور لوگوں کو اپنی قیادت وسیادت کی طرف دعوت دینی مقصود نہیں ہے، بندے سب بندے ہیں، انھیں بندہ ہی بنا رہنا زیب دیتا ہے، یہاں تو انبیاء تک کے بارے میں حکم ہے کہ: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۔ (آل عمران:۷۹)

کسی بشر کا کام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائے، اور وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ تم لوگ میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم اللہ والے بنو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس کو پڑھتے ہو۔

جب نبی کو یہ حکم ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ دوسرے تمام وہ لوگ جو لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں، ان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کو، اپنی شخصیت کو درمیان سے ہٹا کر محض اللہ کی طرف، اللہ کے دین کی طرف، اللہ کے بندوں کو دعوت دیں، کیونکہ کتاب اللہ پڑھنے پڑھانے کا تقاضا یہی ہے۔

بہرحال وعظ وتقریر کا کام تو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ الذاریات:) تذکیر کرتے رہو، کیونکہ تذکیر اہل ایمان کو نفع دیتی ہے۔ لیکن تذکیر کس طرح ہو یہ مسئلہ خاصا اہم ہے، جس طرح اہل ایمان دوسرے اعمال میں آزاد نہیں ہیں، شریعت کے پابند ہیں، ایسے ہی وعظ وتقریر بالفاظ دیگر تذکیر بھی پابند ہیں، یہاں تذکیر کے لئے دو بنیادی چیزیں ہیں، ایک قرآن، دوسرے حدیث۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اصول تفسیر پر ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ''الفوز الکبیر'' ہے۔ اس میں ذکر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے بنیادی علوم پانچ ہیں، ۱۔ علم احکام، ۲۔ علم مخاصمہ، ۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ، ۴۔ علم تذکیر بایام اللہ، ۵۔ علم تذکیر بالموت ومابعد الموت۔ احکام میں عبادات، معاملات، خاندانی

مسائل اور حکمرانی وسیاست کے احکام ہیں کہ کیا واجب ہے، کیا مستحب ہے، کیا مباح ہے، کیا حرام ہے، کیا مکروہ ہے وغیرہ، اس علم کا تعلق فقیہ سے ہے۔

علم مخاصمہ کا تعلق دنیا کے گمراہ فرقوں سے ہے، ان کی غلطیوں کی نشاندہی اور سچی اور حق بات کا بیان، اس علم کا تعلق ''متکلمین'' سے ہے۔ان دونوں علوم کے بعد علم تذکیر ہے ،یعنی وعظ ونصیحت، پھراس کی تین شاخیں ہیں، ہر شاخ ایک مستقل علم ہے، اول اللہ تعالیٰ کے احسانات ،نعمتوں ، زمین وآسمان کے تکوینی انتظامات ومصالح اور حکمتوں کے ذریعے سے بندگان خدا کی تذکیر! دوسرے حق تعالیٰ کے تصرفات جو بندوں کے درمیان ان کے ایمان واطاعت یا کفروسرکشی کے نتیجے میں واقع ہوئے ہیں، ان کا بیان، اوران کے ذریعے نصیحت ویاددہانی! تیسرے موت اورموت کے بعد کے حالات کا بیان اوران کے واسطے سے بندوں کی رہنمائی!

ان تینوں علوم کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''وحفظ تفاصیل ایں علوم والحاق احادیث وآثار مناسبہ آں، وظیفۂ واعظ ومذکر است۔''ان علوم کی تفصیلات کو یاد رکھنا، اوران کے مناسب احادیث وآثار کو شامل کرنا واعظ ومذ ّکر کا وظیفہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جوعلوم ومعارف صراحۃً بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کا تعلق واعظ ومذ ّکر سے ہے،پس واعظ اور خطیب کی ذمہ داری ہے کہ ان امور کوقرآن شریف ہی سے بیان کرے، کیونکہ ان سب مضامین کا ذکرقرآن کریم میں ہے،اوراللہ تعالیٰ جس مضمون کو بیان کریں گےتو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ موثر اورعمدہ کس کا بیان ہوسکتا ہے، ہاں اس کی اجازت ہے کہ وہ ان قرآنی مضامین کی وضاحت کیلئے بطور تشریح کے احادیث وآثار سے کام لے۔

مقصد یہ ہے کہ مقرر حضرات قرآنی مضامین توحید، رسالت ،عقیدۂ آخرت ، اللہ کے احسانات ، نیک وبد اعمال کے حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب وعذاب کا تذکرہ قرآن کی

آیتوں کی روشنی میں کریں، ان کے مناسب احادیث بیان کریں، آثار صحابہ کے ذریعے شرح کریں، غرض وعظ ایسا ہو کہ ایمان میں اضافہ ہو، دنیا کی عظمت دل سے نکلے، مسلمان دین وایمان پر جمیں ۔ ترغیب بھی دیں اور اعمال بد کے نتائج سے بھی ڈرائیں، واہی تباہی قصے نہ سنائیں، فحش اور بے حیائی کو ابھارنے والی باتوں سے احتراز کریں ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سامعین کے دل کو موہنے والی ہنسی مذاق والی باتوں سے قطعاً اجتناب کیا جائے ۔ بعض مقررین کا طرۂ امتیاز یہی بن جاتا ہے کہ وہ ہنسنے ہنسانے کی باتیں وعظ میں کرتے ہیں ، ایسے انداز اختیار کرتے ہیں کہ سامعین میں قہقہہ برپا ہوجاتا ہے، یہ بات قطعاً نامناسب ہے، جن دلوں کو اللہ ورسول کے کلام سے متاثر ہونا تھا، وہ قہقہوں کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں ۔ وہ جلسہ ہی کیا جس میں ایمان کی حرارت تیز ہونے کے بجائے ہنسی مذاق سے قلب ودماغ مردہ ہوجائے ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

**إن العبد ليقول الكلمة لايقولها إلا ليضحك به الناس، يهوى بها أبعد مابين السماء والارض وانه ليزل عن لسانه أشد مما يزل عن قدميه (رواه البيهقى فى شعب الايمان)**

آدمی کوئی بات صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے بولتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اتنے نیچے گرجاتا ہے جو زمین وآسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ ہے، اور بلاشبہ آدمی زبان سے اتنا زیادہ پھسلتا ہے کہ قدم سے اتنا نہیں پھسلتا ۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان)

یہ حدیث ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہئے، ہنسنے ہنسانے کو مشغلہ بنانا خود گناہ ہے، اور اس سے سامعین کے قلوب برباد ہوتے ہیں، جلسہ کا جو مقصد ہوتا ہے ، اور جس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، وہ نہ صرف فوت ہوجاتا ہے بلکہ آدمی اللہ کی ناراضگی کا شکار بن جاتا ہے ۔

اسی طرح وعظ وتقریر میں گاکر اشعار پڑھنا، اور اسے محفل قوالی بنادینا بھی ایک سنگین غلطی ہے، ٹھوس مضامین، سنجیدہ انداز میں بیان کرنا چاہئے، دوران وعظ مناسب شعر

یاد آجائے، تو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر جب شعر خوانی میں ترنم ریزی شروع ہوجاتی ہے تو مجلس کا مزاج بدل جاتا ہے، اور بعض مقررین تو نثر کو بھی ترنم اور لحن کے ساتھ ادا کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں کبھی کبھی ہوں، تو بعض اوقات کچھ افادیت رکھتی ہیں، مگر پوری تقریر اسی رنگ میں ہونے لگ جائے، یا زیادہ تر، تو وہ ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلسہ میں سنجیدگی کا ماحول برقرار رکھنا چاہئے، قرآن وحدیث کے حوالوں سے مضامین بیان کئے جائیں، مضمون کے مناسب انبیاء کرام، صحابہؓ و بزرگانِ دین کے موثر واقعات ذکر کئے جائیں، لیکن تقریر لمبی کرنی ہوتی ہے، تو دوسری بہت سی باتیں بے سروپا کی لوگ شامل کردیتے ہیں، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

باتیں تو کچھ اور بھی ہیں، مگر اتنی بھی کافی ہیں، اگر ان کا خیال رکھ لیا جائے، اللہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین (جولائی ۲۰۰۸ء)

⦿⦿⦿⦿⦿

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# وَلٰكِنَّهٗ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (سورۃ الاعراف:۱۷۶)

## (مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی)

ایک فاضل دیوبند نے ایک دُنیاوی امتحان آئی۔ایس کا پاس کیا تھا، اب وہ کلکٹر بننے کے لائق ہوگیا تھا، اس پر خوشی اور فخر ومباحات کی دھوم مچ گئی تھی، اس کے احتساب میں یہ مضمون تحریر کیا گیا۔

دین اور علم دین اللہ تعالیٰ کا ایک بیش قیمت احسان ہے، اس کے واسطے سے حق تعالیٰ انسان کو دنیا وآخرت کی رفعتیں عطا فرماتے ہیں۔علم دین کے کچھ تقاضے ہیں، کچھ حقوق ہیں، کچھ آداب ہیں، انھیں بجالایا جائے، تو علم دین کے حاملین ایک لازوال درجہ اللہ کے نزدیک بھی اور کائنات کے نزدیک بھی پاتے ہیں، اور اگر اس کے تقاضوں کا، اس کے حقوق کا، اور اس کے آداب کا لحاظ نہ رکھا گیا، بلکہ ان سے اعراض اور روگردانی کی گئی، تو چاہے دنیا داروں میں اس کی قدرے واہ وائی ہوجائے، مگر نہ خالق کے نزدیک اس کا کوئی درجہ رہتا، نہ مخلوق کے یہاں اس کی کوئی قدر ہوتی۔

اس موضوع پر قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے بہت وضاحت کے ساتھ رہنمائی فرمائی ہے۔علمائے دین کے لئے بہت غور وفکر کا محل ہے، اور عامۃ الناس بھی خصوصیت کے ساتھ اسے سمجھیں، اور مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی جس پر دنیاداری کا غلبہ ہے، اپنے ایمان کی شمع ذرا تیز کرکے اس کو دیکھیں، اور اپنی خواہش نفس اور دنیاوی نظریۂ وتاویل سے ہٹ کر اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر غور کریں۔حق تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں بنی اسرائیل جو پیغمبروں کی وارث اور صاحب کتاب قوم تھی، کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ، وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۔(سورۃ الاعراف ۱۷۶/۱۷۵)

اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام الٰہی میں) میں پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں (یعنی دلائل حق کی سمجھ دی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے (دانش وفہم کا) وہ جامہ اتار دیا، پس شیطان اس کے پیچھے لگا، نتیجہ یہ نکلا کہ گم راہوں میں ہو گیا۔

اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کے ذریعے اس کا مرتبہ بلند کرتے (یعنی دلائل حق کا جو علم ہم نے دیا تھا، وہ ایسا تھا کہ اگر وہ اس پر قائم رہتا اور ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ پاتا) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی تو اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ مشقت میں ڈالو تب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے، اور چھوڑ دو جب بھی ایسا ہی کرے، ایسی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں، تو (اے پیغمبر) یہ حکایتیں لوگوں کو سناؤ تا کہ ان میں غور وفکر کریں۔

غور وفکر کی دعوت قرآن کریم دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں۔ اربابِ عقل پر فرض ہے کہ ان دونوں آیتوں کے مضامین سے سرسری طور پر نہ گزریں۔ اللہ نے ایک صاحب عقل وشعور اور ذہین وذکی شخص کو اپنی آیتوں اور اپنی خاص خاص نشانیوں کا علم دیا تھا، یہ شخص اگر ان آیات کا اور ان کے علم کا حق ادا کرتا، تو بارگاہِ ربوبیت کی جانب پرواز کرتا، اور بلندیوں پر چڑھتا چلا جاتا، مگر اس نے اس علم کی قدر نہیں، وہ علم جو بلندیوں کے لئے اور اعلیٰ مقامات کے لئے موضوع تھا، اس ظالم نے اس کو اپنے اوپر سے اتار پھینکا اور پرِ پرواز کو کاٹ کر نیچے گرا دیا، اور اس کے نتیجے میں زمین کی طرف پستی میں جھک گیا، اور گرتا چلا گیا، دنیائے فانی کی طمع میں پڑ گیا، حطامِ دنیا کو منتہائے مقصود بنالیا، دنیا کے جاہ ومرتبہ اور مال ومنال کو مقصودِ زندگی قرار دے لیا، پھر اس کا رُخ بارگاہِ الوہیت کے بلند مراتب سے پھر گیا۔

اب وہ عزت کی بلندی سے گرا اور ذلت کی پستی میں جا پڑا۔اس حد تک کہ وہ اس ذلیل کتے کی طرح ہوگیا، جو ہر حال میں زبان باہر نکال کر ہانپتا رہتا ہے، شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور گمراہی کے گہرے غاروں میں اسے ڈھکیل دیا۔

علم دین، آیاتِ الٰہی، شعائر اللہ کو حاصل کرنے کے بعد اگر کوئی ان سے منہ موڑ کر زمینی مال ودولت اور عزت وجاہ کے درپے ہوا، وہ خدا کی پھٹکار میں گرفتار رہوا، اور شیطان کا کھلونا بنا۔یہی وجہ ہے کہ اکابر سلف اور بزرگانِ امت علم دین حاصل کرنے کے بعد کسی اور علم وفن میں جانے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

باندہ کے مسلّم بزرگ حضرت مولانا قاری سیّد صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرما رہے تھے کہ ایک شخص دس بارہ سال مدرسوں میں، خالص دینی ماحول میں، دینی علوم کو حاصل کرنے کے لئے وقت لگاتا ہے، پھر جب وہ پڑھ کر فارغ ہوجاتا ہے تو وہ دوسرے دنیاوی مشغلوں میں پڑجاتا ہے، تو ضرور اس نے کوئی ایسی غلطی اور دناءت کی ہوگی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس معزز مقام سے نکال باہر کیا۔

ہم نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک بزرگ عالم کو دیکھا کہ ایک شخص علم دین کی تحصیل کے بعد علم طب کے مشغلے میں جانا چاہتا تھا، انھوں نے فرمایا کہ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد گدھے کی سواری کیسی معلوم ہوتی ہے؟ وہ حضرات جنھوں نے علم دین سے پیمانِ وفا باندھا، اور پھر اسی میں اپنے کو فنا کردیا، دنیا نے ان کو جس قدر عظمت کی نگاہ سے دیکھا، وہ تاریخ اور تذکروں کے روشن صفحات پر تو مسلسل چمک دمک رہے رہے ہی ہیں، اس سے بڑھ کر حضور عالی ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ملاحظہ ہو:

**قال رسول اللہ ﷺ من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ وبین النبیین درجۃ واحدۃ فی الجنۃ** (رواہ الدارمی) مشکوٰۃ شریف: کتاب العلم، الفصل الثالث)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی موت اس حال میں آئے آئی کہ وہ علم کی طلب

اور اس کے مشغلے میں اس لئے لگا ہوا ہے کہ اس سے اسلام کو نئی تازگی اور زندگی ملے، تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درجات میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

یہ آدمی کی آخری خوش نصیبی ہے کہ انبیاء کی قدوسی جماعت کے بعد اسی کا شمار ہو، یہ علم دین کی فضیلت کی معراج اور اس کے مشغلے کا نقطۂ عروج ہے۔

موضوع بہت طویل ہے، قرآن کریم نے ایجاز و بلاغت کے ساتھ اسے چند کلمات و حروف میں پورے طور پر ادا کر دیا ہے۔

قرآن کریم کی اس ہدایت و تنبیہ کے بعد کسی مسلمان کے دل میں یہ وسوسہ باقی نہیں رہنا چاہیئے کہ علم دین کی تحصیل کے بعد، اس عالم کے لئے اس سے ہٹ کر کوئی اور وجہ فضیلت ہوسکتی ہے! اگر کوئی شخص ایسا سوچتا یا سمجھتا ہے، تو اسے اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیئے، اس کے دل میں روگ ہے، اس روگ کا علاج کرنا چاہیئے۔

اس تمہید کے بعد سنئے! کچھ دنوں سے اخبارات میں، دنیاداروں کی مجلسوں میں، نیم دینداروں کی محفلوں میں خوشی کا شادیانہ بجایا جارہا ہے کہ فلاں مولوی قاسمی نے آئی۔اے۔ایس میں کامیابی حاصل کی ہے، اب وہ کلکٹر ہوسکتا ہے، اور اللہ جانے کیا ہوسکتا ہے، اس کے لئے استقبال کی مجلسیں سجتی ہیں، اور یہ مجلسیں سجانے والے محض دنیادار ہوں تو کچھ قابل حیرت بات نہیں ہے، افسوس اس کا ہے کہ بعض وہ لوگ اور وہ جماعتیں، جو دین کی نمائندگی کے دعووں میں مبتلا ہیں، وہ بھی یہ محفلیں سجاتی ہیں، جیسے اس قاسمی نے کوئی میدانِ کارزار فتح کرلیا ہو، کوئی بڑا کارنامہ انجام دے لیا ہو۔ انگریزی کے چند حروف، اور حساب کی چند گنتیاں یاد کر کے لوگ اس سے بڑے بڑے عہدے فتح کر رہے ہیں، ایک قاسمی آئی۔اے۔ایس پاس کر کے، گرا یا اٹھا؟ مرا یا جیا؟ معزز ہوا یا ذلیل ہوا؟

اسے کیا ہونا چاہیئے تھا، اور کیا ہوگیا۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے آئینے میں اس کو دیکھئے، خوش نما ہو؟ یا بدنما! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور اس طرز فکر کے مدارس میں قوم کے بہترین ذہن و دماغ نہیں رہتے؟ رہتے ہیں، اور کالجوں اور

یونیورسٹیوں سے بڑھ کر رہتے ہیں، مگر ان کا موضوع دوسرا ہے، ان کا میدان الگ ہے، ان کے ذہن ودماغ اور حوصلہ وعزیمت کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے، ساری دنیا اس وقت دین کے خلاف چل رہی ہے، بے دینی اور دنیا پرستی کی آندھیاں چل رہی ہیں، مگر یہ حضرات قدم جما کر اتنی فراست وذہانت سے کھڑے ہیں کہ تنہا خود نہیں ایک امت کی امت کو سنبھالے ہوتے ہیں، ان کے علم وحکمت اور عزم وحوصلہ کے سامنے کسی آئی۔اے۔ایس کی کیا حیثیت ہے؟

مگر نظریات الٹ گئے، خیالات پستی کی طرف جھک پڑے ہیں، قدریں بدل دی گئی ہیں، ہے تو پیش پا افتادہ شعر، مگر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بس کیا عرض کروں، جگر خون ہورہا ہے، قلم شق ہورہا ہے، سینے سے آہ نکل رہی ہے، اور تلخ نوائی کررہا ہوں۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

إن علینا إلا البلاغ وماتوفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب

(ستمبر ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ایک خاص اور اہم دعا

یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی عارضی ہے اور مختلف حالات و حادثات کی آماجگاہ بھی! جو قومیں اسی دنیا کو زندگی کا محور و مقصد قرار دئے ہوئے ہیں، ان کے لحاظ سے اس دنیا کی راحت بھی اہم ہے اور اس کی تکلیف و جراحت بھی سنگین ہے، ان قوموں کی ناکامی یہ ہے کہ زندگی تکلیف و مصیبت میں گزرے، اور کامیابی یہ ہے کہ وہ دولت و ثروت، عزت و حکومت کی راحت میں بسر ہو، لیکن یہ ان لوگوں کا حال ہے، جو آخرت کی زندگی سے غافل ہیں، اور دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ غٰفِلُوْنَ، (سورہ روم:) یہ لوگ دنیاوی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے یکسر غافل ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُوْنَ، (جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، اور وہ دنیاوی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہیں، اور وہ جو ہماری آیات سے غافل ہیں،) انسانوں کے اس طبقہ کا انجام کیا ہے؟ فرماتے ہیں: أُولٰئِكَ مَاوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورہ یونس: ۷،۸) یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا ان کے عمل اور کسب کے نتیجے میں جہنم ہے۔

انسانوں کا یہ طبقہ عدد کے اعتبار سے ہمیشہ اکثریت میں رہا ہے، اور اسی کثرت کی وجہ سے کائنات انسانی اکثر دھوکے میں رہی ہے کہ شاید یہی لوگ کامیاب ہیں، لیکن جس کا انجام جہنم ہو اسے کامیاب کیونکر کہا جا سکتا ہے، ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ اے ہمارے رب! جسے آپ نے جہنم میں

ڈالدیں، اسے آپ نے ذلت وخواری میں غرق کردیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اب کائنات انسانی کے دوسرے طبقے کا تذکرہ کتاب الٰہی میں پڑھئے: إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيْمَانِهِمْ ، تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ دَعْوَاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، (سورہ یونس: ۹/۱۰) بے شک جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، ان کے کام کی بدولت ان کا رب راہ ہدایت پر انھیں چلاتا ہے، نعمتوں کی جنت میں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ان کی پکار سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ہے، اور ان کی مبارکباد سلام ہے، اور آخری پکار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہوگی۔

ان دونوں طبقوں کے درمیان خط فاصل اور امتیازی نشان کفر اور ایمان ہے، یہیں سے دونوں کی راہیں الگ ہوتی ہیں، ایک راہ کی انتہا ابدالآباد کی جہنم ہے، اور دوسری راہ کی انتہا دائمی عیش وراحت کی جنت ہے۔

دنیا کے موافق اور ناموافق حالات سب پر آتے ہیں، خواہ وہ لوگ ہوں جو کفر وشرک کی راہ پر چل رہے ہوں اور خواہ وہ لوگ ہوں جو ایمان وعمل صالح کی شاہراہ پر گامزن ہوں۔ لیکن ایمان اور کفر کی بنیاد پر ان حالات کے آثار ونتائج الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ایک فرمان والاشان ملاحظہ کیجئے، امام مسلم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح کی کتاب الزہد میں مشہور صحابیٔ رسول حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: عجباً لامر المومن، إن أمره كله له خير وليس ذلك لأحد إلا للمومن إن أصابته سراء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراً له ، مومن کا حال بھی عجیب ہے، اس کا سب حال اس کے لئے خیر ہے، اور یہ بات مومن کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر وہ خوشحال ہوتا ہے، تو شکر کرتا ہے، اور اس کے لئے خیر ہوتا ہے، اور اگر بدحالی میں گرفتار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے، پس یہ بھی اس کے حق میں خیر ہوتا ہے۔

حالات ہر دور میں اور ہر جگہ بنتے بگڑتے ہیں، لیکن مومن کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ مومن ہے، حالات جیسے بھی ہوں، مومن کو ایمان کے تقاضے پر عمل کرنا ہے، وہ تقاضا شکر گزاری کا ہو یا صبر واستقلال کا، بہر حال دونوں اس کے حق میں خیر ہوں گے۔

آج کل حالات کی سنگینی میں اہل ایمان اپنے صاحب ایمان ہونے کو بھولنے لگتے ہیں، اور آفات ومصائب کی شکایت اس طرح کرنے لگتے ہیں، جیسے دنیا ہی کا نفع نقصان سب کچھ ہے، یہ حال اچھا نہیں ہے، مصائب خواہ انفرادی ہوں خواہ اجتماعی! اہل ایمان کے حق میں خیر کا پہلو رکھتے ہیں، ایسے وقت میں جب مصائب کی یلغار ہو، ایک مومن کا وظیفہ دو چیزیں ہیں، صبر اور تقویٰ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (سورہ آل عمران: ۱۲۰) اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو دشمنوں کی کوئی سازش تمہیں مضر نہ ہوگی، یہ حقیقت ہے کہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطہ کی گرفت میں ہے۔ صبر کہتے ہیں طبیعت اور قلب کی مضبوطی اور جماؤ کو کہ مصائب کی آندھیاں اسے ہلا نہ سکیں، اور تقویٰ کہتے ہیں ہر اس کام سے بچ نکلنے کو جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آتی ہو۔ یہ دونوں چیزیں مومن کی زندگی میں بڑی اہم ہیں، انھیں مضبوطی سے تھام لیا جائے تو بڑا پختہ کارنامہ ہوگا۔ ایک اور آیت ملاحظہ ہو: لَتُبْلَوُنَّ فِیْ أَمْوَالِکُمْ وَأَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ أُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ أَشْرَکُوا أَذیً کَثِیْراً ، وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ آل عمران: ۱۸۶)

(یاد رکھو!) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان ومال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ، اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکوں سے تمہیں دکھ پہونچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں، اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں پر ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچتے رہے) تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں یہ بڑے عزم و ہمت کی بات ہوگی۔

ان دونوں آیتوں پر غور کیجئے، مومن کے لئے نہ کہیں مایوسی ہے، اور نہ گھبراہٹ اور بے صبری ہے، یہ ایمان کی کمزوری ہے کہ آفات اور بلاؤں کی یورش میں آدمی گھبرا اٹھے، فریق مقابل کے بالمقابل طیش میں آکر خلاف عقل وشرع بات اور حرکت کرنے لگے، اس سے اجتماعی طور پر مایوسی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے، سیاست کا ظلم جب بڑھتا ہے تو مظلوم کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹنے لگتا ہے اور شریعت سے انحراف پیدا ہونے لگتا ہے، اس سے ظالم کا ظلم مزید بڑھ جاتا ہے۔

ہر مسلمان تک انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی یہ پیغام پہونچا دینا چاہئے کہ مومن نہ بزدل ہوتا، کہ ذرا ذرا سی بات سے ڈر جائے، اور اس کا دل کمزور ہو جائے، یا موت کا خوف اس پر اس طرح طاری ہو جائے، جیسے یہ کوئی ہولناک خطرہ ہو، مومن کو زندگی سے بڑھ کر موت پیاری ہوتی ہے، کہ وہ دائمی عیش وراحت میں داخل ہونے کا واحد دروازہ ہے، نہ وہ بے صبرا ہوتا ہے، کہ ہر تکلیف پر چیخ اٹھے، وہ ایک مضبوط چٹان ہے، جس پر سینکڑوں طوفان بلا گزر جائیں، آندھیوں کے جھکڑ اس سے ٹکرائیں، سیلاب کی طغیانی اس کے پاؤں سر پٹکے، مگر وہ از جارفتہ اور حواس باختہ نہیں ہوتا، پھر ایسا بھی نہیں ہے وہ بے سہارا ہو، اس کا کوئی یار ومددگار نہ ہو، سنئے! عرش کی بلندیوں سے بشارت نازل ہو رہی اور قرآن بن کر ہمیشہ کی تسلی بن رہی ہے، ذٰلِکَ بِاَنَّ اللہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَأَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَھُمْ، (سورہ محمد: ۱۱) یہ (اہل ایمان کی فتح ونصرت اور کفار کی شکست وریخت) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے آقا ومولیٰ ہیں، اور اس لئے کہ کفار کا کوئی حامی وناصر نہیں ہے۔

مومن خود مضبوط ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ کا سہارا اسے مضبوط تر بناتا ہے، اسے اس سہارے سے ایک لحظہ کے لئے غافل نہیں ہونا چاہئے: اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ، (سورہ آل عمران: ۱۶۰) (مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے، تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے، لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ دے، تو (بتلاؤ) کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے

بعد تمہارا مددگار ہوسکتا ہے؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے، پس جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھیں۔

پس جب اہل ایمان کے پاس اتنا مضبوط، اتنا پختہ سہارا موجود ہے، تو انھیں کس بات کا اندیشہ ہے؟ البتہ یہ فریضہ بجالانا ہوگا کہ اس سہارے تک پہونچیں اور اسے حاصل کریں، اس سہارے تک کیونکر رسائی ہوگی؟ اس مسئلے کو خود اسی مہربان پروردگار نے حل کردیا ہے، فرماتے ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلوٰةِ إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۳) مسلمانو! صبر اور نماز کے ذریعہ سہارا پکڑو، یقین کرو! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو، ان دونوں کی راہ سے تم طاقت اور سہارے کے سرچشمے تک پہونچ جاؤ گے، اور وہاں سے تم پر قوتوں کا فیضان ہونے لگے گا، صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات ومصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہوجائے، اور نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر وفکر سے روح کو تقویت ملتی رہے، جس جماعت میں یہ دونوں قوتیں پیدا ہوجائیں گی، وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتی۔

صبر اور نماز یہ دو راہیں وہ ہیں جن کا تعلق براہ راست فتح ونصرت اور امداد وسہارے سے ہے، ان دونوں سے روگردانی کے بعد سہارے کی توقع خام خیالی ہے۔

ایک تیسری چیز اور ہے، جس کے واسطے سے آدمی کو خدا کا سہارا ملنا آسان ہوجاتا ہے، اور قرآن وحدیث میں اسے بہت اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور وہ ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء ومناجات! قرآن کریم کی پہلی ہی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم فرمائی ہے: إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

دعاؤں کا اشارہ پاکر ربوبیت والوہیت کے سب سے بڑے رازداں نے (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام حاجات انسانی کو دعا کے پیرایہ میں ڈھال دیا ہے، اور نہایت تضرع وزاری سے، حق تعالیٰ کی بارگاہ عالم پناہ میں انسانی ضروریات کو تفصیل کے ساتھ پیش کردیا ہے،

سنت نبوی کا یہ عظیم الشان باب ہے، ایک زبردست لازوال خزانہ ہے، جو ایک مومن کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے۔

اس وقت ملت اسلامیہ پر جن حالات کی یلغار ہے، حدیثوں کے خزانے میں ایک اہم دعا ہے، جسے ہر مومن کو حرزِ جان بنالینا چاہئے۔ یہ دعا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے، اس لئے اس کے بابرکت اور مقبول ہونے میں شبہ نہیں۔ امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ (درج ذیل) ان کلمات کے ذریعے اپنے اصحاب کے لئے دعا کئے بغیر اٹھ جاتے ہوں۔''

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَامِنْ خَشْيَتِکَ مَاتَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْکَ وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَکَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَاوَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَاعَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَاتَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَاتَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَامَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَاتُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنا اتنا خوف نصیب فرمایئے، جس کی وجہ سے آپ ہمارے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجائیں، اور اپنی وہ طاعت نصیب فرمایئے، جس کی وجہ سے آپ ہمیں اپنی جنت میں پہونچادیجئے، اور اتنا یقین بخشئے جس کی وجہ سے آپ دنیا کی مصیبتیں ہمارے اوپر سہل فرمادیجئے، اور ہم کو ہماری سماعت، ہماری بینائی اور ہماری طاقت سے اس وقت تک استفادہ کا موقع دیجئے، جب تک آپ کو ہم کو زندہ رکھیں، اور اس کے خیر کو ہمارے بعد باقی رکھئے، اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لیجئے، اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنایئے، نہ ہمارے علم کا منتہا بنایئے، اور ہم پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرمایئے

جو ہم پر رحم نہ کرے۔

دعا کے یہ الفاظ اور دعا کا یہ اُسلوب پیغمبرانہ معجزہ ہے، مختصر تشریح ملاحظہ فرمائیے، اوراس دعا کو یاد کر لیجئے، اور اسے دل سے اور زبان سے اللہ کے حضور پیش کرتے رہئے۔

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَامِنْ خَشْیَتِکَ مَاتَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ : خشیت اس خوف کو کہتے ہیں، جو عظمت اور محبت کے نتیجے میں انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، اس خوف میں وحشت اور فرار نہیں ہے، بلکہ کشش اور محبت ہے، معرفت ہے، لیکن اس خشیت کا حاصل ہونا بھی اللہ ہی کی جناب سے ہوتا ہے، پس انھیں سے گزارش کی گئی ہے کہ اپنی خشیت کا اتنا حصہ عطا فرمادیں، جس کی بنیاد پر گناہوں سے رکاوٹ ہو جائے۔ اسلوب دیکھئے، یہ نہیں فرمارہے ہیں کہ وہ خشیت گناہوں سے روک دے، بلکہ یہ عرض کررہے ہیں کہ یا اللہ! آپ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جایئے، واقعہ یہی ہے کہ گناہوں سے بچانے والی ذات اللہ ہی کی ہے، پس ان کی طرف نسبت کرنا توحید کی کمالِ رعایت ہے، ہاں ظاہری سبب کے درجے میں خشیت کا دخل ضرور ہے، یہی اسلوب اس کے بعد دعائیہ جملوں میں بھی ہے۔

وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ : کمال اطاعت وفرمانبرداری کا احاطہ کمزور انسان سے کیا ہوسکتا ہے، لیکن اتنی طاعت ضرور عطا فرمادیجئے، کہ اس کی بدولت، آپ ہمیں جنت میں پہونچادیجئے، خشیت کے ذریعے جہنم سے بچاؤ ہوگا، اور طاعت کی برکت سے حق تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمائیں، یہی دونوں باتیں انتہائے مقصود ہیں۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ، ۃ سورہ آل عمران: ۱۸۵) تو جو کوئی آتش دوزخ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا، تو کامیابی تو اسی کی کامیابی ہوئی، اور دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک کارخانۂ فریب ہے۔

وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا : اس کارخانۂ دنیا میں مصائب

وآلام کا نشانہ ہر شخص بنتا ہے، لیکن ان کی شدت وخفت کا تعلق انسان کے قلب وباطن کی کیفیات سے ہوتا ہے، اگر آدمی کو اللہ کی ذات پر یقین ہو، اس پر پختہ ایمان ہو، اللہ کی حکمت ورحمت پر اعتماد کرتا ہو، جن سب کا حاصل ''یقین'' ہے، تو اسے ہر مصیبت سہل ہوگی، اور اگر اس کے برخلاف ہو، تو معمولی سی تکلیف بھی ناقابل برداشت ہوگی، لیکن یقین کی یہ کیفیت عطیۂ خداوندی ہی ہے، اس لئے اس کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا گیا، یہ کیفیت دنیا میں راحت کی کنجی ہے۔ روایت میں مصیبات کے بجائے مصائب کا بھی لفظ آیا ہے۔

**وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا:** آدمی کو اللہ تعالیٰ نے بدن میں جو قوتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں کان اور آنکھ کی طاقت خصوصی طور سے اہم ہے، لیکن یہی دونوں چیزیں جلد ساتھ چھوڑتی ہیں، سماعت کم ہونے لگتی ہے، تو آدمی آوازوں سے بے بہرہ ہوجاتا ہے، بصارت کمزور ہوجاتی ہے، تو آدمی مشاہدے سے محروم ہوجاتا ہے، اور ان دونوں کے نہ ہونے سے انسان کو جس محرومی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، لیکن دوسری قوتیں بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتیں، لیکن زندگی ہی میں یہ طاقتیں علیٰحدگی اختیار کرنے لگتی ہیں، اور آدمی مجبور اور بے بس ہوکر رہ جاتا ہے، اللہ سے مانگا گیا ہے کہ زندگی کے اخیر لمحات تک ان تمام قوتوں کو ہمارے لئے کارآمد بنائے رکھئے، انسانی مجبوریوں سے بچے رہنے کی کتنی عمدہ یہ تدبیر ہے۔

**وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا:** مشہور محدث امام نووی علیہ الرحمہ نے ''کتاب الاذکار'' میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں سے استفادہ تادم مرگ قائم اور صحیح رکھئے، یعنی ہوش وحواس دم اخیر تک قائم رہیں، جبھی ان سے استفادہ صحیح طور سے ممکن ہوسکے گا، گویا خود یہ قوتیں بھی قائم اور باقی رہیں، اور عقل وہوش بھی باقی رہے، کہ ان سے استفادہ درست رہے۔

**وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلَىٰ مَنْ ظَلَمَنَا:** ثار کہتے ہیں ظلم کے انتقام کو، مظلوم کو اپنے ظلم کے انتقام لینے کی طاقت کہاں ہے؟ پھر کیوں نہ خدا ہی کے حوالے کرے، اور خود بیٹھا انتقام

کا تماشہ دیکھے، دست دعا دراز کررہے ہیں کہ کسی نے ہم پر ظلم کیا تو اس پر ہمارا انتقام مسلط کردیجئے۔

وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا: اور جس کسی کو ہم سے عداوت ہو، اس کیلئے مقابل میں ہماری مدد فرمایئے، ظلم اور دشمنی کا اس سے بہتر کیا علاج ہوگا؟

وَلَاتَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا: مصیبت تو آنی ہے، لیکن دین میں نہ آئے، دین میں مصیبت دین کو نقصان پہونچائے گی، دنیا کی مصیبت دنیا کو نقصان پہونچائے گی، دنیا کا نقصان گوارا ہے، کیونکہ اس میں اگر نقصان ہوگا، تو فائدے بھی بہت ہوں گے، مگر دین کی مصیبت وہ ہے جو اللہ کو ناراض کردے گی، اس لئے اسے مصیبت سے محفوظ رکھئے، یہ ہے دنیا پر دین کی ترجیح!

وَلَاتَجْعَلِ الدُّنْیَا أَکْبَرَ هَمِّنَا وَلَامَبْلَغَ عِلْمِنَا: عموماً دیکھا جاتا ہے کہ آدمی کی تمام ہمت اور حوصلہ حصول دنیا میں صرف ہوتا ہے، انسان کو سارا اہتمام، ساری فکر، تمام سوچ دنیا ہی کے لئے ہوتی ہے، آدمی ہر پھر کر دنیا ہی کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے، اس لئے اس کا تمام علم اور ساری معلومات دنیاوی چیزوں کے متعلق ہوتی ہے، دنیا وکسب دنیا کے متعلقات میں کمال درجہ کا علم رکھتا ہے، لیکن دین وایمان، معرفت ومحبت کی معلومات صفر ہوتی ہیں، حق تعالیٰ سے مانگا گیا کہ ہمارا سارا حوصلہ، ساری فکر دنیا ہی سے متعلق نہ ہو، اور نہ ہمارے علم کا کل تعلق دنیا ہی سے ہو۔

وَلَاتُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا: ہم پر ایسی حکومت، ایسی طاقت، ایسے افراد نہ مسلط ہوں جو ہم پر رحم نہ کریں، ظالم اور بے رحم حکومت، بے مروت اور خود غرض ذمہ دار سے ہم کو بچایئے۔

یہ بہت جامع دعا ہے، اس دعا میں تمام انسانی مجبوریوں کا علاج ہے، اور درجات کمال کے حصول کا سبب ہے، جی چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان اس دعا سے خالی نہ رہے۔ واللہ الموفق

☆☆☆☆☆ (نومبر، دسمبر ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سفرِ حج (۱۴۲۹ھ)

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ، أمابعد!

الحمد لله بنعمته تتم الصالحات ، ۱۴۲۹ھ (۲۰۰۸ء) کا حج بخیر وخوبی پورا ہوگیا۔ ہندوستان سے اس مبارک سفر کا آغاز ۳۰/اکتوبر کو ہوا، کئی جگہ سے مدینہ شریف کے لئے پہلی پرواز ۳۰/اکتوبر کو متعین ہوئی اور عازمین حج بصد شوق وذوق مدینہ شریف کے لئے مذکورہ تاریخ میں روانہ ہوئے ، پچھلے حج سے واپسی میں بعض ایسی مشکلات سے حجاج کو سابقہ پڑا تھا جس کا پہلے سے تجربہ نہ تھا، اس سال حج کمیٹی نے اور دوسرے حضرات نے ان مشکلات پر قابو پانے کے انتظامات کئے ، مگر انسان کا انتظام ہمیشہ ادھورا رہتا ہے، ایک سوراخ بند کیا جاتا ہے، تو دوسرے سوراخ کھل جاتے ہیں، چنانچہ اس سال روانگی کی ابتدائی تاریخ ہی سے مشکلات کا ایک نیا عنوان ظاہر ہونے لگا۔

حج کمیٹی کا حکم تھا کہ فلائٹ کی تاریخ سے ایک روز قبل، مرکز روانگی میں جاکر اپنے سفر کی رپورٹ درج کرادی جائے ، چنانچہ جن لوگوں کو اطلاع تھی کہ پہلی فلائٹ سے ان کی روانگی ہے، انھوں نے ایک روز پہلے سفر کی رپورٹ درج کرادی۔ مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور سے جانے والے حجاج کا قافلہ جو چھ افراد پر مشتمل تھا، اس نے بھی رپورٹ درج کرادی، اس کی رسید حج کمیٹی نے دیدی، اور حکم ہوا کہ ۲۹/اکتوبر کی شام تک آجایئے اور پاسپورٹ اور سفر کے کاغذات حاصل کر لیجئے ، ۳۰/کی صبح ساڑھے گیارہ بجے فلائٹ ہے۔ یہ قافلہ ۲۹/

اکتوبر کو مغرب کی نماز کے بعد حج آفس بنارس پہونچ گیا، کاؤنٹر پر حاضری ہوئی تو اطلاع بخشی گئی کہ قافلہ کے ایک فرد کے ویزے میں تصویر کے اندر کچھ نقص ہے، اس لئے وہ پاسپورٹ بمبئی مرکزی حج کمیٹی کے دفتر سے نہیں آیا ہے، کس ذوق وشوق سے یہ قافلہ بنارس گیا تھا کہ کل شام تک مدینہ منورہ کی پاک سرزمین کا دیکھنا نصیب ہوگا، اور اب حال یہ ہے کہ پوچھنے پر لاعلمی ظاہر کی جارہی ہے کہ معلوم نہیں کب وہ ویزا درست ہوگا، اور کب آئے گا ۔صبر تو کرنا ہی تھا۔ مگر سوچئے جس ذوق کے ساتھ لوگ گھر سے نکلے تھے اس کا کتنا کڑا امتحان تھا، صبر ہو تو کیسے ہو؟ بنارس سے بمبئی فون پر رابطہ کیا گیا، وہاں سے صبر کی تلقین کی گئی، پھر رات گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس آزمائش میں صرف ہمارا ہی قافلہ نہیں، بہت سے لوگ ہیں، بس

اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے　　　ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے

پھر معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے پہلی فلائٹ سے جو لوگ جانے والے تھے، ان کے پاسپورٹ ہی سرے سے نہیں آئے ہیں، وہاں تو حجاج کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک گیا، شور شرابہ، گتھم گتھا، جس سے جو ہوسکا، اس نے کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی پہلی فلائٹ جا ہی نہ سکی۔

خیر لکھنؤ میں جو ہوا، اس سے وہاں کی مشکلات میں کچھ کمی نہیں آئی، کچھ اضافہ ہی ہوا۔ ہم بنارس میں تھے، بنارس میں عارضی حج ہاؤس جو بنا تھا، وہ ناتمام حالت میں تھا، جو حجاج آگئے تھے اور ان کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ہوگئی، انھیں خاصی مشکلات کا سامنا تھا، حاجیوں کے ساتھ ایرپورٹ تک پہونچانے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد آتی ہے، اب ان سب کے ٹھہرنے کا، کھانے پینے اور اس کے اخراجات کا مسئلہ! اچھا خاصا دردسر! اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ مشکل کب آسان ہوگی؟ حج ہاؤس میں کب تک رہنا ہوگا، لوگ پریشان تھے۔

ہمارا قافلہ تو بفضلہٖ تعالیٰ بنارس کے ایک دیندار اور مخیّر تاجر، ہمارے پرانے محبّ ومحبوب جناب الحاج منظور احمد صاحب ...... اللہ تعالیٰ انھیں رحمتوں اور برکتوں سے نوازے

رہے ...... کا مہمان تھا، اور وہ اور ان کے سعید وصالح صاحبزادگان بہت خوش اسلوبی اور انشراح سے مہمان نوازی میں لگے رہے، خیر قدرے انتظار کے بعد ۳۱ر اکتوبر کو وہ پاسپورٹ ویزا کی سابقہ خرابی کے ساتھ ممبئی سے آگیا، اور ہمارا قافلہ یکم رنومبر کو مدینہ شریف کے لئے روانہ ہوگیا، اور کسی دشواری کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں حاضر ہوگیا۔

آمدم برسر مطلب! اس سال بھی حجاج کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، نوعیت بدلی ہوئی تھی، مگر پریشانی برقرار رہی، میں ان پریشانیوں کو تفصیل سے بیان نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان پریشانیوں کا منبع کیا ہے؟ اور کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ حجاج کا یہ سفر عبادت ٹھیک ان کی خواہش کے مطابق ہوجائے؟

حج کے سفر میں دورِ حاضر میں پانچ ادارے مصروف عمل ہوتے ہیں۔ حج کمیٹی، حکومت ہند، معلمین، سعودی حکومت اور فلائٹوں کا ادارہ، اور ان تمام اداروں کی خدمات عازمین حج کے انتظامات سے متعلق ہوتی ہیں۔ یہ پانچوں ادارے عازمین حج کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں۔

عازمین حج کی خدمت کے لئے ایک پرائیویٹ ادارہ بھی مصروفِ عمل ہوتا ہے، اور وہ ہے ٹورکارپوریشن۔ اس کے متعلق ہم آئندہ کبھی گفتگو کریں گے۔

اس سال جو پہلی دشواری عازمین حج کے سامنے آئی، وہ وقت پر پاسپورٹ نہ ملنے کی تھی، اس میں یا تو حج کمیٹی سے قصور ہوا ہے کہ اس نے جہازوں کی تاریخ کا اور بکنگ کا اعلان تو کردیا، مگر ویزا وقت پر حاصل نہ کرسکی، یا سعودی قونصلیٹ کا قصور ہے کہ اس نے ویزا جاری کرنے میں سستی کی، حج کمیٹی تو یہی کہتی ہے، اب اللہ جانے کس کا قصور ہے۔ بنارس میں تو حجاج کی طرف سے بے صبری کا اظہار نہیں ہوا، یا ہوا تو کم ہوا۔ مگر لکھنؤ میں بہت ہوا، اور اس بے صبری نے معاملہ کو اس حد تک بگاڑ دیا کہ پریشانی کا سلسلہ حرمین شریفین تک دراز ہوگیا۔

حجاج کرام کی زبانی حج کمیٹی کی شکایتیں بہت سننے میں آتی ہیں، اس میں شبہ نہیں،

کہ کچھ کوتاہیاں ایسی ضرور ہوں گی جن کا الزام حج کمیٹی پر چسپاں ہوگا، مگر یہ سوچنا چاہئے کہ ایک لاکھ سے زیادہ عازمین حج کے سفر کی تمامتر کارروائی حج کمیٹی کرتی ہے، بیرون ملک سفر کی جو نزاکتیں ہیں، اسے وہی جانتے ہیں جنھیں اس طرح کے سفر کا سابقہ پڑتا ہے۔ حج کمیٹی ان تمام نزاکتوں سے عہدہ برآ ہوکر حاجیوں کو تمام دستاویزات مہیا کرتی ہے، تب یہ نہایت آسانی سے بغیر کسی تردد اور کاوش کے ہوائی جہاز پر بیٹھ جاتے ہیں، اور جدہ یا مدینہ شریف میں بسہولت اتر جاتے ہیں، ورنہ اگر یہ سارے کام خود عازمین حج کے ذمے کردئے جاتے تو صدہا مشکلات میں گرفتار ہوتے، اور بڑی تعداد میں لوگ سفر بھی نہیں کرسکتے، خود پاسپورٹ بنوانے کا مرحلہ ایک ہمالیہ طے کرنے سے کم نہ ہوتا، اللہ جانے کتنے اخراجات ہوتے، کتنی مشکلوں سے پاسپورٹ بنتا، پھر اس پر ویزے کا مسئلہ اور جانکاہ ہوتا۔ کتنا دوڑنا پڑتا، کتنے مصارف ہوتے، پھر یہ ہفت خواں طے ہوتا، تو ہوائی جہاز کی سیٹ بک کرانے کا قصہ درپیش آتا، پھر سفر، سفر سے واپسی! حج کمیٹی کے ذریعے سب مرحلے آسان ہوگئے۔ ایک فارم بھرا، متعینہ رقم ادا کی، منظوری ہوئی۔ اب پاسپورٹ بنوانا، ویزا حاصل کرنا، ہوائی جہاز کے آمدورفت کی سیٹ بک کروانا، پرواز کی جگہ متعین کرنا، اور حجاج کی مدد اور رہنمائی کے لئے خدمات کو پیش کرنا، یہ سب حج کمیٹی کی ذمہ داری! عازم حج نے پاسپورٹ حاصل کیا اور حرمین شریفین پہونچ گیا۔ وہاں مکان نہیں تلاش کرنا ہے، کرایہ نہیں طے کرنا ہے، یہ سب مرحلے حج کمیٹی اور دوسرے ادارے مل کر طے کرچکے ہوتے ہیں۔ حاجی نامزد بلڈنگ اور اس کے متعین شدہ کمرے میں جاکر بستر کھول دے، بلکہ بستر کھلا ہوا پا جائے۔

اتنے بڑے انتظام میں کچھ کوتاہی ہوجائے، کچھ کسی کے حق میں کمی رہ جائے، تو وہ قابل درگزر ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ مجموعی اعتبار سے اس کا کردار کیسا رہا؟ اگر ہر شخص اپنے ارادے اور خواہش کے پیمانے پر حج کمیٹی کے عمل کو پرکھنے لگے، تو حج کمیٹی جیسا ایک محدود ادارہ تو کیا بڑی بڑی حکومتیں فیل ہوجائیں گی۔

جس مسلمان پر حج فرض ہے، اس پر حج کے انتظامات بھی فرض ہیں، مسلمانوں کا

کوئی ادارہ اگر اس کے انتظامات کا کفیل ہو جاتا ہے تو عازمین حج کو اس کا شکر گزار ہونا چاہئے ، اور اگر کسی خاص شخص کو کوئی تکلیف پہونچ جائے ، تو درگزر کر دے ، کیونکہ انتظام بڑا ہے ، اور اس کے بہت سے شعبے ایسے ہیں جو حج کمیٹی کے اختیار میں نہیں ہیں ، ان کے لئے اسے بہت سے اداروں اور دفتروں سے مدد لینی پڑتی ہے ، کسی ایک جگہ اگر گاڑی اٹک گئی ، تو ہر طرف کاموں کا چکہ جام ہو جاتا ہے۔

مثلاً اس سال بعض وجوہ سے جن کی تفصیل بیان کرنی ضروری نہیں ، سعودی قونصل نے ویزا لگانے میں دیر بھی کی اور بے احتیاطی بھی ، اس میں حج کمیٹی مجبور ہو گئی۔ اس نے وقت پر سارے انتظامات کر دیئے ، مگر ویزا ہی ملنے میں تاخیر ہوئی ، تو کیا وہ قابل درگزر نہیں۔

دوسرا ادارہ جس کی حجاج کرام کو بہت شکایت ہوتی ہے ، وہ معلمین کا ادارہ ہے ، جسے آج کی اصطلاح میں ''مکتب'' کہا جاتا ہے ، انھیں زیادہ ان کے نام سے نہیں مکتب نمبر کے ساتھ جانا جاتا ہے۔

معلمین کی شکایت پرانی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کا سفر نامہ پڑھئے ، اور معلمین کی تصویر دیکھئے۔ لیکن اس دور میں حجاج کرام کی خدمت چونکہ متعدد اِداروں میں تقسیم ہو گئی ہے ، اور اس کا ایک محدود حصہ معلمین کو ملا ہے ، اس لئے اب یہ ادارہ زیادہ محل شکایت نہیں رہ گیا ہے۔ مجھے تفصیل سے معلوم نہیں کہ معلم کی خدمات کیا کیا ہیں؟ اتنا جانتا ہوں کہ بسوں کا انتظام معلم سے متعلق ہے ، جدہ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ، پھر مشاعر حج میں بسوں سے لے جانا اور لے آنا اور خیموں کا انتظام کرنا معلم کی ذمہ داری ہے ، اور وہ یہ ذمہ داری پوری کرتے ہیں ، ہاں وقت کے تعین اور اس کی تعمیل میں کچھ ادھر ادھر ہوتا ہے ، لیکن ظاہر ہے کہ حاجیوں کے اس ہجوم اور بسوں کی بھیڑ بھاڑ میں وقت کی پابندی مشکل ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معلمین سے کوتاہی نہیں ہوتی ، بعضے امور ضرور رُونما ہو جاتے ہیں جنھیں بجز معلم کی غلطی کے کچھ نہیں کہا جا سکتا ، مثلاً پچھلے سال کے حج میں منیٰ سے جب

عرفات کو روانگی ہو رہی تھی تو ایک معلم کے کارندوں نے رات کو ۱۲/ بجے کے بعد سے ہنگامہ شروع کیا کہ عرفات چلو، عرفات چلو، لوگ دوڑ دوڑ کر جانے لگے، بعض لوگوں نے بلکہ زیادہ تر حجاج نے سوچا کہ فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا جائے، فجر کی نماز کے بعد جب خیموں کے گیٹ کی جانب چلے تو معلوم ہوا کہ گیٹ بند ہے، گیٹ کیپر سے بہت خوشامد کی گئی، مگر اس نے نہیں کھولا، خیال ہوا کہ آفس میں کوئی ذمہ دار ہوگا، اس سے بات کی جائے، مگر آفس خالی تھا، گیٹ پر ایک بھیڑ تھی، مگر نہ بس آرہی تھی، نہ گیٹ کھل رہا تھا، یہاں تک کہ سروں پر تیز دھوپ آ گئی، مگر بہرا گونگا گیٹ کیپر بے حس تھا۔ دھوپ میں کھڑے کھڑے دس بج گئے، معلم کی بس نہ آتی نہ آئے، مگر گیٹ تو کھلے کہ لوگ پرائیویٹ سواریوں سے، یا ہمت والے پیدل ہی نکل جائیں، مگر ساڑھے دس بجے تک گیٹ نہیں کھلا، ساڑھے دس بجے جب عرفات جانے کا وقت تنگ ہو گیا اور حجاج نے شور مچایا، تو اس نے یہ کہہ کر گیٹ کھولا کہ اب بس نہیں آئے گی۔ میں اور میرا بیٹا محمد عادل سلمہٗ دونوں پیدل چل دئے، ایک کیلومیٹر چلنے کے بعد ایک پرائیویٹ گاڑی ملی، اس نے پچیس پچیس ریال مانگے، ہم عجلت میں اس پر بیٹھ گئے، اس نے عرفات میں پہونچایا۔ مگر قدرے تاخیر ہو چکی تھی، اس نے جہاں اتارا، وہاں کیا کریں، اپنے دوست مفتی عبدالرحمٰن سلمہٗ کو فون کیا، وہ بھاگے ہوئے آئے اور اپنے خیمے میں لے گئے۔

یہ جو بحران پیش آیا، یہ یقیناً معلم کی بدانتظامی تھی، اور مزید یہ کہ وہ ایسے بے حس اور سر پھرے کارندوں کو متعین کر دیتے ہیں جو کوئی رعایت کرنا، یا عقل سے کام لینا جانتے ہی نہیں۔

اس سال ۱۲/ ذی الحجہ کو جب منیٰ سے مکہ مکرمہ کو روانگی تھی، ہمارے خیمے میں اعلان ہوا کہ بس مغرب بعد آئے گی، لوگ منتظر رہے، مگر بس نہیں آئی، آس پاس کے خیموں کے پاس بس آتی رہی اور لوگ روانہ ہوتے رہے، مگر ہمارے خیمے کے سامنے حجاج کی بھیڑ لگی رہی، مگر بس نہیں آئی۔ عشاء کا وقت ہو گیا، بہت سے لوگ پیدل اور کئی لوگ پرائیویٹ

سواریوں سے نکل گئے۔ ہمارا قافلہ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا، ہمارے علاوہ اعظم گڈھ سے پانچ حاجی صاحبان اور تھے، جو معمر اور بزرگ تھے، خیمہ میں عشاء کی نماز ادا کی، اور پیدل نکل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور جا کر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی، اور ایک نیک دل سعودی نے اپنی گاڑی پر بیٹھالیا، ہجوم کی وجہ سے قدرے دیر تو ہوئی مگر نہایت آرام سے اپنی قیامگاہ پر پہونچ گئے، یہاں بھی معلم کی بدانتظامی تھی۔

اس کے علاوہ ایک بدانتظامی اور ہوتی ہے کہ منیٰ میں خیموں میں جتنی گنجائش ہوتی ہے، اس سے ڈیڑھ گنے آدمی بھر دئے جاتے ہیں، اس سے بعض اوقات بڑی پیچیدگی ہوتی ہے، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے خیموں میں جگہ بچا کر بڑی بڑی رقمیں دوسرے لوگوں سے وصول کرتے ہیں۔ **والعلم عند اللہ**

یہ شکایتیں تو بے شک بجا ہیں، تاہم ان کی وجہ سے حجاج کو بہت سی سہولتیں بھی ہوتی ہیں، منیٰ اور عرفات میں خیمہ لگانے کی ذمہ داری ان کی ہوتی ہے، لیجانا اور لے آنا ان کے فرائض میں ہے، کسی کسی وقت کھانے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔

تیسرا ادارہ حکومت ہند کا ہے، ہم حاجیوں کی خدمت کے باب میں حکومت ہند کی ستائش کریں گے، حکومت حاجیوں کی خدمت بہت فراخدلی سے کرتی ہے، ہوائی جہاز کے رعایتی کرایہ سے لے کر حاجیوں کے دوا علاج اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے مستقل محکمہ قائم کر رکھا ہے، ''انڈین حج مشن'' کے تحت سیکڑوں کارکن اور ڈاکٹر مصروف خدمت ہوتے ہیں، دوائیں مفت مہیا کی جاتی ہیں، حکومت کی ان رعایتوں کی وجہ سے اہل ہند کا حج دوسرے ممالک کے مقابلے میں کافی ارزاں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جس سے چاہے اپنے بندوں کی سہولت کا سامان کر دے۔

حجاج کی خدمت کے لئے چوتھا ادارہ سعودی حکومت کا ہے، اس حکومت نے حاجیوں کی سہولت کے جو انتظامات کئے، وہ بس اللہ کی خاص مہربانی ہے، ایسا انتظام ہے کہ شاید اس سے زیادہ سوچا نہ جاسکے، یہ حکومت اپنی پوری توانائی حج وعمرے کے عازمین کی

سہولت اور آسائش کے لئے صرف کرتی ہے، ایک مستقل وزارت اس خدمت کے لئے ہے، جو سال بھر اسی موضوع پر کام کرتی رہتی ہے۔

پانچواں ادارہ فلائٹوں کا ہے۔ حج کے لئے دو طرح کی فلائٹوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ایرانڈیا اور سعودی ایرویز۔ سعودی ایرویز کی شکایتیں تو کم سننے میں آتی ہیں، پچھلے سال کچھ شکایات تھیں، مگر ایرانڈیا نے تو پچھلے سال اور اس سال ستم کی حد توڑ دی۔ ایر انڈیا سے حاجیوں کو بہت پریشانی ہوئی، پچھلے سال سامانوں کی پریشانی بہت رہی، اس سال فلائٹیں اتنی لیٹ تھیں کہ حاجیوں کا سارا نظام بگڑا رہا، اس پر حج کمیٹی اور حکومت ہند کو خاص توجہ دینی چاہئے۔

اب حاجی صاحبان کی خدمت میں کچھ معروضات پیش کرنی ہیں، اور اس مضمون کے اصل مخاطب وہی ہیں، کیونکہ دوسرے ادارے جو حجاج کی خدمت کے لئے وجود میں آئے ہیں، ان کے معاملات، ان کے مشکلات اور ان کے مسائل ہماری پہونچ سے ماوراء ہیں۔ ان کی اصلاح، ان کی درستگی اور ان کے مسائل کا حل اربابِ سیاست اور اصحابِ حل وعقد کر سکتے ہیں، ہم تو ان کی خدمات پر ممنونیت کا اظہار کر سکتے ہیں اور جو کچھ ان کی کوتاہیاں معلوم ہوتی ہیں ان کو صبر وضبط سے انگیز کر لیں گے، اور اسی کی تلقین دوسروں کو بھی کریں گے، اگر چہ جس نظریہ کا چلن ہے، وہ ہماری اس روش کو شاید پسند نہ کرے، مگر مجبوری ہے، ہم بھی اپنی خو کیوں بدلیں؟

عازمین حج کا سفر کسی سیر سپاٹے، تفریح و دل لگی یا تجارت وکسب معاش کیلئے نہیں ہوتا، وہ اللہ کی عبادت کے لئے نکلتے ہیں، یہ عبادت ایسی ہے جو اپنے گھر، اپنے وطن میں رہ کر کسی سے ادا نہیں ہوسکتی۔ یہ سفر محض عبادت کا، محض نیکی کا، محض اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے، اللہ نے استطاعت دی ہے، وسائل مہیا ہیں، تو ان پر فرض ہے کہ یہ سفر کریں۔ یہ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، اس کا انتظام ہر شخص کو خود کرنا ہے، اور اس کا جو قدم بھی اس سفر میں اٹھے گا وہ نیکی اور عبادت ہوگا، حاجی جب گھر سے نکلتا ہے، اور جب تک واپس ہوتا

ہے، یہ سارا وقفہ مسلسل عبادت اور طاعت میں گزرتا ہے۔

حج اور سفرِ حج کے فضائل بہت ہیں، جن کا تذکرہ احادیث کے ذخیروں میں بکثرت کیا گیا، یہاں ہم ایک جامع حدیث کا ترجمہ لکھتے ہیں، جس سے حج اور سفرِ حج کی فضیلت نہایت عمدگی کے ساتھ واضح ہوتی ہے، یہ حدیث سیّدنا عبداللہ بن امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور اسے صاحب ترغیب وترہیب نے طبرانی کی المعجم الکبیر اور بزار کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں منیٰ کی مسجد (خیف) میں حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اتنے میں دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک انصاری اور ایک قبیلہ بنی ثقیف کا، انھوں نے سلام کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ کے حضور کچھ پوچھنے کے لئے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں خود بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ اور اگر چاہو، تو میں نہ کہوں تم خود ہی بتاؤ! ان دونوں نے عرض کی حضرت! آپ ہی ارشاد فرمائیں، پھر ثقفی نے انصاری سے کہا، آپ کہئے، انھوں نے درخواست کی، اے اللہ کے رسول! بتائیں، آپ نے فرمایا کہ تمہارا سوال یہ ہے کہ تم جو اپنے گھر سے بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہو، اس میں تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد جو دو رکعت پڑھو گے اس کا ثواب کیا ہے؟ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو گے، اس میں تمہیں کیا ملے گا؟ اور وقوفِ عرفہ میں کیا حاصل ہوگا؟ اور جمرات کی رمی میں کیا ملے گا؟ اور قربانی کرو گے، تو اس کا اجر کیا ہوگا؟ اور طوافِ افاضہ کی کیا شان ہے؟

انھوں نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، انھیں سوالات کے لئے میں حاضر خدمت ہوا ہوں۔ فرمایا:

(۱) جب تم بیت اللہ الحرام کے قصد سے گھر سے نکلے ہو، تو تمہاری اونٹنی نے جو بھی قدم زمین پر رکھا یا زمین سے اٹھایا، ہر ایک پر اللہ نے تمہارے لئے ایک نیکی لکھی، اور ایک خطا معاف فرمائی۔

(۲) اور طواف کے لئے جو دو رکعت تم نے پڑھی، تو یہ ایسا ہے، جیسے تم نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے دو غلام آزاد کیے۔

(۳) اور تم نے صفا و مروہ کے درمیان جو سعی کی، وہ ایسا ہے جیسے تم نے ستر غلام آزاد کیے۔

(۴) اور وقوف عرفہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور فرشتوں کو مخاطب کر کے فخر سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے، میرے حضور میں پراگندہ بال دور دراز اور گہرے راستوں سے چل کر آئے ہیں، اور جنت کی آس لگائے ہوئے ہیں، تو (اے بندو!) اگر تمہارے گناہ ریت کی تعداد کے برابر یا بارش کے قطروں کے مانند، یا سمندر کی جھاگ کے مثل بھی ہوں گے تب بھی ان کی مغفرت کر دوں گا۔ میرے بندو! تم بخشے بخشائے یہاں سے جاؤ، تمہاری بھی بخشش ہے، اور جن کی تم سفارش کرو گے ان کی بھی بخشش ہے۔

(۵) اور تمہاری رمی کا اجر یہ ہے کہ ہر کنکری جسے تم نے پھینکا ہے، اس سے ایک ایک مہلک گناہ کبیرہ کی معافی ہے۔

(۶) اور جو قربانی تم نے کی ہے، وہ تمہارے رب کے پاس ذخیرہ ہے۔

(۷) اور جو تم نے سر منڈوایا، تو سنو! ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، اور ایک خطا کی معافی ہے۔

(۸) اور اس کے بعد جو تم نے طواف (زیارت) کیا، تو اس طرح تم نے طواف کیا کہ تمہارے ذمے کوئی گناہ نہیں۔ ایک فرشتہ آتا ہے، اور تمہارے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھتا ہے، اور کہتا ہے، اب پھر سے از سر نو عمل شروع کرو، پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۷۷)

حج کی فضیلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کر دی، یہ بیان محتاج تشریح نہیں ہے، البتہ یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ جس حج کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے،

اس کی کیا شان ہونی چاہئے۔

## حج کیسا ہو؟ قرآن کریم کا ارشاد:

حج کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورۃ البقرۃ:۱۹۷) حج کے چند متعین مہینے ہیں، تو جس کسی نے ان مہینوں میں حج کا التزام کیا، تو اس میں نہ رفث ہے، نہ فسق ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا ہے) رفث کے معنی بیوی سے صحبت کرنے کے ہیں، اسی حکم میں بیوی سے شہوت کی باتیں بھی ہیں، حالت احرام میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ فسوق کے معنی نافرمانی اور معصیت کے ہیں، حج کا التزام کر لینے کے بعد اور بالخصوص حرم میں حاضر ہونے کے بعد، معصیت اور حق تعالیٰ کی نافرمانی شدید تر ہو جاتی ہے، اور اس سے حج خراب ہو جاتا ہے۔ جدال کے معنی لڑنے جھگڑنے کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ حج میں جدال یہ ہے کہ گالی گلوج کرے، برا بھلا کہے، کسی سے ایسی بحث و تکرار کرے کہ اس کو غصہ آجائے۔

حاجی ان تینوں چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرے گا، تو اس کا حج، حج کہلائے گا، ورنہ سفر کی مشقت، مال کا صرفہ ہی ہاتھ آئے گا، اور حج مجروح ہو کر رہے گا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

من قضىٰ نسكه وسلم المسلمون من لسانه ويده غفر له ماتقدم من ذنبه۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ عبد بن حمید) جس نے ارکان حج ادا کئے، اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں۔

اس شان کا حج، حج مبرور کہلاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج فلم يرفث ولم يفسق رجع من ذنوبه كيومٍ ولدته امه (بخاری و مسلم)

جس نے حج کیا، اور رفث اور فسق کا ارتکاب نہیں کیا، وہ اس طرح گناہوں سے

پاک صاف ہوکر لوٹا، جیسے اس دن تھا، جس دن وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

**الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة،رواه الطبراني**

حج مبرور کا تو بدلہ جنت سے کم نہیں ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۷۲)

حج مبرور کہلانے کا مستحق وہی حج ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ حضرات صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، کہ حج مبرور ہونا کس طور سے ہوگا، تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

**إطعام الطعام وطيب الكلام**۔ کھانا کھلانا، اور پاکیزہ بات بولنا۔

امام احمد اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے:

**إطعام الطعام وإفشاء السلام**۔ کھانا کھلانا، اور سلام کثرت سے کرنا۔

(الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۷۲)

قرآن مجید کی آیت کریمہ اور حضور اکرم ﷺ کے ان ارشادات سے حج مبرور کی شرح ہوجاتی ہے۔

## سفر حج کی اہمیت:

ایک طرف حج کی اس فضیلت کو نظر میں رکھئے، پھر یہ غور کیجئے کہ سفر ایک مشکل عمل ہے، آدمی اپنے گھر میں ہوتا ہے تو ایک لگے بندھے معمول پر اس کی زندگی گزرتی ہے، اور وہ اس کا عادی ہوجاتا ہے، وقت پر کھانا پینا، وقت پر سونا جاگنا، متعین کام کو وقت پر بجالانا، لیکن سفر میں سب معمولات درہم برہم ہوجاتے ہیں، تاہم اگر سفر اپنے چند رفقاء کے ہمراہ ہو، اور انھیں کے ساتھ سارا نظام سفر ہو، تو پھر کچھ آسانی ہوجاتی ہے، لیکن اگر سفر ایسا ہو کہ مختلف احوال اور مختلف مزاج کے لوگوں سے اختلاط ہو، جیسا کہ حج کے سفر میں ہوتا ہے، جس کے نہ پروگرام اپنے اختیار میں، نہ ہمسفروں کا کچھ اندازہ کہ کس کس طرح کے لوگ ہوں گے، پھر سب کا ایک جگہ اکٹھا ہونا، پھر ان کے ساتھ بشری حاجات وضروریات بلکہ رجحانات اور خواہشوں

کا لگا رہنا، اس سے سفر کی دشواری اور بڑھ جاتی ہے، اس سفر میں آدمی جدال اور فسوق سے بچ نکلے، ایک بڑا مجاہدہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سفرِ حج کو جہاد قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عزیز نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، کہ ایک آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا، میں ایک بزدل آدمی ہوں اور کمزور بھی ہوں، (پس جہاد کیسے کروں؟) آپ علیہ السلام نے فرمایا:

**هلم إلىٰ جهاد لاشوكة فيه ۔ الحج۔** (رواه الطبرانی الکبیر والاوسط ورواتہ ثقات)

تم ایسا جہاد کرو جس میں (دوسرے ہتھیار تو کیا) کانٹا بھی نہیں ہے، یعنی حج کرو۔

امام نسائی کی روایت میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

**جهاد الكبير والضعيف والمرأة الحج والعمرة ۔**

بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد حج وعمرہ ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۱۷)

پس جب حج وعمرہ جہاد ہے تو اس میں دشواریوں اور پریشانیوں کا ہونا لازم ہے، کوئی سفرِ حج یا سفرِ عمرہ مشقت اور الجھن سے خالی ہو، شاید ایسا نہ ملے۔ جتنے لوگوں نے سفرِ حج کی رودادیں لکھی ہیں، کم وبیش ان میں مشقتوں کا تذکرہ ہے، آج کے دور میں تو وسائل وذرائع اس قدر سہل اور تیز رفتار دستیاب ہیں کہ جس سفرِ حج میں پہلے سالوں، پھر مہینوں صرف ہوتے تھے، اب آدمی چاہے تو دور دراز سے آکر ہفتوں اور دنوں میں حج کی تکمیل کر کے واپس جاسکتا ہے۔

لیکن اس سہولت کے بعد بھی دشواریاں، پریشانیاں اور ناگواریاں اتنی پیش آتی ہیں کہ ناتجربہ کار آدمی بوکھلا کر رہ جاتا ہے، یہیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے فسوق اور جدال پر جو بندش لگائی ہے، اس کی جیسے پہلے ضرورت تھی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے، وسائل وذرائع تو ضرور بدل گئے، ان میں وسعت وسہولت پیدا ہوگئی ہے، مگر انسان ابھی وہی ہے اور انسانی طبائع بھی وہی ہیں بلکہ ان میں کچھ گراوٹ ہی آئی ہے، اس لئے جیسے

اور دینی مسائل ومعاملات میں یاددہانی کی ضرورت ہوتی ہے،سفرحج کے سلسلے میں بھی تذکیر اور نصیحت کی ضرورت ہے۔

## استحضارِ نیت:

سفرحج وعمرہ کے فضائل مختصراً آپ نے پڑھ لئے ،سفر کے آغاز سے اس کے ختم ہونے تک حاجی صاحب اس بات کو مستحضر رکھیں کہ ان کا یہ سفر محض اللہ کی عبادت کے لئے ہے،اوراس کے واسطے سے یہ سفر خود عبادت ہے، اس راہ میں جو بھی تکلیف ہوگی ،مشکل پڑے گی ،ان سب کی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہوگی ،اور جو کچھ تکلیف ہورہی ہے،اللہ کی راہ میں ہورہی ہے،اور اللہ کے لئے ہورہی ہے،اور مزید یہ خیال رہے کہ اللہ کی جانب سے ہے،تاکہ اجروثواب میں اضافہ ہو،اس تصور سے تکلیف کا جھیل لینا آسان ہوگا۔ بلکہ تکلیف ،تکلیف معلوم ہی نہ ہوگی ، حاجی کو جب نیت مستحضر نہیں ہوتی،تو وہ پریشان ہوتا ہے،اور گھر جیسی راحت چاہتا ہے،اور نہیں ملتی تو شکایتوں میں مبتلا ہوتا ہے،اچھے خاصے سفر عبادت کو گناہ سے بدل لیتا ہے،مشقت اس شکایت اور غصہ سے تو ختم نہیں ہوگی ، البتہ ثواب ختم ہوجاتا ہے،اور غیبت ،شکایت ،فضول تبصروں اور تنقیدوں کا گناہ سر پڑتا ہے،اور سفر بجائے نفع کے خسارے کا سودا ہوجاتا ہے۔

اس استحضار کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے،کہ حج میں آنے والے حضرات محض چند دنیاوی رسوم پورا کرنے کو حج کا خلاصہ سمجھتے ہیں۔

## حجر اسود کا بوسہ:

مثلاً بہت سے حاجیوں کی کوشش ہوتی ہے، کہ خواہ کوئی صورت ہو،حجر اسود کا بوسہ لینا ضروری ہے، اس بوسہ کے شوق میں بلکہ جنونِ شوق میں آدمی نہ اپنی پرواہ کرتا ہے، نہ دوسروں کی،اور نہ خود بیت اللہ کی حرمت وعظمت کی! دھکم دھکا کرکے حجر اسود کا بوسہ لے لینے کو حج کی فتح عظیم سمجھتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے ، اگر حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکے تو وطن کیا منہ لے کر جائیں گے،لوگ کہیں کہ یہ کیا حج کیا؟ بعض ملک کے لوگ شاید حجر

اسود کے بوسے کو حج کا رکن اعظم سمجھتے ہیں، ان کے مرد، ان کی عورتیں، ان کے بچے سب اس کے بوسے کے لئے جان کی بازی لگائے رہتے ہیں، بعض اوقات چیخم دھاڑ کی نوبت آجاتی ہے، یہ خاکسار ایک بار طواف کے ہجوم میں سر جھکائے اپنے کو سمیٹے محوِ طواف تھا کہ اچانک بڑے زور سے چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ بے اختیار نگاہ اوپر اٹھ گئی، تو دیکھا ایک لڑکی لوگوں کے سروں پر اچھلتی اور پھسلتی جارہی ہے، اس کو کسی نے زور سے اچھال دیا تھا۔ میں نے إنا لله پڑھا اور آگے بڑھ گیا، اللہ جانے اس کا کیا حشر ہوا؟

حالانکہ حجر اسود کا بوسہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لئے جان جوکھم میں ڈالی جائے، بے تکلف میسر آجائے تو سبحان اللہ! ورنہ دور سے ہاتھوں کی ہتھیلی اس کی طرف متوجہ کرکے اسے چوم لیجئے، یہ استلام بوسے کا بدل ہے، اور یہی رسول اکرم ﷺ کی تعلیم ہے، اپنے کو بے موقع ایذا میں ڈالنا، اور دوسروں کو ایذا دینا دونوں حرام ہے، ہجوم میں حجر اسود کو بوسہ دینے کی کوشش میں دونوں غلطیوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، ایک مستحب کے حصول کے لئے یہ بات خلاف عقل بھی ہے اور خلاف شرع بھی، بالخصوص جبکہ اس کا بدل بھی موجود ہے، اور وہ ہے دور سے ہاتھ اٹھا کر استلام! اس سے بھی وہی اجر حاصل ہوگا جو بوسہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اگر حاجی کو یہ استحضار ہوتا کہ مجھے اللہ کی عبادت کرنی اور اسے راضی کرنا ہے تو وہ ہرگز اس دھکا پیل میں نہ پڑتا، اصل تبرک تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے، ان متبرک اشیاء کی برکت بھی جو ظاہر ہوئی ہے، اور جس کیلئے آدمی بے قرار رہتا ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کے بتانے ہی سے ہے۔ لہٰذا سب برکتوں کی اصل آپ کی تعلیم ہے، اپنے نفس کے تقاضوں کو دبا کر، لوگوں کے طعن سے صرف نظر کرکے، کام وہی کرنا چاہئے جس کی تعلیم ہمیں رسول اکرم ﷺ سے ملی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے عبدالرحمٰن بن حارث سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

یا أبا حفص! إنک رجل قوی، فلاتزاحم علی الرکن فانک

تـوذي الـضـعيف ،ولكن إذا وجدت خلوة فاستلمه والا فكبر وامض ۔اے ابوحفص! تم طاقتور آدمی ہو، اس لئے حجر اسود پر بھیڑ نہ لگانا، کہ کمزور آدمی کو تم سے تکلیف پہونچ جائے، ہاں جب خالی ملے تو استلام کرلینا ورنہ اللہ اکبر کہنا اور گزر جانا (الافصاح علیٰ مسائل الایضاح، ص:٢٠٦)

## طواف میں بے اعتدالیاں:

عبادت کی نیت کے مستحضر نہ رہنے کی وجہ سے آدمی طواف میں بھی بہت بے اعتدالی کرتا ہے، طواف نام ہے ادب سے سر جھکا کر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر خشوع خضوع سے بیت اللہ کے ارد گرد چکر لگانے کا، عبادت سکون واطمینان کو چاہتی ہے بلکہ حدیث میں طواف کو نماز کہا گیا ہے، البتہ اس میں بات کرنے کی اجازت ہے، اور بات بھی صرف خیر کی۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الـطـواف حول البيت صلوٰة إلا أنكم تتكلمون فيه ، فمن تكلم فيه فلا يتكلم إلا بخير (الترغيب والترهيب، : ٢، ص: ٩٢)

بیت اللہ کا طواف نماز ہے، مگر یہ کہ تم اس میں بات کرسکتے ہو، تو جو کوئی طواف میں بات کرے، تو بجز خیر کے اور کوئی بات نہ کرے۔

بات کرنے کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بات کرنا بہتر ہے، مجبوری میں بات کرلے، ورنہ خاموشی سے، اللہ کی طرف متوجہ رہے، اور اس سے مناجات کرتا رہے۔

## طواف میں شوروغل:

طواف میں ایک بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ گروپ بنا کر طواف کرتے ہیں، اور ایک آدمی زور زور سے چلا کر دعائیں پڑھاتا ہے، اور گروپ کے لوگ باآواز بلند انھیں دہراتے ہیں، اس سے دوسرے طواف کرنے والوں کو بیحد خلل ہوتا ہے، پھر جب وہ سب مل کر ساتھ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو لوگوں کو دھکا بھی خوب مارتے ہیں، کیونکہ کبھی

گروپ کے آدمی آگے بڑھ جاتے، اور کوئی شخص قدرے پیچھے رہ جائے تو وہ تیزی سے دوڑ کر گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے، اور بے تکلف دھکے مارتا چلا جاتا ہے، ان گروپوں نے تو طواف کی عبادت کو تباہ کر رکھا ہے، اتنا شوروغل کرتے ہیں کہ نہ ان کی عبادت محفوظ رہتی، نہ دوسروں کی۔

## طواف کے آداب:

امام نووی علیہ الرحمہ نے طواف کے آداب میں لکھا ہے:

"طواف کے دوران خشوع وخضوع اور حضور قلب رہنا چاہئے، اپنے ظاہر وباطن ہر لحاظ سے ادب کی رعایت رکھے، اپنی رفتار، اپنی نگاہ اور اپنی ہیئت ہر ایک کو ادب کا پابند بنائے رکھے، کیونکہ طواف نماز ہے، اس لئے مناسب ہے کہ نماز کے آداب کا خیال رکھے، اور قلب میں اس ذات عالی کا استحضار رکھے، جس کے گھر کا طواف کر رہا ہے۔

اور واجب ہے کہ اپنی نگاہ کو ناجائز محل پر جانے سے محفوظ رکھے، کسی عورت یا امرد لڑکے کو دیکھنے سے پرہیز کرے، کیونکہ خوبصورت امرد پر نظر ڈالنا بہر حال جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی شرعی ضرورت ہو۔ (کتاب الایضاح: ۲۴۳/۲۴۲)

## عورتوں کا طواف:

حج اور اس کے تمام اعمال عبادت ہیں، طواف ایک عظیم عبادت ہے لیکن یہ حیثیت جب نگاہ سے اوجھل ہوتی ہے، تو آدمی اسے ایک رسم بنا کر جیسے بھی ہو اسے کرنا کافی سمجھتا ہے۔ طواف مرد کے لئے بھی عبادت ہے، اور عورتوں کے لئے بھی، مگر رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مردوں سے جدا احتیاط سے طواف کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ دورانِ طواف مردوں سے ان کا اختلاط نہ ہو، چنانچہ آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے پیچھے سے طواف کریں۔ ہمارے زمانے میں بفضلہٖ تعالیٰ لوگ بڑی تعداد میں حج وعمرے کے لئے پہونچتے ہیں، اس لئے مطاف میں مردوں اور عورتوں کی علیٰحدگی کی گنجائش کم ہوتی ہے، لیکن یہ تو بہر حال جائز نہیں ہے، کہ مرد وعورت باہم ٹکراتے رہیں۔

مردوں اور عورتوں کا ایسا اختلاط کہ آپس میں بدنوں کا تصادم ہو، ہر جگہ برا ہے، اور خاص طور سے عبادت کی جگہ تو بہت ہی برا ہے، لیکن عجیب مصیبت ہے کہ حرم پاک سے مقدس عبادت کی جگہ اور کون سی ہوگی؟ مگر عورتوں کا حال یہ ہے کہ برقعہ اور پردہ پھینک کر مردوں کے ہجوم میں گھستی ہیں، اور مرد تو کچھ احتیاط کر لیتے ہیں، عورتیں تو بے محابا دھکا دیتی ہیں، بعض ممالک کی عورتیں تو مردوں کا ناطقہ بند کر دیتی ہیں۔ ہندوستان کی عورتوں میں کچھ کچھ لحاظ نظر آتا ہے، مگر دوسروں کی ریس میں یہ بھی آگے بڑھتی ہیں، ایک بڑی دیدہ دلیری یہ ہوتی ہے کہ جو عورتیں ہندوستان میں بغیر برقعہ اور نقاب کے کبھی نہیں دیکھی جاتیں، وہ حج کے سفر میں پردہ سے بالکل آزاد ہو جاتی ہیں، حالت احرام میں تو یہ مجبوری ہے کہ چہرہ سے کپڑا متصل نہیں ہونا چاہئے، اس کا حل اب سے پہلے لوگوں نے یہ نکالا تھا کہ ایک ہیٹ نما ٹوپی ملا کرتی تھی، اسے سر پر جما کر برقعہ اوڑھ لیتی تھیں، برقعہ کا پردہ چہرے سے دور لٹکتا رہتا تھا۔ پردہ بھی ہوتا تھا، اور کوئی جنایت بھی نہ ہوتی تھی، مگر اب تکلف بے جا سمجھ کر اتنا سا پردہ بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ عورتیں بے حجاب مردوں کے درمیان، مردوں کی طرح پھرتی رہتی ہیں، احرام کی حالت میں چہرے کا کھلا رہنا خیر کسی درجہ میں ایک مجبوری ہو سکتی ہے، لیکن جب احرام نہیں ہے، تب کیا مجبوری ہے، کہ چہرہ کھول کر بازار میں، حرم میں، طواف میں دوڑتی پھرتی ہیں، صرف دوڑتی نہیں، چیختی چلاتی رہتی ہیں۔ پہلے زیادہ تر بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں حج کے لئے جایا کرتی تھیں، اور عورتوں کی تعداد سفر کی مشقتوں اور مال کی اور وسائل کی فراوانی نہ ہونے کی وجہ سے کم ہوتی تھی، اب سفر حج میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، مال اور وسائل کی فراوانی بھی بہت ہے، اس لئے ہر مرد کے ساتھ ایک بلکہ کئی کئی عورتیں ہوتی ہیں، اگر کوئی مرد اکیلا ہوتا ہے، تو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں کہ آپ اکیلے ہیں؟ کیا آپ کی بیوی کا حق نہیں تھا؟ حتیٰ کہ یہ نوبت آگئی ہے کہ مرد پر حج فرض ہو چکا ہے، اور عورت کو لے جانے کا انتظام نہیں ہے، تو اس وقت تک حج کے لئے نہیں جائیں گے جب تک عورت کا انتظام نہ ہو جائے، ایک عورت جس پر حج فرض نہیں ہے، اس کا حج کرانے کے لئے کتنے

لوگ گنہگار ہوتے ہیں، نوجوان عورتوں کی بہتات میں فساد قلب ونظر سے بچنا کتنا مشکل ہے، محتاج بیان نہیں، مگر وہی بات ہے کہ عبادت کے خیال پر دوسری دنیاداری کی باتوں کا خیال غالب آگیا ہے، اس لئے جو کچھ کیا جارہا ہے اس پر عبادت اور رضائے الٰہی کے آثار کم اور دنیاداری کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں، طواف کعبہ سے لے کر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ تک عورتوں کے ہجوم اور ان کی ناروا نقل وحرکت کی وجہ سے عبادت کا ماحول، میلہ اور تماشہ کا ماحول بن جاتا ہے۔ نعوذ باللّٰہ من شرور الفتن۔

اگر مرد اس پر کچھ قابو رکھیں، احرام کے علاوہ دوسرے اوقات میں عورتوں کو پردہ میں رکھیں، انھیں پابند کریں کہ وہ عبادت کے لئے آئی ہیں، عبادت کے آداب اختیار کریں تو معاملہ کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں عورتوں کی نماز کے لئے الگ الگ جگہیں متعین ہیں، مسجد نبوی میں تو خیر مردوں کے درمیان عورتوں کے آنے کی گنجائش نہیں ہوتی، مگر مسجد حرام میں طواف کے واسطے سے مردوں کے درمیان عورتیں خوب آتی ہیں، اور نماز باجماعت میں بھی مردوں کے درمیان بے تکلف گھسی رہتی ہیں، حالانکہ جماعت کی نماز میں مردوں کے برابر کھڑے ہونے سے دائیں، بائیں اور ٹھیک پیچھے کے مرد کی نماز برباد ہوجاتی ہے، مگر کسے پرواہ ہے، کتنے لوگ ہیں، جو اپنے پہلو میں عورتوں کو کھڑا کرلیتے ہیں، یہ جہالت بھی ہے، عبادت کی بے وقعتی بھی ہے، مسئلہ کی اہمیت سے بے پروائی بھی ہے، کاش مرد اس پر دھیان دیتے، اور کاش حرم کی تقریروں اور مواعظ میں اس مسئلہ کو بیان کیا جاتا۔ ائمہ حرم جہاں یہ کہتے ہیں سووا صفوفکم واعتدلوا (صفیں سیدھی کرلیں اور برابر کھڑے ہوں) اس طرح وہ یہ بھی کہہ دیا کریں کہ عورتیں پیچھے کھڑی ہوں، مردوں کی صف میں نہ کھڑی ہوں، مگر اس مسئلہ پر بالکل سناٹا ہے۔

حرم محترم ہو یا مسجد نبوی! یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں کی نماز مسجد کے مقابلے میں گھر کے اندر افضل ہے، فرائض تو وہ گھر کے اندر ادا کرلیا کریں، ہاں دن یا رات کے کسی حصے میں مسجد میں جائیں، نوافل پڑھیں، تلاوت کریں، ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، اور مردوں

سے الگ رہیں۔

طواف کا معاملہ یہ ہے کہ عمرہ کا طواف فرض ہے، اور حج میں طواف زیارت فرض ہے، آخر میں طواف وداع واجب ہے، یہ طواف تو بہر صورت کرنے ہیں، ان کے علاوہ ہر طواف نفل ہے، نفل کے لئے وقت، گنجائش، ناروا اختلاط سے اجتناب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ عورتیں نفلی طواف بہت زیادہ نہ کریں، جس وقت ہجوم قدرے کم ہو، تو پردے کی رعایت کے ساتھ آہستہ آہستہ حتی الامکان مردوں سے بچ بچ کر طواف کریں، مگر چہرے پر نقاب ضرور ہو، بارہا دیکھا گیا ہے کہ بعض سعودی عورتیں سر سے پاؤں تک برقعے میں ملبوس، پاؤں میں موزے، ہاتھ میں دستانے سمیت طواف کررہی ہیں، نہ وہ خود دھکا دے رہی ہیں، نہ مردوں سے ٹکرارہی ہیں، اور نہ انھیں ٹکر لگ رہی ہے، اس اہتمام سے طواف ہوگا، تو یہ عبادت کی شان ہے؟

یہ بات اوروں تک شاید نہ پہونچے، لیکن اپنے ہندوستانی حاجیوں سے ضرور کہتا ہوں کہ وہ ان آداب کا خیال رکھیں، اور عورتوں کو بھی پابند بنائیں، آدمی سفر کی اتنی مشقت جھیلے اور عبادت کے لئے جھیلے، اور ایسی عبادت کے لئے، جو اگر قابل قبول ہوجائے تو آدمی ایسا ہوجائے جیسے ابھی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے، اور اس کے باوجود، اس سے فائدہ نہ اٹھائے اور عبادات میں دنیا داری کو شامل کردے تو بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

## منیٰ، عرفات، مزدلفہ:

حج کے مہینے تو شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے تیرہ روز ہیں، مگر حج کی ادائیگی کے اصل دن پانچ ہیں، اور حج کے ادا کرنے کے مقامات چار ہیں۔ مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ۔ ۸/ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوتے ہیں، منیٰ میں ظہر سے فجر تک قیام ہوتا ہے، پھر صبح کو عرفات جاتے ہیں، وقوف عرفات ہی اصل حج ہے، اس کا وقت زوال شمس کے بعد ہے، غروب آفتاب کے بعد وہاں سے نکل کر مزدلفہ آتے ہیں، مزدلفہ میں رات گزار کر طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک وقوف مزدلفہ ہوتا ہے، پھر وہاں سے سویرے چل کر

منیٰ آتے ہیں، یہاں ایک جمرہ کی رمی ہے، پھر قربانی ہے، پھر سر منڈانا ہے، اس کے بعد طواف زیارت۔ ایک جمرہ کی رمی تو آج ہی متعین ہے، قربانی، سر منڈوانے اور طوافِ زیارت میں ۱۲؍ ذی الحجہ تک گنجائش ہے، ۱۱؍ اور ۱۲؍ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی ہے، بس ۱۲؍ کی شام تک حج کے تمام اعمال پورے ہوئے، کوئی مزید ثواب حاصل کرنا چاہے، تو ۱۳؍ کو بھی زوال کے بعد رمی کرلے۔

یہ پانچ دن تو حج کے لئے لازم ہیں، چھٹا دن اختیاری ہے۔ آپ غور کریں، اگر یہ پانچ دن آدمی اس طرح گزاردے کہ ظاہر اور باطن سے محض اللہ کی طرف متوجہ ہو، اور حوائج ضروریہ کے علاوہ تمام اوقات کو ذکر و عبادت میں لگادے تو کیا مشکل ہے؟ مگر ہوتا یہ ہے کہ لوگ فضول باتوں میں، گھومنے پھرنے میں، ارباب انتظام کی شکایتوں میں، کھانے پینے کی دقتوں کے بیان میں بہت سا وقت کھودیتے ہیں، منیٰ میں ۸؍ کو حج کا کوئی مستقل عمل نہیں ہے، اس کو یونہی لایعنی مشغلوں میں کاٹ دیتے ہیں، منیٰ سے عرفات جانا، اتنی بڑی تعداد کا وہاں منتقل ہونا، ایک بڑا کام ہے، مگر بہرحال سارا مجمع وہاں پہونچ جاتا ہے۔ وہاں یہ تماشہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ ناواقفیت یا لاپروائی سے عرفات کے حدود کے باہر ہی پڑ جاتے ہیں، پھر اللہ جانے وہ حدود عرفات میں کب داخل ہوتے ہیں؟ اور داخل بھی ہوتے یا وہیں رہ جاتے ہیں، اور جو لوگ معلموں کے خیموں میں ہوتے ہیں، وہ تو عرفات ہی میں ہیں، لیکن وہ جو وقوف کا وقت ہے، اور وہی اصل حج ہے، اور وہی کائنات کا سب سے بیش قیمت وقت ہے، اتفاق کہئے یا انتظام کی خامی کہئے دوپہر کو عرفات میں کھانا تقسیم ہوتا ہے، اور حاجیوں کا اچھا خاصا وقت اس میں کھپ جاتا ہے، پھر آدمی پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو نیند ستانے لگتی ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے عرض کرتا ہوں کہ صبح کو کچھ کھاپی لیں، دوپہر کا کھانا حذف کرکے دلجمعی سے ذکر و تلاوت اور دعا میں لگیں، بعض خیموں میں کچھ لوگوں کو تقریر کا جوش اٹھتا ہے، لاؤڈ اسپیکر لگا کر بعض اوقات لمبی لمبی تقریریں ہونے لگتی ہیں، حالانکہ اگر تذکیر مقصود ہے تو مختصر بات کے بعد سب کو کام پر لگادینا چاہئے، اتنے سے وقت میں بھی کچھ لوگ سو لیتے ہیں، ادھر ادھر ٹہل

لیتے ہیں، حالانکہ کرنے کے کام اور بھی ہیں۔

مغرب کے بعد جو مزدلفہ کو واپسی ہوتی ہے، تو پیدل چلنے والوں کی ایک خاصی تعداد مزدلفہ کے باہر ہی پڑاؤ ڈال دیتی ہے، اور سڑک کو اس طرح جام کردیتے ہیں کہ ان کے بعد والوں کیلئے مزدلفہ میں داخل ہونا ممکن نہیں رہتا، اگر حکومت اس کا انتظام کرنا چاہے تو اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے ہوتا ہے، مگر دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ صبح صادق سے پہلے ہی فجر کی نماز ادا کر کے اپنی دانست میں وقوف مزدلفہ کر کے منیٰ کو روانہ ہوجاتے ہیں، عبادت کے سلسلے میں اتنی لاپرواہی کہ مسئلہ نہ پوچھتے ہیں اور نہ بتانے پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ عام اکثریت کا حال نہیں ہے، لیکن پھر بھی اتنے لوگ صبح صادق سے پہلے فجر کی نماز ادا کرتے ہوئے، اور جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کہ حیرت بھی ہوتی ہے، اور افسوس بھی!

منیٰ پہونچنے کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہوتی ہے، اب تو رمی کا معاملہ بہت سہل ہوگیا ہے، حکومت نے اس موضوع پر خاص توجہ کی ہے، اور جگہ میں بہت وسعت کردی ہے، مگر ناواقفی کا یہ عالم ہے کہ ہم لوگ جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے واپس لوٹ رہے تھے، تو ایک حاجی اور ان کی حجن صاحبہ بڑے اطمینان سے پہلے جمرہ کی رمی کررہے تھے، بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ جمرہ بالکل خالی ہے ہم نے بہت آسانی سے رمی کرلی۔

اس کے بعد قربانی کا مرحلہ ہے، اب لوگوں کو احرام سے آزاد ہونے کی جلدی ہوتی ہے، بقول حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلندشہری علیہ الرحمہ داڑھی منڈانے کی جلدی ہوتی ہے، کتنے مناسک حج میں ترتیب کا لحاظ کئے بغیر احرام اتاردیتے ہیں، احرام اتارنے کے لئے افضل عمل سر منڈوانا ہے، بال بڑے ہوں تو کتروادینے سے بھی احرام اتر جاتا ہے، عموماً لوگ سر منڈواتے ہیں، مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، کہ بال چھوٹے ہونے کے بعد بھی منڈوانے کے بجائے کتروانے پر اکتفا کرتے ہیں، اس سے احرام سے

وہ آزاد نہیں ہوتے، مگر لاپرواہی کرتے ہیں، حالانکہ بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ جس کے لئے سفر کی اتنی مشقت برداشت کی ہے، اتنا مال خرچ کیا ہے، اس کے لئے وہی کام کریں، جو اسے پسند ہے، آج کے روز سر منڈوادینا ہی اللہ کو پسند ہے، رسول اللہ ﷺ دعا کررہے تھے رحم اللہ المحلقین ،اللہ سر منڈوانے والوں پر رحمت نازل فرمائیں، کسی نے کہا والمقصرین ،اور بال کتروانے والے پر بھی، آپ نے اسے نہیں کہا، بلکہ رحم اللہ المحلقین ،اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ میں آپ نے فرمایا و المقصرین، اور بال کتروانے والے پر بھی رحمت ہو۔ تو جب ان کو یہی پسند ہے، تو اس میں کیوں کوتاہی کی جائے، اور داڑھی منڈانا تو مطلقاً منع ہے، اسے تو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہئے، مگر کتنے ہیں جو سر منڈوائیں یا نہ منڈوائیں، داڑھی صاف کردیتے ہیں، یہ ہے عبادت کو الٹ دینا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائیں۔

منیٰ میں ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، اور زوال شمس کے بعد اس کا وقت ہے، معلمین نے اپنی بلڈنگوں میں اعلان لگا رکھا ہے کہ ان دنوں میں چوبیس گھنٹے میں کسی وقت بھی کنکری مار سکتے ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ کسی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے، اس سے سہولت پسندوں کو موقع مل گیا، وہ زوال سے پہلے ہی جا کر کنکری مار آتے ہیں، جبکہ وہ بالکل معتبر نہیں، عبادات میں احتیاط چاہئے۔

## واپسی:

آخری رمی کے بعد حج کے تمام ارکان ومناسک مکمل ہوگئے، اب حجاج مکہ مکرمہ واپس آجاتے ہیں، باہر کے حجاج طواف وداع کرکے کچھ وطن لوٹتے ہیں اور کچھ مدینہ منورہ بھیجے جاتے ہیں، واپسی میں حجاج کے ساتھ ایک چیز ایسی لازمی ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر حاجی کا گویا تصور ہی نہیں ہوتا، وہ ہے سامانوں کی خریداری! مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں تمام دنیا کی مصنوعات وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں، حجاج بالخصوص عورتوں کی آنکھ خیرہ ہوجاتی ہے، ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت چیزیں، چمک دمک والی! جب تک جیب اجازت

دیتی ہے، لوگ خریداری کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ مقروض بھی ہوجاتے ہیں، ہوائی جہاز میں ایک محدود وزن کی اجازت ہوتی ہے، اس سے زیادہ پر اچھا خاصا محصول لگتا ہے، جب یہ سامان حاجی باندھ لیتا ہے، تو اس کی سانس پھولنے لگتی ہے، کیونکہ مقررہ وزن سے سامان بڑھ گیا ہے، اب رقم ختم ہوگئی ہے، محصول کیسے ادا ہوگا، اور اگر رقم ہوتی تو فلاں فلاں چیز رہ گئی ہے، اسے نہ خرید لیتے، اب پریشان ہیں، دعا کرتے ہیں، دعا کراتے ہیں۔ بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ایک بار مدینہ طیبہ سے واپسی تھی، حجاج الگ بس پر بیٹھے، سامان دوسری گاڑی پر لاد دیا گیا، سب کے سامان زیادہ تھے، ایرپورٹ پر بس رکی، اب حجاج کی سانس اٹک رہی ہے، خدا کرے سامان تولا ہی نہ جائے، ہاں ایسا ہی ہوتا ہے، سعودی فلائٹ والے اللہ کریم کہہ کر سب لے لیتے ہیں، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تولنے لگ جائیں، ان کا موڈ ہے، پھر بغیر محصول کے ہرگز نہ جانے دیں گے، حاجیوں میں یہی کھچڑی پک رہی ہے، ایک دوسرے سے دعا کرا رہے ہیں، دیر کے بعد دیکھا گیا کہ سامان وزن کی جگہ سے آگے بڑھ رہا ہے، اب تول نہ ہوگی، حاجیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور ایک دوسرے کو اس طرح مبارکباد دینے لگے جیسے اسی وقت حج ہوا ہو۔

اس سال ایک حاجی صاحب کو دیکھا کہ ہونٹ خشک ہیں، چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں، ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہیں، کسی کو پہچان نہیں رہے ہیں، بات کیا ہے؟ سامان زیادہ ہے اور تولنے والا قبول نہیں کررہا ہے، بہت خوشامد کے بعد اس نے قبول کرلیا، تب اطمینان ہوا۔

جو سامان یہ لوگ خریدتے ہیں، وہ اپنے ملک میں بھی ملتا ہے، مکہ مکرمہ کا ایک تحفہ ہے، آب زمزم، اور مدینہ شریف کا ایک تحفہ ہے، کھجوریں۔ ان کے علاوہ بکثرت فضولیات ہوتے ہیں، ان فضولیات میں لوگ ازحد پریشان ہوتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ سامانوں کی خریداری غلط ہے، لیکن فلائٹ کا اصول اور اپنی اوقات تو دیکھنی چاہئے، پھر سفر حج سے ایک

عبادت اور تقدس کا جو تاثر ہوتا ہے، سامانوں کی کثرت سے وہ تاثر مجروح ہو جاتا ہے۔

## حج کے اخراجات:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے عمرہ کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إن لک من الاجر علیٰ قدر نصبک و نفقتک۔
تمہیں تمہاری تکان اور اخراجات کے بقدر اجر ملے گا

(رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرطھا)

یعنی حج وعمرہ میں ظاہر ہے کہ بدن کو تکان بہت ہوتی ہے، بسا اوقات آدمی کا جسم چور چور ہو جاتا ہے، اسی طرح اس میں مالی اخراجات بھی بہت ہوتے ہیں، ان دونوں چیزوں سے آدمی گھبراتا ہے، آپ نے اس گھبراہٹ کو خوشی سے بدل دیا کہ جس قدر تکان ہوگی اور جتنا مال خرچ ہوگا، عبادت کا ثواب بڑھتا جائے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

النفقة فی الحج کالنفقة فی سبیل اللہ الدرھم بسبعمائةٍ، رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۸۰) حج میں اخراجات کا ثواب، فی سبیل اللہ جہاد میں اخراجات کے برابر ہے، یعنی ایک درہم کا سات سو درہم۔

بعض اوقات حجاج کو خرچ کی زیادتی کی شکایت ہوتی ہے، یا حج کے دوران منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور مکہ مکرمہ کی آمد و رفت میں چونکہ ازدحام بہت ہوتا ہے، ازدحام کی وجہ سے سڑکوں پر گاڑیاں دوڑتی اور چلتی نہیں، بلکہ رینگتی ہیں، کبھی کبھی دس منٹ کا راستہ طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں، بارہا ایسا ہوا کہ عرفات سے مزدلفہ آنے میں پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں، اس بھیڑ میں معلم کی گاڑیاں بھی جہاں پھنس گئیں، پھنسی رہتی ہیں، سڑکیں بہت ہیں، کشادہ بھی بہت ہیں، مگر ہجوم اتنا زیادہ ہوتا ہے، اور محدود وقت میں سب کو ان چار جگہوں میں آنا جانا رہتا ہے، اس لئے جو صورتحال پیش آتی ہے وہ ناگزیر ہے، اس میں ظاہر

ہے کہ گاڑیوں کا کرایہ بھی بہت بڑھ جاتا ہے، حجاج چیں بجبیں ہوتے ہیں، بعض کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ لوگ حاجیوں کو لوٹتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان کو بھی مجبوریاں ہوتی ہیں، پھر آپ جو کچھ خرچ کردیں گے، اسی حساب سے ثواب بڑھ جائے گا، تو ناروا گھبراہٹ ظاہر کرکے، بیجا تبصرہ کرکے اپنا ثواب کیوں کھوتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے اپنے متوسلین کو ہدایت کررکھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مول بھاؤ نہ کریں، ہمارے ذمے حق ہے کہ ہم اللہ ورسول کے ان پڑوسیوں کی مدد کریں، انھیں اگر ہم صدقہ نہیں دے سکتے، تو خرید وفروخت اور گاڑیوں کے کرائے میں تو وسعت سے کام لیں، ان کی مدد ہوگی اور ہمیں ثواب حاصل ہوگا۔

کبھی کبھی معلمین اور حج کمیٹی پر گرجتے برستے لوگ کہہ جاتے ہیں کہ اتنا اتنا پیسہ دیا ہے، یہ مناسب نہیں ہے، آپ نے پیسہ دیا ہے، آپ پر واجب تھا کہ دیتے، ان چند پیسوں میں دنیا وآخرت کی کتنی بڑی دولت حاصل ہوگئی، کہ آپ اللہ رب العزت کے دربارِ خاص میں پہونچ گئے، اگر تکلیف ہورہی ہے، تو اس پر بھی اجر بڑھ رہا ہے، تو آپ کا تو نفع ہی نفع ہے، پھر ان طعنوں اور کوسنوں سے آپ نے کون سا ثواب کمایا؟

کبھی کبھی نیچے درجے کے بعض خدمت گار، مثلاً بوجھ ڈھونے والے مزدور، جو واقعی بہت محنت کرتے ہیں، حاجیوں کے بڑے بڑے وزنی سامان ادھر سے ادھر منتقل کرتے ہیں، کبھی وہ کچھ عطیے کے منتظر ہوتے ہیں، وہ مزدوری نہیں مانگتے، کیونکہ انھیں اجرت تو ان کے ذمہ داروں کی طرف سے ملتی ہے، حاجیوں کو راحت پہونچائی ہے تو بطور خوشی کے کچھ انعام، عطیہ، بخشش چاہتے ہیں، بعض لوگ انھیں سختی سے جھڑک دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ انھیں ہلکے سے ہلکا بھی انعام دیدیتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوجاتے ہیں، اور کام میں مزید چستی پیدا ہوتی ہے، اور حاجی نے کچھ خوش ہوکر دے دیا، تو اسے ثوب ہوتا ہے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ حج مبرور ہونے کا ایک سبب کھانا کھلانا بھی ہے، حج میں اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ رفقاء ہوں یا خدام انھیں کھانا کھلاتے رہیں، خواہ کھانا دے کر، خواہ رقم دے کر، اس سے

حج مبرور ہوتا ہے، اور یہ بھی کہ حج وعمرہ میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ آدمی کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حج وعمرہ تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح ختم کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ (ترمذی شریف، حدیث: ۸۱۰)

## صبر وتحمل اور میانہ روی:

حاجی اگر سفر شروع کرنے سے پہلے بطور خاص تین باتوں کا اہتمام کرلے، تو سفر کی مشقت آسان ہو جائے گی، اور ایک صاف ستھرا سفر ہوگا۔

**اول** یہ کہ اس سفر کا عبادت ہونا، اور عبادت کا ذریعہ ہونا خوب اچھی طرح مستحضر کرلے، اور ہر ہر جگہ اس استحضار کی تجدید کرتا رہے، اور ابتداء ہی سے دل میں یہ بات بٹھالے کہ جتنی بھی ناگواریاں، دشواریاں، اور تکلیفیں پیش آئیں گی، وہ سب گناہوں کو مٹاتی اور ثواب کو بڑھاتی رہیں گی، بھوک ہو، پیاس ہو، پروگرام کی بے ترتیبی ہو، تقدیم وتاخیر ہو، بدن کی تکان ہو، بے خوابی کا خمار ہو، کسی نے ناگوار بات کہہ دی ہو، غرض جو بات بھی ہو، وہ محض تکلیف نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں معاف کریں گے، آخرت کا درجہ بلند کریں گے، یہ سب ناگواریاں عبادت میں شامل ہوں گی، یہ عبادت اختیاری نہیں غیر اختیاری ہوگی، اور اس کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

**دوسرے** یہ کہ گھر سے نکلنے کے وقت غصہ اور بے صبری کو اپنے پاس سے رخصت کردے، غصہ اور بے صبری ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ ایک چلا جائے گا تو دوسرا بھی رخصت ہو جائے گا۔ طے کرلے کہ خواہ کتنی ہی خلاف طبیعت اور خلاف مزاج بات ہوگی غصہ نہیں کرنا ہے، سفر ہے اور وہ بھی بہت ہجوم کا، اس میں اپنے مزاج کے خلاف ہونا ناگزیر ہے، بس غصہ کی آگ سے اپنے آپ کو بچائیے، جدال، جس کی حق تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے، اس کی بنیاد بھی غصہ ہی ہے، اس کو حاجی اپنے سے جدا ہی رکھے، یہ نہ ہوگا تو صبر خود بخود ہوگا، صبر کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں جو کام کرنا ہے، اس میں لگے رہیں گے، ناگواریوں کے ساتھ الجھنا

پھر حکایت وشکایت کا دفتر کھولنا، کسی کو برا بھلا کہنا، یہ سب بے صبری ہے، چند دن کا سفر ہے، چند دن کی تکلیف سہہ لینا کیا مشکل ہے، لوگ اپنی بلڈنگ کی، اپنے معلم کی، حج کمیٹی کی، حج خدام کی بہت شکایتیں کرتے پھرتے ہیں، یہ بے صبری ہے، جو اللہ کو پسند نہیں ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ کیسی مقدس جگہ اللہ نے پہونچا دیا ہے، بہت بڑے احسان کا تصور ہوتا ہے، تو چھوٹی چھوٹی ناگواریاں فنا ہوجاتی ہیں۔

صبر وتحمل یہ دو بنیادی اوصاف ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی مدد بھی ان پر آتی ہے، اور مشکلیں بھی آسان ہوجاتی ہیں، قرآن پاک اور حدیث میں صبر کے بہت فضائل ومحامد بیان کئے گئے ہیں: **إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ**۔ (الزمر: ۱۰) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ اور غصہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: **وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ**، (سورہ آل عمران) اہل تقویٰ کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں۔

**تیسری** چیز جسے حاجی کو اہتمام کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ جلد بازی کسی مرحلہ میں نہ کرے، عبادت میں جلد بازی کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، نماز شروع ہوچکی ہو، تو دوڑ کر اس میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے، حج کے سفر میں بطور خاص اس کا اہتمام چاہئے کہ جلد بازی نہ ہو، یہ طریقہ اللہ کو پسند نہیں ہے، اس کے برخلاف اطمینان ووقار حق تعالیٰ کو پسند ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إذا اقيمت الصلوٰة فلا تاتوها وانتم تسعون واتوها وانتم تمشون وعليكم السكينة فماأدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا**۔

جب نماز کی جماعت کھڑی ہوچکی، تو تم دوڑ کر اس میں مت شامل ہو، بلکہ سکون کے ساتھ چل کر شامل ہو، پھر جو مل جائے پڑھ لو، اور جو فوت ہوجائے اس کو بعد میں پورا کرلو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے کوچ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے پیچھے

سے ایک زوردار آواز سنی ، کوئی صاحب اونٹ کو للکار کر تیز چلانا چاہ رہے تھے ، اور اونٹ بلبلا رہا تھا، آپ نے اپنے کوڑے سے اشارہ کیا اور فرمایا:

**أیھا الناس علیکم بالسکینة فان البر لیس بالایضاع** ۔(بخاری عن ابن عباس )اے لوگو! اطمینان اختیار کرو، دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

اگر ان تینوں باتوں کا اہتمام کیا گیا،تو سفر کی شکایتیں معدوم ہو جائیں گی ۔اس کے ساتھ چوتھی اہم چیز ہر ہر مرحلہ کی دعائیں ہیں ۔ جہاں کہیں دشواری محسوس ہو حق تعالیٰ کے حضور خلوص دل سے دعائیں کی جائیں ۔ مذکورہ بالا امور حق وعبادت ہیں اور اللہ کو پسند ہیں،ان پر کاربند ہوتے ہوئے جب دعا کی جائے گی ،تو ان شاء اللہ دم نقد قبول ہو گی ۔

**واللہ والموفق وھو المعین والمجیب**

(جنوری ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# احتجاج ومظاہرہ کی سیاست

چند نوجوانوں نے نہایت شدید جذباتی نعروں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بھیڑ اکٹھا کرلی تھی، اور اسے تحریک بنا کر ''علماء کونسل'' کا نام دیا، اور اسے پارلمنٹری سیاست میں اتار کر الیکشن میں حصہ لیا۔ اس سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہونچا، اس کا احتساب کیا گیا۔ یہ اور یہ اس کے بعد والا اداریہ اسی پس منظر میں لکھے گئے۔

علمائے دین فرماتے ہیں اور سچ فرماتے ہیں، کہ مذہب اسلام یعنی قرآن سنت کی تعلیمات، انسانی زندگی کے تمام اطراف وجوانب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، قدیم وجدید کوئی صورت حال ایسی نہیں ہے، جس میں شریعت اسلامی کی کوئی رہنمائی موجود نہ ہو، قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہو، رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں اس کی صراحت یا اشارہ نہ ہو، یہ بات بالکل سچ ہے، سو فیصد درست ہے، جب بھی کوئی صورت حال پیدا ہوگی، خواہ وہ کتنی ہی نئی ہو، تلاش کرنے والوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی حیثیت ونوعیت مل جائے گی، نہ صرف اس کی نوعیت اور اس کا حکم، بلکہ یہ ہدایت بھی ملے گی کہ اس صورت میں اسلام کس عمل اور کس طریقۂ کار کو چاہتا ہے؟

علمی اور نظریاتی اعتبار سے یہ بات جتنی مسلم اور بالا جماع ہے، جب عمل کا موقع آتا ہے، تو اتنا ہی اس نظریہ سے اعراض ہوتا ہے، بلکہ یوں لگتا ہے جیسے عملاً اس نظریہ کی تکذیب ہورہی ہو۔

انسانی زندگی کا ایک شعبہ عبادات کا ہے، اس حصۂ زندگی میں تو سنت وشریعت کا

خیال ہوتا ہے، اس سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، لیکن اس شعبہ کے علاوہ دوسرے شعبوں کا حال یہ ہے کہ ان میں دنیاوی اغراض ومقاصد اور نفسانی خواہشات وجذبات کا چونکہ براہ راست شمول ہوتا ہے، اس لئے شریعت سے یا تو کچھ پوچھا ہی نہیں جاتا کہ، کہیں اس کی رہنمائی ہمارے اغراض ومقاصد کے خلاف نہ ہوجائے، یا اگر کچھ پوچھنا ہی پڑتا ہے تو اس احتیاط وتحفظ کے ساتھ کہ اس کا جواب اپنے مزاج اور نفس وطبیعت کے خلاف نہ ہو، اخلاقیات ومالیات کا شعبہ بطور خاص اس سے متاثر ہے، اسی کے قدم بقدم معاشرات کا شعبہ ہے، لیکن اس معاملہ میں سب سے زیادہ جو شعبہ نظر انداز ہوا ہے ، ایسا جیسے اسلام اور شریعت سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو، وہ سیاسیات کا شعبہ ہے، خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت وسیاست ہو، یا غیر مسلموں کے درمیان، ان کی حکومت میں مسلمانوں کے سیاسی مسائل ہوں، یا تو پوچھا ہی نہیں جاتا کہ جو سیاسی اور ملکی مسائل درپیش ہیں، ان میں شریعت اور سنت کی تعلیم کیا ہے؟ یا طرز وانداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کا تعلق عبادات اور نکاح وطلاق وغیرہ سے ہو تو ہو، سیاست میں مذہب خاموش ہے، جو سیاست رائج الوقت ہو، پس اسی کے تانے بانے میں الجھے رہو، یہاں شریعت کہاں؟ اور سنت کیا چیز ہے؟

اخلاقیات کا حال یہ ہے کہ عملاً اسے دنیوی اغراض سے جوڑ دیا گیا ہے، خواہ ان اغراض کا تعلق مال سے ہو، یا عزت وجاہ سے، یا خاندان وقبیلہ سے، یا پارٹی اور گروہ بندی سے، اخلاق کا شعبہ کسی نہ کسی غرض سے وابستہ ہے، اس لئے اخلاقی اقدار کے اصول یکساں نہیں ہیں، ایک چیز جو میری غرض کے خلاف ہے وہ خواہ معاشرہ اور ماحول کے لئے جتنی بھی بہتر ہو، ناپسند اور غلط ہے، اور میری پسند کی جو چیز ہے خواہ وہ دوسروں کے لئے کتنی ہی مضر ہو ، وہ بہر حال بہتر ہے، جب اخلاقیات کی بنیاد یہ چیزیں قرار پاجائیں گی، تو ان کے بروئے کار لانے کیلئے سنت وشریعت کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن شریعت کا دبدبہ بہر حال قلوب پر ہے، تو اصحاب غرض کھینچ تان کر اغراضی اخلاق پر سنت وشریعت کا رنگ چڑھانے کی کوشش

کرتے ہیں، مثلاً دو شخصوں میں اختلاف ہے بلکہ عداوت ہے، اور محض نفسانی اغراض کی بنیاد پر ہے، مگر وہ دونوں چاہتے ہیں کہ اس عداوت وعناد کو پبلک کے سامنے خوبصورت اور ضروری بنا کر پیش کریں، تو اس کی کوئی شرعی، دینی اور اصولی بنیاد اختراع کرتے ہیں، اور دین ومذہب کی راہ سے اپنے گرد مجمع اکٹھا کرتے ہیں۔

مالیات کا حال یہ ہے کہ عموماً آدمی مسلمان ہو یا غیر مسلم!......اور غیر مسلم یہاں زیر بحث نہیں ہے...... مال ودولت کی جوع البقر میں مبتلا ہے، مال ہی مقصود بنا ہوا ہے، آدمی کی نقل وحرکت مال ہی کے محور پر ہوتی ہے، مال ہی آدمی کے ناپنے کا پیمانہ ہے، نہ دین نہ عقل، نہ خدمت نہ انسانیت! مالدار ہے تو وہ عقل مند ہے، خادم قوم وملت ہے، بڑا صاحب اخلاق ومروت ہے، اور اگر چند مذہبی رسوم کو بھی کبھی بجالاتا ہے، تو بڑا مذہبی بھی ہے، اور اگر مالدار نہیں ہے تو سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں ہے، بیوقوف ہے احمق ہے۔

جب مال کی یہ حیثیت قرار پا گئی، تو اس کی آمد ہو، یا اس کا خرچ، سب کچھ اسی جوع البقر (بے تحاشا حرص مال) کے تحت ہوگا، کیونکر شریعت سے کچھ پوچھنے جائیں، وہ تو حرص وہوس سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی رضا کے تحت نفی واثبات کرے گی، پھر تو سینۂ آرزو پر بھاری پتھر رکھنا پڑے گا جو کب گوارا ہوگا؟ پس شریعت کی چھٹی کردی، اور جس راستے سے چاہا کمایا، اور جس راستے میں چاہا، بہایا، اس سے اپنی کوئی غرض نفسانی پوری ہونی چاہئے، ہاں جب مال میں کوئی بحرانی افتاد پڑتی ہے، اور نقصان کی کوئی تلافی دکھائی نہیں دیتی تو اس وقت اللہ والے یاد آتے ہیں، اللہ کی شریعت پھر بھی نہیں یاد آتی، صرف اللہ والے یاد آتے ہیں، کہ ان سے دعائیں کرائیں، ان سے کوئی وظیفہ حاصل کریں، یہ بھی نہ ہو سکے تو ان سے کوئی تعویذ لیں تاکہ اللہ تعالیٰ یہ بحران دور کردیں، یہ خیال نہیں ہوگا کہ شریعت کا مسئلہ دریافت کر کے اپنے مالی معاملات اور آمد وصرف کا طریقہ درست کرلیں، بس یہ ہے کہ ہم جس حال میں اور جس طریق پر ہیں، رہنے دو، اور دعا کر کے یہ مصیبت ٹلا دو، پانی میں جو نجاست ہے، وہ اسی میں رہنے دو، اور پھونک کر پانی پاک کردو۔ کہاں وہ دعویٰ کہ شریعتِ اسلامی کی تعلیم ہمہ گیر

اور ہمہ جہت محیط ہے، اور کہاں یہ بے دلی کہ قریب جانے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

اور معاشرات یعنی خاندانی اور گھریلو مسائل میں بھی یہی حال ہے، پیدائش سے لے کر موت تک جتنے مسائل ہیں، شادی بیاہ سے تقسیم وراثت تک، ہر جگہ شریعت وسنت سے گریز وانحراف عام ہے، جس طرح نکاح کے سلسلے میں بے سروپا واہیات وخرافات رسوم اور بیجا اسراف کا چلن ہے، اس سے زیادہ وراثت کے معاملے میں شریعت کی حدود پامال کی جاتی ہیں، مشترک خاندان جس میں مال کی ملکیت ایک ہاتھ میں مرتکز ہوتی ہے، زندگی میں بھی اور خاندان کے کسی ایک ممبر کے مرنے کے بعد بھی جس طرح مال میں خلاف شرع بے انصافی کا رواج ہے، پوچھئے مت الامان والحفیظ۔ کیا صرف زبانی نعرہ کہ شریعت زندگی کے تمام مسائل کی کفیل ہے، کیا اس نعرہ اور اس طرز عمل میں کوئی مناسبت ہے؟

سیاسیات کا مسئلہ تو اور ناگفتہ بہ ہے، میں اس وقت ان مسلمانوں کی بات نہیں کرتا، جو خود تخت حکومت پر براجمان ہیں، اور کبھی شریعت کا نام لے کر اور کبھی اس کا نام لئے بغیر شرعی احکام کو پس پشت ڈالتے رہتے ہیں، میرے مخاطب اس وقت ملک ہندوستان کے مسلمان قائدین، لیڈر اور وہ علماء ہیں، جو میدان سیاست میں شہ سواری کر رہے ہیں، اور پوری ملت کی قیادت وزعامت کے دعویدار ہیں، ہمارے ملک میں حکومت نہ مسلمانوں کی ہے، نہ اسلام کی! قانونی اور دستوری اعتبار سے سیکولر حکومت ہے، یعنی کسی مذہب کی جانب داری نہیں ہے اور جمہوریت کے اصول پر کاربند ہے، حکومت کے لئے ذمہ دار افراد کے انتخاب میں تمام شہریوں کا حصہ ہے۔ دستوری طور پر تو یہی ہے لیکن افراد واشخاص کے لحاظ سے یہ ایک غیر مسلم حکومت ہے، کیونکہ وہی اکثریت میں ہیں، مسلمان اقلیت میں ہیں، اس لئے عملاً یہ محکوم ہیں، اس حکومت میں پارٹیوں اور افراد کے میلان ورجحان کے لحاظ سے اقلیتوں کے لئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جمہوری طرز حکومت میں یہ مسائل کیسے حل ہوں؟ خاص طور سے ہندوستان جن حالات کا شکار ہے، ان کی جڑیں بہت گہری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ انگریزوں کے زمانے تک ہندوستان ایک ملک تھا، انگریزوں نے اپنے دور میں

خصوصیت کے ساتھ ہندو مسلم فرقہ واریت پھیلائی، آپس میں نفرت کا بیج بویا، جب فرقہ واریت خوب گرم ہوگئی، اور لوہا تیار ہو گیا تو اس ملک کے دو ٹکڑے کر دئے، بلکہ تین! پاکستان کے نام پر دو حصۂ زمین، اور دونوں کے درمیان ایک وسیع و عریض ملک ہندوستان!

پھر دونوں میں اتنی نفرت بھر دی کہ ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی دوستی اور باہمی اعتماد کی کوئی کرن نہیں پھوٹی، اور یہ منافرت مذہبی بنیاد پر پیدا کی گئی۔ ہندوستان کا ہندو پاکستان کے مسلمانوں کا دشمن، اور پاکستان کا مسلمان ہندوستان کے ہندوؤں کا دشمن! اب کشمکش بلکہ مصیبت میں ہندوستان کے مسلمان ہیں، یہ مذہباً مسلمان ہیں، اس لئے ان کو دنیا جہاں کے مسلمان سے لگاؤ ہے، اور وطناً ہندوستانی ہیں، اس لئے اپنے وطن سے انھیں محبت ہے، پاکستانی مسلمان ان سے بدک رہا ہے، کیونکہ یہ ہندوستانی ہیں، اور ہندوستان کا ہندو انھیں شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیونکہ یہ مسلمان ہیں۔ پاکستان میں کچھ ہوتا ہے تو یہ موردِ الزام ٹھہرائے جاتے ہیں، اس کشمکش کا خمیازہ ہندوستانی مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات، مسلم نوجوانوں کے قتل ناحق اور گرفتاریٔ بے جا نیز بے تکے مقدمات میں ابتلاء اور جیل کی کال کوٹھریوں کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اس درد کا درماں کیا ہے؟ اور اس مرض کی دوا کیا ہونی چاہئے؟ جمہوری طرز حکومت میں لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے احتجاج اور مظاہروں کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، چنانچہ مسائل صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں مختلف سیاسی پارٹیوں کے بھی اپنے اپنے مسائل و مفادات ہیں، اکثریت کے بھی کچھ مسائل ہیں، ہندوستان کی دوسری اقلیتوں کے ساتھ بھی پیچیدگیاں ہیں، اور اس جمہوری طرز کے ہنگاموں سے ہمارا ملک بیشتر اوقات بلبلاتا رہتا ہے۔

کیا ان مسائل میں اسلام کی کوئی تعلیم نہیں، ہمارے بیشتر قائدین نے وہ طرز عمل اختیار کیا ہے، جیسے ہمارے دین کی تعلیمات نے اس صورت حال سے کوئی تعرض کیا ہی نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ بس دنیاوی طریقۂ جمہوریت ہے، حالانکہ احتجاج اور مظاہروں کی سیاست

سے اب تک زیادہ تر نقصان ہی ہوا ہے، ملی بھی، اجتماعی بھی، انفرادی بھی! ہر احتجاج اور ہر مظاہرہ کے بعد ملت کے مسائل میں کچھ گرہیں مزید پڑ جاتی ہیں، احتجاج اور مظاہرے کی سیاست دوسروں کے لئے چاہے مفید ہو، مگر مسلمانوں کے حق میں اس کی افادیت نہایت مشکوک ہے، یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ جو تدبیر ایک قوم کے لئے مفید ہو، وہ دوسری قوم کے لئے بھی مفید ہو، کیونکہ مزاج الگ ہیں، مقصد جدا ہے، طریقہ مختلف ہے، ہے تو لطیفہ مگر بات سمجھانے کے لئے بہت عمدہ ہے۔

کسی جگہ ایک آدمی تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا، چڑھ تو گیا، مگر اترنا اس کے لئے مصیبت بن گیا، وہ چیخنے چلانے لگا۔ لوگ جمع ہوئے، حیران تھے کہ اسے کیونکر اتارا جائے، ایک صاحب ہر جگہ اپنی منطق لگانے والے! تشریف لائے، انھوں نے فرمایا کہ ایک رسہ لاؤ ،لوگ موٹا سا رسہ لائے، ان کی ہدایت پر چند نوجوانوں نے اوپر اچھالا، اوپر والے کو ہدایت ملی کہ اسے پکڑ کر اپنی کمر میں باندھ لو، اس نے تعمیل کی، انھوں نے نوجوانوں کو حکم دیا کہ اسے نیچے کھینچو، زور سے جھٹکا دیا گیا، وہ شخص زمین پر گر کر چکنا چور ہو گیا، بدن تو نیچے آ گیا مگر روح اوپر چلی گئی۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ فرمانے لگے اس کی قسمت! ورنہ میں نے اسی طریقے سے بہتوں کو کنویں سے نکالا ہے۔

کنویں میں گرے ہوئے کو بچانے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہی تاڑ پر چڑھے ہوئے آدمی پر آزمایا گیا، تو نتیجہ کچھ سے کچھ نکلا، امت مسلمہ کا مزاج وہ نہیں ہے جو دوسری اقوام کا ہے، پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا، ایسا ہی ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔

عجیب بات ہے کہ جن چیزوں میں پڑ کر، ایمان اور ایمانی اخلاق و عمل خطرے میں پڑتا ہے، مشورہ دیا جاتا ہے کہ اپنی طاقت و قوت اور دفع مصائب کے لئے انھیں چیزوں کو اختیار کرو، قرار دیا گیا کہ اس زمانے میں ذرائع ابلاغ، یعنی پروپیگنڈہ کی مشینری میں بڑی طاقت ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ ٹی۔وی، انٹرنیٹ اور اس طرح کی دوسری لغویات اختیار کریں، اور ستم یہ ہے کہ اسے **وأعدوا لهم ما استطعتم** (اور کفار کے لئے

جس طاقت وقوت کی استطاعت ہو، اسے تیار رکھو) کے ارشاد کی تعمیل قرار دیا جارہا ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ آدمی کے باطن اور اندرون کو آزاد چھوڑ کر باہر کی چیزیں طاقت کے نام پر اس کے ہاتھ میں دیدی جائیں، اگر ایسا کیا گیا تو طاقت دوسروں پر استعمال ہونے کے بجائے اپنے ہی ایمان وعمل صالح کا گلا گھونٹ دے گی۔

نہ ظاہر پر اسلامی احکام وقوانین کا اثر، نہ باطن میں دینی وایمانی رنگ! پھر یہ طریقے اور ہتھیار کس قدر مفید ثابت ہوں گے؟ ان اجتماعی مسائل کے حل کے لئے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں بہت کچھ ہے۔ مسلمان کے مسئلوں کا حل صرف ظاہری تدبیروں سے نہیں ہے، بلکہ اس کا زیادہ تر انحصار نصرت غیبی پر ہے، اور نصرت الٰہی گناہوں اور نافرمانیوں اور خود ساختہ طریقوں اور نظریوں پر نہیں آتی، وہ اطاعت وفرمانبرداری ہی پر آتی ہے، جسے قرآن کریم نے صبر اور تقویٰ سے تعبیر کیا ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کیسے بھی سنگین حالات ہوں، آدمی اپنے طریقے پر مضبوطی سے جمارہے، یہ نہیں کہ حالات ذرا بدلے اور ہم نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ فریاد، مظاہرہ، احتجاج، شکوہ وشکایت! یہ بے صبری کے شاخسانے ہیں۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ ان حالات میں قدم پھونک کر اٹھائے، حالات سے زیادہ خالق حالات پر نظر رکھے، کوئی کام ایسا سرزد نہ ہو جس سے حق تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔

ان حالات میں جبکہ نابرابری اور ناانصافی حکومت کی طرف سے ہو رہی ہو، اور شریعت کی طرف سے علم بغاوت بلند کرنے کی اجازت نہ ہو، کیونکہ اس سے بڑا شر پیدا ہوگا، کیا کرنا چاہئے؟ اسے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد میں ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میرے بعد مفاد پرستانہ ترجیحات ہوں گی، اور ایسے کام ہوں گے، جنھیں تم نہیں جانتے پہچانتے ہوگے، لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! تب ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا تم پر جو حقوق ہیں وہ تم ادا کرنا، اور تمہارا جو حق ہے اس کا سوال اللہ سے کرنا (بخاری شریف: باب علامات النبوۃ، حدیث: ۳۶۰۳، کتاب الفتن: ۷۰۵۲)

حدیث میں لفظ اثرۃ آیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی حقوق ومنافع میں صاحب حق پر دوسرے کو ترجیح دی جائے، اور وہ امور جنھیں حضرات صحابہ نہیں جانتے پہچانتے تھے، وہ ظاہر ہے کہ برے اور غلط امور ہی ہیں۔

اس حدیث کا تعلق حکمرانوں سے ہے، حکومت کی غلط اندیشی اور غلط روی یہ ہوگی، کہ جو لوگ کسی فائدے یا کسی حق کے مستحق ہوں گے، وہ تو نظر انداز کردئے جائیں گے، اور نااہل لوگ بغیر کسی استحقاق کے وہ حقوق پا جائیں گے، اور غلط روی کا چلن ہوگا۔ ایسے وقت رعایا کو کیا کرنا چاہئے؟

طبرانی کی روایت میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرام نے عرض کیا، جب ہم پر جو حکام ہوں، وہ اپنا تو حق ہم سے وصول کرلیں، اور ہمارا جو حق ہے اسے نہ دیں، تو کیا ہم ان سے لڑ جائیں۔ فرمایا نہیں! ان پر جو ذمہ داری ہے، اس کے جواب دہ تو وہ ہیں، اور تم پر جو ذمہ داری ہے، اس کے جواب دہ تم ہو۔ (فتح الباری: کتاب الفتن)

صاحب فتح الباری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا، آپ کی امت آپ کے بعد فتنے میں پڑے گی، میں نے کہا وہ کہاں سے؟ بولے کہ اپنے حکام اور علماء کی جانب سے، حکام ان کا حق انھیں نہیں دیں گے، پس وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے، اور فتنے میں پڑیں گے، اور علماء ان حکام کی پیروی اور کاسہ لیسی کریں گے، تو فتنے میں پڑیں گے، میں نے پوچھا تب بچنے والا کیسے بچے؟ کہا، رک جانے اور صبر کرنے سے، اگر وہ حکام دیں تو لے لے، اور اگر نہ دیں تو چھوڑ دے۔ (حوالہ سابق)

اس حدیث سے حقوق طلبی، احتجاج اور مظاہروں کی شرعی حیثیت معلوم ہوتی ہے! واقعہ یہ ہے کہ حکومتوں سے ٹکرانے کا یہ صحیح راستہ نہیں ہے، اس کا شرعی طریقہ وہی ہے، جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے، یعنی ہر شخص اپنی ذمہ داری پہچانے اور جو حق اس کے اوپر دوسروں کا ہے، اور اس میں حکومت بھی داخل ہے، یعنی

ایماندارانہ طور سے جو حقوق حکومت کے ہمارے اوپر ہیں، ان کو ہم پوری ذمہ داری سے ادا کریں، حقوق طلبی کا آدھا راستہ تو اسی سے طے ہو جائے گا، آدمی نے اپنی ذمہ داری خوش اُسلوبی سے ادا کی تو اس نے اللہ کا حکم پورا کیا اور اللہ کی رضا اسے حاصل ہوئی، اور اللہ کی رضا ہر خیر کی بنیاد ہے، پھر اس کا فطری اثر یہ ہوتا ہے کہ جس کا ہم نے حق ادا کیا ہے، وہ منجاب اللہ اپنے دل میں نرمی اور محبت پاتا ہے، پھر اس کے دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ جس نے میرا حق ادا کیا ہے، اس کا حق بھی ادا کر دینا چاہئے، یہ آدھا راستہ ہو گیا، باقی آدھے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کی دعا کرے، حق تعالیٰ کی منظوری ہو جائے گی تو کوئی اس کے حق کو روک نہیں سکتا۔

میری اس تحریر کو پڑھ کر بعض لوگ مسکرائیں گے، کہ لکھنے والا کس زمانہ کی بات اس زمانے میں لکھ رہا ہے، جبکہ حکومتیں بہری اور گونگی ہو رہی ہیں، ان کے سامنے جب تک ہڑبونگ نہ مچائی جائے گی، چیخا چلایا نہ جائے گا، نہ اس کے کان کھلیں گے اور نہ زبان کھلے گی۔ میں عرض کروں گا، یہی غلط اندیشی ہے اور شریعت کے خلاف ہے، حکومت کی غلطی آپ نے دیکھ لی، کبھی اپنی غلطی بھی دیکھی، آپ کے اوپر جو حق ہے، وہ آپ نے کتنا ادا کیا، اور حکومت کو کتنا دھوکا دیا۔ لوگ حکومت کے حقوق جو ان پر ہیں چھپا اور بچا لے جاتے ہیں، اور اسے اپنی فنکاری اور ہنر قرار دیتے ہیں، اور حکومت جب ان پر طاقت استعمال کرتی ہے تو انھیں اپنے وہ سارے حقوق یاد آنے لگتے ہیں، جو حکومت کے اوپر ہیں، یہ لینے اور دینے کے دو پیمانے رعایا نے بنا رکھے ہیں، پھر حکومت سے مہربانی کی توقع رکھتے ہیں، پس سیدھا اور صحیح راستہ وہی ہے، جو لسانِ نبوت نے بیان کیا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرو، ہر ایک کا حق اسے دو، اور جو تمہارا حق دوسروں پر ہے اس سے لڑ کر مطالبہ کرنے کے بجائے، اللہ سے مانگو، اس طریقۂ عمل سے کتنے مسائل تو پیدا ہی نہ ہوں گے، اور جو پیدا ہوں گے، وہ بآسانی حل ہو جائیں گے۔

آج کا عام مزاج یہ ہو گیا ہے کہ اپنی کوئی خامی، کوئی کمی، اپنا کوئی ظلم، اپنی حق تلفی

آدمی کو نظر نہیں آتی ہے، سب عیب دوسروں میں ہی نظر آتا ہے، یہی حال فریق ثانی کا بھی ہے، وہ اپنا کوئی عیب نہیں دیکھتا، دوسرا ہی اسے سراپا عیب نظر آتا ہے، پس دونوں آپس میں دست وگریباں ہوتے رہتے ہیں اور امن وامان رخصت ہوجاتا ہے۔

حکومت سے اگر ٹکرانا ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر پانچ سال پر الیکشن ہوتا ہے، الیکشن میں اسے ووٹ نہ دیجئے، مگر کس کو دیجئے گا، یہ سوال بہت ٹیڑھا ہے، لیکن جو بھی حکومت قائم ہے، اس کے ایماندارانہ حقوق ادا کریں، اور ناانصافیاں اس طرح دور کریں کہ اپنے اندر جو ناانصافیاں ہیں، انھیں ختم کریں، اور اللہ سے دعا کریں، ان شاء اللہ وہ حالات باذن الٰہی پیدا ہوجائیں گے جنھیں گوارا کیا جاسکے، اور یہ بھی دعا کریں۔ **أَللّٰهُمَّ لَاتُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَايَرْحَمُنَا**، آمین، اے اللہ! ہم پر ایسی کوئی حکومت مسلط نہ فرمایئے، جو ہم پر رحم نہ کرے۔

حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسی دربار سے مانگئے جو کچھ مانگنا ہو، اور مانگنے کے شرائط پورا کیجئے۔

(فروری ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مسلمانانِ ہند اور جمہوری حکومت

الیکشن کا طوفان اتر چکا ہے، لوگوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے، توقعات اور امیدوں کے خواب بکھر گئے، جو سوچا گیا تھا وہ نہیں ہوا، جو بات خیال میں نہ تھی وہ وجود میں آ گئی۔ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ کا نقشہ ایک بار پھر نظروں کے سامنے آ گیا، وہ عقل ودانائی جو قرآن وحدیث کے تعلیمات سے روشن ہے وہ مطمئن ہے، وہ حکومت کو نہیں، حکومت کے زمام اختیار کو دیکھ رہی ہے کہ وہ کس کے ہاتھ میں ہے، روزِ ازل سے اللہ کا فرمان یہی ہے جسے حق تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرما کر قیامت تک اہل ایمان کی زبانوں پر جاری فرما دیا ہے، تاکہ ہر دور میں، ہر ملک میں، ہر ہر فرد یہاں تک کہ بچہ بچہ، اس فرمان کا منادی بن جائے، اور ساری دنیا میں اس کی گونج سنائی دے: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ٥ (سورہ آل عمران: ۲۶) تم کہہ دو! اے اللہ! اے ملک کے مالک، آپ جسے چاہیں ملک بخشیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیں، جسے چاہیں غلبہ دیں اور جسے چاہیں بے سروسامان کر دیں، آپ ہی کے ہاتھ میں خیر ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

پس حکومتوں کا ردوبدل یا اس کا قیام واستحکام سب اسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ تصرفات اسباب کے پردوں سے جلوہ گر ہوتے ہیں، اور یہ اسباب بظاہر بندوں کے ہاتھوں ظہور کرتے ہیں، اس لئے عام انسانی طبیعت اسباب کی تہوں میں جھانکتی اور غور کرتی ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کے پیچھے یہ نتائج نمودار ہوئے ہیں، اوران اسباب کا کیا بہتر سے بہتر استعمال، انسانی اختیار وتصرف میں ہے، کہ اس کے

بہتر نتائج حاصل ہوسکیں۔

ہندوستان سے انگریزی سامراج نے جب سے اپنا خیمہ اکھاڑا ہے اور یہ ملک جب سے دو بلکہ تین حصوں میں تقسیم ہوا ہے، اس کے بعد سے ملک کا وہ حصہ جو ہندوستان کے نام سے نامزد ہے، جس میں تعداد کے لحاظ سے ہندو اکثریت میں ہیں، اوران کے بعد اقلیتوں میں سب سے بڑی اقلیت مسلمان ہیں، مسلمانوں کے بعد سکھ اور عیسائی قدرے قابل ذکر ہیں۔ ایک بہت مختصر تعداد یہودی، پارسی، جین اور بدھ مذہب کی ہے، اس اکثریت اور ان اقلیتوں پر مشتمل ملک میں جمہوریت کی حکمرانی ہے۔ جمہوریت میں کسی خاص مذہب، برادری یا طبقے کی حکومت نہیں ہوتی، بلکہ ملک کے تمام تر عوام اس کی تشکیل میں فرداً فرداً حصہ لیتے ہیں، اور جس پارٹی یا طبقے کے حق میں زیادہ رائے آجاتی ہے اس کی حکومت بنتی ہے، لیکن اس حکومت پر پابندی ہوتی ہے کہ ملک کے تمام باشندوں کے خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں، مفاد کا تحفظ کرے اور ملک کی ترقیات میں انھیں بھی شریک کرے۔ یہ حکومتیں پانچ سال کے لئے بنتی ہیں، پانچ سال میں اگران کی کارکردگی اطمینان بخش ہوئی تو دوبارہ عوام کی رائے ان کے حق میں آتی ہے ورنہ انھیں تختِ حکومت سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔

ہم اپنے ملک میں ہر پانچ سال پر بلکہ نظام کی خرابی اور پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی کے الیکشنوں میں توافق نہ ہونے کی صورت میں ہر دو تین سال کے وقفے سے الیکشن کے طوفانِ برق و باراں میں تہ و بالا ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے اس تماشے میں اور الیکشنوں کے اس طوفان میں اوروں کا جو بھی حال ہو، میں بحیثیت ایک مسلمان اپنا یعنی مسلمانوں کا محاسبہ کرنا چاہتا ہوں، میں میدانِ سیاست کا آدمی نہیں ہوں، اور نہ عملاً اس سے کوئی دلچسپی رکھتا، اور نہ اب تک اس موضوع پر کچھ لکھا ہے، لیکن اب کی بار کے الیکشن کے بعض خاص حالات نے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اس لئے بطور احتساب کے کچھ سوچتا ہوں اور کچھ لکھتا ہوں۔ میں دوسروں کو کچھ نہیں کہتا، ملت اسلامیہ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

کہنے کو تو ہندوستانی جمہوریت میں متعدد مذاہب ہیں، اور ہر ایک کے ماننے والے کم وبیش موجود ہیں، اور ہندو مذہب کی اکثریت کے بعد سب کا شمار اقلیت کے دائرے میں ہے، مگر اب تک جو کچھ تجربے میں آیا ہے، اور یہی انسان کی فطری کمزوریوں کا لازمی نتیجہ بھی ہے، کہ اس ملک میں دو ہی مذہب ہیں اور دو ہی گروہ ہیں، ایک مسلم اور دوسرے غیر مسلم! جب تک مسلمانوں سے کوئی ظاہری مقابلہ نہیں ہے، غیر مسلم متعدد گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں، اور جب کسی بھی مفاد میں مسلمانوں سے مقابلے اور ٹکراؤ کی صورت ہوتی ہے، تو سارا غیر مسلم ''فرقۂ واحدہ'' بن جاتا ہے، تو حاصل یہ ہے کہ اس ملک میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں ہیں۔

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے جب نجات ملی، تو یہاں کے باشندوں نے جمہوری حکومت بنائی، اور اکثریت میں ہونے کی بنا پر حکومت کی باگ ڈور غیر مسلموں کے ہاتھ میں آئی، گوکہ مسلمانوں کی بھی شرکت اس میں رہی، مگر عملاً وہ شریک مغلوب رہے، فرقہ واریت کا عفریت انگریزوں کے دور میں ہی ظاہر ہو چکا تھا، آزادی کے بعد یہ خوفناک دیو آہستہ آہستہ اپنے دست وبازو نکالتا رہا، کچھ حکمرانوں نے بھی اسے شہ دی، جمہوری حکومت کا شاید کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں فرقہ پروری اور جاہلانہ عصبیت کی پرورش نہ کی گئی ہو، اور اقلیت کے سامنے نئے نئے مسائل نہ کھڑے کیے گئے ہوں، فسادات کے ذریعہ نسل کشی ودل شکستگی، قید وبند کی بے رحمیاں، اسلامی احکام ونظریات پر حملے، مدارس اسلامیہ پر شکوک وشبہات کی نگاہیں، ان پر الزام تراشیاں، یہ حالات مسلسل آتے رہے، جمہوری حکمرانوں کا یہ تشدد اور ان کا یہ نازیبا سلوک صرف مسلم اقلیت کے ساتھ نہیں، ہندوستان میں بسنے والے اور بھی طبقات کے ساتھ بھی جاری رہا، جس کے ردعمل میں حکمراں پارٹی سے بددلی عام ہوئی، اس پر جو اعتماد کیا گیا تھا وہ جاتا رہا، چنانچہ حکمراں پارٹی کو متعدد بار دھکے لگے اور س کے پرزے اڑتے رہے، نئی نئی پارٹیاں وجود میں آئیں، فرقہ پرستی بھی بڑھی، اب ہمارا ملک مختلف چھوٹی بڑی پارٹیوں کا ملغوبہ بن گیا ہے، ہر پارٹی اپنی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے، اس وقت ملک کی کوئی

پارٹی ایسی نہیں ہے جو تنہا اپنی حکومت بنا سکے، جب کوئی پارٹی اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ایک مجموعی محاذ بناتی تب وہ اس لائق ہوتی ہے کہ اپنی حکومت بنائے، ان مختلف چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیوں کا فائدہ ملک کے مختلف طبقات کو پہونچا، مگر مسلم اقلیت کے مسائل جوں کے توں رہے، بلکہ بعض سنگین نئے مسائل کا اضافہ ہوگیا، مثلاً مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا گیا، مسلم نوجوانوں کو ملک دشمن تحریکات کے ساتھ وابستہ ہونے کا الزام لگا کر قتل وقید میں مبتلا کیا گیا۔ یہ سلسلہ روز افزوں ہے، اس قتل وخونریزی اور قید وبند کے نشانے پر ملک کے متعدد علاقے آئے، لیکن خصوصیت کے ساتھ ضلع اعظم گڈھ اس مصیبت میں زیادہ مبتلا ہوا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے۔ کتنی مسلم تنظیمیں ہیں جو اس موضوع پر کوشش کرسکتی ہیں مگر سب کے کچھ داخلی مسائل الجھے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ کما حقہ توجہ نہیں دے پاتیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ دور خود غرضی اور مفاد پرستی کا دور ہے، جس کو جس راستے سے اپنا مفاد دکھائی دیتا ہے اُدھر ہی وہ چل پڑتا ہے، اس لئے کب کون کیا تحریک لے کر کھڑا ہو، اور کب کون کس سے پہلو تہی کر جائے، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ نیتیں مشتبہ ہیں، سامنے کچھ، پیچھے کچھ، ظاہر کچھ، باطن کچھ کا اتنا تماشہ ہوتا ہے کہ کون کس پر اعتماد کرے۔

اسی بے اطمینانی اور خوف وہراس کے سائے میں پارلیمنٹ کا حالیہ الیکشن قدم بڑھاتا آرہا تھا، ہر پارٹی الیکشن کی تیاری کے لئے اپنے پروگرام مرتب کررہی تھی۔ اسی دوران اعظم گڈھ میں مسلمانوں کے ایک خاص خطے میں نئی ہلچل شروع ہوئی اور دیکھا گیا کہ کچھ لوگ جن کا کوئی خاص سیاسی پس منظر نہیں ہے وہ یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ یہاں کی کوئی پارٹی مسلمانوں کی ہمدرد نہیں ہے، اتنے اتنے فسادات ہوئے، گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، مسلمان نوجوانوں کو جہاں تہاں سے ایک ہی طرح کے الزام میں گرفتار کیا گیا، لیکن کوئی پارٹی منظّم طور پر اس کا نوٹس نہیں لے رہی ہے، نوجوان جیلوں میں سڑ رہے ہیں، ان کی جوانیاں برباد ہورہی ہیں، ان کے ماں باپ تصویرِ غم اور ان کے گھر ماتم کدے بنے ہوئے، مگر کوئی ان کے آنسو پونچھنے والا نہیں، لہٰذا یہ سب پارٹیاں القط! اب خود ہمیں اپنی تنظیم بنانی

ہے، اور اپنی لڑائی خود لڑنی ہے، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تنظیم علماء کے نام پر وجود میں آگئی، یہ تنظیم مسلمان نوجوانوں کے قتل وقید کے مسئلے کو لے کر اٹھی اور چونکہ یہ جذباتی مسئلہ تھا، اس لئے مسلم نوجوانوں کا ایک طبقہ اس کے ساتھ ایک خاص جوش وخروش کے ساتھ وابستہ ہوگیا، اس نے مسلمان نوجوانوں کے قتل وقید کے مسئلے کو لے کر ابتداء ہی میں دہلی اور لکھنؤ پر ٹرین سے دھاوا بول دیا۔ اس سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچا؟ یہ تو محل غور ہے۔ کوئی مسلم نوجوان قید سے اور الزام سے رہائی تو پا نہ سکا، البتہ مسلم نوجوانوں کے اس شور شرابہ سے غیر مسلم عوام چونک پڑی، ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ اس تنظیم نے پارلمنٹری الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا، پھر اس تنظیم کی طرف سے اور اس کے لیڈروں کی طرف سے مسلسل اشتعال انگیز بیانات کا ایسا آتش فشاں دہانہ کھل گیا کہ ہر طرف ماحول گرم ہوگیا، سنجیدہ اور ہوش مند افراد تو متحیر ہوئے اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ یہ آتش فشاں دہانہ کیونکر بند ہو۔ عوام کا مزاج اتنا جذباتی ہوگیا کہ جیسے مسلمانوں کی نجات دہندہ تنظیم وجود میں آگئی ہو، ماحول کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگیا کہ یہ تنظیم مدار کفر وایمان بن گئی، اگر کسی نے اس کے متعلق کچھ کہنا چاہا، تو اس کی عزت وآبرو خطرے میں پڑگئی، یہ تو ایک خاص حلقے کی مسلم عوام کا حال ہوا۔ اور اس حلقے کے غیر مسلموں کا حال یہ ہوا کہ وہ سمٹ سمٹ کر فرقہ وارانہ تنظیم کی طرف بڑھنے لگے، اور انھیں اطمینان ہوا کہ جو کام پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، اب ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں سے اگر تصادم کی راہ نکلی تو غیر مسلم "ملۃ واحدۃ" ہوگا، چنانچہ تمام دوسری پارٹیوں کے ووٹ سمٹ کر فرقہ پرور پارٹی بھاجپا کی جھولی میں گرنے لگے۔

پھر جب الیکشن ہوا، اور نتیجہ ظاہر ہوا تو پتہ چلا کہ مسلمانوں کی اس تنظیم کا کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہوا، اتنا ہی نہیں مشرقی یوپی میں کوئی بھی مسلمان امیدوار کسی بھی پارٹی سے کامیاب نہیں ہوا، گویا پارلیمنٹ میں مشرقی یوپی کے مسلمانوں کا صفایا ہوگیا، اور اس تنظیمِ نو کا جو مرکزی مقام ہے یعنی اعظم گڈھ شہر کا حلقہ اس میں جن سنگھ یا بھاجپا کا کوئی امیدوار آزادی کے بعد سے کبھی نہیں کامیاب ہوا تھا، بھاجپا کی نظریں اس پر کافی عرصہ سے لگی ہوئی

تھیں، اس الیکشن میں اس تنظیم کی برکت بھاجپا کو ملی، اور پارلیمنٹ کا بھاجپائی ممبر کامیاب ہوگیا، اس تنظیم نے مسلمانوں کا ووٹ بڑی تعداد میں اپنی طرف پھیرلیا، حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ غیر مسلم انھیں مطلقاً ووٹ نہ دے گا، اور صرف مسلمانوں کے اکثر ووٹ سے اس کے امیدواروں کا کامیاب ہونا ممکن نہیں، لیکن بہرحال اسے ضد تھی، مسلمانوں کے ہزاروں ہزار ووٹوں کو اس نے بے اثر کردیا۔

ان نادانوں نے مسلمانوں کو تو کوئی فائدہ پہونچایا نہیں، دوسروں کو ضرور متحد ومضبوط کردیا، یہ کہتے تھے کہ ہم اپنی طاقت دکھانا چاہتے ہیں، اللہ جانے کس کو دکھانا چاہتے تھے، اور طاقت تو دکھا نہیں سکے البتہ ملک کی تمامتر نگاہوں کے سامنے یہ منظر آگیا کہ بلند بانگ دعووں سمیت چاروں شانے چت ہیں، اور انھوں نے مسلمانوں کا مزاج اتنا بگاڑ دیا ہے کہ شاید اب کوئی سنجیدہ بات ان کے کان تک بھی نہ جاسکے۔

وہ تو اللہ تعالیٰ نے سیاست کے نقشے میں ایسا تصرف کیا کہ بھاجپا کے امیدوار ملک کے طول وعرض میں بکثرت ہار گئے اور جتنی تعداد کی انھیں پارلیمنٹ میں پہونچنے کی توقع تھی اتنے امیدوار نہ پہونچ سکے، اس لئے وہ پھیکی ہوگئی، ورنہ اعظم گڈھ کے حلقے کی کامیابی کو وہ فتح عظیم بنا کر پیش کرتی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں خواہ جتنی پارٹیاں ہوں، اور خواہ جتنی قومیں اور برادریاں ہوں، اقلیت اکثریت کا مدار یہاں ان ٹکڑیوں پر نہیں ہے بلکہ مذہب پر ہے، اور جہاں مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کی بڑی تعداد کے ساتھ موجود ہو، وہاں گوعملاً واسماً بہت سے مذاہب ہوں مگر تقابل دو ہی مذہب کا ہوگا، ایک اسلام اور ایک کفر وشرک، کفر وشرک کی چاہے جتنی متحارب شکلیں ہوں، وہ سب اسلام کے مقابلے میں ایک ہیں، پس یہاں مسلمان عددی اعتبار سے اقلیت میں ہیں اور اہل کفر وشرک اکثریت میں ہیں، اس ماحول میں غیر مسلم اکثریت اپنے مفاد یا مجبوری کے تحت مسلمانوں کا کام کرسکتی ہے مگر اس کو کبھی مسلمانوں کے مفاد سے براہ راست کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی، لہٰذا ان سے کام لینے اور

انھیں اپنے حق میں مفید بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ ہے اخلاق وانسانیت! اسلام نے اخلاق واحسان کو بہت اہمیت دی ہے، ہمارا پڑوسی ہمارے اخلاق کا بہترین موقع ہے۔ کسی غیر مسلم کی خوشامد نہیں، اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کے جذبے سے، اللہ کی خوشنودی کے لئے اگر اخلاق کا برتاؤ کیا جائے، تو یہ امت مسلمہ کیلئے بڑا زبردست ہتھیار ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کی اس تعلیم کو چھوڑ دیا ہے اور دوسرے راستے سے اپنا غلبہ چاہتے ہیں۔

یہاں اگر مسلمانوں کی کوئی سیاسی پارٹی بنائی جائے اور اسی بنیاد پر دوسروں کو للکارا جائے گا تو ردعمل کے طور پر لازم ہے کہ کفروشرک میں بھی اجتماعیت پیدا ہو جائے، جب تک مسلمانوں نے علیحدہ سیاسی پارٹی نہیں بنائی تھی تو پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد دکھائی دیتی تھی، اس الیکشن میں ووٹ مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم ہوا، تو پروانچل سے کوئی بھی مسلمان ممبر پارلیمنٹ نہ ہو سکا۔ اس موقع پر ہارنے کے بعد یہ تنظیم آئندہ اسمبلی کے الیکشن پر بھی نظر جمائے ہوئے ہے، یعنی اسمبلی سے بھی مسلمانوں کا صفایا کرائے گی۔ لا فعل اللہ

سچائی یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کی سیاسی پارٹی ان کے حق میں مضر ہی ہوگی، ہمارے اکابر علماء نے جو جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وملت کی خدمت کررہے تھے، آزادی کے بعد ایک فیصلہ کیا تھا، اور وہ فیصلہ بہت برحق اور درست تھا، اور جیسے وہ اس وقت برحق تھا آج بھی درست ہے، وہ یہ کہ جمعیۃ علماء ہند آئندہ پارلمنٹری سیاست میں حصہ نہ لے گی، اور نہ سیاسی پارٹی ہوگی۔ ان اکابر کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر مسلمانوں کی کوئی سیاسی پارٹی بنی اور وہ الیکشن میں حصہ لیتی رہی تو ہندوستان کی جمہوریت ختم ہوکر رہ جائے گی اور یہ ملک ہندو راشٹر بن جائے گا، کیونکہ پاکستان بن جانے کے بعد دو ایک علاقوں کے علاوہ کہیں بھی مسلم اکثریت نہیں ہے، اور جہاں ہے بھی الیکشن میں اسے بندر بانٹ کر کے مسلم اکثریت کو اقلیت میں لوٹا دیا جائے گا، پھر کہیں سے کوئی مسلمان کبھی کامیاب نہ ہوگا، اور پارلیمنٹ ہو یا اسمبلی صرف ہندو ہی ہندو ہوں گے، پھر اسے ہندو راشٹر بننے سے کون روک سکے گا۔

قاعدے کی بات یہ ہے کہ ملک بھر میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ نہ کوئی سیاسی پارٹی بنائے اور نہ بھاجپا کو مضبوط کرے، اپنے گردوپیش اس پارٹی اور اس امیدوار کو دیکھے جو فرقہ واریت کا مقابلہ کرسکے اور اس سلسلے میں اپنے حلقہ کے سنجیدہ اور باوقار ذمہ داروں سے رابطہ رکھے، اور وہ جس کی سفارش کریں اسے ووٹ دے، اور طاقت کی نمائش نہ کرے، اور نہ شوروغل کرے، خاموشی سے اپنی رائے دیدے۔

مسلمان ووٹ تو ایک ہی کو دیں، لیکن اخلاق وانسانیت کا برتاؤ سب کے ساتھ کریں، اصل فتح اخلاق وانسانیت کے ساتھ ہوتی ہے، بداخلاقی، لڑائی جھگڑا، جانبداری وکذب بیانی اور بے جا اعلان بے گناہی سے کسی کی نجات نہیں ہوتی، اور نہ ان سے کوئی غلبہ حاصل ہوتا۔ آدمی اللہ کا حق ادا کرے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ آسان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (سورہ آل عمران: ۱۲۰) اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو ان کی سازش سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا، بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کی قدرت میں ہے۔

اللہ کا حکم ہے تم دو کام اختیار کرو، صبر اور تقویٰ۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ ناگواریوں کے باوجود اپنے طریقے پر جمے رہنا، نہ گھبرانا، نہ طیش میں آنا، نہ میدان چھوڑ کر بھاگنا، نہ عمل کو ترک کرنا، صبر کا دوسرا نام استقلال ہے۔ دوسری بات تقویٰ ہے، تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ نقصان دہ چیزوں سے بچنا، اور یہ بچنا صرف اللہ کے احکام کی تعمیل وتکمیل اور معاصی سے اجتناب کے ذریعے ہوتا ہے۔ جس قدر اللہ کی فرمانبرداری ہوگی، اسی قدر اللہ کی رحمت آئے گی۔ کاش مسلمان اس پر کسی درجے میں عمل کرلیتے، تو بہت کچھ کام آسان ہوجاتا، اور دشمنوں کا کوئی داؤ فریب کارگر نہ ہوتا، جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں، اور ان کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار پود بکھیر کر رکھ دیں، مسلمان اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھیں، پھر ان کے راستے سے سب کانٹے صاف کردئے جائیں گے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

(جولائی ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عقل مند کون؟

روز وشب کی گردش جاری ہے، سورج طلوع ہوتا ہے پھر غروب ہوتا ہے، لوگوں کی زندگی سے ہر روز ایک دن کم ہوجاتا ہے، ہر پیدا ہونے والا مسلسل زندگی سے موت کی طرف رواں دواں ہے، وہ نہیں جانتا کہ وہ منزل جس کا نام موت ہے کب آئے گی، لیکن یہ یقین ہے، ایسا یقین جس میں شبہ کا کوئی کانٹا کبھی نہیں چبھتا کہ وہ منزل آئے گی، وہ قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے۔ روز وشب اور ماہ وسال کی گردش آدمی پر مسلسل اثر انداز ہورہی ہے، کل کا بچہ آج جوان ہے، آج کا جوان کل کو بوڑھا ہوجائے گا، ایسا بوڑھا کہ شکل نہ پہچانی جائے گی، یہ سلسلہ کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ ہر آدمی اس الٹ پھیر میں تہ وبالا ہورہا ہے، پیدا ہوا تو گمنام بلکہ بے نام تھا، روز وشب کے سفر نے اسے آگے بڑھایا تو نامی گرامی بادشاہ بنا، علم وفضل میں مشہور ہوا، طاقت وقوت میں اس نے شہرت پائی، زمانہ میں اس کا آوازہ گونجا، لیکن ایک دن سورج طلوع ہوا تو وہ خاک کا ڈھیر تھا، شہرت فسانۂ ماضی بن گئی، طاقت قصہ پارینہ بن گئی، تختِ شاہی مٹی میں مل گیا، علم وفضل کی صرف یاد باقی رہ گئی۔

یہ گردش کیا ہے؟ یہ سفر کیسا ہے؟ کہ راستہ بھرا پُرا ہے، قافلہ مسافروں سے معمور ہے، مگر ہر روز کچھ مسافر اس قافلہ سے جدا ہورہے ہیں اور کچھ نئے شامل ہورہے ہیں، یہ کیا ہے؟ محض ایک سلسلہ ہے کہ لوگ اس میں جڑتے رہیں اور ٹوٹتے رہیں، یا اس میں کوئی حکمت ہے؟ اس کا کوئی خوشگوار یا ناگوار انجام ہے؟ اس میں کوئی خاص عبرت ہے؟ یہ سوال بہر حال پیدا ہوتا ہے، کچھ لوگ اسے اپنے زورِ عقل سے اسے حل کرنا چاہتے ہیں، لیکن جس عقل کا حال یہ ہے کہ اس کے علم کی روشنی نہ ماضی کو اجالا کرسکتی ہے اور نہ مستقبل میں کچھ

دکھا سکتی ہے، وہ غریب اس طویل سلسلۂ سفر کی حکمت کیا بتا سکتی ہے، اس کا حال تو یہ ہے کہ

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم

سنئے! انسان اپنے ناتمام علم اور اپنی نارسا عقل سے اس گتھی کو نہیں سلجھا سکتا، اس کو وہی بتا سکتا ہے جس کا علم اولین و آخرین کو محیط ہو، جس کی قدرت کامل ہو، جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، جو اِن دونوں کی گردش پر حکمراں ہے، اس سے پوچھئے، وہ کیا فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ٥ (سورہ آل عمران: ۱۹۰/۱۹۲)

بلاشبہ آسمان وزمین کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک کے آتے رہنے میں، اربابِ عقل وخرد کے لئے (معرفت حق کی) بڑی نشانیاں ہیں، وہ اربابِ عقل وخرد، جو کسی حال میں اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں (ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے) جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں (اس ذکر وفکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ پکار اٹھتے ہیں) خدایا! یہ سب کچھ جو آپ نے پیدا کیا ہے، سو بلاشبہ بے کار وعبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانۂ ہستی جو اس حکمت وخوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے، کوئی نہ کوئی غایت ومقصد رکھتا ہو) یقیناً آپ کی ذات (اس سے) پاک ہے (کہ ایک بیکار کام اس سے صادر ہو) خدایا! ہمیں عذابِ آتش سے (جو کہ دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچا لیجئے۔ خدایا! جس (بدبخت) کیلئے ایسا ہو کہ آپ اسے دوزخ میں ڈالیں تو بلاشبہ آپ نے بڑی ہی خواری میں ڈالا اور ظلم کرنیوالوں کیلئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (ترجمان القرآن)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ زمین وآسمان کی خلقت اور روز وشب کی

یہ گردش رہنمائی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کی جانب کہ اس دنیا کا ایک آخری انجام ہے، وہ انجام یا تو سرمدی خوشی اور راحت ہے اس کا نام جنت ہے، یا لازوال رنج والم ہے جس کا محل آتش جہنم ہے، غور کرنے والے کی عقل وفہم جب جہنم کی جانب پہونچتی ہے تو وہ اس سے پناہ چاہنے لگتا ہے۔

پس عقلمند آدمی وہ ہے جس کی نگاہ اسی دنیا میں الجھ کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کی الجھاؤ سے نکل کر زندگی کے اس آخری انجام تک پہونچے، اور پھر اس کی تیاری میں لگ جائے۔

اس آخری انجام کی تیاری کیا ہے؟ اور وہ کیونکر ہوگی؟ اس کو بھی اللہ جل شانہ نے اسی جگہ حل کردیا ہے اور اس کے حل کیلئے دعا کا پیرایہ اختیار کیا ہے، تاکہ آدمی کو اپنی عقلمندی کا غرہ نہ ہو بلکہ وہ عبدیت کی تواضع میں جھکا رہے، فرماتے ہیں کہ ان عقل والوں کی صدا یہ ہوتی ہے کہ: رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّآتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ٥ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ٥ (سورہ آل عمران: ۱۹۳/۱۹۴)

خدایا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی ندا سنی جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لائے، پس خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں مٹادے، اور (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو۔ خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے، اور (اپنے لطف وکرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں ذلت وخواری نہ ہو، بلاشبہ تو وہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ عقل والوں کو کس چیز کی فکر ہے؟ اور اس کے لئے وہ کہاں پہونچے؟ انھیں فکر ہے، تو عذاب جہنم کی، انھیں فکر ہے، اپنے گناہوں اور غلطیوں کی، انھیں فکر ہے، حق تعالیٰ کے عفو ودرگزر کی، انھیں فکر ہے، اللہ والوں کے کے ساتھ موت کی، انھیں اندیشہ ہے، قیامت کی رسوائی سے! اس کے لئے وہ کہاں پہونچے، اللہ کی رسولوں کی خدمت

میں! اوران سے جو کچھ سنا، اس کو دل وجان سے مانا۔ ماننے کے بعد یہ امید رکھی کہ جو کچھ اللہ نے رسولوں کی زبانی اس فکر واہتمام پر وعدہ فرمایا ہے، اس میں ان کا بھی حصہ ہو، اس امید پر ان وعدوں کے اپنے حق میں پورا ہونے کی دعا کرتے ہیں اور اپنے اس یقین وایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔

جب یہ فکر پیدا ہوتی ہے، اور اللہ کی یاد اس طرح دل میں بس جاتی ہے، اور رسولوں کی اطاعت اس ایمان وایقان سے کرتے ہیں تب وہ اولوا الالباب (اربابِ عقل وخرد) ہوتے ہیں، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ انھیں کس طرح نوازتے ہیں۔

**فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اِنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○** (سورہ آل عمران: ۱۹۵)

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعائیں قبول کرلیں، (خدا نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، مرد ہو، خواہ عورت، تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو، پس جن لوگوں نے (راہ حق میں) ہجرت کی، اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، میری راہ میں ستائے گئے، اور (راہِ حق میں) لڑے اور قتل ہوئے، تو یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کردوں اور انھیں ان باغوں میں پہونچادوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کا ثواب ہوگا، اور اللہ ہی کے پاس بہتر ثواب ہے۔

پس تمام عقل کی عقل اور ساری دانائی کی دانائی یہ ہے کہ بندۂ عاقل اللہ کی یاد میں سرشار ہو، مخلوقِ الٰہی میں غور وفکر کرے اور اس راستے سے حکمت الٰہی تک اس کی رسائی ہو، اللہ کے رسول سے وہ عقیدۂ وعمل کی رہنمائی حاصل کرے، اللہ کی بندگی میں مشغول ہو اور اس سے عفو ودرگزر کی دعا کرے، اس کی رضاء وخوشنودی چاہے، پھر اللہ کے وعدۂ قبول کی بشارت حاصل کرے، اور جس جہنم سے پناہ مانگی تھی اس سے برکنار ہوکر ابدی نعمت کے

باغوں میں لازوال زندگی کی خوشی سے بہرہ یاب ہو۔

ایمان والو! عقل کا یہ معیار اللہ نے قائم کیا ہے، جو ساری کائنات کے خالق و مالک ہیں، دنیاوآخرت سب انھیں کے قبضہ اقتدار میں ہیں، پس فکر دنیا کو اپنا محور و مقصود نہ بناؤ۔ ایک ہمت مردانہ درکار ہے، اس کی الجھنوں کو توڑ کر نکل جاؤ، اللہ کی اطاعت کرو اور ان کے وعدہ پر یقین کرو، آخرت بھی درست ہوگی اور دنیا بھی خدمت گزار ہوگی۔ دنیا والوں کی غلطی یہ ہے کہ ''حیٰوۃ دنیا'' کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور آخرت کو فراموش کر دیا ہے۔ ایمان والو! تم یہ غلطی نہ کرو، نگاہ انحصار آخرت پر ہو، اس کی کامیابی پر ہو، دنیا اس کے ضمن میں ہوگی، تو بابرکت ہوگی، خادم ہوگی، اور اگر اس کو اس کے مقام سے ہٹایا تو وجودِ انسانی کو کھا جائے گی۔ ایمان کا چراغ بجھا دے گی، پھر دنیا بھی اندھیری اور آخرت بھی تاریک! أَعَاذَنَا اللہُ مِنھَا، رَبَّنَا آتِنَافِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(اگست ۲۰۰۹ء)

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مدارسِ اسلامیہ اور اقتصادیات کی تعلیم: بے جا مشورے

ایک عام تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی سنگین اور مہلک مرض میں مبتلا ہوتا ہے، تو اطباء جو علاج کرتے ہیں وہ تو ہوتا ہی ہے، بیمار پُرسی کے لئے آنے والے بہت سے لوگ مریض اور مریض کے گھر والوں کو بڑی فیاضی سے مشورہ دیتے ہیں، کہ فلاں ڈاکٹر اس مرض کا بہت اچھا علاج کرتے ہیں، فلاں حکیم صاحب کے یہاں بہت سے مریض تندرست ہوئے ہیں، اس مرض میں فلاں طرح کی دوا بہت موثر ہوتی ہے وغیرہ، پھر کمزور طبیعت کا مریض موجودہ علاج سے غیر مطمئن ہوکر نئے نئے تجربے شروع کر دیتا ہے اور مرض کی گرفت شدید ہو جاتی ہے۔اس صورتحال سے سابقہ اکثر لوگوں کو ہوا ہوگا۔

یہ حال تو انفرادی اور شخصی مریضوں کا ہے، بعض مریض اجتماعی اور قومی پیمانے کے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بھی یہ عمل جاری ہوتا ہے، اگر وہ مریض طاقتور اطباء اور مضبوط چارہ گروں کے انتظام میں ہوتا ہے، تو مشوروں میں قدرے احتیاط برتی جاتی ہے اور اگر اس کے تیماردار اور چارہ گر کمزور ہوتے ہیں، تو مشوروں کی وہ چاند ماری ہوتی ہے کہ یہ خیال گذرنے لگتا ہے کہ اس مریض کی حیات وصحت منظور ہے یا اس کی بیماری وموت چاہی جارہی ہے۔

ایک قومی مریض کا قصۂ پُر درد سنئے! یہ مریض ہندوستان کا دینی وعربی مدرسہ ہے! مان لیا گیا ہے کہ یہ بہت بیمار ہے، اس کی صحت میں بہت سے رخنے ہیں، اس کی حیات میں

نقائص بہت ہیں، اس کی افادیت کم سے کمتر ہے پس یہ بیمار ہے، اس کا علاج ضروری ہے، اس کے رخنے بند کرنے چاہئیں، اس کی زندگی نقائص سے پاک ہونی چاہئے، اس کی افادیت کو ترقی دینا چاہئے۔ مشہور کر دیا گیا کہ دینی مدرسہ بیمار ہے، پھر اطباء دوائیں لے لے کر دوڑے، عیادت کرنے والوں نے مشوروں کی جھڑی لگائی، پھر اتنے معائب، اتنے امراض اور اتنے نقائص تشخیص کئے گئے اور ان کے لئے اتنی دوائیں تجویز کی گئیں، ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی، اور اتنی گراں بہا کہ مریض ان کی تاب نہ لاسکے!

اور یہ سب اس لئے کہ مدرسہ کے ذمہ دار اور اس کے چارہ گر سماج کے وہ افراد ہیں جنھیں کمزور سمجھا گیا ہے یا کمزور بنا کر رکھا گیا ہے، اور وہ ہیں عالمانِ دین یعنی مولوی ملاّ۔

کوئی کہہ رہا ہے کہ مدرسوں میں انگریزی تعلیم نہیں ہے! پس اس کا ہونا ضروری ہے، کوئی پکارتا ہے کہ مدرسے سائنس کی تعلیم سے خالی ہیں، اس لئے اسے بھی داخل نصاب ہونا چاہئے، کوئی ہانک لگاتا ہے کہ صنعت وحرفت کے فنون سے مدرسہ محروم ہے، اس سے بھی اسے عزت دینی چاہئے اور اللہ جانے کتنے منہ ہیں؟ اور کتنی باتیں ہیں؟

ہر روز ایک دوا تجویز ہو رہی ہے، ہر دن ایک مشورہ نازل ہوتا ہے، ہر رات ایک نئی سرگوشی ہوتی ہے، جب تک یہ آواز باہر سے آتی تھی مدرسہ کو کوئی فکر نہ تھی۔ باہر والے اندر کا حال کیا جانیں؟ وہ کیا اور ان کے مشورے کیا؟ مدرسہ اپنی ڈگر پر چلتا رہا، اپنی کمی بیشی خود درست کرتا رہا۔ زخم دکھائی دیا، اس پر مرہم رکھ دیا، کمی دیکھی اس کی تلافی کر لی، بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کمی دیکھی مگر اپنی کمزوری کی وجہ سے تلافی نہ کر سکا، مگر باہر والے جو صدا لگا رہے تھے، اصلاح وتلافی کی دعوت دے رہے تھے، اس پر بجز معدودے چند کے عام مدرسوں نے کان نہیں دھرا، کیونکہ پکارنے والوں میں خود بہتّر چھید دکھائی دے رہے تھے، وہ آواز چھلنی کی تھی جس میں بہتّر چھید ہیں!

باہر والوں نے محسوس کیا کہ ان کی آواز مدارس کے کان میں نہیں جا رہی ہے، تو انھوں نے اندر والوں کو تاکا، ان میں ایسے افراد تلاش کئے جن کے کان میں یہ اجنبی اور

نامانوس آوازیں داخل ہوسکیں پھران کے ذریعے سے وہ باتیں اندر داخل کی جاسکیں، یہ افراد مخلص ہیں، یہ نیک نیتی سے چاہتے ہیں کہ مدارس کے مرض کا علاج ہوجائے، لیکن جذبۂ ہمدردی کی شدت اوریکسوئی میں انھیں غفلت ہوجاتی ہے کہ جوعلاج وہ تجویز کررہے ہیں اس سے مدرسہ، کالج تو بن جائے گا، مدرسہ نہ رہے گا۔ ظاہراس کا شاندارتو ہوجائے گا، مگراس کا مقصود بے جان ہوجائے گا، اس کی رفتار تیز تو ہوجائے گی مگر راستہ بدل جائے گا، منزل گم ہوجائے گی۔

میرے سامنے ایک رسالہ ہے۔

ہندوستان کے دینی مدارس میں اسلامی مالیات واقتصادیات کی تعلیم

۲۵/۲۶/ اپریل ۲۰۰۹ء کو اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز اور اسلامی ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (جدّہ) کے باہمی تعاون سے مذکورہ بالا موضوع پر جامعہ ہمدرد دہلی میں ایک ورکشاپ منعقد ہوا تھا، اس ورکشاپ میں اس موضوع پر غور وخوض کیا گیا کہ موجودہ عہد میں ہندوستان کے اسلامی مدارس میں اسلامی مالیات واقتصادیات کی تعلیم کی صورت کیا ہو؟ اور اس راہ میں درپیش دشواریوں کو کس طرح حل کیا جائے؟

اس کتابچہ میں اس ورکشاپ کی مختصر روداد اور اس میں کیے گئے فیصلے شائع ہوئے ہیں، اس قومی ورکشاپ میں ملک، بیرون ملک کے نامور علماء اور دانشوروں نے شرکت کی، ہندوستان کی دینی درسگاہوں کے ذمہ داران اور متعدد معروف ماہرین اقتصادیات شریک رہے۔

ان نامور علماء ودانشوروں نے اس موضوع پر غور وخوض کیا کہ مدارس کے نصاب تعلیم اوران کے پروگرام میں باصطلاح جدید مالیات واقتصادیات کی تعلیم کا شمول وقت کا ایک اہم تقاضا ہے، اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقتصادیات کے میدان میں دنیا والوں کی امامت وقیادت کا فریضہ انجام دیں، اور ظاہر ہے کہ اس امامت کی اہلیت مدارس

اسلامیہ کے نصاب تعلیم ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اتنے علماء ودانشوروں کی رائے اور فیصلے سے کوئی اختلاف کرے؟ اس کی جرأت کس میں ہے؟ لیکن کیا مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت ملے گی کہ جن مدارس میں آپ اس موضوع کو داخل کرنے کا منصوبہ بنارہے ہیں، ان کے وسائل بہت محدود ہیں، وہ جتنا بوجھ لے کر چل رہے ہیں وہی ان کے لئے بھاری پڑ رہا ہے، پھر ان سے یہ فرمائش کرنا کہ ایک نیا نصاب بنے گا، اس کے لئے ماہر اساتذہ کی ضرورت ہوگی، اس کے لئے جدید اور تازہ تر کتابیں تیار ہوں گی، انھیں مہیا کرنا ہوگا، یہ کہاں تک قرین انصاف ہے۔

پھر یہ بھی سوچئے کہ مدارس کا موضوع قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیم ہے، اس کے لئے جن مبادی کی ضرورت ہے انھیں بقدر ضرورت نصاب میں رکھا گیا ہے، فقہ اسلامی کی تعلیم اس قدر ضروری ہے کہ انسانوں کو جن احوال ووقائع میں ابتلاء ہوتا ہے ان کا شرعی حکم دریافت ہوسکے۔ عبادات ہوں، معاملات ہوں، نکاح وطلاق اور معاشرات ہوں، تجارتی معاملات ہوں، کرایہ داری کے مسائل ہوں، شرعی اصولوں کی بنیاد پر ان کا حکم دریافت ہوجائے کہ جائز ہیں، مکروہ ہیں، حرام ہیں، اس قدر تو فقہ تو مدارس کے نصاب میں داخل ہے ہی! اب رہی یہ بات کہ اقتصادیات ومالیات کی تحصیل، ان کی ترقی، اور ان کے فروغ کی کیا کیا شکلیں ہوسکتی ہیں، اقتصادیات کی دوڑ میں آدمی کس طرح آگے بڑھ سکتا ہے، یہ فقہ اسلامی کا موضوع نہیں ہے، یہ تو دنیاداری اور حرصِ مال کا موضوع ہے، آج کل قوموں نے جن چیزوں کو اقتصادیات ومالیات، کامرس، فائنانس، بینک کاری، انشورنس اور دوسری بھاری بھرکم اصطلاحات کے ذریعے انسانی زندگی کی اہم ضرورت بنا رکھا ہے، وہ درحقیقت حرصِ مال اور حب دنیا کی نجاستوں پر جدید الفاظ کا پردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیاداروں کے بارے میں فرمایا ہے: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (سورہ اعلیٰ: ۱۶/۱۷) بلکہ تمہارے نزدیک دنیوی زندگی کو ترجیح حاصل ہے، حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور اسی کیلئے بقاء بھی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد

فرماتے ہیں: کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ (القیامۃ:۲۰/۲۱) نہیں، بلکہ تم لوگ دنیا سے محبت کرتے ہو، اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

غور کیجئے، دورِ حاضر میں اقتصادیات کی جو تعلیم ہے، وہ بجز ترجیح دنیا اور حب عاجلہ کے اور کیا ہے؟ وہ بینکنگ ہو، انشورنس ہو، تجارت کے مختلف خوشنما طریقے ہوں، سب کا حاصل حب عاجلہ، فریب، خودغرضی اور اللہ ورسول سے جنگ کے علاوہ اور کیا ہے؟ ان سب کا محل مدارسِ اسلامیہ کب ہیں جن میں ترجیحِ آخرت اور زہد فی الدنیا کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔

اگر کسی کا خیال یہ ہو کہ دورِ حاضر کی اقتصادی اصطلاحات سے طلبہ کو واقف کرایا جائے، تو گزارش ہے کہ جس گاؤں میں ہم کو جانا نہیں اس کا راستہ کیوں پوچھیں، ہمارے سامنے جب کسی مالی معاملہ کی صورت آئے گی، قرآن وسنت کے قواعد کی روشنی میں اس کا حکم بیان کردیا جائے گا۔

ایک بات اور قابل غور ہے، آج کی دنیا میں جو لوگ تجارت کی منڈیوں اور کاروبار کے دروبست پر قابض ہیں، ان کی عقل وذہانت کا خلاصہ یہ ہے کہ حرصِ مال کو زیادہ سے زیادہ سے ترقی دی جائے، وہ اس کے لئے ہر روز نئے نئے طریقے گھڑتے رہتے ہیں، ان کے سامنے نہ حسابِ آخرت ہے، نہ اللہ ورسول کا فرمان ہے، ان کا ایک نظریہ ہے، وہ یہ کہ مال بڑھتا رہے، اس کے لئے وہ ہر طریقہ اختیار کرسکتے ہیں، خواہ اس سے کسی کا نفع ہو یا نقصان! اس معیشت کی بنیاد خودغرضی پر ہے، وہ جہاں تک ساتھ دیتی ہے، آدمی بے تکلف چلا جاتا ہے، کوئی اقتصادی طریقہ وجود میں آتا ہے تو اسے سرے سے اس کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ اسلامی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اور ان سے کتنی ہم آہنگی ہے، پھر جب وہ طریقہ رائج الوقت ہوجاتا ہے اور بظاہر اس میں نفع دکھائی دینے لگتا ہے، تو ہماری ذہانت اس پر اسلامی اصولوں کو منطبق کرنے یا قدرے ترمیم کرکے اسے اسلامی سانچے میں فٹ کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہے، جبکہ اس کے موجدین اب بھی نگاہِ التفات نہیں کرتے، اسی انطباق وترمیم

کے عمل پر اسلامی معاشیات، اسلامی مالیات اور اسلامی اقتصادیات کا لیبل لگا کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا ہے، آخر ہم کب تک دوسروں کے پیچھے دوڑتے پھریں گے؟

مدارس اور علماء کا کام نہ تجارت کا عمل سکھانا ہے، نہ مالیات کی تحصیل کا طریقہ سکھانا ہے، انھیں تو حلال کو حرام سے ممتاز کرنا ہے، خواہ اس سے بظاہر دنیا کا نقصان ہوتا ہو، لیکن اولاً آخرت کو پیش نظر رکھنا ہے، یہ علم، اس علم کے حاملین، اس علم کی درسگاہیں، دوسروں کی نقالی کرنے کے لئے نہیں ہیں ان کا احتساب کرنے کے لئے ہیں۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے لتکونوا شهداء على الناس (البقرة:۱۴۳) قرار دیا ہے کہ دوسروں پر تمہاری گواہی نافذ ہوگی۔

مدرسے جو کر رہے ہیں انھیں کرنے دیجئے، الٹے سیدھے مشورے دے کر انھیں پریشان نہ کیجئے، جتنا کچھ یہ پڑھ پڑھا رہے ہیں، اس میں رسوخ اور ثبات کا مشورہ دیجئے، دنیاوی ترغیبات اور مال وجاہ کی حرصیات میں انھیں نہ پھنسایئے، مال ان کا معبود نہیں ہے، اس کے محور پر مدرسوں کو نہ گھمایئے، نہ مدرسے والوں کو! یہ جتنا اس میں مبتلا ہیں وہی بہت ہے، اسی کا حساب مشکل ہوگا، آگے اور کس کس چیز میں پھنسایئے گا۔

آج کی اقتصادیات کا حاصل ہے، مال جمع کیجئے، اس کی گنتی کرتے رہیئے، بخل کیجئے، بخل کی تعلیم دیتے رہئے۔ اس اقتصادیات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ ہو: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (الهمزة:۲/۱) ویل (جہنم) ہے ہر طعنہ دینے والے، عیب چینی کرنے والے کیلئے، جس نے مال سمیٹا اور اسے گنتا رہا۔ مال جمع کرنا، اسے گنتے رہنا یہ اہل جہنم کی صفت ہے، مومن تو وہ ہے: فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (الليل:۷/۶/۵) پس جس نے عطا و بخشش کی اور ڈرتا رہا، اور بھلی بات کو دل وجان سے سچ مانا، تو ہم اس کو بتدریج آسانی میں پہونچادیں گے۔

بخل و امساک نہیں، بخشش و عطا، بے تحاشا مال جمع کرنے کی فکر نہیں، خشیت اور

تقویٰ، فقر وغربت کے اندیشے نہیں، وعدۂ الٰہی کی تصدیق، ایک صاحب ایمان کی شان ہے، پھر اس کے لئے سہولتیں ہیں، راحتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (الحدید: ۲۳/۲۴) اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے، ڈینگ ہانکنے والے کو پسند نہیں کرتے، وہ جو کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو کوئی منہ موڑتا ہے تو اللہ بے نیاز اور تمام خوبیوں کے ساتھ متصف ہے۔

اگر غور کریں گے تو موجودہ دور کا نظام مالیات اور علم اقتصاد بخل اور بخل کی تاکید پر مبنی ہے، بینکنگ ہو، انشورنس ہو، یا فائنانس کے مختلف رنگ ہوں، سب حرص و بخل کے معلم ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ مدارس کو تو بطور خاص اور تمام مسلمانوں کو بطور عام محفوظ رکھیں۔

کاش یہ عمل وہ دنیاوی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں پر کرتے، یہ ادارے تو بالکل ہی خدا فراموش اور آخرت سے غافل ہیں، ان کا ہر شعبہ قرآن وسنت کی تعلیم سے بے بہرہ ہے، ان میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں، انھیں خدا کی معرفت سے، خدا کے احکام کے علم سے روشناس کراتے، تو جہنم کی طرف بڑھتے قدم پر کچھ تو لرزہ طاری ہوتا، مگر وہاں اس لئے ہمت کام نہیں کرتی اور حوصلہ شکست کھا جاتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے ان پر حکومت کی، عوام کی، حرص مال وجاہ کی حکمرانی ہے، اس سے کون لڑائی مول لے، ورنہ جہاں تک اعتراف واقرار کا تعلق ہے، تمام دنیا ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بیماریوں، ان کے کھوکھلے پن کو تسلیم کرتی ہے، مگر انھیں کون ٹوکے، بے چارے ملا، مولوی کے پاس کوئی دنیاوی طاقت تو ہے نہیں، اس لئے سب اسے ہی مشق ستم بناتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان۔ (ستمبر ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مسلمانوں کے نام ایک اہم پیغام

تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ زمانۂ نبوت سے دوری ہوجانے کی وجہ سے ہدایت کی راہ دھندلی ہوتی جارہی ہے، گمراہی کی یلغار ہر طرف بڑھتی جارہی ہے، کتابوں پر کتابیں چھپ رہی ہیں، تقریر وخطابت کا دروازہ وسیع ہوتا جارہا ہے، ہر شخص مدعی ہے کہ وہ ہدایت کے چراغ روشن کررہا ہے، مگر اندھیرا ہے کہ اس کے سائے لمبے ہی ہوتے جارہے ہیں۔ ہر دو حرف جاننے والا اس پندار میں مبتلا ہے کہ دین و مذہب کی ترجمانی اور اس میں رائے زنی کا اسے حق حاصل ہے، خواہش نفس کو دین الٰہی کا عنوان دینے میں کوئی جھجھک نہیں محسوس کی جاتی، اور عام مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے جہاں کسی زبان وقلم کے دھنی نے ادعائی انداز میں کوئی بات زور اور قوت کے ساتھ کہی یا کوئی کتاب کروفر سے لکھی، بس اسی پر پھسل پڑے، اور یہ سوچنے لگے کہ لکھنے یا بولنے والا یقیناً حق پر ہوگا جبھی تو اس کی بات میں اس درجہ قوت اور شوکت پائی جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانوں کے معاشرہ میں اختلاف ونزاع کی شاخیں بڑھتی جارہی ہیں، اور ہر فرد اور ہر گروہ کو یہ اصرار ہے کہ حق اسی کے دائرہ میں محدود ومنحصر ہے، اس سلسلے میں عام اہل اسلام کی خدمت میں نہایت خیر خواہی اور دلسوزی کے ساتھ گزارش ہے کہ ہر لکھنے والے اور بولنے والے کی بات پر دھیان نہ دیں بلکہ چند اصولی باتیں محفوظ رکھ لیں اور خوب جانچ پرکھ کر کسی شخص کی بات پر اعتنا کریں۔

## اہل سنت والجماعت:

سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھیں کہ دین اسلام کے تمام عقائد واعمال رسول

اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مرتب و مکمل ہو چکے ہیں، اور ان پر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے، کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟ کیا فرض ہے؟ کیا واجب ہے؟ کیا سنت ہے؟ کیا مستحب و مباح ہے؟ اور کیا چیزیں حرام و ناجائز ہیں؟ اصولی طور پر یہ تمام اُمور خیر القرون (عہد رسالت وصحابہ) میں طے ہو چکے ہیں اور اہل اسلام کی راہ متعین ہو چکی ہے، اسی راہ پر چلنے کا ہر مسلمان ذمہ دار ہے، اس راہ کو اختیار کرنے والی جماعت اور افراد ''اہلسنت والجماعت'' کہلاتے ہیں۔

اہل سنت کے تمام عقائد واعمال وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام **رضی اللہ عنہم اجمعین** سے ثابت ہیں، اس راہ سے انحراف کرنا اور باہر نکلنا بالکل درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاتَبَیَّنَ لَہُ الۡهُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا۔ (سورۃ النساء:۱۱۵) | اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم کردیں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی ڈالیں گے ہم اس کو جہنم میں اور وہ بہت بری جگہ پہو |

اس آیت کو بنظر غور دیکھئے، رسول کی مخالفت کرنے والا تو خیر جہنم میں جائے گا ہی، اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کرنے والا بھی اسی انجام میں گرفتار ہوگا، اس لئے بہت اہتمام سے اہل سنت والجماعت کے عقائد کو دریافت کر کے انھیں پختگی اور استقامت کے ساتھ تھامے رہنا چاہئے، خالص حق وہی ہے جسے آنحضرت ﷺ نے **ما أنا علیہ وأصحابی** کی بلیغ تعبیر میں واضح فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طریقہ پر آپ اور آپ کے اصحاب رہے ہیں وہی حق اور پسندیدۂ خداوندی ہے۔

**سوادِ اعظم** : رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **إتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ في النار** (ابن ماجہ) سوادِ اعظم کی راہ چلو، جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

سوادِ اعظم امت کا وہ باعظمت اور جلیل القدر طبقہ ہے جو صحابۂ کرام، ائمہ مجتہدین، محدثین وفقہاء اور اہل حق مشائخ وصوفیہ کی عظیم جماعت پر مشتمل ہے، جس کی اصولِ دین

میں ایک راہ متعین ہے، اور عددی لحاظ سے بھی نیز علم وفضل، زہد وتقویٰ، خشیت وللّٰہیت کے اعتبار سے بھی امت کا کوئی فرقہ اس کا ہم پلہ نہیں۔ اور اسی مجموعہ کو ہم ''اہل سنت والجماعت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ سوادِ اعظم کی راہ سے الگ نہیں ہونا چاہئے۔

## امت کسی غلط مسئلہ پر متفق نہیں ہوسکتی:

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

إن الله لايجمع أمتی أو قال أمة محمدٍ علیٰ ضلالة ویدالله علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ میری امت کو کسی غلط مسئلہ پ
نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد جم
کے اوپر ہے اور جو اس سے ہٹا وہ جہنم میں

آپ کا ارشاد برحق ہے، اور خدا کی جانب سے ہے۔ آج ہم چودہ سو سال کا تاریخی تجربہ رکھتے ہیں کہ کسی دور میں بھی امت کے اجتماعی مزاج نے کسی غلط مسئلے کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، جب بھی کسی نے کوئی غلط مسئلہ اٹھایا اہل حق نے ٹوکا بالآخر گمراہی حرفِ غلط بن کر مٹ گئی اور حق کا اجالا پھیل کر رہا۔

## حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد:

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''دینداری کا حصول اہل سنت والجماعت کے طریق حق کو اختیار کرنے پر موقوف ہے، اسلام کے تمام فرقوں میں یہی جماعت نجات یافتہ ہے، بزرگواران اہل سنت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے، اور ان کی رائے تسلیم کئے بغیر فلاح ناممکن۔ اس مضمون پر عقلی، نقلی اور کشفی دلائل شاہد ہیں، اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص ان اکابر کی راہِ اُستوار سے رائی بھر بھی ہٹا ہوا ہے تو اس کی صحبت کو سمِ قاتل سمجھنا چاہئے اور اس کی ہمنشینی کو زہر افعیٰ۔ (مکتوب: ۲۱۳، دفتر اوّل)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

’’مکلفین کے ذمہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت کی رائے کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کریں، نجاتِ آخرت کا مدار انھیں حضرات کی رہنمائی وہدایت پر ہے، یہی حضرات اور ان کے متبعین نجات یافتہ ہیں اور یہی بزرگوار نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں۔ کتاب وسنت سے جو علوم مستنبط وماخوذ ہیں وہ وہی ہیں جنھیں ان اکابر نے قرآن وسنت سے سمجھا ہے، کیونکہ تمام اہل باطل اور گم کردگان راہ بھی اپنے فاسد عقائد کو بزعم خویش کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتے ہیں، لیکن (خوب سمجھ لینا چاہئے کہ) اہل سنت کے بتائے ہوئے مفہوم ومعانی کے ماسوا کچھ معتبر نہیں ہے۔

آگے چل کر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ:

’’اگر ہمیں تمام احوال ومواجید عطا ہوں لیکن اہل سنت والجماعت کے عقائد سے ہمارا باطن آراستہ نہ ہو تو بجز خرابی کے کچھ حاصل نہیں، اور اگر تمام خرابیاں ہماری جانب منسوب ہوں لیکن اہل سنت کے عقائد کا دامن ہاتھ میں ہو تو کچھ اندیشہ نہیں۔

(مکتوب: ۱۹۳، دفتر اول)

ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ عقائد واعمال کی وہی راہ معتبر ہے جو علماء اہلسنت کی متعین کردہ ہے، قرآن وسنت کا وہی مفہوم ومطلب درست ہے جس کی وضاحت علماء اہل سنت نے کی ہے، اگر ان حضرات کے خلاف کوئی شخص قرآن وحدیث کا کوئی اور مفہوم امت کے سامنے پیش کرے یا دین کی ایسی تصویر بنائے جس سے علماء اہلسنت واقف نہ ہوں، اس کو بجز گمراہی کے اور کچھ نہ سمجھنا چاہئے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آج کل ایک خاص فرقہ کے افراد اپنے لئے اہل سنت کا لقب خصوصی طور پر استعمال کرتے ہیں، ناظرین اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، یہ گروہ اہل سنت سے علیٰحدہ

ایک فرقہ ہے، اس نے بہت سی بدعات کو سنت بلکہ مدارِ ایمان ٹھہرا رکھا ہے، ان کا شمار اہل سنت میں نہیں ہے۔ اہل سنت وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر اعتقاد وعمل کی بنیاد رکھتے ہیں خواہ وہ تنظیمی و جماعتی لحاظ سے اکٹھا کہیں نہ پائے جاتے ہوں۔ طریق اہل سنت پر ایک شخص اگر مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں، تو دونوں اس جماعت حقہ کے فرد ہیں، خواہ دونوں کی ملاقات عمر بھر نہ ہو۔

## گمراہوں کی شناخت:

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر غلط کاروں اور گمراہوں کی اصولی شناخت ذکر کر دی جائے، تاکہ مسلمانوں کو ان سے اجتناب کرنا آسان ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں ہر باب میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے، وہیں اس عنوان کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ آپ نے اس قسم کے افراد کی واضح علامات ارشاد فرمادی ہیں جن کی روشنی میں ہر ایک گمراہ کو پہچانا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

**إن الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم ياخذ الشاذة والقاصية والناحية، إياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة۔ (احمد)**

شیطان، انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے بکریوں کا بھیڑیا جو ''شاذہ'' ''قاصیہ'' اور ''ناحیہ'' کو اچک لیتا ہے، مختلف گھاٹیوں میں منتشر ہونے سے بچو اور جماعت نیز عامۃ المسلمین کے طریقے کو تھامے رہو۔

''شاذہ'' وہ بکری ہے جو ریوڑ سے الگ تھلگ رہتی ہے اور اس میں مل جل کر رہنا پسند نہیں کرتی۔ ''قاصیہ'' وہ ہے جو چرنے کے انہماک میں ریوڑ کا کچھ خیال نہیں رکھتی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ گلہ سے الگ جا پڑتی ہے۔ اور ''ناحیہ'' وہ بکری ہے جو غفلت میں کاہل بیٹھی رہ گئی، اور ریوڑ آگے نکل گیا۔ یہ تینوں قسم کی بکریاں بھیڑیئے کا لقمہ بن جاتی ہیں، بکریوں کی حفاظت اسی میں ہے کہ وہ گلہ کے ساتھ لگی لپٹی رہیں۔ گلہ بان سب کی حفاظت کرتا رہے گا، ٹھیک یہی حال عام انسانوں اور مسلمانوں کا ہے، ان کے ذمے ضروری ہے کہ

جس راستے پر امت کا سوادِ اعظم جا رہا ہے اسی راہ پر لگے رہیں، اس سے ذرا اِدھر اُدھر ہوئے کہ شیطان کا لقمہ بن جائیں گے۔

## انفرادیت پسندی:

بعض لوگ اپنی امتیازی شان اور انفرادی حیثیت منوانا چاہتے ہیں، انھیں یہ خبط ہوتا ہے کہ سب لوگ جس راہ پر چل رہے ہیں اگر وہ بھی اسی راہ پر بھیڑ میں چلے تو انھیں کون پہچانے گا، ان کی انفرادیت پسندی انھیں عام راستے سے الگ لے جاتی ہے، بہت سے مسائل میں وہ تفرد اختیار کرتے ہیں، امت میں جو رائے کسی نے پیش نہیں کی ہے اس پر اصرار کرتے ہیں، تجدد کے شوق میں اصطلاحات کے مفہوم تبدیل کر ڈالتے ہیں، قرآن وحدیث میں جدید معانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب عام اہل علم سے اس کی تائید نہیں پاتے تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی محسوس کریں انھیں کو کوتاہ بیں بدفہم اور غبی کہنے لگ جاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ عام علماء پر سے اعتماد اٹھ جائے۔ یہ لوگ ''شاذہ'' کے مثل ہیں، ہمارے زمانہ میں اکثر تیز ذہن افراد جو فتنے لے کر اٹھے اور اہل سنت سے الگ انھوں نے راہ بنائی، ان میں سے بیشتر کے پیچھے یہی انفرادیت پسندی اور شوقِ تجدد کارفرما رہا ہے۔ ہندوپاک میں پائے جانے والے نومولود فرقوں سے جو لوگ آگاہ ہیں ان کے لئے شناخت مشکل نہیں ہے۔

**غلو پسندی**: بعض لوگوں کو انفرادیت اور تجدد کا شوق نہیں ہوتا، لیکن وہ کسی خاص مسئلہ پر اتنا زور دینے لگ جاتے ہیں اور اس درجہ اصرار کرتے ہیں کہ ان کی اہمیت اصل حیثیت سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ دین کے مختلف شعبے اور اجزاء ہیں اور ہر ایک کی حیثیت متعین ہے، اپنی حیثیت سے کسی مسئلہ کو نکالنا درحقیقت پورے دین کا حلیہ بگاڑنا ہے، انسانی جسم میں ہر عضو کی ایک حیثیت اور مقدار متعین ہے، اگر کسی عضو کی مقدار عام مقدار سے بڑھ جائے تو پورا جسم بدصورت ہو کر رہ جاتا ہے، ٹھیک یہی حال دین کے مختلف شعبوں اور اجزاء کا ہے، بعض گروہوں نے تو سیاست وحکومت کو اس درجہ اہمیت دی کہ دین کا ہر شعبہ اس کا خادم محسوس ہونے لگا، بعض لوگ کسی مستحب یا مباح امر پر اس درجہ اصرار کرنے لگتے

ہیں کہ وہ فریضہ کے درجہ میں جا پہونچتا ہے، بعض لوگ طہارت وغیرہ کے مسائل میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ واجبات تک متروک ہونے لگتے ہیں، بعض افراد کسی باطل فرقہ کی تردید میں اس درجہ انہماک رکھتے ہیں کہ پس وپیش نظر انداز ہوجاتا ہے، روافض کی تردید میں جو لوگ غلو کی حد تک پہونچ جاتے ہیں ان کا دل سیّدنا حضرت علی اور سیّدنا حضرت حسنین رضی اللہ عنہم کی جانب سے صاف نہیں رہ جاتا، یہ سب لوگ ’’قاصیہ‘‘ کے زمرہ میں ہیں۔ یہ افراد اپنی ذہنی رَو میں چند خاص مسائل کو لے کر اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ بہت سے دوسرے مسائل پس پشت ہوکر رہ جاتے ہیں، یہ لوگ بھی اغواء شیطانی کے شکار ہوجاتے ہیں۔

## غفلت کوشی:

بعض لوگ اپنی کاہلی سستی کی وجہ سے احکام اسلام کی پابندی میں ڈھیلے ہوتے ہیں، اگر یہ مرض دور نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ ان کے ہاتھ سے بیشتر اسلامی تعلیمات کا دامن چھوٹ جاتا ہے، ان لوگوں کو دیکھ کر دوسرے افراد بھی سست اور درماندہ ہوجاتے ہیں، یہ ’’ناحیہ‘‘ کی صف میں ہیں، انھیں بھی شیطان اپنا شکار بنا لیتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں قسم کے افراد اگر اپنی حد تک محدود رہیں تو خرابی انھیں کے دائرۂ اثر تک رہ جاتی ہے، لیکن مصیبت اس وقت عام ہوتی ہے جب وہ اپنی ان کمزوریوں کو عام مسلمانوں میں پھیلانے کی ٹھان لیتے ہیں، پھر گمراہی پھیلتی چلی جاتی ہے، اور علماء اہل حق کے لئے تدارک مشکل ہوجاتا ہے۔

## جامع نصیحت:

اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع نصیحت فرمائی کہ عام مسلمانوں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر، اِس گھاٹی اور اُس گھاٹی میں مت جھانکو، ورنہ گمراہی کا بھیڑیا تمہیں دبوچ لے گا، وہی راہ جو متعین ہوچکی، جس پر صحابہ کرام، ائمۂ مجتہدین، فقہاء ومحدثین اور مشائخ وصوفیہ کا قافلہ گذرا ہے، اور جس پر آج بھی صالحین کے قدم چل رہے ہیں اسی راہ پر لگے رہو، اس سے

سر موانحراف نہ کرو، یہی ہدایت ہے۔

## متشابہات میں انہماک:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے مضامین بیان فرمائے ہیں، بعض مضامین وہ ہیں جن کا واضح اور روشن مطلب بیان کر دیا گیا ہے، ان کے مفہوم میں کوئی ابہام نہیں ہے مثلاً ایمان، نماز، روزہ وغیرہ اور جنت ودوزخ، حشر ونشر وغیرہ، انھیں محکم کہتے ہیں، اور بعض مضامین ایسے ہیں جن پر ایمان لانا تو ضروری ہے مگر ان کے مطالب کی تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے، مثلاً تقدیر وغیرہ، انھیں متشابہ کہتے ہیں، حکم یہ دیا گیا ہے کہ متشابہات پر ایمان لاؤ، اور ان کی حقیقت واقعی کا علم خدا کے سپرد کردو، ان کی چھان بین اور کھود کرید میں نہ پڑو، جب ان کی تفصیلات اللہ نے اور رسول نے نہیں ارشاد فرمائی تو ان کے علم کا دروازہ بند ہو چکا ہے، البتہ محکمات کا خاص دھیان رکھو، ڈرنے کی چیزوں سے ڈرو، امید کی چیزوں سے امید رکھو، اعمال کا اہتمام کرو، عقائد کو مضبوطی سے تھامو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ آیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَایَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ۔

وہی ہے جس نے اتاری تم پر کتاب، اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل ہیں کتاب کی، اور دوسری متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ پیچھے پڑ جاتے ہیں متشابہات کے، گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کے لئے، اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ (سورہ آل عمران:)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیم الفطرت لوگ تو محکمات کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ

کتاب اللہ کی بنیادی باتیں محکمات ہی ہیں، لیکن جو لوگ محکمات سے آنکھیں بند کر کے متشابہات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق معانی نکال کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ قرآن کی خبر کے مطابق گمراہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے، اوّل یہ کہ مال بہت مل جائے جس کی وجہ سے باہمی حسد میں مبتلا ہو جائیں اور کشت وخون کرنے لگ جائیں۔ دوسری یہ کہ کتاب اللہ سامنے کھل جائے (یعنی ترجمہ کے ذریعہ ہر عامی اور جاہل بھی اس کے سمجھنے کا مدعی ہو جائے) اور اس میں جو باتیں سمجھنے کی نہیں ہیں یعنی متشابہات اُن کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں، حالانکہ ان کا مطلب اللہ ہی جانتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کا علم بڑھ جائے گا تو اسے ضائع کر دیں، اور علم بڑھانے کی جستجو چھوڑ دیں۔ (معارف القرآن بحوالہ ابن کثیر)

آج ہمارے دور میں کتنی جماعتیں اور افراد ایسے ہیں کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اصولی باتوں سے غافل ہیں، دین کے ظاہری اور باطنی کتنے احکام کو پامال کر رہے ہیں، لیکن جن باتوں کو شریعت نے مجمل اور متشابہ رکھا ہے ان کے خود ساختہ معانی کی بنیاد پر تکفیر و تضلیل تک کرتے رہتے ہیں، قادیانی کی گمراہی بیشتر متشابہات کی خود ساختہ تاویل پر ہے۔

**انکارِ حدیث**: بعض لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو صرف قرآن کے ماننے کے مدعی ہیں اور احادیث کا انکار کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ احادیث سب گھڑی ہوئی ہیں، یہ بھی گمراہی کی ایک علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے قرآن عطا ہوا ہے، اور اسی کے بقدر اور بھی علم مرحمت کیا گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی آسودہ شکم آدمی مسہری پر لیٹا ہوا یہ کہے کہ صرف قرآن کو پکڑو، جو اس میں حلال دیکھو اسے حلال سمجھو، اور جس کو اس میں حرام پاؤ بس اسی کو حرام سمجھو۔ سن لو کہ جس چیز کو اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام قرار دیا۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہی کا ایک دروازہ انکار حدیث بھی ہے، اور

حقیقت یہ ہے کہ صحیح احادیث کے انکار کے بعد قرآن پر ایمان رکھنے کی بات محض مغالطہ ہے، منکر حدیث قرآن مجید نہیں بلکہ قرآن کے خودساختہ مطلب پر جو اپنی خواہش نفس کے تقاضے سے اخذ کرتا ہے، ایمان رکھتا ہے، اور اسی پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، اس طرح وہ قرآن کی طرف نہیں بلکہ اپنے بیان کئے ہوئے مطلب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

## جہالت کے ساتھ ادعاء علم:

مذکورہ گمراہیوں کے علاوہ ہمارے زمانہ میں گمراہی کی ایک اور نئی مگر قابل شرم قسم بھی پیدا ہوگئی ہے وہ ہے علم نہ رکھنے کے باوجود دعوئ علم۔ قاعدہ ہے اور سارے عالم کا مسلّمہ اصول ہے کہ علم خواہ کتنا ہی معمولی ہو، کسی استاذ کی خدمت میں رہ کر سیکھنا پڑتا ہے، اسی اصول کی بناء پر قدیم زمانے سے مکاتب ومدارس کا رواج ہے، اور آج بھی تمام تر بے اصولی اور بے تکے پن کے باوجود اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظام اہتمام کے ساتھ چلایا جارہا ہے۔ دنیاوی علوم میں کسی کو یہ خبط نہیں ہوتا کہ محض مطالعہ کے زور پر ان علوم کے ماہرین پر نقد وتبصرہ شروع کردے، اور اگر کسی نے اپنے مطالعہ کے بل پر کسی علم کو کچھ سمجھ بھی لیا تو ماہرین کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہ دنیا کا اتنا مسلم قاعدہ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی اس سے اختلاف نہیں رکھتا، ان تعلیم گاہوں پر قوم کا، حکومت کا کتنا بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا، لیکن آج تک کسی نے یہ مشورہ نہیں دیا کہ ان دانش گاہوں کو بند کردو سرمایہ ضائع نہ کرو، ذہین افراد خود مطالعہ کے زور پر ان علوم کو حاصل کرلیں گے۔

لیکن مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگیا جس کو دینی علوم میں یہ قاعدہ تسلیم نہیں ہے اس کا خیال ہے کہ اگر کسی نے باقاعدہ کسی تعلیم گاہ میں وقت، عمر اور مال خرچ کرکے علوم کی تحصیل کی ہے، اساتذہ سے پڑھا ہے، یکسو ہوکر اپنے کو محض علم کے حوالے ایک مدت تک کر رکھا ہے اسے دین کی سمجھ حاصل نہیں، وہ قرآن وسنت کا مفہوم نہیں سمجھتا لیکن

ایک ایسا شخص جس نے دینی مدارس کا رخ نہیں کیا، علم کے ماحول میں نہیں رہا، اساتذہ سے نہیں پڑھا، محض مطالعہ کیا ہے اسے دین کی صحیح سمجھ حاصل ہے، اور ظلم تو یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ایک شخص قرآن وسنت کی بنیادی زبان سے بھی ناواقف ہے لیکن اس کا دعویٰ ہے کہ میں ان لوگوں سے بہتر دین سمجھتا ہوں جنھوں نے دین ہی کے لئے اپنی عمریں کھپا ڈالی ہیں۔ گمراہوں کی یہ سب سے بدترین قسم ہے جو صرف علم ہی سے تہی مایہ نہیں ہے بلکہ ضروری انسانی عقل وخرد سے بھی یکسر عاری ہے، مسلمانوں کو ایسے ناخلف افراد سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔

یاد رکھئے! ہمیشہ ایسے علماء پر اعتماد کیجئے جنھوں نے باقاعدہ اساتذہ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم کو حاصل کیا ہو، اور ان میں للّٰہیت، خدا ترسی، ورع وتقویٰ کی صفات موجود ہوں، دینی مدارس میں ایسے علماء کرام اور مفتیان ذی احترم موجود ہیں جن سے علمی رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔

مرادِ ما نصیحت بود کردیم

(نومبر، دسمبر ۲۰۰۹ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کی تعلیمات

پچھلے شمارے (۱) میں ''عید میلاد النبی'' کے رسوم و بدعات کا تذکرہ کیا تھا۔ ربیع الاول کے بعد ربیع الآخر کا مہینہ ہے، اس مہینے کو ستم ظریفوں نے امت کی ایک بزرگ ہستی سے منسوب کر رکھا ہے، اور محض اپنی رائے سے، اللہ ورسول کی ہدایت و تلقین کے بغیر اسے اہمیت دے رکھی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کی تکمیل زمانۂ رسالت میں ہی ہوچکی ہے، اب اس میں کسی طرح کے اضافے کی گنجائش نہیں، کوئی ایسی چیز یا کوئی ایسا کام جس کی اصل زمانۂ نبوت میں نہ ہو، اسے دین سمجھ کر اور دینی عمل بنا کر دین اسلام میں شامل کرنا درست نہیں ہے، اس طریقۂ عمل کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک حکم الٰہی کو چھپا لیا تھا، اس کو آپ کے بعد کسی نے ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی جناب میں کس درجہ سنگین گستاخی ہے، دین کی ہر بات وحی الٰہی پر موقوف ہے، اور وحی الٰہی کا خاتمہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر ہوچکا ہے، آپ کے بعد اگر کوئی شخص دین کی کوئی ایسی بات بتانے یا ظاہر کرنے کا مدعی ہے، تو اول تو وہ حضرت پر کتمانِ شریعت کی تہمت لگاتا ہے، دوسرے وہ درپردہ وحی الٰہی کے اپنے اوپر نزول کا دعویٰ کرتا ہے، یعنی یہ کہ وہ بھی سرکار رسالتمآب ﷺ کی بنوت و رسالت میں شریک ہے، یہ شرک فی النبوۃ ہے! اسی لئے بدعت کا گناہ شرک کے قریب تر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ علماء و مشائخ ہی سے دین کے باب میں رہنمائی ملتی ہے، ان کی اقتداء و پیروی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، دینی علوم اور دینی اعمال کے تحفظ و بقاء

(۱) دیکھئے صفحہ: ۶۹، بارہ ربیع الاول کے ہنگامے

کے لئے سب سے بڑا ذریعہ انھیں علماء و مشائخ کا وجود مسعود ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب وملت کے علماء اگر ناپید ہو جائیں، تو اس مذہب کا وجود ہی مٹ جاتا ہے، لیکن انسانی طبیعت کی پیچیدگی، اور اس کی کجروی دیکھئے، انھیں علماء اور انھیں مشائخ کا نام لے کر، انھیں سے عقیدت ومحبت کا اظہار کر کے، انھیں کے دامن سے وابستگی کا نعرہ لگا کر برخود غلط افراد بدعات وخرافات کو ایجاد کرتے ہیں، ان بزرگوں نے شرک سے سختی سے منع کیا ہوتا ہے، مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ انھیں بزرگوں کو خدا کا شریک قرار دے دیا جاتا ہے، ان حضرات نے توحید واتباع سنت کی ندا پوری قوت سے لگائی ہوتی ہے، مگر انھیں کا نام لے کر توحید کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور بجائے سنت کے بدعات کو معیار محبت قرار دیا جاتا ہے۔

امت کے متعدد بزرگوں کے حق میں یہ کجروی اختیار کی گئی ہے، بلکہ خود توحید کے سب سے عظیم منادی، حضور سرور عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی ظالموں نے شرک وبدعت کے لئے تختۂ مشق بنالیا ہے، چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے شرک کے عقائد واعمال میں گرفتار ہیں۔

آپ کے بعد حضراتِ صحابہ میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ اور نواسۂ رسول سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کتنے گمراہی کی دلدل میں پھنس رہے ہیں، اسی طرح اولیاء امت میں متعدد حضرات کو لوگوں نے عبدیت کے مرتبۂ بلند سے ہٹا کر ربوبیت والوہیت کے حدودِ ممنوعہ میں لے جانے کی کوشش کی ہے۔

ان اولیاءِ الٰہی میں سب سے زیادہ جن پر ستم ڈھایا گیا ہے، وہ ہیں سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ! جنھیں ''بڑے پیر صاحب'' اور ''غوث الاعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ربیع الاول کے معاً بعد آنے والا مہینہ ربیع الآخران کے نام کے ساتھ موسوم ہے، میں نے اپنے بچپن میں بڑی بوڑھی عورتوں سے بارہا عربی مہینوں کے نام اس طرح سنے ہیں۔ محرم کے بجائے داہا، صفر کے بجائے تیرہ تیزی، ربیع الاول کے بجائے بارہ وفات، ربیع الآخر کے بجائے بڑے پیر صاحب، اس کے بعد دوماہ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ کے

بجائے مدار اور خج مدّ ین ( یعنی خواجہ معین الدین ) ترتیب یاد نہیں، اس طرح اصل ناموں کے بجائے انھیں بزرگوں کے ساتھ منسوب کردیا گیا تھا۔

ربیع الآخر کو بڑے پیر حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، اور اس ماہ کی جو خصوصی رسم ہے وہ گیارہویں شریف ہے، ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو زردہ پکا کر اس پر بڑے پیر صاحب کی نیاز دی جاتی ہے، اور اس رسم کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، خیال ہوتا ہے کہ ۱۱/ربیع الآخر کو حضرت کا انتقال ہوا ہے، لیکن مشہور مورخ ومحدث علامہ شمس الدین ذہبی نے **تاریخ الاسلام** اور **سیر اعلام النبلاء** میں ان کی تاریخ وفات ۱۰/ربیع الآخر لکھی ہے۔

لیکن گیارہ کی اہمیت اتنی بڑھی کہ وہ ایک خاص نماز کا جز بن گئی ہے، بعض لوگوں نے عقیدت کے غلو میں ایک نماز ایجاد کرڈالی ہے، جس کا نام ’’صلوٰۃ غوثیہ‘‘ ہے، اس کا طریقہ اس طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ دو رکعت قبلہ رو پڑھتے ہیں، پھر بغداد کی طرف جہاں حضرت شیخ کی قبر ہے رخ کرکے اس طرف گیارہ قدم چلتے ہیں، اور پھر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوکر اللہ جانے کیا پڑھتے ہیں۔ایک وظیفہ بھی ان کے نام پر ایجاد کررکھا ہے، وہ ہے **یاشیخ عبد القادر شیئاً للہ** ،اے شیخ عبدالقادر اللہ کے واسطے کچھ عطا ہو، یہ وظیفہ خالص شرک ہے، جو ان کے نام پر گڑھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ ان کی طرف ایسے ایسے واقعات وحالات منسوب کررکھے ہیں جن کو نہ عقل روا رکھتی ہے اور نہ شریعت!

یہ بدعات وشرکیات اس ذات کے ساتھ منسوب ہیں جو علم وعمل کا مظہر اور بندگی وتواضع کا خوبصورت پیکر تھا، وہ ایک زبردست عالم اور فقیہ تھے، توحید میں ان کا قدم نہایت راسخ تھا، اتباع سنت ان کا خاص شعار تھا، علامہ ذہبی نے انھیں **الشیخ الامام ، العالم ، الزاھد، العارف ، القدوۃ، شیخ الاسلام، علم الاولیاء** کے القاب سے یاد کیا ہے۔

ان کے مواعظ اور ان کے مقالات پڑھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ علم وفضل اور دین

ودیانت کے کس مقام بلند پر وہ فائز تھے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت وجلال اور مخلوق کی کمزوری اور بے بسی ان کے سامنے کتنی واضح ہے، لیکن یہ کس قدر ستم ہے کہ وہی جو مخلوق کی بے بسی اور بے چارگی کو اس شدومد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، انھیں کے اختیار وقدرت کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وطاقت کے مرتبہ تک پہونچا دیتے ہیں، ذرا حضرت شیخ کا یہ کلام ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

”کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے، جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب داب دل کو ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کرکے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں، ایک دریا کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، گہرائی بہت زیادہ، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہونچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر وپیکان، نیزۂ وکمان اور ہر طرح کے اسلحوں کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور ان میں جو چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے، تو کیا دیکھنے والے کیلئے جائز ہوگا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نظر ہٹالے، اور اس سے خوف وامید ترک کردے، اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید اور خوف رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے وقوف، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے گرا ہوا نہیں ہے، خدا کی پناہ، بینائی کے بعد نابینائی، اور وصول کے بعد جدائی اور قرب وترقی کے بعد تنزل، ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے۔ (فتوح الغیب، مقالہ: ۱۷)

جس مخلوق کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وتصرف میں شریک ودخیل قرادیتے ہیں، اس کی حیثیت حضرت شیخ کے اس کلام میں بغور ملاحظہ فرمایئے، اور دیکھئے کہ غیر اللہ کی بے چارگی کا کیا عالم ہے؟ اور اس کو مرکز نگاہ بنانے والا کس پستی میں گرا ہوا ہے۔

اپنے ایک وعظ میں توحید کے مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

’’ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، بس صرف اتنا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرادیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کا قلم چل چکا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، جو موحد اور نیکوکار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں ،بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں ،مگر ان کے اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر رہا، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہوگیا کہ مخلوقات میں سے کسی بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے، اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔

(فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی مجلس:۱۳)

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکا سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہونے کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں:

’’تم اکثر کہتے ہوگے کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں، اس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی اور رخنہ پڑجاتا ہے، یا تو جدائی ہوجاتی ہے، یا وہ مرجاتا ہے، یا رنجش ہوجاتی ہے، اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہوجاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے! اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس پر خدا کی غیرت آتی ہے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے، اس نے تم کو اپنے لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو، کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا، **یحبھم ویحبونہ** ،وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے۔ اور یہ ارشاد ہے کہ **وما خلقت الانس والجن إلا لیعبدون**، میں

نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے رکھ چھوڑتا ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کے مال اور اولاد کو باقی نہیں رکھتا ، اور یہ معاملہ اس لئے ہے کہ جب مال واولاد ہوں گے تو اس کو ان سے بھی محبت رہے گی اور خدا سے اسے جو محبت ہے متفرق اور ناقص ہو جائے گی ، اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق کے درمیان مشترک ہو جائے گی ، اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا ، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب وزبردست ہے، تو وہ اپنے شریک کو ہلاک ومعدوم کر دیتا ہے، تا کہ وہ بندہ کے دل کو خالص کر لے خاص اپنے لئے ، بغیر شریک کے، اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ یحبھم ویحبونہ ، وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے، یہاں تک کہ دل جب شریکوں اور برابری کرنے والوں سے ، جو اہل وعیال ، دولت ولذت اور خواہشیں ہیں ، نیز ولایت وریاست ، کرامات وحالات ، منازل ومقامات ، جنتوں اور درجات اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، تو اس میں کوئی ارادہ باقی نہیں رہتا ، اور نہ کوئی آرزو رہتی ، اور مثل سوراخ دار برتن کے ہو جاتا ہے، جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی ، کیونکہ وہ خدا کے فضل سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے، جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فعل اور اس کی غیرت اسے توڑ دیتی ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کے دل میں دنیا کی کوئی مخلوق مقصودیت اور محبوبیت کا درجہ نہ حاصل کر لے، دل کا مرکز نگاہ محض ذات خداوندی اور رضاء الٰہی رہے، جو لوگ خدا کے قریب ہیں، ان کے دل میں بجز حق تعالیٰ کے کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی ، اگر ان کا دل کسی اور میں اٹکتا ہے تو حق تعالیٰ اسے دور کر دیتے ہیں، تا کہ بندے کا دل خالص حق تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔

حضرت شیخ کا یہ کلام دیکھئے ، اور اس کا زور دیکھئے ، کیا انھیں منظور ہوگا کہ لوگ حق

تعالیٰ کو چھوڑ کر انھیں کو معبود و مقصود اور شریک الوہیت و ربوبیت بنالیں، حاشا وکلا

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (سورہ آل عمران: ۷۹)

کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت عطا فرمائیں، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم لوگ اللہ والے بن کر رہو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے ہو اور اسے خود بھی پڑھتے رہے ہو۔

جس بزرگ کے سامنے اللہ کا یہ فرمان ہو، بھلا وہ اپنی جانب اُلوہیت و ربوبیت کے انتساب کو کبھی گوارا کرسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہٗ امت کے بڑے مصلحین اور اصحاب تجدید میں ہیں، حق تعالیٰ کی توفیق سے بے شمار لوگ حضرت کے ہاتھوں پر کفر و شرک اور بدعت و معاصی سے تائب ہوئے ہیں۔

تصوف وسلوک کے چار سلسلے معروف ہیں، ان میں سب سے قدیم طریقہ وہ ہے، جو سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات پر مبنی ہے اور ان کی طرف منسوب ہوکر ''قادریہ'' کہلاتا ہے، مگر مقامِ حیرت ہے کہ ہمارے ملک میں جو لوگ اپنے آپ کو قادری کہتے اور لکھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان کی تعلیمات سے دور اور شرک وبدعت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں البتہ اس سلسلے کے مشائخ حقہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی تعلیمات اور ان کے مطابق عقیدۂ وعمل کو عام فرمائیں۔

(مارچ ۲۰۱۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ملت کے نوجوانوں سے خطاب

مسلمان نوجوانو! ایک شخص جو نوجوانی اور جوانی کے مرحلوں کو گزار کر بڑھاپے کی حد میں داخل ہو چکا، کاغذ کے ان صفحات پر تم سے کچھ خطاب کرنا چاہتا ہے، اس کا بوڑھا دل بے قرار ہے، کمزور ہڈیاں درد سے بے تاب ہیں، وقت کی گردش نے تجربات کی بھٹی میں خوب پکایا ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ تم سے کچھ باتیں! جن کا تعلق اس کے نفع، نقصان سے نہیں، خود تمہارے نفع اور نقصان سے ہے، اور وہ بات اس کی نہ ہوگی، اس کی کیا حیثیت کہ وہ ملت کے قیمتی سرمایہ میں تصرف کرے، وہ باتیں تمہارے اور ساری کائنات کے خالق و مالک کی ہوں گی، جو ان کے برگزیدہ پیغمبر، جو ہمارے، تمہارے سب سے بڑے مرکز اطاعت ومحبت ہیں بلکہ مرکز ایمان ہیں، اور جن کے تعلق سے بڑھ کر ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہیں، ان کے لئے ہر سرمایہ، ہر عزت و مرتبہ، ہر دولت وحکومت قربان! خاندان بھی، خویش واقارب بھی، بلکہ دل وجان بھی! سب ان کی بارگاہ میں نذر! جن کی صداقت وحقانیت میں نہ کسی دوست نے شبہ کیا اور نہ کسی دشمن نے! دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے مگر ان کے قول وعمل کی سچائی پر آنچ نہیں آسکتی، ہر زمانے میں ملت اسلامیہ کو جو سربلندی حاصل ہوئی ہے، انھیں کی نسبت کی برکت سے ہوئی ہے، اور جو انحطاط وزوال آیا، اسی تعلق ونسبت کے ضعف واضمحلال سے آیا ہے، یہ بات بالکل حق ہے، اسی طرح حق ہے، جیسے تمہارا نوجوان ہونا حق ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر!

حق کی باتیں، دنیا بھر کے انھیں سب سے سچے بزرگ نے دنیا کو سنائی، تم اللہ کو بھی مانتے ہو، ان کے سچے رسول کو بھی مانتے ہو، دونوں پر پختہ ایمان رکھتے ہو، تو کیا ایسا نہ ہوگا

کہ ان کی باتیں تمہارے قلب کی کی گہرائیوں میں اتر کر تمہارے دماغ، تمہارے کردار واعمال کو مسخر کرلیں! بے شک ایسا ہی ہوگا۔

پھر تم سے کہتا ہوں کہ ایک لمحہ ٹھہر کر اپنے دل ودماغ، اپنے فکر وخیال کا جائزہ لو، اپنے مقاصد، اپنی خواہشوں اور اپنے میلانات کو دیکھو، پھر اپنے سب سے بڑے مرکز محبت واطاعت کی باتیں سنو! اور دونوں کا موازنہ کرو کہ ان کے ارشاد اور ان کے احکام سے کوئی مناسبت پاتے ہو، اگر پاتے ہو تو اس عظیم نعمت پر اللہ کا بہت شکر ادا کرو، اور اگر نہ پاؤ تو ذرا فکر کرو اور سنجیدگی سے غور کرو۔ بس اس ایک بات کو اپنے دل میں اچھی طرح جماؤ، اگر معتبر ہے تو انھیں کی بات! اگر قابل یقین ہے تو انھیں کا کلام! اگر مستحق اطاعت ہے تو انھیں کا فرمان! ان سے الگ نہ کسی کی بات معتبر، نہ کسی کا کلام لائق یقین، اور نہ کس کا حکم قابل اطاعت!

اب سنو! انھیں سب سے سچے بزرگ، اللہ کے آخری نمائندے سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان سناتا ہوں، اسے آپ سے براہ راست سننے والے اور ہم سے بیان کرنے والے مشہور برگزیدہ صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں اسے کم از کم چار جگہ درج کیا ہے، میں اس حدیث کو تمہیں سناتا ہوں:

**عن ابی هریره رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: سبعة يظلهم الله فی ظله يوم لاظل الا ظله، الامام العادل وشاب نشاء فی عبادة ربه ورجل قلبه معلق بالمساجد ورجلان تحابافی الله اجتمعا علىٰ ذٰلک وتفرقاعليه ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: انی اخاف الله ورجل تصدق اخفی حتی لايعلم شماله ماتنفق يمينه ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه۔** حدیث: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۱

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص سائے میں پناہ دیں گے، اس روز جبکہ اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف ور حاکم (۲)

وہ جوان جس کی نشو ونما اس کے رب کی عبادت میں ہوئی ہو (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہو (۴) وہ دو آدمی جنھیں آپس میں محض اللہ کے لئے محبت ہو، اسی محبت کے ساتھ دونوں ملیں، اور اسی پر دونوں الگ ہوں (۵) وہ آدمی جسے کوئی خوبصورت اور صاحب منصب عورت نے چاہا، مگر وہ یہ کہہ کر ہٹ جائے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے (۶) وہ آدمی جس نے اس پوشیدہ طور پر صدقہ کیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوسکی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا، اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

ملت اسلامیہ کے نوجوانو! رسول اکرم ﷺ کے فدائیو! دین اسلام کے شیدائیو! ذرا اس فرمان کو غور سے پڑھو، اور دیکھو کہ اس میں تمہارا کتنا حصہ ہے؟

عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ پانے والوں میں ایک نام تو خاص اس گروہ کا ہے جس سے تمہارا تعلق ہے، یعنی شاب نشاء فی عبادة ربه، وہ جوان جس کی نشو ونما ہی اس کے رب کی عبادت و بندگی کی مشغولیت میں ہوئی۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے، خواہشوں کا طوفان اس میں اٹھتا رہتا ہے، ہر لذت پر نوجوانی ٹوٹ کر گرتی ہے، پوری دنیا رنگین دکھائی دیتی ہے، رگوں میں گرم گرم خون دوڑتا ہے، تو آدمی کو آوارگی کی راہیں ہر طرف کھلی دکھائی دیتی ہیں، اور کھیل کود کی طرف طبیعت لپکتی ہے، ہر بظاہر خوبصورت چیز پر دل مچلتا ہے، لہو ولعب میں رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے اور پتہ نہیں چلتا، نفس کی ہر لذت پر ایسی دیوانگی ہوتی ہے کہ ماضی و مستقبل سب سے آدمی کٹ کر رہ جاتا ہے، طاقت کا نشہ چھاتا ہے تو ظلم وستم کا ہر کام اپنی ضرورت بن جاتا ہے، دولت ہاتھ آتی ہے تو نہ جانے کتنے لوگوں کے حقوق پامال ہوجاتے ہیں، واقعی نظر بظاہر جوانی دیوانی ہوتی ہے۔

لیکن وہ جوان کتنا مبارک ہے، اللہ کی نگاہ میں کتنا پیارا ہے، رسول اللہ (ﷺ) کی آنکھوں کا کیسا تارا ہے، جس کی جوانی کی قوت کام آتی ہے، تو اس کے پروردگار کی بندگی میں! وہ بھی لذت کا جویا ہے، مگر اپنے مالک کی رضا جوئی میں! اس کے سامنے بھی عمل کی ہر راہ کھلی ہوتی ہے، مگر وہ اس راہ پر دوڑتا ہے جس کی لذتیں اور راحتیں ابدی اور لافانی ہیں، اس کی رگوں

میں بھی گرم خون دوڑتا ہے، اور اس کی راتیں آنکھوں میں کٹ جاتی ہیں، مگر لہو ولعب میں نہیں، بلکہ عبادت وبندگی میں، تضرع وزاری میں، جذبۂ محبت واطاعت میں! اسے جب دولت حاصل ہوتی ہے، تو اس کی نظر غریبوں، کمزوروں اور پریشان حالوں پر پڑتی ہے، وہ روتے ہوؤں کے آنسو پونچھتا ہے، وہ غریبوں کے زخمی دلوں پر مرہم رکھتا ہے، وہ کمزوروں کی مدد کرتا ہے، تو وہ ذات جو تمام دولت وطاقت کا سرچشمہ ہے، اسے اپنی خاص مہربانی سے، ہر غم سے سبکدوش، ہر مصیبت سے آزاد، اور اس کے ہر درد کا مداوا کرتی ہے، اور اس کا آخری نقطۂ عروج یہ ہوتا ہے کہ جس دن تمام کائنات اپنے اپنے نامۂ اعمال میں بدحال ہوگی اور ایسی دھوپ ہوگی جس میں کہیں سایہ نہ ہوگا، صرف ایک سایہ ہوگا ٹھنڈا اور راحت بخش، اور وہ عرش الٰہی کا سایہ ہوگا، اس میں جوانی کا یہ صاحب کردار اعزاز واکرام اور خوشی وآرام کی لذت میں ہر غم سے بے نیاز ہوگا۔

تم دیکھو اور بتاؤ کہ جوانی کو کس راہ پر ڈال رہے ہو، اور اس کی طاقت اور اس کے جوش کو کس کام میں لا رہے ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری یہ طاقت اور تمہارا یہ جوش محض فضول اور جھوٹی لذتوں میں برباد ہو رہا ہے؟ تمہاری راتیں کہیں صرف لہو ولعب میں تاریک سے تاریک تر تو نہیں ہو رہی ہیں؟ تمہاری آنکھیں محض عارضی اور چند دنوں میں ختم ہو جانے والے یا پردوں پر تھرکتے ناچتے بے جان حسن وجمال کے نظارے میں تباہ تو نہیں ہو رہی ہیں؟ ذرا اپنے کانوں کا خیال کرو، ان میں کس طرح کی آوازیں گھس رہی ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف گانے بجانے کی حرام اور نجس آوازیں کان کو گندہ کر رہی ہیں؟ اپنی زبان پر توجہ دو، اللہ کی عظیم نعمت، جس نے تمہیں جانوروں کی صف سے نکال کر انسانوں کے زمرے میں پہونچایا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا استعمال صرف شیطانی الفاظ وکلمات کیلئے ہو رہا ہے، گالیاں، فحش کلامیاں، جھوٹ اور دوسری آفات اور بلاؤں میں تو مبتلا نہیں؟ جوانی یہ سب راستہ دکھاتی ہے، کہیں تمہاری جماعت اس پر تو نہیں دوڑ رہی ہے، یاد رکھو یہ راستہ جہنم کو جاتا ہے، اگر اس پر دوڑو گے تو یہ دوڑ تم کو وہاں پہونچادے گی جس سے تم کو بچانے کے لئے پیغمبر

علیہ السلام نے اپنی ساری طاقت اور تمامتر صلاحیت صرف کی تھی، کیا ان کی محبت، ان کی دلسوزی، ان کی راتوں کی آہ وزاری کا تم یہی حق ادا کررہے ہو۔

بچو! بچو! پلٹو! اور اس راہ پر دوڑو، جو اللہ کی رضامندی، مغفرت اور جنت کی طرف جارہی ہے۔

نوجوانانِ ملت! تم نے اپنے سب سے بڑے ہمدرد ومخلص اور انسانیت کے سچے بہی خواہ کی سچی بات جو ہر شبہ سے بالاتر ہے سنی، اور سب سے بڑھ کر بہی خواہی اور ہمدردی سے بھرا ہوا کلام پڑھا۔ کیا یہ کلام تمہارے دلوں پر دستک نہیں دے رہا ہے، انسانیت کے یہ نجات دہندہ بزرگ تمہیں کس مقام ومرتبہ پر دیکھنا چاہتے ہیں، اس پر اچھی طرح غور کرو، وہ تمہیں عرشِ الٰہی کی پناہ میں دیکھنا چاہتے ہیں، اس دن جبکہ ہر پناہ فنا ہوچکی ہوگی، اور وہی ایک پناہ باقی ہوگی، اور جہاں وہ خود بھی تشریف فرما ہوں گے، وہ پناہ تمہیں کیونکر حاصل ہوگی، اس کی تدبیریں بتارہے ہیں، اور تم پڑھ چکے ہو کہ وہ سات تدبیریں ہیں، اب یہ تمہارے حوصلہ کی بات ہے کہ ان تدبیروں میں سے کوئی ایک تم اپنی حوصلہ مند طبیعت میں داخل کرو، یا یہ کوشش کروکہ وہ ساری تدابیر تمہارے دائرۂ اعمال میں آجائیں تاکہ تمہیں عرش کے ہر چہار جانب سے صدا دی جائے کہ اے خوش نصیب! ادھر آؤ! تمہارا مقام یہ ہے، پس ضروری ہے کہ تمہاری جوانی شہواتِ فاسدہ سے پاک ہو، بدکرداری نے اسے گندہ نہ کیا ہو، تمہارا قلب ودماغ اطاعت الٰہی اور عبادت خداوندی کی فکر میں نکھر رہا ہو، تمہاری اٹھان محبت وعبادت الٰہی میں ہورہی ہو۔

(۱) **الامام العادل** اگر تمہیں کسی قوم کی، کسی ملک کی، کسی خطۂ زمین کی سربراہی مل گئی، تم صاحب اختیار ہو، صاحب اقتدار ہو، تو تمہارا دماغ اس کے نشہ میں سرمست وسرشار نہ ہو، ظلم وطغیان تمہارے دامن اقتدار کو آلودہ نہ کرے، بلکہ ہر ایک کے ساتھ انصاف تمہارا شعار ہو، اور انصاف کیا ہے؟ اپنے نفس اور خواہش کو دبا کر احکام خداوندی کی بغیر کسی جانبداری کے تعمیل! وہ اپنا ہو یا غیر، دولت مند ہو یا فقیر، جہاں جو حکم الٰہی ہو اس کا ٹھیک ٹھیک نفاذ! نہ کوئی

جانبداری! نہ کسی اجنبیت کا کوئی تاثر!

(۲) **شاب نشأ فی عبادة ربه** عبادت الٰہی میں نوجوانی کے حوصلوں کو صرف کرنا، اس کی قدرے تفصیل گزر چکی۔

(۳) **رجل قلبه معلق بالمسجد** مسجد میں دل اٹکا رہے، اس کا مصداق اول نوجوان ہی ہے، معلوم ہے کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں، اس دور میں وہ بچہ ہے، پھر جب بلوغ کی عمر کو پہونچا تو اب نوجوان ہے، اب اس پر نماز فرض ہے۔ نوجوانی کی امنگیں اسے اِدھر اُدھر آوارہ رکھنا چاہتی ہیں، کھیل کود کے میدانوں میں، فسق وفجور کی لذت گاہوں میں، معصیت کی خلوتوں میں، گناہ کی جلوتوں میں اسے کھینچتی اور بلاتی ہیں، مگر وہ مرد باحوصلہ سب کو شکست دے کر اپنے قلب کو مسجد کے ساتھ باندھ کر رکھتا ہے۔

نوجوانو! کبھی تم نے غور کیا، آج دنیا نے گناہوں کے جال پھیلا رکھے ہیں جن میں پھنس کر آدمی اپنے دین وایمان اور اپنی صحت وعزت کو داؤ پر لگا دیتا ہے، کھیل کود نے نت نئی دلچسپیاں بڑھادی ہیں، جن میں منہمک ہو کر آدمی نماز اور مسجد تو کیا اپنا وجود بھی فراموش کر دیتا ہے۔ بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجد قریب ہے، لاؤڈ اسپیکر سے اذان کی آواز پھیل رہی ہے، مگر کھیل کود جاری ہے، کھیل کی کیفیات کو نشر کرنے والا حسب معمول اپنی ہانک پکار میں لگا ہوا ہے، کھیل دیکھنے والے آوازِ اذان سے غافل کھیل کے نظارے میں محو ہیں، پھر نماز بھی ہوتی ہے، نمازی اضطراب میں ہوتے ہیں، اور کھیل کا میدان کھیل کی سرمستی میں سب کچھ بھولا رہتا ہے۔

یہ سنیما ہال ہے، ذرا دیکھو کہ اس کے آس پاس کون سی قوم منڈلا رہی ہے، یہ نوجوان ہی ہیں، اور پھر غور سے دیکھو ان میں مسلمان کتنے ہیں؟ جس مسلمان کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہونا چاہئے، وہ غول درغول کہاں موجود ہے، وقت بھی برباد کرتا ہے اور پھر اپنے ماں باپ کی گاڑھی کمائی دے کر اپنا دین وایمان بھی ضائع کرتا ہے، اپنی صحت وقوت بھی تباہ کرتا ہے، اپنے اخلاق وآداب کو بھی بیچ دیتا ہے۔

کون سا گناہ ہے؟ اور کون سی لغویت ہے؟ جس میں مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد اپنے اخلاق واعمال کو برباد کرنے پر تلی ہوئی نہیں ہے؟ بدنامی کا کون سا سامان ہے جو مسلمان نوجوان نے اکٹھا نہیں کر رکھا ہے؟ جس مسلمان نوجوان کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہونا چاہئے تھا، آج وہ رسوا سر بازار ہو رہا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ وہ بے قصور ہو، اس نے مسجد سے منہ موڑا تو تباہی کے ہراڈے پر پہونچا۔ بے موقع جنگ وجدال، بے تحاشا گالی گلوج، اپنوں کے حق میں سخت گیر، غیروں کے سامنے بھیگی بلی! پولیس اسٹیشن ان کے جرائم سے آباد، کچہریاں ان کے فتنہ وفساد سے معمور، آپس میں سر پھٹول، ایک دوسرے کی ایذارسانی! بس کیا کہا جائے، ایک مسجد سے منہ موڑا، اور ایک اللہ سے رشتہ توڑا، تو کہاں کہاں س کو سر پھوڑنا پڑا؟ کہاں کہاں بھٹکنا پڑا؟

اے نوجوانو! مسجد کی عظمت پہچانو، اس کے آباد کرنے کی تدبیر کرو، مسجدیں تم سے خالی ہو رہی ہیں، اپنے وجود سے انھیں لبریز کرو، تمہارے دل میں مسجد کا خیال ہمہ وقت بسا ہوا ہو، تب اسے سلامتی حاصل ہوگی، اللہ کے حضور اگر کوئی چیز نافع ہے، تو قلب سلیم ہے، تم نے غلط جگہیں آباد کیں، جو ویرانی کی مستحق تھیں، تم نے مسجد کو ویران کیا، پس تمہارا قلب بھی ویران ہو گیا جسے آباد ہونا تھا۔

اگر آج تمہارے قلب میں مسجد کا اہتمام بس گیا، تو عرش الٰہی کے سایہ کی ٹھنڈی ہوائیں ابھی سے تم کو حاصل ہونے لگیں گی، پھر جو کوئی تمہارے آس پاس ہوگا وہ بھی راحت کی سانس لے گا، کاش تم اس بات کو سمجھتے۔

(۴) **ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیٰ ذلک وتفرقا علیہ**: عرش الٰہی کے جاں آفریں سایہ میں جگہ پانے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو محض اللہ کیلئے باہم محبت کرتے ہیں، اسی بنیاد پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور جب جدا ہوتے ہیں تو اسی اللہ فی اللہ محبت سے معمور ہوتے ہیں۔

عزیزو! محبت تو ہر کوئی کرتا ہے، انسان کا دل بنا ہی ایسا ہے کہ وہ محبت سے خالی نہیں

ہوسکتا، اسے بھوک پیاس سے پہلے محبت کا جوہر حاصل ہوتا ہے، بچہ ماں کے پیٹ سے جو پہلی چیز لے کر آتا ہے وہ محبت ہے، اسے ماں سے محبت ہوتی ہے، باپ سے محبت ہوتی ہے، خود اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے، پھر جوں جوں وقت گزرتا ہے، اس کا جسم نشو ونما پاتا ہے، اس کی محبت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، لیکن اس کی محبت کا منشا خود اس کی ذات، اس کی اغراض، اس کے فوائد و منافع ہوتے ہیں، وہ اپنے گردو پیش میں بہت کچھ پاتا ہے، پھر جس میں اپنا نفع دیکھتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، کچھ اس کے جسم کے تقاضے ہوتے ہیں، کچھ اس کے قلب و روح کے تقاضے ہوتے ہیں، کچھ جسمانی ونفسانی لذات کے تقاضے ہوتے ہیں، جہاں جہاں سے ان تقاضوں کو پورا ہوتے دیکھتا ہے وہاں وہاں محبت ٹوٹی پڑتی ہے، لیکن ان سب تقاضوں سے بالاتر تقاضا اس کے خالق و مالک کی طرف سے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تمام ضروریات بلکہ وجود اور وجود کے تمام لوازم کی بخشش اس ذات عالی کی جانب سے ہے، پس اسے اصلاً اسی کی محبت حاصل ہے، پھر جہاں تک اس کا حکم پہونچتا ہے، محض اسی کے واسطے سے محبت کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے۔

دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اس کے تقاضے بھی فانی ہیں، پس اس نسبت کی ہر محبت فنا وزوال کے داغ سے داغدار ہے، اللہ کی ذات باقی ہے، اس کی محبت، اور اس کی نسبت سے ہر محبت باقی رہنے والی ہے، فنا ہو جانے والی چیز سخت باعث تکلیف ہے، کیونکہ محبت میں محبوب کا چھوٹ جانا سخت ناگوار ہوتا ہے، اور فانی کو آخر چھوٹنا ہے، پس اس کی ایذا رسانی یقینی ہے، اللہ باقی ہے، اس کی نسبت باقی ہے، پس یہ محبت دائمی اور ابدی ہے، اس کا لطف اور اس کی لذت بھی دائمی اور ابدی ہے، تو جو محبت اللہ کے لئے کی گئی وہ انسان کو عرش الٰہی کے سایہ میں کھڑا کر دیتی ہے۔

پس تم اپنی محبت کا جائزہ لو، کہ جس کسی سے محبت کرتے ہو اس کی بنیاد کیا ہے؟ اگر خداوند تعالیٰ کی محبت کے علاوہ اس کی کوئی اور بنیاد ہے تو اسے پہلی فرصت میں جلا دو، پھونک دو، دل میں صرف وہی محبت رہے جو محض اللہ کے لئے ہے، اس سے دل کو زندگی ملتی ہے،

عزت ملتی ہے، اور ہر وہ چیز ملتی ہے جسے تم چاہتے ہو، یا آئندہ چاہو گے۔

اگر تمہیں سمجھ میں نہ آئے کہ اللہ کے لئے محبت کا کیا مطلب ہے؟ تو ان لوگوں کو تلاش کرو، جو اللہ کے لئے محبت کرنا جانتے ہیں، تمہارے گردوپیش میں ایسے لوگ مل جائیں گے، گو کہ کم ملیں گے، تلاش اور فکر پیدا کرو، پھر اگر ایسے لوگ دنیا کے کسی گوشے میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ یا تو تمہیں وہاں پہونچا دیں گے، یا انھیں تمہارے پاس بھیج دیں گے۔

لیکن ہاں خبردار! تم اس مستی اور حماقت کو محبت نہ سمجھ لینا، جو فلمی گانوں میں سنتے رہتے ہو، یا جسے فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے شعرا گاتے پھرتے ہیں، وہ نفس کی شرارت ہے، بقول مولانا روم ''فسادِ گندم'' ہے، یعنی کھانے کی بے اعتدالی سے شہوت کی بے اعتدالی ہے، یہ جس کا نام محبت لیا جاتا ہے، محبت نہیں شیطان کا مکر اور نفس کی شرارت ہے، اس سے بچتے رہنا، کتنوں کی جوانیاں اس بلا نے تباہ اور کتنوں کی زندگیاں اس معصیت نے برباد کی ہے۔

دل جو سارے بدن کا پاور ہاؤس ہے، یہ غلط محبت اس کا سب سے بڑا روگ ہے، دل کی شفا محبت الٰہی ہے اور وہ محبت جو اللہ کیلئے ہو، پھر انسان پر عرش الٰہی کے نیچے سے روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، کسی شخص کو اس سے بڑھ کر اور کیا دولت چاہیئے کہ عرش اعظم سے اس کا تعلق براہ راست جڑ جائے۔

عزیز نوجوانو! یہ دل کا بڑا گھٹیا استعمال ہے کہ اس میں دنیا کی محبت ہو اور دنیا کے لئے محبت ہو۔ اس گھٹیا استعمال کو بند کرو اور اللہ والوں سے، اللہ کی محبت اور اللہ کیلئے محبت کو سیکھو اور حاصل کرو۔

## (۵) ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: انی اخاف الله

۔ یہ ایمان کا معراجِ کمال ہے، آدمی کے اندر ایک نہایت طاقتور جذبہ، شہوانی جذبہ ہے، یہ جذبہ دل میں محبت بلکہ عشق بن کر اترتا ہے اور مکمل اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے، پھر اس کی عقل ماری جاتی ہے، آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، ہوش ٹھکانے نہیں رہتے، پھر آدمی ہرنا کردنی کر ڈالتا ہے، ایک جوان یا نوجوان آدمی ہے، طاقت اور صحت سے معمور، اسے

ایک عورت، ایسی عورت جو جاہ ومنصب کا دبدبہ بھی رکھتی ہے، اور بہت حسین وپُرکشش بھی ہے، وہ اسے اپنے بدن کی جانب بلاتی ہے، بتاؤ کہ اس نوجوان کے بچ جانے کا کوئی امکان دکھائی دیتا ہے، وہ نہ بھی بلاتی تو خود اس نوجوان کا جذبہ اس کے پاس لے جاتا، مگر وہ یہ کہہ کر ہٹ جاتا ہے کہ ’’میں اللہ سے ڈرتا ہوں‘‘ اس کا یہ کہہ کر ہٹ جانا رب العرش العظیم کے نزدیک اتنا محبوب اور عظیم عمل ہے کہ یہ عمل اسے براہ راست اس عرش عظیم کے سائے میں پہونچا دیتا ہے، جس کے سائے سے بڑھ کر کوئی سایہ نہیں!

عزیزو! اس بات کو خوب یاد رکھو، ہر ایسے موقع اور جگہ سے بچو، جہاں اس قسم کی آزمائش ہوسکتی ہے، ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے، اس امت کا فتنہ عورت اور مال ہے۔ مال کا ذکر ابھی نمبر (٦) پر آئے گا، یہ عورت کے فتنہ کا ذکر ہے، عورتوں کو شیطان اپنے جال کے طور پر استعمال کرتا ہے، جس سے وہ نوجوانوں کو اور ان کے ایمان کو شکار کرتا ہے، معلوم ہے کہ مچھلی پر جال پھینکا جاتا ہے، اور پرندوں کے لئے گھات لگایا جاتا ہے، اسی طرح اگر مومن متقی نہ ہو، تو شیطان اسے نوجوان عورتوں کی راہ میں لگا دیتا ہے، وہ اپنے ناز وادا سے انھیں شکار کرتی ہیں، اس وقت نوجوانوں کا ایمان وتقویٰ ڈھال بن جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی اس ترغیب صادق کے بعد کون ہے جو ایمان وتقویٰ کی پناہ میں نہ آجائے۔ نوجوانوں میں جہاں یہ جذبۂ شہوانی ہوتا ہے، وہیں ان کے حوصلے بھی بلند اور قوی ہوتے ہیں، اگر اس کا عزم صادق ہو، تو شیطان کی ہر چال ناکام اور بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

نوجوانو! کیا تم اپنے اندر یہ حوصلۂ عظیم پاتے ہو؟

(٦) **ورجل تصدق اخفی حتی لایعلم شماله ماتنفق یمینه**۔ آدمی کے دل کو یا تو عورت پکڑتی ہے، اس کا حال تم نے سن لیا، یا مال پکڑتا ہے، اور مال کی گرفت بھی کچھ کم نہیں ہوتی، مال ہی کی طرح شہرت ونیک نامی کی خواہش بھی دل پر پنجہ گاڑتی ہے، آدمی مال کی اور جاہ وشہرت کی خواہش میں کیا کیا نہیں کر ڈالتا، مگر عرش کے سائے میں وہ پہونچے گا جو مال کی محبت سے بے نیاز ہے، اور شہرت کی خواہش سے بھی پاک ہے۔ وہ

غریب اپنی کمائی کا مال دیتا ہے، اور اس طرح دیتا ہے کہ اس کے سب سے قریبی فرد کو بھی احساس نہیں ہوتا ہے کہ اس نے کسی کو کچھ دیا ہے، آخر بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ کے کتنے قریب ہے، مگر اسے بھی پتہ نہیں ہوتا کہ داہنے ہاتھ نے کیا عمل کیا۔ مال کو اپنے پاس سے ہٹانا یہ دلیل ہے کہ مال کی محبت نے اس کے دل کو نہیں پکڑا ہے، اور اس خاموشی سے دیتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شہرت و نیک نامی کی محبت سے بھی خالی ہے۔

اس کا یہ جذبہ اور عمل اتنا بڑا ہے کہ وہ سیدھا عرش الٰہی کے سایہ میں جا پہونچتا ہے، اور خدا کا انتہائی قریبی ہو جاتا ہے، **وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون**، مقابلے میں سبقت کرنے والے آئیں، اور اس میں مسابقہ کریں۔

(۷) **ورجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ** اوپر جو کچھ بیان کیا گیا، اس کی روح یہ ہے کہ ایک مرد مومن کا دل اللہ کی محبت اور جذبۂ اطاعت سے معمور ہے، دنیا کے ہزار تقاضے ہوں، نفس چاہے جتنا زور لگا رہا ہو، شیطان خواہ کتنی ہی سازشیں کر رہا ہو، دنیا والے چاہے جتنا دباؤ ڈال رہے ہوں، مگر اللہ کے حضور اس کا جذبۂ محبت وفرمانبرداری سب کو شکست دے کر سرخروئی کا سامان فراہم کرتا ہے، وہ دنیا میں بھی سرخ رو ہوتا ہے، اور آخرت میں بھی سب سے عزت اور راحت کے مقام تک پہونچتا ہے، دل کی یہ محبت اتنی طاقتور ہے کہ اس کے سامنے تمام تقاضے ماند اور تمام محبتیں بجھ کر رہ گئیں، اب اس کے سامنے کوئی بھی اس کی نظر کو گرفتار کرنے والا نہیں رہا

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اس جذبۂ محبت واطاعت کے آجانے کے بعد دل اس میں ڈوب گیا، اب وہ اکیلا بیٹھا ہے، ساری دنیا میں یکسو ہو گیا ہے، اس کے پاس کوئی نہیں، لیکن محبت الٰہی کی شورش اٹھتی ہے اور آنکھوں سے پانی بن کر بہنے لگتی ہے، وہ آنسو بڑا قیمتی ہے، جسے محبت نے دل سے اچھالا، اور آنکھ کی راہ سے بہہ پڑا، لیکن اسے بجز پروردگار کے کسی اور نے نہیں دیکھا، وہ یہ آنسو ہے جس سے جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے، یہ گویا پچھلے تمام کی روح ہے۔

ملت کے نوجوانو! اللہ نے تمہیں طاقت دی ہے، حوصلہ دیا ہے، یہ عطیۂ خداوندی ہے، اسے تم کیوں سفلی کاموں اور گھٹیا چیزوں میں صرف کررہے ہو، ہمت وحوصلہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم بلندیوں پر پہونچنے کا عزم کرو، نیچے گرنا کیا مشکل ہے، اوپر چڑھنا کار بلند ہے۔

تم گھٹیا کاموں میں گھس کر اپنی جوانی کی توہین کیوں کرتے ہو، تمہارے عزم وحوصلہ کی تاب تو نفس وشیطان کا کوئی حملہ نہیں لاسکتا، اس کے سامنے تو ہر چٹان چور ہوجائے گی۔

جوانو! یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہوجائیں جو ہو عزم سفر پیدا

اللہ کا منادی پکاررہا ہے کہ دنیا کا ہر تقاضا موڑ دو، اور خالص اللہ کے ہورہو، تمہارا کلام تو یہ ہونا چاہئے کہ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَـآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّآتِنَاوَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کے لئے پکاررہا تھا، کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے پروردگار! آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور ہماری برائیوں کو محو فرمادیجئے، اور ہمیں نیکوں کے زمرے میں وفات دیجئے۔

ملت اسلامیہ کے نوجوانو! تم اپنی خواہش نفس کو پیشوا نہ بناؤ، اللہ کو، رسول کو، اللہ کے سچے بندوں کو، مخلص نائبین رسول کو اپنا رہبر بناؤ، خواہ تم عصری درسگاہوں اور کالجوں میں پڑھتے ہو، خواہ دینی مدرسوں میں زیر تعلیم ہو، یا اپنے کاروبار میں مشغول ہو، ہر نظریہ اور ہر خواہش باطل ہے، سوائے اس کے جس کو تائید کلام خدا یا کلام رسول سے حاصل ہو۔

اگر مالک ومولیٰ کی خوشنودی چاہئے، دنیا کی زندگی خوشگوار چاہئے، موت اور قبر کا معاملہ آسان چاہئے، حشر میں عرش الٰہی کا سایہ چاہئے، حساب اور میزان کا مرحلہ سہل چاہئے، رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک سے جام کوثر چاہئے، یہ سب عظیم نعمتیں چاہئیں، تو دنیا کی زندگی میں اپنی خواہشوں کی قربانی کرکے محبت الٰہی کو دل میں بسانا ہوگا، نوجوانوں کو دعوت عمل ہے، فھل من مستمع؟ وھل من مجیب؟ (کیا ہے کوئی گوش قبول سے سننے والا، اور کیا ہے کوئی اس پر لبیک کہنے والا؟)

☆☆☆☆☆

(اپریل ومئی وجون ۲۰۱۰ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عہدۂ ومنصب کی تفویض!
# ایک نازک مرحلہ

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے بعد منصب اہتمام کے لئے انتخاب کا جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا، وہ دورِ حاضر کے جمہوری الیکشنوں کے طریقۂ کار کے قریب تر تھا، اس کی وجہ سے انتخاب میں جھول پیدا ہوگیا۔ اس سے متاثر ہوکر یہ اداریہ تحریر میں آیا۔

**نحمده ونصلی علیٰ رسوله الكريم، امابعد!**

**عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال: بينما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مجلس يحدث القوم جاءه اعرابی فقال: متى الساعة؟ فمضى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يحدث فقال بعض القوم سمع ما قال فكره ما قال وقال بعضهم: بل لم يسمع حتىٰ اذا قضى حديثه قال: اين ... اراه... السائل عن الساعة؟ قال: هاأنا يارسول الله قال: فإذا ضيعت الامانة فانتظر الساعة، قال: كيف اضاعتها؟ قال: إذا وسد الامر الىٰ غيراهله فانتظر الساعة**

(بخاری شریف، کتاب العلم، باب۲، حدیث:۵۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک بار ایسا ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اور لوگوں سے کچھ فرمارہے تھے، اسی دوران دیہات کے ایک صاحب آئے، اور پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اس پر توجہ نہ فرمائی، اور باتوں کا جو

سلسلہ چل رہا تھا اسی میں مصروف رہے، اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس کا سوال سن تو لیا ہے، مگر آپ کو اس کی بات پسند نہ آئی، بعض نے کہا کہ نہیں آپ نے سنا ہی نہیں، پھر جب بات پوری ہو چکی تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق جو پوچھ رہا تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت! میں یہ موجود ہوں، آپ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کردی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو، انھوں نے کہا کہ اس کا ضائع کیا جانا کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ذمہ داری جب نا اہل کے سپرد کردی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو۔

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے کی قربِ قیامت کی ایک اہم علامت ارشاد فرمائی ہے، یہ بات معلوم ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جب دنیا میں برائیاں عام ہوجائیں گی، نیکیاں سمٹ کر معدوم ہوجائیں گی، ہر خیر اور نیکی قیامت کو روکنے والی ہے، اور ہر شر اور معصیت اسے قریب کرنے والی ہے، تو وہ بڑی برائیاں جو قیامت کو دعوت دینے والی ہیں، قربِ قیامت کی علامتیں ہیں، پوچھنے والے نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا کہ جب امانت ضائع کردی جائے، تو بس سمجھو کہ قیامت قریب ہے، اب اس کا انتظار کرو، پوچھنے والے کو معلوم نہ تھا کہ امانت کا ضائع کرنا کیونکر ہے؟ آپ نے بتایا کہ کاموں کی ذمہ داری جب نا اہلوں کے سپرد کردی جائے تو بس اس کا انتظار کرو۔

مشہور محدث اور عالم علامہ عبدالرؤف مناوی نے إذا وسد الامر کی تشریح میں فرمایا کہ:

> ”جب دینی ذمہ داریاں اور مناصب، مثلاً عہدۂ خلافت اور اس کے متعلق امور، یعنی امارت منصب قضاء، منصب افتاء اور منصب تدریس وغیرہ، ایسے لوگوں کے حوالے کردئے جائیں جن میں اہلیت نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شرافت اور سیادت کے مستحق نہیں ہیں انھیں سرداری اور امارت دیدی جائے، تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔

کیونکہ اس سے شریعت کے اوامر ونواہی مختل ہوکر رہ جائیں گے، دین کمزور

ہو جائے گا، اسلام میں اضمحلال آجائے گا، جہل کا غلبہ ہوگا، علم فنا ہو جائے گا، اہل حق، حق کو قائم کرنے سے بے بس ہو جائیں گے۔ (فیض القدیر، ج ۱، ص: ۴۵۱)

اس حدیث کو بہت اہتمام اور غور وفکر کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور آپ کی منشا کی تعمیل کیلئے آپ کی امت کو پوری سعی کرنی چاہیے۔

ہم جس ملک اور جن حالات میں رہتے ہیں، ان میں ذہن ودماغ پر طرزِ جمہوریت کا تسلط ہے، جمہوریت کا حاصل یہ ہے کہ مدار کار رایوں کی گنتی پر ہے، عقل ودرایت کے وزن پر نہیں، جس کو جو منصب حاصل کرنا ہوتا ہے، وہ اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ رائے اور دوسرے رائج الوقت لفظ میں ''ووٹ'' جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے، ووٹ جمع کرنے کے لئے جو تدبیریں استعمال کی جاتی ہیں، ان سے ناظرین ناواقف نہیں۔ ''زور''، ''زر'' اور ''زاری'' سب طاقتیں بروئے کار لائی جاتی ہیں، یعنی رائے خریدی بھی جاتی ہے، اس کی بڑی سے بڑی قیمت لگتی ہے، خریدنے والا اپنی مالی حیثیت کے مطابق خریدتا، یا حاصل ہونے والے نفع کو سامنے رکھ کر اس کی قیمت لگاتا ہے، اس کے ساتھ اپنی اور اپنے جتھے کی طاقت بھی استعمال کرتا ہے، دھمکیاں، ڈراوا اور اللہ جانے کیا کیا ''ہتھ کنڈے'' عمل میں لائے جاتے ہیں، پھر جہاں ضرورت ہوتی ہے، عاجزی ونیاز مندی، خوشامد وغیرہ کے ہتھیار آزمائے جاتے ہیں، اس صورت حال میں کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ذمہ دارانہ عہدوں پر اہل اور مستحق افراد آسکیں گے؟ جو اہل ہوگا وہ تو اپنا دامن دور رکھنے کی کوشش کرے گا، اور نااہل عناصر اچھل اچھل کر خود کو مسلط کرنا چاہیں گے، چنانچہ ہم اپنے جمہوری ملک میں ہر تھوڑے وقفہ پر ووٹ کے ہنگاموں کا تماشہ دیکھتے ہیں، پارلیمنٹ کی سطح سے لے کر چھوٹے چھوٹے دیہاتوں تک رایوں اور ووٹوں کی کشمکش اور دولت وطاقت اور عاجزی ونیاز مندی کے چھوٹے بڑے مناظر ہر طرف نظر آتے رہتے ہیں، پھر جب الیکشن اور انتخابات کا طوفان تھمتا ہے تو ہر جگہ نااہلوں کی بھیڑ دکھائی دیتی ہے، ووٹ دینے والے عام لوگ حیران ہوتے ہیں کہ اندازوں کے برخلاف نتائج کیونکر آگئے؟

دین بیزار حلقوں میں یہ منظر کچھ قابل تعجب نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس کوئی خدائی ہدایت نامہ نہیں ہے، ان کی اپنی سوچ ہے، اپنی عقل ہے، اپنا تجربہ ہے، اور یہ سب ناتمام ہے، ان میں الجھاؤ ہو، تضاد ہو، انتشار ہو، ٹکراؤ ہو۔ سب عین قیاس ہے، لیکن اس سے اس ملت کا متاثر ہوجانا، اور اس ناتمام طریقہ کو اختیار کرلینا سخت قابل حیرت اور باعث تاسف ہے، جس کے پاس ایک مکمل خدائی ہدایت نامہ موجود ہے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ گم اور مضمحل ہوچکا ہو، بلکہ اپنی پوری تابانی کے ساتھ تروتازہ ہے، لیکن اسے چھوڑ کر جمہوریت کا ناقص اور ناتمام طریقہ آزمایا جاتا ہے، اس طریقے سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ عہدوں اور مناصب پر اہل افراد آسکیں گے؟

جس ملت کو یہ احساس ہے کہ کل اسے حق تعالیٰ کے حضور اپنے تمام اعمال، اپنی ہر ایک نیت، اپنے ہر ایک ارادے کے ساتھ حاضر ہونا ہے، اور وہاں ہر بات کا حساب دینا ہوگا، وہ ملت اپنے طریقہ کو چھوڑ کر غیروں کا طرز عمل دہرانے لگ جائے، تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ اللہ کی نظر سے گرے گی، دنیا میں جگ ہنسائی ہوگی، آپس میں انتشار ہوگا، آخرت میں شرمندگی ہوگی۔

مدارس کے علماء و مدرسین اور ارباب انتظام کے لئے یہ بڑا لمحۂ فکریہ ہے، کیونکہ دین کے ترجمان یہی لوگ ہیں، رسول اللہ ﷺ کی وراثت انھیں کے پاس ہے، قرآن وسنت کی روشنی ان کے سینے میں ہے، راستہ ان کے سامنے واضح اور صاف کھلا ہوا ہے، ان کا ہر قدم قرآن وسنت کے راستے میں احتیاط سے اٹھنا چاہئے، تاکہ حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کا استقبال کریں۔ نہ یہ کہ اسے چھوڑ کر، اس سے منہ موڑ کر ان لوگوں کی راہ اختیار کریں، جو ہر قدم پر منہ کے بل گرتے ہیں، ان کی کل کائنات تو یہی دنیا ہے، آگے کیا ہوگا؟ اس سے وہ بےخبر ہیں، اور اسی بےخبری میں جس کا جدھر منہ اٹھتا ہے، جدھر سبز باغ دکھائی دیتا ہے، جدھر مال وجاہ کی فراوانی نظر آتی ہے، ادھر ہی بگٹٹ دوڑ پڑتا ہے، چاہے نظام عالم درہم برہم ہوجائے۔

لیکن مسلمان! ملت اسلامیہ کا ممبر! علم نبوت کی وراثت رکھنے والا! وہ تو بے خبر نہیں ہے، اس کی پوری کائنات یہی دنیا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مختصر سا دار العمل ہے، اس کے سامنے تو آخرت کی وسیع وعریض کائنات ہے؟ وہ اسے کیوں نظر انداز کردیتا ہے، اور دینی وملی امانتوں کے حق میں وہ طریقہ کیوں اختیار کرتا ہے جس کا براحشر سب کے سامنے ہے۔

دار العلوم دیو بند ہمارے دینی وعربی مدارس کا نقطۂ آغاز ہے، اس میں شوریٰ اور مشورہ کو ہمیشہ اہمیت دی گئی ہے، شورائیت کے نظام پر اس کی بنیاد ہے، لیکن رائے شماری اور ووٹوں کی کثرت کا اس میں کبھی اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے دور سرپرستی میں ایک نازک موقع ایسا آگیا کہ ایک صاحب کو ان کے عہدے پر اگر برقرار نہ رکھا گیا تو سخت فساد کا اندیشہ ہے، ان سے

”ارباب مشورہ نے عرض کیا، کہ ان کے موقوف ہونے سے کوتہ اندیشوں کو دراندازی کا موقع ملے گا،“

مولانا نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

”گوتمام عالم مخالف ہوجائے، جب تک مدرسہ کا تعلق ہم لوگوں سے ہے، اس کے ہم ذمہ دار ہیں کہ، کسی بے جا کارروائی کو ہم چھپا نہیں سکتے،“

ارباب شوریٰ نے عرض کیا، ان کو موقوف کرنے پر جو نزاع برپا ہوگی، اس سے مدرسہ کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے، بلکہ عجب نہیں مدرسہ کو ٹوٹنے کا خطرہ ہو، مولانا نے فرمایا، اور حضرت کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے بلکہ لوحِ دل پر نقش کرنے کا مستحق ہے، فرمایا:

”مدرسہ خدا کی رضامندی کے واسطے کیا گیا ہے، اور جو کچھ ہم کررہے ہیں اسی کے واسطے ہے، اگر اسی کے ہم گناہ گار ہوکر اس کو انجام دیں تو کون سے ثواب کی بات ہے، جب تک اس کی رضامندی کے موافق کام ہوسکے، اس وقت تک کریں گے، ورنہ چھوڑ دیں گے،“

پھر اسی کے مطابق فیصلہ ہوا۔ کثرت رائے کا ذکر ہی درمیان میں نہیں آیا، اور وہ صاحب مدرسے کے عہدے سے برطرف کردئے گئے۔ یہ تفصیل مولانا عبدالحی صاحب

علیہ الرحمہ سابق ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے ''دلی اور اس کے اطراف'' کے سفر نامہ میں درج کی ہے، جو پہلے ''ارمغان احباب'' کے نام سے، اور پھر ''دلی اور اس کے اطراف'' کے نام سے طبع ہوا۔ اس میں پوری تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے انتظام و بقاء کا شرعی ضابطہ یہی ہے، اس کو دنیاوی جمہوریت کے طرز پر لے جانا، اس کو فاسد کرنا ہے، مدارس کے اربابِ شوریٰ کو ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے۔

**اللھم الھمنا مراشد امورنا واعذنا من شرور انفسنا**

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دار العلوم دیوبند کا منصبِ اہتمام

دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ ایسا محسوس ہوا، جیسے مسلمانوں کی یہ متاعِ عزیز اور ملت کا یہ سرمایۂ علم و دین آفات کی آندھیوں کی زد میں آ گیا ہے، ہواؤں کا رخ اس انداز پر چلنے لگ گیا تھا، کہ اہل قلوب کو یہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ خدانخواستہ اس خرمن علم و دین کو دشمنوں کی آتشیں نگاہِ بد تو نہیں لگ گئی؟ کشمکش کی ایک لہر ملت اسلامیہ میں چلنے لگی تھی، اور اخبارات اسے مزید خوفناک اور بھیانک بناتے جا رہے تھے، جو لوگ اس کشمکش کی زہرناکی اور اس کے نتائج کو محسوس کر رہے تھے وہ دم بخود تھے، وہ حیران تھے کہ کچھ بولیں یا خاموشی اختیار کریں؟ کچھ بولیں تو اسے میڈیا کس شکل میں پھیلائے؟ خود دار العلوم دیوبند کے اربابِ بست و کشاد کس مشکل اور پیچیدگی میں پڑیں؟ اور اگر خاموشی اختیار کریں تو فتنہ کس کس رنگ میں ظاہر ہو اور بزرگوں کی

اس امانت کا کیا حشر ہو؟

بس ایک ہی چارہ نظر آیا کہ اسی قادر مطلق اور حکیم وعلیم کے دربار میں التجا کی جائے کہ اس نے اپنے اس بزرگ اور مقدس دین کی حفاظت کا خود ہی ذمہ لیا ہے، تو اس کی حفاظت اور ترویج واشاعت کے اس اہم ذریعہ اور دین اور علم دین کے اس عظیم ادارہ کے تحفظ وبقاء کے لئے اسی بارگاہِ عالی سے کوئی فیصلہ صادر ہو۔

بظاہر نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ دعائیں اور یہ آہ وزاریاں سن لیں اور انھیں قبولیت سے نوازا۔ آندھی اتر گئی، طوفان تھم گیا۔ بڑی خوش اُسلوبی سے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے لئے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب ہوگیا جس کے بارے میں عموماً حسن ظن ہے، کہ یہ انتخاب ایک اچھا انتخاب ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی اور علمی ودینی روح کی حامل ایک اہم شخصیت کو یہ منصب سپرد کیا گیا، جس کے بارے میں یہ بجا امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سے اس سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی خدمت لیں گے۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیمی ادارہ نہیں، جہاں تعلیم دی جائے اور بس! بلکہ یہ دین وملت کا قلب ہے جہاں سے ملت اسلامیہ کو زندگی کا تازہ اور گرم خونِ حیات حاصل ہوتا ہے، یہاں ملت کے جیالوں کی پرورش ہوتی ہے، یہاں دین ومذہب کے وفاداروں کی تربیت ہوتی ہے، گمرہی کا جب کوئی طوفان اٹھتا ہے تو یہیں سے اس کا رخ موڑنے والے اور اسے دبانے والے اٹھتے ہیں، یہ صرف درس وتدریس کا مرکز نہیں بلکہ صحیح علم اور صحیح عمل کا ایک زندہ اور متحرک ادارہ ہے، اس کا ایک خاص مقصد ہے، اس مقصد کے حصول کا ایک خاص منضبط ومنظّم لائحۂ عمل ہے، دورِ حاضر کے دنیوی تعلیمی اداروں کے جو مقاصد اور ان کے جو طریقہائے عمل ہیں، ان سے جداگانہ اوصاف وخصائص پر مشتمل یہ ادارہ ہے، اگر اس ادارہ کو دنیوی تعلیم گاہوں پر قیاس کیا گیا اور ان کی دوڑ میں اسے شامل کیا گیا تو یہ اس ادارہ کی ترقی اور زندگی نہیں، بلکہ اس کا زوال وسقوط اور اس کی موت ہے۔

اس مرکز علم ودانش کی سربراہی کے لئے ایسا شخص ہرگز موزوں نہیں ہوسکتا جو آج

کل کی اصطلاح میں تقاضائے زمانہ سے باخبر ہو اور اس کے مطابق چلنا جانتا ہو، وہ ہوا کا رخ پہچانتا ہو، اور اسی رخ پر قافلہ کو ڈال دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے پاس حطامِ دنیا کا انبوہ ہو اور اسے عصر حاضر کے نو بنو مطالبوں کے پورا کرنے میں لٹاتا ہو، ایسے افراد کے ہاتھ میں اگر ملت کا یہ سرمایۂ بیش قیمت چلا گیا تو یہ دین کا نہیں حصولِ دنیا کا مرکز بن کر رہے گا، دارالعلوم دیوبند کو دنیاوی صنعتوں اور ٹیکنکوں کا مرکز نہیں بننا ہے، یہ دنیا کے طوفان عالم آشوب میں دین و مذہب کا سفینۂ نجات ہے، اگر اسے بھی دنیاوی بہاؤ میں ڈال دیا جائے تو وہ طوفان کا ایک حصہ بن جائے گا۔

اس کے لئے ایسا سربراہ اور منتظم چاہئے جو صرف دنیا کے تقاضوں سے ہی باخبر نہ ہو، بلکہ ان کے ان برے اثرات سے بھی واقف ہو، جو دین اور علم دین کے تقاضوں سے متصادم ہیں، پھر ان سے بچنے اور بچانے کے طریقوں کو بھی جانتا ہو، اور انھیں بروئے کار لانے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو، اور اسی کے ساتھ علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور نسبت مع اللہ کی دولت سے مالا مال ہو۔

زمانہ خواہ جس طرف جا رہا ہو اور چاہے جس رفتار سے جا رہا ہو، دارالعلوم کا رخ اس کی طرف نہیں ہوسکتا، اس کا اپنا ایک سمت سفر ہے، اس کو اسی پر قائم رہنا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی محترم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ نے اس کے انتظام وانصرام کے چند اصول آغازِ کار ہی میں رقم فرمادئے تھے، وہ اصول آج بھی وہی اہمیت رکھتے ہیں جو اہمیت ان کی روز اول تھی، اس خاکسار نے ان اصولوں کی قدرے تشریح وافادیت اپنے ایک مضمون میں کی ہے، جو میرے مجموعۂ مضامین ’’مدارس اسلامیہ مشورے اور گزارشیں‘‘ کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر یہ بات ضروری ہے کہ دارالعلوم کا سربراہ وہی ہونا چاہئے جو ان اصولوں پر مضبوطی سے قائم ہو اور اسے اس باب میں خاصی بصیرت حاصل ہو۔ پھر ایک صدی سے زائد عرصہ دارالعلوم پر گزر چکا ہے، اس کے مہتمم اور ذمہ داروں کی ایک روشن

تاریخ رہی ہے، تاریخ کا یہ تسلسل آج بھی باقی رہنا چاہیے، ورنہ تسلسل کا انقطاع اس ادارہ کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دے گا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد جو ایک بھونچال کی سی کیفیت پیدا ہوئی تھی، اور دورِ حاضر کی فتنہ پرور میڈیا نے اس بھونچال کو مزید آگے بڑھانے کا عمل شروع کر دیا تھا، اندیشہ ہو چلا تھا کہ کہیں اس پناگاہ دین و مذہب میں دراڑیں نہ پڑ جائیں، شکر ہے حق تعالیٰ کی مدد شامل ہوئی، اب حالات میں درستگی آ چلی ہے اور ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ دارالعلوم کے اہتمام کے لئے جیسی بزرگ شخصیت درکار تھی حق تعالیٰ کی مہربانی سے امید ہے کہ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ کے ذریعے وہ ضرورت باحسن وجوہ پوری ہوگی، مفتی صاحب طالب علمی کے دور میں دارالعلوم کے ممتاز ترین طالب تھے، اساتذہ کی نگاہ میں بااعتماد تھے، فراغت کے بعد مسلسل علمی و دینی اور اصلاحی مساعی میں سرگرم رہے، درس و تدریس کا سلسلہ بغیر انقطاع کے قائم رہا، ایک عرصہ سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور مجلس تعلیمی کے معتمد رکن ہیں۔ ان کا انتخاب ہم لوگوں، دارالعلوم کے بہی خواہوں کے خیال میں ''حسنِ انتخاب'' ہے۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ حسن توفیق اور نصرتِ الٰہی ہر قدم پر رفیق و رہبر رہے، اور بزرگوں کی یہ امانت اسی طرح حق خدمت ادا کرتی رہے جو اس کا سرمایۂ امتیاز ہے۔

ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

(مارچ، اپریل ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نمازوں کا اہتمام اور باہمی اتحاد کی اہمیت

مسلمانوں کی ایک تاریخ ہے، جسے ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں، جس کے آثار و علائم یادگاروں اور تاریخی عمارتوں میں کبھی کبھی دیکھتے ہیں، لیکن ہماری نسل جس نے بیسویں صدی کے نصف کے بعد آنکھیں کھولی ہیں، اس نے وہ دور نہیں دیکھا ہے، نہ اس دور کے احوال دیکھے ہیں، جب مسلمان غالب نہ تھے تو مغلوب بھی نہ تھے۔ مغل حکومت، مسلمانوں کے دور کا ایک تاریخی زمانہ ہے، اس وقت غیر مسلموں کی اکثریت کے باوجود ہندوستان ایک اسلامی ملک تھا، دارالاسلام تھا، اسلام کا غلبہ تھا، مسلمانوں کا دبدبہ تھا۔ علم، عمل، سیاست ہر اعتبار سے ہندوستانی معاشرہ مسلمانوں کا دست نگر تھا۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا، ایک بدیسی قوم سمندر پار، دور سے یہاں تاجر بن کر آئی، قسمت نے یاوری کی، مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آیا، اس نے مسلمانوں کو دبالیا، حکومت کے مراکز پر اس کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ تقریباً دوسو سال کے عرصہ تک اس تاجر قوم نے اس ملک کو اپنی تجارت اور سوداگری کا میدان بنائے رکھا، اس دور میں ملت مسلمہ گو کہ شکست خوردہ ہو چکی تھی، مگر پھر بھی ملک کی دوسری غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں سربلند تھی، ملک کے بہت سے حصوں میں اس کی اکثریت تھی، اور جہاں عددی اعتبار سے اکثریت میں نہ تھی وہاں بھی قوت و شوکت کے لحاظ سے، اور علم و اقتصاد کے لحاظ سے غالب نہ سہی مساوی ضرور تھی، مگر جب انگریز یہاں سے رخصت ہونے پر مجبور ہوا، تو اس کی عیارانہ عقل و ذہانت نے ایک نیا گل کھلایا، کہ ہندوستان کی دو بڑی اکثریت کو باہم ٹکرادیا، اور دونوں کو یہ سبق پڑھایا کہ تم دونوں یعنی ہندو اور مسلمان باہم مل کر نہیں رہ سکتے، ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، لہٰذا تم دونوں کو ملک کے الگ الگ خطے دئے

جاتے ہیں، ایک خطے پر مسلمان حکومت کریں اور ایک خطے پر ہندو!

یہ ایک سازش تھی جس کو مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگوں نے سمجھا، اور ہندوؤں میں سے بھی بہت سے افراد نے سمجھا، اور دونوں طرف سے اس کی مخالفت ہوئی، لیکن انگریزوں نے اس موضوع پر دونوں قوموں کو اس طرح ٹکرایا اور اتنی جذباتیت اور سطحیت پیدا کردی اور اس قدر سر پھٹول کرایا، کہ سنجیدہ اور سمجھدار افراد بھی یہ سوچنے لگے کہ شاید باہم ساتھ نباہ نہ ہو۔ بالآخر ایک خونیں ہنگامہ اور طوفانی جھٹکے کے ساتھ ملک کے تین ٹکڑے کر کے انگریز نے یہاں سے اپنی بساطِ سیاست لپیٹ لی، اب پورب بھی خاک وخون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، اور پچھّم بھی آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں۔

اس سے ایک مدت کے بعد قدرے سکون ہوا، تو ملک کے تینوں ٹکڑے باہم دست وگریباں رہنے لگے، چین اور اطمینان کسی طرف نہیں۔

اس تقسیم شدہ ملک کا وہ حصہ، جو بھارت اور ہندوستان کہلایا، یہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بڑا ہے، لیکن مسلمان اس میں قومی لحاظ سے پچھلی صف میں چلا گیا۔ تقسیم کے ہنگاموں کے بعد ملت اسلامیہ یہاں واقعی اور محسوس طور پر اقلیت میں آگئی، تعداد کے لحاظ سے، تجارت اور اقتصادیات کے لحاظ سے، اور آخری حد یہ ہے کہ احساس وفکر کے لحاظ سے بھی! یہ ملت پیچھے سے پیچھے چلی گئی۔

ہندوستان میں بسنے والی ملت سلامیہ کا کوئی فرد گھر کے باہر نکلتا ہے، سفر کرتا ہے، سرکاری دفاتر میں جاتا ہے، بازار میں داخل ہوتا ہے، علاج کے مراکز اور ہسپتالوں میں جاتا ہے، اسکولوں اور کالجوں میں قدم رکھتا ہے، تو ہر جگہ اپنی ملت والوں کو تقریباً صفر کے درجے میں پاتا ہے، ہر جگہ دوسری اقوام کا غلبہ اور عمل دخل نظر آتا ہے، اس وقت طبیعت پر ایک ہراس اور شکست ویاس کی کیفیت چھانے لگتی ہے۔

اس صورت حال میں کبھی ملک سے باہر کسی اسلامی ملک میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، اور ہر طرف مسلمان ہی مسلمان دکھائی دیتے ہیں، تو قلب کا حال بدل جاتا ہے،

بالخصوص کبھی سفرِ حج یا سفرِ عمرہ کی توفیق ہوتی ہے اور حرمین شریفین میں حاضری نصیب ہوجاتی ہے تو ہر بندہ خدائے وحدہ کا پرستار اور نبی کریم ﷺ کی عقیدت میں سرشار نظر آتا ہے، تو خوشی ومسرت کی ہوائیں دل کی وسعتوں میں چلنے لگتی ہیں، وہاں کوئی دوسرا نہیں ہوتا، سب ایک مرکزِ ایمان پر جمے ہوئے اور ایک ہی مرکزِ عقیدت سے بندھے ہوئے!

ہمارے ملک میں خال خال بعض خطے ایسے نظر آجاتے ہیں، جہاں عددی اعتبار سے مسلمانوں کی بڑی اکثریت مل جاتی ہے، ایسے خطے یہاں کم اور بہت کم ہیں، مگر تقسیم کرنے والوں کا شاید بس نہیں چلا کچھ خطوں میں مسلمانوں کی اکثریت باقی رہ گئی، لیکن تقسیم کرنیوالوں نے انھیں بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔

مارچ کے مہینے میں ایک ایسے ہی علاقے میں اس بندۂ حقیر کے جانے کا اتفاق ہوا تھا، ایسی جگہ طبعی اور فطری طور سے بڑی مسرت ہوتی ہے، جہاں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔

صوبہ بہار میں کچھ عرصہ پہلے ایک بڑا ضلع پورنیہ تھا، یہ پورا علاقہ مسلمانوں کی اکثریت کا تھا، لیکن تقسیم کی حکمت عملی نے اسے چار پانچ حصوں میں تقسیم کردیا ہے، اس ایک ضلع سے غالباً پانچ ضلعے بنادئے گئے ہیں۔ ۱۔ پورنیہ۔ ۲۔ ارریہ۔ ۳۔ کشن گنج۔ ۴۔ کٹیہار۔ ۵۔ مدھے پورہ۔ اور اس کا کچھ حصہ بنگال کے دیناج پور میں ڈال دیا گیا ہے۔ ان اضلاع کے طلبہ بکثرت یوپی کے مدارس اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، کبھی کبھی کسی تقریب سے ان علاقوں میں جانا ہوتا ہے، سڑک سے گزرتے ہوئے مسجدیں، مدرسے، مکاتب، مسلمانوں کی شکلیں بکثرت نظر آتی رہتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ پسماندگی، غربت، کمزوری اور مفلوک الحالی کے مناظر بھی نگاہ سے گزرتے رہتے ہیں، لیکن یہی خوشی کیا کم ہے، کہ سب کلمہ گو ہیں، نبی کریم ﷺ کے عقیدت کیش اور انھیں کے امتی ہیں۔

اب سے پانچ چھ سال پہلے ایک مرتبہ ضلع ارریہ سے گزر ہورہا تھا، عصر کا وقت ہوگیا، میں نے رفقاءِ سفر سے کہا کہ سڑک کے کنارے دیکھتے جاؤ کوئی مسجد یا مدرسہ ملے تو نماز

پڑھ لی جائے، مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ، ادھر بڑی آسانی ہے، ہر تھوڑے فاصلے پر کوئی مسجد یا دینی مکتب و مدرسہ نظر آجاتا ہے، چنانچہ تھوڑی ہی دور چل کر ایک مسجد نظر آئی، ساتھ میں ایک دینی مکتب کی بھی عمارت تھی۔ گاڑی روکی گئی، اتر کر عصر کی نماز ادا کی گئی، اور تھوڑی دیر وہیں ٹھہر کر مغرب بھی پڑھی گئی، اتنی دیر میں گاؤں کے کچھ مسلمان آگئے، انھوں نے اسلامی مزاج کے موافق چائے وغیرہ سے ضیافت کی۔

دورانِ گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ اس چھوٹی سی جگہ میں یہ مدرسہ چل رہا ہے، اس کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ دعا کردیں۔ ہمارے رفقاء نے اس کے لئے دعا کی اور وہاں سے روانہ ہوگئے، وہ دعا غالباً ان صاحب کو لگ گئی، جنھوں نے درخواست کی تھی، رفقائے سفر میں اعظم گڈھ کے جناب حاجی عرفان احمد اعظمی بھی تھے، جو دہلی میں کاروبار کرتے ہیں، ان کا وہاں اعظمی ہاسٹل ہے، انھیں مساجد اور مدارس سے بہت دلچسپی ہے، انھوں نے اس جگہ پر خصوصی توجہ کی، مدرسہ کے منتظم جناب محمد صدیق صاحب نے مجھ سے بھی برابر رابطہ برقرار رکھا۔ یہ مدرسہ کی تعمیری اور تعلیمی ترقیات کی خبر فون سے برابر دیتے، پھر دو سال پہلے ایک جلسہ کرڈالا، مجھے بھی حاضری کی دعوت دی، مجھے جلسوں سے نہ مناسبت ہے، نہ ان کی رغبت، لیکن ان کی محبت میں گیا۔ میں نے وہاں عرض کیا تھا کہ اس علاقہ میں آکر اور مسلمانوں کی اکثریت کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے، مگر آپس کے اختلافات، لڑائی جھگڑوں کو دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے، آپس کی لڑائیوں سے طاقت ختم ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ کی ناراضگی آتی ہے، بڑی تعداد سے جو قوت و شوکت حاصل ہوسکتی ہے اس کی ہوا نکل جاتی ہے، اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا۔ مگر ہوا وہی جس کا اندیشہ تھا، جلسے کے کچھ دنوں کے بعد وہ مدرسہ باہمی اختلاف کا اس طرح شکار ہوگیا کہ محمد صدیق صاحب نے دل برداشتہ ہوکر اس کے انتظام سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور سڑک کے دوسری جانب اپنی ذاتی زمین پر مدرسہ اور مسجد کی بنیاد ڈال دی، مکتب تو وہاں شروع کردیا، مسجد کی زمین متعین کردی، انھوں نے مجھے دوبارہ دعوت دی، ان دنوں میں بیمار تھا، مگر ان کی محبت نے مجبور کیا، اور میں نے وہاں کا

سفر کیا۔ وہاں مسجد کی بنیاد رکھی، مدرسہ خیر وخوبی سے چل رہا ہے، انھوں نے اپنا مکان بھی وہیں مدرسہ کے متصل بنالیا ہے، اور از راہ محبت اس خاکسار کے لئے بھی ایک جھونپڑا تعمیر کردیا ہے، کہ میں وہاں پہونچوں تو اسی میں قیام کروں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محبت کو قبول فرمائے اور دارین کی سعادت سے نوازے۔ آمین

یہ جگہ ضلع ارریہ میں شہر ارریہ کوٹ سے بجانب مغرب ۷/۸ رکلومیٹر پر واقع ہے۔ اس سفر میں اہل محبت مجھے کئی جگہ لے گئے۔ ضلع پورنیہ کے دو ایک گاؤں میں جانا ہوا، میرے پرانے دوست مفتی تبارک حسین صاحب جنھوں نے مدرسہ دینیہ غازی پور میں مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے اور بہادر گنج ضلع کشن گنج کے مدرسہ دارالعلوم میں استاذ حدیث ہیں، اور دینی خدمات میں اور فقہ وفتاویٰ میں ممتاز ہیں، وہ اپنے گاؤں میں لے گئے، ان کے اور میرے احباب میں ایک مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور ایک مولوی مجاہد صاحب ہیں، ایک روز ان کے گاؤں کدواہا میں قیام ہوا۔

ہر جگہ مسلمانوں کی بڑی تعداد ملاقات کے لئے اور وعظ سننے کے لئے جمع ہوتی رہی، لوگ بڑی محبت سے ملتے رہے اور سمع وطاعت کا اظہار کرتے رہے۔ ان جگہوں پر میں نے بطور خاص عام مجلسوں میں یہ بات عرض کی، کہ مسلمانوں کی کثرت تعداد دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے، لیکن دو باتوں سے رنج ہوتا ہے، ایک تو یہ مسلمانوں میں نمازوں کا اہتمام نہیں ہے، جتنی تعداد پائی جاتی ہے اگر اس کا تھوڑا سا حصہ بھی مسجد میں حاضری دے تو کسی مسجد میں گنجائش باقی نہ رہے گی، مگر دیکھئے تو ساری مسجد خالی پڑی نمازیوں کی منتظر رہتی ہے، اس لئے جو حضرات میرے پاس ہیں وہ نمازوں کا اہتمام کریں، اور اپنے گھر والوں اور معاشرہ میں اس کی کوشش کریں۔

دوسری چیز جو گھن کی طرح معاشرے کو کھا رہی ہے، وہ آپسی اختلافات ونزاعات ہیں، عقلوں اور رایوں میں اختلاف نہ کوئی انہونی چیز ہے نہ کوئی برائی ہے، مگر اس اختلاف کے ساتھ باہمی محبت، خدا ورسول پر ایمان کی بنیاد قائم رہ سکتی ہے، بڑی خرابی یہ ہے کہ فطری

وطبعی اختلاف کی بنیاد پر ہم جھگڑے کھڑے کر لیتے ہیں مگر محبت واتحاد کی جو بنیاد ہے، یعنی ایمان اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ایک تیسری چیز اور بہت قابل لحاظ ہے، اسلام نے اور اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو ایک خاص امتیازی تشخص عطا فرمایا ہے، یہ تشخص جیسے سیرت و کردار اور طبیعت ومزاج سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح شکل وصورت اور وضع قطع سے بھی متعلق ہے، چہرے پر خدا کا نور یعنی ڈاڑھی بڑھی ہوئی، مونچھیں ترشی ہوئی، لباس ایسا ہو جو اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنے میں کامیاب بھی ہو اور ٹخنوں سے نمایاں اوپر بھی ہو، سر پر کلاہِ عظمت ہو، خواہ وہ عمامہ ہو یا کم از کم ٹوپی ہو، ننگے سر پھرنا تہذیب اسلامی کے منافی ہے، دھوتی ہندوؤں کا لباس ہے، جو ستر کے پوشیدہ رکھنے میں ناکام ہے، پتلون انگریزوں کا خاصہ ہے، جو قابل شرم اعضاء کو چھپانے کے بجائے ان کی مزید نمائش کرتا ہے، اور اس کا ایک لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے لٹکتا ہے، جو کسی صورت میں جائز نہیں۔

اگر مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کی وضع وقطع سے اجتناب کریں اور اس شکل وصورت اور وضع وہیئت کو اختیار کر لیں جو ان کے محبوب ومطاع مطلق حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر کی ہے، اور وہی اللہ کی اور صالحین کی پسندیدہ ہیئت ہے، تو یہ جہاں کہیں ہوں گے ان کی ہیبت چھائی ہوئی ہوگی۔

اب تو حال یہ ہے کہ آپ محض شکل وصورت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر ہی نہیں سکتے کہ سامنے والا مسلم ہے کہ اس کو **السلام علیکم** کہیں، یا غیر مسلم ہے کہ اس کے ساتھ استقبال وملاقات کے دوسرے آداب بجالائیں، اگر مسلمان اپنے تشخص پر قائم ہو جائے تو نہ کہیں اشتباہ ہو اور نہ کسی کو جرأت توہین ہو، داڑھی ٹوپی کی ہیبت ایسی نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے۔

یہ ایک پیغام ہے کہ مسلمان اپنے نبی کی سنت کی طرف پلٹیں، سیرت وکردار میں بھی اور وضع وہیئت میں بھی!

حق تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں، اور دنیا کی تمام قوموں کے برخلاف شرک اور اعمالِ شرک سے بیزار ہیں، تو اس کی جو واقعی عبادت ہے، جس سے ابتداء انسانیت سے آخری پیغمبر تک کسی نبی و رسول کی ملت خالی نہیں ہے، اور جس کے بغیر کسی بھی دین وملت میں کوئی خیر نہیں یعنی نماز! اس کا اہتمام کریں، اسے اپنی زندگی اور روز وشب کا سب سے زیادہ اہم اور لازمی پروگرام بنالیں، جو نماز کا پابند ہوگا، اس کا چہرہ نورِ الٰہی سے دمک اٹھے گا، اور ہر شخص محسوس کرے گا، کہ یہ چہرہ تمام چہروں سے مختلف ہے۔

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے ارشاد **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** کا نمونہ بن کر رہیں، اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت میں رہنے والوں کی جن صفات کی مدح کی ہے، اور ان کو ان کی شناخت بتایا ہے، ان میں ایک صفت **اشداء علی الکفار** ہے، یعنی کفار اور اہلِ شرک کے مقابلے میں وہ فولاد ہیں، ان کے طور طریقے سے اجتناب رکھتے اور ان کے اعمال وکردار سے دور رہتے ہیں، اور ایک صفت **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** ہے، یعنی آپس میں مہربان، نرم خو اور ہمدرد وغم گسار ہیں، یہ صفت جب پیدا ہوتی ہے تو آپس کے نزاعات اور جھگڑوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اور غیروں پر دھاک بیٹھ جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اپنے ظاہری تشخص کو برقرار رکھیں، یہ شکل وصورت اور یہ وضع قطع چونکہ شرعاً واجب ہے، اس لئے اس میں ایک برکت اور نورانیت ہے، اس سے اللہ راضی ہیں، اللہ کے رسول راضی ہیں، پھر دنیا والے چاہے ناراض ہوں، مگر وہ گھٹنا ٹیکنے پر مجبور ہوں گے۔

کاش مسلمان اس پیغام کو سنتے اور سمجھتے!

**واللہ ولی الامر وھو الموفق والمستعان**

(مئی ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سنت کی اہمیت

حدیث پاک کی حفاظت وصیانت اور اس کی نشر واشاعت کے متعلق لکھی گئی یہ سطریں حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب ''اسباق حدیث'' حصہ دوم کا مقدمہ ہیں۔ (ادارہ)

**الحمدللہ نحمدہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیاتنا اعمالنا ،من یھدہ للہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ وحدہ شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ (ﷺ) و علی آلہ و ازواجہ و اصحابہ اجمعین .اما بعد**

اہل اسلام کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول سیدنا محمد (ﷺ) خاتم الانبیاء ہیں، تمام رسولوں کے امام ہیں اور تمام مخلوق کے حق میں اللہ کی وحدانیت کیلئے حجت بالغہ ہیں۔ اللہ تعالی نے انہیں دین قویم اور صراط مستقیم عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور ان کی رسالت کو قیامت تک کیلئے سارے عالم میں عام فرمایا۔

حق تعالی نے ان کو مبعوث فرما کر بگڑی ملت کو درستی بخشی ،ان کی سیرت وسنت کو داروئے شفا بنایا، بے نور آنکھوں کو نور بخشا، بہروں کو شنوائی عطا کی، بند دلوں کو کھول دیا، اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھی راہ، کشادہ رہ گزار اور بہترین شاہراہ کی ہدایت دی

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر رسول اکرم (ﷺ) کی اطاعت فرض قرار دی ان کی تعظیم ومحبت کو لازم کیا، ان کی سنت کی پیروی اور سیرت کی اقتداء کو ضروری قرار دیا، نیز عزت وشوکت کو آپ کی اقتدا سے وابستہ فرمایا اور آپ کی نافرمانی اور مخالفت کا انجام ذلت ونکبت

اور بدبختی وشقاوت کو بنایا۔

پھر ظاہر ہے کہ حق تعالی کی عبادت و بندگی کے طریقوں کی معرفت اور دین اسلام کی عملی تشکیل رسول اللہ (ﷺ) کی سیرت اور آپ کے طریقۂ عمل کے جاننے پر موقوف ہے وہ طریقۂ عمل جس پر آپ نزول وحی کے آغاز سے تکمیل دین کے اختتام تک کاربند رہے۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

**و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق و ما ارید ان یطعمون** (الذریات ۵۶۔۵۷) میں نے جناتوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں میں ان سے نہ روزی کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ یہ کہ وہ میرے لئے روزی کا سامان فراہم کریں۔

یعنی ان سے میرا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے یا دوسروں کیلئے روزی کمائیں اور نہ یہ کہ وہ روزی حاصل کر کے مجھے دیں کہ میں اپنے بندوں میں تقسیم کرسکوں تمام بندوں کو روزی دینا اور ساری مخلوق کیلئے غذا اور ضرورت کا ہر سامان مہیا کرنا، یہ میرا کام ہے، بندے اس لئے یکسو ہوکر میری عبادت اور میرے احکام کی اطاعت میں لگے رہیں۔

یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ انسان اور جنات کی تخلیق صرف اللہ کی عبادت کیلئے ہوئی ہے، اس لئے ان پر لازم ہے کہ وہ جس کام کیلئے پیدا کئے گئے، اس کا پورا اہتمام کریں اور دنیا اور لذات دنیا کو اپنا مطمح نظر ہرگز نہ بنائیں کیوں کی یہ دنیا فانی ہے یہاں کسی کو ٹھہراو نہیں ہے یہ محض ایک گذرگاہ ہے منزل قیام وقرار نہیں، یہ ایک ختم ہوجانے والی راہ ہے کوئی دائمی وطن نہیں ہے پس بیدار و فہیم وہی ہے جو عبادت گذار ہے، اور عاقل ترین انسان وہ ہے، جو دنیا کی رغبت نہیں رکھتا۔

حق تعالی کا ارشاد ہے:

**انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض مما یاکل الناس و الانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفھاو زینت و ظن اھلھا انھم قادرون علیھا اتاھا امرنا لیلا او نھا را فجعلناھا حصیدا**

**کان لم تغن بالامس کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکرون (سورہ یونس۲۴)**

دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے بارش ہوئی اور اس کی وجہ سے زمین کی ہریالی ملی جلی پیدا ہوئی، جس سے آدمی بھی غذا حاصل کرتے ہیں اور جانور بھی اسے کھاتے ہیں پھر جب زمین رونق حاصل کر کے اچھی طرح مزین ہو جاتی ہے اور زمین والے سمجھتے ہیں کہ انہیں اس رونق وزینت پر قابو حاصل ہو گیا ہے تو ناگاہ ہمارا حکم رات یا دن میں کسی وقت آپہونچتا ہے پھر اس تمام تر زینت ورونق کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں ایسا کہ گویا یہ سب کچھ تھا ہی نہیں، اسی طرح ہم غور وفکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

جب دنیا کی زندگی کی مثال یہ ہے، تو یہ بات واضح ہے کہ عقل مند کون ہوگا؟ وہ جو دنیا اور لذت دنیا میں مرے؟ یا وہ جو اس فنا ہو جانے والی گذرگاہ سے احتراز کرتا ہوا گذر جائے

إن للہ عبـــاداً فـطـنـــا　　طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
نـظـروا فیـهـا فـلـما علموا　　انهـا لیـسـت لـحـیٍّ وطـنـا
جعلـوهـا لجّةً واتخذوا　　صـالح الاعمال فیها سفنا

☆ کچھ بندے اللہ کے بہت سمجھدار ہیں، انھوں نے دنیا کو طلاق دے دی، اور فتنوں سے احتراز کیا۔

☆ انھوں نے دنیا میں غور کیا، پھر جب وہ سمجھ گئے کہ یہ کسی زندہ کے لئے وطن نہیں ہے۔

☆ تو انھوں نے اسے دریا قرار دے کر، اعمال صالحہ کو اس کے لئے کشتی بنالیا، اور نجات حاصل کر لی۔

جب بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی بندگی بجالانا، ان کی غایت زندگی ہے، اور دنیا کا حال یہ ہے کہ کبھی وہ بارونق اور ہری بھری دکھائی دیتی ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سوکھ کر ریزہ ریزہ اور فنا ہو جاتی ہے، تو پھر بندوں کو غور کرنا چاہئے کہ انھیں کیا کرنا ہے؟ اسی زوال آمادہ دنیا اور لذاتِ دنیا کے پیچھے دیوانہ رہیں؟ یا اس گزرگاہ سے اسی طرح گزریں جس طرح اللہ کے نیک بندے چلتے ہیں؟ عقل کی بات تو یہی ہے کہ وہ عقل والوں کی راہ اختیار کریں۔

عقل وخرد کی یہ روشن راہ اور فتنوں سے بچ کر نکلنے کی گزرگاہ کہاں اور کیونکر ملے گی؟ وہ ایک ہی جگہ متعین ہے اور ایک ہی طریقہ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے؟ اور وہ ہے ہادی مطلق ، نمونۂ رضائے الٰہی ، دانائے طریق ، ختم المرسلین ، سیّدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ عالم پناہ ہے، جس راہ پر وہ چلے ہیں، جس راہ پر چلنے کا انھوں نے حکم دیا ہے، اور جس راہ کو انھوں نے پسند فرمایا ہے، بس تلاش کرنے والے اسی راہ کو تلاش کریں، اور پیش کرنے والے اسی راہ کو پیش کریں، دوسری ہر راہ کانٹوں بھری ہے، غلط رخ پر گئی ہے، سب کو نظر انداز کر کے، سب سے یکسو ہو کر، اور سب کی نفی کر کے بس اسی راہ پر خود کو ڈال دینا قطعی ہدایت ہے۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

ہم نے جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا دیا، بس ایک یاد رہ گئی ہے، اور وہ ہے دوست کی بات! اسے ہی ہم دہرائے جا رہے ہیں۔

یہ دوست کون ہے؟ یہ مرکز محبت کون ہے ایک مومن کے لئے ، اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اور کیا جواب ہوسکتا ہے؟ اللہ کا کلام قرآن کریم ہے، اور رسول کا کلام حدیث وسنت ہے، ایک مسلمان کی زندگی ، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی، اس کا پورا ماحول اور معاشرہ انھیں دونوں سے مستفید ہوتا ہے، قرآن کریم متن ہے، حدیثِ رسول اس کی شرح ہے، قرآن پاک کتاب ہے، اور حدیث رسول حکمت ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔

بلاشبہ اہل ایمان کے اوپر اللہ کا احسان ہوا کہ ان میں خود انھیں کے زمرے سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا، جو انھیں اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے،

اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ (سورہ نساء: )

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی ذکر فرمایا ہے، یہ حکمت کیا ہے؟ حضرات علماء ومفسرین فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے، پس رسول اکرم ﷺ کی حدیثیں اور آپ کی ہدایتیں سب سنت میں داخل ہیں۔

دین اسلام کا مدار انھیں دونوں پر ہے، قرآن پر اور سنت پر! اللہ نے ان دونوں کی حفاظت کا وعدہ فرمایا، اور آج تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ اس طرح سے پورا ہوا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی صداقت بن گیا ہے۔ قرآن کریم کا حرف حرف اس طرح محفوظ ہے کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اور لاتعداد کاغذوں کے سفینے اس کے لفظ اور زیروزبر تک کے امین صادق ہیں۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں، سنتوں اور آپ کے خصائل وشمائل اور اخلاق وسیرت کے نقل وروایات کا وہ عدیم النظیر خزانہ دنیا کے سامنے ہے کہ علم وتحقیق کی دنیا آج تک حیرت زدہ ہے، کہ عرب کے صحراؤں میں، امیوں کے درمیان پیدا ہونے والا رسول، ایسی جگہ پیدا ہونے والا، جہاں پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں کے پوروں سے زائد نہ تھی، آج وہ عالم ہے کہ اس کے منہ سے نکلا ہوا کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جو معتبر راویوں کے بلا انقطاع تسلسل کے حوالے سے موجود نہ ہو، اور اس کے کردار وعمل کی کوئی روشنی ایسی نہیں ہے جسے لیل ونہار کی طویل گردشوں نے مضمحل اور مدھم کردیا ہو، بلکہ جیسے جیسے وقت گزرجاتا ہے اس کی تابناکی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

دیکھنے والے حیرت زدہ ہیں کہ ایک وقت جبکہ آپ کے صاحبزادے کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا، کہنے والے مخالف نے کہا تھا کہ: **دعوہ فانہ رجل ابتر لاعقب لہ فإذا ھلک انقطع ذکرہ** (تفسیر ابن کثیر سورۃ الکوثر) اسے چھوڑو، یہ ایسا آدمی ہے جس کی نسل منقطع ہوگئی ہے، اس کی اولاد باقی نہیں، جب یہ دنیا سے چلا جائے گا تو اس کا ذکر

وتذکرہ بھی فنا ہو جائے گا۔

نادان کہنے والا یہ کہہ رہا تھا اور قدرت سامان کر رہی تھی کہ روئے زمین پر اس سے بڑھ کر کسی کا تذکرہ نہ ہو، خالق تعالیٰ کا ذکر سب سے بلند ہے، پھر ان کے بعد اگر کسی کا ذکر ہو تو اسی نبی امی کا ہو، ورفعنا لک ذکرک (انشراح:) ہم نے تمہارے ذکر کو بلندی بخشی۔ یہ وعدہ نہیں، خبر ہے، اور اس خبر کی صداقت ہر آنے والا دن مزید یقینی بنا تا جا رہا ہے۔

پڑھنے والے پڑھیں، یہ حدیث کی بے شمار کتابیں ہیں، یہ مغازی کے دفتر ہیں، یہ تاریخ کے صفحات ہیں، یہ شمائل کے مجموعے ہیں، ان میں پڑھنے والوں کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ملیں گے، آپ کے افعال وصفات ملیں گے، نبوت کی تئیس سالہ زندگی کا ہر ہر لمحہ محفوظ ملے گا، آپ کے اقوال وافعال اور صفات واحوال میں کوئی جلی اور خفی ایسی شان نہ ہوگی، جو علم وتحقیق کے اس خزانے میں بعینہٖ محفوظ نہ ہو، صرف محفوظ ہی نہیں سورج کی طرح روشن نہ ہو، آپ کے کھڑے ہونے اور بیٹھنے کا انداز کیا تھا؟ آپ سونے سے کیونکر اٹھے؟ اور اٹھنے کی کیفیت کیا تھی؟ آپ کی ہنسی، آپ کا تبسم، آپ کی عبادت، دن میں اور رات میں کس طرز پر ہوتی تھی؟ آپ کے کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے اور وضو وغسل کی کیا شان تھی؟ لوگوں سے گفتگو آپ کیونکر کرتے تھے، ملاقات کے وقت کیا کیفیت ہوتی تھی؟ کون کون سے رنگ آپ کو پسند تھے؟ ان میں سے کون سی بات ایسی ہے جو ان کتابوں کے اوراق میں آپ کو بالتفصیل نہیں ملے گی۔

اگر کوئی یہ کہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا میں تاریخ کی کتابوں نے کسی بھی انسان کے احوال وشمائل اور عادات وخصائل کو اس تفصیل، اس شرح وبسط، اس تحقیق وتدقیق اور اس احصاء واحاطہ کے ساتھ جمع نہیں کیا ہے، جیسے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کے جزئیات وکلیات کو جمع کیا ہے۔

پھر معاملہ صرف کتابوں کے اوراق پر محدود نہیں ہے، اللہ نے اپنے اس برگزیدہ نبی کے گرد عقیدت ومحبت کا وہ ہالہ قائم کر دیا ہے، اور شیفتگی ووالہیت کی وہ شمع روشن کر دی ہے

کہ ہر دور میں پروانے اپنے دلوں میں اس کی کشش کی بیتابی محسوس کرتے ہیں، اور ساری دنیا سے منہ موڑ کر، یکسو ہو کر آپ کی بنائی راہ پر بے تکان چلتے رہتے ہیں، آپ کی باتوں کو یاد کرتے ہیں، آپ کے عادات وشمائل کو اختیار کرتے ہیں، آپ کی سنتوں کی ہو بہو پیروی کرتے ہیں، خود کو آپ کی سیرت میں جذب کرتے ہیں، اپنے ارادے، اپنے نظریے، اپنے خواہشات کو فنا کر کے رسول کی لائی ہوئی شریعت وسنت میں ڈھل جاتے ہیں، اگر وہ کاغذی بے جان کتابیں ہیں تو یہ گوشت پوست سے بنی ہوئی جاندار کتابیں، ان کتابوں کے حروف ونقوش میں آپ کی سنت وسیرت محفوظ ہے، تو ان زندہ وجودوں کی زبان اور اعضاء وجوارح میں آپ کی حدیثیں اور سنتیں جگمگا رہی ہیں۔

میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا حافظ عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے احادیث رسول پڑھتے تھے، اور آپ کے وجود وعمل میں ان احادیث کی تشکیل وتعمیل دیکھتے تھے، کتاب کے اندر جو کچھ حروف ونقوش پڑھتے، آپ کی زندگی کے قول وعمل میں بھی وہی سب کچھ پڑھتے تھے۔

یہ دونوں کی طرح کی کتابیں ___ کاغذی کتابیں اور زندہ وجود کی کتابیں ___ قرون اولیٰ سے اب تک ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں، تعداد کے کم وبیش ہونے کا فرق ہوسکتا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ ان میں خلا پیدا ہوا ہو۔

انھیں دونوں سے اسلامی معاشرہ زندہ وتابندہ ہے، انھیں کتابوں، حدیث وسنت کے مجموعوں کی برکت سے اسلامی تعلیم، ہر طرح کی تحریف سے محفوظ ہے، سر کھپانے والے تحریف کے لئے سر کھپاتے ہیں، مگر دونوں طرح کی معتبر کتابوں کی تیز روشنی میں باطل کی روسیاہی نمایاں ہوجاتی ہے۔

جس طرح قرآن کریم کے کلمات وحروف سفینوں اور سینوں میں محفوظ ہیں، اسی طرح احادیثِ رسول اور سیرت رسول سفینوں میں بھی اور زندہ انسانی وجود اور شمائل وخصائل میں بھی محفوظ ہیں، یہ حق تعالیٰ کی طرف سے وہ غیبی مستحکم انتظام ہے جس کی وجہ سے

اسلامی شریعت ہر تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ وہ محیر العقول اور عظیم کارنامہ ہے جس کی توفیق انھیں حق تعالیٰ کی جانب سے بخشی گئی، اور اس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی امت میں موجود نہیں۔

احادیث، اس حیثیت سے بھی بہت اہمیت کی حامل ہیں، کہ ان کا سرچشمہ وہ ذات عالی ہے جو مہبط وحی الٰہی ہے، جس کا شرح صدر بارگاہ الٰہی کی عنایت خصوصی ہے، جس کے سراپا نور ہونے کی بشارت قرآن کریم نے دی، کلام اور کام کی قدر و قیمت اس کے مصدر ومنشا کے لحاظ سے گھٹی بڑھتی ہے، نور مبین اور رسول معصوم کی زبان سے نکلا ہوا کلام خود نور ہے، اور ہر خطا سے معصوم ہے، پھر اس کے سراپا خیر وبرکت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ اس کلام کی زندگی اور نورانیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا خواہ زمانہ جتنا بھی گزر جائے، ایک مدت گزر جانے کے بعد اب بھی حق وہدایت کی توسیع واشاعت کا کام اگر کرنا ہے، تو قرآن کے ساتھ حدیث سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

”حدیث نبوی، زندگی، قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے، اور ہمیشہ اصلاح وتجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آراء اور برسر جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے ، اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اصلاح وتجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہوکر میدان میں آئے، اور بدعتوں وخرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی، امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر ضرورت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب وتدوین، حفظ اور نشر واشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی وذہنی، عملی واخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۵،ص:۱۷۱)

(جون ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دینی شعائر کا ادب

**الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین.**

اسلام دین الٰہی ہے، جسے حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر تمام دنیا کے لئے عام فرمایا ہے، اور اس پر اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اعلان فرمایا ہے، اور یہ کہ جو کوئی، اس کے علاوہ کسی اور دین وملت کا طالب ہوگا، وہ قبولیت سے برکنار رہوگا، اب قیامت تک جو بھی رضائے مولیٰ کا طلبگار رہوگا، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس دین حق کے کلیات وجزئیات کا اپنے عقیدہ وعمل اور نظریہ وفکر کے اعتبار سے احاطہ کرے۔

یہ دین حق ظاہر وباطن ہر لحاظ سے کمالِ ادب کا نام ہے، اللہ کا ادب، رسول کا ادب، احکام الٰہی کا ادب، حرمات کا ادب، قرآن وسنت کا ادب، شعائر اسلام کا ادب۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْب.** (سورۃ الحج:۳۲) یعنی حج کے جو خاص خاص احکام تھے، وہ تو بیان ہو چکے، اب ایک عام بات بتائی جاتی ہے، کہ جو کوئی اللہ کے شعائر کا ادب کرے گا، وہ دل کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی بات ہے۔

یعنی جب دل میں تقویٰ ہوگا، اللہ کا احترام ہوگا، تو وہ سب باتیں، جس کا حق تعالیٰ سے تعلق نمایاں ہے، آدمی ہر ایک کا احترام کرے گا۔

اللہ کے شعائر میں، اس کے وہ خصوصی احکام بھی ہیں، جن کا اللہ کے ساتھ تعلق

عام طور سے معلوم ہے، مثلاً سب جانتے ہیں کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خصوصی عبادت ہے، اس کا تعلق بجز خدا کے اور کسی سے نہیں ہے، پھر نماز کے ساتھ اس کے خصوصی شرائط، مثلاً طہارت، وضو وغسل کا تعلق روز روشن کی طرح واضح ہے، نیز نماز قائم کرنے کی جگہیں یعنی مساجد کا خصوصی تعلق بارگاہ الٰہی کے ساتھ ہر شخص جانتا ہے، آدمی کے دل کے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اللہ کے دربار سے براہ راست تعلق رکھنے والی ان چیزوں کا ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ادب واحترام بجالایا جائے۔

ان سب شعائر کی ایک روح ہے، اور ایک ان کی ظاہری شکل وصورت اور ڈھانچہ ہے، جس طرح کسی شے کے کامل وجود کے لئے اس کی روح کا اہتمام ضروری ہے، اسی طرح اس کا ڈھانچہ بھی ٹھیک ٹھیک حکم کے مطابق ہونا چاہئے، ورنہ اگر جسم عیب دار ہوگا تو اس کا حسن متاثر ہوگا، اور اس کی خوبی نگاہ سے گر جائے گی، نماز کی روح اس کا خشوع وخضوع اور اس میں ذکر الٰہی ہے، مگر ڈھانچہ قیام وقرأت اور رکوع وسجود سے مرکب ہے، یہی حال دوسرے شعائر کا بھی ہے، دین کا حکم ہے کہ جہاں ان کے مغز وروح کا اہتمام کیا جائے، وہیں، ان کے ظاہری ڈھانچے اور شکل وصورت کے آداب کا بھی پورا اہتمام کیا جائے۔

صرف ذکر الٰہی اور خشوع وخضوع کیف ما اتفق مطلوب نہیں ہے، بلکہ نماز کا خصوصی ڈھانچہ بھی مطلوب ہے، طہارت، وقت، قیام وقعود اور رکوع وسجود کی ظاہری شکل بھی مقصود ومطلوب ہے، اس لئے ان سب کے احکام وحدود کا علم ضروری ہے تاکہ عبادات کو بجالانے والا افراط وتفریط کی بے ادبی میں نہ پڑے۔

ہمارے زمانے میں، دین سے اور دینی حقائق وآداب سے بے رغبتی بلکہ بے نیازی، جس طرح عام ہوتی جارہی ہے، اہل احساس پر مخفی نہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جنھیں شعائر الٰہی کی پرواہ ہی نہیں، وہ اپنے طور طریقوں کو چھوڑ کر اغیار کے طریقۂ عمل کو اختیار کرتے ہیں، اور کتنے ایسے ہیں جو دینی احکام تو بجالاتے ہیں، مگر ایک رسم ورواج کی طرح، ان کے حدود واحکام اور مسائل وارکان سے بے پرواہ ہوکر۔ حالانکہ ان سب کا ادب واحترام اور نظم

واہتمام ایک شرعی حکم ہے، تاکہ اللہ کی عبادت، حسن عبادت بن کر قابل تحسین وقبول بنے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دعاء کے پیرائے میں، حسن عبادت کے اہتمام کی تلقین فرمائی ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تاکید فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرلیا کرو، اور اسے ترک نہ کرو، اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلیٰ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ اے اللہ! آپ اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی عبادت کی عمدگی پر میری مدد فرمائیے۔

اس دعاء سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف عبادت نہیں، بلکہ حسن عبادت مطلوب ومقصود ہے، عبادت کرنے والا جب حسن عبادت سے غافل ہوتا ہے، تو اپنی عبادت خراب کرلیتا ہے، اسی لئے علمائے اسلام نے اپنی توجہ کا مرکز عبادات کے ظاہری آداب ومسائل کو بھی بنایا ہے، ظاہر درست ہوگا تو باطنی روح کی استعداد اس میں بدرجۂ کامل ہوگی اور اگر ظاہری ڈھانچہ بدنما اور خراب بنالیا تو اس کی روح میں بھی بدنمائی آسکتی ہے۔

عبادت کی اس صورت اور ڈھانچے کو خوبصورت بنانا، اور اسے ظاہری خوبیوں سے آراستہ کرنا بھی ایک کار اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز جو کہ عبادات میں سب سے بڑھ کر ہے اس کے ظاہری حسن وجمال کے لئے متعدد شرطیں ضروری قرار دی گئی ہیں، بدن پاک ہو، جگہ پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، بدن کی پاکی ظاہری بھی کہ واقعی نجاست سے بدن آلودہ نہ ہو، اور باطنی پاکی بھی کہ وضو اور غسل سے بدن آراستہ ہو، بلکہ صرف طہارت ونظافت پر ہی معاملہ بس نہیں ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ، ہر نماز کے وقت ظاہری زینت کا اہتمام کرو۔ بدن کی وضع قطع ڈھنگ کی اور شریفانہ ہو، کپڑے ایسے ہوں، جن سے آدمی کو جمال حاصل ہو، بال بے ڈھنگے نہ ہوں، کپڑے ایسے نہ ہوں جن سے ستر پوشی کے بجائے ستر کی نمائش ہو، یہ وہ آداب ہیں جن سے نماز کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے۔

مسجدیں بھی اللہ کے شعائر میں ہیں، ان کی بے حرمتی اور بے ادبی درست نہیں، یہ

جگہ عام گھروں جیسی نہیں ہے کہ جس طرح چاہیں آئیں جائیں، یہ تفریح گاہ نہیں، عبادت گاہ ہیں، ان میں آدمی داخل ہو تو باوضو داخل ہو، داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز ادا کرے تاکہ مسجد کی وضع کا حق ادا ہو جائے، مسجد میں نجاست نہ لیجائی جائے، خود نجس آدمی نہ جائے، دنیا کی بات نہ کی جائے، خرید و فروخت کا کاروبار نہ کیا جائے، یہ سب آداب مسجد کے خلاف ہے۔

اسی قیاس پر ہر اس چیز کا لحاظ کرلیا جائے جس کی نسبت اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ وابستہ ہے، دینداری کی روح یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی بے حرمتی نہ ہو۔

جب تک ان عبادات وشعائر کو آدمی اس نظر سے دیکھے گا کہ حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ عظیم سے خصوصی تعلق رکھنے والی یہ چیزیں ہیں، ان کے خصوصی ادب واحترام کی پوری کوشش کرے گا، اور اگر ان کو محض رسوم کا درجہ دیدے گا، تو الٹے سیدھے، اونے پونے جس طرح ادا ہو جائے کافی سمجھے گا، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ بس نماز ادا کر لیتے ہیں، نہ تہذیب وشائستگی کا لحاظ رکھتے ہیں، نہ شرم وحیا کا پاس ولحاظ رکھتے، ننگے سر ہیں تو اسی حالت میں نماز میں داخل ہو جاتے ہیں، لباس ایسا پہنیں کہ دیکھ کر شرم وحیا کی آنکھیں نیچے ہو جائیں، نہ کھڑے ہونے کا سلیقہ نہ رکوع وسجود کا ڈھنگ اور نہ اٹھنے بیٹھنے کی ہیئت درست، بس ٹھونگیں مارلیں اور خوش کہ نماز ادا کرلی۔

ان ظاہری آداب کو معمولی ہرگز نہ سمجھیں، ظاہر درست ہوگا تو باطن کی درستگی آسان ہوگی۔

غرض دین کے ہر حکم کے ظاہر کو درست رکھنا، شریعت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس سے غفلت کسی طرح روا نہیں۔ علماء وفقہاء نے ظاہری احکام وآداب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، نوجوانوں کو اس کا خاص طور سے دھیان دینا چاہیئے، ورنہ شروع کی عادت کا بگاڑ، بعد میں اس کا اصلاح پذیر ہونا مشکل ہے۔ (جولائی ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مدارس اسلامیہ: دورِ حاضر کی نعمت عظمیٰ

ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد، نہ صرف مسلمانوں کے خلاف بلکہ خود مذہب اسلام کے خلاف فتنوں کی یلغار شروع ہوگئی، اس وقت اس ملک میں سمندر پار کی ایک اجنبی سفید فام اور سیاہ قلب قوم تجارت کی راہ سے سیاست میں قدم جما رہی تھی، یہ قوم وہ تھی جس نے چند صدی پیشتر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا خونیں معرکہ چھیڑ رکھا تھا، اور آخر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے فولادی ہاتھوں سے اس نے وہ شکست کھائی تھی، کہ اس کا زخم ناسور بن کر صدیوں اس قوم کی تکلیف اور دشمنی کا سبب بنا رہا۔ اس قوم کو اسلام سے اور مسلمانوں سے گہری عداوت تھی، یہ قوم جب ہندوستان کے ساحل پر اتری تو یہاں اس کو انھیں مسلمانوں سے سابقہ پڑا جن کے ہاتھوں اسے صلیبی جنگوں میں تاریخی شکست ہوئی تھی، اس نے اپنی دشمنی کا لاوا نکالنے کے لئے ہتھیاروں کا استعمال نہیں کیا، بلکہ مکر وفن، سازش اور دسیسہ کاریوں کے ہتھیار آزمائے، حکومت سے تجارت کی اجازت لی، ایک تجارتی کمپنی بنائی اور پھر آہستہ آہستہ اپنی فوجوں کو یہاں اتارنا شروع کیا، اس قوم کی دراندازی کے بعد اس ملک میں سیاسی، تعلیمی، مذہبی، اخلاقی اور معاشی اتھل پتھل شروع ہوئی، اس کا ہر قدم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھتا تھا، کبھی برنگ ہمدردی، کبھی برنگ سازش وفریب! مگر رخ یہ تھا کہ مسلمانوں کو پست وذلیل بھی کیا جائے اور اسلام کا اعتماد ان کے دلوں سے نکال بھی دیا جائے۔ اس کے لئے علم وہنر کے نئے نئے زاویے، نئے نئے انداز پیش کئے، اور اس کے لئے صلیبی پادریوں کی ٹیمیں بھی اس نے ملک کے طول

وعرض میں اتاریں اوراس نے خود مسلمانوں میں ایسے افراد کو منتخب کرنے کی مہم چلائی جو نام اور خاندان کے لحاظ سے تو مسلمان ہوں، لیکن مسلمانوں کے علوم وفنون اوراسلامی نظریات واعتقادات پر انھیں اعتماد نہ ہو، نبی کا نام اور تعلق تو چھیننا مشکل تھا، اس لئے اس نام کو باقی رکھتے ہوئے ان کی تعلیمات کے صحیح مفہوم ومطلب سے انحراف کو فروغ دینے کی کوشش کی، الفاظ وہی رہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں، مگران کا مطلب ومعنی کچھ سے کچھ کردیا جائے، تفسیر میں تحریف، حدیث کے مفہوم میں تحریف، فقہی مسائل میں تحریف وتاویل، تاریخ میں تحریف، تہذیب وتمدن میں تشکیک! اس قوم نے ایسی صورت حال پیدا کردی کہ دین اسلام باقی ہی نہ رہے، اوراگر باقی رہے تو کچھ سے کچھ ہوکر! نام مسلمان کا باقی رہے مگر وفاداری صلیبی اقوام کے ساتھ ہو، مغلوں کی حکومت کے کمزور ہوجانے اورسمٹ کر لال قلعہ میں محدود ہوجانے کے بعداس قوم کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔حکومت گئی تو طاقت ٹوٹ گئی، علم کمزور پڑ گیا، جہالت نے سر ابھارا، صلیبی پادریوں نے اسلام کے خلاف آندھی چلائی، ملحدوں اور دہریوں نے علمی انداز میں شکوک وشبہات کے گردوغبار اڑائے، جس کی وجہ سے خود مسلمانوں میں متعدد فرقے ایسے وجود میں آگئے جو بجائے اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کے اسلام ہی کی جڑ کھوکھلی کرنے لگے، جھوٹے نبی پیدا کئے گئے، بدعات وخرافات کی سرپرستی کرنے والے، انھیں عبادت وتقرب الٰہی کی سند دینے والے ڈھونڈھے گئے، حدیثوں کے انکاراورفقہ اسلامی سے انحراف کی راہیں ہموار کی گئیں، غرض ہروہ تدبیر اختیار کی گئی جس سے مسلمان کا نام رکھتے ہوئے اسلام سے آدمی منحرف ہوجائے، تاریخ اسلام پر اعتماد باقی نہ رہے، ایسے حالات پیدا کردئے گئے تھے کہ اسلام اوراسلامی تعلیم فنا کے گھاٹ اتر جائے۔

لیکن حکمت الٰہی کو منظور نہ تھا کہ جس سرزمین سے میر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی، جہاں اسلامی مجاہدین نے دین ودیانت کا علم نصب کیا تھا، جس سرزمین پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے قدم جمائے تھے، اوران کی برکت سے ملک کے بیشتر

حصے میں مذہب اسلام کے قدم جمے تھے، جس کے مرکز میں بیٹھ کر خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے یہاں کے ہر ہر چپے کو اپنے خلفاء ومتوسلین کو بھیج کر دیانت وروحانیت کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا، جس کے ایک گوشے میں رہ کر مجدد الف ثانی حضرت امام شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے دین اسلام کی تعلیمات اور اس کی روحانیت کو اس طاقت وقوت سے پھیلایا کہ خانقاہوں، زاویوں اور مدارس سے آگے بڑھ کر مغل بادشاہوں کے بام ودر اس کے نور سے روشن اور اس کی تاثیر سے سرشار ہوگئے، جس ملک کی راجدھانی میں بیٹھ کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے علم حدیث اور سلوک وروحانیت کا وہ مرکز قائم کیا، جہاں سے علم وعمل کی ایک عدیم المثال کہکشاں تیار ہوئی، جس کی روشنی سے سارا ہندوستان جگمگا اٹھا، جس سرزمین کے ایک خطے سے اٹھ کر امیر المومنین وامام المجاہدین سیّدنا سیّد احمد شہید قدس سرہ نے اپنے بزرگ خلفاء ورفقاء کے ساتھ اصلاح وتجدید اور جہاد فی سبیل اللہ کا وہ نعرہ بلند کیا کہ اس کی گونج آج تک مسلمانوں کے قلوب کو گرما رہی ہے، حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ اس ملک سے دین اسلام کے قدم اکھڑیں، اللہ نے احسان فرمایا، اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ یہاں دین اسلام کے قدم جمے رہیں اور اس روشنی کی تب وتاب باقی رہے۔

اللہ نے اصحاب توفیق کو الہام فرمایا، غیبی قوتوں نے ظہور فرمایا، اہل اللہ کے سینے سے نکلی ہوئی آہوں نے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پائی، اور یہاں مدارس اسلامیہ کے قیام کی طرح ڈالی گئی۔ اول سرزمین دیوبند اس سعادتِ کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئی، حق تعالیٰ نے نظر عنایت فرمائی، زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ہندوستان کے بہت علاقوں میں مدارس اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ یہ مدارس ہندوستان میں دین اسلام کی بقا اور تحفظ کے مضبوط قلعے اور اہل اسلام کے لئے نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہیں، آج جہاں کہیں اس ملک میں حق وہدایت کی شمع روشن ہے انھیں مدارس کا فیض ہے۔

اسلامیان ہند بلکہ مسلمانان عالم اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، ان مدارس نے علوم دینیہ کو زندہ رکھا، اخلاص وللٰہیت کو باقی رکھا، کردار وعمل کی صحیح شکل و

صورت کو محفوظ رکھا، اور حق یہ ہے کہ دین کی ہمہ جہتی حفاظت میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ چاہنے والوں نے بہت چاہا کہ مدارس کو ان کی اس ڈگر سے ہٹا دیں جس پر چلتے رہنے کے لئے ان کا وجود وقیام ہوا تھا، کچھ ایسے لوگوں نے بھی چاہا جن کی نگاہوں میں یہ مدارس خار بن کر کھٹکتے ہیں، وہ اسے دُنیوی ترقی اور عیش وعشرت یا یوں کہئے کہ نفسانی خواہشوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، انھوں نے چاہا کہ اسے فنا کردیں، ایسا ان کے بس میں نہیں ہوا تو انھوں نے دوسرا داؤ کھیلا کہ ان مدارس کے نصاب میں، ان کے طریقۂ کار میں ایسی چیزیں داخل کردیں جو بظاہر دیکھنے میں خوشنما ہوں، لیکن انجام یہ ہوگا کہ یہ دین کی ڈگر سے منحرف ہوکر محض دنیا کی راہ اختیار کرلیں گے، یہ بات بڑی وضاحت سے سمجھ لینی چاہئے کہ دنیا طلبی، جاہ پرستی اور دولت وثروت کی دیوانہ وار عشق ووارفتگی کے سمندر میں یہ مدارس دین وملت کے محفوظ جزیرے ہیں جہاں مذہب اسلام کے سرمایہ کی حفاظت کی جاتی ہے، اگر ان میں وہ چیزیں داخل کردی گئیں، یا انھیں داخل ہونے کا راستہ دے دیا گیا جن کو دین سے مناسبت کم اور دنیا سے مناسبت زیادہ ہے، تو دیر نہیں گزرے گی کہ دین وملت کے جزیرے دنیا پرستی کے سمندر میں غرقاب ہوجائیں گے، ہم دیکھتے ہیں کہ جن مدارس نے دنیا کی ان ہواؤں کو اپنے حصار میں آنے کی اجازت دی، وہاں دین مغلوب ہوچکا ہے، اور دنیا پرستی غالب ہوگئی ہے۔ **والعاقل تکفیہ الاشارۃ**

مدارس اسلامیہ کے لئے وہی ڈگر ضروری ہے جو دارالعلوم دیوبند کے لئے اس کے مقدس اور زیرک بانیوں نے متعین کی ہے، جہاں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجتی ہوں اور جہاں رات کے آخری حصے میں ذکر الٰہی کے زمزمے دلنواز ہوتے ہوں، جہاں دنیا طلبی پر دینداری کی حکومت ہو، جہاں اللہ ورسول کی وفاداری میں دنیا کے ہر تقاضے کو ٹھکرادیا گیا ہو، جس میں رہنے بسنے والے دور حاضر کے اپٹوڈیٹ نہ ہوں، بلکہ قرون اولیٰ کے نمونے اور یادگاریں ہوں، دور حاضر چاہے جتنا ان پر ہنسے، انھیں بنیاد پرست سمجھے، انھیں ارذل اور بادی الرای (چھوٹا اور بیوقوف) قرار دے، انھیں کوئی پرواہ نہ ہو، کیونکہ دنیا پرستوں کی یہ

پرانی رسم رہی ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ماننے والوں پر چھینٹے اڑاتے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ (البقرۃ:۱۳) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح یہ لوگ ایمان لا چکے ہیں، تم بھی ایمان لاؤ، تو یہ دنیا پرست کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ جس کی نظر دنیا سے اوپر اٹھ کر کرآخرت پر جم چکی ہے، اسے یہ دنیا دار بیوقوف کہتے ہیں۔

اس طرح کے لوگ چاہتے تو یہ ہیں کہ یہ مدارس فنا ہو جائیں اور جس چیز کو یہ مدارس زندہ رکھنا چاہتے ہیں وہ موت کے گھاٹ اتر جائے، مگر مسلمانوں کو دین و مذہب سے جو مضبوط اور گہرا تعلق ہے اسے دیکھ کر یہ ڈرتے ہیں کہ ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہوگا تو وہ انھیں ایسی راہ پر لگانا چاہتے ہیں اور انھیں ایسا نصاب تعلیم قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو بظاہر خوش نما اور دلآویز ہے، لیکن اس پر چلنے اور اسے قبول کرنے سے مدارس کا ڈھانچہ تو رہ جائے مگر اندر سے اس کی روح اور طاقت فنا ہو جائے، جیسے انگریزوں کے نظام و نصاب تعلیم نے مسلمانوں کا نام تو باقی رکھا، مگر اندر سے بہتوں کی اسلامی روح کو نکال باہر کر دیا ہے۔ اکبر مرحوم نے کس قدر سچی بات کہی ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور کچھ ایسے لوگ بھی دنیا کی ملمع کاری کے فریب میں آ گئے، جو دل سے مخلص ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کو تازہ دم دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن دنیاداری کے غوغا سے وہ متاثر ہوئے، اور انھوں نے اپنی سادگی یا کم علمی کی وجہ سے اسی راہ کو اختیار کرنا پسند کیا جو بظاہر خوشنما مگر حقیقت میں تباہ کن ہے، دنیادار حکومتوں نے شکار کا ایک جال بچھایا، اور اس میں معاشی سہولیات کے پُرفریب دانے ڈال دئے، اور ان دانوں کی افادیت اس طرح ظاہر کی، کہ شکار کا جال نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، معاشی آسانیوں کی لالچ نے جال کو بھی اوجھل کیا اور

اصل دینی تعلیمات سے بھی غافل کر دیا، پھر کتنے لوگ جو مدارس کے مخلص ذمہ دار تھے اس جال میں پھنس گئے، اب اس جال کے جو نتائج سامنے آرہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ: **لن یصلح آخر ھٰذہ الامة إلا بما صلحت به أولها**، اس امت کا پچھلا دور کسی اور طریقے سے نہیں اسی طریقے سے درست ہو سکتا ہے جس طریقے سے پہلا دور درست ہوا تھا۔

نئے نئے طریقے، نئے نئے نصاب، نئے نئے نظام، خواہ بظاہر وہ کتنے ہی دل فریب اور خوش نما ہوں، مدارس کے لئے کچھ مفید نہیں، مفید وہی طریقہ ہے، وہی نظام ہے جسے فرسودہ اور آثار قدیمہ کہا جاتا ہے خواہ لوگوں کو یہ بات کتنی ہی گراں گزرے۔

(اگست، ستمبر ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# صدمات کی یورش اور پروردگار کی مہربانیاں

سلسلۂ قادریہ کے ایک بڑے شیخ حضرت حافظ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ( متوفی: ۸ جمادی الآخر ۱۳۰۸ھ ) ہیں، جن کی خدمت میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ نے اسلام قبول کیا تھا اور انھیں کی دعاء سے وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہونچے تھے۔ وہ بزرگ دردگردہ کی تکلیف میں عرصہ تک بیمار رہے ، انھیں بہت شدت کا درد ہوتا تھا، اس وقت انھیں بڑی بے چینی ہوتی تھی ، اس بے قراری میں جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا، وہ سننے کے لائق ہے، فرماتے تھے

لطف سجن دم بدم     قہر سجن گاہ گاہ
اوں بھی سجن واہ واہ، ایں بھی سجن واہ واہ

سجن کے معنی محبوب کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ محبوب کی مہربانیاں تو بار بار ہیں، البتہ کبھی کبھی وہ مہربانیاں بشکل قہر وجلال بھی ظاہر ہوتی ہیں ، تو ہمارا حال یہ ہے کہ مہربانیاں ہوں تو وہ بھی محبوب اور بہت خوب ہے، اور قہر وجلال ہو، تو وہ بھی محبوب ہے اور واہ واہ ہے۔

حق تعالیٰ معبود بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں ، عبادت کا نذرانہ بھی انھیں کی بارگاہ میں ہے اور محبت کی سوغات بھی انھیں کیلئے ہے، بندگی اور محبت دونوں جمع ہوں تو انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو انسانیت کے اسی کمال کی تعلیم دی ہے،

## ہر چہ رسد از دوست نیکوست

محبوب اور دوست کی بارگاہ سے جو کچھ ملے سب بہتر ہے، البتہ عنایت ومہربانی مختلف رنگوں میں آتی ہے، کبھی لطف وکرم کی شکل میں آتی ہے تو آدمی خوش ہوتا ہے، مطمئن ہوتا ہے، کبھی برنگ قہر وجلال آتی ہے تو آدمی گھبراتا اور فریاد کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی فضل وکرم ہی کا ایک انداز ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی مہربانیوں کے یہ دونوں رنگ باہم دگر ہم آغوش ہوکر آتے رہتے ہیں، کبھی آدمی خوش وخرمی سے نہال ہوتا ہے، کبھی پریشانی وبے قراری سے بدحال ہوتا ہے، لیکن ایمان کی دولت اسے مطمئن رکھتی ہے، وہ ہر حال کو حق تعالیٰ کا انعام وافضال سمجھتا ہے۔

ابھی دو تین ماہ پہلے یہ خاکسار اور اس خاکسار کا چھوٹا سا خاندان حالات کی ناسازگاری کے تھپیڑوں کی زد میں آگیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ متاع صبر وقرار لٹ کر رہے گی، اور خرمن سکون واطمینان جل کر رہے گا، مگر اللہ کی مہربانی تھی جس نے سہارا دے دیا۔

ذوقعدہ ۱۴۳۲ھ کی تین تاریخ تھی اور اکتوبر ۲۰۱۱ء کی دوسری تاریخ، اتوار کا دن تھا۔ ان سطور کا راقم درس قرآن کے لئے اعظم گڈھ شہر جارہا تھا، راستہ میں تھا کہ غازی پور سے فون آیا کہ میرے فرزند عزیز مولوی محمد عابد سلّمہٗ کا لخت جگر برخوردار زاہد جو گھر بھر کی آنکھوں کا نور تھا، سب کا پیارا تھا، نانہال میں بیمار ہے، اس کے لئے دعا کیجئے، پھر مغرب کی نماز کے بعد درس سے فراغت ہوئی، اطلاع آئی کہ یہ چار سالہ بچہ دنیا سے منہ موڑ کر چلا گیا اور گھر کا نور غائب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

مجھے دہرا صدمہ ہوا۔ ایک تو پوتے کی موت کا غم، دوسرے اپنے لخت جگر کے صدمے کا غم! لیکن اب کیا ہوسکتا ہے، پیدا ہونے سے پہلے ہی موت کا وقت متعین ہوچکا ہوتا ہے، غم تو بہت دل گداز تھا بلکہ جاں گداز تھا، مگر اللہ نے صبر ورضا کی توفیق بخشی۔ مولوی محمد عابد سلّمہٗ مدرسہ شیخ الہند انجان شہید میں تھے، ان سے ملنا، اس صدمہ پر صبر کی تلقین کرنا بڑا صبر آزما مرحلہ تھا، مگر بہر حال اس سے دوچار ہونا تھا، انجان شہید گیا، انھیں اور ان کے

چھوٹے بھائی مولوی محمد عامر سلّمہٗ کو گھر لایا، پھر رات ہی میں انھیں غازی پور بھیجا، صبح اپنے گھر والوں کو لے کر غازی پور گیا، عزیزم حاجی عبداللہ سلّمہٗ جو بچے کے نانا تھے، سراپا تصویرِ غم بنے ہوئے، پورا گھرانا سوگوار تھا۔ ساڑھے دس بجے نماز جنازہ ہوئی، کانپتی آواز میں اس خاکسار نے نماز جنازہ ادا کی۔

صدمے سے دل زخمی تھا، مگر حق تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، چند روز کے بعد اطلاع آئی کہ حج کی درخواست جو التوا میں پڑی ہوئی تھی قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ میں اور میرے دو بیٹے عزیزم مولوی حافظ محمد راشد سلّمہٗ اور عزیزم مولوی حافظ محمد عرفات سلّمہٗ کی ہمراہی میں حج کی منظوری آگئی، ساتھ میں پورہ معروف کے بہت ہی عزیز وقریب حاجی محمد نعمان سلّمہٗ اور ان کی اہلیہ کی بھی منظوری تھی، سفر حج کی منظوری نے صدمہ کے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

۱۶/ اکتوبر کو لکھنؤ سے فلائٹ تھی، ہمارا قافلہ ۱۵/ اکتوبر کو کیفیات اکسپریس سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا، لکھنؤ میں ہمارے میزبان ابرار احمد صاحب اور ان کے دونوں فرزند محمد عامر اور محمد عارف سلہما تھے، ان لوگوں نے بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ انھیں دنیا وآخرت کی عافیت سے نوازے۔ آمین

ہماری پہلی منزل دربار رسالت کی حاضری تھی، بحمد اللہ اطمینان وعافیت سے مدینہ شریف پہونچے، مدینہ شریف میں اہل محبت بہت ملے۔ مولانا حافظ محمد مسعود صاحب اور نسیم بھائی پاکستان کے ملے، عزیزم محمد نعیم، حافظ دلشاد احمد اور جہانا گنج کے انظر سلّمہٗ سے ملاقاتیں رہیں، ان سب بزرگوں اور عزیزوں نے حق محبت اور حق خدمت خوب ادا کیا۔ آٹھ روز مدینہ شریف میں قیام کی سعادت حاصل ہوئی، مفتی عاشق الٰہی مہراج گنجی مدظلہ اور مولانا ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ سے ملاقاتیں رہیں۔

۲۶/ اکتوبر کو مکہ شریف حاضری ہوئی، عزیزیہ میں اقامت گاہ ملی، ۵/ نومبر، ۹/ ذی الحجہ کو حج کا دن تھا، ۸/ کی رات میں منیٰ حاضری ہوئی، ۹/ کو عرفات میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

مدینہ شریف میں سفر کی تکان نے دبایا تو بخار بدن پر چھا گیا، اپریل کے اواخر میں میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ جونپور کے ماہر اور بزرگ طبیب حکیم رئیس عالم صاحب کو دکھایا، تو انھوں نے میعادی بخار تشخیص کیا، اور یہ کہ یہ بخار بہت عرصہ سے ہے، اس وقت غذا بالکل بند ہوگئی، کھانا دیکھتے ہی طبیعت بگڑنے لگتی اور متلی کی سی کیفیت چھا جاتی، عرصہ سے صرف چائے میں تھوڑی سی روٹی توڑ کر کھا پاتا تھا، حکیم صاحب نے متواتر تین ماہ تک علاج کیا، اللہ نے شفا بخشی، کھانا کھانے لگا، رمضان بخیر گزرا۔ حج کے سفر میں تکان ہوئی تو بخار پلٹ پڑا اور کھانے کی سابقہ کیفیت لوٹ آئی، غذا بند ہوگئی، کچھ انگریزی دوائیں استعمال میں رہیں، مگر ضعف واضمحلال بڑھتا ہی رہا، حج سے پہلے نوبت یہ تھی کہ بخار ہمہ دم رہتا، غذا ساقط ہوگئی، طاقت نام کی کوئی چیز بدن میں نہ رہی، چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا، حرم کی حاضری سے محرومی طویل ہوگئی۔ میرے بچے اور رفقاء پریشان تھے، ایک ویل چیر کا انتظام کیا گیا، منیٰ کی حاضری میں کوئی اسے اٹھالے گیا، مفتی عبدالرحمٰن صاحب غازی پوری سلّمہٗ نے دوسری ویل چیر کا انتظام کیا، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منیٰ کی حاضری ویل چیر پر ہوئی، مفتی صاحب نے راحت رسانی اور خدمت کا حق اس طرح ادا کیا کہ میں شرمندہ ہوہوکر رہا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دنیا وآخرت کی تمام راحتیں اور خوشیاں انھیں عطا فرمائیں۔

۱۰ر ذی الحجہ کو شام کے وقت منیٰ میں میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، بخار اور الٹی کی شکایت بڑھ گئی، مجبوراً میں اپنی قیام گاہ عزیزیہ پر آگیا اور پھر مسلسل طبیعت خراب ہی رہی، اللہ نے رمی اور طواف زیارت کا مرحلہ محض اپنے فضل وکرم سے آسان فرمادیا۔

حج کے معاً بعد گھر سے اطلاع ملی کہ برخوردار مولوی حافظ محمد عابد سلّمہٗ کا دوسرا بیٹا محمد ساجد جس کی عمر سال بھر ہے، بہت بیمار ہوگیا، اسے اعظم گڈھ بچوں کے ایک معالج کے یہاں ہسپتال میں بھجوایا، معلوم ہوا کہ نمونیہ بہت شدید ہے، کافی توجہ اور اہتمام سے علاج ہوا، پانچ چھ روز میں اللہ نے صحت عطا فرمائی، ۱۵ر نومبر کو لے کر گھر آگئے۔ شام کے وقت گھر سے فون پہونچا کہ محمد ساجد کا انتقال ہوگیا، طبیعت دھک سے ہوکر رہ گئی، دل تو پہلے ہی زخمی

تھا، اب یہ زخم شدید ہوگیا، بڑی مشکل سے محمد عابد سلّمہٗ کو چند کلمات تعزیت اور صبر و تسلی کے کہے، ناظم مدرسہ مولانا انتخاب عالم قاسمی سلّمہٗ نے تجہیز و تکفین نیز مولوی محمد عابد سلّمہٗ کے صبر و تسلی کا اہتمام کیا۔ ہم لوگ دور تھے، حق تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے، برخوردار محمد عرفات سلّمہٗ نے یہ پوری رات مسجد حرام میں دعا و مناجات میں گزاری۔

حج کے ارکان کی ادائیگی اور تکمیل کے بعد ایک اور مریض مل گئے، ان کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ ہم لوگ وقت سے پہلے وطن کے لئے روانہ ہوجائیں، میری واپسی کی تاریخ ۳۰/نومبر متعین تھی، مگر دوسرا ٹکٹ ۱۷/نومبر کا لے لیا گیا، میں اور میرے دونوں برخوردار ۱۷/ نومبر کی فلائٹ سے دلی آگئے۔ ۱۸/ کو بنارس پہونچے، بنارس میں ہمارے میزبان حاجی منظور احمد صاحب نے میری علالت کی جو کیفیت دیکھی تو مشورہ دیا کہ یہیں سے پہلے جون پور چلا جائے، حکیم صاحب کو دکھایا جائے، پھر شیخوپور واپسی ہو، چنانچہ ہمارا قافلہ اولاً جونپور گیا، حکیم صاحب نے کرم کیا، وہ ساتھ میں شیخوپور آئے، دوائیں تجویز کیں، ان کا استعمال شروع ہوا۔

یہ جمعہ کا دن تھا، سنیچر اور اتوار کا دن کافی کمزوری اور بیماری میں گذرا، اتوار کا دن گزار کر رات جو آئی تو آنکھوں سے نیند غائب تھی، ڈیڑھ بجے کے بعد کچھ آنکھ لگی۔

۲۴/ذوالحجہ ۲۰/نومبر سوموار کو علی الصباح آنکھ کھلی، وضو کرنے بیٹھا تو زبردست متلی شروع ہوگئی، بہت دیر تک خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، طبیعت بالکل نڈھال ہوگئی، بڑی دیر کے بعد سکون ہوا، تو مصلیٰ بچھا کر نماز کے لئے ہاتھ اٹھا رہا تھا کہ کمرے میں میرے دو بیٹے مولوی حافظ محمد عارف اور مولوی محمد حافظ محمد راشد سلمہما داخل ہوئے، میں چونکا کہ اتنے سویرے یہ دونوں بھائی کہاں؟ عارف نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ ولی الحق سالم کا انتقال ہوگیا، سالم عزیزم محمد راشد سلّمہٗ کا بیٹا تھا جو ابھی رمضان شریف میں پیدا ہوا تھا۔ اس ناگہانی اطلاع سے خرمن صبر و قرار پر بجلی سی گری اور میں نماز میں مشغول ہوگیا۔ کوئی بیماری تھی؟ کوئی تکلیف تھی؟ کچھ نہ تھا، بس مشیتِ الٰہی تھی، عمر پوری ہوچکی تھی، جہاں سے آیا اور جیسا

آیا تھا، وہیں اور ویسا ہی پاک صاف بے حساب چلا گیا۔

اس تیسرے حادثہ نے پچھلے دونوں حادثوں کی یاد پھر تازہ کردی، طبیعت نڈھال ہوگئی، دس بجے اس کا جنازہ اٹھا، مولانا انتخاب عالم صاحب قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی، اس موقع پر بھی تمام انتظامات انھیں کی نگرانی میں انجام پائے۔

ان تینوں حادثوں نے طبیعت کو چور چور کر کے رکھ دیا، مگر بندہ کو بجز تسلیم ورضا کے اور کچھ چارہ نہیں، جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ اللہ ہی کا تھا، اور جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے، انھیں اپنے بندوں میں ہر تصرف کا اختیار اور حق ہے، اور وہی عین حکمت وفضل ہے، وہ کچھ لیتے ہیں تو بہت کچھ دیتے ہیں۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد　　　آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

وہ آدھی جان لیتے ہیں اور سو جان عطا کرتے ہیں، وہ کچھ دیتے ہیں جس کا تمہیں تصور بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ حق تعالیٰ کی رحمت ومہربانی کی یہ بڑی جلوہ گاہ تھی، تین پوتے گئے، صحت کو نقصان پہونچا، لیکن بے شمار اہل محبت ملے، ان کی ہمدردیاں ملیں، ان کی دعائیں ملیں، ان کی طرف سے تسلیاں ملیں، وہ وہ انعامات ملے جن کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تین معصوم جانیں، پاک صاف خدا کے حضور پہونچ کر اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کرنے والی ہوگئیں، اللہ تعالیٰ ان معصوم اور بے گناہ جانوں کو اپنے آباء واجداد کے مغفرت ونجات کا سامان بنائیں۔

مکہ شریف سے واپسی کے بعد برخوردار عزیزم مولوی حافظ محمد راشد سلّمہٗ نے مجھ سے کہا تھا کہ بھائی مولوی محمد عابد پر دو بیٹوں کے انتقال کا صدمہ اور اثر شدید ہے، چند کلمات تعزیت اور تسلی کے ان کیلئے لکھ دیں، چنانچہ جمعہ کی واپسی کے معاً بعد سنیچر کو میں نے ایک مفصل خط عابد سلّمہٗ کے نام لکھا، پھر اتوار کو راشد سلّمہٗ کے فرزند کا انتقال ہوگیا۔ وہ خط بھی ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

☆☆☆☆☆

فرزند عزیز! عافاك الله وأعاذك من الشرور والبلايا

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

رات کے بارہ بج رہے ہیں، میں سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر تمہارا صدمہ یاد آتا ہے اور نیند آنکھوں سے اُڑ گئی ہے، اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہوں، تمہارے لئے دعائیں کر رہا ہوں مگر کلیجہ ہے کہ چھلنی ہوا جا رہا ہے، بڑی دیر سے کشمکش میں ہوں، تمہارے دل کا، دل کے حال کا خیال اس قدر بے چین کئے ہوئے ہے کہ بے اختیار اٹھ کر یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اللہ کرے تمہارے لئے یہ حروف باعث تسکین و تسلی ہوں۔

میرے بیٹے! صدمہ بڑا ہے مگر یہ سوچو کہ جس پاک پروردگار نے یہ امانت تمہیں سپرد کی تھی، اب اسی نے یہ امانت جیسی سونپی تھی ویسی ہی واپس لے لی، اس پر کسی طرح کے گناہ کا داغ دھبہ نہیں لگا، اب یہ تمہاری امانت ہے جو سب سے بڑے امانت دار کے پاس پہونچ گئی ہے، وہ اس امانت کو سنبھال کر رکھیں گے، اس کی پرورش کریں گے اور ایسے وقت میں تمہارے حوالے کریں گے جب سب سے زیادہ ضرورت کا وقت ہوگا، اس وقت یہ امانت تمہیں اس درجہ کام آئے گی جس کی کوئی حد و انتہا نہیں، تمہاری تین امانتیں وہاں محفوظ ہیں، حافظ مسعود صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ تینوں بحکم حدیث نبوی ماں اور باپ کو سیدھے جنت میں پہونچا کر رہیں گی، آج کا صدمہ بہت بڑا صدمہ، کل کی عظیم سعادت ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

میرے بیٹے! ہم سب کے آقا و مولیٰ رسول کریم ﷺ جو سرچشمۂ محبت و رحمت ہیں، بڑھاپے میں انھیں ایک بیٹا ملا، ۱۷ ماہ کا ہوا، اور حق تعالیٰ نے واپس لے لیا، بڑھاپے کی اولاد تھی، صدمہ ہونا تھا ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، دل زخمی ہوا، لیکن فرماتے ہیں: لانقول إلا بما يرضىٰ ربنا وإنا بفراقک يا ابراهيم لمحزونون، صدمے کا انکار نہیں، مگر حق تعالیٰ کی مشیّت پر راضی رہنا حقِ بندگی ہے۔

خدا کی مہربانی تو دیکھو! بندہ اپنے بیٹے کی، اپنے ثمرۂ قلب کی اور اپنے جگر گوشے کی

موت پر صبر کرتا ہے، اللہ کی حمد کرتا ہے، اس کے فیصلے پر راضی رہتا ہے تو حق تعالیٰ جنت میں ایک گھر صرف اس تقریب میں اس کے لئے تعمیر کرتے ہیں، جس کا نام ''بیت الحمد'' رکھتے ہیں، زہے نصیب کہ ''بیت الحمد'' نصیب ہوا۔

حضرت کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بچہ آخری وقت میں ہے، آپ فرماتے ہیں إن للہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ فلتصبر ولتحتسب ، جو کچھ دیا وہ بھی اللہ کا اور جو کچھ لیا وہ بھی اللہ کا، پس صبر کرنا چاہئے اور ثواب کا امیدوار رہنا چاہئے، یہی بات رسول نے اپنے ہر امتی سے فرمائی ہے، تم بھی انھیں کے امتی ہو، بس صبر کرلو اور اجر کی امید رکھو۔

اور سنو! حضرت نے فرمایا ہے کہ صدمہ کے وقت اس طرح رضا کا اظہار کرو اور دعا کرو، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ '' ''أَللّٰهُمَّ أجُرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْراً مِّنْهَا''۔ پھر دیکھو کہ حق تعالیٰ کی جانب سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں۔

میرے عزیز بیٹے ! اللہ کی مہربانی بہت بڑی ہے، اسے ہر وقت دھیان میں رکھو، بلا شبہ تمہیں اس وقت بڑا بھاری خلا محسوس ہو رہا ہے، میں سوچتا ہوں تو تڑپ جاتا ہے، مجھے تمہاری محبت بے چین کئے ہوئے ہے، مگر اس خلا کو اللہ کی محبت سے، اللہ کی یاد سے، اللہ سے امید رکھنے سے، اللہ کی مہربانی سے پُر کرلو، دنیا کی ہر چیز فانی ہے، ہر تعلق کے لئے زوال ہے ،سب کچھ مٹ جانے والا ہے، ایک اللہ کا تعلق ہے جو لازوال ہے، یہ ہمہ دم کا رفیق ہے، دنیا کی ہر دولت ختم ہونے والی ہے، ایک تعلق مع اللہ ہے جس کے لئے فنا نہیں ہے، دل جتنا زخمی ہو چکا ، ہو چکا، اب اس پر صبر و رضا کا مرہم لگا دو، تمہارے لئے بہت دعائیں ہوئی ہیں، تمہارے کمزور باپ نے بھی کی ہیں، بزرگوں سے کرائی ہیں، حضرت شیخ نے کی ہیں، حافظ مسعود صاحب اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے کی ہیں، اور مکہ اور مدینہ میں بہتوں نے کی ہیں ،اللہ تمہیں صبر وسکون عطا فرمائیں۔

اس دن جب خبر ملی تو عرفات حرم میں تھا، اسے جب خبر ہوئی تو وہ رات میں قیام

گاہ پر آیا ہی نہیں، پوری رات آغوش کعبہ میں رہا، طواف کرتا رہا، دعائیں کرتا رہا، فجر کی نماز کے بعد آیا۔

میرے بیٹے ! تمہارے اس حادثے نے سب کو ہلا ڈالا، راشد سخت پریشان اور مضطرب رہا، اس وقت تمہارے لئے اتنی دعائیں ہوئیں کہ بس اللہ ہی جانتا ہے۔

یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور میرا دل رحمت خداوندی کے دریا میں ڈوب رہا ہے، ہاتھ تھرتھرا رہا ہے، دل ہل رہا ہے، میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ حق تعالیٰ کی رحمت نے تمہارا احاطہ کرلیا ہے۔

آگے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر صدمے سے محفوظ رکھیں، اپنی لامتناہی رحمتیں عطا فرمائیں، جانے والے کا نعم البدل روزی فرمائیں، اور جنت میں لے جانے کے لئے ان تینوں بچوں کو مضبوط سفارشی بنادیں، تمہارے لئے بھی اور تمہاری اہلیہ کے لئے بھی یہ سطریں لکھ دی ہیں، حق تعالیٰ قلب کو خوب صبر وضبط عطا فرمائیں۔

والسلام

سوگوار وضعیف باپ

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

(ماہنامہ ضیاء اسلام: دسمبر ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# منیٰ کا حادثہ

## (سفر حج ۱۴۱۷ھ ؍ ۱۹۹۷ء)

۸؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو (سعودی تقویم سے) منیٰ میں زبردست آگ لگی، مناسک حج کی ادائیگی کا آغاز اسی تاریخ سے ہوتا ہے۔ ۸؍کی صبح ہوتے ہی حجاج کے قافلے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی صدا لگاتے ہوئے مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ منیٰ ایک طویل وعریض میدان ہے جس میں لاکھوں خیمے نصب ہوتے ہیں، یہاں مجموعی اعتبار سے حجاج کا قیام چار دن ہوتا ہے، ۸؍کو فجر کے بعد پہونچتے ہیں۔ ۹؍کو طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہوتے ہیں، ۱۰؍کو طلوعِ آفتاب کے بعد پھر منیٰ میں آجاتے ہیں، پھر ۱۰؍۱۱؍۱۲؍کا قیام منیٰ میں ہوتا ہے، اس لئے منیٰ میں قیام اور دوسری ضروریات کا انتظام بہت اعلیٰ پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ حجاج کے قیام کے لئے پورے منیٰ کو خیموں کا شہر بنادیا جاتا ہے، سرزمین عرب کی شدید گرمی، پھر کپڑوں کے خیمے، گنجان آبادی، تمام خیمے ایک دوسرے سے متصل، پھر کھانا پکانے کے انتظامات، آگ لگنے کا مکمل سامان موجود ہوتا ہے لیکن جیسے وہاں کی ہر چیز بلکہ ہر انتظام معجزہ معلوم ہوتا ہے، یونہی تمام اسباب وحوادث کے ہوتے ہوئے کوئی حادثہ نہ ہونا بھی حق تعالیٰ کا خاص فضل وکرم اور ہمارے حق میں معجزہ ہی ہے، تاہم منیٰ میں کبھی کبھی آگ لگنے کی واردات ہوہی جاتی ہے مگر اس سال جو آگ لگی، اس کی نوعیت پچھلے حادثات سے قدرے جداگانہ ہے۔

پچھلے برسوں میں جو کبھی آگ لگی ہے، وہ عموماً عرفات ومزدلفہ سے واپسی کے بعد ۱۰؍۱۱؍کو لگی ہے۔ ۸؍ذی الحجہ کو عرفات میں جانے سے قبل آگ لگنے کا شاید یہ شاذ واقعہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جب کبھی آگ لگی ہے، ہلکی پھلکی لگی ہے، جس میں اگر خیمے جلے ہیں تو سیکڑوں کی تعداد میں، اوراس پر فوراً قابو پالیا گیا۔ معمولی طور پر کچھ لوگ زخمی ہو جاتے تھے، لیکن یہ آگ بہت ہمہ گیر تھی۔ آگ کہاں سے لگی؟ اور کیسے لگی؟ اس کو متعین طور سے کوئی نہیں بتا پاتا، بس یہ ہے کہ آگ لگی اور ہوا تیز ہوئی، اس سے آگ دوسرے خیموں تک لپکتی چلی گئی۔ خیموں کے مختلف حلقے ہوتے ہیں، ایک حلقے میں سیکڑوں خیمے ہوتے ہیں، ہر حلقے کے ایک کنارے پر شیڈوں سے گھرا ہوا، باورچی خانہ ہوتے ہیں، اس میں پکانے کے لئے اسٹوپ اور گیس سلنڈر اور چولہے وغیرہ ہوتے ہیں۔ آگ جب پھیلی ہے تو گیس سلنڈر گرم ہو ہو کر پھٹنے لگے، ان کے پھٹنے سے بم جیسی آواز ہوتی تھی، اوراس کے شرارے فضا میں بلند ہو کر دور دور گرتے تھے، ہوا اتنی تیز اور پھر شراروں کی ہلاکت خیزی ہے، دوہری قیامت کا منظر تھا، اب کی خیمے سینکڑوں کی تعداد میں نہیں ہزاروں کی گنتی میں جلے، اور وہ بھی صرف چند ہزار نہیں، بلکہ اندازہ یہ ہے کہ تقریباً ستّر ہزار خیمے جلے، اتنی بڑی آگ سے شاید اب تک کی تاریخ خالی ہے۔

جتنی زبردست یہ آگ تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس میں جانی نقصان بہت ہونا چاہئے تھا، لیکن آگ کی ہولناکی کے تناسب سے واقعہ یہ ہے کہ جانی نقصان کچھ بھی نہیں ہوا، ہر خیمے میں دس بارہ آدمی ہوتے ہیں، سات آٹھ لاکھ آبادی کے خیمے جلے اور جانی نقصان کتنا ہوا؟ ہزار یا چند ہزار! بس اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت تھی، جو لوگ اس میں شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ وہ لوگ اپنی قسمت پر ناز اور دوسرے لوگ رشک اس وقت کریں گے جب وہ لبیک پکارتے ہوئے میدانِ قیامت میں اٹھیں گے، اور جو لوگ زخمی ہوئے اور انھوں نے صبر کیا، ان کے اجر وثواب کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ محفوظ رہ جانے والوں نے گویا دوسری زندگی پائی۔

لوگ آگ لگنے کا سبب تلاش کرتے ہیں، یعنی یہ کہ آگ لگنے کی ابتداء کیونکر ہوئی؟ لیکن اس سوال کا متعین جواب مشکل ہے، کیونکہ آگ لگنے اوراس کے پھیلنے میں اتنی تیزی تھی کہ اس کے آغاز کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ ایک مومن کا یقین ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی

مشیّت سے ہوتا ہے، اور مصائب کفارۂ ذنوب بن کر آتے ہیں، یا اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، یا اس سے صدق دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ کرنا منظور ہوتا ہے۔

حج کا اجتماع ہوتا تو محض اللہ کی عبادت کے لئے اور عمومی طور پر لوگ اللہ کی بندگی میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ حاجیوں کے اس جم غفیر میں غفلت وسرمستی کے مظاہر بھی بہت ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ مجتمع ہوتے ہیں، مسائل سے ناواقفی عام ہوتی ہے، پھر عموماً اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی، نہ مسائل سیکھنے کا اہتمام ہوتا ہے، مکہ مکرمہ کے بازار مختلف قسم کے دلفریب سامانوں سے پٹے ہوتے ہیں، ایک بڑا مجمع ہر وقت اسی اہتمام میں رہتا ہے کہ کیا کیا خریدیں۔ اتنے متبرک مقامات اور اتنے مقدس اوقات میں اتنی زیادہ غفلت کیا نتائج پیدا کرے گی؟ آگ لگی، ظاہری طور پر خیمے جلے، سامان جلے، کچھ لوگ بھی جلے، مگر غفلت کی خس وخاشاک بھی جل گئی، آگ لگنے کے بعد سے پورے ایام حج میں حاجیوں پر اِنابت، شکستگی، رجوع الی اللہ کی کیفیت، دعا میں گریہ وزاری اور اللہ تعالیٰ سے استعانت اور ایک دوسرے کی ہمدردی وغمخواری کا جو منظر سامنے آیا، عام حالات میں اس کی توقع ہرگز نہیں ہوسکتی تھی، حج کی جو روح ہے یعنی سب سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا، ان کے حضور گریۂ وزاری کرنا، توبہ واستغفار میں مشغول ہونا، یہ روح آگ کی اس شدید لہر نے تمام حاجیوں کے دل میں پیدا کردی۔

تاہم قلوب پر غفلت کا اتنا شدید تسلط ہے کہ عرفات ومنیٰ میں کچھ ایسے لوگ بھی نظر آتے رہے، جنھیں بجز کھانے پینے اور لایعنی کاموں کے جیسے اور کچھ مشغلہ نہیں رہتا۔ عرفات میں زوال آفتاب سے وقوف کا وقت شروع ہوتا ہے، حج کا سب سے بیش قیمت وقت یہی ہے، اور اس کی مدت بھی کچھ زیادہ طویل نہیں ہے، عرفات کا قیام محض غروب آفتاب تک ہوتا ہے، گوکہ وقت صبح صادق تک ہے، لیکن غروب آفتاب کے بعد نکل جانے کا حکم ہے، اتنے قلیل لمحات کو عبادت اور یاد الٰہی میں گزار دینا کچھ مشکل نہیں، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس قلیل وقت کو بھی بہت سے لوگ کھانے پینے اور سونے کی نذر کردیتے ہیں۔ دودھ اور چھاچھ وغیرہ

تقسیم کرنے والی گاڑیاں آجاتی ہیں، تو لوگ بے تحاشا دوڑتے ہیں جیسے اسی کے لئے آئے ہوں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ یہ سب غفلت کے آثار و مظاہر ہیں۔

آگ لگنے کے تکوینی اسباب جو بھی ہوں، بعض لوگ ظاہری اعتبار سے سعودی حکومت کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، بلکہ اس کے سلسلے میں کچھ ناروا باتیں بھی کہہ جاتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسی غلط بات ہے جس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنے بڑے مجمع کے لئے جو ہر سال دو تین ماہ کے لئے پابندی کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے، جس میں دنیا کے ہر ملک کے لوگ مختلف المزاج لوگ جمع ہوتے ہیں، ان کی ضروریات اور ان کی سہولیات کا انتظام دوسرے لوگ شاید سوچ بھی نہیں سکتے جتنا سعودی گورنمنٹ انجام دیتی ہیں، حج کو سہل اور پُرامن بنانے کے لئے اس حکومت کی کاوشیں قابل داد ہی نہیں قابل احترام و تعظیم ہیں۔ منیٰ ہو یا جمرات، مزدلفہ ہو یا عرفات، مسجد حرام ہو یا مسجد نبوی، انتظامات دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے، یہ انتظام نہیں، معجزہ ہے، بے شک اس انتظام میں اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت شامل ہے۔ ورنہ دوسرے ملکوں میں اس سے بہت چھوٹے مجمعوں میں ہزاروں ناگفتنی باتیں ہوجاتی ہیں، اس انتظام کے تحت ہر شخص باطمینان حج کے مناسک ادا کرتا ہے، اور جہاں دشواری محسوس ہوتی ہے وہ انتظام کی کمی نہیں بلکہ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کی ناتربیت یافتگی، بے ترتیبی اور کشمکش کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اور جہاں تک اندازہ ہے، سعودی حکومت آگ کے اس حادثہ کے بعد از سر نو اس سے تحفظ کا کوئی انتظام کرے گی، لیکن کمال انتظام اور انتہائی مستعدی کا عالم دیکھئے کہ منیٰ میں پونے بارہ بجے دن میں آگ لگی، آناً فاناً ہزاروں خیمے اس کی زد میں آگئے، اس اطلاع کے ملتے ہیں حکومت کی پوری مشنری حرکت میں آگئی، اور اتنی بڑی آگ کو صرف تین چار گھنٹوں میں بجھا دیا گیا۔ ہم اور ملکوں کی بات نہیں کرتے، خود ہمارا ملک ہوتا تو شاید اتنی دیر کے بعد ''ہنوز روز اول'' ہوتا۔

۱۰/ تاریخ کو جب مزدلفہ سے حاجی منیٰ کی طرف لوٹ رہے تھے تو سب کے دل

میں یہ خدشہ تھا کہ خیمے تو سب جل گئے، اب کھلے میدان میں دھوپ میں رہنا ہوگا، لوگ آپس میں پروگرام بنارہے تھے کہ اس طرح چادرتان لی جائے گی، فلاں پُل کے نیچے رہ لیں گے وغیرہ، مگر قربان جایئے رحمتِ خداوندی کے، دعا دیجئے حکومت کے انتظام کو، کہ منیٰ میں داخل ہونے کے بعد نگاہیں چکراتی رہ گئیں کہ کہاں آگ لگی تھی، جلے ہوئے خیموں کی راکھ کہاں ہے؟ وہ لکڑیاں اور وہ بانس کہاں ہیں جن کا کچھ حصہ آگ نے کھا کر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ اکبر! کچھ تو نظر نہیں آیا، ہر جگہ خیمے حسب سابق نصب تھے، جلی ہوئی راکھ بھی نہیں مل رہی تھی، صرف دو ایک جگہ کچھ جلے ہوئے پنکھے، کچھ لکڑیاں دکھائی دیں، ہر حاجی کا خیمہ موجود تھا اور منیٰ کا میدان حسب معمول خیموں کا شہر بنا ہوا تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، کیا یہ انتظام قدرتِ حق کا معجزہ نہیں ہے؟

اس حقیر بندہ کی رائے یہ ہے کہ سعودی حکومت اور معلمین کو کوسنے اور طعنہ دینے کے بجائے ہر ملک کے لوگ اپنے لوگوں کی تربیت کا انتظام کریں، مناسک حج سکھائیں، حرم کا احترام سکھائیں، دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جہل و نادانی کی وجہ سے بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں، صرف غلطیاں ہی نہیں معصیتوں اور گناہوں سے بھی پاک نہیں ہوتا، یہ تو بہت آسان ہے کہ معلم اور حکومت کے سر الزام تھوپ کر خود کو بری کرلیا جائے، لیکن یہ حقیقت واقعہ سے صرفِ نظر کرنا ہے، کتنی پریشانیاں اور بدحواسیاں خود حجاج کی بے ترتیبی کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں، موقع ہوا تو بعض اہم چیزوں کو آئندہ شمارہ میں ذکر کیا جائے گا۔

بہرحال حکومت کا رویہ اس سلسلے میں بہت ہی عمدہ اور قابل ستائش تھا، صفحات میں گنجائش نہیں ہے ورنہ انتظامات کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی، تو ناواقفوں کی آنکھیں کھل جاتیں اور وہ لوگ بھی شاید سوچنے پر مجبور ہوتے جن کی نگاہ صرف معائب اور خرابیوں ہی پر پڑتی ہیں، اور انھیں غلط اندیشی سے حکومت کے سر منڈھ دیتے ہیں۔

("مجلّہ المآثر" شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ/ اپریل تا جون ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆☆

# تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ

(۱) تسہیل الجلالین "شرح اردو جلالین شریف" (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات: 648 قیمت: 400

(۲) حدیث دوستاں

دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات: 730 قیمت: 350

(۳) کھوئے ہوؤں کی جستجو

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات: 616 قیمت: 200

(۴) حیاتِ مصلح الامت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات: 528 قیمت: 150

(۵) مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات: 312 قیمت: 150

(۶) بطوافِ کعبہ رفتم ۔۔۔ (سفر نامۂ حج)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات: 360 قیمت: 100

(۷) تہجد گزار بندے

تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات: 320 قیمت 110

(۸) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامت مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات: 216 قیمت: 90

(۹) **حضرت چاندشاہ صاحب اوران کا خانوادۂ تصوف**

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات:180 قیمت:70

(۱۰) **تذکرہ شیخ ہالیجویؒ**: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اور مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات: 224، قیمت: 56

(۱۱) **مودودی صاحب اپنے افکارونظریات کے آئینہ میں**

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات: 184، قیمت: 95

(۱۲) **حکایت ہستی**: (حصہ اول)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات: 304، قیمت: 150

(۱۳) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپے

(۱۴) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپے

(۱۵) **تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت** قیمت ۲۰/روپے

(۱۶) **شب برأت کی شرعی حیثیت** قیمت ۲۰/روپے

(۱۷) **اخلاق العلماء** علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپے

(۱۸) **دینداری کے دودشمن** حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۱۵/روپے

(۱۹) **فتنوں کی طغیانی** ٹی۔وی پرایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپے

(۲۰) **اہل حق اوراہل باطل کی شناخت** قیمت ۳۰/روپے

(۲۱) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۲۵/روپے

(۲۲) منصب تدریس اور حضرات مدرسین قیمت ۴۵/روپے

(۲۳) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلواوراس کی اصلاح قیمت ۳۵/روپے

(۲۴) برکات زمزم ماءزمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان قیمت ۲۵/روپے

(۲۵) تصوف ایک تعارف! (زیرطبع)

(۲۶) خواب کی شرعی حیثیت (زیرطبع)

(۲۷) تکبراوراس کا انجام (زیرطبع)

# حدیثِ دوستاں


مؤلف

**مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی**

صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڈھ، یوپی

مرتب

**مولانا ضیاء الحق خیرآبادی**

# حدیثِ دوستاں

مولف

**مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی**

(صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ، یوپی)

مرتب

**مولانا ضیاء الحق خیرآبادی**

**ناشر**

**مکتبہ ضیاء الکتب**، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ: 276403 (موبائل: 9235327576)

# تفصیلات

نام کتاب............ حدیث دوستاں

مولف ............ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

مرتب ............ ضیاء الحق خیرآبادی

باہتمام ............ // // //

صفحات ............ 730

قیمت ............ 350/روپئے

سنہ طباعت............ فروری سنہ ۲۰۱۰ء

ای میل: zeyaulhaquekbd@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرست مضامین



☆☆☆☆☆

## باب اول

## بزرگوں کے نام

☆☆☆☆☆

## باب دوم

# دوستوں کے نام

☆☆☆☆☆

## باب سوم

# تلامذہ اور عزیزوں کے نام

☆☆☆☆☆

## باب چہارم

# علمی مباحث



☆☆☆☆☆

# باب پنجم

# متفرقات



☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تعارف

خطوط نویسی اور مکتوب نگاری ایک قدیم صنف سخن ہے، اس کے ذریعہ پیغمبران خدا، اہل اللہ اور داعیانِ اسلام نے دعوت وتبلیغ اور دین حق کی ترویج واشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ تاریخ کا قدیم ترین مطبوعہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے، جو ملکہ سبا کولکھا گیا اور قرآن کریم کے انیسویں پارے میں سورہ نمل میں موجود ہے۔ خود جناب رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین، صحابہ کرام، ائمہ دین واسلاف عظام کے سیکڑوں خطوط تاریخ وسیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس اللہ اسرارہم کے فارسی مکاتیب نے اصلاح وانقلاب میں جو اہم کردار ادا کیا وہ کسی بھی صاحب نظر پر مخفی نہیں ہے۔

اردو مکتوب نگاری کی تاریخ بقول ڈاکٹر مختار الدین آرزو دو صدیوں پر محیط ہے، اس عرصہ میں بلا مبالغہ سیکڑوں مجموعۂ مکاتیب شائع ہو چکے ہیں، جنھیں بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔ ان میں مکاتیب شبلی، مکتوبات سلیمانی، مکتوبات شیخ الاسلام، مکاتیب حکیم الامت، مکتوبات ماجدی، غبارِ خاطر، خطوطِ ابوالکلام اور مکاتیب گیلانی وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

یہ مکاتیب، صاحب مکاتیب کی شخصیت وسیرت کا پرتو اور مزاج وطبیعت

کے عکاس ہوتے ہیں، جن میں مکتوب نگار بغیر کسی تکلف وتصنع کے اپنے وارداتِ قلب کو اپنے رفقاء، عزیزوں اور تلامذہ کے سامنے صفحہ قرطاس پر منتقل کردیتا ہے۔ ''تصنیف وتالیف کے فکر واہتمام سے انھیں کوئی مناسبت نہیں ہوتی، نہ وہ سوچ بچار کر کے لکھے جاتے ہیں، نہ ان میں دخل عبارت آرائی کو ہوتا ہے، نہ ان پر نوبت نظر ثانی کی آتی ہے، یہ نجی خطوط سادہ زبان میں اور قلم برداشتہ لکھ دئے جاتے ہیں۔''

استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ کے یہ خطوط بھی برجستہ اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں، ان میں بیشتر ان کے تلامذہ کے نام ہیں، جن کا موضوع تعلیم وتربیت اور اصلاح نفوس ہے، جو حضرت مولانا کا خاص ذوق اور مشن ہے، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ کی اکثریت تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم وتعلم اور خدمت دین میں لگی ہوئی ہے۔ حضرت کی اپنے تلامذہ و متعلقین پر محبت وشفقت بے انتہا ہے، ان کی دینی ودنیوی صلاح وفلاح کے لئے ہمہ دم کوشاں رہتے ہیں، اور اس سلسلے میں جو کچھ مدد ہوسکتی ہے اس سے دریغ روا نہیں رکھتے، ان خطوط میں آپ جگہ جگہ اس محبت وشفقت اور ہمدردی وغمخواری کے نمونے دیکھ سکتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک مصلح ومربی کا صاف وشفاف دل ہے جو اپنے متعلقین کے لئے بے چین، مضطرب اور بے قرار رہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ میرے یہ اہل تعلق کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہوں، ہمیشہ خالق ومالک سے جڑے رہے ہیں، اور اپنے مقصد حیات کو کبھی فراموش نہ کریں، اور اپنے خالق کی منشا ومرضی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں، آپ اس میں گہرے تعلقات کی شیرینی اور محبت کی مٹھاس اور سچے مقصد کی لگن کو نمایاں طور پر محسوس کریں گے، بلکہ ان کا اصل محرک اور جوہر تو محبت ہی ہے، جو صاحب مکاتیب کی زندگی کا سب سے نمایاں عنصر ہے، اسی کا اثر ہے کہ آپ

کے تلامذہ سلسلۂ تعلیم کے اختتام کے بعد بھی آپ سے وہی ربط و تعلق رکھتے ہیں جو عہد طالب علمی میں رکھتے تھے، اور اپنی عملی زندگی میں ہر طرح کے مسائل میں رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں، ان خطوط میں آپ دیکھیں گے کہ تربیت و اصلاح کے ساتھ ساتھ فلسفہ وکلام کی مشکل گتھیاں بھی سلجھائی گئی ہیں، دعوت و تبلیغ کے موثر طریقوں کی جانب رہنمائی بھی کی گئی ہے، اشکالات و اعتراضات کا تسلی بخش اور مدلل جواب بھی دیا گیا ہے، ذاتی کیفیات و مشکلات کا حل بھی بتایا گیا ہے، عصر حاضر کے فتنوں اور مدارس اسلامیہ میں پیدا شدہ حالات کے اسباب اور حل پر بھی کلام کیا گیا ہے، غرض کہ زندگی گزارنے کے رہنما اصول اور ان پر عمل پیرا ہونے کے طریقے سمجھائے گئے ہیں، تا کہ ان کی روشنی میں آدمی صراط مستقیم پر گامزن رہے، اور اللہ ورسول کی محبت کا چراغ اس کے نہاں خانۂ دل میں روشن رہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مکاتیب حضرت الاستاذ مدظلہ نے ایک مربی، سرپرست، استاذ اور دردمند بزرگ کی حیثیت سے لکھے ہیں ان کے سامنے ایک مشن ہے کہ اپنے تلامذہ و متعلقین کے اندر خالص اسلاف کے رنگ میں دین کی خدمت کا ولولہ پیدا کریں اور انھیں بزرگان دین کے نقش قدم پر قائم رکھیں، اس کیلئے وہ نبوی اصول کو سامنے رکھ کر ذہن سازی وکردار سازی کیلئے زبان و قلم کو استعمال کر رہے ہیں۔ میں نے پہلے پہل اپنے والد مرحوم کے نام حضرت مولانا کے خطوط کو پڑھا، اس کا دل نے گہرا اثر قبول کیا، پھر آپ کی ڈائریوں میں درج اکثر خطوط میں نے پڑھ ڈالے، دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں حضرت سے مکاتبت کا سلسلہ استوار ہوا، اسی وقت سے یہ خیال دل میں تھا کہ آپ کے مکاتیب کو شائع ہونا چاہئے تا کہ دوسرے حضرات بھی ان قیمتی مضامین سے استفادہ کریں اور اس سے نفع حاصل کریں، چنانچہ ماہنامہ

ضیاء الاسلام کے نقش اول ’’الاسلام‘‘ کی ابتداء ہی سے ایک مستقل کالم ’’حدیث دوستاں‘‘ کا رکھا گیا اور اس کے تحت آپ کے مکاتیب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا، اور بیحد پسند کیا گیا۔

حضرت مولانا کے تلامذہ چونکہ آپ سے حد درجہ والہانہ تعلق رکھتے ہیں، اس لئے مجھے عام روش کے برخلاف ان خطوط کو اکٹھا کرنے میں کسی طرح کی کوئی دشواری اور مشقت سے دوچار نہیں ہونا پڑا، حضرت مولانا کے تلامذہ نے آپ کی ایک ایک تحریر کو سرمایہ گرانمایہ سمجھ کر سنبھال رکھا ہے، ایک مرتبہ طلب کرنے کے بعد انھوں نے اس کی اصل یا فوٹو اسٹیٹ میری پاس بھیج دی، اس طرح یہ مجموعہ اب منظر عام پر آرہا ہے، اس کے بیشتر خطوط ماہنامہ ضیاء الاسلام میں شائع ہو چکے ہیں، البتہ جو خطوط علمی مباحث پر مشتمل ہیں وہ پہلی مرتبہ اس مجموعہ میں شائع ہو رہے ہیں۔ ان خطوط کے لکھنے کی کل مدت چالیس سال ہے، جن میں سے بیشتر آج سے بیس سال پہلے گئے ہیں، جیسے جیسے مواصلاتی نظام کو ترقی اور عروج حاصل ہوتا گیا خطوط کا لکھنا کم ہوتا گیا، اور آج فون اور موبائل کی سہولیات نے تو اس مبارک سلسلہ کو تقریباً ختم ہی کر دیا ہے۔ اس لئے اب خطوط لکھنے کا سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے۔ تلامذہ کے علاوہ مکاتیب کی ایک معتد بہ تعداد اکابر اور رفقاء کے نام بھی ہے، کچھ ایسے لوگوں کے نام بھی خطوط ہیں جو حق کی صراطِ مستقیم سے منحرف ہیں، انھوں نے حضرت کو مخاطب کیا، تو بہت وضاحت سے ان کے ساتھ دوٹوک گفتگو کی گئی ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب ان خطوط پر مشتمل ہے جو بزرگوں کے نام لکھے گئے، اس میں حضرت مولانا کا کمال ادب واحترام لائق ملاحظہ ہے، کہ انھوں نے کس طرح اپنے بزرگوں، اساتذہ اور اکابر کو خطاب کیا ہے۔ دوسرا

باب دوستوں کے خطوط پر مشتمل ہے۔ تیسرا باب ان خطوط پر مشتمل ہے جو تلامذہ اور عزیزوں کو لکھے گئے ہیں۔ چوتھا علمی مباحث پر مشتمل ہے، یہ ان خطوط پر مشتمل ہے، جو مختلف اشکالات کے جواب میں لکھے گئے۔ پانچواں باب متفرق خطوط پر مشتمل ہے، اس میں زیادہ ایسے خطوط ہیں جن کے مکتوب الیہ کے نام بعض مصلحتوں کی بنا پر ظاہر نہیں کیئے گئے ہیں، لیکن اس کے مضامین ایسے ہیں جو افادۂ عام کا پہلو لئے ہوئے ہیں اس لئے انھیں بغیر نام کے شائع کردیا گیا ہے۔

اخیر میں حضرت اقدس مخدوم گرامی قدر مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم کا حددرجہ شکرگزار ہوں کہ انھوں نے میری درخواست پر اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود ایک مبسوط تقریظ لکھ کر اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمایا، حضرت مولانا نثار احمد صاحب قاسمی مدظلہ نے بھی اپنے کلمات بابرکات سے نواز کر ہمیں سربلند فرمایا، ان کی تحریر بقامت کہتر بقیمت بہتر کا صحیح مصداق، اوران کے قلبی تاثرات کی ترجمان ہے۔ حضرت مولانا کے رفیق حمیم وصدیق مخلص حضرت مولانا قاری شبیر احمد صاحب دربھنگوی مدظلہ نے اپنے مبسوط مقدمہ میں اپنی دیرینہ رفاقت کا حق ادا کردیا۔ میرا دل ان بزرگوں اور کرم فرماؤں کے تئیں تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہے، دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ انھیں اپنے شایان شان اجر عطافرمائے، اوراس مجموعے کو قبول عام سے نوازیں۔ آمین

ضیاء الحق خیرآبادی

مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ

۱۶؍صفر ۱۴۳۱ھ مطابق یکم؍فروری ۲۰۱۰ء دوشنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش لفظ

میں آغازِ تعلیم سے مطالعہ کا حریص ہوں، حروف شناسی جونہی سیکھی ویسے ہی مطالعہ کا سفر شروع ہوا، لیکن جس قدر میں مطالعہ کا حریص تھا لکھنے سے اتنا ہی بے نیاز تھا۔ بجز مجبوری کے کچھ نہیں لکھتا تھا۔ استاذ کا حکم ہوا، ساتھیوں نے فرمائش کی اور مجبور کیا، یا کوئی ذمہ داری سر پڑی تب تو قلم اٹھایا، ورنہ اس سے بے گانگی ہی رہی۔ مکتب کی تعلیم کے بعد عربی تعلیم کے سات آٹھ سال گزرے، زیادہ تر جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں، کچھ امروہہ میں، کچھ دیوبند میں! مگر مضامین تو درکنار خطوط لکھنے سے بھی دامن بچاتا رہا۔

تعلیم کے آخری برسوں میں ایک بہت ہی قابل قدر، ذہین وفطین اور عبقری شخصیت جناب حافظ قاری شبیر احمد صاحب دربھنگوی سے ملاقات ہوئی، تعارف ہوا اور دوستی ہوئی۔ قاری صاحب موصوف آنکھوں سے معذور ہیں، حق تعالیٰ نے آنکھوں کا نعم البدل حافظہ کی قوت اور ذہانت وذکاوت کی شکل میں عطا فرمایا! حافظہ بھی بے نظیر، اور ذہانت بھی بے مثال!

میری جب ملاقات ہوئی، تو وہ علم ومعلومات کا خزانہ دماغ میں اتار چکے تھے، اور اردو ادب وانشاء میں تو وہ دستگاہ انھیں حاصل تھی کہ کم از کم میری نظر میں ان کا

کوئی ہمسر نہ تھا، میں ان کے ساتھ لگا لپٹا رہا۔ انھیں کتابیں پڑھ کر سناتا تھا۔ ذوقِ مطالعہ میں ہم دونوں مشترک تھے، وہ اکثر مجھ سے خطوط املا کراتے تھے، وہ خطوط کیا ہوتے؟ ادبِ عالیہ کے شہ پارے! مولانا آزاد کی کتاب ''غبارِ خاطر'' کے عکس جمیل! میں بہت متاثر ہوتا، پھر جب حالات نے مجھے امروہہ پہونچایا تو میں نے بھی انھیں کے طرز میں ان کے پاس خطوط لکھنے شروع کئے۔ یہ میری مکتوب نویسی کا آغاز تھا، یہ زمانہ ۱۹۶۹ء کا تھا! یہ سلسلہ ۱۹۷۳ء تک قائم رہا۔ اس دوران انھوں نے بھی میرے نام بہت خطوط لکھے اور میں نے بھی لکھے! بہت طویل طویل، ایک سے بڑھ کر ایک ادب وانشاء کے شاہکار!

پھر جب ۱۹۷۴ء میں ہم دونوں مدرسہ دینیہ غازی پور میں اکٹھا ہوئے تو یہ سلسلہ بند ہوگیا، میں نے اپنے اور ان کے خطوط کا ایک قابل لحاظ مجموعہ اپنے مکرر مطالعہ کے لئے جمع کرلیا تھا، مگر اس کی بقا اللہ کو منظور نہ تھی، خدا جانے وہ کس کے ہاتھ لگا اور میں اسے ڈھونڈھتا ہی رہ گیا۔

مدرسی کے دور میں مجھے اپنے طالب علموں کو خطوط لکھنے کی نوبت آئی، ان کی محبت میں، ان کی تعلیم وتربیت کے لئے میں نے بہت خطوط لکھے، مجھے کبھی تصور نہیں ہوا کہ یہ خطوط کبھی شائع بھی ہوسکتے ہیں اور نہ اس کا خیال ہوا کہ انھیں محفوظ کیا جائے، چند خطوط جو اہم معلوم ہوئے، انھیں میں نے اپنی کاپیوں میں نقل کرالیا۔ باقی سب کا حال یہ تھا کا لکھا اور ڈاک میں ڈال دیا، پھر جب فون اور موبائل کا عموم وشیوع ہوا تو خطوط کا سلسلہ بند ہوگیا،۔ اب تو شاید کبھی کوئی خط لکھنے کی نوبت آتی ہو۔

میرے عزیز وحبیب مولانا حافظ ضیاء الحق سلّمہٗ کو میری تحریروں کو جمع کرنے، انھیں ترتیب دینے اور انھیں شائع کرنے کا بہت اہتمام ہے، اور آج انھیں کی کاوشوں

کی برکت ہے کہ میرے مصنف وانشاء پرداز ہونے کا گمان میرے دوستوں کو ہورہا ہے، انھوں نے اورتحریروں کے ساتھ میرے خطوط کوجمع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔میرے طالب علموں میں یہ خوبی ہے کہ فراغت کے بعدعموماً انھوں نے مجھ سے رابطہ منقطع نہیں کیا، ملتے ہیں،فون کرتے ہیں ۔عزیز موصوف نے رابطہ کرکے ان سے میرے خطوط حاصل کئے، کچھ میری کاپیوں میں تھےانھیں یکجا کیااور ماہنامہ ضیاءالاسلام میں انھیں ''حدیث دوستاں'' کےعنوان سے مسلسل شائع کیا۔جب ان کا ایک قابل لحاظ حصہ شائع ہو چکا تو ان مطبوعہ اور دوسرے بہت سے غیر مطبوعہ خطوط کوملا کرایک کتاب بنانے کا انھوں نے عزم کیا۔اس کے لئے انھوں نے بہت محنت وکاوش کی،اللہ انھیں جزائے خیر دے!

اس مجموعہ میں زیادہ تر خطوط طالب علموں کے نام ہیں، کچھ خطوط بزرگوں کے نام بھی ہیں ۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں کے نام بھی متعدد خطوط لکھے ہیں ۔ خاص طور سے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی قدس سرہ،حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب الہ آبادی نور اللہ مرقدہ،اور حضرت اقدس ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ کے نام بکثرت خطوط لکھے، ان کے علاوہ اپنے ایک بوڑھے اور معمر دوست حاجی محمد ایوب صاحب کلکتہ والے کے نام بھی بہت سے خطوط لکھے، اگر یہ سب محفوظ ہوتے ،تو آج انھیں شائع کرتے ہوئے مجھے مسرت ہوتی ،لیکن جو کچھ ملاوہ صرف حضرت اقدس ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ کے نام خطوط کا مجموعہ ملا، حضرت موصوف کے بھی بہت سے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں ۔حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ کے مکاتیب گرامی ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔'' (ص:۱۶۸ تا ۱۸۲)میں شائع ہو چکے ہیں۔

جو کچھ نہیں ملا، اللہ جانے وہ کتنا ہے، جو ملا، وہ بھی میرے وہم وگمان سے بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائیں۔ آمین

مولانا ضیاء الحق سلّمہٗ کا ارادہ ہوا کہ ہر مکتوب الیہ کا قدرے تعارف تحریر کردوں، یہ میرے لئے ایک مشکل کام تھا، اس لئے ٹلتا رہا، لیکن جب ٹالنے کی گنجائش نہ رہی، تو مجبوراً مختصر مختصر کچھ املا کرا کے اور کچھ بطور خود لکھ دیا۔

یہ خطوط مولانا ضیاء الحق سلّمہٗ شائع تو کررہے ہیں، اللہ جانے ان میں کتنی افادیت ہوگی، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ پڑھنے والوں کو نفع پہونچے، اور مکتوب نگار اور مرتب کے لئے اجر آخرت کا باعث ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اعجاز احمد اعظمی
یکم رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
۱۹رنومبر ۲۰۰۹ء جمعرات

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقریظ

## حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، بنارس

فاضل گرامی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی متعنا اللہ بفیوضہ ومکارمہ کا مجموعۂ مکاتیب ''حدیث دوستاں'' کے نام سے شائع ہونے جارہا ہے۔ ان مکاتیب کا ایک بڑا حصہ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اعظم گڈھ سے شائع ہونے والے علمی ودینی ماہنامہ ضیاء الاسلام میں شائع ہو چکا ہے، ان کے علاوہ اس مجموعہ میں بہت سے غیر مطبوعہ مکاتیب بھی شامل ہیں۔ ترتیب وتبویب کی سعادت حضرت مولانا کے تلمیذ ارشد، مزاج شناس رفیق کار اور ہونہار عالم دین مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کے حصہ میں آئی ہے جو خود بھی مطالعہ کے شوقین اور بہترین مضمون نگار ہیں، ضیاء الاسلام کی ادارت کا فریضہ بھی وہی انجام دے رہے ہیں۔ مجھے اس مجموعہ کی اشاعت کا انتظار تھا، اور اشاعت کی اطلاع ملنے سے بے حد مسرت ہوئی، ضیاء الاسلام کے شماروں میں میری نگاہیں سب سے پہلے اسی صفحہ کی تلاش میں رہتی ہیں جس پر'' حدیث دوستاں'' کا عنوانِ جلی رقم ہوتا ہے، بڑے ذوق شوق کے ساتھ ان صفحات کو پڑھتا ہوں اور اُن کے سحر میں گم ہو جاتا ہوں۔ جن دوستوں کو مولانا ان خطوط میں مخاطب بناتے ہیں ان میں اکثر مولانا کے وہ تلامذہ ومسترشدین ہوتے ہیں جو اپنے

جسم وقالب کے لحاظ سے اگرچہ مولانا سے جدا ہو چکے ہوتے ہیں مگر قلب ہمیشہ مولانا ہی سے وابستہ رہتا ہے، خواہ وہ مولانا کی خدمت سے رخصت ہوکر کسی مرکزی ادارہ میں تکمیل علوم کے مراحل طے کررہے ہوں یا فارغ ہوکر کارگاہِ حیات میں اپنی ذمہ داریاں نباہنے سے نبرد آزما ہوں، ان کو قدم قدم پر علمی واصلاحی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہو یا ذاتی اور گھریلو مسائل میں مشوروں کی ضرورت ہو یا کسی قسم کی ذہنی الجھن کا شکار ہوں وہ بلاتکلف اپنے مسائل مولانا کے سامنے رکھ دیتے ہیں، اور مولانا پوری بشاشت اور جذبہ خیر خواہی کے ساتھ ان مسائل کا حل فرماتے ہیں۔ خط پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مخاطب سراپا گوش بن کر مولانا کے سامنے بیٹھا ہے اور مولانا اپنے مخصوص انداز میں اس سے گفتگو فرمارہے ہیں، کبھی مسکرارہے ہیں، کبھی ڈانٹ رہے ہیں اور کبھی محبت کے ساتھ ڈھول جمارہے ہیں، اور خط مکمل ہونے کے بعد چشم تصور یہ منظر دکھلاتی ہے کہ سائل مطمئن ومسرور ہوکر مولانا سے رخصتی مصافحہ کررہا ہے۔

شائع شدہ خطوط کا قاری بھی خود کو اس محفل میں شریک محسوس کرتا ہے اور اس کے مسائل اور الجھنوں کا حل بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

حضرت مولانا کے خطاب میں سامعین کی محویت کا جو عالم ہوتا ہے وہی کیفیت ان کی تحریر میں قاری کے اوپر طاری ہوجاتی ہے۔ گفتگو بھی مدلل، مسلسل رواں دواں اور مربوط ودل نشیں ہوتی ہے، اور تحریر کی بھی وہی شان ہوتی ہے۔ مولانا اعجاز احمد صاحب کو مبدأ فیاض سے بہت کچھ عطا ہوا ہے

مبدأ فیاض سے کیا کیا نہیں ان کو ملا

اپنی ذاتی صلاحیت کے ساتھ بہترین اساتذہ سے تحصیل علم کے مواقع بھی میسر آئے، اور نامور مصلحین اور اکابر کی طویل صحبت اور استفادہ کا بھی حظ وافر عطا ہوا ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص کامیاب مدرس، نامور خطیب وواعظ، پختہ کار اہل قلم اور بحر معرفت کا بہترین شناور بھی ہو، لیکن مولانا میں یہ ساری خوبیاں بیک وقت اس

طرح جلوہ فگن ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان کی کون سی شان دوسری شان پر غالب ہے۔

دوستوں کی اس فہرست کے ساتھ بعض اکابر اور ہم عصروں کے نام مکاتیب بھی مجموعہ میں شامل ہیں جو خاص حالات اور واقعات کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں، اور انتہائی متنوع اور مفید مضامین پر مشتمل ہیں۔ حدیث دوستاں کے عنوان سے بلا اختیار ذہن فارسی کے اس مشہور شعر کی طرف منتقل ہوجاتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

فرق یہ ہے کہ یہاں معاملہ حدیث دیگراں کے بجائے حدیث دوستاں کا ہے۔ حضرت مولانا اپنے مخصوص قلندرانہ مزاج کی وجہ سے شاید خود ان خطوط کی اشاعت گوارا نہ فرماتے لیکن عزیز گرامی قدر حاجی بابو کی علم دوستی اور مولانا شناسی نے یہ مرحلہ بھی طے کرادیا۔ حاجی بابو کا ہی بار بار اصرار ہوا کہ تو بھی اس کتاب کے لئے چند سطریں تحریر کردے، بندہ اپنی کوتاہ قلمی کا عُذر کرتا رہا مگر معذرت قبول نہ ہوئی اور کمزور کو دبنا ہی پڑا۔ یہ منتشر سطریں صرف نقاب کشائی کے لئے ہیں، اصل کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ؎　　　ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

پڑھئے اور لطف حاصل کیجئے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب شائع شدہ مجموعہ ہائے مکاتیب میں ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی، قدر کے ہاتھوں لی جائے گی اور محبت کی نظروں سے پڑھی جائے گی، کہ اس کا اصل جوہر محبت ہی ہے۔

والسلام

ناکارہ　　ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس

۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۳۱ھ/ ۱۰ رجنوری ۲۰۱۰ء یکشنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تاثرات

## حضرت مولانا نثار احمد صاحب دامت برکاتہم

### صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ بستی

جمال حال بود تر جمانِ استحقاق　　　　دلیلِ آب بود جگر تفتگی و تشنہ لبی

مکرم ومحترم مشفق گرامی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی **دامت برکاتہم** کی سرپرستی میں شیخوپور کے افق سے طلوع ہوکر مسلسل ضیاء بار و زرتاب رہنے والا موقر رسالہ ضیاء الاسلام ہے، خدا کرے اس کی نورانی کرنیں ہر کچے پکے مکان میں پہونچ کر دلوں کی دنیا روشن کرتی رہیں۔ آمین

اس کا ایک عنوان ''حدیث دوستاں'' نہ معلوم کتنے بے شمار دلوں کی صدا بھی ہے اور دوا بھی! یہ دراصل حضرت مولانا کے ان مکاتیب کا سلسلہ ہے جو مختلف اوقات میں بلحاظ فرق مراتب اصاغر و اکابر، دوست و احباب، تلامیذ و طالبین کو لکھے گئے ہیں، خواہ کسی کی تحریر حال و استفسار کے جواب میں ہو یا ازراہِ تعلقِ خاطر خود حضرت نے اپنے ہی وارداتِ قلب کو مقتضائے حال دیکھ کر سپرد قلم کیا ہو، بہر حال یہ ایک خزانہ ہے جس کی بہتوں کو ضرورت تھی، ایسا مطب ہے جس میں ہر بیمار دل کی شفا ہے۔ مکتوب

نگار صاحبِ اعجاز مسیحا ہیں، مکتوب الیہم کے احوال وکوائف واردات انگیز ہیں،

از دل خیزد بر دل ریزد

والا معاملہ ہے۔تاثیر وتاثر کے اس قدرتی ماحول سے پڑھنے والا بھی محروم نہیں رہ سکتا، اورشخصیات کی وفیات پر جو مکاتیب ہیں وہ اپنا جواب آپ ہیں، مکتوب کیا ہے، قرآن ہے، حدیث ہے، فقہ وفتاویٰ ہیں، حکمت وموعظت ہے، شریعت وطریقت ہے، خواب وبیداری، موت وحیات، کامیاب وناکام زندگی، ہر ایک کی حقیقت واضح کردی ہے۔

ربِ کریم بے حد جزائے خیر عطا کرے مدیر ماہنامہ مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کو کہ ان مکاتیب کو کتابی شکل دے کر ایک مخفی خزانہ کو شارع عام پر لا کر ہر بنی نوع ظلوم وجہول کے لئے عام کرنے کا عزم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب کو نافع عام وقبول دوام عطا کرے۔آمین یارب العالمین

نثاراحمد قاسمی

جامعہ اسلامیہ، بستی

۱۰؍صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۶؍جنوری ۲۰۱۰ء

سہ شنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مُقدّمہ

## حضرت مولانا قاری شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم

ناظم مدرسہ اسلامیہ، شکرپور، بھروارہ، ضلع دربھنگہ

عرف عام میں جسے خطوط نویسی اور مکتوب نگاری کہا جاتا ہے، فی الحقیقت وہ ایک طرح کی ملاقات اور آپسی گفتگو کا دوسرا نام ہے۔ بیانِ مدعا کی یہ صنف اور کہہ لیجئے کہ اظہارِ خیال کی یہ صورت اپنے اندر بڑے فوائد اور غیر معمولی منفعت رکھتی ہے، بعضے مرتبہ ایک مقرر اور خطیب اپنے مخاطب کو جن حقائق سے روشناس نہیں کرا پاتا، یا یوں کہہ لیجئے کہ جن مسائل کی تفہیم وتشریح اس کے لئے آسان نہیں ہوتی، ایک مکتوب نگار بآسانی مکتوب الیہ کو وہ سب کچھ خط کے دو ایک صفحات میں وضاحت سے سمجھا دیتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے ہم کسی قابل ذکر شخصیت اور ممتاز صاحب علم ہستی کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ سوالات حل ہوسکیں اور مسائل کی گتھی سلجھ سکے، لیکن اظہار مافی الضمیر کرتے وقت کبھی زبان لڑکھڑاتی ہے اور کبھی پست ہمتی سدِ راہ بن جاتی ہے، دراصل یہ اس شخصیت کا رعب ہوتا ہے جس سے ہم متاثر ہوتے ہیں، جبکہ خطوط کے واسطے سے مشکل سوالات اور حل طلب مسائل کو ہم پوری وضاحت اور خوش اُسلوبی سے بیان

کر دینے پر قادر ہوتے ہیں، شعر کے مصرع اول میں تصرف کے لئے شاعر سے معذرت خواہ ہوں۔

زبانِ خامہ تُو ہی ان سے میرا مدعا کہہ دے
مرے منہ سے تو حرفِ آرزو مشکل سے نکلے گا

کسی اچھے مکتوب نویس کا روئے سخن جب اپنے بزرگوں، عزیزوں، رفیقوں یا دیگر متعلقین کی جانب ہوتا ہے تو بُعدِ منزل کے باوجود وہ انھیں خود سے قریب پاتا ہے، مگر یہ نزدیکی بقدر تعلق ہوتی ہے، تعلق جس قدر خلوص ومحبت پر مبنی ہوگا، نزدیکی اسی قدر بڑھتی چلی جائے گی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ خطوط نویس کی بزم صرف لفظ وبیان اور قرطاس وقلم کی بدولت بارونق ہوجاتی ہے، بلکہ اس کے تصور وتخیل کی مقناطیسی کشش بالآخر مخاطب کو بھی انجمن میں کھینچ لاتی ہے، بظاہر مکتوب الیہ یقیناً شریک بزم نہیں ہوتا، بایں ہمہ سیکڑوں بلکہ بعض مرتبہ ہزاروں میل کی دوری کے باوجود وہ اس انجمن سے علیٰحدہ بھی نہیں ہوتا، لکھنے والا اپنی چشم تصور سے مخاطب کو دیکھتا ہے اور بے تکلف اس سے ہم کلام ہوتا ہے، زبانِ دہن سے نہ سہی زبانِ قلم سے وہ اپنے تمام احساسات وواردات اور احوال وواقعات کبھی اجمال واختصار سے اور کبھی بسط وتفصیل سے بیان کرجاتا ہے۔

یہیں ہیں جیسے وہ مصروفِ جلوہ آرائی　　　نہ پوچھ فکر وتخیل کی کارفرمائی

خطوط نویسی کا آغاز کب اور کہاں ہوا، دنیا کے کس خطے میں پہلی بار اس کی افادیت واہمیت محسوس کی گئی، اور کن لوگوں کے ہاتھوں زبان وادب کی اس صنف کی یا یوں کہہ لیجئے کہ اس فن کو عروج وترقی حاصل ہوئی؟ تاریخ سے ان سوالوں کا جواب معلوم کرنا کچھ آسان نہیں، پھر مجھ جیسے بے بضاعت اور کم علم شخص کے لئے تو یہ کام اور بھی دشوار ہے۔ ہمارے ناقص علم کے مطابق سب سے قدیم ترین خط جس کا سراغ

قرآن حکیم کے واسطے سے ملتا ہے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے، یہ خط ملکہ سبا بلقیس کو ان کی جانب سے بھیجا گیا تھا، نامہ بری ہدہد نامی پرندے کے حصے میں آئی، اور اس طرح بآسانی ملکہ سبا تک پیغمبر خدا کا یہ مکتوب پہونچ گیا۔ خط مختصر ہونے کے باوجود نیاہت جامع، دوٹوک اور واضح ہے۔ غرض بلاغت کی تمام خوبیاں اس خط میں موجود ہیں۔ ''إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ أَلَّاتَعْلُوْ عَلَيَّ وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ '' خط حضرت سلیمان کی جانب سے ہے اور خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ میرے مقابلے میں غرور وسرکشی نہ کرو، اور مطیع وفرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔ چنانچہ ملکہ حاضر ہوگئی۔ یہاں یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک طرف اللہ کے جلیل القدر پیمبر ہیں تو دوسری طرف وقت کے عظیم المرتبت حکمراں اور فرمانروا بھی۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اپنے خالق ومالک کی اطاعت گذار اور فرمانبردار بن کر آؤ، یا پھر حاکم وبادشاہ ہونے کی حیثیت سے میری اطاعت وماتحتی قبول کرو۔

تبلیغی ودعوتی مکاتیب کے سب سے زیادہ تابناک اور دلکش نمونے نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واحادیث کی کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ خطوط اس قدر بیش قیمت اور گراں قدر ہیں کہ بڑی سے بڑی حکومت وسلطنت بھی ان کی قیمت لگانے سے قاصر ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ اسلوبِ بیان کی ندرت اور حقائق ومعانی کی وسعت غرض ہر پہلو اور ہر جہت سے یہ جواہر پارے اپنی مثال آپ ہیں، ان خطوط میں نہ اتنا اجمال واختصار ہے کہ کسی بات کا سمجھنا دشوار ہو اور نہ اس قدر بسط وتفصیل کہ خدانخواستہ طوالت کا گمان ہو، بہ الفاظ دیگر ان میں فصاحت وبلاغت کی جو شان ہے وہ کسی ادیب، کسی مصنف اور کسی انشا پرداز کے یہاں ہمیں نہیں مل سکتی۔ اس

مختصر تحریر میں علم و ادب کے ان جواہر پاروں پر میرے لئے کچھ اور کہنا بیحد دشوار ہے۔

ورق تمام ہوئے اور مدح باقی ہے سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

مدینہ منورہ کے دس سالہ عہد میں روم و ایران کے فرمانرواؤں اور ان کے زیر اثر چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے سلاطین کے نام یہ خطوط بھیجے گئے تھے، عام لوگوں کی سہولت اور استفادے کی خاطر علماء و محدثین نے یکجا کتابی صورت میں بھی انھیں مرتب کر دیا ہے، دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کے میدانوں میں کام کرنے والے حضرات کے لئے اس مجموعۂ مکاتیب کا مطالعہ بے حد نفع بخش اور کارآمد ہے۔

آپ ﷺ کے خطوط کے بعد خلفاء راشدین کے مکتوبات میں اصحاب علم و نظر کو حقائق و معارف اور بصیرت و آگہی کا سب سے زیادہ سامان مل سکتا ہے، یہ خطوط زیادہ تر اسلامی ریاست کے گورنروں، قضاۃ اور فوجی افسروں کے نام ہیں، انھیں خطوط کہنے کے بجائے نامہ ہائے ہدایت کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ خلافت راشدہ کے بعد ائمہ اور محدثین نے اپنے زمانے کے علماء، محققین اور سلاطین کے نام جو خطوط لکھے ہیں ا، ان کے مجموعے اس اہتمام سے مرتب نہیں ہو سکے جن کے وہ مستحق تھے، تاہم خال خال ہمیں اس کے نمونے مل جاتے ہیں۔

علوم و فنون کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب و انشاء اور خطوط نگاری کے فن کو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جسے سلجوقیوں، سامانیوں اور غزنیوں کا عہد حکومت کہنا چاہئے بے انتہا ترقی ہوئی، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان بادشاہوں کی مادری زبان فارسی تھی، جبکہ دفتری کاموں کے لئے عربی زبان رائج تھی، انھیں ایسے لائق مترجمین اور کامیاب انشاء پردازوں کی ضرورت تھی جو سرکاری خطوط اور شاہی فرامین کو ایک زبان سے دوسری زبان میں کمالِ احتیاط و دلکشی سے منتقل کر سکیں، اس ضرورت نے

ادب وانشاءاور خطوط نویسی کے فن کو غیر معمولی عروج وترقی سے ہمکنار کر دیا اور جگہ جگہ مترجمین اور کامیاب منشیوں کے حلقے وجود میں آنے لگے، کچھ لوگوں نے کتابت وانشاء سے تعلق رکھنے والے افراد واشخاص کی تربیت ورہنمائی کے لئے چھوٹی بڑی کتابیں تالیف کرنی شروع کر دیں، اوراس طرح بیک وقت دونوں گلشن علم وادب میں گویا ہمہ جہت بہار آگئی۔ خیر یہ تو بادشاہوں اورسلاطین کے زیر اثر پروان چڑھنے والے انشاپردازوں اور مکتوب نگاروں کا ذکر تھا۔

چوتھی صدی کے اواخر یا پانچویں صدی کے اوائل میں صوفیاء، مشائخ اور مصلحین کے طبقے پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہماری نگاہ امام غزالی کے خطوط کے مجموعے پر جا کر ٹھہر جاتی ہے۔ راہِ سلوک کے مسافروں اور طالبانِ حقیقت کے لئے یہ مجموعہ مشعلِ راہ اور رفیق سفر کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی ایک ایک سطر سے امام صاحب کی ژرف نگاہی اور بے انتہا علم وآگہی کا اظہار ہوتا ہے۔

برصغیر ہندوپاک میں جن علماء، مشائخ اور صوفیاء محققین کے ملفوظات ومکاتیب کو غیر معمولی مقبولیت وپذیرائی حاصل ہوئی، ان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ سرفہرست ہیں۔

ترکستان سے برصغیر تک اور کابل سے برما تک کوئی صوبہ، کوئی شہر اور کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں ان حضرات کے خطوط احترام وعقیدت کے ہاتھوں نہ لئے جاتے ہوں اور محبت وعظمت کے ساتھ انھیں پڑھا نہ جاتا ہو، جن خوش نصیبوں کو براہ راست ان حضرات کی صحبت ومعیت میسر آ گئی ان کی فیروزمندیوں کا تو پوچھنا ہی کیا، رہے وہ اصحاب جنھوں نے ان کی کتابوں اور مکتوبات سے استفادہ کیا اور فیضیاب ہوئے،

انھیں بھی راہِ سلوک وتصوف کے عام مسافروں پر خاصی فضیلت و برتری حاصل ہے۔ یہ محض خطوط نہیں بلکہ راہِ طریقت کے راہ نوردوں کیلئے چراغِ راہ اور زادِ سفر ہیں، خدا جانے ان ابر پاروں کی بدولت کتنے ویرانے سبزہ زار بن گئے، کہاں کہاں اجڑے ہوئے گلشنوں میں بہار آگئی اور کس قدر مردہ قلوب میں زندگی پیدا ہوگئی۔ اخلاق وعادات سنور گئے اور عقائد واعمال کی اصلاح ہوگئی۔

زہد وقناعت، توکل واستغناء، تسلیم ورضا کی خو، خدمت خلق کا جذبہ، فکر آخرت، محبت الٰہی اور اتباع سنت وشریعت کا شوق، جو بندۂ مومن کی لازمی صفات ہیں، فی الاصل متبعین سنت وشریعت کی صحبت سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں، یا پھر ان کی کتابوں سے۔ نرے محققین ومصنفین کی تصنیفات وتحریرات سے علم وآگہی میں وسعت تو پیدا ہوسکتی ہے مگر عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوجائے بالعموم ایسا نہیں ہوتا۔

مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ اصحاب معرفت اور علماء آخرت کے ان بیش بہا تالیفات اور مواعظ ومکتوبات سے میں اپنی کوتاہ ہمتی کے باعث میں خاطر خواہ استفادہ نہ کرسکا، لیکن میرے حلقۂ احباب میں بعض حضرات ایسے ہیں جنھوں نے اکابر کی کتابوں سے علمی وعملی ہر دولحاظ سے بڑے منافع حاصل کئے، بطور خاص میرے نہایت قریبی اور دیرینہ رفیق حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور احباب کے مقابلے میں اس چشمۂ صافی سے کہیں زیادہ سیراب اور بے انتہاء فیضیاب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف کے مزاج ومذاق اور کردار وگفتار میں ہمیں بزرگانِ سلف کی زندگی کی جھلک ملتی ہے ؎

میں کہ مری نوا میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

ان سے پہلی بار میری ملاقات قیام دیوبند کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ان دنوں دارالعلوم کی دینی و علمی فضا مخصوص طرح کی شورش اور ہنگامہ آرائیوں سے مکدر تھی، ماحول میں ہر طرف وقار و سنجیدگی کا ایک طرح سے قحط تھا۔ ان ہی ایام میں ایک روز مولانا ابرار احمد صاحب (امام جامع مسجد دربھنگہ) کے کمرے میں مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی سے ملاقات ہوئی، اور ہم دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہوئے، اثناء گفتگو میں میں نے عرض کیا کہ مولانا! دیوبند کا سفر ہم نے حصولِ علم کی خاطر کیا تھا، علم کے ساتھ ہماری ایک اور غرض اپنی تربیت و اصلاح بھی تھی، مگر نہیں معلوم کیوں ہم یہاں پہونچ کر انتظامیہ کی اصلاح کے درپے ہو گئے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا قافلہ جادۂ مستقیم سے بھٹک گیا ہے اور منزل بتدریج ہم سے دور ہوتی جارہی ہے، مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ موصوف نے میری معروضات خندہ پیشانی سے سنی اور بحث و گفتگو کے بجائے میرے خیالات سے موافقت فرمائی۔ میں اس صاف گوئی اور وسعت ذہنی سے بے حد متاثر ہوا، اور ان کی قدر و منزلت میری نگاہوں میں روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ وہ جب تک دیوبند میں رہے شاید کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس میں دو ایک بار ہماری ملاقات نہ ہوئی ہو، دیوبند سے واپسی کے بعد مولانا جہاں بھی گئے اور جس حال میں بھی رہے بذریعۂ خطوط اس عاجز کی خبر گیری فرماتے رہے، خود میں نے بھی اپنی طبعی کسلمندی اور کوتاہ قلمی کے باوجود انھیں عریضہ ارسال کرنے میں تاخیر اور لیت ولعل سے کام نہیں لیا۔ موصوف کا اندازِ تخاطب اور طرزِ تحریر جس کی حلاوت و شیرینی سے عرصہ ہائے دراز تک لطف اندوز ہوتا رہا ہوں، آج بھی جب اس کی جانب ذہن جاتا ہے تو طبیعت میں ایک طرح کا نشاط و انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔

ان خطوط میں خلوص تھا، محبت بے ریا تھی، شفقتوں کی عطر بیزی تھی، شرافت

نفس کا والہانہ اظہار تھا، علم پروری تھی، زبان وادب کے چٹخارے تھے، اوران سب سے بڑھ کر تعلق خاطر کی بیکراں نکہت وخوشبو تھی، جس سے مشامِ جاں معطر ہوا جاتا تھا۔ بعض مسائل ومباحث کے پیچ وخم میں الجھ کر ذہنی وفکری اعتبار سے میں جس مقام پر جاچکا تھا، اس دوران موصوف کی شفقت ومحبت میری شریک حال نہ ہوتی تو خدا نخواستہ اس سے میری واپسی دشوار ہی نہیں دشوار تر تھی۔ یہاں پہونچ کر اپنے زمانے کے روحانی پیشوا، علم حدیث کے شناور، مظاہر علوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی شفقت وعنایت کا ذکر نہ کروں تو بڑی ناسپاسی ہوگی۔ عہد طالب علمی میں، ایک عرصہ تک میں مسئلۂ جبر واختیار اور فلسفۂ خیر وشر کی گتھیاں سلجھانے میں اپنی ذہنی توانائی اور زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کرتا رہا، مگر اس ڈور کو عقل کی راہ سے سلجھانے کی میں نے جتنی جتنی کوشش کی، اسی قدر الجھتی چلی گئی۔ بالآخر بعض حضرات کے مشورے سے میں نے انھیں ایک مفصل عریضہ لکھ کر بھیجا، جس کا جواب مجھے چند ہی روز کے بعد دستیاب ہوگیا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اس مختصر سے مکتوب میں ناچیز کو چند نصیحتیں فرمائی تھیں اور یہ لکھا تھا کہ میں تمہارے لئے مخصوص اوقات میں دعاء کروں گا۔ چنانچہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد قلب میں اطمینان ویقین کی وہ خنکی محسوس ہونے لگی، جس نے شک وارتیاب کے اس کوچے میں بھٹکنے سے ہمیشہ کے لئے مجھے محفوظ کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب ودرجات بلند فرمائے۔

موصوف کی تحریک پر جب میں مغربی یوپی سے مدرسہ دینیہ غازی پور آیا تو ان کے خطوط کا یہ گلدستہ میرے ہمراہ تھا، اپنے لاابالی پن کے مدنظر بغرضِ حفاظت یہ خطوط مولانا کے حوالے کردئے، لیکن کسی وجہ سے یہ سرمایۂ علم وادب خود ان کے پاس بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر یہ محبت نامے ضائع نہ ہوتے تو اسی مجموعۂ مکاتیب میں شامل

ہوکر یقیناً شائع ہو جاتے۔

مدرسہ دینیہ غازی پور میں ہم دونوں ایک عرصہ تک ساتھ ساتھ رہے، کم وبیش یہ زمانہ چھ برسوں پر محیط ہے، اس مدت میں موصوف کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ، اور یہ محسوس کیا کہ پہلے کے مقابلہ میں اب ان کی زندگی کے لیل ونہار یکسر بدل چکے ہیں، ظرافت وشوخی کی جگہ متانت وسنجیدگی نے لے لی ہے، اوران کی ہر نقل وحرکت میں ایک طرح کا سکون ووقار پیدا ہو چلا ہے، پہلے انھیں تاریخ وادب کے مطالعہ سے بے حد دلچسپی تھی ،لیکن اب تفسیر وحدیث اور فقہ وتصوف سے شبانہ روز کا واسطہ ہے۔

کتاب الزھد والرقاق ، کتاب الاذکار ، حصن حصین ، مثنوی مولانا روم ،مکتوبات مجدد الف ثانی ،مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ، تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل ، دُرُّ المعارف ، یہ وہ کتابیں ہیں جن سے موصوف نے خود بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور مجھ کو بھی یہ کتابیں پڑھ کر سنائیں ، اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اورشاہ وصی اللہ الہ آبادی کی تحریرات وتالیفات کواتنی بار پڑھااوراس قدر ذوق وشوق سے پڑھا کہ وہ ان کے ترجمان بن گئے ،اور بالآخر دوسرے اساتذہ کو بھی ان کتابوں کی قدر وقیمت اورافادیت واہمیت کا احساس ہونے لگا۔ بزرگانِ سلف اوراکابر کی ان تالیفات وتصنیفات نے جہاں مولانا کے ذہن ومزاج اور کردار وعمل پر گہرا اثر ڈالا وہیں ان سے پڑھنے والے طلباء بھی بالواسطہ ان کتابوں کے مضامین اور مندرجات سے فیضیاب ہوتے چلے گئے۔ تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت واصلاح کی فکراوراس کا اہتمام جس قدر مولانا کے یہاں ہم نے دیکھا اپنے ہم نشینوں میں کہیں اس کی مثال نہیں مل سکی ،مولانا اپنے شاگردوں سے بے انتہا محبت کرتے ہیں،اوران کے دکھ درد کوخود اپنا درد سمجھتے ہیں۔قلیل المعاش ہونے کے باوجود اپنے ہرضرورت مند

اور نادار طالب علم کی نصرت واعانت کو گویا انھوں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ سخاوت وایثار کی اس روش کی بنا پر اپنے شاگردوں میں انھیں غیر معمولی مقبولیت ومحبوبیت حاصل ہے، ہم لوگ سرزنش اور زجروتوبیخ کے باوجود شاگردوں کی غلطیوں کی اصلاح نہیں کر پاتے، لیکن موصوف سے پڑھنے والے طلبہ کتنی ہی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محض اس بنا پر اجتناب کرتے ہیں کہ ہمارے اس طرزِ عمل سے مبادا استاذ محترم کو تکلیف نہ پہونچ جائے، استاذ وشاگرد کے درمیان جب مخلصانہ ربط وتعلق قائم ہوجاتا ہے تو تعلیم وتربیت کا کوئی مرحلہ دشوار نہیں رہ جاتا۔ غرض ایک اچھے استاذ اور کامیاب مربی میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ ان کی شخصیت میں نمایاں ہیں۔

عام طور سے متوسطات کی کتابیں مکمل کرلینے کے بعد درس نظامی کے طلبہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور وغیرہ کا رخ کرتے ہیں، لیکن ان مدارس میں پڑھنے والے شاگردوں سے بھی موصوف کا ربط وتعلق برابر قائم رہتا ہے۔ بُعدِ مسافت کے باوجود وہ خود کو اپنے محبوب استاذ اور مربی ومشفق کے زیر تربیت ہی محسوس کرتے ہیں، درسگاہ کی تبدیلی اور مقام کا فرق اس تعلق پر مطلق اثر انداز نہیں ہوتے۔ خطوط کے ذریعے موصوف وقتاً فوقتاً اپنے جانے والے طلبہ کی خبر گیری فرماتے رہتے ہیں، اس التفات وتوجہ کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ اپنے مقاصد سفر اور فریضے سے غافل وبے پرواہ نہیں ہوتے، بھیجے ہوئے ان خطوط میں اُنس ومحبت اور ہمدردی وبہی خواہی کی وہ حلاوت ولطافت ہوتی ہے جسے پڑھ کر مخاطب اپنے ہر رنج وغم اور دکھ درد کو بھول جاتا ہے، موصوف نے اپنے شاگردوں کے نام جو خطوط تحریر کئے ہیں انھیں مسافران علم کے لئے قیمتی سوغات اور چراغ راہ سمجھنا چاہئے۔

بزرگوں کے منتخب واقعات اور علمائے سلف کے حالات وہ اس طرح رقم

کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، زیر نظر مجموعہ میں کچھ خطوط وہ ہیں جو طلبہ کے سوالات اور استفسار کے جواب میں تحریر کئے گئے تھے۔ کچھ سوالات وہ ہیں جن کا تعلق علم کلام اور منطق کے پیچیدہ مسائل ومباحث سے ہے، اسی طرح بعض سوالات کا تعلق فقہ وحدیث کی مشکلات ومبہمات سے ہے، موصوف نے طلبہ کے اشکالات کو جس وضاحت وخوبصورتی سے حل کیا ہے شاید وہ انھیں کا حصہ ہے۔

طہارتِ قلب ونظر، تزکیۂ نفس، اصلاح اخلاق واعمال، توکل وتفویض اور زہد وقناعت، یہ وہ عناوین اور موضوعات ہیں جن سے مولانا کا قلبی تعلق اور باطنی ربط ہے۔ ان عناوین پر وہ جب کبھی بولتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے، اسی طرح مذکورہ موضوعات پر جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو زیب قرطاس ہونے والی ہر سطر نگاہوں کی راہ سے قاری کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے، اور وہ اپنے اندر اتباع سنت وشریعت کا داعیہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ مکتوبات کے اس مجموعے میں ایسے بہت سے خطوط مل جائیں گے جنھیں پڑھ کر ناظرین میری تائید وتصدیق کریں گے۔

ضیاء الاسلام کے صفحات میں حدیث دوستاں کے عنوان سے جو خطوط نذرِ قارئین کئے جاتے ہیں، عوام ہی کے لئے نہیں علماء اور خواص کے لئے بھی ان میں بصیرت وآگہی اور اصلاح احوال کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے، میرے حلقۂ احباب میں بعض حضرات وہ بھی ہیں جو محض ان خطوط کی خاطر اس رسالہ کے خریدار ہیں، اللہ تعالیٰ اسے مزید مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائے۔ آمین

شبیر احمد دربھنگوی

۱۳ رصفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۹ رجنوری ۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

# باب اول

# بزرگوں کے نام

# بنام حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہ

ناظرین کرام! درج ذیل مکاتیب استاذ محترم مدظلہٗ کے، اور ہم سب کے مخدوم وبزرگ حضرت اقدس ماسٹر محمد قاسم دامت برکاتہم کے نام ہیں۔ حضرت مدھوبنی ضلع کے ایک گاؤں کھور مدن پور کے رہنے والے ہیں، مدرسہ عربیہ اشرفیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ کے ناظم اور ذمہ دار ہیں۔ بزرگوں کے نام کے ساتھ ''ماسٹر'' کا لاحقہ عجیب سا لگتا ہے، مگر حضرت اقدس اسی لاحقہ کے ساتھ معروف ہیں، واقعی ایک اسکول میں پڑھاتے تھے، اب ریٹائر ہو چکے ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے ایک برگزیدہ خلیفہ حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب امروہوی نوراللہ مرقدہٗ کے نہایت بافیض اور صاحب کرامت مجازِ بیعت ہیں، بے نفسی وتواضع کے پیکر جمیل، خلوص وللہیت کے ایک دلکش مرقع، صورت دیکھئے تو اللہ یاد آئے، مجلس میں بیٹھئے تو سکون وطمانینت نچھاور ہو، دربھنگہ کے رہنے والے، بہار کے مسلّم بزرگ! بہت ہی مستجاب الدعا بزرگ!

ہمارے استاذ محترم مدظلہٗ کو ان سے دیرینہ تعلق ہے، باہمی مراسلت کا ایک طویل سلسلہ ہے، دونوں طرف کے خطوط کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہاں ہم استاذ محترم کے خطوط کا جو حضرت اقدس ماسٹر صاحب مدظلہٗ کے نام لکھے گئے ہیں، ایک مختصر سا انتخاب پیش کرتے ہیں۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

مخدوم مکرم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

عنایت نامہ ملا، یاد فرمائی سے مسرت ہوئی، لیکن حالات سے قلبی صدمہ ہوا، سیلاب چھٹی بار پھر آگیا، اللہ کی پناہ، نہ جانے حق تعالیٰ کو کیا منظور ہے، مصائب پر مصائب! یقیناً یہ اللہ کی ناراضگی کے مظاہر ہیں۔ مصیبت جب آتی ہے تو عام آتی ہے، صالحین بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، ہمارے ملک کا کوئی خطہ مصائب سے خالی نہیں، نوعیت بدلی ہوئی ہے، مگر سب پریشان ہیں۔ ایمان کے بعد معصیت مصیبت کو جلد لاتی ہے، جو بالکل نہیں مانتے انھیں دخولِ نار تک مہلت ہے، اس لئے ان کے یہاں کسی قدر چین ہے، لیکن ایک مومن جس کو حق تعالیٰ دخولِ نار سے بچاتے ہیں، وہ فوراً سزا کی زد میں آجاتا ہے، گنہگاروں کے گناہ اس سے مٹتے ہیں، صالحین کے درجات بلند ہوتے ہیں، آخرت کی پکڑ سے حفاظت ہوتی ہے، ہے تو بڑا فائدہ! مگر مصائب کی تاب ہمارے اندر کہاں؟ حق تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۴؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

☆☆☆☆☆

مخدومی و مکرمی حضرت ماسٹر صاحب! زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

نوازش نامہ باصرہ نواز ہوا، بہت خوشی ہوئی اور تسلی ہوئی کہ جناب والا

میرے لئے نہایت الحاح وزاری سے بارگاہِ رب العزت میں دعا فرماتے ہیں، معلوم تو تھا کہ آپ برابر دعاؤں میں اس حقیر وغریب کو نوازتے ہیں، مگر اس تحریر سے بہت اطمینان حاصل ہوا، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نہایت سہولت سے یہ قرض ادا کردیں گے۔ جب بزرگوں کی دعائیں اس بارگاہِ عالم پناہ میں پہونچیں گی تو کوئی معنی نہیں کہ قبولیت سے سرفراز نہ ہوں۔

جناب والا نے اپنے بارے میں جو کلماتِ انکسار تحریر فرمائے ہیں، وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی کو دیکھتے ہوئے اور ان کی عظمت وبلندی پر نظر کرتے ہوئے بالکل حقیقت ہیں، بلکہ اس عتبۂ عالی کے مقابلہ میں اپنی حقیقی پستی ظاہر کرنے کے لئے شاید زبان ولغت میں کما حقہ کوئی لفظ بھی نہ ملے، لیکن یہ ان کی جلالت شان کے لحاظ سے ہے جن کے سامنے پیغمبر بھی اپنا وجود گم کردیتے ہیں، تاہم اپنی اسی نسبت کا استحضار جب کسی بندہ کو ہوجاتا ہے تو پھر اس کا اپنا پست وحقیر وجود ختم ہوکر وہ حق تعالیٰ کی نسبت عالی کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس وقت اس کی بلندی کا اندازہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے، یہی مقام غالباً بقاء باللہ کہلاتا ہے، اور یہی عبدیت کے خواص میں سے ہے۔ حق تعالیٰ کا جناب والا پر مخصوص کرم ہے، اللہ تعالیٰ اس رُوسیاہ کو آپ کی برکت سے اپنے کرم کا مورِد بنادے۔ **وما ذٰلك على الله بعزيز۔**

میری بڑی خواہش تھی کہ شب برأت کا مقدس وقت آپ کے سایہ میں گزارتا، تاکہ جو فیضان بارگاہِ غیب سے آپ کے اوپر آتا رہتا ہے، ممکن ہے راستہ کا یہ حقیر ٹھیکرا بھی اس سے کسی درجہ میں مستفید ہوجاتا، اسی لئے میں نے ۱۲؍شعبان کی روانگی طے کی تھی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو یہ منظور نہیں ہے۔ بات یہ ہوئی کہ بارہ بنکی کے میرے نہایت عزیز دوست جنھوں نے ملفوظات کی کتابت کی ہے،

اچانک آئے اور اپنے یہاں ایک جلسہ کی دعوت لے کر آئے، میں نے بہت معذرت کی مگر وہ نہ مانے، ان کی خاطر سے ان کے یہاں ۱۶؍شعبان کو جانا منظور کرلیا کہ اس سے پہلے ان کے لئے بعض مجبوریوں کی وجہ سے گنجائش نہ تھی، اب انشاء اللہ ۱۷؍ شعبان بروز سنیچر بارہ بنکی ہی سے ویشالی اکسپریس سے انشاء اللہ روانہ ہوں گا، اسی گاڑی سے ریزرویشن کے لئے کہا ہے۔

مکان کی رجسٹری بحمد اللہ ہوگئی ہے، ہمارے دوستوں نے اس کے لئے بڑی محنت کی اور بہت تکلیفیں اُٹھائیں، ان کے لئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔ حالانکہ سب غریب ہیں لیکن حوصلہ یہ ہے کہ مجھے قرض سے بے فکر کردیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں۔ اخیر میں پھر دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍رجب ۱۴۱۲ھ

☆☆☆☆☆

مخدومی و معظمی حضرت ماسٹر صاحب! مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

یہاں بعافیت پہونچ آنے کی اطلاع ایک کارڈ سے کرچکا ہوں، جمعہ کے روز عزیزی مولوی محمد ہاشم سلّمہٗ پہونچ آئے تھے، میں اس وقت باہر تھا، سنیچر کو واپس آیا، تو انھوں نے درزیا (۱) کے حادثہ کی اطلاع دی، ایسا لرزہ خیز حادثہ ہے کہ بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس وقت سے اب تک دل کو کسی طرح قرار نہیں ہے، ہر وقت امنڈتا رہتا ہے، یہ سب اہل محبت تھے، ان کی فدائیت و محبت کو سوچ کے اور

زیادہ بیقراری ہوتی ہے، بے اختیار جی چاہتا ہے کہ فوراً ان لوگوں تک پہونچوں اور جس طرح بن پڑے صبر وسکون کا سبب بنوں، مگر کیا کروں مجبوری ہے، اس وقت بھی جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں، دل بھرا چلا آرہا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔ یہ آزمائش سخت ہے، مگر صبر کے سوا اور کیا چارہ ہے۔ درد بھی انھیں کی بارگاہ سے ہے اور درماں بھی انھیں کی جناب سے ہے، میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے تسلی دے سکوں، بس یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ جزع وفزع اور وحشت وبیقراری جو حد معصیت میں آتی ہو، اس سے اپنے فضل وکرم سے محفوظ رکھیں اور اس مصیبت پر اجر جزیل اور اس کا نعم البدل عطا فرمائیں۔ میں جب بہت بیقرار ہوا اور کسی طرح صبر وسکون نہیں ہو رہا تھا تو بارگاہِ الٰہی کی جانب بتضرع وزاری متوجہ ہوا، پھر دل میں ایک بات آئی جس سے بے قراری کو قدرے سکون ہوا، وہ یہ کہ اس کا اجر آخرت میں ملے گا، اور ان شاء اللہ دنیا میں بھی بہتر حال نصیب ہوگا، اور بہت سے گناہوں کا کفارہ ہوگا، میرا دل نہایت نا قابل اعتبار ہے، اس میں آنے والی کسی بات کا کوئی وزن نہیں ہے، لیکن پھر بھی اتنا ہوا کہ بے چینی کی شورش میں خاصا سکون ہو گیا، اس وقت سے برابر یہی دعا کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔

گاؤں والوں کو زیادہ سے زیادہ استغفار کی جانب متوجہ ہونا چاہئے اور انھیں یہ دعا پڑھنی چاہئے: إنا لله وإنا إليه راجعون ، أَللّٰهُمَّ أُجُرْنِىْ فِىْ مَصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْراً مِّنْهَا۔ ان شاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نقصان کا نعم البدل عطا فرمائیں گے۔

یہ دعا حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تلقین فرمائی تھی، اور انھوں نے اپنے شوہر ابوسلمہ کے انتقال پر اسے پڑھا تو انھیں حضرت کی

زوجیت نصیب ہوئی۔

خصوصیت کے ساتھ ماسٹر محمد اسماعیل صاحب اور مولوی محمد یٰسین صاحب کے سلسلے میں زیادہ صدمہ ہورہا ہے، برابر دعا کررہا ہوں، بس وہ حضرات سنبھلے رہیں، اس حادثہ کی وجہ سے اللہ کے تعلق میں کوئی فرق نہ آنے پائے، خدا کی جناب میں کوئی حرفِ شکایت دل یا زبان پر نہ آئے تو ان شاء اللہ یہ مصیبت رحمت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

میں ہمہ وقت ان حضرات کیلئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ ہر طرح خیر و عافیت کا معاملہ فرماویں۔ جمعہ کے روز بھاگلپور جانا ہے، ایک صاحب آئے تھے، ایک مدرسہ کے جلسہ میں نہایت اصرار کے ساتھ مدعو کیا ہے، مجبوراً اقرار کرنا پڑا۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍رجب ۱۴۱۲ھ

(۱) درزیا، حضرت ماسٹر صاحب کے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ہے، وہاں قیامت خیز آگ لگی تھی، چھپر کے مکانات سب جل گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

مخدومی و مکرمی ! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

ابھی دو چار روز ہوئے ہیں جہانا گنج گیا تھا، وہاں سے سیوان گیا، سفر میں عزیزم حافظ آفتاب سلّمہٗ بھی ساتھ تھے، راستے میں بار بار آپ کا ذکر ہوتا رہا۔ مجھے تو یہ معلوم تھا کہ حافظ آفتاب سلّمہٗ کی ساس کا انتقال ہوگیا ہے، اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آپ کی ہمشیرہ تھیں، لیکن اس سے زیادہ کوئی تفصیل معلوم نہ تھی، حافظ آفتاب سلّمہٗ سے

بھی اس حادثہ کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی، نہ آپ کا کوئی خط ملا جس سے تفصیلات کا علم ہوتا۔ حافظ آفتاب سلّمہٗ کی زبانی ساری باتیں معلوم ہوئیں کہ وہ آپ کی اکیلی ہمشیرہ تھیں، اوران کی وفات کی وجہ سے جناب کی طبیعت بہت متاثر ہے، آپ کے تاثر کو سن کر میرا دل بھر آیا، آفتاب سلّمہٗ آپ کی باتیں کررہے تھے اور میرا دل امنڈا چلا آتا تھا، طبیعت بیقرار تھی، آنکھیں چھلکنے کے لئے بے تاب تھیں، کسی طرح طبیعت کو قابو میں رکھا، میں نے سوچا اور آفتاب سلّمہٗ نے کہا بھی کہ آپ کے نام خط لکھ دوں۔ مجھے پہلے ہی لکھنا ہی چاہئے تھا مگر اتنی تاخیر ہوگئی، اس کی وجہ سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں تو آپ کے تاثرات کو سن کر اتنا بے چین ہوا کہ جی چاہا کہ اسی سفر میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں مگر موانع نے اجازت نہ دی، اب قلم اٹھایا ہے تو سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں؟ آپ سے تعزیت وتسلّی کی کوئی بات کروں، یہ تو میرا منہ نہیں ہے، حق تعالیٰ کی شانِ رحمت کی معرفت آپ کو مجھ سے بدرجہا زائد حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کس کس انداز میں فرماتے ہیں، یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ آپ نے دوا علاج کے سلسلے میں اسباب ظاہری کا مکمل انتظام فرمایا تھا مگر حق تعالیٰ کی مشیت غالب آکر رہی، اس کا راز بھی آپ پر منکشف ہے، یہ سب کچھ ہے، مگر دل درد سے بھرا چلا آتا ہے، اس کا کیا علاج ہے؟ یہ بھی آپ سے بہتر کون جانتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے آپ کو کتنے دکھے دلوں کا غمخوار، کتنے کتنے مصیبت زدہ لوگوں کا مرکز امید بنایا ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے اوپر کوئی ناقابل برداشت درد ڈال دیں، پھر سوچتا ہوں کہ سورج کو چراغ کیسے دکھاؤں، بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آپ کے غم کو اپنا غم بنا کر اپنی تسلی اور تعزیت کے لئے جو کچھ سمجھ میں آتا جائے کہتا چلا جاؤں، اس کے مخاطب آپ نہیں خود میں ہوں، کیونکہ میں نے بھی اپنی دو دو بہنیں کھوئی ہیں،

اوراس وقت کھوئی ہیں جبکہ عالم اسباب میں والد کے علاوہ ان دونوں سے زیادہ میرا کوئی غمخوار نہ تھا، میرے سگے بھائی بہنوں کا انھیں دونوں پر خاتمہ ہوگیا، پھر میں اکیلا رہ گیا، ایسے واقعات پر اکثر مجھے خیال آتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی ساری توجہ اپنی طرف دیکھنا چاہتے ہیں، اس کے لئے عالم غیب سے تدبیریں نازل فرماتے رہتے ہیں اور یہ تدبیریں عموماً انسان کے مزاج وخواہش کے خلاف اور تکلیف دہ ہوتی ہیں، یہ تدابیر کبھی مال پر بجلی بن کر گرتی ہیں، کبھی اپنے گھر والوں اور عزیزوں کی جان کی آفت بنتی ہیں، کبھی بیوی ناموافق ہوتی ہے، کبھی اولاد نالائق ہوتی ہے، ایسے حالات میں آدمی خدا کا نیازمند ہوتا ہے تو سب سے دل توڑ کر اسی پروردگار کے دروازے پر دھونی رما کر بیٹھ جاتا ہے، اب اس کا دل مضبوط ہوجاتا ہے، وہ سوچ لیتا ہے کہ یہ سب اشخاص واشیاء فانی ہیں، ان کے ساتھ ہر قسم کا تعلق بھی فانی ہے، باقی تو صرف خدا کی ذات ہے، اور اس کا تعلق ہے بس اسی سے لگنا لپٹنا چاہئے، آپ تو جانتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابراہیم ادہم علیہ الرحمہ جب ساری دنیا پر لات مار کر خدا کے ہورہے تھے، اور ۱۴/سال کی مدت میں ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے حق تعالیٰ کی تجلی گاہِ خاص یعنی کعبہ مقدسہ تک پہونچے تھے تو ان کے صاحبزادے شاہ محمود کو باپ کی اطلاع ملی، وہ اعیان وارکانِ سلطنت کو لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، صاحبزادے اس وقت بہت چھوٹے تھے جب ابراہیم بادشاہت سے جدا ہوکر خدا کے قدموں میں گرے تھے، اس لئے جانبین سے پہچاننے کا سوال ہی نہیں تھا، تاہم ابراہیم ادہم آتے جاتے بغور صاحبزادے کو دیکھا کرتے تھے، معتقدین ومریدین کو کسی قدر الجھن بھی ہوتی تھی کہ حضرت اس خوبصورت لڑکے کو کیوں گھورتے ہیں، لیکن کیا معلوم تھا بلکہ خود حضرت ابراہیم کو احساس نہ تھا کہ اپنا ہی خون ہے جواب مجسم

ہوکر محبوبِ دلنواز بنا ہوا ہے، صاحبزادے کو تلاش تھی ہی، انھوں نے بالآخر باپ کو پالیا، جب ہر ایک نے دوسرے کو پہچان لیا تو محبت کا شعلہ اتنے زور سے لپکا کہ دونوں ایک دوسرے سے بے اختیار لپٹ گئے، پھر جب جدا ہوئے تو صاحبزادے کی روح بھی جدا ہوچکی تھی، عجیب منظر تھا، یہ ملنا تھا یا بچھڑنے کی تمہید تھی، عارفین اس مسئلہ کو حل کرنے میں پریشان ہیں، سید العارفین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم کا دل بجز ایک پروردگار کی محبت کے ہر ایک تعلق سے خالی تھا، مگر جب بیٹے سے ملاقات ہوئی تو اچانک نہایت جوش وخروش سے اس کی محبت کا طوفان اٹھا، حق تعالیٰ کی غیرت کو یہ کب گوارا تھا کہ جو دل حبِّ الٰہی کا آشیانہ بن چکا ہے اس میں کوئی غیر اتنی قوت سے داخل ہو کہ اس میں بھی مقصودیت کی شان پیدا ہوجائے، بس یہ غیرتِ الٰہی تھی کہ بیٹا رُخصت ہوگیا، اور اس باپ کا دل پھر خالی ہوگیا، حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں، رحیم بھی ہیں، لیکن ان کی حکمت ورحمت کے انداز سمجھ میں نہیں آپاتے، اصحابِ معرفت حیران ہوہو جاتے ہیں بلکہ اہل معرفت کے احوال کو دیکھ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حیرت باندازۂ معرفت بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ آدمی سراپا حیرت بن جاتا ہے۔

’’ما ئیم وتحیر وخموشی، آفاق ہمہ در گفتگو یت‘‘ کا منظر ہوتا ہے، آپ کے دل پر نہ جانے کیا کیا کیفیات گذرتی ہوں گی، دیکھنے والے اپنے پیمانے سے ناپتے ہوں گے، سونے کو اگر غلہ کے باٹ سے تولا جائے تو وزن کتنا ہلکا معلوم ہوگا، حق تعالیٰ مربی ہیں، وہ نہ جانے کیسے کیسے تربیت فرماتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے بہت تکلیفیں جھیلیں، مگر اتنا تاثر کبھی آپ پر نہ دیکھا گیا تھا جتنا ہمشیرہ کے انتقال پر! بیشک ایسا ہوسکتا ہے لیکن دنیا کیا جانے کہ اہل احساس کو کیا کچھ احساس ہوتا ہے، آپ کے

صوبہ کے ایک بہت ہی صاحب درد، دیندار و متقی شاعر کا ایک شعر مجھے یاد آ رہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ؎

میرے دل میں درد بھرا ہے اتنا ہی تم جانو ہو
دل میں درد بھرے ہیں کیسے درد بھرا دل جانے ہے

بالکل واقعہ ہے، تاہم ایک خدا کی یاد، اس کی جناب میں حضوری، اس کا نام اور اسی کے حضور گریہ وزاری، ہر ایک درد کا مداوا اور ہر ایک غم کا علاج ہے، وہی ایک پناہ گاہ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ نہیں، وہی فریادرس ہیں، ان کے ماسوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، وہی قلوب کو قوت بخشتے ہیں، وہی صدمہ بھی دیتے ہیں، اور وہی برداشت بھی عنایت فرماتے ہیں، یہ سب ان کی شانیں ہیں، کون جانے کہ ان میں کیا کیا حکمتیں ہیں، بس وہی جانتے ہیں اور انھیں کا جاننا ہمیں کافی ہے، ہم تو بس آنکھ بند کر کے ان کے حکم پر چلتے رہیں، ان کے یہاں دھوکا نہیں ہے، اندیشہ نہیں ہے، خطرہ نہیں ہے، ہمارے آقا و مولیٰ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے رضا بالقضاء کا سبق اتنی تکرار سے پڑھایا ہے کہ ہر ایمان والے کا دل مضبوط ہو گیا ہے، اب اس میں ہر ایک تکلیف برداشت کرنے اور ہر مصیبت جھیلنے کی قوت پیدا ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایمان سے نوازا ہے، یہ ایمان بھی عجیب چیز ہے، کوئی بات کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو، ایمان اسے آسان کر دیتا ہے، کیونکہ یہ ایمان ہر آڑے وقت میں بندے کو خدا کے دروازے پر کھڑا کر دیتا ہے، اور بندہ وہاں سے نئی قوت حاصل کر لیتا ہے، آپ سے کیا کہوں؟ آپ تو واقف ہیں، میں تو اپنے دل کی تسلی کے لئے آپ سے کہے چلا جا رہا ہوں، حالانکہ جانتا ہوں کہ آپ کے پاس وقت بہت کم رہتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ درازنفسی داخل گستاخی ہے، مگر عنایت فرماتے ہیں اسی اعتماد پر لکھتا چلا گیا۔

میری کوئی حقیقت تو نہیں ہے، لیکن آپ کیلئے، آپ کے متعلقین کے لئے دعا کرتا ہوں اور اس بات کی بھی کہ مرحومہ ہمشیرہ صاحبہ کی حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۶/رجب ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

مخدومی و معظمی حضرت ماسٹر صاحب!

**زید مجدکم وعافاکم اللہ من جمیع البلیات**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

میرے خط ارسال کرنے کے کئی روز بعد آپ کا مکتوبِ گرامی موصول ہوا تھا، اس وقت بعض دوسری مشغولیات حارج تھیں، نیز یہ بھی خیال تھا کہ میرے خط کا جواب بھی آپ ضرور لکھیں گے، یہ جواب بھی آلے تو میں خط لکھوں، امید وانتظار کے مطابق بحمد اللہ دوسرا مکتوب بھی پرسوں ۹/ جمادی الاخریٰ کو مل گیا، لیکن خط جس قسم کے مضمون پر مشتمل تھا میں اسے پڑھ کر سکتے میں آ گیا۔ آپ کے دردِ دل نے میرے دل پر اتنا اثر کیا کہ اس وقت سے اب تک محسوس ہوتا ہے جیسے بادل کی شکل میں غم میرے دل پر منڈلا رہا ہو، مجھے درد والم سے ایک طرح کا ناقابل بیان کیف حاصل ہوتا ہے، لیکن آپ کے احوال موجودہ کو سوچتا ہوں تو دل امنڈنے لگتا ہے، دل تو ہمہ وقت دعا میں مشغول ہے، زبان بھی بار بار دعائیں دہراتی رہتی ہے، کاش میری دعاؤں کو رسائی حاصل ہوتی، لیکن غور کرتا ہوں تو نہ دل میں کوئی لیاقت ہے، اور نہ زبان میں طہارت

ہے، ایسے دل اور ایسی زبان سے جو دعا نکلے گی، اس کی رفتار کیسی اور اس کی رسائی کہاں تک ہوگی، یہ محتاجِ بیان نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود مانگنے سے باز نہیں آتا۔ بے لیاقت دل اور بے طہارت زبان سے جو کچھ بن پڑتا ہے عرض معروض کرتا ہوں، آپ نے مکتوبِ گرامی میں ایک شعر لکھا ہے،

درکفِ شیر نرے خونخوارۂ　　　جز بہ تسلیم و رضا کو چارۂ

اس شعر کی معنویت کو جب آپ کی کیفیات قلبیہ پر ............ جس کا کچھ اندازہ آپ کے مکتوب سے ہوتا ہے ............ منطبق کرتا ہوں تو بے اختیار آپ کے مقام بلند اور مرتبۂ رفیع کا احساس ہونے لگتا ہے، اس قدر متواتر اور پیہم صدمات کا ورود اور پھر اس پر تسلیم ورضا کی ثبات قدمی، واقعہ یہ ہے کہ یہ خاصانِ خدا ہی کا حصہ ہے۔ دل کی رقت وگداختگی کا یہ عالم ہے کہ دوسروں کی بے چینی سے بیقرار ہونے لگتا ہے، لیکن اس کے باوجود صبر واستقامت اور تسلیم ورضا کا شیوہ ہاتھ سے چھوٹتا نہیں، یہ حق تعالیٰ کا اتنا بڑا اکرم اور انعام ہے کہ اس کا شکر ادا کرنا مشکل ہے، غالب کا مصرعہ ہے کہ:　　　دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

جس کا جیسا ظرف ہوتا ہے، اسی کے بقدر اس کا امتحان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ خود دانائے راز ہیں، میں طفل نادان کیا لکھوں؟ لیکن آپ کی کرم فرمائیوں نے جرأت بخشی ہے، اس لئے دل میں جو کچھ آتا چلا جارہا ہے لکھے جارہا ہوں۔

عزیزہ ذاکرہ سلمہا کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے پریشانی کا ہونا قدرتی اور فطری امر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں، میرے گھر دوبار جڑواں بچے پیدا ہوئے، پہلی بار دو بچیاں پیدا ہوئیں، ان دونوں کا حال عجیب تھا، ان کا ہر کام ایک ساتھ ہوتا تھا، ایک ساتھ سوتیں، ایک ساتھ جاگتیں، ایک

روتی تو دوسری بھی رونے لگتی، ایک بیمار پڑتی تو دوسری بھی اسی مرض میں گرفتار ہوجاتی پھر دونوں ایک ساتھ ٹھیک ہوجاتیں، حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ بھی دونوں بیک وقت کرتیں، چھ ماہ تک بڑی دقت رہی، بیوی اپنے میکہ میں کسی طرح وقت گزارتی تھی، میری ابتدائی مدرسی کا زمانہ تھا، میرے ساتھ نہ تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو اٹھالیا، اور دوسری اس کے فراق کے صدمے سے ادھ موئی ہوگئی ڈیڑھ سال تک اس کی یہ کیفیت رہی کہ ہر دیکھنے والا بے اختیار یہی کہتا کہ بس چند دن کی مہمان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، ڈیڑھ سال کے بعد اس کو صحت ہونی شروع ہوئی، اور چند سالوں میں مکمل صحت یاب ہوگئی، اور اب بحمد اللہ اپنی ماں کی دست و بازو بنی ہوئی ہے۔ بہت مشکل پڑی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح گزار دیا کہ اب یاد کرنے سے بھی اس وقت کی پریشانی یاد نہیں آتی۔ اس کے دو سال کے بعد دو بچے اکٹھا پیدا ہوئے، اہلیہ پر ایک گھبراہٹ مسلط ہوگئی کہ ان کی پرورش کیسے ہوگی، اور اتفاق ایسا کہ ان دونوں کی باری میں ماں کا پستان بھی خشک تھا، کمزوری کی وجہ سے بچوں کی نانی نے کہا کہ ایک بچے کو مجھے دیدو، جب اوپری دودھ سے پرورش کرنی ہے تو ایک کو میں پال لوں گی، ان کی کوئی چھوٹی اولاد نہیں ہے، اس لئے اور بھی خواہش تھی، مگر میں نے ماں کی مامتا کا جوش دیکھا کہ سب تکلیف جھیل لینا گوارا، مگر بچوں کو نگاہوں سے اوجھل کرنا گوارا نہیں ہوا۔ اس وقت میں بھی اور بچے بھی الہ آباد میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی پرورش آسان کردی۔ ان دونوں کا معاملہ پہلے والوں سے بالکل الگ تھا، ان دونوں کا ہر کام الگ الگ ہوتا تھا، ایک مرتبہ حضرت جامی صاحب مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی دونوں بچے ایک ساتھ روئیں تو مجھے اطلاع کریں، مگر شاید اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اب دونوں بحمد اللہ ۱۳؍۱۳؍ سال کے ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

سے دعا فرمائیں کہ ان کو عالم باعمل بنائیں۔

میری اس بے تکی داستان سے آپ کو کچھ فائدہ نہیں، مگر آپ کی تحریر مبارک سے مجھے آپ بیتی یاد آگئی اور بے اختیار نوکِ قلم پر آتی چلی گئی، آدمی کی نظر اپنے ہم جنس پر پڑتی ہے تو اسے تسلی کا سامان مل جاتا ہے، ممکن ہے عزیزہ سلمہا کو میری یہ داستان معلوم ہو تو اس کے دل کو تقویت و تسلی حاصل ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ بڑے کارساز ہیں، ہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس وقت میرا افلاس بھی عروج پر تھا، تنخواہ پوری کی پوری دونوں بچوں کے دودھ پر صرف ہو جاتی تھی، لیکن واہ رے حق تعالیٰ کی شانِ رحمت، اس کے فضل سے مقروض ہونے کی نوبت نہیں آئی، اور اگر کچھ ہوا بھی تو ہلکا پھلکا قرض۔

خط میرا لمبا ہوتا جا رہا ہے، آپ کو اسے پڑھنے میں اپنے قیمتی اوقات کے بڑے حصے کو ضائع کرنا پڑے گا، مگر جانتا ہوں اور حسن ظن رکھتا ہوں کہ آپ کو اس تحریر سے خوشی ہوگی، اور میرا دل بھی اس وقت آمادۂ گفتگو ہے، اس لئے دل میں آئی ہوئی بات کاغذ پر منتقل کر دینا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔ آپ کے مکتوبِ گرامی کا قلب پر اثر تو تھا ہی، کل بابری مسجد کے حادثہ نے اسے اور محزون و مغموم بنا دیا ہے، مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے میرا دل رنج و ملال اور حزن و غم سے ایک طرح کا کیف بلکہ گونہ لذت وحلاوت پاتا ہے، اس لئے گو کہ دل کی مثال اس وقت ایسی ہے جیسے کوئی حصۂ بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا ہو، اور اس پر نمک چھڑک دیا گیا ہو، تاہم اس تلملاہٹ کو لذت سے محرومی نہیں ہے۔

آج عصر کی نماز سے پہلے یکا یک آپ کی یاد بہت شدت کے ساتھ آئی، معاً میرے دل میں خیال آیا کہ کسی طرح آپ کا رنج و کرب راحت و آرام سے بدل جاتا،

یہ خیال آنا تھا کہ دل دعا کی کیفیت میں ڈوب گیا، نماز کے بعد کافی سکون محسوس ہوا، سوچا کہ لسان الغیب حافظ شیرازی سے دریافت کرنا چاہئے۔ نیک فالی شریعت میں ممنوع نہیں ہے، بس اس کو اس کی حد پر رہنا چاہئے، اعتقاد نہیں بننا چاہئے۔ میں نے اللہ سے دعا کی اور دیوان حافظ ہاتھ میں لے کر دعا کی یا اللہ! حضرت ماسٹر صاحب کے حق میں جو بات آپ کے علم میں مقدر ہے اسے اس کتاب میں ظاہر فرما دیں، پھر جو صفحہ کھولا تو اس کے ابتداء میں یہ تین شعر نکلے، آپ بھی سن لیجئے، مجھے تو بہت فرحت ہوئی، اور اللہ کی ذاتِ عالی سے امید باندھے ہوئے ہیں کہ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ پہلا شعر یہ ہے،

صبح امید بُد معتکف پردۂ غیب
گو بروں آئے کہ کارِ شبِ تار آخر شد

مطلب یہ ہے کہ صبح امید جو کہ پردۂ غیب میں گوشہ نشین تھی، اس سے کہو کہ اب باہر آئے کہ شب تاریک کا کام اب تمام ہو گیا ہے۔

دوسرا شعر بالکل آپ کے ذوق کے مطابق ہے۔

گرچہ آشفتگیٔ کارِ من از زلفِ تو بود
حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

اگرچہ میری پریشان حالی تیری زلف ہی سے تھی، لیکن بہرحال اس پیچیدگی کا حل بھی محبوب کے رخ روشن ہی سے ہوا۔

حافظ نے آشفتہ حالی کو زلف یار کا اثر بتایا۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ شان ہے جس سے آدمی کے احوال میں ابتری آتی ہے، زلف سیاہ ہوتی ہے اور الجھی بھی رہتی ہے، یہ ایک خاص شان الٰہی کی طرف اشارہ ہے، جسے شان جلال سے تعبیر کر سکتے

ہیں، اوراس پریشان حالی کا دور ہونا روئے محبوب کا اثر بتایا ہے، زلف جیسی سیاہ ہوتی ہے، چہرہ ویسا ہی روشن اور دمکتا ہوا ہوتا ہے، یہ محبوب کی شان جمال ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ زلف ورُخ میں اتصال ہے، پس شانِ جلالی کی وجہ سے اگر آشفتہ حالی ہے تو محبوب کی شان جمالی کی وجہ سے معاً خوش حالی آجاتی ہے، گویا زُلف محبوب نے مسئلہ میں جو پیچیدگی ڈالی تھی روئے نگار نے لگے ہاتھوں اسے کھول دیا، اور پیچیدگی دور کردی۔ سبحان اللہ!

تیسرا شعر ملاحظہ ہو۔

درشمار ارچہ نیارد کسے حافظ را　　　　شکر کاں محنت بے حدوشمار آخر شد

یعنی اگرچہ کوئی شخص حافظ کو قابل شمار اور لائق اعتنا نہیں سمجھتا تھا، مگر اللہ کا شکر ہے کہ یہ بے حدو بے شمار تکالیف اپنے خاتمہ کو پہونچ گئیں، اب ان میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔

یہ پوری غزل اسی رنگ میں ڈوبی ہے۔ سب اشعار لکھنے لگوں تو بہت طوالت ہوگی، آپ کے ہاں شاید دیوان حافظ ہو، اس میں ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ نے بہت مناسب، برمحل اور تسلی بخش مضمون عطا فرما دیا، میں نے ان تینوں اشعار کو فال نیک سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے کیا بعید ہے کہ وہ خاص حالات کے لئے بھی اور عام حالات کے لئے بھی اسے قبول فرمالیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ

☆☆☆☆☆

مخدومی و معظمی حضرت اقدس!　　　　زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک خط ارسال خدمت کر چکا ہوں دو ہفتے قبل، شاید ملا ہو، اسکول کے کام سے فارغ (۱) ہونے کے بعد جناب والا کی مشغولیت بہت بڑھ گئی۔ مدرسہ (۲) پر بھی قیام کا زیادہ موقعہ نہیں ملتا اور گھر پر بھی پہونچنا تاخیر ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ذات گرامی سے مخلوق کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائے۔ لیکن ایک بات عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، گوکہ ہمت نہیں ہوتی، کیونکہ میرا منہ چھوٹا ہے اور بات میرے لحاظ سے بڑی ہے۔ اور بزرگوں کو مشورہ دینا بے ادبی ہے۔ مگر یہ مشورہ نہیں صرف دلی آرزو کا اظہار ہے کہ اب تو آپ کا قیام مستقل طور پر مدرسہ میں ہو، تاکہ مدرسہ کے انتظامات بھی درست رہیں اور فائدہ اٹھانے والوں کو بھی سہولت ہو کہ وہ آئیں تو مایوس ہوکر واپس نہ ہوں جو لوگ اپنے معمولی معمولی کاموں کیلئے آپ کو کھینچتے پھرتے ہیں، وہ درحقیقت آپ کے بڑے نفع سے لوگوں کو روک دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو کسی بادشاہ نے ایک باغ ہدیہ کیا اور اس کا قبالہ بھیج دیا۔ آپ نے واپس فرما دیا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت قبول فرمالیں، کبھی کبھی اس میں تشریف لے جایا کریں گے۔ فرمایا کہ نہیں، مخلوق میرے پاس دور دور سے آتی ہے، جب وہ یہاں آئیگی اور مجھے نہ پائیگی، لوگ کہیں گے کہ شیخ باغ میں تشریف لے گئے ہیں تو اس پر کیا گزرے گی۔ جناب والا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ذمہ داری عطا ہوئی ہے، اس کا انتظام کریں، بچوں کے پڑھانے کا کام موقوف ہوا، اب اصلاح و تربیت کا نظام جاری کریں۔ اس میدان میں بہت سناٹا ہے، یہ شعبہ خالی جارہا ہے۔ اگر آپ توجہ فرمادیں تو ان شاء اللہ بہت کام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبول عام نصیب فرمایا ہے۔ آپ کی محبت دلوں میں اتری ہوئی ہے۔ آپ کے واسطے سے خلق

خدا اپنے خالق کے ساتھ مربوط ہوگی۔تعویذات کا سلسلہ مدرسہ پر ہی جاری رکھیں۔ اس کے لئے سفر کی ضرورت نہیں۔لوگ تو اپنی خودغرضی کی وجہ سے ہر وقت کھینچنے ہی کی فکر میں رہتے ہیں، سب حقائق آپ پر عیاں ہیں، میرا کچھ کہنا شوخ چشمی میں داخل ہے، مگر آپ کے الطاف وعنایات نے کچھ جری بنا دیا ہے، اسی بنا پر یہ گستاخی ہوئی، معافی چاہتا ہوں۔دعاؤں کی درخواست ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۳؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

(۱) حضرت اقدس ماسٹر صاحب مدظلہ ایک سرکاری اسکول میں مدرس تھے، اب ریٹائر ہو چکے تھے، اس کا ذکر ہے۔ (۲) مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ جس کے حضرت اقدس مہتمم ہیں۔

☆☆☆☆☆

مخدوم ومکرم ومحترم! زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

مجھے انتظار تھا کہ جناب والا شاید عزیزم مولوی محمد ہاشم سلّمہٗ کے ہمراہ تشریف لائیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ناسازیٔ طبع کی وجہ سے سفر نہ ہوسکا۔اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ اور آپ کے فیوض و برکات سے ہم لوگوں کو فیضیاب فرمائے۔آج کل میری تحریری مشغولیت بہت بڑھ گئی ہے، دل میں شوق تو یہی رہتا ہے کہ جو کام کروں۔ اللہ تعالیٰ کیلئے کروں، مگر نفس کا کچھ اعتبار نہیں، نہ جانے کہاں کہاں سے راہ مارتا ہے۔پہلے ذکر کا بہت شوق تھا اور کرتا بھی تھا۔اس سے طبیعت میں ایک خاص طرح کا گداز رہتا تھا۔اب صرف شوق باقی ہے، کرنے کی نوبت مشغولیت

کی وجہ سے کم آتی ہے۔ یوں قلب کو بارگاہ الٰہی میں حاضر رکھنے کا اہتمام کرتا ہوں۔ مگر وہ بات کہ دل بھی اسی دربار میں ہو۔ زبان بھی، اور پورا جسم بھی، وہیں حاضر رہے۔ اب نصیب نہیں ہو پاتی تو عجیب حسرت ہوتی ہے۔ لیکن یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ یہ مشغولیت میں نے نہ خود سے اوڑھی ہے، اور نہ میں نے اس کا کبھی تصور کیا تھا۔ میں تو محض ایک مدرس تھا، اور مدرسی میں خوب وقت ملتا تھا، ذکر کرنے کا، تلاوت کرنے کا، مگر اس کے بعد بزرگوں کی طرف سے وعظ و تقریر کی ذمہ داری ڈالی گئی، جس کو مجبوراً مجھے قبول کرنا پڑا، ورنہ میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے تقریر و وعظ سے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے۔ وعظ سے پہلے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہر قسم کے علم سے بالکل کورا ہوں۔ اس لئے اور گھبراہٹ ہوتی ہے، اس مشغولیت نے بہت سارا وقت لیا۔ اس کے بعد اچانک تحریر و تصنیف کا مشغلہ میرے پیچھے لگ گیا اور اب اس میں اس طرح مبتلا ہوں کہ بیشتر اوقات اس میں گھر گئے ہیں، مگر اطمینان اس سے ہوتا ہے کہ اپنے بزرگ حضرات کی جن میں جناب والا بھی شامل ہیں سرپرستی حاصل ہے، اور یہ لوگ اس سے راضی ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ ان حضرات کے طفیل انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہو جائیگی۔ اس داستان سرائی کا مقصود یہ ہے کہ آپ کی گرانقدر توجہ مزید اپنے حال زار پر مبذول کراوں۔ یوں تو آپ کی دعاء عنایت اور توجہ برابر اس غریب اور مفلس کے حال پر رہتی ہے۔ اور اسی کا اثر ہے کہ باوجود بالکل سروسامانی اور بے لیاقتی کے بعض کام ایسے ہو جاتے ہیں جو لوگوں کیلئے پسندیدہ قرار پاتے ہیں۔ یہ درحقیقت آپ جیسے بزرگوں کی نگاہ کرم کا طفیل ہے۔ اور جناب والا کے سلسلے میں برکات کا تو مجھے مشاہدہ ہے۔ اس خط کا مقصد حضرت والا کی مزید توجہ اور دعا کا حاصل کرنا ہے۔ آج کل اپنی علمی و عملی مفلسی و قلاشی کا

احساس شدید تر ہے، ہمیشہ ہی رہتا ہے مگر ان دنوں اس نے ایک عجیب سی بے کیفی کا کیف پیدا کررکھا ہے۔ بس دعا کا خواستگار ہوں۔

**نوٹ** : میں نے ابھی حال ہی میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؔ کی سوانح حیات مرتب کی ہے۔ ان کے فرزند مولوی محی الدین لے گئے ہیں، وہ اشاعت کا انتظام کررہے ہیں (۱) ستمبر کے اخیر میں بمبئی گیا تھا۔ قاری ولی اللہ صاحب نے تالیفات مصلح الامۃ کے چاروں حصے دوبارہ طبع کرائے ہیں، میں نے انہیں توجہ دلائی کہ تالیفات حصہ پنجم بھی جامی صاحب کے منصوبے میں شامل تھی، انہوں نے اس کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی۔ بحمداللہ پانچواں حصہ میں نے مرتب کردیا ہے۔ اس کی فہرست بنارہا ہوں تاکہ مضامین کی تلاش میں سہولت ہو، فہرست کا کام ذرا مشکل ہے۔ لیکن شروع کردیا ہے۔ دعا فرمادیں کہ آسان ہوجائے۔ قاری صاحب اسے شائع کریں گے (۲) بلکہ چھٹا حصہ بھی مرتب ہوگیا ہے، اس کے متعلق ابھی بات نہیں ہوئی ہے۔

(۱) سوانح کی یہ تحریر ''ذکر جامی'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ (۲) تالیفات مصلح الامت کا حصہ پنجم مولانا قاری ولی اللہ صاحب نے اپنے مکتبہ اشرفیہ بمبئی سے شائع کیا ہے، چھٹا حصہ شائع نہیں ہوسکا۔

☆☆☆☆☆

حضرت مخدومی ومحترمی! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

جناب والا کا گرامی نامہ موصول ہوا، تقریب (۱) کے سادگی کے ساتھ انجام پانے، نیز اس میں خیر وبرکت کے ظہور سے بہت قلبی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس نمونہ

کو عام کریں ۔حضرت پرتا پگڈھی علیہ الرحمہ کے متعلق تحریر آپ کو پسند آئی (۲) بہت اطمینان حاصل ہوا، آپ کی نگاہ قبول انشاء اللہ اس میں برکت وقبولیت پیدا کرے گی ۔آج کل محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی پر کچھ کام کر رہا ہوں ۔حضرت محدث کبیر نور اللہ مرقدہ اپنے علم وفضل، ذہانت وذکاوت میں اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے ۔ہم لوگوں نے زندگی میں انہیں بالکل نہیں پہچانا ۔ انتقال کے بعد جب ان کی علمی تحریریں پڑھنی شروع کیں تو ایسا محسوس ہوا کہ متقدمین محدثین میں سے کوئی بزرگ اس دور میں آگئے تھے ۔ایک طویل مضمون حضرت مولانا پر لکھ چکا ہوں جو جامعہ اسلامیہ بنارس کے سہ ماہی رسالہ ترجمان الاسلام کے خاص نمبر میں شائع ہوگا ۔انشاء اللہ اس کی ایک کاپی بھیجوں گا ۔دارالعلوم دیوبند سے ایک رسالہ ’’دارالعلوم‘‘ نام کا نکلتا ہے ۔اس کے ایڈیٹر نے اس کا تصوف نمبر نکالنے کا ارادہ کیا ہے ۔مجھ سے مضمون کی فرمائش کی، میں نے اس کے لئے ایک مضمون صحیح تصوف کے تعارف کے لئے لکھا ہے ۔آج اسے بھیج رہا ہوں (۳) دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان تحریروں کو قبول فرمائیں اور میرے لئے بھی اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے بھی نافع اور مفید بنائیں، قبول نہ ہو تو صرف کالی کالی سطریں کس کام کی مجھے اس موقعہ پر حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ (۴) کا ایک قول یاد آتا ہے ان کے یہاں ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے، مفتی صاحب قبلہ مدرسہ کی لق ودق عمارتیں بنوا رہے تھے اس کے علاوہ مسجد و مدرسہ کی بہت سی عمارتیں وجود میں آچکی تھیں ۔مولانا ندوی نے واپسی کے بعد حضرت مفتی صاحب کو اور باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت! سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی عمارت کا کیا حاصل ؟ اس وقت مولانا ندوی دھڑا دھڑ کتابیں لکھ لکھ کر چھپوا

رہے تھے اور ان کو بزرگوں کے پاس بھی بھیجتے تھے اسی کی مناسبت سے حضرت مفتی صاحب نے لکھا کہ ہاں صاحب! حاصل تو نہ عمارت کا ہے نہ عبارت کا، واقعی اگر قبول نہ ہو تو کسی کا کچھ حاصل نہیں۔ آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ یہ عبارتیں قبول ہوں تاکہ وقت اور محنت ضائع نہ ہو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ

(۱) ایک ولیمہ کی تقریب کا ذکر ہے۔(۲) مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد میں نے دو مضمون لکھے تھے جو مجلّہ المآثر کے ابتدائی دو شماروں میں شائع ہوئے تھے، انہیں حضرت ماسٹر صاحب مدظلہ نے بہت پسند فرمایا تھا، ملاحظہ ہو مجلّہ المآثر ج:ا شمارہ:ا۔۲ (۳) یہ تحریر ماہنامہ دارالعلوم کے الاحسان نمبر میں شائع ہوئی ہے، اور اب کتابی شکل میں فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔(۴) خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ

☆☆☆☆☆

مخدومی و مکرمی حضرت اقدس ماسٹر صاحب! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

عزیزم مولوی محمد ہاشم سلّمہٗ بخیر وعافیت یہاں پہونچ گئے، بہت خوشی ہوئی اور مزید مسرت اس سے ہوئی کہ میرے خط نے آپ کی جناب میں حسن قبول پایا۔ حضرت! یہ تو صرف عبارت آرائی ہے جو میں نے سیکھ رکھی ہے، بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق رہا ہے، ہر قسم کی کتابوں کے مطالعہ کا چسکا لگا ہوا ہے۔ ادبی کتابوں کے مطالعہ نے عبارت آرائی کا فن سکھا دیا، بزرگوں کی کتابوں نے بزرگوں کے احوال وملفوظات سے واقف کرایا، بس انہی دونوں کے سہارے سجی سجائی عبارتیں آپ بزرگوں کے سامنے پیش

کر دیتا ہوں، باقی میرے احوال اور میرے دل کا حال یہ ہے کہ ان عبارتوں اور معلومات سے محظوظ تو ہوتا ہے مگر ان کے کیف سے خالی ہے۔ چاہتا تو دل سے ہوں کہ جو کچھ لکھتا ہوں یا بولتا ہوں یہی قلب کا حال بن جائے۔ لیکن نہ جانے کب یہ دولت حاصل ہوگی، اور ہوگی بھی یا نہیں؟ آپ حضرات کی پسندیدگی، دعاؤں اور محبت وعنایت سے بہت کچھ امیدیں ہیں۔ **لعل اللہ یرزقنی صلاحاً** ۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۴؍ رجب ۱۴۱۳ھ

☆☆☆☆☆

سیدی ومخدومی! دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج اقدس!

ان دنوں جو خطوط جناب والا کے آرہے ہیں وہ درد وغم کے مضامین سے لبریز ہوتے ہیں، وہ دور آگیا ہے کہ اللہ والوں کو تنہائی کا احساس ستانے لگا ہے، بڑا غم اسی کا ہے کہ دل میں درد بھرتا ہے تو اس کو پہچاننے والا نہیں ملتا، کسی سے مل کر سرمایۂ تسلی حاصل ہوجائے، ایسا کوئی نہیں ملتا، ہر ایک اپنے خیال میں مست ہے، بلکہ گم ہے ایسے میں اللہ والوں کے دل کا حال کوئی کیا جانے۔ بس اس بھری دنیا میں بالکل تنہائی محسوس ہوتی ہے کوئی ہمدم ودمساز نہیں، کوئی مونس وغمخوار نہیں، غرض کی ماری دنیا اپنے غم کا مداوا اللہ والوں کے پاس تلاش کرلیتی ہے، مگر اللہ والوں کا سینہ جو سلگتا ہے اس کو کس نے جانا، کس نے تلاش کیا، دنیا مرتی ہے کہ مال نہیں ملتا، اللہ والے پریشان ہوتے ہیں کہ آدمی نہیں ملتا، جس کو آدمی بنانا چاہتے ہیں وہ بھی آدمیت نہیں چاہتا کچھ

اور چاہتا ہے، کوئی تو مخلص ہوتا! جو اللہ کیلئے کام کرتا، اخلاص اختیار کرتا اور وہی طریقہ اپنے کام کیلئے پسند کرتا جو اللہ کا پسندیدہ ہے، رسول کا فرمودہ ہے۔ اب تو مخلص ہی عنقا ہے، اور اگر جذبہ اخلاص کہیں ہے تو طریقہ عمل منحرف ہے، دنیا میں آخرت کی صلاحیت بہت کم رہ گئی ہے، زمانہ نبوت کے بعد کی وجہ سے نور استعداد کم ہے، **قال اللہ قال الرسول** کی آواز بہت ہے، مگر اس کے کہنے والوں کا حال اور عمل کچھ اور ہے، اور قول بلا عمل اثر سے خالی ہے نورانیت سے تہی مایہ ہے، اللہ والوں کے قلب میں وہ نور بھی ہے، ان کے پاس وہ طریقہ عمل بھی ہے، اسے عطا کرنے اور بانٹنے کا جذبۂ بے تاب بھی ہے، مگر دیکھنے والے اسے اجنبی سمجھ کر گذر جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے کام کی یہ چیز نہیں ہے انہیں کچھ اور چاہئے۔

ایک طبیب نے دیکھا کہ لوگ ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہیں، اس کی انہیں تکلیف بہت ہے، وہ کراہ رہے ہیں تلملا رہے ہیں چلا رہے ہیں، طبیب اس بیماری کی دوا جانتا ہے، اسے لوگوں پر شفقت بھی ہے۔ چاہتا ہے کہ لوگ اس بیماری سے نجات پائیں اس کے پاس اعلیٰ درجہ کی دوا بھی ہے، وہ ترس کھا کر لوگوں کے درمیان دوا لیکر بیٹھ جاتا ہے اور اعلان کرتا ہے، اس بیماری کی دوا میرے پاس ہے، آؤ اور اسے سستے داموں میں لے جاؤ، دام نہ ہو تو مفت ہی لیجاؤ، وہ سوچتا ہے کہ لوگ بیماری سے پریشان ہیں، ٹوٹ پڑیں گے اور دوا لے جائیں گے، استعمال کریں گے اور شفا پائیں گے، لیکن اس کی حیرت اور افسوس کی انتہا نہیں رہتی جب وہ دیکھتا ہے کہ اولاً تو لوگ دوا لینے آتے ہی نہیں، اور جو آتے بھی ہیں، تماشا دیکھنے آتے ہیں، اور تماشا کر کے چلے جاتے ہیں، یا دور ہی سے ایک نگاہ غلط انداز سے دیکھتے ہیں اور پھر کسی طرف بڑھ جاتے ہیں، طبیب کے صدمے کی انتہا نہیں رہتی، مگر بیماروں کے ٹولے نے نہ اس کو

پہچانا، نہ اس کے جذبہ اندروں کو پہچانا اور نہ اس کی دوا کی قدر کی، وہ بڑا مایوس ہوتا ہے، اپنی دوکان اٹھا لینا چاہتا ہے، مگر پھر یہ سوچ کر بیٹھا رہتا ہے کہ شاید کوئی بیمار آجائے تو اسے صحت مل جائے۔

اس زمانے میں اللہ والوں کی یہی مثال ہے، یہ طبیب ہیں، دوائیں سب ان کے پاس ہیں، انسانیت بیمار ہے، مگر کسی کو قدر کرنے کی توفیق نہیں اور تو اور خود اپنے گھر والے بھی اعراض اور بے رخی برتتے ہیں، پھر یہ حضرات صدمے سے چور ہوجاتے ہیں۔

جناب والا کی شان مجھے باوجود اپنے نقص نظر کے یہی معلوم ہوتی ہے۔ایک بزرگ فرماتے تھے کہ کھانا پکا پکایا موجود ہے کوئی کھانے والا نہیں ملتا، بھوکا آدمی پتھر چبا رہا ہے، مگر عمدہ کھانے سامنے موجود ہوتے ہوئے ان سے اعراض کرتا ہے۔ پھر اللہ والے کیا کریں؟ مجبوراً اپنی دولت سمیٹے پڑے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ اس ناقدری کا وبال کہیں لوگوں پر نہ پڑ جائے، وہ دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگار ایسا نہ ہو، مگر غیرت الٰہی کو جلال آتا ہے اور لوگ آزمائشوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔

لیکن اللہ والے خسارے میں ہیں؟ یہ کامیاب نہیں ہیں؟ نہیں ان کے خسارے میں ہونے کا سوال ہی نہیں، جتنا صدمہ بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایتیں دم بہ دم بڑھتی ہیں، دنیا ان کی قدر نہ کرے، آسمان کی مخلوق ان کی قدر کرتی ہے، آسمان و زمین کا خالق ان کی قدر کرتا ہے، زمین پر سناٹا ہے مگر آسمانوں میں ان کی گونج سنائی دیتی ہے، آدمی ان سے انحراف کرتا ہے، لیکن فرشتے مسلسل متوجہ ہیں، وہ دعائیں کرتے ہیں وہ ان کی محبت سے لبریز ہیں، جنت ان کا انتظار کرتی ہے۔ حور و غلماں منتظر ہیں، دنیا والے ناقدری کر کے اپنا نقصان کرتے ہیں، اللہ سے سچا تعلق رکھنے والا کبھی

خسارہ میں نہیں ہوسکتا، اسے سب چھوڑ دیں، اسے کوئی نہ پوچھے، لیکن جس کے پوچھنے کا اعتبار ہے وہ خوب قدر کرتا ہے۔ بس وہی کافی ہے **حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔**

حضرت والا! آپ کے متعدد خطوط پڑھنے سے میرے دل میں جو مضمون آتا رہا اسے میں نے ناتمام الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ والوں کے قلب کی ترجمانی مجھ سے کیا ہوسکتی ہے، اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کا دل کس بلندی پر ہے اور اس میں کتنی وسعت ہے، کیسے کیسے بلند عزائم کے وہ حامل ہیں، میرا ادھورا اور ناتمام دماغ جو کچھ سوچ سکا، اسے میں نے لکھ تو دیا ہے لیکن اب سوچتا ہوں کہ یہ سب لکھنا داخل گستاخی تو نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ میری شوخیٔ چشم کو معاف کرے، دعاؤں کی درخواست ہے اور جتنا بن پڑتا ہے میں بھی دعا کرتا ہوں، پچھلے کسی خط میں میں نے عرض کیا تھا کہ اب وہ دن قریب ہے کہ میرے بچوں کو اپنا اپنا گھر آباد کرنا ہوگا لیکن گھر تو ہے نہیں اور نہ گھر کا کوئی انتظام ہے، غیب میں سب کچھ ہے، اسکے شہود میں آجانے کی دعاء فرمادیجئے۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲۰ رمحرم ۱۴۲۲ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی

سہ ماہی مجلّہ المآثر مئو میں بعض غیر معقول اور ناہموار فرقوں کا احتساب ہوتا رہتا ہے۔ ان فرقوں کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کے تناسب سے کبھی احتساب کا لہجہ سخت ہوتا ہے، کبھی نرم ہوتا ہے، اس پر ہماری جماعت کے بعض بزرگ کبھی کبھی ادارہ کو فہمائش کرتے ہیں، اور علی الاطلاق لہجہ نرم رکھنے کی ہدایت دیتے ہیں، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی دامت برکاتہم (مولانا موصوف مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کے فرزند اکبر ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، صاحب زبان وقلم، عرصہ تک ماہنامہ ''الفرقان'' کے مدیر رہے۔ پھر خرابی صحت کی وجہ سے لندن منتقل ہوگئے، اوراب وہیں مستقل قیام ہے) کے اس موضوع پر متعدد خطوط آئے۔ ان کے خطوط کے جواب میں ایک مفصل مکتوب انھیں لکھا گیا، اس کے بعد پھر ان کا تاکیدی خط آیا، اس کا جواب اس حقیر نے لکھا۔ اس کی نقل یہاں شائع کی جارہی ہے۔ (اعجاز احمد اعظمی)

مخدوم مکرم و محترم! زیدت معالیکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی!

جناب والا کا گرامی نامہ ملا۔اسی طرح کے مضمون کا ایک گرامی نامہ غالباً سال ڈیڑھ سال پہلے بھی ملا تھا، اس کا جواب اس خاکسار نے دیا تھا، مگر شاید وہ ملا نہیں، ورنہ اس مضمون کے اعادہ کی ضرورت نہ پیش آتی،

جولوگ اسلامی تعلیمات واحکام کے خلاف ہرزہ سرائیاں کرتے ہیں یا ان میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھولتے ہیں، ان کے جواب میں لب ولہجہ کی تیزی غیرت دینی کا تقاضہ ہے، انصاف پسند لوگوں سے اس انداز میں گفتگو کی جاسکتی ہے جس کی آپ تلقین کرتے ہیں، مگر جولوگ ہمارے سامنے ہیں وہ انصاف سے خالی اور ظلم سے معمور ہیں۔ان کے لئے وہی لب ولہجہ مناسب ہی نہیں ضروری ہے، جوالمآثر میں اختیار کیا جاتا ہے۔یَاأَیُّھَا النَّبِیّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے )اور وَلَا تُجَادِلُوْا أَھْلَ الْکِتَابِ إِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ إِلَّاالَّذِیْنَ ظَلَمُوْامِنْھُمْ (اور تم اہل کتاب کے ساتھ مہذب طریقہ کے علاوہ مباحثہ مت کرو، مگر وہ جو ظالم ہوں ) کی دلالت یہی ہے، اب رہی یہ بات کہ کون اس سے بدکتا ہے اور بھڑک کر بھاگتا ہے، تو وہ کوئی قابل اعتنا چیز نہیں (۱)، آخر آج دنیا کا ایک بڑا طبقہ جہاد اور جہادی تحریکات سے بدکتا ہے، بلکہ ایک طبقہ تو یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جہاد کی آیات قرآن سے خارج کر دی جائیں، تو کیا ان کے بدکنے کے خوف سے ایسا کیا جاسکتا ہے؟

محترم! خود قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ اس سے ہدایت

کی راہ پاتے ہیں اور کچھ لوگ اسی سے گمراہی کا شکار ہوتے ہیں، یہ قصہ تو چلتا ہی رہے گا، کسی کے دور ونزدیک ہونے کے خوف اور اندیشے سے اتنی احتیاط لب و لہجے میں نہیں برتی جاسکتی، جو خوشامد کے دائرے میں آجائے۔

جس کا جی چاہے بدکے اور دور ہو، اور جس کا جی چاہے مانے اور قریب ہو، دین کی جڑ کھودنے والوں کے ساتھ وہ رویہ اختیار کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے جس کی آپ نے تلقین فرمائی ہے۔

ہاں کوئی بات علم وتحقیق کی کسوٹی پر غلط ثابت ہو، تو ہم بخوشی اس کا اعتراف کریں گے، اور اس سے رجوع کرلیں گے۔ لیکن اہل باطل کے ساتھ...... خواہ کسی درجے کا بطلان ان میں ہو...... وہی لہجہ اختیار کیا جائے گا۔ جس کو اب تک الماآثر میں برتا گیا ہے۔ یہ معروضات آپ کے لئے گرانیٔ خاطر کا باعث تو ہوں گی۔ لیکن جو بات تھی وہ عرض کردی گئی۔ **واللہ الموفق للحق والصواب۔**

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹ / ربیع الآخر ۱۴۲۴ھ

(۱) نرم لب ولہجے کے حق میں بڑی بات یہ کہی جاتی ہے کہ اس طرح کی باتوں اور تحریروں سے وہ طبقہ بدکتا اور بھاگتا ہے، جس کو اس کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ اگر نرمی اور ملائمت سے بات کہی جائے، تو شاید وہ قریب آئے، یہ بات بظاہر تو بھلی معلوم ہوتی ہے، مگر تجربہ یہ ہے کہ یہ طبقہ نہ نرم لہجہ سے متاثر ہوتا، اور نہ ملائمت سے راضی ہوتا، تو ان کی فکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ ہاں وہ لوگ جو خالی الذہن ہیں، یا وہ جو طریق حق پر ہیں، انھیں مطمئن کرنا اور رکھنا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

# بنام قاری عبدالسلام صاحب مضطرؔ ہنسوری

ایک پاکباز اور پاک طینت بزرگ، اکابر بزرگوں کے صحبت یافتہ، شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے دست گرفتہ، جانِ پُرسوز اور دلِ بریاں کے مالک، ہنسور ضلع فیض آباد کے رہنے والے، صاحب نسبت اللہ والے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری علیہ الرحمہ سے اجازت وخلافت پائی۔ بہت متواضع اور منکسر المزاج، قسّامِ ازل نے ان کو عارفانہ اور عاشقانہ ذوق سے نوازا ہے، اشعار بھی خوب کہتے ہیں، بیت اللہ شریف اور دربارِ رسالت میں حاضری کی تڑپ ہمیشہ انھیں بے تاب کئے رہتی تھی، اور اس بے تابی میں ایسے ایسے پُر درد اور پُرسوز اشعار ڈھل ڈھل کر نکلتے تھے کہ پڑھنے والا بھی بے قرار و بے تاب ہو جائے۔ ایک عرصہ تک وہ اس شورش و بے تابی میں فریاد کی لَے بلند کرتے رہے، پھر حق تعالیٰ نے انھیں حج بیت اللہ سے نوازا، میں نے انھیں مبارکباد دی، انھوں نے جواب میں ایک پُر درد خط لکھا۔ اس سے اللہ والوں کے باطنی احوال کی جھلک ملتی ہے، کہ وہ کس نظر سے اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔ ان کا خط اور میرا جوابی مکتوب اکٹھا درج کیا جاتا ہے۔

# مکتوب گرامی قاری عبدالسلام صاحب مدظلہ

مشفق ومحترم مولانا المکرّم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کرم نامہ ملا۔ دیارِ قدس میں پھر حاضری کے اسباب فراہم ہوجانا گویا حاضری کی اجازت مل جانا ہے(ا) اور دوبارہ کسی عمل کی توفیق ہوجانا پہلے کی قبولیت کی دلیل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مبارک فرمائیں اور بار بار یہ سعادت نصیب فرمائیں۔

آں مخدوم ومحترم نے میرے سفرِ حجاز سے نہایت حسن ظن سے، بڑی توقعات کا اپنے مکتوبِ گرامی میں اظہار فرمایا ہے، خدا کی قسم وہاں میری جو کیفیات تھیں شرم کی وجہ سے ابتک کسی سے ذکر نہیں کیا ہے، آپ نے میری دکھتی رَگ کو چھیڑ دیا، آپ کو لکھتا ہوں مگر کہیں ذکر فرما کر مجھے رُسوا نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ سے میری مغفرت کی دعا کرنا۔ وہاں جو بے کیفی اس بے نصیب پر ہر اعمال میں طاری رہی، مجھے بار بار یہ خیال ہوتا رہا کہ میں ..........مردود تو نہیں ہوں؟ أستغفر اللہ العظیم وأتوب الیہ

تفصیلاً لکھتے ہوئے شرماتا ہوں، منیٰ وعرفات کے ایام میں بالکل صفر، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جسمانی طور پر یہاں ضرور ہوں مگر دل میرے ہمراہ نہیں ہے۔ اسے کہیں کھو کر یہاں آیا ہوں۔ یہی کیفیت روضۂ اَقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر بھی رہی۔ اپنے اشعار سے بھی اجنبیت محسوس ہوتی تھی، تعجب ہوتا کہ یہ میرے اشعار ہیں؟ ایسا محسوس ہوا کہ یہ نعمت مجھے اتمامِ حجت کے طور پر استدراجاً نصیب ہوئی اور میری شقاوت وبدبختی یہاں آکر بھی دور نہ ہوئی آخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے اس کا بڑا ڈر ہے۔ آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ میری نجات ومغفرت کی دعا فرمائیں اور رسوائی عذابِ آخرت سے چھٹکارا نصیب ہونے کی دعا فرمائیں۔ یہاں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور فضل خداوندی سے مقاماتِ اجابت میں پہونچیں تو ضرور عفو ودرگزر کی دعا کرنا،

بر کریماں کارہا دشوار نیست

کس منہ سے آرزو کریں اجر وثواب کی
یہ بھی بڑا کرم ہو بچیں گر سزا سے ہم
دعوے بہت تھے کیا ہوا کچھ بھی نہ بن پڑا؟
پوچھیں گے گر ملیں گے دلِ مبتلا سے ہم

والسلام

..............................

(۱) میرے دوبارہ حج کے اسباب مہیا ہو گئے تھے، اس کی خبر دی تھی۔

☆☆☆☆☆

مخدومِ مکرّم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

کل آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا، دل میں انتظار تھا کہ شاید آپ کچھ تحریر فرمائیں، لیکن چونکہ میں نے جواب کیلئے لفافہ نہ رکھا تھا اس لئے انتظار بس ضعیف ہی سا تھا، لیکن آپ نے کرم فرما کر بہت ممنون فرمایا، اس کے لئے بیحد شکر گزار ہوں۔

جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

آپ نے اپنی جس قلبی کیفیت کا ذکر کیا ہے میں اندھا اس کو کیا سمجھ سکتا ہوں، مجھے تو کچھ بھی اِدراک نہیں ہے تاہم چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ جو بزرگوں کی صحبت اور ان کی تصانیف وملفوظات کے مطالعہ کی برکت سے حاصل ہو گئے ہیں جی چاہتا ہے کہ آپ کے حضور پیش کر دوں۔ اگر غلط ہوں، تو اسی کی توقع مجھ ظلوم وجہول سے ہے، اور اگر اتفاقاً درست نکل گئے تو فضل خداوندی اور دعاؤں کی برکت!

مخدومِ من! دوری ومہجوری عاشق کے اندر ایک شورش کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ محبّ اپنے محبوب سے جس قدر دور ہوتا ہے اور اس کے وصل کے اسباب جتنے مستور ہوتے ہیں۔ اسی قدر اس کا عشق شور انگیز ہوتا ہے۔ حالتِ فرقت میں روتا بھی

ہے، بلکتا بھی ہے، تڑپتا اور پھڑ کتا بھی ہے، اور اس تڑپنے اور رونے بلبلانے میں وہ ایسا لطف ایسی لذت اور ایسی مستی ورُبودگی پاتا ہے کہ اس کی لذت کے سامنے تمام لذتیں ہیچ ہوتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ نہ یہ دوری ومہجوری مطلوب ہے اور نہ یہ لطف و لذت مقصود ہے۔ اصل مقصود تو وصالِ محبوب ہے، آپ جب تک دیارِ قدس سے دور رہے عشق کا شورِ قیامت خیز اُٹھتا رہا اور حشر مچاتا رہا کبھی وہ وارفتگیٔ شوق کی صورت میں بے خود وسر مست بناتا تھا، کبھی وہ سوز وگداز کے ساتھ شعر بن بن کر نکلتا تھا، آپ کو بھی مست و بے خود بناتا تھا اور دوسروں کے سینوں میں بھی آگ لگاتا تھا لیکن جب آپ اس دیارِ پاک میں پہونچ گئے تو ایک طرح کا وصال نصیب ہوگیا، اب اس کے بعد شوق کی گرمی کہاں، فراق کی بے تابی کہاں؟ ایک طرح کا سکون پیدا ہوجانا لازمی تھا، یہ سکون کی حالت چونکہ یکا یک پیدا ہوجاتی ہے اسلئے عاشق گھبرا جاتا ہے اور وہ خود کو خالی اور بے رنگ محسوس کرنے لگتا ہے حالانکہ یہی رنگ اصلی اور پختہ ہے، کاملین سلوک جب پختگی کی حالت میں پہونچتے ہیں تو ان پر یہی بے رنگی اور بے کیفی طاری ہوتی ہے، یہ مقامِ عبدیت ہے، یہ اصلاً ہر طرح کے ذوق وشوق اور کیف وکم سے خالی ہے۔ اس حالت کے حصول اور رسوخ کے بعد ذوق وشوق کی گرمی کم بلکہ معدوم ہوجاتی ہے اور کبھی پیدا بھی ہوتی ہے تو کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے اور محض عارضی ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو یہ دولت حاصل ہوئی، عبدیت کے مقام پر قدم جمانا مبارک! اللہ تعالیٰ اسے دوام بخشیں۔

میری ناقص سمجھ میں یہی بات آتی ہے، معلوم نہیں صحیح ہے یا نہیں؟ اس کو آپ سمجھیں۔ اسلئے کہ آپ منتہی ہیں۔ یہ نالائق ابھی مبتدی ہونے کی حیثیت میں بھی خود کو نہیں پاتا۔

ہے تو بالکل بے موقع بات! لیکن دل نہیں مانتا کہ میں نے اپنے حج کی جو رُوداد قلمبند کی ہے اس کا وہ حصہ آپ کو نہ سناؤں جو حج کے بعد کی کیفیات سے متعلق ہے، لکھنے کو تو لکھ چکا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ اس میں حقیقت سے زیادہ کہیں صنّاعی نہ ہو! اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں، آپ بھی سن لیں، ممکن ہے مجھ رُوسیاہ کیلئے چند دعائیہ کلمات ادا ہو جائیں۔ لکھا ہے:

''حج کے تمام ارکان ادا ہوگئے۔ حاجی کا نام اب ہم پر بھی چسپاں ہوگیا، لیکن کیا واقعۃً ہم ''حاجی'' ہوگئے، کیا ہم نے صحیح معنوں میں حج کیا؟ کیا حدیث میں جو بشارت آئی ہے کہ **من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته أمهٗ** (جس نے حج کیا اللہ کے واسطے اور اس میں نہ بے حیائی کا کوئی کام کیا اور نہ نافرمانی کی، وہ ایسا ہوگیا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو) کیا اس ارشاد میں ہمارا بھی کچھ حصہ ثابت ہوا؟ لوگ کہتے ہیں کہ حج کے بعد جس کی دینی حالت میں ترقی ہو، خدا کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے، اس کا حج قبول ہوگیا۔ گھر واپس ہونے کے بعد تو خیر جو حال ہو، بروقت کیا کچھ اپنے احوال میں تبدیلی ہوئی؟ کیا دل اپنی خواہشات وشہوات سے دستبردار ہوا؟ کیا اس میں کچھ بھی دینی لگن اور جذبہ بیدار ہوا؟ یہ اور ایسے سوالات تھے جو مسلسل دل کی گہرائیوں سے اُٹھتے تھے اور کم ازکم میں ان کے جواب سے بالکل عاجز تھا۔ رہ رہ کر سوچتا تھا تو اعمال ومناسک کا ڈھانچہ تو یاد آتا تھا، مگر اس کی روح جس کی شُدبُد کچھ کتابوں کے مطالعہ اور کچھ بزرگوں کے احوال کے دیکھنے سے حاصل ہوئی تھی، اس کا دور دور تک پتہ نہ تھا، جو کچھ کسی مقام پر آنسو بہے ان پر ریاکاری یا کم ازکم مجمع سے تاثر کا شبہ ہونے لگا۔ ہر کام خلوص سے خالی، ہر عمل یادِ الٰہی سے عاری اور ہر حرکت پر معصیت کا رنگ طاری! کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا

کہ میں نے حج کیا ہے یا حاجیوں کی روکھی پھیکی نقالی کی ہے؟ میں نے کارِ ثواب کیا ہے یا پاپ کی گٹھری اپنی پُشت پر لادی ہے؟ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص عرفات سے بھی خود کو محروم سمجھ کر آ گیا اس سے زیادہ عاصی اور محروم کوئی دوسرا نہیں، یہ سن کر میں کانپ گیا میرا احساسِ محرومی بڑھ گیا۔ میں دوستوں میں چلتا پھرتا، ہنستا بولتا، مگر میری تنہائیاں بڑی کربناک ہوگئی تھیں، مجھے بارہا احساس ہوتا تھا کہ میں نے کوئی گستاخی کی ہے، میرا ہر عمل میرے منھ پر مار دیا گیا، میرا سفر میرے حق میں ایک فردِ جرم کا اضافہ ہے، مسجد حرام میں حاضر ہوتا تو کعبۂ مقدسہ کی مواجہت سے شدید شرمندگی طاری ہوتی، میں منھ چھپانے کی کوشش کرتا، مگر کعبہ سے منھ چھپایا جا سکتا ہے ربِ کعبہ سے نہیں، مجبوراً ایک مجرم کی طرح سر جھکائے ہوئے طواف کر لیتا۔ کعبہ کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی، اس احساس کی شدت میں میری زبان گُنگ ہو جاتی نہ کوئی دعا منھ سے نکلتی اور نہ کوئی حرفِ آرزو شرمندۂ لب ہوتا۔ بس یونہی چکر لگا لیتا، اب وقت بھی گزر چکا تھا تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ میرے دوست حاجی عبد الرحمٰن صاحب خیر آبادی کبھی کبھی شیخ ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ کا واقعہ یاد دلا کر کچھ سوالات اپنے غایتِ حسن ظن کی وجہ سے مجھ سے کرتے مگر میں شرمندہ ہو کر چپ رہ جاتا۔ اول تو وہ بات بہت بڑے کی ہے، دوسرے اپنا حال بالکل دگرگوں ہے، جس چیز کا مجھے تصور تک نہیں ہو سکتا اس کا جواب میں کیونکر دیتا۔ انتہیٰ

یہ واقعہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے فضائلِ حج میں نقل کیا ہے، وہاں ملاحظہ فرما لیں میں اپنا حال پہلے ہی لکھ چکا تھا اور اس کی کسک اپنے دل میں برابر محسوس کرتا تھا۔ اور کوئی تاویل و توجیہ مجھ سے بن نہیں پاتی تھی۔ یہ درد کبھی بڑھ جاتا تو میں پریشان ہو جاتا، کبھی ذہول ہو جاتا تو بے کیفی چھائی رہتی، آپ کا خط جب پڑھا تو ایک

نور سا جگمگا اُٹھا، خود بخود اوپر کا مضمون ذہن و دماغ میں گردش کرنے لگا، اس وقت تک اپنی جانب التفات نہ تھا، مگر جب اقتباس نقل کرلیا، تو ایسا محسوس ہوا کہ یہ بات میرے لئے بھی سرمایۂ تسکین ہے، اس وقت طبیعت پر ایک بشاشت ہے، حق تعالیٰ آپ کو ہشاش بشاش رکھے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، کہ اس بشاشت کا سبب آپ ہی ہیں، اور اس نامۂ سیاہ کو بھی!

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز درخواست ہے کہ وہ ان سطور کو قبول فرما کر میرے لئے وجہِ سعادت بناویں اور جناب والا کیلئے بشارت! آمین، والسلام

اعجاز احمد اعظمی شیخوپور

۲۳/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆

# مکتوب بنام مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

علم وتحقیق، مطالعہ وتصنیف اور ژرف نگاہی ونکتہ رسی میں دورِ حاضر کی ایک معتبر شخصیت! کاندھلہ کے قدیم علمی خانوادے کے ایک خلف صالح! ایک زبردست علمی ذخیرۂ کتب کے سرمایہ دار بھی! اس کے قدرداں بھی! اس سے کماحقہ استفادہ کرنے والے بھی! اور اس کا نفع تالیف وتصنیف کے ذریعے عام کرنے والے بھی! مولانا موصوف علم وتحقیق کے جس مقامِ بلند پر کھڑے ہیں، وہاں کم لوگوں کی رسائی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی نہایت منکسر المزاج، متواضع اور دوسرے اصحاب تحقیق وتصنیف کی قدر کرنے والے ہیں۔

یہ حقیر اور بے مایہ تو ان کے سامنے کچھ نہیں ہے، مگر ان کی عالی ظرفی ہے کہ بہت نوازتے ہیں اور اس کی معروضات کو بہت عزت دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال وآثار وباقیات ومتعلقات'' ازراہِ کرم عنایت فرمائی، اور اس پر تبصرہ کرنے کا حکم دیا تھا، اسی سلسلے میں یہ خط لکھا گیا۔

مخدوم مکرم ومحترم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شرمندہ ہوں کہ ایفائے وعدہ میں تاخیر ہوئی۔ کسی کام کا تو میں ہوں نہیں، لیکن پھر بھی نہ جانے مختلف کاموں میں، اوراس سے زیادہ مختلف آدمیوں میں اتنا گھرا رہتا ہوں کہ علم ومطالعہ کے دربار میں ہمیشہ شرمندگی ہی ہاتھ آتی ہے، پڑھنا چاہتا ہوں اور بہت شوق ہے پڑھنے کا، مگرنہیں پڑھ پاتا۔ ہاں لکھنے میں بہت کاہل اورکوتاہ ہوں۔ معمولی معمولی بہانے لکھنے کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی یہی حال رہا، کتاب کا زیادہ تر حصہ تو ریل ہی میں پڑھ لیا تھا، مگر لکھنے کے خیال سے طبیعت راہِ فرار ڈھونڈھنے لگی تھی، تا آنکہ آپ کا مکتوب گرامی شرف صدور لایا۔ اب کچھ غیرت نے مہمیز لگائی، ارادہ ہوا کہ جلد جواب لکھوں، ابھی اسی خیال میں تھا کہ مولوی ضیاء الحق سلّمہٗ نے بتایا کہ خط کی رسید بھیج دی ہے۔ اب کاہلی کوسہارا مل گیا، تاخیر پرتاخیر ہوتی گئی، کتاب کا مفصل تعارف لکھ دیا ہے، اس کی فوٹو کاپی فی الحال آپ کے یہاں بھیج رہاہوں، اگراس میں کوئی بات قابل اصلاح ہوتو مطلع فرمائیں۔ گوکہ مضمون کتابت کے لئے جاچکاہے، مگرابھی وقت ہے۔ تعارف لکھ لینے کے بعد دوبارہ کتاب حرفاً حرفاً پڑھی۔ ایسی قیمتی کتاب میں کتابت کی سہی غلطیاں کھٹکتی ہیں۔ اکثر جگہ تصحیح کرنے کی کوشش کی ہے، مگراس کے ساتھ کچھ اور بھی تصرفات کی جرأت اس **قلیل البضاعۃ** نے آپ کے حسن اخلاق اورحسن تحقیق پر اعتماد کرکے کرڈالی ہے، انھیں بھی ملاحظہ فرمالیں، قبول ہوں، تو دعاؤں سے نوازیئے، نا قابل قبول ہوں، تو میں ایسا ہی ہوں کہ کوئی عمل قبول نہ ہو۔

(۱) کہیں کہیں فارسی عبارت کے ترجموں میں شبہ ہوا، تو میں نے کہیں

تو کتاب ہی پر اور کہیں علیحدہ پرچہ پر اپنی دانست میں جو صحیح ترجمہ ہو سکتا تھا، لکھ دیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) کہیں کہیں آپ کی لکھی ہوئی تحریر مجھے خلافِ محاورہ اردو معلوم ہوئی، کہیں فصاحت میں کمی معلوم ہوئی تو متبادل عبارت لکھ دی ہے، شاید قبول ہو، ایک لفظ متعدد جگہوں پر آیا ہے، مگر اس پر نشان نہیں لگا سکا ہوں، یہاں عرض کرتا ہوں۔ ''سرانجام فرمانا'' کئی جگہوں پر اس کے افعال استعمال ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں ''انجام'' یا ''سرانجام'' کے ساتھ ''فرمانا'' کا لفظ اردو محاورہ میں استعمال نہیں ہے۔ ''انجام دینا'' کہا جاتا ہے، اور ''سرانجام پانا'' بولا جاتا ہے۔ ویسے آپ کی جو تحقیق ہو، میں اس میدان کا کبھی مبتدی تھا، اب تو وہ بھی نہیں ہوں۔

(۳) زیادہ تر کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی ہے۔

(۴) بعض تحقیقات پر بھی شبہ ہے، متعلقہ جگہ پر نشان لگا دیا ہے۔

میں یہ عرض کردوں کہ جو کچھ میں نے جسارت کی ہے، آپ کی محبت میں کی ہے، آپ کی ملاقات سے میرے دل پر محبت کا ایک نقش قائم ہو گیا۔ اور تحقیق کے میدان میں تو آپ کو فردِ فرید مانتا ہوں۔ البتہ افسوس اور رنج وحسرت کے اظہار کے لہجے میں نرمی چاہتا ہوں۔ بجز پیغمبر علیہ السلام کی ذات اور ان کی تعلیمات کے کسی اور کی زندگی اور تعلیم کی حفاظت کا نہ وعدہ ہے، اور نہ ضرورت! ہر ایک کی کچھ باتیں قابل قبول ہوتی ہیں، اور کچھ قابل حذف! صرف سرکار رسالت مآب علیہ السلام کی ذات اور بات اس سے مستثنیٰ ہے، حضرات انبیاء **علیہم الصلوٰۃ والسلام** اپنا اپنا دور پورا کر چکے، اب ان کی طرف منسوب باتیں بھی جب تک نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے سند تصدیق نہ پالیں، معتبر نہیں ہو سکتیں، اس لئے بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی

زندگی کے کسی اور کی زندگی کا ہر ہر جز نہ محفوظ ہوسکتا نہ زیر بحث لایا جاسکتا، اور نہ اس کی ضرورت ہے، اس لئے جو کچھ نہیں ملا، وہ چنداں قابل افسوس نہیں، ہاں جو کچھ موجود ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ قابل انتفاع بنانا چاہئے۔ ویسے حضرت نانوتویؒ کے علوم اتنے غامض اور دقیق ہیں کہ ان کی تسہیل و تلخیص بھی آسان نہیں ہے، یہ علوم صرف عقول عالیہ کے لئے مفید ہیں۔ ایک بار میں نے بہت محنت کی، اور ''تصفیۃ العقائد'' کے ایک بڑے حصہ کی تسہیل کی، مگر اس پر مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ اس لئے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ بہت کوشش اور محنت سے ''قبلہ نما'' اول سے آخر تک بہت غور کر کے پڑھی، ایمان تو تازہ ہوا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اسے عام لوگوں کے سامنے کس طرح پیش کیا جاسکتا ہے، عام لوگوں سے مراد اہل علم کا عام طبقہ ہے، میں تو اس عام طبقہ میں بھی شمار ہونے کے لائق نہیں ہوں۔ لیکن اللہ سے مدد مانگ کر پوری پڑھ ڈالی تھی، بہت سے اجزاء تو سمجھ میں آئے ہی نہیں، اور جو کچھ سمجھ میں آیا، اسے محفوظ نہیں رکھ سکا، اس کے بعد ''مصابیح التراویح'' پڑھی، اور یہ کتاب ایک بار نہیں متعدد بار پڑھی، بہت حد تک قابو میں بھی آگئی، مگر اخیر کی بعض بحثیں بالکل نہیں سمجھ میں آئیں۔ ایک مدت تک دعا کرتا رہا، پھر از سر نو محنت کی، اللہ تعالیٰ نے یاوری فرمائی۔ یہ علوم اتنی گہرائی میں اترے ہوئے ہیں، یا اتنی بلندی پر ہیں، کہ میں سوچتا رہا کہ دل بھی قبول کرتا ہے، عقل بھی تسلیم کرتی ہے، لیکن ہے تو انسانی دماغ کی کاوش! معلوم نہیں عند اللہ ان علوم کا کیا حال ہے؟ ایک روز اسی حال کے غلبہ میں آنکھ لگ گئی تو ایک غیبی آواز سنائی دی کہ ''جو کچھ مولانا نے لکھا ہے، سب من عند اللہ ہے'' اس صدائے غیبی سے بہت انشراح ہوا تھا۔ میں تو ابتداء ہی سے حضرت مولانا کا نہایت درجہ معتقد ہوں۔ مگر علوم ہی کچھ ایسے ہیں، جن کا حضرت مولانا سے پہلے امت میں شاید کسی نے اظہار نہیں کیا ہے، نہ

حضرت مجدد صاحب نے اور نہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے!

میرے اس طولِ کلام کا حاصل یہ ہے کہ حضرت کے علوم سے مناسبت پیدا کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔اس کا کوئی طریقہ آپ نے ذکر نہیں کیا ہے۔بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مولانا کی نگاہ میں احکام اسلام کی تمام لِمّیاتُ روشن ہیں۔ اور مولانا سیدھے انھیں لِـمّیَـاتُ پر پہونچتے ہیں، وہ حکمت پر کلام نہیں کرتے ،لِمُ پر گفتگو کرتے ہیں۔اور لِمّیَاتُ کی فہم اسی شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جس کو عالم غیب سے خاصی مناسبت ہو۔مولانا تو اسی عالم کے معلوم ہوتے ہیں اور باقی اکثر لوگ اس مناسبت سے خالی ہیں۔اس لئے عام طور پر ذہن کی رسائی وہاں تک ہوتی ہی نہیں، جہاں سے مولانا گفتگو کرتے ہیں۔اس کے متعدد شواہد مولانا کی زندگی کے واقعات میں ملتے ہیں۔بہرحال جتنا کچھ آپ نے جمع کردیا ہے،ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے حسن قبول عطا فرمائے۔آمین

آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے۔خط لمبا ہوگیا۔پڑھنے میں بھی وقت لگے گا،زحمت بھی ہوگی۔لیکن

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

..............................

☆☆☆☆☆

# بنام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
## مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے امتحان داخلہ کے سلسلے میں یہ خط مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کو لکھا گیا، یہ مکتوب اور حضرت مہتمم صاحب کا جواب دونوں پیش کئے جارہے ہیں۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

مخدومنا المکرّم حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند! زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی

یہ حقیر بندہ، دارالعلوم دیوبند کا ادنیٰ منتسب، بہت عرصہ سے جناب والا کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا، لیکن اتنا چھوٹا منہ رکھتا ہے کہ جناب والا کے شایانِ شان اس سے کوئی بات ادا ہو، اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے ہمت نہیں ہوتی تھی، لیکن اس سال خصوصیت سے دارالعلوم دیوبند کے امتحانِ داخلہ کے نتائج کچھ ایسے سامنے آئے کہ باوجود کسی لیاقت اور استحقاق کے نہ ہونے کے کچھ عرض ومعروض کرنے کی ہمت ہوچلی تھی، اسی دوران رسالہ دارالعلوم دیوبند کا تازہ شمارہ موصول

ہوا۔اس کے حرفِ آغاز نے مزید تحریک پیدا کی، اور ہمت دلائی، اس لئے چند باتیں خدمت میں عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، یہ کسی معاند کی عیب چینی یا کسی ناتجربہ کار کی اٹکل پچو باتیں نہیں ہیں، اور نہ کسی مدعی کی لاف وگزاف ہے، کہ اسے ناقابل اعتنا سمجھا جائے۔ اس لئے بجاطور پر مجھے امید ہے کہ ان معروضات پر ضرور غور فرمائیں گے۔

یہ حقیر تقریباً ۲۵/سال سے علم دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اور تدریس سے وابستہ ہے، اور ہر سال بلا انقطاع طلبہ کو تیار کر کے درجۂ ہفتم کیلئے بھیجتا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے پڑھائے ہوئے طلبہ تقریباً نوے، پچانوے فیصد دارالعلوم سے کامیاب ہوکر نکلے ہیں، اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ ان میں تقریباً اسی تناسب سے علم دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔اتنے تجربہ کے بعد اگر میں کچھ عرض کروں، تو انشاءاللہ بات بیجا نہ ہوگی۔

(۱)..........سب سے پہلے مجھے امتحانِ داخلہ کے بارے کچھ عرض کرنا ہے، دارالعلوم دیوبند میں پہلے امتحان داخلہ تقریری ہوا کرتا تھا، بعد میں اسے موقوف کر کے امتحانِ داخلہ تحریری کر دیا گیا، اور یہ خیال کیا گیا کہ امتحان تقریری کی صورت میں، بعض خرابیاں جو داخلہ کے سلسلے میں راہ پا جاتی تھیں، ان کا اس سے انسداد ہو جائے گا، اور بہت کچھ انسداد ہوا بھی، اس سلسلے میں دارالعلوم میں بہت سے احتیاطی اقدامات کئے گئے تاہم کچھ نہ کچھ کمی کوتاہی کا رہ جانا فطری امر ہے۔لیکن امتحان کے نتائج جب سامنے آتے ہیں، تو بعض چیزیں بہت زیادہ قابل توجہ معلوم ہوتی ہیں، اور اس سال اس کا احساس زیادہ شدت سے ہوا۔ہم لوگ کئی کئی سال تک طلبہ کو پڑھا کر بھیجتے ہیں۔ ان کی استعداد سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، سالہا سال کے امتحانات کے ریکارڈ

ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ہم لوگوں کے توقعات خلاف جب ان کے نتائج آتے ہیں، تو اچنبھا ہوتا ہے، کہ ایک طالب علم کو ہم جانتے ہیں کہ پڑھنے میں اچھا ہے، امتحان کا پرچہ بھی اچھا لکھتا ہے، لیکن نتیجہ نکلا تو معلوم ہوا کہ فیل ہے، یا تقابل میں گر گیا، اور بعض دوسرے، جن کو محض ان کے شوق کی بنا پر دارالعلوم بھیج دیا جاتا ہے، وہ داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔اگر اس طرح کے واقعات استثنائی ہوں، تو زیادہ قابلِ التفات نہیں ہوتے، لیکن جب معاملہ اس سے آگے بڑھ جاتا ہے، تو خیال ہوتا ہے کہ امتحان کے نظام میں کچھ خلل ضرور ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔

اس سال کی بات عرض کروں کہ میرے مدرسہ سے ۱۵/ طالب علم دارالعلوم میں ہفتم کے امتحانِ داخلہ میں شریک ہوئے، جن میں چار کی استعداد عمدہ ہے، اور پانچ کی استعداد کمزور ہے، اور باقی متوسط ہیں۔جن کی استعداد کمزور ہے ان میں سے چار کا داخلہ دارالعلوم میں ہو گیا۔اور شاید چاروں کا امدادی داخلہ ہے۔چار جید الاستعداد طلبہ میں ایک کا امدادی داخلہ ہوا، دو کا غیر امدادی، اور ایک کا ہوا ہی نہیں، بعد میں کسی استاذ کی سفارش سے ہوا۔متوسط طلبہ میں تین کا داخلہ نہیں ہوا، باقی کا کچھ کا امدادی اور کچھ کا غیر امدادی ہو گیا۔ یہ تو میرے مدرسہ کا حال ہے، قریب پاس کے دوسرے مدارس مثلاً مدرسہ منبع العلوم خیر آباد، اور مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج کے بارے میں بھی یہی معلوم ہوا کہ جن طالب علموں کے داخلہ کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی ان کا داخلہ ہو گیا، اور اچھے طلبہ رہ گئے، اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہفتم میں داخلہ کیلئے ایک ایسے مدرسہ سے اس سال کثیر تعداد میں طلبہ گئے، جہاں جلالین شریف نہیں پڑھائی جاتی ہے، اور یوں بھی وہاں کا معیار تعلیم کچھ زیادہ بلند نہیں ہے، اس کے باوجود وہاں کے طلبہ کی کامیابی کا تناسب غالباً ہر جگہ سے زائد تھا۔حیرت ہوتی ہے کہ،

جو طلبہ با قاعدہ ہر کتاب پڑھ کر گئے۔ انھوں نے محنت بھی خوب کی، میں جانتا ہوں کہ دارالعلوم جانے والے طلبہ رمضان کس طرح محنت میں گزارتے ہیں۔ خود میرے پاس محنت کرنے والوں کی ایک جماعت پورے ماہِ مبارک میں مقیم رہتی ہے۔ مگر یہ تو رہ جائیں، اور جنھوں نے جلالین شریف پڑھی نہیں اور پڑھی تو چند پاروں سے آگے نہیں بڑھے۔ وہ کامیاب ہو جائیں۔

اس صورت حال سے اندیشہ ہوتا ہے کہ کچھ کمی ضرور ہے، اس سال خصوصیت سے مجھے دو باتوں کا احتمال ہو رہا ہے جن کے اہتمام میں کمی ہوئی ہے، یا اہتمام کے باوجود اس پر قابو نہیں پایا جاسکا۔ اول یہ کہ امتحان ہال میں شریکِ امتحان طلبہ کی نگرانی اچھی طرح نہیں ہوئی۔ نگرانی میں تساہل کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کمزور طلبہ جن کا سہارا نقل بازی ہوتی ہے، وہ تو اپنا فن آزماتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں اور دوسرے طلبہ جو نقل سے احتراز کرتے ہیں وہ پیچھے رہ جاتے ہیں، دوسری بات غالباً یہ ہوئی ہے کہ ......اور اسی کا اندیشہ مجھے زیادہ ہے .....امتحان کی کاپیاں با قاعدہ غور سے پڑھی نہیں گئیں، آج کل اساتذۂ دارالعلوم نے خوش خطی کو زیادہ اہمیت دے رکھی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ جو طالب علم خوشخط رہے ہیں۔ خواہ ان کا جواب کسی لائق رہا ہو، کامیاب ہو گئے۔ اور جن کا خط کمزور رہا۔ وہ ناکام ہو گئے۔ پھر یہ کہ کاپیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ شاید آغازِ کار میں ذرا اہتمام سے دیکھ لیتے ہوں۔ اس کے بعد سرسری طور پر نمبر لگا دیا جاتا ہو۔ ہم لوگوں میں کام کرنے کا نہیں کام ٹالنے کا مزاج بنتا جا رہا ہے۔ مجھ کو احساس ہو رہا ہے کہ یہ دونوں باتیں امتحان کے نظام کو متاثر کر رہی ہیں۔

(۲) ............دوسرے یہ معلوم ہوا کہ ہے کہ امتحان کے نتائج اور تقابل کے سلسلے میں الگ الگ صوبوں کے الگ الگ قانون ہیں۔ کسی صوبہ کے طالبعلموں کو

تقابل میں شامل کیا جاتا ہے، کسی صوبے کے طلبہ بغیر تقابل کے لے لئے جاتے ہیں۔ کسی جگہ کے لئے ریز رویشن ہے اور کسی جگہ کے لئے نہیں ہے۔ کہیں کے طلبہ کم نمبر کے باوجود لے لئے جاتے ہیں۔ اور کہیں کے طلبہ زیادہ نمبر کے باوجود رہ جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا کرنے میں کچھ مجبوری ہو، مگر یہ بات انصاف سے بعید ہے، اس امتیازی سلوک کا انجام یہ ہوگا کہ جن مقامات کو آسانی دی گئی ہے وہاں کے بچے کبھی محنت و کاوش نہیں کریں گے، اور محنت کرنے والے دارالعلوم کے داخلے سے محروم رہیں گے تو ان کا دل دکھے گا۔ دارالعلوم میں داخلہ نہ ملنے کی وجہ سے طلبہ پر جو گزرتی ہے، اس سے جناب والا خوب واقف ہوں گے۔ یہ دونوں باتیں دارالعلوم کے حق میں سخت مضر ہیں۔ میرے خیال میں کوٹہ، ریزرویشن اور امتیازی سلوک ختم کر کے تمام طلبہ کو ایک ضابطہ کے تحت رکھا جائے، تاکہ ہر جگہ کے طلبہ محنت کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

(۳) تیسری بات، دارالعلوم میں طلبہ کی تعطیلات کا مسئلہ خاصا قابل توجہ ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، دارالعلوم میں دورانِ تعلیم سوائے عیدالاضحیٰ کے اور کوئی بڑی تعطیل نہیں ہے، لیکن طلبہ ہیں کہ عیدالاضحیٰ پر تو خیر گھر آتے ہی ہیں، اس کے علاوہ ششماہی امتحان اور دوسرے ہنگامی مواقع پر اس طرح دارالعلوم سے باہر آجاتے ہیں جیسے کوئی بڑی تعطیل ہوگئی ہو۔ گزشتہ سال اساتذۂ دارالعلوم بمبئی کے اجلاس میں چلے گئے، تو طلبہ نے اپنے گھروں کا رُخ کرلیا۔ اور عیدالاضحیٰ کی تعطیل کا یہ حال ہے کہ ابھی ذی قعدہ کی رمق باقی رہتی ہے کہ طلبہ اپنے گھروں میں نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر ایک اچھا خاصا وقفہ گزار کر مدرسہ پہونچتے ہیں، جبکہ مدرسہ میں تعلیم ۶/۵ ذی الحجہ تک ہوتی رہتی ہے، پھر جب یہ طلبہ چھٹی کا اعلان کرتے ہوئے، اپنے سابق مدرسوں میں

پہونچتے ہیں، تو وہاں بھی تعطیل کی فضا پیدا کردیتے ہیں، اس کے نتیجے میں تعلیم میں کمزوری آجاتی ہے۔ یہ صورت حال علم کیلئے جتنی مضر ہے محتاجِ بیان نہیں، تعطیلات پر کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، تعطیل کی کثرت سے محنت ومشقت کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔اور علم کی ناقدری ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ تعلیم ہورہی ہے، اور طلبہ میرٹھ، دلی اور سہارن پور کا سفر کررہے ہیں، کہیں جلسہ یا مشاعرہ ہے وہاں بھاگے جارہے ہیں، اس کے نتیجے میں بعض ناگہانی حادثات ہوچکے ہیں اور اس طرح پڑھنے پڑھانے کا ماحول بالکل نہیں بن پاتا، وہ طلبہ جو ہم لوگوں کی نگرانی میں خاصی محنت کرچکے ہوتے ہیں ، دارالعلوم میں پہونچ کر ان کا دل اچاٹ سا ہوجاتا ہے، اس ماحول کی اصلاح ضروری ہے۔گو یہ عمل خاصا دقت طلب ہے لیکن اس کو کرنا ضروری ہے، اس کیلئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے، آپ حضرات وہاں کے ماحول کے لحاظ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں تاہم ضرورت ہوگی تو مناسب مشورے دئے جاسکتے ہیں۔والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۸/ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

☆☆☆☆☆

## حضرت مہتمم صاحب کا جواب

مکرمی محترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے!

گرامی نامہ نظر نواز ہوا، خوشی ہوئی کہ آپ نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند

سے تعلق کی بنا پر اہم امور کی طرف توجہ دلائی، جن میں بعض وہ ہیں جن کا ذمہ دارانِ دارالعلوم دیوبند کو خود بھی احساس ہورہا ہے، اور ان کے سدِ باب کی طرف توجہ کررہے ہیں۔

امتحانِ داخلہ کے بارے میں نااہل طلبہ کی کامیابی واہل کی ناکامی کی وجوہ کی طرف توجہ دلائی ہے، طلبہ داخلہ کے لئے تین ہزار سے زائد آئے، مسجدِ جدید کے تہ خانہ اور بالائی منزل کے کچھ حصہ میں امتحان کا نظم کیا گیا تھا، پوری مسجد میں نظم نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ پنجوقتہ نماز ہوتی ہے (کثیر تعداد میں نمازی ہوتے ہیں) اس لئے سیٹوں میں زیادہ فاصلہ نہیں دیا جاسکا، اورنگرانی بھی اتنے بڑے مجمع کی پورے طور سے نہ ہوسکی۔

دوسرے یہ کہ پرچہ بینی کے سلسلے میں اساتذہ کرام سے کثیر تعداد میں پرچوں کی بنا پر کماحقہ' پرچہ بینی میں تساہل ہوا ہو، بہرحال ان امور کے سدِ باب کی طرف آئندہ پوری توجہ دی جائے گی۔ کوڈ سسٹم ہونے کی بنا پر کسی حد تک نظم قابو میں آیا ہے اور جو خامیاں ہیں، ان کو بھی دور کرنے کی آئندہ سال کوشش کی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ بعض صوبہ جات میں رزرویشن اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان صوبہ جات میں دینی تعلیم کی طرف رجحان کم ہے، کم تعداد میں طلبہ آتے ہیں، اس لئے وہاں کے طلبہ کو رعایت دی جاتی ہے، اسی طرح تقابلی نمبرات کا معاملہ ہے، بعض مقامات اس سے مستثنیٰ قرار دئے گئے ہیں، مگر یہ مسئلہ انتظامیہ کے زیرِ غور ہے کہ کہ اب اس رعایت کو ختم ہونا چاہیئے۔

تعطیل عیدالاضحیٰ کے موقع پر طلبہ کے قبل از وقت جانے اور بعد از وقت آنے پر پابندی عائد کی جاتی ہے، مگر طلبہ کے پاس پیسے ہیں، کنشیشن فارم معینہ تاریخ سے

دئے جاتے ہیں، کچھ طلبہ اس سے قبل پورے ٹکٹ پر چلے جاتے ہیں اور تاخیر سے آتے ہیں، اس مرتبہ اعلان لگا دیا تھا کہ تاریخ مقررہ کے بعد آنے والوں کے کھانے بند کردئے جائیں گے، اور سیٹ کاٹ دی جائے گی، اس کا اثر یہ ہوا کہ تقریباً سبھی طلبہ مقررہ تاریخ پر آگئے، چند ہی باقی رہے ہوں گے، دفتر اہتمام کو مطبخ میں کھانا لینے والوں کی روزانہ رپورٹ سے اندازہ ہوتا رہتا ہے، تین ہزار طلبہ کی تعداد ہے سب پر نظر رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

آپ نے ازراہِ تعلق جن خامیوں کے ازالے کی طرف توجہ دلائی ہے، اس کے لئے شکرگزار ہوں، اور آپ کے گرامی نامہ کو جناب ناظم صاحب تعلیمات کے پاس بھیج رہا ہوں، کہ وہ ان خامیوں کے ازالے کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں، امید ہے کہ آئندہ بھی مفید مشوروں سے نوازتے رہیں گے، دعا گو ہوں، اور دعاؤں کا طالب، دعوات صالحہ میں یاد فرماتے رہیں،

والسلام

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

# بنام حاجی محمد ایوب صاحب مرحوم (کلکتہ)

۱۹۸۲ء میں مَیں پہلی مرتبہ کلکتہ گیا۔ وہاں مجھے اسّی پچاسی برس کے ایک بوڑھے بزرگ ملے، بہت دیندار اور نمازی! چند سال پہلے ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، مگر ان کی یاد، ان کی محبت اور ان کی جدائی کا صدمہ ابھی اس طرح تازہ تھا کہ کل کی بات معلوم ہوتی تھی۔ شاید اسی لئے مرنے کا بہت شوق تھا کہ دوبارہ ملاقات ہوگی اور دائمی ہوگی۔ مجھ سے بڑی مناسبت ہوئی، مسلسل مراسلت جاری رہی۔ اولاد کی نالائقی سے پریشان رہتے ہیں، محبت بھرا شکایتی خط موصول ہوا تھا، اسی کا جواب لکھا گیا۔ ان کا تذکرہ میری کتاب ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ (ص:۶۷تا۹۳) اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاجی مخدوم ومحترم! عافاکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

آپ کا محبت نامہ ملا۔ عشق وتعلق کچھ بے باک اور کچھ گستاخ ہوتا ہی ہے۔ آپ کی ''تحریرِ پریشاں'' اسی جذب وشوق کی علامت ہے، جس کی قندیل آپ کے قلب وجگر میں فروزاں ہے۔ یہ ایسا جذب ہے جس پر خدا کو بھی پیار آتا ہوگا، بچوں جیسی ضد، عورتوں جیسی ہٹ، بوڑھوں جیسی تکرار، آخر خدا کو بھی اپنے بندوں پر پیار آتا ہی ہے، جانتے ہیں کہ خواہ کتنا ہی روٹھے، کتنا ہی بگڑے، کچھ ہی کہے، کتنا ہی بھاگے، ان کا در چھوڑ کر، ان کی چوکھٹ سے ہٹ کر اور کہیں جانے کا سوال ہی نہیں۔ وہیں رہنا ہے، وہیں مرنا ہے، اور وہیں سر دیئے پڑے رہنا ہے، بھلا پھر اسی جگہ شور مچائے، چیخے، چلائے تو کیا مضائقہ ہے، آپ روتے رہیے، وہ ہنستے رہیں۔ اگر یہی ہوتا رہے تو کیا حرج ہے؟ ہمارا رونا اگر کسی کو مسکرانے پر مجبور کر دے تو ہم اور روئیں گے، کسی کا کیا؟ ان کا ایک تبسم ہمارے تمام آنسوؤں کی بیش قرار قیمت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ صبر کہاں سے لاؤں؟ میں کہتا ہوں صبر آپ کو لانے کی کیا ضرورت؟ وہ تو آپ کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے، اس کی مجال کیا کہ آپ سے جدا ہو جائے۔ ایک اور بزرگ آپ ہی کے ہمنام پہلے بھی گزرے ہیں، پہلے بڑے خوش حال اور صاحب جمال وکمال تھے، پھر جب صبر نے ان کا پیچھا کیا تو پروردگار کو بھی کہہ دینا پڑا: **إنا وجدناه صابراً نعم العبد إنهٗ أواب** ۔ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ بڑا اچھا بندہ تھا، وہ ہمیں سے کہتا تھا جو کچھ اس پر پڑتی تھی۔ آخر انھیں کے نام پر آپ کا نام جو رکھا گیا تو کچھ

مناسبت بھی ہونی چاہئے یا نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **إن الله لا یضیع أجر المحسنین ۔** ہاں یہ صحیح ہے کہ حق تعالیٰ دنیا میں بھی اجر دیتے ہیں، کیا روزی کا ملنا، اہل محبت کا میسر آنا، نماز روزہ کی توفیق ہوتے رہنا، ان کا نام زبان سے لیتے رہنا، یہ کچھ کم انعامات ہیں۔ اور یہ بھی تو ہے کہ اگر بھلائیوں کا کچھ اجر مل جاتا ہے تو برائیوں کی بھی کچھ کچھ سزا مل جاتی ہے، اسی سے توازن برقرار رہتا ہے، اگر کچھ تکلیف ہوتی ہے تو یہ اثر ہے ان گناہوں کا جن میں کچھ کو تو ہمارا حافظہ یاد رکھتا ہے، اور بہت کچھ اس زود فراموش کو فراموش ہو جاتا ہے۔ پھر کیا حرج ہے؟ کچھ اس کا ظہور ہو اور کچھ اس کی نمود ہو، آخر دنیا نام ہی ہے رنج وراحت، خوشی وغم، مصیبت ونعمت، ذلت وعزت، فقر وغنا، ضعف وقوت اور حیات وممات کا، اس سے کہاں مفر؟ ہاں انتظار کیجئے اس وقت اور اس جگہ کا جہاں راحت ہوگی رنج نہیں، خوشی ہوگی غم نہیں، نعمت ہوگی مصیبت نہیں، عزت ہوگی ذلت نہیں، غنا ہوگا فقر نہیں، قوت ہوگی ضعف نہیں، حیات ہوگی ممات نہیں۔ وہ نعمتیں جو دوسری جگہ کے لئے ہیں آپ یہیں انھیں کھینچ بلانا چاہتے ہیں، بھلا کیونکر ممکن ہے؟

پھر غور تو کیجئے، اگر آپ کا عشق گستاخ وبے باک ہے تو اس کا حسن بھی تو بے پروا اور چالاک ہے، اگر اس حسن مطلق نے آپ کے عشق بے باک کے آگے سپر ڈال دی تو وہ حسن کس کام کا، اور پھر سوچئے کہ اس حادثہ پر عشق کو کس درجہ ندامت وشرمندگی ہوگی، اس کے بعد تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہے گا۔ آخر جو خدا ہے اسی کو آپ خدائی کے درجہ سے اتار کر بندگی کی جانب کیوں لانا چاہتے ہیں، بتایئے! اگر وہ آپ کی اطاعت کو اپنے لئے ضروری کرلیں تو کون خدا رہا اور کون بندہ؟ آپ کو اور ہم کو جو شکایت ہے وہ یہی تو ہے کہ ہم جو جاہل ہیں، آگے کی کچھ خبر نہیں رکھتے، پیچھے کو

بھلائے بیٹھے ہیں......ہم جو اول وآخر جاہل ہیں......اس ''ہم'' کی اطاعت وہ کرے جو آگے کی بھی خبر رکھتا ہے اور پچھلا نامۂ اعمال بھی اس کے حفاظت خانہ میں محفوظ ہے، وہی جو اول وآخر عالم ہے، ایسا عالم جس کے اندر جہل وناواقفی کا نام ونشان نہیں، یعنی کہ علم تابع ہوجائے جہل کے، قوت سپر ڈال دے ضعف کے سامنے، طاقت شکست کھاجائے کمزوری سے، سوچیئے اگر حکمت ومصلحت نے ناعاقبت اندیشی سے ہار مان لی تو وہ کیسی حکمت ومصلحت ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ دعاء کا اثر دنیا میں کیوں نہیں ہوتا، میں پوچھتا ہوں کہ کب نہیں ہوتا اور کہاں نہیں ہوتا، ہوتا ہے اور خوب ہوتا ہے۔ آپ کو بھی تجربہ ہے اور مجھے بھی تجربہ ہے۔ بچے نے ابا سے ایک پیسہ مانگا، ابا نے اس کو اشرفی دیدی، بچہ ضد کرتا ہے کہ ابا نے میری مانگ ٹھکرادی۔ ارے ٹھکرائی کہاں؟ تمہاری نادانی میں کس درجہ دانائی کا اضافہ کردیا۔ یونہی سوچیئے کہ آپ اپنی سوچ مانگ رہے ہیں اور وہ آپ کی مصلحت دے رہے ہیں، آج آپ کا مانگا ہوا مطالبہ مل جائے، اور کل آپ اسے بھول بیٹھیں، کون ضمانت لے سکتا ہے، نہیں دیتے جو کچھ آپ مانگ رہے ہیں تاکہ کل آپ مزید مانگیں، روئیں، گڑگڑائیں اور آنسو بہائیں۔ دیدیتے تو آپ یہ نعمتیں کہاں سے لاتے، ہاں دیا اور بہت کچھ دیا۔ اپنی یاد دی، اپنے سے دعا کرنا دیا، رونا دیا، آنسو دیا، اور نہ جانے کیا کیا دیا؟ شکر کیجیۓ، بہت کچھ اسی دنیا میں دیا، اور یہ چیزیں دی ہیں جو خود مزدوری اور اُجرت بھی ہیں اور خود عمل اور کوشش بھی، کہ پھر ان پر دوبارہ سہ بارہ اور تسلسل کے ساتھ ملنے اور ملتے رہنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

آپ نے سمجھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، دیکھیۓ آپ نے ایک عمل کیا اور اس کی اجرت مل گئی، ایسی اجرت جو محض اجرت ہے، پیسہ لیا اور گھر چل دیئے، جس کا کام کیا

اس سے کوئی مطلب نہیں رہا۔ ایک تو یہ ہوا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے ایک کام کیا، کام کرانے والے نے یہ کہا کہ تم اچھے آدمی ہو، تم ہمارے گھر ہی رہو، یہ قرب ونزدیکی بھی اجرت ہے لیکن کیسی اجرت ؟ کیا اس ایک اجرت سے بے شمار اجرتیں وجود میں نہیں آجائیں گی ؟ پھر ہمارا مالک وخالق جس سے ہمیں دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت وتعلق ہے، جس کے جذبۂ عشق نے ہمیں پوری زندگی کی مصیبت جھیلنے پر آمادہ کرر کھا ہے، جس کی ایک نگاہِ رضا وخوشنودی کے لئے ہم دوجہاں کی قربانی بڑی مسرت کے ساتھ دے سکتے ہیں، وہی ہمارا محبوب ومعبود ہے، وہی ہمارا منظور ومسجود ہے، وہی ہمارا خدا ہے، ہم اس سے ایک بات کہتے ہیں، ایک چیز مانگتے ہیں، اس لئے مانگتے ہیں کہ ہم جانتے ہی نہیں کہ وہ چیز ہمارے حق میں مفید ہے یا مضر، پھر وہی محبوب ہم سے کہتا ہے کہ ہٹو میاں کیا مانگتے ہو، ہماری دیوڑھی پر پڑے رہو، دھوپ کھاؤ، سردی گرمی جھیلو، تکلیف اٹھاؤ، لیکن ہمارے دامنِ قُرب سے چمٹے رہو۔ خدا کی قسم کتنی بڑی دولت ہے، نگاہِ التفات تو ہوئی، ہماری مانگی ہوئی چیز پر خاک ہو، ہمیں تو دوسرا ہی سرا ہاتھ آگیا۔ ان بزرگ کا قصہ آپ نے سنا ہے نا کہ پہاڑی میں راستہ گم ہوگیا تھا، سردی نے پریشان کرر کھا تھا۔ نگاہیں گرمیٔ آتش تلاش کر رہی تھیں ۔ وادیٔ طور سے ایک چمک دکھائی دی ، لپکے ہوئے گئے کہ آگ لائیں ، لیکن وہاں گرمیٔ آتش کے بجائے گرمیٔ محبت مل گئی، پھر کیا ان کو شکایت ہوئی کہ مجھے آگ نہیں دی گئی ۔ انسان خدا سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہے، خدا کی جانب سے اسے مزید عجز ونیاز کا تحفہ مل جاتا ہے۔ ہائے ! کوئی اس دولت سرمدی کی قدر کیا جانے، ان سوختہ سامانوں سے پوچھئے، جنھیں اس کی لذت سے آشنائی بخشی گئی ہے۔ ایک گرم گرم آنسو جو نگاہِ عجز ونیاز سے ڈھلک پڑے، ان تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے جنھیں انسان اپنی نادانی سے دولت

سمجھتا ہے۔ بہنے دیجئے، ہرگز نہ پونچھئے، یہاں تک کہ انھیں کا دست شفقت آگے آئے اور آنسو بھی پونچھے اور معذرت بھی کرے، ہا! کتنا مزہ آئے گا، اس وقت جب وہ خود بندوں سے معذرت کریں گے کہ معاف کرنا بھئی میں نے تمہاری مانگی ہوئی چیز نہ دی، تو تمہیں تکلیف ہوئی، اب لے لو جو کچھ لینا ہو، بھلا کہاں اس کا سرور، اور کہاں لذتِ فانی کی عارضی خوشی۔

بس صاحب! کاغذ ختم ہوگیا، پھر کبھی باتیں ہوں گی۔ آپ کی آنکھیں دُکھ جائیں گی۔ میرے لئے بھی ایک آدھ آنسو گرادیجئے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۳/ذوقعدہ ۱۴۰۴ھ

شوکت منزل، میاں پورہ، غازی پور

☆☆☆☆☆

مخدومی ومکرمی جناب الحاج محمد ایوب صاحب! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں، شاید مل گیا ہوگا، اس کے بعد آپ کے دو خط ملے، کل ابوذر کو زمانیہ بھیجا تھا کہ جا کر آپ کا خط اور روپیہ لائے، کل وہیں روک لیا گیا، آج آیا، تو آپ کا خط لایا۔ روپیہ اب بھی نہیں مل سکا، اشتیاق حسین ہی لے کر شاید آئیں گے۔

آپ جس رنج وکرب کی داستان لکھتے ہیں اس سے کلیجہ شق ہوتا ہے، دل چاہتا ہے کہ آپ کا غم بانٹ لوں، کاش کہ یہ چیز بانٹنے کی ہوتی؟ لیکن آپ سے کیا

عرض کروں؟ درد وغم بظاہر تو سخت اور ناگوار چیز ہے، مگر آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہ نعمت ہر کسی کو نہیں ملتی، خاص خاص خوش نصیبوں کا نصیب ہوتا ہے کہ یہ متاع، گرانمایہ انھیں نصیب ہوتی ہے، درد وغم وہ جذبۂ لطیف ہے جو عشق ومحبت کے سوز نہاں سے پیدا ہوتا ہے، جہاں محبت ہوگی، درد ہوگا۔ جہاں عشق ہوگا، غم ہوگا۔ غم ہی سے زندگی ہے، غم نہیں تو سب کچھ بے معنی اور بے سود ہے، آپ نے سنا ہے؟

غم گیا ساری کائنات گئی　　　دل گیا رونقِ حیات گئی

غم واندوہ میں جب انسان تڑپتا ہے، تو یہ تڑپنا بھی عجب پُر لطف ہوتا ہے۔

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

آپ خیال کیجئے، حضرت بلال سوختہ دل (رضی اللہ عنہ) سے جب پوچھا گیا، اور اس وقت پوچھا گیا، جب ہر طرح کی نعمتیں انھیں میسر تھیں، کلفت ومشقت کی بدلیاں چھٹ چکیں تھیں۔ راحت وآرام کی فراوانی تھی۔ پوچھنے والے نے اس وقت پوچھا، جب بلال دنیا میں ہر طرح مطمئن تھے کہ حضرت! آپ کا یہ دور زیادہ فرحت بخش ہے، جب غم کا کانٹا نکل چکا ہے، یا وہ دور بہتر تھا جس کا لمحہ لمحہ اذیت ناک تھا۔ جب لونڈوں کے ہاتھ میں پتھر ہوتا، اور آپ کے جسم نیم برہنہ پر مشق ستم ہوتی، اوپر سے سورج چمکتا ہوتا، نیچے آگ دہکتی ہوتی۔ گلے میں رسی کا پھندا ہوتا، اور مکہ کی گلیاں آپ کے گرم خون سے سیراب ہوتیں۔ آپ بتائیے وہ وقت کیسا تھا اور یہ وقت کیسا ہے؟ ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا، اس وقت کی لذت کیا پوچھتے ہو؟ جب بدن زخموں سے چور ہوتا، جسم کے ہر ہر حصے پر خون کی نالیاں رواں ہوتیں، درد کی کسک اٹھتی، زخموں میں ٹیس ہوتی، جراحتیں سوزشِ نہاں سے بے چین کرتیں، ظاہری

سہارے مستور ہوتے ،اس وقت جس درد وسوز کے ساتھ نام پاک ’’ أحــد أحــد ‘‘ زبان دل سے ادا ہوتا ، اس کی حلاوت اوراس کا لطف کچھ نہ پوچھو۔آج اس لذت کا تصور مشکل ہے،اوردل میں حسرت ہوتی ہے اے کاش......................

کسی نے آپ ہی کے ہم نام بزرگ حضرت ایوب علیہ السلام سے بھی اسی قسم کا سوال کیا تھا،ارشادفرمایا کہ ہرصبح وشام محبوب حقیقی کی جانب سے مزاج پُرسی ہوتی تھی ۔اس لذت کے آگےکلفت ومحنت کا ذکر؟ دل میں جوش محبت ہوپھرکیا کہنا؟

آنکھ میں آنسو،جگرمیں داغ،دل میں غم ہوا ہرجگہ جوشِ محبت کا نیا عالم ہوا

ہائے ! کیا عرض کروں؟ محبت کی معرفت ذرا مشکل ہے، ورنہ لطف وکرم کی وہ فراوانی ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے ،

اللہ اگر توفیق نہ دے اللہ کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی ،عرفانِ محبت عام نہیں

غم کی بھٹی جتنی سلگتی جائے گی ، دل کی طہارت بڑھتی جائے گی ۔آپ سر جھکا دیجئے

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

دیکھتے رہیے ،کس کس طرح وہ الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں ،ان کی ہرنگاہ ،نگاہِ کرم ہے ،ہرالتفات ،التفاتِ عنایت ہے ،وہ اگرکسی کوموافق بنادیں تو انعام وبخشش ہے ،کسی کومخالف بنادیں تو توجہ ٔ خاص کی نشانی ہے ،کہ ہرطرف سے کاٹ کراپنے دروازہ پررکھنا چاہتے ہیں ۔آپ سچ بتائیے ! ان دنوں جبکہ ایک بے چارگی اور مجبوری کے عالم میں ان کا نامِ پاک زبان پرر واں ہوتا ہے ،اس میں لذت وحلاوت کی جو کیفیت محسوس ہوتی ہے ،دوسرے احوال میں کبھی محسوس ہوئی ۔آپ کی پریشانی سے

میں ضرور پریشان ہوتا ہوں، لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ میں کچھ الٹا قلب لایا ہوں، جس سے سارا عالم راحت وآرام محسوس کرتا ہے، مجھے اس سے وحشت ہوتی ہے، اور جس کو لوگ رنج وغم سے تعبیر کرتے ہیں، اس سے میرے قلب وجگر کو زندگی حاصل ہوتی ہے، آنکھیں جب خشک ہوتی ہیں، تو زندگی بھی دھواں دھواں ہوجاتی ہے اور محبت جب دل میں چٹکیاں لیتی ہے، تو آنکھیں برسنا شروع کردیتی ہیں، پھر سبزۂ حیات لہلہانے لگتا ہے، جس کی زندگی غم واندوہ سے خالی دیکھتا ہوں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ یہ زندہ بھی ہے یا موت کی گہرائیوں میں فنا ہوچکا ہے، اور جسے تڑپتا، روتا اور فریاد کرتا پاتا ہوں، سمجھ جاتا ہوں کہ پہلو میں کچھ ہے، جو چین لینے نہیں دیتا۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ میں تو مصیبت میں ہوں، اور یہ کیا کیا لکھے جارہا ہے۔ سنئے! یہ مصیبت نہیں ہے، محبوب کی چھیڑ چھاڑ ہے، اور چھیڑ چھاڑ عاشق دیوانہ ہی سے کی جاتی ہے، آپ تو دیوانے ہیں؟ کس کے؟ آہ! اس کے دیوانے ہیں، جس کے لئے دیوانہ ہونا، زندگی کی سب سے قیمتی متاع ہے، جب دوسری دنیا میں آنکھ کھلے گی، تو آپ دیکھیں گے یہ ساری کلفتیں میزانِ عمل پر گراں تر تلیں گی۔ ایک کا ہزاروں بھاؤ رہے گا۔

اس سے پہلے خط میں میں نے ایک بات لکھی تھی کہ جن محترمہ جب تک جلد جلد آتی رہیں گی، منزل دور رہے گی، اور جب عرصہ تک ان کا آنا موقوف ہوگا، تو منزل قریب ہوگی۔ آپ نے آخری خط میں یہی خبر دی ہے کہ انھوں نے آنا بند کررکھا ہے، لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ابھی جانے کا قصد مت کیجئے۔ میرا ارادہ جلد ہی آپ کی زیارت کرنے کا ہے، کم ازکم ایک بار اور ملاقات ہولے، پھر رُخصت ہوئیے گا۔ آپ کی نگاہِ محبت ایک بار اور میرے اوپر پڑنی چاہئے۔ مجھے آپ سے میراث میں محبت ہی لینی ہے۔ آپ کچھ تو مجھے دیں گے، میں اسی جذبہ کا بھوکا ہوں۔

اورآپ کے یہاں اس متاعِ گرانمایہ کی فراوانی ہے، اللہ مجھے کچھ دے کر جایئے گا، اب یہ جنس دنیا میں نایاب ہوتی جارہی ہے۔ایک باراورآپ کی ملاقات کا آرزومند ہوں۔آپ جلدی نہ کیجئے،آنے والی اپنے وقت پرآئے گی۔

نہ گھبرااے دل............................

یہ بندۂ گنہگار، نالائق ونافرمان،آپ کے لئے ہرروز دعا کرتا ہے،اورخوب جی لگا کرکرتا ہے،آپ بےفکررہیں۔ ہاں آپ بھی دعا کرتے رہئے گا،اس نالائق کے لئے بھی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۴/ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

# بنام ڈاکٹر کلیم احمد عاجزؔ صاحب

ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب اس دور میں متاعِ درد وغم، سرور عشق ومحبت، جذبۂ خلوص و بے نفسی اور انسانیت وشرافت کی ایک روشن علامت ہیں ۔ بہار کا یہ مظلوم انسان جس نے ابتداء جوانی میں فسادیوں، رہزنوں اور قاتلوں کے ہاتھوں اپنے پورے خاندان، اپنی پوری بستی بلکہ ایک خطے کے خطے کو برباد ہوتے دیکھا۔ درد وغم کی اَنی دل میں اتری اور ٹوٹ کر رہ گئی، اس درد کی کسک کو انھوں نے شعروادب کا پیکر عطا کر کے دنیا والوں کے سامنے تحفہ کے طور پر پیش کیا، خاموش مگر نہایت گہری سوچ والے، یکسو مگر کام کی ہر چیز پر وسیع نگاہ رکھنے والے، ان کی کتاب ’’جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی‘‘ سے تعارف ہوا، وہی ذریعۂ ملاقات بنی، ان کی غزلوں کے مجموعہ ’’وہ جو شاعری کا سبب ہوا‘‘ نے ان کے دل کی ترجمانی کی، بس وہ اپنے اس شعر کے ہو بہو مصداق ہیں ؎

کیسے کیسے دکھ نہیں جھیلے، کیا کیا چوٹ نہ کھائے
پھر بھی پیار نہ چھوٹا ہم سے عادت بری بلائے

دنیا کا اپنے انداز کا نرالا البیلا انسان، نہایت دیندار، بہت ہی پُرسوز، ان کا البیلا پن، ان کا جذبۂ بیداری اور ان کا سوزِ دروں، جب الفاظ کے پیکر میں جلوہ گر ہوتا ہے تو ادب وانشاء کا ایک نیا اُسلوب جنت نگاہ بنتا ہے۔ ان کے خطوط کبھی میرے نام اور زیادہ تر عزیزی مولوی حافظ ضیاء الحق سلّمہٗ کے نام آتے رہتے ہیں، ایک مرتبہ ان کا خط عزیز موصوف کے پاس آیا، جس میں عصر حاضر کے دانشوروں کی طرف سے ناقدری کا شکوہ تھا، میں نے وہ خط ان سے لے لیا اور درج ذیل جواب لکھا۔ (اعجاز احمد اعظمی)

محترم ومکرم! اللّٰہ عافاکم وبارک فی عمرکم

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

آپ کا کرم نامہ عزیزم مولوی ضیاء الحق سلّمہٗ کے نام آیا، انھوں نے ملاحظہ کیلئے مجھے بھی دیا، اس خط نے میرے دل میں درد کی ایک دنیا جگادی۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کو کوئی خط نہ لکھ سکا، کوئی رابطہ نہ پیدا کرسکا۔ بقرعید کے بعد ایک روز تھوڑی دیر کے لئے پھلواری شریف، کربلا میں حاضری ہوئی تھی، آپ کے بارے میں معلوم کیا، کسی نے بتایا کہ آپ نے مکان بدل لیا ہے، کسی طرح ٹیلیفون سے رابطہ ہوا، تو اطلاع ملی کہ آپ موجود نہیں ہیں، حسرتِ دید تھی، وہ دل ہی میں رہ گئی، اب آپ کا یہ خط پڑھ رہا ہوں، اور دل کے ٹکڑے اڑنے کا تماشہ دیکھ رہا ہوں، یا خود تماشا بن رہا ہوں۔

''دیوانے دو۔۔۔۔۔'' اور ''دفتر گم گشتہ'' (۱) موصول ہوئی تھی، چند مجلسوں میں پوری پڑھ لی، اور محبت وانس کے اتھاہ سمندر میں ڈوب ڈوب گیا، جب ذرا کنارہ میسر آیا، تو خیال ہوا کہ اس پر کچھ لکھوں، مگر محبت ہی کا فرشتہ ہے جس نے مجھے گویا اُڑن کھٹولے پر بیٹھا رکھا ہے، صبح کہیں، شام کہیں، دن کہیں، رات کہیں، اِدھر سے اُدھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ فرصت خیال ہی نہ رہی، نہ قرطاس وقلم کی محفل جمی، اور اب تو اس کا خیال بھی دل سے محو ہو رہا تھا کہ اچانک آپ کے خط نے تازیانہ لگایا۔ تبصرہ کیا لکھوں، اس کی صلاحیت کہاں سے لاؤں، قلم کی زبان سے آپ سے گفتگو ہی کرلوں، محبت کا چراغ آپ نے روشن کیا ہے، اس سے اپنے خانۂ دل میں روشنی کرلوں۔

آپ نے محبت اور درد کی صدا لگائی۔ آپ نے اسے اپنی غزلوں میں، نظموں میں، نثری تحریروں میں عام کیا ہے، کوئی اسے زبان سے مانے یا نہ مانے، مگر دل پر

ایک چوٹ سی لگتی ہے، ایسی چوٹ جس میں لذت بھی ہے، حلاوت بھی ہے، ایسی چوٹ کہ اس سے پیار کرنے کو جی چاہتا ہے، یہ زخم کبھی نہ بھرے، یہ چوٹ کبھی نہ اچھی ہو، یہی جی چاہتا ہے، آپ کی یہ صدا دلوں میں جگہ بنارہی ہے، پڑھنے والے پڑھتے ہیں، اور پڑھ کر دیوانہ ہوتے ہیں، اور دیوانہ ہوتے رہیں گے۔ محبت خدا کے پاس سے چلی ہے، بڑی پاکیزہ، بڑی دل آویز، بڑی روشن، پھر یہ خاص خاص دلوں کو اپنا نشیمن بناتی ہے، پھر وہاں سے نکل نکل کر بارش کی طرح برستی ہے، اور سب اپنی اپنی استعداد اور اپنے اپنے ظرف کے بقدر فیضیاب ہوتے ہیں، آپ فراموش ہوجائیں، کیسے یقین دلاؤں کہ یہ ممکن نہیں ہے، عشق ومحبت کا سرمایہ دار مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، دلوں میں زندہ رہتا ہے، یادوں میں زندہ رہتا ہے، حق تعالیٰ نے آپ کو یہ دولت دے کر لازوال بنادیا ہے، موتی تو موتی ہے، اس کی آب وتاب ہر حال میں باقی رہتی ہے، اس کی قدر وہی کرے گا، جو اس کی پہچان رکھتا ہے، اور اگر ناقدروں نے اس کی قدر نہیں کی تو، قصور موتی کا نہیں ناقدروں کی کورنگاہی کا ہے۔ پیغمبروں کا ان کی قوموں نے انکار کیا، تو اس سے پیغمبروں کی قدر وقیمت میں کوئی کمی نہیں آئی، قوموں نے اپنی آبرو کھوئی، پیغمبر اپنی محنت کا صلہ اس بارگاہ سے پاتا ہے، جس کے لئے اس نے اپنی جان کھپائی تھی، وہ تو ابتداء ہی میں اعلان کردیتا ہے: **إِنْ أَجْــرِیَ إِلَّا عَـلَی اللّٰہِ** ''میری قدردانی اللہ کے حوالے ہے'' دنیا میں کیا ہے؟ یہاں جو کچھ ہے، وہ درد ہے، دکھ ہے، چوٹ ہے، تڑپ ہے، زخم ہے، ایک زخم بھر نہیں چکتا کہ دوسرا لگ جاتا ہے، ساری زندگی چوٹ کو سہلاتے اور زخم پر ناکام مرہم رکھتے گذر جاتی ہے، پھر دنیا کی یہ ناکامیاں، نامرادیاں، ناکارگیاں، جب بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پائیں گی، تو انھیں ٹھیک عکس کردیا جائے گا، اتنا بڑھایا جائے گا کہ یہ زخم خوردہ انسان، یہ ناکام آدمی

بول اٹھے گا کہ پروردگار! یہ تو اس سے بہت زیادہ ہے، جو میں سوچ سکتا تھا، وہاں سے ارشاد ہوگا، ابھی کیا؟ بس چاہتے جاؤ، مانگتے جاؤ، انسان کا حوصلہ تمام ہو جائے گا، تب ندا آئے گی: وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ، ابھی تو ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔

آپ نے سچ کہا، اور صحیح محسوس کیا کہ پہلے جو محبت دکھائی دے رہی تھی، اب وہ حسد ونفاق میں بدل گئی ہے، بالکل بجا! محبت کے لئے کچھ مخصوص دل ہوتے ہیں، (۲) اور حسد ہر دل کو اپنا آشیانہ بنانے کی فکر میں رہتا ہے، اور عموماً وہ کامیاب رہتا ہے، محبت غیور ہے، وہ حسد ونفاق کو آتا ہوا دیکھتی ہے تو رُخصت ہو جاتی ہے، حسد بے حیا ہے، وہ ہر جگہ گھستا ہے، آپ نے جس قوم کا تذکرہ کیا ہے، اس کا تمام تر رشتہ حسد اور خود غرضی ہی سے ہے، وہ نام محبت کا ضرور لیتی ہے، لیکن کلام میں رنگ بھرنے کے لئے! برتنے کے لئے نہیں، برتنا جگر کاوی کا عمل ہے، بات بنانی آسان ہے۔ وہاں تمام جلوہ گری حسد اور نفاق کی ہے، اور اس میں وہ معذور ہے، اس نے محبت کا نام سنا ہے اسے سیکھا نہیں ہے، اس لئے اس کی زندگی اندر سے تاریک ہوتی ہے، چراغ باہر جل رہا ہے، اندر روشنی نہیں ہے۔

لیکن ہمارا رشتہ ان ہستیوں سے ہے، جن کی نگاہ بجز ربّ کائنات کے کسی پر پڑی ہی نہیں، مخلوق پر اگر نظر ڈالی تو ترحم وتلطف کی نظر ڈالی، فقر واحتیاج کی نہیں، وہ دے کر خوش ہوتے ہیں، لینے کا جذبہ نہیں رکھتے، شہرت ان کے قدموں کو چھونا چاہتی ہے، وہ اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔

خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکے کی گلیوں میں، حرم شریف کے صحن میں، ایک دیوانے کو تلاش کر رہے تھے، انھیں اس سے ملنے کا اشتیاق تھا، انھوں نے زبانِ نبوت سے اس کی تعریف سنی

تھی ، بالآخر وہ دیوانہ مل گیا ، وہ اپنی سرمستی میں طواف کرر ہا تھا ، طواف کر چکا تو امیر المومنین نے اس کا راستہ روکا ، دیوانہ نکلا جار ہا تھا ، مگر امیر المومنین کی جلالت قدر نے اسے رکنے پر مجبور کردیا ، تعارف ہوا ، دعا کی درخواست ہوئی ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائش کی ، اویس ! کچھ نصیحت کرو ، عرض کیا ، آپ صحابیٔ رسول ! میں آپ کے پاؤں کی دھول ! میں کیا نصیحت کروں ، فرمایا نہیں کچھ تو کہو ، دیوانہ تو دیوانہ مگر بات کی ہشیاری کی ، حضرت ! آپ خدا کو جانتے ہیں ؟ ہاں کیوں نہیں ، اپنی بساط بھر جانتا پہچانتا ہوں ، دیوانہ بولا پھر آپ خدا کے علاوہ کسی اور کو نہ جانیں تو اچھا ہے ، حضرت عمر پر سکتہ سا طاری ہونے لگا ۔ اور حضرت ! اللہ تعالیٰ آپ کو جانتے ہیں ؟ ہاں کیوں نہیں ، انھیں ذرے ذرے کی خبر ہے ، دیوانہ پھر بولا ، تو اگر آپ کو خدائے تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہ جانے تو اچھا ہے ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے ، اور دیوانہ اپنی شوریدگی میں کسی طرف نکل گیا ۔

میرے سامنے ایک شخصیت ہے ، بچپن اس کا محبت کی معصوم فضاؤں میں گذرا ۔ جوانی آئی تو گردشِ زمانہ نے سخت ٹھوکر لگائی ، مگر سنبھالنے والا اسے سنبھالے رہا ۔ اب اس کا بڑھاپا ہے ، آفتابِ عمر لبِ بام آ گیا ہے ، اب کوئی دم ہے کہ کانوں میں یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ( اے نفس مطمئنہ ! اب اپنے رب کے حضور لوٹ چل ، اس حال میں لوٹ چل کہ تو بھی راضی اور وہ بھی راضی ) کی صدائے دلنواز گونجنے والی ہے ، اور وہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ( میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا ) کی رہنمائی میں انھیں لوگوں کے جھرمٹ میں جا پہونچے گی ، جس کی یاد میں اس نے آنسو دریا دریا بہائے ہیں ، زندگی تڑپ تڑپ کر بسر کی ہے ، اور سب کے ساتھ مل کر وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ( میری جنت داخل ہوجا ) کا روح پرور نغمہ سنتے ہوئے جنت میں جا داخل ہوگی ، جہاں ناقدری کی شکایت نہ ہوگی !

ایسی شخصیت کو بھلا یہاں کے ناقدروں سے کیا شکوہ؟

اس نے سب کے ساتھ پیار کیا ہے اور کیئے جارہا ہے، اس نے دشمن کو گلے لگایا ہے، اس نے کانٹوں کو پھول سمجھ کر اٹھایا ہے، اس نے زخموں سے بھی پیار کیا ہے، اور زخم دینے والے ہاتھوں کو بھی بوسہ دیا ہے، آخر اسی نے تو کہا ہے۔

کیسے کیسے دکھ نہیں جھیلے کیا کیا چوٹ نہ کھائے
پھر بھی پیار نہ چھوٹا ہم سے، عادت بری بلائے

دیکھئے! میں بھی دیوانہ ہوا جارہا ہوں، کیا کیا لکھتا چلا گیا، لقمان کو حکمت سکھانے ایک طفل مکتب چلا ہے، بس خاموش آگے حدِّ ادب! لیکن کیا کروں، آپ کے نامۂ محبت نے دل کی رگوں پر نشتر لگایا، تو میں نے بھی لہو کو آزاد چھوڑ دیا کہ بہہ لے جتنا بہہ سکے، اب اسے آپ جانیں کہ یہ لہو رائیگاں گیا یا کچھ رنگ لائے گا۔ والسلام

دعاؤں کا ملتجی
اعجاز احمد اعظمی

۲۸ / ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۱ / جولائی ۲۰۰۰ء یکشنبہ

(۱) دیوانے دو۔۔۔ڈاکٹر صاحب کے ان خطوط کا مجموعہ ہے، جوانھوں نے بہار کے گورنر جگناتھ کوشل کو لکھے۔ ’’دفتر گم گشتہ‘‘ ڈاکٹر صاحب کے پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس کا عنوان ہے ’’بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک۔ (مرتب)

(۲) اس جملے کو پڑھ کر بے ساختہ مخمور سعیدی کا یہ شعر یاد آگیا، (مرتب)

محبت کیلئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا عبدالمنان صاحب مظفرپوری مدظلہ

دارالعلوم دیوبند کے نہایت نیک نام، ذی استعداد، صوفی صافی طالب علم! ١٩٦٨ء میں مَیں دارالعلوم دیوبند پہونچا تو یہ دورہ سے فارغ ہوکر مولانا وحیدالزماں صاحب علیہ الرحمہ کے قائم کردہ ادب عربی وانشاء کی صف نہائی میں شامل تھے، اسی وقت سے میرا اُن سے گہرا رابطہ ہوا۔ ایک سال کے بعد دارالعلوم حسینیہ، چلّہ امروہہ میں استاذ بن کر تشریف لے گئے، اس خاکسار کو وہیں ان سے باقاعدہ تلمذ حاصل ہوا۔ اب اپنے ضلع سیتامڑھی میں ایک عربی مدرسہ کے بانی اور مہتمم ہیں، نیز حضرت مولانا ابرارالحق صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ ہیں۔ اس مجموعہ میں تاریخ کے اعتبار سے سب سے پہلا خط یہی ہے۔ (اعجاز احمد اعظمی)

اس خط سے اس وقت کے اُسلوبِ کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس وقت کے خطوط تقریباً سب کے سب ضائع ہوگئے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذی المحترم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خاکسار آپ کی دعواتِ صالحہ کے طفیل بخیر وعافیت ہے، آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا، بیتی ہوئی گھڑیوں کی یادیں لوحِ ذہن پر ابھر آئیں، طبیعت بے چین ہوگئی،

کاش وہ لمحات پھر میسر آسکیں۔

آپ کے پُرخلوص مبارکباد نے شرف بخشا، شکریہ، آپ نے دعا کا حکم دیا، آپ میری دعا کی قبولیت کے لئے دعا فرمائیں۔

میرے مخدوم! زندگی کے دوعشرے گذر چکے، کس طرح گذرے، کاش میں بھول سکتا، کاش رب العزت معاف فرمادیتا، اور اپنی مہربانی سے بقیہ کو شریعت کے اصول پر ڈھال دیتا، ورنہ ماحول کی ظلمت نا کی، نفس امارہ کی سرکشی، طبیعت کی کمزوری، یقین کا ضعف، دورِ نبوت کا بعد، بدعات کا شیوع، سنن کا اندراس، علوم کا انحطاط، غرض چند در چند اسباب انسان کو قعر ضلالت میں پھینکنے والے مجتمع ہیں۔ وہ بڑا صاحب ہمت ہے، جوان حالات میں بھی مردانہ وار رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے لئے کوشاں ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اس فاقد الہمت ضعیف وناتواں کے لئے دعاء فرمائیں، اور یہی عرض حضرۃ الاستاد مولانا سید عبدالحی دام ظلہ کی خدمت میں پیش کردیں، **لعل اللہ یرزقنی صلاحاً**، اور نیازمندانہ سلام بھی، حضرۃ الاستاد کے منصب اہتمام پر آجانے کی اطلاع استاذ محترم مولانا افضال الحق صاحب زید مجدھم کی زبانی مل چکی تھی، نہ جانے صدارت کس کی ہے؟

باقی سب خیریت ہے، ایک ماہ ہوا، بڑی ہمشیرہ راہی ملک بقاء ہوئی، اس کے لئے دعاء مغفرت فرمائیں، دوسری سخت علیل ہے، اس کے لئے دعاء صحت۔

نیازمند

اعجاز احمد اعظمی

۲۹/ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

☆☆☆☆☆

# بنام
# والد محترم الحاج محمد شعیب صاحب کوثر اعظمی علیہ الرحمہ

والد محترم علیہ الرحمہ کے نام خط لکھنے کا کم اتفاق ہوا۔ مدرسہ دینیہ غازی پور کے زمانۂ تدریس میں والد مرحوم کو ایک موذی دشمن کے ساتھ ابتلاء پیش آیا۔ اس نے عرصہ تک انھیں بہت ستایا، والد صاحب کا مزاج خاموشی اور درگزر کا تھا، انھوں نے بہت صبر کیا، کبھی کبھی جب ایذا حد سے گزر جاتی تو مجھے مختصر لفظوں میں اطلاع فرماتے اور تسلی دعا کا حکم دیتے۔ اسی طرح کے خطوط کے جواب میں میرے یہ تین خط ہیں، ان کے کاغذات میں دستیاب ہوئے، ان تینوں کا موضوع ایک ہی ہے۔

(اعجاز احمد اعظمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب والد صاحب قبلہ! دام برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی

گرامی نامہ ملا، حالات سے بہت رنج ہوا۔ گھر آئے واقعی بہت دن ہوگئے، کئی مرتبہ شدید تقاضا بھی پیدا ہوا، مگر امتحان کی مصروفیات اور بعض دوسرے مشاغل حارج ہوتے رہے، اب امتحان ختم ہورہا ہے، سنیچر تک مصروفیات ہیں۔ الہ آباد سے حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ نے امتحان کے سلسلے میں طلب فرمایا ہے، نیز یہ کہ وہ ۲۰ ؍شعبان سے قبل ہی بمبئی غالباً تشریف لے جانے والے ہیں، اس بنا پر یہاں سے فارغ ہوکر دوایک روز کے لئے الہ آباد جانے کا خیال ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایک ہفتہ کی اور تاخیر ہو، میں الہ آباد حاضر ہوکر حضرت سے سارے حالات کہہ کر دعا کی درخواست کروں گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہم لوگوں کی خدا کی جانب سے آزمائش ہے، ہر زمانے میں خداوند کریم کا یہ دستور رہا ہے کہ جو بندے اپنی زندگی اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزارنے کا عہد باندھتے ہیں ان کی جانچ اور پرکھ مختلف مصائب اور بلاؤں میں مبتلا کرکے فرماتے ہیں، کہ پختگی کا ذریعہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں ہے۔ نیز ان مصائب کی بھٹی میں انسان کے معاصی وذنوب کو جلانا بھی مقصود ہوتا ہے جن کی موجودگی میں خدا سے ملے تو عذابِ آخرت کا مستحق ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ ان سب سے پاک وصاف ہوکر خدا کے پاس پہونچے، نیز حدیث میں آتا ہے کہ بعض بندے اپنی عبادت وریاضت سے اس مقام ومرتبہ تک نہیں پہونچ

پاتے جہاں تک پہونچانا خدا کو منظور ہوتا ہے، تو ان پر بلاؤں کا اور مصائب کا نزول ہوتا ہے۔ بندہ ان پر صبر کرتا ہے اور درجہ علیا تک پہونچ جاتا ہے۔ بہرکیف یہ حالات جہاں ایک طرف بہت صبر آزما ہوتے ہیں وہیں رحمت الٰہی کو بہت کھینچنے والے بھی ہوتے ہیں۔ حالات سب گزر ہی جاتے ہیں، صبر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ سب امور چندروزہ ہیں، صرف زندگی تک۔ اللہ کے بندے سخت سخت آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے ہیں، بالآخر کامیابی انھیں کی ہوئی ہے۔

میں آپ سے کیا عرض کروں، حدیث میں ہے کہ جس بندے کی جانب اللہ کی نظر رحمت ہوتی ہے اس پر مصائب کی یورش ہوجاتی ہے، شاید اللہ تعالیٰ چاہتے ہوں کہ نعمتوں میں پڑ کر ہماری جانب ویسی توجہ نہیں رکھ سکے گا جیسی وہ چاہتے ہیں۔ مصائب ہر وقت انسان کو خدا کی جانب متوجہ رکھتے ہیں۔ حالات ووقائع سے متاثر ہونا، تکلیف کا محسوس کرنا تو انسان کی فطرت ہے، مگر ہر حال میں صابر شاکر رہنا اور اللہ کی ہر تقدیر پر راضی رہنا خدا کا حکم ہے۔ انسان کیا کرے مجبور ہے، صبر وتسلیم کے سوا چارہ نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی جانب سے ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ وقت ہی پر کام ہوگا، ہمارا کام ہے پکارے جانا، ہم جلدی چاہتے ہیں، اللہ کے یہاں مہلت ہے، توقف ہے۔ وہ معاملات ہم سے بہتر جانتے ہیں، مجھے اللہ کی ذات سے یقین ہے کہ اس معاملہ کا آخری انجام ہمارے ہی حق میں ہوگا۔ میں کیا اور میری دعا کیا، مگر برابر مصروفِ دعا ہوں۔ اللہ میری اور آپ کی دعائیں قبول فرمائے۔ آمین

والسلام

اعجاز احمد اعظمی ۱۰ر شعبان ۱۳۹۷ھ

☆☆☆☆☆

قبلہ محترم جناب والد صاحب! دام مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ جب سے بارش ہوئی ہے طبیعت گھر کی جانب بہت زیادہ متوجہ رہتی ہے کہ معلوم نہیں وہاں کی صورت حال کیا ہے؟ برابر اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر طرح عافیت حاصل رہے، تاہم یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ ایک امتحان اور آزمائش ہے، اور یہاں کے امتحان کی آخری میعاد وہ دن ہے جبکہ آدمی اس دارِ فانی سے کوچ کرتا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں تو آدمی کشاکش میں رہتا ہی ہے، آخرت کا آرام اور وہاں کا عیش یہاں کی تکلیف ومصیبت کے بقدر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔

(ہم تم کو کسی قدر خوف، بھوک اور جان ومال اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے ،اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو، جن کا حال یہ ہے کہ جب انھیں مصیبت لاحق ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں (وہ جو چاہیں تصرف کر سکتے ہیں) اور ہم انھیں کی جانب لوٹنے والے ہیں (پھر ان پر یہ انعام ہے کہ) ان کے رب کی طرف سے خاص خاص رحمتیں ہیں اور عام رحمت بھی، اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقتِ امر تک) رسائی ہوگئی ہے۔

اس میں سب سے پہلے خوف کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد دشمنوں کا خوف ہے جو آدمی کی نیند اُڑا دیتا ہے، اور غالباً یہی آزمائش سب سے سخت ہے کہ اس میں آدمی کئی طرح سے تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی وقت اطمینان میسر نہیں

آتا، ہروقت طبیعت میں اسی کی ادھیڑ بُن لگی رہتی ہے، دوسرے دشمن پر غصہ کی وجہ سے ہروقت طبیعت میں آگ بھری رہتی ہے جس کا کرب ظاہر ہے، تیسرے جان ومال کا جو نقصان ہوتا ہے اس کی تکلیف مستقل سوہانِ روح رہتی ہے، چوتھے وقت کی بربادی ہے، اور اسی طرح سے بہت سے ضروری کاموں کا رہ جانا، اور فضول بلکہ کبھی کبھی معصیت تک کے کاموں میں مبتلا ہوجانا، بس چاروں طرف سے مصیبت ہی جمع ہوجاتی ہے۔

اسی بناء پر اگر آدمی اس مصیبت میں ثابت قدم رہے اور شریعت پر جما رہے تو اجر بھی سب سے زیادہ ہے، جب تک اس میں معصیت نہ شامل ہوجائے آخرت کے اعتبار سے بلکہ دنیا کے لحاظ سے بھی رحمت ہی رحمت ہے۔حدیث میں دعا ہے: لَاتَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا (مناجات مقبول منزل دوم) یعنی اے اللہ! ہمارے دین میں مصیبت نہ بھیجو۔

حضرت شیخ الہندؒ کو جب انگریزوں نے گرفتار کیا تو فرمایا کہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے، خدا کا شکر ہے کہ ایک مصیبت میں گرفتار ہوں نہ کہ کسی معصیت میں۔اور میں تو سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ قوت وہمت عطا فرمائی ہے جو خاص خاص لوگوں کو عطا ہوئی ہے، آپ کی تکلیف دیکھتا ہوں اور پھر صبر استقلال دیکھتا ہوں تو بے اختیار فرطِ جذبات سے آفریں نکلتی ہے کہ ایک شخص مستقل ایذا ہی کے لئے مقرر ہے۔

حضرت شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "التحدیث بالنعمة" میں لکھا ہے کہ:

ومما أنعم الله به عليَّ أن أقام لي عدواً يوذيني ويمزق في عرضي ليكون لي أسوة بالانبياء والاولياء ،قال رسول الله ﷺ أشد

**الناس بلاء الانبیاء ثم العلماء ثم الصالحون۔**

منجملہ ان انعامات کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرمائے ہیں ایک یہ ہے کہ میرے لئے ایک دشمن کھڑا کردیا جو مجھ کو ایذا پہونچاتا رہتا ہے اور میری عزت پارہ پارہ کرتا رہتا ہے، تاکہ انبیاء واولیاء کا اتباع اور ان کی اقتداء مجھے اس باب میں حاصل ہوجائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر علماء کی، پھر صالحین کی۔

تالیفاتِ مصلح الامت پڑھتے ہوئے ایک جگہ یہ عبارت نظر سے گذری، جی میں آیا کہ آپ کو تحریر کردوں، کہ بعینہٖ یہی حال آپ کے سامنے بھی ہے، حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ اس پر فرماتے ہیں:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ مخالفین کا ہونا، مخالفت کیا جانا اور اس پر صبر کرنا، یہ سب بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت اور ان کا اُسوہ ہے، اور جن لوگوں کے ساتھ یہ معاملات پیش آئیں وہ خوش ہوں کہ الحمدللہ ان کو تَـاَسِّیْ (اور اقتداء) انبیاء علیہم السلام کی حاصل ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ چیزیں خدا کی طرف سے بطور امتحان پیش آتی ہیں، اور اسی سے ان کو نمبر اور مرتبہ ملتا ہے اور وقتی وعارضی ہوتی ہیں، چنانچہ یہ وقت گذر جاتا ہے اور یہ حضرات کامیاب ہوجاتے ہیں اور تمام چیزیں ختم ہوجاتی ہیں، مگر اس کو سمجھنا اور جھیل لینا یہ بھی اللہ کے فضل ہی سے ہوتا ہے۔''

سبحان اللہ! کیا عمدہ تسلی بخش مضمون ہے، تاہم اس کے ساتھ عافیت کی دعاء بھی مسنون ہے، حضور اقدس ﷺ نے عافیت کی دعا ان لفظوں میں مانگی ہے: اَللّٰھُمَّ

إِنِّي أَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِيْنِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي (مناجات مقبول منزل سوم) اے اللہ! میں اپنے دین، دنیا، اہل اور مال میں معافی اور امن کا سوال کرتا ہوں۔ میں دل سے یہی دعا کرتا ہوں اور روز کرتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی ارشاد ہے: أَسْأَلُ اللهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ میں اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دعاء اس قدر پسند نہیں جتنی عافیت کی دعاء، انسان بہرحال انسان ہے، رنج وغم سے متاثر ہوتا ہی ہے، یہ تو اس کے لئے لازم ہے، اسی لئے صبر کی تلقین کے ساتھ اللہ رب العزت نے فریادوزاری کا بھی حکم دیا ہے اور دونوں ہی سے ترقیٔ درجات ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں یہ دعاء آئی ہے: یا أرحم الراحمين إلىٰ من تكلني إلىٰ عدوٍ يتجهمني أم إلىٰ قريبٍ ملكته أمري إن لم تكن ساخطاً عليّ فلاأبالي غير أن عافيتك أوسع لي۔ (مناجات مقبول منزل سوم) اے ارحم الراحمین! آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں، کسی دشمن کے جو مجھ پر حملہ آور ہوتا ہے یا کسی عزیز وقریب کے جس کو آپ نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر آپ کی مجھ پر ناراضگی نہ ہو تو مجھے کوئی فکر نہیں، تاہم آپ کی عافیت بہت وسیع ہے۔

یہ دعا آپ نے اس وقت کی ہے جبکہ طائف میں آپ کو سخت تکلیف پہونچائی گئی تھی۔ دیکھئے اس میں اولاً تو عزیمت ہے کہ اگر آپ ناراض نہیں تو پھر مجھے کسی تکلیف کی پرواہ نہیں ہے، مگر پھر اپنے ضعف اور اللہ کی قدرت پر نظر کر کے عافیت کی درخواست بھی پیش کر دی۔

بہر کیف اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو اُمور پیش آتے ہیں ان میں خیر ہی خیر ہے، خواہ اس کو ہم نہ سمجھ سکیں، حسن عاقبت تو ان شاء اللہ عقبیٰ میں نظر آئے گی۔

ایک کارڈ دریافتِ احوال کے لئے لکھنے بیٹھا تھا، لکھنا شروع کیا تھا کہ یہ مضامین ذہن میں آگئے، سوچا کہ لکھ ہی دوں، شاید کچھ موجب تسلی ہوں۔

۱۵ر شعبان تک یہاں امتحان ختم ہورہا ہے، اس کے بعد انشاء اللہ گھر آؤں گا، رمضان شریف میں بعض مصلحتوں کی بناء پر الہ آباد ہی رہنے کی ضرورت ہے، اب جو اللہ کو منظور ہو، دعاؤں کا طالب ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم ر شعبان ۱۳۹۸ھ

☆☆☆☆☆

حضرت والدی المحترم! دام مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک خط لکھ چکا ہوں، ملا ہوگا، آج آپ کا خط ملا۔ حالات کی اطلاع سے شدید صدمہ ہوا، بہت دیر تک اکیلا کمرہ میں پڑا فریاد وفغاں کرتا رہا۔ میرا ارادہ گھر آنے کا تھا، مگر وسائل اجازت نہیں دیتے اس لئے مجبور ہوں۔ میں برابر آپ کے حق میں دعاء کیا کرتا ہوں، کبھی غافل نہیں ہوتا۔ لیکن موجودہ مکتوب سے جو آپ کی حالت دریافت ہوئی اس سے سخت پریشان ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ رنج پیہم کے جو دھچکے آپ کو لگ رہے ہیں اس کو جھیل لینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضرور کوئی لغزش ایسی ہے جس کو ہم نہیں جانتے مگر وہ دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بن رہی ہے۔

والدی المحترم! یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ ہم لوگ خطاؤں اور گناہوں کے پیکر ہیں۔ اگر ہم اللہ کے نیک بندوں کی زندگیوں سے اپنی زندگی کا مقابلہ کریں تو

ذرہ وآفتاب کی نسبت بھی نہیں ہے،لیکن بحکم حدیث مظلوم تو اگر کافر بھی ہو تب بھی اس کی دعا رد نہیں ہوتی ، اور اس کا بدترین کفر بھی مقبولیت کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ وہ سیدھی عرشِ الٰہی کو جا چھوتی ہے۔اس لئے میرے خیال میں اجابت دعاء کی راہ میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ تردد،بس بات صرف اتنی سی ہے کہ ہر کام کا اللہ کے نزدیک ایک وقت مقرر ہے،جس کو وہی جانتا ہے،اس وقت وہ کام یقیناً ہوگا،اس سے پہلے نہیں ہوگا۔ارشاد ہے:وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ ہر جماعت کیلئے ایک مدت مقرر ہے،اس سے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے اور نہ آگے بڑھ سکتی ہے۔

دعائیں سب ان کے حضور باریاب ہوتی ہیں،وہ سمیع وعلیم ہیں،رحیم وکریم ہیں۔فرماتے ہیں:وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔اور جب میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (کہدو) کہ میں قریب ہوں،پکارنے والے کی پکار کو منظور کرتا ہوں جب وہ پکارتے ہیں۔

وہ علیم وقدیر ہیں،سمیع وبصیر ہیں،رحیم وکریم ہیں،مگر حکیم وحلیم بھی ہیں۔ان کی حکمت کا شاید یہی تقاضا ہو کہ حالات چندے ناموافق رہیں،امداد واعانت میں قدرے تاخیر ہو،اور اس میں مصلحت یہ ہو کہ خشیت وانابت،تضرع وزاری،عجز و بیچارگی اور فریاد وفغاں کی جو مقدار ان کے نزدیک مطلوب ہوتی ہے کبھی اس میں کمی رہ جاتی ہے۔شاید اس طرح اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہوں۔حقیقت یہ ہے کہ کٹھن اوقات اور شدید حالات کی یہ بھٹی ایسی ہے کہ اس میں جہاں ایک طرف گناہوں اور معصیتوں کے انبار جل کر راکھ سیاہ ہو جاتے ہیں،وہیں گریہ وزاری،تضرع وفریاد اور نالۂ وفغاں کی وہ دولت بے بہا بھی حاصل ہو جاتی ہے جو اللہ کو بے حد محبوب

ہے، اور اس سے مقبولیت کے بے انتہا درجات سے آدمی سرفراز ہوجاتا ہے، لیکن کیا کیجئے کہ یہ عظیم دولت راحت وآرام اور مسرت وخوشی کے ایام میں میسر نہیں آتی، اس لئے بلاؤں کا نزول وہجوم ہوتا ہے، کہ انسان اس سے محروم نہ رہ جائے۔ ایک صحابی سے حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا جنھوں نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے کہ: میاں! پھر تو مصائب کے لئے تیار ہوجاؤ، کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھے گا اس کی جانب مصائب کا سیلاب اس طرح آئے گا جیسے نشیبی زمین میں پانی کی تیز رَو! نیز احادیث وآثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومن مقبول کی دعاؤں کی قبولیت میں اس لئے تاخیر ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل کو اس کا رونا اور آنسو بہانا بہت محبوب ہے۔ آنکھ جب اللہ کی محبت اور خوف سے آنسو بہانے سے بخل کرتی ہے تو دوسرے حالات پیدا کر کے آنسوؤں کا بند کھولتے ہیں، پھر انھیں اپنے فضل وکرم سے اشک محبت اور گریۂ خوف کے عوض قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ اللہ کیسی مہربانی ہے، ورنہ تو معلوم ہے کہ اللہ کی محبت وخوف سے رونے اور مصائب دنیا کے ہجوم سے آنسو بہانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، لیکن کل ہم دیکھ لیں گے کہ جہاں اشکہائے محبت اور سرشکہائے شوق کو خونِ شہداء کے برابر قبولیت حاصل ہورہی ہے وہیں مصیبت زدہ اور ظلم وستم رسیدہ لوگوں کے گریہ ہائے پیہم کی بھی وہی قیمت لگ رہی ہے، اور مسلسل نوازش و رحمت کی بارش ہورہی ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ کیا ٹھکانا ہے فضل خداوندی کا۔

اے خدا قربانِ احسانت شوم ایں چہ احسانست قربانت شوم[

آپ اپنے قلب کو مضبوط رکھیں، اور یقین رکھیں کہ جو فیصلہ ہوگا ہمارے حق میں بہتر ہوگا، بالکل ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ شخص اپنی شقاوت وبدبختی پر مہریں لگائے جارہا ہے، یہ اللہ کی خفیہ تدبیر ہے جو اس کو کھا جائے گی۔ آپ عبادات و

نوافل جس قدر ادا کرتے ہیں، کرتے رہئے، مگر اپنے اوپر زیادہ بار نہ ڈالئے، صحت وقوت کا لحاظ رکھتے ہوئے معمولات واوراد مقرر کیجئے۔ اللہ کے یہاں کثرتِ عبادت پر اتنی نظر نہیں جتنی شکستگیٔ قلب پر۔ وہ الحمد للہ آپ کو حاصل ہے، جی چاہے تو چلتے پھرتے اور جب موقع ملے یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہئے۔ حضور ﷺ نے دفع غم کے لئے اس کو تعلیم فرمایا ہے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔

میں برابر دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا ان شاء اللہ۔ حضرت کے آنے میں تو تاخیر ہے، ان کو بھی دعاء کیلئے لکھ رہا ہوں۔ ۲۳؍نومبر کی تاریخ میں کیا ہوا، تحریر فرمایئے گا، تشویش بہت ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۳؍محرم ۱۴۰۰ھ

☆☆☆☆☆

# بنام
# مولانا شمس الدین صاحب مبارکپوری علیہ الرحمہ

استاذ محترم جناب مولانا شمس الدین صاحب مبارکپوری کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا فخر الدین صاحب مسجد حرام مکہ مکرمہ سے جمعہ کی نماز پڑھ کر آرہے تھے کہ اچانک کار کے ایکسیڈنٹ میں جان بحق تسلیم ہوگئے، ۲۷/ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ کو یہ حادثہ پیش آیا۔ اس سے تین چار سال قبل ان کے چھوٹے بھائی مولوی مبارز الدین صاحب ٹرین کے نیچے آکر شہید ہو چکے تھے، مولانا پر ان پیہم صدمات کا جو اثر ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے، اس سے متاثر ہو کر یہ خط لکھا گیا ہے۔ (اعجاز احمد اعظمی)

استاذنا المحترم! عافاکم اللہ ورزقکم صبراً جمیلاً وأجراً جزیلاً

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میں ادھر دو ہفتہ قبل بہار کے ایک سفر پر تھا، دو تین دن ہوئے واپسی ہوئی ہے۔ آج مولانا عبد الرب صاحب کی زبانی مولوی فخر الدین صاحب رحمة اللہ علیہ رحمةً واسعةً کے حادثے کی اطلاع ہوئی، بس کیا عرض کروں، دل ودماغ پر کیا بیت گئی، بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا، آپ کے بڑھاپے میں دو جوان اولاد کا صدمہ اللہ اللہ آپ کے دل پر کیا کچھ گزر رہی ہوگی بجز خدا کے کون جان سکتا ہے، چاہتا ہوں کہ چند کلمات تسلی وتعزیت کے لکھوں، لیکن عقل جواب دے رہی ہے۔ آپ میرے

بڑے ہیں، آپ سے کیا عرض کروں، تاہم آپ کے صدمہ کوسوچتا ہوں تو دل بے تاب ہوجاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ کمال اللہ تعالیٰ نے مومن ہی عطا فرمایا ہے کہ سخت سے سخت صدمات کو سہہ لے جاتا ہے، اس کا ایمان بالغیب ہی اسے سنبھالتا ہے، مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ جس ذاتِ قدسی نے امانت دی تھی اسی نے یہ امانت واپس لی ہے اور کل کو ہم خود وہیں پہونچنے والے ہیں۔ اللہ عزوجل کے پاس جو نعمتیں اور راحتیں ہیں وہ دنیا کی نعمتوں اور راحتوں سے بدرجہا ارفع واعلیٰ ہیں، مومن کا یہی یقین اس کے لئے ہر مصیبت کو سہل بنادیتا ہے، دنیا کی ہر شے خواہ کتنی ہی محبوب ہو فانی ہے اور محبوبِ مطلق ہر حال میں باقی ہے۔ مومن کا دل خواہ کہیں سے ٹوٹے اپنے پروردگار سے جڑا رہتا ہے اور وہیں سے وہ صبر وہدایت کی غذا پاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

**مَاأَصَابَ مِنْ مُصِيْبَةٍ إِلَّا بِاِذْنِ اللهِ وَمَنْ يُّوْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ۔**

مصیبت خواہ کوئی ہو بغیر اللہ کی اجازت کے نہیں آتی، اور جس کے قلب میں ایمان کا رشتہ اُستوار ہوتا ہے، اس کی رہنمائی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

**إن الله تبارک وتعالیٰ قال یاعیسیٰ إنی باعث من بعدک أمة إذا أصابهم مایحبّون حمدوا اللهَ وإن أصابهم مایکرهون احتسبوا وصبروا ولاحلمَ ولاعقلَ فقال یاربِّ! کیف یکون هٰذا لهم ولاحلم ولاعقل قال أعطیهم من حلمی وعلمی۔** (مشکوٰۃ شریف)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک ایسی امت پیدا کروں گا جنھیں کوئی مرغوب اور پسندیدہ چیز ہاتھ آئے گی تو اللہ

کی حمد وثنا کریں گے، اور کسی تکلیف دہ اور پریشان کن بات کا سامنا ہوگا تو نیت اچھی رکھیں گے اور صبر کریں گے، حالانکہ نہ ان میں قوت برداشت ہوگی نہ عقل۔ حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا کہ جب ان میں نہ قوت برداشت ہوگی اور نہ عقل تو پھر یہ انھیں کیونکر حاصل ہوگی؟ فرمایا کہ انھیں اپنے حلم اور علم سے بخشش عطا کروں گا۔

سُبْحَانَ اللہ! کیا رحمت ہے پروردگار کی، ہم حلم اور عقل دونوں سے خالی تھے تو رب کریم نے خاص اپنے حلم اور علم کی بخشش سے نوازا، یہی وہ بات ہے جو مومن کے قلب کو مضبوط رکھتی ہے اور اسے مغلوب نہیں ہونے دیتی۔ اب آپ کی بات کیا عرض کروں؟ کہ اس بخشش ونوال کا کتنا حصہ ملا ہے، کون جان سکتا ہے، پے در پے ایسے سنگین صدمات کی برداشت بلاشبہ عنایت ربّانی کا خاص مظہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

| | |
|---|---|
| یقول اللہ تبارک وتعالیٰ: ابن آدم إن صبرت واحتسبت عند الصدمہ الاولیٰ لم أرض لک ثواباً دون الجنۃ۔ (مشکوٰۃ شریف) | اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اگر تو نے صدمہ پڑتے ہی صبر کرلیا اور اجر کی امید باندھ لی تو یہ سمجھ لو کہ میں جنت سے کم ثواب دینے پر ہرگز راضی نہ ہوں گا۔ |

اللہ، اللہ ایک صبر واحتساب پر رب کریم کی جانب سے یہ عنایت بجز جنت کے وہ خود کسی اور ثواب پر راضی نہیں، بے شک یہی شانِ رحمت ہے اس پروردگار کی جس کی رحمتوں کے وسیع وعریض سائے میں ہم ساری نعمتیں پا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: [وهو الصادق المصدوق نومن بكل ما أتىٰ به وقاله] إذا مات ولد العبد قال الله لملائكته قبضتم ولد عبدی؟

**فیقولون: نعم، فیقول: قبضتم ثمرۃ فؤادہ؟ فیقولون: نعم، فیقول: ماذا قال عبدی؟ فیقولون: حَمِدَکَ واسترجع فیقول اللہ ابنوا لعبدی بیتاً فی الجنۃ وسمّوہ بیت الحمد۔** (مشکوٰۃ شریف)

جب بندے کی اولاد مر جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کی اولاد کی روح قبض کر لی، وہ عرض کرتے ہیں، جی ہاں! پروردگار پھر فرماتے ہیں کہ کیا تم نے اس کے ثمرۂ قلب کو چھین لیا، وہ عرض کرتے ہیں ہاں خدایا! پھر فرماتے ہیں کہ تب میرے بندے اور غلام نے کیا کہا، وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! اس نے آپ کی حمد بیان کی اور إنا للہ پڑھ کر رہ گیا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دو، اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔

سُبْحَانَ اللہ، کتنا لگاؤ اور تعلق ہے اپنے بندوں کے ساتھ! وہ سب کچھ جانتے ہیں، وہ علیم وخبیر ہیں، لیکن کیسا بار بار پوچھ رہے ہیں، کتنا خیال ہے انھیں بندوں کا کہ اس کے دل کو ٹھیس پہونچی ہے، دیکھیں وہ کیا کہتا ہے، اور فرشتوں نے اپنے گواہی پیش کر دی کہ ہم نے اسے حمد کرتے اور إنـا للہ پڑھتے ہی سنا ہے تو انھیں سے ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا تو اس کے عوض میں جنت میں ایک خاص گھر بنا دو اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو، یہ محبت ہے، عنایت ہے، نوازش ہے۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد      آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

اس حقیر ونا کارہ کو تو آپ ہی حضرات کے صدقے میں کچھ حروف شناسی آئی ہے، آپ مجھ سے بدرجہا بہتر جانتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پارۂ دل، نورِ نظر، لختِ جگر حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا دم ٹوٹ رہا تھا اور آپ کی چشمہائے مبارک سے آنسو رواں تھے، تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا:

**إن العین تدمع والقلب یحزن ولانقول إلاّ مایرضیٰ ربنا وإنا**

**بفراقک یاابراھیم لمحزونون۔(مشکوٰۃ شریف)**

آنکھ سے آنسو جاری ہے،قلب غمزدہ ہے اور ہم کوئی بات بجز اپنے پروردگار کی رضامندی کے نہیں کہتے،اے ابراہیم بلاشبہ تمہارے فراق سے ہمیں بہت صدمہ ہے۔

اور آپ ہی نے اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا تھا کہ:

**إن لله ماأخذ وله ماأعطیٰ وکل عنده بأجلٍ مسمّیٰ فلتصبر ولتحتسب۔** (مشکوٰۃ شریف)

جو کچھ خدا نے لیا اور جو کچھ دیا سب اسی کی ملکیت ہے،ہر چیز کی اس کے پاس ایک میعاد مقرر ہے،بس صبر کرنا چاہئے اور اجر کی امید رکھنی چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مومن کی پناہ گاہ اللہ وتبارک وتعالیٰ ہی ہیں **لاملجأ ولا منجأ من الله إلا إليه** ،ہر حال میں پشت پناہ وہی ہیں،مومن کو دنیا میں جس سے محبت ہوتی ہے اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے اور جس سے رشتہ ٹوٹتا ہے اللہ ہی کے لئے ٹوٹتا ہے،سب تعلقات سے پہلے اللہ کا تعلق ہے،ہر تعلق فنا ہوجائے گا اور خدا کا تعلق باقی رہے گا،وہ کچھ لیتے ہیں تو بہت کچھ دیتے ہیں۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے،فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**مامن مسلمٍ تصیبه مصیبة فیقول ماأمره الله به ”إنالله وإنا إليه راجعون ، أَللّٰهُمَّ اُجُرنِیُ فِیُ مَصِیبَتِیُ وَاخُلُفُ لِیُ خَیراً مِّنهَا“إلا أخلف الله له خیراً منها فلما مات ابوسلمة قلت ایّ المسلمین خیر من أبی سلمة؟اول بیت هاجر إلیٰ رسول الله ﷺ ثم إنی قلتها فأخلف الله لی رسول الله ﷺ۔**(مشکوٰۃ شریف)

جب کسی مسلمان کو کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ اس پر اللہ کے حکم کے مطابق **إنـــا لله**

پڑھتا ہے، پھر یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اس مصیبت میں مجھے اجر عطا فرمایئے، اور اس کا نعم البدل عطا فرمایئے، تو اس پر اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر نعمت عطا فرماتے ہیں، پس جب میرے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوگیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا جو مجھے ملے گا، یہی پہلا گھرانا تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی جانب ہجرت کی تھی، تاہم میں نے یہ دعا کرلی، واقعی اللہ تعالیٰ نے سچ کر دکھایا اور ابوسلمہ سے بدرجہا بہتر شوہر مجھے نصیب ہوئے یعنی خود جناب رسالتمآب ﷺ۔

**استاذی المحترم!** میں کیا عرض کروں، اور میرا منہ کیا ہے کہ کچھ عرض کرسکوں، تاہم اتنی بات ضرور گوش گزار کرنی چاہتا ہوں کہ ان مصائب و بلایا میں خداوند عالم کی کیا کیا حکمتیں پنہاں ہیں، کون جان سکتا ہے؟ امورِ غیب کے سب سے بڑے راز داں ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

**أَیُّ الناسِ أشدُّ بلاءً قال: الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علیٰ حسب دینہ فان کان فی دینہ صلباً اشتد بلاء ہ وإن کان فی دینہ رقۃً ھون علیہ فمازال کذٰلک حتیٰ یمشی علی الارض مالہ ذنب۔**

سب سے بڑھ کر بلاؤں کا ورود کن لوگوں پر ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا: انبیاء پر (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پھر ان لوگوں پر جو انبیاء کے بعد افضل ہیں اور پھر درجہ بدرجہ، آپ نے فرمایا کہ آدمی کا ابتلاء اس کی دینداری کے بقدر ہوتا ہے، اگر اسے پختہ دینداری حاصل ہوتی ہے تو اس پر بلائیں بھی سخت ٹوٹتی ہیں اور اگر اس کے دین میں صلابت نہیں ہوتی تو اس کا معاملہ نرم ہوتا ہے، پھر ان بلاؤں اور مصائب کی وجہ سے بندے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ہر گناہ کے بار سے ہلکا ہوکر زمین کے اوپر چلتا پھرتا ہے۔

کیا عرض کروں جب شدتِ بلاء کو ایمان کی پختگی کا معیار قرار دے رہے ہیں تو پھر یہ شدائد و مصائب کس بات کی بشارت لا رہے ہیں، آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث اور گوش گزار کردوں۔

**قال رسول الله ﷺ إن العبد إذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله ابتلاه الله فى جسده أو فى ماله أو فى ولده ثم صبره علىٰ ذٰلک حتىٰ يبلغه المنزلة التى سبقت له من الله۔**

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندے کے لئے کوئی مخصوص درجہ اللہ کے علم میں مقدر ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے عمل اور عبادت کے ذریعہ وہاں تک پہونچنے سے قاصر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش اس کے جسم وجان میں یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد میں آجاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق بخشتے ہیں، بالآخر وہ اس درجہ کو پالیتا ہے جو خدا کے علم میں مقدر ہو چکا تھا۔

میں سوچتا ہوں کہ آپ کا ابتلاء تو تینوں امور میں ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس مقام ومرتبہ پر آپ کو پہونچایا جارہا ہے، سبحان اللہ، گوکہ عافیت وراحت خدا کا بہت بڑا انعام ہے لیکن اس کا ان مصائب وآلام سے کیا مقابلہ؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اور بالکل سچ ہے:

| | |
|---|---|
| **يود اهل العافية حين يعطىٰ اهل البلاء الثواب لو أن جلودهم كانت قرضت فى الدنيا بالمقاريض۔** | اہل عافیت قیامت کے دن جب اہل بلاء کی بخشش وعنایت کو دیکھیں گے تو تمنا کریں کہ گے کہ اے کاش دنیا میں ہماری بھی کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ |

دنیا میں مصیبت کی تمنا درست نہیں ہے لیکن اضطراری مصائب پر جب انعام واکرام کی بارش دیکھیں گے تو یہی تمنا ہوگی کہ کاش ہم پر بھی مصائب کے یہ پہاڑ ٹوٹے ہوتے کہ آج ہم بھی نوازے جاتے، کہاں تک عرض کروں، داستان طویل ہے، خدا کی رحمت بے پایاں ہے، اس کی تھاہ کون پا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے دونوں صاحبزادوں کو شہادت کی دولت سے نوازا، اور شہادت

بھی دو جہت سے۔ حدیث نبوی ہے کہ **موتُ غربةٍ شهادةٌ** بے وطنی اور مسافرت کی موت شہادت ہے، دونوں کو یہ شہادت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

**إن الرجل إذا مات بغير مولده قيس له من مولده إلىٰ منقطع اثره في الجنة** ۔ جب انسان کی موت گھر سے دور ہوتی ہے تو گھر سے لے کر اس جگہ تک کی زمین ناپ لی جاتی ہے اور اس کی شایانِ شان جنت کا اجر عطا ہوتا ہے۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **صاحبُ الهدمِ شهيدٌ** ، دب کر مر جانے والا شہید ہے۔ دونوں بھائیوں میں شہادت کی دونوں جہتیں جمع ہیں، اللہ کی کریم ذات سے امید ہے کہ وہ اپنی بیکسی کی موت کا صلہ پا کر خوش ہو چکے ہوں گے، رہ گیا بچوں کا معاملہ، تو خدا ہی ہم سب کا حامی و ناصر ہے، وہی رزاق و کفیل ہے۔ **وهو علىٰ كل شئ قدير**

میری گفتگو بہت دراز ہوگئی، مگر جی نہ مانا اس لئے لکھتا چلا گیا، اللہ تعالیٰ کے حضور صمیم قلب سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دو مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں، نیز آپ اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل بخشے، اولاد کی تربیت و پرداخت کو سہل سے سہل تر کردے۔ **آمین یارب العالمین**

جناب والا سے درخواست ہے کہ اس ناکارہ کے حق میں دعاء خیر فرمائیں۔

والسّلام
اندوہ گیں و شریک غم
اعجاز احمد اعظمی

مدرسہ دینیہ، شوکت منزل، میاں پورہ، غازی پور
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی علیہ الرحمہ

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی علیہ الرحمہ مالیگاؤں کی مشہور درسگاہ بیت العلوم کے شیخ الحدیث تھے، وہ ہر سال ختم بخاری کے موقع پر ملک کے کسی مشہور عالم کو مدعو کرتے تھے، جو آخری حدیث پڑھا کر بخاری شریف ختم کراتے تھے، ایک سال (شعبان ۱۴۱۵ھ) انھوں نے استاذ محترم مدظلہٗ کو دعوت دی، اسی وقت انھوں نے ایک خط لکھا کہ:

اس موقع پر ایک مرحلہ عوام وخواص کے سامنے مہمان کے تعارف کا ہوتا ہے، اور یہی بات پل صراط پر چلنے کے مماثل ہے، عوام کا اصرار اور علماء مخلصین کا انکار! تاہم کچھ ضروری باتیں آپ تحریر فرمادیں تاکہ تعارف میں آسانی ہو۔ کن کن مدرسوں میں تعلیم حاصل کی؟ کن اداروں میں خدمات انجام دیں؟ سن فراغت؟ حدیث کی کون کون سی کتابیں زیر درس ہیں؟ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً سے استفادہ کی نوعیت، ان سے محبت کے واقعات، اگر کوئی تصنیف ہو یا ارادہ ہو، یا مسودہ تیار ہو تو تحریر فرمائیں۔

یہ ذاتی معلومات صرف میری حد تک رہیں گی، امید کہ اس مشکل مرحلہ کے لئے ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔''

درجِ ذیل خط مولانا موصوف کی اسی تحریر کے جواب میں لکھا گیا، اس میں استاذ محترم کے قلم سے ان کا اجمالی تعارف آ گیا ہے، یہ خط آج سے ۱۳؍سال قبل لکھا گیا، اس کے بعد کی بعض قابل ذکر چیزوں کا اضافہ خاکسار مرتب کے قلم سے ہے۔

(ضیاء الحق خیرآبادی)

محترم ومکرم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

آپ کا نوازش نامہ ملا اور میں شش وپنج میں پڑ گیا، جانتا تھا کہ رسوائی ہوگی، لیکن اس عنوان سے ہوگی، اس کا خیال نہ تھا۔ اب آپ کے سوالات پڑھتا ہوں اور اپنے آپ سے جواب پوچھتا ہوں، تو بجز سناٹے کے کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی، ایک کنکر سے پوچھئے کہ تمہارا حسب نسب کیا ہے؟ تو وہ بے چارہ کیا بتائے گا؟ میں نے کیا پڑھا ہے، کیا پڑھایا ہے؟ کیا لکھا ہے اور کتنا لکھا ہے؟ اس کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے، کچھ پڑھا ہو تو بتاؤں، کچھ پڑھایا ہو تو لکھوں؟ بہت دیر سے سوچ رہا ہوں، اندر سے صرف یہ جواب آرہا ہے، کہ اب سے معذرت کردو اور خاموش بیٹھ جاؤ، لیکن نہ جانے کس جھونک میں، میں نے اپنے کو ابتلاء میں ڈال دیا ہے، اب معذرت کرنے کا بھی یارا نہیں ہے، اس لئے مجبوراً ہی سہی، کچھ نہ کچھ سنا ڈالوں، بے ترتیب ہے، ترتیب آپ دے لیں گے۔

ایک شخص دیہات میں پیدا ہوا، تقدیر نے اسے مبارکپور جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں پہونچا دیا، وہاں چند سال تک رہا، محنت سے کوئی واسطہ نہ رہا، لہو ولعب میں مشغول رہا۔ وہاں سے اٹھا تو دیوبند پہونچ گیا، وہاں کچھ حالات ایسے ہوئے کہ مشیت خداوندی نے اسے امروہہ پہونچا دیا، امروہہ میں دار العلوم حسینیہ، محلّہ چلہ میں دورۂ حدیث حضرت مولانا محمد افضال الحق صاحب اعظمی قاسمی مدظلہٗ سے پڑھا، ۱۳۹۰ھ میں رسمی فراغت ہوئی۔ پھر چند ماہ گھر رہ کر قرآن حفظ کیا، کچھ دنوں مسافرانہ امروہہ میں رہ کر تدریس کا آغاز کیا۔ چند ماہ میسور شہر میں امامت اور خطابت کی

خدمت انجام دی، پھر جامعہ اسلامیہ بنارس میں ایک سال رہا۔ مدرسہ دینیہ غازی پور میں ۹؍سال گزارے۔ چار سال الہ آباد وصیۃ العلوم میں، اور چار سال ریاض العلوم گورینی، جون پور میں پورے کئے، اور اب پانچ سال سے شیخو پور میں ہے۔ علاوہ دورۂ حدیث کے درسِ نظامی کی تمام کتابیں پڑھائی ہیں، دورۂ حدیث کی کتابوں میں مسلم شریف اور نسائی شریف پڑھانے کا شرف حاصل ہوا ہے، مشکوٰۃ شریف بھی پڑھا چکا ہے، لکھنے کا ذوق نہ پہلے تھا، نہ اب ہے، کوئی مجبوری ہوتی ہے، کسی کا حکم ہوتا ہے، تو قلم کو حرکت ہوتی ہے، چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے لکھے، اہمیت کسی کی نہیں، لیکن غیر اہم اور معمولی کاموں کی پوچھ ہو ہی گئی تو کیوں نہ سب کے نام لکھ دوں۔

(۱) ''قربانی کیجئے، قربانی دیجئے'' قربانی کے موضوع پر ایک مکالماتی مختصر سا رسالہ ہے، میری سب سے پہلی تحریر یہی شائع ہوئی۔

(۲) ''مودودی صاحب اپنے افکار ونظریات کی روشنی میں'' (حصہ اول، دوم) حضرت محدث بنوری علیہ الرحمہ کی ''الاستاذ المودودی'' کا ترجمہ، مفصل مقدمہ کے ساتھ۔ (اس کا جدید ایڈیشن زیر طبع ہے)

(۳) ''المد التعظیمی لاسم الجلالۃ'' اذان میں لفظ اللہ پر مد کرنے کی تحقیق۔

(۴) تکبر اور اس کا انجام (اس کا جدید ایڈیشن حال میں فرید بکڈ پو سے شائع ہو چکا ہے)

(۵) ''اخلاق العلماء'' شیخ محمد بن حسین الآجری کی کتاب کا ترجمہ (اس کا جدید ایڈیشن حال میں فرید بکڈ پو دہلی سے شائع ہو چکا ہے)

(۷) دستور الطلبہ (اب یہ رسالہ مؤلف کی زیر طبع کتاب ''مدارس اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں'' کا جزو بن کر شائع ہو رہا ہے)

(۸) ''حیات مصلح الامت'' حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی مفصل سوانح عمری۔ (اس کا بھی دوسرا ایڈیشن حال ہی میں فرید بکڈ پو سے شائع ہوا ہے)

(۹) ''سراج الامت'' حضرت مولانا سراج احمد امروہوی خلیفۂ حضرت تھانوی کے حالات۔ (یہ کتاب حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہ نے اپنے ادارہ سے شائع کی ہے)

(۱۰) ''درد ودرماں'' حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے ان مضامین کا انتخاب اوران کی ترتیب جو مصائب وغیرہ کے اسباب اوران کے حل پر مشتمل ہے۔

(۱۱) ''محبت الٰہی اورنفس'' حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی چند مجالس کا مجموعہ، اوران پر عناوین کی ترتیب۔

(۱۲) ''مسئلۂ ایصالِ ثواب اورایک ذہنی طغیان کا احتساب'' ایک سرپھرے نے ایصالِ ثواب کی مشروعیت کا انکار کیا، اوراس کی آڑ میں تمام محدثین علماء کو غیر معتبر ٹھہرایا، اس کا تعاقب۔

(۱۳) ''برکاتِ زمزم'' ایک مختصر سے عربی رسالہ کا ترجمہ۔

(۱۴) ''سفر نامۂ حج'' (غیر مطبوعہ) یہ سفر نامہ ۱۹۹۷ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے شائع ہوا تھا، جو ۱۶۰/ صفحات پر مشتمل تھا، اب اس کا دوسرا ایڈیشن فرید بکڈپو سے شائع ہوچکا ہے، جو 360 صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۵) ''فقہی اختلافات میں نقطۂ اعتدال'' (غیر مطبوعہ) اس کا مسودہ گم ہوگیا۔

(۱۶) ''احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے طویل سلسلۂ مضامین کی کتابی ترتیب (زیر طبع) اس کتاب کے متعدد ایڈیشن ہندوپاک سے شائع ہوچکے ہیں۔

(۱۷) ''تسہیل المیبذی'' میبذی کی قسم ثانی کے فن اول کی شرح (زیر طبع) اس کتاب کے بھی متعدد ایڈیشن ہندوپاک سے شائع ہوچکے ہیں۔

(۱۸) ''ذکر جامی'' حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے کاتب خاص مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامیؒ کے حالات (زیر طبع) یہ کتاب الہ آباد سے شائع ہوچکی ہے۔ ابھی اس کا جدید ایڈیشن ۲۰۰۹ء میں فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا ہے۔

(۱۹) تحفۂ بہار (یا سفرنامۂ بہار) یہ ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج میں شائع ہوچکا ہے۔

(۲۰) تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار کی شرعی حیثیت

(۲۱) ''نقد بر حقیقت رجم'' عنایت اللہ سبحانی (سابق صدر مدرس جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج) نے رجم کے سلسلے میں اجماع امت کو ٹھکرایا ہے، اس کا تعاقب۔ یہ مضمون ماہنامہ دار العلوم دیو بند میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔

(مؤلف کی شائع شدہ کتب ورسائل کی فہرست کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ ضیاء الحق خیر آبادی)

مدرسی کے ساتھ اگر وعظ وتقریر اور اسفار کا دورہ بھی کسی پر پڑا ہو، تو وہ کیا لکھے گا، تاہم بعض اوقات کچھ مضامین بھی مختلف رسالوں کے لئے لکھے گئے، ایک نظر ان پر ڈال لیجئے۔

(۱) نوٹوں کی شرعی حیثیت۔ (دوماہی ندائے فضلاء، مبارکپور)

(۲) خواب کی شرعی حیثیت، دو قسطوں میں (دوماہی ندائے فضلاء، مبارکپور)

(یہ مضمون الگ سے رسالہ کی شکل میں فرید بکڈپو سے شائع ہوچکا ہے)

(۳) تصوف ایک تعارف (ماہنامہ دار العلوم دیو بند، الاحسان نمبر)

(یہ مضمون مؤلف کی کتاب ''تصوف ایک تعارف! میں شائع ہوچکا ہے۔ ناشر: فرید بکڈپو دہلی)

(۴) علم اور علماء اور نصاب تعلیم (ماہنامہ دار العلوم دیو بند)

(۵) حضرت مولانا محمد مسلم صاحب بمھوری (ماہنامہ دار العلوم دیو بند)

(۶) شرح مسند احمد پر محدث اعظمی کے استدراکات (ترجمان الاسلام، بنارس، محدث

اعظمی نمبر)

(۷) گاؤں میں نماز، جمعہ (بحث ونظر، پٹنہ)

(۸) دارالحرب میں ربوٰ کی شرعی حیثیت (مجلّہ فقہ اسلامی)

(۹) مسئلۂ زکوٰۃ (مجلّہ فقہ اسلامی)

(۱۰) قاضی یا شرعی پنچایت (ماہنامہ ریاض الجنۃ، گورینی)

(۱۱) نمونے کے انسان، متعدد قسطیں (ماہنامہ ریاض الجنۃ، گورینی)

(۱۲) **ألم یشهد ابوبکر وعمر رضی الله عنهما جنازة النبی ﷺ** (عربی) صوت الاسلام، غازی پور۔

اس وقت اسی قدر یاد آرہے ہیں، ممکن ہے دو ایک اور ہوں، پھر ۱۴۱۳ھ سے ''المآثر'' کا اجراء ہوا، تو اس میں مسلسل مضامین لکھنے کی نوبت آرہی ہے، اس کی بھی فہرست ملاحظہ ہو۔

(۱) مسند حمیدی (تعارف کتب محققہ حضرت محدث اعظمیؒ)

(۲) کتاب الزہد والرقائق

(۳) المطالب العالیہ

(۴) کشف الاستار

(۵) استدراکات علمیہ (شرح مسند احمد پر استدراکات کا بقیہ)

(۶) الالبانی شذوذہ وأخطاءہ (محدث اعظمی کے عربی رسالہ کا ترجمہ وتلخیص)

(۷) نسخۂ آدمیت (تذکرہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی)

(۸) قربت میں تری ہم نے جو لطف اٹھائے ہیں (〃 〃 〃)

(۹) حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی

(۱۰) مولانا شکر اللہ صاحب ولید پوری

(۱۱) مکاتیب محبت ( مکتوبات حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی )

(۱۲) مولوی کمال الدین مرحوم

(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارکپوری

(۱۴) حاجی محمد ایوب صاحب کلکتوی

(۱۵) کتابت حدیث کے اصول وقواعد

(۱۶) نصاب تعلیم کی اصلاح وترمیم

پھر ہر شمارہ میں حرفِ آغاز لکھنے کا سلسلہ جاری ہے، یہ تو لکھنے کا قصہ ہوا۔اب رہی بات یہ کہ حضرت محدث اعظمی قدس سرہٗ سے استفادہ کی کیا صورت رہی ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں اپنی بے مائیگی اوراحساسِ کمتری کی وجہ سے کبھی حضرت سے قریب ہونے کی ہمت نہیں کرسکا، البتہ ان کی وفات سے دوسال قبل کچھ نزدیک ہوگیا تھا، مگر مجھے علم سے مناسبت کیا کہ استفادہ کی نوبت آتی، البتہ حضرت کی وفات کے بعد المآثر کے اجراء اور اس سے پہلے مولانا اسیر ادروی صاحب کے حکم سے حضرت پر لکھنے کی ضرورت ہوئی تو حضرت کی کتابیں پڑھنی شروع کیں، پھر اسی کا اثر ہے کہ المآثر سے نسبت ہوئی، اور ابوالمآثر کے ساتھ منسوب کرکے قدرے لوگوں میں تعارف ہوا، بس یہ بے مزہ داستان ختم ہوئی، دیکھئے داستانِ حیات کب ختم ہوتی ہے۔

دعاء کی درخواست ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۴/رجب ۱۴۱۵ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا حافظ قمر الدین صاحب جونپوری

ضلع جون پور کے ایک گاؤں نوناری کے رہنے والے، محبت ومحبوبیت کے پیکر، مہمان نوازی میں اشرافِ عرب کے نمونہ، سخاوت کے ابر کرم، بے تکلف دوست بھی اور بہت ہی محترم بزرگ بھی۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب علیہ الرحمہ کے حوالہ سے انھوں نے تعلق اور دوستی کی بنیاد رکھی، وہ ان کے ہم عصر اور ساتھی، میں ان کا ایک ادنیٰ سا شاگرد، مگر محبت نے جب سر ابھارا، اور اس کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں اتریں تو بزرگی اور خوردی کا امتیاز اس نے مٹا ڈالا۔ وہ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور اِدھر بھی دل کیا ہے؟ دیوانہ ہے، محبت کی خوشبو پا کر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے۔

مولانا پر دل کا دورہ پڑا، یہ خط اس سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا۔

محترمی و مکرمی! عافاکم اللّٰہ ممایو ذیک

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

پرسوں مولوی کلیم الدین صاحب سلّمہٗ کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ ہم لوگ تو اپنی کہی ہوئی بات کے مطابق ۱۵؍جون کے بعد سے آپ کا انتظار کررہے تھے، جب دیر ہوئی، تو دل کو یہ کہہ کر بہلا لیا کہ مہمان کثرت سے آرہے اور جارہے ہیں، شاید اس وجہ سے موقع نہیں ملا، لیکن کیا معلوم تھا کہ آپ کی مہمان نوازی کی صلائے عام عالم امراض وعلل تک جاپہونچے گی۔ لوگ تو آپ کے سفرۂ طعام سے استفادہ کررہے تھے، ان صاحب کو کیا سوجھی کہ مائدہ قلب وجگر پر دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ دردِ دل (عشق ومحبت) کی آپ کے یہاں کون سی کمی تھی کہ تمام دنیاداروں، سرمایہ داروں، بے کیف وبے حلاوت اور خودغرض ونفس پرور لوگوں کو چھوڑ کر آپ کے خانۂ جسم میں گھس آیا، اور دل کے دروازے پر دستک دے ڈالی، اسے تو وہاں جانا چاہئے تھا جہاں اصلی وحقیقی دردِ دل کی کمی تھی، وہاں جاتا، جگہ خالی ملتی، بیٹھتا، اور ان خالی خولی جسموں کو لے کر اٹھتا۔ آپ کا دل تو معمور تھا، آباد تھا، یہاں تو مستی تھی، خدامستی تھی، دل کا گوشہ گوشہ بھرا پُرا تھا۔

کیا صرف زیارت کرنے آیا تھا، شاید اسے خیال آیا ہو کہ یہ کون سا گھر ہے جہاں دنیا کی دنیا چلی آرہی ہے، جہاں برات ہی برات ہے، عاشقوں کا جمگھٹا ہے، محبوبوں کا مجمع ہے، اہل دل کا ہجوم ہے، سوچا ہوگا کہ میں بھی دیکھ آؤں!

اچھا! آیا تھا تو دیکھ کر فوراً چلا جاتا! مگر آپ کو کب گوارا تھا کہ کوئی مہمان آئے اور یوں ہی دیکھ کر چلا جائے، اس کی ضیافت کرنی ہے۔ مہمان آیا ہے تو اب مولوی ظفر (صاحبزادے) بھی مشغول ہوں، حسام (بھائی) بھی انتظام میں لگ جائیں، سب

لگ گئے۔ مہمان دم بھر ٹھہر گیا، مگر اس کا دم بھر ٹھہرنا قیامت تھا، خیر اب اس کا قصور معاف! پھر نہ آئے، ایسے مہمان سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میزبان کو لے جانے پر اصرار نہ کرے۔

جا......اے درد......اب نہ آنا، بہت سے دروازے ہیں کہیں بھی چلا جا۔ دنیاداروں کے یہاں تیری دعوت عام ہے، دینداروں کے یہاں تیرا کام نہیں ہے۔

خیر تو خود سے آتا نہیں کسی کے بھیجنے سے آتا اور اسی کے بلانے سے واپس جاتا ہے، تو تو کسی کا قاصد ہے، کبھی لے جانے کیلئے آتا ہے اور لے کر چلا جاتا ہے، دنیا دیکھتی رہ جاتی ہے، اور کبھی تنبیہ کے لئے آتا ہے کہ دیکھ انسان تیری مستی آنِ واحد میں ختم ہوسکتی ہے، اس لئے اب خبردار ہوجا، اب سے غفلت دور کرلے، دل غفلت کا محل نہیں ہے، یہ ذکر ومحبت کا مقام ہے، اگر اس میں غفلت رہے گی تو دیکھ جیسے اس وقت آکر میں نے صرف چونکایا ہے، آئندہ چونکاؤں گا نہیں، دوسری ہی دنیا میں آنکھ کھلے گی۔

اور کبھی اس لئے آتا ہے کہ اہل محبت اور اہل تعلق کو چونکائے کہ اے لوگو! جس کو تم اپنے درمیان پاتے ہو، اسے برتتے اور اس سے استفادہ کرتے ہو، اس کے کرم اور فیاضیوں سے بہرہ مند ہوتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہ ہمارے پاس ہے، ہماری دسترس میں ہے، جب چاہیں گے حوض سے پانی بھرلیں گے، یاد رکھو کہ یہ دولت مستعجل ہے، بےفکر نہ رہو، جو استفادہ کرسکتے ہو، ظاہری نہیں باطنی، مادی نہیں روحانی، جسمانی نہیں قلبی، استفادہ کرلو، اس ایک چراغ سے اپنے چراغوں میں روشنی حاصل کرلو ورنہ یہ قندیل اٹھ جائے گی، تو تمہارے دیئے کہاں سے روشنی پائیں گے؟

اے درد! تو آیا، تیرے آنے کو مبارک کہوں یا نامبارک؟ تو محبوب حقیقی کے

اذن سے آیا ہے اس لئے میں نامبارک نہیں کہہ سکتا، ہاں تیرا آنا مبارک ہوا کہ تو نے ہماری آنکھوں کو آنسوؤں سے اور دل کو دعاؤں سے لبریز کردیا، زبان پر ہمدردی کے بول آئے، دعاؤں کے کلمات آئے، ہاتھ خدا کے سامنے پھیلے، زندگی اور عافیت کی بھیک مانگی گئی، تو نے تکلیف تو پہونچائی مگر یہ تکلیف نہ جانے کتنے دردوں کا مداوا بنی، اللہ جانے کتنے سیئات کا کفارہ بنی، کتنے درجات کا سبب بنی۔

اے اللہ ہم بندے ہیں محتاج ہیں، زندگی آپ نے دی ہے، صحت آپ نے دی ہے، عافیت آپ نے بخشی ہے، کمالات آپ نے عنایت فرمائے ہیں، محبت آپ کا عطیہ ہے، دعائیں بھی، دوائیں بھی سب آپ کے دربار سے ہیں، ہم دعائیں کریں اور آپ ٹھکرادیں نہ ہماری بندگی اس کی متحمل ہے، نہ آپ کی خدائی کو یہ گوارا ہے، بس پروردگار ہم مانگیں اور آپ ہماری جھولی بھردیں، اور مولیٰ آپ جانتے ہیں کہ ہم کیا مانگ رہے ہیں اور آپ کو کیا دینا ہے؟

بس کرو میاں صاحب! ہم اچھے ہوکر گھر آگئے، خدا نے دعا قبول کرلی، میاں ظفر نے بہت محنت کی، دل سوزی کی، خدمت کا حق ادا کیا، میاں حسام بہت بیقرار رہے، اپنی جیسی کرلی، اللہ نے عافیت بخشی، اب گھر پہ ہوں، پھر وہی ہاء وہو ہے، پھر وہی ناؤ ونوش ہے، آؤ تو تم بھی دیکھ لو۔

جی، آنے کی تو بیقراری ہے، مگر کچھ مجبوری بھی ہے، اس لئے آدھا آیا ہوں، سلام کرر ہا ہوں، دیکھئے جواب کب سننے میں آتا ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۸؍صفر ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

# بنام حاجی شمس الدین صاحبؒ

بہت مالدار، بہت دیندار، شکل وشباہت سے کسی بڑے عالم دین کا گمان ہوتا، اور یہ اثر تھا ان کی گہری دینداری اور علماء ومشائخ کی قدردانی کا۔ ضلع اعظم گڈھ کے موضع بمہور کے رہنے والے، زندگی بمبئی میں گزاری، بہت ہی فیاض اور صاحب خیر تاجر، جمعیۃ علماء صوبہ مہاراشٹر کے صدر نشیں، دینی اور دنیوی خوبیوں کے جامع، استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ کے واسطہ سے ان سے تعارف ہوا، اور دم اخیر تک انھوں نے اس تعارف وتعلق کو برقرار رکھا۔ ۲۰۰۸ء میں ان کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔

یہ خط ان کو ان کی بیکری کی بربادی کی تعزیت میں لکھا گیا ۱۹۹۲ء کے فساد میں حاجی صاحب کی بیکری فسادیوں نے تباہ کردی تھی۔

محترم جناب حاجی شمس الدین صاحب!

زید مجدکم وعافاکم اللہ من جمیع الآفات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمدٍ واٰلہٖ وصحبہٖ أجمعین ،،

بمبئی کے فسادات اور ہنگامہ کے دوران آپ کی خیریت وعافیت کے بارے میں تشویش رہتی تھی ،معلوم ہوا کہ پہلوی بیکری کوفسادیوں نے جلا کر خاکستر کر دیا ہے،زبان سے بے اختیار إنا اللہ وإنا إلیہ راجعون نکلا اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس حادثہ میں صبر جمیل،اجر جزیل نیز نعم البدل سے نوازے۔آمین

محترم! آپ تو خود ماشاء اللہ بزرگوں اور مشائخ کے صحبت یافتہ ہیں، دل میں ایمان راسخ اور محبت الٰہی کی چنگاری رکھتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا کا کوئی پتّہ اور کوئی ذرہ بدونِ اذنِ خداوندی کے حرکت نہیں کرسکتا ،اور جب سب کچھ انھیں پروردگارِ مہربان کی طرف سے ہے تو اس میں ظاہراً سخت نقصان ہونے کے باوجود باطناً کوئی عمدہ نعمت مخفی ہوگی ، اس حکمت کی بنا پر آپ کا دل صبر وشکر سے لبریز ہوگا میرے جیسے معمولی شخص کے کلمات وحروف کی آپ کو ضرورت نہیں،تاہم محبت وتعلق کا حق ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کبھی معمولی شخص کی بات میں بھی کچھ تاثیر رکھ دیتے ہیں،اس لئے دلی تقاضا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ تحریر کروں۔

محترمی! کسی بندۂ مومن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ نہ انہونی ہے اور نہ اتفاقیہ، یہ ایسی بات ہے جس کی خبر بہت پہلے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ دے چکے ہیں،

ارشاد ہے: **ولنبلونکم تا واولئک ھم المھتدون،** **ترجمہ**: اور ہم تم کو ضرور ہی آزمائیں گے کچھ فاقہ میں، کچھ خوف میں، کچھ مال وجان اور پھلوں کی کمی میں، اور صبر کرنے والوں کو بشارت سنادو جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ بول اٹھتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، یہی لوگ ایسے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب سے مہربانیاں ہیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت کریمہ نے ہمیں یہ خبر دی کہ جان ومال کی آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے ہوتی ہے کہ اس سے بندے کے صبر وضبط اور تسلیم ورضا کا امتحان ہو، اور مولا کو حق ہے کہ بندے کا امتحان لے، اور امتحان اسی کا ہوتا ہے جس کو کچھ درجات اور کوئی سند عطا کرنی ہوتی ہے، انبیاء کا امتحان ہوا، اولیاء وصالحین کا امتحان ہوا، صحابۂ کرام کا امتحان ہوا، ان حضرات کا ایسا ایسا امتحان ہوا کہ آج ہم لوگ محض سن کر گھبرا جاتے ہیں، پِتّہ پانی ہو جاتا ہے، ان حضرات نے جان پر کھیل کر، آبرو لٹا کر، مال ودولت کی قربانی دے کر یہ امتحان دیئے ہیں، ہم نے انھیں کی پیروی کا دم بھرا ہے، انھیں کی اقتداء میں نیت باندھی ہے، انھیں کی راہ پر چلنے کا ارادہ کیا ہے تو ضرور ہے کہ تھوڑا بہت ان کا رنگ جھلکے تا کہ جس صبر واستقامت کی وہ حضرات بنیادیں قائم کر گئے ہیں ان کی تعمیر میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی آزمائش آپ پر ڈال دی، مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ اس کی برداشت کا حوصلہ بھی دیا ہے، خدا پر یقین واعتماد کی جو شمع آپ کے دل میں روشن ہے اس نے تاریکی کو تاریکی کب باقی رکھا ہوگا؟

ایک بزرگ تھے حضرت شیخ صدرالدین عارف، اللہ والے بھی تھے اور بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت بھی تھے، ان کے تجارتی تعلقات باہر ملکوں سے بھی تھے، ایک مرتبہ سمندری راستے سے ان کا مال باہر سے آرہا تھا، جہاز قریب آگیا تھا کہ سمندر

میں طغیانی آ گئی، معلوم ہوا کہ جہاز پانی میں غرق ہو گیا، ہزاروں لاکھوں کا مال تھا، کسی نے آ کر انھیں جہاز کی بربادی کی خبر دی، انھوں نے بہت اطمینان سے کہا الحمد للہ، حاضرین کو تعجب ہوا کہ یہ موقع **الحمد للہ** کا نہ تھا، إنا للہ کا تھا مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان سے سوال کرتا، بزرگوں کے قلب کو عام لوگوں کے قلوب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا تھا، پھر جب طغیانی فرو ہوئی تو دیکھا گیا کہ جہاز بعافیت کنارے آ لگا، دوبارہ انھیں جہاز کی خیریت وعافیت کی خبر سنائی گئی تو پھر فرمایا کہ الحمد للہ، اب ایک شخص سے نہ رہا گیا، اس نے پوچھ لیا کہ حضرت جب جہاز ڈوبا تھا اس وقت بھی آپ نے **الحمد للہ** ہی پڑھا تھا، حالانکہ موقع إنا للہ کا تھا؟ فرمایا کہ میاں! میں نے **الحمد للہ** جہاز کے ڈوبنے یا اس کی عافیت پر نہیں پڑھا، یہاں ایک دوسری بات ہے، لوگ سراپا اشتیاق ہو گئے کہ وہ دوسری بات کیا ہو سکتی ہے، فرمایا کہ مال کا ضائع ہونا، جہاز کا ڈوب جانا ایک بڑی مصیبت ہے، اور ایسی مصیبت کے وقت انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے، صبر ورضا کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگتا ہے اور حق تعالیٰ سے ربط ٹوٹنے لگتا ہے، میں نے اس مصیبت کے وقت میں اپنے دل کے بارے میں غور کیا کہ اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے کمزور تو نہیں ہو رہا ہے، بحمد اللہ مجھے محسوس ہوا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا وہی سابقہ ربط باقی ہے، کسی طرح کی جزع فزع، بے صبری، ناراضگی دل میں نہیں ہے، میں نے اُستواریٔ دل اور استقامت قلب پر الحمد للہ کہی، پھر جب مال مایوسی کے بعد سلامت مل گیا تو یہ وقت خوشی میں آپے سے باہر ہو جانے کا تھا، حد سے زیادہ خوشی میں انسان کا قلب خدا سے غافل ہو جاتا ہے، اس وقت بھی میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو وہ بحمد اللہ اپنی سابقہ حالت پر موجود تھا، تو اس پر میں نے الحمد للہ کہا، میرا یہ شکر ادا کرنا، اس کی حمد وثنا کرنی نہ مال کے ضائع ہونے پر ہے اور نہ اس کے مل جانے پر، بلکہ دل کی

استقامت اور تعلق مع اللہ پر ہے۔ سبحان اللہ! کیا حال تھا ان حضرات کا، ہر طرح کے نمونے یہ حضرات اپنی زندگی میں دکھلا گئے ہیں، ہم پچھلوں کے لئے کہیں اندھیرا نہیں ہے، ہمارے بزرگوں نے اپنے بعد والوں کے لئے اتنی شمعیں جلا دی ہیں کہ نشانِ راہ بالکل روشن ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مصیبت میں آدمیوں پر احوال تین طرح کے طاری ہوتے ہیں، بعض آدمی اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی کوئی انعام تصور کرتے ہیں، اور اس پر دل سے راضی رہتے ہیں، اور بعض اسے مصیبت ہی سمجھتے ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لئے دل کو تھامے رہتے ہیں اور صبر کرتے ہیں، اور بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں، اور اس پر طرح طرح کے شکایات دل میں لاتے اور زبان سے دہراتے رہتے ہیں، بے صبری کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے مصیبت کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں: پہلی قسم کے لوگوں کے لئے مصیبت ترقیٔ درجات کے لئے آتی ہے، اور دوسری قسم کے لئے کفارہ بن کر آتی ہے، یہ دونوں سراسر خیر ہیں، اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے عذابِ الٰہی ہے۔

مومن جو دل میں راسخ ایمان رکھتا ہے، اس کی مصیبت پہلے دونوں میں سے کسی ایک کے لئے یا دونوں کے لئے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ جانے کتنے انجانے اور جانے بوجھے گناہوں کا کفارہ اس مصیبت کو بنا دیا ہوگا، اور خدا معلوم کتنے درجات بلند ہوئے ہوں گے، خدا سے ہمیشہ رحمت اور خیر کی توقع ہے۔

حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف میں ایک روایت ہے، حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جب

مسلمان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اور وہ وہی بات کہتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی إنا للہ وإنا إلیه راجعون اور پھر کہتا ہے **أَللّٰهُمَّ اُجُرْنِیْ فِیْ مَصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِّنْهَا** (اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر وثواب عطا فرمایئے اور اس سے بہتر چیز مجھے دیجئے) تو اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں، فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں سوچنے لگی کہ ابوسلمہ سے بہتر شوہر مجھے کہاں ملے گا، یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی جانب ہجرت کی، تاہم میں نے حضور ﷺ کی بتائی ہوئی دعا پڑھ لی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں مجھے رسول اللہ ﷺ جیسا شوہر عنایت فرمایا۔

یہ دعا بہت مجرب ہے، سب سے پہلے تو ام المومنین نے اس کا تجربہ کیا، پھر ان کے بعد سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے اس کا تجربہ کیا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے یقین کامل ہے کہ آپ کو بھی نعم البدل عنایت فرمائیں گے۔

لیجئے میں نے تو وعظ شروع کر دیا، مگر کیا کروں، لکھنے بیٹھا تو طبیعت نہیں مانی، لکھتا ہی چلا گیا، اہل محبت سے گفتگو طویل کرنے کو جی چاہا کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ باوجود عدیم الفرصتی کے آپ اس کو پڑھ کر اکتاہٹ نہیں محسوس کریں گے۔

اہل بمبئی پر بالخصوص مسلمانوں پر جو قیامت گذر گئی، اس سے طبیعت پر اثر ہے، برابر دعا جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو ہمارے لئے تازیانۂ عبرت بنا دیں، ہم لوگ اجتماعی طور پر بہت گہری نیند سو رہے ہیں، برائیاں، بداخلاقیاں، خودغرضیاں غیر مسلموں میں نہیں، مسلمانوں میں اتنی زیادہ پھیل گئی ہیں کہ اس پر اگر آسمان سے سنگباری ہونے لگے تو محل حیرت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے، آپ کا دل اس وقت دکھا ہوا ہے، دکھے ہوئے دل کی دعا خوب مقبول ہوتی ہے، اس کا کچھ

حصہ اِدھر بھی ہو جائے تو کیا کہنا، مولانا مستقیم احسن صاحب سے ملاقات ہو اور یاد رہے تو سلام کہہ دیجئے، اگر وقت عزیز میں سے تھوڑا سا لمحہ نکال کر خط کے پہونچنے کی اطلاع کردیں تو مہربانی ہوگی۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲ر شعبان ۱۴۱۳ھ

☆☆☆☆☆

# باب دوم

# دوستوں کے نام

# بنام الحاج عبدالرحمٰن صاحب خیرآبادی علیہ الرحمہ

درج ذیل خطوط والد محترم الحاج عبدالرحمٰن صاحب خیرآبادی علیہ الرحمہ کے نام لکھے گئے ، والد صاحبؒ حضرۃ الاستاذ مدظلہٗ کے حد درجہ قدرداں اور نہایت مخلص دوست تھے، ان دونوں کے باہمی روابط اور تعلقات کا اندازہ اس مضمون سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرۃ الاستاذ مدظلہٗ نے والد صاحب کے انتقال پر لکھا تھا، اور یہ ماہنامہ ''الاسلام'' کے شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ میں شائع ہوا۔اس کے بعد یہ مضمون ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں شائع ہوا۔(دیکھئے ص:۴۲۴ تا ۴۴۰)

والد صاحب نے حضرت مولانا کے تمام خطوط کو نہایت حفاظت سے رکھا تھا، اس کے لئے انھوں نے ایک کاپی بنائی تھی جس میں تاریخی ترتیب سے تمام خطوط درج ہیں۔ یہ خط مئو کے ہولناک فساد (۱۹۸۴ء) کے بعد لکھا گیا، اس فساد کی ہولناکی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں مسلسل ۳۸۸ گھنٹے یعنی ۱۶/دن سے زائد کرفیو لگا رہا۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

**الحاج المحترم !** **زیدت معالیکم**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی عنایت کا شکریہ کیا ادا کروں، حق تعالیٰ ہی جزاء عطا کرنے والے ہیں، ارادہ تھا کہ آپ کے اس خط کا فوراً جواب تحریر کروں گا، لیکن کچھ تاخیر ہو ہی گئی، کیونکہ آپ کے خط نے دل کے زخموں کو کریدا ہے، مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں جب میں بہت چھوٹا تھا، لیکن تمیز وشعور پیدا ہو چلا تھا، جبل پور میں فساد ہوا تھا، گاؤں میں اس وقت ایک اخبار ''سیاست'' آیا کرتا تھا، لوگ وہاں کی تفصیلات سناتے تھے، میرا دل اس سے اس درجہ متاثر ہوا تھا کہ کئی دن تک میں اچھی نیند سے محروم ہو گیا تھا۔

اس کے بعد علم وعقل کی نگاہوں نے ماضی کے خونیں اور ہولناک فسادات کا بھی مشاہدہ کیا اور جو فسادات سامنے گذرتے رہے، انھیں بھی آنکھوں سے دیکھنا پڑتا رہا، جب کہیں خونریزی اور درندگی کا ننگا ناچ ہوتا ہے، میرا دل تڑپنے لگتا ہے، جلوتوں میں ہنستا بولتا اور مسکراتا ہوں، لیکن خلوتیں بڑی کربناک اور تکلیف دہ ہو جاتی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام زخم میرے ہی دل وجگر پر لگ رہے ہیں، روتا ہوں، کراہتا ہوں، آنسو بہاتا ہوں، تڑپتا ہوں، کڑھتا ہوں، خدا کو لپٹتا ہوں، لیکن تسکین وتسلی نہیں ہوتی، آپ نے فسادات کے متعلق اور مظلومین کے بارے میں دعاء کا حکم دیا ہے، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میرے سینے سے کتنا دھواں اور آنکھوں سے کتنا پانی نکلا ہے، جن کے اسلاف نے عرصۂ دراز تک اسی ملک پر شان وشوکت کے ساتھ حکمرانی کی، آج ان کے اخلاف کی حالت یہ ہے کہ اپنی حفاظت سے بھی بے بس اور مجبور ہیں، جو درندے منہ کھول کر ہماری ہڈیاں نوچتے ہیں، ہماری پونجی لوٹتے کھسوٹتے ہیں، جن کے مونھوں کو ہمارے خون کی چاٹ لگی ہوئی ہے، جن کا پیٹ صرف ہمارے بدن کی بوٹیوں سے

بھرتا ہے، جب وہی درندے اچھی طرح ہماری ہڈیاں توڑ چکتے ہیں، ہماری کھالیں ادھیڑ لیتے ہیں اور شکم بھر کر ڈکاریں لینے کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں تو ہم اپنی عرضیاں، اپنی درخواستیں لے لے کر ان کے پاس دوڑتے ہیں اور پھر وہ فریبانہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں اور جلے ہوئے کو بجھانے کے لئے ہاتھوں میں دوا اور پانی لے کر آتے ہیں، اور ہم پر احسان کرتے ہیں۔ کتنا دردناک منظر ہے۔

مسلمان جو کہ دنیا کی ہدایت و رہنمائی کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، آج وہ خود دوسروں کی راہ تک رہا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے، جگر خون ہوتا ہے، ایسی بے بسی کہ نہ جان کا ٹھکانا، نہ مال کی حفاظت، نہ آبرو کا بچاؤ، آخر آدمی کہاں جائے اور کیا کرے، جہاں کہیں فساد ہوتا ہے، وہاں کا حال تو مت پوچھئے، جہاں تک اس کی خبر پھیلتی ہے، منہ نکالنا دشوار ہو جاتا ہے، جیسے مسلمان کوئی مجرم ہے جسے اس ملک کی پشت پر زندہ رہنا جائز نہیں، فساد کہاں ہو رہا ہے اور نگاہیں کہاں گرم ہو رہی ہیں، اور پھر ہر جگہ آگ لگنے کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں، میں فساد کے دوران اپنے علاقہ میں آنا چاہتا تھا، مگر دل کی افسردگی نے کہیں ملنے نہ دیا، یہ افسردگی صرف اس بنا پر نہیں تھی کہ مسلمانوں کا خون ارزاں ہو گیا ہے، ان کی آبرو بے وقعت ہو گئی ہے، اور ان کے اموال مالِ غنیمت بن چکے ہیں، بلکہ ایک صدمہ اور اس سے بڑھ کر ہے، اور وہ ایسا صدمہ اور غم ہے جو ہڈیوں میں آگ بن کر گھسا ہوا ہے، کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں، اور نہ کہوں تو بھی چین نہیں ملتا، ایک ایسی کشمکش، ایک ایسا تحیر، ایک ایسی انتشاری کیفیت ہے کہ نہ یارائے گفتار اور نہ طاقت خموشی! کبھی بولتا ہوں، کبھی چپ رہتا ہوں، کبھی جی چاہتا ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر قریہ قریہ گھوموں اور لوگوں کو پکارتا پھروں، اور کبھی سوچنے لگتا ہوں کہ مجذوب کی بڑ کون سنے گا؟ چپ چاپ گوشۂ عافیت میں سر دیئے پڑے رہو۔

سنئے کہ وہ بات کیا ہے؟ وہ بات محض اتنی ہے کہ ''**ہم سچے مومن نہ رہے**'' بظاہر کتنا چھوٹا سا جملہ ہے، لیکن سوچئے! اسی ایک جملہ میں درد کی پوری داستان سمٹی ہوئی ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہم سے صحیح اور سچی خالص ایمان کی بات کہی جائے تو بری لگے اور اگر اس میں بہت کچھ الا بلا ملا کر سنایا جائے تو بصدق دل سنیں، اللہ کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری سے زیادہ مشکل ہمارے لئے کوئی چیز نہیں، جتنی زیادہ مار پڑتی ہے اتنی ہی زیادہ ہماری غفلت بڑھتی ہے، ہنگامہ وفساد کے مواقع پر بعض جگہوں پر مساجد ضرور آباد ہونے لگتی ہیں، لیکن اس آبادی کی عمر کتنی ہوتی ہے، اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ اسی موقع پر فائدہ چاہنے والے فائدے کے حصول کی کیسی کیسی راہیں نکال لیتے ہیں، کسی کا گھر جلتا ہے، اور کوئی اس آگ پر اپنی ہانڈی چڑھا کر خوش ہوتا ہے کہ بلا سے کسی کا گھر جلا مفت میں ہمارا کھانا تو پک گیا، آپ مجھ سے زیادہ حالات سے واقف ہیں، میں تو فقیرِ گوشہ نشین صرف کلیات سے علم وواقفیت کا تعلق رکھتا ہوں، آپ تو میدان میں ہیں، تمام جزئیات آپ کی نگاہوں کے سامنے سے گذرتی ہیں، بتایئے کسی کا گلا کاٹا گیا اور کوئی گوشت کا لوتھڑا اس کے تن بے جان سے کاٹ کر لے جا رہا ہے کہ اپنا پیٹ بھروں گا۔

کون ہے جو محض اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشات سے دستبرداری اختیار کرتا ہے، پھر دیکھئے کہ ہم معاصی میں، اور صرف معاصی میں نہیں بلکہ شرک وبدعت میں کس درجہ مبتلاء ہیں، گناہوں کا ناچ تو ہر وقت ہوتا رہتا ہے، شرک وبدعت کا منظر کسی بھی سچی یا جھوٹی مزار پر دیکھا جا سکتا ہے، اور یہ سب کون کرتا ہے؟ وہی جس کا دعویٰ ہے کہ اس کا ایمان خدا پر ہے اور اس کا دامن رسول اللہ ﷺ کے دامن اقدس سے بندھا ہوا ہے، سوچئے رُخ کدھر ہے، رفتار کس طرف ہے، اور منہ کے بول کیا ہیں؟

مسلمانوں کا قصہ کافروں کے مثل نہیں ہے، وہ اوّل سے باغی ہیں، ان کی سزا متعین ہے، ممکن ہے دنیا میں ان پر مصائب و بلایا کا نزول نہ ہو، لیکن مسلمان اول سے طاعت گزار ہے، یہ اگر منہ موڑے گا تو ضرور طمانچہ پڑے گا، لیکن وائے برما کہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ طمانچے پر طمانچے کیوں پڑ رہے ہیں، ایک طمانچہ لگا، ذرا تلملائے اور سہلایا اور کام ختم!

کاش سب مل کر اپنے پروردگار کو خوش کریں، عبادات سے، اخلاق سے، ذکر سے، تلاوت سے، دعا سے، آپس کے احسان سے، ہمدردیٔ خلائق سے، لیکن **کم حسراتٍ فی بطون المقابر** ، کتنی حسرتیں ہیں جو قبر کے شکم میں جا پہونچیں، اختلاف اور لڑائی جھگڑا ہمارے لئے سب سے آسان کام ہے، اخلاقِ حمیدہ سے کوسوں دور، چار گھر کا دیہات ہو وہاں بھی لڑائی دنگا، وسعت ظرف، حوصلہ مندی، اپنے اوپر مشقت جھیل لینا، ایثار کرنا، دوسرے کی نعمتوں سے خوش ہونا، یہ سب مفقود! عداوت، حسد، بغض، تنگ نظری، پست حوصلگی، مفاد پرستی، خودغرضی، یہ سب موجود! کہاں یہ صفاتِ خبیثہ اور کہاں رحمت خداوندی، اللہ پاک ہے، پاک ہی کو پسند کرتا ہے، ناپاکی سے بری اور بیزار ہے، ہم نے پاکی اور ناپاکی کو مخلوط کر کے ایک نیا مزاج بنالیا ہے، محض نجاست ہو تو اسے کوئی نہیں دھوتا، سوکھنے کے بعد اس کو محض جلا دیا جاتا ہے، لیکن پاک چیز ناپاک ہو جائے تو اسے رگڑ رگڑ کر، پتھر پر پٹک پٹک کر، ڈنڈے سے مار مار کر، پانی میں کھولا کھولا کر، تیز سے تیز صابن لگا لگا کر نجاست سے علیحدہ کیا جاتا ہے، ایمان و یقین ایک پاک اور مقدس چیز ہے، اس سے انسان بالکل پاک ہو جاتا ہے، پھر گناہوں کی نجاست اس کو نجس کر ڈالتی ہے، اگر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو آہستہ آہستہ وہ نجاستِ محض بن کر رہ جائے گا، دیکھئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ھُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴾ جو برائی کی کمائی کرتا ہے اور اس کی خطائیں اسے اچھی طرح گھیر لیتی ہیں تو یہی شخص جہنم کا آدمی ہے، اس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

نجاست میں اگر پاک چیز فنا ہو جائے تو آخر اسے کیا کہا جائے گا، کاش ہم سبق لیتے، ورنہ خدانخواستہ کہیں وہ حالت نہ ہو جائے جس کی خبر ایک حدیث میں یوں دی گئی ہے: **یاتی علی الناس زمانٌ یدعو الرجل للعامۃ فیقول اللہ تعالیٰ أدع لخاصتک أستجب وأما العامۃ فلا، فانی علیھم غضبان۔**

ایک دور ایسا بھی آنے والا ہے کہ ایک شخص عامۃ الناس کے حق میں دعا کرے گا، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ محض اپنی ذات کے لئے دعا کرو، قبول کروں گا، عوام کے لئے تمہاری دعا قبول نہ ہوگی، میں ان سے ناراض ہوں۔

ہماری عادتِ فراموشی اور غفلت میں انہماک کہیں اس درجہ تک ہم کو پہونچا نہ دے، **نعوذ باللہ من شرور أنفسنا** ، یہ درد سب سے بڑھ کر ہے، مدرسے قائم ہیں، وعظ ہو رہے ہیں، کتابیں لکھی پڑھی جا رہی ہیں، مسجدوں میں کتابیں سننے اور سنانے کا اہتمام ہے، لیکن مرض ہے کہ زوروں پر ہے، دوا وہاں نہیں پہونچ رہی ہے جہاں مرض ہے، اس لئے علاج نہیں ہو رہا ہے، **فإلی اللہ المشتکیٰ**۔

خط بڑا طویل ہو گیا، خدا کرے آپ بدمزہ نہ ہو گئے ہوں، ابھی دل ودماغ میں خیالات کا ہیجان ہے، لیکن ایک طالب علم سر پر سوار ہے، اور آپ کی بدمزگی کا بھی احتمال ہے، اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں، میرے لئے بھی دعاء فرمائیں کہ اپنی شامت اعمال کو اچھی طرح جانتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷؍صفر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

محترم ومکرم جناب حاجی صاحب! زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

آپ شیریں ہیں، آپ کا تحفہ شیریں! اور میں جیسا ہوں، ویسا ہی تحفہ ارسال کرر ہا ہوں۔(۱) خدا کرے آپ ترش رُو نہ ہوں، لیکن یہ نہ پڑھیئے گا کہ

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

نشہ اتارنے والی ترشی یہ نہیں ہے، وہ اہل اللہ کے پاس ملتی ہے۔

ایک سادھو اپنی کٹیا میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے اپنے چیلے سے کہا کہ بیٹا بھنگ لاؤ، پینے کا وقت ہو گیا ہے، رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی، چیلے نے کہا کہ گروجی تھیلا خالی ہے، پہلے سے خیال نہیں ہوا۔ گرو نے پکار کر کہا، کہیں سے لاؤ، مجھے ابھی چاہیئے، جلد کہیں سے لاؤ، چیلا بھاگا ہوا جنگل میں گیا، دور ایک کٹیا نظر آئی، اس میں ایک دھیما چراغ جل رہا تھا۔ یہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کی کٹیا تھی، چیلے نے ہانک لگائی کہ یہاں بھانگ ملے گی، حضرت بولے یہاں بھانگ نہیں ملتی ولایت ملتی ہے، اس نے کہا وہی دیدو، فرمایا نیچے ایک ندی ہے وہاں نہا کر آؤ، وہ نہا کر آیا، حضرت نے کلمہ پڑھا کر ایسی توجہ دی کہ وہ بیخود ہو گیا، اپنے گرو کے پاس اسی نشہ میں مخمور چلا گیا، گرو نے دیکھتے ہی للکارا، ارے نالائق میں نے تو تجھے لانے کے لئے بھیجا تھا، تو تو پی کر آرہا ہے، اس نے کہا گروجی چلو تمہیں بھی پلادوں، لے گیا اور اسے بھی وہی چیز پلادی۔

سبحان اللہ! یہ ہے وہ ترشی جونشۂ دنیا اتار کر دوسرا نشہ چڑھا دیتی ہے، کاش ہمیں بھی کوئی ایسا ہی کٹیا باسی مل جاتا۔

بہر کیف! میں کہاں بہک گیا، مولانا عبدالرب صاحب کی زبانی آپ کی پریشانی کا علم ہوا، آج کل روزانہ ایک مخصوص وقت پر آپ کے لئے بارگاہِ حق میں دست بدعاء ہوتا ہوں، معلوم نہیں ادھر کا فیصلہ کیا ہے، ہم آپ ان شاء اللہ سوجان سے راضی ہیں، مقصود ان کی رضا ہے، باقی سب ہیچ ہے۔

ما ہیچ نداریم، غم ہیچ نداریم
دستار نداریم، غم پیچ نداریم

لیکن افسوس میں تو دستار میں پھنسا ہوا ہوں، پھر غم پیچ سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نجات بخشے۔

سبق روک کر بہت جلدی جلدی یہ سطریں تحریر کی ہیں، فروگذاشت ہوگئی تو معاف فرماویں۔ شاید جمعرات کو گھر کی جانب حاضری ہو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷/ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

(۱) والد صاحب نے حضرت مولانا کے پاس گاجر کا حلوہ بھیجا تھا، چند دنوں کے بعد حضرت مولانا نے والد صاحب کے پاس سورن کا اچار بھیجا، اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

☆☆☆☆☆

بخدمت گرامی قدر جناب حاجی عبدالرحمٰن صاحب! زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ادھر عرصہ سے آپ کی کوئی خیریت نہیں معلوم ہوئی، دل لگا رہتا ہے، یوں تو حق تعالیٰ جس حال میں رکھیں کرم ہی کرم ہے، انسان اصل کے اعتبار سے کیا ہے؟

عدم محض اور لاشئ فقط، اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ وجود سے منور فرمایا، موجود ہوگیا، بقا صرف اللہ کی ذات وصفات کو ہے، انسان کی نہ ذات باقی، نہ صفات باقی، نہ احوال باقی، سب متغیر، سب فانی، ہر روز ایک نیا حال، ہر دن ایک نیا مقام، دل کبھی اِدھر کبھی اُدھر، ہاں اگر کوئی اپنی صفات کو، اپنی ذات کو، اپنے ارادوں اور خواہشات کو بارگاہِ عالی میں قربان کردے، ان کی مرضیات کا تابع ہوجائے، اپنی آرزوؤں میں گرفتار نہ رہے، تمناؤں کی قید سے آزاد ہوجائے، پھر اس کی حالت میں تلون باقی نہیں رہتا، استقامت پیدا ہوجاتی ہے، جسے حضراتِ صوفیہ کی اصطلاح میں ''تمکین'' کہتے ہیں، اب اگر کچھ تغیر ہوتا ہے تو یہ کہ دنیا کی تنگنائے سے نکل کر عالم غیب کی فضاؤں میں پرواز کرتا رہتا ہے، دنیا کی کوئی زنجیر اس کے پاؤں میں نہیں رہ جاتی، انسان کو حق تعالیٰ نے اپنے اوصاف وکمالات کا مظہر بنایا ہے، اس آئینہ میں اگر انھیں کے اوصاف وکمالات کا مسلسل ظہور ہوتا رہے تو بلاشبہہ آئینہ کے لئے معراجِ کمال ہے، لیکن یہ تو اس پر طرح طرح کی کالک لیپ پوت کر اس کو خراب کردیتا ہے، اس کو صیقل کرتے رہنا چاہئے، ہر وقت اس کی فکر رہنی چاہئے، اپنے نفس اور قلب کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ اس پر کوئی زنگ نہ لگنے پائے، اگر لگ جائے تو اسے جلد سے جلد توبہ کے پانی سے دھل دھلا کر پاک وصاف کردینا چاہئے، ورنہ گناہوں کا زنگ اگر قلب پر لگا رہ جاتا ہے تو وہ قلبی صلاحیتوں کو کھانا شروع کردیتا ہے، اور پھر اس میں مزید معاصی کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے، اور آہستہ آہستہ وہ قلب، قلب نہیں رہ جاتا، صرف زنگ بن کر رہ جاتا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، ان کے اعمال ان کے قلوب پر زنگ بن گئے۔

یہ حالت بڑی مایوس کن ہوتی ہے، ایک حدیث بھی سنئے!

**عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال : إن العبد إذا أخطأ خطیئةً نکتت فی قلبه نکتةً سوداء فإذا هو نزع واستغفرو تاب صقل قلبه وإن عاد زید فیها حتیٰ یعلو قلبه وهو الران الذی ذکر الله ''کَلَّا بَلْ رَانَ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ'' ۔**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بندہ جب کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، پھر جب وہ اس غلطی سے باز آجاتا ہے، اور حق تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے، اور اگر دوبارہ سہ بارہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا چلا جاتا ہے، اور نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ سارا قلب اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے، یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ''کَلَّا بَلْ رَانَ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ'' میں فرمایا ہے۔

اصل مصیبت یہی ہے، اس سے بہت ڈرنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ **إن الله طیب لا یقبل إلا الطیب**، اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور بجز پاک چیز کے اور کچھ قبول نہیں فرماتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ نظر گاہِ حق قلب اور محض قلب ہے، اگر وہ زنگ خوردہ ہوجائے تو کس کام کا، گناہ خواہ کوئی ہو، جان میں ہو، مال میں ہو، حقوق اللہ کی قبیل سے ہو، حقوق العباد کی قبیل سے ہو، اس تاثیر میں سب مشترک ہیں، ہاں تاثیر کے درجات میں کمی بیشی ہے، لیکن کپڑوں کا ڈھیر جلانے کے لئے دہکتا ہوا شعلہ اور ٹمٹماتی ہوئی دیا سلائی دونوں خطرناک ہیں، حق تعالیٰ بے نیاز ہیں، ان پر کسی کا زور اور دباؤ نہیں ہے، ان کی بے نیازی اور قدرت کاملہ کو اگر انسان اپنی نگاہ میں رکھے تو ذرے جیسا گناہ بھی پہاڑ محسوس ہوگا، حق تعالیٰ کی ذاتِ عالی غیب الغیب ہے، اس لئے انسان جری رہتا ہے، اگر اس کے اوپر ذرا سی تجلی اتر جائے تو دنیا اور متاعِ دنیا جس کے

واسطے وہ گناہ کرتا رہتا ہے، اس سے دل قطعاً سرد ہو جائے، ایک تجلی آپ کو دکھاؤں۔

**عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنی أریٰ مالاترون وأسمع مالا تسمعون أطت السماء وحق لها أن تأط مافیها موضع أربع اصابع إلا وملک واضع جبهته لله ساجداً واللہ لو تعلمون ماأعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً وما تلذذتم بالنساء علی الفرش ولخرجتم إلی الصعدات تجأرون إلی اللہ. لوددت أنی کنت شجرة تعضد (ترمذی شریف)**

فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ دیکھتا ہوں، تم نہیں دیکھتے، اور میں جو کچھ سنتا ہوں تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا اٹھا، اور اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ چرچرا اٹھے۔ اس میں چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ حق تعالیٰ کی جناب میں اپنا ماتھا ٹیکے ہوئے نہ ہو، خدا کی قسم اگر وہ باتیں تم لوگ جان لیتے جو میں جانتا ہوں، تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں کی راہ لیتے، اور اللہ کے حضور فریاد کرتے کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

یہ تجلی ہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف تھا جو برداشت فرماتے تھے، ان کا حوصلہ بہت عظیم تھا، آپ نے اس اجمال میں سب کچھ بتا دیا، کاش ہم لوگوں کو کچھ سمجھ ہوتی، غفلت نے ہم لوگوں کے دلوں پر موٹے موٹے پردے ڈال رکھے ہیں، اس لئے عالم غیب کی تجلیات سے بالکل محروم ہیں، بزرگوں کی صحبت، ذکرِ الٰہی کی کثرت، تلاوتِ قرآن کریم کا اہتمام، اور موت کا استحضار دل کے لئے بہترین صیقل ہے، پھر آدمی کے لئے یہ عالم شہود عالم غیب بن جاتا ہے، اور عالم غیب کی جانب دل کی

آنکھیں کھل جاتی ہیں، اور وہی اس کے لئے شہود بن جاتا ہے، کاش اس کا کچھ حصہ ہم لوگوں کو نصیب ہو جاتا۔

مدرسہ میں الحمدللہ سب خیریت ہے، مولوی عبدالرب صاحب کا خط چندروز ہوئے آیا تھا، بہت خوش ہیں، آج شاید وہ مکہ مکرمہ میں ہوں گے، عمرہ کے لئے جانے کو لکھا تھا، کل میں نے انھیں خط لکھا ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

بخدمت گرامی قدر جناب حاجی صاحب! زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

آپ اپنا حال لکھتے ہوئے ڈرتے ہیں، شرماتے ہیں، کیا بتاؤں کہ اس کیفیت کے اظہار سے مجھے کس قدر ندامت ہوتی ہے، آپ نے میری عرض سنی، میری دلجوئی کی، کیا میں اتنا گیا گذرا ہوں کہ آپ کی باتیں نہ سن سکوں، تاہم آپ کے اجمال نے گوشِ دل میں بہت کچھ کہہ دیا، گو تفصیل سے باخبر نہیں ہوں، لیکن حالات سے بالکل بے خبر بھی نہیں ہوں، اور سچ پوچھئے تو یہ تنہا ایک آپ ہی کی داستان نہیں ہے، ایک عالم کا عالم اسی خلجان میں مبتلا ہے، ؎

وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

حالات کا مدوجزر کس پر نہیں آتا، انقلاباتِ روزگار کا شکار کون نہیں بنتا، ابھی رنج ہے ابھی خوشی ہے، ابھی بیماری ہے ابھی صحت ہے، رنج وراحت قدم بقدم ہیں،

ابھی اچھی طرح ہنسنے نہیں پاتے کہ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، ابھی پوری طرح لذتِ گریہ سے آشنا نہیں ہو پاتے کہ مسرت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں، حالات کو ایک حالت پر قرار کب ہے؟ اللہ اللہ! آپ نے دنیا بھی کیا بنائی، نہ غم واندوہ ہی کامل، نہ جی بھر کر فرحت وشادمانی ہی حاصل! بس ہر چیز ناتمام، ہر نقش ادھورا، ہر حال نامعتبر، دنیا کی ہر کہانی نامکمل، حد تو یہ ہے کہ خود انسان کی داستانِ غم کیسی ہے؟ ایک شاعر بے چارہ کہتا ہے۔

شعر

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی — نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم

سچ ہے، دنیا ایک نقش ناتمام ہی ہے، حکایت نامعتبر ہی ہے، خود ہستی نامکمل ہے، تو اس کے متعلقات میں کمال کدھر سے ہو، تکمیل کا محل دوسرا ہے، کمال کا مقام کوئی اور ہے، اعتبار کہیں اور کے لئے ہے، ثبات وقرار ابھی نہیں، کسی دوسرے وقت پر موقوف ہے، خوشی اور مکمل خوشی، راحت اور ابدی راحت، مسرت اور ہمیشہ کی مسرت کیا دنیا اس کی استعداد رکھتی ہے، کیا یہ عالم آب وگل اتنی صلاحیت کا مالک ہے کہ طویل راحت اور سرمدی خوشی کو برداشت کرلے نہیں اور ہرگز نہیں، اس کا محل کوئی اور ہے، سنئے تو سہی! اس کے بارے میں سب سچوں کے سچے نے کیا کہا ہے

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (سورۃ الانبیاء)

بلاشبہ جن کے واسطے ہماری بارگاہ سے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ لوگ اس (غم کدہ) سے دور رکھے جائیں گے، ان کو اس بڑی ہولناک گھبراہٹ کا غم نہ ہوگا، اور فرشتے

ان کے استقبال میں آگے بڑھ کر ملیں گے، یہ ہے وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

جی ہاں! جب غم کی آندھیاں پریشان کرتی تھیں، جب دل پر حالات وحوادث کی چوٹیں لگتی تھیں، جب جگر میں سوزش وتپش کی آگ بھڑکتی تھی، جب قلب مضطرب اور دماغ بدحواس ہوتا تھا تو اندر ہی اندر کوئی تسلی دیتا تھا کہ مت گھبراؤ، موسم بدلنے والا ہے، جگر کی آگ گل وگلزار ہونے والی ہے، قلب کا اضطراب اور دماغ کی بدحواسی سرور وتازگی سے بدلنے والی ہے، تو اس وقت خوب سمجھ میں نہیں آتا تھا، مگر اب دیکھ لو، اب نہ کہنا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا نہیں ہوا، جو تسلی دی گئی تھی، وہ جھوٹی ثابت ہوئی، لیکن کیا کہیئے کہ یہ دل ایک عجیب جوہر ہے، اسے نہ خوشی میں قرار اور نہ غم میں ثبات، کیا کہوں اسے جوہر عجیب شاید غلط کہہ گیا، یہ تو ایک روگ ہے۔ آسؔی مرحوم نے کہا اور خوب کہا،

شعر

دل ملا مجھ کو ازل میں تو کسی نے نہ کہا
روگ ہے یہ اسے چھاتی سے لگاتے کیوں ہو؟

اصل میں سارا روگ اسی دل کا ہے، یہ سینے میں جاگزیں ہوا، پھر جو قیامت گذرنی گذر گئی، یہ آیا تو تنہا نہیں آیا، محبت، عشق، سوز، گداز، انتظار، رنج، اندوہ، خلش، ملال، خوشی، مسرت، فرحت، راحت، غرض فوج کی فوج اس کے ساتھ لگی چلی آئی، اب ساری زندگی ان مہمانوں کی میزبانی کرتے رہیئے، جب تک زندگی ہے، جب تک یہ ہیں، جہاں موت آئی کہ غم واندوہ کی فوج رُخصت، ہائے غالب مرحوم کیا بات کہہ گیا،

ؔ

قیدِ حیات وبندغم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اس ہنگامہ زار دنیا میں اگر کوئی جائے پناہ ہے، کوئی گوشۂ عافیت ہے، کوئی خلوت گاہِ راحت ہے، کوئی مجلس اُنس وشوق ہے، تو وہ محض یادِ محبوب ہے، زبان اس محبوبِ حقیقی کا نام لیتی رہے، انگلیاں اس کے شمار پر چلتی رہیں، دل اس کی محبت سے لبریز ہو، آنکھیں اس کے عشق میں ڈبڈبا رہی ہوں، جگراس کے فراق میں جل رہا ہو، دماغ اس کے وصل کی تدبیریں سوچ رہا ہو، اس کی یاد بدن میں حرارت پیدا کررہی ہو، اوراس کا درد آگ بن کر نخلِ ہستی کو پھونک رہا ہو، زندگی خواہ راحت سے لبریز ہو یا جراحت سے معمور! ادھر سے تکلیف ہو یا آرام، پاس رکھیں یا دور، رُلائیں یا ہنسائیں، ہمارا حال تو کچھ اور ہی ہونا چاہئے، کاش ایسا ہوتا۔

محبوب کی ہر ادا محبوب ہے، وہ کالی زُلفیں ہوں یا روشن چہرہ، دونوں ہی جان لیوا ہیں، دونوں میں ایک لذت ہے، مصیبت کی اندھیری رات ہو یا خوشی کا دمکتا ہوا دن، شامِ غم ہو یا صبح مسرت دونوں دل رُبا ہیں، الگ الگ شانیں ہیں، تجلی ایک ہے، لطف ایک ہے، حلاوت ایک ہے، ذوق صحیح ہو تو شیرینی بھی باعث لذت کامِ ودہن ہے، اور تلخی بھی لطف ذائقۂ وزبان! آپ ہی کے ہمنام مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ نے بڑی اچھی بات کہی ہے

بادوروزہ زندگی جامیؔ نہ شد سیر غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمر جاودانی یافتم

دودن کی زندگی میں جامی آپ کے غم سے آسودہ نہ ہوسکا، کیا خوب ہوتا کہ مجھے عمر جاودانی ملی ہوتی۔

کیا کیا لکھوں، بے ربط باتیں ہیں، آپ اکتا جائیں گے، دیوانہ ہوں، ”دیوانہ راہوئے بس است“ کے مصداق قلم اٹھا تو کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا کیا لکھے جارہا ہوں، جلدی میں ہوں، نظر ثانی کی بھی فرصت نہیں، لیکن ایک بار پڑھ کر لفافہ میں

بند کروں گا، نہ جانے کیا کیا لکھا ہوگا، خدا کرے گرانیٔ خاطر کا سبب نہ ہو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۳؍رجب ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

بخدمت گرامی قدر جناب حاجی صاحب! زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

کل سے برابر طبیعت میں تقاضا ہے کہ آپ کے پاس کچھ لکھوں، کیا لکھوں یہ مبہم ہے، اور ابھی تک مبہم ہے، کوئی خاص بات ذہن میں نہیں ہے، جو لکھی جا سکے، تاہم تقاضا ہے، اور اسی تقاضے سے مجبور ہوکر بغیر اس کی فکر کئے کہ کیا لکھنا ہے قلم اٹھالیا ہے، آپ نے خیرآباد میں کہا تھا کہ میرے رُقعہ کا جواب نہیں ملا، شاید اس کا اثر خفی ہو۔

محترما! دنیا میں حق تعالیٰ راحت کے جن اسباب سے نوازتے ہیں، ان میں سب سے بڑا ذریعہ مال اور اولاد کو سمجھا جاتا ہے، عام خیال یہی ہے، اس لئے ہر شخص اسی تگ ودو میں مبتلا رہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال اور بہتر سے بہتر اولاد حاصل کرے۔ مال بذاتِ خود کسی کے نزدیک مقصود ومطلوب نہیں ہوتا، چونکہ یہ قیاماً للناس ہے، زندگی کی عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے، اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ وافر مقدار میں مال کا ذخیرہ جمع کرلیا جائے تاکہ کسی وقت تنگی اور پریشانی نہ ہو، یہی صورتحال اولاد کی بھی ہے، ہر کس ناکس کے دل میں یہی بات بیٹھی ہوئی ہے، زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے! تحصیل مال کی یہ ابتدائی غرض وغایت ہے، پھر اس میں

حسب استعداد ترقی ہوتی رہتی ہے، لیکن بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اسباب راحت کا ''فرد اکبر'' ہے، لیکن خیال کیجئے کہ کیا یہ واقعہ ہے، کیا ہر وہ شخص جو مال فراواں رکھتا ہے، راحت وآرام سے بھی بہرہ یاب ہے، کیا کسی دولت مند پر پریشانی وناسازگاری کا سایہ نہیں پڑتا؟ اور کیا غریب ومفلوک الحال ہمہ وقت مضطرب وبدحواس ہی رہتا ہے، دنیا کا تجربہ بتاتا ہے ایسا نہیں ہے، نہ جانے کتنے دولت مند ایسے ہیں، جو چین وآرام کا نام نہیں جانتے، اور نہ جانے کتنے غریب وبے نوا ایسے ہیں جو ہمیشہ خوش وخرم رہتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ آدمیوں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ غلط مفروضہ اور بے بنیاد خیال ہے، ہم نے انبیاء کا علم پڑھا، تجربہ کاروں کی باتیں سنیں، تاریخ کے اسباق پڑھے، خود اپنے احوال پر غائرانہ نظر ڈالی، تو جو سب سے بڑا اسببِ راحت ملا جس کے بعد کوئی پریشانی نہیں، جس کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہیں، جس سے دل کو انتہائی تقویت حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر توکل کرنے کا سلیقہ آجائے، توکل کے معنی ہیں، کسی کو اپنا وکیل بنالینا، تو جو رب المشرق والمغرب ہو، جس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہ ہو، اس کو اگر کسی نے اپنا وکیل بنالیا: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلاً، تو اس سے بڑھ کر سبب راحت کیا ہوگا، توکل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسباب کو ترک کردیا جائے، بیشک توکل میں ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے، جہاں بہت سے اسباب متروک ہوجاتے ہیں، لیکن اس کا تعلق غلبۂ حال سے ہے، صرف عقیدہ اور علم سے نہیں ہے، اس کا کوئی شخص مکلّف نہیں ہے، اور جب وہ حال پیدا ہوگا تو بغیر کسی مزاحمت کے خود بخود اسباب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا، توکل جو ہم لوگوں کے لئے قابل حصول ہے، وہ یہ ہے کہ اعتماد صرف اللہ پر ہو، دل کا تعلق خدا کے علاوہ کسی اور سے نہ ہو، مال ودولت، کسب

واکتساب سب میں حسب ضرورت اشتغال ہو، مگر دل کا رابطہ خدا سے ہو، اگر یہ بات حاصل ہو جائے تو کافی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً خود کو یادِ الٰہی کا پابند بنایا جائے، لساناً بھی اور قلباً بھی، ثانیاً یہ کہ ہر کام کی ابتداء اور انتہاء میں ضرور، اور درمیان میں بطور اختیار کے اس مضمون کا استحضار کیا جائے کہ ''تدبیر'' ہم نے کر لی، اس کا نتیجہ خدا کے اختیار میں ہے، اگر نتیجہ اچھا نکلا تو سبحان اللہ، اور اگر ہمارے حسب منشا نہ نکلا تو وہی بہتر ہے، جو خدا کو منظور ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کوئی اور چیز عطا فرمائیں گے، اس مضمون کا بتکرار استحضار کیا جائے، تو توکل حاصل ہونے میں دیر نہیں لگے گی، غرض یہ ہے کہ قلب کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہو، اس کا آرزومند رہنا چاہئے، اس کی کوشش کرنی چاہئے، آپ کہیں گے کہ یہ بچوں کی طرح سبق پڑھانے لگے، کیا کروں، جب مضمون کچھ نہ تھا اور لکھنا ضرور تھا تو جو کچھ ذہن میں آتا گیا لکھتا گیا، آپ نے پڑھ بھی لیا، خدا کرے کچھ مفید ہو، دعا کرتا ہوں، اور دعا کا خواہاں ہو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ

☆☆☆☆☆

(**نوٹ**) اس خط کا محرک یہ ہے کہ ۱۹۸۸ء میں حاجی عبد الرحمٰن صاحب خیرآبادی کے ساتھ میں نے بھی حج کا فارم بھرا تھا، جو باوجود کد وکاوش کے منظور نہ ہوسکا تھا، دوسرے سال دوبارہ فارم بھرنا تھا، ۱۱؍ جنوری تک فارم کے جمع ہونے کا وقت تھا، میں ۲۶؍ دسمبر کو مولانا عبد الرب کے ساتھ الہ آباد اور باندہ کے سفر پر چلا گیا، پھر ان کے اصرار پر بمبئی چلا گیا۔ اور ادھر کا دھیان نہ رہا، واپسی ۷؍ جنوری کو ہوئی، حاجی عبد الرحمٰن صاحب نے مایوس ہو کر ۷؍ جنوری ہی کو فارم بھر دیا اور مجھے اطلاع نہ ہوسکی، مدرسہ آنے کے بعد مجھے اس کی اطلاع ملی تو میری جو کچھ کیفیت ہوئی، درج ذیل خط اس کا ترجمان ہے، (اعجاز احمد اعظمی)

محترم ومکرم جناب حاجی صاحب! زید مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

کل شام کو ابرار احمد سلّمہٗ نے ایک خبر سنائی، یہ خبر تھی یا بجلی جو قلب وجگر پر گری اور

آگ اس گھر میں ایسی لگی کہ جو تھا جل گیا

میں آوارہ گردی اور کوچہ نوردی میں مبتلا تھا، اور یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا۔ آپ نے حج کا فارم بھر دیا اور اب وقت بھی باقی نہ رہا۔ اسی وقت سے دل کا عجیب حال ہے، ایک بے نام سی کیفیت دل پر دھواں بن کر چھائی ہوئی ہے، وہ کیفیت کیا ہے؟ ہائے کیا بتاؤں؟ نہ رنج وغم ہے، نہ حسرت وافسوس ہے، نہ پریشانی وبدحواسی ہے، نہ گریۂ وبکا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا نام دوں؟ کس عنوان سے تعبیر کروں؟ بس یوں کہہ سکتا ہوں کہ ایک تحیر کا سا عالم ہے، دل میں ہلکا ہلکا ناقابل برداشت سا درد ہورہا ہے، جس میں لذت وحلاوت بھی ہے، شوق وبے تابی بھی ہے، حسرت واندوہ بھی ہے، ناقابل فہم سی حیرت بھی، اور غم کے ساتھ آمیز ایک خوشی بھی ہے، اور نہ جانے کیا کیا ہے

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

جیسے کوئی صحرا وبیابان میں اچانک لٹ گیا ہو، اس کے بدن پر پہننے کے کپڑے تک نہ باقی ہوں، اور اس پر ایک تحیر کا عالم چھا گیا ہو۔ سوچتا ہوں کہ یہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کچھ نہیں ہوا۔ صرف ایک بات ہوئی۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر

یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

(میں چلا کہ پاؤں سے کانٹا نکالوں، اتنے میں کجاوہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، میں ایک لمحہ کیلئے غافل ہوا، اور سو سال کی راہ دور ہوگئی)

میری ایک بے معنی رہ نوردی ایک پُر مغز اور بامعنی سفر سے مانع بن گئی، اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو میرا نام بھی شیدائیوں، تمنائیوں اور آرزو مندوں کے دفتر میں لکھا گیا ہوتا، لیکن میں کوچہ وصحرا کی خاک چھانتا رہا، اور خوش بختوں کا گروہ امید وشوق کا سہرا باندھ کر تیار ہوگیا۔ حق تعالیٰ کو شاید یہی منظور ہے کہ بامرادوں کی جماعت میں نامراد گھسنے نہ پائے، کہیں اس کی نامرادی دوسروں کے لئے باعث محرومی نہ بن جائے۔

اچھا ہی ہوا، میرا کیا منہ تھا کہ میں نے حاضریٔ آستانہ کا حوصلہ کرلیا تھا۔ کہاں وہ خاکِ پاک جو فرشتوں کے لئے سرمۂ نگاہ ہے، اور کہاں یہ وجودِ ناپاک، جو سرے سے بے ننگ ونام ہے، میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ میرا حوصلہ بیجا ہے، میری آرزو بے سود ہے، میری سعی رائیگاں ہے، جانتا تھا کہ استحقاق کیا چیز ہے؟ شائبۂ اہلیت بھی نہیں ہے، پر سوچا کرتا تھا کہ وہ ذاتِ پاک نااہلوں کو بھی نواز دیتی ہے، مگر اب کھلا کہ یہ نااہلی بحدے رسیدہ کہ اس نے بخشش وعطا کے دروازے تک بند کردیئے ہیں، اچھا ہوا کہ یہیں روک دیا گیا، خدانخواستہ اگر وہاں پہونچ جاتا اور پھر الٹا واپس کردیا جاتا تو ذلت ورُسوائی کی ناقابل محو مہر لگ جاتی۔ میں راضی ہوں، دل سے راضی ہوں، محبوب تعالیٰ کی جو مرضی ہو! بندہ ہوں کیا دم مارسکتا ہوں۔ انھوں نے نہ چاہا، پہلے باوجود کوشش کے کچھ نہ ہوا، اب سعی وجہد کا موقع ہی نہ دیا، بس سلادیا، اور قافلہ کو گزار دیا۔

اب آنکھیں مل رہا ہوں اور گردِ کارواں دیکھ رہا ہوں، بہتر ہے،

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا

شوق ناتمام تھا، حوصلہ برائے نام تھا، جذب ناقص تھا، ہمت ادھوری تھی، پھر سرفروشوں اور جاں سپاروں کی بزمِ ناز میں کہاں گنجائش ہوتی، اور ہو بھی جاتی تو ناکام

ونامرادلوٹنا پڑتا۔اس لئے اچھا ہوا کہ باہر ہی رکھا گیا۔اب شاید تازیانہ لگے،شوق کو مہمیز ہو،حوصلہ چوٹ کھا کرلہرائے ، جذب میں گیرائی پیدا ہو،شاید ایسا ہو،شاید اس لئے کہ اپنی طبع آرام پسند پرنظر پڑتی ہےتو سب آرزوئیں شکست کھا جاتی ہیں، یہ ایک بے جان اور مردہ طبیعت ہے، جوشوق ومحبت سے بے پروا،حوصلہ وہمت سے خالی، آرزوتمنا سے بے نیازاورسعی وجہد سے یکسر برکنار ہے،اس سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ پڑ جائے اسے بھگت لینے کی عادی ہے،لیکن ماضی سے سبق حاصل کرے اور مستقبل پرنگاہ جمائے ،اس کا یارا اسے نہیں،بس جہاں ہے وہاں ہے، نہ پیچھے مڑکر دیکھے، نہ آگے جست لگائے ،ایسی کاہل اور بےمزہ طبیعت کے ساتھ زندگی کا سفرکوئی کیسے قطع کرے،بس یونہی پڑا رہے،اورمر جائے ،یہی اس کی قسمت ہے۔

خیر جانے دیجئے ، یہ حکایت خونچکاں اور شکایت بیکراں کہاں تک کہئے ، یہ بھی ایک دفتر بے معنی ہے، جسے حافظ شیرازی نے ’’غرق مے ناب اولیٰ‘‘ کہا ہے، لیکن مے ناب کہاں میسر؟ اسے چھوڑیئے ،اور یہ بتائیے کہ کیاارادہ ہے، تیرکر جائیے گا، یا اُڑکر پہونچئے گا۔اب میں خلوص دل سے دعا کروں گا،اب آپ کا یہ ارادہ میری غرض کے شائبہ سے پاک ہے، ان شاء اللہ آپ ضرور جائیں گے ،اور ہم کو بھی یاد رکھیں گے۔(۱)

فقط والسلام

اعجازاحمداعظمی

۶؍جمادی الاخریٰ۱۴۰۹ھ

(۱) پھر اللہ کا فضل ہوا، دردوغم کی یہ فریاد عرشِ الٰہی تک پہونچ گئی،اورنامۂ منظوری لے کرآئی، چنانچہ اسی سال حرمین شریفین کی پہلی حاضری مقدر ہوئی ، اور میسر آئی ۔اس کی تفصیل ’’بطواف کعبہ رفتم‘‘ میں پڑھیئے۔

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی

میرے مخدوم اور مخدوم زادے استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ کے بلند مرتبہ صاحبزادے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور وہیں خدمت تدریس پر فائز ہیں۔ بہترین مدرس، عمدہ خطیب اور جید حافظ قرآن ہیں۔ ابتداءً جامعہ حسینیہ لال دروازہ جون پور میں درس دیا۔ وہاں سے دیوبند تشریف لے گئے۔ میری جب کبھی حاضری دارالعلوم دیوبند میں ہوتی ہے اور عموماً سال میں ایک مرتبہ تو ہو ہی جاتی ہے، وہاں میرے مستقل میزبان یہی ہیں۔ ان سے مل کر اور ان کا مہمان بن کر دلی مسرت حاصل ہوتی ہے، اور مرحوم استاذ محترم کی یادوں کا چراغ دل میں روشن ہو جاتا ہے۔

(اعجاز احمد اعظمی)

عزیزم! جعلنی اللہ وإیاکم کما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا ایک جوابی خط ایک ہفتہ قبل ملا، اسی وقت میں نے اس کا جواب لکھا تھا، اس سے پہلے والے خط میں، میں نے ذکر کے مسئلے کو چھیڑا تھا، اس خط میں تم نے اس کا تذکرہ کیا ہے، میرے لئے سرمایۂ حیات یہی بات ہے، قلبی خوشی ہوئی، حق تعالیٰ استقامت اور ہمت وحوصلہ عنایت فرمائیں۔

عزیزِ من! انسان کی خلقت کا مقصد بجز یادِ الٰہی اور معرفت خداوندی کے کچھ نہیں، اگر کسی کو یہ دولت نہ ملی تو اسے کچھ نہیں ملا، زندگی وبال اور وقت ضائع! کیا بتاؤں یہ کیسا قیمتی سرمایہ ہے، اگر بڑی سے بڑی قربانی دے کر یہ دولت بیدار حاصل ہو جائے تو سودا سستا ہے۔ ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سوا ایسا زیاں نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ولا تکن من الغافلین ، اس سے معلوم ہوا کہ غفلت حرام ہے، پھر ظاہر ہے کہ اس کی ضد فرض ہوگی، چنانچہ أذکروا اللہ ذکراً کثیراً ارشاد ہے۔ اب ہم لوگوں کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ قلوب میں غفلت کتنی بھری ہوئی ہے، اگر کوئی گناہ نہ ہو تو یہ خود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے سامنے سب ہیچ! یہی وہ بلا ہے جس کی بنیاد پر دوسرے گناہ سر اٹھاتے ہیں، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے گناہ کے گناہ ہونے کا احساس بھی مٹ جاتا ہے۔ کتنی معصیتیں انسان دن رات کرتا رہتا ہے، اور اسے خیال بھی نہیں گذرتا کہ کن نجاستوں میں ملوث ہے، کتنی خطرناک مصیبت ہے یہ! یہی غفلت نفاق کی بنیاد ہے، معاصی کی بنیاد ہے، سوچو اس کا ازالہ

کتنے اہتمام اور کتنی فکر کے ساتھ کرنا چاہئے ، آدمی اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک اس کو جذرِ قلب سے اکھاڑ نہ پھینکے، اور جانتے ہو کہ یہ بیماری دل کی ہے، اعضاء وجوارح کی نہیں ، پھر یہ سمجھ لو کہ جہاں بیماری ہو دوا بھی وہیں پہونچنی چاہئے ، غفلت کا علاج ذکر اور محض ذکر ہے، اس لئے ذکر کے اندر دل کی شمولیت ضروری ہے، اس کے لئے یکسوئی ، خلوت ،تشویش پیدا کرنے والی چیزوں سے دوری ضروری ہے، تھوڑی دیر بیٹھو مگر یکسو ہو کر بیٹھو ، چاہئے تو یہ کہ ضروری مشغولیتوں سے فارغ تمام اوقات کو ذکر سے معمور کیا جائے ،مگر ہم لوگوں میں اتنا حوصلہ کہاں؟ لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ بالکل ہی حوصلہ کھو بیٹھیں ،حق تعالیٰ کو **معالی الھمم** پسند ہیں، ہمیشہ ہمت بلند رکھنی چاہئے ،حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔

بس بھائی ! تم کو نصیحت کرنا میرے لئے داخل گستاخی ہے،لیکن کیا کروں، طبیعت نہیں مانتی ، امید ہے کہ مجھے معاف کروگے، مولانا قمرالدین صاحب اگر ہوں تو ان سے ضرور سلام کہہ دو، ان کی ملاقات سے مجھے فرحت اور مسرت ہوئی ، خوب باغ و بہار آدمی ہیں ، اور صاحب دل بھی ، ان سے پھر آرزوئے ملاقات ہے، دیکھئے کب خدا ملاتا ہے، ان کی صحبت مختصر رہی ، مگر دل پر ایک نقش بٹھا گئی ، اکثر ان کی یاد آتی رہتی ہے، اگر نہ ہوں تو جب آئیں سلام کہہ دینا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

برادرِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیر ہوں ، مجھے تمہارے خط کا انتظار بہت شدت سے تھا ، انتظار کی عمر

اب پوری ہوئی، تم نے جواب کے سلسلے میں جو کچھ غور کیا اور اس کی وجہ سے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی، یہ بات عمدہ نہیں ہے، یہ بات بہت اچھی ہے کہ قلب و دماغ کے دریچے اس کی قبولیت کے لئے کھل جائیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے دریچے کھلیں گے کیونکر؟ کسی بات کے بتکرار سننے سے! صرف ایک بار کی بارش زراعت کے لئے مفید نہیں ہوتی، بلکہ بار بار کی بارش زمین کو بہت حد تک نم کر دیتی ہے، پھر اس میں روئیدگی کی صلاحیت بے پناہ ہو جاتی ہے، میں نے تمہیں گدگدایا ہے، تاکہ اندرونی جوش جو تمہارے قلب میں دبا ہوا ہے، ابھرے۔ تم اس کے اسباب مہیا کرتے رہو، بار بار ایک بات مختلف عنوانوں سے سامنے آئے گی، تو انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی، دیکھو سیدنا عمر فاروقؓ نے جب جمع قرآن کی تحریک کی تو حضرت ابو بکرؓ اس کیلئے تیار نہ تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے اتنا اصرار کیا کہ حضرت خلیفۂ اول کو شرحِ صدر ہو گیا، پھر ان دونوں نے حضرت زید بن ثابتؓ پر اصرار کیا یہاں تک کہ انھیں بھی شرحِ صدر ہو گیا، جس طرح کتابوں کو یاد کرنے کے لئے تکرار مفید ہے، ویسے ہی اس کے لئے بھی تکرار مفید ہے، تم خط کو کسی انتظار میں موقوف نہ رکھو، میں الٹا سیدھا کچھ لکھتا ہی رہوں گا، اس میں کچھ کام کی بات بھی انشاء اللہ آجائے گی۔ کل تمہارا خط ملا، اسی وقت سے مجھ پر ایک وجد کی کیفیت ہے، تم نے حجابات کے نہ ہٹنے کی شکایت کی ہے، میرے عزیز! یہ حجابات اچانک نہیں ہٹیں گے، بڑے دبیز حجابات ہیں، آہستہ آہستہ کمزور ہوتے ہوتے ختم ہوں گے، کام میں لگے رہنا شرط ہے، عمر عزیز اگر اس فکر اور اس تڑپ میں گذرے کہ رضائے خداوندی کی متاعِ گرانمایہ حاصل ہو تو ہرگز ضائع نہیں ہے، اس طلب اور تڑپ کا پیدا ہونا ہی اصل ہے۔ جس بازار کی تمہیں تلاش ہے، وہ مفقود نہیں ہے، ہاں کمیاب ضرور ہے، تم تو ماشاء اللہ اس بازار میں پہونچ چکے ہو، لیکن صرف

پہونچنا کافی نہیں ہے، کچھ پونجی بھی درکار ہے، ورنہ خالی ہاتھ بازار میں جانا کیا مفید ہوگا، اور معلوم ہے کہ پونجی کیا ہے؟ اپنے شیخ کے ساتھ خلوص وعقیدت اوران پر کامل اعتماد، ان کی بتلائی ہوئی تعلیم کا اہتمام والتزام، بس یہ دو باتیں حاصل ہوں تو عشق ومحبت اور معرفت وخدارسی ضرور حاصل ہوکر رہے گی، انشاء اللہ، الحمدللہ کہ تمہیں خلوص وعقیدت اوراعتماد کی دولت گرانمایہ حاصل ہے، البتہ دوسرے امر کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے، اس کے لئے رابطۂ ظاہری بھی رکھنا ضروری ہے۔ خط وکتابت، احوال کی اطلاع کرتے رہنا بنیادی بات ہے، اور کبھی کبھی خدمت میں حاضری ازبس ضروری ہے، سلوک کی بنیادی ضرورت رابطہ شیخ ہے، اس پر تمام مشائخ کا اتفاق ہے، اورصدیوں کا تجربہ اس پر شاہد ہے، ذکرواذکار میں یکسوئی کی جو کیفیت میں نے سابق خط میں لکھی ہے وہ کافی ہے، یعنی تمام مشاغل ضروریہ میں ایک ضروری مشغلہ اس کو بھی بنا کر اس کے لئے ایک وقت خاص کرلو اوراس وقت میں بجز اس کام کے اور کوئی دوسرا کام نہ ہو، اوراس وقت کی تخصیص اس طرح سے ہو کہ تم سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جان لے کہ تمہارا فلاں وقت یادِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے، تاکہ کوئی شخص اس میں دخل اندازی نہ کرے، اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم اس کا اعلان کرو، بس اتنا ہے کہ تمہاری جانب سے اسوقت کا اتنا اہتمام ہو کہ کسی پر یہ بات مخفی نہ رہ جائے، یہ ریاکاری نہیں انتظام ہے، جس کے بغیر کسی کام کی گاڑی نہیں چل سکتی، اس کے ساتھ ہی سحر خیزی کی عادت ڈالو، اخیر رات کی چند رکعتیں نصیب ہوجائیں تو زہے نصیب، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ بے محبت کی زندگی کھردری زندگی ہے اوراس کا کچھ حاصل نہیں۔

میراارادہ اس ہفتہ جونپور آنے کا مصمم تھا، مگراسی ہفتہ میں ہولی ہے، اس لئے مجبوراً ارادہ ملتوی کردیا۔ تمہارے یہاں مدرسہ کب تک کھلا رہے گا، یہاں تو یکم ر

شعبان سے تعطیل ہورہی ہے، اگر موقع ملا تو تعطیل میں جونپور آؤں گا۔

مولانا قمرالدین صاحب کی خدمت میں میرا سلامِ شوق عرض کردو۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

۱۱؍رجب ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا عبدالرب صاحب اعظمی

غازی پور مدرسہ دینیہ کے آغاز تدریس میں مولانا عبدالرب اعظمی سے تعارف ہوا، محبت ہوئی اور بڑھی، اور پھراتنی بڑھی کہ محسوس ہونے لگا کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصورنہیں ہوسکتا۔اس وقت مولانا کسی مدرسے میں نہ تھے، کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، جہانا گنج ضلع اعظم گڈھ کے ایک خوشحال گھرانے سے تعلق تھا۔ابتدائی تعلیم جامعہ مفتاح العلوم مئو میں حاصل کی۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے،اور وہاں کے ممتاز طلبہ میں شمار کئے گئے۔فراغت کے بعد کچھ دنوں تجارت کا مشغلہ رہا، پھر میرے کہنے پر مدرسوں کا رُخ کیا۔مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد،اوراس کے بعد مدرسہ دینیہ غازی پور میں کامیاب مدرسی کی۔اپنے والد مولانا محمد اقبال صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد ۱۹۸۵ء میں جامعہ عربیہ انوارالعلوم جہانا گنج اعظم گڈھ کے ناظم منتخب کئے گئے، اوراب جہانا گنج اوراس کے اطراف میں مطلق ''ناظم صاحب'' مولانا ہی ہیں۔تدریس کا مشغلہ انتظام میں آنے کے بعد کم رہا۔اعظم گڈھ کی جمعیۃ علماء کے کلیدی ذمہ داروں میں ہیں، لیکن میرا تعلق اور میری محبت ان اوصاف ومناصب سے قطع نظر ذاتی اور قلبی ہے۔

ان کے فرزند اکبر عبیداللہ مرحوم ایک حادثے میں جاں بحق ہوگیا۔اس کا اثر ان پر جو تھا وہ تو تھا ہی! میرے دل کو بھی وہ چوٹ لگی تھی اور وہ صدمہ ہوا تھا کہ اس کا اظہار مشکل ہے، یہ خطوط اسی موقعہ کے ہیں۔

برادرِ مکرم! **عافاکم اللہ ورزقکم صبراً جمیلاً**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

دل پر ایک ناقابل بیان بوجھ اب تک محسوس کررہا ہوں، ایک تحیر کی کیفیت چھائی ہوئی ہے، ایسی کیفیت ہے، جیسے سب کچھ بھول گیا ہوں، بجز اللہ کے، اور عبید اللہ کے، اور عبدالرب کے کچھ یاد ہی نہیں آتا، میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے حضور عبید اللہ پہونچ کر مسکرارہا ہے، وہاں کی مہربانیاں، عنایتیں دیکھ کر اپنا وہ زخم بھول گیا ہے، میں تصور کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہیں رب کا بندہ بھی کھڑا ہے، اس کے دل کی آنکھوں سے آنسو نہیں، خون کے آنسو رواں ہیں، مگر جسم کی آنکھوں پر اور زبان پر شریعت کا پہرہ بیٹھا رکھا ہے، اللہ خونِ دل کی جوئے رواں کو بھی دیکھ رہے ہیں، اور قلب ونگاہ پر شریعت کے پہرے کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ وہ عبید اللہ سے بھی خوش ہیں کیونکہ اس کا دل بہت سلیم تھا، وہ نہایت مطیع اور فرمانبردار تھا، اس کی زبان میں اتنی نرمی اور حلاوت تھی کہ کانوں میں شہد وشکر گھولتا تھا، یہ دونوں باتیں کتنی پاکیزہ ہیں احادیث سے اس کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ اور عبدالرب سے بھی خوش ہیں، کیونکہ اگرچہ جگر خون ہورہا ہے، لیکن اللہ کی مشیئت اور فیصلے پر سو جان سے راضی ہے۔ **العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول إلا ما یرضیٰ ربنا وإنا بفراقک یا إبراھیم لمحزونون۔**

رب کے اس بندے کا حال عجیب ہے، آزمائشوں میں گھرا ہوا ہے، ایک سے بڑھ کر ایک آزمائش! اور یہ آخری آزمائش تو سب سے بڑھ کر نکلی، صدموں کا اثر دل پر پڑنا لازم ہے، بشریت کا لازمہ ہے، مگر ایمان کا تقاضا، اللہ سے محبت کا تقاضا

سب سے بڑھ کر ہے، محبوب بیٹے کی جدائی نا قابل برداشت ہے، مگر کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے، اور مومن کی کوئی چیز اس سے جدا ہو کر ضائع نہیں ہوتی، وہ خدا کی ضمانت میں پہونچ جاتی ہے، دنیا کے تغیرات سے پاک ہو جاتی ہے، اس میں ترقی کا عمل تو جاری رہتا ہے، لیکن تنزل وضیاع سے محفوظ ہو جاتی ہے، پھر ایک دن آئے گا کہ ہم بھی وہیں پہونچ جائیں گے، جہاں وہ محبوب شئے محفوظ ہے، پھر ایسی ملاقات ہوگی، جس کو داغِ جدائی کا صدمہ نہیں سہنا پڑے گا۔ یہ عقیدہ، یہ حال اور خیال مومن کو ہر حال میں سنبھالے رہتا ہے، وہ خدا کی رضا کی بشارت پا کر مصائب میں بھی مسکراتا ہے۔

رات میں قاری شبیر احمد صاحب کو اس حادثہ کی اطلاع دے رہا تھا، اور دل تھا کہ امنڈا چلا آتا تھا، بڑی مشکلوں سے دل پر قابو پا کر انھیں اطلاع دے سکا، وہ بھی سنتے ہی پریشان ہو گئے، بقرعید کے دوسرے روز آنے کو کہہ رہے تھے، جہاں جہاں تک یہ خبر جاتی ہے، درد کا ایک سیلاب امنڈا ہوا محسوس ہوتا ہے، لیکن پروردگار! آپ راضی ہوں تو سب آسان ہے، مگر مولیٰ! آپ کی جانب سے عافیت کی رداء سایہ فگن ہو جائے، تو اسی کی امید ہے، اور اسی کی آرزو ہے، **إن لم تكن ساخطاً عليّ فلا أبالي غير أن عافيتك أوسع لي۔**

عبید اللہ کی ماں اور بھائی بہنوں پر بھی بہت اثر ہوگا، ان سب کو صبر کی تلقین کیجئے، کوئی ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالیں، جس سے عبید اللہ کو فرشتوں کے سامنے محجوب ہونا پڑے۔ فرزند عزیز اپنا وقت پورا کر کے گیا ہے، ہم کو معلوم نہ تھا کہ اتنے ہی وقت کے لئے آیا تھا، اب معلوم ہوا، دل امنڈے تو آنسو بہا لیں، مگر زبان سے بجز **إنا لله وإنا إليه راجعون** کے اور کچھ نہ کہیں، یا کہیں تو وہ بات کہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو۔

میرا دل بھی نڈھال ہے، قلم بھی نڈھال ہورہا ہے، آپ سے بات کرنے کا تقاضا ہورہا تھا تو عالم تصور میں ہم کلام ہوا، پھر جی میں آیا کہ دل کا بوجھ صفحۂ کاغذ پر اتاردوں۔ کج مج طریقے پر کچھ تو اتاردیا، مگر ابھی کچھ باقی رہ گیا ہے، اب قلم تھرتھرارہا ہے، اسے مہلت دیتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ بعد میں کچھ اور لکھوں، دل ہر وقت دعا میں مشغول ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۷/ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

☆☆☆☆☆

برادرِ مکرم! عافاکم اللہ ورزقکم صبراً جمیلاً وآتاکم أجراً جزیلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

ابھی کچھ دیر پہلے کچھ منتشر سطریں لکھ چکا ہوں، پھر طبیعت کا تقاضا ہورہا ہے کہ کچھ اور لکھوں، میری طبیعت خود بے چین ہے، اپنے کو بھی تسلی دینی ہے، اور آپ کو بھی سنانا ہے، جی چاہتا ہے کہ وہ ذاتِ گرامی جو محبوبِ ربِ کائنات ہے جس کے صدقے میں ہم کو ایمان ملا ہے، اللہ ملا ہے، جس پر ہمارا سب کچھ قربان! یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، انھیں کے دربار میں حاضری دی جائے اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں، اسے دل کے کان سے سنا جائے، ان کے ارشادات مداوائے زخم دل ہیں، ان سے بڑا ہمدرد وغمخوار اس کائناتِ انسانی میں کوئی نہیں، ان کو دیکھ لینے، ان کو سن لینے کے بعد ہر غم ہلکا ہے، آیئے چلیں انھیں کی خدمت میں باادب حاضری دیں، باوضو ہولیں، نگاہیں نیچی کرلیں، پوری توجہ دلی سے حاضر دربار ہوں۔

آپ ﷺ کی مجلس شریف منعقد ہے، آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہیں، دیکھئے فرمارہے ہیں:

’’مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ساتھ جو بھی پیش آئے خیر ہی خیر ہے، یہ بات مومن کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ بات اس کے حق میں خیر ہے، اگر تکلیف پہونچتی ہے تو صبر کرتا ہے، اور یہ بات بھی اس کے حق میں خیر ہے۔(مسلم من حدیث صهیب )

جو شخص کوشش کر کے صبر کرتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمادیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو صبر سے بہتر اور اس سے بڑا عطیہ کوئی اور نہیں ملتا۔(بخاری و مسلم عن ابی سعید الخدری )

اور سنئے! آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ میں تمہارے بعد ایک امت کو پیدا کروں گا، جس کا حال یہ ہوگا کہ ان کو جب عمدہ حال میسر ہوگا تو اللہ کی حمد کریں گے، اور جب ناگوار بات پیش آئے گی تو ثواب کی امید رکھیں گے، اور صبر کریں گے، حالانکہ انھیں نہ علم ہوگا نہ حلم ہوگا، عرض کیا پروردگار! تب یہ بات کیونکر ہوگی، فرمایا: میں اپنے علم اور حلم کا حصہ انھیں بخشوں گا۔(مسند احمد عن ابی الدرداء )

جتنی بڑی مصیبت اتنا ہی بڑا ثواب، حق تعالیٰ کی مہربانیوں کے انداز عجب دلنواز ہیں، ابتداءً دل خراشی معلوم ہوتی ہے، مگر حقیقت اس کی دلنوازی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ جو ترجمانِ غیب ہیں، بشارت سنا رہے ہیں:

جتنی بڑی بلا ہوگی، اسی کے بقدر بڑی جزا ہوگی، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب رکھتے ہیں، تو انھیں کسی آزمائش میں ڈال دیتے ہیں، جو اس پر راضی ہوتا ہے، اس کے لئے اللہ کی رضامندی ہے اور جو ناراض ہوتا ہے، اس کے لئے ناراضگی ہی ملتی ہے۔ (ترمذی عن انسؓ)

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھ رہے ہیں، پوچھنے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران ہیں، وہ پوچھ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں، جن پر بلائیں شدید ہوتی ہیں؟ آپ جواب میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ:

سب سے شدید بلائیں، جن لوگوں پر نازل ہوتی ہیں، وہ انبیاء ہیں، پھر جو جس قدر ان کی مشابہت اور متابعت اختیار کرتا ہے، آدمی کی آزمائش اس کی دینداری کے بقدر ہوتی ہے، یہ بلائیں اس کے اوپر مسلط رہتی ہیں، پھر اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے، اور گناہ کا کوئی شمہ اس پر باقی نہیں رہتا۔ (ترمذی شریف)

اولاد کے مرنے کی مصیبت شدید ترین مصیبت ہے، یہ ایک ایسی آگ ہے، جو دل میں جلتی ہے، اور ایسا شعلہ ہے جس کی لپک جگر میں محسوس ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس پر صبر کا ثواب بے حد وحساب ہے، اور قیامت کے دن میزان عمل میں اس کی تول بہت بھاری ہے، سنئے! رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! پانچ چیزیں میزانِ عمل میں کس قدر بھاری ہیں، الا الہ الا اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، اور نیک بیٹا، جو وفات پا جاتا ہے، اور آدمی اس پر ثواب کی امید رکھتا ہے۔ (ابن حبان عن ابی سلمیٰ)

جی چاہتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا جائے کہ آدمی تو بڑا کمزور ہوتا

ہے،صدموں کی تاب ذرا مشکل سے لاتا ہے،کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ صدمہ کے وقت آدمی اللہ کو یاد کرے اور دعا کرے،تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی تسلی کر دیں،اور اس کا نعم البدل مل جائے،مگر ہم گنہگاروں کی ہمت اتنی کہاں کہ سوال کریں،تب ہماری اور تمام مومنین کی اماں جان حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہماری مدد کی،انھوں نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے،آپ نے فرمایا کہ:

جب کسی مومن کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے،اور اس پر وہ وہی بات کہتا ہے،جس کا اللہ نے حکم دیا ہے،یعنی **إِنَّـا لله وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أَللّٰهُمَّ أُجُرْنِىْ فِىْ مَصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْراً مِّنْهَا** ،تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر نعمت عطا فرماتے ہیں۔

اماں جان فرماتی ہیں کہ دیکھ میرے بیٹے!

جب میرے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں سوچنے لگی کہ حضرت ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا،یہ پہلے آدمی تھے،جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہجرت کی،تاہم میں نے حضور ﷺ کی بتائی ہوئی دعا پڑھ لی،تو اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ کے عوض میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت وزوجیت کی سعادت بخشی۔(مسلم شریف)

سبحان اللہ! کیا نعمت ہے،آخرت کا اجر وثواب تو بے انتہا ہے،خود دنیا میں صبر کرنے والا محروم نہیں ہوتا،دل وجان سے دعا پڑھ لے،تو اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرما دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں بڑی تسلی ہے،ان کے وعدے سچے ہیں،برحق ہیں،یہ خدائی وعدے ہیں،ہمارے لئے ان ارشادات میں بڑی رہنمائی

ہے، مصیبت کے بادل تو ہر ایک پر چھاتے ہیں لیکن کسی پر رحمت بن کر برستے ہیں، اور کسی پر عذاب بن جاتے ہین، جس نے صبر کیا، اللہ کے فیصلے پر وہ دل سے راضی رہا، اس کے لئے رحمت ہی رحمت ہے، اور جس نے بے صبری کی، اللہ کی شکایت کی، اس کے لئے مسئلہ ہے۔

ابھی اور لکھنا چاہتا ہوں، مگر جہانا گنج کا ایک شخص میرے پاس بیٹھا ہے، اسی کے ہاتھ بھیجنا چاہتا ہوں، اور وہ سواریوں کی دقت کی وجہ سے جلد جانا چاہتا ہے، اس لئے فی الحال یہ سطریں بند کرتا ہوں، ابھی دل کی خلش باقی ہے، پھر کسی مجلس میں کچھ اور لکھوں گا، خدا کرے زخم کا کچھ مرہم بنے، دعائیں ہردم ہیں، دل سے زبان سے، آپ کیلئے، گھر والوں کیلئے، مرحوم فرزند عزیز کیلئے۔ خدا تعالیٰ قبول فرمائیں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۸؍ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

☆☆☆☆☆

برادرِ مکرم! عافاکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

جگر میں ٹھنڈک تو بحمد اللہ پڑ چکی ہے لیکن تصور باقی ہے، عالم خیال میں اکثر گم رہتا ہوں، اللہ کی مشیت پر راضی ہوں، انھوں نے جتنی عمر لکھی تھی، اس میں ایک لمحہ بھی کم نہیں ہوا، ہاں یہ سوچ کر درد کا طوفان اُٹھتا ہے کہ حادثہ ہوا، چوٹ لگی، تکلیف ہوئی، اس کو سوچ کر تکلیف ہوتی ہے، عالم خیال میں یکایک ملاقات ہوگئی، مسکرا رہا تھا، میں نے اس کی تکلیف کا ذکر کیا، تو کہنے لگا، بڑے ابا! مجھے تو تکلیف کا احساس ہی نہیں

ہوا، میں گرا، یہ تو مجھے محسوس ہوا، پھر کچھ خبر نہیں، یہاں تک کہ بدن سے جان نکلی، اس کا بھی مجھے پتہ نہیں، البتہ جب روح نکل گئی، اس نے جسم چھوڑ دیا تو فرشتوں میں اپنی مظلومیت کا چرچا سنا، خون سے لت پت اپنے جسم کی خبر ملی، پھر ابا اور امی اور آپ لوگوں کی پریشانی کا علم ہوا، میں تو خوش تھا کہ اچھی جگہ آ گیا ہوں، میری مظلومیت، میرا بہتا خون، میرے سر اور چہرے کی چوٹ، میرے ہاتھوں کا ٹوٹنا بہت کام آیا، پچھلے سب گناہ اس حالت زار کے سیلاب میں بہہ گئے، میں تو بالکل صاف ہو گیا ہوں۔

میں نے کہا ہاں جی! تم صحیح کہہ رہے ہو، حدیث میں ایک مضمون آیا ہے کہ شہید کو سکراتِ موت کی تکلیف نہیں ہوتی، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چیونٹی نے کاٹ لیا ہے، تم بھی تو آخر شہید ہو اور شہید کے لئے جب یہ وعدہ ہے تو تم پر کیوں نہ پورا ہوگا۔

کہنے لگا: بڑے ابا! ابا کو، امی کو، اور میرے سب بھائی بہنوں کو میرے گم ہونے سے بہت دکھ ہے، اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا ہے، تو سب کو تسلی ہو جاتی۔

میں نے کہا، غزوۂ احد کے شہداء کو جب اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں سے نوازا تھا، تو وہ کہنے لگے تھے کہ جو بھائی ہمارے دنیا میں رہ گئے ہیں، ان تک کوئی ہماری خبر پہونچا دیتا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبت نہ ہوں، ؛ اور جنگ میں ہمت نہ ہاریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہاری خبر پہونچاتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ

بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضۡلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ مت گمان کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے اور وہ خوش ہیں، اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی (اور جس طرح وہ اپنے حال پر خوش ہیں، اسی طرح) جو لوگ (ابھی دنیا میں زندہ ہیں) ان کے پاس نہیں پہونچے ہیں، بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں، ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف نہیں ہے، اور وہ نہ مغموم ہوں گے، وہ خوش ہوتے ہیں، اللہ کی نعمت اور فضل سے، اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

میں نے کہا یہ بشارت اصل میں تو ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں، مگر جو موت تم کو حاصل ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے مطابق یہ بھی شہادت کے حکم میں داخل ہے، اس لئے آدمی چھوٹتا ہے تو غم تو ہوتا ہی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ تسلی کا سب سامان کر کے دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔

ہاں بڑے ابا! یہ بات تو ہے، اور بڑے ابا، آپ کو تو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے، جب میں آپ کے پاس پہونچتا تھا، یا کہیں راستے میں ملاقات ہو جاتی تھی تو آپ کا چہرہ چمک اٹھتا تھا، آپ کی باتوں سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی، آپ میرے لئے کتنی دعا کرتے تھے، میں بیمار تھا تو آپ بے چین تھے، آپ کی یہ محبت میرے لئے یہاں سرمایۂ سکون ہے، اب جو میں اچانک آپ کی دنیا سے اس دنیا میں آ گیا تو آپ کو بھی کتنا صدمہ ہوا ہوگا؟

بیٹا! صدمہ کی بات کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ایمان بخشا ہے، آخرت کا یقین بخشا ہے، قرآن وحدیث کا علم عطا فرمایا ہے، اس لئے صبر وقرار آ گیا ہے، ورنہ مجھ کو تو

ایسا معلوم ہوا کہ میری بھی جان نکل جائے گی، مجھے تو کئی طرح صدمہ پہونچا ہے:
ایک صدمہ تو تمہارے زخمی ہونے کا، دوسرا صدمہ تمہارے مرنے کا، اوراس سے بڑھ کر یہ صدمہ کہ تمہارے ابا پر کیا گذر رہی ہوگی، تم جانتے ہو کہ تمہارے ابا سے مجھے کتنا تعلق ہے، ان کی تکلیف مجھے اپنی تکلیف محسوس ہوتی ہے، بلکہ اپنی تکلیف سہہ جانے کا حوصلہ اپنے اندر پاتا ہوں، مگر تمہارے ابا کی تکلیف پر میرا حوصلہ شکست کھانے لگتا ہے، جب وہ تمہارے جسد خاکی کو بنارس سے لے کر جہانا گنج پہونچے ہیں، تو میں اس وقت مدرسے میں تھا، جیسے ہی سنا، میں کوٹھی کی طرف روانہ ہوا، مگر میرا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ سینے کی ہڈیوں میں درد ہوگیا، پورا جسم سنسنا رہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ابا کو بڑا صبر وحوصلہ دیا، مجھے دیکھ کر ابل تو ضرور پڑے، مگر ساتھ ہی سکون بھی ہوگیا۔ بے نظیر صبر کیا، اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

عورتوں کا حال تو پورے طور سے مجھے معلوم نہیں ہوا، وہ شاید زیادہ ہی رو رہی تھیں، خیر وہ تو کمزور دل کی ہوتی ہی ہیں، اب وہ بھی صبر و نماز اور تلاوت میں لگ گئی ہیں۔

بڑے ابا! شہادت کا درجہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جو ہے وہ تو ہے ہی، میں نے دیکھا کہ صبر کا درجہ بھی بہت اونچا ہے، اور وہ بھی صدمہ کے عین وقت پر! اس کا تو کوئی حد وحساب نہیں ہے۔ اِس دنیا (عالم آخرت) میں اس کا بہت چرچا رہتا ہے، صبر کا حساب ہرناپ تول سے آگے ہوتا ہے۔

بیٹا! یہ بات تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو، ہم ابھی اس غیب کے پیچھے ہیں، لیکن ہم کو قرآن وحدیث کے فرمان پر قطعی یقین ہے، اور تم تو مشاہدہ کررہے ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خبر دی ہے کہ: ”اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ“

صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہے۔

صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا وعدہ قرآن میں فرمایا ہے، یہ بات کسی اور چیز اور عمل کو حاصل نہیں ہے، فرماتے ہیں: أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے رب کی جانب سے مہربانیاں ہیں اور رحمت ہے، اور یہ لوگ ہدایت یاب ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بچے کے مرنے پر رو پیٹ رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر، اس نے کہا کہ آپ کو میری مصیبت کی کیا پروا؟ آپ یہ سن کر وہاں سے چلے گئے، اسے بتایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سن کر اس کی وہ حالت ہوئی، جیسے مر ہی جائے گی، تیزی سے آپ کے دروازے پر آئی، وہاں کوئی دربان وغیرہ نہ تھا، اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو پہچانا نہیں، آپ نے فرمایا صبر تو شروع صدمہ میں ہی ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

آپ کی منشا یہ تھی، کہ مصیبت پر خواہ وہ کتنی ہی شدید ہو، آخر کار صبر تو آ ہی جاتا ہے، لیکن صبر وہی قابل تعریف ہے، جو مصیبت کی تیزی اور شدت کے وقت میں ہو، کیونکہ گھبراہٹ چاہے جتنی بڑی ہو، اس سے ایک وقت گذرنے کے بعد تسکین ہو ہی جاتی ہے۔

بڑے ابا! مجھ کو تو اللہ تعالیٰ نے مقام صبر سے بہت آسان گزار دیا، اور ان کی مہربانیاں دم بدم دیکھ رہا ہوں، میرے گھر والوں کو بھی بتا دیجئے کہ صبر کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور وہ کیونکر حاصل ہوتا ہے۔

بیٹا صبر کے معنی روکنا ہے، صبر کا مدار تین باتوں پر ہے، اللہ کے فیصلے پر ناگواری اور ناراضگی سے اپنے نفس کو روکنا، ناروا اور غلط باتوں کے بولنے سے اپنی

زبان کو روکنا، اور باقی اعضاءِ بدن کو گناہ کے کام سے روکنا، مثلاً رُخساروں پر طمانچہ مارنا، ران پیٹنا، سیاہی لیپنا، جب ان باتوں کو مصیبت کے وقت انسان عمل میں لاتا ہے، تو اسے صبر کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، جسے حدیث میں ''نصف ایمان'' فرمایا ہے، پھر اس کی مصیبت ایک عظیم نعمت سے بدل جاتی ہے، اس کی بلا ایک زبردست بخشش اور انعام بن جاتی ہے، اور جو چیز اس کی ناپسندیدہ تھی، وہ مرغوب اور پسندیدہ بن جاتی ہے، یہ بات ہے تو مشکل، مگر اللہ تعالیٰ آسان فرمادیتے ہیں۔

اتنی بات ہوئی اور اس کا چہرہ اوجھل ہوگیا، اور میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکرگزاری میں ڈوب گیا، **فللّٰہ الحمد والمنة وھو علیٰ کل شئ قدیر** ۔

اعجاز احمد اعظمی

۱۰/ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ یوم الاضحیة

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا ابواللیث صاحب خیرآبادی

مولانا ابواللیث صاحب خیرآبادی، ہمارے مولانا کے بچپن کے دوستوں میں ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کئی سال تک مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں استاذ رہے، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم رہے، پھر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے پی۔ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اوراب وہ ملیشیا کی بین الاقوامی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔انھوں نے مشہور محدث حضرت **هناد بن السری**ؒ کی کتاب **الزهد** کی تحقیق وتعلیق کی خدمت انجام دی اور یہ کتاب بڑے آب وتاب کے ساتھ حکومت قطر نے شائع کی،مولانا ابواللیث صاحب نے اس کا ایک نسخہ استاذ محترم کے پاس بطور ہدیہ کے بھیجا، اس کی تمہید اورمقدمہ میں مولانا ابواللیث صاحب نے ایک آدھ صفحہ تصوف کے متعلق بھی لکھا تھا، یہ مکتوب بطور تشکر کے لکھا گیا،اورتصوف کے متعلق جو کچھ انھوں نے لکھا تھا،اس میں اس کی شکایت بھی ہے۔ (ضیاءالحق خیرآبادی)

برادر گرامی قدر و فاضل محقق! بارک اللہ فی حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی

چند ماہ قبل برادر مکرم مولانا فضل حق صاحب نے بشارت سنائی کہ ''الزھد'' کا ایک نسخہ آپ نے اس نیاز مند کے لئے مختص کیا ہے، اسی وقت دل نے خوشی سے بے تاب ہوکر بہت سی دعائیں آپ کو دے ڈالیں، اور یہ حکم بھی سنا دیا کہ شکریہ کا پیشگی خط ابھی ارسال کردو، چنانچہ مولانا فضل حق صاحب سے آپ کا پتہ بھی حاصل کرلیا کہ مدرسہ پہونچ کر اپنی مسرت کی خبر اور آپ کی ذرہ نوازی کا شکریہ تو آپ تک پہنچا ہی دوں، لیکن نہ جانے کیا ہوا کہ یہ ارادہ مشاغل میں رل گیا، پھر اچانک ایک دن معلوم ہوا، کہ کتاب خیر آباد آچکی ہے، طبیعت پھر لہرائی، پرانی خوشی بدر جہا بڑھ کر لوٹی، قلم نے بے قراری دکھائی، کہ اب تو چل پڑوں، مگر آپ کا پتہ نہ مل سکا، مجبور ہوکر صبر کیا، پھر ایسا ہوا کہ ایک روز مولانا فضل حق صاحب نے بنفس نفیس کرم فرمایا، کتاب لے کر تشریف لائے، صورت ہی دیکھ کر طبیعت پھڑک گئی، کتنی خوبصورت جلد ہے اور کتنی حسین طباعت ہے، لیکن اس میں کیا ندرت ہے؟ یہ تو ایک عام بات ہے، نظر جہاں جم کر رہ گئی وہ ایک مختصر سی باریک قلم کی عبارت ہے، مگر اس کے پیچھے ایک محشر خیال ہے، ''تحقیق، محمد ابو اللیث الخیر آبادی'' نہ جانے اس مختصر سی عبارت میں کتنی جاذبیت اور حسن ہے کہ میں دیر تک اسے دیکھتا رہ گیا، پھر ایک شعر ذہن کے افق پر ایسا ابھرا کہ میں اسی میں کھو کر رہ گیا، ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

آپ نہ جانے کیا کیا کر چکے اور ہم تیلی کے بیل جہاں سے چلے تھے اب تک وہیں ہیں، آپ نے کتنا خوب یہ کام کیا، حدیث نبوی کی خدمت کی، محنت ایسی کی کہ ہم جیسے کاہل اور کام چور اس کے تصور سے گھبرائیں، اور تحقیق ایسی کہ اکابر محققین کی صف میں جگہ پائے، بہت پسند آیا یہ کام، رشک بھی آیا، اور غصہ بھی آیا آپ پر نہیں اپنے پر، پھر تمہید کا وہ حصہ جو آپ نے ''الزھد'' کے متعلق لکھا ہے اتنا تو اسی وقت پڑھ لیا، پھر مصروفیات ۔۔۔ اگر یہ تعبیر صحیح ہے ۔۔۔ میں کھو گیا، آج فرصت نکال کر پوری تمہید پڑھ ڈالی، ماشاء اللہ، سبحان اللہ زبان ودل سے نکلتا رہا، جو کچھ آپ نے اس میں جمع کر دیا ہے، تعریف وتوصیف سے بے نیاز ہے، لیکن زہد کی تعریف وتعارف لکھتے لکھتے نہ جانے کیوں آپ نجدی اور غیر مقلدی زبان بولنے لگے، آخر تصوف نے کیا قصور کیا تھا، جو اس پر آپ برس پڑے، کاش یہ حصہ آپ کے قلم سے نہ ہوتا، تصوف بے چارہ یونہی کچھ اپنوں اور کچھ آج کل کے خود ساختہ محدثین کے ہاتھوں مظلوم بنا ہوا ہے، آپ کچھ دفاع کرتے، کچھ اس کے آنسو پوچھتے، یہ کیا کیا کہ چلتے چلاتے آپ نے بھی ایک ہاتھ جما دیا، ہمارے بہت سے اکابر ہیں، متقدمین میں بھی اور متأخرین میں بھی جن کی ولایت، ثقاہت، عظمت اور امامت مسلم ہے، ان کا راس المال ہی تصوف ہے، تصوف کو مطعون کرنا درحقیقت ان اکابر کو مطعون کرنا ہے، جو ہم لوگوں کے لئے قطعاً زیبا نہیں ہے، اور برا مال کہاں نہیں ہوتا ایسا کون سا فن اور کام ہے جس میں نا قابل اعتبار افراد کی بھیڑ نہیں لگی ہے، لیکن اس سے فن کی عظمت پر حرف نہیں آتا، آخر فن حدیث میں ساقط الاعتبار افراد کی ایک لمبی قطار نہیں ہے، لیکن ان افراد کو چھانٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے، فن کو مطعون نہیں کیا جاتا، اب تصوف ہی کا کیا قصور ہے کہ اس میں جاہل اور بدعتی افراد آ گئے، تو وہ سرے سے گردن زدنی قرار دیا گیا،

تصوف کا منتہاء اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو آپ نے زہد کی تعریف اور تعارف میں لکھا ہے۔ باقی جن چیزوں کو آپ نے تصوف قرار دے کر اسے مطعون کیا ہے، کیا وہ سب تصوف کے اجزاء ولوازم ہیں؟ کاش آپ اس پر غور کرتے، ان میں بعض تو سرے سے تصوف سے متعلق ہی نہیں ہیں، بعض وسائل ومقدمات ہیں، جن کو تصوف کا نام دینا غلط ہے، اس وقت مجھے ان امور پر تفصیل سے گفتگو نہیں کرنی ہے، ورنہ عرض کرتا کہ جن لوگوں نے تصوف کو بدنام کیا ہے وہ اس سے کتنے نا آشنا ہیں، اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر آپ نے وہ سب نہ کہا ہوتا جو لکھا ہے، بلکہ آپ یہ لکھتے کہ ''جو کچھ ہم نے زہد کے سلسلے میں کہا یہی اصل تصوف ہے، اور جو کچھ تصوف کے نام پر تعطل پھیلایا جارہا ہے، یا بدعات وخرافات کی اشاعت کی جارہی ہے، اس سے تصوف کا دامن پاک ہے اگر آپ نے یہ تعبیر اختیار کی ہوتی تو بات کتنی صحیح ہوتی۔

پھر مزید حیرت اس بات پر ہوئی کہ فن حدیث کے کسی مسئلہ پر آپ کو حوالہ دینا ہوا تو آپ نے ائمہ محدثین کی روایتیں نقل کیں، اور قاعدہ ودستور بھی یہی ہے کہ کوئی بھی فن ہو اس کے سلسلے میں اس کے ائمہ ماہرین ہی کی بات معتبر ہوتی ہے، اور انھیں کو حوالہ میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن آہ غریب تصوف! اس کی تفصیل جاننے کی ضرورت ہوئی تو آپ حاشیہ میں کن کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے ہیں؟ ایک صاحب تو سرے سے مسلمان ہی نہیں ہیں، دوسرے خدا معلوم کیا ہیں؟ اور تیسرے صاحب (ابن جوزیؒ) تو اپنے تشدد میں خود محدثین کے درمیان نیک نام ہیں، انھوں نے محدثین اور فقہاء پر کون سا کرم کیا ہے جو تصوف غریب ان کی دستبرد سے بچ جاتا، اگر ان کی یہ کتاب (تلبیس ابلیس) صوفیہ کے حق میں قابل اعتبار ہے تو بسم اللہ محدثین اور فقہاء کو بھی اسی قابل اعتبار معیار پر پرکھ کر دیکھئے، کتنے آدمی اور کون سا فن

کارآمد بچتا ہے ،......آپ تو اکابر دیوبند کے احوال سے واقف ہیں ، تصوف ان حضرات کا طرۂ افتخار ہے......آپ کے قلم سے یہ تحریر بالکل بے زیب معلوم ہوتی ہے، اب میں کیا عرض کروں درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ، میں نے تو ابھی ہندوستان کے باہر قدم نہیں رکھا ہے، لیکن اپنے ملک میں اس گروہ کو خوب دیکھتا ہوں ، جو مسلک حق پر رہ کر تصوف کا بھی ذوق آشنا ہے ، اور ان بہادروں سے بھی سابقہ پڑتا رہتا ہے ، جو اس سے دامن چھڑا کر الفاظِ حدیث کا جھنڈا اٹھائے ہوئے غوغا مچاتے رہتے ہیں ، کس قدر فرق ہے دونوں کی طبیعتوں میں ، میں یہ نہیں کہتا کہ پہلا گروہ معصوم و برگزیدہ ہے، صرف دونوں کے درمیان نسبت کی بات کرر ہا ہوں، آپ خود بھی واقف ہیں، اب میں کیا کہوں۔

عوام کو تصوف سے برگشتہ کر کے اور علماء کو تصوف کے خلاف صف آراء بنا کر ان لوگوں نے دین کی کوئی اچھی خدمت نہیں کی ہے، مجھے کسی طرح یہ یقین نہیں آتا کہ تمہید کی یہ چند سطریں آپ ہی کی ہیں ، کہیں ایسا تو نہیں؟

ے زبان میری ہے بات ان کی　　　　کا قصہ ہو،

آپ برا نہ مانیں ، باتیں تو بہت ہیں ، مگر آپ کے ملال طبع کے خیال سے عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تاہم آخر میں پھر عرض ہے کہ آپ کے مضمون میں کچھ کمی نہ رہ جاتی اگر آپ یہ ایک صفحہ نہ لکھے ہوتے ، ملال خاطر کا اگر باعث بنا ہوں تو معافی کا خواستگار ہوں،

فقط والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

بہت سی علمی اور دینی کتابوں کے مصنف، مبارکپور کے مضافات میں نوادہ کے رہنے والے، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے ناظم منتخب کئے گئے۔ یہ مدرسہ میرے لئے بمنزلہ مادرِ علم کے ہے، وہ بہت نازک حالات میں ناظم منتخب کئے گئے تھے، اسی موقع پر انھیں یہ خطوط لکھے گئے تھے۔

محترمی! وفقکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

عنایت نامہ ملا، نظامت کا منصب جس نیت اور ارادہ سے آپ نے قبول کیا ہے بہت عمدہ ہے، اس ارادہ پر انشاء اللہ حق تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی، واقعی مدرسہ کے حالات تکلیف دہ حد تک خراب ہو چکے تھے، میں ابتداءً تو یہ منصب آپ کیلئے پسند نہیں کرتا تھا مگر اب جب کہ گردن میں یہ قلادہ پہنا دیا گیا ہے تو اس کا حق بھی تا مقدور ادا کرنا ہے، اب امید ہے کہ حالات سدھریں گے، لیکن یہ یاد رکھیں کہ ابتداء میں مختلف جہتوں سے آپ کی آزمائش ہوگی، مخالفتیں بھی ہوں گی، غیر بھی ناک چڑھائیں گے، اپنے بھی منہ بگاڑیں گے، بہت سے لوگ الٹے سیدھے مشورے بھی دیں گے، ان مشوروں میں ہمدردی کم اور مطلب برآری کا جذبہ زیادہ ہوگا، کبھی کبھی طبیعت کو بہت ضیق ہوگی، بالخصوص ان حالات میں جبکہ آپ نے بگڑے ہوئے وقت میں باگ ڈور سنبھالی ہے، یہ میرا منہ تو نہیں ہے کہ آپ کو کچھ نصیحت کروں، لیکن الدین

النصیحۃ کے تحت دل سے آپ کا خیر خواہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ مدرسہ کا بھی بھلا ہو، اور آپ کی شخصیت بھی زیادہ مستحکم اور مفید ہو، اس کیلئے صرف اتنی گزارش کروں گا کہ اہتمام کا منصب خواہ جن صلاحیتوں اور کاموں کا تقاضا کرتا ہو، لیکن ان سب میں اہم ترین تقاضا ٹھنڈے دل ودماغ کا ہے، ساری عقل کی عقل یہ ہے کہ آدمی زمین کی طرح تحمل پیدا کرلے، جذبات کو برطرف کرنا بنیادی ضرورت ہے، اشتعال، غصہ، جلد بازی کے تحت نہ کوئی اقدام ہونا چاہئے، نہ کوئی فیصلہ، آپ کے سامنے قدم قدم پر ایسے حالات آئیں گے جن سے طبیعت کو کبیدگی، جھنجھلاہٹ اور الجھن ہوگی، لیکن کامیابی اور سرخروئی کا گُر یہ ہے کہ اس سے صاف بچ نکلا جائے۔

ایک بات اور کہوں کہ خواہ طلبہ ہوں یا اساتذہ، عوام ہوں، یا خواص، کسی سے ان کی عقل وفہم سے زائد کسی بات کا مطالبہ آپ کی جانب سے نہ ہو تو ان شاء اللہ وہ ہمیشہ آپ سے مطمئن رہیں گے، میرا مطلب یہ ہے کہ جس بات کا آپ ان سے مطالبہ کریں اس میں اس کا اہتمام ہو کہ اس مطالبہ کو وہ خود سمجھ جائیں۔ اس طرح وہ زیادہ دلجمعی سے آپ کی اطاعت کرسکیں گے، اور اگر وہ آپ کا مطالبہ نہ سمجھ سکیں تو یقیناً مخالفت کریں گے، یہ بہت کام کی بات ہے، اس کو نباہنا ہے تو بہت مشکل! مگر اللہ کی مدد ہو تو آسان بھی ہے۔ اور بھی باتیں ذہن میں ہیں، لیکن آپ کی عدیم الفرصتی کے خیال سے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں، ان شاء اللہ آپ کیلئے بھی اور مدرسہ کیلئے بھی روزانہ دعا کروں گا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

برادر محترم!　　　　　　وفقکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا گرامی نامہ ملا، بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے میری کج مج باتوں کو پسند کیا، اوراس کا حوصلہ دیا کہ اور کچھ عرض کروں، حق تعالیٰ آپ کے ذریعے مدرسہ کے گزرے ہوئے دن واپس لائے، اور ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرے۔

ذمہ داری کا خواہ کوئی منصب ہو، جہاں اس کا ابتدائی اثر یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو مخالفت سوجھتی ہے یا کم ازکم شکوک وشبہات کے کانٹے ان کے دلوں میں چبھتے ہیں، وہیں اس کے ساتھ ایک مصیبت خوشامدی لوگوں کی بھی چلی آتی ہے، اول الذکر گروہ سے نمٹنا آسان ہوتا ہے، کیونکہ وہ کھلا ہوا دشمن ہے، لیکن دوسرے گروہ کا عمل چونکہ نفس اور طبیعت کے موافق بلکہ عین پسند کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے اس سے بچ نکلنا خاصے حوصلے کا محتاج ہے، اس مصیبت سے بچنے کیلئے اولاً انھیں پہچاننا ثانیاً اپنی طبیعت پر قابو پانا ضروری ہوتا ہے، مخالفین سے خطرہ کم اوران سے زیادہ ہوتا ہے، یہ بری چیز کو خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں، اور آدمی دھوکہ کھا جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آدمی خدا پر بھروسہ کر کے ایک کام کر ڈالے وہ یہ کہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو اور خود کو اس کا پابند کر لے کہ دوسروں کی حکایات وشکایات نقل نہ کیا کریں، تاکہ سب کی طرف سے دل صاف رہے، سب سے بڑی مصیبت حکایات وشکایات ہی کی ہے، اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اورکسی کسی سے کبیدگی پیدا ہوجاتی ہے اور گناہ الگ ہوتا ہے، آدمی اللہ واسطے اس کا دروازہ بند کرلے، تو پھر حق تعالیٰ کی نصرت من حیث لایحتسب آنے لگتی ہے، آپ کی ذمہ داریاں چونکہ وسیع ہیں مدرسہ، اساتذہ اور طلبہ سے لے کر پوری قوم تک کا آپ سے تعلق ہوگا، اس لئے آپ کو اس

امر کی زیادہ ضرورت ہے، اگر آپ کی مجلس کی یہ خصوصیت ہو جائے کہ کسی کی غیبت وشکایت وہاں نہیں ہوتی تو بہت جلد اعتماد پیدا ہو جائے گا، پھر مخالفین بھی منہ بند کرلیں گے، آپ لوگوں کے اعتراضات کا جواب کام سے دیں، زبان سے نہ دیں، اس میں ابتداءً دشواری تو ضرور ہوگی، مگر پھر بعد میں جب اعتماد پورا ہو جائے گا تو کام اسی قدر آسان ہو جائے گا، اور آپ یہ خیال نہ کریں کہ جب نقل وحکایت کا دروازہ بند ہو جائے گا تو حالات کا علم کیسے ہوگا؟ کیونکہ حالات کے علم کا بیشتر حصہ فضول ہوتا ہے وہ نہ ہو تو بہتر ہے، اس سے کوئی نفع نہیں، لیکن جتنے حالات کا علم ضروری ہوگا، ان شاء اللہ اتنا ہمیشہ آپ کو حاصل رہے گا۔ مجھے اس کا تجربہ ہے، اس طریقۂ عمل سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ فضا میں کسی طرح کی کشیدگی نہ ہوگی، اور اگر کچھ ہوئی بھی تو اس کا رفع کرنا آسان ہوگا۔ البتہ اس کے ساتھ یہ بھی کرلیجئے کہ کچھ عقلمند اور مخلص لوگوں کو اپنے دل میں منتخب کرلیں، وہ ایسے ہوں کہ آپ ان پر اعتماد کرسکیں، ان سے ضروری امور میں مشورہ لیا کریں، لیکن اس طور پر کہ نہ انھیں اس کا احساس ہو اور نہ دوسرے کو کہ یہ لوگ آپ کے بہت زیادہ معتمد ہیں، بس کام چلاتے رہیں۔ یہ بڑی مصیبت ہے کہ اگر کسی کا معتمد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے تو دوسرے اسے چمچہ کہہ کر برباد کرتے ہیں، اور وہ خود اپنے کو ناک کا بال سمجھ لیتا ہے اور قیامت بن جاتا ہے، آپ کیلئے اشارہ کافی ہے، پھر آئندہ دوسری مجلس میں کچھ عرض کروں گا، ان شاءاللہ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا ضیاء الدین صاحب خیرآبادی

ایک صاحب قلم اور صاحب خطاب و بیان ، دار العلوم دیو بند اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فاضل ،اس خاکسار سے بہت محبت رکھنے والے، خیرآباد ضلع مئو کے رہنے والے، ایک طویل عرصہ تک وہیں مدرسہ منبع العلوم میں استاذ رہے،اور طلبہ کو پڑھانے کے ساتھ ان کی تقریری اور تحریری تربیت کرتے رہے۔ پھر جامعہ حسینیہ لال دروازہ جون پور تشریف لے گئے ، وہاں سہ ماہی ''شیرازِ ہند'' جاری کیا۔ اس وقت مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ خط ان کے ایک مکتوب کے جواب میں لکھا گیا ہے، انھوں نے مدارس اسلامیہ میں پائی جانے والی خرابیوں پر ان کی اصلاح کے لئے ایک مضمون لکھا تھا، ان کا یہ مضمون ؎ نوارا تلخ تر می زن ۔۔۔کا مصداق تھا۔ انھوں نے مذکورہ مضمون ازراہ حسن ظن اس خاکسار کے پاس بھیجا۔ میں نے اسے پڑھ کر کچھ تنقیدی معروضات پیش کئے ۔اس کے جواب میں انھوں نے ممنونیت کا خط لکھا۔ اور اربابِ انتظام مدارس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس پر کچھ کلام کیا، کچھ اور باتیں بھی تحریر کیں ۔اس سلسلے میں یہ خط لکھا گیا۔

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مجھے یقین تھا کہ میری گزارشوں پر آپ کو ناگواری قطعاً نہ ہوگی، اسی لئے بے تکلف لکھتا گیا۔ اور بے تکلف پیش بھی کر دیا۔ آپ ماشاء اللہ میری توقع سے بڑھ کر نکلے کہ نہ صرف یہ کہ ناگواری نہیں ہوئی، بلکہ آپ نے خوشی کا اظہار کیا۔ کثر اللہ أمثالکم وبارک فی علومکم

مدارس کے ارباب انتظام کی دو حیثیت ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ وہ امین ہوں، جو اغنیاء سے زکوٰۃ کی رقم بطور امانت لے کر اسے فقراء پر خرچ کریں۔ اس صورت میں ودیعت کے احکام اس رقم پر جاری ہوں گے۔ مثلاً جو رقم مدرسوں کے ذمہ داروں کے قبضے میں آئی ہے، وہ بدستور صاحب اموال کی ملکیت میں رہے گی۔ امین صرف اس کا نائب ہوتا ہے، پھر جب تک وہ رقم خرچ نہ ہوگی۔ یعنی فقراء کی ملکیت میں نہیں جائے گی، زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چاہے سال چھ مہینے گزر جائیں، اسی طرح اگر فقراء کی ملکیت سے پہلے صاحب مال۔۔۔ مر گیا تو اس میں وراثت کا قانون بھی جاری ہوگا۔ پھر یہ کہ وہ رقم چونکہ امانت کی ہے، اس لئے اسے بجنسہٖ محفوظ رکھنا ضروری ہوگا۔ ورنہ خیانت لازم ہوگی۔ اور اگر وہ بغیر کسی تعدی کے ہلاک ہوگئی، تو جب امین پر ضمان نہ ہوگا، تو زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی، صاحب مال کو پھر سے زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہوگی۔ وغیرہ

دوسری حیثیت یہ ہے کہ ذمہ داران مدارس کو طلبہ کا وکیل قرار دیا جائے، کہ ان کی طرف سے یہ حضرات زکوٰۃ کے مال پر قابض ہوں۔ یہ قبضہ درحقیقت مؤکل کا ہوگا، اس لئے تملیک اسی وقت متحقق ہوجائے گی، صاحب مال کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب یہ ذمہ داری ان وکیلوں پر ہے کہ اپنے مؤکلوں پر اسے خرچ کریں، اگر اس کے خلاف

کریں گے، یعنی اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کریں گے، یا ایسی جگہ خرچ کریں، جس کا طلبہ سے تعلق نہ ہو یا اسراف کریں، تو یہ ان کا جرم ہوگا،

یہاں ایک سوال ہوگا کہ مؤکل معلوم نہیں کون کون ہیں؟ اور انھوں نے کب وکیل بنایا؟ حکومت کو تو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے، جو جو حکومت کے دائرے میں آتا جائے گا، اس کی وکالت امیر المومنین کو حاصل ہوتی جائے گی۔ یہاں نہ تو حکومت جیسی ولایت ہے، اور نہ طلبہ نے وکیل بنایا ہے؟ یہ اشکال واقعی قابل غور ہے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک سوال کیا تھا کہ ''مدرسہ میں جو روپیہ آتا ہے، اگر یہ وقف ہے تو بقاء عین کے ساتھ انتفاع کہاں ہے؟ اور اگر یہ ملکِ معطی ہے تو اس کے مرجانے کے بعد ورثہ کی جانب واپسی واجب ہے، (امداد الفتاویٰ ج:۶ ص:۲۶۲)

اس کے جواب میں مولانا نے لکھا کہ:

''عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں ہے، مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں'' (ج:۶ ص:۲۶۳)

اس پر حضرت تھانویؒ نے اشکال فرمایا کہ:

''عمال بیت المال منصوب من السلطان ہیں، اور سلطان کو ولایت عامہ ہے، اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے، اور مقیس میں ولایت عامہ نہیں ہے، اس لئے آخذین کا وکیل کیسے بنے گا؟ کیونکہ نہ توکیل صریح ہے، نہ دلالۃً ہے، اور مقیس علیہ میں دلالۃً ہے کہ وہ سب اس کے زیر اطاعت ہیں، اور وہ واجب الاطاعت ہے۔ (ج:۶ ص:۲۶۴)

حضرت سہارن پوری نے اس کا جواب لکھا کہ:

”بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں، ایک حکومت، جس کا ثمرہ تنفیذِ حدود وقصاص ہے۔ دوسرا انتظام حقوق عامہ، امر اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، امر ثانی میں اہل حل وعقد بوقت ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصب سلطان وابستہ ہے، جو بابِ انتظام سے ہے، لہٰذا مالی انتظام مدارس جو برضائے ملاک وطلبہ ابقائے دین کے لئے کیا گیا ہے، بالا ولیٰ معتبر ہوگا، اور ذرا غور فرمائیں انتظام جمعہ کے لئے عامہ کا نصب امام معتبر ہونا، جزئیات میں اس کی نظیر شاید ہوسکے۔ (ج:۶،ص:۲۶۶)

مولانا کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اربابِ انتظام طلبہ کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو بہت سے دوسرے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔

تو جس طرح یہ کہا گیا ہے۔۔۔ کہ سلطان کو ولایت عامہ حاصل ہے، اور دلالۃً وہ سب کا وکیل ہے، اسی طرح مہتمم مدرسہ کو طلبہ کی طرف سے دلالۃً انتظامی وکالت حاصل ہے۔ اس میں بہت سی مشکلات کا حل ہے۔

یہی سوال حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ:

”مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے، جیسا کہ امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شئے کسی نے مہتمم کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبض سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا، اگر چہ وہ مجهول الكمية و الذوات ہوں، مگر نائب معین ہے، بس بعد موت معطی کے ملکِ ورثہ اس میں نہیں ہوسکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے، بہر حال نہ یہ وقف کا مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی

ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم (تذکرۃ الرشید، ج:۱،ص:۱۶۵)

مدرسوں کے اندر جو خرابیاں ہیں۔ ان کی اصلاح ضروری ہے، مگر اصلاح ایسی نہ ہو، جس سے مزید خرابیاں یا نئی خرابیاں پیدا ہو جائیں۔ نفوس کی انفرادی خرابیوں نے اجتماعی خرابیوں کی تخم ریزی کی ہے، نفوس کی اصلاح نہ ہونے کہ وجہ سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ان کی اصلاح رابطہ وغیرہ سے کبھی نہ ہوگی۔ مجھے خوب تجربہ ہے، یہی لوگ اپنے نفس کی تمام خرابیوں کے ساتھ جب ایک جگہ اکٹھا ہوں گے تو ان خرابیوں کا ظہور نئے انداز سے ہوگا، بسا اوقات ملنے سے زیادہ ''ہجران جمیل'' ہی مناسب ہوتا ہے۔(۱)

(۲) مدرسہ صرف ارباب انتظام کا نام نہیں ہے، اس کے دو ارکان اور بھی ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ، اصلاح ہمہ جہت ہونی چاہئے۔ اور یہ بھی تجربہ ہے کہ کوئی مدرسہ دوسرے مدرسہ کی اصلاح نہیں کر سکتا، خود مدرسے میں کوئی ذمہ دار فرد اصلاح کی طرف توجہ دے، اور جو اصلاح وہ کرنا چاہتا ہے، اس کے خلاف خود اس کا عمل نہ ہو یعنی وہ صلاح سے متصف ہو، علم وتقویٰ دونوں کا خاص وزن اس کے اندر ہو، اس کا عمل اس کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو، اس کا حال اس کے دعویٰ کو جھٹلاتا نہ ہو، تو اصلاح کا امکان خاصا بڑھ جاتا ہے۔ ورنہ ''خود را فضیحت دیگراں را نصیحت'' بن کر رہ جاتا ہے۔

آج صرف مدارس کے پیمانے پر نہیں، ملی پیمانے پر اتحاد و اتفاق کا نعرہ بہت لگتا ہے، مگر جو بھی اتحاد کا اعلان لے کر کھڑا ہوتا ہے، کچھ دنوں کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ اس کا ٹولہ الگ بن کر رہ جاتا ہے، اور اختلاف کا نیا شاخسانہ جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اس لئے جو خرابیاں نظر آتی ہیں، انھیں ہلکا کرنے کی کوشش کرتے رہیئے، کم از کم اپنے کو ان خرابیوں سے بچائے رکھئے، انھیں خرابیوں کے ساتھ مدارس کو چلاتے رہیئے،

اور اصلاح کی کوشش کرتے رہیے، مدرسہ اور تعلیم فرض کفایہ ہے، اگر کسی کو کسی خاص ماحول میں ایمان وعمل کے لئے خطرہ محسوس ہوتا ہو، تو چھوڑ کر الگ ہو جائے اور جہاں ایمان کی سلامتی ہو وہاں کام کرے، مگر تعلیم اور مدرسہ بند نہیں کیا جا سکتا، اور تجربہ تو یہ ہے کہ مدرسہ سے باہر ایمان واعمال پر آگ برس رہی ہے۔ یہ اصحابِ کہف کی پناہ گاہ ہے۔ انھیں خرابیوں کے ساتھ چلنے دیجیے۔ ایک مدرسہ بند ہوگا، تو دوسرا کھلے گا، مگر اس نظام کو یکسر تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ مدرسہ کے تین ارکان میں سے ایک رکن اساتذہ ہیں، واللہ اگر اساتذہ انفرادی طور پر اپنی اصلاح کر لیں اور کرالیں تو مدارس میں بڑی حد تک سدھار آ جائے گا۔ طلبہ اربابِ انتظام سے نہیں اساتذہ سے بنتے ہیں۔ انھیں کی نیتوں اور انھیں کے اعمال پر زیادہ مدار رہتا ہے۔ ان کا باطن شفاف ہو، ان کا ظاہر بے داغ ہو، ان کے اعمال میزانِ شریعت پر پورے اترتے ہوں، تو یہ خیر ہمہ جہت وسعت اختیار کر لے گا۔

اپنے علاقہ اور دوسرے علاقوں کے طلبہ میں تفریق ہے تو بہت بری، مگر آپ بتائیں کیا اربابِ مدارس کو قوت حاکمانہ حاصل ہے؟ نہیں ہے، تو بعض اوقات اھون البلیتین کے اصول پر ارباب مدارس کو ایسا کرنا پڑتا ہے، گو کہ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ مناسب نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اہل مدارس کوئی ایسا قانون نہ بنائیں، جس میں مجبوراً تفریق والا عمل کرنا پڑے۔ اصول وقانون چاہے جزوی ہو، بہت غور وفکر کے بعد اس کے اثرات کا جائزہ لے کر ہی بنانا چاہیے، اس میں ارباب انتظام سے بہت غلطی ہوتی ہے۔

اور کیا عرض کروں، غلطیاں اور ہماری خامیاں تو بہت ہیں۔ جن میں سے

اکثر کی اصلاح، انفرادی صلاح وتقویٰ سے ہوسکتی ہے۔ جب ان مدرسوں سے کثیر تعداد اچھے اور صالح علماء کی نکلتی تھی، اس وقت مدارس کے اساتذہ بزرگ ہوتے تھے، بزرگوں سے تعلق وربط رکھتے تھے، ذاکر وشاغل ہوتے تھے، خوفِ خدا اور محبت نبوی سے معمور وسرشار ہوتے تھے، آج کیا رنگ ہے؟ باہر کے قانون سے کسی چیز کی اصلاح ممکن نہیں، بنانے والا قانون بناتا ہے، توڑنے والا اس سے زیادہ ذہانت صرف کرتا ہے، اور قانون ٹوٹ جاتا ہے۔ اصل سرمایہ خشیت الٰہی، پاسِ شریعت، احساسِ جواب دہی اور مخلوق خدا پر شفقت وعنایت ہے۔ تنقید پوشیدہ ہو، اور اصلاح علانیہ ہو تو بہتر ہے، جراحی کا عمل ایک ضرورت ہے، اس کے لئے آپریشن روم مناسب ہے، علاج ایک مقصد ہے، اسے کھل کر پیش کیجئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اصلاح کی تدبیر بتایئے، اس کو خود اختیار کیجئے، اور دوسروں کو نشانۂ تنقید بنانے کے بجائے خود اپنی اصلاح میں پیش رفت کیجئے۔

رہا یہ کہ پھر حکومت کی سرپرستی والے مدارس پر تنقید کیوں کی جائے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ حکومت کی سرپرستی قبول کرنے پر علی الاعلان تنقید ضروری ہے، اس لئے کہ اس سے مدرسوں کا راستہ اور منزل سب یکسر تبدیل ہوجاتے ہیں، اگر لوگ انھیں دینی کے بجائے دنیاوی مدرسہ اور کاروبار قرار دیں، تو پھر تنقید واصلاح کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جیسے انگریزی مدارس وکالجز پر اس نقطۂ نظر سے کوئی نہیں تنقید کرتا، اسی طرح ان سرکاری مدارس پر بھی کوئی تنقید، اس خاص نقطۂ نظر سے نہ ہوگی۔ ہاں کسی اور زاویۂ سے ہو تو ہو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

## (مـــــــزیـــــــد)

رابطوں سے متعلق اتنا اور عرض کروں کہ پاکستان میں بڑے پیمانے پر میں نے رابطے کی صورت دیکھی ہے، لیکن علم دین اور تعلیم کے حق میں اس کا ضرر کچھ زیادہ ہی دیکھنے میں آیا۔ بلکہ مجھے تو یہ تجربہ بھی ہے کہ ہمارے ہندوستان جیسے ملک کے مدارس میں، دوسرے مدارس کے علماء وارباب انتظام سے بہت زیادہ ربط نہ رکھا جائے۔تو کچھ زیادہ غیر مناسب نہ ہوگا۔ یہ ''اعجاب کل ذی رای برایہ'' کا دور ہے ۔ اللہ جانے ایک شخص دوسرے مدرسہ میں جاکر کیا اثر چھوڑے؟ کون سا بیج بودے؟ بعض لوگوں کے ساتھ خلاف وشقاق اس طرح لگا ہوا ہے کہ جہاں جاتے ہیں، کچھ نہ کچھ زہریلا تخم پڑ ہی جاتا ہے۔

میں الہ آباد میں پڑھاتا تھا۔ایک جگہ سے دس بارہ آدمیوں پر مشتمل ایک قافلہ آیا۔ جو دہلی جارہا تھا، اسے اپنے یہاں کسی کام کی منظوری، حضرت مولانا اسعد صاحب کے واسطے سے حکومت سے لینی تھی ۔ یہ لوگ شام کے وقت الہ آباد حضرت شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں پہونچے، ایک استاذ نے ان کی ضیافت کی، یہ سب خواص تھے، ان میں علماء بھی تھے، ارباب سیاست بھی تھے، عشاء کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر ایک صاحب کھڑے ہوئے، اور خطبہ پڑھا، مجھے تعجب ہوا کہ یہ صاحب اس وقت کیسی تقریر کریں گے۔انھوں نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ سب لوگ فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں، اور صبح سے اب تک سب لوگ ساتھ ہیں، اور کسی بات پر آپس میں اختلاف نہیں ہوا، یہ کہہ کر وہ صاحب بیٹھ گئے، میں لرز گیا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے، قافلہ پلیٹ فارم تک پہونچتے پہونچتے دو فرقوں میں تقسیم ہوگیا، نزاع شروع ہوگئی، گاڑی میں جب بیٹھنے کا وقت آیا،

تو ایک پارٹی اور بن گئی۔ دو پارٹیاں واپس گھر لوٹ گئیں، اور ایک پارٹی دلی گئی، اور ناکام لوٹ آئی۔ اگر ایسا کوئی آدمی مدرسہ میں آ گیا، تو بس اللہ ہی خیر فرمائے۔ بس انھیں چلنے دیجیے، جب تک کوئی نیا شر پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اصلاح کیجئے، ورنہ چھوڑ دیجئے۔ کام کے لوگ اسی سمندر سے نکلتے رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

(۱) مولانائے موصوف نے مدارس عربیہ کے درمیان ارتباط وتعلق پر بہت زور دیا تھا کہ اس کے لئے ایک تنظیم میں تمام مدارس کو منظّم ہوکر کام کرنا چاہئے۔ یہ خیال ہے تو بڑا خوش آئند! مگر بحالات موجودہ اس کی افادیت تجربہ سے بہت مشکوک ثابت ہوئی ہے، اگلے فقرے میں اسی کی قدرے تفصیل ہے۔

(۲) مکتوب سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ صرف اربابِ انتظام کی خرابیوں کا اثر مدرسہ پر پڑ رہا ہے، یہ فقرہ اسی کے جواب میں ہے۔

(۳) مولانا موصوف نے کچھ علاقائی عصبیت کا تذکرہ کیا تھا کہ ارباب مدارس اپنے علاقے کے طلبہ اور بیرونی طلبہ کے درمیان معاملات میں میں تفریق کرتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگلا فقرہ اسی سے متعلق ہے۔

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا مفتی احمد الراشد صاحب

قصبہ مبارک پور کے رہنے والے، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے مدرس، صاحب علم و تحقیق، حضرت مولانا سے مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مکتوب ان دنوں کا ہے جب یہ وہاں ناظم تعلیمات یا ناظم امتحان تھے۔اور وہاں سے بحیثیت ممتحن حضرت مولانا مدظلہٗ کو مدعو کیا گیا، اس وقت ہمارے یہاں بھی سالانہ امتحان چل رہا تھا، اس وجہ سے حاضری مشکل تھی، درج ذیل خط میں اسی کی معذرت ہے۔

(ضیاء الحق خیر آبادی)

برادرعزیز جناب مولانا احمد الراشد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

آپ کا حکم نامہ پہونچا، احیاء العلوم کا اشارہ میرے لئے حکم ہے، اس کی تعمیل میں مجھے کوئی تردد رَوا نہیں ہے، مگر یہاں بھی امتحانات چل رہے ہیں، گو کہ کسی کام نہیں ہوں، لایعنی ہوں، لیکن بعض عوامل ہمزۂ استفہام اور حرفِ نفی کا سہارا پا کر عمل کرتے ہیں، میری حیثیت بھی کچھ ایسی ہی معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس حرفِ نفی کی نفی ہی کردیں، تو مناسب ہوگا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۶؍شعبان ۱۴۱۵ھ

☆☆☆☆☆

# بنام انیس بھائی (الہ آباد)

الہ آباد کے زمانۂ قیام میں جن شخصیتوں نے دل پر گہرا نقش جمایا، ان میں ایک اہم شخصیت جناب انیس بھائی کی ہے۔ پور خاص ضلع الہ آباد کے رہنے والے! محبّ بھی اور محبوب بھی! ان سے دل کو بہت گہرا تعلق ہوا، اتنا گہرا کہ ان کی شخصیت دل میں اتر گئی۔ الہ آباد چھوڑے ہوئے تقریباً ۳۰؍سال گزر گئے، مگر محبت کا نقش مدھم تو کیا ہوتا اور تابناک ہوتا جارہا ہے، لمبا قد، تواضع کی وجہ سے قدرے جھکا ہوا، سر میں اور داڑھی میں اس وقت سیاہی غالب تھی، اور اب سفید برق ہیں، دل کا نور چہرے اور بالوں سے پھوٹا پڑتا ہے، بہت باغ و بہار، دلچسپ، ظریف الطبع، ساتھ ہی نہایت رقیق القلب، خوف وخشیت سے لبریز دل، محبتِ رسول میں سرشار، عشق الٰہی میں سرمست!

یہ سرمستی اور سرشاری زور کرتی ہے تو طبیعت جھومتی ہے۔ اور حمد ونعت کے اشعار ڈھلنے لگتے ہیں، پھر جب وہ اپنے خاص ترنم سے پڑھتے ہیں تو سننے والے جھوم جاتے ہیں، محبت میں بے تاب ہوجاتے ہیں۔ صاحب دل آدمی اپنی آنکھوں پر قابو نہیں پاتا، اشعار کی حلاوت، لہجہ کی گھلاوٹ، ترنم کا سوز اور آواز کا گداز، سب مل کر وہ حالت پیدا کرتی ہے کہ

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

یہ ہے شخصیت انیس بھائی کی! دلکش اور دل آویز۔ ان کے نام خطوط میں شخصیت کا اثر قارئین محسوس کریں گے۔

محترم ومکرم جناب انیس بھائی!　　　　　زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

چندروز قبل خیرآباد جانے کا اتفاق ہوا، تو میرے کرم فرماؤں میں سے ایک صاحب حاجی نورالہدیٰ ( مستری ) سے ملاقات ہوئی ، انھوں نے یہ مسرت خیز خبر سنائی کہ اس سال آپ بھی حج کی سعادت میں شریک تھے ، اور یہ کہ اس مبارک سرزمین میں ،مبارک ساعات میں اس دورافتادہ ، ناکارہ کا ذکرآپ کی مبارک زبان پرآیا ،اوراسی واسطے سے حاجی نورالہدیٰ سے تعارف ہوا۔کتنی خوشی ہوئی یہ سن کر! میں بیان نہیں کرسکتا ،ایک تو اس سرزمین قدس پرآپ کی حضوری ، پھرآپ جیسے صاحب دل کی زبان پرایک گنہگارکا نام اوراس کی یاد　　　ع

بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست

محبت کی ایک ہوک اُٹھ رہی ہے جی چاہتا ہے کہ ابھی آپ کی خدمت میں حاضری دوں ،اوران آنکھوں کی زیارت کروں ، جو بیت اللہ کا نقشہ اور روضۂ اطہر کا سراپا اپنے اندرسجا کرلائی ہیں ،اللہ نے بڑا اکرم فرمایا کہ اپنے گھر میں حاضری کی توفیق بخشی ۔آپ تو پہلے ہی سے ماشاءاللہ ،انشاءاللہ بخشے بخشائے ہیں ،وہاں جاکرکیا عروج نصیب ہوا ہوگا ،کیسی طہارت حاصل ہوئی ہوگی ، پھرمعلوم ہوا کہ والدمحترم بھی ساتھ تھے ،دربارِخداوندی کی حاضری وحضوری ،اور والدگرامی کی خدمت ومعیت ،بس نورٌ علیٰ نورکا مصداق !اللہ تعالیٰ اس سفرحج کو،اس کے مناسک کواپنی شانِ عالی کے مطابق قبول فرمائے ۔جی تو یہی چاہتا ہے کہ حاضرہوں ،اورآپ کے پاؤں کو بوسہ دوں ، جو عرفات ومنیٰ ومزدلفہ کے غبار سے سنورکے آئے ہیں ،مگرکیا کروں کہ کچھ اعذار وعوارض کی وجہ سے سفرکی ہمت اپنے اندرنہیں پاتا ، ہلکے پھلکے سفربھی متروک ہیں ۔بس دل کھنچتا

ہے، اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کارسازِ حقیقی آپ ہی کو یہاں تک پہونچادے، حالانکہ دل کی یہ جرأت اور خدا سے یہ دعا، آپ کی شان میں بے ادبی ہے، مگر وہ محبت ہی کیا جو اس طرح کی بے ادبیوں اور گستاخیوں سے محروم ہو۔

آپ اس خط کو پڑھ چکے، اب ہاتھ اٹھا کر اس غریب ومہجور کے لئے بحضور خداوندی دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ اس بے برگ وساز کو محض اپنے فضل وکرم سے اس سال اس کے والدین کے ساتھ حج کی توفیق عطا فرمائے۔ والدین کا قصد ہے، ان کا یہ بیٹا بھی ان کے سایۂ رحمت میں لگا لپٹا رہنا چاہتا ہے، ذرا خوب جی لگا کر دعاء کردیجئے، حاجی سے پہلی ملاقات میں جو دعا کرائی جائے وہ قبول ہوتی ہے، میں آدھی ملاقات میں دعاء کرارہا ہوں، آپ دعاء کیجئے، میں پیشگی آمین کہہ رہا ہوں، یا اللہ! یا کریم! آپ انیس بھائی کی یہ دعاء، اور سب دعائیں قبول فرماکر مجھ پر بھی اور ان پر بھی احسان کیجئے۔ **آمین یا رب العالمین**

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۸/محرم ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب انیس بھائی!

**السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ**

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
می گویمت دعا و ثنا می فرستمت

نظر سے غائب، مگر دل کے قریں، میں آپ کو سلام کرتا ہوں اور ثنا ارسال کرتا ہوں۔

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

راہِ عشق میں قرب و بعد کا مرحلہ کہاں؟ کھلی آنکھوں آپ کو دیکھتا ہوں اور دعا بھیجتا ہوں۔

میں پرسوں دلی سے آیا، خطوط جو بیس دن میں آئے اور رکھے تھے، انھیں الٹ پلٹ رہا تھا، میں کچھ تلاش کر رہا تھا، میرے بیٹے محمد عابد سلّمہٗ نے مجھے راستے ہی میں بتا دیا تھا کہ انیس بھائی الہ آباد سے آئے تھے، اور میں تڑپ گیا کہ میں ہی ملاقات کے لئے بے قرار تھا، اور میں ہی غائب ہو گیا۔ میں تلاش کر رہا تھا کہ انیس بھائی آئے تھے تو کچھ لکھ کر گئے ہوں گے، پھر ایک جگہ بوئے دوست محسوس ہوئی، جو مشامِ جاں کو معطر کر گئی، پھر بہت کچھ ملا، صرف بو نہیں، پورا گلستاں مل گیا، عطر کا ڈبہ ہی کھل گیا۔ ایک نہیں دو دو خط! مجمل نہیں مفصل! الفاظ نہیں قلب وجگر کے ٹکڑے! معانی نہیں عشق ومحبت کی سرشاری! بات نہیں قند و نبات! پڑھا اور پڑھتا چلا گیا، جنت نگاہ، فردوس گوش، سوز ہی سوز! حلاوت ہی حلاوت! روح شاداب ہوگئی، ایمان جگمگا اٹھا، دل زندہ ہو گیا، اور کیا کیا ہوا؟ میرے دل میں کوئی سما جائے، اور پھر محسوس کرے، میرا قلم کوتاہ، میرا بیان عاجز، میں درماندہ، میرا خیال پراگندہ، کہاں تک اور کیسے محسوسات قلبی کی ترجمانی کروں۔

ہاں تو انیس بھائی! آپ نے اپنے متعلق جو لکھا ہے، میں دل وجان سے اس کی تصدیق کرتا ہوں، آدمی معرفت کی جتنی منزلیں طے کرتا ہے، اسی قدر اپنے کو ذلیل وخوار، ہیچ و ناکارہ اور گنہگار و نابکار سمجھتا ہے، کیونکہ جب دل پر معرفت کی تجلی پڑتی ہے، تو وہ صاف دیکھتا ہے کہ خیرات و برکات، حسن و جمال، خوبی و کمال جو کچھ ہے، سب براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اس کی اپنی ذات عدم در عدم، لاشے محض

اور فنا در فنا نظر آتی ہے، وہ اپنے اندر کوئی جمال وکمال نہیں دیکھتا، زمین روشن ہوتی ہے ،تو یہ سورج کا پرتو ہے، ورنہ زمین اپنی ذات کے لحاظ سے محض تاریک ہے، یہی حال مخلوقات کا ہے، وہ محض عدم ہیں، وجود کی تجلّی محض عنایت ربّانی ہے۔اسی لئے عارف اپنی ذات سے یکسو ہوکر محض باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اپنے اندر جھانکے تو اسے کیا سجھائی دے، وہاں بھی حق تعالیٰ ہی کی تجلّی دکھائی دیتی ہے، پس وہ سو جان سے عاشق ہوجاتا ہے،اور عشق است و ہزار بدگمانی! اس کو اپنی ذات سے بے زاری محسوس ہوتی ہے، وہ جلوۂ ربّانی میں محو ہوجاتا ہے۔

مبارک ہو کہ آپ کو معرفت کی تجلّی حاصل ہوئی، یہ آپ کو اور آپ کی ذات کو سوخت کردے گی، فنا کردے گی، پھر صرف وہی باقی رہے گا، جسے باقی ہی رہنا ہے، اے اللہ اس کا کچھ حصہ اس ناکارہ وآوارہ اور گرفتارِ نفس امّارہ کو بھی عطا ہو۔

انیس بھائی! اور سنئے! آپ نے لکھا ہے کہ:

”جب کسی عالم دین کا ذکر آتا ہے،تو فوراً آپ کی صورت سامنے آجاتی ہے، حالانکہ میری اتنی عمر علماء ہی کی صحبت میں گذری ہے، لیکن عالم دین کا تصور جب بھی ہوتا ہے،تو آپ کی ذات سے شروع ہوتا ہے اللہ جانے کون سا جادو آپ نے کردیا ہے“

میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، حالانکہ میرا ضمیر میرے قلم کو پکڑ رہا ہے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہو، لیکن یہ محبت کا اظہار ہے،اس کی تصدیق نہ کرنا محبت کی توہین ہے، یہ میرا جادو نہیں ہے، آپ کی قلبی محبت کا کرشمہ ہے، ہاں یہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی جو محبت ہے، اس سے اس کو آب وتاب ملتی ہے، مجھے جب محبت کا تصور ہوتا ہے،تو آپ کا خیال ضرور جلوہ گر ہوتا ہے، اور اس وقت نہ جانے کتنی باتیں آپ کی یاد

آتی چلی جاتی ہیں، آپ کا دل گلاب کا پھول ہے، جس سے خوشبو کے جھونکے دم بدم آتے رہتے ہیں۔

آپ نے جو اشعار برجستہ موزوں کئے ہیں، وہ آپ کے دل کا حال ہے، مبارک ہو، کعبہ جانے سے بتوں کا عشق چھوٹ گیا، اور زمزم پینے سے جگر کی آگ بجھ گئی، اللہ اللہ کتنا مبارک حال ہے!

آپ کی دعا سے طبیعت نہال ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے ؂

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

میں پاکستان نہیں جاسکا، ویزا ملنے میں بہت دشواری تھی، اور اس میں کافی تاخیر ہورہی تھی، اس لئے مدرسہ لوٹ آیا، دو تین ماہ کے بعد شاید پھر قصد کروں۔

الہ آباد کے لئے پرتول رہا ہوں، دیکھئے اُڑنا کب نصیب ہوتا ہے، شاید ایک ماہ کے بعد حاضر ہوسکوں، دعا کی درخواست ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اعجاز احمد اعظمی

۲۰؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا محمد رضوان صاحب بمہور

یہ مکاتیب حضرت مولانا کے رفیق درس حضرت مولانا محمد رضوان صاحب کے نام لکھے گئے ۔ مولانا موصوف استاذ محترم کے بچپن کے بے تکلف دوست ، رفیق درس اور ان کے عظیم المرتبت استاذ حضرت مولانا محمد مسلم صاحب بمہوری علیہ الرحمہ کے چھوٹے بھائی ہیں ، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے ممتاز طالب علم اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ! بہت نیک ، بہت متواضع ، خاشع اور خاضع ، نام الٰہی کا ذوق رکھنے والے ۔ بہت عرصہ تک جامعہ حسینیہ لال دروازہ جون پور میں استاذ رہے ، اوراب جامعہ رشیدیہ بمہور ضلع اعظم گڈھ میں صدرالمدرسین ہیں ۔ مکتوب نگار کوان سے گہرا لگاؤ اور قلبی محبت ہے ۔ اس کے آثار ان خطوط سے نمایاں ہیں ۔ درجِ ذیل خط ان کے اس عنایت نامہ کا جواب ہے جو انھوں نے جونپور سے حضرت الاستاذ مدظلہ کے نام بھیجا تھا ، جس کا حاصل یہ تھا کہ ” بڑی پریشانی کے عالم میں رہتا ہوں ، مدرسہ کے کاموں کی بھیڑ کی وجہ سے ذکر وغیرہ چھوٹ جایا کرتے ہیں ، پھر کوشش کر کے راستے پر لگتا ہوں ، جب ذکر چھوٹ جاتا ہے تو کسی کام میں جی نہیں لگتا ۔ استقامت اور دوام کے لئے خصوصی دعا فرمائیں ۔ ( ضیاء الحق خیرآبادی )

مجبی ومحبوبی فی اللہ! عافاکم اللہ ورزقکم توفیقاً وکرامۃً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مدتِ دراز کے بعد جانب غرب سے نسیم محبت چلی ہے، دل کی کلی کلی کھل گئی، آپ کے ہر ہر لفظ میں محبت کی خوشبو محسوس ہوئی ، اور محبت واُلفت وہ مسیحا ہے جس سے مردے بھی جی اٹھیں ، کاش آپ اور لکھے ہوتے اور بوئے اُنس پھیلتی چلی جاتی ، لیکن کیا ہوا بار بار پڑھ کر قند مکرر کا لطف حاصل کر رہا ہوں۔آپ کی یاد سے دل کو زندگی حاصل ہو رہی ہے۔

میرے دوست ! آپ نے جس پریشانی کا ذکر کیا ہے، یہ آپ کے احساس کے صحیح اور درست ہونے کی علامت ہے، لیکن آپ نے اتنی مصروفیات اپنے اوپر اوڑھ رکھی ہیں ، جو آپ کے قلب کو، آپ کے وقت کو پراگندہ اور منتشر کر دیتی ہیں۔ محبوبِ حقیقی کی یاد یکسوئی چاہتی ہے ، اور مشاغل دنیا موجب تشتت ہوتے ہیں ، دونوں میں مصالحت بغایت دشوار ہے، ایک طرف آپ کا قلب ہے جو یادِ الٰہی کی غذا کا طالب ہے جسے بھوک ہے تو محض اس کی کہ ذکر خداوندی میں محو ومستغرق رہے، اور دوسری طرف کاروبارِ مدرسہ ہے جو صرف اعضاء ہی کو اپنی طرف نہیں کھینچتا بلکہ دل کو بھی پوری طرح اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا ہے، اسی کشمکش میں آپ پریشان ہوتے ہیں، کبھی ذکر شروع کرتے ہیں جب قلبی تقاضا غالب آتا ہے، اور کبھی مصروفیات اس سے طبیعت کو ہٹا دیتی ہیں، آپ دونوں کو نباہ رہے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں۔

اب میری سنئے ! گو مہمل ہوں ، پاگل ہوں ، سنکا ہوا ہوں ، لیکن بات کہوں پتے کی ، وہ یہ کہ ہماری، آپ کی اور ساری کائنات کی تخلیق صرف اور صرف اس لئے ہے کہ اپنے خالق ومالک ، اپنے آقا ومولیٰ ، اپنے رب اور خدا کی یاد میں لگے رہیں۔

جو بھی طور ہو، جو بھی طریقہ ہو، بس اسی کی دُھن لگی رہے، اور جو چیز اس کی یاد میں روڑا بنے اسے ٹھوکر مار کر ہٹا دیں، کاروبارِ دنیا میں اگر حق تعالیٰ کی اطاعت ہو تو یہ بھی ذکر الٰہی کا ایک فرد ہے، لیکن پروردگار نے اس کو اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں سمجھا ہے کہ دنیا کے کاموں میں ہماری اطاعت کرتے رہو اور بس! دیکھئے حضور جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ایک لمحہ دین حق کی دعوت و تبلیغ میں صرف ہوتا تھا، آپ کی زندگی میں کوئی ایسی ساعت نہیں آتی تھی جو ذکر الٰہی سے خالی ہوتی ہو۔ ہمہ وقت، ہمہ تن مصروفِ یاد، لیکن دیکھئے تو سہی، یہ یاد مخلوق کے اختلاط کے ساتھ تھی، خدا کو اتنی ہی یاد منظور نہیں ہے وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ میرا بندہ کچھ ایسا وقت بھی دے جس میں میرے اور اس کے سوا کوئی نہ ہو۔ اِدھر سے عبادت خالص حضوری کی ہو، اُدھر سے عنایت والتفات بے آمیز ہو۔ اُسی کے لئے کبھی قم اللیل فرماتے ہیں، اسی مقصد کے لئے کبھی فإذا فرغت الخ فرماتے ہیں کہ جب مخلوق کے کاموں سے فراغت ہو جائے تو اپنے آپ کو تھکاؤ اور اپنے رب کی جانب رغبت سے آؤ، اس لئے بات صاف یہ ہے کہ جہاں اور سب کاموں کو ضروری یا غیر ضروری سمجھ کر کیا جاتا ہے، وہیں چوبیس گھنٹہ میں ایک دو گھنٹہ ایسا بھی ہونا ضروری ہے جس میں صرف بندہ ہو اور اس کا خدا ہو، درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو، کہاں کی مصروفیت اور کہاں کی مشغولیت سب کو ٹھکرا کر خلوتِ محبوب میں جا حاضر ہوں۔ سب کاروبارِ دنیا سے کہہ دیں کہ اب ٹھہرو، ہم کاسۂ گدائی لے کر ''درِ کریم'' پر حاضری دینے جا رہے ہیں، اب تمام مشاغل ہمارا انتظار کریں۔ خدا کی قسم جب تک ایسا نہ ہو جینے کا لطف نہیں۔ وہی لمحہ اصل قیمت رکھتا ہے جو محبوب کی مجالست میں بسر ہو جائے، آپ اپنی مصروفیات کو خواہ کم کریں یا نہ کریں، لیکن ہمارا پروردگار جب ہمارے پیغمبر سے اتنا وقت لے چکا ہے، تو ہم کو بھی بصد شوق

و نیاز اپنے آقا و مولیٰ کی تابعداری میں اس کریم کے دروازے پر پیشانی رکھنی چاہئے۔

میں آپ سے کیا کہوں، آپ نے طلبہ کی مالیات کا بکھیڑا اپنے سر لے رکھا ہے، سوچئے تو سہی! یہ طلبہ بھی مخلوق ہیں اور ان کے اموال بھی مخلوق ہیں، اور یہ بھی سچ ہے کہ **إتصالک بالحق بقدر إنفصالک عن الخلق**، پھر آپ بتائیے کہ مخلوقات کے ان بکھیڑوں میں پڑ کر خالق سے بے توجہی کیونکر روا ہوگی، آپ کہیں گے کہ طلبہ کی تربیت کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے، میں عرض کروں گا کہ ایسی تربیت میں آگ لگائیے جو اپنے محبوب سے مانع بن جائے، پھر تربیت کون کرتا ہے؟ ہم اور آپ؟ **کلا وحاشا** ہم سے کچھ نہیں ہوسکتا، خالق عز وجل ہی مربی ہیں ہم صرف راستہ بتادیں، باقی ذمہ داری اپنے سر کیوں اوڑھیں، ان کا جی چاہے جنت میں لے جائیں، ان کا جو جی چاہے کریں۔ آخر ہمارا نفس اور ہمارا دل بھی اپنا حق رکھتا ہے یا نہیں! خدمت خلق وہی معتبر ہے جس کا رشتہ خدمت خالق سے اُستوار ہو، ورنہ خدمت خلق محض فریب نفس اور کید شیطان ہے، میرے بھائی! مجھ پر خفا نہ ہوں، جو چیزیں یادِ الٰہی سے مانع ہوں ان پر میرا غصہ بجا ہے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں! حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں ایک بنکر بیچارہ سال بھر میں ایک بار آیا کرتا، اور کچھ دن خانقاہ میں قیام کرتا، اور جب آتا حضرت کے لئے ایک لنگی بُن لایا کرتا، ایک سال وہ نہیں آیا۔ دوسرے سال جب حاضر خدمت ہوا تو خواجہ صاحب نے دریافت فرمایا، کیوں جی؟ ایک سال کا تم نے ناغہ کردیا۔ عرض کیا: حضور لنگی تیار نہ تھی اس لئے حاضر خدمت نہ ہوسکا، خواجہ صاحب نے فوراً لنگی میں آگ لگادی، اور فرمایا جو چیز محبوب سے ملاقات میں مانع بنے، اس کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہئے، اب خبردار لنگی مت لانا، کسی نے بہت خوب کہا ہے۔

صد کتاب وصد ورق درنار کن　　　روئے خودرا جانب دلدار کن

آپ نے سمجھا یہ وہ کتابیں اور اوراق ہیں جو جانبِ دلدار نہیں ہیں انھیں درنار کرنا ہے، ورنہ جو کتابیں خود پکڑ کر جانبِ دلدار کھینچ رہی ہوں، انھیں کون درنار کرسکتا ہے،تو صاحب بات صاف یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی خدمت میں یکسوئی اور خلوت کے ساتھ ہم کو حاضری دینی ضروری ہے،اس کے لئے جو بھی جتن کرنا پڑے کرنا چاہئے ۔اس کے لئے اگر ضروری ہو کہ اپنی مشغولیات میں سے کچھ حصہ کم کیا جائے تو ضرور کرنا چاہئے ۔اس یاد میں بڑی برکت ہے، پھر ہر کام میں انھیں کی جانب سے اعانت ہوگی ، جو کام بغیر یادِ الٰہی کے گھنٹوں میں انجام نہیں پاتے ، یادِ الٰہی پر استقامت کے بعد وہ سکنڈوں اور منٹوں میں حل ہوا کریں گے، کتنے غیر ضروری اور مہلک مسائل جو غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں ، ذکر الٰہی کے بعد ان کی پیداوار کا سلسلہ خود بخود بند ہو جائے گا۔ مجھے خوب تجربہ ہے۔کتنا لکھوں،آپ میرے سامنے موجود ہوتے تو زبانی بہت کچھ عرض کرتا۔

محترم! ہم نے ایمان لاکر محبت کا دعویٰ کیا ہے،اس کی دلیل پیش کرنی ہوگی۔ اپنی عادات، مالوفات، مشاغل، عزت وآبرو سب کو اس محبوبِ حقیقی پر قربان کرنا چاہئے، پھر اُدھر سے ایک نگاہِ کرم ہو جائے تو قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ساری محبت وصول ، ساری مشقت سُوارت ، اور پوری زندگی کامیاب وبامراد ، ساری دنیا تو خرافات میں لگی ہی ہوئی ہے، اگر وہ چند لوگ جو نام خدا کے ذائقہ آشنا ہیں وہ بھی اس لذیذ وشیریں نام سے غافل ہو کر ایلوا اور اندرائن چبانے لگیں،تو بتایئے کیسا ہے؟

اس لئے صاحب! اس کا نام ضرور لیجئے،تنہائی میں رٹئے! جلوت کو مختصر کیجئے، خلوت کا اُنس حاصل کیجئے ، کہاں کی مخلوق اور کیسی مخلوق ، سب بے وفا ، سب دغاباز ،

بس وہی ہمارا سب کچھ ہے، اور کوئی کچھ نہیں۔ آپ خفا نہ ہوں، معلوم نہیں کیا کیا لکھ دیا ہے۔ غلطی ہوئی ہو تو معاف کردیں، اور دعاء کردیں۔ فقط والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۱؍صفر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

برادرِ مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

اس سے پہلے والے خط میں، امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ کے مکاتیب سے کچھ اقتباسات میں نے نقل کئے تھے۔ ابھی مطالعہ کے دوران ایک مکتوب شریف نظر سے گذرا، سوچا کہ آپ کو لکھ بھیجوں، شاید ہم دونوں کو نفع پہونچے، اصل عبارت کے بجائے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

’’آدمی کو امراضِ ظاہری میں سے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے، یا اس کے عضو ظاہر پر کوئی آفت پڑتی ہے، تو اس کے لئے آدمی اتنی محنت وکوشش کرتا ہے کہ بالآخر وہ مرض دور ہوجاتا ہے، اور وہ آفت زائل ہوجاتی ہے، مرضِ قلبی جو نام ہے، ماسوائے حق جل وعلا کے ساتھ گرفتاری کا، اس طور سے آدمی پر تسلط اور غلبہ پائے ہوئے ہے کہ عجب نہیں کہ اسے دائمی موت کے گڈھے میں ڈھکیل دے اور سرمدی عذاب میں گرفتار کرادے، لیکن اس کے ازالے کی کوئی فکر اور اس کے دور کرنے کی کوئی کوشش کام میں نہیں لائی جاتی۔ اگر کوئی شخص اس گرفتاری کو مرض نہیں سمجھتا تو وہ ’’سفیہ محض‘‘ ہے، اور اگر مرض سمجھتے ہوئے کچھ اندیشہ نہیں کرتا تو وہ ’’پلید صرف‘‘ ہے، البتہ اس مرض کے اِدراک کے واسطے عقل معاد درکار ہے۔ عقل معاش اپنی کوتاہ اندیشی کے باعث محض

ظاہر بینی تک محدود رہتی ہے، اور جیسا کہ عقل معاش لذاتِ فانیہ سے لطف اندوزی کے باعث امراضِ باطنی کو مرض نہیں سمجھتی، اسی طرح عقل معاد بھی ثواب آخرت کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے امراضِ ظاہر کو قابل اعتناء نہیں شمار کرتی، عقل معاش قاصر البصر ہے اور عقل معاد کامل البصر ہے۔ عقل معاد انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور عقل معاش اغنیاء اور اربابِ دُنیا کو مرغوب ہے۔ وشتان مابینہما۔

وہ اسباب جن سے عقل معاد حاصل ہوتی ہے، ذکر موت، تذکرہ احوالِ آخرت، اوران اکابر کی مصاحبت ہے جنھیں یادِ آخرت کی دولت حاصل ہے، ؎

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح مرضِ ظاہر، احکام، شرعیہ کی ادائیگی میں دشواری پیدا کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح مرض باطن بھی رُکاوٹ اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كبر على المشركين ماتدعوهم إليه**، وقال سبحانہ وتعالیٰ: **وإنها لكبيرة إلا على الخاشعين**، مرض ظاہر میں اعضاء وجوارح کا ضعف دشواری کا سبب ہے، اور مرض باطن میں ضعف یقین اور نقص ایمان۔ اس صعوبت کا باعث ہے، ورنہ تکالیف شرعیہ سب سہل اور آسان ہیں، آیت کریمہ: **يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر** اور آیت کریمہ **يريد الله أن يخفف عنكم وخلق الانسان ضعيفاً**، دونوں اس کی گواہ ہیں۔ ؎

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

بس اس مرض کے ازالہ کی فکر لازم ہے، اور اطباء حاذق کی خدمت میں التجا کرنا فرض عین ہے۔ **وما على الرسول إلا البلاغ** (مکتوب ۲۱۹، دفتر اول)

والسلام

اعجاز احمد اعظمی　　　　یکم ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

برادر گرامی مرتبت!　　　　زادکم اللہ علماً وکرامۃً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاجِ گرامی!

میں خط لکھ کر جواب کا انتظار کررہا ہوں، مختلف خیالات دل میں آتے ہیں، کبھی سوچتا ہوں، کہ شاید خط نہیں ملا، پھر جی میں آتا ہے کہ اگر نہ ملتا تو آپ تقاضا کرتے، کبھی خیال آتا ہے کہ اس خط میں میں حد ادب کو پھاند گیا ہوں، کہیں اس کی وجہ سے کبیدگی ہوئی ہو، اور آپ نے ترک جواب کا ارادہ کرلیا ہو، لیکن اس خیال کی تردید خود بخود ہوجاتی تھی۔ بھلا محبت وتعلق میں ایسا کب ممکن ہے، محبت کسی رنگ میں ہو، گستاخی کی صورت میں ہو، نیازمندی کے روپ میں ہو، ناز کے انداز میں ہو، شکایت کے لباس میں ہو، بہر صورت قابل قبول ہے۔ اسے ٹھکرایا نہیں جاسکتا، اور آپ جیسا دلدادۂ عشق ومحبت؟ بھلا اس خیالِ ناروا کا تصور بھی آسکتا ہے؟ مگر کیا کیجئے عشق است وہزار بدگمانی؟ آج آپ کا خط آیا۔ جان میں جان آئی، چمن دل میں بہار آئی، محبت میں تازگی پیدا ہوئی، دل میں نیا جوش نئی سرمستی موجزن ہوئی۔ آپ لکھتے رہئے، مجھے انتظار رہتا ہے۔ چند لفظ لکھئے، دو سطریں لکھئے، محبت حدود وقیود کی پابند نہیں، میری محبت بہت دراز نفس ہے، اس میں طول وعرض ہے۔ آپ کی محبت اتھاہ ہے، طول وعرض چاہے کم ہو، لیکن عمق اس قدر ہے کہ اس کی تہ تک کم از کم میں تو نہیں پہونچ سکتا۔ آپ کے چند حروف میرے لئے کافی ہیں۔

آپ نے اپنے اس خط میں ''ذہنی الجھاؤ'' کا ذکر کیا ہے۔ میرے خیال میں

آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مصروفیات کی کثرت کے باعث ذہن کو کاوش فکر کی فرصت نہیں ملتی۔اس لئے قلم اور کاغذ بہم جمع نہیں ہو پاتے، اور جواب میں دیر لگتی ہے۔ظاہر ہے کہ لکھنے کے لئے ذہن ودماغ کو کچھ فرصت درکار ہوگی۔اور وہ آپ کے اوقات میں عنقا ہے، یہ بالکل صحیح ہے، اگر اسی کو ذہنی الجھاؤ سے آپ نے تعبیر کیا ہے تو گو کہ آپ اس میں معذور ہیں، مگر میں نہایت ادب سے یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ یہ مصروفیات کس قبیل کی ہیں؟ اگر ایسی مصروفیات ہیں جو آپ کے لئے یادِ حق میں معین بنتی ہیں، یا خود ذکرِ الٰہی کی مشغولیات ہیں۔تب تو سبحان اللہ، ماشاءاللہ! مقصد زندگی، حاصل عمر اور سرمایۂ روزگار یہی ہیں۔ان مصروفیات کو کم کرنا کیا معنی؟ بڑھاتے رہنا چاہئے کہ دل میں یادِ الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز کا گذر تک نہ رہے۔دل معرفت ومحبت کا مرکز ہے، اس میں صرف یہی سرمایۂ گراں قدر ہونا چاہئے، باقی سب فضول ہے۔لوہا اگر آگ میں ڈال دیا جائے اور آگ کو خوب دھونکا جائے تو تھوڑی دیر میں لوہا غائب، صرف آگ ہی نظر آئے گی، یوں ہی سمجھ لیجئے کہ دل کو ذکرِ الٰہی کی حرارت میں اتنا تپایا جائے دل غائب ہو جائے، صرف ذکر ہی رہ جائے۔

لیکن اگر مصروفیات اس کے علاوہ ہیں تو ہر وہ چیز جو مانع عن ذکر الحق ہو اس کی تقلیل ضروری ہے۔آپ جیسے اصحاب کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ فضولیاتِ دنیا میں مشغول رہ کر دل کو تشویشات کا نشانہ بنائیں۔کارِ دنیا کو خدا پر چھوڑیں، جس سے منظور ہوگا وہ یہ کام لے لیگا، ہمیں تو آنکھیں بند کر کے، اسی کے دامن سے وابستہ رہنا چاہئے۔دنیا کا کام کرنے والے بہت ہیں، محض اللہ کا اور محض اللہ کے واسطے کام کرنے والے کتنے ہیں۔آپ کے اندر اس کی استعداد ہے، جو کام دوسرے لوگ انجام دے سکتے ہیں، اس میں آپ کیوں دخل دیں؟ آپ تو وہ کام کیجئے جو کوئی نہیں

کررہاہےاوراس کاکرناضروری ہے۔آج دنیامیں ہرچیز کی کثرت ہے،اگرکمی ہےتو ذکروطاعت کی،ورع وتقویٰ کی،اعتمادوتوکل کی،فراغت قلبی کی،اگراس دولت سے مالامال چندلوگ بھی نہ رہیں تودنیاکسی طرح نہ مانےگی کہ یہ بھی کوئی چیز ہے،نمونوں کی کمی کی وجہ سے کتنے دینی حقائق انکاروتردید کی زَد میں آچکے ہیں۔پرانے بزرگوں کے مقاماتِ عالیہ آج کسی سمجھانا بھی چاہیں تونہیں سمجھا سکتے۔دیکھئے امامِ ربّانی حضرت مجددِالفِ ثانی قدس سرہٗ اپنے ایک مرید کولکھتے ہیں:

معرفتِ خدابرآں کس حرام کہ برابرخردلہ،درباطن او،محبت دنیابود،یا باطن اورا،ایں قدرتعلق بدنیاباشد۔یاایں قدرمقدارخاطرے از دنیادر باطن اوخطورکند،مکتوب:۳۸،دفتردوم

(ترجمہ: خداکی معرفت سے وہ شخص محروم ہے،جس کےقلب وباطن میں رائی کے برابردنیاکی محبت ہو،یااس کے باطن کودنیاسےاتناسا بھی تعلق ہو،یادنیاکی اتنی مقداراس کےدل میں گزرکرے)

غورکیجئے!آپ آج کسی کویہ سمجھاسکتے ہیں کہ دنیامیں ایسےافرادبھی ہوسکتے ہیں،جن کےدل میں رائی کے برابردنیاکی محبت نہیں ہوتی،نہ دنیاسےتعلق ہوتا۔اور محبت وتعلق تودرکنار،رائی کے برابردنیاکاخطرۂ وخیال بھی ان کے قلب میں نہیں گذرتا۔دنیانمونہ مانگےگی،آپ کس کوپیش کریں گے،توکیایہ حقیقت نہیں افسانہ ہے۔

**کلا وحاشا** ،ایساممکن ہے،اورممکن ہی نہیں واقع ہے۔ایسےاشخاص ہوتے ہیں، لیکن بہت نادر،اورپہلے بہت ہواکرتے تھے،اس لئےکسی کواس کی صداقت پرشبہ نہیں ہوتاتھا۔آج لوگ انکارکردیں گے۔

اورسنئے!حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے ایک خلیفہ کے

صاحبزادے کی وفات پر انھیں جو تعزیت نامہ لکھا ہے، اس کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں:

''خبر فوت قرۃ العین محمد صدیق نوشتہ بودند إنا لله وإنا إليه راجعون۔ برادر عزیز! حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نزدِ مومناں از ہمہ چیز عزیز تر ومحبوب تر ست، چہ اموال وچہ انفس واحیاء واماتت فعل او تعالیٰ کہ دیگرے را درو ے مدخلے نیست، پس ناچار فعل او تعالیٰ نیز عزیز تر ومحبوب تر خواہد بود، جائے آنست کہ محباں از فعل محبوباں لذت بگیرند وعیش نمایند، بصبر چہ دلالت کند، کہ ایمائے بکراہت دارد، مقام رضاء ہر چند از رغبت وسرور خبر می دہد اما مرتبۂ التذاذ امرے دیگرست ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت | ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند | در نگر دل پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند إلا اللہ باقی جملہ رفت | شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

(مکتوب: ۴۸، دفتر دوم)

**ترجمہ**: قرۃ العین محمد صدیق کے حادثۂ وفات کی خبر آپ نے لکھی ہے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون برادرِ عزیز! حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مومنوں کے نزدیک ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ومحبوب ہیں، کیا مال اور کیا جان؟ اور زندگی بخشنا اور موت دینا انھیں کا کام ہے، دوسرے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کا کام بھی عزیز تر اور محبوب تر ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے کام سے لذت حاصل کرے اور راحت محسوس کرے، صبر کی تلقین کیا کی جائے، کہ اس میں ناگواری کا اشارہ ملتا ہے، رضا کا مقام اگر چہ رغبت اور سرور کی خبر دیتا ہے، لیکن لذت پانے کا مرتبہ ایک دوسرا امر ہے۔

☆عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہوتا ہے تو معشوق کے علاوہ سب کو پھونک کر رکھ دیتا ہے۔

☆اس نے غیر حق کو قتل کرنے کیلئے ''لا'' کی تلوار چلائی، پھر دیکھو کہ ''لا'' کے بعد دل میں کیا باقی رہا

☆صرف ''الا اللہ'' باقی رہا، باقی سب چلا گیا، شاباش! اے عشق شرکت سوز! شاباش!۔

بھلا بتائیے، کہ آپ کیونکر یہ سمجھا سکتے ہیں کہ بیٹے کی وفات پر محض اس لئے ذوقِ لذت حاصل ہو رہی ہے کہ یہ فعل محبوب ہے، کون یقین کرے گا۔ جب نمونے بکثرت تھے، تو ہر شخص مانتا تھا، اب مثالیں نہ رہیں تو تصور بھی مشکل ہو گیا۔ مزید سنئے! ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں:

''نصیحتے کہ باخوی خواجہ محمد گدا نمودہ می آید بعد تصحیح عقائد کلامیہ و بعد اتیان احکام فقہیہ، دوام ذکر الٰہی ست جل سلطانہ، برنہجے کہ یاد گرفتہ اند، باید کہ ذکر آں قدر استیلا یابد کہ غیر مذکور در باطن نگذارد و تعلق علمی و حبی را از ماسوائے مذکورہ زائل گرداند، ایں زماں قلب را نسیانے از ماسوا حاصل گردد، از دید و دانش غیر فارغ شود، کہ اگر بہ تکلف و تعمل اشیاء را بوے یاد دہند، یاد نہ کند و نشناسد ہموارہ مستغرق، مستہلک مطلوب بود، چوں معاملہ تا بایںجا رسد یک گام دریں راہ زدہ باشد، سعی نمایند کہ از یک گام کوتہی نکنند و بدید و دانش غیر گرفتار نمانند۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

(مکتوب: ۴۹، دفتر دوم)

ترجمہ: میرے بھائی خواجہ محمد گدا کو نصیحت کی جاتی ہے کہ عقائد کی تصحیح اور احکام فقہیہ کی تعمیل کے بعد ذکر الٰہی پر مداومت کریں، اسی طریقہ پر جو انھوں نے یہاں سیکھا اور یاد کیا ہے، ذکر کا اتنا تسلط ہونا چاہیے کہ مذکور کے علاوہ دل میں کسی اور کو نہ چھوڑے، مذکور کے ماسوا ہر چیز سے علمی اور حبی تعلق ختم کردے، اس وقت قلب کو ماسوا سے نسیان حاصل ہو جاتا ہے، اور دوسروں کی دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے، کہ اگر بتکلف بھی وہ اشیاء یاد دلائی جائیں، تو یاد نہ آئیں، ہمہ وقت مطلوب و مقصود میں فنا اور مستغرق رہے، جب معاملہ یہاں تک پہونچ جائے، تو (سمجھنا چاہیے کہ) بس

ایک قدم ابھی اس راہ میں چلا ہے، کوشش درکار ہے، اس ایک قدم کے رکھنے میں
کوتاہی نہ ہو، اور غیر کی دید و دانش میں گرفتار نہ ہو۔
توفیق و سعادت کی گیند سامنے موجود ہے، شہ سواروں کو کیا ہوا کہ میدان میں نہیں
اترتے۔

آج کس کو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، کہ دل جب ذکر میں منہمک ہوتا ہے، ایسی ذات کے ذکر میں جس پر ایمان محض غیبی راہ سے ہے۔ اسی کے ذکر میں جب ڈوبتا ہے، تو اتنا ڈوبتا ہے کہ اس کے علاوہ سے تعلق جبی تو در کنار اس کے ساتھ علم و دانش کا تعلق بھی باقی نہیں رہتا۔ ماسوا کو ایسا بھولتا ہے، اس درجہ فراموش کرتا ہے کہ یاد دلانے سے بھی یاد نہیں آتا، اگر یہ کیفیت کسی کو حاصل ہوگئی تو اس راہ کا، سمجھنا چاہیئے کہ پہلا قدم رکھا ہے، اور پھر اسی پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے۔ بس ایک قدم اور رکھنا چاہیئے، اور اس میں آدمی کو کوتاہی نہ کرنی چاہیئے، بتایئے! کس کو یقین آئے گا کہ آدمی کو یہ مقام بھی حاصل ہوسکتا ہے، لیکن سچ ہے اور بالکل سچ ہے۔ آج نمونے اور مثالیں نہیں ہیں، اس لئے سمجھ میں آنا دشوار ہے، کل تک نمونے تھے، مثالیں تھیں تو ہر شخص نہ صرف یہ کہ سمجھتا تھا...... بلکہ یقین کرتا تھا...... کیونکہ آدمی عقلی نظریات کو رد کرسکتا ہے، لیکن مشاہدات کو کیونکر جھٹلائے گا۔ ہائے کل یہی بات مشاہدہ تھی، آج نظریہ ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے شوق و ذوق عطا کیا ہے، اور اس قسم کی استعداد بنائی ہو، اس کے قلب میں اپنی محبت و معرفت کی قندیل جلائی ہو، اس کو اس سلسلے میں کوتاہی نہین کرنی چاہیئے۔ آج دین، اور دینی اعمال غریب الدیار اور اجنبی بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن سنئے کہ وہ جن کی زبان پر صدق و راستی کا نزول ہوا تھا،

ان کی زبان صدق ترجمان نے ان اجنبیوں کو بشارت سنائی ہے: فطوبیٰ للغرباء، ہم کو اجنبی بننے کی ضرورت ہے، اگر دنیا کی نگاہوں نے ہمیں اجنبی نہ سمجھا، یا اجنبیت میں انھیں کمی محسوس ہوئی تو سمجھ لیجئے کہ اسی کے بقدر ہمارے اندر روحِ دینی کی کمی ہے۔ ہمیں دنیا والوں کے ساتھ سازگاری نہیں کرنی چاہئے، ناسازگاری درکار ہے، جس قدر آدمی اعمال دنیاوی میں لگے گا، اسی قدر دنیا سے موافقت حاصل ہوگی، اور اس کی اجنبیت میں کمی ہوتی چلی جائے گی، اور جس قدر اعمال دینی میں انہماک رہے گا، اسی مقدار سے دنیا والوں کی نگاہ میں اوپرا اور اجنبی محض ہوتا چلا جائے گا۔ اس معیار پر ہم اپنے کو پرکھ سکتے ہیں، بہرکیف ہمیں اپنے محبوب کی رضاء مقصود ہے، وہ جس راہ سے حاصل ہو، اسے حاصل کرنا چاہئے۔ سر دینا پڑے، عزت وآبرو کی بازی بدنی پڑے، مال ودولت کو آگ لگانی پڑے، اگر اس کی رضاء حاصل ہو تو ہر سودا سستا ہے۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام ہے اپنے کام سے
ترے ذکر سے ترے فکر سے، تری یاد سے ترے نام سے

ہاں اور سنئے! اگر اس راہ پر ہم لوگ محض چل پڑیں، منزل پر پہونچنے کی بات نہیں کرتا، محض قدم اٹھا کر پیش رفت کردیں، محض اتنے ہی سے تمام ''ذہنی الجھاؤ'' سلجھ جائیں گے، پھر فراغت قلبی حاصل ہوجائے گی۔

بس صاحب! اب دوسرے کام کا وقت آ گیا، آپ کی چند سطریں آئیں گی، تو پھر کچھ لکھوں گا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۸/ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

# بنــــام

## مولانا حافظ محمد مسعود صاحب (امام مسجد رحمت، مدینہ منورہ شریف)

پاکستان کے رہنے والے، عرصہ سے جوارِ رسول ﷺ میں قیام کا شرف رکھنے والے، سراپا اخلاص، پیکر محبت، بے عذر صاحب خدمت، علم وعمل کے جامع، خوش مزاج، صاحب سوز وگداز ایک بہترین انسان اور بہترین مسلمان! ۱۹۸۹ء میں جب پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ کی حاضری کا شرف حاصل ہوا تو میرے عزیز دوست مولانا حکیم الدین صاحب کے واسطے سے حافظ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں ان کی محبت دل نشیں ہوگئی اور ان کی طرف سے بھی وہ برتاؤ ہوا کہ مجھے اپنی محبت ہیچ معلوم ہونے لگی۔ ان سے اب تک وہی تعلق اور محبت برقرار ہے بلکہ روز افزوں ہے۔ خط لکھنے کی نوبت کم ہی آئی، لیکن حاضریٔ مدینہ اور ٹیلیفون کے واسطہ سے برابر رابطہ قائم رہتا ہے۔ وہ اکثر اس گناہ گار کا سلام اور درخواستِ دعا حضور رسالتماب ﷺ کے دربارِ گہر بار میں پیش فرماتے رہتے ہیں۔

مخدومی ومکرمی! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج سویرے برادرمحترم مولوی حکیم الدین صاحب نے فون پر اطلاع دی کہ شمیم صاحب آئے ہوئے ہیں، کل ہی مدینہ طیبہ واپس ہوں گے، بڑی خوشی ہوئی کہ آپ سے مخاطب ہونے کی سعادت ملی۔ ''الاسلام'' اور''ضیاءالاسلام'' کے شمارے بھیج رہا ہوں، وہ آپ سے میرے لئے، ادارے کے لئے حصولِ دعا کے سبب ہوں گے۔ انشاءاللہ

اللہ تعالیٰ آپ کے سعادات وحسنات میں اضافہ فرمائے، آپ کوسوچتا ہوں اور دیارِ حبیب (ﷺ) میں ہونے کوسوچتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے کہ میری مٹی تو وہ نہیں ہے جواس خاکِ پاک تک پہونچ سکے، نہ اپنے اندراس کی ہمت پاتا ہوں اور نہ صلاحیت، لیکن خوش ہوتا ہوں کہ مجھ سے قلبی محبت رکھنے والی ایک ذات وہاں موجود ہے، جس کی دعاؤں کا حصہ ادھر بھی آتا رہتا ہے، اور نازاں ہوں کہ الحمدللہ مجھے اس سے محبت کا فخر حاصل ہے۔ میں کیا عرض کروں، یہ حروف لکھ رہا ہوں، اور دل دھڑک رہا ہے، آنکھیں آنسو بہانے کیلئے بے تاب ہیں، لیکن طلبہ کی جماعت سبق کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے، اس لئے ضبط کا پہرہ لگا رکھا ہے، کاش میرے دل کی دھڑکنیں اور دل کی بے تابیاں اس رحمت بے کراں کے دربار میں آپ پہونچا دیتے کہ آپ کا امتی ہے، گو گناہوں سے لت پت ہے، لیکن آپ کو یاد کرتا رہتا ہے، آپ کی تعلیم وارشاد کو سینے سے لگائے رہنا چاہتا ہے، آپ سے بے تابانہ محبت رکھتا ہے، اور اسی محبت پر جینا اور مرنا چاہتا ہے، قریب آنے کا...... ظاہری طور پر قریب آنے کا...... نہ سامان رکھتا ہے، نہ حوصلہ پاتا ہے، لیکن جسمانی دوری، روحانی قرب کی راہ میں شاید حائل نہیں ہے، دیکھتا

ہوں، اور بار بار دیکھتا ہوں، ان کی چشم وابرو کے اشاروں کو دیکھتا ہوں، سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، تعمیل ارشاد کا شوق رکھتا ہوں، بس قصورِ ہمت اور ضعف عزم کی وجہ سے گرگر جاتا ہوں۔ کاہل ہوں اور کاہلی ہی کے راستے سے پہونچنا چاہتا ہوں، اللہ جانے کیا انجام ہو۔ آپ ان سے بصد ادب واحترام سلام عرض کیجئے، اور کہنے والے جو چاہے کہتے رہیں، انھیں کہنے دیجئے، آپ اس دربار میں دعاء کی درخواست پیش کردیجئے کہ ایک غلام جو ظاہر کے اعتبار سے بھی، اور باطن کے اعتبار سے بھی، ہر لحاظ سے نجس ہے، بلکہ نجاست ہے، طہارت کا شوق رکھتا ہے، ان کی رحمت متوجہ ہو، اور رحمٰن ورحیم کی رحمت ان کے واسطے سے چشم التفات اِدھر کردے تو چشم زدن میں پاک ہوسکتا ہے۔

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند  آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ لوگ جو ایک ہی نگاہ سے مٹی کو سونا بنادیتے ہیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا گوشۂ چشم ہماری جانب کردیتے)

ان کی نظر سے نہ جانے مٹی کے کتنے تودے سونا اور ہیرا بن چکے ہیں، اور بنتے ہی جارہے ہیں، اگر اس دور، بہت دور پڑے ہوئے غلام پر ان کی نظر! نہیں گوشۂ چشم پڑ جائے تو کیا یہ مٹی کچھ نہ بنے گی۔ ہائے، مٹی کے اندر کیمیا بننے کی استعداد ہوتی ہے، تو وہ سونا بن جاتی ہے، اللہ جانے میری مٹی میں کوئی استعداد ہے بھی یا نہیں؟

خیر آپ ان خیالاتِ پریشاں سے قطع نظر کیجئے، اور عرضی تو گزار ہی دیجئے۔ آگے ان کی دعا ہے، پروردگار کا تصرف ہے، اور اس غلام کی طرف سے انتظار ہے۔

ہاں حاجی بابو کہہ رہے تھے کہ ''حق چار یار'' یہاں بھیجنے کا انتظام کریں، انتظار رہتا ہے، اور ملتا نہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ یکشنبہ

☆☆☆☆☆

# بنـــام

## مولانا انتخاب عالم صاحب امام جامع مسجد اعظم گڑھ

دار العلوم دیوبند کے فاضل، جامع مسجد اعظم گڑھ کے امام وخطیب، مدرسہ تعلیم الاسلام اعظم گڑھ کے ناظم اور روح رواں، نہایت صالح، فہیم اور باصلاحیت عالم دین! یہ خط ان کو ان کے نومولود فرزند محمد رحمت اللہ کی وفات پر لکھا گیا، امام صاحب کے یکے بعد دیگرے پانچ بچے ہفتہ عشرہ زندہ رہ کر اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، اور یہ غالباً چھٹا بچہ تھا، اس کی وجہ سے ان پر بے حد اثر تھا، اسی کی تعزیت میں یہ سطریں لکھی گئیں۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

برادرِ عزیز! عافاکم اللہ ورزقکم صبراً جمیلاً و آتاکم أجراً جزیلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں سے میرے دل ودماغ پر ’’محمد رحمت اللہ‘‘ چھایا ہوا تھا، ذہن وقلب سے کسی وقت اس کا تصور ہٹتا نہیں تھا، دل بھی دعاء میں مشغول تھا، زبان بھی دل کی موافقت میں ہلتی رہتی تھی، اس کے پیچھے والدین کا قلب بھی نظر آتا رہتا تھا، امید وبیم کی پرچھائیاں آتی جاتی محسوس ہوتی رہتی تھیں، دل کی دھڑکن کبھی بڑھ جاتی تھی، کبھی سکون کی ٹھنڈی ہوا چل جاتی تھی، میری نگاہِ تصور ان دونوں کیفیات کو تم لوگوں کے دلوں میں مسلسل دیکھ رہی تھی، اور مضطرب ہوہوکر بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتا رہتا تھا کہ یا اللہ! اس بچے کو والدین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنائے رکھئے۔ کبھی لگتا تھا کہ دعا قبول ہورہی ہے، اور کبھی محسوس ہوتا تھا کہ بہت سا اجر وثواب لے کر پلٹ رہی ہے، امید وبیم کی پرچھائیاں کبھی نور پھیلاتیں، کبھی اندھیری چادر تانتیں، چوبیس گھنٹے یونہی گذرے، مغرب کے بعد ذکر کرنے بیٹھا، اور ذکر کے بعد بے ساختہ زبان سے دعا نکلی کہ اللہ! آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں، اس روح کو یہیں لوٹا دیجئے، دل میں فون آچکا تھا کہ بچہ کی روح اس کے ننھے بدن کی قید سے آزاد ہوکر آغوشِ رحمت کی وسعتوں میں تیر رہی ہے، کمرہ میں آیا تو عابد نے خبر دی، خبر کیا دی دل میں آئی ہوئی خبر کی تصدیق کی، اب کیا کرتا، رضا بالقضاء کا سبق ایک عرصہ سے دہرا دہرا کر یاد کررہا ہوں، اسی میں مشغول ہوا، اور تمہارے لئے اور تمہاری اہلیہ کے لئے اور سب اہل خاندان کے لئے دعا کرنے لگا، پھر سلیم (پپو) کا فون آیا، آواز رُندھی ہوئی تھی، صدمہ سے چُور، غم میں ڈوبی ہوئی، بس کچھ نہ پوچھو، مجھے بھی ہلا کر رکھ دیا، مگر جو سبق دہرا رہا تھا دہراتا رہا، لیکن بدن سست ہوگیا، دل کا درد پورے بدن میں پھیل گیا، مشکوٰۃ شریف کا

سبق پڑھا رہا تھا، وہ بھی ادھورا رہ گیا، جب مجھ پر اتنا اثر ہے، تو اللہ ہی جانتا ہے کہ تم پر کتنا اثر ہوگا۔

اچھا درد کی داستان کو یہیں چھوڑو، اور وہاں چلو جہاں سب کو تسلی ملتی ہے، جہاں سے ہمارے ایمان کا دامن وابستہ ہے۔ دیکھو یہ مدینہ شریف کی بستی ہے، جہاں ہر دم رحمت برستی ہے، یہ بزمِ رحمت آراستہ ہے، اس بزم کے ایک رُکن حضرت اُسامہ بن زید ہیں، اسی بزم میں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک صاحبزادی قاصد بھیج رہی ہیں کہ میرا ایک ننھا سا بچہ دم توڑ رہا ہے، آپ تشریف لائیں، آپ نے سلام کہلوایا، اور یہ پیغام بھیجا، پیغام کیا ہے، تسلی واطمینان کا سامان ہے۔ فرمایا: **إن لله ما أخذ وله ما أعطىٰ ، و كل عنده بأجل مسمىٰ، فلتصبر ولتحتسب**، دیکھو جو کچھ اللہ نے لے لیا وہ بھی انھیں کا تھا، اور جو کچھ انھوں نے دیا وہ بھی انھیں کا ہے، اور ہر چیز کا ان کے نزدیک ایک وقت مقرر ہے، اس لئے صبر کرو اور اجر کی امید رکھو۔ سب سے بڑا پیغمبر، اللہ کا سب سے زیادہ محبوب، اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھے صبر واحتساب کی تلقین فرما رہا ہے، اور بجز اس کے چارہ بھی کیا ہے؟ اللہ کا محبوب بھی اللہ کے تصرف کو روک نہیں سکتا، یہاں سرِ تسلیم خم کرنا ہی عبادت ہے۔

اب چلو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ، حضور کے فرزند دلبند جو بہت عرصے کے بعد پیدا ہوئے تھے، اور گھر کے چراغ بننے کی ان سے امید تھی، ان سے پہلے جتنے فرزند ہوئے تھے، سب آغوشِ رحمت میں جا چکے تھے، اب یہ آخری شمعِ امید تھی، اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی آغوشِ محبت میں جھلملا جھلملا کر بجھ رہی تھی، آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے، اور آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے: **إن العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول إلا ما يرضى ربنا وإنا بفراقك يا**

إبراهیم لمحزونون ، آنکھ آنسو بہارہی ہے، دل رنجیدہ ہے لیکن بات ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب کو خوش کرے اور اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے محزون وملول ہیں۔

اورسنو! آپ فرمارہے ہیں، شاید تمہارے ہی لئے فرمارہے ہیں، بیشک حضور کا فرمان ساری امت کے لئے ہے، جو بھی مبتلا ہو، سب کے لئے یہ فرمان ہے، بس یہ فرمان انتخاب کے لئے بھی ہے، ان کی اہلیہ کے لئے بھی ہے، اور ان کے خاندان کے لئے بھی ہے، فرماتے ہیں:

''جب کسی بندے کا بیٹا مرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں، تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کرلی؟ وہ عرض کرتے ہیں جی! فرماتے ہیں اس کے میوۂ دل کو تم نے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی! پھر پوچھتے ہیں، اچھا میرے بندے نے کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں آپ کی حمد کی اور اِنا للہ پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر تعمیر کرواور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو!''

اللہ اکبر! کتنی بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے صدمے کا کتنا لحاظ فرماتے ہیں، سب کچھ جانتے ہیں، مگر ایک مرتبہ نہیں تین تین مرتبہ پوچھتے ہیں، اور میرا بندہ کہہ کہہ کر پوچھتے ہیں کہ میرے بندے کے بیٹے کی روح تم نے نکال لی؟ میرے بندے کے ثمرۂ قلب کو تم نے لے لیا؟ اچھا تو اس نے اس پر کیا کہا؟ شاید یہ کہنا چاہتے ہوں کہ میری شکایت تو نہیں کی؟ فرشتے کہتے ہیں! نہیں وہ ناراض کیا ہوتا، شکایت کیا کرتا، وہ تو آپ کی تعریف کررہا تھا، آپ کی حمد بیان کررہا تھا، اور آپ پر ایمان کو تازہ کررہا تھا، اور اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا کہ ہم بھی وہیں جانے والے ہیں، جہاں بچہ پہونچ چکا ہے۔

اور بھائی! حضور نے تو تین ہی بچوں کے جانے پر بڑی فضیلت سنائی ہے، اور تمہارے تو پانچ پانچ بچے جا چکے ہیں، آخرت کتنی آسان کردی ہے اللہ تعالیٰ نے! اور اب مجھے امید ہے کہ دنیا کے اس زخم پر بھی راحت کا مرہم رکھا جائے گا، اللہ کی ذات امیدوں کا مرکز و مرجع ہے، وہاں سے آس کبھی نہیں ٹوٹتی، امید لگائے رکھو، دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، آزمائش زیادہ ہوئی ہے، تو رُتبے بھی سوا ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کیا کیا حکمتیں اور کیا کیا رحمتیں ان ظاہری آزمائشوں میں پنہاں ہیں۔

تم تو خوب جانتے ہو، میرے کہنے کی حاجت نہیں، ہاں اپنی اہلیہ کی تسلی کا سامان کرو، وہ کمزور بھی ہے اور ظاہر ہے کہ کم علم بھی ہوگی، ہاں اگر ایمان مضبوط ہو تو وہ خود ہی سمجھالے گا۔

میں نہیں آسکا، غمزدہ کا سامنا کیسے کروں؟ تاب و تواں نہیں پاتا، یہ ٹیڑھی میڑھی لکیریں بھیج رہا ہوں اور دعا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اپنی رضا پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ **ولا نقول إلا ما یرضی ربنا وھو أن تقول إنا للہ وإنا إلیه راجعون ، أللٰھم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیراً منھا یا أرحم الراحمین۔**

محزون وملول
اعجاز احمد اعظمی
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆☆

# بنام الحاج محفوظ الرحمٰن صاحب

عم مکرم الحاج محفوظ الرحمٰن صاحب میرے چھوٹے دادا جناب حاجی عباد اللہ صاحب ے صاحبزادے ہیں، ہمارے گھر کے دیگر افراد کی طرح یہ بھی حضرت مولانا مدظلہ سے نہایت مخلصانہ وعقیدتمندانہ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خط دادا جان کے انتقال پر ان کو لکھا گیا، دادا جان مرحوم نہایت نیک وصالح اور پابند شریعت انسان تھے ،ان کی موت بڑی قابل رشک تھی ، ۲۶ر فروری ۱۹۸۶ء کو ظہر کی نماز کیلئے وضو کر کے مسجد کیلئے نکلے ، ابھی راستے ہی میں تھے کہ پیغام اجل آپہونچا ، اور عین تیاری کی حالت میں جان جاں آفریں کے حوالے کردی ، باری تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں جگہ دیں۔ آمین (ضیاءالحق خیرآبادی)

برادرِ عزیز! عافاکم اللہ من جمیع الاحزان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

برادرم! جو صدمہ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بالخصوص والدۂ مکرمہ کو پہونچا ہے، وہ اس لحاظ سے یقیناً بہت اہم ہے کہ سرپرست کا سایہ سر سے اٹھ گیا، بڑوں کی ذات سے جو فوائد متعلق ہوتے ہیں ان کا خاتمہ ہوگیا، کتنی ذمہ داریاں ایسی ہیں جن سے بے فکری رہا کرتی تھی، اب ان کا بار بھی پسماندگان ہی پر آپڑا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن کی محبت قلب کے ہر گوشے میں سمائی تھی اب وہ نگاہوں سے اوجھل ہیں، اور ایسے اوجھل ہیں کہ ملاقات کرنی اب اس دنیا میں ناممکن ہے، اور یہ صدمہ اپنی شدت کے لحاظ سے اور بڑھ جاتا، جب یہ خیال آتا ہے کہ دردِ فرقت کی یہ کہانی اور غم وحزن کی یہ داستان اچانک شروع ہوئی اور اسی آن ختم ہوگئی، نہ ایسا ہوا کہ عرصہ تک موت وحیات کی کشمکش ہوتی، خدمت، دوا علاج اور تیمارداری کے مرحلوں سے گزرتے، یاس وامید کے اتار چڑھاؤ میں مبتلا ہوتے، چراغِ زندگی مدھم ہوتا، بھڑکتا، پھر گل ہوتا، ایسا کچھ نہیں ہوا، بس آنکھ بند ہوئی اور نصف صدی سے زیادہ کی زندگی افسانہ بن کر رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی ناگہانی موت اولادوں کو، اعزہ واقرباء کو ہلا کر رکھ دیتی ہے، ہر ایک ہکا بکا ہو کر رہ جاتا ہے، لوگوں کو یقین نہیں آتا، اور عرصہ تک یقین نہیں آتا کہ ایسا ہوگیا؟ لیکن خیال تو کیجئے، یہ سب کچھ اچانک ہوا، جب اس کا خیال تک نہ تھا، اس وقت ہوا، لیکن کیا یہ واقعہ غیر متوقع اور انہونا ہوا؟ نہیں یہ تو ہونے والی بات تھی، ہر ایک کی پیدائش ہی اس کی موت کا اعلان ہے، بلکہ حاصل زندگی جو کچھ ہے، وہ موت ہی ہے، دیر سویر ہر ایک کو یہ گھاٹی عبور کرنی ہے، اللہ تعالیٰ نے جب حیات کو پیدا فرمایا تو اسی کے ساتھ موت کو بھی پیدا فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ

وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ، وہی ذات گرامی ہے، جس نے موت وحیات کو پیدا فرمایا تاکہ یہ آزمالے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون شخص بہتر ہے۔

دنیا کے اس پورے کارخانے میں دو ہی عمل ہو رہے ہیں، اور باقی سب کچھ ان کے متعلقات اور لواحقات ہیں، ایک پیدا ہونا، دوسرے مر جانا، پیدا ہونا تمہید ہے اور مرجانا تکمیل ہے، جب تمہید مرتب ہوگئی تو تکمیل بھی ناگزیر ہے، یہ دنیا کی رِیت ہے، خواہ کسی کو رنج ہو یا کوئی صبر کرے، لیکن حق تعالیٰ کی اپنے بندوں ......مومن بندوں ...... پر خاص نظرعنایت ہے، یہ ہے تو ایک فطری اور طبعی عمل، بلکہ ایک ناگزیر ضرورت! اس سے خواہ کسی کے اوپر کچھ ہی کیوں نہ گزر جائے، لیکن کسی انسان کے رنج واندوہ سے متاثر ہوکر اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں بدلا جاسکتا، حق تو یہ تھا کہ جو کچھ ہونا ہوتا، وہ ہوجاتا، لیکن قربان جایئے رحمت خداوندی کے کہ اس نے وجود کو بھی انسان کے لئے نعمت بنایا اور موت کو بھی رحمت بنایا، مومن کے اوپر حق تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ پیش آجائے تلاش کریں گے تو اس میں رحمتِ حق ضرور ہوگی، سب سے بڑی قیامت جو اس دنیا میں کسی مومن کو پیش آسکتی تھی وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی رحلت کا سانحہ ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے اس سانحہ کو بھی رحمت قرار دیا ہے، پھر اور لوگوں کی موت وحیات کے قصوں میں یقیناً رحمت پروردگار کی کارفرمائی ہوتی ہے اور خوب ہوتی ہے۔ایک حدیث سنئے!

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا معاملہ عجیب ہے، اس کے ساتھ جو کچھ پیش آجائے، سب میں خیر ہے، اور یہ بات بجز مومن کے اور کسی کو حاصل نہیں، اگر اس کو خوشحالی اور مسرت نصیب ہو تو شکر کرتا ہے، پس یہ اس کے حق میں بہتر ہے، اور اگر بدحالی اور رنج سے دوچار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے، پس یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔(مسلم شریف)

## ایک اور حدیث سنئے!

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حق تعالیٰ جب کسی بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں اور وہ اس سے گھبراتا اور پریشان ہوتا ہے تو اس بلا کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں، اور اس کے لئے اس کو طہارت و پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں، ہاں شرط یہ ہے کہ وہ اس مصیبت کو غیر اللہ کی طرف سے نہ سمجھے، اور نہ اس کے دور ہونے کے سلسلے میں غیر اللہ سے حاجت روائی کا طالب ہو، (ترغیب وترہیب)

یہ مومن کا حال ہے، نعمت وراحت ہو یا مصیبت وکلفت، مومن ہر رنگ میں خدا کی مہربانی کا مشاہدہ کرتا ہے، پھر یہ بھی دیکھئے کہ جن لوگوں نے مصائب پر صبر کیا، ان کو خدا کی طرف سے سمجھ کر صرف خدا ہی کے لئے جھیل گئے، کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، ان کے سلسلے میں حق تعالیٰ کیا ارشاد فرماتے ہیں اور خدا سے بڑھ کر سچا کون ہوسکتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ، اور صبر کرنے والوں کو بشارت سنادو (کون صبر کرنے والے) وہ لوگ جن کو جب کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو یہ کہتے ہیں (ایمان اور اعتقاد سے کہتے ہیں) کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں (یعنی اس کے بندے اور غلام ہیں) اور ہم کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے رب کی جانب سے مہربانیاں ہیں اور رحمت ہے، اور یہ لوگ ہدایت یاب ہیں۔

سنتے ہیں! یہ بشارت، یہ مہربانیاں، یہ رحمت، یہ ہدایت یابی کا اعلان کس بنا پر ہے؟ صرف اس بنا پر کہ انھوں نے اپنے اللہ کی بھیجی ہوئی مصیبت پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور صبر وضبط کا عمل کیا، اللہ کے ہر تصرف کو اپنے حق میں گوارا کیا، اور دل

سے گوارا کیا، اور پھر اس یقین کا اظہار بھی کیا کہ ہم سب کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے، مومن کا کام ہی یہ ہے کہ ہر حال میں وہ اپنے مالک ومولیٰ سے راضی رہے، اور دل سے راضی رہے، یہی ایمان کی جان ہے، اسی کے اوپر رحمت کردگار نازل ہوتی ہے۔

والدہ مکرمہ کو خط کا مضمون سنا دیجئے اور اچھی طرح سمجھا دیجئے کہ دل کو مضبوط رکھیں، دنیا میں کسی عورت کو جو بڑا سے بڑا صدمہ پیش آسکتا ہے وہ شوہر کی موت ہے، آل واولاد اور ماں باپ سب کے ہوتے ہوئے بھی اگر شوہر کی رفاقت میسر نہیں ہے تو دنیا بالکل اندھیری اور سونی معلوم ہوتی ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی سہارا دینے والا نہیں، یہ مرحلہ بڑا صبر آزما ہوتا ہے، عورت کی دنیا اندھیری ہوجاتی ہے، اسی کی رعایت کرتے ہوئے شریعت نے عورت کو شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن سوگ کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیا ہے، لیکن دل کو مضبوط رکھنا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ سب کا ساتھ اس دنیا میں عارضی اور ناپائیدار ہے، تمام تعلقات بودے اور کمزور ہیں، اگر کوئی ذات ایسی ہے، جس کا ساتھ ایک لمحے کیلئے بھی چھوٹنے والا نہیں ہے، اور جس کا تعلق کمزور اور بودا نہیں ہے، تو وہ صرف ایک خداوند وحدہٗ لاشریک لہ کی ذات یکتا ہے، شوہر کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اب براہ راست خدا کا سایہ سر پر ہے، شوہر کی یاد میں خود کو ہلکان نہ کریں، بلکہ یادِ الٰہی کے اندر وقت گزاریں، جتنا زیادہ سے زیادہ ذکر کرسکیں کریں، اسی سے خود کو بھی تسلی ہوگی، اور شوہر کی روح کو بھی راحت وخوشی ہوگی، پورے عدت کے ایام میں روزانہ کثرت سے کلمہ طیبہ کا وِرد رکھیں، لا الٰہ الا اللہ برابر تسبیح لے کر پڑھتی رہیں، اور جب سو مرتبہ پڑھ لیں تو ایک مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں، اور دن بھر میں جتنی مرتبہ پڑھ سکیں پڑھیں، اور بعد نمازِ عشاء پورے کا

ثواب حاجی صاحب کی روح کو بخش دیں، انشاء اللہ بہت نفع ہوگا، اپنا دل بھی مضبوط ہوگا اور ادھر بھی برابر تحفہ پہونچتا رہے گا۔ پریشان ہونے سے اور پریشانی بڑھے گی۔

اور آپ سے کہتا ہوں کہ والد صاحب کے بعد جو کچھ ان کی خدمت کا حق تھا، وہ حصہ بھی اب والدہ ہی کی طرف منتقل کیجئے، ان کی دلجوئی، دلداری پہلے سے بہت بڑھا دیجئے، شوہروں کے انتقال کے بعد عورتوں میں ایک خاص طرح کی حساسیت پیدا ہوجاتی ہے، آپ اور آپ کے بھائی پورے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ ان کی خدمت اور ان کی رضا جوئی کی کوشش کریں، اور آپ کی اہلیہ بھی اس کے لئے پورا اہتمام کریں، والدہ کی رضا جوئی میں دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔

ایک بات اور کہوں؟ والد صاحب کی اچانک وفات نے دنیا کی بے ثباتی اور ناکارگی کی ایک بڑی دلیل آنکھوں کے سامنے رکھ دی، وہ تو ماشاء اللہ آخرت کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے، اور قسمت کی خوبی ہے کہ عین تیاری کی حالت میں دنیا سے گئے، خدا کی ذات سے قوی توقع ہے کہ ان کی مغفرت ضرور ہوچکی ہوگی، لیکن جو لوگ اس دلیل کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکے انھیں بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، اب ان کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ مردوں میں آپ کے گھر نماز کی پابندی کرنے والے کتنے ہیں، اگر ہیں تو بہت بہتر خوشی کی بات ہے، اور یہی عین مطلوب ہے، اور اگر نہیں تو خدارا سوچئے کہ کیا ان کے بعد اس گھر سے نماز کا اہتمام ساقط ہوجائے گا، ہرگز نہیں، دینداری کسی دیندار کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہونی چاہئے، ایک جائے تو دوسرا فوراً اس کی جگہ لے لے، وہ تو اپنا عمل سمیٹ کر لے گئے، اور بعد والوں کو عبرت کی داستان دے گئے کہ ہمارے پیچھے تمہیں بھی آنا ہے، اور آنے کے وقت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، موت اعمالنامہ پر مہر لگا دیتی ہے، ہم اپنی سانس کی گنتی پوری

کر چکے، تمہیں جو موقع میسر ہے اسے بسا غنیمت سمجھو، اور چن لو، عمل کے جتنے گوہر چننے ہوں، اب مسجد کی وہ جگہ خالی نہ ہو، جہاں آپ کے والد کھڑے ہوا کرتے تھے، سلسلہ قائم رہے، یہ بہت ضروری بات کہہ رہا ہوں، اسے سرسری نہ سمجھئے گا، بہت زیادہ اہتمام کیجئے، آپ کے اعمالِ صالحہ کا ثواب خود بخود والد مرحوم کو پہونچتا رہے گا۔

ایک بات اور یاد آئی! کہے دیتا ہوں، ہمارے یہاں باپ کے مرنے کے بعد تقسیمِ وراثت کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، یہ بات شریعت کے نزدیک بہت قبیح ہے، جتنے وارثین ہوں، فرائض نکلوا کر سب کا حصہ متعین کر کے دے دینا چاہئے، تاکہ ملکیت ہر ایک کی علیٰحدہ ہو جائے، پھر جس کا جی چاہے کاروبار ومعاملات میں شریک رہے اور جس کا جی چاہے الگ ہو جائے، اور یاد رہے کہ وراثت میں عورتوں اور لڑکیوں کا حصہ بھی متعین ہے، جو لڑکیوں کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، ان کا حصہ ضرور الگ کر کے دے دینا چاہئے، ورنہ غصب کا گناہ ہمیشہ سر پر رہے گا، لڑکیاں عام طور پر اپنا حصہ لینے سے گھبراتی ہیں، ان کو بتا دینا چاہئے کہ شریعت کا دیا ہوا حصہ ہے، رشتہ داری اور قرابت داری کا لحاظ اس کے بعد بھی فرض رہے گا، لڑکیوں کا حصہ نہ دینے کا رواج بہت قبیح ہے، اس کو ختم کرنا چاہئے، اگر آپ لوگ اس کا اہتمام کریں تو بہت بڑا ثواب ہوگا، یہ کام فوراً ہو جانا چاہئے، بعد میں جب وراثت کے مال میں بہت کچھ کمی یا زیادتی ہو جاتی ہے تو مشکل مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، بس صاحب اسی پر ختم کرتا ہوں، اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام الحاج اختر حسین صاحب غازی پور

غازی پور کے زمانۂ تدریس میں ایک نیک اور صالح نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ سیرت کا نیک ہونا تو بعد میں معلوم ہوا، صورت کا نیک ہونا ملاقات ہوتے ہی ظاہر ہوگیا۔ پھر ملاقاتیں بڑھتی رہیں اور ان کی سیرت کی نیکی کا نقش دل پر جمتا رہا۔ کسی بینک میں ملازم تھے، غازی پور کے مشہور علاقہ کمسار وبار کے رہنے والے، مجھے ان کی کسی چیز پہ اشکال نہ تھا مگر بینک کی ملازمت پر اشکال تھا، آخر ایک وقت ایسا آیا کہ اس اشکال سے متاثر ہوکر انھوں نے بینک کی ملازمت چھوڑ دی۔ ان کے دو چھوٹے بچے ۱۴/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲/ ستمبر ۱۹۹۳ء بروز جمعرات ایک بارجہ کے ٹوٹ جانیکی وجہ سے دب کر مرگئے، اسی سے متاثر ہوکر یہ خط لکھا گیا۔ (اعجاز احمد اعظمی)

برادر عزیز! رعاکم اللہ و تولاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

کل ''آواز ملک'' میں ایک عجیب دردناک خبر پڑھی، آپ کا نام پڑھا اور پھر پوری عبارت پڑھی، میں بالکل سناٹے میں آگیا، طبیعت دھک سے ہوکر رہ گئی، دل کسی طرح یقین کرنے کیلئے آمادہ نہ تھا، کہ دو معصوم بچوں کی یہ دردناک موت آپ ہی سے تعلق رکھتی ہے اور اب بھی یہی جی چاہتا ہے کہ وہ ''اختر حسین'' آپ نہ ہوں، کوئی اور ہو جن سے میرا کوئی ظاہری لگاؤ نہ ہو۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خبر سچی ہے، اس وقت سے اب تک میری طبیعت کو عجیب بے چینی ہے، اندر آگ سی لگی محسوس ہوتی ہے، جمعہ کی نماز میں بہت الحاح و تضرع کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی ہے کہ آپ کو، بچوں کی ماں کو، اور تمام اہل تعلق کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں اور ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ یہ ایک ایسا دردناک حادثہ ہے کہ آدمی از جارفتہ ہوجائے، ہوش وحواس کھو بیٹھے، بارہا تقاضا ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے کہ کسی طرح آپ تک پہونچوں گو کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے پاس پہونچ کر تسلی اور تعزیت کا ایک لفظ بھی نہ کہ سکوں گا، تاہم محبت جوش کررہی ہے مگر فی الحال ایسی مجبوری ہے کہ اسی خط پر اکتفا کررہا ہوں۔

جب میرا یہ حال ہے تو آپ پر کیا گزری ہوگی، اور گزر رہی ہوگی، بچوں کی ماں کا کیا حال ہوگا؟ لیکن میرے محترم! جو واقعہ ہونا تھا، وہ تو ہوگیا اسے کوئی ٹال نہیں سکتا تھا، اور نہ اب ان بچوں کی واپسی کسی کے بس کی بات ہے، حق تعالیٰ مالک حقیقی ہیں، سب چیز انھیں کی ملکیت ہے وہ جیسے چاہیں تصرف کریں، ہم بندے ہیں، غلام

ہیں، ہمارا کام ہے سر جھکانا اور اطاعت کرنا، انھیں کے نام سے تسلی حاصل کرنا، ان کے نام سے بڑی تسلی حاصل ہوتی ہے۔ کل جمعہ بعد میرا وعظ تھا، جمعہ سے پہلے یہ خبر پڑھ چکا تھا۔ ''اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ' 'پر وعظ کہنا تھا، پورے وعظ میں آپ ہی کا تصور چھایا رہا، اور دل کانپتا رہا، میں یہی کہہ رہا تھا کہ مومن اللہ کے نام پر بڑی سے بڑی مصیبت جھیل لیتا ہے، سب سے آخری سہارا اللہ کا نام ہے، اس نام میں وہ برکت ہے کہ جلتا ہوا قلب ٹھنڈا ہو جائے، اسی نام کی بدولت صحابۂ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کی رحلت کا صدمہ برداشت کرلیا، ورنہ وہ صدمہ ایسا نہ تھا کہ صحابہ جیسے عشاق اور فداکاروں سے برداشت ہو جاتا، اسی نام کی برکت سے حضرت خنساءؓ نے اپنے چار جوان بیٹوں کی شہادت کو سہ لیا تھا اور اللہ کا شکر ادا کیا تھا، یہی وہ پاک نام ہے جس کے لئے عشاق نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا، اسی نام کا اثر تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے تیار ہو گئے تھے اور بیٹے کے دل میں بھی یہی نام بسا ہوا تھا کہ انھوں نے بخوشی گردن پر چھری پھروانے کے لئے سر جھکالیا تھا، آہ!! کتنے کتنے صدمے اور کیسی کیسی تکلیفیں اسی پاک نام کی برکت سے جھیل لی گئیں، میں نے ایک واقعہ بھی سنایا جو حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے اپنے مواعظ میں بیان کیا ہے، وہ یہ کہ ایک بزرگ قاری صاحب تھے وہ خود حافظ قرآن تھے اور ان کے سات بیٹے تھے اور سب حافظ قرآن تھے، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی، تراویح ہو رہی تھی، ایک صاحبزادہ پڑھا رہا تھا، دو ایک رکعت کے بعد تکلیف ہوئی، وہ اجازت لیکر گھر چلا گیا اب دوسرا مصلیٰ پر آیا اس کی بھی طبیعت خراب ہوئی وہ بھی گھر چلا گیا، پھر تیسرا، پھر چوتھا، اسی طرح یکے بعد دیگرے مصلیٰ پر آتے رہے اور بیمار ہوکر گھر

جاتے رہے، بالآخر باپ نے تراویح پوری کی، رات ہی میں ساتوں بیٹوں نے جان دیدی، صبح کو ساتوں کا جنازہ ایک ساتھ نکلا، قاری صاحب خاموشی کے ساتھ سر جھکائے جنازہ کے ساتھ تھے، لوگوں میں کہرام مچا ہوا تھا مگر یہ خاموش تھے، کسی نے کہہ دیا کہ کتنا سخت دل باپ ہے، سات بیٹوں کا جنازہ جارہا ہے اور خود ہر قسم کی کیفیت سے خالی ہے، کتنا بے درد تھا وہ شخص جو باپ کے درد کو نہ پہچان سکا، قاری صاحب نے اسے قریب بلایا اور کھنکھار کر تھوکا تو منھ سے تھوک اور بلغم نہیں صرف خون نکلا، فرمایا کہ جگر خون ہوگیا ہے مگر اللہ کا نام اور اللہ کا حکم سب سے بلند ہے، ہم کو ان کی ہر تقدیر پر راضی رہنا اور ہر مصیبت پر صبر کرنا ہے۔ میں یہ واقعہ بیان کررہا تھا اور آپ کے تصور سے میری آنکھوں میں آنسو چھلک رہا تھا، حاضرین کی آنکھوں پر بھی بار بار رومال پہونچ رہا تھا، میں دل ہی دل میں دعا کررہا تھا کہ یا اللہ ! میرے اختر بھائی اوران کی اہلیہ کو وہی صبر جمیل عطا فرما جو آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیا تھا، جس سے حضرت ایوب علیہ السلام کو نوازا تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ سرفراز ہوئے تھے اور جیسا صبر حضور کے امتی قاری صاحب مذکور نے کیا تھا۔

تاہم جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کچھ لیتے ہیں تو اس سے کہیں بڑھ کر عنایت فرماتے ہیں ، صبر کرنیوالوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت خاصہ سے نوازا ہے، ارشاد ہے ’’انّ اللہ مع الصابرین ‘‘ اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے، اور ارشاد ہے ’’وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ‘‘ اے رسول! آپ صبر کرنے والوں کو بشارت سنادیجئے جو لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو بس یہ کہتے ہیں ( دل سے بھی اور زبان سے

بھی ) کہ ہم اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹیں گے یہی لوگ ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب سے مہر بانیاں ہیں اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں۔

دیکھئے کس قدر عنایت ہے صبر کرنے والوں کے حال پر کہ بشارت خدا کی طرف سے لیکن اس کو سنانے کیلئے واسطہ رسول اللہ ﷺ کو بنایا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حال پر اللہ و رسول دونوں کی خاص توجہ ہے، یہ کتنی بڑی سعادت ہے، یہی وہ عنایتیں ہیں جن کا تصور جب آتا ہے تو آدمی بڑے سے بڑا غم برداشت کر لیتا ہے اور ارشاد ہے " اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ " صبر کرنے والوں کو انکا اجر وثواب بے حساب ملے گا، یہ بے حساب اجر جب جنت کی صورت میں ملے گا تو آدمی تمام رنج وغم بھول جائے گا، اور وہاں تمام بچھڑے ہوئے بھی مل جائیں گے۔

اور سنئے! حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے کا فرزند مر جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح نکال لی؟ وہ کہتے ہیں جی! پھر فرماتے ہیں کہ کیا تم اس کے لخت جگر کو لے آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں جی پروردگار! اللہ تعالےٰ پوچھتے ہیں میرے بندے نے تب کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ آپ کی حمد کی اور " انا للہ و انا الیہ راجعون " پڑھا، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اسکا نام **بیت الحمد** رکھو،

حضور اکرم ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہونے لگا تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا آپ بھی یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ ابن عوف یہ محبت ہے پھر فرمایا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، دل غم زدہ ہے لیکن بات ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو،

اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق میں رنجیدہ ہیں۔

یہ اللہ کے نبی ﷺ کا اسوہ ہے، جب اللہ کے سب سے بڑے پیغمبر کو اس گھاٹی سے گذارا گیا ہے تو ہمارے صبر کے لئے یہی کافی ہے، حضور اکرم ﷺ کے ایک نواسے کا انتقال ہو رہا تھا صاحبزادی محترمہ نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا، آپ نے سلام کہلوایا اور فرمایا! جو کچھ اللہ نے لیا وہ اسی کا ہے اور جو کچھ دیا اسی کا ہے اور ہر چیز کا اس کے پاس ایک وقت ہے، اس لئے صبر کرو اور اجر وثواب کی نیت کرو، حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ انصار کی عورتوں سے فرمایا، اگر تم میں سے کسی خاتون کے تین چھوٹے بچے گذر جائیں اور وہ اس میں اللہ سے اجر وثواب کی نیت اور امید کرے تو ضرور جنت میں داخل ہوگی، ایک خاتون نے عرض کیا اگر دو بچے گذرے ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا دو ہوں جب بھی، اللہ اکبر کیسی عظیم بشارت ہے، اولاد لیکر جنت عطا فرمانے کا وعدہ ہے، اور وہاں وہی اولاد سفارش کرے گی، حق تعالیٰ سے جھگڑ کر اپنے ماں باپ کو بخشوائے گی۔

اور ہاں یہ بھی حدیث میں ہے کہ جب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کی شہادت ہوئی تو حضرت ام سلمہؓ کو کمال رنج ہوا، دونوں میں انتہائی محبت تھی، حضرت ابوسلمہؓ یوں بھی بہت سمجھدار اور محبت والے شخص تھے، اور حضور اکرم ﷺ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے بے حد رنج تھا، پھر مجھے یاد آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی دعاء کرتا ہے ''أَللّٰهُمَّ اُجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِّنْهَا'' (اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عنایت فرما اور اس سے بہتر چیز مجھے اس کے بدلے میں عطا فرما) تو اللہ

تعالیٰ اس دنیا میں اس کا نعم البدل عطا فرما دیتے ہیں، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ دعا میں پڑھنے کو تو پڑھتی رہی، مگر دل میں یہ سوچتی بھی رہی کہ ابوسلمہ سے بہتر مجھے کیا کوئی ملے گا؟ لیکن عدت گذرنے کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تب میں نے سمجھا کہ واقعی یہ دعاء قبول ہوگئی، یہ تجربہ تو حضور اکرم ﷺ کے زمانے کا ہے اس کے بعد بھی جن جن لوگوں نے اس دعاء کو پڑھا ہے سب کو نفع ہوا ہے، اس کے نفع کا شاہد ایک میں بھی ہوں کئی مرتبہ مجھے اس کا تجربہ ہوا ہے، آپ خود بھی اسے پڑھیں اہلیہ بھی، اور جب جب یاد آئے یا غم کی شدت ہو اسے پڑھ لیں۔

مصیبت تو بہت سخت ہے مگر اجر وثواب بھی بے حد وحساب ہے ہاں صبر شرط ہے، بعد میں تو صبر آ ہی جائے گا، فی الوقت صبر کرنے کی ضرورت ہے، زبان سے وہی بات ادا ہو جو اللہ کی رضا مندی حاصل کرانے والی ہو، دل تو بیشک رنجیدہ ہوگا، آنسو بھی بہیں گے، ان دونوں پر مواخذہ نہیں مگر زبان پر اختیار ہے اسکی بے اعتدالی قابل مواخذہ بھی ہے اسلئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

خط میرا لمبا ہو گیا لیکن اس محبت کو جو آپ کو مجھ سے ہے اور مجھے آپ سے ہے اس کے بغیر آسودگی نہیں ہوتی، اسے آپ بار بار پڑھیئے، گھر والوں کو پڑھ کر سنایئے انشاء اللہ تسلی ہوگی۔ میں برابر آپ کے لئے دعا کررہا ہوں صبر واستقامت کی، ایمان کی حفاظت کی، دل کی مضبوطی اور تسلیم ورضا کی، حق تعالیٰ کی طرف سے نعم البدل عطا ہونے کی، اور سب سے بڑھ کر صابرین والی بشارت میں شرکت کی، اللہ تعالیٰ قبول کریں، کوشش میں ہوں کہ موقع ملے تو حاضری دوں، اپنی اہلیہ اور دوسرے گھر والوں کو سلام ودعا کہہ دیں۔

فقط والسلام

اعجاز احمد اعظمی / ۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

☆☆☆☆☆

# بنام حافظ قاری نسیم الحق صاحب معروفی

حافظ قاری نسیم الحق میرے بہت عزیز دوستوں میں ہیں، میں الہ آباد مدرسہ وصیۃ العلوم میں پڑھاتا تھا، وہیں یہ بھی حفظ کے مدرس ہوکر آئے، پورہ معروف ضلع مئو کے رہنے والے، ایک باصلاحیت اور دیندار شخصیت! صرف حافظ تھے، تجوید کا شوق انھیں مئو لے گیا۔ جامعہ مفتاح العلوم مئو میں تجوید کی تکمیل کی، فراغت کے بعد بمبئی مرغی محلّہ کی مسجد میں امام ہوگئے، اور ساتھ ہی مدرسہ امدادیہ میں مدرس بھی ہوگئے، اب اسی مدرسہ سے متصل جامع مسجد چونا بھٹی میں امامت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں، ایک مرتبہ انھیں کسب معاش کے لئے سعودیہ عربیہ جانے کا خیال ہوگیا تھا، اسی اطلاع پر یہ خط لکھا گیا۔ (اعجاز احمد اعظمی)

عزیزم حافظ نسیم الحق سلّمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پرسوں تمہارا خط ملا، تم نے عرب جانے کی بات لکھی ہے، اس سے مجھے خوشی ہونی چاہئے، لیکن میرا دل رنج وغم میں ڈوب گیا، ایک بمبئی ہی میں تمہارا رہنا مجھے کھلتا تھا، اب اس سے بڑے سمندر میں کود رہے ہو، بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی وجہ سے دین کو کچھ قوت اور دینداری میں کچھ اضافہ ہوسکتا ہے، وہ جب اپنی اپنی صلاحیتوں سے آنکھیں بند کرکے محض دولت اور کسبِ مال کے ساتھ گردش کرنے لگتے ہیں تو میں اپنے رنج پر قابو نہیں پاسکتا، کیا تم اسی لئے رہ گئے ہو کہ صرف اپنے نفس کے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے روپیہ ڈھالنے کی مشین بن جاؤ۔

میں سچ کہتا ہوں کہ عرب بہت مقدس مقام ہے اگر آدمی اپنے دین وایمان کی حفاظت اوراس میں ترقی کی نیت سے جائے! لیکن اس جانے کا طور دوسرا ہوگا، اور بڑی بدنصیبی کی بات ہے ان دینداروں کیلئے جنھیں محض دولت کی ہوس لئے لئے پھرے۔ ؎

سب کو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے
کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے

حق تعالیٰ تمہارے دین وایمان کی حفاظت فرمائے، میرے لئے بھی یہی دعا کرو، اس دور میں مال ودولت کی فراوانی کے ساتھ دینداری کا اجتماع بہت مشکل ہوتا ہے، کاش زادِ آخرت کی بھی اتنی فکر ہوتی، جس قدر اہل وعیال کی پرورش کی ہوتی ہے، میں کسب (کمانے) کو ہرگز منع نہیں کرتا، مگر زندگی کا محور ومرکز کسب مال ہی بن جائے یہ بھی ہرگز گوارا نہیں، بس یہ بات ہے، مگر مجذوب کی بڑ کون سنے گا؟ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، جہاں کہیں بھی جاؤ، تم سے بھی یہی درخواست ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی / ۲۰؍صفر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

# باب سوم

# تلامذہ اور عزیزوں کے نام

# بنام مولانا رفیع الدین صاحب ومولانا منیرالدین صاحب ومولوی ولی محمد صاحب

یہ تینوں طلبہ بھی مجھے جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس کے زمانۂ تدریس میں ملے۔قدوری کی جماعت میں شامل تھے، عام طلبہ کی عمر کے لحاظ سے معمر تھے۔بہار کے ایک پسماندہ ضلع سنتھال پرگنہ ( دُمکا ) سے آئے تھے، ان میں مولوی رفیع الدین سلّمہٗ اپنے علاقے کے دینی حالات سے بہت فکرمند تھے،انھوں نے اوران کے ساتھیوں نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ میں ان کے علاقہ میں دینی خدمت کے لئے چلوں۔اس سال تو نہیں، دوسرے سال وہاں جانے کا آغاز ہوا،اور رمضان شریف اور ذی الحجہ میں طویل قیام ہوتا۔

دوسرے سال میرے بعد یہ تینوں بھی مدرسہ دینیہ غازی پور میں آگئے۔ وہاں متوسطات کی تعلیم مجھ سے حاصل کرکے دوسال کیلئے دارالعلوم دیوبند گئے۔مولوی رفیع الدین اورمولوی منیرالدین نےتعلیم کی تکمیل کی،مولوی ولی محمد تکمیل نہ کرسکے۔ فراغت کے بعد تینوں دینی خدمات میں لگے رہے۔مولوی رفیع الدین اورمولوی ولی محمد کاتعلق میرے ساتھ بغیر انقطاع کے قائم رہا۔مولوی رفیع الدین صاحب شاہ جنگی شہر بھاگلپور کے مدرسہ میں ناظم تعلیمات ہیں، اور مولوی ولی محمد اپنی جگہ پر امامت اور بچوں کی تعلیم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔مولوی منیرالدین ایک عرصے سے بنگال میں آسنسول کے قریب کسی جگہ مصروفِ خدمت ہیں، ان سے رابطہ نہیں رہا۔ (اعجازاحمداعظمی)

عزیزان من رفیع الدین، منیر الدین، عبدالحق وولی محمد

سلمکم اللہ تعالیٰ وزادکم علماً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ اچھے ہو گے، عرصہ سے خط لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن امروز وفردا میں وقت کا کارواں آگے بڑھتا چلا گیا، پھر میں بنارس پہونچا، ملاقات ہوئی مگر اس ملاقات سے کیا حاصل جس میں نہ تم کچھ حالات بتا سکے اور نہ میں حدیثِ درِ دِل سنا سکا، اس بنا پر خط لکھنے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

میری عین خواہش اور دعا یہی رہی ہے کہ تم لوگ سچے طالب علم بن کر حصول علم میں کوشاں رہو، علم صرف ذہانت وذکاوت ہی سے نہیں ملتا ممکن ہے دنیا کا علم اسی طرح حاصل ہوتا ہو لیکن جس کو میں علم کہتا ہوں اس کا حساب وکتاب اور ہے، یہ ضرور ہے کہ ذہانت ممد ومعاون ہے، اس سے راہِ علم میں سلوک کی سہولت ہوتی ہے، تاہم اس کی حیثیت اَساسی اور بنیادی نہیں ہے، دین کا علم زیادہ تر خلوص نیت، عزم وعمل اور مسلسل محنت وکاوش سے حاصل ہوتا ہے، ہم نے بہت سے ذہین دیکھے ہیں جو درمیان میں گر پڑ کے ختم ہو گئے، وہ نہ تو اپنے علم سے خود فائدہ اٹھا سکے، اور نہ ہی دوسروں کو کچھ دے سکے، اور بہت سے غبی، کند ذہن جن کو حصول علم کے زمانہ میں اساتذہ کے نزدیک بالکل وقعت حاصل نہ تھی، وہ اپنے اپنے دور کے شمس العلماء بنے۔

آج ضرورت بہت زیادہ ذہین علماء کی نہیں، ایسوں کی ضرورت ہے جن کے پاس علم کے ساتھ فراست ایمانی بھی ہو، اور یہ فراست حاصل ہوگی تصحیح نیت سے۔

میرے عزیزو! مجھے اس وقت سخت تکلیف ہوتی ہے جب میں سنتا ہوں کہ عربی پڑھنے والا طالب علم کسی سرکاری ملازمت کے لئے جدوجہد کر رہا ہے، یا وہاں چلا گیا ہے،

میرے نزدیک یہ چیز غلط نہیں ہے، بلکہ میں اس کو محمود سمجھوں اگر یہ اس نیت سے کیا جائے کہ سرکاری اداروں میں ہمیں دین کی خدمت کے جو مواقع میسر ہوں گے ان سے دریغ نہ کریں گے، بلکہ سچے دین کی سچی خدمت میں مصروفِ کار رہیں گے۔ پھر یہی کام ذخیرۂ آخرت بن جائے گا مگر تم جاننے والوں کے احوال کو پرکھو، جانچو، دیکھو کتنوں کی نیت یہ رہتی ہے اور کتنے اس قسم کا اقدام کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان ذی علم کے سامنے حصولِ زر کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے، کیا وہ اسی لئے علم دین حاصل کر رہا ہے کہ اس کے عوض میں معمولی متاع دنیا خریدے گا، اگر یہی ہے تو پھر اس میں علمائے یہود میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے، جن کی مذمت قرآن میں تم پڑھ چکے ہو۔ **إشتروا بآیات اللہ ثمناً قلیلاً**

درحقیقت یہ اس دور کا ایک بڑا المیہ ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں زمانے کی باگ ڈور ہونی چاہئے تھی وہ مذہب کی قبا تار تار کر کے اس کی دھجیاں فروخت کر رہے ہیں۔ **فوا أسفاہ** دل جلتا ہے، طبیعت سلگتی ہے لیکن کون جانے دل کا حال!

میرے عزیزو! یہ سچ ہے کہ معاش کا بحران انسان کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار رہا ہے، ہر شخص پیٹ کا نعرہ لگا رہا ہے، معاشرہ حصولِ معاش کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان اس طرح پس رہا ہے کہ اس کو اپنے دین و ایمان کا ہوش ہی باقی نہ رہا، یہ مسئلہ اگر صرف ان تک محدود ہوتا جو خدا کی لامحدود قوت پر ایمان نہیں رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ ہوتا کہ ان کا دستور فطرت یہی ہے، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس آتش سوزاں میں وہ لوگ بھی دھڑا دھڑ اپنا خرمن ایمان و یقین پھینک پھینک کر جلا رہے ہیں جن کو خدا کی عظیم قوتوں پر بھروسہ کا دعویٰ ہے۔ اس مصیبت کو کس سے کہوں کہ گھر کا سرمایہ لٹ رہا ہے، تجوریوں پر ڈاکہ پڑ رہا ہے، جائیداد برباد ہو رہی ہے اور

ہم برتنوں، سوئی دھاگوں کی حفاظت کی فکر کر رہے ہیں، یہ کس درجہ غم واندوہ کی بات ہے، یہ تو یقین ہے کہ جو اللہ طوفان کے ہیجان خیز تھپیڑوں میں سے ایک شیر خوار بچے کو نکال لے جانے والا ہے وہ اپنے ملت و مذہب کو بچا لے گا، مگر سوچو ہمارا تمہارا کیا حشر ہوگا، کس کو ہم منہ دکھا سکیں گے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حصول علم سے نیت وعزم محض خدمت دین ہونی چاہئے یقین کا سرمایہ ساتھ رکھو، حطامِ دنیا تو جوتیوں میں آکر پڑی رہے گی، تم لوگ جس علاقے کے رہنے والے ہو جہاں تک میرا اندازہ ہے اس میں خالص مجاہد قسم کے علماء کی حاجت ہے اور تم لوگ ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہو، اس لئے ہر قسم کی دنیاوی آلائش سے پاک ہو کر تحصیل علم کی ضرورت ہے، میری بڑی تمنا یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کو دین پر قربان ہوتا ہوا دیکھوں، اس سلسلے میں ہر طرح کی مدد و تعاون کے لئے تیار ہوں، انشاء اللہ آخر دم تک تم لوگ مجھے اپنا رفیق پاؤ گے۔

عزیزانِ من! کیا بتاؤں امیدوں کے سہارا آج کے نوجوان طلباء ہی ہیں، لیکن جگر کٹ کر ٹکڑے ہو جاتا ہے جب ان کا رُخ دین مصطفیٰ سے پھرا ہوا دیکھتا ہوں، امید ہے کہ تم لوگ میرے درد کو سمجھو گے، حصول کامیابی کے لئے کوشاں رہو اور سب کچھ دینے والے سے مانگتے رہو، اس دروازے سے مانگنے والوں کو واپس نہیں کیا جاتا، ہاں یہ بتاؤ بقر عید کے موقع پر گھر جانے کا ارادہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کا، جواب کا منتظر ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶/۱۲/۱۹۷۳ء

☆☆☆☆☆

عزیزانِ گرامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فرصت نہ ہونے کی وجہ سے تینوں کو ایک ہی کارڈ لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ بعافیت ہوگے، میں الحمدللہ بخیریت تمام میسور پہونچ گیا، یہاں لوگوں میں کافی طلب ہے، یہیں ٹھہر جانے پر اصرار ہو رہا ہے، لیکن میں کون ہوتا ہوں فیصلہ کرنے والا، قدرت نے جو کچھ لکھا ہوگا اس کے ظہور کا منتظر ہوں، انشاءاللہ رمضان میں یا اس کے بعد گھر آجاؤں گا، مدرسہ کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہوئی تو بخل نہ کرنا، اپنے والدین سے سلام کہو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۶/۱اکتوبر ۱۹۷۳ء

☆☆☆☆☆

عزیزم مولوی ولی محمد دُمکوی سلّمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، بہت مسرت ہوئی، کبھی کبھی لکھتے رہا کرو، یاد تازہ ہوتی رہتی ہے، مزید دعا گوئی کی توفیق ملتی ہے، کچھ کام کی باتیں ذہن میں آجاتی ہیں تو لکھ دی جاتی ہیں، تعلق میں کمی نہیں آنے پاتی۔

والد صاحب کی عمر کا آخری مرحلہ ہے، ظاہر ہے کہ کمزوری بڑھتی ہی جائے گی، اس وقت جتنی خدمت کرلو گے اس کا اجر بے حد وحساب ہے، اسی وقت میں اولاد کی ضرورت ہوتی ہے، جب تم کمزور تھے، انھوں نے خدمت کی، اب وہ کمزور ہیں تو تم خدمت کرو، ان کی خدمت دنیا میں رزق اور عمر میں برکت کا باعث ہے، اور آخرت میں پروردگار کی رضا وخوشنودی کا سبب ہے، اس لئے بغیر کسی ملال اور

اکتاہٹ کے آخری حد تک ان کی خدمت کو اپنا فرض سمجھو، اور ہر قیمت پر انھیں راضی رکھنے کی کوشش کرو، اللہ توفیق دینے والے ہیں، دعامیں برابر کرتا ہوں۔

ذکر کی مشغولیت سے بہت مسرت ہوئی، ہاں ضرور! روزانہ ایک وقت تھوڑی دیر ہی کے لئے سہی فارغ کر کے یکسوئی کے ساتھ یہ تصور کر کے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہِ عالم پناہ میں حاضر ہوں، عرشِ الٰہی میرے سامنے ہے، اور خدا کی عنایت میری جانب متوجہ ہے، یہ خیال کر کے ذکر کرو، اور کوشش کرو کہ اخیر ذکر تک یہی خیال قائم رہے، اگر ذہن منتشر ہو جائے تو پھر حاضر کرلو، کوشش کرو کہ یہ تصور جم جائے، اس طرح انشاء اللہ ذکر بہت مفید اور لذیذ ہوگا۔ اور نماز پڑھتے وقت یہ دھیان کرو کہ میں کعبہ مقدسہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوں، اور کعبہ کے اندر سے نور کی لہریں نکل کر میرے اندر پیوست ہو رہی ہیں، اس سے نماز میں دلجمعی پیدا ہوگی اور شوق زیادہ ہوگا۔ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھو، دنیا و آخرت میں مفید ہوگا۔ پردھان سے کہہ دو کہ مسجد کی بنیاد پڑ جانے سے مجھے بہت خوشی ہوئی، اس کی تکمیل کی دعا کر رہا ہوں، اس کے آباد رکھنے کی فکر کریں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

مولوی ولی محمد دمکوی کے نام

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارے خط کا مجھے انتظار تھا۔ الحمد للہ کہ انتظار کے مطابق خط آیا۔

عزیزم! دنیا میں سب سے بڑا حق خدا کا ہے وہی خالق و مالک ہے، ہمارا

پورا وجود، بلکہ ساری کائنات اسی کے احسان ورحمت کا کرشمہ ہے، اگر اس کی رحمت پل بھر بھی نگاہ پھیر لے تو یہ ساری کائنات اچانک معدوم ہوکر رہ جائے، وہ اپنے کرم سے ہر وقت اور ہر آن اس پورے عالم کی نگہبانی فرماتا ہے، آدمی اگر پوری عمر اس کے سامنے سجدہ میں پڑا رہے، اور دل میں ذرا دیر کے لئے بھی کسی دوسرے کا تصور نہ آئے زبان مسلسل اس کی حمد وثنا اور شکر گزاری میں مصروف رہے، جب بھی اس کا کوئی ادنیٰ سا حق بھی ادا نہیں ہوسکتا، اور کون اس کا حق ادا کرسکتا ہے، جبکہ سب عابدوں کے عابد، اور سب شکر گزاروں کے شکر گزار نے خود یہ اقرار کرلیا ہے کہ ہم نہ عبادت کا حق ادا کرسکتے ہیں اور نہ معرفت کا! تو اب بس چارۂ کار یہ ہے کہ اپنی طاقت بھر، اپنے مقدور بھر اس کی یاد میں، اس کے ذکر میں، اس کے فکر میں لگے رہیں، اور دنیا کو جیسے جیسے برتنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح برتتے رہیں، اس کے حکم کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھیں، اس کو کبھی ناراض نہ کریں، اگر اتنا کرنے کے بعد ان کی عنایت متوجہ ہو جائے تو کیا کہنا سبحان اللہ! اور ضرور متوجہ ہوگی، بس اپنی وسعت بھر کوتاہی نہ ہو۔

نماز کی پابندی، نوافل کا اہتمام، تمام حقوق العباد جو اپنے اوپر عائد ہوں، ان کو اچھی طرح عبادت وطاعت سمجھ کر ثواب کی نیت سے ادا کرنا، دل کو کینہ کپٹ، بغض وحسد، دنیا کی محبت، مال ودولت کی لالچ سے پاک وصاف رکھنا، صبر وشکر کا عادی بننا، دل میں خدا اور رسول کی محبت بلکہ عشق رکھنا، یہی سب کام اس دنیا میں کرنے کے ہیں، اگر یہ کام کیئے تو زندگی ہر طرح کامیاب ہے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی، تو آدمی چاہے دولت میں نہایا ہوا ہو، عزت میں سرمست ہو، کیا فائدہ؟ جبکہ وہ اپنے مالک ومولیٰ ہی کو ناراض کیئے ہو، دنیا کے جائز کام، معاش کے مباح طریقے، سب اختیار کرنے درست ہیں، لیکن اس طرح نہیں کہ وہی دھندے اصل اور مستقل بن جائیں، اور یادِ خدا پیچھے

چلی جائے ، ہرگز نہیں ، اس طرح کہ ہر کام اور ہر مشغلہ اللہ کی عبادت وطاعت ، اللہ کے ذکر کے تابع ہو، اگر کسی مشغلہ کی وجہ سے عبادت ترک ہونے کا ڈر ہو تو وہ مشغلہ ہی ترک ،عبادت ترک نہیں ، یہ بہت ضروری اور بنیادی بات ہے، تمام ضروریات کے کفیل حق تعالیٰ ہیں ، ذکر کا اہتمام اور جماعت کا التزام ہمیشہ رکھنا ، اس میں فتور اور سستی نہ آئے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۷/رجب ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا وسیم احمد بنارسی

میری تدریسی زندگی کا باضابطہ آغاز جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس سے ہوا۔ ہجری سنہ ۱۳۹۲ھ کا آخر تھا، اور غالباً عیسوی سنہ ۱۹۷۲ء کا بھی آخر تھا۔ جامعہ اسلامیہ میں چند طلبہ بہت ہونہار اور صاحب استعداد ملے، جن سے مجھے خاص اُنس ہوا۔ انھیں میں سے ایک مولوی وسیم احمد سلّمہٗ بھی ہیں۔ یہ مدن پورہ بنارس کے رہنے والے کافیہ اور قدوری کی جماعت میں تھے، میں ایک سال وہاں رہ کر مدرسہ دینیہ غازی پور آگیا، اس وقت ان سے مکاتبت کا آغاز ہوا۔ یہ جامعہ اسلامیہ سے متوسطات کی تکمیل کر کے دارالعلوم دیوبند گئے، وہاں سے فضیلت حاصل کی اور جامعہ اسلامیہ میں استاذ ہوئے، اب وہاں کے صدر المدرسین ہیں۔ ایک سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے نام خطوط سب ان کی طالب علمی کے زمانے کے ہیں جنھیں انھوں نے بہت سنبھال کے رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مکتوب نمبر (۱)

عزیزم مولوی وسیم احمد سلمک اللہ تعالیٰ وزادک علماً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج تمہارا خط عین انتظار ہی میں ملا، فجزاک اللہ، طبیعت بہت خوش ہوئی، سوچ رہا تھا کہ تقریر کی رسید آجائے تو دوبارہ خط لکھوں، مگر آج کل طبیعت ایسی ہے کہ از خود لکھنے کو جی چاہتا ہے، یہ اچھا کیا کہ خط اپنے ساتھیوں کو دکھا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں کی ایک سالہ رفاقت نے مجھ پر کچھ عجیب اثر ڈالا ہے، نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش بار بار کروٹ لیتی ہے کہ تم لوگوں کو علم وعمل کے اچھے منصب پر دیکھوں۔

میرے عزیز! میں کچھ نہ بن سکا، اس لئے اپنوں کو بنتے دیکھ کر خوشی ومسرت چھانے لگتی ہے اور ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے ٹھیس لگتی ہے، اگر کچھ دن ساتھ رکھنا خدا کو اور منظور ہوتا تو اپنی آنکھوں کے سامنے تم لوگوں کو پروان چڑھتے دیکھتا، مگر کیا فرق پڑتا ہے اپنی اولاد اپنی ہی ہوتی ہے خواہ کہیں پرورش ہو، اللہ نے تمہیں شوق دیا ہے، ہمت دی ہے، دل ودماغ دیا ہے، اساتذہ میسر ہیں، کتابیں مہیا ہیں، ماحول ملا ہے، جس قدر محنت کرسکو کر کے علم حاصل کرلو، لوگوں نے اس متاع علم کے لئے دَردَر کی ٹھوکریں کھائی ہیں، مصائب جھیلے ہیں، مشرق کی طنابیں مغرب سے ملادی ہیں، راتوں کی سرحدیں دنوں سے ملائی ہیں، خونِ جگر جلایا ہے، تب کہیں جا کر کچھ آیا ہے، اب تو بہت ساری سہولتیں فراہم ہیں، زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ، سمجھ کر پڑھو، پڑھ کر سمجھانے کی کوشش کرو۔

عزیزمن! تحصیل علم کے لئے بنیادی اصول مطالعہ اور ذوقِ مطالعہ ہے، میں نے پہلے بھی مطالعہ پر زور دیا ہے اب بھی دیتا ہوں، کتاب کا مطالعہ اس طرح کرو کہ عبارت حل ہو جائے، پہلے الفاظ اور ان کے معانی پر عبور حاصل کرو، صیغے اور ترکیب یعنی فاعل، مفعول مع اقسامہ، حال، تمیز وغیرہ متعین کرو، اس کے بعد اس کے مطلب پر غور کرو، ہر روز ایک ہی سطر حل کرو لیکن ضرور حل کرو، ہمت ہار کر ہرگز نہ بیٹھو، کسی فن کی کتاب ہو اتنا ضرور کرو، کیونکہ اس کے بغیر پڑھائی لکھائی کا نام تو ہوگا کام نہ ہوگا، اور اس پر قابو ہو گیا تو پھر کوئی کتاب ہو، مطلب از خود حل ہوگا، جن لوگوں نے اس کو سمجھا اور اسی اصول کے مطابق پڑھا، انھیں کہیں دقت نہیں ہوتی، درس کا مطلب معلومات فراہم کرنا نہیں ہوتا، استعداد پیدا کرنی چاہئے، استعداد درحقیقت ہر شخص میں ہوتی ہے، کہنا یہ چاہئے کہ وہ حجاب میں ہوتی ہے طالب علم استاذ کی معاونت سے اس حجاب کو چاک کر دیتا ہے تو استعداد کا نور پھیل جاتا ہے اور اس کی روشنی میں اشیاء نظر آنے لگتی ہیں، بس تو اسی حجاب کو چاک کرنا ہے اور تمہاری یہ درمیانی مدت ہے، ابھی حجاب کچھ زیادہ سخت نہیں ہوا ہے آسانی سے چاک کیا جاسکتا ہے، اس کے بعد سخت ہو جائے گا اور دشواری ہوگی۔ یہ تو درسیات کا معاملہ تھا۔

لیکن اس سے ذرا بھی کم غیر درسیات کا بھی معاملہ نہیں ہے، بلکہ میرے نزدیک تو اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے، ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے، علم سے مناسبت بڑھتی ہے، ذوق وشوق میں ترقی ہوتی ہے، قوت بیان پیدا ہوتی ہے، معلوماتی کتابیں پڑھنی چاہئے، خصوصاً تاریخ اسلام پر اچھی دسترس حاصل ہونی چاہئے، صرف تاریخ کا جاننے والا علوم وفنون کی بہت سی اقسام کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے، اسی لئے میں نے ''تاریخ ملت'' (۱) کے گیارہوں

حصے تمہاری انجمن کے لئے منگائے تھے، ان کا مطالعہ کرو۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا میں نے بچپن میں مطالعہ کیا تھا، اسی طرح اور نوع بنوع کی کتابیں جو مل سکیں دیکھتے رہنا چاہئے، یہ طالب علم کے لئے مفید بھی ہے اور ضروری بھی۔

ان سب کے بعد میں اپنی اس آخری بات پر آتا ہوں جس کو میں نے بار بار بیان کیا ہے، مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل نہیں کیا ہے، وہ یہ کہ یہ سارے علوم مقصود بذاتہا نہیں ہیں کہ ساری عمر انھیں کے پڑھنے پڑھانے میں صرف کردی جائے، بلکہ یہ وسائل ہیں، اصل مقصد شریعت مطہرہ پر صحیح ڈھنگ سے عمل اور اپنے مولیٰ کو راضی کرنا ہے، یہ سارا کاروبار کتابوں کا، مدرسوں کا، اساتذہ وطلباء کا، اسی لئے پھیلایا گیا ہے کہ اسلام پر صحت کے ساتھ عمل کرنے والے پیدا ہوتے رہیں، اگر یہ نہیں ہوا تو کچھ بھی نہ ہوا، اخلاق درست ہوں، عبادات درست ہوں، معاملات ٹھیک ہوں، جب خدا کی رضامندی حاصل ہوگی، اور اس کے حصول کا زمانہ پڑھنے کے بعد نہیں آئے گا، یہی وقت ہے جس میں اپنے احوال ٹھیک کئے جاسکتے ہیں، آج جس چیز کو لوگ علم کہتے ہیں، درحقیقت وہ علم ہے ہی نہیں، سراسر جہل ہے، علم نام ہے اس نور کا جو اللہ رب العزت اسلام پر پختگی اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے مومن کے قلب میں پیدا کردیتا ہے، جو کتابوں سے حاصل کیا جاتا ہے، یہ معلومات ہیں علم کا نور ان سب کے بعد سچے عمل سے حاصل ہوتا ہے، اورعزیزِ من! آج اس کا فقدان ہے، میں جو سچائی کے ساتھ علم حاصل کرنے کو اکثر کہتا ہوں اس کا مطلب یہی ہے کہ پڑھنا، اس ارادۂ وعزم کے ساتھ ہو کہ اس پر اپنے مقدور بھر کاربند رہیں گے، اس لئے اخلاق سنوارنے، عبادات کو درست کرنے اور معاملات کو ٹھیک کرنے کے لئے ابھی سے مشق کرنی چاہئے، ابھی کل مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ملی ہے جس کو میں نے نوٹ کرلیا ہے، حالانکہ اس

قسم کی میری عادت نہیں ہے، نوٹ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس میں زندگی کے نو اُصول بیان فرمائے گئے، وہ اتنے جامع ہیں کہ ان پر عمل کرلیا بس اس میں کمال پیدا ہو جائے گا، انشاء اللہ آئندہ مکتوب میں لکھ کر بھیجوں گا (۲)۔ ہاں چلتے چلاتے یہ بات بھی سن لو کہ خط میں سلام مسنون کا لکھنا کچھ زیادہ پسندیدہ معلوم نہیں ہوتا اسے چھوڑ دو، اسی طرح آداب وتسلیمات جو لکھتے ہو وہ بھی قابل ترک ہے، باقی خیریت ہے۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۸/ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ

(۱) اس کتاب میں ابتداء اسلام سے لے کر اس کے عہد تصنیف تک کی مکمل اسلامی تاریخ طلبہ کے معیار کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس کے مولف قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی اور مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی ہیں، پہلے یہ گیارہ حصوں میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی تھی، اب دیوبند سے اس کے تمام حصے تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوگئے ہیں۔ (۲) مکتوب نمبر ۷ دیکھئے۔

☆☆☆☆☆

(۲)

عزیزم مولوی وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ اچھے ہوگے، آج غازی پور آیا، تمہارے دونوں خطوط ملے، خوشی ہوئی، یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ محبت وارادت کا تعلق باقی ہے، تمہاری سلامت طبعی کی وجہ سے پُر امید ہوں کہ اس میں مزید استحکام ہی پیدا ہوگا، میری توجہ ہمیشہ تم لوگوں کی طرف رہتی ہے، دعا کرتا رہتا ہوں۔ عزیزم جاوید سلّمہٗ سے کہو کہ نماز، باجماعت کی پابندی کا التزام کرے کیونکہ علم دین کا حصول اس کے بغیر خواب وخیال ہے، میں جہاں تم لوگوں کو علم کے اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا ہوں اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر عملی

حیثیت میں بلند سے بلند تر دیکھنے کا خواہش مند ہوں، اس وقت علم بڑھ رہا ہے، عمل گھٹ رہا ہے، جو چیز گھٹ رہی ہے اس میں اضافہ کرو، جو چیز پہلے ہی سے زیادہ موجود ہے اس پر زیادتی اس وقت کرسکو گے جب اس کے لئے اپنے کو فنا کردو، اور پہلی چیز میں تھوڑا اضافہ بھی زیادہ محسوس ہوگا، اگرچہ یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ عمل کے بغیر علم ایک لایعنی شئے یا دماغی عیاشی ہے جس کا فائدہ ممکن ہے کہ دنیا میں کچھ نظر آئے، مگر آخرت میں سراسر باعث خسران ہوگا، میرا منتہائے نظر یہ ہے کہ تم سچائی کے ساتھ علم دین حاصل کرو، اور دیانت داری کے ساتھ اس پر عمل کرو، یہ بات اس ماحول میں جس سے تمہارا سابقہ ہے خصوصیت کے ساتھ اہمیت کی حامل ہے، اچھی طرح یاد رکھو، عبداللہ اور محسن سے سلام کہو۔ ۳۰/ ذی الحجہ تک انشاء اللہ تقریر پہونچ جائے گی۔

اعجاز احمد اعظمی

۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

☆☆☆☆☆

(۳)

عزیزم مولوی وسیم احمد سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا تیسرا خط ملا، نمبرات معلوم ہوئے، بے حد خوشی ہوئی، محنت کا ثمرہ ملنے سے خوشی ہوتی ہی ہے، ان بہترین نتائج نے تمہاری ہمت کو مزید ابھارا ہوگا، تمہیں اتنے ہی پر تمہیں قناعت نہیں کرنی ہے، آج تو چند ہی ساتھیوں سے سابقہ ہے جن پر فوقیت لے جانا چنداں مشکل نہیں ہے، کل جب رفقاء کی زیادہ تعداد سامنے آئے گی اور ان میں ہر قسم کی صلاحیت ومحنت والے افراد ہوں گے، ان پر سبقت حاصل کرنے

کی مہم دشوار ہوگی اس لئے ابھی سے زیادہ سے زیادہ محنت ومشقت کے عادی بنو، تواضع وفروتنی اور کسر نفسی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، محنت سب سے زیادہ کرو، اچھے بننے کی کوشش کرو، مگر احساس یہی رہے کہ سب سے ادنیٰ ہوں، ابھی کچھ نہیں آیا، یہی احساس تمہیں آگے بڑھاتا رہے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احساس کمتری کو اپنی طبیعت میں راہ دو، ہرگز نہیں، تواضع اور احساس کمتری میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ متواضع جھکتا ہے، اس لئے اسے اٹھایا جاتا ہے، اور احساس کمتری کا شکار جھکتا نہیں گرتا ہے، تو اس کی کچھ مدد نہیں ہوتی، متواضع حوصلہ مند ہوتا ہے، اور احساس کمتری کا شکار بے حوصلہ اور حاسد ہوتا ہے دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے، فوقیت حاصل ضرور کرو، مگر بڑائی ہرگز نہ ہو، اس کا نام تکبر وخود پسندی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹/ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

☆☆☆☆☆

(۴)

عزیز گرامی قدر! سلمکم اللہ عن نوائب الشر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو روز ہوئے تمہارا خط ملا، مولوی ابوالقاسم صاحب کے خط میں تقاضا بھی لکھ دیا تھا، خیر خوشی ہوئی، فرصت نہ ہونے کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی معاف کرنا۔

میں الحمد للہ بخیریت ہوں، تعلیم باقاعدگی سے ہورہی ہے، تمہاری بہی خواہی کے لئے ایک بات حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی نقل کر کے لکھتا ہوں،

امید کہ مفید ہوگی۔

"بس تم تین باتوں کا التزام کرلو، پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں، اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں استعدادِ علمی حاصل ہوجائے گی۔ اول یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو اس کا مطالعہ کرلیا جائے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں، کیونکہ مطالعہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ معلومات ومجہولات میں تمیز ہوجائے، بس اس سے زیادہ کاوش نہ کرے، پھر سبق کو استاذ سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھے بلا سمجھے آگے نہ چلے، اس کے بعد ایک بار خود بھی مطلب کی تقریر کرلے، بس ان تینوں التزامات کے بعد بے فکر رہے، چاہے یاد رہے یا نہ رہے۔ انشاء اللہ استعداد ضرور پیدا ہوجائے گی۔ یہ تینوں باتیں تو درجۂ وجوب میں ہیں، اور ایک بات درجۂ استحباب میں ہے وہ یہ کہ کچھ آموختہ بھی روزانہ دہرالیا کرے۔ ملخصاً

یہ بات اتنی ضروری اور قیمتی ہے کہ بس سارے تعلم کا خلاصہ ہے۔ اس لئے اس کو یاد رکھو اور پوری طرح کاربند ہوجاؤ، اللہ برکت دے گا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم علم نافع، عمل صحیح اور فہم سلیم سے نوازے، آمین میرے لئے بھی دعاءِ خیر کرو کہ باوجود ہر طرح کی علمی وعملی خرابیوں کے بزرگوں اور احباب کی دعاؤں اور حسن ظن پر جی رہا ہوں۔

اعجاز احمد اعظمی

☆☆☆☆☆

(۵)

برادر عزیز مولوی وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بنارس کی طویل اقامت کے باوجود جو گفتگو تم لوگوں سے کرنی چاہی تھی وہ نہ

ہوسکی، اب میں اس کا انتظام کررہا ہوں، کہ بنارس آنے کے بعد تم لوگوں کے ساتھ ایک مستقل نشست ہو، بہرکیف جو کچھ مجھے کہنا تھا، اب لکھ رہا ہوں، گوشِ قبول سے سنو! امید کہ فائدہ ہوگا۔

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو، نیت اپنے وجود کے اعتبار سے فعل پر مقدم ہوتی ہے، مگر منوی کا حصول آخر میں ہوتا ہے، یہی وہ چیز ہے جس کو تم نے قطبی میں علت غائی پڑھا ہوگا۔ اس کا قصد تو کام کرنے سے پہلے ہوتا ہے، مگر حاصل بعد میں ہوتی ہے، یہ تھی نیت کی مختصر تشریح!

اب مسلمان کی نیت کا حال سنو! اس کی نیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ عمومی اور خصوصی۔ نیت عمومی سے مراد یہ ہے کہ مومن اپنے عمل میں خواہ کتنا ہی معمولی ہو رضاءِ خداوندی کا قصد رکھتا ہے، اس طرح اس کا ہر کام تقرب خداوندی کا زینہ بن جاتا ہے۔ اس کو ایک واقعہ سے سمجھو!

ایک بزرگ دریا کے کنارے مقیم تھے، ان کے دس بارہ بچے تھے، ایک دن ان کی بیوی نے کھانا پکایا، انھوں نے بیوی سے فرمایا کہ دریا کے اس پار جاکر فلاں بزرگ کو یہ کھانا دے آؤ، بیوی نے عرض کیا اور جو دریا میں کشتی نہ ملی تو؟ فرمایا کہ دریا سے کہہ دینا فلاں بزرگ کے واسطے سے (اپنا نام لیا) جنھوں نے کبھی اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا ہے مجھے راستہ دیدو! بیوی نے کہا یہ کیا بات ہوئی، فرمایا جاؤ اپنا کام کرو، تم کو اس سے کیا مطلب؟ وہ بے چاری گئی اس نے یہی بات دہرائی معاً دریا میں راستہ نمودار ہوا اور وہ دریا پار ہوکر ان بزرگ کے پاس پہونچی، کھلایا پلایا، اب پھر وہی مصیبت پار کیسے ہو۔ بزرگ نے فرمایا دریا سے میرا نام لے کر کہہ دینا ان کی برکت سے جنھوں نے مدت العمر کھانا نہیں کھایا، مجھے راستہ دیدو۔ عورت نے یہی کہا پھر

راستہ مل گیا۔ اب حیران تھی کہ الٰہی کیا معاملہ ہے؟ میرے دس بارہ بچے ہیں، پھر بھی میرے شوہر نے کبھی جماع نہیں کیا، دریا اس پار والے صاحب نے ابھی کھانا کھایا ہے مگر کہتے ہیں کہ کبھی کھانا نہیں کھایا، یہ سب کیا ماجرا ہے؟ شوہر سے آکر خلجان عرض کیا، انھوں نے فرمایا: ہاں سن، میں نے کبھی اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے جماع نہیں کیا، اور انھوں نے کبھی خواہش نفس کے لئے کھانا نہیں کھایا۔ دونوں کا مقصد ہر فعل سے رضائے خداوندی ہے، بس ہمارا کام دنیا کے واسطے ہوا ہی نہیں پھر گویا وہ کام ہم نے کیا ہی نہیں۔ دیکھا تم نے ان حضرات نے اپنی لذات کو کس طرح مرضیٔ مولا میں فنا کر دیا، اب ان کا ہر عمل محض اس لئے ہوتا تھا کہ اللہ راضی ہوں، یہ چیز بہت تیقظ اور اہتمام چاہتی ہے، اور اصل مدار کار فضل خداوندی پر ہے، کوشش کرنی چاہئے، زندگی کے کسی حصہ میں یہ چیز حاصل ہو جائے تو کامیابی ہے۔

خصوصی سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کے متعلق نیت کی تصحیح کی جائے، مثلاً نماز اس لئے ادا کی جائے کہ اللہ راضی ہوں، اس میں کسی مخلوق کی طرف نگاہ نہ ہو، حتیٰ کہ یہ بھی نہ ہو کہ استاذ کی تاکید ہے، یا ان کی سزا کا خوف ہے۔ ہر دور کا الگ الگ مزاج ہوتا ہے اسی اعتبار سے نیتوں میں بھی تبدیلی آتی ہے، جب دور تھا مسلمانوں کی حکومت کا اس وقت یہ علم اس لئے حاصل کیا جاتا تھا کہ حکومت کے مناصب میں جگہ ملے گی، اب دور ہے عجیب قسم کی کشمکش اور بے یقینی کا، اس لئے کسی ارادہ پر جماؤ نہیں ہوتا۔ خدا فراموشی اس دور کا طرۂ امتیاز ہے، دنیا منتہاء نظر بنی ہوئی ہے، تعلیم کا فائدہ تجارت کی صورت میں حاصل کیا جاتا ہے۔

اس بنا پر جب تک اس میں متاع دنیا کی چمک دمک نہ ہو، انسان توجہ نہیں کرتا، تم دیکھتے ہو چونکہ اس تعلیم میں کمائی کے مواقع محدود اور کم ہیں، اس لئے لوگ

بھی اس میں لگانے کے لئے اپنی سب سے غبی اور گھٹیا اولاد کا انتخاب کرتے ہیں، جو کسی اور لائن میں چل ہی نہیں سکتی، سوچتے ہیں کہ اسی راہ سے جو تھوڑا کما لیں گے وہی غنیمت ہے، پھر یہی لوگ استاذ بن جاتے ہیں، ان کی نیت زندگی بھر درست نہیں ہوتی ایک طرف سرپرست کی نیت کی خرابی، اور دوسری جانب اس کے اثر سے استاذ کی نیت کا نقص، بس طالب علم پٹ کر رہ جاتا ہے، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ طالب علم کو سنبھل کر رہنا چاہیے، اور اگر کبھی معیار کا استاذ میسر آجائے تو اسے گوہر سے بڑھ کر سمجھنا چاہیے۔ آج ہر چیز پیٹ کی نظر سے پرکھی اور دیکھی جاتی ہے کہ اس میں شکم پروری کا کتنا حصہ ہے اور اسی کو معیارِ کمال قرار دیا جاتا ہے۔ میرے عزیز! یہی چیز علم دین میں گھس آئی ہے، ہر طرف دنیا دنیا کی ہاہاکار مچی ہوئی ہے، مولوی اسی میں چوپٹ ہوا ہے، حکومت کے کارندے چند سکے پھینکتے ہیں اور مدارس والے ٹوٹ پڑتے ہیں، کام خراب ہو چکا ہے، اب اس تاریک فضا میں نیت کیسے صحیح رکھی جائے، سنو میں بتاتا ہوں۔

علم دین کے حصول سے مقصود اللہ کو بناؤ! دنیا کی ہر چیز سے آنکھ بند کرلو، مخلوق کی طرف نگاہ تک نہ کرو، دنیا کا کوئی تقاضا ہو پسِ پشت ڈال دو، یہ نہ سوچو کہ جب میں اوپر سے نگاہ ہٹا لوں گا تو پھر کیا ہوگا، میری دنیا کیسے چلے گی، دنیا میں بیوقوف سمجھا جاؤں گا، کمتر معیار پر زندگی گزارنی پڑے گی، لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہوں گا، اور سب سے بڑا معاملہ والدین کا ہوگا کہ ان کی تابعداری کی مامور بہ ہے۔

میرے عزیز! یہ سب وساوس ہیں، اصولی بات یہ سمجھو کہ مخلوق خواہ کیسی بھی ہو مستقل نہیں ہے، ہر ایک اپنے وجود وبقا بلکہ اپنی ہر سکون وحرکت میں خدا کی محتاج ہے، ایک شخص سینکڑوں ہزاروں خواہشیں رکھتا ہے مگر اس کی زندگی مخالف راستوں پر دوڑتی چلی جاتی ہے۔ انسان ارادہ کرتا ہے اور خدا کے ارادے کے سامنے چل نہیں سکتا، بلکہ

یوں سمجھو ساری مخلوقات عدم محض ہے کچھ بھی نہیں ہے، جیسے رات تاریک ہو اور مکان میں اندھیرا ہو پھر ایک سورج نکلا اور مکان کے در و بام روشن ہو گئے تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ مکان اپنے آپ روشن ہے، اور جب تک چاہے روشن رہے، اگر کوئی بیوقوف ایسا کہے تو تم اس سے کہہ دو گے اچھا سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرو، خود بخود سمجھ میں آجائے گا، اسی طرح مخلوقات کا حال سمجھو، یہ عدم کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے مکانات ہیں، خدا نے وجود کی روشنی ڈالی تو نمایاں ہو گئے، یہ روشنی ہٹالی جائے گی پھر ختم۔ جب انحصار خدا کی ذات پر ہوا، اور مخلوقات کی حقیقت عدم محض ہے تو اس کی طرف نگاہ ہی کیوں کی جائے، صرف خدا کو پکڑا جائے، بخدا کہتا ہوں کہ جب اس ایک کو پکڑو گے سب کے سب تمہارے ہاتھ آجائیں گے۔

دیکھو حدیث میں آتا ہے کہ مخلوقات کے قلوب خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتا ہے الٹتا پلٹتا ہے، کیا جب تم خدا کو راضی کرلو گے تو مخلوقات کے قلوب کو وہ تمہاری رضامندی سے معمور نہیں کردے گا، بلکہ اس طرف نگاہ بھی کرنا خطا ہے، میں تو کہتا ہوں کہ ساری مخلوق ناراض رہے، ایک خدا راضی رہے کیا پرواہ ہے، جیسے بادشاہ کا کوئی خادم ہو، اس سے ملک کا ہر باشندہ خفا ہے مگر اسے کیا فکر جبکہ بادشاہ راضی رہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ خدا سے عافیت کا سوال کرتے رہنا چاہئے، یہ تو ایک عمومی بات کہی گئی۔

اب خاص طور سے والدین کے متعلق ایک بات کہتا ہوں، میرا تجربہ ہے کہ جب مقصود صرف خدا کی رضا ہو تو والدین ہرگز ناراض نہیں رہتے، اگر ہمارے طرزِ عمل سے والدین کچھ کبیدہ خاطر رہتے ہیں تو یہ یقیناً ہماری کوتاہی ہے۔ اب سنو!

حوصلہ یہ ہونا چاہئے کہ معصیت کے علاوہ ہم والدین کے ہر حکم پر کمربستہ

رہیں گے، حتیٰ کہ وہ ہم سے تعلیم بھی چھڑانا چاہیں تو ہم کسی قسم کی شکن کے بغیر جبینِ نیاز خم کردیں گے۔ تعلیم دین کا وہ مرحلہ جس میں آدمی مولوی بنتا ہے فرض نہیں، اگر والدین نہیں چاہتے تو ہم قطعی اس سے دستبردار ہوجائیں گے، اور یہ محض اس لئے ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے، مقصود یہاں بھی وہی ہے، ارے میاں مقصود یہی ہے خواہ کسی راستے سے ہو، اگر اللہ تعالیٰ کی آزمائش اسی راستے سے آتی ہے تو سر آنکھوں پر، ہم بندے ہیں ہمارا کام تعمیل حکم ہے، چوں چرا نہیں، اپنے طرزِ عمل سے والدین کو اطمینان دلا دینا چاہئے، پھر سچی بات یہ ہے کہ والدین ہمیشہ تمہارے حق میں رہیں گے، مگر خیال رہے کہ تمہارا یہ رویہ اس لئے نہ ہو کہ والدین ہمیشہ تمہارے حق میں رہیں، کیونکہ یہ بہت خطرناک نیت ہے، نیت یہ ہو کہ خدا راضی ہوں، بس، اس کلیدی چیز کو پکڑلو، علم دین کے حصول میں یہی نیت ہونی چاہئے، خدا تمہیں ہر مقصد میں کامیاب فرمائیں گے، اس کے بغیر یہ علم دین أشد عذاب کا سبب بن جائے گا، یاد رکھو قیامت کے دن سب سے سخت عذاب میں عالم دین ہی ہوگا، جس نے اپنے علم پر منصفانہ عمل نہیں کیا، علم دین دودھاری تلوار ہے، ذرا سی غفلت میں یہ تلوار اپنے اوپر چل جائے گی، خوب دھیان رکھو، چند باتیں مختصر لکھ دی ہیں، امید کہ سمجھ میں آگئی ہوں گی۔ کچھ اشکال ہو تو لکھ بھیجو، مولانا ابوالقاسم صاحب نے وقتی معاملات کے متعلق تم لوگوں سے کچھ کہا ہوگا، ان کے ارشادات کو حرزِ جان بناؤ، تم لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی میں ہم دونوں ایک نقطہ پر ہیں۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

☆☆☆☆☆

(٦)

برادر عزیز مولوی وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ اچھے ہوگے، عرصہ ہوا تمہارا خط ملا تھا، اس کے جواب کا قرض ابھی تک باقی تھا، آج اس سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

مولانا ابوالقاسم صاحب کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ طلبہ مولوی نصر صاحب سے مطمئن ہیں، (تم نے نصر ''ث'' سے لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے) اس سے بڑی مسرت ہوئی، اس دور میں اگر قابل اطمینان استاذ میسر آجائے تو کبریت احمر ہے، کوئی بھی ہو میں تمہیں علم وعمل کے اعتبار سے مضبوط اور پختہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس میں ایک طرف جہاں استاذ سے اکتسابِ فیض ضروری ہے، وہیں اپنی قوت ذہنیہ پر مکمل اعتماد اور مسلسل لگن اور جدوجہد بھی شرط ہے، بلکہ یہی بنیاد واَساس ہے، اور پہلی چیز معاون ہے، علم وعمل کی پختگی محتاجِ تشریح ہے بھی اور نہیں بھی، نہیں تو اس لئے کہ اس کی توضیح اس قدر ہو چکی ہے کہ تقریباً تمام اَطراف وجوانب پر روشنی پڑ چکی ہے، اور ہے اس لئے کہ اس موضوع پر جتنا کچھ کہئے کم ہے، اس مسئلے پر مزید کچھ دیکھنا ہو تو رفیع الدین کے نام ایک خط لکھ چکا ہوں اس کو دیکھ لو، باقی سب خیریت ہے۔ اپنے ساتھیوں کو سلام کہو، والد صاحب اور بھائیوں کو بھی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶؍ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

☆☆☆☆☆

(۷)

عزیزی مولوی وسیم احمد سلمہ الصمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تمہارا مکتوب عزیز دستیاب ہوا، مسرت ہوئی، الحمدللہ بخیریت ہوں۔

کل راشد(۱) کا خط بھی تمہارے خط کے ساتھ آیا، انھوں نے عربی میں لکھا تھا، اصلاح کر کے ان کو بھیج رہا ہوں، ویسے انھیں میری جدائی سے بڑا قلق ہے۔

عزیز من! اس وقت وہ اور تم ہو کہ دونوں نے خطوط کا سلسلہ جاری رکھا ہے اور طبیعت پر پرانی یادیں تازہ ہوتی رہتی ہیں، باقی سناٹا ہے، یا بقول تمہارے ''ٹھنڈی سانس لی'' میرے خیال میں مقامات حریری کے درس میں شرکت مناسب رہے گی، کیونکہ اس سال دارالعلوم کے نصاب میں مختارات کے ساتھ غالباً مقامات کے ابتدائی دس مقالے بھی ہیں، اس لئے اس سے مناسبت ہونی بھی ضروری ہے، اس کے بعد اگر وقت اجازت دے تو مشق تجوید میں بھی حصہ لو کہ قرآنی حروف کی درستگی بھی نعمت عظمیٰ ہے، تاہم زیادہ اس کی کوشش ہونی چاہئے کہ قرآنی ہدایات زندگی میں رچ بس جائیں، حضور ﷺ کی ایک طویل دعا ہے جس میں آپ نے خدا کی عظمت و جبروت اور بہت سی چیزوں کا واسطہ دے کر خدا سے سوال کیا ہے کہ: **أن ترزقني القرآن العظيم وتخلطه بلحمي ودمي وسمعي وبصري وتستعمل به جسدي بحولك وقوتك فإنه لاحول ولاقوة إلا بك**، کہ یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے قرآن عظیم نصیب فرمائیں اور اسے میرے گوشت، خون، کان، آنکھ میں پیوست کر دیں، اور اس پر میرے جسم کو عامل بنا دیں، محض اپنی قدرت وقوت سے، کیونکہ طاقت وقدرت صرف آپ ہی کو ہے۔

بڑی عجیب دعا ہے، مناجاتِ مقبول مصنفہ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کہ چھٹی منزل میں ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کے لئے قرآن سے بڑھ کر کوئی دولت ونعمت نہیں ہے۔قرآن کی موجودگی میں کسی کتاب کو حق نہیں کہ اسے کتاب کہا جائے۔تم قرآن پڑھتے ہو اس لئے چند سطریں لکھ رہا ہوں کہ قرآن پڑھنے سے زندگی میں تبدیلی آنی چاہئے۔قرآن پڑھنے کا تقاضا یہ ہے کہ وہی زندگی کا شعار بنے، پڑھنے والے کے ایک ایک قول وفعل سے قرآن کی ترجمانی ہو، حضرت عائشہؓ سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور اخلاق کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: **كان خلقه القرآن** کہ آپ کا اخلاق قرآن تھا، یعنی آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہو بہو قرآن کے مطابق تھی، اس کے باوجود دیکھ رہے ہو کہ کیسی دعا فرما رہے ہیں، جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ لکھ دوں، مگر خاصی طویل ہے، مناجاتِ مقبول میں مل جائے گی، اور یہ بھی بتادوں کہ مولانا ابوالقاسم صاحب کے یہاں مناجاتِ مقبول ہے، اونہہ، کہاں جاؤ گے ڈھونڈنے کے لئے، سن لو میری طبیعت بھی نشاط پر ہے۔

**أللّٰهم إنى أسئلك بمحمد نبيك وإبراهيم خليلك وموسىٰ نجيك وعيسىٰ روحك وكلمتك وبكلام موسىٰ وإنجيل عيسىٰ وزبور داؤد وفرقان محمد ﷺ وبكل وحى أوحيته أو قضاءٍ قضيته أوسائلٍ أوعطيته أو فقيرٍ أغنيته أوغنيٍ أفقرته أوضالٍ هديته وأسئلك بإسمك الذى وضعته على الارض فاستقرت وعلى السمٰوات فاستقلت وعلى الجبال فرست وأسئلك بإسمك الذى استقر به عرشك وأسئلك بإسمك الطاهر المطهر المنزل فى كتابك من لدنك وبإسمك الذى وضعته على النهار فاستنار وعلى**

**اللیل فأظلم وبعظمتک وکبریائک وبنور وجھک أن ترزقنی القرآن العظیم وتخلطه بلحمی ودمی وسمعی وبصری وتستعمل به جسدی بحولک وقوتک فإنه لاحول ولاقوۃ إلا بک ۔**

ترجمہ نہیں لکھا تم خود ہی حل کرلو۔ بہت عجیب دعا ہے، بہت دنوں سے یہ دعا پڑھ رہا تھا مگر غفلت کے ساتھ، کبھی توجہ نہیں ہوئی، خدا درجات بلند فرمائے حضرت مولانا وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے، ان کے ملفوظات دیکھنے کے بعد اس کی اہمیت سمجھ میں آئی، پس میں نے نہیں چاہا کہ تم سے بخل کروں، قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی، اس دعا کے مل جانے کے بعد ایسا محسوس ہونا چاہئے جیسے کونین کی ساری دولت مل گئی۔اسی لئے غالباً ایک حدیث میں آتا ہے۔آدمی کو جو چیز سب سے عمدہ دی جائے وہ قرآن ہے، قرآن مل جانے کے بعد اگر کسی نے کوئی اور چیز طلب کی تو اس نے ناشکری کی، دینار واشرفی مل جانے کے بعد ٹھیکریوں کا طلبگار یقیناً احمق ہی ہوگا، پس میرے عزیز ہر روز تلاوت سے پہلے خوب جی لگا کے، اللہ کی طرف توجہ یکسو کرکے معانی کے استحضار کے ساتھ زبانی طور پر سرسری نہیں، ایک بار پڑھ لیا کرو اور اس کے ساتھ دل میں یہ عزم رکھو کہ قرآن کی تعلیمات سے اپنی زندگی آراستہ کروں گا، انشاء اللہ خدا کی مدد شامل حال ہوگی، تم سوچ رہے ہوگے کہ یہ کیا لکھ رہا ہوں، میرے عزیز میں نجات چاہتا ہوں، اسی لئے میں تم کو بتا رہا ہوں کہ **الدال علی الخیر کفاعله** حدیث میں آتا ہے، ہوسکتا ہے اسی بہانے خداوند کریم میرا ٹھکانہ بھی لگادیں، ہم نے قرآن چھوڑ کر دوسری چیزیں اختیار کیں، لٹ گئے، برباد ہوگئے، دنیا کی ساری دولتیں ضررِ محض ہیں اگر یہ نہ ہو، اور کسی دولت کی حاجت نہیں اگر یہ ہو، اب تم سوچوگے کہ قرآن کی تعلیمات تو پورے تیس پاروں میں پھیلی ہیں ان کو اخذ کیسے

کروں، تو قربان جاؤ حضور ﷺ کی مہربانی کہ آپ نے ان سب کو نو چیزوں میں سمیٹ دیا ہے، سن لو، فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے:

۱۔ پوشیدہ اور علانیہ خدا سے ڈرتا رہوں۔
۲۔ خوشی و ناراضی میں کلمۂ عدل پر کاربند رہوں۔
۳۔ تنگی و فراخی میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کروں۔
۴۔ تعلق کاٹنے والوں سے تعلق ٹھیک رکھوں۔
۵۔ جس نے مجھے محروم کیا اس کو بخشش و عطا کرتا رہوں۔
۶۔ جس نے مجھ پر ظلم کیا اس کو معاف کروں۔
۷۔ یہ کہ میری خاموشی فکر (اللہ کا دھیان) اور میری بات اللہ کا ذکر ہو۔
۸۔ میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔
۹۔ اور یہ کہ اچھی بات کی تلقین کرتا رہوں۔

(پچھلے خط میں) اسی حدیث کو میں نے کہا تھا، مکتوب طویل ہو گیا، ورنہ مختصر تشریح بھی کر دیتا، اچھا پھر کبھی۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

۱۹؍محرم الحرام ۱۳۹۴ھ

(۱) استاذی حضرت مولانا افضال الحق صاحب قاسمی مدظلہٗ کے فرزند! انھوں نے جامعہ اسلامیہ بنارس میں کچھ روز تک تعلیم حاصل کی تھی۔

☆☆☆☆☆

(۸)

عزیزم مولوی وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا، حالات کی اطلاع تو مجھے پہلے ہی ہو چکی تھی، خدا کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے، ہم بندے ہیں کیا کر سکتے ہیں، زیادہ سے زیادہ کوئی تدبیر کریں گے، لیکن ضروری نہیں کہ وہ کامیاب ہو، باقی یہ حالات جو رونما ہو رہے ہیں کم از کم میرے لئے غیر متوقع نہیں ہیں، طلباء تو میرے جگر گوشے ہیں، اسی لئے کوئی کوئی حادثہ ہوتا ہے تو دل دکھتا ہے، یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ نہ ہوا ہوتا، کیونکہ یہ خدا کی مشیئت پر اعتراض ہوگا، مگر یہ ضرور سوچتا ہوں کہ اس طرح باقی طلباء کا کیا حشر ہوگا؟ ان میں بددلی اور اساتذہ میں برہمی پیدا ہونا لازمی ہے، پھر افادہ واستفادہ کا سلسلہ موقوف، یہ ہے خرابی کی بات، میں سوچتا ہوں کہ اس فرار ونفور کے اسباب کا پتہ لگانا چاہئے، مگر سچی بات کہو، کون ایسا کرے گا، بس بھائی مجھے تو سو کی سیدھی ایک ہی آتی ہے کہ طلباء شوق ومحنت سے پڑھنا نہیں چاہتے، یا اساتذہ اخلاص ومحنت سے پڑھانا نہیں چاہتے، ان دونوں میں ایک بات ضرور ہے، یہ میں بطور منع خلو کے کہہ رہا ہوں، ممکن ہے دونوں خرابیاں اکٹھا ہوں، بہر کیف ہمارے مدارس کا یہ ایک عظیم المیہ ہے، جس سے میں بیحد متاثر ہوتا ہوں، جو بھی ہو تم محنت ودلجمعی کے ساتھ پڑھتے رہو، ان سب امور میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس میں خواہ مخواہ اضاعت وقت ہے، مقصود سامنے رکھو، اب میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی باتیں مجھ تک نہ آئیں تو اچھا ہے، تھوڑی دیر کے لئے تشویش ہو ہی جاتی ہے، بس اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہو، اس کا منتظر رہتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۳ر صفر ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۹)

عزیزم زادک اللہ علماً و فضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا جوابی کارڈ ملا، اس سے چندروز پہلے ایک کارڈ ملا تھا جس میں تم نے نیت تعلم کے متعلق دریافت کیا تھا، عادت کے موافق فوراً جواب لکھنا چاہا، مگر بعض شدید الجھنیں ایسی حائل ہوگئیں کہ کئی روز تک درس وتدریس میں بھی طبیعت حاضر نہ رہ سکی، خیر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ان سے نجات عطا فرمائی، **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک**، سوچ رہا تھا کہ تمہارا سوال چونکہ تفصیل طلب ہے اس لئے قدرے اطمینان کے بعد لکھوں گا کہ تمہارا دوسرا خط باعث مسرت بنا، سچی بات یہ ہے کہ تمہارا خط ملتا ہے تو بیحد خوشی ہوتی ہے اور بہت سے مضامین منشرح ہوکر ذہن میں آجاتے ہیں، تمہارے جوابی خط سے مجھے یہ تو آسانی ہوتی ہے کہ ساتھ ساتھ جواب لکھ دیتا ہوں جس سے تمہیں انتظار کی زحمت برداشت نہیں کرنی پڑتی، مگر میرے بھائی شرمندگی بھی ہوتی ہے، جوابی خطوط بڑے حضرات کے پاس جایا کرتے ہیں اور میں کیا ہوں، بہر کیف تم نے مطالعہ کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق یہ بات یاد رکھو کہ کسی موڑ پر ہمت ہارنی نہیں چاہئے۔ لغت نہ ہو نہ سہی، صرف عبارت ہی اپنی امکان کی حد تک درست کرلیا کرو، اور سمجھنے کے متعلق جو بات تحریر کی ہے وہ قابل اطمینان ہے۔

جب استاذ کے یہاں بات سمجھ میں آجاتی ہے اور ٹھیک آتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ذہن سے نکل جاتی ہو، پھر دیکھو گے تو پھر آجائے گی، ایسا تو ہوتا ہے اس کو یاد کرنے کے چکر میں پڑو گے تو سب بھول جاؤ گے، مقصد مناسبت پیدا کرنا ہے، عالم تو پڑھنے لکھنے کے بعد جب مطالعہ بڑھاؤ گے تب بنو گے، ابھی بس یہ ہے کہ

کتابیں سمجھنے کی استعداد پیدا کرو، جب استاذ کے پاس سمجھ جاتے ہو تو پھر کوئی فکر نہیں، ہاں اس کا البتہ خیال کرو کہ واقعی سمجھ میں آجاتا ہے یا طبیعت سمجھا دیتی ہے کہ چلو بس سمجھ لیا، طالب علم کو کبھی کبھی اس میں دھوکہ ہوجاتا ہے کہ حقیقتاً سمجھے ہوئے نہیں ہوتا، چنانچہ جب اپنے ابناءِ جنس (طالب علموں) کو سمجھانا پڑتا ہے، تب پتہ چلتا ہے، چونکہ مجھ پر یہ بیت چکی ہے اس لئے کہہ رہا ہوں، ذہن کا سختی سے محاسبہ کرو، مجھے امید ہے کہ یہ صورت نہ ہوگی۔ باقی سب خیریت ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶؍صفر ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۱۰)

برادر عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا کارڈ دستیاب ہوا، الحمد للہ خیریت سے ہوں، کتابیں تمہاری سمجھ میں آجاتی ہیں، اس سے خوشی ہوئی، دعا کرتا ہوں خدائے علیم وخبیر مزید فہم نصیب فرمائیں۔

نیت وقصد کے سلسلہ میں اس وقت اجمالاً صرف اتنا سمجھ لو کہ اس علم کا مقصد صرف خلاق علیم کی رضامندی ہونی چاہئے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، حتیٰ کہ یہ بھی نیت نہیں ہونی چاہئے کہ ہم پڑھ کر دوسروں کو فائدہ پہونچائیں گے۔ نگاہیں صرف باری تعالیٰ پر ہونی چاہئیں، انھیں منظور ہوگا تو تم سے کوئی خدمت لے لیں گے، ورنہ اصل چیز ان کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری ہے، اس کے آگے سب ہیچ ہے، لیکن یہ نیت ہے بہت مشکل، تصحیح نیت کی کوشش ہونی چاہئے، لیکن بہت زیادہ چکر میں نہیں

پڑنا ہے، میں انشاء اللہ گیارہ ربیع الاول کو بنارس حاضر ہوں گا، وہیں کسی وقت تفصیل سے گفتگو کروں گا باتیں بہت سی ذہن میں ہیں، تحریر کا موقع نہیں ملتا، امید کہ بخیر ہو گے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۱۱)

عزیز وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا، حالات معلوم ہوئے، تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ اسی کو کہتے ہیں۔ایک جاتا ہے دوسرا اس کی جگہ پہونچ جاتا ہے، ایسا بھی ہوا کہ ظاہراً شر نظر آتا ہے، حقیقت میں خیر ہوتا ہے، بہر حال حق تعالیٰ کی یہ مختلف شانیں ہیں جو عام انسان میں ظہور کیا کرتی ہیں، خوش قسمت انسان وہی ہے جو دیدۂ عبرت سے ان کرشمہ ہائے گوناگوں کو دیکھا کرے اور نصیحت حاصل کرے، دیکھو یہاں تمہارے لئے بہتری اور خیر اسی میں ہے کہ جس قدر ان مسائل سے دامن سمیٹ سکو سمیٹتے رہو، نوجوانوں کو ہمت وجرأت للکارتی ہے کہ ہر حق وناحق میں کود پڑو، مگر یہ ناعاقبت اندیشی ہے، مآل کار خوب سوچ لینا چاہیئے، اب تک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر قسم کے شرور وفتن سے بچایا ہے، دعا کرتے رہو کہ طالب علمی کا یہ دور نیک نامی اور پاکبازی سے گزر جائے، اللہ کی مدد ہو تو پھر کوئی امر دشوار نہیں، اور اگر اللہ نے توفیق سلب کر لی تو پھر کبوتر جال دیکھتے ہوئے بھی اس میں اتر پڑتا ہے، اس لئے ہمیشہ شئونِ خداوندی سے لرزاں

وترساں رہنا چاہئے ، اور اسی سے حفظ ونگہداشت کی دعا کرتے رہنا چاہئے ، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں کامیاب وبامراد بنائیں ۔ دعا کرتا ہوں کہ یہ نئی کھیپ جو طلبہ واساتذہ کی تمہارے یہاں پہونچی ہے وہ مبارک ثابت ہو، اور جامعہ اسلامیہ تلون وتغیر کی مصیبت سے محفوظ رہے، ہوسکے تو مولوی امین اور عبد القدوس سے سلام کہو، جمعرات کو انشاء اللہ بنارس آؤں گا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۱۲)

عزیز وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا ، اس امتحان کو ہوّا نہ سمجھو، تمہارا اپنا سالانہ امتحان جیسا ہوتا ہے، اس سے کچھ آسان ہی ہوگا ، انشاء اللہ نصاب جتنا ہوا ہے ٹھیک ہے ۔ جلد اول میں کتاب الحج اور کتاب الزکوٰۃ مستثنیٰ نہیں ہے، اچھی طرح سے تیاری کرلو، گھبرانے سے بھی کوئی کام بنتا ہے، اللہ نے صلاحیت دی ہے، اب یہی تو وقت آیا ہے صلاحیت آزمانے کا، تمہیں تو خوش ہونا چاہئے ، ابھی دس پندرہ روز باقی ہے، کتابوں میں ڈٹ جاؤ، نصاب اور کتابیں اتنی زیادہ نہیں ہیں کہ بہت بوجھ ہوجائے ، خاطر جمع رکھو، انشاء اللہ نتیجہ اچھا آئے گا۔ دعا کرتا ہوں اور خاص طور سے کرتا ہوں، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۰؍رجب ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۱۳)

عزیزم وسیم احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امتحانات ختم ہوگئے، امید کہ پرچے اچھے گذرے ہوں گے، تمہارا خط ملا، مصروفیات کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، میں تمہیں کیا نصیحت کروں، ہاں اتنی بات ضرور دل میں آتی ہے کہ اگلا مہینہ رمضان ہے، اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے، اس کے لئے میرے خیال میں بنیادی چیز ترکِ گناہ ہے، اس مہینے میں تم تین باتوں کا التزام کرلو، انشاء اللہ رمضان کی برکتوں سے بھرپور معمور ہوسکو گے۔

(۱) نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کا اہتمام، مہینہ بھر اس کی پابندی نہایت مستعدی کے ساتھ کرو۔

(۲) ہر روز کم از کم ایک منزل کی تلاوت، یہ تلاوت اگر ترجمہ کی رعایت سے ہوتو بہت عمدہ ہے، ورنہ اس میں کمی نہ کرو۔

(۳) غیبت اور جھوٹ سے مکمل پرہیز، اگر کہیں سرزد ہوجائے تو فوراً توبہ واستغفار، ان تین باتوں کا التزام کرلو۔

دعواتِ صالحہ میں اس گناہ گار فراموش نہ کرو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۳؍شعبان ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۱۴)

عزیزم وسیم احمد سلّمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط کئی روز ہوئے ملا، سوچا تھا کہ لگے ہاتھوں جواب لکھ دوں گا، پھر ذہول ہوگیا۔

درس قرآن کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں کہنی ہے، بھائی میں تو عقیدتمندانہ سن رہا تھا، کچھ تنقید کرنے کا ارادہ تھوڑا ہی تھا، طبیعت خوش ہوئی، ضرورت اس کی ہے کہ جو کچھ کہا جائے، پڑھا جائے اس کا مقصد دوسروں کے عمل کرانے سے پہلے خود کو اس رنگ میں رنگنا ہو، پہلا مخاطب ان ہدایات کا خود کو سمجھو اور یہ بات صرف برائے گفتن نہیں کہہ رہا ہوں، جانتے ہو قرآن کا مطالبہ کیا ہے؟ ارے بھائی اس کو مانو، اس کے آجانے کے بعد اپنی رائے فنا کردو، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی رائے ہی قائم نہ کرو، قرآن ہی سے پوچھو کیا کرنا چاہئے اور اس کی ہدایات پر عمل کرو، اس کے لئے سب سے پہلے قرآن اور صاحب قرآن کی عظمت ومحبت دل میں پیوست کرنی ہوگی، اس کا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ یہ ہے کہ قرآن پڑھنے اور درس قرآن سنانے سے پہلے موقع ہو تو زبان سے ورنہ دل میں کہہ لیا کرو کہ اے میرے رب یہ آپ کا کلام حق ہے، اس پر ایمان لاتا ہوں، اس کا ہر امر ونہی سر آنکھوں پر، اے اللہ اس کی عظمت ومحبت سے میرا قلب معمور کردیجئے، میرے بھائی اس کے بغیر قرآن اپنے پڑھنے والے پر حجت ہوگا، اس کی سفارش نہیں کرے گا، امید کہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی، سال شروع ہوچکا ہے، اپنے تعلیمی کوائف سے آگاہ کرو، استعداد پر گفتگو پھر کبھی کروں گا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم/ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ

☆☆☆☆☆

(۱۵)

عزیزم وسیم احمد سلّمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے پہلے خط کا جواب دے چکا ہوں، اب مل گیا ہوگا، الحمد للہ خیریت سے ہوں، گزشتہ خط میں تم نے استعداد کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے بارے میں مختصراً تحریر کرتا ہوں۔ استعداد کے معنیٰ عرف کے لحاظ سے صلاحیت کے ہیں، آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو بالکل سادہ ہوتا ہے، مگر اس کے اندر کچھ ایسے اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں، کہ ان کو اجاگر کرکے دنیا جہاں کے بہت سے کام لئے جاسکتے ہیں، اس کی مثال زمین کی سی ہے کہ اوپر سے تو بالکل سپاٹ ہوتی ہے مگر اس قابل ہوتی ہے کہ اس کو کھود کر، جوت کر عمدہ سے عمدہ فصل تیار کی جائے، اب یہ کسان کی محنت پر ہے کہ وہ کیسی کوشش کرتا ہے، اس مثال سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ انسان ذی استعداد ہوتا ہے، لیکن محاروہ کے اعتبار سے جس کی صلاحیتیں بروئے کار آجاتی ہیں اسے ذی استعداد کہا جانے لگتا ہے، اس سے تم یہ سمجھ گئے ہوگے کہ اصل سوال استعداد کے متعلق یہ نہیں ہے کہ وہ کیا شئے ہے؟ بلکہ یہ ہے کہ اس کو کیسے اُجاگر کیا جائے کہ اس سے کماحقہٗ کام لیا جاسکے، اس کی ایک بہت اچھی مثال ذہن میں آگئی، سنو! دیکھا ہوگا کہ مزیک کا فرش بنتا ہے تو ابتدائی احوال میں کیسا کچھ ہوتا ہے، پھر اس کو پتھر کی مخصوص بٹّی سے گھسا جاتا ہے، کافی محنت ہوتی ہے، پھر اس میں مختلف رنگ کے دانے نمودار ہوکر چکنے

مکنے کیسی نگاہ کوتازگی بخشتے ہیں، ٹھیک اسی طرح یہ خوبصورت دانے ہرانسان کے جوہر طبیعت میں پوشیدہ رہتے ہیں، اس کوایک خاص ڈھنگ سے ایک خاص مدت تک گھستے ہیں، پھر وہ چمک دمک کے ساتھ نمودار ہوجاتے ہیں، اب رہ گیا گھسنے کا معاملہ تو اس میں قدرے تفصیل ہے، اورسب کچھ زبانی گفتگو میں بتاچکا ہوں، امید کہ اس سے مقصود کی طرف اشارہ مل گیا ہوگا، کیا سمجھے تحریر کرو۔

اعجاز احمد اعظمی

۶؍ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۱۶)

عزیز گرامی قدر! سلّمکم اللّٰہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

خط ملا، خیریت سے ہوں، خدا کرے تم بھی ہمیشہ بعافیت تمام رہو، اور مقاصد حسنہ میں کامرانی سے ہمکنار ہوتے رہو۔آمین

عزیز گرامی! طالب علمی کا دور ایک قیمتی دور ہے، جس نے اسے غفلت اور فراموشی میں گزارا وہ ہمیشہ گھاٹے میں رہا، اور جو احتساب وقت کرتا رہا، بلاشبہ کامیاب رہا، حصول علم کا مرحلہ بڑا نازک ہے، ساری زندگی صرف کرکے علم کا شمہ حاصل ہوجائے تو ارزاں سودا ہے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ علم ہو اس کو بھی علیم مطلق ’’علم قلیل‘‘ کا لقب دیتا ہے اور یہاں مسلمانوں کا معاملہ اور بھی نازک ہے، مگر یہ نزاکت صرف اسی وقت تک ہے جب تک اس پر عمل پیرا نہ ہو، ورنہ پھر تو بڑا پُر لطف مرحلہ ہے، بس میاں لگے رہنا ہے، اور محنت شیئاً فشیئاً بڑھاتے رہو، شوق بھی اسی کے

بقدر بڑھتا رہے گا، انشاء اللہ۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲۹/صفر ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۱۷)

عزیز وسیم! سلّمک اللّٰہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

خط ملا، کچھ مصروفیات، کچھ کسل، کچھ بے کیفی، جواب میں تاخیر ہوئی، پڑھائی کا حال معلوم ہوا، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ علم نافع، عمل صالح، حیاۃ طیبہ نصیب فرمائے، اس مرتبہ اور اس سے پہلے بنارس پہونچا تو ایک چیز محسوس کی، وہ یہ کہ تم مسجد اور جماعت میں نظر نہ آئے، کیا بات ہے؟ کیا جماعت کی نماز میں کچھ کوتاہی آگئی ہے، اگر ایسا ہے تو بہت برا ہے، نماز باجماعت کے بغیر کچھ حاصل نہیں سب بے کار ہے، اس کا اہتمام کرو۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۱۸)

از: ناہی ڈیہی، دُمکا

عزیز وسیم! سلّمک اللّٰہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

کل شام کو تمہارا خط گھر سے واپس آکر ملا، مدرسہ میں ایک خط تمہارا ملا تھا، مگر

اس وقت میں کچھ ایسا مصروف تھا کہ شاید جواب تحریر نہ کرسکا، البتہ جوابی کارڈ کا ملنا ذہن میں بالکل نہیں ہے، ممکن ہے کئی روز تک مدرسہ سے غائب تھا، اسی دوران آیا ہو، اور میرے ہاتھ نہ پہونچ سکا ہو، بہرکیف تمہیں اس سے پریشانی رہی، معذرت خواہ ہوں، آئندہ سے انشاء اللہ پابندی کروں گا۔

میں اس سال بھی رفیع الدین وغیرہ کے یہاں آیا ہوا ہوں، ارادہ تو نہیں تھا، مگر کچھ اصرار اور کچھ واقعی ضرورت، آنا پڑا۔ بنارس ہوکر نہیں آسکا، اس کا افسوس ہے، ادھر بنارس کی غیوبت بہت طویل ہوگئی، معلوم نہیں تمہیں دیوبند جانا ہے یا نہیں! اگر جانا ہے تو کب تک؟ میں انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ ۵؍شوال تک غازی پور پہونچ جاؤں گا، بنارس نصف شوال کے پہلے پہونچنا ذرا مشکل ہے، اگر دیوبند جانے کا ارادہ ہو، اور ۵؍ کے بعد کا قصہ ہو، تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ ایک دن کے لئے غازی پور ہولیتے، ملاقات ہورہے گی، بہت سی باتیں ذہن میں رہتی ہیں اور انھیں کاغذ پر لانے کی فرصت مجھے ذرا کم ہی رہتی ہے، وہ میں کہہ سن لیتا۔

رمضان کی مبارک ساعتوں میں اپنی اور اپنے اساتذہ واحباب کی صلاح وفلاح کے لئے بکثرت دعا کرتے رہو، میں بھی مصروفِ دعا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ قبولیت سے نوازیں، آمین۔ قرآن کی تلاوت بھی زیادہ سے زیادہ کرو، خاموشی کو اپنا شعار بناؤ، کہ بہت زیادہ بولنے والے کی عقل زائل ہوجاتی ہے، اور دل مرجاتا ہے، لوگوں سے اختلاط کم سے کم کرو کہ بکثرت لوگوں سے ملنا جلنا سخت قسم کی غفلت پیدا کرتا ہے، جس سے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے، اور کیا لکھوں، والد صاحب اور بھائیوں سے سلام کہہ دو، مولانا ابوالقاسم صاحب سے بھی سلام اور اس کے بعد دعا کی درخواست۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۸؍رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۱۹)

عزیز وسیم! جعلك اللّٰه وسماً علی الاسلام

وعلیکم السلام ورحمة اللّٰه وبرکاته

غالباً دو تین روز ہوئے تمہارا خط ملا، الحمد للہ کہ میرے مندرجات نے تمہیں نفع دیا، میری آرزو ہے کہ تم لوگ جن کو مجھ سے تعلق ہے وہ سچے معنی میں طالب علم بنیں، اوراس کا طریق یہی ہے کہ حصول علم کے جتنے اسباب عادیہ ہیں ان کو مہیا کیا جائے، اورعوائق وموانع کو دفع کرتے رہا جائے۔اس کے اسباب تو یہ ہیں کہ علم اور ذرائع علم کا پورے طور پر ادب واحترام بجالایا جائے، کامل توجہ، یکسوئی اورانہماک کے ساتھ مشغول رہا جائے۔اور موانع یہ ہیں کہ وقت، دماغ اورقوت کوفضولیات ولغویات یا ناروا چیزوں میں برباد وضائع کیا جائے، یا اپنے کو ذہین، قابل ہوشیار سمجھ لیا جائے، یا حصول علم میں عار وذلت محسوس کی جائے، یا محنت ومشقت سے جی چرایا جائے۔

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلیٰ سهر اللیالی
ومن رام العلیٰ من غیر کد أضاع العمر فی طلب المحال

اضاعت علم وذہن کا ایک بہت بڑا سبب گناہوں سے نہ بچنا بھی ہے، افسوس میں تمہیں یہ حکم دے رہا ہوں کہ گناہ سے بچو اورخود نہیں بچتا۔میرے لئے دعا کرو، یہ چیزیں جتنی خطرناک ہے بیان نہیں کیا جاسکتا، اگر آدمی خدا اوررسول ﷺ کی

نافرمانی سے بچتا رہے تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرلے، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ گناہ کو اس زمانہ میں نہ صرف ہلکا سمجھا جاتا ہے بلکہ زمانۂ طالب علمی کا تو ایک لازمہ بلکہ فیشن خیال کیا جاتا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون،

بہت سے گناہ تو ایسے ہیں کہ ان کی کثرت کی وجہ سے ان کا گناہ ہونا بھی ذہن سے نکل گیا ہے، مثلاً جھوٹ کہ معمولی معمولی امور میں بے تکلف جھوٹ بول دیا جاتا ہے، اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے کوئی گناہ کیا، غیبت کو تو پوچھو ہی مت، ابتلاء عام ہے، تو گناہوں کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے، پھر ان سے بچنے کی تدبیریں، پھر اس کا پختہ عزم کہ گناہ کے گرد پھٹکیں گے ہی نہیں، اس کے بعد اگر کبھی ہو جائے تو احساسِ ندامت اور سچے دل سے توبہ واستغفار اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد! انشاء اللہ ایک ایک کر کے چھوٹ جائیں گے، اور دل علم کے نور سے جگمگا اٹھے گا، کاش مجھ کو بھی عمل کی توفیق ہوتی۔ یا اللہ ہم سب کو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ کر کے تقویٰ کی زندگی نصیب فرما، اور نورِ علم سے ہمارے قلوب کو منور فرما دے، آمین۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

۷/ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۲۰)

عزیزی الوسیم!

وعلیکم السلام ورحمة الله وبركاته

خط ملا، عیوب کی وجہ کی بابت تم نے سوال کیا ہے؟

جس وقت میں نے خط لکھا تھا، اس وقت کوئی خاص بات ذہن میں تھی اب نکل گئی، تاہم سنو!

خرابی اور عیوب پیدا کرنے کا ذمہ دار اپنے نفس اور شیطان کے بعد آدمی کا ماحول ہوتا ہے، آدمی کے گردوپیش جن چیزوں کا عمومی رواج ہوتا ہے وہ اس کے لئے معمولی اور غیر اہم بات ہوجاتی ہیں، ان کا قبح ذہن سے نکل جاتا ہے، حالانکہ بسااوقات وہ باتیں بیحد خطرناک ہوتی ہیں۔

مثلاً بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں تجسس عیوب بہت ہے، ہر شخص انتہائی رازدارانہ طریقہ پر دوسرے کے حالات سے بحث کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں بدگمانی، اس کے آگے دشمنی، غیبت، حسد وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات ہر جگہ بالعموم اور ۔۔۔۔ بالخصوص اس درجہ رواج پذیر ہے کہ اس کی برائی کا احساس تک باقی نہیں رہا، اچھے اچھے لوگ جن کے تقدس کی بعض لوگ قسم کھاتے ہیں اس مرض مہلک میں گرفتار ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سخت ترین گناہ ہے اور جب انسان دوسروں کے عیوب دیکھنا شروع کرتا ہے تو اس کی نگاہ سے اپنے عیوب پوشیدہ ہوجاتے ہین اس کے بعد وہ خود بینی یعنی اپنے ہنر اور خوبی کو دیکھنے میں مبتلا ہوجاتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ اس کا ردیف کبر ہے، تم خود سوچو، مجالس میں تھوڑی دیر بیٹھو، اور کسی خاص شخص کے عیوب پر بحث ہورہی ہو، اس وقت اپنے دل کو ٹٹولو، دوسروں کے چہرے مہرے کا جائزہ لو، کیا تم اپنے دل میں یا دوسروں کے چہرے پر کراہیت کے آثار پاتے ہو، بلکہ لوگ خوش ہوتے ہیں کہ چلو اچھا ہوا، وہ بدنام ہوتا ہے، حالانکہ بھائی جیسے اس کے اندر عیوب ہیں ویسے ہی تمہارے اندر بلکہ اس سے زیادہ عیوب ہیں، تو جو تم اس کی پردہ دری پر خوش ہورہے ہو، کیا اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ دری پر قادر

نہیں ہیں۔ خوب سمجھ لو اگر تم اپنے بھائی کے عیب چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عیوب کو چھپائے رکھیں گے، اور تم دوسروں کے عیب کھولو گے تو دوسرا تمہارا عیب کھولے گا، اور آج کل کسی ماحول میں چلے جاؤ ہر جگہ یہ وبا عالمگیر پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے، اسی وجہ سے کوئی کسی پر ذرہ برابر اعتماد نہیں کرتا، تم خود اپنے متعلقین کا گہری نظر سے جائزہ لو، دیکھو کتنے ایسے ہیں جن کے بارے میں تمہیں اطمینان ہے کہ وہ کبھی تمہارے خلاف زبان وعمل سے کوئی حرکت نہیں کریں گے، یا کون ہے جو تم پر اتنا اطمینان کرتا ہے، مشکل سے ایک آدھ نکلے گا، بلکہ ایک بھی نہیں، یہ کیوں ہے؟ اسی لئے تو کہ ہر شخص دوسرے کی عیب چینی میں مشغول ہے، اپنا عیب کسی کو نظر نہیں آتا، اور آتا بھی ہے تو اہم نہیں سمجھتا، یہ خود بینی بھی بہت بری بلا ہے، اس سے بچنے کا بس یہ طریقہ ہے کہ اپنے اعمال وافعال کا ہر وقت محاسبہ کرتے رہو، اور اس طور پر کرو کہ ہمارے فلاں فعل سے خدا کی رضا مندی اور فلاں فعل سے خدا کی ناراضگی ہوتی ہے، اس نظریئے سے نہیں کہ فلاں کام کروں گا تو لوگوں کی نگاہ یا فلاں شخص کی نگاہ میں میری وقعت گر جائے گی، آج کل اگر غور کر کے جائزہ لو تو ہمارے زیادہ تر افعال واعمال کی بنیاد یہی ملے گی کہ فلاں کام ہماری بے عزتی کا باعث ہوگا، اسی لئے ایسا کام ہم تنہائی میں کر گزرتے ہیں، اور اگر وہ فعل ظاہر ہو جاتا ہے تو ہمیں بے انتہاء شرمندگی ہوتی ہے، اس کے برخلاف اچھے اعمال کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ اس سے ہماری وقعت وعزت ہوگی، اَقران وامثال یا اساتذہ واکابر کی نگاہ میں ہم معزز ہو جائیں گے۔ محنتی طالب علم محنت کرتا ہے کہ اچھے نمبر حاصل کرے، اور دیو بند میں فرسٹ کلاس کہلائے۔ زاہد اس لئے زُہد اختیار کرتا ہے کہ لوگوں میں عزت وحرمت بڑھے، یہ کون دیکھتا ہے کہ اللہ اس سے راضی ہوں گے، میرے بھائی یہی دنیا ہے، تم یہ نظریہ کبھی نہ اپناؤ، مخلوق کو لگاؤ جوتے اور خالق کو

دیکھو کہ کون سا عمل ان کو پسند آئے گا، چاہے دنیا ہزار ناپسند کرے، جب اس نقطۂ نظر سے اپنے اعمال پر غور کروگے تو نماز روزہ بھی باعث وبال نظر آئیں گے، کیونکہ نماز خدا کے نزدیک وہی پسند آتی ہے جو خشوع وخضوع اور حضورِ دل سے پڑھی جائے، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سب وبالِ جان معلوم ہوگا، کیونکہ کسی کام میں یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں خدا کا حکم پورا کررہا ہوں، سب لاپرواہی سے مشینی طور پر انجام پاتے ہیں بلا قصد وارادہ، میاں ایسا کام خدا لے کر کیا کریں گے، بہت تیقظ وبیداری کی ضرورت ہے، جب اپنے اعمال وافعال کا مسلسل محاسبہ کروگے تو اپنے عیوب مستحضر ہوجائیں گے، پھر تمہیں فرصت ہی نہیں ملے گی کہ دوسروں کے عیب کی جستجو میں پڑو، دل کی مثال ایک زمین کی سی ہے جس پر مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے، ہر وقت طرح طرح کے خیالات اس پر گزرتے رہتے ہیں، تم غور سے دیکھو ان میں کتنے ایسے خیالات ہوتے ہیں کہ جن کو لوگوں کے سامنے بیان کرسکتے ہو، اب تم سوچو سب خیالات خداوند کریم دیکھ اور سن رہے ہیں، آدمی کو تو شرمندگی سے کٹ جانا چاہئے، مگر بے حیا جئے جاتا ہے، یقین ہے کہ کل میدانِ قیامت میں سب راز ظاہر کردئے جائیں گے، جب یہ بات سامنے ہوگی تو اپنے اندر کوئی ہنر اور خوبی نہیں معلوم ہوگی، اور یہی مطلوب ہے۔

اب رہ گیا مسئلہ تنعم کا، تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی مالی حیثیت بلند ہے، اور وہ اسی بلندی پر رہتے ہیں، باقی لوگ متوسط طبقہ میں ہیں، وہ بھی انھیں کی ریس کرتے ہیں، مالداروں میں عیش پرستی لازماً آہی جاتی ہے، اور وہ اس کا نام تمدن رکھتے ہیں، اور اس تمدن کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ بلائے جان ہے، اور تم لوگوں کو چونکہ اس ماحول سے باہر نکلنے نہیں دیا جاتا، اس لئے اس کے بالکل عادی ہوجاتے ہو اور اس کے خلاف میں عار محسوس ہوتا ہے۔ خیر اس پر

کبھی زبانی گفتگو میں مکمل بحث کروں گا، تمہیں اس سلسلے میں کرنا یہ ہے کہ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں ہر قسم کے تکلفات سے دور رہو، دارالعلوم دیوبند میں کھانے پکانے کا بہت رواج ہے، اور اس میں کافی انہماک رہتا ہے، ایسا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں فرصت بہت زیادہ ہے، اس کے علاوہ زرق برق لباس کا بھی اہتمام رہتا ہے یہ سب تکلفات میں داخل ہے، وقت پر جو میسر آئے اللہ کا شکر ادا کر کے کھالو، زیادہ پسند وناپسند اور لذتِ کام ودہن کے چکر میں نہ پڑو، ، ہفتہ میں ایک مرتبہ کپڑا بدلنے کو کافی سمجھو، سامان کم سے کم رکھو، خوامخواہ زیادہ سامان کا بوجھ نہ رکھو، نرم گرم بستروں پر سونے والا صبح کی نماز کیسے پڑھے گا، اوقاتِ درس میں کیسے بیٹھے گا، تم اپنے مشاغل علمیہ میں اتنا منہمک رہو کہ ان سب کاموں کی جانب توجہ کرنے کی فرصت ہی رہے، غالباً حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی خدمت میں ایک نوجوان آیا، رہنے لگا، اس کے بال بڑھے اور بکھرے ہوئے، خط بڑھا ہوا، کپڑے میلے، غرض حالت خراب وخستہ، لوگوں نے کہا میاں اپنی صورت تو ٹھیک کرلو، کپڑے دھولو، اس نے کہا مجھے فرصت نہیں، شاہ صاحب نے اس جواب کو سنا تو ان کو وجد آگیا، فرمایا یہ کام کا آدمی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ تم گندے رہو، لیکن ایسے بھی نہ رہو کہ جب کوئی دیکھے یہی سمجھے کہ ابھی نیا لباس پہنا ہے، میاں طالب علم کو اتنی فرصت کہاں، عیش کو حرام کرو، تب علم آوے گا، ورنہ مولوی کا نام لگ جائے گا اور کچھ نہ ہوگا۔

عام وخاص، ہر گناہ سے بچنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اول گناہ کو گناہ جان لو، اور اللہ تعالیٰ کا استحضار رکھو کہ وہ مجھے ہر وقت اور ہر حال میں دیکھ رہے ہیں، اور میرا کوئی فعل ان سے پوشیدہ نہیں ہے، اور ہمت سے کام لے کر ایک ایک گناہ ترک کرتے چلے جاؤ، اللہ کی جناب میں توبہ ہر روز کرو، اور ہر گناہ سے کرو، انشاء اللہ خیر کا

دروازہ کھلے گا۔

اور ہاں طلباء کے ساتھ زیادہ خلا ملا ہرگز نہ رکھو، زیادہ تر تنہائی میں رہ کر کتاب میں مشغول رہنے کی کوشش کرو، زیادہ خرابی مجلس ہی سے آتی ہے، آج کل حقیقی دوست جو خیر پر مدد کرے اور شر سے بچائے، کمیاب ہی نہیں نایاب ہے۔ اس لئے ہر شخص سے احتراز کرو، خصوصاً اپنے قریبی جن سے زیادہ بے تکلفی ہو ان سے کم سے کم ملو، اساتذہ میں سوائے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اور کسی کے پاس جانا کچھ مفید نہیں ہوگا، بلکہ مضر ہی ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حصول علم کا مقصد رضائے خداوندی بناؤ، اور رضاء کے لئے جو چیزیں مفید ہیں، ان کو استعمال کرو، باقی سب ترک کرو اور ہر وقت اپنے اعمال واحوال کا تنقیدی جائزہ لیتے رہو، اپنے نفس سے کبھی مطمئن نہ رہو۔

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　　تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

دعا کا طالب ہوں، اور دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ علم نافع، عمل صالح اور اپنی رضا سے نوازیں۔ آمین

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۱۸/ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۲۱)

عزیزم مولوی وسیم احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا عربی مکتوب ملا، بارك الله فيك بعض اغلاط ہیں، کوشش اور محنت کرتے رہوگے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ خاص لحاظ کرنے کی بات یہ ہے کہ الفاظ کے مظان (مواقع) استعمال معلوم کرو، ایک ہی لفظ اُردو میں دوسرے معنوں میں،

اورعربی میں دوسرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس کو پہچاننا ضروری ہے، مثلاً مضمون اردو میں جس معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، عربی میں اس معنی میں نہیں آتا ہے، اس فرق کو بہت دقت نگاہ سے سمجھنا ہوگا، معلم الانشاء حصہ دوم، سوم کا مطالعہ غور سے کرو، تو بہت کچھ معلوم ہو جائے گا، کچھ الفاظ کی فہرست اس کے آخر میں بھی ہے، اس کے علاوہ عربی میں مؤنث معنوی کی خاصی تعداد آتی ہے، اس کی جستجو کرتے رہو، اسی طرح موصوف صفت کی موافقت بہت اہم اور ضروری ہے، اس میں بہت غلطی واقع ہوتی ہے۔ الحمدللہ میں بخیر ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۸/ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

(۲۲)

عزیزم وسیم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو سوال تم نے اُٹھایا ہے وہ خاصا تفصیل طلب ہے، اتنا موقع میرے پاس کہاں کہ اس کو مفصل تحریر کرسکوں، کبھی ملاقات ہو اور یاد دلاؤ تو کسی قدر تفصیل عرض کردوں گا، خلاصہ اس کا یہ سمجھو کہ **المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ** ، حدیث میں آیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ یہی نا کہ حقیقت میں مسلمان کہلانے مستحق وہی ہے جس کی زبان یا ہاتھ سے دوسرے مسلمان اپنے کو محفوظ سمجھیں، اور اب ایسا سو میں ایک بھی نظر نہیں آتا، اس لئے کہ روحِ اسلام لوگوں کے قلوب سے نکل چکی ہے۔

سلطنت جسم کا سلطان ''قلب'' ہے، یاروں نے اسے مہمل چھوڑ دیا ہے، یہ

سارے امراض وہیں سے اُبلتے ہیں، سب کا منبع وہی ہے، اب دنیا والے جسم وصورت کی آراستگی وزیبائش میں اس طرح منہمک ہیں کہ سلطان قلب کی جانب کسی کو توجہ وخیال ہی نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نجاستوں اور پلیدگیوں سے بھر گیا، پھر برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی باہر نکلتا ہے، ظاہر ہے کہ دنیا کا اس کے بعد بے اطمینانی، بدگمانی، اضطراب، بے اعتمادی سے بھرنا ضروری تھا، چنانچہ یہی ہوا، یہ سب اسی لئے ہوا کہ دل نہیں سنورا، اب کوئی چاہے کہ یہ خصائل بد چھوڑے تو نہیں چھوڑ سکتا، کیونکہ جڑ خراب ہوچکی ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھوں نے اس نکتہ کو سمجھا اوراس کی اصلاح کرلی، یہ تو تمہارے سوال کا مجمل جواب ہے۔

اب یہ بتاتا ہوں کہ ساری دنیا کا چکر چھوڑ دو، دوست واحباب سے منہ موڑلو، اپنے اس لطیفۂ قلب کو جو درحقیقت لطیفۂ غیبی ہے، اس کو درست کرنے کی جانب توجہ دو، اگر تمہارا قلب احکامِ الٰہی میں رنگ گیا تو بس سب ٹھیک ہے، اوراس کی درستگی موقوف ہے کسی ایسے شخص پر جو اپنا قلب درست کر چکا ہو۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحب (مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ، المتوفی ستمبر ۱۹۹۶ء) کی ہستی اس کے لئے بہت مناسب ہے، اگر ان کے پاس آمد ورفت رکھو تو بہت بہتر ہے، لیکن اس میں یہ نیت نہ ہونے پائے کہ حضرت مفتی صاحب کا مقرب بن جاؤں گا، اوراپنے اقران وامثال میں امتیاز کا موقع ملے گا، اس نیت سے تباہی آئے گی۔ مقصد یہ ہو کہ حضرت کی صحبت نیک کی برکت سے نیک وبد کی تمیز آئے گی، نفحاتِ الٰہیہ جو بزرگان دین کے قلوبِ صافیہ پر دم بدم متوجہ ہوتے رہتے ہیں، ان کی کچھ لپٹیں ہم ناکاروں پر بھی منعطف ہوجائیں، اس طرح قلوب کی اصلاح ودرستگی کا موقع بہم پہونچ جائے۔

اگر میرا یہ مشورہ کسی درجہ میں قابل عمل ہو، تو حضرت مفتی صاحب کو ایک پرچہ کے ذریعہ اپنا مقصود بتلا دو، پھر وقتاً فوقتاً ادب وتواضع کے ساتھ ان کی صحبت میں بیٹھا کرو، اوران کے کسی قول وفعل پر لساناً وقلباً کسی طرح کا اعتراض وانکار نہ کرو، انشاء اللہ بہت جلد فائدہ محسوس کروگے۔

میرے عزیزو! موجودہ حالات میں یہ امر بہت ضروری ہے، اگر مناسب سمجھو تو حضرت پر یہ بھی ظاہر کردو کہ ایک شخص کی ہدایت پر ایسا کررہا ہوں، اور مناسب موقع دیکھ کر میرے لئے بھی دعاء کی درخواست کردو، اور ہاں! کسی کے کہنے سننے پر کان نہ دھرنا، آج کل خیر خواہ مفقود اور بدخواہ بہت ہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب

میں جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں مدرس تھا۔قدوری کے طلباء کی ایک چھوٹی سی جماعت میرے سامنے بیٹھی تھی ، ایک کمسن طالب علم نے قدوری کی عبارت پڑھنی شروع کی ، بہت صاف اور بہت صحیح۔آواز قدرے بلند، میں نے استعجاب کی نظر اس پر ڈالی ۔شکل وصورت سے معمولی اور لباس سے بہت غریب معلوم ہوتا تھا۔میں نے اس پر خصوصی توجہ کی ، میری نگرانی میں اس نے دیوبند تک تعلیم حاصل کی ۔ وہ بہت غریب اور یتیم طالب علم تھا، پھر اللہ نے اسے نوازا، اس کے ذریعہ سے علم دین کی خوب اشاعت ہوئی اور بکثرت علماء تیار ہوئے۔ یہ ہیں مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب ! جواب اپنے وطن بھوارہ ضلع مدھوبنی میں قاضی شریعت اور مدرسہ فلاح المسلمین کے صدر مدرس ہیں۔اللہ ان کی عمر اور علم میں برکت عطا فرمائے۔

عزیزم محمد حبیب اللہ سلّمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں ایک ملفوف ملا تھا، آج کارڈ ملا، حالات معلوم ہونے سے سکون ہوتا ہے، آج سے پڑھائی کا آغاز تو ہوگیا ہوگا، ہرطرف سے کامل یکسوئی حاصل کرکے امورتعلیمی میں منہمک ہوجاؤ، رسمی طالب علمی جونام ہے بے قیدی اورآزادی کا۔ جو عبارت ہے لااُبالی پن اورغفلت ومدہوشی سے۔جس میں ہرطرح کی قید وبند سے رہائی حاصل ہوجاتی ہے،حتیٰ کہ ایمان اوراعمال ضروریہ کی بھی فکر باقی نہیں رہتی، ایسی طالب علمی سے بہت دورونفوررہنے کی ضرورت ہے۔

عزیزِمن!آج کل دور بڑے ہی فتنے کا ہے، قدم قدم پر فتنہ اُبلتا ہے، اور حسرت تو یہ ہے کہ اس کی نشاندہی کرنے والا کوئی نہیں ہے،نشاندہی تو الگ رہی اب الاماشاءاللہ فتنہ کوفتنہ سمجھنے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں، ورنہ فساد کوترقی وعروج کے مترادف سمجھا جاتا ہے، ایسے وقت میں علم صحیح حاصل ہوتو کہاں سے؟ اسی بنا پر کہتا ہوں کہ زیادہ اختلاط وتعلقات سے پرہیزضروری ہے، دیکھوجس کے پاس جو چیز ہوگی، اس کے اثرات سے تم محفوظ نہیں رہ سکتے، اگر عالم کی صحبت میں علم حاصل ہوتا ہےتو کیا جاہل کی صحبت میں اس کے جہل کے اثرِ بد سے محفوظ رہ سکتے ہو، اورمیاں! آج کل جن کو پڑھا لکھا خیال کیا جاتا ہے، وہ بیشتر جاہل ہوتے ہیں، سمجھے کیا کہہ رہاہوں پڑھا لکھا وہ ہے جس کے قلب وجوارح میں خوف وخشیت الٰہی کا اثر ہواللہ کی محبت اس کے دل میں ہو، دنیاوی جاہ وجلال سے اس کا دل سرد ہو، ایسے آدمی کتنے ملتے ہیں، اس کے علاوہ ہدایہ ومشکوٰۃ پڑھ لینے سے عالم کا نام تو لگ جاتا ہے، باقی حقیقت کہاں؟ اسی کورسمی طالب علمی کہا کرتا ہوں۔

میاں سنو! تم ایک بڑی بھیڑ میں پہونچے ہو، اس لئے مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں یارانِ طریقت تمہیں لے نہ ڈوبیں، خیریت گمنامی میں ہے، اگر یہ میسر نہ ہوتو بہر حال تعلقات تو بہت محدود و مختصر ہوں، درس کے علاوہ اوقات میں کتب خانہ میں رہا کرو، طلبہ کی عام مجالس جس کا دیو بند میں بہت رواج ہے، ہرگز ہرگز شریک نہ ہو، اور ہاں دیکھو جماعت اسلامی کے لٹریچر کے قریب بھی نہ پھٹکنا اور نہ اس کے افراد سے بات کرنا، اس سلسلے میں بہت کچھ بتا چکا ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر تمہیں اعتماد باقی ہوگا، میری مراد یہ ہے کہ طالب علمی، سچی طالب علمی ہو، اور پڑھ کر فارغ ہوتو چاہے معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ تمہارے پاس نہ ہو لیکن علم کا نور کچھ نہ کچھ حاصل ہو جائے اور بس ۔ میری اس گفتگو سے تم کیا سمجھے؟ تحریر کرو، میں الحمد للہ بخیر ہوں ۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۵/ذوقعدہ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم محمد حبیب اللہ سلّمہٗ! جعلك الله له حبيباً

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

کل شام کو تمہارا خط ملا، سوچتا تھا کہ کیا جواب لکھوں، آج صبح تھوڑی سی فرصت ملی، اقبال کی زبورِ عجم ہاتھوں میں تھی، کھولا تو یہ داؤدِ عجم یوں زمزمہ پرواز تھا

تو اے شاہیں نشیمن در چمن کردی ازاں ترسم

ہوائے او ببالِ تو دہد پرواز کوتاہے

غبارے گشتۂ آسودہ نتواں زیستن ایں جا
بباد صبحدم درپیچ ومنشیں برسرِ راہے
زجوئے کہکشاں بگذر، زنیل آسماں بگذر
زمنزل دل بمیرد، گرچہ باشد منزل ماہے
اگرزاں برقِ بے پروا، درونِ او تہی گردد
بچشمم کوہِ سینا می نیرزد، باپرِ کاہے

کچھ سمجھے! اقبال کہتا ہے کہ:

☆اے بلند ہمت شاہین! تم نے اپنا آشیانہ چمن میں بنالیا ہے، کچھ خبر بھی ہے، چمن کی آب وہوا بازوئے پرواز میں ضعف وشکستگی پیدا کردیتی ہے☆ (اقبال کا شاہین مومن ہے)☆ اوہو! تم غبار ہوگئے ہو، اور پھر راستہ میں بیٹھ گئے ہو، یہاں اطمینان کی زندگی نہیں گزرسکتی، ہر آنے والا پامال کرے گا، بادِ صبح میں اُڑ جاؤ، راستہ میں نہ بیٹھو☆ اور ہمت تو اتنی بلند رکھو کہ کہکشاں کی نہر روشن سے گزرجاؤ، آسمان کے نیل بیکراں سے آگے بڑھ جاؤ، اور منزل ہرگز نہ کرو، منزل کرنے سے دل مرجاتا ہے، خواہ چاند کی ہی منزل کیوں نہ ہو☆ کوہِ سینا جو اک مقدس وعظیم پہاڑ ہے، اگر وہ بھی اس برقِ بے پروا سے خالی ہوجائے تو میری نگاہ میں اس کی بھی وقعت تنکے کے برابر نہ رہے گی۔ (طورِ سینا پر تجلی الٰہی کا نزول ہوا تھا، شاعر نے برقِ بے پرواسے اسی کی جانب اشارہ کیا ہے)

ان اشعار کے نقل کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں نے اپنے جن لوگوں کو علم دین اور دین اور سب سے بڑھ کر طلبِ الٰہی کے شرارِ آرزو سے بھر کر بھیجا ہے، ہر وقت اندیشہ ناک رہتا ہوں کہ خداوندانِ مکتب ان کو رُوباہی کا سبق نہ دینے لگ

جائیں، میرے لوگوں کے سامنے ایک عظیم مقصد ہے، وہ ہے دین اور دین کے مالک کو پالینے کی لگن اور جنونِ آرزو، حطامِ دنیا تمہارا مقصد نہیں، عزت وجاہ تمہارا مطمح نظر نہیں، تمہیں عشق ودیوانگی ہی زیب دیتی ہے، دنیا میں عاقلوں اور فرزانوں کی کمی نہیں ہے، دیوانوں کی کمی ہے، نگاہ اُٹھاؤ، گردوپیش کو دیکھو، بیشتر ایسے ہیں جن کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ماں باپ نے بھیج دیا، آگئے اور بس۔ جو ذرا ان سے آگے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ پڑھ کر کسی دھندے میں لگیں گے، ان سے بڑھ کر وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عربی تحریر وتقریر کی مشق کر کے ملک عرب کی راہ لیں گے یہ سب کیا ہے؟ دنیا ہے، دین ایک بھی نہیں ہے، دین صرف یہ ہے کہ حصول علم کے راستے میں نظر خالق علم کے سوا کسی پر نہ ہو، اور یہ اتنا بڑا مقصد ہے کہ اس کے سامنے اور چیزوں کو مقصد کہنا ہی مہمل ہے، بھائی تم نے اچھی تقریر کر لی تو ایک اچھے مقرر ہو جاؤ گے، کیا آج کل کی تقریریں خدا کو پسند آتی ہیں، تم نے بہت عمدہ لکھنا سیکھ لیا تو مانا کہ اچھے مصنف بن جاؤ گے، لیکن کیا حاصل؟ یہ سب ہیچ ہے، ایک خدا کے ہو جاؤ، پھر وہ جو کام لینا چاہیں گے اس کا راستہ آسان کر دیں گے، ابھی صرف پڑھو، علم بڑھانے کی کوشش کرو، ذہن ودماغ کو جِلا دو، کتب درسیہ میں خاص محنت کرو، معصیت ونافرمانی سے دور بھاگو کہ اس کے ساتھ علم تو نہیں آسکتا چاہے معلومات بڑھ جائیں، یاد رکھو معلومات کا نام علم نہیں، علم اس نور کا نام ہے جو مومن کے قلب صافی میں رکھا جاتا ہے، جس سے حقائق اشیاء تک رسائی ہو جاتی ہے، دیکھو صحابہ کی صفت **أعمقهم علماً** آتی ہے، حالانکہ ان کے پاس معلومات بہت کم تھیں، اور یہ جو اخباری معلومات، صنعت وحرفت کی معلومات وتجربات کا نام علم رکھ دیا ہے، یہ سراسر جہل ہے، علم حقیقت میں وہ ہے جو رضائے الٰہی کا راستہ بتائے، لیکن خوب سمجھ لو آج کل یہ راستہ بالکل متروک ہے، اکیلے چلنا پڑے گا،

لوگ بہت ڈرائیں گے، کہ میاں کہاں جارہے ہو،اس راستے میں فقر ہے،غربت ہے ،ذلت ہے، ناکامی ہے،آہ! کہ وہ غافل ہیں،محبوب کے راستے کی فقیری عین امیری ہے،غربت ہی دولت ہے،ذلت کا نام عزت ہے، ناکامی ہی کامیابی سے عبارت ہے ، کچھ ڈرو نہیں ،گھبراؤ نہیں ۔اوروں کا جہاں اور ہے تیرا جہاں اور، کہاں ان ظالموں کے چکر میں پڑ لئے ، ہر انجمن کو تین طلاق دو، اور اپنے دل کی انجمن سجاؤ، دل کو مردہ کر کے زبان کو زندہ کرنا دورِ جدید کی لعنتوں میں سے ایک لعنت ہے۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بسر و سمن درآ
تو زغنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

جانتے ہو دارالعلوم ہو یا کوئی اور ادارہ،فساد کی اصل جڑ کیا ہے، یہی انجمن، اور انجمن سازی۔ بھائی! میں تو انجمن ہی کا کشتہ ہوں، بظاہر یہ بہت خوبصورت ہوتی ہے،لیکن یہ انسان کو کچھ دینے کے بجائے اس کی جان، مال، آبرو سب کچھ لے لیتی ہے،**فالحذر فالحذر** ۔شاید میری بات تمہیں انہونی اور اوپری معلوم ہو لیکن بھائی اگر میرے تجربے پر اعتماد ہے تو اس کو قبول کرلو،اب رہ گئی یہ بات کہ تمہارا نام آ گیا ہے، اب کیا کرو گے، اگر صراحۃً مخالفت کرو گے تو طلبہ پیچھے پڑ کر عافیت تنگ کر دیں گے، اس کی ترکیب یہ ہے کہ انجمن وغیرہ سے دلچسپی لینا بالکل کم کر دو، اور انجمن والوں پر ثابت کر دو کہ تمہارے اندر صلاحیت ہے ہی نہیں ، بس پیچھا چھوڑ دیں گے، اور ہاں دیکھو طلبۂ دارلعلوم میں علاقائی عصبیت بہت ہوتی ہے، یو پی بہار کا جھگڑا مستقل رہتا ہے، پھر ضلع ضلع کی الگ الگ مسجد ڈیڑھ اینٹ کی بنی ہوتی ہے،تم لوگوں کو ان جاہلانہ عصبیات سے بالکل الگ تھلگ رہنا ہے۔علم ودین کسی خاص علاقہ وخطہ کی جاگیر نہیں ہے ، ان سب چیزوں میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ مت کرلینا ، اگر کبھی ملنا جلنا ہو تو

دوسرے ہی ضلعوں کے لوگوں سے ملوجلو، اپنے ضلع کے لوگ بہت نقصان کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ہراس چیز سے دور رہو جو تمہاری تعلیم اور تعلیمی مشاغل میں حارج ہو، اور یہ جتنی چیزیں میں نے ذکر کی ہیں وہ سب انتہائی قاتل ہیں۔

یہ بات تو درست ہے کہ جماعت اسلامی کے لٹریچر میں ادبی ذخیرہ اچھا خاصا ہوتا ہے، لیکن اے بسا ابلیس آدم روئے ہست، قند کے اندر زہر ہلاہل ملا ہوا ہے، اور اس سے خاص طور سے اس لئے روکتا ہوں کہ یہ فتنہ دارلعلوم میں بہت سر اُٹھائے ہوئے ہے، اگر ادبی چیزیں حاصل ہی کرنی ہیں تو مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا علی میاں، مولانا سعید احمد اکبرآبادی وغیرہ کی کتابیں بہت کافی ہیں، اگر محنت کر کے سیرۃ النبی ہی کا مطالعہ کرڈالو تو ایک کام ہوجائے۔ مولانا بدرِ عالم صاحبؒ کی ترجمان السنہ بھی بہت عمدہ ہے، علم اور ادب، عشق ومحبت ہر اعتبار سے۔

قلبی کیفیات کے بارے میں جو کچھ تم نے لکھا ہے، تو یہ چیزیں از قبیل خواطر ہیں، ان سے کسی انسان کو مفر نہیں، ان کا علاج بس یہ ہے کہ ان کی طرف التفات بالکل نہ کیا جائے، یہ خیالات دل میں ہوتے ہی نہیں، شیطان باہر سے داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بس، جیسا کہ آئینہ پر پر مکھی بیٹھی ہو تو اس کے اندر نظر آتی ہے، حالانکہ باہر ہوتی ہے، ایسے ہی یہ خیالات دل کے باہر ہوتے ہیں، اندر نہیں، مگر اندر نظر آتے ہیں، کچھ مضر نہیں، ان کی فکر بالکل نہ کرو، توجہ اپنی پڑھائی لکھائی کی جانب منعطف رکھو۔

باقی آخری بات یہ ہے کہ خود را فضیحت اور دیگراں را نصیحت کا پورا پورا مصداق ہوں، بد ہوں بلکہ بدتر ہوں، تم لوگ دعا سے میری مدد کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوجائیں، آہ! شاید نظر عنایت ہوجائے، ایک رَو میں لکھتا چلا گیا، انتشارِ مضامین

بہت ہوگا، امید کہ میرا مقصد پالوگے۔ والسلام

فقیر و درماندہ، اعجاز احمد اعظمی

۱۳/ذوقعدہ ۱۳۹۵ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم محمد حبیب اللہ سلّمہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط کا مختصر جواب دے چکا ہوں۔ اس وقت فرصت بہت محدود تھی اس لئے چند سطروں پر اکتفا کیا، نیز کوئی بات ایسی ذہن میں تھی بھی نہیں جسے قابل تحریر سمجھتا۔ پھر اس کے بعد چند امور ذہن میں آئے، سوچتا رہا کہ لکھوں یا نہ، مگر پھر سوچا کہ لکھ دینا ہی مناسب ہوگا۔ ہوسکتا ہے کچھ مفید ہو۔

مدرسہ دیوبند میں سال کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ ابتدائی جو سہ ماہی امتحان پر پورا ہوجاتا ہے۔ ثانوی جو ششماہی امتحان پر تمام ہوتا ہے۔ پھر آخری جو سالانہ امتحان تک ممتد ہوتا ہے۔

اب غور سے جائزہ لو۔ سہ ماہی تک کیسا کچھ گزرا۔ اس سال کا یہ وقت وہ تھا جو تمہارے لئے نیا تھا، شناسائی محدود، تعلقات کم، اجنبیت زیادہ، ماحول سے آمیزکم کم۔ تم نے بھی کم لوگوں کو جانا پہچانا ہوگا۔ لوگ بھی تمہیں کم جانتے پہچانتے رہے ہوں گے۔ یہ وقت اس لحاظ سے بہت ٹھیک تھا کہ غفلت و بے احتیاطی کم رہی ہوگی۔

اب دوسرے مرحلے میں تم داخل ہوئے ہو، یہ مرحلہ زیادہ اہم ہے، کیونکہ کچھ تو امتدادِ وقت نے اور کچھ اعلان نتائج نے اور اس سے قبل امتحان کی ہماہمی نے تمہیں روشناس کرایا ہوگا۔ اس کے بعد آدمی میں ایک خاص قسم کا ولولہ پیدا ہوتا ہے،

اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ لوگ ہمیں جانتے ہیں۔اس کے نتیجے میں شہرت طلبی کا جذبہ ترقی پا کر تعلقات کو وسیع کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہ جذبہ بظاہر اچھا اور بے ضرر معلوم ہوتا ہے۔اس میں دوسروں کو فائدہ پہونچانے اور دوسروں سے کچھ حاصل کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے، لیکن تم جانتے ہو یہ صورت حال میری نگاہ میں خاصی مضر ہے۔اتنی کہ بعض اوقات آدمی کی صلاحیتیں غلط رُخ پر ہو لیتی ہیں اور نتیجہ بربادی تک پہونچ جاتا ہے،اس لئے میں اب خاص طور سے ہدایت کرتا ہوں کہ بہت سختی سے اپنے آپ کا اور وقت کا محاسبہ اور جائزہ لو۔ جہاں کہیں رخنہ پیدا ہو گیا ہو یا پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، ہوشیاری کے ساتھ بند کردو۔آدمی کے وقت اور صلاحیت کو دو چیزیں گھن کی طرح کھاتی ہیں۔ بہت زیادہ گفتگو میں حصہ لینا۔اپنے مزاج و کام کے خلاف افراد سے تعلقات۔اب ضرورت ہے کہ محنت و مشقت نے تمہیں جس جگہ لا کھڑا کیا ہے اب وہاں سے آگے بڑھو۔اس وقت ساری قوت تمامتر صلاحیت اسی ایک کام پر لگنی چاہئے۔ وقت کی قدر و قیمت اس مرحلہ میں اور بڑھ گئی ہے۔ یکسوئی بہت ضروری ہے،اسباق بہت غور سے مطالعہ کرنے کے بعد پڑھنے جاؤ،اب اساتذہ کی تقریریں مختصر اور مجمل ہوں گی۔سمجھنے میں دقت ہوگی ، مطالعہ ہی ایسے موقع پر کام آئے گا،کوئی بات سمجھے بغیر نہ گزرو۔اور سمجھنا بھی ایسا کہ اس کے سمجھانے پر قدرت ہو جائے ، کتاب خواہ کوئی ہو، پوری مستعدی کے ساتھ مطالعہ کرو۔خصوصاً ہدایہ اخیرین ،اول کتاب کو بغیر کسی شرح وحاشیہ کی معاونت کے ذہن پر زور ڈال کر سمجھنے کی کوشش کرو۔اگر کام نہ چل سکے تب کسی شرح وحاشیہ کا رُخ کرو، اگر شرح دیکھنے کی ضرورت ہو تو ہدایہ کے سلسلے میں بجائے فتح القدیر کے عنایہ زیادہ بہتر ہوگی ، وہ مختصر اور واضح ہے، میبذی کیلئے عین القضاۃ۔اساتذہ کا لفظ لفظ سننے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔سبق کے بعد

پھراس پرایک دوبارنگاہ ڈالو، یہاں تک کہ مسئلہ بالکل ہضم ہوجائے،اور بغیر کتاب دیکھےاس کے بیان کی قدرت ہوجائے۔ یہ اُصول تعلیم کارکھو۔مختصرطور پراصولی بات بیان کردی،اگرکوئی سوال ہوتو پوچھ لینا۔

اب دوسری بات سنو! دارالعلوم کا ماحول تواب بالکل سمجھ چکے ہوگے کہ کیا ہے، مجھے یہ معلوم ہے کہ جماعت اسلامی وغیرہ سے تمہیں بہت بعد ہے۔الحمدللہ یہ بہت اچھی بات ہے،ابھی ان کے لٹریچر کو ہاتھ نہ لگانا اور نہ ایسےلوگوں سے ملنا۔بہت دور رہنے کی کوشش کرو۔اگرکوئی اس کے مطالعہ کیلئے رہنمائی کرےاوروسیع النظر بننے کا مغالطہ دےتو ہرگز فریب میں نہ آنا۔اس زمانے میں وسیع النظری بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی نابالغ کوطوائف خانوں کےطواف کی ہدایت کی جائے۔اول صلابت فکر کی ضرورت ہے، پھروسیع النظر ہونے کا مطلب درست رہتا ہے۔ہرگزفریب میں نہ آنا خواہ تمہیں کتنا ہی تنگ نظر،متعصب،کوتاہ بیں وغیرہ کہا جائے۔یہ سب فریب ہے، کسی انجمن، کسی مجلس، کسی کمیٹی میں ہرگز نہ پھٹکو۔ دربھنگہ والوں کی کوئی انجمن نہضۂ شبان المسلمین ہے، یااسی طرح کا کچھ اور نام ہے،اس سے بھی دور ہی رہو، مجھ کو یہ سب مضرہی معلوم ہوتی ہیں۔

تیسری بات سنو!اپنے اعمال کے سلسلے میں مضبوط رہو۔نماز باجماعت سب سے اولین فریضہ ہے۔تلاوت ہمیشہ کرتے رہو، مجھے افسوس ہے کہ تمہارے دونوں قرآن مجید کے نسخے میرے ہی پاس رہ گئے۔انشاءاللہ آؤں گا تو لیتا آؤں گا۔بہر کیف تلاوت ضروری ہے، بعدنمازِ فجر سورۂ یٰسین، بعدنمازِ مغرب سورہ واقعہ اور بعد نمازِ عشاء سورہ ملک اورسورہ الم سجدہ اور ہوسکےتو سورہ دخان بھی، نیز جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنے کا معمول رکھو، اس میں بے انتہا فوائد ہیں۔اورکوئی بہت زیادہ وقت

صرف نہیں ہوتا۔ دعاء استخارہ تم لوگوں نے یاد کی تھی، اس کو بھی ایک بار کسی نماز کے بعد باستحضارِ قلب پڑھ لیا کرو۔

آخری بات سنو! پڑھنے میں یہ نیت وارادہ ہرگز نہ رکھو کہ ذریعہ معاش کا ایک دھندا ہے، بلکہ قصد صرف یہ رکھو کہ علم دین حاصل کر کے اس کے مقتضیات پر عامل ہوں گے اور اس طرح اپنے رب کو راضی کریں گے۔ رزق ومعاش کے کفیل حضرت حق ہیں۔ ڈھلمل یقین مولویوں کی طرح اس چکر میں ہرگز نہ پڑنا۔ یہ خط اپنے سب ساتھیوں کو سنا دینا، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم محمد حبیب اللہ سلّمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فتنہ کی خبر سے طبیعت کو تشویش ہوئی، آج کل فتنے جنگل کی آگ کی طرح پھیلتے ہیں، فتنوں کی طرف جہاں کسی نے نگاہ اُٹھائی، وہ گیا۔ ان فتنوں میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، فتنے خود لپک لپک کر لگتے ہیں، اس لئے خوب مضبوط رہ کر محفوظ رہنے کی کوشش کرو، جو لوگ فتنے میں پڑے ہوئے ہیں ان سے بالکل نہ ملو، نہ ان کی گفتگو میں حصہ لو۔ زبان کو لگام دے لو، کان بند کر لو، نہ بولو اور نہ سنو، اور اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ اللّٰھم إني أعوذ بک من الفتن ماظھر منھا ومابطن، رسول اکرم ﷺ کی وصیت ہے کہ فتنوں میں بیٹھنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہے، اور لیٹ جانے والا اس سے بہتر ہے، بعض اوقات طبیعت کے جوش کا تقاضا ہوتا ہے کہ

فلاں تحریک ہمارے اور طلبہ اور فلاں فلاں کے مفاد میں ہے، اس میں حصہ لینا مناسب ہے، یہ بات بہت مضر ہے، خبردار! یکسوئی سے بڑھ کر دولت نہیں، میں تم لوگوں کو آج کل کے فتنوں سے بہت ڈرا چکا ہوں، اور ڈراتا رہتا ہوں، اس کو خوب اچھی طرح گرہ میں باندھ لو اور سب ساتھیوں کو بھی میری یہ بات پہنچادو۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲۲؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تمہارا خط ملا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے، تم میرا طریقہ سمجھے ہوئے ہو، غلطی سب سے ہوتی ہے، غلطی پر اَڑنا برا ہے، خدا کا شکر ہے تم ایسے نہیں ہو۔

اگر والدہ کا کوئی اہم کام ہو، تو ضرور بمبئی چلے جاؤ، لیکن خواہش ملاقات کی تھی، اگر چھٹی کے معاً بعد یہاں آجاتے، تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، ویسے تم اپنی سہولت دیکھ لو، یہ معلوم کرلو کہ وہاں ( دیوبند ) سے بمبئی کا کرایہ کیا ہے؟ اگر کوئی صورت جمع بین الصورتین کی نکل سکے تو بہتر ہے، ورنہ میری مرضی پر والدہ کی مرضی مقدم ہے، البتہ اس کا خیال رکھو کہ جتنی دیر بمبئی میں کام ہو اتنا ہی ٹھہرو، مزید وہاں رہنے کی کوشش نہ کرنا، بمبئی ایسا شہر ہے جہاں دنیوی زیب وزینت اور مال ومتاع اس قدر ہیں کہ کسی کمزور انسان کا بچ نکلنا بڑا مشکل ہے۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲۳؍ رجب ۱۳۹۶ھ

☆☆☆☆☆

(مکتوب الیہ کے گھر میں چوری ہوگئی تھی، اس موقع پر یہ خط لکھا گیا)

عزیزم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تمہارا خط ملا۔ بڑا انتظار تھا، حالات معلوم ہوئے، خدا کا شکر ادا کیا، کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا، لیکن جو کچھ ہوا یہ بھی بہت ہے، حق تعالیٰ تمام نقصان کی تلافی فرمائیں، اور نعم البدل عطا فرمائیں۔

کتوں کے رونے کی کوئی اصل از روئے شرع مجھے معلوم نہیں۔ یہاں بھی روزانہ تجربہ ہوتا ہے، الہ آباد میں تھا، تو وہاں بھی یہی دیکھتا تھا، کبھی کبھی میرے ذہن میں بھی کھٹک پیدا ہوتی تھی، لیکن کبھی اس کے حل کی طرف ذہن نہیں گیا، بس یہ سوچ لیتا تھا کہ اذان کی آواز میں ایک طرح کا تسلسل ہوتا ہے، کتے اس سے متاثر ہوتے ہیں، اور وہ بھی آواز ملانے لگتے ہیں، چنانچہ اذان کی آواز سن کر وہ معتاد طریقہ پر نہیں بھونکتے بلکہ ایسی آواز نکالتے ہیں جس میں تسلسل ہوتا ہے، کبھی یہ توجیہ ذہن میں آتی کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے **ولہ ضراط** ، کتوں کی طبیعت کو شیطان سے خاص مناسبت ہے، جیسا کہ حدیث میں اس کا ذکر ہے، تو ان کے بھاگنے سے، اور بھگدڑ کی آواز سے کتے بھی متاثر ہوتے ہیں، اور بولنے لگتے ہیں، یہی دونوں توجیہیں ذہن میں آیا کرتی تھیں۔ باقی کسی کتاب میں اس مسئلے پر کچھ نہیں دیکھا۔

بعض اوقات کسی مصیبت کے آنے سے پہلے یا بعد میں کتے روتے ہیں، اس لئے کہ مصائب کی شکل مثالی انسانوں کے علاوہ دوسرے جانوروں پر کبھی کبھی منکشف ہوتی ہے، ایسا ہونا کچھ بعید نہیں ہے، تمہارے یہاں ایک بھونچال آچکا ہے، ہوسکتا ہے اس کی صورت مثالیہ سے کتے متوحش ہوتے ہوں۔ **والعلم عند اللہ**

**والسلام**

اعجاز احمد اعظمی

۱۵؍صفر ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درس قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، بہت اچھا کیا، معارف القرآن دیکھ لیا کرو، اسے پڑھ کر سنانا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا، قرآن کی اصل تفسیر کے لئے تفسیر ابن کثیر کو پیش نظر رکھو، لیکن ہم لوگوں کو صرف تفسیر بیان کرنا مطلوب نہیں ہے، ایک مقصد تذکیر بھی ہے، اور تذکیر کے لئے ہر جگہ کا اندازِ بیان، لہجہ اور معلومات الگ الگ ہوتے ہیں، اس کا انطباق کرنا، اور موجودہ ماحول کی اس سے اصلاح کرنی، ایک اہم کام ہے، اس لئے وعظ کے طور پر ہی مناسب ہے۔ اللہ کے کلام کے متعلق تمہارا خوف بالکل بجا ہے، یہ خوف ہمہ وقت رہنا چاہئے، لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ کتاب سنا دی جائے، مراداتِ قرآنیہ کا علم کتابوں سے حاصل کر کے محفوظ رکھو، پھر اس کا سہل بیان اور حالات حاضرہ پر اس کی تطبیق کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں۔

مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قائم و باقی رکھیں اور اس سے راضی رہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹؍جمادی الاخریٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۴؍دسمبر ۱۹۹۳ء

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی عبدالشکور صاحب دربھنگوی

مولانا مفتی عبدالشکور صاحب دربھنگوی (سابق مدرس مدرسہ عربیہ اشرفیہ پوہدی بیلا، ضلع دربھنگہ) حضرت مولانا مدظلہٗ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں حاصل کی، اس وقت حضرت مولانا وہیں مدرس تھے، پھر ایک سال مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں رہے، مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سے مدرسہ دینیہ غازی پور میں پڑھی، اور مظاہر علوم سہارن پور سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی، افتاء مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے کیا، پھر مدرسہ دینیہ غازی پور اور مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اب اپنے آبائی گاؤں سیسونی ضلع دربھنگہ میں ایک دینی درسگاہ چلا رہے ہیں۔

(ضیاء الحق خیرآبادی)

حبی و محبی عزیزی مولوی عبدالشکور!

عافاك الله تعالىٰ فى الدنيا والآخرة

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

الحمد للهِ رب العٰلمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين ،،

اس سے پہلے محمد اسرائیل کو ایک مفصل خط لکھا ہے، اس کا خلاصہ تم کو بھی ایک کارڈ پر لکھ دیا تھا، لیکن میری غفلت سے وہ کارڈ میرے پاس ہی پڑا رہ گیا، اب دوبارہ اسرائیل کا خط آیا اور اس کے جواب میں پھر ایک مفصل مضمون قلم بند ہوگیا، اسے تمہارے پاس من وعن بھیج رہا ہوں، شاید نفع ہو۔

ایک حدیث ..........جس کو امامِ ربّانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ نے اپنے اپنے مکتوبات میں کہیں کہیں نقل کیا ہے..........میں آیا ہے کہ بندے سے خدا تعالیٰ کے اعراض کی علامت اس کا لایعنی میں اشتغال ہے، لایعنی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں دنیا وآخرت کا کوئی فائدہ نہ ہو، دنیوی فائدہ سے مراد مباح فائدہ ہے ورنہ گناہوں میں بھی ایک عارضی ووقتی فائدہ اور لذت محسوس ہوتی ہے جس کو دنیادار فائدہ تصور کرتا ہے، درحقیقت گناہوں میں ابتلاء اللہ تعالیٰ کے اعراض کی علامت نہیں بلکہ اس کے قہر وغضب میں مبتلا ہونے کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ کے اعراض کی نشانی کسی ایسے کام میں اشتغال ہے جس سے نہ کوئی دنیوی مباح نفع ہو اور نہ اخروی منفعت!

اس اصول پر ہم تم اپنے اوقات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوجائے گا کہ کس وقت خدا کی رحمت وعنایت ہم پر متوجہ ہوتی ہے، اور کس وقت ان کی مبارک توجہ وعنایت سے ہم محروم ہوتے ہیں، اور کس وقت ان کا قہر وغضب ہماری حرکتوں پر نازل ہوتا ہے

، اللہ کی طاعت، تعلیم میں مشغولیت، بقدر ضرورت تفریح اور تعلیمی تازگی حاصل کرنے کی غرض سے دوستوں سے باہم ہنس بول لینا یہ چیزیں اللہ کی عنایت ورحمت کے لئے جالب (کھینچنے والی) ہیں۔ بے ضرورت تفریح، مباحات میں غلو، اور فضول گھومنا پھرنا ہمیں خدا کی رحمت سے دور کردیتا ہے، گناہوں کے اندر ابتلاء خدا کے قہر وغضب میں انسان کو ڈال دیتا ہے۔

ہر انسان کا عموماً اور ہر مسلمان کا خصوصاً فرضِ اولین ہے کہ وہ اپنے مالک ومعبود اور خالق ومربی کی رضا اور خوشنودی کے لئے کوشاں رہے، عشاق اپنے محبوب کے لئے جان کی بازی لگادینا آسان سمجھتے ہیں، خدا کی رضا کے لئے اگر جان کی بازی لگائی جائے تو عین مناسب ہے کہ ہر مسلمان نے کلمۂ توحید پڑھ کر خدا سے عہد وفا باندھا ہے کہ خدایا! ہم آپ کی اطاعت کریں گے، اور طالب علم نے تو مدرسہ میں داخل ہوکر اور وراثت نبوی کو حاصل کرنے کی نیت کرکے اس عہد وپیمان کی تجدید کی ہے، اسے تو ہر وقت اپنا یہ عہد وپیمان مستحضر رکھنا چاہئے، اس کی کوتاہی عجب نہیں کہ ناقابل معافی جرم بن جائے، ہر وقت دیکھ بھال رکھنی ضروری ہے، ہمارے مورثِ اعلیٰ سید الموجودات سرور کائنات فخر بنی آدم سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ **فداہ ابی وامی وروحی وقلبی علیہ الف الف تحیۃ وصلوۃ** ہیں، آپ ہمارے روحانی باپ ہیں، جن کا ترکہ حاصل کرنا ہے، پھر

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو — پھر پسر قابل میراثِ پدر کیونکر ہو

اگر ان سے ہماری نسبت اور ہمارا رشتہ منقطع ہوگیا تو یقیناً ہم ترکہ پانے سے محروم رہیں گے۔ دیکھو وارث اور مورث کے دین میں تباین ہو، یا وارث نے مورث کو قتل کردیا ہو تو وہ اپنے حق سے محروم کردیا جاتا ہے، بس یوں ہی سمجھ لو کہ حضرت رسول

مقبول ﷺ کا دین اور طریقہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی کا حصول ہے، اگر ہم نے اپنا مذہب نافرمانی بنالیا یا کم ازکم فرمانبرداری کی لگن سے ہم خالی ہو گئے تو طریقہ بدل گیا، یا اگر ہم نے آپ کی سنتوں اور طریقوں کو ترک کرنا اپنا دستور بنالیا یا کم ازکم ان کا اہتمام باقی نہیں رکھا تو ہم .......... معاذ اللہ سو بار اللہ کی پناہ! **أعاذنا الله منه وسائر المسلمين** .......... آپ کی لائی ہوئی شریعت کے قاتل ثابت ہوں گے، سوچو کیسی محرومی کی بات ہے، کیا اس کے بعد بھی آپ کا ترکہ ہمیں ملے گا۔

دیکھو یہ سطریں لکھتے ہوئے میرا دل کانپ گیا، بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا گئیں، کیا ہم نے اپنے آپ کو اس سطح پر اتار لیا ہے، جہاں ہم کو اس طرح خطاب کیا جائے؟ اللہ سے توفیق مانگو، استعاذہ کرو، **اللّٰهم نسألك علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقبلاً ونعوذبك من علمٍ لا ينفع وقلبٍ لايخشع ومن دعوةٍ لا يستجاب لها** (اے اللہ! ہم آپ سے سوال کرتے ہیں علم نافع کا، رزق پاکیزہ کا، عمل مقبول کا اور ہم آپ کی پناہ میں آتے ہیں ایسے علم سے جو نافع نہ ہو، ایسے قلب سے جو خشوع سے خالی ہو، اور ایسی دعا سے جو قبولیت سے محروم ہو)

اصل یہ ہے کہ آدمی کو ہر وقت ایک دھن ہونی چاہئے کہ اللہ کی رضا کہاں سے، کس عمل سے، اور کس نیت وارادہ سے حاصل ہوسکتی ہے، اسی میں آدمی غلطاں وپیچاں رہے، سوچ سوچ کر ایسے اعمال اختیار کرے اور دل کی نیت ایسی بنائے جس سے حق تعالیٰ خوش ہوں، باقی سب ہیچ ہے، نہ دنیا کچھ ہے اور نہ اہل دنیا کچھ ہیں، سب پر جھاڑو پھیرو، پھر کیا ہوگا، بس تمہیں کیا بتاؤں، میں بتاؤں تو میری حیثیت کیا؟ ان کی زبان سے سنو جن کی صداقت وامانت پر دنیا اس وقت سے ایمان لائی ہوئی ہے جبکہ انھوں نے ایمان لانے کی ابھی دعوت بھی نہیں دی تھی، حق تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

**یا عبدی أنا أقول للشئ کن ، فیکون أطعنی أجعلک تقول للشئ کن ، فیکون** (اے میرے بندے! میں جب کسی چیز کے متعلق کہتا ہوں کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے، تم میری فرمانبرداری کرو، میں تم کو بھی ایسا بنادوں گا کہ تم کسی چیز سے کہو گے کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی) اور **رُبَّ أشعث اغبر مدفوع بالابواب لو أقسم علی اللہ لأبرہ** (بعض پراگندہ بال، غبار آلود، دروازوں سے دھکا کھائے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر اعتماد کر کے کسی بات پر قسم کھالیں، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمادیں گے) اور **وإن من عباد اللہ من أقسم علی اللہ أن یزیل جبلاً أو الجبال عن أماکنها لأزالها وأن لا یقیم القیامة لما أقامها** (بعض اللہ کے بندے اس مرتبہ ومقام ے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں کہ وہ کسی پہاڑ کو یا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹادیں گے، اور یہ کہ قیامت نہ قائم کریں، تو اللہ تعالیٰ قائم نہ کریں گے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج:۲، ص:۳۶۷)

دیکھتے ہو! یہ بشارتیں تو دنیا ہی میں ہیں، اور آخرت کی قدردانیاں تو جانتے ہی ہو، اگر جنت کی ہوا بھی لگ جائے تو بندہ نہال ہو جائے، مگر یہاں تو قدردانی کی وہ معراج ہے کہ رنگ ہی نرالا ہے، فرماتے ہیں: **إن المومن یأتیه التُّحَفُ من اللہ مکتوب علیها من الحیّ الذی لا یموت إلی الحیّ الذی لا یموت** (مومن کے پاس اللہ کی طرف سے تحفے آئیں گے، ان پر جو مہر ہوگی اس کی عبارت یہ ہوگی ''اس ذات کی طرف سے جو زندہ ہے، اسے موت نہیں آسکتی، اس شخص کی طرف جو زندہ ہے، اسے بھی موت نہیں آئے گی) سرنامہ ہوگا ، بندے کے القاب ہوں گے اس کے پروردگار کی طرف سے ، بھلا جب تھوڑی سی اطاعت کا یہ عظیم صلہ ہے تو سمجھ سکتے ہو کہ اس کے لئے جس قدر محنت وکاوش کی جائے عین ضروری ہے۔

وفقنی اللہ وإیاکم والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۶؍ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم مولوی عبد الشکور سلّمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل تم لوگوں کے خطوط مولوی محمد شمیم کے ہاتھوں موصول ہوئے، مدرسے کے حالات دور ونزدیک سے سنتا رہتا ہوں، اس سلسلے میں تم لوگوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ می نوش ومی نیوش وچیزے مخروش، کسی عقلمند کا قول میں نے کبھی سنایا ہوگا کہ آنکھ اور کان دونوں کھلے رکھو، لیکن زبان پر قطعاً خاموشی اور سکوت کا پہرہ رہنا چاہئے، یہ حالات جن سے نہ صرف تمہارا مدرسہ بلکہ اکثر مدارس بلکہ سارا عالم گذر رہا ہے، صرف قلب ودماغ ہی کو نہیں فاسد کرتے بلکہ دین وایمان کو بھی برباد کردیتے ہیں۔فساد ذات البین کو ’’حالقہ‘‘ کہا گیا ہے، وہ حالقہ نہیں جو سر کو مونڈے بلکہ وہ جو دین کو مونڈ دے۔

عزیزم! یہ سب دنیا پرستی اور حب جاہ ومال کے کرشمے ہیں، جو مختلف قوالب میں نمودار ہوتے رہتے ہیں، جس طرح آدمی شراب کے نشے میں بدمست ہوکر ہر ’’ناکردنی‘‘ کر ڈالتا ہے، ایسے ہی حب جاہ اور حب مال کے نتیجے میں دین ودیانت سب کا لحاظ اُٹھ جاتا ہے، کل کو تم لوگ بھی علماء کی صف میں جگہ پاؤگے، خوب سمجھ لو کہ علماء کی ذمہ داریاں دہری ہوتی ہیں۔تم لوگوں نے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرکے خوب وناخوب کی تمیز پیدا کرلی ہے، یہ علم تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا کرکے اپنے پروردگار کو راضی کرلو، جس نے یہ علم دنیا میں اہتمام کے ساتھ بھیجا ہے، اگر یہ ہوا تو خیر، ورنہ یہ علم پشت پھر کر چل دیتا ہے، اور پھر اس کا ہاتھ آنا مشکل،

اس کا حصول نعمت عظمیٰ اور اس سے رُو گردانی **عذاب الیم**، کہنے کو تو آدمی تاعمر عالم اور مولوی کہلاتا ہے لیکن معاملہ وہاں نام سے نہیں کام سے ہے، کسی نام کی قدر و منزلت نہیں ہے، حقیقت مطلوب ہے۔ اس حقیقت کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے، آج ہمارا فساد یہی ہے کہ رسم رہ گئی حقیقت اُٹھ گئی، **لم یبق من الدین إلا إسمه ولم یبق من القرآن إلا رسمهٗ**، (دین کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش وحروف باقی رہ جائیں گے)

سیدنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: دنیا کی رغبت ومحبت علماء کے چہرۂ جمال کا بدنما داغ ہے، مخلوق گوکہ ان سے فائدہ اٹھاتی ہے، لیکن ان کا علم خود ان کے حق میں سودمند اور نافع نہیں ہوتا، اگرچہ تائید شریعت اور تقویت ملت ان سے حاصل ہوتی ہے، مگر ایسا ہوتا ہے کہ ''اہل فجور'' اور ''اربابِ فتور'' سے کبھی تائید وتقویت کا کام لے لیا جاتا ہے، چنانچہ سید الانبیاء **علیه وعلیهم والصلوات والتسلیمات** نے مرد فاجر کے واسطے سے تائید دین کی اطلاع دی ہے، فرماتے ہیں: **إن الله لیؤید هٰذا الدین بالرجل الفاجر**، (بیشک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فرمائے گا فاجر آدمی کے ذریعہ) ایسے علماء جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں سنگ پارس کے ہم رنگ ہیں، کہ اگر تانبا اور لوہا اس سے مس کرلے تو سونا بن جائے، لیکن وہ سنگ کا سنگ ہی باقی رہے، لکڑی اور چقماق میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے، دنیا اس سے آگ نکال کر فائدہ حاصل کرتی ہے مگر وہ لکڑی اور چقماق خود محروم ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ علم ان کے حق میں سخت مضر ہے، کیونکہ اس نے ان پر خدا کی حجت تمام کردی ہے: **إن أشد الناس عذاباً یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه**، اور کیوں نہ مضر ہو؟ جو علم کہ حق تعالیٰ کے نزدیک

موجودات میں عزیز واشرف ترین ہے، اس کوان لوگوں نے دنیائے دنیہ یعنی مال وجاہ اور ریاست کا زینہ بنا رکھا ہے، حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وخوار ہے، اور مخلوقات میں سب سے بدتر! پس خدا عز وجل کے عزیز کو ذلیل کرنا اور اس کے ذلیل کو عزت دینا بغایت قبیح ہے، اور درحقیقت حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ معارضہ ہے، تدریس وافتاء کا مشغلہ اسی وقت سود مند ہوگا جبکہ خالصاً لوجہ اللہ ہو اور حب جاہ وریاست اور حصول مال ورفعت کے شائبہ سے پاک ہو، اس کی علامت سامانِ دنیا کی تقلیل اور اس سے بے رغبتی ہے، جو علماء اس بلا میں مبتلا ہیں اور محبت دنیا میں گرفتار ہیں، وہ علمائے دنیا ہیں، یہ ہیں علمائے سو ''شرار مردم'' اور ''لصوص دین'' اور بزعم خویش خود کو مقتدائے دین اور مخلوق میں افضل ترین سمجھے جاتے ہیں:

وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ عَلىٰ شَيءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ إِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللهِ اُولٰئِکَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔

**ترجمہ**: وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں، خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں، ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے، سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سن لو شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونیوالا ہے۔

ایک بزرگ نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور تضلیل اور اغواء سے مطمئن ہے، ان بزرگ نے اس کا سبب دریافت کیا، لعین نے کہا کہ اس وقت کے علمائے سو میرے کام میں بڑی مدد کررہے ہیں، انھوں نے مجھے اس مہم سے فارغ کردیا ہے، اور سچی بات یہی ہے کہ اس زمانے میں امورِ شرعیہ میں جتنی بھی کمزوری ومداہنت واقع ہورہی ہے اور ترویج دین وملت میں جتنا کچھ فتور رونما ہورہا ہے، سب

علمائے سو کی نحوست اور ان کی نیتوں کے فساد کی وجہ سے ہے۔

ہاں جو علماء دنیا سے بے رغبت اور حب جاہ وریاست اور خواہش مال ورفعت سے آزاد ہیں، وہ علمائے آخرت ہیں، اور ورثۂ انبیاء **علیہم الصلوات والتسلیمات!** یہ لوگ بہترین خلائق ہیں، یہی ہیں جن کی روشنائی کل بروزِ قیامت شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ تولی جائے گی، اور وہی وزنی ثابت ہوگی، **نوم العلماء عبادۃ** انھیں کی شان ہے، جمالِ آخرت ان کی نگاہوں میں مستحسن ہے، اور قباحت دنیا ان کے واسطے مشاہد ہوچکی ہے، انھوں نے آخرت کو بنظر بقا دیکھا اور دنیا کو داغِ زوال سے عیب دار پایا، ناچار خود کو باقی کے سپرد کیا اور فانی سے باز رکھا، عظمت آخرت کا شہود در حقیقت نتیجہ ہے عظمت جلالِ لایزال کے شہود کا، اور دنیا ومافیہا کو ذلیل سمجھنا ثمرہ ہے عظمت آخرت کے شہود کا، **لأن الدنیا والاخرۃ ضرتان إن رضیت أحد ھما سخطت الأخریٰ**، (دنیا وآخرت دونوں سوکن ہیں اگر ایک کو راضی کروگے تو دوسری ناراض ہوجائے گی) اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت ذلیل ہے، اور اگر دنیا ذلیل ہے تو آخرت عزیز ہے، ان دونوں کا جمع کرنا جمع بین الضدین ہے۔ (مکتوب:۳۳ دفتر اول)

حضرت مجدد صاحب کے ارشادات کے اس آئینے میں تم علمائے سو کے بدنما چہرے اور علمائے خیر کے جمالِ جہاں تاب کو بخوبی دیکھ سکتے ہو، اب خیال کرلو کہ کس صنف میں شامل ہونا بہتر ہے، لیکن دور بڑا پُر فتن ہے، آدمی بچنا چاہے تو مشکل میں پڑ جائے گا، میں تو حیران ہوں کہ کیا کرنا چاہئے لیکن قربان ہادیٔ برحق علیہ السلام کے، کہ ان کی تعلیم زندگی کے ہر پہلو اور دنیا کے ہر دور سے تعرض کرتی ہے، دو حدیثیں لکھتا ہوں:

**عن ابی ثعلبۃ فی قولہ تعالیٰ "علیکم أنفسکم لایضرکم من ضل إذا اھتدیتم" فقال: أما واللہ لقد سألتُ عنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: بل**

ائتمروا وتناهوا عن المنكر حتىٰ إذا رأيتَ شحاً مطاعاً وهوىً متبعاً ودنيا مؤثرةً وإعجاب كل ذی رأیٍ برایه ورأيتَ أمراً لابدّ لک منه فعليک نفسک ودع أمر العوام فإن وراء کم أيام الصبر فمن صبر فيهن قبض على الجمر، للعامل فيهن أجر خمسين رجلاً يعملون مثل عمله قالوا يارسول الله !أجر خمسين منهم قال أجر خمسين منكم (ترمذی)

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد " عليكم أنفسكم لايضركم من ضل إذا اهتديتم " کے متعلق روایت ہے کہ میں نے اس آیت کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، آپ نے فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، پھر جب دیکھو کہ حرص اور بخل کی عام اطاعت ہو رہی ہے، خواہش نفس کا اتباع کیا جا رہا ہے، دنیا ترجیح پاتی چلی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی عقل پر نازاں ہے، اور کوئی برائی ایسی دیکھو کہ عوام کے ساتھ اختلاط کی صورت میں تم بھی لازماً اس میں مبتلا ہو جاؤ گے تو بس اپنے آپ کو لے کر الگ ہو جاؤ، اور عوام کے معاملہ کو ترک کردو، تمہارے بعد ایام صبر آئیں گے جو شخص ان ایام میں ثابت قدم رہے گا وہ انگارہ ہاتھوں میں لے گا، ان دنوں عمل کرنے والا پچاس آدمیوں کے اجر کا مستحق ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: اس دور کے پچاس آدمیوں کا اجر؟ فرمایا نہیں تم میں کے پچاس آدمیوں کا اجر۔ (ترمذی شریف)

اس حدیث کو غور سے پڑھو، ورأيتَ أمراً لابدّ لک منه فعليک نفسک خاص طور پر قابل ذکر ہے، صاحب مرقاۃ اس پر لکھتے ہیں: ای رأيت أمراً تميل إليه هواک من الصفات الذميمة فعليک نفسک واعتزل الناس حذراً من الوقوع، یعنی کوئی ایسی برائی جس کی طرف نفس کا میلان ہے، تم دیکھتے ہو اور

سمجھتے ہو کہ لوگوں کے درمیان رہوں گا، تو اس برائی سے بچ نہیں سکتا، تو بس چپکے سے الگ ہو جاؤ، دوسرا نسخہ اس کا یہ بھی منقول ہے کہ **رأیتَ أمراً لا یدلک منہ فعلیک نفسک** ، یعنی تم کوئی ایسی برائی دیکھو جس کے دفع پر قدرت نہ ہو تو بس اپنے کو سنبھالے رہو، میں تفصیل نہیں لکھتا، تم سمجھ سکتے ہو کہ میں کیا سمجھانا چاہتا ہوں۔

اب دوسری حدیث دیکھو:

**عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علمائھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم وواکلوھم وشاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علیٰ لسان داؤد وعیسی بن مریم ذٰلک بما عصوا و کانوا یعتدون۔**

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں گرفتار ہوئے اور انہیں علماء نے روکا، لیکن وہ باز نہیں آئے، پھر بھی علماء ان کی مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھتے رہے، ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کا دل بعض سے ٹکرا دیا، پھر ان پر حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم **علیہما السلام** کے ذریعہ لعنت بھیجی، یہ ان کی معصیت اور عدوان کی وجہ سے ہوا۔

اس حدیث نے بتلایا کہ اگر لوگوں کے ساتھ مواکلت و مشاربت اور مجالست کو جاری رکھنا ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ہرگز ترک نہ کرو اور اگر اس کی ہمت نہ ہو تو پھر مجالست و مشاربت کو ترک کرو۔

اصل یہ ہے کہ ایک عالم دین کا مقصد محض رضائے الٰہی کا حصول ہے، اور فکر آخرت اس کی زندگی کا مشغلہ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرماتے ہیں اور تمام فکروں سے اسے آزاد کر دیتے ہیں، اور اگر دنیا کو مقصد بنا لے گا تو کس وادی میں جا کر گرے گا،

کون جانتا ہے؟ عالم دنیا کی مذمت قرآن میں بھی بہت شدید وارد ہے، فرماتے ہیں:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِیْ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِيْنَ ، وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔

**ترجمہ**: اور ان کو اس شخص کا حال سنا دو، جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں، پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا، پھر اس کے پیچھے شیطان لگ گیا، تو وہ گمراہوں کی صف میں چلا گیا، اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کا رُتبہ بلند کرتے، لیکن وہ تو زمین کا ہو رہا، اور اپنی خواہش کے پیچھے چل نکلا، تو اس کا حال ایسا ہے جیسے کتا، اس پر تم بوجھ لا دو تب بھی ہانپتا ہے، اور چھوڑ دو تب بھی ہانپتا ہے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے، جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، تو یہ احوال بیان کر دو، تا کہ وہ غور کریں۔

ان آیات کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم کے ساتھ ہے، لیکن ظاہر ہے کہ مذمت کسی کی ذات پر وارد نہیں ہوتی، اس کے اوصاف مستحق مذمت ہوتے ہیں۔ ان آیات میں اوصافِ مذمت کیا کیا ہیں؟ ترکِ آیات، اِخلاد الی الارض، اتباعِ ہویٰ پھر ان سب کے نتیجے میں شیطان کی رفاقت، پھر غوایت میں مماثلت مرتب ہوئی، حرصِ دنیا اور اتباع ہویٰ ایسی ہی چیز ہے، سمجھنے والوں کیلئے یہ ایک دفتر ہے، اگر موقع ملا تو اس پر مفصل کلام کروں گا، اس وقت اشارہ ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

غرض یہ ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرو جس سے حق تعالیٰ راضی ہوں، اور وہ طریقہ منحصر ہے سنت نبوی کے اتباع میں، ظاہراً و باطناً بھی اور قلباً و قالباً بھی، عبادت میں بھی اور دیگر امورِ دنیا میں بھی، عالم کا امتیاز یہی ہے کہ وہ اتباع سنت کے ساتھ

متصف ہوتا ہے، اور اسی کا داعی ہوتا ہے: **أقول قولی ھٰذا وأستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین۔**

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

☆☆☆☆☆

**عزیزم مولوی عبد الشکور سلملک اللّٰہ تعالیٰ عن الفتن والشرور**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا ایک تفصیلی خط دو ہفتہ قبل ملا تھا، اس کا جواب ابھی نہ لکھ سکا تھا کہ مدھوبنی کا سفر سامنے آگیا، مولوی حبیب اللہ سلّمہٗ کا نکاح تھا، اور وہاں کے لوگوں کا تقاضا بھی بہت دنوں سے تھا، اِدھر ششماہی امتحان کی تیاری میں اسباق بھی بند ہونے تھے، موقع ملا اور میں بھوارہ چلا گیا، ایک عشرہ وہاں قیام رہا، اللہ کا بہت زیادہ فضل وکرم شامل حال رہا، بحمد اللہ میری شومیٔ اعمال سے وہاں کے لوگوں کو کچھ ضرر نہیں ہوا، بلکہ اُلٹے یہ معلوم ہوا کہ دینی اعتبار سے لوگوں کو بہت فوائد حاصل ہوئے، روزانہ کم از کم دو اور کبھی کبھی تین تین وعظ ہوتے تھے۔ اللہ کی ستاری تھی کہ با ایں زبوں حالی لوگوں کے قلوب میں محبت وعظمت بھر دی ہے، اللہ کی رحمت وعنایت کو بھی کیا کہو، جب چاہیں ذرہ کو آفتاب کریں، بس اسی پاک ذات کا شکر گذار ہوں، یہاں نوازتے ہیں شاید وہاں بھی نوازا جاؤں۔ کل وہاں سے واپسی ہوئی۔

آج تمہارا دوسرا خط ملا، اللہ تمہیں توفیق نیک دے۔ تم لوگوں کے خطوط سے بہت خوشی ہوتی ہے، بڑی جگہ پہونچ کر اور بڑے لوگوں کو دیکھ کر بھی چھوٹوں کی قدر کرتے ہو۔ مدرسہ کے حالات جو تم نے لکھے ہیں، بالکل صحیح ہے، ہر جگہ کا تقریباً یہی حال

ہے، الا ماشاء اللہ۔ مدارس کے یہ اجتماعی ماحول اب افراد کی تربیت تو کیا کرتے انھیں بگاڑ کرر کھ دیتے ہیں، اس ماحول میں دامن کشاں چلنا ہی کامیابی کی راہ ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ پہلے اہل اللہ چار مجاہدے تجویز فرماتے تھے، تقلیل طعام، تقلیل کلام، تقلیل منام اور تقلیل اختلاط مع الانام۔ مگر اب سب منسوخ اور آخر کا متعین ہے، اس کے بغیر کامیابی ہر گز نہیں ہوسکتی، تقلیل کلام تو اس کے ضمن میں ہو جائے گی، طالب علم کے لئے بھی یہی اصول متعین ہے۔

اب علم کا تعلق رجال سے زیادہ کتب سے ہو چکا ہے، رجال کے پیچھے صرف جال ہی جال ہے، یوں کہئے کہ جعل ہی جعل ہے، کتابوں کا مطالعہ قاعدہ سے کرو۔ ہمارے مدارس میں تفقہ فی الحدیث کا اہتمام ہے، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ حدیث کو حنفی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، تو غلط نہ ہوگا، میرا خیال اس باب میں یہ ہے کہ حنفی مسلک اس کا محتاج نہیں کہ ہر ہر حدیث اس پر منطبق ہو، رسول اللہ ﷺ نے عمل میں سہولت بخشی ہے، چاروں مسالک آپ کے ارشاد و عمل کی روشنی میں ماخوذ ہیں اور سب درست ہیں، اس لئے یہ کاوش بیجا ہے کہ ہر حدیث کو توڑ مروڑ کر لازماً حنفی ہی بنالیا جائے۔

حضرت قاسم بن محمدؒ فقہاءِ مدینہ میں شمار ہوتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، ان سے کسی نے سوال کیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر پڑھو گے تو صحابہ میں اس کا بھی نمونہ موجود ہے، اور نہ پڑھو گے تو اس کا بھی نمونہ موجود ہے۔ بأيهم إقتديتم إهتديتم ، دیکھو تم نے حدیث کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو نماز میں سورۂ فرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، وہ کسی اور طریقے پر پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے طریقے پر پڑھتے تھے، انھیں جلال آ گیا، سوچا کہ نماز ہی میں دبوچ لیں، لیکن صبر کیا جب وہ نماز

سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گردن میں اپنی چادر لپیٹ دی اور پوچھا کہ پڑھنے کا یہ نیا طریقہ تم نے کہاں سے نکالا، عرض کیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی سیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ انھیں کھینچتے ہوئے دربارِ رسالت میں لائے اور عرض کیا کہ یہ قرآن غلط پڑھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قرأت سنی، اور فرمایا کہ ٹھیک ہے، پھر حضرت عمر سے پڑھوایا اور ان کی بھی تصویب کی، اور فرمایا کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، اور ہر ایک کافی وشافی ہے، اور یہ سمجھ لو کہ سات حروف سے مراد سات قرأتیں جواب رائج ہیں یہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے الفاظ بھی بدلے ہوئے ہیں، غرض جب قرآن کریم میں تلاوت کی یہ سہولت دی گئی ہے تو آثار واحادیث سے پتہ چلتا ہے کہ عمل میں بھی سہولت دی گئی ہے، انھیں قاسم بن محمد کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس بیٹھے، اعمال کی کچھ حدیثیں سنا رہے تھے، جب کوئی حدیث پڑھتے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے برخلاف دوسری حدیث پڑھ دیتے، اس سے قاسم بن محمد کو گرانی محسوس ہوئی، خلیفہ راشد نے فرمایا آپ کو تکدر کیوں ہورہا ہے، خدا کی قسم ان اختلافات کے عوض اگر مجھے سرخ اونٹ عطا کئے جائیں تو میں پسند نہ کروں۔ حضرت قاسم بن محمد اس پر بہت مسرور ہوئے۔ بعض غالی حضرات کہہ دیتے ہیں کہ حق اللہ کے نزدیک ان چاروں میں سے کسی ایک میں دائر ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ بہرکیف میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حنفی مسلک نہایت قوی اور مضبوط دلائل پر قائم ہے، اس کی خاطر احادیث کے صریح مدلولات کو توڑنا مناسب نہیں، اگر کوئی حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ کی تائید کرتی ہے تو چشم ماروشن ودلِ ماشاد، ہمارے لئے بھی نبی کا اسوہ موجود ہے۔ ہاں نبی کا کوئی اُسوہ نہ ہوتب الزام دو۔ خلاصہ یہ کہ **تحنف فی الحدیث** کا طریقہ مجھے پسند نہیں ہے، شاید مشکوٰۃ شریف کے درس میں بھی اس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا، تم

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا مطالعہ کرو، حنفیت وشافعیت کا جھگڑا ایک طرف رکھ دو، ان چند مسائل کے سوا عام زندگی کے اطوار وعادات میں حنفیت وشافعیت کا اختلاف نہیں ہے، صرف اختلافی مسائل میں ہی آپ کا عمل اُسوہ نہیں، بلکہ آپ کا ہر ہر طریقہ، ہر ہر عقیدہ اور ہر ہر عمل اُسوہ ہے۔ احناف والی نماز بھی حضور نے پڑھی ہے، بس مطمئن رہو۔ پوری زندگی کیلئے آپ کو معیار بنا کر حدیث پڑھو، میرا مدعا شاید تم سمجھ گئے ہو گے اور اگر نہ سمجھ میں آیا ہو تو ایک واقعہ سے سمجھو۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں ایک اعلیٰ پایہ کے غیر مقلد عالم پہونچے، پوچھا مولوی صاحب تم عامل بالحدیث ہو، عرض کیا جی ہاں الحمدللہ، فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ حضور جب گھر سے نکلتے تھے تو کیا دعا پڑھتے تھے؟ عرض کیا حضرت یاد نہیں، دیکھ کر بتاؤں گا، پوچھا اچھا جب لباس پہنتے تھے تو کیا دعا پڑھتے تھے؟ اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ اسی طرح کئی مواقع کی احادیث دریافت کیں، اور ہر ایک کا جواب لاعلمی کی صورت میں ملتا رہا، حضرت نے فرمایا کہ بس جی مولوی صاحب صرف اختلافی مسائل کی حد تک تم عامل بالحدیث ہو اور بس، اسی کا نام عمل بالحدیث ہے۔ مولوی صاحب بہت شرمندہ ہوئے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں، سیدھی بات یہ ہے کہ حدیث کا مدلول جو ہو رہنے دو، یہ دیکھو کہ ان احادیث کے آئینے میں آپ کی سیرت کیسی نظر آتی ہے، اپنی سیرت کو اسی پر جانچو۔ اس کے لئے احادیث کو بہت غور سے پڑھنا ہوگا، بالخصوص وہ احادیث جو آپ کی عبدیت، ذوقِ عبادت، اخلاق واوصاف، خشوع وانابت اور سیرت کی بلندی کا آئینہ پیش کرتی ہیں، یا وہ احادیث جو غیبی حقائق مثلاً صفاتِ الٰہیہ، جنت ودوزخ، برزخ وقیامت اور اس قسم کے احوال پر روشنی ڈالتی ہیں، ان کا غائر نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے،

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے یہاں سارا زور اختلافی مسائل پر صرف کردیا جاتا ہے، اوراس قسم کی احادیث سے آنکھیں بند کرلی جاتی ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ ان سے ہمارا تعلق ہی نہیں، اسے کیا کہوں مجھے تو أفتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کا منظر نظر آتا ہے، خدا تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، گوکہ یہ بات ذرا سخت ہے لیکن غلط نہیں ہے، انداز کچھ ایسا ہی ہوگیا ہے، ورنہ احوالِ آخرت اور سیرت واخلاق کی احادیث کے ساتھ یہ بے اعتنائی کا سلوک کیوں ہے۔ ہمارے متقدمین اکابر دیوبند کو ان اختلافی مسائل پر ضرورۃً کلام کرنا پڑا تھا، کیونکہ غیر مقلدیت ان دنوں نئی نئی اٹھی تھی ، اور شور وطوفان برپا کررکھا تھا، لیکن ان حضرات کا کلام مختصر ہوتا تھا، دوسرے وہ حضرات سیرت نبوی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، آدمی اگر ایک طرف ان سے اختلافی مسائل کی تحقیق کرتا تھا تو دوسری طرف ان کے اخلاق وعمل سے روشنی بھی حاصل کرتا تھا، اب صرف اختلاف ہی اختلاف رہ گیا ہے، وہ روشنی گل ہوگئی ہے۔اس لئے میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ہر حدیث میں حنفیت کی تلاش مناسب نہیں ہے، اصل میدان محنت واجتہاد کا یہ ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا۔ والقصة بطولها ۔

باقی یہاں سب خیریت ہے، آج سے امتحانِ ششماہی ہورہا ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی ، مدرسہ دینیہ غازی پور

۳۰ ؍ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

☆☆☆☆☆

عزیز گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، مدرسہ کے حالات معلوم ہوئے، حضرت ماسٹر صاحب مدظلہٗ کو کچھ لکھ تو دیا ہے، لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آدمی پر جو وقت و پریشانی آتی ہے، اگر اس پر دل سے رضا مندی اور حق تعالیٰ کی تقدیر پر صبر و شکر نہیں ہے، بلکہ شکایت کا عنصر ہے تو وہ اپنی کرتوت کی سزا ہے، ایسے مواقع پر حضور اکرم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جو تم پر حق ہے اسے ادا کرو، اور جو تمہارا حق دوسروں پر ہے، اسے اللہ سے مانگو، اسی لئے اپنی اصلاح کی بہت ضرورت ہے، نیت کی بھی اور عمل کی بھی۔ اس بات کو اپنے لوگوں کے درمیان عام کرنے کی ضرورت ہے، آدمی اپنی مصیبت کا الزام دوسرے پر رکھ کر خود کو فریب دیتا ہے، یہ فریب دنیا ہی تک رہے گا، آخرت میں سب پردہ کھل جائے گا۔ اپنی اصلاح کرنی چاہئے اپنے معاشرہ میں اصلاح کو عام کرنا چاہئے، اپنی ناکارگی اور اپنی معصیتوں کی توجیہ کر کے مزید دلدل میں پھنسنا عقلمندی نہیں ہے، اس باب میں مدرسین بہت قصوروار ہیں، مگر انھیں احساس نہیں، تنخواہ اہل مدرسہ نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ وقت بے وقت وہی کرتے ہیں، اس میں کسی کا کوئی اختیار نہیں، تمہارے قلم سے یہ شکایت پسند نہیں آئی۔

وفاق بنیادِ نفاق ہے، خدا کرے ایسا نہ ہو، مگر مجھے تجربہ ہے، یہ مدارس کو کسی اور رُخ پر ڈال دے گا، تجربہ کرو۔ والد صاحب کی صحت و عافیت کی دعا کرتا ہوں، خدا کرے عبد اللہ سلّمہٗ اچھا حافظ اور عالم باعمل بنے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

عزیزانِ گرامی مولوی عبد الشکور و برادران سلّمہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل تمہارے ٹیلفون کا انتظار تھا، بڑی پریشانی میں تھا، پھر ایک دن کلکتہ

ٹیلیفون کیا، وہاں بیت العلوم کے مدرس حافظ صابر حسین نے بتایا کہ حافظ زبیر صاحب کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ کا خط آیا، انھوں نے بھی اس کی اطلاع دی، إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون، غفر اللّٰہ له و کفَّر عن سیئاته و أدخله الجنة برحمته ورزقکم صبراً جمیلاً و أعظم أجورکم بفضله ومَنِّهٖ وهو أرحم الراحمین ۔

اس حادثہ کی خبر سے طبیعت بہت محزون ہوئی، تم لوگوں سے مجھ کو جو تعلق اور محبت ہے، اس کی وجہ سے دل پر وہ اثر ہوا جو میں بیان نہیں کرسکتا، لیکن انسان تو ایک بندہ اور غلام ہے، اسے اپنے مالک ومولیٰ کی مرضی کے آگے بہرحال سر جھکانا، اور اسی کے ساتھ دل لگانا ہے، ان کے تمام تصرفات میں ان کی قدرت کا بھی ظہور ہے، اور حکمت کا بھی اور نتائج وانجام کے لحاظ سے ہمارے حق میں رحمت کا بھی۔ انھوں نے ایک مدتِ متعینہ دے کر ہر انسان کو دنیا میں بھیجا ہے، ان کی رحمت ہے کہ وہ مدت کسی انسان کو بتائی نہیں، ورنہ پوری زندگی ایک مصیبت میں بسر ہوتی، اب چونکہ وہ مدت معلوم نہیں، اس لئے آدمی زندگی کے نشیب وفراز سے کبھی خوشی اور کبھی رنج وکلفت کے ساتھ گذرتا رہتا ہے، پھر جب مدت پوری ہوجاتی ہے تو نہ ایک سیکنڈ ادھر اور نہ ایک سیکنڈ اُدھر، آدمی! نہیں بلکہ غلام اپنے آقا کے پاس پہونچ جاتا ہے، اگر نیک وصالح ہے تو خوشی خوشی جاتا ہے، اور وہاں پہونچ کر بہت زیادہ خوشی پاتا ہے، ایسی خوشی جس میں رنج کا نام ونشان نہیں۔ دائمی اور ابدی خوشی، البتہ اس کے اعزہ واقرباء اس کی دنیاوی صحبت کی جدائی سے پریشان ہوتے ہیں، مگر پریشانی اجر سے خالی نہیں ہوتی، الحمد للہ کہ تم لوگوں کے والد مرحوم خود نیک تھے، اور امکان بھر اپنی اولاد کو نیک بنانے میں لگے رہے اور بحمد اللہ اس میں کامیاب رہے۔ خدا کی ذات سے یہی امید ہے کہ

وہاں پہونچ کر زندگی کے سفر کی تکان اتر گئی ہوگی ، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوں گے ، اور تم لوگوں کے صبر اور رضا بالقضا اور دوسرے اعمالِ صالحہ کی خبر انھیں پہونچائی جاتی رہے گی ، تو انھیں مزید فرحت وسرور حاصل ہوگا۔

انھوں نے حج کا فارم بھرا تھا، اب ان کا سب مال ترکہ بن گیا ہے، ترکہ کے سلسلے میں جو شریعت کا حکم ہے، اسے تم جانتے ہو، اسی کے مطابق عمل کرو، سارا ترکہ شریعت کے حکم کے مطابق تقسیم کردو، ہر ایک وارث کا حصہ متعین کرکے بتادو، پھر اس کے بعد شرکت یا علیٰحدہ عمل جو بھی منظور ہو کریں، لیکن شرعی ضابطہ اور قانون کے مطابق! اسی سے آپس میں اتفاق واتحاد باقی رہے گا، اور ماں کی خدمت بھی ہو سکے گی، اور اس مسئلے میں پریشان نہ ہونا کہ ابھی فلاں کی شادی باقی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے سب آسان فرمادیں گے، ان سے دعا مانگنے کی کثرت کرو، اگر والدین پر کچھ قرض رہا ہو تو اسے ان کے مال سے ادا کرو، کوئی وصیت ہو تو اسے پورا کرنے کا اہتمام کرو، اور والد کے دوستوں کے ساتھ وہی سلوک کرو، جو اپنی زندگی میں وہ کیا کرتے تھے، اس سے ان کی روح کو خوشی ہوگی، سب سے بڑا حق والدہ کا ہے، ان کا صدمہ بھی بڑا ہے، ان کی دلجوئی اور خدمت کی ہر ممکن تدبیر کرو، اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے، سب بھائی ان کی جانی اور مالی خدمت کریں، اور اس خدمت کو خود انجام دیں، اپنی بیویوں کے حوالے نہ کریں، اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنی رضامندی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، انھیں پر توکل کرو، اسباب پر زیادہ نظر نہ رکھنا، میں دل وجان سے تم سب کے حق میں دعا گو ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

☆☆☆☆☆

عزیز گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ میرا مفصل مکتوب مل گیا تھا، مجھے اس کی تشویش تھی، بلکہ میں نے حضرت ماسٹر صاحب مدظلہ سے دریافت کیا ہے کہ وہ خط ملا یا نہیں؟ اگر ملا نہ ہوتو اس کی نقل میں نے رکھ لی ہے، پھر بھیج دوں، مگراب الحمد للہ اطمینان ہوا۔ ارادہ ہے کہ کسی مناسبت سے نام حذف کر کے ضیاء الاسلام میں شائع کرادوں، امید ہے کہ بہت سے لوگوں کو اس سے نفع ہوگا۔

مدرسین کو اس کی طرف متوجہ کرتے رہنے کی ضرورت ہے، اگر یہ حضرات اپنی ذمہ داری اور جوابدہی کو محسوس کریں گے تو بڑا کام ہوگا، اللہ کی رحمت نازل ہوگی، اس سلسلے میں تم کو پوری سنجیدگی اور اہتمام سے کام کرنا ہوگا۔ تم میرے پاس رہے ہو، میرے کام کو دیکھا ہے، پورے خلوص اور انہماک اور دلچسپی سے کارِ منصبی کا اہتمام کرو، طلبہ کو سمجھاؤ، نجی مجالس میں سنجیدہ طریقہ پر باتوں باتوں میں کام کی باتیں کہہ جاؤ، اس طرح سے کہ کسی کو لگتی ہوئی محسوس نہ ہو۔ خود عملی زندگی میں ذکر وعبادت کا اہتمام کرو، کام میں برکت اسی سے ہوتی ہے، علم کے ساتھ ذکر وعبادت بہت ضروری ہے، اس کی برکت سے **حیاۃ طیبہ** نصیب ہوگی، دنیاوی الجھنیں کم ہوں گی۔ جب کوئی الجھن پیش آئے تو فوراً تضرع وزاری کے ساتھ اللہ کے حضور میں اسے پیش کرو، اس کے بعد بقدرِ ضرورت اس کی تدبیر کرو۔

حضرت اقدس ماسٹر صاحب مدظلہ کی خدمت میں سلام عرض کرو، اور دعا کی درخواست بھی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی محمد اسرائیل صاحب

میری تدریس کا زمانہ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک الہ آباد مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ اور مدرسہ وصیۃ العلوم میں گذرا ہے۔ اس وقت متعدد طلباء مجھے ایسے ملے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین اور علم دین کی خدمت لی۔ ان میں ایک عزیز گرامی مولانا مفتی محمد اسرائیل صاحب بھی ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم الہ آباد میں ہوئی، پھر یہ میرے ساتھ غازی پور مدرسہ دینیہ میں آگئے۔ فراغت دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔ افتاء کی تکمیل مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں کی، اور اب اپنے آبائی وطن ضلع نوادہ بہار میں ایک مدرسہ کے بانی اور مہتمم ہیں، اور علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

عزیزم مولوی محمد اسرائیل سلّمہٗ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل یا پرسوں تمہارا خط ملا، اس سے پہلے تمہارا ایک خط ملا تھا، جس میں تم نے عربی مشق وتمرین کے سلسلے میں استفسار کیا تھا، غالباً اس کا جواب یہاں سے نہیں گیا تھا، میرا خیال ہے کہ پہلے تم نے جو بات لکھی تھی وہ درست نہ تھی، اب جو کچھ لکھا ہے وہ منشاء کے عین مطابق ہے، تم افتاء میں داخلہ کی کوشش کرو، عربی لکھنے اور بولنے والوں کی کمی نہیں ہے، اور نہ اس کی ضرورت ہے، ضرورت ہے دینی علوم کی جو مفقود ہوتے جارہے ہیں، اس سلسلے میں جتنی مہارت پیدا کرسکو کرو، چند آدمی تو اخلاص کے ساتھ محض خدا کے ہوکر کام کریں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ جو حضرات تصوف وسلوک یا کسی لائن میں نام آور ہیں علمی دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے، اور جو لوگ عملی اعتبار سے فائق سمجھے جاتے ہیں اخلاقی لحاظ سے وہ قابل اعتماد نہیں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو علم کامل اور اخلاقِ فاضلہ سے بہرۂ وافر نصیب فرمائیں تاکہ خدا کے یہاں سرخرو ہوسکو اور دنیا میں دینی حفاظت کا کام تم لوگوں سے لیا جاسکے۔ ایک مفتی جو فتویٰ دیتا ہے وہ درحقیقت لوگوں کے دین وایمان کی حفاظت کرتا ہے، کیا کروگے عربی بول کر، یہ کام کرلو، نفع میں رہوگے، میرا خیال رمضان میں یہیں رہنے کا ہے، تم لوگ غازی پور ہوتے ہوئے گھر جاؤ تو بہتر ہوگا، انشاء اللہ یہیں مل جاؤں گا۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۱؍رجب ۱۴۰۳ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، حسب عادت جواب میں تاخیر ہوئی، معاف کرنا، دیو بند بھی گیا تھا، مولانا عبدالحلیم صاحب سے ملاقات ہوئی تھی لیکن شاید انھوں نے پہچانا نہیں، دیو بند کی تفصیلات تو بعد میں بتاؤں گا، مختصراً اتنا ہے کہ

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غم ناک ۔۔۔ نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

آپس میں جذب محبت نہیں، دلوں میں آرزو کی حرارت نہیں، نگاہوں میں آدابِ معرفت نہیں، بس متاعِ کارواں گم ہے اور اہل کارواں شاید احساسِ زیاں سے بھی محروم ہیں، میرا مدعا تم دوستوں سے یہی ہے کہ دنیا سرمایہ گم کر چکی ہے، اس کو پانے کی کوشش کرو، دلوں میں حوصلہ وآرزو نہ ہو تو وہ دل کا ہے کو ہے، لیکن معاذ اللہ میری مراد دنیا اور دولت دنیا کی آرزومندی نہیں ہے، یہ تو انسانیت کے لئے زہر ہے، جس نے اس حرص وہوس کا جال پھیلایا وہ پھر کبھی اس سے نکل نہ سکا، میری مراد وہ آرزومندی ہے جو ہمارے اسلاف واکابر کے سینوں میں موجزن تھی یعنی **قل ماعند اللہ خیر**، کیا سمجھے۔

اسبابِ علم کی فراوانی اور علم کی گمشدگی نے کلیجہ فگار کر رکھا ہے، مدرسے ہیں، کتابیں ہیں، مطالعے ہیں، مصنفین ہیں، سب کچھ ہے مگر علم نہیں ہے، حقیقت علم نہیں ہے اور یہی حاصل کرنے کی چیز ہے۔ اجمال سے کام لے رہا ہوں، تفصیلات اپنے حافظہ کی مدد سے نکالو، مولانا مفتی محمد حنیف صاحب میرے نزدیک یکے از علمائے خیر ہیں، ان کی صحبت کو غنیمت سمجھو، ان کے علاوہ اور کسی پر دل نہ جماؤ، مولانا کی صحبت **فیما أظن** بہر حال مفید اور بار آور ہوگی، معلوم ہوا کہ اب مولانا کی توجہ تم لوگوں پر مبذول ہوئی ہے، جب بھی ہو اور جتنی بھی ہو بہت ہے، میں سب جگہ دیکھ چکا ہوں، محض نام ہے اور کچھ نہیں، مولوی عبدالشکور سلمہٗ کو سلام کہو اور یہی مضمون انھیں بھی سنادو،

مولانا محمد حنیف صاحب کی خدمت بابرکت میں بہت ادب سے میرا اسلام عرض کردو۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، اس خط سے بہت مسرت ہوئی، میں برابر دعا کرتا تھا کہ مدرسہ تمہارا بڑھے، اور منتظر تھا اور اس یقین کے ساتھ منتظر تھا کہ ایک نہ ایک دن تم اپنے مدرسہ کی ترقی کی خبر دوگے بحمد اللہ اس کی پہلی قسط موصول ہوئی، خدا تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازیں، تمہارے اپنے علاقے میں کام کرنے سے مجھے جتنی مسرت ہے، میں اسے بیان نہیں کرسکتا، مجھ کو تمہاری محنت پر اطمینان ہے، دنیا کی محبت اپنے دل میں گھسنے نہ دینا، محض اللہ کی رضا کے لئے رہو، دنیا رہے یا جائے اور جائے گی کہاں؟ کام آدمی کا وزن بڑھاتا ہے، مجھے یہ سوچ کر خوشی ہورہی ہے کہ تمہارا وزن بڑھ رہا ہے۔ لگے رہو انشاء اللہ کام ہوگا۔

حطامِ دنیا اور زخارفِ دنیا کچھ نہیں ہیں، یہ دور بڑا نازک ہے، اللہ پر مضبوط توکل کرو، دعاء وابتہال اور تضرع والتجا بجناب الٰہی کو اپنا شعار بناؤ، تمام امور انھیں کے دربار میں طے ہوتے ہیں، وہاں سے رابطہ قائم رکھو، اس رابطہ کا ذریعہ ذکر اور دعا ہے، بعد نمازِ مغرب تھوڑی دیر کے لئے کم ازکم آدھ گھنٹہ خلوت کا متعین کرلو، اس میں کلمہ طیبہ کا ذکر یا درود شریف کا وِرد رکھو، اور خلوص دل سے دعا کرو، بہت نفع ہوگا۔ ہاں ایک

بات اور بغور سنو! اگر مدرسہ کا مال تمہارے تصرف میں رہتا ہو تو اس میں امانت اور دیانت کا بہت زیادہ خیال رکھنا، یہ بہت خطرناک چیز ہے، حتی الامکان اپنے پاس بالکل نہ رکھو، مگر ایسا کرنا تمہارے لئے مشکل ہوگا، اس میں ہمیشہ احتیاط پیش نظر رکھو، یہ دھیان رہے کہ اس کے نگراں حق تعالیٰ ہیں، حق تعالیٰ کی نگرانی کا مراقبہ کیا کرو، ورنہ دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کا سخت اندیشہ ہے، تم سے اطمینان ہے لیکن احتیاطاً لکھ دیا، مولانا عباس صاحب کو سلام کہہ دینا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹/ ذوقعدہ ۱۴۰۷ھ

☆☆☆☆☆

عزیزی و محبی! سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، بڑی خوشی اس بات سے ہوئی کہ اب تمہارا مدرسہ وسعت اختیار کر رہا ہے، خدا کرے اس وسعت مکانی کے ساتھ تعلیمی استحکام، تربیتی نظام اور دینی مرکزیت کا ایک خاص مقام بھی اسے حاصل ہو جائے، اور حق تعالیٰ یہ سب کام تمہارے ہاتھ سے انجام کو پہونچائیں، پڑھنے پڑھانے کا جو جال میں نے پھیلایا ہے حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا ہوں کہ اس میں ایسے شاہباز شکار ہوتے رہیں جو زخارفِ دُنیوی اور مال و متاع فانی کی حرص سے بالکل آزاد ہو کر محض رضاء معبود برحق کو اپنا نصب العین بنائیں اور زندگی کی تمام تر توانائیاں حق سبحانہ وتقدس کی پاکیزہ راہ میں نچھاور کر دیں۔ دنیا کی عزت وجاہ اور مال ومنال کو آنا ہو تو خادم بن کر آئے، مخدومیت ومقصودیت کی نشست گاہِ بلند ورفیع کی جانب نگاہِ ہوس نہ اٹھائے،

وہ مقام ومرتبہ مخصوص ہے اس ذاتِ عالی مقام کے لئے جس کی مخلوق ہونے کا شرف ہمیں حاصل ہے، آج دنیا کمانے اور اس کی فکر وطلب میں مرنے کھپنے والوں کی کمی نہیں ہے، انسان بہائم کی طرح اپنے رزق کی جستجو میں حیران وسرگشتہ ہے، رزق ملتا ہے بقدر مقسوم ہی! لیکن کتنی مشقت، کتنی ذلت اور کتنی مصیبت اس کے جلو میں چلتی ہے، آدمی رزق کا غلام ہوکر رہ گیا ہے، کہاں ہیں وہ شاہبازانِ بلند پرواز! جن کی نگاہیں زمین کی پستیوں کے بجائے آسمان کی بلندیوں میں اپنا نشیمن تلاش کرتی ہیں، کہاں ہیں وہ مردانِ جانباز! جو دین حق کی سربلندی کے لئے اپنی جاہ وعزت، اپنے مال ومنال اور اپنے جسم وجان کو قربان کردینا اتنا ہی پُر کیف اور پُر لطف سمجھتے ہیں جتنا دوسرے لوگ تن پروری اور عیش کوشی کو! حق تعالیٰ نے ہمیں دین کامل اور نعمت تام سے نوازا ہے، ہماری قسمت میں سب سے عظیم وبزرگ نبی روزی فرمایا ہے، ہمارے قلب وزبان کو اپنے محفوظ ومنزل کلام سے حلاوت بخشی ہے! حق تو یہ تھا کہ ان احسانات پر ہم، جو کچھ ہمیں ملا ہے سب قربان کردیتے۔

خدا کا بہت شکر ہے کہ تمہارے لئے کام کی راہیں کھل رہی ہیں، مالیات کا حساب ضرور رکھو، مگر خود کو سنبھال کر، مدرسہ کے مال کو امانت سمجھو، کسی ضرورت میں خواہ وہ کتنی ہی اہم اور فوری ہو، مدرسہ کی رقم بطور قرض بھی ہرگز نہ لو، اپنی بڑی سے بڑی ضرورت روک دو، مگر مدرسہ کی رقم سے اسے پورا نہ کرو، ممکن ہے آزمائش کے ایسے مرحلے آجائیں، لیکن اگر تم نے اجتناب کلی سے کام لیا تو ایک دو مرتبہ کے بعد ایسا دروازہ کھلے گا کہ تم خود حیران ہوجاؤ گے، یہی اس زہر کا تریاق ہے، امانت ودیانت کے ثمرات دنیا وآخرت میں اس کثرت سے دیکھو گے کہ تم خود دوسروں کے لئے نمونہ بن جاؤ گے، لیکن بعض مواقع پر اس باب میں سخت آزمائش ہوسکتی ہے، دیکھو قدم جادۂ

مستقیم سے نہ ہٹے۔

بعد نمازِ فجر ذکر پر دوام اختیار کرو، طبیعت کے انتشار کی فکر نہ کرو، ذکر کے الفاظ پر ایک سرسری توجہ قائم رکھو، آہستہ آہستہ یکسوئی پیدا ہوگی، یہ ٹھیک ہے کہ اگر کبھی فوت ہوجاتا ہے تو بعد مغرب کر لیتے ہو، لیکن کوشش کرو کہ فوت نہ ہو، میں یکسوئی اور دلجمعی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ مولانا محمد عباس صاحب آئے ہوں تو ان کو سلام کہہ دو، الحمدللہ میں خیریت سے ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم!　　　　بارک اللہ فی جھودکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرصہ کے بعد تمہارا خط ملا، اور جواب میں بھی تاخیر ہوئی، زیادتیٔ مصروفیت کا عذر تو کچھ ایسا نہیں، البتہ عموماً خطوط کے جوابات جمعرات کو لکھتا ہوں، اسی انتظار میں رکھ دیا تھا، مگر اِدھر ایسا اتفاق ہوا کہ جمعرات کو سفر ہوتے رہے اور تمہارا خط رکھا رہ گیا، تمہیں انتظار رہا ہوگا۔

جس فتنہ کا ظہور تم نے لکھا ہے، اس کا تدارک فتویٰ سے ہونا مشکل ہے، زبانی گفتگو، جلسوں میں تقریروں کے ذریعہ کام لو، اور جہاں زور دیکھو وہاں جلسوں کا انعقاد کراؤ، دعائیں کرو، اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ عوام کو مشائخ حق کی صحبت کی ترغیب دو، علماء سے قریب کرو، اور چھوٹے چھوٹے پمفلٹ اسلامی عبادات کی اہمیت اور فرضیت پر لکھ کر شائع کرو جو چند صفحات پر مشتمل ہوں، زیادہ طویل نہ ہوں،

اردو میں بھی اور ہندی میں بھی، حق تعالیٰ نے تمہیں کام کے میدان میں پہونچا دیا ہے، اخلاص کے ساتھ اور لگن کے ساتھ کام میں لگے رہو، اس وقت دین متین کی حمایت ونصرت سب سے بڑا فریضہ ہے، مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح اور دینی فضا میں شکوک وشبہات کے گرد اُڑانے والے فتنوں کی سرکوبی کا کام بہت اہم ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ تمہیں ثابت قدم رکھیں اور خلوص سے کام کی توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت عرصہ کے بعد تمہارا خط نظر نواز ہوا، تمہاری یاد برابر آتی رہی، ماشاءاللہ تم استقامت کے ساتھ کام کررہے ہو، اس سے قلبی خوشی ہوئی، جس طرح کا تم جلسہ کررہے ہو میں تو حتی الامکان اس طرح کے جلسوں میں شرکت نہیں کرتا، کچھ تو اپنی نااہلی کے باعث اور کچھ اس لئے کہ بعض تجربات ایسے ہوئے جن سے قلب ودماغ کو بھی نقصان پہونچا اور دین وایمان کو بھی، اس طرح کے جلسوں کی افادیت کا قائل ہوں، لیکن اپنی کمزوری کے کے سبب نقصان اٹھا جاتا ہوں، اس لئے ہمت نہیں ہوتی، باربار تجربے ہوچکے ہیں، لیکن تمہارے یہاں ضرور آؤں گا، البتہ میری خواہش یہ ہے کہ اشتہار میں میرا نام شائع نہ کرو، گمنام رہنے دو، تاہم اگر تمہاری اور مدرسہ کی کوئی ضروری مصلحت ہوتو مجھے اس خواہش پر اصرار نہیں ہے لیکن مصلحت ہو جب! اور

صرف اپنے جذبۂ محبت کے تقاضے سے ہو، تو ہرگز شائع نہ کرنا۔ مولانا محمد عباس صاحب سے سلام عرض کردو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۲/ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا سابقہ خط ملا، اور میں نے اس کا جواب بھی لکھا تھا، تمہیں شاید مل نہیں سکا، کہیں ایسا تو نہیں کہ کچھ لوگ ڈاک گڑبڑ کردیتے ہوں۔

مدرسہ کے خلاف جولوگ سازش کرتے ہیں، وہ منہ کی کھائیں گے، تم اخلاص کے ساتھ محض اللہ کے واسطے کام کرتے رہو۔ مخالفت تو اصل میں شیطان کو ہے، وہ اپنی ذریت کو اس کے لئے اُکساتا رہتا ہے، لیکن خدا پر بھروسہ کرنے والوں کے لئے کیدِ شیطان کو اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے اطمینان کے ساتھ کام کرتے رہو، اخلاص کے ساتھ حسن عمل کو فلاح ہے۔

غیر مقلدین کا فتنہ، ایک فتنۂ کبریٰ ہے، یہ لوگ ہمیشہ ڈنک مارتے رہتے ہیں مجھ کو اس فرقہ سے کم واسطہ پڑا ہے، نیز یہ کہ اس موضوع سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی ہے، اس لئے اس باب میں میری معلومات کم ہیں، تاہم میں مئو میں پتہ لگا کر کچھ رسائل وکتابیں بھیجوں گا، مولانا محمد طاہر حسین صاحب سے مراسلت کرو، ایک زمانے میں انھوں نے اس موضوع کا امعان واِتقان کے ساتھ مطالعہ کیا تھا وہ بہت سی کتابوں کا پتہ بتائیں گے، اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے ان موضوعات کی حدیثیں جن میں اختلاف ہورہا ہے، بشکل اشتہار وکتابچہ اگر چھپوادیا جائے تو مفید ہوگا، مولانا محمد

یوسف صاحب لدھیانوی کی کتاب ''اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم'' اس موضوع پر بہت جامع اور اچھی کتاب ہے، اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلا تو ردّ بریلویت اور ردّ مودودیت پر ہے، اور دوسرا حصہ خالص غیر مقلدوں کے لئے ہے، اگر نہ ہوتو دیوبند سے منگوالو، ان لوگوں کا جواب دینے کے لئے حدیثوں پر نظر ضروری ہے، کم از کم نصب الرایہ، امام زیلعی کی ضرور منگوالو، اس سے بہت مدد ملے گی، جن کتابوں کو تم نے لکھا ہے، مئو جاؤں گا تو انشاء اللہ وہ کتابیں بھیجوں گا۔

طلقاتِ ثلٰثہ پر حضرت محدث کبیرؒ کا ایک رسالہ '' الاعلام المرفوعة'' ہے، عنقریب اس کی طباعت کا انتظام ہوگا، بہت جامع اور مکمل رسالہ ہے۔

میں الحمد للہ خیریت سے ہوں، حضرۃ الاستاذ مولانا محمد مسلم صاحب کا ۲۹؍ محرم ۱۴۱۴ھ کو بعارضہ فالج دماغی صرف آٹھ دن کی علالت میں انتقال ہوگیا، ان کی وفات سے کمر ٹوٹ گئی، ان کے لئے دعاءِ مغفرت اور ایصال ثواب کرو، والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۴؍ صفر ۱۴۱۴ھ

☆☆☆☆☆

عزیز مکرم! عافاکم اللّٰہ وتولاکم

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہٗ

میں مدھوبنی گیا تھا، ایک ہفتہ کے بعد پرسوں لوٹا ہوں، یہاں تمہارا خط رکھا ہوا ملا، میلاد اور قرآن خوانی کے مسئلہ میں تمہارا طرزِ عمل پسند آیا، دل سے دعا گو ہوں کہ حق تعالیٰ تمہیں استقامت نصیب فرمائیں، اس مخالفت کے بعد تم سمجھ لو کہ تمہاری ذمہ داریاں بڑھ گئیں، سب سے پہلے تو یہ کہ لوگ جو مخالفت کریں گے وہ تو ہوگی ہی،

اس کے ساتھ تمہاری عملی اور علمی حالت کی جانچ بھی شروع کردیں گے، اس سلسلہ میں تم ماشاء اللہ فہیم آدمی ہو، اتنا سمجھ لو کہ تمہارے اوپر کوئی اخلاقی عیب یا عملی گراوٹ کے الزام کا موقع لوگ نہ پائیں، جماعت کی نمازوں سے معمولی امور تک شرعی حدود کی رعایت حق تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی نیت سے کرتے رہو، انشاء اللہ اس کی برکت سے صالحین کے قلوب میں محبت اور بددماغوں کے دلوں میں مرعوبیت وہیبت پیدا ہوگی، اور یہ دونوں ایک عالم کے لئے بہت ضروری اور بنیادی چیزیں ہیں، کوئی قدم غفلت کے ساتھ نہ اٹھاؤ، دیکھتے بھالتے رہو کہ حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی نیت تمہارے کاموں میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ یہ کام قدرے دشوار ہے، لیکن اگر چندے اہتمام کرلیا تو پھر کچھ دشوار نہیں، حق تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے، پوری ہمت اور مستعدی کے ساتھ حق سبحانہٗ کی رضا جوئی میں مشغول رہو، دنیا بڑی تاریک ہے، اللہ کا نام روشنی ہے، میری دلی خواہش ہے کہ تم روشن رہو اور روشنی پھیلانا تمہارا کام ہو۔

جنات کے سلسلے میں صاحب روح المعانی نے کسی قدر ذکر کیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ایک فیصلہ کن بات ''بیان القرآن'' میں سورۂ احقاف کی تفسیر میں فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

''اور جنات کو عقاب ہونا کفر ومعصیت پر متفق علیہ ہے، اور ثواب وجنت ملنا ایمان وطاعت پر متکلم فیہ ہے، جمہور تو اس کے قائل ہیں: **للعمومات الشرعية ولخصوص قوله تعالیٰ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَاجَانٌّ ، وقوله تعالیٰ في سورة الانعام بعد ذكر الجن والانس: وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا** (۱) اور امام ابوحنیفہؒ نے غایت احتیاط سے بوجہ کسی خاص نص قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ کے نہ پائے جانے کے اس میں توقف فرمایا ہے: **كمافي الروح وقال النسفي في**

التیسیر توقف ابوحنیفة فی ثواب الجن ونعیمهم لأنه لا إستحقاق للعبد علی الله تعالیٰ ولم یقل بطریق الوعد فی حقهم إلا المغفرة والاجارة من العذاب وأما نعیم الجنة فموقوف علی الدلیل (۲)اور یہ جو امام صاحب کا قول مشہور ہوگیا ہے کہ وہ ان کے عدم دخول فی الجنۃ کے قائل ہیں، غالباً توقف کی تقریر میں ناقلین کو غلطی ہوئی ہے،والله أعلم

خلاصہ یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے عموم سے اگر استدلال کیا جائے تو جنات کے جنت میں جانے میں کوئی شبہ نہیں، نیز حضرت تھانویؒ نے جن آیات کی جانب اشارہ فرمایا ہے، ان سے بھی دخول جنت پر استدلال ہوسکتا ہے، لیکن کسی جگہ خاص طور پر جنات کے لئے جنت میں جانے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، صرف اتنا ہے کہ انھیں عذاب سے بچایا جائے گا، اس کے باعث امام صاحب سے توقف منقول ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جنت میں نہ جائیں گے، توقف کوئی کرے تو گنجائش ہے، مگر یہ فیصلہ کرلینا کہ انھیں جنت میں داخلہ نصیب نہ ہوگا، صحیح نہیں ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ جنات جنت میں جائیں گے، روح المعانی میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے، اس لئے راجح یہی ہے۔

عالمگیری میں امام صاحب سے جو روایت نقل کی گئی ہے، وہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ارشاد کے مطابق توقف کے نقل میں غلطی کا ثمرہ ہے، درحقیقت امام صاحب نفی ثواب اور عدم دخول جنت کے قائل نہیں، بلکہ اس سلسلے میں وہ سکوت فرماتے ہیں ’’ہاں اور نہیں‘‘ میں جواب نہیں دیتے، اور ایسا وہ غایت احتیاط کے باعث کرتے ہیں، ناقلین نے اسے نفی بنا دیا ہے۔الحمدللہ سب خیریت ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۶/ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

(۱) جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ جن بھی ثواب اور دخول جنت کے مستحق ہیں، چنانچہ عام دلائل شرعیہ سے اس کا پتہ چلتا ہے، اور خاص طور سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ نے جنت کی حوروں کے بارے میں فرمایا: لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ إِنسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ، ان سے پہلے کسی انسان اور نہ کسی جنات نے انھیں ہاتھ نہیں لگایا ہوگا، اس نفی سے پتہ چلتا ہے کہ حورانِ جنت کو جنات ہاتھ لگا سکتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی ہوسکتا ہے، اور سورہ انعام میں جنات اور انسانوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ: وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ، ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے درجات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جنات کے بھی درجات ہیں۔

(۲) امام نسفی نے تیسیر میں فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے جنات کے ثواب وانعام کے باب میں توقف کیا ہے، کیونکہ بندے کا اللہ کے اوپر کوئی استحقاق نہیں ہے، اور اللہ نے جنات کے حق میں بطور وعدے کے سوائے مغفرت اور جہنم سے نجات کے اور کچھ نہیں فرمایا ہے، رہا جنت کی نعمتوں کا ملنا تو وہ دلیل پر موقوف ہے۔

☆☆☆☆☆

عزیزم مولوی محمد اسرائیل سلّمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا مرسلہ مکتوب اور استفتاء موصول ہوا، استفتاء اور شخص مذکور(۱) کی ضلالت پر مطلع ہوکر طبیعت جتنی مکدر ومنغص ہوئی، اسی درجہ تمہاری سرگرمی اور دینی حمیت دیکھ کر قلب مسرور ہوا، میرا مقصد پورا ہوا، تم لوگوں کو اسی حال میں دیکھنا چاہتا ہوں، دن بھر میرے قلب پر ایک کیف سا چھایا رہا، بہت بہت دعائیں جذرِ قلب سے تمہارے لئے نکلیں، دینی حمیت وغیرت تمہارے لئے صد مبارک ہو، کسی کو ہدایت دینا نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے، لیکن حق تعالیٰ ہمارے قلب میں دین کا درد دیکھ لیں، یہی کامیابی

ہے، عمدہ کام کیا تم نے، لیکن ایک بات اچھی طرح دھیان میں رکھ لینا، اہل باطل کا ردّ وانکار ضرور کرو، لیکن ان کی ''تصدی'' بہتر نہیں۔ ''تصدی'' کی تفسیر سورہ عبس میں دیکھ لو، اعتدال قائم رہنا چاہیے، اصل کام اپنے آپ کو مرضیاتِ الٰہی پر ڈالے رکھنا ہے، غلو کسی کام میں مناسب نہیں، تم نے ذوقعدہ کے آخر میں آنے کو لکھا ہے، بہت مسرت ہے، مولوی عباس صاحب کی خدمت میں میرا اسلام عرض کردو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/ذوقعدہ ۱۴۰۵ھ

(۱) ایک شخص عبدالغنی نامی نوادہ، بہار کے علاقے میں زندقہ پھیلا رہا تھا، مفتی محمد اسرائیل سلّمہٗ اور ان کے رفقاء نے نہایت استقامت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، بالآخر وہ اور اس کے متبعین پسپا ہوئے، وہ تو مرگیا، اس کے ماننے والے بیشتر تائب ہوگئے، ان کی اس سلسلے کی سرگرمیوں پر اس خط میں مسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

عزیزم مولوی محمد اسرائیل سلّمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف کرنا، مئو کا فساد اپنے اثرات کے لحاظ سے پھیل گیا تھا، ہمارا علاقہ بھیرہ، ولید پور، خیرآباد، مبارک پور بھی متاثر تھا، اور اس کی صورت اتنی بھیانک اور مخدوش ہوگئی تھی کہ طبیعت کی ساری توجہ سمٹ کر ادھر ہی لگ گئی، مدرسہ میں بیٹھا کچھ کر تو سکتا نہیں تھا، دن رات مصروفِ گریہ وزاری تھا، حضورِ خداوندی میں دعائیں کرتا تھا، جو زعماء میدان میں اتر کر کام کررہے تھے، مثلاً ہاشمی صاحب وغیرہ وہ بھی مئو کے اندر داخلہ کی اجازت نہیں پاسکے تھے، اس درجہ کرخت اور بے لچک کرفیو تھا کہ کچھ نہ پوچھو، کچھ حالات اندر کے باہر آ بھی نہیں رہے تھے، جگر خون ہوکر رہ گیا تھا، سخت کشمکش کی ابتلائی کیفیت تھی، آمدورفت مسدود، بسوں اور ٹرینوں کا سفر خطرناک، غرض بہت ناگفتہ

بہ حالت تھی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم وکرم فرمائیں، نہ جان محفوظ، نہ مال محفوظ، نہ عزت وآبرو کا بچاؤ، پولیس سے جتنا ظلم ہو سکا کیا، کئی آدمی مر گئے، مکانات جل گئے، کتنی عورتیں بے آبرو ہوئیں، میں اپنے دل کا حال کیا بتاؤں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب میری نگاہوں کے سامنے ہو رہا ہے، انھیں الجھنوں کی وجہ سے مدھوبنی کا سفر جو پہلے سے پختہ تھا منسوخ کر دیا، اور اسی وجہ سے تمہارا خط بھی اب تک منتظر جواب رہ گیا، اب بحمد اللہ حالات ٹھیک ہیں، کرفیو کھل گیا ہے، امن وامان کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔

میرے عزیز! تمہارے یہاں میں ضرور آؤں گا، لیکن کب تک؟ یہ ابھی نہیں کہہ سکتا، تم جہاں کام کر رہے ہو، خلوص اور لگن کے ساتھ لگے رہو، تمہاری استعداد انشاء اللہ برباد نہ ہوگی، میں حق تعالیٰ سے برابر دعا کر رہا ہوں کہ تم کو اپنی عنایت سے ایسی جگہ مرحمت فرمائیں جو تمہارے علم وعمل کے لئے مفید ثابت ہو، کیا کروں میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس حکیم وعلیم کی خدمت میں عجز ونیاز پیش کروں، پھر جو مناسب ہو وہ ظہور میں آئے، میرا یا کسی کا کیا دھرا ہیچ ہے، سب کچھ ادھر ہی سے ہے، بندہ سے وہ اپنے دین کا کام لے لیں، یہی مقصد اعلیٰ ہے ورنہ ہم کسی لائق نہیں ہیں، ان کا کرم ہے، یہاں الحمد للہ خیریت ہے، امتحان سہ ماہی ہو رہا ہے، آج دوسرا دن ہے، کل تک امتحان ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی ۴؍صفر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارے پہلے خط کا جواب میں نے لکھا تھا، شاید تمہیں ملا نہیں، یا کوئی دوسرا خط تم نے لکھا ہو، جو مجھے نہ ملا ہو۔ تم نے اپنے علاقہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اسی کے

باعث میری خواہش رہتی ہے کہ تم لوگ اپنے علاقے میں کام کرو، کام کا طریقہ مجھ سے سیکھو، اور اپنے بس بھر اپنے علاقے میں اشاعت دین کا کام کرو۔(۱)

اس زمانے میں کیا، کسی بھی زمانے میں اس سے بڑھ کر مرضی حق کام کوئی اور نہیں، اس میں بڑے صبر وتحمل اور استقامت ودوام کی ضرورت ہے، مجھے تمہاری صلاحیتوں سے امید ہے کہ انشاءاللہ تم اس میدان کے مرد ثابت ہوگے، بہت مسرت ہے کہ تمہارے اس خط سے اس کی جھلکیاں ملنے لگی ہیں، تم گھبراؤ نہیں، مجھے خیال رہتا ہے، کارِثواب اور بہت بڑا کارِثواب یقین کر کے میدان میں لگے رہو، انشاءاللہ حق تعالیٰ کی نصرت ہوگی۔ بقیہ سب خیریت ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۳۰/رجب ۱۴۰۵ھ

(۱) حضرۃ الاستاذ مدظلہ کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ بہار کے طلبہ فارغ ہونے کے بعد اپنے علاقہ میں دین کا کام کریں، وہاں خدمت کی بہت ضرورت ہے، بہار کے بکثرت علماء دوسرے صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اور خود بہار خالی، مفتی محمد اسرائیل صاحب حضرۃ الاستاذ مدظلہ کی منشاء کے مطابق اپنے علاقہ میں کام کررہے ہیں، اسی سے خوش ہوکر حضرت نے یہ خط لکھا ہے۔(ضیاءالحق خیرآبادی)

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا مفتی محمد انعام صاحب غازی پوری

مدرسہ دینیہ غازی پور کے ممتاز طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور وہیں افتاء کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ مدرسہ قاسم العلوم زمانیہ اور مدرسہ دینیہ غازی پور میں تدریس کی خدمات انجام دیں اور اب اپنے گاؤں بہورا ضلع غازی پور میں مدرسہ مدینۃ العلوم کے بانی اور مہتمم ہیں۔ علاقہ کے باا ثر علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کم از کم دو ہفتہ قبل تمہارا خط ملا تھا، خط کا جواب اگر مختصر دیتا تو ہوسکتا تھا، مگر میں نے خیال کیا کہ قدرے مفصل لکھنا چاہئے تا کہ تشفی ہو سکے، اور صورت حال ادھر یہ ہوئی کہ مسلسل الہ آباد، گورکھپور اور اطراف کے سفر پے بہ پے پیش آتے رہے، اور میرا مدرسہ میں قیام کم رہا، اس لئے تاخیر ہوئی۔ اب اپنی بات کا جواب سنو!

مختصر جواب تو یہ ہے کہ اجتہادی مسائل اور خبر واحد سے ثابت شدہ مسائل میں حق منحصر فی فرد واحد نہیں ہے، بلکہ فی کلٍ خیر ہے۔ اس لئے اختلافی مسائل میں الجھن کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جواب تو محض اتنا ہی ہے۔ اب کی اس کی تفصیل ملاحظہ کرو۔

اسلام میں احکام دو طرح کے ہیں، بعض احکام ایسے ہیں جن پر دین کا مدار ہے، جنھیں تم بنیادی احکام سے تعبیر کر سکتے ہو، اور بعض احکام انھیں بنیادی احکام کی تعمیلی شکلوں سے متعلق ہیں، جنھیں تم فروعی احکام سے تعبیر کر سکتے ہو۔

بنیادی احکام مثلاً توحید ورسالت، بعث بعدالموت، تقدیر وغیرہ کا عقیدہ، نیز نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور اخلاق ومعاشرت سے متعلق بہت سے احکام، یہ تمام امور تو قرآن کی نصوصِ صریحہ سے یا سنت متواترہ سے ثابت ہیں۔ ان میں تم کہیں اختلاف نہ پاؤ گے، تمھیں کوئی یہ کہتا نہیں ملے گا کہ نماز مثلاً فرض نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔ ان امور میں تو واقعی حق ایک نفس الامری چیز ہے، یعنی خدا کے نزدیک ایک چیز متعین طے شدہ ہے اس کی موافقت حق ہے، اس سے انحراف باطل ہے۔ ایسے چیزوں کا اعلان واشتہار اتنی کثرت اور تکرار کے ساتھ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی اس کی قطعیت میں شبہ نہیں کر سکتا، اور اگر کسی نے اس سے انحراف کی جرأت کی تو وہ خارج از اسلام قرار پایا۔ دیکھو اہل قرآن نے پانچ وقت کے بجائے تین وقت کی نماز مقرر کی، اور کافر ہوئے، قدریہ نے تقدیر کا انکار کیا اور اسلام سے باہر ہوگئے۔ روافض نے کتاب اللہ کی محفوظیت تسلیم نہیں کی، اور کفر میں جا گرے۔ قادیانیوں کو ختم نبوت میں شبہ ہوا، اور مرتد ہوگئے۔ غرض یہ ایسے قطعی امور ہیں کہ اسلام میں داخل رہتے ہوئے کوئی شخص ان میں شبہ نہیں کر سکتا۔

فروعی احکام اپنے ثبوت کے اعتبار سے دو قسم کے ہیں۔ بعض احکام ایسے ہیں جن کا ثبوت سنت متواترہ اور تعامل امت سے ہے۔ مثلاً پانچوں وقت کی نمازوں میں رکعات کی تعداد، اور وضو میں ہاتھ دھونے سے ابتداء کرنا، پھر کلی، پھر ناک میں پانی ڈالنا۔ نمازوں میں قرآن پڑھنا۔ ارکانِ نماز کی ترتیب وغیرہ۔ ان احکام میں بھی

تم کسی امام کے یہاں اختلاف نہ دیکھو گے، مثلاً کسی امام کے نزدیک یہ بات نہیں ہے کہ پہلے رکوع کرلو، پھر قیام کرو۔ یا پہلے سجدہ کرلو پھر رکوع کرو۔ ان کا تعلق سنت متواترہ اور تعامل وتوارث سے ہے۔ یہ بھی اٹل اور غیر متبدل ہیں۔ ان میں بھی نفس الامر واحد ہے اس کی موافقت حق ہے اور اس سے انحراف ظلم وتعدی کا مصداق ہے، لیکن یادرکھو ان سے انحراف کا درجۂ شناعت وہ نہیں ہے، جو اول الذکر بنیادی احکام سے گریز کا ہے۔ بنیادی احکام کا انکار کفر میں گرادیتا ہے، جبکہ یہاں کفر کا فتویٰ دینا درست نہیں **الا فی بعض الاحکام**۔

فروعی احکام کی دوسری قسم وہ ہے جن کا ثبوت اخبارِ آحاد یا قیاس سے ہو، اختلاف جو کچھ ائمہ کے درمیان پیدا ہوتا ہے، اس قسم میں ہوتا ہے۔ یہ تشکیل اعمال کی تفصیلات ہیں، ان میں شریعت نے وسعت دی ہے۔ ان احکام میں یہ کہنا کہ نفس الامر ایک ہے اور اس کا ظہور بروزِ قیامت ہوگا، اور حق کوئی ایک ہی ثابت ہوگا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کے اظہار کے لئے قیامت کا انتظار نہیں کرایا ہے، دنیا میں حق وباطل کو بالکل واضح فرمادیا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ہم بہت اطمینان اور وثوق کے ساتھ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرسکتے ہیں۔ اگر فروعی احکام کے مختلف فیہ مسائل میں حق کو کسی ایک جانب میں منحصر کردیا جائے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ اس حق کا اظہار دنیا میں ممکن نہیں ہے اور پھر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ اصل قبولیت تو محض حق کی ہی ہوگی، باقی حق سے منحرف راہوں کو معافی دی جاسکتی ہے، تو سوچو یہ ظلم ہوگا یا نہیں، کہاں ایک طرف تو **لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعھا** کا اعلان ہے، اور کہاں یہ تنگی کہ معمہ بنا کر چھوڑ دیا۔ غور کرو جن کا مسئلہ حق ہوا وہ تو خوش ہوں گے، اور جن کا اس کے برخلاف ہوا گو کہ انھیں معافی نصیب ہو لیکن کس درجہ شرمندہ ہوں گے اور یہ

شرمندگی کچھ کم عذاب ہے۔ جو لوگ ان فروعی مسائل کے بارے میں جو خبر واحد اور اجتہاد سے ثابت ہوتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ حق کسی ایک جانب میں منحصر ہے، معلوم نہیں اس کے لئے وہ دلیل کیا دیتے ہیں۔ میں نے بھی زمانہ طالب علمی میں کسی سے یہ بات سنی تھی لیکن اس وقت بھی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ میرے خیال میں اپنے اس دعویٰ پر وہ کوئی صریح تو کجا معمولی دلیل بھی پیش نہ کرسکیں گے۔ اب تم ایک مسئلہ کو لو، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا بعض ائمہ کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے، اور دونوں کے حق میں دلائل نقلیہ وعقلیہ ہیں، صریح بھی اور غیر صریح بھی، کسی دلیل کی نہ تکذیب ہوسکتی ہے اور نہ دعویٔ نسخ آسان ہے۔ اب اگر تم کسی ایک کو صراحۃً غلط کہہ دو تو اس کے دلائل کو کیا کرو گے، آخر شریعت کے مسائل سنت ہی سے تو ثابت ہیں۔ یہ راستہ بہت خطرناک ہے کہ دونوں کی تغلیط کردو، یہ بھی غلط ہے کہ ایک کی تغلیط اور دوسرے کی تصدیق کرو، اور پھر رجوع کرو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے صاحب حق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پائی ہے، جن کے بارے میں **بأيهم اقتديتم اهتديتم** وارد ہے، اور ان کی طرف جنھوں نے نبی کے صحبت یافتوں سے شریعت پائی اور ان سے تربیت پائی اور ان سے مزاجِ شریعت سیکھا ہے۔

حافظ ابوعمر و ابن عبدالبر نے اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم میں متصل سند کے ساتھ ایک روایت اسامہ بن زید سے نقل کی ہے، اسامہ بن زید نے مشہور تابعی، مدنی امام، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد رشید حضرت قاسم بن محمد سے سوال کیا۔ کہتے ہیں:

**سألت القاسم بن محمد عن القرأة خلف الامام فيما لم تجهر فيه فقال إن قرأت فلك في رجال من أصحاب النبي ﷺ أسوة وإن**

**لم تقرأ فلک فی رجال من أصحاب النبی ﷺ أسوۃ (ج:۲،ص:۸۰)**

میں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ جن فرض نمازوں میں زور سے قرأت نہیں کی جاتی ان میں امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، اس پر قاسم بن محمد نے فرمایا اگر تم پڑھو تو رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں میں تمہارے لئے نمونہ ہے، اور نہ پڑھو تو رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں میں اس کا بھی نمونہ موجود ہے۔

دیکھو قاسم بن محمد قدس سرہٗ دونوں عمل کو صحیح قرار دے رہے ہیں، اس سے بڑھ کر سنو! نسائی کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں ایک روایت نقل کی ہے جس کو مولانا گیلانی نے تدوین حدیث میں نقل کیا ہے۔

**عن طارقٍ أن رجلا أجنب فلم یصل فأتی النبی ﷺ فذکر ذٰلک فقال أصبت، فأجنب رجل آخر فیتیمم وصلیٰ فأتاہ فقال لہ نحواً مما قال للاٰخر یعنی أصبت۔**

طارق سے مروی ہے کہ ایک شخص جنابت میں مبتلا ہوا، اور اس نے نماز نہیں پڑھی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا قصہ ذکر کیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔ پھر ایک دوسرا آدمی جنابت میں مبتلا ہوا، اور تیمّم کر کے نماز پڑھی، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور اس سے بھی رسول اللہ ﷺ نے وہی بات کہی جو پہلے سے کہی تھی، یعنی تم نے ٹھیک کیا۔

اور بنو قریظہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے عجلت میں صحابہ کو بنی قریظہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھنی ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی اور راستے میں نماز قضا کر دی، اور بعض صحابہ کا خیال ہوا کہ عجلت مقصود ہے نماز قضا کرانی مقصود نہیں ہے۔ ان حضرات نے راستے

میں نماز پڑھ لی، دونوں معاملے جب حضور کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے ہر دو کی تصویب فرمائی۔ ظاہر ہے کہ آپ پر تو حق مخفی نہ تھا اگر ایک ہی جانب اس اجتہاد میں حق تھا تو دوسرے کی تصویب کا کیا معنیٰ؟ خلاصہ یہ کہ بنیادی احکام کی تشکیلی صورتیں جو اخبار آحاد یا قیاس سے ثابت ہیں، ان میں جتنی صورتیں دلیل سے ثابت ہیں سب بجا درست ہیں اور سب حق ہیں۔

مولانا گیلانی نے امام جصاص کا ایک قول نقل کیا ہے کہ:

ان حدیثوں کی بنیاد پر مسائل کی جتنی شکلیں پیدا ہوتی ہیں، مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں سے جس شکل کو چاہیں اختیار کریں، فقہاء اور ائمہ میں یہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ ان شکلوں میں افضل و بہتر شکل کیا ہے۔

(تفسیر جصاص، ج:۱، ص:۲۰۴)

بلکہ اس سے بڑھ کر امام جصاص ہی کی اور بات اور بھی نقل کی ہے:

''مختلف روایتوں کا یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ یہ بتانے کے لئے کہ مسلمان ان ان شکلوں اور پہلوؤں میں سے جس شکل اور جس پہلو کو چاہیں اختیار کریں۔ آنحضرت ﷺ نے سب ہی کر کے دکھایا تا کہ معلوم رہے کہ ساری صورتیں جائز ہیں۔ (حوالہ بالا)

اور دیکھو مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:

ایسے اختلافی مسائل جن میں صحابہ کے اقوال ہر پہلو کی تائید میں ملتے ہیں، مثلاً عیدین وتشریق کی تکبیریں، محرم کا (بحالت احرامِ حج) نکاح کرنے کا حکم، یا تشہد کے کلمات جو ابن مسعود اور ابن عباس کی طرف منسوب ہیں، یا آمین یا بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا یا زور سے پکار کر کہنا، یا نماز کی اقامت میں بجائے دو دو

دفعہ کے ایک ایک دفعہ اقامت کے کلمات کو ادا کرنا، اور اسی قسم کی ساری باتوں میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ شریعت کے مطابق ہے، اور اس کی مخالف شکل غیر شرعی شکل ہے، بلکہ سلف کا اگر اختلاف تھا بھی تو اس میں تھا کہ ان دو مختلف صورتوں میں اولیٰ اور بہتر شکل کیا ہے، ورنہ دونوں شکلوں کو شرعی شکل قرار دینے پر سب متفق ہیں۔

(الانصاف، ص:۸۹)

اس تفصیل سے مسئلہ کی حقیقت تم سمجھ گئے ہو گے، اگر مزید معلومات چاہو تو مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث ص: ۲۹۴ سے ۳۷۰ تک ذرا غور سے پڑھ لو۔ انشاء اللہ اختلاف کی حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

البتہ یہاں پر چند سوال پیدا ہوں گے۔ (۱) جب تمام صورتیں حق ہیں تو کسی ایک امام کی تقلید کی کیا حاجت ہے، آدمی جس مسئلہ پر چاہے عمل کرے۔ (۲) مثال کے طور پر امام کے پیچھے جب سورہ فاتحہ پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں صحیح ہے تو امام شافعی علیہ الرحمہ کے فتویٰ کے مطابق اگر مقتدی نہ پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد کیوں ہوتی ہے، اور امام صاحب کے فتویٰ کے مطابق اگر پڑھ لے تو اساءت وملامت کا مستحق کیوں ہوتا ہے۔ یا مثلاً ایک رکعت وتر امام صاحب کے نزدیک کیوں درست نہیں ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح ہے؟ (۳) اگر سب صحیح ہے تو مجتہد کے خطا وصواب کا کیا مطلب؟ کہ خطا پر ایک ثواب کا وعدہ ہے اور صواب پر دوہرے اجر کا۔

پہلے سوال کا جواب سنو! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ عامۃ المسلمین چوتھی صدی ہجری سے پہلے کسی ایک امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے بعد کسی ایک امام کے مسائل پر تخریجات کا

سلسلہ شروع ہو چکا تھا، تاہم کسی ایک امام کے مسلک کی مکمل تقلید کا ظہور چوتھی صدی ہجری تک نہ تھا، بلکہ عام لوگوں کا دستور یہ تھا کہ اجماعی مسائل جن میں ائمہ کا اختلاف نہ تھا، ان میں صاحب شرع کی تقلید ہوتی تھی۔ چنانچہ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کے طریقے خود اپنے گھروں سے سیکھتے تھے، جو بطور تعامل رسول اللہ ﷺ سے ان تک پہونچے تھے، اور اگر کہیں مسئلہ معلوم نہ ہوتا اور دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی تو کسی مفتی اور فقیہ سے پوچھ لیتے، اور اس پر عمل کرتے، خواہ وہ کسی مسلک کا ہو، اور علماء خواص کا طریقہ یہ تھا کہ محدثین تحصیل حدیث میں مشغول رہتے اور انھیں ایسی صحیح اور مشہور حدیثیں مل جاتیں، جو عمل کے لئے کافی ہوتیں اور اگر کہیں روایات مختلف ہوتیں تو ترجیح کے لئے فقہاء متقدمین کی جانب رجوع کرتے، اور اگر فقہاء کے دو یا چند اقوال ملتے تو دلیل کے لحاظ سے جو راجح ہوتا اسے اختیار کرتے۔ خواہ فقیہ اہل مدینہ میں سے ہو یا اہل کوفہ میں سے۔ اور فقہاء جن مسائل کو صراحۃً نہیں پاتے اپنے اساتذہ کے مسلک پر ان مسائل کی تخریج کرتے، اور انھیں کی جانب منسوب ہوتے، چنانچہ ''فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی ہے'' کی حقیقت یہی ہے۔ بلکہ محدثین بھی بکثرت مسائل میں جن ائمہ کی موافقت کرتے ہیں انھیں کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، جیسے امام نسائی وبیہقی وغیرہ شافعی مشہور ہیں، ورنہ یہ اکابر خود مجتہد تھے، اس زمانے میں قاضی ومفتی وہی ہوتا تھا جو مجتہد ہو۔

یہ تو اصل صورت حال تھی، اور یہی طریقہ فطری اور مزاج شرع کے موافق ہے، لیکن حالات کے بدلنے سے طریقۂ کار میں تبدیلی کرنی پڑی۔ بعد میں جوں جوں دین سے دوری بڑھتی گئی، شریعت کی وقعت قلوب سے کم ہوتی گئی، اور خواہشات کے اتباع کا زور بڑھتا گیا، ویسے ویسے دین کی گرفت لوگوں پر ڈھیلی پڑتی گئی۔ ایسی

حالت میں اگر سابقہ طریقۂ کار کو باقی رکھا جاتا تو تلعب بالدین کا دروازہ کھل جاتا۔ انتظام شریعت کے واسطے تقلید شخصی ضروری قرار پائی، اور اب غیر مقلدین کی حالت دیکھ کر یہ بات بداہۃً محسوس ہوتی ہے کہ تقلید شخصی انسان کے لئے کتنی ضروری ہے۔

دوسرے سوال کا جواب أنا عند ظن عبدی بی پر غور کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجتہد نے یا مبتلیٰ بہ نے حق اجتہاد پورا کر کے یا مکمل تحری کر کے جس جانب کو راجح قرار دیا، اور سمجھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی ہے، اب اس کے خلاف دوسری راہ اختیار کرنے کی اسے اجازت نہ ہوگی۔ دیکھو جب جہت تحری قبلہ بن چکی تو اس کے علاوہ کسی اور جہت میں رُخ کرے گا تو اپنی نماز کھودے گا، گو وہ عین قبلہ کی جہت میں ہو۔ اسی کے مثل تمہاری تحریر کردہ مثال بھی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ خطا اور صواب کا تعلق آخرت سے نہیں ہے، بلکہ دنیا سے ہے یعنی مجتہد نے اخلاص کے ساتھ معاملہ سمجھنے کی کوشش کی اور اجتہاد کی تمام شرائط پوری کیں، اور ایک فیصلہ کیا، مگر بعد میں کسی اور دلیل سے معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ غلط تھا، تو گناہگار نہ ہوگا، بلکہ اجر کا مستحق ہوگا، اور اگر اس کا فیصلہ صحیح تھا تو دوہرے اجر کا مستحق ہوگا۔ آخرت میں خطا وصواب کے معلوم ہونے کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔

خدا کرے تمہیں اس سے تشفی ہو جائے، اگر مناسب سمجھو تو یہ پورا خط کسی ایسے استاذ کو جس پر تمہیں پورا اعتماد ہو، دکھا دو۔ اگر اس میں غلطی کی نشاندہی کریں تو اور تصویب کریں تو اطلاع دو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم/ مارچ ۱۹۸۵ء

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا صفی اللہ مدھوبنی

عزیزم مولوی صفی اللہ سلّمہٗ ضلع مدھوبنی، بہار، کے رہنے والے سعادت مند طالب علم تھے، جس وقت یہ خط لکھا گیا، وہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، اس سے پہلے مدرسہ دینیہ غازی پور میں اس خاکسار کے پاس پڑھتے تھے، اب ماشاء اللہ مدھوبنی شہر میں ایک مدرسہ میں مدرس ہیں، تعلیم کے ساتھ تجارت کا مشغلہ بھی ہے، بہت کامیاب تاجر ہیں، اللہ تعالیٰ برکت دے۔ (اعجاز احمد اعظمی)

عزیزم مولوی صفی اللہ سلّمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، میں دعاء تو تم لوگوں کے لئے کرتا ہی ہوں، تم لوگ بھی اس کا لحاظ رکھو کہ وقت لہو ولعب، فضولیات وخرافات میں نہ گزرے، مقصد صرف علم دین کی تحصیل ہی نہیں بلکہ اخلاقِ فاضلہ اور خصائل حمیدہ کا بھی حصول ہے، اور دونوں کا ایک دوسرے سے ربط ہے، انسان اگر اپنے اخلاق واعمال کے لحاظ سے بلند اور ممتاز ہوگا تو اس کا علم بھی معتبر اور کارآمد ہوگا، اور اگر علم نافع اسے حاصل ہو رہا ہے تو لازماً اس کے اخلاق وعادات بہتر سے بہتر ہوتے چلے جائیں گے، ایک کے بغیر دوسرا چنداں قابل

اعتبار نہیں ہے، حدیث ہے: **تعلموا العلم وتعلموا للعلم الوقار**، علم سیکھو اور علم کے واسطے وقار وسنجیدگی سیکھو، پھکڑ پن، کھلنڈرانہ مزاج، فضولیات میں انہماک، یہ سب مزاج علم کے خلاف ہے، طالب علم غیر سنجیدہ حرکات کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اسے علم سے مس بھی نہیں ہوا، اے کاش! آج طلبہ اس بات کو سمجھ لیتے تو کتنے مسائل حل ہوجاتے، لیکن **کم حسراتٍ فی بطون المقابر**، دارالعلوم بہت بڑی جگہ ہے، بڑی جگہ میں آدمی گم ہوجاتا ہے، لیکن ٹھوس سنجیدگی، وقار ومتانت اور کتابوں کی مشغولیت انسان کو گم ہونے سے بچالے گی، معلوم نہیں تم لوگوں کے رنگ ڈھنگ کیا ہیں، جوں جوں وقت اپنا قدم آگے بڑھاتا جاتا ہے، تم لوگوں کی تحصیلی عمر کم ہوتی چلی جارہی ہے، جتنا وقت بچ گیا ہے اس کی قدر کرو، علم میں رسوخ پیدا کرنے کے لئے کمالِ جدوجہد کرو، سستی وکاہلی اور آرام پسندی نیز زیب وزینت سے بہت اجتناب کرو، یہ میری نصیحت ہے، پہلے بھی تھی، اب بھی ہے، آئندہ بھی رہے گی، آرام وراحت اور زیب وزینت کی اصل جگہ جنت ہے، دنیا نہیں، یہ کارگاہ ہے، کارخانہ میں کوئی اچھے لباس کی طرف دھیان نہیں دیتا، جب وہاں سے فارغ ہوجاتا ہے، جب صورت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

والسلام

دعاگو اعجاز احمد اعظمی

۲۰؍صفر ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا مفتی انعام الحق صاحب سیتامڑھی

مدرسہ دینیہ شوکت منزل غازی پور کے ممتاز طلباء میں ہیں ۔ صاحب استعداد، شریف الطبع ،محنتی اور جفاکش دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی ،اور جن دنوں میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں مدرس تھا انھوں نے وہیں افتاء کی تکمیل کی ،اور عرصہ سے عالی پور صوبہ گجرات کے ایک مدرسہ کے استاذ حدیث ہیں ۔متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۔اپنے آبائی وطن سیتامڑھی صوبہ بہار میں مکاتب کا نظام چلا رہے ہیں ۔انھوں نے سوال کیا تھا کہ ’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب روئے زمین پر سو سال تک زندہ نہیں رہ سکتے ، یہ حدیث کہاں ہے؟ بابا رتن نے جب یہ دعویٰ کیا کہ میں صحابی ہوں تو علماء کرام نے مذکورہ حدیث کی بنا پر ان کی تکذیب کردی ، سوال یہ ہے کہ جنات کے صحابی ہونے پر دلائل ہیں ،اور ان کی عمر چودہ سو سال کی ہوئی ہے ،جیسا کہ مشہور واقعہ ( شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا واقعہ ) سے معلوم ہوتا ہے ،تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟‘‘اس کے جواب میں یہ مکتوب تحریر کیا گیا۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرصہ کے بعد تمہارا خط ملا، جبکہ مجھے انتظار تھا۔ جس حدیث کا تم نے ذکر کیا ہے، وہ مسلم شریف کی روایت ہے، مسلم شریف یہاں نہیں ہے، مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اسی کے حوالے سے نقل کیا ہے، صاحب فتح الباری نے بھی نقل کیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا ہے، اس سلسلے میں جو قول تم نے نقل کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اجنہ صحابہ اس وقت فضاء آسمانی میں ہوں، وہ واقعی کمزور بات ہے، کلام خواہ الفاظ کے اعتبار سے بالکل مطلق ہو، لیکن متکلم ومخاطب اور ماحول وزمان کے لحاظ سے اس میں قیدیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے متعلق ہدہد کی زبان سے نقل کیا ہے کہ **واوتیت من کل شیٔ**، ظاہر ہے کہ **من کل شیٔ** سے مراد دنیا کی ہر چیز نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کے جو لوازم واسباب ہیں وہ مراد ہیں، اسی طرح حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ **لایبقیٰ علی وجه الارض بعد مائة سنةٍ ممن هو علیها الیوم أحد**، اس سے مراد پوری کائنات مکلفین تو کیا، تمام انسان بھی مراد نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **أراد بذٰلک إنخرام قرنه**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ ہے آپ کا قرن ختم ہوجائے، جس کے بارے میں آپ نے **خیر القرون قرنی** فرمایا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ سو سال تک صحابہ کی موت بھی ضروری نہیں، مجموعی اعتبار سے آپ کا قرن مراد ہے سو سال گذرنے کے بعد اگر بعض صحابہ زندہ وحیات ہوں تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

ہاں جہاں تک ہندوستان کے مدعی صحابیت کا مسئلہ ہے، تو اس میں محدثین کا طریقہ قوی ہے، صحابیت ایک شرف عظیم ہے، اس پر بہت سے احکام وامور متفرع ہوتے ہیں، اس کے ثبوت کے لئے صرف امکان کافی نہیں ہے، بلکہ صحیح سند کے ساتھ

اس کا ثبوت بھی ضروری ہے، کم از کم خبر واحد کے درجے کا ثبوت صحابیت کیلئے درکار ہے، اور بابا رتن ہندی کے لئے، اس طرح کا کوئی ثبوت نہیں ہے، صرف امکان، حسن ظن اور ان کا دعوائے صحابیت ہے، اس سے اتنا تو ہوسکتا ہے کہ ایک معمولی گمان کے درجے میں انھیں صحابی تصور کیا جائے، لیکن صحابیت کے احکام ان پر جاری نہ ہوں گے۔ اگر ان شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے، تو دین میں بڑا رخنہ پیدا ہوجائے گا۔ کوئی عمر دراز شخص اگر اس کا دعویٰ کر بیٹھے تو کیا ہم سب کو صحابی مان لیں گے۔ ہندوستان میں ایسے عمر دراز شخص بہت ہوئے ہیں، جو حبس دم کرکے ایک دو سال نہیں سینکڑوں سال بیٹھے رہے ہیں، اس لئے بابا رتن کے باب میں حضراتِ محدثین ہی کا قول معتبر ہے، یہی اصول اجنہ صحابہ کے متعلق بھی ہے، یہ تو بہرحال معلوم ہے کہ اجنہ میں بھی صحابہ ہوئے ہیں، لیکن متعین طور پر کسی فرد کی صحابیت معلوم نہیں۔ اس لئے اگر کوئی جن دعویٔ صحابیت کرلے تو اس کی صالحیت وغیرہ کی بنا پر حسن ظن قائم کرنے کی گنجائش ہے، مگر قطعیت کے ساتھ فیصلہ درست نہیں، مشہور قصہ میں بھی اصل حکم یہی ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ حقیقۃً صحابی تھے، اسی بنا پر شاہ اہل اللہ صاحب جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا وہ کسی درجہ میں تابعی نہیں ہوئے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲؍رجب ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا شرافت ابرار صاحب دیناج پوری

مدرسہ دینیہ غازی پور میں جن طالب علموں سے خصوصی تعلق رہا ان میں ایک پورا خانوادہ ہی تھا، جس کے اکثر افراد نے اس خاکسار سے تعلیم حاصل کی۔ یہ مولوی شرافت ابرار۔ مولوی نثار خالد۔ مولوی فروغِ الیاس۔ حافظ منہاج اصغر۔ مولوی خورشید ربّانی ہیں۔ یہ سب سگے بھائی ہیں جو بیک وقت مدرسہ دینیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حافظ منہاج اصغر کو چھوڑ کر باقی سب نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ ان کا پرانا تعلق اب بھی باقی ہے۔ یہ صوبہ بنگال ضلع دیناج پور کے رہنے والے ہیں۔ مولانا شرافت ابرار کلکتہ میں جامع مسجد نارکل ڈانگہ کے امام وخطیب ہیں اور ایک عربی مدرسہ جامعہ امام ابوحنیفہ کے بانی اور مہتمم ہیں۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کلکتہ سے واپسی پر ابھی مدرسہ نہیں پہونچا تھا جبھی ایک خط غازی پور سے بعجلت تمہارے پاس بھیجا تھا، خدا معلوم ملا یا نہیں، اس خط میں تم نے کوئی تذکرہ اس کے متعلق نہیں کیا ہے، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید خط ملا نہیں۔

تمام احوال اللہ کے اختیار میں ہیں، اپنے ہوں یا غیر! نہ ان پر اعتماد کرو اور نہ انھیں موردِ الزام ٹھہراؤ۔ سب خدا کی تقدیر کے سامنے بے بس اور معذور ہیں، کوئی کچھ

نہیں کرسکتا، سب کچھ ادھر ہی سے ہے، اگر آدمیوں کے بس میں ہوتا تو اب تک تم اپنے حالات پر قابو پا چکے ہوتے، یا تمہارے دشمن تمہیں پانی کے ایک ایک قطرے کے لئے ترسا دیتے، لیکن نہ تم اپنے ارادہ میں کامیاب ہو پا رہے ہو، نہ تمہارے دشمن، بس ہر شخص دست قدرت میں لاچار ہے، سوائے رضا بالقضا اور دعاء عافیت کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ اب اپنے سوالات کے جواب ملاحظہ کرو۔

(۱) **أو لکلکم ثوبان** ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جو رفع حرج کے سلسلے میں ناطق ہے، پوری حدیث سامنے ہوتو مطلب کھل جائے گا۔ **عن أبی ھریرۃ أنہ** ﷺ **سئل عن الصلوٰۃ فی ثوبٍ واحدٍ فقال أو لکلکم ثوبان**" رواہ الستۃ إلا النسائی، جمع الفوائد ج:۱ ص:۱۹۵" آپ سے پوچھا گیا کہ کیا ایک کپڑے میں نماز ہوسکتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ جب ہر آدمی دو کپڑے کا مالک نہیں تو کیا اس کی نماز نہیں ہوگی، یعنی دو کپڑا ہونا صحت نماز کے لئے شرط نہیں۔

(۲) ملاءِ اعلیٰ کی تمہید میں شاہ صاحب نے ایک آیت اور چند حدیثیں ذکر کی ہیں، انھیں بغور پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ملائکہ کی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت وہ ہے جو براہ راست بارگاہِ قدس میں حاضر ہے، اور احکام خداوندی کا نزولِ اولیں انھیں پر ہوتا ہے اور ان کے واسطے سے فرشتوں کی دوسری جماعت ان احکام کو حاصل کرتی ہے۔ یہ دو جماعتیں تو فرشتوں کی ہیں، اس کے بعد سنو کہ انسانوں کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے ملکوتی استعداد رکھی ہے، یہ استعداد کم اور زیادہ ہوتی ہے، جو خوش بخت اس کا حظِ وافر پاتے ہیں، اور پھر اس کو کام میں لاکر اسے ترقی دیتے ہیں، وہ جوں جوں ملکوتیت کی طرف آگے بڑھتے ہیں ان کی بہیمیت مدھم ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ بالکل

مضمحل ہوکر رہ جاتی ہے، یہ لوگ اپنی استعداد کے مطابق کبھی فرشتوں کی پہلی جماعت میں جا شامل ہوتے ہیں، اور کبھی دوسری جماعت میں۔شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام فرشتوں سے انجام پاتے ہیں ان کی انجام دہی یہ لوگ بھی شریک ہوجاتے ہیں، ان فرشتوں اور آدمیوں سے کیا کام انجام پاتے ہیں، اجمالاً شاہ صاحب نے **إعلم أنه قد استفاض من الشرع الخ** میں بیان کیا ہے۔

چونکہ دونوں طرح کے فرشتوں کی استعدادیں متفاوت ہوتی ہیں، اور اسی لحاظ سے ان کے درجات میں تفاضل ہے، اس لحاظ سے ان کے اجسام واشباہ کے اندر بھی فرق ناگزیر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ **قسم علم الحق ان نظام الخير إلىٰ نفوس كريمة** یعنی ایک قسم وہ ہے کہ نظام خیر ان کے وجود پر باذن خداوندی موقوف ہے، تو حق تعالیٰ نے کچھ ''اجسام نوریہ'' کو پیدا فرمایا اور ان میں ''نفوس کریمہ'' کی روح پھونکی۔ ان اجسام کو اللہ تعالیٰ نے عناصر کے لوث سے پاک رکھا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو عناصر کے لوث سے مبرا نہیں ہے، بلکہ عناصر کے ''بخاراتِ لطیفہ'' کی ترکیب سے ان کا مادہ تیار ہوا پھر ان میں نہایت اعلیٰ درجہ کی روح ڈالی گئی، جو بہیمیت کی تلویثات سے یکسر منزہ ہے، یہ بھی فرشتے ہی ہیں، پہلی جماعت ملاء اعلیٰ کے نام سے موسوم ہے، اور دوسری جماعت ملاء سافل کے نام سے، تیسری قسم انسانوں کی جماعت سے اٹھتی ہے، یہ کبھی ملاء اعلیٰ کے ساتھ لحوق رکھتی ہے اور کبھی ملاء سافل کے ساتھ، بلکہ بعض اکابر تو دونوں جماعتوں سے آگے بڑھ جاتے ہیں، جیسے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ السلام۔

پھر شاہ صاحب نے ملاء اعلیٰ کے شئون پر گفتگو کی ہے کہ ان کو باری تعالیٰ کی جانب دوام توجہ حاصل ہوتا ہے، ایسا دوام جس کو کوئی بھی مانع منقطع نہیں کرسکتا، وہ ہر

حال میں متوجہ الی اللہ رہتے ہیں، انھیں اپنی فطری استعداد کے باعث جو خدا نے ان میں ودیعت کی ہے، ”ہر نظام خیر“ اور ”انتظامِ صالح“ محبوب اور مطبوع ہوتا ہے، اور نظامِ شر کی نفرت سے یہ معمور ہوتے ہیں، ملاء اعلیٰ کے انوار باہم متداخل ہوکر ”روحِ اعظم“ کے پاس جمع ہوتے ہیں، اس جگہ کا نام شاہ صاحب ”حظیرۃ القدس“ رکھتے ہیں، اگر خدا تعالیٰ کو مخلوقات کے ساتھ خیر منظور ہوتا ہے تو ”حظیرۃ القدس“ میں اجماع منعقد ہوجاتا ہے کہ اس وقت کے سب سے صالح استعداد والے شخص کی تربیت کرکے اسے درجۂ کمال تک پہونچادیا جائے، اور پھر بنی آدم کے قلوب میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ اس کے اتباع پر جمع ہوجائیں، اس طرح ایک نظام صالح کا رواج ہوتا ہے، پھر نظام صالح کے لئے اسی کے مناسب علوم وحقائق کا انکشاف ہوتا ہے، کبھی بصورتِ وحی، کبھی الہام، کبھی بصورت صدائے غیبی اور کبھی بصورت مشاہدہ، ملاء اعلیٰ کے یہ فرشتے ان لوگوں کی مدد میں سرگرم ہوتے ہیں، جو اس نظام کو قبول کرتے ہیں اور جو اس سے دور ہوتا ہے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، یہی حقیقت نبوت کی اصل اصول ہے، ملاء اعلیٰ کی اس سرگرمی کو شریعت کی اصطلاح میں ”روح القدس کی تائید“ کہتے ہیں، ”روح القدس کی تائید“ سے عجیب وغریب برکات وخوارق کا ظہور ہوتا ہے، جس کا تعلق عام اسبابِ عادیہ سے نہیں ہوتا، انھیں معجزات کہتے ہیں، یہ حال تو ملاء اعلیٰ کا تھا۔

ملاء اعلیٰ کے بعد دوسرے کچھ نفوس ہیں، یہ قسم اول کے مرتبہ پر نہیں ہوتے ......جیسا کہ پہلے گزر چکا...... ان کا کمال یہ ہے کہ ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ اوپر سے جو احکام آئیں تو انھیں اپنی استعداد کے مطابق قبول کرکے ان کے نفاذ میں سرگرم ہوجائیں جیسا کہ حیوانات اور پرندے اپنے طبعی تقاضوں کے مطابق سرگرم کار رہتے ہیں، اسی طرح یہ بھی الٰہی اور خداوندی تقاضوں پر سرگرم عمل ہوتے ہیں، ان کی نہ اپنی

کوئی طبیعت ہوتی ہے اور نہ اس کے تقاضے، یہ اپنی خواہشات کے لحاظ سے فانی اور اللہ کی مرادات کے لحاظ سے باقی ہوتے ہیں، جو کچھ ان کے قلوب میں اوپر سے الہام ہوتا ہے اس کے موافق یہ انسان اور بہائم کے قلوب میں موثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہی کی تاثیر ہوتی ہے کہ انسان کا ارادہ شر سے پلٹ کر ایک دم خیر کی طرف ہو جاتا ہے، بلکہ ان کی تاثیرات اشیاء طبعیہ میں بھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں، چنانچہ کبھی کوئی پتھر پھینکا جاتا ہے تو جتنی دور اسے جانا چاہئے اس سے بہت آگے چلا جاتا ہے، درحقیقت وہاں کوئی فرشتہ آجاتا ہے جو اس پتھر کو مزید لڑھکا دیتا ہے، ایک شکاری اپنا کانٹا دریا میں ڈالتا ہے تو فرشتوں کی جماعت آتی ہے اور کسی مچھلی کو اس سے بھگا دیتی ہے اور کسی مچھلی کے دل میں کوئی دوسرا اثر ڈال دیتی ہے کہ وہ کانٹے میں آکر گرفتار ہو جاتی ہے، وہ خود نہیں جانتی کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے، یونہی کبھی دو فوجوں میں مقابلہ ہوتا ہے، ایک فوج شجاعت و ہمت سے بھرپور ہوتی ہے، اور دوسری جبن و پستی کا شکار ہوتی ہو جاتی ہے، یہ درحقیقت ملاء سافل کی کارفرمائی ہے، ملاء سافل کی عین ضد ایک اور جماعت ہے جس کا مادہ ''بخارات ظلمانیہ'' سے تیار ہوا ہے، یہ ہر خیر سے عناد رکھتی ہے، ان کی ساری جدوجہد اور سرگرمی فرشتوں کے خلاف ہوتی ہے، یہ شیاطین کا گروہ ہے۔ **أعاذنا الله منها** ۔

فرصت نہ تھی، مختصراً اتنا لکھ دیا۔ تفصیل کے لئے مزید مثالیں اور ان کا انطباق درکار ہے جس کی فرصت نہیں، زبانی گفتگو اس کیلئے مناسب رہے گی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۶؍صفر ۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی سفیان احمد صاحب اعظمی

غالباً ۱۹۸۴ء میں مدرسہ بیت العلوم سرائمیر کے سالانہ جلسہ میں میری حاضری ہوئی تھی۔ وہاں ایک ذہین وفطین طالب علم کو بہت غور اور اہتمام سے وعظ سنتے ہوئے دیکھا، پھر وعظ کے بعد وہ میرے قریب دیر تک رہا۔ جلسہ کے کچھ دنوں بعد جب مدرسوں کے تعلیمی سال کا اختتام ہوا تو وہی طالب علم مدرسہ دینیہ شوکت منزل میں میرے پاس اپنے چند رفقاء کے ساتھ آیا اور درخواست کی کہ ہم لوگ اگلے سال مدرسہ دینیہ میں پڑھنا چاہتے ہیں، چنانچہ ایک سال اس طالب علم نے مدرسہ دینیہ میں تعلیم حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ یہ ہیں مولانا سفیان احمد سلّمہٗ! کچھ دنوں گجرات کے ایک مدرسہ میں رہے، پھر دو تین سال کے لئے سعودی عرب چلے گئے، اور اب ایک طویل عرصہ سے میرے ساتھ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں مصروف تدریس ہیں۔

عزیزم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج تمہارا خط ملا، اس سے پہلے وہ خط ملا تھا جس میں تم نے رفع یدین فی الدعاء کا مسئلہ دریافت کیا تھا، میں نے علی الفور اس کا ایک مختصر اور اجمالی جواب لکھا اور اس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ انشاء اللہ اس پر ایک مفصل اور سیر حاصل مضمون لکھوں گا، مگر غلطی یہ ہوئی کہ المآثر کا جو پیکٹ بنایا اسی میں وہ خط بھی ڈال دیا، المآثر معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں کہیں ضائع ہوگیا اسی کے ساتھ وہ خط بھی مرحوم ہوگیا۔ افسوس یہ ہے

کہ اس کی کوئی نقل میرے پاس نہیں ہے کہ پھر لکھ کر بھیج دوں، اور اس وقت ذہن میں مضمون بھی مستحضر نہیں ہے، البتہ اتنی بات لکھ دینی ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی عمل کے ثبوت کے لئے انحصار صرف عمل رسول اور عمل صحابہ پر نہیں ہے، اگر کسی بات کا ثبوت عملی دلائل سے نہ ہو مگر اقوال وفرمودات سے ہوتا ہو تو وہ کسی طرح درجے میں اس سے کم نہیں ہے جس کا ثبوت عمل سے ہو، مگر آج کل کے ظاہر پرستوں اور عقل سے بیگانوں کے یہاں سوائے جمود کے کچھ نہیں ملتا، ظواہر الفاظ کے عاکفین کو کوئی بات سمجھانی بہت مشکل ہے، میں پوچھتا ہوں کہ نمازوں کے بعد دعاؤں کی قبولیت کی بشارت اور اس کی ترغیب احادیث میں آئی ہے یا نہیں؟ اور پھر دعاؤں میں اور اس کے آداب میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر دونوں بات ثابت ہے تو جماعت کی نمازوں کے بعد یا انفرادی نمازوں کے بعد اگر سب نے یا ایک نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تو اس میں بدعت کی کیا بات ہوئی؟ کیا جو حکم مطلق آیا ہو اگر اس کی تعمیل کسی خاص صورت میں کر دی گئی تو وہ بدعت ہو جائے گی، نہ جانے بدعت کی کیا تعریف اور اس کی کیا حدود ان اللہ کے بندوں کے نزدیک ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ استنباط واجتہاد کے تو دشمن ہیں، جب تک ظواہر ان کے سامنے نہ پیش کر وان کی عقل کھلتی ہی نہیں، اور اسی ظاہر پرستی کے باعث یہ عجب عجب خبط .......... میں پڑے رہتے ہیں۔ میں نے اپنے مضمون میں ظواہر حدیث کو بھی پیش کیا ہے، ابھی وہ مکمل اور صاف نہیں ہوا ہے، بعض حوالوں کی بھی تلاش ہے، اس لئے تھوڑی تاخیر ہے، مگر اس کو بدعت کہنا یا اسے غیر ثابت کہنا محض مکابرہ ہے، جس چیز کی ترغیب وتحریض حدیث میں آ گئی، اس کا مطلوب ومحمود ہونا ثابت ہو گیا، اور اس کی تعمیل کی جتنی جائز صورتیں ہو سکتی ہیں خواہ وہ دورِ صحابہ میں پائی جاتی ہوں یا نہ، بشرطیکہ کسی خاص صورت میں منحصر

نہ کردیا گیا ہو بالکل درست اور ثابت بالسنۃ ہیں، البتہ اس کی تعمیل کو کسی خاص صورت میں منحصر کر کے باقی صورتوں کی نفی کردی جائے تو یہ البتہ زیادۃ فی الدین ہے، جیسا کہ ان غالین نے کر رکھا ہے۔ دیکھو فرض نماز کے بعد دعاء کی ترغیب وارد ہے، دعاؤں میں ہاتھوں کا اٹھانا بالاتفاق داخل آداب ہے، پھر کیا بات ہے کہ بعد نماز فرض اسے ترک رفع کے ساتھ خاص کردیا جائے، اور رفع یدین کو بدعت قرار دیا جائے، اگر اس تخصیص وانحصار کو بدعت کہا جائے تو بجا ہے، رہی بات التزام کی تو عزیزم یہ التزام نہیں ہے دوام ہے، اور دوام فی نفسہٖ مطلوب ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”لا ریب ان الادعیة دبر الصلوٰۃ قدتواترت تواتراً لا ینکرا ما رفع الایدی فثبت بعد النافلة مرة او مرتین فالحق بها الفقهاء بعد المکتوبة ایضاً وذهب ابن تیمیة وابن قیم الی کونه بدعة بقی ان المواظبة علی امر لم یثبت عن النبی ﷺ إلامرة او مرتین کیف هی؟ فتلک هی الشاکلة فی جمیع المستحبات فانها تثبت طوراً فطوراً ثم الامة تواظب علیها۔“

حاصل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا ایسے تواتر سے ثابت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، باقی ہاتھوں کا دعا میں اٹھانا تو نفل کے بعد ایک یا دو مرتبہ ثابت ہے، فقہا نے اسی قیاس پر فرض نمازوں کے بعد بھی ہاتھ اٹھانے کو ملحق کیا ہے، اور علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔
رہا یہ مسئلہ کہ جو عمل رسول اللہ ﷺ سے ایک یا دو بار ثابت ہے اس پر دوام کرنا کیسا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ تمام مستحبات کے اثبات کا یہی طریقہ ہے کہ ان کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے کبھی کبھی ہوتا ہے، پھر امت اس پر مواظبت کرتی ہے،“ (فیض الباری ج ۴ ص ۴۱۷)

اس عبارت میں خط کشیدہ جملے بہت قیمتی اور اصولی ہیں، اور علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے جو تشدد اس بات میں اختیار کیا ہے وہ بہت نامناسب ہے، اور اس طرح کے نامناسب تشددات ان دونوں نے بہت سی جگہوں پر اختیار کئے ہیں، اپنی کسی بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو نصوص کو خوب توڑتے مروڑتے ہیں اور اگر ان کے مزاج کے خلاف کوئی اصولی گفتگو کرتا ہے تو ظواہر نصوص کی دہائی دیتے ہیں، ان کا اور ان کے متبعین کا کچھ اعتبار نہیں، پھر عبارت میں جو ایک دو مرتبہ ثبوت کا ذکر آ گیا اس سے ثبوت عملی مراد ہے ورنہ ثبوت قولی بہت موجود ہے، اور اسی پر زیادہ اعتماد ہے۔ اصولی بات ہے کہ ثبوت کے لئے قول رسول، عمل رسول پر مقدم ہے، باقی تفصیل اصل مضمون میں آئے گی۔

تم نے لکھا ہے کہ ''میں نہیں جانتا تھا کہ کسی مسئلہ کی تحقیق میں گفتگو کرنا بے ادبی یا گناہ ہے'' عزیزم! تم کو اس کا وہم کیوں ہوا؟ مجھے تو واقعۃً اس سے خوشی ہوتی ہے اور تمہارے متوجہ کرنے سے میں اس کی مزید تحقیق میں لگا۔ مجھے کوئی ملال یا رنج ہونا کیا معنی؟ میں تو تم لوگوں سے یہی چاہتا ہی ہوں، اور میری طرف سے بالکل کھلی اجازت ہے کہ اس مسئلہ میں یا کسی مسئلہ میں جو خدشات ہوں انھیں بے تکلف لکھو، البتہ ان نجدیوں اور مقلدین ابن تیمیہ اور عاکفین ظواہر نصوص کے طریقۂ استدلال اور طرز فکر سے سخت وحشت ہوتی ہے، ان کم بختوں نے تو تمام ائمہ اربعہ اور علماء کی اجتہادی کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔

اعجاز احمد اعظمی

۱۷؍رجب ۱۴۱۳ھ (شیخوپور)

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی منظور احمد صاحب بھیروی

میرے ہم وطن بلکہ ہمسایہ، مدرسہ دینیہ شوکت منزل غازی پور میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ میں جب ریاض العلوم گورینی گیا تو یہ بھی وہاں میرے ساتھ گئے۔ ایک سال وہاں رہ کر پھر دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے۔ وہاں سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد تکمیل ادب اور شعبۂ افتاء میں شامل رہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور میں مدرس و مفتی ہیں۔ ماہنامہ ضیاء الاسلام میں ان کے فتاویٰ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (اعجاز احمد اعظمی)

۳؍جون ۲۰۰۳ء کو ایک مختصر علالت کے بعد ان کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا، جس کا اثر مفتی صاحب پر بہت تھا، اسی کی تعزیت و تسلی میں یہ خط لکھا گیا۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم! عافاکم اللہ و وفقنی و إیاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صدمہ بڑا ہے، اسی لحاظ سے غم بھی بڑا ہے، اسی اعتبار سے دل کا زخم بھی بڑا ہے، اسی لئے اس کے اندمال میں دیر لگ رہی ہے۔ یہ ایک طبعی اور فطری غم ہے، ایمان بالغیب اس رنج وغم کو ہلکا کرتا ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ غم کی یہ آگ آدمی کے جسم وجان کو گھلا دے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبائع مختلف بنائی ہیں، بعض لوگوں پر صدمات کا اثر کم پڑتا ہے، وہ چندے متاثر ہوتے ہیں اور پھر اثر ختم ہو جاتا ہے، بعض طبیعتیں لطیف ہوتی ہیں ان پر اثر زیادہ ہوتا ہے، اور دیر تک قائم رہتا ہے۔ تاہم کچھ بھی ہو، دنیا کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، جلد یا بدیر، صدمہ بھی فنا ہو جاتا ہے، اس میں اگر انسان کے ارادہ اور عمل کا دخل ہوتا ہے تو صدمہ جاتے جاتے بہت کچھ اجر وثواب بھی ڈالتا جاتا ہے، صدمہ کے فنا کرنے کا یہی ارادۂ وعمل شریعت کی اصطلاح میں صبر ہے، جس کی محبوبیت اور مقبولیت قرآن وحدیث میں اس کثرت سے بیان کی گئی ہے کہ شاید اتنی محبوبیت ومقبولیت ایمان کے علاوہ کسی اور عمل صالح کی نہیں بیان کی گئی ہے۔

یہ بالکل سچ ہے کہ دل نہیں بہلتا، کسی کام میں جی نہیں لگتا، ایک بے کیفی سی بے کیفی ہے، ایک بے لطفی سی بے لطفی ہے، رفاقت کا چراغ ایسا یک بیک گل ہوا کہ آدمی متحیر اور ششدر کھڑا رہ جائے، وہم وگمان سے پہلے ہی ایک ایسی بات ہوگئی جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں رہی، مادی روشنی اچانک گل ہوتی ہے، تو دیر تک آدمی ہوش وحواس سے بے گانہ رہتا ہے، یہی کیفیت یہاں بھی ہے، پس اگر بے دلی اور بے کیفی ابھی تک باقی ہے، تو کچھ محلِ تعجب نہیں ہے۔

ہاں ! اگر بہت دیر تک یہی کیفیت باقی رہ گئی ، تو اندیشہ ہے کہ جی جان کو گھلا اور پگھلا نہ دے، اس لئے اس بے کیفی کو دور کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے ، اسباب ظاہر کے اعتبار سے ایک تدبیر تو کی جا چکی ، دوسری تدبیر رضا بالقضاء ہے، کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے تصرف فرمایا، ہم غلاموں کو اس پر راضی ہی رہنا ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ فِیْ بَلَائِکَ وَصَنِیْعِکَ إِلیٰ خَلْقِکَ وَ لَکَ الْحَمْدُ فِیْ بَلَائِکَ وَصَنِیْعِکَ إِلیٰ أَهْلِ بُیُوْتِنَا وَ لَکَ الْحَمْدُ فِیْ بَلَائِکَ وَصَنِیْعِکَ إِلیٰ أَنْفُسِنَا خَاصَّةً وَلَکَ الْحَمْدُ بِمَا هَدَیْتَنَا وَلَکَ الْحَمْدُ بِمَا اَکْرَمْتَنَا وَلَکَ الْحَمْدُ بِمَا سَتَرْتَنَا وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْقُرْآنِ وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْاَهْلِ وَالْمَالِ وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْمُعَافَاةِ وَلَکَ الْحَمْدُ حَتّٰى تَرْضٰى وَلَکَ الْحَمْدُ إِذَا رَضِیْتَ یَا أَهْلَ التَّقْوٰى وَأَهْلَ الْمَغْفِرَةِ۔

اس دعا کو جی لگا کر استحضار قلب کے ساتھ پڑھتے رہو، ایک دعاء اور لکھتا ہوں، جو رنج وحزن کے اثرات کو قلب سے زائل کرنے میں بہت موثر ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ أَمَتِکَ نَاصِیَتِي بِیَدِکَ مَاضٍ فِيَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَائُکَ لِکُلِّ اسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِهِ نَفْسَکَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي کِتَابِکَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَداً مِّنْ خَلْقِکَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِکَ الْغَیْبِ عِنْدَکَ. أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِي وَجَلَآءَ حُزْنِي وَذِهَابَ هَمِّي وَنُوْرَ بَصَرِي۔

ایک دعا اور لکھتا ہوں، جو مجھے بہت پسند ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِکَ وَدَفْعَ بَلَائِکَ وَخُرُوْجاً

مِّــنَ الدُّنْيَا إِلٰى رَحْمَتِکَ، يَا مَنْ يَكْفِيُ عَنْ كُلِّ أَحَدٍ وَلَا يَكْفِيُ مِنْهُ أَحَدٌ، يَـا أَحَـدَ مَـنْ لَّا أَحَـدَ لَـهٗ يَـا سَـنَدَ مَنْ لَّا سَنَدَ لَهٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَاءُ إِلَّا مِنْکَ نَـجِّـنِـيْ مِـمَّـا أَنَا فِيْهِ وَأَعِنِّيْ عَلٰى مَا أَنَا عَلَيْهِ مِمَّا نَزَلَ بِيْ بِجَاهِ وَجْهِکَ الْكَرِيْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْکَ اٰمِيْنَ۔

اس تدبیر سے ان شاء اللہ بہت کچھ حاصل ہوگا۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۳؍ربیع الآخر ۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆☆

۱۹۹۶ء میں سفر پاکستان کے موقع پر ویزے کے حصول کے لئے کئی ہفتے تک دہلی میں قیام رہا، اسی موقع پر یہ خط لکھا گیا۔

عزیزم مولانا منظور احمد سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم لوگ دہلی الحمد للہ خیریت سے پہونچ گئے، راستہ میں چند گھنٹے کے لئے امروہہ اتر گئے، وہاں محمود الحق، انوار الحق اور ایوب سے ملاقات ہوئی۔ امروہہ سے جو مجھے تعلق ہے اس کی وجہ سے گوارا نہ ہوا کہ ٹرین وہاں رکے، اور میں وہاں سے اترے بغیر آگے بڑھ جاؤں۔ وہاں پہونچ کر دل کو بہت فرحت حاصل ہوتی ہے، میں نے عبد القادر اور حاجی بابو سے کہا کہ میری اس وقت وہ حالت ہے، جو امرؤ القیس نے اپنے اس مصرعہ میں ظاہر کی ہے ؎

قفا نبک من ذکریٰ حبیب ومنزل

صبح نو بجے وہاں اترے تھے، اور شام کو بعد نماز عصر وہاں سے دہلی کے لئے

روانہ ہوئے، دہلی پہونچ کر شفاعت گیسٹ ہاؤس میں قیام ہوا۔مولوی مظہر صاحب کو فون کیا گیا،تو وہ بے چارے معذرت کرنے لگے کہ ویزے پر ایک افسر کا دستخط نہیں ہوسکا تھا، وہ بیمار ہے اس لئے فیکس نہ ہوسکا، آج انشاء اللہ کسی وقت بھیج دوں گا، یہ جمعرات کی بات ہے،شام کوان سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن نہ ہوسکا، دوسرے دن صبح بھی نہیں ہوسکا، ساجد رضوی (منیجر پی۔آئی۔اے) جس کے پاس ان کا فیکس آنے والا تھا، ہم لوگ پی۔آئی۔اے میں ان کے دفتر میں پہونچے،انھوں نے لاعلمی ظاہر کی ،ہم نے پوری صورتحال بتائی، وہ کہنے لگے کہ میں تو کل عمرہ کے لئے جارہا ہوں۔آج جمعہ ہے، پاکستان کے دفاتر آج بند ہیں،کل سنیچر اور اتوار کو یہاں کا دفتر بند رہے گا، اس لئے اب جو کام ہونا ہے، دوشنبہ کو ہوگا۔دوشنبہ کو آپ فون کرکے معلوم کرلیجئے گا، اگر فیکس آگیا ہوگا تو آکر لے لیجئے گا، ہاتھوں ہاتھ سفارت خانے سے ویزا مل جائے گا،اس نے متعلقہ آدمی کو ہدایت کردی کہ ہم لوگوں کی مدد کرے،اچھا آدمی ہے،ہم لوگ جمعہ ہی کو دیوبند آگئے۔مولوی راشد کے یہاں میرا قیام ہے،اب یہاں سے پی۔آئی۔اے کے دفتر میں دوشنبہ کوفون کریں گے،اس کے مطابق دلی جائیں گے ،ان شاء اللہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں، ویزا مل جائے گا تو رائے یہی قرار پائی ہے کہ ہوائی جہاز سے جائیں گے ان شاء اللہ۔کیونکہ کسی پاکستان جانے والے نے ریل سے جانے کی موافقت نہیں کی،اور اندازہ ہوا کہ دونوں طرف کے خرچ میں زیادہ فرق نہیں واقع ہوگا۔

جمعہ کے روز نو بجے کے قریب مدرسہ میں فون کرنا چاہا تھا،گھنٹی بھی ہورہی تھی ،مگر شاید دفتر میں کوئی تھا نہیں اس لئے بات نہ ہوسکی، اس کے بعد پھر کوشش کی، مگر وہاں تک لائن درست نہ ہوسکی۔

امتحان تو پرسوں سے شروع ہوگا، امید ہے کہ مدرسہ میں خیریت ہوگی، میں بہت دعائیں کرر ہا ہوں، ہاں قاری سیف الدین صاحب سے کہہ دو کہ ہم لوگ جمعرات کو رات میں ہاشم بھائی کے یہاں گئے تھے، انھوں نے اپنی گاڑی بھیج کر بلوایا تھا، بہت خلیق آدمی ہیں، اس وقت صبح دس بجے تک مسلسل خاطر داری میں لگے رہے، پھر انھیں کی گاڑی سے پی۔آئی۔اے کے دفتر میں ساجد رضوی سے ملنے گئے، اور پھر وہاں سے گیسٹ ہاؤس آئے، ان سے مل کر خوشی ہوئی، باقی سب خیریت ہے۔

اساتذۂ مدرسہ اور منشی جی اور مولوی حکیم الدین صاحب کو سلام عرض کر دو، اور دعاؤں کی درخواست بھی!

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۳؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی

## (مرتب کتاب)

غالباً عیسوی سنہ ۱۹۷۷ء یا ۱۹۷۸ء تھا، میں الہ آباد حضرت مصلح الامت علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں مدرس تھا۔ اس وقت کسی تقریب سے میرے گاؤں کے قریب خیرآباد کا ایک قافلہ اترا۔ اس قافلہ کے ایک فرد حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے اسی وقت دوستی کی بنیاد پڑی، پھر ان کی محبت مجھے بار بار کھینچ کر ان کے گھر لے گئی، ان کے گھر کا ہر فرد محبت کا پیکر ثابت ہوا۔ انھیں افراد میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی میری گود میں آکر بیٹھتا تھا، یہ ''حاجی بابو'' کہلاتا تھا، کیونکہ یہ جب گود میں تھا، تو والدین اسے حج میں لے گئے تھے، جوں جوں یہ بچہ بڑا ہوتا رہا مجھ سے مانوس ہوتا رہا، اور اس کی ذہانت وذکاوت بال و پر نکالتی رہی۔ مکتب میں تعلیم شروع ہوئی تو اردو کی درسی کتابوں کے علاوہ بھی بہت کچھ پڑھتا رہا، مطالعہ کا بیحد شوقین! پھر قرآن کریم حفظ کیا، حافظ ہونے کے بعد کئی سال میں نے اس کے پیچھے تراویح پڑھی۔ عربی درجات کا آغاز ہوا، تو میرے پاس مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں آگیا، یہاں جلالین شریف تک عربی کی باستثنا دو ایک کتابوں کے سب کچھ مجھ سے پڑھا، سفر حضر میں میری رفاقت اختیار کی، اور ہر جگہ درس جاری رہا، پھر دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، طالب علمی کے زمانے میں میرے سفر پاکستان اور پھر سفر حج میں رفیق رہا، اور تعلم کا

سلسلہ بھی جاری رکھا، فراغت کے بعد مدرسہ شیخ الاسلام میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی، یہی بچہ آج ''**مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی**'' ہیں۔ یہاں یہ میرے دست و بازو ہیں۔ رسالہ ضیاء الاسلام کا اجراء ہوا تو انھوں نے اس کی ادارت سنبھالی، مجھ سے کچھ لکھوالینا انھیں کا کام ہے۔

میں ایک نرا مدرس ہوں، لکھنا میرا شوق نہیں، محض ضرورت پر مجبوراً لکھتا ہوں، اور جو کچھ لکھتا ہوں، اس کی حفاظت سے بے پروا ہوتا ہوں۔ میرا لکھا ہوا سب گم ہو چکا ہوتا، لیکن جب سے اس عزیز کا ساتھ ہوا ہے انھوں نے میرا حرف حرف سنبھالنے کی کوشش کی۔ میرے نام سے ایک درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں باستثنائے چند سب انھیں کی توجہ اور محبت کی مرہونِ منت ہیں۔ مکاتیب کا یہ مجموعہ بھی انھیں کی فکرمندی اور اہتمام کا نمونہ ہے، **میں ان کے لئے کیا دعا کروں، میرا وجود ہی ان کے لئے سراپا دعا ہے۔**

ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

(اعجاز احمد اعظمی)

ذیل کے خطوط اس سیہ کار مرتب کے نام ہیں، اور شروع کے تین چار خطوط اعتکاف کے متعلق سوالات و جوابات پر مشتمل ہیں، رمضان ۱۴۱۵ھ میں مَیں نے پہلی مرتبہ حضرت مولانا کی تشویق اور حوصلہ افزائی پر اعتکاف کیا تھا۔ اس میں ''ا'' سے اشارہ ''اعجاز احمد اعظمی'' کا، اور ''ض'' ''ضیاء الحق خیرآبادی'' کا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ض......مخدومنا المکرّم! زادکم اللّٰہ شرفاً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

لگے ہاتھوں آپ کی دعاؤں کا اثر ظاہر ہوگیا، میرے اعتکاف کے بارے میں سن کرایک دوسرے صاحب بھی اعتکاف کے لئے تیار ہوگئے۔

ا......عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

بہت خوب اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں۔

ض......اعتکاف کا خاص عمل کیا ہے؟

ا......تلاوت اور دعا، دل کی نگرانی کہ اللہ کی طرف متوجہ رہے، خیالاتِ واہیہ کا مرکز نہ بنا رہے۔

ض...... اعتکاف میں کون سی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، اخیر میں پھر دعاؤں کی درخواست ہے۔

ا......معلوم نہیں تمہارے پاس کیمیائے سعادت یا منہاج العابدین ہے یا نہیں؟ (۱) اگر ہوتی تو اس کا مطالعہ بہت مفید ہوتا، ’’ترجمان السنۃ‘‘ (۲) اگر موجود ہو تو اسے پڑھ ڈالو، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی معارف الحدیث (۳) کا وہ حصہ جو اخلاق اور دعاؤں سے متعلق ہے، اسے پڑھو، کسی غیر متقی شخص کی کوئی کتاب اعتکاف میں نہ پڑھنا، تفسیر عثمانی (۴) بھی مناسب رہے گی، میں دل وجان سے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

(۱) یہ دونوں کتابیں حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی مشہور تصانیف میں سے ہیں، اور دونوں فارسی میں ہیں، ان کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲) یہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم المدنیؒ کی نہایت معرکۃ الآراء تصنیف ہے، جو حدیث پاک کی تشریحات پر مشتمل ہے۔ چار جلدوں میں ہے۔

(۳) یہ حدیث کی عام فہم تشریحات پر مشتمل ۸/جلدوں میں نہایت مفید کتاب ہے، اور عوام کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے خوب قبولیت بخشی۔

(۴) مراد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے فوائد ہیں، جو ترجمہ شیخ الہند پر ہیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ض......مخدومنا المکرّم! زادکم اللہ شرفاً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج عالی!

والا نامہ موصول ہوکر باعث سکون قلب وجگر ہوا، معارف الحدیث جلد دوم، مشتمل بر ’’کتاب الاخلاق‘‘ اور جلد پنجم مشتمل بر ’’کتاب الدعوات‘‘ منگوالی ہے، اور تفسیر عثمانی بھی ہے، ان کا فائدہ بھی خوب محسوس کر رہا ہوں، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ جو کچھ پڑھتا ہوں اس پر مضبوطی سے عمل کرنے والا بنادیں۔ آمین

ا......عزیزم! وفقنی اللہ وإیاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احادیث کا مطالعہ دو نیت سے کرو، ایک تو یہ دیکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کتنی پاکیزہ اور مقدس ہے، اس سے آپ کی عظمت ومحبت پیدا ہوگی، اور اس میں

اضافہ ہوگا، دوسرے یہ کہ ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنے آپ کو اسی نقشہ میں ڈھالیں جو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہے، وہ نقشہ احادیث میں ملتا ہے، کوشش کرو کہ اسی نقشے میں ڈھل جاؤ، ایسی مشابہت ہو جائے ظاہر کی بھی اور باطن کی بھی، کہ دیکھتے ہی پہچان لئے جاؤ، اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دیں اور تمہیں بھی۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ض...... زیادہ زور قرآن پاک کی تلاوت پر دیتا ہوں، تلاوت کے علاوہ نفل نمازوں (تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین وغیرہ) میں ایک ترتیب سے پڑھنے کا معمول بنالیا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ ان نمازوں میں آج دس پارے مکمل ہوگئے، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھیں۔ آمین

ا...... نماز میں قرآن کی تلاوت کا معمول بہتر ہے، اللہ تعالیٰ اس پر استقامت بخشیں اور قبول فرمائیں۔

ض...... آپ کے اس جملے سے کہ ''میں دل و جان سے دعا کرتا ہوں'' اب تک ایک کیف طاری ہے، اس ایک جملہ پر سیکڑوں ہزاروں دفاتر قربان کئے جاسکتے ہیں، آپ کے لئے بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ شفقت تادیر ہمارے سروں پر باقی رکھیں، آمین

والسلام

محتاجِ دعا ضیاءالحق خیرآبادی

۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۵۱ھ

ا...... یہ تمہاری محبت کا اثر ہے، ورنہ میں کس کام کا ہوں، سوائے اس کے کہ دوستوں اور اہل تعلق کے لئے دعا گوئی میں لگا رہوں، البتہ تمہارے ان جملوں سے اپنی بے حقیقتی اور ناکارگی کے باوجود دل کی گہرائیوں میں خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

دیدۂ سعدی ودل ہمراہِ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

’’تنہا میروی‘‘ سے مراد ظاہری راستہ پر چلنا نہیں، بلکہ زندگی کا راستہ ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ض......مخدومنا المکرّم! زادکم اللّٰہ شرفاً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

مزاج سامی!

والا نامہ باصرہ نواز ہوا، مجھے آپ کی مصروفیات کا پورا احساس ہے، لیکن کچھ ایسی ناگزیر ضروریات پیش آگئی ہیں کہ بغیر استفسار کے چارہ کار نہیں۔

ا...... عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری کون سی مصروفیت ہے، بس بطالت میں وقت گزر رہا ہے، صرف دیکھنے میں مصروفیت معلوم ہوتی ہے، اور اسی کا رُعب جما رہتا ہے۔

ض......کیا ہاتھ دُھلنے کے لئے وضوخانہ تک جانا مفسدِ اعتکاف ہے؟

ا......نہیں، تمہاری مسجد کا وضوخانہ تو فرشِ مسجد سے بالکل متصل ہے، وہاں جانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، لیکن یہ ایسی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے لئے خواہی

نخواہی جانا ہی پڑے، پس احتیاط مناسب ہے، میں نے احتیاط اس وقت کے لئے لکھی ہے، جبکہ وہ مسجد سے منفصل ہو۔

ض...... ٹنکی کا پانی ختم ہو جائے تو کیا ہم لوگ جا کر پانی کا پمپ چالو کر سکتے ہیں؟

ا...... سخت ضرورت ہو، یعنی کوئی اور موجود نہ ہو، اور پانی کی فوری ضروت ہو تو کر سکتے ہیں ورنہ نہیں، دیکھو گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں (کہ معتکف گھر جا کر کھانا لے آئے) بس اسی طرح کی ضروریات کو اسی پر قیاس کرلو۔

ض...... فسادِ اعتکاف کی صورت میں پورے عشرہ کا اعتکاف فاسد ہوتا ہے یا صرف ایک دن ایک رات کا؟ قضا کی کیا صورت ہے؟

ا...... صرف ایک دن کا اعتکاف فاسد ہوتا ہے، اور اس کی قضا یہ ہے کہ بعد رمضان ایک روزہ رکھ کر اعتکاف کیا جائے۔

ض...... آج ہمارے یہاں شناختی کارڈ بن رہا ہے، ہم لوگ تو مسجد سے نکل نہیں سکتے، کیا یہیں بلوا کر بنوالیں؟

ا...... (بنوانا ناگزیر ہو تو) فوٹو لینے والا مسجد کی حد سے باہر کھڑا ہو جائے، اور معتکف مسجد کی حد کے اندر رہے، اس کے لئے مسجد سے باہر جانا درست نہیں، فوٹو والا کام بچا کھچا عید بعد بھی ہوگا، اسی وقت پر موقوف رکھو، ہے تو معصیت ہی، گو ہم پر نہ لکھی جائے، اس لئے مسجد سے اسے دور ہی رکھو۔

ض...... پوری تفسیر عثمانی تو اس عرصہ میں دیکھنا مشکل ہے، کچھ خاص خاص مقامات یا سورتیں تجویز فرمادیں، جو میرے لئے فلاحِ دنیا اور ذخیرۂ آخرت بنے۔

ا......سورۂ احزاب اور سورۂ حجرات (ا) کی تفسیر بالا ستیعاب پڑھ لو اور باقی جہاں سے جی چاہے۔

ض......آپ کی توجہ اور دعاؤں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہا ہوں، اسی کا اثر ہے کہ آج بغیر کسی کوشش اور جہد وطلب کے ''کیمیائے سعادت'' مل گئی، مولانا عبد السمیع صاحب مدظلہٗ (۲) تشریف لائے، بر سبیل تذکرہ میں نے آپ کے خط کا ذکر کیا، کہ مولانا نے بطور خاص ''کیمیائے سعادت'' پڑھنے کی تاکید کی ہے، ان کے پاس نول کشور لکھنؤ کا چھپا ہوا بہت عمدہ اردو ترجمہ ''اکسیر ہدایت'' تھا، انھوں نے گھر جا کر فوراً بھیج دیا۔

''تنہا میروی'' کی تشریح نے تو اس کیف وسرور کو دو آتشہ بنا دیا، اور اس سے بہت ڈھارس ہوئی کہ میں تنہا نہیں ہوں، بلکہ اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کے سایۂ شفقت اور توجہ میں ہوں، یہ میرے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے، دعواتِ صالحہ میں یاد فرمائیں۔

والسلام

ضیاء الحق خیر آبادی

۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ شنبہ

☆☆☆☆☆

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے بھی ''کیمیائے سعادت'' کا ترجمہ ''اکسیر ہدایت'' اعتکاف ہی کی حالت میں پڑھا تھا، اس نے میری زندگی کا موجودہ رُخ متعین کرنے میں بڑی مدد دی تھی، اس میں امام غزالی کے جوشِ قلبی کا مجھ پر خاص طور پر اثر پڑا تھا، اللہ پر توکل اور اللہ سے محبت کا سرمایہ اس کتاب سے مجھے حاصل ہوا تھا، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی اس دولت خاص سے سرفراز فرمائے۔

میری کوئی حقیقت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کے گمان کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں، آج کل درسِ قرآن کے بعد نفل باجماعت ہوتی ہے، ابوذر اور نفیس مل کر اس میں کبھی تین پارے اور کبھی چار پارے پڑھتے ہیں، رات کافی مجمع اس میں ہوگیا تھا، سولہ پارے پورے ہوئے ہیں، بڑا کیف حاصل ہوتا ہے، رات دعا میں ایک مضمون مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالکل اِلہامی طور پر وارد ہوا، وہ یہ کہ اور دعاؤں کے ساتھ یہ الفاظ زبان سے ادا ہوئے کہ ’’بار، الہا! جن لوگوں کو مجھ سے محبت ہے، یا جن سے مجھ کو محبت ہے، ان پر اپنی رحمت خاصہ نازل فرما‘‘ ان الفاظ سے مجھے بڑی قلبی فرحت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

(۱) سورہ احزاب اکیسویں پارہ کے سترہویں رکوع سے شروع ہوکر بائیسویں پارہ کے چھٹے رکوع پر ختم ہوتی ہے، یہ تفسیر عثمانی مطبوعہ شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ کے ص: ۵۵۵ سے ۵۶۹ تک ہے، اور سورہ حجرات چھبیسویں پارہ کے رکوع ۱۳؍اور ۱۴ پر مشتمل ہے، یہ تفسیر عثمانی مطبوعہ مدینہ منورہ کے ص: ۶۸۴ سے ۶۸۷ تک ہے

(۱) مولانا عبدالسمیع صاحب ہمارے محلّہ اتراری خیرآباد کے رہنے والے تھے، مظاہر علوم سہارنپور کے قدیم فضلاء میں سے تھے، ۱۹۳۱ء میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری، مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، بیعت وارادت کا تعلق مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے تھا، مولانا موصوف مجھ پر حددرجہ شفقت فرماتے تھے، جب حاضر خدمت ہوتا تو بڑی دعائیں دیتے، پچھلے کچھ عرصہ سے صاحب فراش تھے، ۲۷؍جولائی ۲۰۰۰ء جمعرات کو طویل علالت کے بعد ۹۵؍سال کی عمر میں انتقال فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا کریں۔ آمین

باسمہٖ سبحانہ

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط مجھے ۱۴؍شوال کو مل گیا تھا، مگر اس وقت نئے طلبہ کے داخلہ کی ایسی ہماہمی اور بھیڑ تھی کہ جواب کا موقع نہ ملا، اس سال ارادہ تھا کہ ذرا محدود داخلہ کروں گا، مگر بالکل برعکس ہوگیا۔ داخلے بھی بہت ہوئے اور واپسی بھی بہت ہوئی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مدرسہ کو حسن قبول عطا فرمایا۔

تمہارے نہ رہنے کی وجہ سے مجھے بھی بہت کمی محسوس ہورہی ہے، خود کو اکیلا اکیلا محسوس کرتا ہوں، لیکن کیا کرو دنیا کی ریت یہی ہے، کبھی اجتماع، کبھی افتراق، بس اپنے کام کی دھن میں رہنا چاہئے، جیسا نتیجہ ہو مطلع کرنا، میں الحمدللہ خیریت سے ہوں، تمہارے لئے دعا کرتا ہوں، آج سے تعلیم شروع ہوگئی ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۸؍شوال ۱۴۱۷ھ

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ امتحان کے موقع پر میں نے ایک خط لکھا تھا، جس کے جواب میں حضرۃ الاستاذ مدظلہٗ نے مذکورہ بالا مکتوب تحریر فرمایا۔

☆☆☆☆☆

باسمہٖ تعالیٰ

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ

اللہ کا شکر ہے کہ تم خیر وعافیت سے دیوبند پہونچ گئے، اب یکسوئی اور محنت کے ساتھ پچھلے چھوٹے ہوئے اسباق کی تلافی کی کوشش کرو، ساتھ ہی آگے کا مطالعہ بھی جاری رکھو، سبق کی رفتار تو اب بھی کم ہی ہوگی، تم ہر کتاب کے کچھ صفحات متعین

کرلو اور اتنے کا روزانہ مطالعہ کرلیا کرو، اور کوشش کرو کہ کتاب پورے طور پر حل ہو جائے، تمہارا مطالعہ کیا ہوا حصہ سبق میں گذرتا رہے گا، اس طرح کتاب کا معتد بہ حصہ سبق سے پہلے ہی حل ہو چکا ہوگا، جو کتابیں مشکل ہیں مثلاً شرح عقائد، ان کا مطالعہ غور وتعمق سے کرو، اور ذہن کو مشکل مسائل حل کرنے کا مکلّف اور عادی بناؤ، ذہن اور علم کی سطحیت سے آگے گزر کر اب عمق کی طرف متوجہ ہو، عربی کتب کا مطالعہ زیادہ کرو۔(۱)

''نقوش''(۲) کا سیرت رسول نمبر لے لو، یہاں الحمدللہ سب خیریت ہے۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

۲۷/محرم ۱۴۱۸ھ

(۱) دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے دوران بفضلہٖ تعالیٰ حضرۃ الاستاذ مدظلہٗ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے سفر سعادت کی توفیق ملی، دو ماہ کے بعد جب دارالعلوم حاضر ہوا تو مذکورہ بالا خط ملا۔

(۲) ''نقوش'' میاں محمد طفیل کی زیر ادارت لاہور سے نکلنے والا نہایت مشہور ومعروف اور مقبول ادبی رسالہ تھا۔ یہ اپنے خصوصی نمبرات کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔ شوکت تھانوی نے اپنے مخصوص اسلوب میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''اس کا ہر نمبر خاص نمبر ہوتا ہے، خاص خاص موقعوں پر عام نمبر شائع کئے جاتے ہیں۔ اس نے ''سیرت رسول'' پر ۱۳/ضخیم جلدیں شائع کی ہیں، اور ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اردو میں ''سیرۃ النبی ﷺ پر میرے علم کے مطابق اب تک اتنی جامعیت کے ساتھ نہیں لکھا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پرسوں تمہارا خط ملا، انتظار تھا، میں نے تقریب التہذیب کے لئے نہیں،

**تعجیل المنفعة** کے لئے کہا تھا، اگر وہ مل جائے تو لے لو، **تبصیر المنتبه** بھی اچھی کتاب ہے، امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار اگر مل جائے تو اسے ترجیح دو، اگر یہ دونوں نہ ملیں تو **تبصیر المنتبه** لے لو، اگر فہرست بھیج دیتے تو اچھا تھا۔ یادداشت کا تعلق دلچسپی سے ہے، حافظہ کی قوت تو اپنی جگہ برحق ہے، مگر باتوں کو یاد رکھنے میں بہت کچھ دخل دلچسپی اور یکسوئی کو ہے، یکسوئی تو اختیاری نہیں ہے، جس قدر حاصل ہو جائے اسے غنیمت جانو، البتہ دلچسپی پیدا کرنا قدرے اختیار میں ہے، دوسرے نمبر پر مکرر پڑھتے رہنا ہے، ایک مضمون ایک مرتبہ نہ پڑھا جائے، بلکہ بار بار پڑھا جائے، تو ذہن نشین ہوتا ہے، یہ بالکل اختیار میں ہے، ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد آدمی اسے دہرانے سے گھبراتا ہے، مگر یہ چیز حصول علم کے لئے مضر ہے، بار بار دہراؤ تو بہت دن تک محفوظ رہنے کی ضمانت ہے۔(۱)

میں نے تجربہ کے طور پر جلالین پر کام شروع کر دیا ہے، طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ قرآنی کلمات کا ترجمہ قوسین میں کر دیا ہے اور جلالین کی عبارت کو درمیان میں رکھا ہے، کوشش یہ کی ہے کہ دونوں کا ترجمہ مل کر مسلسل اور مربوط عبارت رہے، ترجمہ نہ بالکل لفظی ہے اور نہ بالکل آزاد! اپنے طریقے کے مطابق اصل اور ترجمے کے الفاظ قریب قریب مساوی ہیں، البتہ عام فہم اور مطلب کشا ہیں، اس کے بعد جلالین کی عبارتوں کے فوائد پر بقدر ضرورت تفصیل سے کلام کیا ہے، مفسر کے الفاظ کی توجیہ کی ہے، کسی اشکال کا جواب دیا ہے تو اس اشکال کو لکھ دیا ہے، تعلیل و ترکیب کو واضح کیا ہے، جلالین کی شرح ہی ہے، مستقل علیٰحدہ تفسیر نہیں بننے دیا ہے، وقت کم ملتا ہے، ابھی تک دو رکوع کی شرح کر چکا ہوں۔(۲) اس سلسلے میں کیا کروں؟ جاری رکھوں یا بند کر دوں،(۳) رفتار سست ہی رہے گی، لیکن مجھے بظاہر یہ اچھا کام معلوم ہوتا ہے۔

الحمدللہ یہاں سب خیریت ہے،  والسلام

اعجاز احمد اعظمی  /  ۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

(۱) میں نے اپنے حافظہ کی کمزوری اور باتیں یاد نہ رہنے کی شکایت کی تھی، اور سوال کیا تھا کہ کون سی تدابیر اختیار کی جائیں کہ باتیں یاد رہیں۔

(۲) حضرۃ الاستاذ مدظلہ نے ہم لوگوں کی خواہش پر جلالین شریف کی شرح لکھنی شروع کی تھی، یہ شرح اہل علم کیلئے حد درجہ مفید اور کار آمد ہے، مصنف کی مصروفیات کے باعث اب تک صرف سورہ نساء تک کی شرح ہوسکی ہے، اور وہ بھی اب تک غیر مطبوعہ ہے، البتہ اس کے کچھ اجزا ''ضیاء الاسلام'' میں شائع ہوچکے ہیں، قارئین اس کی تکمیل کے لئے دعا فرمائیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد وہ بھی شائع ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ

(۳) یہ حضرۃ الاستاذ مدظلہ کی ذرہ نوازی اور عالی ظرفی کی بات ہے کہ انھوں نے اس اہم تصنیف کے سلسلہ میں اپنے ایک ادنیٰ شاگرد کی رائے دریافت کی۔

☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

عزیزم!  السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ

پرسوں تمہارا خط ملا، بہت مسرت ہوئی، دعائیں تو کرتا ہی رہتا ہوں، روزانہ پابندی سے کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور قبولیت کا ظہور فرمائیں، یکسوئی کے ساتھ محنت میں سرگرم رہو۔

ماشاءاللہ! جیسا میں چاہتا تھا تم نے مولانا قاسم عبداللہ صاحب کے ساتھ ویسا ہی حسن معاملہ کیا، جزاک اللہ خیراً، میں تو ان کے ساتھ کوئی خاص کام نہ کرسکا، لیکن تم نے اچھا نباہا، طبیعت بہت خوش ہوئی، امید کہ حضرت مولانا مدظلہٗ (۱) بھی خوش ہوں گے۔

یہاں الحمدللہ سب خیریت ہے، کل قاری شبیر احمد صاحب کا فون آیا تھا، وہ

اپنے یہاں بلا رہے ہیں، شاید رجب کے پہلے ہفتہ میں سفر ہو، اگر امام سیوطیؒ کی ''الاتقان'' مل جائے تو لیتے آنا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ

(۱) ''حضرت مولانا مدظلہٗ'' سے مراد حضرۃ الاستاذ کے شیخ ومرشد حضرت اقدس مولانا عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ حمادیہ کراچی، پاکستان ہیں، حضرت کے صاحبزادے مولانا قاسم عبد اللہ صاحب ہندوستان تشریف لائے تھے، میں اس وقت دیوبند میں زیر تعلیم تھا، اور ان کی خدمت وسہولت کے لئے دہلی آ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج انتظار کے بعد تمہارا خط ملا، خط لکھا کرو، ٹیلیفون پر اکتفا نہ کرو، اس سال حدیث کے علاوہ اور کوئی مشغولیت نہ رکھو، مضامین وغیرہ کا سلسلہ اس سال بند رکھو، دوسرے مطالعے بھی کم کرو، حدیث ہی پر محنت کرو، اس کا طریقہ بتاتا ہوں۔ (یہ حکم مجھے دورۂ حدیث شریف کے سال ملا)

بخاری وترمذی کی حد تک اس کا التزام کرو کہ جب درس ہو، اور جیسا بھی ہو اس سے الگ ہر حدیث کا مالہ وما علیہ کے ساتھ بنظر غائر مطالعہ کرو، بخاری شریف کا جو متداول نسخہ ہے اس میں پہلے ایک حدیث پڑھو، پھر اس پر جو حاشیہ ہو، اسماء الرجال پر کلام ہو، اسے پڑھو، کوئی سوال ذہن میں آئے تو اسے نوٹ کرلو، اور دوسرے موقع پر فتح الباری اور عمدۃ القاری میں اسے دیکھو، اگر حل ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس پر سے گذر جاؤ، سوال موجود ہوگا تو جواب انشاء اللہ مل ہی جائے گا، اس طریقے سے

مقدار سبق کا نہیں بلکہ مسلسل مطالعہ کرتے چلے جاؤ، آج کل جو وقت خالی مل رہا ہے اس میں بھی یہی کام کرو، بعد میں موقع نہ ملے گا، ترمذی شریف میں بھی یہی عمل کرو، حدیث پڑھو، امام ترمذی علیہ الرحمہ نے ہر باب پر جو کلام کیا ہے اس کے مقصد کو سمجھو، اس سلسلے میں حاشیہ سے مدد لو، طول طویل شرحوں کی ضرورت نہیں، بس ساری حدیث نظروں سے گذر جانی چاہئے، حدیث شریف کا مطالعہ کرتے وقت دل و دماغ میں یہ تصور مسلسل قائم رکھو کہ تم جناب نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہو، اور آپ کا کلام آپ ہی سے اخذ کر رہے ہو اور اسے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہو۔

ان دونوں کتابوں کا از اول تا آخر مطالعہ کر ڈالو، پھر حسب فرصت مسلم شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ کا بھی جتنا ہو سکے مطالعہ کرتے رہو، حضراتِ اساتذۂ کرام اس وقت تم لوگوں کو فارغ کئے ہوئے ہیں، بعد میں سارا وقت گھیر لیں گے، تمام خالی اوقات کو اسی میں صرف کرو، اور مجھے اطلاع کرتے رہو کہ کہاں تک مطالعہ پہونچا ہے، کوئی اشکال ہو تو اس کی بھی مجھے اطلاع کرو۔

کانفرنس اور سیمینار میں جانے کا ارادہ نہ کرنا، اب تمہارے لئے اس کی حیثیت ایک تماشے سے زیادہ نہیں ہے، جو کام بتایا ہے اسی میں لگو، اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں۔ (دورہ کے سال تھانہ بھون میں ایک سیمینار ہو رہا تھا، اس میں شرکت کی اجازت چاہی تھی)

میں الحمد للہ بخیر و عافیت ہوں، جلالین شریف کی شرح اب شروع کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ پورا کریں، تمہارے لئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ جیسا پسند کریں، ویسے عالم بنو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷/ذوقعدہ ۱۴۱۸ھ

(ہمارے فاضل دوست مفتی اشتیاق احمد صاحب دربھنگوی (استاد دارالعلوم دیوبند) سراجی کی شرح لکھ رہے تھے، جو''طرازی'' کے نام سے شائع ہوگئی ہے، انھوں نے اس سلسلے میں میرے واسطہ سے رہنمائی چاہی تھی، ذیل کا مکتوب اسی کا جواب ہے)

عزیزم! **السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ**

**کل تمہارا خط ملا، میں تو سب پڑھا لکھا بھولتا جارہا ہوں، اور اب مطالعہ وغیرہ سے دلچسپی بھی باقی نہیں رہی، علمی مضامین پر غور وفکر کا موقع بھی نہیں ملتا، کام تو پہلے ہی کیا کیا؟، اب تو اور بھی رائیگاں معلوم ہوتا ہوں، مفتی اشتیاق سلّمہٗ کی رہنمائی میں کیا کرسکتا ہوں، یہ تم لوگوں کا حسن ظن ہے ہے کہ مجھ سے اچھی امیدیں قائم کررکھی ہیں، جی چاہتا ہے کہ معذرت کردوں کہ میں اس میدان کا آدمی نہیں، بلکہ کسی میدان کا آدمی نہیں ہوں، تاہم دل شکنی نہ ہو اس لئے چند باتیں لکھتا ہوں، شاید ان سے وہ اپنا کوئی مطلب اخذ کرلیں۔**

**(۱) وراثت انتقال ملکیت کی ایک جبری صورت ہے، اس میں نہ صاحب ملکیت کے اختیار وارادہ کا کوئی دخل ہے، اور نہ اس شخص کے ارادہ سے اس کا کوئی تعلق ہے جس کی طرف ملکیت منتقل ہورہی ہے، اس مضمون کی وضاحت کیلئے انتقال ملکیت کی تمام شرعی صورتوں کو اجمالاً لکھنا مناسب ہوگا، مثلاً یہ کہ مورث کی موت ہوتے ہی پورا ترکہ مشترک ملکیت بن جاتا ہے، جبکہ متعدد ورثاء ہوں، تو پھر اس سے کسی ایک کا استفادہ کرنا، دوسروں کی مرضی کے بغیر، یا ورثاء میں کوئی نابالغ ہو تو اس میں تبرع کرنا، وغیرہ صحیح نہ ہوگا، اس لئے اس کی تقسیم کا عمل جتنی جلد ممکن ہو عمل میں لانا چاہئے، یہ مضمون ہمارے معاشرے میں خاص اہمیت کا حامل ہے، اسے ذرا زور دے کر بیان کرنا چاہئے۔**

شریعت میں وراثت کی بنیاد قرابت اور اتحادِ دین ہے۔ اس میں ''الاقرب فالأقرب '' کا اصول ملحوظ ہے، اللہ نے ورثاء کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک وہ جن کے حصے اللہ نے متعین کردیئے ہیں، دوسرے وہ جو باقی ماندہ مال میں اپنے حصوں کے مطابق مالک ہوتے ہیں۔

وراثت میں شریعت نے مرد عورت کے درمیان فرق کیا ہے، اس کی حکمت پر کلام اطمینان بخش ہونا چاہئے، اس کو اس طرح لکھیں کہ قانونِ عدل پر پورا اترے۔

جہاں قرابت قریبہ پر گفتگو ہوگی، وہاں یتیم پوتے کی میراث کا مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا، اسے اچھی طرح غور وفکر کے بعد لکھیں۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل تحریر ہے کہ آدمی اپنے ورثاء کو محروم کرنے کا کوئی اقدام نہ کرے، اس موضوع پر حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک رہنما اصول بتاتی ہے۔

اسی ذیل میں وارث کو عاق کرنے کی بحث بھی آئے گی، اسے بھی لکھنا چاہئے، یتیم پوتے کے ذیل میں ایک ذرا غیر متعلق، لیکن اسی کے دامن سے لگی ہوئی یہ بحث بھی تحریر میں آنی چاہئے کہ خاندان میں ملکیتیں مشترک ہوں یا علیحدہ ہوں، اس سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟ پھر ہمارے یہاں مشترک نہیں بلکہ ایک کے مالک ہونے کا دستور ہے، اور اس کے تمام بیٹے وغیرہ محض کارندے کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی اپنی کوئی ملکیت نہیں ہوتی، اسے شریعت کس نظر سے دیکھتی ہے، اس مسئلہ کا وراثت سے بہت گہرا اور مؤثر تعلق ہے، اس کو علمی اور فتویٰ کے انداز میں آنا چاہئے۔

(۲) اہم پہلوؤں کی طرف اوپر اشارہ کر چکا ہوں، قرآن کی آیات جو وراثت سے متعلق ہیں، سورۂ نساء میں تو کافی موجود ہیں، اس کے علاوہ سورہ مائدہ کے اخیر میں

دیکھیں، حدیثیں بھی اس باب میں وارد ہیں، ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ میں بھی متعلقہ حصہ کا ضرور مطالعہ کرلیں۔

(۳) اس موضوع پر معارف القرآن کے مباحث کوضرور پڑھیں، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ’’یتیم پوتے کی وراثت‘‘ پرایک رسالہ لکھا ہے، اسے دیکھ لیں، اسی سے اور دوسرے مآخذ کا بھی سراغ ملے گا۔ (یہ رسالہ ان کی کتاب ’’ہمارے عائلی مسائل‘‘ میں چھپا ہے۔)

(۴) وراثت کے باب میں مرد، عورت کی تفریق اور یتیم پوتے کی میراث سے محرومی کو زیادہ تر موضوعِ اعتراض بنایا جاتا ہے، اس لئے اسے ذرا اہمیت دے کر بیان کریں، اور اس کا تسلی بخش جواب دیں۔

یہ چند باتیں اس وقت ذہن میں آرہی ہیں، اب دیکھو اتنا لکھنے کے دوران متعدد لوگ اپنی اغراض کے لئے آچکے ہیں، حالانکہ مغرب بعد لکھ رہا ہوں، مگر ذہن کے انتشار کا پورا سامان موجود ہے، کسی طرح ذہن کو سمیٹ سمیٹ کر اتنا لکھا ہے، مفتی اشتیاق سلّمہٗ سے کہو کہ میری اس تحریر پر غور کرلیں، انھیں منتشر خیالات میں انشاء اللہ مباحث اور عناوین مل جائیں گے، اور جب لکھنے بیٹھیں گے تو اضافے بھی ہوں گے، انشاء اللہ۔ اس کے بعد مزید سوال پیدا ہو تو لکھو، کوشش کروں گا۔

میں الحمد للہ بخیر ہوں، تمہارے لئے دعا کررہا ہوں، مسلسل کررہا ہوں، پابندی کے ساتھ! شاید حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سن لی جائے، میرے لئے بھی دعا کرو، مفتی اشتیاق احمد سلّمہٗ سے سلام کہہ دو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲؍رجب ۱۴۱۹ھ

☆☆☆☆☆

میں نے اپنے کچھ احوال لکھ کر حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کئے تھے، یہ خط اسی کا جواب ہے، اس میں پہلی بات یہ تھی کہ:

(۱) میں اپنے دینی احوال میں پچھلے کچھ دنوں سے سخت ابتری پا رہا ہوں، طاعات کی توفیق بالکل نہیں ہو پا رہی ہے، بس آپ میرے لئے دعاء فرمائیں اور توجہ فرمائیں، نیز اس کیلئے جو ظاہری تدبیر مناسب ہو وہ فرمائیں، تاکہ کچھ وقت تو یکسوئی کے ساتھ خدا کو یاد کروں،

دوسری بات بیعت کے سلسلے میں تھی کہ

(۲) شیخ اور مرید کے درمیان ایسی مناسبت ہو کہ شیخ کے کسی فعل پر اشکال نہ ہو، اور میرا حال یہ ہے کہ آپ ہمارے سربراہ ہیں، اور میں آپ کا ماتحت ہوں، آپ کبھی کسی انتظامی مصلحت کی بنا پر ایک فیصلہ کرتے ہیں، اور مجھے اس پر اشکال ہوتا ہے، اور اشکال کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے، تو کیا یہ چیز محرومی کا سبب نہیں بن سکتی؟ اس مسئلہ پر بطور خاص تشفی فرمائیں،

تیسری بات اوراد و وظائف کے سلسلے میں تھی کہ

(۳) بیعت کے بعد جو اس کے لوازم ہیں، مثلاً اوراد و وظائف اور اس کے متقاضی اعمال، اگر ان میں سستی و کوتاہی ہو تو اس کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے اوراد وغیرہ پر استمرار نہیں حاصل ہو پاتا ہے، اس بنا پر یہ خیال ہوتا ہے کہ جب بیعت کے تقاضے پورے نہ ہوں تو نری بیعت سے کیا فائدہ؟ (ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم! وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(۱) جس حال کا تم نے تذکرہ کیا ہے، یہ لوازم طبیعت میں سے ہے۔ طبیعت کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی نشاط کی کیفیت ہوتی ہے، تو ہر چیز میں زندگی معلوم ہوتی ہے، کبھی انقباض کا رنگ ہوتا ہے، تو ایک بے دلی سی معلوم ہوتی ہے، ہم غلاموں کا کام ہے آداب غلامی بجالاتے رہنا، اللہ و رسول کی عبادت و اطاعت مقصد زندگی ہے، خواہ ''منشط'' ہو یا ''مکرہ'' دعاء کرو، خواہ بے کیفی ہو۔ قیام اللیل کی کوشش کرتے رہو، خواہ دو ہی رکعت نصیب ہو، گرمی کا موسم ہے رات چھوٹی ہوتی ہے، میں اللہ سے دعاء کرتا

ہوں، توفیق انشاء اللہ سلب نہیں ہوئی ہے، صرف رنگ بدلا ہوا ہے۔

(۲) بیعت کا مدار دو باتوں پر ہے، ایک محبت اور دوسرے عقیدت، ان دونوں کے بعد یکسوئی، یعنی جس کے ساتھ محبت وعقیدت کا رشتہ ہے اس سے وابستگی میں یکسوئی ہو، میرے خیال میں یہ تینوں باتیں تمھیں حاصل ہیں، اس کے بعد بیعت کے ظاہری دستور ورسم کی ضرورت نہیں ہے۔

جس اختلاف اور اشکال کو تم نے ذکر کیا ہے، وہ کچھ مضر نہیں ہے، وہ اختلاف اور وہ اشکال مضر ہے جس سے محبت زائل ہو جائے، یا جس سے عقیدت وعظمت میں اضمحلال پیدا ہو جائے، رہا انتظامی مصلحتوں میں اختلاف نظر! تو یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، اتنا ہو کہ دل میں جم کر روگ نہ بنے، اگر کبھی اشکال کی گرفت سخت ہو تو اسے دریافت کر لینا چاہیے۔ ورنہ محبت خود جواب فراہم کر دے گی، اور آخری درجہ یہ کہ اپنا مقتدا یا شیخ بھی بشر ہی ہوتا ہے، فرشتہ نہیں ہوتا، عین ممکن ہے کہ واقعی اس کی غلطی ہو، مگر جب تک صریح گناہ نہ ہو اس سے بدظنی کا موقع نہیں ہے، اس لئے اس مسئلہ میں نہ الجھو۔ اللہ تعالیٰ خود توفیق وسعادت کی راہ کھولیں گے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے .........اس کا احسان ہے کہ .........اس طرح کے امور میں وسعت قلبی بخشی ہے،

رہی یہ بات کہ اوراد ووظائف پر استمرار ودوام نہیں ہو پاتا۔ تو اس سلسلے میں چند باتوں کا اہتمام کر لو۔ اول یہ کہ کوئی مختصر سا ورد اپنے ذمے لازم کر لو، اور وہ میرے خیال میں یہ ہے کہ صبح کو فجر کی سنت اور فرض کے درمیان **اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** ابتداءً چالیس دن ۳۱۳ مرتبہ مسلسل اور پھر سو مرتبہ روزانہ پڑھ لیا کرو، اور اس کے بعد وہ پانچ دعائیں، جو ہمارے سلسلے میں معمول بہا ہیں، انھیں کر لیا کرو۔ (وہ دعائیں یہ ہیں، (۱) یا اللہ! اپنے اس اسم اعظم کی برکت سے مجھے اپنا خاص الخاص

مقرب بندہ بنا لیجئے، دونوں جہاں میں ،(۲) یااللہ! مجھے دونوں جہاں کی بھلائیاں نصیب فرمایئے ،(۳) یااللہ! دونوں جہاں کی برائیوں سے بچایئے، (۴) یااللہ! دونوں جہاں میں مجھ سے راضی ہو جایئے (۵) یا اللہ! میرے اسلام، ایمان اور احسان کو کامل فرما کر خاتمہ بالخیر فرمایئے)

دوسرے رات کو بعد نماز عشاء درود شریف کچھ مقدار میں پڑھ لیا کرو، جتنا آسان ہو، تیسرے یہ کہ تلاوت خواہ کم ہی ہو، ضرور کرلیا کرو۔ بس اس کے علاوہ روزمرہ کے فرائض وسنن کافی ہیں، ان میں نیت اور اخلاص کا استحضار رکھو۔

باقی اوقات کو علم کی ترقی میں لگائے رکھو، مطالعہ کرنا، لکھنا، دینی مضامین پر غور کرنا، ہاں اس میں یہ اہتمام ضرور رکھو کہ جو کچھ پڑھو یا لکھو یہ سمجھ کر پڑھو لکھو کہ اللہ کے لئے کر رہے ہو، شہرت وناموری کا قصد نہ ہو، ان شاء اللہ اتنے ہی سے کام کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ علم صحیح ونافع ہر عبادت سے بڑھ کر عبادت ہے۔

الحمدللہ تمھارے لئے دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۸ر صفر ۱۴۲۳ھ یکشنبہ

☆☆☆☆☆

# بنام حافظ عبد القادر صاحب در بھنگوی

در بھنگہ کے رہنے والے، مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں پڑھتے تھے، وہیں مجھ سے ملاقات ہوئی، روزِ اول ہی سے انھوں نے اپنی خدمت گزاری اور بے عذر اطاعت وفرمانبرداری کا نقش دل پر بیٹھا دیا۔ زندگی کے بہت سے نیچے اونچے مرحلوں سے گزرے، مگر اندازِ وفاداری وہی رہا جو ابتداء میں تھا۔ بچپن میں مجھے ملے تھے اور بڑھاپے میں داخل ہورہے ہیں، مگر اطاعت وخدمت میں کچھ اضافہ ہی ہوا، کمی نہیں آئی۔ میرے شیخوپور آنے کے بعد یہ بھی یہیں آگئے اور مالیات کے انتظام میں ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہیں۔

عزیزم حافظ عبد القادر سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے پاس بہار کا ایک طالب علم پڑھا کرتا تھا، مجھ سے اس کو بہت تعلق تھا، اور میں بھی اسے بہت چاہتا تھا، عرصہ تک میرے ساتھ رہا، پھر حالات کی مجبوری کی وجہ سے اس نے تعلیم ترک کر کے پڑھانا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں نینی رہا اور میرے پاس آکر میرے دل کا سکون بنتا رہا، پھر افضل المعارف میں پڑھانے لگا، وہاں سے بھی کبھی خود آکر میری مسرت کا سامان بنتا، کبھی خط بھیج کر اپنی محبت سے معطر کر دیتا، مگر اب عرصہ سے نہ خود آیا اور نہ کوئی نامہ و پیام بھیجا، نام اس کا عبد القادر ہے، حافظ قرآن ہے، قلندر قسم کا آدمی ہے، میرے بہت کام کا ہے، اس کا پتہ کہیں ہو تو جلد مجھے مطلع کرو۔

لو! میاں عبد القادر تم اتنے عرصہ کہاں تھے، اتنی بے اعتنائی کہاں سے سیکھ لی، تم تو ایسے نہ تھے، خیریت سناؤ، اپنے حالات بتاؤ، مجھ سے چھوٹ کر کیونکر تمہیں چین رہا۔ کیا تم ناراض ہو گئے ہو؟

اچھا یہ خط لو، حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ کے نام، احتیاط سے ان کے پاس لے جاؤ اور مناسب موقع دیکھ کر میرا سلام کہہ کر ان کی خدمت میں پیش کر دو اور کہہ دو کہ حضرت دعا فرما دیں جواب کی تکلیف نہ فرمائیں، تم حضرت کے احوال لکھ کر مجھے بتا دو، بس اس وقت لمبی گفتگو نہیں، دو مہمان منتظر بیٹھے ہیں اور میں تمہارا منتظر بیٹھا ہوں، دیکھوں کب دل شاد اور آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۷/ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

عزیزم حافظ عبدالقادر سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط کا انتظار تھا، سو مل گیا۔ تمہارے والد کی علالت کی کمی سے خوشی ہوئی، دعا کرتا ہوں کہ شفاء کلی حاصل ہو۔ فی الحال ابھی دکان کا بندوبست نہیں ہو رہا ہے تو پڑھانے کو اختیار کرلو اور دکان کے لئے بھی سعی کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں انھیں پر نظر رکھو، وہ سب فقر وفاقہ اور تنگدستی دور کردیں گے اور سب چیزوں کا غیب سے انتظام فرمادیں گے، اطمینان رکھو۔ میں نے بتایا تھا کہ بعد نماز مغرب سورہ واقعہ پڑھ لیا کرو، نماز باجماعت اور تلاوت کی بہت پابندی رکھنا، اس میں گڑبڑ نہ ہو۔ میں تمہارے والد والدہ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں نماز کا پابند بنادیں۔ بھائی کو نصیحت کا خط لکھو، ان شاء اللہ متاثر ہوگا، لیکن بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر رکھو اپنی محنت اور کوشش کو بھی کچھ نہ سمجھو۔ میں دل سے دعا کرتا ہوں اور برابر کرتا رہوں گا ان شاء اللہ۔ تم راستے پر آچلے تھے اور مجھے امید ہوگئی تھی، مگر کیا کریں تقدیرِ الٰہی کے سامنے چارۂ کار نہیں۔ بہرحال دینداری کو ہاتھ سے نہ جانے دینا، اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والے ہیں۔ دینداری کے ساتھ تھوڑا ملے تو بہت ہے اور بے دینی کے ساتھ بہت کچھ ملے تو کچھ نہیں۔ حرص وہوس سے بہت دور رہنا، قناعت اختیار کئے رہنا۔ یہاں بحمداللہ ہر طرح خیریت ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۸ھ

عزیزم حافظ عبدالقادر سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط کا مجھے شدت سے انتظار تھا، اور اس لئے مزید تھا کہ تمہیں میں نے مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں بھیجا تھا، مولانا کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔ خیر مولانا کے جواب کا تو مجھے انتظار نہ تھا، ہاں تمہاری پہونچ کی خبر کا منتظر تھا، لیکن تم نے تو ایسا طویل سکوت اختیار کیا کہ مجھے پریشانی محسوس ہونے لگی۔ کچھ روز کے بعد مولانا کا ٹیلی گرام جوابی آیا کہ میں بیمار تھا، اب اچھا ہوں۔ ٹیلی گرام جوابی تھا، سمجھ میں نہیں آیا کہ جواب کیا دوں؟ ارادہ کیا کہ الہ آباد حاضر ہو جاؤں مگر اہلیہ کی طبیعت خراب ہوگئی اور نہ جا سکا۔ ابھی اسی حیص بیص میں تھا کہ حضرت مولانا کا خط ایک صاحب لے آئے جس میں مولانا نے تمہارے پہونچنے کی اطلاع دی تھی، اور یہ کہ ایک خط مولانا نے اس کے جواب میں فوراً لکھا تھا مگر وہ خط مجھے نہ مل سکا۔ اس خط کے جواب میں فوراً میں نے مولوی انوار احمد صاحب کو الہ آباد بھیجا، جب مولوی انوار احمد صاحب الہ آباد سے آ لئے جب کہیں تمہارا خط ملا، خیر ملا تو۔

تم نے اپنا حال بہت خوب لکھا ہے، تمہارا قلب اچھا ہے، بہت جلد متاثر ہوتا ہے لیکن کمزور ہے، تاثر مٹ بھی جاتا ہے اسے مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، جس چیز پر لگو مداومت کرو۔ شدتِ تاثر میں تحمل سے زیادہ بار اپنے اوپر نہ لادو۔ حدیث شریف میں ہے کہ تھوڑا عمل جو مستقل ہو خدا کو بہت پسند ہے، تم کچھ ذکر اپنے لئے مقرر کر لو اور چوبیس گھنٹہ میں کم از کم آدھ گھنٹہ مکمل تنہائی کا نکال لو، اس میں یکسو ہو کر روزانہ ذکر کیا کرو۔ ان شاء اللہ یہ تاثر پائیدار ہوتا چلا جائے گا۔

تم جہاں ہو وہیں رہو، میرے پاس کبھی کبھی آیا کرو۔ اس میں بہت فائدہ

ہوگا، محبت بڑھتی رہے گی، مستقل ساتھ رہنے میں بشریت کا حجاب کبھی کبھی محبت و تعلق کو چھپا دیتا ہے، اس کی جگہ پر انقباض و تکدر کی کیفیت آجاتی ہے۔ دور رہ کر محبت رکھنا اور محبت حاصل کیئے رہنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ قریب رہا جائے اور کسی ایک جانب سے انشراح کا خاتمہ ہوجائے۔ سوچو! تم بھی بشر ہو، میں بھی بشر ہو۔ میرے پاس بشر ہی رہتے ہیں، پورے ماحول میں محبت کو نبھانا بہت مشکل ہے، ہاں اگر میں کہیں اس طور پر بیٹھتا کہ لوگ آکر رہا کریں تو مضائقہ نہ تھا، مگر موجودہ صورت حال میں جو کیفیت ہے وہی بہتر ہے، اور یہ بھی شدت تاثر ہی کا نتیجہ ہے، اس تاثر کو تم استقلال یوں عطا کر سکتے ہو کہ کم از کم مہینہ میں ایک خط مجھے لکھ دیا کرو اور میں جواب دے دیا کروں۔ ان شاء اللہ ربط باقی رہے گا، اور ملاقات کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

تمہاری ہمشیرہ کے لئے دعا ہے کہ حق تعالیٰ صحت کاملہ نصیب فرمائیں۔

آسیب زدہ عورت کو تم نے کس مثلث کا نقش دیا تھا، میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ عورتوں پر ترکیبیں مت آزمانا۔ یہ مخلوق بہت عجیب و غریب ہے، ہر امت کا فتنہ ہوتا ہے۔ اس امت کا فتنہ مال اور عورت ہے، عورتوں میں پچاسی فیصد مرض ہوتا ہے، انھیں گھر بیٹھے تعویذ دیدو، انھیں نہ اپنے پاس بلاؤ نہ ان کے پس جاؤ۔ مخلوقِ خدا کو فائدہ رسانی اس باب میں فریب ہے، آخر اپنا نفس بھی مخلوقِ خدا ہے یا نہیں، اس کا اس میں فائدہ ہے یا نقصان۔ مجھے نہ تو جن کو حاضر کرنا آتا، نہ غائب کرنا، نہ جلانا۔ میں ان امور سے بالکل کورا ہوں، بلکہ میں جن کے لئے تعویذ ہی نہیں دیتا، یہ کام مجبوراً بھی مت کرو۔ دوسروں کے حوالہ کردو، لوگوں کی صحت و مرض کے تم ذمہ دار کب سے بن گئے ہو، اللہ کی مخلوق ہے، چاہے وہ بیمار رکھیں چاہے صحت مند، ہم تم دم مارنے والے کون؟ ہاں دعاءِ صحت کردو، ایسی ترکیبیں کردو جو دائرۂ اباحت میں ہوں، اور ہر اس طریقے سے

بچو جو حرام و نا جائز ہو، یا ہو تو دائرۂ اباحت کے اندر لیکن حرمت کے اندر کھینچ کر پہونچا دیتا ہو۔ یہ طریقہ جو تم نے اختیار کیا ہے محض خرافات ہے، اس سے دور رہو۔ جنات کے اثر کے لئے ایک تعویذ تو وہ ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چوکور شکل میں لکھی ہوئی ہے ، اور ایک حرزِ ابی دجانہ۔ یہ دونوں تعویذ دے سکتے ہو، باقی سب فضول ہے۔ ۳۱۷ اور ۳۱۹ کے نقش سے مریض کو جانچ لیا کرو، اور خود پاس جانے کی ضرورت نہیں تعویذ لکھ کر بھیج دو، میری یہ نصیحت مان لو ورنہ آخرت میں خسارہ اور دنیا میں رسوائی کا اندیشہ ہے۔

میں الحمدللہ خیریت سے ہوں، اہلیہ بھی بخیر و عافیت ہے۔ البتہ محمد عارف و محمد عادل کو میعادی بخار ہو گیا ہے۔ صحت کی دعا کرو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۸ھ

⦿⦿⦿⦿⦿

عزیزم حافظ عبد القادر سلّمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا۔ ٹوپی میرے لئے نہیں ہے، بچوں کے لئے ہے۔ انھیں ان شاء اللہ ٹھیک ہوگی، قیمت امانت بھائی سے پوچھ لینا۔

ایک کام اور کرو، حافظ سرور کے یہاں جا کر مندرجہ ذیل کتابیں میرے حوالہ سے لیتے آؤ، ان سے بات چیت ہو چکی ہے۔

احیاء العلوم جلد اوّل میں قسط ۱-۲-۳ جلد دوم میں قسط اول

جلد سوم مکمل اور جلد چہارم مکمل تمام قسطیں

منہاج العابدین (اردو) مصنفہ امام غزالیؒ

بل بنوا کر لیتے آنا، قیمت تمہارے ہاتھوں بھیج دوں گا، یہ کام بہت ضروری ہے۔

ہاں شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ امانت بھائی کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے، تم نے ان کی اہلیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تھانہ بھون جارہی تھیں۔ وہ شاید مولوی سعادت کی اہلیہ ہوں۔

مولانا عبدالرب صاحب ۲۹/جنوری کو ریاض (سعودی عرب) جارہے ہیں، وہاں کوئی کورس تدریب المدرسین کا ہے، تین ماہ کا، اس کیلئے ان کی منظوری آچکی ہے۔

باطنی احوال منقلب ہوتے رہتے ہیں، اس لئے اس کی طرف التفات نہ کرو، البتہ معصیت سے بچنا بہت ضروری ہے، ظاہری و باطنی تمام معاصی سے ہر روز توبہ لازم ہے، پابندی سے استغفار کرو۔ باطنی احوال میں جو تغیر معاصی کی وجہ سے ہوتا ہے وہ بہت پُر خطر ہے۔ اور ذکر کا اہتمام بہت ضروری ہے، **لا إلــه إلا الله** کا ذکر اس طرح کرو کہ **لا إلــه** کہتے وقت یہ تصور کرو کہ غیر اللہ خواہ وہ محبوبات و مالوفات ہو یا مکروہات ومبغوضات، گناہ ہو یا ثواب سب کچھ دل سے نکل گیا، اور **إلا الله** کہتے وقت یہ تصور کرو کہ محض محبت الٰہی دل میں داخل ہورہی ہے۔ پابندی اور اہتمام کرو، ذکر میں نگاہ اور دھیان دل پر مکمل رہے، چاہے پندرہ منٹ ہی ہو، لیکن خاص خلوت ہو، بالکل تنہائی ہو۔ ذکر کے بعد اور معصیت سے بچنے کے اہتمام کے بعد احوال خواہ کچھ ہوں مضائقہ نہیں، مدرسین کو نگاہ اور دل دونوں کا مرض لگ جاتا ہے۔ مدرسوں میں امارد کا اجتماع ہوتا ہے، نگاہ بھی آلودہ ہوتی ہے اور دل بھی ملوث ہوتا ہے، اس لئے بہت زیادہ اجتناب واہتمام کی ضرورت ہے۔ خوب سمجھ لو۔ **والسلام**

اعجاز احمد اعظمی

۷؍ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

⦿⦿⦿⦿⦿

عزیزم حافظ عبد القادر سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک خط رجسٹرڈ بھیج چکا ہوں، مل چکا ہوگا۔ مولانا عمار صاحب کو میرا خط دیدینا اور انھیں سلام کہہ دینا۔

شادی کے مسئلے سے طبیعت میں فکر پیدا ہوگئی۔ ان شاء اللہ برابر دعا کروں گا، سہولت اور عزت وآبرو کے ساتھ تمام امور کے انجام پانے کی، ان شائاللہ سہولت ہی رہے گی، مارچ سے پہلے شاید ملاقات کی کوئی صورت نکل آئے۔

عرفان نے تمہاری کوشش اور محنت ومحبت کا ذکر کیا تھا، تم سے مجھے بالکل یہی توقع تھی۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے میرے اور تمہارے دل میں باہمی سچی محبت ڈال دی ہے، ان شاء اللہ یہ محبت دنیا میں بھی کام آتی رہے گی اور آخرت میں بھی حق تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھیں اور اسے بڑھاتے رہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ تمہارے باطنی احوال میں تبدیلی پیدا ہوئی، مکمل تنہائی کے منتظر نہ رہو، مسجد ہی میں بیٹھ کر ذکر کرلیا کرو، تمہیں دل پر ضرب لگانے کی ضرورت نہیں ہے، صرف اتنا خیال کرو کہ لا إلــہ کہتے وقت دل سے تمام محبتیں نکل گئیں اور إلا اللہ کہتے وقت ایک خدا کی محبت سرایت کررہی ہے، اس سے زیادہ خود ہلکان کرنے کی حاجت نہیں ہے، البتہ اس میں عجلت نہ کرو، کم ازکم پانچ سو ایک ہزار تک روزانہ کیا کرو۔ جتنا وقت اس میں لگ جائے وہ مکمل کارآمد ہے۔ اسی طرح رات کو سویرے اٹھنے کی کوشش کرو اور مسجد میں جاکر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ کر اس وقت بھی کچھ ذکر اور

کچھ تلاوت میں مشغول رہو۔

جس حالت کا تم نے ذکر کیا ہے یہ تلوّن کہلاتی ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ راہ پر تم لگ گئے ہو، کثرت ذکر کے بعد استحضار مستقل ہو جائے گا، ابھی تو گا ہے اِدھر اور گا ہے اُدھر کا معاملہ رہے گا۔ لیکن اس سے گھبراؤ نہیں، کثرت ذکر میں لگے رہو، اپنی مشغولیات کا ایک جائزہ لے ڈالو، جتنا حصہ اس میں فضول محض ہو جس میں بجز لذت کے اور کچھ حاصل نہیں اسے مکمل حذف کر دو، اور اتنی یادِ الٰہی بڑھا دو۔ جتنا دنیاوی مشغولیات کم کرتے رہو گے یادِ الٰہی کا موقع زیادہ ملتا رہے گا اور کاموں میں برکت زیادہ ہوتی رہے گی، تجربہ کر لو۔ حضرت مصلح الامت سیّدنا ومولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ وقدس سرہ کی کتابیں ضرور مطالعہ میں رکھو، بہت ہی اکسیر ہیں، روزانہ کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پڑھا کرو۔

جو اچھا حال حاصل ہو جائے اس پر خدا کا شکر ادا کرو، اور کسی سے تذکرہ بالکل نہ کرو، یہ احوال عموماً پردے میں آتے ہیں اور پردہ چاہتے ہیں، انھیں کھول دیا جاتا ہے تو فوراً رخصت ہو جاتے ہیں، اور جب زائل ہو جائیں تو انھیں دوبارہ لانے کی کوشش نہ کرو۔ بلانے سے نہیں آتے بس کام میں لگے رہو، احوال کا انتظار بھی نہ کرو، پھر خود بخود آ جائیں گے۔ یہ گُر بہت بیش قیمت ہے خوب اچھی طرح سمجھ لو۔

پان کی حد تک تو غنیمت ہے، بشرطیکہ تمبا کو کی مقدار بہت کم ہو، لیکن سگریٹ کی عادت تو بہت ہی بری ہے، اسے اول فرصت میں ترک کر دینا چاہئے۔ میں نے اس کیلئے آج حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کی ہے، خدا کرے قبول ہو۔

شادی کے سلسلے میں مخلوق کے سامنے دستِ سوال مت دراز کرنا، صرف حق تعالیٰ سے مناجات کرنا، ان شاء اللہ غیب سے دستگیری ہوگی، بعد نماز عشاء روزانہ اول

آخر تین تین درود شریف اور درمیان میں دعاء حضرت یونس علیہ السلام **لا إلـــه أنـت سبحانک الخ** سو بار پڑھ کر حق تعالیٰ کے سامنے تضرع وزاری کرو اور پھر امدادِ غیبی کا تماشہ دیکھو۔

تمہاری کسی حالت پر غصہ آنے کا کیا معنی؟ میرا باطن تو خود انتہائی گندہ اور خراب ہے، تم لوگوں کے احوال پر تو شکر الٰہی بجالاتا ہوں کہ چند ایک ہی خرابیاں ہیں جو ادنیٰ محنت سے زائل ہوسکتی ہیں، اور میں تو ایسی بلاؤں میں مبتلا ہوں کہ نہ کسی سے کہہ سکتا ہوں اور نہ وہ زائل ہی ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ شرورِ نفس سے حفاظت فرمائیں۔ ہرگز ایسا گمان نہ کرنا، مجھے ذرہ برابر تکدر اور انقباض نہیں ہوتا، دل سے بہی خواہ ہوں اور قلبی محبت ہے۔ بالکل مطمئن رہو اور میری اصلاح کے لئے بھی دعا کرتے رہو، حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ کی خدمت عالیہ میں سلام عرض کردو۔

حضرت قاری صاحب سے اگر ہمت نہیں پڑتی تو مت کہو، میری بھی ہمت نہیں پڑتی تھی، اس سے پہلے جب الہ آباد آیا تھا، تو ہمت کر کے دعاء کی درخواست کردی تھی، لیکن انھوں نے کچھ ایسا جواب دیا کہ ہمت بیٹھ گئی۔ اب تو شاید کبھی نہ کہہ سکوں، ویسے ان کے احسانات میرے اوپر بہت ہیں، اس لئے ہمیشہ ان کا ممنون کرم اور ہوا خواہ رہوں گا، اور کبھی انھیں تکلیف نہیں پہونچاؤں گا، بلکہ ان کے حقوق ڈھوتا رہوں گا، تم بھی یہی کرو۔

باقی الحمدللہ یہاں سب خیریت ہے۔ **والسلام**

اعجاز احمد اعظمی

۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

⦿⦿⦿⦿⦿

عزیزم حافظ عبد القادر سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ خط حضرت اقدس مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں پیش کرنا، تم خود اپنے ہاتھ سے لے جا کر مناسب موقع دے کر پیش کرنا، کسی اور کے حوالے نہ کرنا اور یہ کہہ کر پیش کرنا کہ ”خط ذرا طویل ہو گیا ہے، حضرت کو جب موقع ہو ایک نگاہ فرمالیں۔“

حضرت کی معذوری اور کمزوریٔ صحت کی بنا پر اس قدر طویل خط پیش کرتے ہوئے بہت خوف محسوس ہوتا ہے، لیکن کیا کروں لکھنے بیٹھا تو باتوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا اور کتنی باتیں ابھی نہیں لکھیں، بہر کیف تم سمجھدار ہو، امید ہے کہ میری نادانی کو سنبھال لوگے، اور خط پانے کے بعد حضرت جو کچھ ارشاد فرمائیں اسے بلا تاخیر میرے پاس لکھ بھیجنا اور اگر حضرت جواب کا وعدہ فرمائیں تو تم حاصل کر کے بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیجنا، احتیاط ہی کی بنا پر میں بھی رجسٹری کر رہا ہوں، باقی یہاں سب خیریت ہے۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

◉◉◉◉◉

عزیزم حافظ عبد القادر سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی روز سے میرا دل مسلسل تمہاری طرف لگا ہوا تھا، تمہارے خط کا انتظار کر رہا تھا۔ ادھر حضرت مولانا مدظلہ بھی بہت شدت سے یاد آتے رہے، کئی بار جی میں

آیا کہ پھر ایک خط لکھوں، لیکن آج کل اسباق کی اتنی بھرمار ہے کہ بالکل فرصت ہی نہیں ملتی۔ نو اسباق آج کل چل رہے ہیں، جن میں سب سے ہلکا سبق کافیہ کا ہے، اور حضرت مولانا کو خط لکھنے کے لئے بہت اہتمام کرنا پڑتا ہے، تاہم ہوسکتا ہے کہ اس خط کے پیچھے حضرت مولانا کے نام بھی خط پہونچے، جب غازی پور کی طرف آنا ہو دو روز پہلے حضرت مولانا کو اطلاع ضرور کردینا۔ تمہارا خط عین اس وقت ملا جب میں ہدایہ کے سبق کے لئے بیٹھ چکا تھا، طلبہ سب بیٹھے تھے، میں شدتِ اشتیاق میں اسی وقت خط کھول کر پڑھا، ماشاء اللہ، الحمدللہ تم نے آسودہ کردیا۔ حضرت مولانا سے متعلق جتنا کچھ تم نے لکھا تھا، وہ طلبہ کو سنایا، پھر طبیعت کا بند کھل گیا۔ میرے اوپر ایک بے خودی سی طاری ہوگئی، بہت دیر تک حضرت مولانا کا تذکرہ ہوتا رہا، پھر حضرت مولانا کی مناسبت سے حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن قدس سرہ کا ذکر چھڑ گیا، بس پھر کیا تھا، وقت بھی گوش برآواز تھا، تھوڑی دیر کے بعد گھڑی پر نگاہ ڈالی تو پون گھنٹہ گزر چکا تھا، اس کے بعد سبق شروع کیا، اللہ تم کو جزائے خیر دے

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

حضرت مولانا کی عنایت ومحبت کا کیا پوچھنا، ان کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو بس کچھ نہ پوچھو ؎ ذکر اس پری وش کا پھر بیاں اپنا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا پر استغراقی کیفیت زیادہ رہتی ہے، اس کا احساس مجھے اس وقت بھی ہوا تھا، جب میں اب کی بار حاضر خدمت ہوا تھا۔ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن قدس سرہ کا بھی یہی حال تھا۔

ایسے وقت بزرگوں کا التفات بڑا قیمتی ہوتا ہے، ایسے وقت خصوصیت سے ان کی توجہات میں جذباتِ الٰہیہ کا شمول ہوتا ہے اور ہر عنایت ایک نیا جذب بخشتی

ہے، ایسے وقت میں اگر یکسوئی قلب کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضری اور حضوری ہوتو بہت خوش نصیبی ہے، تم قریب ہو، اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، حضرت مولانا کا رنگ متقدمین کا رنگ ہے۔

تم نے میرے خط کا صحیح اثر لیا، اس سے بہت مسرت ہوئی، حق تعالیٰ مدد فرمائیں۔ مجھے اپنے سب دوستوں سے قلبی محبت ہے، اور تم سے روز اول سے ..... جبکہ پہلی ملاقات ہوئی تھی .....دل ملا ہوا ہے، اب اس میں جتنی تمہاری صلاحیت دینی اور تعلق مع اللہ بڑھتا جائے گا میرا دلی رابطہ بھی بڑھتا جائے گا۔ میں اپنے دوستوں کو خدا کی بارگاہ میں پڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں، سب کچھ فنا کرکے آدمی انھیں کا ہو رہے، ''دست بکار، دل بیار'' کا مضمون رہے، حب مال، حب جاہ سب ان کے قدموں پر نثار، یاد ان کی، دھیان ان کا، طاعت ان کی، بس ایک ہی دھن ہو، بقول جگر مرحوم ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام ہے اپنے کام سے
ترے ذکر سے ترے فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

مجھے اسی کی دھن ہے، چاہتا ہوں کہ سب ایسے ہی ہو جائیں، تم ایسا بننا چاہتے ہو، اس لئے بار بار تمہاری محبت دل میں کشش پیدا کرتی رہتی ہے، جتنی اصلاحات تم نے اپنے اندر کیں سب بہت بجا اور عمدہ ہیں، میں استقامت کی دعا کرتا ہوں۔

نفس پر جب گرفت ہوگی تو وہ خاموش کیوں بیٹھے گا، لیکن تم بھی غافل نہ ہو، نفس کی ہر وہ خواہش جو گناہ ہو، شدت سے اس کے خلاف کرو، بالخصوص نگاہ اور زبان سے متعلق نفس کی خواہش ہرگز پوری نہ کرو۔ شروع میں بہت تکلیف ہوگی، مگر انجام کار ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ پورے اخلاص سے محض اللہ واسطے اس سلسلے میں اللہ

تعالیٰ سے استقامت طلب کرو، ایک چھوٹی سی دعا لکھتا ہوں، ہر نماز کے بعد خشوع وخضوع سے یہ دعاءحق تعالیٰ کی جناب میں پیش کیا کرو!

أَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِیْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔

اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عنایت فرمایئے، اور اس کو پاکیزہ بنادیجئے۔ آپ بہترین پاکیزہ بنانے والے ہیں۔ آپ اس کے مالک ومولیٰ ہیں۔

ان شاء اللہ نفس کی سرکشی ختم ہوجائے گی۔ اور ذکر کبھی مت چھوڑنا، نفس کا زور توڑنے کے لئے وہ بہترین معاون ہے۔ ہاں ایک بات اور کہوں، ذرا اپنے لقموں کا جائزہ لے ڈالو اور دیکھو کہ پیٹ میں فضول چیزیں کتنی جاتی ہیں اور ضروری غذا کا کتنا حصہ ہے، یہ فضول لقمے جو محض لذتِ ذائقہ کے لئے کھائے جاتے ہیں، یہ بھی نفس کی بڑی مدد کرتے ہیں، اگر ہمت کرکے ان میں بھی تقلیل کرلی جائے، تو کام آسان ہوجائے۔

آج کل محنت بہت پڑ رہی ہے، ویسے تعلیم میں بحمد اللہ برکت بھی خوب ہے، نو کتابیں صرف ساڑھے پانچ گھنٹے میں ہوجاتی ہیں، لیکن بہت تھک جاتا ہوں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

◉◉◉◉◉

عزیزم وحبیبم! عافاکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ تو واقعہ ہے کہ زمانے کی ہوا کچھ ایسی ہی ہے کہ آدمی کا ایمان، اس کا زہد و تقویٰ، اس کی امانت و دیانت سب کچھ اس آگ برساتی فضا میں جھلس کر رہ جائے، جو وقت آتا ہے ایمان بالغیب کے لئے ایک نیا چیلنج لاتا ہے، اور غیب پر ایمان و یقین کی کیفیت جتنی ڈھیلی ہوتی جائے گی اسی کے بقدر آدمی گمراہی کے قریب تر ہوتا جائے گا، تاہم اگر ہمت و حوصلہ ہو، حق تعالیٰ کی محبت ہو، ان پر اعتماد و توکل ہو تو ان ہواؤں کا رخ پھیرا بھی جاسکتا ہے۔ دیکھو بھائی! دنیا کی معیشت میں ہونا وہی ہے جو حق تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے، اپنے حصہ سے ایک دانہ زیادہ نہ تم پاسکتے ہو نہ دنیا کا کوئی فرد پاسکتا ہے۔ اسی طرح جتنا تمہارے مقسوم میں لکھ دیا گیا ہے وہ اپنے وقت پر تم کو مل کر رہے گا، البتہ اس کا وقت مقرر ہے، وقت سے پہلے لاکھ کھینچنا چاہو، نہیں کھینچ سکتے۔ پھر دنیا کی حرص میں پڑ کر خود کو اور اپنے دین و ایمان کو کیوں داؤں پر لگایا جائے۔ کرتے رہو جو کرتے رہو، لیکن أَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ کو اصول بناؤ، یعنی طلب و کوشش میں اجمال پیدا کرو۔ اجمال کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مرنے کھپنے کا طریقہ نہ اختیار کرو۔ اجمال تفصیل کے بالمقابل ہے، تفصیل میں آدمی ایک جزئیہ کو نگاہ میں رکھتا ہے اور ہر ہر جز کی رعایت کرتا ہے۔ اجمال میں ایک اصول کو پکڑ لیتا ہے اور اس کی جزئیات کا زیادہ اہتمام نہیں کرتا۔ طلب و کوشش کا حاصل یہ ہے کہ رزقِ حلال حاصل ہو، وہ اجمالی کوشش سے حاصل ہو گیا، بس آرام سے اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ روزانہ معمول بنا کر، فریضۂ زندگی بنا کر ایک خواہ وہ تھوڑا ہی ہو یادِ الٰہی کے لئے مختص کر لو اور اس وقت میں کوئی کام بجز یادِ پروردگار کے نہ کرو، اور یہ اس لئے نہیں کہ مال میں برکت ہو، بلکہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہے، اور اس لئے کہ ایمان و عمل میں برکت ہو، اس میں

جان پڑے۔ مال ودولت میں کچھ لذت نہیں، فضولیات وخرافات، زہر قاتل ہیں۔ جتنا وقت یادِ الٰہی اور اطاعت خداوندی میں گزر جائے حاصل زندگی وہی ہے۔

میرے عزیز! مجھے تم سے بے حد محبت ہے، اور محض للہ فی اللہ محبت ہے۔ میں چاہتا ہوں، اور جی جان سے چاہتا ہوں کہ تم دنیا میں بھی خوشحال رہو، لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ چاہتا ہوں کہ پروردگار ہم سے، تم سے اور سب دوستوں سے راضی رہے، تاکہ یہ عارضی جدائی دنیا کی جو ہماری محبتوں کی راہ میں گرداڑاتی رہتی ہے جب ختم ہو، تو ہم لوگ ایک ایسی رفاقت ومعیت پائیں جو لازوال ہو۔ اور یہ رفاقت جنت کی ہے، محبت کی بقاء وترقی کا زمانہ وہی ہوگا، لیکن اس کے لئے ضروری ہے سب دوستوں کے سفر کا رخ ایک ہی ہو، سب رضاء الٰہی کی جانب قدم اٹھا رہے ہوں، سب کی سواریاں جنت کی طرف دوڑ رہی ہوں۔ اگر کوئی کمزور ہورہا ہو تو دوسرا سہارا دیدے۔ اے کاش! یہی ہوتا۔ حق تعالیٰ کی ذاتِ رحیم وکریم سے آسرا تو یہی ہے کہ ان لولوں لنگڑوں کو پہونچا ہی دیں گے۔

خیر میاں! تم تو بلند حوصلہ رکھتے ہو، مضبوط طبیعت کے مالک ہو، جواں ہمت ہو، پھر کیوں دل چھوٹا کرتے ہو، مردانہ وار زندگی کے اس دریا میں تیرتے چلے جاؤ۔ اور ایسا تیرو کہ دریا کی طوفانی موجیں کو دبخود تمہیں کنارے تک پہونچا دیں۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ کے یہاں جاؤ اور میرا سلام عرض کردو۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

۲۰؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

# بنام مولوی عبدالرشید سمستی پوری

مدرسہ دینیہ کے قدیم طلباء میں ہیں۔ ضلع دربھنگہ کے کسی مدرسہ میں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ گاہے گاہے ملاقات ہوتی ہے۔ انھوں نے مشاجرات صحابہ بالخصوص جنگ جمل وصفین کے متعلق سوال کیا تھا۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تم مشاجراتِ صحابہ میں کہاں گھس پڑے، یہ لوگ خدا تعالیٰ کی جانب مغفور ہیں، ان کی مغفرت کا اعلان قرآن میں ہو چکا ہے اجمالاً، اور حدیث میں تفصیلاً۔ ان سے بظاہر جو گناہ صادر ہوتے ہوئے نظر آئیں، وہ بھی عین طاعت ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ **الله الله فی أصحابی لاتتحذوھم من بعدی غرضاً**۔ یہاں قتل عمد کا کیا ذکر؟ صحابۂ کرام سے جو کچھ ہوا، وہ خطاء اجتہادی کی بنا پر ہوا۔ اور جانتے ہو کہ اجتہاد میں مخطی بھی ایک ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اور مصیب تو دوہرے ثواب کا۔ اس مقام پر عزت واحترام اور ادب واکرام کے ساتھ خاموشی ہی مناسب ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

واختلافے کہ درمیانِ اصحابِ پیغمبر **علیہ وعلیہم الصلوت والتسلیمات** واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود، چہ نفوس شریفۂ ایشاں تزکیہ یافتہ بودند، واز امارگی باطمینان رسیدہ، ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود، بلکہ آں اختلاف مبنی بر اجتہاد بود واعلائے حق، پس مخطیٔ ایشاں نیز درجۂ واحدہ دارد عند اللہ، ومصیب را خود دو درجہ است، پس زباں را از جفائے ایشاں باز باید داشت، وہمہ را بہ نیکی یاد باید کرد، **قال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ : تلک دماء طهر الله عنها أيدينا فلنطهر عنها ألسنتنا**، (مکتوب ۸۰، دفتر اول)

**ترجمہ**: اور وہ اختلافات جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہوئے تھے، وہ نفسانی خواہشات کی وجہ سے نہیں تھے، کیونکہ ان کے پاکیزہ نفوس تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور امارگی (کے درجہ ) سے (نکل کر) اطمینان (کے درجہ) تک پہونچ چکے تھے، ان کی تمام خواہشات شریعت مقدسہ کے تابع ہو چکی تھیں، بلکہ وہ اختلاف اجتہاد اور حق بلند کرنے پر مبنی تھا، پس ان میں سے (اجتہادی) خطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ رکھتا ہے، اور صحیح اجتہاد کرنے والے کو تو دو درجے (دوہرا ثواب) حاصل ہوتے ہیں، پس اپنی زبان کو ان کی شان میں گستاخی کرنے سے روکنا چاہئے، اور ان سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

خلافے ونزاعے کہ درمیان اصحاب علیہم الرضوان واقع شدہ بود محمول بر ہوائے نفسانی نیست، در صحبت خیر البشر نفوس ایشاں بہ تزکیہ رسیدہ بودند واز امارگی آزاد گشتہ، ایں قدر می دانم کہ حضرت امیر دراں باب برحق ماندہ اند،

ومخالف ایشاں برخطا بود، اما ایں خطائے اجتہادی است تا بحد فسق نمی رساند، بلکہ ملامت راہمدریں طور خطا گنجائش نیست کہ مخطی رانیز یک درجہ است از ثواب۔

(مکتوب ۵۴، دفتر اول)

ترجمہ: جو اختلافات اور جھگڑے اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوتے تھے وہ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں (اس لئے کہ) حضرت سیّد البشر ﷺ کی صحبت (بابرکت) میں (رہ کر) ان کے نفسوں کا تزکیہ ہوگیا تھا، اور (ان کا نفس) امارہ پن سے آزاد ہوچکا تھا، میں اس قدر جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں حضرت امیر (سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) حق پر تھے، اور ان کے مخالف (حضرت امیر معاویہ وغیرہ رضی اللہ عنہم) خطا پر تھے، لیکن یہ خطا، خطائے اجتہادی ہے جو (ان کو) فسق کی حد تک نہیں پہونچاتی، بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی گنجائش بھی نہیں ہے، کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے۔

عمداً کا مطلب تو یہ ہے کہ بغیر کسی تاویل شرعی کے گناہ سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر قتل کیا جائے، اور یہاں دونوں جانب اجتہادِ شرعی موجود تھا، پھر قتل عمد کا کیا معنیٰ؟ اس باب میں حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے ارشاد کو پیشوا بناؤ، اور اسی پر اکتفاء کرو اس سے زیادہ اس میں کاوش نہ کرو۔ صحابہ کی بلندیوں تک ہمارا طائر فکر پرواز ہی نہیں کرسکتا۔ ہم ان کے بارے میں کیا لکھیں، رضی اللہ عنہم وأرضاهم عنه وغفر لنا بمحبتنا واکرامنا إياهم ولا نقول فيهم إلا ماقال الله ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

یہ خط ایک عالم دین کو لکھا گیا، جنھیں حضرت مولانا سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تمہارا خط ملا۔ اسے پڑھ کر دل پر ایک کیفیت طاری ہے۔ اس وقت سے اب تک مسلسل دعا کرر ہا ہوں۔ اس سے پہلے سے کرر ہا ہوں، لیکن کل سے کچھ اور ہی رنگ ہے۔

سنو میاں! یہ جو سب کچھ تم دیکھ رہے ہو، اس کی شکایت نہ بان سے کرو نہ قلم سے، نہ دل میں اس کی کلفت محسوس کرو، اور نہ طبیعت کو متاثر ہونے دو، یہ مخلوق نہ کسی کو نفع پہونچا سکتی ہے نہ نقصان، تم کو کسی کے جملے نے زبردست دھوکہ نہیں دیا ہے، تم اپنی طبیعت مخلوق سے کیوں اَٹکاتے ہو، کیا مخلوق روزی رَساں ہے؟ کیا اسی لئے پڑھا لکھا ہے کہ تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو تو شکایات کا دفتر لے کر بیٹھ جاؤ۔ اور رنج وراحت کا سارا مدار مخلوق کو قرار دے بیٹھو، کیا تنخواہ کم ہوگی، تو تمہاری ہمت ٹوٹ جائے گی۔ کیا مدرسہ کی تنخواہ کو اپنے علم اور اپنی خدمت کا معاوضہ سمجھتے ہو؟ یہ تو عام دنیاداروں جیسی بات ہوئی، سنو! یہ سب اللہ کی طرف سے تمہاری تربیت کا انتظام ہے، تمہاری طبیعت میں اشتعال ہے، غصہ ہے، تلوّن ہے۔ اگر سمجھو تو یہ احوال انھیں کی طرف سے ہیں۔ اس لئے ہیں کہ یہ سانپ بچھو طبیعت سے نکل جائیں، مخلوق کیا کرسکتی ہے۔ یہ سب اللہ کی تقدیر سے ہے، اور تقدیر پر راضی رہنے کا سبق کس کے لئے ہے، کیا کمالات مشکلات میں پڑے بغیر حاصل ہوسکتے ہیں، عجیب بات ہے کہ اپنے مزاج کے خلاف بات آتی ہے تو سب کچھ پڑھا لکھا فراموش ہوجاتا ہے، اور دوسروں کیلئے سب کچھ یاد رہ جاتا ہے، جو دوسروں نے کیا اسے رہنے دو، تم کو دین کی۔ علم دین کی خدمت کرنی ہے۔ مخلوق کو نظر اعتبار سے ساقط کرو۔

تنخواہ کی قلت وکثرت کا ذکر ہم لوگوں کے لائق بات نہیں ہے، پڑھانے پر تنخواہ لینا بوجہ ضرورت کے جائز قرار دیا گیا ہے، ورنہ سچ پوچھو تو دین کی خدمت ہماری ذمہ داری ہے، اس پر دنیاوی تنخواہ کیسی؟ اس کا معاوضہ اللہ ہی دیں گے، لیکن انسان کی کمزوری پر نگاہ کر کے اسے گوارا کیا گیا ہے، تو ایسی ناگوار چیز، جو صرف ضرورۃً گوارا کی گئی ہے، اس کے سلسلے میں تو اپنے منہ سے کوئی بات نکالنی نہیں چاہئے، تم تو یہ کہو کہ چاہے مت دو۔ یا کم دو، مجھے کام کرنا ہے، اور جو تمہاری ضرورت ہے اس کا حل کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کیلئے دوسری ذات ہے، جو سب کی مشکلات کو حل کرتی ہے، اس سے کہو۔ اس سے ربط پیدا کرو۔ اب سے ہرگز تنخواہ کی بات مت کرنا، بھول جاؤ کہ تم کو کتنی تنخواہ ملتی ہے۔ کتنی کٹتی ہے، کتنی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی جب نہیں دینا چاہیں گے، تو کون دے سکتا ہے۔ اور جب وہ دیں گے، تو کون روک سکتا ہے۔ یہ تو اتنی موٹی بات ہے کہ کبھی نگاہ کے سامنے سے ہٹنی نہیں چاہئے۔

تم علم کا اور دین کا کام اللہ ورسول کی خدمت سمجھ کر کرو۔ اور اتنی لگن اور محنت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔ مشکلات آئیں۔ ناگواریاں آئیں۔ لوگوں کی حرکتوں سے اُلجھن پیش آئے، تو یہ سمجھ کر راضی رہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے، سب کا دل ان کے قبضے میں ہے، وہی جدھر چاہتے ہیں پھیرتے ہیں، **امر بالمعروف ونھی عن المنکر** میں زیادہ جوش مت دکھانا۔ تم لوگوں کا یہ عمل بہت کچھ نفس کے شمول کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہاں ایک بات کا بطور خاص خیال کرو، مدرسہ کے معاملات، مدرسہ کے لوگ، طلبہ واساتذہ پر کوئی تبصرہ نہ کرنا، ان کی اچھائی ہو، تو مناسب انداز میں کہہ سکتے ہو، لیکن ان کی برائیاں اور خرابیاں نہ بیان کرو، اور نہ سنو، تم نئے آدمی ہو، بہت سے لوگ تمہاری خیر خواہی میں آکر لوگوں کی برائیاں کریں

گے، بدخواہیاں ذکر کریں گے، لیکن اس طرح کی گفتگو کا دروازہ پوری قوت سے بند کردو اور خود اخلاق کا معاملہ اختیار کرو، اور اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا، زیادہ وقت اپنی دیکھ بھال میں گزارو، غصہ کی تو بالکل چھٹی کرو۔ تم لوگوں اصل مصیبت یہی ہے، یہی جب آتا ہے تو تم لوگ اپنا عیب نہیں دیکھ پاتے اور دوسروں میں سب عیب ہی عیب نظر آنے لگتا ہے، اور اگر یہی نہ ہو تو اپنے عیوب کھلنے لگیں۔

مدرسہ کے انتظامات میں حتی الامکان منتظمین کی مدد کرنا۔ ان کے ساتھ موافقت کرنا۔ اور اپنی رائے سے کبھی حکم نہ لگانا کہ یہ شریعت کے خلاف ہے، بہت محتاط رہو۔ کام اتنی محنت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبوبیت اور عظمت ڈال دیں۔ اور دیکھو کان کے کچے نہ بننا کہ، کسی نے کوئی بات سنائی اور تم اس کا یقین کرلو، اس سے متاثر ہو جاؤ۔ جب تک فریقین سے تحقیق نہ کرلو، کسی بات کو دل میں گھسنے نہ دینا۔ اس سے بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اور کسی بات میں مبالغہ کی زبان نہ اختیار کرو۔ جیسے اسی خط میں تم لکھا ہے کہ زبردست دھوکہ ہوا۔ یہ مبالغہ کی زبان ہے، ''بہت زیادہ'' ''ہمیشہ'' ''کبھی نہیں'' ''ہنگامہ'' یہ سب مبالغہ کی زبان ہے۔ اس سے بہت اجتناب کرو۔ تم اس کے بچپن سے عادی ہو۔

میاں! مشکلات کہاں نہیں ہیں، ان کو اتنی مبالغہ آرائی سے بیان کرنے کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ سے ناراض ہو، اللہ کی تقدیر سے ناراض ہو، توبہ کرو، اور ہر حال میں تقدیر پر راضی رہو، جو ضرورت ہو اللہ سے کہو۔ مجھ کو دعا کیلئے لکھو۔ میں تمہارے لئے دعا کیا کروں گا، مگر اللہ کے واسطے شکوے کی زبان بند کرو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۰/ صفر ۱۴۱۶ھ

# بنـــام

## حاجی محمد بلال و حافظ عزیز الرحمٰن

حاجی محمد بلال میرے چچازاد اور حافظ عزیز الرحمٰن ماموں زاد بھائی ہیں، دونوں قریب قریب آگے پیچھے میری ہی عمر کے ہیں، بچپن سے ان دونوں کا ساتھ رہا ہے، دونوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔

برادرانِ عزیز حافظ عزیز الرحمٰن ومحمد بلال سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج امتحان ختم ہوا، کل ہی سے تم دونوں کی یاد بہت شدت سے دل میں آرہی ہے، ایسا جی چاہتا ہے کہ پھر آکر ملاقات کروں، مگر ظاہر ہے کہ اس تقاضہ پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے، کہ جن لوگوں کو مجھ سے کسی طرح کا تعلق ہے، رشتہ داری کا، یا شاگردی کا، یا ملاقات کا، ہر ایک کے بارے میں میری قلبی خواہش یہ رہتی ہے کہ وہ دنیا کے تقاضوں پر، اپنی خواہشات نفس پر، اور اپنی تمام ضروریات پر دین اور دینی باتوں کو مقدم رکھیں، اللہ کو راضی کرنے کی دھن ہمیشہ لگی رہے۔ عبادت سے، ذکر سے، اطاعت سے، اخلاق سے، غرض ہر اس طریقہ سے، جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ آخر انھیں کے حضور ہمیں جانا ہے، انھیں نے پیدا کیا ہے، تمام احسانات انھیں کے ہیں، پھر ان سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہونا کتنی نازیبا بات ہے۔ اُس دن، رات میں گفتگو کے دوران میں نے کہا تھا کہ اگر اس دل میں اللہ کی محبت نہیں حاصل کی گئی تو سب کچھ لغو اور بیکار ہے، یہ دنیا کس کام کی ہے، جو بالآخر ساتھ چھوڑ دے گی، یہ مال کس کام کا جو عین ضرورت کے وقت دھوکا دیدے گا، ایک اللہ کی ذات ایسی ہے، جس سے کسی وقت اور کسی جگہ دھوکا نہیں، ایک اس کا نام ایسا ہے جس کے علاوہ کسی میں وفا نہیں، اس میں وفا ہے اور اس سے متعلق جو چیزیں ہیں ان میں وفا ہے۔ اس لئے ہر وقت اسی کی یاد میں، اسی کے دھیان میں انسان کو لگا رہنا چاہیئے، دنیا کے کام بھی اس نیت سے کرے کہ اس کے ذریعے اللہ کی رضا کا حصول سہل ہوگا۔ مال کے اعتبار سے اطمینان ہوگا، تو دل بھی خدا کی یاد میں لگا رہے گا، ورنہ پریشان رہے گا۔ اس نیت سے اگر روزی حاصل کرنے کا

کام کیا جائے تو یہ بھی ثواب ہے، نیت ہمیشہ یہی رکھنی چاہیے، جب کام پر بیٹھو تو یہی سوچ کر، یہی کہہ کر کہ یا اللہ محض تیری رضا مقصود ہے، ضرورت کے لئے اس کام کو کررہا ہوں، روزی سہولت سے دینے والے آپ ہیں۔ اس نیت سے برکت ہوگی، اورسکون بھی رہے گا۔ اور جو کچھ پیسہ وغیرہ ہاتھ آئے، ہمیشہ یہ نیت رکھو کہ اس میں ایک حصہ غرباء ومساکین کا ہے، اور ذکر اللہ سے کبھی غافل نہ ہو، ہر وقت اللہ کا دھیان رہے ہی، لیکن جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ ایک وقت الگ مخصوص کر کے یادِ الٰہی کیا کرو۔ مغرب بعد کا وقت تم نے بتایا تھا، وہ بہت مناسب ہے، کم از کم آدھ گھنٹہ، کوئی بھی ذکر کرلیا کرو۔ سب سے اچھا ذکر **لا إلٰـه إلا الله** ہے، آہستہ پڑھنا ہو تو اس طرح پڑھو کہ **لا إلٰـه** پر سوچو کہ ہر چیز کی محبت دل سے نکل گئی اور إلا اللہ کہتے وقت یہ خیال کرو کہ ایک اللہ کی محبت دل میں بیٹھ رہی ہے، خوب دھیان لگا کر یہ ذکر ہوگا تو بہت جلد فائدہ ظاہر ہوگا۔ اور ہر نو دس مرتبہ کے بعد ایک بار **محمد رسول الله** ﷺ کہہ لیا کرو، اور یہ کہتے وقت یہ دھیان کرو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر چل کر مجھے اپنے پروردگار کو راضی کرنا ہے۔ یہ ذکر بہت ضروری کام ہے، اس دن میں نے اس پر خوب اچھی طرح روشنی ڈال دی تھی۔ آج پھر جی چاہا کہ اس کو دہرادوں، تا کہ تازہ ہو جائے۔

ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ اخلاق کی اصلاح بھی بہت ضروری ہے، خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی وہ ہے، جس کا اخلاق عمدہ ہو، اور اخلاق کی عمدگی کی جڑ دو ہے۔ ایک تو، تواضع اور دوسرے ترکِ غضب، تواضع کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی سے افضل نہ سمجھے، افضلیت کا مدار اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی پر ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ کس کا رتبہ خدا کے نزدیک کیا ہے؟ پھر کسی کا کیا منہ ہے کہ اپنے کو اچھا سمجھے، بڑائی صرف خدا کو زیب دیتی ہے، ساری بڑائی اور عظمت اس کے حوالے

کر کے خود سب سے چھوٹا بنا رہے، جتنی پستی ہو گی خدا تعالیٰ اسی قدر اس پر نگاہِ رحمت فرمائیں گے۔ ہر کجا پستی است آب آنجا رود، جہاں پستی ہوتی، نشیب ہوتا ہے، پانی وہیں جاتا ہے۔ ٹونٹی سے پانی لینا ہو تو لوٹے کو اس سے نیچا رکھنا ہو گا، اگر لوٹا اوپر ہوا، تو پانی سے محروم رہے گا۔ ہمیشہ اپنے عمل کو، اپنی نیت کو ناقص اور کھوٹا سمجھتے رہنا چاہئے، یہ کبھی نہ ہو کہ اپنی کسی نیت یا کسی عمل کی اچھائی دل میں بیٹھ جائے اور اس کی وجہ سے خود کو بڑا، اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے، کوئی آدمی ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہو، چوبیس گھنٹے ذکر اللہ کے علاوہ کوئی کام اس کو نہ ہو، اور اگر خدانخواستہ اس کے دل میں یہ بات جم گئی کہ میں کچھ کر رہا ہوں، اسی وقت وہ حق تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہو جائے گا۔ کرتے رہو، اور قصور کا اقرار بھی کرتے رہو، بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ جس قدر عالی ہے، کوئی آدمی اس کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا، جتنی عبادت کوئی کرے گا، آخر یہ بھی تو اسی کا احسان ہو گا کہ اس نے توفیق بخشی، اگر توفیق نہ بخشے تو کوئی آدمی زبان سے اللہ کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ پھر بھلا سوچو، کہیں تصور ہو سکتا ہے کہ اس کی بندگی کا حق ادا کیا جا سکے۔ اس لئے بھائی! کرتے رہو اور روتے رہو۔ دیکھو حضور پاک ﷺ کی نماز کیسی کچھ ہوتی رہی ہوگی، حدیث میں نماز کو مومن کی معراج کہا گیا ہے، پھر حضور اقدس ﷺ کی نماز کس درجہ بلند معراج ہوتی رہی ہو گی، لیکن نماز کے بعد آپ استغفار پڑھتے تھے۔ آپ کے سامنے یہ حقیقت بالکل کھلی ہوئی تھی کہ عظمت الٰہی کے شایانِ شان کوئی عبادت ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے بجز معافی چاہنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے، جب محبوب رب العالمین ﷺ کا یہ حال ہو تو پھر کسی کے لئے کب جائز ہے کہ اپنے کسی عمل، کسی حال اور کسی خوبی پر اترائے، اس سے بہت پرہیز کرنے کی ضرورت ہے، اپنے کو ہمیشہ سب سے کمتر درجہ کا یقین رکھنا چاہئے تا کہ حق تعالیٰ کی نگاہِ

رحمت پڑتی رہے۔

اور ترکِ غضب یعنی غصے کو چھوڑ دینا، اس کو تو جانتے ہی ہو، اپنی گناہگاری اور اپنی حقارت کا احساس ہر دم رہے گا تو ان شاء اللہ غصہ خود بخود بھاگ جائے گا، اور اگر نہ بھاگے تو اس کے بھگانے کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔

بہر کیف رضاء الٰہی مطلوب ہے، جان کی بازی لگا کر اس کو حاصل کرنا ہے، وہی انسان کامیاب ہے، جو مرنے سے پہلے اپنے رب کو راضی کرلے۔ بہت ہی عمدہ اور بہت ضروری کام ہے، اسی کی دھن لگی رہنی چاہئے۔

بات تو بہت ہے، لیکن کتنا لکھوں، اور کتنا تم لوگ پڑھو گے۔ اتنے ہی کو پڑھنے میں کافی دیر لگ جائے گی۔ ماموں اور ممانی جان سے سلام کہہ دینا، اب کی بار ایسی غلطی ہوئی کہ ممانی سے ملاقات بھی نہ کرسکا۔ دن میں تمہارے گھر پہونچنا ہی ہوا نہیں، اور رات میں موقع ملا نہیں، ایسے ہی بڑی والدہ سے بھی ملاقات نہ ہوئی۔ دونوں کی خدمت میں میرا سلام پہونچاؤ، اور میری جانب سے معافی چاہو، پھر آؤں گا تو ان شاء اللہ تلافی کردوں گا۔ اب افسوس ہورہا ہے۔ خیر دنیا ایسی ہی جگہ ہے، کبھی ملاقات ہے، کبھی جدائی ہے، کبھی خوشی ہے، کبھی رنج ہے، بعد مرنے کے ان شاء اللہ ہمیشہ ہمیش ملاقات رہے گی۔ اس دنیا میں ملاقات ہونے نہ ہونے پر زیادہ رنج نہیں کرنا چاہئے۔ تینوں ماموں اور شفیع الرحمٰن بھیا کو سلام کہہ دو۔ جی چاہے تو میرا یہ خط اور لوگوں کو بھی سنادو۔ عبدالعظیم بھیا سے سلام کے بعد نماز کی تاکید کردینا۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی عطاء اللہ صاحب کوپا گنجی

کوپاگنج ضلع مئو کے رہنے والے، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل، مجھے ریاض العلوم گورینی میں اس وقت ملے جب وہاں شعبہ افتاء میں داخل تھے۔ ذی استعداد، مطالعہ اور تحریر کا ذوق رکھنے والے ایک کامیاب مدرس ہیں۔ کافی عرصہ تک مدرسہ معروفیہ میں مدرس رہے، اور اب مدرسہ امدادالعلوم کوپاگنج میں صدر مدرس ہیں۔ (اعجاز احمد اعظمی)

عزیزم مولوی عطاء اللہ سلّمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا، تم نے عملیات کے بارے میں دریافت کیا، کہ انھیں تم عمل میں لانا چاہتے ہو تو سنو! کہ یہ بات ایک ایسے شخص کے لئے جو عالم دین ہو، خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو، اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، ہرگز زیبا نہیں ہے، عملیات ایک فتنہ ہے، اس میں پڑ کر آدمی بسا اوقات اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، کتابوں میں جو کچھ اس پر سبز باغ نظر آتے ہیں، جب کرنے لگو گے تو معلوم ہوگا کہ محض سَراب ہیں، اور ان تک پہونچنے کے لئے نہ جانے اپنا کتنا قیمتی سرمایہ برباد کرنا ہوگا، ہرگز اس کے درپے نہ ہو، عملیات نہ کرو، اعمال حسنہ پر کاربند رہو۔

عملیات کا حاصل یہ ہے کہ آدمی خدا کی کائنات کو اپنی مٹھی میں لے کر اپنی مرضی کے تابع بنانا چاہتا ہے، یہ خدا کی جناب میں گستاخی ہے، انسان کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ خود خدا کی مرضی کا تابع بن جائے، پھر اگر ان کو منظور ہوگا تو دنیا کی بہت سی چیزوں کو اس کے تابع بنائیں گے۔

عملیات کا عامل نہ کوئی نبی اور رسول ہوا، اور نہ سلف صالحین! یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر الزام رکھا تھا کہ وہ عامل تھے، ساحر تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی، اور فرمایا **وما کفر سلیمٰن**، (سلیمان نے کفر نہیں کیا)۔

ہاروت و ماروت کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ وہ فرشتے تھے، ان پر بھی سحر کا علم اتارا گیا تھا، مگر وہ سحر سفلی نہ تھا۔ آج کل کی اصطلاح کے مطابق ”رحمانی عمل“ تھا، مگر تاثیر کے اعتبار سے وہ بھی عجائبات کا مظہر تھا، اسی لئے اسے بھی سحر کہہ دیا جاتا ہے، یہ علم درحقیقت سفلی سحر کو ختم کرنے اور اس کے علاج کے لئے نازل کیا گیا تھا، تاہم

اس میں بھی خطرات واندیشے اسی طرح کے تھے جیسے سحر میں ہوا کرتے تھے، اسی لئے جب کوئی شخص اس فن کو حاصل کرنا چاہتا تو وہ یہ کہہ کر منع کرتے تھے کہ **إنما نحن فتنة فلا تکفر**، یہ عمل بذاتِ خود کفر نہیں ہے، لیکن نتیجۃً یہ بسا اوقات کفر تک جا پہونچتا ہے۔

ایک بزرگ (۱) سے ایک نوجوان نے دست غیب کا عمل معلوم کرنا چاہا، تو انھوں نے دیر تک اسے سمجھایا، اور آخر میں ایک بہت بلیغ بات ارشاد فرمائی، فرمایا:

"بیٹا! کامل بنو، عامل نہ بنو، عامل وہ ہے، جو خدا کو اپنی منشا کے مطابق چلانا چاہتا ہے، اور کامل وہ ہے، جو خود خدا کی مرضی کے مطابق چلنا چاہتا ہے"

تسخیر قلوب اللہ کی شان ہے، **واعلموا أن اللہ یحول بین المرء وقلبہ**، تم کو کیا ضرورت ہے، اس شان خداوندی میں شرکت کرنے کی۔ اس خیال کو دل سے نکال دو، عملیات میں نہ پڑو، اللہ کے ذکر میں لگو، اس کی رضا جوئی کے ڈھب نکالو، یہی اصل کام ہے، باقی سب فضول۔ تم کو زیادہ اشتیاق معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس پر مفصل گفتگو کردی، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۵ / ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

(۱) یہ بزرگ صوبہ سندھ کے مشہور عالم اور سلسلۂ قادریہ کے نامور شیخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی علیہ الرحمہ تھے۔ حضرت موصوف، استاذی مدظلہ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم کے شیخ ہیں، استاذی مدظلہ نے حضرت مولانا حماد اللہ صاحبؒ کی ایک مبسوط سوانح "تذکرۂ شیخ ہالیجوی" کے نام سے لکھی ہے، جو پہلے کراچی سے شائع ہوئی، اور دو سال قبل فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہو چکی ہے، اور پڑھنے کی چیز ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

☆☆☆☆☆

استاذ محترم مدظلہ کے ایک ''فاضل شاگرد'' جو ایک مدرسہ میں مدرس تھے، اپنے گھریلو حالات اور معاشی تنگیوں کی وجہ سے حد درجہ پریشان اور آزردہ تھے، ابتداء تو حالات کی دشواریوں کا مقابلہ بڑے صبر وتحمل کے ساتھ کیا، مگر ناموافق حالات کی مسلسل یورش سے ان کا پیمانۂ صبر ایک بار لبریز ہوکر چھلک پڑا! اورانھوں نے نہایت کرب انگیز اور دردناک خط لکھا، جوان کے شکست دل کی آواز تھی، یہ تحریر اسی خط کا جواب ہے، جو رضا بالقضا اور اعتماد علی اللہ کے مضمون پر مشتمل ہے۔

(ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم! عافاک اللہ من جمیع البلایا والمصائب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا دردانگیز اور کرب خیز خط ملا، اس کو پڑھ کر میں ہل گیا، صدموں نے تمہارے دل کو چور کردیا ہے، یہ خط نہیں شکست دل کی آواز ہے، جس کرب وبے چینی کے حال میں تمہارے قلم سے یہ غم آلود الفاظ ٹپکے ہیں، اس کا اندازہ کرکے میں بے چین ہوگیا، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک سید المرسلین ﷺ کے صدقے میں تمہارے مصائب وآلام کا خاتمہ فرمائیں اور سکون قلب وفراغ خاطر نصیب فرمائیں۔

اب میری ایک بات سنو! حالات سے لڑنا، ان سے برسر پیکار رہنا، عزم وہمت اور حوصلہ کی علامت سمجھا جاتا ہے، اور بلند پرواز شاعروں نے اس کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں، لیکن درحقیقت یہ غلط رخ پر آدمی کو دوڑانا اور تھکا تھکا کر اسے مار ڈالنا ہے، اس کے حوصلہ کو توڑ دینا ہے۔ حالات کیا ہیں؟ کیا خود سے پیدا ہوتے ہیں؟ کیا یہ حالات اپنے اختیار سے آتے ہیں؟ کیا ان کے اوپر ظالم ہونے کا اطلاق

صحیح ہے؟ اگر ذرا غور کرو گے تو اندازہ ہوگا کہ ان میں سے کسی کا جواب اثبات میں نہیں ہے، پھر ان حالات کو کون پیدا کرتا ہے؟ ظاہر ہے خالق ایک ہی ہے، وہی حالات کو پیدا کرتا ہے، پھر ظالم کا اطلاق کس پر ہوا؟ آدمی حالات سے لڑتا ہے، مگر کامیاب نہیں ہوتا اس کے نتیجے میں وہ جھنجھلاہٹ، غم وغصہ، شکایت و یاس، اور حسرت وفریاد کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی فریاد اور شکایت کا نام وہ ہمت وحوصلہ رکھتا ہے، اور سمجھ لیتا ہے کہ میں حالات سے لڑ رہا ہوں، حالانکہ یہ تو اس کی شکست ہے، جب اس نے حالات کی شکایت کی تو گویا ہزیمت کا شکار ہوا۔

تم حالات سے بہت لڑ لئے، اپنا سارا دم خم صرف کر دیا۔ لیکن بات وہیں کی وہیں رہی، جہاں پہلے تھی، معلوم ہوا کہ کوئی اور غیبی طاقت ہے جو تم کو وہیں رہنے پر مجبور کر رہی ہے، جہاں تم ہو۔ اس لئے اب میری قطعی رائے یہ ہے کہ تم لڑائی سے دستبردار ہو جاؤ، صلح کر لو۔ اور غیبی طاقت نے جہاں تم کو پہونچا دیا ہے، اس پر دل سے راضی ہو جاؤ۔ والدین نے تم کو الگ کر دیا، اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، یہ مصیبت نہیں ہے، عین مقصود ہے۔ یہ تو پہلے ہی ہو جانا چاہئے تھا، تمہاری تقدیر کو کوئی تم سے الگ نہیں کر سکتا۔ تنخواہ قلیل ہے، التفات ہی نہ کرو۔ روزی آدمی کی، مدرسے کی طرف سے نہیں ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ روزی کا سوال اللہ سے کرو۔ الحاح وزاری سے کرو، حالات کے خالق وہی ہیں۔ نہ حالات سے لڑو، نہ خالق حالات سے ناراض ہو۔ بس ان کی خوشامد کرو۔ غیب کی کنجیاں انہیں کے ہاتھوں میں ہیں، جو بھی حال ہو خندہ پیشانی سے اس کو قبول کرو۔ اگر پسند نہ ہو تو انہیں سے فریاد کرو۔ آخر صبر اور رضا بالقضا کی تعلیم کس کے لئے ہے؟ تنخواہ کی کمی دیکھتے ہو، اور اللہ کی رزاقیت کو نہیں دیکھتے، جن کی تنخواہیں زیادہ ہیں، وہ صرف گننے کیلئے زیادہ ہیں، کام ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا،

جتنا مدرسے کی قلیل تنخواہ سے ہوجاتا ہے۔تم تو دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ محض اللہ کی رضا کیلئے علم دین کی خدمت کرو۔اور مخلوق سے کوئی سوال نہ کرو، نہ ہی اس کی شکایت کرو، مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ سے بس دعا کرو۔دعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں سنتے ہیں ۔اور شکایت سے ناراض ہوتے ہیں، کچھ فائدہ نہیں حالات سے ناراض ہونے کا۔بس دل سے راضی ہوجاؤ اور خوش مزاجی سے کام کرو، اپنے قلبی اور باطنی احوال کو درست کرو۔اخلاق کی اصلاح کرو۔مخلوق کو نفیاً واثباتاً دل میں جگہ نہ دو۔پھر دیکھتے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کیسا حالات کو بدلتے ہیں،اس سلسلے میں میری تصدیق کرو۔اور کوئی وسوسہ دل میں نہ لاؤ۔میں نے تمہارے حالات سے متأثر ہوکر مولانا رومؒ سے مشورہ کیا کہ کیا جواب دینا چاہئے۔ مثنوی شریف کھولی،تو یہ اشعار نکلے۔

ایں جہاں چوں خس بدست بادِ غیب
عاجزی پیشہ گرفت از دادِ غیب

گہ بلندش می کند گاہیش پست
گہ درستش می کند گاہے شکست

گہ یمینش می برد گاہے یسار
گہ گلستانش کند گاہیش خار

گہ بہ بحرش می برد گاہیش بر
گاہ خشکش می کند گاہیش تر

دست پنہان وقلم بیں خط گزار
اسپ در جولاں وناپیدا سوار

تیر پرّاں بیں وناپیدا کماں
جانہا پیدا وپنہاں جانِ جاں

تیر رامشکن کہ ایں تیرِ شہی ست
نیست پرتابی زشست آگہی ست

مَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ گفت حق
کارِ حق بر کارہا دارد سبق

خشم خود بشکن تو مشکن تیر را
چشم خشمت خوں شمارد شیر را

بوسہ دہ بر تیر و پیشِ شاہ بر
تیر خوں آلودہ از خون تو تر

آنچہ پیدا عاجز وبستہ زبوں　　　وآنچہ نا پیدا چنیں تندو مروں
ماشکاریم ایں چنیں دامے کراست　　　گوئے چوگانیم وچوگانے کجاست
می درد، می دوزد ایں خیاط کو　　　می دمد ،می سوزد ایں نفاط کو

(**ترجمہ**) یہ دنیا، غیبی ہوا کے ہاتھ میں ایک تنکے کی طرح ہے، وہ عالم غیب کے سامنے بالکل بے دست وپا ہے☆ وہ ہوا کبھی اسے بلند کرتی ہے، اور کبھی پست، کبھی اسے درست کر دیتی ہے اور کبھی توڑ دیتی ہے☆ کبھی اسے دائیں کبھی بائیں لے جاتی ہے، کبھی گلشن بنا دیتی ہے، کبھی کانٹا بنا دیتی ہے☆ کبھی تری میں کبھی خشکی میں لے جاتی ہے، کبھی اسے خشک بنا دیتی ہے، اور کبھی بھگو دیتی ہے☆ ہاتھ پوشیدہ ہے اور قلم کو لکھتا ہوا دیکھو! گھوڑا دوڑ رہا ہے اور سوار پوشیدہ ہے☆ تیر اڑ رہا ہے اور کمان نظر نہیں آتی، جان ظاہر ہے اور جانِ جاں مخفی ہے☆ تیر کو مت توڑو! یہ شاہی تیر ہے، یہ اٹکل سے تم پر نہیں چلا ہے، علم وآگہی سے تم پر آیا ہے☆ مَارَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ حق تعالیٰ کا فرمان ہے، دنیا کے کاموں سے پہلے اللہ کا ارادہ ہوتا ہے☆ اپنے غصہ کو توڑ دو تیر کو مت توڑو، تمہاری غصہ آلود نگاہ دودھ کو خون سمجھ رہی ہے☆ تیر کو بوسہ دو اور بادشاہ کے پاس لے جاؤ، اس تیر کو جو تمہارے ہی خون سے تر بتر ہے☆ جو کچھ ظاہر ہے وہ عاجز وبے بس ہے، اور جو پوشیدہ ہے وہ زور آور وتند ہے☆ ہم شکار ہیں، اور ایسا جال کس کا ہے؟ ہم بلے کی گیند ہیں اور بلاّ کہاں ہے؟☆ پھاڑتا ہے، سیتا ہے، یہ درزی کون ہے؟ پھونکتا ہے، جلاتا ہے، یہ مشعلچی کون ہے☆

اور سنو فرماتے ہیں!

ساعتے کافر کند صدیق را　　　ساعتے زاہد کند زندیق را
زانکہ مخلص در خطر باشد مدام　　　تا زخود خالص نگردد او تمام
زانکہ در راہیست ورہزن بیحدست　　　او رہد کو در امان ایزدست
آئینہ خالص نگشت او مخلص ست　　　مرغ رانگرفتہ است او مقنص ست

| | |
|---|---|
| چونکہ مخلص گشت مخلَص باز رست | در مقام امن رفت و برد دست |
| ہیچ آئینہ دگر آہن نہ شد | ہیچ نانِ گندمی خرمن نہ شد |
| ہیچ انگورے دگر غورہ نہ شد | ہیچ میوہ پختہ با کورہ نہ شد |
| پختہ گرد واز تغیر دور شو | رَو چو برہانِ محقق نور شَو |
| چوں زخود رستی ہمہ برہاں شدی | چونکہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی |

(**ترجمہ**) کبھی وہ صدیق کو کافر بنا تا ہے، اور کبھی زندیق کو زاہد بنا تا ہے☆ مخلص ہمیشہ خطرے میں ہوتا ہے، جب تک وہ اپنی خودی یعنی خواہشات اور ارادے سے پاک نہ ہوجائے☆ کیونکہ ابھی وہ راہ میں ہے، اور رہزن بہت ہیں، نجات وہی پاسکتا ہے جو خدا کے حفظ وامان میں ہے☆ آئینہ ابھی صاف نہیں ہوا ہے، وہ صاف کررہا ہے، پرندہ ابھی شکار نہیں ہوا ہے، ابھی کررہا ہے☆ جب وہ پاک اور صاف ہوگیا، تواس نے نجات پالی، مقام امن میں پہونچ گیا، اس نے میدان جیت لیا☆ پھر آئینہ بن جانے کے بعد دوبارہ کوئی لوہا نہیں بنتا، گیہوں کی روٹی بن گئی تو، اب وہ کھلیان نہیں بن سکتی☆ انگور پک کر پھر کچا نہیں ہوتا، کوئی بھی پکا ہوا پھر کچا نہیں ہوسکتا☆ تم بھی پختہ ہوجاؤ اور تغیر سے دور ہوجاؤ، جاؤ برہان الدین محقق کی طرح سراپا نور بن جاؤ☆ جب تم نے خودی سے نجات پالی، تو مجسم برہان الدین بن گئے، جب تم نے اپنی غلامی کا اقرار کرلیا، تو بادشاہت حاصل کرلی۔

یہ مضمون جسے مولانا رومؒ نے سمجھایا ہے، اسے رضا بالقضا کہتے ہیں۔ ایک مومن کی بڑی سعادت یہی ہے کہ **اللہ تعالیٰ** کی طرف سے جو حالات پیش آئیں، مخالف ہوں یا موافق، ان پر دل سے راضی رہے، اور اس سلسلے میں اللہ کا جو حکم ہو اسے پورا کرے، لیکن اپنے نفس کے واسطے نہ پورا کرے، اس میں دھوکہ ہوتا ہے، مثلاً کوئی حال ایسا ہے کہ اس میں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا شریعت کی طرف

سے حکم ہے، تو اسے اپنے نفس کے جوش سے نہ کرے بلکہ شریعت کے حکم کی تعمیل میں کرے، دونوں میں فرق یہ ہوگا کہ اگر شریعت کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، تو حدود شریعت کی رعایت کرے گا، اور نفس کے واسطے کرے گا، تو حدود شریعت کی رعایت نہیں ہو گی۔ اثرات بھی دونوں کے الگ الگ ہوں گے۔ اگر حکم شریعت کی تعمیل میں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کیا ہے، اور وہ اس میں کامیاب نہ ہوا، یعنی جس کو امر و نہی کی ہے، اگر اس نے اس کی تعمیل نہیں کی، تو بھی وہ مطمئن رہے گا کہ میں نے اللہ کا حکم پورا کر دیا۔ اور جو نفس کے واسطے کرے گا وہ اس صورت حال سے دل گرفتہ ہوگا۔ اپنے کو ناکام سمجھے گا۔

بس یہ خیال کرو، جس وقت جو حالت ہو، اس پر دل سے راضی رہو، اور اس وقت کیلئے اللہ کا جو حکم ہو، اسے پورا کرو، اور مطمئن رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنـــام

# مولانا محبوب عالم صاحب فیض آبادی

مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی کے باصلاحیت اور ذی استعداد طلبہ میں تھے، ابتداءً گورینی سے فراغت حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا۔ کافی دنوں تک پٹن صوبہ گجرات میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ اور جامعہ شرقیہ لونیا ڈیہہ میں رہے۔ اب مدرسہ بیت العلوم سرائمیر میں پڑھا رہے ہیں۔ یہ خط حضرت مولانا نے دوسرے سفر حج سے واپسی کے بعد ان کو لکھا، اس وقت وہ گجرات میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم ! حفظک اللّٰہ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

الحمدللہ حرمین شریفین سے بعافیت تمام ۱۸ر محرم کو واپسی ہوئی، اس سفر کی برکات کا کیا پوچھنا، سچ پوچھو تو یارائے تحریر نہیں، البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس زمین پر سر کے بل چل کر پہونچنا چاہئے، وہاں ایک خطا کار وگناہگار بندہ اپنے ناپاک قدموں سے چل کر بخیریت واپس آگیا، تو یہ اس رب کریم کی غایت درجہ نوازش اور اس ناچیز بندہ کی اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے۔ کہاں وہ پاک ومقدس سرزمین جہاں جبرئیل امین بھی ادب سے سر جھکائے ہوئے آتے ہوں، اور کہاں یہ حقیر مشتِ خاک جسے اٹھنے بیٹھنے تک کا سلیقہ نہ ہو، مگر یہ واقعہ ہوا، زمانہ کا حیرتناک واقعہ! کہ ایک نالائق بندہ اپنے اسی ناپاک وجود کے ساتھ گیا اور پھر بغیر کسی سزا میں مبتلا ہوئے بخیریت واپس آگیا۔ یہ محض رب رحمان کی شانِ رحمت کا کرشمہ ہے، ایسی رحمت! جسے دیکھ کر گنہگاروں کو بھی حوصلہ ہوجاتا ہے کہ ان شاء اللہ جس طرح آج سر بازار رُسوائی سے محفوظ رکھا گیا ہے، کل بروز قیامت بھی ان شاء اللہ نوبت رسوائی کی نہیں آئے گی۔ الحمدللہ یہ سفر گزشتہ سفر سے زیادہ بابرکت ثابت ہوا، تحریر کی گنجائش کہاں؟ آؤ گے تو زبانی سن لوگے، یا طبیعت متوجہ ہوئی تو اس کی روداد بھی قلمبند ہوکر سامنے آجائے گی، ابھی تو زبانی بیان کرکے اور خود یاد کرکے حلاوت حاصل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائیں۔

تم نے دیارِ حرم کی حاضری کی جو تدبیر سوچی ہے، گوکہ میں نے پہلے ہلکا سا مشورہ بھی دیا تھا، تاہم میرا دل اس سے متفق نہیں ہے، مکہ شریف یا مدینہ شریف کی بات ہوتو خیر گنجائش ہے، مگر ریاض سے تو اعراض ہی مناسب ہے، وہاں جاکر بندگانِ خدا طعمۂ دنیا بن کر رہ جاتے ہیں۔

حدیث کی تدریس کا جذبہ نہایت قابل قدر ہے ،اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔اب سوالات کے جواب سنو!

(۱) جمعہ کے موضوع پر تمہاری رائے سے متفق ہوں ، میرا مضمون ’’بحث ونظر‘‘ (پٹنہ ) کے جلد نمبر۲،شمارہ نمبر۱۱ ( ربیع الاول ، ربیع الآخر، جمادی الاول ۱۴۱۱ھ ) میں شائع ہوا ہے،تمہارے مدرسہ میں پہونچا ہوگا، دیکھ لو۔

(۲) لفظ ’’رضی اللہ عنہ‘‘ کوئی شرعی لفظ نہیں ، ایک اصطلاحی لفظ ہے، اور اس میں اتنا عموم نہیں ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں یہی اصطلاح ہو، پھر اگر لغوی طور پر کوئی استعمال کرے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

(۳) جمعہ کی اذان دوم کا جواب دینا، مولانا عبدالحی صاحب نے ہدایہ کے حاشیہ میں اس کا جواز ذکر کیا ہے، اور درمختار میں ذکر کردہ مسئلہ کی تغلیط کی ہے، دیکھو باب صلوٰۃ الجمعۃ واذا صعد الامام المنبر کا حاشیہ۔

(۴) ابن ماجہ کے لئے حاشیہ ’’انجاح الحاجۃ ‘‘ کا تو مجھے علم ہے،نسائی شریف کی ایک عربی شرح مدینہ طیبہ میں دیکھی تھی ، اس وقت نام یاد نہیں ہے، اور ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی ہے، چند جلدیں چھپی ہیں ، اسی دور کے کوئی عالم لکھ رہے ہیں اور اچھی لکھ رہے ہیں، مدینہ خط لکھ کر معلوم کروں گا۔

(۵) یوم عاشورہ کی فضیلت کے متعلق معلومات کرنا چاہتے ہو، یا واقعۂ کربلا کے متعلق !اول کے کے لئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب ’’ ماثبت بالسنۃ ‘‘ کا مطالعہ کرنا چاہئے ،اور دوسرے کے متعلق سب رطب ویابس ہیں، کس کو لکھوں۔

(۶) جنگ آزادی کے متعلق ایک تو ’’نقش حیات‘‘ مصنفہ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ،اور دوسرے ’’کاروانِ احرار‘‘ جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے، جانباز

مرزا کی لکھی ہوئی۔ آخری کتاب بہت مفصل ہے، آٹھ جلدوں میں۔

(۷) تحقیق ہوتو مسائل کے بتانے میں کچھ حرج نہیں، اس کیلئے اصطلاحی مفتی ہونا ضروری نہیں۔

(۸) بزرگوں کے احوال وواقعات کے لئے عربی میں ''حلیة الاولیاء'' ''صفة الصفوة'' فارسی میں ''تذکرۃ الاولیاء'' ''اخبارالاخیار'' ''انفاس العارفین'' اور اردو میں بزرگوں کے تذکرے سیرت وسوانح کی کتابیں، جواب بہت سی شائع ہوچکی ہیں، ان کا دیکھنا مفید ہے، خصوصیت کے ساتھ حاجی امداد اللہ صاحب اور سیّد احمد شہید قدس اللہ سرہما اوران کے متوسلین ومنتسبین کے تذکرے۔

(۹) دعا تعویذ کا فن حاصل کرنا مناسب نہیں ہے، اگرکوئی ضرورت مند آئے تو کچھ پڑھ کر دم کردو، کچھ لکھ کر دیدو، خدا کو منظور ہوگا تو فائدہ ہوجائے گا۔ غالباً یہی علم ہے جو ہاروت وماروت کے ذریعے دنیا میں اتارا گیا تھا، جس کے سکھانے سے پہلے وہ إنما نحن فتنة فلا تکفر کہا کرتے تھے، یہ فن واقعی کفران کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے بطور فن کے اسے سیکھنا ہرگز مناسب نہیں، بالخصوص جولوگ علمی مشغلہ رکھتے ہوں ان کے لئے تو یہ سخت مضر ہے۔

(۱۰) جناتوں کو مسخر کرکے کام لینا بہت خطرناک ہے، اوراس کا جواز بھی محل نظر ہے، حاضرات کا عمل محض ایک خیالی چیز ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۱۱) رسول اللہ ﷺ کا عمل یہی ہے کہ آپ نے بال رکھے ہیں، لیکن بال رکھنا ''سنن ہدیٰ'' میں سے نہیں ہے، ہمارے اکابر نے بال رکھنے کو جو ناپسند کیا ہے، وہ بچوں اورطالب علموں کے لئے، کیونکہ ان میں زینت کا جذبہ مخفی ہوتا ہے، خوبصورت بننے کا شوق ہوتا ہے، پھر آدمی بناؤ سنگار میں ہی رہ جاتا ہے، نیز لڑکے اس سے

دوسروں کی نظر میں جاذب نظر ہو جاتے ہیں، کتنی نگاہیں صرف اس لئے گنہگار ہو جاتی ہیں کہ کوئی شخص بن ٹھن کر سامنے آ جاتا ہے، جب یہ خرابیاں ختم ہو جاتی ہیں تو پھر ہمارے اکابر نے اسے ناپسند نہیں کیا ہے، بلکہ بال رکھے ہیں۔تو یہ ناپسندیدگی آفات سے حفاظت کی خاطر ہے، اور یہ کچھ انہونی بات نہیں ہے، اگر کسی مفید و جائز عمل میں مضر اور ناجائز چیزوں کا انضمام ہو جائے، اور وہ مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو تو اسے ترک کرنا ضروری ہو جاتا ہے، تو بال رکھنا کون سے مقاصد شرعیہ میں سے ہے، پھر جبکہ تجربہ کی بنا پر اَمارِد اور طالب علم کے لئے اس میں بہت سی آفات ہیں، تو لاریب انھیں روکنا ضروری ہوا۔

(۱۲) بیع ہو یا نکاح، عربی میں دونوں کیلئے ایجاب وقبول کا لفظ ماضی ہونا چاہئے، کیونکہ مضارع کا صیغہ مستقبل کا بھی محتمل ہوتا ہے، اس لئے اس میں وعدہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے، بنابریں وہ انشاء کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔لیکن ہدایہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ نکاح میں ایک طرف سے مستقبل یعنی امر کا صیغہ ہو اور دوسری جانب سے ماضی کا، تو یہ بھی جائز ہے، تو اس کے سلسلے میں سمجھ لو کہ امر کا صیغہ مثلاً زَوِّجنِیُ جو کہا گیا ہے، یہ نہ ایجاب ہے اور نہ قبول، یہ توکیل ہے، اس لفظ سے دوسرا آدمی وکیل بن گیا۔اب جبکہ وہ کہتا ہے کہ زَوِّجتُکَ فَلَانَۃً، یا کہتا ہے تَزَوَّجتُکِ، تو جانبین سے یا ایک جانب سے وکیل بن کر یہ کلام کرتا ہے، شخص واحد نکاح میں جانبین سے وکیل یا ایک جانب سے وکیل اور خود اپنی طرف سے اصیل ہو سکتا ہے، کیونکہ نکاح میں دونوں طرف سے وکیل بننے میں کوئی تمانع نہیں ہے، نکاح میں وکیل صرف معبر اور سفیر ہوتا ہے، اس پر لینے دینے کے حقوق نہیں عائد ہوتے، اس کے برخلاف بیع میں اگر کسی نے کہا بع ھٰذا المتاع منی، تو یہ بیع کا حکم تو ہوا، لیکن نہ ایجاب ہوا اور نہ قبول! پھر جب

دوسرے نے کہا کہ بعت منک تواب ایجاب پایا گیا، اور بیع میں شخص واحد کا کلام ایجاب وقبول دونوں بن جائے، ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ ایک ہی شخص بائع اور مشتری دونوں نہیں ہوسکتا، ورنہ حقوق میں تمانع لازم آئے گا، وجہ یہ ہے کہ بیع کے حقوق مباشر کی جانب عائد ہوتے ہیں، خواہ وہ اصیل ہو یا وکیل، تو اس جگہ صرف ایجاب پایا گیا قبول نہیں، ہوا۔ اس لئے آدھا رکن ہوا، اور اس سے ظاہر ہے کہ بیع کا انعقاد نہیں ہوسکتا ہے، مختصر لکھا ہے، سمجھدار ہو، سمجھ جاؤ گے، اگر اشکال ہو تو پھر لکھو۔

(۱۳) مسلمان کی ملکیت میں شراب مال متقوم نہیں ہے، اسے اگر کوئی ضائع کردے تو ضمان واجب نہیں ہوگا۔

(۱۴) جن لوگوں نے اخذ بالید کو مصافحہ قرار دیا ہے، وہ احادیث کے ظاہر الفاظ کی بنا پر ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہیں، حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اس باب میں صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا ہے، بہر حال روایات کے مجموعہ پر اگر سرسری نظر سے غور کیا جائے تو دونوں کا مسنون ومعمول بہ سمجھ میں آتا ہے، لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ترجیح ثابت ہوتی ہے، تفصیل کا وقت فی الحال نہیں ہے، بہر حال معاملہ میں گنجائش ہے، طعن وتشنیع اور عناد کی کارفرمائی ہے، ورنہ اس سے بڑے بڑے مسائل میں اختلاف ہے، جس کے نزدیک جو راجح ہو، اس پر عمل کرنا چاہئے، ان مسائل میں وسعت ہے، تنگی نہیں ہے۔

(۱۵) تنقیص انبیاء بلاشبہ کفر ہے، مگر تنقیص کے مصداق، اس کے درجات اور اس کی نیت وارادہ میں اختلاف کی وجہ سے معاملہ ہلکا ہو جاتا ہے، مثلاً ایک عبارت کو ایک شخص اس کے دوررس نتائج وعواقب یا پس منظر اور پیش منظر کے لحاظ سے تنقیص سمجھتا

ہے، مگر دوسرا اسے سادہ سی بات قرار دے کر بے ضرر بات خیال کرتا ہے، یا ایک شخص کھلم کھلا توہین کرتا ہے، اور دوسرا تاویلات کی پناہ لیتا ہے، یا کسی سے کوئی بات جو موہم اہانت ہے بلا ارادہ یا بہ نیت نیک ...... گو تاویلاً ہی ہو...... صادر ہو گئی، تو اسے اس کے حق میں معصیت نہیں قرار دیا جائے گا، لیکن اگر یہی بات کسی دوسرے کے پاس پہونچے گی جو اس صورتحال سے واقف نہیں ہے، تو اسے کفر سمجھ لے گا، ایسے ہی کسی شخص کی مجموعی زندگی دین و ایمان کے زیر اثر رہی ہے، وہ اسلام کے حق میں مخلص بھی ہے، لیکن اس سے نادانی یا کم علمی یا اور کسی وجہ سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جو موہم کفر ہو، تو اسے کفر نہیں قرار دیا جائے گا، اس کی کوئی تاویل کی جائے گی، کیونکہ اس کی پوری زندگی کا حال اس کفر و انحراف سے ابا کرتا ہے۔ مودودی صاحب میں ہزار خرابیاں سہی، مگر وہ اسلام کے حق میں مخلص تھے، وہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کا بول بالا چاہتے تھے، ان سے غلطیاں ہوئیں، وہ غلطیاں متعدی تھیں، اس لئے شد و مد سے ان کی مخالفت کی گئی۔ تاہم نوبت کفر تک نہیں پہونچی ہے۔ ان کے کام اور خدمات کو دیکھو تو کیا ہمت ہوگی کہ انھیں کافر قرار دیا جائے۔ ایسی جگہ پر تاویل واجب ہے، اور یہی وہ محل ہے جہاں امام اعظم علیہ الرحمہ کا اصول ڈھال بن جاتا ہے کہ جس بات میں سو احتمال ہوں، ایک ایمان کا باقی کفر کا، تو ایمان والے احتمال ہی کو اختیار کرو، اور اس شخص کو کافر نہ قرار دو جس سے وہ بات سرزد ہوئی ہو۔

(۱۶) ۴۸ میل ایک تقریبی تحدید ہے، احادیث میں اس کی صراحت نہیں ہے، احادیث میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔

ابھی کاموں کا ہجوم ہے، لکھنے کی عادت بھی ایک عرصہ سے متروک ہے، اس لئے مختصر مختصر لکھ دیا ہے، خدا کرے تشفی ہو جائے۔

شرح عقائد کی شرح کے سلسلے میں، میں گومگو میں ہوں، مجھے یہ کتاب پسند نہیں ہے، خالص فلسفیانہ طرزِ فکر کی کتاب ہے، دوراز کار بحثیں، کمزور دلائل اور بے اصل دعاوی کا مجموعہ، اوراس کا نام شرح عقائد، پھر علامہ تفتازانی کا پیچیدہ اور الجھا ہوا بیان! اورتم نے اس میں مغزماری کا ارادہ کیا ہے، اگر طالب علموں کے افادہ کا ارادہ کیا ہے، یا اس بات کا قصد ہے کہ الجھی الجھی باتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کا سلیقہ آجائے تو خیر، ورنہ بے فائدہ امر ہے، تاہم **لن یصلح العطار ماأفسد الدهر** کے مصداق اگراس کے مشکل مباحث کو آسان کرنا چاہو گے تو قابو نہ پاؤ گے، جتنی تحریر تم نے بھیجی ہے اسے پڑھ کر اندازہ ہوا کہ تحریری نہیں بالمشافہہ مشورہ کی ضرورت ہے۔

میری ایک رائے اور ہے، اگر شرح عقائد پر کام کرنا ہی ہے، تو اس کی شرح نہ لکھو، نہ اس کا ترجمہ کرو، اس کے مباحث کو سامنے رکھ کر اپنی زبان میں ذرا تسہیل کے ساتھ لکھ دو۔

الحمدللہ خیریت سے ہوں۔مولوی محمد سالم سلّمہٗ اور مولوی نورالہدیٰ سے سلام کہہ دو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۷/محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹/اگست ۱۹۹۱ء

◉◉◉◉◉

بعض لوگ نمازوں کے بعد کچھ پڑھ کر انگشت شہادت پر دم کرکے آنکھوں پر لگاتے ہیں۔فلاں عالم اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔اس کا حکم کیا ہے، اس کے جواب میں یہ مکتوب تحریر کیا گیا۔ ضیاء الحق خیرآبادی

عزیزم! **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ**

حدت بصر (نگاہ کی تیزی) کے لئے کسی دعا کو پڑھ کر انگلیوں پر دم کرکے

آنکھوں پر پھیرنا خواہ نماز کے بعد ہو، کسی طرح بدعت نہیں ہوسکتا۔ آخر معوذتین پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے بدن پر پھیرنا تو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، پھر کیا یہ اسی کے مثل نہیں ہے، اس پر بدعت کا اطلاق کرنا بدعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

بدعت کہتے ہیں کسی کام کو ثواب سمجھ کر مقصوداً اسے عمل میں لانا، اس تعریف میں خاص بات ثواب کے حصول اور مقصودیت کی ہے، ثواب کے حصول کی غرض سے جو کام بھی کیا جائے گا وہ عبادات کے ذیل میں آئے گا اور مقصودیت کی قید سے وسائل وتمہیدات خارج ہوجائیں گے۔ کوئی کام محض ذریعہ اور وسیلہ سمجھ کر بہ نیت ثواب کیا جائے بشرطیکہ وہ فی نفسہٖ مباح ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، گو وہ حدیث وقرآن سے براہ راست ثابت نہ ہو اور وسیلہ ہونے کہ علامت یہ ہے کہ آدمی کو خوامخواہ اس پر اصرار نہ ہو، حالات واوقات کے لحاظ سے اس میں تغیر وترمیم کو قبول کیا جاتا رہے، مثلاً لڑائی کے مختلف طریقے، تعلیم وتعلم کے متنوع انتظامات یہ قرآن واحادیث سے صراحۃً منصوص نہیں ہیں، مگر چونکہ مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود جہاد اور تعلیم وتعلم ہے اور یہ اس کے وسائل وذرائع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ہمیشہ ترمیم وتنسیخ ہوتی رہتی ہے، پس یہ بدعات نہیں ہیں، ہاں اگر کسی کو کسی ذریعہ وطریقہ پر اس طرح اصرار ہو کہ اس کے علاوہ کو کسی حال میں قبول نہ کرے یا اسے کافی نہ سمجھے تو البتہ اس میں بدعت کی دراندازی ہوجائے گی۔ اسی طرح کوئی عمل ایسا ہے کہ اس کو کرنے والا دین کا کام یعنی عبادت اور باعثِ ثواب سمجھ کر نہیں کرتا تو اس پر بدعت کا اطلاق کرنا کم فہمی ہے، مثلاً یہی آنکھ والا عمل یہ تو ایک علاج ہے اور وہ بھی جسمانی علاج، جس کا عبادت مقصودہ سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے اس کو بدعت کہنا آج کل کی سطحی غیر مقلدیت اور وہابیت کا شاخسانہ ہے، حدیث سے ''رُقیہ'' کی اباحت ثابت ہے، یہ دیکھ لینا چاہئے کہ

’’رُقیہ‘‘ میں کوئی لفظ غیر مشروع نہ ہو، بس کافی ہے۔ یہ بھی ایک ’’رُقیہ‘‘ ہے، جس سے آنکھ کی روشنی کی حفاظت ہوتی ہے، اگر کوئی شخص ہر ہر ’’رُقیہ‘‘ اور اس کے ہر ہر طریقہ کے لئے دلیل طلب کرے تو اس کا یہ جنون ہے، ایسے لوگ ہر ہر فقہی جزئیہ کے لئے قرآن و حدیث سے صراحت پیش کردیں، تب سمجھا جائے، کہ یہ مطالبۂ دلیل میں مخلص ہیں۔

اس طرح کے اعمال جن کا تعلق جھاڑ پھونک اور ’’رُقیہ‘‘ سے ہے یہ علاج و معالجہ کی ایک قسم ہے، جس طرح ظاہری دواؤں سے علاج ہوتا ہے اسی طرح کلمات و حروف اور اعداد و نقوش سے بھی ہوتا ہے، اس کو عوام کی اصطلاح میں روحانی علاج کہا جاتا ہے، لیکن فی الحقیقت اس کا روحانیت سے تعلق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جو آیات برائے ’’رُقیہ‘‘ پڑھی جاتی ہیں، ان پر تلاوت کا ثواب مرتب نہیں ہوتا، ہر چیز کو اس کی حیثیت پر رکھنا چاہئے، جاہلوں نے جھاڑ پھونک کو بزرگی اور تقرب خداوندی کا شعبہ سمجھ رکھا ہے، اور خشک غیر مقلدین نے اسے بدعت قرار دے دیا ہے، یہ دونوں فریق غلطی پر ہیں، یہ منجملہ مباح ذرائع علاج کے ایک ذریعہ ہے اور بس! ’’رُقیہ‘‘ کے مباح ہونے پر احادیثِ صحاح دلیل ہیں، انھیں بخاری شریف وغیرہ میں دیکھ لو۔ (۱)

حضور ﷺ کی سیرت کو بیان کرنے کے لئے محافل و مجالس کو منعقد کیا جائے تو بابرکت امر ہے، اور ۱۲/ ربیع الاول کو آپ کی پیدائش اور وفات دونوں سے چونکہ تعلق ہے، اس لئے اگر اس میں قدرے اہتمام کیا جائے تو اس سے روکنا مناسب نہیں ہے، البتہ جلوس کی شکل میں سڑکوں پر نکلنا، غلط مضامین پر مشتمل نعتیں پڑھنا، جھنڈا اٹھانا، اودھم مچانا معصیت ہے۔ (۲)

ہاں ایک بات رہ گئی، تم نے پہلے سوال میں تبلیغی جماعت کے بعض اعمال کا

ذکر کیا ہے، ان پر بہت سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے، تبلیغی جماعت کا طریقۂ کار اشاعت دین کا محض ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے، لیکن ان وسائل کو اتنی سختی اور پابندی کے ساتھ برتا جاتا ہے کہ ان میں کسی طرح کا ردوبدل گوارا نہیں کیا جاتا، اور انھیں اصول کا نام دے کر بالکل مقاصد کی طرح ان کی بجا آوری کی جاتی ہے، اور ہر ایک کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جاتی ہے، اور ان کے خلاف کرنے والوں، یا ان کے طریقہ سے الگ رہنے والے کو موردِ ملامت بنایا جاتا ہے، حالانکہ وسائل وذرائع کی یہ شان ہرگز نہیں ہوتی، یہ شان تو عباداتِ مقصودہ کی ہوتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے یہ مخصوص اعمال واشغال جو جماعت میں برتے جاتے ہیں، انھوں نے مقاصد کا درجہ اختیار کررکھا ہے، اور بذاتِ خود انھیں کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں ان کے بدعت ہونے خیال ہوتا ہے، آنکھوں پر انگلی پھیرنا تو بدعت نہیں ہے، لیکن یہ امورِ تبلیغیہ جنھیں عبادت سمجھ کر کیا جاتا ہے اور ان کے خلاف کو خواہ اس میں کتنی ہی مصلحت ہو تو گوارا نہیں کیا جاتا، اگر انھیں بدعت کہا جائے تو بجا ہے، اچھی طرح غور کرلو۔

حدیث کے اسباق شروع ہوگئے، اس سے بڑی خوشی ہوئی، حدیث کا سبق شروع کرنے سے پہلے سات یا گیارہ مرتبہ درود شریف رسول اللہ ﷺ پر دلی توجہ سے پڑھ لیا کرو، اور جب حدیث کے الفاظ کی قرأت کی جائے تو سراپا گوش ہوکر ادب سے بیٹھ کر سنو، اور یہ خیال رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد خود آپ کی زبان سے سن رہے ہو، ان شاء اللہ اس کی وجہ سے غیبی فیضانِ رحمت سے مستفید ہوگے، اور عجب نہیں کہ جب یہ کیفیت بڑھے تو دیدار سے مشرف ہو جاؤ۔ تمام احباب کو سلام کہہ دو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲؍ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

(۱)اس موضوع پر تفصیلی معلومات کیلئے مؤلف کا رسالہ ''تعویذات وعملیات کی شرعی حیثیت'' دیکھئے۔

(۲) مکتوب الیہ نے سوال کیا تھا کہ ''عید میلا دالنبی'' یا جلسۂ سیرت النبی کے نام سے ماہِ ربیع الاول میں مجالس ومحافل منعقد کرنا بغیر رسم مروّجہ کے اہتمام والتزام کے یعنی خرافات وغیرہ کا ارتکاب نہ کیا جائے، کیا تب بھی اس پر پابندی لگانا مناسب ہے؟

☆☆☆☆☆☆

عزیزم ! السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ

تمہارا مکتوبِ محبت ملا۔ آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوا، تمہاری بے ساختہ محبت سوچتا ہوں تو بے حد فرحت ہوتی ہے۔ عزیزم! ہر شخص محبت کا بھوکا ہوتا ہے، خواہ وہ اسے کہیں سے ملے۔ چھوٹے سے ملے، بڑے سے ملے، مجھے الحمد للہ بڑوں سے بھی محبت ملی ہے، برابر والوں سے بھی ملی ہے، اور چھوٹوں سے بھی! اور جب مجھے محبت کی یہ سوغات ملی، تو کیوں نہ میں بھی اپنے محبین سے محبت کروں۔ میرا حال تو یہ ہے کہ اپنے دوستوں کی محبت سے سرشار ہوں، مجھے کبھی کبھی اپنی حقیقی اولاد اور تم لوگوں کی محبت کے درمیان امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات اولاد سے زیادہ تم لوگوں کی محبت محسوس ہوتی ہے، یہ کچھ میرا کمال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت ایسی بنائی ہی ہے، مجھے لفظ ''محبت'' سے محبت ہے، اور دیوانگی کی حد تک محبت ہے، طالب علمی کے زمانے میں مجھے ایسا جنون تھا کہ ایک ڈائری میں ہر وہ شعر نوٹ کر لیتا تھا جس میں لفظ ''محبت'' آیا ہو، سینکڑوں اشعار جمع ہو گئے تھے، لیکن بعد میں نہ جانے وہ ڈائری کہاں گم ہو گئی۔ میں اس محبت کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی کامل محبت عطا فرمائے۔

اسلام اور مسلمانوں کے حق میں تمہارا جذبۂ دل اور دردمندیٔ قلب نہایت

مبارک ہے، اللہ تعالیٰ اس آگ کو اور بھڑکائے، اور اس سے وہ کام لے، جو اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا سبب ہو۔ بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے محمد علی (۱) کا تذکرہ ...... ادھورا ہی سہی ...... پڑھ لیا۔ عجب مرد مجاہد تھا، آخر عمر میں تو وہ اپنے اس شعر کا مصداق بن کر رہ گیا تھا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اس کا پہلا حصہ دارالمصنفین میں بھی ''دولت نایاب'' ہے، ورنہ کہیں سے نظم کرتا۔ ۲۵/شعبان کے بعد میرے گھر آؤ تو خیر آباد کی ایک لائبریری میں دیکھا تھا، وہاں شاید پہلا حصہ مل جائے۔

۲۸/فروری کو ہمارے یہاں امتحان ختم ہوگا۔ ۴/۵/مارچ کو گورکھپور حضرت مولانا افضال الحق صاحب مدظلہٗ کے مدرسہ میں جلسہ ہے، اگر وہاں چل سکو تو مولانا بھی بہت خوش ہوں گے، تم کو یاد کرتے ہیں۔ اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ تم ۳/مارچ کو اعظم گڈھ شہر آجاؤ، اتوار کا دن ہوگا، روڈویز پر اتر کر ٹمپو کے ذریعہ پرانی کوتوالی کے پاس اتر جاؤ، ٹمپو والوں میں یہ جگہ معروف ہے۔ پرانی کوتوالی سے بجانب مغرب تھوڑے فاصلے پر جامع مسجد ہے، وہاں میرے درس قرآن میں شرکت کرو۔ رات کو مولوی محمد عارف صاحب (سابق ناظم مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور) کے یہاں رہیں، اور صبح گورکھپور کے لئے روانگی ہو۔ یہ ہوسکتا ہے کہ مولوی محمد عارف صاحب بھی ساتھ ہوں، گورکھپور سے مجھے ہنسور اور بارہ بنکی جانا ہے، تم کو تمہارے گھر کے قریب تک پہونچادوں گا۔ یا اگر تمہیں موقع ہوگا، تو ہنسور تک چلے چلنا، جیسی سہولت ہو۔ اگر گورکھپور چلنے کا موقع نہ ہو تو پھر ۶/مارچ کو ہنسور میں ملو، قاری عبدالسلام صاحب کے

یہاں۔اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ۲۵ر شعبان کے بعد گھر ملوں گا۔انشاءاللہ والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۱۹ر ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

(۱) مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں مولانا عبد الماجد دریابادی نے اپنے تاثرات کو دو جلدوں میں ''محمد علی ذاتی ڈائری'' کے نام سے لکھا، جو دارالمصنفین سے ۱۹۵۰ء کے آس پاس شائع ہوا تھا، اس کی بے پناہ مقبولیت کے بعد بھی اس کا دوسرا ایڈیشن چھپنے کی نوبت نہ آسکی۔مکتوب الیہ نے اس کا دوسرا حصہ پڑھا تھا، اسی کے متعلق یہ سطریں ہیں۔ابھی حال میں صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ نے اس کتاب کا کمپیوٹرائز عمدہ ایڈیشن شائع کیا ہے، اور دونوں حصوں کو ایک ہی جلد میں کر دیا ہے۔(ضیاء الحق خیر آبادی)

◉◉◉◉◉

عزیزم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ ہمارے یہاں امتحان ششماہی ۷ر ربیع الاوّل کو ختم ہوا، اور اسی روز میں بہار کے ایک طویل المیعاد سفر پر روانہ ہو گیا، ۱۳ر دن کے بعد آج واپسی ہوئی ہے، تو ڈاک کا انبار تھا، اس میں تمہارا خط بھی ملا، پہلے اسی کو پڑھا، تمہاری علالت سے رنج ہوا، اور صحت یابی سے خوشی! اور مزید خوشی یہ کہ میری تحریر سے تمہیں تشفی ہوگئی، اور تمہارا یہ جذبہ کس قدر قابل قدر ہے کہ میری ضرورت پر تم بے تکلف لبیک کہنے کو تیار ہو، مجھے اپنے دوستوں پر قطعی اعتماد ہے، ان کی محبت سچی ہے اور ان کا تعلق مخلصانہ ہے، ان کا جذبہ والہانہ ہے۔حق تعالیٰ اسے باقی ودائم رکھیں، اور میرے لئے بھی اور میرے دوستوں کیلئے بھی اسے مثمر اور بارآور بنائیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تم نے آج کل کے احوال پر جس اضطراب و بے چینی اور درد وکرب کا اظہار

کیا ہے، عزیزم! کیا بتاؤں کہ یہ میرے دل کا ناسور ہے، ہمیشہ تڑپتا ہوں، پریشان ہوتا ہوں، لیکن ابھی تک اس سلسلے میں براہ راست اقدام کی کوئی راہ مجھ پر نہیں کھولی گئی ہے، حرمین شریفین کی حاضری میں اس ارادہ کا بھی بہت دخل رہا ہے کہ شاید وہاں سے کچھ عمل اور اقدام کا راستہ ملے، مگر میں آنکھ کا اندھا اور کان کا بہرہ اور دل کا بے بہرہ کیا ادراک کر پاتا، جیسا گیا تھا ویسا ہی لوٹ آیا۔ ان حالات میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا، جس کے بعد منزل اور دور ہو جائے، ان حالات میں میرا کام صرف ایک ہے، وہ یہ کہ میں مردم سازی کرتا رہوں، یعنی ایسے لوگ تیار کردوں جو دین پر مر مٹنے کا حوصلہ رکھتے ہوں، تمہارے عزم وارادے کو معلوم کر کے مجھے نہایت فرحت حاصل ہوئی کہ یہ وہی جذبہ ہے جسے میں اپنے ہر دوست میں دیکھنا چاہتا ہوں، تم اس جذبہ کو ایک مناسب انداز میں اپنے شاگردوں میں منتقل کرو، اور جب تک راست اقدام کی صورت نہیں نکلتی اپنی توانائی اسی میں کھپاؤ، اگر اسی میں مر گئے تو دین کی جدوجہد میں مرو گے، اور اگر کوئی راستہ منجانب اللہ تمہارے اوپر کھول دیا گیا تو مجھے بھی بتانا کہ یہی میرے دل کی بھی آرزو ہے۔

ہاں ایک بات کو خیال رکھو، قوم کو یا لیڈرانِ قوم کو زبان یا قلم سے کچھ نہ کہو، یہ تنقید وتبصرہ مضر ہے، اس سے تمہارے حوصلوں میں پستی آجائے گی، قوم کیا کرتی ہے، زعماءِ قوم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں، اس پر اس حیثیت سے نگاہ ڈالنی ہو کہ ہم اس مجموعی کاروبار جہد وعمل میں اپنا قدم کس طور پر اٹھا سکتے ہیں، اگر اس حیثیت سے ہے، تو قوم اور زعماءِ قوم کے اعمال وکردار کا بنظر غائر مطالعہ کرو، اور اگر صرف ان کی تحقیر وتذلیل کا جذبہ ہو یا اپنے غصے کی آگ بھڑکانا مقصود ہو تو یہ بہت زیادہ پُر خطر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ من قال هلك الناس فهو أهلكهم

(جس نے کہا لوگ ہلاک ہوگئے، وہ سب سے زیادہ ہلاکت میں ہے) بس اپنے پر نگاہ رکھو، اپنے نفس کو تقویٰ کی لگام دو، پھر جب نفس کا تزکیہ ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی پسندیدہ راہ کھولیں گے۔

اجمالاً اتنا لکھ دیا ہے، تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے، جس کی اس وقت فرصت نہیں ہے، ابھی بہت سے خطوط کے جواب لکھنے ہیں، میں تمہارے لئے دل وجان سے دعا کرتا ہوں، اور تم سے بھی دعاؤں کا امیدوار ہوں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت انتظار کے بعد تمہارا خط ملا۔ کتابیں جو پڑھانے کو ملی ہیں، ان پر راضی رہنا مناسب ہے، حدیث شریف پڑھانے کا شوق مبارک ہے، مگر اس سے پہلے دوسرے ضروری علوم میں درک ہوجانا ضروری ہے، بالخصوص فقہ اور اصول فقہ میں۔ اس لئے دلگیر نہ ہو، مجھے دیکھو کہ اتنا عرصہ ہوگیا پڑھتے پڑھاتے مگر ابھی تک اس فن شریف کی خدمت کا موقع نہیں ملا۔ انتظار اور تیاری ضروری ہے، یہ سب امور منجانب اللہ ہیں، جو بات ادھر سے ہو اسی میں خیر ہے۔

جنات کے بارے میں تم نے عجیب وغریب سوال کیا ہے۔ تعجب ہے کہ اتنی موٹی اور بدیہی بات تمہارے ذہن میں نہیں آئی۔ سوچو تو سہی دنیا دار الاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کے ہر مقصد کو اس کے اسباب کے ساتھ مربوط کردیا ہے، زیادہ تر اسباب ظاہرہ کے ساتھ اور بعض غیر معمولی حالات میں اسباب

خفیہ کے ساتھ بھی! جنات ہوں یا ملائکہ یا اور کوئی غیبی مخلوق، ان سے کام لینے کا تعلق اسباب خفیہ میں سے ہے۔ مسلمانوں پر جو ابتلاء وآزمائش کا معاملہ حق تعالیٰ کی جانب سے جاری ہے، یہ نہ کوئی نئی بات ہے اور نہ از روئے اسباب کچھ انہونی چیز ہے، اس ابتلاء وآزمائش سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کچھ اصول اور ضابطے ارشاد فرمائے ہیں۔ ان کو اگر برتا جائے اور حالات غیر معمولی پیدا ہو جائیں تو جنود الملائکہ سے مدد ہوتی ہے، لیکن یہ مدد بھی ایسی نہیں ہوتی کہ اہل حق کو کچھ کرنا ہی نہ پڑے۔ انھیں اپنی کوشش پوری کرنی پڑتی ہے، یہ غیبی مخلوقات بھی مشیت الٰہی کی پابند ہوتی ہیں، پھر یہ بھی تو غور کرو کہ جنات کو خلقی طور پر انسانوں سے حسد ہے، اور ان میں شر بمقابلہ خیر کے اس تناسب سے کہیں زیادہ ہے جو انسانوں میں پایا جاتا ہے، پھر وہ کیوں انسانوں کے لئے کڑھنے لگیں۔ انھیں تو اور خوشی حاصل ہوتی ہوگی، رہا عاملین کا معاملہ اور ان کا اجنہ کو اپنے قابو میں کرنے کا قصہ! تو اس میں حقیقت بہت کم ہے۔ ایسا کون ہے جس کے قبضے میں جن ہو، اور اگر کسی کے قبضے میں کوئی جن ہوا بھی تو وہ اپنی برادری میں ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے، پھر اگر اس سے عامل کوئی کام لینا چاہے بھی تو دوسرے اجنہ اس میں مزاحم ہوں گے، اور اگر بالفرض کوئی نیک جن ...... جن کی تعداد اجنہ میں بہت قلیل ہے ...... کسی کام کے لئے اٹھے بھی تو اشرار اسے چلنے کب دیں گے، جیسا کہ تم انسانوں میں مشاہدہ کرتے ہو، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ کچھ نہ کرتے ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ خاص ہنگامی حالات میں جب مسلمان کمزور پڑنے لگتے ہیں تو اچانک غیبی طور پر ان میں غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ اس میں فرشتوں کے ساتھ کیا معلوم کہ اجنہ کا بھی دخل ہوتا ہو۔ ویسے عاملین کے یہاں یہ بات مسلّم ہے کہ اجنہ کا قابو

ان لوگوں پر نہیں چلتا جو اہل حکومت ہوتے ہیں، کیونکہ اہل حکومت کی امداد کیلئے باطنی طور پر بہت سے لشکر متعین ہوتے ہیں، جن میں فرشتے بھی ہوتے ہیں اور صاحب خدمت انسان بھی ہوتے ہیں۔ وہاں جنات بے بس ہوتے ہیں۔

بہر حال ان معاملات کا تعلق حکمت الٰہی سے ہے، ان میں اپنی طاقت اور اپنی خواہش سے کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ نہ فرشتے، نہ جن اور نہ کوئی غیبی مخلوق! جہاں خدا کا اذن ہوگا وہیں یہ جاسکتے ہیں، ورنہ کیا کمی تھی، تنہا جبرئیل یا تنہا عزرائیل سب کام کرسکتے ہیں، مگر اس سے حکمت الٰہی باطل ہوتی ہے۔ اگر یہ حکمت نہ ہوتی تو نبی ﷺ کو تکلیفیں نہ اٹھانی پڑتیں۔ جہاد میں اور غزوات میں زخمی نہ ہونا پڑتا۔ سب کچھ آپ سے آپ ہوجاتا، اس حکمت کی معرفت علم الاسرار کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو کھول دے، یہی اصل علم ہے۔ باقی اس کے اعتبار سے ذرائع و وسائل ہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی ۱۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۲ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند روز قبل، مجھے نہایت شدت کے ساتھ تمہارے خط کا انتظار تھا، کیونکہ جو خط تم نے رمضان میں اور گھر کے پتے پر بھیجا تھا، وہ اس وقت ملا جب تم گجرات جاچکے ہو گے، جوابی لفافہ پر گھر کا پتہ درج تھا، وہاں نہیں لکھا گجرات والا پتہ تلاش کیا تو نہیں ملا، بہت پریشان ہوا۔ سوچتا رہا کہ کیسے رابطہ قائم ہو، بارے اب خط آیا تو طبیعت کو اطمینان ہوا۔ گجرات والی جگہ تو مناسب ہے، لیکن اب مجھے خود تمہاری ضرورت محسوس ہورہی ہے، جس مدرسہ میں میں ہوں ابتداءً تو عربی سوم تک تعلیم کا انتظام ہوا۔ مگر اب

عربی پنجم کے طلبہ بھی آگئے ہیں۔مولوی سفیان کو اپنے ساتھ رکھنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔مگر وہ سعودیہ کے لئے رخت سفر باندھے ہوئے ہیں، اب بار بار تمہاری طرف خیال جاتا ہے لیکن تم بھی ایک اچھی جگہ لگے ہوئے ہو، کیا تدبیر ہو۔یہاں کی جگہ ویسی تو نہیں ہے، جہاں تم ہو،مگر مدرسہ کی ترقی ان شاءاللہ جلد ہوگی۔اور کام چل نکلے گا۔اچھے لوگ ہیں۔اگر حالات اجازت دیں تو یہاں کی نیت دل میں رکھ لو۔اصرار نہیں میرے نزدیک تمہاری مصلحت میری ضرورت اور خواہش پر مقدم ہے۔مولوی سفیان کل آئے تھے،آج گئے ہیں وہ ۱۷کو بمبئی جائیں گے۔ان سے میں نے کہا ہے کہ تمہارے لئے کوئی تدبیر کریں۔ایسے تم تو پڑھنے کے لئے جاؤ۔کمانے کی لغویت میں ہرگز نہ جاؤ، بالکل جاہل ہوکر رہ جاؤ گے۔سفیان میری مرضی کے بغیر جارہا ہے، مجھے سخت ناپسند ہے۔لیکن پڑھنے کے لئے جانا ہوتو خیر، ورنہ نیت ترک کرو۔

اس سے خوشی ہوئی کہ تم کو شرح عقائد ملی ہے،محنت سے سمجھو اور سمجھ کر پڑھاؤ۔ معلوم نہیں تمہارے مخاطب کچھ سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اب اپنے سوالوں کے جواب سنو!

(۱) عقل کی تعریف امام غزالی یہ کی ہے **الوصف الذی یفارق الانسان به سائر البهائم وهو الذی استعدبه لقبول العلوم النظریة و تدبیر الصنا عات الخفیة الفکریة . و هو الذی اراد الحارث بن اسد المحاسبی حیث قال فی حد العقل انه غزیرة یتهیأ بها ادراک العلوم النظریة و کانه نور یقذف فی القلب به یستعد لا دراک الاشیاء** (احیاء العلوم،ص: ۸۵،ج:۱)

عقل کی اس تعریف پر غور کرو، یہ عقل حیوانات کے اندر نہیں پائی جاتی ،اور سچی بات یہ ہے کہ جو عقل حیوانات میں محسوس ہوتی ہے،اس کا نام عقل نہیں۔وہ ان

کے طبعی ادراکات ہیں ۔ وہ جسمانی چیز ہے، اور عقل روحانی امر ہے، جانور کو جو کچھ حاصل ہے بالفعل حاصل ہے، اس پر اسے اضافہ کی صلاحیت نہیں ہے، اس کے برخلاف انسان کے علوم میں اضافہ اس میں تحلیل وترکیب اور اخذ نتائج کی صلاحیت ہے، یہی عقل مابہ الامتیاز ہے۔ میرے خیال میں اتنی بات کافی ہے۔ مزید کچھ اشکال ہو تو لکھو۔

(۲) جسم آٹھ اجزاء سے مرکب ہونے کی صورت یہ ہے کہ اتنی بات تو جانتے ہو کہ جسم میں تین بعد پائے جاتے ہیں۔ طول، عرض، عمق۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ سطح میں طول اور عرض دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس میں عمق نہیں پایا جاتا۔ عمق کے تحقق کے لئے ایک دوسری سطح بھی درکار ہوگی تاکہ اس سطح سے اُس سطح تک ایک عمق پایا جائے۔ گویا ایک سطح نیچے ہوگی اور ایک اوپر ہوگی۔ مثلاً یہی کاغذ جس پر میں لکھ رہا ہوں۔ اس کی ایک سطح تو یہ ہے، جس پر یہ حروف لکھے جارہے ہیں اس سطح میں طول اور عرض ہے، مگر عمق نہیں ہے، عمق کے تحقق کے لئے اس کے نیچے کی سطح کو بھی شامل کرو تو عمق ہوجائے گا اب غور کرو کہ جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے ہے، اور جسم میں یہ دونوں بعد پائے جانے چاہیئں، اور یہ تینوں بعد ابوعلی جبائی کے خیال میں زوایا قائمہ پر متقاطع ہونے ضروری ہیں، تو اس کے لئے سطح اول پر چار اجزاء ہونے ضروری ہیں اس کی صورت یہ ہوگی زاویہ قائمہ کی صورت یہ ہوتی ہے یہ چار زاویہ قائمہ ہیں۔ اس سطح اول میں دو بعد ہیں طول اور عرض، ظاہر ہے کہ ان دونوں بعدوں کے حصول کے لئے کم از کم چار جز ضروری ہوں گے۔ ورنہ اگر دو جز ہوئے تو صرف طول ہوگا۔ اور تین ہوئے تو دونوں بعد کا زاویہ قائمہ پہ تقاطع حاصل نہ ہوگا۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ صرف ایک سطح کے حصہ سے نہ تو جسم تیار ہوگا اور نہ اس میں عمق پایا جائے

گا۔پس عمق کے تحقق کے لئے ان چاروں اجزاء کے ٹھیک اوپر چار اور اجزاء ماننے ضروری ہوں گے تاکہ عمق حاصل ہو پھر اس عمق کی جانب بھی زاویہ قائمہ بنے گا۔پس زاویہ قائمہ پر عمق کا تقاطع ہوا۔اس طرح سے آٹھ اجزاء سے کی ترکیب ہوئی۔

غور کروگے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ورنہ پھر مشافہۃً سمجھانے کی ضرورت ہوگی۔شرح عقائد کیلئے نبراس کے علاوہ اور کوئی شرح میں نے دیکھی ہی نہیں۔وہ اچھی ہے مگر اس میں طول بہت ہے۔زائد باتیں حذف کر کے محض شرح دیکھو تو وہی کافی ہے۔باقی سب خیریت ہے۔

نوٹ: جب تک چار جز نہ مانے جائیں گے،طول وعرض کا تقاطع زوایا قائمہ پر نہ ہوسکے گا،دوجز کی صورت میں طول ہوگا مثلا: اور تین جز کی صورت میں مثلث بنے گا،اس میں زاویۂ حادّہ بنے گا مثلاً یہ صورت اور چار جز مانو تو چار زاویہ قائمہ بنیں گے، اور دونوں بعد کا تقاطع ہوجائے گا،جیسا کہ اوپر کے نقشے میں تم نے دیکھا

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۶؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆

تمہارا خط ملا۔اللہ کا شکر ہے کہ تم کو میری تحریر پسند آئی،اور تمہارے اشکالات دور ہوگئے۔**فللّٰہ الحمد والمنة۔**

اب الحمد للہ تم لوگوں کی دعاؤں سے طبیعت بالکل ٹھیک ہے،اب تکلیف باقی نہیں ہے،اس وقت مشغولیت بہت ہے،ایک مدرس مولوی ابوالخیر بیمار ہوکر گھر گئے ہوئے ہیں،ان کے نہ ہونے کی وجہ سے نو کتابیں پڑھانی پڑرہی ہیں،اور سب طالب

مشقت! اس کے علاوہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمی قدس سرہٗ کی تصانیف پر کچھ کام شروع کر رکھا ہے، اس کے لئے ہر جمعرات کو مئو جاتا ہوں۔ ایک رات اور ایک دن وہاں مشغولیت رہتی ہے، سنیچر کی شب میں وہاں سے واپسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، دعا کرو کہ ملتی رہے۔

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی تفصیلی تاریخ اردو میں میرے علم میں بہت کم لکھی گئی ہے، مولوی ذکاء اللہ مرحوم کی ایک کتاب بہت مفصل تاریخ ہند کے نام سے بہت پہلے چھپی تھی، وہ مل جائے تو اس موضوع پر کافی ہوگی، ویسے آب کوثر، موج کوثر، رود کوثر، شیخ محمد اکرام کی اگر مل جائے تو انھیں پڑھو، بہت کچھ معلومات ان سے فراہم ہو جائیں گی۔

عربی پر قدرت کے لئے عربی میں مضامین لکھنا ضروری ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عربی کا مضمون لو، اسے بغور پڑھ کر شستہ اور رواں اردو میں اس کا ترجمہ کرلو، پھر اصل کتاب ہٹا کر اپنے طور پر اس اردو کا عربی میں ترجمہ کرو، پھر اس ترجمہ کو اصل سے ملا کر اصلاح کرلو، روزانہ اسی طرح مشق کرو تو جلد قابو مل جائے گا، دوسرے اسی طرح بولنے کی بھی مشق کرو، الحمد للہ خیریت سے ہوں، دعاء کرتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا ایک خط پہلے ملا تھا، خیال ہوا کہ داخلہ کی اطلاع مل جائے تو خط لکھوں، الحمد للہ کہ اس کی اطلاع تمہارے خط سے ملی، اللہ مبارک کرے، میری دلی

خواہش تم نے پوری کردی۔حق تعالیٰ نے تمہیں دارالعلوم دیوبند پہونچادیا ہے،تو موقع غنیمت سمجھو۔ایک سال کے لئے خودکو علمی اعتکاف میں ڈال دو،بجز پڑھنے لکھنے ،مطالعہ ومذاکرہ کے کسی چیز سے واسطہ نہ رکھو،سیر وتفریح موقوف،مجلس بازی ختم، اِدھراُدھر کی فضولیات پر تین حرف،مطالعہ کرواور حاصل مطالعہ کی کاپی تیار کرو،اور جو کچھ کروعربی زبان میں کرو،اردو مطالعہ بند تو نہیں البتہ بہت کم،عربی کو اعصاب پر سوار کرلو۔شرح محض عربی کی دیکھو،اردو شروح کو ہاتھ نہ لگاؤ،تکرار کا مشغلہ بھی رہے تو خوب ہے،لیکن صرف تکرار کی حدتک،دوستی کی حدتک نہیں،اس وقت جتنا وقت علم ومطالعہ میں لگ جائے گا نفع ہی نفع ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے علم وعمل میں برکت دیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم ذوقعدہ ۱۴۰۸ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم شفاک اللہ وعافاک من کل داء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دوتین روز ہوئے تمہارا خط ملا،مجھے شدید انتظار تھا اور تعجب ہورہا تھا کہ خیریت ملنے میں غیر معمولی تاخیر ہورہی ہے،ارادہ ہوا کہ دریافت احوال کے لئے خود میں ہی خط لکھوں،مگر ابھی نوبت نہیں آئی تھی کہ تمہارا خط لطف ومحبت کے بیکراں جذبات سے بھرا ہوا ملا،خط کا ابتدائیہ تم نے اتنا زوردار اور کیف آور لکھا ہے کہ میں سوچنے لگا کہ اس خط کا مخاطب میں ہوں یا کوئی اور عظیم شخصیت!لیکن تم خط لکھتے وقت اس درجہ سرشار تھے کہ میری اصل شخصیت اس سرشاری میں کچھ سے کچھ نظر آنے لگی،

اور جیسا تم دیکھتے گئے لکھتے گئے ،بعض مرتبہ کوئی شئے فی نفسہ بھونڈی اور پھوہڑ ہوتی ہے، مگر مصور اس خوبصورتی سے اس کا پیکر اتارتا ہے کہ وہ خوبصورت اور بہت خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے ،تم نے اپنے خیالی پیکر کو بہت خوبصورت رنگ تحریر دیدیا ہے، میں بھی بہت محظوظ ہوا، میرا اندازہ ہے کہ میں ایسا ہوں یا نہ ہوں مگر حق تعالیٰ نے تمہارے اندر ایسی استعداد رکھی ہے کہ اس خیالی پیکر کو واقعی صورت میں ڈھال سکتے ہو، اور اس وقت واقعی محبوب خلائق ہو جاؤ گے۔

مشہور عالم ومحدث اور صوفی حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی ایک تصنیف غالباً ''عہو دمحمدیہ'' ( یہ کتاب ''ہم سے عہد لیا گیا'' کے نام سے حال میں فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی ہے ) میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''ہم سے عہد لیا گیا ہے ہم اپنے اساتذہ ومشائخ کو علم وفضل اور بزرگی کے منتہائے کمال پر ہونے کا اعتقاد رکھیں ، اگر ہم ایسا کریں گے تو جہاں تک ہم نے حسن ظن رکھا ہوگا حق تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہوگی کہ اس درجہ تک ہماری رسائی ہو جائے گی''۔ یہ بات تجربہ کی رو سے سو فیصد صحیح ہے، میں نے خوب تجربہ کیا ہے کہ جو طالب علم اپنے استاذ کا جس درجہ معتقد ہوتا ہے اور جو مرید اپنے شیخ کے بارے میں جس درجہ حسن ظن رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی کے بقدر اسے نوازتے ہیں، فی زمانہ اساتذہ کے بارے میں ایسا حسن ظن تو مشکل ہے ،لیکن طالب علم کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ اسے کوئی ایک ہی استاذ ایسا مل جائے جس کے ساتھ وہ اس درجہ کا اعتقاد نباہ سکے تو ان شاء اللہ وہ وہاں تک پہونچ جائے گا بشرطیکہ وہ دوسرے اساتذہ کا احترام بجالاتا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم کو ایک ایسا شخص نصیب ہوا قطع نظر اس سے کہ وہ خود کچھ ہے یا نہیں؟ بڑے اساتذہ اور بڑے مشائخ کے یہاں زیادہ باکمال لوگ اسی لئے تیار ہوتے ہیں کہ ان کے تلامذہ ومتوسلین ان

کے ساتھ انتہا درجہ کا اعتقاد رکھتے ہیں، پھر ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق نوازا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں ہم نے حضرت مولانا نانوتوی وگنگوہی سے لے کر حضرت تھانوی اور حضرت مدنی تک اس بات کا خوب تجربہ کیا ہے، تمہارے حسن اعتقاد اور حسن ظن سے بیحد خوشی ہوئی، کیونکہ یہ تمہارا سچا حال ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے خیال کے مطابق مجھ کو اور حال کے مطابق تم کو نواز دیں تو بڑا کرم ہو جائے، اور ہم دونوں کا کام بن جائے۔

عراق اور امریکہ کے بارے میں تمہاری رائے بہت درست ہے، میں بھی اسی خیال پر ہوں۔ سال نو کی مبارکباد خواہ عیسوی سن کے لحاظ سے ہو، خواہ ہجری کے لحاظ سے، محض انگریزوں کی تقلید ہے، ہمارے یہاں اس کی شرعی حیثیت صرف یہ ہے کہ ایک فضول عمل اور غیروں کی نقالی ہے، اس لئے اس سے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

تمہاری علالت کی اطلاع سے بہت دکھ ہوا، اسی وقت سے تمہاری صحت وسلامتی کے لئے بجان ودل دعا کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ پوری صحت اور توانائی عطا فرما کر اپنے دین کے کام میں لگائے رکھیں اور تم علم دین کی خدمت میں بیش از بیش مشغول رہو، میری یہ دلی آرزو ہے، میں اپنے دوستوں کو ''جنود اللہ'' کی صف میں دیکھنے کا متمنی ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۶؍رجب ۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی

خیرآباد کے رہنے والے ہیں، وہیں مدرسہ منبع العلوم میں متوسطات تک تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند گئے اور فراغت کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اور مدرسہ فیض العلوم شیرواں میں تدریسی خدمات انجام دیں، اب جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں ماہنامہ مظاہر علوم کے ایڈیٹر ہیں۔ عربی کی کتابیں بھی پڑھاتے یں، میرے بہت عزیز دوست مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی کے صاجزادے ہیں۔ انھوں نے موقوف علیہ کے سال شرح عقائد پڑھتے وقت کچھ اشکالات پیش کئے تھے، درج ذیل مکتوب اسی کے جواب میں لکھا گیا۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج تمہارا خط ملا، تم نے چند سوالات کئے ان کے جواب لکھ رہا ہوں۔

(۱) اللہ کو خواب میں دیکھنا ممکن ہے، لیکن دیکھنے والے نے اگر کسی خاص صورت میں اللہ کو دیکھا ہے، تو وہ صورت نہ اللہ ہے نہ اللہ کے مثل ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ قطعی مثل سے پاک ہے، بس دیکھنے والے کے ذہن میں ایک خیال تھا جو متشکل ہوگیا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص صورت تراش لے، تو جہاں تک خدا کی یاد کا تعلق ہے وہ خدا ہی کو یاد کر رہا ہے، مگر وہ صورت جو اس کے خیال نے تراش رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے، اسی طرح خواب دیکھنے والے نے جو صورت دیکھی ہے وہ صورت اللہ نہیں ہے، لیکن یاد رہے کہ اس صورت والے خواب کا حال نہایت مشتبہ ہے، یا پھر یہ کہ وہ محتاجِ تعبیر ہے، مشتبہ اس لئے کہ یہ شیطان کا تصرف بھی

ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ضعیف الاعتقاد کوکوئی صورت خواب میں دکھا کر اسے باور کرائے کہ یہی اللہ ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی خاص صورت میں اللہ کو دیکھا ہے تو اس سے اللہ مراد نہ ہو، بلکہ اس کی کوئی مخصوص تعبیر ہو، مثلاً یہ کہ کسی نے اللہ تعالیٰ کو کسی خاص صورت میں دیکھا، یا اللہ کا مثل دیکھا، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ پر تہمت لگانے والا اور بدعتی ہے، اسے توبہ کرنی چاہئے

اللہ کو خواب میں دیکھنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی خاص شکل نظر نہیں آئی، وہ عرشِ الٰہی کو دیکھتا ہے یا کرسی کو دیکھتا ہے، اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ کی زیارت کرر ہا ہو، اس سے بات کرر ہا ہو، اس کو سارے عالم پر محیط محسوس کرتا ہے، دیکھنے والے سے کوئی صورت پوچھو تو اسے کچھ نہیں معلوم ! امام ابوحنیفہ یا امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے اللہ تعالیٰ کو جو خواب میں دیکھا، اس میں اس کی صراحت ہے کہ انھوں نے کسی خاص صورت پر نہیں دیکھا تھا، ایک بار میں نے بھی اللہ کو خواب میں دیکھا تھا، یوں محسوس ہوا جیسے میدانِ قیامت میں ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا تختِ جلال موجود ہے اور میں عرش کا پایہ تھام کر حق تعالیٰ کے حضور کچھ عرض نیاز کرر ہا ہوں، مگر صورت کچھ نہیں، بہر حال حق تعالیٰ صورتوں سے پاک ہیں، جسم ایک مخلوق ہے، مخلوق کی رسائی خالق کی ذات تک کیونکر ہوسکتی ہے، اگر خدا تعالیٰ کے لئے جسم مانا جائے تو اسے مخلوق بھی ماننا پڑے گا، اور یہ محال ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ کا مثل کیا ممکن ہے؟ اگر اسے ممکن مانو، تو بے شک خدا تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہیں، لیکن سوچ لو کہ جب وہ مخلوق ہوا تو خدا تعالیٰ کا مثل نہ رہا، اس لئے کہ خدا تعالیٰ مخلوق نہیں ہے پس سرے سے مثل محال ہے، اور محالات تحت القدرت نہیں ہوتے، اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی کمی ہے، قدرت تو کامل

ہے مگر محال میں مقدور ہونے کی صلاحیت ہی نہیں، خدا کی صفت خلق علیٰ وجہ الکمال ہے، مگر محال میں مخلوق ہونے کی صلاحیت ہی نہیں، کیونکہ اگر وہ مخلوق ہوگیا تو محال نہیں رہا۔ دیکھو انسان کی نگاہ کامل ہے لیکن مبصرات ہی کو دیکھ سکتی ہے، ہوا کو نہیں دیکھ سکتی، تو کیا اس کے کمال میں کوئی نقص ہے، تو بعض چیزیں اپنی تاثیر میں کامل ہوتی ہیں، لیکن ان کی تاثیر وہیں ظاہر ہوتی ہے جہاں اس کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، خدا کی قدرت بے شک کامل ہے مگر محالات میں اس قدرت کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں، یہ تعبیر نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے مثل کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا مثل تو ہوسکتا ہے مگر اللہ کو اس پر قدرت نہیں، یہ تعبیر ادب کے بھی خلاف ہے اور موہم فساد بھی ہے، یہ کہو کہ اللہ کا مثل محال ہے اور محالات میں تاثیر قدرت اور تاثیر خلق کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

(۳) جہتوں کا تعلق عالم خلق سے ہے، یہ مخلوقات کی صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صفت سے پاک ہے، اس بنا پر ان کے لئے کسی جہت کا اثبات ممکن نہیں، اب رہا سوال یہ کہ آیاتِ قرآنیہ میں جہت کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں، واقعہ معراج میں نبی ﷺ کا رب العالمین سے ملاقات کے لئے جانب فوق جانا، تو یہ اشکال واقعی محسوس ہوتا ہے، لیکن سوچو کہ قرآن کی آیات ہی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے کوئی خاص جہت نہیں ہے، مثلاً أینما تولوا فثم وجه الله، اور إن الله بكل شئ محيط۔ اور حدیث میں ہے کہ نمازی اپنے آگے نہ تھوکے، اس لئے کہ اس کے سامنے اللہ ہے، اور اس کے علاوہ بہت سی روایات وآیات ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور سمت سے پاک ہیں، اس لئے ایسی توجیہ کرنی چاہئے کہ دونوں طرف کی آیتوں اور روایتوں میں تطبیق

ہوجائے۔اس وقت کتابیں دیکھنے کی فرصت نہیں ہے جو کچھ میرے ذہن میں ہے اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا ہے، اور خطاب کرنے والا ظاہر ہے کہ اپنے مخاطب کی رعایت سے کلام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی رعایت برتی ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں اس کو ذکر کیا ہے، کہ بندے جن چیزوں کو سمجھتے بوجھتے ہیں، جو ان کے درمیان مسلمات ومشہورات ہیں، اور جو ان کے برتنے کی چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انھیں چیزوں کو بیان کیا ہے، ٹھیک اسی طرح اپنی ذات وصفات کا بیان اللہ تعالیٰ نے اسی رعایت سے کیا ہے، جس کو بندگانِ خدا سمجھ لیں جو ان کے محاورات ومسلمات کے مطابق ہے، تاکہ ان کو حق تعالیٰ سے ایک جذباتی وابستگی اور تعلق پیدا ہو۔صفات کا تفصیل سے بیان اللہ تعالیٰ نے اسی مصلحت سے کیا ہے کہ نفس انسانی کی اصلاح ہو اور اسے خدا تعالیٰ سے صحیح رابطہ حاصل ہو۔اس لحاظ سے دیکھو تو اللہ جو کہ غیب الغیب ہے، اس کے علوئے مرتبہ اور عظمت شان کو جب بیان کرنا ہوگا اور وہ بھی انسان سے، جو کہ خوگر محسوسات ہے تو بجز اس کے اور کیا صورت ہے کہ علوئے مکان سے اسے تعبیر کیا جائے، تم دیکھ لو کہ انسان اپنی تعبیرات میں عموماً علوئے مرتبہ کو علوئے مکان سے ظاہر کرتا ہے، حق تعالیٰ نے بندوں کی رعایت میں وہی تعبیر اختیار فرمائی اور جہاں اصل حقیقت بیان فرمائی ہے وہاں بھی بندوں کی فہم کی رعایت میں اجمال ہی کو اختیار فرمایا ہے اور لیس کمثلہٖ شیٔ کہہ کر ہر قسم کی مشابہت کے عقیدے کی جڑ کاٹ دی ہے، پس بندوں کے لئے جب جہت ہے تو لازم ہے کہ حق تعالیٰ اس جہت کے تصور سے پاک ہوں، اور جن آیات سے علوئے مکان معلوم ہوتا ہے وہ یا تو علوئے مرتبہ پر دلالت کرتی ہین،

یا یہ بات ہے کہ بعض بعض مخلوقات حق تعالیٰ کی تجلی خاص کا مہبط ہوتی ہیں، جیسے عالم دنیا میں خانہ کعبہ، بیت المقدس، کوہِ طور وغیرہ، اور عالم آخرت میں عرشِ الٰہی، کرسی اور سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ، ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص نسبت حاصل ہے، ان کی طرف پہونچنے والا بے اختیار یہی تعبیر کرتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس پہونچ رہا ہے، اعمال صالحہ اور کلم طیب، سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے گئے، سدرۃ المنتہیٰ کا جانب فوق ہونا متعین ہے تو یہ جہت اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے بلکہ اللہ سے خصوصی نسبت رکھنے والی مخصوص مخلوقات کے لئے ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس مختصر گزارش سے اطمینانِ خاطر ہو جائے گا، اگر کوئی خاص اشکال محسوس ہو تو لکھو، مگر اللہ کی ذات وصفات کی بحث نازک ہے، اور تحریر میں لانا نازک تر، اس کے لئے اجمال ہی مناسب ہے، عالم شہود کا خوگر عالم غیب کی گرہ کشائی نہیں کرسکتا، پس یہی کافی ہے کہ **آمنت باللہ کما ھو باسمائہ و صفاتہ**، عقائد کیلئے عقیدۃ الطحاویہ پڑھو، اس کی شرح بھی غنیمت ہے، مگر مکمل قابل اعتماد نہیں ہے۔

علامہ شبلی کی ''الکلام'' کے بجائے مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی ''علم الکلام'' دیکھو۔ میں الحمد للہ خیریت سے ہوں، تمہارے لئے دعا کرتا ہوں، البتہ اس کا خیال رکھو کہ ایک خط میں ایک ہی سوال لکھو تو جواب میں سہولت رہے گی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۵؍محرم ۱۴۱۷ھ

☆☆☆☆☆

# مکتوب بنام مولانا ثناء اللہ صاحب جون پوری

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں جن طلباء سے اختصاص رہا، ان میں ایک ممتاز نام مولوی ثناء اللہ کا ہے۔ یہ مانی کلاں کے قریب ایک گاؤں ''سونگر'' کے رہنے والے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، کچھ عرصہ گورکھپور اور بھدوہی میں خدمت دین کرتے رہے۔ اب اپنے گاؤں میں مقیم ہیں۔ زمانۂ طالب علمی سے اب تک انھوں نے مجھ سے رابطہ قائم رکھا ہے۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط الحمدللہ خوش کُن ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ کو خوش رکھو، اسی میں سارے جہاں کی خوشی ہے، خدا کو ناراض کرنے والوں نے ایک لحظہ حقیقی خوشی نہیں پائی ہے، اور جس چیز کو وہ اپنی خوشی سمجھتے ہیں یا دنیا والے اسے ان کے حق میں مسرت وشادمانی سمجھتے ہیں وہ ان کی بے حسی اور مردہ دلی ہے۔ ورنہ مالک ومولیٰ کو ناراض کرنے کے بعد انسان کا قلب کانٹوں پر لوٹتا ہے، اور خدا کو خوش کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، خوشی کی سب سے بڑی چیز تو ہر مسلمان کو حاصل ہے، یعنی ایمان اس سے تو کوئی مومن خالی نہیں ہے، بس ضعف وقوت کا فرق ہے اور ضعف بھی زیادہ تر اس لئے ہوتا ہے کہ آدمی دنیا بھر کے کاموں، غلط صحبتوں اور لایعنی مشغولیات خواہ ذہنی ودماغی ہوں یا عملی، ان میں پڑ کر اسے اپنے ایمان کی جانب التفات نہیں رہتا۔ اگر ذرا بھی اسے التفات ہوتا، اور ہر ہر معاملے پر یا کم ازکم ہر عجیب وقوعہ پر یا کسی خوشی وراحت یا رنج ومصیبت پر آدمی خدا سے تجدید تعلق اور تجدید ایمان کرتا رہے تو زیادہ دن نہ گزریں گے کہ اس کے ایمان میں قوت پیدا ہو جائے گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ایسی بات ظاہر ہو، جو دل میں حیرت واستعجاب یا خوشی ومسرت یا رنج وغم کی لہریں دوڑائے تو بجائے

اس کہ کے اسبابِ عادیہ کی طرف اس کو منسوب کریں، اور اس کی عام علت کے ساتھ اسے مربوط کریں۔ اس کو خالص خدا کے حضور پہنچا کر اس کی توجیہ کریں، یہ اسباب جن پر آدمی اپنی نگاہ محدود کر لیتا ہے یہ خود دوسرے اسباب و علل سے ناشی ہوتے ہیں، آخری علت حق تعالیٰ کا تصرف وارادہ ہے، اگر کوئی آدمی اول وہلے میں وہیں پہونچ جائے تو اس کے ایمان میں ہر وقت اضافہ ہوتا رہے۔ یہی وہ تفکر ہے جس کے بارے میں حدیث میں وارد ہے کہ یہ ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے، البتہ اس میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو، اس کے تصرفات پر اعتراض وانکار نہ ہو اور اس یقین کے ساتھ ان پر غور کرے کہ جو کچھ ہے وہ اس کارخانۂ عالم کے عین مطابق اور حکمت الٰہیہ کے عین موافق ہے۔ تم کہو گے کہ دنیا میں بہت سے وقائع ایسے سرزد ہوتے رہتے ہیں جن کی کوئی معقول توجیہ نہیں ہوتی میں کہوں گا کہ اس وقوعہ کو پوری کائنات کے ماحول میں رکھ کر جب دیکھو گے تو اس کی مصلحت وحکمت اسی طرح روشن نظر آئے گی، جس طرح آفتاب نصف النہار چمکتا ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ میری اور تمہاری نظر قاصر ہے، کائنات کے پورے ماحول کا چونکہ یہ احاطہ نہیں کر پاتی، اسلئے ہر وقت کوئی نہ کوئی جز فوت ہی رہتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی کو خلش ہوتی ہے۔ تم سوچو خالقِ کائنات جس کی نگاہِ عام میں اس عالم کا اول وآخر اور ذرہ ذرہ سب روشن ہے، ہم اس کی حکمتوں کا کب احاطہ کر سکتے ہیں پس یہی کافی ہے کہ صدق دل سے اس کی حکمت وقدرت پر ایمان رکھیں، تو اس کی برکت یہ ہوتی ہے۔۔۔ اور مجھے اس کا بارہا تجربہ ہے۔۔۔ کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا علم کھول دیتے ہیں جن پر اس کی حکمت کا سمجھنا موقوف ہے، یہ تو تم کو بار بار تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ ہماری عقل ایسی ناتمام ہے جو نہ ماضی کے وقائع کو ٹھیک سے یاد رکھتی ہے نہ مستقبل سے ذرہ بھر سروکار رکھتی۔ صرف

حال کی محدود اور مختصر سی معلومات رکھتی ہے، بھلا وہ لامحدود علوم الٰہیہ میں پھیلے ہوئے وقائع کا احاطہ کیونکر کرسکتی ہے بس یہ ایمان کی برکت ہوتی ہے کہ ہر چیز کماھی علیه کی علت سامنے آجائے، اگر اسی نقطۂ نظر سے علوم کی تحصیل کرو تو عجائب علوم منکشف ہوں، اور ترتیب بھی یہی ہے کہ پہلے ایمان ہو۔حق تعالیٰ کا ذکر ہو۔اس کے بعد تفکر ہو تو اہل عقل کہلائے اور اگر ترتیب اُلٹ دیں تو اول درجہ کی بے عقلی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیَاتٍ لِاُوْلِی الْاَلْبَابِ ، اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰماً وَقُعُوْداً وَعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے اور رات و دن کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے، جولوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ،اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں)

یہ ترتیب فطری ہے، اس کے برخلاف جب تفکر پہلے آتا ہے تو آدمی خطرے میں پڑجاتا ہے۔پس اپنے ایمان کو سنبھال کر رکھو، اس کو ہر وقت تازہ غذا پہونچاتے رہو، عمل ایمان کا غلام ہے اور راحت ومسرت اس کا فطری نتیجہ ہے، وہ حاصل ہے تو سب حاصل ہے ورنہ فریب ہی فریب رہتا ہے، بات سمجھے؟

اللہ تعالیٰ تم کو، مجھ کو اور میرے تمام دوستوں کو اپنی سچی محبت اور صحیح تفکر نصیب کرے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی،

۵؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا سراج احمد صاحب بستوی

ضلع بستی کے رہنے والے، مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں حضرت مولانا سے تعلیم حاصل کی۔ دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں عرصہ تک صدر مدرس رہے، اور اب مدرسہ بیت العلوم سرائمیر میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے حجر اسود کے متعلق سوال کیا تھا کہ کیا وہ جب جنت سے آیا تھا تو سفید تھا؟ اس سلسلے میں کوئی روایت ہو تو نشاندہی فرمائیں، ان کا ایک سوال بندوں کے صاحب اختیار ہونے اور نہ ہونے کے متعلق تھا، اور آخری سوال یہ تھا کہ اگر کسی اجنبی عورت کی لاش ملے تو اسے دفن کیا جائے گا یا جلایا جائے گا۔ (مرتب)

عزیزم! السلام علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، حسب معمول جواب فوراً لکھا جاتا مگر حجر اسود کے متعلق جو سوال تم نے کیا ہے، وہ مشہور تو بہت ہے مگر مجھے اس کی تحقیق نہیں ہے، اتنا تو روایات سے ثابت ہے کہ وہ جنت سے آیا ہے، چنانچہ ابھی چند روز ہوئے نسائی شریف میں یہ روایت نظر سے گذری ہے، لیکن یہ کہ وہ سفید بھی تھا اس سلسلے میں کوئی روایت یاد نہیں ہے، سوچا تھا کہ کتابیں دیکھ کر لکھ دوں گا، اس وجہ سے تاخیر ہوگئی، اب فرصت ملی ہے تو مولوی مقبول صاحب ہتورا چلے گئے ہیں، وہاں تبلیغی جلسہ ہے، اس وقت مجبوری ہے اس لئے اس کے متعلق روایات کی تحقیق یا تو خود کرلو......تاریخ مکہ سے متعلق جو کتابیں ہیں ان میں یہ بات مل جائے گی......یا پھر بعد میں میں ہی لکھ دوں گا۔

پہلا سوال تم نے جبر واختیار کے متعلق کیا ہے، یہ سوال ابتدائی حالت میں تو سادہ ہے، مگر اس کی تدقیق اسے پیچیدہ بنادیتی ہے، اس لئے اسے اس کی ابتدائی حالت ہی میں رہنے دو۔ دو باتیں ساری عالم میں مسلّم ہیں، انھیں ہر شخص خواہ عاقل ہو خواہ نادان، سب تسلیم کرتے ہیں، اول یہ کہ حق تعالیٰ ساری کائنات کے مالک ہیں، عالم کے ذرہ ذرہ میں ہر وقت ان کا تصرف ہے، اس میں کسی دو شخص کو اختلاف نہ ہوگا بشرطیکہ منکر خدا نہ ہو............اور ایسے کتنے آدمی دنیا میں ملیں گے............دوسری بات یہ ہے کہ انسان ہی کیا ہر جانور اپنے ارادہ وعمل اور حرکت وسکون میں خود کو ہمہ وقت بااختیار تصور کرتا ہے، کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو عامۃً اپنے ارادوں میں خود کو ایسا مجبور خیال کرتا ہو جیسے رعشہ والا اپنے رعشہ پر مجبور ہوتا ہے، حتیٰ کہ اکراہ کی حالت میں بھی جو عمل صادر ہوتا ہے وہ بھی اختیار ہی سے ہوتا ہے، یہ اختیار بالکل بدیہی ہے، اور سارے عالم کے لئے بدیہی ہے، اور بدیہیات کا انکار ابلہی ہے۔ یہ دونوں اپنی جگہ

پر مسلم ہیں اور دونوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے۔انھیں الگ الگ دائروں میں دیکھو تو کوئی الجھن نہیں ہے،لیکن دونوں کو خلط ملط کردو گے تو الجھن پیدا ہوگی ،اور اگر دونوں کو ایک دائرہ میں دیکھنا ہی چاہو تو تعبیر یوں کرو کہ بندہ بااختیار ہے لیکن یہ اختیار چونکہ خدا کا عطا فرمودہ ہے اس لئے حصول اختیار میں تو وہ بااختیار نہیں ہے، باقی اعمال وارادات اسی اختیار کا نتیجہ ہیں،اور اختیاری اعمال پر مواخذہ ہونا بالکل برحق ہے، پس انسان من وجہٍ مختار ہے اور من وجہٍ مختار نہیں ہے،جس جگہ اختیار ہے وہیں مواخذہ ہے اور جس جگہ اختیار نہیں ہے وہاں مواخذہ بھی نہیں ہے۔البتہ جبر کا لفظ نہ بولو، اس کے بجائے''جبل'' کا لفظ پسندیدہ ہے، اسی سے''جبلت'' ماخوذ ہے۔حاصل یہ کہ انسان اپنے اختیار پر'' مجبول'' ہے ، اور دیگر اعمال میں صاحب اختیار ہے ۔ انسان کو مجبورِ محض کہنا بداہت کے خلاف ہے،اور مختارِ مطلق ماننا سراسر حماقت ہے،مسلک حق دونوں کے درمیان ہے،اور مواخذہ بھی علی الاطلاق نہیں ہے،امید ہے کہ اس اجمالی توضیح سے تسلی ہوجائے گی۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ لاوارث عورت کی شناخت کی اگر کوئی صورت نہ ہوگی تو جہاں وہ پائی گئی ہے وہاں کے باشندوں کے تابع ہوگی ، کفار کی آبادی ہوتو کافرہ ،مسلمانوں کی آبادی ہوتو مسلمان ،اور اگر ایسی صورت نہ ہوتو پھر وہیں کسی مفتی سے تحقیق کرلو۔فقہی سوالات کا جواب دینا مفتیوں کا منصب ہے،میری نظر فتاویٰ کی کتابوں پر زیادہ نہیں ہے اور تحقیق کی فرصت نہیں ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

# بنام قاری عبدالستار صاحب فتح پور

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں جب میں تدریس کے لئے پہونچا تو دورۂ حدیث کے ممتاز طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا، بہت شریف النفس، نیک اور ذی استعداد اور بہت عمدہ قاریٔ قرآن۔ نمازوں میں امامت بھی کرتے تھے، نعتیں بھی خوب پڑھتے تھے۔ تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے۔ آغازِ ملاقات ہی سے مجھ سے مناسبت ہوگئی تھی۔ متعدد باران کی فرمائش پر میرا فتح پور جانا ہوا۔ اپنے قصبہ ہی میں مدرسہ ضیاء الاسلام میں مدرس اور جامع مسجد کے امام وخطیب ہیں، نعتیں کہتے بھی خوب ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں، خوش بیان واعظ بھی ہیں۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ خیریت سے ہوں، البتہ پاؤں میں گھٹنے کے اوپر خارش پریشان کئے ہوئے ہے۔

باہمی خلاف وشقاق کے نتائج یہی ہوتے ہیں، امورضروریہ کی توفیق گھٹ جاتی ہےاورفضولیات بلکہ معاصی میں ابتلا ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔

بندۂ مومن جس طرح راحت وآرام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہےاور مسرور ہوتا ہے، اسی طرح تکلیف واذیت کو بھی خدا کی طرف سے سمجھتا ہےاوراسے خدا کی خصوصی توجہ سمجھ کراس سے لطف اندوز ہوتا ہے، دنیااور دنیا کے لوگ کیا ہیں، کٹھ پتلیاں ہیں، ان کوحرکت دینے والا ہاتھ کوئی اور ہے، اوروہ صاحب حکمت بھی ہےاورصاحب رحمت بھی! ان کٹھ پتلیوں کونظرانداز کرکے اپنے رب کوجس کی مختلف شانیں ہیں، دیکھتا رہتا ہےاورغور کرتارہتا ہے کہ میرے اندرکون سی خامی ہےجس کی اصلاح اس تربیت سے کی جارہی ہے، یااس تربیت شدیدہ کے نتیجے میں کون سے معائب کھلتے جارہے ہیں، تاکہ ان کی اصلاح کی فکر ہوسکے، خوب سمجھ لوکہ اللہ نے انبیاء کےاوپر بھی دشمن مسلط کئے تھےجن کی ایذارسانیوں سے یہ تنگ آجاتے تھے، لیکن بالآخردشمن خائب وخاسر ہوئے، یہ بھی پروردگار کی تربیت کاایک انداز ہے! تاکہ طبیعت خوب تجربہ کرکے پختہ ہوجائے، دوست دشمن کی تمیز ہوجائے۔کوئی کیسی ہی صورت لے کرآئے اس سے دھوکہ نہ ہو، اوراس لئے بھی تاکہ عوام الناس، دوست احباب اور دشمن وبد اندیش سب کی حقیقت کھل جائے کہ کون کتنا ساتھ دے سکتا ہے، یا کہاں تک دشمنی کرسکتا ہے؟ سب کی طاقتیں محدودونا پائیدار ہیں۔ایک ہی ذات ہےجس کی محبت، جس کی نصرت اورجس کی معیت پائیداراور باقی ہے، سب ناتمام ہیں، بس وہی اول

وآخرسہارا ہے،تو اسی سے جڑے رہیں،اسی کی رضا کی فکر کریں،اسی سے دعا کریں، میں نے دعائے حزب البحر پڑھنے کو کہا تھا،معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس کو شروع نہیں کیا ہے، ورنہ بہت سی بلاؤں سے نجات رہتی۔ باستحضار معنی دن اور رات میں کئی بار پڑھو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! عافاکم اللہ من جمیع البلایا والآفات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط سے طبیعت بہت خوش ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کیفیات میں اور اضافہ فرمائے،اورانھیں دوام بخشے،حال کو مقام بنادے۔آمین

جو معمولات ہیں انھیں جاری رکھو،تہجد کی نماز کا اہتمام بہت کرو،اوراگر کبھی ناغہ ہوجائے،تو زوال سے پہلے اس کی قضا کرلو۔

حاسدوں اوردشمنوں کے لئے کوئی وظیفہ نہ پڑھواورنہ کوئی عمل ازقبیل عملیات کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا انتظامِ تربیت ہے، تجربہ اورتربیت کی بھٹی میں پکا کر اللہ تعالیٰ جھاگ کواورمیل کچیل کو دور فرما کر خالص اورنکھرا ہوا سونا باقی رکھتے ہیں،اس جگہ رضا بالقضااورتفویض الی اللہ کو دہراتے رہو،یادکرتے رہو،مشق کرتے رہو،اللہ کو منظور نہیں ہے کہ کسی نبی کو دشمنوں اورحاسدوں سے خالی رکھیں، کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاً الخ پر غور کرو۔دل کے اندر اطمینان رکھو،اوراطمینان توکل میں ہے،باہر کی تشویشات دل کے اندر نہ آنے دو،اگر آنے لگیں تو اللہ سے رجوع کرو،ان کی پناہ مانگو،

بہت پریشانی محسوس ہوتو دعائے حزب البحر مکرر سہ کرر پڑھ لیا کرو، بس!

تہجد کی نماز کے بعد استغفار پڑھا کرو، کم از کم دس منٹ، اور اس میں استغفار کے مختلف صیغے باستحضارِ قلب پڑھو! اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ کُلَّھَا۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدٌ مُّذْنِبٌ وَّاَنْتَ رَبٌّ غَفُوْرٌ۔ اور سیّد الاستغفار (اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ) اور نماز کے آخر میں جو دعا رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تلقین فرمائی تھی، یعنی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ الخ، ان سارے صیغوں کو حضورِ قلب کے ساتھ بارگاہِ حق میں پیش کیا کرو، ہر غم کا مداوا ہے۔

اللہ تعالیٰ حامی وناصر ہیں، انھیں راضی رکھنے کی دُھن ہو، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں، ایمان پر، صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرمائیں، ہر طرح کے شرور وفتن سے امن وعافیت عطا فرمائیں، تا دمِ مرگ اسلام پر، اسلام کے تقاضوں پر عمل کراتے رہیں، اور وقت آخر ہو تو کلمۂ ایمان آخری بولی ہو۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، آمین یارب العالمین

اعجاز احمد اعظمی

۱۷؍رجب ۱۴۲۶ھ

❁❁❁❁❁

# بنام مولانا قمرالحسن مہراج گنجی

مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی ، دورۂ حدیث کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی۔ باصلاحیت نوجوان اور صالح دین ہیں، مدرسہ تعلیم الاسلام (جامع مسجد) اعظم گڈھ میں استاذ ہیں۔ (اعجاز احمد اعظمی)

یہ مکتوب موصوف کو ان کے اُس خط کے جواب میں لکھا گیا، جو انھوں نے دارالعلوم دیوبند جاتے ہوئے حضرت مولانا کو لکھا جس میں انھوں نے لکھا کہ ''حضرت! یہاں سے جانا ہے، جگہ غیر مانوس ہے، اور لوگ اجنبی ہیں، اس لئے ہمیں کوئی گُر کی بات بتایئے جس پر عمل کرنے سے ہم ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں، اور ہماری ایک شان ہو''۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شان کی ضرورت نہیں ہے، بڑے بننے کی ہوس سے خود کو پاک کرو، غلام کو شان سے کیا مطلب؟ **تدین**، **اخلاق** اور **لغویت سے اعراضِ کریمانہ**، یہ تین اوصاف ایسے ہین، جن پر استقامت حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دارین میں سرخروئی عطا فرمائیں گے۔

**تدین** کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے احکام شریعت کا پابند رہے، ظاہری احکام مثلاً نماز، تلاوت، درس کی پابندی، مدرسے کے قواعد کی رعایت، کسی کے مال میں خیانت نہ کرنا۔ باطنی احکام مثلاً دل میں کینہ کپٹ کا نہ ہونا، تکبر سے پاک ہونا، دل میں ہر ایک کے لئے جذبۂ ہمدردی رکھنا، یہ تمام تفصیلات **تدین** کے مختصر سے لفظ میں سمٹے ہوئے ہیں۔

**اخلاق** یہ ہے کہ کلام میں نرمی اور دل میں تواضع ہو، اگر کسی پر غصہ بھی آئے، تو اس کا اظہار زبان سے یا حرکات وسکنات سے نہ ہو، ادب واحترام دل میں راسخ ہو، چاہے کوئی

چھوٹا ہی ہو اس کا ادب دل سے کیا جائے۔ باادب آدمی ہر جگہ ہر ماحول میں عزت پاتا ہے، کسی کو کسی موقع پر ذلیل نہ کرو، اور نہ کسی کی تذلیل میں کسی کا ساتھ دو، بلکہ مناسب طریقے پر اس کا دفاع کرو، اور کسی مجبوری کی وجہ سے دفاع نہ کرسکو، تو خود اس جگہ سے دفع ہو جاؤ۔

**لغویت سے اعراض** تو واضح ہے، اجتماعی معاشرہ میں فضول کام، فضول کلام اور فضول تفریح والعاب کا بہت رواج ہو جاتا ہے، ان فضولیات کے ارتکاب کرنے والوں پر عام مجمع میں، یا جو لوگ اس میں لگے ہوئے ہیں، ان کے سامنے تبصرہ بھی مت کرو اور نہ انھیں تحقیر کی نظر سے دیکھو، کیونکہ یہ بھی فضول ہے، اعراضِ کریمانہ یہی ہے، خود لغویتوں میں مشغول نہ ہو، لیکن جو لوگ لغویت میں لگے ہوئے ہیں ان سے نہ الجھو، اور نہ ان کی تحقیر کرو، اپنے کام سے کام رکھو، اسی طرح فضول ٹہلنے گھومنے سے بچو، طلبہ آئے دن دلی، سہارن پور وغیرہ جاتے رہتے ہیں، محض لغو اور بیکار! دیوبند میں رہ کر اگر تم دیوبند کا بازار اور گلیاں تک نہ دیکھ سکو، تو بہتر ہے، اپنی ضروریات سمیٹ کر اتنی محدود کر دو کہ بازار میں داخل ہونے کی نوبت ہی نہ آئے، طبیعت کی ہوس کا اعتبار نہ کرو کہ عظیم ترین اور مشکل ترین لغویت یہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ **تدین، اخلاق** اور **لغویت سے اعراضِ کریمانہ**، ان تین باتوں کو ہر دم مستحضر رکھو، اور کوئی بھی کام ہو غور سے دیکھو کہ وہ ان تین امور میں سے کس کے تحت آتا ہے، انشاء اللہ خود بخود تینوں باتیں روشن ہوتی چلی جائیں گی۔

آخری بات یہ ہے کہ اپنے احوال کی اطلاع خط کے ذریعے مہینہ میں کم از کم ایک بار اور بہتر یہ ہے کہ دو بار دیا کرو، میں دعا کرتا ہوں کہ ان تینوں امور پر استقامت رہے۔ میں تہ دل سے تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶/ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

# بنام مولانا سلمان احمد اعظمی

حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہٗ کی صاحبزادی مرحومہ کے نواسے ہیں۔ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں زیر تعلیم تھے، کسی مصلحت سے میرے پاس تعلیم حاصل کرنے آگئے، پھر محبت اور تعلق میں اس درجہ اضافہ اور رسوخ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بجائے کسی اور شعبے میں داخلہ لینے کے والدین سے اجازت لے کر سال بھر میرے ساتھ سفر اور حضر میں رہے، اور خدمت کا حق ادا کرتے رہے۔ بہت ذی استعداد، صالح اور سلیقہ مند فاضل نوجوان ہیں۔ اب مدرسہ شیخ الھند انجان شہید، ضلع اعظم گڈھ میں درس وافادہ میں سرگرم ہیں، حق تعالیٰ علمی اور روحانی ترقیات سے نوازیں۔ آمین

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے پچھلے خط میں چند باتیں لکھی تھیں، انھیں حافظہ کی مدد سے پھر لکھتا ہوں۔

(۱) میں چھوٹا آدمی ہوں۔ اسے تواضع پر محمول نہ کرنا، میں واقعی بہت چھوٹا ہوں، اور تمہاری نسبت بہت بڑی ہے، تو کیا تم نسبت کی اس بڑائی کو رکھنے کے باوجود ایک بہت چھوٹے آدمی کے سامنے اس سے چھوٹا بننے کا حوصلہ رکھتے ہو، اور یہ معلوم ہے کہ چھوٹا ہوئے بغیر کچھ حاصل کرنا مشکل ہے۔

(۲) میری چھوٹائی ہی کا اثر ہے کہ میرے پاس ان لوگوں کا مجمع رہتا ہے جن کو عرف عام میں چھوٹا سمجھا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ میرے پاس اہل بہار کافی تعداد میں رہتے ہیں اور میں ان کی بڑی عزت کرتا ہوں، اور کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھے، تو کیا اس خیال ونظریہ اور عمل میں تم میرا ساتھ خوش دلی سے دے سکتے ہو، اگر دے سکتے ہو تو بہت خوب! اور اگر انقباض کے ساتھ رہو گے تو ضرر ہے۔

(۳) تم یہاں صرف سلمان بن سفیان رہو گے، اپنے آپ کو نمایاں اور ممتاز کرنے کا ارادہ کبھی نہ کرنا، تمہارا علم، تمہارا عمل تمہیں نمایاں کردے وہ اور بات ہے، مگر تم کبھی اس کا ارادہ نہ کرنا۔ تمہاری نسبت تمہارے منہ سے نہ جانی جائے۔ تم ایک عام طالب علم بن کر رہو، تمہاری نسبت نہیں، تمہاری محنت اور تمہارا اخلاق تمہیں خاص بنائے۔

(۴) نگاہ ہمیشہ پست رکھو، بے ضرورت عادۃً اِدھر اُدھر نہ دیکھو، بالخصوص کسی شخص کو بغور نہ دیکھو، ضرورت کے بقدر دیکھو اور پھر نگاہ نیچی کرلو، تاکہ قلب میں طہارت اور پاکیزگی رہے۔ اس کا نہایت اہتمام کرو، اللہ تعالیٰ تم کو علم، عمل، تقویٰ اور سلامت

قلب سے نوازیں۔ آمین

اعجاز احمد اعظمی

۱۰؍شوال ۱۴۲۳ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بعافیت ہوں۔ مجھے جب بھی تمہارا خط ملا ہے، اہتمام سے اس کا جواب تحریر کیا ہے، غالباً ششماہی کے موقع پر ایک خط ملا تھا، اس کا جواب میں نے ساتھ ساتھ لکھا تھا۔

رات میں پڑھنے کی مشغولیت رہتی ہے، تو دیر ہونے میں مضائقہ نہیں، لیکن کسی شخص کو اپنے اوپر مسلط کر دو کہ وہ تمہیں جگا کر چھوڑے، اور جونہی تمہاری آنکھ کھلے بستر چھوڑ دو، اور اگر فضول گپ شپ میں دیر ہوتی ہے تو اسے یکلخت ترک کرو، میں نے سب سے زیادہ نحوست کی چیز یہی فضول کلامی پائی ہے۔ اس سے دل بالکل بجھ کر رہ جاتا ہے، توفیق سلب ہو جاتی۔ یہ چیز بعض آثار کے اعتبار سے گناہ سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوئی ہے، یہاں تک پہونچا ہوں تو میرا پورا وجود ہل گیا۔ اس فضول کلام کی نحوست سے اپنے ابتدائی دور میں مَیں برسوں تہجد کی نماز سے محروم ہو گیا تھا، وہ وقت یاد آ گیا تو تھر تھرا گیا ہوں۔ کیسی سخت محرومی تھی، توفیق ملتی نہ تھی، اور شرمندگی وہ تھی کہ کسی سے کہہ بھی نہیں پاتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس نحوست سے خلاصی عطا فرمائی۔ فالحمد للہ

ذرا اللہ کی محبت کو دل میں جگہ پکڑنے کا موقع تو ملے، پھر آنکھ سے ان شاء اللہ آنسو کا قطرہ نہیں دریا بہے گا۔ محبت ہی آنسوؤں کا سر چشمہ ہے، لوگوں نے دل کو فضول

محبتوں کا گہوارہ بنا رکھا ہے، اس لئے خدا کی محبت کے احساس سے محرومی ہے، اور محبتیں ہٹیں تو اس محبت کا جلوہ ظاہر ہو، پھر آنسوؤں کا آبِ حیات ابلے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو اپنی محبت کا آشیانہ بنائیں اور مظاہر ومجاز کی محبت سے نجات عطا فرمائیں، یہ کمبخت خدا کی جگہ میں گھس جاتے ہیں، تو قلب کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما کر **فاولئک یبدل سیئاتھم حسنات** کا مصداق بنائیں، آمین یارب العالمین۔ میں دل وجان سے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیر ہوں۔

یہ فاسد خیالات تمہارے حق میں شیطانی وسوسہ اندازی ہے، جس کی طرف تمہیں التفات نہ ہونا چاہئے، اور نہ اس کے مقتضی پر عمل ہونا چاہئے، شیطان رہزنی کرتا ہے تاکہ انسان کو کوئی فائدہ نہ پہونچ جائے۔

خدا تعالیٰ کی عظیم الشان طاقت کا استحضار ہر دم کہاں رہتا ہے؟ شیطان بھی ہے، نفس بھی ہے، جسم کی ضروریات بھی ہیں، ماحول ومعاشرہ بھی ہے، ان سب کا مجموعی اثر غفلت ہے، بس یہیں سے انسان کا رخ بدلتا ہے۔ ان سب چیزوں کا دباؤ دل پر سے ختم ہو اور حق تعالیٰ کی شانِ عالی کا استحضار ہو، تو گناہ سے پیچھا چھوٹے۔ اس کا طریقہ کثرت ذکر، اصحابِ نسبت کی صحبت اور خلوت مع اللہ ہے۔ ابھی تم کو ان امور

کا موقع نہیں ہے، کتابوں میں لگے رہو اور جو وقت ملے میرے پاس کبھی کبھی آ کر بیٹھا کرو۔ مجمع کی پرواہ مت کرو۔

جو چیز خلافِ نفس ہوتی ہے اور نفس اس سے گرانی محسوس کرتا ہے، جب نفس کو اس کی مرضی کے خلاف اس کا خوگر بنایا جاتا ہے، تو پھر وہ موافقت اور مطاوعت کرنے لگتا ہے، اس کے لئے مجاہدہ درکار ہوتا ہے، وقت بھی لگتا ہے مگر آدمی ہمت نہ ہارے، اس گرانی کو برداشت کرتا رہے، پھر وہ گرانی عادت بن جاتی ہے، پھر اس میں لذت ملنے لگتی ہے اور وہ لذت رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ بہت تیزی سے انسانوں کو ترقی کی منزلوں پر پہونچاتی ہے۔ دیکھو فرشتوں کے لئے طاعات وعبادات میں کوئی مجاہدہ نہیں ہے، کیونکہ وہ نفس کی طاقت سے خالی ہیں، تو ان کا ایک مقام متعین ہے، اس سے انھیں عروج نہیں ہوتا، اس کے برخلاف انسان کے لئے سخت مجاہدے ہیں، کیونکہ ہر قدم پر نفس رکاوٹ ڈالتا ہے، آدمی زور لگاتا ہے، تو رکاوٹ ہٹتی ہے، لیکن وہ اسی زور لگانے میں بہت آگے نکلتا ہے، انسان تازندگی نفس کے دباؤ میں رہتا ہے، اسی لئے وہ ہمہ دم مجاہدے کی کشمکش میں ہوتا ہے اور ہر آن وہ آگے بڑھتا رہتا ہے، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کرو۔ اس میں بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بڑی مصلحتیں رکھی ہیں، سلیقے سے آدمی چلتا رہے تو وقت وقت پر مصلحتیں کھلتی رہتی ہیں۔

اعجاز احمد اعظمی

۱۶؍محرم ۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تم نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے، انسان کی طبیعت میں یا اس کے معمولات میں انقلاب آتا ہے، تو بعض کاموں میں اسی طرح تعطل آجاتا ہے، بعض چیزوں سے طبیعت اکھڑ جاتی ہے، بعض حالات بظاہر ایسے بگڑ جاتے ہیں جنھیں بگڑنا نہیں چاہئے، اس ٹوٹ پھوٹ کے بعد پھر مزاج کا جو رنگ بنتا ہے، اس میں پچھلی بعض چیزیں رخصت ہوجاتی ہیں، کسی کسی میں دوبارہ استقامت حاصل ہوجاتی ہے، یہ انسانی احوال کی ایک فطری رفتار ہے جس پر تم چل رہے ہو، مطالعہ کا ذوق نہیں رہ گیا ہے، مضائقہ نہیں، پھر ہوجائے گا۔ اللہ کو جب منظور ہوگا قلم ہاتھ میں دیدیں گے، درسیات میں محنت کرتے رہو، خارجی کوئی کتاب پڑھنی ہو تو مجھ سے پوچھ لیا کرو، بس یہ ہے کہ وقت ضائع نہ ہو۔

نماز، تکبیر اولیٰ اور صف اولیٰ کا اہتمام بہت مبارک مبارک، اللہ تعالیٰ اس پر دوام واستقامت نصیب فرمائیں۔ سو بات کی ایک بات ہے!

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بعافیت ہوں۔

انسان اور انسانی قلب یونہی خطرات واحوال کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ قلب کی نگاہ کا مرکزِ نظر ایک ہی ہونا چاہئے، اسے کبھی نہ بھولو، یہی جادۂ مستقیم ہے، دل محبت کا گہوارہ ہے، اس گوارہ میں اللہ ورسول کی محبت کی پرورش کرو، باقی سب ہیچ ہے۔ فانی چیزیں لائق اعتناء نہیں ہیں۔

دل میں یقین کو جماؤ، تو ہمات و تفکرات کا خیمہ اکھڑ جائے گا۔ مستقبل خدا کے حوالے کرو، خیر ما وقر فی القلوب الیقین۔ اللہ بس باقی ہوس

عزیزم! نگاہ اور کان کی حفاظت کرو، دل کے حوض میں یہ دونالیاں ایسی گرتی ہیں، جن سے خس وخاشاک اور گندگی کے پہونچنے کا امکان ہوتا ہے، اور اس کے لئے نامناسب صحبت سے دور رہنا ضروری ہے۔ اپنے اوپر جبر کرو، خود کو روکو، پھر اللہ کی مدد دیکھو، اولاً مجاہدہ شرط ہے، پھر مشاہدہ لازمی نتیجہ ہے، مجاہدوں سے نہ گھبراؤ۔

پڑھنا لکھنا تو لازمۂ زندگی ہے، غذائے روح ہے، شفائے قلب ہے، بھلا اس سے اچاٹ ہونا کیا معنیٰ؟ میں دعا کرتا ہوں، تم سرگرمِ کار رہو۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/محرم ۱۴۲۵ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیر ہوں اور تم لوگوں کے لئے دعا گو ہوں۔

کوتاہیوں اور سستیوں کا علاج یہ ہے کہ ہمت سے کام لو، مخالف ماحول سے تمہیں لڑنا ہے، جم کر لڑو، غافلوں کی بھیڑ ہے اس سے تاثر فطری ہے، تم اپنے ارادے سے اس ہجوم کے خلاف جمو۔

اپنے آپ کو دینی ضرر سے بچانا ضروری ہے، اس کے لئے اگر عام ماحول سے اور اس ماحول کے مشاغل سے الگ رہنا پڑے، اور اس الگ رہنے کے نتیجے میں طعن وتشنیع کی ناگواریاں سہنی پڑیں، خواہ اپنی ذات کے بارے میں یا اپنے بڑوں کے بارے میں، سب سہہ لینا چاہئے، اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

**ألا أخبركم بخير الناس ؟ رجل ممسک بعنان فرسه فی سبیل اللّٰہ ، ألا أخبركم بالذی یتلوہ رجل معتزل فی غنیمة له یودی حق اللّٰہ فیها (مشکوۃ شریف: باب افضل الصدقة ،الفصل الثانی)**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمبر ایک پر بہتر آدمی وہ ہے جو ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہو، اور اس کی تیاری میں لگا ہو۔ دوسری نمبر پر وہ جو اپنی چند بکریوں کو لے کر الگ تھلگ ہو، اور ان میں اللہ کا حق ادا کرتا ہو۔

اجتماعی ماحول کا فتنہ بہت سخت ہے، نمبر چاہے کم ہو یا زیادہ، دل ودماغ اور مزاج وطبیعت کا رجحان بگڑ جاتا ہے، نہ نمبروں کی فکر کرو نہ گستاخیوں کی! میری حیثیت ہی کیا ہے کہ میرے حق میں گستاخی کا تحقق ہو، وہ کام کرو جس سے علم میں رسوخ ہو، مجھے خوب تجربہ ہے کہ طلبہ کی یہ انجمنیں جنھیں تم شاید لائبریری کہہ رہے ہو بگاڑ کا گھر ہیں، اس لئے میں اپنے حکم پر قائم ہوں، تم حکم عدولی کروگے اور اس کی اچھی سی تاویل کروگے تب بھی حکم یہی رہے گا۔ یہ سب ہوس پرستیاں ہیں، جن پر نفس بھی اکساتا ہے اور شیاطین الانس والجن بھی ترغیب دیتے ہیں، اور رہا مسئلہ نمبروں کا تو یہ کچھ نہیں ہے، نہ امتحان کا اعتبار ہے نہ ان کے نمبروں کا، اعتبار اس کا ہے کہ علم کا استحضار رہے، دینداری میں رسوخ رہے، محنت پوری کرو اور نمبروں سے آزاد ہوکر کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام نمبروں کی بنیاد پر نہیں لیتے، تدین اور تقویٰ کی بنیاد پر لیتے ہیں، آج کل کے امتحانات میں جہاں اللہ جانے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، نمبر لانے کا کچھ حاصل نہیں ہے، اس کی فکر چھوڑو، ہاں محنت میں کوتاہی نہ کرو، یہ مسائل جاہ کے ہیں، جن سے اجتناب کرنا دین کے لوازم میں سے ہے۔

چند دن اس بھیڑ بھاڑ میں رہنا ہے، پھر سب اپنا اپنا کیا دھرا لے کر اپنے

گھروں کو لوٹ جائیں گے اور اس کی کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ آپ انجمن میں کیا تھے، وہاں تو آپ کی دینداری، تقویٰ، حسن اخلاق، حسن معاملات، پابندیٔ عہد وفا دیکھی جائے گی۔

مجھے تم پر اعتبار ہے، میں تمہیں کھیل تماشوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتا، چاہتا ہوں کہ خدمت دین وایمان کے لئے اللہ کے یہاں تمہارا انتخاب ہو جائے، سنتے ہو؟ مجھے بحمد اللہ مدح وذم سے کوئی مطلب نہیں ہے، کان میں آوازیں آتی رہتی ہیں۔ ’’**قلت لا یعنینی**‘‘ کہہ کر گذر جاتا ہوں، یہی طریقہ آزماؤ۔

دعا کرتا ہوں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بعافیت ہوں، مگر زندگی بے ترتیبی کے ساتھ مشغول ہے، ترتیب پر قدرت نہیں ہوتی، بڑے لوگ اٹھ گئے، تو چھوٹوں پر ہجوم ہونے لگا، بس **اتخذوا روؤساً جھالا** کا منظر ہے، اللہ تعالیٰ رحم وکرم فرمائیں۔

کسی چیز کی تعمیر کے لئے اس میں لگے رہنا شرط ہے، جتنا صاحب جلالین نے سمجھا دیا ہے اس کے آگے اپنا حوصلہ ہے، تفسیر کی طولانی کتابیں تمہارے مقصد کے لئے بہت زیادہ مفید نہیں ہیں، مطالعہ کے لئے ساری زندگی پڑی ہے، ابھی تو استعداد درست ہو رہی ہے۔

میں جب پڑھ کر فارغ ہوا تھا، تو میں نے اپنے والد ماجد مدظلہ سے عرض کیا

تھا کہ آپ مجھے اللہ کے لئے، اللہ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں، انھوں نے ایسا کر دیا اور پھر پلٹ کر کبھی دنیا اور مالِ دنیا کے لئے میری طرف نہیں دیکھا، اور میں اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہا، گونا مرادی ہی ہاتھ لگی مگر یکسوئی میں کوئی خلل نہیں آیا، اور اس یکسوئی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا کرم محسوس ہوتا ہے۔ تم غور کرلو کہ یہ بات تم کو حاصل ہو سکے گی؟ اور اگر حاصل ہوگئی تو ملامتوں اور طعنوں کے جو غول چلیں گے ان کو برداشت کرلو گے؟

جو کچھ میں لکھنا چاہتا تھا اس کے لئے موقع نہیں ملا، اور جب ملا تو یاد نہیں رہا، عجب اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے، مشغولیات بہت ہیں مگر بھول جاتا ہوں، تو خود بخود کم ہو جاتی ہیں۔ تمہارے خط کے بعد ارادہ کر رہا ہوں کہ لکھوں، تمہارا یہ خط کل رات میں ملا ہے، آج صبح پہلا کام کر رہا ہوں کہ جواب لکھ رہا ہوں، تھوڑی دیر میں مغل سرائے جانا ہے۔ سامنے بخاری شریف پڑھنے والے بیٹھے ہیں، ایک آدمی پانی پر دم کرانے کے لئے بیٹھا ہوا ہے، حاجی صاحب ایک صاحب کے ساتھ مشغول بتکلم ہیں، منشی جی چائے سے پاپے کھا رہے ہیں اور میں قلم چلا رہا ہوں۔ سوچو اس ماحول میں علم کا کباڑا ہوگا یا نہیں؟

موقع ملا، اور یاد رہا تو خط لکھوں گا۔ آج رات میں لوٹوں گا، امتحان آج سے شروع ہے۔ تین دن مدرسے میں رہنے کا رادہ ہے، دیکھو پورا ہوتا ہے یا نہیں، جمعہ کو گورکھپور جانا ہے، پھر سوموار کو اپنی پرانی جگہ دیوگھر ڈُمکا جانا ہے۔ اسی بے ترتیبی میں زندگی ہچکولے کھا رہی ہے، بس ایک چیز ہے جو مسلسل برقرار ہے، وہ ہے اللہ کے حضور عجز و نیاز، بندگی و انابت، اسی میں دل مطمئن رہتا ہے، نہ کتاب، نہ مطالعہ، نہ تحریر نہ تصنیف، موقع ملتا ہے تو زبان سے نام لیتا ہوں ورنہ دل تو لگا ہی رہتا ہے، یہی

لگا رہے تو سب ٹھیک ہے، مگر یہ کمبخت اونگھنے لگتا ہے، اور جب اونگھتا ہے تو اوٹ پٹانگ خواب بھی دیکھتا ہے، لیکن بہر حال ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام ہے اپنے کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

دیکھو طبیعت کی رَو چلی تو کیا اوٹ پٹانگ لکھنے گا۔ معاف کرو۔

فقط والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

☆☆☆☆☆

## بنام مولانا محمد عابد صاحب

یہ خطوط حضرت مولانا مدظلہ کے لائق و ہونہار صاحبزادے مولانا محمد عابد صاحب کو اس وقت لکھے گئے جب وہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے۔ موصوف کا سال ولادت ۱۹۸۱ء ہے، پرائمری، حفظ اور ابتدائی عربی سے لے کر جلالین شریف تک تعلیم مدرسہ شیخ الاسلام میں حاصل کی۔ ۱۴۲۱ھ میں دارالعلوم دیوبند گئے، وہاں مشکوٰۃ شریف اور س کے بعد دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ دو تین سال مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس وقت مدرسہ شیخ الہند انجان شہید ضلع اعظم گڈھ میں مدرس ہیں۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

فرزند عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا۔ بہت خوشی ہوئی، انتظار تھا، اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو کامیاب کرے۔ یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو، اپنا کوئی امتیاز بنانے کا رادہ مت کرنا۔ گمنام ہوکر رہو، کوشش کرو کہ میرے واسطے سے تعارف نہ ہو، شہرت مصیبت ہے۔ کسی طرح کے اجتماعی کام میں شریک نہ ہونا، اپنی کوئی مجلس نہ بنانا۔ تمہاری مجلس صرف کتابیں ہیں، انھیں کی صحبت میں رہنا، جو مقدر ہوگا تمہاری محنت و کوشش سے علم

حاصل ہوجائے گا۔ نہ کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی، ایک مسلمان جیسا تعلق سب سے رہے۔ جس استاذ سے مناسبت معلوم ہو کبھی کبھی ان کے یہاں چلے جانا۔ اسباق کی پابندی بہرصورت ہوتی رہنی چاہئے، اس کی برکت بہت ہے۔

یہاں بھی سب خیریت ہے، تمہاری اماں کی طبیعت کچھ خراب ہوجایا کرتی ہے، دعا کرو کہ صحت مندرہے۔

تم لوگوں کی کمی یہاں بھی محسوس ہوتی ہے، بالخصوص مجھے تو کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے۔ بہرکیف ایک بڑے مقصد کیلئے نکلے ہو، اس لئے تسلی رہتی ہے۔

حاجی (عبدالاحد) صاحب یہیں ہیں، تم لوگوں کے لئے بہت دعا کرتے ہیں، سلام کہہ رہے ہیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/ذوقعدہ ۱۴۲۱ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا۔ تم لوگوں کے سفر کے سلسلے میں میرے دل پر بھی دباؤ تھا، اور سفر والے دن، رات ہی سے میں مسلسل تم لوگوں کی طرف متوجہ تھا، اور دعائیں کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تم لوگوں کا سفر آسان ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

ابھی نئی جگہ ہے، نیا ماحول ہے، اس لئے ذہنی انتشار معلوم ہوتا ہے، بس اتنا ہے کہ تعلقات نہ بڑھاؤ۔ خلوت میں رہنے کی کوشش کرو اور کتابوں میں زیادہ لگے رہو، جو خالی وقت ہو اس میں کتب خانہ چلے جایا کرو۔ پڑھنے کے ساتھ حاصل مطالعہ

لکھنے کا آغاز کرو، جو کچھ درسی کتابوں میں پڑھتے ہو اس کا خلاصہ جو ضروری ہو کاپی پر نوٹ کرلیا کرو۔ اور غیر درسی کتابوں میں بھی یہی عمل رکھو۔ لکھنے میں یکسوئی زیادہ ہوتی ہے۔ بس اپنے کو علم میں مشغول رکھو۔

یہاں بحمداللہ سب خیریت ہے۔ مفتی محمد راشد صاحب سے سلام عرض کرو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یکم محرم ۱۴۲۲ھ

☆☆☆☆☆

فرزندِ عزیز! سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط دو تین روز قبل ملا۔ نمبر اچھا آنے پر دلی خوشی ہوئی، اللہ کا شکر ادا کیا، خدا کرے آگے اور اچھا نمبر آئے۔ محنت وکوشش کرو، عامر سلّمہٗ کے لئے بھی دلی دعا نکلی، خداوند تعالیٰ تم دونوں کو اچھا طالب علم بنائے۔

تمہاری صحت کے لئے دعا کرتا ہوں، شاید گرمی کی وجہ سے آنکھ کھل جاتی ہو، یہ عارضی احوال ہیں فکر نہ کرو۔ عصر کے بعد کچھ ٹہل لیا کرو، روزانہ ہلکا پھلکا غسل کرلیا کرو۔ باقی دعامیں گریہ وزاری کرو، صحت ومرض کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ وہی جو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے کام لیتے ہیں، اور جس کام سے چاہتے ہیں ہٹادیتے ہیں۔ تمہارے باپ نے صحت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا، جو غذا میسر آگئی کھالی، اور جو دوا آسانی سے مل گئی استعمال کرلی، اور بحمداللہ کام کے لائق صحت ہمیشہ رہی، بدن کی فکر کیا کرنی اسے تو مٹی میں ملنا ہے، بس اس کی فکر اتنی ہونی چاہئے کہ روح برباد نہ

ہو۔ گھر پر بحمداللہ سب خیریت ہے۔

عامر سلّمہٗ کو بھی یہی مضمون ہے، میں تم لوگوں کے لئے دل سے دعا کرتا رہتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

☆☆☆☆☆

فرزندِ عزیز! سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط میں ۲۷/ ربیع الاول کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ یاد نہیں مجھے کب ملا، غالباً سفر سے واپسی کے بعد ملا ہے۔

تعلیم میں اپنی صحت وقوت کے لحاظ سے محنت کرتے رہو، اس میں کوتاہی نہ ہو۔ مجھے نمبروں سے دلچسپی نہیں، مجھے علم اور اخلاق سے دلچسپی ہے، اس میں کھرے اترو۔ نمازوں میں کوتاہی بالکل نہ کرو، یہی تو مومن کا اصل سرمایہ ہے۔ میری صحت الحمد للہ اچھی ہے۔ عادل نے پڑھائی سے عدول کیا، میرے اور تمہاری اماں کے حج کے آثار نظر آرہے ہیں، عادل بھی ساتھ ہوجاتا تو اپنی اماں کی خدمت کرتا، اس کے لئے خاص طور سے دعا کرو۔ میں تم لوگوں کیلئے دعا کرتا رہتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶/ ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

☆☆☆☆☆

فرزندِ عزیز! سلمکم اللّٰہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط جس روز شام کو ملا، اسی دن فون پر بات بھی ہوئی، خط سے جو خوشی ہوئی تھی فون کی گفتگو سے وہ ختم ہوگئی۔

فرزندِ عزیز! یہ راہ مجاہدے کی راہ ہے، اس میں ہمت مردانہ چاہئے، اگر طبیعت سے مغلوب ہوگئے تو کوئی چیز حاصل نہ ہوسکے گی۔ طبیعت کے غلام نہ بنو، طبیعت پر غالب رہو، طبیعت کا گھبرانا، نہ لگنا عارضی چیز ہے، اس سے صرفِ نظر کرو، اس کی طرف توجہ نہ دو، کام میں لگے رہو، تو یہ خود بخود پلٹ جائے گی۔ تعلیم کے ایک سبق کا بھی نقصان ناقابل تلافی ہے، اساتذہ کی نگاہ سے طالب علم کو گرادیتا ہے۔ ماں باپ گھر دُوار سب مل جائیں گے، مگر جو اسباق استاذ کے پاس سے چھوٹ گئے وہ کب ملیں گے، اور اپنی والدہ سے اس طرح کی بات فون پر مت کرو، عورتیں کمزور طبیعت کی ہوتی ہیں، ان پر بہت زیادہ اثر ہوجاتا ہے، اب تمہارے اسی فون کے بعد تمہاری ماں مستقل اضطراب کی شکار ہے۔ بس وہ چاہتی ہے کہ بھاگ کر آہی جاؤ، مگر تم ایسا ہرگز نہ کرو۔ خدمت ماں کی کرو، اطاعت باپ کی کرو۔ آج پھر تم سے بات ہوئی، اللہ جانے تم نے کیا کہا ہوگا، مگر ابھی اسے پورا سکون نہیں ہوا ہے، فون کر کے، خط لکھ کر مطمئن کرو۔

میں الحمد اللہ خیریت سے ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

☆☆☆☆☆

# مولانا نعیم الظفر ومولانا افتخار سالک (مالیگاؤں)

یہ دونوں نوجوان عالم مالیگاؤں کے رہنے والے ہیں۔ مولانا نعیم الظفر صاحب مشہور بزرگ عالم مولانا محمد حنیف ملی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں، اور مولوی افتخار سالک مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں، مالیگاؤں میں ان دونوں سے بہت قربت ہوئی تھی۔

عزیزانِ گرامی قدر مولوی نعیم الظفر ومولوی افتخار سالک سلمہما!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں) کے نام ایک خط لکھ چکا ہوں، اس میں تم دونوں عزیزوں کو سلام لکھا ہے، لیکن تم دونوں کی محبت وخدمت اور تعلق خاطر کا تقاضا ہے کہ تمہیں الگ سے خط لکھوں، مجھے صرف اتنے سے تسکین نہیں ہوئی کہ واسطوں سے سلام پہونچادوں، اور بس۔

مولوی نعیم الظفر تو میرے عزیز ہیں، قریب ہیں، پہلے سے انھیں جانتا ہوں، محبت رکھتا ہوں، قدر کرتا ہوں، میرے وطن جاچکے ہیں، ان سے جو محبت تھی، ملاقات سے اس میں تازگی آئی، اضافہ ہوا، ان کے انگریزی اسکول میں جانے سے غصہ آیا، سوچتا رہتا ہوں کہ اس سے نکل کر خالص دینی اور علمی حلقوں میں ترقی کریں، ہماری اچھی صلاحیتیں کیوں ہمارے ہاتھ سے نکل کر دنیاوی چہ بچوں میں گرجاتی ہیں، مالیگاؤں والوں نے دین اور دنیا کا آمیختہ تیار کرنا چاہا ہے، اس کا اثر وہاں علماء پر، طلباء پر، مدارس پر، دیکھ آیا ہوں۔ انگریزی تہذیب کی گردن میں اسلامی تہذیب کا کرتا، یا

اسلامی تہذیب کے پاؤں میں انگریزی تہذیب کا پتلون پہنانے کی کوششیں میں نے وہاں دیکھی ہیں، وہی رنگ ظاہر وہی رنگ باطن، دونوں شیر وشکر تو ہو نہیں سکتے، دونوں اپنا اپنا امتیاز سنبھالے، اپنا اپنا تشخص باقی رکھنے کے لئے کوشاں ہیں، عجیب ملغوبہ تیار کیا گیا ہے، اس کی تفصیل میں جاؤں تو بات پھیل جائے گی۔

میں ایک ٹھیٹھ ملا ہوں، ظاہر بھی میرا ملا ہے، باطن بھی میرا ملا ہے، ایک رنگ رکھتا ہوں، دوسرا رنگ میں نے قبول کرنا سیکھا ہی نہیں، اس لئے اجنبی اجنبی سا لگتا ہوں، کیونکہ عام طور پر دورنگ کا ماحول بن گیا ہے، مگر مجھے یہ **مخلصاً له دینی** (۱) کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے دورنگ کا آمیزہ دیکھ کر مجھے وحشت سی ہوتی ہے، تمہارے یہاں میں کچھ نہ کہہ سکا، کیونکہ دوروز کا مہمان تھا، ہاں رات کے جلسے میں اشارات کئے تھے، خیر میں یہ سب کیا کہنے لگا، مجھے تو تم لوگوں کی محبت وخدمت کا شکریہ ادا کرنا تھا، مولوی افتخار سالک سے نئی ملاقات تھی، نئی محبت تھی، مگر منماڑ کی سات گھنٹے کی متواتر رفاقت نے اس میں پختگی پیدا کردی، اب میرے نزدیک نعیم الظفر اور افتخار سالک یہ دونوں شعر محبت کے دو مصرعے ہیں، دونوں میں کس کے حسن وخوبی کی داد دوں، سبحان اللہ وماشاء اللہ، دونوں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، اللہ تعالیٰ تم دونوں کو خوش رکھیں، اور اپنا اور اپنے دین کا مخلص بنا کر رکھیں۔ (**علیٰ رغم أنفسکم**) کچھ سمجھے؟

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

(۱) **قل إنی أمرت أن أعبد اللہ مخلصاً له دینی۔**

(آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اسی کیلئے اپنے دین کو خالص کرکے)

☆☆☆☆☆

اس خط کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ کس کے نام لکھا گیا۔ (مرتب)

عزیزم! عافاکم اللہ عن سائر الشرور والفتن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ کے بعد تمہارا محبت نامہ موصول ہوا، خوشی ہوئی کہ دارالافتاء میں داخل ہو، آج کل کے علماء کے لئے اس شعبے کی مشق وتمرین ضروری ہے، اس کے بغیر مسائل کا ذوق پیدا ہونا تو درکنار، مولوی صحیح مسئلہ بھی نہیں بتا پاتا، اس لئے اس شعبہ میں جتنی محنت کر سکتے ہو، کرو، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ بیس سال کے بعد صحیح مسئلہ بتانے والے لوگ نہیں ملیں گے، یہ بات آج بالکل صحیح ثابت ہورہی ہے۔ پرانے بعض علماء اور مفتیانِ کرام بھرم باقی رکھے ہوئے ہیں، ورنہ ہم جیسے کاہل اور آرام پسند لوگوں نے تو لٹیا ہی ڈبو رکھی ہے، فتاویٰ کی کتابوں بالخصوص شامی، بدائع الصنائع اور بحرالرائق کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے تاکہ ذوق پیدا ہوجائے، صرف اتنا نہیں کہ کوئی مسئلہ آ گیا تو اس کے متعلقات دیکھ لئے اور بس۔ اس سے ناقص وناتمام علم حاصل ہوگا، جو بعض اوقات کیا بسا اوقات مضر ثابت ہوتا ہے۔

تم نے استقلال کے فقدان کے سلسلے میں دریافت کیا ہے، اس سلسلے میں یاد رکھو کہ یہ طبیعت کی عدم پختگی سے ناشی ہے، استقلال ایک دم سے نہیں حاصل ہوتا، بعض طبائع فطرۃً اتنی پختہ ہوتی ہیں کہ انھیں یکسوئی، استقلال اور استقامت کے حاصل کرنے میں دقت نہیں ہوتی، مگر ایسی طبائع آج کل کے طبعی حالات اور خارجی اثرات کی وجہ سے نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں، اب تو استقلال کو کسب سے حاصل کرنا چاہئے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کام بھی شروع کیا جائے، شوق وہمت سے کسی قدر کم شروع کیا جائے اور پھر طبیعت پر جبر ڈال کر، خواہ کتنا ہی سستی اور کسلمندی

کی جانب مائل ہوا سے مجبور کر کے اس کام کے پورا کرنے پر لگایا جائے، رفتہ رفتہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے گی، لیکن یہ خوگری ہفتہ دو ہفتہ میں قائم نہ ہوگی، اس کے لئے ایک مدت درکار ہے، اہم تدبیر یہی ہے، ابتداءً جب کسی کام کا شوق نو آموز طبائع میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی دھن میں آدمی بہت آگے بڑھ جاتا ہے، پھر جب طبیعت پلٹتی ہے تو یکا یک سرد ہو جاتا ہے۔ لِکُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ، اسی لئے میں نے لکھا ہے کہ جس قدر شوق ہو، اس سے کم کام سے شروع کیا جائے، پھر رفتہ رفتہ اس کو ترقی دی جائے۔

رہی یہ بات کی دین کی محبت کی راہ میں حوادث اور حالات کیوں روڑا بن جاتے ہیں، تو میرے عزیز! یہ عین فطرت ہے، دنیا موافق حالات سے عبارت نہیں ہے، ناموافق حالات اس میں بکثرت ہیں، اتنی بہتات سے ہیں کہ اگر نظر غور سے دیکھو تو ناموافق حالات کے ہجوم میں موافق حالات شاذ بلکہ معدوم محسوس ہوں گے، کوئی موافق حال تمہیں ایسا نہ ملے گا جس کے دامن کا گوشہ کسی ناگوار تلخی کے ساتھ بندھا ہوا نہ ہو، یہ دنیا عدم سے ابھر کر وجود میں آئی ہے اور پھر دوسرے سرے پر عدم کی ظلمات اس کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، بھلا جس کی نمود عدم سے ہو اور دوبارہ عدم کی گود میں پہونچنے والی ہو، اس کے وجود کی ناپائیداری محتاجِ بیان ہے؟ بس اعدام کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو وجودِ انسانی پر گذرتا رہتا ہے، اسی سلسلۂ کارزار میں رہ کر انسان کو اپنی دائمی حیات کے لئے جدو جہد کرنی ہے، یہی ابتلاء ہے، اسی کا نام امتحان ہے، یہ امتحان حق تعالیٰ نے انسان کے اوپر مقرر کیا ہے، اب جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے وہ ان اعدام سے منہ موڑ کر وجود مطلق کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے، یعنی اس نے سب سے صرفِ نظر کر لیا خواہ وہ موافق حالات ہوں یا ناموافق، بس ایک خدا کی جانب دل

کی نگاہ جمالی، اس تدبیر سے وہ اعدام کے متواتر حملوں سے بچ گیا، ورنہ ساری دنیا اسی وجود وعدم کے جھولے میں ہچکولے کھا رہی ہے، اس کی تدبیر کثرتِ ذکر ہے، جس کی تمہیں ابھی فرصت نہیں ہے، تاہم اپنا کچھ وقت فارغ کر کے روزانہ خلوت میں یادِ الٰہی کرنی چاہئے۔

حاصل زندگی صرف وہی لمحہ ہے جو پروردگار کی یاد میں گذر جائے، جو وقت علم کی تحصیل میں صرف ہوتا ہے، وہ بھی بالواسطہ ذکر ہی میں گذرا، لیکن بالواسطہ ہونے کی وجہ سے اس میں دوسرے خرخشے بھی شامل ہوجاتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ چوبیس گھنٹہ میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ ایسا وقت بھی مقرر کیا جائے جو بلا واسطہ ذکرِ الٰہی اور یادِ محبوب میں صرف ہو۔ دنیا کی سب مشغولیات فانی ہیں، دنیا خود فنا کے گھاٹ اترنے والی ہے، پھر ہر وہ چیز جو اس سے نسبت رکھتی ہے وہ باقی کیونکر رہ سکتی ہے، اور ذاتِ خداوندی ازل وابد کو محیط ہے، اس پر فنا کا کوئی شعبہ طاری نہیں ہے، وہ وجودِ مطلق ہے، وہ حی وقیوم ہے، وہ قائم ودائم ہے، لاتاخذہ سنة ولا نوم ہے، پھر جس چیز کو اس کے ساتھ نسبت ہوجائے گی اس کے باقی ودائم رہنے میں کیا شک ہے؟ پس انسان اگر بقائے دوام چاہتا ہے تو اپنی ساری مشغولیت کی نسبت دنیا سے منقطع کر کے اسی ذاتِ حی وقیوم کے ساتھ جوڑ لے، پھر کوئی چیز اسے باقی رہنے سے روک نہیں سکتی، اس کی موت بھی زندگی کا نیا عنوان ثابت ہوگی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پس میرے عزیز! حالات موافق ہوں یا مخالف، ہوا تند وتیز ہو یا نرم، صحت وتندرستی ہو یا امراض واسقام، مصائب وآلام ہوں یا راحت وآرام، ہر حال میں دل کا

تعلق اسی ذات سے وابستہ رہنا چاہئے، یہ تمنا کہ حالات موافق ہوجائیں فضول ہے، خود کو حق تعالیٰ کی موافقت ومتابعت پر آمادہ رکھنا چاہئے، ہمارا نفس ان کی مخالفت نہ کرے، پھر خواہ حالات کتنی ہی مخالفت کریں، پرواہ نہیں۔

عزیزم! یہ میرے منتشر خیالات ہیں، انھیں پڑھ لو، ممکن ہے کوئی کام کی بات نکل آئے، مجھے بس یہی سبق یاد ہے، یہی سبق اپنے لوگوں پڑھاتا ہوں، اسی پر خود رہنا چاہتا ہوں، اور دوستوں کو بھی اسی پر قائم دیکھنا چاہتا ہوں اور بس، دنیا، متاعِ دنیا اور مناصب دنیا ہیچ در ہیچ ہیں، قطعاً قابل اعتبار نہیں، خدا کی رضاء، جنت کا حصول، جہنم سے نجات یہی اصل ہے، اور اس کی کنجی متابعت شریعت وسنت ہے اور محبت وعشق الٰہی، اور کیا عرض کروں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

یہ مکتوب مدرسہ شیخ الاسلام کے ایک طالب علم کے نام لکھا گیا
جو اس وقت دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے۔

عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ جانے تمہارا یہ خط کب کا میرے پاس رکھا ہوا ہے، تم نے بھی کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے، ابھی اچانک میری نظر پڑی، تو سوچا تاخیر سے سہی جواب تو لکھ دوں۔

سنو! تمہاری طبیعت میں انفعال تو بہت ہے، مگر استقامت اور قرار نہیں ہے، اور محض انفعال مفید نہیں، جب تک انفعالی تاثر پر قرار نہ ہو، مثلاً غلطی پر ندامت تمہیں جلد ہوتی ہے مگر ندامت کے تقاضے پر یعنی اس غلطی کے ترک کرنے پر قوت اور استقامت کے

ساتھ عمل نہیں ہو پاتا، یہ کمزوری ایسی ہے کہ کسی حال میں طبیعت کو قرار نہیں حاصل ہوگا، کوشش کرو کہ جس بات کا ارادہ کرو اسے مضبوطی اور استقلال کے ساتھ عمل میں لاتے رہو، ورنہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مجھے تم سے جو الجھن رہی، اسی بے ہمتی اور کمزوری کے باعث رہی، جو بھی کام کرو استقلال کے ساتھ کرو، ہمت ہارے تب بھی استقلال کو ہاتھ سے جانے نہ دو، بس ہمت بہت ضروری ہے۔ اور سنو! لفاظی مت کرو، مجھے خط لکھنے میں ادب نہ جھاڑو، بڑوں سے ایسی لفاظی بے ادبی ہے، اور اس میں غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں، اس لئے عبارت سیدھی سادی لکھو، میں نے پچھلی غلطیاں جو مجھ سے متعلق رہی ہیں سب دل سے معاف کردی ہیں، ان کی فکر نہ کرو، اور اللہ کے حضور سچی توبہ کرو، اور جان بوجھ کر ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو، اگر غلطی سے ہو جائیں، تو توبہ کرنے میں تاخیر مت کرو، اور اپنی طبیعت کا اتنا تفصیلی جائزہ مت لو۔ اجمالاً اللہ کے سامنے توبہ کرلو اور اپنے کام میں لگو، اس خط کے ملنے کے بعد پھر مجھے خط لکھو اور لفاظی سے برکنار اپنا حال لکھو۔ دعا کرتا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹؍رجب ۱۴۲۶ھ

☆☆☆☆☆

ایک طالب علم نے مجھ سے سوال کیا کہ وہ کون سے طریقے ہو سکتے ہیں جن کو اختیار کرنے کے بعد ہمارے اندر بھی حصول علم کا جوش وجذبہ اور عزم وولولہ پیدا ہو جائے جو ہمارے اسلاف عظام کا طرۂ امتیاز تھا؟ یہ سوال پڑھ کر میں سخت متحیر ہوا کہ آخر اس کا کیا جواب دوں؟ اس لئے کہ جن ریاضات ومجاہدات اور یکسوئی وانہماک کی ضرورت ہے، اس کو صرف الفاظ میں کیونکر سمجھاؤں، خاص طور سے اس علم کش ماحول

میں جہاں طالب علم مدرسہ میں داخل ہونے کا مقصد بھی کماحقہٗ نہیں سمجھتے، آخر اس کا ذکر حضرت الاستاذ مدظلہٗ سے کیا، تو انھوں نے وہ سوال کا پرچہ مجھ سے لے لیا، اور اس کا درج ذیل جواب مرحمت فرمایا۔ (ضیاء الحق خیر آبادی)

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کچھ کتابوں کے مطالعہ کے بعد تم نے جو تاثرات لکھے ہیں، عزیزم مولانا ضیاء الحق سلّمہٗ کے واسطے سے ان کا مطالعہ میں نے کیا، اور ساتھ ہی میں نے ان سے کاپی مانگ لی کہ اس کا جواب میں لکھتا ہوں۔

عزیزم! تم نے لکھا کہ ”لیکن جب میں اکابر کے زمانۂ طالب علمی کا حال پڑھتا ہوں، اور اپنی طالب علمی کے زمانے کو دیکھتا ہوں تو زمین وآسمان کا فرق دیکھتا ہوں، کافی کوششوں کے بعد بھی کتابوں کے ساتھ وہ محبت اور لگاؤ نہیں پیدا ہورہا ہے، اس کا کیا طریقۂ کار ہے؟“

میرے عزیز! تمہاری بات صحیح ہے، جن اکابر کا تذکرہ تم نے پڑھا ہے، ان کے زمانے اور ہمارے زمانے میں بہت فرق ہے، ان کے دور میں علم مطلوب تھا، ہمارے زمانے میں معاش مطلوب ہے، وہ لوگ کمال کے جویا تھے، اب لوگ مال کے جویا ہیں، اس وقت طالب علموں کا عام ماحول علمی سرگرمیوں کا تھا، تو جتنے لوگ حصول علم کی طلب میں نکلتے تھے، ان میں کامیاب لوگوں کا تناسب زیادہ تھا، یہ دور معاشی سرگرمیوں کا ہے، طلبۂ علم، علمی میدان میں پچھلا تناسب کھو چکے ہیں۔

اس مخالف ماحول میں، اس ناموافق دور میں اکثریت طالب علموں کی بجھی بجھی سی رہتی ہے، نہ دلوں میں حوصلہ ہوتا، نہ آرزوؤں میں گرمی پیدا ہوتی، پھر دار الاقاموں کے عجیب وغریب مرکب اور پیچیدہ ماحول نے طالب علموں کو بہت سے

لایعنی اور مہمل، بلکہ ذہن ودماغ کے لئے خطرناک حدتک مضر مشغلوں میں مبتلا کردیا ہے پھر علم کا اور کتابوں کا ذوق بنے تو کیونکر بنے۔

یہ حالات بڑے مایوس کن ہیں، لیکن تم دیکھو کہ انھیں مایوس کن حالات میں کچھ قابل قدر اور لائق تقلید علماء مدرسوں کے افق سے طلوع ہورہے ہیں یا نہیں؟ اگر تم یہ کہو کہ اب کوئی نہیں ہورہا ہے تو یہ خلافِ واقعہ بات ہے، اور اگر تم کہو کہ اب بھی قابل قدر علماء کا ظہور ہورہا ہے.......... گو ایسے لوگ قلیل ہیں.......... تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں بھی اچھے علماء کو تیار کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اس حال میں تم یہ غور نہ کرو کہ زمانہ ناموافق ہے، پہلے یہی زمانہ آسمان پر تھا، اب زمین پر ہے، بلکہ دیکھو کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ نے تحصیل علم کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اس کا کتنا حصہ تم نے اہتمام سے استعمال کیا ہے، ان اکابر کی تاریخ اور ان تذکروں کے پڑھنے سے خود احتسابی کا سبق ملتا ہے، زمانہ کی رفتار نہ دیکھو اپنے اوپر نگاہ رکھو، اور پھر جہاں کوتاہی اور خامی نظر آئے، ان کی اصلاح اور تلافی کرو۔

تم نے نظام الاوقات کی بات کی ہے، تم اس الجھن میں نہ پڑو، تمہارا نظام الاوقات صرف پڑھنا ہے، سارا وقت پڑھنے کے لئے ہے، درمیان میں بشری ضروریات حائل ہوتی رہتی ہیں، انھیں بقدر ضرورت ان کا حق عطا کرو اور بس پڑھنے میں لگو۔ نماز تلاوت یہ سب مقاصد میں داخل ہیں، کھانا، سونا، تفریح کرنا ضروریات وحاجات میں ہیں، ان کے ساتھ بقدر ضرورت والا معاملہ ہو، پڑھنا اور مکرر پڑھنا، ذہن میں محفوظ رکھنا، سوچنا تو علم کو سوچنا، بات ہو تو علم کی بات، فضول کلام، ہنسی کھیل، گپ شپ سے احتراز بنیادی بات ہے، جتنی طاقت اللہ نے دی ہے اس کے استعمال کے مکلّف ہو، تم نے استعمال کیا؟

وقت کے ضائع ہونے کی بھی تلافی ہے، وہ یہی کہ ایک دھن لگالو، ہر کام تمہارا پڑھنا بن جائے، اس میں بڑی رُکاوٹ مختلف المزاج طلبہ کا اجتماع ہے، جن اکابر کے احوال تم نے پڑھے ہیں، ان کے پاس یہ اجتماع نہ ہوتا تھا، اب اس اجتماع کے بغیر کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا، بس انھیں میں ہم خیال ساتھیوں کو منتخب کرو اور ان کے ساتھ پڑھنے میں جان کی بازی لگاؤ، بات نہ کرو، مطالعہ کرو۔ حضرت مولانا صدیق احمد باندوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامؔی دونوں مدتوں ایک چوکی پر بیٹھ کر گھنٹوں کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے، مگر کلام کی نوبت شاید کئی کئی دن تک نہیں آتی تھی، اب دو طالب علم ایک جگہ ہوں اور دونوں فضول بک بک نہ کریں شاید ایسا ہوتا ہی نہیں، اپنے کو قابو میں کرو، تم نے قابو کیا، دوسرے نے کیا، چند ایک نے کیا، اسی طرح ایک ماحول بن جائے گا، کچھ سمجھے؟

خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) یہ بات ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہیں پڑھنا ہے، اس کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں ہے، یہی اصل اور بنیادی کام ہے۔

(۲) ہمت اور حوصلہ سے کام لو، کسی کام کو مشکل نہ سمجھو، پڑھنے سے متعلق جو بھی کام ہو حوصلہ مندی کے ساتھ اس میں لگ جاؤ، طبیعت گھبرائے اور اکتائے، تو تھوڑا بہت، بہت تھوڑا سا دم لے کر پھر کام میں لگ جاؤ۔

(۳) ہمت ہی کا ایک لازمی اثر یہ ہے کہ طبیعت میں استقلال اور ثبات قدمی پیدا کرو۔ کوئی چیز یاد کرنی ہے تو مسلسل لگ کر اسے یاد کرو، کوئی کام جو مناسب نہ تھا، اسے چھوڑ دیا ہے تو طبیعت کا خواہ کتنا ہی تقاضا ہو اسے چھوڑے ہی رہو، ایسا ہرگز نہ ہو کہ ایک دن بہت کرلیا، دوسرے دن بالکل ترک کردیا، ترتیب کے ساتھ روزانہ تھوڑی

تھوڑی محنت بہت زیادہ مثمر نتائج ہے۔

(۴) ساتھیوں سے اختلاط بقدرِ ضرورت، اور علم سے اور کتاب کے ساتھ مشغولیت بقدر مقصد ہو۔

(۵) بری صحبت سے قطعی اجتناب، مگر دوسروں کو حقیر ہرگز نہ سمجھنا اور نہ نفرت کرنا، ایسا نہ ہو کہ بری صحبت قرار دیکر کسی کو حقیر سمجھنے لگو، اپنے نفس کے علاوہ کسی کو حقیر نہ سمجھو۔

(۶) جو کتاب پڑھو، ایک ہی مرتبہ پڑھ کر رکھ مت دو، بلکہ بار بار پڑھو، منتخب مضامین کو اتنی مرتبہ پڑھو کہ وہ محفوظ ہو جائیں۔

(۷) اللہ کے حضور بالحاح وزاری دعاء کیا کرو۔

اس طریقۂ عمل سے انشاء اللہ وہ بات حاصل ہو جائے گی، جو تم چاہتے ہو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

☆☆☆☆☆

ایک طالب علم نے خط میں مولانا مدظلہ کے آداب والقاب میں غلو سے کام لیا تھا، مولانا نے اس پر ٹوکا اور لکھا، کہ ان مبالغہ آمیز باتوں پر اگر کل بروزِ قیامت پرسش ہوگئی تو کوئی جواب بن نہ پڑے گا۔ حدیث میں ہے کہ آدمی کے شر کے لئے یہی بہت ہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے، اشاروں پر یہ مواخذہ ہے، تو مبالغہ وغلو پر کتنا مواخذہ ہوگا، اس پر انھوں نے اس مشہور حدیث سے اشکال کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل، اور تمام ملائکہ اور پھر تمام اہلِ زمین کو اس سے محبت کا حکم جاری فرماتے ہیں۔ اور اس طرح اس کی محبت عام ہو جاتی ہے، تو اگر مواخذہ ہی ہونا ہے، تو یہ قبولیتِ عامہ کیوں ہے؟ اسی اشکال کے جواب میں یہ خط لکھا گیا ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میاں تم نے تو مناظرہ ٹھان دیا، سامنے کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ حدیث جس کا تم نے حوالہ دیا ہے اس میں محبت اور قبول کا ذکر ہے، یعنی وہ بندہ لوگوں کے درمیان اور خدا کے نزدیک محبوب ومقبول ہوجاتا ہے، قلوب میں اس کی محبت جاگزیں ہوجاتی ہے۔ اس کے برخلاف جس حدیث کا میں نے حوالہ دیا تھا، اس میں اشارہ بالاصابع اور مدح وتعریف میں غلو واغراق کا مفہوم ہے، ان دونوں میں کوئی تخالف نہیں ہے، بالکل ظاہر ہے کہ محبوبیت عامہ اور مشارالیہ ہونے میں کوئی تلازم نہیں ہے، کتنے لوگ محبوب ہوتے ہیں، مگر گمنام، اور کتنے مردود ومطرود ہوتے ہیں، لیکن ان کی شہرت آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ میں نے جو لکھا کہ تمہاری محبت سے میرا دل لبریز ہے۔ اس میں بڑے القاب پر کیا دلیل ہے، مومن صالح کی محبت تو خود محبت کرنے والے کی خوش نصیبی ہے، اس کا بڑے آداب والقاب سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ نہ سمجھو کہ کوئی بندہ مقبول ہوجائے گا تو خدائے بے نیاز کی پرسش وسوال سے بچ جائے گا۔ آخر انبیاء سے بڑھ کر مقبولیت کس کی ہے، لیکن سورۂ مائدہ کا آخری رکوع پڑھو اور دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کتنا سخت سوال ہوگا۔ اور تفسیروں میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس وقت کیا عالم طاری ہوگا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ہیبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر بنِ مو سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑے گا۔ شہرت و سربلندی صرف خدا کو زیب دیتی ہے، اس وصف خاص میں کوئی اور شریک ہو تو اس کے لئے خطرہ ضرور ہے۔ خواہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے وہ خطرہ بالکلیہ دور فرمادیں، یا کسی قدر احساس دلاکر اسے بخش دیں یا پھر مبتلائے قہر وغضب کریں۔ وہ ہر طرح مالک ومختار ہیں۔ اسی طرح مدح وثنا، حمد وکبریائی بھی اسی ذات عالی صفات

کے ساتھ مخصوص ہے، قرآن کی پہلی ہی آیت نے حمد کے ہر فرد کو **رب العالمین** کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، اس لئے ایسا کوئی لقب جو عظمت و کبریائی پر دلیل ہو مناسب نہیں۔ البتہ ہر ایسا لقب جو انس و محبت کی ترجمانی کرے عین مرضی ہے، مثلاً کسی باہمی ربط کا حوالہ دے کر یا کسی رشتۂ خاص کی بنیاد پر **استاذنا المحترم** وغیرہ، اور مجھے وہی القاب پسند آتے ہیں، جن کے پڑھنے سے کاتب ومکتوب الیہ کا رشتۂ باہمی ظاہر ہو، اس میں اپنائیت و محبت کی خوشبو محسوس ہوتی ہے، باقی ایسے الفاظ جو محض عظمت پر دال ہوں، لیکن باہمی تعلق کو ظاہر نہ کرتے ہوں ان سے شرم آتی ہے۔ امید ہے کہ اب بات سمجھ گئے ہوگے۔ اس باب میں اپنی طبیعت سے زیادہ میری طبیعت کی رعایت کرو، ہر وہ لفظ قبول ہے، جس سے تعلق و محبت پر روشنی پڑتی ہو۔ اللہ کا شکر ہے، اچھا ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶ ؍صفر ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

# باب چہارم

# علمی مباحث

# بنــــام
## مولانا اختر امام عادل صاحب

مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں ایک کمسن مگر بہت ذہین وفطین طالب علم سمستی پور بہار کا رہنے والا داخل ہوا۔ میں جب وہاں سے غازی پور منتقل ہوا تو یہ بھی میرے ساتھ مدرسہ دینیہ میں آگیا۔ اس طالب علم کے والد ایک نقشبندی بزرگ اور صوفی ہیں۔ ہدایہ، جلالین تک تعلیم حاصل کر کے یہ طالب علم دارالعلوم دیوبند پہونچا۔ وہاں سے فراغت حاصل کی اور افتاء کی تکمیل کی۔ بعد میں ایک ذی استعداد عالم اور مصنف کی حیثیت سے علمی حلقوں میں معروف ہوا۔ یہ ہیں مولانا اختر امام عادل سلّمہٗ، جو اپنی بستی منوروا شریف میں ایک دینی ادارہ جامعہ ربانی کے بانی اور مہتمم ہیں اور متعدد علمی کتابوں کے مصنف!

انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں براہین قاطعہ مؤلفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمہ اور اس کے کسی جواب کا مطالعہ کیا، اور امکانِ کذب کے مسئلے پر اشکال ہوا، وہ اشکال انھوں نے میرے پاس لکھا۔ ان کے نام کے تمام خطوط اسی مسئلے کی تفصیلات پر ہیں۔ (اعجاز احمد اعظمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزم! وفقکم اللہ وإیای حسن التوفیق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل تمہارا خط ملا، اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا، اس وقت غالبًا میں آشوبِ چشم میں مبتلا تھا، یا اس کے بعد ہوگیا تھا۔ جواب لکھنے کا ارادہ تھا مگر بیماری سے نجات ہوئی تو گھر جانا ہوگیا، اور امروز وفردا میں تمہارا دوسرا خط آپہونچا، کل پھر ایک سفر ہے اس لئے عجلت میں لکھ رہا ہوں، کہ اگر رہ گیا تو پھر رہ ہی جائے گا۔

عزیزم! امکانِ کذب کا مسئلہ اصلاً مختلف فیہ نہیں ہے، خلف وعید کے وقوع کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ خلف وعید کا امکان کیا، وقوع بھی اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے۔ اسی کے ذیل میں امکان کذب کا مسئلہ نزاع بن کر داخل ہوگیا، ورنہ تو یہ ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ اس پر شور وغوغا ہونا کسی طرح مناسب نہیں، اور جن لوگوں نے امکان کذب کا مسئلہ گھڑا ہے اور اس کے انکار پر تلے ہوئے ہیں، وہ درحقیقت فلاسفہ کی گود میں جا پہونچے ہیں، ولکن لایعلمون۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے اطاعت شعار اور عبادت گزار بندوں کے لئے انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے، اور گناہ گار وبدکردار بندوں کو عذاب شدید کی وعید سنائی ہے، اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ وعدے جو کئے گئے ہیں وہ سب پورے ہوں گے، فرق ہے تو یہ ہے کہ اہل سنت ان وعدوں کی تکمیل باری تعالیٰ کی جناب میں واجب ولازم نہیں جانتے، بلکہ الکریم إذا وعد وفیٰ کے تحت یہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تبرعاً اپنے ذمے لازم فرمالیا ہے، انھیں ہر آن اختیار ہے کہ اس کے خلاف کریں، لیکن خلاف کریں گے نہیں۔ اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ان

وعدوں کی تکمیل حق تعالیٰ شانہ کے ذمہ لازم وواجب ہے، اس کے نتیجے میں وہ کن خرابیوں میں پڑتے ہیں، ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، پھر کسی صحبت میں دیکھا جائے گا۔

البتہ وعیدوں کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان کی تکمیل بھی ضرور ہوگی، یا اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے؟ اس سلسلے میں معتزلہ تو اپنی سابقہ روش پر قائم ہیں، یعنی جس طرح وعدوں کی تکمیل ضروری ہے اسی طرح وہ وعیدوں کی تکمیل کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ اگر ایسا نہ مانا جائے، تو کلام خدا میں کذب لازم آئے گا، لیکن اہل سنت نے قرآن وحدیث کی صدہا نصوص میں دیکھا کہ گناہوں پر جو وعیدیں ہیں وہ برحق ہیں، لیکن یہ بھی برحق ہے کہ حق تعالیٰ بہتوں کے گناہ بغیر کسی سزا کے محض اپنے فضل سے یا کسی کی شفاعت سے بخش دیں گے۔ درحقیقت یہ وعیدیں وعدے نہیں ہیں بلکہ افعال شنیعہ کی خاصیات ہیں، لہٰذا اگر ان کے خلاف کہیں عمل درآمد ہوتو اسے کذب نہیں کہا جاسکتا، بلکہ فضل اور بخشش کا نام دیا جائے گا، جو قابل مدح اور لائق شکر ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، تو اہل سنت جو خلف فی الوعید کے قائل ہوئے، اس میں شائبہ کذب ہے ہی نہیں، کیونکہ کذب وہاں ہوتا جہاں وعدہ ہوتا، اور وعیدیں وعدہ نہیں خاصیاتِ افعال کی خبریں ہیں، اور بالکل برحق ہیں، لیکن اس خاصیت کے ہوتے ہوئے اگر رحمت حق دستگیری فرمادے تو اس میں کذب کا کام ہی کیا ہے؟ آخر اگر سزا نہ دی جائے اور اس سے کسی کا حق نہ مارا جائے تو اس کو کون ظلم کہہ سکتا ہے، ہاں وعدۂ انعام اگر ایک طرف افعال حسنہ کی خاصیتوں کا بیان ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ایک محکم وعدہ بھی ہے، اور وعدہ کا خلاف نقص اور عیب ہے، اس لئے اس کے خلاف کرنا ذاتِ خداوندی کو عیب لگائے گا۔ بہرکیف خلف فی الوعید غایت رحمت ہے، اور خلف فی الوعد نقص اور عیب ہے، اور حق تعالیٰ نقص اور عیب سے پاک ہے۔ اس تفصیل

سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ خلف فی الوعید کے امکان یا وقوع کی وجہ سے اہل سنت کے نزدیک امکان کذب کا مسئلہ زیر بحث آتا ہی نہیں، البتہ معتزلہ اپنے اصول کے ماتحت خلف فی الوعید کو کذب کے ماتحت لاتے ہیں، اور یہی مسئلہ شیعہ اور خوارج کا بھی ہے۔ اس لئے اہل سنت کو تو اس مسئلہ میں گھسنا ہی نہیں چاہئے، مگر اہل معقول کو چونکہ علوم دینیہ میں کافی درک نہ تھا اور وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے، اس لئے شور مچا دیا، حالانکہ انھیں خبر نہیں کہ اس طرح وہ کہاں جا پہونچے، اس کی حقیقت عنقریب آگے واضح ہوگی۔ **ان شاء اللہ**

چلو اب خالص امکانِ کذب کا مسئلہ لو! کذب کی حقیقت کیا ہے؟ واقعہ کے خلاف کوئی کلام بولنا، اصطلاحی لفظ میں یوں کہو کہ **عقد قضیہ غیر مطابق للواقع**، اور صدق کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے برعکس واقعہ کے مطابق کلام بولنا، یعنی عقد قضیہ مطابق للواقع، جو لوگ کہتے ہیں کہ کذب تحت القدرۃ نہیں ہے، ان کے کہنے کا حاصل یہی ہے نا کہ حق تعالیٰ کو **عقد قضیہ غیر مطابق للواقع**، پر قدرت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ عیب ہے، اور عیب حق تعالیٰ کی شان میں لزوماً ممتنع ہے۔

اس بات میں غور کرنے سے پہلے ایک عقلی قاعدہ مسلمہ بدیہیہ عند العقل پر غور کرو۔ کسی اہل عقل کو اس میں مجال اختلاف نہیں ہے کہ دو متقابل چیزیں جو آپس میں علاقہ تضاد کا یا عدم وملکہ کا رکھتی ہوں، ان میں سے اگر ایک پر کسی کو قدرت اور اس کا اختیار تسلیم کیا جائے تو ضروری ہے کہ جانب مقابل کو بھی زیر تصرف واختیار مانا جائے۔ اسی طرح ایک جانب اضطرار ہوگا تو دوسری جانب بھی اضطرار ہوگا، آدمی اگر حرکت پر قادر ہے تو سکون پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ رعشہ والا سکون پر قدرت نہیں رکھتا تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ حرکت پر قادر ہے۔ مرد کو اگر عورت بننے کا اختیار نہیں تو مرد ہونا

بھی اس کے دائرۂ اختیار سے خارج ہے، غرض ضدین میں سے اگر ایک کو اختیار میں لاتے ہو تو دوسرے کو بھی لاؤ، اور ایک میں اضطرار تسلیم کرتے ہو تو دوسرے میں بھی خود بخود اضطرار داخل ہو گیا۔ اب غور کرو کہ **عقد قضیه مطابق للواقع**، ایک فعل ہے، اس کے بالمقابل **عقد قضیه غیر مطابق للواقع**، اس کی ضد ہے۔ اب اگر کوئی شخص مدعی ہے کہ اول تحت القدرۃ ہے، تو گویا اس نے خود اقرار کر لیا کہ ثانی بھی تحت القدرۃ ہے، اور اگر کوئی کہتا ہے کہ ثانی تحت القدرۃ نہیں ہے تو گویا اس نے یہ مان لیا کہ اول بھی تحت القدرۃ نہیں۔ بالفاظ دگر اگر کذب اضطراراً حق تعالیٰ سے منتفی ہے تو صدق بھی اضطراراً ہی اس کے لئے لازم و ثابت ہوگا، ورنہ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ صدق کو تحت تصرف و اختیار مانو اور کذب کو اختیار سے خارج کر دو۔ اور تم جانتے ہو کہ کلام منحصر ہے خبر اور انشاء میں، اور خبر منحصر ہے صدق اور کذب میں، پھر جب صدق و کذب دونوں کو قدرت کے دائرے سے خارج کر دیا تو خدا کا اختیار محض انشاء پر رہا، اور کلام کا ایک بڑا حصہ قدرتِ خداوندی سے نکل گیا، **نعوذ باللّٰہ منہ**۔ اس سے زیادہ تو خود بندوں کو قدرت حاصل ہے، سوچو تو سہی، خدا کو کذب سے بچانے کی کوشش میں اتنی دور نکل گئے کہ حق تعالیٰ کو محض بے بس اور مجبور بنا کر رکھ دیا۔ یہ طریقہ درحقیقت فلاسفہ اور معتزلہ کا ہے، فلاسفہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال سب اضطراری ہیں، اور معتزلہ کا خیال یہ ہے کہ قبائح کا صدور حق تعالیٰ کی قدرت میں ہے ہی نہیں، اور اس اصول کی جو بنا ہے وہ اور زیادہ فاسد ہے، تفصیل کا موقع نہیں ہے ورنہ وہ بھی لکھ دیتا۔ ان کی دلیل بعینہٖ وہی ہے جو تم نے نقل کی ہے، اگر امکان تسلیم کر لیا جائے تو وقوع محتمل ہوگا، اس طرح قبائح کا صدور محتمل ماننا پڑے گا، لہٰذا اسے ممکن ہی نہ قرار دو۔ چلو چھٹی ہوئی، لیکن یہ نہ سوچا کہ احتمال وقوع سے چھوٹے تو اضطرار میں

جا پڑے، اور جبر واضطرار تو ایسا دھبہ ہے جو کسی طرح **إن اللہ علیٰ کل شئ قدیر** کے ہوتے ہوئے زیب نہیں دیتا۔ اور ایک لطیفہ سنو! حق تعالیٰ تو **إن اللہ علیٰ کل شئ قدیر** فرمائیں، اور یہ لوگ فرمائیں کہ نہیں فلاں فلاں امور قدرت سے خارج ہیں، حالانکہ ان کا تعلق امکانیات سے ہے، تفصیل آگے آئے گی۔ تو اگر یہ سچے ہیں تو نعوذ باللہ خدا کے کلام میں انھوں نے کذب کو بالفعل تسلیم کرلیا۔ کہاں تو چلے تھے امکان کذب کی نفی کرنے اور پھنس گئے وقوع وصدور کذب میں۔ **فر من المطر وقر تحت المیزاب**، اسی کو کہتے ہیں، یا یوں کہو کہ ’’چاہ کن را چاہ درپیش۔

ایک معقولی عالم نے لکھا کہ **وھو ( الکذب ) محال لانہ نقص والنقص علیہ تعالیٰ محال**۔ اس پر ایک جامع المعقول والمنقول نے یہ لکھا، اسے بغور پڑھو!

’’اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست، بس لانسلم کہ کذب مذکورہ محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقد قضیہ مطابق للواقع والقاء آں بر ملائکہ وانبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست وإلا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع والقاء آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است، کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست، پس ممتنع بالغیر است، ولہٰذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند واورا جل شانہ بآں مدح می کنند بخلاف اخرس وجماد کہ ایشاں را کسے بعدم کذب مدح نمی کند وپر ظاہر است کہ صفت کمال ہمیں است کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد وبنا بر رعایت مصلحت ومقتضائے حکمت تنزہ از شوب کذب، تکلم بکلام کاذب نمی نماید ہماں شخص ممدوح می گردد بسلب عیب کذب واتصاف بکمال صدق، بخلاف کسیکہ لسان او ماؤف شدہ

باشد و تکلم بکلام کاذب نمی تواند کرد، یا شخصے کہ ہر گاہ کلام صادق می گوید کلام مذکور از و صادر می گردد، و ہر گاہ کہ ارادۂ تکلم بکلام کاذب می نماید، آوازِ او بندمی گردد، یا زبانِ او ماؤف می گردد، یا کسے دیگر دہن او را بندمی نماید یا حلقوم او را خنقہ می کند، یا کسے کہ چند قضایائے صادقہ را یاد گرفتہ است و اصلاً بر ترکیب قضایا دیگر قدرت نمی دارد و بناءً علیہ کلام کاذب از و صادر نمی گردد، ایں اشخاص مذکورین نزدِ عقلاء قابل مدح نیستند

بالجملہ عدم تکلم کلام کاذب ترفھاً عن عیب الکذب وتنزھاً عن التلوث بہ از صفات مدح است و بنا بر عجز از تکلم بکلام کاذب ہیچگونہ از صفات مدائح نیست یا مدح آں بسیار ادون است از مدح اول‘‘

خلاصہ یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے کذب ممتنع اور محال ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ وہ قدرت ہی میں نہیں ہے، حق تعالیٰ اس سے عاجز ہیں، بلکہ اس لئے کہ حق تعالیٰ قادر تو صدق و کذب دونوں پر ہیں، لیکن کذب خلاف حکمت ہے، اور حکیم خلاف حکمت کام نہیں کرتا، اس لئے نہیں کہ خلاف حکمت پر قادر نہیں، اس پر اگر قدرت ہی نہ ہو تو کاہے کو حکیم ہوگا، بے شک خلاف حکمت پر قادر ہے مگر ایسا کرتا نہیں، اس لئے صدور کذب اس سے ممتنع ہے۔ اور یہ تو اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذمے کوئی چیز واجب نہیں ہے، اگر وہ چاہے تو اہل ایمان کو مبتلاء عذاب کرے اور کفار و مشرکین کو بخش دے، ظاہر ہے کہ تعذیب مومن اور تنعیم کافر پر قدرت کا ماننا کذب پر قدرت ماننے سے کسی طرح کم نہیں ہے، اگر یہ خلاف حکمت ہے تو وہ بھی خلاف حکمت ہے، اور اگر یہ خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے قبیح ہے، تو وہ بھی خلاف حکمت ہی ہونے کے سبب سے قبیح ہے، پھر ایں چہ معنی دارد کہ تعذیب مومن پر قادر مانو، تنعیم کافر پر قادر مانو، اور نہ مانو تو کذب پر قادر نہ مانو، بلکہ اگر بنظر غور

دیکھوتو تعذیب مومن پر قادر ماننا مستلزم ہے کذب پر قدرت کو، کیونکہ خبر صادق تو یہ ہے کہ مومن مستحق رحمت ہے، پھر اگر اس کے عذاب پر خدا کو قادر مانا تو کیا اس کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ اس خبر صادق کے خلاف پر اسے قدرت حاصل ہے، اور خبر صادق کے خلاف کو کیا کہو گے؟

تم نے اپنے خط میں واجب بالذات و بالغیر اور محال بالذات و بالغیر سے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، تمہارا ذہن صحیح پہونچا، لیکن اس کی تشریح مجھ سے سن لو، تاکہ بصیرت حاصل ہو جائے۔

اتنی بات تو جانتے ہو کہ موضوع اور محمول کے مابین نسبت حمل کی ہوتی ہے، یعنی محکوم بہ محکوم علیہ پر محمول ہوتا ہے، اب تم غور کرو کہ موضوع و محمول کے درمیان قطع نظر حمل کے کیا تعلق ہے؟ اس کی چند صورتیں ہیں۔ کبھی یہ تعلق عینیت کا ہوگا، یعنی محمول موضوع کا عین ہوگا، ذات میں بھی اور مفہوم میں بھی۔ مثلاً الانسان انسان، کبھی ایسا ہوگا کہ موضوع و محمول میں علاقہ جزئیت کا ہوگا، یعنی محمول اپنی ذات کے لحاظ سے موضوع کا جز ہوگا، جیسے الانسان حیوان، اور کبھی یوں ہوگا کہ محمول اپنی ذات کے لحاظ سے موضوع کی ماہیت کے لئے لازم ہوگا، جیسے الاربعۃ زوج، اور کبھی تینوں سے الگ عرض مفارق کا علاقہ ہوگا، عقلاً یہی چار صورتیں ہوسکتی ہیں، ذرا تعمق کرو گے تو حمل کی کیفیت تمہیں سمجھ میں آجائے گی۔ پہلی صورت میں موضوع و محمول عین واحد ہیں لہٰذا حمل لازم ہوگا، ورنہ الانسان لیس بانسان کہنا ممکن ہوگا، جو بداہۃً محال ہے۔ دوسری صورت میں محمول چونکہ ذات موضوع کا جز ہے، لہٰذا یہ حمل بھی لازم ہے کیونکہ جب الانسان حیوان کہا گیا تو انسان کے ضمن میں حیوان بھی مذکور ہوا، گویا اس میں بھی الحیوان حیوان ضمناً مذکور ہوا۔ تیسری صورت میں چونکہ

محمول موضوع کے لئے لازم ماہیت ہے، اور لازم اپنے ملزوم سے ناشی اور صادر ہوتا ہے، جیسے روشنی سورج سے ناشی اور صادر ہے، اور ظاہر ہے کہ ناشی اور صادر کا مصدر اور منشاء میں پایا جانا ضروری ہے، اس لئے یہ حمل بھی قطعی اور لازمی ہے، اس کی نفی کرنے سے ذات ملزوم میں تغیر وتبدل لازم آئے گا، اس لئے الاربعة زوج کا حمل ضروری ہے۔ یہی تینوں محمولات واجب بالذات ہیں، اور ان کے نقائض ممتنع بالذات ہیں، اور یہی امور ہیں جو تحت القدرت نہیں آتے ،یعنی ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، کیونکہ قدرت خود انھیں کی فرع ہے، اگر ذات ہی مفقود ہو یا لازم ذات مفقود ہو جس کے نتیجے میں ذات کا فقدان یقینی ہے، تو ظاہر ہے کہ قدرت کا وجود کہاں؟ اور یہ جانتے ہی ہو کہ اصل اپنی فرع کے تحت نہیں آیا کرتا، اس لئے یہ تینوں امور تحت القدرت آ ہی نہیں سکتے ،البتہ موضوع اور محمول میں جب نسبت عرض مفارق کی ہو، تو وہ حمل ممکن ہوگا، خواہ کسی اور وجہ سے اس میں وجوب یا امتناع پیدا ہو جائے۔ مثلاً الانسان ضاحک اس حمل میں اگر کسی سبب سے وجوب یا امتناع پیدا ہو تو اسے واجب بالغیر یا ممتنع بالغیر کہا جائے گا۔

اب دوسری بات سنو! صفات، باری تعالیٰ سب یکساں نہیں ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک حقیقیہ محضہ جیسے حیات اور وجود۔ دوسرے حقیقیہ اضافیہ جیسے علم اور قدرت وغیرہ، کہ ہیں تو یہ ذات کی حقیقی صفات لیکن ان کا عمل اور ان کی تاثیر دوسری چیزوں پر ظاہر ہوتی ہے، مثلاً علم کا تعلق معلوم سے ہوتا ہے، قدرت کا تعلق مقدور سے ہوتا ہے۔ تیسرے اضافیہ محضہ جیسے معیت قبلیت وغیرہ۔

صفات حقیقیہ وہ ہیں جن کا مبدأ ذات باری تعالیٰ ہے، البتہ حقیقیہ کی دونوں قسموں میں اس قدر فرق ہے کہ حقیقیہ محضہ میں اضافت الی الغیر قطعاً نہیں ہے، نہ

مرتبہ تعقل میں اور نہ ترتب آثار میں، دوسرے لفظوں میں اسے صفت لازم سمجھ لو۔اور حقیقیہ اضافیہ مرتبۂ تعقل میں تو بے شک اضافت الی الغیر سے بری ہوتی ہے، مگر درجۂ تحقق میں اضافت الی الغیر اس میں ہوتی ہے، مثلاً علم کے تحقق کے لئے اضافت الی المعلوم ہوگی ،اور قدرت کے تحقق میں اضافت الی المقدور ہوگی۔اور اضافیہ محضہ وہ ہے جس کا مبدأ ذات باری تعالیٰ نہ ہو، مثلاً معیت یا قبلیت اس کا مبدأ ذات باری تعالیٰ نہیں ہے بلکہ جس کے ساتھ یا جس کے پہلے ہے، وہی اس معیت اور قبلیت کا منشاء ہے۔دوسری مثال سے سمجھو! تم کسی کے دائیں ہو، تو دایاں ہونے کا منشا تمہاری ذات میں نہیں ہے، بلکہ اس کی ذات میں ہے جو تمہارے بائیں بیٹھا ہے، اور اگر اٹھ کر وہ تمہارے داہنے آجائے تو اب تم بائیں ہو گئے، اس کا بھی منشاء تمہاری ذات میں نہیں ہے، ورنہ تم تو ایک ہی جگہ بیٹھے ہو، پھر دائیں بائیں کا اختلاف کیوں؟ معلوم ہوا کہ اس کا منشاء دوسرا شخص ہے، یہی بات ہر جگہ ہوگی ،غرضیکہ اضافیہ محضہ کا تعقل و تحقق دونوں، موصوف سے جدا دوسری جگہ پایا جاتا ہے۔

بغور ملاحظہ کرو! صفات حقیقیہ محضہ تو عین ذات واجب الوجود ہیں، لہٰذا ان کا واجب بالذات ہونا شبہ سے بالاتر ہے، ان میں کسی طرح کا تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ اور صفات حقیقیہ اضافیہ میں دو جہتیں نکل آئیں، ایک مبدأ کی جہت اور دوسرے اضافت الی الغیر کی جہت، مبدأ تو ان کا ذات باری تعالیٰ ہے، لہٰذا ان میں تغیر و تبدل محال، وہ لازم ذات ہیں، اور اضافت الی الغیر کے لحاظ سے چونکہ ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہوتا ہے، مثلاً علم کا تعلق معلوم سے اور قدرت کا تعلق مقدور سے، اور ظاہر ہے کہ معلومات اور مقدورات محل تغیر ہو سکتی ہیں، بلکہ باستثنائے واجب بالذات سبھی معلومات اور بلا استثناء تمام مقدورات محل تغیر ہوتی ہیں، اس لئے ان تعلقات میں بھی

تغیر وتبدل کی گنجائش ہوگی اور اضافیہ محضہ میں مطلقاً تغیر درست ہے، یہ تفصیل شرح مواقف میں مذکور ہے۔طوالت کے خوف سے عبارت نقل نہیں کرتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ صفات حقیقیہ محضہ میں اگر تغیر کی گنجائش مان لی جائے ،تو ذات باری میں تغیر لازم آئے گا، کیونکہ وہ عین ذات ہیں،اس لئے ان کا سلب محال بالذات ہے، صفات حقیقیہ اضافیہ کا مبدأ ومنشاء چونکہ ذات باری تعالیٰ ہے،اس لئے باعتبار مبدأ کے ان میں تغیر مانا جائے ،تو ذات میں تغیر لازم آئے گا، کیونکہ یہ صفات باعتبار مبدأ کے لازم ذات ہیں،اور لازم کے انتفاء سے ذات کا انتفاء ضروری ہے، البتہ ان کا تعلق جو معروضات ومضاف الیہ کے ساتھ ہے وہ قابل تغیر ہے، اس عروض وتعلق کو حادث ماننا ضروری ہوگا۔مثال درکار ہوتو بغیر تشبیہ کے یوں سمجھو کہ سورج کے لئے روشنی صفت حقیقیہ اضافیہ ہے، روشنی کا مبدأ تو سورج ہے مگر روشنی کا تحقق اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اشیاء عالم پر عارض ہوتی ہے،تو باعتبار مبدأ کے روشنی سورج کے لئے لازمِ ذات ہے، اگر روشنی کی نفی کردو تو سورج ہی معدوم سمجھو، ہاں عروض اس کا قابل تغیر ہے، یہی وجہ ہے کہ زمین پر تشکلات مختلف ہوتے رہتے ہیں، اور دن میں ہوتی ہے، رات میں غائب ہوجاتی ہے، حالانکہ ذات کے اندر وہ موجود ہے۔اس مثال کے بعد پھر مقصد کی جانب آؤ، باری تعالیٰ کی صفات فعلیہ یعنی وہ صفات جو فعل اور تاثیر پر دلالت کرتی ہیں، اور جن کے اطلاق میں کسی فعل کا صدور ملحوظ ہوتا ہے جیسے تخلیق، ترزیق، احیاء واماتت وغیرہ، انھیں اشاعرہ تو حادث مانتے ہیں، لیکن ہم لوگ جو ماتریدی ہیں انھیں قدیم کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ باعتبار مبدأ قدیم ہیں، البتہ باعتبار تعلق بالمضافات الیہا حادث ہیں، گویا صفات فعلیہ حضرات اشاعرہ کے نزدیک اضافیہ محضہ ہیں، اور ماتریدیہ کے نزدیک حقیقیہ

اضافیہ ہیں، بالفاظ دیگر یوں کہہ لو کہ صفات فعلیہ مثلاً خلق وارزاق وغیرہ کے دو رخ ہیں۔ایک یہ کہ حق تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ یہ چیزیں قائم ہیں، اوراس میں ان امور کی قدرت پائی جاتی ہے، اس لحاظ سے یہ صفات قدیمہ ہیں، دوسرے یہ کہ ان صفات کی تاثیر وفعلیت کسی شئے کے اندر ظاہر ہو، اس اعتبار سے یہ افعال ہیں تو صفات بالمعنی الاول قدیم اور واجب بالذات ہیں اور افعال بالمعنی المذکور حادث اور ممکن بالذات، کیونکہ ان کے تغیر وتبدل اور ایجاب وسلب سے ذات باری میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، کیونکہ مبدأ اپنی جگہ ثابت وقائم ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ **کان اللہ ولم یکن معہ شئ**، یعنی اللہ تھا، اوراس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی، اور ظاہر ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب فعل خلق کا ظہور نہ تھا، تو صفت خلق یعنی قدرت تخلیق تو حق تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ برقرار ہے، مگر فعل خلق بعد میں ہوا، اور ظاہر ہے کہ بعد میں ہونے والی چیز حادث نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی، بالکل بدیہی امر ہے۔

تیسری بات یہ سمجھو کہ کلام باری تعالیٰ دو معنوں میں مستعمل ہے، اول صفت حقیقی واحد بسیط جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، اوراس کے مغائر نہیں ہے، اسے کلام نفسی سے تعبیر کرتے ہیں، دوسرے وہ کلام جو منزل علی الرسول ﷺ ہے، یہ کلام لفظی ہے لیکن ہماری بحث سے خارج ہے۔اس لئے ہم کلام نفسی بالمعنی الاول ہی مراد لیتے ہیں، کلام نفسی فی نفسہ بسیط ہوتا ہے، اس میں صدق وکذب اور خبر وانشاء کی گنجائش نہیں ہوتی، البتہ تعلقات مخصوصہ کے باعث اس کو خبر وانشاء وغیرہ سے بھی تعبیر کردیں تو مضائقہ نہیں، دوسرے لفظوں میں کلام نفسی کو مبدأ کلام بھی کہہ سکتے ہو۔

شرح مواقف میں ہے: **وکلامه تعالیٰ واحدة عندنا لما مر فی القدرة وأما إنقسامه إلی الامر والنهی والخبر ولاستفهام والنداء فانما هو بحسب**

**التعلق فذٰلک الکلام الواحد باعتبار تعلقه بشئ مخصوص یکون خبراً وباعتبار تعلقه بشئ آخر یکون امراً وکذا الحال فی البواقی۔**

بہر حال یہ ثابت ہے کہ کلام نفسی صدق وکذب اور خبر وانشاء وغیرہ تقسیمات سے بری ہے، کیونکہ وہ بسیط ہے اور بسیط کو صادق وکاذب کیونکر کہا جاسکتا ہے، دیکھو لفظ جب تک مفرد ہوتا ہے، صدق وکذب کا احتمال نہیں رکھتا، لیکن یہ صفت جب تنزل کرکے درجۂ فعل میں آتی ہے اور کلام کو الفاظ کا جامہ پہنادیا جاتا ہے تو اب یہ بسیط نہیں رہا مرکب ہوگیا، کیونکہ الفاظ مرکبہ کے ساتھ ان کا تعلق قائم ہوگیا، یہی کلام لفظی ہے، کلام لفظی نہ قدیم ہوتا نہ واجب نہ بسیط ہوتا، اور نہ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم کلام نفسی کی مثال ایسی سمجھو جیسے روشنی جو سورج کے ساتھ قائم ہے، اور کلام لفظی کی مثال ایسی سمجھو جیسے دھوپ جو اشیاء عالم پر پڑتی ہے، اس میں خبر وانشاء کی گنجائش ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ کلام نفسی صفت حقیقی ذاتی ہے، اس میں صدق وکذب کی گنجائش نہیں ہے، اس اعتبار سے اگر کہا جائے کہ صدق وکذب مقدور باری تعالیٰ نہیں ہے تو مجازاً کہہ سکتے ہیں، کیونکہ جب وہ صدق وکذب کا محل نہیں تو صدق وکذب کی نفی کرنا گو حقیقۃً صحیح نہ ہو، مگر مجازاً درست ہے، صدق وکذب کا تعلق حقیقۃً کلام لفظی سے ہے اور کلام لفظی از قبیل افعال ہے، اور گزر چکا ہے کہ افعال باری تعالیٰ حادث ہیں، **کل یوم هو فی شان** میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، اور حادث قائم بذاتہ تعالیٰ نہیں ہوتا ورنہ ذات باری تعالیٰ میں حدوث لازم آئے گا، اس بنا پر اس کا مقدور ہونا بھی یقینی اور قطعی ہے، اور صدق وکذب چونکہ کلام لفظی کی صفات ہیں لہٰذا اس کے تابع ہوکر ان کا بھی ممکن بمعنی مقدور ہونا ثابت ولازم ہوگا۔

ہاں باری تعالیٰ کی جناب میں کذب ممتنع ہے، لیکن ممتنع بالذات نہیں، صدق

واجب ہے مگر واجب بالذات نہیں، واجب بالذات اس وقت ہوتا جبکہ وہ عین ذات ہوتا، یا جزءِ ذات ہوتا، یا لازم ذات ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ وہ صفت حقیقیہ محضہ ہوتا یا صفت حقیقیہ اضافیہ باعتبار مبدأ یعنی لازم ذات ہوتا، اور ثابت ہو چکا کہ کلام لفظی از قبیل افعال ہے جو حادث اور مقدور ہوتے ہیں، تو صدق واجب بالذات کیونکر ہوگا، اور پھر کذب محال بالذات کیوں ہوگا، ہاں کذب خلاف حکمت ہے اور خلاف حکمت ہونا عیب ہے اور عیب سے پاک ہونا لازم ذات ہے، لہٰذا ان دو واسطوں سے حق تعالیٰ کا عیب کذب سے پاک ہونا ضروری ہے، تو کذب ممکن بالذات محال بالغیر ہوا، اور محال بالغیر اپنی اصل کے اعتبار سے ممکن اور حادث ہوتا ہے، لہٰذا اس کا مقدور باری تعالیٰ ہونا شبہ سے بالاتر ہے۔

ایک بات یہاں اور سمجھ لو وہ یہ کہ صدور قبائح اور چیز ہے، اور قدرت علی القبائح دوسری چیز، دونوں میں زمین وآسمان کا فاصلہ ہے، صدور قبائح بری اور قابل نفرت چیز ہے، اور قدرت علی القبائح صفات عالیہ میں سے ہے۔ دیکھو انبیاء قادر علی القبائح ہوتے ہیں، مسلوب الاختیار نہیں ہوتے، ہاں صدور قبائح سے پاک ہوتے ہیں، اسی لئے وہ قابل مدح ہیں۔ اگر دونوں ایک درجے کی چیز ہوں تو انبیاء قابل مدح کیونکر ہوں؟ اسی طرح یہ بھی سمجھ لو کہ قدرت دو معنوں کے درمیان مشترک ہے، اور یہ دونوں اس کے حقیقی معنی ہیں، ایک تو وہ قدرت جو فعل کی علت تامہ ہوتی ہے جس کے ساتھ فعل کا وجود ضروری ہے، اگر فعل نہیں ہے تو یہ قدرت بھی نہیں، اسی کو قدرت حقیقیہ کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ احکام تکلیفیہ کے لئے یہ قدرت معتبر نہیں ہے، دوسرے قدرت کا وہ معنی جو عرف عام میں بولا جاتا ہے جس کے مقابلے میں عجز آتا ہے یعنی کسی کام کے انجام دینے کی طاقت وصلاحیت کا ہونا، یہی قدرت احکام تکلیفیہ

کیلئے شرط ہے، خدا تعالیٰ جس قدرت کے ساتھ موصوف ہے وہ قدرت بالمعنی الثانی ہے، قدرت بالمعنی الاول تو افعال کے مقارن ہوتی ہے، اگر وہ قدرت خدا تعالیٰ کے اندر مانی جائے تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قدرت صفت قدیمہ نہیں ہے، قدرت کے دونوں معنی حقیقی ہیں، مجاز ان میں سے کوئی نہیں ہے، حقیقی صرف نام ہے، حقیقت ومجاز سے اس کا کچھ علاقہ نہیں ہے، اب تم نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا یہ ٹکڑا املاحظہ کرو!

''پھر یہ کہ قدرت باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو قدرت حقیقیہ حاصل ہے نہ کہ قدرت مجازی، اور قدرت حقیقیہ کا مطلب وقوع قدرت ہے جیسے قدرت خلق قبل خلق حاصل ہے، حقیقی طور پر خلق کا محتاج نہیں، کلام اس کی صفت قدیمہ ہے، تو وہ کسی مخاطب اور سامع کا محتاج نہیں اور کلام کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہ قبل کلام متکلم ہے، اسی طرح کذب جو کہ محال تحت قدرت ہے تو گویا حقیقۃً قدرت ہے اور اس کا وقوع ہو چکا ہے تو خدا تعالیٰ سے کذب بالفعل کا صدور لازم آئے گا، پس یہ محال کو مستلزم ہے اور مستلزم محال کو محال ہوتا ہے، تو کذب باری تعالیٰ محال ہوا نہ کہ ممکن۔''

معلوم نہیں یہ الفاظ تمہارے ہیں یا صاحب بوارق کی عبارت تم نے نقل کی ہے، صرف یہ ٹکڑا نہیں بلکہ پوری عبارت ناسمجھی کا کرشمہ ہے۔ پہلی غلطی تو اس میں یہ ہے کہ قدرت کے دو معنوں میں ایک کا نام حقیقی دیکھ کر دوسرے کو مجازی قرار دے لیا، اور پھر بزعم خود حقیقی معنی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ متعلق کر دیا، حالانکہ اس میں چند در چند خرابیاں ہیں، یہ دوسری غلطی ہے، تم جان چکے ہو کہ قدرت کا یہ معنی حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ نہیں ہے بلکہ معنی ثانی اس کی صفت قدیمہ ہے۔

اب تیسری ناسمجھی دیکھو! قدرت حقیقیہ کا مطلب ''وقوع قدرت'' بیان کیا ہے، اس کی مراد واضح نہیں ہے، اگر ''وقوع قدرت'' سے مراد قدرت کا تحقق ووجود

ہے تو معلوم نہیں قدرت علی الکذب میں کیا استحالہ ہے، اور اگر اس سے مراد ''صدور مقدور'' ہے، تو کون کہتا ہے کہ کذب کا صدور ہوا، آخر ابھی سن چکے ہو کہ قدرت اور صدور میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ ''قدرت خلق قبل خلق حاصل ہے، حقیقی طور پر خلق کا محتاج نہیں'' اس سے کیا مطلب نکلتا ہے؟ اسی کے ساتھ یہ عبارت بھی دیکھ لو'' اور کلام کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہ قبل کلام متکلم ہے'' یہ دونوں عبارت مؤلف نے محض کم فہمی کے باعث لکھا ہے، قدرت خلق قبل خلق، متکلم قبل کلام جب کہا گیا تو گویا مصنف نے خود تسلیم کرلیا کہ کلام ہو یا خلق دونوں دو معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ صفت خلق کے بغیر خالق ہونا، اور صفت کلام کے بغیر متکلم ہونا محال ہے، ورنہ **الخالق لیس بخالق** اور **المتکلم لیس بمتکلم** کہنا پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک خلق پہلے ہے اور ایک خلق بعد میں، اور ایک کلام پہلے ہے اور ایک کلام بعد میں، اگر دونوں کو بالمعنی الواحد قرار دو تو قبلیت وبعدیت کا کیا معنی؟ ناچار یہی کہنا پڑے گا کہ پہلا خلق اور کلام صفت حقیقیہ قائم بذاتہ تعالیٰ ہے، اور قدیم ہے۔ اور دوسرا خلق اور کلام فعل باری تعالیٰ ہے جس کا نمبر بعد میں آیا، اور چونکہ یہ افعال مسبوق بالعدم ہیں جیسا کہ مؤلف نے ''قبل خلق اور قبل کلام'' کہہ کر اس کا اقرار کیا ہے، لہٰذا وہ حادث اور ممکن ہیں، لہٰذا وہ مقدور باری تعالیٰ ہیں، اور صدق وکذب چونکہ فعل کلام کی صفات ہین لہٰذا وہ بھی مقدور باری تعالیٰ ہیں۔ آگے پھر عبارت دیکھو

''پھر یہ کہ تمام صفات وافعال خدا تعالیٰ قدیم ہیں اور ان کا عدم وزوال محال ہے''

بے چارہ مؤلف ابتدائی عقل سے بھی محروم ہے اور اپنے کلام کا مطلب بھی نہیں سمجھتا، آخر خلق قبل خلق جب کہہ چکے تو اس دوسرے خلق کو قدیم کہنے کا کیا معنی؟ جس چیز کو بعدیت کے ساتھ موصوف کر چکے ہیں، اس میں قدم کہاں سے آیا، اس کو تو

خود حادث کہہ چکے پھر اپنی بات کو پلٹ دینا اہل بدعت ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ صراط مستقیم چھوڑ کر آدمی یونہی سرگرداں اور حیران ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ افعال کے مبادی ومناشی جو صفات حقیقیہ ہیں وہ قدیم ہیں، خود افعال قدیم نہیں ہیں، ورنہ مخلوقات کا قدیم ہونا لازم آئے گا، مثلاً فعل خلق اگر قدیم ہے تو اس کا مفعول بھی قدیم ہوگا، کیونکہ مؤلف بے چارہ تو ہر جگہ قدرت حقیقیہ مراد لے گا، اور فعل کے ساتھ بہرحال قدرت حقیقیہ ہوتی ہے، اس لئے جس آن فعل ہوگا اسی آن اس کے مفعول کا وجود بھی ضروری ہوگا، ورنہ اگر فعل اور مفعول میں تخلف ہوا تو قدرت کہاں ہوئی، مثال سے سمجھو کہ حق تعالیٰ کا فعل خلق آسمان سے متعلق ہوا تو دو صورت ہے، یا تو اسی وقت آسمان کا وجود ہوا یا نہیں؟ اگر ہوگیا تو چونکہ بقول مصنف فعل خدا قدیم ہے، لہٰذا آسمان بھی قدیم ہے، اور اگر کہو کہ اس وقت آسمان کا وجود نہیں ہوا تو قدرت کدھر گئی، اور نصوص صریحہ سے ظاہر ہے کہ آسمان کا وجود بہت بعد کا ہے، لہٰذا عرصۂ دراز تک قدرت سے خدا کا خالی ہونا لازم آئے گا، نعوذ باللہ۔ بہرحال دونوں شق باطل ہے، لہٰذا افعال کا قدیم ہونا بھی باطل ہے۔

اصل حقیقت جس پر کوئی استحالہ نہیں، یہ ہے کہ صفت خلق قدیم ہے وہ فعل خلق کی محتاج نہیں ہے، اور فعل خلق حادث ہے، زید آج پیدا ہوا تو فعل خلق اس کے حق میں پایا گیا، افعال باری تعالیٰ کو قدیم کہنا بداہت کے خلاف ہے۔

تم نے شارح مواقف کی عبارت **یمتنع علیه الکذب اتفاقاً** نقل کی ہے، اس کے آگے کی عبارت بھی دیکھ لو، فرماتے: **أما عند المعتزلة فلوجهین الاول أنه الکذب فی الکلام الذی هو عندهم من قبیل الافعال دون الصفات قبیح وهو سبحانه لایفعل القبیح وهو بناءً علیٰ اصلهم فی**

اثبات حکم العقل بحسن الافعال وقبحها مقیسة إلی اللہ تعالیٰ وستعرف بطلانه۔

اس سے کیا سمجھے؟ یہ کہ کذب حق تعالیٰ کے حق میں بالاتفاق محال ہے، معتزلہ کے نزدیک بھی اور ہمارے نزدیک بھی، معتزلہ اس کو اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ کلام ان کے نزدیک محض کلام لفظی کو کہتے ہیں، کلام نفسی کے وہ منکر ہیں، اور کلام لفظی کا ازقبیل افعال ہونا ظاہر ہے، اور کذب اس میں قبیح ہے، اور کوئی قبیح ان کے زعم کے مطابق تحت القدرۃ نہیں ہے، لہٰذا کذب بھی مقدور باری تعالیٰ نہیں ہے، یہ طریقۂ استدلال معتزلہ کا ہے جس کا بطلان آگے چل کر شارح مواقف کریں گے، اس استدلال کو مؤلف نے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے واسطے نقل کردیا۔

حقیقت وہی ہے جو میں نے پہلے لکھا کہ کلام کے دو معنی ہیں، کلام نفسی اور کلام لفظی۔ کلام نفسی ازقبیل صفات حقیقیہ ہے، اس میں صدق وکذب کا احتمال نہیں، اور کلام لفظی ازقبیل افعال ہے اور افعال حادث ہیں، لہٰذا ازقبیل ممکنات ہیں، اور اس کا صدق وکذب بھی ازقبیل ممکنات بمعنی کونها تحت القدرة ہے۔

دوسرے اس طور پر بھی غور کرو کہ صفات حقیقیہ ذاتیہ تو تحت القدرۃ ہو ہی نہیں سکتیں، اب ان کے بعد اس دنیا میں بچا کیا بجز افعال باری تعالیٰ کے، چنانچہ ظاہر ہے کہ تمام ممکنات ومخلوقات بجميع افرادها و اجزاء ها حق تعالیٰ کے افعال کے مظاہر ہیں۔ اب اگر افعال بھی قدیم اور قائم بذاتہ تعالیٰ مان لو اور انھیں بھی دائرۂ قدرت سے خارج کردو تو یہ بتاؤ کہ قدرت جو ایک صفت کمال ہے اس کا ظہور کہاں ہوگا، اس طرح تو کوئی چیز دائرۂ قدرت میں باقی نہیں رہ جاتی، پھر یہ پڑھ چکے ہو کہ ضد میں سے ایک پر اختیار ماننا دوسرے کے اختیار کو مستلزم ہے۔ اور افعال کی دو قسمیں

ہیں، حسن یا قبیح۔ان دونوں میں نسبت تضاد کی ہے۔اب اگر قبیح پر قدرت نہ ہوتو حسن پر قدرت آپ سے آپ ختم ہوگئی،تو صفات تو پہلے قدرت سے خارج تھیں، افعال بھی نکل گئے، لو میدان ہی صاف ہوگیا، اب کہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کو محض نام کے لئے قادر کہا گیا تھا، ورنہ اس میں قدرت کا نام ونشان نہیں، یہ بعینہٖ فلاسفہ کا مسلک ہے، دیکھو بات کہاں سے کہاں جا پہونچی۔ نعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات وأعاذنااللہ من سوء الفهم وثبتنا اللہ علی الصراط المستقیم

ہاں اگر کوئی صاحب دلیل سے ثابت کردیں کہ احد الضدین پر قدرت ضد آخر پر قدرت کو مستلزم نہیں ہے تو ہم بھی شوق رکھتے ہیں ،ذرا دیکھیں تو سہی۔کوئی صاحب اتنا ہی ثابت کردیں کہ افعال ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں ،اوراس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی تو ہم بھی اس کے مشتاق ہیں ،البتہ اس دوسری صورت میں انھیں کذب کے ساتھ صدق کو دائرۂ قدرت سے خارج کرنا پڑے گا، کیونکہ ذاتیات سب کے سب واجب بالذات ہوتی ہیں،انھیں زیر قدرت لانا کسی کے بس میں نہیں،اس طرح خدا کو حقیقی معنی کے لحاظ سے صادق کہنا ممکن ہی نہ ہوگا۔

مکتوب طویل ہوگیا، لیکن سوچا کہ کسی قدر تفصیل کردی جائے تو اطمینان ہوجائے گا، بغور پڑھو،ان شاء اللہ سمجھ جاؤ گے،اگر کہیں شبہ ہوتو پھر لکھو،کئی جگہ میں نے طوالت کے خوف سے بعض امور کو ترک کردیا ہے، ان شاء اللہ اتنے ہی سے تشفی ہوجائے گی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۰؍صفر ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزی وحبیبی! زادکم اللہ علماً وعملاً ورزقکم فھماً وصلاحاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل تمہارا خط اذان عشاء کے بعد ملا، اس وقت ایک نگاہ طائرانہ ڈال لی تھی، آج دوبارہ بغور پڑھا، بہت خوشی ہوئی کہ تم نے خط کے مضامین سمجھ لئے، مجھے آں عزیز سے یہی توقع تھی، اور اسی لئے قدرے بسط سے میں نے کام لیا تھا، خدا تعالیٰ تمہیں علم نافع اور عمل صالح نیز فہم سلیم کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

اب تم اپنے اشکالات کے جواب سنو! اپنے خط کی نقل تو رکھے ہوگے، اس لئے تمہارے سوالات نقل نہیں کرتا، محض جواب پر اکتفاء کروں گا۔

براہین قاطعہ کی جس عبارت سے تمہیں اشکال ہوا وہ شروع سے میرے ذہن میں تھا، لیکن اس وقت کتابوں کی طرف رجوع کی فرصت نہ تھی، محض ایک کتاب سامنے تھی، بہت عجلت میں خط تحریر کیا تھا، اس لئے یہ اشکال زیر تحریر نہیں آیا، اب تم نے سوال کیا تو میں نے فتاویٰ شامی اور شرح عقائد کی جانب مراجعت کی، اب حقیقت سنو!

براہین قاطعہ کی عبارت اور میری عبارت میں جو تضاد معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت مسئلہ کا تضاد نہیں ہے، تعبیر کا اختلاف اور تشریح وعید کا اختلاف ہے، وعید کی جو تشریح میں نے کی ہے وہ کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے بعض مواعظ میں اور قرآن وحدیث کے بعض الفاظ کی تفسیر وشرح کے ذیل میں اس کی جانب اشارہ موجود ہے، اگر تم چاہو گے تو بعد میں ان اشاروں کی تفصیل بتاؤں گا۔ ابھی اصل مدعا پر گفتگو ضروری ہے، البتہ جو تشریح کتابوں میں نظر سے گذری، اس کی بنا پر خلف فی الوعید کا مسئلہ زیر بحث آجاتا ہے، اس تشریح کے لحاظ

سے وعید بھی درحقیقت وعدہ کی ایک قسم ہے اور اس کے خلاف کرنا خلف فی الوعید ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ خلف فی الوعید ممتنع ہے ورنہ کلام باری تعالیٰ میں کذب لازم آئے گا، معتزلہ اپنے اصول بلکہ اپنے اوہام باطلہ کے لحاظ سے قبائح پر قدرت باری تعالیٰ تسلیم نہیں کرتے، اور اسی بنا پر بندوں کے افعال اختیاریہ کا خالق وہ خود بندوں کو گمان کرتے ہیں۔

حضرات اشاعرہ کے نزدیک خلف فی الوعید نہ صرف یہ کہ تحت القدرۃ ہے، بلکہ اس کا وقوع وظہور بھی ثابت اور جائز ہے، اس سلسلے میں اگر کذب کا شبہ پیش کیا جائے تو وہ حضرات اسے کذب تسلیم نہیں کرتے، بلکہ فرماتے ہیں کہ خلف فی الوعید بخشش وکرم اور رحمت وعنایت ہے، بھلا اس کو کذب کیسے کہا جاسکتا ہے، یہ تو خوبی اور کمال ہے، اسی کو علامہ تفتازانی نے نقل کیا ہے کہ: **زعم بعضھم أن الخلف فی الوعید کرم فیجوز من اللہ تعالیٰ**، پھر اس کے آگے لکھتے ہیں کہ: **والمحققون علیٰ خلافہ کیف وھو تبدیل للقول وقد قال اللہ تعالیٰ : مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ**، یہ محققین جن کا قول علامہ تفتازانی نے نقل کیا ہے، حضرات ماتریدیہ ہیں۔ دونوں جماعتیں زمرۂ اہل سنت میں داخل ہیں، شوافع اکثر اشاعرہ ہیں، اور احناف اکثر ماتریدی ہیں۔ اسی اختلاف کی جانب براہین قاطعہ میں اشارہ موجود ہے، میں نے جہاں تک ان دونوں نظریات پر غور کیا ہے، میری ناقص رائے میں یہ اختلاف حقیقی نہیں ہے، محض اختلاف لفظی ہے، اس اختلاف سے امکان کذب بمعنی **کونہ مقدوراً للہ تعالیٰ نفیاً واثباتاً** کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔

تفصیل سنو! اتنی بات تو دونوں فریق کے نزدیک ثابت اور مسلم ہے کہ حق تعالیٰ نے افعال واعمال اور کلمات واقوال کی جو خاصیات وتاثیرات براہ راست

قرآن میں اور بالواسطہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی لسان فیض نشان پر ظاہر فرمائی ہیں، ان کی وہ خاصیات وتاثیرات انمٹ اور لازوال ہیں، ان میں تبدیلی پیدا کرنا غیر ممکن ہے، مثلاً زنا کو فاحشہ اور سبب مقت فرمایا ہے، تو اب ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ زنا فی نفسہٖ سبب مقت ہونے کے بجائے سبب رضا بن جائے، یا کم ازکم یہی کہ وہ مقت کی تاثیر سے خالی ہوجائے، **مَايُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ**، میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔

دوسری بات یہ بھی فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ عُصاۃ مومنین جو بلاتوبہ مرگئے، ان کی مغفرت ہونی نہ صرف یہ کہ ممکن ہے، بلکہ اس کا وقوع بھی صحیح احادیث کی روشنی میں ثابت ہے، ہاں البتہ کسی کافر کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔

پھر یہ بھی بروئے نصوص صریحہ مسلّم عند الفریقین ہے کہ وعدے اور وعیدیں دونوں کی دو دو قسمیں ہیں، وعدۂ عام اور وعدۂ خاص، نیز وعید عام اور وعید خاص۔ مثلاً ایک وعدہ تو یہ ہے کہ اہل ایمان جنت میں ہوں گے، **من قال لاالٰہ إلا اللہ دخل الجنۃ**، اس مضمون کی بے شمار نصوص سے قرآن وذخیرہ احادیث لبریز ہے، یہ وعدے عام ہیں، کسی شخص خاص سے متعلق نہیں ہیں، جو ان صفات کے ساتھ متصف ہوگا ان بشارتوں کا مورد ہوگا۔ دوسرے مثلاً یہ کہ ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، ابوبکر جنت کے ہر دروازے سے بلائے جائیں گے، حضرت عائشہؓ کے لئے قرآن میں جنت اور رزق کریم کا وعدہ ہے، یہ وعدے خاص ہیں جو مخصوص افراد یا مخصوص جماعتوں سے کئے گئے ہیں، ٹھیک اسی طرح وعیدیں بھی دو طرح کی ہیں۔ ایک یہ کہ کفر وشرک یا فلاں فلاں صفات کا جو حامل ہوگا وہ ناری ہے، یہ عام وعیدیں ہیں جو مخصوص صفات سے متعلق ہیں، کوئی شخص معین اس کا مورد نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ابوجہل جہنمی ہے، ابولہب کے بارے میں **سیصلیٰ ناراً ذات لھب** وارد ہے، طلحہ اور

زبیر کے قاتلین جہنمی ہیں، حضرت علی کا قاتل جہنمی اور بد بخت ہے، یہ وعیدیں مخصوص افراد سے متعلق ہیں۔

اب تم غور کرو، مخصوص وعیدیں جن کا تعلق افرادِ خاصہ سے ہے، ان میں خلف فی الوعید کا قائل کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ان میں اس خلف کا قائل ہونا در حقیقت مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ، کا منکر ہونا ہے، اس لئے مخصوص وعیدات میں خلف غیر ممکن ہے، یہ معنیٰ نہیں کہ خلاف پر حق تعالیٰ قادر نہیں ہیں، حاشا وکلا، وہ سارے کافروں کو جنت میں بھیج دیں اور تمام مومنین کو جہنم میں ڈال دیں، کون ان کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔ لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ، بلکہ یہ کہ جو بات کہہ دی گئی، پتھر کی لکیر ہے، اس کے خلاف نہ کریں گے اور اپنے ارادہ سے نہ کریں گے۔

پس خلف فی الوعید کا تعلق کا تعلق محض وعیدات عامہ سے رہ گیا، مثلاً ایک شخص ہے جس نے کفر وشرک کے علاوہ ہر گناہ کا ارتکاب کیا ہے، یہ شخص بروئے وعیدات عامہ مستحق نار ہے، مگر رحمت حق آتی ہے اور اس کے تمام گناہوں سے صرف نظر کر کے اسے جنت میں پہونچا دیتی ہے، اب بظاہر چونکہ یہ عمل وعیدات عامہ کے خلاف ہوا ہے، اس لئے حضرات اشاعرہ اسے خلف فی الوعید کا نام دیتے ہیں، اور اسے انھوں نے بخشش وکرم فرما کر شائبۂ کذب سے بچالیا۔ حضرات ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ گو یہ شخص وعیدات عامہ کے تحت مستحق نار تھا، اور یہ بھی ہے کہ یہ معاصی اپنی اپنی تاثیر علیٰ حالہ رکھتے ہیں، لیکن شخص مذکور اس عام میں مخصوص تھا، ہمیں اس تخصیص کا علم نہ تھا، حق تعالیٰ کا علم ازلاً ابداً سب کو محیط ہے، اس لئے اس عام سے اس کی تخصیص ابتداء ہی سے ثابت تھی، اور ان تخصیصات کو حق تعالیٰ نے اجمالاً وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ میں بیان فرما دیا ہے، اس لئے حقیقۃً یہ خلف فی الوعید نہیں ہے،

اب تم خود دیکھ لو ان دونوں نظریوں میں کوئی تعارض ہے؟ نتیجہ پر دونوں متفق ہیں کہ عُصاۃ مومنین کی نجات بلا توبہ بھی واقع ہے۔ ایک جماعت ظاہر وعید پر نگاہ کر کے اسے خلف تسلیم کرتی ہے، دوسری جماعت حقیقت پر نظر کر کے خلف تسلیم نہیں کرتی، تناقض کے لئے وحدت محل شرط ہے، یہاں دونوں کا محل الگ الگ ہے، لیکن بہر حال اتنی بات مسلم ہے کہ حضرات اشاعرہ ہوں یا ماتریدیہ وقوع کذب کی جانب کسی کا ذہن نہیں گیا، اس لئے میں نے کہا تھا کہ اہل سنت کے اصول کے مطابق خلف فی الوعید سے امکان کذب یا وقوع کذب کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا، البتہ معتزلہ چونکہ حسن وقبح اور عذاب وثواب کے لئے حکم اور فیصل عقل انسانی کو مانتے ہیں، اس لئے عُصاۃ مومنین کو عذاب نہ ہو تو ان کی عقل کے خلاف ہے، کیونکہ وعیدات عامہ کے خلاف ہے اس لئے وہ کسی تخصیص کی گنجائش تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ عقل نے ان تخصیصات کا ادراک نہیں کیا ہے، اگر عُصاۃ مسلمین کو عذاب نہ ہو تو خلف فی الوعید حقیقۃ لازم آئے گا اور باعتبار نتیجہ کے کلام خداوندی میں کذب ثابت ہوگا، وہ اس وعید عام میں تو تخصیص کے قائل نہیں ہیں، البتہ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ کو مخصوص بالتوبہ جانتے ہیں جو معلوم ہے، اور یہ ان کی کج فہمی بلکہ ہٹ دھرمی کی دلیل ہے، اور وہ تو اس سے آگے کی بات کہتے ہیں کہ مرتکب کبائر مومن رہتا ہی نہیں، اس لئے کہ ایمان پر جنت کی بشارت ہے، پھر اگر اسے مومن مانا جائے تو ضروری ہے کہ وہ جنت میں جائے، کیونکہ اگر جنت میں نہ جائے تو خلف فی الوعد لازم آئے گا، اور اگر جائے تو خلف فی الوعید کا قائل ہونا پڑے گا اور کافر مانا جائے تو کبھی اس کی مغفرت نہ ہوگی، اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا تو یہ بھی خلف فی الوعد ہوگا، کیونکہ نصوص صریحہ سے ثابت ہے کہ اپنے کئے کی سزا بھگتنے کے بعد مرتکب کبیرہ جنت میں جائے گا، اب اسے مومن

کہیں تو غلط، اور کافر کہیں تو غلط، دونوں جانب اندھیرا ہے، اب انھوں نے اپنی نارسائیٔ فہم کو تو سمجھا نہیں، جھٹ ایک اور درجہ ایمان وکفر کے درمیان تسلیم کرلیا اور اپنی دانست میں خلف کی دونوں خرابیوں سے نجات پالی، حالانکہ اس کے نتیجے میں بے شمار نصوص صریحہ کا انھیں انکار کرنا پڑا، اور بغیر کسی دلیل کے محض اپنے اوہام کی بنا پر منزلۃ بین المنزلتین کی خرابی بھی اپنے سر مول لینی پڑی۔ **والقصة بطولها**

خلاصہ یہ کہ بلاشبہ خلف فی الوعید کا سراغ قدماء کی عبارتوں میں ملتا ہے، اور ان کے درمیان نزاع بھی واقع ہوئی ہے، لیکن نزاع محض لفظی ہے، میں نے جب اس پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ یہ سرے سے کوئی نزاع ہی نہیں ہے، اس لئے یہ تعبیر بدل دینی چاہیے تاکہ نزاع لفظی اور اختلاف صوری بھی اٹھ جائے، اور اصل حقیقت سامنے آجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ وعیدات عامہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ انھیں اشخاص سے متعلق نہ کیا جائے، بلکہ صرف بیان خاصیات پر محمول کیا جائے، مثلاً ہماری زبان میں ایک طبیب کہتا ہے کہ ''تم اگر زہر کھاؤ گے تو مر جاؤ گے'' اس کا مطلب فقط اس قدر ہے کہ زہر میں تاثیر موت ہے، اب فرض کرو کہ اس شخص زہر کھالیا اور نہیں مرا تو کیا وہ طبیب جھوٹا ہے، یا یہ خلف فی الوعید ہے ہرگز نہیں۔ زہر کی تاثیر تو بلاشبہ وہی ہے، مگر اس شخص میں تاثیر سے مانع کوئی چیز موجود ہوگی، جس کی وجہ سے زہر کا اثر ظاہر نہیں ہوا، اسی طرح سمجھ لو کہ وعیدات عامہ کے پیرایہ میں اعمال وافعال کی کچھ خاصیات بیان کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص ان افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور پھر اس کے باوجود اس کی مغفرت ہوجاتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان افعال کی خاصیت تبدیل ہوگئی، بلکہ یہ ہے کہ افعال قبیحہ کا اثر بوجہ کسی مانع کے ظاہر نہیں ہوا، خواہ وہ مانع توبہ ہو یا

شفاعت ہو یا کسی بڑی نیکی کا وجود ہو، یا محض رحمت الٰہی ہو، اگر افعال قبیحہ کی تاثیر بدلتی تو ضرور مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ کے خلاف ہوتا، گو حق تعالیٰ تبدیل خاصیات پر بھی قادر ہیں، لیکن چونکہ ایک خاصیت کی خبر دے چکے ہیں، اگر اس کی وہ خاصیت تبدیل کریں گے تو کذب پھر بھی لازم نہ آئے گا، کیونکہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے اور تبدیلی خاصیت ظاہر ہے کہ ایک قسم کا تصرف ہی ہے، اسے کذب نہیں کہہ سکتے البتہ نسخ کہنا چاہو تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر اس نسخ کی اطلاع نہ دیں تو یہ بندوں کے حق میں ظلم ہوگا، کیونکہ بندے تو اس خیال سے کہ فلاں فعل خاص میں فلاں خاصیت قبیحہ ہے، اس سے اجتناب کا اہتمام کئے ہوں گے، اور حق تعالیٰ نے چونکہ خاصیت تبدیل کر کے مثلاً اسے فرض کر دیا ہے، اور اس سلسلے میں ان سے مواخذہ فرماویں تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ تکلیف مالایطاق اور ظلم ہے، اسی لئے کے مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ کے بعد وَمَآ أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ فرمایا، یعنی ظلم کی نفی فرمائی کذب کی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبدیلی قول ظلم ہے کذب سے اس کا تعلق نہیں، اور اس سے یہ بھی دریافت ہوا کہ علامہ تفتازانی نے محققین کے نظریہ کے لئے مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ سے جو استدلال کیا ہے، وہ دعویٰ عدم خلف پر راست نہیں آتا، والعاقل تکفیه الاشارة ............غرض میری تعبیر و تشریح نے خلف فی الوعید کا لفظ ہی درمیان سے اٹھا دیا، جس کی بنیاد پر نزاع کا امکان تھا، اور اسے ختم ہونا ہی بہتر ہے، کہ خواہ مخواہ ایک غلط بات کا ایہام ہوتا ہے، اور ہر ایسے لفظ سے احتیاط کرنی چاہئے جو موہم غلط ہو، اسی طرح امکان کذب کے لفظ سے بھی پرہیز کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ امکان کے معنی جہاں تحت القدرۃ ہونا ہے، وہیں امکان کا معنی یہ بھی ہے کہ کسی شئ کی نفی ضروری نہ ہو، اور اس کا وجود محال نہ ہو، بلکہ یہ دوسرا معنی ہی زیادہ عام فہم اور اس

سے خواہ مخواہ باری تعالیٰ کے کلام میں احتمال کذب پیدا ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ صدق وکذب دونوں تحت القدرۃ ہیں تو عنوان کی وحشت ناکی ختم ہو جاتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اب براہین قاطعہ اور میری عبارت میں تعارض کا جو شبہ واقع ہوا تھا وہ دور ہو گیا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ گو مولانا خلیل احمد صاحب کی عبارت سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ خلف فی الوعید کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اور اس کی فرعیت میں امکان کذب کو بھی لاتے ہیں، اس کے برخلاف بندہ کی تشریح کے مطابق اولاً تو خلف فی الوعید کا ثبوت ہی نہیں اور اگر ہو تو امکان کذب کا مسئلہ اس کی فرع نہیں، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے لیکن میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ نظر بظاہر اشاعرہ خلف فی الوعید مانتے ہیں اور پھر گو کہ اسے کرم اور بخشش کا نام دے کر کذب سے یکسو کرتے ہیں لیکن کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ خواہ بخشش وکرم ہو لیکن ہے خلاف خبر، اس لئے اسے کذب ہی کہیں گے، مستقبح نہ سہی کذب مستحسن سہی، لیکن نفس کذب کا صدق تو اس پر ہوا۔ اس اعتبار سے امکان کذب خلف فی الوعید کبھی فرع قرار پاتا ہے، لیکن یہ سب بظاہر نظر ہے، اصل حقیقت کی تنقیح کے بعد یہ دونوں باتیں ھباءً منثوراً ہو جاتی ہے، مولانا علیہ الرحمہ کا موضوع اس موقع پر تنقیح حقیقت نہیں ہے بلکہ سرسری طور پر اس کا ذکر فرمایا ہے، اس لئے نظر بظاہر جو کچھ تھا اس کی طرف محض اشارہ کر دیا، اس طرح تعارض دفع کرلو۔ اور اگر اب بھی دفع نہ ہو تو یوں سمجھ لو کہ معتزلہ نے خلف فی الوعید کا انکار امکان کذب ہی کی بنیاد پر آیا تھا، اس لئے ہمارے لوگوں نے بھی تسامحاً اس کو اسی کے ساتھ جوڑ دیا، ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے۔

(۲) تمہارا دوسرا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا، شاید تمہارا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کلام تمام تر خبروں ہی پر مشتمل ہے، اس میں انشاء ہے ہی نہیں، اگر یہی مطلب

ہے تو میرا گمان یہ ہے کہ خبروں کی اصل حقیقت تمہارے ذہن میں نہیں ہے، اور میرے اس گمان کی بنیاد یہ ہے کہ ایک جگہ تم نے لکھا ہے کہ ’’انشاء سے مراد عدم سے وجود بخشنا ہے،‘‘ اور خبر کو حکایت واقعات ماضیہ میں تم نے منحصر کیا ہے، پھر دوسری جگہ بطور احتمال ثانی کے انشاء سے مراد کلام غیر مفید غیر محتمل صدق وکذب لکھا ہے، یہ تینوں باتیں غلط ہیں، مرکب غیر مفید کلام ہی نہیں ہوتا، تا بانشاء چہ رسد؟ اور عدم سے وجود بخشنا از قبیل الفاظ ہے ہی نہیں، تا بہ کلام چہ رسد؟ خبر نام ہے حکایت واقعہ کا، خواہ وہ ماضی سے تعلق رکھتا ہو یا حال سے یا مستقبل سے، اور انشاء نام ہے ایسے کلام کا جو مفید تو ہو مگر کسی واقعہ کی حکایت نہ ہو، مثلاً امر و نہی وغیرہ۔ حق تعالیٰ کے کلام میں دونوں چیزیں بکثرت ہیں، ایک جگہ تم نے لکھا ہے کہ ’’کلام تو خود نحو میں جملہ مفیدہ کو کہتے ہیں تو انشاء کا دخول اس میں کیونکر ممکن ہے‘‘ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تم انشاء کو مرکب مفید سے خارج سمجھتے ہو، یہ غلط ہے، مرکب مفید کی دو قسمیں ہیں، خبر اور انشاء۔

(۳) تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ شئ کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر بالفعل ارادہ کا وقوع ہو، بلکہ اس کا مطلب محض اسقدر ہے کہ وہ تعلق ارادہ کی صلاحیت رکھتا ہو، خواہ ارادہ اس کے ایجاد و اصدار کا ہو، یا اعدام و سلب کا، ارادہ کا تعلق دونوں جانب سے ہوتا ہے، تو کذب کے صدور کا نہ سہی عدم صدور کذب کا ارادہ تو ضرور ہوگا، پھر جب عدم صدور کذب تحت القدرۃ ہے تو اس کی نقیض بھی لازماً تحت القدرۃ ہوگی۔ مسئلہ ارادہ صدور کذب کا نہیں ہے، تحت القدرۃ ہونے کا ہے۔ صفات حقیقیہ محضہ اور صفات حقیقیہ اضافیہ باعتبار مبدأ ہی دو چیزیں ایسی ہیں، جو تحت القدرۃ نہیں ہیں، باقی ان کے علاوہ تمام امور تحت القدرۃ ہیں خواہ وہ از قبیل محاسن ہو یا از قبیل مساوی، سب ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر کے تحت ہیں۔

(۴) چوتھے شبہ جواب تو تم نے خود لکھ دیا ہے، البتہ معتزلہ کا مسلک نہ سمجھنے کی وجہ سے خلجان پیدا ہوگیا ہے، بات یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک کلام نفسی کوئی چیز نہیں ہے، وہ خدا تعالیٰ کو متکلم بالغیر مانتے ہیں، بلکہ انھوں نے خدا تعالیٰ کی توحید قائم رکھنے کے لئے تمام صفات کا انکار کردیا، ان کے خیال میں کلام اللہ کا اطلاق اس پر ہے جو لوح محفوظ میں ہے، جو جبرئیل علیہ السلام نے پڑھ کر حضور ﷺ کو سنایا، جو بین الدفتین مکتوب ہے، جسے ہم تم پڑھتے ہیں، خود حق تعالیٰ کی ذات عالی میں بذات خود کوئی کلام موجود نہیں ہے، اس لحاظ سے دیکھو تو حق تعالیٰ میں سرے سے تکلم موجود ہی نہیں، اور جس کو کلام باری کہتے ہیں وہ باری تعالیٰ سے علیٰحدہ منفصل چیز ہے، اور ظاہر ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے جو چیز منفصل اور جداگانہ ہے وہ حادث اور مخلوق ہے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہتے ہیں ٹھیک اسی قیاس پر ان کے نزدیک قرآن کلام اللہ ہے، اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود کلمۃ اللہ ہونے کے مخلوق ہیں، یونہی قرآن کلام بھی مخلوق ہے۔

اس کے برخلاف اہل سنت قرآن کو اصالۃً حق تعالیٰ کی صفت قرار دیتے ہیں، یعنی کلام اللہ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، اس مرتبہ میں وہ واحد و بسیط ہے، نہ حرف وصوت کا محتاج ہے اور نہ ترکیب و افراد کی وہاں گنجائش ہے، اس میں امر و نہی محض اعتباری اور ملحوظ ذہنی ہے، پھر جب حق تعالیٰ نے لوح و قلم کو پیدا فرمایا تو اسی کلام نفسی نے الفاظ و حروف اور کلمات و تراکیب کی صورت میں تجلی فرمائی، اور لوح محفوظ نے اس کے نقوش کو محفوظ کیا، پھر اسی کی قرأت جبرئیل کے ذریعے نبی اقدس ﷺ تک پہونچی، تو کلام اللہ تو غیر مخلوق اور غیر حادث ہے، البتہ ہم تم جو کچھ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں وہ حرف وصوت حادث ہیں، لیکن تم جانتے ہو کہ دوسرے کی بات چیت

نقل کی جاتی ہے اس کو نقل کرنے والا کبھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، اصل قائل کی جانب منسوب کرتا ہے، اور اپنے کو محض ناقل سمجھتا ہے، مثلاً تم علامہ اقبال کا کوئی شعر پڑھو تو نہ تمہیں یہ وسوسہ ہوگا اور نہ کسی دوسرے کو یہ شبہ ہوگا کہ یہ کلام تمہارا ہے، بلکہ ہر ایک جانتا ہے کہ یہ شعر علامہ اقبال کا ہے، تم اسے پڑھ رہے ہو، اور اس کے ناقل ہو، پس تم قاری وحاکی تو ضرور ہوئے، لیکن اس کلام کے متکلم نہ ہوئے، اسی طرح سمجھو کہ کلام اللہ جو بین الدفتین ہے وہ اصل کلام اللہ جو کہ کلام نفسی ہے اور صفت قائمہ بالذات ہے، اس کی نقل اور اس پر دال ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہم تم اسے پڑھیں یا قلم سے اس کی کتابت کی جائے ہر صورت میں اسے کلام اللہ ہی کہا جائے گا، ہم تم اس کے متکلم نہیں، ہاں قاری اور تالی ضرور ہیں ہم پر متکلم بالقرآن کا اطلاق درست نہیں ہے، البتہ قاری قرآن کا اطلاق صحیح ہے۔امام بخاری نے لفظی بالقرآن حادث فرمایا تو مبتلاء آلام ہوگئے، حالانکہ ان کی بات بالکل حق تھی، لیکن اس میں ایہام تھا جس سے معاندین نے فائدہ اٹھایا، اگر یوں فرماتے کہ قرأتی للقرآن حادثة تو کوئی مسئلہ نہ تھا، غرض کلام باری تعالیٰ اصالۃً تو کلام نفسی ہی ہے اور حق تعالیٰ کا تکلم اسی کے ساتھ ہے، کلام نفسی مرتبۂ ذات میں مطلق ہے اور تجلی ونزول کے بعد مقید ہے، بندہ کی رسائی مرتبۂ اطلاق تک ہرگز نہیں ہے، یہ خود محدود ومقید ہے، تو اس کے لئے مقید چیزیں ہی مناسب ہیں، مثال سے سمجھو کہ روشنی جب تک سورج میں ہے مطلق ہے، اگر اس کے بالمقابل کوئی چیز نہ ہو تو علی الاطلاق رہے گی مگر جب اس کا تقابل زمین سے ہوتا ہے اور زمین چمک اٹھتی ہے تو اب وہ مقید ہے، پھر اگر وہ مختلف روشندانوں سے گزر کر گھر میں آئی، تو ہر روشندان کی شکل میں متشکل ہو کر آئے گی، ظاہر ہے کہ مبدأ کے لحاظ سے تو واحد اور بسیط ہے، البتہ باعتبار تجلی للارض کے اس کی بساطت ختم ہوگئی

اور وحدت واطلاق بھی زائل ہوگیا، لیکن وہ روشنی پھر بھی سورج ہی کی کہلائے گی، روشندان یا زمین کی نہ کہلائے گی، اسی طرح اگر وہ آئینہ میں منعکس ہوکر کسی دیوار وغیرہ پر پڑے جب بھی اسے آئینہ کی روشنی نہ کہیں گے سورج ہی کی روشنی ہوگی، اگرچہ آئینہ سے ہوکر آئی ہے، اور جب وہ سورج ہی کی روشنی ہے، تو وہی واحد و بسیط مراد ہوگی جو اصل مرتبہ ذات میں تھی، ان مقید روشنیوں کو اس کی شیونات کہیں گے، پس اب مسئلہ واضح ہے کہ قرآن جو بین الدفتین ہے ہماری تمہاری زبان سے ادا ہوتا ہے، وہ بحیثیت تقید بین الدفتین اور بحیثیت مقروء الانسان ہونے کے ضرور مقید و محدود ہے، لیکن اس کا لحاظ عرف عام میں ہرگز نہیں ہوتا، وہ درحقیقت کلام اللہ ہی ہے ہم اس کے حاکی وقاری ہیں۔ اس لئے اسے نہ مخلوق کہنا جائز ہے اور نہ حادث! اور اگر کہا جائے تو بات حضرت ذات تک پہونچ جائے گی جو بغایت قبیح ہے، اس کے برخلاف معتزلہ حضرت ذات میں صفت کلام کو تسلیم ہی نہیں کرتے، وہ یہی ہماری تمہاری قرأت کو کلام اللہ قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بدیہی البطلان ہے، اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ قرآن کو مخلوق وغیر مخلوق ماننے کی نزاع اصل نہیں ہے فرع ہے، اصل یہ ہے کہ حضرت ذات کے لئے صفات کا ثبوت ہے یا نہیں، معتزلہ منکر ہیں اور اہل سنت مثبت، اور قرآن واحادیث کی صریح نصوص اس کی شاہد، اب دونوں مسلکوں کا فرق واضح ہوگیا، باللہ التوفیق۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۳۰/صفر ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا، اشکالات سے خوشی ہوئی کہ تلاش و تحقیق کا مادہ الحمد للہ کہ بدرجۂ اطمینان تمہارے اندر ہے، البتہ میرے خط کے مندرجات پر غور کم کیا ہے، اگر ذرا صبر و تامل سے اپنے اشکالات کو ذہن میں رکھ کر میرا خط بار بار پڑھتے تو جواب کے اشارات تمہیں مل جاتے، لیکن یہ بھی اچھا ہے کچھ اور باتیں زیر تحریر آجائیں گی۔

پہلی بات یہ ہے کہ میں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے قول کی تصحیح اور ان کی وکالت کا قصد ہی نہیں کیا ہے کہ تم مجھ سے اس کا مطالبہ کرو، یہ کام تو مناظر کا ہے۔ مجھے تو مسئلۂ کذب کی مقدوریت ثابت کرنی تھی، اسی سلسلے میں میں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ یہ مسئلہ خلف فی الوعید کے ضمن میں اہل سنت کے اصول کے مطابق آتا ہی نہیں، ہاں معتزلہ کے زعم کے مطابق آتا ہے۔ تم نے اس پر اشکال کیا کہ علماء اہل سنت تو اسے خلف فی الوعید کی فرع تسلیم کرتے ہیں، اس کے نتیجے میں خود خلف فی الوعید کی جانب ذہن منتقل ہوا، تو محسوس ہوا کہ یہ مسئلہ بھی علماء اہل سنت کے اصول کے مطابق جس مقام پر آیا ہے وہاں نہیں آتا، ہاں معتزلہ نے اولاً اس کا ذکر کیا ہے اور انھیں کے یہاں سے ہمارے یہاں آیا، اور اسی بنا پر میں نے گزشتہ مکتوب میں لکھا تھا کہ حقیقت الامر کے لحاظ سے خلف فی الوعید کا مسئلہ ہمارا نہیں ہے معتزلہ کے یہاں سے نقل ہو کر برائے جواب آیا ہے، گویا جو کچھ کتب کلام میں منقول ہے وہ علی السبیل التسلیم ہے، اور جو کچھ بندہ نے لکھا ہے وہ علی السبیل التحقیق ہے، اور مآل دونوں کا احقاق حق ہے، اگر قدماء نے کوئی دلیل کسی مسئلہ کی یا تفصیل ذکر نہ کی ہو تو کیا بعد والوں کو اس کی اجازت نہ ہوگی، پھر یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ کسی نے یہ تحقیق نہیں لکھی ہے، ہماری تمہاری نظر کتب عقائد پر کتنی ہے ہی۔

اب اس کی شرح سنو! اعتراضات کے مورد مولانا خلیل احمد صاحب نہیں

ہیں، انھوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے، انھوں نے تو محض عبارت نقل کی ہے، اگر اعتراض ہوگا تو اصل علماء متکلمین پر، لیکن درحقیقت ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں، مسئلہ خلف فی الوعید ہو، یا مسئلہ امکان کذب ہو، ہماری کتابوں میں اصالتاً اور ابتداءً نہیں آیا ہے بلکہ معتزلہ کے ایک مسئلہ کے جواب میں معرض بحث میں آیا ہے، اور اعتراض وجواب کے ذیل میں جو مسائل آجاتے ہیں وہ عموماً بالاستقلال موضوع بحث نہیں بنتے، ہاں اگر ایسی کوئی ضرورت متقاضی ہوتی ہے تو پھر سیر حاصل بحث ہوتی ہے۔ تم نے اس پر نہیں غور کیا کہ خلف فی الوعید کا مسئلہ ہماری کتابوں میں آیا کہاں سے؟ سلف میں اس بات پر کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ حق تعالیٰ علی العموم جس گناہ کی اور جس شخص کی مغفرت چاہیں اس پر قادر ہیں، اسی طرح جس کو عذاب دینا چاہیں اس پر بھی علی الاطلاق قادر ہیں، اس میں کسی عمل اور کسی شخص کی تخصیص نہیں ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض کی مغفرت اور بعض کی تعذیب موعود ہے، اور حق تعالیٰ خلاف وعدہ کام نہیں کریں گے، لیکن خلاف وعدہ نہ کرنا اختیار سے ہوگا قدرت مسلوب نہیں ہے، اس کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ پر کوئی حق واجب نہیں ہے، **یعذب من یشاء ویرحم من یشاء**، اسی شان قدرت وبے نیازی کا اثر ہے کہ جن لوگوں کو معرفت الٰہیہ میں جس قدر رسوخ ہوتا ہے وہ اسی حساب سے لرزہ براندام رہتے ہیں، سلف کے بعد معتزلہ اور خوارج کا ظہور ہوا، انھوں نے شریعت میں اور قرآن میں اپنی رائے کو داخل کرنا شروع کیا، انھوں نے کہا کہ گناہِ کبیرہ بلا توبہ پر عذاب دینا، اور ایمان وعمل صالح پر ثواب عنایت فرمانا حق تعالیٰ کے ذمہ حق واجب ہے، مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے خلاف پر قادر نہیں ہے، انھوں نے بطور دلیل کے یہ کہا کہ اگر مغفرت عاصی بغیر توبہ یا تعذیب مطیع کو مقدور باری تعالیٰ مان لیا جائے تو وعدوں اور

وعیدات میں خلف لازم آئے گا، اور اس کے نتیجے میں کذب ضرور لازم آئے گا، اور پہلے خط میں تم پڑھ چکے ہو کہ معتزلہ منکر صفات ہیں، وہ باری تعالیٰ کے لئے محض افعال ثابت کرتے ہیں، لہٰذا ان کے اصول کے لحاظ سے مقدور ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ درجۂ فعلیت میں ہو، مطلب یہ ہے کہ قدرت ان کے نزدیک کوئی صفت نہیں ہے کہ صدور فعل کے لئے ایک اور درجہ تسلیم کرنا پڑے، قدرت اور مقدوریت دونوں فعل ہیں، تو اگر مغفرت عاصی بلاتوبہ مقدور ہو تو گویا وہ درجۂ فعلیت میں ہے، پھر وہ قول خداوندی کے خلاف ہوگی، اس لئے قول میں کذب لازم آئے گا، اس طرح خلف وعید ہو یا مسئلہ کذب ہو، دونوں معتزلہ کے اصول کے باعث لازم آئیں گے، اور اس نزاع کی اصل یہاں نہیں مسئلہ صفات میں ہے کہ وہ منکر صفات ہیں اور ہم مثبت صفات ہیں۔ قدرت ہمارے نزدیک منجملہ صفات کے ہے اور اس درجہ میں اس کا تعلق محاسن اور قبائح سب سے ہے، اور ان کے نزدیک قدرت منجملہ افعال کے ہے، اس لئے اس کا تعلق وہ قبائح سے نہیں مانتے۔

بہرکیف مسئلہ صفات ہی کی یہ فرع ہے، اب شرح مواقف کی اس عبارت پر غور کرو اور دیکھو کہ میں نے جو کہا ہے کہ یہ دونوں مسئلے ہمارے یہاں ابتداءً نہیں آئے ہیں، بلکہ ضمناً آگئے ہیں، اور یہ کہ ہمارے اکابر نے جواب علیٰ سبیل التسلیم دیا ہے، اس عبارت سے نکلتا ہے یا نہیں۔

”وأما العقاب ففيه بحثان :۔ الاول أوجب جميع المعتزلة والخوارج عقاب صاحب الكبيرة إذامات بلا توبة ولم يجوزوا أن يعفوالله عنه بوجهين ، الاول :۔ أنه تعالیٰ أوعد بالعقاب على الكبائر وأخبر به أی بالعقاب عليها فلولم يعاقب على الكبيرة وعفا لزم الخلف فی وعيده والكذب فی خبره وأنه محال ، والجواب غايته

وقوع العقاب فاين وجوبه الذى كلامنا فيه اذلا شبهة فى أن عدم الوجوب مع الوقوع لايستلزم خلفاً ولا كذباً لايقال: انه يستلزم جوازهما وهو ايضاً محال لانا نقول: استحالته ممنوعة كيف وهما من الممكنات التى تشملهما قدرته تعالىٰ۔

اورسنو!

’’النظامية اصحاب ابراهيم بن سيار النظام وهو من شياطين القدرية طالع كتب الفلاسفة وخلط كلامهم بكلام المعتزلة قالوا لايقدر أن يفعل بعباده فى الدنيا مالا صلاح لهم فيه ولا يقدر أن يزيد فى الآخرة أو أن ينقص من ثواب وعقاب لاهل الجنة والنار وتوهموا أن تنزيهه تعالىٰ من الشرور والقبائح لايكون الابسلب قدرته عليها، فهم فى ذٰلک كمن هرب من المطر إلى الميزاب (شرح مواقف)

پہلی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر بالفرض امکان خلف وعید یا امکان کذب لازم آتا ہےتو اس میں کیا حرج ہے، آخر یہ دونوں ممکنات ہی سے ہیں جن کوحق تعالیٰ کی قدرت شامل ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات معتزلہ کا مفروضہ تسلیم کر کے کہی گئی ہے، بس اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے، اور مختلف مواقع پر یہی بات نقل کی گئی ہے، ہمارے اکابر کے دور میں مسئلہ امکان کذب بمعنی مقدوریت کذب متنازع فیہ بنا اور اہل معقول نے اس پر غل مچایا تو اور باتوں کے ساتھ یہ بات بھی ذکر کی گئی کہ قدماء میں خلف فی الوعید کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، اوراسی کے باعث امکان کذب کا مسئلہ پیدا ہوا ہے، اس لئے اس پر طعن کرنا درحقیقت قدماء پر طعن کرنا ہےاور قدماء میں خلف فی الوعید کے سلسلے میں شرح عقائد کی عبارت دیکھ چکے ہو، یہ خلف فی الوعید بھی علی التسلیم ہے، اور محققین کی جانب سے صاحب شرح عقائد نے جو دلیل نقل کی ہے، وہ اس مقام پر بہت کمزور ہے، اس کی جانب میں دوسرے خط میں اشارہ کر چکا ہوں۔

جو کچھ اس قاصر العقل نے لکھا ہے، اسکا تعلق مسئلہ کی اصل لم سے ہے، میری ذات کو کوئی مانے یا نہ مانے، مسئلہ خلاف مسلک نہ ہو، اور دلیل غیر معقول نہ ہو، بس اتنا کافی ہے، اگر کوئی رد کرے تو دلیل سے رد کرے، دلائل کے رد کرنے میں صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ یہ دلیل، یا مسئلہ کی یہ وضاحت کسی نے نہیں لکھی ہے، ہاں اصل مسلک کا خلاف کروں تو ضرور قابل رد ہے، اور تم جان چکے ہو کہ محققین کے نزدیک خلف فی الوعید جائز الوقوع نہیں ہے، اور میں نے دلیل سے ثابت کردیا ہے کہ وعیدات عامہ میں خلف فی الوعید متصور ہی نہیں، لہٰذا اس کا امکان ہی ختم ہوگیا، اس سے محققین کا مسلک اور پختہ تر ہوگیا، اب رہیں وعیدات خاصہ تو خلف ان میں بھی مقدور وممکن ہے، لیکن باری تعالیٰ باختیار خود ان کے خلاف نہ کریں گے، وہ ممکن بالذات اور محال بالغیر ہیں، تم نے لکھا ہے کہ:

> ''اور وعیدات عامہ میں خلف فی الوعید کا قائل کون ہوتا، اس لئے کہ خلف تو اس وقت ہوتا جبکہ اطلاع نہ ہوتی، اور یہاں جب اطلاع کردی گئی تو پھر خلف فی الوعید کا قول حماقت وبلادت ہی معلوم ہوتا ہے، لہٰذا خلف فی الوعید کا امکان صرف وعیدات خاصہ سے متعلق رہا، اور اسی میں علماء متقدمین کے درمیان باہم اختلاف ہوا۔''

یہ بات درست نہیں ہے، میں ذکر کرچکا ہوں کہ خلف فی الوعید کا لفظ ابتداءً معتزلہ کی زبان پر آیا اور ایک خاص تشریح کے ساتھ آیا، اور دیکھ چکے ہو کہ اس کا تعلق وعیدات خاصہ سے نہیں ہے، اسی تشریح کے ساتھ ہمارے یہاں منتقل ہوا، اور کچھ لوگ اس بات کے قائل ہوگئے کہ عاصی جو بلا توبہ مرگیا ہو، اس کی مغفرت خلف فی الوعید کے دائرہ میں آتی ہے اور یہ جائز ہے، کیونکہ وہ کرم محض ہے، لیکن محققین نے اسے رد کیا، ان کا مطلب یہ ہے کہ اسے خلف فی الوعید کے دائرہ میں لانا ہی غلط ہے،

وعیدات خاصہ کے خلف وقوعی کا اہل سنت میں کوئی قائل نہیں ہے اور نہ اس میں اختلاف ہے، اور مقدوریت اور امکان میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تم نے چوتھے اشکال میں جواز وامکان کو مترادف قرار دیا ہے، بلاشبہ یہ صحیح ہے اور کتب کلامیہ میں اس طور پر استعمال ہوا ہے، لیکن امکان کے دو پہلو ہیں، ایک امکان عام یعنی سلب ضرورت من جانب واحد کہ جس میں ایک جانب سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے، دوسری جانب ضرورت، عدم ضرورت اور امتناع تینوں کا احتمال رہتا ہے، اور دوسرا امکان خاص جس میں ضرورت کی نفی دونوں جانب سے ہوتی ہے، اس میں نہ ضرورت کا احتمال ہوتا اور نہ امتناع کا۔ میں نے جہاں جہاں امکان کا لفظ استعمال کیا ہے وہ امکان عام کے معنی میں ہے، اور جہاں جواز کا لفظ استعمال کیا ہے وہ یا تو وقوع کے معنی میں ہے یا امکان خاص کے معنی میں، جواز متکلمین کا کوئی اصطلاحی لفظ نہیں ہے کہ اس سلسلے میں اصطلاح خاص کی پابندی کی جائے، ہاں امکان ان دونوں معنوں کے لحاظ سے مصطلح ہے۔

شرح عقائد کی عبارت **فیجوز من اللہ** میں جواز سے وقوع مراد ہے، ورنہ اگر امکان بمعنی مقدوریت مراد ہوگا تو اس میں خلف فی الوعید ہی کیا خلف فی الوعد بھی مقدور ہے، اور محققین جو اس کے خلاف ہیں وہ وقوع خلف ہی کے خلاف ہیں، یہ وقوع امکان عام اور امکان خاص دونوں سے الگ ہے، جسے اصطلاح میں بالفعل کہتے ہیں، اور قضیہ اس سے مطلقہ عامہ بنتا ہے، یعنی خلف فی الوعید **واقع بالفعل أی فی المستقبل**، چنانچہ حاشیہ میں ہے: **قولہ کرم، قالوا ان الخلف فی الوعید لایعد نقصاً بل یعد کرماً یمدح بہ الباری تعالیٰ بخلاف الخلف فی الوعد فانہ یعد نقصا یجب تنزیہ اللہ تعالیٰ عنہ إذا تخلف بالکرم لا**

**یـلیق بالکرم القادر علیه والحق أن الخلف جائز عقلاً مطلقاً لکنه غیر واقع فی الکتاب والسنة والاجماع۔**

اس عبارت میں **جـائز** بمعنی مقدور ہے، اور **غیـر واقـع، فیـجوز** کے جواب میں ہے۔

نیز **بعضھم** پر حاشیہ دیکھو، لکھتے ہیں: **هٰذا هو مذهب الاشاعرة ومن یـحذو حذوهم**، اس معلوم ہوا کہ **بـعضهم** سے مراد مطلقاً اشاعرہ ہیں بعض نہیں، اور محققین سے مراد دوسرے لوگ ہیں۔ علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ کے بارے میں مجھے تحقیق نہیں ہے کہ وہ شافعی ہیں یا کیا ہیں؟

اب خلاصہ سن لو!

معتزلہ اور خوارج حق تعالیٰ کے لئے قدرت علی القبائح تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا خلف خواہ فی الوعد ہو یا فی الوعید، اور کذب اور اسی طرح دوسری قبیح چیزیں سرے سے تحت القدرۃ آتی ہی نہیں۔

اہل سنت کے نزدیک قدرت علی المحاسن والقبائح سب ثابت ہے، اس لحاظ سے قبائح ممکن ومقدور ہیں، لیکن ان کا وقوع وصدور چونکہ منافی حکمت ہے، اس لئے حق تعالیٰ باختیار خود ان معائب سے بری اور پاک ہیں، قدرت ہونا عیب نہیں ہنر ہے، قدرت نہ ہونا خود عیب ہے، کذب ہو یا خلف، دونوں از قبیل افعال ہیں، لہٰذا مقدور وممکن ہونا قطعی اور یقینی ہے، ہاں ان کا وقوع وصدور غیر ممکن ہے۔

ہاں یہ بات خوب سمجھ لو کہ کتب عقائد میں امکان، جواز، وقوع، امتناع، محال وغیرہ کے جو الفاظ آتے ہیں تو ہر جگہ ان کا معنی ایک نہیں ہوتا، ورنہ پھر نا قابل حل اشکالات پیش آئیں گے، کہیں امکان بمعنی امکان عام ہوتا ہے، کہیں بمعنی امکان

خاص، اور جواز کہیں بمعنی امکان عام یا خاص ہوتا ہے اور کہیں بمعنی وقوع اور امتناع، کہیں بالذات ہوتا ہے اور کہیں بالغیر، کہیں امکان بمعنی مقدور ہوتا ہے۔

میری عبارتوں میں عموماً امکان بمعنی مقدوریت آیا ہے، اور جواز بمعنی وقوع، الفاظ کے ان معانی نظر پر ضرور رکھو، تمہارے خط کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کہیں تم امکان کو کسی معنی میں لے رہے ہو اور کہیں کسی معنی میں، اور اس کی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے، حالانکہ میں نے بالتصریح مقدوریت کا ذکر کیا ہے۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۵/ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارے سابقہ مکتوب میں مسئلہ صفات کا تذکرہ تھا۔ اس سلسلے میں ذکر اس کا تھا کہ معتزلہ صفاتِ باری تعالیٰ کے منکر ہیں یا معترف، تم نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ بھی صفات کے معترف ہیں، اختلاف جو کچھ ہے، وہ تعبیر وتشریح کا ہے، لیکن میرے خیال میں وہ صفات کے سرے سے منکر ہیں، چنانچہ علم کلام کی کتابوں میں عموماً یہی مذکور ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور اس کا تم نے ذکر بھی کیا ہے کہ قرآن وحدیث میں تو بہت وضاحت کے ساتھ حق تعالیٰ کے لئے صفات کا اثبات ہے، پھر اس کے انکار کی گنجائش انھیں کیونکر ملی؟

یہ سوال واقعی اہم ہے، اور اس کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ معتزلہ اپنے تمام تر نظریات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر چکے ہیں، اب نہ وہ عقلی موشگافیوں کا دور باقی رہا، جس سے اس وقت امت دوچار تھی، اور نہ وہ عقلی وساوس باقی رہے جن

کی بنیادوں پر فلاسفہ و معتزلہ اپنے نظریات و افکار کی عمارتیں اٹھایا کرتے تھے۔ اب واقعی تعجب ہوتا ہے کہ مسلمان کہلانے کے باوجود، انکارِ صفات کی ہمت وہ کیونکر کرتے تھے۔

لیکن اگر کچھ دیر کے لئے اپنے اس دور سے.......... جس میں ہم تم ہیں، اور جس کی تعمیر صدیوں میں ہوئی ہے، اور جس کی بنیادوں میں محدثین، فقہاء، متکلمین اور صوفیہ ہر ایک کا خونِ جگر شامل ہے، تھوڑی دیر کے لئے اس دور سے.......... ہٹ کر، اس سے نکل کر اس عہد ماضی میں لوٹ جاؤ، جب دین اسلام اپنی حدودِ مملکت کو آفاقِ عالم میں وسیع کر رہا تھا، اور اقوامِ سابقہ کی جاہلیتیں علمی، ذہنی اور سوفسطائی ہتھیاروں سے لیس کر کے اسلامی عقائد و افکار کے مقابلے میں یکے بعد دیگرے اپنی فوجیں اتار رہی تھیں، اور ہر ایک اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بنی آدم میں مختلف استعدادوں کو جذب کر رہی تھیں، تو تعجب ایک حد تک کم ہو جائے گا۔

اس وقت حدیث کی تدوین کا کام ابتدائی دور میں تھا۔ تمام حدیثیں یکجائی طور پر سفینوں میں دستیاب نہ تھیں، اساتذہ کے سینے ان کے امین تھے، اسی دور میں یونانی فلسفہ کا ریلا بھی سیلاب کی طرح آیا، عجمی اَذْہان پہلے سے اس کی استعداد رکھتے تھے، انھوں نے اسلام کی ہیبت سے متاثر ہو کر اسلام کے حلقے میں آنا تو قبول کر لیا تھا، مگر جو ذہنیت پہلے سے بت کی طرح دل میں جمی بیٹھی تھی، اسے وہ نکال باہر نہ کر سکے تھے، اب جو فلسفی علوم کا عربی زبان میں ترجمہ ہونے لگا تو اس کی بھاری بھرکم اصطلاحات سے مرعوب ہو کر کچھ لوگ جو علم میں کم اور ذہانت کے تیز تھے، اور جنھیں اتباع سے زیادہ اختراع و ابتداع محبوب تھی، اس پر ٹوٹ پڑے، اور انھوں نے فلسفی علوم کو اصل قرار دے کر علم نبوت کے اندر انکار، ترمیم اور توجیہ و تاویل کا دروازہ کھول دیا، جیسا کہ ایک عرصہ سے ہم یورپین علوم کے سلسلے میں یہی تماشا دیکھ رہے ہیں، اس

طرح اہل اسلام کا ایک گروہ اسلام کی آغوشِ رحمت سے نکل کر فلاسفہ کی وادیٔ تیہ میں جا پہونچا، انھیں میں بعض قدریہ، بعض جہمیہ، بعض معتزلہ، بعض کرامیہ اور بعض مرجیہ کہلائے، اور پھر چونکہ انسانی ذہانتوں میں تضاد وتخالف بہت ہے، اس لئے ہر ایک کے اندر مختلف ٹولیاں بنتی رہیں۔ ایک معتزلہ میں ابوالحسین بصری، ابوعلی جبائی، ابوہاشم اور نظام بغدادی وغیرہ مستقل الگ الگ نظریات کے حامل ہیں، بلکہ شرح مواقف میں تو معتزلہ کے بیس فرقے مذکور ہیں، اور سب باہم دست وگریباں ہیں، اور ہر ایک اپنی عقل کے بل بوتے پر اچھل کود رہا ہے، ہر ایک نے اپنی عمارت الگ بنائی، لیکن جیسے جیسے احادیث کی تدوین کا کام بڑھتا گیا، فلسفہ کی گرفت اذہان وقلوب سے ڈھیلی پڑتی چلی گئی، اس کے لئے حضراتِ محدثین کثر اللہ أمثالھم وقدس أسرارھم کو قربانیاں بھی بہت دینی پڑیں، اور بالآخران قربانیوں نے اپنا لازوال اثر پیدا کیا، ایک امام احمد بن حنبلؒ کے یادگار زمانۂ ابتلاء وآزمائش نے معتزلہ وجہمیہ کے پاؤں پر ایسی ضرب لگائی کہ پھر یہ جماعت کبھی کھڑی نہ ہوسکی، احادیث کی صاف وصریح تعلیمات نے بالآخران کے تمام عقلی تکے اور ذہنی وساوس ختم کردئے، اور اب تو وہ وقت ہے کہ معتزلہ کی کوئی ایسی کتاب نہ پاؤگے، جس میں ان کے تمام افکار ونظریات اور دلائل کی تشریح کی گئی ہو، جو کچھ متکلمین نے ان کے نظریات رد وابطال کے سلسلے میں جمع کردئے ہیں، بس وہی چیزیں مل جاتی ہیں، گویا معتزلہ تو اپنے نظریات کی حفاظت جمع وتدوین کے راستے سے بھی نہ کرسکے، اس کے لئے انھیں اپنے مخالفین کا ممنونِ کرم ہونا پڑا۔

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ نے فلاسفہ کی پیروی کی، اور جہاں جہاں وہ سرگرداں ہوئے وہاں وہاں یہ بھی پہونچے، لیکن چونکہ یہ صاحب ایمان کہلاتے تھے، اس لئے

نصوصِ صریحہ سے بالکل صاف دامن بھی چھڑا نہ سکتے تھے، اس لئے تشریح وتعبیر میں ترمیم کا کام دونوں جانب قدرے فرق کے ساتھ کرتے رہے، اکثر جگہ تو نصوص کی تشریح میں ترمیم کی اور کہیں کہیں مجبوراً فلاسفہ کی تعبیر بدلی، اس طرح ایک نیا مجموعہ دینی افکار ونظریات کا تیار کر دیا جسے نہ فلاسفہ قبول کر سکتے تھے، اور نہ اہل اسلام کو اس پر اطمینان ہوسکتا تھا۔ اور بے شمار اعتراضات وایرادات کا دروازہ کھل گیا، یہ صریح گمراہی تھی۔ ان کے ردوابطال کے لئے متکلمین اسلام کا گروہ اٹھا، یہ حضرات فلاسفہ ومعتزلہ کے تعاقب میں ہر اس جگہ پہونچے جہاں ان کی کوئی معمولی سے معمولی پناہ گاہ تھی، اور ہر ایک کو اُجاڑ ڈالا، ان حضرات کا کام صرف ان گمراہوں کی عمارتوں کا ڈھانا تھا۔ اس کے لئے انھوں نے وہی ہتھیار استعمال کئے جو اہل ضلال استعمال کیا کرتے تھے، لیکن اس کے نتیجے میں انھیں اصطلاحوں کی بنیاد پر عقائد کی تشریح وتعبیر کی ایک اور عمارت کھڑی ہوگئی، جو متکلمین کی جانب منسوب ہوئی اور چونکہ اس میں بھی وہی گارا پانی استعمال ہوا تھا، جو فلاسفہ اور معتزلہ کے یہاں رائج تھا اس لئے متکلمین کے مسائل ودلائل بھی بہت کم اعتراض وایراد سے خالی رہے، اور بظاہر بہت سی جگہ ان کا پلہ کمزور معلوم ہوتا ہے، مثلاً جزء لایتجزیٰ کے اثبات کے لئے متکلمین کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے، لیکن چوک یہیں ہوئی کہ انھیں عقائد کا شارح مان لیا گیا، یہ حضرات عقائد کے شارح نہیں ہیں، گمراہوں کے سرکوبی کرنے والے ’’جنودِ الٰہیہ‘‘ ہیں، انھوں نے زائغین کی تمام عمارتیں انھیں کے اوزاروں سے ڈھا دیں۔ اب رہا ایمان واعتقاد کا مسئلہ اس کے سلسلے میں جتنا کچھ قرآن وحدیث میں بیان کر دیا گیا ہے وہ بہت کافی ہے، اس پر اضافہ کرنا، اس سے زیادہ اس میں خوض کرنا ممنوع ہے، حدیث میں **تفکر فی الخالق** سے منع کیا گیا ہے۔ **ولنعم ماقیل** :

وأما السلف والأئمة فلم يدخلوا مع طائفة من الطوائف فيما ابتدعوه من نفي أو إثباتٍ، بل اعتصموا بالكتاب والسنة ورأوا ذٰلك هو الموافق لصريح العقل، فجعلوا كل ماجاء به الكتاب والسنة من أسمائهٖ وصفاتهٖ حقاً يجب الايمان به، وإن لم تعرف حقيقة معناه وكل لفظٍ أحدثه الناس فأثبته قوم ونفاه آخرون فليس علينا أن نطلق إثباته ولا نفيه حتىٰ نفهم مراد المتكلم، فإن كان مراده حقاً موافقاً لما جاءت به الرسل والكتاب والسنة من نفي أو إثباتٍ قلنابه وإن كان باطلاً مخالفاً لما جاء به الكتاب والسنة من نفي أو إثباتٍ منعنا القول به ورأوا أن الطريقة التي جاء بها القرآن هي الطريقة الموافقة لصريح المعقول وصحيح المنقول وهي طريقة الانبياء والمرسلين۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج:٦، ص:٣٦)

تم نے فلاسفہ، معتزلہ اور متکلمین کا اکھاڑا شرح عقائد میں دیکھ لیا ہوگا۔ ہر ایک اپنی اپنی طاقت کے مطابق زور آزمائی کررہا ہے، اس اکھاڑے میں فلاسفہ اور معتزلہ مدعی ہیں، اور متکلمین منکر ہیں، جب تک وہ انکار پر قائم رہتے ہیں، ان کا پہلو غالب رہتا ہے اور جب وہ خود مدعی بن کر سامنے آجاتے ہیں تو فلاسفہ واخوانہم انھیں اعتراضات کا نشانہ بنالیتے ہیں، اور نتیجہ کے طور پر متکلمین مغلوب معلوم ہونے لگتے ہیں، خوب سمجھ لو کہ علم کلام کا موضوع تشریح عقائد نہیں ہونا چاہئے، بلکہ تردید ضلالت ہونا چاہئے، تشریح میں خوض وتفصیل ممنوع ہے، اس میں اجمال پر اکتفا ضروری ہے، میری یہ بات گو کہ انھونی معلوم ہو، مگر انکار میں جلدی نہ کرنا، حقیقت یہی ہے، کہ علم کلام کی اکثر تفصیلات اعتراض سے مملو ہیں، شرح عقائد سے بڑا اکھاڑا دیکھنا ہو تو

شرح مواقف میں دیکھو، کم کوئی مسئلہ ایراد سے خالی پاؤ گے۔ اس میں اور دوسرے پہلوان بھی زور آزمائی کرتے نظر آئیں گے۔

اس تمہید کے بعد سنو! کہ علم الٰہیات میں گمراہ ترین فرقہ فلاسفہ کا ہے، انھوں نے تمام صفات الٰہیہ کا یکسر انکار کر دیا ہے، ان کا اصول یہ ہے کہ **الواحد لایصدر عنه إلا الواحد** اس بنیاد پر انھوں نے نعوذ باللہ حق تعالیٰ سے صرف عقل اول کو صادر مانا ہے اور بس، اور وہ بھی اضطراراً، اختیاراً نہیں، اس سلسلے میں مزید بصیرت کے لئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات قدسی آیات کا یہ اقتباس دیکھو!

''اگر عقل دریں امر کفایت می کرد، فلاسفۂ یونان کہ مقتدائے خود عقل را ساختہ اند، در تیہ ضلالت نمی ماندند، وحق سبحانہ را از ہمہ بیش می شناختند وحال آنکہ جاہل ترین مردم در ذات وصفات واجبی جل سلطانہ اینہا اند کہ حق را سبحانہ بیکار ومعطل دانستہ اند وغیر از یک چیز وآں ہم بایجاب نہ باختیار باو تعالیٰ مستند نہ ساختہ عقل فعال از نزد خود تراشیدہ حوادث را از خالق سمٰوات وارض باز داشتہ باو منسوب می دارند واثر را اثر موثر حقیقی جل سلطانہٗ منع نمودہ آں را اثر منحوت خود می دانند............ (مکتوب: ۲۳، دفتر سوم، ص: ۳۲۲)

**ترجمہ**: اگر عقل اس (معرفت الٰہی) کے معاملے میں کافی ہوتی تو فلاسفۂ یونان جنھوں نے عقل کو اپنا مقتدا بنا رکھا ہے ضلالت وگمراہی کے میدان میں حیران وسرگرداں نہ رہ جاتے، اور حق تعالیٰ سبحانہ کو (دوسروں کے مقابلے میں) سب سے زیادہ پہچانتے، حالانکہ ذات وصفات واجبی جل سلطانہ کے بارے میں سب سے زیادہ جاہل یہی لوگ ہیں کہ انھوں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو بیکار ومعطل جان لیا ہے، اور سوائے ایک چیز (عقل فعال) کے کسی چیز کو اس تعالیٰ کی طرف

منسوب نہیں کرتے اور وہ بھی ایجاب واضطرار کے طور پر نہ کہ اختیار کے ساتھ، انھوں نے یہ عقل فعال اپنی طرف سے تراشی ہے، اور حوادث کو خالق سمٰوات وارض سے بے تعلق رکھ کر اس (عقل فعال) کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور اثر کو مؤثر حقیقی جل سلطانہ سے ہٹا کر اس کو اپنا تراشیدہ اثر جانتے ہیں۔

پھر آگے چل لکھتے ہیں:

''کفار دارالحرب باوجود بت پرستیہا ازیں جماعۃ احسن حال اند کہ بحضرت حق سبحانہ جل وعلا در تنگی التجا دارند، اکثر احکام ایشاں سیما در الٰہیہات کہ مقصد اسنی است کاذبہ اند ومخالف کتاب وسنت، اطلاق حکماء برا ینہا...... کہ سراسر جہل مرکب نصیب شان است...... بکدام اعتبار نمودہ آید، مگر بر سبیل تہکم استہزاء گفتہ شود یا از قبیل اطلاق بصیر بر اعمیٰ شمردہ آید (مکتوب:۲۳، دفتر سوم، ص:۳۲۳)

**ترجمہ**: دارالحرب کے کفار اپنی بت پرستی کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر حال میں ہیں، کیونکہ وہ حضرت حق سبحانہ جل وعلا کے سامنے تنگی اور تکلیف کی حالت میں التجا کرتے ہیں اور بتوں کو اس تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک جماعت ان بے وقوفوں کو حکماء کہتی ہے اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتی ہے، حالانکہ ان کے اکثر احکام خصوصاً الٰہیات میں جو ان کا اعلیٰ اور روشن مقصد ہے، وہ جھوٹے ہیں اور کتاب وسنت کے مخالف ہیں (ایسے لوگوں پر) حکماء کا اطلاق کرنا جن کے نصیب میں سراسر جہل مرکب ہے کس اعتبار سے درست ہے، ہاں اگر استہزاء اور مذاق کے طور پر (ان کو حکماء) کہا جائے یا جس طرح

کور کو بینا کہہ دیتے ہیں تو زیبا ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

''عجب معاملہ است عقل ناقصۂ فلاسفہ گویا در طرف نقیض طور نبوت افتادہ است ، ہم در مبدأ وہم در معاد واحکام آنہا مخالف احکام انبیاء است علیہم الصلوات والتسلیمات ، نہ ایمان باللہ درست کردہ اند ، نہ ایمان بآخرت ، بقدم عالم قائل اند وحال آنکہ اجماع ملیین است برحدوث عالم بجمیع اجزاء خود۔

ترجمہ: عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبدأ میں بھی اور معاد میں بھی طرز نبوت کی نقیض ومقابل ہیں، اوران (فلاسفہ) کے احکام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیم کے احکام کے مخالف ہیں، ان کا ایمان نہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ درست ہے اور نہ ہی آخرت کے ساتھ، وہ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ تمام اہل مذاہب کا اس بات پر اجماع ہے کہ عالم مع تمام اجزاء کے حادث ہے۔ (مکتوب: ۲۳، دفتر سوم، ص: ۳۲۴)

معتزلہ نے دیکھا کہ فلاسفہ تمام صفات کے یکسر منکر ہیں، اور قرآن وحدیث کی نصوص صراحۃً صفات پر دلالت کرتی ہیں، اب یا تو وہ فلاسفہ کے خیمہ میں جائیں، یا اسلام کے دامن میں پناہ لیں۔ انھوں نے دونوں سے اپنا رشتہ باقی رکھنا چاہا، اس کے لئے انھوں نے یہ راہ اختیار کی کہ نہ تو حق تعالیٰ کے لئے صفات کا اثبات کیا، اور نہ فلاسفہ کی طرح خدا کو معطل مانا، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک اور چیز ثابت کی، اس کا نام ''حال'' رکھا۔ ان کے خیال میں اگر صفات کو ثابت کیا گیا تو ''تعدد قدماء'' لازم آئے گا، اور اس سے توحید میں خلل پڑے گا۔ جس طرح فلاسفہ ایک خیالی توحید کے بانی ہیں، اسی طرح معتزلہ بھی ایک خیالی توحید پر نازاں ہیں۔ احوال کے سلسلے میں

مواقف کی عبارت دیکھو۔ (ان عبارتوں میں میں نے اختصار سے کام لیا ہے، کہیں کہیں سے حذف کر دیا ہے)

**الحال هو الواسطة بين الموجود والمعدوم ، وقد أثبته امام الحرمين اولا والقاضى منا وابوهاشم من المعتزلة فانه اول من قال بالحال وبطلانه ضرورى لما عرفت أن الموجود ماله تحقق والمعدوم ماليس كذٰلک ولاواسطة بين النفى والاثبات فى الشئ من المفهومات ضرورةً۔**

**(المقصد السابع من المراصد الاول من الموقف الثانى)**

شرح مواقف میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

**يوصف به أى بالقدم ذات الله تعالىٰ اتفاقاً...... ويوصف به ايضاً صفات الله عند الاشاعرة ومن يحذوحذوهم فانهم أجمعوا على أن لله سبحانه صفات موجودة قديمة قائمة بذاته تعالىٰ، وأما المعتزلة فانكروه لفظاً ولكن قالوا به معنى ، فانهم أثبتوا له احوالاً أربعة لااول لها، هى الوجود، والحيوة، والعلم، والقدرة، أى الموجودية والحيئة، والعالمية والقادرية فانها احوال ثابتة لله سبحانه ازلاً، قال الامام الرازى وفيه نظر لان القدم موجود لااول له وهٰذه الامور التى أثبتوها احوال لايوصف عندهم بالوجود، فلايكون قديمة إلا أن يراد بالقديم ثابت لااول له، لكن الكلام فى المعنى المشهور (شرح مواقف،ص:۱۷۹)**

مواقف کے مرصد رابع میں لکھتے ہیں:

فی الصفات الوجودية فيه مقاصد ثمانية الاول فی اثبات الصفات لله تعالیٰ، ذهبت الاشاعرة إلیٰ أن له صفات موجودة قديمة زائدة علیٰ ذاته فهو عالم بعلم قادر بقدرة، مريد بارادة وعلیٰ هٰذا القياس ، وذهبت الفلاسفة والشيعة إلیٰ نفيها أی نفی الصفات الزائدة فقالوا هو عالم بالذات قادر بالذات، والمعتزلة لهم فی الصفات تفصيل ياتی فی كل مسئلة من مباحثها۔

آگے کچھ دور چل کر لکھتے ہیں:

واحتج المعتزلة والشيعة بوجوه ثلٰثة، الاول مامر أن اثبات القدماء كفر وبه كفرت النصاریٰ والجواب مامر، وايضاً أن الكفر إثبات ذوات قديمة لاذات واحدة وصفات، الثانی عالمية وقادرية واجبة فلا يحتاج الی الغير، والجواب أن العالمية عند نا ليست امراً وراء قيام العلم به فيحكم عليها بانها واجبة فالمراد بوجوبها إن كان امتناع خلوالذات عنها فذٰلک لايمنع استنادها إلی صفة اخریٰ واجبة ايضاً بهٰذا المعنی أعنی صفة العلم فانه المتنازع فيه بيننا إذ نحن نجوزه وانتم لاتجوزونه وإن اردتم أنها أی العالمية واجبة لذاتها فبطلانه ظاهر، الثالث صفته صفة كمال فيلزم ان يكون هو نا قصا لذاته مستكملاً بغيره وهو باطل اتفاقاً، والجواب إن اردتم باستكماله بالغير ثبوت صفة الكمال الزائدة علیٰ ذاته لذاته فهو جائز عند نا، وهو المتنازع فيه وإن اردتم غيره فصوروه اولاً نفهمه ثم بينوا لزومه لما ادعينا۔ ان تینوں اقتباسات پر غور کرو۔

پہلی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حال موجود اور معدوم کے درمیان ایک واسطہ ہے، جسے موجود کہہ سکتے اور نہ معدوم، امام الحرمین بھی اولاً اسی کے قائل تھے، بعد میں اس سے رجوع کرلیا تھا، چنانچہ شرح مواقف میں ایک جگہ ان کے رجوع کی تصریح ہے، اس سلسلے میں صاحب مواقف نے ان کی دو دلیلیں بھی نقل کی ہیں، اور ان کی تردید بھی کی ہے، اس وقت مقصد کی بات صرف اتنی ہے کہ قائلین حال کے نزدیک موجود اور معدوم دو ہی باتیں نہیں ہیں، ایک تیسری بات بھی ہے، جسے ''حال'' کہتے ہیں۔

دوسری اور تیسری عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ حق تعالیٰ کے لئے چار احوال ثابت کرتے ہیں، اور چاروں ازلی ہیں، ایک موجودیت، دوسرے حییت، تیسرے علمیت، چوتھے قادریت۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل حق کے نزدیک حق تعالیٰ کے لئے سات یا آٹھ بنیادی صفات ثابت ہیں، اور وہ یہ ہیں، حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام، ماتریدیہ نے ان پر تکوین کا اضافہ کیا ہے، معتزلہ نے دیکھا کہ یہ سب ذات کے اوپر زائد اور قدیم ہیں، اس سے تعدد قدماء لازم آتا ہے، تو انھوں نے خدا تعالیٰ کے لئے ان اوصاف کو ثابت نہیں مانا، البتہ احوال کو ثابت مانا، اور انھیں ازلی کہا، یعنی خدا تعالیٰ قادر ہے بغیر قدرت کے، عالم ہے بغیر علم کے، حی ہے بغیر حیات کے، موجود ہے بغیر وجود کے، یعنی حق تعالیٰ نعوذ باللہ ان اوصاف سے خالی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے لئے علمیت، قادریت وغیرہ احوال ثابت ہیں، اس طرح وہ اپنی دانست میں تعدد قدماء کی خرابی سے بچ گئے، کیونکہ یہ احوال موجود تو ہیں نہیں، موجود تو ذات واحد ہے، البتہ اس کے لئے ایسی چیزیں ثابت ہیں جو وجود و عدم دونوں سے خالی ہیں، اور ان کو وہ ازلی اور قدیم مانتے ہیں، وہ اپنے اس خیال میں خوش ہیں کہ ہمارے اصول پر بھی گو کہ تعدد قدماء کا لزوم ہوتا ہے، لیکن یہ قدماء ایسے

ہیں جو شائبہٴ وجود سے بھی محروم ہیں، پھر ہوا کرے، کیا حرج ہے، موجود ہوتے تو خرابی ہوتی، اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ موجود نہیں تو ان میں قدامت آئی کہاں سے؟ کیونکہ قدیم تو موجود لااول لہ کو کہتے ہیں، اسی لئے شارح مواقف نے کہا کہ یا تو انھیں قدیم مت مانو، یا پھر قدیم کی تعریف میں ترمیم کرو، وہ ترمیم یہ ہے کہ قدیم ہونے کے لئے موجود ہونا ضروری نہیں ہے، صرف ثبوت کافی ہے، اور معتزلہ کے نزدیک معدومات بھی حقائق ثابتہ کی حامل ہیں، پھر حال تو ان سے اوپر کی چیز ہے، ان کا ثبوت بدرجہٴ اولیٰ ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ قدیم کا یہ معنی خلاف مشہور ہے۔

اب ذرا ان کے دلائل کا جائزہ بھی لے لو، جو وہ انکار صفات کے سلسلے میں پیش کرتے ہیں، وہ تین دلائل ہیں:

(۱) تعدد قدماء کا قول کفر ہے، آخر نصاریٰ کا کفر یہی تو تھا کہ انھوں نے حق تعالیٰ کے لئے تین صفات کا اثبات کیا تھا، جنھیں وہ اقانیم ثلثہ کا نام دیتے ہیں، اقنوم وجود جسے وہ اب (باپ) کہتے ہیں، اقنوم علم جو ان کے خیال میں ابن اور کلمہ ہے، اور اقنوم حیوۃ جسے وہ روح القدس سے تعبیر کرتے ہیں، پھر ان لوگوں کی تکفیر کیوں نہ کی جائے جو حق تعالیٰ کے لئے سات یا آٹھ صفات ثابت کرتے ہیں۔

اس کا جواب صاحب مواقف نے یہ دیا ہے کہ نصاریٰ نے صفات قدیمہ نہیں ثابت کی ہیں، وہ ذوات قدیمہ کے قائل ہیں، جنھیں وہ اقانیم ثلثہ کہتے ہیں، وہ صفات نہیں ذوات ہیں، گو وہ ان پر ذات کا طلاق کرنے سے احتراز کرتے ہیں، لیکن نام تبدیل کرنے سے حقیقت نہیں تبدیل ہوتی، لوازم ذات کو وہ اقانیم میں ثابت کرتے ہیں، چنانچہ وہ اقنوم علم کو منتقل الی المسیح مانتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مستقل بالانتقال صفات نہیں ذات ہی ہوسکتی ہے، چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی ان پر

تعدد صفات قدیمہ کا الزام عائد نہیں کیا ہے، بلکہ تعدد ذوات ہی کی بنا پر انھیں کافر قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ، پھر یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک خدا حقیقۃً تین ہے اور وہ تین حقیقۃً ایک ہیں، ظاہر ہے کہ حقیقۃً تین خدا ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ تین ذاتیں ہیں نہ کہ تین صفات! اب اگر کوئی ذات کو واحد مان کر اس کے لئے متعدد صفات کا اثبات کرے تو وہ کافر کیونکر ہوگا، نصاریٰ پر قیاس کرنا محض غلط ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کے لئے عالمیت وقادریت واجبہ تسلیم کر لی جائیں تو کسی صفت کی جانب ان کے استناد کی ضرورت باقی نہ رہے گی، اور حق تعالیٰ کا عالم وقادر وغیرہ ہونا بھی محفوظ رہے گا۔

اس کا جواب شارح مواقف یہ دیتے ہیں کہ عالمیت ہمارے نزدیک بجز اس کے اور کوئی چیز نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ علم قائم ہے، مطلب یہ ہے کہ صرف اوصاف ہی حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں، عالمیت وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے کہ انھیں واجب کہا جائے، اور اگر بغرض محال عالمیت واجبہ کا ثبوت حق تعالیٰ کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوگا، اس عالمیت واجبہ کو صفت علم کی جانب مستند کرنا کیوں ممکن نہیں ہے، ظاہر ہے کہ عین ممکن ہے کہ اس کو صفت واجبہ علم کی جانب منسوب کر کے عالم مانیں، اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بذات خود واجب ہیں تو اس کا بطلان بالکل ظاہر ہے، کیونکہ صفات ہوں یا احوال ان کا موصوفات اور ذوی الاحوال کی جانب محتاج ہونا بدیہی ہے، انھیں وجوب ذاتی کے ساتھ متصف کرنا غیر ممکن ہے۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت، صفت کمال ہوگی، اگر ذات کے اوپر زائد ہو تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ کی ذات ناقص ہو، اور غیر کے ذریعے اس کی

تکمیل ہو، اور یہ بالا تفاق باطل ہے (اسی وسوسہ کی بنیاد پر فلاسفہ صرف ذات کو مانتے ہیں، اور صفات کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ عین ذات ہیں)

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر استکمال بالغیر میں غیر سے مراد صفت کمالیہ زائدہ علی الذات لذاتہٖ ہو، تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ وہ صفت زائدہ خارج سے نہیں آئی ہے، بلکہ خود ذات کے تقاضے سے ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ جب کوئی ذات کامل ہوگی تو جامع الصفات ہوگی، اگر صفات سے خالی ہوتو وہ معدوم ہوگی، کمالِ ذات کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس میں صفات ہوں، تو درحقیقت صفات کی وجہ سے تکمیل ذات نہیں ہے، کمالِ ذات کی وجہ سے لزوم صفات ہے، اسی لئے علامہ ابن ہمام نے صفات کے لئے ''فروع ذات'' کی تعبیر اختیار کی ہے، جو بہت مناسب اور لطیف ہے، علامہ انور شاہ کشمیری نے اس کی بڑی تحسین کی ہے۔

اور اگر غیر سے مراد کوئی اور چیز ہے تو اولاً اسے واضح کرو، پھر اس پر خرابی کا لزوم ثابت کرو۔

یہ معتزلہ کے دلائل کا حاصل ہے، اور متکلمین کی طرف سے ان کے جوابات ہیں، پھر سوچو، کیا معتزلہ صفات کے معترف ہیں، جس چیز کے وہ معترف ہیں، وہ دوسری چیز ہے، ہاں اگر ہم بطور الزام کے...... یعنی جو کچھ ان کے دلائل سے لازم آتا ہے اُن سے...... انھیں صفات کا قائل کہہ دیں تو ممکن ہے، لیکن **هم للکفر أقرب منهم للایمان**، وہ مثبت صفات سے بعید اور منکر صفات یعنی فلاسفہ کے بہت قریب ہیں، وہ اپنی زبان سے خود کو معترف صفات کہنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہیں، اسی لئے وہ اہل حق کو طنزاً ''صفاتیہ'' کہتے ہیں، اور خود کو اہل التوحید کہتے ہیں۔

متکلمین جہاں تک فرقِ ضالہ کی تردید میں چلتے ہیں، وہاں تک خوب چلتے

ہیں، لیکن وہ جب خود مدعی کی پوزیشن میں آکر صفاتِ زائدہ کے اثبات کے لئے فلاسفہ ومعتزلہ کے رنگ میں دلائل پیش کرتے ہیں، تو کوئی دلیل اعتراض سے خالی نہیں ہوتی، چنانچہ شرح مواقف میں اس مدعا کے لئے اشاعرہ کی تین دلیلیں نقل کی گئی ہیں اور تینوں مخدوش ہیں، اسی لئے تشریح عقائد کے باب میں متکلمین کا طریقہ بہت نامکمل اور غیر تشفی بخش ہے، اسی سے متاثر ہوکر مولانا روم نے فرمایا تھا کہ ؎

گر زاستدلال کار دیں بدے　　　　فخر رازی رازدار دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں　　　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

علم کلام سے صرف وہی کام لینا چاہئے، جس کی طرف میں نے اشارہ کیا، اثبات عقائد کی راہ میں فلاسفہ ومعتزلہ کی اصطلاحات سے دور ہی رہنا بہتر ہے، صرف قرآن وحدیث کے الفاظ اختیار کرنے چاہئیں، ضرورۃً ان کی اصطلاحیں لی جاسکتی ہیں۔

دیکھو! قرآن وحدیث میں لفظ قدیم، واجب الوجود، لاعرض، لاجوہر، لامحدود، لامعدود، لامتبعض، لایتجزیٰ، لامترکب، لایوصف بالماہیۃ **وغیر ذٰلک کثیر من الالفاظ**۔ یہ سب قرآن وحدیث میں کہاں ہیں؟ کہ ان کے اثبات یا نفی کے درپے ہوجائیں، حق تعالیٰ کی ذات ہو یا صفات، سب غیب ہیں، اور غیب تک رسائی اپنی عقل کے ذریعے یا کسی بھی انسانی عقل کے واسطے سے ممکن نہیں ہے، اس کا طریقہ صرف وحی الٰہی ہے، وحی کے ذریعے جو الفاظ ہمیں مل گئے صرف انھیں پر اکتفا کرنا ضروری ہے، ورنہ سوائے رجماً بالغیب کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　　　کہ جاہا سپر باید انداختن

یہ مذکورہ بالا تمام الفاظ اور ان جیسے دوسرے الفاظ جن کا پتہ قرآن وحدیث میں نہیں ہے، محض فلسفہ کی راہ سے آئے ہیں، اور متکلمین نے ان پر لمبی لمبی بحثیں کی

ہیں، حاصل بجز اشکالات قویہ اور شکوک عویصہ کے کچھ نہیں۔

بس بھائی! اتنا کچھ لکھنے کے بعد طبیعت اکتا گئی، اثبات صفات کی صحیح اور درست صورت کی جانب اجمالاً میں نے اشارہ کردیا ہے۔ تفصیل ایک مبسوط مقالہ چاہتی ہے، اس کے لئے مزید انتظار کرو۔ طبیعت حاضر ہوئی تو لکھ دوں گا، اتنا بھی اس لئے ہوگیا کہ امتحان ششماہی کی وجہ سے اسباق بند ہیں، اور اس میں بھی تین چار دن گھر پر گزر گئے، لیکن میں مسئلہ صفات میں اٹکا ہوا تھا۔ کل گھر سے واپس آیا، اور آج لکھنا شروع کیا، بعد نماز مغرب تمام کر رہا ہوں۔

اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری وجہ سے ایک علم مدوّن ہوگیا، گو کہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔ ایک ذہین عالم (۱) نے ہماری تمہاری مراسلت پڑھ کر کہا کہ اس سے دماغ مرعوب ومتاثر تو بہت ہوا، مگر قلب تاثر سے خالی رہا۔ اگر تفسیر وحدیث یا تصوف کے موضوع پر اتنی محنت کرتے تو دماغ کے ساتھ قلب بھی لطف اندوز اور محظوظ ہوتا، میرے خیال میں انھوں نے صحیح کہا، ایک بات اس سلسلے میں اور بھی لکھنے کو جی چاہتا ہے، وہ یہ کہ انکارِ صفات کے نتائج بد کیا کیا پیدا ہوئے اور کیا کیا پیدا ہونے کا احتمال ہے، شاید اس پر بحث کی تکمیل ہوجائے، ورنہ یہ بحث تو ذوفنون ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

(۱) مخدوم زادہ مفتی محمد راشد بن حضرۃ الاستاذ مولانا محمد مسلم صاحب علیہ الرحمہ (اعجاز احمد اعظمی)

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ الذی لہ الاسماء الحسنیٰ ولہ المثل الاعلیٰ، والصلوٰۃ

**والسلام علیٰ من بعثه إلیٰ کافة الوریٰ بدین الحق والهدیٰ و علی الذین بلغوا باتباعه الدرجات العلیٰ، أمابعد!**

آج جمعرات ہے، اس فکر میں ہوں کہ تم سے جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہو جائے، لیکن موضوع زیرِ بحث پر لکھتے ہوئے دل کانپتا اور قلم تھرتھراتا ہے، یہ ایک ایسا سمندر ہے، جس میں کودنے کے بعد کتنے لوگوں کا پتہ نہیں ملا، میری کیا حیثیت ہے؟ لیکن اتباعِ وحی وسنت ہی ایک ایسا سفینہ ہے جو اس بحرِ مواج کو بخیر وخوبی عبور کراسکتا ہے، اللہ کا نام لے کر لکھتا ہوں، اور حق تعالیٰ کے حضور میں گریہ کناں ہوں کہ وہ ہفوات وزَلات سے حفاظت فرمائیں اور قدم وقلم کو جادۂ سنت سے منحرف ہونے سے بچائیں، **أللّٰهم وفقني لما تحب وترضیٰ من القول والفعل والعمل والنية والهدی إنک علیٰ کل شئ قدیر۔**

چونکہ گفتگو علم کلام کی سطح پر چل رہی ہے، اور موضوع ''اثبات صفات باری تعالیٰ'' ہے، اس لئے نامناسب نہ ہوگا اگر اولاً متکلمین کے طرز استدلال پر ایک نظر ڈال لی جائے، اور اس کے حسن وقبح کو پرکھ لیا جائے، تم نے شرح عقائد میں مسئلہ صفات پڑھ لیا ہوگا، اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، پھر صاحب شرح عقائد کا طرز بیان اور طریقۂ استدلال ذرا پیچیدہ اور الجھا الجھا سا ہوتا ہے، اس کی طرف متوجہ ہونا دردِ سر ہے، شرح مواقف کا انداز بیان واضح اور صاف ہے، اسی سے نقل کرتا ہوں۔

صاحب مواقف نے اثبات صفات کے لئے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ ایک اجمالی، دوسرا تفصیلی۔ اجمالی کا حاصل یہ ہے کہ مجموعی طور پر تمام صفات کے ثبوت کے واسطے چند دلائل ذکر کئے ہیں، اور تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر صفت مثلاً قدرت، ارادہ علم وغیرہ کے مستقل مباحث قائم کر کے ان کے لئے جدا جدا دلائل تحریر

کئے ہیں، میں ان کا اجمالی بیان نقل کرتا ہوں۔فرماتے ہیں:

’’ذھبت الاشاعرة إلیٰ أن له صفات موجودة قدیمة زائدة علیٰ ذاته فھو عالم بعلم قادر بقدرةٍ،مرید بارادة......احتج الاشاعرة علیٰ ماذھبوا إلیه بوجوه ثلٰثة الاول اعتمد علیه القدماء من الاشاعرة وھو قیاس الغائب علی الشاھد فان العلة والحد والشرط لایختلف غائباً وشاھداً۔

اپنے مسلک کے حق میں اشاعرہ کی پہلی دلیل یہ ہے۔۔۔۔اور متقدمین اشاعرہ کی معتمد علیہ دلیل یہی ہے، کہ صفات کے مسئلے میں غائب یعنی حق تعالیٰ کو شاہد یعنی انسان پر قیاس کیا جائے، کیونکہ علت، حد اور شرط میں، غائب اور شاہد میں کوئی فرق نہیں ہے، دیکھو شاہد میں عالم ہونے کی علت علم ہے،اور عالم کی تعریف **ما قام به العلم** ہے،اور ثبوت مشتق کی شرط اس کے ماخذ اشتقاق کا ثبوت ہے، یہی چیزیں غائب میں بھی ہونی ضروری ہیں،لہٰذا جب شاہد کو عالم کہنے کے نتیجے میں اس کے اندر صفت علم کا وجود ضروری ہے،تو غائب کے حق میں بھی یہ بات واجب التسلیم ہوگی۔

اس دلیل کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ دو چیزیں اگر ایک یا چند چیزوں میں شریک ہوں تو دونوں کا مساوی ہونا ضروری ہے، ظاہر ہے کہ یہ مفروضہ کتنا بودا اور بے جان ہے، دیکھو ایک جنس میں کتنے افراد ہوتے ہیں،لیکن ان میں کتنا فرق ہوتا ہے، پھر خود حضرات اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ واجب اور ممکن میں بون بعید ہے، پھر یہ قیاس کیونکر درست ہوسکتا ہے،اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ خود شاہد میں علم وقدرت کی صفت نہ ہو، بلکہ عالمیت، قادریت وغیرہ احوال ہوں۔

الوجه الثانی : لو کان مفھوم کونه عالماً قادراً حیاً نفس ذاته لم یفد

حملها علیٰ ذاته و كان قولنا لمثابة حمل الشئ علیٰ نفسه و اللا زم باطل۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کے عالم، قادر، حی ہونے کا مفہوم اس کی ذات ہی ہے، تو ذات باری تعالیٰ پر ان صفات کا حمل غیر مفید ہوگا، کیونکہ اس بنیاد پر تو اگر کسی نے کہا کہ ذات عالم ہے، تو درحقیقت اس نے کہا کہ ذات، ذات ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ حمل مفید نہیں ہے، معلوم ہوا کہ صفات زائد از ذات ہیں۔

اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس سے فقط اتنا معلوم ہوا کہ صفات کا مفہوم، ذات کے مفہوم سے الگ اور زائد ہے، لیکن دونوں کے مصداق کے اتحاد میں اس سے کیا خلل پڑا، اور نزاع اتحاد مفہوم میں نہیں ہے، اتحاد مصداق میں ہے۔

الوجه الثالث : لو كان العلم نفس الذات و القدرة أيضاً نفس الذات لكان العلم نفس القدرة فكان المفهوم من القدرة و العلم أمراً واحداً، و انه ضروری البطلان۔

یہ دلیل بھی سابقہ دلیل ہی کی قبیل سے ہے، اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ علم اور قدرت کے مفہوم میں تغایر ہے، لیکن مفہوم کا تغایر اور ہے اور مصداق و حقیقت کا تغایر امر دیگر! اس دلیل سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ علم اور قدرت اور ذات کی حقیقت اور مصداق الگ الگ ہے۔ تغایر کا انکار کون کرتا ہے؟ دراصل یہ دونوں دلیلیں حقیقت اور مفہوم کے درمیان امتیاز نہ کرنے کی بنیاد پر قائم ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے، پس دونوں دلیلیں خود بخود منہدم ہوگئیں۔

شرح مواقف میں یہ تینوں دلیلیں اور ان پر اعتراضات مذکور ہیں، ان کا حال تم نے دیکھ لیا، ان کے علاوہ اس طرز کی جو دلیل بھی پیش کی جائے گی، عقل خوردہ بیں ضرور اس میں کوتاہی نکال دے گی، ان دلائل کی بنیادی خامی پر غور کرو۔

ذات وصفات کا تصور نیز طرز استدلال ہمارے متکلمین نے اہل معقول سے اخذ کیا ہے، یہی بنیادی کمزوری ہے، اس کو نہ قرآن وسنت سے کوئی مناسبت ہے اور نہ اہل زبان کے محاورات سے، یہ معقولین کی وضعی چیزیں ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر شخص ......جس کو ناموس فطرت سے ذرا بھی مناسبت ہوگی ...... وہ بداہۃً یہ جانتا ہے کہ ذات وصفات کا تعلق ایسا نہیں ہے جیسا دو مستقل علیٰحدہ علیٰحدہ چیزوں میں ہوتا ہے، کہ ایک کے دوسرے سے ربط کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلاں، فلاں کے اوپر ایک زائد وجود رکھتی ہے، ذات وصفت کا تعلق ایسا ہرگز نہیں ہے، مانا کہ دونوں کا مفہوم بھی الگ ہے، اور دونوں کا مصداق بھی الگ ہے، مگر یہ صرف ذہنی اور عقلی لحاظ سے ہے، عقل اپنی قوت امتیاز سے ذات اور صفات دونوں کو جدا جدا شناخت کرلیتی ہے، لیکن یہ مفروضۂ ذہنی ہے، خارج سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، وجود خارجی کے لحاظ سے صفات کو زائد از ذات ماننا ممکن ہی نہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ ذات کی حقیقت خارج میں الگ ہو اور صفات کا وجود علیحدہ ہو، پھر دونوں میں ارتباط ہوا ہو۔ وجود خارجی کے لحاظ سے اس کا تصور غیر ممکن اور ممتنع عقلی ہے، اہل معقول جو مرتبۂ ذات مجرد عن الصفات کہا کرتے ہیں، یا صوفیہ کے یہاں ذات بحت کی اصطلاح آتی ہے، یہ محض ذہنی ہے، حقیقت سے اس کو کچھ علاقہ نہیں، خارج میں جب بھی ذات ہوگی صفات کے ساتھ ہوگی، ذات بحت کا تصور خارج میں محال ہے، محض فرضی چیز ہے، اور گفتگو یہاں ذات وصفات کے وجود خارجی کی ہے، ذات کی شناخت اوصاف ہی سے ہوتی ہے، صفات دراصل لوازم ذات ہیں، یا انھیں علامہ ابن ہمام کی لطیف تعبیر میں فروع ذات کہہ لو، ذات جتنی کامل ہوگی اسی قدر وہ اوصاف کمال کے ساتھ متصف ہوگی۔ سوچو وہ ذات ہی کیا ہے جو صفت وجود تک

سے محروم ہو، اس کو ذات تو کوئی مسخرہ ہی کہہ سکتا ہے، اور ایسے مسخرے بہت ہوئے ہیں، اوصاف کے لئے زائد از ذات کا لفظ بھی پُر خطر ہے...... اور حق تعالیٰ کی جناب قدس میں ہر وہ لفظ خطرناک ہے، جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ہے...... اگر زائد سے مراد وجود خارجی کے لحاظ سے زائد ہے تو قطعاً باطل ہے، اور اگر لحاظ ذہنی کے اعتبار سے ہے تو درست، مگر یہاں لحاظِ ذہنی کا کیا کام؟ گفتگو تو وجود خارجی سے ہے، وجود خارجی کے کسی مرتبہ میں ذات اوصاف سے خالی نہیں ہوسکتی۔ دیکھو سورج کی ذات کے لئے روشنی لازم ہے، تصور کے لحاظ سے چاہے تم سورج اور روشنی کا الگ الگ لحاظ کرلو، مگر وجود خارجی میں دونوں علیٰحدہ ہرگز نہیں ہیں، وجود خارجی میں شمس کا مرتبۂ ذات روشنی سے جداگانہ ممتنع ہے، اہل معقول کو اس باب میں سخت مغالطہ ہوا ہے، خارج میں انھوں نے جزئیات وافراد موجود پائے، پھر یہ دیکھا کہ وہ افراد کچھ اوصاف متشابہہ کے حامل ہیں، مثلاً زید، عمرو، بکر، گائے، بکری وغیرہ کو دیکھا، پھر یہ دیکھا کہ ان سب میں حیوانیت، حساسیت، نامیت، حرکت بالارادہ وغیرہ اوصاف ہیں، یہ اوصاف لوازم ذی روح ہیں، انھوں نے ذہنی طور پر ان اوصاف کو موصوفات سے جدا لحاظ کر کے ایک وجود فرض کرلیا، اور ہر ایک کا نام کلی رکھ دیا، یہاں تک معاملہ درست رہا، آگے چل کر ان کی عقل نے ٹھوکر کھائی، جن چیزوں کو انھوں نے محض لحاظ ذہنی کے طور پر موجود علیحدہ ادراک کیا تھا، ان کو ایک مستقل حیثیت خارج میں بھی دے دی، اور ان میں سے بعض کو جنس اور بعض کو فصل مان کر حیوان موجود فی الخارج کو اسی مفروضۂ جنس وفصل سے مرکب مان لیا، حالانکہ یہ اوصاف تو ذات حیوان موجود کے توابع تھے، یہ مادہ ترکیب کیسے بن سکتے ہیں، اگر ترکیب ماننی ہی تھی تو ذہنی مفروضہ کے طور پر لحاظ کرلیتے، لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ خارج میں بھی انھیں اوصاف سے

مرکب مان لیا، سوچو کہ اوصاف تو ممکنات میں عرض ہوتے ہیں، اور اعراض کا مجموعہ عرض ہوگا نہ کہ جوہر! لحاظِ ذہنی اور حقیقت خارجیہ کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے اہل معقول نے ایسی ایسی بے عقلیاں کی ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ جوہر عقل سے نوازے بھی گئے تھے یا زبردستی معقولی بن گئے، صورت جسمیہ اور ہیولیٰ کے سلسلہ میں بھی اسی قسم کی نادانیاں سرزد ہوئی ہیں۔ **و القصة بطولها**

متکلمین چونکہ اہل معقول ہی کے تعاقب میں چلتے ہیں، اسلئے یہ بھی اسی وادی میں جا پھنسے، اور انھوں نے بھی اوصاف کو زائد علی الذات کہنا شروع کردیا اور انھیں مستقل حقائق تسلیم کرکے ذات وصفات کا جوڑ ملانے لگے، پھر کسی نے **لا عین، لا غیر** کہا، اور کسی نے محض غیر کہا، حالانکہ یہ سب کچھ بطور لحاظ ذہنی کے ہو تو ہو، وجود فی الخارج کے اعتبار سے حق تعالیٰ کی جناب قدس عین وغیر اور لا عین ولا غیر سب سے بالاتر ہے، انھیں مکملات ذات کہنا بھی غلط ہے، ان کا مستقل وجود علیٰحدہ ماننا بھی باطل ہے، اور ان کے لئے احوال کا لفظ تجویز کرنا بھی حماقت ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

وہ کون سی ذات ہوگی جو اپنے مرتبہ وجود خارجی کے کسی بھی مرحلہ میں صفات سے عاری ہوگی، ان ذہنی تعینات کو موجودات خارجیہ سے بھڑا دینا سخت التباس واشتباہ کا سبب ہے۔

اب ذرا ان لوگوں کا حال دیکھو، جو حق تعالیٰ کی ذات عالی صفات کو ایک مستقل حقیقت ہر قسم کے اوصاف حتیٰ کہ وجود سے بھی عاری ماننا چاہتے ہیں، اور اوصاف کو مستقل ایک حقیقت یقین کرتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ذات کے لئے اوصاف مانے جائیں تو ایک تو استکمال بالغیر لازم آئے گا، دوسرے تعدد وجباء

لازم آئے گا، تیسرے تعدد قدماء لازم آئے گا، اس لئے سرے سے اوصاف کا اتصال ذات سے ہونے ہی نہ دو، اور جس صفت کی ضرورت کہہ دو کہ وہ ذات ہی ہے صفت کے مصداق و مفہوم سے ذات خالی ہے، بھلا ان عقلمندوں سے پوچھو کہ ذات اوصاف سے خالی ہو کر کیا کہلائے گی، وہ تو معدوم محض ہے، محض ذہنی مفروضہ ہے، پھر جب وہ معدوم ہے تو اس میں اتنی طاقت کہاں کہ وہی علم بھی ہو، وہی قدرت بھی ہو، نعوذ باللہ۔ صفات مکملات ذات نہیں ہیں، لوازم ذات ہیں، مقتضیات ذات ہیں، ان کا مصداق و مفہوم سب کچھ ذات کے تابع ہے، اور ایسا تابع کہ اس پر زائد وغیرہ کا اطلاق ممتنع ہے، یہ احمقانہ نظریہ جس کے نتیجہ میں ذات پردۂ عدم میں چلی گئی، اسی بنیاد پر قائم ہوا کہ اوصاف کو ذات سے الگ ذہناً لحاظ کر کے پھر انھیں ہی مستقل وجود سمجھ لیا۔ ایک بیماری ہوتی ہے کابوس کی اس میں مریض احساسی اور ذہنی قوت ایک رخ میں مرکوز ہو کر بہت زیادہ قوت پیدا کر لیتی ہے، ایسا مریض ذہنی طور پر ایک خوفناک چیز فرض کر لیتا ہے، پھر اس کو اس کی قوت تصور مجسم صورت عطا کر دیتی ہے، اس کے بعد اسی سے ڈرتا گھبراتا اور بھاگتا ہے، اسی کی شاخ مالیخولیا بھی ہے، فلسفی وغیرہ کو یہ مرض عموماً لاحق ہو جاتا ہے، علی گڈھ یونیورسٹی کے ایک وائس چانسلر اسی ذہنی مرض میں مبتلا تھے، وہ شکار کے شوقین تھے، شکار سے واپس آ کر بندوق کو بستر پر لٹا دیتے تھے، اور خود اس کونے میں جا کھڑے ہوتے تھے جہاں بندوق رکھا کرتے تھے۔

بہر حال فلاسفہ کا تو یہ حال ہوا، کچھ اور لوگ حماقت کے گھوڑے پر سوار آئے، انھوں نے صفات کو الگ کر کے احوال تسلیم کئے، جو نہ موجود نہ معدوم، لاحول ولا قوۃ إلا باللہ۔

حضرات متکلمین بھی انھیں کے پیچھے پڑ گئے اور اوصاف کو علیحدہ مان کر حق

تعالیٰ کو ان کے ساتھ متصف تو مان لیا، مگر جب تعدد قدماء کی خرابی ان کے سر پڑی تو کبھی کہتے ہیں کہ تعدد ذوات قدماء ممتنع ہے، تعدد اوصاف قدیمہ ممتنع نہیں، سوال یہ ہے کہ جب انھیں الگ تسلیم کرلیا گیا تو ذوات ہوں یا اوصاف، قدماء تو بہر حال قدماء ہیں، ان کا تعدد کیونکر ممکن ہوگا؟ اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی، کبھی کہتے ہیں کہ تعدد قدماء سے کیا خرابی لازم آئے گی، ہر قدیم کا الہ ہونا تو ضروری نہیں؟ اس پر سوال ہوگا کہ چند قدماء میں سے ایک کو الہ ماننا اور باقی کو نہ ماننا یہ ترجیح بلا مرجح ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ اوصاف ممکن بالذات اور قدیم بالغیر ہیں، لو صاحب ممکنات بھی ذات باری تعالیٰ تک راہ پاگئیں، اور راہ بھی کیسی؟ اف نعوذ باللہ ذات کی صفات بن کر! دیکھ لو یہ راہیں کتنی پُرخطر ہیں۔

اب سنو! بے خطر اور ہموار راستہ کیا ہے جس پر آنکھ بند کر کے چلا جاسکتا ہے، ہاں اس سے پہلے ذرا دیکھ لو ائمہ متکلمین اپنے چلے ہوئے راستہ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، صاحب فتح الباری، امام الحرمین کا قول نقل کرتے ہیں:

**رکبت البحر الاعظم وغصت فی کل شئ نهی عنه اهل العلم فی طلب الحق فراراً من التقلید والآن فقد رجعت واعتقدت مذهب السلف،** اور موت کے وقت فرمایا: **یا اصحابنا لاتشتغلوا بالکلام فلو عرفت أنه یبلغ بی مابلغت ماتشاغلت به** (فتح الباری ج:۱۳، ص:۳۵۰)

کوئی اور صاحب فرماتے ہیں:

**لعمری لقد طفت المعاهد کلها وسیرت طرفی بین تلک المعالم**
**فلم أر إلا واضعا کف حائر علی ذقن اوقارعا سن نادم**

میری عمر کی قسم! میں تمام مکاتب فکر میں گیا، اور اپنی نگاہ ان تمام علوم وآثار پر دوڑائی،

میں نے سوائے اس کے کچھ نہیں پایا کہ حیران ہوکر ایک شخص ہاتھ ٹھڈی پر رکھے ہوئے ہے، یا ندامت سے اپنے دانت کریدر ہا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

**نهاية اقدام العقول عقال　　واكثر سعی العالمين ضلال**
**وارواحنا فی وحشة من جسومنا　　وحاصل دنيانا اذی ووبال**
**ولم نستفد بحثنا طول عمرنا　　سوی أن جمعنا فيه قيل وقال**

اور فرماتے ہیں:

**لقد تاملت الطرق الكلامية والمناهج الفلسفية فما رأيتها تشفی عليلاً ولاتروی غليلاً ورأيت أقرب الطرق طريقة القرآن...... ومن جرب مثل تجربتی عرف مثل معرفتی،** (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج:۶ص:۱۰/۱۱)

اور سنو! حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی علیہ الرحمہ بھی اچھی بات لکھتے ہیں:

''دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ ''ہم نے آدم کو سب نام سکھائے'' دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہونچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کی ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے، یہی ہماری حقیقت رسی ہے، اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصول منطق کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بن گئے، لیکن ہزاروں صدیاں گذرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حد منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کرسکے، جو کچھ کرسکے وہ یہ کہ صفات، عوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ شکلیں بناتے اور بگاڑتے رہے، جب مادیات کا یہ عالم ہے تو وراء والوراء ہستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کرسکتی ہے، تجلی

گاہ طوراسی رمز کی آتشیں تصویر ہے۔(سیرۃ النبی، ج:۴،ص:۳۸۴)

سچ ہے اور بالکل سچی حقیقت ہے، ذات پاک تقدس وتعالیٰ غیب الغیب، وراء الوراء ہے، وہاں تک کسی انسان کی رسائی، یا ملک کی پہونچ ممکن ہی نہیں، وہ حد اِدراک وقیاس اور حیطۂ خیال ووہم سے بہت بالاتر ہے، اس کے عتبۂ عالی تک کسی کی رسائی ممکن نہیں، ایمان سب کا بالغیب ہے، ان فرشتوں کا بھی جو ہر وقت بارگاہِ قدس میں حاضر رہتے ہیں، صاحب مشکوٰۃ نے ابن حبان کے حوالے سے باب المساجد کی فصل ثانی کے اخیر میں ایک حدیث نقل کی ہے، اسے پڑھ لو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی پاک ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ **یا محمد إنی دنوت من الله دنواً مادنوت قط، قال : وکیف ذاک یا جبرئیل ؟ قال : کان بینی وبینه سبعون الف حجاب من نور۔**

بھلا بتاؤ جہاں ۷۰/ ہزار پردے قرب کا اقرب ترین درجہ ہو، اس کے غیب ہونے میں کیا شبہ؟ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں، پھر بے چاری عقل انسانی جو خود اپنی ذات وصفات کی تہوں میں نہیں جھانک پاتی، وہاں تک کیسے جاسکتی ہے، اقرب ترین اور اسلم ترین راہ یہ ہے کہ مغیبات میں محض خبر پر اعتماد کیا جائے، قرآن واحادیث جو اخبار صادقہ یقینیہ کا مجموعہ ہے، ان میں جو کچھ ترجمان الغیب ﷺ کے واسطے سے ہم کو ملا ہے، بس اس کو مرکز ایمان بنایا جائے، نہ ان کا تجزیہ کیا جائے اور نہ تحلیل کی جائے! یہ چیزیں محض توقیفی ہیں، عقل کے ناخنوں سے جب ان کو کریدا جائے گا، بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی، ایمان یہی ہے کہ جہاں تک لے جایا گیا، وہاں تک چلیں، اور جہاں ٹھہرا دیا گیا ٹھہر جائیں، مغیبات کا تفصیلی علم خدا کے حوالے! حق تعالیٰ نے اپنی معرفت اوصاف ہی کے ذریعے کرائی ہے، اس سے ہم فائدہ اٹھائیں، اور اپنا

ربط خدا سے صحیح کرلیں، صفات باری تعالیٰ کی تبیین کا فائدہ الفوز الکبیر میں دیکھو۔

جن صفات کا حق تعالیٰ نے اپنے لئے اثبات کیا ہے، بس انھیں کا اسناد واثبات کیا جائے، اور جن صفات کے بارے میں سکوت کیا ہے، ان کو نفیاً یا اثباتاً کسی طرح نہ چھیڑا جائے، ورنہ محض رجماً بالغیب ہوگا، ہاں اگر کوئی ہم پر ضد کرے گا تو ہم اس سے صفت غیر مذکورہ فی النصوص کی تشریح چاہیں گے، اگر اس کی تشریح کے لحاظ سے وہ کسی منصوص صفت کے مطابق ہوگی تو خیر ورنہ مردود! بس یہ خلاصہ ہے۔

مسئلہ صفات میں متاخرین نے تاویل کی راہ اختیار کی ہے، اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔ استواء، نزول محبت، غضب، رحمت وغیرہ کی تاویلات کی ہیں، لیکن سچ پوچھو تو تاویلات کے بعد ان حقائق والفاظ میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی، بعض اوقات یہ الفاظ بلا مصداق کے رہ جاتے ہیں، اور اگر تاویل کے راستے میں آدمی دور تک جائے تو انکار تک جا پہونچے گا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

”ولیس أحد یتجاوز عن حد الاعتدال إلا یضطر إلی الاقتحام فی مثله فلیحترز عن الافراط والتفریط ولیحل حول حمی الحق فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : سَدِّدُوا وقاربوا، ألاتریٰ أن الاشعری لما بالغ فی التنزیه وشدد فیه لزمه نفی کثیر من الصفات التی أثبتها السمع حتیٰ قارن المعطلة ،فلم یبق للاستواء المنصوص عنده مصداق وصار نحو ذٰلک کله من باب المجازات عنده ۔(فیض الباری، :۴، ص:۴۷۳)

صرف اتنا کافی ہے کہ یہ الفاظ اپنے اصل مفہوم میں ہیں، لیکن لیس کمثله شیٔ کے اصول پر ہم ان کی کیفیات پر آگاہ نہیں ہیں، کیونکہ ان کا تعلق ایسی ذات سے

ہے جو ہر قیاس وگمان سے بالاتر ہے، ائمہ کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا تھا، امام مالک سے کسی نے سوال کیا کہ:

**کیف استوی؟ فاطرق مالک راسه حتیٰ علاه الرحضاء ثم قال: الاستواء غیر مجهول والکیف غیر معقول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة وما أراک إلا مبتدعاً، ثم أمر به أن یخرج ۔**

دیکھتے ہو! أعلم أهل المدینة نے جو معاملہ اس شخص کے ساتھ کیا، وہی مناسب تھا، اور بعد والوں کے لئے بھی وہی مناسب تھا، اب سوچو جو حضرات استواء کے معنی استیلاء کے بتاتے ہیں، چند غرائب لغت کا سہارا لے کر! ان کے پاس اس معنی کے تیقن کی کیا دلیل ہے، اگر یہی معنی ہے تو سلف سے منقول کیوں نہیں ہے، لوگ کہتے ہیں کہ فلسفہ زدہ ذہنیت کی تسکین اسی طرح کی تاویلات میں تھی، یہ عذر بارد ہے، مان لیا کہ تھوڑی دیر کے لئے ایک فلسفہ زدہ کو تسکین ہوگئی، لیکن بہت سے دوسرے لوگوں کے لئے دوسری نصوص میں جو شکوک وشبہات کا دروازہ کھل گیا، اس کے بند کرنے کا کیا سامان ہوگا، نہیں نہیں۔ مرض کا علاج دوا سے چاہئے، مرض سے نہیں، دوا یہ ہے کہ حد ادراک سے آگے بڑھنے سے انھیں روک دیا جاتا، آخر جناب نبی کریم ﷺ نے من خلق الله کے جواب میں صرف فلینته کیوں فرمایا؟ اس سے کیا سمجھ میں آتا ہے؟ تاویل کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے، حالانکہ یہ یقینی امر ہے کہ نہیں جانتے، پھر کیا ضرورت ہے کہ ایسا دعویٰ کیا جائے جو پشت کا بار بن جائے، خدا ورسول نے جس کو مبہم چھوڑ دیا ہے اس کی تحقیق وکرید میں ہم کیوں پڑیں، اتباع متشابہات سے قرآن میں منع فرمایا گیا ہے، ابہام سے ہمارا کچھ نقصان نہیں فائدہ ہی فائدہ ہے، ہم کو اس سے فائدہ اٹھا کر راہ نجات ہموار کرنی چاہئے، ادھر ادھر

نہیں جانا چاہئے۔

بس بھائی! بات ابھی باقی ہے، مگر تھک بھی گیا ہوں اور وقت بھی ختم ہوگیا، اس وقت اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، پھر اگر اللہ نے توفیق دی تو موضوع کے دوسرے جزء یعنی انکارِ صفات کی مضرتوں پر گفتگو ہوگی، گو کہ اس کا ایک حصہ اس مکتوب میں بھی آگیا ہے۔

باقی یہاں سب خیریت ہے، آج کل میرے اوپر کتابوں کا انبار ہے، صحت وعافیت کی دعا کرو۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلۂ صفات پر گفتگو آخری مرحلہ میں آچکی ہے، کئی روز سے سوچ رہا تھا کہ بقیہ بھی لکھ کر چھٹی کروں، مگر فرصت تحریر عنقا ہے، اور مسئلہ دقیق بھی ہے اور طویل بھی، متعدد مجالس میں لکھنے کی عادت نہیں اور طویل مجلس ملتی نہیں، اس لئے دیر ہوتی جارہی ہے، آج بنام خدا قلم اٹھاتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ بخیر وخوبی پورا کرنے کی توفیق دیں۔

گفتگو اس پر کرنی ہے کہ انکار صفات اور اس کے متعلقات کی راہ سے کیا نقصانات اور خرابیاں پیدا ہوئیں، اور کیا احتمالات ہیں؟ اس مسئلہ میں گفتگو فلاسفہ سے شروع ہوگی اور معتزلہ تک پہونچے گی، کیونکہ انکار صفات کے مسئلہ میں پیش رو یہی فلاسفہ ہیں، معتزلہ بے چارے تو انھیں کے مقلد نادان اور طفیلیٔ دسترخوان ہیں، پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ انکار صفات پر کس لئے مجبور ہوئے، صفات کو تسلیم کرنے میں

انھیں کیا قباحت محسوس ہوئی۔

پورے فلسفہ پر غور کرنے سے اور خود ان کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گروہ حقیقت کی تلاش میں عقل کے گھوڑے پر سوار ہوکر چلا ہے، عقل ہی کو یہ طائفہ معیار حق وصواب سمجھتا ہے، جو کچھ عقل انسانی تسلیم کرے وہ مسلّم، اور جسے رد کردے یا اس کے دائرۂ فہم سے باہر ہو، وہ ناقابل تسلیم اور محال عقلی!

حسامی کا آخری سبق جو تم لوگوں نے پڑھا تھا، اس میں یہ عبارت ہے،

**فقالت المعتزلة: العقل علة موجبة لمااستحسنه، محرمة لما استقبحه على القطع والبتات** **فوق العلل الشرعية فلم يجوزوا أن يثبت بدليل الشرع مالايدركه العقل أو يقبحه**، خط کشیدہ جملہ اصلاً معتزلہ کی آواز نہیں ہے، معتزلہ تو ناقل ہیں، یہ آواز درحقیقت فلاسفہ کی ہے، ہاں بعد والی عبارت معتزلہ نے بڑھائی ہے، فلاسفہ کو اس کو ضرورت نہ تھی، غرض اس گروہ کا سفر عقل کے سہارے ہوتا ہے، جہاں تک چل کر عقل تھک کر درماندہ ہوجاتی ہے، اس کے آگے داناؤں کا یہ گروہ راستہ ہونے ہی کا انکار کردیتا ہے، ظاہر ہے کہ جب ان کے نزدیک اصل معیار عقل ہے، تو ان کے لئے ضروری ہوا کہ چند عقلی مفروضے گھڑیں، اور انھیں مفروضات عقلیہ پر پوری کائنات کی توجیہ کریں، فلسفہ کی کوئی کتاب ...... خواہ طبعیات کی ہو، خواہ الٰہیات کی ...... اٹھالو، اور دیکھ لو کہ یہ ٹولہ عقلی تانے بانے تننے میں مشغول ہے، پھر خود ہی ایک ایک تار کو توڑتا ہے، ان لوگوں کا کوئی عقلی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر اسی گروہ کے دوسرے فرد نے اسی عقل کے تیشے سے حملہ نہ کیا ہو، اس گروہ کے حق میں حضرت حق جل مجدہٗ کا یہ ارشاد خوب صادق آتا ہے: **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثاً**۔

لیکن بے شمار عقلی اختلافات کے باوجود، ان گنت واقعی تناقضات کے باوجود یہ گروہ اس بات پر متفق ہے کہ معیار حق وصواب عقل ہی ہے، اس بنیاد پر جو مفروضے انھوں نے وضع کیے ہیں، غور سے دیکھو گے تو اس گھروندے میں صفات کا مسئلہ تو خیر بعد کی چیز ہے، خود اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہی ضروری باقی نہیں رہتی، کیونکہ ان کے خیال میں ہیولیٰ اور صورت جسمیہ قدیم بالنوع ہیں، ظاہر ہے کہ پورے عالم کی ترکیب انھیں دونوں سے ہے، تو عالم قدیم ہوا، اور قدیم کسے کہتے ہیں؟ شیٔ لااوّل لہ۔ پھر بتاؤ اس جھنجھٹ کی کیا ضرورت کہ خدا کو بھی تسلیم کیا جائے، آخر جو چیز قدیم ہے وہ خود واجب الوجود ہے، اس کے لئے دوسرے واجب الوجود کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ فلاسفہ بھی ذات خداوندی کو تسلیم کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ قرون سابقہ میں انبیاء کا وجود مسلسل رہا ہے، ثم أرسلنا رسلنا تترا، اس پر گواہ ہے، اور ہر ایک نبی نے خدا کی حقانیت اور وحدانیت کا زور وشور سے اعلان کیا ہے، پھر یہ بھی ہے کہ فطرت انسانی میں یہ بات بطور علم ضروری کے پیوست ہے...... جس کو خارج کی کسی طاقت سے مٹایا نہیں جاسکتا...... کہ حق تعالیٰ کی ذات موجود اور واحد ہے، تو ایک طرف تو وہ اپنی فطری آواز سے مجبور، دوسری طرف انبیاء کی دعوت کا تسلسل وتواتر! انھوں نے مجبوراً ذات باری تعالیٰ کا اقرار کیا، لیکن بغور دیکھو کہ ان کی اقرار کردہ ذات کی حقیقت کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ ذات من حیث الذات ہے، اس میں کوئی صفت نہیں ہے، حتیٰ کہ وجود بھی ایک صفت ہے، اس کا انتساب بھی باری تعالیٰ کی جناب میں نہیں ہوسکتا۔

فلاسفہ کے نزدیک اشیاء کے تین درجے ہیں۔ ماہیت من حیث الماہیت، ماہیت من حیث الوجود الخارجی، ماہیت من حیث الوجود الذہنی، ان میں سے ہر ایک کو

یہ لوگ بالاستقلال ثابت مانتے ہیں، یعنی نفس ماہیت جو وجود خارجی کے انضمام سے خالی ہے، یہ ان کے خیال میں ایک حقیقت ثابتہ ہے، وہی ماہیت مطلقہ ان کے نزدیک واجب تعالیٰ کا مصداق ہے، اور ذات، ماہیت اور وجود یہ سب عین واحد ہیں باصطلاح فلاسفہ! پھر تم دیکھو کہ وہ ماہیت مطلقہ من جمیع الجہات واحد ہے، اس پر انھوں نے یہ مفروضہ وضع کیا کہ **الواحد لایصدر عنه إلا الواحد**، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس سے ایک ہی چیز صادر ہوئی ہے، اس کا نام انھوں نے اپنی عقل ناتمام سے عقل اول رکھا۔ اور پھر اس کے بعد عقول کا ایک سلسلہ شروع کر کے عقل عاشر پر دم لیا، اب یہ سارا عالم عقل عاشر کی کرشمہ سازی ہے، اور یہ سب قدیم ہیں، نیز ہر ایک کا صدور دوسرے سے ارادۂ واختیار کے ساتھ نہیں، بلکہ بطور اضطرار و وجوب کے ہوا ہے، خیال کرنے کی بات ہے کہ ان مجبور خداؤں کا کیا حاصل؟ ایسے ہی مضطر و بے بس خدا ماننے ہیں، تو سلسلہ اگر ہیولیٰ اور صورت جسمیہ پر تمام کر دیا جائے، تو کیا حرج لازم آتا ہے، ان دونوں کی تو عالم کو ضرورت ہے، لہٰذا ان سے اوپر والے بے کار اور زائد ہی ہیں، سچ پوچھو تو بات یہی ہے کہ ہیولیٰ اور صورت جسمیہ کے علاوہ انھوں نے درحقیقت کسی اور وجود کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے، مگر انبیاء کی دعوت کی اہمیت نے انھیں اس منافقت پر مجبور کیا، اور ان سے اس قسم کی فضول اور لایعنی باتیں صادر ہوئیں، یہ انبیاء کی ہیبت ہی کا اثر ہے کہ انھوں نے صرف خدا ہی کا وجود نہیں تسلیم کیا ہے، بلکہ دوسروں کو دکھانے کے لئے انبیاء کو بھی مان لیا ہے، اپنے لئے نہ سہی، عوام الناس ہی کے لئے سہی، لیکن یہ محض دکھاوا ہے، جب ان سے نبی کی تعریف اور نبوت کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے تو بہکی بہکی باتیں شروع کر دیتے ہیں، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، ورنہ بتاتا کہ نبوت کی حقیقت ان کی دانست میں کیا ہے، درحقیقت یہ خوف و ہیبت کا اثر تھا، جس کے باعث

وہ ان غیبی حقائق کے اقرار پر مجبور ہوئے، مگر جب تشریحات پر آتے ہیں تو اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۔خدا کو مانا، مگر کیا مانا؟ جبکہ ہر قسم کے اوصاف وکمال اور اختیار وقدرت سے خالی مانا۔ رسول کو مانا، لیکن کیا مانا؟ جبکہ وحی اور فرشتوں کو تسلیم نہیں کیا، بھلا یہ ماننا بھی کچھ ماننا ہے کہ من مانی تشریحات وضع کر کے اسی پر اصرار کریں؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں یہی خیال جاگزیں ہے کہ عقل معیار کامل ہے، اور دوسری کوئی چیز معیار نہیں ہے، ارسطو اور افلاطون وغیرہ نے انبیاء سابقین کا تو اتباع کیا نہیں، اور نہ ان کی لائی ہوئی شریعت کا التزام کیا، اس لئے ان کو یہ مخمصہ پیش نہیں آیا کہ فلاں آیت دائرۂ عقل میں نہیں آتی، یا فلاں شرعی حکم خلاف عقل ہے، اس لئے انکار یا تاویل کی راہ اختیار کرو، وہ تو اپنے کو بے نیاز کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ نے مکتوبات شریف میں ایک جگہ افلاطون کا ایک قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"دعوت نبوت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام چوں با فلاطون ...... کہ کلاں تر ایں بے دولتاں بودہ...... رسید، گفت کہ **نحن مهتدون لا حاجة بنا إلىٰ من يهدينا** ، زہے سفیہ! بایستے شخصیکہ احیاء اموات می نماید ابراء اکمہ وابرص می کند خارج از طور حکمت ایشاں است، او را می دید وتفطن احوال می کرد، نا دیدہ جواب دادن از کمال عناد وسفاہت است۔"

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت جب افلاطون کو پہونچی ...... جوان بدنصیبوں کا سب سے بڑا سردار ہے...... تو اس نے کہا: ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں اور ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے۔ اس بے وقوف کو چاہئے تھا کہ ایسے شخص کو جو مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے، اور مادرزاد اندھے کو بینا، اور ابرص کو اچھا کر دیتا ہے، جو (ان کی) حکمت سے قانون کے ناممکن ہے، پہلے ان کو دیکھتا اور ان کے حالات دریافت کرتا (پھر جواب دیتا) بغیر دیکھے جواب دینا کمال درجہ دشمنی اور کمینہ پن ہے۔ فلسفہ کا اکثر حماقت ہے تو اس کا کل بھی حماقت ہے، اس لئے کہ کل کا حکم اکثر کا حکم ہے۔

(مکتوب: ۲۶۶، دفتر اول، ص: ۴۶۹)

پس ان عقلمندوں نے تو شرائع کا مقابلہ شروع سے انکار کے ساتھ کیا، اس لئے اس ایک بات کے بعد شریعت کا کوئی اور مسئلہ ان کے لئے دردسر نہیں بنا، لیکن شریعت محمدیہ اور نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ہیبت انبیاء سابقین سے بہت زیادہ ثابت ہوئی، کیونکہ وہ حضرات محدود زمانہ اور مخصوص اقوام کے لئے ہوتے تھے، اور یہ نبوت قیامت تک کے لئے اور تمام اقوام عالم کے لئے ہے، اس لئے اس کا مقابلہ انکار کے ساتھ آسان نہ تھا۔ یہ مسئلہ فلاسفہ کے تلامذہ کے لئے خاصا دشوار ہو گیا، لیکن ذہانتوں نے ہمت نہیں ہاری، جوڑ توڑ کا عمل جاری رہا، زیادہ تر تو ایسا ہوا کہ شریعت کے اصطلاحی الفاظ کو تسلیم کرتے رہے، لیکن ان کے معانی کو تاویل وتحریف کا نشانہ بنایا، تاکہ اصل الفاظ پر ایمان ان کے لئے وقایہ بنا رہے اور معانی کی تحریف سے فلسفیانہ مفروضے باقی اور سلامت رہیں، اور کمتر یہ بھی ہوا کہ اصطلاحات فلسفیہ میں توسیع اور گنجائش پیدا کی، تاکہ بعض قطعی شرعیات جن میں کسی طرح تاویل وتحریف ممکن نہ تھی،

ان کو جدید توسیعات کے دائرہ میں لایا جاسکے، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امکان بالذات اور امتناع بالغیر کی اصطلاح بوعلی سینا کی اختراع ہے، متقدمین فلاسفہ اس اصطلاح سے آشنا نہ تھے، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

قلت : إن الامكان بالذات والاستحالة بالغير من مخترعات ابن سينا ، وكان الشئ عند قدماء هم إما واجباً أو ممكناً ، وكان الواجب عندهم مايكون ازلاً وابداً ، والممكن مايوجد مرة وينعدم اخرىٰ ومالا يوجد ازلاً وابداً فهو ممتنع عندهم هٰكذا صرح به ابن رشد، فلما جاء ابن سيناء ورأى أن بعض قواعدهم لايوافق الشرع أراد أن يتخذ بين ذٰلك سبيلا فاخترع الامكان بالذات والمستحيل بالغير ۔(فیض الباری، ج:۴، ص:۵۱۴)

تحریف و تاویل کا یہ عمل فلاسفۂ متاخرین اور معتزلہ دونوں کرتے رہے، یعنی ماجاء بہ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی عقلی میزان پر تولتے رہے، دونوں میں فرق ہوتا ہے...... اور ایسا بہت ہوتا...... تو شرعیات میں ترمیم و تحریف بیشتر، اور فلسفیات میں کمتر کرتے رہے۔

صفات باری تعالیٰ کو بھی انھوں نے اسی میزان پر تولا، ظاہر ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ جل مجدہٗ ہی عقلی ادراک سے ماوراء ہے، اور اسے انھوں نے مجبور قرار دے کر تسلیم کیا ہے، تو صفات کے سلسلے میں بجز انکار کے ان کے پاس اور چارۂ کار ہی کیا تھا، انھیں مانتے تو ان میں کتنی تاویل کرتے، صفات تو کثیر ہیں، پھر بیچاروں کی ذہانت کتنا ساتھ دیتی، ایک ہی بار کھٹ سے انکار کر دیا اور مخمصہ ختم ہو گیا، لیکن فلاسفہ کا یہ گروہ اس وقت سامنے آیا، جب صفات شہرہ بہت زیادہ ہو چکا تھا، اور علماء اہل سنت

کی کاوشیں اور قربانیاں اس مسئلہ کو بہت واضح کر چکی تھیں، ان کے لئے انکار صفات کا مسئلہ پھر دشوار ہوگیا، ان کی ذہانتوں نے ایک اور چال چلی، اور صفات کو عین ذات قرار دیدیا، کچھ معتزلہ نے یہ راہ اختیار کی، اور کچھ احوال کے راستے پر چل پڑے، یہ ساری سرگردانی کیوں پیش آئی؟ اس لئے کہ انھوں نے عقل انسانی کو حاکم مطلق قرار دیا اور پریشان ہوئے۔ کوئی مسئلہ آج تک بے چاروں کے نزدیک صحت قطعی کا درجہ نہ پاسکا، ایک عقل مفروضات کا کوئی گھروندا بناتی ہے، تو دوسرے کی عقل اسے توڑ پھوڑ کر برابر کردیتی ہے، حضرت سعدیؒ نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

دگر مرکب عقل را پویہ نیست — عنانش بگیرد تحیر کہ ایست
دریں بحر جز مرد داعی نہ رفت — گم آں شد کہ دنبال راعی نہ رفت
کسانے کہ زیں راہ برگشتہ اند — برفتند وبسیار سرگشتہ اند
خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدیؔ کہ راہِ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

اب تک کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ فلاسفہ ومعتزلہ کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے عقل انسانی کو حاکم مطلق قرار دیا ہے، لیکن وہ تمام عقلوں کو کسی ایک بات پر متفق نہ کرسکے، بات یہ ہے کہ جس طرح انسان کا وجود اور اس کی ذات محدود ومقید ہے، اسی طرح اس کی عقل بھی محدود ومقید ہے، انھوں نے اس عقل مقید کے ماسوا کسی اور چیز کو معیار ماننے سے انکار کردیا، ظاہر ہے کہ یہ بالکل خلاف عقل ہے، پھر یہ بھی سوال لاینحل ہے کہ بے شمار انسانوں کی بھیڑ میں کس انسان کی عقل کو معیار بنایا جائے، وہ کون سا عاقل ہے جس کی عقل سب پر حجت ہو، یعنی یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس کی عقل سے بڑھ کر کسی کی عقل نہیں ہوسکتی، انبیاء سے تو یہ دامن بچاتے ہیں، پھر جس نے کوئی

رائے پیش کی، انھیں کی برادری کے دوسرے فرد نے اس کو اسی عقل کی رو سے رد کردیا، اسی روگ نے پورے فلسفہ کو شکوک واوہام کا مجموعہ بنادیا ہے، اکبر کا شعر تم نے برمحل نقل کیا ہے، مگر غلط نقل کیا ہے، صحیح اس طرح ہے۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

یہ تو بنیادی بات تھی، ظاہر ہے کہ جب بنیاد ہی غلط ہے، تو دیوار کا کیا حشر ہوگا،

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

عقل کو حاکم مطلق بنانے کا نتیجہ تو تمہارے سامنے ہے، لیکن ذرا دقت نظر سے کام لو، تو صاف نظر آئے گا کہ ان کے اصول کے مطابق نعوذ باللہ حق تعالیٰ کا وجود کوئی واقعی چیز نہیں ہے، بلکہ ان کی عقلوں نے گڑھ گڑھا کر ایک چیز کا نام واجب الوجود رکھ دیا، یا اس کا کچھ منفی قسم کا تعارف کرادیا، اور کہہ دیا کہ اسی کو خدا مان لو، پھر جب چاہتے ہیں اپنی عقل سے اس کے تعارف میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں، حاکم مطلق تو خدا کو ہونا چاہئے، لیکن انھوں نے حاکم مطلق اپنی عقلوں کو بنالیا۔ خدارا بتاؤ کہ ان کے گھڑے ہوئے ذہنی اور عقلی خدا میں جو ہر قسم کی صفات سے خالی ہے اور بت پرستوں کی ہاتھ سے تراشی ہوئی مورتیوں میں کیا فرق ہے؟ بلکہ یہ گروہ بت پرستوں سے بدرجہا بدتر ہے، بت پرست تو خوبصورت مجسمے ڈھالتے ہیں، کچھ نہیں تو ان کے حسن و جمال کی طرف طبیعت انسانی کو کشش ہوتی ہے، اور ان عقلمندوں نے جس خدا کو تراشا ہے، وہ محض ذہنی مفروضہ اور ہر قسم کے حسن و جمال اور جلال و کمال سے قطعی خالی! بھلا ایسے خدا کی عبادت کون کرے، اور ایسے خدا کی کیا ضرورت ہے؟

اب آؤ یہ بھی دیکھ لیں کہ انکار صفات کے بعد معتزلہ کا حشر کیا ہوا؟ تم یہ دیکھ

چکے ہو کہ معتزلہ نے کوئی ایسا شرعی حکم یا ایسی شرعی خبر ماننے سے انکار کر دیا ہے، جو ان کے دائرۂ عقل سے خارج ہو، اسی بنیاد پر انھوں نے یہ خیال جمایا کہ صفات کے جو کچھ معانی ہم جانتے اور سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کے ماسوا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا، اور انھیں معانی اور مفاہیم اور کیفیات و تفصیلات کے ساتھ اگر ان صفات کو حق تعالیٰ کے لئے ثابت کیا گیا، تو تشبیہ لازم آئے گی جو حق تعالیٰ کی جناب میں عیب ہے، اس لئے تفصیلاً انھوں نے ہر ایک صفت کی نفی کی، اور جس کی نفی صراحۃً نہیں کر سکتے تھے اس میں ایسی تحریف کی کہ اس میں اور نفی میں صرف لفظی فرق رہ گیا، جیسا کہ تم وجود، حیات، علم اور قدرت کے بارے میں ان کا نظریہ پڑھ چکے ہو۔ یہ بات جب ان کے نزدیک بطور اصول موضوعہ کے طے ہو چکی، تو اب انھوں نے قرآن وحدیث کا رُخ کیا، انھیں قدم قدم پر ایسا محسوس ہوا کہ قرآن وحدیث کی تصریحات، ان کے مفروضات کی شدت سے تردید کر رہی ہیں، اس صورت حال میں ان کے سامنے دو راہیں تھیں، یا تو اپنے عقلی مفروضات سے دستبردار ہو کر خلوص سے قرآن وسنت پر ایمان لاتے، یا پھر بالکل انکار کر کے کافر مجاہر ہوتے، یہ دونوں راہیں مشکل تھیں۔ پہلی صورت میں حاکمیت عقل کے ہاتھ سے نکلتی، جس کی اجازت ان کا کبر نفس نہیں دیتا۔ اور دوسری راہ اختیار کرتے تو اس وقت کا سب سے طاقتور معاشرہ ان کا دشمن ہو جاتا، مجبور ہو کر انھوں نے الٹی سیدھی بے تحاشا تاویلات وتوجیہات کا دروازہ کھول دیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سی گمراہ ٹولیاں وجود میں آگئیں، احادیث کے سلسلے میں تو انھیں قدرے آسانی تھی، جو حدیث ان کی سمجھ میں نہیں آئی، اس کے ذات نبوی کے ساتھ انتساب ہی کا انکار کر دیا، لیکن قرآن میں ایسا کرنا ممکن نہ تھا، گو کہ ان کے دلوں میں اس قسم کی بات بھی آئی تھی، چنانچہ معتزلہ کے ایک پیشوا جہم بن صفوان کے بارے

میں صاحب فتح الباری نے ایک جگہ نقل کیا ہے کہ اسے تمنا تھی کہ کاش وہ **الرحمن علی العرش استوی**، کو قرآن سے نکال دینے پر قادر ہوتا، لیکن وہ لوگ جب ایسا نہ کر سکے تو اس میں تاویل وتحریف کا دروازہ کھولا، اور ایسے مطالب اختراع کئے کہ سطحی عقل اور سطحی علم والا تو انھیں قبول کر لے، مگر قرآن وسنت اور آثار سلف پر نظر رکھنے والا، اس کو محض تحریف سمجھے گا، یہ کتنا زبردست مفسدہ ہے کہ قرآن کے مدلولات کو توڑا جائے، ان کی بے جا تاویلات کی جائیں، اور ان لوگوں کی پیروی کی جائے جن کے بارے میں **یحرفون الکلم عن مواضعه** وارد ہے، پھر دوسری خرابی اس کے ذیل میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ جو لوگ ان کی تردید انھیں کی زبان واصطلاح میں کرنے اٹھے، وہ بھی اکثر جگہوں میں انھیں جیسی مشکوک اور نامعتبر باتیں کرنے لگے، ہمارا علم کلام اس کی مثالوں سے لبریز ہے، لیکن یہ تاویلات اتنی پھیلیں کہ رفتہ رفتہ اذہان بالعموم ان سے متاثر ہو گئے، حتیٰ کہ جو لوگ فلسفۂ اعتزال کی تردید قرآن وسنت کی زبان میں کرتے ہیں، وہ بھی غیر شعوری طور پر کہیں کہیں اسی قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں، جیسی معتزلہ وغیرہ سے صادر ہوتی ہیں، یہ موضوع ذرا نازک ہے اور تفصیل طلب بھی اس لئے تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھتا، کبھی ملاقات ہوگی تو زبانی بتاؤں گا۔

معتزلہ کو مسئلہ صفات سے تو فراغت ہو گئی۔ اب آؤ حق تعالیٰ کے آمر وناہی ہونے کا مسئلہ بھی ان کے اصول کی روشنی میں سمجھ لیں، کیا بتاؤں عجب سفسطے ہیں، سوچنے سے بھی طبیعت اباء کرتی ہے، لکھنا تو بڑی بات ہے، لیکن نقل کفر ہے، مجبوراً لکھتا ہوں۔

معتزلہ نے جب عقل کو حاکم مان لیا، تو اس کی بنیاد پر حق تعالیٰ کے ذمے انھوں نے واجب قرار دیا کہ وہ افعال کے حسن وقبح کو ظاہر کر دیں، اسی اظہار حسن

وقبح کا نام امر و نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی فعل کے حسن یا قبح کا فیصلہ کرنے والی تو عقل ہے، لیکن صرف عقلی ادراک کی بنیاد پر اس کو فرض یا حرام نہیں کہا جا سکتا، جب شریعت اس کے حسن وقبح کا اعلان بصورت امر و نہی کردے گی، تب اس کو حرام یا فرض کہا جائے گا، گویا اصل تو عقلی فیصلہ ہے، شریعت محض اس کی منادی ہے، اچھا شریعت نے جب اس کو پکار دیا تو اب جو انسان اس فعل حسن یا قبیح کو وجود میں لاتا ہے، اس میں ان کے اصول کے لحاظ سے خدا کی قدرت کا دخل نہیں ہوتا، بندہ محض اپنی قدرت سے صادر کرتا ہے، بلکہ خلق کرتا ہے اور صادر کرتا ہے، لہٰذا ہر عمل کا نتیجہ اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے، ایسا لازم کہ حق تعالیٰ اس کو اس سے جدا نہیں کر سکتے، کیونکہ جب صدور و خلق فعل میں قدرت الٰہیہ موثر نہیں ہے، تو نتیجۂ فعل میں کیوں موثر ہوگی، پس لازم ہوا کہ بندہ نے جو کچھ عمل کیا، اس کی سزا و جزاء بطور وجوب کے ہو، یعنی حق تعالیٰ کو اس کے خلاف پر قدرت نہ ہو، چنانچہ معتزلہ اسی کے قائل ہیں کہ تعذیب مجرم اور تنعیم مطیع حق تعالیٰ کے ذمہ لازم ہے، میرا خیال ہے کہ تعذیب و تنعیم کے عمل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی زحمت ان لوگوں نے بلا ضرورت کی ہے، ظاہر ہے کہ جب اعمال کا خلق وصدور دونوں بندے کے اختیار وقدرت سے ہوا، تو بدیہی امر ہے کہ اس کے لوازم ونتائج بھی بندے ہی کے خلق وکسب سے ہوں گے۔ حق تعالیٰ کی قدرت جب افعال ہی پر نہیں ہے، جو اصل ہیں تو ان کی فرع یعنی لوازم ونتائج پر بھی نہ ہوگی، پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ فلاں فلاں امر خدا کے ذمے واجب ہیں، ہاں واجب کا اگر یہ مطلب ہو کہ خدا اس پورے منظر کا صرف ایک تماشائی ہے، اس کی قدرت کو اس کارخانہ میں کوئی دخل نہیں، تو درست ہوگا، اور شاید ان کی مراد یہی ہو۔

یہیں سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ وعیدات عامہ میں خلف کی بحث انھیں

کے اصول کے مطابق آتی ہے، کیونکہ ہر عمل کا لازمی نتیجہ عذاب یا ثواب، جب قدرت الٰہیہ سے نعوذ باللہ خارج ہے، تو اگر اس کے خلاف نتیجہ کا ظہور ہو تو لازماً اسے خلف فی الوعید کہنا پڑے گا، اور چونکہ حق تعالیٰ کی قدرت ان پر واقع نہیں ہے، اس لئے خلف مذکور کو ممتنع بھی کہنا ضروری ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وعیدات عامہ ہوں یا خاصہ، ان میں خلف کے امتناع و امکان کی بحث معتزلہ کے اصول پر آسکتی ہے، اہل سنت کے اصول کے مطابق خلف کی بحث آتی ہی نہیں، جیسا کہ سابق مکاتیب میں اس کو واضح کر چکا ہوں۔

پھر خلف فی الوعید کو ممکن مان لیا جائے تو ان کے لحاظ سے کذب بھی ضرور لازم آئے گا، کیونکہ اعمال کے نتائج ولوازم سے قدرت تو منتفی ہو چکی، اب خدا کے حصے میں کیا رہ گیا، محض نتیجۂ فعل کی خبر دینا، فرض کرو ایک عمل کے متعلق عذاب کے نتیجے کی خبر دے دی، بالفرض اگر اس کے خلاف کا ظہور ممکن ہو تو ضرور ہے کہ وہ خبر کاذب ہو جائے، یعنی جو نتیجہ واقعۃً تھا اس کی خبر نہ دی گئی، بلکہ اس کے خلاف کی خبر دی گئی، ظاہر ہے کہ یہ کذب ہوگا۔

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ جب انسانوں کے افعال اختیاریہ کا حسن و قبح عقلی ہے، اور ان کے خلق و صدور سے قدرت الٰہیہ علیحدہ ہے، اور اس لحاظ سے صدور و خلق میں تلازم ہے، تو یہ بھی ضروری ہے کہ کسی فعلِ قبیح کا خالق حق تعالیٰ کو نہ مانا جائے، نہ اس پر اس کی قدرت تسلیم کی جائے، کیونکہ جب خلق ہوگا تو صدور بھی ہوگا، کیونکہ دونوں میں باہم تلازم ہے، لامحالہ یہ تسلیم کرنے پڑے گا کہ حق تعالیٰ سے افعال قبیحہ صادر ہوتے ہیں، نعوذ باللہ۔ لہٰذا یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ قدرت علی القبائح حق تعالیٰ کو ہے ہی نہیں، اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر قدرت علی المحاسن بھی نہیں ہے، بلکہ بطور وجوب کے حق تعالیٰ سے صادر ہوتے ہیں، دیکھو بات کہاں پہونچی، قدرت منتفی ہوئی

یا نہیں؟ پھر ان کے قادریت والے حال سے کیا حاصل؟ سوچو ایسا مجبور و بے بس خدا کس کام کا؟ اور ایسی بے بسی کے ساتھ عدل کا تصور کوئی دیوانہ ہی کرسکتا ہے۔

اب ایک نہج سے اور غور کرو! کوئی بھی ذات من حیث ھی ھی قطع نظر صفات کے...... جو کہ محض موجود ذہنی ہے...... اس سے دنیا کی کسی چیز کو رابطہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ خارج کے اعتبار سے وہ معدوم محض ہے، اور معدوم محض سے کس کو دلچسپی ہوسکتی ہے، تعارف وشناخت، محبت وعظمت یا خوف وخشیت جو کچھ پیدا ہوتی ہے، اس کی بنیاد یہی صفات ہوتی ہیں، دیکھو! اللہ کے لئے اگر صفت ربوبیت اور خالقیت نہ ہوتی تو کسی شئے کا وجود کیونکر ہوتا، گویا مخلوق جو حق تعالیٰ کے ساتھ مربوط ہے، اس کی وجہ یہی صفت ربوبیت وخالقیت ہے، مخلوق جو حق تعالیٰ کی طاعت وعبادت کا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہے، وہ اس لئے کہ وہاں صفت الوہیت موجود ہے، اس سے جو خائف ولرزاں ہے، وہ اس لئے کہ اسی میں صمدیت، قہاریت اور قدرت مطلقہ کی صفات ہیں، مخلوق جو اس کی محبت بے حد وحساب رکھتی ہے تو اس لئے کہ اس میں جمال وکمال اور رحمت والطاف کی صفات عالیہ ہیں، غرضیکہ مخلوق جس جس راہ سے خالق تعالیٰ کے ساتھ مربوط ہے، وہ کوئی نہ کوئی وصف ہے، اور یہ بالکل بدیہی ہے جس کو ابتدائی عقل بھی بطور علم ضروری کے جانتی ہے کہ بغیر کسی وصف کمال کے کوئی شخص دوسرے سے مربوط ہو ہی نہیں سکتا، پھر سوچنے کی بات ہے کہ انکار صفات کے بعد حق تعالیٰ کی محبت، خوف، اس کی عبادت وطاعت، اس کی عظمت وتقدیس کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ پھر دیکھو کہ انسان کتنا بے بس اور بے سہارا ہو کر رہ جاتا ہے، کیونکہ اس کو جتنی قوت حاصل ہے وہ تو معلوم ہے اور اس کے اوپر ان ظالموں نے کوئی ایسی طاقت چھوڑی ہی نہیں جو اس کا سہارا بن سکے، پھر اس غریب کا ٹھکانا کہاں؟ انھوں نے انکار

صفات کر کے خدا کو نعوذ باللہ مفلوج تو کیا ہی، خود کو بالکل نکما اور ناکارہ بنا کر چھوڑ دیا۔

**أعاذنا اللّٰہ من سوء الفہم والاعتقاد**

اس جگہ جی چاہتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ایک عبارت نقل کروں، حضرت نے ان متفلسفین کو خوب سمجھا ہے۔ فرماتے ہیں:

”فلاسفۂ بے خرد، کمال در ایجاب دانستہ نفی اختیار از واجب تعالیٰ نمودہ، اثبات ایجاب نمودہ اند ایں بے خبراں واجب را تعالیٰ وتقدس معطل و بے کار داشتہ اند، وجز یک مصنوع کہ آں ہم بایجاب است از خالق سمٰوات وارض صادر ندانستہ، وجود حوادث را نسبت بعقل فعال دادہ کہ وجود آں جز در توہم ایشاں ثابت نشدہ است، بزعم فاسد ایشاں، ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ ہیچ کارے نیست ناچار باید کہ در وقت اضطراب واضطرار التجاء بعقل فعال آرند وبحضرت حق سبحانہ ہیچ رجوع نکنند کہ اورا در وجود حوادث مدخلے ندادہ اند، گویند کہ عقل فعال است کہ بایجاد حوادث تعلق دارد، بلکہ بعقل فعال ہم رجوع ندارند کہ اورا در دفع بلیاتِ ایشاں نیز اختیارے نیست، ایں بے دولتاں در حمق وبلاہت پیش قدم فرق ضلالت اند، کافراں التجاء بحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ می آرند ودفع بلیہ از وتعالیٰ می طلبند بخلاف ایں سفیہاں۔ (مکتوب: ۲۶۶، دفتر اول، ص: ۴۶۸)

**ترجمہ**: بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر واجب تعالیٰ سے نفی اختیار کر کے اس کے ایجاب کا اثبات کیا ہے اور ان بے عقلوں نے ذات واجب تعالیٰ وتقدس کو بے کار سمجھا ہے، اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے زمین وآسمان کے خالق سے صادر نہ جان کر حوادث کے وجود

کو عقل فعال کے ساتھ نسبت دی ہے، جس کا وجود ان کے وہم کے علاوہ کہیں ثابت نہیں ہے، اور ان کے فاسد زعم میں حق سبحانہ وتعالیٰ سے ان کو کچھ کام نہیں ہے۔ لازمی طور پر چاہئے تھا کہ اضطراب واضطرار کے وقت عقل فعال کی طرف التجا کرتے، اور حضرت حق سبحانہ کی طرف رجوع نہ کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک حوادث کے وجود میں اس تعالیٰ کی کوئی مداخلت نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ عقل فعال ہی حوادث کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ وہ تو عقل فعال سے بھی رجوع نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک بلیات کے دفع کرنے میں بھی اس کا اختیار نہیں ہے، یہ بدنصیب (فلاسفہ) اپنی بے وقوفی اور حماقت میں فرقۂ ضالہ سے بھی آگے بڑھ گئے، حالانکہ کافر بھی بخلاف ان بدبختوں کے حق سبحانہ وتعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور بلاؤں کے دفعیہ کو اسی تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔

تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہی حال معتزلہ اور تمام منکرین صفات کا ہے، چونکہ حق تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ بندوں کا خدا کے ساتھ تعلق دائم اور قوی رہے، اس لئے قرآن کریم میں جتنی کثرت سے صفات کا مضمون ہے اور کسی چیز کا نہیں، بیشتر آیات کا تکملہ تذکرہ صفات ہے، سمجھنے کی بات ہے کہ یہ مفصل اثبات کیوں ہے، اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جہاں نفی کا موقع آتا ہے وہاں غایت درجہ اختصار واجمال سے کام لیتے ہیں، **لیس کمثله شئ**، اور **ولم یکن له کفواً احد**، بس اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں، آخر کچھ تو اس میں حکمت ہوگی، ہاں، انسان کو منفی سے کیا سروکار، اس کے لئے کشش اور تاثر کا سامان اگر کہیں ہے تو وہ محض اثبات میں ہے، حق تعالیٰ نے اثبات مفصل کیا ہے، البتہ گمراہی کا دروازہ بند کرنے کے لئے اجمالاً تشبیہ کی نفی کردی ہے، اس کے برخلاف معتزلہ وفلاسفہ نفی مفصل کرتے ہیں، اور اثبات میں محض

تحیر کے شکار بن کر رہ جاتے ہیں، خدا تعالیٰ اپنی صفات کو مفصل بیان کر کے بندوں کو اپنی بارگاہ میں دعوت حاضری دیتے ہیں، اور فلاسفہ و معتزلہ نفی مفصل کر کے بندوں کو خدا سے دور کرتے ہیں، یہ کتنا عظیم خسارہ ہے، اس پر خود کو عاقل کہتے ہیں۔ **ألا إنهم هم السفهاء ولكن لايعلمون۔**

حقیقت یہ ہے کہ انکار صفات کے بعد انسان نہ صرف خدا سے دور ہو جاتا ہے بلکہ خود کو خدا کے وجود سے محروم کر دیتا ہے، صفات نہ ہوں تو ذات کا وجود ذہنی تو ہو سکتا ہے، وجود خارجی نہیں۔

رہا مسئلہ خالقیت کا، یعنی ان کے اصولوں کے لحاظ سے بے شمار خالقین کا وجود ماننا پڑتا ہے، تو شاید خالقین کا تعدد، بالخصوص جبکہ وہ حادث ہوں، ان کے نزدیک قادح توحید نہ ہو، ان کے خیال میں قادح فی التوحید اگر کچھ ہے تو یہ کہ قدماء کا تعدد تسلیم کر لیا جائے، بس اس سے توحید میں خلل پڑتا ہے، لیکن انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ جب حق تعالیٰ سے صدور......خواہ کسی چیز کا ہو......بطور وجوب کے ہو، جیسے سورج سے روشنی علی سبیل الوجوب صادر ہوتی ہے، تو ہر وہ چیز جو حق تعالیٰ سے صادر ہوگی، وجوب کی وجہ سے قدیم ہوگی، جیسے فلسفیوں کے نزدیک عقول عشرہ قدیم ہیں، خواہ وہ یہ کہتے ہوں کہ حق تعالیٰ واجب بالذات ہیں، اور عقول واجب بالغیر، تاہم وہ حق تعالیٰ سے مسبوق بالزمان تو ہیں نہیں، ما بالذات کی اولیت محض ایک ذہنی اعتبار ہے، خارج میں سب کا وجود ایک ساتھ ہے، اور جب حق تعالیٰ کے لئے کوئی امر لازم اور واجب مانا جائے گا تو بلحاظ وجود خارجی کے دونوں یعنی لازم و ملزوم متساوی القدم ہوں گے، تقدم و تاخر محض اعتباری ہوگا، پھر صفات کے ماننے میں تو تعدد قدماء سے ڈرتے تھے، صفات کے انکار کے بعد وہ وجوب کے قائل ہوئے، تو اس میں تمام

صادرات قدیم بن گئے۔ **فـر مـن الـمـطـر وقـر تحت الميزاب، العياذ بالله ولاحول ولاقوة إلا بالله العلی العظیم۔**

اتنا لکھنے کے بعد طبیعت بالکل منغص ومکدر ہوگئی۔اب قلم رکھتا ہوں،اور یہ سلسلہ بند کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی کے مطابق عقیدہ ،علم اور عمل کی توفیق دے اور ٹھیک سنت نبوی (ﷺ) پر قائم رکھے۔آمین

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا احمد سعید صاحب دربھنگوی

مدرسہ دینیہ شوکت منزل غازی پور کے قدیم طالبعلم اوراب مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواره ضلع دربھنگہ کے معتبر استاذ ہیں۔ دورِ طالب علمی سے اب تک میرے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔ بہت عرصہ سے رمضان المبارک میں دیوبند جانے والے طلبہ کی ایک جماعت میرے پاس رہ کر وہاں کے امتحانِ داخلہ کی تیاری کرتی ہے، اس کا آغاز کرنے والے دو طالب علم یہی مولوی احمد سعید اور مفتی انعام الحق سیتامڑھی تھے۔ یہ دونوں میرے گھر پر رہے، اور رمضان میں عدیم النظیر محنت کی۔ اس وقت سے اب تک یہ سلسلہ قائم ہے۔اس کا آغاز غالباً ۱۹۸۲ء میں ہوا تھا۔

یہ خط تقدیر کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا۔

عزیزم مولوی احمد سعید سلّمہٗ!          السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملے ہوئے ایک عرصہ گذر گیا، اور جواب میں اب تک نہ لکھ سکا، مجھے خود تعجب ہے کہ اس قدر تاخیر کیوں ہوئی، جبکہ تمہارے اس خط میں ایک سوال بھی تھا، جس کے جواب کا تقاضا میرے دل میں بہت ہے، لیکن معاملہ وہی ہے جس کا تم نے سوال کیا ہے، یعنی تقدیر! آدمی اس کے سامنے بے بس ہے۔

(۱) عزیزِ من! تمہارا سوال جس مسئلہ کے متعلق ہے، اسکی حقیقت تک رسائی ہمارے اور تمہارے بس میں نہیں ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اس سے فائدہ اٹھانا مطلوب ہے، اس پر چون وچرا ممنوع ہے، اور سب کے لئے ممنوع ہے۔ طاعت وایمان کی برکت سے ممکن ہے کہ یہ مسئلہ منکشف ہو جائے، باقی یہ کہ پوری حقیقت معلوم ہو جائے، ناممکن ہے۔ ہاں ہمارے لئے اتنی بات معاند ومناظر کو ساکت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ مسئلہ خلاف عقل نہیں ہے، ہاں احاطۂ عقل سے خارج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل ہونا مستلزمِ عیب ہے، اور ادراکِ عقل سے ماوراء ہونا اس کی عظمت وبلندی کی دلیل ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ خلافِ عقل کیوں نہیں ہے تو اس کی دلیلیں دو قسم کی ہیں، ایک مثبت، دوسری منفی۔ مثبت دلیل یہ ہے کہ تمام مذاہب اور تمام حکماء معتبرین کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے، اور ظاہر ہے کہ صفاتِ کمال میں سے اکمل ترین صفت علم ہے، لامحالہ اس کا علم ازل وابد اور کلی وجزئی سب کو محیط ہوگا۔ پھر یقیناً مخلوقات کے تمام افعال واحوال اس کے علم تفصیلی کے اندر داخل ہوں گے، اسی علم کی تحریر کا نام ''تقدیر'' ہے۔

دوسرا مسلمہ مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے تھوڑا سا ہی سہی اختیار عنایت فرما رکھا ہے، جس کو ہر شخص بطور بداہت کے جانتا ہے، یہی اختیار سزا وجزا کی

بنیاد ہے، اور یہ بنیاد بالکل صحیح اور موافق عقل ہے۔

تیسرا مسلمہ مسئلہ یہ ہے کہ ظلم کہتے ہیں یا تو ملکیت غیر میں تصرف کرنے کو یا اپنی ملکیت میں نامناسب عمل کرنے کو، حق تعالیٰ کے لحاظ سے ملکیت غیر کا تو تصور ہی نہیں، ہاں یہ ہوسکتا تھا کہ نامناسب عمل صادر ہو، لیکن یہ دو وجہ سے منتفی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ افعال واعمال کے جو نتائج دنیا میں اپنے رسولوں کی زبان پر ظاہر فرمائے ہیں، وہ عین مطابق عقل اور برمحل ہیں، ظاہر ہے کہ آخرت میں انھیں نتائج کا ظہور ہوگا، اور یہ بداہۃً واضح ہے کہ علمی اور عقلی اعتبار سے جو قانون بالکل موافق عقل ہو، اگر اس کا عملی ظہور ہوجائے تو کون اسے خلافِ عقل اور نامناسب باور کرسکتا ہے، ظاہر ہے کہ وہی عین مناسب ہے اور اس کے خلاف نامناسب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مناسب اور نامناسب کے لئے معیار عقل انسانی تو ہو نہیں سکتی، کیونکہ اس میں بے حد وحساب تفاوت ہے، لامحالہ اس کا معیار حق تعالیٰ کا ارشاد وعمل ہے، تو وہی فعل خداوندی خوب وناخوب کا معیار ہے تو اسے کیونکر نامناسب کہا جاسکتا ہے، غرض دونوں معنی کے اعتبار سے ظلم حق تعالیٰ کی جناب سے منتفی ہے۔ خوب غور کرلو۔ یہ تینوں مسائل اپنے اپنے لحاظ سے خوب واضح اور مدلل ہیں، ان میں ذرا بھی شبہ نہیں اور بالکل بدیہی عقلی ہیں، لیکن ان تینوں کو جب ایک سلسلۂ بیان میں جوڑ دیا جاتا ہے، تو ایک حیرت سی ہوتی ہے، اور ایک نامعلوم الجھاؤ اس ترتیب میں پڑ جاتا ہے، بس یہ الجھاؤ نارسائی عقل اور ناتمامیٔ ادراک کا نتیجہ ہے، حدِ ادراک بس ان تینوں مسئلوں پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا ہے، اس کے بعد عقل کی تُرکی تمام ہوجاتی ہے، اس لئے اسے تسلیم کرکے خاموش ہوجانا چاہئے اور الجھاؤ کے باوجود مسئلہ کے حق ہونے کا یقین رکھنا چاہئے۔ اور یہ بھی بتادوں کہ جب دلیل کے تمام مقدمات صحیح ہوں، ترتیب بھی

درست ہوتو نتیجہ لازماً صحیح نکلے گا، خواہ وہ سمجھ میں نہ آئے۔ ہماری سمجھ میں نہ آیا تو کیا، انبیاءواولیاء کاملین تو سمجھے ہیں، ان کا سمجھنا ہمارے لئے کافی ہے۔

منفی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ اسی طور پر جیسے کہ اہل سنت ثابت کرتے ہیں، اگر نہ مانا جائے تو اسکے علاوہ جو بھی طریقہ، جو بھی اصول اور جو بھی نظریہ اختیار کیا جائے، وہ ایسے کھلے کھلے تضادات پر مشتمل ہوگا جن کو دور کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی، بالکل خلافِ عقل چیزوں کو تسلیم کرنا پڑے گا، اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل باتیں محال ہوتی ہیں، لہٰذا اس ایک عقیدہ ''عقیدۂ اہل سنت'' کے سوا سب باطل اور لغو ہیں اور وہی ایک ثابت وقائم ہے۔

ہاں ایک بات اور سمجھ لو کہ انسان کا اختیار محسوس ہے اور جبر نامعلوم اور غیر محسوس ہے۔ جبر کہتے ہیں سلب اختیار کو، اس کا اثبات ایک غلط مقدمہ پر مبنی ہے، جس کو تم نے ان الفاظ میں لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی مقادیر پہلے متعین کر چکے ہیں اور ان کی مخلوق میں سے انسان بھی ہے، اس کی بھی تقدیر اللہ نے پہلے ہی متعین کر دی ہے، تو انسان مجبورِ محض باقی رہا'' سوال یہ ہے کہ تعیین تقدیر کی وجہ سے مجبورِ محض کیونکر ہو جائے گا؟ کیا تعیین تقدیر میں ''اعطاء اختیار'' داخل نہیں ہے، اور کیا یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اسی اختیار کی وجہ سے جو اسے دیا گیا ہے، افعال کا ارتکاب کرے گا، ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں بھی مقادیر کے ذیل میں آچکی ہیں، تو سلب اختیار کدھر سے آیا۔ اس سے تو واضح طور پر اختیار ہونا معلوم ہوتا ہے، ہاں اعطاء اختیار میں وہ مختار نہیں ہے، اسی لئے کہتا ہوں کہ اختیار معلوم ہے اور جبر نامعلوم۔ فرض کرو اگر تعیین تقدیر کے باعث جبر آتا تو بتاؤ کہ وہ مقادیر انسان کو معلوم ہیں، ہرگز نہیں پھر اس کے نتیجے میں جو جبر آئے گا وہ کیونکر معلوم ہو جائے گا۔ اگر تم یہ کہو کہ اجمالاً مقادیر کا وجود تو معلوم ہے،

لہٰذا جبر بھی معلوم ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جبر بھی اجمالاً معلوم ہوگا۔ اتنا تو ہم بھی کہتے ہیں کہ، لیکن جبر جو اجمالاً ثابت ہوگا، اس سے کوئی محذور لازم نہ آئے گا، جبکہ اختیار تفصیلی معلوم ہے اور سزا وجزا محض اختیار ہی کے بقدر ہوگا، اس سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان مختار بھی ہے، مجبور بھی، مختار ہونا معلوم ومحسوس ہے اور مجبور ہونا نامعلوم ونامحسوس، اختیار کو ثابت کرنے کیلئے دلیل وبرہان کی حاجت نہیں، اور جبر کو ثابت کرنے کے لئے دلیل وبرہان کی ضرورت، اختیار بدیہی ہے، اور جبر نظری، نہ وہ مختارِ محض ہے اور نہ مجبورِ محض۔ اس سے زیادہ لکھنا دردِ سر ہے، میں نے بہت اجمال سے لکھا ہے، غور سے پڑھو اور بار بار پڑھو، انشاء اللہ سمجھ میں آجائے گا۔ اردو میں جبر زبردستی کے معنی میں آتا ہے میری تحریر میں وہ مراد نہیں ہے۔

یمحو اللہ مایشاء ویثبت (سورۂ رعد کا آخری رکوع، پارہ: ۱۳) پر غور کرو، تقدیر مبرم ومعلق کا سراغ اس میں مل جائے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد حنفی تھے۔

باقی یہاں سب خیریت ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی نسیم احمد صاحب علیہ الرحمہ

مدرسہ دینیہ شوکت منزل غازی پور کے ایک ذہین وفطین طالب علم تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور وہیں سے افتاء اور تدریب افتاء کی تکمیل کی۔ کچھ دنوں گجرات کے کسی مدرسہ میں معلّمی کی، پھر مولانا قاضی مجاہدالاسلامؒ کی خدمت میں دفتر امارت شرعیہ بہار میں آگئے، اور قاضی صاحبؒ کی نگرانی میں امارت شرعیہ کے اہم علمی وانتظامی امور پر مامور رہے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ قدرت کی جانب سے عمر کم لے کر آئے تھے۔ ۳۰؍جنوری ۲۰۰۳ء میں انتقال ہوگیا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

ان کا تذکرہ میری کتاب ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں ہے۔

دیکھئے: ص: ۵۱۲تا۵۱۶)

عزیزم! رزقکم اللہ علماً نافعاً وعملاً متقبلاً

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہٗ

ابھی تمہارا خط ملا، انتظار تھا، پڑھ کر قلبی مسرت حاصل ہوئی۔ مجھے تم سے اسی تعلق وارتباط اور محبت وانس کی توقع تھی، بے حد خوشی ہوئی۔

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

میں ادھر تقریباً بیس بائیس روز سے گھر تھا، میری خالہ جان جو میری والدہ کے بعد میری ماں تھیں، بہت زیادہ علیل تھیں، طویل علالت کے بعد ۸؍ جمادی الاول کو انتقال کر گئیں۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، ابھی پرسوں مدرسہ پہونچا ہوں، حق تعالیٰ سے دعاء مغفرت کرو۔

تم نے جس احسان مندی کا ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، بجز اس کے کہ یہ سعادت مندی ہے، بلاشبہ جو لوگ علم کی روشنی بخشتے ہیں، جن کے ہاتھ دل کی آنکھیں کھولتے ہیں، ان کے احسانات کو یاد رکھنا، ان کی قدردانی کرنا شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے، اس قدردانی میں جتنی بلند حوصلگی ہوگی اسی کے بقدر انسان کے مراتب میں اضافہ ہوگا۔ میں تو پہلے بھی کہتا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ اصل معطی اور واہب حق تعالیٰ شانہٗ ہیں، ان کی بخشش وعطاء ہے، جتنا جس کو مناسب ہوتا ہے، عطا فرماتے ہیں، ہم لوگ کھیت میں پانی پہونچانے والی نالیوں کے مثل ہیں، تالاب یا کنویں سے پانی نکل کر آتا ہے اور کھیت میں جمع ہو کر سیراب کرتا ہے، نالیاں پہلے بھی خالی تھیں اور کھیت میں پانی پہونچ جانے کے بعد پھر خالی ہو جاتی ہیں، اپنی استعداد کے مطابق ہر شخص فیاضِ ازل سے فیضان حاصل کرتا ہے، تمہیں لوگوں کے نصیبے کا ہم لوگوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے، ہم کیا اپنا احسان سمجھیں، تمہیں لوگوں کا احسان ہے کہ

ہم کو واسطہ بنایا، ہاں واسطہ کی قدر ضروری ہے، دیکھو نالی میں اگر مٹی پاٹ دی جائے تو کھیت محروم ہو جائے گا، کھیت کو فائدہ اسی وقت تک پہونچے گا جب تک نالیوں کا سینہ کھلا ہوا اور صاف ہے، مزید تشریح کی ضرورت نہیں تم خود سمجھ سکتے ہو۔

اس سلسلے میں تم سے اگر کبھی کوئی قصور ہوا ہو جس پر تمہیں ندامت رہتی ہے تو میں نے دل سے معاف کر دیا ہے، میری جانب سے بالکل مطمئن رہو، تکدر کا شائبہ بھی نہیں ہے، دل سے تم لوگوں کا خیر خواہ ہوں اور دعا گو ہوں، تم لوگوں کی خوشی میری خوشی اور تم لوگوں کا رنج میری تکلیف ۔ ہاں شریعت کی پابندی بیحد ضروری ہے، میرے تعلق کی رسّی یہی ہے، جب شریعت سے کوئی ہٹتا ہے اور اس پر مصر رہتا ہے تو میرا دل اچاٹ ہو جاتا ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع اور دل کی یکسوئی کے متعلق تمہارے سوال سے بہت مسرت حاصل ہوئی، اس سلسلے میں اصولی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہِ عالی کے مناسب عبادت کا پیش کرنا ایسا امر عظیم ہے کہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، محبوبانِ بارگاہ علیہم الصلوات والتحیات تک جب اس مسئلے میں عجز ودرماندگی کا اعتراف کرتے ہیں تو ماوشما کی کیا حقیقت ہے؟ تاہم **مالایدرک کلہٗ لایترک کلہٗ** کے پیش نظر ہر انسان پر کوشش فرض ہے کہ بقدر امکان بشری طاعات وعبادات کو سجا، سنوار کر پیش کرے۔ عبادت دراصل باطن اور قلب کا عجز ونیاز ہے، ظاہری اعضاء تو مظاہر ہیں یعنی عباداتِ قلبیہ کے ظہور ونمود کا تشکل ظاہری اعضاء پیش کرتے ہیں اس لئے اگر محض ظاہری تشکلات پر اکتفا کر لیا جائے تو حقیقت عبادت سے انسان دور جا پڑے گا، اعضاء ظاہری کا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکنا، اٹھنا، بیٹھنا تو فقہ کی کتابیں، استاذ کی تلقین سکھا دیتی ہے، لیکن قلب ہنوز غیر تربیت رہ جاتا ہے۔ اس

علم و تعلم کے بعد بلکہ اسی دوران ضروری ہے کہ آدمی اپنے قلب کو بھی ہاتھ لگا دے اور اس کی درستگی واصلاح کی تدبیریں شروع کردے، ورنہ اگر ایک حالت پر قلب پختہ ہوگیا تو اس کا دوسری جانب التفات بغایت دشوار ہوجائے گا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تمہیں اس جانب توجہ ہے ورنہ عموماً طلبہ کیا، علماء بھی اس سے غافل رہتے ہیں، اور اس کی وجہ سے زندگی بے کیف اور خشک گذرتی ہے، میں بے کیف اور خشک اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی ہر لذت اور خوشی فانی اور زائل ہے، کسی کی عمر دراز نہیں ہے، ابھی خوشی کی لذت ہے اور ابھی رنج کی بے لطفی ہے، ابھی راحت کی حلاوت ہے اور ابھی کلفت کی تلخی ہے، ایسی حلاوت جس کے پیچھے تلخی اور ایسی خوشی جس کے پیچھے رنج ہو کیا معنی رکھتی ہے؟ البتہ ایمان کی حلاوت، محبت الٰہی کی خنکی، ذوقِ عبودیت کی سرمستی اور اعتماد علی اللہ کی لذت ایسی چیزیں ہیں جنھیں کبھی زوال نہیں، ایک انسان انھیں حاصل کرلے پھر کیا رنج کیا راحت؟ کیا درد کیا درماں، کیا مرض اور کیا صحت، ہر حال میں انسان کے اندر وہ ایک لذتِ لازوال باقی اور دائم رہتی ہے، پھر تو جراحت میں بھی وہی لطف وحلاوت ہے، جو راحت میں، زندگی بھی ''حیاتِ طیبہ'' اور موت بھی ''مماتِ سویہ''۔ حدیث میں دعا وارد ہے: **أللّٰھم إنی أسألک عیشة نقیة و میتة سویة و مرداً غیر مخزی ولا فاضحٍ**، اگر قلب میں محبت الٰہی حاصل ہے تو زندگی وصول، ورنہ سب ضائع، اب دنیا کے احوال کچھ اس ڈھنگ سے چل رہے ہیں کہ انسان کی باطنی استعداد فاسد ہوتی چلی جارہی ہے، قلب کی درستگی کے لئے خاصی محنت درکار ہے جس کے لئے ابھی تمہیں فرصت نہیں، اس کم فرصتی میں چند باتوں کا التزام واہتمام کرلو تو بہت کچھ فلاح کی امید ہے۔

(۱) طلبہ کے ساتھ اختلاط کم ہو، اپنے کام سے کام رکھو، مجلس بازی، دوستی اور

زیادہ سیر وتفریح سے قطعاً اجتناب۔ اپنے ہم وطنوں سے جو تھوڑا بہت تعلق ہو اس سے معاملہ ہرگز آگے نہ بڑھے۔

(۲) نماز با جماعت کی پابندی اس درجہ میں کہ دنیا کے ہر کام سے ضروری یہی کام رہے، سفر و حضر، سونے جاگنے، کھانے پینے، بازار جانے کے تمام پروگراموں کا محور نماز با جماعت ہو، مطلب یہ ہے اور چیزوں کا پروگرام نماز جماعت کے وقت کا لحاظ کر کے بناؤ۔

(۳) تلاوت قرآن کم از کم ایک پارہ روزانہ اس استحضار کے ساتھ کہ حق تعالیٰ کا کلام ہے، میں پڑھ رہا ہوں وہ سن رہے ہیں۔

(۴) صبح وشام کم از کم سو سو بار **سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم** معنی کے استحضار کے ساتھ پڑھ لیا کرو۔

ان چار باتوں کو ہمیشہ کے لئے دستور العمل بنالو۔ فارغ ہونے کے بعد طلبہ کا لفظ ہٹا کر وہاں عوام الناس کا لفظ رکھ دو، باقی چیزیں زندگی بھر کے لئے ہیں، انشاء اللہ جو صفات مطلوب ہیں رفتہ رفتہ دل میں گھر کرتی چلی جائیں گی۔

میں صمیم قلب سے تمہارے لئے استقامت کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۹/ جمادی الاول ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الکریم**

عزیزم! **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ**

تمہاری سلامتی فہم سے مسرت ہوئی، حق تعالیٰ علم صحیح عمل صالح اور فہم سلیم مزید ارزانی فرمائیں، تم لوگوں کی محبت کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں، اور میری خواہش ہے کہ حق تعالیٰ نے ذہن ودماغ اور قلب ونظر کی جو صلاحیت بخشی ہے، اس کا مصرف صرف دین اور علم دین ہو، اسی سے میری طبیعت نہال ہوگی، دنیا کے خدام ان گنت ہیں، اور دین کے خدمت گزار گنتی کے بھی نہیں ہیں۔ مجھے اپنے لوگوں سے صرف خدمت دین ہی کی توقع ہے۔

دعاء والے مسئلے میں مجھے خود اضطراب تھا، یہ بالکل صحیح ہے کہ مروجہ طریقہ پر ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعاء کا مانگنا روایات سے ثابت نہیں ہے، نہ اثبات، نہ صراحۃً نفی، ہاں اشارۃً نفی بھی شاید موجود ہو، اسی لئے صرف حافظ ابن تیمیہ ہی نہیں بعض اور اکابر بھی اس کو بدعت کہتے ہیں۔ مثلاً علامہ ابو اسحاق شاطبی صاحب الاعتصام نے بھی شدومد کے ساتھ اس کو رد کیا ہے، لیکن مجھ کو اس سلسلے میں جو خلجان تھا وہ یہ کہ یہ عمل زمانۂ دراز سے متواتراً تمام دنیا کے مسلمانوں میں رائج ہے، اب اہل عرب نے اس کو ختم کردیا ہے، ورنہ جب تک ترکوں کی حکومت تھی، اس وقت اس کا مکمل رواج تھا، اور اس کے ابتداء کی تاریخ معلوم نہیں۔ ہر زمانہ میں معدودے چند علماء جو اپنے انفراد وتفرد اور حدتِ مزاج کے اعتبار سے نمایاں رہے ہیں، ان کے علاوہ عموماً سب کے درمیان بلانکیر جاری رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ حافظ ابن تیمیہ کے زمانہ میں بھی تھا اور ان سے پہلے بھی تھا، کب سے ہے معلوم نہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس طرح سے رواج نہ تھا لیکن یہ بھی نہ تھا کہ نمازوں کے بعد لوگ فوراً منتشر ہوجاتے ہوں۔ خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ فرض نمازوں کے بعد آپ خود بھی دعائیں پڑھتے تھے، اور صحابہ کو بھی فرض کے بعد دعاء کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ قبولیت دعاء کے

مواقع میں سے سب سے عامۃ الورود موقع یہی دبر الصلوات المکتوبۃ ہی بتایا گیا ہے، اس سے اتنی بات تو بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ فرض نمازوں کے بعد فوراً جگہ چھوڑ دینا اور منتشر ہونا مطلوب نہیں ہے، بلکہ استحباباً یہ مطلوب ہے کہ آدمی اپنی جگہ بیٹھا رہے، اور اَذکار واَدعیہ میں مصروف رہے۔ اس موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی ایک عبارت دیکھو، حجة الله البالغة جلد:۲، صفحہ:۱۲ا پر فرض نمازوں کے بعد چند اذکار مسنونہ تحریر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

**والاولیٰ أن یاتی بھٰذہ الاذکار قبل الرواتب فإنه قد جاء فی بعض الاذکار مایدل علیٰ ذٰلک نصاً کقوله : من قال قبل أن ینصرف أو یثنی رجلیه من صلاة المغرب والصبح ............... وکقول الراوی کان إذا سلم من صلاتهٖ یقول بصوته الاعلیٰ ............... وفی بعضها مایدل ظاهراً کقوله دبر کل صلاةٍ وأما قول عائشة ”کان إذا سلم لم یقعدإلا مقدار مایقول أللٰھم أنت السلام ...............“ فیحتمل وجوهاً. منها أنه کان لایقعد بهیئة الصلوٰة إلا هٰذاالقدر ولکنه کان یتیامن أو یتیاسر أو یقبل علی القوم بوجهه فیاتی بالاذکار لئلا یظن الظان أن الاذکار من الصلوٰة ، منها أنه کان حیناً بعد حینٍ یترک الاذکار غیر هٰذه الکلمات یعلمهم أنها لیست فریضة، وإنما مقتضی کان وجود الفعل کثیراً لا مرةً ولا مرتین ولا المواظبة ۔**

اس تحریر کے نقل سے میرا مدعا یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد فوراً منتشر ہو جانا نہ صرف یہ کہ مطلوب نہیں ہے بلکہ خلافِ اولیٰ ہے ۔ ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعاء کرنے کا بیشک ثبوت نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض نمازوں کے

بعد دعاء کی ترغیب دی ہے، اس لئے اگر اس وقت دعاء بالکل نہ کی گئی ہو تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس ترغیب کا حاصل کیا ہوا۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ نمازیوں نے اپنے اپنے طور پر دعاء کی ہوگی، نہ ہیئت اجتماعی کے ساتھ، تو یہ بلا شبہ صحیح ہے، لیکن سوچو کہ ہیئت اجتماعی بنتی کیسے ہے؟ اسی طرح تو چند افراد اکٹھا ایک ہی کام میں مشغول ہوں، یہاں یہ صورت ہے، فرض کرو امام نے بھی دعاء شروع کی اور کچھ مقتدیوں نے بھی تو ہیئت اجتماعی بن گئی، گوکہ اس میں اتباعِ امام کی نیت نہ ہو، خیال ایسا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دورِ مسعود میں ایسی صورت ضرور احیاناً ہوتی رہی ہوگی، احادیث کے اقتضاء سے یہ بات بعید نہیں ہے، آپ کے بعد اس نے ایک عام رواج کی شکل اختیار کر لی ہو۔ بہر کیف اس کی بنیاد کا دورِ رسالت ہی میں پڑنا بظنِ غالب ثابت ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس کا رواج بڑھتا چلا گیا، اگر یہ چیز وہاں سے چلی نہ ہوتی تو سارے عالم کے مسلمانوں میں نہ پھیلتی، اس خیال کی بنیاد پر اس کو بدعت کہنے سے طبیعت میں رکاوٹ ہوتی ہے، امت میں معدودے چند علماء کے علاوہ کسی نے اس کو بدعت نہیں کہا ہے، جبکہ اس پر اتنا طویل عرصہ گذر گیا ہے کہ اس کا زمانۂ آغاز متعین طور پر بتانا مشکل ہے، اس لئے بھائی بدعت کہنے سے طبیعت کو رکاوٹ ہوتی ہے، اور اسے ترک کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی، ہاں یہ ہے کہ یہ بات خوب واضح کر دی جائے کہ دعاء نماز کا جزو نہیں ہے، اور میرا خیال ہے کہ اتنا تو ہر مسلمان جانتا ہے۔

آج اس مسئلہ پر میں غور کر رہا تھا کہ اچانک ایک بات ذہن میں آئی، جو سابقہ باتوں ہی کی بنیاد پر متفرع ہے، اس کی تفصیل سنو! آج کل میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے، دوسرے کاموں کا حرج کر کے لکھ رہا ہوں، لیکن تمہاری طلب کیسے ٹال دوں، بغور سنو! ممکن ہے صرف ذہنی خیال ہو، لیکن ایک عمل جو بنیادی طور پر نہ صرف یہ

کہ مطلوب و مستحب ہے، بلکہ قرناً قرن سے معمول بہ ہے، اس کو اگر کسی مختلف فیہ عارض کی وجہ سے بدعت قرار دیا جائے تو اس کی سند کے لئے یہ ذہنی خیال بھی کچھ نہ کچھ تو معاون بن ہی جائے گا۔

بات یہ ہے کہ بعض امور جو فی الاصل اس لائق تھے کہ ان کی فرضیت نازل ہوتی، لیکن اس سے امت مشقت میں پڑ جاتی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی ترغیب تو دیدی مگر عام طور سے اس کا اہتمام والتزام نہیں فرمایا۔ آپ کے اوپر تمام اعمال کی خاصیات وخصوصیات اور ان کی خیرات وبرکات واضح تھیں، آپ مشاہدہ فرما لیتے تھے کہ محبوبیت ومقبولیت کے لحاظ سے فلاں عمل اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ امت پر فرض ہو جائے، لیکن باوجود رغبت وشوق کے محض اس بنا پر اس عمل کو ترک فرما دیتے تھے کہ آئندہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے ۔ دیکھو تراویح کے ساتھ یہی قصہ ہوا، حالانکہ اس کو آپ نے روزہ کے مساوی ثواب کے اعتبار سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ **من صام رمضان ایماناً واحتساباً الخ** کے ساتھ **من قام** بھی فرمایا ہے۔ یہی حال مسواک کے متعلق بھی منقول ہے، تلاش سے اور چیزیں بھی مل جائیں گی۔ کیا عجب کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء کا بھی یہی مقام ہو، حدیث سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل فرائض کی ادائیگی ہے، اور فرائض میں سب سے بلند رُتبہ نماز کا ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بندہ کس قدر محبوب ومقبول بن جاتا ہوگا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرض کی مشروعیت اصالۃً جماعت کے ساتھ ہوئی ہے اور جماعت کا ثواب پچیس یا ستائیس گنا زیادہ ہے۔ پھر خیال کرو کہ محبوبیت کس درجہ ترقی کر جاتی ہے۔ اس صورت میں اگر فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرنی فرض ہو جاتی تو عین مناسب تھا، مگر آپ کی شفقت نے گوارا نہ فرمایا کہ ایک

اور چیز مزید فرض ہو کر امت کی ذمہ داری بڑھ جائے، اس لئے اجتماعی طور پر آپ نے اس کا اہتمام نہ فرمایا ہو، اور آپ کے بعد جب یہ احتمال ختم ہو گیا، تو خود بخود اس کا دستور بن گیا۔ اور الگ سے دستور بنانے کا اہتمام نہیں کرنا پڑا، کیونکہ یہ روز پانچوں وقت عمل میں آنے والی چیز تھی، اس کے برخلاف تراویح کا اہتمام کرنا پڑا اور شاید اسی وجہ سے کہ اس کا وقوع سال میں ایک ہی مرتبہ ہوگا، صرف قولی ترغیب پر آپ نے اکتفاء نہ فرمایا بلکہ عملاً تین روز جماعت کے ساتھ ادا کر کے دکھا دیا اور دعاء میں اس کی ضرورت نہ تھی، اس لئے صرف قولی ترغیبات پر اکتفاء کیا۔ واللہ أعلم بحقیقة الحال

مجھے اس پر اصرار نہیں ہے، لیکن تمام ترغیبات سے صرف نظر کر کے محض اہتمام والتزام کے شبہ سے اس عمل کو چھوڑنا گوارا نہیں ہوتا۔ اہتمام والتزام سے بدعت ہونا مختلف فیہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ بعض چیزیں دیکھتا ہوں کہ امام شافعیؒ کے یہاں غیر معمولی اہتمام والتزام کے ساتھ جاری ہیں، مثلاً جمعہ کے روز فجر میں الم سجدہ اور سورۂ دھر کی تلاوت، حالانکہ التزاماً آپ سے اس کا ثبوت نہیں ہے، مجھے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ التزامِ مالا یلزم احناف کے نزدیک تو مکروہ ہے، مگر شوافع کے نزدیک مکروہ نہیں، تم تحقیق کرلو۔ اگر ایسا ہو تو کیا مضائقہ ہے کہ اس عمل کو ان کے اصول پر درست مان لیا جائے۔ دعاء کے مسئلے میں اتنی بات اجمالاً لکھ دی، تفصیل لکھوں تو دفتر تیار ہو جائے، لیکن کچھ تو میرے پاس وقت کی کمی، اور کچھ یہ خیال کہ میری حیثیت ہی کیا ہے، کہیں کوئی اور شخص دیکھ کر ہذیان نہ سمجھنے لگے، اس لئے قلم کو روکتا ہوں، زبانی گفتگو میں تفصیل سے عرض کروں گا، اس میں بہت سے اصول ہوں گے۔ اگر میری یہ تحریر تمہارے دل کو لگتی ہو تو خیر، ورنہ اس کو میرے پاس لوٹا دو۔ میں ابھی اور غور کر رہا ہوں، لیکن اس کا بدعت ہونا طبیعت کو قبول نہیں ہوتا۔ بصورتِ ترک

ان تمام ترغیبات سے محرومی لازم آئے گی، جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اہل عرب اور غیر مقلدین نے دین کو بہت کچھ حذف وترمیم کا نشانہ بنایا ہے۔ لہٰذا ان کی وجہ سے یہ عمل چھوڑا نہیں جاسکتا۔ رہے حافظ ابن تیمیہ تو وہ بایں جلالت قدر بہت کچھ حدید المزاج اور تفرد پسند بھی ہیں، اس لئے ان کے اقوال کو اختیار کرتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی ہے، بالخصوص سنت وبدعت کے بارے میں۔

آگے دوسرے امور سے متعلق سنو!

حضرت حاجی صاحب کے جس مکتوب کا ذکر تم نے کیا ہے، وہ میرے خیال میں وضعی ہے۔ مکاتیب رشیدیہ میں حضرت حاجی صاحب کا ایک مکتوب موجود ہے، جس میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اس مکتوب کے خلاف اگر کوئی بات کہیں سے معلوم ہوتو اس کو فقیر کی جانب منسوب نہ کریں۔ حضرت گنگوہیؒ کے بعض معاندین حضرت حاجی صاحب کے پاس رہتے تھے، اور مکہ معظّمہ سے واپس آکر جھوٹی سچی خبریں اور تحریریں مشتہر کیا کرتے تھے۔ حضرت گنگوہی کو بعض اوقات بڑی ایذائیں ان لوگوں نے پہونچائی ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے اس سلسلے میں تسلی فرمائی ہے، خود حضرت گنگوہیؒ کے جو مکاتیب مختلف لوگوں کے نام ہیں، ان میں اس قسم کے اشارات ہیں۔ تم مکاتیب رشیدیہ پڑھ لو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے، ورنہ اس مکتوب کی نشاندہی کردیتا۔

وسیلہ متعارف کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، قرآن میں جو وسیلہ ہے، وہ بمعنی قربت وطاعت ہے، اس لئے اس سے کوئی بھی استدلال بے محل ہے، نہ وہاں نفی ہے اور نہ اثبات، حافظ ابن تیمیہ وسیلہ کے مسئلہ میں ہمارے مسلک سے الگ نہیں ہیں، وسیلہ کی بعض صورتیں جو اہل بدعت میں رائج ہیں، وہ بلاشبہ بدعت بلکہ شرک ہیں،

وسیلہ بالاعمال سب کے نزدیک جائز اور مستحب ہے ۔ حدیث میں غار والے تین آدمیوں کا قصہ مذکور ہے، اس کے علاوہ مسنون دعاؤں میں کتنی دعائیں ایسی ہیں جن میں توسل کا ثبوت ملتا ہے، حاصل اس توسل کا یہ ہے کہ یا اللہ فلاں بزرگ میرے ظن میں آپ کے محبوب ہیں مجھے ان سے محبت ہے، اس محبت کے طفیل میں آپ سے یہ درخواست ہے، یہ جو بطفیل فلاں آتا ہے اس کا مفہوم یہی ہے، فلاں کے صدقے میں، فلاں کی برکت سے، یہ سب الفاظ یہی معنی رکھتے ہیں ۔ اس توسل کو حافظ ابن تیمیہ بھی جائز بلکہ اعظم قربات کہتے ہیں ۔ یہ توسل بالمحبۃ ہے، ہمارے نزدیک یہی توسل جائز ہے ۔ آج کل عربوں نے فتاویٰ ابن تیمیہ جو شائع کیا ہے، اسکی پہلی جلد صفحہ ۲۲۰ ہر دیکھو، توسل بالمحبۃ پر کلام بہت اچھا کیا ہے، اور اعظم الوسائل بتایا ہے ۔

**لا تشدوا الرحال إلا إلیٰ ثلٰثۃ مساجد** میں مجھے تعجب ہے کہ مستثنیٰ منہ **الیٰ شیٔ** کیونکر ہو جائے گا، یہ استثناء ظاہر ہے کہ متصل ہے، اور استثناء متصل کا قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس سے ہوگا ۔ لہٰذا بات صاف ہے کہ **لا تشدوا الرحال الیٰ مسجد من المساجد إلا إلیٰ ثلٰثۃ مساجد**، اس میں قبور کا ذکر کدھر سے آیا ۔ سوچنے کی بات ہے کہ استثناء مفرغ میں اگر ایسا ہی عام مستثنیٰ منہ مراد ہوگا تو کلام سحر یہ بن کر رہ جائے گا ۔ تم کہو **ماجاء نی إلا زیدٌ** تو کیا اس سے دنیا کی ہر چیز کی نفی مقصود ہے، کلا وحاشا ۔ محض یہ ارشاد ہے کہ عبادت کے اہتمام کے لئے اگر تین مسجدوں کی جانب سفر ہو تو ٹھیک ہے، ان کے علاوہ کسی مسجد کو کسی مسجد پر فوقیت حاصل نہیں، فقط ۔

زیارتِ قبور کو اس حدیث کے ذیل میں لانا خوش فہمی ہے، یا اجتہاد کا طغیان ہے ۔ حافظ ابن تیمیہ کا یہ نظریہ قطعاً بے دلیل بلکہ خلافِ دلیل ہے ۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک خط بھیج چکا ہوں، ملا ہوگا۔ اس میں، میں نے وعدہ کیا تھا کہ دو باتوں کی کسی قدر تفصیل کروں گا، ایک تو یہ کہ مختلف بدعات میں باہم تفاوت ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ طبیعتوں کے فاسد الاستعداد ہونے کی بنا پر بعض مسائل کے اعلان واشتہار سے اجتناب ہی مناسب ہے، اور یہ دونوں باتیں اس لئے لکھنے کی ضرورت پیش آئی کہ تم **دعاء بعد الصلوات** کے التزام کے سلسلے میں کچھ لکھے جانے کے خواہش مند ہو۔

بخاری شریف میں تم نے **کفر دون کفر** اور **ظلم دون ظلم** کے عنوانات پڑھے ہوں گے، ان ابواب وعناوین کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح اعمالِ صالحہ کے درجات باہم متفاوت ہوتے ہیں، اسی طرح معاصی ومظالم بھی آپس میں رتبوں کا فرق رکھتے ہیں، سب گناہوں کو ایک درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اسی فرق مراتب کو ظاہر کرنے کے لئے کفر وفسق اور حرام ومکروہ وغیرہ اصطلاحیں وجود میں آئی ہیں، ٹھیک یہی حال بدعت کا بھی سمجھو، ان میں بھی باہم فرقِ مراتب ہوتا ہے، اطلاق کے لحاظ سے تمام بدعتوں پر یہ اصطلاح بول دی جاتی ہیں، مگر تفصیل میں باہم امتیاز کرنا، ناگزیر ہے۔

بدعت کے سلسلے میں جناب نبی کریم ﷺ نے **من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه** فرمایا ہے، اُمرنا سے مراد ظاہر ہے کہ مجموعۂ دین ہے، اس میں ہر محدث امر بدعت ہے، اب غور کرنا چاہئے کہ محدثات کی کتنی صورتیں ہوسکتی ہیں اور ان کے احکام کیا ہوں گے، صاحب فتح الباری لکھتے ہیں:

قال ابن عبد السلام فی اواخر " القواعد " البدعة خمسة أقسام فالواجبة کالاشتغال بالنحو الذی یفهم به کلام اللّٰہ ورسوله لان حفظ الشریعة واجب ولایتاتی إلا بذالک فیکون من مقدمة الواجب ............ "والمحرمة" ما رتبه من خالف السنة من القدریة والمرجئة والمشبهة " والمندوبة " کل احسان لم یعهد عینه فی العهد النبوی کاجتماع عن التراویح وبناء المدارس والربط والکلام فی التصوف المحمود وعقد مجالس المناظرة ان أرید بذالک وجه اللّٰہ والمباحة کالمصافحة عقب صلوٰة الصبح والعصر والتوسع فی المستلذات من أکل شرب وملبس ومسکن وقد یکون بعض ذالک مکروهاً أو خلاف الاولیٰ ،واللّٰہ أعلم (کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰہ ﷺ)

اس عبارت میں بدعت کے پانچ رتبے جو بیان ہوئے ، ان میں پہلا اور تیسرا تو من أحدث فی أمرنا کے تحت آتا ہی نہیں، کیونکہ فی أمرنا کا مطلب تو یہ ہے کہ دین کے مجموعہ میں وہ دینی حیثیت براہ راست پیدا کرلے، اور یہ امور وسائل وذرائع بن آئے ہیں، وسائل کا اختیار کرنا ضروری ہے، اور وسائل بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا ان پر بدعت کا اطلاق تجوزاً ہے، ہاں دوسری اور چوتھی اور پانچویں چیز قابل غور ہے، دوسری اور پانچویں تو یقیناً من أحدث فی أمرنا هٰذا مالیس منه میں داخل ہے، چوتھی کو اگر اس میں داخل کیا جائے تو یقیناً رد ہونی چاہئے ، پھر اسے مباح نہیں کہنا چاہئے ،اور اگر وہ داخل نہیں ہے تو مباح ہونے میں شبہ نہیں۔

بندہ نے جہاں تک غور کیا ہے اور قرآن وحدیث اور تعامل سلف سے جو کچھ

سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ جس بدعت کو رسول اللہ ﷺ نے ردفرمایا ہے............درحقیقت بدعت وہی ہے بھی ..........ابتداءً اس کی دو قسمیں ہیں، بدعت اعتقادی اور بدعت عملی ، پھر بدعت عملی کی بھی دو صورتیں ہیں، بعض وہ ہیں جو کسی اعتقادی بدعت کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہیں، اور بعض وہ ہیں جن کے نتیجہ میں بدعت اعتقادی پیدا ہوتی ہے، پھر اس دوسری قسم کی دو نوعیں ہیں۔ ایک تو وہ جن کے مقتضیات خیر القرون میں تھے، اس کے باوجود ان کو عمل میں نہیں لایا گیا، دوسرے وہ جن کے مقتضیات خیر القرون میں نہ تھے۔ خلاصہ یہ کہ بدعت کی چار اقسام ہیں۔

بدعت اعتقادی ، بدعت عملی ، جو نتیجہ ہے بدعت اعتقادی کا۔ بدعت عملی جس کے نتیجہ مین بدعت اعتقادی وجود میں آتی ہے، اور اس کے مقتضیات خیر القرون میں نہ تھے، بدعت عملی جس کے مقتضیات خیر القرون میں تھے۔ بدعت اعتقادی کی مثال خلق قرآن ، انکارِ صفات وغیرہ۔ دوسری کی مثال شیعوں کے عقیدۂ امامت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے شمار خرافات۔ تیسری کی مثال جیسے گیارہویں شریف، کونڈا، صحنک وغیرہ، تفصیل اس کی یہ ہے کہ گیارہویں کا تعلق حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی غالبًا ولادت سے ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مقتضیٰ خیر القرون میں نہ تھا، لیکن اس عمل کے نتیجے میں اس دن کے متبرک ہونے کا اعتقاد پیدا ہو گیا ہے، آخری کی مثال جیسے مجلس میلاد اور عید میلاد النبی وغیرہ۔ عید میلاد النبی کی رسم غیر مسلموں سے مسلمانوں میں داخل ہوئی اور عبادت بن گئی، اس کا مقتضیٰ تو خیر القرون میں موجود تھا لیکن نہ کبھی رسول اللہ ﷺ نے اس کا اہتمام کیا، اور نہ صحابہ کو اس کا حکم دیا، اس کے نتیجہ میں ۱۲؍ربیع الاول کے متبرک ہونے کا عقیدہ جما۔ حالانکہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ جس تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریف ہوئی ہے، وہ یقیناً عالم انسانیت بلکہ

سارے عالم کے لئے رحمت و برکت کا عنوان تھی، خدا کی خاص رحمت کا نزول ہوا تھا، لیکن کیا وہ تاریخ پھر کبھی لوٹ کر آئی ہے، ظاہر کہ وہ دن گیا، وہ تاریخ گئی، اس کی برکت ورحمت اسی کے ساتھ جا کر خزانۂ بقا میں جمع ہوگئی۔ اب سال بھر کے بعد اسی نام کی تاریخ پھر آئی، تو صرف اسم لوٹا ہے، مسمیٰ نہیں لوٹا ہے، وہ تو جا چکا ہے، ہم کسی دلیل سے یہ تسلیم کرلیں کہ صرف اسم کے اشتراک کی وجہ سے اس حصۂ زمان میں بھی وہی خیر و برکت سرایت کرگئی، ۱۵/ شعبان، عشرہ ذی الحجہ، رمضان شریف وغیرہ کے لئے تو قرآن وحدیث سے دلائل موجود ہیں کہ یہ ایام جب آتے ہیں تو حق تعالیٰ کی رحمت برس جاتی ہے، لیکن ۱۲/ ربیع الاول ہو یا کوئی اور تاریخ ولادت کسی نبی کی ہو، اسی نام کی تاریخ جب کبھی آئے گی تو وہی خیر و برکت عود کرے گی، اس کیلئے کیا دلیل ہے؟

بدعت عملی کی قسم ثانی وثالث کے ذیل میں تقیید مطلق کی بدعت بھی آجاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ شریعت نے کسی کام کا حکم دیا، مگر اس کی کوئی مخصوص شکل نہیں متعین کی بلکہ اصولی طور پر جائز وناجائز کی کچھ حدیں متعین کرکے، کرنیوالے کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا ہے، مثلاً تعلیم وتبلیغ وغیرہ، یہ امور مامور بہا ہیں، لیکن شارع نے ان کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں مقرر کی ہے، ان میں سے کسی امر کی کوئی مخصوص ہیئت متعین کرکے اس پر اصرار کرنا، جس کے نتیجے میں وہی ہیئت مقصودیت کا رتبہ حاصل کرلے، یہ بھی بدعت کا احداث ہے، کیونکہ اس میں ایک نئے عمل کا ایجاد اور پھر اس کا اہتمام والتزام وجود میں آتا ہے، اور بلاشبہ **من أحدث فی أمرنا هٰذا** میں یہ بھی داخل ہے۔ بدعت کی چاروں قسموں میں پہلی دو قسمیں بہت شدید ہیں، کیونکہ ان کے نتیجے میں نصوص کا انکار اور بے جا تاویلات کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

بدعت کی آخری دو قسمیں ان کے مقابلے میں نسبتاً اخف ہیں، لیکن ان کا ارتکاب بھی ضلالت ہی ہے۔ان سے اجتناب ضروری ہے، اور دین کو آلائشوں سے پاک کرنا بے حد ضروری ہے۔

اب دو صورتیں اور رہ گئی ہیں۔ایک تو یہ کہ کوئی نیا عمل ایجاد کیا جائے اور اس کا اہتمام والتزام بھی کیا جائے، مگر اس کو دین کا درجہ نہ دیا جائے، یعنی اس میں ثواب کا اور اس کے ترک میں گناہ کا تصور نہ ہو، بعض اکابر نے اسے بھی بدعت شمار کیا ہے، لیکن بنظر غائر دیکھو تو فی أمرنا کے ذیل میں اس قسم کا عمل نہیں آتا، اس طرح کے اعمال کو ''رسم ورواج'' کہنا چاہئے، یہ بھی حرام وناجائز ہیں، کیونکہ دینی اعمال کی طرح ان میں بھی مقصودیت کی شان پیدا ہوجاتی ہے، شادی بیاہ کی رسمیں، عید بقرعید کی سوئیاں اسی میں داخل ہیں، ہمارے فقہاء کے نزدیک عصر وفجر اور عیدین کے بعد مصافحے اسی قسم میں داخل ہیں۔ان پر بھی بدعت کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن حقیقت واضح ہوچکی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی عمل اپنی ہیئت وصورت کے ساتھ قرون مشہود لہا بالخیر میں رہا ہو، اور مقصود رہا ہو، عملاً اور قولاً اس کی ترغیب بھی ہو، مگر اس کا اہتمام والتزام نہ رہا ہو، بغیر التزام کے اس پر عمل ہوتا رہا ہو، پھر بعد میں اس کے اندر التزام واہتمام پیدا ہوگیا ہو، اس کی مثال جیسے ایصالِ ثواب، ظاہر ہے کہ ایصال ثواب کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا، مگر اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، بس چند لوگوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے، لیکن بعد میں اس کا جیسا لزوم ہوا وہ ظاہر ہے، یہ التزام بھی دو طرح کا ہوسکتا ہے، ایک یہ کہ لزوم کا اعتقاد کرلیا جائے۔دوسرے یہ کہ لزوم کا اعتقاد تو نہ ہو، لیکن عملاً اس کا التزام ہو، جس سے لزوم کا ایہام ہو، اس میں لزوم اعتقادی کا درجہ

سخت ہے، اور دوسرا درجہ اہون ہے، اسے فقہاء التزام مالا یلزم سے تعبیر کرتے ہیں، اوراس کے حکم کیلئے فقہ میں مکروہ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔اس پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتاإلا تجوزاً ۔

اب تم دعاء بعد الصلوات کو دیکھو کہ یہ آخری قسم کی چیز ہے، کیونکہ نمازوں کے بعد دعاء کی ترغیب ثابت ہے، دعاء کا وجود یقینی ہے، اب عرصۂ دراز سے اس کا پانچوں وقت التزام ہے، اور یہ التزام بھی اعتقادی نہیں ہے، عملی ہے، کسی بھی مسلمان سے دریافت کر کے دیکھو، کوئی بھی انشاء اللہ اس کو ضروری بمعنی فرض وواجب نہ کہے گا، ہاں اس کا ایہام ضرور ہے، اور یہ بھی ہے کہ اس کے تارک کو ملامت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لیکن شاید اس کی وجہ یہ نہ ہو کہ یہ دعا فرض سمجھ لی گئی ہے، بلکہ عامۃ المسلمین سے عدم موافقت اور انفرادیت خود ایک قابل انکار چیز بن گئی ہے، دیکھو نعلین سمیت اگر کوئی نماز پڑھنا چاہے تو شرعاً بالکل مباح ہے، جوتا اتار کر نماز پڑھنا فرض نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو اس کا حشر کیا ہوگا، میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرزِ عمل میں کوئی قباحت نہیں ہے، نہیں، ہے اور ضرور ہے، لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جس درجہ کی جو برائی ہو، اسی درجہ کی اس پر نکیر بھی ہو۔اس کا حال تم دیکھ چکے، اس کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ کبھی کبھار اس کو ترک کر دیا جائے ، اور بس۔محنت اور کوشش کرنے کے لئے اور دوسری بڑی بڑی بدعات موجود ہیں، ان کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ایک بات تو یہ ہوئی۔

اب دوسری بات سنو! آج کل مسلمانوں میں جہالت، نفسانیت اور غلو کا ایسا مرض ہے کہ کوئی بات کہتے ہوئے سخت اندیشہ ہوتا ہے، اگر کوئی امر متفق علیہ ہے، تو خیر، ورنہ جہاں کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہوا، فوراً ٹولیاں بننے لگتی ہیں، خواہ مسئلہ کسی نوعیت کا ہو۔

غلواور تشدد و تعمق کا ایسا غلبہ ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو، دیکھو رفع یدین اور ترک رفع یدین، قرأۃ خلف الامام و ترک قرأۃ، آمین بالجہر و آمین بالسر وغیرہ مسائل قرون اولیٰ سے مختلف فیہ چلے آرہے ہیں، لیکن ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ کچھ لوگوں نے ان مسائل کو مستقل موضوع بنالیا، اور نتیجۃً بات غیر مقلدیت تک جا پہونچی، کچھ لوگوں نے امکانِ نظیر و امکانِ کذب جیسے دقیق علمی مسائل پر قلم اٹھایا، اور بالآخران کی کوکھ سے بریلویت نے جنم پایا، کچھ لوگوں نے حکومت و اقتدار کو اپنا نشانہ بنایا اور جماعت اسلامی بن کر علیحدہ ہو گئے۔ اور بھی بعض بعض افراد کچھ معمولی مسائل کو مستقل اپنا مشغلہ بنا کر اپنی انفرادیت قائم کرنا چاہتے ہیں اور امت کی ایک ایک ٹولی لے کر الگ ہونا چاہتے ہیں۔ **والقصة بطولها ، حديث الحزن يا سعدیٰ طويل**

میرے دل میں کچھ ایسی بات آتی ہے کہ **دعاء بعد الصلوٰۃ** کو اگر مستقل موضوع بنا کر عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تو عوام میں انتشار تو الگ رہا، خود علماء میں کچھ قبول کریں گے، اور کچھ رد و انکار سے پیش آئیں گے، پھر اگر سلسلہ بڑھا تو شدت بھی پیدا ہوگی اور بالآخر یہ مسئلہ ایک کشمکش بن کر رہ جائے گا، حالانکہ اس کی حیثیت دیکھ چکے ہو۔

جناب نبی کریم ﷺ نے بناءِ کعبہ کے مسئلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: **يا عائشة! لولا قومک حديث عهدهم ...... قال ابن زبير : بكفر ...... لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين ، باب يدخل الناس وباب يخرجون** ۔ اس حدث کے فوائد میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: **ومنه ترک انكار المنكر خشية الوقوع في انكر منه** (فتح الباری، **کتاب العلم ، باب من ترک بعض الاختيار الخ**)

دیکھتے ہو! اگر کسی بڑے منکر میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو چھوٹے منکر کو گوارا کیا جا سکتا ہے، اس زمانہ میں شقاق ونزاع سے بڑھ کر کیا منکر ہوگا؟ مجھے اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے اور مسلمانوں کے مزاج کا تجربہ کرنے کے بعد عین الیقین ہے کہ اگر اس عمل کو بدعت اور منکر بنا کر پیش کیا گیا تو نزاع کی ایک نئی لہر دوڑ جائے گی، ہاں اگر بدعت اس قسم کی ہے، جس کا اوپر تذکرہ ہوا وہ یقیناً خلاف وشقاق سے بہت زیادہ اشد ہے، کیونکہ ان اقسام میں مغیبات کے سلسلے میں ایسا اعتقاد پایا جاتا ہے، جس کا ثبوت دلائل شرعیہ سے نہیں ہے، اس لئے حتی الامکان دل آزاری اور نفسانیت سے بچتے ہوئے اور دائرۂ اعتدال میں رہ کر ان کاردوانکار ضروری ہے، یہ دوسری وجہ ہے۔

تیسری وجہ کا بھی استطراداً تذکرہ کر دوں، وہ یہ کہ میری حیثیت کیا ہے، جو اس قسم کے مسائل پر زبان کھولوں، یا قلم کو کام میں لاؤں، تم لوگ مجھے جو چاہو سمجھو، مگر دنیا مجھے کیا حیثیت دے گی، خوب معلوم ہے، اس لئے کف لسان ہی مناسب ہے ہر مردے وہر کارے، ایاز قدرِ خویش بشناس۔

سوچا تھا کہ کچھ اور لکھوں گا، مگر فرصت نہیں ہے، اس لئے بعد میں لکھوں گا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزم! زادکم اللہ علماً نافعاً ورزقکم فھماً سلیماً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل رات میں تمہارا خط ملا، بہت خوشی ہوئی۔ تین اشکالات رفع ہو گئے، اس

سے بہت مسرت ہوئی، دعا والا مضمون اشکال رفع کرنے کی غرض سے لکھا ہی نہ گیا تھا، بلکہ غور وفکر کا ایک دروازہ کھولا گیا تھا، اب اگر تمہارا اشکال رفع نہ ہوا تو اس میں کچھ تمہارے قصورِ فہم کو دخل نہیں ہے، دعاء بعد الصلوات کا التزامی پہلو ہے ہی کچھ ٹیڑھا سا، اس التزام واہتمام کے باعث اس کو اگر کوئی بدعت کہے تو کچھ بے جا نہیں ہے، لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علماء کا سوادِ اعظم ہمیشہ اس پر عامل رہا ہے اور مانعین شاذ ہوئے ہیں تو بدعت کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، اسی جانب میرے خط میں اشارہ ہے، اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم دونوں نے ایسی باتیں اپنے مسلمہ تشدد، حدت مزاجی اور مخصوص ادعائی ذہن کی بناء پر کہہ ڈالی ہیں، جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہیں، مثلاً دبر صلوٰۃ کو انھوں نے جزءِ صلوٰۃ کہا ہے، یہی بات حافظ ابن قیم نے لکھی ہے، لیکن جس کی نظر محض بخاری شریف پر ہوگی وہ اسے رد کر دے گا۔ حافظ ابن قیم کی عبارت صاحب فتح الباری نے نقل کی ہے، ذرا ان کا ادعائی تیور ملاحظہ کرو، جب شاگرد کا یہ حال ہے جو نسبتاً معتدل مزاج ہیں، تو استاذ کا انداز کیا ہوگا۔ الھدی النبوی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

> واما الدعاء بعد السلام من الصلوٰۃ مستقبل القبلۃ سواء الامام والمنفرد والماموم فلم یکن من ھدی النبی ﷺ اصلاً ولا روی عنہ باسناد صحیح ولا حسن وخص بعضھم ذالک بصلاتی الفجر والعصر ولم یفعلہ النبی ﷺ ولا الخلفاء بعدہ ولا ارشد الیہ امتہ وانما ھو استحسان رآہ من راہ عوضاً من السنۃ بعدھما. قال: وعامۃ الادعیۃ المتعلقۃ بالصلوٰۃ انما فعلھا فیھا وامر بھا فیھا، قال: وھذہ اللائق بحال المصلی فانہ مقبل علی ربہ مناجیہ، فاذا اسلم منھا انقطعت المناجاۃ وانتھی موقفہ وقربہ فکیف یترک سوالہ فی حال مناجاتہ والقرب منہ وھو مقبل علیہ، ثم یسأل اذا انصرف عنہ، ثم قال: لکن الاذکار الواردۃ بعد المکتوبۃ یستحب لمن اتی بھا ان یصلی علی النبی ﷺ بعد ان یفرغ

بھا ویدعو بما شاء، ویکون دعاءہ عقب ھذہ العبادۃ الثانیۃ لا لکونہ دبر المکتوبۃ۔ (فتح الباری کتاب الدعوات ج ۱۱ ص ۱۶۰)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو بیٹھے بیٹھے دعا کرنا خواہ امام ہو، منفرد ہو یا مقتدی ہو، یہ سرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے، اور نہ آپ سے کسی صحیح، یا حسن سند کے ساتھ مروی ہے، بعض لوگوں نے اس دعا کو نماز فجر اور نماز عصر کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہیں کیا ہے، نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے کیا ہے اور نہ ہی آپ نے اپنی امت کو اس کی ہدایت فرمائی ہے، یہ بعض حضرات کا استحسان ہے انہوں نے اسے سنتوں کے عوض میں تجویز کیا ہے، یعنی عصر اور فجر کے بعد چونکہ کوئی سنت نماز نہیں ہے، اس لئے اس کے عوض میں لوگوں نے دعا کو تجویز کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ نماز سے متعلق جتنی دعائیں منقول ہیں انہیں آپ نے نماز کے اندر کیا ہے اور اسی میں ان کا حکم دیا ہے، علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہی بات نمازی کے حق میں مناسب بھی ہے کیونکہ وہ اپنے رب کی طرف بالکلیہ متوجہ ہے، اس سے مناجات کر رہا ہے، پھر جب سلام پھیرتا ہے تو اس کی مناجات منقطع ہو جاتی ہے، اور قرب کا وہ مقام جو نماز کے اندر اسے حاصل تھا، ختم ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جب وہ قرب و مناجات کے حال میں تھا، اور بالکلیہ رب تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا تب تو سوال و دعا نہ کرے اور جب اس سے فارغ ہو گیا، تب دعا کرنا شروع کرے۔

البتہ خاص خاص اذکار جو فرض نماز کے بعد وارد ہیں، انہیں جو پڑھنا چاہے اس کے لئے مستحب ہے کہ ان اذکار سے فارغ ہونے کے بعد نبی ﷺ پر درود بھیجے اور جو چاہے دعا کرے۔ اس کی یہ دعا اس دوسری عبادت یعنی اذکار مسنونہ کے ورد کے بعد ہوگی، فرض نماز کے بعد ہونے کی وجہ سے نہیں۔

دیکھو اس میں علامہ ابن قیم نے مطلقاً نماز کے بعد دعاء کی نفی کر دی ہے، خواہ امام ہو، خواہ مقتدی، خواہ منفرد، فرض ہو یا نفل، پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ سرے سے تھا ہی نہیں، اس کے لئے نہ صحیح، نہ حسن، نہ فعلی نہ قولی کوئی روایت ثابت ہی نہیں، نہ

خلفاء نے یہ عمل کیا، نہ کسی نے امت کی اس کی جانب رہنمائی کی ، اللہ اکبر کتنا بڑا دعویٰ ہے، اب سنو صاحب فتح الباری کا اس پر انتقاد:

قلت: وما ادعاه من النفی مطلقاً ، مردود، فقد ثبت عن معاذ بن جبل ان النبی ﷺ قال له: یا معاذ انی واللہ احبک فلا تدع دبر کل صلوٰۃ ان تقول: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ، اخرجه ابو داؤد والنسائی وصححه ابن حبان والحاکم وحدیث أبی بکرة فی قول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، کان النبی ﷺ یدعو بھن دبر کل صلوٰۃ اخرجه احمد والترمذی والنسائی وصححه الحاکم وحدیث سعد الآتی فی باب التعوذ من البخل قریباً فان فی بعض طرقه المطلوب وحدیث زید بن ارقم : سمعت رسول اللہ ﷺ یدعو فی دبر کل صلوٰۃ: اللھم ربنا ورب کل شئی الحدیث اخرجه ابو داؤد والنسائی وحدیث صھیب رفعه کان یقول اذا انصرف من الصلوٰۃ: اللھم اصلح لی دینی الحدیث اخرجه النسائی وصححه ابن حبان وغیره

فان قیل: دبر کل صلوٰۃ قرب اخرھا وھو التشھد: قلنا قد وردالامر بالذکر دبر کل صلوٰۃ والمراد به بعدالسلام اجماعاً فکذا ھذا حتی یثبت ما یخالفه.

فرماتے ہیں کہ حافظ ابن قیم نے نمازوں کے بعد دعا کرنے کی جو مطلقاً نفی فرمادی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

(۱) کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ! واللہ مجھے تم سے محبت ہے پس کسی نماز کے بعد یہ دعا کرنا نہ چھوڑنا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ، یہ روایت ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہے، اور اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ یہ روایت

امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی نے نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(٣) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت منقول ہے، جو قریب ہی باب التعوذ من البخل میں آرہی ہے، اس کے بعض طرق میں مطلوب موجود ہے۔

(٤) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے سنا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَئٍ اسے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے نقل کیا ہے۔

(٥) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: اللهم اصلح لي ديني الخ اسے امام نسائی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ حدیث میں آئے ہوئے لفظ دبر کے معنی نماز کے اخیر کے قریب والا جز ہے، یعنی تشہد کے بعد کا حصہ، مطلب یہ ہے کہ یہ دعائیں نماز کے آخری جز میں پڑھی جائیں گی، نہ کہ نماز کے بعد۔

تو ہم کہیں گے کہ احادیث میں بعض اذکار کے متعلق حکم ہوا ہے کہ انہیں دبر کل صلوٰۃ پڑھا جائے، اور وہاں بالاجماع نماز کے بعد مراد ہے، اسی طرح ان دعاؤں کے بارے میں بھی یہی کیا جائے گا کہ نماز کے بعد کی جائیں گی، جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔

دیکھتے ہو، حافظ ابن قیم کا دعویٰ کیا تھا، اور ان حدیثوں سے ان کا دعویٰ کس طرح رَد ہو رہا ہے، دبر کو خواہ مخواہ دبر حیوان سے مشتق ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ احادیث میں صرف دبر ہی کا لفظ تو نہیں آیا ہے۔ بخاری شریف میں باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں خلف کل صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے، صاحب فتح الباری نے بخاری ہی کی ایک روایت کے سلسلے میں اثر کل صلوٰۃ کا لفظ نقل کیا ہے، بتاؤ کہ دبر کل صلوٰۃ سبحان الله الحمد لله الله اکبر جو پڑھنے کا حکم ہے وہ نماز کے اندر ہے یا باہر؟ صاحب فتح الباری تو اس پر اجماع قرار دیتے ہیں کہ اس کا تعلق نماز کے بعد سے ہے، فتح الباری کی ایک عبارت دیکھو:

**وادعیٰ ابوعمرو الزاهد انه لایقال (الدبر) بالضم إلا للجارحة ورد بمثل قولهم أعتق غلامه عن دبر** (فتح الباری، ج:۲،ص:۳۲۸)

دبر سے حیوان کا پچھلا حصہ ہی مرادلینا اوراس کے ماسوا کی نفی کرنا زیادتی کی بات ہے، آخر **أعتق غلامه عن دبر** کا کیا مطلب ہے؟

ان حضرات کے دعووں سے مرعوب نہ ہو، ایسی نہ جانے کتنی روایتیں ہیں جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعائیں کی ہیں، اور کرنے کی ترغیب دی ہے، اس لئے اگر یہ منقول نہیں ہے کہ اجتماعاً لوگوں نے دعاء کی ہے تو کچھ حرج نہیں ہے، صراحۃً اور عبارۃً گو منقول نہیں ہے، لیکن دلالۃً اور التزاماً منقول ہے، اور جانتے ہو کہ دلالۃ النص کی بھی حیثیت ہوتی ہے۔

اب دوسری بات علامہ انورشاہ کشمیری کی سنو! فرماتے ہیں:

”**لا ریب ان الادعية دبر الصلوٰة قدتواترت تواتراً لا ینکرا ما رفع الایدی فثبت بعد النافلة مرة او مرتین فالحق بها الفقهاء بعد المکتوبة ایضاً وذهب ابن تیمیة وابن قیم الی کونه بدعة بقی ان المواظبة علی امر لم یثبت عن النبی ﷺ إلا مرة او مرتین کیف هی؟ فتلک هی الشاکلة فی جمیع المستحبات فانها تثبت طوراً فطوراً ثم الامة تواظب علیها** ۔“

حاصل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا ایسے تواتر سے ثابت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، باقی ہاتھوں کا دعا میں اٹھانا تو نفل کے بعد ایک یا دومرتبہ ثابت ہے، فقہا نے اسی قیاس پر فرض نمازوں کے بعد بھی ہاتھ اٹھانے کو ملحق کیا ہے، اور علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ جو عمل رسول اللہ ﷺ سے ایک یا دوبار ثابت ہے اس پر دوام کرنا کیسا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ تمام مستحبات کے اثبات کا یہی طریقہ ہے کہ ان کا ثبوت حضور اکرم

ﷺ سے کبھی کبھی ہوتا ہے، پھر امت اس پر مواظبت کرتی ہے۔(فیض الباری ج۴ص۴۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد دعاء کا ثبوت ہے، اور تواتر کے ساتھ ہے، لیکن ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ایک یا دو بار ثابت ہے، اور مستحبات میں ایک بار یا دو بار ثبوت ہو جائے تو اس پر دوام اور مواظبت کی جاسکتی ہے، ہاں اتنا نہیں ہونا چاہئے کہ اس کا تارک ملامت کا مستحق ہو جائے، بس یہ ہے فیصلہ کی بات! اب اگر کسی کے خیال میں بات دوام اور مواظبت سے آگے بڑھ چکی ہے تو اسے کبھی کبھی یہ عمل ترک کر دینا چاہئے، اور بلاشبہ **دعاء بعد الصلوات** کے سلسلے میں اسی قسم کا رجحان بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

(۲) اکل شجرہ کے سلسلے میں حضرت آدم علیہ السلام سے دو مرتبہ سوال ہوا ہے۔ ایک بار حق تعالیٰ نے سوال کیا تو اس کے جواب میں عرض کیا **ربنا ظلمنا أنفسنا الخ**، اور ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو جواب وہ دیا جو تم نے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے پاس دوسرا جواب نہیں چل سکتا۔ جوابات کے اس فرق میں ایک بڑا نازک اور لطیف راز ہے، جس کے تحریر کی اس وقت فرصت نہیں ہے، کبھی فرصت ملی تو انشاء اللہ لکھ دوں گا۔ ابھی تو اپنے سوال کا جواب سنو!

یہاں تقدیر کی تحریر کی بنیاد پر کوئی سوال ہرگز نہیں پیدا ہوتا، کہ جب آپ نے میرا کفر لکھ دیا تھا تو مجھے عذاب کیوں دیا جا رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جیسے کفر لکھ دیا تھا اور اسی لکھنے کی وجہ سے تم نے کفر کیا تو ہم نے عذاب بھی تو لکھا تھا، اسی لکھنے کی وجہ سے جہنم میں جاؤ، ہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایسا لکھا ہی کیوں؟ کیوں نہیں سب کو جنتی لکھ دیا؟ تو یہ سوال درحقیقت خدا کی خدائی پر اعتراض ہے، جس کی مجال کسی بندے کو نہیں؟ اس کا حاصل تو یہ ہے کہ آپ خدا کیوں ہوئے؟ اور آپ نے مخلوق میں

ہر طرح کا تصرف کیوں جاری کیا ہے؟ تصرف کا ایک ہی رخ کیوں نہیں رکھا؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال بیجا ہے، جن کو ایمان حق تعالیٰ کی مہربانی سے نصیب ہو گیا ہے، وہ خیر منائیں، اللہ کا شکر ادا کریں، سوالات کی راہ چھوڑ دیں، بہت خطرہ ہے، خدا کی بے نیازی کا ہاتھ کہیں بھی پہونچا سکتا ہے۔ خدا، خدا ہے، اگر وہ ہر طرح کا تصرف اپنی مخلوق میں نہ کرے تو یہ اس کے نقص کی دلیل ہے، اس لئے جو کچھ کرتے ہیں کرنے دو، اپنی فکر میں رہو، وہی کافی ہے۔

(۳) حضرت مجدد صاحب کے واقعہ کا تعلق کشف سے ہے، اس شخص کا ابتدائی حال ان پر منکشف ہوا تھا جس کا اظہار انھوں نے کیا، ابھی ان پر یہ منکشف نہں ہوا تھا کہ انھیں کی دعاء سے اسے دوبارہ ایمان نصیب ہوگا، یہ تبدیلی بھی تقدیر کی تحریر میں موجود تھی، مجدد صاحب پر مکشوف نہ تھی۔ آج ایک شخص کو تم فاسق وفاجر دیکھتے ہو، کل وہ ولی کامل ہو جاتا ہے تو کیا اس کی تقدیر بدل گئی، تقدیر نہیں بدلی، یہ سب احوال تقدیر میں مرقوم تھے۔ اپنے اپنے وقت پر ان کا ظہور ہوا، اسی طرح سمجھ لو کہ وہ شخص مومن تھا لیکن اس کے اندر استعداد کفر کی موجود تھی، وہی استعداد ’’کافر‘‘ کی تحریر کی شکل میں مکشوف ہوئی، پھر یہ بھی تحریر تھا کہ اس کی یہ استعداد حضرت مجدد صاحب ہی کی دعاء سے مٹ جائے گی اور اس کے لئے ان کے فرزندوں کا اصرار باعث ہوگا۔ یہ ساری باتیں منکشف نہ تھیں، پس جب یہ افعال ظہور میں آگئے تو اس کی یہ استعداد مٹادی گئی، اور پھر اس کا انکشاف ہو گیا، اور یہ سب حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر مبنی ہے، اس کا موقع تحریر نہیں ہے، اس کے لئے صحبت شرط ہے، عجیب وغریب رموز واسرار ہیں، اگر اطمینان کی ملاقات ہوتی تو کچھ بتاتا، انھیں حقائق کے تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، فہم سے بالاتر ہیں، لیکن جب ان میں سے کسی حصہ کا نزول فہم میں ہوتا ہے تو علم ومعرفت

کی ایک دنیا روشن ہوجاتی ہے، بہت اہتمام سے ''ایمان'' کو بچائے رکھو، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ التجاء وزاری قائم رکھو کہ اللہ ایمان کو قائم ودائم رکھیں۔

(۴) فطرت سے مراد ''استعداد'' ہے، جس میں ایمان کی صلاحیت ہوتی ہے، بعضوں کی استعداد میں رجحان کفر کی جانب ہوتا ہے اور بعضوں کی فطرت میں رجحان ایمان کی جانب ہوتا ہے، اس صلاحیت کو فعلیت میں لانے والی چیز ماحول اور معاشرہ ہوتا ہے، مسلمان ہوکر پیدا ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ان میں استعداد اسلام کی غالب ہوتی ہے۔ کافر ہوکر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں استعداد کفر کی غالب ہوتی ہے۔ ایک مطلب اور ذہن میں آرہا ہے لیکن حدیث کے الفاظ سامنے ہوں تو اسے لکھوں، تم دوسرے خط میں الفاظ نقل کرکے بھیج دو۔

آخری حدیث کا مطلب دوسری صحبت کے لئے اٹھا رکھو، اس پر موقع ملا تو مفصل کلام کروں گا کہ میرا اصل موضوع وہی ہے، ویسے اس کا خیال رکھو کہ ایک خط میں ایک ہی سوال لکھا کرو! تاکہ تفصیل سے اس کا جواب قلمبند ہوسکے، میں لکھتے لکھتے اکتا جاتا ہوں۔ ایک ہوگا تو سیر حاصل بحث ہوسکے گی، تمہارا ہر سوال مستقل ایک مقالہ چاہتا ہے اور جی بھی یہی چاہتا ہے، اس طرح ایک علم مدون ہوجائے گا، لیکن کئی سوال ہونے کی وجہ سے سب کو سمیٹنا پڑا۔ اب اگلے خط میں ایک ہی بات لکھو، انشاء اللہ اس کا مفصل جواب تحریر کروں گا۔

احمد سعید کو ایک خط میں نے تقدیر کے مسئلے پر لکھا تھا، اسے دیکھو اور سمجھ لو۔

تمہارے خط میں ایک جملہ یہ ہے کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو مجرم قرار دینے کی کوشش کی'' یہ تعبیر سخت ناگوار ہے، اس قسم کی تعبیر اکابر کے سلسلے میں لکھنے سے احتراز کرو، اس کو تم یوں لکھ سکتے تھے کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

حضرت آدم علیہ السلام سے اکل شجرہ کی بابت سوال کیا'' اتنے سے حدیث کا جاننے والا مفہوم کو پا لیتا۔

فقط والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

عزیزی و محبی! زادکم اللہ علماً و فہماً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل تمہارا خط ملا۔ تمہاری محبت اور حسن عقیدت کا دل پر خاص اثر ہے، خدا تمہیں خوش رکھے۔ ؎ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

فطرۃ کی شرح میں، جو کچھ میں نے لکھا تھا، وہ میری رائے نہیں ہے، یہی تشریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ، مشہور محدث علامہ طاہر پٹنی صاحب مجمع بحار الانوار، علامہ قرطبی اور امام المتاخرین علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی ہے، سب حضرات کی عبارتیں نقل کرنا طولِ عمل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ جن حضرات نے فطرۃ کی شرح ''اسلام'' سے کی ہے، ان کا بھی مقصود وہی ہے جس کو علماء مذکورین نے تحریر فرمایا ہے، اختلاف صرف لفظ کا ہے، مطلب ایک ہے۔

اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ ''حدیث فطرۃ'' کے پورے الفاظ سامنے ہوں، اور فطرۃ کی شرح جن لوگوں نے اسلام سے کی ہے، اور جن شارحین کو اس پر اصرار ہے کہ اس سے مراد ''استعداد اسلام'' نہیں، خود اسلام ہے، ان کے دلائل بھی پیش نظر ہوں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

**عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مامن مولودٍ إلا**

**يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أوينصرانه أويمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء ثم يقول: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ( متفق عليه )**

صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ **أجمع أهل العلم بالتاويل على أن المراد بقوله تعالیٰ (فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا )'' الاسلام''** ج: ۳،ص: ۲۴۸۔ پوری آیت یوں ہے: **فَأَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ۔**

اب سنو! حدیث میں جو **الفطرة** کا لفظ آیا ہے، وہ یہی ہے، جس کو آیت قرآنی میں فطرۃ اللہ کہا گیا ہے۔ اسی کے سلسلے میں حافظ الدنیا ابن حجر نے اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے، کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ اس کی دلیل میں چند باتیں کہی گئی ہیں۔

(۱) آیت کریمہ میں فطرۃ کی اضافت اللہ کی جانب کی گئی ہے، اس میں اشارہ اس کے مدح وکمال کی جانب ہے، ظاہر ہے کہ اس مدح کا مستحق اسلام ہی ہوسکتا ہے، محض استعداد کی مدح کیا معنی رکھتی ہے؟

(۲) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے التزام اور اہتمام کا حکم دیا ہے، چنانچہ فطرۃ اللہ جو منصوب ہے، اس کا عامل **ألزم** مقدر ہے، اور اس پر لفظ **أقم** دلالت کرتا ہے، اور ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جس کے التزام کا مکلّف بنایا گیا ہے، وہ اسلام ہی ہے۔

(۳) اسی آیت میں اس کو دین قیم فرمایا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس سے مراد اسلام ہے۔

(۴) ایک حدیث میں ہے کہ: إني خلقت عبادي حنفاء كلهم فاجتالتهم الشياطين عن دينهم اورروایتوں میں حنفاء کے بعد مسلمین کا لفظ بھی آیا ہے۔ یہ حدیث صراحتاً اس پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث سابق میں الفطرة سے مراد اسلام ہی ہے۔

(۵) حدیث فطرۃ میں الفطرۃ کے بعد یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا تقابلاً ذکر آیا ہے اور یہ تینوں فرقے مذاہب ہیں، اس لئے صحت تقابل کے واسطے ضروری ہے کہ الفطرۃ سے دین اسلام مراد لیا جائے۔

یہ خلاصہ ہے، ان حضرات کے دلائل کا، جو فطرت سے عین اسلام مراد لیتے ہیں، ان دلائل کی حقیقت تو بعد میں واضح ہوگی، پہلے اشکال سنو!

(۱) اگر یہ صحیح ہے کہ ہر بچہ خلقتہً مسلمان ہوتا ہے، تو سمجھ آنے کے وقت اس کو مسلمان قرار دینا چاہیئے، فرض کرو کوئی اسلامی حکومت ہو تو اس کی غیر مسلم رعایا کے بچوں کو مسلمان مان کر مسائل کو اسی بنیاد پر متفرع کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر یہ بچہ ناسمجھی کے زمانہ میں مرجائے تو اس کا ترکہ اس کے والدین کو، یا اس کے برعکس صورت میں والدین کا ترکہ اس کو نہیں ملنا چاہیئے، کیونکہ اختلافِ دین کی صورت میں توارث جاری کرنا ممکن نہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث کا تعلق حکم دنیوی سے نہیں ہے، حکم اُخروی سے ہے، لیکن اس تخصیص کی دلیل کیا ہے؟

(۲) اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس کا تعلق محض حکم آخرت سے ہے، تو بالفرض اگر کافر کا بچہ مرجائے تو اسے قطعیت کے ساتھ جنتی کہنا چاہیئے، حالانکہ حدیث میں ہے:
سئل رسول الله ﷺ عن أولاد المشركين فقال: الله إذ خلقهم أعلم بما كانوا عاملين (بخاری) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قطعیت کے ساتھ ان

کے جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) حدیث خضر میں بچہ کا کافر مطبوع ہونا مصرح ہے۔

(۴) حق تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں فرمایا ہے کہ لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت پر خدا نے پیدا کر دیا ہے،اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، حالانکہ حدیث میں صراحۃً تبدیلی کا ذکر موجود ہے،اور مشاہد بھی یہی ہے،ہاں اگر اس کونہی قرار دیا جائے تو معنی درست ہوسکتا ہے،لیکن یہ تکلف ہے۔

(۵) اگر اسلام پیدائشی اور جبلی امر ہے،تو ظاہر ہے کہ بندے کے اختیار سے نہیں ہے۔اس کے ارادہ واختیار کے بغیر اسلام اس کی سرشت میں داخل کر دیا گیا ہے،اور یہ بدیہی ہے کہ سزا وجزا کا مدار اختیار پر ہے، پھر چاہئے کہ اسلام پر اس کو کوئی اجر وثواب نہ ہو۔

یہ اشکالات ہیں،جن کی بنا پر فطرۃ سے عین دین اسلام مراد لینا ایک مشکل مسئلہ ہے۔علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں اس موضوع پر نفیس بحث کی ہے، فرماتے ہیں کہ: **فالصواب عندی أن الفطرة من مقدمات الاسلام لاعینه فھی جبلة متھیئة لقبول الاسلام، وبعبارة أخریٰ ھی استعداد فی الولد، له بعد من الکفر وقرب من الایمان، وبعباره أخریٰ ھی عبارة عن خلو بنتیه عما یحثه علی الکفر ولولا القوادح والموانع لبقی أقرب إلی الایمان الخ ج: ۲،ص:۴۸۵.**

حاصل یہ ہے کہ فطرۃ عین اسلام نہیں ہے، بلکہ اسلام کی وہ استعداد ہے، جو ابتداء آفرینش ہی سے انسان کی نہاد میں رکھ دی گئی ہے،اگر خارجی اسباب وعوامل نہ ہوں،اور انسان اپنی خلقی حالت پر قائم رہ جائے تو اپنے اختیار سے وہ اسلام ہی کو پسند

کرے گا، گویا یوں سمجھو کہ انسان اپنی پیدائشی حالت میں ایسی کیفیت لے کر آیا ہے کہ اس میں کفر وشرک کی آلودگی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، اور انسان کی اصلی حالت یہی ہے، پھر اس کے گھر والے اور اس کا ماحول اس کی اصلی حالت زائل کر کے غیر فطری حالات اس پر مسلط کر دیتے ہیں، یہ استعداد مدارِ تکلیف نہیں ہے، اور اس استعداد کا شمار احکامِ شرعیہ میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تکوینی محسوس حالت ہے، چنانچہ اس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال بیان فرمائی ہے، اس پر غور کرو۔ فرماتے ہیں کہ جانور کا بچہ دیکھو کہ کیسا صحیح وسالم، عیوب سے پاک پیدا ہوتا ہے، کیا کبھی کسی بچہ کو پیدائشی طور پر کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ بعد میں لوگ کان کاٹ دیتے ہیں، گویا اسلام اس کی اصل اور اندرونی استعداد ہے، اور کفر وشرک بیرونی موثرات ومحرکات کا نتیجہ؟ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ فطرۃ وہ استعداد ہے، جس میں قبول اسلام کی صلاحیت اصلی اور بغیر کسی خارجی وعامل ومؤثر کے ہے، اور قبول کفر کی صلاحیت عارضی اور خارجی عوامل واسباب کے زیر اثر ہے۔

مسلم شریف میں ایک روایت نقل کی گئی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی آواز سنی، جو اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ **علی الفطرۃ**، پھر اس نے کہا **أشهد أن لا إله إلا الله** تو آپ نے فرمایا کہ **خرجت من النار**، بعد میں لوگوں نے دیکھا تو وہ ایک چرواہا تھا، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اللہ اکبر کی صدا سن کر اس کے فطرۃ پر ہونے کی گواہی دی، لیکن نجات کی بشارت اس وقت دی جب اس سے کلمۂ توحید سن لیا، اس سے معلوم ہوا کہ فطرت اور اسلام میں فرق ہے، مدارِ نجات فطرت نہیں اسلام ہے۔

اب غور کرو کہ آیت کریمہ میں فطرۃ کی اضافت جو حق تعالیٰ نے اپنی جانب

کی ہے، اس سے یہ کچھ ضروری نہیں کہ لازماً اسے اسلام ہی مانا جائے، ظاہر ہے کہ جو چیز قبول اسلام کی بنیاد اور اس کا مقدمہ ہوگی، وہ بھی کچھ کم قابل مدح وستائش نہ ہوگی، اور یہ جو کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کے التزام کا حکم ہوا، اس لئے وہ اسلام ہی ہو سکتا ہے، اس پر عرض ہے کہ اس التزام کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد کو خارجی مضر اثرات سے بچایا جائے، اور کیا حرج ہے کہ **الدین القیم** سے اشارہ **فأقم وجھک للدین حینفاً** میں مذکور الدین ہو، اور مانا کہ **الدین القیم** کا مصداق فطرۃ اللہ ہی ہے، جب بھی اس سے مراد دین اسلام ہونا متعین نہیں ہے، دیکھو حق تعالیٰ فرمایا ہے کہ: **إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِيْ كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ**، ظاہر ہے کہ سال کا بارہ مہینوں پر مشتمل ہونا ازقبیل تکوینیات ہے، احکام شرع میں اس کا شمار نہیں ہے، لیکن اسے بھی حق تعالیٰ نے دین قیم فرمایا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی امر کو محض دین قیم کہہ دینے سے لازم نہیں آتا کہ وہ بس دین اسلام متعین ہے، دین قیم کا اطلاق تکوینی امور پر بھی ہوتا ہے۔ فطرۃ اور استعداد تکوینی امور میں سے ہے، اس پر دین قیم کا اطلاق اسی لحاظ سے ہے، حدیث میں حنفاء مسلمین جو فرمایا گیا ہے اس سے صلاحیت کا اظہار مقصود ہے، اس میں بھی اشارہ یہی ہے کہ انسان اپنی اصل سرشت کے لحاظ سے کفر وشرک کے عیب سے بری ہوتا ہے، پھر شیاطین گھیر گھار کر اپنی طرف لے جاتے ہیں، حدیث فطرت میں الفطرۃ کا تقابل یہودیت وغیرہ سے نہیں ہے، ورنہ ہر کافر پر ارتداد کا حکم لگتا، بلکہ خارجی موثرات وعوامل کے عمل کا اظہار ہے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک اور آیت پر غور کرو، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

**إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا**

وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً ۔

اس آیت میں امانت سے مراد کیا ہے؟ کیا اسلام ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، ورنہ **لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات** والی بات بے ربط ہوکر رہ ہوجائے گی، کیونکہ اس امانت کو تو تمام انسانوں نے قبول کیا ہے، ہر انسان اس امانت کو لے کر پیدا ہوتا ہے، اور محض بے اختیاری امر ہے، تکویناً اس کا بار اٹھا لینے کے بعد کوئی اس کو خود سے پھینکنا چاہے، تو ممکن نہیں ہے۔ ناچار یہی کہنا پڑے گا کہ اس سے وہی استعداد مراد ہے، جس کی تعبیر دوسری آیت میں **فطرۃ اللہ** سے کی گئی ہے، غرض اس آیت میں امانت اور سابق آیت میں فطرۃ، دونوں کا مصداق واحد ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ فطرۃ ایک امر تکوینی ہے، جس کے سلسلے میں انسان صاحب اختیار نہیں ہے، لہٰذا اس پر کسی حکم شرعی کا مدار نہیں ہے، اور نہ اس خلق میں کسی تبدیلی کا امکان ہے، جو لوگ کفر میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی استعداد بھی فنا نہیں ہوتی، حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ بعض مومن پیدا ہوتے ہیں اور بعض کافر، اس کے متعلق پہلے مکتوب میں کچھ لکھ چکا ہوں۔

اس سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس کا تعلق فطرۃ اور استعداد سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق تقدیر سے ہے، یعنی انسان کے تقدیری اطوار کا اس میں ذکر ہے کہ بعض لوگوں کی تقدیر میں ابتدا سے انتہا تک اسلام ہی اسلام ہے اور بعض لوگوں کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ پیدائش سے پہلے ہر انسان کے متعلق فرشتہ حق تعالیٰ سے دریافت کر کے شقی یا سعید لکھ دیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ مقدر کی تحریر ہے، فطرۃ سے اس کا کوئی تصادم نہیں ہے۔ فطرت اب بھی وہی ہے، خارجی عوامل نے اِدھر اُدھر ڈال دیا ہے۔ ہاں اگر فطرت سے مراد اسلام ہوتو ضرور دشواری

ہوگی۔ یہی بات قصہ خضر میں بھی ہے کہ بچہ جو کافر مطبوع تھا، اس کا تعلق تقدیر سے ہے، فطرۃ اس کی وہی تھی، جس میں قبول اسلام کی صلاحیت تھی۔

پہلے لکھ چکا ہوں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ جن اکابر نے فطرۃ کی شرح اسلام سے کی ہے، ان کا مقصود بھی یہی صلاحیت واستعداد ہے، سبب پر مسبب کا اطلاق ظاہر ہے کہ رائج ہے، لہٰذا اگر اسلام کہہ کر صلاحیت اسلام مراد ہوتو کچھ بعید نہیں، اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو سارا اختلاف ختم، اور بات یہی جی کو لگتی بھی ہے، ورنہ وہ تفسیر اشکال سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم

(۲) ام الزوجہ اور بنت الزوجہ کی حرمت حرمت مصاہرت کے ذیل میں آتی ہے، حرمت مصاہرت میں دو حکمتیں...... والعلم عنداللہ...... محسوس ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جس کو تم اصول فقہ اور فقہ میں پڑھ چکے ہو کہ ولد کے واسطے سے مرد وعورت ایک دوسرے کے جز ہوجاتے ہیں، اور پھر یہ جزئیت متعدی ہوکر دونوں کے اصول وفروع کو بھی اپنے دائرہ میں سمیٹ لیتی ہے، اور اپنے اجزاء سے نکاح ظاہر ہے کہ ناجائز ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر یہ حرمت ثابت نہ ہوتو معاشرہ تباہ ہوکر رہ جائے گا، تفصیل اس کی یہ ہے کہ نکاح کے بعد ظاہر ہے کہ دو خاندانوں میں نہایت قریبی تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں، قرابت داری کی وجہ سے آپس کا اختلاط ناگزیر ہے، ایسی صورت میں اگر ام الزوجہ وبنتہا کے سامنے حرمت کی دیوار کھڑی نہ کردی جائے تو شوہر کو بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی کی طرف بھی رغبت ہوسکتی ہے، اور اس رغبت کے نتیجے میں نیا تعلق قائم کرنے کے لئے پرانے تعلق کو توڑنے اور ختم کرنے کی کوشش ہوگی، اور یہ بات خوب معلوم ہے کہ جنسی بنیادوں پر جو محبت قائم ہوتی ہے وہ ہرنا کردنی کو کردنی بنادیتی ہے۔ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ماں بیٹی کے درمیان سخت عداوت اور کشمکش پیدا ہوتی،

اورقتل وخون کی نوبت پہونچ جاتی،اور قطع رحمی کا بازار گرم ہوجاتا،جس کو مٹانے کے لئے شریعت کا نزول ہوا ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ:

**ومنها المصاهرة فإنه لو جرت السنة بين الناس أن يكون للأم رغبة في زوج بنتها وللرجال في حلائل الابناء وبنات نسائهم لأفضىٰ إلى السعي في فك ذٰلك الربط أوقتل من يشح به ، وان أنت تسمعت إلىٰ قصص قدماء الفارسين واستقرأت حال أهل زمانك من الذين لم يقيدوا بهٰذه السنة الراشدة وجدت اموراً عظاماً ومهالك ومظالم لاتحصىٰ .** (حجۃ اللہ البالغۃ ج:۲،ص:۱۳۲)

عبارت کا حاصل وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا، مجوسیوں اور اہل جاہلیت میں یہ قید حرمت نہ تھی،تو کتنے فساد اور کتنی خونریزیاں اسی بنیاد پر ہوئیں؟ حرمت کی دیوار قائم کردینے کے بعد ان رشتوں کی جانب کوئی حرص وہوس کی نگاہ کرتا ہی نہیں، بلکہ ایک ایسا احترام اور تقدس طبائع میں جاگزیں ہوگیا کہ رشتۂ زوجیت کے تصور سے بھی طبع سلیم اباء کرتی ہے۔

اب مزید غور کرو! پہلی حکمت یعنی انشاء جزئیت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں رشتے محض عقد نکاح کی بنیاد پر حرام نہ ہوں کیونکہ جزئیت کا ثبوت ولد پر موقوف ہے، اور ولد کا قریبی سبب وطی ہے، نہ کہ عقد نکاح! اس لئے چاہئے کہ جب دخول ہوتب حرمت ثابت ہو،لیکن دوسری حرمت کا اقتضاء یہ ہے کہ محض عقد نکاح سے حرمت قائم ہوجانی چاہئے، کیونکہ قرابت تو محض عقد نکاح سے ثابت ہوگئی۔اب وہ تمام امور حرام ہونے چاہئیں جن سے قطع رحمی لازم آئے۔

پھر غور کرو!اصل وجہِ حرمت تو جزئیت کا ثبوت ہے،اور دوسری وجہ تو قطع رحمی

سے بچانے کی غرض سے ہے، اس لئے اس کو فرع اور تابع کہو تو بجا ہے، اب پہلی وجہ کا تقاضا یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کے لئے بہرصورت وجودِ وطی کو بنیاد قرار دیا جائے، لیکن دوسری حکمت کی رعایت بھی ضروری ہے، اس لئے اب تقسیم کاریوں مناسب ہے کہ جہاں قطع رحمی اور تحاسد کا احتمال شدید ہو، وہاں حرمت کے ثبوت کے لئے وجودِ وطی کا انتظار نہ کیا جائے، بلکہ محض عقد نکاح کی بنیاد پر جلد تر بندش قائم کر دی جائے، اور جہاں قطع رحمی کے احتمال میں اس درجہ شدت نہ ہو، وہاں وجود وطی کے بعد حرمت مانی جائے، اور جہاں اس قطع رحمی کے احتمال میں مزید کمی ہو، وہاں معاملہ کچھ اور سہل کر دیا جائے۔

اس اصول کو سمجھ لینے کے بعد ایک بار پھر تامل کرو کہ بیوی کے ہوتے ہوئے اگر اس کی ماں کی جانب رغبت کی گنجائش ہو تو بیوی اس کو کسی طور پر گوارا نہیں کرے گی، عام عادت یہی ہے کہ اس باب میں بیٹی کو سخت غیرت آئے گی، اور شر و فساد اور قطع رحمی اپنے آخری نقطہ پر پہونچ کر رہے گی، اس کے برخلاف اگر بیوی کی بیٹی کی طرف رغبت ہو تو عام طبیعت یہی ہے کہ ماں اپنی اولاد کے لئے بہت امکان ہے کہ بخوشی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ وہ یہ خیال کر سکتی ہے کہ اولاد کی زندگی بن جائے، میرا کیا ہے، اب کتنے دنوں جینا ہے۔ چنانچہ ماؤں کا اپنی اولاد کے لئے ہر قسم کی قربانی دینا ایک عام مشاہدہ ہے۔ پہلی صورت میں قطع رحمی شدید ہے۔ اس لئے جزئیت کے سبب قریب یعنی وطی پر حرمت کو موقوف نہ رکھا گیا، بلکہ سبب بعید یعنی عقد نکاح کو حرمت کے لئے کافی سمجھا گیا، اور دوسری صورت میں یہ احتمال ہے کہ قطع رحمی کا وجود ہی نہ ہو، بلکہ برضاء و رغبت اپنی بیٹی کے لئے یہ قربانی دے ڈالے، اس لئے اس کی حرمت اس وقت تک موقوف رکھی گئی جب تک جزئیت کا سبب قریب یعنی وطی نہ

پائی جائے۔ **والعلم عند اللّٰہ**

یہ وجہ میں نے خود سے اختراع نہیں کی ہے، صاحب **بدائع الصنائع** نے لکھی ہے۔ بدائع کی عبارت دیکھ لو، جلد:۲، ص:۲۵۸۔

اور جہاں قطع رحمی کا احتمال اس سے بھی کم ہے، وہاں صرف **جمع بین المرأتین** کو حرام کیا گیا ہے، علیٰحدہ علیٰحدہ ہر ایک سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً دو بہنوں کا مسئلہ۔ امید کہ اتنی تفصیل کافی ہوگی۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۴؍رجب ۱۴۰۶ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مفتی عبدالرحمٰن صاحب غازی پوری
# ومولانا غلام رسول صاحب

**مفتی عبد الرحمن صاحب**: جامعہ مخزن العلوم دلدارنگر غازی پور کے تعلیم یافتہ! جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے فراغت حاصل کی اور وہیں سے افتاء کی بھی تکمیل کی۔ ایک باصلاحیت عالم دین، ایک خوش اخلاق انسان، چھوٹے بڑے کے یکساں خدمت گزار! عرصہ تک متعدد مدارس میں تدریس کی خدمت انجام دی اور اب ''جدہ'' سعودیہ عربیہ میں مقیم ہیں، اور وہاں بھی تعلیم وتدریس ہی کا شغل ہے۔ ایام حج میں حجاج کی بے نظیر خدمت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم اور اس کی خصوصی رحمت کے مورد ہیں۔

☆☆☆☆☆

**مولانا غلام رسول صاحب**: یہ بھی جامعہ مخزن العلوم دلدارنگر کے ذی استعداد اور باصلاحیت تعلیم یافتہ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اور اپنے مادر علمی مخزن العلوم دلدارنگر میں عرصہ تک تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور اب مغل سرائے میں ایک دینی درسگاہ کے ذمہ دار ہیں۔۔

عزیزان گرامی قدر! زادکم اللہ حرصاً علی الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید ہے کہ تم لوگ بخیر وعافیت مدرسہ پہونچ گئے ہوگئے۔ میں شام کو خیرآباد آ گیا تھا، معلوم ہوا کہ کچھ چندہ ہوگیا تھا، مگر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کتنا ہوا۔ دوسرے روز صبح ساڑھے دس بجے میں مدرسہ پہونچا اور پھراسی روز تمہارا خط ملا، ابھی ملاقات کی حلاوت وتازگی قلب میں باقی تھی کہ خط نے مزید لطف پیدا کردیا، یہ واقعہ ہے، اوراس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ تم لوگوں کی محبت، اخلاص اور تعلق خاطر میرے لئے باعث سعادت ونجات اور وجہ مسرت وانبساط ہے، لیکن اس کے ساتھ میں یہ سوچ کر حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے کس قدر کرم فرمایا ہے، کیسی پردہ پوشی فرمائی ہے، کتنی ان کی عنایت ہے، کس درجہ ان کی رحمت ہے، اللہ اکبر! ایک گندہ درگند شخص جو سرے سے پاؤں تک گناہوں میں شرابور ہے، جو علم وعمل سے تہی دامن ہے، جس میں کوئی ہنر نہیں، کوئی کمال نہیں، کوئی حسن نہیں، کوئی جمال نہیں، وہ جب اپنی پچھلی اور موجودہ زندگی کو دیکھتا ہے تو شرم سے پانی پانی ہوجاتا ہے، اور جب مستقبل کو دیکھتا ہے تو بجز ایک رحمت الٰہی کے روشنی کی اور کوئی کرن نہیں دیکھتا، حیرت ہوتی ہے کہ صالحین اس سے کس قدر محبت فرماتے ہیں، یقین ہے کہ صالحین کی محبت ہی اس کا بیڑا پار لگا سکتی ہے، ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے وجود کے بعض تجربات کی بنا پر خود کو ایسا شخص تصور کرتا ہوں، جس سے خیر وبرکت کی کوئی توقع نہیں۔ البتہ شامت ونحوست جس قدر نہ پھوٹ پڑے، اوراسی کے باعث کہیں آنے جانے سے بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں بنی بنائی برکت میری وجہ سے بکھر نہ جائے، یہ سب لکھنے میں بھی خطرہ خودستائی کا ہے، لیکن تم لوگوں پر اعتماد ہے، تم لوگ

مخلص ومحبّ ہواور محبوب بھی ہو، اور مجھے تم لوگوں سے قلبی لگاؤ ہے، اس لئے اس وقت جو کچھ ذہن میں آتا جارہا ہے یا جو خیالات وحالات ہر وقت میرے قلب ودماغ پر مسلط رہتے ہیں انھیں بے تکلف سپردِ قلم کرتا چلا جارہا ہوں، نہ ترتیب کا اہتمام ہے نہ غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔تم لوگوں کے جانے کے بعد میں حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے یہاں بیٹھا ہوا تھا، کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے، مجلس خاموش تھی، ایک صاحب نے کہا کہ کچھ کہئے۔ میں نے کہا کہ کچھ آتا ہی نہیں کیا کہوں۔ اب سے کچھ مدت پہلے میں سمجھتا تھا کہ چند حروف پڑھ لینے کے نتیجے میں کچھ معلومات ہوگئی ہیں، اور انھیں کو دہراتا رہتا تھا، مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ محو ہوگیا ہے، کبھی کبھی مجلس کی خاموشی یا حاضرین کی لغو گوئی سے اکتا کر سوچتا ہوں کہ کچھ کہنا شروع کروں تا کہ کچھ کام کی بات ہو، مگر ذہن کا دروازہ کھولتا ہوں تو گھر خالی پڑا نظر آتا ہے، پھر شرمندہ ہوکر ارادہ بدل دیتا ہوں، ایسا بارہا ہوتا ہے، خیال آتا ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ علم میں ترقی ہونی چاہئے، مگر یہاں اس کے برعکس قصہ ہے، سخت پریشان اور پشیمان ہوتا ہوں۔ پھر یہ سوچ کر قلب کو ٹھنڈا کر لیتا ہوں کہ جب منظورِ حق یہی ہے کہ تم جہالت میں ترقی کرو تو اترک ماارید لمایرید، یہ تو علمی مفلسی کا عالم ہے، اب شامت اعمال کی سنو!

گذشتہ جمعہ کو ایک جگہ سے واپسی میں کھیتا سرائے اتر گیا تھا۔ ساتھ میں قاری شمیم صاحب بھی تھے، وہاں دوستوں میں ایک صاحب کی لوہے پٹیا کی دکان ہے، ان کے یہاں گئے۔ وہ عرصہ سے اپنی دکان میں بلا رہے تھے اور میں معذرت کردیتا تھا، حالانکہ تعلقات بہت گہرے ہیں، لیکن میں نے دکان دیکھی تک نہ تھی، قاری صاحب نے ان سے فرمایا کہ لو بھائی، بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، مولانا خود آگئے ہیں، ان سے دعا کرالو، میں نے اپنے احوال سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہا

کہ مجھ سے دعا کے لئے نہ کہئے، پہلے ایک قصہ سنئے! ایک بزرگ کے پاس ایک شخص آیا کرتا تھا، ایک دن اس نے باصرار کہا کہ میرے لئے دعا کر دیجئے، انھوں نے فرمایا کہ آج کل ہماری دعا الٹا اثر کرتی ہے، کیونکہ دن اچھے نہیں ہیں، اور پھر یہ نقل بیان فرمائی کہ ایک مجذوب دلی میں رہا کرتے تھے، اتفاقاً امساکِ باراں ہوا، اور خلق خدا مجتمع ہوکر زار و نالاں قاضی صاحب کے پاس آئی، قاضی ان کو ہمراہ لے کر بادشاہ سلامت کے پاس آیا کہ نمازِ استسقاء پڑھنی چاہئے، بادشاہ نے کہا بہت اچھا، چنانچہ تین دن نماز پڑھی گئی، کچھ موثر نہ ہوئی، بادشاہ نے کہا کسی فقیر کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے اسی مجذوب کو پیش کیا، بادشاہ نے ان سے دعا کی التجا کی، مجذوب نے لنگوٹ کھول کے دیا کہ یہ دھلاؤ اور سوکھنے کو ڈال دو، تھوڑی دیر کے بعد بڑے زور و شور سے بارش ہونے لگی، بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے، مجذوب نے کہا آج کل اللہ میاں سے ہمارا بگاڑ ہو رہا ہے، ہم جو بات چاہتے ہیں وہ اس کے خلاف کرتے ہیں، اب ہمارا لنگوٹ سوکھنے نہیں دیں گے، جب خوب مینہ برس لیا تو لوگوں نے لنگوٹ کو آگ پر سکھا دیا، مینہ تھم گیا، بس میاں! ان دنوں ایسا ہی معاملہ ہو رہا ہے، ہماری دعا کا اثر خلاف ہوتا ہے، اس نے کہا حضرت الٹا اثر ہو یا سیدھا، آپ دعا کیجئے، انھوں نے فرمایا اچھا، آج دعا کریں گے، ہنوز جلسہ برخاست نہیں ہوا تھا کہ ایک آدمی دوڑا ہوا آیا اور خبر لایا کہ تمہاری بیوی کنویں میں گر پڑی، حضرت نے فرمایا کہ لو ابھی ہم نے دعا بھی نہیں مانگی وعدہ ہی کیا ہے، وہ یہ سنتے ہی دوڑا، اتنے میں تھانے دار آپہونچا، اس کی بیوی کو کنویں سے نکلوایا اور پوچھا تجھ کو کس نے گرایا تھا اس نے شوہر کا نام لیا، اب وہ ناکردہ گناہ کرنال کی عدالت میں حاضر کیا گیا، لیکن ان بزرگ نے چلتے وقت یہ فرما دیا تھا کہ مقدمہ کی پیشی کے وقت ہمارا تصور کرنا، جب مقدمہ پیش ہوا، انگریز نے عورت سے

بیان لیا، اس نے تین چار دفعہ یہی کہا کہ میرے شوہر نے گرایا، اس وقت اس شخص کو حضرت کا ارشاد یاد آیا، تصور کرنا شروع کیا، عورت خود بخود کہنے لگی کی صاحب ایک اور بڑا ظلم مجھ پر کرر کھا ہے، انگریز نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میرے سر پر تین ریچھ بٹھا رکھے ہیں، انگریز نے دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ کہا یہ دیکھو میرے بالوں میں پھرتے ہیں ،اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ صاحب یہ تو پاگل ہے، غرض اس طرح اس غریب کو رہائی نصیب ہوئی ، بیوی کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئی تو شوہر سے مخاطب ہو کر کہا کہ ارے کم بخت مجھ کو کچہری میں کیوں لایا ہے، اس نے کہا ظالم تو لائی ہے یا میں؟ پھر وہ وہاں سے ان بزرگ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا کہو میاں! ہم تمہارے لئے دعا کریں، کہا کہ حضرت بس میں اپنی دعا سے باز آیا، مجھے بغیر دعا ہی کے یہاں رہنے دیجئے۔

یہ واقعہ سنا کر میں نے عرض کیا کہ وہ تو خیر بزرگ تھے، اور میں کچھ نہیں، تاہم نتیجہ کے لحاظ سے دونوں مشترک ہیں، ایک کے مقامِ ناز وادلال میں ہونے کی وجہ سے، اور دوسرے کے مقامِ عصیان واذلال میں ہونے کی وجہ سے، تاہم نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے، پھر بھی صاحب دکان اصرار کرتے رہے، مگر میں چپکے سے چلا آیا، یہ جمعہ کی بات ہے، دوشنبہ کے دن میں مغرب کے بعد ذکر میں مشغول تھا، وہی صاحب آئے اور ایک طرف بیٹھ گئے، جب میں فارغ ہوا تو انھوں نے سلام ومصافحہ کے بعد مجھ سے کہا کہ آپ کا خدا کے ساتھ جو معاملہ ہو! مگر میں بہت کمزور ہوں میرے ساتھ وہ معاملہ نہ کیجئے، اس دن سے آج تک کوئی گاہک دکان پر نہیں چڑھا، اور جو آیا الٹے پاؤں لوٹ گیا، میں تو دھک سے رہ گیا۔ میں نے کہا اچھا میں مقبولین سے دعا کے لئے کہوں گا، دوسرے دن قاری شمیم صاحب اور بعض طالب علموں سے کہا، ان لوگوں نے دعائیں کی اور بحمداللہ دکان کا بند دروازہ کھل گیا۔ فالحمدللہ

توصاحب! میرا حالِ زار یہ ہے، معلوم نہیں میری یہ تحریر حق تعالیٰ کو پسند آئے گی یا نہیں؟ بہت ڈرتا ہوں کہ ایک تو نالائق اور پھر نالائقی کا اشتہار! یہ کب زیبا ہے، لیکن جو، کچھ نہ ہو وہ کیا کہے، اور نہ کہے تو کیا کرے۔ تم لوگ میرے محبّ بھی ہو اور محبوب بھی ہو، اور میرے اعتقاد اور حسن ظن میں خدا کے مقبول بھی ہو، کیا عجب تم لوگوں کی محبت میرے کام آجائے، اس لئے میں نے اپنا حالِ تباہ من وعن ظاہر کردیا، شاید تم لوگوں کی دعا ہو، اور پروردگار کو رحم آجائے، اپنی کاہلی، سستی اور آرام پسندی کو دیکھتا ہوں تو بالکل مایوسی کا عالم طاری ہوجاتا ہے، لیکن مایوسی کا انتہا کو پہونچ جانا کفر ہے، رحمت الٰہی دستگیری کرتی ہے اور بہت کچھ امید دلا جاتی ہے، دلاسا دے جاتی ہے، پھر تم لوگوں کی محبت، تم لوگوں کے کلماتِ خیر یاد آجاتے ہین، وہ بھی کسی قدر غلط فہمی پیدا کرکے اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔

بھائی! میں اپنے نفس سے بہت عاجز ہوں، ایسا عاجز کہ کچھ علاج نہیں بن پڑتا، تم لوگوں کے جذبۂ محبت کی بڑی قدر ہے، تم لوگوں کے احوال ماشاء اللہ اچھے ہیں، اب طبیعت میں تقاضا ہے کہ تم لوگوں کی خدمت میں حاضری دینی چاہئے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور علم نافع، عمل صالح، قلب سلیم اور عقل فہیم عنایت فرمائے، اس خط میں اگر کوئی بات نامناسب محسوس ہو تو میری طبیعت کی پراگندگی پر محمول کرکے لائق درگزر سمجھو، مراسلت کا سلسلہ قائم رکھو، مجھے نفع ہوگا۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۷/ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

یہ خط مولانا غلام رسول صاحب اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب کو مذکورہ خط کے جواب ملنے کے بعد لکھا گیا۔

محبی ومحبوبی! عافاکم اللہ وإیای محبته ومحبة رسوله

بہت عرصہ کے بعد میرے خط کا جواب ملا، مجھے انتظار تھا، اور اب یہ انتظار یاس میں تبدیل ہو چکا تھا کہ ناگاہ کل مکتوبِ دلنواز باصرہ نواز ہوا، اللہ کا شکر ادا کیا، قلم میں حرکت آئی گونگے کی زبان کھلی تو! ماشاء اللہ خوب لکھا، اچھے انداز سے لکھا، طبیعت خوش ہوگئی۔ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

میرے خط کے جس حصے پر تمہیں اشکال ہوا ہے وہ میرے حق میں محل اشکال ہرگز نہ تھا۔ مولانا گنگوہیؒ کے حق میں اشکال ہو تو ہو، حالانکہ مجھے تو وہاں بھی اشکال نہیں ہے۔ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ نے مخاطب کی رعایت سے وہ جواب دیا ہے جو تم نے نقل کیا ہے، ورنہ حقیقۃً نہ کوئی اشکال ہے نہ جواب کی ضرورت! اس کی تائید میں حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ سنو! جو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت حکیم الامت سے کسی نے سوال کیا کہ بوستاں میں حضرت ذوالنون مصری کا ایک واقعہ شیخ سعدیؒ نے تحریر کیا ہے کہ ایک بار امساکِ باراں کے موقع پر بہت سے لوگ جمع ہو کر حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں پہونچے اور دعاء کی درخواست کی، حضرت ذوالنون نے جواب دیا کہ بارش کا نزول رحمت ہے اور رحمت کا نزول معاصی کی وجہ سے رکتا ہے، اور یہاں مجھ سے زیادہ کوئی گنہ گار نہیں ہے یہ کہہ کر وہ اس جگہ سے فوراً چلے گئے، ان کا جانا تھا کہ بارش موسلا دھار شروع ہوگئی، اس پر سوال کیا گیا کہ یہ بات کیا واقعہ ہے کہ ان سے بڑا کوئی گنہ گار نہ تھا، اگر نہ تھا تو ان کے جانے سے بارش کیونکر کوئی؟ تو کیا ذوالنون مصری جو اکابر اولیاء میں سے ہیں وہ اتنے بڑے معصیت کار تھے؟ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کیا عجب! ممکن ہے

ایسا ہی ہو، بس اس پر پوچھنے والا خاموش ہوگیا، نہ حضرت نے اس کی کوئی وضاحت فرمائی اور نہ کسی نے دریافت کیا، اور اس سے زیادہ حیرت انگیز وہ قصہ ہے کہ چند لوگ کشتی سے سمندر پار کررہے تھے کہ اچانک دریا میں طغیانی آگئی اور لگی کشتی ہچکولے کھانے، لوگوں نے کہا اس میں کوئی خطا کار عبد آبق ( بھگوڑا غلام ) ہے، اسی کی نحوست کی وجہ سے کشتی کا یہ حال ہورہا ہے۔ اس میں ایک بزرگ بھی بیٹھے تھے، انھوں نے کہا کہ وہ خطا کار میں ہی ہوں، مجھے سپردِ دریا کردو، ان کی بزرگانہ صورت دیکھ کر کسی کو یقین نہ آرہا تھا، قرعہ اندازی پر فیصلہ ٹھہرا، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جب قرعہ ڈالا گیا تو انھیں بزرگ کے نام پر پڑا، بالآخر انہی کو غرق دریا کرنے کا فیصلہ کردیا گیا، ادھر وہ دریا میں کودے اور ادھر اس کا جوش وخروش تھما، اور ایک بڑی مچھلی انھیں نگل کر قعر دریا میں بیٹھ گئی، بھلا بتاؤ! یہاں کیا کہو گے۔

اب مجھ دیوانے کی سنو! کہ وہ بات محل اشکال کیوں نہیں ہے۔ اس کی ایک تقریر مصطلحانہ ہے جسے چاہو تو عالمانہ کہہ لو، اور دوسری تقریر متصوفانہ ہے جسے چاہو تو عارفانہ کہہ سکتے ہو، لیکن میری سمجھ ہی کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو، اگر ایسا ہو تو امیدوار ہوں کہ اصلاح کردو گے۔ بات یہ ہے کہ حسن ظن ہو یا اعتقاد، محبت ہو یا عداوت، یقین ہو یا شک، یہ قلبی جذبات ہیں لیکن ان جذبات کے ظہور کا سب سے آسان اور سہل ذریعہ الفاظ ہیں، جن الفاظ وکلمات سے ان جذبات کا اظہار ہوتا ہے وہ صورۃً گو خبر ہوتے ہیں مگر حقیقۃً انشا ہوتے ہیں۔ دیکھو افعال تعجب درحقیقت افعالِ تحسین ہیں، صورۃً خبر ہیں مگر فی الحقیقت انشا ہیں، ایسے الفاظ وکلمات میں واقعہ کچھ نہیں ہوتا، یہ خود واقعہ ہوتے ہیں، اس لئے تصدیق وتکذیب سے برکنار ہوتے ہیں، تصدیق وتکذیب کا مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کسی واقعہ کی حکایت ہو، اور

یہاں جذبات واعتقادات ہیں جن کی ترجمانی ان الفاظ سے ہوتی ہے جیسے امر ونہی ہیں کہ اول ان کا انبعاث قلب میں ہوتا ہے، پھر اسی انبعاث کو إفعل یالاتفعل کے پیکر میں ادا کیا جاتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا اپنے بارے میں میرا یہی یقین کامل ہے، اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا، اپنا ایک اعتقاد ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس پر اتر آیا۔ اس پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ یہ واقعہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ دوسرے اعتبارات سے اسے غلط تو کہہ سکتے ہو مگر خلافِ واقعہ نہیں کہہ سکتے اور کسی کو جو کسی کے متعلق اعتقاد وخلوص ہے تو یہ بھی اس کے دل کا ایک جذبہ ہے جو کسی لحاظ سے غلط ہو تو ہو مگر صدق وکذب سے اس کا تعلق نہیں۔ دیکھو ایک ہی عورت ہے اسے مجنوں نے دیکھا تو سارے جہاں سے خوبصورت اور سراپا حسن وجمال گردانا، دوسروں نے دیکھا تو مثل لیل سمجھا، اب اس میں کس کو جھوٹا اور کس کو سچا سمجھو گے، اور دیکھو حضور سرور کائنات ﷺ کے بارے میں ساری امت کا اعتقاد ہے کہ وہ قطعاً معصوم ہیں، صغائر سے بھی کبائر سے بھی، اور دیکھو خود کیا فرماتے ہیں: ''أنا المذنب الذليل البائس الفقير'' مناجات مقبول اٹھا کر دیکھو اور اس سے بڑھ کر دیکھو، بڑے میاں بھی فرماتے ہیں: **ليغفر الله لك الله ماتقدم من ذنبك وماتأخر**، انھوں نے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے گناہوں کی معافی کا اعلان کیا، پھر بھی امت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ آپ سے گناہوں کا صدور ہوا ہی نہیں، اس کی تاویل جو چاہو کرلو، مگر کون سی کتنی جی لگتی ہے، اسے تم سمجھ سکتے ہو۔ اصل میں دل کے جذبات حکایت وواقعہ سے بے نیاز ہیں، یہ کچھ اور ہی چیزیں ہیں، سچ پوچھو تو یہ خبر وحکایت کے سانچے میں ڈھلتے ہی نہیں، اب میں کس طرح عرض کروں کہ جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ روزِ روشن کی طرح مجھ پر عیاں ہے، جس کا علم ضروری مجھے حاصل ہے، اور رہا کمالاتِ

متوقعہ کے لحاظ سے کمالاتِ موجودہ کی نفی، تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی، کمالات متوقعہ وہاں ہوتے ہیں جہاں استعداد وصلاحیت ہو، اور جہاں ماضی و مستقبل دونوں جانب اندھیرا ہو، کمالات موجودہ ہی کے لالے پڑے ہوں، صلاحیت واستعداد ہی کا فقدان ہو وہاں کمالاتِ متوقعہ کا کیا سراغ۔ حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں یہ بات جتنی بھی درست ہو، میرے باب میں تو بالکل نادرست ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ جو کچھ تم لوگوں کا اعتقاد ہے، یہ تمہارا ایک جذبۂ دل ہے جسے میں غلط نہیں کہہ سکتا اور نہ صحیح قرار دے سکتا۔ ہاں تم لوگوں کی ذرہ نوازی، وسعت ظرف، حسن اعتقاد، مہربانی اورعنایت کہہ سکتا ہوں، اوراس کے لئے کسی واقعہ کی ضرورت نہیں، ایک دن کے بچے میں کون سا کمال ہے لیکن ایک شخص اسے دیکھتا ہے اور محبت والفت سے اس کا قلب لبریز ہو جاتا ہے، دوسرا دیکھتا ہے تو نفرت سے مونہہ پھیر لیتا ہے، یہی حال نفس کا ہے، میں دیکھتا ہوں تو گھن آنے لگتی ہے، تم دیکھتے ہو تو پیار آ جاتا ہے، خدا معلوم اپنے دل کی بات سمجھا پا رہا ہوں یا نہیں، کئی اشکالات مجھے ہو رہے ہیں اوران کے جوابات کا جلوہ بھی دیکھ رہا ہوں، مگر تحریر طویل ہوتی جارہی ہے، اور بال کی کھال نکلتی چلی آئے گی، اس لئے گھبرا رہا ہوں۔ اجمال ہی اس باب میں مناسب ہے۔

جس تقریر کو میں عارفانہ کہہ چکا ہوں، اسے لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی کیونکہ وہ نہ میرے منہ پر پھبتی اور نہ قلم پر کھلتی، کیونکہ وہ حال میرا ہے نہیں، پھر لکھوں تو غلط فہمی کا اندیشہ ہے، وہ صرف میرا مطالعہ ہے اور بس۔ عجیب شش و پنج میں پڑ گیا ہوں اسے ذکر کر کے، اور اور ایسا بہت ہوتا ہے، از راہِ کم اندیشی ایک بات زبان یا قلم پر آتی ہے اور جب اس کے پس و پیش پر نگاہ پڑتی ہے تو حیرانی ہوتی ہے کہ کہوں تو کیونکر کہوں اور نہ کہوں تو کیونکر ٹالوں، لیکن تم لوگ محبّ ہو، محبوب ہو، کوئی بات تم لوگوں سے اٹھا رکھنی

آدابِ محبت کے خلاف ہے، اس لئے لکھتا ہوں، تاثر واعتقاد کا تمہیں اختیار ہے جو چاہو قائم کرو۔

بات یہ ہے کہ ساری کائنات بشمولیت انسان کے مکمل عدم اور نابود ہے، کائنات کی اصل حقیقت عدم اور نیستی ہے، وجود تو صرف خدا کا ہے، انھیں اعدام پر اپنے وجود کا پرتو ڈال دیا ہے تو کائنات جاگ اٹھی، ورنہ کون یہاں اپنا ذاتی وجود رکھتا ہے، یہ تمام موجودات نشو ونما پا رہے ہیں حق تعالیٰ کے وجودِ مطلق کے سائے میں! زمین وآسمان اور ساری کائنات کا وجود ہی کیا ہے یہ تو بالکل بدیہی بات ہے، اب ایک بات اور سنو! دنیا میں جتنا خیر وکمال ہے سب وجود کا مرہون منت ہے، اگر وجود ہی نہ ہو تو کیسا خیر اور کیسا کمال، جس کا وجود جتنا قوی ہوتا ہے اسی کے بقدر اس میں کمالات پیدا ہوتے ہیں، سورج کا وجود دیکھو اور چراغ کا وجود دیکھو، اور جانتے ہو کہ وجود ایک کلی مشکک ہے، وجود کے قوت وضعف کے اعتبار سے اس کے آثار کے ظہور میں تفاوت ہوتا ہے، یہ مقدمہ بھی بدیہی ہے، پھر خیال کرو کہ وجود تو حقیقۃً صرف خدا کا ہے اور اشیاء جو موجود ہیں یہ اپنی اصل کے لحاظ سے عدم محض ہیں، اسی عدم کی سیاہی پر وجودِ الٰہی کی روشنی پڑی تو یہ جگمگا اٹھیں۔ اب سنو! کہ منجملہ موجودات کے ہماری اور تمہاری ذات بھی ہے، اور یہ بھی عدم محض ہیں، وجود خدا کا عطیہ ہے جو انھیں کی جانب راجع ہے، اور کمالات جتنے ہیں وہ سب اسی وجود سے ناشی ہیں، لہٰذا تمام کمالات بھی انھیں کی جناب میں حاضر ہیں اب اپنے پاس بچا کیا؟ عدم محض، اور اس کے آثار وعلامات یعنی شرور ونقائص، عامۃ الناس تو اس عدم اور وجود کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے گو کہ امتیاز کی نشانیاں ہمہ وقت ظاہر ہوتی رہتی ہیں تاہم انسان وجود کی لذت وسرمستی میں ایسا کھویا رہتا ہے کہ اسے عدم کا پہلو نظر ہی نہیں آتا لیکن جن لوگوں کو اپنی

اور ربّ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ان کے سامنے یہ امتیاز ہمہ وقت رہتا ہے، ان کی نگاہ اس عدم اور وجود کے خطِ فاصل کو ہمہ وقت دیکھتی رہتی ہے، اس بناء پر اپنی ذات سے جس قدر خیر وکمال کا ظہور انھیں محسوس ہوتا ہے، وہ بداہۃً اسے حق تعالیٰ کی جناب سے دیکھتے ہیں، اور جس قدر شر ور وفتن نظر آتا ہے، اس کا منبع خود ان کی ذات ہوتی ہے، اس لحاظ سے وہ ہمہ وقت خجل اور عرق آلود رہتے ہیں، انھیں کسی خیر وکمال کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، چہ جائیکہ اس کو اپنی جانب منسوب کریں، کمالات کو کسی بھی درجہ میں وہ اپنی ذات کے ساتھ وابستہ دیکھنے کی تاب نہیں لاتے، ایسا کرنا ان کے نزدیک شرک کے درجے کا گناہ ہے، وہ بداہۃً محسوس کرتے ہیں اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں کوئی خیر، کوئی کمال اور کوئی صلاحیت نہیں دیکھتے جس کو دوسرے لوگ کمالات سے تعبیر کرتے ہیں، وہ کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ جمالِ خداوندی اور کمالِ الٰہی کا پرتو ہے اور ہونا یہی چاہئے۔ آخر ساری کائنات جب عبد ٹھیری جو سراپا عجز ونیاز کا نام ہے تو اس میں بجز عاجزی اور ضعف واضمحلال بلکہ عدم اور فنا کے کیا نظر آئے، وجود تو صرف ایک ذاتِ بے بہا کا ہے، باقی سب ہیچ در ہیچ ہے۔ اس نکتہ کو پالینے کے بعد حضرت ذوالنون کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا عقدہ بھی حل ہوجاتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ بارش جو ہوئی وہ اس لئے نہیں کہ خدانخواستہ حضرت ذوالنون تمام لوگوں سے بڑھ کر گنہگار تھے۔ یا دریا کا طوفان جو تھا تو خدانخواستہ حضرت یونس علیہ السلام گنہگار تھے، نہیں ! ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ان حضرات کو اپنے اپنے رتبے اور استعداد کے لحاظ سے معرفت کا آخری درجہ حاصل تھا، اور معرفت الٰہی ہی مقصود تخلیق ہے، چنانچہ وما خلقت الجن والانس إلا لیعبدون میں لیعبدون کی تفسیر ترجمان القرآن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے **لیعرفون** منقول ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عبادت کے تمام درجات معرفت ہی پر موقوف ہیں، معرفت جتنی اعلیٰ ہوگی عبادت بھی اتنی ہی پُر مغز ہوگی، اور جس قدر معرفت میں نقص ہوگا عبادت بھی ناقص ہوگی، تو چونکہ ان حضرات کو معرفت نفس اور معرفت ربّ بدرجۂ کمال حاصل تھی اور اس کا ظہور ان دونوں خاص واقعات میں علی وجہ الاتم ہو رہا ہے، پس اس مظہر معرفت پر رحمت ربّ کو پیار آگیا، ان دونوں حضرات کے درجات بڑھے، مزید راہیں کھلیں اور دوسرے لوگ ظاہری فیضانِ رحمت سے فیضیاب ہوئے، خدانخواستہ یہ بات نہ تھی کہ یہ بہت گنہگار تھے، معرفت الٰہی کے وفور نے ان پر یہ حال طاری کر رکھا تھا، جو عبدیت کا اعلیٰ مظہر ہے، اور خدا جو ہر بالا سے بالاتر ہے اس کو وہ شخص بہت پسند ہے جو پستی کی انتہا کو پہونچا ہوا ہو، **أنا عند المنكسرة قلوبهم** میں اس کا راز دیکھو، اور غالباً یہی وہ حقیقت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے **أنا المذنب الذليل** کہلوا رہی ہے، اور **ليغفر لك الله** میں بھی اسی سے درگذر کا اعلان ہے، پس اب یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ حضرت گنگوہیؒ نے جو نہایت شد و مد کے ساتھ اپنے کمالات کی نفی فرمائی وہ بلحاظ اپنی ذات اور حقیقت کے ہے اور بالکل حق ہے، اور ہم جو اعتقاد رکھتے ہیں تو وہ بلحاظ اس کے ہے کہ حق تعالیٰ کی موہبت اور بخشش کا ظہور اسی عدم محض کے آئینہ میں ہو رہا ہے، آخر اس ظہور کو ہم کس کی جانب منسوب کریں، ان کے سامنے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عظمت، ان کا جلال اور ان کی کبریائی ہے، انھیں حیا آتی ہے کہ ادھر کے عطیے کو اپنی ذات کے ساتھ منسوب کریں اور ہم چونکہ ان عطیوں کو اسی دائرۂ ذات میں دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم اور کہاں لے جائیں، اب دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ لیکن یہ بات چونکہ عام عقول واذہان کے بس کی نہیں ہے، اس لئے برملا اس کا اظہار

مناسب نہیں ہے، میں بھی یہ بات ہرگز نہ کہتا لیکن تم نے ایک بات چھیڑ دی اور ماشاء اللہ صاحب فہم ہو، تم لوگوں سے کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے لکھ دیا۔ خدا کرے یہ بات صحیح ہو اور میں اس کے بیان پر قادر بھی ہو سکا ہوں۔ اگر سمجھ میں آجائے اور تم دونوں تصدیق کر دو تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی، اور اگر غلطی محسوس ہو تو اس کی نشاندہی کر کے واپس کر دو، میری عقل ہی کیا اور میری سمجھ ہی کس درجہ کی ہے، غلطی ہو تو عین میری فطرت، درستگی ہو تو بس پروردگار کا عطیہ!

میں اپنے ناقص خیال میں سمجھتا ہوں کہ یہ دوسری تقریر زیادہ صاف ہے، پہلی تقریر کج مج ہے، اس پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہے، بالخصوص خط کشیدہ عبارت قابل تشریح ہے، کبھی طبیعت حاضر ہوئی تو اسے پھر لکھوں گا، اور اس کی مزید وضاحت کروں گا، ان شاء اللہ

یہ خط تم دونوں دوستوں کے لئے ہے، چند جملے لکھ کر بھیج دیتے تو مجھے تسکین ہو جاتی۔ بقیہ سب خیریت ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

# بنام مولانا گلاب حسین صاحبؒ

ایک بہت ذی استعداد اور شریف النفس عالم جو صحت کی خرابی کی وجہ سے ادھیڑ ہونے سے پہلے ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔ میرے محترم دوست قاری شمیم احمد صاحب کے واسطہ سے تعارف ہوا، اور غالباً ۹۲/۱۹۹۱ء میں ضلع بستی کے اس مدرسہ میں میری حاضری ہوئی تھی جس میں یہ مدرس تھے، تو باوجودیکہ میرے ہم عمر تھے انتہائی بوڑھے آدمی محسوس ہوئے اور شاید دو تین سال کے بعد انتقال ہو گیا۔

مکرم ومحترم جناب مولانا گلاب حسین صاحب!

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

آپ نے جس مسئلے کا تذکرہ وہاں کیا تھا، وہ میرے ذہن میں چکر لگاتا رہا۔ یہاں آکر میں نے شرح وقایہ دیکھی، مسئلہ کی جو صورت آپ بتارہے تھے وہ تو نہیں، ایک دوسری صورت اس میں ملی اوراس میں اقل مدتِ حمل کو مدارِ مسئلہ قرار دیا ہے، میرے خیال میں مسئلہ یہی ہے جو بیان کرنے والے کے قصورِ فہم کی وجہ سے دوسری صورت اختیار کرگیا۔ یہ مسئلہ باب النسب والحضانت کا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مطلقۂ مراہقہ خواہ بائنہ ہو یا رجعیہ اگر طلاق کے نو ماہ سے قبل بچہ جنتی ہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مولود ثابت النسب ہوگا، کیونکہ تین ماہ عدت کے ہیں اوراقل مدت حمل چھ ماہ ہے، تو اگر عدت پوری ہونے کے بعد علوق تسلیم کیا جائے تو چھ ماہ سے قبل کا تولد لازم آئے گا، اس لئے ضروری ہے کہ علوق یا تو حالت نکاح کا مانا جائے یا دورانِ عدت کا، اورعلوق ان ہر دوصورتوں میں مثبت نسب ہوتا ہے، مطلقہ رجعیہ میں نکاح کی وجہ سے اور مطلقہ بائنہ میں وطی بالشبہہ کی وجہ سے، اوراگر نو ماہ کے بعد بچہ ہوتو طرفین کے نزدیک بچہ ثابت النسب نہ ہوگا، کیونکہ تین ماہ نابالغہ کی عدت کے لئے شرعاً متعین ہے، اور نابالغہ ہونے کی وجہ سے علوق کا احتمال نہ تھا، انقضاء عدت کے چھ ماہ پر بچہ پیدا ہورہا ہے، اس لئے یہی احتمال متعین ہے کہ علوق تین ماہ کے بعد ہوا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہی صورت اگر بالغہ میں پیش آئے تو فقہاء نے اکثر مدت حمل کا اعتبار کیا ہے، یعنی دوسال تک میں بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہوگا، اور یہاں اقل مدتِ حمل کا اعتبار کیا ہے، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ شبۂ وطی سے نسب ثابت ہوتا ہے، شبہۃ الشبہۃ کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ

ہے کہ بالغہ سے اگر زمانۂ نکاح یا زمانۂ عدت میں وطی حقیقۃً ثابت ہوتو بلاشبہ نسب ثابت ہوگا۔موجودہ صورت میں جبکہ بالغہ طلاق کے بعد دوسال کے اندر بچہ جنتی ہے اور شوہر کی جانب سے اس کا اثبات نہیں ہے بلکہ شبہ وطی کی بنیاد پر ہے،اس کے برخلاف نابالغۂ مراہقہ میں حقیقت وطی ہی مثبت نسب نہیں ہے، کیونکہ نابالغی متیقن ہے اور بلوغ محتمل، پھر اس احتمال کی بنیاد پرنسب کا جو اثبات ہوگا وہ ظاہر ہے کہ شبہ کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے، اندریں صورت جبکہ مدت کے انقطاع کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوگا ،تو حالت عدت میں نابالغی متیقن ہے، اب حمل کو اقرب اوقات کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے، کیونکہ وہ ایک امر حادث ہے، اب اگر نسب کا اعتبار کیا جائے تو شبہۃ الشبہۃ کا اعتبار لازم آئے گا۔عبارت یہ ہے:

**یثبت نسب ولد مطلقة مراهقة أتت بولد لأقل من تسعة أشهر من وقت الطلاق . وإنما أعتبر تسعة أشهر لأن ثلٰثة أشهر مدة عدتها وستة أشهر أقل مدة الحمل . واكثر مدة الحمل فى البالغة لأن النسب يثبت بالشبهة ففى البالغه شبهة الوطى زمان النكاح أس العدة ثابتة وحقيقة الوطى فى أحد هٰذين الزمانين توجب ثبوت النسب فكذا شبهته وأما فى المراهقة فشبهة الوطى فى النكاح أو العدة وهى ثلٰثة أشهر ثابتة ثم حقيقة الوطى فى أحد هٰذين الزمانين لايوجب ثبوت النسب لعدم تحقق البلوغ فالبلوغ وهو أمر حادث يضاف إلىٰ أقرب الاوقات وهو ستة أشهر إلىٰ وقت الولادة۔** (شرح وقایہ ج:۲/ باب النسب والحضانۃ)

یہ تو مسئلہ کی گفتگو ہوئی۔اتنی مخاطبت کے بعد طبیعت میں کچھ بے تکلفی کا احساس ہونے لگا ہے، اس لئے اور چند باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔آپ کا تذکرہ اکثر قاری شمیم صاحب کرتے رہتے ہیں، آپ کی ذہانت ، آپ کی لیاقت وسنجیدگی کے وہ بہت

معترف ہیں، اور قاری صاحب جس کسی کی توصیف کرتے ہیں میرے دل میں خود بخود اس کی محبت وعظمت پیدا ہوجاتی ہے، آپ سے ملاقات کے بعد بحمد اللہ اس محبت وعظمت میں اضافہ ہوا، جی میں یہ بات آتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آپ کو متعدد صلاحیتوں سے نوازا ہے تو ان صلاحیتوں کا بروز وظہور بھی ہونا چاہئے۔ یہی درحقیقت نعمت کا شکر یہ ہے، اور ظاہر ہے کہ مخفی صلاحیتوں کے استعمال کے مواقع جب تک میسر نہیں آتے ان کا ظہور نہیں ہوتا، اور جب عرصۂ دراز تک یہ صلاحیتیں ظہور نہیں کرتیں تو ان پر مردنی چھا جاتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جہاں آپ ہیں وہاں یہ استعدادیں لاریب کہ سوئی رہیں گی، کیونکہ مواقع استعمال میسر نہیں۔ ہاں اگر آپ یہ عزم کریں اور اس کے اسباب مہیا کرنے کی پوری سعی فرمائیں کہ مدرسہ کو آگے ترقی دینا ہے، اس کے لئے جدوجہد کریں تو امکان ہے، ورنہ مناسب تو یہ تھا کہ خود کو کسی ایسی جگہ مامور کرتے جہاں اس کے مواقع پہلے سے مہیا ہوں۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نہ جانے کیا سوچتے ہیں، اگر آپ کا یہ طبعی انکسار ہے تو بہت محمود ہے، تاہم اس کے استعمال کا یہ انداز کہ استعدادیں مخفی رہ جائیں، یہ مناسب نہیں ہے، اس وقت دین اور علم دین اور روحِ دین کی خدمت کی جس پیمانے پر حاجت ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، ہر اس شخص پر جو کسی بھی درجہ میں دین کی خدمت کر سکتا ہے اس دور میں ضروری ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اس راہ میں صرف کردے۔ آپ سے تعلق چونکہ ملاقات سے پہلے سے ہے اور ملاقات کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اس لئے یہ چند باتیں معرضِ تحریر میں آگئیں، امید ہے کہ ناگوارِ خاطر نہ ہوں گی۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی

# بنام عبدالخالق صاحب مبارک پور

مبارک پور کا بدنام منکر حدیث، کتابوں کے مطالعہ کا بے حد شائق وحریص مگر اس سے نفع حاصل کرنے کے بجائے نقصان اٹھانے والا، ذہانت کا پُتلا مگر ایسی ذہانت جو غلط راہوں پر بھٹک گئی۔ انھوں نے اپنا حاصل مطالعہ ابتداءً ''ردایصال ثواب'' کے نام سے تحریر کیا تھا، جس میں اہل سنت کی تمام جماعتوں اوران کے علماء کے خلاف بغاوت کا ہلّہ بول دیا۔ خاکسار نے اس کا جواب لکھا، (یہ رسالہ ''مسئلہ ایصال ثواب اور ایک ذہنی طغیان کا احتساب'' کے نام سے شائع ہوا) پھر دوسری کتاب انھوں نے ''رد ایصال ثواب اور قرآن'' کے نام سے لکھی، اسی سلسلہ کے یہ خطوط ہیں۔

عبدالخالق صاحب! السلام علیکم

میں ۱۴/ ذی الحجہ کو مبارکپور گیا تھا۔ دوکام کی غرض سے، ایک تو بعض اعزہ سے ملاقات مقصود تھی، اور دوسرے آپ کی تازہ تالیف حاصل کرنی تھی اور اس کے اثرات قصبہ میں معلوم کرنے تھے۔ پہلی غرض سے آپ کا تعلق کچھ نہیں، ہاں دوسری غرض کے متعلق کچھ آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔

چند ہفتے پہلے آپ کا ایک خط مجھے ملا تھا، اس کی رسید آپ کو مل چکی ہوگی، اس میں آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ قلم میں روشنائی بھرلو، تاکہ تالیف جدید کے آتے ہی اس کا احتساب شروع ہوجائے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کتاب میں آپ نے کون سے

تیر مارے ہیں، اور یہ کہ مبارکپور میں آپ کے اور اس کتاب کے اثرات کیا ہیں؟ چنانچہ میں نے مبارکپور پہونچ کر آپ کے اثرات کا جائزہ لیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس سے پہلے آپ مبارکپور میں خواہ کتنے ہی وقیع اور مؤثر رہے ہوں، مگر اس وقت کوئی آپ کا نام لینا اور سننا پسند نہیں کرتا۔ مسلمانوں کے قلوب کو جس انداز میں آپ نے مجروح کیا ہے، اس کی پاداش میں آپ کا دامن عزت پارہ پارہ ہو چکا ہے، لوگ اہل حق کے بھی مخالف ہوتے ہیں، لیکن ان کی عظمت و وقعت قلوب سے زائل نہیں ہوتی، اہل حق کی سچائی، دیانت اور خلوص کا اعتراف کبھی ڈھکے چھپے، اور کبھی علانیہ مخالفین کی زبان و دل سے ہوتا رہتا ہے، اور یہ سنت نبوی ہے، کفارِ مکہ آپ کے مخالف تھے، مگر آپ کی عظمتوں کا اعتراف کرتے تھے، آج بھی کفار و مشرکین کا یہی حال ہے کہ گو آپ کے مخالف ہیں لیکن قلم اور زبان دونوں سے آپ کی اخلاقی اور علمی برتری کے معترف و مداح ہیں، اہل حق کی اس رِیت کے خلاف، آپ کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی حالت کی کوئی اہمیت وعظمت قلوب میں، میں نے نہیں پائی، بلکہ شدید قسم کے انکار و استکراہ اور تحقیر و تنفر کی کیفیت سے آپ دوچار ہیں، اور صرف آپ ہی نہیں، آپ کے حوارین بھی، کسی ایک فرد نے بھی گواہی نہیں دی کہ آپ یا آپ کے جرگہ کے لوگ دینی وانسانی قدروں کی بنیاد پر کسی بھی درجہ میں عظمت واہمیت کے حامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ حق میں ایک عظمت وجلال اور وقعت وکمال کی کیفیت کا پایا جانا ضروری ہے، اس ضرورت پر عقل ونقل اور تاریخ ومشاہدہ سب شاہد ہیں، مگر آپ کے یہاں نہ اس ہیبت وجلال کا کچھ پتہ ہے، اور وقعت وکمال کا کچھ سراغ!

قرآن کا مطالعہ بھی آپ کو بتائے گا کہ اہل حق کے مخالف گو ابتداء میں بہت ہوئے ہیں، مگر اس مخالفت کے باوجود انھیں کی زبانیں ان کے امانت ودیانت اور

صداقت وصلاحیت کے ساتھ متصف ہونے کا اقرار بھی کرتی ہیں، لیکن آپ کا حال تو یہ ہے کہ کئی لوگوں سے کہا کہ آپ کی کتاب لاکر مجھے دیں تو محض اتنی بات پر مجھے بھی ان کی ملامتوں کا نشانہ بننا پڑا، کسی سے کہا کہ آپ کے گھر کا راستہ بتادو تو اس کے لئے بھی محض دور کے اشارہ پر اکتفا کیا گیا۔

میں سمجھ گیا کہ آپ کی گستاخیوں اور بدزبانیوں کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آپ کی وقعت قلوب سے نکال دی ہے، ورنہ حق پرست مخالفت کی فضا میں بھی ذلیل نہیں ہوا کرتا۔ آپ یاد رکھئے کہ آپ جسے حق کہہ رہے ہیں محض اسے نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ اس شخص کو بھی دیکھا جائے گا جس نے وہ حق پیش کیا ہے، ورنہ صورت کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا اور ساحروں کے جادو میں کوئی فرق نہ تھا، لیکن فرق دونوں طرف کی شخصیتوں اور ان سے صادر ہونے والے افعال میں تھا، موسیٰ کے معجزہ پر حق کا جلال نمایاں تھا، اور ساحروں کے سحر پر باطل کی ذلت عیاں!

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ نہایت بلند بانگ دعووں کے ساتھ حق کی نمائندگی کا دعویٰ کررہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ مع اپنے جرگہ کے سخت ترین ذلیل حرکات میں مبتلا ہیں، جھوٹ، فریب، بدزبانی، بداخلاقی، ایذارسانی، سب وشتم، غرض ڈھیر کے ڈھیر اخلاقی جرائم میں مبتلا ہیں، اور اس کی شہادت آپ کے قصبہ والوں نے دی، ظاہر ہے کہ جس حق کو آپ پیش کررہے ہیں اگر اس کے اثرات ونتائج یہی ہیں، جن کا ظہور ہورہا ہے تو ہم سمجھ گئے کہ یہ حق نہیں باطل ہے، درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، آپ کے شجرۂ حق میں کیسے پھل آرہے ہیں، کبھی اس پر غور کیا۔ تلخ وبدمزہ، بس تو درخت کا بھی حال یہی ہے، اگر آپ کو لوگوں کی شہادت کا اعتبار نہیں تو خود اپنے اور اپنے جرگہ کے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھئے، کیا آپ کا وِجدان شہادت دے گا کہ

آپ اور آپ کی ٹولی والے حق و دیانت کے ساتھ متصف ہیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ کا وِجدان اسی حالت میں آپ کو اور آپ کے حواریین کو مقرب بارگاہِ خداوندی محسوس کر رہا ہے، تو قرآن کے مسلمات کو توڑنا پڑے گا، کیونکہ آپ لوگوں کے درمیان سے فرائض غائب، اور منہیاتِ قرآنیہ کھلم کھلا موجود ہیں۔ اگر اس کے باوجود آپ اعلیٰ درجہ کے دیندار اور متبع قرآن ہیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ فسّاق و فجار کا وجود کہاں ہے؟ آپ تو کہہ دیں گے کہ ''ایصالِ ثوابی'' پاپی ہیں۔ لیکن کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے۔

بہر کیف اگر آپ کا مطالعۂ حق اور نمائندگیٔ صداقت، آپ لوگوں کی دینی و اخلاقی حالت سدھار نہیں سکتی تو وہ حق و صداقت آپ ہی کو مبارک ہو، حق تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کے سایہ سے بچائے۔

اور سنیے! آپ ہمیں کچھ نہ کہیئے گا، کیونکہ ہم تو ہزار سال سے زیادہ سے گمراہی اور بدعقیدگی میں مبتلا ہیں۔ ہم سے آپ کا یہ مطالبہ بے جا ہوگا کہ تم بھی اپنے اخلاق و دیانت کا ثبوت پیش کرو، آپ چونکہ مدعیٔ حق ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں اور اگلے پچھلے سب کو غلط کار اور بدفہم قرار دے رہے ہیں، اس لئے ہم آپ کی ہر حالت کو پرکھیں گے، آخر عقیدۂ و عمل کی جو ڈگر ایک ہزار سال سے متعین ہے، اس کو آپ کے ارشادات کی وجہ سے ہم یکلخت تو چھوڑ نہیں دیں گے، پہلے آپ کو اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھیں گے، بازار میں آدمی ایک روپیہ کی ہانڈی خریدتا ہے تو خوب ٹھونکتا ہے کہ اس کا عیب و ہنر کھل جائے، پھر یہاں تو عقیدہ جیسی قیمتی چیز ہے، ایک ہزار سال سے زیادہ پرانا عقیدہ محض اس لئے کیونکر ترک کر دیں کہ عبدالخالق صاحب نے اسے غلط کہہ دیا ہے، ہم آپ کا علم دیکھیں گے، آپ کا عمل دیکھیں گے، آپ کی

دیانت دیکھیں گے، آپ کا مزاج دیکھیں گے، آپ کی زبان دیکھیں گے، آپ کا رہن سہن دیکھیں گے، آپ کا طور طریقہ دیکھیں گے، آپ کے معاملات دیکھیں گے، آپ کے پڑوسیوں سے آپ کا مزاج دریافت کریں گے، آپ کی معاشرت کا پتہ لگائیں گے، آپ کے اہل مجلس کو دیکھیں گے، پرکھیں گے، پرکھائیں گے، جب اعتماد پیدا ہوگا کہ آپ کے اندر واقعی اصلاح کا جذبہ ہے، دین کا درد ہے، ہدایت کا شوق ہے، رضاءِ الٰہی کے حصول کا ولولہ ہے، اور اسی رنگ میں آپ کے اہل مجلس بھی رنگے ہوئے ہیں، ہر ایک فرد دینداری و پاکبازی کا اپنی اپنی استعداد کے بقدر نمونہ ہے، معصوم ہونے کی بات نہیں کرتا، زندگی کے مسائل و معاملات میں دیانت داری و پاکبازی، صداقت وامانت کے غلبہ کی بات کر رہا ہوں، جب یہ چیزیں دیکھ لیں گے جب کہیں جا کر اپنے قدیم عقیدے سے دستبردار ہوکر آپ کے ساتھ ہوں گے۔

آپ ایک نہیں قرآن کی ہزار آیت کا ترجمہ کہیں سے نقل کر دیجئے، اس سے کیا ہوتا ہے، ہم تو یہ دیکھیں گے کہ آپ نے کچھ سمجھا بھی ہے یا یونہی جھک مار رہے ہیں، ان سب معیاروں پر آپ کا پورا اترنا تو درکنار ان کے کسی درجہ تک آپ کی رسائی نہیں، علم کی حالت تو یہ ہے کہ قرآن کی زبان ہی سے آپ ناواقف! بھلا جو قانون کی زبان تک نہ جانتا ہو، اس کی علمی حالت پر کون اعتماد کرسکتا ہے، عمل کی اور باقی چیزوں کی جو کیفیت ہے، وہ سب اہل مبارکپور جانتے ہیں۔ اس لئے ہم ہرگز یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ قرآنی آیات کے اَن گنت ترجمے درج کرکے ان سے جو نتائج آپ نے نکالے ہیں، وہ من وعن صحیح ہیں، آپ ان کا مفہوم غلط سمجھے، پھر خوامخواہ دعوت دے رہے ہیں کہ میرے غلط معنیٰ ومطلب کو کلامِ الٰہی سمجھ کر اس پر ایمان لاؤ، آپ کی غلطیاں میں اپنی کتاب میں واضح کر چکا ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ کے اَثرات سے مبارک پور...... آپ کی بہت معمولی ٹولی کو چھوڑ کر...... بالکل پاک ہے، اور آپ کی موجودہ کتاب بالکل غیر مؤثر ہے، اس لئے مجھے قلم میں روشنائی بھرنے اور اس کا احتساب کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اگر اس کے اثرات ہوتے، تو اس کے ازالہ کی تدبیر کرتا، پہلی کتاب سے ہلچل مچی تھی، دلوں میں شکوک وشبہات ابھرے تھے، مگر بحمداللہ ان کا قلع قمع بالکل ہو گیا، اور آپ کی موجودہ کتاب میں انکارِ حدیث کی صراحت کے سوا کوئی بات زیادہ نہیں ہے، ہاں لفاظی اور یاوہ گوئی میں اضافہ ہوا ہے، اس لئے کیا ضرورت ہے کہ اس کے احتساب میں وقت ضائع کیا جائے۔

تاہم آپ خیال کریں گے کہ میری یہ کتاب لاجواب ہے، اس لئے آپ کے علم میں لانے کے لئے چند باتوں کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ کی علمی لیاقت کا سراغ آپ کو خود مل جائے۔

(۱) آپ تو حدیثوں کو وضعی کہتے ہیں، پھر پھر جگہ جگہ حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، آخر آپ کے پاس اس کا کیا معیار ہے کہ فلاں حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے، اور فلاں نہیں۔ محدثین کے اصول وقواعد تو آپ کے نزدیک معتبر نہیں ہیں، کم از کم جس چیز کا آپ انکار کر چکے ہیں، اس سے استدلال تو نہ کریں۔

(۲) آپ کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی کتاب نہیں لکھی، امام شافعیؒ نے بھی ''متعدد کتابیں'' نہیں لکھیں۔ امام احمد نے بھی ''مسند'' مرتب نہیں کی ہے، راویوں اور مصنفوں کا حوالہ معتبر نہیں، کیونکہ جو علماء ومحدثین حدیثیں گھڑ کر حضور کی طرف منسوب کر سکتے ہیں، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کی جانب غلط انتساب کر سکتے ہیں اگر انھیں میں سے کوئی کہے کہ امام ابوحنیفہ نے، امام شافعی نے

اور امام احمد نے کوئی کتاب نہیں لکھی، تو اس کا اعتبار ہم کس بنیاد پر کریں گے۔ جھوٹا تو جھوٹا ہے، اس کی بات کا اعتبار کیا، یہ آپ ہی کا کمال ہے کہ جس کو چاہیں غلط کہہ دیں اور جسے چاہیں صحیح مان لیں، اگر یہ علماء ومحدثین جھوٹے ہیں تو آپ کو، یا آپ کے حاصل مطالعہ کو ہم کس بنیاد پر سچا مان لیں، وضاحت فرمادیں تو ممنون ہوں گا۔

(۳) آپ کہتے ہیں کہ کتابوں میں بے شمار الحاقات ہوئے ہیں، اور الحاق کرنے والے کوئی اور نہیں یہی علماء ومحدثین ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ جن روایتوں اور کتابوں سے آپ استدلال کررہے ہیں آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ الحاق سے پاک ہے؟ اگر ہو تو پیش کریں۔

(۴) آپ وہ روایات جنھیں محدثین اور علماء خود موضوع قرار دے چکے ہیں، انھیں سے علماء پر الزام قائم کررہے ہیں، گویا آپ کے گمان میں علماء انھیں معتبر اور مستند تسلیم کررہے ہیں، حیاء کا خون ہوگیا، میں پوچھتا ہوں کہ کون سا عالم موضوعات کو معتبر مانتا ہے کہ انھیں لیکر آپ محدثین پر الزام لگارہے ہیں، اور کیا آپ کوئی ثبوت اس کا پیش کرسکتے ہیں کہ حدیثیں جن لوگوں نے وضع کی ہیں وہ یہی رُواۃ ومحدثین ہیں جن کی روایات وکتب پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ علماء نے تو تمام واضعین حدیث کو نام بنام محدثین ومعتبرین کے زُمرہ سے ممتاز کردیا ہے، آپ انھیں کیوں اُٹھا اُٹھا کر ہمارے سامنے پیش کررہے ہیں کہ یہ ہیں تمہارے محدثین جنھوں نے حدیثیں وضع کی ہیں، اور اگر آپ صحیح احادیث کو بھی موضوعات کی فہرست میں داخل کرتے ہیں تو ہم ان کے موضوع ہونے کی قطعی اور یقینی دلیل طلب کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں گے یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے، لیکن آپ کا فیصلہ ہمارے لئے قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے، کیونکہ علوم میں نارسائی اور عقل وفہم کی خامی کا آپ کے اندر خوب تجربہ ہوچکا ہے، اور

اگر آپ کو اپنے فیصلہ کی صحت پر اصرار ہے تو بسم اللہ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جسے اہل دانش بے تکلف تسلیم کرلیں۔

(۵) آپ کہہ رہے ہیں کہ ''پہلی افواہ یہ اڑائی گئی کہ عورتیں ناقص العقل ہیں'' میں پوچھتا ہوں کہ اس روایت کے ''پہلی افواہ'' ہونے کی دلیل آپ کے پاس کیا ہے؟ نیز یہ بھی سوال ہے کہ کیا یہ بات غلط ہے؟ اگر غلط ہے تو دلیل ارشاد فرمائیے! اچھا یہ بتائیے سورۂ بقرہ کی آیت مداینت میں دوعورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے مساوی کیوں قرار دیا گیا ہے۔آپ کے عالی دماغ میں اس کی کیا توجیہ ہے؟

(۶) آپ کہتے ہیں کہ ''پھر یہ حدیث سنائی گئی کہ ''نماز کو عورت، گدھا اور کتا توڑ دیتا ہے۔حضرت عائشہؓ نے ایسی توہین آمیز روایت کو سنا تو تلملا گئیں اور اس کی تردید فرمائی، میں پوچھتا ہوں:

(الف) حضرت عائشہؓ کا قول بھی روایت سے ہم تک آیا ہے، اور سابقہ حدیث بھی راویوں ہی کے ذریعہ ہم تک پہونچی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا قول تو آپ کے نزدیک صحیح ہے اور حدیث غلط، اس کے غلط اور اس کے صحیح ہونے کی بنیاد معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

(ب) پھر آپ کے اس دعویٰ سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ آپ کے خیال میں حضراتِ صحابہ بھی حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، کیونکہ جس روایت کی تردید حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور اسے آپ وضعی قرار دے رہے ہیں، اس کو بیان کرنے والے صحابی ہی ہیں، ورتردید کے وقت وہ زندہ بھی تھے، یہی حال رویتِ باری اور سماعِ موتیٰ کی موافق ومخالف روایات کا بھی ہے کہ ایک صحابی اگر رویت وسماع کے قائل ہیں تو دوسرے نہیں، ایک روایت کو آپ کو وضعی قرار دے رہے ہیں اس کا صاف مطلب یہ

ہے کہ صحابیٔ رسول نے حدیث وضع کی ہے، اگر آپ کہیں کہ صحابی نے یہ حدیثیں نہیں وضع کی ہیں بلکہ کسی جھوٹے نے ان کی طرف منسوب کر کے یہ غلط روایت بیان کی ہے ،تو ارشاد ہو کہ ان صحابی نے اس کی وضاحت کیوں نہیں کی ،اور اعلان کیوں نہیں فرمایا کہ ہم نے یہ روایت ہرگز نہیں بیان کی ہے، جس نے بھی کہا غلط کہا، اس سے کیا معلوم ہوا یہی نا کہ غلطی کسی راوی و ناقل کی نہیں ہے، بلکہ خود صحابی رسول نے حدیث گھڑ کر بیان کردی ہے، نعوذ باللہ سوچئے تو سہی علماء و محدثین کے منہ لگتے لگتے آپ کا ہاتھ کن مقدس دامنوں تک جا پہونچا، آپ صحابہ کو جھوٹا اور وضاع قرار دیں تو آپ میں اور ایک رافضی میں کیا فرق رہ گیا، آخر رافضی بھی تو یہی کہتا ہے کہ صحابۂ کرام نعوذ باللہ جھوٹے اور منافق تھے، قرآن میں حذف و اضافہ کیا ہے، اور آپ بھی یہی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام حدیثیں گھڑتے تھے، میں پوچھتا ہوں کہ کوئی رافضی آپ سے کہے کہ آپ بھی صحابہ کرام کے سلسلے میں وضع حدیث کی حد تک قائل ہو گئے ہیں، آیئے ایک قدم اور بڑھایئے کہ صحابہ نے آیاتِ قرآنی میں بھی الحاق و ترمیم سے کام لیا ہے۔ بتایئے اس اقدام سے پ کس بنیاد پر انکار کریں گے۔

(۷) آپ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک طرف ہزاروں راوی حدیثیں گھڑنے میں مصروف تھے تو دوسری جانب محدثین قطار باندھے ہر حدیث کو باوضو لکھنے میں مصروف تھے، اس طرح نو لاکھ نوے ہزار روایتوں کا بے پایاں ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہو گیا۔

آپ نے دس ہزار پر کیوں کرم فرمایا۔ پورے دس لاکھ کو موضوع اور گھڑی ہوئی قرار دینے میں کیا تکلف ہے، آخر ان دس ہزار کی صحت پر آپ نزدیک تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۸) پھر آپ لکھتے ہیں کہ ’’دین میں نئے نئے طریقے وضع کرنے میں لچوں،

لفنگوں، بدمعاشوں، جاہلوں کا ہاتھ کبھی نہیں رہا۔ ان میں تو تمام کے تمام مجددوں، محدثوں، اماموں، مفتیوں، صوفیوں اور ولیوں کے ہاتھ کام کررہے ہیں''

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ دین اسلام سے زیادہ ناکام دین اور نبوتِ محمدی سے زیادہ کمزور اور ناکارہ نبوت آپ کے زعم کے مطابق کوئی اور بھی پائی جاتی ہے؟ دین اتنا ناکام کہ ادھر پیغمبر کی آنکھ بند ہوئی، ادھر تمام مجدد، محدث، امام، مفتی، صوفی اور ولی ٹوٹ پڑے کہ زیادہ سے زیادہ اس میں نئے نئے طریقے داخل کرکے اس کی صورت مسخ کردیں، اور نبوت اس درجہ کمزور کہ خاص صحابہ بغیر کسی جھجھک اور بغیر کسی تکلف کے حضور انور ﷺ پر افترا پردازی میں مصروف ومنہمک! مسلمان بیچارے خوامخواہ اپنی چہاردہ سوسالہ تاریخ کی تابناکی پر ناز کررہے ہیں، اور اَغیار بھی بلاوجہ دھوکہ میں پڑکر مرعوب ومتاثر ہیں کہ اہل اسلام نے اپنے پیغمبر کے ایک ایک قول وعمل کی حفاظت اس طرح کی کہ ساری انسانی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی، آپ نے تو ایسا آئینہ پیش کردیا ہے کہ اس میں اسلامی تاریخ سے زیادہ بدنما اور بھونڈی کوئی تاریخ نظر نہیں آتی، بشارت ہو اغیار کو، آئیں اور عبدالخالق صاحب سے اسلامی تاریخ کے سلسلے میں معلومات حاصل کرکے چشم دل کو روشن کریں، اور اپنے لکھے ہوئے تمام اعترافات کو نذر آتش کردیں، کیا کارنامہ انجام دیا ہے، مبارکپور کے اس شیر نے، شاباش!

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

سبحان اللہ! ابتداءِ اسلام سے اب تک تمام مجددوں، تمام محدثوں، تمام اماموں، تمام مفتیوں، تمام صوفیوں، اور تمام ولیوں نے صرف ایک کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے اور دین میں نئے نئے طریقے شامل کرنے کا۔ اس وقت سے اب تک ............ جس وقت تک کہ آپ کے اندر مطالعہ کی استعداد اور

حاصل مطالعہ پیش کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ..........کوئی ایسا مجدد نہیں پیدا ہوا جو ان وضعی حدیثوں اور نئے نئے طریقوں کے خلاف جہاد کرتا، ہاں آپ کے تیور سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ آنجناب کے نزدیک اس قسم کا جہاد لچے لفنگے، بدمعاش اور جاہل کرتے رہے، اس لئے کہ آپ کے بقول نئے نئے طریقے وضع کرنے میں لچوں لفنگوں کا ہاتھ تو کبھی رہا نہیں، یہ کام تو امام اور مجدد حضرات کرتے رہے۔ اس سے بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے اور آپ کی استدلالی منطق تو بانگ دہل یہی ثابت کرتی ہے کہ دین کی حمایت ودفاع کا فریضہ لچے لفنگوں سے انجام پایا ہے۔ معلوم نہیں آپ کا شمار کس گروہ میں ہے، عالموں، مجددوں، محدثوں کے گروہ میں تو یقیناً نہیں ہے، کیونکہ آپ تو انھیں کے خلاف نعرہ زن ہیں، پھر آپ خود کو کہاں پاتے ہیں، آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم کہیں گے تو برا مان جائیں گے۔

عبدالخالق صاحب! اس جگ ہنسائی سے کیا فائدہ؟ آپ کی تو بیان کردہ تاریخ اسلام بڑی شرمناک ہے، اس تاریخ نے تو اہل اسلام کو کہیں کا نہ چھوڑا، حال تو جو ہے وہ ہے ہی کہ آپ جیسے حضرات خم ٹھونک کر میدان میں آرہے ہیں، ماضی روشن تھا، آپ نے اس کی یہ گت بنائی۔ حق تعالیٰ ہر انسان کو ذہنی ہذیان سے محفوظ رکھے، میں نے آپ کی خرافیات کو پہلے طغیان کہا تھا، لیکن درحقیقت یہ طغیان نہیں ہے، طغیان میں تیزئ ذہن کا سراغ لگتا ہے، آپ کی تحریریں ہذیان ہیں، جس میں آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔

(۹) آپ کہتے ہیں کہ ”بزرگوں کی ایجاد کے خلاف آپ قرآن کی آیتیں پیش کیجئے، حضور کی سنت سامنے رکھئے، صحابۂ کرام کی پوری زندگی آئینہ کی طرح دکھایئے۔ تابعین وتبع تابعین کا واسطہ دیجئے، نئی نئی باتوں کے خلاف حضور فخر عالم ﷺ کے فرامین

کو سنایئے، مگر کانوں پر جوں رینگنے والی نہیں‘‘

میں پوچھتا ہوں کہ قرآن، اور اس کا فرمان کس کے واسطے سے آپ تک پہونچا، حضور کی سنت کی راہ کس نے دکھائی، صحابۂ کرام کی پوری زندگی آپ کس کے واسطے سے آئینہ کی طرح دکھائیں گے، تابعین و تبع تابعین کا واسطہ آپ کیونکر لائیں گے، حضور فخر عالم کے فرامین آپ کہاں سے حاصل کریں گے، تمام محدثین وعلماء تو غیر معتبر، واضع حدیث قرار پا کے ردی کی ٹوکری میں جاچکے، ان کے ذریعے سے پہونچے ہوئے ذخیرے کا آپ کے نزدیک اعتبار کیا، آخر قرآن وحدیث کا تمامتر خزانہ انھیں حضرات سے آپ تک منتقل ہوا، لچوں لفنگوں کے ذریعے سے تو آپ تک آیا نہیں، بتایئے ان محدثین وعلماء کے واسطے سے پہونچا ہوا علم آپ کے نزدیک کیونکر قابل اعتماد ٹھہرے گا۔ اس کی کیا بنیاد ہوگی، ہمیں اس بنیاد کے معلوم کرنے کا غایت درجہ اشتیاق ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ آپ سے زیادہ عقلمند اس دنیا میں شاید کوئی نہ پیدا ہوا ہو، ایک افسانہ سنا تھا کہ چند لوگوں کو سب سے بڑے احمق کی تلاش تھی، انھیں ایک شخص ملا جو اسی شاخ پر کلہاڑا چلا رہا تھا جس پر اطمینان سے بیٹھا تھا، لوگوں نے کہا کہ ہمارا مطلوب یہی شخص ہے، یہ افسانہ تھا، مگر مبارکپور میں واقعہ بن گیا۔ ایک دعویٰ یہ کہ سنت رسول پیش کیجئے، حضور فخر عالم کے فرامین سنایئے وغیرہ وغیرہ، اور دوسری طرف اس سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ یہ نعرہ کہ سب محدث، سب مجدد، سب مفتی، سب صوفی، سب ولی حدیثوں پر حدیثیں گھڑ گھڑ کر انھیں باوضو لکھ لکھ کر دین میں نئی نئی باتوں کا اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں، سچ کہئے گا وہی بات ہے یا نہیں۔

(۱۰) آپ لکھتے ہیں کہ ’’میں یہ عرض کروں کہ میری یہ ناچیز کوشش کسی دنیوی

منفعت یا نام ونمود کے لئے نہیں ہے، یہ میرے دل کے ولولوں اور دینی تقاضوں کا بے ساختہ اظہار ہے، اور یہ بھی عرض کروں کہ اگر میرے اپنے کرم فرماؤں نے میرے ساتھ سخت نامناسب سلوک نہ کیا ہوتا تو میں اپنے حاصل مطالعہ کو قرطاس پر لاکر پہلے ''ردِّ ایصالِ ثواب'' اور پھر قرآن اور ایصال ثواب'' کی صورت میں آپ کے سامنے پیش نہ کرتا، جس طرح میرے مطالعہ کا بیشتر حصہ میرے ساتھ قبر میں چلا جائے گا، اسی طرح یہ حصہ بھی قبر میں چلا جاتا، اگر میرے اپنوں کا یہی رویہ رہا تو ممکن ہے کہ میں اپنے مطالعہ کا کوئی اور حصہ آپ کے سامنے پیش کروں''

ایک سانس میں دو بالکل متضاد بات آپ نے ارشاد فرمائی، اور ایک سفید جھوٹ آپ سے سرزد ہوا۔

متضاد بات سنئے ! آپ کہتے ہیں کہ یہ کوشش آپ کے دل کے ولولوں اور دینی تقاضوں کا بے ساختہ اظہار ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش کو پیش کرنے میں آپ مخلص ہیں، محض دین کی حفاظت، رضاء الٰہی کے حصول اور حق وصداقت کے اظہار کے پیش نظر آپ نے اتنی کاوش کی اس کے علاوہ کوئی اور دنیاوی غرض اس سے مقصود نہیں ہے۔

پھر معاً یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اپنے کرم فرماؤں نے میرے ساتھ سخت نامناسب سلوک نہ کیا ہوتا تو میرا یہ حاصل مطالعہ اسی طرح قبر میں چلا جاتا، اس کا کیا مطلب ہوا؟ یہی نا کہ اس کتاب کے لکھنے میں کسی دینی تقاضے کی کارفرمائی نہیں ہے، کچھ لوگوں نے آپ کو تنگ کیا، آپ کی شان میں گستاخی کی، آپ کے ساتھ بد سلوکی کی، آپ کو غصہ آیا، طبیعت میں اشتعال پیدا ہوا، دل بے قابو ہوگیا، آپ ابل پڑے اور اس سرے سے اس سرے تک پوری امت کو بکھان ڈالا ورنہ اگر ایسا نہ ہوا

ہوتا تو اپنے افکار وخیالات اور حاصل مطالعہ کو لے کر آپ قبر میں چلے جاتے، چاہے مخلوق خدا گمراہی میں بھٹکتی پھرتی، خالق عالم جب پوچھتا کہ اے عبدالخالق! میری مخلوق ایصال ثواب کی گمراہی اور دیگر بہت سی گمراہیوں میں مبتلاتھی، اور ایک ہزار سال سے زیادہ مدت اس گمراہی پر گذر چکی تھی، تم نے ان کی ہدایت کا سامان کیوں نہیں کیا۔ جتنی تمہاری طاقت تھی اس قدر تو تم کئے ہوتے، تو آپ جواب دیتے کہ بارِ الہا! آپ کی مخلوق میں سے کسی نے میرے ساتھ ''سخت نامناسب سلوک'' کیا ہی نہیں، ورنہ میں ضرور کتابِ ہدایت لکھ آتا، کتنا شاندار ہے یہ جواب!

سچ کہیے گا، بات کی پچ چھوڑیئے، کہاں دینی تقاضوں کا اظہار اور کہاں کرم فرماؤں کے سخت نامناسب سلوک پر یہ چیخ وپکار، اور پھر ابھی سے یہ اعلان وتکرار کہ آئندہ جو کچھ بھی حاصل مطالعہ پیش کیا جائے گا اس کے پیچھے بھی یہی جذبۂ بے قرار ہوگا۔ ماشاءاللہ

اور جھوٹ کی سنئے! آپ نے دعویٰ کیا کہ میرے اپنے کرم فرماؤں نے میرے ساتھ سخت نامناسب سلوک کیا، میں عرض کرتا ہوں کہ یہ سفید جھوٹ ہے، آپ کوئی ثبوت پیش کیجئے کہ کس نے نامناسب سلوک کی ابتداء کی ہے۔ بات تحریری ہونی چاہئے، مبارکپور میں آپ کے موافقین ومخالفین میں کیا گفتگو ہوتی تھی ہم دوروالوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ یہ بتلائیے کہ منظر عام پر کتاب شائع کرکے پہل کس نے کی، کسی نے قلمی فتویٰ دیا۔ آپ نے جواب لکھ کر شائع کردیا، اور جواب بھی کیسا بدزبانی اور یاوہ گوئی سے لبریز! اور دشنام صرف ایک مفتی کو نہیں پورے زُمرۂ علماء وحلقۂ محدثین کو، بلکہ ان سے بڑھ کر اجلۂ ائمہ اور صحابۂ کرام کو۔ سخت جارحانہ سلوک آپ نے کیا، بالفرض اگر آپ کی شان میں کسی نے گستاخی کی بھی ہو...... جسے آپ

ثابت نہیں کر سکتے ...... تو محض زبانی اور فقط آپ کی شان میں ، اور آپ کی دست درازیوں نے تو پوری امت اور پورے طبقۂ علماء وفقہاء اور محدثین کے دامن چاک کرڈالے۔اسی کا نام ہے الٹا چور کوتوال کوڈانٹے۔

میں صرف اس نامناسب سلوک کی تحریری شہادت جو منظر عام پر شائع ہوئی ہو، آپ سے طلب کرتا ہوں ،جس کی اشاعت ''ردِایصالِ ثواب'' سے پہلے ہوئی ہو، اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہوں تو پیش کریں۔منظر عام پر پہلی بدگوئی آپ نے کی ہے، تف ہے اس عقل ودانش پر!اسی کے بل بوتے پر اپنی اقتداء کی دعوت دے رہے ہیں؟

بس اب طبیعت منقبض ہوگئی ، یہ معروضات صرف ''کلماتِ مصنف'' کے سلسلے میں ہیں ،سنجیدہ اور معقول جواب دے سکتے ہوں تو شوق سے مطالعہ کروں گا ، اوراگرایسا ہی لکھنا ہے جیسا''کلماتِ مصنف'' تو اسے اپنی قبر میں ساتھ ہی لیجایئے ، میرے پاس نہ بھیجئے گا ،اور نہ اس کا جواب لکھ کر میری تحریر غائب کرکے شائع کرنے کا حوصلہ کیجئے گا۔مولوی جمیل احمد کے ساتھ جو نازیبا سلوک آپ نے کیا ہے، وہ قصہ یہاں نہ دہرایئے گا۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۰؍ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ

☆☆☆☆☆

## (دوسری مجلس)

جی چاہتا ہے کہ آپ کی کتاب سے بھی عقلمندی کا ایک نمونہ پیش کردوں تاکہ اس کے بارے میں بھی خوش فہمی نہ رہ جائے۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

''کتاب اللہ میں صراحۃً نہ سہی کم از کم اشارۃً ہی ایصال ثواب کا ذکر ہونا لازمی وضروری ہے، کیونکہ یہی وہ واحد کتاب علم ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس میں حیاتِ آخرت کی فلاح کے متعلق ہر چھوٹی و بڑی چیز تفصیل سے بتا دی گئی ہے؟

آپ چاہتے ہیں کہ قرآن میں ایصال ثواب کا ذکر ضرور ہونا چاہئے، اور اگر نہیں ہے تو ایصال ثواب ہی باطل ہے۔ آپ نے اپنے وضع کردہ اس اصول پر قائم رہ کر چند سوالوں کے جواب عنایت فرمایئے۔

(۱) نماز کے پانچ اوقات تحدید وتعیین کے ساتھ قرآن میں صراحۃً نہ سہی کم از کم اشارۃً ہی دکھلا دیجئے، اور اگر نہ دکھا سکیں تو اپنے اصول کے مطابق غلط ہونے کا فتویٰ صادر کیجئے۔

(۲) نماز کی رکعتوں کا قرآن میں صراحۃً نہ سہی اشارۃً ہی ذکر بتلا دیجئے کہ کہاں ہے۔

(۳) نماز کی مجموعی ہیئت، تکبیر تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ ان سب کی مجموعی شکل ہمیں قرآن میں صراحۃً نہ سہی اشارۃً ہی دکھلا دیجئے۔

(۴) زکوٰۃ کا مصداق، اس کی مقدار، نصاب، حولانِ حول اور دوسری تفصیلات کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ صراحۃً نہ سہی اشارۃً ہی قرآن میں دکھلا دیجئے۔

(۵) روزہ کے احکام ومسائل، قضا وکفارہ کی تفصیلات قرآن میں بتایئے کہ کس جگہ ہے؟

(۶) حج کی تفصیلات کا سراغ قرآن کریم میں دکھایئے۔

(۷) یہ تو بنیادی عبادات کی بنیادی چیزیں ہیں، جن کا براہ راست تعلق حیاتِ آخرت کی فلاح سے ہے۔ کتاب اللہ میں صراحۃً نہ سہی اشارۃً ہی ان کا ذکر ہونا لازمی

وضروری ہے، کیونکہ یہی وہ واحد کتاب علم ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ اس میں حیات آخرت کی فلاح کے متعلق ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیل بتا دی گئی ہے۔

(۷) آپ بتائیے کہ پوتی، نواسی، بھتیجے کی بیٹی، بھانجے کی بیٹی، رضاعی بیٹی، رضاعی بھتیجی، رضاعی بھانجی وغیرہ کے نکاح کی حرمت کا ذکر قرآن کی کس سورہ اور کس رکوع میں ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا ان سے نکاح کی حلت کا فتویٰ آپ دیتے ہیں؟

(۸) کتا، بلی، شیر ریچھ، بندر، ہاتھی کے گوشت کی حرمت کا ذکر صراحۃً یا اشارۃً قرآن میں کہاں ہے؟

(۹) ہرن، نیل گائے، خرگوش، بھینس حلال ہے، قرآن سے ثبوت چاہئے۔

ان چیزوں کا تعلق حلت وحرمت سے ہے، جن کا براہ راست اثر حیاتِ آخرت پر پڑتا ہے، کتاب اللہ میں صراحۃً نہ سہی اشارۃً ہی ان کا ذکر ہونا ضروری ہے۔ آپ احادیث کا سہارا نہیں لے سکتے، کیونکہ وہ ایسے لوگوں نے آپ تک پہونچائی ہیں، جن کی زندگی کا مشن ہی آپ نے وضع حدیث قرار دیا ہے، ان کا کیا اعتبار کہ کیا گھڑ کر پیش کر دیا ہو۔

آپ نے کہیں کہیں صحابہ کے اجماعی عمل کو مستند قرار دیا ہے، لیکن مذکورہ بالا تمام امور میں اس سے بھی استناد مشکل ہے، نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ صحابہ کے اجماعی عمل کے ناقل وراوی کون ہیں؟ لچے لفنگے تو ہیں نہیں یہی محدثین ورُواۃ ہیں جنھیں آپ صلواتیں سنا چکے ہیں۔ ان کا کیا اعتبار!

اور اگر آپ کچھ روایتوں پر اعتماد کرنے کو آمادہ ہیں، تو وجہ اعتبار بتائیے تاکہ ہم بھی اسے پرکھ لیں، اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہو تو ان کے خلاف بھی فتویٰ صادر کیجئے کہ یہ بھی علماء کی تراشیدہ ہیں۔ قرآن میں ان کا کہیں پتہ نہیں، اور ان بنیادی

چیزوں کا قرآن میں ہونا ضروری ہے، اور جب قرآن میں نہیں تو غلط۔

صحیح وغلط کا اصول بتائے بغیر صحت و غلطی کا فیصلہ کرتے چلے جانا حماقت کا شاہکار ہے۔ ہاں ایک اصول آپ نے ضرور بتایا ہے کہ روایت کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو۔

محترم! یہ اصول تو بنیادی اور مسلمہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کتاب اللہ کے خلاف ہونے کا معیار کیا ہے؟ فہم اور فہم میں بہت تفاوت ہے۔ ایک ہم لوگ ہیں، جنھوں نے برسہا برس اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور ہمارا سلسلۂ تعلیم بغیر کسی انقطاع کے اساتذہ دراساتذہ ہوتا ہوا جناب نبی کریم ﷺ تک منتہی ہوتا ہے۔ کڑی سے کڑی مربوط ہے، ہم نے صرف الفاظ ہی نہیں پڑھے ہیں، معانی کا ادراک بھی سیکھا۔ الفاظ ومعانی دونوں سلسلے آنخضرت ﷺ تک سند متصل کے ساتھ پہونچتے ہیں۔ ہمیں تو آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ میں کہیں تعارض اور اختلاف نظر نہیں آتا، اور جہاں کہیں بظاہر تعارض نظر آتا ہے وہ محض ظاہری اعتبار سے، امعانِ نظر اور دقت فکر کے بعد سرے سے اختلاف وتعارض نہیں معلوم ہوتا۔

اور ایک آپ ہیں کہ نہ الفاظ ہی کی تعلیم میں اور نہ معانی کی تعلیم آپ کے اوپر تک سلسلہ چڑھتا۔ محض خودرَو پیداوار ہیں۔ آپ کو آیات کے خلاف بے شمار احادیث نظر آتی ہیں، اور اپنی ہی عقل کے بل بوتے پر فیصلہ کیے چلے جارہے ہیں، اس کا مطلب کیا ہوا؟ یہی نا کہ اس اصول کو استعمال کرنے کا معیار آپ کی عقل ہے، یعنی جس حدیث کو آپ کی عقل کتاب اللہ کے خلاف ٹھہرادے، امت کے ذمہ ضروری ہے کہ اسے بے چون وچرا تسلیم کرلے، اسے ہذیان کے علاوہ اور کیا کہا جائے۔

عبدالخالق صاحب! ایسا اصول ارشاد فرمایئے، جس کو آپ کے مرنے کے بعد بھی ستعمال کیا جاسکے، کل کو آپ مرجائیں تو حدیثیں ہم کس کسوٹی پر لے کر جائیں

گے۔ لاحول ولا قوۃ إلا باللہ

اعجاز احمد اعظمی
۲۱/ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ

☆☆☆☆☆

## تیسری مجلس (بشکل مضمون)

جو لوگ انکارِ حدیث کے علمبردار ہیں، اور اس بات کے مدعی ہیں کہ حدیثیں بعد کے علماء کی تراشیدہ ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں، یہ لوگ ایک طرف تو تاریخ اسلام کے روشن صفحات پر سیاہی لیپ کر تمام دنیا کی نگاہوں میں اسلام اور اہل اسلام کو ذلیل ورُسوا کرنا چاہتے ہیں، اور دوسرے طرف خود بھی اہل دانش کی نگاہ میں مضحکہ بن رہے ہیں، لیکن شعور سے خالی ہیں۔ یہ لوگ اپنی اس حرکت سے اس بات کا ثبوت پیش کررہے ہیں کہ انھیں قوانین فطرت اور دستورِ الٰہی سے یکسر ناواقفیت ہے، انھیں ان بنیادی باتوں کی بھی خبر نہیں، جن پر نظامِ وجود گردش کررہا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَداً رَّابِياً وَّمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِيْ النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَّأَمَّا مَايَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۔

خلاصہ اس آیت کریمہ کا سنئے!

مشاہدہ ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ بارش کے بعد جب پانی کی رَو چلتی ہے، اور دریا پھیلنا شروع ہوتا ہے تو صرف پانی ہی نہیں بڑھتا، بلکہ اس کے ساتھ بے شمار

خس و کاشاک اور کوڑا کرکٹ بھی سطحِ آب پر تیرتے نظر آتے ہیں۔ ہر طرف پانی کے اوپر جھاگ اُٹھ آتی ہے، پانی بالکل گدلا ہو جاتا ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دریا کے اوپر حکمرانی انھیں خس و خاشاک اور کوڑا کرکٹ کی رہے گی، اور اب پانی کبھی قابل استعمال نہیں ہو سکے گا، لیکن جونہی سیلابی دور ختم ہوتا ہے، اور اس کا جوش و خروش مدھم پڑتا ہے، جھاگ اُڑ جاتی ہے، گدلا پن تہ میں بیٹھ جاتا ہے، کوڑا کرکٹ ایک طرف ہو کر ختم ہو جاتا ہے، اور صاف ستھرا پانی نکھر کر باقی رہ جاتا ہے۔

دوسری مثال لو، دھاتوں کو پگھلا کر زیور، برتن اور دوسری چیزیں بنائی جاتی ہین۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ جب دھات تپائی اور گلائی جاتی ہے تو اس کی میل کچیل بھی حرارت پا کر بصورت جھاگ ابھر آتی ہے، مگر آناً فاناً فنا بھی ہو جاتی ہے، اور صاف ستھری قابل صنعت دھات نکھر کر سامنے آجاتی ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ مثال حق اور باطل کو واضح کرنے کے لئے بیان کر رہے ہیں۔

یعنی باطل اپنی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی وقیع اور موثر معلوم ہو، آخر اس کا زور ٹوٹ کر رہتا ہے۔ اہل عقل اسے رد کر دیتے ہیں اور حق کا ظہور ہو کر رہتا ہے۔ دنیا میں کوئی جھوٹ بہت دنوں تک نہیں چل پاتا۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے خواہ کتنے ہی طمطراق سے اس کا اعلان کیا جائے، اور خواہ اس کی ظاہری رونق سے کتنی ہی نگاہیں خیرہ ہو جائیں، لیکن بہت دن نہیں گذرتے کہ اس کی قلعی کھل جاتی ہے، کتنے مدعیانِ الوہیت و نبوت دنیا میں آئے، دنیا ان سے کس درجہ متاثر ہوئی، لیکن عرصہ نہیں گزرا کہ ان کے کذب و فریب کا بھانڈا پھوٹ گیا، اور ذلت و رُسوائی کا طوق ان کے گلے لگا۔ دنیا کی تاریخ اس کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ فرعون کا جاہ و جلال دیکھو، کہ أنا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کرتا تھا مگر مٹ گیا اور ایسا مٹا کہ بجز نفرت

وحقارت اسے کوئی سوغات نہیں ملتی ، قارون کو اپنی دولتِ فراواں پر کتنا غرور تھا ، مگر کہاں گیا ؟ مسیلمۂ کذاب اور مسیلمۂ پنجاب کتنی قوت وشوکت سے اٹھے تھے ، مگر دنیا نے کیسا روندا دنیا میں کب کوئی جھوٹ بولا گیا اور اس کا بھانڈا نہیں پھوٹا ؟ جھوٹ ایک جھاگ ہے ، جس میں ٹھہرنے اور باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے ، روزانہ کتنے غلط اور بے بنیاد افکار ونظریات مختلف دماغوں سے دھوئیں کی طرح اٹھتے رہتے ہیں ، تھوڑی دیر کے لئے فضا تیرہ وتاریک ہو جاتی ہے ، مگر جن آنکھوں نے انھیں اٹھتے دیکھا تھا ، وہی آنکھیں پھر دیکھتی ہیں کہ دھوئیں کے مرغولے فنا ہوتے چلے جارہے ہیں ۔ بقاء اگر ہے تو حق وصداقت کو ۔ دیکھو ابتداء میں انبیاء پر ان کی قوم کے لوگ اس طرح ٹوٹے جیسے نبوت کو پاش پاش کرہی دیں گے ، مگر زیادہ مدت نہیں گذری کی حق کی آہنی دیوار سے ٹکرا کر باطل کا بھیجا نکل گیا ، اور حق کا اُجالا اپنے جاہ وجلال کے ساتھ پھیل گیا ۔

نرا کذب اور جھوٹ کبھی باقی نہیں رہ سکتا ، ہاں اگر اس میں کسی قدر سچ اور راستی کی شمولیت ہو جائے تو اس کے بقدر اس میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ اپنی عمر کچھ بڑھا لیتا ہے ، پھر بھی یہ نہیں ہوسکتا کہ صحیح طبائع اسے قبول کرلیں ، جس طرح ایک تندرست آدمی کھانے کے لقمے کے ساتھ مکھی نہیں نگل سکتا ٹھیک اسی طرح جو طبیعتیں باطنی سقم سے خالی ہیں ، ان کے سامنے سچ کے ساتھ اگر جھوٹ کو ملا کر پیش کیا جائے تو ہرگز اسے قبول نہ کریں گی ، یہ بات اس درجہ بدیہی اور فطری ہے کہ ہر شخص اس کے اعتراف واقرار پر مجبور ہے ۔

اس کسوٹی پر فن حدیث وروایت کو پرکھو ، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی حدیثوں کی روایت کا سلسلہ چلتا رہا ، آپ کی حیات اقدس میں آپ کے عشق ومحبت کے متوالے اور آپ کے شیدائی براہ راست آپ کی خدمت میں

حاضر ہوکر آپ کے جمالِ جہاں آراء سے اپنے قلب ونظر میں روشنی حاصل کرتے، اورآپ کے ارشادات وفرمودات سن کر ہدایت ورہنمائی سے فیضیاب ہوتے، لیکن جب آپ نے اس دنیا سے روپوشی اختیار کی، تو آپ کے وہ شیدائی جنھیں آپ کے زیارتِ جمال سے محرومی رہی، وہ کیا کرتے؟ آپ کے ارشادات وفرمودات ہی سننے اور یاد کرنے میں لگ گئے۔ جس کے بارے میں معلوم ہوجاتا کہ اس کے پاس آپ کا کوئی ارشاد ہے تو سفر کر کے دور دراز سے اس کی خدمت میں پہونچ جاتے۔ عشق ومحبت کا تقاضا یہی ہے، جولوگ اس ذوق سے ناآشنا ہیں انھیں کون سمجھا سکتا ہے، اس طرح آپ کی احادیث گھر گھر اور بچہ بچہ کی زبان پر پھیل گئیں۔ اس وقت بجز قرآن وحدیث کے اورکوئی علمی مشغلہ بھی نہ تھا، سب اسی پر لگے رہے، پھر روایت حدیث کا سیلاب چلا تو بہت سے ناخدا ترس اور مسخرے افراد نے جب دیکھا کہ اہل ایمان حدیث نبوت کے کیسے شیدائی ہیں تو انھوں نے اس جذبۂ عشق ومحبت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی باتوں کو نبی ﷺ کی جانب منسوب کر کے بیان کرنا شروع کردیا، اس طرح صحیح احادیث پر موضوع اور غلط باتوں کی جھاگ چڑھتی چلی گئی لیکن جیسا کہ قانونِ قدرت ہے کہ اس جھاگ کو باقی نہیں رہنا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسے زبردست ہاتھ پیدا کردئے جنھوں نے پوری قوت سے اس جھاگ کو فنا کردیا، چاند پر جو بدلیاں چھائی تھیں چھٹ گئیں، جتنی غلط اور موضوع حدیثیں دین کے دشمنوں نے وضع کی تھیں، ایک ایک پر انگلی رکھ کر بتادیا کہ یہ سب غلط ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے سچے ارشادات کو دنیا کے سامنے واضح کردیا، چنانچہ جب تک سیلابی دور تھا، خس وخاشاک اٹھتے رہے اور اب جبکہ تمام حدیثوں کی حیثیت متعین ہوچکی ہے، وضع وایجاد کا دروازہ بند ہوچکا ہے، چنانچہ عرصہ دراز سے کسی بطال کو ہمت نہیں ہوئی کہ حدیث وضع کرے،

کیونکہ اب تو وہی حدیث معتبر ہے، جسے معتبر بتلایا جاچکا ہے،ان کے علاوہ سب غیر معتبر۔

علماء اسلام کا یہ کارنامہ اتنا عظیم الشان اور رفیع القدر ہے کہ صرف اپنوں نے نہیں، غیروں نے بھی اس کارنامہ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے، حدیثِ رسول کے لئے پانچ لاکھ افراد کی سوانح حیات مرتب کی گئی، کیوں؟ تاکہ آپ کے ارشادات کے ساتھ دوسروں کے اقوال مخلوط نہ ہونے پائیں، افسوس دوسرے دشمنانِ دین تو اپنے کو اعتراف عظمت پر مجبور پائیں لیکن اپنوں میں ایسے ناخلف افراد اٹھتے ہیں جنھیں شاید بستر پر سے اٹھ کر ہاتھ منہ دھونے اور کلی کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی، وہ اپنے اسی گندہ ذہن اور گندہ دہن کے ساتھ اس عظیم القدر کارنامہ کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

بہرکیف! اگر تمام حدیثیں غیر معتبر اور وضعی ہوتیں تو یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے کہ وہ چودہ سو سال تک قائم ودائم رہتیں، اور لوگ انھیں حق وصداقت باور کئے رہتے۔اور اگر یہ سچ ہے کہ تمام حدیثیں غلط اور وضعی ہیں، اور اب تک انھوں نے اپنے کو حق وصداقت باور کرائے رکھا۔تو واللہ دنیا میں اس سے بڑا معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔

جو حدیثیں وضعی تھیں وہ ضرور کتابوں میں محفوظ ہیں، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ غلط اور کذب ہیں، وہ خود اپنے بطلان کی شہادت ہیں۔ان کی حیثیت ختم ہوچکی ہے، وہ اپنا اعتبار کھوچکی ہیں اور جن کو علماء ومحدثین صحیح قرار دے چکے ہین، ان کی صداقت پر دنیا کی دنیا ایمان رکھتی ہے۔وہ زندگی کے معاملات ومسائل میں آج بھی رہنما ہیں۔

میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں جو تمام حدیثوں کو موضوع اور جعلی قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، اور صرف اس بنا پر تلے ہوئے ہیں کہ ان کی بیمار ذہنیت انھیں قبول نہیں کرتی، کہ فطرت کے مطالبہ کو کب تک ٹھکراتے رہوگے۔فطرت کا مطالبہ ہے کہ

جھوٹ فنا ہوا اور سچ کو بقا رہے۔ صحیح حدیثیں باقی ہیں، لہٰذا انھیں کذب اور جعل قرار دینا بدترین جھوٹ ہے، اور یہ جھوٹ ختم ہو جائے گا۔ آج تم پہلے منکر حدیث نہیں ہو، تم سے پہلے بھی کتنے باطل فرقے اٹھے، اور قرآن ہاتھ میں لے لے کر صحیح احادیث کی تکذیب کرتے رہے، لیکن وہ فرقے فنا ہو گئے اور حدیثیں باقی ہیں۔ لوگوں نے حلق کی مکھی کی طرح اُبکائی لے کر انھیں قے کر دیا۔ معتزلہ بھی یہی کرتے رہے، خوارج بھی اسی راہ پر چلے، قدریہ بھی یہی ہانک لگاتے رہے، پھر اب سے پہلے کچھ اہل قرآن، کچھ حق گو، کچھ رافضی، کچھ ناصبی، کچھ نیاز، کچھ جوش، کچھ یگانہ، کچھ پرویز، کچھ برق، کچھ اسلم، کچھ فضل الرحمٰن پیدا ہوتے رہے، ہوا میں تلوار گھماتے رہے، چاند پر تھوکنے کی کوشش کرتے رہے، آسمان پر بندوق داغتے رہے، بہت کچھ دھنا دھن اور زنا زن رہی، مگر کیا ہوا، خود ہلاک ہو گئے۔ دنیا نے رد کر دیا۔ بلبلے بیٹھ گئے، جھاگ اُڑ گئی۔ پچھلوں کو اگلوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ اے کاش ایسا ہوتا۔

اسی اصول پر مسئلہ ایصال ثواب کو پرکھ لو۔ یہ مسئلہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، آج جو غلغلہ اٹھایا جا رہا ہے کہ عقیدۂ ایصال ثواب باطل ہے، اور اس کے خلاف بغیر سوچے سمجھے آیاتِ قرآنی کے ترجمے اٹھا اٹھا کر پیش کئے جا رہے ہیں، یہ آج کا کوئی نیا فتنہ نہیں ہے، اب سے بہت پہلے فرقۂ معتزلہ نے بھی انھیں آیات کا سہارا لے کر ایصال ثواب کو باطل قرار دینے کی سعی نامراد کی تھی۔ اور ایک ایصال ثواب ہی کیا، کتنے مسائل میں انھوں نے اپنی سطحی عقل اور نارسا ذہن کی ترنگ میں آ کر جمہورِ امت سے الگ راہ اختیار کی مگر جھوٹ کی جھاگ فنا ہونی تھی، فنا ہو گئی۔ یہ فرقہ بھی مٹ گیا، اور اس کے نظریات بھی اڑ گئے، اور جمہور امت کے عقائد آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔ ہر زمانے میں جھوٹے اور فریبی لوگوں نے مختلف جہتوں سے دین

میں غلط نظریات وافکار داخل کرنے کی گستاخی کی ہے، لیکن سب کی قلعی کھلتی رہی، اگر کچھ مسخروں نے سرے سے ایصال ثواب کا انکار کیا تو کچھ خوش فہموں نے ایصال ثواب کے سیدھے سادے شرعی طریقہ میں بہت کچھ اعمال ومعمولات داخل کیے، لیکن علماء حق نے جہاں ان کی تفریط کو دور کیا وہیں دوسروں کے اِفراط پر بھی قدغن لگائی، اور جتنا کچھ احادیث سے ثابت ہے اس کو واضح کر دیا۔

رہا یہ کہ اس کے ابطال میں آیات قرآنی پیش کی جارہی ہیں تو یہ محض سمجھ کا قصور ہے، یا دیدۂ ودانستہ بد دیانتی ہے، یہ شور وغوغا بھی عارضی اور چند روزہ ہے، سیلاب کی جھاگ ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد یہ جھاگ اڑ جائے گی، اور حق کا آبِ زلال باقی رہے گا۔

اعجاز احمد اعظمی

٢٦؍ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ

☆☆☆☆☆

## (چوتھی مجلس)

عبدالخالق صاحب! آپ نے احادیث کا انکار کرکے قرآن فہمی کا کوئی اصول تو متعین کیا نہیں، جو کچھ آپ کی ناقص فہم میں آتا گیا، قلم کا گھوڑا دوڑاتے گئے۔ آپ کی پوری کتاب دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ آپ نے قرآن کے ترجموں کا مطالعہ صرف اس واسطے کیا ہے کہ آیاتِ قرآنی سے کون کون سی حدیثیں متصادم ہیں۔ خواہ ان کا مطلب ومفہوم کچھ ہو آپ نے تعارض وتخالف ثابت کر دیا۔ میں تو قلم روک چکا تھا، لیکن جی چاہا کہ ایک آئینہ اور آپ کے سامنے رکھ دوں، اگر آنکھوں میں کچھ بھی بینائی ہوگی تو چہرہ کا داغ نظر آجائے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: أفلا یتدبرون

**القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه إختلافاً كثيراً** ، کیا قرآن پر غور نہیں کرتے ، اگر غیر اللہ کی جانب سے یہ کلام ہوتا تو اس میں بہت کچھ تضاد یہ لوگ پاتے۔

ذرا غور سے دیکھئے ! حق تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حق و باطل کو پرکھنے کا ایک معیار ارشاد فرمایا ہے۔ باطل کی شناخت یہ ہے کہ اس میں آپس میں تعارض اور تضاد بہت ہوگا۔ ابھی ایک بات کہی گئی ، ابھی دوسری بات اس کے برعکس کہہ دی گئی۔ یہ تعارض ایسا ہوتا ہے کہ کسی طرح دفع نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک بات کو صحیح اور ایک کو غلط نہ کہہ دیا جائے۔ داعی حق کے عقائد ونظریات میں کہیں ٹکراؤ نہیں ہوتا اور اہل باطل اس ٹکراؤ سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے ، تمام مذاہب باطلہ اور فرقِ ضالہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ان کی تعلیمات میں اس درجہ سنگین تضادات ہوتے ہیں کہ کوئی ذہین سے ذہین اور عاقل سے عاقل شخص ان کی تسلی بخش توجیہ وتاویل نہیں کرسکتا۔

اس اصول کی بنیاد پر آپ کے پیش کردہ حق وراستی کو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کا حاصل مطالعہ جو آپ کے نزدیک حق کی نمائندگی کرتا ہے ، دو رسالوں '' رد ایصال ثواب '' اور '' قرآن اور رد ایصال ثواب '' کی صورت میں آچکا ہے ، پہلی کتاب میں جس قدر حماقتیں آپ سے سرزد ہوئی ہیں آپ کی حق پرستی اور حق کوشی کی قلعی تو انھیں سے کھل گئی ہے ، تاہم یہ دوسری بھی کچھ کم نہیں ، مجھے چونکہ مکمل تبصرہ نہیں کرنا ہے ، اس لئے فقط چند باتوں پر اکتفا کروں گا۔

آپ کی کتاب کی تضاد بیانی کی کچھ مثالیں تو سابقہ سطور میں گذر چکی ہیں ، یہاں ایک اور زاویۂ نظر آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ، اسے سنئے !

حدیثوں کو تو جانے دیجئے ، ان کی تو آپ گردن ہی مار چکے ، ہاں قرآن پر آپ کا ایمان ہے ، اور اس پر بھی آپ نے کا ایمان ہے کہ اس میں کہیں اختلاف

وتعارض نہیں ہے، لیکن جس سرسری انداز پر آپ نے قرآن کے مطالب اخذ کئے ہیں، اس کے لحاظ سے ہم بعض آیات، قرآنی کا مطلب آپ سے دریافت کرتے ہیں، تاویل وتوجیہ اور آنا کانی سے کام نہ لیجئے گا۔ جس لب ولہجہ کو آپ نے دونوں کتابوں میں استعمال کیا ہے، ٹھیک اسی لب ولہجہ میں جواب مطلوب ہے۔

(۱) آپ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ دعویٰ کیا ہے، اور ثبوت میں بہت سی آیات کے ترجمے پیش کئے ہیں کہ جس نے بھلا یا برا جو عمل کیا ہوگا، قیامت کے روز فقط اسی کو دیکھے گا محض اسی کی جزا پائے گا۔ ایک شخص دوسرے کا بوجھ قطعاً نہ اٹھائے گا، اس مضمون کی آیات پیش کر کے آپ نے ایصال ثواب کو درست ماننے والوں پر نہایت بے دردی کے ساتھ فقرے کسے ہیں۔ خود ایصال ثواب پر اس درجہ مسخرہ پن کیا ہے کہ شوخی بھی شرما جائے۔ ان آیات کو ٹھیک اسی طرح رہنے دیجئے، اس میں سے کچھ استثنا نہ کیجئے اور بتائیے کہ اگر یہی بات ہے کہ کسی کو اپنے عمل کے علاوہ دوسرے کے عمل سے فائدہ نہ گا، تو اگر کوئی شخص دوسرے کے حق میں دعاء مغفرت کرتا ہے تو اس کا نفع دوسرے کو کیونکر پہونچ سکتا ہے۔ قرآن میں وہ بھی ہے جس کا ذکر پہلے ہوا اور یہ بھی ہے کہ دعاء مغفرت سے نفع ہوتا ہے۔ یہ صریح تعارض ہے یا نہیں؟ ایک جگہ آپ کے گمان کے مطابق قرآن عام اعلان کرتا ہے کہ کسی دوسرے کے کسی عمل سے کوئی نفع نہیں ہوسکتا اور دوسری جگہ کہتا ہے کہ دوسروں کی دعاء مغفرت مفید ہوگی۔ یہ تضاد آپ کے بیان کے مطابق قرآن میں موجود ہے۔ اب ایسا جواب دیجئے کہ تضاد بھی رفع ہو جائے اور آپ کے بتائے ہوئے مطلب پر بھی کوئی آنچ نہ آئے۔

(۲) قرآن ایک جگہ فرماتا ہے کہ: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ، دوسری جگہ کہا گیا کہ: لِيَحْمِلُوْا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

بِغَیْرِ عِلْمٍ ،اور ایک جگہ ارشاد ہے: وَلَیَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالاً مَّعَ أَثْقَالِهِمْ، پہلی آیت اور ان دونوں آیتوں کے درمیان آپ کے بیان کردہ مطلب کے لحاظ سے کھلا ہوا تضاد ہے، اپنے مطلب پر قائم رہئے اور تضاد ختم کیجئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وأن لیس للانسان إلا ماسعیٰ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِإِیْمَانٍ أَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ،اور ایک جگہ فرمایا گیا: وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَیْنِ یَتِیْمَیْنِ وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحاً فَأَرَادَ رَبُّکَ أَنْ یَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ،پہلی آیت اور بعد والی دونوں آیتوں میں آپ کے فہم کے لحاظ سے واضح تعارض موجود ہے، ایک طرف تو یہ کہ اپنے عمل کے علاوہ انسان کو کچھ مل ہی نہیں سکتا۔ اور دوسری طرف یہ کہ باپ کے عمل صالح کی وجہ سے اولاد کے درجات بلند ہو رہے ہیں۔ اور باپ کے صالح ہونے کی بنیاد پر خزانہ کی حفاظت ہو رہی ہے۔ برائے مہربانی اپنے مطلب پر قائم رہتے ہوئے اس تعارض کو دور فرما دیجئے۔

(۴) آپ کے نزدیک وأن لیس للانسان إلا ماسعیٰ جب ہر قسم کی سعی کو بالکل عام ہے تو اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے، بس انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے محنت وکوشش کی ہے تو براہ کرم ایک سوال حل کر دیجئے کہ اس عام سعی کو آپ نے آخرت کے ساتھ کیوں خاص کر دیا۔ یعنی آپ نے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ آخرت میں اپنی سعی کا بدلہ پانے کا مستحق ہوگا۔ آخر آیت میں آخرت کا کوئی اشارہ تو موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ کہئے کہ یہ آیت دنیا وآخرت ہر جگہ کے لئے عام ہے، دنیا میں بھی آدمی اسی کا مستحق ہوگا جو اس نے کمایا، اور آخرت میں بھی وہی پائے گا جو اس نے محنت کی۔ پھر اس کی بنیاد پر دنیا میں جو ایک شخص کی کمائی سے دوسرا فائدہ اٹھا رہا ہے یا تو سب کو

ناجائز ٹھہرایئے، یا قرآن کی ان آیات کے معارض مانئے، جن میں اپنی کمائی دوسروں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور پھر اپنے اصول پر قائم رہتے ہوئے جواب عنایت فرمایئے، اور یہ اس لئے عرض کررہا ہوں کہ آپ عام مخصوص منہ البعض کے تو قائل نہیں ہیں اس لئے اس آیت میں کسی طرح کی تخصیص جائز نہ ہوگی۔

آپ سے گزارش ہے کہ جس عموم کو دلیل بنا کر آپ نے آیاتِ قرآنی کو ایصال ثواب کے خلاف پیش کیا ہے، اس عموم کو قائم رکھتے ہوئے ان اختلافات اور تضادات کو حل کیجئے، کوئی تاویل و تخصیص نہ کیجئے گا، اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہزار کوشش کے باوجود آپ ایسا نہیں کرسکتے۔ پھر دو صورتیں ہیں، یا تو قرآن میں تعارض وتضاد مان کر ایمان سے ہاتھ دھوئیں، یا جن اصولوں پر علماء قرآن سمجھتے ہیں، انھیں پر آپ بھی آیئے، لیکن یہ آپ کی توہین ہے، اس لئے تیسرا راستہ نکالئے۔

آخر میں یہ بھی سن لیجئے کہ قرآن میں ایسے تعارضات نہیں ہیں۔ آپ کی قرآن فہمی کی بنیاد پر ایسے تضادات پیدا ہورہے ہیں، ورنہ ہمارے علم میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ........... جنھیں محدثین کے اصول پر صحیح قرار دیا جاسکے........... کے درمیان کہیں تعارض نہیں ہے، اگر ہے تو صرف ظاہری طور پر۔ ہم اللہ کے فضل سے بہت سہولت کے ساتھ ظاہری تعارض حل کرسکتے ہیں۔ لیکن آپ کا یہ شیوہ بہت ہی لغو ہے کہ جہاں آپ کی عقل نے ٹھوکر کھائی، جھٹ حدیث صحیح کا انکار کردیا اور پوری ملت پر پانی پھیر دیا۔

اعجاز احمد اعظمی

یکم محرم ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

# باب پنجم

# متفرقات

ایک صاحب علم نے دریافت کیا تھا کہ میت کو جب دفن کیا جاتا ہے تو تین مٹھی مٹی لوگ ڈالتے ہیں، اور پہلی مٹھی پر منھا خلقنکم اور دوسری پر وفیھا نعید کم اور تیسری پر ومنھا نخرجکم تارۃً اخریٰ پڑھتے ہیں۔ اس کی سند کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ خط لکھا گیا۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط عرصہ ہوا ملا تھا۔ میں نے یہ حدیث کنز العمال میں بہت دنوں پہلے دیکھی تھی، اس وقت میرے پاس کنز العمال نہیں ہے۔ جہانا گنج میں ہے، سوچا تھا کہ وہاں جاؤں گا تو تلاش کر کے بھیج دوں گا۔ مگر وہاں بھی نہ جاسکا، اور جواب میں تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر ایک موقع پر مفتی محمد امین صاحب مبارکپوری سے اس حدیث کا حوالہ دریافت کیا، تو انھوں نے بتایا کہ ''نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ نے اپنی تفسیر ''فتح البیان'' ص: ۷۰، ۷۱ پر یہ حدیث نقل کی ہے، نیز تفسیر ابن کثیر میں اسی آیت کے تحت رسول ﷺ کا عمل بعینہٖ اسی طریقے سے جو ہمارے یہاں معمول بہٖ ہے، سنن کے حوالے سے نقل کیا ہے، اسے صابونی صاحب نے اپنی مختصر ابن کثیر میں بھی باقی رکھا ہے، اس کے علاوہ امام نوویؒ نے اپنی مشہور کتاب ''المجموع شرح المھذب'' میں امام احمد بن حنبلؒ کی مسند کے حوالے سے اسی مضمون کی حدیث ذکر کی ہے اور اس کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے: وفی الحدیث الذی فی السنن أن رسول ﷺ حضر جنازۃً فلما دفن المیت أخذ قبضۃً من التراب فألقاھا فی القبر وقال منھا خلقنکم ثم أخذ أخریٰ وقال وفیھا نعیدکم ثم أخریٰ وقال ومنھا نخرجکم تارۃً أخریٰ (ج:۳ص:۲۵۰) اور ''المجموع شرح المھذب'' میں ہے: وقد یستدل لہٗ بحدیث أبی أمامۃؓ قال لما وضعت أم کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ قال رسول

ﷺ منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارةً أخرىٰ (رواه الامام احمد من رواية عبيد الله زخر بن على بن زيد بن جدعان عن القاسم وثلٰثة منهم ضعفاء ولٰكن يستانس بأحاديث الفضائل وإن كانت ضعيفة الاسناد ويعمل بها فى الترغيب والترهيب وهٰذا منها والله أعلم ـ ص:۲۹۴ ج:۵) یہ عمل تو مسلمانوں میں توارثاً معمول بہ ہے، ایسے متوارث عمل کے بارے میں تشکیک مناسب نہیں ہے۔ والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

☆☆☆☆☆

ایک عالم نے ''تصور شیخ'' کا مسئلہ پوچھا تھا، ''تصور شیخ'' حضراتِ صوفیہ کے یہاں ایک اصطلاح ہے، اسے ''شغلِ برزخ'' اور ''شغلِ رابطہ'' بھی کہتے ہیں۔ سالک اپنے دل کو ہر تصور سے خالی کر کے اپنے شیخ کی صورت کا تصور کرتا ہے، اور یہ کہ خدا کا فیض عرش الٰہی سے اترتا ہے، شیخ کے قلب سے گزر کر اس تک پہونچتا ہے، یہ تصور فی نفسہٖ مباح اور مفید ہے، مگر اس میں جب غلو ہوتا ہے، تو فاسد عقیدہ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ یہ تصور جب دل میں راسخ ہوتا ہے، تو شیخ کی صورت ہر وقت جلوہ گر رہتی ہے، اور بعض اوقات سالک کو دھوکہ ہوتا ہے کہ شیخ ہر وقت میرے ساتھ ہیں، اور میری ہر حرکت وسکون کو دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ شیخ کو اس کی خبر بھی نہیں، یہ تو سالک کے تصور کی قوت اپنا کرشمہ دکھا رہی ہے، اسی لئے ہمارے علماء دیوبند نے اس شغل کو موقوف کر دیا ہے، زیرِ نظر مکتوب میں اسی مسئلے کی اجمالاً وضاحت ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ایسے وقت ملا تھا کہ میں بہت مشغول تھا، اس سے دم لینے کا موقع ملا تو ایک غیر متوقع سفر سر پر سوار ہوا، اور میں کل دو ہفتہ کے طویل سفر کے بعد واپس لوٹا۔

''تصور شیخ'' کے متعلق تم نے سوال کیا ہے، ''تصور شیخ'' کی حقیقت اور مقصد کیا ہے؟ پہلے یہ سنو! کہ ''تصور شیخ'' جو ہمارے مشائخ کے درمیان کبھی رائج تھا اسے اصطلاح میں شغل برزخ اور رابطہ بھی کہتے ہیں، اس کی حقیقت بس اس قدر ہے کہ مرید خود کو اپنے شیخ کے سامنے تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ فیضانِ الٰہی کی لہریں شیخ کے قلب سے ہو کر اس کے قلب میں آ رہی ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ فیضانِ الٰہی کے نزول کا واسطہ اس کے حق میں اس کا شیخ ہی ہے، **لاالہ الااللہ** کے بعد **محمد رسول اللہ** کے تعلق پر غور کرو گے تو اس کی تہ میں اس رابطہ کی حکمت کارفرما نظر آئے گی۔ بھلا بتاؤ اس تصور میں کیا مضائقہ ہے؟ مرید نہ تو اپنے شیخ کو خدا سمجھتا، نہ خدا کی طرح قابل تعظیم سمجھتا، نہ اس کے سامنے جھکتا، نہ اس کی عبادت کرتا، اگر اس کو کچھ سمجھتا ہے تو بس اپنے اور خدا کے درمیان ایک رابطہ تصور کرتا ہے، اس میں کیا بات خلافِ شرع ہے اگر یہ تصور خلافِ شرع ہے تب تو کسی کا تصور بطور تعظیم قابلِ مواخذہ ہوگا خواہ نبی کا ہو یا ولی کا۔

ہاں اگر ''تصور شیخ'' بطور رابطہ کے نہ ہو بلکہ بالاستقلال یہ عمل کیا جائے، اور شیخ ہی کو مقصود و مراد سمجھ لیا جائے، اور یہ اعتقاد کیا جائے کہ وہ حاضر و ناظر ہے یا میرے حال سے واقف ہے، تب یہ ضرور قبیح ہے اور مفضی الی الشرک ہے، اور جن بزرگوں نے اس سے منع کیا ہے ان کے سامنے ''تصور شیخ'' کی یہی تصویر رہی ہے یا اس کا اندیشہ رہا ہے، اور جہلاء کے غلو نے بات اس درجہ تک پہونچا رکھی تھی، اس لئے سدِ باب کیلئے مطلقاً منع کر دیا، ورنہ اپنی حد پر رہے تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بیحد مثمرِ برکات وفوائد ہے، لیکن جہلا جس چیز کو ہاتھ میں لیتے ہیں، اسے تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں، اس لئے ہمارے بزرگوں نے اسے قریب قریب ترک کر دیا ہے اب تو کسی کو

غلبۂ محبت میں یہ مراقبہ حاصل ہوجائے تو ہوجائے ، ورنہ بالقصد تعلیم نہیں دی جاتی ، تاہم ہر وہ شخص جو درجۂ کمال تک پہونچا ، سلوک کے کسی نہ کسی مرحلہ میں اس کو اس حال سے دوچار ہونا پڑا ہے ، لیکن وہ غیر اختیاری طور پر ہوا ہے ۔

امید ہے اس مختصر وضاحت سے اطمینان ہوجائے گا ، اگر کوئی خدشہ باقی ہو تو پھر لکھو ، سلوک کے اثبات کیلئے **واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون** ، اور **أن تعبد اللہ کأنک تراہ** اور **انما الاعمال بالنیات الخ** بہت کافی ہیں ۔ تفصیل درکار تو ہو پھر آئندہ ۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

☆☆☆☆☆

**نوٹ :** مذکورہ مکتوب کے کافی عرصہ بعد ایک دوسرے عالم کا سوال اسی موضوع (تصور شیخ ) سے متعلق آیا ، اور اس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک قول کا حوالہ دیا گیا ، جس میں انھوں نے ’’ تصور شیخ ‘‘ کو شرک قرار دیا ہے ۔ اس پر یہ تحریر لکھی گئی ۔

’’ حضرت سید احمد شہیدؒ نے اسے جو شرک سے تعبیر کیا ہے ، اس میں ایک وجہ تو وہی قباحت مذکورہ بالا ہے ، دوسرے یہ بھی ہے کہ ان کی استعداد نہایت عالی تھی ، وہ شیخ کی تعلیم کی مدد سے براہ راست خدا تعالیٰ کا استحضار کرسکتے تھے ، ’’ تصور شیخ ‘‘ کی مشق زیادہ تر کمزور استعداد والوں کیلئے ہوتی ہے ، حضرت سید احمد شہیدؒ کی استعداد بغایت بلند تھی ۔ اور یہ استعداد کمالاتِ نبوت سے مناسبت رکھتی تھی ، اس لئے ان کے حق میں ’’ تصور شیخ ‘‘ کا شغل نہ صرف یہ کہ کارِ عبث تھا ۔ بلکہ ان خرابیوں کی وجہ سے جو اس زمانہ کے جاہل متصوفین میں رائج ہوچکی تھیں بحکم شرک تھا ، ورنہ یہ صریح شرک نہیں ہے ، ہاں جہالت نے ایک درجہ کی مشابہت شرک کے ساتھ پیدا کردی تھی ۔

چنانچہ حضرت سید احمد شہیدؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ’’تصورِ شیخ‘‘ کا شغل بتایا، تو انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو شرک ہے، اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

تو حضرت سید احمد شہید نے عرض کیا کہ اس مصرع میں شراب کے اندر سجادہ کو غوطہ دینا ظاہراً گناہ سے کنایہ ہے، اگر آپ اس کا حکم دیں تو کسی تاویل سے میں اسے کرلوں گا، مگر ’’تصورِ شیخ‘‘ تو شرک ہے، اس کی اس مصرع میں تعلیم نہیں ہے، اس بات سے حضرت شاہ صاحب بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ تم کو کمالاتِ نبوت سے مناسبت ہے، تمہارا سلوک دوسرے طریق سے طے ہوگا۔

اس سارے واقعہ میں غور کرو کہ سید صاحب حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کو شرک فرما رہے ہیں، لیکن شاہ صاحب کو نہ مشرک قرار دیتے ہیں نہ کافر، بلکہ اسی اعتقاد پر جمے ہوئے ہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کے شیخ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل وہ شرک نہیں ہے، جس کو شریعت کی نگاہ میں ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے، ورنہ کوئی معنی نہیں کہ سید صاحب اس کے بعد بھی ان سے لگے اور چپکے رہتے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ شاہ صاحب نے اپنا خیال ترک فرمادیا، ہاں البتہ یہ فرمادیا کہ تمہارا سلوک دوسرے طریقہ سے طے ہوگا۔ یہاں ایک بات اور بتادوں کہ حضراتِ صوفیہ شریعت کی بعض اصطلاحات کو ان کے اپنے اصلی معانی سے ملتے جلتے صورۃً دوسرے مشابہ معانی میں استعمال کردیتے ہیں، یہ منقول اصطلاحی کے قبیل سے ہوتا ہے، اس بنیاد پر کہہ سکتے ہو کہ یہ ’’شرک شریعت‘‘ نہیں ہے، بلکہ ’’شرک طریقت‘‘ ہے۔۔۔دوسرا نکتہ اس واقعہ میں یہ دیکھو کہ حضرت سید صاحب نے جب اس عمل کو شرک قرار دیا تو شاہ صاحب ناراض نہیں ہوئے، اور یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے شیخ کو مبتلائے شرک۔۔۔ بلکہ معلم شرک

۔۔۔سمجھتے ہو، لہٰذا تم کو مجھ سے فیض حاصل نہ ہوگا، بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ تم کو کمالات نبوت سے مناسبت ہے، اس لئے تم کو شغل برزخ کی ضرورت نہیں ہے، یہ دونوں حضرات محقق تھے، اس لئے نہ کوئی کسی سے بدگمان ہوا، اور نہ ناراض ہوا۔ اب اگر کوئی شخص بے سوچے سمجھے حضرت سید صاحب کے ارشاد کو خالص شرک پر محمول کرلے تو ضرور ہے کہ حضرت شاہ صاحب سے بدگمان ہوجائے اور اگر شاہ صاحب سے حسن ظن ہے تو لازم ہے کہ حضرت سید صاحب کو گستاخ قرار دے، جبکہ یہ دونوں حضرات باہم ایک دوسرے کے معتقد و مداح ہیں۔ پس یہ دونوں خیالات غلط ہوں گے۔

اس مضمون سے تمہارے اس اشکال کا خاتمہ ہوجاتا ہے کہ وساوس کو ختم کرنے کیلئے یہی ایک مشرکانہ فعل تو نہیں ہے۔ واضح ہوچکا کہ یہ عمل مشرکانہ نہیں ہے۔

اور یہ تم نے عجیب بات لکھی ہے کہ تصور کرنا ہی ہے تو خداوند قدوس کا تصور کرنا چاہئے، میرے عزیز! ذرا ایسا کر کے تو دیکھو، آخر خدا کا تصور کیسے کروگے؟ انسان تو صورت کا خوگر ہے، اسی کا تصور کرتا ہے، لیکن خدا کی صورت کہاں سے لائے، اگر کسی صورت کو ذہن میں لاکر اسے خدا کا تصور کرے گا تو یہ البتہ صریح شرک ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر خدا کو خدا سمجھ لیا۔ اور اگر مجرد تصور کرنا چاہے تو بتاؤ ایک مبتدی مجرد تصور کیونکر کرے گا۔ ذرا کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خدا کا تصور تو نہیں ہوا صرف وسوسے اور خیالات رہ گئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان صورت کا عادی ہوتا ہے، اور جس سے آدمی کو محبت ہوتی ہے، اس کا تصور خوب جمتا ہے۔ مرید کو اپنے شیخ سے والہانہ محبت ہوتی ہے، اس لئے اس کا تصور متخیلہ پر خوب نقش ہوتا ہے، اور یہ تصور باقی وساوس کی جڑ کاٹ دیتا ہے، پھر جب انسان کے دل سے وساوس کا خاتمہ ہوجاتا ہے تو شیخ کی رُوحانیت اسے خدا کے حضور میں کھڑا کردیتی ہے، خوب سمجھ لو۔

مشائخ اور بزرگوں کی باتوں پر اشکال بھی ہو تو اس کے اظہار میں ادب کا پیرایہ باقی رہنا چاہئے۔ ہم لوگوں کی عقل اور علم بہت ناتمام ہے، اس کے بھروسے پر دیدہ دلیری سنگین غلطی ہے، تمہارے مکتوب میں قلت ادب کا اثر ہے اس سے احتراز کرو۔ محققین کی باتوں کی تقلید ہی سلامتی کا راستہ ہے۔ امید ہے کہ اس تحریر سے اشکال دفع ہو جائے گا۔ اب بھی اگر کوئی شبہ باقی رہ گیا ہو، تو لکھو غور کروں گا۔

(**نوٹ**) شیخ کی صورت اور اس کی روحانیت کی معرفت یہ خود ایک مستقل علم ہے جس کے بعد معرفت الٰہی کا بہت بڑا دروازہ کھلتا ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۶/رجب ۱۴۱۲ھ

☆☆☆☆☆

یہ خط ایک عالم کے نام لکھا گیا ہے، جو کبھی میرے رفیق درس تھے، بعد میں انھوں نے مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ میرے سر پر انھوں نے سیاہ عمامہ دیکھا تو بہت خفا ہوئے، اور مجمع عام میں خفگی کا اتنا شدید اظہار کیا کہ الامان و الحفیظ، اس وقت میں نے خاموشی اختیار کی، بعد میں یہ خط ان کے نام ارسال کیا جس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ (اعجاز احمد اعظمی)

برادر مکرم فاضل جلیل!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ میں بعافیت تمام جہانا گنج سے غازی پور پہونچ آیا، جہانا گنج میں تو اتنی مصروفیت رہی کہ آپ کی مختصر ملاقات کی یاد تازہ کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ غازیپور میں اطمینان حاصل ہوا تو آپ کی یاد حافظہ کے پردے پر ابھری، میں سوچنے لگا کہ برسوں کے بعد ملاقات ہوئی اور اتنی ناخوشگوار! مجھے بہت شرمندگی ہے کہ جو مسئلہ

زیر بحث آیا تھا، وہ میرے عمل سے قطع نظر اور میری اگلی پچھلی عادات سے الگ ایک علمی اور تحقیقی مسئلہ تھا، میں نے عرض کیا تھا کہ عمامہ باندھنا شروع کرنے سے پہلے میں نے اس مسئلہ کے اطراف وجوانب کی اپنی بساط بھر تحقیق کرلی تھی، اس پر آپ خفا ہونے لگے اور کچھ ایسی باتیں آپ سے صادر ہونے لگیں جن کی مجھے توقع نہیں تھی، اس سلسلے میں مزید اتنی گزارش اور سن لیجئے!

کوئی خاص رنگ کسی قوم کا شعار بن چکا ہو، تو کیا محض اس بنا پر اس رنگ کا ہر لباس ترک کردیا جائے گا خواہ وہ رنگ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو؟ اور خواہ رنگ کے علاوہ اس کی تمام اوضاع میں تبدیلی پیدا کرلی گئی ہو؟ اس سلسلے میں کوئی صراحت آپ کے پیش نظر ہو تو اپنی معلومات میں اضافہ چاہتا ہوں۔

خاص طور سے عمامہ کے سلسلے میں، میں نے اسی وقت مدرسہ میں آکر شمائل ترمذی میں ''عمامۂ نبوی'' کو تلاش کیا، اس میں بجز سیاہ رنگ کے اور کسی رنگ کا ذکر ہی نہیں، اس وقت میرے پیش نظر شمائل نہیں ہے، ورنہ دوچار احادیث ہدیۂ خدمت کرتا، سفر میں آپ نے سفید عمامہ کا استعمال فرمایا ہے، اس کا ذکر علامہ زرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح میں فرمایا ہے، اس میں ملاحظہ فرمالیں۔

''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، اس میں مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کا ایک رسالہ بتمامہا منقول ہے، رسالہ کا عنوان ''شیم الحبیب'' ہے، اس میں صحیح روایات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے شمائل وخصائل کو مختصراً جمع فرمایا ہے، عمامہ کے سلسلے میں اس کی تھوڑی سی عبارت ملاحظہ فرمایئے!

وروی عن ابن عباس أنه (ﷺ) کان یلبس القلانس تحت

**العمامة ویلبس العمامة بغیر القلانس وکان له عمامة سوداء۔** (حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنا کرتے تھے، اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھتے تھے، اور آپ کے پاس سیاہ عمامہ تھا) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ’’چونکہ ایک روایت میں اس کی (یعنی بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنے کی) ممانعت آئی ہے اس لئے اس کو کسی خاص حالت عذر وغیرہ پر محمول کیا جائے گا۔

معلوم نہیں فقہاء احناف کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تاہم ہمارے لئے ان کی تصریحات بشرطیکہ کسی نص صریح کے معارض نہ ہوں...... ایسا تعارض جس کی تطبیق نہ ہو سکے...... پسند ہیں۔ علامہ شامی **کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس** میں لکھتے ہیں کہ **ویستحب الابیض وکذا الاسود لانه شعار بنی العباس ودخل علیه الصلوٰة والسلام مکة وعلیٰ راسه عمامة سوداء۔** صاحب تنویر الابصار لکھتے ہیں کہ **وکره لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال ولاباس بسائر الالوان۔**

اب آپ بتایئے ان علماء وفقہاء کو شیعوں کے شعار کی خبر نہ تھی؟ یا جو انھوں نے لکھا غلط لکھا، میرے خیال میں آپ اس کی ہمت نہ کریں گے۔ اس سلسلے میں مزید تحقیق اگر آپ کے پاس ہو تو منتظر ہوں، اپنے اکابر میں حضرت گنگوہیؒ جو غایت درجہ متبع سنت بزرگ تھے کتابوں میں تصریح دیکھی کہ ان کا عمامہ سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ مفتی صاحب مبارکپوری (حضرت مفتی محمد یٰسین صاحبؒ) کا عمامہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں، اب ایک اور گزارش بطور نصح نصیح کے یہ بھی گوش گزار کر لیجئے کہ خلق وخالق دونوں کے یہاں مرتبہ ومقام آدمی کے اخلاق عالیہ سے حاصل ہوتا ہے، آپ جیسے حضرات سے جس اخلاق کی توقع آدمی کو رہتی ہے اس کو نہ پا کر آدمی خواہ مخواہ بدگمان ہوتا ہے، میں تو

پہلے ہی برا تھا اور اب اس سے کہیں زیادہ برا ہوں، لیکن کاش آپ نے کسی بھلائی کا ثبوت دیا ہوتا، آپ کی تیز تیز باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ پہلے سے بھرے بیٹھے تھے، آپ خود سوچئے! یہ طرز کلام مناسب تھا، آپ پھر ناراض ہو جائیں گے، لیکن کیا کروں، کبھی آپ یہ سوچتے کہ ؎

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا؟

میری تو آپ جتنی زیادہ برائی کریں گے اس سے زیادہ کا مجھے پہلے ہی سے اعتراف ہے، دور کرنے کی بھی کوشش کر رہا ہوں۔ دو چار متعین طور پر اور بتا دیں گے تو انھیں بھی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ **وأسال الله التوفيق والهداية**

تشبہ کے سلسلے میں اتنی بات اور عرض کر دوں کہ وضع کی تبدیلی سے بھی تشبہ ختم ہو جاتا ہے، عمامہ مشرکین بھی باندھتے تھے، اہل کتاب بھی۔ مسلمانوں کو جب عمامہ باندھنے کا حکم ہوا تو تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر لی گئی، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: **فرق مابينا وبين المشركين العمائم على القلانس**، اگر صرف ٹوپی کے رکھنے سے وضع کی تبدیلی ثابت ہو سکتی ہے اور تشبہ ختم ہو سکتا ہے تو ہمارے تعمیم اور روافض کے تعمیم میں تو کھلا ہوا فرق ہے، روافض شملہ نہیں لٹکاتے اور ہم شملہ لٹکاتے ہیں، ٹوپی کا رکھنا تو ایک پوشیدہ امر ہے اور شملہ تو بالکل کھلی چیز ہے۔ مولانا یہ ضد نہیں تحقیق ہے، اس کے خلاف کوئی تحقیق آئے گی بشرطیکہ وہ صحیح ہو تو مجھ سے زیادہ تسلیم کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

میرے خط سے ناگواری تو ضرور ہوگی، مگر معاف کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی / ۲۹ صفر ۱۴۰۳ھ

مدرسہ دینیہ شوکت منزل، غازی پور

یہ ایک مکتوب ایک مدرسہ کے حضرات اساتذہ کرام کے نام لکھا گیا۔

حضرات احبابِ کرام واساتذۂ مدرسہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

آپ حضرات سے بہت عرصہ ہوا کہ ملاقات نہیں ہوئی، اور اِدھر مستقبل قریب میں بھی ملاقات کے آثار نہیں محسوس ہوتے، حضرت اقدس ناظم صاحب مدظلہٗ نے مدرسہ کی بابت چند کلمات تحریر فرمائے تھے، اس سے تأثر ہوا، تو بے اختیار جی چاہا کہ حضرت کی خدمت میں جو لکھنا ہے وہ تو خیر ہے ہی، آپ حضرات سے بھی چند باتیں عرض کردوں، گوکہ میری ایسی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ آپ حضرات کو براہ راست مخاطب کرسکوں، میں بھی ایک مدرسہ کا مدرس ہوں، آپ حضرات بھی میری طرح مدرسہ اور علم دین کی خدمت گزاری میں لگے ہوئے ہیں، جو باتیں میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، ان کا میں اس سے زیادہ محتاج ہوں، جتنے آپ حضرات محتاج ہیں، ہاں یہ جانتا ہوں کہ آپ حضرات کو مجھ سے محبت ہے، اور خصوصی محبت ہے، اور میں بھی دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں، بس یہی چیز ہے جس نے براہ راست تخاطب پر آمادہ کیا ہے، مجھے امید ہے کہ میری کسی بات سے آپ کو ناگواری نہیں ہوگی، کیونکہ محبت، تلخیوں کو بھی گوارا بلکہ خوشگوار بنادیتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات معلم ومربی ہیں، جن لوگوں سے متعلق تعلیم وتربیت کا کام ہو، انھیں دوسروں کی تربیت سے پہلے خود اپنی تعلیم وتربیت پر نگاہ رکھنی ضروری ہے، آپ کسی وقت یہ تصور دل میں نہ لائیں کہ آپ کی تعلیم وتربیت ہوچکی، اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں، علم میں اضافہ کی کوشش

کرتے رہنا چاہئے، اور اخلاق تو ایسی چیز ہے کہ زندگی بھر اس میں کوئی نہ کوئی عیب دکھائی دیتا رہے گا، پوری توجہ کے ساتھ اپنے علم واخلاق کو بڑھانے اور سدھارنے کی محنت میں لگے رہئے۔علماء واساتذہ کیلئے اخلاق کی بنیاد دو چیزیں ہیں، تواضع اور ترکِ حسد۔ یہ بنیاد اوروں کیلئے بھی ہے، مگر طلبہ واساتذہ کیلئے اس کی حیثیت خصوصی بنیاد کی ہے، تواضع کا مطلب یہ کہ آدمی اپنی کوئی فضیلت دوسروں پر نہ سمجھے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ آدمی غلام اور بندہ ہے، غلاموں کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک پر ہوتی ہے، مالک کے سامنے ہوتے ہوئے، کوئی غلام، اپنے جیسے غلام پر فوقیت جتلانے کی جرأت نہیں کرتا، اور یہ تو آپ اپنے شاگردوں میں بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کے سامنے کسی طالب علم کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے طالب علم پر برتری ظاہر کرے، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو آپ کے غصہ کی حد نہیں رہتی، بس یہی حال ہمارا اللہ کے سامنے ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ مالک ہیں اور ہم غلام ہیں، اور ہمہ وقت اللہ کی نگاہ میں ہیں، ایسی حالت میں یہ بات بہت نازیبا ہے کہ ہم کسی پر بڑائی ظاہر کریں، اس ضابطہ میں وہ بھی شامل ہیں، جو ہم سے عمر، علم اور مرتبے میں بڑے ہیں، اور وہ بھی داخل ہیں، جن کو عرفاً ہمارے برابر سمجھا جاتا ہے، اور وہ بھی شامل ہیں جو ہم سے چھوٹے ہیں، یعنی طلبہ واولاد وغیرہ۔ البتہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ تواضع کا رنگ جدا جدا ہوگا۔لیکن بہر حال اپنے کو جھکا کر رکھنا ہی عبدیت ہے، آدمی کو جب یہ تصور قائم ہوجاتا ہے کہ سب سے چھوٹا میں ہی ہوں، تو بہت سے رذائل خود بخود دفع ہوجاتے ہیں، تواضع کی ضد کبر ہے، کبر سے غصہ، غیض وغضب، جوش انتقام، ظلم وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، تواضع آجائے تو یہ دشمنانِ دین واخلاق اپنے آپ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، تواضع ہر حسن خلق کی بنیاد ہے، اور حسن خلق پر اللہ کی رحمت برستی ہے، اور بد خلق سے اللہ کی رحمت

دور ہو جاتی ہے، اور ہم کو مدرسہ میں رہ کر اللہ کی رحمت کی کس قدر ضرورت ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے، یہاں پر ہماری کوئی آمدنی تو ہے نہیں، سوائے اس کے کہ لوگوں کے ذریعے ہماری روزی مہیا کرائیں، اور ہمارے کام کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالیں کہ وہ اپنے بچوں کو ہمارے سپرد کر جایا کریں۔ پس جو کچھ ہم کو مل رہا ہے۔ خواہ وہ ہماری معاش ہو، یا ہمارے طلبہ ہوں، یہ سب براہ راست اللہ کی رحمت کا کرشمہ ہے، اس میں ہماری قوت بازو کا کوئی دخل نہیں ہے، جب یہ ہے تو ہم پر قطعی لازم ہے کہ صرف وہی کام کریں، جس سے اللہ کی رحمت برسا کرے، اور ہر اس کام سے دور رہیں، جس سے نزول رحمت میں رکاوٹ ہوتی ہو۔

اور حسد کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمت کا زوال چاہے، یہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے، خواہ دل سے خواہ زبان سے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو فلاں نعمت سے کیوں نوازا۔ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کس قدر مہلک ہے، کوئی مسلمان اس سے ناواقف نہیں ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ مرض علماء واساتذہ میں بڑا طاقتور ہوتا ہے، اگر ان دونوں دشمنوں سے نجات مل جائے تو مدرسہ کی فضا جنت بن جائے۔

(۲) تعلیم وتدریس ایک ایسا منصب ہے، جو خدا کی طرف سے سونپا جاتا ہے، اس کا عوض اور معاوضہ اللہ کے ذمے ہے، اسی لئے بعض ائمہ کے نزدیک تعلیم پر اجرت لینا سرے سے جائز نہیں ہے، لیکن انسانی کمزوری کو دیکھتے ہوئے، ایک دنیاوی معاوضہ بھی طے کر دیا جاتا ہے، تعلیم کسب معاش ہرگز نہیں ہے، اسی لئے تعلیم وتدریس کا مدار اس ضرورت پر کبھی نہیں رکھنا چاہئے، یہ اہل انتظام کی ذمہ داری ہے کہ بقدر وسعت اس کی تکثیر کا اہتمام کریں، لیکن اساتذہ کو تعلیم تو خالصاً لوجہ اللہ دینی چاہئے، اور اس کے بعد جو کچھ بقدر قُوتِ لَایَمُوتُ مل جائے، اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر گزار ہونا

چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے خادموں کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، مال کی بہتات تو نہیں ہوگی، لیکن واقعی ضروریات بھی کبھی بند نہیں ہوں گی۔ حرص وطمع سے الگ ہو کر بے نیازی کے ساتھ دین کی خدمت کیجئے، زیادہ دن نہیں گزرے گا کہ دنیا قدموں پر نثار ہونے لگے گی۔ مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، مال کی حرص نے علماء کے وقار کو پامال کر رکھا ہے، عوام میں ان کا پانی اتر گیا ہے، اگر یہ مستغنی ہوتے، اپنے فقر وفاقہ پر صبر ورضا کے ساتھ دین کی خدمت کرتے ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ انھیں توہین وذلت کی نگاہ سے دیکھتا۔

(۳) اساتذہ نائب رسول ہیں، اور طلبہ مہمان رسول ہیں، اب یہ سوچئے کہ اگر یہ طالب علم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، بلکہ انھیں الگ کر کے خود اپنے بارے میں سوچئے کہ ہم اگر طالب علم بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم آپ کی طرف سے کیا سلوک پاتے۔ یا ہم آپ سے کیا سلوک چاہتے، رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ تو اپنے شاگردوں اور صحابۂ کرام کے ساتھ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے، دنیا جانتی ہے کہ آپ نے ہمیشہ اپنے لوگوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت دس سال کی عمر سے کی ہے، نہ جانے کتنا کتنا کام بگڑتا رہا ہوگا، مگر فرماتے ہیں کہ مارنا تو درکنار حضور اکرم ﷺ نے کبھی مجھے ڈانٹا اور گھڑکا تک نہیں، اگر کوئی دانٹتا تو اسے منع کر دیتے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہارے پاس دور دراز سے آدمی علم حاصل کرنے آئیں گے، ان کے سلسلے میں خیر اور بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں، اس کو تم قبول کرو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، جب اپنے مہمان کا اکرام کرنا ایمان کا تقاضا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کا کس قدر ضروری ہوگا، ان کو ایذا ہوگی، تو رسول اللہ

ﷺ کو ایذا ہوگی، اور ان کو راحت ملے گی تو رسول اللہ ﷺ خوش ہوں گے، اس سلسلے میں اساتذہ سے بہت کوتاہیاں ہوتی ہیں، اول تو طلبہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ بدترین جرم ہے، یہ گو بچے ہیں، نادان ہیں، ناواقف ہیں، لیکن دل میں ان کی تحقیر ہرگز نہیں ہونی چاہئے، یہ جس کام کیلئے آئے ہیں، اس نے ان کا مرتبہ بڑھا دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بچوں کے ساتھ جو شفقت کی ہے، ہم جو طلبہ کے ساتھ برتاؤ کریں تو وہی شفقت اس میں جھلکنی چاہئے، ورنہ نیابت چھن جائے گی، نائب رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہی کام کیا جائے جو اصل اور منیب کے منشاء کے مطابق ہو، ہمارے بزرگوں نے اس کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ واقعات تو بے شمار ہیں لیکن میں صرف ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے اکابر طلبہ کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔

دیوان عبدالرشید جونپوری قدس سرہٗ سلسلۂ قلندریہ کے بہت بڑے شیخ ہیں اور بہت بڑے عالم بھی، انھوں نے زندگی بھر خانقاہ کے ساتھ مدرسہ کا بھی سلسلہ بھی جاری رکھا، انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کی قبر میں وہ پتھر رکھ دیا جائے جس پر طلبہ اپنے جوتے اتارا کرتے تھے، مجھے اس کی برکت سے نجات کی امید ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، خیال فرمایئے ان کے دل میں طالب علم کی کیا وقعت تھی؟ ایک واقعہ اور سن لیجئے! حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہٗ طلبہ کو پڑھا رہے تھے، صحن مسجد میں سبق ہو رہا تھا کہ اچانک بارش شروع ہوگئی، سب طلبہ کتابیں لے کر اندر بھاگے، اندر پہونچ کر تپائیاں درست کر کے دیکھا تو ایک عجیب منظر نظر آیا، وقت کا یہ محدث اعظم، استاذ العلماء، مرجع الخلائق، شیخ طریقت، ولی کامل اپنے طالب علموں کے جوتے اٹھا اٹھا کر سائے میں رکھ رہا ہے کہ وہ بھیگنے نہ پائیں، اللہ اکبر کس قدر تواضع تھی، اور دل میں کیسی طلبہ کی عظمت تھی، یہ نمونے اگر عام ہو جائیں تو ہماری کتنی خرابیاں دور ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ طلبہ سے ان کے تحمل سے زیادہ کام نہ لیا جائے، نہ علم کے سلسلے میں اور نہ خدمت کے سلسلے میں، ان سے کوئی ایسی فرمائش نہ کی جائے جس کو وہ نہ سمجھ سکیں، یا سمجھ لیں تو کرنے میں انھیں دشواری ہو۔ وہ ہمارے غلام نہیں ہیں، عموماً حضرات اساتذہ کو اس کا اہتمام نہیں ہوتا، کبھی طلبہ سے ناصاف گفتگو میں کوئی فرمائش کردیتے ہیں، وہ اسے سمجھ نہیں پاتے، اور مارے ڈر کے پوچھ نہیں پاتے، اور بعد میں انھیں زجر وتوبیخ اور بعض اوقات ضرب وتنبیہ کا نشانہ بننا پڑتا ہے، یاد رکھئے کہ طلبہ کی غلطیوں کو آپ معاف کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی غلطیوں کو معاف کریں گے، اور اگر آپ ان کی ہر غلطی پر گرفت کریں گے اور سزا دیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی کریں گے، طلبہ کی تعلیم میں بے حد تحمل ہونا چاہئے، مارنا بالخصوص نابالغ بچوں کو بہت ناپسندیدہ امر ہے، بچوں کو زدوکوب سے نہیں پیار ومحبت سے پڑھانا چاہئے، زدوکوب کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کا دل تعلیم سے اچاٹ ہوجاتا ہے، نہ جانے کتنے لوگ اپنے اساتذہ کی مار پیٹ کی وجہ تعلیم سے بھاگ نکلے، اس کا حساب کون دے گا، میں مطلقاً مارنے کا انکار نہیں کرتا، لیکن بقدر ضرورت ہو اور بے تحاشا مارنے کی ضرورت میں تسلیم نہیں کرتا، اور میں کیا، اللہ اور رسول تسلیم نہیں کرتے، ہم انھیں تعلیم دیتے ہیں، اور ثواب کی امید رکھتے ہیں، ہم انھیں مارتے ہیں اور بے تحاشا مارتے ہیں، اور تمام ثواب کو آگ لگا دیتے ہیں، اوپر سے ظلم کا گناہ لادلیتے ہیں، ان بچوں کی طرف سے کوئی ہم سے سوال کرنے والا نہیں ہے۔ یاد رکھئے کہ ان کا وکیل اللہ ہے، اللہ کا رسول ہے، اللہ کے دربار میں اگر رسول نے دعویٰ دائر کردیا تو بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، اگر ہم کو یہ خیال ہو کہ یہ بچے رسول اللہ ﷺ کے مہمان عزیز ہیں تو ہمیں ہرگز جرأت نہ ہوگی کہ ان پر ہاتھ اٹھائیں، اگر کوئی طالب علم ہماری شفقت کے باوجود نہیں پڑھ سکا تو

انشاء اللہ ہم سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر ہماری سختی اور مار پیٹ کی وجہ سے تعلیم سے ہٹ گیا تو دوہرا مواخذہ ہوگا، ایک بے جا سختی کا، دوسرے اس کی تعلیم کے خراب ہونے کا، اور اساتذہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ان کا بے تحاشا پیٹنا کسی ہمدردی کی وجہ سے ہوتا ہے، عموماً ایسا شفائے غیظ کیلئے ہوتا ہے، اس چیز سے میں بہت خطرہ محسوس کرتا ہوں۔

مشہور شاعر علامہ اقبال مرحوم نے مثنوی ''رموزِ بے خودی'' میں اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک سائل بھیک مانگتا صدا لگاتا ہوا ان کے دروازے پر آیا، یہ گدائے مبرم یعنی اڑیل فقیر تھا، دروازے سے ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا، اس کے بار بار چیخ کر صدا لگانے پر علامہ اقبال نے طیش میں آ کر اسے مارا، اور اس مار پیٹ میں فقیر کی جھولی میں جو کچھ تھا، زمین پر گر گیا، علامہ کے والد اس حرکت پر بہت آزردہ اور کبیدہ خاطر ہوئے، اور دل گرفتہ ہو کر بیٹے سے کہا کہ قیامت کے دن جب خیر الرسل ﷺ کی امت سرکار کے حضور جمع ہوگی تو یہ گدائے دردمند تمہارے اس برتاؤ کے خلاف حضور رسالت مآب ﷺ سے فریاد کرے گا، اس وقت

اے صراطت مشکل از بے مرکبی — من چہ گویم چوں مرا پُرسد نبی
حق جوانے مسلمے باتو سپرد — کو نصیبے از دبستانم نبرد
درملامت نرم گفتار آں کریم — من رہینِ خجلت وامید وبیم
باز این ریش سفیدِ من نگر — لرزہ ٔ امید وبیمِ من نگر
از تو ایں کارِ آساں ہم نشد — یعنی آں انبارِ گل آدم نشد
اند کے اندیش ویاد آرائے پسر — اجتماع امت خیر البشر
بر پدر ایں جورِ نازیبا مکن — پیش مولیٰ بندہ را رسوا مکن

یعنی اے اقبال! بغیر سواری کے راستہ قطع کرنا مشکل ہے۔ مجھ سے نبی ﷺ پوچھیں گے، تو میں کیا کہوں گا، وہ پوچھیں گے کہ حق تعالیٰ نے تم کو ایک جوان مسلمان بیٹا سپرد کیا تھا، لیکن اسے میرے دبستان سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ (تم سے اتنا آسان کام بھی نہ ہوسکا کہ، یعنی مٹی کا ڈھیر تمہاری تربیت میں رہ کر آدمی نہ بن سکا) نبی کریم ﷺ تو نرم گفتاری سے مجھے ملامت کریں گے، لیکن میں شرمندگی اور امید وبیم میں غرق ہوں گا، میرے بیٹے! ذرا اس وقت کو سوچو تو سہی، جب خیر البشر ﷺ کی امت اکٹھا ہوگی، پھر میری سفید داڑھی کو دیکھو اور امید وبیم کے درمیان میرے لرزنے کو دیکھو، باپ کے اوپر یہ نازیبا ظلم مت کرو، مولیٰ کے سامنے اس بندہ کو رسوا مت کرو۔

واقعی معاملہ سخت ہے، یہ بچے اگر کل قیامت کے دن دامن گیر ہوں گے تو جان مشکل میں پڑ جائے گی، ان کے ساتھ طاقت کا استعمال کم سے کم کرنا چاہئے، ہاں! روحانی طاقت، یعنی اخلاق وانسانیت سے زیادہ کام لینا چاہئے، اس سلسلے میں حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی کا قصہ بھی بہت عجیب ہے۔ یہ مولانا فضل حق، ہدیہ سعیدیہ کے مصنف، زبردست عالم ہیں، منطق وفلسفہ اور ادب کے امام ہیں، ان کے والد گرامی مولانا فضل امام صاحب بھی بڑے عالم تھے۔ منطق کی مشہور کتاب ''مرقات'' انھیں کی تصنیف ہے، طلبہ پر بے حد شفقت فرماتے تھے، ان کے ایک شاگرد مولانا غوث علی شاہ تھے، بڑے آزاد مزاج اور دنیا جہاں کے سیاح! وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رامپور گئے تو مولانا فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی، ایک روز پچھلی باتوں کا ذکر آ گیا، اپنے والد بزرگوار (مولانا فضل امام صاحب) کو یاد کر کے روتے رہے، ہم نے کہا، مولوی صاحب، آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور آپ کی دستارِ فضیلت دور جا گری تھی، ہنسنے لگے اور فرمایا کہ

خوب یاد ہے، وہ عجیب زمانہ تھا، اور وہ قصہ اس طرح تھا کہ مولانا فضل امام صاحب نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو، وہ تھا غریب آدمی، بد صورت، عمر زیادہ علم کم، ذہن کند، یہ نازک طبع، ناز پروردہ، جمال صورت و معنیٰ سے آراستہ، چودہ برس کا سن وسال، نئی فضیلت، ذہن میں جودت، بھلا میل ملے تو کیسے ملے، اور صحبت راس آئے تو کیوں کر آئے، تھوڑا سبق پڑھا تھا کہ بگڑ گئے، جھٹ اس کی کتاب پھینک دی، اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا، وہ روتا ہوا مولانا فضل امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا حال بیان فرمایا، فرمایا: بلاؤ اس خبیث کو، مولوی فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے، مولانا صاحب نے ایک تھپڑ دیا اور ایسے زور سے دیا کہ ان کی دستار فضیلت دور جا پڑی اور فرمانے لگے، تو ظالم عمر بھر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز ونعمت میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا، طالب علموں کی قدر ومنزلت تو کیا جانے، اگر مسافرت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی ارے طالب علمی کی قدر ہم سے پوچھو، خیر بھلا جانو گے، اگر ہمارے طالب علموں کو کچھ کہا، یہ چپ کھڑے روتے رہے، کچھ دم نہیں مارا، خیر قصہ رفع دفع ہوا، لیکن پھر کسی طالب علم کو کچھ نہیں کہا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا جائے، انھیں خوفزدہ نہ کیا جائے، نہ جانے ان میں کل کون کیا ہونے والا ہے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک استاذ نے طالب علمی کے زمانہ میں انھیں تھپڑ رسید کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد کسی نے دیکھا کہ ان کا وہ ہاتھ سوکھا ہوا ہے، دریافت کرنے پر انھوں نے بتلایا کہ عبدالقادر کو اس ہاتھ سے تھپڑ مارا تھا، اس کی یہ سزا ملی ہے۔ اس نے شیخ سے جا کر عرض کیا، شیخ ان کی قبر پر تشریف لے گئے، اور بارگاہ الٰہی میں بہت کچھ مناجات کی، جب

ان پر سے یہ سزا ہٹی، بچپن میں بسا اوقات اندازہ نہیں ہوتا کہ کل اس طالب علم کا کیا رتبہ ہوگا، یہاں بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، بات ذرا لمبی ہوگئی، لیکن دیکھتا ہوں کہ حضرات اساتذہ اس باب میں بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی لئے ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کردیا اور بعض لوگ تعلیم وتربیت کے حق میں دوسری کوتاہی کرتے ہیں، وہ یہ کہ طلبہ سبق یاد کریں یا نہ کریں، نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، اخلاق خواہ ان کے کیسے ہی ہوں، وہ سرے سے روک ٹوک کرتے ہی نہیں، یہ بھی غلط ہے، انھیں اپنی اولاد کی طرح پالنا پوسنا چاہئے، ان سے غلطی ہو رہی ہو تو روکنا چاہئے اور بار بار چاہئے، یہ نہیں کہ ایک دو مرتبہ روکا پھر اکتا گئے، نہیں بلکہ جتنی بار ان سے غلطی ہو اتنی بار ٹوکئے، مگر نرمی سے اور ایسا بھی نہ ہو کہ بالکل پیچھے پڑ جانا محسوس ہو۔ تربیت کا مسئلہ ذرا نازک ہے، تاہم روک ٹوک کرتے رہنا چاہئے، اس سے برائی سمٹتی ہے، اور اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو برائی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا، کچھ اور لکھنا چاہتا تھا، مگر یہاں آکر طبیعت بند ہوگئی، قلم رک گیا، بہت سوچا کہ اور کیا لکھنا چاہئے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اب تک بے تکلف لکھا تھا، اب تکلف ہوتا، اس لئے اس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات کی شان میں کوئی نازیبا بات میرے قلم سے نکل گئی ہو تو اسے معاف کریں گے، آپ حضرات کے لئے دعا گو ہوں اور دعاؤں کا ملتجی ہوں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۶ھ

☆☆☆☆☆

یہ خط ایک عالم دین کے نام لکھا گیا، جو ایک مدرسہ کے ذمہ دار تھے۔

**الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد**

برادر محترم ومکرم ! **زید مجدکم**

**السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

مزاج گرامی!

فون اور موبائل کی بَلا نے خطوط نویسی کی سعادت کو غارت کر دیا ہے۔ بہت عرصہ ہوا کوئی خط نہیں لکھ سکا ہوں، نہ مختصر نہ مفصل! آپ کے خط نے طبیعت کو گرمایا، جی میں آیا کہ فوراً قرطاس وقلم بہم کروں، اور جس طرح آپ نے دردِ دل کی داستان سنائی ہے، میں بھی اس کا دوسرا باب رقم کر دوں، مگر اس وقت جلالین شریف کی شرح کی دھن لگی ہوئی ہے، اس کی مشغولیت اور بعض خصوصی مہمانوں کی آمد ورفت نے اس کی مہلت نہیں دی، آج جمعرات ہے، تقاضائے قلب ہوا کہ آج اس قرض کی ادائیگی کر دوں، کچھ خیالات ہیں، جو آپ کی داستان پُر ملال پڑھنے کے بعد دل ودماغ میں گردش کر رہے ہیں، انھیں سینۂ قرطاس پر ثبت کرنا چاہتا ہوں، ترتیب کی ذمہ داری نہیں لیتا، اور اس کے ساتھ یہ بھی خیال ہے کہ معلوم نہیں آپ کے مزاج اور آپ کی طبیعت کے موافق یہ تحریر ہوگی یا نہیں! اگر ہو تو سبحان اللہ، ماشاء اللہ! اور اگر نہ ہو اور میرا قلم کہیں آپ کے لئے باعث تکلیف ہو جائے تو پیشگی معذرت!

بات یہ ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے، آپ سے ملا ہوں، آپ کا مہمان رہا ہوں، لیکن دوستوں اور عزیزوں کیلئے میری آنکھ میں حسن ہی حسن ہے، مجھے ان کی کوئی کمی اور خامی نظر نہیں آتی، تو اس صورت حال میں، آپ کو کیا نصیحت یا فہمائش

کروں، لیکن جو حالات وواقعات آپ نے لکھے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جائے، جس سے آپ کو تسلی بھی ہو، کام کا راستہ بھی کھلے، پس میں کچھ عمومی باتیں لکھوں گا، ان سے آپ اپنا مطلب اخذ کرلیں، خدا کرے آپ کے مطلب کی کوئی بات ان خیالات میں آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے باپ کی جانشینی بخشی ہے، اس جانشینی میں مدرسہ بھی ہے، عقیدہ بھی ہے، تربیت بھی ہے، لوگوں کی محبت وعقیدت بھی ہے، بہتوں کی عداوت بھی ہے، اس جانشینی میں علم وفضل کے ساتھ ساتھ، ایک ماحول بھی ملا ہے، جو عجیب جہل وبدعت اور رفض کی وحشت کا مجموعہ ہے، اس ماحول میں دین خالص کا کام کرنا، اور اپنے دامن کو آلودگیوں سے بچائے رکھنا، ایک کام ہے جان جوکھم کا! پھر آپ کی ایک طبعی خوبی یا کمزوری یعنی سفر کرنے سے گریز پائی؛ اس نے اقامت وطن کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کردیا ہے، اس صورت حال میں آدمی کیا کرے؟ اسی کو سامنے رکھا، اور خیالات ذہن میں امنڈنے لگے انھیں بے ترتیب سہی لکھے دیتا ہوں۔

میں جب آپ کا خط پڑھ رہا تھا، تو میرے ذہن میں ایک آیت مسلسل جگمگا رہی تھی۔ آپ وہ آیت سنئے! تفسیر وتشریح کی حاجت نہیں، مگر اس کے تعلق سے کچھ کہوں گا۔ آیت شریفہ یہ ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ج فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ O

اگر چہ آپ کو ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے، مگر چاہتا ہوں کہ ترجمہ بھی لکھتا چلوں، بات سے بات پیدا ہوتی ہے، شاید ترجمہ سے آیت شریفہ کے نکتوں کی طرف تجدید نگاہ ہو، فرماتے ہیں:

(اے پیغمبر) یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کیلئے اس قدر نرم مزج واقع ہوئے، اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے، تو لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے (ان کے دل تمہاری طرف اس طرح نہ کھنچتے، جس طرح اب بے اختیار کھنچ رہے ہیں) پس ان سے درگزر کرو، اوران کیلئے (اللہ سے) بخشش بھی طلب کرو اور معاملات میں ان سے مشورہ بھی کیا کرو، پھر جب تم نے کوئی عزم کرلیا، تو اللہ پر بھروسا کرو، یقیناً اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، جو اس پر بھروسہ رکھنے والے ہیں۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ مزاج کی نرمی اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے، جس قدر مزاج میں نرمی ہوگی لوگوں کی طبیعتیں اس کی طرف کشش محسوس کریں گی، اور والہانہ محبت کا انداز اس کا ہالہ بنے گا۔ مزاج کی نرمی کا پہلا اثر کلام کی نرمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، ملنے جلنے والے، پاس میں رہنے والے، دور سے آنے والے، معاملہ کرنے والے، گھر والے، باہر والے سب کا سابقہ جس چیز سے سب سے زیادہ پڑتا ہے، وہ کلام ہی ہے، تو مزاج کی نرمی جب کلام میں گھلتی ہے، تو آدمی پیکر جمال بن جاتا ہے اور لوگ پروانہ وار اس پر نچھاور ہوتے ہیں۔ یہ وصف کمال، بدرجۂ اتم، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، اب جس کو ان سے جتنا قرب ہوگا، اتنا ہی وہ نرم مزاج اور شیریں کلام ہوگا۔ اس صفت کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے، کیسا ہی غصہ اور طیش کا موقع ہو؛ نہ دل کی نرمی میں کوئی فرق آئے، نہ کلام کی شیرینی میں کوئی تلخی شامل ہو،

یہاں مجھے ایک مشہور حدیث یاد آرہی ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، امام ترمذیؒ نے سورہ ص کی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے، حدیث طویل ہے، حاصل یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لئے قدرے تاخیر سے تشریف

لائے، نماز کے بعد آپ نے سب کو روکا اور فرمایا کہ میں سویرے اٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے ہلکی سی اونگھ آ گئی، میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا، حق تعالیٰ نے پوچھا کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگ کس مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا، حق تعالیٰ نے اپنا دست مبارک میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھا اور مجھ پر دنیا کی چیزیں روشن ہو گئیں، پھر مجھ سے فرمایا اب بتاؤ، گفتگو کفارات اور درجات کے بارے میں ہو رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ سنا تھا، بتایا، تو درجات بلند کرنے والی چیزیں جو فرشتوں کی اس محفل میں مذکور ہوئیں وہ تین باتیں تھیں: **إطعام الطعام، لین الکلام، والصلوٰۃ باللیل والناس نیام** ۔کھانا کھلانا، نرمیٔ کلام۔ اور جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کے اوقات میں نماز۔

فرائض کے بعد یہ ایک مختصر سا نسخہ ہے، جس سے درجات بلند ہوتے ہیں، اور مقبولیت ومحبوبیت من عند اللہ نازل ہوتی ہے، اتنا لکھ چکا تھا کہ ایک آیت اور ذہن کے افق پر چمکی، سورۂ احزاب کی آیت ہے:

**يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً۔**

اے ایمان والو! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور بات درست بولو، (اس کے نتیجہ میں) اللہ تمہارے کاموں کو سنوار دیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور جو کوئی اللہ ورسول کی اطاعت کرتا ہے یقیناً اسے بڑی کامیابی مل گئی۔

تقویٰ کا محل قلب ہے، اور درست باتوں کا محل زبان ہے، انسان کے جسم میں وہ بنیادی چیز جس سے انسان انسان بنتا ہے یہی دونوں چیزیں ہیں، ان دونوں

کے درست ہونے کے بعد اس قادر مطلق پروردگار کا وعدہ ہے کہ باقی تمہارے کاموں اور درستگی کا ذمہ ہمارا ہے۔

دل کی زمین نرم ہوتی ہے، تو اس میں محبت کا بیج خوب جمتا ہے، پھر وہ سایہ دار درخت بن کر دائرہ بڑھاتا رہتا ہے، دنیا میں یہی ایک چیز ایسی ہے جس کا بازار ہمہ دم گرم رہتا ہے، آدمی محبت کرتا ہو، تو اس کا سایہ ہر ایک کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اور اس کی حلاوت سب کو بھلی معلوم ہوتی ہے، محبت کا خاصہ ہے کہ اس سے خالق بھی راضی ہے اور مخلوق بھی خوش ہے، قلب شاید بنا ہی اس لئے ہے کہ آدمی اپنے خالق و مالک سے محبت کرے، اور پھر اس کے واسطے سے اللہ کی مخلوق سے بھی محبت کرے، خالق سے محبت ہوئی، تو ان کی خوشنودی حاصل ہوئی، مخلوق پر محبت کی پھوار پڑی تو وہ نہال ہوئی۔

قلب کی نرمی اسے زرخیز بناتی ہے، پھر اللہ کا حکم آتا ہے **فاعف عنهم**، مخلوق سے خطا ہوتی ہے، اس خطا کی وجہ سے تکلیف بھی پہونچ جاتی ہے، مگر دل کا حوصلہ بلند ہونا چاہئے، دل تنگ نہ ہو، تکلیف اور غصہ دل میں جمنے نہ پائے، معاف کردو، درگزر کردو، دل صاف ہوجائے گا۔ معاف کرنا، بڑا حوصلہ چاہتا ہے، خردہ گیری، ہر بات پر گرفت، گرفت پر ٹھہراؤ، معاف کرنے سے پہلوتہی، یہ وہ باتیں ہیں، جن سے حوصلہ کی پستی ٹپکتی ہے اور ساتھ والوں کا دل ٹوٹ جاتا ہے، حوصلہ بلند ہوتا ہے، تو مخلوق کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہوا آدمی سیدھا خدا تعالیٰ کے حضور پہونچتا ہے، تکلیف و آرام سب انھیں کی طرف سے پاتا ہے، مخلوق کی غلطیوں میں بھی وہ مشیت کی کارفرمائی دیکھتا ہے، پھر وہ سب سے اپنی نگاہ ہٹا کر اسی دربار میں نگاہ جما دیتا ہے، پھر نفع ہے، تو ان کی نگاہ کرم ہے، ضرر ہے، تو ان کی مشیت ہے، اور بندہ کو آقا کی مشیت پر راضی ہی رہنا ہے، ہر حال میں نگاہ وہیں جمائے رہنا اور نفع وضرر کو انھیں کے

حوالے کرنا توکل ہے، توکل سے بھی آدمی کے حوصلے کو بلندی ملتی ہے، حوصلہ بلند ہوتا ہے، تو آدمی خودرائی نہیں کرتا، اعجاب رائے میں مبتلا نہیں ہوتا، اپنے لوگوں سے مشورہ لیتا ہے، ان کی رائے معلوم کرتا ہے، اور سب کو ساتھ لے کر باہمی رضامندی سے کوئی فیصلہ کرتا ہے، اور جب کسی بات کا فیصلہ ہوگیا، تو اس پر پختگی سے جمتا ہے، معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہے، انھیں پر اعتماد کرتا ہے۔

دنیا میں کام بالخصوص اجتماعی کام اسی طور ہوتا ہے، مرحوم اقبالؔ نے اس مضمون کو ایک شعر میں ادا کیا ہے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

آیت کریمہ کے متعلق جو کچھ سوچا تھا وہ لکھ چکا، باتیں تو ابھی اور ہیں، تلاش کیجئے گا، تو اسی تحریر کی تہوں میں وہ بھی مل جائیں گی، آیت کریمہ کے جلو میں ایک حدیث بھی حافظہ کے پردہ پر روشن ہوئی، وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر خدمت ہوا، اس نے دریافت کیا کہ حضرت! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ اس کے کرنے سے، اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت فرمائیں اور لوگ بھی محبت کریں، آپ نے اس پر دو باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) **إزهد في الدنيا يحبك الله** ۔ دنیا میں زہد یعنی بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔

(۲) **وازهد فيما عند الناس يحبك الناس** ۔ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے رغبت ہوجاؤ، لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (رواہ ابن ماجہ)

یہ تحصیل محبت کا نسخۂ کیمیا ہے، جو زبان نبوت سے صادر ہوا ہے، اس کے

برحق ہونے اور کامیاب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، واقعی دنیا قابل اعتنا چیز نہیں ہے، اس کے ساتھ اعتناء صرف اس حیثیت سے اور اس درجے میں ہونا چاہئے کہ آخرت کا سامان تیار کرسکے، خود یہ نہ مقصود ہے نہ مرغوب! مرغوب ومقصود تو آخرت ہے، خوشنودیٔ الٰہی ہے۔

اسی طرح جو چیز ہماری جیسی مخلوق کے نصیب میں ہے، ہم اس پر حرص وطمع کی نگاہ کیوں ڈالیں، جہاں سے وہ چیز انھیں ملی ہے، ہمیں بھی وہیں سے مل جائے گی، اور اگر ہمیں نہیں ملتی تو بھی ہم کو مخلوق سے دل سے چھیننے کا کیا حق ہے؟

اللہ کی شان یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے، اسے ان سے مانگئے، تو وہ خوش ہوتے ہیں، دینا نہ دینا ہماری مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، لیکن ان کو خوشی تو ہو ہی جاتی ہے۔

اور مخلوق کا حال یہ کہ جو کچھ ان کے پاس ہے، اس کو مانگئے تو اسے گرانی ہوتی ہے، اور اگر مخلوق کو اطمینان ہو جائے کہ یہ شخص ہم سے کچھ نہیں مانگتا، اور نہ مانگے گا، تو یہ بات اس کی خوشی اور محبت کا باعث ہوگی۔

آپ کے سامنے میں نے پورا وعظ کہہ ڈالا، معلوم نہیں میں نے مناسب کام کیا یا نامناسب؟ مگر دل میں ایک بے چینی تھی میں نے اسے کاغذ پر منتقل کر دیا ہے پیشگی معذرت کر چکا ہوں، پھر معذرت خواہ ہوں۔

اس عام بات کے بعد کچھ باتیں خط کے مندرجات کے متعلق عرض کردوں۔

مدرسہ کے لئے سرکاری امداد کے سلسلے میں آپ کا جو خیال اور نظریہ ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہئے۔ اس میں ذرا بھی مداہنت نہ کریں، مدرسہ بند کرنا منظور، مگر حکومت کا نجس پیسہ لینا گوارا نہیں، یہ نرسری والا مشورہ بھی غلط ہے۔

آپ نے جو طریقہ بلکہ جو مسلک بصیرت کے ساتھ اختیار کیا ہے، اس پر قائم رہیے۔ اللہ کی رضا مطلوب ہے، کسی کی خوشامد نہیں۔

روزانہ صلوٰۃ التوبہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، کبھی جب گناہ ہو جائے، اور متیقن طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ گناہ ہے اس وقت نماز پڑھ کر خواہ وہ فرض ہو، سنت ہو ، یا نفل ہو، پڑھ کر صدق دل سے توبہ کر لی اور بس، نیز جب کوئی گناہ یاد آئے، یا احساس ہو تو حضور قلب سے چند بار استغفار کر لیں، کافی ہے، البتہ اس کی کوشش کریں کہ اخیر شب کا تھوڑا سا ہی حصہ نصیب ہو جائے، دو ہی رکعت سہی، بلکہ حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ کے بقول ایک ہی رکعت سہی! رات کو سویرے سونے کی کوشش کریں، عشاء کے بعد عمومی گفتگو اور ملاقات معمولات کے خانے سے حذف کر دیں، استثنائی صورتیں علیٰحدہ ہیں۔

دعاؤں کا البتہ خصوصی اہتمام کریں، اپنی عبدیت، بے چارگی، ناکارگی اور بے بسی کا احساس تو رہتا ہی ہے، اس احساس کو خدا کے حضور پیش کر کے اس جناب سے مدد مانگئے، اپنے لئے، مدرسہ کے لئے، اساتذۂ مدرسہ کے لئے، طلبۂ مدرسہ کے لئے، البتہ اس کا معمول بنائیے کہ کبھی کبھی اجتماعاً بھی دعا کا اہتمام ہو، بالخصوص اس وقت جب مدرسہ میں کوئی مشکل صورت حال ہو۔ مومن کا یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے، کہاں تک لکھوں، زبانی گفتگو کا موقع ہوتا، تو دعا کے عجیب عجیب محیر العقول تجربے آپ کو سناتا، آپ اس سے قطع نظر کر لیجئے کہ حالات ناموافق ہیں، بہت سے لوگ آمادۂ عداوت ہیں، ستانے کے درپے ہیں، کوئی کچھ نہیں کر سکتا جب تک مشیت الٰہی نہ ہو، ان تفکرات سے دل و دماغ کو اور ان کے تذکرے سے زبان کو اور مجلس کو آلودہ مت کیجئے، جو کچھ ہو رہا ہے اسے مشیت خداوندی پر محوّل کر کے خود کو متوجہ بجناب الٰہی

رکھئے، اور انھیں سے التجا کیجئے، اور انھیں اپنا وکیل بنایئے، اور **أفوض أمری إلی اللہ، إن اللہ بصیر بالعباد** کا مراقبہ کیجئے۔

مدرسہ کے ماحول کو محبت اور ہمدردی کی خوشبو اور سایہ سے پُرکشش اور آرام دہ بنایئے، اس کے لئے پہلے آپ کو محنت کرنی ہوگی، پہلے کیا؟ اول وآخر سب! پھر جو لوگ ساتھ دیں ان کی قدر کریں، اور جو لوگ ساتھ نہ دیں ان سے صرف نظر کریں، اور اپنی محبت ان سے بھی برقرار رکھیں، صرف ساتھ نہ دینے سے صرف نظر کریں، کیونکہ استعدادیں منجانب اللہ ہی مختلف ہوتی ہیں۔

اس کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ جو لوگ آپ کے گرد کام کرتے ہیں، ان کے حق میں کبھی حرف شکایت زبان سے نہ نکالیں، ان کے کانوں میں کبھی آپ کی طرف سے کوئی کلمۂ شکایت نہ پہونچے، ان کی کوئی بات ناگوار ہو، تو تنہائی میں بغیر کسی غیظ وغضب کے نرم لہجہ میں فہمائش کردیں، یہ کام کئی بار بھی کرنا پڑے تو بھی لہجہ کی نرمی اور گھلاوٹ میں فرق نہ آئے، اپنے لوگوں کے دل جیت لینا، کام کے آگے بڑھنے کی بنیاد ہے، طلبہ بھی اور اساتذہ بھی محبت کی خوشبو پائیں گے، تو پھر ہلنے کو سوچیں گے بھی نہیں۔ ہاں کچھ ایسی طبیعتیں جن میں شر کا مادہ غالب ہوتا ہے، وہ مستثنیٰ ہیں۔

انتظام وتدریس کے ساتھ کچھ تصوف وسلوک کا معمول ضروری ہے، اس سلسلے میں مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے کیا معمولات ہیں، بہرحال ہونا چاہئے، میرے خیال میں عمر کا کارواں نصف صدی پار کرچکا ہوگا، اب آخرت کا غلبہ ہونا چاہئے۔

مدرسے کے سلسلے میں اتنی اور عرض ہے، کہ طلبہ کے طعام اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ کے باب میں قلت وسائل اور تنگی مال کا لحاظ نہ کریں، معقول تنخواہ مقرر کریں، طلبہ کے لئے امکان بھر کھانے کا اچھا نظم کریں۔ دلوں کی خوشی کا، تحصیل

مال میں بہت دخل ہوتا ہے، جو تنخواہ آپ مقرر کریں گے، وہ ان کے رزق کا ایک جزو ہی ہوگی، اللہ کو روزی دینی ہے، ایک جزو جو آپ مقرر کریں گے، اسے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف منتقل کر دیں گے، وہ ان تک آپ کے ذریعے پہونچائیں گے۔ مجھے خوب تجربہ ہے کہ جب مدرسہ میں اساتذہ وملازمین کی تنخواہ بڑھتی ہے، آمدنی میں خود بخود اضافہ ہوجاتا ہے، دل میں قطعاً تنگی کا احساس نہ لائیں، بڑھائیں، پھر دعا بھی بڑھائیں، اس جناب میں کوئی کمی نہیں۔ فرمان نبوی ہے: **أنفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالاً۔**

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ناظم مالیات تھے، اب وہ نہیں رہے، مگر رسول کا دین تو موجود ہے، اس کے بلال، یہی لوگ ہیں، جو دین کے لئے، علم دین کے لئے ہمہ وقت حاضر خدمت رہتے ہیں، انھیں وہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے جو زبان حق ترجمان حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی تھیں:

**أنفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالاً۔**

بلال خرچ کرو، اور عرش والے سے کسی کمی کا اندیشہ نہ کرو۔

باتیں میں بہت لکھ گیا، خدا کرے آپ کو ناگوارِ خاطر نہ ہو، اور محبت میں ناگواریوں کا کہاں گزر؟ بہت مدت کے بعد اتنا مفصل خط، دل کھول کر اور رہوارِ قلم کی باگ ڈھیلی کر کے، جو کچھ دل میں جمع ہوگیا تھا، لکھا ہے۔

**رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ**

اعجاز احمد اعظمی

۲۵؍محرم ۱۴۳۰ھ

گزشتہ دنوں استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مدظلہٗ کے نام دہلی سے ایک خط آیا، لکھنے والے صاحب کوئی راشد شاز ہیں، ان سے میری کوئی واقفیت نہیں ہے، ان کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان پر قیادت وسیادت کا بھوت سوار ہے، اس لئے ''تنصیب امامت'' اور ''امت کی قیادت'' وغیرہ سے کم کی بات نہیں کرتے، چند روز پہلے ایک دوست نے ان کی ایک کتاب ''ادراک زوال امت'' مطالعہ کے لئے دی تو اس کے چند ہی ابواب پڑھ کر اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طبقۂ منکرین حدیث کی صف اول کا آدمی ہے، اور اس نے انکارِ حدیث کے سلسلہ میں اپنے تمام پیش رؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، کتاب کو پڑھ کر طبیعت بہت مکدر ہوئی، اس خط کا جواب حضرت مولانا مدظلہٗ نے نہایت تفصیل سے دیا، جو پیش خدمت ہے، راشد شاز کا خط پہلے ملاحظہ ہو، اس سے ان کے افکار ونظریات اور ذہنی کجروی کا کچھ اندازہ ہوگا۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

گرامی قدر جناب مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ ایک سال کے دوران مجلّہ ''فیوچر اسلام'' نے عالمی سطح پر اپنی شناخت ایک ایسے رسالہ کی حیثیت سے مستحکم کرلی ہے جہاں مشرق ومغرب کے اہل فکر مستقبل کے ایجنڈے کے سلسلے میں تبادلۂ خیال کررہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں اس سلسلۂ بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے امت مسلمہ کے مستقبل کے سلسلے میں ایک مذاکرہ منعقد کیا تھا جس میں مختلف حلقۂ فکر کے اصحابِ علم ودانش نے اس بارے میں اپنی تجاویز پیش کیں کہ امت مسلمہ کی دوبارہ تنصیب امامت کے لئے کیا کچھ کیا جانا چاہئے۔ آنے والے دنوں میں ہم مذاکرہ کی یہ مجلس دنیا کے مختلف دارالحکومتوں میں منعقد کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں، تاکہ اس ظلمت شب سے جہاں اہل زمین فی زمانہ جینے پر مجبور ہیں، ایک نئی صبح کے طلوع کی راہ ہموار ہوسکے۔

مجلّہ ''فیوچر اسلام'' چونکہ بیک وقت اردو، عربی، اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے جسے دنیا کے مختلف حصوں میں انٹرنیٹ پر لاکھوں قارئین پڑھتے ہیں، اور جسے ہم آنے والے دنوں میں ترکی، بنگالی اور دوسری بڑی زبانوں میں بھی شروع کرنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ اس بین الاقوامی مباحثے میں آپ کی ضرور شرکت ہو۔ آپ کو شاید یاد ہو کہ اس سے پہلے بھی ہم نے مجلّہ ''فیوچر اسلام'' کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا:

''ہمارے زوال کی تلافی صرف اندرونی مسئلہ نہیں۔ آخری وحی کے حاملین کی حیثیت

سے پوری انسانیت کا مستقبل ہم سے وابستہ ہے، اس لئے امت مسلمہ کے موجودہ انتشار اوراس کے فکری زوال کونظرانداز کردینا دنیائے انسانیت کیلئے خطرناک مضمرات کا حامل ہوگا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے زوال پر بحث ومباحثہ کا حوصلہ پیدا کریں۔ اپنی طویل تہذیبی تاریخ اورفکری انحرافات کا وحی کی روشنی میں سخت محاسبہ کریں، جوامت صدیوں سے فقہی طریقۂ فکر کی عادی ہے اورجس کے دل ودماغ کوعلمائے متقدمین کی شخصیت نے مبہوت کررکھا ہے، اس کے لئے یقیناً یہ آسان نہیں کہ وہ صدیوں پر مشتمل اپنے تہذیبی اورعلمی سرمائے پرتنقیدی نظرڈال سکے۔ جہاں قال فلان اور روی فلان پر معاملات فیصل کرنے کا رواج ہو، وہاں ہر مسئلہ پر وحی ربانی کی روشنی میں اپنے دل ودماغ کومتحرک کرنے کی دعوت خواہ کتنی معقول ہو، اجنبی ضرور لگے گی۔ ہوسکتا ہے بعض لوگوں کواس پرتجدد پسندی کا گمان ہو، لیکن جولوگ قرآن مجید میں رسول اللہ (ﷺ) کے مقصد بعثت سے متعلق ارشاد سے واقف ہیں (**ویضع عنهم إصرهم والاغلال التي كانت عليهم**) (اعراف:۱۵۷) ان کے لئے اس نکتے کاادراک مشکل نہیں کہ جس طرح قرآن مجید خدااور بندے کے مابین کسی ربائیت یاپاپائیت کوقابل استرداد سمجھتا ہے، اسی طرح وہ مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے، نہ تو تشریح وتعبیر پر کسی اجارہ داری ہے اور نہ ہی کسی کواس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پرشبہ وارد کرے۔اہل ایمان کوتو چھوڑیئے، اللہ تعالیٰ نے تو حلقۂ اسلام سے باہرافراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے۔**إن الله يفصل بينهم يوم القيامة**

جیسا کہ ہم نے عرض کیا، دائرۂ وحی سے ہمارے باہرآ جانے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہم خیرامت کے منصب جلیل سے معزول ہوگئے، بلکہ پوری انسانی تاریخ جس کی آخری لمحے تک ہمیں قیادت کرنی تھی، سخت بحران سے دوچار ہوگئی۔ تاریخ کے اس سب سے بڑے انحراف سے درستگی کے لئے لازم ہے کہ ہم ان اسباب پرایمان دارانہ غورکریں، جس نے ہمیں انسانیت کی قیادت سے ہٹا کرتاریخ کے dustbin میں ڈال دیا ہے۔ تاریخ کے اس بحران عظیم کی درستگی کے لئے اب کیا کیا جائے؟ اوراس کا آغاز کہاں سے ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دینے کے لئے ہم نے طے کیا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر امت کے علماء ودانشوروں کا ایک مستقل فورم قائم کیا جائے، جہاں ایک نئی ابتداء کے لئے سنجیدہ غوروفکر کی طرح ڈالی جاسکے''۔

اس سلسلے میں مزید تفصیلات انگریزی، عربی اور اردو زبانوں میں ہماری ویب سائٹ www.futureislam.com پر موجود ہے، جسے آپ راست انٹرنیٹ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔انٹر نیٹ پر آپ کے مضامین کی اشاعت مذکورہ بحث کو آگے بڑھانے کے علاوہ آپ کی بیش قیمت تحریروں کو دنیا کے مختلف گوشوں میں ایسے قارئین فراہم کرے گی جن تک یقیناً آپ کی تحریر پہونچنے کی مستحق ہے، توقع ہے کہ آپ ہماری دعوت کو قبول کرتے ہوئے اس بنیادی مسئلہ پر اپنی تحریریں روانہ کریں گے کہ دنیا کی موجودہ بے سمتی کا ازالہ کیسے ہوسکتا ہے، امت مسلمہ کے موجودہ زوال کو کیسے روکا جا سکتا ہےاور سب سے بڑھ کر یہ کہ امت مسلمہ کی دوبارہ تنصیب امامت کیسے ہوسکتی ہے۔ضروری نہیں ہے کہ آپ ہمارے تجزیے سے اتفاق رکھتے ہوں، اور نہ ہی ہم اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ اس سوال کے مختلف جوابات میں یکسانیت ہوگی، البتہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سوال کے ہر ممکنہ جواب کو سنجیدہ غور وفکر کا مستحق سمجھا جائے ۔آپ کے فی الفور جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

راشد شاز، مدیر فیوچر اسلام ڈاٹ کام

☆☆☆☆☆

**الحمد للہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین و آلہ واصحابہ اجمعین ، امابعد !**

گرامی قدر جناب راشد شاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آپ کا مطبوعہ مکتوب ملا۔اسے پڑھ کر میں نے سمجھنے کی کوشش کی، مگر مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نہ مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ کی دعوت کا کیا مقصد ہے؟ اور نہ یہ سمجھ میں آیا کہ اس کے لئے آپ نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے؟ آپ شاید تعجب کریں کہ اتنی بلید اور موٹی سمجھ والے کو آپ نے کیوں مخاطب کیا؟ تو آپ کا تعجب حق بجانب ہے، میں بھی حیرت میں ہوں کہ میرے پاس یہ چیستاں اور معمہ کیوں بھیجا گیا؟

آپ کے مکتوب کا اجمالی جواب تو میں نے لکھ دیا، لیکن تھوڑی سی اپنی ناسمجھی کی تشریح بھی پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں، تاکہ میرا ناقابل التفات ہونا پختہ ہو جائے۔

آپ نے جس زبان میں خط لکھا ہے، اس سے مجھے مناسبت نہیں، میں نے ابتداء عمر سے قرآن وحدیث کی زبان پڑھی ہے، اور وہی زبان سمجھتا ہوں، آپ کے خط کے وہ الفاظ وکلمات جو مجھے بنیادی اور مرکزی معلوم ہوئے، انھیں میں نے قرآن وحدیث کے الفاظ ومفاہیم کی روشنی میں دیکھنا چاہا، تو وہ مجھے نہیں ملے، حالانکہ آپ نے خط میں قرآن کے ایک دو جملوں کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر ان کی روشنی میں بھی آپ کے مدعا پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

یہاں میں ان بنیادی الفاظ کو نوٹ کئے دیتا ہوں۔ (۱) مستقبل کا ایجنڈا، (۲) امت مسلمہ کا مستقبل، (۳) تنصیب امامت، (۴) بین الاقوامی مباحثہ، (۵) آخری وحی کے حاملین کی حیثیت سے پوری انسانیت کا مستقبل ہم سے وابستہ ہے، (۶) جو امت صدیوں سے فقہی طریقۂ فکر کی عادی ہے، (۷) کسی ربّائیت وپاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے، اسی طرح مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے، (۸) نہ تو تشریح وتعبیر پر کسی کی اجارہ داری ہے، (۹) اہل ایمان کو تو چھوڑیئے اللہ تعالیٰ نے حلقۂ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے، (۱۰) ہم خیر امت کے منصب جلیل سے معزول ہو گئے، (۱۱) پوری انسانی تاریخ جس کی آخری لمحے تک ہمیں قیادت کرنی تھی، (۱۲) دوبارہ تنصیب امامت وغیرہ۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ان الفاظ سے آپ نے کیا سمجھانا چاہا ہے، مستقبل کیا چیز ہے؟ ہمارے زمانے کے بعد سے قیامت آنے تک کے زمانے کو آپ نے مستقبل قرار دیا ہے یا دنیا کے بعد والی زندگی کو مستقبل کہا ہے؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا

ہے کہ آپ نے موجودہ زمانے کے بعد سے قیامت آنے تک کے زمانے کو مستقبل کہا ہے، تو اس کا ایجنڈا کیا ہے؟ ساری دنیا پر امت مسلمہ کا سیاسی غلبہ؟ اقتصادی غلبہ؟ یا علمی غلبہ؟ فکری اور تہذیبی وغیرہ صرف خوش نما الفاظ ہیں، جن کا کوئی مفہوم شاید اب تک متعین نہیں ہوسکا، یا اس سے مراد تدین وتقویٰ، صداقت وامانت اور اخلاق حمیدہ میں امامت ہے۔

پوری دنیا پر سیاسی غلبہ اور اس اعتبار سے امت کی امامت کے وعدے سے قرآن وحدیث کے صفحات خاموش ہیں، اور ایسا کبھی تاریخ میں بھی نہیں ہوا۔ اس لئے پوری دنیا پر سیاسی امامت وغلبہ کا خواب دیکھنا، یا اس میں سر کھپانا ایک فضول کام ہے، ہاں جہاں جہاں مسلمانوں کی حکمرانی ہے، انھیں خالص مسلمان بننے، اسلامی قانون کو نافذ کرنے اور یہود ونصاریٰ کی تقلید، ان کے رعب وتسلط اور ان کے خوف ودہشت سے آزاد ہونے کی دعوت دی جانی چاہئے، لیکن آپ نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

اور اگر امامت سے مراد اقتصادی غلبہ ہے، تو یہ چیز مطلوب کیا ہوتی؟ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق تو حرص مال سخت خطرناک ہے، اور فی زمانہ اقتصادی غلبہ مال کی بے تحاشا حرص وہوس کے بغیر ممکن نہیں، انفرادی سطح پر یا اجتماعی سطح پر اصحابِ ثروت کون ہیں؟ یہود ونصاریٰ، اور ان کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں مال وجاہ کی جوع البقر میں مبتلا ہیں، اس لئے ہرنا کردنی ان کے یہاں رَوا ہے، تو کیا آپ اسی راہ پر امت کو ڈالنا چاہتے ہیں؟

اور اگر امامت سے مراد علمی امامت ہے، تو آج کل جسے علم کہا جاتا ہے، وہ دنیاوی علوم وفنون ہیں، مثلاً سائنس اور اس کی مختلف شاخیں، ڈاکٹری وغیرہ، ان علوم کا

تعلق صرف دنیا کی زندگی تک ہے، موت کے بعد یہ سب علوم جہالت کے خانے میں چلے جاتے ہیں ان میں امامت مفید تو ہے، مگر امت اسلامیہ کے مقاصد میں نہیں ہے۔

اور دوسری چیز جو حقیقۃً علم ہے، مگر آج کی خدا فراموش اور آخرت سے غافل دنیا اسے علم ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، وہ علم آخرت ہے، اس میں بحمد اللہ آج بھی امامت امت مسلمہ ہی کو حاصل ہے، کوئی اقتداء کرے یا نہ کرے۔

تدین وتقویٰ، صداقت وامانت اور اخلاق حمیدہ میں امامت البتہ مطلوب ہے، مگر وہ نہ عالمی مجلس مذاکرہ سے حاصل ہوگی، نہ بین الاقوامی مباحثہ سے، لیکن آپ کے یہاں اس کا اشارہ بھی نہیں۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، فکری، تہذیبی وغیرہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں، بے معنی الفاظ! اس لئے وہ درخورِ اعتناء نہیں۔ ''بین الاقوامی مباحثہ'' میں کیا دنیا کی ہر قوم شریک ہوگی، اگر ایسا ہے، تو اس کا امت مسلمہ سے کیا تعلق؟ وہ تو کفر وشرک کا مجموعی سنڈاس بن کر رہ جائے گا۔

''پوری انسانیت کا مستقبل ہم سے وابستہ ہے'' الفاظ تو بہت خوشنما ہیں، مگر آپ ہی بتائیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کس اعتبار سے مستقبل وابستہ ہے؟ اور کون سا مستقبل؟ اس وابستگی کی خبر کس نے دی، اللہ نے، رسول نے یا آپ نے؟

''جو امت صدیوں سے فقہی طریقۂ فکر کی عادی ہے'' کیوں صاحب فقہی طریقۂ فکر کا عادی ہونا کوئی جرم ہے، آخر علم فقہ قرآن وحدیث اور سنت نبوی ہی کی صراحتوں، اشاروں سے ماخوذ ومستنبط ہے، فقہی طریق فکر ترجمان ہے، قرآن وسنت کا۔ کیا آپ فقہی طریقۂ فکر سے بغاوت کی دعوت دے کر امت کو قرآن وسنت سے بغاوت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ

''ہم وحی ربانی کی روشنی میں اپنے دل ودماغ کومتحرک کرنے کی دعوت''

دے رہے ہیں، تو معاف کیجئے گا یہ امت کوفریب دینا ہے، آپ درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ وحی ربّانی کی روشنی میں علماء اسلاف نے جوطریقۂ فکر متعین کیا ہے، اس سے بغاوت کر کے اس طریقۂ فکر پر آجاؤ، جو ہمارے دل ودماغ کی پیداوار ہے، جس کو اسلاف کے طریقۂ فکر سے بچایا گیا ہے۔ یہ دعوت وحی ربّانی کی طرف نہیں ہے، اس انسانی فکروفہم کی طرف ہے، جومغربیت کی چکاچوند اور دنیا پرستی کے شوروغوغا سے مرعوب ہوکر قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکام کو بوجھ محسوس کررہی ہے، اور اسے کسی بہانے سے اتار پھینکنا چاہتی ہے۔

یاد رکھئے اسلاف کے فقہی طریقۂ فکر سے آزاد ہوکر اپنے دل ودماغ کو متحرک کیجئے گا، تو وہ کچھ اور ہی مذہب ہوگا، اسلام نہ ہوگا۔ اور اس مذہب کی امامت سے، جو اسلام نہ ہو، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

''جس طرح قرآن مجید خدا اور بندے کے درمیان کسی ربّائیت و پاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے، اسی طرح مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے''

بے شک قرآن کریم نے یہودیوں کی احبار پرستی اور عیسائیوں کی رہبان پرستی کا انکار کیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے: **إتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله**۔ انھوں نے اللہ کے مدمقابل اپنے علماء اور اپنے درویشوں کو رب بنالیا تھا۔

اس میں **من دون الله** کا لفظ بہت اہم ہے، جب کسی بندے کے لئے خدائی اختیارات مان لئے جائیں، تو یہ کفروشرک ہے، لیکن اگر علماء نے اللہ کے بندے بن کر، اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہوئے، اللہ کے کلام کو سمجھنے کی پوری کوشش کی اور اسی میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں، اپنی عمر اسی میں کھپائی، پھر پیروی کرنے بھی والوں

نے انھیں خدا نہیں قرار دیا، بندہ ہی مانا، البتہ اپنے سے زیادہ واقف کار سمجھ کر ان کے علم وفہم پر اعتماد کیا اور ان کی پیروی کی تو قرآن اس کا انکاری کب ہے، وہ تو کہتا ہے: **فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون** ،علم والوں سے پوچھو، اگر تمہیں علم نہیں اورفرمایا: **واتبع سبيل من أناب إلي** ،اس شخص کی پیروی کرو جس نے میری طرف انابت اختیار کی۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ مخلص اور متدین علماء کی پیروی کی جائے، اگر اللہ اور بندے کے درمیان اس واسطہ کو آپ پاپائیت سمجھتے ہیں تو یہ وہم ہے، اسے دور کیجئے۔

یہود ونصاریٰ تو مجموعی طور پر احبار ورہبان کو ارباباً من دون اللہ بنانے میں مبتلا ہوگئے تھے، لیکن امت مسلمہ اجتماعی اعتبار سے اس بیماری سے بحمد اللہ پہلے بھی محفوظ تھی، اور اب بھی محفوظ ہے، کچھ گمراہ لوگ اگر اس بیماری میں مبتلا ہوئے ہوں تو علماء نے اسے رد کردیا ہے، اس کی وجہ سے پوری امت کو اس کا مریض نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پاپائیت اور مولویت کو ایک جیسا ادارہ قرار دینا علم وعقل سے تہی دامنی کی دلیل ہے، بحمد اللہ اس امت نے مولویوں کو قرآن وحدیث کا عالم تو مانا ہے، خدا نہیں مانا ہے، اس کے لئے ثبوت درکار ہے کہ قرآن مولویت کے ادارے کا انکاری ہے، یہ قرآن پر غلط الزام ہے، بے جا تہمت ہے۔

''نہ تو تشریح وتعبیر پر کسی کی اجارہ داری ہے'' یعنی قرآن کی تشریح وتعبیر پر کسی اجارہ داری نہیں ہے، یہ جملہ بیسویں صدی میں ایجاد ہوا ہے، اور اس کو قرآن وحدیث کو بوجھ سمجھنے والوں نے اتنی مرتبہ دہرایا ہے کہ اب ان لوگوں کے لئے ضرب المثل یا

سکۂ رائج الوقت بن گیا ہے، جو قرآن کی اور دین کی من مانی تشریح کرنا چاہتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ دین اسلام کو اسی طرح مسخ کردیں کہ جیسا مغربیت زدہ ذہنیتوں نے اپنی صورتوں، سیرتوں اور طور وطریق کو بگاڑ لیا ہے، کہ دیکھنے میں کہیں اسلام کا اثر اور نشان نظر نہ آئے، لیکن مسلمان ہونے کے مدعی رہیں، اسی طرح اسلام کی ایسی تعبیر وتشریح کی جائے کہ دورِ صحابہ کے اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہے، اور دعویٰ کئے جائیں کہ یہ اسلام ہی، بلکہ یہی اسلام ہے۔

اجارہ داری ایک بھونڈے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور اس سے علماء اسلام کی توہین ظاہر ہو رہی ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ علماء نے قرآن وحدیث کی جو تشریح کی ہے، اور احکام اسلام کی جس طرح تعبیر کی ہے، ہم اس کے پابند نہیں، ہم خود بھی جیسے چاہیں تشریح کرسکتے ہیں، اور تعبیر کرسکتے ہیں، اور امت کو چاہیئے کہ ہماری تشریح وتعبیر......خواہ علماء کے خلاف ہی ہو......قبول کرلے۔

لیکن اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے کہ کسی اور فن کی تعبیر وتشریح کی اجازت آپ ہر شخص کو دے سکتے ہیں؟ قانون کی تشریح ایک ڈاکٹر کرسکتا ہے؟ میڈیکل سائنس کی تعبیر وتشریح ایک قانون داں وکیل یا جج کرسکتا ہے؟ سائنسی ایجادات میں کامرس کے محققین دخل دے سکتے ہیں؟ اس زمانے میں یہ تو قاعدہ مسلم ہے کہ ہر فن میں صاحب اختصاص (اسپیشلسٹ) ہونا چاہیئے، ایک کے دائرے میں دوسرا دخل نہیں دے سکتا، پھر یہ کیا مذاق ہے کہ دین اسلام اور وحی الٰہی کی تشریح وتعبیر کا حق ہر شخص کو ہو، کیا اس میں صاحب اختصاص کی ضرورت نہیں ہے؟ یہ لوگ جو دنیاوی فنون کے حلقے میں نہایت صاحب عقل ہوتے ہیں، قرآن اور دین کے باب میں زبان کھولتے، اور قلم اٹھاتے ہیں، تو عقل کے دشمن ہوتے ہیں، اور یہی لوگ معزول شدہ

امت کو امامت کے منصب پر دوبارہ فائز کریں گے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

شاذ صاحب! معاف کیجئے گا، میرا لہجہ گرم ہو گیا، مگر کیا کروں کہ ان بے تکی باتوں پر غیرت کو تاب نہیں رہتی، علماء امت کا وقار گرا کر اور قرآن کی من مانی تعبیر وتشریح کر کے، امت کو امامت کے منصب پر نہیں، دنیا و آخرت کے خسران میں ڈھکیل دیں گے۔

آپ نے لکھا ہے" اہل ایمان کو تو چھوڑیئے اللہ تعالیٰ نے حلقۂ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے" اس ارشاد پر غور کر رہا ہوں تو حیرت بھی ہوتی ہے اور عبرت بھی!

آپ کا منشا شاید یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے کسی آدمی کے صحیح العقیدہ ہونے یا بدعقیدہ ہونے کا فیصلہ تو درکنار، اس کی صحیح العقیدگی پر شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ آپ نے لکھا:

"اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پر شبہ وارد کر سکے"۔

یعنی کسی کا عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو، وہ قرآن کی تعبیر وتشریح کے نام پر کچھ بھی کہتا ہو، کچھ بھی نظریہ رکھتا ہو، اس کی خوش عقیدگی پر شبہ نہیں وارد کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اللہ نے فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور وہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ آپ نے حوالہ بھی دیا ہے: إن اللہ یفصل بینھم یوم القیامۃ۔

چلئے چھٹی ہوئی، آپ نے قرآن کے اس جملہ سے جو مطلب اخذ کیا، اور جو تشریح آپ کرنی چاہتے ہیں، اس کی رُو سے حق و باطل کا فیصلہ دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا، قیامت پر یہ فیصلہ اُٹھ گیا ہے، اب کس منہ سے کسی کو کوئی گمراہ اور بدعقیدہ کہے۔

تو پھر ماضی کے ایک گمراہ شخص (۱) کی طرح یہی کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ اس وقت جو لوگ دنیا کی قیادت کر رہے ہیں وہی حق پر ہیں، یا کم از کم یہ کہ انھیں گمراہ نہیں کہا جا سکتا، خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا ہنود و بت پرست۔

قرآن کی ایسی ہی تعبیر و تشریح ہوگی، تو قرآن کا اور اسلام کا تو کچھ نہ بگڑے گا، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں، لیکن اس طرح کی تعبیر و تشریح کرنے والے کہاں جائیں گے؟ اس پر غور کر لینا چاہیۓ۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ دائرۂ وحی سے کون باہر آ گیا؟ وہ لوگ جو اس خط کے ذریعے دائرۂ وحی میں واپس آنے کی دعوت دے رہے ہیں، یا اس کے مخاطب اہل اسلام؟

خط کی تحریر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ داعی حضرات ہی کچھ باہر نکلے ہوئے ہیں۔

آپ نے طے کیا ہے بین الاقوامی سطح پر امت کے علماء و دانشوروں کا ایک مستقل فورم قائم کیا جائے، جہاں ایک نئی ابتداء کے لئے سنجیدہ غور و فکر کی بنیاد ڈالی جا سکے۔

یہ نئی ابتداء کیا ہوگی؟ کیا سنت ہوگی؟ تب تو وہ بہت پرانی ہے، کیا بدعت ہوگی؟ تب تو وہ قابل رد ہے۔

آپ کی یہ کوشش اگر اسے اہمیت دی جائے تو امت میں ایک انتشار کا پیش خیمہ ہوگی، اس سے زوال کی رفتار مزید بڑھے گی۔ امت کے لئے یہ نئی نئی راہیں مت کھولئے، البتہ اگر اسے اہمیت نہ دی گئی تو فنا ہو کر رہ جائے گی۔

امت مسلمہ کی ترقی اور بہبود کے لئے وہی راستہ اور طریقہ متعین ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، یعنی ما أنا علیه و أصحابی، وہ طریقہ جس پر میں

ہوں، اور جس پر میرے صحابہ ہیں۔ اس معیار سے جو قریب تر ہو اور جس طریقے میں صحابۂ کرام کے مزاج وطبیعت کی خوبو زیادہ ہو وہی راستہ حق کے قریب ہے، اس کے لئے کسی فورم کی ضرورت نہیں، صحیح تربیت کی ضرورت ہے، اپنی زندگی میں اسی اسلام کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے، جو حضراتِ صحابہ کی زندگیوں میں تھا، وہی اسلام حق ہے۔

**فماذا بعد الحق إلا الضلال**

شاز صاحب! میں نے اپنی ناسمجھی کی تفصیل لکھ دی، یقیناً آپ کو گرانی ہوئی ہوگی، لیکن جس طرح کی باتیں آپ نے ہمیں سنائی ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ بھی سننے کا حوصلہ پیدا کریں۔

اب سنئے کہ آپ کے خط کو پڑھ کر مجھے جو الجھن ہوئی وہ تو ہوئی۔ میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ ہم لوگوں کا ایمان کیا اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ لوگ اس طرح کے باغیانہ خیالات کا مخاطب ہم لوگوں کو بنانے کا حوصلہ کرنے لگے ہیں، ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اور سلف سے خلف تک اجتماعی طور پر، دین کو، ایمان کو، طریق رسول ﷺ کو، دستورِ صحابہ کو جو کچھ پایا ہے، یہ راگنی اس سے بالکل الگ اور بے جوڑ ہے، اسے بھی اگرچہ اسلام اور قرآن کے نام پر پیش کیا جارہا ہے، لیکن اسے اصل اسلام اور قرآن سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ ان خود ساختہ خیالات کے پھندے سے نکلئے، اور قرآن وسنت کی جو تشریح بالاتفاق چلی آرہی ہے، اس سے انحراف مت کیجئے، فروعی اختلاف کوئی مضر چیز نہیں ہے، اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے، **ماأنا عليه أصحابي** کو خلوص دل سے مضبوط پکڑیئے۔

خدا کے حضور اپنا مصنوعی اسلام لے کر نہ جایئے، وہ قبول نہ ہوگا، وہی اسلام

قبول ہوگا، جوامت میں اجماعی طور پر مقبول رہا ہے۔

ان نئی نئی تشریحات وتعبیرات سے ممکن ہے دولت کے انبار سے آپ مستفید ہوں، خواہشات کی آزادی میں آپ کو لطف آئے، لیکن نہ یہ دولت کام آئے گی، اور نہ شہرت باعث نجات بنے گی، نہ خواہشات کی لذتیں باقی رہیں گی۔ اللہ سے ڈریئے، اور صراط مستقیم پر قائم رہئے۔

﴿رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾

اے ہمارے رب! جسے آپ نے جہنم میں ڈال دیا، اسے آپ نے ذلیل وخوار کردیا، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے، اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کی صدا لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور ہم سے ہماری برائیوں کو محو کردیجئے اور نیکوں کی معیت میں ہمیں وفات دیجئے، اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ بات عطا فرمائیے جس کا آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ فرمایا ہے، اور ہم کو بروز قیامت رُسوا نہ فرمائیے، بلاشبہ آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

(۱) نیاز فتح پوری (م: ۱۹۶۶ء) ایڈیٹر نگار۔

☆☆☆☆☆

شعبان ۱۴۱۵ھ میں حضرت مولانا مدظلہ مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں تشریف لے گئے، وہاں ختم بخاری شریف کی تقریب تھی، دن میں یہ تقریب ہوئی، رات میں جلسہ عام تھا، اس میں تقریر کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی کثرت عبادت اور مجاہدہ کا ذکر آ گیا، تو وہ مشہور بات بھی ذکر فرمائی، جو ان کے تذکرے کی قدیم وجدید ہر کتاب میں موجود ہے، کہ انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے، پھر اس پر اشکال واستبعاد کا ذکر کر کے اس کا تفصیلی جواب دیا، لیکن دوسرے دن صبح ایک نوجوان ........... جو شکل وصورت سے اسلام کا انگریزی ایڈیشن نظر آ رہا تھا........... آیا، اور مولانا سے الجھنے لگا کہ یہ بدعت ہے، اور امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ واقعہ غلط ہے، اس کا مستند حوالہ چاہئے، اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں اس سلسلہ میں خط وکتابت کروں گا۔ مولانا نے مدرسہ آ کر کتابوں کے حوالے لکھ کر بھیج دئے، تو اس کا جواب آیا، یہاں پہلے اس کا خط نقل کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت مولانا مدظلہٗ کا مفصل جواب، جو بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

السلام علیکم! محترم مولانا اعجاز احمد صاحب

۳؍ذوقعدہ کا خط مجھے ملا، آپ نے امام ابوحنیفہ کے متعلق حوالے نقل کئے ہیں، مگر نصِ قطعی اور صحیح احادیث سے اعراض کیا، قرآن کی آیت **قم اللیل إلا قلیلاً**، (رات میں نماز پڑھو مگر تھوڑی دیر) **انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ**، (تم دو تہائی رات کے قریب، اور نصف رات، اور ایک تہائی رات نماز پڑھتے ہو) **فاقرؤا ماتیسر من القرآن**، (جتنا قرآن میسر ہو پڑھو) **قلیلاً من اللیل مایھجعون**، (رات میں کم سوتے ہیں) ان تمام آیتوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے، اگر امام ابوحنیفہ کا واقعہ صحیح مان لیا جائے۔

**ثلاث رھطٍ** والی حدیث جو مشکوۃ میں ہے، تین صحابیوں کا تذکرہ کہ انھوں نے **تقالوھامایفعل رسول اللہ ﷺ من العبادۃ**، (رسول اللہ ﷺ کی عبادت کو کم سمجھا تھا) **فقالوا نفعل کذا وکذا فذکر علیٰ اقوالھم، وقال أنا أتقاکم وأخشاکم عند اللہ ولٰکن أنام وأرقد وأتزوج النساء** (انھوں نے کہا کہ ہم ایسا ایسا کریں گے، آپ نے ان کی باتوں کا تذکرہ کر کے فرمایا: میں اللہ سے تمہارے مقابلے میں زیادہ ڈرنے والا ہوں، لیکن سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں) **أو کما قال علیہ السلام وایضاً قال: ألا من رغب عن سنتی فلیس منی**، (نیز آپ نے فرمایا کہ جو میرے

طریقے سے منحرف ہوگا، اس کا مجھ سے تعلق نہیں) **فلماذا لا تتفکر علیٰ ھٰذا الحدیث ،علیک أن تطالع المتن من المرجع**، (آپ اس حدیث پر کیوں غور نہیں کرتے ،آپ کو چاہیے کہ اصل کتاب میں متن حدیث کا مطالعہ کریں)

حضرت سلیمان کے بارے میں تفہیم القرآن سورۂ ص میں **ولقد فتنا سلیمان** میں مولانا (مودودی) نے کسی حدیث کا انکار نہیں کیا ہے، میں نے تلخیص تفہیم القرآن کھول کر دیکھا ہے، اس بارے میں آپ کو کیا اور کہاں کس آیت کے ضمن میں اعتراض ہے، تفصیل سے لکھیں۔

آپ جماعت اسلامی کو کیوں خارج از اسلام فرقہ شمار کرتے ہیں؟ کیا آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے؟ جماعت اسلامی اپنے نوجوانوں سے تنگ آرہی ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟

جامعۃ الفلاح جماعت اسلامی کا کوئی مرکز نہیں بلکہ جماعت اسلامی کا ایک تعلیمی ادارہ ہے۔

امید کرتا ہوں کہ سنجیدگی کے ساتھ میرے خط کا جواب دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ حق کی ہدایت کرے۔ **ویجعلنا من الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه**۔

**والسلام علیکم** **أخوکم**

سلمان فارسی ۱۹۹۵/۵/۳ء

☆☆☆☆☆

برادرِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں آپ کا خط پڑھ ششِ و پنج میں پڑ گیا کہ جواب لکھوں یا خاموشی اختیار کروں؟ بات یہ ہے کہ جب علم بھی نہ ہو، عقل بھی بقدر ضرورت سے کم ہو، اور پھر آدمی نے طے کرلیا ہو سمجھنا نہیں ہے تو تخاطب کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، آپ نے قرآن کی چند آیتیں اور ایک دو حدیثیں پڑھیں، اور اسی کی بنیاد پر اساطین امت کی زندگیوں میں عیب جوئی کرنے بیٹھ گئے، ایسی صورت میں بجز خاموشی کے اور کیا چارہ ہے، تاہم چند سطریں رفعِ انتظار کے لئے لکھ دینا چاہتا ہوں۔

آپ نے یہ نص قطعی تو دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے **قُمِ اللَّیْلَ إِلَّا قَلِیْلاً** فرمایا

ہے، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّداً وَّ قِیَاماً بھی اسی قرآن کی نص قطعی ہے، آپ نے قَلِیْلاً مِّنَ اللَّیْلِ مَایَھْجَعُوْنَ کو ملاحظہ فرمایا لیکن تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کو نہیں دیکھا، ثَلٰثَةُ رَھْطٍ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا قصہ تو دیکھا مگر أَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّیْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً پر نظر نہیں پڑی، ان آیات کا ظاہر تو یہی ہے کہ پوری رات عبادت میں گذرے، اگر ان آیات میں آپ تاویل کریں گے تو دوسری نصوصِ قطعیہ میں بھی تاویل و تخصیص کی گنجائش ہوسکتی ہے

عزیزم! سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

سخن فہمی کا سلیقہ درکار ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ناقص علم اور ناتمام عقل والے کسی بات کا کوئی مطلب لے لیتے ہیں، اور پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ان کے مطلب کی رُو سے کتنی دوسری نصوص قطعیہ کا ابطال لازم آتا ہے، کتنے اکابر و اساطین کی تجہیل و تحمیق لازم آتی ہے، آج کل کے شعراء و ادباء جنھوں نے دین و مذہب کو بھی اپنی ترکتازیوں کا نشانہ بنایا ہے، ان کے یہاں اس کے نمونے بکثرت ملتے ہیں، اور جس جماعت (۱) سے آپ کی وابستگی ہے، اس کا تو طرۂ امتیاز یہی ہے کہ اپنی ناقص فہم کے بل بوتے پر امت کے اکابر اور اساطین پر پانی پھیرتی رہتی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ کثرت عبادت سے جہاں منع کیا جاتا ہے، وہاں عموماً اس کثرت کی حرمت نہیں ہوتی، بلکہ از روئے شفقت ایسا حکم دیا جاتا ہے، تاکہ مخاطب مشقت میں نہ پڑے، اور یہ بات بالکل بدیہی ہے، جو کام باعث رضامندی ہو، اور اس کے ادا کرنے میں کوئی مشقت جھیل رہا ہو، تو حکم دینے والا خوشی محسوس کرتا ہے، مگر مخاطب پر شفقت کی بنا پر زیادہ جدوجہد سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔

کبھی اس لئے کثرت عبادت سے روکتے ہیں کہ کثرت کا جذبہ ہمیشہ باقی

نہیں رہتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمت وحوصلہ میں فتور واقع ہو، اور سرے سے کام ہی سے طبیعت اکتا جائے، اس لئے میانہ روی کا حکم دیا جاتا ہے، اگر ان احادیث وآیات کا کوئی یہ مطلب لیتا ہے کہ سرے سے تکثیر عبادت کسی کے حق میں اور کسی وقت جائز ہی نہیں ہے، تو اس کی خوش فہمی ہے، آخر بعض صحابہ اور تابعین سے رات رات بھر عبادات میں مشغول رہنا صحیح نقول سے ثابت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا منقول ہے، اب یا تو آپ کی عقل کے مطابق ان سب کو خلافِ سنت اور غلط کار کہئے، یا جو کچھ نقل کیا گیا، اس کو جھوٹ اور افتراء قرار دیجئے، یہ دونوں کام آپ تو بے تکلف کرلیں گے، کیونکہ آپ کے نزدیک قابل اعتماد صرف آپ کی عقل ہے، یعنی آپ کی عقل معصوم ہے، اور باقی سب غیر معصوم! مگر ہم لوگوں کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ اپنی ناتمام عقل کے بل بوتے پر اتنی بڑی جرأت کریں۔

اور ہم ایسی عقل اور ایسے علم کو دور سے سلام کرتے ہیں، جو اکابر امت اور سلف صالح کی پاکیزہ زندگیوں کو خلافِ شریعت وسنت یا کذب وزور سے متہم سمجھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگ مختلف درجات کے ہوتے ہیں، لوگوں کے احوال علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، اور سب کے احکام الگ ہوتے ہیں، ایک غریب ہے، دوسرا مال دار ہے، کیا دونوں کا حکم یکساں ہوگا، ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور چندہ سونے کا ایک ڈلا پیش کرتا ہے، آپ ناراض ہوتے ہیں، اسے واپس کردیتے ہیں، ایک صاحب اپنا کل مال صدقہ کرنا چاہتے ہیں، آپ ایک تہائی کو کل قرار دے کر اتنا ہی قبول کرتے ہیں، اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اپنا کل مال یا مال کی بہت بڑی مقدار پیش کرتے ہیں، اور آپ نہ صرف یہ کہ قبول فرماتے ہیں بلکہ بشارتیں بھی سناتے ہیں، تو کیا سب کا حکم یکساں ہوگا؟

صحابہ میں ہر رنگ کے لوگ رہے، بلکہ انبیاء کے الوان مختلف رہے، کسی میں نرمی، کسی میں گرمی، کسی میں جلال، کسی میں جمال، کسی پر گریہ، کسی پر خندہ، اور مختلف طبائع اور درجات کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں، اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں بہت کچھ تضاد لازم آئے گا۔

اگر امام ابوحنیفہؒ پوری رات نماز پڑھتے ہیں، عشاء کا وضو ان کے لئے فجر میں کام آتا ہے، یا اور بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے، تو اپنے ناتمام علم اور ادھوری عقل لے کر ان کی کھال نہ نوچیے، ان کا گوشت نہ کھایئے، ایک عام مسلمان کا گوشت کھانے والے کے حق میں بہت زہریلا ہوتا ہے، اور یہ حضرات تو اکابر امت ہیں، ان کا گوشت کتنا زہریلا ہوگا، کچھ محتاج بیان نہیں، ان کا گوشت، اپنے کھانے والوں کو کھا جائے گا۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں ابوطالب مکی کے حوالے سے چالیس تابعین کے متعلق تواتر کے طریق سے نقل کیا ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے، اور یہ وہ لوگ تھے، جو بیوی بچوں، عزیز واقارب، دوست احبا، تلامذہ واساتذہ سب کے حقوق ان لوگوں سے کہیں بہتر طریقے پر ادا کرتے تھے، جو انھیں حقوق کا نام لے کر فرائض وواجبات تک کو پامال کرتے ہیں، حرام چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

آپ بجائے اس کے کہ ان احادیث وآیات کو ان بزرگوں کے خلاف پیش کریں، اپنی خبر لیجئے کہ پوری رات نہ سہی، آدھی رات سہی، تہائی رات سہی، آخر کتنا حق ان آیات کا ادا کرتے ہیں، کتنا عمل ان پر کرتے ہیں، یہ آیات بزرگوں سے لڑنے کے لئے بطور اسلحہ کے نہیں نازل ہوئی ہیں، واللہ اگر عبادت کا ذرا ذوق ہوتا، تو سارا

اعتراض دھرا کا دھرا رہ جاتا، مت لڑیئے ان اکابر سے، ان کی بدگوئی سے بچیئے، اس سے آپ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ لوگ امت کے متفق علیہ بزرگ اور نمائندے ہیں، اوران کے سلسلے میں جو کچھ منقول ہے، ان کے روایت کرنے والے معتمد اکابر ہی ہیں، ان پر اتہام رکھنے کے بجائے اپنے نفس کو متہم گردانئے، اس میں زیادہ عافیت ہے۔

جولوگ فرائض وواجبات تک میں کوتاہی کرتے ہیں، جولوگ حرامِ صریح، جھوٹ، غیبت، بدگوئی سے بچ نہیں پاتے، ان کو کب جائز ہے کہ ان اکابر پر تنقید کے تیر چلائیں، لیکن طعن اکابر کی بدعت جن لوگوں میں سرایت کر جاتی ہے، ان سے اس چٹپٹی غذا کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے، تاہم اتنا لکھ دیا، شاید کچھ تنبہ ہو۔

میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے کے لئے تفہیم القرآن کا حوالہ دیا تھا، اور آپ اسے تلخیص میں تلاش کررہے ہیں، جب میرے ساتھ آپ کا یہ سلوک ہے جبکہ میں جواب دینے کے لئے موجود ہوں، تو بیچارے ابوحنیفہ یا ان کے متعلق مذکورہ روایات نقل کرنے والے تو اب عالم میں موجود نہیں ہیں، ان کے ساتھ آپ کا سلوک کیا ہوگا؟

دوسرا سلوک اس سے بھی ناروا ہے، میں نے جماعت اسلامی کو خارج از اسلام فرقہ کب قرار دیا ہے؟ کہ اس کا اتہام میرے اوپر آپ نے رکھا ہے، میں اسے اہل سنت سے خارج سمجھتا ہوں، اسلام سے نہیں۔

بھائی! اپنی خبرلو، جب میرے منہ پر یہ دیدہ دلیری ہے کہ جو بات میں نے نہیں لکھی ہے، اسے میرے سر تھوپ رہے ہو، تو عقل کے ساتھ دیانت کا بھی جنازہ نکلتا نظر آرہا ہے۔

جماعت اسلامی اپنے نوجوانوں سے تنگ نہ آتی تو ایک پرانی تنظیم کو رد

کر کے اسے دوسری تنظیم بنانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ان دونوں تنظیموں کا نام انگریزی میں ہے، اور مجھے اس سے مناسبت نہیں، اس لئے مجھے یاد نہیں، اس جماعت پر انگریزیت کا بین غلبہ ہے۔

جامعۃ الفلاح تعلیمی ادارہ ہے، جب تعلیمی ادارہ میں بے راہ روی کا یہ عالم ہے، تو دوسرے اداروں کا جو حشر ہوگا، وہ بالکل سامنے کی بات ہے۔

میری یہ معروضات امید تو نہیں کہ آپ کے لئے باعث شفا بن سکیں گی، لیکن اس سلسلے میں اب آپ مجھے کچھ نہ لکھیں، میرے پاس ضائع کرنے کے لئے اتنا وقت نہیں ہے۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۱۰/ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ

(۱) جماعت اسلامی اور غیر مقلدیت، دونوں سے ان کا تعلق ہے، کریلا اور نیم چڑھا کا صحیح مصداق۔

☆☆☆☆☆

یہ مکتوب ایک اجلاس کی تقریب سے لکھا گیا تھا، اس اجلاس میں مکتوب نگار کو شرکت کی دعوت ملی تھی، شرکت سے معذرت میں یہ خط لکھا گیا تھا۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

ذوالمجد والفضل! زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

حضراتِ علماء کرام کے فتاویٰ کا خلاصہ موصول ہوا، سب جوابات کا حاصل ایک ہے، درحقیقت مسئلہ ہی اتنا بے غبار، واضح اور صاف ہے کہ اس میں کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ جن لوگوں نے تمام مخلوق کی زندگی تنگ کر رکھی ہے، وہ عورت کی طرفداری کا جھنڈا لے کر اٹھے ہیں، اور طرفداری بھی ایسی کہ

دوسروں کے تمام حقوق پامال! جس ملک کی عدالت عالیہ میں ایسے عقل وخرد کے مالک منصف حضرات براجمان ہوں گے، اس ملک کا حال معلوم! اپنی آواز بلند کرنی عالم اسباب میں بہرحال ضروری ہے، چیخ و پکار ہوتی رہنی چاہئے، مگر یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ ہوش وخرد سے اس درجہ خالی ہوں، یا ہوش وخرد تو رکھتے ہیں مگر بدنیتی کے اس اعلیٰ مقام پر تشریف فرما ہوں، ان سے عرض ومعروض کا حاصل کیا؟ ؎

ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟

اصل یہ ہے کہ سیکولر حکومت جس چیز کا حسین عنوان ہے، اس کی حقیقت محض کفر ہے، اور کفر کبھی اسلام کو برداشت نہیں کرسکتا۔ کفر عاقبت بیں نہیں ہوتا، اس کی نگاہ محض ''عاجلہ'' پر ہوتی ہے، اس لئے اس سے توقع رکھنا کہ وہ اسلام کو ٹھنڈے پیٹ برداشت کرلے گا، انتہائی خوش فہمی ہے، ہاں ہماری چیخ و پکار، نعرۂ و ہنگامہ کا اتنا اثر ہوگا کہ وہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر کچھ دنوں تک اپنی زبان روکے رکھے گا، پھر کسی اورعنوان سے اپنے خبث قلبی کا اظہار کرے گا، اوراس طرح وہ آہستہ آہستہ پورے اسلام ہی کی چولیں مسلمانوں کے قلوب سے ہلا کر رکھ دے گا، اس کے لئے کفر تعمیر کی راہ سے بھی آرہا ہے اور تخریب کی راہ سے بھی۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے اب تک یہی تجربہ ہے، تعمیر ٹھنڈا زہر ہے، جس کی طرف عموماً اذہان نہیں جاتے، انھیں عطیات ونوازش، حقوق ومراعات کے نام پر ھنیئاً مریئاً کیا جارہا ہے، البتہ تخریب پر چونکنے والے سب ہوتے ہیں، لیکن ایک راستے سے زہر اندر اتارا جارہا ہو، اور دوسری راہ پر چوکی پہرہ لگایا جائے، اس سے کتنا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ میں ان اقدامات کا مخالف بالکل نہیں ہوں، جو جلسوں، تجویزوں، مطالبات کی صورت میں اجتماعی طور پر رونما ہوتے رہتے ہیں، دنیا جب عالم اسباب ہے تو اسباب سے قطع نظر

کرنا بے ادبی ہے، ہاں اس سے آگے والے سبب پر میں اکابر قوم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اور یہ سبب وہی ہے جو تجاویز کے آخری نمبر پر درج ہے، اکابر ملت اسٹیجوں سے زیادہ اگر مسلمانوں کے قلوب میں اتر کر خالص دینی واُخروی نقطۂ نظر سے مسلم معاشرہ کے مسائل کا حل مسلمانوں کو سمجھائیں اور معاشرتی زندگی کو دینی روح سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں تو یہ بات اختیار کی بھی ہے اور مسئلہ کا بہترین حل بھی ہے، آج دیکھا جارہا ہے کہ عبادات میں ایک آدمی خالص مومن ہوتا ہے، مگر جب وہی معاشرت کے میدان میں اترتا ہے تو کافر و مسلم کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، شادی بیاہ کے رسوم کو تو اب بہت سے لوگ برا سمجھنے لگے ہیں، لیکن میاں بیوی کے حقوق، ساس خسر اور بہو وغیرہ کے معاملات پر شریعت کے مطالبات کی تعمیل صفر کی حد پر ہیں، عورتوں کی میراث کا ہی مسئلہ کتنا سنگین ہے، کوئی ہوگا جو برضاء ورغبت عورتوں کی میراث دیتا ہوگا، لڑائی جھگڑے کے بعد بھی کتنے لوگ دیتے ہیں؟ اگر لوگ سب کے حقوق قاعدہ سے ادا کرتے رہیں تو بتائیے کہ ان کفار کی عدالتوں میں مقدمہ کیوں جائے۔ اگر مسلمان اکٹھی تین طلاق دینے کے بجائے ایک ہی طلاق کا دستور بنالیں تو طلاق ونکاح کے تین چوتھائی مسائل خود بخود حل ہوجائیں، لیکن افسوس کہ عام طور سے یہ باتیں دائرۂ معلومات سے بھی خارج ہیں۔ ہم مولوی لوگ بھی بیٹھیں گے تو حکومت پر تبصروں، اخباری حکایات، یا پھر اپنے اختلافات کی داستانوں سے بات آگے نہیں بڑھتی۔ ایک عام آدمی ہماری مجلس میں بیٹھے تو اپنی دینی معلومات اور ایمانی روح میں کسی قسم کا اضافہ نہ پائے گا۔ یہ بات کتنی دردناک ہے، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی مسائل سکھائے جائیں، بتائے جائیں، صرف پمفلٹ چھاپ کر نہیں، صرف مسلم پرسنل لاء کی دہائی دے کر نہیں، صرف حکومت کو گالیوں سے نواز کر

نہیں، یہ سب چیزیں سیاسی شعبدوں کا رنگ اختیار کرچکی ہیں۔ خالص اُخروی نقطۂ نظر سے جنت کی بشارت اور جہنم کی وعید سنا سنا کر! اس سے مسلمان کا قلب متاثر ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ خود بھی اپنے قلب میں ایمانی تاثر اور عمل میں اسلامی روح بیدار کریں۔ اعلیٰ پیمانے پر یہ کام کیا جائے، اور ثانوی درجے میں دوسرے امور انجام دیئے جائیں۔ ہم نے مسلم پرسنل لاء کا ایک بڑا حصہ خود اپنی زندگیوں سے بے دخل کردیا ہے، پھر اگر حق تعالیٰ نے تنبیہاً چند اور کے لئے دوسروں کو مسلط کردیا ہے، تو ہمیں کدھر جانا چاہئے، بالکل بدیہی بات ہے۔

یہ بندہ تو سیاسی رنگ کے ان جلسوں سے باوجود اقرار افادیت کے یکسو ہے، میں اپنے اندر اس کا حوصلہ نہیں پاتا۔ حوصلہ مندوں کو دل سے اچھا جانتا ہوں اور کامیابی کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتا ہوں، اس لئے شرکت تو میری اجلاس میں نہ ہوسکے گی، میں نے اپنے لئے دوسری راہ اختیار کی ہے، اور اپنی بساط بھر کوشش میں مصروف ہوں، کامیابی و ناکامی کو خدا حوالے کرکے اس کے انتظار سے بھی فارغ ہوں، کام کرنا، کئے جانا، اور کرتے کرتے حضورِ حق میں پیش ہوجانا، اسی کی نیت ہے۔ اور جس چیز کا حوصلہ نہیں پاتا، اس میں کود کر ادھر سے بھی جاؤں، یہ گوارا نہیں۔ ہاں یہ ضرور خواہش ہے کہ میری یہ تحریر اگر کسی درجہ میں بھی درخورِ اعتناء محسوس ہو تو شرکاء اجلاس کے سامنے پڑھ دی جائے، ورنہ کالائے بد بریش خاوند کے معاملہ پر بھی راضی ہوں۔

فقط والسلام

اعجاز احمد اعظمی

یوم العاشوراء ۱۴۰۵ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا وسید المرسلین وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین أمابعد!

برادرعزیز! عافاکم اللہ من البلیات والاسقام

السلا م علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں آنعزیز کا مفصل مکتوب ملا، بہت خوشی ہوئی۔ دعا گوئی کی توفیق ہوئی، فون کی بلا نے خطوط کا مبارک سلسلہ منقطع کردیا ہے، ورنہ مراسلت ومکاتبت جانبین کے لئے اس سے کہیں زیادہ نافع ہے، جوفون سے متصور ہے۔ تمہارے خط نے پچھلے دور کی یادتازہ کردی، اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے، صحت وعافیت سے نوازے، تمہاری علالت سے دکھ ہوا، حق تعالیٰ صحت کاملہ نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

جس بیماری کا تم نے تذکرہ کیا ہے، اس کے لئے سورۃ الحجر (پارہ:۱۴) کی آخری آیات وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَایَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۔۱۴۱/مرتبہ پڑھ کر پانی پردم کرواور اسے دن بھر میں چار بار پیو، کم ازکم آدھا گلاس، ایک دن دم کرو تو اسے سات دن تک پیو، اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہوئی تو یہ تکلیف ختم ہوجائے گی۔

بزرگوں کے تذکرے میں جاذبیت ہوتی ہے، پھر جس کو ان حضرات سے مناسبت ہو، محبت ہو، پھر بیان وتحریر کا کچھ سلیقہ بھی ہو، تو تاثیر بڑھ جاتی ہے، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بیان وتحریر کا کچھ سلیقہ ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ مجھے اوائل عمر ہی سے بزرگوں سے، بزرگوں کے حالات سے بہت محبت وگرویدگی ہے، اس لئے بزرگوں کے حالات پڑھنے میں مجھے بہت دلچسپی ہوتی ہے، پھر جب قلم اٹھایا تو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ علیہ الرحمہ کے مبارک اور دلآویز حالات سے قلم کو چمک دمک ملی، اس کے بعد متعدد بزرگوں سے تحریر نے کسب فیض کیا۔ یہ حضرات محبوبانِ

الٰہی ہیں، ان کے تذکروں کی برکت سے میرا قلم بھی محبوب ہوگیا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، میں کیا اور میری حقیقت کیا؟ مگر جس ذات سے محبت کی تمنا بچپن سے دل میں پرورش پارہی ہے، اس دولت سے تو شاید ابھی تک محروم ہوں، مگر اس کی طرف طبیعت کی بے تحاشا لپک محسوس کرتا ہوں، یہ لپک اور تمنا ہی ہے، جو محبوبانِ الٰہی کی خدمت میں مجھے لے جاتی ہے، اور جب ان کی خدمت کے نقوش کی حکایت کرتا ہوں تو اس پر ان کی روحانیت، نسبت مع اللہ اور نورانیتِ قلب دمک اٹھتی ہے، پھر جہاں جہاں اس نسبت کے اثرات ہوتے ہیں، محبت اور پسندیدگی پھیلتی جاتی ہے۔

تم کو کتاب جو پسند آئی، اس پسندیدگی میں جہاں بزرگوں کی روحانیت اور محبوبیت کا دخل ہے، وہیں خود تمہارے قلب کی خوبی کا بھی بڑا اثر ہے، اللہ تعالیٰ اس خوبی کو ترقی دیتے رہیں اور اسے سلیم سے سلیم تر بنائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مکان کی تعمیر میں سہولتیں اور ظاہری و باطنی برکتیں عطا فرمائیں۔ آمین

میرے لئے اور میری اولاد کے لئے دعا کرو، میری زندگی تو بغیر مکان کے اختتام کو پہونچ رہی ہے، سوچتا ہوں کہ کیا بچوں کی بھی ایسی ہی گزرے گی، اپنے لئے تو کبھی نہ خواہش ہوئی، نہ ارادہ ہوا، لیکن دل کی کمزوری بڑھاپے میں یہ دیکھو کہ جی چاہتا ہے کہ سب بیٹوں کا جدا جدا مکان ہوجائے، اس کے لئے دعا سے مدد کرو۔

میں تمہارے لئے، تمہاری اولاد کے لئے ہر خیر کی دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

والسلام
اعجاز احمد اعظمی
۴؍صفر ۱۴۳۱ھ

☆☆☆☆☆

# تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) تسہیل الجلالین ''شرح اردو جلالین شریف'' (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات:648 قیمت:400

(۲) حدیث دوستاں

دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات:730 قیمت:350

(۳) حدیث دردِ دل

مجلہ المآثر، الاسلام، اور ضیاء الاسلام کے اداریئے صفحات:592 قیمت:300

(۴) کھوئے ہوؤں کی جستجو

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات:616 قیمت:200

(۵) حیاتِ مصلح الامت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات:528 قیمت:150

(۶) مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات:312 قیمت:150

(۷) بطوافِ کعبہ رفتم ـــ (سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات:464 قیمت:300

(۸) تہجد گزار بندے (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات:472 قیمت300

## (۹) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات:216 قیمت:90

## (۱۰) حضرت چاندشاہ صاحب اوران کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات:180 قیمت:70

## (۱۱) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اورمجاہد فی سبیل

اللہ حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات:224، قیمت:56

## (۱۲) مودودی صاحب اپنے افکارونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات:184، قیمت:95

## (۱۳) حکایتِ ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات:400، قیمت:250

(۱۴) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپے

(۱۵) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپے

(۱۶) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپے

(۱۷) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپے

(۱۸) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپے

(۱۹) دینداری کے دو دشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰/روپے

(۲۰) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پرایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپے

(۲۱) اہل حق اوراہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰/روپے

(۲۲) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۴۰/روپے

(۲۳) منصب تدریس اور حضرات مدرسین قیمت ۴۵/روپئے
(۲۴) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح قیمت ۳۵/روپئے
(۲۵) برکات زمزم ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان قیمت ۲۵/روپئے
(۲۶) تصوف ایک تعارف! قیمت ۸۰/روپئے
(۲۷) خواب کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپئے
(۲۸) تکبر اور اس کا انجام قیمت ۳۰/روپئے
(۲۹) مسئلۂ ایصالِ ثواب قیمت ۶۰/روپئے
(۳۰) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح قیمت ۳۰/روپئے
(۳۱) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار قیمت ۴۰/روپئے
(۳۲) علوم ونکات: (مجموعۂ مضامین) جلد اوّل، دوم قیمت ۱۰۰۰/روپئے
(۳۳) نمونے کے انسان قیمت ۲۵۰/روپئے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ (01123289786)